بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القرآن العظیم

تفسیر ماجدی مکمل

مع

ترجمہ و تفسیر:

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی

پاک کمپنی (رجسٹرڈ)

۱۷۔ اردو بازار لاہور

سورۃ الفاتحہ ف۱ سورۃ کے لفظی معنی بلندی یا بلند منزل کے ہیں۔ **السورة الرفعة** (لسان) **السورة المنزلة الرفيعة** (راغب) جس طرح دُنیا کی دُوسری کتابیں مختلف بابوں میں تقسیم ہوتی ہیں، قرآن کے ہر باب کو سورۃ کہتے ہیں۔ گویا ہر سورۃ ایک بلند منزل کا نام ہے۔ **و بها سميت السورة من القران اى رافعته** (لسان) **به سميت سورة القران لا جلال و رفعته** (تاج) سورۃ کے دوسرے معنی شہر پناہ کی دیوار کے بھی ہیں **سور المدينة حائطها** (راغب) سورۂ قرآنی کو سورہ اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ گویا وہ فصیل شہر کی طرح اپنے مضامین کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ قرآن مجید کو مختلف سورتوں میں تقسیم و ترتیب رسول اللہ ﷺ خود فرما گئے تھے۔ آنحضورؐ ہی کے ارشاد کے مطابق ایک سورۃ شروع کی جاتی تھی اور دوسری ختم۔ کل قرآنی سورتوں کی تعداد ۱۱۴ ہے۔ ف۲ **فاتحہ** کے لفظی معنی ہیں ابتدا کرنے والی کے۔ قرآن مجید کی اس ابتدائی سورت کو بھی اسی لیے الفاتحہ کہتے ہیں۔ یہ گویا دیباچہ قرآن ہے۔ سورتوں کے نام بھی رسول اللہ ﷺ ہی کے رکھے ہوئے ہیں۔ اکثر ایک ایک سورت کے کئی کئی نام روایت ہوئے ہیں۔ اس فاتحۃ الکتاب کے بھی متعدد نام احادیث میں آئے ہیں۔ سورۃ الشفاء، سورۂ وافیہ، اُم القرآن وغیرہ قرطبی نے ۱۲ نام گنائے ہیں۔ مشہور ترین نام یہی الفاتحہ ہے۔ سورۃ کے فضائل سے احادیث لبریز ہیں۔ اہمیت خاص اسی سے ظاہر ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا واجب ہے۔ بلکہ شافعیہ کی تحقیق میں فرض ہے۔ کوئی نماز بغیر قرآن کے اس جزو کے مکمل نہیں ہوتی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ شیطان چار مرتبہ خاص طور پر رویا چلایا ہے، اور ان چار میں سے ایک موقع نزول سورۂ فاتحہ کا ہے۔ سورۂ فاتحہ گو صورۃً مختصر ہے، لیکن بلحاظ معنویت و جامعیت گویا دریا کوزہ میں بند ہے۔ منکرین و مخالفین تک اس کے ایجاز کے اعجاز کے قائل ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے۔ "حمد باری کی یہ زبردست مناجات ...... سلیس اتنی کہ مزید تشریح سے بے نیاز۔ اس پر معنویت سے لبریز"۔ (جلد ۱۵ صفحہ ۹۰۳ طبع یازدہم) ف۳ قرآنی سورتوں کی ایک اہم تقسیم بہ لحاظ زمانہ نزول کی گئی ہے۔ جو سورتیں قبل ہجرت نبوی یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ قیام مکہ میں نازل ہوئیں، خواہ ان کا نزول حدودِ شہر مکہ سے باہر ہی ہوا ہو مکی کہلاتی ہیں۔ اور جو سورتیں بعد ہجرت نبوی، یعنی زمانہ قیام مدینہ میں نازل ہوئیں، وہ مدنی کہلاتی ہیں، خواہ ان کا نزول حدودِ شہر مدینہ سے باہر ہی ہوا ہو۔ لیکن یہ تقسیم صرف عمومی حیثیت سے ہے۔ ورنہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدنی سورت کے اندر مکی آیتیں رکھا دی ہیں، یا اس کے برعکس۔ ربط مضمون و مناسبت مقام کا صحیح تر و لطیف تر احساس رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اور کس کو ہو سکتا تھا؟ اس لیے کسی متعین آیت کے باب میں اس کے مکی یا مدنی ہونے کا فیصلہ جزم کے ساتھ کرنا دشوار ہے۔ روایتیں جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں، کوئی درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی نہیں ہیں۔ محض مفید ظن ہیں۔ مفید یقین نہیں۔ اور اس قسم کے عقلی و قیاسی معیار کی مثلاً یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے شروع ہونے والی آیتیں لازمی طور پر مدنی ہوں گی اور یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ سے شروع ہونے والی لازمی طور پر مکی، محض اکثری و تخمینی ہیں۔ کلی اور قطعی نہیں۔ اور محض ان روایات و نظریات کے ماتحت کسی آیت پر جزم و وثوق کے ساتھ کوئی حکم لگا دینا، اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ قرآن مجید کی کسی جدید ترتیب پر اُسے ترتیب نزولی کا نام دے کر آمادہ ہو جانا بڑی ہی جسارت کا کام ہے۔ اصل میں یہ بلا مسیحیوں کے ہاں سے آئی ہے کہ انہیں نے اپنے ہاں کے قدیم و جدید دونوں صحیفوں کو اس قسم کی سرتا سر ظنی بلکہ وہمی "تحقیقات" کا تختہ مشق بنا رکھا ہے۔ ف۴ سورۃ کے اندر کی ایک بڑی تقسیم کا نام رکوع ہے۔ بڑی سورتوں میں اکثر رکوع دس دس آیتوں پر رکھے گئے ہیں۔ اور یہ اتنی مقدار ہے جو ایک رکعت میں بہ آسانی پڑھی جا سکتی ہے۔ سورۂ فاتحہ کے علاوہ پارہ ۳۰ کی ۳۴ چھوٹی سورتوں میں بھی کل ایک ہی ایک رکوع ہے۔ ف۵ ایۃ کے لفظی معنی نشان کے ہیں۔ اصطلاح میں سورت کے اندر کی سب سے چھوٹی تقسیم کا نام ہے۔ ہر فقرہ جس میں کوئی حکم ہو، یا وہ ایک مستقل عبارت ہو، ایک آیت ہے۔ **وقيل لكل جملة من القران دالة على حكم اية** (راغب) **و قد يقال لكل كلام منه منفصل بفصل لفظى اية** (راغب) قرآن مجید کی کل آیتیں شمار کر لی گئی ہیں اور ان کی میزان بقولِ اصح ۶۰۶۱۶ ہے (اتقان) ف۶ قرآن مجید کی کل الفاظ بھی شمار کر لیے گئے ہیں۔ اور ان کی میزان بقول اصح ۷۷،۹۳۴ ہے (اتقان) ف۷ کل حروفِ قرآنی بھی شمار کر لیے گئے ہیں، اور ان کی میزان بقول اصح ۳،۲۳، ۷۶۰ ہے (اتقان) اللہ اللہ کلام الٰہی کے عاشق و شیدائی کیسی کیسی دیدہ ریزیاں اس کے واسطے کر گئے ہیں! ف۸ قرآن مجید کا یہ افتتاحی فقرہ بجز ایک سورت کے، ہر سورت کی ابتدا میں دُہرایا گیا ہے، یعنی ۱۱۳ بار اور سورہ النمل کے اندر عبارت میں بہ طور آیت قرآنی بھی آیا ہے۔ اور اس لیے اس کے جزوِ قرآن ہونے نہ ہونے کی بابت تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ آیا ہر سورت کی ابتدا میں بھی اس کی حیثیت بطور ایک مستقل آیت کے ہے؟ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے کہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ سورتوں کے درمیان محض بطور علامت فرق و تمیز کے اور شروع میں بطور افتتاحی فقرہ کے ہے۔ امام مالکؒ بھی اسی مسلک سے متفق ہیں۔ **قال مالک و ابو حنيفة ليست فى اوائل السورة باية و انما هى استفتاح ليعلم بها مبدء ها** (ابن العربی) مفصل بحث جصاص رازیؒ حنفی کی احکام القرآن میں موجود ہے۔ ہر جائز کام کی ابتدا بسم اللہ سے کرنے کی بڑی فضیلتیں حدیث میں وارد ہوئی ہیں۔ اور خود رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک یہی تھی کہ کھانا کھاتے، پانی پیتے، وضو کرتے، جانور ذبح کرتے، غرض اس قسم کے سارے کاموں کی ابتدا بسم اللہ ہی سے کرتے۔ اور ہے بھی یہی کہ جو شخص کسی کام کو خدائے رحمٰن و رحیم کا نام لے کر شروع کرتا ہے، وہ عملاً اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ میرا ضمیر پاک ہے، میری نیت مخلصانہ ہے، میرا مقصد اعلیٰ ہے اور میں توحید کا پرستار ہوں۔ ایک طرف شرک سے اور

۱ سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ۵

سورہ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی

اٰیاتھا ۷ — اس میں ۷ آیتیں

رکوعھا ۱ — اور ایک رکوع ہے

۲۵ لفظ ۱۲۳ حروف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے ف۸

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ

(ساری) تعریف ف۹ اللہ کے لئے ہے ف۱۰ (وہ) سارے جہان کا مربی ف۱۱ (وہ) رحمٰن ف۱۲

الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ

(وہ) رحیم ف۱۳ . (وہ) مالک روزِ جزا کا ف۱۴ ہم بس

نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ

تیری ہی عبادت کرتے ہیں ف۱۵ اور بس تجھی سے مدد چاہتے ہیں ف۱۶ چلا ہم کو سیدھا

الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ

راستہ ف۱۷ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام

عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۝ ع

کیا ہے ف۱۸ نہ ان لوگوں کا (راستہ) جو زیر غضب آ چکے ہیں ف۱۹ اور نہ بھٹکے ہوؤں کا ف۲۰

۲ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ ۸۷

سورۂ بقرہ مدنی ہے

اٰیاتھا ۲۸۶ — اس میں ۲۸۶ آیتیں ہیں

رکوعاتھا ۴۰ — اور ۴۰ رکوع ہیں

۶۰۲۱ لفظ   ۲۰ ہزار حروف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے ف۳

الٓمّٓ ۚ ۝۱ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۚۛ فِيْهِ ۚۛ هُدًى

الف لام میم ف۴ یہ کتاب ف۵ (کہ) کوئی شبہ اس میں نہیں ف۶ ہدایت ہے (اللہ سے)

لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ ۝۲ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

ڈر رکھنے والوں کے لئے ف۷ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں ف۸

وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ ۝۳

اور نماز کی پابندی کرتے ہیں ف۹ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں ف۱۰

وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَاۤ

اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو آپ پر اتارا گیا ہے ف۱۱

اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ ۝۴

اور (اس پر) جو آپ سے قبل اتارا گیا ہے ف۱۲ اور آخرت پر بھی (وہ) پورا یقین رکھتے ہیں ف۱۳

دوسری طرف الحاد سے بیزار۔ غرض بسم اللہ سے بڑھ کر قوت بخش اور اس سے زیادہ رُوح واخلاق کو بلند کرنے والا ذکر کوئی اور نہیں۔ بِسْمِ اللّٰہِ کی ب نحویوں کی اصطلاح میں باء الاستعانت کہلاتی ہے، پڑھنے والا گویا یوں کہتا ہے کہ میں شروع کرتا ہوں اس کلام کو اللہ کے نام سے مدد چاہتے ہوئے۔ اور یہ کہہ کر بسم اللہ خواں اپنی اور سب کی طرف سے قطع نظر کر کے تکیہ کر لیتا ہے اللہ کی ذات اور اس کی صفات رحمانیت و رحیمیت پر۔ ف۹ اللہ اللہ کے لیے اسم ذات ہے۔ کسی اور ہستی پر اس کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ فارسی کے خدا یا انگریزی کے گاڈ کی طرح اسم نکرہ نہیں کہ معبود واحد کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی بولا جا سکے۔ اس کی نہ جمع آئی ہے، نہ یہ کسی لفظ سے مشتق ہے اور نہ اس کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں ممکن ہے۔ عَلَمٌ للذات واجب الوجود المستجمع بجميع صفات الكمال غير مشتق (تاج) لم يُسَمَّ به غيره تبارک و تعالى و لهٰذا الا يعرف فى كلام العرب له اشتقاق من فعل يفعل (ابن کثیر) رحمٰن کا صحیح ترجمہ دشوار ہے۔ مصدر رحمة سے صیغہ مبالغہ ہے فعلان کے وزن پر، زیادتی صفت کے لیے۔ جس کے بعد زیادتی کا کوئی درجہ نہ ہو۔ معناه عنداهل اللغة ذوالرحمة التى لا غاية بعدها فى الرحمة (تاج) مبالغة فعلان مثل غضبان و سكران من حيث الاستيلاء والغلبة (بحر) اسم ذات "اللہ" کی طرح اسم صفت، رحمٰن کا اطلاق بھی صرف ذاتِ باری ہی پر ہوتا ہے۔ ولا يطلق الرحمٰن الا على الله تعالىٰ (راغب) اسم مخصص بالله لا يجوزان يسمّٰى به غيرهٗ (تاج) یہ بات اتفاقی نہیں بہت پر معنی ہے کہ قرآن مجید میں اسم ذات کے بعد جو سب سے پہلا اسم صفاتی ارشاد ہوا ہے وہ صف رحمانیت کا مظہر ہے۔ لین پول (Lane Poole) انگریز اسی لیے اپنے ہم قوموں کو سنا کر کہتا ہے کہ "لوگ یہ بات برابر بھول جاتے ہیں کہ قرآن کے اندر وصف رحمت پر کتنا زور دیا گیا ہے"۔ رحیم بھی اسم صفت صیغہ مبالغہ ہے۔ فعیل کے وزن پر۔ تکرار و تواتر کے اظہار کے لیے۔ مبالغة الفعيل من حيث التكرار (بحر) گویا صفت رحمت وشفقت کی انتہائی قوت کا اظہار رحمٰن سے ہو رہا ہے اور انتہائی کثرت کا رحیم سے۔ اس فرق کے اظہار کے لیے رحمٰن کا ترجمہ "نہایت رحم کرنے والے" اور رحیم کا ترجمہ "بار بار رحم کرنے والے" سے کیا گیا ہے۔ رحمٰن میں شانِ کرم کا عموم ہے مومن و کافر سب کے لیے۔ اور اسی لیے اس کا ظہور اسی دنیا میں بھی ہو رہا ہے۔ رحیم میں تجلّی مرحمت و مغفرت کا خصوص ہے اہل ایمان کے ساتھ۔ اس لیے اس کا پورا ظہور آخرت ہی میں ہوگا۔ اور اسی معنی میں یہ حدیث صحیح مسلم میں صحابی ابن مسعودؓ کے واسطہ سے آئی ہے کہ الرحمٰن رحمٰن الدنيا و الرحيم و رحيم الأخرة۔ اور اسی معنی میں جعفر صادقؒ کا بھی یہ قول نقل ہوا ہے۔ الرحمٰن اسم خاص لصفة عامة والرحيم اسم عام لصفة الخاصة (تاج) صوفیانہ مذاق پر ایک تشریح یہ بھی کی گئی ہے کہ رحمانیت وہ تربیت ہے جو ذرائع و وسائط کے ساتھ ہو، اور رحیمیت وہ تربیت ہے جو براہ راست و بلا واسطہ ہو۔ رحمانیت وہ شفقت ہے جو طبیب مریض کے ساتھ رکھتا ہے۔ اور رحیمیت شفقت محض ہے (روح) اسلام کے اس خالص توحیدی کلام کے مقابلہ میں اب مسیحیت کا فقرۂ افتتاحیہ ملاحظہ ہو:۔ "شروع باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے" کوئی نسبت اس شرکِ جلی کو اسلام کی توحید خالص سے ہے؟ راقم آثم کے خیال میں یہ بات آتی ہے کہ عجب نہیں جو خالق اکبر کی یہی صفاتِ رحمانیت و رحیمیت ہی مسخ ہو کر مسیحیت میں بیٹا اور رُوح القدس بن گئی ہوں۔ ف۱۰ الحمد میں ال کلمہ استغراق ہے۔ یعنی جمیع حمد۔ کوئی سی بھی ہو، کسی قسم کی بھی ہو، بہ ظاہر کسی کے لیے بھی ہو۔ حمد کا درجہ لغوی اعتبار سے، مدح اور شکر دونوں سے بلند تر ہے۔ شکر تو کسی متعین ہی نعمت کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور مدح میں ممدوح کی خوبیوں کا ارادی و اختیاری ہونا ضروری نہیں۔ صرف حمد ہی ایسی چیز ہے، جو محمود کی عام اختیاری خوبیوں اور فضیلتوں کی بنا پر کی جاتی ہے (راغب) فى كلام العرب معناه الثناء الكامل (قرطبی) گویا قرآن مجید کی سب سے پہلی تعلیم توحید کے جملہ اصناف کی جامع ہے۔ مدح اور تعریف کسی کی بھی ہو، کسی کے نام سے بھی ہو، درحقیقت صرف اللہ ہی کی ہوتی ہے، اور اسی کو پہنچتی ہے۔ الالف واللام فى الحمد لاستغراق جميع اجناس الحمدلله تعالىٰ (ابن کثیر) اور یہی معنی ہیں اس حدیث نبوی کے بھی کہ اللهم لک الحمد كلهٗ و لک الملک كله و بيدک الخير كلهٗ و اليک يرجع الامر كلهٗ حاکم اگر عادل ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے صفت عدل اس کے اندر رکھ دی ہے۔ طبیب اگر حاذق ہے تو اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اللہ نے اسے یہ کمال عطا کر دیا ہے۔ کسی کی شکل جمیل ہے اور کسی کی سیرت پاکیزہ ہے تو، ہر موقع پر مدح وثنا، تعریف وستائش کی اصل مستحق صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ ع ہر جا کنیم سجدہ بآں آستاں رسد ف۱۱ رب، جو یہاں بہ طور اسم استعمال ہوا ہے، مصدر ہے تربیت کے معنی میں۔ اور تربیت کے معنی ہیں کسی شے کو ایک حال سے دوسری حالت کی طرف نشوونما دیتے رہنا۔ تا آنکہ وہ حد کمال تک پہنچ جائے۔ هو انشاء الشى حالاً فحالاً الى حد التمام (راغب) وهى تبليغ الشئ الى كماله شيئاً فشيئاً (بیضاوی) الرب المصلح و المدبر و الجابر و القائم يقال لمن قام باصلاح شئ و اتمامه (قرطبی) اُردو میں اس کا ترجمہ پروردگار سے بھی صحیح ہے۔ لیکن قریب ترین لفظ اس مفہوم کے لیے "مربّی" کا ہے، اور یہی مترجم تھانوی مدظلہٗ نے اختیار کیا ہے۔ عربی میں اس کا اطلاق مطلق اور بلا اضافت صورت میں صرف حق تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ ولا يقال الرب مطلقًا الا لله تعالىٰ (راغب) ولا يستعمل الرب لغير الله بل بالاضافة (ابن کثیر) صفاتِ رحمانیت و رحیمیت کے معاً بعد اب اللہ کی صفت ربوبیت کا اظہار ہے۔ مسیحیوں کے "آسمانی باپ" سے کہیں زیادہ شفقت، کہیں زیادہ قدرت، کہیں زیادہ حکمت لفظ ربّ سے عیاں

ہے۔ عالمین عالم کالفظ خود اسم جمع ہے کوئی اس کا واحد نہیں آتا۔ اور مرادف ہے خلقت یا موجودات کے۔ العالم الخلق کلّه (لسان) عالمون بہ صیغۂ جمع کے معنی ہوئے ہر ہر صنفِ موجودات اور سارے سلسلۂ کائنات کے۔ والعالمون اصناف الخلق (لسان) رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا لفظ لا کر قرآن مجید نے گویا بتادیا کہ ہر صنفِ موجودات کا ایک مستقل نظامِ تربیت ہے۔ اور سب کا آخری سرا اسی قادر مطلق واحد و یکتا کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی بھی صنفِ موجودات اس کے ہمہ گیر نظامِ ربوبیت و تربیت سے آزاد و مستثنیٰ نہیں۔ یہ تعلیم بھی اسی ایک لفظ سے مل گئی کہ اسلام کا خدا کسی مخصوص نسل، مخصوص قوم، مخصوص قبیلہ کا خدا نہیں۔ یہ حقیقت تاریخ مذاہب میں نہایت درجہ اہمیت رکھتی ہے۔ اسلام سے قبل مذاہب جس صورت میں موجود تھے وہ اس وسیع تخیل ہی سے آشنا نہیں رہے تھے۔ ہر قوم خدا کو صرف اپنا خدا تسلیم کرتی تھی۔ گویا خدا کی حیثیت محض قومی خدا کی رہ گئی تھی۔ بابل، مصر، ہند، یونان، روم، عرب وغیرہ کی مشرک قوموں کا ذکر نہیں، بنی اسرائیل جیسی موحد قوم بھی خدا کے خدائے کائنات ہونے کی پوری طرح قائل نہیں رہی تھی۔ قرآن نے ایک لفظ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لا کر ان سارے مشرکانہ و گمراہانہ عقائد کی تردید کردی۔ مشرک قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکر صفت ربوبیت ہی کے سمجھنے میں لگی ہے۔ اسی لیے قرآن نے تصحیح میں بھی اسی کو مقدم رکھا۔ علماء کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ کلمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تمام کلموں سے افضل و اشرف ہے۔ یہاں تک کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے بھی۔ اس لیے کہ اس میں صرف توحید ہے، اور اس میں توحید کے ساتھ حمد بھی (قرطبی) ف ۱۲ (جو دنیا میں سب کو رزق دے رہا ہے، سب کو راحت پہنچا رہا ہے۔ نفع رسانی کا دروازہ سب کے لیے کھولے ہوئے ہے) الرحمٰن العاطف علی البرّ و الفاجر بالرزق لهم و دفع الأفات عنهم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۹۔ ف ۱۳ (جو آخرت میں مومنین کو اجر ان کے استحقاق سے بہت زائد دے گا) الرحیم خاصّة علی المؤمنین بالمغفرة و ادخالهم بالجنة (ابن عباس رضی اللہ عنہما) نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۹۔ صفات کے بیان میں صفتِ ربوبیت کو سب سے پہلے لانا اور اس کے معاً بعد صفاتِ رحمانیت و رحیمیت پر زور دینا خود اس امر کی ایک واضح شہادت ہے کہ عقائد اسلام میں ان صفات کا مرتبہ کتنا بلند اور ان کا درجہ کیسا اہم ہے۔ ان تصریحات کی موجودگی میں اور ان کی تکرار کے باوجود مسیحی پادریوں کا یہ کہے جانا کہ اسلام کا خدا صرف قوت اور قہرمانی کا خدا ہے، حقیقت پر کیسا ظلم کرنا ہے۔ ف ۱۴ مٰلِکِ۔ حاکم یا قاضی خواہ کیسے ہی وسیع اختیارات رکھتا ہو، بہرحال اس کے اختیارات محدود ہی ہوتے ہیں، اور وہ مجرم کو حسب ضابطہ سزا دینے پر مجبور ہوتا ہے۔ گویا خود حاکم پر حکومت ضابطہ یا قانون کی ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے مالک وہ ہوتا ہے جسے پورے اختیارات حاصل ہوں۔ مجرم کو چاہے وہ بخش دے، چاہے سزا دے۔ کوئی اس سے بازپرس کرنے والا اور کوئی اس پر حاکم نہیں۔ حدیث مسلم میں آچکا ہے کہ لا مالک الا اللہ عز و جل (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مالک نہیں) اور محققین کا قول بھی ایسا ہی ہے کہ بجز اللہ کے اور کسی کو مالک کہنا یا پکارنا جائز نہیں لا یجوز ان یسمّٰی احدٌ بهٰذا الاسم ولا یُدعٰی به الّا اللہ تعالیٰ (قرطبی) لفظ کا فارسی ترجمہ بھی اسی لیے سفیان تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے "شہنشاہ" مروی ہے قال سفیان مثل شاهان شاه (قرطبی) اور مفسرین نے بھی معنی مطلق الاختیار کے لیے ہیں۔ المالک هو المتصرف فی الاعیان المملوكة كيف يشآء من الملک (بیضاوی) ہندوستان کی بعض مشہور مشرک قوموں کا عقیدہ ہے کہ قانون مکافات عمل (ہندی اصطلاح میں "کرم") کے خلاف خدا بھی نہیں جاسکتا۔ اور کسی خطاوار کو معاف نہیں کرسکتا مسیحیوں کا بھی عقیدہ ہے کہ خدا انصاف کرنے پر مجبور ہے۔ اور اسی لیے صفت عفو و رحم کے اظہار کے لیے اُسے اپنے اکلوتے "بیٹے" کو بطور کفارہ کے سب گنہگار مخلوق کی طرف سے پیش کرنا پڑا۔ قرآن مجید کے ایک لفظ **مالک** میں ان سب باطل عقاید کی تردید آگئی۔ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ دین کے لفظی معنی جزا یا بدلہ کے ہیں۔ الدین الجزآء۔ اور قیامت کو بھی روزِ جزا اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ پورے حساب اور ہر عمل کے بدلہ کا دن ہوگا۔ یہاں بھی یوم الدین سے مراد روز حشر ہے۔ ای یوم حساب الخلائق و هو یوم القیمة یدینهم باعمالهم (ابن جریر۔ عن ابن عباس) ای یوم البعث و الجزاء (کبیر) اللہ تعالیٰ **مالک** تو آج بھی ہے۔ روز جزا کے ساتھ تخصیص کا مطلب یہ ہے کہ اس روز اس کی صفتِ مالکیت کا مشاہدہ و تحقق بڑے سے بڑے منکر کو بھی ہو کر رہے گا ف ۱۵ (نہ کہ کسی اور کی، اے اللہ!) اِیَّاکَ لفظ اِیَّا خود ہی حصر اور تخصیص کے لیے آتا ہے۔ اور پھر بحیثیت مفعول اس کی تقدیم فعل نَعْبُدُ پر اس حصر و تخصیص کو اور زیادہ مؤکد کررہی ہے۔ یعنی ہم تیری عبادت میں شائبہ بھی کسی کی شرکت کا نہیں رکھتے۔ معناه نعبدک ولا نعبد غیرک (ابن عباس) و قدّم المفعول للتعظیم والا هتمام به والدلالة علی الحصر (بیضاوی) اب یہاں سے دعا کی تعلیم ہے گویا بندے اپنی زبان سے دعا کررہے ہیں۔ اس سے پہلے صرف تمہید دُعا تھی۔ صیغۂ غائب سے صیغۂ مخاطب، یا مخاطب سے غائب کی طرف دفعۃً انتقال کا نام صنعت التفات ہے۔ اور عربی ادب و انشا میں یہ عیب نہیں۔ اس کا شمار بہترین صنعتوں میں سے ہے۔ صاحب کشاف نے اس موقع پر امرؤ القیس جاہلی کے تین شعر شہادۃً نقل کیے ہیں، تینوں میں یہ صنعت موجود ہے۔ بزرگوں سے منقول ہے کہ قرانِ مجید کا لب لباب سورۂ فاتحہ ہے، اور سورۂ فاتحہ کا لب لباب یہ آیت ہے۔ قال بعض السلف الفاتحة سر القراٰن و سرها هٰذه الكلمة (ابن کثیر) نَعْبُدُ۔ عبادت نام ہے تذلل، انکسار و افتقار کے آخری مرتبہ کا۔ انها غاية التذلل (راغب) العبادة اقصٰی غاية الخضوع و التذلل (کشاف) اور اسی لیے اس کا مستحق بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ لم تستعمل الافی الخضوع لله تعالیٰ (کشاف) وَلا یستحقها الامن له غاية الافضال وهو الله تعالیٰ (راغب) مشرک قومیں خدا معلوم چھوٹے بڑے کتنے دیوی دیوتاؤں کو عبادت میں شریک کرتی رہتی ہیں۔ بلکہ ان کی عبادتوں میں تو خدا کی شرکت رہنے بھی نہیں پاتی۔ معبود تمام تر اگنی دیوتا اور سورج دیوتا اور کالی مائی اور کبھی جی وغیرہا بن جاتی ہیں۔ مسیحیوں کے ہاں بھی نماز جیسی اور جب کبھی بھی ہوتی ہے، اس میں برابر خدا کے ساتھ فرزند خدا کی شرکت رہتی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ آیت کے ایک لفظ اِیَّاکَ سے تردید ہوگئی سارے مذہبوں کے مشرکانہ طرزِ عبادت کی۔ نَعْبُدُ کا صیغہ جمع بھی قابلِ لحاظ ہے۔ دُعاء تنہا ایک ایک فرد نہیں کررہا ہے۔ ساری ملتِ اسلامیہ مل کر اجتماعی رنگ میں کررہی ہے۔ اور یہ اجتماعیت کی اہمیت قرآن و حدیث دونوں کی دعاؤں میں کثرت سے جلوہ گر ہے۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ یہ نسبت عبودیت سالک کے مقام کی انتہا ہے۔ کوئی مقام اس سے مافوق نہیں ف ۱۶ (نہ کہ کسی اور سے، اسے حاجت روا سمجھ کر، اے اللہ) آیت کے جزو اول میں بیزاری اور تبری ہے شرک سے۔ اس آخری جزو میں بندہ کی زبان سے اقرار ہے اپنی بے بساطی، بے قدرتی کا۔ اور اقرار ہے اپنے کو حفاظت اور نصرت کے لیے ہر طرح اللہ کے ہاتھ میں سپرد کردینے کا۔ فالاول تبرّء من الشرک و الثانی تبرّء من الحول والقوة و تفويض الی الله عز و جل (ابن کثیر) نَعْبُدُ کے معاً بعد نَسْتَعِیْنُ لانا گویا بندوں کی زبان سے یہ کہلاتا ہے کہ ہم عبادت تک میں تیری ہی توفیق، تیری ہی اعانت، تیری ہی دستگیری کے محتاج ہیں۔ اِیَّاکَ کی تکرار توحید اور ردِ شرک کی اہمیت کو اور دوبالا کررہی ہے۔ کرر للاهتمام والحصر (ابن کثیر) کرر الضمیر للتنصیص علیٰ انه المستعان به لا غیر (بیضاوی) آیت نے جڑ کاٹ دی ہے ہر قسم کی مظہر پرستی اور مخلوق پرستی کی۔ شرک کی خفی سے خفی بھی راہیں بند کردی ہیں، اور کوئی خفیف سی بھی گنجائش پیر پرستی، پیمبر پرستی، فرشتہ پرستی وغیرہ کی باقی نہیں چھوڑی ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ سالک کا مقام اِیَّاکَ نَعْبُدُ پر تمام ہو جاتا ہے۔ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے وہ طالب تمکین و رسوخ کا ہوتا ہے۔ ف ۱۷ یعنی وہ راہ جس میں کوئی کجی نہیں، کوئی اونچ نیچ نہیں، کہیں ٹھوکر لگنے کا احتمال نہیں۔ مراد اس سے جادۂ شریعت ہے کہ یہی زندگی کا مکمل نظام ہے۔ زندگی کے ہر گوشہ اور ہر شعبہ کے باب میں ایک مکمل دستورِ ہدایت ہے۔ اور اسی پر چلتے رہنا فرد و جماعت دونوں کے حق میں، دنیوی و اخروی اعتبار سے فلاح ہی فلاح ہے۔ صحابہ، تابعین سب سے یہی معنی مروی ہیں۔ هو دین الله الذی لا عوج له (ابن جریر۔ عن ابن عباس) قال ابن عباس و جابر هو الاسلام و هو قول مقاتل (معالم) یہ گویا بندوں کی زبان سے درخواست ہے کہ اے ہمارے ہادیٔ برحق و رہنمائے حقیقی، اپنا سیدھا راستہ ہم پر کھول دے۔ اس پر چلنے کی ہمیں توفیق عطا فرما۔ اور اپنے فضل و کرم کو ہمارا دستگیر رکھ! طلب ہدایت کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ راہرو بھٹکا ہوا ہے اور وہ راستہ دریافت کررہا ہے۔ دوسرے یہ کہ راہ تو مل چکی ہے، درخواست اسی پر قائم رہنے کی ہے۔ یہاں مراد یہی دوسری قسم کی دستگیری ہے۔ ای وفقنا الثبات علیه (ابن جریر۔ عن ابن عباس) اهدنا ای ثبتنا (کشاف۔ عن علی وابی رضی اللہ عنہما) جو پہلے ہی سے ہدایت یاب ہیں، ان کی طرف سے یہ درخواست ہدایت پر ثبات و استقامت اور مزید ہدایت کی ہے۔ اور چونکہ رُوحانی ترقیوں کی انتہا نہیں اس لیے جو جس مرتبہ پر ہے، اس کی دُعا اس سے بھی بلند تر مرتبہ کی رہتی ہے۔ اور مومن کی ہوسِ ہدایت طلبی کبھی نہیں بجھتی۔ یہ اعتراض محض طفلانہ ہے کہ ہدایت یاب کو درخواست ہدایت کی ضرورت نہیں۔ نَعْبُدُ، نَسْتَعِیْنُ، اِهْدِنَا سب میں ضمیر متکلم کا صیغہ جمع میں آنا بہت ہی پُر معنی ہے۔ ظاہر ہے کہ اظہار عبودیت کرنے والا اپنی اپنی جگہ پر فرد واحد ہی ہوگا۔ اس پر بھی یہ التزام ہے کہ فرد کا ربط امت سے کسی

حال میں بھی نہ چھوٹنے پائے۔ عبادت کرتے ہیں تو ایک "میں" نہیں بلکہ "ہم سب" طلب اعانت کرتے ہیں تو "ہم سب"۔ درخواستِ ہدایت کرتے ہیں تو "ہم سب"۔ امت وملت کی یہ زبردست وہمہ وقتی شیرازہ بندی اسلام ہی کا حصہ ہے۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ مطلوب ومقصود صراط مستقیم تشریعی ہے نہ کہ تکوینی جو ساری مخلوق کے لیے خود بخود عام ہے و ۱۸ (باب ہدایت میں) یہ مزید شرح وتفسیر ہے اسی سیدھے راستہ یا صراطِ مستقیم کی۔ تعلیمات وہدایات تو ساری کی ساری قرآن مجید کے لفظ وعبارت میں آ گئیں۔ لیکن مشیتِ الٰہی نے مزید شفقت وکرم سے ان تعلیمات وہدایات کے عملی نمونے بھی انسانی رُوح وقالب میں بشری صورت وسیرت میں بہ کثرت بھیج دیے کہ اس صراط مستقیم پر چلنا اور زیادہ آسان ہو جاوے۔ یہ انعام پائے ہوئے لوگ انبیاء ومرسلین ہیں۔ ان کی زندگی کے واقعات وحالات قرآن مجید میں بکثرت نقل ہوئے ہیں۔ اور ان میں بھی علی الخصوص اس پاکیزہ جماعت کے پاکیزہ ترین سردار محمد رسول اللہ ﷺ۔ آپ کی سیرتِ مبارکہ کا ایک ایک جزئیہ تک محفوظ ہے۔ پھر اس کے بعد آپ کے جو صحیح نائب وجانشین آپ کے مابعد ہوئے ہیں، اور پھر ہر دَور میں ہوتے آئے ہیں۔ یعنی اولیائے امت یا صدیقین، یا پھر شہیدانِ راہِ حق اور عام صالحین، کہ یہ بھی اپنے اپنے درجہ میں نمونہ کا کام اپنے بعد آنے والوں کے لیے دے سکتے ہیں۔ خود قرآن ہی میں ایک دوسری جگہ ان انعام پائے ہوؤں کی فہرست کے خاص خاص عنوانات گنا دیے ہیں۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (سورۃ النساء) اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے لفظ سے امام ابن جریر نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ جن لوگوں کو یہ مرتبہ نصیب ہوا ہے اس کی تہ میں اصل شے محض انعامِ الٰہی وفضلِ خداوندی ہے۔ و فی ھذہ الاٰیة دلیل واضح علی ان طاعة اللّٰہ جل ثناء ہ لا ینا لھا المطیعون الاّ بانعام اللّٰہ بھا علیھم و توفیقه اباھم لھا۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے اشارہ اس طرف ہو گیا کہ صراطِ مستقیم میسر نہیں ہوتا بغیر اس کے کہ پیروی اہلِ صراطِ مستقیم کی کی جائے۔ اور اس کے لیے محض اوراق وکتب کافی نہیں۔ و ۱۹ (اپنی دانستہ وارادی کج روی کی بدولت) غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی تقدیرِ کلام غَيْرِ صِرَاطِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہے۔ صرف مضاف الیہ بیان کیا گیا، اور مضاف محذوف ہے۔ عربی ادب وانشا میں حذفِ موصوف، حذفِ مضاف کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ صرف صفت یا صرف مضاف الیہ بول کر کام چلا لیا جاتا ہے، اور ایسا حذف قرینۂ مقام سے بے تکلف سمجھ لیا جاتا ہے۔ اکتفی بالمضاف الیه عن ذکر المضاف وقد دلّ علیه سیاق الکلام (ابن کثیر) "زیرِ غضب" سے مراد زیرِ غضبِ الٰہی ہے۔ انعامِ الٰہی کا ذکر ابھی اُوپر آ چکا ہے۔ وہاں صیغۂ معروف استعمال ہوا تھا اور ضمیر فاعلی صریح تھی۔ یہاں غضب کے موقع پر صیغۂ مجہول کر دیا گیا ہے۔ اور فاعل کی کوئی صراحت نہیں۔ یہ اثر ہے غلبۂ رحمتِ الٰہی کا۔ غضبِ الٰہی کا ذکر اگلے آسمانی نوشتوں میں صراحت کے ساتھ ہے۔ توریت میں بھی اور انجیل میں بھی۔ توریت میں ہے کہ:۔ "اب تو مجھ کو چھوڑ کہ میرا غضب ان پر بھڑکے اور میں انہیں بھسم کر دوں"۔ (خروج۔ ۳۲: ۱۱) نیز خروج ۳۲۔ ۱۲ و ۱۳۔ استثناء ۹: ۲۰ و ۲۱ وغیرہ۔ انجیل کو عام طور پر سرتاسر حلم ورأفت وشفقت کا صحیفہ سمجھا گیا ہے، وہ بھی اس ذکر سے خالی نہیں۔ ملاحظہ ہو متی ۳: ۸ و ۱۰۔ مکاشفہ ۱۹۔ ۱۵ وغیرہ۔ حیرت ہے کہ بعض جدید اہلِ قلم نے مسیحی پادریوں کے دجل وتلبیس سے متاثر بلکہ مرعوب ہو کر اسلام میں غضبِ الٰہی کے وجود ہی سے انکار کر دینا چاہا ہے۔ گویا حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کم فہموں کے خیال میں ایک بڑے پیمانہ پر کوئی سادھو، سنیاسی مہاتما ہیں کہ جو بدبخت چاہے، اُن کے بنائے اور اتارے ہوئے قوانین کو، جو سرتاسر بندوں ہی کے نفع ومصلحت۔ فلاح وبہبود کے لیے ہیں، آزادی وبے تکلفی سے توڑتا پھوڑتا، چیرتا پھاڑتا رہے، اور وہ اہنسا اور شانتی کے ساتھ، صبر وخاموشی کے ساتھ، جمود وتعطل کے ساتھ سارا تماشا دیکھتا رہے۔ اور اصلاحِ حال کے لیے نہ اپنی غیر محدود قوت اور نامتناہی توانائی کو حرکت میں لائے، اور نہ دفعِ فساد کے لیے کوئی عملی اقدام کرے! پادریوں کے اعتراض کی اصل وبنیاد ہی غلط ہے۔ انہوں نے غضبِ الٰہی کو بھی قیاس کیا انسانی غصہ اور طیش پر، جو نتیجہ ہوتا ہے نفس کی ایک انفعالی کیفیت کا۔ حق تعالیٰ پاک ہے ہر قسم کے انفعال وتاثر سے۔ وہ صرف فاعل ہے۔ تمام تر مؤثر ہے۔ اس کے اصلاحی اقدامِ عمل، اس کی تعزیری حرکت ارادی کا نام بندوں کی زبان میں غضبِ الٰہی ہے۔ اس کی حاکمانہ قوت، مربیانہ شفقت دونوں کا عین مقتضی یہی ہے کہ وہ گنہ گاروں، باغیوں، مجرموں کو ان کے جرم وبغاوت کے آخری عملی نتائج تک پہنچائے۔ اس کا غیظ وغضب درحقیقت تتمہ اور ضمیمہ ہے اُس کی رحمت بے حساب کا، اور لازمی نتیجہ ہے اس کی شفقتِ بے کراں کا۔ اہلِ تفسیر عموماً اس طرف گئے ہیں کہ اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد یہود ہیں۔ احادیث وآثار بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ اور آیۂ کریمہ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ کے لفظ سے بھی یہی استنباط کیا گیا ہے۔ لیکن ایک گروہ نے مشرکین مراد لی ہے۔ عجب نہیں کہ آیت ان سب کے حق میں عام ہو جو از راہِ شرارت وخبثِ نفس حق کی مخالفت دیدہ ودانستہ کرتے رہتے ہیں و ۲۰ یعنی ان کی راہ بھی نہیں جو اپنی غفلت، بے التفاتی، نادانی کی بنا پر حق کی طرف رُخ بھی نہیں کرتے۔ اہلِ تفسیر عموماً اس طرف گئے ہیں کہ الضَّآلِّيْنَ سے مراد نصاریٰ ہیں۔ حدیث وآثار بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ اور آیۂ کریمہ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا کے لفظ سے بھی یہی استنباط کیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغضوب علیھم اور ضآلین کے مصداقوں کا حصر انہیں دو مذہب والوں کے ساتھ کر دینا مشکل ہے۔ جو کھلے ہوئے مشرکین وملحدین ہیں، ظاہر ہے کہ وہ ضلالت میں ان سے بھی بڑھے ہوئے اور غضبِ الٰہی کے ان سے مستحق تر ہیں۔ محقق رازی کی رائے میں بہتر یہ ہے کہ کل عملی غلطیوں والوں کو زمرۂ مغضوب علیھم میں رکھا جائے اور کل اعتقادی غلطیوں والوں کا شمار طبقۂ ضالین میں کیا جائے۔ فالاولی ان یحمل المغضوب علیھم علی کل من اخطأ فی الاعمال الظاھرة وھم الفساق و یحمل الضآلون علی کلّ من اخطأ فی الاعتقاد لان اللفظ العام و التقیید خلاف الاصل (کبیر) سورت کے خاتمہ پر اٰمین کہنا مستحب ہے۔ آمین خود ایک دعا ہے۔ اس کے معنی ہیں استجب۔ یعنی اے رب قبول فرما! یعنی اٰمین عند اکثر اھل العلم اللّٰھم استجب لنا (قرطبی)

تذییل یہ خوش عقیدگی نہیں اظہارِ حقیقت ہے کہ جس حیرت انگیز ایجاز وجامعیت کے ساتھ سورۂ فاتحہ کی سات مختصر آیتوں میں توحیدِ الٰہی اور صفاتِ کمالیہ کا بیان آ گیا ہے، اس کی نظیر سے مذاہبِ عالم کے دفتر خالی ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر تو کیا اس کے برابر کی بھی مثال پیش کرنے سے دنیائے مذاہب عاجز ہے۔ مسیحی دُنیا کو بڑا ناز اپنی انجیلی دُعا Lord's Prayer پر ہے۔ لیکن اوّل تو اس کا ضعفِ اسناد بھی خود مسیحی فاضلوں کو مسلّم ہے۔ یعنی اسی کی تحقیق نہیں کہ الفاظ خود حضرت مسیح علیہ السلام کے ہیں بھی۔ پھر چیز جہاں سے بھی آئی ہو یہاں اس کے الفاظ سورۂ فاتحہ کے بالمقابل درج کیے جاتے ہیں۔ ہر منصف مزاج خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ قرآن کی فاتحۃ الکتاب اور اس انجیلی دعا کے درمیان کیا نسبت ہے!

سورۃ الفاتحہ

۱۔ ساری تعریف اللہ کے لیے ہے (وہ) سارے جہانوں کا مربی۔ ۲۔ (وہ) نہایت رحم کرنے والا (وہ) بار بار رحم کرنے والا۔ ۳۔ (وہ) مالک روزِ جزا کا۔ ۴۔ ہم بس تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور بس تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ۵۔ چلا ہم کو سیدھا راستہ۔ ۶۔ ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ ۷۔ نہ ان کا (راستہ) جو زیرِ غضب ہیں اور نہ بھٹکے ہوؤں کا۔

انجیلی دُعا (متی ۶: ۹۔ ۱۴)

۱۔ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے، تیرا نام پاک مانا جائے ۲۔ تیری بادشاہت آئے۔ تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔ ۳۔ ہماری روز کی روٹی ہمیں آج دے۔ اور ۴۔ جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو معاف کیا ہے تو ہمارے قرض ہم کو معاف کر۔ ۵۔ اور ہمیں آزمائش میں نہ لا بلکہ برائی سے بچا۔

(۱) کہاں رب العالمین کی لامحدود وسعت وہمہ گیری اور کہاں آسمان پر بیٹھے رہنے والی بعید اور محدود، اور پھر باپ جیسی محض مادّی تعلق رکھنے والی ہستی! (۲) ایک طرف اعلان ہو رہا ہے ہمہ گیر صفات ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت ومالکیت کا۔ اور دوسری طرف ان کی بجائے ذکر ہے صرف زمین پر آسمانی بادشاہت کے آنے کا! (۳) توحیدِ خالص پر جو زور قرآنی عبارت میں، منعِ عبادتِ غیر ومنعِ استعانت بالغیر میں ہے۔ انجیلی دُعا میں کہیں اس کا پتہ تک نہیں (۴) انجیلی دعا کی آیت نمبر ۳ میں روٹی کی اس درجہ اہمیت مادیت کی انتہا ہے۔ (۵) محض برائی سے بچنے کی دُعا، صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی نسبت سے کہیں زیادہ ہلکی ہے۔

سورۃ البقرۃ و ۱ سورت کے اور بھی متعدد نام ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور نام یہی ہے۔ بقرۃ کے لفظی معنی گائے کے ہیں اور بیل کے بھی۔ لفظ بقرۃ سورۃ کے آٹھویں رکوع میں آیا ہے، اور وہیں ایک قصہ بھی اس سے متعلق درج ہے۔ سورت کا یہ نام بھی اسی مناسبت سے پڑا۔ بزرگ ومعظم تو ہر سورت قرآن کی ہے۔ لیکن اس سورت کا شمار بزرگ ترین سورتوں میں ہے۔ عقائد واعمال دونوں کے باب میں اسلام کی اہم ترین تعلیمات کہنا چاہیے کہ سب کی سب اس کے اندر آ گئی ہیں۔ اور یہ

جو بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فلاں فلاں صحابی کو اس کے سیکھنے اور حاصل کرنے میں کئی کئی سال لگ گئے، تو یہاں سیکھنے سے مراد محض تلاوت یا اس کے الفاظ کا حفظ نہیں، بلکہ اس کے احکام و مسائل پر عبور ہے۔ احادیث میں اس سورت کی بڑی بڑی فضیلتیں آئی ہیں۔ ایک یہ کہ شیطان اور سورۂ بقرہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ شیطان مصدرِ ظلمت و ضلالت ہے، ظاہر ہے کہ وہ مرکزِ نور و ہدایت کے ساتھ کیونکر اکٹھا ہو سکتا ہے۔ ان الشیطٰن یفرّ من البیت الذی تقرأ فیھا سورۃ البقرۃ (مسلم۔ ترمذی۔ عن ابی ہریرہ) اقرؤا سورۃ البقرۃ فان اخذھا برکۃ و ترکھا حسرۃ ولا تستطیعھا البطلۃ و ھی فسطاط القراٰن (دارمی۔ عن خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ) بالفرض یہ روایتیں نہ موجود ہوتیں، جب بھی سورت کے مضامین کی بلندی، معنویت و جامعیت سورت کو بجائے خود اس مرتبۂ فضیلت کا مستحق بنانے کو کافی تھیں **ف ۲** یعنی اس سورت کی بیشتر بلکہ تقریباً تمامتر آیتیں رسول اللہ ﷺ کے قیامِ مدینہ کے زمانہ میں بعد ہجرت نازل ہوئی ہیں۔ کہیں کہیں کسی مکی آیت کا شامل ہو جانا سورت کے مدنی ہونے کے منافی نہیں **ف ۳** اللہ اور رحمٰن اور رحیم سب پر حاشیے گزر چکے **ف ۴** الٓمّٓ یہ حروف پڑھنے میں پوری پوری آواز کے ساتھ ادا کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ اُردو رسم الخط میں ظاہر بھی کر دیا گیا ہے۔ اور یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور بعض تابعین کا قول ہے کہ الٓمّٓ مخفف اور قائم مقام ہے پورے فقرہ انا اللہ اعلم کا (ابن جریر) زجاج لغوی نے یہی قول اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ حروف مقطعات میں سے ہر حرف کسی متعین معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور "عربی شاعری" سے اس کی مثالیں پیش کی ہیں (قرطبی) بعض نے کہا ہے کہ یہ سورت کا نام ہے۔ اکثر متکلمین اور خلیل نحوی اور سیبویہ نحوی اسی طرف گئے ہیں۔ انھا اسماء السور و ھو قول اکثر المتکلمین و اختیار الخلیل و سیبویہ (کبیر) بعض کا قول ہے کہ یہ قرآن ہی کا ایک نام ہے۔ اور اور قول بھی نقل ہوئے ہیں۔ بعض صوفیہ نے انہیں عارفانہ اشارات و مرموزات قرار دیا ہے، اور ان سے طرح طرح کے نکتے اور لطیفے پیدا کیے ہیں۔ ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ خطباتِ عرب کے دستور کے مطابق یہ حروف محض افتتاحِ کلام کے لیے لائے گئے ہیں۔ اور یہ بات اس لیے دل کو زیادہ لگتی ہے کہ عرب اگر اس طرزِ خطاب و خطابت سے آشنا و مانوس نہ ہوتے تو اس پر اعتراض ضرور ہی کرتے۔ اعتراض کے لیے تو مخالفین بہانے ہی ڈھونڈتے رہتے تھے۔ لیکن اس قسم کا کوئی بھی اعتراض اہلِ زبان سے منقول نہیں۔ لیکن مشاہیر صحابہ و تابعین میں سے اکثر کا اور جمہور مفسرین کا مسلک یہ ہے کہ یہ حروف اُن متشابہاتِ قرآنی میں سے ہیں جن کا علم کسی مصلحت سے عام بندوں کو نہیں دیا گیا ہے۔ ان ھذا علم مستور و سر محجوب استاثر اللہ تعالٰی و تبارک بہ (کبیر) حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور شعبی، سفیان ثوری، ربیع بن خثیم و ابوحاتم وغیرہ سب کا یہی مذہب ہے (قرطبی و ابن کثیر) یہ اعتراض کہ قرآن کے مخاطب جب ہم ہیں تو ان حروف کو بھی ہمارے لیے قابلِ فہم ہونا لازمی ہے، کچھ زیادہ باوقعت و باوزن نہیں۔ قرآن مجید کے اندر اور جتنے مضامین و مطالب ہیں، کیا وہ سب ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آ گئے ہیں؟ یا کائناتِ خارجی میں جو کچھ موجود ہے، کیا ان موجودات میں سے سب کا مصرف بڑے بڑے فاضلوں اور ماہروں کی بھی سمجھ میں آ گیا ہے؟ **ف ۵** الْكِتٰبُ۔ محض زبانی یادداشتوں یا روایتوں کا مجموعہ نہیں، بلکہ باضابطہ و مستند نوشتہ۔ ایک صحیفۂ مکتوب۔ قرآن مجید اپنا پہلا تعارف اسی حیثیت سے کراتا ہے کہ وہ ضبطِ تحریر میں آیا ہوا، ایک کتابی شکل میں مرتب، صحیفۂ آسمانی ہے۔ وہ دُوسرے مذہبوں کی کتبِ الہامی کی طرح نہیں کہ صاحبِ مذہب کے دماغ میں ان کے صرف معانی و مطالب ہوں، اور کوئی راوی ان سے کوئی ٹکڑا نقل کرے اور کوئی کچھ اور۔ یہاں تک کہ صدیوں بعد جب نوبت جمع و کتابت کی آئے، تو صحت لفظی اور استناد حرفی تو خیر بہت دُور کی چیز ہے نفسِ مفہوم و معنی تک مسخ ہو کر رہے۔ اور نام تو ایک کتاب کا ہو، لیکن اس کی ترتیب و تالیف میں خدا معلوم کتنے انسانی دماغ اور کتنے بشری قلم شریک ہو جائیں! دلائل و شواہد کو چھوڑیے، محض دعوٰی کی حد تک بھی تو اس باب میں قرآن کی حریف و مقابل دنیا کی کوئی بھی الہامی کتاب نہیں۔ توریت، انجیل، وید، کسی کا بھی یہ دعوٰی نہیں کہ وہ لفظ بہ لفظ، حرف بہ حرف نازل شدہ کتاب ہے۔ اور نہ ان کے پیرو انہیں اس حیثیت سے پیش ہی کر رہے ہیں۔ یہ دعوٰی تنزیلِ لفظی کا تو صرف قرآن مجید ہی کا ہے۔ آج دنیا میں، اس کاغذ اور قلم کے دَور میں "کتابیں" (بہ صیغۂ جمع و عموم) جتنی بھی چاہیں تیار کر ڈالی جائیں الْكِتٰبُ (بہ صیغۂ واحد و بہ تخصیص الف و لام) یا "کتابِ واحد کا مصداق صرف قرآن ہی نکلے گا۔ زمخشری معتزلی کا

مرتبہ اللہ بلند کرے، کیا خوب بات کہہ گیا ہے:۔ معناہ ان ذٰلک الکتٰب ھو الکتٰب الکامل کان ما عداہ من الکتب فی مقابلتہٖ ناقص (کشاف) مطلب یہ ہے کہ کتاب تو بس یہی ایک کتاب کامل ہے۔ اور اس کے سامنے کتابیں جتنی بھی لائی جائیں گی سب ناقص ہی ہوں گی۔ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ ۲۷ رجب ۴۶۷ھ تا ۹ ذی الحجہ ۵۱۸ھ (۸ مارچ ۱۰۷۵ء تا ۱۴ جون ۱۱۴۴ء) بہرحال مومن تھے، اور آج سے آٹھ، ساڑھے آٹھ سو سال قبل کے مومن۔ وہ اگر یہ کہہ گئے تھے تو انہیں کہنا ہی چاہیے تھا۔ یہ دیکھیے، کہ قرآن کا منکر اور مادیت و عقلیت کا پرستار، وہ بھی اس بیسویں صدی کا کیا کہہ رہا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم کی شہادت ہے کہ قرآن The most widely-read book in the world وہ کتاب ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے" (جلد ۱۵ صفحہ ۸۹۸) اور پرنسٹن یونیورسٹی (امریکہ) کے پروفیسر ہٹی (Hitti) کا بیان ہے کہ قرآن "گو دورِ آخر کی کتابوں میں سب سے کم سن ہے لیکن دنیا میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں اُن میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی یہی ہے"۔ (تاریخ اہلِ عرب، صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ ۱۹۳۷ء) ذٰلِكَ۔ اسم اشارہ ہے۔ اور اشارۂ بعید کا ترجمہ اردو میں "وہ" سے کیا جاتا ہے۔ لیکن بُعد ہمیشہ بُعدِ مکان یا بُعدِ زمان ہی نہیں ہوتا۔ بُعدِ منزلت و علوئے مرتبت بھی بُعد ہی کی قسمیں ہیں۔ اور ھٰذَا کے مقابلہ میں ذٰلِكَ اسی بلندئ منزلت کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ یقال بازاء ھذا فی المستبعد بالشخص او بالمنزلۃ ذٰلک و ذاک (راغب) انما قال ذٰلک لبعد منزلۃ فی الشرف و التعظیم (تاج) اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں بھی اشارۂ بعید "آں" بارہا اظہارِ تکریم و علوئے منزلت کے موقع پر آتا ہے۔ آنحضرت، آنمحترم، آنجناب، آنعزیز وغیرہ۔ صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہما اور تابعین کی ایک جماعت کثیر مجاہد، عکرمہ، سعید، ابن جبیر، سدی، مقاتل، زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ سے ذٰلِكَ، ھٰذَا کے معنی میں مروی ہوا ہے، (ابن کثیر) لیکن خود ذٰلِكَ اور ھٰذَا دونوں اسموں کے درمیان تبادلہ محاورۂ عرب میں بالکل جائز ہے۔ یستعملون کلا منھما مکان الاٰخر وھذا معروف فی کلامھم (ابن کثیر) اشارہ کا مشارٌ الیہ اس کے مابعد کا اسم یعنی الْكِتٰبُ ہے۔ گویا فقرہ کا صحیح اُردو ترجمہ یہ ہوا۔ "یہ مکرم و معظم کتاب" **ف ۶** (کہ یہ کتابِ الٰہی ہے۔ اس کا مضمون برحق اور اس کا ہر لفظ صدق ہے) ای لا شک فیہ انہ من عنداللہ وانہ الحق والصدق (معالم) یہ معنی تابعین کو، صحابہ رضی اللہ عنہم کو، سب کو مسلم ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ قال ابن ابی حاتم لا اعلم فی ھذا خلافًا (ابن کثیر) اس حقیقت کو ایک اور پہلو سے دیکھیے۔ قرآن بجائے خود ایک عالم ہے۔ اس عالمِ قدس کے اندر گزر نہ کسی شک و تردّد کا ہے نہ خلجان و اضطراب کا۔ یہاں تو جو کچھ ہے تسکین و اطمینان ہے، علم و ایقان ہے، یکسوئی و اذعان ہے۔ ہر دعوٰی مدلل ہے، اور ہر حقیقت ثابت شدہ۔ اب اگر کسی بدنصیب کو اس کے خلاف نظر آتا ہے، تو گناہ چشمۂ آفتاب کا نہیں، قصور شپرہ چشمی کا ہے۔ اسی لیے ارشاد یہ نہیں ہوا ہے کہ اس کے باب میں کسی کو شک و تردد لاحق ہوہی گا نہیں، بلکہ ارشاد صرف یہ ہوا ہے کہ خود یہ کتاب، اس کے مضامین شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔ ما نفی ان احدًا لا یرتاب فیہ و انما المنفی کونہ متعلقًا للریب و مظنۃ لہ (کشاف) المراد انہ بلغ فی الوضوح الی حیث لاینبغی لمرتاب ان یرتاب فیہ (کبیر) لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ مقصود چونکہ نفی ریب کی تاکید ہے۔ اس لیے ترکیبِ کلام بجائے لافیہ ریب کے لَا رَيْبَ فِيْهِ رکھی گئی، کہ اس میں زور اس سے زیادہ ہے (کبیر) **ف ۷** هُدًى۔ قرآن مجید کے مطالعہ کے وقت اُس کا یہ اپنا بتایا ہوا وصفِ اوّل ہی سے خوب ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ وہ کوئی تاریخ کا دفتر نہیں کہ اس میں سنہ وار ترتیب کے ساتھ پچھلے زمانہ کے واقعات درج ہوں۔ کوئی سائنس کی کتاب نہیں کہ علومِ طبیعی و ریاضی کے مسائل کا حل اس کے اوراق میں ڈھونڈھا جائے۔ کوئی فلسفہ کا مقالہ نہیں کہ اس کے پڑھنے والے اشراقیوں اور مشائیوں، یونانیوں اور ہندیوں کے ظنون اور نظریات میں اُلجھے رہیں۔ افسانہ و محاضرات کی کتاب نہیں کہ پڑھنے والے اُسے تفریح اور دل بہلانے کے لیے پڑھیں۔ اس کی اصلی اور بنیادی حیثیت صرف یہ ہے کہ وہ ہدایت نامہ ہے، دستورِ حیات ہے، مکمل و مفصل نقشۂ زندگی ہے۔ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ یہ قید لگا کر صاف بتا دیا کہ اس قانونِ عام و ہدایتِ تام سے فائدہ اٹھانے والے صرف وہ لوگ ہوں گے جن کے اندر خوفِ خدا موجود ہو۔ کتابِ ہدایت نازل تو ساری دنیا کے لیے ہوئی ہے۔ خطاب سارے عالم سے کر رہی ہے۔ لیکن عملاً اس سے نفع صرف وہی لوگ حاصل کریں گے جن کے اندر حق کی طلب اور تلاش ہے، اور جن کا ضمیر زندہ ہے۔ آفتاب اپنی جگہ عالمتاب سہی، لیکن جن کی بصارت ہی ضائع ہو چکی۔ ان کے لیے تیز سے تیز شعاع بے کار ہے۔ زمین اگر مُردہ ہے تو اس کے حق میں

أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَ اُولٰٓئِكَ

یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں ف۱۴ اور یہی

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ

(پورے) بامراد ہیں ف۱۵ بیشک جو لوگ کفر (اختیار) کیے ہوئے ہیں ف۱۶ ان کے حق میں

عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۶

یکساں ہے، خواہ آپ انہیں ڈرائیں، یا آپ انہیں نہ ڈرائیں ف۱۷ وہ ایمان نہ لائیں گے ف۱۸

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَ عَلٰٓى

مہر لگا دی ہے اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کی شنوائی پر ف۱۹ اور

اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ز وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۷ ع

ان کی آنکھوں پر پردہ ہے ف۲۰ اور ان کے لئے بڑا (ہی) عذاب ہے ف۲۱

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ

اور کچھ لوگ ایسے (بھی) ہیں جو کہتے ہیں ف۲۲ کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ اور

الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸ يُخٰدِعُوْنَ

روز آخرت پر حالانکہ وہ (بالکل ہی) ایمان والے نہیں ف۲۳ دھوکا دینا چاہتے ہیں

اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ

اللہ کو اور ایمان والوں کو ف۲۴ حالانکہ (فی الواقع) دھوکا کسی کو بھی نہیں دیتے بجز

اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ ط فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ

اپنی ذات کے ف۲۵ اور اس کا بھی احساس نہیں رکھتے ف۲۶ ان کے دلوں میں بیماری ہے ف۲۷

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ

سو اللہ نے بڑھا دی ان کی بیماری ف۲۸ اور ان کے لئے عذاب دردناک (ہونا) ہے

بڑی سے بڑی بارش بے اثر ہے۔ غذا بہتر سے بہتر بھی ہیضہ کے مریض کے لیے لاحاصل بلکہ مضر ہے۔ قرآن مجید سے استفادہ کے لیے اوّلین شرط دل کے اندر کا تقویٰ ہے۔ هو فی نفسه هُدًی ولکن لا یناله الا الابرار (ابن کثیر) ف۸ (رسول ﷺ کی تعلیمات وتصریحات کے مطابق نہ کہ اپنے ظن وتخمین، وہم وگمان سے) يُؤْمِنُوْنَ۔ ایمانیات کے دائرہ کے اندر کی جتنی چیزیں بھی ہیں سب کو تصریحات نبوی کے مطابق و ماتحت ہونا ضروری ہے۔ کسی اور راہ سے آیا ہوا علم اس دائرہ میں نامقبول ہے۔ ایمان کی کیفیت نفسی شک، ریب، تردد وتذبذب کی بالکل ضد ہے۔ ایمان سے اس کے برعکس دماغ کو سکون، دل کو اطمینان، روح کو تسلی نصیب ہوتی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں آج تک کسی صاحب ایمان کو خودکشی کرتے نہیں پایا گیا۔ ایمان کے بغیر دل میں بے کلی اور بے چینی ہی رہا کرتی ہے۔ لیکن ایمان والے کو سخت سے سخت مصیبت کے وقت بھی ڈھارس بندھی رہتی ہے کہ وہ بڑا سہارا اور مضبوط آسرا رکھتا ہے۔ بِالْغَيْبِ۔ یعنی ایمان ایسے عالم پر رکھتے ہیں جو محسوسات اور معقولات سے ماوراء ہے۔ اور جس کی بابت خبریں صرف نبی کے ذریعہ سے معلوم ہوسکتی ہیں۔ غیب لغت میں شہود کی ضد ہے۔ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو نظر سے چھپی ہوئی ہو یا مشاہدہ تجربہ سے باہر ہو۔ الغیب کل ما غاب عنک (لسان) استعمل فی کل غائب عن الحاسّة (راغب) یہ لغوی تشریح تھی۔ آیت میں الْغَيْبِ سے مراد ائمہ تفسیر نے وہ عالم لیا ہے، جو حواس وعقل سے ماوراء ہے، اور جس کی بابت جو کچھ بھی علم ہوتا ہے وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے توسط سے، مثلاً احوال حشر ونشر، حور وملائک، جنت ودوزخ وغیرہا۔ اور یہ تفسیر خود جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اما الغیب فما غاب عن العباد من امر الجنة وامر النار ماذکر الله تعالٰی و تبارک فی القراٰن (ابن جریر۔ عن ابن مسعود وناس من اصحاب النبی ﷺ) و هو قول جمهور المفسرین ان الغیب هو الذی یکون غائبًا عن الحاسّة (کبیر) غیب کی تفسیر منقول اسی قدر ہے۔ لیکن اسے ذرا سی وسعت دینے سے اس کے اندر پیمبر کے سارے علوم داخل ہو جاتے ہیں۔ اور پیمبر جن جن امور سے وحی جلی یا وحی خفی کی روشنی میں لوگوں کو روکتا ہے، ان کی باریک باریک برائیوں کا امت کے نقطہ نظر سے داخل غیب ہونا صاف معلوم ہو جاتا ہے وحی الٰہی کی خوردبین سود، شراب، زنا وغیرہ کی خرابیوں اور مفسدوں کو جس طرح اپنی گرفت میں لے آتی ہے، وہ انسان کے لیے غیب ہی کا حکم رکھتی ہے۔ لیکن جب غیب کی حقیقت یہ معلوم ہوگئی کہ وہ شہود یا علم کے مقابلہ کی چیز ہے تو ظاہر ہے کہ جس طرح ہر شخص کا علم ومشاہدہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اسی نسبت سے ہر ایک کا غیب بھی دوسرے سے جداگانہ ہوتا ہے۔ طبیب کے لیے مرض ومریض سے متعلق بہت سے امور شہود میں ہوتے ہیں جو دوسروں کے لیے غیب کے حکم میں داخل ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر فن کا ماہر ایسی چیزیں جانتا ہے جو عامی کے لیے غیب یا خفا میں ہوتی ہیں۔ گویا جس شخص کا دائرۂ علم جس قدر وسیع ہوگا، اسی نسبت سے اس کا دائرۂ غیب چھوٹا ہو گا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ پر چونکہ ہر چیز روشن وعیاں ہے، اس لیے کوئی شے اس کے لیے غیب میں داخل ہی نہیں۔ اور اس لیے اسے جب عالم الغیب کہا جاتا ہے تو اس کے معنی صرف یہ ہوتے ہیں کہ وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے، جو سب بندوں کے لیے غیب میں ہوتی ہیں۔ ”غیب“ کی اضافت یہاں صرف بندوں کی جانب ہوتی ہے، ورنہ حق تعالیٰ کے لیے تو جس طرح دُور ونزدیک، آسان ودشوار، بڑا اور چھوٹا سب یکساں ہیں، اور ان کے باہمی فرق بے معنٰی ہیں، اسی طرح غیب وشہود بھی بالکل ایک ہیں۔ ویقال للشیٔ غیبٌ و غائب باعتباره بالناس لا بالله تعالٰی فانهٗ لا یغیب عنه شیءٌ (راغب) یہیں سے یہ بھی ظاہر ہے کہ پیمبر چونکہ تمام دُوسرے انسانوں سے دانا تر و عالم تر ہوتے ہیں اور ان کا دائرۂ ادراک ومعرفت ساری دوسری مخلوق سے وسیع تر ہوتا ہے اس لیے قدرۃً انہیں بے شمار ایسی مخفیات کا علم ہوتا ہے جو غیر انبیاء کے لیے تمام تر مجہول ہوتی ہیں۔ لیکن اس ساری وسعت کے باوجود کہیں نہ کہیں، کسی منزل پر پہنچ کر ان کے علم کی بھی انتہا ہوجاتی ہے۔ اور دائرۂ غیب ان کا بھی شروع ہوجاتا ہے۔ غیب پر ایمان لانا تو آیت میں متقین کی سب سے پہلی علامت بیان کیا گیا ہے۔ اب اگر خدانخواستہ کسی کا غیب ہے ہی نہیں، تو وہ ایمان کس چیز پر لائے گا؟ انبیاء کرام تو متقی ہی نہیں، متقیوں کے سردار وپیشوا ہوتے ہیں۔ ان کا ایمان بھی اگر مغیبات ومخفیات پر نہ ہوگا تو اور کس کا ہوگا؟ ہاں البتہ ان کا غیب، انہیں کے ظرف ومرتبہ وبساط کے موافق ہوتا ہے۔ ہمہ شما کا سا غیب ان کا نہیں۔ دین کا مغز کہیے یا ایمان کی روح یہی عالم غیب کا عقیدہ ہے۔ یعنی یہ اعتقاد کہ اس عالم مادّی سے ماوراء اس کائنات حسی سے اُوپر، کچھ اَور، ایک عالم ہے ضرور۔ اور جو اس عالم کے وجود کا قائل نہیں وہ سرے سے مذہب ہی کا قائل نہیں۔ اور سب سے بڑا غیب تو خود وجود باری ہے سب سے بڑھ کر روشن وعیاں، مگر سب سے زیادہ مخفی ونہاں۔ بڑے سے بڑے عالم وعارف کے لیے بھی اس کے مرتبہ علم ومعرفت کے بعد پھر غیب کے حدود شروع ہوتے ہیں ف۹ (وقت کے، خشوع کے، تعدیل ارکان کے، غرض جملہ لوازم باطنی وشرائط ظاہری کے ساتھ) صَلٰوۃ کے لفظی معنی دعا کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں ایک مخصوص ہیئت کی معروف عبادت کا نام ہے۔ اور یہ نام بھی اسی سے پڑا کہ دعا ہی اس عبادت کا جزو اعظم ہے۔ الصلٰوۃ التی هی العبادة المخصوصة اصلها الدعاء (راغب) محققین نے کہا ہے کہ نماز تو یکسر دعا ہے۔ دعا زبان سے بھی، دل سے بھی، اعضائے ظاہری سے بھی۔ یعنی دعاء قولی، دعاء قلبی، دعاء فعلی کا مجموعہ۔ اقامت صلٰوۃ اور محض ادائے صلٰوۃ میں فرق ہے۔ اقامت صلٰوۃ میں نماز کی تکمیل صوری ومعنوی ہر طرح کی آگئی۔ کسی شے کی اقامت کرنے کے معنی ہی عربی میں یہ ہوتے ہیں کہ اسے اس طرح ادا کیا جائے جو اس کا حق ہے۔ اقامة الشیٔ توفیة حقه (راغب) اور اقامت صلٰوۃ کی تعبیریں مداومت سے، تعدیل ارکان سے، اور اور مختلف طریقوں سے کی گئی ہیں (ابن جریر۔ کبیر وغیرہ) سب سے زیادہ جامع تشریح يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ کی صاحب جلالین نے اپنے دو مختصر لفظوں میں کر دی

اے یاتون بھا بحقوقھا۔ اَن دیکھے خدا کے آگے جھکنے، سرِ عبودیت خم کرنے، اس سے گہرا ربط و تعلق پیدا کرنے، اور خود افرادِ امت میں باہم نظم پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ اور بدنی عبادتوں میں یہی فریضہ سب سے اعلیٰ اور ایمان، توحید کا سب سے بڑا عملی مظہر ہے۔ فرد کے لیے اسلامی نماز باجماعت کے جو اخلاقی، طبعی، مادی فائدے ہیں، نیز ملت کے لیے جو معاشری اجتماعی مصلحتیں ہیں ان کی جھلک کہیں دُور سے دیکھ کر، یہود، مسیحی اور منکرین تک اس کے دلدادہ ہوگئے ہیں۔ اور ان کے اہل علم اپنی تحریروں میں بار بار اس کا ذکر داد و مدح کے لہجہ میں کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ متقین کی پہلی علامت یہ ارشاد ہوئی ہے کہ وہ عقیدۂ غیب کے قائل ہیں۔ دُوسری علامت یہ بیان ہورہی ہے کہ عملی زندگی میں وہ نماز کے پابند ہیں **ف۱۰** (مناسب و ضروری موقعوں پر، جائز اور مفید کاموں میں) رِزْق کا لفظ کلامِ عرب میں بڑے وسیع معنی رکھتا ہے۔ اس کے اندر ہر قسم کی نعمتیں آ جاتی ہیں، خواہ ظاہری و مادی ہوں، مثلاً مال و صحت، اولاد۔ یا معنوی و روحانی ہوں۔ مثلاً علم و حکمت، فہم سلیم وغیرہ۔ یقال للعطاء الجاری تارۃً دنیویاً کان ام اُخرویاً و للنصیب تارۃً (راغب) الرزق فی کلام العرب ھو الحظ (کبیر) اسم لکل ما ینتفع بہ (معالم) رَزَقْنٰھُمْ میں ہر رزق کو اپنی جانب منسوب کرکے بتا دیا کہ جو نعمت، جتنی اور جس قسم کی بھی انسان کو ملتی ہے، سب اللہ ہی کے فیض و عطا کا ثمرہ ہوتی ہے۔ انسان کی اپنی کوئی چیز بھی نہیں ہوتی۔ یُنْفِقُوْنَ۔ متقین کی تیسری صفت یہ ارشاد ہوئی کہ اللہ کے ہاں سے انہیں جو بھی ظاہری و معنوی نعمتیں عطا ہوئی ہیں، انہیں وہ اللہ ہی کے دین پر، حق کی راہ میں صرف کرتے ہیں۔ اللہ کی مخالفت، عدوان و عصیان میں صرف نہیں کرتے۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ اس عموم میں یہ بھی داخل ہے کہ ہم نے انہیں جو انوارِ معرفت عطا کیے ہیں ان کا وہ طالبین پر افاضہ کرتے رہتے ہیں **ف۱۱** (اے ہمارے رسول) یعنی ان متقین کا چوتھا وصف یہ ہے کہ وہ ایمان رکھتے ہیں رسول کے لائے ہوئے ہر پیغام پر، خواہ قرآن ہو یا اس کے علاوہ۔ آیت کی عبارت سے یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ تین چیزیں الگ الگ ہیں۔ (۱) ایک کلام کا نازل کرنے والا۔ یعنی اللہ تعالیٰ۔ (۲) دوسرے وہ شخص جس پر کلام نازل ہوا ہے۔ یعنی اللہ کا رسول برحق۔ (۳) تیسرے، خود کلام --- بروز تمثل، حلول اور وحدت الوجود (اپنے عوامی مفہوم میں)، ان سب مشرکانہ و نیم مشرکانہ عقائد کی جڑ اس آیت سے کٹ جاتی ہے۔ نہ کلام متمثل ہوا ہے، اور نہ رسول (نعوذ باللہ) اللہ کے اوتار، انسانی قالب میں خدا ہیں۔ بلکہ ایک مستقل انسانی شخصیت رکھتے ہیں **ف۱۲** (دوسرے پیغمبروں پر خواہ وہ کسی ملک، کسی قوم، کسی زمانہ کے ہوں) قرآن مجید نے اس امر کو صاف کر دیا ہے کہ سلسلۂ ارشاد و ہدایت کوئی نو پیدا چیز نہیں بلکہ اُس وقت سے قائم ہے جب سے انسان دنیا میں آئے۔ سلسلۂ وحی کی عمر اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ انسانیت کی۔ اور مومن کے لیے تصدیق صرف ختم المرسلین کی کافی نہیں، بلکہ سارے انبیاء و رسل کی کرنا ضروری ہے، خواہ وہ درجۂ اجمال ہی میں ہو۔ انہیں متقین کا یہ پانچواں وصف ارشاد ہوا، کہ وہ بخلاف یہود و نصاریٰ کے دوسرے انبیاء کی تعلیمات پر بھی اعتقاد رکھتے ہیں۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ طالب کو اعتقاد تو تمام شیوخ اہل حق کے ساتھ ایسا ہی رکھنا چاہیے جیسا اپنے شیخ کے ساتھ۔ لیکن اتباع صرف اپنے شیخ کا کرنا چاہیے۔ جیسا بعینہٖ یہی حکم انبیاء علیہم السلام کے باب میں ہے **ف۱۳** یہ چھٹا اور آخری وصف ان متقین اہل ضمیر کا بیان ہوا، جو قرآن سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ الْاٰخِرَةُ سے مراد ہے دار الآخرت یا عالم آخرت۔ یعنی وہ عالم جو موجودہ سلسلۂ زندگی کے بعد شروع ہوگا۔ اسے آخرۃ کہا ہی اسی لحاظ سے جاتا ہے کہ وہ اس ناسوتی زندگی کے خاتمہ کے بعد پیش آئے گا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر کہیں دار الآخرۃ سے آیا ہے اور کہیں صرف آخرۃ سے۔ ویعبر بالدار الاٰخرۃ عن النشاۃ الثانیۃ و رُبَّمَا تُرِکَ ذکر الدار (راغب) انما وصفت بذٰلک لمصیرھا اٰخرۃ لاولٰی کانت قبلھا (ابن جریر) جزا و سزا کے لیے ایک مستقل آئندہ عالم پر یقین رکھنا دین صحیح کے لوازم میں سے ہے۔ یہیں سے تردید ہوگئی ان باطل مذہبوں کی جو کہنے کو تو مذہب ہیں، لیکن یا تو سرے سے جزاءِ اعمال ہی کے قائل نہیں، یا قائل تو ہیں لیکن اس جزا کا محل و مکان اسی عالم ناسوت کو سمجھتے ہیں۔ خواہ ایک ہی قالب میں یا کئی کئی قالبوں میں۔ بعض جدید اہل باطل نے الْاٰخِرَةُ کا ترجمہ کیا ہے ”زمانۂ آخر کی وحی“۔ تاکہ اس سے ان کی خود ساختہ نبوت کا اجرا قرآن سے ثابت ہو۔ لیکن یہ نہ ترجمہ ہے نہ تفسیر۔ یہ صرف تمسخر و تلعب ہے، قرآن مجید اور لغت عربی دونوں کے ساتھ۔ یُوْقِنُوْنَ۔ ایقان یا یقین کے معنی یہ نہیں کہ محض عقل کسی عقیدہ کو استدلالاً مان لے۔ یا منطق بادلِ ناخواستہ سکوت پر مجبور ہو جائے۔ یا دماغ اس کے مان لینے کا محض سرسری، رسمی، سطحی طور پر لفظی اقرار کر لے۔ جیسا کہ اکثر فلسفیانہ نظریوں کے ساتھ معاملہ رہتا ہے۔ بلکہ یقین یہ ہے کہ اس مسئلہ پر دل و جان سے اعتقاد جم جائے، اور عقل، جذبات، ارادہ سب پر وہی چھا جائے۔ یقین کی راہ شک، گمان، خیال سب سے الگ ہے۔ الیقین ازاحۃ الشک (تاج) الیقین من صفۃ العلم فوق المعرفۃ والدرایۃ واخواتھا (راغب) الایقان اتقان العلم بانتفاء الشک والشبھۃ عنہ (کشاف) الیقین العلم دون الشک (قرطبی) وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔ یقین کا مرتبہ یوں بھی محض علم سے قوی تر تھا، پھر فقرہ کی ترکیب یعنی فعل يُوْقِنُوْنَ کے تاخر اور بِالْاٰخِرَةِ کے تقدم اور هُمْ کے اضافہ نے قوت کئی درجہ اور بڑھا دی مطلب یہ ہوا کہ مومنین متقین کے نزدیک آخرت اس درجہ اہم ہے کہ گویا وہ بس اسی پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی عقیدہ ان کی زندگی میں رچا بسا رہتا ہے **ف۱۴** سورۂ فاتحہ میں دعا بندوں کی زبان سے طلب ہدایت کی تھی، اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ دعا معاً قبول ہوئی کتاب ہدایت نازل ہوگئی۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ، اب ارشاد ہوا کہ فلاں فلاں علامتیں جن میں موجود ہوں، وہی ہدایت یاب لوگ ہیں، اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ اُولٰٓئِكَ۔ ان ہدایت یاب لوگوں کے خصوصیات ذیل قرآن مجید ہی سے معلوم ہو چکے ہیں۔ (۱) ان کا ضمیر زندہ ہوتا ہے۔ اُن کے دلوں میں خوفِ خدا کی جگہ ہوتی ہے (الْمُتَّقِيْنَ) (۲) ان کا اعتقاد اس مادی دنیا سے پرے ایک عالم غیب پر ہوتا ہے (يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ) (۳) ان کے تعلق مع اللہ کا عملاً اظہار یوں ہوتا ہے کہ یہ نماز پڑھتے رہتے ہیں، اور نماز کا حق ادا کرتے رہتے ہیں (يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ) (۴) اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو یہ اللہ کی مخلوق پر صرف کرتے رہتے ہیں (مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ) (۵) یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول برحق اور بہترین معلم و ہادی ہونے اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ (يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ) (۶) پورے سلسلۂ وحی و نظام نبوت کی تصدیق کرتے رہتے ہیں (وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ) (۷) ان کا کامل اعتقاد یوم آخرت یا روز جزا پر رہتا ہے (وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ) **ف۱۵** (دنیا اور آخرت دونوں میں) دنیا کی فلاح تو یہ کہ انہیں راہِ ہدایت نصیب ہوگئی، اور انفرادی و اجتماعی، شخصی و قومی ہر حیثیت سے جامع ترین و بہترین دستورِ حیات منازلِ زندگی کے طے کرنے کا ہاتھ آ گیا۔ اور آخرت کی فلاح یہ کہ وہاں پورا پورا اصلاح کر رہے گا۔ اے الذین ادرکوا ووجدوا ما طلبوا ونجوا من شر ما منہ ھربوا (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) فلاح عربی میں بڑے ہی وسیع معنی میں آتا ہے۔ دنیا و آخرت کی ساری خوبیوں کا جامع ہے۔ اس لیے الْمُفْلِحُوْنَ کا پورا ترجمہ ”کامیاب“ ”بامراد“ وغیرہ کسی اُردو لفظ سے ہونا دشوار ہی ہے۔ امام لغت زبیدی کا قول ہے کہ ائمۂ لسان کا اس پر اتفاق ہے کہ کلام عرب میں جامعیت خیر کے لیے فلاح سے بڑھ کر کوئی لفظ موجود نہیں۔ لیس فی کلام العرب کلہ اجمع من لفظۃ الفلاح لخیری الدنیا والاٰخرۃ کما قال ائمۃ اللسان (تاج) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کی ترکیب نے معنی میں حصر و تاکید پیدا کر دی۔ اور ھم بطور کلمۂ فصل کے تاکید نسبت و تخصیص کے لیے ہے۔ وھم فصل یفصل الخبر عن الصفۃ و یؤکد النسبۃ ویفید اختصاص المسند بالمسند الیہ (بیضاوی) و ادخال ھو فی مثل ھذا الترکیب احسن لانہ محل تاکید ورفع توھم (بحر) مفسر تھانوی مدظلہٗ نے یہ بات خوب لکھی ہے کہ حصر کا تعلق فلاحِ کامل سے ہے نہ کہ فلاح مطلق سے، اور الْمُفْلِحُوْنَ سے مراد الکاملون فی الفلاح ہے۔ اور معتزلہ و خوارج جنہوں نے آیت سے یہ نکالنا چاہا ہے کہ کبائر کا مرتکب فلاحِ مطلق یعنی نجات سے محروم رہے گا، انہوں نے فلاحِ مطلق (نجاتِ کاملہ) کے اور مطلق فلاح کے درمیان خلط کر دیا ہے۔ المراد بہ الفلاح الکامل المستفاد من الاطلاق فالحصر للفلاح المطلق لا مطلق الفلاح (تھانوی) **ف۱۶** (اور قیامِ دلائل کے باوجود اس پر اڑے ہوئے ہیں) اے البتوا علی الکفر (ابنِ عباس رضی اللہ عنہما) ایسے لوگ ظاہر ہے کہ علم الٰہی میں کفر ہی پر مرنے والے ہیں۔ جو لوگ دلائل حق میں غور نہیں کرتے اور باطل پر جمے رہتے ہیں، ان کی استعداد قبول حق کے باب میں روز بروز کمزور ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بالکل مردہ ہو جاتی ہے۔ آیت میں خصوصی اشارہ یہودِ مدینہ کی جانب ہے۔ ان کا کفر کفرِ جحود کی قسم کا تھا۔ یعنی یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخر الزمان کی بابت پیشگوئیوں اور ان کی علامتوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور پھر دانستہ اغماض و اخفا کرتے رہتے تھے کہ اپنی دینی ریاست اور دنیوی سیادت میں فرق نہ پڑنے پائے۔ واما معنی الکفر فانہ الجحود ذلک ان الاحبار من یھود المدینۃ جحدوا نبوۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم و ستروہ عن الناس و کتموا امرہٗ (ابن جریر) **ف۱۷** (لیکن آپ کی دعوت و تبلیغ برابر جاری

رہے۔ آپ کا اجر اس سے ثابت ہوتا رہے گا) آج معمولی مبلغ بھی اپنی دُھن کے پکے ہوتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ تو دنیا کے لیے "مبلغ اعظم" تھے۔ دین الٰہی کی اشاعت کے لیے آپ کی تڑپ کا کیا کہنا۔ آپ کو حرص اگر تھی تو اسی کی کہ کافر سب کے سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ یہاں یہ حقیقت آپ کو بتلائی گئی ہے کہ آپ کچھ بھی کر ڈالیے ان کے حق میں سب یکساں ہے۔ یہ بدبخت اپنی صلاحیت حق شناسی کو ضائع کر چکے ہیں۔ لیکن آپ کا اجر تبلیغ بہرحال ثابت ہے۔ فلا تذهب نفسک علیهم حسرات فمن استجاب لک فله الحظ الاوفر و من تولّی فلا تحزن علیهم (ابن کثیر) ظاہر ہے کہ یہ صرف ایک خبر ہے جو خبیر مطلق اپنے بندہ کو دے رہا ہے۔ ایک اطلاع ہے جو علیم کل اپنے رسول کو پہنچا رہا ہے۔ مرضی الٰہی سے اسے شائبۂ تعلق بھی نہیں۔ "علم" و "مرضی" کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ عوام کے ذہن ان دو بالکل مختلف قانونوں کے درمیان خلط مبحث کر کے اپنے کو عجیب الجھنوں میں ڈال لیتے ہیں ——طبیب حاذق اپنے علم کی رُو سے مدتوں پیشتر خبر دے دیتا ہے کہ فلاں بدپرہیز، خودرائے مریض اچھا نہ ہوگا۔ کیا اس پیش گوئی اس اخبار غیب میں اُس شفیق طبیب کی خواہش و مرضی کو بھی کچھ دخل ہوتا ہے؟ بقول مفسر تھانوی مدظلہ اس کافر کا ناقابل ایمان ہونا اللہ کے اس خبر دینے کی وجہ سے نہیں ہوا، بلکہ خود اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا اس کافر کے ناقابل ایمان ہونے کی وجہ سے واقع ہوا ہے۔ اور ناقابل ایمان ہونے کی صفت خود اس کی شرارت و عناد و مخالفت حق کے سبب سے پیدا ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص میں اس کی پیدائش کے ساتھ استعداد قبول حق کی رکھی ہے، جیسا حدیث میں آگیا ہے۔ مگر یہ شخص خود اپنی ہوائے نفسانی اور خودغرضی کی وجہ سے حق کی مخالفت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک روز وہ استعداد فنا ہو جاتی ہے **و۱۸** (اس لیے کہ وہ ایمان لانے کا قصد ہی نہیں کرتے، اور نہ خلوئے ذہن کے ساتھ تعلیمات اسلامی پر غور کرتے ہیں) اے لایریدون ان یؤمنوا (ابن عباس ؓ) اس سے پہلے فقرہ کی مزید تاکید اور توثیق ہو گئی۔ اور اہل عناد کے حق میں ان کی بے التفاتی اور عدم احساس کی بنا پر انذار اور عدم انذار کا یکساں ہونا اور روشن ہو گیا۔ اکثر ائمۂ تفسیر نے آیت کی ترکیب نحوی یوں ہی سمجھی ہے اور لَا یُؤْمِنُوْنَ کو جملۂ مؤکدہ و مفسرہ فقرۂ ماقبل کا سمجھا ہے۔ جملة مؤكدة للتی قبلها (ابن کثیر) جملة مفسرة لاجمال ما قبلها او حال مؤكدة (بیضاوی) لیکن ایک دُوسری ترکیب بھی انہیں بزرگوں سے یہ منقول ہے، کہ لَا یُؤْمِنُوْنَ خبر ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کی اور پورا فقرہ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے آگیا ہے۔ خبرًا لانّ والجملة قبلها الاعتراض (کشاف) خبر انّ والجملة قبلها الاعتراض (بیضاوی) خبر لانّ والجملة قبلها الاعتراض (مدارک) و یحتمل ان یكون لا یؤمنون خبرًا (ابن کثیر) اصل مقصود دونوں ترکیبوں کی صورت میں ایک ہی رہتا ہے۔ **و۱۹** قُلُوْبٌ۔ دل سے مراد سینہ کے اندر کا وہ مضغۂ گوشت نہیں جو طبی اصطلاح میں دل کہلاتا ہے۔ بلکہ وہ دل مراد ہے جو محاورۂ زبان میں احساس، عقل، ارادہ سب کا مرکز ہے۔ انسانی بول چال میں دل اسی کو کہا جاتا ہے اور افعال ارادی کا صدور اسی سے ہوتا ہے۔ توریت، انجیل اور دوسرے صحیفے سب میں یہی محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔ خَتَمَ اللّٰهُ۔ اللہ کی طرف سے مہر لگ جانے کا یہ فعل بندہ کے کفر اختیاری کے بعد ہوتا ہے نہ کہ اس کے قبل۔ اس کا نتیجہ ہوتا ہے نہ کہ اس کا سبب۔ فطرت سلیم ہر انسان کو عطا ہوئی ہے، اور اس میں دلائل حق پر غور و فکر کی استعداد بھی شامل ہے۔ لیکن انسان جب اپنے ارادہ و عقل کا غلط استعمال کرنے لگتا ہے، اور آسمانی ہدایتوں اور خداوندی نشانیوں سے مسلسل منہ موڑے ہوئے قانون شیطانی پر چلنے کی ٹھان لیتا ہے تو سلسلۂ غضبی کے تحت میں آجاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے سلسلۂ رحمت سے خارج ہو جاتا ہے، اور نصرت الٰہی اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اب ہر روشنی اسے تاریک اور ہر تاریکی اسے روشن نظر آنے لگتی ہے۔ اس نے اپنے لیے جو کچھ اختیار کیا، وہی اللہ تعالیٰ اسے بحیثیت علت العلل و مسبب الاسباب اپنے قانون تکوینی (نہ کہ قانون رضا) کے ماتحت دینے لگتا ہے۔ اور یہی معنی ہیں انسان کے عقل و حواس پر مہر لگ جانے کے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ یہ مہر خداوندی کوئی مادّی چیز نہیں **و۲۰** (چنانچہ کھلے ہوئے دلائل حق اور روشن آیات الٰہی بھی انہیں نظر نہیں آتے) یہ سب ثمرہ ہے ان کافروں کے ارادی اعراض عن الحق اور دانستہ کج روی کا۔ حق تعالیٰ کی جانب ان افعال کی انتساب جو کچھ ہے وہ محض تکوینی حیثیت سے ہے، یعنی بطور علت العلل و مسبب الاسباب کے —— ارادۂ حق جس طرح بندہ کے زہر کھا لینے پر موت کا ثمرۂ طبعی مرتب کر دیتا ہے، اسی طرح بندہ کی ارادی کج روی پر موت روحانی کا ثمرہ بھی مرتب کر دیتا ہے۔ مرضئ حق کا تعلق نہ اول الذکر سے ہے نہ آخر الذکر سے اس طرز بیان کی، اور فہم، سماعت و بصارت کی قوتوں سے سزا کے طور پر محرومی کی مثالیں قدیم صحیفوں میں بھی کثرت سے ملتی

ہیں:۔ "خدا نے تم کو وہ دل جو سمجھے اور وہ آنکھیں جو دیکھیں اور وہ کان جو سنیں آج تک نہیں دیئے" (استثناء ۲۹:۴) "تم سنا کرو پر سمجھو نہیں۔ تم دیکھا کرو پر پوچھو نہیں۔ تو ان لوگوں کے دلوں کو چربا دے اور ان کے کانوں کو بھاری کر" (اسعیاہ ۶:۹،۱۰) "وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے کہ آنکھیں لیپی گئیں سو وہ دیکھتے نہیں اور ان کے دل بھی سو وہ سمجھتے نہیں" (اسعیاہ ۴۴:۱۸) "تمہاری آنکھیں جو کہ نبی ہیں مونڈی ہیں اور تمہارے سروں پر، جو کہ غیب بین ہیں حجاب ڈالا ہے" (اسعیاہ ۲۹:۱۰) "میں نے انہیں ان کے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا" (زبور ۸۱:۱۲،۱۱) انجیل میں اس قسم کی مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو رومیون ۱۱:۷،۸ اور ۲ تھسلنیکیوں ۲:۱۱۔ **و۲۱** (آخرت میں) اسلام مسلسل حیات کا قائل ہے۔ یہ ناسوتی، مادی زندگی صرف ایک حصہ ہے کل زندگی کا۔ باقی اس کا پورا ظہور و بروز حیات اُخروی ہی میں ہوگا۔ اخروی زندگی لازمی تتمہ و نتیجہ ہے اس دنیوی زندگی کا۔ اور یہاں کی مسلسل قانون شکنی و نافرمانی وہاں عذاب الیم کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ گویا جو تخم آج ڈالے گئے ہیں، کل وہی تناور درختوں کی صورت میں نمودار ہوں گے۔ عذاب کے شدید و عظیم ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں۔ اور قرآن مجید میں اسے مختلف پیرایوں میں سمجھایا اور بتایا گیا ہے۔ پھر بھی اس کی تفصیلی کیفیت اور نوعیت ادراک بشری سے بالاتر اور مافوق ہے۔ اور بعض نے عَظِيْمٌ کے کلمہ نکرہ ہونے سے بھی یہی استنباط کیا ہے کہ وہ کسی خاص و غیر متعارف ہی نوعیت کا ہوگا۔ من الآلام العظام نوع عظیم لا یعلم کنهه الا الله (مدارک۔ بیضاوی) والتنکیر فیه للنوعیة ای لهم فی الأخرة نوع من العذاب غیر متعارف فی عذاب الدنیا (روح) **و۲۲** (محض زبان سے، شرکت قلب کے بغیر) مَنْ۔ واحد، تثنیہ، جمع، تینوں موقعوں پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ حالت افراد میں لحاظ اس کی لفظی حیثیت کا کیا جاتا ہے، اور جمع میں نظر اس کے معنی و مفہوم پر رکھی جاتی ہے۔ اب تک قرآن مجید نے ذکر دو قسم کے انسانوں کا کیا ہے۔ ایک مومن، فرمانبردار، قانون الٰہی کے مطیع۔ دوسرے کافر، نافرمان، قانون الٰہی کے منکر و باغی۔ اب ذکر ایک تیسری صنف کا شروع ہو رہا ہے۔ ہوتے یہ بھی کافر و منکر ہی ہیں، لیکن اپنے کفر و انکار پر پردہ مکر و فریب کا ڈالے رکھتے ہیں۔ یعنی زبان پر دعوائے اسلام رکھتے ہیں لیکن دل میں کفر خالص۔ زبان سے اقرار ایسا کہ جس میں قلب کی تصدیق کسی درجہ میں بھی شامل نہیں۔ ان ننگ انسانیت انسانوں کو شریعت کی اصطلاح میں منافق کہتے ہیں۔ نفاق کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اعلان و اظہار بھلائی کا کرتا پھرے، اور شر کو اندر ہی اندر چھپائے رکھے۔ النفاق هو اظهار الخیر و اسرار الشر (ابن کثیر) پھر نفاق کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک نفاق حقیقی یا اعتقادی۔ جس میں ایمان سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ اور اس کی سزا ابدی خلود جہنم ہے۔ دوسرا نفاق عملی یا مجازی۔ اس میں ایمان کا استحضار نہیں رہتا، اور انسان گناہ پر بے دریغ جری ہو جاتا ہے۔ هو انواع اعتقادیٌ وهو الذی یخلد صاحبه فی النار و عملیٌ هو من اکبر الذنوب (ابن کثیر) سورۂ بقر مدنی ہے۔ اور مدینہ میں منافقین کثرت سے تھے۔ اسلام سے عداوت میں اور رسول اسلام سے عناد میں، یہ لوگ کھلے ہوئے کافروں سے کچھ کم نہ تھے۔ شاید کچھ بڑھے ہی ہوئے ہوں۔ نفاق یعنی جھوٹا اظہار اسلام مکہ میں نہ تھا۔ بلکہ مکہ میں تو اس کے برعکس صورت حال یہ تھی کہ لوگ مومن ہو کر بھی اپنے ایمان کو چھپائے رکھتے، اور بظاہر کافروں ہی میں شامل رہتے۔ نفاق کی بنیاد مدینہ میں پڑی، وہ بھی غزوۂ بدر کے بعد، جب اسلام کو روز بروز دنیوی عظمت و شوکت حاصل ہونی شروع ہو گئی۔ اس وقت بعض لوگوں نے اپنے کو محض تقیۃً بلا شائبۂ ایمان و صداقت مومن و مسلم کہنا شروع کر دیا۔ اس پارٹی کا سرغنہ یا سرخیل، بنو خزرج کا سردار عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا۔ اس کا اثر و اقتدار حریف قبیلہ بنو اوس پر بھی تھا۔ یہ اپنے وقت کا کامیاب ترین لیڈر تھا۔ یہاں تک کہ ساری آبادی اس کی سرداری پر متفق ہو چکی تھی۔ اور قریب تھا کہ اس کی بادشاہی کا اعلان ہو جائے، کہ یک بیک اسلام کے قدم مدینہ میں جم گئے۔ اُس نے اپنی دوکان اجڑتے دیکھی تو اپنے پیروؤں کے کان میں یہ افسوں پھونک دیا کہ زبان سے کلمہ اسلام کا پڑھتے جاؤ لیکن دل میں اپنے ہی عقائد پر جمے رہو۔ اوس و خزرج کے علاوہ یہود کی بھی ایک غدار و ضمیر فروش جماعت نے خوشی سے اس تحریک پر لبیک کہا۔ البتہ مکہ کا کوئی مہاجر اس میں شریک نہیں ہوا۔ ابن کثیر نے تفصیل سے لکھا ہے اور یہاں بھی زیادہ تر اس کی تلخیص ہے۔ **و۲۳** یعنی ان کے دل میں ایمان کا گزر ذرہ برابر بھی نہیں، ایمان انہیں چھو بھی نہیں گیا۔ یقولون ذلک قولًا لیس وراء ہ شیئ اخر (ابن کثیر) انهم لیسوا من الایمان فی شیئ (بیضاوی) بِمُؤْمِنِيْنَ۔ حرف باء تاکید کے لیے ہے۔ اکد النفی بالباء (بیضاوی) ظاہر سیاق کا تقاضا تھا کہ فعل ماقبل قَالُوْٓا اٰمَنَّا کی

بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ⑩ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا

اس لئے کہ وہ جھوٹ کہتے تھے ف۲۹ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر

فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪

فساد مت پھیلاؤ ف۳۰ تو کہتے ہیں کہ ارے! ہم تو اصلاح کر رہے ہیں ف۳۱

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫

سن رکھو حقیقۃً یہی لوگ فسادی ہیں اور یہ اس کا بھی احساس نہیں رکھتے ف۳۲

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لے آؤ جیسا کہ لوگ ایمان لائے ہیں ف۳۳ تو کہتے ہیں ف۳۴

اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ

کہ کیا ہم (ایسا) ایمان لے آئیں جیسا کہ بیوقوف ایمان لائے ہیں؟ ف۳۵ سن رکھو کہ بیوقوف تو خود یہی لوگ ہیں

وَ لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور اس کا بھی علم نہیں رکھتے ف۳۶ اور جب ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں ف۳۷

قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا

تو کہتے ہیں کہ ہم بھی تو ایمان لا چکے ہیں ف۳۸ اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں ف۳۹ تو کہتے ہیں

مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ

کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ف۴۰ ہم تو محض بنا رہے تھے ف۴۱ انہیں اللہ بنا رہا

بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑮ اُولٰٓئِكَ

ہے ف۴۲ اور وہ انہیں ڈھیل دے رہا ہے ف۴۳ (تو) وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں ہو رہے ہیں ف۴۴ یہ وہ

الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ

لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی خرید کر لی ہدایت کے بدلے ف۴۵ سو نہ ان کی تجارت ہی

تردید وتغلیط میں ما امنوا یا اسی قسم کا کوئی اور فعل ماضی ہی لایا جاتا۔ لیکن یہاں تاکید اور زور کے لیے بجائے فعل کے اسم فاعل لایا گیا، کہ ان لوگوں سے نفی ایمان کی، ماضی، حال، مستقل ہر زمانہ سے متعلق نکل آئے۔ و فیہ من التوکید والمبالغۃ مالیس فی غیرہٖ (کشاف) تاکیدًا او مبالغۃً فی التکذیب لان اخراج ذواتھم من عداد المومنین ابلغ من نفی الایمان عنھم فی ماضی الزمان (بیضاوی) کان ذلک مبالغۃ فی تکذیبھم (کبیر) ف۲۴ یعنی محض مسلمانوں سے نفع حاصل کرنے کے لیے اُن کی گرفت سے اپنے کو بچانے کے لیے اپنے تئیں مسلمان کہہ رہے ہیں۔ اور جرم کفر پر اضافہ جرم خدع کا کر رہے ہیں۔ یُخٰدِعُوْنَ باب مفاعلہ سے ہے اور اس کا خاصہ طرفین سے مشارکت ہے۔ لیکن یہاں یَخْدَعُوْنَ کے معنی میں ہے۔ اور باب مفاعلہ محض زور اور تاکید کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ المفاعلۃ لا فادۃ المبالغۃ فی الکیفیۃ (ابوسعود) اخرج فی زنۃ فاعلتُ للمبالغۃ (بیضاوی) یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ۔ حق کی مخالفت اور تکذیب کرتے کرتے جسارت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اپنے خیال وپندار میں خدا کو بھی دھوکا دے چلے تھے۔ اجترء وا علی اللہ حتّٰی ظنوا انھم یخدعون اللہ (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں اپنے خیال کے مطابق۔ معناہ یخادعون اللہ فی زعمھم (مدارک) اسی مفہوم کے پیشِ نظر ترجمہ کیا گیا ہے کہ "اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں" یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دھوکا دینے کی کوشش کو قرآن مجید نے عین اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے سے تعبیر کیا ہو۔ اس کی اور بھی نظیریں قرآن مجید میں ملتی ہیں۔ ذکر نفسہ وارادبہ رسولہ علی عادتہ فی تفخیم امرہٖ (کبیر) اے رسول اللہ (مدارک) مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ اہل اللہ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا مثلاً عداوت یا فریب کا ایسا ہی ہے جیسے حق تعالیٰ کے ساتھ کرنا ف۲۵ یعنی ان کے اس نفاق سے نقصان کسی اور کا نہیں۔ خود انہیں کا ہوتا ہے اور ہوگا۔ آخرت میں عذاب اور دنیا میں رسوائی، فضیحت اور منافقت کی پردہ دری۔ ضررھا یلحقھم و مکرھا یحیق بھم (کشاف) یفتضحون فی الدنیا و یستوجبون العقاب فی العقبیٰ (معالم) ف۲۶ (کہ اس منافقت کا وبال خود انہیں پر ہو کر رہے گا) لا یعلمون انّ وبال خداعھم یعود علیھم (معالم) یَشْعُرُوْنَ۔ بجائے یَعْلَمُوْنَ کے یہاں یَشْعُرُوْنَ وارد ہوا ہے۔ شعور عربی میں علم حسی کو کہتے ہیں۔ اور اسی کا نام اُردو میں احساس ہے۔ اور مشاعر انسان کے آلاتِ حواس کو کہتے ہیں۔ المشاعر الحواس (راغب) الشعور علم الشئی علم حس من الشعار و مشاعر الانسان حواسہٗ (کشاف) اس لفظ کے لانے میں نکتہ بلاغت یہ ہے کہ منافقوں کو اس مکرو فریب سے جو نقصان پہنچ رہا ہے اور پہنچے گا وہ بالکل مادّی ہونے کی طرح صاف اور صریح ہے۔ لیکن یہ احمق فرطِ غفلت سے اس کا بھی احساس نہیں رکھتے۔ والمعنی ان لحوق ضرر ذلک بھم کالمحسوس وھم لتمادی غفلتھم کالذی لا حس لہ (کشاف) اے لا تدرکونہ بالحواس (راغب) ف۲۷ (کفر کی اور نفاق کی اور شک کی، جو انہوں نے اپنے ہاتھوں پیدا کر رکھی ہے) شک و نفاق و خلاف و ظلمۃ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) دوسرا پہلو ان کم اعتقادوں کے مرض کا یہ تھا کہ جوں جوں مسلمانوں کو ترقیاں اور کامیابیاں حاصل ہوتی جاتی تھیں، ان کے رشک وحسد میں بھی ترقی ہوتی جاتی تھی۔ چنانچہ ہمارے ائمہ تفسیر کی نظر سے یہ پہلو بھی نظر انداز نہیں ہونے پایا ہے والمعنی ان المنافقین مرضت قلوبھم لھا۔ اوالبات امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم واستعلاء شانہ یومًا فیومًا (کبیر) والمراد بہ ھنا ما فی قلوبھم ...... من الغل والحسد والبغضاء لان صدورھم کانت تغلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمؤمنین (کشاف) مَرَضٌ لغوی اعتبار سے نام ہے انسان کے حالتِ طبعی سے خروج کا۔ المرض الخروج عن الاعتدال الخاص بالانسان (راغب) رذائلِ نفسانی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور مجازاً نفاق وکفر کو بھی مرض سے تعبیر کیا جاتا ہے، کہ وہ انسان کے لیے ادراک فضائل اور تحصیل حیات اُخروی کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں (راغب) مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ امراضِ قلب کا معاصی کے معنی میں اثبات خود قرآن مجید سے ہو گیا ف۲۸ (رسول، اسلام اور جماعت مومنین کو مزید ترقیاں اور فتحمندیاں دے دے کر۔ یا اپنے کلام کے مسلسل نزول سے) منافقوں کے دل کے روگ کو ترقی دو طریقوں سے ہوتی رہی۔ یا تو یوں کہ جوں جوں اسلام کو مزید غلبہ واقتدار حاصل ہوتا گیا، ان لوگوں کے دل کی کڑھن اور جلن بڑھتی گئی۔ اور یا یوں کہ کلام الٰہی کی ہر ہر آیت کے نزول کے ساتھ اُن کے غیظ وبغض میں اور اضافہ ہوتا گیا۔ اہل تفسیر نے یہ دونوں پہلو اختیار کیے ہیں۔ کلما زاد رسولہ نصرۃً و تبسطًا فی البلاد و نقصًا من اطراف الارض ازدادوا حسدًا و غلاً و بغضًا (کشاف) کلما انزل علی رسولہ الوحی کفروا بہ فازدادوا کفرًا الی کفرھم (کشاف) فَزَادَھُمْ میں حرف ف بہت اہم ہے۔ یہ گویا اس کا اعلان ہے کہ آگے جس فعل کا ذکر آ رہا ہے، وہ محض بطور ثمرہ یا نتیجہ کے پیدا ہوا ہے۔ والفاء للدلالۃ علی ترتب مضمونھا علیہ (ابوسعود) حق تعالیٰ کی جانب اس قسم کے افعال کا انتساب صرف مجازی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی یہ نہیں کہ اللہ نے خواہ مخواہ ان سے یہ افعال کرا چھوڑے۔ اس نے تو صرف وہ حالات واسباب پیدا کر دیئے، جن سے ان بدنصیبوں نے اپنے مرض کے بڑھانے کا کام لیا، ورنہ اگر وہ اپنی عقل وارادہ کا صحیح استعمال کرتے، تو انہیں اسباب وحالات سے ہدایت بھی پا سکتے تھے۔ و کان اسناد الزیادۃ الی اللہ تعالیٰ من حیث انہ مسبّبٌ من فعلہ (بیضاوی) یہ سزا بھی جو کچھ ملی ٹھیک جرم کے مناسب حال ہی ملی۔ وھو الجزاء من جنس العمل (ابن کثیر) اس قسم کے افعال کا حق تعالیٰ کی جانب انتساب، قدیم صحیفوں کا بھی ایک محاورۂ عام ہے۔ "اسرائیل نے مجھے نہ چاہا تب میں نے انہیں ان کے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا"۔ (زبور ۸: ۱۰، ۱۱) "بس خدا نے منہ موڑ کر انہیں چھوڑ دیا کہ آسمانی فوج کو پوجیں" (اعمال ۷: ۴۲) "خدا نے ان کے دلوں کی

خواہشوں کے مطابق انہیں ناپاکی میں چھوڑ دیا کہ ان کے بدن آپس میں بے حرمت کیے جائیں" (رومیون ۱:۲۴) ف۲۹ یعنی اپنے مومن ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے۔ یہ عذابِ الیم جس کا یہاں ذکر ہے منافقوں پر مطلق کفر پر نہیں، بلکہ ان کی منافقت پر یا جھوٹے دعویٰ ایمان پر ہوگا۔ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ کافروں کے لیے جس عذاب کی خبر اوپر دی جا چکی ہے (آیت ۷ میں) اس کی صفت عَظِيْمٌ آئی ہے، اور یہاں منافقوں کے لیے جس عذاب کی وعید ہے، وہ اَلِيْمٌ ہوگا۔ اور اَلِيْمٌ کے معنی ہیں مؤلم یعنی دکھ پہنچانے والا۔ گویا تکلیف و اذیت کا پہلو اس میں زیادہ نمایاں ہوگا۔ وصف به العذاب للمبالغة (بیضاوی) خوب سمجھ لیا جائے کہ جو منافق تھے، وہ کافر تو تھے ہی، لیکن کافر کے علاوہ بھی کچھ اور تھے، یعنی خادع و کاذب۔ تو عَذَابٌ عَظِيْمٌ کے مستحق تو وہ اپنے کفر کی بنا پر ہو ہی چکے، یہ منافقت کا عذاب الیم اس پر مستزاد۔ گویا منافقوں پر دونوں عذابوں کا مجموعہ ہوگا۔ قد حصل للمنافقین مجموع العذابین فصار المنافقون اشد عذابًا من غیرهم من الکفار (بحر) بِمَا میں ب سببیہ ہے اور ما مصدری۔ الباء للسببیة وما مصدریة (ابوسعود) منافقوں اور ریاکاروں سے انجیل کا طرزِ خطاب حسب ذیل ہے:۔ "تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری قبروں کی مانند ہو، جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مُردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں"۔ (متی۔ ۲۳:۲۷) اور شیوخ و اکابر یہود کے الفاظ ان کی جیوش انسائیکلوپیڈیا میں یوں منقول ہیں:۔ "جو اولیاء کی صحبت میں منافقت کے ساتھ رہتے ہیں، خدا انہیں غارت کر کے رہے...... جو کوئی منافقت برتے خدا کرے چیل کوے اس کی آنکھیں نکال کر رہیں"۔ (جلد ۶ صفحہ ۵۱۴) اور انہیں کے تالمود میں ہے:۔ "جو کوئی منافقت برتتا ہے وہ غضب (خداوندی) دنیا پر لاتا ہے۔ اس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اور جو بچے ابھی رحم مادر میں ہیں، وہ تک اس پر لعنت کرتے ہیں، اور اس کی جگہ جہنم ہے"۔ (ایوری مینس تالمود صفحہ ۱۰۷) ف۳۰ اس سے معلوم ہوا کہ قانونِ شریعت کے علاوہ کسی دین جاہلی پر قائم رہنا، اس کے طور طریقوں کی اشاعت کرنا فساد فی الارض کے مرادف ہے۔ امن عالم و نظام اقوام قائم جب ہی رہ سکتا ہے جب عملدرآمد قانونِ شریعت پر رہے۔ اس راہ سے انحراف، بلکہ سرِ مو تجاوز کرنا بھی دنیا کو بدنظمی، ابتری، کشت و خون اور ہر قسم کی طبقاتی جنگ و کشمکش کو دعوت دینا ہے۔ چنانچہ دنیا عملاً اس کا تجربہ بارہا کر چکی ہے، اور اس وقت بھی کر رہی ہے۔ اسلام کے اس پہلو پر کہ وہ نظام عالم کا بہترین ضامن ہے، اللہ مراتب میں اضافہ کرے، ہمارے زمانہ میں اقبال نے شاعرانہ زبان میں خوب ہی لکھ دیا ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ۔ اس قول کا قائل کون تھا؟ بعض نے اس کا قائل رسول اللہ ﷺ کو قرار دیا ہے اور بعض نے عام مومنین کو، اور کسی نے اللہ تعالیٰ کو بھی۔ الفاظ میں گنجائش ان سب کی ہے۔ وکل ذلک محتمل (کبیر) ف۳۱ (اور الٹا ہم ہی پر الزام مفسد و تخریب کا لگ رہا ہے!) جواب بعینہٖ وہ ہے جو آج بھی خدا معلوم امت کے اندر کے کتنے منافقوں کی زبان پر ہے۔ دین میں رخنے قدم قدم پر ڈالتے جاتے ہیں، اور زبان پر دعوے وہی تجدد کے تجدید کے، اصلاح کے، تعمیر کے ہیں۔ نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ کے معروف معنی تو یہی ہیں کہ یہ لوگ زبانی دعویٰ اپنے دینِ حق پر قائم ہونے کا رکھتے تھے۔ قالوا انما نحن علی الهدٰی مصلحون (ابن جریر۔ عن مجاہد) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم تم لوگوں کے درمیان صلح کرانے والے ہیں۔ محمدی اور غیر محمدی کے درمیان جو کشمکش ہے، اس کے مٹانے والے ہیں۔ قالوا انما نرید الاصلاح بین الفریقین من المؤمنین واهل الکتٰب (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اِنَّمَا کلمۂ حصر ہے۔ اُردو میں زور کا یہ مفہوم لفظ "ارے" سے ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے ف۳۲ (کہ فساد تو تمام تر انہی کی ذات سے پھیل رہا ہے) کیا ٹھکانا ہے اُن کی غباوت کا، مسخ شدہ ذہنیت کا! سیاہ کو سفید کہہ رہے ہیں، تاریکی کا نام کا نور رکھ رہے ہیں، اور احساس اپنے اس جہل کا بھی نہیں رکھتے! اَلَآ کلمۂ تنبیہ ہے، عربی میں "خبردار ہو جاؤ" "آگاہ رہو" کے معنی میں۔ لفظ "اجی" میں اگر متانت کی کمی نہ ہوتی تو اُردو میں اس مفہوم کے لیے یہی بہترین لفظ ہوتا ف۳۳ (اسلام اور رسولِ اسلام ﷺ پر صدق و اخلاص کے ساتھ) دعویٰ ایمان کا تو اب بھی ان لوگوں کو تھا۔ سمجھانے والوں کا مطلب یہ تھا کہ ایمان دل سے لاؤ۔ دیانت اور راستی کے ساتھ رسول کی رسالت کو تسلیم کرو۔ اے ایمانًا مقرونًا بالاخلاص بعیدًا عن النفاق (کبیر) اخلصوا فی ایمانکم (خازن) النَّاسُ، ناس، ال کے داخلہ کے بعد معرفہ ہو گیا۔ اب مراد ساری نوعِ انسان نہ رہی، بلکہ وہ متعین و مخصوص افراد رہ گئے جو مخاطبین کے لیے معلوم و معروف تھے۔ روایتوں میں عبداللہ بن سلام وغیرہ حق شناس یہود کے نام آئے ہیں، جنہوں نے اسلام کی صداقت کو قبول کر لیا تھا۔ هم بعض الناس لا جمیعهم (ابن جریر) کما صدق المهاجرون والمحققون من اهل یثرب (قرطبی) هم ناس معهودون کعبد اللّٰہ بن سلام واشیاعه (کشاف) یہ بھی جائز ہے کہ النَّاسُ کو انسانِ کامل کے معنی میں لیا جائے۔ اور اس صورت میں مراد ہوگی کہ ایمان ان کی طرح لاؤ جو صفت انسانیت میں کامل ہیں۔ اور واقعی انسان کہلانے کے مستحق ہیں۔ الکاملون فی الانسانیة (کشاف) واللام فی الناس للجنس والمراد به الکاملون فی الانسانیة (بیضاوی) اس سے اشارہ یہ نکلا کہ جو منکرین ہیں وہ صورۃً انسان ہیں لیکن حقیقۃً اپنی نافہمی کے لحاظ سے چوپائے ہیں۔ ومن عداهم کالبهائم فی فقد التمییز بین الحق والباطل (کشاف) ف۳۴ (اس کے جواب اور اپنی صفائی میں) ف۳۵ یہ طنز ہے اس وقت کے پکے اور سچے مسلمانوں پر، رسول ﷺ کے صحابیوں پر۔ یعنون اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم (ابن جریر۔ عن ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہم) یہی سنت آج تک چلی آ رہی ہے "ترقی پسندوں" "روشن خیالوں" اور "اہلِ تجدد" کے دربار سے آج بھی جمود پسند، رجعت پسند، تاریک خیال وغیرہ کیسے کیسے خطابات خالص و مخلص اہلِ ایمان کو عطا ہوتے رہتے ہیں! ف۳۶ کیا ٹھکانا ہے ان کے حمق اور نافہمی کا؟ پہلے افساد کو اصلاح کہہ رہے تھے۔ اب حمق بالائے حمق یہ ہے کہ عقل، دُور اندیشی، حکمت کو بے عقلی ٹھہرا رہے ہیں! سفیه کہتے ہیں اس کم عقل کو جسے اپنے نفع و نقصان کی پوری تمیز نہ ہو۔ السفیه الجاهل ضعیف الرأی القلیل المعرفة بمواضع المنافع والمضار (ابن جریر) ف۳۷ (اور صاحب وجاہت و صاحب اثر بھی ہیں) اے ابابکر و اصحابه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۳۸ (اور آپ ہی جیسے مسلمان ہیں) اٰمنّا کایمانکم (معالم) یہ بات یہ لوگ ذی اثر مسلمانوں کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لیے کہتے۔ غرورًا منهم للمؤمنین ومصانعةً وتقیّةً (ابن کثیر) منافقین کی ایک ذہنیت یہ بھی تھی کہ غریب عوام مسلمانوں کے مقابلہ میں تو اکڑتے رہتے۔ لیکن مسلمانوں میں جو صاحب اثر و اقتدار ہوتے ان کے آگے خود جھک جاتے اور ان سے بہ تملق پیش آتے۔ ف۳۹ یعنی اپنے شریر رفیقوں یا سرداروں کے پاس۔ شَيٰطِيْنِهِمْ۔ شیطان کا لفظ عربی میں بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ ہر سرکش اور ہر بگاڑنے والے کو شیطان کہتے ہیں۔ انسان، جنات، حیوانات سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ الشیطان کل عارمٍ متمردٍ من انسٍ اوجنٍ او من دابةٍ (تاج) الشیطان اسم لکل عارمٍ من الجن والانس والحیوانات (راغب) یہاں شیاطین سے مراد رؤساء یہود و منافقین لیے گئے ہیں جو اپنی سرکشی و طغیان کے لحاظ سے خود ہی شیطان بنے ہوئے تھے۔ نیز ان کے کاہن جن کے یہ لوگ بہت معتقد تھے۔ کهنتهم ورؤساء هم (ابن عباس) رؤسهم فی الکفر (ابن جریر۔ عن ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہم) خَلَوْا اِلٰی۔ خَلٰی کا صلہ جب اِلٰی آتا ہے تو معنی ہوتے ہیں تنہا ہونے کے، تنہائی میں ملنے کے۔ خلا الیه اجتمع معه فی خلوة (لسان) خلا الیه اے انتهی الیه فی خلوةٍ (راغب) ف۴۰ (اپنے اصلی عقائد و خیالات میں) یعنی ہم مسلمانوں کے ساتھ تو محض ظاہرداری کے طور پر ہیں، اور مصلحۃً اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے ہیں، ورنہ حقیقۃً تو ہم تمہارے ہی ہم عقیدہ و ہم مذہب ہیں۔ اِنَّا مَعَكُمْ ما انتم علیه من التکذیب بمحمدٍ (ابن جریر) ف۴۱ (ان مسلمانوں کو ان کے پیغمبر ﷺ اور ان کے صحابیوں کو) بمحمدٍ و اصحابه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) مطلب یہ ہوا کہ عوام منافقین جب تنہائی میں اپنے سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم دل و جان سے تو آپ ہی کے ساتھ ہیں۔ باقی مسلمانوں کے بنانے کے لیے ان کی سی کہہ دیتے ہیں۔ استهزاء کے معنی تمسخر کرنے ہنسی اڑانے بنانے کے ہیں ف۴۲ یعنی ان کے تمسخر کو انہیں پر پلٹے دیتا ہے۔ مجازات، سزا، معاوضہ کے موقع پر لغتِ عرب میں یہ محاورہ عام ہے، کہ جزائے فعل کو اصل فعل ہی کا نام دے دیا جاتا ہے۔ اے یجازیهم جزاء الهزؤ (راغب) مثل قول نسوا اللہ فنسیهم اے جازاهم جزاء النسیان (ابن تیمیہ) جزاء الاستهزاء باسمه کما جزاء السیئة سیئة (بیضاوی) ہنسی اور تمسخر کا انتساب ذاتِ باری تعالیٰ کی جانب قدیم صحیفوں میں برابر موجود ہے۔ "تو اے خداوند ان پر ہنسے گا۔ تو ساری قوموں کو مسخرہ بنا دے گا"۔ (زبور ۵۹:۸) "...... میں تمہاری پریشانی پر ہنسوں گا، اور جب تم پر دہشت غالب ہوگی تو میں ٹھٹھے ماروں گا" (امثال ۱:۲۶) ف۴۳ (اپنے قانونِ تکوینی کے مطابق) خالقِ کائنات نے بندوں کو جو آزادی و اختیار دے رکھا ہے، اس میں وہ خواہ مخواہ دست اندازی کبھی نہیں کرتا۔ سانپ کو کاٹنے کی، زہر کو ہلاک کرنے کی، آگ کو جلانے کی، یہ ساری اجازتیں اور آزادیاں اسی کے قانونِ تکوینی کے مطابق ہیں ف۴۴ یہ خود ایک تفسیر ہوگئی اللہ کے "استهزاء" کی۔ عمه اُس کیفیت کو کہتے ہیں کہ انسان کو راستہ سجھائی نہ دے، اور وہ ادھر اُدھر اندھوں کی طرح ٹٹولتا اور ہاتھ پاؤں مارتا پھرے۔ هو التردد فی الضلال والتحیر فی منازعة (تاج) العمی فی العین والعمه فی القلب (قرطبی) وحی الٰہی کی روشنی سے محرومی کے بعد انسان کی واقعی یہی حالت ہو جاتی ہے۔ اپنی محدود و ناقص "عقل" کے سہارے وہ چاروں طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ طرح طرح کے "نظریئے" قائم کرتا

تِّجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ

سود مند ہوئی اور نہ وہ راہ یاب ہوئے ف۴۶ ان کی (عجیب) مثال تو ان کی سی (عجیب) مثال ہے ف۴۷

الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ

جنہوں نے آگ جلائی، پھر جب آگ نے اپنے اردگرد کو روشن کر دیا ف۴۸

ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَ تَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ

تو اللہ نے ان کی روشنی سلب کر لی، اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ

لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾

دیکھتے بھالتے نہیں ف۴۹ (وہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں ف۵۰ تو اب وہ واپس نہ ہوں گے ف۵۱

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ

یا پھر جیسے آسمان سے زور کا مینہ برس رہا ہو ف۵۲ اس میں اندھیرے ہیں اور گرج

وَّ بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ مِّنَ

اور بجلی ف۵۳ وہ ٹھونسے ہوئے ہیں اپنے کانوں میں انگلیاں،

الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾

کڑک کے سبب موت کے اندیشہ سے ف۵۴ حالانکہ اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو ف۵۵

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ

قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی ہی اچک لے جائے ف۵۶ وہ جب ان پر چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں

مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ

یہ چلتے ہیں، اور جہاں ان پر اندھیرا ہوا (تو بس) کھڑے رہ جاتے ہیں ف۵۷ اللہ اگر

شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ

چاہتا تو ان کے کان اور ان کی بینائی سلب کر لیتا ف۵۸ بیشک

ہے۔ "اصول" و "کلیات" بناتا ہے۔ ہر طرف ظن وتخمین کے گھوڑے دوڑاتا ہے۔ کھلا ہوا راستہ کوئی نہیں سجھائی دیتا ہے۔ شک، ارتیاب، بے اطمینانی کے دلدل میں اور زیادہ پھنستا جاتا ہے ف۴۵ ان کی بدبختی کی انتہا ہے کہ انہوں نے ہدایت وایمان جیسی جنس بے بہا قیمت میں دے کر خریدی بھی تو کیسی نکمی اور بے حقیقت چیز، گمراہی وکفر! اشْتَرَوُا۔ اشتروا یا خریداری کے معنی کسی چیز کا معاوضہ میں لینا۔ ایمان کا قبول کر لینا ان منافقین کے بالکل اختیار کے اندر تھا۔ لیکن اس کے بجائے انہوں نے روش کفر اختیار کر لی۔ اہل عرب ہر استبدال کے موقع پر اشتراء بولتے ہیں۔ اختاروا الکفر علی الایمان (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای استبدلوا الکفر بالایمان (معالم) و العرب تستعمل ذلک کل من استبدل شیئا بشیء (قرطبی) و یجوز الشراء والاشتراء فی کل ما یحصل به شیٔ (راغب) بِالْهُدٰی میں ب کے معنی ہیں بعوض۔ ای بَدَلاً منه (ابوسعود) عرب کے باشندوں کا تجارتی کاروبار خوب پھیلا ہوا تھا، اور تجارت کی اصطلاحیں ان کی زبان وادب کا ایک جزو بن گئی تھیں۔ جیسا کہ آج کل انگریزوں کا کاروبار خوب پھیلا ہوا ہے، اور کاروباری اصطلاحیں انگریزی زبان وادب کا جزو بن چکی ہیں ف۴۶ (اور ہوتے بھی کیسے، جب کہ اپنی قوت ارادہ وفیصلہ سے صحیح کام نہ لے کر خود گمراہی خرید رہے تھے) تجارت سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اصل سرمایہ محفوظ رہے اور نفع اس پر بڑھتا رہے۔ یہاں منافق کافروں نے نفع کا کیا ذکر عقل سلیم کے اصل سرمایہ ہی کو الٹا برباد کر ڈالا (کبیر) ربح بھی تجارتی اصطلاح ہے، اردو کے لفظ منافع کے معنی ہیں ف۴۷ (محرومی وخسران کے لحاظ سے) الَّذِی لفظاً واحد ہے۔ لیکن یہاں معنی بطور جمع کے استعمال ہوا ہے۔ یقع للواحد والجمع (قرطبی) وضع الذی موضع اللذین (کشاف) عربی میں متعدد نظائر اس طریق استعمال کے کہ لفظ واحد لا کر مراد جمع لی گئی ہے، خود قرآن مجید ہی میں مل جاتے ہیں۔ مثلاً خُضْتُمْ كَالَّذِیْ خَاضُوْا۔ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔ وغیرہا مَثَل کے مفہوم میں ایک پہلو ندرت وغرابت کا بھی شامل رہتا ہے۔ یعنی ایسا حال جو عجیب وغریب ہو۔ ولم یضربوا مثلاً الا قولا فیه غرابة من بعض الوجوہ (کشاف) ف۴۸ یعنی مسائل وحقائق خوب واضح وروشن ہو گئے ف۴۹ (اور طرح طرح سے ٹھوکریں کھا رہے ہیں) مطلب صرف اس قدر ہے کہ منافقین کا اندرونی نور بصارت سلب ہو گیا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں طلب حق مطلق نہ تھی۔ اور قانونِ اسلام کے مقابلہ میں وہ راہ تمامتر انکار و بغاوت کی اختیار کیے ہوئے تھے۔ لیکن ادنیٰ وحقیر مصلحت کوشیوں کی بنا پر زبان سے اظہار اسلام کیے جاتے تھے۔ یہاں ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جب حقانیت کی آگ خوب روشن ہو گئی اور ہدایت کا نور ہر طرف پھیل گیا، تو بجائے اس کے کہ اس سے مستفید ہوتے، منافقین نے خود اپنے اندرونی حاسۂ بصارت کو ضائع کر دیا۔ اور اس روشنی سے محروم ہو گئے۔ سلب بصارت اور گمراہی میں چھوڑ دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب محض تکوینی حیثیت سے ہے۔ یعنی جب منافقوں نے گمراہ رہنا چاہا اور دعوتِ حق کو قبول وتوجہ کے کانوں سے سنا ہی نہیں، تو مشیت الٰہی نے بحیثیت علت العلل کے اس پر نتیجہ بھی وہی مرتب کر دیا۔ رضائے الٰہی کو اس میں مطلق دخل نہیں ف۵۰ یعنی صدائے حق گویا سنتے ہی نہیں، اور کلمۂ حق وایمان کے ادا کرنے سے ان کی زبان گنگ ہے۔ اور دید حق کی طرف سے ان کی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں۔ اور یہ سب کچھ اپنی اختیاری گمراہی کے نتیجہ کے طور پر ف۵۱ (باطل سے حق کی طرف، کفر سے ایمان کی طرف) عن کفرهم وضلالتهم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) الی الهدی ولا الی خیر (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۵۲ منافقین مدینہ کے بھی دو طبقے تھے۔ ایک تو وہ تھے جن کے دلوں میں سرتاپا کفر تھا۔ ایمان کا گزر ہی نہ تھا۔ اس طبقہ کے منافقین کی مثال ابھی اوپر گزر چکی ہے۔ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ۔ دوسرا طبقہ ان منافقین کا تھا جو یکسر منکر نہ تھے بلکہ آج کل کے بعض انتہائی روشن خیالوں کی طرح متشککین ومذبذبین میں تھے۔ اسلام کی ظاہری قوت وشوکت اور مادی اقتدار وفتح مندی کو دیکھ کر کبھی چند قدم اس کی طرف بڑھتے۔ اور جب مسلسل یہ کامیابی نہ پاتے، تو پھر پیچھے ہٹ جاتے۔ آیت میں مثال اس طبقہ کے منافقین کی بیان ہو رہی ہے۔ هذا مثل اٰخر ضربه اللّٰه تعالٰی لضرب اٰخر من المنافقین و هم قوم یظهر لهم الحق تارةً و یشکون تارةً اخرٰی (ابن کثیر) هذا هو المثل الثانی للمنافقین (کبیر) صَیِّب اس باران رحمت سے اشارہ ہے طلوع اسلام کی جانب۔ المراد من الصیّب هو الایمان والقراٰن (کبیر) السمآء۔ یہاں کثرت سے اس کے معنی بادل یا سحاب کے نقل ہوئے ہیں۔ ای من السحاب (معالم) قیل المراد بالسماء السحاب (بیضاوی) سماء کے خود لفظی معنی میں بھی اس مفہوم کی پوری گنجائش موجود ہے کہ ہر چیز جو انسان سے اوپر کی طرف ہو لغت میں سماء ہی ہے۔ السماء کل ما علاک فاظلک (قرطبی) اَوْ کو بعض نے یہاں بل کے معنی میں لیا ہے اور بعض نے و کے معنی میں (کبیر) ف۵۳ اشارہ ہے ان شدائد کی طرف جو آغاز اسلام میں امت کو برداشت کرنے پڑتے تھے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شرعی پابندیاں مراد ہوں جو اظہار اسلام کے بعد بہر حال منافقین پر بھی عائد ہو جاتی تھیں۔ مثلاً ادائے نماز، فریضۂ جہاد، ترکِ امارتِ قدیم، اطاعتِ رسول وغیرہا (کبیر) فِیْهِ میں ضمیر کا مرجع صَیِّب بھی ہو سکتا ہے اور السَّمَآء بھی۔ ظُلُمٰتٌ کا تعلق فِیْ صَیِّب سے بھی ہو سکتا ہے اور فی السمآء سے بھی۔ ماحصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے ف۵۴ یہ کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے والے وہی اندھیروں میں راہ چلنے والے ہیں، یعنی منافقین ومذبذبین۔ مطلب یہ کہ منافقین اپنی بزدلی، پست ہمتی، دون فطرتی کی بنا پر اسلام لانے میں ہر وقت خطرے ہی دیکھ رہے ہیں۔ ایک معنی یہ بھی نقل ہوئے ہیں کہ منافقین قرآن مجید کے بیانات اور احکام ومواعید کی تصریحات سننے ہی سے بچنا چاہتے تھے اور کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں یہ کلام اثر نہ کر جائے اور انہیں اسلام

اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ

اللہ ہر چیز پر قادر ہے و۵۹ اے انسانو! و۶۰

اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ

عبادت (اختیار) کرو اپنے پروردگار کی و۶۱ جس نے تمہیں پیدا کیا و۶۲ اور تم سے

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ

قبل والوں کو (بھی) و۶۳ عجب نہیں کہ تم پرہیزگار بن جاؤ و۶۴ (وہ) وہی (پروردگار) ہے جس نے تمہارے لئے

الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ

زمین کو ایک فرش اور آسمان کو ایک چھت بنا دیا ہے و۶۵ اور آسمان سے

السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا

پانی اتارا و۶۶ پھر تمہارے لئے غذا کو پھل پیدا

لَكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾

کئے و۶۷ سو تم اللہ کے ہمسر نہ ٹھہراؤ و۶۸ اور تم جانتے (بوجھتے) بھی ہو و۶۹

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا

اور اگر تم اس کتاب ہی کے بارہ میں شک میں ہو و۷۰ جو ہم نے اپنے بندہ پر اتاری ہے و۷۱

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ

تو کوئی ایک سورت اس جیسی تم بھی بنا لاؤ و۷۲ اور اپنے حمایتیوں کو بھی

مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِنْ

اللہ کے مقابلے میں بلا لو و۷۳ اگر تم سچے ہو و۷۴ اور اگر تم (یہ)

لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي

نہ کر سکو، اور ہرگز نہ کر سکو گے و۷۵ تو پھر اس آگ سے ڈرو و۷۶ جس کا

لاتے ہی نہ بن پڑے۔ مِنَ الصَّوَاعِقِ ای من بیان القران ووعده ووعیده (ابن عباسؓ) حَذَرَ الْمَوْتِ ای مخافة میل القلب الیه (ابن عباسؓ) و۵۵ (اپنے علم سے، قدرت سے، ہر لحاظ سے) سو کافر اس کی گرفت سے بچ کر جا کہاں سکتے ہیں اور اس کے سامنے ان کی ساری تدبیریں اور حیلے بے اثر رہیں گے۔ جیسے محیط سے وہ چیز نہیں بچ سکتی جو اس کے احاطہ میں ہو۔ ای عالم بهم و جامعهم فی النار (ابن عباسؓ) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر محض علم ہی کے لحاظ سے محیط نہیں بلکہ ذاتاً بھی محیط ہے، بلا کسی کیفیت کے۔ اور عارف رُومی نے کہا ہے۔ اتصالے بے تکیف بے قیاس + ہست ربِّ النَّاس را با جانِ ناس و۵۶ (اور ان کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جائیں) تشبیہ مرکب کے سلسلہ میں بیان ہو رہا ہے آثار غلبۂ اسلام کی قوت و شدت کا، کہ یہ منافقین کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے کے لیے اور انہیں مرعوب کرنے کے لیے کافی ہے۔ وهذا تمثیل لشدة الامر علی المنافقین (کشاف) و۵۷ یعنی جب اسلام کی مادی فتحمندیاں اور کامیابیاں دیکھتے ہیں تو ان منافقین و مذبذبین کے قدم [illegible] اسلام کی طرف بڑھنے لگتے ہیں۔ طلبِ حق تو ان کے دل میں ہوتی ہی نہیں، البتہ مرعوبیت کچھ دیر کے لیے آمادہ کر دیتی ہے۔ لیکن جب اہلِ ایمان کو ابتلاء پیش آنے لگتے ہیں، تو یہ منافقین و مذبذبین انکار اور بے یقینی کے مقام پر پھر ٹھٹک جاتے ہیں۔ اور اسلام کی طرف ان کے بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں۔ كُلَّمَآ أَضَآءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ كلما اصاب المنافقین من عزّ الاسلام اطمانّوا الیه (ابن کثیر۔ عن ابن عباسؓ) وَإِذَآ أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا۔ واذا اصاب الاسلام نكبة قاموا ليرجعوا الى الكفر (ابن کثیر۔ عن ابن عباسؓ) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ ایسا ہی حال اس سالک کا ہے جو حالت بسط میں طاعات میں لگا رہتا ہے اور قبض میں چھوڑ بیٹھتا ہے و۵۸ (جیسا معاملہ کہ بعض اگلی قوموں کے ساتھ پیش بھی آ چکا ہے) توریت میں ہے:۔ "جب وہ اس کی طرف کو اترے تو الیسع نے خداوند سے دعا مانگی اور کہا کہ مہربانی کر کے ان لوگوں کو اندھا کر دیجئے۔ سو اس نے جیسا کہ الیسع نے کہا تھا ان کو اندھا کر دیا۔" (۲۔ سلاطین۔ ۶:۱۸) وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ۔ یعنی مشیت الٰہی اگر یہی ہوتی، قانونِ تکوینی اگر اب بھی یہی ہوتا۔ اس سے اشارہ یہ بھی نکل آیا کہ مؤثرِ حقیقی صرف ارادۂ الٰہی ہے۔ اور اسبابِ ظاہری میں تاثیر جو کچھ بھی پیدا ہوتی ہے، مشیت الٰہی سے پیدا ہوتی ہے۔ بذاتِ خود موجود نہیں ہے۔ والتنبیه علی ان تاثیر الاسباب فی مسبّباتها مشروط بمشیة الله تعالٰی (بیضاوی) و۵۹ (چنانچہ اس پر قادر ہے، اور اب بھی یہی کر سکتا ہے) قَدِيرٌ صیغۂ مبالغہ ہے، زور و قوت میں قادر سے زیادہ۔ اسلام کا خدا قادرِ مطلق ہے، ہمہ تواں ہے۔ مصری، ہندی، یونانی خداؤں کی طرح ناقص اور محدود القویٰ نہیں و۶۰ قرآن مجید کا مخاطب سارا عالم انسانیت ہے۔ کوئی مخصوص نسل مثلاً بنی اسرائیل اور کوئی مخصوص قوم مثلاً اہل عرب نہیں۔ خطابٌ لجمیع من یعقل (بحر) یہ طرزِ خطاب خود ایک دلیل ہے تخاطب کے عام ہونے پر۔ پچھلے دو رکوعوں میں موجودات انسانی کی سہ گانہ تقسیم از روئے اعتقاد بیان ہو چکی ہے۔ یعنی مومن، کافر، منافق۔ اب خطاب سارے عالم انسانی کو مجموعی طور پر شروع ہو رہا ہے و۶۱ قرآن مجید کے اصل پیام کا آغاز گویا اب ہو رہا ہے۔ اور اس کا عنوان اول ہے مسئلہ توحید، کہ وہی اصل و اساس ہے سارے عقائد و مسائل اسلامی کی و۶۲ (تن تنہا، بلا کسی کی شرکت و اعانت کے) عمل تخلیق خالص خدائی عمل ہے۔ ہمسر و مساوی ہونا تو خیر الگ رہا، ماتحت و معاون کی بھی حیثیت سے کوئی شریکِ تخلیق نہیں۔ پھر خَلَقَكُمْ سے اس پر بھی زور دینا مقصود ہے کہ کائنات "خلق" ہوئی ہے، نیست سے ہست ہوئی ہے، عدم سے وجود میں آئی ہے۔ یہ نہیں کہ پہلے سے کوئی غیر مخلوق مادہ موجود تھا۔ اللہ نے اس کی صورت میں کوئی خاص صفت و ترتیب پیدا کر دی۔ بہت سے باطل مذہبوں کا رد اسی سے نکل آیا و۶۳ (پس الوہیت و معبودیت کا سزاوار وہی ایک خالق بے ہمتا ہے) الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے پچھلی انسانی نسلوں کا مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ خلقت انسانی سے قبل روئے زمین پر کوئی اور مخلوق بھی آباد ہو، جیسا کہ توریت میں درج بھی ہے۔ قرآنی لفظ ان سب ممکن مخلوقات پر حاوی ہے۔ "تم کو" (یعنی موجودین بصیغۂ حال) اور "تم سے قبل والوں کو" (یعنی موجودین بصیغۂ ماضی) یہ دو لفظ لا کر قرآن مجید نے اشارہ ادھر بھی کر دیا کہ توحید کا درس ماضی و حال، تاریخ و مشاہدہ دونوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے

و۶۴ (کہ توحید ہی مرتبۂ تقویٰ تک پہنچانے کا بے خطا نسخہ ہے) لتکونوا من المتقین الذین رضی الله عنهم ربهم (ابن جریر) لَعَلَّ ہے تو اظہار شک اور امید و آرزو کے لیے۔ لیکن قرآن مجید میں جہاں حق تعالیٰ کی طرف سے ادا ہوا ہے، تو کسی فعل کی آرزو کی جگہ اُس کے وقوع کا اور شک و احتمال کی جگہ یقین کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔ اور اردو ترجمہ "تاکہ" سے بھی جائز ہو گیا ہے۔ هی کلمة رجاء و طمع و شک و قد جاءت فی القران بمعنی کَیْ (لسان) وقد جاءت فی القران بمعنی کَیْ (تاج) و۶۵ آیت کے اس ٹکڑے کی جان یا اصل رُوح جَعَلَ لَكُمْ ہے۔ مقصود زمین یا آسمان کی ہیئت بیان کرنا، یا ان کی ارضیاتی یا فلکیاتی ماہیت بیان کرنا کسی درجہ میں بھی نہیں۔ بیان صرف یہ کرنا ہے کہ زمین ہو یا آسمان، کوئی بھی از خود نہیں بن گئے ہیں، بلکہ جو کچھ اور جیسے بھی کچھ ہیں، اللہ کے بنائے ہوئے، اور اسی قادر مطلق کے زیر فرمان ہیں۔ رَبَّكُمُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الخ۔ دوسری تعلیم ساتھ ہی ساتھ یہ ملی، کہ زمین و آسمان انسان کے لیے خلق ہوئے ہیں۔ انسان زمین و آسمان کے لیے خلق نہیں ہوا ہے۔ مقصود و مطلوب انسان ہے۔ زمین و آسمان دونوں، باذن الٰہی، اسی خلیفۃ اللہ کے خادم ہیں۔ پھر یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ انسان اپنے ان خدائی خادموں کے آگے جھکنے لگے۔ اور اُلٹا انہیں کو معبود قرار دے کر ان کی پرستش کرنے لگے! ارض ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے قدموں کے نیچے ہو۔ وکل ما سفل فهو ارض (تاج) اسی طرح سماء ہر اُس بلند چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے سر کے اُوپر ہو۔ السماء کل ما علاک (تاج) کل ما علا فاظل قیل له سماء (قرطبی)

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

ایندھن آدمی اور پتھر ہیں ف۷۷ (اور) وہ کافروں کے لئے تیار کی ہوئی ہے ف۷۸

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ

اور ان لوگوں کو خوشخبری سنا دیجیے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ف۷۹ کہ ان کے لئے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا

(بہشت کے) باغ ہیں کہ ان کے نیچے دریا بہ رہے ہوں گے ف۸۰ انہیں جب کوئی

مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا

پھل کھانے کو دیا جائے گا تو وہ بول اٹھیں گے ف۸۱ کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں (اس کے)

مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ

قبل مل چکا ہے ف۸۲ اور انہیں وہ (واقعی) دیا ہی جائے گا ملتا جلتا ہوا ف۸۳ اور اُن کے لئے پاکیزہ بیویاں

مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ

ہوں گی ف۸۴ اور وہ ان (بہشتوں) میں ہمیشہ کے لئے ہوں گے ف۸۵ اللہ اس سے ذرا نہیں شرماتا ف۸۶

اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا

کہ کوئی مثال بیان کرے مچھر کی یا اس سے بھی بڑھ کر (کسی اور چیز کی) ف۸۷ سو جو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ

لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ تو یہی سمجھیں گے کہ وہ (مثال) یقیناً حق ہے ان کے پروردگار کی جانب سے ف۸۸

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ

البتہ جو لوگ کفر اختیار کیے ہوئے ہیں وہ یہی کہتے رہیں گے ف۸۹ کہ اللہ کا اس مثال سے

بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ

مطلب کیا تھا؟ ف۹۰ گمراہ بھی کرتا ہے بہتوں کو اسی سے ف۹۱ اور راہ بھی دکھاتا ہے بہتوں کو اسی سے ف۹۲

(وقف لازم)

ارض میں اصل تخیل پستی کا ہے۔ اور انسان کے تعلق میں اس کا اصلی وصف فراش یا مفروش کا ہے۔ یعنی وہ ایسی چیز ہے جو بچھا دی گئی ہے، یا بچھی ہوئی ہے۔ ہمارے لیے فرش ہے یا ایسی ٹھوس اور ہموار چیز ہے جس پر ہم قدم رکھ سکتے ہیں، چل سکتے ہیں، بیٹھ سکتے ہیں، لیٹ سکتے ہیں، نہ کہ کوئی ایسی کھردری یا پلپلی چیز ہے جس پر بیٹھنا، چلنا، قدم رکھنا ناممکن ہو۔ یہ زمین اپنی ہیئت کے لحاظ سے گول ثابت ہو یا چپٹی، بہرحال و بہرصورت اس کا تعارف انسان وانسانیت کے سلسلہ میں اس سے بہتر ممکن نہیں کہ وہ انسان کے لیے فرش کا کام دے رہی ہے، اور اس کام پر اسے اللہ ہی نے لگایا ہے چنانچہ قرآن نے یہاں اُس کا یہی وصف بیان کر دیا۔ اسی طرح سماء میں اصل تخیل بلندی کا ہے۔ زمین جس طرح بطور فرش ہمیں نیچے سے سنبھالے ہوئے ہے، آسمان اسی طرح ہمیں اوپر سے ڈھانپے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے کہ جو محسوس و مرئی چیز اس قدر بلند ہے کہ بڑے بڑے بلند سیاروں کی بلندیاں، اُونچے سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں، پرندوں اور طیاروں کی بڑی سے بڑی بلند پروازیاں، سب اس کے اندر سما جائیں، اور سب اُس سے پست ہی رہیں، تو چھت کا اطلاق اس پر بھی نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا؟ زمین کی طرح آسمان کی ہیئت سے قرآن مجید یعنی دنیا کے اس اخلاقی اور روحانی نظام نامہ کو کوئی تعلق نہیں۔ آسمان کوئی ٹھوس مادی جسم رکھتا ہے، یا محض خلا، منتہائے نظر ہے، اس قسم کے مسائل کا تعلق تمام تر دنیوی تجربی علوم سے ہے۔ قرآن کو تو آسمان کا صرف وہی وصف بیان کرنا تھا، جو سلسلۂ الٰہی وخلافتِ الٰہی سے تعلق رکھتا ہے، اور یہی اُس نے کر دیا۔ زمین وآسمان کی پوجا ہر مشرک، جاہل، ''متمدن'' قوم نے کی ہے۔ اور آسمان کو تو بہت بڑا دیوتا یونانیوں سے لے کر ہندیوں تک سب نے مانا ہے۔ قرآن کی اصلی زد انہیں مشرکانہ تخیلات اور جاہلی اوہام پر آ کر پڑتی ہے ف۶۶ (اسی معبودِ واحد وبرحق اور اسی خالقِ یکتا و مطلق نے، نہ کہ کسی دیوی دیوتا نے) مقصود اس حقیقت کی تعلیم ہے کہ آسمان اور بارش سب خدائے واحد ہی کی مخلوق ومصنوع ہیں۔ نہ کوئی آکاش دیوتا ہیں، نہ کوئی اندر دیوتا اور نہ کوئی Father-Zeus بلکہ یہ کلدانیوں، مصریوں، ایرانیوں، ہندیوں، یونانیوں، رومیوں کے سب گڑھے ہوئے خرافات ہیں۔ آسمان اور بارش کی پرستش دنیا سے بالکل ختم اب بھی نہیں ہوئی ہے۔ ایشیاء، افریقہ، امریکہ تینوں براعظموں کے خدا معلوم کتنے گوشوں میں اب بھی یہ شرک جاری ہے۔ لفظ سماء کے معنی اُوپر کے حاشیہ میں ابھی گزر چکا ہے کہ بہت وسیع ہیں۔ اس لیے سماء سے پانی کا اُترنا، بادل سے پانی کے اترنے، بخارات کے منجمد ہونے اور پھر گرمی پا کر برس پڑنے، یا اور اسی طرح کے درمیانی واسطوں کے ہرگز منافی نہیں ف۶۷ (اسی معبودِ واحد اور خالقِ یکتا نے، نہ کہ کسی اور دیوی دیوتا نے) خدا جانے کتنی مشرک قومیں الگ الگ دیوی دیوتا، زراعت کے، نباتات کے، پھل پھلاریوں کے مان چکی ہیں۔ قرآن مجید کا کام مسائلِ طبعیات، فلکیات، جغرافیہ طبعی وغیرہ کی تعلیم دینا نہیں، بلکہ اُن عالمگیر مشرکانہ عقائد اور جاہلی تخیلات کی تردید ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہے یا جو کچھ ہو رہا ہے وہ نہ از خود اور بے سبب ہے، اور نہ کسی اور کی قوت سے ہو رہا ہے۔ تمامتر قادرِ مطلق ہی کی کارفرمائی کا ثمرہ ہے۔ بہ یعنی پانی کے واسطہ یا ذریعہ سے المعنی انه جعل الماء سبباً فی خروجها ومادة لها (کشاف) پانی کو جو دخل عظیم ہر قسم کی زمینی پیداوار اور نباتات میں ہے محتاجِ بیان نہیں ف۶۸ (کسی کو کسی حیثیت سے بھی) خلیفۃ اللہ جب بھی اپنے مقام ومرتبہ کو بھول کر پستی میں گرا ہے تو اُس نے اپنا سر جھکایا اور ماتھا ٹیکا ہے درختوں کے آگے، ان کے پھلوں کے آگے، بارش کے دیوتا کے آگے، زمین کے آگے، آسمان کے آگے۔ قرآن مجید اسی حماقت وسخافت پر اُسے تنبیہ کر رہا ہے۔ فَلَا تَجْعَلُوْا میں ف سببیہ ہے، یعنی جس نے تمہیں ان نعمتوں کے ساتھ پیدا کیا۔ وہ اسی لائق ہے کہ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اَنْدَادًا۔ ندّ عربی میں کہتے ہیں مثل ومشابہ کو بھی، اور مخالف وضد مقابل کو بھی۔ الند المثل والنظیر وقال الاخفش الند الضد والشبه (تاج) چنانچہ انداد کے معنی اضداد اور اشباہ دونوں کیے گئے ہیں۔ (تاج) لفظ کی جامعیت میں نکتہ یہ ہے کہ شرک دنیا میں دونوں قسموں کا مروج رہا ہے۔ بہت سی قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو محض ایک خدائے اصغر یا ماتحت خدا تسلیم کیا ہے، اور مجوس نے اہرمن کو یزدان کے حریف وضد مقابل کی حیثیت سے پیش کیا ہے ف۶۹ (اپنے الہامِ فطری اور عام فہم بشری کی بنا پر، کہ سب کا حاکم، سب کا خالق بس وہی ایک ہے) اتنی بصیرت، جو توحید تک پہنچا دے، ہر قلبِ بشری میں ودیعت رکھ دی گئی ہے۔ بشرطیکہ غلط تعلیم وتربیت اور ناقص ماحول اس فطرت ہی کو مسخ نہ کر ڈالے۔ وانتم تعلمون انی صانع هذه الا شیاء (ابن عباس رضی اللہ عنہما) انکم لکمال عقولکم تعلمون ان هذه الا شیاء لا یصح جعلها اندادًا لله تعالٰی (کبیر) ف۷۰ (یعنی اس کے کلامِ الٰہی ہونے کے باب میں اے کافرو اور منکرو!) خطاب یہاں یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ کے تحت میں ساری دنیا سے ہو رہا ہے، صرف اہلِ عرب یا قریش سے نہیں۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر تمہارے خیال میں یہ کلامِ الٰہی نہیں، تو یقیناً ایک انسانی تصنیف ہوگی۔ اور جب ایک انسان ایسی تصنیف پر قادر ہے تو دُوسرا بھی ہو سکتا ہے، چہ جائیکہ لائق وفائق انسانوں کا ایک پورا مجمع! کلمۂ اسلام کے اجزائے ترکیبی دو ہیں۔ ایک توحیدِ باری، دوسرے رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ توحید کا بیان اوپر کی دو آیتوں میں ہو چکا، اب دعوت تصدیقِ رسالت کی دی جا رہی ہے ف۷۱ (جن کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے) سیاق وموقع ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص قرب واختصاص کے اظہار کا ہے۔ نیز آیت میں ایک نہایت پُرزور اور دائمی چیلنج منکرین کو دیا جا رہا ہے۔ لیکن اس انتہائی زور اور اہمیت کے موقع پر بھی جو سردار انبیاء اور سردار رسل تھے، وہ قرآن کی زبان میں محض ایک ''عبد''، بندہ یا چاکر ہیں!۔۔۔ نہ خدا کے بیٹے اور اکلوتے بیٹے، نہ خدا کے مثل، نہ خدا کے بروز یا اوتار، نہ خدا کے وزیر یا مشیر، بلکہ محض عبد! محض بندے! توریت میں ''خداوند کے خادموں'' کا لقب ایسے ہی اعزاز واکرام کے موقع پر آیا ہے، اور ابراہیم نبی، اسحق نبی اور یعقوب علیہم السلام نبی کو خداوند کا خادم ہی ٹھہرایا ہے۔ نَزَّلْنَا یعنی جس کلام کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے بہ تدریج حسب ضرورت ومصلحت اُتارا ہے۔ شک وتردد کا ایک بڑا

سبب یہی نزول تدریجی تھا۔ منکرین کہتے تھے کہ جس طرح اور شاعر سوچ سوچ کر شعر کہتے ہیں، یہ "رسول ﷺ" بھی وقفوں کے ساتھ اسے گڑھتے رہتے ہیں۔ خدائی کلام ہوتا تو ایک بارگی سب کا سب نہ آجاتا (مظہری) عَبْدِنَا سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ آپ عبدیت میں کامل اور احکام الٰہی کے پورے پورے مطیع و فرمانبردار تھے (مظہری) و۷۲ (معانی کی بلندی، مطالب کی جامعیت، مضامین کی ندرت کے لحاظ سے) قرآن مجید اپنی زبان کی فصاحت اور حسن انشاء کے لحاظ سے بھی یقیناً بے نظیر ہے، جیسا کہ عرب کے بڑے بڑے ماہرین ادب تسلیم کر چکے ہیں۔ لیکن یہاں جو تحدی کی جا رہی ہے اس کا مخاطب یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ کے ماتحت سارا عالم ہے، صرف قریش یا اہل عرب نہیں۔ اس لیے قرآن مجید کو یہاں صرف انشاء و فصاحت تک محدود رکھنا اُس کے عام و عالمگیر چیلنج کو محدود کر دینا ہے۔ قرآن نے اپنی حقیقت خود یہ بیان کردی ہے کہ وہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کتاب ہُدیٰ ہے۔ یعنی انفرادی و اجتماعی دونوں زندگیوں کا جامع نظام نامہ، مکمل، ہمہ گیر و ہر جہتی دستور العمل، اس کے علاوہ اُس کی اور جتنی حیثیتیں ہیں، تبعی و ضمنی ہیں۔ وہ یہاں پیش اپنے اسی سب سے بڑے وصف کو کر رہا ہے، اور پکار کے کہہ رہا ہے کہ جو ہدایتیں اور بصیرتیں میرے ایک ایک سورہ کے اندر موجود ہیں، اب اگر تم اپنی متحدہ کوشش اور جدوجہد سے بھی اس کے مقابلہ کی کوئی چیز پیش کر سکتے ہو تو لا دکھاؤ۔ مِنْ مِّثْلِهٖ میں مثلیت کی تفسیر پر بہترین روشنی خود قرآن مجید ہی سے پڑتی ہے۔ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (قصص۔ آیت ۴۹) هُوَ اَهْدٰى کے ایجاز میں سب کچھ آگیا۔ مِنْ مِّثْلِهٖ کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال کثرت سے مثله فی البلاغة اور حسن نظم کے منقول ہوئے ہیں۔ لیکن اعجاز من جهة المعنی کا پہلو بھی اہل تحقیق سے چھوٹنے نہیں پایا ہے۔ یعنی مثل هذا القران حقاً و صادقاً لا باطل فیه و لا کذب (ابن جریر۔ عن قتادة) اور امام رازی ؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں متعدد پہلو اختیار کیے ہیں۔ مِنْ مِّثْلِهٖ میں مِنْ بعض نے کہا ہے تبعیض کے لیے ہے بعض نے کہا ہے تبیین کے لیے ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ زائد ہے۔ من للتبعیض او للتبیین و زائدة عند الاخفش (بیضاوی) بِسُوْرَةٍ۔ یعنی پورا قرآن نہ سہی، اس کا نصف یا ثلث بھی نہیں۔ اس کی کسی ایک سورۃ ہی کے برابر تم تصنیف کر دیکھو۔ لفظ سورۃ پر حاشیہ شروع میں گزر چکا ہے۔ و۷۳ شُهَدَآءَكُمْ میں شُهَدَآءَ سے عموماً مراد حامیوں اور ناصروں سے لی گئی ہے۔ یعنی اعوانکم ما انتم علیه (ابن جریر۔ عن ابن عباس ؓ) معناه اعوانکم و نصراء کم (قرطبی) المراد من الشهداء اکابرهم او من یوافقهم فی انکار امر محمد علیه السلام (کبیر) لیکن اگر شُهَدَآءَ کے وہی لفظی معنی گواہ کے رکھے جائیں جب بھی مراد یہ ہوگی کہ ان لوگوں کو بھی بلا دیکھو، جو تمہارے اس دعویٰ کی کہ تم نے کسی قرآنی سورت کا جواب لکھ لیا ہے تصدیق کر دیں۔ ای قوم یشهدون لکم (ابن جریر۔ عن مجاہد) و۷۴ (اپنے اس زعم و گمان میں کہ قرآن انسانی دماغ کی پیداوار ہے) قرآن کا سیدھا سادہ دعویٰ یہ ہے کہ وہ انسان کا نہیں، خدا کا کلام ہے۔ اور اپنے اس دعویٰ پر دلیل اس نے کیسی قطعی، اور عوام و خواص دونوں کی سمجھ میں آجانے والی یہ پیش کر دی ہے کہ اگر کوئی اسے امکان بشری کے اندر سمجھتا ہے، تو ذرا اس کا ادنیٰ اور ہلکا نمونہ بھی سب کی متحدہ کوشش سے پیش کر دکھائے! قرآن کے چیلنج کو ساڑھے تیرہ سو سال سے اوپر ہو چکے ہیں۔ اور دنیا کے کتب خانے اس کتاب سازی کے عہد میں، قرآن کے برابر کیا معنی تقریباً برابر کتاب سے بھی یکسر خالی ہیں! و۷۵ (قیامت تک) اللہ اکبر! کس زور کی تحدی ہے اور وہ بھی ایک اُمّی کی زبان سے! اپنی عقل و حکمت، اپنے علوم و فنون پر ناز رکھنے والوں کو کیسا کیسا جوش اُس وقت بھی آیا ہو گا، اور آج بھی آرہا ہے۔ ع لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی! کتنے نئے نئے مسلک روز پیدا ہو رہے ہیں، کیسی کیسی "isms" ہر روز اُٹھ رہی ہیں، اور دنیا کو راہِ نجات دکھانے میں سب کی سب بیکار ہی ثابت ہو رہی ہیں۔ یہ سب گویا قرآن کے جوابات ہی ہیں۔ ہر جواب ناکام، اور شرمناک حد تک ناکام! و۷۶ یہ دنیا کی نہیں دوزخ کی آگ ہوگی، وہ دنیا کی آگ سے کہیں زیادہ تیز اور جلانے والی ہے۔ یہاں تک کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ وہ اس سے ستر حصہ زیادہ تیز ہوگی۔ آخرت کے عذاب آتشیں کا ذکر توریت میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو سعیاہ ۳۳:۱۴ نیز ۶۶:۲۴۔ انجیل کی تعلیم تمام تر رافت و حلم، عفو و درگزر کی سمجھی جاتی ہے۔ لیکن آگ کے جہنم کا ذکر حضرت مسیح ؑ کے ٹھنڈے مواعظ میں بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو متی ۱۸:۸، ۹۔ فَاتَّقُوا جواب شرط ہے۔ اور ف نتیجہ کو بتلا رہا ہے۔ یعنی جب قرآن کی پیش کی ہوئی دلیل کے جواب سے عاجز آچکے ہو، اور اپنے انکار پر کوئی دلیل خود رکھتے نہیں ہو، تو اب انکار حق کیے چلے جانا بجز عناد و خبث نفس کے اور کس چیز کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ اور جہنم کا عذاب آتشیں اسی معاندانہ انکار حق کا لازمی اور قدرتی نتیجہ ہے و۷۷ جہنم کی اصل غذا تو خود اہل کفر و شرک ہوں گے۔ سزا انہیں کو ملے گی۔ لیکن اس سزا میں اشتداد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان کی مورتیں، ان کے ٹھاکروں کو بھی ان کے پہلو میں رکھ دیا جائے گا۔ اور گویا ان سے کہا جائے گا کہ لو، اب اپنے انہیں معبودوں سے کام لو، جنہیں دنیا میں پوجتے رہے تھے۔ شرک اور مورتی پوجا میں تعلق بہت قدیم، بہت وسیع، بہت گہرا ہے۔ دنیا کی تقریباً ہر مشرک قوم نے بت پرستی بھی ضرور کی ہے۔ کلدانیہ، مصر، عرب، یونان، روما سب بت پرست رہ چکے ہیں، اور ہندوستان کی بت پرستی تو مشہور ہی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ والمراد بها حجارة الاصنام والانداد التی کانت تعبد من دون الله (ابن کثیر) ارادبها الاصنام (معالم) جدید جاہلی متمدن و مہذب قوموں کا ذوق سنگ تراشی و مجسمہ سازی بھی بت پرستی سے کچھ بہت زیادہ دُور نہیں و۷۸ یہیں سے اہل سنت نے یہ استنباط کیا ہے کہ جہنم کی اصل غایت کافروں کی تعذیب ہے۔ نہ کہ محض اہل فسق و عصیان کی۔ عارضی طور پر یہ بھی تادیب کے لیے اس میں داخل کر دیئے جائیں تو یہ ایک الگ چیز ہے و۷۹ (اے ہمارے پیغمبر!) بَشِّرِ۔ گویا مومنین صالحین اس کے مستحق ہیں کہ مخاطب انہیں مبارکباد پہنچائے۔ اور اس میں ان لوگوں کی تکریم زائد ہے۔ بمقابلہ اس کے کہ انہیں براہ راست خود ہی بشارت دے دی جاتی۔ اٰمَنُوْا۔ یعنی توحید و رسالت پر ایمان لے آئے۔ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یعنی عمل مطابق شریعت اسلام کیے۔ نیک عمل کے سمجھنے میں بہتوں کو دھوکا ہوا ہے، اور یہ مغالطہ آج کل بہت عام ہو گیا ہے۔ سمجھا جانے لگا ہے کہ نیکی اور ایمان ایک دوسرے سے بالکل الگ اور بے تعلق چیزیں ہیں۔ اور پھر اس مفروضہ کی ایک فرع یہ قائم کی گئی ہے کہ کوئی شخص ممکن ہے کہ بہت صالح اعمال کا ہو لیکن ایمان سے یکلخت محروم ہے۔ --- حالانکہ یہ تخیل ہی سرتاسر غلط ہے۔ نیکی ایمان سے الگ نہیں، ایمان ہی کی عملی شکل کا نام ہے۔ ایمان جب تک قلبی ہے، ایمان ہے۔ اگر قولی و لسانی ہے تو اسلام ہے۔ اور وہی ایمان جب عمل سے ظاہر ہونے لگتا ہے تو اس کا نام حسن عمل، حسن کردار یا عمل صالح پڑ جاتا ہے۔ اور حسن عمل کے معنی ہی یہی ہیں کہ وہ عمل رضائے الٰہی کے مطابق ہو۔ کوئی نیکی اگر ایسی پیش کی جاتی ہے، جس کی تہ میں جذبِ ایمانی خفیف سا بھی موجود نہیں، تو وہ نیکی نہیں، نیکی کی صرف صورت ہے۔ نیکی کی صرف نقل ہے۔ اور جس طرح نماز کی نقل محض، نماز نہیں۔ اسی طرح کسی نیکی کی نقل پر اطلاق نیکی کا نہیں ہو سکتا۔ عمل نیک کی تو تعریف ہی یہ ہے کہ وہ عمل ضابطۂ شریعت کے موافق ہو۔ فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ ایمان اور اعمال دو الگ الگ چیزیں ہیں، اور اعمال ایمان کے علاوہ ہیں و۸۰ یہ عالم آخرت کے انعام کا بیان ہے۔ جنت کے انعامات اس قسم کے جتنے بھی بیان کیے گئے ہیں، سب عمومی اور اکثری کے حکم میں داخل ہیں۔ حصر اور کلیہ کی صورت میں نہیں۔ چنانچہ عموماً چونکہ انسان کو لطف دریا اور باغ میں ملتا ہے، اس لیے اُس کے لیے یہ سامان آخرت میں موجود ہوگا۔ لیکن بالفرض کوئی شخص ایسا ہے جسے بجائے سبزہ و گلزار کے دشت و ریگستان پسند ہے تو جنت میں یہ سامان مہیا ہوتے بھی دیر نہ لگے گی۔ آیت سے معلوم ہوا کہ بشارت جنت کے استحقاق کے پورے سبب ایمان اور عمل دونوں وصف ہیں۔ و۸۱ (فرط مسرت وانبساط سے) و۸۲ (دنیا میں یا جنت میں) یعنی جنتیوں کو جب کوئی پھل پھلاری کھانے میں آئے گا تو انہیں پچھلا مزہ بھی تازہ ہو جائے گا اور اس کی شکل دیکھتے ہی وہ بول اٹھیں گے کہ ارے یہ تو وہی لذیذ میوہ ہے، جس کا مزہ ہمیں خوب یاد ہے۔ مِنْ قَبْلُ۔ یہ قبل والے پھل دنیا کے باغوں کے بھی ہو سکتے ہیں اور جنت کے باغوں کے بھی۔ اہل تفسیر سے دونوں منقول ہیں۔ ماحصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے، یعنی اہل جنت میں شوق آفرینی و رغبت افزائی۔ یعنی فی الدنیا و قیل یعنی فی الجنة (قرطبی) فیها و جهان۔ الاول انه من ارزاق الدنیا والثانی ان المشبه به رزق الجنة ایضاً (کبیر) ای من قبل هذا فی الدنیا جعل ثمر الجنة من جنس ثمر الدنیا لتمیل النفس الیه او فی الجنة لان طعامها متشابه فی الصورة کما حکی ابن کثیر عن الحسنؒ (بیضاوی) و۸۳ یعنی تشابہ محض اہل جنت کے خیال کے مطابق نہ ہوگا۔ واقعہ اور نفس الامر بھی یہی ہے۔ یہ تشابہ کس سے ہوگا؟ بعض نے کہا کہ دنیا کے پھل پھلاریوں سے۔ اور بعض کا قول ہے کہ جنت ہی کے میوے ایک دوسرے سے مشابہ ہوں گے۔ لیکن اگر دنیا ہی کے پھلوں سے تشابہ مراد لی جائے تو یہ لحاظ رکھنا ضروری ہوگا، کہ یہ مشابہت صرف صوری اور ظاہری ہی ہوگی۔ ورنہ اصل لذت، ذائقہ، خوشبو وغیرہ کے لحاظ سے جنت اور دنیا کی نعمتوں میں آسمان و زمین کی نسبت ہے۔ چنانچہ محققین نے کہہ دیا ہے کہ دونوں میں اشتراک صرف نام کا ہو گا۔ لیس فی الدنیا مما فی الجنة الا الاسماء (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) بعض اہل لطائف و اسرار نے آیت سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ اسی دنیا کے اعمال حسنہ جنت میں طرح طرح نعمتوں کی شکل و تمثیل اختیار کر لیں گے اور اہل جنت کو اپنے حسنات دنیوی اور ان کے ثمرات

اُخروی کے درمیان ایک خاص تشابہ وتناسب محسوس ہوگا۔ **و۸۴** مُطَهَّرَةٌ۔ پاک صاف ہر طرح اور ہر اعتبار سے، جسم کی، رُوح کی، ہر ممکن گندگی اور آلودگی سے ستھری، پاکیزہ مطهرة من القذر والاذى (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قيل مطهرة من مساوى الاخلاق (معالم) فالمراد طهارة ابدانهن و طهارة ازواجهن من جميع الخصال الذميمة (کبیر) بعض "روشن خیالوں" کو پاکیزہ بیویوں کے نام سے خدا معلوم کیوں اتنی شرم آئی کہ انہوں نے اس معنی ہی سے انکار کردیا۔ اور اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کی تفسیر عجب طرح توڑ مروڑ کر کی ہے۔ گویا بہشت میں رضائے الٰہی کے مقام میں، ہر قسم کی انتہائی لذت، مسرت اور راحت کے موقع پر، بیویوں اور پھر پاکیزہ بیویوں کا ملنا کوئی بڑی ہی شرم وغیرت کی بات ہے! جنت کے نفس وجود ہی سے اگر کسی کو انکار ہے، جب تو خیر بات ہی اور ہے۔ ایسے مخاطب کے سامنے پہلے جنت کا اثبات کیا جائے گا۔ لیکن اگر جنت کا اقرار ہے، تو پھر وہاں کی کسی لذت، کسی نعمت، کسی راحت سے انکار کے کوئی معنی نہ نقل کے لحاظ سے صحیح ہیں نہ عقل کے اعتبار سے۔ جنت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ وہ مادّی اور روحانی ہر قسم کی لذتوں، مسرتوں، راحتوں کا گھر ہوگا ـــ یا پھر یہ کہ بیوی کے نعمت اور اعلیٰ نعمت ہونے ہی سے انکار ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس عقیدہ کا رشتہ اسلام سے کہیں زیادہ رہبانیت، اور مسیح علیہ السلام کی لائی ہوئی نہیں، پولوس کی پھیلائی ہوئی "مسیحیت" سے وابستہ ہے۔ زوجیت جب دنیا میں اللہ کا ایک اعلیٰ انعام ہے تو آخر جنت میں کس جرم میں اس سے محرومی ہوجائے گی؟ حقیقت یہ ہے کہ جسمانی، مادّی، حسی خصوصاً ازدواجی نعمتوں کو حقیر سمجھنا، یا اُن سے

وَ مَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ

ہاں وہ گمراہ کسی کو (بھی) اس سے نہیں کرتا بجز بے حکمی کرنے والوں کے **و۹۲** جو اللہ سے اپنے

عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ

معاہدہ کو اس کے استحکام کے بعد توڑتے ہیں **و۹۳** اور جس چیز کو

اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ

اللہ نے حکم دیا تھا جوڑے رکھنے کا اسے کاٹتے ہیں **و۹۵** اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں **و۹۶**

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٧﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ

تو بس یہی لوگ ہیں نقصان اٹھانے والے **و۹۷** تم لوگ کس طرح کفر کرسکتے ہو اللہ سے **و۹۸**

وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ

درآنحالیکہ تم بے جان تھے **و۹۹** سو اس نے تمہیں جاندار کیا **و۱۰۰** پھر وہی تمہیں موت دے گا **و۱۰۱**

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٨﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي

پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا **و۱۰۲** پھر اسی کی طرف تم واپس کیے جاؤ گے **و۱۰۳** وہ وہی (خدا) ہے، جس نے پیدا کیا

الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ

تمہارے لئے جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب **و۱۰۴** پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ کی **و۱۰۵** اور انہیں سات

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٩﴾ وَ اِذْ قَالَ

آسمان درست کرکے بنادیے **و۱۰۶** اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے **و۱۰۷** اور (وہ وقت یاد کرو) **و۱۰۸** جب

رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ

تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا **و۱۰۹** میں زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں **و۱۱۰**

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ

وہ بولے کیا تو اس میں ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون

ع ۳

شرمانا، تمامتر جاہلی مذہبوں خصوصاً پولوسی مسیحیت سے دماغی مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ اسلام تو حسی اور معنوی، مادّی اور رُوحانی، جسمانی اور عقلی ہر قسم کی نعمت کی قدر کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ایسی خشک لذت جس میں کوئی شائبہ نہ لامسہ کا ہو نہ باصرہ کا نہ ذائقہ کا نہ سامعہ کا، اور صرف اسی پر قانع رہنا کمال نہیں، نقص ہے ہنر نہیں عیب ہے۔ اور معلوم ہے کہ نقص وعیب جنت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتے **و۸۵** سب سے بڑی اور آخری بات جنت کے سلسلہ میں یہ فرمادی گئی کہ اس کی لذتیں اور مسرتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں، اور داخلہ جنت کے بعد زوالِ عیش کا امکان ہی نہیں۔ دنیا کی بڑی سے بڑی، لیکن کیسی فانی اور عارضی، نعمتیں اس کے سامنے تصور میں بھی لائی جاسکتی ہیں؟ خٰلِدُوْنَ۔ خلود کے معنی ایسی حالت میں رہنے کے ہیں، جس میں کبھی تغیر اور خرابی نہ پیدا ہو۔ الخلود هو تبرى الشئ من اعتراض الفساد و بقاءه على الحالة التى هو عليها (راغب) فلا اخرله ولا انقضاء بل فى نعيم سرمدى ابدى على الدوام (ابن کثیر) **و۸۶** (جیسا کہ بعض کج فہم اور معاند معترضین کے خیال میں شرمانا چاہیے) قرآن مجید میں اپنے اپنے موقع اور محل پر تذکرہ بڑی سے بڑی مخلوق کا بھی آیا ہے اور چھوٹی سے چھوٹی کا بھی۔ جانوروں میں ایک طرف ہاتھی، اونٹ، شیر کا۔ اور دوسری طرف چیونٹی مکھی اور مچھر کا۔ اسی تذکرہ پر بعض نافہموں نے کہنا شروع کیا کہ واہ دعویٰ تو کلام الٰہی ہونے کا، اور مضامین اس کے اندر ایسے حقیر! یہ نافہم اور کم عقل معترضین بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہود تھے، بعض میں کہ مشرکین تھے، بعض میں کہ منافقین۔ عجب نہیں کہ تینوں ہوں۔ نزلت فى اليهود (روح۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) نزلت فى المنفقين (روح۔ عن مجاہد) والقول الثالث ان هذا الطعن كان من المشركين قال القفال الكل محتمل ههنا (کبیر) **و۸۷** (کسی دینی حقیقت کی توضیح کے لیے) مثال کی غایت ہی یہ ہے کہ وہ مسئلہ کو ذہن کے سامنے زیادہ کھول کر اور زیادہ وضاحت کے ساتھ لے آئے۔ اب یہ مقصد جس مثال سے پورا ہوسکے، اسی کو بہترین کہا جائے گا، خواہ وہ چیز جو مثال میں پیش کی گئی ہے، بجائے خود کیسی ہی ہو۔ مچھر بظاہر ایک بہت حقیر اور بے حقیقت سی مخلوق ہے۔ اب جہاں مخلوق کی بے حقیقتی بیان کرنا ہوگی وہاں موزوں مثال ظاہر ہے کہ مچھر ہی کی ہوگی۔ پھر اس پر اعتراض کرنا کیسی سفاہت کی دلیل تھی۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے یہ بات بھی خوب لکھی ہے کہ صناعِ عالم اور خلاقِ علیم کی بنائی ہوئی کوئی شے بھی درحقیقت حقیر وبے حقیقت نہیں۔ بلکہ جو چیز بظاہر جتنی زیادہ چھوٹی اور حقیر ہوگی، اسی قدر اس کا بیان کمالِ علم، کمالِ اطلاع اور کمالِ حکمت پر اور زیادہ دلالت کرے گا (کبیر) مَثَلًا مَّا۔ مَثَلًا کا لفظ خود نکرہ تھا مَا کے اضافہ نے اس کے وصفِ تنکیر کو اور بڑھادیا۔ فَمَا فَوْقَهَا۔ یعنی مچھر سے بھی بڑھ کر ہو، اپنے جثہ کے صغر یا ظاہری بے حقیقتی کے اعتبار سے۔ فما فوقها فى الصغر (راغب) اراد بما فوقها فى الصغر والمحققون مالوا الى هذا القول (کبیر) مادونها فى الصغر و الحقارة وهذا قول الكسائى و ابى عبيد قاله الرازى و اكثر المحققين (ابن کثیر) ای فما تجاوزها وزاد عليها فى المعنى الذى ضربت فيه مثلاً وهو القلة والحقارة (کشاف) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں اصل ہے عادت صوفیہ کی کہ مثال لانے میں حیاءِ عرفی کی پروا نہیں کرتے **و۸۸** (اور اپنے مقصود وغایت اور توضیح مراد میں بالکل کافی ووافی) اَنَّهُ میں ضمیر مَثَل کی طرف راجع ہے۔ هذا المثل (ابن کثیر۔ عن ابی العالیہ) المثل هو (معالم) دُوسرا قول یہ ہے کہ ضمیر خود قرآن کی طرف راجع ہے۔ ای يعلمون انه كلام الرحمٰن وانّه من عندالله (ابن کثیر۔ عن قتادۃ) اَمَّا۔ صرف اَمَّا آغازِ کلام میں لے آنے سے فقرہ میں قوت اور زور کی زیادتی ہوگئی ہے۔ توكيد ما صدربه (ابوسعود) يوكد ما به صدر (بیضاوی) **و۸۹** (استفساراً نہیں، طنز وتعریض کی راہ سے) **و۹۰** یعنی وہ اسی میں الجھے رہیں گے کہ ایسی مثالوں سے حاصل کچھ بھی نہیں۔ هذا کے لفظ میں ایک پہلو تحقیر واہانت کا ہے۔ و فى قولهم مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا استحقار (کبیر) و فى هذا استحقار و استرذال (بیضاوی) اُردو روزمرہ کے مطابق هذا مَثَلًا کا ترجمہ ہوگا۔ "ایسی ایسی مثال سے"۔ **و۹۱** (اور اپنے قانونِ تکوینی کے مطابق) اللہ کو خالق شر ماننے میں دُنیا کے مذہبوں کو بڑی بڑی دقتیں پیش آئی ہیں۔ چنانچہ انہیں سے بچنے کے لیے ایک دوسرا خالق شر بھی فرض

کرلیا گیا ہے۔ لیکن اس دشواری کی اصل یہ ہے کہ خیر کی طرح شر کا بھی کوئی وجود فرض کرلیا گیا ہے۔ حالانکہ شر تو اشیائے کائنات کے، موجودات عالم کے، اور اپنے قویٰ کے صرف غلط و ناجائز طریق استعمال کا نام ہے۔ خالق کائنات نے انسان کو آزادی دے رکھی ہے مختلف راہوں میں سے ایک کے انتخاب کی، اور اسی کا نام ارادہ ہے۔ چنانچہ انسان جب اپنے اسی ارادہ و اختیار سے غلط کام لے کر غلط راہ کا انتخاب کرتا ہے تو اسی کو شر میں مبتلا ہو جانا کہتے ہیں۔ اللہ علاوہ احکم الحاکمین ہونے، مالک الملک ہونے، آخری اور اصلی قانون ساز ہونے کے تکوینی حیثیت سے ہر شے کا آخری مسبب الاسباب بھی تو ہے۔ وہ بدی کا خالق صرف اسی معنٰی میں ہے، جس معنٰی میں زہر کا، زہریلے جانوروں کا، خونخوار درندوں کا۔ یُضِلُّ بِهٖ کے معنٰی صرف اس قدر ہیں کہ بندہ جب اپنی رائے اور ارادہ سے گمراہی اختیار کرنے لگتا ہے، تو حق تعالیٰ اس کا بھی سامان بہم پہنچا دیتا ہے۔ یہ نہیں کرتا کہ سامان تو اکٹھے ہو جائیں، اور نتیجہ نہ برآمد ہونے دے۔ بِهٖ یعنی اس سے اور اسی طرح دوسری قرآنی تمثیلات سے۔ ضمیر کا مرجع مَثَلًا ہے۔ كَثِيْرًا۔ بہتوں کو، یہ "بہت" وہی ہیں جو اپنی قوتِ فکر و نظر سے صحیح کام نہیں لیتے۔ اور اس لیے اپنے ارادہ سے کفر و ضلالت اختیار کیے رہتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی رضا کو ان کے کفر میں ذرا بھی دخل نہیں **و۹۲** (اللہ اپنے اسی قانونِ تکوینی کے مطابق) بِهٖ۔ ضمیر کا مرجع یہاں بھی مَثَلًا ہے۔ كَثِيْرًا۔ بہتوں کو، یہ "بہت" وہ ہیں جو اپنی قوتِ فکر و نظر سے صحیح کام لیتے رہتے ہیں۔ مومنین مہتدین کا شمار گو کافرین مضلین کے مقابلہ میں کمتر ہو، پھر بھی بجائے خود ایک بہت بڑی تعداد میں ہے۔ اور اسی لیے کثیر کا لفظ اس کے لیے بھی آیا ہے **و۹۳** آیت نے خود اس مضمون کو صاف کر دیا کہ گمراہی تو بس انہیں کے حصہ میں آتی ہے جو خود گمراہ رہنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ہرگز چھاپ نہیں دیتا۔ بار بار کی ارادی نافرمانیوں اور عدول حکمیوں سے اندر کا نور بجھ کر رہ جاتا ہے، اور طبیعت میں حق کی طلب اور صداقت کی تلاش باقی نہیں رہ جاتی، بلکہ اس کے برعکس باطل اور ناحق پر جمود پیدا ہو جاتا ہے، اور اس سلسلہ کا خاتمہ کفر و انکار پر ہوتا ہے۔ فسق کہتے ہیں احکام سے تجاوز کر جانے کو۔ اور فاسق وہ ہے جو دائرۂ اطاعت سے بار بار نکل جائے۔ الفسق العصیان والترک لامر اللّٰہ عزوجلّ والخروج عن طریق الحق (لسان) المنافق و الکافر سُمِّیا فاسقین لخروجهما عن طاعة ربهما (ابن جریر) ائمہ لغت نے کہا ہے کہ فاسق کے استعمال کی مثال عربی میں اسلام سے قبل، عہد جاہلی میں نہیں ملتی۔ فیروز آبادی کا قول ہے لیس فی کلامهم ولا شعرهم فاسق علی انه عربی (قاموس) اور ابن الاعرابی نے کہا ہے لم یسمع فی کلام الجاهلیة ولا فی شعرهم فاسق هذا عجب و هو کلام عربی (لسان) فسق بہ حیثیت فعل، بے جان چیزوں کے سلسلہ میں ضرور استعمال میں تھا۔ لیکن بحیثیت اسم، فاسق کا استعمال انسان کے لیے کلامِ عرب میں نہیں ملتا۔ لم یسمع الفاسق فی وصف الانسان فی کلام العرب (راغب۔ عن ابن الاعرابی) اس اصطلاحی معنٰی میں جس میں اس کا استعمال اب عربی بلکہ اردو میں عام ہے، یہ تمامتر ایک اسلامی لفظ ہے۔ اور ان چند لفظوں میں سے ہے، جو قرآن نے آکر عربی زبان کو دیئے۔ لا یعرف اطلاقها علی هذا المعنی قبل الاسلام (تاج) آج انگریزی زبان بھی باوجود اپنی وسعت کے حلت، حرمت، طہارت، تقویٰ کے مفہوم کے بہت سے الفاظ سے محروم ہے۔ ایں حدیث رایانِ دیگر است **و۹۴** عَهْدَ اللّٰهِ۔ یعنی معاہدۂ طاعت کو۔ عہد ایمان کو، توحید کے حاسۂ فطری کو۔ اقرارِ توحید ربوبیت تو ایسا سیدھا سادہ صاف مسئلہ ہے کہ ہر انسان کی فطرت سلیم اس عقیدہ پر گواہ ہے۔ نافرمان و فاسق خود اپنی اس فطرتِ سلیم سے، اقرارِ فطری سے بغاوت کرتا رہتا ہے۔ اور اس لیے یہاں فاسقین کے تحت میں ہر قسم کے اہل کفر آگئے۔ عنی بهذه الآیة جمیع اهل الکفر والشرک والنفاق وعهده الی جمیعهم فی توحیده ما وضع لهم من الادلة الدالة علی ربوبیته (ابن کثیر) مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ۔ اس عہد فطرت کی توثیق ہر دور اور ہر زمانہ میں پیغمبروں کی تعلیمات کے ذریعہ سے ہوتی رہی ہے۔ والمراد به ماوثق اللّٰہ به عهده من الأیات والکتب (بیضاوی) **و۹۵** آیت کے وسعتِ مفہوم میں سارے حقوق اللہ اور حقوق العباد داخل ہیں۔ یعنی وہ سارے فرائض جو ہر انسان پر خالق و مخلوق دونوں سے متعلق عائد رہتے ہیں۔ ان یوصل من الایمان والارحام (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) صلة الارحام والقرابات وقیل المراد اعمّ من ذلک (ابن کثیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک معنٰی یہ بھی کیے ہیں کہ حکم الٰہی مومنین کے ساتھ رشتہ جوڑے رکھنے کا ہے۔ یہ اہل فسق اسے چھوڑ کر

اپنا رشتہ کافروں سے جوڑ لیتے ہیں **و۹۶** (اپنے عقائد کفریہ باطلہ سے) اس 'فساد' کے اندر، روحانی، مادی ہر قسم کے مفسدے شامل ہیں۔ اسلام کی حقیقت ہی چونکہ یہ ہے کہ وہ زندگی کا ایک مکمل دستور العمل ہے اور ایک ہمہ گیر نظامِ حیات۔ اس لیے اس سے اعراض و انحراف کے کھلے ہوئے معنٰی یہ ہیں کہ کسی ناقص دستورِ زندگی اور چھوٹے نصب العین کو قبول کرلیا گیا ہے اور اس ناقص پروگرام کا لازمی نتیجہ ہے انفرادی انتشار اور اجتماعی اختلال۔ والاظهر ان المراد منه الصدّ عن طاعة الرسول علیه الصلوٰة والسلام لانّ تمام الصلاح فی الارض بالطاعة (کبیر) یہ عقیدہ نہیں مشاہدہ ہے کہ آج دنیا اتنی ترقیوں اور علمی کمالات کے باوجود کیسی کیسی مصیبتوں میں بھٹک رہی ہے، انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے۔ اور یہ صلاح و فلاح سے محرومی نتیجہ ہے اسلامی زندگی کو ختم کر دینے کا **و۹۷** اس نقصان میں خسارۂ عاجل بھی شامل ہے اور خسارۂ آجل بھی۔ عاجل اس لحاظ سے کہ عدمِ ایمان سے دلوں سے سکون و اطمینان رخصت ہو جاتا ہے۔ اور قوم و افراد و قوم طرح طرح کی بداخلاقیوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور آجل اس اعتبار سے کہ آخرت میں ہر نعمت سے محرومی رہے گی۔ مغبونون بذهاب الدنیا والاخرة (ابن عباس رضی اللہ عنہما) **و۹۸** (اے کافرو اور منکرو!) یعنی کفر و انکار کی جرأت و ہمت کس طرح رکھتے ہو؟ سوال سے مقصود ان کی جسارت پر استعجاب ہے۔ علی وجه التعجب (ابن عباس رضی اللہ عنہما) فالمراد به التکبیت والتعنیف (کبیر) لفظ كَيْفَ کا استعمال قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی حق تعالیٰ کے سلسلہ میں آیا ہے، سیاق ہمیشہ تنبیہ یا توبیخ ہی کا رہا ہے۔ وکل ما اخبر اللّٰہ تعالیٰ بلفظة کیف عن نفسه فهو استخبارٌ علی طریق التنبیه للمخاطب او توبیخا (راغب) **و۹۹** (صلب پدر میں) یعنی ابھی تمہاری تشکیل ہوئی بھی نہ تھی **و۱۰۰** (رحم مادر میں) نعمتوں میں سب سے مقدم صفت حیات ہے کہ دوسری ساری نعمتوں سے استفادہ اسی کے بعد ممکن ہے۔ اس لیے ذکر میں بھی اسے یہاں سب سے مقدم رکھا **و۱۰۱** (اس دنیوی مدت زندگی کے خاتمہ پر) بیان توحید کامل کا ہو رہا ہے، کہ خلق احیاء و افناء سب قوتیں باری تعالیٰ ہی کی ہیں۔ یہ نہیں جیسا کہ بعض مشرک قوموں کا عقیدہ ہے کہ موجد و خالق برہما جی ہیں، اور قائم و باقی رکھنے والے وشنو جی، اور موت و ہلاکت لانے والے شیو جی **و۱۰۲** (حشر میں) حشر کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں ہے، بغیر اس کے اس محدود، مختصر زندگی میں نظامِ عدل کا قیام ممکن ہی نہیں **و۱۰۳** (حساب و کتاب کے لیے) انسان کو جزا و سزا اعمال کی جوابدہی کے لیے براہ راست اللہ ہی کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ اس میں رد آگیا مسیحی مشرکوں کے اس عقیدہ کا کہ حشر میں پیشی مسیح کے حضور میں ہوگی **و۱۰۴** خطاب عام نوعِ انسانی سے ہے۔ ان سے ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ تم تو خود ہی ساری کائناتِ ارضی کے مقصود و مطاع ہو۔ پھر یہ کیسی حماقت ہوگی کہ تم کسی اور مخلوق کو مقصود و مطاع بنالو۔ آیت ہر قسم کے شرک، ہر قسم کی مخلوق پرستی کی جڑ کاٹ دینے کے لیے کافی ہے۔ اس فرشِ زمینی پر جو کچھ بھی ہے سب انسان ہی کے لیے ہے، نہ یہ کہ انسان کسی اور مخلوق کے لیے ہو۔ اور مشرک انسان اس فطری اور قدرتی ترتیب کو الٹ دیتا ہے۔ حدیث نبوی کا یہ ٹکڑا جو مسلمان ہر جمعہ کو خطیب کی زبان سے سنتا ہے، کہ اِنَّ الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَ اِنَّكُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَةِ (دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے اور تم پیدا کیے گئے ہو آخرت کے لیے) اسی مفہوم کا ترجمان ہے۔ اور خلیفۃ اللہ کی بیشک یہی شان ہونا چاہیے۔ سب کچھ اس کے لیے ہو اور وہ خود خدا کے لیے ہو۔ وہ جس چیز کو جس طرح بھی چاہے اپنے تصرف میں لائے۔ اور اس کا جواب دہ صرف اپنے مالک و خالق کے سامنے ہو۔ مرتبہ انسانی کا یہ شرف و احترام اسلام ہی کا قائم کیا ہوا ہے۔۔۔ ڈارون کے "ترقی یافتہ بندر" غریب کو اس رتبہ و مقام سے کیا واسطہ! لکم۔ ای لاجلکم ولا نتفاعکم به فی دنیاکم ودینکم (کشاف) هو یدلّ علی ان المذکور بعد قوله خلق لاجل انتفاعنا فی الدین والدنیا (کبیر) جَمِيْعًا۔ اس "سب" میں گنگا مائی بھی شامل ہیں اور سنگا پربت بھی، گو ماتا بھی اور ہنومان جی بھی۔ حجر پرستی، شجر پرستی، دریا پرستی، کوہ پرستی، ناگ پوجا وغیرہ مخلوق پرستی اور مظاہر پرستی کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب بے معنٰی اور ننگِ انسانیت ہیں **و۱۰۵** سماء واحد اور جمع دونوں طرح آتا ہے۔ یُستعمل للواحد والجمع (راغب) یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ یہاں لفظاً واحد ہے، لیکن معنٰی جمع ہے کہ جنس سماء کے معنٰی میں ہے فانها فی معنی الجنس (ابوسعود) بہرصورت ضمیر جمع هُنَّ سے کوئی خلجان نہ ہونا چاہیے۔ سماء کی وسعتِ مفہوم پر حاشیہ

الدِّمَآءَ ۚ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَنُقَدِّسُ
بہائے گا، درآنحالیکہ ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے رہتے ہیں ف۱۱۱ اور تیری پاکی پکارتے

لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ
رہتے ہیں؟ (اللہ نے) فرمایا یقیناً میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ف۱۱۲ اور اللہ نے آدم کو

الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ
نام سکھلا دیے کل کے کل ف۱۱۳ پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا ف۱۱۴ پھر فرمایا

اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوۡا
بتلاؤ تو ان کے نام اگر تم سچے ہو ف۱۱۵ وہ بولے

سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ
تو پاک ذات ہے ف۱۱۶ ہمیں تو کچھ علم نہیں مگر ہاں وہی جو تو نے ہمیں علم دے دیا ف۱۱۷ بے شک تو ہی ہے

الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓـاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۚ
بڑا علم والا، ف۱۱۸ حکمت والا ف۱۱۹ (اللہ نے) فرمایا اے آدم، بتلا دو انہیں ان کے نام ف۱۲۰

فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّیۡۤ
پھر جب انہوں نے انہیں ان کے نام بتلا دیے ف۱۲۱ تو فرمایا ف۱۲۲ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں

اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۙ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ
آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں، اور جو کہ تم ظاہر کرتے ہو،

وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا
اور جو کچھ تم چھپاتے ہو وہ سب جانتا ہوں ف۱۲۳ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا ف۱۲۴ کہ آدم کے

لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى وَاسۡتَكۡبَرَ ۖ
آگے جھکو ف۱۲۵ تو (وہ سب) جھکے مگر ابلیس (نہ جھکا) ف۱۲۶ اس نے انکار کیا اور تکبر میں آ گیا ف۱۲۷

پہلے گزر چکا ہے (۶۵) یہاں مراد اجرام علوی سے بھی لی گئی ہے اور سمت علوی سے بھی۔ المراد بالسماء هذه الاجرام العلوية او جهات العلوّ (بیضاوی) گویا مفہوم یہ ہوا کہ وہ بلندی کی طرف متوجہ ہوا۔ والمراد بالسماء جهات العلوّ كانّهٗ قيل ثم استوى الى فوق (کشاف) استوٰی کا صلہ جب اِلٰی کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں قصد کیا، توجہ کی، التفات کیا۔ چنانچہ یہاں ائمۂ تفسیر عموماً اسی طرف گئے ہیں۔ عمد الى خلق السماء (ابنِ عباس رضی اللہ عنہما) قال بعضهم اقبل عليها وقال بعضهم عمدالیها (ابنِ جریر) قصداليها اى بخلقه واختراعه (قرطبی۔ عن سفیان وابن کیسان) اقبل و عمدالی خلق السّمٰوٰت (مدارک) ف۱۰۶ آسمانوں کا تعداد میں سات ہونا توریت وانجیل دونوں کو مسلم ہے۔ ہیسٹنگز کی ڈکشنری آف دی بائبل میں ہے۔ ”عہد عتیق وعہد جدید دونوں میں آسمانوں کا جو تخیل ہے...... وہ سات آسمانوں کا ہے“ (جلد ۲ صفحہ ۳۲۲) سَوّٰىهُنَّ۔ تسویہ کے معنی ہیں تکمیل تک پہنچا دینے اور ہر طرح درست کر دینے کے۔ ضمیر۔ ھُنَّ السَّمَآءِ کی طرف راجع ہے۔ خواہ اس کی تفسیر اجرام سے کی جائے یا خود اس کو معنیٰ جمع قرار دیا جائے (بیضاوی) ومعنى تسويتهن تعديل خلقهن واخلاؤه من العوج والفطور واتمام خلقهن (کبیر) اس لیے فَسَوّٰىهُنَّ کا ترجمہ ٹھیٹھ اردو میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”انہیں ٹھیک ٹھاک کر دیا“۔ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ۔ قدیم اہل ہیئت نے سات آسمانوں سے مراد سات مشہور سیاروں کے مدار لیے ہیں۔ یعنی کرۂ قمر، کرۂ عطارد، کرۂ زہرہ کرۂ شمس، کرۂ مریخ، کرۂ مشتری، کرۂ زحل (کبیر) صاحب تفسیر مظہری نے ایک حدیث سے استنباط کر کے لکھا ہے کہ عرش اور اس کے اندر جتنے سماوات ہیں سب کروی ہیں اور عرش زمین کے اطراف کو محیط ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ہر کوکب اپنے فلک میں ایک خاص چال سے چلتا ہے اور آسمان کو حرکت نہیں ف۱۰۷ (چنانچہ اپنے بندوں کی ساری ضرورتوں کا بھی اسے پورا علم ہے، اور اس نے اپنے بندوں کو محض پیدا ہی نہیں کیا، بلکہ از راہِ بندہ پروری اس نے ان کی ہر ضرورت کے پورا کرنے کا بھی سامان کر دیا) صفت خلق کے بعد صفت علم کا اثبات بھی ضروری تھا۔ جاہلی قوموں نے کثرت سے اپنے دیوی دیوتاؤں کو ان کے معبود تسلیم کر لینے کے باوجود ان کے علم کو ناقص مانا ہے ف۱۰۸ اِذ ظرفِ زمان ہے، کسی گزشتہ واقعہ کی یاد دلانے کے موقع پر آتا ہے۔ جس طرح اِذَا کسی واقعہ مستقبل پر آتا ہے۔ اذ ظرف موضوع لزمان نسبة ماضية وقع فيها نسبة اُخرٰى مثلها (ابوسعود) بعض نے اذکر اس کے قبل مقدر مانا ہے۔ هو نصب باضمار الذكر والمعنى اذكر لهم (کبیر) واذكروا فعلى بابيكم (کبیر) ابوعبیدہ لغوی نے کہیں کہہ دیا تھا کہ اذ یہاں زائد ہے۔ اس کی شدومد سے تردید اہل لغت وائمہ تفسیر دونوں نے کی ہے۔ قال ابن اسحٰق هذا اقدام عن ابى عبيده (لسان) قال الزجاج هذا اجتراءٌ عن ابى عبيدة (ابن کثیر) ردّه ابن جرير قال القرطبى وكذا ردّه جميع المفسرين (ابن کثیر) ف۱۰۹ (آفرینش آدم علیہ السلام کے وقت) سورہ کے رکوع اوّل میں بیان فطرتِ انسانی کا تھا کہ قرآن کے مخاطبین میں دو طرح کے لوگ ہیں، ایک اس کے پیام کو قبول کرنے والے، صالح وسلیم فطرت رکھنے والے۔ دُوسرے بدفطرت، پیامِ الٰہی سے انکار کرنے والے۔ دوسرے رکوع میں مخاطبین کی ایک تیسری نوع کا بیان تھا۔ تیسرے رکوع میں اصل پیام کا لب لباب سنا دیا گیا۔ یعنی توحید ورسالت کی تبلیغ کر دی گئی۔ اب اس چوتھے رکوع میں اس تبلیغ کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ یعنی یہ پیام ابتداءً نسل انسانی کے بانی ومورث حضرت آدم علیہ السلام کو دیا گیا، اور ان سے نسل بہ نسل منتقل ہوتا آیا ہے۔ ملٰٓئكة۔ جمع ہے مَلَک کی۔ اور وہ الوک سے ہے، جس کے معنی پیامبری یا پیام رسانی کے ہیں۔ الالوک الرسالة و منه الكنى اى ابلغه رسالتى (راغب) من الالوكة و هى الرسالة (روح) ملائکہ کو ملائکہ کہتے ہی اس لیے ہیں کہ ان کا اصل کام پیام رسانی ہوتا ہے۔ اور یہ خالق کے پیامات مخلوق تک لایا کرتے ہیں۔ یہ اللہ کے ایجنٹ یا واسطے ہیں۔ لانهم وسائط بين الله تعالٰى و بين الناس فهم رُسل الله او كالرسل اليهم (بیضاوی) اُردو میں انہیں کو فرشتہ کہتے ہیں۔ فرشتے نوری مخلوق ہوتے ہیں۔ وجود خارجی رکھتے ہیں۔ محض صفاتِ الٰہی یا قوائے طبعی کے مرادف نہیں۔ عادۃً انسان کے لیے غیر مرئی رہتے ہیں۔ حسب ضرورت مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں۔ اجسام لطيفة هوائية تقدر على التشكل باشكال مختلفة مسكنها السمٰوٰت وهذا قول اكثر المسلمين (کبیر) ذهب اكثر المسلمين الى انها اجسام لطيفة قادرة على التشكل باشكال مختلفة مستدلين بانّ الرُّسُلَ كانوا يرونهم كذٰلك (بیضاوی) ان کی لاانتہا تعداد اللہ ہی کے علم میں ہے۔ وجود میں انسان پر تقدمِ زمانی رکھتے ہیں۔ سرشت معصومانہ ہوتی ہے۔ یعنی بدی کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ خالق کے خالص فرمانبردار خادم ہوتے ہیں۔ مخلوق، محکوم، بندے ہونے میں بالکل انسان ہی جیسے ہیں۔ خود کوئی معبودانہ یا نیم معبودانہ حیثیت دیوی دیوتا کی قسم کی مطلق نہیں رکھتے۔ اور یہیں سے رد ہو جاتا ہے ان باطل مذہبوں کا جنہوں نے ملائکہ کو خواہ اسی نام کے ساتھ، خواہ انہیں دیوی دیوتا قرار دے کر خالق ومخلوق کے درمیان ایک برزخی درجہ دے رکھا ہے۔ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ میں لام تبلیغ کا ہے۔ اللام الجارّة للتبليغ (روح) ف۱۱۰ (عنقریب اپنی حکومت کی تنفیذ کے لیے) اللہ اللہ! خاک کے پتلے کا یہ شرف ومرتبہ! اللہ کی مخلوق تو اُس وقت تک بھی بے شمار تھی۔ اب ان میں انسان نامی محض ایک نئی صنف کا اضافہ نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ اللہ کا نائب زمین پر پیدا کیا جا رہا ہے! بعض اہل تحقیق نے یہیں سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ تخلیق تو ساری ہی موجودات کی ہوئی ہے جنات کی بھی اور ملائکہ کی بھی، جنت کی بھی

اورعرش کی بھی۔ لیکن اور کسی کے بھی قصد تخلیق کے ذکر کا اہتمام قرآن مجید نے نہیں کیا ہے۔ یہ فخر صرف خلقت آدم علیہ السلام کے حصہ میں آیا۔ اور یہ دلیل ہے آدم علیہ السلام کی افضلیت واشرفیت کی۔ ولم یقل انی خالقٌ عرشا او جنۃً او ملکًا و ان قال ذٰلک تشریفًا و تخصیصًا لاٰدم (بحر) خَلِیْفَۃً اسے کہتے ہیں جو کسی کی نیابت کرے، خواہ اس لیے کہ وہ موجود نہیں، یا اس لیے کہ فوت ہو چکا، یا اس لیے کہ معذور ہے اور خواہ اس لیے کہ اس سے مستخلف کی تعظیم ظاہر ہو۔ الخلافۃ النیابۃ من الغیر امّا لغیبۃ المنوب عنہ و امّا لموتہ و امّا لعجزہٖ و امّا لتشریف المستخلف (راغب) اور خلیفۃ اللہ وہ ہے جو زمین پر اللہ کی شریعت کی حکومت قائم کرے۔ یخلفنی فی الحکم بین خلقی و ذٰلک الخلیفۃ ھو اٰدم و من قام مقامہ فی طاعۃ اللہ والحکم بالعدل بین خلقہٖ (ابن جریر۔ عن ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہم) خلیفۃ اللہ فی ارضہ لاقامۃ احکامہ و تنفیذ قضایاہ (معالم) یہیں سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ انسان کو جو قوی ملیں گے وہ اس غایت ومقصود یعنی منصب خلافت الٰہی کے متناسب ملیں گے۔ نسل انسانی خود اپنی صلاح وفلاح کے لیے اس کی محتاج تھی اور محتاج ہے کہ اپنے کسی ہم جنس کے واسطہ سے شریعت الٰہی سے استفادہ کرے۔ اور سلسلۂ نبوت اسی غرض سے قائم ہوا ہے۔ والمراد بہ اٰدم و کذٰلک کل نبیّ استخلفھم اللہ فی عمارۃ الارض و سیاسۃ الناس و تکمیل نفوسھم و تنفیذ امرہٖ فیھم (بیضاوی) واضح رہے کہ دنیا کے کسی مذہب نے بھی انسان، نوع انسان کو اس بلند مرتبہ یعنی خلافت ونیابت الٰہی پر نہیں رکھا ہے۔ اور خیر جاہلی مذہبوں کا تو ذکر ہی نہیں، خود یہودیت اور اس کا مسخ شدہ ضمیمہ مسیحیت دونوں اس باب میں اسلام سے کہیں پیچھے ہیں۔ بائبل میں اس موقع پر ذکر اس قدر ہے:۔ ’’خداوند خدا نے زمین پر پانی نہ برسایا تھا اور آدم نہ تھا کہ زمین کی کھیتی کرے اور زمین سے بخار اُٹھتا تھا اور تمام روئے زمین کو سیراب کرتا تھا، اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا سو آدم جیتی جان ہوا‘‘ (پیدائش ۲:۵۔۷) گویا جس طرح اور سب حیوانات پیدا ہو رہے تھے، ایک ’’جاندار‘‘ آدم بھی پیدا ہو گیا۔ اس کا کام زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ ’’زمین کی کھیتی‘‘ کرے! کہاں یہ اتنا طویل لیکن بے مغز، انسان کو کاشتکاری تک محدود رکھنے والا بیان، اور کہاں قرآن مجید کا باوجود شدتِ اختصار انسان کو مرتبہ خلافت الٰہی پر پہنچا دینے والا، بلند وجامع اعلان! بعض صوفیہ نے یہیں سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ جوہر خاک کو شرفِ خلافت اس لیے عطا ہوا کہ کثافت ہی فیضانِ اتم کے قابل اور متحمل نورانیت کے لائق ہے۔ اور بعض عارفین کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ نورِ آفتاب کا فیض کامل وذاتی زمین ہی پر ہے بہ سبب اس کے کمالِ کثافت کے۔ اور پانی اور ہوا اور آگ پر یہ فیضان صرف صفاتی ہے، اس لیے کہ کثافت ان میں کم ہے۔ اور اجرامِ علویہ تو اس نورانیت کے صرف سایہ وعکس ہی سے مستفیض ہو سکتے ہیں بہ سبب کمال لطافت کے۔ اور آدم علیہ السلام کی ترکیب جسمی چونکہ خاکی عنصر سے ہوئی ہے، اور ان کے اخلاق کی عالم ملکوت سے اور ان کی روح کی عالم امر ونور سے، اس لیے ان میں صلاحیت فیضان بھی غایت کمال کی قرار پائی و۱۱۱ اللہ معاف کرے، یہاں کلام کے سمجھنے میں بعض اکابر سے تسامحات ہو گئے ہیں۔ فرشتوں کا یہ قول بہ اعتراض یا گستاخی کے نہ تھا۔ فرشتے تو گستاخی کر ہی نہیں سکتے۔ ’’باغی فرشتوں‘‘ کا تخیل تمام تر مسیحی ہے۔ اور عجب نہیں کہ مسیحیوں ہی کے ساتھ تعلقات قائم ہو جانے سے یہ خیال مسلمان علماء میں سرایت کر گیا ہو۔ فرشتوں کا یہ قول تمام تر وفورِ نیازمندی، اقرار وفاداری اور جوشِ جاں نثاری کا نتیجہ تھا۔ جیسا کہ ہمارے محققین نے صراحۃً سمجھا ہے۔ لیس علی وجہ الاعتراض علی اللہ و لا علی وجہ الحسد لبنی اٰدم کما قد تیوھمہ بعض المفسرین (ابن کثیر) و لیس باعتراض علی اللہ تعالٰی ولا طعن فی بنی اٰدم علٰی وجہ الغیبۃ فانھم اعلٰی من ان تظن بھم ذٰلک (بیضاوی) لیس المقصود الا الاستفسار عن المرجّح لا العجب و التفاخر (روح) علی طریقۃ قول من یجد فی خدمۃ مولاہ وھو یامر بھا غیرہٗ اتستخدم العصاۃ وانا مجتھد فیھا (ابوسعود) بہترین تقریر اس سلسلہ میں وہ ہے جو ہمارے شیخ وقت مفسر تھانوی مدظلہٗ نے کی ہے۔ وہ ذیل میں بجنسہٖ نقل ہے:۔ ’’مطلب یہ ہے کہ ہم تو سب کے سب آپ کے فرمانبردار ہیں، اور اُن میں کوئی کوئی مفسد وسفاک بھی ہو گا۔ سو اگر یہ کام ہمارے سپرد کیا جائے تو ہم سب لگ لپٹ کر اس کو انجام دیں گے۔ اور وہ لوگ سب اس کام کے نہ ہوں گے۔ البتہ جو مطیع ہوں گے وہ تو جان ودل سے اس میں لگ جائیں گے مگر جو مفسد وظالم ہوں گے ان سے کیا امید ہے کہ وہ اس کام کو انجام دیں۔ خلاصہ یہ کہ جب کام کرنے والوں کا ایک گروہ موجود ہے تو ایک نئی مخلوق کو جن میں کوئی کام کا ہو گا کوئی نہ ہو گا، اس خدمت کے لیے تجویز فرمانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ بہ طور اعتراض کے نہیں کہا۔ نہ اپنا استحقاق جتلایا، جو ان مقدس خدمتگاروں پر شبہات پیدا ہوں، بلکہ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی حاکم نیا کام تجویز کر کے اس کے لیے ایک مستقل عملہ بڑھانا چاہے، اور اپنے قدیمی عملہ سے اس کا اظہار کرے۔ وہ لوگ اپنی جاں نثاری کی راہ سے عرض کریں کہ حضور جو لوگ اس کام کے لیے تجویز ہوئے ہیں ہم کو کسی طرح تحقیق ہوا ہے کہ بعض بعض تو اس کو بخوبی انجام دے سکیں گے اور بعض بالکل ہی کام بگاڑ دیں گے۔ جن سے حضور کا مزاج ناخوش ہو گا۔ آخر ہم کس مرض کی دوا ہیں۔ ہر وقت حضور پر جان قربان کرنے کو تیار ہیں۔ اور حضور کی جان ومال کو دعا دیتے رہتے ہیں۔ کیسا ہی کام کیوں نہ ہو حضور کے اقبال سے اس کو انجام دے نکلتے ہیں۔ کبھی کسی خدمت میں ہم غلاموں نے عذر نہیں کیا۔ اگر وہ نئی خدمت بھی ہم کو عنایت ہو گی تو ہم کو کوئی عذر وانکار نہ ہو گا۔ اسی طرح فرشتوں کی عرض ومعروض اظہار نیازمندی کے واسطہ تھی۔ اور یہ بات کسی طرح ان کو اللہ تعالٰی نے معلوم کرا دی ہو گی کہ بنی آدم میں برے بھلے سب ہی طرح کے ہوں گے۔‘‘ تَجْعَلُ فِیْهَا۔ یُفْسِدُ فِیْهَا۔ ضمیر ھا دونوں جگہ ارض (روئے زمین) کے لیے ہے۔ فِیْهَا کی تکرار شدتِ فساد کے اظہار کے لیے ہے۔ و تکرار الظرف للدلالۃ علی الافراط فی الفساد (روح) اَتَجْعَلُ فِیْهَا الخ مطلب یہ ہے کہ یہ جدید مخلوق اور اس کی ذریات آپ کے قوانین کی نافرمانی بھی کرے گی۔ اور نافرمانی کا نتیجہ یہ ہو گا کہ روئے زمین پر مادی ومعنوی دونوں حیثیتوں سے فساد برپا ہو کر رہے گا۔ فرشتوں کی یہ ساری عرض ومعروض ان کی کسی غیب دانی کی بنا پر نہیں، بلکہ نیابت الٰہی وخلافت ربانی کا نام سن کر خود ہی انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا قوائے بشری کی ترکیب کا بھی اور زمینی مخلوق کی ضرورتوں اور طبعی تقاضوں کا بھی۔ اور اس سے یہ نتیجہ خود بخود ان کے سامنے آ گیا تھا کہ زمین پر شر وفساد بھی ہو گا اور انسانوں میں سے باغی ونافرمان بھی پیدا ہوں گے۔ بِحَمْدِكَ میں بِ تسبیح کے ساتھ حمد کے دوام معیت کے اظہار کے لیے ہے۔ الباء لاستدامۃ الصحبۃ والمعیۃ (روح) لَكَ میں لِ اظہارِ تخصیص کے لیے ہے۔ یعنی تقدیس خاص تیری رضا ہی کے لیے ہے۔ اشعارًا بان ایقاع الفعل لاجل اللہ تعالٰی و خالصًا لوجھہ سبحانہٗ (روح) تسبیح اور تقدیس کے درمیان یہ فرق کیا گیا ہے کہ تسبیح کا اطلاق باعتبار طاعات کے ہوتا ہے اور تقدیس کا بلحاظ اعتقادات کے (روح) ونحن میں و حالیہ ہے والواء للحال (کبیر) بما فھموہ من الطبیعۃ البشریۃ (ابن کثیر) انھم عرفوا خلقتہ و عرفوا انّہٗ مُرَكَّبٌ من ھٰذہ والاخلاط الاربعۃ (کبیر) والاحتیاج الی الحاکم والقاضی انما یکون عند التنازع والتظالم فکان الاخبار عن وجود الخلیفۃ اخبارًا عن وقوع الفساد بطریق الالتزام (کبیر) علموا ذٰلک من تسمیتہ خلیفۃ لان الخلافۃ تقتضی الاصلاح و قھر المستخلف علیہ وھو یستلزم ان یصدر منہ فسادٌ (روح) بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ انسانی آبادی سے قبل روئے زمین پر جو جنات آباد تھے، ان کی سرشت وفطرت پر قیاس کر کے فرشتے یہ سمجھے۔ کما فعل بنو الجآنّ فقاسوا الشاھد علی الغائب (معالم) توریت میں اس مخلوق کا ذکر بصراحت موجود ہے۔ دنیا میں دیوتا پرستی کی بیماری فرشتوں ہی کے فرائض کی غلط تشخیص سے پیدا ہوئی ہے۔ آگ کے فرشتوں کو جاہلی قوموں نے اگنی دیوتا مان لیا۔ بارش کے فرشتہ کو اندر دیوتا وقس علٰی ہٰذا۔ قرآن نے نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ فرشتوں کی زبان سے کہلا کر ان کی عبدیت محض پر انھیں کی زبان سے، ایک اور مہر لگا دی۔ فرشتے یہاں صاف صاف عرض کر رہے ہیں کہ ہم خدام تو اپنی سرشت کے لحاظ سے بجز حضور والا کی تحمید وتقدیس کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ و۱۱۲ (مصالح کائنات ومخلوقی حاجات کے سلسلہ میں) مطلب یہ ہوا کہ تمہیں اس کی کیا خبر کہ عبدیت کے علاوہ نیا کام خلافت الٰہی کا جو اس نئی مخلوق سے لیا جانے والا ہے، اور اس کے لیے جن صلاحیتوں اور جس قسم کی استعداد کی ضرورت ہے، وہ تمہارے اندر کہاں تک موجود ہیں۔ انی اعلم من المصلحۃ الراجحۃ فی خلق ھٰذا الصنف علی المفاسد التی ذکرتموھا ما لا تعلمون (ابن کثیر) دیوتا پرستی پر ایک اور ضرب لگی۔ ملائکہ پرستوں کو ان کے جہل پر ایک اور تنبیہ کی گئی، کہ صفات خلق، قدرت وغیرہ الگ رہیں۔ محض ان مصالح کے علم

کے لحاظ سے بھی فرشتوں کو اللہ تعالیٰ سے کیا نسبت؟ کہاں علم محدود، کہاں علم نامحدود؟ ف۱۱۳ یعنی آدم کو اشیاءِ کائنات کے اسماء اور آثار وخواص کا علم دے دیا۔ اٰدَمَ۔ یہی سب سے پہلے بشر تھے، اسی لیے ابوالبشر کہلاتے ہیں۔ اور خلیفۃ اللہ کے اولین مصداق۔ جنت سے جب زمین پر آئے، تو غالبًا دجلہ وفرات کے دوآبہ میں آباد ہوئے، جو اَب ملک عراق کہلاتا ہے۔ توریت میں تین صاحبزادوں کا نام آتا ہے۔ ہابیل، قابیل، شیث علیہ السلام۔ توریت ہی کی حسب روایت عمر ۹۳۰ سال کی پائی۔ عربی میں ان کا یہ نام کس مناسبت سے پڑا؟ کسی نے کہا کہ زمین کی جلد (ادیم) سے پیدا ہوئے، اس لیے آدم کہلائے۔ کسی نے کہا کہ اپنی جلد کی سرخی کی بنا پر۔ خُلِق اٰدم من ادیم الارض فسُمّی اٰدم (ابن جریر۔ عن سعید بن جبیر) قیل سُمّی بذٰلک لکونہ جسدہ من ادیم الارض وقیل بسمرۃ فی لونہ (راغب) اسماء۔ اسم کا مفہوم عربی میں اردو کے نام سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اسم وہ ہے جس کے ذریعہ سے کوئی چیز جانی جائے، پہچانی جائے۔ اسم الشئ علامتہ (قاموس) الاسم ما یعرف بہ ذات الشئ (راغب) اور یہ شناخت ممکن نہیں جب تک اعراض، خواص، آثار کا علم بھی ساتھ ساتھ نہ ہو۔ اسی طرح اہل لغت نے بھی تشریح میں اس کا لحاظ رکھ لیا ہے۔ قال ابن سیدہ الاسم ھو اللفظ الموضوع علی الجوھر او العرض للتمییز ای لیفصل بہ بعضہ عن بعض (تاج) اسم کے ساتھ اگر مسمّٰی کا علم نہ ہوا، تو اسم محض ایک آواز کانوں تک رہے گی۔ اور ذہن کے سامنے کوئی مفہوم نہ پیدا ہوگا۔ علامہ راغب نے اسی لیے اس پر شرح وبسط سے کلام کرکے آخر میں کہا ہے، ان معرفۃ الاسماء لاتحصل الابمعرفۃ المسمّٰی و حصول صورتہ فی الضمیر (کہ اسم کی معرفت بغیر مسمّٰی کی معرفت اور ذہن میں اس کی تصویر کے ہو نہیں سکتی) اور ایک دوسرے امام لغت نے اس کی داد ان الفاظ میں دی ہے۔ ھو کلامٌ نفیسٌ (تاج) اور بعضوں نے کہا ہے کہ اسم مرادف ہے ذات شے اور عین شے کے۔ یقال ذات و نفس و عین و اسم بمعنًی (قرطبی) یہ تو لفظی معنی ہوئے۔ آیت کی تفسیر میں محققین نے مراد معلوماتِ اشیاء سے لی ہے۔ اور اسما کے ساتھ مسمیات اور ذوات وخواص اشیاء کو شامل کیا ہے۔ اور اشیاء کے اسماء سے مراد ان کے آثار وخواص کا علم لیا ہے۔ فالمراد الانواع الثلاثۃ من الکلام و صورۃ المسمیات فی ذواتھا (راغب) علّم اٰدم مسمّیات الاسماء (کشاف) اَلھَمَہٗ معرفۃ ذوات الاشیاء و خواصھا واسمائھا واصول العلوم و قوانین الصناعات و کیفیۃ اٰلاتھا (بیضاوی) عَلّمَہٗ صفات الاشیاء و نعوتھا و خواصھا (کبیر) صاحب تفسیر مظہری نے کہا کہ مراد اسماء سے اسماءِ الٰہی ہیں۔ انہیں کا علم اجمالی کامل آپ کو مل گیا تھا، اور ہر اسم وصفت کے ساتھ ایسی مناسبت تامہ آپ کو پیدا ہوگئی تھی کہ آپ جس کسی اسم یا صفت کی طرف توجہ کرتے وہ اسم یا صفت فوراً آپ پر متجلّی ہوجاتی۔ مثلاً جب اسم پاک الاوّل کی تجلّی آپ پر ہوئی تو ہر گزری ہوئی چیز آپ پر منکشف ہوگئی۔ اسی طرح جب اسم پاک الاٰخر کی تجلّی ہوئی تو ہر آنے والی چیز معلوم ہوگئی۔ اور اسی پر قیاس سارے اسماءِ الٰہی کا کیا جاسکتا ہے۔ اللہ اکبر! یہ مقام ہے انسان کی فضیلت کبریٰ کا۔ حیف ہے کہ یہ خلیفۃ اللہ دیوتا پرستی، ملائکہ پرستی میں مبتلا ہوجائے! ف۱۱۴ (تاکہ انسان کی اعلیٰ صلاحیت اور منصب خلافت الٰہی سے اس کی مناسبت فرشتوں پر بھی ظاہر ہوجائے) عَرَضَھُمْ۔ سوال یہ ہے کہ کیا چیز اب فرشتوں کے سامنے پیش کی جارہی ہے؟ اگر چیزوں کے محض نام مراد ہوتے تو لفظ قرآنی عرضھا ہوتا۔ ضمیر ھُمْ ذوی العقول کے لیے ہے اور غیر ذوی العقول ضمناً وتبعاً اس میں شامل ہوجائیں گے۔ یہ دلیل ہے اس پر کہ پیش صرف نام نہیں ہورہے تھے بلکہ اصل موجودات۔ گویا پہلے صورت مثالی سے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے نام اور خواص سے اطلاع بخشی گئی، پھر خود ان مخلوقات وموجودات کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ عرض الخلق علی الملٰئکۃ (ابن جریر۔ عن ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم) عرض تلک الاشیاء علی الملٰئکۃ (ابن جریر۔ عن قتادۃ) ای عرض المسمّیات۔ (کشاف) المراد بہ ذوات الاشیاء او مدلولات الالفاظ (بیضاوی) تقدیرِ کلام یوں تھی۔ اسماء المسمیات۔ مضاف الیہ حذف کردیا گیا، کہ مضاف اس کی وضاحت کے لیے کافی ہے (بیضاوی) ف۱۱۵ (اپنے اس گمان میں کہ تم ہر منصب کی اہلیت اور ہر خدمت کے ساتھ مناسبت رکھتے ہو) خطاب فرشتوں سے ہورہا ہے۔ اسمآء پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔ مراد یہاں بھی محض نام نہیں۔ خواص وآثار بھی مراد ہیں۔ صٰدِقِیْنَ۔ صدق سے مراد یہاں ارادی سچائی اور راست گفتاری نہیں کہ اس کے خلاف کا تو فرشتوں میں احتمال ہی نہیں۔ بلکہ مراد محض ان کے دعویٰ کا صحیح ہونا یا ان کے خیال کا مطابق واقعہ ہونا ہے۔ صدق کا اطلاق لغت عربی میں اردو کی ''سچائی'' سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ وہ جس طرح ارادی راست گفتاری کے لیے آیا ہے اسی طرح اصابت رائے وصحت خیال کے لیے بھی۔ وقد یستعمل الصدق والکذب فی کل ما یحق و یحصل فی الاعتقاد (راغب) والصدق ھو الصواب (بحر) صدق و کذب۔ عربی کے ان دو لفظوں کے صحیح مفہوم پر نظر نہ ہونے سے اردو خوان طبقہ قرآن وحدیث سے متعلق کتنی ہی غلط فہمیوں میں مبتلا ہوگیا ہے۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ مدار خلافت مجاہدۂ اعمال نہیں بلکہ علم وفہم ہے بشرطیکہ بدعملی نہ ہو اور اسی لیے مشائخ طریقت عطائے خلافت کے وقت اُسی کی زیادہ رعایت کرتے ہیں ف۱۱۶ (اور اس سے برتر اور منزہ کہ تیرا کوئی سا بھی فعل حکمت سے خالی اور مصلحت سے عاری ہو) ملائکہ کی زبان سے بار بار توحید پرستی کے کلمات ادا کرنا دُنیا میں پھیلی ہوئی ملائکہ پرستی (دیوی دیوتا پوجا) پر ضرب شدید لگاتا ہے ف۱۱۷ (اور ہم ناچیز بندوں کے علم کی تیرے نامتناہی اور لامحدود علم کے سامنے بساط ہی کیا؟) صفت خلق، صفت قدرت وغیرہ دوسری صفات کا ذکر ہی نہیں، خود صفت علم کے بھی معیار سے کہاں فرشتوں کا علم جزئی اور کہاں حق تعالیٰ کا علم کلی! ف۱۱۸ (جس کے علم کے لیے حاضر وغائب، قریب وبعید، حال ومستقبل سب یکساں! اور جو بحیثیت ہمہ دان وہمہ بین کے ہر مخلوق کے ظرف سے، استعداد سے، ملکاتِ طبع سے یکساں واقف!) ف۱۱۹ (اور اسی قانونِ حکمت کے ماتحت بشر وملک ہر مخلوق میں اس کی استعداد کے مطابق، اس کے ظرف کے متناسب، علم کا تقسیم کرنے والا، کام لینے والا) ف۱۲۰ (یعنی فرشتوں کو اشیاءِ کائنات کے آثار وخواص) اسماء پر حاشیہ اُوپر گزر چکا۔ جب فرشتے اظہار عجز کرچکے، تو اب آدم علیہ السلام سے ارشاد ہوا کہ تم اپنے معلومات کا اظہار کرو۔ آدم علیہ السلام کی فضیلت اس علم تکوینی ہی کی بنا پر تو تھی ف۱۲۱ یعنی حضرت آدم علیہ السلام جب امتحان میں پورے اُتر چکے، اپنے معلوماتِ تکوینی کا اظہار سارے خلائق پر کردیا۔ اور اس طرح ان کا شرف عیاناً ساری کائنات پر ثابت ہوگیا ف۱۲۲ خطاب کا یہاں براہ راست ملائکہ سے ہونا تو ظاہر ہی ہے، لیکن عجب نہیں کہ بالواسطہ ساری مخلوق سے ہو ف۱۲۳ گویا آیت نمبر ۳۰ میں اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کی جو اجمالی حقیقت بیان ہوئی تھی، اب اس کی تفصیل ہوگئی۔ اور ضمناً ان مسائل کی تعلیم آگئی کہ علم کل صرف ذات باری کا خاصہ ہے۔ اور خالق کے لامحدود ونامتناہی علم سے مخلوق، اعلیٰ سے اعلیٰ مخلوق کے بھی علم کو کوئی نسبت نہیں۔ مفسرین نے یہاں ایک روایت نقل کی ہے کہ آدم کا ابھی جسد خاکی ہی تیار ہوا تھا اور رُوح ابھی اس میں نہیں پڑی تھی کہ اُدھر سے ابلیس کا گزر فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ ہوا۔ ہمراہیوں سے پوچھا کہ یہ نئی مخلوق اگر ہم سب پر حاکم بنادی گئی تو کیا کروگے؟ فرشتے بولے کہ جان ودل سے اطاعت کریں گے اور کیا کریں گے۔ اس پر ابلیس نے اپنے دل میں کہا کہ مجھ سے تو اطاعت نہ ہوگی، میں تو خود ہی اس پر غلبہ حاصل کروں گا۔ اور مفسرین کا خیال ہے کہ آیت میں مَا تُبْدُوْنَ کا تعلق فرشتوں کے اعلانِ اطاعت اور اظہارِ طاعت سے ہے، اور مَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ کا تعلق ابلیس کے اخفاء بغاوت سے۔ لیکن خطاب کو اگر شروع ہی سے ساری مخلوق کے لیے عام لے لیا جائے (جیسا کہ ابھی اُوپر کے حاشیہ میں گزر چکا) تو پھر اس روایت سے استناد کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی ف۱۲۴ یہاں صراحت صرف فرشتوں کی ہے۔ لیکن جب یہ حکم فرشتوں کو مل رہا تھا تو جنات وغیرہ جو نسبۃً ادنیٰ مخلوق تھے، وہ اس حکم کے مخاطب بدرجۂ اولیٰ ٹھہرے۔ بادشاہ کا حکم وزیر یا نائب السلطنت کو ملتا ہے تو ادنیٰ عہدہ دار بدرجۂ اولیٰ اس کے مخاطب ہوتے ہیں۔ ف۱۲۵ (بہ طور اظہار عجز ونیاز، بہ حیثیت علامت تسلیم واطاعت) اُسْجُدُوْا۔ سجدہ سے مراد سجدۂ اصطلاحی وسجدۂ نماز نہیں، مطلق سجدہ مراد ہے۔ سجود اور سجدہ کے لفظی معنی محض تواضع وتذلل کے ہیں۔ سجد ای خضع (قاموس) کل من ذلّ و خضع لما امر بہ فقد سَجَدَہ (لسان، عن الفراء) السجود اصلہ التطامن والتذلّل (راغب) سجدۂ نماز کو بھی سجدہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ تذلل وتواضع کا بہترین مظہر ہے۔ ویکون السجود علٰی جھۃ الخضوع والتواضع (لسان) خود محاورۂ قرآن میں سجود کا استعمال اس عام معنی میں عام ہے۔ مثلاً اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ (اے مخاطب کیا تو نہیں دیکھتا کہ آسمان وزمین میں جو بھی مخلوق ہے، سب اللہ کے آگے جھکی ہوئی ہے) اور یہاں بھی قول اصح یہی ہے کہ یہ سجدہ اپنی ہیئت معروف کے ساتھ زمین پر پیشانی رکھنے کے معنی میں تھا ہی نہیں بلکہ صرف جھکنے کے معنی میں تھا۔ کان ذٰلک انحناء ولم یکن خروراً علی الذقن (مدارک۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) قیل المعنی اللغوی ولم یکن

فیہ وضع الجباہ بل کان مجرد تذلل و انقیاد (روح) قال قوم لم یکن ھذا السجود المعتاد الیوم ولکنہ یبقی علیٰ اصل اللغۃ فھو من التذلل والانقیاد (قرطبی) قیل امروا بالتذلل لہ والقیام بمصالحہ و مصالح اولادہ (راغب) لیکن جن لوگوں نے اسے سجدۂ متعارف کے معنیٰ میں لیا ہے، انہوں نے بھی تصریح کردی ہے کہ یہ سجدۂ تعظیمی تھا جو اگلی شریعتوں میں جائز تھا۔ سجدۂ عبادت ہرگز نہ تھا۔ تکرمۃً لادم لاعبادۃً لادم (ابن جریر) کان ذٰلک سجود تعظیمٍ و تحیۃٍ لا سجود عبادۃٍ (معالم) کان السجود تحیۃً لادم (مدارک) اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ عالم ارواح کا ہے، عالم ناسوت کا ہے ہی نہیں۔ اور تکلیفات شرعیہ کا تعلق اسی عالم ناسوت سے ہے۔ لِاٰدَمَ۔ یعنی خلیفۃ اللہ کے آگے۔ نائبِ سلطانِ حقیقی کی طرف رُخ کرکے، نہ یہ کہ اس کو۔ ل یہاں الی کا مرادف ہے۔ یعنی سمت اور طرف کے معنیٰ میں ہے۔ سجدہ صرف سمتِ آدم میں تھا، جیسے آج بھی سمتِ کعبہ میں ہوتا ہے۔ مسجود جس طرح آج بھی کعبہ نہیں، ربِ کعبہ ہے۔ اسی طرح اُس وقت بھی ذاتِ باری ہی تھی۔ قرآن مجید ہی کی ایک اور آیت میں ل عند کے معنیٰ میں آیا ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ۔ نصبہ اللہ قبلۃ لسجودھم کالکعبۃ (بحر۔ عن الشعبی) اے الیٰ ادم فکان ادم قبلۃ والسجود للہ تعالیٰ (معالم) اے اسجدوا الیّ مستقبلین وجہ ادم (قرطبی) و۱۲۶ اِبْلِيْسَ۔ لفظی معنیٰ ہیں یاس زدہ کے۔ قرآن مجید میں مصدر ابلاس مختلف موقعوں پر اسی مفہوم میں آیا ہے۔ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ۔ فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۔ وغیرہا۔ اِبْلِيْسَ اسی سے مشتق ہے۔ اور یہاں بطور عَلَم کے شیطان کے لیے آیا ہے۔ الابلاس الحزن المعترض من شدۃ ایاس منہ اشتق ابلیس (راغب) ابلیس اِفْعِیل من الابلاس وھو الایاس من الخیر والندم والحزن (ابن جریر) یہ ابلیس کوئی فرشتہ نہ تھا، جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے تتبع میں ایک عام خیال پھیل گیا ہے۔ بلکہ جنّی تھا جیسا کہ قرآن مجید میں مصرح ہے۔ كَانَ مِنَ الْجِنِّ (کہف۔ آیت ۵۰) نور کا بنا ہوا فرشتہ نہیں جو نافرمانی پر قادر ہی نہیں۔ بلکہ آگ کا بنا ہوا جن تھا۔ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ (اعراف۔ آیت ۱۲) ان صریح نصوص کے مقابلہ میں قول کسی کا بھی ہو قابل اعتنا نہیں و۱۲۷ اَبٰى۔ انکار کیا حکم کی تعمیل سے۔ وَاسْتَكْبَرَ۔ اس نے صاف کردیا کہ تعمیلِ ارشاد سے انکار کسی اشتباہ یا غلط فہمی کی بنا پر نہیں، محض پندار تفوق کی بنا پر تھا۔ انکار اس نے اپنی بڑائی کی راہ سے کیا و۱۲۸ یعنی اس نافرمانی نے اسے کافروں میں داخل کردیا۔ یہ معنیٰ نہیں کہ وہ پہلے سے کافروں میں تھا ہی۔ اے صار من الکٰفرین (ابن عباس رضی اللہ عنہما) صار من الکٰفرین باباتہ و استکبارہ (مدارک) ومن اقسام کان الناقصۃ ان تاتی بمعنی صار کقولہ تعالیٰ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (تاج) جن اہل تفسیر نے كَانَ کو "ہوگیا" کے بجائے "تھا" کے معنیٰ میں لیا ہے، انہوں نے فی علم اللہ (اللہ کے علم میں) محذوف مانا ہے۔ ابلیس پر کفر کا اطلاق حکم کے رَدّ و انکار کی بنا پر ہوا، محض ترکِ عمل (سجدہ) کی بنا پر نہیں۔ ترکِ عمل گو گناہ کیسا ہی ہو ایمان سے خارج کردینے اور کفر تک پہنچا دینے کے لیے اہل سنت کے مذہب میں کافی نہیں (مدارک) و۱۲۹ جنۃ۔ لفظی معنیٰ ہر اس باغ کے ہیں جس کے درخت زمین کو چھپالیں۔ کل بستان ذی شجر یستر باشجارہ الارض (راغب) اَلْجَنَّةَ سے اصطلاحِ شرعی میں مراد وہ عظیم الشان باغ ہے جو بے شمار نعمتیں لیے ہوئے عالمِ آخرت میں نیک کاروں کے لیے مخصوص ہے اور آج نظروں سے مستور ہے۔ اس کا نام جنت یا تو اس لیے پڑا کہ وہ دنیا کے باغوں سے مشابہ ہے۔ گو مشابہت بہت دور کی سہی۔ اور یا اس لیے کہ اس کی نعمتیں ابھی مستور ہیں۔ سمیت الجنۃ اما تشبیھًا بالجنۃ فی الارض وان کان بینھما بَوْنٌ واما لسترہ نعمھا عنا (راغب) اَنْتَ۔ اس صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ مخاطبِ اصلی حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ حضرت حوا کی حیثیت تابع کی سی تھی۔ زَوْجُكَ۔ مراد حضرت حوا ہیں۔ اس وقت تک پیدا ہوچکی تھیں۔ حَيْثُ شِئْتُمَا۔ اس سے اشارۃً جنت کی وسعتِ عظیم بھی معلوم ہوگئی۔ و۱۳۰ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ۔ ظاہر ہے کہ یہ درخت جنت کے درختوں میں سے کوئی متعین اور حضرت آدم کے لیے معلوم و معروف درخت تھا۔ لیکن اب اس کی تعیین سے کوئی نتیجہ نہ تھا۔ اس لیے قرآنِ حکیم جو کبھی بے نتیجہ بات نہیں کہتا، اس سے خاموش ہے۔ اور حدیثِ صحیح میں بھی اس باب میں کچھ وارد نہیں ہوا ہے لم یضع لعبادہ دلیلًا علیٰ ذٰلک فی القراٰن ولا فی السنۃ الصحیحۃ (ابن جریر) اس لیے محققین کا مسلک بھی اس باب میں خاموشی کا ہے۔ اقوال و آراء بکثرت مروی ہیں۔ توریت میں ایک بڑی طویل عبارت میں اس کا بیان آیا ہے۔ اس کے آخر میں ہے:۔ "اور خداوند خدا نے آدم کو حکم دے کر کہا کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل کھایا کر لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت سے نہ کھانا، کیونکہ جس دن تو اس سے کھائے گا ضرور مرے گا"۔ (پیدائش۔ ۲:۱۶و۱۷) بات یہاں بھی اسی قدر مجمل رہی۔ مادّی درختوں میں سے گیہوں، خرما، کافور، انجیر، حنظل وغیرہ سے لے کر شجرِ محبت، شجرِ علم وغیرہ معنوی درختوں تک کے نام لیے گئے ہیں۔ قیل الحنطۃ وقیل النخلۃ و قیل التین، قیل الحنظل و قیل شجرۃ المحبۃ و قیل شجرۃ الطبیعۃ والھوٰی و قیل و قیل (روح) لیکن اہل تحقیق کا فیصلہ وہی خاموشی کا ہے۔ ولا علم عندنا بایۃ شجرۃ کانت علی التعیین فلا حاجۃ ایضًا الیٰ بیانہ (کبیر) والاولیٰ عدم القطع والتعیین (روح) و۱۳۱ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی ان لوگوں میں سے جو اپنے آپ پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ کی نافرمانی سے بڑھ کر کون سا ظلم اپنے آپ پر ہوگا۔ اس تصریح سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جنت اس وقت تک دار الجزاء یا دار الخلد نہ تھی، جیسا کہ اب ہے۔ بلکہ اس وقت وہاں تکلیفات شرعی تھیں۔ احکام تھے، نواہی تھے، اور جب جنت کی ماہیت اس وقت یہ تھی، تو کوئی

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَ قُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ

اور کافروں میں سے ہو گیا و۱۲۸ اور ہم نے کہا اے آدم، تم

وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا

اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو سہو، اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ و۱۲۹

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

اور اس درخت کے پاس نہ جانا و۱۳۰ ورنہ تم گنہگاروں میں سے ہو جاؤ گے و۱۳۱

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا

پھر شیطان نے دونوں کو پھسلایا اسی درخت کے باعث و۱۳۲ اور جس میں تھے اس سے انہیں

فِيْهِ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ

نکلوا دیا و۱۳۳ اور ہم نے کہا (اب) تم سب نیچے اتر جاؤ و۱۳۴ ایک دوسرے کے دشمن ہوکر و۱۳۵

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

اور تمہارے لئے زمین ہی پر ٹھکانا اور ایک میعاد تک نفع اٹھانا ہے و۱۳۶

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ

پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ الفاظ سیکھ لئے و۱۳۷ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی و۱۳۸ وہ تو

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا

ہے ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا و۱۳۹ بڑا مہربان و۱۴۰ (اور) ہم نے حکم دیا کہ تم سب اس سے نیچے اتر جاؤ و۱۴۱

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ

پھر اگر تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے و۱۴۲ تو جو جو کوئی پیروی میری ہدایت کی کرے گا،

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ الَّذِيْنَ

سو ان کے لئے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہی ہوں گے و۱۴۳ اور جو لوگ

اشکال نہیں رہتا وہاں وسوسۂ شیطانی کے پہنچ جانے پر یا کسی تنفس کے وہاں سے نکالے جانے پر۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے لَا تَقْرَبَا سے یہ نکتہ خوب پیدا کیا کہ اصلاً صرف اکل ممنوع تھا لیکن ممانعت قربِ شجر سے بھی کردی گئی۔ اسی طرح مشائخ محققین بعض دفعہ مباحات سے روک دیتے ہیں کہیں غیر مباح کی طرف منجر نہ ہوجائے۔ ف۱۳۲ الشَّیْطٰنُ شیطان وہ ہے جو خیر اور رحمتِ الٰہی سے دُور ہوگیا۔ شطن ای تباعد (راغب) الشیطٰن فیعال من شطن ای بعد ما سمی به لبعده عن الخیر و عن الرحمة (معالم) ابلیس کا ذکر اُوپر آچکا ہے۔ وہی اب یہاں اپنے وصفی نام شیطان سے یاد کیا جارہا ہے۔ نافرمانی کی پاداش میں وہ جنت سے نکالا جاچکا ہے۔ اور بنی آدم علیہ السلام سے شدید حسد رکھے ہوئے ہے۔ اب اس کا نام شیطان ہے۔ اس کے پاس اور کوئی قوت نہیں۔ انسان کو مجبور ذرا بھی نہیں کرسکتا۔ البتہ پروپیگنڈے کے فن کا وہ امام ہے۔ ترغیب خوب دے سکتا ہے۔ سیاہ کو سفید کرکے خوب دکھا سکتا ہے۔ اور وسوسہ اندازی کی طاقت غضب کی رکھتا ہے۔ نزدیک اور دُور اپنا عمل سب کہیں سے کرسکتا ہے۔ فاصلہ اس کے لیے کوئی معنٰی نہیں رکھتا۔ اور مادی رکاوٹیں کسی قسم کی بھی اس کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتیں۔ جنت کی حیثیت اس وقت تک دار الجزاء کی متعین نہیں ہوئی تھی، اس لیے وہاں بھی اس کا عمل بے تکلف اثر کرسکتا تھا۔ اَزَلَّ، زلّہ سے ہے۔ اور اس کے معنٰی ہیں، جگہ سے ہٹا دیا، ڈگا دیا، پھسلا دیا۔ بغاوت، سرکشی یا ارادی نافرمانی کا کوئی مفہوم اس میں شامل نہیں۔ الزلة فی الاصل استرسال الرجل من غیر قصد (راغب) انه اسم لفعل یقع علٰی خلاف الامر من غیر قصد الی الخلاف کزلة الماشی فی الطین (مدارک) قرآن مجید نے پیغمبروں کی غلطیوں، لغزشوں، فروگزاشتوں کا ذکر بارہا کیا ہے۔ لیکن بائبل کے برخلاف، کوئی اخلاقی جرم، کوئی دانستہ نافرمانی، کوئی حقیقی معصیت کبھی بھی ان کی جانب منسوب نہیں کی ہے۔ نہ صراحۃً نہ کنایۃً۔ عَنْهَا میں ضمیر ھا شجرۃ کی جانب۔ اور عن تعلیلیہ ہے۔ معنٰی ''اس کے سبب سے''۔ اکثر اہل تفسیر اسی طرف گئے ہیں۔ عنها ای بسببها (ابن کثیر) والضمیر فی عنها للشجرة ای فحملهما الشیطان علی الزلة بسببها (کشاف) ای حملهما علی الزلة بسببها (روح) قرآن مجید میں عن کثرت سے اسی معنٰی میں آیا ہے۔ مثلاً اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ (توبہ) وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ (ہود) وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ (کہف) ضمیر ھا سے اشارہ جنت کی طرف بھی سمجھا گیا ہے۔ اس قول پر مراد یہ ہوگی کہ شیطان انہیں دُور لے گیا جنت سے۔ روایات احادیث میں آتا ہے کہ شیطان نے پہلے تو قسم کھا کر آدم و حوّا کو اپنی دوستی، ہوا خواہی و اخلاص کا یقین دلایا۔ ان بیچاروں کے خیال میں بھی یہ نہ تھا کہ خدا کی قسم جھوٹی بھی کھائی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد کہا کہ ''اس درخت کا پھل اگر کھا لوگے تو جنت میں قیام مستقل ہوجائے گا۔ اس میں تاثیر یہ ہے کہ پھر یہاں سے ہٹائے نہیں جاسکو گے۔ اور وہ ممانعت جو ہوئی تھی وہ تو ایک عارضی حکم تھا کہ اُس وقت تک تمہاری استعداد پختہ نہیں ہوئی تھی۔'' حضرت آدم علیہ السلام قربِ الٰہی کے اس محل (جنت) سے بڑھ کر اور کس نعمت کے حریص ہوسکتے تھے، مکار کے فریب میں آگئے۔ دانستہ نافرمانی کا سایہ بھی پڑنا الگ رہا، وہ تو درخت کے پھل کو بُعد کے بجائے قرب کا ذریعہ سمجھے۔ یہ فہم، اجتہادی غلطی جیسی اور جس درجہ کی بھی ہو، بہرحال فسق و معصیت سے تو اسے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ اور روایتوں سے قطع نظر، قرآن مجید میں بھی جابجا جو تصریحات ملتی ہیں، اُن سے بھی تائید اسی صورتِ واقعہ کی نکلتی ہے۔ بائبل میں ہے کہ یہ بہکانے والا سانپ کی صورت میں گیا۔ اُس نے آکر پہلے حوا کو بہکایا اور پھر انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو ترغیب کی۔ ہمارے مفسرین نے بھی ایک طویل قصہ نقل کیا ہے۔ جس میں شیطان، سانپ، طاؤس سب کا ذکر آتا ہے۔ یہ قصہ بجائے خود کہاں تک صحیح ہے، اس سے یہاں بحث نہیں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ یہ اسلامی عقائد میں بہرحال داخل نہیں۔ اور اس کا ماخذ قرآن و سنت نہیں، بلکہ اسرائیلی روایات ہیں۔ اسی لیے جو اہل تفسیر زیادہ محتاط، محقق ہوئے ہیں، وہ اس سے الگ ہی رہے ہیں۔ بلکہ اس سے احتیاط ہی کی تنبیہ کرگئے ہیں۔ اعلم ان هذا و امثاله مما یجب ان لا یلتفت الیه

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

کفر کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے سو وہی دوزخی ہیں ف۱۴۴

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۳۹ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور وہ اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ف۱۴۵ اے بنی اسرائیل ف۱۴۶

اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا

میرا وہ انعام یاد کرو جو میں نے تم پر کیا ف۱۴۷ اور مجھ سے

بِعَهْدِىْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّاىَ فَارْهَبُوْنِ ۝۴۰

وعدہ پورا کرو تو میں تم سے وعدہ پورا کروں ف۱۴۸ اور تم صرف مجھی سے ڈرتے رہو ف۱۴۹

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا

اور اس (کتاب) پر ایمان لاؤ جو میں نے (اب) نازل کی ہے تصدیق کرتی ہوئی اس (کتاب) کی جو

اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ

تمہارے پاس ہے اور مت بنو اس کے ساتھ اوّلین کفر کرنے والے ف۱۵۰ اور میری آیتوں کو فروخت مت کر ڈالو

وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ۝۴۱ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

تھوڑی سی قیمت پر ف۱۵۱، اور صرف مجھی سے ڈرو ف۱۵۲ اور حق کو ناحق کے ساتھ خلط ملط مت کرو ف۱۵۳

وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۲ وَاَقِيْمُوا

اور حق کو مت چھپاؤ ف۱۵۴ درآنحالیکہ تم جان بھی رہے ہو ف۱۵۵ اور نماز

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝۴۳

قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (نماز میں) جھکنے والوں کے ساتھ جھکتے رہو ف۱۵۶

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ

کیا تم دوسرے لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے کو بھول جاتے ہو؟ ف۱۵۷

(کبیر) وقد اکثر المفسرون فی نقل قصص کثیرة فی قصة ادم و حوّا والجنة والله اعلم بذلک (بحر) و قد ذکر المفسرون ههنا اخبارًا اسرائیلیة (ابن کثیر) فقہاء نے یہیں سے استنباط کیا ہے کہ زلّت کے لفظ تک کا (بہ خلافِ معصیت واثم وغیرہ) اطلاق حضرات انبیاء پر جائز ہے۔ هذا دلیل علی انه یجوز اطلاق اسم الزلّة علی الانبیاء علیهم السلام کما قال مشائخ بخاری (مدارک) و قد کانت منهم ای من بعض الانبیاء قبل ظهور مراتب النبوة او بعد ثبوت مناقب الرسالة زلات ای تقصیرات (شرح الفقہ الاکبر للقاری رحمۃ اللہ علیہ) اور مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ کاملین بھی شیطان کے مکر سے محفوظ نہیں، کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اُس وقت بھی کامل ہونے میں شک نہیں ف۱۳۳ مِمَّا كَانَا فِيْهِ۔ ترجمہ دو ہوسکتے ہیں۔ ''اُس حالت سے جس میں وہ تھے۔'' یا ''اُس مقام سے جس میں وہ تھے''۔ منقول دونوں قول ہیں۔ ای من النعیم والکرامة او من الجنة (کشاف) اور حاصل بھی دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے ف۱۳۴ (زمین پر) یہ جنت زمین کے کسی حصہ میں نہیں آسمان پر تھی۔ قول محقق یہی ہے۔ اور خود لفظ اھبطوا کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ جب تک کوئی اور قرینہ موجود نہ ہوگا ھبوط کے معنٰی بلندی سے پستی میں اترنے ہی کے لیے جائیں گے۔ ای انزلوا الی الارض (معالم) الهبوط النزول الی الارض (مدارک) اِهْبِطُوْا۔ خطاب اب بجائے صیغۂ تثنیہ (تم دونوں) کے صیغۂ جمع (تم سب) میں ہو رہا ہے۔ گویا مخاطب اب

تنہا آدم وحوا علیہما السلام ہی نہیں، بلکہ ان کی ساری نسل بھی ہے۔ المراد هما و ذریتهما (مدارک) اجمع الضمير لانهما اصلا الجنس (بیضاوی) ف۱۳۵ یہ مختصر لفظوں میں کل زمینی زندگی کا نقشہ آ گیا۔ یعنی یہاں کشمکش، بغض، حسد، نفسانیت، خود غرضی کا زور رہا کرے گا ف۱۳۶ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ۔ آیت کا یہ جزو خود اس امر پر دلیل ہے کہ آدم علیہ السلام زمین پر اب پہلی بار بھیجے جا رہے ہیں۔ اور اب تک جس جنت میں وہ تھے وہ زمین پر نہیں آسمان پر تھی۔ اس وقت سے ان کی زندگی کا نیا دور شروع ہو رہا ہے۔ نئی زندگی اور نیا ماحول۔ اور اب یہیں انہیں رہنا سہنا ہے۔ اِلٰى حِيْنٍ۔ یعنی قیام یہاں بھی دائمی نہ ہوگا۔ صرف ایک مدتِ موعود تک رہنا ہوگا۔ مَتَاعٌ اور اِلٰى حِيْنٍ دونوں سے زمینی زندگی کا عارضی اور بے ثبات ہونا بالکل ظاہر ہو رہا ہے ف۱۳۷ (توبہ و انابت کے) خطاوار کو توبہ و انابت کے الفاظ اپنی طرف سے تلقین کر دینا خود ایک بڑی فرد رحمت خداوندی اور مرحمت الٰہی کی ہے۔ اور پھر اس سے بڑھ کر بندہ نوازی کا کمال یہ ہے کہ اس تعلیم و تلقین کی نسبت تک اپنی جانب نہیں فرمائی گئی، بلکہ اُسے حضرت آدم علیہ السلام کی جانب منسوب کر دیا گیا کہ انہیں نے وہ الفاظ سیکھ لیے! کیا حد ہے شفقت و بندہ پروری کی! یہ کلمات و الفاظ کیا تھے؟ روایتیں جو اس باب میں نقل ہوئی ہیں مختلف ہیں۔ لیکن خود قرآن مجید میں تو یہ الفاظ حضرت آدمؑ و حواؑ کی زبان سے نقل ہوئے ہیں رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ ف۱۳۸ (اور ان کی خطا سے درگزر کر دی) تاب علیہ۔ تاب کا صلہ جب علٰی کے ساتھ آتا ہے، تو معنی ہوتے ہیں، کہ رحمت کے ساتھ رجوع و توجہ کی۔ یا توبہ کی توفیق دی۔ یا توبہ کے اسباب آسان کر دیئے رزقه التوبة من خطيئته (ابن جریر) رجع اليه بالرحمة والقبول (کشاف) عبارة عن قبول التوبة والعفو عن الذنب التوفيق لها والتيسير لاسبابها (روح) ف۱۳۹ صیغہ مبالغہ کی اہمیت ملحوظ رہے۔ اسلام کا خدا یہی نہیں کہ توبہ قبول فرماتا ہے بلکہ توبہ کے سامان و اسباب بھی بہم پہنچاتا رہتا ہے۔ يقال لِلّٰهِ ذٰلک لكثرة قبوله توبة العباد حالاً بعد حالٍ (راغب) الرجاع على عباده بالمغفرة او الذى يكثر اعانتهم على التوبة (بیضاوی) ف۱۴۰ یعنی وہ صرف خطاؤں سے درگزر کرنے والا ہی نہیں بلکہ اپنی طرف سے اور بھی فضل و کرم کرنے والا ہے۔ المبالغ فى الرحمة۔ یہی وہ رحیم اور غفور اور توّاب (تینوں صفات کا بہ صیغہ مبالغہ ہونا خیال رہے) خدا ہے۔ جس کے لیے معاند مسیحیوں اور ان کے پادریوں نے بار بار لکھا ہے کہ اسلام کا خدا ایک غضبناک سخت گیر خدا ہے! ف۱۴۱ (اے اولادِ آدم) اهْبِطُوْا۔ جَمِيْعًا مراد ذریتِ آدم علیہ السلام ہے۔ والمراد الذرية (ابن کثیر) عَنْهَا میں ضمیر جنت کی طرف ہے۔ یعنی جنت سے نیچے اترو۔ یہ حکم بہ طور سزا و عتاب نہیں مل رہا ہے، اس لیے کہ خطا تو اب معاف ہی ہو چکی ہے۔ بلکہ یہ محض نتیجہ طبیعی کا ظہور ہے۔ شجر ممنوع کا پھل کھا لینے سے جو طبعی اثرات مرتب ہو رہے تھے، ان کے لحاظ سے اب جنت میں قیام کی گنجائش نہ تھی۔ رُوح کے داغ ڈھل جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جسم و مادہ سے بھی غلط کاری کے نقش مٹ جائیں۔ کوئی شخص خودکشی کے ارادہ سے اگر زہر کھا لے، اور معاً اُسے اپنی عصیان کاری پر متنبہ ہو جائے، اور وہ روئے، گڑگڑائے، دل سے توبہ کرے، اُس سے گناہ تو عجب نہیں کہ معاف ہو جائے لیکن زہر کے طبیعی اثرات جو نظامِ جسم پر مرتب ہوتے ہیں وہ تو بہر حال ہو کر رہیں گے۔ خشوع، خضوع، انابتِ قلب ان مادّی اثرات کو مٹانے کے لیے کافی نہیں ف۱۴۲ (اور وہ یقیناً پہنچے گی، پیمبروں یا ان کے نائبوں کے ذریعہ سے) اس ناسوتی دنیا میں رہنے سہنے کا قانون بتایا جا رہا ہے ف۱۴۳ (روزِ جزا میں) هُدَایَ جو پیامِ ہدایت رسُولوں کے ذریعہ سے آتا ہے، اُسے براہ راست حق تعالیٰ کی جانب بھی منسوب کیا جا سکتا ہے۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ۔ اُن کے اُوپر کوئی خوفناک واقعہ پیش نہ آئے گا، یعنی اُن کے لیے فی نفسہٖ کوئی بات خطرہ یا تشویش کی نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ صالحین طبعی طور پر بھی اپنے انجام کی طرف سے اندیشہ نہ کریں گے۔ یہ فکر و اندیشہ تو صالحین کو دوسروں سے کہیں زیادہ لگا رہتا ہے۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اور حُزن کا تعلق ماضی سے۔ مطلب یہ ہوا کہ حشر میں مومنین صالحین کو نہ کوئی سزا پیش آنے والی ہے اور نہ وہ لوگ اپنی ناسوتی زندگی پر حسرت و تاسف کریں گے۔ مَنْ۔ من موصولہ کا استعمال واحد و جمع دونوں کے لیے آتا ہے۔ ف۱۴۴ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ۔ اہل جنت کے ذکر میں ذاتِ حق کے لیے ضمیر متکلم صیغہ واحد کی ابھی گزر چکی ہے۔ تَبِعَ هُدَایَ اور اہل جہنم کے سلسلہ میں وہی ضمیر متکلم صیغہ جمع میں ہو گئی ہے۔ بِاٰيٰتِنَا اہل لطائف نے لکھا ہے کہ وہ موقع اظہار خصوصیت و شفقت کا تھا۔ اس لیے "میری" ہی مناسب تھا۔ اب محل حاکمانہ جلالت و اقتدار کا ہے، اس لیے یہاں "ہماری" ہی موزوں ہے۔ اَصْحٰبُ النَّارِ۔ یعنی دوزخ والے۔ وہ لوگ جو دوزخ کے ہو چکے۔ گویا وہ دوزخ ہی کی آبادی ہیں۔ الصاحب الملازم (راغب) و معنى الصحبة اقتران بالشئ والغالب فى العرف ان تطلق على الملازمة (روح) گویا جو لوگ ضابطۂ شریعت سے انکار اور قانونِ الٰہی کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں انہوں نے اپنا مستقل تعلق دوزخ اور آتش دوزخ سے پیدا کر لیا ہے۔ آخرت میں یہی تعلق جو ابھی مخفی اور غیر مرئی ہے، مجسم و متشکل ہو جائے گا۔ عذابِ آخرت سے ڈرانا صرف اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں، گو جتنا زور اس پر قرآن مجید نے دیا ہے، اس کی نظیر بیشک کہیں نہیں ملتی۔ جہنم کے عذابِ آتشیں بلکہ اس کے دوام و خلود کے ذکر سے بائبل کے صفحات بھی خالی نہیں۔ "خداوند سلطنت کرتا ہے...... ایک آگ اُس کے آگے آگے جاتی ہے، اور اُس کے دشمنوں کو ہر طرف جلاتی ہے" (زبور۔ ۹۷: ۱ و ۳) "فرشتے نکلیں گے اور شریروں کو راستبازوں سے جدا کر دیں گے۔ اور انہیں آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے، وہاں رونا اور دانتوں کا پیسنا ہوگا" (متی۔ ۱۳: ۴۹ و ۵۰) "اے ملعونو! میرے سامنے سے اس ہمیشہ کی آگ میں چلے جاؤ، جو ابلیس اور اس کے فرشتوں کے لیے تیار کی گئی ہے...... اور یہ ہمیشہ کی سزا پائیں گے" (متی۔ ۲۵: ۴۱ و ۴۶) "...... جہنم میں ڈالا جائے جہاں اس کا کیڑا نہیں مرتا اور آگ نہیں بجھتی" (مرقس۔ ۹: ۴۸) ف۱۴۵ خلود کے اصل معنی ہیں کسی چیز کا ایک حال پر قائم و برقرار رہنا اور اس کے اندر کوئی تغیر، کوئی خرابی نہ پیدا ہونا۔ الخلود هو تبرى الشئ من اعتراض الفساد و بقاؤه على الحالة التى هو عليها (راغب) اس سے ثانوی مفہوم دوام و ہمیشگی کا پیدا ہو گیا۔ ثم استعير للمبقى دائمًا (راغب) الخلد البقاء و الدوام فى دارٍ لا يُخرَج منها كالخلود و دار الخلد الأخرةُ لبقاء اهلها (تاج) خود قرآن مجید میں اس معنی میں بہت صاف طور پر آیا ہے، جہاں خالد کو باقی کے معنی میں لے کر فانی سے اس کا تقابل کیا ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ (انبیاء۔ ۳۴) اور خلود فى الجنة اور خلود فى النار سے مراد ہے جنت کی نعمتوں یا جہنم کے عذاب کا دوام اور اہل جنت اور اہل جہنم کا کبھی اپنے اپنے مقام سے باہر نہ نکلنا۔ اہل جنت کے تنعم اور اہل جہنم کے عذاب کا دائم و غیر منقطع ہونا امت کے اجماعی مسلمات میں سے ہے۔ اے مخلدون فيها لا محيد لهم عنها ولا محيص (ابن کثیر) فهم اصحاب العذاب الدائم (کبیر) والخلود هٰهنا الدوام على ما انعقد عليه الاجماع (روح) ف۱۴۶ يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ۔ مشہور و نامور پیمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام عراقی ثم شامی ثم حجازی (۲۱۶۰ تا ۱۹۸۵ ق۔ م) سے مشہور و نامور دو نسلیں چلیں۔ ایک بی بی ہاجرہ علیہا السلام مصری کے بطن کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے۔ یہ نسل بنی اسمٰعیل کہلائی۔ اور آگے چل کر قریش اسی کی ایک شاخ پیدا ہوئی۔ ان کا وطن عرب رہا۔ دوسری، بی بی سارہ علیہا السلام عراقی کے بطن کے فرزند حضرت اسحٰق علیہ السلام کے فرزند حضرت یعقوب عرف حضرت اسرائیل علیہ السلام سے۔ یہ نسل بنی اسرائیل کہلائی۔ اس کا وطن شام رہا۔ قدیم جغرافیہ میں فلسطین کوئی الگ ملک نہ تھا، شام ہی کا جزو تھا۔ ایک تیسری نسل، تیسری بیوی حضرت قطورہ سے چلی، اور بنی قطورہ کہلائی۔ لیکن اسے تاریخ میں اس درجہ کی اہمیت حاصل نہیں۔ بنی اسرائیل کا عروج صدیوں تک رہا۔ توحید کی علمبردار دنیا میں یہی قوم رہی۔ انبیاء و مرسلین ان کے درمیان ہوتے رہے۔ بڑے بڑے عابد و زاہد ان میں پیدا ہوا کیے۔ حکمران، سلاطین اور فوجی جنرل بھی ان میں بڑے بڑے پیدا ہوتے رہے۔ نزولِ قرآن کے وقت ان کا دنیوی اقتدار مدت ہوئی رخصت ہو چکا تھا۔ اپنے وطن سے نکل کر عراق، مصر وغیرہ اطراف و جوانب میں پھیل چکے تھے۔ اور ان کے بعض قبیلے حجاز و اطرافِ حجاز خصوصاً یثرب (اسی کا نام بعد کو مدینۃ النبی پڑا) اور حوالیِ یثرب میں آباد ہو چکے تھے۔ "بنی اسرائیل" تو ایک قومی و نسلی اصطلاح ہے۔ مذہبی حیثیت سے یہ لوگ یہود تھے۔ اہل کتاب تھے۔ توریت محرف و مسخ شدہ ہو کر، لیکن بہر حال موجود ان کے درمیان تھی۔ سلسلۂ وحی و نبوت اور عقیدۂ جزا و سزا کے کسی نہ کسی صورت میں قائل تھے۔ علوم انبیاء و معارفِ اولیاء کے حامل تھے۔ مالدار تھے، ساہوکار تھے۔ ساتھ ہی سفلی عملیات، سحر و کہانت نیز تجارت کے بھی بڑے ماہر تھے۔ حجاز کی آبادی میں اس دینی و دنیوی تفوق کی بنا پر اہمیت انہیں اس وقت اچھی خاصی حاصل تھی۔ ملک کی عام آبادی مشرکوں اور بت پرستوں کی تھی۔ وہ لوگ ایک طرف تو یہود کے علم و فضل کے قائل اور اُن کی دینی واقفیت سے مرعوب تھے۔ اور دوسری طرف اکثر ان کے قرضدار بھی رہا کرتے تھے۔ گویا دینی و دنیوی اکثر حاجتوں میں انہیں کو مشکل کشا جانتے تھے اور جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ منظم و قاہر قوموں کے تمدن سے کمزور اور غیر منظم قومیں مرعوب و متاثر

ہوجاتی ہیں، مشرکین عرب بھی اسرائیلی اخلاق، اسرائیلی روایات، بلکہ اسرائیلی عقائد سے بہت کچھ متاثر ہو چکے تھے۔اور بہت سے مسائل میں یہود کو اپنا اُستاد جانتے تھے۔ان سب چیزوں کے علاوہ، یہود کے مذہبی نوشتوں اور اسرائیلیوں کی مقدس زبانی روایتوں، دونوں میں ایک آنے والے نبی کی بشارت موجود تھی اور یہ لوگ اُس نبی موعود کے ظہور کے منتظر رہتے تھے۔ ان اسباب عام وخاص دونوں کی بنا پر یہ بالکل قدرتی تھا کہ قرآن مجید میں تخاطب اس قوم کے ساتھ ہو اور خوب مفصل ہو۔ اس منزل پر پہنچ کر بہتر ہوگا کہ ایک نظر قرآن مجید کی ترتیب بیان پر بھی کر لی جائے۔قرآن مجید کا اصل تخاطب ساری کائناتِ انسانی سے ہے۔اسی مناسبت سے رکوع اوّل میں بیان اس کا ہوا کہ نوع انسان کی حقیقی تقسیمیں کل دو ہیں۔ایک اچھے یا مومن، دوسرے برے یا کافر، مومن یا نیک وہ جو قرآن مجید کے دستور حیات کو تسلیم کرتے ہیں۔کافر یا بد وہ جو اس سے انکار کرتے ہیں۔دوسرے رکوع میں بیان کافروں ہی کی ایک خاص قسم، مخفی کافروں کا ہوا۔اور یہ بتایا گیا کہ یہ لوگ بھی ایمان و نجات سے محروم ہی رہیں گے۔تیسرے رکوع میں مخاطب ساری نسل انسانی کو کیا گیا، اور قرآن مجید کا اصل پیام یعنی توحید ورسالت بیان کر دیا گیا۔چوتھا رکوع تاریخ نسل انسانی پر ہے۔اس میں یہ بیان ہوا کہ انسان کی اصلی غرض آفرینش دنیا میں قانونِ الٰہی کی تنفیذ ہے۔اور حاکمیت الٰہی کی نیابت۔ذرا سی غفلت میں نسل انسانی کا دیرینہ دشمن شیطان اس کو پچھاڑ سکتا، اور حق سے باطل کی طرف، نور سے ظلمت کی جانب اسے موڑ سکتا ہے۔لیکن انسان اگر ذرا بھی ہمت اور توجہ صرف کرتا رہے، اور انبیاء کی بتائی ہوئی اور دکھائی ہوئی صراطِ مستقیم پر قائم رہے تو وہی غالب ومنصور رہے گا۔اب پانچویں رکوع میں بیان اس کا شروع ہوتا ہے (اور اس کی تفصیل متعدد رکوعوں تک چلتی رہے گی) کہ مدت دراز ہوئی ایک بڑے مقبول، برگزیدہ بندہ کی اولاد میں ایک خاص نسل کو توحید کی نعمت خاص سے سرفراز کیا گیا تھا مگر وہ قوم اس کی نااہل ثابت ہوئی۔موقعے اسے بار بار دیئے گئے، رعایت اس کے ساتھ بار بار کی گئی، لیکن ہر بار اُس نے اس نعمت کو اپنے ہاتھوں ضائع کیا، یہاں تک کہ اپنی نسل کے آخری پیغمبر (حضرت عیسیٰ عَلَیْهِ السَّلَام) کی مخالفت میں تو حد ہی سے گزر گئی۔طویل ومسلسل مراعات کے بعد اب حکومت الٰہی کا دستور ایک نیا ضابطہ اختیار کرتا ہے۔اس ناشکر گزار، نافرمان، عصیان پیشہ قوم کو اس منصب سے معزول کیا جاتا ہے اور یہ نعمت اس سے چھین کر ایک اسمٰعیلی پیغمبر کے واسطہ سے دُنیا کی تمام قوموں اور ساری نسلوں کے واسطے عام کی جارہی ہے **و۱۴۷** اس انعام خداوندی کی تصریح کے لیے ملاحظہ ہوں حواشی ۱۴۶ و ۱۶۲ بہر حال کوئی ایسا انعام تھا جو نسل اسرائیل پر نسل اسرائیل کی حیثیت سے تھا **و۱۴۸** توریت نسل اسرائیل پر احساناتِ الٰہی اور خداوندی نعمتوں کی یاددہانیوں سے بھری پڑی ہے۔عھدی یعنی تمہارا وہ عہد جو میرے ساتھ ہے۔طاعت الٰہی واطاعت انبیاء کا عہد۔بماعاھدتمونی من الایمان لی والطاعۃ لی (کشاف) توریت میں بھی اسی عہد کا ذکر جا بجا ہے۔مثلاً ”تو نے آج کے دن اقرار کیا ہے کہ خداوند میرا خدا ہے......اور میں اسی کی راہوں پر چلوں گا۔اور اس کی شرطوں اور اس کے حقوق اور اس کے حکموں کی محافظت کروں گا۔اور اس کی آواز کا شنوا ہوں گا“ (استثناء ۲۶:۱۷) عھدکم۔یعنی جو عہد میں نے تم سے تمہارے ایمان وطاعت پر بہ طور انعام کر رکھا ہے۔امی ارضی عنکم و ادخلکم الجنۃ (کبیر۔عن ابن عباس) توریت میں اس کا ذکر بھی جا بجا ہے۔مثلاً ”اور خداوند نے بھی آج کے دن تجھ سے اقرار فرمایا ہے“ (استثناء ۲۶:۱۷) ”اگر تم میری آواز کے فی الحقیقت سننے والے ہو گے اور میرے عہد کو حفظ کرو گے تو تم ساری قوموں سے زیادہ میرے ایک خزانہ خاص ہو گے“۔ (خروج۔۱۹:۵) اَوْفُوْا۔مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا، کہ وفائے عہد جس کا یہاں ذکر ہے، اس کے مراتب میں بہت وسعت ہے۔ادنیٰ مرتبہ بندہ کی طرف سے ادائے کلمہ شہادت ہے، اور حق تعالیٰ کی طرف سے حفاظتِ جان ومال **و۱۴۹** (نہ کہ اپنی ہی جیسی مخلوق سے) توحید کے لیے خطاب عام جملہ عالم انسانیت سے رکوع ۳ میں ہو چکا ہے۔اب خطاب خاص اسی مخصوص حامل توحید قوم، بنی اسرائیل سے ہے۔لیکن یہاں اشارہ شرک جلی اور بت پرستی سے زیادہ شرک خفی اور ضعف ایمان کی جانب ہے۔یہ اخلاقی بیماری اسرائیلیوں کی ساری قوم میں پھیل چکی تھی۔اور خالق کی رضا اور عدم رضا کے بجائے انسانوں کو راضی رکھنے کی پروا اور ان کی ناخوشی سے بچنے کی اہمیت اچھے اچھے علماء ومشائخ یہود کے دلوں میں گھر کر چکی تھی۔انجیل میں حضرت مسیح عَلَیْهِ السَّلَام کے مواعظ میں اس قسم کی ہدایتیں اور تنبیہیں کثرت سے ملتی ہیں **و۱۵۰** بِمَآ اَنْزَلْتُ۔اشارہ ہے قرآن کی طرف۔لِّمَا مَعَكُمْ۔اشارہ ہے توریت کی طرف۔کَافِرٍ۔صورۃً واحد ہے۔معنًی جمع ہے۔یعنی یا تو تقدیر کلام یہ ہے۔ولا تکونوا

اول فریق کافر (قرطبی) اور یا بقول اخفش نحوی وفراء نحوی اعتبار معنٰی فعل کا کیا گیا ہے۔لان المعنٰی اول من کفر بہ (قرطبی) بِہٖ ضمیر قرآن کی طرف ہے۔اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ۔قرآن کا اوّلین منکر بنی اسرائیل کو اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ مشرکین عرب یہود کے تسلیم واقرار کے بعد جس طرح اس باب میں اُن کی تقلید کرتے، اُسی طرح یہود کے انکار ومخالفت کے بعد اسے بھی سند میں پیش کرتے اور خود بھی انہیں کی راہ پر چلتے، یہود بہر حال اہل کتاب تھے۔کتاب آسمانی کی قدر انہیں کو ہونا چاہیے تھی، اور بطور مقتدائے عرب انہیں کی ذمہ داری سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۴۷۔وعند کم فیہ من العلم ما لیس عند غیر کم (ابن جریر عن ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا) فان وظیفتکم ان تکونوا اوّل من آمن بہ لما انکم تعرفون حقیقۃ الامر (روح) **و۱۵۱** ثَمَنًا قَلِیْلًا۔حق کو کسی دنیوی مادّی مصلحت کی بنا پر چھوڑ دینا، آخرت کی ابدی دولت کو دُنیا کے ثمن قلیل (تھوڑی سی قیمت پر) فروخت کر ڈالنا ہے۔یہ مراد نہیں کہ عقبیٰ کو تھوڑے دام پر نہ بیچا جائے، اور زیادہ دام پر بیچ ڈالا جائے۔دُنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی آخرت کے مقابلہ میں بہر حال قلیل ہی ہے۔کل کثیر الیہ قلیل وکل کبیر الیہ حقیر (کشاف) یہود کی حق فروشیوں کے کاروبار کا ذکر انجیل میں بھی ہے۔مثلاً ”یہ لوگ ناجائز نفع کی خاطر ناشائستہ باتیں سکھا کر گھر تباہ کر دیتے ہیں۔“ (طیطس۔۱:۱۱) **و۱۵۲** خوف خداوندی کی تاکید سے توریت اور انجیل دونوں بھرے پڑے ہیں **و۱۵۳** (کلام الٰہی میں لفظی یا معنوی تحریف کر کے) لَا تَلْبِسُوْا۔تلبیس کے اصلی معنٰی ہیں کسی چیز کو ڈھانپ لینا، چھپا لینا۔واصل اللبس ستر الشیٔ (راغب) ادھوری بات کہنا کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے، یا جھوٹ کو لفظی اور ظاہری سچائی کا رنگ دے دینا، بعض اوقات بالکل گھڑے ہوئے جھوٹ سے کہیں بڑھ کر دھوکے اور مغالطہ کا سبب بن جاتا ہے۔اسی سے ملتی جلتی ہوئی شے کا نام آج کی اصطلاح میں پروپیگنڈہ ہے۔موجودہ فرنگیوں کی طرح یہود بھی اس فن میں اُستاد رہ چکے ہیں **و۱۵۴** احکام الٰہی کو بدل دینے کی ممکن صورتیں دو ہیں۔ایک ان میں اندرونی تحریف، تلبیس وتخلیط۔دوسرے ان کا سرے سے اخفاء وکتمان۔یہود نے اپنے دینی صحیفوں میں دونوں طرح کے عمل جاری کر رکھے تھے۔توریت کے مکرر تلف ہو جانے سے اوّل تو یوں ہی کتنے احکام سرے سے غائب اور گم ہو گئے تھے۔پھر جو باقی رہ گئے تھے، انہیں حاملانِ توریت نے اپنے اپنے اغراض ومصالح کے ماتحت خدا معلوم کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا **و۱۵۵** (کہ تم تلبیس وکتمان کے مرتکب ہو رہے ہو) یعنی تحریف تمہارے ارادہ واختیار سے باہر نہیں۔دیدہ دانستہ تمہارے علم کے اندر ہو رہی ہے۔فی حال علمکم انکم لابسون کاتمون (کشاف) یہ معنٰی بھی ہو سکتے ہیں کہ تم اپنے ان اعمال تلبیس وکتمان کی شناعت سے بھی خوب واقف ہو **و۱۵۶** یعنی ایمان کے بعد عملاً بھی ارکان اسلام کی پابندی کرو۔ایمان لانے کا حکم ابھی ایک آیت قبل وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ میں مل چکا ہے۔اب تعلیم اہم جزئیات احکام کی ہو رہی ہے۔اقیموا الصلوٰۃ نماز کے پابند ہو جاؤ کہ اس سے مرض حب جاہ کا علاج ہو جائے گا (تھانوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ) اٰتوا الزکوٰۃ۔زکوٰۃ دیتے رہو کہ اس سے مرض حب مال کی اصلاح ہو جائے گی۔(تھانوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ) ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ جھکنے والوں کے ساتھ جھکو کہ تواضع باطنی کے حصول میں بڑا دخل اہل تواضع کی معیت کو ہوتا ہے (تھانوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ) ارْكَعُوْا۔رکوع اسلامی نماز کے ایک معروف رکن کا نام ہے۔مقصد ارشاد یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ نماز جماعت میں شریک رہو۔فقہاء میں ایک بحث یہ پیدا ہوئی ہے کہ آیا کافروں کو فروع کا مخاطب بنانا درست ہے؟ ایک گروہ نے اسی آیت سے استدلال کر کے جواب اثبات میں دیا ہے۔لیکن دوسرے گروہ کی طرف سے معقول جواب یہ ہے کہ آیت کے یہ سارے احکام ایک آیت قبل کے حکم ایمان وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ کے ماتحت ہیں۔یعنی پہلے ایمان لاؤ اور پھر ان احکام پر عمل کرو۔**و۱۵۷** یعنی کیسے غضب کی بات ہے کہ دُوسروں کو تو ایمان لانے کا مشورہ دے دیتے ہو اور خود ایمان نہیں لاتے۔خطاب یہود سے چلا آرہا ہے۔اُوپر کسی حاشیہ میں یہ آچکا ہے کہ یہود اپنے صاحب علم وکتاب ہونے کی بنا پر مشرکین عرب کی نظر میں بھی محترم اور قابل وقعت تھے۔اہل یثرب اکثر اُن کے پاس آکر رسول اللہ ﷺ اور آپ کی دعوت کے باب میں استفادۂ مشورے کیا کرتے کہ اس مدعی نبوت کے دعووں میں کہاں تک صداقت ہے؟ ہم اس کی تصدیق کریں یا نہ کریں؟ وغیرہا۔احبار یہود ایسے موقعوں پر بارہا یہ مشورہ دے اٹھتے کہ بیشک ان میں علامتیں تو ہمارے ہاں کی پیشگوئیوں کے مطابق پائی جاتی ہیں۔قالوا ھو صادق وامرہ حق فاتبعوہ (کبیر) نزلت فی احبار المدینۃ کانوا یامرون سرًا من نصحوہ باتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم (روح۔عن ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا) ضمیر و دیانت کے لحاظ سے تو ان کا مشورہ یہ تھا۔لیکن اپنے

وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا

درآنحالیکہ تم کتاب (الٰہی) پڑھتے رہتے ہو ۱۵۸ سو کیا تم عقل سے کام (ہی) نہیں لیتے؟ اور صبر

بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَي

اور نماز سے مدد چاہو ۱۵۹ اور وہ بیشک گراں

الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ

ہے، بجز خشوع رکھنے والوں پر (نہیں) جنہیں اس کا خیال رہتا ہے کہ انہیں اپنے پروردگار سے ملنا (بھی) ہے

وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ

اور اس کا کہ انہیں اس کی طرف واپس ہونا ہے ۱۶۰ اے بنی اسرائیل،

اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ

میرا وہ انعام یاد کرو جو میں نے تم پر کیا ۱۶۱ اور

فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ

تمہیں دنیا جہان والوں پر فضیلت دی ۱۶۲ اور اس دن سے ڈرتے رہو جب نہ

نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ

کوئی کسی کے حق میں بدلہ بن سکے گا اور نہ کسی کے حق میں سفارش قبول ہو گی

وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور نہ کسی سے معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ انہیں مدد ہی پہنچ سکے گی ۱۶۳

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی تھی جو تمہارے اوپر

سُوْۗءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ

بڑا عذاب توڑ رہے تھے ۱۶۴ تمہارے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے ۱۶۵ اور تمہاری عورتوں کو

عمل کے وقت ہوائے نفس حائل ہو جاتی، اور خیال یہ گزرنے لگتا کہ اسلام لانے کے بعد ماتحتی اور پابندی کی زندگی بسر کرنا ہوگی۔ سیادت کے یہ مالی اور جاہی مزے کہاں حاصل رہیں گے۔ وهم كانوا لا يتبعونه لطمعهم والصلات التى كانت تصل اليهم من اتباعهم (کبیر) ولا يتبعونه (روح۔ عن ابن عباس) اَلْبِرّ۔ بِرّ کے لفظی معنی نیکی کے ہیں، اور یہ اپنے اطلاق میں عام ہے یعنی ہر قسم کی نیکی پر شامل۔ البر اى التوسع فى الخير الكامل (راغب) هو اسم جامع لاعمال الخير (کبیر) يتناول جميع اصناف الخيرات (ابن مسعود) یہاں مراد قبولِ اسلام وتصدیق رسالت محمدی ﷺ سے ہے۔ اَتَاْمُرُوْنَ۔ ہمزہ یہاں اظہار حیرت اور ملامت کے لیے ہے۔ والهمزة للتقرير مع التقريع والتعجب (کبیر) الهمزة للتقرير مع التوبيخ والتعجب من حالهم (کشاف) و۱۵۸ یعنی کتاب توریت، جس میں علامتیں اور شہادتیں ان خاتم النبیین ﷺ کی درج ہیں۔ يعنى بالكتب التورٰىة (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) و۱۵۹ (ایمان کی ثابت قدمی اور شعائر کفر کے ترک پر) و۱۶۰ اِنَّهَا۔ ضمیر نماز کی طرف ہے۔ نماز کا حکم ابھی ابھی ملا ہے۔ اب بیان اُن طریقوں کا ہو رہا ہے، جن سے نماز آسان ہو جائے اور نماز کی پابندی میں سہولتیں پیدا ہو جائیں۔ خاشعین۔ خشوع کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ اب یہاں آیت میں خشوعِ قلب کے دو خاص اثرات کا بیان ہو رہا ہے۔ پہلا اثر یہ ہے کہ خاشعین کو اس کا دھیان لگا رہتا ہے کہ یہ عبادتیں رائگاں جانے والی نہیں۔ اپنے شفیق وکریم پروردگار کے حضور میں بہر حال حاضر ہونا ہے۔ اس وقت یہ ساری محنت وصول ہو جائے گی۔ اور استحقاق سے کہیں بڑھ کر اجر ملے گا۔ شوق نماز اس مراقبہ سے پیدا ہو جانا یقینی ہے۔ دوسرا اثر خشوعِ قلب کا یہ ہے کہ خاشعین کے دل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ آخر تو واپسی مالکِ حقیقی کے روبرو ہوگی۔ حساب ہر ہر عمل اور ترکِ عمل کا ہوگا۔ ترکِ نماز کی عادت اس سے خود بخود ترک ہو جائے گی۔ عمل میں ساری سہولتیں یقین ہی کی مضبوطی اور قوت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور یقین کے ایجابی و سلبی دونوں پہلو یہاں بیان میں آگئے۔ نفسیاتِ جدید میں محرکِ عمل دو ہی چیزیں مانی گئی ہیں۔ ترغیب وترہیب۔ ترغیب کا جزو اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ میں جزا واجر کے استحضار سے آگیا۔ اور ترہیب کا جزو اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ میں مراقبۂ مواخذہ سے آگیا۔ يَظُنُّوْنَ۔ ظن، لغت میں شک اور یقین دونوں کے معنی میں آیا ہے۔ العرب تسمى اليقين ظنا و الشك ظنا (ابن جریر) الظن من الاضداد يكون شكا و يقينا (معالم) اور کلامِ عرب میں ظن بہ معنی یقین کے استعمال کے نظائر بے انتہا ہیں۔ والشواهد من اشعار العرب و كلامها على ان الظن فى معنى اليقين اكثر من ان تحصىٰ (ابن جریر) الظن بمعنى اليقين او الترجيح مشهور عن العرب (نہر) یہاں اکثر ائمۂ تفسیر نے یقین ہی کے معنی میں لیا ہے۔ اى يعلمون ويستيقنون (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) الظن ههنا اليقين (ابن جریر۔ عن ابی العالیہ) اى يستيقنون (معالم) وروى عن مجاهد و السدى و الربيع بن انس و قتاده نحو قول ابى العالية (ابن کثیر) معناه يوقنون قاله الجمهور (بحر) بعض نے یہاں بھی مراد توقع وامید سے لی ہے۔ اور اس قدر بھی کافی ہے۔ يَظُنُّوْنَ اى يتوقعون (کشاف) و۱۶۱ ملاحظہ ہوں حواشی نمبر ۱۴۶ ونمبر ۱۶۲ و۱۶۲ خوب خیال رہے کہ یہاں ذکر مذہب یہود کا نہیں ایک مخصوص قوم ونسل کا ہے۔ بنی اسرائیل نام کسی مذہب یا فرقہ یا عقیدہ کا نہیں۔ ایک خاص نسل کا ہے۔ افضلیت یہاں مذہب یہودیت کی نہیں نسل اسرائیل کی بیان ہو رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس نسل کی افضلیت سارے عالم پر، کس معنی میں ارشاد ہو رہی ہے؟ اور وہ کونسی ایسی نعمت تھی جو بہ حیثیت نسل بنی اسرائیل کے ساتھ بلا شرکت غیرے، مدتوں مخصوص رہی؟ اگر کہیے کہ دولت یا حکومت یا تجارت یا کثرت آبادی۔ تو اوّل تو یہ انعامات اللہ کے خود اس درجہ کے نہیں کہ ان کا ذکر اس شان واہتمام کے ساتھ کیا جائے، اور انہیں کو معیارِ فضیلت وافضلیت بنایا جائے۔ اور پھر یہ نعمتیں تو بہت سی قوموں کو اپنے اپنے وقت میں نصیب رہ چکی ہیں۔ کلدانیہ، مصر، ہندوستان، ان سب ملکوں کا تمدن اپنے زمانہ میں، اسرائیلیوں سے قبل، عروج پر رہ چکا ہے۔ اور تاریخ کا بیان ہے کہ ان قوموں کا دنیوی جاہ وحشم اسرائیلیوں سے کچھ بڑھ ہی چڑھ کر رہا ہے۔ پھر آخر قوم اسرائیل کی وہ مخصوص فضیلت کیا تھی؟ تاریخ کی زبان سے جواب ایک ہی ملتا ہے کہ وہ دولت یا اللہ کی اعلیٰ ترین نعمت، مسلکِ توحید کی تھی۔ دُنیا کی تاریخ کے جس دَور میں ساری قومیں اور ساری نسلیں کم وبیش شرک میں مبتلا تھیں، یا اس کی طرف بھی چلی جا رہی تھیں یہ نسل اسرائیل ہی ایک ایسی قوم تھی جو من حیث القوم توحید کی علمبردار رہی۔ عقیدۂ توحید اور عقیدۂ رسالت میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ رسالت کی قائل صرف وہی قوم ہوگی، جس کا عقیدۂ توحید واضح و پختہ ہوگا۔ اور انبیاء ورسل، جہاں تک کسی نسل کا تعلق ہے، نسل اسرائیل ہی میں مسلسل پیدا ہوتے رہے۔ ہاں متفرق طور پر کسی دُوسری نسل میں بھی کبھی کبھی پیدا ہو گئے ہوں، تو وہ اس کے منافی نہیں۔ ذکر یہاں افراد کا نہیں، نسل وقوم کا ہو رہا ہے۔ دنیا کی ساری دوسری قوموں میں جس وقت ظہور "اوتاروں" کا ہو رہا تھا، اور وہ قومیں عناصر پرستی، مظاہر پرستی، دیوتا پرستی، بت پرستی، غرض شرک ہی کی کسی نہ کسی شکل میں گرفتار تھیں، انبیاء ورسل اور ان کی تعلیمات کا چرچا صرف بنی اسرائیل میں تھا۔ ہندوستان کی آریہ نسل میں فلسفہ، ہندسہ، ریاضیات، معقولات کے ماہرین وعلماء، جیسے بھی پیدا ہوتے رہے ہوں، بہر حال حلولیت کا شرک اُس میں حلول ہی کیے ہوئے تھا۔ اور توحید ورسالت کی دعوت صرف سامی نسل کی شاخ اسرائیلی کے حصہ میں آئی تھی۔ موجودہ یہود کو بھی اپنے اسلاف کی یہ امتیازی حیثیت یاد ہے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ "بنی اسرائیل پر خاص فرض عائد ہوا تھا کہ توحید باری کی دعوت دیتے رہیں۔ اور آفتاب پرستی، ماہتاب پرستی، کواکب پرستی کے خلاف جہاد کرتے رہیں"۔ (جلد ۶۔ صفحہ ۵) "بنی اسرائیل کا واحد فریضہ دنیا میں خدا کا گواہ بننا تھا"۔ (جلد نمبر ۶ صفحہ ۲) "مخلوقات کے مراتب مختلف ہیں ذی

نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

زندہ رہنے دیتے تھے ۱۶۶۔ اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی

عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ

آزمائش تھی و۱۶۷ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا تھا و۱۶۸ پھر ہم نے تمہیں نجات

وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

دے دی اور فرعون والوں کو غرق کر دیا، درآنحالیکہ تم دیکھ رہے تھے و۱۶۹

وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کر لیا تھا و۱۷۰ پھر

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾

تم نے ان کے پیچھے گوسالہ کو اختیار کر لیا و۱۷۱ اور تم (سخت) ظالم تھے و۱۷۲

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ

پھر ہم نے تم کو اس کے بعد بھی معاف کر دیا و۱۷۳۔ کہ شاید تم

تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ

شکر گزار بن جاؤ و۱۷۴ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان دیئے

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ

تاکہ تم راہ یاب ہو جاؤ و۱۷۵ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا و۱۷۶

يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ

کہ اے میری قوم، یقیناً! تم لوگوں نے اپنے اوپر (بڑا) ظلم کیا اپنی گوسالہ گیری

الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ

سے و۱۷۷ سو اب اپنے خدا سے توبہ کرو و۱۷۸ پھر اپنے اشخاص کو قتل کرو و۱۷۹

شعور مخلوق، غیر ذی شعور سے فائق و برتر ہے۔ انسان فائق ترین ہے۔ انسانوں میں بنی اسرائیل بحیثیت موحد پرستارانِ حق کے مشرکوں سے افضل و بالاتر ہیں"۔ (جلد نمبر ۶ صفحہ ۱۱) "سیاسی قوموں میں سب سے پہلے عبرانیوں ہی کی رسائی اپنے انبیاء کی تعلیم سے توحید باری تک ہوئی"۔ (جلد ۸۔ صفحہ ۶۵۹) مسیحی فرنگی مؤرخین نے بھی اسی تاریخی حقیقت کا اعادہ کیا ہے ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے:۔ "دینِ توحید کی بنیاد بنی اسرائیل ہی میں پڑی"۔ (جلد ۲۔ صفحہ ۳) "انسانیت کی موجودہ روحانی کائنات، عام اس سے کہ مسیحی ہو یا اسلامی، سب کی تہ میں اسی عقیدۂ توحید کی بازگشت ہے، جس کی دعوت سب سے پہلے اسرائیلیوں نے دی تھی"۔ (جلد ۲۔ صفحہ ۳) خود توریت کی تصریحات بھی اس سلسلہ میں نظر انداز کرنے کے قابل نہیں:۔ "تو خداوند اپنے خدا کے لیے ایک پاک قوم ہے۔ خداوند تیرے خدا نے چن لیا کہ تو سب گروہوں کی نسبت جو زمین پر ہیں اس کے خاص گروہ ہو۔ خداوند نے تم سے محبت رکھی اور تمہیں برگزیدہ کیا، نہ اس لیے کہ تم اور گروہوں سے گنتی میں زیادہ تھے۔ کیونکہ تم سب گروہوں سے کمتر تھے بلکہ اس لیے کہ خداوند عالم نے تم سے محبت رکھی"۔ (استثناء ۷: ۶ و ۷) "خداوند کو خوش آیا کہ تمہارے باپ داداؤں سے محبت رکھے۔ اس لیے ان کے بعد ان کی اولاد کو یعنی تم کو سارے گروہوں کی بہ نسبت پہلے برگزیدہ کیا۔ جیسا کہ آج ہے۔" (استثناء ۱۰: ۱۵) "تم میرے گواہ ہو۔ خداوند فرماتا ہے اور میرا بندہ بھی جسے میں نے برگزیدہ کیا...... سو تم میرے گواہ ہو۔" (یسعیاہ۔ ۴۳: ۱۰ و ۱۱) قوم بنی اسرائیل اور اُمتِ موسوی دو بالکل اور قطعاً علیحدہ چیزیں ہیں۔ اور آیت کی تفسیر میں اُمتِ موسوی اور اُمتِ محمدی کے تقابل و تفاضل کا کوئی سوال ہی سرے سے نہیں پیدا ہوتا۔ اس سوال کا یہاں اُٹھانا قطعاً بے ضرورت بلکہ بے محل ہے۔ افضلیت بنی اسرائیل کو کسی خاص زمانہ کے اندر محدود و مقید کرنے کی ضرورت ہمارے قدیم مفسرین کو محض اس لیے پیش آئی کہ "اُمتِ موسوی" اور "قوم اسرائیل" کے درمیان خلط ہو گیا، اور دونوں کا عظیم الشان فرق نظر میں نہ رہا۔ **اُمتِ محمدی ﷺ کی افضلیت بلحاظ دین وعقیدہ ہے**، نہ کہ کسی نسلی یا قومی اعتبار سے، اور آیت میں ذکر ایک خاص نسل کی افضلیت کا ہے۔ یہ کوئی نظریہ یا اجتہادی مسئلہ نہیں۔ ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے کہ جس وقت دُنیائے تہذیب طرح طرح کی مشرکانہ وہم پرستیوں میں مبتلا تھی۔ موحد اعظم ابراہیم علیہ السلام ہی کی نسل کی ایک شاخ توحید کا علم بلند کیے ہوئے تھی۔ ہمارے مفسرین میں سے بھی کسی کسی کے ذہن کی رسائی اس حقیقت تک ہو گئی ہے۔ اور وہ صاف لکھ گئے ہیں کہ نسلِ اسرائیلی کی افضلیت اس میں سلسلۂ نبوت و انبیاء کے لحاظ سے تھی۔ بما جعل فيهم من الانبياء وهذا خاصة لهم وليست لغيرهم (قرطبی) و۱۶۳ يَوْمًا "اُس دن" سے مراد ظاہر ہے کہ یوم قیامت ہے۔ قیامت کی یاد بڑے حکیمانہ موقع پر دلائی گئی۔ حشر و نشر، جزا و سزا کا عقیدہ جو انسان کے دل میں مسئولیت اور ذمہ داری کی رُوح ہے، اسرائیلیوں کے دلوں ہی سے نہیں، کہنا چاہیے کہ ان کی مقدس کتابوں اور نوشتوں تک سے مٹ چکا تھا۔ آگے روزِ قیامت کے جو اوصاف بیان ہو رہے ہیں، سب میں رد ہی ہے کسی نہ کسی اسرائیلی عقیدہ کا لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ۔ اس سے مقصود اُس اسرائیلی عقیدہ کی تردید ہے، جو آج تک جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ان الفاظ میں لکھا چلا آتا ہے "بہت سے لوگ اپنے اسلاف کے اور بہت سے لوگ اپنے اخلاف کے اعمالِ حسنہ کی بنا پر بخش دیئے جائیں گے۔" (جلد ۶۔ صفحہ ۶۱) وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ (جس صورت میں کہ موت حالت کفر پر اور عدم ایمان میں ہوئی ہو) یہاں بھی تردید ہے اس اسرائیلی عقیدہ کی کہ عمل اور عقیدے کیسے ہی ہوں، بہرحال اپنے اسلاف کرام شفاعت کر کے بخشوا ہی لیں گے۔ شفاعت اور ایک شفیع مستقل کا یہی وہ مبالغہ آمیز تخیل ہے، جس نے مسیحیت میں آ کر انتہائی شکل اختیار کر لی۔ اور کفارہ ہی کی طرح شفاعت پر مسیحیت کی بنیاد ہے۔ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ۔ اس میں اصلی ضرب یہودی اور مسیحی عقیدۂ کفارہ پر ہے۔ مسیحیوں کے ہاں عقیدۂ کفارہ کی اہمیت تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن خود یہود بھی ایک بڑی تعداد میں، اسی عقیدۂ کفارہ سے متاثر ہو کر اس کے قائل ہو گئے تھے (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)۔ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۔ ایمان نہ رکھنے والوں کو کسی طرف سے مدد و نصرت بھی نہ پہنچے گی، کہ سزا میں کچھ تخفیف ہی ہو سکے، چہ جائے کہ نجاتِ کامل ہو سکے و۱۶۴ آل لغت میں اہل کا مرادف ہے۔ اور مراد اس سے اہل و عیال، اتباع، ہم مذہب اور ہم نسب ہوتے ہیں اهل الرجل عياله و اتباعه و اولياءه (تاج) فرق یہ ہے کہ اہل کا استعمال عام ہے، اور آل صرف خصوصیت اور اہمیت رکھنے والوں کے لیے آتا ہے۔ لا يستعمل الآل الا ما فيه شرف غالباً (تاج)۔ فِرْعَوْنَ۔ یہ کسی متعین بادشاہ کا ذاتی نام یا علم نہیں۔ قدیم شاہانِ مصر کا عام لقب تھا۔ جیسے ہمارے زمانہ میں ابھی کل تک جرمنی کے بادشاہ کو قیصر، روس کے تاجدار کو زار، اور ٹرکی کے فرمانروا کو سلطان کہتے تھے یا آج بھی والئی مصر کو خدیو اور والئی دکن کو نظام کہتے ہیں۔ فرنگی مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمعصر کوئی ایک بادشاہ نہیں ہوا ہے، یکے بعد دیگرے دو بادشاہ ہوئے ہیں۔ یہ اگر صحیح ہے تو اسے بھی قرآن کا اعجاز ہی کہنا چاہیے، کہ وہ بجائے شخصی نام کے عمومی لقب لایا جس کے بعد شخصیتوں کے ایک یا دو یا چند ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ۔ یعنی ظالم و جابر حکمرانوں کی طرح تمہیں رعایا بنائے ہوئے تمہارے اُوپر طرح طرح کی سختیاں کر رہے تھے۔ توریت میں ہے:۔ "مصریوں نے خدمت کروانے میں بنی اسرائیل پر سختی کی اور انہوں نے سخت محنت سے گارا اور اینٹ کا کام اور سب خدمت کھیت کی کروا کے ان کی زندگی تلخ کی۔ ان کی ساری خدمتیں جو وہ اُن سے کراتے تھے مشقت کی تھیں۔" (خروج۔ ۱: ۱۳ و ۱۴) قدیم ترین اسرائیلی مؤرخ جوزیفس کی تاریخ آثار یہود (History of Jewish Antiquities) میں تفصیلات اور زیادہ موجود ہیں۔ قرآن مجید اور توریت کے بیان کا یہ فرق بھی قابل لحاظ ہے کہ توریت نے حاکمانہ سخت گیریوں کو سارے "مصریوں" کی جانب منسوب کر دیا۔ اور قرآن نے اپنے حسب معمول محتاط اور انتہائی صادقانہ لہجہ میں نام

صرف ''فرعونیوں'' کا لیا— دونوں چیزیں ایک دوسرے سے ایسی ہی الگ ہیں جیسے انگریزی قوم اور انگریزی حکومت۔ نجینا۔ باب تفعیل سے ہے۔ اور اس باب کی ایک خاصیت فعل کی تدریج ظاہر کرنا بھی ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ سارے اسرائیلی مصر سے دفعۃً نہیں نکلے تھے۔ بلکہ رفتہ رفتہ اور مختلف ٹولیوں میں نکلتے رہے۔ اور ان کا سب سے بڑا اور آخری دستہ وہ تھا جو حضرت موسٰی کی قیادت میں روانہ ہوا، اور راہ بھٹک کر پھر سمندر پار ہوا۔ ہیسٹنگز کی ''ڈکشنری آف دی بائبل'' میں ہے:۔ ''ممکن ہے کہ مصری اسرائیلیوں کے گروہ وقتاً فوقتاً مصر سے نکل کر اپنے اجداد کے مقبروں کے گرد آباد ہوتے رہے ہوں''۔ (جلد ۳ صفحہ ۸۶۰) اگر تاریخ نے کبھی مؤرخین کے اس خیال کی تصدیق کر دی، تو قرآن مجید کے لفظ نجینا کے باب تفعیل سے آنے کی اعجازی قدر اُس وقت ہوگی و١٦٥ توریت میں ہے:۔ ''اگر بیٹا ہو تو اسے ہلاک کر دو......اور فرعون نے اپنے سب لوگوں کو تاکید کر کے کہا، کہ ان میں جو بیٹا پیدا ہو تم اُسے دریا میں ڈال دو''۔ (خروج۔ ۱:۵ و ۲۲) و١٦٦ یہ لڑکیوں کا قتل نہ کرنا اور انہیں عورت بننے کے لیے زندہ رکھنا غالباً اس لیے تھا کہ انہیں آئندہ فرعونی امراء اپنے حرم میں داخل کریں۔ (ملمین کی ''ہسٹری آف دی جیوز'' جلد اول صفحہ ۷۷)۔ توریت میں ذکر قرآن کی طرح صرف اُن کے زندہ رکھنے کا ہے۔ وجہ و مصلحت درج نہیں:۔ ''اگر بیٹا ہو تو اسے ہلاک کر دو۔ اور اگر بیٹی ہو تو اسے جینے دو......ان میں جو بیٹا پیدا ہو تم اُسے دریا میں ڈال دو، اور جو بیٹی ہو، جیتی رہنے دو۔'' (خروج۔ ۱:۵ و ۲۲) و١٦٧ مشہور و قدیم یہودی مؤرخ جوزیفس کے الفاظ بھی تقریباً بالکل یہی ہیں:۔ ''یہ ایک بہت سخت ابتلا تھا''۔ (تاریخ آثار یہود۔ باب ۲۔ فصل ۹) و١٦٨ فرعون اور مصری گورنمنٹ کے مظالم سالہا سال تک برداشت کرنے کے بعد بالآخر حضرت موسٰی علیہ السلام کی قیادت میں ساری قوم اسرائیل نے مصر کی سکونت ترک کر کے اپنے آبائی وطن شام و فلسطین کو چلا جانا طے کر لیا۔ سفر مصری حکومت سے چھپ چھپا کر رات کے وقت شروع کیا۔ زمانہ وہ تھا کہ نہ آج کل کی سی باقاعدہ سڑکیں تھیں، نہ راستوں میں لیمپ لالٹین۔ شب کی تاریکی میں اسرائیلی راستہ بھول گئے۔ اور بجائے اس کے کہ شمال کی طرف کچھ اور آگے بڑھ کر اپنے دائیں پر مشرق کی طرف مڑتے، پہلے ہی ادھر گھوم پڑے۔ اُدھر فرعون کو خبر ہوگئی، اور وہ اپنے لشکر کی کمان خود کرتا ہوا تیزی سے تعاقب میں آپہنچا۔ اب اسرائیلیوں کے سامنے یعنی مشرق کی جانب سمندر تھا۔ اور دائیں بائیں شمال و جنوب میں پہاڑیاں تھیں، اور پشت پر یعنی مغرب کی جانب مصری لشکر۔ قرآن مجید میں اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ توریت میں اس کو خروج بنی اسرائیل سے موسوم کیا ہے۔ زمانہ کی تعیین جزم کے ساتھ مشکل ہے۔ جدید ترین تحقیقات کے مطابق پندرھویں صدی قبل مسیح علیہ السلام کا وسط قرار پایا ہے۔ بلکہ بعض نے جرأت کر کے سنہ بھی متعین کر دیا ہے۔ ۱۴۴۷ ق۔ م۔ بِكُمْ۔ تمہارے لیے، یعنی تمہیں بچانے کے لیے۔ تمہیں راستہ دینے کے لیے۔ ای فرقنا لکم (معالم) ای فرقنا بسببکم و بسبب انجائکم (کشاف) فرقنا البحر۔ بشر کے محدود نقطہ نظر اور انسان کے ناقص علم کے اعتبار سے جو مستبعد، خلافِ معمول اور حیرت انگیز واقعہ کسی نبی کی تائید میں، ظاہری مادی اسباب سے بے تعلق، ظہور میں آئے، اُسے اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں۔ ایسے کسی واقعہ کو جس کا ثبوت رؤیت یا روایت، مشاہدہ یا نقل صحیح سے مل جائے، ''خلافِ عقل'' کہہ کر اس کے امکان سے انکار کر بیٹھنا خود ایک انتہائی نادانی اور بے عقلی ہے۔ تاریخی عجائب سے آخر تاریخ لبریز ہی ہے۔ اور خوارق، نوادر، حوادثِ عجیبہ سے دنیا کا کون سا گوشہ، زمانہ کا کون سا دور خالی رہا ہے؟ یا آج کس دن، کس تاریخ کے اخبارات خالی رہتے ہیں؟ زیادہ سے زیادہ ایسے واقعات کو خلافِ معمول، خلافِ عادت عامہ کہا جا سکتا ہے۔ اور ان کے روایتی ثبوت کا مطالبہ یقیناً کرنا چاہیے۔ راویوں پر جرح بھی خوب کر لینا چاہیے۔ لیکن اس سے تجاوز کر کے اُن کے نفسِ امکان میں شک کرنا یا انہیں خلافِ عقل یا محال قرار دینا خود اپنی کم عقلی کا اظہار کرنا ہے۔ استبعاد جو کچھ بھی ہے، وہ تو صرف انسانی معیار سے ہے، انسان کے بہت ہی محدود و مختصر رقبہ علم و تجربہ کے اعتبار سے ہے، ورنہ جو قادرِ مطلق ہے، اُس کے لیے تو ''حسب معمول'' اور ''خلافِ معمول'' سب ایک ہے۔ اور ''غریب'' و ''مانوس'' کا فرق اس کے لیے کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ ''وقوع'' اور ''امکان'' دو بالکل الگ چیزیں ہیں۔ اور انہیں کے خلط مبحث نے معجزہ کے مسئلہ میں اتنی الجھن پیدا کر دی ہے۔ امکان تو ہر چیز کا ہے۔ اللہ کے دائرہ قدرت کے اندر ہر بڑی سے بڑی چیز ہے۔ ناممکن تو اس کے لیے کوئی سی بھی چیز نہیں۔ لیکن وقوع پر یقین کرنے کے لیے ضرورت شاہدوں کی ہوتی ہے۔ اور جو واقعہ جس قدر عجیب اور معمول عام سے ہٹا ہوگا، اسی نسبت سے اُس پر یقین لانے کے لیے شہادت بھی زبردست ہونی چاہیے۔ یہ تو معجزات پر اُصولی گفتگو تھی۔ باقی یہاں جس فرق البحر کا ذکر ہے، تو یہ سمندر کا پھٹ جانا اور درمیان میں خشکی کی راہ بن جانا کچھ ایسا زیادہ خارق عادت ہے بھی نہیں، کہ اس کی نظیر کہیں ملتی ہی نہ ہو۔ بحری زلزلہ کے وقت ایسی صورتیں پیش آتی ہی رہتی ہیں۔ چنانچہ جنوری ۱۹۳۴ء (رمضان ۱۳۵۲ھ) میں جو عظیم الشان زلزلہ بہار اور اطراف بہار میں آیا، اس موقع پر صوبہ کے صدر مقام، شہر پٹنہ میں دن دہاڑے کوئی ڈھائی بجے کے وقت، ایک مجمع کثیر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ گنگا جیسے وسیع و عریض دریا کا پانی چشم زدن میں غائب ہو گیا۔ اور اتنے چوڑے پاٹ میں بجائے دریا کے دھارے کے خشک زمین نکل آئی اور یہ حیرت انگیز اور دہشت ناک منظر چند سیکنڈ نہیں، چار پانچ منٹ تک قائم رہا، یہاں تک کہ دریا اسی برق رفتاری کے ساتھ یک بیک زمین سے اُبل کر پھر جاری ہو گیا!— واقعہ کی مفصل رُوداد ایک وقائع نگار کے قلم سے، انگریزی روزنامہ پانیر (لکھنو) کی ۲۰ جنوری ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں درج ہے! الْبَحْرَ۔ بحر سے مراد یہاں دریائے نیل نہیں، جیسا کہ بعض ثقات کو دھوکا ہو گیا ہے۔ بلکہ بحر قلزم (یا بحر احمر) مراد ہے۔ دریائے نیل تو بنی اسرائیل کے مسکن اور محلہ سے مغرب کی طرف واقع تھا۔ اور اسرائیلیوں کا راستہ شام کے لیے مشرق کی طرف تھا۔ نیل سے اس راستہ کو دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ مصر سے شام کی راہ کے قریب بحر قلزم تھا۔ اسی کے تنگ شمالی سرے کی جانب یہاں اشارہ ہے۔ مصر کے مشرق میں جہاں اب نہر سویز کھدگئی ہے، اس سے متصل جنوب میں، نقشہ میں سمندر دو مثلثوں کی شکل میں تقسیم نظر آئے گا۔ یہاں ان میں سے مغربی مثلث مراد ہے۔ اسرائیلیوں نے اسی کو عبور کر کے جزیرہ نمائے سینا میں قدم رکھا تھا و١٦٩ اسرائیلی اپنے کو ہر طرف سے محصور پا کر قدرۃً سخت پریشان ہوئے۔ لیکن رہنمائی اللہ کے ایک پیمبر کر رہے تھے۔ آپ نے وحی الٰہی کے اشارہ سے فرمایا کہ بلا توقف سمندر میں چل پڑو۔ سمندر کا پانی سمٹ کر دونوں طرف پہاڑ جیسی دیواروں کی طرح کھڑا ہو گیا۔ درمیان میں خشک راستہ پیدا ہو گیا۔ اسرائیلیوں کا قافلہ عبور کر گیا۔ اتنے میں فرعونی بھی لب ساحل پہنچ گئے۔ اور یہ منظر دیکھ کر وہ بھی پیدل اور سوار خشک سمندر میں در آئے۔ لیکن ابھی درمیان ہی میں تھے کہ پانی کی وہ کھڑی ہوئی دیواریں آناً فاناً آپس میں مل گئیں۔ اور سمندر کا پانی حسب سابق رواں ہو گیا۔ اور دیکھتے دیکھتے فرعون مع اپنے لاؤ لشکر کے غرق ہو کر رہ گیا۔ توریت میں تصریحات ذیل ملتی ہیں:۔ ''پھر موسٰی نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا اور خداوند نے بہ سبب بڑی پوربی آندھی کے تمام رات میں دریا کو چلایا۔ اور دریا کو سکھا دیا۔ اور پانی کو دو حصہ کیا۔ اور بنی اسرائیل دریا کے بیچ میں سے سوکھی زمین پر ہو کر گزر گئے۔ اور پانی کی اُن کے داہنے اور بائیں دیوار تھی۔'' (خروج۔ ۱۴۔ ۲۱۔ ۲۲) ''بنی اسرائیل خشک زمین پر دریا کے بیچ میں چلے گئے اور پانی کی ان کے داہنے اور بائیں دیوار تھی۔ سو خداوند نے اُس دن اسرائیلیوں کو مصریوں کے ہاتھ سے یوں بچایا۔'' (خروج۔ ۱۴:۲۹۔ ۳۰) 'اور مصریوں نے پیچھا کیا اور ان کا پیچھا کیے ہوئے وہ اور فرعون کے سب گھوڑے اور اُس کی گاڑیاں اور اُس کے سوار دریا کے بیچوں بیچ تک آئے......اور موسٰی نے اپنا ہاتھ دریا پر بڑھایا۔ اور دریا صبح ہوتے ہی اپنی اصلی قوت پر لوٹا اور مصری اس کے آگے بھاگے اور خداوند نے مصریوں کو دریا میں ہلاک کیا۔ اور پانی پھرا۔ اور گاڑیوں اور سواروں اور فرعون کے سب لشکر کو جو اُن کے پیچھے دریا میں آئے تھے چھپا لیا۔ اور ایک بھی ان میں سے باقی نہ چھوٹا۔'' (خروج۔ ۱۴:۲۴۔ ۲۸) واقعہ کا زمانہ جدید ترین اثری تحقیق کے مطابق ۱۴۴۷ ق۔ م یا اس کے لگ بھگ قرار پاتا ہے۔ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ فقرہ غیر ضروری یا برائے بیت نہیں بنی اسرائیل پر اس حقیقت کا پر زور طریقہ پر اعلان مقصود ہے کہ اپنے ایسے پُر قوت دشمن کی ہلاکت و بربادی کا نظارہ محض تائید خداوندی سے تم نے اپنی آنکھوں سے کر لیا۔ توریت میں ہے:۔ ''اسرائیلیوں نے مصریوں کی لاشیں دریا کے کنارہ پر دیکھیں'' (خروج۔ ۱۴۔ ۳۱) و١٧٠ جب حضرت موسٰی اپنی قوم کو مصری حکومت کے پنجہ غضب سے نکال لائے۔ تو اب مشیت خداوندی یہ ہوئی کہ اس قوم کو ایک پورا انظام شریعت اور دستور زندگی عطا ہو۔ چنانچہ حضرت موسٰی جزیرہ نمائے سینا کے ایک پہاڑ کی چوٹی کوہ طور پر نوشتہ غیبی لینے کے لیے ایک چلہ کے لیے طلب کیے گئے۔ موسٰی۔ موسٰی بن عمران سلسلۂ اسرائیلی کے سب سے زیادہ مشہور و جلیل القدر پیمبر کا نام ہے۔ توریت میں ہے کہ عمر ایک سو بیس سال کی پائی (استثناء۔ ۳۴:۷) آپ کا زمانہ مؤرخین اور

اثریین کا تخمینہ ہے کہ چودھویں اور سولہویں صدی قبل مسیح علیہ السلام کا تھا۔ سالِ ولادت غالباً و۱۵۲۰ ق،م۔ سالِ وفات غالباً ۱۴۰۰ق،م۔ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً۔ چالیس رات دن مراد ہیں۔ توریت میں ہے:۔ ''اور موسیٰ پہاڑ پر چالیس دن رات خداوند کے پاس رہا''۔ (خروج ۳۴: ۲۸) اسلامی روایتوں میں آتا ہے کہ یہ زمانہ ذی قعدہ کے پورے مہینہ اور ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کا تھا۔ قيل انها ذوالقعدة بكماله وعشر من ذى الحجة (ابن کثیر) مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ اہل سلوک کے یہاں جو چلہ کی میعاد متعارف ہے، اس کی اصل یہیں سے ہے۔ و۱۷۱ (بہ طور اپنے معبود کے) مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عارضی غیر حاضری کے زمانہ میں۔ اُدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر تشریف لے گئے اِدھر ان کی موحد قوم نے گرد و پیش کی مشرک قوموں کی دیکھا دیکھی ایک گوسالہ کی مورت سونے کی بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی۔ توریت میں خروج کا باب ۳۲، پورا اسی گوسالہ پرستی کی تفصیلات کی نذر ہے۔ و۱۷۲ (اپنے حق میں) قرآن مجید نے اس قسم کے فسق شدید بلکہ شرک کو اکثر 'ظلم' ہی سے تعبیر کیا ہے۔ اور واقعی اس سے بڑھ کر ظلم انسان کا اپنے حق میں اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ اسرائیلیوں میں یہ گمراہی آئی کہاں سے؟ اس سوال کے جوابات مختلف دیئے گئے ہیں۔ ایک قول ہے کہ یہ مصریوں کی گاؤ پرستی کا عکس تھا۔ دُوسرا قول ہے کہ مشرک کنعانیوں (فلسطینیوں) کے ہم جوار ہونے کا اثر تھا۔ تیسرا قول ہے کہ گوسالہ مورت تھی چندرماں دیوتا کی۔ اور گوسالہ پرستی مرادف تھی ماہتاب پرستی کی۔ بہرحال یہ شرک جس راہ سے بھی آیا ہو، قرآن نے اسے ہی شرک قرار دیا، خواہ وہ مورتی (نعوذ باللہ) خدائے واحد ہی کی کیوں نہ بنائی گئی ہو۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ حلول باری تعالیٰ کی جناب میں محال ہے ورنہ اگر محض غلطی ہوتی تو اسرائیلی اس میں معذور سمجھے جاتے۔ و۱۷۳ (تمہارے توبہ و استغفار اور تم میں سے ایک خاص گروہ کی سزایابی کے بعد) گوسالہ پرستی اور شرک جیسے انتہائی جرم کی سزا چاہیے تو یہ تھا کہ ساری قوم کو ملتی، شرک کرنے والوں کو شرک کی، اور باقی تماشہ دیکھتے رہنے والوں کو سکوت عن الحق اور اعانت جرم کی۔ لیکن واقعۃً سزا صرف ایک مخصوص گروہ کو ملی۔ جیسا کہ ابھی آتا ہے، اور باقی ساری قوم توبہ و استغفار کے بعد بچ گئی و۱۷۴ (کہ شکر گزاری اور منت پزیری تو جوہرِ شرافت اور لازمۂ انسانیت ہے) اس موقع پر عملی شکر گزاری توحید و طاعت پر ثابت قدمی تھی و۱۷۵ (اور جزئیات تک کے لیے زندگی کا ایک دستور العمل ہاتھ آجائے) اجمالاً راہ ہدایت یعنی توحید کی تعلیم تو اسرائیلیوں کو پہلے سے ملی ہوئی تھی، اور پیمبر اُن کے درمیان موجود ہی تھے۔ اب کتاب اس لیے نازل فرمادی گئی کہ ایک مستقل و مرتب دستور العمل جزئیات زندگی کا اُن کے ہاتھ میں آجائے، اور آئندہ یہ راہ سے بھٹکنے نہ پائیں۔ الْكِتٰبَ۔ یعنی توریت۔ قرآن مجید میں مطلق اَلْكِتٰبَ کا لفظ، علاوہ قرآن کے توریت کے لیے بھی آیا ہے۔ الْفُرْقَانَ۔ فرقان اپنے لفظی معنٰی میں ہر وہ چیز ہے جس سے حق و باطل کے درمیان فرق کیا جاسکے۔ كل ما فرق به بين الحق و الباطل فهو فرقان (لسان) الْفُرْقَانَ۔ قرآن کا بھی ایک نام ہے، اس مناسبت سے کہ قرآن حق و باطل، حرام و حلال کے درمیان فارق ہے۔ اور اسی مناسبت سے اس کا اطلاق علاوہ قرآن کے توریت و انجیل پر بھی ہوسکتا ہے، کہ یہ کتابیں بھی فارق ہیں بہ لحاظ عقائد حق و باطل کے درمیان۔ بہ لحاظ اقوال صدق و کذب کے درمیان۔ اور بہ لحاظ اعمال نیک و بد کے درمیان (راغب)۔ اس مقام پر الْفُرْقَانَ کی متعدد تفسیریں نقل ہوئی ہیں۔ ۱۔ الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ کے درمیان عطف تفسیری ہے۔ اور مراد دونوں سے ایک ہی ہے یعنی توریت۔ توریت ہی کی دو صفتیں ہیں۔ ایک صفت کتابت، دُوسری صفت فرقانیت۔ اوّل کے لحاظ سے وہ الْكِتٰبَ ہے، اور دُوسری کے لحاظ سے الْفُرْقَانَ۔ يعنى الجامع بين كونه كتاباً منزلاً و فرقاناً يفرق بين الحق والباطل يعنى التوراة (کشاف) الفرقان نعت والواو زائدة يعنى الكتٰب الفرقان (معالم۔ عن الکسائی)۔ ۲۔ دُوسرے یہ کہ اس سے مراد یہاں توریت اپنے احکام و شرائع کے لحاظ سے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بہت سے تابعین کا یہی مذہب ہے۔ یہ قول قولِ اوّل سے معنًی بالکل ملتا ہوا ہے۔ ۳۔ مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ کو عطا ہوئے تھے۔ مثلاً معجزۂ عصا، معجزۂ ید بیضا، وغیرہما۔ یہ مذہب مجاہد تابعی کا ہے۔ انه معجزات الفارقة بين الحق والباطل (روح)۔ ۴۔ مراد وہ فتح و غلبہ ہے جو بنی اسرائیل کو حکومت فرعونی کے مقابلہ میں عطا ہوا تھا۔ النصر والفرج الذى اتاه الله بنى اسرائيل على قوم فرعون (کبیر) الفرقان الفرج من الكرب لانهم كانوا مستعبدين مع القبط (قرطبی)۔ یہود کا عقیدہ ہے کہ لکھی ہوئی کتاب توریت کے علاوہ زبانی بھی بہت سے اسرار و مسائل کی تعلیم حضرت موسیٰ کو ہوئی تھی۔ اور وہ ان کے بعد سے سینہ بہ سینہ نسلاً بعد نسلٍ ان کی قوم میں منتقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ سو یہود کے نقطۂ خیال سے فرقان سے مراد اُس علم سفینہ کے علاوہ یہ علم سینہ ہے و۱۷۶ (بعد اس کے کہ بنی اسرائیل شرک اور گوسالہ پرستی کے مرتکب ہوچکے تھے) و۱۷۷ (کہ توحید جیسی دولت بے بہا پاکر پھر شرک اور مخلوق پرستی کی سفلیت پر اتر آئے) و۱۷۸ فَتُوْبُوْٓا میں فاسببیہ ہے کہ نہ انہوں نے ظلم کیا ہوتا نہ آج توبہ کی نوبت آتی والفاء للتسبيب (بیضاوی) لان الظلم سبب للتوبة (بحر) توریت میں ہے:۔ ''اور موسیٰ نے کہا کہ آج خداوند کے لیے اپنے تئیں مخصوص کرو۔ ہر ایک مرد اپنے بیٹے اور بھائی پر حملہ کرے تاکہ وہ تمہیں برکت دیوے۔'' (خروج۔ ۳۲: ۲۹) و۱۷۹ (اپنے ہاتھ سے، یعنی غیر مجرمین مجرمین کو قتل کریں) فليقتل الذى لم يعبد العجل الذى عبده (ابن عباس رضی اللہ عنہما)۔ شرک شریعت موسوی اور آئین اسرائیلی میں علاوہ معصیت مذہبی کے فوجداری کا بھی ایک سنگین جرم تھا، مستوجب قتل۔ توریت کی قانونی آیتوں میں مشرک و مشرکہ کے لیے یہ تصریح ہے کہ ''اس مرد یا اُس عورت پر یہاں تک پتھراؤ کیجیو کہ وہ مر جائیں...... گواہوں کے ہاتھ اُس پر پہلے اٹھیں تاکہ اس کو قتل کریں اور ان کے بعد باقی سب لوگوں کے ساتھ، تم یونہی اپنے بیچ سے شرارت کو نیست و نابود کیجیو''۔ (استثناء۔ ۱۷: ۵۔ ۷) اور ظاہر ہے کہ شریعت کا نفاذ صاحب شریعت کے سامنے بھی نہ ہوتا تو اور کب ہوتا۔ شرک کے مجرمین پکڑ پکڑ کر سامنے لائے گئے اور اپنے ہی بھائی بندوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُترے۔ توریت میں ہے:۔ ''تم میں سے ہر مرد اپنی کمر پر تلوار باندھے اور ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ تک تمام لشکر گاہ میں گزرتا پھرے۔ اور ہر مرد تم میں سے اپنے بھائی کو اور ہر ایک آدمی اپنے دوست کو اور ہر ایک آدمی اپنے قریب کو قتل کرے۔ اور بنی لاوی نے موسیٰ کے کہے کے موافق کیا۔ چنانچہ اس دن لوگوں میں سے تقریباً تین ہزار آدمی مارے پڑے''۔ (خروج۔ ۳۲: ۲۷ و ۲۸) فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔ میں قتل سے مراد یہی اہلاک ہے جسے سب جانتے ہیں۔ اور محققین کا گروہ اسی معروف معنٰی میں قتل کا قائل ہے والمتبادر من القتل القتل المعروف من ازهاق الروح (روح) ظاهر هذا انه هو القتل المعروف من ازهاق الروح (بحر) والصحيح انه قتل على الحقيقة هنا (قرطبی)۔ اس کھلے ہوئے معنٰی کو چھوڑ کر، بلاوجہ بلاضرورت قتل کے مجازی معنٰی مجاہدہ یا ریاضت یا نفس کشی کے کرنا نہ کسی نقلی سند کے مطابق ہے نہ کسی عقلی دلیل کے ماتحت۔ یہ واقعہ قتل تاریخ اسرائیل کا ایک مشہور و مسلم واقعہ ہے۔ توریت کی سند ابھی گزر چکی، تاریخ کی سب کتابیں اس کو دہرا رہی ہیں۔ سارے دفترِ نقل و روایت میں کوئی لفظ اس کے خلاف موجود نہیں۔ رہی ''عقل'' سو خدا معلوم دنیا کے پردہ پر وہ کون سی پاگل گورنمنٹ ہے، جو اپنے قانونِ فوجداری کے شدید مجرموں، لٹیروں، ڈاکوؤں، نقب زنوں کو محض معافی طلب کرنے پر چھوڑ دیتی ہے؟ آج کے ''روشن خیال'' تفسیر نویسوں کی تاویلات بھی عجیب عجیب ہوتی ہیں! و۱۸۰ (اور اس خیریت اور بہتری کا ظہور آخرت میں ہوگا) خَيْرٌ سے اشارہ یہاں نجات، مغفرت اور گناہ کی گندگی سے پاک صاف ہونے سے ہے۔ یہاں ذکر تو ایک اسرائیلی ضابطہ شریعت کا ہے۔ لیکن خود اسلامی شریعت کا ضابطہ بھی اسی سے ملتا جلتا ہے۔ رہزنی، سرقہ، زناکاری وغیرہ جن جن جرائم کے لیے حدود مقرر ہیں، وہ دُنیا میں معاف نہیں ہوسکتے، خواہ مجرم صدق دل سے تائب ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اجرائے حد کے بعد یہ امید ضرور قائم ہوجاتی ہے کہ وہ نادم و تائب حشر میں دُھلا دُھلایا، پاک صاف حاضر ہوگا و۱۸۱ تاب عليكم۔ یعنی تمہاری توبہ من حیث القوم قبول کرلی۔ سزا صرف انہیں افراد کو ملی جو شرک کے مجرم واقعۃً اور عملاً تھے۔ آبادی کا بڑا حصہ جو صرف اپنی خاموشی سے شریک جرم رہا اس کی خطا معاف ہوگی و۱۸۲ دُنیا کی بہت سی گمراہ قوموں کا یہ عقیدہ رہ چکا ہے اور اب بھی ہے (مثلاً بدھ مذہب والوں کا) کہ خدا کو معاف کر دینے کا کوئی اختیار ہی نہیں، کیونکہ وہ خود قانون مکافاتِ عمل کا پابند ہے۔ مسیحیت بھی اسی اساسی گمراہی میں مبتلا ہے۔ خدا چونکہ از خود کسی کو معاف نہیں کرسکتا، اور معاف کرنا چاہتا ہے، اس لیے اُس نے اپنے بیٹے کو سب کی طرف سے بہ طور کفارہ سزا دے کر دوسروں کو معاف کردیا۔ یہودیت نے بھی خدا کی قہاریت پر اتنا زور دیا کہ اس کی رحمت و رحمانیت کی تصویر بالکل ہی دُھندلی پڑگئی۔ قرآن مجید نے توبہ و قبولِ توبہ اور رحمتِ الٰہی کی وسعت پر بار بار زور دے کر ان ساری گمراہیوں کی تردید کردی و۱۸۳ (کہ جو مخاطبہ تم سے ہوا وہ مخاطبہ الٰہی

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ

یہی بہتر ہے تمہارے حق میں تمہارے خدا کے نزدیک وٓ۱۸۰ پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کرلی وٓ۱۸۱

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَ اِذْ قُلْتُمْ

بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے وٓ۱۸۲، اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے کہا تھا

يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً

کہ اے موسیٰ ہم ہرگز نہ باور کریں گے تمہارے (کہنے سے) وٓ۱۸۳ جب تک کہ ہم خدا کو دیکھ نہ لیں علانیہ، وٓ۱۸۴

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ

سو (اس پر) تم کو آ لیا کڑک نے، وٓ۱۸۵ اور تم (اس کا آنا) دیکھ رہے تھے وٓ۱۸۶۔ پھر

بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

ہم نے تم کو جلا اٹھایا تمہارے مرے پیچھے، وٓ۱۸۷ کہ شاید تم شکر گزار بنو وٓ۱۸۸

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ

اور ہم نے تمہارے اوپر ابر کا سایہ کر دیا، وٓ۱۸۹ اور ہم نے تمہارے اوپر مَنّ و سلویٰ

وَ السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ

اتارا وٓ۱۹۰ کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دے رکھی ہیں وٓ۱۹۱

وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور انہوں نے زیادتی ہم پر نہیں کی بلکہ زیادتی اپنی ہی جانوں پر کرتے رہے وٓ۱۹۲

وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے کہا تھا وٓ۱۹۳ کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ وٓ۱۹۴ اور اس میں

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ

جہاں سے چاہو خوب کھاؤ پیو وٓ۱۹۵ اور دروازہ (شہر) میں عاجزی سے

ہی تھا، اور جو کلام تم ہمیں سنا رہے ہو وہ کلام الٰہی ہی ہے) قُلْتُمْ ''تم نے کہا تھا'' یعنی تمہاری قوم کے ستر بڑے بوڑھے نمائندوں نے۔ والقائلون هم السبعون الذين اختارهم موسٰى للميقات (بیضاوی) لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ۔ اے لاجل قولک (بیضاوی) تاریخ اسرائیل کے اہم ترین واقعات دُہرائے جا رہے ہیں، اور اسرائیلیوں پر اُن کی قومی تاریخ سے 'حجت' قائم کی جا رہی ہے۔ اب ذکر اس وقت کا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر بزرگانِ قوم کو ہمراہ لے کر لشکرگاہ سے کوہِ طور پر گئے ہیں۔ دامنِ کوہ میں انہیں چھوڑ کر خود آگے بڑھ گئے ہیں اور مکالمہ ومخاطبۂ الٰہی سے مشرف ہونے کے بعد اس کی اطلاع اور خوشخبری ان بزرگانِ قوم کو پہنچائی ہے وٓ۱۸۴ (اپنی انہیں مادّی اور ظاہری آنکھوں سے) گویا اللہ تعالیٰ بھی کوئی مادی جسم رکھتا ہے! اور گویا رسول کے حواس عام بشری حواس سے کچھ ممتاز ہی نہیں ہوتے! وٓ۱۸۵ (اس گستاخانہ مطالبہ کی پاداش میں) لفرط العناد والتعنت وطلب المستحيل (بیضاوی) اَخَذَتْكُمْ۔ ''پکڑ لیا تم کو'' یعنی انہیں ستر بزرگانِ قوم کی جماعت کو۔ معتزلہ نے آیت سے استدلال یہ کیا ہے کہ رویت باری جائز ہی نہیں۔ ورنہ اگر جائز ہوتی تو اس سوال پر سردارانِ اسرائیل کو اتنی سخت سزا نہ ملتی۔ لیکن اہل سنت کا مذہب ہے کہ رویت باری جنت میں تو مومنین کو ہو ہی کر رہے گی، باقی دنیا میں بھی مخصوص افراد کو بہ طور فضل خاص ممکن ہے۔ البتہ ہر جہت، جسم اور مادّی کم وکیف سے پاک۔ وقد اختلف فی جواز روية الله تعالىٰ فاكثر المبتدعة على انكارها فی الدنيا والآخرة واهل السنة والسلف على جوازها فيهما و وقوعها فی الآخرة (قرطبی) الممكن ان يرى رؤية منزّهة عن الكيفية وذٰلك للمومنين فی الآخرة و لافراد من الانبياء فی بعض الاحوال فی الدنيا (بیضاوی) رہی ان کی یہ سزا تو اس کے اسباب بالکل دوسرے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ پیمبر علیہ السلام کی بات کو جھٹلا رہے تھے (حالانکہ ظہور معجزات ودلائل کے بعد پیمبر علیہ السلام پر ایمان لانا فرض ہو جاتا ہے) یا یہ کہ وہ سوال اپنے رفع جہل کے لیے نہیں، بلکہ بطور انکار، ازراہِ عناد کر رہے تھے۔ انما عوتبوا بكفرهم لانهم امتنعوا عن الايمان بموسٰى بعد ظهور معجزاته والايمان بالانبياء واجب بعد ظهور معجزاتهم ولانهم لم يسألوا سوال استرشاد بل سوال تعنت وعناد (مدارک) وٓ۱۸۶ توریت میں ہے:۔ ''اور یوں ہوا کہ تیسرے دن صبح کو بادل گرجے اور بجلیاں چمکیں اور پہاڑ پر کالی گھٹا اُمڈی اور قرنائی کی آواز بہت بلند ہوئی، چنانچہ سب لوگ ڈیروں میں کانپ کانپ گئے''۔ (خروج۔ ۱۹:۱۶) وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ مفسر ابن حیان نے کہا ہے کہ ینظرون عربی میں ینتظرون کے معنی میں بھی آتا ہے اس لیے اگر کوئی یہ مراد لے کہ ''تم سوال رویت کے مقبول ہونے کا انتظار کر رہے تھے''۔ تو اس معنی کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اگرچہ کسی سے یہ مفہوم منقول نہیں۔ ولكن هذا الوجه ليس بمنقول فلا اجسر على القول به وان كان اللفظ يحتمله (بحر) وٓ۱۸۷ یہ احیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سفارش پر ہوا تھا۔ اسرائیلی روایات اس باب میں خاموش ہیں بَعَثْنٰكُمْ ''جلا اٹھایا تم کو'' یعنی انہیں ستر بزرگانِ قوم کو۔ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ۔ موت اور بعث دونوں کے کھلے ہوئے معنی مرنے اور جی اٹھانے کے ہیں۔ اور ایسا ہی مفسرین نے عموماً سمجھا ہے۔ بلکہ یہ کہہ دیا ہے کہ بعد موت کے قید لگائی ہی اس لیے گئی ہے کہ بعث کو کوئی غشی یا نیند کے بعد نہ سمجھے۔ اے احيينا كم (قرطبی) ماتوا وذهبت ارواحهم ثم رد والاستيفاء آجالهم (قرطبی) وقيد البعث لانه قد يكون عن اغماء او نوم (بیضاوی) والموت هنا ظاهره مفارقة الروح الجسد وهذا هو الحقيقة (بحر) بحر، روح وغیرہ میں ایک دوسرا قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ موت حقیقی نہ تھی، بلکہ بیہوشی کی قسم سے مجازی موت تھی وٓ۱۸۸ (اور آئندہ توحید اور ایمان پر پوری طرح قائم رہو) بعض تفسیروں میں یہاں یہ قصہ نقل ہوا ہے کہ یہ ستر اشخاص بعد کو حضرت موسیٰ کی دعا سے نبی ہو گئے۔ لیکن یہ قصہ بے اصل ہے۔ هذا غريب جدًا (ابن کثیر) و هو بعيد (روح) وٓ۱۸۹ (تمہیں آفتاب کی تپش سے بچانے کے لیے جب کہ تم صحرائے سینا میں بھٹک رہے تھے) جزیرہ نمائے سینا جیسے ریگستانی ملک اور چٹیل میدان کی دُھوپ میں سایہ میسر آ جانا واقعی سایۂ رحمت سے کم نہیں۔ توریت میں ستونِ ابر اور ستونِ زر دونوں کا ذکر بہ طور معجزہ کے ہے۔ سیاقِ قرآنی سے معجزہ کا پہلو لازم نہیں آتا۔ ذکر عام نعمتوں کا ہو رہا ہے جو بنی اسرائیل پر ان کی تاریخ کے اہم ترین دَور میں برابر نازل ہوتی رہیں۔ اور قرآن مجید نے عام مستقل اور بہ ظاہر طبیعی اسباب سے پیدا شدہ نعمتوں کو کہیں بھی معجزانہ وخارقانہ نعمتوں سے کم اہمیت نہیں دی ہے۔ توریت میں ہے:۔ ''اور خداوند دن کو بدلی کے ستون میں تا کہ انہیں راہ بتائے اور رات کو آگ کے ستون میں ہو کے تا کہ انہیں روشنی بخشے اُن کے آگے چلا جاتا تھا تا کہ دن رات چلے جائیں اور بدلی کا ستون دن کو اور آگ کا ستون رات کو اُن کے آگے سے ہرگز نہ اُٹھاتا تھا''۔ (خروج۔ ۱۳:۲۱و۲۲) روایاتِ یہود میں حسب بیان جیوش انسائیکلوپیڈیا (جلد ۴ صفحہ ۱۲۳) یہ تصریح بھی موجود ہے کہ بنی اسرائیل جب کثرتِ معاصی میں مبتلا ہو جاتے تھے تو یہ ابر اُن پر سایہ کرنا چھوڑ دیتا تھا۔ اَلْغَمَامَ۔ قرآن مجید نے اسے محض ابر بتایا ہے۔ یہود اسے تختِ خداوندی سمجھتے تھے وٓ۱۹۰ (اُسی دشتِ سینا میں انزل۔ ''اتارا'' سے یہ مراد لازمی طور پر نہیں ہوتی کہ وہ چیز کسی غیر طبیعی، معجزانہ طریق پر اُتری ہو۔ پانی، لوہا، کھانے کے سامان وغیرہ جو اپنے معمولی اور طبیعی طریقوں پر انسان کے کام کے لیے پیدا ہوتے رہتے ہیں، ان سب کے لیے قرآن مجید کی زبان میں 'اتارنے' ہی کا لفظ آیا ہے۔ مَنّ اہلِ لغت کی تحقیق میں یہ ایک میٹھی میٹھی رطوبت تھی

جو درختوں پر گرا کرتی تھی۔ المنّ شیٔ کالطّلّ فیه حلاوة یسقط علی الشجر (راغب)۔ عربی میں اسم جنس ہے، خیر وشر کی طرح، جس کا واحد نہیں آتا۔ اسم جنس لا واحد له من لفظه مثل الخیر والشر قاله الاخفش (قرطبی)۔ معنٰی اس کے متعدد بیان کیے گئے ہیں، میٹھا گوند، شہد، شربت وغیرہ۔ لیکن اکثر کا خیال ہے کہ یہ ترنجبین کے مرادف ہے۔ الترنجبین وعلٰی هذا اکثر المفسرین (قرطبی) الاکثرون علٰی ان المنّ هو الترنجبین (معالم) اور ترنجبین سے متعلق قدیم طب کی کتابوں میں یہ درج ہے کہ شہد کی طرح جمی ہوئی اور لذیذ، آسمان سے گرنے والی شبنم کی قسم کی چیز ہے۔ الترنجبین طل یقع من السماء وهو ندیٌّ شبیه بالعسل جامد متحبّبٌ (مفردات ابن البیطار)۔ بہرحال اتنا یقینی ہے کہ کوئی لذیذ قدرتی غذا تھی جو بنی اسرائیل کو مسلسل مسافرت کے زمانہ میں، بلامشقت وتعب مل جاتی تھی۔ توریت کی تصریحات اس بارہ میں حسب ذیل ہیں:۔ ’’صبح کو لشکر کے پاس اوس پڑی۔ اور جب اوس پڑ چکی تو کیا دیکھتے ہیں کہ بیابان میں ایک چھوٹی چھوٹی گول چیز ایسی سفید جیسے برف کا چھوٹا ٹکڑا زمین پر پڑی ہے، اور بنی اسرائیل نے دیکھ کر آپس میں کہا کہ مَن ہے۔ کیونکہ انہوں نے نہ جانا کہ وہ کیا ہے۔ تب موسٰی نے انہیں کہا کہ یہ روٹی ہے جو خداوند نے کھانے کو تمہیں دی ہے۔‘‘ (خروج۔ ۱۶: ۱۴ و ۱۵) ’’اسرائیل کے گھرانے نے اس کا نام مَن رکھا اور وہ دھنیے کے بیج کی طرح سفید تھی، اور مزہ اس کا شہد میں ملی ہوئی چپلوری کا تھا۔‘‘ (خروج۔ ۱۶: ۳۱) ’’اور مَن سوکھے دھنیے کی مانند تھا۔ اور اس کا رنگ موتی کے دانہ کا سا تھا۔ لوگ ادھر اُدھر جا کر اُسے جمع کرتے تھے۔ اور چکی میں پیستے تھے۔ یا اوکھلی میں کوٹتے تھے، اور تووں پر پکاتے تھے اور پھلکیاں بناتے تھے۔ اس کا مزہ تازہ تیل کا سا تھا اور رات کو جب خیموں پر اوس پڑتی تھی تو مَن بھی اُن پر پڑتا تھا۔‘‘ (گنتی۔ ۱۱: ۸۔۱۱) سلوٰی۔ ایک قسم کا بٹیر ہے۔ بٹیر جزیرہ نمائے سینا کا خاص جانور ہے۔ بڑی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ گرمی میں شمال کی طرف چلا جاتا ہے۔ جاڑے میں جنوب کی طرف پھر آ جاتا ہے۔ اُڑتا اونچا نہیں۔ بہت نیچے رہتا ہے۔ تھک بہت جلد جاتا ہے اور شکار بڑی آسانی سے ہو جاتا ہے۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۵)۔ اس کا شمالی سفر مصر سے فلسطین کی جانب عموماً مارچ میں ہوتا ہے۔ اور جنوبی فلسطین سے مصر کی طرف عموماً نومبر میں۔ یہ اسرائیلی بٹیر وہ تھے جو مارچ اپریل میں رات کے وقت اپنی شمالی پرواز میں ہوتے ہیں۔ بحر قلزم شمال میں جہاں دو حصوں میں تقسیم ہوا ہے، وہاں تک یہ اپنے سالانہ اُڑان میں آتے ہیں۔ اور وہاں سے جزیرہ نمائے سینا کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ سمندری ہوا ان کی بے شمار تعداد بہ آسانی اسرائیلیوں کے ڈیروں تک لے آتی تھی (ڈکشنری آف دی بائبل۔ از ڈاکٹر ہیسٹنگز۔ جلد ۴ صفحہ ۱۷۹) ان کا گوشت چربی دار ہوتا ہے، رکھنے سے بہت جلد خراب ہو جاتا ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا ببلیکا، کالم ۳۶۹۹)۔ واضح رہے کہ سارے رکوع میں اور اس کے بعد بھی ذکر بنی اسرائیل کے ساتھ حق تعالٰی کے معاملات کا ہے۔ اور ان معاملات کو حق تعالٰی نے بہ طور اپنے احسانات وانعامات کے گنایا ہے۔ ضرور نہیں کہ یہ سارے واقعات اپنے عام طبعی اسباب سے ہٹ کر بہ صورتِ معجزات ہی پیش آئے ہوں۔ اصل مقصود یہاں احسانات والطاف خداوندی کی یاد دہی ہے۔ خواہ وہ حسب عادت ہوں، خواہ بہ طور خارق عادت۔ یعنی قانونِ تکوینی کی عام دفعات کے ماتحت، یا کسی خصوصی دفعہ کے مطابق۔ اہل تفسیر نے عموماً ابر کی سایہ افگنی، مَن وسلوٰی کے نزول، اور چٹان سے چشمہ کی روانی، سب کو معجزات میں شمار کیا ہے۔ لیکن کسی کی تحقیق میں اگر یہ سب امور عام واقعاتِ طبعیہ میں داخل ہوں اور ان کی توجیہ عام اور معمولی قوانین تکوینی کے ماتحت ہو جائے، یا آج کل کی اصطلاح میں ان کے سائنٹفک اسباب دریافت ہو جائیں، تو اس کا اثر ارشاداتِ قرآنی پر مطلق نہیں پڑے گا۔ اُن کی احسانی اور انعامی حیثیت بہرصورت قائم رہتی ہے۔ اور اسی کی تذکیر قرآن کا مقصود ہے۔ توریت میں البتہ اس کے برعکس، سارا زور ان واقعات کی معجزانہ حیثیت پر ہے **ف۱۹۱** (اور ان چیزوں کا ذخیرہ نہ کرو۔ روز کی روز خرچ کرتے رہو) حکم اسرائیلیوں کو یہ ملا تھا کہ بلاضرورت ان غذاؤں کا ذخیرہ نہ کرتے جاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ’’ذخیرہ اندوزی‘‘ Hoarding کی عادت یہودیوں کی آج کی نہیں، بہت قدیم ہے **ف۱۹۲** (اس حکم کی خلاف ورزی کر کے) مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ باوجود معاصی کے نعمتوں کا جاری رہنا استدراج اور سخت خطرناک ہے۔ اور اس میں جاہل صوفیوں کو سخت دھوکا ہوا ہے، چنانچہ وہ کثرتِ جاہ ومال کو علامت مقبولیت کی سمجھتے ہیں۔ حرص میں مبتلا، توکل سے ناآشنا، اور

نافرمانی کے عادی بنی اسرائیل سے تعمیل اتنے معمولی حکم کی بھی نہ ہونے پائی۔ لگے ان غذاؤں کا ذخیرہ فراہم کرنے، اور لطیف غذائیں باسی ہو ہو کر سڑنے لگیں۔ توریت میں ہے:۔ ’’اور باوجودیکہ موسٰی نے کہا کہ کوئی اس میں سے صبح تک باقی نہ چھوڑے۔ وہ اس کے سننے والے نہ ہوئے۔ اور بعضوں نے صبح تک کچھ رہنے دیا۔ سو اس میں کیڑے پڑ گئے اور سڑ گیا۔‘‘ (خروج۔ ۱۶: ۲۰) یہود جو مشرک قوموں کے اثر سے عقیدۂ تجسیم کے قائل تھے۔ یعنی خدا تعالٰی کو بھی بشری اوصاف سے متصف جانتے تھے، اور اس کے تاثر وانفعال کے معتقد تھے، انہیں یہ بار بار بتانے اور یاد دلانے کی ضرورت تھی کہ خدا تعالٰی کسی نفع ونقصان سے متاثر نہیں ہوا کرتا۔ یہ انسان ہی ہے جو احکامِ الٰہی کی نافرمانی کر کے نقصان اُٹھاتا ہے دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی **ف۱۹۳** (بنی اسرائیل سے اُن کے پیمبر علیہ السلام کی وساطت سے) یہ واقعہ اگر حضرت موسٰی علیہ السلام کے زمانہ کا ہے تو وہی مراد ہیں، اور اگر ان کے بعد کا ہے تو ان کے جانشین حضرت یوشع علیہ السلام۔ قرآن مجید، جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے، توریت کے بعض حصوں کی طرح تاریخ کی کوئی کتاب نہیں۔ اس لیے اس کے بیانات میں تسلسل زمانی اور ترتیب تاریخی ہرگز ضروری نہیں۔ اس کا مقصود صرف نتائج وعبر ہیں، اخلاقی وروحانی سبق، نہ کہ واقعات کی رُوداد، اس ایک حقیقت کو پیش نظر نہ رکھنے سے یہود ونصارٰی آج قرآن فہمی میں طرح طرح کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، یہ واقعہ جس کا ذکر اب شروع ہو رہا ہے۔ تاریخ اسرائیل ہی کا ایک مسلّم واقعہ ہے۔ زمانہ تاریخی اس کا جو کچھ بھی ہو۔ **ف۱۹۴** یہ بستی کون سی تھی؟ ممکن ہے کہ فلسطین کا مشہور شہر اریحا ہو۔ جو موجودہ نقشوں میں Jericho کے نام سے ملے گا۔ یہ بحر مُردہ کے شمالی ساحل سے پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اسے اسرائیلیوں نے حضرت موسٰی علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں فتح کیا تھا۔ قدیم ائمہ تفسیر کا رُخ، بیت المقدس کے بعد پھر اسی شہر کی جانب ہے قریة اریحا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) هی اریحا قریة من بیت المقدس (ابن جریر۔ عن ابن زید) اس کے علاوہ بھی متعدد شہروں اور مقامات کے نام لیے گئے ہیں۔ بعض شہروں کے نام تک اب بدل گئے ہیں۔ مثلاً ایلہ کہ اب اُسے عقبہ کہتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مراد شہر سطیم ہو۔ یہ علاقہ موآب میں واقع ہے، جو بحر مُردہ کے مشرق میں ہے۔ شہر دریائے یردن کے مشرق (بائیں) کنارہ پر ہے۔ بحر مُردہ کے شمال ومشرق میں۔ بنی اسرائیل کی دشت پیمائی کے زمانہ میں یہ شہر گویا اُن کا سرحدی ناکہ تھا، عربی میں اُسے وادی النار بھی کہتے ہیں اور وادی ستی مریم بھی۔ بعض مفسرین نے جودرون کا نام لیا ہے، اُس سے بھی یہی مراد معلوم ہوتا ہے **ف۱۹۵** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر خوب وسیع اور خوب آباد و پر رونق تھا۔ **ف۱۹۶** (بہ طور اظہار عجز ونیاز وعبودیت کے) کہ یہی شان مومنین مخلصین کی ہے۔ الباب۔ دروازہ سے مراد شہر کا پھاٹک ہے۔ قدیم شہروں کے اردگرد ایک بلند چہار دیواری شہر پناہ کے نام سے مشہور ہوتی تھی شہر میں داخل ہوتے وقت اسی شہر پناہ کے پھاٹک سے گزرنا ہوتا تھا سُجَّدًا یہاں اپنے لغوی معنٰی میں ہے یعنی عاجزی سے فروتنی کے ساتھ۔ سجدۂ نماز کی ہیئت مخصوص مراد نہیں سجدًا ای متذللین منقادین (راغب) خاشعة خاضعة (ابن جریر۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما) اراد به الخضوع وهو الاقرب (کبیر) قیل متواضعین خضوعًا لا علٰی هیئة متعینة (قرطبی) توریت اس اہم جزو کے تذکرہ سے خالی ہے۔ **ف۱۹۷** گویا زبان بھی قلب واعضاء کی طرح اظہار تذلل کرتی رہے۔ یہ فرق ہے اللہ والوں کے لشکر اور دنیا دار بادشاہوں کے لشکروں کے داخلہ میں، ایک کے ہاں قومی بینڈ اور ترانے بجتے ہوتے ہیں۔ وطنی نعرے لگتے ہوتے ہیں۔ یعنی قدم قدم پر قومی شیخی اور وطنی بڑائی کا اظہار دُوسرے کے ہاں قلب خشوع سے لبریز اور زبان پر تسبیح قُولُوا حِطَّةٌ سے یہ مراد نہیں کہ بعینہٖ لفظ حِطَّةٌ کا تلفظ ادا کرتے جاؤ۔ یہ لفظ تو عربی ہے، اور اسرائیلیوں کی زبان عربی نہیں۔ عبری یا عبرانی تھی۔ مراد یہ ہے کہ انہیں زبان سے بھی کلمات توبہ واستغفار ادا کرتے رہنے کا حکم ملا تھا۔ وقد روی عن ابن عباس انهم اُمِرُوا بهذا اللفظة بعینها وهذا محتمل ولکن اقرب خلافه بوجهین احدهما ان هذه اللفظة عربیة وهم ما کانوا یتکلّمون بالعربیة وثانیهما وهو الاقرب انهم اُمِروا بان یقولوا قولادا لأ علی التوبة والندم والخضوع (کبیر) ولا توقف التوبة علی ذکر لفظة بعینها (روح) اور ایسا ہی صاحب بحر نے بھی کہا ہے۔ تفسیر قرطبی اور ابن العربی مالکی کی احکام القرآن میں یہاں طویل بحث اس کی موجود ہے کہ آیا شریعت کے الفاظ میں تبدیلی جائز ہے؟ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ جہاں الفاظ ہی تعبّد کے ہوں، یعنی

سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ

جھکے ہوئے داخل ہونا و۱۹۶ ۔ اور کہتے جانا توبہ ہے و۱۹۷ ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے

وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

اور ہم نیک کاروں کو زیادہ ہی دیتے ہیں و۱۹۸ مگر ان زیادتی کرنے والوں نے

قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى

جو انہیں بتایا گیا تھا اس کے خلاف ایک اور کلمہ بدل ڈالا و۱۹۹ سو ہم نے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا

ان زیادتی کرنے والوں پر ایک بلا آسمان سے نازل کی و۲۰۰ اس سبب سے کہ وہ نافرمانی

يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ۧ وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا

کرتے رہے تھے و۲۰۱ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعا مانگی و۲۰۲ سو ہم نے کہا

اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

(اے موسیٰ) اپنا عصا (فلاں) پتھر پر مارو و۲۰۳ تو اس میں سے بارہ چشمے

عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ

پھوٹ نکلے و۲۰۴ (اور) ہر گروہ نے اپنا (اپنا) گھاٹ معلوم کر لیا و۲۰۵

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي

کھاؤ پیو اللہ کے (دیئے ہوئے) رزق میں سے، اور زمین پر فسادی بن کر

الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى

مت پھرو و۲۰۶ اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم

لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا

ہرگز ایک کھانے پر بس نہیں کر سکتے و۲۰۷ سو اپنے پروردگار سے ہمارے لئے

ع ۶ / ۱۳

…لم انہی الفاظ ہی کا ہو، وہاں تبدیلی جائز نہیں، لیکن جہاں اصل مقصود معانی ہوں، وہاں لفظی تبدیلی جائز ہے بشرطیکہ معنوی تغیر تک نہ پہنچ جائے و۱۹۸ یعنی ان لوگوں کو جو نیک کاری میں اخلاص کامل سے لگے رہے ہیں۔ عفو و مغفرت کا وعدہ تو سب ہی توبہ کرنے والوں سے ہو چکا۔ اس کے بعد یہ ذکر مزید فضل و کرم کا ہے و۱۹۹ یعنی جو الفاظ انہیں تلقین کیے گئے تھے انہیں چھوڑ چھاڑ کچھ اور کلمے ہزل اور تمسخر کے زبان پر لانے لگے۔ یہ کلمے کیا تھے، اس میں روایتیں مختلف ہیں مگر ماحصل سب کا ایک ہی ہے کہ بجائے توبہ و انابت کے اب وہ کام تمسخر و استہزاء سے لے رہے تھے و معنى الآية انهم وضعوا مكان ما امروا به من التوبة والاستغفار قولاً مغائرًا له مُشعِرًا باستهزاء هم بما اُمروا به كل ذٰلك عدم مبالاة باوامر الله (بحر) و۲۰۰ رِجْزًا۔ رجز عام ہے ہر عذاب کے لیے خواہ وہ کسی صورت میں ہو الرجز هو العذاب (لسان) لفظ کی تنوین عذاب کی شدت و ہیبت کے اظہار کے لیے ہے و التنوين للتهويل والتفخيم (ابوسعود) مِنَ السَّمَآءِ سے مراد یہ نہیں کہ وہ عذاب، برف، بارش وغیرہ کی طرح آسمان سے نازل ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ بلکہ یہ فقرہ اس حقیقت کے نمایاں کرنے کے لیے ہے کہ وہ عذاب آسمانی حاکم کی طرف سے نازل ہوا تھا۔ ارضی اسباب سے خود بخود پیدا نہیں ہو گیا تھا۔ اے مقدرٌ من السماء (بیضاوی) الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا کی تکرار آیت میں، ان ظالموں کے ظلم نمایاں کرنے کے لیے ہے فی تكرير الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا زيادة فى تقبيح امرهم وايذانًا بان انزال الرجز عليهم لظلمهم (کبیر) ولم يضمره تعظيمًا للامر (قرطبی) یہ عذاب تھا کس صورت میں؟ ہمارے ہاں روایتیں طاعون کی نقل ہوئی ہیں بعث الله عليهم الطاعون (کبیر۔ عن ابن زید) الطاعون (کبیر۔ عن وہب) والمراد به الطاعون (بیضاوی) تاریخ بنی اسرائیل میں آتا ہے کہ طاعون اس قوم پر بار بار آیا۔ اور بائبل میں اس کا ذکر متعدد مقامات پر ہے۔ آیت ماقبل میں اگر قریہ سے مراد شہر سطیم ہی لیا جائے جو موآب کے علاقہ میں ہے تو اس کے طاعون کا تو مفصل ذکر بائبل میں موجود ہے:۔ ”سو اسرائیل سطیم میں مقیم ہوئے اور اُن لوگوں نے موآبیوں کی بیٹیوں سے حرامکاری شروع کی۔ انہوں نے اپنے معبودوں کی قربانیوں پر لوگوں کی دعوت کی۔ لوگوں نے کھایا اور ان کے معبودوں کو سجدہ کیا۔ اور اسرائیلی بعل فغور سے ملے تب خداوند کا قہر بنی اسرائیل پر بھڑکا“ (گنتی۔ ۲۵:۲۔۴) ”وہ جو اس وبا میں مرے چوبیس ہزار تھے۔ (گنتی۔ ۲۵:۹) و۲۰۱ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۔ اے بسبب فسقهم المستمر (ابوسعود) كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ کا صیغہ دوام، عادت و استمرار پر دلالت کر رہا ہے۔ یہاں یہ صاف کر دیا کہ طاعون کا اصل سبب طبی یا طبعی نہ تھا، روحانی یا اخلاقی بد پرہیزیاں یا نافرمانیاں تھیں۔ قوانین تکوینی کی خلاف ورزی نہیں، اصل باعث شریعت موسوی کی خلاف ورزی تھی۔ شریعت کی خورد بین نگاہ امراض اور معاصی کے اُن خفی و مخفی تعلقات تک بہ آسانی پہنچ جاتی ہے، جو دنیا کے بڑے بڑے حاذق طبیبوں کی نظروں سے پوشیدہ رہ جاتے ہیں۔ عارف رُومی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ کہا ہے ؎ ابر نایداز پئے منع زکات وز زنا خیز دوبا اندر جہات فقہاء نے آیت سے اہلِ بدعت کا ظالم اور سزاوار غضب ہونا نکالا ہے۔ بدعت کہتے ہیں دین میں ایسے نئے امر کے پیدا کرنے کو جس کا نشان اصل شریعت میں نہ موجود ہو۔ اور قرطبی نے کہا ہے کہ جب لفظی تبدیلی یہ نوبت پہنچا دیتی ہے تو عملی تحریف کی شناعت کا کیا ٹھکانا! والقول انقص من العمل فكيف بالتبديل والتغيير فى الفعل (قرطبی) و۲۰۲ اب قوم اسرائیل فلسطین سے دُور اور مصر سے الگ، دونوں کے درمیان معلق، جزیرہ نمائے سینا کے لق و دق بیابان و ریگستان میں اپنے خیمہ و خرگاہ کے ساتھ کوچ در کوچ ایک مقام سے دوسرے مقام اور ایک منزل سے دُوسری منزل کو منتقل ہو رہی ہے۔ قدیم گلہ بان قوموں میں یہ دستور عام تھا اور آج بھی بہت سی خانہ بدوش قوموں میں عام ہے، خشک ملک اور پھر مقامی جغرافیہ سے ناواقفیت، چلتے چلتے یہ لوگ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی نایاب تھا اور ساتھ کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔ صورت حال کا ذرا تصور کیجئے۔ پیاس سے بے حال اور بیدم تو ہو ہی رہے تھے، مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے اور لگے اپنی جھنجھلاہٹ اور غصہ اپنے رہبر اور سردار حضرت موسیٰ پر اتارنے۔ توریت میں ہے:۔ ”تب سارے بنی اسرائیل کی جماعت نے اپنے سفروں میں خداوند کے فرمان کے مطابق سین کے بیابان سے کوچ کیا۔ اور رفیدیم میں ڈیرا کیا، وہاں لوگوں کے پینے کو پانی نہ تھا۔ سو لوگ موسیٰ علیہ السلام سے جھگڑنے لگے۔ اور کہا کہ ہم کو پانی دے کہ پیویں...... موسیٰ نے خداوند سے فریاد کر کے کہا کہ میں ان لوگوں سے کیا کروں۔ وہ سب تو مجھے ابھی سنگسار کرنے کو تیار ہیں“۔ (خروج۔ ۱۷:۱۔۴) اور قدیم ترین یہودی مؤرخ جوزیفس کی تاریخ آثار یہود میں ہے:۔ ”وہ مقام رفیدیم میں پہنچے جہاں پیاس کی شدت سے بیتاب ہو رہے تھے...... یہاں کی سرزمین میں پانی کا ایک قطرہ نہ پایا۔ اس پر یہ لوگ غصہ میں بھر کر پھر موسیٰ پر ٹوٹ پڑے...... لیکن وہ خدا کے آگے دُعا میں زاری کے ساتھ مشغول ہو گیا“۔ (باب ۳۔ فصل ۲) پیمبر بھی غیب دان، ہمہ بین نہیں ہوتے۔ جب تلاش کے بعد مایوسی ہو چکی تھی تو بجز دُعا اور مناجات کے اور کیا کرتے؟ البتہ خود توریت ہی میں ایک دوسری جگہ مقام کا نام بجائے رفیدیم کے قادس (قدیش) درج ہے اور تفصیلات تقریباً سب وہی:۔ ”بعد اس کے بنی اسرائیل کی ساری جماعت پہلے دشت صین کو آئی اور قادس میں رہنے لگی...... وہاں جماعت کے لیے پانی نہ تھا۔ سو وہ جمع ہو کے موسیٰ و ہارون کے برخلاف ہوئے اور اُن لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے جھگڑا کیا اور کہا...... یہاں تو پینے کو پانی ہی نہیں، تب موسیٰ و ہارون علیہما السلام جماعت کے سامنے سے جماعت کے خیمہ کے دروازہ پر گئے اور مونہہ کے بل گرے (گنتی۔ ۲۰:۱۔۲)

رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ

دعا کر دیجیے ان چیزوں کی جنہیں زمین اگاتی ہے و۲۰۸

بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ؕ

ساگ ہوا، ککڑی ہوئی، گیہوں ہوا، مسور ہوئی، پیاز ہوا و۲۰۹

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ

(موسیٰ نے) کہا تو کیا جو چیز ادنیٰ ہے تم اسے لینا چاہتے ہو اس چیز کے مقابلہ میں جو

خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ

بہتر ہے (تو خیر) کسی شہر میں اتر پڑو (وہیں) مل جائے گا جو کچھ تم مانگتے ہو و۲۱۰

وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ۗ وَ بَآءُوْ

اور ان پر جما دی گئی ذلت اور محتاجی و۲۱۱ اور وہ

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ

اللہ کے غضب کے مستحق ہوگئے و۲۱۲ یہ (سب) اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی نشانیوں سے

بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ

انکار کرتے رہتے تھے، و۲۱۳ اور انبیاء کو ناحق قتل (تک) کر ڈالتے تھے و۲۱۴

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ع ﴿۶۱﴾ اِنَّ

یہ (سب) اس لئے ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ بڑھ جاتے تھے و۲۱۵ بے شک

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰی

جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، و۲۱۶ اور جو لوگ یہودی ہوئے و۲۱۷ اور نصاریٰ و۲۱۸

وَ الصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ

اور صابی و۲۱۹ (غرض) جو کوئی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئے و۲۲۰

اس بنا پر علماء اہل کتاب میں باہم سخت اختلاف پڑ گیا ہے کہ جہاں یہ واقعہ پیش آیا، وہ مقام کون سا تھا۔ لیکن بہرحال وہ مقام کوئی سا بھی ہو، اور ایک ہو یا دو ہوں۔ نفس اس واقعہ کا وقوع کوئی اختلافی ونزاعی مسئلہ نہیں اور یہ تاریخ بنی اسرائیل کے مسلمات میں سے ہے استسقٰی لفظی معنٰی ہیں کہ پانی طلب کیا۔ پانی کی تلاش کی۔ اور مراد یہ ہے کہ پانی کے لیے دُعا کی ای دعا لهم موسٰی بالسقیا (کشاف) مشہور ماہر اثریات سر فلنڈرز پٹری (Petrie) ۳۰ آدمیوں کے قافلہ کے ساتھ ۵۔ ۱۹۰۴ء میں اسی جزیرہ نمائے سینا کی تحقیقی مہم پر روانہ ہوئے، اُن کے مشاہدات کا خلاصہ ایک دوسرے ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن کی زبان سے سنیے:۔ ''یہ وسیع بیابانی علاقہ سیاہ اور سرخ رنگ کی پہاڑیوں سے لبریز ہے۔ جس میں کہیں کہیں سبزہ زار بھی ہیں اور گہری گہری وادیاں اور شگاف جا بجا نخلستان کے ساتھ فاصلے جو نقشہ پر قریب قریب معلوم ہوتے ہیں، ان ہمواریوں کے باعث عملاً بڑے لمبے لمبے ہیں۔ پینے والے پانی کے کافی ذخیرہ کی فراہمی کی مشکلات جو اسرائیلیوں کو اپنی صحرانوردی کے زمانہ میں پیش آئی تھیں، آج بھی ان کا تجربہ ہو رہا ہے'' و۲۰۳ (تا کہ اسی چٹان سے پانی کا چشمہ جاری ہو جائے۔ پہاڑی چشمہ، پہاڑوں کے اندر سے پانی کے اُبلتے ہوئے دھارے ہر ایک کے مشاہدہ میں آ چکے ہیں۔ حضرت موسٰی نے جب پانی کے لیے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی تو انہیں ہدایت ہوئی کہ فلاں پہاڑی تک چلے جاؤ، چٹان پر اپنا عصا مارو، پانی اُبلنے لگے گا۔ توریت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہاڑی جس سے چشمہ اُبلا، حورب یا حرب میں واقع تھی:۔ ''خداوند نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ لوگوں کے آگے جا اور بنی اسرائیل کے بزرگوں کو اپنے ساتھ لے اور اپنا عصا جو تو نے دریا پر مارا تھا اپنے ہاتھ میں لے اور جا۔ دیکھ کہ میں وہاں قرب کے چٹان پر تیرے آگے کھڑا ہوں گا۔ تو اس چٹان کو ماریو، اس سے پانی نکلے گا تا کہ لوگ پیویں۔ چنانچہ موسٰی نے بنی اسرائیل کے بزرگوں کے سامنے یہی کیا۔'' (خروج۔ ۱۷: ۵ و ۶) عصا۔ معروف ومتعارف معنٰی لاٹھی یا ڈنڈے کے ہیں۔ موسٰی کے اس عصا کا ذکر قرآن مجید میں بکثرت آیا ہے۔ اس کے یہ کھلے ہوئے معنٰی چھوڑ کر ایک مجازی معنٰی (جو صرف عصا المسلمین وغیرہ کی ترکیب میں جائز ہے) ''جماعت، یا گروہ'' کے کرنا لغت پر ظلم کرنا ہے۔ الْحَجَرَ سے مراد کوئی خاص چٹان ہے جو حضرت موسٰی کے علم میں تھی۔ الاشارة الی حجرٍ معلوم (کبیر) اللام فیه للعهد (بیضاوی) کان حجرًا معینًا بدلیل انه عرفه بالالف واللام (معالم) فَاضْرِبْ۔ ضرب۔ کے عام ومعروف معنٰی مارنے کے ہیں۔ چلنے کے معنٰی اسی صورت میں ہوتے ہیں جب فعل ضرب کا صلہ ''فی'' کے ساتھ آئے۔ مثلاً ضَرَبَ فِی الْاَرْضِ۔ ''روشن خیالی'' کے مرض میں مبتلا معاصرین نے جو آیت کا ترجمہ ''اے موسٰی اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر چلے جاؤ'' کیا ہے، یہ جس طرح لغت وقواعدِ زبان کے خلاف ہے۔ اسی طرح تاریخ کے بھی بالکل مخالف، اور اپنی تائید میں کوئی دلیل کسی قسم کی نہیں رکھتا، نہ عقلی نہ نقلی۔ و۲۰۴ یعنی اس پہاڑی چشمہ سے بارہ دھارے یا بارہ ٹونٹیاں الگ الگ جاری ہوگئیں۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کی تعداد کے عین مطابق۔ بعض نادان مسیحیوں نے اس تعداد پر اعتراض کر دیا کہ یہ تو بائبل میں موجود نہیں، قرآن نے کہاں سے گڑھ کر کہہ دیا؟ قدرت نے سوال کا جواب بھی مسیحیوں کی زبان سے دلوا دیا۔ جارج سیل، انگریزی میں قرآن کریم کا قدیم ترین مترجم ہے۔ آیت کے حاشیہ پر لکھتا ہے:۔ ''ایک مسیحی سیاح جو وہاں ہو آیا ہے۔ بتصریح بیان کرتا ہے کہ چٹان سے پانی بارہ مقامات سے نکلتا تھا۔'' اور ایک دُوسرے مسیحی سیاح کا مشاہدہ بیان کرتا ہے:۔ ''چٹان میں اس وقت ۲۴ سوراخ موجود ہیں، جو بہ آسانی شمار کیے جا سکتے ہیں۔ ۱۲ ایک طرف ہیں اور ۱۲ اُن کے مقابل جانب۔'' پادری ڈین اسٹینلی (Dean Stanley) نے جو انیسویں صدی میں مسیحیت کے ایک ممتاز رکن ہوئے ہیں، صدی کے وسط میں بائبل کے مقاماتِ مقدسہ کی جغرافی تحقیق کے لیے بہ نفس نفیس فلسطین اور اس کے ملحقات کا سفر کیا۔ اور اپنے مشاہدات وتحقیقات پر ایک مستقل تصنیف Sinai and Palestine کے نام سے شائع کی۔ اُس میں اس چٹان کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:۔ ''یہ چٹان دس اور پندرہ فٹ کے درمیان بلند ہے آگے کی طرف ذرا خمیدہ ہے اور راس سفصفہ کے قریب لیجا کی وسیع وادی میں واقع ہے۔ شگاف اور دراز جا بجا پڑے ہوئے ہیں، کچھ مٹے ہوئے ہیں، کچھ بڑے ہیں، کچھ چھوٹے، گنتی میں اگر سب کو لیا جائے تو بیس ہوتے ہیں، اگر بعض کو چھوڑ دیا جائے تو دس۔ سب سے پہلے قرآن ہی نے حتمی طور پر بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لیے بارہ چشموں کی تعداد بیان کی ہے۔ یہ اشارہ انہیں شگافوں کی طرف ہے۔'' (صفحہ ۳۷۔ ۳۶) عرب کے اُمّی کی لائی ہوئی کتاب کے اعجاز کے قربان جائیے، صدیاں گزر جانے پر اُس کے بیان کی جزئیات تک کی تصدیق ہو رہی ہے منکرین ومعاندین کی زبان سے! و۲۰۵ اُناسٍ۔ یعنی اسرائیل کے بارہ گروہوں میں سے ہر گروہ نے۔ ای من کل سبط (بیضاوی) ای من قومه الذین استسقی لهم (بحر) صیغۂ جمع ہے لفظاً اس کا کوئی واحد نظر نہیں آتا۔ جمع لا واحدله من لفظ (روح) مَشْرَبَهُمْ۔ یعنی اپنے اپنے لیے پانی لینے کی جگہ۔ ای عینهم التی یشربون منها (کشاف) و۲۰۶ جب قوم کی قوم قانونِ الٰہی کو چھوڑ کر اپنے ہوائے نفس کے مطابق کوئی روش اختیار کر لیتی ہے تو اس کا نتیجہ دنیا میں لازمی طور پر فتنہ وفساد، حرب وضرب اور کثرتِ جرائم کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور امن انفرادی واجتماعی دونوں طرح پر اُٹھ کر رہتا ہے۔ فضل وانعام سے سیراب کر کے بنی اسرائیل کو ہدایت یہ ہوئی کہ جو فارغ البالی نصیب ہے اس کو غنیمت سمجھو، قانونِ الٰہی کی پابندی کرو، اس قانون کو توڑ کر امن ونظم

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ

اور نیک عمل کرے، ف۲۲۱ سو ان (سب) کے لئے ان کے پروردگار کے پاس ان کا اجر ہے

وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور نہ کوئی اندیشہ ان کے لئے ہے اور نہ وہ کوئی غم کریں گے ف۲۲۲

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا ف۲۲۳ اور ہم نے تمہارے اوپر (کوہ) طور کو بلند کیا ف۲۲۴

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ

مضبوطی کے ساتھ اس (کتاب) کو پکڑ رکھو جو ہم نے تم کو دی ہے ف۲۲۵ اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تاکہ

تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْ لَا

تم متقی بن جاؤ ف۲۲۶ پھر تم اس (عہد) سے اس کے بعد (بھی) پھر گئے ف۲۲۷ سو اگر

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ

تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور تباہ ہونے والوں میں

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا

ہوتے ف۲۲۸ اور تم خوب جان چکے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے

مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً

سبت کے بارہ میں تجاوز کیا تھا ف۲۲۹ تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل بندر

خٰسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾ ۚ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ

ہو جاؤ ف۲۳۰ ہم نے اسے (موجب) عبرت بنا دیا اس زمانہ کے اور اس کے

يَدَيْهَا وَ مَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾

بعد کے لوگوں کے لئے ف۲۳۱ اور ایک (موجب) نصیحت (بنا دیا) خوفِ خدا کے رکھنے والوں کے لئے ف۲۳۲

عالم میں اختلال کے باعث نہ بنو۔ رِزْقِ اللّٰهِ میں رزق کی نسبت اپنی جانب کر کے گویا ایک بار پھر انہیں جتادیا کہ جو کچھ مل رہا ہے وہ سب خدا ہی کے فضل وعطا سے ہے تمہارے زور بازو کا نتیجہ نہیں۔ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔ عثی کے معنی خود ہی فساد میں حد سے گزر جانے کے ہیں۔ العیث شدة الفساد (قرطبی) العثی اشد من الفساد (معالم) مُفْسِدِيْنَ۔ جو ترکیب میں حال واقع ہوا ہے۔ ہر پہلو سے فساد کی تاکید کے لیے ہے۔ تکرر المعنی تاکیدًا لاختلاف اللفظ (قرطبی) عیث و عثی کے معنی ایک ہی ہیں عثی لغت قرآنی ہے (قرطبی) ایک باریک فرق دونوں میں یہ ہے کہ عیث کا تعلق فسادِ حسی سے ہے اور عثی کا فسادِ معنوی سے (راغب) ف۲۰۷ (اور اسے کھاتے کھاتے اکتا گئے ہیں) یہ ذکر بھی اسی دشتِ سینا کے زمانہ خانہ بدوشی کے کسی اور موقع کا ہے، قرآن مجید بیان واقعات میں ان کی تاریخی ترتیب کے تسلسل کا ہرگز پابند نہیں۔ بنی اسرائیل عرصہ دراز تک ایک ہی قسم کی غذا کھاتے کھاتے اکتا گئے تھے اور اب اپنے پیمبر علیہ السلام سے فرمائش کر رہے تھے کہ اس بیابان سے نکال کر کہیں دُوسری جگہ لے چلیے، جہاں قسم قسم کے شہری اور دیہاتی کھانے موجود ہوں۔ طَعَامٍ وَّاحِدٍ یعنی ایک ہی قسم کا کھانا، بٹیر اور ترنجبین جو ہمیں ہر روز ملے چلا جاتا ہے ف۲۰۸ (اور جن کے خوگر ہم مصر میں رہ چکے ہیں) مصریوں کی مرغوب غذا اکثر زراعت پیشہ قوموں کی طرح یہی زمینی پیداوار تھی۔ ”مصر میں آج کی طرح اُس وقت بھی بڑی مانگ سبزی، پیاز، ہلدی وغیرہ کی تھی۔“ (انسائیکلوپیڈیا ببلیکا، کالم ۱۲۰۹)۔ اور یہی چیزیں اسرائیلیوں کی بھی اصل غذا بن چکی تھیں:۔ ”اسرائیلیوں کی اصل غذا سبزی تھی، خصوصاً غلہ کی اقسام“۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۵ صفحہ ۴۳۰) ”قدیم اسرائیلی سبز ترکاریوں اور پھلوں پر بسر کرتے تھے“۔ جلد ۵ صفحہ ۵۹۶۔ ف۲۰۹ توریت کی روایت اس سے ملتی جلتی، مگر کسی قدر مختلف حسب ذیل ہے:۔ ”اور بنی اسرائیل بھی پھرے اور روتے ہوئے بولے۔ کون ہے جو ہمیں گوشت کھانے کو دے گا۔ ہم کو وہ مچھلی یاد آتی ہے جو ہم مفت مصر میں کھاتے تھے۔ اور وہ کھیرے اور وہ خربوزے اور وہ گندنا اور وہ پیاز اور وہ لہسن۔ پر اب تو ہماری جان خشک ہو چلی، یہاں تو ہماری آنکھوں کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے مگر یہ منّ“۔ (گنتی۔ ۱۱: ۴۔ ۶) فوم کے معنی گیہوں کے علاوہ لہسن کے بھی آتے ہیں۔ ف۲۱۰ (کہ بڑے شہروں میں سبزیاں اور پھل علاوہ فصل اور موسم کے، بے فصل اور خلاف موسم بھی مل جایا کرتے ہیں، وَصْرًا۔ کوئی شہر۔ یہاں مراد جزیرہ نمائے سینا یا اس کے مضافات کا کوئی آباد شہر ہے۔ مصر کے لفظی معنی شہر کے ہیں جس کی حد بندی ہو چکی ہو۔ اسم لکل بلد محصور ای محدود۔ اور یہاں تو تنوین کے ساتھ کھلا ہوا اسم نکرہ ہے لیکن بڑے بڑے فاضل انگریز مترجمین نے بے کھٹکے اس کا ترجمہ ”ملک مصر“ کر ڈالا ہے! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے تو انہیں سمجھایا کہ تمہاری فرمائش بیجا ہے، نامعقول ہے، جب دیکھا کہ اصرار جاری ہے تو پھر یہ کہا کہ اچھا، اگر یہ منظور ہے تو شہری تمدن اختیار کر لو۔ ساری گفتگو سمجھنے کے لیے قوم اسرائیل کے اُس وقت کے طرز معاشرت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ مصر جیسے متمدن و مہذب ملک سے لاکھوں کی تعداد میں یہ نکل تو آئے ہیں لیکن ابھی دُوسرے مہذب و متمدن ملک اور اپنے قدیم وطن یعنی فلسطین (یا کنعان) تک نہیں پہنچ پائے ہیں، بلکہ دونوں کے درمیان اور فلسطین کے جنوب میں جزیرہ نمائے سینا کے بیابان میں معلق ہیں۔ یہ علاقہ اس وقت تک غیر متمدن ہے، مکان، باغ، عمارتیں کھیت وغیرہ جو لوازم تمدن ہیں، اس لق ودق بیابان میں کہیں موجود نہیں، اسرائیلی اس وقت مکانوں میں سکونت پذیر نہیں۔ بلکہ اپنے خیموں ڈیروں کے ساتھ، کہ آج یہاں سے کوچ ہے تو کل وہاں مقام، خانہ بدوش قبیلوں کی طرح ایک مستقل سفر اور مستمر نقل وحرکت اس بیابان میں کر رہے ہیں، البتہ بیابان کے خاتمہ کے بعد ملک سرے سے ویران اور بے آب وگیاہ نہیں، غیر بیابانی علاقے اچھے خاصے آباد تھے اور شہری اور حضری تمدن کے نمونے جا بجا موجود تھے۔ یہ علاقہ مصر کے زیر حکومت تھا گو برائے نام۔ وصْرًا میں اشارہ اسی قسم کے کسی شہر کی طرف ہے ف۲۱۱ ضُرِبَتْ کے معنی ہیں لیس دی گئی، چپکا دی گئی، مسلط کر دی گئی۔ ذلّة کے معنی ہیں خواری ورسوائی اور مسکنة سے مراد ہے فقر اور محتاجی۔ الذّلة الذل والصغار (قرطبی) المسکنة الفقر والفاقة و تشدید المحنة (کبیر) عَلَيْهِمْ میں ضمیر ھم کے مرجع کو خوب سمجھ لینا چاہیے یہ ہیں کون لوگ جن کے اُوپر ذلت اور تنگ حالی مسلط کر دی گئی؟ ضمیر کا مرجع الیہود یا اللذین ھادوا نہیں بلکہ بنی اسرائیل ہے۔ یعنی اس وعید کے مورد فلاں فلاں عقیدے رکھنے والے فلاں مسلک کے ماننے والے نہیں، بلکہ اسرائیلی نامی ایک متعین قوم ونسل ہے۔ سبحان اللہ! ایک ذرا سا لفظ جانِ بلاغت ہے۔ اس نے اس حقیقت کو بالکل واضح کر دیا کہ جو ذلت، نکبت، افلاس، مقہوریت تقریباً ۱۴۰۰ سال گزر جانے پر بھی آج تک چلی، لپٹی چلی آرہی ہے اُس کی مورد وحامل ایک مخصوص قوم ہے، نہ کہ کسی مخصوص مذہب وملت کے پیرو۔۔۔ خود لفظ Arti Semitism بتا رہا ہے کہ یہود سے جو مستقل عداوت نازی جرمنی کو خصوصاً اور اٹلی ہنگری، رومانیہ وغیرہ، یورپ اور امریکہ کی اکثر ولایتوں کو عموماً ہے، اس کی بنا نسلی یا قومی ہے، نہ کہ دینی یا اعتقادی۔ لیکن سیاسی محکومی اور ذلت تک تو خیر، باقی مفلسی، محتاجی، تنگدستی کے انتساب پر عجب نہیں کہ ناظرین کو حیرت ہو، اور سوال دل میں پیدا ہو کہ تمول تو یہود کا ضرب المثل ہے، پھر اس قوم کو محتاج وتنگدست کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ محض دھوکا، اور عام طور سے چلا ہوا مغالطہ ہے۔ دولت وثروت جتنی بھی ہے، وہ قوم یہود کے صرف اکابر ومشاہیر تک محدود ہے، ورنہ عوام یہود کا شمار دُنیا کی مفلس ترین قوموں میں ہے، یہ بیان خود محققین یہود کا ہے۔

جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ ’’گو یہود کا تمول ضرب المثل کی حد تک شہرت پاچکا ہے، لیکن اہل تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہود یورپ کے جس جس ملک میں آباد ہیں، وہاں کی آبادی میں انہیں کے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے‘‘۔ (جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۱) ’’عوام یہود دوسری قوموں سے کہیں زیادہ غریب ہیں یہ اور بات ہے کہ اُن کے چند افراد بہت زائد دولتمند ہیں‘‘۔ (جلد ۱ صفحہ ۶۱) و۲۱۲ (اسی دنیا میں اپنی ہی جیسی مخلوق کے ہاتھوں) بَآءُوْ کے معنی اور بھی کیے گئے ہیں۔ لیکن اکثر محققین اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد استحقاق ہے۔ اے استوجبوا اللعنة (ابن عباس ؓ) اے استحقوا (کبیر) اے استحقوا غضبا (بحر) نسل اسرائیلی پر اس قدرتی غضب کا ظہور برابر انسانوں ہی کے ہاتھوں ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس آخر زمانہ میں ہٹلر جیسے چنگیزی فرمانروا کی یہود دشمنی و یہود بیزاری اخبار بین و تاریخ خواں طبقوں سے پوشیدہ نہیں۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ عارف کے لیے اس قصہ میں بڑا سبق ہے۔ ان لوگوں کے حال سے عبرت پکڑنا چاہیے۔ جنہوں نے نہ بلا پر صبر کیا نہ نعمت پر شکر ادا کیا، اور نہ قضاء الٰہی پر راضی رہے۔ ایسوں پر ذلت طغیان لگادی گئی، حُبّ دنیا ان کے قلب میں جمادی گئی۔ اور انہیں درجاتِ عالیہ سے گرادیا گیا۔ و۲۱۳ لفظ یہاں کفروا نہیں کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ استعمال ہوا ہے۔ ذکر کسی خاص موقع کا نہیں کہ اس وقت وہ منکر ہو بیٹھے تھے بلکہ ذکر ان کی مستقل قومی خصلت کا ہورہا ہے کہ انکار کرتے ہی رہتے تھے۔ انکار کو شعار ہی بنالیا تھا۔ اٰیٰت اللہ کا لفظ عام ہے۔ معجزات و خوارق بھی مراد ہوسکتے ہیں۔ اور کتب آسمانی بھی، اے المعجزات مطلقا......او لکتب المتلوة مطلقا (روح) المعجزات التسع وغیرها ......او القران او جمیع ایات اللہ المنزلة علی الرسل (بحر) بِاَنَّهُمْ میں باء سببیہ ہے یعنی یہ سزا انہیں کفر عادی اور مسلسل قتل انبیاء کی پاداش میں ملی۔ و۲۱۴ ’’قتل تک‘‘ یعنی دوسری بیہودگیاں، شرارتیں، سفلہ پردازیاں تو تھیں ہی، حد یہ ہے کہ قتل تک سے بھی نہ چوکے۔ یسعیاہ نبی کا قتل، یرمیاہ نبی کا قتل، زکریا نبی کا قتل، یحییٰ نبی کا قتل اور عیسیٰ مسیح ؑ کا اقدام قتل (بلکہ اپنے خیال میں قتل ہی) یہ اسرائیل کی تاریخ جرائم کے چند جلی عنوانات ہیں ـــ یہ قوم اس قابل رہ گئی تھی کہ اس کے ساتھ کچھ بھی رعایتیں روا رکھی جائیں؟ اسے زندہ رہنے کی بھی کچھ مہلت دی جاتی؟ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔ لیکن نبی کا قتل تو ہمیشہ ناحق ہی ہوگا۔ نبی کے قتل جائز کی کوئی صورت ہی نہیں۔ پر قرآن جس میں ایک لفظ بھی بیکار یا بطور حشو نہیں اسے کیوں لایا؟ قرآن کا مقصود اس اضافہ سے یہ ہے کہ خود ان قاتلوں کے معیار سے بھی یہ قتل ناحق و ناجائز تھے۔ یعنی خلاف عدل تو خیر ہوتے ہی، قانونِ وقت کے لحاظ سے خلاف قانون اور بے ضابطہ بھی تھے! اے عندهم ایضا (مدارک) قتلوهم من غیر ان کان ذٰلک القتل حقا فی اعتقادهم و خیالهم (کبیر) اے لم یدعوا فی قتلهم وجها یستحقون به القتل عندهم (بحر) بعض نے کہا ہے کہ اس تصریح سے مقصود قتل کے ناحق ہونے پر زور اور تاکید ہے۔ کان هذا تعظیما للشنعة علیهم (قرطبی) تعظیم للشنعة والذنب الذی اتوه (قرطبی) سلسلۂ اسرائیلی کے خاتم نبوت حضرت عیسیٰ ؑ تھے زمانہ بھی آپ کا نسبۃً بہت قریب کا ہے۔ یعنی عہد تاریخی کے اندر کا۔ اُس وقت کی تاریخ ایک اچھی خاصی حد تک محفوظ ہے۔ حال میں اٹلی کے ایک ایڈووکیٹ روزیڈی (Rosedi) اور انگلستان کے ایک بیرسٹر انیس (Innes) نے قدیم کاغذات کی چھان بین کر کے، آپ کے مقدمہ کی رُودادیں الگ الگ شائع کی ہیں۔ یہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ آپ کے مقدمہ میں یہ نہیں ہوا کہ رُومی حاکم عدالت سے سزائے صلیب کا فیصلہ سنانے میں کوئی اجتہادی غلطی ہوگئی۔ بلکہ ہوا یہ کہ یہود نے ایک بالکل جھوٹا استغاثہ گڑھا۔ اور پہلے اپنی مذہبی عدالت میں، اور پھر ملک کی عام فوجداری عدالت میں بالکل ہی بے ضابطہ کارروائیاں کر کے حکم سزا دلا دینے میں کامیاب ہوگئے ـــ رُومی اور جیسے بھی کچھ ہوں، آئین دوستی اور قانون پرستی تو ان کی مشہور ہے۔ جب اُن تک کے عہد میں یہ اندھیر ہوا، تو پھر قدیم ترین انبیاء کی مظلومیت کا کیا ٹھکانا۔ جن کے قتل میں غالباً ضابطہ کی ظاہری اور رسمی صورت بھی نہیں برتی گئی! و۲۱۵ اسرائیلیوں کے مسلسل تمرد، سرکشی نافرمانی کے تذکروں سے توریت و انجیل دونوں کے صفحات لبریز ہیں۔ سب کے نقل کرنے کی نہ گنجائش نہ ضرورت۔ مشتے نمونہ از خروارے دو چار نمونے دیکھتے چلیے:۔ ’انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھے میں اُڑادیا۔ اور اس کی باتوں کو ناچیز جانا۔ اور اس کے نبیوں سے بدسلوکی کی۔ یہاں تک کہ خدا کا غضب اپنے لوگوں پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا‘‘۔ (۲ تواریخ ۳۶:۱۷) ’’تمہاری ہی تلوار پھاڑنے والے شیر ببر کی مانند تمہارے نبیوں کو کھا گئی ہے۔‘‘ (یرمیاہ۔ ۲:۳۰) ’’اے اہل یعقوب ؑ اور اہل اسرائیل کے سب خاندانو! خداوند کا کلام سنو۔ خداوند یوں فرماتا ہے کہ تمہارے باپ دادوں نے مجھ میں کونسی ناانصافی پائی جو وہ مجھ سے دُور بھاگے اور بطلان کے پیرو ہوئے اور آپ باطل ہوگئے‘‘ (یرمیاہ۔ ۲:۴و۵) ’’وہ نافرمان نکلے اور تجھ سے پھر گئے اور انہوں نے تیری شریعت کو اپنی پشت کے پیچھے پھینکا اور تیرے نبیوں کو جو نصیحت دیتے تھے کہ انہیں تیری طرف پھرا لائیں، قتل کیا۔ اور انہوں نے کاموں سے تجھے غصہ دلایا‘‘۔ (نحمیاہ۔ ۹:۲۶) یہ مختصر، بہت ہی مختصر، اقتباسات عہد قدیم کے نوشتوں سے تھے۔ اب عہد جدید کے نوشتوں کے ایسے ہی مختصر نمونے ملاحظہ ہوں:۔ ’’اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو...... نبیوں میں سے کس کو تمہارے باپ دادوں نے نہیں ستایا؟‘‘ (اعمال۔ ۷:۵۱و۵۲) تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ ہم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہیں...... دیکھو میں نبیوں، داناؤں اور فقیہوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں اُن میں سے بعض کو قتل کرو گے اور صلیب پر چڑھاؤ گے۔ اور بعض کو اپنے عبادتخانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بہ شہر ستاتے پھرو گے۔ تاکہ سب راستبازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا ہے، تم پر آئے...... اے یروشلم، اے یروشلم تو نبیوں کو قتل کرتی ہے اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ہیں، انہیں سنگسار کرتی ہے‘‘۔ (متی۔ ۲۳:۲۹۔۳۷۔ لوقا۔ ۱۲: ۳۴،۳۵)۔ غرض توہین انبیاء اور پیمبر کشی کا الزام یہود پر قرآن مجید نے دُنیا میں پہلی بار نہیں لگایا ہے۔ ان کی فرد جرم کا یہ عنوان تو قدیم نوشتوں میں موجود چلا ہی آتا تھا۔ قرآن مجید نے محض اس کی تصدیق و توثیق کردی۔ بِمَا عَصَوْا میں باء سببیہ ہے۔ ذٰلِكَ۔ اس اسم اشارہ کا مشار الیہ کفر اور قتل انبیاء ہے۔ الاشارة الی الکفر والقتل (بیضاوی) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ کسی گناہ کو بھی خفیف نہ سمجھنا چاہیے، ایک گناہ برابر دوسرے گناہ کا سبب بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کفر کا۔ چنانچہ یہاں بھی عصیان اور تجاوز حدود تھا جو ان لوگوں کو کفر آیاتِ الٰہی اور قتل انبیاء تک لایا۔ مفسر بیضاوی نے بھی یہاں یہی کہا ہے کہ جس طرح چھوٹی طاعت بڑی طاعت کی طرف لے جاتی ہے، چھوٹی معصیت بھی بڑی معصیت تک نوبت پہنچادیتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی خوئے عصیاں نے رفتہ رفتہ کفر و قتل انبیاء تک پہنچادیا۔ جرّهم العصیان والتمادی والاعتداء فیه الی الکفر بالاٰیٰت و قتل النبیین فان صغار الذنوب سبب یؤدی الی ارتکاب کبارها و۲۱۶ (آخری رسول ﷺ اور آخری کتاب پر، یعنی مسلمان ہوچکے ہیں) ایمان لانے کے معنی کل عقائد ضروری کے تسلیم کرلینے کے ہیں، توحید پر ایمان، رسالت پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان، سب کچھ اس میں شامل ہے اور الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مطلق صورت میں قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آیا ہے، مراد اس سے مسلمان ہی ہیں۔ یہاں بھی مراد مومنین ہی ہیں۔ اے من اٰمن بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم (بحر۔ عن عباس ؓ) هم المصدقون رسول اللہ ﷺ فی ما اتاهم من الحق من عند اللہ (ابن جریر) اور رازی ؒ نے بھی متکلمین سے یہی معنی نقل کیے ہیں کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور پھر دین پر ثابت و قائم رہے۔ الذین اٰمنوا فی الماضی و ثبتوا علیٰ ذٰلک واستمرّوا علیه فی المستقبل و هو قول المتکلمین (کبیر) و۲۱۷ یعنی جو لوگ دین یہودیت کے پیرو ہیں یقال هادوا تهود اذا دخل فی الیهودیة (بیضاوی) خواہ پہلے سے یہودی چلے آرہے ہوں۔ نسلاً یہودی ہوں یا پہلے مشرک وغیرہ کچھ اور ہوں اور اب یہود کے عقیدے اور شعار اختیار کرلیے ہوں۔ اب تک ذکر بنی اسرائیل نام ایک خاص نسل و خاندان کا چلا آرہا تھا اور ان کی تاریخ کے اہم ترین منظر سامنے لائے جارہے تھے۔ اب ذکر ان کے مسلک اور عقیدوں کا شروع ہوتا ہے اور پہلی بار لفظ الَّذِيْنَ هَادُوْا آیا ہے۔ بنی اسرائیل ایک نسلی نام تھا ایک کنبہ، قبیلہ یا قوم کا نام تھا جسے اپنی عالی نسبی پر فخر تھا، اپنے آباؤ اجداد کی مقبولیت پر ناز تھا۔ تاریخ کے دُہراتے وقت ضروری تھا کہ اس نسلی نام کو لیا جائے۔ اب بیان ایک دینی مسلک کا، ایک اعتقادی نظام کا شروع ہورہا ہے۔ ضروری ہوا کہ اب نام ایسا لیا جائے، کوئی وصف ایسا بیان کیا جائے، جو بجائے نسل، نسب و خاندان کے مسلک و عقیدہ کی جانب رہنمائی کرے۔ الَّذِيْنَ هَادُوْا اسی ضرورت کو پورا کرنے والا ہے قرآن مجید کی بلاغت کے وجوہ اعجاز بے شمار ہیں۔ انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ متقارب، لیکن متمائز معانی کے لیے لفظ بھی وہ مختلف لاتا ہے، اور ان کے دقیق باہمی فرق کا لحاظ رکھ لیتا ہے۔ مذہب یہود ایک نسلی مذہب ہے۔ تبلیغی مذہب نہیں۔ کسی غیر اسرائیلی کو باضابطہ یہودی بنانے کا طریقہ ان کے ہاں نہیں لیکن

عرب میں متعدد قبیلے ایسے آباد تھے جو نہ پیدائشی یہودی تھے اور نہ نسلاً اسرائیلی۔ بلکہ عرب یا بنی اسمٰعیل تھے۔ لیکن یہود کی صحبت سے متاثر، اور ان کے علوم سے مرعوب ہو کر انہوں نے پہلے یہود کے طور طریقے اور پھر اُن کے عقیدے اختیار کر لیے اور رفتہ رفتہ اُن کا شمار بھی یہودی آبادی میں ہونے لگا۔ بجائے الیھود کے الَّذِیْنَ ھَادُوْا لانے میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کے عقائد اختیاری کی جانب دلالت خوب واضح ہو جائے۔ بنی اسرائیل کی قومی حکومت و وجاہت کا خاتمہ تو ظہورِ اسلام سے مدتوں پہلے بلکہ کہنا چاہیے کہ ۷۰ء میں مشرک رُومیوں کے ہاتھوں بیت المقدس کی بربادی کے بعد ہی ہو گیا تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ کے معاصرین یہود کی حیثیت صرف ایک مذہبی اور دینی فرقہ کی رہ گئی تھی، اسی لیے خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآن مجید نے بنی اسرائیل کا لفظ جہاں جہاں استعمال کیا ہے، سیاقِ عبارت ہر جگہ تاریخی ہے **و۲۱۸** النّصٰرٰی۔ نصارٰی جمع ہے نصرانی کی۔ ملک شام (حال فلسطین) میں ایک قصبہ ناصرہ ہے (Nazareth) علاقہ گلیلی میں۔ بیت المقدس سے ستر میل شمال میں، اور بحرِ رُوم سے مشرق میں ۲۰ میل کے فاصلہ پر۔ موجودہ آبادی آٹھ اور نو ہزار کے درمیان ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا آبائی وطن یہی قصبہ ہے۔ اور آپ یسوع ناصری اسی مناسبت سے کہلاتے ہیں۔ ناصرہ ہی کو عربی تلفظ میں نصران بھی کہتے ہیں۔ نصرانی کا انتساب اسی قصبہ کی جانب ہے۔ سمّوا بذٰلک انتساباً الٰی قریة یقال لھا نصران (راغب) نصران قریة بالشام ینسب الیه النصارٰی (جوہری) یہی اشتقاق ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ صحابی سے آیا ہے۔ سمیت النصاری نصارٰی لان قریة عیسی ابن مریم کانت تسمّٰی ناصرة و کان اصحابه یسمون الناصریّین (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) اور یہی قول قتادہ و ابن جریج تابعین کا ہے۔ نیز بعد کے محقق مفسرین کا وھو قول ابن عباس و قتادة و ابن جریج (کبیر) سمّوا بذٰلک لقریة تسمّٰی ناصرة کان ینزلھا عیسیٰ فلما ینسب اصحابه الیه قیل النصارٰی (قرطبی) بعض نے اسے عربی کا لفظ فرض کر کے نصرت سے مشتق سمجھا ہے۔ لیکن قول صحیح وہی ہے جو ابھی گزر چکا۔ خوب خیال کر لیا جائے قرآن یہاں ذکر مسیحیوں کا نہیں، نصارٰی کا کر رہا ہے۔ اور قرآن حکیم کا ہر ہر لفظ پُر حکمت ہوتا ہے۔ مسیحی وہ ہیں جو اناجیل اربعہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ مسیح علیہ السلام کو خدا کا نبی نہیں، خدا کا بیٹا مانتے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ خدا اُن کے قالب میں حلول کر آیا تھا۔ آخرت میں نجات دینے والا (Saviour) خدا کو نہیں، مسیح "ابن اللہ" کو یقین کرتے ہیں۔ اور خدائی کو تین اقنوموں میں تقسیم کر کے ایک ناقابلِ فہم فلسفہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہر اقنوم بجائے خود بھی خدا ہے، اور تینوں اقنوم مل کر بھی ایک ہی خدا بنتے ہیں ---اس کھلے ہوئے شرک کے قائلوں کا ذکر ہرگز اس مقام پر مقصود نہیں، اسی لیے نام بھی جو مشہور اور چلا ہوا تھا، اُسے ترک کر کے نصارٰی لایا گیا۔ نصرانی معرب ہے Nazarene کا حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے پیرو، نبی کو نبی ماننے والے، ابتدائی زمانہ میں Nazarenes کہلاتے تھے۔ یہ توحید کے قائل تھے اور بجائے اناجیل اربعہ کے صرف انجیل متی کو مانتے تھے، آگے چل کر یہی لوگ ایونیہ (Ebonites) بھی کہلائے۔ لیکن جب مشرکانہ عقائد کا زور بندھا اور اصل مسیحیت، حلولیت اور تثلیث ہی قرار پا گئی، تو قدرۃً نصرانیت کا ستارہ بھی گردش میں آیا۔ اور نصرانی و نصرانیت کے الفاظ بجائے عزت و تکریم کے، تحقیر کے موقع اور ذم کے محل میں استعمال ہونے لگے۔ موجودہ مسیحیت سرتاسر پولوسیت ہے۔ اور تمام تر پولوس (Paul) طرسوی کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کچھ ہی روز بعد شروع ہو گئی تھی۔ اور نصرانی اس کے بالکل منکر تھے۔ قرآن مجید نے محلِ مدح میں ایک موقع پر بھی تثلیثی مسیحیت کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ ذکر جب بھی آیا ہے تو ہمیشہ ملامت، بیزاری کے ساتھ۔ ان آیتوں میں:۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلٰثة۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم۔ وقس علیٰ ہذا۔ **و۲۱۹** الصّابئون۔ صابی کے لفظی معنی ہیں جو کوئی بھی اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں آ جائے یا اُس کی طرف مائل ہو جائے۔ من خرج او مال عن دین الٰی دین (قرطبی) قیل لکل خارج من الدین الٰی دین اٰخر صابیءٌ (راغب) اصطلاح میں صابیون (Sabians) کے نام کا ایک مذہبی فرقہ تھا جو عرب کے شمال و مشرق میں شام و عراق کی سرحد پر آباد تھا۔ یہ لوگ دینِ توحید اور عقیدۂ رسالت کے قائل تھے اور اس لیے اصلاً اہلِ کتاب تھے، اپنے کو "نصارائے یحییٰ" کہتے تھے۔ گویا حضرت یحییٰ علیہ السلام کی اُمت تھے۔ حضرت عمرؓ جیسے مبصرو نکتہ رس خلیفۂ راشد اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے محقق صحابی نے صابیوں کا شمار اہلِ کتاب میں کیا ہے اور حضرت عمرؓ نے ان کا ذبیحہ بھی حلال مانا ہے۔ قال عمر ابن الخطاب و ابن عباس ھم قوم من اھل الکتاب و قال عمر تحل ذبائحھم مثل ذبائح اھل الکتاب (معالم) تابعین میں سے متعدد اکابر ان کے اہلِ کتاب یا موحد ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔ ھم طائفة من اھل الکتب (ابن جریر۔ عن السدی) فرقة من اھل الکتاب (ابن کثیر۔ عن ابی العالیہ والربیع بن انس والضحاک والسدی واسحٰق بن راھویہ) ابن زیدان کے موحد ہونے کے قائل تھے، اور قتادہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہما سے تو یہاں تک منقول ہے کہ اہلِ قبلہ تھے اور نماز پانچ وقت کی پڑھتے تھے (ابن جریر) اور ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو خود بھی عراقی تھے اور اس لیے صابیوں سے براہِ راست واقفیت کا موقع رکھتے تھے، ان کا فتویٰ ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی حلال ہے اور ان کے ہاں کی عورتوں سے نکاح بھی جائز۔ قال ابو حنیفة لا باس بذبائحھم و نکاح نسائھم (قرطبی) تاریخ ایران پر ایک مستند مستشرق کی کتاب کا اُردو ترجمہ ابھی حال ہی میں نکلا ہے (انجمن ترقی اُردو، دہلی) اس کے صفحہ ۴۷ پر فاضل مترجم، ڈاکٹر شیخ محمد اقبال اور ینٹیل کالج لاہور، لفظ مینڈین Mandean پر حاشیہ دیتے ہیں:۔ "مینڈین بہ زبان آرامی بمعنٰی اولوا العلم۔ اس فرقہ کے لوگ عراق میں اب بھی موجود ہیں اور صابیون کہلاتے ہیں۔ وہ لوگ اگرچہ عیسائی نہیں ہیں، تاہم جان دی بپٹسٹ کو مانتے ہیں۔ عراق میں عوام الناس ان کو حضرت یحییٰ کی اُمت کہتے ہیں۔" (ایران بہ عہد ساسانیاں) **و۲۲۰** مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ۔ یعنی اللہ کی ذات و صفت پر ایمان لائے، جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے۔ اور وہ ایمان ہر قسم کی شرکت آمیزی سے پاک ہو۔ اس ایمان باللہ کے تحت میں اس کے سارے لوازم و تضمنات بھی داخل ہیں، ورنہ خدا پر مطلق ایمان تو کسی نہ کسی صورت میں تقریباً ہر انسان کا ہے۔ اور ان لوازمِ توحید میں سب سے اُونچے نمبر پر ایمان بالرسل ہے کہ بندوں کا صحیح تعلق اللہ کے ساتھ قائم کرنے والی، اس کا سیدھا راستہ بتانے والی ذات رسول ہی کی ہوتی ہے۔ قد دخل فی الایمان باللہ الایمان بما اوجبه اعنی الایمان برسله (کبیر) وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ یومِ آخرت پر ایمان لانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ سارے احکامِ آخرت پر ایمان لایا جائے۔ دخل فی الایمان بالیوم الاٰخر جمیع احکام الاٰخرة (کبیر) تناسخ، حلول وغیرہ کے گمراہانہ عقائد کی بنیاد صرف یہی ہے کہ دُوسرے مذہبوں میں یومِ حشر کا ایمان صحیح باقی نہیں رہا۔ اور انہوں نے جزا و سزا کی اَور اَور صورتیں تجویز کر لیں۔ **و۲۲۱** (اور عمل صالح کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ عمل وحیِ الٰہی یعنی شریعتِ اسلامی کے ماتحت ہو) دَورِ حاضر کی چلتی ہوئی گمراہیوں میں سے ایک سوال جو بار بار پیش ہوتا رہتا ہے، یہ ہے کہ ایک شخص صاحبِ ایمان ہے مگر بدعمل، اور دُوسرا خوش عمل ہے مگر ایمان سے خالی، تو اِن دو میں نجات کس کی ہوگی؟ علماء اس کے جوابات مختلف دیتے رہتے ہیں، لیکن سب سے سیدھا اور بے تکلف جواب یہ ہے کہ حسنِ عمل کا ایک لازمی عنصر تو خود ایمان ہی ہے، بغیر صحیح ایمان کے، بغیر حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے خیال کے، کوئی عمل، عملِ صالح کی تعریف میں آ ہی کب سکتا ہے؟ ایمان سے خالی شخص کا "حسنِ عمل" تو صرف صورۃً عمل ہوگا، ورنہ اس کی حقیقت (یعنی خالقِ کونین کی رضا طلبی) تو اس سے خارج ہی ہوگی۔ **و۲۲۲** اعتقادِ صحیح اور عملِ صحیح بس یہی دو شرائطِ نجات ہیں۔ گویا مذہبی دنیا کو یہ بشارت پہلی بار کھلے لفظوں میں پہنچی کہ اصل شے عقیدہ اور عمل ہیں۔ اور ان دو کی تصحیح کے بعد قوم، نسل وغیرہ کی ساری نسبتیں ہیچ ہیں۔ عِنْدَ رَبِّھِمْ میں عِنْدَ سے مراد عندیتِ مکانی نہیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے حق میں جو مکان و جہت سے پاک و منزہ ہے، محال ہے۔ بلکہ مراد اجر کا یقینی اور قطعی ہونا ہے۔ لیس المراد العندیة المکانیة فان ذٰلک محال فی حق اللہ تعالیٰ بل المراد ان اجرھم متیقن جار مجرٰی (کبیر) قرآن مجید کا ایک بلیغ و حکیمانہ اسلوب یہ بھی ہے کہ جزئیات کے ضمن میں بڑے بڑے اہم کلیات بیان کر جاتا ہے۔ ذکر بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانی اور پشتہا پشت کی سرکشی کا چلا آ رہا تھا، مخاطبین پر یہ اثر پڑنا بالکل طبعی تھا کہ ایسے مجرموں کے لیے اب نجات کی کوئی گنجائش ہو ہی کیا سکتی ہے؟ معاً درمیان میں یہ آیت لا کر اس مایوسی کو رفع کر دیا گیا کہ جو کوئی بھی اپنا عقیدہ اور عمل درست رکھے گا، خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی یا نصرانی یا صابی، غرض کوئی بھی ہو، رحمت و مغفرت کی راہیں سب کے لیے کھلی ہوئی ہیں، کام کی چیزیں صرف ایمانِ صحیح اور عملِ صحیح ہیں۔ لیعرف انّ جمیع ارباب الضلال اذا رجعوا عن ضلالھم و اٰمنوا بالدین الحق فان اللہ سبحانه و تعالٰی یقبل ایمانھم و طاعتھم ولا یردھم عن حضرته

البتۃ (کبیر) لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ بیان آخرت کا ہو رہا ہے۔ یعنی قیامت کے دن جو کشف حقائق کا دن ہوگا اہل ایمان کو نہ اپنے ماضی پر حسرت ہوگی نہ اپنے مستقبل کی طرف سے تشویش۔ خوف واندیشہ کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اور غم وحزن کا ماضی سے۔ ف۲۲۳ (اے بنی اسرائیل تمہارے پیغمبر کے واسطہ سے اس مضمون کا کہ تم توریت پر عمل کروگے، ف۲۲۴ الطُّوْرَ۔ طور، مطلق پہاڑ کو بھی کہتے ہیں اور جزیرہ نمائے سینا کے ایک مخصوص ومتعین پہاڑ کا بھی نام ہے۔ الطور اسم جبل مخصوص و قیل اسم لکل جبل (راغب) جدید جغرافیہ نویس کہتے ہیں کہ طور کا اطلاق جزیرہ نمائے سینا کے متعدد پہاڑوں پر ہوتا ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے سلسلہ میں جبل طور سے مراد جبل سینا ہوتا ہے۔ لیکن خود جبل سینا کی کوئی ایک چوٹی نہیں، متعدد چوٹیاں ہیں۔ انہیں میں سے کسی کا نام طور ہوگا۔ قوم کے اُوپر پہاڑ بلند کرنے سے کیا مراد ہے؟ توریت میں اس کی کچھ مجمل سی کیفیت درج ہے:۔ ’’وہ پہاڑ کے نیچے آ کھڑے ہوئے اور کوہِ سینا پر زیروبالا دھواں تھا، کیونکہ خداوند شعلہ میں ہو کر اس پر اُترا، اور شور کا سا دھواں اس پر اُٹھا اور پہاڑ سراسر ہل گیا‘‘۔ (خروج۔ ۱۹: ۱۷ و ۱۸) اور تالمود جو توریت کی مشہور و مستند اور نہایت ضخیم شرح یہود کے ہاں موجود ہے، اس میں اس اجمال کی تفصیل میں اقوال ذیل درج ہیں۔ ’’حق تبارک وتعالیٰ نے ان کے اُوپر کوہ سینا کو اُلٹ دیا۔ جس طرح کوئی بڑا ظرف اُلٹ دیا جاتا ہے، اور کہا کہ اگر تم توریت کو قبول کرتے ہو جب تو خیر، ورنہ سب یہیں دفن ہو کر رہ جاؤ گے‘‘۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۴ صفحہ ۳۲۱) ’’خدا نے پہاڑ کو ان لوگوں پر اُلٹ کر اوندھا کر دیا اور اُن سے کہا کہ توریت کو اگر قبول کرتے ہو جب تو خیر ورنہ یہیں تمہارا مدفن بن کر رہے گا‘‘۔ (ایضاً) ہمارے مفسرین نے جو آثار صحابہ وتابعین کی زبان سے نقل کیے ہیں، ان میں بھی روایتیں اسی سے ملتی جلتی ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ ف۲۲۵ یہ پورا مقولہ اسی وقت کا ہے جب کتاب نازل ہوئی تھی۔ کتاب ہدایت کے نزول اور رفع طور کے ساتھ ساتھ ہدایت اس کی بھی ہوئی تھی کہ اس کتاب کی محافظت کرنا اور اس کے احکام پر مداومت۔ اعملوا بما اعطیتکم من الکتٰب (ابن عباس) مَآ اٰتَیْنٰکُمْ سے مراد کتاب توریت ہے۔ احکام توریت کے اس اخذ وتمسک کی تاکید اور اس کے ترک پر وعید خود توریت میں بھی جا بجا مذکور ہے:۔ ’’جو کوئی اس شریعت کی سب باتوں پر قائم نہ رہے کہ ان پر عمل کرے اُس پر لعنت، سب جماعت کہے آمین‘‘۔ (استثناء۔ ۲۷: ۲۶) ’’اگر تو کوشش کر کے خداوند اپنے خدا کی آواز سنے تاکہ ان سب حکموں پر جو آج کے دن میں تجھ سے فرماتا ہوں، دھیان رکھ کے عمل کرے تو خداوند تیرا خدا زمین کی قوموں کی بہ نسبت تجھے سرافراز کرے گا‘‘۔ (استثناء۔ ۲۸: ۱) ’’لیکن اگر تو خداوند اپنے خدا کی آواز کا شنوانہ ہوگا کہ اس کے سارے شرعوں اور حکموں پر جو آج کے دن میں تجھ کو بتاتا ہوں، دھیان رکھ کے عمل کرے تو ایسا ہوگا کہ یہ ساری لعنتیں تجھ پر اُتریں گی، اور تجھ تک پہنچیں گی۔‘‘ (استثناء۔ ۲۸: ۱۵) ف۲۲۶ (اور تقویٰ کی راہ یہی ہے کہ کتاب الٰہی پر عمل کیا جائے) وَاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ۔ یاد رکھو اس کے مضامین کو تاکہ ان پر عمل کر سکو۔ احکام الٰہی کا یاد رکھنا اصلاً اسی غرض سے ہوتا ہے کہ اُن پر عمل کیا جا سکے، حکم کے تحت میں حفظ، قرأت وغیرہ بھی داخل ہیں، لیکن مقصود اصلی وہی عمل ہے۔ اقرأوا ما فی التورٰۃ واعملوا بہ (ابن کثیر۔ عن ابی العالیۃ) ای تدبروہ و احفظوا اوامرہ ووعیدہ ولا تنسوہ ولا تضیعوہ ھذا ھو المقصود من الکتٰب العمل بمقتضاھا لا تلاوتھا باللسان و ترتیلھا (قرطبی) لَعَلَّ کے لیے پوری تصریح اُوپر گزر چکی ہے کہ یہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے استعمال ہوتا ہے تو مفہوم شک واحتمال کا نہیں رہتا، بلکہ معنی یقین کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ف۲۲۷ (اور حسب سابق پھر نافرمانی کرنے لگے) مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ۔ یعنی اس قول واقرار کے بعد۔ کتاب ہدایت واحکام مل جانے کے بعد۔ ای من بعد البرھان (قرطبی) ف۲۲۸ یعنی فی الفور ہلاک کر دیئے گئے ہوتے، اور ساری قوم کی قوم دُنیا سے اسی طرح بے نشان ہو گئی ہوتی، جیسے اور پرانی متعدد قومیں ہو چکی ہیں۔ فضل ورحمتِ خداوندی بنی اسرائیل کے حق میں یہی تھی کہ ان کی خطاؤں اور جرائم سے مزید چشم پوشی کی گئی۔ اور انہیں اور مہلت سنبھلنے اور اپنے کو درست کرنے کی دی گئی۔ ف۲۲۹ لَقَدْ عَلِمْتُمْ۔ علم کا لفظ خود ہی تحقیق کے معنی میں قرآن مجید میں بارہا استعمال ہوا ہے۔ پھر لَ حرفِ تاکید۔ قد حرفِ تاکید۔ لَقَدْ جس فعل پر داخل ہوتا ہے، اس میں معنی شدتِ تاکید کے پیدا کرتا ہے۔ گویا قرآن بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کا کوئی واقعہ ان کے لیے خوب اچھی طرح سے جانا بوجھا ہوا یاد دلا رہا ہے۔ اور ان سے کہہ رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل جس واقعہ کا ذکر آگے آ رہا ہے، وہ تمہاری تاریخ کا ایک مسلم ومتعارف واقعہ ہے اور تم اُس سے بلا شک واشتباہ خوب واقفیت رکھتے ہو۔ مِنْکُمْ۔ یعنی تمہارے اسلاف واجداد میں سے۔ فِی السَّبْتِ۔ یعنی احکام سبت کے بارہ میں۔ سبت کے لفظی معنی ہیں ہفتہ کا ساتواں دن، یعنی شنبہ یا سنیچر۔ السَّبْتِ شریعت یہود کی اصطلاح میں ایک مقدس دن، مسیحیوں کے اتوار کی طرح ہے۔ یہ دن صرف یادِ خدا اور عبادت کے لیے مخصوص ہے۔ اور اس روز تجارت، زراعت، شکار وغیرہ ہر قسم کے دنیوی کام سب ممنوع تھے۔ اور ممانعت بھی اس شدومد کے ساتھ کہ جو اس حکم کو توڑے اس کی سزا قتل۔ توریت کے الفاظ ہیں:۔ ’’پس سبت کو مانو اس لیے کہ وہ تمہارے لیے مقدس ہے۔ جو کوئی اس کو پاک نہ جانے وہ ضرور مار ڈالا جائے...... پس جو کوئی روز سبت کو کام کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے‘‘۔ (خروج۔ ۳۱: ۱۴ و ۱۵) اِعْتَدَوْا۔ تجاوز کر جاتے تھے شریعت موسوی کے حدود سے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں یہود کی ایک بڑی آبادی مقام ایلہ میں تھی۔ یہ ذکر انہیں کا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ حکومت ۱۰۱۳ ق،م تا ۹۷۳ ق،م کا ہے۔ مقام ایلہ اگر وہی ہے جس کا ذکر توریت میں ایلات (Elath) کے نام سے آتا ہے۔ (استثنا ۲: ۸) تو یہ فلسطین کے جنوب میں، عرب کی عین شمالی سرحد پر (قدیم علاقہ اِدوم میں) بحر قلزم کی مشرقی خلیج میں لبِ ساحل واقع ہے۔ موجودہ جغرافیہ اس کو عقبہ کے نام سے پہچانتا ہے۔ اور عقبہ خلیج عقبہ کا مشہور بندرگاہ ہے۔ ایلہ کے یہودی اپنی شریعت کے قانون کی مسلسل خلاف ورزی کرتے۔ مچھلی کا شکار ایک خاص چالاکی کے ساتھ اور اسے ظاہری صورتِ جواز دے کر سبت کے دن کیا کرتے ف۲۳۰ اس مسلسل نافرمانی پر سزا تو ان مجرموں کو یقیناً ملی۔ باقی کیا ملی، اس کی تفصیلات اس درجہ قطعی نہیں۔ جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ سزا اسی طرح واقع ہوئی جیسی قرآن کے ظاہر الفاظ سے ظاہر ہو رہی ہے۔ یعنی وہ انسان بندر بنے اور پھر تین دن کے بعد ہلاک ہو گئے۔ اس تفسیر پر عقلاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ جو لوگ اللہ کے قانون تشریعی کے توڑنے میں اتنے جری وبیباک ہوں، ان کے حق میں خالق کائنات اپنے قانونِ تکوینی کو کسی حد تک اگر بدل دے، اور بجائے ’’ارتقاء‘‘ کے بھی اگر ’’ارتقاء معکوس‘‘ ہو جائے تو اس میں عدم امکان تو خیر کیا ہوگا، استبعاد بھی کچھ ایسا زائد تو نہیں لیکن روایتیں خود اس نتیجہ پر تمام تر متفق نہیں۔ بلکہ یہ قول تابعین ہی کے زمانہ سے تفسیروں میں لکھا چلا آ رہا ہے کہ مسخ صرف معنوی ہوا تھا، صوری نہیں۔ یعنی ان کے عادات واخلاق بندروں کے سے کر دیئے گئے تھے۔ اور بندر کا اطلاق ان پر مجازاً ہونے لگا تھا۔ ورنہ حقیقۃً وہ بندروں کے جسم وقالب میں تبدیل نہیں کیے گئے تھے۔ لم یمسخوا قردۃ انما ھو مثل ضربہ اللہ لھم (ابن جریر۔ عن مجاہد) مسخت قلوبھم ولم یمسخوا قردۃ (ابن جریر۔ عن مجاہد) روی عن مجاھد فی تفسیر ھذہ الاٰیۃ انہ انما مسخت قلوبھم وردت افھامھم کا فھام القردۃ (قرطبی) مفردات میں بھی ایک قول اسی معنی میں نقل ہوا ہے۔ قیل بل جعل اخلاقھم کا خلاقھا و ان لم تکن صورتھم کصورتھا (راغب) لیکن جمہور مفسرین کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ قول غریب اور ظاہر سیاق قرآنی کے خلاف ہے۔ قول غریب خلاف الظاھر من السیاق فی ھذا المقام و فی غیرہٖ (ابن کثیر) و ظاھر القراٰن انھم مسخوا قردۃ علی الحقیقۃ وعلٰی ذٰلک جمھور المفسرین و ھو الصحیح (روح) ف۲۳۱ سزا کی تفصیلی نوعیت کچھ بھی ہو، بہر حال تھی وہ کوئی بہت سخت اور عبرتناک سزا۔ قرآن مجید کا مقصود اس سزا کی تفصیل بیان کرنا نہیں، بلکہ اس کی عبرت انگیزی اور موعظہ آموزی کے پہلو کو واضح کرنا ہے۔۔۔ واقعہ جو کچھ بھی ہو، یہود کا جانا بوجھا ہوا تھا، قرآن اُسے صرف یاد دلا رہا ہے۔ جعلنھا میں ھا کی ضمیر عقوبت کی طرف بھی ہو سکتی ہے، اور اُس مسخ شدہ اُمت کی طرف بھی۔ ماحصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ ای جعلنا تلک العقوبۃ (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) یعنی بہ فجعلنا الامۃ التی اعتدت فی السبت (ابن جریر) نَکَالًا۔ نکال وہ سخت سزا ہے جو دوسروں کے لیے باعث عبرت ہو۔ ای عبرۃ تنکل المعتبر بھا (بیضاوی) عبرۃ تنکل من اعتبر بھا (کشاف) مَا بَیْنَ یَدَیْھَا وَمَا خَلْفَھَا۔ ما دونوں جگہ مَنْ کے معنی میں آیا ہے یعنی ما کا استعمال جاندار، صاحب عقل مخلوق کے لیے ہوا ہے۔ مَا بَیْنَ یَدَیْھَا معاصرین کے معنی میں ہے اور مَا خَلْفَھَا بعد کے آنے والوں کے معنی میں۔ ما بین یدیھا ای معاصریھم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ما خلفھا ای مَنْ خلفھم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) بما

قبلها و بما بعدها من الامم والقرون (کشاف) بَیْنَ یَدَیْهَا اور خَلْفَهَا دونوں میں ضمیر ھا عقوبت کی طرف ہے۔ والضمیر ان للعقوبة (قرطبی) گویا سزا ایسی تھی کہ مدتوں تک نسلاً بعد نسلٍ اس کا چرچا رہے، اور لوگ اس کا تذکرہ سن سن کر ڈرتے اور لرزتے رہیں ف۲۳۲ یعنی تا کہ متقین کو اس واقعہ کی حکایت سے راہِ تقویٰ کی طرف ترغیب اور زیادہ ہو۔ یا یہ مراد لی جائے کہ نصیحت کو قبول کرنے والے اور اس سے فائدہ اٹھانے والے متقین ہی ہوں گے۔ صاحب روح المعانی نے یہاں یہ نکتہ اہل عرفان کے لیے لکھا ہے کہ اللہ نے عبادتوں کو خاص خاص ہیئت کے ساتھ خاص اوقات میں متعین کیا ہے۔ تا کہ طبعی ظلمتیں دُور ہوں سو جو شخص ان ہیئتوں کی رعایت نہیں کرتا اس کا نورِ استعداد ضائع ہو جاتا ہے اور وہ اصحاب سبت کی طرح مسخ کر دیا جاتا ہے۔ یعنی جس جانور کے اوصاف اس میں راسخ ہیں، اُنہیں کی طبیعت اس میں پیدا کر دی جاتی ہے۔ اگر چہ اس امت کے لیے مسخ صورت نہیں۔ پس انسان کو چاہیے کہ ادویہ شرعیہ کے ذریعہ سے اپنی انسانیت کو محفوظ رکھنے کی کوشش میں لگا رہے۔ چنانچہ بعض اہل کشف اس زمانہ میں ایسے بھی پائے گئے ہیں، جو انسان کو اسی حیوان کی شکل میں دیکھتے ہیں، جس کی صفت حیوانی اس پر غالب ہوتی ہے۔ مثلاً جس میں ظلم و شقاوت غالب ہوتی ہے، اُسے آتا ہوا دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں کہ بھیڑیا آ رہا ہے۔ یا جس پر حرام خوری کی گندگی غالب ہوتی ہے اُسے دیکھ کر یوں بول اُٹھتے ہیں کہ سؤر چلا آ رہا ہے۔ اور اس قسم کا کشف تکوینی صرف اہل حق و مقبولین کے ساتھ مخصوص نہیں ف۲۳۳

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہیں اللہ حکم دیتا ہے

اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ

کہ ایک گائے ذبح کرو ف۲۳۳ وہ بولے آپ ہم سے ہنسی کر رہے ہیں کیا؟ ف۲۳۴

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۶۷﴾

موسیٰ نے کہا خدا مجھے اس سے پناہ میں رکھے کہ میں جاہلوں میں ہو جاؤں ف۲۳۵

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا هِیَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ

وہ بولے ہماری طرف سے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ کیسی ہو ف۲۳۶ کہا کہ وہ

یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ

فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو نہ بن بیائی (بلکہ) دونوں عمروں کے

بَیْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ

درمیان ہو ف۲۳۷ سو (اب) کر ڈالو جو کچھ تمہیں حکم ملا ہے وہ بولے ہماری طرف

لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ

سے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہے ف۲۳۸۔ کہا کہ وہ

یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ

فرماتا ہے کہ گائے خوب گہرے زرد رنگ کی ہو ف۲۳۹ دیکھنے والوں کو اچھی معلوم

النّٰظِرِیْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ لَّنَا

ہوتی ہو ف۲۴۰ وہ بولے اپنے پروردگار سے ہماری طرف سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ

مَا هِیَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَیْنَا ؕ وَ اِنَّاۤ اِنْ شَآءَ

وہ (اور) کیسی ہو؟ اس لئے کہ گائے میں ہمیں اشتباہ پڑ گیا ہے ف۲۴۱ اور اللہ نے چاہا تو ہم ضرور

اسرائیلیوں میں ایک واقعہ قتل کا ہو گیا تھا اور قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ ذبح گاؤ کا حکم اسی سلسلہ میں ملا۔ اس کی کچھ تصریح اگلے رکوع میں آ رہی ہے۔ یہ زمانہ وہ ہے کہ صدیوں تک مصر میں اور مصر والوں کے درمیان رہتے رہتے بہت سے مشرکانہ رسوم توحید کے علمبردار اسرائیلیوں میں پھیل چکے ہیں۔ اور گائے کی عظمت بلکہ تقدیس ان کے دلوں میں رچ چکی ہے۔ ہندوستان کی طرح مصر میں بھی گائے کی تقدیس مشرکانہ مذہب کا ایک جزو تھی۔ توریت میں اسرائیلیوں کو ذبح گاؤ کا حکم خاص خاص قیدوں اور شرطوں کے ساتھ بار بار ملا ہے۔ مثلاً ”بنی اسرائیل کو کہو کہ ایک لال گائے جو بے داغ اور بے عیب ہو اور جس پر کبھی جوا نہ رکھا گیا ہو، تجھ پاس لائیں۔ تم اسے الیعزر کاہن کو دو کہ اسے خیمہ گاہ سے باہر لے جائے اور وہ اس کے حضور ذبح کی جائے“۔ (گنتی۔ ۱۹: ۲) ”جو شہر مقتول سے زیادہ نزدیک ہے، اسی شہر کے بزرگ سے ایک بچھیا لیں جس سے ہنوز کچھ خدمت نہ لی گئی ہو اور جوئے تلے نہ آئی ہو اور اس شہر کے بزرگ اس بچھیا کو ایک بیہڑ وادی میں جو نہ جوتی گئی ہو نہ اس میں کچھ بویا گیا ہو، لے جائیں اور اس وادی میں اس بچھیا کی گردن کاٹیں۔“ (استثناء ۲۱: ۳ و ۴) بقرة۔ اصلاً صرف گائے کے لیے ہے، اور ثور کا مؤنث ہے۔ قیل للذكر ثور (راغب) البقرة اسم للانثی والثور اسم للذكر (قرطبی) لیکن بعض مفسرین نے اسے گائے اور بیل دونوں کے لیے عام رکھا ہے اور یہاں اس سے بیل مراد لی ہے ف۲۳۴ بنی اسرائیل ”گئو ماتا“ کے احترام و تقدیس کے جذبہ سے سرشار تھے۔ یقین ہی نہ آیا کہ ایسے مقدس و محترم جانور کے ذبح کر ڈالنے کا حکم ملا ہو گا۔ بس یہی سمجھے کہ حضرت موسیٰ ہنسی اور تفنن طبع کی راہ سے کہہ رہے ہیں ف۲۳۵ (اور احکام خداوندی کی پیام رسانی میں ہنسی دل لگی سے کام لینے لگوں) جاهلین۔ جہل کے لغوی معنی ہیں کسی کام کو اس کے برخلاف ادا کرنا جو اس کے ادا کرنے کا حق ہے۔ الجهل فعل الشئ بخلاف ما حقه ان یفعل (راغب) اللہ کی طرف سے پیام گڑھ لینے کی جسارت وہی کر سکتا ہے جو خود اللہ تعالیٰ سے غافل و جاہل ہو۔ انما یكون ذٰلك من الجهل بالله تعالیٰ (بحر) یا وہ کر سکتا ہے جو امور دینی میں استہزاء کے نتائج و عواقب سے بے خبر ہو۔ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ بما فی الاستهزاء فی امر الدین من العقاب الشدید (کبیر) فقہاء و مفسرین نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ دین و معظمات دین کے ساتھ استہزاء حکم جہل اور گناہِ عظیم میں داخل ہے اور اس کا مرتکب مستحق وعید ہے۔ و فی الاٰیة دلیل علی منع الاستهزاء بدین الله و دین المسلمین و من یجب تعظیمه وان ذٰلك جهل و صاحبه مستحق للوعید (قرطبی) یدل علی ان الاستهزاء من الكبائر العظام (کبیر) لیکن ساتھ ہی یہ ضروری تصریح بھی کر دی ہے کہ مزاح یا خوش طبعی کو استہزاء یا تمسخر سے کوئی مناسبت نہیں۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ خوش طبعی تو خود رسول اللہ ﷺ اور ائمہ دین میں برابر رائج رہی ہے۔ ولیس المزاح من الاستهزاء بسبیل الا ترى ان النبی صلی الله علیه وسلم كان یمزح والائمة بعده (قرطبی) والفرق بین الهُزء والمزاح ظاهر فلاینا فی وقوعه من الانبیاء (روح) اور مفسر قرطبی نے اس سلسلہ میں ابن خویز منداد کے حوالہ سے شہر کوفہ کے قاضی (جج) کی ایک دلچسپ حکایت بھی نقل کی ہے ف۲۳۶ (بہ لحاظ عمر) مَا هِیَ سے مراد بیان حقیقت نہیں۔ مقصود توضیح مزید ہے ف۲۳۷ یعنی نہ ایسی بوڑھی ہو نہ بالکل بچہ۔ فَارِضٌ وہ ہے جس کے بچہ جننے کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہو۔ بِكْرٌ وہ ہے جس نے ابھی بچہ جنا ہی نہ ہو۔ الفارض المسنة التی لا تلد والبكر الفتیة التی لم تلد قط (معالم) یہیں سے خیال ہوتا ہے کہ بقرۃ سے مراد بیل نہیں گائے ہی ہے۔ عَوَانٌ کے معنی درمیانی سن رکھنے والی۔ العوان المتوسط بین السنین (راغب) ف۲۳۸ اہل مصر بیل کی تقدیس کے باوجود اسے قربانی میں بھی چڑھایا کرتے تھے۔ مگر قربانی کے بیل میں بڑی بال کی کھال نکالا کرتے تھے۔ اس کا رنگ یکسر سفید ہو، اس کے جسم بھر پر بال ایک بھی سیاہ نہ ہو، دُم بالکل صحیح اور طبعی حالت میں ہو، کوئی داغ دھبہ نہ ہو۔ غرض طرح طرح کی قیدیں اور شرطیں تھیں۔ یہ سب پوری ہولیتیں جب کہیں جا کر قربانی

اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ

راہ پا جائیں گے ف۲۴۲ کہا کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے

لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَ لَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ

محنت کرنے والی نہ ہو جو زمین کو جوتتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو ف۲۴۳

مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ

اس میں (کوئی) داغ (دھبہ) نہ ہو ف۲۴۴ وہ بولے اب آپ ٹھیک

بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَ مَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَ اِذْ

پتہ لائے ف۲۴۵ پھر انہوں نے اسے ذبح کیا، اور وہ ایسا کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے ف۲۴۶ اور (وہ وقت یاد کرو) جب

قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا

تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا، ف۲۴۷ پھر تم آپس میں اس باب میں جھگڑنے لگے، ف۲۴۸ اور اللہ کو وہ ظاہر کر دینا تھا

كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ

جسے تم چھپا رہے تھے ف۲۴۹ تو ہم نے کہا کہ اس (میت) پر اس (گائے) کا کوئی ٹکڑا مارو ف۲۵۰

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

یوں ہی اللہ مُردوں کو زندہ کرے گا، ف۲۵۱ اور وہ تم کو اپنی نشانیاں ف۲۵۲ دکھاتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ

تاکہ تم عقل سے کام لو ف۲۵۳ اس پر بھی تمہارے دل اس کے

بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ

بعد بھی سخت ہی رہے، ف۲۵۴ چنانچہ وہ مثل پتھر کے ہیں، بلکہ سختی میں ان سے بھی بڑھ کر ف۲۵۵ اور

مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ

پتھر تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس سے دریا پھوٹ نکلتے ہیں ف۲۵۶ اور

ع ۸

کی نوبت آتی۔ اسرائیلیوں نے جو اتنی موشگافیاں کیں، عجب نہیں کہ مصریوں ہی کی صحبت کا اثر ہو ف۲۳۹ یعنی رنگ خوب شوخ کھلتا ہوا ہو۔ فلسطین وسینا کی بعض گائیں یقیناً اس رنگ کی ہوتی ہوں گی۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ اہل کشف خود نفس کو بھی زرد ہی رنگ کا بتاتے ہیں۔ اور صوفیہ نے جو نفس کو اس گائے سے تشبیہ دی ہے تو اس سے وہ مشابہت اور بڑھ جاتی ہے ف۲۴۰ یعنی وہ گائے خوش نما، خوش منظر، خوش رنگ ہو۔ بدرنگ، بدنما، بدمنظر نہ ہو ف۲۴۱ یعنی ذرا اور متعین ومحدود کیجئے، اور اس کی اور خصوصیات بیان کیجئے۔ اس حلیہ اور اس رنگ کی گائیں تو بہت سی ہیں ف۲۴۲ (گائے تک اور اسے ضرور ذبح کر کے رہیں گے) ای الی عین البقرة المامور بذبحها (بحر) ف۲۴۳ ہندوستان میں عام رواج صرف بیل سے کاشتکاری کا کام لینے کا ہے، گائے سے نہیں۔ لیکن دوسرے ملکوں میں یہ کام گائے سے بھی لیا جاتا ہے ف۲۴۴ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۳۸۔ ف۲۴۵ یعنی مفصل وپورا پتہ تو اب بتایا ہے ف۲۴۶ یعنی ان کی مسلسل موشگافیوں سے تعمیل حکم بعید ہی معلوم ہوتی تھی ف۲۴۷ (اپنے ہی میں سے) "تم نے" یعنی تم میں سے کچھ لوگوں نے۔ ذکر بنی اسرائیل ہی کا بدستور چل رہا ہے۔ یہاں بھی اشارہ ان کی قومی تاریخ ہی کے کسی واقعہ کی طرف ہے لیکن اس خاص واقعہ کی تعیین کے لیے یہود کے ذخیرۂ تاریخ وروایات میں بہت زیادہ گھسنے اور کرید کرنے کی ضرورت ہے۔ انشاء اللہ کوئی آئندہ مفسر ہمت کر کے اس فرض کو ادا کرے گا۔ ف۲۴۸ (اور ایک دوسرے پر الزام رکھنے لگے) یعنی اصل قاتل کا پتہ نہیں لگ رہا تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ قاتل فلاں ہے اور کوئی کہتا کہ فلاں۔ ایک دوسرے پر الزام لگا رہے تھے۔ فَادّٰرَءْتُمْ۔ درء کے معنی جھگڑنے کے بھی ہیں اور دفع کرنے کے بھی۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دفع کرنے ہی کے معنی میں آیا ہے۔ مثلاً فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ۔ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ۔ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ، یہاں ادّارئتم (بروزن اِفّا علتم) سے مراد آپس میں جھگڑنے اور ایک دوسرے پر الزام ڈالنے سے ہے۔ ای ینفی کل واحد منکم القتل عن نفسه ویضیفه الی غیره (کبیر) اختلفتم واختصمتم فی شانها (کبیر) ف۲۴۹ یعنی اصل قاتل کا پتہ۔ رکوع سابق میں جو حکم ذبح گاؤ کا ملا ہے، وہ جیسا کہ مفسرین کا خیال ہے، شاید اسی موقع کے لیے تھا۔ ف۲۵۰ تفصیلات کا علم تو عالم الغیب کو ہے۔ البتہ اتنا پتہ تو یہود کے قانونِ شریعت (توریت) کے مطالعہ سے بہر حال چلتا ہے کہ قتل کے موقع پر جب قاتل کی تحقیق ہو رہی ہو، چند خاص شرائط کی پابندی کے ساتھ ایک جوان گائے کو جس سے کوئی خدمت نہ لی گئی ہو، ذبح کیا جاتا تھا۔ اور اس کے لاشہ پر بزرگانِ قوم ایک خاص طریق پر دعا کر کے خون کے گناہ سے اپنی بخشائش چاہتے تھے۔ کتاب استثناء کے باب ۲۱ میں آیات ۱۔۹ میں تفصیلات درج ہیں۔ یہاں صرف چند سطریں نقل کی جاتی ہیں:۔ "اگر اس سرزمین میں جس کا خداوند تیرا خدا تجھے ارشاد کرتا ہے، کسی کی لاش کھیت میں پڑی ہوئی ملے اور معلوم نہ ہو کہ اس کا قاتل کون ہے، تب تیرے بزرگ اور تیرے قاضی باہر نکلیں اور ان بستیوں تک جو مقتول کے گرداگرد ہیں، درمیان کو ناپیں۔ اور یوں ہوگا کہ جو شہر مقتول سے زیادہ نزدیک ہے اسی شہر کے بزرگ ایک بچھیا لیں جس سے ہنوز کچھ خدمت نہ لی گئی ہو، اور جوئے تلے نہ آئی ہو...... اور ہاں اس وادی میں اس بچھیا کی گردن کاٹیں...... پھر اس شہر کے سارے بزرگ جو مقتول سے نزدیک ہیں اس بچھیا کے اوپر جو اس وادی میں گردن ماری گئی ہے اپنے ہاتھ دھوئیں اور جواب دے کے کہیں کہ ہمارے ہاتھوں نے یہ خون نہیں کیا۔ نہ ہماری آنکھوں نے دیکھا"۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ مقتول زندہ ہو گیا تھا اور قاتل کا نام اور پتہ بتا کر پھر مر گیا۔ واللہ اعلم ف۲۵۱ (قیامت کے دن) جعل تبارک و تعالیٰ ذلک الصنیع حجة لهم علی المعاد (ابن کثیر) قرآن مجید نے اپنی عام خصوصیت یعنی خاص سے عام کی تعلیم کی یہاں بھی نہ چھوڑی۔ اور ایک جزئی واقعہ سے اپنی قدرت اور امکانِ بعث ہی کا پہلو نمایاں کیا ف۲۵۲ (اور نمونے اپنی قدرتِ کاملہ اور اختیارِ مطلق کے) ف۲۵۳ (اور کم از کم، اس نظیر کے مشاہدہ کے بعد امکانِ بعث اور وقوعِ قیامت کے انکار سے تو باز آجاؤ) ف۲۵۴ یعنی قبول کی طرف ذرا نہ مائل ہوئے۔ ثُمَّ۔ یہاں استبعاد کے لیے ہے، یعنی جو نتیجہ نہ نکلنا چاہیے تھا وہ نکلا۔ ثم لاستبعاد القسوة بعد مشاهدة ما یزیلها (ابوسعود) مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ۔ اس تصریح نے اس استبعاد کو اور زیادہ قوی وشدید کر دیا۔ مؤکد للاستبعاد اشد تاکیدا (جمل) ف۲۵۵ (عدم قبولِ حق کے باب میں) اسرائیلی صحیفوں میں بھی یہ مضمون بار بار آیا ہے۔ مثلاً "وہ تربیت پذیر نہ ہوئے۔ انہوں نے اپنے چہرہ کو چٹان سے سخت تر بنایا۔ انہوں نے پھرنے سے انکار کیا ہے" (یرمیاہ۔ ۵:۳) "سارے اہل اسرائیل بے حیائی کی پیشانی رکھتے اور سنگدل ہیں"۔ (حزقیل ۳:۷) اَوْ۔ یہاں "یا" کے معنی میں نہیں، بلکہ "بلکہ" کے معنی میں ہے۔ کلمة او بمعنی بل (کبیر) او بمعنی بل (جمل) یہ بھی کہا گیا ہے کہ او یہاں بطور کلمۂ اباحت آیا ہے۔ یعنی خواہ انہیں پتھر سمجھو یا پتھر سے بھی بڑھ کر سخت دونوں باتیں صحیح ہیں۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ اَوْ کو کلمۂ تنویع قرار دیا جائے اور آیت کے معنی یہ کیے جائیں کہ ان کے قلوب دو قسم کے ہیں۔ کچھ تو پتھر جیسے سخت، اور کچھ اس سے بھی زیادہ سخت۔ فالمعنی هم فرقتان فیهم من قلبه کالحجر، فیهم من قلبه اشد من الحجر (قرطبی) کان قلوبهم علی قسمین قلوب کالحجارة قسوة و قلوب اشد قسوة من الحجارة (بحر) او للتنویع ای بعض کالحجارة و بعض اشد (روح) ف۲۵۶ (اور ان سے ایک عالم سیراب ہوتا ہے) اس قسم کے پتھروں کی مثال انسانی آبادی میں حضرات انبیا ورسل ہیں۔ ان کے چشمۂ فیض سے ایک عالم اپنی رُوحانی پیاس بجھاتا اور سیراب ہوتا رہتا ہے

و۲۵۷ (اور ان سے بھی کسی درجہ میں اللہ کی مخلوق سیراب ہوتی رہتی ہے) اس نوعیت کے پتھروں کی مثالیں اولیاء امت اور ابرار و متقین ہیں کہ ان سے بنی الناسوں کا ایک بڑا طبقہ فیضیاب ہوتا رہتا ہے و۲۵۸ (اور اس طرح خود اپنے تاثر کا ثبوت بہم پہنچاتا رہتا ہے) اس طرح کے پتھروں کی مثال عام مومنین صالحین ہیں کہ دوسروں کی اصلاح وہدایت اگر نہ کر سکیں جب بھی اپنا ایمان تو سلامت لے ہی جاتے ہیں اور اپنے قبول حق کا ثبوت تو دے ہی جاتے ہیں۔ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ اُوپر سے ذکر پتھروں ہی کا چلا آ رہا ہے پتھروں کا جمود تو مسلم اور اُن کی قساوت تو مشاہد ہے۔ پھر اُن میں خشیت اللہ کا گزر کیسے اور ہیبت الٰہی کا اثر کیونکر؟ اہل سنت کا ایک گروہ کہتا ہے کہ خشیت الٰہی کا یہ اثر پتھروں میں اپنے حقیقی اور لفظی معنوں میں ہے۔ یعنی بعض پتھروں میں گداز کا جزو ہوتا ہے۔ گو ان کے مرتبہ جمادی کے مطابق۔ اور ان میں فہم وادراک کی قوتیں ہوتی ہیں گو ان کی سطح حجری کے متناسب۔ جیسے طور کہ آخر پہاڑ ہی تھا لیکن تجلی الٰہی کے وقت جلالتِ ربانی سے چور چور ہو گیا۔ ذٰلک بان الله جل ذکره اعطٰی بعض الحجارة المعرفة والفهم (ابن جریر) قیل المرادبه حقیقة الخشیة (مدارک) مذهب قوم وهو المروی عن مجاهد وغیره انها هنا حقیقة (روح) مذهب اهل السنة والجماعة انّ لِلّٰه تعالٰی علما فی الجمادات وسائر الحیوانات سوی العقلاء لا یقف علیه غیر الله فلها صلوٰة و تسبیح و خشیة (معالم) لیکن ایک دوسرا گروہ کہ وہ بھی اہل سنت ہی کا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ

مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ

کوئی ان میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ پھٹ جاتا ہے اور اس میں سے پانی نکلتا ہے و۲۵۷ اور کوئی

مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

ان میں سے ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ کی ہیبت سے نیچے آ گرتا ہے و۲۵۸ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو، اللہ اس سے

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ

بے خبر نہیں و۲۵۹ تو کیا تم اس کی توقع رکھتے ہو و۲۶۰ کہ وہ لوگ تمہارے (کہنے سے) ایمان لے آئیں گے و۲۶۱

وَ قَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ

درانحالیکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اللہ کا کلام سنتے ہیں،

ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ

پھر اسے کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں، بعد اس کے کہ اسے سمجھ چکے ہیں، اور وہ اسے (خوب) جانتے

يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ

بھی ہیں و۲۶۲ اور جب وہ ان سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں و۲۶۳

وَ اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ

اور جب آپس میں تنہا ہوتے ہیں و۲۶۴ تو کہتے ہیں کہ ارے کیا تم انہیں وہ بتا دیتے ہو

بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ

جو خدا نے تم پر منکشف کیا ہے و۲۶۵ جس سے وہ تمہیں تمہارے پروردگار کے حضور میں قائل کر دیں گے و۲۶۶

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَ لَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

سو کیا تم نہیں سمجھتے؟ و۲۶۷ کیا یہ (اتنا بھی) نہیں جانتے کہ اللہ کو اس کی بھی خبر ہے

مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَ مِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ

جسے یہ چھپاتے ہیں، اور اس کی بھی جسے یہ جتلاتے ہیں؟ و۲۶۸ اور ان میں اَن پڑھ (بھی) ہیں

خشیت سے یہاں مراد محض خشیت مجازی یا انقیادِ تکوینی ہے۔ عقل، فہم، شعور وارادہ سے اس کا تعلق نہیں۔ لیکن بہرحال طبعی واضطراری طور پر تو موجودات کا ایک ایک ذرّہ قوانینِ الٰہی کے تابع ہی ہے۔ اسی کو یہاں مجازاً خشیت الٰہی سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ جیسے خود محاورۂ قرآنی ہی میں ایک دوسری جگہ ارادہ کو بے جان و بے روح دیوار کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ (کہف) حالانکہ سب جانتے ہیں کہ دیوار میں کوئی قوت نہ ارادہ کی ہوتی ہے نہ خواہش کی۔ انما ارید بذٰلک انه من عظم امر الله یرٰی کانه هابط خاشع من ذلّ خشیة الله (ابن جریر) قیل هو مجاز عن انقیادها لامر الله (مدارک) والخشیة مجاز عن الانقیاد (بیضاوی) قال قوم ان الخشیة مجاز عن انقیاد لامر الله (روح) دونوں گروہ اہل حق ہی کے ہیں اور دونوں تفسیریں اپنی اپنی جگہ درست ہیں و۲۵۹ خدائے تعالیٰ نہ بے علم و بے خبر ہے، نہ بے طاقت و بے اختیار ہے۔ اور اس کے علم وطاقت دونوں کا حال عنقریب منکشف اور مشاہد ہو کر رہے گا و۲۶۰ (اے مسلمانو! اسرائیلیوں کی ان ساری بدکرداریوں کی رُوداد سننے کے بعد بھی) خطاب اس آیت میں اسرائیلیوں سے نہیں مسلمانوں سے ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تابعی کا قول ہے کہ اس کے مخاطب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین ہیں (کبیر) قال القاضی و هٰذا التی بالظاهر (کبیر) یرید محمدًا و اصحابه (معالم) اَفَتَطْمَعُوْنَ میں جو ہمزۂ استفہامی ہے، اس کا مقصود استبعاد ہے یعنی بھلا ایسا بھی کہیں ہو سکتا ہے؟ الهمزة لانکار الواقع استبعاده (ابو سعود) الاستفهام لاستبعاد او للانکار التوبیخی (روح) تطمعون۔ طمع کے عام معنی لالچ کرنے، حرص رکھنے کے ہیں۔ لیکن دوسرے معنی امید و توقع کے بھی ہیں۔ اور وہی یہاں مراد ہیں۔ طمع فیه و به ای حرص علیه ورجاه (لسان) اَفْتَرجوا یا محمدً (ابن عباس رضی اللہ عنہما) مترجم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ فارسی میں "امید" سے اور مفسر تھانوی نے اُردو میں "توقع" سے کیا ہے و۲۶۱ "وہ لوگ" یعنی عہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر یہود جن کی قساوت قلب کی اتنی مفصل ومسلسل سرگزشت ابھی بیان ہو چکی۔ هم الیهود الذین کانوا فی زمن رسول علیه السلام (کبیر) لَكُمْ۔ یعنی تمہاری خاطر سے، تمہارے کہنے سے، تمہاری دعوت پر۔ ای لاجل دعوتکم و یستجیبوا لکم (کشاف) لام السبب ای یؤمنوا لاجل دعوتکم لهم (بحر) و۲۶۲ (کہ کیسی سخت جسارت کر رہے ہیں) وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ۔ كَانَ کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، اور لغت ونحو دونوں اس کی اجازت دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک ایسا فریق تھا اسرائیلیوں کے درمیان۔ گویا ذکر ماضی کا اور یہود معاصرین کے اسلاف کا ہو رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک ایسا فریق رہا ہے اُن کے درمیان۔ یعنی ذکر حال کا اور ہمعصر یہود کا ہو رہا ہے۔ ائمہ تفسیر سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں۔ لیکن سیاق دوسرے معنی کے زیادہ موافق ہے۔ کہ حجت معاصرین ہی پر قائم کی جا رہی ہے، اور ملزم انہیں کو قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ المراد بالفریق من کان فی زمان محمد علیه الصلوٰة والسلام و هٰذا اقرب (کبیر) كَلٰمَ اللّٰهِ۔ یعنی یہود کے آسمانی صحیفے۔ اپنے ہاں کے صحیفوں کی تحریف یہود کو خود مسلم رہی ہے۔ یرمیاہ نبی اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:۔ "تم نے زندہ خدا، رب الافواج، ہمارے خدا کی باتوں کو بگاڑ ڈالا ہے۔" (یرمیاہ۔ ۲۳: ۳۷) قرآن مجید کی اعجازی کامیابیوں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اب خود یہود بھی اپنے آسمانی صحیفوں کی تنزیل لفظی کے قائل نہیں رہے ہیں۔ اور ان کے علماء واکابر اب صاف صاف اقرار کر رہے ہیں کہ صرف مضامین ومطلب کا القاء ہمارے انبیاء واصفیاء کے قلب صافی پر ہوتا تھا، اور وہ حضرت انہیں الہاماتِ معنوی کی روشنی میں اپنے لفظ وعبارت میں نوشتے تیار کر دیتے تھے۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ۔ یعنی نادانستگی میں نہیں۔ دیدہ دانستہ، سب کچھ جان لینے، سمجھ لینے کے بعد۔ و۲۶۳ اب ذکر منافقین یہود کا شروع ہو رہا ہے۔ یہود کی ایک تعداد تو مدینہ میں علانیہ دشمن اسلام تھی ہی۔ لیکن کچھ ان کے علاوہ اس قماش کے بھی تھے کہ مسلمانوں کے سامنے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے تھے۔ یہ ذکر انہیں منافقین کا ہے۔ یعنی المنافقین من الیهود (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) و۲۶۴ یعنی یہ دیکھ لیتے

لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِيَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا

جو کتاب (الٰہی) کا کوئی علم نہیں رکھتے بجز جھوٹی آرزوؤں کے، اور یہ محض تخیلات میں

يَظُنُّوْنَ ۝۷۸ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ

پڑے رہتے ہیں و۲۶۹ سو (بڑی) خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جو کتاب (الٰہی) کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں،

ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ

پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے و۲۷۰ تاکہ اس سے قدرے قلیل

ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ

معاوضہ حاصل کریں و۲۷۱ سو خرابی ہے ان کے لئے اس کی بدولت جو وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں و۲۷۲

وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝۷۹ وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا

اور خرابی ہے ان کے لئے اس کی بدولت جو وہ حاصل کرتے ہیں و۲۷۳ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو تو دوزخ کی آگ

النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ

چھوئے گی بھی نہیں بجز چند گنے چنے دنوں کے و۲۷۴ آپ کہیے کیا تم

اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ

اللہ کے ہاں سے کوئی وعدہ پا چکے ہو، جو اللہ اب اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا؟ یا (یوں ہی) اللہ پر وہ جوڑ

عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً

رہے ہو جس کا علم تم نہیں رکھتے و۲۷۵ (نہیں) بلکہ اصل یہ ہے کہ جو کوئی بھی بدی اختیار کرے گا

وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور اس کا گناہ اس کو گھیر لے گا سو یہی لوگ اہل دوزخ

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۱ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ہیں، و۲۷۶ اس میں ہمیشہ پڑے رہنے والے و۲۷۷ اور جو لوگ ایمان لائیں

ہیں کہ آس پاس کوئی مسلمان تو نہیں سن رہا ہے۔ **و۲۶۵** یعنی وہ اسرار و تعلیمات جو تمہاری مقدس کتابوں اور آسمانی صحیفوں میں محفوظ ہیں۔ مثلاً آخری نبی کی بشارتیں اور علامتیں۔ یہود جب آپس میں ملتے، تو ایک دُوسرے کو قائل کرتے کہ تم اپنے ہاں کی پیشگوئیاں اور خاص تعلیمات مسلمانوں پر کیوں ظاہر کر کے خواہ مخواہ ان کے ہاتھ میں ہتھیار اپنے خلاف دے دیتے ہو۔ انہیں معلومات سے وہ ہمیں قائل کرتے ہیں۔ یہی دلائل وہ ہمارے تمہارے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ --- گویا یہ احمق یہ سمجھ رہے تھے کہ رسول ﷺ اسلام اور پیروانِ اسلام کو جو کچھ بھی علم ہو گا محض انہیں کے بتانے ہی سے ہو سکتا ہے، اور بس اس کے سوا ان پر علم و معلومات کے کل دروازے بند ہیں! یہ جہل مرکب بالکل اسی طرح کا تھا، جس میں آج سارا فرنگستان مبتلا ہے۔ یہ لوگ قرآن مجید پر جب تبصرہ کرنے بیٹھتے ہیں۔ تو اس مفروضہ کو بنیاد کار بنا لیتے ہیں، کہ اس میں جو کچھ بھی مذکور ہے وہ یہود کی توریت مروجہ، مسیحیوں کی انجیل مروجہ، اور اسی طرح کے دُوسرے انسانی ہی ذرائع سے ماخوذ و منقول ہے۔ اور اس کا تو کوئی امکان دُور کا بھی نہیں کہ اس میں کوئی غیبی امداد، وحی والہام کے قسم کی شامل ہو! لفظ اللہ اب تو ایک اسلامی اصطلاح ہے۔ لیکن پہلے بھی اس کا استعمال صرف اہل عرب کی زبان پر تھا، یہاں ایسے لوگوں کی زبان سے نقل ہوا ہے جو نہ مسلم تھے نہ عرب۔ اس لیے بجائے اسی کو بجنسہٖ لے آنے کے اس کا ترجمہ "خدا" درج کیا گیا **و۲۶۶** عِنْدَ رَبِّكُمْ کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اور آخرت میں تمہیں قائل کریں گے۔ چنانچہ ایک گروہ نے یہی معنی لیے ہیں۔ المراد يحاجوكم يوم القيمة (کبیر۔ عن الاصم) اے عندربكم يوم القيمة (جلالین) لیکن زیادہ لگتے ہوئے معنی یہ ہیں کہ اسی دُنیا میں تم پر حجت قوی قائم کردیں گے۔ اور عِنْدَ رَبِّكُمْ یہاں عِنْدِ اللّٰهِ کی طرح حجت قوی و معروف کے معنی میں ہے۔ اس لیے کہ اوّل تو یہود عالم آخرت کے پوری طرح قائل نہ تھے۔ دُوسرے وہاں حجت قائم کرنے کے لیے کسی ایسے ظاہری سہارے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہاں تو کشف حقائق از خود ہو کر رہے گا، اس لیے یہاں گویا احتجاج بہ کتاب اللہ کو عند اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور یہ امر قدیم ائمہ تفسیر کی عظمت پر بس کرتا ہے، کہ انہوں نے یہود کے عقائد متعلق بہ آخرت کا پورا علم رکھے بغیر بھی یہی پہلو اختیار کر لیا ہے۔ هو في كتاب الله هكذا و هو عندالله هكذا بمعنى واحد (کشاف) اے في حكم الله (کبیر۔ عن القفال) قيل هذا على اضمار المضاف اے عند كتاب ربكم (مدارک) ليحتجوا عليكم بما انزل ربكم في كتابه (بیضاوی) اے في كتابه و حكمه (روح) **و۲۶۷** (جو مسلمانوں کو اپنے رازوں سے اپنی زبان سے واقف کئے دیتے، اور ان کے ہاتھوں میں اپنے خلاف ہتھیار دیے دیتے ہو) اب جا کر اکابر یہود کی تقریر اپنے ہم قوموں سے ختم ہوئی **و۲۶۸** (اور وہی اللہ جب چاہے رسول ﷺ اور مومنین کو اطلاع دے سکتا ہے) موٹی سی بات ہے کہ اللہ کے لیے ایسے امور کی اطلاع اپنے پیمبر کو دے دینا مشکل ہی کیا تھا۔ لیکن بے مغز یہود اس امکان ہی کی طرف اپنا ذہن نہیں لے جاتے تھے کہ شاید اس مدعی نبوت کا تعلق خدائے تعالیٰ کے ساتھ واقعی کچھ ہو! ٹھیک اسی طرح جیسے آج بے مغز فرنگی اس امکان ہی کی طرف ذہن نہیں لے جاتے کہ کہیں قرآن انسانی تصنیف کے بجائے واقعی خدا ہی کی کتاب نہ ہو **و۲۶۹** (کہ "ہمارے بزرگ ہمیں بخشوا لیں گے"۔ "ہم خدا کے خاص محبوبوں کی اولاد ہیں ہمیں کیا غم"۔ وغیرہ) اشارہ اسی قسم کے خرافات عقائد کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ یہ ذکر عوام یہود کا ہے۔ یہ عوام کالانعام، پڑھے نہ لکھے، باپ دادا کی لکیر کے فقیر، اپنی دل کی گڑھی ہوئی آرزوؤں اور دل خوش کن روایتوں میں پڑے مست رہتے تھے۔ انجیل میں کہیں تو مسیح علیہ السلام کی زبان سے اور اس سے بڑھ کر پولوس کی زبان سے یہود کی انہیں باطل پرستیوں اور حماقت نوازیوں کا ذکر بار بار آیا ہے۔ اَمَانِيَّ۔ اُمنیة کی جمع ہے۔ ایک معنی تو یہ ہیں کہ محض اپنی آرزوؤں کو پالتے رہتے ہیں، جنہیں واقعیت و حقیقت سے اصلاً تعلق نہیں۔ اُمنية ماتخيله الانسان (کبیر) التمني في هذا الموقع هو تخلق الكذب و تخرصه (ابن جریر) دُوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ یہ جھوٹی روایتوں، بے ثبوت و بے سند خرافات میں پڑے رہتے ہیں۔ اور یہ معنی اکثر اکابر سے منقول ہیں۔ اكاذيب مختلفة سمعوها من علمائهم فنقلوها على التقليد (بحر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد و القراء) **و۲۷۰** پچھلی آیت میں ذکر عوام یہود کا تھا، اب ذکر خواص اکابر یہود کا ہے۔ توریت کی تحریف اب کوئی اختلافی یا نزاعی مسئلہ نہیں۔ دوست دشمن سب ہی کو اب تسلیم ہو چکا ہے کہ یہ کلامِ الٰہی نہیں اور اس کے دوست زیادہ سے زیادہ یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا رسیدہ انسانوں کی تصنیف ہے۔ کسی جامد سے جامد یہودی میں بھی اب یہ ہمت باقی نہیں کہ توریت کو قرآن مجید کی طرح تنزیل لفظی قرار دے۔ اب زیادہ سے زیادہ جو کہا جاتا ہے وہ یہ کہ خاصانِ خدا نے الہام خداوندی سے مشرف ہو کر اسے اپنے طور پر اور اپنی عبارت میں ترتیب و تالیف دیا۔ اور خدائے تعالیٰ کی جانب اس کا انتساب صرف مجازاً یا بالواسطہ ہے، حقیقی اور براہ راست کے مفہوم میں نہیں۔ پھر وقتاً فوقتاً جو تصحیفات ہوتی رہی ہیں، وہ بالفرض کسی مصلحت یا ضرورت ہی سے ہوئی ہوں، بہر حال نفس ان کے وقوع کا اعتراف کھلے خزانے سب کو ہے۔ اور بائبل کی تنقید Higher Criticism ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ جرمن، فرنچ، انگریزی وغیرہ میں چھوٹی بڑی صدہا بلکہ ہزار ہا کتابیں اس موضوع پر تیار ہو چکی ہیں، اور مقالات و مضامین کا تو شمار ہی نہیں۔ پھر فن بھی مختلف شاخوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ انتقادِ متن Textual Criticism انتقادِ تاریخی Historical Criticism وغیرہ اور ہر شاخ کے الگ الگ ماہرین پیدا ہو رہے ہیں --- کاش سید احمد خان مرحوم (اللہ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے) آج زندہ

ہوتے، اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے، کہ یہود ونصاریٰ کی طرف سے جس الزام کی صفائی خواہ مخواہ انہوں نے اپنے سر لے رکھی تھی، اس جرم کا اقبال اب کھلے لفظوں میں وہی لوگ کس کثرت سے کر رہے ہیں! یورپ اب جاکر چونکا ہے، اور یہ فن ابھی پچھلی صدی، انیسویں صدی سے پیدا ہوا ہے۔ عرب کے اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے کلام کا یہ اعجاز ہے کہ اُس نے تیرہ صدی پیشتر ہی اہل کتاب کی "کتاب" (جو لفظی ترجمہ ہے بائبل کا) کو تمامتر محرف و ناقابل اعتماد قرار دے دیا تھا! اللہ کا لفظ یہاں بھی یہود کی زبان سے ادا ہوا ہے، اس لیے ترجمہ یہاں 'خدا' سے کیا گیا **۲۷۱** امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آیت کے اندر دو حقیقتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک یہود کی انتہائی شقاوت قلب کی جانب کہ کلام ربانی تک میں تحریف سے نہ چوکے۔ دُوسرے اس امر کی طرف کہ اس تحریف سے بھی مقصود کوئی خدمت دین نہ تھی، تمامتر تحصیل جاہ ومال ہی تھی۔ ثَمَنًا۔ ثمن کے معنیٰ صرف نقد یا زر قیمت کے نہیں، بلکہ جو چیز بھی کسی چیز کے معاوضہ میں حاصل ہو وہ اس کی ثمن ہے۔ کل ما یحصل عوضا عن شیٔ فھو ثمنہ (راغب) مفسرین نے بھی اسے یہاں اسی وسیع مفہوم، یعنی مطلق دنیوی معاوضہ کے معنیٰ میں لیا ہے۔ الثمن ھنا ھو عرض الدنیا (بحر) قَلِيْلًا۔ کلامِ ربانی کی تصحیف و تحریف جیسے شدید و عظیم جرم سے جو بھی مادّی نفع، کسی قسم کا بھی حاصل ہوگا، ظاہر ہے کہ وہ حقیر و بے وقعت ہی ہوگا۔ بعض خشک اہل ظاہر نے آیت کے ظاہر الفاظ پر جاکر یہ فتویٰ دے دیا ہے کہ قرآن مجید کی خرید وفروخت دونوں ناجائز ہیں۔ لیکن مذہب صحیح یہ ہے کہ دونوں بالکل جائز ہیں۔ بیع وشرا یہاں جو کچھ بھی ہوتی ہے، وہ کاغذ، کتابت وغیرہ کی ہوتی ہے، نہ کہ "ایات اللہ" کی۔ آیت سے اگر کوئی وعید لازم آتی ہے تو وہ جھوٹے مسئلہ بتانے والے اور موضوع حدیثیں بیان کرنے والوں کے حق میں ہے **۲۷۲** قرآنی اور اسلامی معیار صداقت و دیانت سے ہر تحریف اور ہر تصحیف موجب لعنت ہے اور حد سے بڑھی ہوئی جسارت۔ اور اسی لیے یہ بات مسلمانوں کی سمجھ میں آتی نہیں کہ کوئی شخص کسی کلام کو کلامِ الٰہی مان کر اس میں دخل و تصرف کی نیت کر کیسے سکتا ہے۔ لیکن دُوسری قومیں اس معیار ہی سے ناآشنا ہیں۔ بلکہ بعض اہل کتاب کے ہاں تو بھلائی کے لیے ہر برائی درست، اور "خدا کی سچائی" اور "خداوند کے جلال" کے اظہار کے لیے ہر جھوٹ جائز۔ آج دُنیا میں مسیحیت کے نام سے جو تثلیثی شرک پھیلا ہوا ہے، اس مذہب کے بانی پولوس صاحب Paul اسرائیلی ہوئے ہیں۔ آپ کا یہ مقولہ آج تک انجیل مروج میں لکھا چلا آرہا ہے:۔ "اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اُس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر کیوں گنہگار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے؟ اور ہم کیوں نہ برائی کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو؟" (رومیون۔ ۳:۷) **۲۷۳** (اپنی تحریفی جسارتوں سے) مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ سے مراد کیا ہے؟ یعنی وہ کیا چیز ہے جو وہ اپنی ان حرکتوں سے حاصل کرتے رہتے ہیں؟ اس کے دو جوابات دیے گئے ہیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے گناہوں کا ذخیرہ مراد ہے۔ یعنی وہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے اپنے معاصی ہی کا انبار بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ یقال من المعاصی (معالم) والمراد بذلک سائر معاصیھم (کبیر) دوسرے یہ کہ جو مالی نفع وہ اپنی غرضمندانہ تحریف اور (بقول خود) دروغ مصلحت آمیز سے حاصل کرتے ہیں وہ یہاں مراد ہے۔ یصیبون من الحرام والرشوۃ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای مما اکلوا بہ من السحت (ابن کثیر) المال الماخوذ علٰی ھذا الوجہ (کبیر) یرید بہ الرشی (بیضاوی) **۲۷۴** اور یہ چند دن وہی ہیں، جیسا کہ پادری راڈول نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں اکابر یہود کے حوالہ سے لکھا ہے، جن میں قوم اسرائیل گوسالہ پرستی میں مبتلا رہی تھی۔ یعنی کوئی ۴۰ دن۔ اور یہی بات ہمارے بعض ائمہ تفسیر نے بھی نقل کی ہے:۔ قد زار بعین یومًا التی عبد فیھا اٰباؤنا العجل (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اور ایک دُوسرے مسیحی مترجم قرآن 'سیل' نے یہ مدت گیارہ مہینہ یا ایک سال نقل کی ہے۔ اسی طرح ایک میعاد سات دن کی بھی نقل ہوئی ہے۔ بہرحال وہ تھی کوئی محدود و متعین مختصر ہی سی مدت۔ بلکہ بعض یہودی ماخذوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اسرائیل اپنے کو آتش دوزخ کی زد سے بالکل ہی باہر اور محفوظ سمجھ رہے تھے۔ چنانچہ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں یہ عقیدہ یوں نقل ہوا ہے:۔ "آتش دوزخ گنہگاران قوم یہود کو چھوئے گی بھی نہیں۔ اس لیے کہ وہ درِ جہنم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار کرلیں گے اور خدا کے پاس واپس آجائیں گے"۔ (جلد ۵ صفحہ ۵۸۳) اور یہود کے بڑے مقدس نوشتہ تالمود کے انتخابات کا جو مجموعہ انگریزی میں ڈاکٹر کوہن Kohen کا مرتب کیا ہوا Everyman's Library Series میں شائع ہوا ہے۔ اُس میں یوں آیا ہے:۔ "قیامت کے دن ابراہیم در دوزخ پر تشریف رکھتے ہوں گے اور کسی مختون اسرائیلی کو اس میں نہ گرنے دیں گے۔" (صفحہ ۴۰۴) "جہنم کی آگ اسرائیلی گنہگاروں پر کوئی قدرت نہیں رکھتی۔" (صفحہ ۴۰۵) حاصل یہ کہ بنی اسرائیل اپنی قوم کو خدا کی لاڈلی اور دُلاری سمجھے ہوئے تھے اور اس پر حد سے زیادہ نازاں تھے۔ یہود کی زبان سے اس سلسلہ میں "ہم" صیغۂ جمع متکلم جہاں جہاں بھی آیا ہے، اجتماعی معنیٰ رکھتا ہے۔ یعنی مراد قوم اسرائیل ہے **۲۷۵** یہود سے بطور حجت الزامی سوال ہو رہا ہے کہ یہ جو اپنی قوم کی محبوبیت خاصہ کا عذاب آخرت سے محفوظیت کا، عدم مسئولیت کا عقیدہ تم نے اپنے دل میں جما رکھا ہے۔ تو آخر یہ یوں ہی اپنے دل سے گڑھ لیا ہے، یا اس کی کوئی سند بھی اپنے مقدس نوشتوں میں دکھا سکتے ہو؟ آخر یہ اعتبار کہاں سے قائم کرلیا ہے؟ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ، قال کا صلہ جب علٰی کے ساتھ آتا ہے، تو معنیٰ ہوتے ہیں کسی پر کوئی بات جوڑ لی، کسی پر بہتان باندھ دیا۔ قال علیہ ای افترٰی (تاج) **۲۷۶** نجات وعدم نجات کا اصل قانون اب بیان ہو رہا ہے کہ اسے نسل و قوم سے کوئی واسطہ ہی نہیں اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ۔ قصد اَبدی کی راہ اختیار کرنا اور معصیت سے پوری طرح گھر جانا کہ خود ایمان کے لیے گنجائش ہی باقی نہ رہ جائے، صرف انہیں کے لیے ممکن ہے جو سرے سے اہل باطل ہوں۔ اور ان کی موت کفر اور بے دینی ہی پر آئے۔ مومن کیسا ہی بدعمل ہو بہرحال اس آیت کا مصداق تو نہ ہوگا۔ کم از کم زبان سے اقرار اور قلب سے تصدیق کا درجہ تو اسے حاصل ہی ہوگا۔ تمام اکابر اہل سنت نے یہاں مراد کفر ہی سے لی ہے۔ ای اشرک باللہ ومات علیہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) السیئۃ الکفر و الشرک قال ابن عباسؓ و مجاھد (بحر) المومنون لا یدخلون فی حکم ھذہ الاٰیۃ (معالم۔ عن الواحدی) فاما اذا مات مؤمنًا فاعظم الطاعات و ھو الایمان معہ فلا یکون الذنب محیطًا بہ فلا یتناولہ النصّ (مدارک)۔ بعض اہل باطل (معتزلہ وخوارج وغیرہ) نے آیت سے جو مومن عاصی کی عدمِ مغفوریت پر استدلال کرنا چاہا ہے، وہ صریحًا باطل ہے **۲۷۷** خلود کے معنیٰ اگرچہ مدتِ طویل کے بھی ہیں۔ لیکن اہل دوزخ اور اہل جنت کے سلسلہ میں جہاں جہاں اس لفظ کا استعمال قرآن مجید میں ہوا ہے، اہل سنت کا اجماع ہے کہ اس سے مراد دوام یا ہمیشگی ہے، اور اس کی تاکید و تائید میں قرآن مجید میں خٰلِدِيْنَ فِيْهَا کے ساتھ ساتھ جابجا اَبَدًا بھی آیا ہے۔ والمراد بالخلود الدوام (روح) ومن الناس من حمل الخلود علی اصل الوضع وھو اللبث الطویل لیس بشیٔ لان فیہ تھوین الخطب فی مقام التھویل مع عدم ملائمتہ حمل الخلود فی الجنۃ علی الدوام (روح) **۲۷۸** دونوں آیتوں میں نجات کا پورا قانون ایجاز و اختصار کے ساتھ آگیا کہ نجات کو نسل و قوم سے کوئی تعلق نہیں۔ جو کوئی اپنے قصد واختیار سے بدعقیدگی و بدکرداری کی راہ پر چلے گا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور جو کوئی اپنے قصد واختیار سے ایمان وعمل صالح کی روش کا انتخاب کرے گا، اس کی منزل جنت ہے۔ اُولٰٓئِكَ۔ فَاُولٰٓئِكَ۔ اُوپر کی آیت کے الفاظ تھے فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ۔ اور اس آیت میں ہیں اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ گویا ایک ہی قسم کا حکم لگانے میں ایک جگہ اُولٰٓئِكَ۔ ف کے ساتھ ہے۔ اور ایک جگہ بغیر ف کے۔ یہ فرق گو خفیف سا ہے اور لفظی بھی نہیں محض حرفی ہے، لیکن اتنا فرق بھی آخر کیوں؟ اہل تحقیق نے جواب میں کہا ہے کہ پہلا موقع وعید کا تھا اہل جہنم کے لیے اور وعید میں امکان خُلف وعید کا ہے، اس لیے اُس پر زور دیا گیا ہے۔ اور دوسرے موقع پر صرف وعدہ تھا اہل جنت سے، جس کے خُلف کا کوئی امکان ہی نہیں، اس لیے محض اُولٰٓئِكَ بغیر ف کے بالکل کافی تھا۔ اور دُوسرا جواب اس کے برعکس یہ بھی دیا گیا ہے کہ اہل نحو کہتے ہیں کہ اس فقرہ من دخل داری فاکرمہ میں اس کا امکان رہ جاتا ہے کہ گھر میں داخل ہونے والے کا اکرام نہ بھی کیا جائے۔ لیکن دُوسرے فقرہ من دخل داری اکرمہ میں اکرام کرنا یقینی ہو جاتا ہے۔ عدم اکرام کا احتمال نہیں باقی رہتا۔ اسی نمونہ پر قرآنی فقرے میں نیک کاروں کو جنت ملنا بالکل یقینی ہے (روح) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی جو ترتیب یہاں ہے، یہ قرآن نے ہر جگہ اور بڑی کثرت سے ملحوظ رکھی ہے۔ اور اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ گو عمل صالح اپنی جگہ پر نہایت اہم اور ضروری ہے، لیکن ایمان اس سے بھی اہم تر ہے، اور بغیر ایمان کے مجرد عمل صالح کے کوئی معنیٰ ہی نہیں۔ ایمان کی حقیقت نیت عمل اور فکر کی تصحیح ہے۔ اور قرآن مجید نے بالکل فطری ترتیب کے مطابق تصحیح فکر کو تصحیح عمل پر مقدم رکھا ہے۔ محض عمل، اگر نیت سے قطع نظر کرلی جائے، تو صرف صورتِ عمل رہ جاتا ہے۔ حقیقت عمل نہیں۔

و۲۷۹ (ان کے پیغمبروں کے واسطہ سے) عہد، جب اس کا تعلق خدائے تعالیٰ سے ہوتا ہے، محاورۂ توریت میں حکم کے معنیٰ میں آتا ہے۔ مثلاً ”اور اُس نے اپنا عہد تمہارے آگے بیان کیا جس پر عمل کرنے کا حکم بھی اُس نے تمہیں دیا۔ یعنی دس احکام“۔ (استثناء ۴: ۱۳) بعض شارحین قرآن نے بھی یہاں ’عہد لینے‘ کو ’حکم دینے‘ کے معنیٰ میں لیا ہے۔ اے امرنا بذٰلک (ابن قتیبہ) و۲۸۰ توریت اثباتِ توحید وممانعت شرک سے بھری پڑی ہے۔ صرف دو ایک مقام بہ طور نمونہ ملاحظہ ہوں:۔ ”میرے حضور تیرے لیے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لیے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو او پر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا۔ تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر“۔ (خروج۔ ۲۰: ۲۔۵) ”میرے آگے تیرا دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لیے تراشی ہوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے مت بنا۔ تو انہیں سجدہ نہ کر نہ ان کی بندگی کر“۔ (استثناء۔ ۵: ۷و۸) ”سن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے“۔ (استثناء۔ ۶: ۴) ”تم اور معبودوں کی قوموں کے معبودوں میں سے جو تمہارے آس پاس ہیں پیروی نہ کرو، کیونکہ خداوند تیرا خدا جو تمہارے درمیان ہے غیور خدا ہے۔ نہ ہو کہ خداوند تیرے خدا کے قہر کی آگ تجھ پر بھڑکے اور تمہیں روئے زمین سے فنا کردے“۔ (استثناء۔ ۶: ۱۴و۱۵) تَعْبُدُوْنَ۔ صورۃً صیغۂ مضارع ہے، لیکن معنیً امر ہے۔ هو اخبار فی معنی النهی (کشاف) بلکہ امر صریح سے بلیغ تر ہے۔ یعنی اس سے یہ نکلتا ہے کہ گویا اس حکم کی تعمیل ہو چکی۔ و هو ابلغ من صریح الامر والنهی لانه كانه سورع الى الامتثال (کشاف) هوا بلغ من صریح النهی لما فيه من ابهام ان المنهی سارع الى الانتهاء فهو يخبر عنه (بیضاوی) و۲۸۱ اس سے ملتے جلتے احکام توریت موجودہ میں اب بھی موجود ہیں:۔ ”تو اپنے ماں باپ کو عزت دے“۔ (خروج۔ ۲۰: ۱۲) ”اپنے باپ اور اپنی ماں کو عزت دے۔ جیسا خداوند تیرے خدا نے فرمایا ہے“۔ (استثناء ۵: ۱۶) ”اور اپنے مفلس بھائی کی طرف سے اپنے ہاتھ مت بند کیجیو۔ بلکہ تو اس پر اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو۔ اور کسی کام میں جو وہ چاہے بہ قدر اس کی احتیاج کے ضرور اس کو قرض دیجیو“۔ (استثناء۔ ۱۵: ۸و۹) ”اور مسافر اور یتیم اور بیوہ جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہیں۔ آویں اور کھاویں اور سیر ہوویں“۔ (استثناء۔ ۱۴: ۲۹) ”مسکین زمین پر سے کبھی جاتے نہ رہیں گے۔ اس لیے یہ کہہ کے میں تجھے حکم کرتا ہوں کہ تو اپنے بھائی کے واسطے اور اپنے مسکین کے لیے اور اپنے محتاج کے واسطے جو تیری زمین پر ہے اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو“۔ (استثناء۔ ۱۵: ۱۱) و۲۸۲ یعنی عام طور پر لوگوں سے حسن گفتار کو قائم رکھو۔ اے قُوْلُوْا لِلنَّاسِ مقالة حسنة (بحر) قولوا لهم القول الطيب (بحر۔ عن ابی العالیہ) بات چیت میں اچھی طرح پیش آتے رہنا سہل ترین اور ادنیٰ فریضۂ انسانیت ہے۔ اس لیے یہ حکم عام ہے۔ یعنی خوش خلقی سے سب ہی کے ساتھ پیش آتے رہنا چاہیے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس حکم کی تعمیم آیاتِ قتال سے منسوخ ہوگئی۔ لیکن حضرت ابو جعفر باقر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ حکم اب بھی عام ہے، تحدید و تخصیص پر کوئی دلیل نہیں، اور یہی مذہب قوی ہے۔ زعم ابو جعفر محمد بن علی الباقر ان هٰذا العموم باقٍ علی ظاهره وانّهٗ لا حاجة الى التخصيص وهٰذا هو الاقوى (کبیر) توریت موجودہ میں اب حسن سلوک کے جتنے بھی احکام ملتے ہیں ان کا دائرہ محدود ہے بنی اسرائیل کے ساتھ۔ اس لیے یا تو اس حکم کو اہل توریت نے بدل ڈالا۔ اور یا حکم ہے ہی خاص شریعت محمدی ﷺ کا حکم، جیسا کہ متعدد اہل تفسیر کا گمان ہے و۲۸۳ صلوٰۃ، اقامت صلوٰۃ، زکوٰۃ۔ اب یہ سب مخصوص اسلامی اصطلاحیں ہیں۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ اسرائیلیوں کو یہ سب احکام انہیں مخصوص ہستیوں اور انہیں تعیین قیود کے ساتھ ملے تھے۔ انہیں جو احکام ملے تھے، وہ تھے انہیں عبادتوں سے متعلق، لیکن اُن کی مخصوص بولی میں اور ان کے حالات و ماحول کے مطابق۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے اور دعا اور عبادت کی تاکید اب بھی توریت میں مختلف عنوانات سے موجود ہے۔ و۲۸۴ چند شہادتیں اسی مضمون کی خود توریت سے ملاحظہ ہوں:۔ ”وہ اس راہ سے جو میں نے انہیں فرمائی جلد پھر گئے“۔ (خروج۔ ۳۲: ۸) ”میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ ایک گردن کش قوم ہے“۔ (خروج، ۳۲: ۹) ”اس لیے کہ تم گردن کش لوگ ہو“۔ (خروج۔ ۳۳: ۳) ”بنی اسرائیل کو کہہ دو کہ تم گردن کش لوگ ہو“۔ (خروج۔ ۳۳: ۵) یہ چند حوالے صرف نمونہ کے طور پر دیئے گئے۔ ورنہ توریت کا تو یہ ایک خاص موضوع ہے۔ و۲۸۵ ”عہد لیا“ یہاں بھی ”حکم دیا“ کے معنیٰ میں ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۷۹ خونریزی کی ممانعت توریت مروجہ میں بھی متعدد مقامات پر ملتی ہے۔ مثلاً:۔ ”تو خون مت کر“ (خروج۔ ۲۰: ۱۳) ”بے گناہ کا لہو تیری زمین پر جسے خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے، بہایا نہ جائے کہ خون تجھ پر ہو“۔ (استثناء۔ ۱۹: ۱۰) و۲۸۶ یعنی ان احکام کی اطاعت کا اقرار تم نے صاف صاف کیا، جو آج تک تمہارے نوشتوں میں لکھا چلا آتا ہے، اور تمہیں اس سے مجالِ انکار نہیں۔ توریت میں ہے:۔ ”وہ بولے کہ سب کچھ جو خداوند نے فرمایا ہے ہم کریں گے اور تابع رہیں گے“۔ (خروج۔ ۲۴: ۷) و۲۸۷ یہود کے جو قبیلے عہد نبوی میں مدینہ اور جوار مدینہ میں آباد تھے، ان کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ باہم خانہ جنگیوں میں مصروف رہا کرتے تھے۔ مشرکین مدینہ دو بڑی ٹکڑیوں میں، آج کل کی ”مہذب“ فرنگی قوموں کی طرح بٹے ہوئے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ

اور نیک عمل کریں تو یہی لوگ اہل جنت ہیں اس میں

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ

ہمیشہ رہنے والے و۲۷۸ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل

اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَبِالْوَالِدَيْنِ

سے عہد لیا و۲۷۹ کہ عبادت نہ کرنا (کسی کی) بجز اللہ کے و۲۸۰ اور حسن سلوک سے پیش آنا

اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

(اپنے) ماں باپ سے اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے بھی) و۲۸۱

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا

اور لوگوں سے (بالعموم) بھلی بات کہنا، و۲۸۲ اور نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ

الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ

دیتے رہنا و۲۸۳ پھر تم (سب ان احکام سے) پھر گئے بجز تم میں سے (معدودے) چند کے، اور تم ہی ہو

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ

گردن کش و۲۸۴ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنوں کا

دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

خون نہ بہانا و۲۸۵ اور اپنے لوگوں کو اپنے وطن سے مت نکالنا

ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ

پھر تم نے اس کا اقرار کر لیا اور تم (اس کے) گواہ ہو و۲۸۶ پھر تم ہی

هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا

وہ ہو کہ اپنوں کو قتل بھی کرتے ہو، اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کے وطن سے

مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ؗ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ

نکال بھی دیتے ہو (اور) ان کے مقابلہ میں گناہ وظلم کے ساتھ (ان کے مخالفین کی) مدد بھی

وَالْعُدْوَانِ ؕ وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَ هُوَ

کرتے ہو و۲۸۷ اور اگر وہ تم تک اسیر ہوکر پہنچ جاتے ہیں تو تم انہیں فدیہ دیکر چھڑا لیتے ہو و۲۸۸ حالانکہ ان کا

مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ

(وطن سے) نکالنا ہی تم پر حرام تھا، و۲۸۹ تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ کو

الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ

مانتے ہو اور ایک حصہ سے انکار کرتے ہو؟ و۲۹۰ پس تم میں سے جو ایسا کرے

يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

اس کی سزا کیا ہے بجز دنیوی زندگی میں رسوائی کے؟ و۲۹۱

وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ

اور قیامت کے دن یہ سخت ترین عذاب میں ڈالے بھی

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۸۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

جائیں گے و۲۹۲ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے بے خبر نہیں و۲۹۳ یہی لوگ ہیں جنہوں نے

اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؗ فَلَا يُخَفَّفُ

دنیوی زندگی خرید لی ہے آخرت کے معاوضہ میں و۲۹۴ سو ان پر سے نہ عذاب

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۸۶ ؑ وَ لَقَدْ

ہلکا کیا جائے گا و۲۹۵ اور نہ انہیں مدد ہی پہنچے گی و۲۹۶ اور ہم نے

اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ؗ

موسیٰ کو کتاب عطا کی و۲۹۷ اور ان کے پیچھے ہم نے پے در پے پیمبر بھیجے و۲۹۸

ع ۱۰

ساتھ۔ اور پھر جنگ جب شروع ہو جاتی تو ظاہر ہے کہ وہ سب ہی کچھ ہوتا جو جنگ میں ہوا کرتا ہے۔ جلاوطنی اسرائیلی کا قتل اسرائیلی کے ہاتھ سے، وغیرہا --- یہاں عہد نبوی کے معاصر اسرائیلیوں کے یہی خصوصیات بے نقاب کیے جا رہے ہیں۔ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ یہ ٹکڑا بڑھا کر قرآن نے بتلا دیا کہ پھر یہ نہیں کہ اس خانہ جنگی اور مشرک نوازی کی بنیاد کسی جذبہ صادق وصحیح اور حسن نیت واخلاص پر ہو۔ بلکہ تمامتر جن اخلاقی گندگیوں میں دنیوی اہل سیاست عموماً مبتلا رہتے ہیں، اور مشرکین خاص طور پر مبتلا تھے، وہی ان محاربات کا باعث تھیں۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں آج بھی یہ درج ہے کہ جنگ بعاث مشرکین کی باہمی جنگ تھی۔ یہود اس میں فریقین کی جانب سے شریک ہو گئے اور نمایاں حصہ لیا۔ بنی نضیر اور بنی قریظہ نے اوس کا ساتھ دیا، اور بنی قینقاع خزرج کی حمایت میں نکل پڑے۔ جنگ نے طول کھینچا اور بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ بالآخر شکست خزرج کے فریق کو ہوئی (جلد ۸۔ صفحہ ۴۲۳) اسی انسائیکلوپیڈیا میں یہ تصریح بھی موجود ہے، کہ یہودی قبیلے مشرکین مدینہ کے ساتھ شادی بیاہ کرتے تھے۔ اور جنگ میں دونوں فریقوں کے شریک ہو جاتے تھے"۔ و۲۸۸ (اور اس کو اپنے نزدیک دینداری کا بڑا کارنامہ سمجھ کر اس پر فخر کرتے اور احسان جتاتے ہو) و۲۸۹ توریت محرف میں بھی آج تک اسی قسم کے احکام لکھے چلے آتے ہیں:۔ "تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر" (خروج۔ ۲۰: ۱۷) لیکن بالفرض کوئی صراحت اس قسم کی نہ ملے جب بھی کسی کو بلا عذر شرعی وطن سے بے وطن کرنا شقاوت کی انتہائی صورت ہے۔ و۲۹۰ الْكِتٰبِ سے اس سیاق میں مراد ظاہر ہے کہ اسرائیلیوں ہی کی آسمانی کتاب توریت ہے۔ حجت الزامی یہود پر قائم ہو رہی ہے کہ قرآن پر ایمان لانا تو الگ رہا تم خود توریت ہی کے کب پابند ہو؟ بلکہ جس بے باکی سے تمہارے اکابر اس کے بعض احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اس سے تو صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے اُوپر حجت اور اپنے لیے واجب العمل توریت کے صرف بعض ہی اجزاء کو سمجھتے ہو، اور بعض اجزا پر تمہارا ایمان ہی نہیں۔ و۲۹۱ پیشگوئی چند ہی روز میں لفظ بہ لفظ پوری ہو کر رہی۔ حجاز میں یہود کے تین زبردست قبیلے رہتے تھے بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع۔ تینوں دولت، وجاہت، قوت، علم وہنر میں ممتاز تھے۔ تینوں چند سال کی مختصر مدت میں رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارک ہی میں تہس نہس ہو کر رہے و۲۹۲ اسرائیلیوں کے لیے جہنم کی وعید خود ایک اسرائیلی نبی اور سلسلہ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم، حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے بھی منقول ہے۔ انجیل موجودہ میں ہے:۔ "تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ ہم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہیں۔ غرض اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھر دو۔ اے سانپو، اے افعی کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیوں کر بچو گے؟" (متی ۲۳: ۲۴) و۲۹۳ (اور وہ سب کو سزا مناسب وقت پر دیتا ہے یا آخرت میں ضرور دے گا) آیت میں اشارہ ہے یہود کے خفیہ طریق کار اور سازشی کارروائیوں اور ریشہ دوانیوں سے متعلق و۲۹۴ حالانکہ آخرت کا سودا ابھی بہت ارزاں تھا۔ ایمان وطاعت سے اُسے بہ آسانی خرید سکتے تھے) یہود کی مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں فکرِ اُخروی باقی ہی نہیں رہ گئی تھی۔ ان کے مقدس مذہبی نوشتوں تک کی تعلیمات کا خلاصہ صرف یہ رہ گیا تھا کہ مذہب کی راہ پر چلو تا کہ دنیوی فلاح حاصل ہو، قوم کو آزادی ملے، اور تم ایک اقبال مند قوم بن جاؤ۔ آخرت کی جزا وسزا، جس سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے، اُس سے حد یہ ہے کہ توریت تک تقریباً خالی ہے۔ و۲۹۵ (آخرت میں) شدید ترین عذاب الٰہی ابھی اُوپر ہی والی آیت میں آ چکا ہے۔ اب تاکیداً ارشاد ہو رہا ہے کہ اس بے پناہ عذاب سے رہائی پانے کا کیا ذکر ہے، تخفیف تک کی صورت اس میں ممکن نہ ہوگی۔ فَلَا کی ف کا ترجمہ "سو" سے کیا گیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ یہ عذاب تکذیب انبیاء کے جرم میں اس کے نتیجہ کے طور پر اور ایمان نہ لانے کی پاداش میں ہوگا۔ و۲۹۶ (کہ ان کے اکابر واجداد ہی آ کر سفارش کر دیں) یہود کو بڑا غرہ اسی کا تھا کہ ہم انبیاء مقبولین کی اولاد ہیں۔ ہمیں کیا غم ہے۔ ہماری نصرت وشفاعت کے لیے ہمارے یہ اسلاف کافی ہیں۔ قرآن کو اسی لیے اس عقیدہ کی تردید بار بار کرنی پڑی۔ اور مختلف پیرایوں میں انہیں تنبیہ کی گئی کہ قانونِ الٰہی کے باغیوں کا ہمدرد وسفارشی کوئی بھی نبی یا ولی نہیں ہو سکتا۔ اور جو ایمان سے خالی ہیں ان کی امداد ونصرت کسی سمت وجہت سے بھی نہ ہوگی۔ و۲۹۷ (اور ایک مستقل دستور شریعت سے قوم اسرائیل کو بہ طور انعام خاص مشرف وممتاز کیا) الْكِتٰبَ سے مراد وہی توریت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کون تھے کس زمانہ میں تھے، یہ سب ذکر پہلے حاشیوں میں آ چکا ہے۔ و۲۹۸ (تمہاری ہی نسل اسرائیل میں) اسرائیلیوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی انبیاء کا متواتر اور بہ کثرت آتے رہنا تاریخ کا ایک مشہور ومسلم واقعہ ہے۔ حضرت یوشع نبی، حضرت داؤد نبی، حضرت زکریا نبی، حضرت یحییٰ علیہم السلام نبی کے نام سے اُردو خواں طبقہ بھی واقف ہے۔ متعدد انبیاء کے صحیفے کیسے ہی محرف سہی، "عہد نامہ عتیق" کے موجودہ مجموعہ میں شامل ہیں۔ و۲۹۹ (ان کی پیمبری وصداقت کے) الْبَيِّنٰتِ۔ اس میں دلائل، خوارق، معجزات سب آ گئے۔ عِيْسَى۔ آپ سلسلہ انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم ہیں۔ سنہ عیسوی آپ ہی کے نام سے جاری ہے۔ آپ کے بعد صرف نبوتِ محمدی ہوئی۔ ملک شام کے علاقہ ارض گلیل میں ایک قصبہ ناصرہ نامی ہے وہی آبائی وطن تھا۔ ولادت بیت المقدس کے ایک گوشہ میں ہوئی۔ خاندان یوسف بن یعقوب بن ماشان نامی ایک حکیم کا تھا۔ جناب یوسف لکڑی کی صنعت سے خوب واقف تھے اسی لیے یوسف نجار کے نام سے مشہور تھے، شام اُس وقت رُومی مملکت کا ایک نیم خود

بلکہ اس سے تین سال بعد کا ہے۔ اس لحاظ سے کہنا یہ چاہیے کہ آپ کی ولادت ۳ ق م میں ہوئی۔ ۳۳ سال کی عمر میں آپ زندہ جمہور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق (اور مسیحی عقیدہ کے مطابق تین دن کے لیے وفات پا کر) آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ مَرْيَمَ۔ مریم بنت عمران بن ماشان۔ قوم اسرائیل کے ایک بڑے معزز خاندان سے تھیں اور خود بھی بڑی باعصمت اور خوبصورت تھیں۔ سالِ وفات مسیحی روایتوں کے مطابق ۴۸ء ہے۔ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ۔ ابن مریم کے لفظ میں اشارہ ہے کہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام اپنی پیمبرانہ عظمت کے باوجود محض بشر ہی تھے۔ ایک عورت کے بطن سے پیدا۔ خدا یا مثیل خدا یا فرزند خدا وغیرہ کچھ بھی نہ تھے۔ ف۳۰۰ روح القدس۔ اسلامی اصطلاح میں مشہور، ممتاز و مقرب فرشتہ حضرت جبرئیل کو کہتے ہیں۔ اے بجبريل عليه السلام واطلاق روح القدس عليه شائع (روح) الروح الامين سمي به جبريل و سماه بروح القدس (راغب) مسیحی اصطلاح میں روح القدس "تثلیث مقدس" کے اقوم ثالث کو کہتے ہیں، اُس سے یہاں کوئی دُور کا واسطہ بھی نہیں۔ اصطلاح کے مشترک ہونے سے بعض دفعہ بڑے بڑے مغالطے اور غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش چونکہ خداوندی مصالح کے مطابق، عام بشری طریقہ سے الگ، ایک نئے قانون کے ماتحت محض مسِ ملکوتی سے ہوئی تھی، اس لیے عجب کیا جو بعد میں بھی آپ کو مناسبت عالم ملائکہ سے زیادہ رہی ہو۔ اور اسی مناسبت سے استفاضہ بھی ملائکہ سے زیادہ ہوتا رہتا ہو۔ اَيَّدْنٰهُ میں اشارہ ادھر بھی نکلتا ہے کہ آپ اپنی بشریت کی بناپر اعانت خداوندی کے محتاج تھے اور وہ اعانت ایک فرشتہ کے ذریعہ سے کرائی جاتی تھی۔ ف۳۰۱ (اور اسی طرح کے احکام تو کم و بیش سب ہی پیمبر لائے) مخاطبت انھیں بنی اسرائیل سے ہے۔ روئے سخن دفعۃً صیغہ غائب سے صیغہ مخاطب کی طرف (یا کسی ایک صیغہ سے دوسرے کی طرف) پلٹ دینا صنع التفات کہلاتا ہے اور عربی ادب و انشاء میں یہ عیب نہیں، حسن ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ ف۳۰۲ (اور اس پیمبر کی اطاعت و اتباع سے عار محسوس کرنے لگے) اِنسان کی یہ شامت شروع سے رہی ہے کہ وحیٔ الٰہی کے مقابلہ میں حاکم و قاضی وہ اپنے ہوائے نفس ہی کو رکھنا چاہتا ہے۔ اور جو احکام اُسے اپنی خواہشوں یا اپنی محدود و ناقص اور جذبات زدہ عقل کے منافی نظر آتے ہیں۔ جھٹ اُن سے انکار اور اُن کے مقابلہ میں علم بغاوت بلند کر دیتا ہے۔ -- آج جس چیز کا نام "روشن خیالی" ہے۔ تحلیل کر کے اور خوب غور کر کے دیکھا جائے تو اس کی تہ میں بھی اصلاً صرف یہی ملے گا۔ استکبارِ نفس اور پیمبر کے اقتدا و اتباع سے عار۔ ف۳۰۳ (اور ہر طرح اُن کی ایذا کے درپے ہو گئے) ف۳۰۴ جیسے زکریا نبی، یحییٰ نبی علیہما السلام وغیرہما۔ تفصیلی حاشیہ رکوع ۷ کے ذیل میں گزر چکا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ کبر ہی اکثر معاصی کی بنیاد ہے۔ چنانچہ یہاں قرآن نے تکذیب انبیاء و قتل انبیاء کو کبر ہی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ف۳۰۵ (اور دعوتِ اسلام ہمارے اُوپر کچھ اثر نہیں کر سکتی۔ "یہود فخریہ اور علانیہ کہتے تھے کہ یہ "نئے پیغمبر" کچھ بھی کر ڈالیں، ہم اُن کے کہے میں نہیں آنے کے۔ غُلْفٌ ممکن ہے کہ جمع غلاف کی ہو۔ اس صورت میں معنٰی یہ ہوں گے کہ ہمارے قلوب گنجینۂ علوم ہیں، معارفِ موسوی سے لبریز ہیں۔ ہمیں ضرورت کسی نئی تعلیم کے قبول کرنے کی نہیں۔ هی جمع غلاف (راغب) اے هی اوعية للعلم تنبيهًا انّا لانحتاج ان نتعلّم منک فلَنَا غُنيَةٌ بما عندنا (راغب) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اغلف کی جمع ہو۔ اور اغلف کہتے ہیں غیر مختون کو، اس کو جس کا ختنہ نہ ہوا ہو۔ قيل هو جمع اغلف (راغب) مستعارًا عن الاغلف الّذى لم يختن (کشاف) قيل واصله ذوالقلفة الذى لم يختن (روح) "مختون" و "نامختون" کہنے کا محاورہ یہود کی زبان پر عام طور سے چڑھا ہوا تھا۔ کبھی اپنے کو "نامختون" کہتے، کبھی اپنے دل و جسم کو یا کبھی اپنے اعضاء و جوارح کو۔ توریت میں بار بار اس کا استعمال ہوا ہے مثلاً "بس میں جو نامختون ہونٹ رکھتا ہوں، فرعون میری کیوں کرنے گا"، (خروج۔ ۶:۱۲) "تب دل کے نامختون اور جسم کے نامختون اجنبی زادوں کو میرے مقدس میں لائے۔" (حزقی ایل۔ ۴۴:۷) بلکہ کہیں کہیں انجیل میں بھی آیا ہے۔ مثلاً "اے گردن کشو، اور دل اور کان کے نامختونو! تم ہر وقت روح القدس کی مخالفت کرتے ہو"۔ (اعمال۔ ۷:۵۱) قرآن کا یہ انداز بیان بھی ایک اعجازی پہلو رکھتا ہے کہ جب یہود کا قول نقل کیا، تو زبان بھی انہیں کی اختیار کی۔ ف۳۰۶ قرآن مجید یہود کے فخریہ کے جواب میں کہتا ہے کہ جس "محفوظیت" پر انہیں اس قدر غرہ ہے یہ کوئی فخر و ناز کی چیز نہیں، یہ تو ایک نشان ہے صداقت سے اُن کے دُور ہو جانے اور حق سے ان کے بُعد پیدا ہو جانے کا۔ اور یہی حقیقت ہے لعنت کی۔ لعنت پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ نام ہے رحمت الٰہی سے بُعد و ہجران کا۔ بِكُفْرِهِمْ۔ اس میں یہ بتا دیا کہ یہ ملعونیت اور مغضوبیت جو اُن پر طاری ہو گی اُن کے کفر اختیاری کے باعث ہو گی۔ اللہ کے پیمبر سے مخالفت و عناد پر اصرار رکھنے کے باعث ہو گی۔ ب سببیہ ہے۔ اے بسبب كفرهم (ابوسعود) لعنت کا محاورہ توریت میں بہت عام ہے۔ صرف ایک مقام کا اقتباس بہ طور نمونہ ملاحظہ ہو: "یہ ساری لعنتیں تجھ پر اُتریں گی اور تجھ تک پہنچیں گی۔ تو شہر میں لعنتی ہو گا اور تو کھیت میں بھی لعنتی ہو گا۔ تیرا ٹوکرا اور تیرا کٹھرا لعنتی ہو گا۔ تیرے بدن کا پھل اور تیری زمین کا پھل تیری گائے بیل کی بڑھتی اور تیرے بھیڑ بکری کے گلّے لعنتی ہو جائیں گے تو بھیتر آنے کے وقت لعنتی ہو گا اور تو باہر جانے کے وقت لعنتی ہو گا۔ خداوند ان سارے کاموں میں جن میں تو کرنے کے لیے ہاتھ لگا دے تجھ پر لعنت اور حیرت اور ملامت نازل کرے گا"۔ (استثناء ۲۸:۱۵۔۲۰)۔ لعنت انجیل میں بھی منقول ہے حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے، نہ صرف کاہنوں اور فریسیوں کے لیے بلکہ انجیر کے خشک درخت کے لیے

وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ

اور عیسیٰ بن مریم کو ہم نے روشن نشانات عطا کئے ف۲۹۹ اور ہم نے روح القدس (کے ذریعہ) سے

بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا

ان کی تائید کی ف۳۰۰ تو کیا جب بھی کوئی پیمبر تمہارے پاس ان (احکام) کے ساتھ آیا جو

لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ز

تمہارے نفس کو نہ بھائے ف۳۰۱ تو تم اکڑنے لگے ف۳۰۲ پھر بعض کو تم نے جھٹلایا ف۳۰۳

وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ

اور بعض کو تم قتل ہی کرنے لگے ف۳۰۴ اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں ف۳۰۵

بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

(نہیں) بلکہ اللہ نے ان پر لعنت کر رکھی ہے ان کے کفر کے باعث ف۳۰۶ اور وہ ایمان بہت ہی تھوڑا رکھتے ہیں ف۳۰۷

وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ

اور جب ان کے پاس ایک کتاب اللہ کے پاس سے پہنچ گئی تصدیق کرنے والی

لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ

اس کی جو ان کے پاس (پہلے سے) موجود ہے ف۳۰۸ اور اس کے قبل یہ (خود ہی) کافروں سے

عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا

بیان کیا کرتے تھے ف۳۰۹ پھر جب ان کے پاس وہ آ گیا جس کو (خوب) پہچانتے تھے

كَفَرُوْا بِهٖ ز فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا

تو اسی سے کفر کر بیٹھے ف۳۱۰ سو اللہ کی لعنت ہو کافروں پر ف۳۱۱ بری ہے وہ چیز

اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

جس کے عوض میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا ہے ف۳۱۲ کہ انکار کرتے ہیں اس (کلام) کا جو

بھی ف۳۰۷ (اور یہ تھوڑا یا برائے نام ایمان نجات کے لیے کافی نہیں) قَلِيْلًا ۔ قليل یہاں ایمان کی صفت ہے جو ایمان نجات کے لیے ضروری ہے اور جس کا حکم ہر مکلف کو ہے۔ اس کے متعدد اجزاء ہیں۔ یہود کا ایمان جو کچھ بھی تھا، صرف ان میں سے بعض پر تھا۔ اے لا یؤمنون الا بقليل ممّا كلّفوا به (کبیر) قليلا صفة مصدر محذوف اے فايمانًا قليلاً يؤمنون (مدارک) مَا يُؤْمِنُوْنَ میں ما مزیدہ ایمان کی قلت پر زور دینے کے لیے ہے۔ یعنی بہت ہی تھوڑا ایمان۔ ما مزيدة للمبالغة فى التقليل (بیضاوی) ما مزيدة للمبالغة (ابوسعود) قَلِيْلًا ۔ صفت مومن کی بھی ہو سکتی ہے۔ مفہوم اس صورت میں یہ ہوگا کہ ان میں سے بہت ہی تھوڑے ایمان لاتے ہیں۔ چنانچہ بعض اکابر ادھر بھی گئے ہیں۔ اے لا يومن منهم الّا قليل (ابن جریر۔ عن قتادة) قال بعضهم فقليل من يؤمن منهم (ابن کثیر) اور امام رازی علیہ الرحمۃ نے ترجیح اسی آخری ترکیب کو دی ہے۔ لیکن محاورہ میں قليل کا استعمال نفی مطلق کے موقع پر بھی ہوتا ہے بجوزان تكون القلة بمعنى العدم (کشاف) معنی اس صورت میں یہ ہوں گے کہ یہ ایمان سے بالکل خالی ہیں۔ والمعنى فيه نفى جميعه (ابن جریر) معناه لا يومنون اصلًا لا قليلًا ولا كثيرًا ف۳۰۸ (کبیر) كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ یعنی قرآن۔ لِمَا مَعَهُمْ ۔ یعنی توریت۔ قرآن مجید نے اپنی یہ صفت جابجا بیان کی ہے اور اس پر زور دیا ہے کہ بجائے خود صادق ہونے کے ساتھ ساتھ وہ پچھلی آسمانی کتابوں کا مصدق بھی ہے اور ان پچھلی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور توریت ہے۔ ف۳۰۹

بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ

اللہ نے نازل کیا ہے (محض) اس ضد پر کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا

مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ

اپنا فضل (خاص) نازل کیا ف۳۱۳ سو وہ مستحق ہو گئے غضب بالائے غضب کے ف۳۱۴

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا

اور کافروں کے لئے عذاب ذلت والا ہے ف۳۱۵ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ اس (کلام) پر جو

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا

اللہ نے نازل کیا ہے ف۳۱۶ تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر تو ایمان رکھتے ہیں جو ہمارے اوپر نازل ہوا ہے ف۳۱۷ اور جو کچھ

وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا

اس کے علاوہ ہے اس سے یہ کفر کرتے ہیں ف۳۱۸ حالانکہ وہ (خود بھی) حق ہے اور اس کی (بھی) تصدیق کرنے والا

مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ

ہے جو ان کے پاس ہے ف۳۱۹ آپ کہیے کہ اچھا تو تم اس کے قبل انبیاء کو کیوں قتل کرتے رہے ہو،

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى

اگر تم واقعی ایمان والے تھے؟ ف۳۲۰ اور موسیٰ تمہارے پاس

بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

کھلے ہوئے نشان لے کر آئے ف۳۲۱ اس پر بھی تو تم نے ان کے پیچھے گوسالہ کو اختیار کر لیا ف۳۲۲

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ

اور تم تو ہو ہی ظالم ف۳۲۳ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا تھا

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ

اور تمہارے اوپر کوہ طور کو بلند کیا تھا ف۳۲۴ (کہ) جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے ف۳۲۵ اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑو

(کہ عنقریب آخری نبی نجات دہندہ کا ظہور ہونے والا ہے) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے مراد اس سیاق میں مشرکین عرب ہیں۔ ایک نومسلم انصاری صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ قبل اسلام میں جب ہم یہود کو شکست دیتے تھے تو وہ کہا کرتے کہ اچھا ٹھیر جاؤ عنقریب ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے۔ ہم اس کے ساتھ ہو کر تمہیں قتل کر کے رکھ دیں گے۔ (سیرۃ ابن ہشام باب خبر انذار یہود بر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسیح ماننے سے تو انکار کر دیا تھا۔ لیکن اس کے بعد سے برابر ایک مسیح (نجات دہندہ) کے ظہور کے منتظر رہا کرتے تھے اور اس کا ذکر مشرکین مکہ سے اکثر کرتے رہتے۔ يَسْتَفْتِحُوْنَ ۔ یہاں يفتحون کے مرادف قرار دیا گیا ہے اور فتح کے معنی عربی میں خبر دینے اور بیان کرنے کے ہیں۔ اے يعرفون المشركين انّ نبيًا يبعث منهم (روح) اے يفتحون عليهم ويعرّفونهم (کشاف) لیکن يَسْتَفْتِحُوْنَ اپنے عام اور مشہور معنی کے لحاظ سے مفہوم طلب فتح و نصرت کا رکھتا ہے۔ اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ اس کے قبل یہود اس پیمبر نبی کا واسطہ دلا دلا کر خدا سے مدد چاہا کرتے تھے اور ائمہ تفسیر کی اکثریت نے یہی مراد لی ہے اے يستنصرون الله ببعثة محمد عليه السلام (راغب) يستنصرون بمحمد والقرأن (ابن عباس رضی اللہ عنہما) و معنى الاستفتاح الاستنصار (ابن جریر) يسالون الفتح والنصرة (کبیر) ف۳۱۰ (اور اسی سے انکار کرنے لگے کہ یہ کلام کلامِ الٰہی ہے یا یہ شخص اللہ کا پیمبر ہے) مَا عَرَفُوْا سے مراد قرآن بھی ہو سکتا ہے، اور ذاتِ رسالت بھی۔ حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ كنٰى عن الكتب و يحتمل ان يراد به النبى صلی اللہ علیہ وسلم (روح) مقصد یہ ہے کہ یہود اس آخری نبی اور اس کی نبوت کی علامتوں سے اپنے ہی دینی نوشتوں کے ذریعہ سے خوب واقف ہو چکے تھے۔ نبی کا ظہور بالکل اچانک اور ان کے علم و واقفیت سابق کے بغیر نہیں ہوا۔ انجیل یوحنا میں حضرت یحییٰ نبی علیہ السلام (انجیلی زبان میں ان کا نام یہی یوحنا ہی ہے) کے ظہور کا حال یوں درج ہے کہ:۔ ”جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لیوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں، کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انہوں نے اس سے کہا، پھر تو ہے کون؟“ (یوحنا۔ ۱: ۱۹۔ ۲۲) اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہود صدیوں قبل سے ایک جانے بوجھے ہوئے نبی (”وہ نبی“) کے انتظار میں تھے۔ ف۳۱۱ یعنی اُن پر جو جان بوجھ کر عناد و تعصب کی راہ سے کفر و انکار کر بیٹھیں۔ لعنت پر ایک حاشیہ ابھی اُوپر گزر چکا ہے۔ ف۳۱۲ یعنی کیسی بری وہ حالت ہے، جسے اختیار کر کے وہ بزعم خود اپنی جانوں کو عقوبتِ آخرت سے چھڑانا چاہتے ہیں بئس ما باعوا به حظ انفسهم اے اختاروا الكفر و بذلوا انفسهم للنار (معالم) اشتراء لغات اضداد میں سے ہے۔ خریدنے اور فروخت کرنے دونوں کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں بیچنے کے معنی میں ہے۔ الاشتراء ههنا بمعنى البيع (معالم) معناه باعوا (بیضاوی) ف۳۱۳ قرآن نے اس حقیقت کو بار بار صاف کیا ہے کہ یہود کا یہ کفر و انکار کسی اجتہادی غلطی کی بنا پر، فکر و نظر کے کسی دھوکے یا مغالطہ کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ اس غصہ و عناد کا نتیجہ تھا کہ نبوت خاندان اسرائیل سے نکل کر بنی اسمٰعیل علیہ السلام کے ایک فرد کو کیوں مل رہی ہے؟ — وہی نسلیت یا قومیت کی ملعون عصبیت جو آج تک دُنیا پر مسلط ہے۔ امام رازی علیہ الرحمۃ کی خداداد نظر قرآنِ حکیم کے عجب عجب نکتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس مقام پر لکھا ہے کہ یہود تو نبوت کو اپنا موروثی حق سمجھنے لگے تھے۔ ایک عرب کو اس کا مدعی پا کر اُلٹے اس کے رشک و حسد پر اُسے محمول کرنے لگے۔ ظنوا ان هٰذا الفضل العظيم بالنبوة المنتظرة يحصل فى قومهم فلمّا وجدوه فى العرب حملهم ذٰلك على البغى والحسد (کبیر) کیا حد ہے اس ضد اور نفسانیت کی کہ نسلی و خاندانی عصبیت کی بنا پر تصدیق نبوت تک سے انکار کر دیا! مِنْ فَضْلِهٖ سے مراد فضل وحی ہے۔ يعنى الوحى (بیضاوی) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ احوال موہوبہ محض فضل و مشیت کے تابع ہوتے ہیں۔ کسب و اکتساب کو دخل نہیں۔ ف۳۱۴ غَضَبٌ عَلٰى غَضَبٍ کی تفسیر میں بہت سے قول نقل ہوئے ہیں، ان میں سے ایک قول تابعی حضرات سے منقول یہ ہے

وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا ۗ وَ اُشْرِبُوْا

اور سنو و۳۲۶ یہ (اس وقت) بولے تھے کہ (ہاں) ہم نے سن تو لیا مگر ہم نے مانا نہیں و۳۲۷ اور ان کے دلوں میں

فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا

گوسالہ ان کے کفر سابق کے سبب سے پیوست ہو گیا تھا و۳۲۸ آپ کہہ دیجیے (کیسی) بری ہے

يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

وہ بات جس کا حکم تمہارا ایمان تمہیں دے رہا ہے، اگر تم (واقعی) ایمان والے ہو و۳۲۹

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ

آپ کہہ دیجیے کہ اگر عالم آخرت خاص تمہارے ہی لئے

خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

ہے دوسروں کو چھوڑ کر، و۳۳۰ تو موت کی آرزو کر دیکھو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَ لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا

اگر تم سچے ہو و۳۳۱ لیکن وہ اس کی آرزو ہرگز کبھی بھی نہ کریں گے

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾

بہ سبب ان (اعمال بد) کے جو یہ اپنے ہاتھوں سمیٹ چکے ہیں و۳۳۲ اور اللہ ظالموں سے (خوب) واقف ہے و۳۳۳

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚۛ

اور آپ انہیں زندگی پر حریص سب لوگوں کے بڑھ کر پائیں گے و۳۳۴

وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚۛ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ

(یہاں تک کہ) مشرکوں سے بھی بڑھ کر و۳۳۵ ان میں سے ایک ایک یہ چاہتا ہے

يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَ مَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ

کہ ہزار (ہزار) برس کی عمر پائے و۳۳۶ حالانکہ اگر اتنی عمر وہ پا بھی جائے تو یہ (امر) اسے

کہ یہود کی پہلی مغضوبیت کی بنیاد رسالت عیسوی سے انکار ہے۔ اور دُوسری مغضوبیت کی بنیاد رسالت محمدی سے انکار۔ و هو قول الحسن و الشعبی و عکرمة و ابی العالیه و قتادة (کبیر) یہ تفسیر بھی اپنی جگہ پر بہت خوب ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ دلنشین اور بے تکلف قول یہ ہے کہ پہلا عتاب اُن کے بالکل بلاوجہ اور دلیل واضح وصریح کی موجودگی میں انکار تکذیب رسالت پر ہے۔ اور دوسرا عتاب ان کے جذبات حسد وعناد پر۔ لانهم کفروا ببغیِ الحق و بغوا علیه (کشاف) للکفر والحسد (بیضاوی) بما اقترفوا من الکفر والحسد (روح) یہ معنیٰ بھی کیے گئے ہیں کہ مقصود کلام، غضب کی تکرار نہیں بلکہ اس کی تاکید اور اشدیت ہے۔ المراد به تاکید الغضب و تکثیره (کبیر) و یحتمل ان یراد الترادف والتکاثر لا غضبان (روح) و۳۱۵ عذاب الٰہی کا نہایت شدید والیم ہونا تو ظاہر ہی ہے، پھر اس عذاب کی بنا چونکہ یہود کی قومی منافرت ونسلی عصبیت ہے، اس مناسبت سے یہ سزا اُن کے غرور کو توڑنے والی، ان کی توہین، ذلت ورسوائی کو بڑھانے والی بھی ہوگی۔ و۳۱۶ (اپنے بندہ اور آخری رسول محمد ﷺ پر)۔ ذکر وہی بنی اسرائیل کا چل رہا ہے۔ انہیں سے کہا جاتا تھا کہ آخری کتاب الٰہی قرآن پر ایمان لاؤ و۳۱۷ (اور وہ ہمارے لیے بالکل کافی ہے) اُنْزِلَ عَلَيْنَا۔ ہمارے اُوپر، یعنی ہماری قوم ونسل کے اُوپر نازل ہوا ہے۔ یہود کا کہنا یہ تھا کہ ہم کوئی سلسلۂ وحی یا مسئلہ رسالت کے منکر تھوڑے ہی ہیں، ہم بھی تو مومن ہی ہیں اور اپنی نسل اسرائیل کے انبیاء کے قائل ہیں۔ و۳۱۸ یہ یہود کے قول کا تتمہ ہے۔ قرآن مجید نے یہ اضافہ کر دیا کہ یہ لوگ اپنے اسرائیلی سلسلہ کے باہر کسی اور نبوت کے قائل نہیں، ایک عرصہ تک الطافِ الٰہی وعنایاتِ خداوندی کے مورد خاص بنے رہنے، اور اسی نسل کے اندر انبیاء کے مسلسل پیدا ہوتے رہنے سے بنی اسرائیل کے دل میں یہ جم گیا تھا کہ نبوت خاندانِ اسرائیل کے باہر جا ہی نہیں سکتی۔ و۳۱۹ هُوَ الْحَقُّ ضمیر ھو قرآن کی جانب ہے۔ اس کی حقانیت دلائل سے ثابت اور شواہد سے روشن ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ۔ یعنی وہ تصدیق کرتا ہے توریت اور انبیاء بنی اسرائیل کے دُوسرے صحیفوں کی۔ قرآن یہاں یہود کے مقابلہ میں اپنے دو وصف بیان کر رہا ہے۔ (۱) ایک یہ کہ وہ فی نفسہٖ حق ہے۔ اس کی حقانیت دلائل سے ثابت ہے۔ اس لیے اس پر ایمان لانا بجائے خود واجب ہے۔ (۲) توریت اور دوسرے اسرائیلی صحیفوں کے ساتھ اس کا تعلق منافات کا نہیں۔ اس کا رشتہ اتحاد وتصدیق کا ہے۔ و۳۲۰ تیسرا جواب قرآن مجید نے یہود کو یہ دیا کہ خود یہی دعویٰ تمہارا کب صحیح ہے کہ تم اپنی قوم کے انبیاء پر ایمان رکھتے ہو؟ ایمان وتصدیق الگ رہی، تم نے خود اس زور وشور سے ان کی تکذیب کی اور ان کی مخالفت وعداوت پر اس حد تک اُتر آئے کہ انہیں قتل تک کر ڈالا۔ اور تمہاری قومی تاریخ کے تو صفحات رنگین ہیں انبیاء کے خون سے۔ اسرائیل اور قتل انبیاء پر مفصل حاشیے رکوع (۷) کے ذیل میں گزر چکے۔ بائبل کے اُن حوالوں کے علاوہ ایک حوالہ اور ملاحظہ ہو۔ نحمیاہ نبی علیہ السلام کے زمانہ میں خود اکابر بنی اسرائیل اپنے باپ دادوں سے متعلق، مناجات میں کہتے ہیں:۔ ”وہ نافرمانبردار نکلے اور تجھ سے پھر گئے۔ اور انہوں نے تیری شریعت کو اپنی پشت کے پیچھے پھینکا اور تیرے نبیوں کو جو اُن کو نصیحت دیتے تھے کہ انہیں تیری طرف پھرا لائیں قتل کیا اور انہوں نے اپنے کاموں سے تجھے غصہ دلایا“۔ (نحمیاہ۔ ۹: ۲۵ و ۲۶) و۳۲۱ (اور اُن کھلے ہوئے نشانوں کا اثر طبعی طور پر یہ ہونا چاہیے تھا کہ تم خدا کی طاعت اور نبی کی اطاعت میں دل سے لگ جاتے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کھلے ہوئے نشانات اور معجزات جو فرعون کے مقابلہ میں تھے، عصا، ید بیضا وغیرہ، وہ تو مشہور ہی ہیں لیکن جَآءَكُمْ سے اشارہ یہ نکلتا ہے کہ کچھ معجزات موسوی خود بنی اسرائیل کے لیے بھی تھے۔ و۳۲۲ (پرستش کے لیے) یہ ہے تمہارے دعوائے توحید کی حقیقت! گوسالہ پرستی پر حاشیے (رکوع ٦) کے ذیل میں گزر چکے۔ ثُمَّ یہاں محض تاخر زمانی کے لیے نہیں، بلکہ یہ بھی ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ تم کیسی پستی میں اُتر گئے۔ اور یہ کہ تم نے یہ اس وقت کیا جب تمہارے پاس دلائل وشواہد اس کے خلاف پہنچ چکے تھے۔ ثم للتراخی فی الرتبة والدلالة علی نهایة قبح ماصنعوا (ابوسعود) کلمة ثم للاستبعاد (روح) مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عارضی غیر حاضری کے زمانہ میں، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت اپنی قوم کو میدان میں چھوڑ کر ستر منتخب افراد کے ہمراہ کوہ طور پر گئے ہوئے تھے۔ تفصیلات رکوع (٦) کے ذیل میں گزر چکیں۔ و۳۲۳ (اپنے حق میں) یعنی تمہاری تاریخ گواہ ہے کہ تم اپنی جانوں پر، اپنی روحوں پر ظلم کرنے کے کیسے عادی ہو! یہ گویا جوابات سابقہ کا تتمہ ہے۔ اسرائیلیوں سے ارشاد ہو رہا ہے کہ اور زمانوں میں تو خیر تم نے جو کچھ کیا، خیر وہ تو کیا ہی، شرک تو تم نے خود حضرت موسیٰ ہی کے زمانہ میں شروع کر دیا۔ اور شرک بھی کیسا جلی۔ گوسالہ پرستی! اور وہ بھی پیمبر علیہ السلام کی صرف چند روزہ غیر حاضری کے زمانہ میں! تمہارے لیے مانع نہ اُن کے لائے ہوئے نشانات اور دلائل ہو سکے۔ اور نہ یہ امر کہ وہ تو ابھی زندہ سلامت موجود ہیں۔ غرض کہ نافرمانیوں میں دلیر تم آج سے نہیں، مدت دراز سے ہو۔ و۳۲۴ (تمہارے اُوپر نزول شریعت کے وقت) اس پر حاشیہ رکوع (۷) میں گزر چکا۔ و۳۲۵ یعنی یہ احکام وشرائع جو ابھی تم پر نازل کیے ہیں۔ و۳۲۶ (ان احکام وشرائع کو گوشِ دل سے سنو، اور ان پر عمل کرو) ای اقبلوا ما سمعتم (بحر) قال الماتریدی معنی اسمعوا اقیموا (بحر) و قیل اعملوا (بحر) و۳۲۷ آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ عَصَيْنَا (ہم نے نہیں مانا) ان لوگوں نے زبان سے بھی کہا ہو۔ قال ابو مسلم و جائز ان یکون المعنی سمعوه و تلقوه بالعصیان فعبّر عن ذٰلک بالقول وان لم یقولوه (کبیر) یہ بھی کہا گیا

ہے، کہ قول یہاں بطور مجاز، زبانِ حال کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ نطقِ لسانی مراد نہیں۔ قیل یعبّر بالقول للشیٔ عما یفھم بہ من حالہ و ان لم یکن نطق (بحر) و قیل المعنٰی قالوا بلسان القال سمعنا و بلسان الحال عصیان (روح) چونکہ واقع میں یہ بات دل سے نہ تھی، اس لیے گویا زبانِ حال سے یہی کہہ رہے تھے (تھانوی) قول کا لفظ یوں بھی عربی میں نہایت وسیع معنٰی رکھتا ہے۔ زبان سے ادا کرنا ہرگز اس کے لیے لازمی نہیں۔ راغب نے اپنے مفردات میں خود قرآن ہی سے اس کے متعدد معنٰی نقل کیے ہیں۔ اور چوتھے نمبر پر اس کے معنٰی دلالتِ حالی لکھے ہیں، اور ایک شاعر کا مصرعہ بھی سند میں پیش کیا ہے۔ یقال للدلالۃ علی الشیٔ نحو قول الشاعر۔ امتلأ الحوض و قال قطنی اور تاج العروس میں سیبویہ وغیرہ ائمہ لغت کے حوالہ سے اس سے بھی زیادہ وسیع معنٰی بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن اگر ان سرکشوں اور گستاخوں نے یہ لفظ زبان سے بھی نکالا ہو، تو اُن کی عادی اور مسلسل نافرمانیوں کو دیکھتے ہوئے تعجب ذرا سا بھی نہیں۔ یرمیاہ نبی علیہ السلام کے صحیفہ میں ایک تصریح بالکل اس سے ملتی جلتی، گو ایک دوسرے موقع کے لیے موجود ہی ہے:۔ ”خداوند یوں کہتا ہے کہ راہوں پر کھڑے ہو اور دیکھو اور پرانے رستوں کی بابت پوچھو کہ پہلی راہ کہاں ہے۔ اُسی میں چلو کہ تم اپنے جیوں میں آرام پاؤ گے۔ پر انہوں نے کہا، کہ ہم اس میں نہ چلیں گے، اور میں نے تمہارے اُوپر نگہبان بھی ٹھیرائے، اور کہا کہ نرسنگے کی آواز سنو۔ پر انہوں نے کہا کہ ہم نہ سنیں گے“۔ (یرمیاہ۔ ۶:۱۶ و ۱۷) ف۳۲۸ چنانچہ بیل کے تقدس کا اعتقاد اسرائیل قوم میں مدت دراز تک قائم رہا (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۹، صفحہ ۴۵۲) اُشۡرِبُوۡا فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ۔ مراد یہ ہے کہ گوسالہ کی محبت ان کی رگ رگ میں رچ گئی تھی، جیسے پانی رگ رگ میں پہنچ کر جزو بدن بن جاتا ہے۔ مشروب سے یہ استعارہ شدید محبت اور شدید نفرت دونوں موقعوں پر اہل عرب کی زبان میں عام ہے۔ وانّ من عادتھم اذا ارادوا العبارۃ عن مخامرۃ حب او بغض استعاروا الی اسم الشراب لانہ ھو ابلغ انجاع فی البدن (راغب) یا یہ استعارہ رنگ سے ہو، کہ وہ بھی کپڑے کے ریشہ ریشہ میں پیوست ہو جاتا ہے۔ کما یداخل الثوب الصبغ (کشاف) کما یتداخل الصبغ الثوب و الشراب اعماق البدن (بیضاوی) بِکُفۡرِهِمۡ۔ ب سببیہ ہے، یعنی ان کے کفر کے باعث، نتیجۂ کفر کے طور پر۔ الباء للسبب ای الحامل لھم علی عبادۃ العجل ھو کفرھم السابق (بحر) ف۳۲۹ حجت الزامی ہے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں۔ گویا قرآن کا کہنا یہ ہے کہ دعوٰی تو یہ کہ ہم صاحب ایمان و توحید ہیں، اور عمل یہ کہ گوسالہ کی تنزیہ و تقدیس میں لگے ہوئے ہو! کیا اچھا تمہارا ایمان ہے! ف۳۳۰ (جیسا کہ تم اپنے زعم و پندار میں سمجھ رہے ہو) بنی اسرائیل کے اس بنیادی عقیدہ کا ابتدائی خاکہ تو خود موجودہ توریت میں موجود ہے۔ مثلاً ”تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو“۔ (استثناء۔ ۱۴:۱) ”تو خداوند اپنے خدا کے لیے مقدس قوم ہے۔ اور خداوند نے تجھ کو چن لیا، تاکہ سب قوموں کی بہ نسبت جو زمین پر ہیں، تو اس کے لیے خاص قوم ہو“۔ (استثناء۔ ۱۴:۲) رفتہ رفتہ یہ عقیدہ ترقی کر کے اس درجہ تک پہنچ گیا کہ یہود اپنے سوا کسی اور کو جنت کا مستحق ہی نہیں سمجھتے تھے، اور نجاتِ اُخروی کو اپنا مخصوص حق سمجھنے لگے تھے۔ اپنے کو خدا کا محبوب اور خدا کا لاڈلا اور چہیتا فرزند قرار دینے لگے تھے اور خیال یہ جما لیا تھا کہ خداوند خدا کا جو معاملہ ہماری قوم و نسل کے ساتھ ایک ناقابل تبدیل طور پر ہے وہ دنیا جہان میں کسی اور کے ساتھ نہیں۔ --- نسلی تقدیس کی یہی وبا ہے جو ہندوستان میں برہمنیت کے نام سے جلوہ گر ہے۔ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ اللّٰهِ۔ مراد ہے جنت اور نجات کا حاصل ہونا۔ دُوۡنِ النَّاسِ۔ ناس سے مراد نوعِ انسانی ہے۔ اور دُوۡنِ النَّاسِ سے مراد اپنی قوم و نسل کی خصوصیت کا اظہار اور اس میں دوسروں کی شرکت سے انکار ہے۔ دون ھنا لفظ۔ یستعمل للاختصاص و قطع الشرکۃ (بحر) ف۳۳۱ (اپنے اس دعوٰی میں کہ ہماری نجات یقینی اور قطعی ہے) قدیم مفسرین نے یہاں یہ سوال اٹھایا ہے کہ یہی مطالبہ یہود بھی تو اُلٹ کر مسلمانوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر سکتے تھے اور پھر اپنے اپنے مذاق پر اس کے جوابات دیے ہیں۔ لیکن حقیقۃً یہ سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا، کوئی مسلمان کب اپنی نجات کو محض مسلمان گھرانے میں پیدا ہو جانے سے یقینی سمجھتا ہے؟ مسلمان تو خود ہی ایمان اور عمل صالح کے دُہرے دُہرے اختیاری معیار سے ڈرتا، لرزتا رہتا ہے، کہ دیکھنا چاہیے، حشر میں اس امتحان میں پورا اُترتا بھی ہے یا نہیں؟ یہ اطمینان اور یہ زعم کہ چونکہ ہم فلاں گھرانے، فلاں خاندان میں پیدا ہو گئے ہیں، اس لیے بغیر کسی جہد و اکتساب کے ہماری نجات تو یقینی ہو چکی، یہ عقیدہ اسرائیلیوں کے ساتھ مخصوص تھا، مسلمان اس کے قریب ہی کب گیا، جو یہ سوال اس پر عائد ہو سکے؟ اسلام تو اس نسلی تقدیس اور اس اضطراری نجات کے عین مٹانے کے لیے ہے۔ مسلمان تو خود ہی کہتا ہے کہ مجھے اپنا انجام نہیں معلوم۔ میں ایمان اور طاعت کی راہ اپنی طرف سے اختیار کر کے آگے فضل خداوندی کا منتظر ہوں۔ مسلمان کے سامنے اس سوال کو پیش کرنے کا کوئی محل ہی نہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ یہ مطالبہ ہر اسرائیلی سے، ہر زمانہ کے لیے ہے بھی نہیں۔ اس کا دائرہ صرف انہیں معاند یہود کے ساتھ مخصوص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر تھے اور سارے شواہد کے بعد بھی آپؐ کے منکر تھے۔ وھذا خاص بالمعاصرین لہ صلی اللہ علیہ وسلم (روح) یہ تفسیر خود صحابی حضرات سے مروی ہے، بلکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تو اپنے زمانہ کے ایک گستاخ یہودی کے جواب میں یہ مضمون بڑی حدت و شدت کے ساتھ ادا کیا ہے۔ توھم ھذا الکلب اللعین الجاھل ان ھذا لکل یھودی اولیھود فی کل وقت لا انما ھو لاولٰئک الذین کانوا یعاندون و یجحدون نبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد ان عرفوا (روح) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ موت کی محبت، خواہ طبعی ہو یا عقلی، ولایت کی علامتوں میں سے ہے۔ ف۳۳۲ یعنی ان کا دل خود چور ہے۔ ان کا ضمیر ان پر ملامت کر رہا ہے۔ لقاء رب کا کوئی ولولہ کوئی جذبہ ان میں باقی ہی کہاں ہے، جو یہ عالم آخرت کی تمنا کر سکیں۔ اَبَدًا۔ احتجاج بالا جب صرف یہود معاصرین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہو گیا، تو اَبَدًا کے معنٰی بھی لازمی طور پر یہ ہوں گے کہ یہ اپنی زندگی بھر ایسا نہ کریں گے۔ و یعنی بالابد ھنا ما یستقبل من زمان اعمارھم (بحر) ای لن یتمنوہ ما عاشوا (روح) ف۳۳۳ یعنی اُن لوگوں سے، جو اپنے ہتھکنڈوں سے خود اپنے حق میں ظلم کرتے ہیں۔ الظلم ھو تجاوز ما حدّ اللہ (بحر) ف۳۳۴ یعنی اس زندگی پر حریص جو پلیدی اور گندگی سے لبریز ہے۔ زندگی سے محبت اور موت سے وحشت تو ایک حد تک طبعی ہے، اور ان طبعی حدود کے اندر ہرگز اسلام میں کوئی ملامت نہیں، لیکن یہود کا جذبہ حُبِ دنیا طبعی حدود سے تجاوز کر گیا تھا۔ دنیا پرستی مقصود بالذات بن گئی تھی۔ اور رُوحانیت کا ذوق بالکل مردہ ہو چکا تھا۔ ہندوستان میں بھی جن قوموں نے جنتر منتر وغیرہ ظاہری رسوم میں غلو اور اُن پر تکیہ کر رکھا ہے۔ اُن کے دل بھی ذوقِ آخرت سے یکسر محروم ہو چکے ہیں، اور یہود کی حُبِ دُنیا و حُبِ مال آج بھی ضرب المثل ہے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں تالمود وغیرہ کے حوالہ سے اس مضمون کے متعدد قول نقل ہوئے ہیں کہ دنیوی زندگی بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے، معصیت گوارا کر لینا چاہیے لیکن موت نہ گوارا کرنا چاہیے۔ وقس علٰی ہذا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی ف۳۳۵ (جو بیچارے کتاب آسمانی اور پیام انبیاء کی دولتوں سے محروم ہیں) مطلب یہ ہے کہ مشرکین تو سرے سے اُخروی نعمتوں کے لذت شناس ہی نہیں، وہ اگر اُدھر سے غیر ملتفت ہو کر اپنا مرکزِ توجہ و محور زندگی اسی مادّی زندگی کو بنائے رکھیں، تو کچھ ایسا حیرت انگیز نہیں۔ غضب تو یہ یہود کر رہے ہیں جو اپنے آسمانی صحیفوں اور پیمبرانہ ہدایتوں کے باوجود بھی مشرکوں سے بڑھ کر دنیا سے لپٹے ہوئے ہیں۔ ایک عجیب بات اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ تطویل عمر کے جو عجب عجب نظریے آج یورپ میں قائم ہو رہے ہیں اور طرح طرح کی تدبیریں اور نسخے اس کے لیے ایجاد ہو رہے ہیں، ان میں سب سے زیادہ پیش پیش یہودی ہی ڈاکٹر اور اہل سائنس ہیں۔ ف۳۳۶ اَحَدُهُمۡ ضمیر ھم کا مرجع یہود ہیں ای یود احد الیھود (ابن کثیر عن السدّی) بعض نے مرجع الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا کو ٹھہرایا ہے۔ لیکن سیاق قول اوّل کو صاف ترجیح دے رہا ہے۔ کما یدل علیہ نظم السیاق (ابن کثیر) ف۳۳۷ بالفرض اس قدر طویل زندگی حاصل بھی ہو گئی تو آخر کیا نتیجہ؟ بہر حال خاتمہ تو ایک روز اس طویل سے طویل زندگی کا بھی ہونا ہے۔ اور پھر اُسی مؤاخذۂ اخروی کا سامنا۔ سوا ایسی لایعنی اور لغو تمناؤں کے پھیر میں پڑے رہنا کسی دیندار شخص کے لیے ممکن ہی کیونکر ہے۔ ف۳۳۸ (اور ہر طرح کی جزا و سزا پر قادر ہے) خدا تعالٰی کی ہمہ بینی، ہمہ توانی کا استحضار انسان کو راہِ راست پر قائم رکھنے کے باب میں اکسیر ہے۔ انسان غفلت و معصیت کی طرف قدم اسی وقت رکھتا ہے جب ذہن سے ایک حاضر و ناظر حاکم کا تصور غائب ہوتا ہے۔ یہی راز ہے اس کا کہ قرآن مجید میں اللہ کی صفاتِ ہمہ بینی و ہمہ دانی کی یاد دہانی اس کثرت و تکرار کے ساتھ ہوئی ہے۔ ف۳۳۹ جِبۡرِيۡلَ۔ اسلامی اصطلاح میں ایک فرشتۂ اعظم کا نام ہے۔ ان کے سپرد ایک

اہم خدمت انبیاءِ کرام تک وحی الٰہی کے پہنچانے کی ہے۔ انسان، بڑے سے بڑا مقبول انسان بھی بہرحال بشر ہی ہوتا ہے، اور جسم خاکی ہی رکھتا ہے۔ اس کے محدود اور کثیف خاکی قویٰ علی العموم اتنا تحمل نہیں رکھتے کہ براہِ راست تجلیاتِ لاہوتی کی شعاعوں کو قبول کرسکیں۔ اس غرض کے لیے عموماً لطیف الجسم، نور کے بنے ہوئے فرشتوں سے، سفارت و توسط کا کام لیا جاتا ہے۔ یہود بھی وجودِ ملائکہ کے قائل تھے، بلکہ خود حضرت جبرئیل کو بھی ایک فرشتۂ اعظم مانتے تھے، اور ان کا ذکر توریت میں آج تک موجود ہے۔ لیکن اپنی نادانی سے خیال یہ جما لیا تھا کہ وہ ایک فرشتۂ عذاب ہیں۔ اُن کا کام وحی لانا نہیں، عذاب لانا ہے۔ اور وحی لانا تو کام ایک دُوسرے فرشتہ حضرت میکائیل کا ہے۔ اپنے ان مفروضہ مقدمات و مسلمات کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ پر معترض ہوتے تھے کہ یہ نئے مدعیِ نبوت اپنی وحی کے سلسلہ میں نام حضرت جبرئیل کا کیوں لاتے ہیں۔ یہاں تعرض یہود کی اسی غلط اندیشی سے کیا جارہا ہے۔ موجودہ توریت میں بار بار ذکر ایک ایسے فرشتہ کا آتا ہے جو لوگوں کو مارتا تھا۔" (۲۔ سموئیل۔ ۲۴: ۱۶ و ۱۷) اور علمائے یہود نے اس سے مراد فرشتہ جبرئیل ہی سے رکھی تھی۔ آج بھی یہود حضرت جبرئیل کو حضرت میکائیل کا ہمسر وہم پلہ نہیں، ان سے کمتر ہی سمجھتے ہیں۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۵ صفحہ ۵۴۱)

ف ۳۴۰ (پھر اُن سے مخالفت و عداوت و بدگمانی کے کیا معنی؟) یہاں یہود کے جہل کو رفع کیا گیا، اور بتایا گیا کہ حضرت جبرئیل کے نام سے چڑنا کیا معنی، وہ تو خدا کے ایک معتمد سفیر ہیں، اور خدمت سفارت پر مامور۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اِذْن کے معنی لغت میں علاوہ اجازت کے، حکم یا ارشاد کے بھی ہیں ویکون باذنه ای بامره (لسان) و یکون الامر اذنًا (تاج) چنانچہ یہاں بھی اِذْنِ اللّٰهِ سے مراد اللہ کا حکم یا ارشاد ہی ہے۔ ای باذن الله (معالم) فالاظهر بامر الله (کبیر) ای بامره (بیضاوی) ف ۳۴۱ یہاں کلام مجید نے اپنے تین وصف متعین طور پر بیان کیے:۔ ایک یہ کہ وہ گزشتہ انبیاء اور سابق صحیفوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اس کا پیام کوئی نرالا اور انوکھا نہیں، وہی توحید کا پرانا سبق ہے جو سارے سلسلۂ وحی میں مشترک رہا ہے۔ دُوسرے یہ کہ وہ فی نفسہٖ ایک ہدایت نامہ ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ اہل ایمان کے حق میں مایۂ بشارت ہے۔ ف ۳۴۲ یعنی جو شخص بھی اللہ یا اس کے پیمبروں یا اس کے فرشتوں، خصوصاً جبرئیل و میکائیل جیسے مقرب فرشتوں سے وہ رشتہ و تعلق قائم رکھتا ہے جو ان کے مرتبہ کو اجب کے منافی ہے۔ عدوّ۔ عربی میں بطور مصدر بھی آتا ہے، اور اس معنی میں یہ ضد ہے دوستی و محبت کا۔ منافاة الالتیام (راغب) دُوسرا استعمال اس کا بحیثیت اسم کے ہے، جیسا کہ یہاں ہے۔ اور اس معنی میں یہ مقابل ہے دوست کے۔ العدوّ للشخص ضد الصدیق (روح) اور اس کے مفہوم میں محض عداوت نہیں، بلکہ انکار، نافرمانی، حق ناشناسی، غرض دوستی و محبت کے منافی جو کچھ ہے سب داخل ہے۔ میکال یا میکائیل بھی جبرئیل کی طرح ایک فرشتہ مقرب کا نام ہے۔ مشہور روایتوں میں آیا ہے کہ ان کے ذمہ مخلوق کی رزق رسانی اور بارش ہے گویا جس طرح احکام تشریعی کے لیے واسطہ خاص حضرت جبرئیل ہیں، احکام تکوینی کے لیے واسطہ خاص میکائیل ہیں، پہلے کا تعلق خاص بارگاہِ الوہیت سے ہے۔ دُوسرے کا کارگاہِ ربوبیت سے۔ توریت میں ان کا ذکر بڑے تعظیمی لہجہ میں موجود ہے۔ یہود نے اپنے سارے تعلقات انہیں سے جوڑ رکھے تھے، اور انہیں اپنا قومی محافظ سمجھتے تھے۔ یہود نے جب حضرت جبرئیل کے حامل وحی ہونے سے انکار کیا تھا (ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳۳۹) تو اپنی عداوت و رغبت کا اظہار انہیں دو فرشتوں کا نام لے کر کیا تھا۔ اسی مناسبت سے قرآنی جواب میں بھی تصریح انہیں دونوں کے نام کی ہے۔ اور ساتھ ہی جیسا کہ قرآن مجید کا عمومی دستور کسی واقعۂ خاص سے ایک ہدایت عام بیان کر دینے کا ہے، ایک عام قاعدہ تمام معصوموں (یعنی انبیاء و ملائکہ) سے متعلق بیان کر دیا گیا۔ وَ۔ اہل لغت نے لکھا ہے کہ حرف واؤ ہمیشہ عطف و جمع ہی کے لیے نہیں آتا، بلکہ "یا" کے معنی بھی کبھی دیتا ہے۔ تکون بمعنی اَوْ (قاموس) چنانچہ یہاں چاروں جگہ اسی معنی میں ہے۔ یعنی ان اسماء کا مجموعہ مراد نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ جو کوئی ان میں سے کسی ایک کا بھی مخالف ہے۔ یعنی من کان عدوًا لاحد هؤلآء انه عدو للکل (معالم) یعنی من کان عدوًا لاحد من هؤلآء (کبیر) ف ۳۴۳ یعنی ایسا ہر شخص کافر سمجھا جائے گا اور اس کے ساتھ معاملہ وہ کیا جائے گا، جو دشمن کے ساتھ دشمن کرتا ہے۔ فقہاء نے آیت سے نکالا ہے کہ معصوموں کی اطاعت عین اطاعت الٰہی، اور معصوموں کی مخالفت عین مخالفت حق ہے۔ فرشتہ کی اطاعت توریت میں بھی عین اطاعت رب بتائی گئی ہے:۔ "دیکھ میں ایک فرشتہ تیرے آگے بھیجتا ہوں کہ راہ میں تیرا نگہبان ہو۔ اور تجھے اس جگہ جو میں نے تیار کی ہے لے آوے۔ اس کے آگے ہوشیار رہ اور اس کا کہا مان۔ اُسے مت چڑا۔ کیونکہ وہ تیری خطا نہ بخشے گا کہ میرا نام اُس میں ہے۔ پر اگر تو سچ مچ اُس کا کہا مانے اور سب جو میں کہتا ہوں کرے تو میں تیرے دشمنوں کا دشمن اور تیرے بیریوں کا بیری ہوں گا"۔ (خروج۔ ۲۳: ۲۰۔ ۲۱) یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلفائے راشدین و اصحاب رسول ﷺ جن کے فضائل گویا تواتر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں، ان کی مخالفت و عداوت بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ اہل اللہ سے عداوت رکھنا خود اللہ تعالیٰ کی عداوت کا سبب بن جاتا ہے۔

ف ۳۴۴ (آپ کی صداقت اور نبوت کے) یعنی ایک تو قرآن خود ایک معجزہ ہے، پھر دوسرے تائیدی شواہد و دلائل، بشارات و معجزات۔ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ سے مراد آیات قرآنی بھی ہوسکتی ہیں۔ یہ جن بےنظیر تعلیمات کی حامل ہیں، ان پر نظر کر کے بعض محققین نے یہی پہلو اختیار کیا ہے الاظهر ان المراد ایات الفرقان الذی لایاتی بمثله الجن والانس (کبیر) لیکن لفظ ایات ہے عام و وسیع۔

الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ ع ۱۰

عذاب سے تو نہیں بچا سکتا ف ۳۳۷ اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے (خوب) دیکھ رہا ہے ف ۳۳۸

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى

آپ کہ دیجیے جو کوئی جبریلؑ کا مخالف ہے ف ۳۳۹ تو انہوں نے تو اس (قرآن) کو

قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

آپ کے قلب پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے ف ۳۴۰ (وہ) تصدیق کرنے والا ہے اس (کلام) کا جو اس کے قبل سے

وَ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا

ہے اور ہدایت ہے اور ایمان والوں کے لئے خوشخبری ہے ف ۳۴۱ جو کوئی مخالف ہو

لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ

اللہ کا یا اس کے فرشتوں کا یا اس کے پیغمبروں کا یا جبریل کا یا میکائیل کا ف ۳۴۲

فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

تو اللہ (بھی) بالیقین مخالف ہے (ایسے) کافروں کا ف ۳۴۳ اور بالیقین ہم نے آپ پر روشن نشان

اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَ مَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

اتارے ہیں ف ۳۴۴ اور ان سے کوئی (بھی) انکار نہیں کرتا بجز نافرمانوں کے ف ۳۴۵

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ

کیا یہ ہے کہ انہوں نے جب کبھی بھی کوئی عہد کیا ہے ف ۳۴۶ تو انہیں میں سے کسی (نہ کسی) جماعت نے توڑ ہی پھینکا

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَ لَمَّا جَآءَهُمْ

ہے ف ۳۴۷ اصل یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر تو اعتقاد ہی نہیں رکھتے ف ۳۴۸ اور جب ان کے پاس

رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ

پیمبر اللہ کی طرف سے آئے تصدیق کرتے ہوئے اس (کتاب) کی جو ان کے پاس موجود تھی ف ۳۴۹

نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ

تو (ان) اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے کتاب اللہ کو

اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

اپنی پشت کے پیچھے پھینک مارا ف۳۵۰ گویا وہ جانتے ہی (بوجھتے) نہیں ف۳۵۱

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ

اور (یہ لوگ) پیچھے لگ لئے ف۳۵۲ اس (علم) کے جو سلیمانؑ کی بادشاہت میں شیطان پڑھا کرتے تھے ف۳۵۳

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا

اور سلیمانؑ نے (تو کبھی) کفر نہیں کیا، ف۳۵۴ البتہ شیطان (ہی) کفر کیا کرتے تھے ف۳۵۵

يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ

لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے ف۳۵۶ اور (وہ پیچھے لگ لئے) ف۳۵۷ اس (علم) کے بھی جو بابل میں دو فرشتوں

بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ

ہاروت و ماروت پر اتارا گیا تھا ف۳۵۸ اور وہ دونوں کسی کو بھی (اس فن کی باتیں) نہیں

اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ

بتاتے تھے، ف۳۵۹ جب تک یہ نہ کہہ دیتے ف۳۶۰ کہ ہم تو بس ایک (ذریعہ) امتحان ہیں ف۳۶۱ سو تم (کہیں) کفر نہ اختیار

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ

کرلینا ف۳۶۲ مگر (لوگ) ان دونوں سے وہ (سحر) سیکھ ہی لیتے ف۳۶۳ جس سے وہ جدائی ڈال دیتے درمیان مرد

وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ

اور اس کی زوجہ کے ف۳۶۴ حالانکہ وہ (فی الواقع) کسی کو بھی اس کے ذریعہ سے نقصان نہ پہنچا سکتے

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا

مگر ہاں ارادۂ الٰہی سے ف۳۶۵ اور یہ وہ چیز سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہے اور انہیں

اس لیے دوسرے بزرگوں نے سارے اقوال کو جمع کر کے لکھا ہے کہ اس سے مراد بھی کچھ ہے، قرآن بھی، معجزات بھی، کتب سابقہ پر اطلاع بھی، معجزاتِ سابقہ پر اطلاع بھی، قرآن کا قانونی نظام بھی، وقس علیٰ ہذا۔ اے القران والمعجزات المقرونة بالتحدی عما خفی واخفی فی الکتب السابقة او الشرائع او الفرائض او مجموع کل ماتقدم (بحر) یہود جو اپنے پیمبروں کے معجزات کی روایتوں کے خوب عادی ہو چکے تھے بار بار مطالبہ کرتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں، نبی ہیں تو کوئی نشانی تو دکھلائیں۔ جواب ملا کہ تم ایک نشانی کو کہتے ہو، ہم تو انہیں متعدد نشانات (بہ صیغۂ جمع) دیئے چکے ہیں اور وہ بھی دقیق و خفی نہیں، نمایاں و روشن۔ سب کو نظر آ جانے والے۔ ف۳۴۵ یعنی ان شواہدِ صریح اور دلائل روشن سے انکار کوئی فطرتِ سلیم والا تو کرتا نہیں۔ بس وہی لوگ کرتے ہیں جو قانونِ الٰہی کے توڑتے رہنے اور شرائع ربانی سے بغاوت کرنے کے خوگر ہو چکے ہیں۔ انجیل میں یہود کی قساوتِ قلب کے سلسلہ میں ہے کہ مسیح علیہ السلام نے ''اگرچہ اُن کے سامنے اتنے معجزے دکھائے تو بھی وہ اُس پر ایمان نہ لائے'' (یوحنا۔ ۱۲: ۳۷) ف۳۴۶ (خدایا اس کے کسی نبی کی اطاعت کا) ذکر انہیں عصیان پیشہ یہود کا چل رہا ہے۔ ف۳۴۷ بنی اسرائیل کی تاریخ، غداری، عہد شکنی، نافرمانی، سرکشی کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ توریت کے صفحے، انجیل کے ورق، قدیم مؤرخین یہود جوزیفس وغیرہ کے دفتر سب اسی سرگزشت سے لبریز ہیں اور یہاں اشارہ ان کی اسی قومی خصوصیت کی جانب ہے۔ ف۳۴۸ (اپنے کسی عہد و پیمان اطاعت کا) یعنی ایفائے عہد تو الگ رہا ان میں سے بہت سے اسی کے قائل نہیں ملتے کہ کبھی اطاعت کا عہد و پیمان کیا بھی تھا۔ گویا ایمان لَا يُؤْمِنُوْنَ میں اپنے اصطلاحی معنٰی میں نہیں لفظی معنٰی میں ہے۔ لَا يُؤْمِنُوْنَ کے دُوسرے معنٰی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ایمان کو ایمان اصطلاحی کے مفہوم میں لیا جائے اور یہ کہا جائے کہ یہ لوگ خود اپنی کتابوں اور صحیفوں پر ایمان کب رکھتے ہیں۔ لا یصدقون بکتابهم (کبیر) لایؤمنون بالتوراة (مدارک) ماحصل دونوں صورتوں کا یہی ہے، کہ وہ پاس عہد خصوصاً آخری نبی کی تصدیق کرنے کے عہد کا اپنے کو پابند ہی کب سمجھتے ہیں۔ ف۳۴۹ یعنی کتاب توریت کی۔ یہود کو بتایا یہی جا رہا ہے کہ نئے نبی جو آئے ہیں یہ تمہاری کتاب اور اس کے دین کو مٹانے کے لیے نہیں۔ یہ تو عین اسے تازگی بخشنے، اسے حیاتِ تازہ دینے کے لیے آئے ہیں۔ رَسُوْلٌ۔ یہ کس پیمبر کے آنے کا ذکر ہے؟ جائز ہے کہ رَسُوْلٌ کو مطلق رسول کے معنٰی میں لیا جائے، اور مراد اس سے کوئی بھی پیمبر سمجھا جائے۔ یہ معنٰی بھی یہود کی عام عادتِ تکذیب انبیاء و رسل کے لحاظ سے صحیح ہیں۔ لیکن ترجیح اس پہلو کو ہے کہ یہاں مراد رسول موعود، نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور رَسُوْلٌ۔ کا صیغہ نکرہ میں ہونا اس کے منافی نہیں۔ صیغۂ نکرہ جس طرح تعمیم کے لیے آتا ہے، عظمت و تکریم کے لیے بھی آتا ہے، اور وہی یہاں مقصود ہے۔ والتنکیر للتعظیم (ابوسعود) ف۳۵۰ نبذوه وراء ظهورهم۔ کتاب کے پس پشت پھینک دینے سے محاورہ میں مراد اس کی طرف سے بے التفاتی برتنے اور اس کی عملی مخالفت کرنے سے ہے۔ اے طرحوه بقلة اعتدادهم به (راغب) مثل بمایرمی به وراء الظهر استغناءً عنه و قلة التفات الیه (کشاف) کتاب اللہ سے یہاں کیا مراد ہے۔ یہود کی بے التفاتی اور بے تعلقی قرآن سے تو ظاہر ہی تھی، اور یہ کوئی بات ایسی ذکر کرنے اور توجہ دلانے کی نہ تھی۔ غضب یہ تھا کہ قرآن و صاحب قرآن سے مخالفت کی دُھن میں خود اپنی کتابِ آسمانی کی طرف سے بھی وہ بے پرواہ اور بے تعلق ہو گئے تھے۔ کہ آخر توریت میں بھی تو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت پیشگوئیاں، ان کی علامتیں اور ان پر ایمان لانے کی تاکید درج تھی۔ اس لیے محققین نے ترجیح اس کو دی ہے کہ کتاب اللہ سے یہاں مراد توریت ہے۔ یعنی التوراة (کشاف) قیل انه القران و قیل انه التوراة وهذا هو الاقرب (کبیر) و یعنی بقوله کتاب الله التوراة (ابن جریر۔ عن السدی) ف۳۵۱ (کہ اس کتاب کے اندر بھی کوئی مضمون اس قسم کا موجود ہے) لا یعلمون ما فی التوراة من الامر باتباع محمد صلی الله علیه وسلم و تصدیقه (ابن جریر)

ف۳۵۲ ذکر اسرائیلیوں کا چل رہا ہے۔ اور وہی یہاں مراد ہیں۔ خصوصاً یہودِ عرب ف۳۵۳ یعنی بجائے اس کے کہ وحیِ الٰہی کا اتباع کرتے اور رسولِ برحق کی تصدیق کرتے، یہ یہود تو ایک اور ہی علم کے پیچھے لگ گئے، اور وہ علم بھی کس کا؟ شیطان کا۔ قرآن مجید وقت کی اہم ترین قوم یہود کے پترے تو کھول ہی رہا ہے۔ اب اُس نے ان کی فردِ جرم میں ایک اس عنوان کا بھی اضافہ کیا کہ یہ لوگ وحیِ الٰہی کی اتباع کے بجائے ایک دوسرے ہی سفلی علم میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور اس ضمن میں قرآن مجید بعض اور اہم تاریخی اور دینی حقیقتوں کو زبردست روشنی میں لے آیا ہے۔ اس علم سے مراد فنِ سحر ہے۔ فنونِ سحر و کہانت میں یہود کی مہارت تاریخ میں مسلم چلی آ رہی ہے۔ ان کے اکابر و مشاہیر اس کا برابر اعتراف کرتے آئے ہیں بلکہ اکثر فخر کے ساتھ۔ قرآن مجید نے اکثر تاریخی حقائق کی طرح ان کی تفصیلات میں گئے بغیر، یہاں بھی صرف اشارہ کر دینا کافی سمجھا ہے۔ یہود کا یہ شوق ان کی قدیم تاریخ سے قطع نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی قائم تھا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کا یہودی النسل و یہود خصلت پروفیسر مارگولیس آنجہانی، جس کی اسلام دشمنی ضرب المثل کی حد تک پہنچی ہوئی ہے، اپنی انگریزی سیرتِ رسول میں معاصر یہودِ عرب کے سلسلہ میں لکھتا ہے:۔ ''یہ لوگ فنِ سحر کے ماہر تھے اور بجائے میدانِ جنگ میں آنے کے سفلی عملیات کو ترجیح دیتے تھے''۔ صفحہ ۱۸۹ اصل عبارت اور مزید حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اور ہمارے مفسرین نے بھی اس سحر پرستی میں یہود عہد سلیمانی اور یہود

عہد محمدی کو شریک سمجھا ہے۔ قیل یھود زمان سلیمان و قیل یھود زماننا و اللفظ فیھم عام و لجمیعھم محتمل وقد کان الکل منھم متبعًا لھٰذا الباطل (ابن عربی)۔ شیاطین۔ جب صیغہ جمع میں ہے، تو ظاہر ہے کہ ابلیس تو یہاں مراد ہو نہیں سکتا۔ اہل لغت اور اکابر اہل تفسیر دونوں کی رائے ہے کہ شیطانوں سے مراد یہاں خبیث و سرکش قسم کے جنات ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے۔ اے مردۃ الجن (راغب) المراد شیاطین الجن و ھو قول الاکثرین (کبیر) والمتبادر من الشیاطین مردۃ الجن و ھو قول الاکثرین (روح) و ھم المتمردون من الجن (ابوسعود) لیکن خود جنات کیا ہیں؟ جنات سے مراد وہ صاحب شعور و ادراک ہستیاں ہیں جن کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے اور جو انسانی آنکھ کو عموماً اور عادۃً نظر نہیں آتے۔ انسان کی طرح وہ بھی مکلف ہیں گو یہ ضرور نہیں کہ ان کی شریعت بھی جزئیات و تفصیلات کے لحاظ سے شریعت انسانی ہو --- اس آتشیں مخلوق کا وجود دلائل نقلی و شواہد سے پوری طرح ثابت ہے۔ اور اس وجود سے انکار پر کوئی ایک دلیل بھی قائم نہیں، نہ عقلی نہ نقلی۔ بعض کا قول ہے کہ مراد شیاطین انس ہیں، یعنی وہ سرکش و خبیث انسان جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے خلاف بغاوت میں پیش پیش تھے۔ اور آپ پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے تھے، اور سحر و کہانت کے بھی ماہر تھے۔ فرقہ معتزلہ کے متکلمین کا رجحان اسی معنی کی طرف ہے۔ قیل شیاطین الانس وھو قول المتکلمین من المعتزلۃ (کبیر) راغب لغوی نے بھی معنی جس طرح سرکش جنات کے جائز رکھے ہیں اسی طرح سرکش انسانوں کے بھی۔ فھم مردۃ الجن و یصح ان یکونوا ھم و مردۃ الانس ایضًا (راغب) اور مفسرین اہل سنت نے بھی گنجائش دونوں کے لیے رکھی ہے۔ الشیاطین من الجن و الانس او منھما (بیضاوی) و ھو یرید شیاطین الجن والانس (جصاص) اگر انسان ہی مراد لیے جائیں، یعنی دربار سلیمانی کے باغی سردار و سرغنہ، تو ان کا مفصل ذکر عہد عتیق کے بعض صحیفوں میں ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو ا۔ سلاطین باب ۱۱ و ۱۲ علٰی ملک سلیمٰن۔ یعنی آپ کے عہد حکومت میں۔ علٰی۔ صرف استعلاء کے لیے نہیں، بلکہ مصاحبت تعلیل وغیرہ کی طرح ظرفیت کے لیے بھی آتا ہے۔ اور فی کے معنی میں اس کا استعمال عام ہے۔ ابن جریر جو عربیت کے بھی امام ہیں لکھتے ہیں:۔ والعرب تضع فی فی موضع علٰی و علٰی فی موضع فی اور عرب فی کا استعمال علٰی کی جگہ پر کرتے ہیں اور علٰی کا استعمال فی کے موقع پر۔ اور اتقان (سیوطی) میں اس معنی کی تصریح ہے اور اہل لغت لکھتے ہیں:۔ کان ذٰلک علٰی عھد فلان اے فی عھد فلان (تاج) فلاں واقعہ علٰی عہد فلاں ہوا، اس کے معنی ہوتے ہیں "فی عہد فلاں" ہوا۔ خود قرآن مجید میں بھی علٰی ایک دوسری جگہ صاف فی کے معنی میں آیا ہے۔ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ (قصص، ع ۲) اے فی حین غفلۃ۔ چنانچہ یہاں بھی اہل تحقیق نے یہی معنی لیے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں۔ اے علی عھد سلیمان (ابن کثیر) اے فی عھد ملکہ (ابوسعود) اے فی عھد سلیمان (ابن جریر) اے فی ملکہ و عھدہ (معالم) سُلَيْمٰنَ۔ سلیمان بن داؤد (۹۹۰ ق، م تا ۹۳۰ ق، م غالبًا) اسرائیلی سلسلہ کے ایک نامور پیمبر گزرے ہیں، اور اپنے والد ماجد ہی کی طرح، لیکن ان سے بڑے تاجدار بھی۔ شام و فلسطین کے علاوہ آپ کے حدودِ حکومت مشرق کی سمت میں عراق کے دریائے فرات کے ساحل تک اور مغرب میں سرحد مصر تک وسیع تھے۔ آپ کی سلطنت کی عظمت و شوکت پر دوست دشمن سب کو اتفاق ہے اسلام میں اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی و اخلاقی مرتبہ، یعنی نبوت و رسالت کے ساتھ جس طرح فقر و مسکنت جمع ہو سکتے ہیں اسی طرح دولت و امارت، حکومت و ریاست بھی۔ اسلام کا خدا غریبوں اور امیروں، ناداروں اور زرداروں سب کا یکساں خدا ہے۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح ان یہود کے آباؤ اجداد عہد سلیمانی میں شیطانی مشغلوں (سحر و کہانت) میں لگے رہے اسی طرح آج خود بھی بجائے نبی کی ہدایتوں پر چلنے کے انہیں سفلی مشغلوں میں پڑے ہوئے ہیں و۳۵۴ (جیسا کہ ناسپاسوں، کافروں، افترا پردازوں نے مشہور کر رکھا ہے) آیت کے اس مقام پر پہنچ کر مومن کے قلب میں ذرا کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ یہ کہنے والی کون سی بات تھی جو قرآن نے فرمادی؟ جب حضرت سلیمان علیہ السلام پیمبر برحق تھے، تو یہ تو کھلی ہوئی اور موٹی سی بات ہے کہ آپ شائبہ کفر و شبہ کفر سے بہ مراحل دور تھے۔ پیمبر کے حق میں یہ نازل ہونا کہ وہ کفر سے بری تھے، یہ تو کچھ ایسی ہی بات ہوئی، جیسے کسی ملک کا بادشاہ یہ فرمان جاری کر کے رعایا کو بتائے کہ ہمارا نائب السلطنت باغی و غدار نہیں ہے۔ کھٹک بجا ہے۔ قرآن مجید کبھی کوئی چھوٹا سا بیان بھی بے ضرورت نہیں دیتا۔ مگر یہاں قرآن کو اس اعلان و اعلام کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کا علم سادہ دل مسلمان کو کیا ہو سکتا ہے؟ اس کا علم تو اس کے ہمہ بین و ہمہ دان پروردگار ہی کو ہو سکتا تھا۔ سلیمان علیہ السلام کو پیغمبر ماننے والی دو قومیں مسلمانوں سے پہلے بھی ہو چکی ہیں۔ یہ دونوں وہی ہیں جو اہل کتاب کہلاتی ہیں۔ یعنی یہود و نصاریٰ۔ ان دونوں کے اکابر نے ستم ظریفی کا کمال یہ دکھایا ہے کہ ایک طرف تو ان کی عظمت و پیمبری کے قائل ہیں، اور دوسری طرف ان کے نامۂ اعمال میں گندے سے گندے جرائم بھی ڈال دیئے ہیں! یہاں تک کہ کفر و شرک بھی! کہ اللہ کی عدالت میں کوئی جرم اس سے بڑھ کر یا اس کے برابر بھی سنگین تصور میں نہیں آسکتا۔ یہودی قصص و حکایات اور مسیحی آثار و روایات کی کتابوں کو چھوڑیے۔ خاص الخاص بائبل یعنی عہد عتیق کے صحائف، جن پر یہود و نصاریٰ دونوں کا ایمان ہے، انہیں ملاحظہ فرمالیجیے کہ اس مجموعہ میں آج تک کیا تصریحات لکھی چلی آرہی ہیں:۔ "جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اس کی جوروؤں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کیا، اور اس کا دل اپنے خدا کی طرف سے کامل نہ تھا۔" (ا۔ سلاطین۔ ۱۱: ۴، ۹، ۱۰) یعنی محض غفلت یا عدم اعتناء کی بنا پر عملی کوتاہی یا عصیان نہیں، صریح بدعقیدگی۔ توحید ہی کی طرف سے بے یقینی!۔۔۔ آگے اور ملاحظہ ہو:۔ "سو ازبس کہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے برگشتہ ہوا، اس لیے خداوند سلیمان پر غضبناک ہوا کہ اس نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ اجنبی معبودوں کی پیروی نہ کرے۔ پر اس نے اپنے خداوند کے حکم کو یاد نہ رکھا۔" (ا۔ سلاطین۔ ۱۱: ۹، ۱۰) معاذ اللہ۔ خدا کا پیمبر اور کفر و شرک میں مبتلا! کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی! دنیا سینکڑوں سال تک، ہزار ڈیڑھ ہزار سال تک، انہیں یہودیانہ تحریفات و اختراعات کا شکار ہو کر اس موحد اعظم کو نعوذ باللہ کافر و مشرک سمجھتی رہی۔ یہاں تک کہ قرآن آیا، جو ہر قوم ہر زمانہ کے سچے پیمبروں کی عزت و ناموس کا محافظ ہے۔ اور اس نے آکر، یقین نہ کرنے والی دنیا کے سامنے آکر، اعلان کیا کہ سلیمان کو معاذ اللہ کافر کہتے ہو! وہ تو کفر کے قریب تک نہیں گئے تھے! قرآن کی صدائے حق فضا میں بلند ہو کر خاموش ہو گئی۔ جن کے کان تھے انہوں نے سنا۔ دنیا اپنے کاروبار میں لگی رہی، پھنسی رہی۔ بائبل والوں نے بائبل کی پرستاری نہ چھوڑی۔ یہاں تک کہ تیرہ، ساڑھے تیرہ صدیاں اور گزر گئیں۔ اور اب قدرت حق کا اعجاز دیکھیے کہ اب جو محققانہ و فاضلانہ کتب جوامع و حاویات بائبل ہی کے پرستاروں کے قلم سے نکل رہی اور شائع ہو رہی ہیں وہ تائید اور تصدیق بائبل کی الزام دہی کی نہیں، قرآن کے جواب صفائی کی کر رہی ہیں! انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، برطانوی کاوش و تحقیق کا لب لباب ہوتا ہے، اس کے سب سے آخری ایڈیشن میں مقالہ زیر عنوان سلیمان نکال کر دیکھیے، صاف یہ مضمون ملے گا۔ "سلیمان خدائے واحد کے مخلص پرستار تھے"۔ (جلد ۲۔ صفحہ ۹۵۲ طبع چہاردہم) انسائیکلوپیڈیا ببلیکا، خاص مسیحی ہی فضلاء اور پرستاران بائبل کی تحقیق و تدقیق کا ثمرہ ہے۔ اس میں تو یہاں تک ہے کہ بائبل کی جو آیتیں ابھی اوپر نقل ہو چکی ہیں، ان کا حوالہ دے کر یہ لکھ دیا ہے کہ یہ عبارتیں بعد کو بڑھائی گئی ہیں، اور الحاقی ہیں! اور پھر لکھا ہے:۔ "یہ تو غالبًا صحیح ہے کہ سلیمان کی بیویاں متعدد تھیں، اسرائیلی بھی غیر اسرائیلی بھی۔ لیکن انہوں نے نہ تو سب کے لیے قربان گاہیں ہی تیار کرائیں، اور نہ خود خدائے واحد کی پرستش کے ساتھ ساتھ اپنی بیویوں کے دیوتاؤں کی پرستش کا تجربہ ہونے دیا"۔ (کالم ۸۹۔ ۴۶) خیر، یہ اعجاز تو کلام الٰہی کا تھا۔ اس سے بڑھ کر بھی ہوتا تو ہو سکتا تھا۔ لیکن محدود و ناقص عقل اور زمان و مکان سے مقید علم رکھنے والے بندوں نے اپنی ایمانی فراست و اشراقیت سے جو کام کر دکھایا ہے، وہ بھی اعجاز سے کچھ کم نہیں۔ رئیس المفسرین امام ابن جریر، آج کے نہیں، آج سے ایک ہزار سال قبل کے شخص ہیں، اور یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے شاید زیادہ واقف بھی نہ ہوں۔ آج نہیں، اس وقت اپنی تفسیر میں یہ روایات بصراحت درج کر گئے ہیں کہ آیت بالا یہود ہی کے گندے عقائد اور افتراء کے رد میں نازل ہوئی ہے جو آپس میں کہتے تھے کہ ان نئے مدعی نبوت کی نادانی تو دیکھو، کہ ابن داؤد علیہ السلام کو قال بعض احبار الیھود الا تعجبون من محمد یزعم ابن داوٗد کان نبیًا واللہ ما کان الا ساحرًا فانزل اللہ فی ذٰلک من قولھم وما کفر سلیمٰن الخ نبی اللہ کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ بخدا وہ تو بس ایک ساحر تھا۔ اللہ نے انہیں کے قول کے رد میں یہ آیت نازل کی ہے۔ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ الخ و۳۵۵ (اور اسے منسوب حضرت علیہ السلام کی جانب کر دیتے تھے) ان شیطانوں کی (خواہ وہ جن ہوں یا انس) ایک شیطنت یہ بھی تھی کہ اپنی

کافرانہ، ساحرانہ حرکتوں کی نسبت حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب کردیتے تھے، اور شہرت یہ دے دیتے تھے کہ ہم تو یہ جو کچھ کررہے ہیں، ان کی رضامندی بلکہ ان کے اشارہ ہی سے کررہے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ کے نبی برحق علیہ السلام کو ان گندگیوں سے کیا واسطہ ہوسکتا تھا۔ قرآن کریم نے کس کس طرح دوسری امتوں کے انبیاء کی طرف سے صفائی پیش کی ہے، انہیں کے امتیوں کے لگائے ہوئے داغ دھبے ان کی پاک سیرتوں سے دُور کیے ہیں۔ اور یہ ناشکرگزار قومیں ہیں کہ الٹی قرآن ہی کی دشمنی پر تلی ہوئی ہیں! ف۳۵۶ سحر نام ہے اسبابِ خفی (مثلاً تاثیرِ کواکب، استعانت شیاطین الجن وغیرہ) سے کام لے کر تصرفاتِ عجیب کرنے کا۔ خاص خاص مشقتوں اور ریاضتوں سے یہ فن حاصل ہوجاتا ہے۔ مشرک جاہل قوموں میں اس کا رواج پہلے بھی زور شور سے رہ چکا ہے۔ اب بھی ہے۔ شریعت اسلام نے اسے حرام قرار دیا۔ يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ۔ يُعَلِّمُوْنَ کا فاعل شیاطین ہونا ظاہر ہی ہے۔ اکثر مفسرین نے اسی ایک ترکیب کو اختیار کیا ہے اور یہاں بھی ترجمہ اسی لحاظ سے کیا گیا۔ لیکن اس کی بھی گنجائش ہے کہ فاعل بجائے شیاطین کے یہود ہی کو قرار دیا جائے، یعنی فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ کو۔ معنی اس صورت میں بجائے ماضی کے حال کے ہوجائیں گے۔ یعنی یہ یہود، لوگوں کو تعلیم دیتے رہتے ہیں سحر کی۔ سحر وکہانت تاریخ بنی اسرائیل کا ایک مسلم وناقابل انکار جزو ہے۔ خود عہد عتیق کے صحیفوں میں اس کی شہادت موجود ہے:۔ ”انہوں نے اپنے بیٹے بیٹی کو آگ کے درمیان گزارا اور فال گیری اور جادوگری کی...... ان باعثوں سے خداوند بنی اسرائیل پر نپٹ غصہ ہوا۔ اور اپنی نظر سے انہیں گرا کر دور کردیا“۔ (۲۔ سلاطین۔ ۱۷: ۱۷۔ ۱۸) ف۳۵۷ بیان انہیں یہود عرب کا چل رہا ہے۔ واؤ عاطفہ کبھی فقرہ کو فقرہ سے جوڑتا ہے، کبھی کبھی لفظ کو لفظ سے، اور کبھی فقرہ کو لفظ سے۔ یہاں فقرہ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ کا عطف ہے فقرہ ماقبل مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ پر اور دونوں فقرے تابع ہیں فعل اتَّبَعُوْا کے۔ گویا تقدیر کلام یوں ہے وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ الخ واتبعوا ما انزل على الملكين۔ بعض نے مَآ اُنْزِلَ الخ کا عطف السحر پر مانا ہے۔ عطف على السحر و قيل هو عطف على ما تتلوا اى واتبعوا ما انزل (کشاف) معنی میں کوئی بڑا فرق اس سے بھی نہیں پڑتا۔ اور حاصل دونوں صورتوں میں ایک ہی رہتا ہے۔ قرآن جو کچھ بھی کہتا ہے حق مطلق کی شانِ بے نیازی کے ساتھ بالکل بے خوف اور بے دھڑک کہتا ہے۔ اُسے کسی خارجی سہارے کی تلاش نہیں ہوتی۔ خارجی سہارے ازخود اس کی طرف کھنچتے چلے آتے ہیں۔ اُسے اپنی جگہ پر اطمینان کامل ہے کہ اس کے کسی بیان میں تردید کی گنجائش تو کجا، شک وتردد کا احتمال بھی کسی طالب حق کو نہیں ملے گا۔ یہودِ عرب کی طرف طویل فردِ جرم اُوپر سے مسلسل چلی آرہی ہے۔ ابھی ابھی ذکر ان کے فلسطینی سحر کا آچکا ہے، (سلیمان نبی علیہ السلام بادشاہ فلسطین کے تھے، ان کے عہد کا سحر فلسطینی ہی کہا جائے گا) اب وہ یہ بھی کہے ڈالتا ہے کہ یہ توحید کے پرانے امانت دار اور کتاب وسنت کے قدیم قدر شناس، یہی نہیں کہ عہد سلیمانی کے شیاطین جن وانس کی روایات سحر وکہانت کا حق ادا کررہے ہیں، بلکہ اس فلسطینی سحر کے علاوہ بابل یا عراق کے بھی سحر کے وارث بنے ہوئے ہیں! مدعی ہیں علم وفضل، دین وروحانیت کے، لیکن عملاً غرق ہیں فنونِ سحر کے انواع واقسام میں! تاریخ قدیم کے جاننے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ عہدِ رسالت وطلوعِ اسلام سے صدیوں قبل قوم بنی اسرائیل دو مستقل حصوں میں بٹ چکی تھی۔ ایک ٹکڑا وہ جو بخت نصر کے ہاتھوں جلاوطنی یا جبری ہجرت کے بعد کلدانیہ یا بابل (موجودہ عراق) میں رہ پڑا تھا اور وہیں بس گیا تھا۔ دوسری شاخ وہ جو ایک مدتِ دراز کے بعد وہاں سے واپس آکر پھر فلسطین میں آباد ہوئی --- آیت اس تاریخی حقیقت کو فاش کررہی ہے کہ عہد رسالت کے معاصر یہودِ عرب جامع ہیں فلسطینی اور بابلی دونوں قسم کے رذائل وخبائث کے۔ تاریخ قدیم کے یہ نازک دقائق، اور اپنی جگہ پر بالکل مسلّم ومستند حقائق، جو عام طور پر اچھے اچھے اہل علم کے علم میں بھی نہیں، ادا کرائے جارہے ہیں۔ کسی مؤرخِ اعظم کی زبان سے نہیں، عرب کے ایک اُمّی کی زبان سے! اللہ اللہ! ف۳۵۸ (کسی خاص حکمت ومصلحت کے ماتحت) دو باتوں کا اس سلسلہ میں استحضار رہے تو انشاء اللہ آیت کی تفسیر میں کوئی الجھن ذہن میں پیدا نہیں ہونے پائے گی:۔ ایک یہ کہ نزل و انزال کا اطلاق صرف احکام تشریعی میں نہیں ہوتا، امورِ تکوینی میں بھی برابر ہوتا رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ تکوینیات کے سلسلہ میں جو کام جیسا بھی لیا جاتا ہے، اس کے لیے واسطہ اور وسیلہ بہرحال فرشتے ہی ہوتے ہیں۔ اور یہ امر ان کی نزاہت ومعصومیت کے ذرا بھی منافی نہیں۔ مَآ اُنْزِلَ میں ما موصولہ ہے الذی کے معنی میں۔ بعض نے ما کو نافیہ قرار دے کر مَآ اُنْزِلَ کا عطف مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ پر کیا ہے۔ لیکن محققین نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا ہے اور ابن جریر میں اس پر مفصل گفتگو موجود ہے۔ ثم شرع ابن جرير فی رد هٰذا القول وانّ ما بمعنى الذى و اطال القول فی ذٰلک (ابن کثیر) ظاهره ان ما موصولة (بحر) عطف على السحر اى يعلمونهم ما انزل عليهما (ابوسعود) الجمهور على انّ ما بمعنى الّذى (مدارک) اُنْزِلَ۔ اللہ کی طرف سے ”نازل“ صرف کتاب وحکمت، وحی والہام ہی نہیں ہوتا۔ قحط، بیماری، موت سب کا نزول وانزال بہ حیثیت مسبب الاسباب اللہ ہی کی طرف سے ہوتا رہتا ہے۔ محاورۂ قرآنی میں انزال کا لفظ رزق (روزی) ماء (پانی) لباس (پوشاک) حدید (لوہے) انعام (چوپائے) کے سلسلہ میں صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ یہاں تک کہ رجز (عذاب یا بلا) کے لیے بھی یہی لفظ صراحۃً مستعمل ہوا ہے۔ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ (عنکبوت۔ آیت ۳۴) سو جن لوگوں نے نزولِ سحر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب کرنا اس کی قدوسیت کے منافی سمجھا وہ خود ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے۔ ایک سحر ہی پر کیا موقوف ہے، کائنات میں تمام اچھا برا، حق وباطل، ایمان وکفر، طاعت ومعصیت جو کچھ بھی موجود ہے سب کا وجود تکوینی حیثیت سے مسبب الاسباب ہی کے نازل کرنے سے تو ہوا ہے۔ انزال یہاں اپنے اسی وسیع معنی میں ہے۔ یعنی انہیں یہ بات بتادی گئی، ان کے دل میں یہ ڈال دیا گیا۔ کوئی اظہارِ شرف وتکریم مقصود نہیں۔ الانزال بمعنى التعليم والالهام (معالم) الانزال اما على ظاهره او بمعنى القذف فى قلوبهما (روح) قلنا كل خيرٍ او شرٍ او طاعةٍ او معصيةٍ او ايمانٍ او كفرٍ منزّلٌ من عندالله تعالىٰ (ابن عربی) انزل اى قذف فی قلوبهما مع النهى عن العمل (مدارک) الانزال بمعنى الخلق لا بمعنى الايحاء (ابن کثیر) الْمَلَكَيْنِ۔ لفظ کی قرأتِ مشہور مَلَک (بہ فتح لام) ہے۔ القراءة المشهورة بفتح اللام (کبیر) لیکن دوسری قرأت مَلِک (بہ کسر لام) کی بھی صحابہ وتابعین ہی کے زمانہ سے چلی آرہی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ ضحاک، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے۔ قرأ الحسن بكسر اللام و هو مروى ايضا عن الضحاک و ابن عباسؓ (کبیر) چنانچہ اسی دُوسری قرأت کی بنا پر مفسرین اسی طرف چلے گئے ہیں کہ یہ دونوں اصلاً فرشتے نہ تھے۔ بشر تھے اور بادشاہ، اور انہیں جو دوسری روایتوں میں فرشتے کہا گیا ہے، تو وہ محض مجازاً ہے، یعنی ان کے صفات ملکوتی کی بنا پر۔ قيل رجلان سُمّيا ملكين باعتبار صلاحهما (بیضاوی) لیکن جمہور کا قول وہی قرأتِ مشہور کی بنا پر ان کے فرشتہ ہونے کا ہے۔ ذهب كثير من السلف الى انهما كان ملكين من السماء وانهما انزلا الى الارض (ابن کثیر) اور نظامِ تکوینی میں فرشتوں کے اُوپر حقیقت سحر کا نزول ان کی نزاہت کے ذرا بھی منافی نہیں۔ خصوصاً جب کہ ان پر اس فن کے الہام کیے جانے سے مقصود ہی تمام تر اصلاح خلق تھا۔ یعنی لوگوں کو سحر وکہانت سے بچانا، نہ کہ اس پر آمادہ کرنا --- مجسٹریٹوں کو، پولیس کے افسروں کو، جرائم سے عملی واقفیت حاصل کرتے کس نے نہیں دیکھا ہے؟ ظاہر ہے یہ اس لیے نہیں ہوتا کہ وہ خود کوئی جرم کریں، بلکہ اس لیے کہ اپنی عملی واقفیت کو مجرموں کے ارتکاب جرم سے باز رکھنے میں کام میں لائیں۔ بابل۔ بابل جس قدیم ملک کا نام ہے۔ وہ موجودہ نقشہ اور جغرافیہ میں عراق عرب کہلاتا ہے۔ ملک کے پایۂ تخت کا بھی یہی نام تھا۔ شہر بابل دریائے فرات کے کنارے واقع تھا۔ موجودہ بغداد سے کوئی ۶۰ میل سمت جنوب میں۔ تقریباً وہیں جہاں آج حِلّہ کی آبادی ہے۔ شہر بہت بڑا تھا۔ رقبہ میلوں کا تھا۔ ملک اپنے عروج کے زمانہ میں بڑا سرسبز، شاداب، خوشحال، مہذب ومتمدن رہ چکا ہے۔ نہروں، پانی کے نلوں، شاہی قصر وایوان، زبردست قلعوں کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ ان سے اتنا تو بہرحال ثابت ہوجاتا ہے کہ ملک میں ماہرفن انجینئروں کی کمی نہ تھی۔ دجلہ وفرات دو دو مشہور دریا اس کے علاقہ کو سیراب کررہے تھے۔ سلطنت کے عروج کا زمانہ تخمینی طور پر ۳۰۰۰ ق، م سمجھا گیا ہے۔ ملک کی ایک خاص شہرت علومِ سحر، عملیات سفلی اور جنتر منتر کے لحاظ سے تھی۔ جنہیں آج انگریزی میں Occult Sciences (علم نیرنجات) کہتے ہیں۔ اسی ملک کا ایک دوسرا قدیم نام کالڈیا (کلدانیہ) ہے۔ اور انگریزی میں آج تک لفظ کالڈین (کلدانی) ساحر کا مرادف چلا آرہا ہے۔ یہود ونصاریٰ کے صحیفوں میں اس ملک کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ ذکر اس ملک کی عظمت کا بھی اور اس کی بدعملیوں، تباہ کاریوں کا بھی۔ ملاحظہ ہو صحیفہ دانی ایل ۴: ۳۔ مکاشفہ ۱۰: ۵ و ۱۸: ۳۰ وغیرہا۔ لیکن اس فہرست جرائم کا عنوان اول سحرکاری تھا۔ بائبل کی شہادت ملاحظہ ہو:۔ ”تیرے سوداگر زمین کے امیر تھے۔ تیری جادوگری سے زمین کی ساری قومیں گمراہ ہوگئیں۔ اور نبیوں اور مقدسوں اور زمین کے اور سب مقتولوں کا خون اس میں بہایا گیا۔“ (مکاشفہ۔ ۱۸: ۲۳ و ۲۴) پرانے کتبے اور نوشتے آج جو کچھ

دریافت ہوئے ہیں، ان کی متفقہ شہادت ہے کہ دین بابلی کا جزو اعظم سحر وکہانت، جنتر منتر، ٹونے ٹوٹکے تھے۔ ”بابلی مذہب کا جزو اعظم سحر وکہانت کے انواع واقسام ہیں...... بابلی مذہب کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھئے تو ہر طرف کہانت کے منتر ہی منتر نظر آئیں گے“۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، جلد ۲ صفحہ ۱۱۶) ایک اور فاضل کی تحقیق ہے:۔ ”مذہب بابل ونینوا کا جزو اعظم بھوت پریت کا اُتارنا جھاڑنا تھا۔“ (راجرس کی ریلیجن آف بابیلونیا اینڈ اسیریا، صفحہ ۱۴۵) یہ سحر پیشہ وکہانت دوست قوم جب ۵۳۸ ق م میں تاجدار ایران کے ہاتھوں برباد ومنتشر ہوئی، تو جہاں جہاں گئی اپنے ساتھ اپنے فنونِ سحر وکہانت کو بھی لیتی گئی۔ تاریخ کا بیان ہے:۔ ”یہ لوگ جہاں جہاں گئے اپنے ان علوم کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔ ان کی تعلیم دیتے رہے۔ اور ضعیف العقیدہ خلقت انہیں ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیتی رہی۔ (ریگوزین کی کالڈیا صفحہ ۲۵۵) یہود ان استادوں کے شاگرد رشید ثابت ہوئے:۔ ”بابل کے میل جول نے اسرائیلیوں کے عقائد متعلق ملائکہ وشیاطین کو متاثر کرنا شروع کیا“۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد ۱۳۔ صفحہ ۱۸۷، طبع یازدہم) خود یہود کے اکابر کا اعتراف ہے کہ:۔ ”بابل کا مذہبی احترام ہر خطہ کے یہود میں قائم رہا“۔ (جیوش انسائیکلو پیڈیا۔ جلد ۶۔ صفحہ ۴۱۳) ہمارے قدیم مفسرین کی تربتیں اللہ ٹھنڈی رکھے۔ بغیر اس کے کہ ان کے کان میں بھنک بھی آوازوں کی پڑے کہ انیسویں صدی کے آخر میں سر ہنری رالنسن کو، اور بیسویں صدی میں سر لیونارڈ وولی اور دوسرے ماہرین اثریات کو بابل کے کھنڈروں میں کیسے کیسے کتبے عملیات اور نقوش سے لبریز مل گئے۔ محض اپنی قوتِ ایمانی کی بخشی ہوئی جلاء واشراقیت سے کام لے کر، مَآ اُنۡزِلَ عَلَى الۡمَلَكَيۡنِ کا عطف مَا تَتۡلُوا الشَّيٰطِيۡنُ پر کر کے اس تاریخی حقیقت کو صاف اور بے نقاب کر گئے کہ یہود کی فردِ جرم دونوں جرموں سے سیاہ ہے۔ اتباعِ سحر فلسطین سے بھی، اور اتباعِ سحر بابل سے بھی! خود قرآن کا اعجاز تو خیر بہت بڑی چیز ہے، حق یہ ہے کہ قرآن والوں کا اعجاز بھی اپنی جگہ دلوں کو ہلا دینے کے لیے بالکل کافی ہے۔ بابل کی اسی سحر پرور وکہانت خیز سرزمین میں جب عملیاتِ سفلیہ اور علوم سحریہ کا زور حد سے بڑھ گیا، اور عوام کے ذہن میں ہادیانِ حق انبیاء کرام اور اولیائے صالحین کی حیثیت خلط ملط اور ملتبس ہو کر کاہنوں، ساحروں، عاملوں، شعبدہ بازوں کی ہو کر رہ گئی، تو مشیتِ الٰہی اور حکمت ربانی نے حق وباطل کے ان دو علمبردار گروہوں کے درمیان نمایاں فصل وامتیاز کرانے اور لوگوں کی اصلاحِ خیال کے لیے دو فرشتوں کو انسانی صورت وقالب میں بھیجا۔ هَارُوۡتَ وَمَارُوۡتَ۔ یہ نام ہیں ان دونوں فرشتوں کے۔ دونوں اپنی اصلی حقیقت کے لحاظ سے فرشتے تھے۔ لیکن جب ایک غرضِ خاص کے ساتھ انسانوں کے درمیان رہنے بسنے کے لیے بھیجے گئے تھے، تو ظاہر ہے کہ ان کی شکل وشباہت، رنگ وروپ، جسم وقالب انسانوں ہی کا ہوگا۔ اور ان کی عادتیں اور ان کے جذبات بھی بالکل بشری ہوں گے۔ بعض اہل تفسیر نے یہاں ایک قصہ یہود کا بیان کیا ہوا، ملک عراق کی مشہور رقاصہ اور بیسوا زہرہ کا نقل کیا ہے۔ لیکن اوّل تو آیت کی تفسیر اس قصہ پر موقوف کسی درجہ میں بھی نہیں۔ دوسرے خود محدثین اور محققین تفسیر نے اس کی صحت سے بالکل انکار کر دیا ہے۔ اور صاف لکھ دیا ہے کہ قصہ بالکل گڑھا ہوا اور لغو ومردود ہے۔ اور اس گروہ میں قاضی عیاض، امام رازی، شہاب الدین عراقی وغیرہم شامل ہیں۔ اعلم ان هٰذه الرواية فاسدة مردودة غير مقبولة (کبیر) وهٰذا كله لا يصح منه شئ (بحر) و نص الشهاب العراقي على ان من اعتقد في هاروت و ماروت انهما ملكان يعذبان على خطيئهما مع الزهرة فهو كافر بالله تعالىٰ (روح) لیکن بالفرض صحیح ہو بھی، تو جب کسی خاص حکمت ومصلحت سے کسی فرشتہ کو پیکر انسانی اور جذباتِ بشری دے دیئے گئے، تو اگر کسی وقت وہ ملکوتی الاصل انسان بشری جذبات سے مغلوب بھی ہو جائے، تو اس میں کوئی استحالہ نہ شرعی ہے نہ عقلی۔

و۳۵۹ يُعَلِّمٰنِ۔ تعلیم کے متعارف مفہوم کی بنا پر اس لفظ سے یہ شبہ نہ ہو کہ ملائکہ سحر کا درس یا سبق دیا کرتے تھے۔ استغفر اللہ۔ تعلیم کے معنی علاوہ سکھانے اور سبق دینے کے، اعلام یعنی جتلانے، بتلانے، آگاہ کرنے کے بھی آتے ہیں۔ والتعليم ربما يستعمل في معنى الاعلام (راغب) چنانچہ ماہرین قرآن کی ایک جماعت نے یہاں بھی یہی معنی لیے ہیں۔ والتعليم بمعنى الاعلام (معالم) فكان المعنى في يُعَلِّمَانِ يُعْلِمَان (بحر) التعليم انما هو تعريف يسير بمبادئه (بحر) اور خود ایک قرأۃ بھی مصدر اعلام کے ساتھ منقول ہے۔ و قرأ طلحة من مصرف يعلمان بالتخفيف من الاعلام (روح) من احدٍ میں من زائد ہے، تاکید استغراق کے لیے۔ معنی ہوں گے ”کسی کو بھی“ یا ”کسی ایک کو بھی“ من زائد لتا كيد استغراق الجنس (بحر)

و۳۶۰ (بہ نظر احتیاط مزید) ملائکہ اس باب میں اتنی احتیاط رکھتے کہ خیر خود سے تو کسی کو کیا بتلاتے، سکھلاتے، جو لوگ پوچھنے آتے، انہیں بھی پہلے متنبہ کر دیتے۔ حتّٰى ينصحاه اوّلاً (معالم) حتىٰ يتنبهاه و ينصحاه (مدارک) لا يعلماه حتّٰى يبالغا في نهيه (جصاص)

و۳۶۱ امتحان یعنی وہ چیز جس سے کھل جائے کہ سحر وکہانت سے بچا کون کون رہا اور مبتلا ان میں کون کون ہو گیا۔ فِتۡنَةٌ کے معنی امتحان، آزمائش جانچ پڑتال کے ہیں۔ تارة يستعمل في الاختبار (راغب) اور یہاں بھی آزمائش ہی مراد ہے۔ ومعناها في هٰذا الموضع الاختبار والابتلاء (ابن جریر۔ عن ابن جریج) اى ابتلاء و اختبار من الله (کشاف) مطلب یہ ہوا کہ یہ انسان نما ملائکہ کسی پر بھی حقیقت سحر کو نہ کھولتے، کسی کو بھی کلماتِ سحر پر مطلع نہ کرتے جب تک کہ اُسے متنبہ نہ کر دیتے۔ ہوتا یہ تھا کہ فسق پیشہ لوگ آ کر ہاروت وماروت کو گھیرتے اور ان سے اصرار کر کے دریافت کرتے، کہ آپ ہمیں سحر سے روک تو رہے ہیں، لیکن یہ تو بتائیے کہ سحر کہتے کسے ہیں۔ وہ ہیں کون سے اعمال و اقوال جن پر سحر کا اطلاق ہوتا ہے؟ فرشتے انہیں اس تنبیہ ویاد دہانی کے بعد کہ اس فن سے کام لینا کفر ہے، جب انہیں آگاہ وخبردار کرنے کے لیے ان اعمال واقوال کی نقل وحکایت ان کے سامنے کرتے تو وہ فسق پیشہ لوگ اس سے فائدہ یہ اُٹھاتے کہ خود اس فن ہی کے سیکھ جانے کا کام لینے لگتے ــــ بالکل ایسی ہی بات جیسے آج کوئی کسی فقیہ عالم سے یہ دریافت کرے کہ رشوت اور سود کا اطلاق کن کن آمدنیوں پر ہوتا ہے، اور پھر ان سے بچنے کے بجائے الٹا انہیں طریقوں پر عمل شروع کر دے! یہ مفہوم طبع زاد نہیں۔ حضرت علی علیہ السلام سے ایک اثر ٹھیک اسی معنی میں مروی ہے۔ قال علي كانا يعلمان تعليم انذار لا تعليم دعاء اليه كانهما يقولان لا تفعل كذا كما لوسأل سائل عن صفة الزنا او القتل فاخبر بصفته ليجتنبه (بحر)

و۳۶۲ (ان اعمال واقوالِ سحر کو اختیار کر کے) اى لا تجعل ما تسمع منّا سببا للكفر (ابن عربی) فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اعمال واقوالِ سحریہ کا اعتقاداً اختیار کر لینا کفر کے مرادف ہے۔ اى لا تكفر بعمل هٰذا السحر و اعتقاده فثبت ان ذٰلك كفرٌ اذا عمل به و اعتقده (جصاص) اس میں فقہائے امت کا اختلاف شروع سے چلا آ رہا ہے، کہ آیا مطلق سحر یعنی اس کا سیکھنا بھی حرام ہے یا محض اس پر عمل۔ شروع سے قول دونوں قسم کے ملتے ہیں۔ بعض نے تعلّم کو بالکل جائز رکھا ہے اور صرف عمل کو حرام قرار دیا ہے اور بعض نے نفسِ تعلّم کو بھی۔ قيل فلا تفعله لتعمل به و هٰذا على قول من قال تعلمه جائز والعمل به كفر و قيل لا تكفر بتعليم السحر و هٰذا على قول من قال ان تعلمه كفر (بحر) بعض نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ سحر کا سیکھنا بہر صورت حرام ہے یہاں تک کہ کافر ساحروں کے رَد کے لیے سیکھا جائے جب بھی حرام ہے۔ اس لیے کہ کلامِ الٰہی فَلَا تَكۡفُرۡ دلالت کرتا ہے مفہوم کی علی الاطلاق حرمت پر، اور وہ سحر ہے (رد المحتار) لیکن یہ تحقیق خود حنفیہ کے ہاں بھی متفق علیہ نہیں، اور شافعیہ کو تو اس سے بالکل اختلاف ہے۔ فلا تكفر باعتقاد جوازه والعمل به وفيه دليل على ان تعلم السحر وما لا يجوز اتباعه غير محظور وانما المنع من اتباعه والعمل به (بیضاوی) اى لا تتعلم السحر فتعمل به فتكفر (معالم) فلا تكفر بتعلمه والعمل به على وجه يكون كفرًا (مدارک) مفسر تھانوی کی تحقیق اس موقع پر بھی قابل قدر ہے:۔ ”سحر کے فسق یا کفر وغیرہ ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس میں کلماتِ کفریہ ہوں مثل استعانت شیاطین وکواکب وغیرہ۔ تب تو کفر ہے خواہ اس سے کسی کو ضرر پہنچایا جائے، یا نفع پہنچایا جائے، اور اگر کلماتِ مباحہ ہوں تو اگر کسی کو خلاف اذن شرعی کسی قسم کا ضرر پہنچایا جائے، یا کسی اور غرضِ ناجائز میں استعمال کیا جائے تو وہ فسق ومعصیت ہے۔ اور اگر ضرر نہ پہنچایا جائے۔ نہ کسی اور غرض ناجائز میں استعمال کیا جائے تو اُسے عرف میں سحر نہیں کہتے بلکہ عمل یا عزیمت یا تعویذ گنڈہ کہتے ہیں اور وہ مباح ہے۔ اور اگر کلمات مفہوم نہ ہوں تو بوجہ احتمال کفر ہونے کے واجب الاحتراز ہے۔ اور کفر عملی کا اطلاق ہر ناجائز پر صحیح ہے۔“

و۳۶۳ یعنی وہ فسق پیشہ اور معصیت دوست لوگ سحر سیکھ ہی جاتے۔ ملائکہ کی نیت کا بخیر ہونا بالکل ظاہر ہے۔ وہ تو نفس مسئلہ سمجھاتے، سحر کی حقیقت بیان کرتے، اس کی حرمت کا حکم صادر کرتے، لیکن فاسد الطبع لوگ اس سے فن سیکھ جاتے۔ اور اسے کام میں لانے لگتے

و۳۶۴ ذکر،

يَنْفَعُهُمْ ؕ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ

نفع نہیں پہنچا سکتی و۳۶۶ اور (یہ بھی) یہ خوب جانتے ہیں و۳۶۷ کہ جس نے اسے اختیار کرلیا اس کے لئے

فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا

آخرت میں کوئی حصہ نہیں و۳۶۸ اور بہت ہی بری وہ چیز ہے جس کے عوض میں انہوں نے

بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ

اپنے آپ کو بیچ ڈالا ہے و۳۶۹ کاش وہ (اتنا ہی) جانتے و۳۷۰ اور اگر وہ

اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ

ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے، تو اس کا ثواب اللہ کے ہاں کہیں بہتر ہوتا کاش وہ

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا

(اتنا) جانتے و۳۷۱ اے ایمان والو

تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ

”رَاعِنَا“ مت کہا کرو و۳۷۲ اور ”اُنْظُرْنَا“ کہا کرو اور سنتے رہا کرو و۳۷۳

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور کافروں کے لئے عذاب دردناک ہے و۳۷۴ جو لوگ کافر ہیں (خواہ)

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ

اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے و۳۷۵ وہ اسے (ذرا بھی) پسند نہیں کرتے کہ

عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَخْتَصُّ

تمہارے اوپر کوئی بھی بھلائی تمہارے پروردگار کی طرف سے اتر کر رہے و۳۷۶ حالانکہ اللہ اپنی رحمت سے جسے

بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

چاہے مخصوص کر لے و۳۷۷ اور وہ بڑے ہی فضل والا ہے و۳۷۸

ع ۱۲

ایک بار پھر حافظہ کو تازہ کر لیجیے، یہود کا چل رہا ہے۔ یہود عہد سلیمانی کا، نیز ان کی اولاد در اولاد کا۔ قرآن، ایک اُمی کا لایا ہوا قرآن، ان کی فردِ جرم سناتے سناتے یک بیک یہ بھی کہہ ڈالتا ہے کہ یہود سحر اور عملیات سفلی میں تو مشغول رہتے ہی تھے، لیکن ان میں بھی خصوصاً ان عملیات میں جن کا تعلق میاں بیوی کے افتراق سے تھا۔ قرآن نے تو ضمناً اور گویا بالکل لپیٹ میں ایک بات کہہ دی۔ اب دیکھئے بیسویں صدی کے علمائے یہود اور محققین اسرائیلی اپنے اسلاف کے مشغلۂ سحر و ساحری کی نوعیت سے متعلق کیا شہادت دیتے ہیں:۔ ”سحر کی سب سے زیادہ عام متداول صورت اُس نقش کی تھی جو عشق و محبت کے لیے دیا جاتا تھا۔ خاص کر وہ نقش جو ناجائز آشنائیوں کے لیے لکھا جاتا تھا۔ اس قسم کے سحر کی ماہر عورتیں ہی زیادہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ ذکر بھی سحر اور حرامکاری کا عموماً ساتھ ہی ساتھ آیا ہے“ (جیوش انسائیکلو پیڈیا، جلد ۸ صفحہ ۲۵۵) و۳۶۵ یعنی بجز مشیت تکوینی کے۔ اسلام نے شرک کی جڑ جس جس طرح کاٹی ہے، اس کے لحاظ سے یہ صراحت ضروری بھی تھی۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ کہیں مؤثر حقیقی ان عملیاتِ سحریہ کو، اس منتر جنتر کو، ان ٹونے ٹوٹکوں کو ہرگز نہ سمجھ لینا۔ ان میں قوت ذرا سی بھی نہ تھی۔ مؤثر و فاعل حقیقی جس طرح ہر حال میں ہماری مشیت، صرف ہماری تجلی ارادی تکوینی رہتی ہے۔ اس موقع پر بھی صرف وہی رہی۔ اذن اللہ کے معنی یہاں تقدیر الٰہی، مشیت تکوینی، قضا و قدر کے ہیں۔ معناه الا بقضائه و قدرته و مشيّته (معالم۔ عن سفیان ثوری) اي بعلمه تكوينية فالساحر يسحر والله يكوّن (معالم) اي بعلمه و مشيته (مدارک) يعنى بحكمه و قضائه لا بامره (ابن عربی) بس اتنا یاد رہے کہ یہ اللہ کی قدرت، مشیت، حکمت تکوینی ہرگز ہرگز اللہ کے حکم یا رضا کے مرادف نہیں ——زہر کے اثر سے بے گناہوں کی ہلاکت، کافروں کے ہاتھوں اولیاء و انبیاء کی اہانت و اذیت، مشرکوں کا مسلمانوں پر غلبہ و تسلط، جس قانون حکمت تکوینی کے مطابق یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے، اسی کے ماتحت سحر بھی اپنا اثر دکھاتا ہے اور رضائے الٰہی سے بُعد جس قدر غلبۂ کفر وغیرہ کو ہے، اسی قدر تاثیر سحر کو۔ ہر ہر ارادۂ الٰہی کے اندر کتنی کتنی تکوینی حکمتیں اور کائناتی مصلحتیں ہوتی ہیں، اس کا علم بھی بجز اسی دانا و بینا، علیم و خبیر کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ و۳۶۶ (جیسا کہ ہر معصیت کا قاعدہ ہے کہ اس کی تحصیل مضر اور غیر مفید ہی ہوا کرتی ہے) یعنی یہ بد بخت یہود اپنا وقت اور اپنی قوتیں کیسی ضائع کر رہے ہیں، ان علوم و فنون کی تحصیل میں جو ان کے حق میں نافع تو ذرا سے بھی نہیں اور مضر ہی ہیں۔ ضمناً اس سے علوم سحریہ کے سیکھنے کی ممانعت بھی نکل آئی، جیسے ان علوم عقلیہ و فلسفیہ سے جو گمراہی کی طرف لے جائیں۔ فيه دليل على انه واجب الاجتناب كتعلم الفلسفة التى تجرّ على الغواية (مدارک) و۳۶۷ (خود اپنے مذہبی نوشتوں کی تصریحات سے) اشارہ عہد رسالت کے یہود کی جانب ہے۔ یہ کلام متعلق ہے آیہ ماقبل لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ الخ سے۔ یہود عہد سلیمانی اور ان کی ساحری کا قصہ درمیان میں آ گیا تھا۔ اب رجوع پھر اسی پہلے تذکرہ کی جانب ہے۔ یعنی یہود معاصرین عہد رسول سے متعلق۔ متعلق بقوله تعالىٰ وَلَمَّا جَآءَهُمْ و قصة السحر مستطردة فى البين فالضمير لأولٰئک اليهود (روح) قرآن نے کس دعوٰی سے کہہ دیا، کہ (لَقَدْ عَلِمُوْا) یہ یہود ہی خوب جانتے ہیں کہ سحر و ساحری کیسی گندی چیز ہے۔ یہود کہہ سکتے تھے کہ ہم کہاں جانتے ہیں؟ کس نے ہمیں یہ خبر دی ہے؟ ہمارے مقدس نوشتوں میں کہاں یہ موجود ہے؟ مگر نہ کہہ سکے۔ اس لیے کہ آج کی تحریف شدہ، مسخ شدہ توریت تک میں یہ تصریحات باقی ہیں:۔ ”تو جادوگری کو جینے مت دے“۔ (خروج۔ ۲۲:۱۸) ”اور جادو نہ کرو، اور ساعتوں پر لحاظ مت کرو“ (احبار ۱۹:۲۶) ”اور نہ رمال و ساحر ہو کیوں کہ وہ سب جو ایسے کام کرتے ہیں، خداوند کی نفرت کے باعث ہیں۔“ (استثناء۔ ۱۸:۱۲) و۳۶۸ اشْتَرٰىهُ۔ ضمیر سحر کی طرف ہے۔ اي اختار السحر (معالم) اي استبدل ما تتلوا الشيٰطين بكتاب الله و استبدل السحر بدين الله (جصاص) یہود کو دعوتِ حق دی جا رہی تھی۔ پیام ان کے پاس مذہب توحید کا پہنچ رہا تھا۔ اور وہ تھے کہ اُدھر سے غافل و بے پروا، فارغ و غیر متوجہ، اپنے انہیں علومِ سحر و کہانت میں لگے ہوئے اور انہیں خرافات کو کمال کے درجہ میں رکھے ہوئے تھے۔ اشارہ ان کی اسی محرومی و بدنصیبی کی جانب ہے و۳۶۹ ”اپنے آپ کو بیچ ڈالا“ یعنی اپنی جان کو عذاب و ہلاکت میں ڈالا۔ بئسما شروا به۔ وہ بری چیز کفر و اعمال سحریہ ہیں جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ بندوں کے حال پر کمال شفقت سے تاسف و حسرت کے لہجہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ دین برحق جیسی نعمت سے منہ موڑے ہوئے یہ کفر و سحر اختیار کیے ہوئے ہیں۔ گویا دوزخ کی خریداری کر چکے ہیں۔ حيث اختاروا السحر والكفر على الدين والحق (معالم) و۳۷۰ یعنی افسوس کہ اس حد تک بھی انہوں نے اللہ کی دی ہوئی عقل سلیم سے کام نہ لیا! و۳۷۱ (اور اپنی موجودہ روش کفر و فسق سے تائب ہو جاتے) گنہگار بلکہ سرکش و نافرمان و غدار بندوں کے حق میں اس قدر تاسف اسی مالک حقیقی ہی کا حصہ ہے! کیا حد ہے اس شفقت و کرم بے حساب کی! و۳۷۲ (مجمع میں رسول اللہ کو مخاطب و متوجہ کرتے وقت) رسول اللہ ﷺ جب مجمع میں قرآن مجید سناتے یا تبلیغ کرتے ہوتے اور لوگ کوئی بات سن نہ پاتے تو قدرۃً دوبارہ آپ کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہتے۔ یہود نے ایسے موقع کے لیے ازراہ شرارت لفظ رَاعِنَا استعمال کرنا شروع کیا تھا۔ اس کے اصل معنی تو صرف اس قدر ہیں کہ ”ہماری رعایت کیجیے“۔ لیکن رَاعِنَا کے ”ع“ کو ذرا کھینچ کر پڑھنے سے اس کے معنی میں ایک گستاخانہ مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ مسلمان اس شرارت سے غافل، بے خبر، خالی الذہن، خود بھی بعض

اوقات یہ لفظ بولنے لگتے۔ یہاں انہیں کو یہ ممانعت ہورہی ہے۔ اُنْظُرْنَا کے معنیٰ ہیں ''ہمارے اُوپر نظر کیجئے''۔ اور یہ پہلوئے ذم سے خالی ہے۔ آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مرتبہ رسالت کا ادب صرف معنوی ہی حیثیت سے نہیں، لفظی حیثیت سے بھی ضروری ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جن الفاظ سے احتمال بھی اہانت کا نکلتا ہے، ان سے احتیاط لازم ہے۔ **وھٰذا دلیل علٰی تجنب الالفاظ المحتملة التی فیھا التعرض للتنقیص** (ابن عربی) بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تو ایسے الفاظ پر حدِ واجب ہوجاتی ہے۔ فقہاء حنفیہ نے جو اپنی باریک بینی کے لیے سب سے ممتاز ہیں، یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ اس بحث کا فیصلہ کہ فلاں مقام پر مراد امر خیر ہے یا شر، واضع کی نیت کے لحاظ سے ہوگا، تابع کی رائے سے نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ظاہر ہے کہ سوءِ ادب کے قصد سے بالکل بری تھے۔ ممانعت جو کی گئی، وہ یہود کی نیت پر حکم کرکے۔ **ف۳۷۳** (رسول ﷺ کے ارشادات، ادب و تعظیم کے ساتھ) حال کے بعض گمراہ فرقوں نے ایمان و اسلام کے لیے رسول ﷺ کی شخصیت سے بالکل قطع نظر کرکے محض قرآن کی اتباع کو کافی سمجھ لیا ہے، ان کی گمراہی آیت سے ظاہر ہے۔ **ف۳۷۴** (پیمبر برحق کی توہین اور اپنی دناءتِ اخلاق کی پاداش میں) خصوصاً ان کافروں کے لیے جو رسول ﷺ کے ساتھ شدتِ بغض و عداوت میں اس حد تک پہنچ جائیں، اور عام انسانیت و تہذیب کے بھی حدود کا لحاظ نہ رکھیں --- ایسے بدتمیز معاندین کی اصلاح کی توقع بھی کیا ہوسکتی تھی۔ **ف۳۷۵** اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ کافروں یعنی طریق اسلام کے منکروں کی بڑی قسمیں دو ہیں۔ ایک مشرک جو سرے سے توحید، رسالت، ملائکہ و جنات ہی کے قائل نہیں۔ بلکہ ان کے بجائے عجب عجب تخیلات اور اوہام گڑھ رکھے ہیں۔ دوسرے اہل کتاب جو ان بنیادی حقائق پر لفظاً ایمان رکھتے ہیں، لیکن عملاً و معناً ان میں سے ہر حقیقت کو مسخ کرچکے ہیں۔ یہاں جملہ میں آگے جو خبر نکلے گی، اس کا مبتدا بھی اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ہے۔ مزید صراحت کے لیے اس کی دونوں قسموں کو بھی کھول کر بیان کردیا جائے۔ اَھْلِ الْکِتٰبِ۔ یہ لفظ قرآن مجید میں پہلی بار آیا ہے۔ قرآنی اصطلاح میں یہ لفظ مومنین اور مشرکین کا درمیانی درجہ رکھتا ہے۔ اور اس کا اطلاق یہود و نصاریٰ پر ہوتا ہے۔ جو اصلاً توحید و نبوت و معاد کے قائل تھے، اور آسمانی صحیفے بھی اپنے پاس رکھتے تھے، گو معنوی اور لفظی تحریفات کے لحاظ سے بالکل مسخ شدہ اور قرآن اور صاحب قرآن کے منکر تھے۔ اَلْمُشْرِکِیْنَ۔ مشرک وہ تھے، جو سرے سے توحید و نبوت ہی کے قائل نہ تھے، بجائے ایک خدائے واحد کے مختلف فرشتوں کو مختلف قوی کا مستقل مالک و متصرف سمجھتے تھے۔ ان کو دیویوں، دیوتاؤں کے نام سے پکارتے، اور انہیں کی پرستش کرتے۔ اور مختلف عناصر اور مظاہر فطرت کی بھی الوہیت کے قائل رہتے۔ حیرت اور افسوس ہے کہ انگریزی کے تقریباً کل مترجمین قرآن اور اردو کے بھی متعدد شارحین نے شاید افراط ''روشن خیالی'' کے اثر سے ترکیب عبارت کو بالکل نظر انداز کرکے ترجمہ یوں کردیا ہے:۔ اہل کتاب میں سے جو کافر ہیں وہ اور مشرکین (ذرا بھی) پسند نہیں کرتے'' حالانکہ یہ ترجمہ کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ اوّل تو اَھْلِ الْکِتٰبِ کا مفہوم ہی کافر اہل کتاب کا ہے۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو اہل کتاب کہے ہی کیوں جائیں؟ مومن ہی نہ کہلانے لگیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ ان میں سے جو کافر ہیں، خود ہی بے معنی ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر صریح اور قاطع اَلْمُشْرِکِیْنَ کا اعراب ہے۔ اَلْمُشْرِکِیْنَ حالت جری میں ہے۔ اور مِنْ حرف جار کا مجرور۔ اس کا عطف صریحاً اَھْلِ الْکِتٰبِ پر ہے۔ اگر اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا پر ہوتا تو حالت رفعی میں ہوتا۔ اور بجائے اَلْمُشْرِکِیْنَ کے المشرکون ہوتا۔ ایک حدیث میں کافروں کی یہ دوگونہ تقسیم اہل کتاب و مشرکین میں صراحت کرکے دونوں کے حق میں عذاب کی دعا آئی ہے:۔ **اللّٰھم عذب الکفرة اھل الکتٰب والمشرکین الذین یجحدون اٰیاتک و یکذّبون رسلک ویصدّون عن سبیلک و یعتدّون حدودک و یدعون معک الٰھًا اٰخر لا الٰہ الا انت تبارک و تعالیت عما یَقُوْلُ الظّٰلمون عُلوًا کبیرًا۔** **ف۳۷۶** (اے مسلمانو!) مطلب یہ ہے کہ کافروں کو تو چاہے وہ اہل کتاب ہوں یا مشرک، یہ کسی طرح گوارا ہی نہیں، بلکہ دل سے شاق گزر رہا ہے کہ خیر و رحمت کا نزول مسلمانوں پر ہو۔ **الخیر۔** خیر سے مراد عموماً وحی و نبوت لی گئی ہے۔ **الخیر الوحی** (کبیر) **فُسِّرَ الخیر بالوحی** (بیضاوی) لیکن بہتر یہ ہے کہ اسے ہر قسم کی فلاح دنیوی و اُخروی کا جامع سمجھا جائے اور اس کے تحت میں علم، نصرتِ غیبی، فتوحاتِ ملکی وغیرہ سب کو شامل کرلیا جائے۔ **ای بالعلم و بالنصرة ولعل المراد به ما یعمّ ذٰلک** (بیضاوی) **ھنا عام فی جمیع انواع الخیر** (بحر) **عام فی انواع الخیر کلھا** (روح) **ف۳۷۷** (اپنے قانونِ حکمت و مصالح تکوینی کے ماتحت) یہود کو اصل حسد اس کا تھا کہ نعمت نبوت کے حقدار تو ہم ہیں یعنی اولادِ اسرائیل۔ یہ اہل عرب کو کہ بنی اسماعیل ہیں، یہ دولت نبوت کہاں سے مل جاتی ہے اور کیسے مل سکتی ہے؟ اور اَھْلِ الْکِتٰبِ سے اشارہ زیادہ تر انہیں کی طرف ہے، اور الحمدللہ کہ ہمارے قدیم مفسرین نے بھی آیت کو اسی مفہوم میں لیا ہے۔ **معنی الاٰیة ان اللہ تعالٰی بعث الانبیاء من ولد اسحاق فلما بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ولد اسمٰعیل، لم یقع ذٰلک بودّ الیھود** (معالم) **ف۳۷۸** (وہ جس فرد، جس نسل، جماعت کو چاہے اپنے فضل و کرم سے نوازدے) اور اب اگر کسی قوم یا نسل کو محروم کیا جارہا ہے تو اس کی بنا یہ نہیں کہ ادھر سے فضل و کرم میں کچھ کمی ہوگئی ہے بلکہ یہ اس لیے ہے کہ خود اس قوم نے اپنی مسلسل نالائق روش سے اپنے کو اس فضل و کرم کا نااہل ثابت کردیا۔ اور اب اسے اس نعمت سے نوازے جانا آئین حکمت کے منافی ہے **ف۳۷۹** (لوگوں کے دماغ یا حافظہ سے) **انساءھا ای حذف**

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِھَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَآ
ہم جس آیت کو منسوخ کردیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں ف۳۷۹ تو (کوئی) اس سے بہتر ہی ف۳۸۰

اَوْ مِثْلِھَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ
یا مثل اس کے لے آتے ہیں کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہر چیز پر

قَدِیْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
قادر ہے ف۳۸۱ کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کے لئے سلطنت آسمانوں

وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ
اور زمین کی ہے ف۳۸۲ اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا

وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ
یار و مددگار نہیں ف۳۸۳ تم تو شاید یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کر ڈالو ف۳۸۴

كَمَا سُئِلَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ
جیسا کہ (اس کے) قبل موسیٰ سے سوال کیے جاچکے ف۳۸۵ اور جو کوئی ایمان کے بدلہ میں

الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۰۸﴾
کفر اختیار کرلے گا ف۳۸۶ سو وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا

وَدَّ كَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ
بہت سے اہل کتاب تو دل ہی سے چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان (لے آنے) کے بعد

بَعْدِ اِیْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ
پھر سے کافر بنالیں ف۳۸۷ حسد کی راہ سے جو ان کے

اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا
نفسوں میں ہے ف۳۸۸ (اور یہ بھی) بعد اس کے کہ ان پر حق واضح ہوچکا ف۳۸۹ سو معاف کرتے رہو ف۳۹۰

ذکرها عن القلوب (راغب) انساء اٰية اي اذهابها عن القلوب (بیضاوی) اٰیۃ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کا اطلاق آیت مکتوبی پر بھی ہوتا ہے اور نشان، دلیل، معجزہ پر بھی۔ یہاں مراد اگر دلائل و معجزات سے لی جائے جب تو آگے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک کے بجائے دوسرا نشان حقانیت قرآن کا وجود میں اب بھی آتا ہی رہتا ہے۔ اور زمانہ نزول قرآن میں تو خارقِ عادت نشانوں کی بھی کمی نہ تھی۔ البتہ اگر آیت مکتوبی ہی مراد لی جائے جب بھی دو شقیں ممکن ہیں۔ آیتیں یا قرآن مجید کی ہوں یا کتب سابق کی۔ اگر کتب سابق کی آیتیں مراد ہیں جیسا کہ ابو مسلم اصفہانی کا مذہب ہے جب بھی بحث آگے نہیں بڑھتی۔ پرانی کتابوں کی آیتوں کا قرآنی آیتوں سے منسوخ ہونا تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس میں نہ کوئی اختلاف ہے نہ نزاع، اب اگر آیاتِ قرآنی ہی مراد ہوں جیسا کہ جمہور مفسرین کا خیال ہے تو سوال یہ رہ جاتا ہے کہ نسخ سے مفہوم کیا ہے؟ نسخ سے مراد کسی نے آج تک یہ تو لی نہیں کہ فلاں عقیدہ کسی زمانہ میں واجب تھا اب وہ منافی ایمان قرار پایا۔ یا جھوٹ، چوری، زنا، قتل پہلے حرام تھے پھر حلال قرار پاگئے یا فلاں حکایت پہلے جس طرح قرآن میں بیان ہوئی تھی بعد کو اس کی تردید ہوگئی۔ غرض نسخ کی گنجائش کا عقائد میں، کلیات اخلاق میں، امور حسی میں، قصص گزشتہ اور حکایاتِ ماضی میں، اخبار غیب میں یعنی قرآن مجید کے بیشتر حصہ میں تو کوئی بھی قائل نہیں۔ نسخ کی گنجائش جو کچھ بھی ہے لے دے کے باب احکام میں ہے اور احکام کی مثال طبیب کے نسخے کی ہے۔ طبیب کی تشخیص اپنی جگہ پر بدستور رہتی ہے لیکن مریض کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ اور پھر موسم اور آب و ہوا میں بھی فرق ہوتے رہتے ہیں۔ ان حالات میں کوئی حاذق سے حاذق طبیب بھی اپنے نسخہ کے اجزاء میں ان بدلے ہوئے حالات کے مطابق ترمیم کرنے میں تامل نہ کرے گا۔ قرآن کے بعض احکام قانون کے نسخ کے معنٰی صرف اس قدر ہیں کہ خود قانون ساز و قانون آفریں کے قلم سے عین وضع قانون کے دوران میں بعض قانون جو عارضی وہنگامی حیثیت رکھتے ہیں بدل دیئے گئے اور ان کی جگہ مستقل و دوامی قوانین نے لے لی۔ انسان کے دانت اور جبڑے مستقل طور پر غذاؤں کے چبانے، پیسنے، چرنے، کاٹنے اور پھاڑنے ہی کے کام کے لیے ہیں۔ لیکن ابتدائی شیر خوارگی میں دانت نکلنے سے قبل دوسری قسم کی شربتی یا نیم شربتی غذائیں اس کے لیے موزوں ہیں، اس موٹی اور سیدھی سی بات میں خدا معلوم اتنا گھبرانے کا کونسا پہلو ہے جو آج بعض مفسرین جدید خود مسئلہ نسخ ہی سے انکار پر تل گئے ہیں۔ یہ بھی خوب واضح رہے کہ یہ نسخ جو کچھ بھی ہوگا محض علم بشری ناقص و محدود کے اعتبار سے ہوگا۔ ورنہ علم الٰہی میں تو ہر حکم ازل سے وقت معین کے لیے مقرر و ثابت ہی ہے۔ جمہور کا مذہب اسی وقوعِ نسخ کا ہے۔ گو ایک گروہ عدم نسخ کا بھی قائل رہا ہے۔ ویروٰی عن بعض المسلمين انكار النسخ واحتج الجمهور من المسلمين علٰى جواز النسخ و وقوعه (کبیر) اور فقیہ جصاص نے ایک غیر فقیہ کا قول بھی اس معنٰی میں نقل کیا ہے کہ شریعت محمدی کے اندر کوئی نسخ نہیں، ناسخ خود یہ شریعت ساری سابق شریعتوں کی ہے۔ زعم بعض المتاخرين من غير اهل الفقة انه لا نسخ فی شريعة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم وان جميع ما ذكر فيها من النسخ فانما المراد به نسخ شرائع الانبياء المتقدمين (احکام القرآن) اور نسخ کے معنٰی شریعت میں ازالہ یا تبدیلی کے ہیں بھی نہیں۔ اصلی مغالطہ یہیں سے شروع ہوتا ہے کہ نسخ کو اُردو کی منسوخی کے مرادف سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ اصطلاح شریعت میں نسخ کے معنٰی کسی مطلق وغیر مقید حکم کو صرف محدود و مقید کر دینے کے ہیں۔ و تفسير النسخ لغةً التبديل و شريعةً بيان انتهاء الحكم الشرعی المطلق الذی تقرر فی اوهامنا استمراره بطريق التراخی فكان تبديلاً فی حقنا بياناً محضًا فی حق صاحب الشرع (مدارک) **و۳۸۰** (یعنی وقت و موسم، بدلے ہوئے حالات کے زیادہ مطابق) اي بما هو انفع لكم واسهل عليكم (معالم) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ جو حال یا وارد، بلا اختیارِ عبد زائل یا مغلوب ہو جائے حق تعالیٰ اس سے بہتر یا اس کے مثل ہی دُوسرا عطا کر دیتا ہے۔ سو اس پر افسوس و حسرت نہ کرنا چاہیے۔ **و۳۸۱** (سو ایسے قادرِ مطلق کے لیے کیا مشکل ہے کہ احوال و مصالح کی رعایت برابر کرتا رہے) خطاب یہاں معترض، معاند منکرِ نسخ سے ہے۔ قيل لمنكر النسخ (روح) اور بعض نے مطلق سامع کو مخاطب قرار دیا ہے۔ والاولٰى ان يكون المخاطب السامع (بحر) **و۳۸۲** (اور اسی کو ہر طرح کا اختیار کامل و تصرف مطلق حاصل ہے) خطاب یہاں عام ہے ہر سامع اور مخاطب کے لیے۔ اور ام کا مفہوم ایجابی ہے یعنی اے مخاطب تجھے خوب معلوم ہے معناه الايجاب اي قد علمت ايها المخاطب (بحر) یہ بھی کہا گیا ہے کہ خطاب رسول ﷺ اور پھر آپ کے واسطے سے امت سے ہے۔ الخطاب للنبی والمراد هو وامته (بیضاوی) **و۳۸۳** (اے بنی آدم) آیت بجائے خود ایک درس توحید کامل کا ہے۔ ملک، ولایت، نصرت سب اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔ **و۳۸۴** (از راہ عناد و اعتراض) مخاطب یہاں غالباً یہود ہیں۔ نزلت فی اليهود (معالم) اور اور قول بھی نقل ہوئے ہیں لیکن ترجیح اسی قول کو ہے۔ اختلفوا فی المخاطب به علی وجوه احدها انهم المسلمون والقول الثانی انه خطاب لاهل مكة والقول الثالث المراد اليهود وهٰذا القول اصح (کبیر) ورجح انهم اليهود (بحر) رَسُوْلَكُمْ سے مراد اس صورت میں رسول وقت سے ہوگی۔ تمہارے زمانہ کے رسول سے، لیکن مسلمان ہی اگر مخاطب سمجھے جائیں تو یہ بھی تہدیداً جائز ہوگا۔ اَمْ یہاں ہمزہ کا مرادف اور سوالیہ نہیں منقطعہ ہے۔ بل کا مرادف ام اي بل (جلالین) ام منقطعة التقدير بل تريدون (مدارک) ام ههنا منقطعة والتقدير بل تريدون (عکبری) فيها الاضراب والانتقال عن حملهم علی العمل بموجب علمهم (ابوسعود) **و۳۸۵** سوال اگر کسی مسئلہ کی سنجیدہ تحقیق و دریافت کے لیے ہوں تو باعث رحمت ہیں۔ لیکن جب ضد اور نفسانیت اور شرارت سے ہوں اور اعتراض محض اعتراض کی غرض سے ہو تو وہی سوالات ایک لعنت بن جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ سے جیسے جیسے گستاخانہ سوالات اور بیہودہ فرمائشوں کی بھرمار بنی اسرائیل کرتے رہے، ان کے تذکرہ سے تاریخ اسرائیل اور خود بائبل کے صفحات لبریز ہیں، قرآن کا اس کو اتنی کھلی ہوئی تلمیح کے طور پر لے آنا بجائے خود اس کی دلیل ہے کہ قرآن بھیجنے والا اس سے خوب واقف تھا۔ اور یہ کلام عرب کے ایک اَن پڑھ انسان کی تصنیف ہو نہیں سکتا۔ **و۳۸۶** (جس کی ایک شکل یہی رسول سے معاندانہ اور گستاخانہ سوال و جواب ہے) يبدل الكفر بالايمان کے معنٰی ہی یہ ہیں کہ ایمان کے بدلہ اور مقابلہ میں راہِ کفر کو اختیار کیا۔ مَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ اي يختارهٗ و يأخذه لنفسه (ابوسعود) بالايمان اي بمقابلته بدلا منه (ابوسعود) سیاق میں ذکر یہود کا ہے اس لیے انہیں کے ایک نبی کے صحیفہ کا اقتباس بے محل نہ ہوگا۔ "سنو اے آسمانو! اور کان لگا اے زمین کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ لڑکوں کو میں نے پالا پوسا پھر انہوں نے مجھ سے سرکشی کی۔ بیل اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور گدھا اپنے صاحب کی چرنی کو۔ بنی اسرائیل نہیں جانتے۔ میرے لوگ کچھ نہیں سوچتے۔ آہ خطا کار گروہ، ایک قوم جو گناہ سے لدی ہوئی ہے۔ بدکاروں کی نسل خراب اولاد کہ انہوں نے خداوند کو ترک کیا۔ اسرائیل کے خدا ہی کو حقیر جانا، اس سے بالکل پھر گئے" (یسعیاہ ۱: ۳۔ ۴) **و۳۸۷** (اے ایمان والو) شانِ نزول کے ایک مخصوص واقعہ کی بنا پر عموماً مفسرین نے یہاں اہل کتاب سے مراد یہود یا احبار یہود لی ہے۔ لیکن لفظِ قرآنی عام ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں اس کے عموم میں یکساں داخل ہیں۔ مسیحیوں کی طرف سے جو کھلا ہوا زبردست اور منظم اور علماء یہود کی طرف سے نسبتہً ہلکا اور مخفی پروپیگنڈا عقائد اسلام کے خلاف سیاسی، معاشرتی، تاریخی، جغرافی تحریروں کے ذریعہ سے اسلامی آبادیوں کے درمیان جاری رہتا ہے، وہ سب اسی کے مظاہر ہیں۔ غایت ان ساری سرگرمیوں اور کوششوں کی یہی رہتی ہے کہ مسلمان اگر یہودیت و مسیحیت کو نہ بھی قبول کریں جب بھی کم از کم اپنے دین کی طرف سے تو ضرور بدگمان و برگشتہ ہو کر رہیں۔ **و۳۸۸** یعنی یہ کوششیں اور سرگرمیاں بھی اخلاص و ہوا خواہی کی راہ سے نہیں۔ رشک و حسد سے پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ یہود کا حسد تو خود اپنے پیغمبر و ہادی تک سے رہا ہے اور اس پر خود عہد عتیق ناطق ہے:۔ "انہوں نے خیمہ گاہ میں موسیٰ کے برادر و خداوند کے مقدس مرد ہارون پر حسد کیا" (زبور۔ ۱۰۶: ۱۶) اور عہد جدید کی شہادتیں بھی حسد کے باب میں کچھ کم واضح و صریح نہیں:۔ "یہودیوں نے حسد میں آکر بازاری آدمیوں میں سے کئی بدمعاشوں کو اپنے ساتھ لیا اور بھیڑ لگا کر شہر میں فساد کرنے لگے"۔ (اعمال ۱۷: ۵) "یہودی اتنی بھیڑ دیکھ کر حسد میں بھر گئے"۔ (اعمال ۱۳: ۴۵) **و۳۸۹** یعنی اہل کتاب کے اس انکار و مخالفت کی بنیاد کوئی اشتباہ یا مغالطہ عقلی نہیں۔ محض ضد اور عناد اور استکبار ہے۔ وضوحِ حق ان پر پوری طرح ہو چکا ہے **و۳۹۰** (سردست اے مسلمانو! ان سے کسی طرح کا انتقام نہ لو) یہود کی مغویانہ کوششوں پر مسلمانوں کا اشتعال ایک امر طبعی تھا۔ ان کو ہدایت ہو رہی ہے کہ سردست عفو و درگزر ہی سے کام لیتے رہو اور انتقامی تعزیری کارروائیاں فوراً ہی نہ شروع کر بیٹھو۔ **و۳۹۱** (جہاد و قتال کے لیے) اکثر صحابہ و تابعین سے حکم کی تفسیر جہاد و قتال کے ساتھ منقول ہے۔

انہ الامر بالقتال و ہو قول اکثر الصحابۃ (کبیر) الذی ہو الاذن فی قتالہم (بغوی) المراد بہ الامر بالقتال (روح) حکم قتال اس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا آیت سے صاف اشارہ اس طرف نکل آیا کہ عنقریب ہونے والا ہے۔ ف۳۹۲ (پس ایسے قادر مطلق کے لیے کیا مشکل ہے کہ سرکش اور زور آور کافروں سے پورا بدلہ لے لے اور ان کا زور توڑ دے۔ اور مظلوم و مغلوب مسلمانوں کو دیکھتے دیکھتے مظفر و منصور، حاکم و غالب بنادے) ف۳۹۳ (اس درمیان میں اے مسلمانو) مطلب یہ ہے کہ زمانۂ جہاد کے احکام دوسرے ہیں جب تک وہ نافذ نہ ہوں ان کے انتظار میں عام احکام اسلامی کی پابندی میں غفلت و تساہل کو راہ نہ دو۔ یہ مالی اور بدنی عبادتیں تو ہر حال و صورت میں واجب العمل ہیں۔ ف۳۹۴ نیکی کچھ جہاد و قتال ہی پر موقوف نہیں۔ اعمال صالحہ جو کچھ بھی میسر آجائیں سب یکساں مقبولیت رکھتے ہیں۔ برابر انہیں میں لگے رہو۔ لِاَنْفُسِكُمْ۔ حذف مضاف ہے یعنی اپنے نفع اپنی نجات و مغفرت کے واسطے و ہو علٰی حذف مضاف ای لنجاۃ انفسکم (بحر) تَجِدُوْهُ۔ اسے پالو گے، یعنی اس کے اجر و ثواب کو پالو گے۔ یہ مراد نہیں کہ بعینہٖ وہ عمل موجود ملے گا۔ تَجِدُوْهُ ای ثوابہ (بیضاوی) المراد وجدان ثوابہ و جزائہ (کبیر) ف۳۹۵ (سو اس کا احتمال ہی نہیں کہ کوئی نیکی ضائع ہوجائے گی، اجر ہر نیکی کا پورا پورا ملے گا) ف۳۹۶ یہ کہنے والے یہود و نصاریٰ تھے۔ قرآن مجید نے انہیں کی ترجمانی کی ہے۔ یہود کا یہ عقیدہ شروع سے چلا آرہا ہے کہ

وَاصْفَحُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تا آنکہ اللہ اپنا حکم بھیج دے ف۳۹۱ یقیناً اللہ

عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ

ہر چیز پر قادر ہے ف۳۹۲ اور نماز کی پابندی رکھو

وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ

اور زکوٰۃ دیتے رہو ف۳۹۳ اور جو کچھ بھلائی تم اپنے واسطے آگے بھیج دو گے

تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾

اسے اللہ کے پاس پالو گے ف۳۹۴ یقیناً تم جو کچھ کررہے ہو اللہ اس کا خوب دیکھنے والا ہے ف۳۹۵

وَ قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ

اور یہ کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی ہرگز داخل نہ ہو گا مگر ہاں وہی جو

هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا

یہودی یا نصرانی ہوں ف۳۹۶ یہ ان کی (نری) آرزوئیں ہیں ف۳۹۷ آپ کہ دیجیے کہ اپنی

بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۗ مَنْ

سند لاؤ اگر تم سچے ہو ف۳۹۸ ہاں البتہ ف۳۹۹ جو کوئی بھی

اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ

اپنی ذات کو اللہ کے آگے جھکائے اور وہ مخلص بھی ہو ف۴۰۰ تو ایسے کے لئے اس کے پروردگار کے

عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

پاس اس کا اجر ہے اور ایسوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے ف۴۰۱

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَیْءٍ ۪

اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں ف۴۰۲

النصف

ع ۱۳/۹ ۱۴

نجات انہیں کی قوم اور وابستگانِ قوم کے ساتھ مخصوص ہے۔ چنانچہ انجیل میں بھی ان کا یہ مقولہ نقل ہوا ہے کہ:۔ ”نجات یہود میں ہے“ (یوحنا۔ ۴:۲۲) یہود و نصاریٰ دونوں کے ہاں کے مزید حوالوں کے لیے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ ظہور اسلام کے وقت یہود و نصاریٰ کا کہنا یہ تھا کہ اس نئے دین کے قبول کرنے کی ضرورت کیا، نجات تو ہمارے دینوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ ف۳۹۷ (جو کبھی پوری ہونے والی نہیں اور جن کی تائید میں نہ کوئی دلیل معقول ہے اور نہ سند منقول) محض بزرگ زادگی اور نسلی و نسبی شرافت جب پیغمبروں کی اولاد کے کام نہ آسکی تو ہمارے زمانہ کے پیرزادوں اور مشائخ زادوں کا اپنے شرف نسلی پر قناعت کیے رہنا کس درجہ بے عقلی ہے۔ امنیۃ واحد ہے امانی کا من سے مشتق۔ انحوکہ اور اعجوبہ کے وزن پر۔ ف۳۹۸ (اپنے اس دعویٰ میں کہ نجات یہودیت یا نصرانیت کے ساتھ وابستہ ہے) پیغمبر ﷺ کو ہدایت ہوتی ہے کہ اہل کتاب سے کہیے کہ خالی زبانی دعووں اور خالی آرزوؤں سے کیا ہوتا ہے، اگر حقانیت کے مدعی ہو تو اپنی تائید میں کوئی دلیل عقلی یا نقلی لاؤ۔ ف۳۹۹ یعنی نجات کا صحیح قانون یہ ہے جواب بیان ہو رہا ہے بلٰی۔ اپنے ماسبق کی نفی و تردید کے لیے ہے۔ یعنی تمہارا دعویٰ غلط محض ہے۔ صحیح قاعدہ یہ ہے جو آگے آرہا ہے۔ ف۴۰۰ (اپنے اس ایمان و اعتقاد میں) یعنی اس کا عمل بھی اس کے عقیدۂ توحید کے مطابق ہو۔ گویا ایمان و حسن عمل دونوں جمع ہوں۔ وجہ کے لفظی معنی چہرہ کے ہیں۔ لیکن محاورہ میں اکثر مراد ذات سے یا عین شے سے ہوتی ہے اور وہی یہاں مراد ہے ربما عبر عن الذات بالوجہ (راغب) فالوجہ اما مستعار للذات واما مجاز عن القصد (روح) اسلم وجہہٗ للہ یعنی توحید کا پوری طرح قائل ہوجائے بلا آمیزشِ شرک۔ ای اخلص نفسہ لہ لا یشرک بہ غیرہ (کشاف) لم یقصد سواہ (روح) ف۴۰۱ خوف و اندیشہ کا تعلق مستقبل سے ہے اور حزن و غم ماضی کے واقعات پر ہوتا ہے۔ ذکر قیامت کا ہے کہ اس روز اہل ایمان نہ اپنے ماضی پر حسرت و تاسف کریں گے نہ آئندہ کے لیے دہشت زدہ ہوں گے۔ ف۴۰۲ یعنی ان کا دین تمامتر باطل ہے۔ یہودی قوم عقیدۃً بہرحال موحد تھی۔ نصرانیت کا شرک اور الوہیت کی تثلیث وہ برداشت ہی نہ کرسکتی تھی اور نہ اس کی قائل ہوسکتی تھی کہ ایسے گڑھے ہوئے دین میں کچھ بھی صداقت ہوسکتی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۴۰۳ یعنی ان کا دین تمامتر باطل ہے۔ شریعت موسوی سے متعلق موجودہ انجیلوں میں تذکرہ الفاظ ذیل میں ملتا ہے:۔ ”آدمی شریعت کے اعمال سے نہیں بلکہ صرف یسوع مسیح پر ایمان لانے سے راستباز ٹھہرتا ہے“۔ (گلتیون ۲:۱۶) ”شریعت کے اعمال سے کوئی بشر راستباز نہ ٹھہرے گا“ (ایضا ۲:۱۷) ”راستبازی اگر شریعت کے وسیلہ سے ملتی تو مسیح کا مرنا عبث ہوتا“۔ (ایضا ۲:۲۰) ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ (اصطلاح انجیل میں مطلق شریعت (Law) سے مراد شریعت موسوی ہی ہوتی ہے) ف۴۰۴ الْكِتٰبَ۔ یعنی مجموعہ صحائف انبیاء بنی اسرائیل اسی کو آج عہد نامہ عتیق کہتے ہیں۔ یہود و مسیحی دونوں ان صحیفوں کے الہامی اور مقدس ہونے کے قائل ہیں۔ وَهُمْ میں و حالیہ ہے، عطف کے لیے نہیں۔ الواو للحال (کشاف) افسوس ہے کہ انہیں گمراہ قوموں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی باوجود اپنی مشترک کتاب قرآن کے گروہ در گروہ ہو کر ایک دوسرے کی تحقیر بلکہ تفسیق و تضلیل شروع کردی۔ اور نوبت تکفیر کی آ آجاتی ہے۔ حد یہ ہے کہ شافعیہ حنفیہ کو ذلیل سمجھنے لگے اور اشعریہ اور ماتریدیہ کے نزدیک ہدایت انہیں کے اپنے اپنے حلقوں میں محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ ف۴۰۵ (وحی اور نبوت کا) وہ کہنے لگے کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی حق پر نہیں۔ علم سے آیت میں مراد کتاب آسمانی کا علم ہے۔ یہ کہنے والے کون تھے عموماً ان سے مراد مشرکین عرب لیے گئے ہیں اور ہر ایسے مذہب کے پیرو جس کی بنیاد کسی کتاب آسمانی پر نہ ہو۔ یعنی ہر دین جاہلی کے پیرو اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ عنی بذٰلک مشرکی العرب لانہم لم یکونوا اہل الکتب و نفی عنہم من اجل ذٰلک العلم (ابن جریر) ای الذین لا علم عندہم ولا کتاب کعبدۃ الاصنام والمعطلۃ و نحوہم (کشاف) و ہم مشرکوا العرب فی قول

الجمهور (روح) قرآن مجید نے علم اور اس کے مختلف صیغوں یَعْلَمُوْنَ وغیرہ کو جہاں جہاں استعمال کیا ہے عموماً علم حقیقی، علم وحی ونبوت ہی کے معنٰی میں کیا ہے۔ ان آیتوں سے آج کل کے رواجی ''علوم و فنون'' اور اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کی ''تعلیم'' پر استدلال کرنا کس قدر شدید ظلم قرآن مجید اور فہم سلیم دونوں پر ہے۔ ف۴۰۶ فیصلہ سے عملی حسی فیصلہ مراد ہے۔ ورنہ جہاں تک دلائل وشواہد کا تعلق ہے، حق وباطل، کفر وایمان کے درمیان یقینی فیصلہ تو اس دنیا میں بھی موجود ہے۔ بَيْنَهُمْ سے مراد ہے ایک فریق اہل حق وایمان کا۔ اور دوسرا گروہ اہل باطل وکفر کا۔ يقضى بين المحق و المبطل (معالم) يحكم بين المحق والمبطل (کبیر) ف۴۰۷ (جیسا کہ مشرکین مکہ نے بین حرمِ کعبہ میں ذکر وعبادت الٰہی سے مسلمانوں کو روک دیا تھا۔ خصوصاً واقعہ حدیبیہ میں) هؤلاء المشركون حين حالوا بين رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الحديبية و بين ان يدخل مكة (ابن جریر عن ابن زید) بعض نے مراد بیت المقدس سے لی ہے کہ وہاں ٹائیٹس Titus رُومی کے عہد میں رُومی مشرکین نے یہود اہلِ توحید کو ذکر الٰہی سے روک دیا تھا۔ بہر حال حکم عام ہے۔ قریبی سبب نزول جو کچھ بھی رہا ہو۔ اور حکم کو کسی خاص مسجد یا خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں۔ انه كل مسجد و هو الصحيح لان اللفظ عام اراد بصيغة الجمع فتخصيصه ببعض المساجد اوفى بعض الازمنة محال (ابن عربی) مسجد کے لفظی معنٰی جائے سجدہ کے ہیں۔ مراد

وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ

اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں ف۴۰۳

وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا

درآنحالیکہ وہ سب (ایک ہی) کتاب (آسمانی) پڑھتے ہیں ف۴۰۴ اسی طرح وہ لوگ بھی کہنے لگے انھیں کا سا قول

يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ

جو (کچھ بھی) علم نہیں رکھتے ف۴۰۵ سو اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن

الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ

اس باب میں فیصلہ کردے گا جس میں وہ جھگڑتے رہتے ہیں ف۴۰۶ اور اس سے بڑھ کر ظالم

مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ

اور کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں کو اس سے روک دے کہ ان میں اس کا نام لیا جائے ف۴۰۷

وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ

اور ان کی بربادی کی کوشش کرے ف۴۰۸ یہ لوگ اس لائق ہی نہیں

اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا

کہ ان میں (داخل) ہوں مگر ہاں یہ کہ ڈرتے ہوئے ف۴۰۹ ان کے لئے دنیا میں (بھی بڑی)

خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

رسوائی ہے اور آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے ف۴۱۰

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ

اور اللہ ہی کا ہے مشرق (بھی) اور مغرب (بھی) ف۴۱۱ سو تم جدھر کو بھی منہ پھیرو ف۴۱۲

وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اللہ ہی کی ذات ہے ف۴۱۳ اللہ بڑا وسعت والا ہے ف۴۱۴ بڑا علم والا ہے ف۴۱۵

اس سے مسلمانوں کی عبادت گاہ ہوتی ہے۔ مسجد کے حسن وتاثر، کشش ودلآویزی صفائی وسادگی کی شہادت غیر مسلموں کی زبان سے بھی منقول ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اَظْلَمُ۔ یعنی ظالم تر، خبیث تر، مجرم تر۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ منع ذکر وداخلۂ مسجد اگر کسی ضرورتِ دینی اور مصلحت شرعی سے ہو تو بالکل درست ہے کہ ایسے موقع پر یہ اُمور مسجد کی بربادی وویرانی میں نہیں، عین اصلاح و آبادی میں داخل ہیں۔ مسائل ذیل بھی فقہاء نے آیت کے تحت میں ذکر کیے ہیں۔ (۱) مسجد میں اذنِ عام ہونا شرط ہے (۲) مسجد کا دروازہ کسی مملوک زمین پر نہ ہو۔ بعض عارفوں نے لکھا ہے کہ جب اینٹ اور چونے کی بنی ہوئی عمارت میں ذکر حق روک دینے والوں کے حق میں قرآن نے یہ وعید اور پھٹکار رکھی ہے تو اُس قوم یا شخص کے جرم کی اہمیت یا عظمت کا کیا ٹھکانا ہے جو قلوبِ انسانی کو کہ وہ معنوی سجدہ گاہِ حق ہیں، ذکر حق سے روکے۔ اسلامی تعلیم کی روک تھام میں سعی کرنا، اشاعت مذہب حق میں روڑے اٹکانا سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ ف۴۰۸ فقہاء نے کہا ہے کہ جس طرح اللہ کے ذکر سے مسجد آباد ہوتی ہے۔ ممنوعات وبدعات کے ارتکاب سے مسجد کی بربادی بھی سمجھی جائے گی۔ نیز وہ تمام امور جو نمازیوں کی کمی اور مسجد کی ویرانی کے باعث ہوں آیت کے تحت میں داخل ہوجاتے ہیں ف۴۰۹ (مسلمانوں کے رُعب ودبدبہ سے) یعنی داخلہ کی اجازت غیر مسلم کو صرف اس حال میں دی جاسکتی ہے کہ وہ مسلمانوں کا محکوم ہو، اور اس کا داخلہ سرکشانہ نہیں مطیعانہ ہو۔ قرآن مجید میں لفظ مَسٰجِدَ بہ صیغۂ جمع ہے۔ لیکن ایک قول ہے کہ مساجد سے یہاں مراد مسجد حرام یا حرم کعبہ ہی ہے۔ المراد بالمساجد المسجد الحرام (معالم عن ابن زید) اور اس شبہ کا کہ لفظ جمع سے مراد واحد کیونکر ہوگی، جواب یہ دیا گیا ہے کہ محاورۂ زبان میں یہ جائز ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایک ہی مرد نیک کو ایذا پہنچائے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ نیکوں کو ستانے والا بڑا ظالم ہے۔ كما نقول لمن اذى صالحاً واحدًا و من اظلم ممن اذى الصالحين (کشاف) ایک قول یہ بھی ہے کہ آیت سارے کافروں کے حق میں ہے کہ عبادت سے روکنے والے تو سارے ہی کافر ہیں۔ اور مساجد سے مراد کل روئے زمین ہے۔ چنانچہ کافروں کو دارالاسلام میں داخلہ کا کوئی حق نہیں۔ بجز اُس کے مسلمانوں ہی کے شرائط پر ہو۔ اور یہ قول امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے (احمدی) مراد اگر مسجد حرام لی جائے تو قانونی وتشریعی حیثیت سے قطع نظر، واقعاتی رنگ میں بات بالکل صحیح نظر آئے گی۔ چنانچہ مسجد حرام اس وقت سے آج تک بحمد اللہ! مسلمانوں ہی کے قبضہ میں چلی آرہی ہے۔ مَسٰجِدَ اللّٰهِ کی ترکیب سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ جو جگہ عبادت کے لیے مخصوص کردی جائے اور اس کے لیے اذن عام دے دیا جائے وہ شخصی ملکیت سے خارج ہوجاتی ہے البتہ اگر کسی نے اپنے گھر کا کوئی حصہ عبادت کے لیے مخصوص کردیا، اور اس کے لیے اذن عام نہیں رکھا تو اس پر مسجد کا اطلاق ہی نہ ہوگا اور وہ اس شخص کی ذاتی ملک باقی رہے گی (ابن عربی) ف۴۱۰ عذاب آخرت کا تجربہ تو آخرت ہی میں ہوگا۔ باقی دنیا میں ان لوگوں کی ذلت ورسوائی کا مشاہدہ تو چند روز میں سب کو ہوگیا۔ یہود، مشرکین، منافقین، سارے اعدائے اسلام جزیرۂ عرب میں اور اس کی سرحدوں میں دیکھتے دیکھتے نیست ونابود ہوکر رہے اور قرآن مجید کی پیشگوئی لفظ بہ لفظ پوری ہوئی۔ ف۴۱۱ (بہ حیثیت مخلوق وبہ حیثیت مملوک بھی) یعنی انه ماله ملكًا و خلقًا (ابن جریر) لِلّٰهِ میں لام اختصاص کا ہے۔ نحو میں لام جارہ کی کئی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک لام اختصاص بھی ہے۔ یعنی مشرق ومغرب سب اُسی کے ہیں۔ اللام لام الاختصاص اى هو خالقهما وما لكهما (کبیر) اُمت محمدی جواب ساری دنیا کے لیے اُمت عادلہ بنا کر بھیجی جارہی تھی، لازمی تھا کہ اس کی مرکزیت و یکجہتی کے لیے ایک قبلہ بھی ہو۔ اور وہ قبلہ اب خانۂ کعبہ مقرر ہورہا تھا، اہل کتاب نے اس پر اعتراضات شروع کیے۔ یہ نقل اعتراض وجواب اعتراض کی تمہید ہے۔ اَلْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ دونوں سمتیں اور انہیں دو پر کیا موقوف ہے ہر سمت اور ہر جہت اللہ کے لیے یکساں ہے۔ وہ سب کا یکساں خالق ہے، حاکم ہے، مالک ہے۔ کسی خاص سمت میں کوئی بھی خاص تقدیس کوئی شائبۂ الوہیت، کوئی شانِ حق نمائی موجود

نہیں، مذاہب جاہلی کی تاریخ انسانی حماقتوں، جہالتوں، وہم پرستیوں کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ ایک مشترک گمراہی مشرک قوموں میں یہ رہی ہے کہ خدا چونکہ متمکن ہے اور مجسم ہے، اس لیے لازمی ہے کہ اس کی ہستی کسی نہ کسی متعین سمت یا جہت میں ہو اور اس تلبس کی بنا پر خود وہ سمت یا جہت مقدس ہے، مصری، ہندی، رُومی تمام مشرک قوموں نے خدا کو کسی نہ کسی جہت میں فرض کر کے خود اسی جہت کو مقدس مانا ہے اور چونکہ سورج دیوتا کا مرتبہ مذاہب شرکیہ میں عموماً اہم و مقدم رہا، اس لیے شاہِ خاور کے طفیل میں سمت مشرق ہی عموماً مقدس سمجھی گئی اور دُنیا کے اکثر علاقوں میں پجتی رہی --- مسلمان جس کی آنکھیں ہی توحید کے آغوش میں کھلی ہیں، اس کے خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ سمت و جہت جیسی خیالی چیز بھی قوموں کی معبود ہو سکتی ہے! مشرکوں ہی کے اثر سے یہ سمت پرستی کا شرک اہل کتاب میں بھی سرایت کر گیا۔ اور مسیحی مذہب چونکہ عقائد و عبادات دونوں میں اپنے وقت کے رائج وشائع رُومی مذہب ہی کی مثنیٰ یا پرتو ہے، اس لیے وہ تو کھلم کھلا مشرق پرستی میں مبتلا ہو گیا! یہود جنہیں اپنی توحید پر ناز تھا وہ بھی تمام تر محفوظ نہ رہ سکے۔ بلکہ اُن کے بعض فرقے تو پوری طرح اس صف میں آگئے۔ بعض قوموں نے مشرق کے جوڑ پر مغرب کے تقدس کا کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ مشرق اگر خطہ حیات ہونے کی بنا پر مقدس ہے تو مغرب بھی خطہ موت و دیارِ ہلاکت ہے شاہِ خاور طلوع اگر اِدھر سے ہوتا ہے تو روزانہ غروب اور فنا تو اُدھر ہی ہوتا ہے، پھر اس کے تقدس کا بھی کیوں نہ قائل ہو لیا جائے۔ چنانچہ یہ دونوں سمتیں خوب پجتی رہیں۔ مشرق زیادہ اور مغرب اس سے کچھ کم، اصل انگریزی حوالوں کے لیے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ دُنیا کی دُنیا اس سمت پرستی کے شرک، مشرق پرستی اور مغرب پرستی کی ضلالت میں مبتلا تھی کہ توحید قرآنی نے ساری دنیا کے عقائد کو چیلنج کر کے اس مشرکانہ عقیدہ پر ضرب لگا کے ایک عالم کو چونکا دیا۔ قدیم مذاہب یہ آواز سن کر بھوچکے سے رہ گئے۔ **و۴۱۲** (دُعا کے لیے، نماز کے لیے، یا کسی عبادت کی بھی غرض سے، اے مسلمانو!) خطاب اس اُمت سے ہو رہا ہے۔ جس کا کام ہی دنیا میں خدائے واحد کی پرستاری تھی، اور شرک اور ہر شائبۂ شرک سے بیزاری۔ **و۴۱۳** یعنی وہ خدائے واحد جو ہر مکان، ہر ظرف کی قید سے پاک، ہر سمت و جہت سے منزہ ہے۔ اِس کی ذات پاک کی تجلیات ہر طرف ہیں۔ سب کہیں ہیں۔ جدھر بھی رُخ کرو گے جلوہ اسی کا پاؤ گے۔ اس کی تجلیات کو کسی خاص جہت کے ساتھ محدود و مخصوص کر لینا عین جہل ہے۔ وَجۡهُ لفظی معنٰی چہرہ کے ہیں، ثانوی معنٰی ذات کے ہیں۔ وَجۡهُ اللّٰهِ کی ترکیب جب آئے گی، مراد ذات ہی سے ہوگی، اور وہی یہاں بھی مراد ہے۔ ربما عبر عن الذات بالوجه (راغب) فثم ذاته (بیضاوی) قیل الوجه بمعنی الذات جعل هنا کنایه عن علمه و اطلاعه بما یفعل هناک (روح)۔ آیت میں پوری تردید آگئی عقیدۂ تجسیم کی جس کے لیے انگریزی میں ایک لمبا سا نام Anthropomorphism ہے، ہمارے اکابر نے بھی آیت کو اسی معنٰی میں لیا ہے۔ الأیة من اقوی الدلائل علٰی نفی التجسیم و اثبات التنزیه (کبیر) هٰذا یدل علٰی نفی الجهة والمکان عنه تعالٰی لاستحالة ذٰلک علیه (ابن العربی) مسیحیوں کے ہاں آج تک ایک مذہبی اصطلاح Orientation شرق روی کی چلی آرہی ہے اور گرجے وغیرہ شرق رویہ ہی بنائے جاتے ہیں۔ فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ۔ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ ہم بھی اسی طرح کائنات میں جس چیز پر بھی نظر ڈالتے ہیں انوارِ حق ہی کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ **و۴۱۴** وہ تو خود ہی بے پایاں وسعتوں والا ہے، بڑی سی بڑی وسعت خود اس کے اندر شامل ہے۔ اسے بھلا کون اپنے اندر لے سکتا ہے؟ اس کی سمائی کس بڑے سے بڑے ظرف و مکان میں ہو سکتی ہے؟ ہر سمت اور ہر جہت تو خود ہی اس کی مخلوق ہے، مملوک ہے۔ وہ لامحدود بھلا کسی محدود سمت و جہت میں گھر سکتا ہے۔ واسع باحاطته بالاشیاء (بیضاوی) **و۴۱۵** وہ اپنے اس علم کامل اور حکمت بالغہ کے لحاظ سے جو قبلہ چاہے مقرر کر دے۔ اس کے مصالح و حکم کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟ وہ وحدتِ اُمت کے لیے تعیین قبلہ جب کرے گا مناسب ہی کرے گا۔ اس میں کسی جہت کی قدوسیت کو اصلاً دخل نہیں۔ **و۴۱۶** یہ کہنے والے کون تھے؟ مراد بہت سے اہل باطل لیے جا سکتے ہیں۔ لیکن خاص طور پر اشارہ اس گڑھے ہوئے مذہب تثلیث کی جانب ہے۔ جس کا نام ایک پیغمبر برحق کی جانب منسوب کر کے مسیحیت رکھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کے عقائد باطلہ سے (نعوذ باللہ) حضرت مسیح علیہ السلام کو کوئی نسبت نہیں۔ اتخذ ولدًا کا صحیح ترجمہ ہے۔ ’’لے رکھا ہے ایک بیٹا‘‘۔ ’’بنا رکھا ہے ایک بیٹا‘‘ یہاں مسیحیوں کا یہ قول نہیں نقل ہو رہا ہے کہ خدا کے ایک بیٹا ہے۔ بلکہ یہ کہ خدا نے ایک بیٹا بنا لیا ہے۔ اتخاذ ولد کا صاف مفہوم یہ ہے کہ خدا نے گویا کسی کو متبنٰی کر لیا ہے --- قرآن مجید کی تلمیحات کو پوری طرح سمجھنے کے لیے قرآن کے صدہا مقامات کی طرح یہاں بھی اس کی ضرورت ہے کہ نظر اہل باطل کے عقائد و خیالات پر ذرا گہری ہو۔ مسیحیوں کے ہاں ایک زبردست فرقہ Adoptionists کے نام سے گزرا ہے۔ ان کے مرکزی عقیدہ کے لیے اصطلاحی لفظ تبنیت Adoptionism کا ہے۔ عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام خلقۃً خدا نہیں۔ وہ خدا پیدا نہیں ہوئے، وہ خدا شروع سے بنے بنائے اور خود بخود نہیں ہیں۔ بلکہ اصلاً و خلقۃً وہ انسان ہی تھے۔ البتہ اقنوم ثالثہ یعنی روح القدس کا فیضان ان پر شروع ہی سے ہونے لگا تھا۔ اس لیے وہ قدوسیت کے ایسے اَوجِ کمال پر پہنچ گئے اور رُوحِ الٰہی ان کے اندر ایسی حلول کر گئی کہ اقنومِ اوّل یعنی خدائے برتر و اعظم نے انہیں اپنا بیٹا قرار دے کر اپنا متبنٰی بنا کر، شریک الوہیت کر لیا۔ اور اب وہ ربوبیت، مالکیت وغیرہ جملہ صفاتِ الٰہی میں شریک و سہیم ہیں، اس عقیدہ کے وجود کی شہادت تاریخ میں ۱۸۵ء میں ملتی ہے

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبۡحٰنَهٗ ؕ بَلۡ لَّهٗ مَا

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بیٹا بنا لیا ہے **و۴۱۶** پاک ہے وہ! **و۴۱۷** اصل یہی ہے کہ اسی کی ملک ہے جو

فِي السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ کُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيۡعُ

کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے **و۴۱۸** سب اسی کے حکم بردار ہیں **و۴۱۹** (وہ) موجد ہے

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَ اِذَا قَضٰۤى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ

آسمانوں اور زمین کا **و۴۲۰** اور جب کسی کام کا کرنا ٹھہرا لیتا ہے **و۴۲۱** تو بس اتنا ہی اس سے کہتا ہے

لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۱۱۷﴾ وَ قَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ لَوۡلَا

(کہ) ہو جا **و۴۲۲** بس وہ ہو جاتا ہے **و۴۲۳** اور جنہیں علم سے بہرہ نہیں **و۴۲۴** وہ کہتے ہیں کہ

يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوۡ تَاۡتِيۡنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ

اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا؟ **و۴۲۵** یا ہمارے پاس کوئی نشان (عظیم) کیوں نہیں آجاتا؟ **و۴۲۶** اسی طرح

الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّثۡلَ قَوۡلِهِمۡ ؕ تَشَابَهَتۡ

وہ لوگ کہہ چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہیں کا سا کہنا **و۴۲۷** ان کے قلوب

قُلُوۡبُهُمۡ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾

متشابہ ہو گئے **و۴۲۸** ہم نے اپنے نشان تو کھول کھول دیے ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں **و۴۲۹**

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ وَّلَا تُسۡـئَلُ

ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر **و۴۳۰** اور آپ سے اہل دوزخ

عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنۡ تَرۡضٰى عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ

کی بابت کچھ بھی پوچھ نہ ہو گی **و۴۳۱** اور آپ سے یہود و نصاریٰ

وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ

ہرگز خوش نہ ہوں گے **و۴۳۲** جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ ہو جائیں **و۴۳۳** آپ کہہ دیجیے

آٹھویں صدی عیسوی میں پاپائے رُوم نے اسے الحاد و زندقہ قرار دیا۔ بارہویں صدی عیسوی میں اس نے پھر زور پکڑا اور پھر یہ لوگ زندیق قرار پائے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ آیت میں صاف اشارہ مسیحیت کی اُس شاخ کی جانب ہے۔ بڑے سے بڑا محقق مفسر بھی بہرحال بندہ اور بشر ہی ہوتا ہے۔ کسی کی نظر سے کوئی پہلو رہ جاتا ہے کسی کی نظر سے کوئی۔ مسیحیت کے سلسلہ میں یہ خوب یاد رہے کہ مسیحی مذہب میں عقیدۂ ابنیت کوئی ثانوی درجہ یا فرعی حیثیت نہیں رکھتا۔ مسیحیت کی رُوح اور جان یہی عقیدہ ہے۔ ف۴۱۷ (ہر قسم کی بشری رشتہ داریوں سے جو اس کے لیے ہر حال میں پست اور باعث توہین ہیں) تنبیہ ہے مسیحیوں کو کہ معاذ اللہ، خدا کو خدا بھی کہے جاتے ہو اور پھر اُس کے لیے یہ بشری سطح والی رشتہ داریاں بھی مانے جاتے ہو! الوہیت کے باب میں کتنا گھٹیا تخیل اور کیسا کریہہ نظریہ رکھتے ہو! ف۴۱۸ مخلوق کا رشتہ اپنے خالق کے ساتھ صرف ملکیت و مملوکیت مطلقہ کا ہے۔ نہ کہ فرزندی و دلبندی وغیرہ خرافات کا۔ توحید کی صاف و سادہ تعلیم یہی ہے کہ حق تعالیٰ ان سارے امتیازات و تعینات سے پاک ہے جو اہل شرک نے اس کے لیے گڑھ رکھے ہیں۔ ضمناً آیت شرک کی دُوسری قسموں پر بھی ضرب لگاتی جاتی ہے۔ ہر ہستی اللہ کی مملوک ہے، کوئی ہستی اس کی مملوکیت سے خارج نہیں اور ہر ہستی صرف اللہ ہی کی مملوک ہے، یہ نہیں کہ کچھ ہستیاں اس کی مملوک ہوں اور کچھ کسی اور کی۔ ف۴۱۹ (اگر ارادۃً نہیں تو جبلۃً و اضطراراً) اللہ کی تکوینی محکومی اور فرمانبرداری سے چارہ کسی کو بھی نہیں۔ كُلٌّ۔ یعنی جمیع مخلوق، مومن و کافر، بلند و پست، کبیر و صغیر، زندہ و بیجان، قٰنِتُوْنَ، سب اس کے آگے جھکے ہوئے، سب کی تقدیر اس کی مشیت سے وابستہ۔ اے منقادون لا یمتنع شئ منهم علٰی تکوینہ و تقدیرہ و مشیته (کشاف) منقادون لا یمتنعون عن مشیته و تکوینه (بیضاوی) قنوت کے بہترین معنی یہی کیے گئے ہیں کہ اپنے جسم کی شہادت سے اور زبانِ حال سے اللہ کی عبودیت و طاعت کا اقرار کیا جائے۔ واولی معانی القنوت والطاعة والاقرار لله عزو جل بالعبودیة بشهادة اجسامهم بما فیها من اٰثار الصنعة (ابن جریر) بڑی یا چھوٹی، وحشی یا ترقی یافتہ کسی مخلوق کی مجال ہے جو اللہ کے بنائے ہوئے دن اور اللہ کی بنائی ہوئی رات کے چوبیس گھنٹوں کے علاوہ کوئی گھنٹہ، کوئی منٹ، کوئی لمحہ اپنے لیے پیدا کر سکے۔ بڑے سے بڑے ماہرین سائنس میں سے کس کے امکان میں ہے کہ اللہ کی مقرر کی ہوئی فضائے کائنات سے باہر، ایک گز، ایک فٹ، ایک انچ جگہ اپنے لیے تلاش کر سکے؟ کون ایسا ہے جو اس کے خلق کیے قانونِ حرارت، برودت، رطوبت سے بے نیاز رہ سکے؟ کون ایسا ہے جو اس کے باندھے ہوئے قانون کشش اجسام سے بغاوت کر سکے! عدد، وزن، مقدار کے جو ضابطے خدا نے مقرر کر رکھے ہیں۔ کس میں اتنی ہمت ہے کہ گنجائش ان سے عدول و انحراف کی پا سکے؟ —— بڑے سے بڑے موجد، بڑے سے بڑے صناع کا کمال بجز اس کے کیا ہے کہ اُس نے نظامِ تکوینی کے ضابطوں اور قاعدوں کی مزاج شناسی میں کمال پیدا کر لیا ہے۔ اور مسبب الاسباب کے حضور میں وہ دوسروں سے بڑھ کر بندۂ قانت ہے؟ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ۔ اس میں رَدّ آ گیا ہر مشرک قوم کا کہ جن جن کو تم ابن اللہ یا دیوی یا دیوتا مانتے ہو، وہ اللہ کے شریک و سہیم و ہمسر تو کسی حیثیت سے بھی کیا ہوتے سب کے سب اس کے محکوم، اس کے مخلوق، اس کے قوائے تکوینی کے تابع و مسخر ہیں۔ ف۴۲۰ (اور اسی طرح ساری مخلوق کا نیز ان سب سے سابق و مقدم بھی ہے) بصیر یہاں مبصر کے معنی میں اور بدیع یہاں مبدع کے معنی میں ہے۔ جیسے الیم مولم کے معنی میں اور سمیع مسمع کے معنی میں آتا ہے۔ البدیع یقال للمبدع (راغب) اے مبدعها وانما هو مفعل صرّف الی فعیل کما صرّف المؤلم الی الیم (ابن جریر) اور مصدر ابداع کے معنی ہیں نیست سے ہست کرنا۔ عدمِ محض سے وجود میں لانا بغیر کسی مثال یا نمونہ کے اور بغیر کسی سابق مادہ یا ہیولٰی کے الابداع انشاء صنعة بلا احتذاءٍ واقتداءٍ (راغب) واذا استعمل فی اللہ تعالٰی فهو ایجاد الشئ بغیر اٰلةٍ و مادةٍ ولا زمان ولا مکان (راغب) بَدِیْعُ وہ ہے جو نہ کسی آلہ کا محتاج ہو نہ کسی مال مسالہ کا۔ نہ مقام و مکان کا پابند نہ زمان و وقت سے مقید محتاج نہ کسی نمونہ کا، نہ اُستاد کا، وہ صناع ہے، کاریگر نہیں۔ اصلی اور حقیقی معنی میں خالق اور موجد ہے۔ بغیر کسی کی اعانت و شرکت کے وجود میں لانے والا۔ معنی المبدع المنشئ و المحدث مالم یسبقه الی انشاء مثله واحداثه احد (ابن جریر) هو بارئها و خالقها و موجدها من غیر اصل ولا مثال احتذاها علیه (ابن جریر) بَدِیْعُ

کالفظ ان مشرک قوموں کے رَد میں ہے جو خدا کو محض صانع کی حیثیت دیتے ہیں اور رُوح یا مادہ یا دونوں کو کسی نہ کسی درجہ میں اس کا شریک و سہیم رکھتے ہیں گویا مادہ پہلے سے موجود ہی تھا وہ قدیم و غیر حادث ہے، یا رُوح بھی اس کے ساتھ ساتھ قدیم و غیر حادث ہے۔ اب خدا نے صرف اتنا کیا کہ ایک اعلیٰ درجہ کے کیمسٹ کی طرح ان میں باہمی ترکیب و ترتیب سے نئی نئی صورتیں نمودار کر دیں۔ ابداع کا لفظ ان سارے مشرکانہ تخیلات کی تردید کے لیے کافی ہے۔ تقدم ذاتی کے علاوہ تقدم زمانی بھی تمام صفات کمال کی طرح اس کی ذات کے لیے ثابت ہے وہ سب پر زمانۃً بھی مقدم ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ صرف وہ تھا اور کچھ بھی نہ تھا۔ نہ جہات نہ اعیان۔ انه تعالٰی خالق الجهات کلّها والخالق متقدم علی المخلوق لا محالة (کبیر) فقد کان الباری تعالٰی قبل خلق العالم منزهًا عن الجهات والا عیان (کبیر) ف۴۲۱ (محض اپنے ارادہ و مشیت سے اور محض اپنی حکمت مطلقہ کے مقتضٰی کی حیثیت سے) و معنٰی قضٰی هنا اراد (بحر) حکم بانه یفعل شیئًا (کبیر) اے حکم...... (مدارک) قرآن کا خدا صاحب ارادہ ذی حیات، صاحب اقتدار خدا ہے۔ یونان کے فلسفیوں اور بعض دُوسرے مشرکوں کے خدا کی طرح صرف ایک بیجان، مسلوب الارادہ علت العلل یا آخری سبب نہیں۔ ف۴۲۲ یعنی عدمِ محض سے وجود میں آ جا، نیست سے ہست ہو جا، ”یَقُوْلُ کہتا ہے“ کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری آپ کی طرح یہ دو حرفی لفظ کُنْ بولتا ہے۔ لفظ و حروف تو خود ہی حادث ہیں اور نہ حق تعالیٰ کا تلفظ زبان، ہونٹ یا اعصاب کا محتاج ہے۔ بندوں کی سمجھ کے لائق آخر اس کے سوا قریب سے قریب پیرایۂ بیان اور اسلوب تعبیر اور کیا اختیار کیا جائے

اے بروں از وہم و قال و قیل من   خاک بر فرقِ من و تمثیل من

مقصود صرف اس قدر ہے کہ اُدھر حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا اور اِدھر معاً اور بلا توسط و توقف اس کا ظہور عملاً ہو گیا۔ وهذا مجاز عن سرعة التکوین و التمثیل اذلا قول ثم (مدارک) قلنا ان کن لیس بامر حقیقةً اذلا فرق بین ان یقال و اذا قضٰی امرًا فانما یکونه فیکون و بین ان یقال فانما یقول له کُن فیکون (مدارک) لیس المراد به حقیقة امر و امتثال بل تمثیل حصول ما تعلقت به ارادته بلا مهلة لطاعة المامور المطیع بلا توقف (بیضاوی) لَهٗ میں ضمیر اس چیز کی جانب ہے جس کا وجود ابھی خارج میں نہیں ہوا، لیکن علم الٰہی میں تو بہرحال موجود ہی ہے۔ اور امر الٰہی کے اعتبار سے ماموروموجود میں کوئی فرق ہی زمانی حیثیت سے نہیں۔ ہر مامور کے معنی موجود ہونے کے ہیں۔ اور ہر موجود کے معنی مامور ہونے کے ہیں امره للشئ بکن لا یتقدم الوجود ولا یتاخر عنه فلایکون الشئ مامورًا بالوجود الاوهو موجود بالامرو لا موجودًا بالا مر الاوهو ما مور بالوجود (ابن جریر) اطلق علی تعلق الارادة الالٰهیة بوجود الشئ من حیث انه یوجبه (بیضاوی) هو بمنزلة الموجود اذهو عندهٗ معلوم (بحر) المخاطب هو ذٰلک الشئ الموجود فی علم الله تعالٰی المامور به الدخول فی الوجود الخارجی (گازرونی)۔ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ کان یہاں تامہ ہے، ناقصہ نہیں۔ یعنی ”ہو جا“ وجود میں آ جانے کے مرادف ہے۔ فلاں چیز ہو جا یا بن جا کے مرادف نہیں مِنْ کان التامة بمعنٰی اُحْدُثْ فیحدث (بیضاوی) ف۴۲۳ یعنی بس وہ شے معاً وجود میں آ جاتی ہے۔ اس کے ہونے میں نہ کچھ دیر لگتی ہے نہ اس کے لیے کسی اعانت، وساطت، شرکت کی ضرورت ہوتی ہے۔ المراد من هذه الکلمة سرعة نفاذ قدرة الله تعالٰی فی تکوین الاشیاء (کبیر) یہ بھی گویا مشرکین ہی سے خطاب ہے کہ تم عمل تخلیق خداوندی کو سمجھے کیا ہو؟ اس میں تو بجز ارادۂ الٰہی کے اور کسی چیز کی شرکت کا گزر ہی نہیں اور اس سے تمہارے شرک کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے۔ ف۴۲۴ یعنی علم حقیقی سے، علوم آسمانی سے۔ مراد مشرکین ہیں۔ وهم کفار العرب (ابن جریر عن قتادة والربیع) والمراد جهلة المشرکین و قدروی ذٰلک عن قتادة والسدی والحسن جماعة و علیه اکثر المفسرین (روح) ف۴۲۵ (براہِ راست اور بلا واسطۂ انبیاء و رسل) کما یتکلّم رسله و انبیاءه (ابن جریر) لَوْلَا یہاں هلّا کے معنی میں ہے اور هلّا کا اُردو ترجمہ ”کیوں نہیں“ ہی ہو سکتا ہے اور محاورۂ قرآنی میں لولا عموماً اسی معنی میں آتا ہے۔ یعنی هلا یکلمنا الله (ابن جریر) و کل مافی القراٰن لولا فهو بمعنٰی هلا الاواحدًا (معالم) اور سیوطی نے بھی اتقان (نوع ۴۰) میں یہ قول خلیل نحوی اور مالک سے نقل کیے ہیں۔ مشرکین کا ایک اعتراض یہ تھا کہ خدا اگر اپنے فلاں فلاں بندہ سے بقول

اُنہیں کے کلام کرسکتا ہے اور کرتا ہے تو آخر ہم سے کیوں نہیں کرتا۔ ہم بھی تو انسان ہی ہیں ——احمقوں کے نزدیک مکالمۂ الٰہی کے لیے گویا صرف بشریت کافی تھی۔ ف۴۲۶ (جس سے ہم چارو ناچار ان پیمبر کے دعویٰ کی تصدیق کر ہی دیں) اٰیَۃٌ کے لفظی معنٰی نشان کے ہیں۔ قرآن مجید میں بہ کثرت معجزہ کے معنٰی میں آیا ہے اور یہاں بھی یہی مراد ہے۔ اور معجزہ سے مراد وہ واقعہ ہے جو معمولِ عام سے ہٹا ہوا ہو اور بلا اسبابِ ظاہری اس کا ظہور تائید رسول کے لیے ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر معنوی دلائل وشواہد تو کثرت سے موجود تھے لیکن مشرکین کی طرف سے پیہم فرمائشیں یہ جاری رہیں کہ کوئی عظیم الشان، حیرت انگیز، حسی معجزہ دکھایا جائے جس کے بعد گنجائش ہی چون وچرا کی نہ رہے۔ جن لوگوں کی عقلی، روحانی، اخلاقی سطح پست ہے۔ ان کی طرف سے اولیاء ربانی سے فرمائشیں آج بھی اس قسم کی خارقِ عادت کرامات ہی کے ظہور کی ہوتی رہتی ہیں۔ اٰیَۃٌ کی تنوین اظہارِ عظمت کے لیے ہے یعنی کوئی عظیم الشان لرزہ انگیز معجزہ ف۴۲۷ (اپنے اپنے زمانہ کے پیغمبروں اور داعیانِ حق سے) یعنی ان کی یہ فرمائشیں کوئی انوکھی اور ان کا یہ مطالبہ کوئی نرالا نہیں۔ جاہلوں نے ہر دور اور ہر ملک میں اس قسم کی فرمائشیں پیش کی ہیں۔ رسالت محمدی ﷺ سے حضرات انبیاء میں قریب ترین زمانہ حضرت عیسیٰ کا گزرا ہے۔ آپ عرب میں نہیں شام میں تھے۔ آپ سے بھی تعلیمات اور اصل پیام کو چھوڑ کر تقاضے انہیں آسمانی نشانوں کے ہوتے رہتے تھے۔ ”فریسیوں اور صدوقیوں نے پاس آ کر آزمانے کے لیے اس سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی آسمانی نشان دکھا۔“ (متی ۱۶:۱) یہاں تک کہ خود حق تعالیٰ کو لا دکھانے کی فرمائش شروع ہوگئی تھی، ”فلپس نے اُس سے کہا کہ اے خداوند ہمیں باپ کو دکھا بس ہمیں کافی ہے“۔ (یوحنا ۱۴:۸) ف۴۲۸ یعنی اگلوں اور پچھلوں کے قلب بالکل ایک سے ہیں بے بصیرتی اور ناحق شناسی میں۔ انجیل میں غضبناکی کے لہجہ میں:۔ ”اُس زمانہ کے برے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں۔ مگر یونس کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔“ (متی ۱۶:۴) ”اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو، تم ہر وقت رُوح القدس کی مخالفت کرتے ہو جیسے تمہارے باپ دادا کرتے تھے، ویسے ہی تم بھی کرتے ہو۔ نبیوں میں کس کو تم نے نہیں ستایا؟“ (اعمال، ۷:۵۱و۵۲) ف۴۲۹ مطالبہ ایک نشان (آیت بہ صیغۂ واحد) کا تھا جواب یہ ملا کہ یہاں تو نشان پر نشان (الآیات بہ صیغۂ جمع) پیش کیے جا چکے ہیں۔ تاریخ اور سیرت میں جن معجزوں کا ذکر آتا ہے اُن سے قطع نظر دو معجزے تو بالکل بین ونمایاں تھے۔ ۱۔ رسول اللہ ﷺ کا سچائی، امانت، پاکبازی، عقل وفہم کے لحاظ سے بے نظیر ہونا۔ آپ کی سیرت مبارک کے ایک ایک جز کا بجائے خود معجز ہونا۔ ۲۔ قرآن مجید کا لفظی، معنوی، ظاہری، باطنی، تعلیمی وادبی اعتبار سے بے مثل ہونا۔ بَیَّنَّا۔ یعنی یہ نشانات کچھ ان سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ ہم نے انہیں بالکل واضح وآشکار کر رکھا ہے۔ ان میں کسی طرح کا خفا نہیں۔ قَدْ بَیَّنَّا۔ قَدْ کی تاکید نے بَیَّنَّا کی صراحت کو اور زیادہ زوردار بنا دیا۔ اور اسی کے اظہار کے لیے اُردو ترجمہ میں ”کھول کھول“ لایا گیا ہے۔ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ۔ یعنی یہ کھلے ہوئے نشان بھی نظر انہیں لوگوں کو آتے ہیں جن کے قلب جہل وعناد کی گندگی اور شک وارتیاب کی آلودگیوں سے پاک ہیں۔ شواہد ودلائل مادّی قسم کے ہوں یا معنوی، بہرحال ان سے نفع حاصل کرنے کے لیے دیدۂ بصیرت وچشم بینا ضروری ہے۔ آنکھ رکھنے والے کے لیے پیمبر کی کتابِ زندگی کی ایک ایک سطر معجزہ ہے۔ عارف رُومی نے اسی حقیقت کی ترجمانی کی ہے۔ دردلِ ہر کس کہ از دانش مزاست رُوئے وآوازِ پیمبر معجزہ است امامن کان فی ارتیاب اوشکٍ او تغافلٍ اوجھلٍ فلاینفع فیہ الاٰیٰت ولوکانت فی غایۃ الوضوح (بحر)۔ یقین شک کی ضد ہے اور علم وتحقیق کے مرادف ہے۔ الیقین ازاحۃ الشک والعلم وتحقیق الامر و نقیضہ الشک (تاج) لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ کے معنٰی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے لیے ہیں جو یقین کی طلب اور پیاس اپنے اندر رکھتے ہیں ای طالبون معرفۃ حقایق الاشیاء علٰی یقین و صحۃ (ابن جریر) ای یطلبون الیقین (بیضاوی) ف۴۳۰ (سارے عالم کے لیے اے ہمارے پیغمبر) بِالْحَقِّ۔ حق کے ساتھ، دین حق کے ساتھ یا راہِ حق کا ہادی بنا کر یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ حقانیت وصداقت کے ساتھ مع اس کی ساری قوتوں اور دلائل کے۔ بَشِیْرًا۔ مومنین مطیعین کے حق میں کہ جو آپ کے پیغام کو مان لیں گے ان سے دنیا وآخرت دونوں کی فلاح کا وعدہ ہے۔ نَذِیْرًا۔ منکروں اور سرکشوں کے حق میں کہ جو آپ کے پیام سے بغاوت کریں گے اُن کی آخرت تو یقیناً اور دنیا اکثر تباہ ہو کر رہے گی۔

اقبال۔ لطف وقہر او سراپا رحمتے آں بہ یاراں ایں بہ اعدا رحمتے ف۴۳۱ (اور اہل دوزخ وہی ہوں گے جو آپ کے منکر ہیں) تو مطلب یہ ہوا کہ منکرین کے انجام کی ذمہ داری آپ پر کیا ہے؟ آپ کیوں ان کے لیے اس قدر فکر وتشویش میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آپ کا فرض تو پیام پہنچا دینے پر ختم ہو جاتا ہے۔ آگے کی ذمہ داری آپ پر ذرا بھی نہیں۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ جو کوئی خود اپنی اصلاح نہ چاہے مرشد کو اس کے زیادہ درپے نہ رہنا چاہیے ف۴۳۲ (خواہ آپ ان کی کتنی ہی رعایت ملحوظ رکھیں اور ان کے ساتھ برتاؤ کتنی ہی غمخواری اور دلسوزی کا رکھیں) یہ حکم ——نصرانیوں سے متعلق ہے جو بہرحال اہل کتاب تھے اور مسلمانوں کے ساتھ مشترک ایمان سلسلۂ وحی ونبوت پر رکھتے تھے۔ تو جو کھلے ہوئے اہل شرک ہیں، اور اسلامی عقائد سے اشتراک کسی درجہ کا بھی نہیں رکھتے، ان کی رضا جوئی اور ان سے توقع صلح رکھنے کا جو حکم ہوگا ظاہر ہی ہے ف۴۳۳ (یعنی اس مذہب کے جو انہوں نے گڑھ رکھا ہے۔ اور اپنے دین حق سے دستبردار نہ ہو جائیں) مِلَّۃ کے معنٰی مذہب اور طریقہ کے ہیں۔ الملۃ الشریعۃ او الدین (قاموس) قال ابو اسحٰق الملۃ السنۃ والطریقۃ (تاج) دین اور ملت میں فرق یہ ہے کہ دین کا استعمال اللہ اور افراد امت کے سلسلہ میں ہوتا ہے۔ مثلاً دین اللہ یا دین زید اور ملۃ کا استعمال نبی اور جماعت کے سیاق میں ہوتا ہے۔ مثلاً ملت ابراہیم علیہ السلام یا ملت یہود (راغب) لفظ ملۃ کے صیغہ واحد سے فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کفر جس قسم کا بھی ہو بہرحال ایک ہی ملت کے حکم میں ہے۔ وقد استدل کثیر من الفقھاء علٰی ان الکفر کلہ ملۃ واحدۃ (ابن کثیر) اور اسی اصل کی بنا پر وراثت کافروں اور مسلموں کے درمیان جائز نہیں رکھی ہے۔ لیکن کافروں کافروں کے درمیان جائز رکھی ہے۔ خواہ اُن کا کفر آپس میں مختلف ہی ہو۔ وھذا مذھب الشافعی و ابی حنیفۃ واحمد فی روایۃ عنہ (ابن کثیر) ف۴۳۴ (حق وصواب کی) اسی پر عقل ونقل کے دلائل کا اتفاق ہے اور اسی اللہ کی بتلائی ہوئی راہ کا نام طریق اسلام ہے ف۴۳۵ (مسائل دین میں۔ اور یہ پیروی ان کے لیے محال ہے) لَئِنْ میں لام قسم کا ہے تاکید وقطعیت کے لیے ہے۔ لام قسم (جلالین) قرآن ہے خدا کا کلام لیکن ہے بہرحال محاورۂ انسانی ہی میں، انسانی کلام میں جہاں جہاں قسم کا موقع آتا ہے قرآن میں بھی اس کی رعایت کی جائے گی۔ اھواء سے مراد وہ رائیں اور خیالات ہیں جو علم وحقیقت کے بجائے نفسانی خواہشوں پر مبنی ہوں۔ ای آراء ھم الزائغۃ (بیضاوی) والھوٰی رأی یتبع الشھوۃ (بیضاوی) العلم سے مراد علم وحی ہے۔ ہر طرح پر قطعی ویقینی اور ہر اشتباہ سے بالاتر۔ العلم الوحی (بیضاوی) ای من بعد الذی اقتصصت علیک من نبئھم (ابن جریر) گویا ایک سرے پر العلم ہے، حقیقت سے تمام تر لبریز۔ اور دوسرے سرے پر اھواء، حقیقت سے تمام تر خالی۔ استدلال قرآنی کی منطقی شکل گویا اب یہ ہوئی:۔ ۱۔ یہود ونصاریٰ کی رضا طلبی کے لیے لازمی ہے کہ آپ ان کا دین اختیار کریں۔ لیکن ان کا دین سرتاسر محرف وباطل ہے۔ اس لیے اُن کی رضا طلبی کے لیے لازم ہوا کہ آپ دین محرف وباطل اختیار کریں۔ ۲۔ جو رحمت خداوندی سے مالا مال اور توفیق الٰہی سے سرفراز ہو اس کے لیے باطل کی پیروی محال ہے۔ آپ رحمت خداوندی سے مالا مال اور توفیق الٰہی سے سرفراز ہیں۔ اس لیے آپ کے لیے پیروی باطل محال ہے۔ ۳۔ اور جب آپ کے لیے پیروی باطل محال ہے۔ تو ملت یہود ونصاریٰ کی پیروی جو خود ایک شکل زیغ وباطل ہی کی ہے، اس کی پیروی بھی محال ہے۔ اور اس لیے ان باطل پرستوں کی حصول رضا کی بھی کوئی شکل آپ کے لیے نہیں۔ آگے جو وعید اتباعِ باطل پر آئی ہے اور اس کے ساتھ قید بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ کی لگی ہوئی ہے۔ اس قید سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے استنباط کیا ہے کہ وعید ہمیشہ دلائل صریح کے بعد ہی ہوگی۔ یدل علی انہ لایجوز الوعید الابعد نصب الادلۃ (کبیر) ف۴۳۶ وَلِیٍّ (یار) اس دنیا میں اور نَصِیْرٍ (مددگار) عالم آخرت میں۔ خوب خیال رہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے یہ بات محض بطور فرض کے کہی گئی ہے۔ اور فرض جب محالاتِ عقلی تک کیے جا سکتے ہیں تو محالاتِ عادی یا منفیاتِ شرعی کے فرض کر لینے میں تو اور بھی کوئی اشکال نہیں۔ اور اس طرزِ مخاطبت سے مقصود بھی غالباً مسئلہ کی اہمیت پر زور دینا ہے۔ منکروں کی طرف میلان پر اتنا تشدد جب خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے تو دُوسروں کا کیا ذکر ہے۔ فیہ تھدید و وعید شدید للامۃ عن اتباع طرائق الیھود و النصارٰی (ابن کثیر) اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں خطاب رسول اللہ ﷺ سے صرف لفظاً ہے ورنہ مراد امت ہی ہے اور اصل حکم اسی کو ہے۔

هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ

کہ اللہ کی (بتلائی ہوئی) تو راہ بس وہی ہے ف۴۳۴ اور اگر آپ بعد اس علم کے جو آپ کو پہنچ چکا ہے

بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ

ان کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگے ف۴۳۵ تو آپ کے لئے اللہ (کی گرفت) کے مقابلہ میں

مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

نہ کوئی یار ہو گا نہ مددگار ف۴۳۶ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے

يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ

اور وہ اسے اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح اس کے پڑھنے کا حق ہے ف۴۳۷ وہ لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے ف۴۳۸

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

اور جو کوئی اس سے کفر (اختیار) کرلے گا تو یہی لوگ (پورا) نقصان اٹھانے والے ہیں ف۴۳۹

يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ

اے بنی اسرائیل میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے

عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

تم کو بخشیں ف۴۴۰ اور یہ کہ میں نے تمہیں دنیا جہان والوں پر فضیلت دی ف۴۴۱

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ

اور اس روز سے ڈرو جب نہ کوئی کسی کے بھی کام

شَـيْــــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا

آئے گا اور نہ اس کی طرف سے معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ اسے سفارش نفع

شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى

پہنچا سکے گی اور نہ انہیں مدد ہی پہنچ سکے گی ف۴۴۲ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ابراہیم کو ف۴۴۳

الخطاب مع الرسول والامر لامته (ابن کثیر) قیل الخطاب مع النبی والمراد به الامة (معالم) قیل المقصود منه امته (روح) ف۴۳۷ یعنی دل سے اس کی تعظیم واحترام کرتے ہیں۔ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اس میں تحریف وتغیر کو راہ نہیں دیتے۔ حق تلاوت ادا کرنے میں یہ سب کچھ آ گیا۔ یتبعونه حق اتباعه (ابن عباس) لا یحرفون الکلم عن مواضعه ولا یتاوّلونه علٰی غیر الحق (کبیر) الْكِتٰبَ سے مراد توریت ہے۔ یعنی التوراة (ابن عباس) اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔ هم الیهود والنصٰرٰی وهو قول عبدالرحمٰن بن زید واختاره ابن جریر (ابن کثیر) ف۴۳۸ (اور اسلام قبول کرلیں گے) مطلب یہ ہے کہ جو اہل کتاب ضد، نفسانیت، ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیتے، وہ خود اپنی کتاب کے مطالعہ سے قرآن کی حقانیت و صداقت کے قائل ہو جائیں گے، اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے۔ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ میں ضمیر رسول اللہ ﷺ کی جانب بھی پھیری جا سکتی ہے۔ اس تاویل سے کہ اوپر آپ کا ذکر اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ میں مضمر ہے۔ قیل یعود علی النبی صلی الله علیه وسلم و قد تقدم ذکره فی قوله اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ (بحر) اکثر نے الْكِتٰبَ کی طرف پھیری ہے۔ ظاهره ان الضمیر فی به یعود الی ما یعود الضمیر فی یتلونه ای الکتب (بحر) لیکن سب سے انسب یہ ہے کہ ضمیر میں مرجع الحق (آیت ۱۱۹) اور الْعِلْمِ (آیت ۱۲۰) کو مانا جائے اور معنی یہ کیے جائیں کہ یہ لوگ اس دین حق اور علم وحی پر ایمان لے آئیں گے۔ مفسر تھانوی اور مفسر دہلوی (شاہ عبدالعزیز علیہ رحمۃ اللہ) دونوں نے یہی ترکیب اختیار کی ہے۔ یہ اختلافات صرف ترکیب نحوی کے لحاظ سے ہیں۔ مآل ومقصود کلام ہر صورت میں تقریباً ایک ہی ہے ف۴۳۹ (دنیا وآخرت میں) منکرین اسلام یہود کی ہلاکت آخرت میں تو یقینی ہے۔ دنیا میں بھی ان کی بربادی سب کے مشاہدہ میں آچکی ہے۔ يَّكْفُرْ بِهٖ میں بھی ضمیر کے مرجع کے بارہ میں اختلافات ہیں اور انسب یہاں بھی یہی ہے کہ الحق والعلم کو مانا جائے ف۴۴۰ قوم بنی اسرائیل اور اُن پر جو احسانات خداوندی تھے ان کا تعارف رکوع ۵ میں مفصل کرایا جا چکا ہے۔ وہیں کے حاشیے ملاحظہ فرما لیے جائیں شروع میں تاریخ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے زمانہ سے بیان ہوئی۔ یعنی اس کے اس عہد کی جب وہ مستقل صاحب کتاب وشریعت ہو کر آزاد وخود مختار رہے اور ہر طرح کی نافرمانی وسرکشی میں بھی مبتلا۔ اب اسے اس کے قدیم ترین دور یعنی عہد ابراہیمی کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے بعد سے تو آپ کی نسل کی دو شاخیں ہوئیں اور ایک کا نام دو پشتوں کے بعد بنی اسرائیل پڑا ف۴۴۱ (توحید کی علمبرداری اور مبلغ کی حیثیت سے) قرآن مجید جو دعویٰ کرتا ہے کہ کسی کی پروا کیے بغیر، بے تکان اور بے دھڑک کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کو اس نے مطلق صورت میں بلا کسی قید وشرط کے، اس وقت تک کی تمام قوموں کے مقابلہ میں افضل قرار دیا ہے۔ یہ افضلیت اسی نعمت توحید کی بنا پر تھی۔ دُنیا کی دنیا شرک کی لعنت میں مبتلا تھی۔ توحید پر قائم صرف یہی قوم تھی۔ اور سلسلۂ نبوت کی قائل صرف یہی نسل تھی۔ تفصیل کے لیے رکوع ۶ کے حاشیے ملاحظہ فرمائے جائیں۔ بنی اسرائیل کو ان کے عروج اور ان کی گمراہیوں کی سرگزشت سنا کر یاد یہ دلایا جا رہا ہے کہ ان کی افضلیت واشرفیت کا راز تھا کیا؟ یہی تھا کہ وہ موحد اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں تھے۔ اور توحید ونبوت کی امانت انہیں کی نسل کے سپرد کی گئی تھی۔ انہیں اگر پھر استفادہ انہیں انعامات سے منظور ہے تو چاہیے کہ اسی دین ابراہیمی کی طرف رجوع کریں ف۴۴۲ (کسی طرف سے بھی۔ اور نہ اُن کی فریاد رسی کسی سے بھی ہو سکے گی) یہ آیت بھی رکوع ۶ میں گزر چکی۔ اور وہیں اس پر متعدد حاشیے دیئے جا چکے ہیں۔ بنی اسرائیل نے اس وقت ایک تو عقیدۂ قیامت کو بالکل بھلا دیا تھا اور جزا وسزا کی ساری صورتیں اسی دنیا میں محدود سمجھ لی تھیں۔ چنانچہ موجودہ توریت میں بھی جہاں جہاں سعادت وشقاوت کے ثمرات مذکور ہیں، اسی دنیا کی خوشحالی وبدحالی کا بیان ہے۔ اس لیے پہلے تو انہیں یوم آخرت کی یاد دلائی گئی۔ اور پھر ان کی گمراہی کے ایک ایک مرکزی عقیدہ، شفاعت، کفارہ وفدیہ پر ضرب لگائی گئی۔ آیت کے الفاظ اتنے جامع ہیں کہ یہودیت کے ساتھ نصرانیت کی بھی جڑ کٹ جاتی ہے۔ نصرانیت کی بنیاد ہی شفاعت، کفارہ وفدیہ ہی کے عقائد باطلہ پر ہے ف۴۴۳ یہ نام پہلی بار قرآن میں آیا ہے۔ قرآن کے مخاطب اوّل اہل عرب تھے۔ جو شخصیتیں ان کے لیے معلوم ومعروف تھیں، قرآن ان کے نام ان کے سامنے بے تکلف بغیر کسی مزید تعارف کے لے آتا ہے۔ اور پھر ابراہیم علیہ السلام تو وہ بزرگ تھے جن سے علاوہ مشرکین عرب کے یہود ونصاریٰ بھی خوب ہی واقف تھے۔ ان کا تعارف اور بھی غیر ضروری تھا۔ یہ ابراہیم علیہ السلام وہی ہیں جو اسلامی عقیدہ کے علاوہ یہودی ونصرانی عقیدہ میں بھی ایک بڑے جلیل القدر پیغمبر گزرے ہیں۔ توریت میں آپ کا نام ابرام اور ابراہم دونوں طرح سے آیا ہے۔ توریت کی روایت ہے کہ آپ کے اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس پشتوں کا فرق ہوا ہے۔ یعنی آپ ان کی گیارہویں پشت میں تھے۔ لیکن خود توریت ہی کے شارحین کا خیال بعض قوی قرائن کی بنا پر یہ ہے کہ توریت...... میں نسب نامہ کی کچھ پشتیں چھوٹ گئی ہیں۔ سال ولادت سر چارلس مارسٹن محقق اثریات کی جدید ترین تحقیق کے مطابق ۲۱۶۰ ق،م اور عمر شریف توریت میں ۱۷۵ سال درج ہے۔ سال وفات اس حساب سے ۱۹۸۵ ق،م ٹھہرتا ہے۔ والد کا نام تارح تھا۔ یا عربی تلفظ میں آزر نام کا تلفظ قدیم زبانوں میں کئی طرح آیا ہے۔ مسلمانوں کے لیے قرآنی لفظ آزر کافی ہے۔ وطن آبائی ملک بابل کے کلدانیہ (انگریزی تلفظ میں کالڈیا) تھا۔ جدید جغرافیہ میں اسی کو ملک عراق کہتے ہیں۔ جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام توریت

میں اُور (UR) آیا ہے۔ مدتوں یہ شہر نقشہ سے غائب رہا۔ اب از سرِ نو نمودار ہو گیا ہے۔ کھدائی کے کام کی داغ بیل ۱۸۹۴ء ہی میں پڑ گئی تھی۔ ۱۹۲۲ء میں برطانیہ اور امریکہ کے ماہرین اثریات کی ایک مشترک تحقیقی مہم برٹش میوزیم اور پنسلوینیا یونیورسٹی کے زیر اہتمام عراق کو روانہ ہوئی۔ اور کھدائی کا کام پورے سات سال تک جاری رہا۔ رفتہ رفتہ پورا شہر نمودار ہو گیا ہے۔ اور عراق گورنمنٹ کے محکمۂ آثارِ قدیمہ نے عجائب خانہ کے حکم میں لاکر ان کھنڈروں کو محفوظ کر دیا ہے۔ یہ شہر خلیج فارس کے دہانہ فرات اور عراق کے پایۂ تخت بغداد کے تقریباً درمیانی مسافت پر ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی اور نبوت چونکہ مسلمانوں کے علاوہ یہود اور نصرانیوں کو بھی مسلم ہے۔ اس لیے ان قوموں کے علماء نے بھی آپ کے حالات کی تحقیق وجستجو میں کوئی درجہ کاوش کا اُٹھا نہیں رکھا ہے۔ موجودہ محرف بائبل میں تاریخی غلطیوں کی کثرت سے اکتا کر بعض ''روشن خیال'' محققین نے انیسویں صدی کے ربع آخر میں کہنا شروع کر دیا تھا کہ ابراہیم نامی کوئی تاریخی شخصیت گزری ہی نہیں۔ بلکہ یہ محض ایک نوعی نام تھا یا ہر شیخ قبیلہ کا لقب، لیکن اب پھر تحقیق کا رخ بدلا اور بیسویں صدی کے ربع اوّل کے ختم ہوتے ہوتے پھر آپ کی تاریخی شخصیت کا پوری طرح قائل ہو جانا پڑا۔ نسل اسرائیلی اور نسل اسمٰعیلی دونوں میں ایک طرح کی رقابت اور چشمک مدتوں سے چلی آ رہی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں سلسلوں کے مورثِ اعلیٰ تھے۔ اللہ کی نعمت خاص الخاص یعنی توحید کی علمبرداری اب نسل اسرائیل سے اس کی مسلسل نافرمانیوں کی پاداش میں چھن کر ایک اسمٰعیلی پیغمبر کے واسطہ سے اب ساری دنیا کے لیے عام ہو رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ ابراہیمی شخصیت (اور ان کے ضمن میں اسمٰعیلی شخصیت) کی مرکزیت اور اہمیت سے دنیا کو روشناس کر دیا جائے۔ چنانچہ یہاں یہی ہو رہا ہے

ف۴۴۴ (اور وہ چند امور، احکام تھے اوامر ونواہی کی قسم کے) ابتلٰی۔ آزمایا اپنی واقفیت کے لیے نہیں کہ وہ تو خود علیم کل ہے، بلکہ علی الاعلان تاکہ دوسروں کو ان کے ایمان کامل کا مشاہدہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں آزمانے کا لفظ جب بھی استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد یہی ہوتی ہے۔ **وابتلاء اللہ العباد لیس لیعلم احوالھم بالابتلاء فانہ عالم بھم ولکن لیعلم العباد احوالھم** (معالم) **کلمات**۔ یہ کلمات کیا تھے۔ ان کی تعیین میں بڑا اختلاف ہے۔ **قد اختلف العلماء فیھا اختلافا کثیرا** (ابن عربی) لیکن تفصیل ان کی جو کچھ بھی ہو، بہرحال تھے وہ احکام شرائع ہی۔ اے **شرائع الاسلام** (معالم عن ابن عباس) اے **اختیارہ لہ بما کلفہ من الاوامر و النواھی** (ابن کثیر) ف۴۴۵ یعنی آپ ان امتحانوں میں پورے اترے اور ان احکام کی تعمیل کر دی۔ اے **فاداھن** (ابن جریر عن ابن عباس) اے **عمل بھن** (ابن جریر عن قتادۃ) روایاتِ یہود میں بھی یہ ذکر آیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی

ف۴۴۶ (کہ امور دین وشریعت میں تمہاری اقتدا کریں۔ اے **یاتمون بک فی دینک** (کبیر) اے **یاتمون بک فی دینھم** (مدارک) **اِمَامًا**۔ امام کہتے ہی اسے ہیں جس کی پیروی کی جائے۔ لغت میں بھی اور اصطلاح شریعت میں بھی۔ **ھو اسم من یؤتمّ بہ** (مدارک) **اسم الامامۃ مستحق لمن یلزم اتباعہ والاقتداء بہ فی امور الدین او فی شیٔ منھا** (جصاص) توریت میں بھی یہ وعدۂ امامت ان الفاظ میں ملتا ہے:۔ ''اور میں تجھ کو ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا۔ اور تو ایک برکت ہوگا، اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا، اور ان کو جو تجھ پر لعنت کرتے ہیں لعنتی کروں گا۔ اور دُنیا کے سارے گھرانے تجھ سے برکت پائیں گے''۔ (پیدائش۔ ۱۲: ۱ و ۲) یہ دینی سرداری اور امامت پورے ایک عالم کی آج تک آپ کے حصہ میں چلی آ رہی ہے۔ اور اسلام کے علاوہ بھی جو مذاہب توحید سے کچھ بھی لگاؤ رکھتے ہیں یعنی یہودیت ونصرانیت وہ آپ کی امامت پر متفق ومتحد ہیں۔ ایک نامور فرنگی فاضل، بیسویں صدی کے ثلث اوّل کے ختم پر آپ کا تعارف ان الفاظ میں کراتا ہے:۔ ''ابراہیم علیہ السلام کی ہستی کسی بدوی سرداری کی نہ تھی کہ وہ لوٹ مار کرتے اور ملک گیری کرتے رہتے۔ ان کی اصلی اہمیت مذہب کے دائرہ میں ہے۔ وہ حقیقۃً مورثِ اعلیٰ کسی نسل کے نہیں، بانی وامام وہ مذہبی تحریک کے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح جو ان کے دو ہزار سال بعد پیدا ہوئے، وہ سامی قوموں اور قبیلوں کے رہنما کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور توریت کے حسب روایت وہ اسرائیلی مذہب کے بانی تھے''۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد اوّل صفحہ ۶۰ طبع چہاردہم) جن لفظوں کو یہاں ترجمہ میں جلی کر دیا گیا ہے، انہیں ایک بار پھر پڑھ لیا جائے یورپ کی زبان سے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ کے خلیل علیہ السلام کے درمیان مماثلت کا یہ اعتراف! بس اللہ ہی کی شان ہے! آیت سے ایک نتیجہ فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ احکام کی تعمیل اور امتحانِ الٰہی میں کامیابی انسان کو دینی پیشوائی وسرداری کا مستحق بنا دیتی ہے۔ اور انبیائے کرام کے بعد اولیاء امت اور علماء امت کی امامت، اپنے اپنے ظرف وحیثیت کے مطابق، اسی قانون کی مظہر ہے۔ فقیہ جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ **فالانبیاء علیھم السلام فی اعلٰی مرتبۃ الامامۃ ثم الخلفاء الراشدون بعد ذٰلک ثم العلماء و القضاۃ العدول و من الزم اللہ تعالٰی باقتداء ھم ثم الامامۃ فی الصلوٰۃ و نحوھا** (احکام القرآن) (امامت کے جو معنٰی بیان ہوئے اس کے لحاظ سے امامت کے اعلٰی مرتبہ پر تو حضرات انبیاء فائز ہوتے ہیں۔ ان سے اتر کر خلفائے راشدین ہیں۔ پھر نمبر علماء اور عادل ججوں کا آتا ہے اور اُن کا جن کی پیروی خدا نے لازم کر دی ہے، پھر امامت نماز ہے وغیرہا)

ف۴۴۷ (امام ہوتے رہیں گے) عالم کی پیشوائی، سرداری و امامت کی بشارت پا کر ابراہیم علیہ السلام کا دل قدرتی طور پر باغ باغ ہو گیا اور اس جوشِ مسرت میں سوال کر بیٹھے کہ

اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ

ان کے پروردگار نے چند امور میں آزمایا ف۴۴۴ اور انہوں نے وہ انجام دے دیئے، ف۴۴۵ ارشاد ہوا کہ میں یقیناً

لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ

تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں، ف۴۴۶ بولے اور میری نسل سے بھی ف۴۴۷ ارشاد ہوا کہ میرا وعدہ

عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً

نافرمانوں کو نہیں پہنچتا ف۴۴۸ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے خانہ (کعبہ) ف۴۴۹ کو لوگوں کے لئے ایک مقام رجوع

لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ

اور مقام امن مقرر کیا ف۴۵۰ اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ

مُصَلًّی ؕ وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ

بنا لو ف۴۵۱ اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی طرف حکم بھیجا ف۴۵۲ کہ تم دونوں

طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ

میرے گھر کو پاک صاف رکھو ف۴۵۳ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور

السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا

سجدہ کرنے والوں کے لئے ف۴۵۴ اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب ابراہیمؑ نے عرض کی کہ اے

بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ

میرے پروردگار اس شہر کو امن والا بنا دے اور اس میں رہنے بسنے والوں کو روزی دے پھلوں ف۴۵۵ سے (یعنی)

اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ

ان رہنے والوں کو جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائیں ف۴۵۶ (اللہ نے) ارشاد فرمایا کہ جو

كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰی عَذَابِ

کفر کرے گا میں اُسے بھی کچھ دن مزہ اٹھانے دوں گا پھر اسے کشاں کشاں عذابِ جہنم

اس انعام میں میری نسل اور میری اولاد بھی شریک ہے نا؟ ذُرِّیَّۃٌ کے معنٰی ہیں اولاد اور اولاد در اولاد۔ اس میں سارا سلسلۂ نسل آ گیا۔ اور یہ سلسلۂ ابراہیمی شاخ اسرائیلی اور شاخ اسمٰعیلی دونوں کو شامل ہے۔ اسرائیلیوں کو جو دعوٰی تخصیص تھا اس کی جڑ یہیں سے کٹ گئی۔ مِنْ ذُرِّیَّۃٌ میں مِنْ تبعیضیہ ہے اور فقرہ کی ترکیب نے اسے صاف کر دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا سوال کے رنگ میں اپنی ساری نسل سے متعلق نہیں اس کے ایک جزو سے متعلق تھی۔ من تبعیضیة اے وجاعل بعض ذریتی (ابوسعود) و من ذریتی۔ یدل انه علیه السلام طلب ان یکون بعض ذریته ائمة للناس (کبیر) مِنْ ذُرِّیَّتِیْ کا عطف جاعلک کے ک پر ہے۔ گویا تقدیر کلام یوں ہے۔ و جاعلک بعض ذریتی۔ محاورۂ عرب میں جب ساکرمک بولا جاتا ہے تو جواب استفہامی میں بجائے پورے فقرہ ساکرم زیدًا کے صرف وزیدًا کافی ہے (کشاف) گو صاحب بحر کے نزدیک یہ عطف یہاں صحیح نہیں۔ آیت سے معلوم ہوا کہ مسرت و نعمت میں اپنی اولاد کو شریک کرنا نہ صرف امر طبعی ہے بلکہ سنت انبیاء بھی ہے ف۴۴۸ یعنی برکت و فضل کا سلسلہ تمہاری نسل میں بھی ضرور رہے گا۔ لیکن اس کے تحقق کے لیے محض ارث، نسب، نسل کافی نہیں۔ بلکہ ایمان و عمل صالح بھی حاصل کرنا ہوگا۔ گویا دعائے ابراہیمی اولاد صالح کے حق میں قبول ہو گئی۔ دل علی انه یناله غیر الظالم (جلالین) اور حضرت کو خبر دے دی گئی کہ آپ کی نسل میں دونوں طرح کے لوگ ہوں گے۔ کچھ صالح و مطیع اور کچھ ظالم و نافرمان۔ صالحین کو امامت کی بشارت مل گئی اور ظالم اس سے محروم کر دیے گئے۔ تنبیه علی انه قد یکون من ذریته ظلمة وانهم لا ینالون الامامة و انماینالها البررة الاتقیاء منهم (بیضاوی) عھدی میرا وعدہ یعنی دینی منصب امامت و پیشوائی کا وعدہ۔ معنی العهد عهد الامامة (ابن جریر عن مجاہد) هذا العهد هو الامامة المذکورة فی ماقبل (کبیر) الظّٰلِمِیْنَ۔ ظلم سے یہاں مراد کفر بھی لی گئی ہے اور فسق بھی۔ کافر کو امامت دینی نہ ملنا بالکل ظاہر اور متفق علیہ ہے۔ بعض نے اس منصب سے محرومی کے لیے فسق بھی کافی سمجھا ہے۔ قد فسّر الظلم ههنا بالکفر وهو قول ابن جبیر و بظلم العاصی غیر الکفر وهو قول عطاء والسدی (بحر) اے اهل الکفر (مدارک) اخبر ان امامة المسلمین لا یثبت لاهل الکفر (مدارک) المراد بالظالم الکافر ههنا اذهو الظالم المطلق (مدارک) المتبادر من الظلم الکفر لانه الفرد الکامل من افراده (روح) فقہاء امت نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ فاسق کی امامت کا انعقاد جائز نہیں۔ واحتج الجمهور علی ان الفاسق لا یصلح ان تعقدله الامالة بهٰذا الأیة (کبیر) مرشد تھانوی نے آیت سے استنباط کیا کہ اختیاری بدعملی کے ساتھ فضل الٰہی و انعام خداوندی جمع نہیں ہوتے ف۴۴۹ بَیْتٌ کے لفظی معنٰی گھر کے ہیں (جہاں رات بسر کی جائے) اَلْبَیْتَ سے متفقہ طور پر مراد بیت الحرام یا خانہ کعبہ ہے۔ شہر مکہ معظمہ کے اندر کی یہ عمارت رُوئے زمین پر خدائے واحد کی عبادت کا قدیم ترین مکان ہے۔ اور قرآن نے اس حقیقت کا اعلان کھلے لفظوں میں ادا کر دیا ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا۔ مسیحیت کو کعبہ کی تقدیس و برکت کے ساتھ ساتھ کعبہ کی یہ قدامت بھی نہایت شاق ہے لیکن انکار قدامت پر کوئی دلیل ہر ممکن کوشش کے بعد آج تک قائم نہیں ہو سکی ہے۔ بلکہ انیسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں انگریز مصنف باسورتھ اسمتھ کو لکھنا پڑا:۔ ”یہ وہ معبد ہے جس کی قدامت عہد تاریخ سے پرے ہے“۔ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اینڈ محمڈنزم صفحہ ۱۶۶) پھر آگے مشہور و قدیم رومی مؤرخ ڈایوڈورس سکولس (Diodorus Seculus) جس کا نام خود حضرت مسیح علیہ السلام سے ایک صدی قبل کا ہے کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اُس وقت بھی یہ معبد قدیم ترین تھا اور ساری نسل عرب کا نہایت مقدس مرجع تھا (صفحہ ۱۶۶) ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۴۵۰ مَثَابَۃً مصدر ثوب کے معنٰی ہیں کسی شے کا اپنی حالت اصلی یا حالت مقصودہ کی طرف لوٹنا رجوع الشیٔ الی الحالة الاولی التی کان علیها الی الحالة المقدرة المقصودة (راغب) اور جب کچھ لوگ کسی مقام کی طرف لوٹتے ہیں تو کہا جاتا ہے ثاب القوم اور اسی سے مَثَابَۃً اسم ظرف ہے المثابة مفعلة من ثاب القوم الی الموضع اذا رجعوا الیه فهم یثوبون الیه مثابا و مثابةً (ابن جریر) مَثَابَۃً میں ۃ مبالغہ کی ہے۔ اس میں زور و تاکید مثاب سے زائد ہے۔ والتاء فی مثابة للمبالغة قاله الاخفش (بحر) گویا مَثَابَۃً کے معنٰی ہیں وہ مقام جس کی طرف انسان بار بار رجوع کرے اور پھر جی نہ بھرے۔

مرجعًا للناس و معاذًا یاتونه کل عام و یرجعون الیه فلا یقضون منه وطرًا۔ یہ معنٰی امام ابن جریر نے خود بھی لیے ہیں۔ اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور مجاہد، سدی، عطاء وغیرہ تابعین سے بھی نقل کیے ہیں۔ اور بیت الحرام کا یہ وصف تو مشاہد ہی ہے۔ لوگ حج پر حج اور عمرہ پر عمرہ کرتے چلے جاتے ہیں، اور اس سے اکتاتے نہیں۔ پھر چونکہ اَلْبَیْتَ مرجع ارباب حج و عمرہ کا ہے اس لیے اجتماع و رجوع کے ساتھ عبادت کا مفہوم بھی لازمًا اس لفظ میں شامل ہو گیا ہے۔ مباءةً و مرجعًا للحاج و العمّار یتفرقون عنه ثم یثوبون الیه (کشاف) لِلنَّاسِ۔ عام زائرین کا جو تانتا کعبۃ اللہ کی زیارت اور عمرہ کا سال کے ہر موسم، ہر فصل، ہر زمانہ میں لگا رہتا ہے۔ اس سے قطع نظر تصور میں نقشہ ان لاکھوں انسانوں کا جمائیے جو صرف حج کے موقع پر کھنچے چلے آتے ہیں، صرف حجاز یا ملک عرب ہی کے ہر حصہ سے نہیں، بلکہ روئے زمین کے ہر خطہ، ہر علاقہ ہر ملک سے۔ اور پھر یہ بھی ذہن میں رکھ لیجیے کہ یہ سلسلہ دس بیس سال سے نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ یعنی تقریبًا چار ہزار سال سے قائم ہے! جب جا کر لِلنَّاسِ کی جامعیت کی تفسیر ذہن میں آ سکے گی۔ اَمْنًا مامونیت اس سے ظاہر ہے۔ کہ صرف عمارت کعبہ یا مسجد الحرام ہی نہیں بلکہ اردگرد کی سرزمین میلوں تک داخل حرم ہے اور حرم وہ علاقہ ہے جہاں انسان کی جان لینا الگ رہا جانور تک کا شکار جائز نہیں! اور یہ حکم تو خیر شریعت اسلامی کا ہے، ارض حرم کا مامن ہونا جاہلیتوں کو بھی مسلم رہا ہے۔ بڑے بڑے مجرم مشرکوں کے دَورِ حکومت میں بھی جرم کر کر کے خانہ کعبہ کی دیواروں کے درمیان آ کر پناہ پا جاتے تھے۔ فرنگی قاموس علم و دانش میں ہے:۔ اتنا تو بہر حال ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور سے بہت قبل مکہ کی دو حیثیتیں ہم مسلم پاتے ہیں۔ ایک تجارتی مرکز کی، ایک مقدس معبد کی جس کے اردگرد کی زمین بھی حرم ہے (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۵ صفحہ ۱۵۰ طبع چہاردہم) غرضکہ قرآن نے اَلْبَیْتَ کے جو دو وصف یہاں ذکر کیے ہیں وہ اعتقاد سے زیادہ تو مشاہدۂ ماضی و حال کی چیزیں ہیں۔ ف۴۵۱ (اے مسلمانو!) اِتَّخِذُوْا صیغۂ امر ہے اور یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اُمت اسلامیہ سے ہے۔ الخطاب لامة محمد صلی الله علیه وسلم (بیضاوی) الماموربه الناس کما هو ظاهر (روح) والخطاب علی هٰذین الوجهین لامة محمد صلی الله علیه وسلم وهو صلی الله علیه وسلم رأس المخاطبین (روح) مقام ابراهم کے معنٰی اس پتھر ہی کے لیے گئے ہیں جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے تھے اور یہ پتھر خانہ کعبہ سے چند ہی فٹ کے فاصلے پر اب بھی ایک حجرہ میں محفوظ ہے۔ یہ اصطلاح اگرچہ نزول قرآن سے بعد کی ہے لیکن ایک بہت بڑے گروہ نے یہی معنٰی لیے ہیں۔ حج کے موقع پر اس حجرہ کے سامنے طواف کے سات چکروں کے بعد دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے، حنفیہ و مالکیہ کے ہاں یہ نماز واجب ہے، اور شافعیہ کے ہاں محض سنت۔ محققین کے دُوسرے گروہ نے جس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی، مجاہد و عطاء تابعین اور امام فقہ نخعی وغیرہ شامل ہے، اس کے معنٰی سارے حرم یا کل مشاہد حج کے لیے ہیں۔ قال ابن عباس الحرم کله (ابن کثیر) و روی عن مجاهد و عطاء مثل ذٰلک (ابن کثیر) و ذهب النخعی و مجاهد الی ان المراد من مقام ابراهیم الحرم کله و ابن عباس و عطاء الی انه مواقف الحج کلها (روح) مِنْ مَّقَامِ میں مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی ایک حصہ ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ بعض نے فی کے معنٰی میں لیا ہے۔ ومن اما للتبعیض او بمعنی فی اوزائدة والاظهر الاول (روح) مُصَلًّی۔ نماز کی جگہ یا دُعا کی جگہ۔ صلیتُ دعوتُ کے معنٰی میں بھی آیا ہے۔ اصلی مصدر کے اعتبار سے جائے نماز اور جائے دُعا میں کچھ زیادہ فرق بھی نہیں۔ یہ بات پہلے بھی کہی جا چکی ہے۔ اور اب اسے اور زیادہ صاف ہو جانا چاہیے کہ قرآن مجید اپنے مخاطبات میں تاریخ انسانی کی ترتیب کا پابند نہیں۔ بارہا پاس پاس کی آیتوں میں بلکہ کبھی خود ایک ہی آیت کے اندر معنوی مناسبت کی بنا پر دو ایسے واقعات جمع کر دیے جاتے ہیں۔ جن کے درمیان زمانی حیثیت سے صدیوں کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اور اسی میں یہ بھی شامل ہے کہ واقعات ماضی کے بیان سے متصل ہی اور گویا انہیں کے ضمن میں کوئی مستقل حکم حال و مستقبل کے لیے دے دیا جائے اور صیغۂ امر لا کر اس کا عطف صیغۂ ماضی پر کر دیا جائے۔ --- قرآن اصلاً صرف کتاب ہدایت ہے اور وہ اپنے اس مقصد و اصل کے آگے پروا کسی انسانی حد بندی اور کسی مصنوعی و اختراعی تکلف کی نہیں کرتا۔ ف۴۵۲ عَهِدْنَا یہاں امرنا کے معنٰی میں ہے۔ اے امرنا (ابن جریر عن ابن زید) امرنا هما (کشاف) عهد بہ معنٰی اَمَرَ پر حاشیہ عہد بنی اسرائیل کے سلسلہ میں اُوپر گزر چکا

ہے۔ اِبْرٰهٖمَ پر حاشیہ اُوپر گزر چکا۔ اِسْمٰعِيْلُ ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اکبر تھے۔ آپ کی مصری بیوی حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے۔ سالِ ولادت غالباً ۲۰۷۴ ق،م سالِ وفات غالباً ۱۹۳۷ ق،م۔ توریت میں ہے کہ عمر ۱۳۷ سال کی پائی۔ آپ کے بارہ فرزند ہوئے اور ان سے بارہ نسلیں چلیں۔ توریت میں ان بارہ فرزندوں کے نام درج ہیں اور یہ تصریح ہے کہ ”یہ اپنی اُمتوں کے بارہ رئیس تھے“ (پیدائش ۱۶:۲۵) عرب کا مشہور و عالی نسب قبیلہ قریش آپ ہی کی نسل سے ہے۔ اس لیے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی مورثِ اعلیٰ ہوئے۔ اہل کتاب کہلانے والوں نے آپ کے خلاف زہر اگلنے اور اپنے خبث و عناد کا مظاہرہ کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی ہے۔ تاہم اپنی کتاب کی تصریحات کو کیا کریں گے جو تحریف و تلبیس کی ہر ممکن کوشش کے بعد بھی نہ مٹ سکیں۔ ان میں ابراہیم خلیل علیہ السلام کی دُعا بھی شامل ہے۔ اور خداوند کریم کے وعدے بھی اور تاریخ کا بیان بھی:۔ اور ”ابراہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے“۔ (پیدائش ۱۸:۱۷) ”اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا۔ اور اسے آبرومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا۔ (پیدائش ۲۰:۱۷) ”اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا“۔ (پیدائش ۱۸:۲۱) ”اور خدا اُس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا اور تیر انداز ہو گیا“۔ (پیدائش ۲۱:۲۱) یہاں حکم جو کچھ مل رہا ہے وہ آپؑ کو اور آپ کے والد ماجد کو مشترک مل رہا ہے۔ گویا خدمت کعبہ میں آپ اپنے والد ماجد کے برابر کے شریک تھے۔

و۴۵۳ (ہر طرح کے شرک و بت پرستی کی گندگی سے) طَهِّرَا۔ طہارت سے اصلاً یہاں مراد یہ ہے کہ نجاست معنوی و اعتقادی سے دُور اور ذکر توحید و عبادت الٰہی سے معمور رکھو۔ ضمناً ظاہری صفائی کا حکم بھی آ جاتا ہے۔ هو تطهيره من الاصنام وعبادة الاوثان فيه و من الشرك بالله (ابن جریر عن مجاہد و قتادہ و ابن زید) من الاوثان الخبائث والانجاس كلها (مدارک) والتطهير المامور به هو التنظيف من كل مالا يليق به۔ طَهِّرَا تثنیہ کا صیغہ ہے۔ حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بھی مل رہا ہے اور اقامت توحید میں برابر کے شریک بنائے جا رہے ہیں۔ فقہاء نے خطاب کے اس صیغہ سے مفہوم عموم کا لیا ہے یعنی تطہیر کی ذمہ داری ہر فرد پر ہے۔ خواہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی طرح متبوع و مقتدا ہو یا اسمٰعیل علیہ السلام کی طرح تابع و مقتدی ہو۔ طَهِّرَا بالتشدید مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی خوب اچھی طرح پاک و صاف رکھو۔ فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ مسجد کی صفائی فرض ہے۔ بَيْتِيَ اضافت تشریفی ہے ”میرے گھر کی“ ترکیب کو خوب سمجھ لینا چاہیے۔ اسلام کا خدا نعوذ باللہ! کوئی مرئی و مجسم دیوی دیوتا تو ہے نہیں جو اسے رہنے سہنے، اُٹھنے، بیٹھنے کے لیے کسی گھر یا مکان کی ضرورت ہو۔ اس لیے ”میرے گھر“ سے مراد ”میرے رہنے کا گھر“ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ مراد صرف یہ ہے کہ وہ گھر جو میری یاد و عبادت کے لیے مخصوص و نامزد ہو چکا ہے۔ اضافت سے مقصود محض اظہار شرف و عظمت ہے۔ هذا اضافة تشريف لا ان مكانا محل لله (بحر) الاضافة للتشريف كناقة الله (روح) اضافة البيت الى ضمير الجلالة للتشريف (ابوسعود) آیت میں کوئی اشارہ مخصوص کعبہ کے لیے نہیں۔ ذکر صرف وصف یعنی بیت کے ساتھ فرما دیا ہے۔ اس سے فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہی حکم ہر عبادت خانۂ الٰہی یعنی ہر مسجد کے لیے رہے گا۔ و۴۵۴ لِلطَّآئِفِيْنَ میں لام تخصیص کے لیے ہے۔ یعنی کعبہ (اور اسی طرح ہر مسجد) پر حق انہیں لوگوں کا ہے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ عمارت بن کر تیار ہو چکی تو اب غایت تعمیر بیان ہو رہی ہے کہ مقصود اس عمارت سے قیام توحید و استیصال شرک ہے۔ لِلطَّآئِفِيْنَ۔ خانہ کعبہ کا طواف کرنے والے۔ طواف کے معنی پر حاشیہ ابھی اُوپر گزر چکا۔ حج وغیرہ کے سلسلہ میں تو طواف کعبہ فرض ہی ہے۔ لیکن یوں بھی بجائے خود بڑے اجر کی چیز ہے اور ساتھ ہی بڑے لطف کی بھی۔ جیسا کہ ہر صاحب ذوق کا تجربہ شاہد ہے۔ اس نامہ سیاہ نے اس کا بیان اپنے سفر حجاز میں کسی قدر تفصیل سے کیا ہے۔ خانۂ کعبہ کو تمام دنیائے اسلام کی مسجدوں بلکہ نمازوں سے جو مرکزی نسبت حاصل ہے، اسی مناسبت سے اہمیت طواف کعبہ کو بھی حاصل ہے۔ کعبہ مظہر اعظم ہے دین توحید کا۔ اس کے گرد چکر لگانا گویا زبانِ حال سے اقرار کرنا ہے کہ ہماری ساری عبادتوں کا، سارے اعمال کا، ساری زندگی کا مرکزی نقطہ ہی توحید الٰہی ہے۔ عاکفین۔ عکوف کے لفظی معنی ہیں کسی جگہ کے رہنے کو تعظیماً لازم کر لینا۔ العكوف الاقبال على الشئ وملازمته على سبيل التعظيم له (راغب) اور اعتکاف اصطلاح شریعت میں نام ہے مسجد کے اندر بہ نیت عبادت قیام کو کسی مدت کے لیے لازم کر لینے کا، کہ بجز بشری ضرورتوں کے اور کسی حال میں باہر نہ نکلا جائے۔ هو الاحتباس فى المسجد على سبيل القربة (راغب) رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف سنت کفایہ مؤکدہ ہے۔ اس میں روزہ بھی شرط ہے۔ نفس اعتکاف ہر حال میں موجب اجر و قربت ہے۔ رکع السجود۔ رکوع اور سجدہ نماز کی دو مشہور و متعارف ہیئتیں ہیں۔ طائفین اور عاکفین اور رکوع اور سجود چار لفظوں کے لانے کے بجائے یہ بھی ممکن تھا کہ صرف عابدین یا ذاکرین کہہ دیا جاتا۔ لیکن تفصیل و تصریح سے ایک ایک عبادت کی تخصیص اور بزرگی کا الگ الگ اظہار ہو گیا۔ و۴۵۵ ابراہیم خلیل اللہ کی یہ دعائیں جس حیرت انگیز طریقہ پر پوری ہوئیں وہ خود ایک معجزہ ہے۔ پہلی دعا یہ تھی کہ شہر مکہ کو امن والا بنا دیا جائے۔ آس پاس کے رہنے والے لٹیرے اور خونخوار، لوٹ مار، قتل و خون کا بازار گرم، وسائل سفر محدود و خطرناک، راستہ غیر محفوظ۔ اس پر بھی حج و زیارت کے لیے حاجیوں اور زائروں کا تانتا صدیوں سے بندھا ہوا۔ اور اب امن و امان کے لحاظ سے مکہ اور حوالی مکہ آپ اپنی نظیر ہیں۔ نہ ڈاکے پڑتے ہیں، نہ قافلے لٹتے ہیں۔ نہ لاشے تڑپتے نظر آتے ہیں۔ اور شریعت اسلامی نے تو شہر و مضافات شہر کو ”حرم“ ہی قرار دے دیا۔ یعنی ان حدود کے اندر جانور تک کا شکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور خونی بھی اگر آ کر خانۂ کعبہ کے اندر پناہ گزین ہو جائے تو اُسے وہاں قتل نہیں کیا جا سکتا۔ شہر اور خانۂ کعبہ کا اتنا احترام جاہلیتوں نے بھی اپنے زمانہ میں ملحوظ رکھا۔ دُوسری دُعا یہ تھی کہ مکہ والوں کو پھل پھلاری کھانے کو ملتے رہیں۔ مکہ واقع ایسی جگہ ہے کہ ساری زمین یا سخت ریتلی ہے یا سخت پتھریلی، بارش بھی بہت ہی قلیل مقدار میں ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ تازے پھلوں اور میوے دار درختوں کا ذکر ہی نہیں۔ معمولی سے پھل پھول کے درخت بلکہ تازہ و سبز گھاس تک نہیں پیدا ہوتی۔ اور کاشتکاری و باغبانی کو تو کوئی جانتا بھی نہیں، ایک بے آب و گیاہ سرزمین، کہیں ریگستان، کہیں گرم و خشک پہاڑیوں کے چٹان۔ لیکن ان سب کے باوجود جتنے تازہ تازہ پھل، میوے، ترکاریاں، غلے چاہیے شہر تک میں خرید لیجیے۔ اس باب میں کچھ تفصیلات اس عاجز کے سفرنامہ حجاز میں بھی ملیں گی۔ و۴۵۶ ابھی ابھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتایا جا چکا تھا کہ فضل و برکت کے خاصہ وعدے ایمان و عمل صالح کے ساتھ مشروط ہیں۔ ان کے بغیر نہیں لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (آیت ۱۲۴) اللہ کے پیغمبر نے اللہ کے اس ارشاد کو گرہ بندھ لیا۔ اور اب جو دُعا کی، اس میں خود ہی یہ قید لگا دی کہ پر امن شہر اور رزق ثمرات کی برکتیں صرف اہل ایمان و طاعت کے لیے مقصود و مطلوب ہیں دعاء للمؤمنين خاصة (معالم) الرزق على الامامة فخص المؤمنين (مدارک) خصص دعائه بالمؤمنين دون الكافرين (کبیر) حضرات انبیاء کی ادب شناسی کا کیا کہنا۔ حق تعالیٰ نے تو صرف یہ فرمایا تھا کہ امامت یا دینی سرداری مخصوص ہے اہل ایمان و طاعت کے ساتھ۔ خلیل جلیل علیہ السلام نے یہ اشارہ پا کر دنیوی منفعت و تمتع کو بھی اہل ایمان و طاعت کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ حالانکہ اس کا تعلق ربوبیت سے ہے جو مومن و کافر سب کے لیے اس عالم میں عام ہے۔ فنبه سبحانه على ان الرزق رحمة دنيوية فعم المؤمن والكافر بخلاف الامامة والتقدم فى الدين (بیضاوی) مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ ایمان کے اجزا یہاں دو ہی بیان کیے گئے ہیں۔ اللہ پر ایمان اور روز آخرت پر ایمان۔ انہیں کے ضمن میں ایمان کے دُوسرے ضروری اجزا بھی آ گئے اس کی ضرورت مطلق نہیں کہ ایمان کا ذکر جہاں کہیں بھی آئے ہر جگہ اس کے سب ہی اجزا کی تصریح ہو۔ لما كان الايمان بالله واليوم الأخر يتضمن الايمان بجميع مايجب ان يؤمن به اقتصر على ذلك (بحر) و۴۵۷ قَلِيْلًا۔ کچھ دن۔ یہاں مراد ہے زندگی بھر سے کہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں قلیل ہی ہوتی ہے۔ متاعا يتمتع به الى وقت مماته (ابن جریر) الى منتهى اجله (معالم) مطلب یہ ہوا کہ وہ جو فضل خداوندی اہل ایمان و اہل ہدایت کے ساتھ مخصوص ہے اور جس سے اہل ضلالت و کفر محروم رہیں گے، اس کا تعلق نفع آخرت سے ہے امامت دین سے ہے، رہے اس دنیوی زندگی کے انعامات اور منافع، غذا اور مسکن وغیرہ تو ان سے محروم کافروں اور منکروں تک کو نہ کیا جائے گا۔ کہ یہ قانونِ ربوبیت کا عین اقتضا ہے۔ دوزخ جیسی جگہ میں کوئی شخص خوشی سے تو جائے گا نہیں، ہر ایک کشاں کشاں ہی لے جایا جائے گا۔ قرآن نے یہاں جو اس کی تصریح کر دی ہے وہ جہنم کی ہولناکی کا نقش واضح کرنے کے لیے و۴۵۸ الْبَيْتِ سے مراد خانۂ کعبہ ہے اور اس میں کوئی اختلاف رائے نہیں۔ الْكِتٰبَ جس طرح قرآن کریم ہے النبی جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، الْبَيْتِ اسی طرح کعبۃ اللہ ہے۔

یَرْفَعُ کا لفظ قابل غور ہے۔ بنیادیں اوّل بار رکھی نہیں جارہی تھیں وہ تو حضرت آدم علیہ السلام اپنے عہد ہی میں رکھ گئے تھے۔ عمارت کے منہدم ہوجانے کے بعد اب انہیں از سرِ نو اٹھایا جارہا تھا، بلند کیا جارہا تھا، مسیحیوں کو خانۂ کعبہ سے جو ضد اور اس کی قدامت سے جو کد ہے بالکل ظاہر ہے۔ ہر امکانی کوشش اپنے قلم سے اس کی مخالفت میں کرچکے ہیں۔ لیکن حقیقت اس کے باوجود حقیقت ہی ہے۔ آفتاب کے وجود سے روزِ روشن میں انکار کہاں تک کیا جاسکتا ہے؟ مترجم قرآن جارج سیل (Sale) اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں لکھتا ہے:۔ ''مکہ جسے بکہ بھی کہا گیا ہے۔ اور یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں اور ان کے معنٰی مقام اجتماع عظیم کے ہیں۔ یقیناً دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے۔ اور بعض کی رائے میں توریت کے (شہر) میسا سے بھی مراد ہے''۔ اور پھر وہی آگے کہتا ہے:۔ ''مکہ کا معبد اہل عرب کے درمیان مقدس اور ایک عبادت گاہ کی حیثیت سے بہت ہی قدیم زمانہ سے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی صدیوں قبل سے چلا آتا تھا''۔ باسورتھ اسمتھ جو لیکچرز آن محمد اینڈ محمڈن ازم کے مصنف ہیں وہ لکھتے ہیں:۔ ''بناء کعبہ کا سلسلہ حسب روایات، اسمٰعیل اور ابراہیم تک پہنچتا ہے، بلکہ شیث و آدم تک، اور اس کا نام بیت ایل خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسے ابتدائی شکل میں کسی ایسے ہی بزرگ قبیلہ نے تعمیر کیا ہے''۔ (صفحہ ۱٦٦) سب سے بڑھ کر قابل لحاظ شہادت سر ولیم میور کے قلم سے ہے:۔ مکہ کے مذہب کی تاریخ بہت ہی قدیم ماننی پڑتی ہے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ ایک نامعلوم زمانہ سے ملک عرب کا مرکز چلا آتا ہے۔ جس مقام کا تقدس اتنے وسیع

النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٢٦﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ

تک پہنچادوں گا اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے ف۴۵۷ اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب ابراہیمؑ

الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ

اور اسمٰعیلؑ خانہ (کعبہ) کی بنیادیں بلند کر رہے تھے ف۴۵۸ اے ہمارے پروردگار ہم سے (یہ)

مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا

قبول کر ف۴۵۹ یقیناً تو ہی (سب کچھ) سننے والا ہے (سب کچھ) جاننے والا ہے ف۴٦۰ اے پروردگار ہم دونوں کو

مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً

اپنا فرمانبردار بنا دے ف۴٦۱ اور ہماری نسل سے ایک فرمانبردار امت

لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ

پیدا کر ف۴٦۲ اور ہم کو ہمارے دینی قاعدے بتلا دے ف۴٦۳ اور ہمارے حال پر توجہ رکھ ف۴٦۴ یقیناً تو تو

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

بڑا توجہ فرمانے والا ہے، بڑا مہربان ہے ف۴٦۵ اے ہمارے پروردگار ان میں ایک پیغمبر انہیں میں سے

مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

بھیج ف۴٦٦ (جو) انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور انہیں، کتاب (الٰہی)

وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٢٩﴾

اور دانائی کی تعلیم دے اور انہیں پاک (وصاف) کرے ف۴٦۷ یقیناً تو تو بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۴٦۸

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ

اور ابراہیمؑ کے مذہب سے کون پھرے گا مگر وہی جس نے اپنے کو احمق

نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي

بنالیا ہو ف۴٦۹ اور ہم نے تو انہیں دنیا میں بھی برگزیدہ کرلیا تھا ف۴۷۰ اور آخرت میں بھی وہ زمرۂ صالحین میں

ع ۸/۱۵ ۱۵

رقبہ میں مُسَلّم ہو اس کے معنٰی ہی یہ ہیں کہ اس کی بنیاد قدیم ترین زمانہ سے چلی آتی ہے'' (لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ مقدمہ صفحہ ۱۰۲ و صفحہ ۱۰۳)۔ یہ شہادتیں مخالفوں کی تھیں۔ باقی ہمارے ہاں کی روایتوں میں خانۂ کعبہ کی قدامت کی جو روایتیں ہیں اُن سے تو تفسیر، حدیث، سیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اِسْمٰعِيْلُ۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر اور زمانہ وغیرہ پر حاشیہ اُوپر گزر چکا ہے۔ ایک پیغمبر برحق کی حیثیت سے اسلام میں آپ کا جو مرتبہ ہے، ظاہر ہے۔ لیکن آپ کا ایک مستقل معجزہ یہ ہے کہ جن قوموں نے آپ کی اور آپ کی والدہ ماجدہ کی ہجو اور بدگوئی کو اپنا شعار بنالیا ہے اُن تک کے نوشتوں میں آپ کی تعظیم منقول چلی آتی ہے۔ چنانچہ بعض احبارِ یہود کا یہ قول آج تک یہودی ہی کی دائرۃ المعارف میں لکھا چلا آتا ہے کہ ''جو کوئی خواب میں اسمٰعیل کو دیکھ لے حق تعالیٰ کے ہاں اس کی دُعا قبول ہوجائے گی''۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ٦ صفحہ ۴٦۸) آپ کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ شاہِ مصر کی صاحبزادی تھیں۔ اور مصر کا شاہی خاندان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کی ایک شاخ تھا۔ عراق سے منتقل ہو کر مصر میں آباد ہوگیا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے سفر میں ادھر سے گزرے تو بحیثیت ایک شیخ قبیلہ کے، آپ کو شاہِ مصر نے اپنا مہمان بنایا اور رخصت کے وقت آپ کے اعزاز و اکرام میں اپنی صاحبزادی کو بطور تحفہ کے پیش کیا۔ اور تواضع و انکسار کی راہ سے کہ مشرقی میزبانی کا خاصہ ہے، کہا کہ یہ آپ کی کنیزی کے لیے ہدیہ ہے۔ اُردو زبان میں یہ محاورہ آج تک چلا ہوا ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر بڑے سے بڑا معزز شخص بھی اپنی لڑکی کو کنیز ہی کہہ کر داماد اور سمدھی کے سامنے پیش کرتا ہے۔ مشرقی تواضع کے اس عام پیرایہ بیان سے معاندین کو گویا ایک بڑی معتمد اور مستند دستاویز ہاتھ آگئی۔ اور اُمِ اسمٰعیل علیہ السلام ان کے ہاں آج تک کنیز ہی چلی آرہی ہیں۔ واقعات بہرحال واقعات ہیں۔ انہیں کوئی کہاں تک جھٹلا سکتا ہے؟ اسی جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اکابر احبارِ یہود کے حوالہ سے ہے:۔ ''ہاجرہ فرشتہ ہی کو دیکھ کر ہیبت زدہ ہوئیں۔ ان کی عصمت مآبی اس سے ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اپنے پاس سے الگ کردیا۔ جب بھی ان کی وفاداری میں فرق نہ آیا...... ان کے نام ایک معنٰی ''آراستہ'' بھی بیان ہوئے ہیں۔ اور یہ اس بنا پر کہ وہ زیورِ اخلاق و حسن عمل سے آراستہ تھیں''۔ (جلد ٦ صفحہ ۱۳۸)۔ اور اسی میں ایک دوسری جگہ یہ روایت بھی درج ہے کہ ''بادشاہ نے خود اپنی صاحبزادی بطور کنیز ہدیہ کردی''۔ (جلد ۱۱ صفحہ ۵۵) اور قصص یہود کا جو مجموعہ گنزبرگ (Ginzberg) نے چار جلدوں میں مرتب کرکے شائع کیا ہے۔ اس میں ہے:۔ ''بادشاہِ مصر نے عہد کرلیا کہ وہ ابراہیم کو ہر طرح پر قوت و شوکت بنا کر رہے گا۔ چنانچہ اپنی بیٹی تک ہدیہ دے دی سارہ کی تعلیم و تربیت میں رہ کر وہ بھی ویسی ہی باخدا بن گئیں اور ہر طرح ابراہیم کی رفاقت کے قابل'' (جلد ۱، صفحہ ۲۲۸ و صفحہ ۲۳۷)۔ ف۴۵۹ (محض اپنے فضل و رحمت سے) کیا ٹھکانا ہے اس خشیتِ قلب کا! اخلاق کے مجسمے ہیں۔ صداقت کے پتلے ہیں۔ اس پر بھی ڈرتے جاتے ہیں کہ دیکھئے نذر قبول بھی ہوتی ہے یا نہیں! باب تفعّل کا ایک خاصہ تکلف ہے۔ اس لیے بعض نکتہ سنجوں نے لفظ تقبّل سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ عمل بذاتِ خود ہرگز قابل قبول نہیں۔ تمام تر ناقص ہے۔ اور مقبولیت محض لطف و کرم سے ہورہی ہے نہ کہ کسی استحقاق کی بنا پر۔ ان التقبل عبارة عن ان يتكلف الانسان فی قبوله (کبیر) فی اختيار صيغة التفعّل اعتراف بالقصور لما فيه من الاشعار بالتكلف فی القبول (روح) مزدور اور معمار جب کام کرتے ہیں تو عموماً و عادۃً کچھ گنگناتے بھی جاتے ہیں۔ اللہ کے گھر کے یہ معمار بھی اللہ کے گھر کی دیواریں اٹھاتے وقت خاموش نہ تھے۔ یہاں ان کی مناجات بیان ہورہی ہے۔ فقہاء کا استنباط ہے کہ ہر عمل صالح کے بعد دعا کرنا مستحب ہے۔ چنانچہ ختم نماز پر دُعا اور افطارِ صوم کے وقت دعا، اسی قبیل سے ہیں۔ ف۴٦۰ سمیع۔ سننے والا زبان سے نکلے ہوئے لفظ و قول کا۔ علیم۔ جاننے والا دل کے اندر کے اخلاص کا۔ مشرک قوموں کے حکماء و فلاسفہ نے سب سے زیادہ ٹھوکر حق تعالیٰ کی صفت علم ہی کے باب میں کھائی ہے۔ اور باری تعالیٰ کا علم (نعوذ باللہ) ناقص و محدود فرض کیا ہے۔ قرآن جو علم باری کے کامل و محیط ہونے کا شد و مد سے اثبات کرتا ہے، اور اللہ کے علیم، سمیع، بصیر ہونے کو بار بار پیش کرتا ہے، اس کا ایک مقصد فلاسفہ کے اس وہم باطل کی تردید کرنا ہے ف۴٦۱ (اور زیادہ) مُسْلِمَيْنِ کے معنٰی یہاں دو طرح کیے گئے ہیں۔ ایک

اللہ کی توحید کے ماننے والے بلاشائبہ شرک وشرکت۔ ای موحدین مخلصین لا نعبد الا ایاک (کبیر) دوسرے اسلام کے عام احکام کے پابند۔ ای قائمین بجمیع شرائع الاسلام (کبیر) لیکن دونوں معنی ایک دوسرے کے منافی بالکل نہیں۔ مسلم کے ترجمہ فرمانبردار میں نہ وہ وسعت ہے، نہ وہ لطف جو خود لفظ مسلم میں ہے۔ مسلمون ای منقادون للحق مذعنون له (راغب) فرمانبردار بندے یا مسلم تو وہ اس وقت ہی تھے جب دُعا کر رہے تھے۔ دعا کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہماری فرمانبرداری میں مزید ترقی دے۔ والمعنیٰ زدنا اخلاصاً واذعاناً لک (کشاف) والمراد طلب الزیادة فی الاخلاص والاذعان اوالثبات علیه (بیضاوی) **ف۴٦٢** اُمَّةً مُّسْلِمَةً کے ترجمہ "فرمانبردار امت" میں وہ بلاغت ومعنویت کہاں جو قرآنی لفظ اُمت مسلمہ میں ہے دعا کی مقبولیت اسی سے ظاہر ہے کہ وہ امت آج تک اسی نام سے مشہور چلی آتی ہے، دوست دُشمن سب کی زبان پر۔ ایک امریکی یہودی ٹوری ییل یونیورسٹی کا استاد اپنی اسلام دشمنی میں آکسفورڈ والے مارگولس آنجہانی کا پورا جانشین ہے۔ لیکن ایک بات بڑے پتے کی اس کی زبان سے بھی نکل گئی ہے۔ کہتا ہے:۔ ("اسلام کی بنیاد تو حضرت) اسمٰعیل کے ہاتھوں پڑی جو اہل عرب کے مورثِ اعلیٰ ہیں"۔ (جیوش فاؤنڈیشن آف اسلام صفحہ ٦ دیباچہ) مِنْ ذُرِّيَّتِنَا یعنی ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کی مشترک نسل سے۔ دُعا دونوں بزرگوار مل کر کر رہے تھے، اس لیے ذرّیت سے مراد بنی اسمٰعیل ہی ہو سکتے تھے۔ برنابانامی، حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک بلند پایہ حواری (صحابی) ہوئے ہیں، ان کی انجیل کو مسیحیوں نے اپنے مذاق و مسلک کے بالکل ناموافق پا کر اس کی اصلیت ہی سے انکار کر دیا ہے۔ اس انجیل کے نسخے انگریزی، عربی، اُردو تینوں زبانوں میں موجود ہیں۔ اس میں صراحت کے ساتھ ہے کہ عہد الٰہی اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا نہ کہ اسحٰق علیہ السلام کے ساتھ۔ وقولی لانی اقول لکم الحق ان العهد صنع باسمٰعیل لا باسحٰق (۴۳:۳۱) میری بات کا یقین کرو میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وعدہ اسمٰعیل سے کیا گیا تھا نہ کہ اسحٰق سے۔ اور پھر ہے۔ وان الموعد صنع باسمٰعیل لا باسحٰق (۱۴۲:۱۸) وعدہ اسمٰعیل علیہ السلام سے کیا گیا تھا نہ کہ اسحٰق علیہ السلام سے **ف۴٦٣** مَنَاسِكَنَا۔ یعنی عام دینی قاعدے خصوصاً بیت اللہ کے حج وزیارت کے آداب وشعائر۔ ای شرائع دیننا واعلام حجنا (معالم) اَرِنَا۔ اراءة کے معنی یہاں آنکھ سے دکھلا دینے کے نہیں بلکہ سکھلا دینے بتلا دینے کے ہیں۔ ای علّمنا و عرفنا (معالم) فعل رأی کا تعدیہ جب دو مفعولوں کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی رؤیت کے نہیں علم کے ہو جاتے ہیں۔ ارانی اذا عدّی الی مفعولین اقتضی من العلم (راغب) الرؤیة ههنا بمعنی العلم (ابن قتیبہ) ابن حاجب نحوی اور ابو حیان مفسر نے اس معنی کے قبول کرنے سے انکار بھی کیا ہے لیکن جب تائید میں راغب اور زمخشری جیسے مستند امامانِ ادب ولغت کی شہادتیں موجود ہیں تو کسی کا انکار چل نہیں سکتا۔ وانکر ابن الحاجب واتبعه ابو حیان ثبوت رأیٰ بمعنیٰ عرف وذکره الزمخشری فی المفصل والراغب فی مفرداته وهما من الثقات فلا عبرة بانکار هما (روح) **ف۴٦۴** (رحمت وشفقت ومغفرت کے ساتھ) وتوبة الرب علی عبده عوده علیه بالعفوله عن جرمه والصفح له عن عقوبت ذنبه مغفرة له منه و تفضلاً علیه (ابن جریر) **ف۴٦٥** (تو تیرے لیے ہماری اس دُعا کو شرفِ قبول بخش دینا کچھ بھی دشوار نہیں) **ف۴٦٦** مِنْهُمْ۔ یہ قید خوب خیال میں رہے۔ دعائے ابراہیمی ابھی چل رہی ہے۔ ابھی ابھی آپ اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام دونوں مل کر عرض کر چکے ہیں۔ کہ اے پروردگار ہم دونوں کی نسل میں سے ایک اُمت مسلمہ ایک اپنی فرمانبردار اُمت پیدا کر۔ اور اس کے معاً بعد مِنْهُمْ کا لفظ لاتے ہیں۔ کھلی ہوئی مراد نسل اسمٰعیلی سے ہے۔ لفظ هُم کا مرجع ذرّیة کو بھی سمجھا گیا ہے اور اُمتِ مسلمہ کو بھی۔ والضمیر فی منهم یحتمل ان یعود علی الذریة ویحتمل ان یعود علی امت مسلمة (بحر) ماحصل دونوں کا ایک ہی ہے یعنی نسل اسمٰعیلی۔ اور یہ جزو تاریخ سے اپنی جگہ ثابت ہے کہ صحیح النسب نسل اسمٰعیل علیہ السلام قوم عرب ہی رہ گئی تھی۔ اس لیے لازمی تھا کہ یہ پیغمبر عرب ہی میں پیدا ہو۔ رَسُوْلًا۔ اس کا ایک تو صیغہ واحد اور پھر اعراب کی تنوین۔ گویا یہ اشارہ قریب بہ صراحت پہنچ گیا کہ وہ رسول ایک ہی ہوگا۔ متعدد نہ ہوں گے۔ یہود کا دعویٰ ہے۔ اور (نصاریٰ بھی انہیں کا ساتھ دیتے رہے ہیں) کہ نبوت ورسالت تو بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی۔ یہ نیا پیغمبر بنی اسمٰعیل میں کیسے پیدا ہو گیا؟ لیکن انہیں کی توریت باوجود ان کی ساری تحریفات

کے اب تک شہادت کچھ اور ہی دے رہی ہے ایک جگہ حضرت موسیٰ اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:۔ "خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف کان دھرو"۔ (استثنا۔ ۱۸:۱۵) قطع نظر اس سے کہ بنی اسرائیل میں تو ایک نبی نہیں خدا معلوم کتنے انبیاء حضرت موسیٰ کے بعد پیدا ہوتے رہے۔ خود "تیرے ہی بھائیوں میں سے" کی تصریح بتا رہی ہے کہ مراد بنی اسرائیل نہیں، بلکہ ان کے ہم جد بھائی بنی اسمٰعیل ہیں۔ اگر خبر اسرائیلی ہی نبی کی دینا ہوتی تو بجائے "تیرے ہی بھائیوں میں سے" کے عبارت "تجھ ہی میں سے" ہوتی۔ یہ الفاظ تو صرف مخاطبین کی وحشت دُور کرنے اور ان میں جذبۂ انس وموانست پیدا کرنے کے لیے ہیں کہ اے ہم قوم جب وہ نبی آئے تو اس کی اطاعت کرنا۔ وہ بھی تمہارا کوئی غیر نہیں تمہارے ہی بھائیوں میں سے ہوگا۔ اور پھر دو ہی آیتوں کے بعد توریت میں بعینہٖ یہی مضمون براہ راست حق تعالیٰ کی جانب سے ادا کیا گیا ہے:۔ "خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔ میں ان کے لیے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا"۔ (استثناء ۱۸:۱۸) اس سے قطع نظر اگر ممکن ہو تو کر لیجیے کہ "اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا" یعنی لفظی کلام الٰہی ہونے کا مصداق بجز قرآن کے ساری آسمانی کتابوں میں اور ہے ہی کون؟ لفظی کلام الٰہی ہونے کا دعویٰ کس دوسری کتاب کا ہے؟ اور اس سے بھی قطع نظر اگر ممکن ہو تو کر لیجیے کہ "تجھ سا" یعنی "موسیٰ کا سا" مثیل موسیٰ ہونے کا مصداق تاریخ کی دُنیا میں بجز ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ہوا کون ہے؟ اور کیا اس سے بھی قطع نظر ممکن ہو گی کہ یہاں بھی بجائے "ان میں سے" کے یا "اسرائیلیوں میں سے" کے "ان کے بھائیوں میں سے" ہونے کی صراحت یہاں بھی موجود ہے اور پھر یہی پیشگوئی انہیں لفظوں میں موسیٰ نبی کی زبان سے نکلی ہوئی، نصاریٰ کی انجیل میں بھی دُہرائی ہوئی موجود ہے:۔ "موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیے مجھ سا نبی پیدا کرے گا، جو کچھ وہ تم سے کہے تم اس کی سننا"۔ (اعمال ۳:۲۲) **ف۴٦٧** ذرا غور کرنے سے نظر آ جائے گا کہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ فرائض کمال ایجاز کے ساتھ ان چند فقروں میں آ گئے ہیں۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ۔ رسول کا پہلا کام اپنی امت کے سامنے تلاوت آیات ہوتا ہے۔ یعنی اللہ کا کلام پہنچانا۔ گویا رسول کی پہلی حیثیت مبلغ اعظم کی ہوتی ہے۔ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ۔ رسول کا کام محض تبلیغ وپیام رسانی پر ختم نہیں ہو جاتا، اس کا کام کتاب الٰہی کی تبلیغ کے بعد اس کی تعلیم کا بھی ہے۔ اس تعلیم کے اندر کتاب کی شرح، ترجمانی، تعمیم میں تخصیص، تخصیص میں تعمیم سب کچھ آ گئی۔ اور یہیں سے ان کج فہموں کی بھی تردید ہو گئی جو رسول کا منصب (معاذ اللہ) صرف ڈاکیہ یا قاصد کا سمجھے ہوئے ہیں! گویا رسول کی دوسری حیثیت معلم اعظم کی ہوئی۔ وَالْحِكْمَةَ۔ پھر رسول تعلیم محض کتاب ہی کی نہ دیں گے بلکہ حکمت ودانائی کی تلقین بھی امت کو کریں گے۔ احکام ومسائل، دین کے قاعدے اور آداب، عوام وخواص سب کو سکھائیں گے اور خواص کی رہنمائی اسرار ورموز میں بھی کریں گے، گویا رسول کی تیسری حیثیت مرشد اعظم کی ہوئی۔ يُزَكِّيْهِمْ۔ تزکیہ سے مراد دلوں کی صفائی ہے۔ رسول کا کام محض الفاظ اور احکام ظاہر کی تشریح تک محدود نہیں رہے گا، بلکہ وہ اخلاق کی پاکیزگی اور نیتوں کے اخلاص کے بھی فرائض انجام دیں گے، رسول کی یہ چوتھی حیثیت مصلح اعظم کی ہوئی **ف۴٦٨** اِنَّكَ اَنْتَ۔ عربی کے اس دُہرے فقرۂ مخاطبت کا مفہوم اُردو میں "یقیناً تو تُو" (پہلا "تو" واؤ معروف اور دوسرا "تُو" واؤ مجہول کے ساتھ) سے ادا ہوتا ہے۔ الْعَزِيْزُ۔ ہر دعا کے قبول کرنے پر، ہر آرزو کے پورا کرنے پر قادر۔ اس کی مشیت پر مانع اور غالب کوئی چیز نہیں آ سکتی۔ الْحَكِيْمُ۔ قادر مطلق ہونے کے ساتھ حکیم مطلق بھی۔ قبول وہی دعائیں کرتا ہے بندوں کی آرزوئیں وہی پوری کرتا ہے، جو قانونِ حکمت کے مطابق وماتحت ہوتی ہیں۔ اللہ اکبر! خلیل و ذبیح علیہما السلام کی ادب شناسیوں کا کیا کہنا! دعا میں بھی کیسے کیسے نکتے ملحوظ رکھ لیے ہیں — حضرات انبیاء سے بڑھ کر ادب شناس اور ہو بھی کون سکتا ہے؟ **ف۴٦٩** یعنی ملت ابراہیمی تو عین دینِ فطرت ہے، اس کی تعلیمات عین طبع سلیم کی ترجمان ہیں۔ اس سے کنارہ کشی تو صرف وہی اختیار کر سکتا ہے جس کی فطرت ہی سلیم نہ باقی رہی ہو، بلکہ مسخ ہو چکی ہو۔ اس مقدمہ کی تصدیق انسان جب چاہے اعتقاد سے نہیں، آزمائش سے کر لے، اسلام نے جماعت (سوسائٹی) کا جو نظام قائم کیا ہے، وہی بہترین نظام اجتماعی ہے۔ ہر فرد کے لیے جو ضابطہ عمل بنا دیا وہی بہترین ضابطہ شخصی ہے۔ عقل و جذبات، فرد و جماعت، دل و دماغ،

الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ

ہوں گے و۱۷۰ اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے) جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ حکم بردار ہو

قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ وَصّٰى بِهَاۤ

جاؤ، و۲۷۰ وہ بولے میں حکم بردار ہوں سارے جہان کے پروردگار کا و۳۷۰ اور ابراہیمؑ اس کی ہدایت کر گئے اپنے

اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى

بیٹوں کو و۴۷۰ اور اسی طرح یعقوبؑ بھی و۵۷۰ (اپنے بیٹوں کو) و۶۷۰ کہ اے میرے بیٹو بیشک اللہ نے تمہارے

لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ﴿۱۳۲﴾

لئے دین کا انتخاب فرما لیا ہے و۷۷۰ سو ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ تم مرتے وقت بجز مسلم کے کچھ اور ہو و۸۷۰

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ

بھلا اس وقت تم کیا موجود تھے جب یعقوبؑ کو موت آ پہنچی و۹۷۰ اور اس وقت

قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ

انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ و۸۰۰ وہ بولے ہم عبادت کریں گے

اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ

آپ کے اور آپ کے باپ دادوں ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ کے معبود کی

اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ

(اس) معبود واحد کی اور ہم تو اس کے حکم بردار ہیں و۸۱۰ یہ ایک جماعت ہے

قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا

جو گزر چکی و۸۲۰ ان کے آگے ان کا کیا ہوا آئے گا، اور تمہارے آگے تمہارا کیا ہوا اور وہ

تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا

جو کچھ کرتے رہے اس کی پوچھ گچھ تم سے نہ ہوگی و۸۳۰ اور یہ (لوگ) کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ

جسم و رُوح، حریت و اطاعت، حیاتِ بشری کے متضاد و متناقض عنصروں کی جتنی باہمی رعایت شریعتِ اسلام نے ملحوظ رکھی ہے، دُنیا کے کسی قانون میں کہیں اس کی نظیر نہ ملے گی۔ دُعائے ابراہیمی ختم ہوئی، اب بیان ملت ابراہیمی کا شروع ہو رہا ہے۔ کہ یہ تو وہی دین توحید ہے جس کی دعوت آج اسلام ہی دے رہا ہے اور جسے تم سب باوجود اپنے مشترک بزرگ ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کے دعوٰی کے چھوڑے بیٹھے ہو۔ مِلَّةِ اِبْرٰهٖمَ۔ قرآن مجید نے عجب بلاغت و نکتہ سنجی سے کام لے کر یہاں اپنے دین اسلام کی نسبت نہ حق تعالیٰ کی جانب کی نہ رسولِ وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب، بلکہ صرف ابراہیم خلیل علیہ السلام کی جانب کی۔ یہاں مخاطب اصلاً یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب ہیں اور یہ تینوں قومیں مسلمانوں ہی کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا مقدس پیشوا مانتی تھیں۔ اس اسلوب بیان کو اختیار کر کے گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ قرآن تمہیں کسی نئے دین کی دعوت نہیں دیتا۔ عین تمہارے ہی بزرگ و محترم پیشوا ابراہیم علیہ السلام ہی کے دین کی جانب تمہیں بلا رہا ہے!۔۔۔ تلطف اور حسن تبلیغ کا پیرایہ اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا تھا؟ مشرکین عرب کے پاس آسمانی کتاب کی قسم سے کوئی کتاب تو نام کے لیے بھی موجود نہ تھی۔ البتہ یہود و نصاریٰ کے نوشتوں میں ابراہیم علیہ السلام کے فضائل اس وقت بھی درج تھے اور آج تک لکھے چلے آتے ہیں توریت مروجہ میں ہے:۔ ”اپنے باپ ابراہام پر اور سرہ پر جو تمہیں جنی نگاہ کرو کہ جب میں نے اُسے بلایا وہ اکیلا تھا پھر اس کو برکت دی اور اس کو بہت بنایا“۔ (یسعیاہ۔ ۵۱:۲) ”اے ابراہام تو مت ڈر۔ میں تیری سپر اور تیرا بہت بڑا اجر ہوں“۔ (پیدائش ۱۵:۱) ”اور وہ خدا پر ایمان لایا اور یہ اس کے لیے صداقت محسوب ہوا“۔ (پیدائش ۱۵:۶) اور مسیحیوں کی انجیل مروجہ میں ہے:۔ ”ابراہیم خدا پر ایمان لایا، اور یہ اس کے لیے راستبازی گنا گیا، بس جان لو کہ جو ایمان والے ہیں وہی ابراہیم کے فرزند ہیں“۔ (گلتیون۔ ۳:۶) نیز (رومیون۔ ۴:۳) و۷۰ (ان کی اسی توحید پرستی اور ایمان باللہ کے صلہ میں ہر قسم کی نعمتوں اور سرفرازیوں کے لیے۔ یہاں تک کہ منصب نبوت و رسالت کے لیے) ایک مسیحی مؤرخ ریونڈ رولیم ڈین ایم، اے نے ایک مستقل سیرت ابراہیم انگریزی میں لکھی ہے، اس سے آپ کے دنیوی عروج و اقبال پر بھی خوب روشنی پڑتی ہے۔ ان ”روشن خیال“ لامذہبوں کی تردید کے لیے یہی کافی ہے جنہوں نے ابھی انیسویں صدی کے آخر میں آپ کے وجود کو فرضی قرار دیا تھا و۱۷۰ (ایک پیغمبر جلیل القدر کے شایانِ شان) یہود و نصاریٰ نے اہل کتاب ہونے اور نبوت و سلسلہ وحی پر ایمان رکھنے کے باوجود اپنے اپنے نوشتوں میں کوئی کسر عصمت انبیاء کے داغدار بنانے میں اُٹھا نہیں رکھی۔ اس لیے قرآن مجید جہاں جہاں انبیاء سابق کا ذکر کرتا ہے اکثر ان حضرات کی اخلاقی و روحانی عظمت پر بھی زور دیتا جاتا ہے اور اس طرح انبیاء برحق کی نصرت و حمایت کا فرض، توریت و انجیل کی عائد کی ہوئی فرد جرم کے مقابلہ میں ادا کرتا جاتا ہے۔ یہ عجیب و غریب اہل کتاب، نبی اور نبوت کے قائل گویا ان کے صرف لفظی معنٰی میں تھے۔ یعنی نبی وہ ہے جو کاہنوں جوتشیوں کی طرح غیب کی خبریں دے سکے۔ اور اس سے انہیں کوئی بحث ہی نہ تھی کہ اس کے اخلاق کا کیا عالم تھا۔ اس کے رُوحانی کمالات کس درجہ کے تھے، اس کی تعلیمات کیا تھیں۔ و قس علیٰ ہذا۔ ابراہیم خلیل علیہ السلام تو اکثر انبیاء کے ابوالآباء ہیں۔ آپؑ کی عصمت کے تحفظ کا تو قرآن نے اور زیادہ اہتمام رکھا ہے و۲۷۰ اسلموا کا دوسرا ترجمہ ”اسلام لے آؤ“ یا ”مسلم ہو جاؤ“ بھی ہو سکتا ہے۔ پہلے بھی ذکر آ چکا ہے اور یہاں اسے پھر یاد کر لیا جائے کہ قرآن مجید میں واقعات کا بیان ہمیشہ ترتیب تاریخی کے اعتبار سے نہیں ہوتا۔ اسلام لانے کے معنٰی ہیں اپنے آپ کو تمام تر خدائے واحد کے سپرد کر دینا، اس کا پرستار بن جانا۔ عقیدہ، معاشرت، معاملت غرض کہ زندگی کے ہر بڑے چھوٹے شعبہ میں اسی کے قانون کو قبول کرنا۔ اور اُس کے احکام کی اطاعت کرنا، اصطلاح میں اسلام و ایمان گویا مترادف ہے، اور یہی دین اسلام ہمیشہ انبیاء کا رہا ہے و۳۷۰ یعنی میں خدائے پروردگار عالم پر اسلام لے آیا۔ یہاں گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اشارۃً اپنے ایمان لانے کی وجہ بھی بیان کر دی۔ یعنی اسلام میں کیوں نہ لاتا۔ ایک ہی پروردگار، ایک ہی حاکم مطلق، ایک ہی مالک، ایک ہی ربوبیت کے سارے شعبوں کا ناظم وہی ہے۔ میں اس پر ایمان کیسے نہ لاتا؟ اس کے قانون سے باغی کیسے رہ سکتا! و۴۷۰ بِهَا (یعنی اس دین توحید کی، ملت اسلام کی) ضمیر خواہ ملّت کی جانب ہو خواہ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی طرف، ماحصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ والضمیر فی بها لقوله اسلمت لرب العلمین (کشاف) والضمیر للملّة او لقوله اسلمت (بیضاوی) وَصّٰى۔ عربی کا لفظ وصیة، اردو کے وصیت سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ بستر مرگ کی خواہشوں اور مرنے والوں کی آخری ہدایتوں تک محدود نہیں۔ ہر حکم، ہر ہدایت پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے وَصَّیْتُهٗ هكذا کے معنٰی ہیں ”میں نے اس کو حکم دیا“۔ ”میں نے اس سے یہ کرنے کو کہا“۔ بَنِیْهِ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے آٹھ تھے۔ (۱) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا مصری کے بطن سے (۲) حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت سارہ رضی اللہ عنہا عراقی کے بطن سے۔ (۳) زمران (۴) یقسان (۵) مدان (۶) مدیان (۷) سباق (۸) سوخ یہ سب حضرت قتورہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے (پیدائش ۲۵:۱ و ۲) و۵۷۰ یَعْقُوْبُ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے پوتے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام نبی کے صاحبزادہ تھے۔ اور نبی زادہ ہونے کے علاوہ خود بھی نبی تھے۔ اسرائیل آپ ہی کا دوسرا نام ہے۔ توریت میں ہے:۔ ”اور خدا نے اسے کہا کہ تیرا نام یعقوب ہے۔ تیرا نام آگے کو یعقوب نہ کہلائے گا بلکہ تیرا نام اسرائیل ہوگا۔ سو اس نے اس کا نام اسرائیل رکھا“۔ (پیدائش ۳۵:۱۰ و ۱۱) عمر حسب روایت توریت ۱۴۷ سال کی پائی۔ زمانہ غالباً ۲۰۰۰ ق، م تا ۱۸۵۳ ق، م

ولادت کنعان (فلسطین) میں ہوئی، و۴۷۵ ۱۸اق،م میں اپنے نامور فرزند یوسف علیہ السلام نبی کے پاس مصر میں منتقل ہوگئے۔ وفات یہیں ہوئی۔ و۴۷۶ چار ازواج طاہرات سے آپ کے بارہ فرزند تھے ان کے نام حسب تصریح توریت حسب ذیل ہیں:۔ روبن، شمعون، لاوی، یہوداہ، اشکار، زبلون، یوسف، بنیامین، دان، نفتالی، جاد، آشر (پیدائش ۳۵: ۲۴-۲۶) (انہیں صاحبزادوں میں سے جہاں تک خاندانی شجرہ اور نسب نامہ سے پتہ چلا ہے، حضرت لاوی کی نسل سے ان سطور کا راقم نامہ سیاہ بھی ہے) و۴۷۷ الدین۔ یعنی اس دین توحید کا، ملت اسلام کا۔ اصْطَفٰی۔ اصطفا کے معنی ہیں چن لینا اور ملاوٹ یا آمیزش سے پاک کر دینا۔ لَكُمُ میں ل تخصیص کا ہے۔ یعنی یہ دین تمہارے لیے ہے اور تم اس دین کے لیے ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو قوم عرب اور نسلِ یہود دونوں کے مورثِ اعلیٰ ہوئے ہیں۔ اور نصاریٰ کے بھی مقتدا۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام جو نسل اسرائیلی کے جدامجد ہوئے ہیں۔ یہ دونوں تو اپنی اولاد کو خود اپنے اختیار کیے ہوئے اور خدا کے پسند کیے ہوئے دین کو منتقل ہی کر گئے اور فرما گئے کہ تمہیں کسی مزید تلاش میں حیران و سرگردان ہونے کی ضرورت ہی نہیں۔ تمہارے لیے تو یہ اللہ کا بنایا ہوا اور بتایا ہوا دین توحید موجود ہی ہے۔۔۔ قرآن کے مخاطبین اول سب کے سب اسلاف پرستی کے مرض میں گرفتار تھے۔ ان سے خطاب کا یہ بہترین اسلوب ہے کہ اچھا اگر دین کے بارے میں اپنے اسلاف ہی کو حکم بنا رہے ہو تو دیکھو وہی کیا کہہ گئے ہیں؟ و۴۷۸ (اور چونکہ موت کا وقت انسان کے علم میں نہیں۔ اس لیے تیار اس کے لیے ہر وقت اور ہمیشہ رہو) مطلب یہ ہوا کہ مسلم ہمہ وقت بنے رہو۔ ایمان کو ہر لحظہ دل میں جگہ دیے رہو۔ دین کے مطالبات میں بس ایمان کا مطالبہ ایسا ہے جو ہمہ وقتی اور ہمہ حالی ہے ورنہ اعمال جتنے بھی ہیں سب حالات کے تابع ہیں اور حالات خود تغیر پذیر ہیں۔ ضمناً اہل کتاب کو بھی فہمائش ہو رہی ہے کہ تم جس دین کو نیا اجنبی اور انوکھا سمجھ کر اس سے بدکتے اور بھڑکتے ہو وہ تو پیدا نہیں۔ وہ تو عین تمہارے ہی بزرگوں کا تعلیم کیا ہوا دین و آئین ہے [راقم سطور نامہ سیاہ سے اگر فرمائش کی جائے کہ سارے قرآن مجید سے کسی ایک آیت کا اپنے لیے انتخاب کر لے تو اس کی نظر انتخاب اسی آیت بلکہ جز آیت پر پڑے گی اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ جی میں ہے کہ زندگی کی ہر ساعت میں یہی آیت ورد زبان رہے۔ اور دل میں اسی کے معنی کا استحضار رہے۔ موت کے وقت یہی دل و زبان پر بھی ہو۔ اور بعد موت یہی کفن پر بھی لکھ دی جائے، اور قبر کے کتبہ پر بھی کندہ کر دی جائے۔ بارہا اس آیت پر وجد کر چکا ہوں۔ بارہا اس آیت پر آنسوؤں سے رو چکا ہوں۔ اور دل یہ کہتا ہے کہ سارے قرآن مجید کا لب لباب یہی آیت ہے۔] و۴۷۹ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ۔ یعنی وقت موعود قریب آگیا۔ اور آپ کو علامات و آثار اس کے محسوس ہونے لگے۔ یہ مراد نہیں کہ خود موت ہی آپ پر طاری ہوگئی۔ کنی بالموت عن مقدماته لانه اذا حضر الموت نفسه لا يقول المحتضر شيئا (بحر) قرآن مجید ہی میں ایک اور دوسری جگہ ہے وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ۔ یہاں بھی موت سے مراد موت کے دواعی و اسباب ہی لیے گئے ہیں۔ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ۔ خطاب اہل کتاب سے ہے اور استفہام میں لہجہ زجر شامل ہے۔ معنى الاستفهام ههنا الزجر والتوبيخ وهو فى معنى المنفى (بحر) یعنی تم جو واہیات خرافات حضرت یعقوب علیہ السلام کی جانب منسوب کر رہے ہو تو تمہارا اُس وقت وجود ہی کہاں تھا؟ صحیح واقعات وہ ہیں جو قرآن بیان کر رہا ہے۔ و۴۸۰ مِنْۢ بَعْدِيْ۔ یعنی میری وفات کے بعد۔ مضاف محذوف ہے۔ من بعدی ای من بعد موتی (ابو سعود) حضرات انبیاء کو زندگی کی طرح اپنے آخر وقت میں بھی سب سے مقدم فکر دین ہی کی ہوتی ہے و۴۸۱ یعنی ہم سب اس پر اسلام لا چکے ہیں" توریت موجودہ کے اوراق تو اس اہم اور ضروری تذکرہ سے کسی مصلحت سے خاموش ہیں۔ البتہ احبارِ یہود کا یہ قول نقل ہو کر پہنچا ہے کہ ۔۔۔ "یعقوب نے اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹوں کو یہ تین احکام دیے (۱) بت پرستی نہ کرنا (۲) خدا کی بے حرمتی نہ کرنا (۳) میرے جنازے کو کوئی کافر ہاتھ نہ لگانے پائے"۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۷ صفحہ ۲۴) روایات و حکایات کی جو دوسری کتابیں ہیں ان میں صراحت اس سے بڑھ کر ملتی ہے:۔۔۔ "یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا...... مجھے اندیشہ ہے کہ تم میں سے کوئی بت پرستی کا میلان رکھتا ہے۔ اس کے جواب میں بارہ بیٹوں نے کہا۔" سن اے اسرائیل، اے ہمارے باپ، ہمارا خدا وہی خدائے لم یزل ہے۔ جس طرح تیرا دلی ایمان ایک خدا پر ہے اسی طرح ہم سب کا دلی ایمان اسی ایک خدا پر ہے۔ (گنز برگ کی قصص یہود جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

اٰبَآئِكَ۔ اسمٰعیل علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام کے بڑے چچا (یا بابا) تھے۔ فرزندانِ یعقوب نے کمال سعادت مندی سے ان کا شمار بھی آبائے یعقوب علیہ السلام میں کیا، جیسا کہ اردو محاورہ میں بھی باپ چچا کو ایک ہی حکم میں رکھا جاتا ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے یہی لفظ اب آیا ہے۔ هذا بقية ابائى یعنی میرے بڑوں یا بزرگوں میں اب یہی باقی ہیں۔ اسحٰق۔ یہ نام پہلی بار آیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادہ تھے، حرم اول حضرت سارہ کے بطن سے۔ سالِ ولادت غالباً ۲۰۶۰ ق م۔ سالِ وفات غالباً ۱۸۸۰ ق م۔ عمر شریف توریت میں ۱۸۰ سال درج ہے۔ یہ بھی درج ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۰۰ سال تھی۔ آپ کے بستر مرگ کا منظر قصص الیہود میں یوں دکھایا گیا ہے:۔ "جب اسحٰق نے دیکھا کہ ان کا وقت موعود آپہنچا، تو انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا، اور کہا کہ میں تمہیں خدائے تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں، جس کی صفات علی، عظیم، قیوم، عزیز ہیں۔ اور جو آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر شے کا خالق ہے کہ تم خوف اسی کا رکھنا اور عبادت اسی کی کرنا"۔ (جلد اول صفحہ ۴۱۶) و۴۸۲ (اور ان کے فضائل و کمالات بھی ان کے ساتھ گزر چکے۔ تمہیں آخر ان کے نام گنانے سے کیا حاصل؟) تِلْكَ اُمَّةٌ سے مراد یہی اجدادِ یہود ہیں جن کا شمار جماعت انبیاء میں ہے۔ خطاب یہاں یہود سے ہے جو آبائی مفاخرت، نسلی عظمت، پیمبر زادگی کے نشہ میں چور تھے۔ اس میں بڑا سبق آج کل کے پیرزادوں، رسمی مشائخ زادوں، اور بہت سے بدعتی فرقوں کے لیے موجود ہے۔ بلاسعی عمل محض بزرگوں کی نسبت سے فائدہ اٹھانے کی جڑ ہی اسلام نے کاٹ دی ہے۔ و۴۸۳ اسلام کے طفیل اب یہ بات معمولی سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن قرآن نے جب اس حقیقت کا اعلان کیا ہے اس وقت بہت ہی اہم اور گویا ایک نادر سی بات تھی۔ شخصی و ذاتی ذمہ داری اور انفرادی مسئولیت کی تعلیم اسلام کے خصوصیات امتیازی میں سے ہے۔ ورنہ مشرک تو مشرک، یہود اہل توحید تک اس سفاہت میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ذاتی عمل کی ضرورت ہی کیا ہے، مقبولانِ الٰہی کی جانب انتساب نسلی اور بزرگوں کی طرف نسبت نسبی بالکل کافی ہے۔ مسیحیوں کا گڑھا ہوا مسئلہ "معصیت متوارث" سب کو معلوم ہے۔ یعنی جو معصیت ابوالبشر سے سرزد ہوگئی تھی، وہ ہر نسل آدم میں منتقل ہوتی چلی آرہی ہے۔ یہود نے اس کے مقابل ایک عقیدہ "نجاتِ متوارث" کا وضع کر لیا تھا۔ اور یہ سمجھ لیا تھا کہ "خدائے تعالیٰ اپنے اسم پاک کے طفیل میں اور بہ طور اپنے افضال کے، باپ کے حسنات اولاد کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے" (جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۱۲ صفحہ ۴۴۷) توریت مروجہ میں ایک آیت اس مضمون کی ملتی ہے:۔ "میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں، جو باپ دادوں کی بدکاری کا بدلہ ان کی اولاد سے تیسری اور چوتھی پشت تک جو میرا کینہ رکھنے والے ہیں، لیتا ہوں"۔ (استثناء۔ ۵:۹) بس اس تنکے کی اوٹ پہاڑ یہ کھڑا کر لیا گیا کہ ہر نسل کو انتقال ثواب اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی یعنی اسلاف و اخلاف دونوں کی طرف سے ہوتا رہے گا۔ اور پھر اولادِ ابراہیم علیہ السلام کو تو کوئی ڈر ہی نہیں:۔ "بعض کو ثواب اپنے اسلاف کے اعمال کا ملے گا، اور بعض کو ثواب اپنے اخلاف کے اعمال کا"۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۶ صفحہ ۶۰) "افراد یہود کی امیدیں سب اسلاف کے تقدس پر قائم ہوگئی تھیں (یعنی اس پر کہ) ہم ابراہیم کی اولاد ہیں"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۳ صفحہ ۱۸۴ طبع یازدہم) و۴۸۴ قرآن مجید کی صاف اور سیدھی تعلیمات اور اس کے واضح دلائل کو سن کر چاہیے تو یہ تھا کہ اہل کتاب ان سے متاثر ہوتے، اور قبولِ حق پر آمادہ ہو جاتے۔ لیکن بجائے اس کے ضد اور ہٹ سے کام لے کر الٹی مسلمانوں کو یہودیت اور نصرانیت کی دعوت دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارا دین قبول کر لو، تو تمہیں دنیا کی فلاح اور آخرت میں نجات حاصل ہو جائے۔ و۴۸۵ (ساری امت اسلامیہ کی طرف سے ان لوگوں کے جواب میں، اے ہمارے پیغمبر) و۴۸۶ (اس کی اصلی اور غیر محرف شکل میں) مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ۔ یہود اور نصاریٰ دونوں، نومسلموں اور نیم مسلموں کو اپنی اپنی طرف کھینچتے تھے کہ "فلاح و نجات منظور ہو تو ہمارے مذہب میں آؤ، اس نئے مذہب میں کیا رکھا ہے"؟ مسلمانوں کو تعلیم اس جواب کی مل رہی ہے، کہ "تمہارے ہاں کیا رکھا ہے بجز تحریفات کے؟ رہا ہمارا دین تو وہ نو پیدا ذرا بھی نہیں۔ وہ تو بس قدیم دین توحید ابراہیم علیہ السلام کا ہے اور ہم اسی کی اصلی اور غیر محرف شکل پر قائم ہیں۔ حَنِيْفًا۔ ترکیب میں حال واقع ہوا ہے مضاف الیہ ابراہیم کا۔ اکثر اکابر تفسیر اسی طرف گئے ہیں۔ حال من المضاف اليه (کشاف) هو حال من المضاف اليه (ابوسعود)۔ دوسرا قول یہ ہے

اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ
یا نصرانی ہوجاؤ تو راہ یاب ہوجاؤ گے و۴۸۴ آپ کہہ و۴۸۵ دیجیے کہ نہیں بلکہ (ہم نے تو) ابراہیم سیدھی راہ
حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٣٥﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا
والے کا مذہب پالیا و۴۸۶ اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے و۴۸۷ کہہ دو کہ ہم تو ایمان رکھتے ہیں
بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى
اللہ پر اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا و۴۸۸ اور جو
اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب
وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ
اور اولاد (یعقوب) پر اتارا گیا و۴۸۹ اور جو موسیٰ وعیسیٰ کو دیا گیا
اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ
اور اس پر جو دوسرے انبیاء کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا و۴۹۰ اور ہم ان میں سے کسی کے درمیان
مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿١٣٦﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا
بھی فرق نہیں کرتے و۴۹۱ اور ہم اللہ ہی کے حکم بردار ہیں و۴۹۲ تو اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں
بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ
جس طرح تم ایمان رکھتے ہو تو بے شک وہ بھی راہ پا گئے و۴۹۳ اور اگر
تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ
منہ موڑے رہیں، تو بس (یہی) مخالفت میں پڑے ہیں و۴۹۴ سو اب اللہ آپ کی طرف سے ان کے مقابلہ میں
اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣٧﴾ ۭ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ
و۴۹۵ ہے، اور وہ (بڑا) سننے والا (بڑا) جاننے والا ہے و۴۹۶ (ہمارے اوپر) اللہ کا رنگ ہے و۴۹۷ اور اللہ سے

کہ حَنِيْفًا صفت اِبْرٰهٖمَ کی نہیں بلکہ مِلَّةَ کی ہے۔ اور حال مضاف الیہ کا نہیں، بلکہ مضاف کا واقع ہوا ہے۔ وهو حال من المضاف بتاويل الدين او تشبيهًا له بفعيل بمعنى مفعول (روح) اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا "ہم نے پالیا ہے مذہب ابراہیم علیہ السلام کا جو سیدھی راہ ہے"۔ حَنِيْفًا کے معنی بہر صورت مستقيمًا و مائلًا الى الحق کے ہیں۔ اس جملہ کی تقدیر یوں ہے۔ بل تكون على ملة عليه السلام يا بل نتبع ملته عليه السلام و۴۸۷ یہ تعریض ہے اہل کتاب پر کہ تم کس منہ سے اپنے کو دین ابراہیم علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہو، وہ تو شرک کے قریب ہو کر بھی نہیں گزرے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کی توحید خالص پر یہود، نصاریٰ سب ہی متفق تھے، گو عملاً ان کی روش چھوڑے ہوئے تھے۔ بلکہ مسیحی تو صریح شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔ و۴۸۸ (اللہ کے ہاں سے ہمارے پیمبر کے واسطہ سے) خطاب عام مسلمانوں سے ہے۔ یعنی ہمیں تو نسلی یا قومی تعصب کسی سے بھی نہیں۔ ہمارا رشتہ اسمٰعیلی، اسرائیلی ہر شریعت الٰہی سے بس اعتقاد و انقیاد ہی کا ہے۔ اَلْاَسْبَاطِ جمع ہے سبط کی۔ اور معنی ہیں اولاد کی اولاد یا پوتے اور نواسے۔ الاسباط اولاد اولاد و قيل اولاد البنات (تاج) عوام میں صرف نواسوں کے معنی میں مشہور ہے۔ لیکن ائمہ لغت کی تصریح ہے کہ پوتوں اور نواسوں دونوں کے لیے عام ہے۔ كلام الائمة صريح فى انه يشتمل ولد الابن والابنة كما صرح به ابن سيده (تاج) بنی اسمٰعیل کی شاخیں جس طرح قبائل میں تقسیم ہوتی گئیں۔ بنی اسرائیل کی شاخیں اسی طرح اسباط کہلائیں۔ قال الازهرى الاسباط فى بنى اسحق بمنزلة القبائل فى بنى اسمعيل (تاج) نسل اسرائیل پر رسالت بہت وسیع پیمانہ پر پھیلی رہی۔ فقرہ کا مطلب یہ ہوا کہ ہم مسلمان کسی پیمبر کے بھی منکر نہیں۔ و۴۸۹ (اللہ کے ہاں سے) اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ۔ یہ دو نام اس سیاق اور اس سلسلہ میں خاص طور سے قابل توجہ ہیں۔ اسمٰعیل علیہ السلام کا نام لانا تو اس لیے بہت ضروری تھا کہ اہل کتاب انہیں سے تو بغض رکھتے تھے۔ بغیر ان کا نام لائے اسلام کے دعویٰ کا اثبات ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اسحٰق علیہ السلام کا نام لانا خود ایک دلیل روشن ہے۔ اسلام کے طریق عدل اور بے تعصبی کی۔ قرآن اگر بشری کلام ہوتا، تو بشری فطرت تو یہ تھی، کہ اہل کتاب کے شدید اور مسلسل اشتعال انگیز تعصب کے جواب میں اسمٰعیل کی نصرت و حمیت میں اسحاق علیہ السلام کا نام نظر انداز ہی کر دیا جاتا۔ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق علیہم السلام تینوں کی تاریخی شخصیتوں پر حاشیے اوپر گزر چکے۔ و۴۹۰ (کلام الٰہی یا کتاب آسمانی میں سے) مُوْسٰى۔ آپ کی تاریخی شخصیت پر حاشیہ گزر چکا۔ عِيْسٰى۔ ابن مریم۔ بجائے والد کے اپنی والدہ کی جانب منسوب ہیں۔ بنی اسرائیل کے آخری اور مشہور نبی ہوئے ہیں۔ آپ پر سلسلہ اسرائیلی رسالت کا بلکہ قومی و نسلی رسالت کا ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ ولادت صوبہ یہودیہ (ملک شام) کے قصبہ بیت اللحم میں یا بیت المقدس میں، حاکم شام ہیرود کے زمانہ میں ہوئی۔ شام اس وقت روم کی شہنشاہی کا ایک نیم آزاد علاقہ تھا۔ سال ولادت اغلباً ۴ ق م۔ یہ بات سننے میں بہت ہی عجیب معلوم ہوگی۔ لیکن اس پر اتنی حیرت نہ کیجیے۔ سنہ عیسوی جو اس وقت رائج ہے، خود اسی تقویم کے قائم کرنے میں شروع ہی سے غلطی رہ گئی، اور اس کا پتہ بعد کو چلا۔ چنانچہ سن عیسوی کا پہلا سال آپ کا سال ولادت نہیں۔ آپ کی ولادت کے چوتھے سال سے یہ سنہ جاری ہوا ہے۔ آپ کی عمر غالباً ۳۳ سال کی تھی، اور ۳۰ء تھا کہ اسرائیلیوں نے آپ کی تعلیم و تبلیغ سے نہایت درجہ آزردہ ہو کر آپ پر مقدمہ پہلے تو اپنی آزاد و خود مختار مذہبی عدالت میں چلایا۔ اور پھر سرکاری قانون کا بھی مجرم بنا کر رومیوں کی ملکی عدالت میں پیش کیا۔ وہاں سے سزائے موت (بذریعہ صلیب) کا حکم صادر ہوا، اس کے بعد کیا گزری، اس کا ذکر سورۂ مائدہ کی آیت وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کے تحت میں ان شاء اللہ آئے گا۔ و۴۹۱ (خواہ وہ کسی ملک، کسی نسل، کسی زمانہ کے ہوں، کہ ان میں سے کسی کو نبی مرسل مانیں کسی کو نہ مانیں) اسلام کے ایک جدید و نو پیدا مذہب ہونے کی یہ تردید ایک بار پھر کی جارہی ہے۔ عالمگیر مذہب، آج ہر شخص بجائے خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ ہو سکتا ہے جو ہر ملک، ہر قوم، ہر نسل، ہر زمانہ کے پیغمبروں اور سچے ہادیوں کی علانیہ اور پرزور تصدیق کر رہا ہے۔ یا وہ مذہب ہو سکتے ہیں، جو آسمانی ہدایت کو فلاں ملک، فلاں قوم، فلاں نسل کے ساتھ مخصوص و مقید کیے ہوئے ہیں۔ و۴۹۲ (وہ ہم کو جس کسی کی بھی اطاعت کا حکم دے دے گا، ہم اسی کے پیرو ہو جائیں گے۔ ہمیں کسی سے نہ تعصب نہ عناد، ہم تو بس امر الٰہی کے فرمان بردار ہیں) اسلامی تعلیمات کا عطر یا لب لباب بس یہی مسئلہ توحید ہے۔ و۴۹۳ (اور اپنے ایمان کی بنا پر نجات کے مستحق ہو گئے) خطاب مسلمانوں سے ہے، اور "یہ لوگ" سے مراد وہی منکر و کافر اہل کتاب ہیں جن کا سلسلہ اُوپر سے چلا آرہا ہے۔ اس میں بشارت ہے کہ اتنی ضد و عناد کے باوجود اگر اب بھی وہ ایمان لے آئیں تو ان کا پچھلا کفر و عناد ان کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ فَاِنْ کی ف سے اشارہ اس طرف ہے کہ اب جب کہ تعلیمات اسلامی کا مغز ان پر پوری طرح واضح ہو گیا۔ و۴۹۴ (حق و راہِ راست سے) یعنی اتنی واضح ہدایت پہنچ جانے کے بعد اگر اب بھی ایمان نہ لائیں، تو اب جو انہیں مخالفت ہے وہ مخالفت ہی کی غرض سے، ضد اور عداوت ہی کی بنا پر ہے۔ اس لیے نہیں کہ وضوح حق میں کوئی خفا یا ابہام باقی رہ گیا ہے۔ اب جو وہ دین کو نہیں سمجھتے، تو محض اس لیے کہ سمجھنا چاہتے نہیں۔ اے علمنا الله ليس غرضهم طلب الدين والانقياد للحق و انما غرضهم المنازعة واظهار العداوة (کبیر) و۴۹۵ یہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسکین اور تسلی دی جارہی ہے کہ آپ ہجوم اعداء اور قوت و کثرت مخالفین سے ذرا بھی تشویش و فکر نہ کریں۔ یہ حق کے معاندین آپ کو اور آپ کے دین کو گزند پہنچانے میں ہرگز کامیاب نہ ہوں گے۔ اب اللہ آپ کا نگہبان ہے۔ و۴۹۶ سمیع۔ سننے والا ان کے الفاظ و اقوال، ان کے

حرف وعبارت کا۔ یعنی جو کچھ ان کی زبانوں پر ہے، ان کی گفتگوئیں اور تقریریں سب اللہ پر روشن ہیں۔ علیمٌ۔ جاننے والا ان کے دلوں کے احوال واسرار کا، یعنی ان کے ظاہر کی طرح ان کا باطن بھی اُس عالم کل پر روشن ہے، اور ان کی اندرونی کارروائیاں اور سازشیں سب اس کے سامنے بے نقاب موجود ہیں۔ و۴۹۷ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے صبغنا اللہ صبغة (بیضاوی) کانه قیل صبغنا اللہ صبغة (ابوسعود) یعنی ہمیں اللہ نے اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ اور اللہ کے رنگ سے مراد اس کے دین فطری یعنی اسلام سے ہے۔ ای دین اللہ (مدارک) والمراد بهادینه الذی فطر الناس علیه (جلالین) یہی دین اللہ کے معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور مجاہد، ابوالعالیہ، قتادہ وغیرہ متعدد تابعین سے مروی ہیں (ابن کثیر) رُوئے سخن اُوپر سے یہود ونصاریٰ کی طرف چلا آ رہا ہے۔ ان دونوں کے ہاں بڑی اہمیت ایک خاص قسم کے رسمی تطہیری غسل کی تھی، جسے بپتسمہ یا اصطباغ کہا جاتا تھا۔ انہیں کی اصطلاح میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اس رسمی اصطباغ میں کیا رکھا ہے، لازم پکڑنے کی چیز دین توحید ہے۔ یعنی الزموا دین اللہ (معالم) و۴۹۸ (جس کا دین ایمان کے رنگ کو نکھار دیتا ہے، اور کفر وضلالت کی نجاستوں کو دُور کر دیتا ہے) فالمراد انه یصبغ عبادهٗ بالایمان و یطهرهم به من او ساخ الکفر فلا صبغة احسن من صبغته (کشاف۔ کبیر) و۴۹۹ (اور سارے عقاید باطل، شعائرِ باطل، معبودانِ باطل کے منکر ہیں) نَحۡنُ۔ ہم، یعنی مسلمان یا اُمت مسلمہ۔ و۵۰۰ خطاب اگرچہ سارے اہل باطل کے لیے عام ہے، لیکن سیاق میں

أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

بہتر کون رنگ (دینے والا) ہے؟ و۴۹۸ ہم تو اس کی بندگی کرنے والے ہیں و۴۹۹

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ

آپ کہیے کہ کیا تم ہم سے اللہ کے باب میں حجت کیے جاتے ہو و۵۰۰ درآنحالیکہ وہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا

وَ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ نَحْنُ

بھی پروردگار ہے و۵۰۱ اور ہمارے عمل ہمارے لئے ہیں اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ اور ہم تو

لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ ۙ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ

اسی کے لئے خالص ہیں و۵۰۲ کیا تم (یہ) کہتے ہو کہ ابراہیم

وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ

اور اسماعیل اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اولاد (یعقوبؑ)

كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ

یہودی یا نصرانی تھے؟ و۵۰۳ آپ کہیے تم واقف تر ہو یا اللہ؟ و۵۰۴

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اس شہادت کو چھپائے جو اس کے پاس

مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

اللہ کے ہاں سے پہنچ چکی ہے؟ و۵۰۵ ورنہ اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر تو ہے نہیں و۵۰۶

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ

یہ ایک جماعت ہے جو گزر چکی و۵۰۷ ان کا کیا ہوا ان کے آگے آئے گا اور تمہارا کیا ہوا تمہارے

مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۶ ۱۲ ۱۶

آگے آئے گا و۵۰۸ اور جو کچھ وہ کرتے رہے اس کی پوچھ گچھ تم سے نہ ہو گی و۵۰۹

خاص طور پر مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔ ذکروا فیه وجوهًا احدها انه خطاب للیهود و النصٰری وهو الیق بنظم الاٰیة (کبیر) و۵۰۱ (تو کم از کم اس کی ذات وصفات کے باب میں تو تمہیں کوئی مغالطہ یا غلط فہمی نہ رہنا چاہیے) یعنی اے اہل کتاب جب ہمارے تمہارے درمیان کوئی اختلاف پروردگار کے تعین میں نہیں۔ تو اوّل تو اس کی توحید پر قائم رہنا چاہیے۔ اور تثلیث فی التوحید یا توحید فی التثلیث اور خدا کے فرزند، بروز ومظہر وغیرہ قسم کے خرافات سے بالکل بچنا چاہیے۔ دوسرے جب اس کی صفاتِ کمالیہ پر ایمان ہے، تو وہ اپنی حکمت وربوبیت کے تقاضے سے جس نسل کے جس فرد کو بھی چاہے نبوت ورسالت سے سرافراز کر دے۔ وہ ہر طرح مالک ومختار ہے۔ اسرائیلی غیر اسرائیلی خاص نسل کا اجارہ نہیں۔ و۵۰۲ (اپنے عقائد اور اپنی عبادات میں ہر شرک، ہر ضلالت سے پاک صاف ہو کر) رہے اعمال تو ہمارے اور اپنے اعمال کے فرق کا اثر آخرت میں تو تمہیں بھی نظر آ جائے گا۔ آج جتنا چاہو اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر لو۔ و۵۰۳ یعنی کیا تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ ان پیمبروں، بزرگوں اور تمہارے مورثوں کے عقائد ذات وصفاتِ باری کے باب میں بجائے دین توحید واسلام کے، یہودیت ونصرانیت کے تھے؟ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ۔ خطاب اہل کتاب خصوصاً یہود سے ہے۔ اور لہجۂ خطاب میں زجر کا پہلو شامل ہے۔ صیغة استفهام و معناه التوبیخ (معالم) جتنے اسماء واعلام یہاں آئے ہیں، ان سب پر حاشیے آیت ۱۳۶ کے ذیل میں اور اس کے قبل گزر چکے۔ و۵۰۴ (ان حضرات کے دین وعقائد کے باب میں) اور اللہ کی شہادت یہ ہے کہ یہ سب توحید خالص کے پیرو تھے۔ نزول قرآن کے وقت یہود میں بڑے بڑے عالم وفاضل موجود تھے۔ ان سب کو چیلنج دے کر ایک اُمّی کی زبان سے کہلایا جا رہا ہے کہ تم واقعات کو توڑ مروڑ کر، صداقتوں کا گلا گھونٹ کر جو کچھ بھی کہے جاؤ، واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب حضرات خالص موحد اور توحید کے مبلغ ہوئے ہیں۔۔۔ آج یورپ کے بڑے بڑے ماہرین تاریخ اور محققین اثریات جو کچھ ان حضرات کے دین کی بابت کہہ رہے ہیں، وہ اسی قرآنی متن کی شرح اور اسی اُمّی کے لائے ہوئے کلام کے اجمال کی تفصیل ہے! و۵۰۵ (اور وہ شہادت ہے دین اسلام کے برحق ہونے کی، ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب علیہم السلام کے مومنِ کامل ومبلغ توحید ہونے کی۔ اور آخر زمانہ میں ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم برحق کے ظہور کی) اس شہادت کو چھپانے والے ظاہر ہے کہ اہل کتاب خصوصاً یہود کے علماء تھے۔ اور یہ شہادت محفوظ تھی ان کی مُسلّم آسمانی کتابوں اور الہامی نوشتوں میں۔ شهادة فی کتمانهم امر محمد صلی اللہ علیه وسلم و نبوته (ابن جریر) و هی شهادة اللہ لابراهیم بالحنیفیة (مدارک) وفیه تعریض بکتمانهم شهادة اللہ لمحمد علیه السلام بالنبوة فی کتبهم وسائر شهاداته (مدارک) و۵۰۶ (وہ وقت آنے پر انہیں کے مطابق تم سے معاملہ کرے گا) مطمئن اور بے فکر نہ ہو جاؤ۔ وہاں رتی رتی کی خبر ہے۔ اور ویسا ہی معاملہ پیش آئے گا۔ وہاں بزرگوں کے ساتھ نسبی ونسلی انتساب ہرگز کام نہ دے گا۔ منکروں کے ضمیر کو بیدار کرنے کے لیے اس سے بہتر اور مؤثر کوئی ذریعہ نہیں کہ اللہ کے عالم الغیب ہونے کا استحضار ذہن کے سامنے بار بار ہوتا رہے۔ اور قرآن مجید یہی کراتا رہتا ہے۔ و۵۰۷ (اور محض ان کے نام کا انتساب بغیر ان کے سے اعمال وعقائد کے ہرگز کافی نہیں) تِلۡكَ اُمَّةٌ سے مراد ہیں قوم اسرائیل کے اکابر سلف، خصوصاً اجداد ثلثہ ابراہیم واسحٰق ویعقوب علیہم السلام، جن کی اولاد ہونے پر اسرائیلیوں کو حد سے زیادہ ناز تھا۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵۰۳۔ و۵۰۸ (آخرت میں) یعنی نہ ان کے ایمان واعمالِ صالحہ سے تمہیں کچھ نفع پہنچے گا، اور نہ تمہارے کفر واعمالِ سیئہ سے انہیں کوئی ضرر ہو گا و۵۰۹ یہود کی کتابوں میں آج تک یہ تعلیمات موجود ہیں کہ ”جس طرح انگور کی زندہ وشاداب بیل ایک بے جان ستون کے سہارے بڑھتی اور پھیلتی رہتی ہے، اسی طرح زندہ یہودی اپنے آنجہانی اور مرحوم مورثوں اور بزرگوں کے بل بوتے پر پروان چڑھتا رہتا ہے۔ اور تینوں اجداد اسرائیل نیز دوسرے صالحین واخیار نے اعمالِ صالحہ کا جو انبارِ عظیم لگا دیا ہے، اسی سے ان کی اولاد کو مجموعاً ومنفرداً برابر حصہ ملتا رہتا ہے، اور اس طرح کسی فرد میں خواہ کتنی ہی کمزوریاں ہوں اس کی نجات یقینی ہے“۔ قرآن حکیم اس ”نجات متوارث“ کے عقیدہ پر برابر ضرب شدید لگاتا جاتا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵۰۴۔

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ

اب بیوقوف لوگ (ضرور) کہیں گے ف۵۱۰ کہ کس چیز نے ان (مسلمانوں) کو ان کے (اس)

قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ

قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے ف۵۱۱ ہٹا دیا آپ کہہ دیجیے ف۵۱۲ کہ مشرق و مغرب سب اللہ

وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ

ہی کی ملک ہیں ف۵۱۳ وہ جسے چاہے ف۵۱۴ سیدھی راہ چلا دیتا

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

ہے ف۵۱۵ اور اسی طرح ہم نے تمہیں ف۵۱۶ ایک امت عادل بنا دیا ہے ف۵۱۷

لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ

تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر ف۵۱۸ اور رسول

عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ

گواہ رہیں تم پر ف۵۱۹ اور جس قبلہ پر آپ (اب تک) تھے ف۵۲۰ اسے تو ہم نے اسی لئے

عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ

رکھا تھا کہ ہم پہچان لیں رسول کا اتباع کرنے والوں کو الٹے پاؤں

يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا

واپس چلے جانے والوں سے ف۵۲۱ اور یہ (حکم) بہت گراں ہے، مگر

عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ

ان لوگوں کو نہیں جنہیں اللہ نے راہ دکھا دی ہے ف۵۲۲ اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع ہو جانے دے

اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

تمہارے ف۵۲۳ ایمان کو، اور اللہ تو لوگوں پر بڑا شفیق ہے، بڑا مہربان ہے ف۵۲۴

ف۵۱۰ (بہ طور استفہام واستفسار کے نہیں، بلکہ بہ طور طنز وتعریض) سَیَقُوْلُ میں س ہوسکتا ہے کہ مستقبل کے لیے ہو، اور اس کے معنی عنقریب کے ہوں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مطلق تاکید کے لیے ہو، اور معنی صیغۂ ماضی کے دے۔ اور چونکہ آیت کا نزول، ایک قول کے مطابق حکم تحویل قبلہ سے قبل نہیں، اس کے بعد ہوا ہے، اس لیے مفسرین کی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے، کہ یہاں ماضی مراد ہے، اور اردو محاورہ میں اس کی مثال ایسی ہوگی، جیسے کسی گزرے ہوئے واقعہ سے متعلق کہا جائے، کہ ہاں ہم تو جانتے ہی تھے کہ یہ لوگ ضرور اس پر اعتراض کریں گے۔ قال القفال ان الأية نزلت بعد تحويل القبلة وان لفظ سيقول مراد منه الماضى (روح) قيل ان سيقول بمعنى قال (فتح) اور اسی سے ملتا ہوا یہ قول بھی ہے، کہ صیغۂ ماضی یہاں اس اعتراض کے استمرار کو ظاہر کرنے کو لایا گیا ہے۔ یعنی یہ لوگ برابر اس طرح کہتے رہیں گے۔ انما عبرّ عن الماضى بلفظ المستقبل للدلالة على استدامة والاستمرار عليه (فتح) لیکن جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ یہاں مستقبل ہی مراد ہے۔ اور آیت کا نزول حکم تحویل قبلہ سے قبل ہی ہوا ہے۔ وسيقول ظاهر من الاستقبال (بحر) اس صورت میں بالکل درست ہوگا اگر آیت کو ایک سچی پیشگوئی یا اخبار بالغیب کی مثال میں بھی پیش کیا جائے۔ ان الله تعالىٰ اخبر عنهم قبل ان ذكروا هذا الكلام انهم سيذكرونه (کبیر) ان اخبار من الله تعالىٰ لنبيه صلى الله عليه وسلم انه يصدر منهم هذا القول فى المستقبل (بحر) انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی قیام مکہ کے زمانہ میں اُسی رُخ پر نماز جاری رکھی۔ بلکہ جب مدینہ ہجرت فرمائی، جب بھی اسی قبلہ کو برقرار رکھا۔ بیت المقدس مدینہ سے سمت شمال میں واقع ہے۔ آپ کا دل بار بار یہ چاہتا تھا، کہ اپنے جد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے خانہ کعبہ کو قبلہ بنائیں لیکن حکم الٰہی سے مجبوری تھی۔ آخر ورود مدینہ کے ۱۶ مہینے بعد تحویل قبلہ کا حکم ملا کہ اب نماز بجائے بیت المقدس کے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی جائے اور حکم کی معاً تعمیل ہوئی۔ خانۂ کعبہ مکہ میں مدینہ سے ٹھیک جنوب میں واقع ہے۔ اور اس طرح مدینہ کے نمازیوں کے رُخ دفعۃً شمال سے جنوب کی جانب پھر گئے۔ بیت المقدس یہود کا قبلہ تھا۔ اس کی منسوخی کا اعلان رسول اللہ ﷺ کی زبان سے یہود کو بہت ہی ناگوار گزرا۔ وہ یوں بھی رسول اللہ ﷺ کو اپنا دشمن اور اپنے دین کا بیخ کن سمجھنے لگے تھے۔ تحویل قبلہ کے اس تازہ اعلان کو وہ اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی سمجھے، اور اس پر طرح طرح کے اعتراضات وارد کرنے لگے۔ ان کے ہمنوا کچھ اور لوگ بھی منافقوں اور بددینوں میں سے ہو گئے۔ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ سے یہی لوگ مراد ہیں۔ سفهاء جمع ہے سفیه کی، اور سفیہ کے معنی کم عقل یا بد عقل کے ہیں۔ السفيه الخفيف العقل (تاج) واستعمل فى خفة النفس لنقصان العقل (راغب) یہاں سفاہت کا صاف اطلاق احکام الٰہی میں قیل وقال کرنے والوں کے حق میں ہے۔ السُّفَهَآءُ سے مراد یہود کا ہونا خود صحیح بخاری میں آچکا ہے۔ السفهآء هم اليهود (بخاری عن البراء رضی اللہ عنہ) صحابہ وتابعین کثرت سے اسی طرف گئے ہیں۔ بعض روایتیں منافقین سے متعلق بھی ملتی ہیں۔ نزلت فى المنافقين (ابن جریر عن السدی) راجح یہ ہے کہ آیت عام رکھی جائے تمام معترضین کے لیے۔ والأية عامة فى هؤلآء كلهم (ابن کثیر) يدخل فيه الكل لان لفظ السفهاء لفظ عموم (کبیر) الاقرب ان يكون الكل (کبیر)

ف۵۱۱ یعنی بیت المقدس سے۔ قبلة۔ وہ مکان ہے جس کے مقابل رُخ کر کے نماز پڑھی جائے۔ صار اسمًا للمكان المقابل المتوجه اليه للصلوٰة (راغب) یہ حکم سب سے زیادہ ناگوار یہودیوں کو گزرا۔ اب تک وہ یہ سمجھ کر خوش ہو رہے تھے کہ مسلمان کم از کم ان کے ہم قبلہ تو ہیں۔ اب یہ مسرت بھی ان سے چھن گئی

ف۵۱۲ (ان کے جواب میں اے ہمارے پیغمبر) ف۵۱۳ (اور کسی خاص سمت وجہت میں کوئی تقدس رکھا ہوا نہیں ہے، اُس کے لیے سب برابر ہیں، وہ جدھر اور جس چیز کو بھی چاہے، نماز کے لیے رُخ مقرر کردے۔ سوال اصلاً یہ ہو ہی نہیں سکتا) لله میں لام ملکیت کا ہے۔ مشرق ومغرب سب اللہ کی ملک ہیں، مخلوق ہیں، ہر دوسری مخلوق کی طرح تابع ومحکوم ہیں۔ یہ ضرب ہے مشرق پرستی، مغرب پرستی، اور ہر قسم کی سمت پرستی پر، جو مختلف مشرک، جاہلی قوموں کا مذہب رہی ہے۔ شرک کی اس خاص قسم سمت پرستی، یا جہت پرستی پر حاشیہ اوپر گزر چکا۔ پارۂ اول، رکوع ۱۴۔ آیت ۱۱۵ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ کے تحت میں ف۵۱۴ (اور اس کا چاہنا ہمیشہ قانون حکمت کے مطابق ہی ہوتا ہے) ف۵۱۵ (اور بے چون وچرا، رسول یا وقت کے سب سے بڑے حکیم وعالم کے اتباع کی توفیق دے دیتا ہے) ف۵۱۶ (اے مسلمانو!) اسی طرح ایک اسی مسئلہ پر موقوف نہیں، ہر معاملہ میں ف۵۱۷ یعنی ایسی امت جو ہر اعتبار اور ہر معیار سے غایت اعتدال پر ہو۔ ہر کجی اور ہر افراط وتفریط سے پاک۔ وَسَطًا۔ عربی زبان میں یہ لفظ خاص مدح کے موقع پر آتا ہے۔ واما الوسط فانه فى كلام العرب الخيار (ابن جریر) استعير للخصال المحمودة بوقوعها بين طرفى افراط و تفريط (بیضاوی) حدیث نبوی میں وسط کی تفسیر عدل سے آئی ہے۔ عن ابى سعيدالخدرى عن النبى ﷺ امة وسطًا قال عدلًا (ابن کثیر عن احمد) اور ائمہ لغت سے بھی یہی معنی منقول ہیں۔ قال الجوهرى فى الصحاح امةً وسطًا اى عدلًا وهو الذى قاله الاخفش والخليل و قطرب (کبیر) آیت سے یہ استنباط بھی کیا گیا ہے کہ اجماع امت حجت ہے۔ احتج جمهور الاصحاب و جمهور المعتزلة على ان اجماع الامة حجة (کبیر) ف۵۱۸ ملت اسلامی، انفرادی واجتماعی دونوں حیثیتوں سے، ساری دنیا کے لیے بہ طور نمونہ کے تیار کی گئی ہے،

فسق وفجور کی ہر صورت سے بچتے رہنا چاہیے۔ ورنہ پھر ادائے شہادت کے قابل نہ رہیں گے و۵۱۹ جس طرح دنیا کی ہر اُمت کے لیے نمونہ اور معیار کا کام دینے کے لیے امت اسلامیہ ہے خود اس امت کے لیے معیار کا کام دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے و۵۲۰ (اور اس پر بھی حکم الٰہی ہی سے تھے) یعنی بیت المقدس۔ اس سلسلہ میں یہ خوب ملحوظ رہے کہ اسلام میں قبلہ خواہ بیت المقدس یا خانہ کعبہ، بہر حال ایک متعین ومخصوص مکان کا نام ہے، خواہ وہ کسی مقام سے کسی طرف پڑے۔ نہ کہ کسی متعین سمت وجہت کا، جیسا کہ مشرکوں کے ہاں اور مسیحیوں کے ہاں ہے و۵۲۱ (اور فرمانبرداروں کا امتیاز نافرمانوں سے کر لیں) لِنَعْلَمَ۔ علم کے معنی یہاں تمیز وشناخت کے ہیں۔ ای لیتمیز به الثابت علی دینه من المرتد (بحر) علی اطلاق العلم علی معنی التمیز لان بالعلم یقع التمیز (بحر) الا لتمیز هٰؤلآء من هٰؤلآء ...... فسمی التمیز علمًا (کبیر) علم الٰہی کلی میں تو ہر واقعہ شروع ہی سے موجود ہے، لیکن کائنات میں جب تک کوئی واقعہ واقع نہ ہولے، اس پر واقعہ کا اطلاق ہی نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی یہ مضمون آیا ہے، مراد اس کے وقوع ظاہری، عملی سے ہوتی ہے۔ و۵۲۲ (اور وہ اطاعت رسول کے ذوقِ سلیم سے بہرہ ور ہیں) بعض علماء نے یہیں سے یہ استنباط کیا ہے، کہ اہل قبلہ جتنے بھی ہیں، درجۂ ضروری تک راہ ہدایت پر ہیں۔ قبلہ پر قائم رہنا ایک بڑے سنگین امتحان سے گزرنا ہوا۔ اور اہل قبلہ کی عدم تکفیر کی ایک بنیاد بن گیا و۵۲۳ (اور اعمال ایمانی کو) بعض مسلمانوں کو یہود کے ورغلانے سے یا از خود یہ وہم ہو گیا تھا کہ جب اصل قبلہ خانۂ کعبہ ہے اور بیت المقدس محض ایک عارضی قبلہ تھا، تو اس رُخ پر جتنی نمازیں پڑھی گئیں وہ بیکار گئیں۔ اور جو مسلمان اس حکم جدید سے قبل وفات پا چکے، وہ تو سرتاسر گھاٹے میں رہے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ

بے شک ہم نے دیکھ لیا آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ۵۲۵ سو ہم ضرور آپ کو متوجہ کر دیں گے

قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

اس قبلہ کی طرف جسے آپ چاہتے ہیں و۵۲۶ اچھا اب کر لیجیے اپنا چہرہ مسجد الحرام

الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ

کی طرف و۵۲۷ اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے کر لیا کرو

شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ

اسی کی طرف و۵۲۸ اور جن لوگوں کو کتاب مل چکی ہے وہ یقیناً جانتے ہیں

اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

کہ وہ (حکم) واقعی ہے ان کے پروردگار کی طرف سے و۵۲۹ اور اللہ بے خبر نہیں ان کی

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

کارروائیوں سے و۵۳۰ اور اگر آپ ان لوگوں کے سامنے جنہیں کتاب مل چکی ہے،

بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ

ساری ہی نشانیاں لے آئیں و۵۳۱ (جب بھی) یہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے و۵۳۲ اور نہ آپ ان کے قبلہ کی

قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ

پیروی کرنے والے ہیں و۵۳۳ اور نہ وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں و۵۳۴

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا

اور اگر (کہیں) آپ ان کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگیں و۵۳۵ بعد اس کے کہ

جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

آپ کے پاس علم آچکا ہے و۵۳۶ تو یقیناً آپ (بھی) ظالموں میں (شمار) ہوں گے و۵۳۷

وقف لازم

جواب اُنہی کو مل رہا ہے، کہ یہ وہم کیسا۔ قبلہ کوئی سا بھی ہو، اجر تو تعمیل احکام کرنے والوں کا ہے۔ جنہوں نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی، انہوں نے بھی بہر حال حکم ہی کی تعمیل کی تھی۔ اجر اُن کا تمام وکمال ثابت رہا۔ و۵۲۴ چنانچہ دوسرے احکام کی طرح یہ حکم تحویل قبلہ بھی تمامتر اس کی شفقت و مہربانی، رافت ورحمت ہی کا نتیجہ ہے۔ و۵۲۵ (انتظار وحی میں اے پیغمبر!) رسول اللہ ﷺ کو صحیح جذبۂ دینی کے ماتحت اس کا یقین تھا کہ اب جب کہ امامت بنی اسرائیل سے چھن چکی ہے، تو ان کا قبلہ بھی قبلۂ اُمت نہیں رہ سکتا، تحویل قبلہ کا حکم اب آ کر رہے گا۔ اور فرشتۂ وحی کے انتظار میں آپ کی نظر بار بار آسمان کی طرف بھی اُٹھ جاتی تھی۔ یہاں اسی کیفیت کا بیان ہے۔ حق تعالیٰ اگرچہ ہرگز کسی جہت کا پابند، کسی مکان سے محدود نہیں، تاہم تجلیات خاصہ کو قرآن میں آسمان کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔ اسی لیے محققین نے لکھا ہے کہ بوقت اضطرار دُعا آسمان کی طرف منہ کرنا موجبات قبول میں سے ہے، بلکہ اس نسبت علوی سے کمال یقین اور تصفیۂ قلب میں اور مدد ملتی ہے۔ قَدْ نَرٰی گو صیغہ مضارع ہے، لیکن مراد ماضی ہے۔ لفظه مستقبل والمراد به الماضی (عکبری) نَرٰی سے اشارہ یہ بھی ہو گیا کہ آپ حیران ومضطر کیوں ہوتے ہیں۔ ہم نے خوب دیکھ لیا ہے آپ کے تعلق خاطر کو۔ اور اس میں کمال تسکین ہے رسول اللہ ﷺ کی۔ فِي السَّمَآءِ میں فی الی کے معنی میں ہے۔ فی جهة السماء (کشاف) نحو السماء و قبلها (ابن جریر) و۵۲۶ یعنی خانۂ خدا وقبلۂ ابراہیمی کی جانب۔ یہ وعدہ ہے تحویل قبلہ کا۔ یہاں بجائے براہ راست یہ ارشاد فرمانے کے کہ ہم کعبہ کی طرف آپ کو پھیر دیں گے، ارشاد یہ ہوا ہے کہ ہم اسے آپ کا قبلہ قرار دے دیں گے جسے آپ خود قبلہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کی کمال رفعت مراتب اور کمال درجہ فنا وقبولیت ظاہر ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل طریقت کے ہاں جو اصطلاح مقامِ مرادیت ومحبوبیت کی آئی ہے، اس کی اصل یہی آیت ہے۔ کیا ٹھکانا ہے اس بلندی مرتبہ کا کہ مولیٰ خود طالب رضائے عبد ہو جائے! اس کے آگے کوئی مرتبہ تصور میں بھی نہیں آسکتا ہے۔ اقبال نے اسی مقام کی تشریح کی ہے۔ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندہ سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟ فلنولینك کے دُوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ ہم آپ کو اس کا والی وحاکم اور اس پر متصرف بنا دیں گے۔ ای لنمکننک من استقبالها (مدارک۔ روح) ابھی وعدہ ہوا تھا تحویل قبلہ کا۔ اب حکم صادر ہو گیا تحویل قبلہ کا۔ الوجه لفظی معنی چہرہ کے ہیں۔ لیکن حکم میں کل جسم کے ہے۔ المراد من الوجه ههنا جملة بدن الانسان (کبیر) و قد یعبر عن کل الذات بالوجه (کبیر) و۵۲۷ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ عزت وحرمت والی مسجد سے مراد مکہ معظمہ کی وہ مسجد اعظم ہے جس کے اندر خانۂ کعبہ واقع ہے۔ خانہ کعبہ بہت ہی مختصر عمارت کا نام ہے۔ مدینہ والوں یا اور کہیں کے بھی لوگوں کو اس کی جہت کی تعیین بہت دشوار تھی۔ اس لیے امت کی سہولت کے لیے نام نسبۃً ایک بہت بڑی عمارت کا لے دیا گیا (مدارک۔ بیضاوی) محققین کے نزدیک یہاں مسجد حرام سے مراد کعبہ ہی ہے۔ و مراده البیت نفسه (جصاص) والمراد به البیت لانه تعالٰی خاطبنا بلغة العرب وهی تعبر عن الشئ بما یجاوره اوبما یشتمل علیه (ابن العربی) و ذکر المسجد الحرام دون الکعبة دلیل علی ان الواجب مراعاة الجهة دون العین (مدارک) اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول منقول ہے کہ مسجد حرام قبلہ ساری دنیا کی ہے اور خانہ کعبہ قبلہ ہے اس مسجد کا۔ مسجد حرام یا حرم شریف کی موجودہ عمارت کا نقش اول خلیفہ مہدی عباسی کے زمانہ کا ہے۔ بعد کے خلفاء وسلاطین برابر اس میں اضافہ کرتے رہے، خصوصاً ترک سلاطین۔ موجودہ ہیئت سلطان سلیم ثانی (متوفی ۱۵۷۴ء) کے عہد سے تقریباً قائم ہے۔ صحن کی وسعت ۷۰۰ فٹ بیان کی گئی ہے۔ متعدد بڑے بڑے عالی شان اور فراخ دالان چاروں طرف اس کے علاوہ ہیں داخلہ کے ۴۱ دروازے ہیں۔ منارے چھ ہیں۔ اور گنبد گمزیوں کی تعداد ۱۵۰ سے متجاوز ہے۔ ایک دوسرے بیان کے مطابق شمالی غربی وسعت ۵۴۵ فٹ ہے۔ جنوبی ومشرقی ۵۵۳ فٹ، شمالی مشرقی ۳۶۰ فٹ اور جنوبی و

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ

جن لوگوں کو ہم کتاب دے چکے ہیں ف۵۳۸ وہ آپ کو پہچانتے ہیں اس طرح جیسے کہ اپنی نسل والوں کو

اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ

پہچانتے ہیں ف۵۳۹ اور بے شک ان میں کے کچھ لوگ خوب چھپاتے ہیں حق کو،

وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ

حالانکہ جانتے ہوتے ہیں ف۵۴۰ یہ امر حق ہے تیرے پروردگار کی طرف سے، پس تو کہیں شک کرنے والوں میں

مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا

ہرگز نہ ہو جانا ف۵۴۱ اور ہر ایک کے لیے کوئی رخ ہوتا ہے جدھر وہ متوجہ رہتا ہے ف۵۴۲

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ

سو تم نیکیوں کی طرف بڑھو ف۵۴۳ تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم سب کو پالے

جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَ مِنْ

گا ف۵۴۴ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۵۴۵ اور آپ

حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

جس جگہ سے بھی (باہر) نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف موڑ لیا

الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

کریں ف۵۴۶ اور یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے امر حق ہے ف۵۴۷ اور اللہ اس سے بے خبر نہیں،

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

جو تم کر رہے ہو ف۵۴۸ اور آپ جس جگہ سے بھی (باہر) نکلیں، اپنا منہ

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا

مسجد حرام کی طرف موڑ لیا کریں ف۵۴۹ اور تم لوگ (بھی) جہاں کہیں ہو،

غربی ۳۶۴ فٹ۔ شَطْرَ سے مراد ہے مسجد حرام کی سمت میں یا اُس کے رُخ پر۔ نہ کہ عین اس کے مقابل، کہ اس کی تعمیل دور دراز کے علاقوں میں ممکن ہی نہیں۔ شطره اے نحوه و تلقاءه قاله ابن عباس وابو العالية و مجاهدو الربيع بن انس (جصاص) فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز میں جو استقبال قبلہ فرض ہے وہ سینہ کا ہے۔ چہرہ کا استقبال صرف مسنون ہے۔ نماز سے باہر ہونا صرف اُس وقت ممکن ہے جب چہرہ کے ساتھ سینہ بھی کعبہ کی طرف سے پھر جائے۔ صرف گردن پھر جانے سے نماز باطل نہیں ہوتی ف۵۲۸ (حالتِ نماز میں) خطاب سارے مسلمانوں یا امتِ محمدی سے ہے۔ ابھی ابھی رسول اللہ ﷺ کو حکم ملا تھا کہ اپنے پسندیدہ قبلہ کی طرف نماز پڑھا کیجیے۔ اب عام حکم صراحت کے ساتھ ساری امت کو مل رہا ہے۔ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ نماز، انسان کہیں بھی ہو، درست ہے۔ کچھ مسجد ہی کی قید نہیں ف۵۲۹ علماء واکابر یہود کو اپنے ہاں کی روایتوں اور نوشتوں کی بنا پر یہ خوب علم تھا کہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا قبلہ وہی ہوگا جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا تھا کہ وہی قبلہ اصلی اور حقیقی ہے۔ بیت المقدس کا قبلہ ہونا عارضی تھا۔ اَنَّهُ میں ضمیر سے مراد یہی حکم تحویل قبلہ ہے۔ اے التحويل الى الكعبة (کشاف) والضمير للتحويل او للتوقية (بیضاوی) مِنْ رَّبِّهِمْ کی قید نے اس حقیقت کو اور واضح کر دیا کہ استقبال کعبہ رسول اللہ ﷺ کا امر اجتہادی نہیں، تمامتر حکم ربانی ہے ف۵۳۰ (جو وہ اخفاء حق وصداقت کی کرتے رہتے ہیں) ف۵۳۱ یعنی اپنی پیغمبری کے سارے ممکن دلائل و معجزات بھی۔ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ سے مراد یہود ہیں ف۵۳۲ (یہ حد ہے ان کے ضد، عناد و تعصب کی، اس لیے آپ کا ان کے اعتراضات کی طرف اعتناء کرنا ہی بے کار ہے) ف۵۳۳ اس لیے کہ اسرائیل کی امامت کے خاتمہ پر آپ کو ایک مستقل، امتیازی، عالمگیر قبلہ عطا ہو چکا ہے، اور یہود و نصاریٰ کو آپ کی طرف سے اب ہمیشہ کے لیے مایوس ہو جانا چاہیے) ف۵۳۴ چنانچہ یہود کا قبلہ آج تک ہیکل بیت المقدس ہے۔ اور نصاریٰ کسی عمارت یا مکان کو نہیں، بلکہ سمت مشرق کو قبلہ بنائے ہوئے ہیں اور عجب نہیں کہ اندرونی اختلافات اس سے بھی زائد ہوں۔ بحمد اللہ کہ ہمارے قدیم مفسرین بھی یہود و نصاریٰ کے قبلوں کے فرق سے صحیح طور پر واقف تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔ فاليهود مستقبل بيت المقدس والنصارى مطلع الشمس (مدارک) اور خیر نسفی تو بعد کے شخص ہیں۔ ابن جریر تو متقدمین میں ہیں، وہ تک اس سے باخبر تھے۔ و ذٰلك ان اليهود تستقبل بيت المقدس بصلاتها و من النصارى تستقبل المشرق (ابن جریر) ف۵۳۵ تحویل قبلہ کے باب میں، حالانکہ عصمت نبوت خود ہی اس مفروضہ کے منافی ہے) اہل کتاب کی اتباع واسترضا تو مطلقاً ممنوع ہے، لیکن قبلہ جیسے بنیادی دینی مسئلہ میں ان کی اتباع معصیت ہی نہیں، کفر ہے ف۵۳۶ یعنی علم ثابت بالوحی۔ قرآنی اصطلاح میں الْعِلْمِ سے مراد یہی علم حقیقی ہوتا ہے، دنیوی "علوم" کی کوئی صنف نہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت میں تہدید ہے اُن لوگوں کے لیے جو علم صحیح کے باوجود بجائے اس کے اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں۔ و فى ذٰلك تحذير لمن يترك الدليل بعد انارة ويتبع الهوىٰ (مدارک) ف۵۳۷ اللہ کے قانون میں رو رعایت کی گنجائش کسی کے لیے نہیں۔ یہاں تک کہ انبیاء کے لیے بھی نہیں۔ اور نفس فطرت بشری کے لحاظ سے گناہوں کی صلاحیت اُن میں بھی ویسی ہی ہوتی ہے، جیسی دوسرے انسانوں میں۔ یہ اور بات ہے کہ توفیق الٰہی ان کا تعلق ہر وقت اور ہر حال میں اپنے سے قائم رکھتی ہے، اور انہیں خطا سے محفوظ اور معصیت سے معصوم بنائے رکھتی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت سے یہ نکتہ بھی پیدا کیا ہے کہ عالم کے حق میں وعید شدید تر ہے غیر عالم کے مقابلہ میں۔ دلت الاٰية علىٰ انه توجه الوعيد على العلماء اشد من توجه علىٰ غيرهم (کبیر) ف۵۳۸ عموم لفظ کے تحت میں مسیحی بھی داخل ہیں۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ مراد یہود ہیں۔ توریت وصحف قدیم کو مسیحی بھی مانتے ہیں۔ علماء بلاغت نے اشارہ کیا ہے کہ اس موقع پر صیغۂ معروف اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ضمیر متکلم کی تصریح کے ساتھ صیغۂ مجہول اُوْتُوا الْكِتٰبَ سے کہیں زیادہ بلیغ و پر معنی ہے ف۵۳۹ یعنی خوب اچھی طرح بغیر کسی اشتباہ والتباس کے۔ مطلب یوں ہوا کہ پچھلے نوشتوں میں ایک نبی آخر الزمان کی آمد کی بابت پیش گوئیاں اس صراحت سے مذکور ہیں کہ یہود کو آپ کی شناخت میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی۔ وہ جس طرح اسرائیلی انبیاء کو پہچان لیتے تھے، ٹھیک اُسی طرح آپ کو بھی پہچان سکتے ہیں۔ اَبْنَآءَهُمْ کے لفظی معنیٰ اپنے لڑکوں کے ہیں۔ لیکن ضمیر هُمْ سے مراد افراد و اشخاص نہیں، بلکہ قوم یہود و نسلِ اسرائیل مجموعاً ہے۔ یعنی ابناء اسرائیل اَبْنَآءَ کا لفظ عربی میں اولاد سے زیادہ وسیع معنیٰ رکھتا ہے۔ اور ہمیشہ صلبی بیٹوں ہی کے معنیٰ میں نہیں آتا، بلکہ جن جن پر فرزندی کا اطلاق مجازاً ہو سکتا ہے اُن سب پر حاوی ہے۔ يَعْرِفُوْنَهٗ میں ضمیر ہٗ سے کیا مراد ہے؟ قدماء عموماً اور اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد بیت الحرام کو بہ حیثیت قبلۃ الانبیاء کے پہچاننا ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن جریر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے لے کر قتادہ، ابن زید، سدی، ابن جریج تابعین کے اقوال اسی معنیٰ میں منقول ہیں۔ لیکن متوسطین اور متاخرین میں تقریباً سب کا اس پر اتفاق ہو گیا ہے کہ مراد ذات رسالت سے ہے۔ اور دلائل اسی کے زیادہ مؤید ہیں۔ اور سند اس کی بھی تابعین سے مل جاتی ہے۔ يعنى يعرفون محمدا ﷺ (معالم) اے يعرفون رسول الله ﷺ (کشاف) ذكروا فيه وجوها احدها انه عائد الى رسول الله ﷺ ...... والقول الثانى ...... واعلم ان القول الاوّل اظهر (کبیر) والضمير لرسول الله ﷺ وان لم يسبق ذكره بدلالة الكلام عليه (بیضاوی) والضمير عائد على النبى ﷺ قال مجاهدو قتادة وغيرهما (بحر) ہٗ ظاہر ہے کہ ضمیر غائب ہے۔ لیکن اُردو میں نہایت تعظیم کے موقع پر غائب "وہ" کے بجائے حاضر "آپ" لاتے ہیں۔ ف۵۴۰ یہود اور دوسرے معاندین کا یہ اخفائے حق دانستہ اور بہ ارادہ ہے۔ کسی معذوری، دانستہ

غلط فہمی، یا دلائل میں خفاء کا نتیجہ نہیں۔ الْحَقَّ۔ حق سے مراد یہاں رسول اللہ ﷺ کا وہ مفصل و مکمل تعارف ہے، جو توریت اور دوسرے الہامی نوشتوں میں موجود ہے۔ ما فی کتبھم من صفة النبی ﷺ (ابن کثیر) ای یکتمون محمدًا ﷺ (ابن جریر۔ عن مجاہد) والحق المکتوم ھنا ھو رسول اللہ ﷺ قال قتادة و مجاھد (بحر) دوسرے معنی امر تحویل قبلہ کے بھی لیے گئے ہیں۔ قیل امر القبلة (کبیر) وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ اس ٹکڑے سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ انکار کرنے والے عوام و جہلاء یہود نہیں، اُن کے علماء و اکابر تھے۔ و۵۴۱ (اے مخاطب) آیت کا یہ جزو تاکید کلام کے لیے ہے۔ یعنی یہاں جو کچھ بھی بیان ہو رہا ہے، خواہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے متعلق ہو، یا امر تحویل قبلہ سے متعلق۔ بہر حال و بہر صورت یہ اللہ ہی کا کلام ہے، اور ہرگز بے التفاتی یا کم التفاتی کے قابل نہیں۔ و۵۴۲ ع ہر قوم راست راہ، دینے و قبلہ گاہ ہے! یعنی ہر قوم ہر اُمت نماز و عبادت کے لیے ایک مرکزی رُخ مقرر رکھتی ہے، سو اُمت اسلامیہ کے لیے بھی ایک متعین قبلہ ناگزیر ہے۔ لِكُلٍّ۔ "ہر ایک" سے مراد ہر قوم یا ہر اُمت ہے اور حذف مضاف کی طرح حذف مضاف الیہ کی مثالیں عربی میں عام ہیں۔ ولم یقل لکل قوم اوامة لانہ معروف المعنی عندھم (کبیر) یعنی بذلک اھل الادیان (ابن کثیر) لکل طائفة من اھل الادیان (بحر) مرشد تھانوی علیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بعض صوفیہ عارفین نے آیت کو حدیث نبوی کل مُیَسَّرٌ لما خلق له (ہر ایک کے لیے وہی آسان ہے، جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے) سے مؤید کر کے اس کی شرح میں کہا ہے کہ تکوینی و تشریعی دونوں حیثیتوں سے اللہ نے انسانوں کے حالات مختلف رکھے ہیں، اور متعدد طبقے ان کے پیدا کر دیے ہیں۔ کوئی کاشتکاری میں لگا ہے، کوئی تجارت میں، اور کوئی صنعت و حرفت میں۔ اسی طرح دینی حیثیت سے بھی، کوئی احادیث نبوی جمع کر رہا ہے، کوئی حفظ قرآن کر رہا ہے، کوئی مسائل فقہ کا استنباط کر رہا ہے، کوئی قرآن کی تفسیر و ترجمانی میں لگا ہوا ہے۔ یہ سب مختلف طریقے، راستے ہیں اللہ کی طرف کے۔ اللہ ان سارے طریقوں کو اپنے بندوں کے ذریعہ سے آباد رکھنا چاہتا ہے۔ تو جو شخص جس طریق پر بھی اللہ کی رضا کے قصد سے چلے گا، اللہ اُس کے لیے قبول و وصول آسان کر دے گا۔ هُوَ اخفش نحوی اور زجاج لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ یہ ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہی رُخوں کا پھیرنے والا ہے۔ قیل ھو عائد علی اللہ تعالیٰ قال الاخفش والزجاج (بحر) و۵۴۳ (اے مسلمانو!) خطاب اُمت اسلامیہ کو ہے کہ حسن عمل کی طرف بڑھو، اور جملہ مذاہب و ادیان کے اتحاد قبلہ کے خیال خام میں نہ پڑے رہو۔ خیرات۔ خیر کی جمع وسیع و عام مفہوم ہے۔ رضا الٰہی کے لیے موافق شرع جملہ امور کو شامل۔ وصول الی اللہ کے بے شمار راستوں پر حاوی۔ فَاسْتَبِقُوا۔ عارفین نے کہا ہے کہ ہر وقت جو چیز اُس وقت کے لحاظ سے خیر و مصلحت ہو، اُس کی طرف بڑھنا ہی "استباق خیر" ہے و۵۴۴ (اور تمہاری نمازوں میں وحدت پیدا کر دے گا) ساری اُمت کا قبلہ ایک خاص مکان کو مقرر کر دینے سے ایک خیال یہ پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ تو ایک صورت انتشار کی سی پیدا ہو گئی، کوئی شمال کی طرف رُخ کرے گا، کوئی جنوب کی طرف۔ وقس علیٰ ہذا۔ شبہ کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہے۔ شبہ محض سطحی ہے۔ مقصود تو نماز اور نمازیوں میں وحدت پیدا کرنا ہے۔ تم شمال، جنوب، شرق، غرب، دنیا کے کسی خطہ، کسی علاقہ میں بھی متفرق و منتشر ہو۔ عالم الغیب والشہادة کو تو بہر حال علم ہے کہ تم رُخ ایک ہی طرف کیے ہوئے ہو۔ وہ کعبہ کی طرف پڑھی ہوئی ساری نمازوں کو ایک حکم میں رکھے گا۔ یجعل اللہ تعالیٰ صلاتکم مع اختلاف جھاتھا فی حکم صلاة متحدة الجھت (روح) ای یجمعکم و یجعل صلاتکم کلھا الی جھة واحدة قالہ الزمخشری (بحر) دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ اشارہ یہاں موت و قیامت کی طرف ہے۔ یعنی تم دفن جہاں کہیں بھی ہو گے۔ اللہ تعالیٰ سب کو حشر میں یکجا کر دے گا۔ و۵۴۵ (اور اُس کے احاطۂ قدرت سے کوئی چیز بھی خارج نہیں) یہ ایک اصولی جواب بہت سے شبہات کا ہے۔ اللہ کے بتائے ہوئے مسائل میں انسان کو جہاں کہیں بھی استبعاد عقلی معلوم ہوتا ہے اُس کی بنیاد ہمیشہ اسی مغالطہ پر ہوتی ہے کہ اپنے اوپر قیاس کر کے اللہ کے قویٰ کو بھی محدود، اور اُس کی قدرت کو بھی زمان، مکان وغیرہ کی قیود کا پابند سمجھ لیا جائے۔ قرآن مجید نے اس بشری ذہنیت (سائیکالوجی) کو

كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ

اپنا منہ اس کی طرف موڑ لیا کرو و۵۵۰ تاکہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں

لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۚ

حجت نہ رہ جائے و۵۵۱ سوا ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں و۵۵۲

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۚ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ

سو تم ان سے نہ ڈرو و۵۵۳ بلکہ (صرف) مجھی سے ڈرو و۵۵۴ تاکہ میں اپنا انعام تم پر پورا کروں و۵۵۵

وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا

اور تاکہ تم راہ پر (قائم) رہو و۵۵۶ (اسی طرح) جیسے ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول تم ہی میں

مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ

سے بھیجا، و۵۵۷ جو تمہارے روبرو ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے و۵۵۸ اور تمہیں

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں اس کی تعلیم دیتا ہے و۵۵۹ جو تم نہیں جانتے تھے و۵۶۰

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

سو تم مجھے یاد کرتے رہو، و۵۶۱ میں بھی تمہیں یاد کرتا رہوں گا، و۵۶۲ اور میری شکر گزاری کرتے رہو، اور میری ناشکری نہ کرو و۵۶۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ

اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو و۵۶۴

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ

بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ رہے و۵۶۵ اور جو اللہ کی راہ میں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا

قتل ہو جائیں، انہیں مردہ نہ کہو (نہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں و۵۶۶ البتہ

پوری طرح سمجھ کر بار بار اسی حقیقت کی طرف تنبیہ کی ہے، کہ خدائی فعلیت پر حکم لگاتے وقت خدائی قدرت کی بھی وسعت بے پایاں کو تو یاد رکھا کرو۔ و۵۴۶ مطلب یہ کہ یہ حکم استقبال کعبہ، سفر و حضر کہیں سب کے لیے ہے۔ محض قیام مدینہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بین بھذا تساوی الحالین اقامةً وسفرًا فی انه مامور باستقبال البیت الحرام (بحر) و۵۴۷ یعنی امر ثابت شدہ، جس میں اب کسی نسخ و تبدیلی کا امکان نہیں۔ هُوَ الْحَقُّ ای ثابت الذی لا یعرض له نسخ ولا تبدیل (بحر) اِنَّهٗ۔ میں ضمیر حکم استقبال کعبہ کی طرف ہے۔ و۵۴۸ ایک جزئی حکم کے بعد کلی تنبیہ اسلوب قرآنی کے خصائص میں سے ہے۔ اور صیغۂ واحد سے صیغۂ جمع کی طرف منتقل ہو جانا عربی اسلوب بلاغت میں عام ہے۔ و۵۴۹ الفاظ کی تکرار غالبًا تاکید معنی کے لیے ہے۔ اور یہ اہل عرب کا عام دستور ہے۔ کررت توکیدًا (بحر) ھو الاکثر المعھود فی لسان العرب وھو ان تعاد الجملة مرة واحدة (بحر) بعض نے لکھا ہے کہ پہلا حکم تعمیم حال کے لیے ہے۔ یعنی سفر حضر میں جس حال میں بھی ہوں، توجہ کعبہ کی طرف کر لی جائے۔ اور دوسرا حکم تعمیم مکان کے لیے ہے۔ یعنی دور و نزدیک، حاضر غائب، جہاں کہیں بھی ہوں، توجہ کعبہ کی طرف کر لی جائے۔ مفسرین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق دوسری حکمتیں بھی اس تکرار حکم کی لکھی ہیں۔
و۵۵۰ (اے مسلمانو!) یعنی یہ حکم رسول ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ساری اُمت پر اس کی تعمیل فرض ہے۔

اسرار نے لکھا ہے کہ ہر بار کے حکم سے ایک ایک خاص اشارہ مقصود ہے، مثلاً (۱) پہلی بار سے مطلق حکم وجوب (۲) دوسری بار سے تعمیم احوال۔ یعنی سفر ہو یا حضر (۳) تیسری بار سے تعمیم مکان۔ یعنی نزدیک ہو یا دور، حاضر ہو یا غائب (۴) چوتھی بار سے تعلیم ادب یعنی قبلہ رُو رہنے کا استحباب (۵) پانچویں بار سے توجہ قلبی۔ یعنی دل اُسی طرف لگا رہے جدھر پروردگار کی خاص توجہ ہے۔ (۶) چھٹی بار سے تاکید۔ یعنی رفع احتمال نسخ۔ **و۵۵۱** (مثلاً اہل کتاب کو اس اعتراض کی گنجائش، کہ ہمارے نوشتوں کے بموجب تو آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ، قبلہ ابراہیمی ہونا تھا۔ یا مشرکین عرب کو اس اعتراض کا موقع کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دین ابراہیمی کے مدعی ہو کر قبلہ ابراہیمی کیوں ترک کیے ہوئے ہیں) لِلنَّاسِ میں **الناس** سے مراد جملہ مخالفین ومعترضین ہیں **و۵۵۲** (یعنی رہے وہ کج فطرت معاندین جو اس کے بعد بھی اعتراضات پر اڑے رہیں گے سو اُن کی کچھ پرواہی نہ کرو۔ **الاّ للمعاندین منهم** (کشاف) **لا حجة لاحد عليكم الا الحجة الداحضة للذين من اليهود وغيرهم** (بحر) اِلَّا کو یہاں ابو عبیدہ لغوی نے واؤ کے مرادف قرار دیا ہے۔ لیکن فراء اور دوسرے اہل لغت نے اس سے انکار کیا ہے۔ (جصاص) **و۵۵۳** (اور نہ اُن کی بکواس کی کچھ پروا کرو) **فلا تخافوا مطاعنهم فی قبلتکم** (بحر) **و۵۵۴** (کہ میری ہی نافرمانی تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہے) **و۵۵۵** اتمامِ نعمت کے مفہوم اور بھی ہو سکتے ہیں، لیکن اس سیاق میں کھلی ہوئی مراد تعیین قبلہ ہے۔ **بهدايتي اياكم الى قبلة ابراهيم** (معالم) **واتمام النعمة بماهداهم اليه من القبلة** (بحر) لِأُتِمَّ کا عطف لِئَلَّا يَكُونَ پر ہے (جلالین)۔ خانہ کعبہ کا محل نزول رحمت، مرکز تجلیات ہونا مسلم ہے۔ ساتھ ہی نماز کا افضل عبادات ہونا مسلم۔ ان دونوں حقیقتوں کے استحضار کے بعد ظاہر ہو جاتا ہے کہ خانہ کعبہ کی تعیین قبلہ سے بڑھ کر عنایت اور تکمیل نعمت اور کیا ہوگی **و۵۵۶** (اور اپنے درجات ہدایت میں مزید ترقی کرتے رہو) شریعت اسلامی دنیا کا مکمل ترین ممکن نظام ہے۔ اور اس مکمل ترین ممکن نظام کا ایک اہم جزو تعیین قبلہ واستقبال کعبہ بھی ہے۔ لَعَلَّكُمْ میں لعلّ کَیْ کا مرادف ہے۔ شک کے لیے نہیں "تاکہ" کے معنی میں ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو لوگ پہلے ہی سے ہدایت پر ہیں، ان کو ہدایت یابی سے سرفراز کرنا دلیل اس امر کی ہے کہ مدارج قرب میں ترقی کی کوئی حد ونہایت نہیں ہے **و۵۵۷** كَمَا کا تعلق آیت ماقبل سے ہے۔ یعنی یہ اتمام نعمت اب استقبال کعبہ کے واسطے سے اسی طرح ہوگا، جیسے بعثت رسول کے ذریعہ سے اس کے قبل ہو چکا ہے۔ كَمَا اَرْسَلْنَا **متعلق باتمّ اے اتماما كاتمامها بارسالنا الرّسول** (جلالین) **و۵۵۸** (ہر طرح کے فسق وعصیان اور اخلاقی آلودگیوں سے) رسول کی حیثیت محض پیام رساں اور مبلغ کی نہیں ہوتی، مزکی (پاک کرنے والے) کی بھی ہوتی ہے۔ رسول کی گوناگوں حیثیتوں پر حاشیے آیت نمبر ۱۲۷ کے ذیل میں گزر چکے ہیں **و۵۵۹** رسول کی حیثیت معلم اور شارح کی بھی ہوتی ہے۔ يُعَلِّمُكُمْ۔ لفظ تعلیم سے اشارہ ادھر بھی ہو گیا کہ پیمبر کے ارشادات محض لفظ وعبارت تک محدود نہیں رہتے۔ وہ حکمت ودانائی کے سبق، روحانیت کے اصول ومسائل کی تعلیم بھی دیتا رہتا ہے۔ یعنی انہیں اپنے سامعین کے رگ وریشہ میں اتارتا رہتا ہے **و۵۶۰** وحی الٰہی کو عقل بشری سے وہی نسبت ہے جو خدا کو بندہ سے ہے اور رسول چونکہ وحی سے مؤید رہتا ہے، اس لیے قدرۃً اُس کی باریک بین، دُوررس اور دقیقہ سنج نگاہ اُن دقیق حقائق تک پہنچ جاتی ہے، جو بڑے بڑے عقلاء ومفکرین سے بھی مخفی رہتے ہیں۔ اور رسول کی رسائی، عالم حقیقت کی اُن گہرائیوں تک ہو جاتی ہے، جو علم وعقل، کشف واشراق سب سے ماوراء ہیں۔ **لیکون ارساله صلی اللہ علیه وسلم نعمة عظیمة ولولاه لکان الخلق متحیرین فی امر دینهم لایدرون ماذا یصنعون** (روح) **مالا سبیل الی معرفته الاّ بالوحی** (مدارک) **و۵۶۱** (طاعت وعبادات کے ذریعہ سے) بندہ کا اپنے مالک کو یاد کرنا یہی ہے کہ اس کی بتلائی ہوئی راہ پر ہمت اور شوق سے چلتا رہے۔ اور یہ یاد الٰہی کسی خاص وقت کے ساتھ محدود ومقید نہیں۔ لکھتے پڑھتے، بولتے چالتے، ملتے جلتے، سوتے جاگتے، سب میں رضاء الٰہی کو مقدم رکھنا یہ بندہ کی طرف سے یاد الٰہی ہے۔ فَاذْكُرُونِي۔ ابو بکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر سے مراد لی ہے آیاتِ الٰہی اور اُن کی عظمت وقدرت کا تفکر۔ **وذکروا بالفکر فی دلائله وایاته وقدرته وعظمته** (احکام القرآن) اور اسی کو سارے اذکار سے افضل اور ان کی اصل قرار دیا ہے۔ **وهو افضل الذکر، سائر وجوه الذکر مبنیّة علیه وتابعة له** (احکام القرآن) **و۵۶۲** (اپنے لطف وعنایت خاص سے) اللہ کا اپنے بندوں کو یاد کرنا یہی ہے کہ، اُن پر دنیا وآخرت دونوں میں اپنے خصوصی فضل وکرم کی بارش کرتا رہے۔ فَاذْكُرُونِي اور اَذْكُرْكُمْ میں ضمیر متکلم کو صیغۂ واحد میں لانا علامت تخصیص کی ہے۔

مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بندہ ادھر سے یاد میں لگا ہے تو اُدھر سے بھی سرافرازی ہوتی رہے گی۔ اور یہی اصلی ثمرہ اور انعام ہے بندہ کے ذکر الٰہی کا۔ سو اگر ذہن کے سامنے ان کا استحضار رہے تو بندۂ ذاکر وشاغل کو نہ کبھی تشویش ہو اور نہ بے حاصلی کی شکایت پیدا ہو **و۵۶۳** وَاشْكُرُوا لِي۔ توحید، ایمان واسلام کے حقوق اداء کرتے رہنا ہی اللہ کی شکر گزاری کرتے رہنا ہے۔ اور شکر کی بہترین تعریف یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ ہی کے کاموں میں لگایا جائے۔ وَلَا تَكْفُرُونِ۔ کفر وشرک، الحاد وارتیاب، فسق وبدعت میں لگے رہنا یہی اللہ کی ناشکری اور اس کی نعمتوں سے کفران کرنا ہے۔ اور ناشکری کا اصلی مفہوم یہی ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے قویٰ کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کیا جائے **و۵۶۴** یعنی ہجوم مشکلات کے وقت بھی مشکل کشائے حقیقی سے تعلق برابر جوڑے رہو۔ اُس پر بھروسہ رکھو۔ اُس کے آگے جھکتے رہو، گرتے رہو ـــــ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کسی بڑی اور پر قوت ہستی سے تعلق قائم ہو جانے سے دل کو کتنی تقویت حاصل ہوتی ہے۔ خطرہ کے وقت پولیس کے پہنچ جانے سے، کسی بڑے حاکم کے آجانے سے دل کو کیسی ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ شدید بیماری کے وقت کسی نامور طبیب کے آجانے سے ٹوٹی ہوئی آس کیسی جڑ جاتی ہے۔ پھر جب دل کا ربط ہمہ بین وہمہ دان، ناصر حقیقی ومحافظ حقیقی سے قائم ہو جائے، تو انسان بے بنیان کی تسکین خاطر وتقویت قلب کا کیا پوچھنا! دُنیا میں رہ کر، زندگی کی کشمکش میں پڑ کر، مشکلات ومصائب کا پیش آتے رہنا ناگزیر ہے۔ افراد کو بھی، اور اُمت وجماعت کو بھی۔ اور وہ دستور العمل ناقص ہے جو مشکلات کے دفاع اور مصائب سے مقابلہ کا طریقہ نہ بتائے۔ قرآن مجید نے بجائے غیر ضروری اور نامتناہی تفصیلات میں جانے کے یہاں اشارہ اصل اصول کی طرف کر دیا۔ بِالصَّبْرِ۔ صبر کے لفظی معنی تنگی اور ناخوشگواری کی حالت میں اپنے کو روکے رہنے کے ہیں۔ **الصبر الامساك فی ضیق** (راغب) اور اصطلاح شریعت میں اس کے معنی یہ ہیں کہ نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے، اور قدم دائرہ شریعت سے باہر نہ نکالا جائے۔ **الصبر حبس النفس علی مایقتضیه العقل والشرع** (راغب) صبر کے یہ معنی نہیں کہ جو امور طبعی اور بشری ہیں، اُن کے آثار کو بھی اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیا جائے۔ بھوک کے وقت مضمحل اور نڈھال ہو جانا، درد کی تکلیف سے کراہنا، رنج کے وقت آہ سرد بھرنا، عزیزوں قریبوں کی موت پر آنسوؤں سے رونا، ان میں سے کوئی شے بھی صبر کے منافی اور بے صبری میں داخل نہیں۔ قرآنی فرمان کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ہجوم مشکلات کے وقت گھبرا نہ جاؤ، ثابت قدم رہو۔ دل قابو میں رکھو، خود دل کے بس میں نہ آجاؤ۔ **الصبر والصلوٰة** صبر ایک سلبی کیفیت اور صلوٰۃ ایک ایجابی عمل ہے۔ ان دو کلیدی لفظوں سے اشارہ ادھر ہو گیا کہ انفرادی اصلاح اور اجتماعی فلاح دونوں کا راز صرف ان دو چیزوں میں ہے۔ ایک معاصی سے حفظ واحتیاط، دُوسرے اوامر کا اتباع **و۵۶۵** اللہ کی معیت عام تو کافر ومومن، فاسق وصالح، اپنے ہر بندہ کے ساتھ ہے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔ یہاں یہ معیت عام مراد نہیں۔ بلکہ معیت خصوصی مراد ہے، جس کے آثار حفاظت، اعانت وتوجہ خاص ہیں۔ یہ اسی معیت الٰہی کا احساس واستحضار تھا، جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بے پناہ قوت، جرأت، بے خوفی کا مالک بنا دیا تھا۔ اور حق یہ ہے کہ اس کے مراقبہ سے بڑھ کر نہ رُوح کے لیے کوئی لذیذ غذا ہے اور نہ جراحت قلب کے لیے کوئی مرہم تسکین، یہی ایک تصور ہے اہل ایمان کے لیے جو ہر ناگوار کو خوشگوار ہر تلخ کو شیریں ہر زہر کو قند بنا دینے کو کافی ہے۔ دورِ حاضر کے مغربی مفکرین اور نفسیّین نے بھی اس تعلق باللہ پر روشنی ڈالی ہے، اور تسلیم کیا ہے کہ قلب کی اُداسی، غمگینی، افسردگی کے وقت تعلق باللہ سے بڑھ کر مونس، رفیق ودمساز کوئی نہیں۔ ملاحظہ ہوں James کی Varieties of Religious Experiences صفحہ ۶۶ و ۶۷ نیز Psychology of Religions کے مختلف مقامات۔ صبر۔ اپنے وسیع مفہوم میں ایک جامع لفظ ہے۔ صلوٰۃ اسی کی ایک ممتاز صورت ہے۔ معیت الٰہی کی یہ نعمت جب صابرین کو ملے گی، تو نمازیوں کو بدرجۂ اولیٰ ملے گی۔ اور اسی لیے اس کی صراحت کی ضرورت نہ رہی۔ **ولم یقل مع المصلین لانه اذا کان مع الصابرین کان مع المصلین من باب اولی لاشتمال الصلوٰة علی الصبر** (روح) **و۵۶۶** (عالم برزخ میں ایک خاص حیات کے ساتھ، اور عام انسانوں کی طرح مُردہ نہیں) فِي سَبِيلِ اللهِ۔ یعنی دین حق کی راہ میں۔ مذہب صحیح کی خاطر۔ **اے فی طاعته واعلاء کلمته** (روح) غزوۂ بدر میں جب کچھ صحابی شہید ہو گئے تو نافہم کافروں نے کہنا شروع کیا کہ انہوں نے خواہ مخواہ اپنی زندگی گنوا دی، اور زندگی کے لطف سے محروم ہو گئے، انہیں جواب مل رہا ہے کہ تم جس معنی میں انہیں مُردہ سمجھ رہے ہو، اُس میں وہ سرے سے مُردہ ہی نہیں بلکہ، زندوں سے کہیں بڑھ کر ہر لذت سے لذت یاب ہو رہے ہیں۔ اصطلاح

میں ایسے مقتول کو شہید کہتے ہیں۔ برزخی زندگی اپنی عام صورت میں تو سب ہی کے لیے ہے، لیکن شہیدوں کو اس عالم میں ایک خصوصی اور امتیازی زندگی نصیب ہوگی، آثارِ حیات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قوی۔ بقول مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر اُس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچتا ہے کہ اس کا جسد باوجود گوشت پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا۔ اور مثل جسد زندہ کے صحیح وسالم رہتا ہے۔ جیسا کہ احادیث ومشاہدات شاہد ہیں۔ اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء شہیدوں سے بھی زیادہ قوت وامتیاز رکھتے ہیں۔ تخصیص الشهداء لاختصاصهم بالقرب من الله تعالٰی و مزيدالبهجة والكرامة (بیضاوی) ایک گروہ نے کہا ہے کہ حیات صرف روحانی ہوتی ہے۔ لیکن ترجیح اسی قول کو ہے کہ جسمانی وروحانی دونوں ہوتی ہے۔ ذهب كثير من اهل السلف الى انها حقيقية بالروح والجسد و ذهب البعض الى انها روحانية والمشهور ترجيح القول الاول (روح) آیت سے بہ قاعدہ دلالۃ النص یہ بھی استنباط کیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جان ومال کو صرف کرنے والے اور انہیں ہوائے نفس میں لٹانے والے یکساں نہیں ہوتے۔ حیات شہداء کے معتقد یہود کے بھی بعض فرقے ہوئے ہیں۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۶ صفحہ ۵۲۶) ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اسی آیت سے تمسک کر کے بعض ائمہ نے شہید کے لیے غسل ونماز جنازہ دونوں غیر ضروری بتائے ہیں، کہ اُن کی تطہیر تو شہادت سے ہو چکی ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ کو ضروری برقرار رکھا ہے (احکام القرآن) **و۵۶۷** (اس لیے کہ برزخ حواسِ ناسوتی سے مدرک نہیں ہوتا اور انسان اُسی حیات عالی ولطیف کا ادراک اپنے حواسِ ظاہری کے ذریعہ سے نہیں کر سکتے) انما هى امرٌ لا يدرك بالعقل بل بالوحى (بیضاوی) لانها من احوال البرزخ التى لا يطلع عليها ولا طريق للعلم بها الاّ بالوحى (روح) لان حياتها لشهيد لا نظم حسًا (مدارک) ابن کثیر نے ایک حدیث نبوی نقل کر کے اور اس سے استنباط کر کے لکھ دیا ہے کہ ایسی حیات عام مومنین کو بھی حاصل رہی ہے، البتہ شہداء کا ذکر خاص طور پر اُن کی عظمت واکرام کے لیے قرآن مجید میں کر دیا گیا ہے۔ ففيه دلالة لعموم المؤمنين ايضاً و ان كان الشهداء قد خصصوا بالذكر فى القرآن تشريفًا لهم و تكريمًا و تعظيمًا **و۵۶۸** (بہ تقاضائے حکمت) خطاب مومنین صادقین سے چلا آ رہا ہے۔ اُنہیں بتایا ہے کہ مصیبتیں اور بلائیں اُن پر بھی یقیناً آئیں گی، لیکن بہ طور سزا وعذاب نہیں، بلکہ ابتلاء وامتحان کے رنگ میں۔ اور اس ارشاد سے ان کی تسلی وتسکین کا بہترین سامان بہم پہنچا دیا۔ آزمائش خداوندی سے مقصود نتائج کو دنیا پر ظاہر کر دینا ہوتا ہے۔ ورنہ حق تعالیٰ کو تو یہ علم ظاہر ہے کہ ہمیشہ سے حاصل ہے۔ بِشَیْءٍ سے یہ بتا دیا کہ امتحان بہت سخت نہیں ہوگا۔ ہر ملک کے جزو قلیل ہی سے متعلق ہوگا۔ کل سے متعلق نہیں۔ اَلْخَوْفِ۔ خوف کا لفظ جامع ہے۔ جان، مال، عزت ہر چیز سے متعلق اندیشہ وہراس اس کے اندر آ گیا۔ اَلْجُوْعِ۔ بھوک کا امتحان یہ ہے کہ کسی حاجت کے باوجود ہر مال حرام سے بچے۔ اور نہ روزہ سے ہچکچائے۔ نہ فقر وفاقہ سے ڈرے۔ اَلْاَمْوَالِ۔ رشوت، سود، خیانت، بیع فاسد، ہر غیر شرعی معاملات سے دستبردار ہو جائے، اور جو مالی نقصانات تکوینی طور پر واقع ہوں۔ چوری ہو جائے، آگ لگ جائے، ان سب پر صبر سے کام لے۔ اَلْاَنْفُسِ۔ موت، بیماری، جہاد کے حادثوں میں صبر سے کام لے۔ وَالثَّمَرٰتِ۔ اولاد سے بھی مراد ہو سکتی ہے اور تجارت، زراعت، وغیرہ کے منافع بھی۔ ہر قسم کی نیک نامی، ناموری کے موقع بھی اس میں شامل ہیں۔ محققین نے کہا ہے کہ بندہ کا ہر امتحان شرک وتوحید کے درمیان فارق ہوتا ہے۔ عوام کا امتحان شرکِ جلی سے متعلق ہوتا ہے، اور خواص کا شرکِ خفی سے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت نص ہے اس باب میں کہ مجاہدہ اضطراری بھی نافع ہوتا ہے۔ **و۵۶۹** صبر کرنے والوں کو، یعنی ان بندوں کو جو حالت غم میں بھی حدودِ شریعت سے قدم باہر نہیں نکالتے، صبر کرنے کے معنٰی یہ نہیں کہ بندہ بالکل بے حس ہو جائے۔ اور غم کو غم محسوس ہی نہ کرے۔ اس کا نام صبر نہیں، بے حسی ہے۔ صبر یہ ہے کہ انتہائی غمناک ودرد انگیز واقعہ پر بندہ عقل کو نفس پر غالب رکھے، زبان کو شکوہ اور ناشکری سے نہ آلودہ ہونے دے اور نظر مسبب الاسباب پر، اُس کی مصلحت وحکمت پر اُس کی شفقت ورحمت پر رکھے۔

غم میں بھی قانونِ فطرت سے میں کچھ بدظن نہیں!
یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دوست ہے، دشمن نہیں! (اکبر رحمۃ اللہ علیہ)

و۵۷۰ (حضور قلب کے ساتھ) تحصیل صبر میں عقیدۂ قلب، تلفظ زبانی پر مقدم ہے۔ مُصِيْبَةٌ کے لغوی معنٰی افتاد کے ہیں۔ اور حدیث میں اس کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ كل شئ سام المؤمن فهو مصيبة (جو شے بھی مسلمان کو ناگوار گزرے، بس وہی اس کے حق میں مصیبت ہے) گویا اس کا اطلاق نہایت وسیع اور عام ہے، اور اس کے تحت میں چھوٹا بڑا ہر ناخوشگوار واقعہ تکوینی آ گیا۔ بیماری ہو، مالی نقصان ہو، دوستوں عزیزوں کی مفارقت کا صدمہ ہو، موت کا غم ہو، لاولدی ہو، توہین اور بے عزتی ہو۔ وقس علٰی ہذا۔ المصيبة كل ماآذى المؤمن فى نفسٍ اومالٍ او اهلٍ صغرت او كبرت (بحر)۔ زبان سے اس آیت کی تلاوت کا دستور بحمد اللہ اب بھی اکثر مسلمان گھروں میں پایا جاتا ہے۔ لیکن تحصیل صبر کے لیے محض زبانی اعادہ ہرگز کافی نہیں۔ قلب کے سامنے بھی استحضار پوری طرح ہونا چاہیے۔ الاسترجاع تسليم واذعان (مدارک) وليس الصبربا لاسترجاع باللسان بل به و بالقلب (بیضاوی) قَالُوْٓا۔ صورۃً صیغہ ماضی کا ہے۔ لیکن مقصود مومنین صابرین کی عادت کا بیان ہے۔ اذا۔ بیان کسی ایک اور اتفاقی واقعہ کے لیے نہیں۔ عام عادت کے اظہار کے لیے آیا ہے۔ یعنی جب جب، یا جب کبھی بھی کوئی ناخوشگواری پیش آتی ہے۔ والمعنى فى اذاهنا على التكرار و العموم (بحر) **و۵۷۱** (خواہ آج خواہ چند روز بعد) آیت کے اندر تعلیم تین چیزوں کی ملی۔ ایک یہ کہ ہم سب عبد محض ہیں، اور تمام تر اُسی کی ملک۔ ہم خود بھی اور ہماری ہر چیز بھی۔ اپنی کوئی شے ہی نہیں، نہ بیوی نہ بچے، نہ مال نہ جائیداد، نہ وطن نہ خاندان، نہ جسم نہ جان! ع جو کچھ ہے سب خدا کا، وہم وگماں ہمارا! (اکبر رحمۃ اللہ علیہ) انسان کے سارے رنج وغم، درد وحسرت کی بنیاد صرف اس قدر ہوتی ہے کہ وہ اپنی محبوب چیزوں کو اپنی سمجھتا ہے۔ لیکن جب ذہن اس عام مغالطہ سے خالی ہو گیا، اور کوئی سی بھی شے ہو، سرے سے اپنی رہی ہی نہیں، تو اب گلہ وشکوہ، رنج وملال کا موقع ہی کیا؟ دوسری بات یہ کہ بڑے بڑے رنج اور صدمے اور دل کے داغ بھی عارضی اور فانی ہیں، رہ جانے والے کوئی بھی نہیں۔ عنقریب انہیں چھوڑ چھاڑ مالک کی خدمت میں حاضری دینا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہاں پہنچتے ہی سارے قرضے بیباق ہو جائیں گے۔ ہر کھوئی ہوئی چیز وصول ہو کر رہے گی۔ یہ تینوں عقیدے جس کے جتنے زیادہ مضبوط ہوں گے اُسی قدر اس کے دل کو دنیا میں امن وسکون حاصل رہے گا۔ غم وحزن کے بار کو ہلکا کرنے کا جو عارفانہ اور تیر بہدف نسخہ یہاں بتا دیا گیا ہے، یہ صحائف کائنات میں بے نظیر ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ قرآن مجید میں اگر صرف یہی ایک آیت ہوتی، تو یہی اُسے حکیم مطلق کا کلام ثابت کرنے کے لیے واللہ کافی تھی۔ صبر ایک کیفیت نفسی کا نام ہے۔ اور اصلاً اُس کا تعلق قلب سے ہے۔ زبان سے کلمۂ صبر دوہرانے کا حکم اسی کیفیت کو قوی اور مؤکد بنانے کے لیے ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ آیت میں جو حکم ہے اُس کی تعمیل کے تین مرتبے ہیں (۱) درجۂ اعلیٰ۔ دل میں آیت کے معنٰی منقش ہوں، اور زبان پر بھی اس کے الفاظ جاری ہوں (۲) درجۂ اوسط۔ دل میں معنٰی کا خیال کر لے، اور زبان سے ادا نہ کرے (۳) درجۂ ادنیٰ۔ دل میں استحضار نہ ہو مگر زبان سے دہرا دے۔ چوتھی ممکن صورت یہ ہے کہ دل میں اعتقاد کسی درجہ میں بھی موجود نہ ہو محض زبان سے دہرا دے۔ اس مقام کا نام منافقت ہے، اور یہ ایمان والوں کی دنیا سے خارج ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت تاریخ کا بیان ہے کہ آپ ادنیٰ ادنیٰ تکلیف یا ناگواری کے موقع پر بھی یہ کلمہ زبان پر لاتے رہتے تھے۔ اور یہی معمول آپ کے صحابیوں کا رہا ہے۔ رٰجِعُوْنَ سے یہ مراد نہیں کہ انسان ابھی کہیں اور ہے، اور پھر کسی ایسے مقام یا جہت میں آ جائے گا جہاں خدا ہے۔ خدا کے پاس تو وہ اب بھی ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالم آخرت میں جس طرح اللہ کی ملکیت وربوبیت اور سارے ظاہری اسباب کے ٹوٹ جانے سے بالکل واضح ونمایاں ہو جائے گی، اُسی طرح یہ خدا ہی کی طرف رجوع بالکل آشکار ہو کر رہے گا۔ درمیانی واسطے سب غائب ہو کر رہیں گے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ کلمہ استرجاع تمام مصیبتوں کا علاج ہے اور انہی میں قبض بھی داخل ہے، جو سالکوں کو اکثر پیش آتا رہتا ہے **و۵۷۲** (دنیا اور آخرت دونوں میں) اوپر کی آیت میں صابرین کے حق میں جس خوشخبری کا ذکر تھا، یہ سب اسی کا بیان ہو رہا ہے۔ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ یعنی لوگ عنایت خاصہ کے مورد ہوں گے۔ ہر شخص اپنے اپنے درجہ کے متناسب۔ وَرَحْمَةٌ۔ یعنی یہ لوگ رحمت عام کے مورد رہیں گے۔ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ دنیا میں ان کی رسائی اس حقیقت تک ہو چکی تھی کہ کوئی چیز بھی اپنی نہیں۔ یہاں تک کہ خود ان کے جسم وجان، نفس وروح کا مالک حق تعالیٰ ہی ہے۔ چنانچہ جب یہ اُس کے پاس پہونچیں گے تو سب ہی کچھ پالیں گے۔ جس نے اللہ کی رحمت عامہ وخاصہ کو پا لیا، اُس سے دنیا اور آخرت کی بچی ہی کونسی نعمت؟ اولٰئک هم الفائزون بمطالبهم الدينية والدنيوية فان من نال تزكية الله تعالٰى و رحمته لم يفته مطلب (روح) **و۵۷۳** (نہ کہ دیوی دیوتاؤں کی یادگاروں میں سے) صفا و مروہ کسی زمانہ میں مسجد الحرام کے پاس دو پہاڑیاں تھیں۔ اب معمولی بلندیاں محض چٹان کی سی رہ گئی ہیں۔ صفا حرم شریف کی داہنی جانب ہے اور مروہ بائیں جانب۔ دونوں کے درمیان فاصلہ ۴۹۳ قدم کا ہے، یا تقریباً ے فرلانگ۔ صفا کے لغوی معنٰی صاف پتھر یا خالص چٹان کے ہیں، اور مروہ

تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ

تم ادراک نہیں کر سکتے ف۵۶۶ اور ہم تمہاری آزمائش کر کے رہیں گے کچھ خوف

وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ

اور بھوک سے اور مال اور جان اور پھلوں کے کچھ نقصان

وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ لا الَّذِیْنَ اِذَاۤ

سے ف۵۶۸ اور آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے ف۵۶۹ کہ جب ان پر کوئی

اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ

مصیبت آپڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں ف۵۷۰ کہ بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف

رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ ؕ اُولٰٓىِٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

واپس ہونے والے ہیں ف۵۷۱ یہ لوگ وہ ہیں کہ ان پر نوازشیں ہوں گی ان کے پروردگار کی طرف سے

وَرَحْمَةٌ ۫ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا

اور رحمت (بھی) یہی لوگ راہ یاب ہیں ف۵۷۲ صفا و مروہ

وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ

بے شک اللہ کی یادگاروں میں سے ہیں ف۵۷۳ سو جو کوئی بیت (اللہ) کا حج کرے

اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ

یا عمرہ کرے ف۵۷۴ اس پر (ذرا بھی) گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان آمدورفت کرے ف۵۷۵

وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۵۸﴾

اور جو کوئی خوشی سے کوئی امر خیر کرے، سو اللہ تو بڑا قدردان ہے، بڑا علم رکھنے والا ہے ف۵۷۶

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں اس چیز کو جو ہم کھلی ہوئی نشانیوں اور ہدایت میں سے

کے بھی لفظی معنٰی سفید نرم پتھر کے ہیں۔ الصفا الحجارة الصافية (راغب) قال المبرد و هو كل حجر لا يخالطهٗ غيره من طين او تراب (روح) المروة فى الاصل الحجر الابيض (روح) حدیث صحیح میں یہ مضمون آیا ہے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو شیر خوارگی کے زمانہ میں خانہ کعبہ کے پاس پیاسا اور تنہا چھوڑ کر اس تلاش میں نکلی تھیں کہ کہیں کوئی قافلہ آتا جاتا نظر آجائے، تو اُس سے پانی ہاتھ آئے، اور اس وقت اضطراب میں دوڑ کر اس پہاڑی سے اُس پہاڑی پر جاتی تھیں کہ شاید بلندی سے کسی قافلہ پر نظر پڑ جائے۔ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے دین کی نشانیاں یا علامتیں، دین الٰہی کے وہ شعائر جو طاعتوں میں بہ طور علم کام دیں۔ شَعَآىِٕر جمع ہے شعیرہ کی اور اس کے معنی ہیں علامت کے۔ جمع شعيرة و هى العلامة (مدارک) اے اعلام طاعة و كل شئ جعل علمًا من اعلام طاعة الله فهو من شعائر الله (کبیر) هى العلائم التى ندب الله اليهاو امر بالقيام بها (بحر عن الزہری) اصطلاح میں مراد مناسک حج کی علامتیں ہیں۔ اے من اعلام مناسكه و متعبداته (مدارک) من معالم الله فى الحج (ابن عربی) ف۵۷۴ حج۔ عبادات اسلامی کا چوتھا رکن، یا نماز، روزہ، زکوٰۃ کے بعد چوتھا فریضہ۔ امت کے ہر فرد پر خواہ وہ دنیا کے کسی علاقہ کا باشندہ ہو بہ شرط استطاعت وصحت وامن راہ، عمر میں ایک بار فرض ہے۔ گویا دنیائے اسلام کی بین الاقوامی سالانہ کانگرس۔ ارکان حج۔ یعنی جو چیزیں فرض ہیں، وہ تین ہیں:۔ (۱) پوشش احرام۔ یعنی حدود حرم میں داخلہ سے پہلے عام لباس اُتار کر احرام یا بے سلا ہوا لباس پہن لینا (۲) میدانِ عرفات میں ۹ رذی الحجہ کو حاضری۔ اصطلاح میں اسے وقوف کہتے ہیں (۳) طوافِ زیارت۔ یعنی وقوف کے بعد خانہ کعبہ کا طواف۔ اور واجباتِ حج چار ہیں:۔ (۱) ۹ و ۱۰ رذی الحجہ کی درمیانی شب میں مزدلفہ میں قیام (۲) صفا و مروہ کے درمیان آمدورفت۔ اصطلاحی نام سعی ہے (۳) مزدلفہ میں قیام کے بعد منٰی میں کنکریاں پھینکنا۔ اصطلاحی نام رمی جمرات ہے (۴) طوافِ کعبہ۔ (یہ طواف فرض کے علاوہ ہے اور طوافِ صدر کہلاتا ہے)۔ قربانی کرنا، سر کے بال اُتروانا، وغیرہا بہت سے سنن ومستحبات ان کے علاوہ ہیں۔ عمرہ۔ اس کا دوسرا نام حج اصغر ہے۔ اس میں حج کی طرح مہینہ اور تاریخ کی قید نہیں۔ اور نہ اس میں وقوف عرفات ہے، اور قیام مزدلفہ ومنٰی، سال کے ہر موسم میں اور ہر وقت ہوسکتا ہے۔ عمرہ کی نیت سے احرام حدود حرم سے باہر باندھے۔ طوافِ کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر کے بال اُتروائے، بس عمرہ ہوگیا۔ احرام کھول دے ف۵۷۵ لَا جُنَاحَ عَلَیْهِ۔ صفا و مروہ کو نسبت تو توحید کے خاص الخاص گھرانے سے حاصل تھی۔ یعنی ہاجرہ اور اسمٰعیل اور ابراہیم علیہم السلام سے۔ لیکن زمانہ جاہلیت میں قبضہ ان پر بھی مشرکوں کا ہوگیا تھا۔ اور ایک ایک پہاڑی پر ایک ایک دیوی کی مورتی نصب ہوگئی تھی۔ مشرک تیرتھ کرنے جاتے تو انہیں بھی دوڑ دوڑ کر چھوتے اور چومتے۔ قرن اوّل کے مسلمانوں، صحابیوں کی توحید پرستی اور شرک بیزاری کا کیا پوچھنا۔ قدرۃً خیال گزرا کہ کہیں ان پہاڑیوں کے درمیان آمدورفت شعائر شرک میں نہ قرار پائے۔ آیت میں اُنہی کا شبہ دُور کیا گیا ہے، اور ارشاد ہوا ہے کہ یہ جاہلیت کی نہیں عین توحید کی یادگاریں ہیں۔ اس لیے اگر ان کے درمیان آمدورفت اسلامی وتوحیدی حج کا جزو رکھی جائیں، تو اس میں مطلق مضائقہ نہیں۔ یَطَّوَّفَ بِهِمَا۔ طوف کے اصلی معنٰی کسی چیز کے گرد گھومنے یا چکر کاٹنے کے ہیں۔ لیکن وسعت دے کر اس کے معنی مطلق آس پاس جانے کے بھی کیے گئے ہیں۔ اور یہاں مراد دو مقاموں کے درمیان آمدورفت سے ہے۔ الطوف المشى حول الشئ (راغب) والمراد هنا السعى بينهما (مدارک) یہ سعی صفا و مروہ کے درمیان، حنفیہ کے ہاں واجب ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سنت ہے۔ اور مالکیہ و شافعیہ کے ہاں فرض ہے۔ یہ آمدورفت سات بار ہوتی ہے۔ درمیان کا کچھ فاصلہ، تقریباً دو فرلانگ دوڑ کر چلنا ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کا نام سعی (دوڑ) ہے۔ اس فاصلہ کی علامت کے طور پر سڑک کے کنارے دو پتھر سبز رنگ کے نصب کر دیئے گئے ہیں۔ کسی زمانہ میں یہاں بالکل ویرانہ تھا۔ لیکن اب تو عین بازار ہے، اور صفا و مروہ کے درمیان خوب آبادی اور چہل پہل رہتی ہے ف۵۷۶ (اس لیے اس کے ہاں نہ اعزاز واکرام کی کمی کسی نیک کار کے لیے ہوگی، اور نہ وہ کسی کے اخلاص عمل سے ناواقف ہے) تَطَوَّعَ۔ تطوع ہر وہ چیز ہے فرض کے علاوہ جو انسان اپنی خوشی سے انجام دے۔ خَیْرًا۔ خیر عام معنٰی میں ہے، ہر عمل خیر کو شامل۔ المراد منه جميع الطاعات (کبیر عن الحسن) و هٰذا اولى لانهٗ اوفق لعموم اللفظ (کبیر) مطلب یہ ہے کہ کوئی سا بھی نیک کام ہو، کسی نوعیت اور کسی درجہ کا، جو بھی انسان خوشی سے انجام دے گا، اُس کا اجر اسے مل کر رہے گا۔ شَاكِرٌ۔ شکر کا لفظ جب اللہ کے لیے آتا ہے تو اُس کے معنٰی یہ ہوتے ہیں کہ وہ بندہ کی تھوڑی سی اطاعت پر معاوضہ، بہت زائد دیتا ہے۔ الشكر من الله تعالىٰ ان يعطى لعبده فوق مايستحقه بشكر اليسير و يعطى الكثير (معالم) عَلِیْمٌ۔ یعنی نیتوں تک سے واقف۔ عليم بنيته (معالم) ابھی ایک ہی آیت اُوپر ذکر فضائل صبر کا ہو رہا تھا، اُس کے معاً بعد ذکر حج کا شروع ہو جانا، علاوہ اور بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کے ایک خاص مناسبت بھی صبر سے رکھتا ہے۔ ان سطور کے راقم نامہ سیاہ کا ذاتی تجربہ ہے کہ موسم حج کے ہجوم و چپقلش اور مسلسل کوچ اور مقام میں فرائض تک کی پابندی مشکل پڑ جاتی ہے۔ سنن ومستحبات کا کیا ذکر ہے۔ اشتعال کے باوجود زبان پر قابو رکھیے، ہاتھ پیر پر قابو رکھیے، کان اور آنکھ پر قابو رکھیے۔ غرض صبر کا پورا امتحان ہر طرح ہو جاتا ہے۔ ف۵۷۷ یعنی کتب سابق کے مضامین اور پیشین گوئیوں کو دانستہ چھپاتے ہیں۔ مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور مشاہیر تابعین سب کا اتفاق ہے۔ نزلت فى اهل الكتٰب من اليهود و النصارٰى (کبیر۔ عن ابن عباس ومجاہد والحسن وقتادۃ والربیع والسدی والاصم) الاقرب انها نزلت فى اليهود والحكم عام (روح) یَكْتُمُوْنَ۔ اور حق پوشی بھی اس غضب کی کہ محض سکوت پر

وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِۙ

نازل کر چکے ہیں، بعد اس کے کہ ہم اسے لوگوں کے لئے کتاب (الٰہی) میں کھول چکے ہیں ف۵۷۷

اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَۙ (۱۵۹) اِلَّا

یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے اور ان پر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں ف۵۷۸ البتہ جو

الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ

لوگ توبہ کرلیں ف۵۷۹ اور درست ہو جائیں ف۵۸۰ اور ظاہر کر دیں ف۵۸۱۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ میں ان پر متوجہ ہو

عَلَيْهِمْۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (۱۶۰) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

جاؤں گا رحمت سے، ف۵۸۲ اور میں بڑا توبہ قبول کرنے والا ہوں بڑا رحمت والا ہوں، ف۵۸۳ بے شک جو لوگ کفر

وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ

کرتے ہیں اور مر جائیں اسی حال میں کہ وہ کافر ہیں، سو یہ وہی لوگ ہیں کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی،

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَۙ (۱۶۱) خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۚ

اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی ف۵۸۴ وہ اس میں پڑے رہنے والے ہیں، ف۵۸۵

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (۱۶۲)

کہ نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہونے پائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ف۵۸۶

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ

اور تمہارا خدا ایک خدا ہے۔ بجز اس کے کوئی خدا نہیں، ف۵۸۷ بے انتہا رحم و کرم کرنے والا،

الرَّحِيْمُ (۱۶۳)ع اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بار بار رحم کرنے والا ف۵۸۸ یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ

اور رات اور دن کے ادل بدل میں اور جہازوں کے چلنے میں جو

ع ۱۹ / ۱۱ / ۲

کفایت نہیں کرتے، بلکہ اُلٹی حق کی مخالف شہادت دے گزرتے ہیں۔ بلکہ کتمان کا اطلاق اُس اخفاء پر ہوتا ہے جو قصداً کیا جائے، اور اس موقع پر جہاں اظہار ضروری ہو۔ الکتمان ترک اظہار الشیٔ قصدًا مع مساس الحاجة اليه (روح) الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی۔ بینات وہ نشانیاں ہیں جو بجائے خود واضح وصریح ہیں۔ الْهُدٰی وہ ہے جو دُوسروں کے لیے ذریعۂ ہدایت بن سکے۔ یہاں بینات سے مراد رسالت محمدیؐ کے دلائل و شواہد ہیں۔ اور ھدٰی سے مراد احکام شریعت ہیں۔ بیناہ میں ہ کی ضمیر مَآ اَنْزَلْنَا کی طرف ہے۔ یعنی اُس مضمون کو اُس مفہوم کو۔ الْکِتٰبِ سے مراد ہے جنس کتاب، یعنی قدیم کتب آسمانی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں ایسے شخص کی مذمت ہے جو اپنے مریدوں کے سوا دوسروں سے علوم شریعت کو چھپاتا ہے، کہ یہ علوم مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے عموم میں داخل ہیں۔ البتہ علوم مکاشفہ کا حکم دوسرا ہے وہ منزل نہیں۔ بلکہ بعض اوقات ان کے اظہار میں خوف فتنہ بھی ہے ف۵۷۸ (خواہ وہ لعنت کرنے والے جنس آدم سے ہوں یا جنات ہوں یا ملائکہ ہوں یا اور کوئی مخلوق ہوں) لعنۃ پر حاشیے پارۂ اول میں گزر چکے۔ اللہ کی لعنت یہ ہے کہ وہ اُن لوگوں کو اپنے سے دُور اور اپنے فضل وکرم سے مہجور کر دیتا ہے۔ ای یبعدھم عن رحمته (روح) و ذٰلک من اللّٰه تعالٰی فی الأخرة عقوبته و فی الدنیا انقطاع من قبول رحمته و توفیقه (راغب) مخلوق کی لعنت یہ ہے کہ ان بدکاروں کے لیے بددُعا کی جائے، ان کے لیے حق تعالیٰ کی رحمت سے دُوری اور اس کے فضل وکرم سے مہجوری طلب کی جائے۔ ومن الانسان دعاء علٰی غیره (راغب) بمعنی الدعاء علیهم بالابعاد عن رحمة اللّٰه تعالٰی (روح) لفظ لعنت، قدیم صحیفوں کا بھی چلا ہوا محاورہ ہے۔ ملاحظہ ہوں توریت میں استثنا ۱۱:۲۶ و ۲۷:۲ و ۲۸ نیز ۸:۱۵۔۲۱ وغیرہ اور انجیل میں، مرقس، ۱۱:۲۱۔ یوحنا ۷:۴۹ وغیرہ۔ فقہاء نے آیت ماقبل سے استدلال کیا ہے کہ عالم پر تبلیغ حق اور اپنے علم کا بیان واجب ہے۔ استدل بها علماء نا علٰی وجوب تبلیغ الحق و بیان العلم علی الجملة (ابن العربی) ف۵۷۹ (اپنے پچھلے جرائم سے) توبہ کرنے سے مراد ہے باز آنا، نادم ہونا، اور عزم ترک کے ساتھ عذر خواہی کرنا ف۵۸۰ یعنی آئندہ کے لیے اپنی اصلاح حال کرلیں ف۵۸۱ (اپنی آسمانی کتابوں کے اُن مضامین کو جنہیں وہ اب تک چھپاتے رہے ہیں) یہاں مراد ہیں اسلام و پیمبر اسلام سے متعلق پچھلے صحیفوں میں پیش خبریاں۔ خلاصہ یہ کہ یہ مجرم اگر ماضی پر نادم ہو کر اب بھی ایمان لے آئیں، اور تلافیٔ مافات پر آمادہ ہو جائیں ف۵۸۲ یعنی یہ تائبین نہ صرف لعنت کی زد سے باہر ہو جاتے ہیں، بلکہ رحمت و مغفرت الٰہی کے ماتحت بھی آجاتے ہیں۔ البتہ جو لوگ اپنی اُنہی بدکرداریوں پر اصرار رکھتے ہیں، اُن پر سزا ابھی قائم رہتی ہے۔ واما الذین ماتوا علی الکتمان و لم یتوبوا عنه فقد استقرت علیهم اللعنة ولم تزل عنهم (روح) اَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا۔ توبہ اور قبول توبہ کا مضمون قرآن مجید میں بار بار آیا ہے، یہاں توبہ کے ساتھ قید اصلاح اور تبیین کی لگی ہوئی ہے۔ یعنی جو فساد پھیلایا تھا اس کی اصلاح اور جو چھپایا تھا اس کا اظہار۔ محققین نے لکھا ہے کہ جن گناہوں سے صرف حقوق اللہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ مثلاً نماز یا روزہ کا ترک۔ اُن کے لیے محض توبہ واستغفار کافی ہے، کہ اس کا تعلق صفات رحمانیت ورحیمیت سے ہے۔ لیکن جن گناہوں سے بندوں کی حق تلفی لازم آتی ہے۔ مثلاً قتل، چوری، رشوت، غصب، فساد، بدامنی، سود خوری، عقائد باطلہ کا اعلان، ان کے لیے ضروری ہے کہ ہر متعین معصیت کے ضرر کا عملی تدارک بھی بقدر امکان کرلے۔ جب جا کر توبہ قبول ہوگی، کہ یہاں واسطہ حق تعالیٰ کی صفت عدل سے ہے۔ ف۵۸۳ قرآن مجید کا بار بار صفتِ رحیمی اور قبولِ توبہ پر زور دینا ایک طرف اُن گمراہ قوموں (مثلاً بودھ مت والوں) کے مقابلہ میں ہے جو سمجھتے ہیں کہ قانون مکافات عمل (ہندی اصطلاح میں "کرم") ہر حال اور ہر صورت میں اپنا عمل کر کے رہتا ہے، اور کوئی خدائی قوت اس پر غالب نہیں آسکتی۔ اور دوسری طرف اُن گمراہ قوموں (مثلاً مسیحیوں) کے مقابلہ میں ہے جو سمجھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ صفتِ رحیمی کا اظہار پوری طرح کر ہی نہیں سکتا، اور اس کی صفت عدل کے تقاضہ کو پورا کرنے اور گناہگاروں کو معافی دلوانے کے لیے کسی کفارہ کا وجود لازمی ہے ف۵۸۴ اَجْمَعِیْنَ کا لفظ تاکید کے لیے آیا ہے، اور اس کا تعلق اللہ اور ملائکہ اور الناس تینوں سے ہے۔ محض الناس سے نہیں۔ واجمعین تاکید بالنسبة الی الکل لا للناس فقط (روح) لَعْنَةُ اللّٰهِ۔ اہل سنت کے ہاں کسی متعین گنہگار پر لعنت کرنا ہرگز جائز نہیں، البتہ بغیر کسی کو متعین کیے ہوئے مبہم و مطلق صورت میں جائز ہے۔ مثلاً یہ کہ چور پر لعنت ہو۔ فاما العاصی المعین فلا یجوز لعنهٗ اتفاقًا و اما لعن العاصی مطلقًا یجوزا اجماعًا (ابن العربی) بلکہ حدیث صحیح میں تو مومن پر لعنت اُس کے قتل کے مثل بتائی گئی ہے۔ و فی صحیح مسلم لعن المؤمن کقتله (ابن العربی) وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ۔ بلکہ زندگی میں تو کافر متعین تک پر بھی لعنت کی اجازت نہیں۔ وَمَاتُوْا کی قید نے صاف کر دیا کہ یہاں جن پر لعنت آئی ہے ان کی موت ہی کفر پر ہو چکی تھی۔ اور اصل مدار ختم اعمال یا وفات پر ہے۔ قال لی کثیر من اشیاخی ان الکافر المعیّن لایجوز لعنه لان حاله عند الموافاة لا تعلم (ابن العربی) و قد شرط اللّٰه تعالٰی فی هٰذه الأیة فی اطلاق اللعنة الموافاة علی الکفر (ابن العربی) عبرت حاصل کرنا چاہیے اُن مسلمانوں کو جو اپنے کسی بھائی کو لغزش میں مبتلا دیکھ کر جھٹ اس پر لعنت بھیجنے لگتے ہیں ف۵۸۵ (ہمیشہ ہمیش کے لیے) خٰلِدِیْنَ۔ خلود کے معنی ہیں لازم پکڑ لینے کے۔ یعنی اسی لعنت و عذاب میں جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ الخلود اللزوم الطویل ومنه یقال اخلد الی کذا ای لزمه و رکن الیه (کبیر)۔ فِیْهَا۔ ضمیر دوزخ کی طرف ہے۔ اور بعض نے لعنت کی طرف راجع کی ہے۔ ای فی اللعنة او النار (بیضاوی) اور بجائے اسم کے ضمیر لانے سے مقصود اظہار عظمت واہمیت ہے۔ انها اضمرت تفخیمًا لشأنها و تهویلاً (کشاف) ف۵۸۶ تخفف کا تعلق بعد عذاب سے ہے

اور مہلت کا تعلق قبل عذاب سے ہے۔ یعنی دوزخ میں پڑنے کے بعد نہ کسی قسم کی تخفیف اُن کے عذاب میں ہوگی اور نہ عذاب میں پڑنے سے قبل ہی کوئی مہلت انہیں ملے گی و۵۸۷ (نہ بڑا نہ چھوٹا۔ نہ ملکی نہ غیر ملکی) یہاں خطاب ساری نوعِ انسانی سے ہے۔ نفس وجود باری تو مشرکین عرب کو بھی تسلیم تھا، جس طرح آج بھی ساری مشرک قوموں کو تسلیم ہے۔ لیکن مشرکین علاوہ اس خدائے اعظم یا خدائے برتر کے اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے خدا یا دیوتا تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ مشرکین قدیم تو اپنی قوم کے علاوہ دوسری قوموں کے، یہاں تک کہ اپنی دشمن قوموں کے بھی دیوتاؤں کے وجود کے قائل تھے۔ اُن کی قوت کے قائل تھے، اُن کی خدائی کے قائل تھے۔ بس صرف اُن کی عبادت کے منکر تھے۔ اور اس کی توجیہ یہ کرتے تھے کہ دشمن کا دیوتا بھی دشمن ہی ہوگا! -- گویا خدا بھی جذبات واحساسات کے لحاظ سے انسان کا مثنیٰ ہوتا تھا۔ قرآن نے آکر اس عقیدہ پر بھی ضرب کاری لگائی۔ اور دعوے سے بار بار اعلان کیا کہ قابلِ پرستش ہونا کیسا، کسی دوسرے خدا یا دیوتا کا وجود ہی سرے سے نہیں، نہ بڑے کا نہ چھوٹے کا، کسی ملکی کا نہ غیر ملکی کا! اور اللہ کے ساتھ شریک کا وجود محض وہم انسانی کی ایک اختراع ہے! ہمارے قدیم مفسرین بھی بغیر جدید علم الاقوام (اتھنالوجی) کی کسی تحقیق کے اس نکتہ تک پہنچ گئے تھے۔ ازاحۃ لان یتوھم ان فی الوجود الٰھا ولکن لا یستحق منھم العبادۃ (بیضاوی) و۵۸۸ یعنی مظہر کامل رحمانیت کا بھی اور رحیمیت کا بھی۔ دونوں صفتیں اُسی پر ختم ہیں۔ کوئی اس کا شریک نہ اس صفت میں، نہ اُس صفت میں و۵۸۹ (اللہ کی حکمت و ربوبیت، قدرت، صناعی، اور اُس کی فردیت کی) زمین و آسمان کے یہ سارے کارخانے، جو دنیا کے ہر طلسم سے بڑھ کر حیرت انگیز اور انسانی سائنس کے ہر شعبہ سے عجیب تر ہیں، بجائے خود اس کی دلیل ہیں کہ نہ یہ اپنے آپ وجود میں آسکتے ہیں، نہ باقی رہ سکتے ہیں، جب تک کوئی صاحب شعور، صاحب ارادہ، قادر مطلق ہستی اُن کی صانع و خالق نہ ہو۔ ان سارے مظاہر فطرت کا تسلسل و استمرار، اُن کی یکرنگی و باقاعدگی، ان کا نظم و انضباط، ہر عقل سلیم کو مجبور کر رہے ہیں کہ اُن کے عقب میں ایک ذی اختیار فعال کا ہاتھ تسلیم کیا جائے -- اسی عقل سلیم کو جو ایک معمولی سی گھڑی کو بھی بغیر کسی ماہر فن اور صناع گھڑی ساز کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیتی ہے! اور یہ خلاق ہستیاں اگر بہ صیغۂ جمع، یعنی ایک سے زائد فرض کی جائیں، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک خالق ان سارے امور کے لیے کافی نہ تھا۔ اس سے اُس کا عجز ثابت ہوا۔ اور جو عاجز یا کسی بات میں ناقص ہے، وہ خالق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اگر کسی کی ربوبیت اور خالقیت پر اعتقاد ہے تو اُسے لامحالہ واحد یکتا بھی ماننا پڑے گا۔ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آسمان ہوں یا زمین، سب مخلوق ہی ہیں، غیر مخلوق یا خود آفریدہ کوئی نہیں۔ مشرک قوموں نے انہیں معبود مانا ہے، اور صاحب تصرف و حاجت روا دیوی دیوتاؤں کی حیثیت سے ان کی پرستش کی ہے۔ قرآن مجید نے لفظ 'خلق' سے ادھر اشارہ کر دیا کہ یہ عظیم الشان موجودات بھی کائنات کے ادنیٰ سے ادنیٰ ذرہ کی طرح مخلوق ہی ہیں۔ اور آکاش دیوتا، دھرتی ماتا، وغیرہ قسم کے الفاظ نرے بے معنیٰ اور مہمل ہیں۔ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ دنیا ایسی مشرک قوموں سے بھی خالی نہیں رہی ہے، جنہوں نے رات اور دن کو ذی حیات اور صاحب ارادہ و تصرف مان کر انہیں دیوی دیوتا کا درجہ دیا ہے، اور اُن کی پوجا کی ہے۔ یہاں اُن کے اختلاف (اُدل بدل) کا ذکر کر کے یہ بتا دیا ہے کہ ان کا غیر مخلوق یا خود آفریدہ ہونا الگ رہا، یہ وقت و زمان کے بے حس بے جان اجزاء تو خود اپنی حرکت تک پر قادر نہیں۔ قادر مطلق ہی ان میں رات دن اُلٹ پھیر کرتا رہتا ہے۔ الْفُلْكِ۔ ہندوستان میں جب شروع شروع ریل نکلی ہے، تو دیہات میں خود اس کی پوجا شروع ہو گئی تھی، اور بہت سے "خوش عقیدہ" مشرکوں نے اپنے معبودوں کی فہرست میں ایک "انجن دیوتا" کا بھی اضافہ کر لیا تھا۔ ایسی ہی وہم پرست قوموں نے اگر کبھی بادبانی جہازوں اور دُخانی کشتیوں کی بھی پوجا کی ہو، تو کچھ عجب نہیں۔ فُلک کے عموم کے تحت میں اسٹیمر، لائنر، ڈریڈناٹ، ہر قسم کے چھوٹے بڑے جہاز اور آبدوز، تباہ کن، ہر قسم کی چھوٹی بڑی کشتیاں، غرض اور کل بحری سواریاں آگئیں، جو اس وقت موجود ہیں، یا قیامت تک ایجاد ہو سکیں، سامانِ جنگ کے لیے یا سامان تجارت کے لیے، یا بہ غرض تفریح، مَا يَنْفَعُ النَّاسَ (انسان کو فائدہ پہنچانے والی چیز) کا وصف سب میں عام و مشترک ہے۔ مَا يَنْفَعُ النَّاسَ کے عموم کی وسعت لحاظ رکھنے کے قابل ہے۔ انسانی نفع و منفعت کی ہر ممکن شے اس میں آگئی۔ امی بالذی ینفعھم من التجارات وسائر المآرب التی تصلح بھا اموالھم (قرطبی) امام قرطبی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ایک معترض نے سوال کیا کہ قرآن کی جامعیت کا دعویٰ ہے تو اس میں نمک، مرچ، وغیرہ کھانے کے مسالوں کا ذکر کہاں ہے؟ جواب یہ ہے کہ مَا يَنْفَعُ النَّاسَ کا عموم ان سب کو شامل ہے۔ السَّمَآءِ کا لفظ، جیسا کہ اوپر تشریح ہو چکی ہے، بادل، آسمان، وغیرہ ہر اوپر والی چیز کے لیے عام ہے۔ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لا کر یہ یاد دلا دیا کہ بارش میں حیات بخشی کی جو قوت ہے، یہ اُسی خدائے واحد و حیات آفریں کی ودیعت کی ہوئی ہے۔ دَآبَّةٍ عام ہے ہر حیوان کے لیے۔ حیوان پرستی شرک کا ایک جزو اعظم تاریخ کے ہر دور میں رہی ہے۔ بابل، مصر، ہندوستان وغیرہ میں گائے، بیل، بندر، لنگور، بلی، سانپ، کچھوے وغیرہ کی پوجا برابر ہوا کی ہے۔ زمین اگر ۲۵ ہزار میل کے محیط کا کوئی گولا ہے تو، یا اگر غیر پیمائش شدہ وسعت کی کوئی چپٹی چیز ہے تو بھی، اگر تیزی اور پھرتی کے ساتھ گردش کر رہی ہے، یا اگر اپنی جگہ پر ساکن ہے تو بھی، ہر حال میں اور ہر صورت فرض کرنے کے بعد بھی کیسی عظیم الشان کاریگری، کیسی بے مثال صناعی کا نمونہ ہے! فضا کی خلا میں کس کی قوت اسے تھامے ہوئے، سنبھالے ہوئے ہے؟ اس کے اور چاند، سورج اور ستاروں، سیاروں کے درمیان فاصلہ کا ایک خاص تناسب کس نے قائم کر رکھا ہے؟ اس کی رفتار کی ایک خاص شرح کس نے متعین کر دی

فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ

سمندر میں ان چیزوں کے ساتھ چلتے ہیں جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہیں، اور (اس) پانی میں جسے

السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

اللہ نے اتارا پھر اس سے زمین کو اس کے مُردہ ہونے کے بعد جلا اٹھایا

وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ

اور اس میں ہر طرح کے حیوانات پھیلا دیے، اور ہواؤں کے بدلنے میں،

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ

اور بادل میں (جو) آسمان اور زمین کے درمیان مقید ہے (ان سب میں) ان لوگوں کے لئے

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ

جو عقل رکھتے ہیں نشانیاں (موجود) ہیں، و۵۸۹ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اللہ کے علاوہ دوسروں کو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ

بھی شریک بنائے ہوئے ہیں و۵۹۰ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ سے (رکھنا چاہیے) و۵۹۱

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ

اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت سب سے قوی رکھتے ہیں و۵۹۲ اور کاش ظالم جب عذاب کو

ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ

دیکھ لیتے و۵۹۳ تو سمجھ لیتے کہ قوت اللہ ہی کی ہے ساری کی ساری و۵۹۴،

وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ

اور یہ کہ اللہ کا عذاب بہت ہی سخت ہے و۵۹۵ (اس وقت کا خیال کرو) جب

اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ

مقتدا (یا متبوع) اپنے مقتدیوں (یا پیروؤں) سے الگ ہو جائیں گے و۵۹۶ اور ان کے

ہے؟ آفتاب سے اِسے ایک خاص مقدار میں روشنی اور گرمی کون پہنچا رہا ہے؟ چاند سے روشنی اور خنکی ایک متعین حساب کے ساتھ کس کا دستِ قدرت اس تک لا رہا ہے؟ آسمان اگر ٹھوس، مادّی اجسام ہیں تو، یا اگر خلا میں محض حدِ نظر ہیں تو بھی ہر صورت میں اُن کی وضع، ساخت، ترکیب ہیئت، انسانی دسترس سے کتنی بالاتر ہے! گنتی شمار سے باہر ثوابت وسیار کے سکون وحرکت کا انتظام کون قائم کیے ہوئے ہے؟ ستاروں کی یہ روشنی، اور ان کے طلوع وغروب میں یہ باقاعدگی کس کے حکم سے قائم ہے؟ نظامِ فلکی کے بے شمار اجزاء وعناصر میں یہ ترتیب اور باہمی تناسب کس کی حکمت وصنعت کے دم سے زندہ ہے؟ رات اور دن کس طرح ایک برتر قانون کے اندر جکڑے نظر آرہے ہیں؟ گرمی اور سردی اور برسات، ہر موسم میں اُن کے اندر مناسب وقت تبدیلیاں کون کرتا رہتا ہے؟ مختلف ملکوں میں اُن کے طلوع وظہور کے وقت کیسے بندھے ہوئے ہیں؟ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ جس وقت کلکتہ میں دن نکلتا ہے، دمشق میں بھی دن نکل آئے۔ نہ یہ ہوتا ہے کہ امریکہ کی شام کبھی ایران کی شام بن جائے، جنوری میں جو اوقات اندھیرا چھا جانے کے ہوتے ہیں، یہ نہیں ہوتا کہ جون میں وہی باقی رہ جائیں۔ آخر یہ رات دن کے بندھے ہوئے اور قانون کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تغیرات کس کی حکومت قاہرہ اور حکمت کاملہ کی شہادت دے رہے ہیں؟ بحرِ ذخار، سارے براعظموں کو اپنی گرفت میں لیے رہنے والا، رقبہ میں خشکی سے چہار چند، اپنی اس ساری عظمت وہیبت کے باوجود، کس طرح مشت خاک انسان کے قبضہ میں آگیا ہے! کس طرح لکڑی کے تختوں کو جوڑ جاڑ کر، اُن میں لوہے کی کیلیں ٹھونک ٹھانک کر، اُن پر لوہے کی چادریں چڑھا کر انسان سمندر کے بڑے سے بڑے مہیب فاصلوں اور مسافتوں کو طے کرکے رکھ دیتا ہے! اُس میں مد وجزر جب ہوگا، قمری مہینہ کی فلاں فلاں ہی تاریخوں پر ہوگا، اپنی ساری غضبناک تندی کے باوجود ایک خاص رقبہ کے حدود سے آگے نہ بڑھ سکے گا، ایک مخصوص ومتعین ہی وزن کی چیزوں کو وہ اپنے اُوپر تیرائے گا، اور اس کے علاوہ وزن والیوں کو ڈبو دے گا۔ اس کے پانی کا ایک مخصوص مزاج، خاص رنگ، خاص مزہ ہوگا، کنوؤں کے پانی سے مختلف، دریاؤں کے پانی سے مختلف، اس طرح کے سیکڑوں دوسرے قانونوں کا پابند اسے کس کی مشیت، کس کی قدرت، کس کی حکومت نے رکھا ہے؟ بارش کا خاص خاص فصلوں میں، خاص خاص موسموں میں یہ خاص خاص فضائی تغیرات کے ماتحت ہونا بخارات کا ایک خاص گرمی پا کر سمندری ذخیرۂ آب سے اُٹھنا، ایک خاص فاصلہ تک اُوپر جانا، ایک خاص درجہ کی سردی پا کر اُن دُخانی وہوائی اجزاء کا منجمد ہوجانا، اُن کا بادل کی شکل اختیار کرلینا۔ ایک خاص درجہ ثقل تک بڑے بڑے بھاری اور بوجھل بادلوں کا فضا میں سنبھلے رہنا، پھر فلاں فلاں فضائی تغیرات کے ماتحت فلاں علاقہ تک جانا، پھر ایک بندھی ہوئی مقدار میں، ایک متعین مدت کے اندر برس پڑنا، اس سے ازسرِ نو خشک زمین میں جان پڑ جانا، یہ سارے ردّ وبدل کسی حکیم کی حکمت، کسی آمر کی حکومت، کسی قادر کی قدرت کی کیسی کھلی ہوئی شہادت دے رہے ہیں! پھر حیات نباتی کے علاوہ خود حیات حیوانی جن عجائب کا مجموعہ ہے۔ ہر زندہ جسم میں بے شمار ذرّوں اور خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ان کی جو ایک مخصوص ترتیب، اور متعین ترکیب ہوتی ہے۔ ایک خاص درجہ کی حرارت جو حیات کو قائم رکھتی ہے، ایک خاص مقدار سے بڑھی ہوئی سردی جو اس لف میں نشر، اس اجتماع میں انتشار پیدا کر دیتی ہے، نظامِ تغذیہ، نظامِ تنفس، نظامِ تناسل، نظامِ عصبی وغیرہ جسم کے اندر کے متعدد نظامات، پھر ہر نظام کے ماتحت بیشمار قاعدے اور ضابطے، اس سارے نظامِ اعظم کی تکوین وقیام پر کس کی قدرت، کس کی مشیت، کس کی حکومت کارفرما ہے؟ اس قسم کے سیکڑوں ہزاروں سوالات پر انسان جتنا زیادہ غور اور نکتہ نجی سے کام لے گا، توحید اور توحیدی حکمتوں کا نقش دل پر اور زیادہ ہوتا جائے گا۔ جاہلی اور غیر مومن قوموں کے فلسفہ اور سائنس کا صرف نقطۂ نظر غلط ہوتا ہے، اُس کی اگر تصحیح ہوجائے اور ان علوم مادّی کا مطالعہ اگر ایمانی نقطۂ نظر سے شروع کردیا جائے، تو بجائے الحاد، ارتیاب وتشکک کے عرفان وایقان ہی کی راہیں روز بروز روشن تر ہوتی جائیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، کہ آیت میں مصنوعات سے صانع پر استدلال ہے، اور یہی اصل ہے مراقبہ صوفیہ کی **ف۵۹۰** اَنۡدَادًا۔ نِدّ کے لفظی معنی کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۶۸ پارہ ا۔ اَنۡدَادًا سے مراد عموماً مورتیوں، بتوں، دیوتاؤں سے لی گئی ہے۔ المراد الاوثان والاصنام التی کانوا یعبدونها (قرطبی) المراد بها الاصنام کما هو الشایع فی القرآن والمروی عن قتادة و مجاهد و اکثر المفسرین (روح) روٴسا، سردار، اور مقتدایانِ قوم بھی مراد لیے گئے ہیں۔ قیل الروٴساء الذی یطیعونهم طاعة الارباب من الرجال (روح) انها السادة الذین کانوا یطیعونهم (کبیر۔ عن السدی) تیسرا قول یہ ہے کہ مفہوم ان سب سے وسیع تر ہے اور لفظ کا عموم ہر ایسی چیز کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا قلب پر مسلط ہوجائے،

اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو صوفیہ اور عارفین کی جانب منسوب کیا ہے۔ القول الثالث قول الصوفیة والعارفین و هو ان کل شیٔ شغلت قلبک سوی الله تعالیٰ فقد جعله فی تلک ندًا لله تعالیٰ (کبیر) قیل المراد اعمّ منها و هو ما یشغل عن الله تعالیٰ (روح) **ف۵۹۱** چنانچہ مشاہدہ ہے کہ آج بھی مسیحیوں کو محبت اور تعلق خاطر خدا سے کہیں زیادہ "خدا کے بیٹے" اور "پھر روح القدس" اور "مقدس کنواری" سے ہے۔ اور ہندوؤں کی محبت اور تعلق خاطر اپنے ایشور اور پرماتما سے کہیں زیادہ دُرگا مائی، لکشمی مائی، اگنی دیوتا وغیرہ دیویوں دیوتاؤں کے ساتھ، اور رشیوں، منیوں، سادھوؤں کے ساتھ ہے۔ کَحُبِّ اللّٰہِ۔ اس فقرہ نے اسے بالکل صاف کردیا کہ غیر اللہ سے نفس محبت ممنوع نہیں۔ بلکہ ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹے، بیٹی، عزیزوں، دوستوں، رفیقوں سے تو محبت درجہ طبعی میں رکھ ہی دی گئی ہے۔ ائمہ شریعت وطریقت سے بھی محبت رکھنا مستحب، بلکہ کسی حد تک تو واجب بھی ہے۔ البتہ جو محبت حرام ہے، وہ محبوب کو درجہ ربوبیت پر جا پہنچانے والی محبت ہے---- "یاعلی" "یاحسین" "یاخواجہ" "یاغوث" "یاوارث" کے نعرے لگانے والے ذرا اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں کہ محبت کا کتنا حصہ اللہ کے لیے باقی رہ گیا، اور کتنا دوسروں کی نذر ہوچکا ہے **ف۵۹۲** یعنی مومن کی محبت عقلی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کی تمام دُوسری محبتوں پر غالب وحاکم رہتی ہے۔ آیت نے ضمناً اس مسئلہ کو بھی واضح کردیا کہ مومن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اصلاً اُنس ومحبت ہی کا ہوتا ہے ---- کاش اس آیت کو وہ مسیحی مشنری آنکھ کھول کر پڑھیں جن کے نزدیک اسلام کا خدا ایک دہشت ناک قسم کا معبود ہے! **ف۵۹۳** (دیکھ لیتے) یرٰی یہاں یعلم کے معنی میں ہے۔ و یرٰی بمعنٰی یعلم (قرطبی) لَوۡ کا جواب محذوف ہے۔ وجواب لو محذوف والمعنٰی لو علموا فی الدنیا شدة عذاب الله (جلالین) اَلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا۔ اپنے حق میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والے، یعنی مشرکین **ف۵۹۴** (اور کوئی شخص اس عذاب کے دُور کرنے پر قادر نہیں) "اور کیا خوب ہوتا اگر یہ ظالم مشرکین جب دُنیا میں کسی مصیبت کو دیکھتے تو اس کے وقوع میں غور کرکے یہ سمجھ لیا کرتے کہ سب قوت حق تعالیٰ ہی کو ہے، اور دوسرے سب اُس کے سامنے عاجز ہیں۔ اور اسی مصیبت کی شدت میں غور کرکے یہ سمجھ لیا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آخرت میں کہ دار الجزاء ہے اور بھی سخت ہوگا تو اس طرح غور کرنے سے تراشے ہوئے معبودین کا عجز اور حق تعالیٰ کی قدرت وعظمت منکشف ہو کر توحید وایمان اختیار کرلیتے"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) **ف۵۹۵** (آخرت میں) اس شدتِ عذاب کا پورا ظہور عالم آخرت ہی میں ہوگا **ف۵۹۶** (قیامت میں) یہاں اُس منظر کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جب قیامت میں مشرکین کے خواص، علماء وامراء اپنے عوام اور اپنے مقلدین اور رعایا سے علیحدگی کا اعلان کردیں گے، اور انہیں بے یار ومددگار چھوڑ دیں گے **ف۵۹۷** اہل باطل کے جتنے بھی باہمی تعلقات اور رابطے ہیں، اُستادی شاگردی کے، ہم نسبی وقرابت کے، ہم وطنی اور دوستی کے، یہ سب اسی دُنیا تک محدود ہیں۔ آخرت میں جو حقائق کے مشاہدہ ومعائنہ کا وقت ہوگا، سب ایک دُوسرے سے بے تعلق بلکہ آپس میں مخالف نظر آئیں گے۔ یہ قرآن ہی کی نص ہے۔ الاخلاء یومئذ بعضهم لبعض عدوا لا المتقین۔ بِهِمْ میں ب۔ عَن کے معنی میں بھی لی گئی ہے۔ بهم ای عنهم (معالم) قیل بهم بمعنٰی عنهم (عکبری) اور ب سببیہ بھی مانی گئی ہے۔ یعنی یہ قطع تعلق بہ سبب کفر کے ہوگا۔ الباء هنا للسببیة والتقدیر و تقطعت بسبب کفرهم (عکبری) الباء للسببیة ای تقطعت بسبب کفرهم الاسباب التی کانوا یرجون منها النجاة (روح) **ف۵۹۸** (غم وغصہ اور جذبات انتقام کے ساتھ) **ف۵۹۹** (دنیا میں) کافروں کی زبان سے آخرت میں، دُنیا میں ایک بار پھر جانے کی تمنا وحسرت کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے **ف۶۰۰** یعنی یہ حسرت بھی پوری نہ ہوگی، اور یہ خلش کانٹا بن کر ہمیشہ کھٹکتی ہی رہے گی **ف۶۰۱** سزائے دوزخ کے دوام وخلود پر یہ ایک نص صریح ہے۔ بِخٰرِجِیۡنَ میں ب خبر کی تاکید اور تائید کا کام دے رہی ہے۔ اُردو ترجمہ کبھی بھی کیا جاسکتا ہے۔ دلیل علی خلود الکفار فیها وانهم لا یخرجون منها (قرطبی) بل هم فیها دائمون (مدارک) افادة للمبالغة فی الخلود و الاقناط عن الخلاص و زیادة الباء لتاکید النفی (روح) **ف۶۰۲** یعنی کھا سکتے ہو۔ بالکل جائز ہے کہ کھاؤ پیو۔ کھانے کی اجازت مل رہی ہے نہ کہ حکم۔ مراد یہ نہیں کہ لازمی طور پر کھاؤ۔ خطاب عام نسل انسانی سے ہے۔ دین حنیف ابراہیمی کو چھوڑ کر یہود، نصارٰی، مشرکین، سب ہی کھانے پینے کے باب میں طرح طرح کی غلط روی اور کج راہی میں مبتلا ہوگئے تھے۔ اور خلط کرکے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کے حکم میں رکھ رہے تھے۔ مِمَّا فِی الۡاَرۡضِ میں مِن تبعیضیہ ہے۔ من للتبعیض

اذلا یو کل کل ما فی الارض (بیضاوی) حلٰلًا۔ جو غذائیں بجائے خود جائز ہیں، اور حرام نہیں کی گئی ہیں۔ فالحلال ما احله الشرع (معالم) المراد منه ما یکون جنسهٗ حلالًا (کبیر) طَيِّبًا۔ یعنی جو غذائیں حاصل بھی جائز ذرائع سے ہوئی ہوں۔ اور جن میں غیر کا حق نہ ہو۔ مثلاً بیع فاسد نہ ہو، اجرت فاسد نہ ہو، وغیرہا۔ المراد منه ان لایکون متعلقًا به حق الغیر (کبیر) الطیب الطاهر (معالم) ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ دُعا فرمائیں کہ اللہ مجھے مستجاب الدعوات بنادے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ لقمۂ حلال کا التزام کرلو، خود بخود مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے --- یہ ہے اسلام میں اکلِ حلال کی اہمیت! و۶۰۳ (اللہ کی جائز کی ہوئی چیزوں کو حرام، اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال ٹھیرا کر) حکم تو عام ہے ہر شیطانی روش کے لیے۔ لیکن یہاں خصوصیت کے ساتھ تعلق، حرام وحلال غذاؤں سے ہے۔ والصحیح ان اللفظ عام فی کل ماعد السنن والشرائع من البدع والمعاصی (قرطبی) و۶۰۴ (اور اسی دشمنی کے تقاضہ سے انسان کو الٹی صلاحیں اور قانون الٰہی توڑنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے اس سے کسی نفع کی، خیر خواہی کی توقع ہی نہ رکھو و۶۰۵ اِنَّمَا کلمہ حصر کا ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ شیطان سے ہمیشہ شیطنت ہی کا ظہور ہوگا۔ کسی نیکی کے صدور کا اس سے امکان ہی نہیں۔ دلت الاٰیة علی ان الشیطان لایامر الا بالقبائح لانه تعالٰی ذکره بکلمة انما و هی للحصر (الکبیر) سوء وفحشاء دو لفظ

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ

باہمی تعلقات ٹوٹ کر رہ جائیں گے و۵۹۷ اور پیرو کہنے لگیں گے، و۵۹۸

اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا

کاش ہم کو پھر ایک دفعہ (جانا) مل جاتا و۵۹۹ تو ہم بھی ان سے الگ ہو جائیں، جیسے یہ ہم سے

مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ

الگ ہو گئے، بس اسی طرح اللہ ان کے اعمال کو انہیں (خالی) ارمان (کر کے)

عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ يٰۤاَيُّهَا

دکھائے گا، و۶۰۰ اور وہ دوزخ سے کبھی بھی نہ نکل پائیں گے و۶۰۱ اے

النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا

انسانو! زمین پر جو کچھ حلال اور پاکیزہ موجود ہے اس میں سے کھاؤ (پیو) و۶۰۲ اور

تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ

شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو و۶۰۳ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن

مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ

ہے و۶۰۴ وہ تو تمہیں بس برائی اور گندگی ہی کا حکم دیتا ہے و۶۰۵ اور اس کا کہ تم

تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ

اللہ پر ایسی باتیں گڑھ لو جس کا تم علم نہیں رکھتے ہو و۶۰۶ اور جب ان سے کہا

لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ

جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے اتارا ہے اس کی پیروی کرو و۶۰۷ تو کہتے ہیں کہ نہیں، ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس

اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا

پر ہم نے اپنے باپ (دادوں) کو پایا ہے، و۶۰۸ خواہ ان کے باپ (دادا) نہ ذرا

ع ۲۰

متقارب المعنٰی ہیں، لیکن متحد المعنٰی نہیں۔ سوء تو وہ چیز ہے جو عقلاً بھی ناپسندیدہ ہو، اور فحشاء وہ ہے جسے شریعت نے برا ٹھیرایا ہے۔ السوء والفحشاء ما انکره العقل واستقبحه الشرع والعطف لاختلاف الوصفین (بیضاوی) یہ فرق بھی کیا گیا ہے کہ سوء میں کوئی حد شرعی مقرر نہیں اور فحشاء میں حد شرعی معین ہوتی ہے۔ اور یہ معنی ابن عباس سے منسوب ہیں۔ السوء مالاحدّ فیه والفحشاء ما فیه حدّ حکی عن ابن عباس وغیره (قرطبی) و۶۰۶ یعنی اپنی طرف سے نکالی ہوئی چیزوں کو احکام خداوندی کی طرح سمجھنے لگو۔ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ۔ قول کا صلہ جب علی کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کے خلاف گڑھ لینا، کسی پر بہتان لگانا۔ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ علم سے یہاں مراد علم یقینی یا علم ثابت بالوحی ہے۔ پس اس وعید کے تحت میں صرف کفر ہی کے نہیں، بلکہ بدعت کے اقوال بھی داخل ہو جاتے ہیں۔ فیدخل فی هذا کل کافر و کل مبدع ایضاً (ابن کثیر) ویدخل فیه کل مایضاف الی الله تعالٰی ممالا یجوز علیه (مدارک) و۶۰۷ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ نے جو کچھ اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے اُتارا ہے۔ مُراد یہ کہ جب ان سے عالمگیر شریعت الٰہی کی ماتحتی میں آنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ و۶۰۸ گویا طریق آبائی میں خطا و غلطی کا امکان ہی اُن کے نزدیک نہیں۔ اور یہی جمود عین جہالت و ضلالت ہے۔ آج مشرک قوموں اور مبتدع فرقوں کا بھی یہی حال ہے۔ جب انہیں اتباع حق کی دعوت دی جاتی ہے، تو وہ جواب میں اپنے آباؤ اجداد کے رسوم کو پیش کر دیتے ہیں۔ و۶۰۹ یعنی نہ فہم دین اور اس کے حقائق ومعارف کی رکھتے ہوں، اور نہ ہدایت کسی کتاب آسمانی کے ماتحت رکھتے ہوں۔ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا۔ المراد انهم لا یعلمون شیئًا من الدین (کبیر) لَا يَهْتَدُوْنَ۔ ای لایهتدون الی الحق (روح) بعض کج رائے فرقوں نے آیت سے تقلید فقہی کا عدم جواز ثابت کرنا چاہا ہے۔ حالانکہ قاعدۂ اقتضاء النص اس کا مقتضی ہے کہ آیت سے تقلید کے عدم جواز پر نہیں، عین جواز پر استدلال کیا جائے۔ آیت میں جس امر کی مذمت وارد ہوئی ہے وہ نفس تقلید نہیں، بلکہ گمراہ و نادان اسلاف کی تقلید ہے۔ اور یہ قید خود اس امر کی دلیل ہے کہ محققین اہل علم کی تقلید جائز ہی نہیں بلکہ عین مطلوب ہے! کسی مریض سے اگر یہ کہا جائے، کہ تم نے بھی کیا حماقت کی کہ ایک اناڑی اور اَن پڑھ کا علاج شروع کر دیا، تو ظاہر ہے کہ اس فقرہ سے مذمت نفس علاج کی ہرگز نہیں نکلی، بلکہ اناڑی اور اَن پڑھ سے علاج کی نکلی، اور نفس علاج کی مقصودیت یا مطلوبیت ہی ظاہر ہوئی! و۶۱۰ (بے حسی اور ناسمجھی میں) ذکر داعیٔ حق کی دعوت حق کا ہو رہا ہے۔ ایک تشبیہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی اُمت دعوت، کے رویہ سے متعلق پیش کی جا رہی ہے۔ مضاف "داعی" محذوف ہے۔ علی حذف مضاف تقدیره مثل داعی الذین کفروا (بیضاوی) ای مثل داعیهم الی الایمان (کشاف) فیها مضاف محذوف اِما من جانب المشبه او المشبه به (روح) و۶۱۱ یعنی اُس جانور کی طرح جس کے کان میں پکارنے والے کی آواز اور الفاظ تو آ رہے ہیں باقی وہ معنی ومفہوم کچھ نہیں سمجھتا، بس وہی معاملہ یہ منکرین دعوت حق کے ساتھ کر رہے ہیں۔ داعی کے الفاظ تو سن لیتے ہیں، لیکن اُس کے معنی ومفہوم پر غور ہی نہیں کرتے۔ مثل الدابة تنادی فتسمع ولا تعقل ما یقال لها کذلک الکافر یسمع الصوت ولا یعقل (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) صُمٌّ۔ یعنی بہرے ہیں، آوازِ حق کی طرف سے۔ صُمٌّ عن الحق فلا یسمعونهٗ ولا ینتفعون به (ابن جریر۔ عن قتادة) بُكْمٌ۔ یعنی اقرار حق کے لیے اُن کی زبان گونگی ہے۔ بُكْمٌ عن الحق فلا ینطقون به (ابن جریر۔ عن قتادة) عُمْيٌ۔ یعنی اندھے ہیں خود اپنے نفع و نقصان کے باب میں۔ عمی عن الهدٰی فلا یبصرونه (ابن جریر۔ عن قتادة) اس سے ملتا جلتا ایک فقرہ توریت میں بھی موجود ہے:۔ "وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے کہ اُن کی آنکھیں لیپی گئیں، سو وہ دیکھتے نہیں، اور اُن کے دل بھی، سو وہ سمجھتے نہیں۔" (یسعیاہ۔ ۴۴: ۱۸) و۶۱۲ یعنی کھا پی سکتے ہو، کھانے پینے کی اجازت ہے۔ صیغۂ امر یہاں بمعنی اجازت ہے، بہ معنی حکم نہیں۔ کلوا فی هذا الموضع لا یفید الایجاب ولا الندب بل الاباحة (کبیر) كُلُوْا۔ یہاں لفظی معنی میں صرف کھانے تک محدود نہیں، بلکہ ہر قسم کا جائز انتفاع اس میں آ گیا۔ المراد بالاکل الانتفاع من جمیع الوجوه

(قرطبی) و کلوا العموم جمیع وجوہ الانتفاع دلالۃً و عبارۃً (روح) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ خطاب ابتک عامۃ الناس سے تھا۔ حلال وحرام کے باب میں مشرکین کی غلطی کے اظہار کے لیے اب خطاب صرف مومنین سے ہے۔ اُن سے ارشاد ہو رہا ہے کہ حلال وحرام کے باب میں منکرین کی پیروی نہ کریں۔ طَيِّبٰتِ۔ یعنی وہ چیزیں جنہیں شریعت خداوندی نے پاکیزہ قرار دیا ہے۔ ف۶۱۳ (زبان سے بھی اور عمل سے بھی) اُشْكُرُوْا۔ شکر اس امر کا ہے کہ اُس نے یہ رزق عطا کیا، اور رزق بھی حلال وطیب۔ یہاں صیغۂ امر وجوب کے لیے ہے نہ کہ صرف اجازت کے لیے۔ اشکروا للہ امرًا ولیس باباحۃ (کبیر) ف۶۱۴ یعنی اگر اپنے دعوٰی ایمان واخلاص میں سچے ہو تو اللہ کے حکم پر عمل کرو اور اُس کے مقرر کیے ہوئے حق ادا کرتے رہو۔ ف۶۱۵ یعنی حیوانات کے سلسلہ میں تو شریعت الٰہی کی حرام کی ہوئی بس یہ چیزیں ہیں، نہ وہ چیزیں جو تم نے اپنی تجویز سے گڑھ رکھی ہیں۔ یہاں تردید تمام تر مشرکوں کے خود تراشیدہ محرمات کی ہو رہی ہے۔ باقی جو چیزیں حدیث صحیح کی بنا پر، یا کسی اور دلیل شرعی سے حرام ہیں، اُن سے آیت کو کوئی بحث نہیں۔ لیس المراد من الآیۃ قصر الحرمۃ علی ما ذکر مطلقًا بل مقید بما اعتقدوہ حلالًا (روح) الْمَيْتَةَ۔ میتہ یا مُردار وہ جانور ہے جو بغیر کسی کے ہلاک کیے از خود مر جائے، یا ہلاک تو کیا جائے لیکن ذبح شرعی کے مطابق نہ ہو۔ ھو غیر المزکی امّا لانہ لم یذبح اوانہ ذبح و لکن لم یکن ذبحہ ذکاۃ (کبیر) وھی کل ما فارقہ الروح من غیر ذکاۃ مما یذبح (مدارک) زندہ جانور کے اگر گوشت کا کچھ حصہ کاٹ لیا جائے۔ تو وہ بھی مُردار ہی کے حکم میں داخل ہوگا۔ حنفیہ کے ہاں مُردار سے کسی قسم کا بھی نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ یہاں تک کہ مُردار گوشت کتوں اور شکاری پرندوں کو کھلانا بھی درست نہیں کہ یہ بھی تو اُس سے نفع اُٹھانا ہی ہوا۔ درآنحالیکہ قرآن میں مُردار کی حرمت مطلق صورت میں ہے۔ قال اصحابنا لا یجوز الانتفاع بالمیتۃ علٰی وجہ ولا یطعمھا الکلاب والجوارح لان ذٰلک ضرب من الانتفاع بھا و قد حرم اللہ المیتۃ تحریمًا مطلقًا معلقًا بعینھا (جصاص) لیکن عمل دباغت کے بعد، مُردار کی ہڈی، کھال وغیرہ پاک ہو جاتی ہے اور مُردار کے حکم میں رہتی ہی نہیں۔ یہ مسئلہ احادیث وآثار سے ثابت ہے، اور حنفیہ اور بعض دُوسرے ائمہ فقہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ قال ابوحنیفۃ واصحابہ والحسن بن صالح و سفیان الثوری و عبداللہ بن الحسن العنبری والاوزاعی والشافعی یجوز بیعہ بعد الدباغ والانتفاع بہ (جصاص) والحجۃ لمن طھرھا وجعلھا زکاۃ ماورد عن النبی ﷺ من الأثار المتواترۃ من الوجوہ المختلفۃ بالفاظ مختلفۃ کلھا یوجب طھارتھا والحکم برکاتھا (جصاص) اور احادیث اس قسم کی وارد ہوئی ہیں:۔ ایما اھاب دبغ فقد طھر (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) دباغ جلود المیتۃ طھورھا (عن زید بن ثابت) زکاۃ الادیم دباغتہٗ (عن سلمہ بن المحبق) دو جانور ایسے ہیں جو حدیث صحیح کی رُو سے بغیر ذبح بھی جائز ہیں، ایک مچھلی دُوسرے ٹڈی۔ وقد احلت المیتان بالحدیث السمک والجراد (مدارک) ھٰذہ الأیۃ فلھا التخصیص بقولہ علیہ السلام احلت لنا میتتا الحوت والجراد اخرجہ الدار قطنی (قرطبی) فقیہ مفسرین نے اسی سلسلہ میں اس مسئلہ کو بھی بیان کر دیا ہے کہ جن غذاؤں میں ذبیحہ کا سوال نہ پیدا ہو، وہ مجوس اور مشرکوں اور سب غیر کتابیوں کے ہاں کی بھی جائز ہیں۔ وقال ابو عمر و لا باس باکل طعام عبدۃ الاوثان والمجوس و سائر من لا کتاب لہ من الکفار مالم یکن من ذبائحھم (قرطبی) وَالدَّمَ۔ یعنی خون جاری یا سیال۔ المراد بالدم الجاری (معالم) یعنی السائل (مدارک) اور سورۂ انعام میں دم مسفوح کی قید خود موجود ہے اور فقہا کا متفقہ فیصلہ ہے کہ دم جو یہاں مطلق صورت میں ہے وہ اسی قید مسفوحیت کے ساتھ حرام ہے۔ وحمل العلماء ھٰھنا المطلق علی المقید اجماعًا (ابن العربی) اس پر فقہاء اُمت کا اجماع ہے کہ خون جاری حرام بھی ہے اور نجس بھی۔ نہ اس کا کھانا جائز ہے نہ اس سے اور کوئی نفع اُٹھانا جائز ہے۔ اتفق العلماء علی ان الدم حرامٌ نجسٌ لا یو کل ولا ینتفع بہ (ابن العربی) حدیث صحیح کی رُو سے دو منجمد خون حلال ہیں، ایک جگر، دوسرے تلی، اور ان کی حلت پر فقہائے اُمت کا اجماع ہے۔ احلّت لنادمان الکبد والطحال اخرجہ الدار قطنی (قرطبی) گو علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ جگر وطحال خون کی تعریف میں آتے ہی کب ہیں، وہ تو گوشت کی قسم کی چیزیں ہیں، نہ کہ خون کی قسم کی، اور اس تخصیص واستثناء کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ والصحیح انہ لم یخصص وان الکبد والطحال لحم یشھد بذٰلک العیان الذی لایعارضہ بیان ولا یفتقر الی برھان (ابن العربی) وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ۔ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ حرمت لحم خنزیر کی آئی ہے لیکن فقہاء اُمت کا اجماع ہے کہ سوٗر کا صرف گوشت ہی نہیں، بلکہ اس کی چربی، ہڈی، کھال، بال سب ہی حرام ہیں۔ اور لحم کی تصریح تو اس لیے ہے کہ گوشت ہی ہر جانور کے جسم کا اہم ترین حصہ ہوتا ہے اور جب گوشت کہہ دیا تو اس کے تحت وتابعیت میں جانور کے دُوسرے اجزاء بھی آ گئے۔ یعنی الخنزیر بجمیع اجزائہ و خص اللحم لانہ المقصود بالاکل (مدارک) اتفقت الامۃ علی ان الخنزیر حرام بجمیع اجزائہ (ابن العربی) بعض مبتدع فرقوں کے اس قول کے جواب میں کہ گوشت کی حرمت سے چربی کی حرمت کہاں لازم آتی ہے۔ فقیہ ابن العربی مالکی کہتے ہیں، کہ یہ اعتراض اہل عجم کی طرف سے ہوا ہے، جو یہی نہیں جانتے کہ لفظ لحم میں شحم شامل ہے، البتہ شحم میں لحم شامل نہیں جس طرح ہر حمد شکر ہے، لیکن ہر شکر حمد نہیں۔ وھم اعاجم لا یعلمون انہ من قال لحمًا فقد قال شحمًا ومن قال شحمًا فلم یقل لحمًا ان کل شحم لحم ولیس کل لحم شحم (ابن العربی) رہی اس کے جسم کی نجاست،

يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ

عقل بھی رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں، ف۶۰۹ اور جو لوگ کافر ہیں ان کا حال تو

كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا

اس شخص جیسا ہے ف۶۱۰ جو ایسے (جانور) کے پیچھے چلّا رہا ہے جو کچھ سنتا ہی نہیں بجز

دُعَآءً وَّ نِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

بلانے اور پکارنے کے (یہ) لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو (کچھ بھی) نہیں سمجھتے ف۶۱۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

اے ایمان والو، پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں، کھاؤ پیو ف۶۱۲

وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا

اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو ف۶۱۳ اگر تم خاص اسی کی بندگی کرنے والے ہو ف۶۱۴ اس نے تو

حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ

تم پر بس مُردار اور خون اور سوٗر کا گوشت، اور جو

وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ

(جانور) غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو، حرام کیا ہے، ف۶۱۵ لیکن (اس میں بھی) جو شخص مضطر ہو جائے ف۶۱۶ اور نہ بے حکمی

وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

کرنے والا ہو اور نہ حد سے نکل جانے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ف۶۱۷ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا رحمت والا ہے، ف۶۱۸

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ

بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں

وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ

اور اس کے معاوضہ میں قلیل قیمت حاصل کرتے ہیں ف۶۱۹ سو ایسے لوگ تو اپنے سینوں میں

تو جمہور فقہاءاس کے بھی قائل ہیں۔ قال الجمهور العلماء انه نجس (ابن العربی) البتہ امام مالک علیہ رحمۃ اللہ کا اصول چونکہ یہ ہے کہ زندگی خود دلیل طہارت ہے، اور ہر زندہ جانور پاک ہے، اس لیے وہ سوٗر کی نجاست کے بھی قائل نہیں۔ قال مالک انه طاهر و كذٰلك كل حيوان عنده لان علة الطهارة عنده هي الحياة (ابن العربی) سوٗر کا اور سارا جسم تو ناپاک ہوتا ہی ہے، البتہ اس کے بالوں سے نفع اُٹھانے کی گنجائش ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں اس کا جواز مذکور ہے۔ لاخلاف ان جملة الخنزير محرمة الا الشعر فانه يجوز الخرازة به و قدروى ان رجلاً رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الخرازة بشعر الخنزير فقال لا باس بذٰلك (قرطبی) امام ابوحنیفہ علیہ رحمۃ اللہ و محمد علیہ رحمۃ اللہ و اوزاعی علیہ رحمۃ اللہ سوٗر کے بالوں سے انتفاع کے جواز کے قائل ہیں، اور امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ عدم جواز کے، اور امام ابویوسف علیہ رحمۃ اللہ سے جواز و کراہت دونوں کی روایتیں منقول ہیں۔ وقد اختلف الفقهاء في جواز الانتفاع بشعر الخنزير فقال ابو حنيفة و محمد يجوز الانتفاع به للخرز وقال الشافعي لا يجوز الانتفاع بشعر الخنزير (جصاص) فقہی احکام اور شرعی حرمت سے قطع نظر، خنزیر ہے ہی ایسی نجس چیز کہ خود فطرت سلیم اسے گندہ سمجھتی ہے اور نظافت طبع کو اُس کی جانب رغبت کرنے سے کراہت آتی ہے۔ یہاں تک کہ لفظ خنزیر بھی عربی فیلالوجی (لسانیات) کے بعض ماہروں کا خیال ہے کہ قذر الشئ ("وہ چیز گندی ہوگئی") سے بنا ہے۔ انگریزی زبان میں بھی جتنے نام اس جانور کے مثلاً Hog, Swine, Pig, یا اس جانور کے گوشت کے لیے ہیں مثلاً Ham, Pork, Bacon ہیں وہ بھی سب کے سب دلالت ثانوی گندگی و غلاظت پر کرتے ہیں۔ اور اس کے گوشت کے جو طبعی نقصانات ہیں، خصوصاً امراض غدودی میں یہ جس طرح معین ہوتا ہے، اُس پر تو آج کل کے ڈاکٹر بھی بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ سوٗر کی گندگی اور ناپاکی اتنی روشن و عیاں ہے کہ بعض پرانی قومیں مثلاً اہل مصر بھی اسے نجس سمجھتی رہی ہیں، بلکہ خود یہود کے ہاں بھی یہ حرام تھا۔ آج "مسیحی" قومیں جس ذوق و شوق سے یہ گندہ گوشت، تازہ اور خشک دونوں صورتوں میں کھایا کرتی ہیں، اور اُس کی چربی سے جو طرح طرح کے کام لیتی رہتی ہیں، بلکہ اس کی نسل کی پرورش کا انتظام جس بڑے پیمانہ پر جا بجا کئے ہوئے ہیں، اُسے دیکھ کر تو قیاس یہی ہوتا ہے کہ کراہت کیسی، عجب نہیں کہ کچھ فضائل اس جانور کے، مسیحیت میں وارد ہوئے ہوں! حالانکہ اس کی حرمت اور نجاست دونوں، صراحت کے ساتھ بائبل میں موجود ہیں:۔ "اور سوٗر کہ کھر اُس کا دو حصہ ہوتا ہے اور اس کا پاؤں چرا ہے، پر وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی تمہارے لیے ناپاک ہے" (احبار ۱۱:۷) "اور سوٗر بھی کہ اس کے کھر چرے ہوئے ہیں۔ یہ جگالی نہیں کرتا، اور یہی تمہارے لیے ناپاک ہے۔ تم اس کا گوشت نہ کھائیو نہ اُس کی لاش کو ہاتھ لگائیو۔" (استثناء۔ ۱۲:۸) وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ۔ اہلال کے اصلی معنی آواز بلند کرنے، پکار کر دینے، شہرت دے دینے کے ہیں۔ هو رفع الصوت عند رؤية الهلال ثم يستعمل لكل صوت (راغب) الاهلال رفع الصوت (قرطبی) مراد یہ ہے کہ جس جانور کو بہ طریق تعظیم و عبادت یا بہ قصد تقرب کسی مخلوق کے لیے نامزد کر دیا جائے، اور نیت کسی مخلوق کی نذر و نیاز یا بھینٹ کی کرلی جائے، وہ حرام ہو جاتا ہے، خواہ اس کے ذبح کے وقت بسم اللہ بھی کیوں نہ پڑھ لی جائے۔ شیخ سدو کے نام کے بکرے اور اسی قبیل کی تمام چیزیں اسی حکم کے تحت میں آجاتی ہیں۔ ولا خلاف بين المسلمين ان المرادبه الذبيحة اذا اُهلّ بها لغير الله عندالذبح (جصاص) "درحدیث صحیح وارد است کہ ملعون من ذبح لغير الله یعنی ہر کہ بہ ذبح جانور تقرب غیر خدا نماید ملعون است خواہ در وقت ذبح نام خدا گیر د زیرا کہ چوں شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلانے ست ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نہ کرد۔" (تفسیر فتح العزیز) جس جانور کو غیر اللہ کے نامزد اس نیت سے کیا ہو کہ وہ ہم سے خوش ہوں گے اور ہماری کارروائی کرائیں گے، جیسا کہ اکثر عام جاہلوں کی عادت ہوتی ہے، کہ اس نیت سے بکرا، مرغا وغیرہ مقرر کر دیتے ہیں، وہ حرام ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ذبح کے وقت اُس پر اللہ کا نام لیا ہو، البتہ اگر اس طرح نامزد کرنے کے بعد اس سے توبہ کر لے پھر حلال ہو جاتا ہے۔" (تھانوی)۔ بعض فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی حاکم یا سردار کے آنے پر بہ طور بھینٹ کے ذبح کرے گا، تو بھی وہ حرام ہو جائے گا۔ اگرچہ اُس پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو۔ ذبح لقدوم الامير و نحوه كواحد من العظماء يحرم لانه اهل به لغير الله ولو اصلية ذكر اسم الله تعالٰى (درمختار) بلکہ فقہاء نے تو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ کوئی مسلمان اگر جانور کو تقرب غیر اللہ کے قصد سے ذبح کرے گا، تو مرتد ہو جائے گا، اور اُس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ سمجھا جائے گا۔ قال العلماء لو ان مسلمًا ذبح ذبيحة و قصد بذبحها التقرب الى غير الله صار مرتدًا وذبيحته ذبيحة مرتد (کبیر) ۶۱۶ یعنی مجبور ہو کر حرام غذا کے استعمال پر۔ اے فمن اضطر الى شئ من هٰذه المحرمات اے احوج اليها (قرطبی) اِضْطُرَّ اضطرارًا۔ ضرورت سے مشتق ہے، اور اس کے باب افتعال سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شدید ضرورت کے وقت ان حرام غذاؤں کو بھی بہ قدرت کفایت کھایا جاسکتا ہے۔ شدید ضرورت کی صورتیں دو ہو سکتی ہیں:۔ (۱) یہ کہ بھوک کی شدت سے معلوم ہوتا ہو کہ دم نکلا جا رہا ہے۔ اور حلال غذا سرے سے دستیاب ہی نہیں ہو رہی ہے، یا افلاس کی بنا پر اس تک دسترس نہ ہو اور یا پھر کسی مرض کی بنا پر وہ حلال غذا ناقابل استعمال ہو۔ (۲) یہ کہ کوئی حاکم اُس حرام غذا کے استعمال پر مجبور کر رہا ہو۔ وهٰذه الضرورة لها سببان احدهما الجوع الشديد و الثانى اذا اكرهه على تناول مكره (کبیر) الاضطرار لايخلوان يكون باكراه من ظالم او بجوع فى مخمصة والذى عليه الجمهور من الفقهاء والعلماء فى معنى الأية هو من صيره العدم والغرث وهو الجوع الى ذٰلك (قرطبی) ۶۱۷ (ان حرام چیزوں کے کھالینے میں) بلکہ اکثر تو ایسے موقع پر نہ کھانا گناہ ہے۔ بل ربما يا ثم بترك التناول (روح) اس لیے کہ حفظ نفس تو اوّلین فرائض میں سے ہے، اور ایسے موقع پر غذا نہ کھانا خودکشی کے مترادف ہے، جو حرام خوری سے شدید تر ہے۔ ولاخلاف انه لايجوزله قتل نفسه بالامساك عن الاكل وانه مامور بالاكل على وجه الوجوب (قرطبی) لوترك الاكل تلف نفسه وتلك اكبر المعاصى (قرطبی) وقال الطبرى ليس الاكل عندالضرورة رخصة بل ذٰلك عزيمة واجبة ولوامتنع من الاكل كان عاصيا (بحر) وقال مسروق بلغنى انه من اضطر الى الميتة فلم ياكل حتٰى مات دخل النار كانه اشار الٰى انه قاتل نفسه بتركه ما اباح الله له (بحر) غَیْرَ بَاغٍ۔ یعنی اس کی نیت اور ارادہ نافرمانی اور قانون شکنی کا نہ ہو۔ اور وہ محض طالب لذت نہ ہو۔ ضرورتِ واقعی ہو، یہ ہرگز نہ ہو کہ کسی شخص کے دل میں قانون الٰہی کا احترام ہی ہلکا ہو یا وہ حرام چیزوں سے لذت ہی حاصل کرنا چاہتا ہو۔ بَاغٍ کے معنی دو ہو سکتے ہیں۔ ایک، دُوسرے پر ظلم کرنے والا، دوسرے طالب لذت۔ وَّلَا عَادٍ۔ اور نہ حدود شرعی سے تجاوز کرنے والا۔ یعنی مقدار میں بھی بس محض بہ قدر ضرورت کھائے، یہ نہ ہو کہ خوب سیر ہو کر کھانے لگے۔ قال الشافعى و ابو حنيفة و اصحابه لا ياكل المضطر من الميتة الا قدر ما يمسك رمقه (کبیر) ۶۱۸ غَفُوْرٌ۔ ایسا مغفرت والا کہ بعض حالات میں جرائم پر بھی مواخذہ نہیں کرتا بلکہ انہیں جرائم باقی بھی نہیں رہنے دیتا۔ رَّحِیْمٌ۔ ایسا شفقت والا کہ تنگی کے موقعوں پر آسانی بہم پہنچا دیتا ہے ۶۱۹ یہود کی جانب اشارہ ہے جو اپنے ہاں کی اصل آسمانی تعلیمات کو چھپاتے تھے، اور اس اخفا و کتمان سے ان کا مقصود کچھ نفع دنیوی حاصل کرنا ہوتا تھا۔ ثَمَنًا قَلِیْلًا سے یہ مراد نہیں کہ زیادہ قیمت اور بڑے معاوضہ پر دین فروشی جائز ہے۔ مراد اس سے محض دنیوی معاوضہ ہے۔ اور دنیوی معاوضہ نفع آخرت کے مقابلہ میں ہمیشہ قلیل ہی ہوگا ۶۲۰ یہود کا جرم اخفائے حق اور کتمان وحی آسمانی ان کی معصیت اکل حرام سے کہیں بڑھا ہوا تھا۔ اس لیے اس جرم کی سزا بھی اس سے سخت تر مذکور ہوئی ۶۲۱ (بہ طریق لطف و ملاطفت) جو خطاب بہ طریق عتاب ہوگا، وہ ظاہر ہے کہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ قیامت کے دن اللہ کی اپنے بندوں سے گفتگو ان کی انتہائی خوش قسمتی ہوگی۔ اور اس سے محرومی ان کی انتہائی بدنصیبی ۶۲۲ (گناہوں سے) برزخ کے بعد حشر میں بھی جو لوگ اپنے ایمان اور دوسری نیکیوں کی بنا پر اپنے کو گناہوں سے دُھلا دھلایا اور اپنے کو گرفت سے پاک پائیں گے، وہ بھی گویا بڑے سستے چھوٹ جائیں گے۔ بڑی اور اصلی مصیبت اُن کی ہے، جن میں قیامت کے دن بھی کوئی شائبہ ایمان نہ پایا جائے گا ۶۲۳ (کہ اس کے لیے تیار ہو گئے، اور یہاں دُنیا میں ایمان و طاعت پر آمادہ نہ ہوئے!) فَمَآ۔ کلمۂ تعجب ہے، کہ اپنی ان حرکتوں کے ہولناک ثمرے اور دہشت ناک نتیجے معلوم ہیں، اور اس پر بھی یہ شوخ چشمی! مذهب الجمهور منهم الحسن و مجاهدان ما معناه التعجب (قرطبی) اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی۔ اس کا تعلق اسی دنیا سے ہے۔ یعنی ہدایت کے بدلے گمراہی کو لے لیا اسی دُنیا میں۔ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ۔ اس کا تعلق عالم آخرت سے ہے۔ یعنی لازمی نتیجہ عدم ایمان کا یہ ہوگا کہ آخرت میں مغفرت کے بجائے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا ۶۲۴ (اور نا ہنجار بندوں نے اُس میں خواہ مخواہ خلط و تلبیس کر دیا) الْکِتٰبَ، یہاں بہ طور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔ مراد ہیں تمام کتب آسمانی۔ بِالْحَقِّ۔ یعنی بالکل صحیح یا دلائل و شواہد کے ساتھ۔ اے بالصدق وقيل بالحجة (قرطبی) ذٰلِكَ، یہ اشارہ عذاب کی طرف ہے، اے ذٰلك العذاب (بیضاوی)

فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ

بس آگ ہی (آگ) بھرتے ہیں و۶۲۰ اور اللہ قیامت کے دن ان سے

الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾

نہ کلام کرے گا و۶۲۱ اور نہ انہیں پاک کرے گا و۶۲۲ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو خرید لیا ہے ہدایت کے بدلہ میں،

وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾

اور عذاب کو نجات کے بدلہ میں، اور یہ لوگ کیسی جیوٹ رکھتے ہیں دوزخ کے لئے و۶۲۳

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور یہ (سزا) اس لئے ہوگی کہ اللہ نے تو کتاب کو (بالکل) ٹھیک ٹھیک اتارا تھا و۶۲۴ اور بے شک جو لوگ

اخْتَلَفُوْا فِی الْكِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ لَيْسَ

کتاب کے بارے میں اختلاف ڈال رہے ہیں، وہ (بڑے) دور دراز کے خلاف میں پڑے ہوئے ہیں و۶۲۵

ع ۵ / ۲۱

الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

طاعت یہ نہیں ہے و۶۲۶ کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لیا کرو و۶۲۷

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

بلکہ طاعت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ اور قیامت کے دن

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ

اور فرشتوں اور کتاب اور پیمبروں پر ایمان لائے و۶۲۸ اور اس کی محبت میں

عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ

مال صرف کرے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں

و۶۲۵ (اور اس کے نتائج بھگت کر رہیں گے) اِخْتَلَفُوْا فِی الْكِتٰبِ۔ یعنی خواہ مخواہ اور اپنے اغراض کے لیے اپنی کتاب آسمانی میں جھگڑے نکال کھڑے کیے۔ ورنہ تعلیماتِ الٰہی میں کمال وضوح کی بنا پر اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ فِیْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ۔ یعنی بھٹک کر حق وصداقت سے بہت ہی دُور جا پڑے ہیں۔ یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ یہ غفلت اُن میں اس سے پیدا ہوگئی ہے کہ اللہ کے سچے کلام میں انہوں نے ازراہِ نفسانیت خواہ مخواہ اختلاف کیا اور اس لیے اور زیادہ بھٹک گئے و۶۲۶ (جیسا کہ گمراہ و مشرک قومیں سمجھ رہی ہیں) قرآن مجید کے متعدد مقامات کی طرح یہ آیت بھی اصلاً گمراہ و مشرک قوموں کے رد میں ہے اور اس کا مفہوم پوری طرح جبھی روشن ہوگا، جب اُن کے عقائد باطل کو پیش نظر رکھا جائے۔ اَلْبِرَّ۔ بر کے معنی لغت عربی میں بہت وسیع ہیں، نیکی کے جملہ اقسام پر شامل ہے۔ اُردو میں اس کا صحیح مفہوم لفظ طاعت ہی سے ادا ہوسکتا ہے۔ البر التوسع فی فعل الخیر فمن اللہ تعالٰی الثواب و من العبد الطاعة (راغب) البر الطاعة (تاج) قال بعضهم البر الخیر قال ولا اعلم تفسیرًا جمع منه لانه یحیط بجمیع ماقالوا (تاج) اہل لغت ہی کو نہیں اہل تفسیر کو بھی بِرّ کے مفہوم کی بھی وسعت مسلم ہے۔ البر اسم جامع للطاعات واعمال الخیر المقربة الی اللہ تعالٰی (کبیر) اسم عام لجمیع مایوجر علیه الانسان (کبیر) اسم جامع لانواع الخیر والطاعات المقربة الی اللہ تعالٰی (روح) البر کل فعل مرضی (بیضاوی) و۶۲۷ (حالت نماز میں یا عبادت کے وقت) ظہور اسلام سے قبل دنیا کی بے شمار گمراہیوں میں سے ایک اہم گمراہی سمت پرستی تھی یعنی بے جان دیوتاؤں، دیویوں، مورتیوں، پتھروں، درختوں، پہاڑوں، دریاؤں کے علاوہ خود سمتوں یا جہتوں کی بھی پرستش جاری ہوگئی تھی اور مختلف جاہلی قوموں نے یہ اعتقاد جما لیا تھا کہ فلاں مخصوص سمت، مثلاً مشرق، مقدس ہے، اور فلاں متعین جہت مثلاً مغرب قابل پرستش ہے۔ قرآن مجید یہاں شرک کی اسی صورتِ خاص کی تردید کررہا ہے، اور ارشاد کررہا ہے کہ کسی جہت میں کیا تقدس رکھا ہوا ہے، اور کوئی سمت، بہ حیثیت سمت ہرگز قابل تقدیس نہیں۔ طاعت (البر) سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ ہمارے حضرات مفسرین کو اس آیت میں جو اشکال نظر آیا، وہ محض اس لیے کہ اُن کی نظر مذاہب غیر کی اس گمراہی پر نہ تھی۔ اسلام نے ظاہر ہے کہ نماز کے لیے کوئی سمت، بہ حیثیت سمت ہرگز متعین نہیں کی ہے، اُس نے صرف ایک متعین مکان یعنی خانۂ کعبہ کو ایک مرکزی حیثیت دی ہے، اور اُسے قبلۂ توجہ ٹھیرایا ہے خواہ وہ کسی سمت میں پڑ جائے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ کعبہ مصر و طرابلس و حبشہ سے مشرق میں پڑتا ہے۔ ہندوستان، افغانستان اور چین سے مغرب میں، شام و فلسطین و مدینہ سے جنوب میں، اور یمن اور بحر قلزم کے جنوبی ساحلوں سے شمال میں، اور بہت سے مقامات سے اِن مختلف سمتوں کے مختلف گوشوں میں۔ اَلْمَشْرِقِ۔ سورج دیوتا دنیائے شرک کا معبودِ اعظم رہا ہے۔ مشرک قوموں نے اس کی پرستش بڑی کثرت سے کی ہے۔ اور یہ چونکہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے، اس لیے عموماً جاہلی قوموں نے مشرق کو بھی مقدس سمجھ لیا، اور عبادت کے لیے مشرق رُخی اختیار کرلی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے چند ہی سال بعد جب مسیحیوں میں ایک شخص پولوس نامی آگھسا (جسے ایک دُنیا آج سینٹ پال کے نام سے یاد کرتی ہے) اور اُس نے مسیحیت کا رُخ بجائے تجدید موسویت کے ایک مستقل تثلیثی شرک کی طرف پھیر دیا۔ رُومی اُس وقت حاکم قوم تھی۔ اور جیسے آج ہندوستان کے ہر شعبۂ زندگی میں انگریزیت اور ''صاحبیت'' کا بول بالا ہے، اُس وقت بھی محکوموں کے دلوں میں رومی مشرکوں ہی کے علوم و فنون، تہذیب و معاشرت، دین و عقائد کا تسلط چھایا ہوا تھا۔ اور رومی مذہب کا ایک جزو آفتاب پرستی بھی تھا۔ پولوسی مسیحیوں نے جہاں اور بہت سے مشرکانہ مراسم رومیوں سے دھڑا دھڑ اخذ کرلیے، وہیں اس مشرق پرستی کو بھی ان سے لے لیا، اور عبادت مشرق کی طرف رُخ کرکے کرنے لگے۔ چنانچہ مسیحیوں کے گرجے آج تک مشرق رویہ چلے آتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس مشرق رُخی پر زبردست ضرب لگائی، اور بتادیا کہ یہ سمت وار تقدس تو کسی درجہ میں بھی طاعت یا عبادت نہیں، بلکہ طاعتیں وہ ہیں جن کی تفصیل یہی آیت آگے کررہی ہے۔ وَالْمَغْرِبِ۔ مشرق پرستی سے تو بہر حال کم اور بہت کم، لیکن پھر بھی بہت کچھ عام اور وسیع وبا مغرب پرستی کی بھی شرک کی دُنیا میں رہ چکی ہے۔ آفتاب کے طلوع و غروب پر قیاس کرکے مشرک ذہنیت نے یہ نتیجہ نکالا کہ مصدر حیات جس طرح سمتِ مشرق ہے، اُسی طرح مستقر موت و اجل سمتِ مغرب ہے اور یہ بھی مستحق تعظیم و تقدیس ہے۔ نیز ملاحظہ ہوں حواشی نمبر ۵۱ و ۴۵۳ پ ۱۔ اَلْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ یہ دو نام صراحت کے ساتھ صرف مثال کے طور پر لے لیے گئے۔ مقصود تمام سمتوں کی تعمیم ہے، انہی دو سمتوں کی تحدید یا تخصیص نہیں۔ والمراد من ذکر المشرق والمغرب التعمیم لا تعیین السمتین (روح) و۶۲۸ مشرکانہ ذہنیت کی تردید کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اصلی طاعت یہ ہے، جس کا بیان اب ہورہا ہے، آیت کے اس جزو میں عقائد کی تصحیح آگئی۔ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ ولکن البر بر من۔ طاعت تو اُس کی ہے، جو اللہ پر ایمان لایا الخ والتقدیر لکن البر بر من (قرطبی) فحذف المضاف وهو کثیر فی الکلام و هذا اختیار الفراء والزجاج و قطرب (کبیر) اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔ اس میں دہریت والحاد کی جلی و خفی ہر صورت کی تردید آگئی۔ ایمان و طاعت میں داخلہ کا یہی دروازہ ہے، کوئی ایسا نظام یا مسلک (خواہ اس کی بنیادیں نقلی ہوں یا اخلاقی یا معاشی یا سیاسی) جس میں اللہ کی آیات و صفات پر ایمانِ کامل داخل نہ ہو، طاعت سے کوئی علاقہ بھی نہیں رکھتا۔ مادیت و عقلیت (ریشنلزم) لاادریت (اگناسٹی سزم) بالشویت وغیرہ سب اسی حکم کے تحت میں آجاتی ہیں۔ اور بودھ مذہب اور جین مت بھی، اگر اُن کی بابت یہ بیان صحیح ہے کہ اُن میں توحید باری موجود نہیں۔ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ اس میں تردید اُن تمام گمراہ قوموں کی آگئی جو وجود باری کی تو قائل تھیں، لیکن اس

وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآىِٕلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ

اور راہ گیروں اور سائلوں پر ف۶۲۹ اور گردنوں کے آزاد کر دینے میں ف۶۳۰

وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ

اور نماز کی پابندی کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ف۶۳۱ اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے والے

اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

جبکہ وعدہ کر چکے ہوں، اور تنگی میں اور بیماری میں، اور لڑائی کے وقت

وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ

صبر کرنے والے ف۶۳۲ یہی لوگ ہیں جو سچے اترے، اور یہی لوگ تو

هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ

متقی ہیں ف۶۳۳ اے ایمان والو، تم پر مقتولوں کے باب میں

الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ

قصاص فرض کر دیا گیا ہے ف۶۳۴ آزاد کے بدلہ میں آزاد، اور غلام کے بدلہ

بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ

میں غلام، اور عورت کے بدلہ میں عورت ف۶۳۵، ہاں جس کسی کو اس کے فریق مقابل کی طرف سے

اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ

کچھ معافی حاصل ہو جائے ف۶۳۶ سو مطالبہ معقول (اور نرم) طریق پر کرنا چاہیے، ف۶۳۷ اور مطالبہ کو اس (فریق)

بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ

کے پاس خوبی سے پہنچا دینا چاہیے، ف۶۳۸ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے رعایت اور مہربانی ہے ف۶۳۹

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾

سو جو کوئی اس کے بعد بھی زیادتی کرے گا اس کے لئے (آخرت میں) عذاب دردناک ہے ف۶۴۰

عقیدہ سے خالی ہیں کہ ایک عالم آخرت بھی ہے، جہاں ایک روز، جزائے اعمال کا سامنا کرنا اور زندگی کے ایک ایک معاملہ کا حساب دینا ہے۔ اور تو اور یہود نے اپنی زبردست توحید کے باوجود، عالم آخرت سے اپنا تعلق نہایت درجہ ضعیف کر رکھا تھا۔ جزا و سزا اسی دُنیا میں سمجھنا خواہ قومی و اجتماعی عروج و زوال سے، خواہ بہ قاعدۂ تناسخ مختلف قالبوں میں رُوح کے الٹ پھیر سے، یہ سب انکارِ آخرت ہی کی شکلیں ہیں۔ وَالْمَلٰٓىِٕكَةِ۔ فرشتوں پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ اُن نورانی اور مجرد مخلوقات کا وجود اللہ کے بندوں اور کارساز مطلق کے قاصدوں، خادموں اور کارندوں کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے، نہ یہ کہ خود اُنہی کو مستقل قوتوں کی طرح فاعل، عامل، متصرف مان کر اُن سے دُعائیں مانگی جائیں، اور اُنہی کو ایک چھوٹے پیمانہ پر حاجت روا قرار دے لیا جائے۔ اس ایمان بالملائکہ سے یونان، رومہ، ہندوستان، ایران کی ان تمام مشرک قوموں کی تردید ہوگئی، جنہوں نے فرشتوں ہی کے تخیل کو مسخ کر کے کائنات کے مختلف شعبوں کے لیے دیویاں اور دیوتے تجویز کر لیے ہیں۔ وَالْكِتٰبِ۔ کتاب یہاں بہ طور اسم جنس آیا ہے اس کا اطلاق صحیفۂ آسمانی کے نفس تخیل پر ہوگا۔ کتاب آسمانی کا عقیدہ بھی ایک تمام تر اسلامی عقیدہ ہے۔ مشرک قومیں تو خیر اس تخیل ہی سے نا آشنا ہیں، کہ اللہ کے ہاں سے کوئی کتاب کسی بندہ پر نازل ہوتی ہے۔ ”اہل کتاب“ تک اب اسلامی اصطلاح کے مطابق کسی ”کتاب الٰہی“ کے قائل نہیں۔ اُن کے ہاں ”کتاب“ کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ خدا نے ہدایت کے لیے بعض اشخاص کو چن لیا، اور اُن کے قلوب میں کچھ مضامین بہ طور الہام القاء کر دیئے۔ اور ایسا الہام ہر عارف کو ہو سکتا ہے، نبوت اس کی کوئی لازمی شرط نہیں۔ پھر بعد کو ان بزرگوں اور عارفوں نے انہی مضامین و معانی کو اپنے لفظ و عبارت میں مرتب کر کے اپنے شاگردوں اور مریدوں کو سنا دیا، پھر اُن سامعین نے انہیں اپنے طور پر لکھ لکھا لیا۔ (بجز توریت کی ابتدائی پانچ سورتوں کے کہ وہ یہودی عقیدہ کے مطابق خود حضرت موسٰی کی نوشتہ ہیں) — گویا ان الہامی کتابوں کی حیثیت کل وہ ہے جو ہمارے ہاں بزرگوں کے جمع کیے ہوئے ملفوظات کی ہوتی ہے! اور کہاں مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف تک وحی شدہ ہے، جس میں خلط اور خطا کا امکان ہی نہیں! اور مسیحی تو جب حضرت مسیح علیہ السلام کی رسالت و نبوت ہی کے سرے سے قائل نہیں بلکہ اُن کی الوہیت کے مدعی ہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام کا صاحب کتاب رسول ہونا اُن کے ہاں کوئی معنی ہی نہیں رکھتا — کوئی آپ اپنے اوپر بھی بھلا کتاب نازل کیا کرتا ہے؟ وَالنَّبِيّٖنَ۔ یعنی عقیدہ یہ ہو کہ اللہ انسانوں کو پیمبر بنا کر بھیجتا ہے۔ یہ نہ ہو کہ خود حق تعالیٰ مجسم ہو کر اس دنیا میں آ جاتا ہے۔ یا کسی قالب میں حلول کر آتا ہے۔ اسی عقیدہ میں صاف تردید ہوگئی اُوتار پرستی کی، مظہر پرستی کی، حلول کی، تجسیم باری تعالیٰ کی۔ ”اوتار“ ٹھیک ضد اور مقابل ہے ”پیمبر“ کے۔ اُوتار کا مفہوم یہ ہے کہ خالق کائنات خود کوئی مادی پیکر اختیار کر کے دُنیا میں آ جاتا ہے اور یہ بھی ضرور نہیں کہ وہ قالب انسان ہی کا ہو۔ شیوجی یا بشن جی جس طرح رام چندر جی بن کر یا سری کرشن بن کر آ سکتے ہیں، اسی طرح سانپ بن کر، شیر بن کر یا مچھلی یا کچھوے کا قالب اختیار کر کے بھی آ سکتے ہیں۔ غرض یہ کہ اوتار، معنی و حقیقت کے اعتبار سے خدا ہوتا ہے، اور صورت اور ظاہر کے اعتبار سے انسان یا جانور۔ پیمبر اس کے برعکس صرف بشر ہوتا ہے اور ہمیشہ بشر ہی۔ نہ کبھی فوق البشر، نہ کبھی تحت البشر اور بجز اُس کے کہ صاحب وحی ہوتا ہے (اور اس لیے اخلاق کی پاکیزگی میں بے نظیر، اور جرم و عصیان سے پاک) اور کسی حیثیت سے شکل و صورت میں، چلنے پھرنے میں، بولنے چالنے میں، بھوک پیاس میں، غم و مسرت میں، صفات بشری سے ممتاز نہیں ہوتا۔ آیت کے اتنے جزو میں قرآن مجید نے اپنی معجزانہ بلاغت و ایجاز سے تمام اعتقادی گمراہیوں کی جڑ کاٹ دی، اور سارے مذاہب باطلہ کی تردید کر دی۔ اعتقادی گمراہی جب کبھی بھی انسانوں کو گھیر لے گی، ہمیشہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرت، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب اور ایمان بالانبیاء ہی کی کسی نہ کسی غلطی یا غلط فہمی کی راہ سے آئے گی ف۶۲۹ عقائد کی تصحیح ہو چکی، تو اب اعمال کی تصحیح شروع ہوئی اور اعمال میں بھی ابتداء شعبۂ معاملات سے ہوئی۔ آیت کے اسی جزو میں اس کا بیان ہے۔ عَلٰى حُبِّهٖ۔ اس کی محبت میں۔ ضمیر اللہ کی طرف ہے۔ اس کی محبت سے مراد اللہ تعالیٰ کی محبت۔ یعنی یعطون المال علی حب الله ای علی طلب مرضاته (کبیر) قیل علی حُبّ الله (کشاف) قیل الضمیر لله تعالٰی (بیضاوی) گویا یہ بتا دیا کہ صَرفِ مال فی نفسہ ہرگز محمود و مطلوب نہیں، مطلوب و مقصود صرف وہ صرفِ مال ہے، جو اللہ کی راہ میں، اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے، اللہ کے دین کے فروغ کے لیے ہو۔ دُوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ صَرفِ مال، مال کی محبت کے باوجود ہو۔ یعنی ضمیر غائب کا مرجع بجائے اللہ کے، لفظ قریب مال کو قرار دیا گیا ہے۔ وھو قول الاکثرین انه راجع الی المال (کبیر) ای مع حب المال والشح به کما قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ (کشاف) اس میں بھی ایک پختہ مومن کی تصویر آ گئی ہے۔ مال و زر کی محبت اور قدر اُس کے دِل میں ہے، خواہشیں اُس کی زندہ ہیں، اپنی ذات پر، اپنے محبوبات و مرغوبات پر وہ خرچ کرنا چاہتا ہے، لیکن امر الٰہی کے آگے اپنی گردن جھکا دیتا ہے۔ اپنی خواہشوں کو دبا دیتا ہے۔ اپنے شوق کو حکم خداوندی پر قربان کر دیتا ہے۔ وہ عمل اُسی پر کرے گا، جو حکم ربانی ہے۔ اور خرچ وہیں کرے گا، جہاں شریعت حکم دیتی ہے۔ ذَوِي الْقُرْبٰى الخ۔ مصارف خیر کی اسلام نے یہ کتنی مناسب اور حکیمانہ ترتیب قرار دے دی ہے۔ آیت کے اس جزو میں اُمت کا پورا نظامِ معاشی ایک خلاصہ کی شکل میں آ گیا ہے۔ مالی اعانت سب سے پہلے اپنے عزیزوں قریبوں کی کرنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ بھائی کی کوٹھیاں تیار ہو رہی ہیں اور بہن جھونپڑے کو ترس رہی ہو۔ چچا کے پاس موٹریں ہوں، اور بھتیجے کو اکّہ کے پیسے بھی میسر نہ ہوں۔ ہر زردار کو سب سے پہلے خبر گیری اپنے نادار عزیزوں، کنبہ والوں، بھائیوں، بہنوں، بھتیجوں، بھانجوں اور دُوسرے

قریبیوں کی کرنا چاہیے۔ اس کے بعد نمبر محلّہ کے بستی کے، شہر کے یتیم بچوں، بچیوں کا آتا ہے، جن کا کوئی والی، وارث، سرپرست باقی نہیں رہا ہے۔ اس کے بعد درجہ بدرجہ نمبر اُمت کے عام مفلسوں، محتاجوں، اور پھر اُن مسافروں، راہ گیروں کا آتا ہے جو زادراہ سے محروم ہیں۔ اور اس لیے اپنے ضروری سفروں سے محروم رہے جاتے ہیں۔ یا بستی میں کہیں باہر سے وارد ہو گئے ہیں، اور کوئی اُن کے ٹھیرانے، کھلانے پلانے کا روادار نہیں ہو رہا ہے۔ اور پھر آخر میں اہل حاجت سوالی رہ جاتے ہیں۔ اس پورے معاشی پروگرام پر اگر قاعدہ سے عمل ہونے لگے، تو اُمت میں کہیں مفلسی، تنگدستی، بے معاشی، بے روزگاری کا وجود باقی رہ سکتا ہے؟

و۶۳۰ (قیدیوں اور غلاموں کی) فِي الرِّقَابِ رقاب، رَقَبَةٌ کی جمع ہے۔ لفظی معنٰی گردن کے ہیں۔ محاورہ میں اس سے مراد وہ ہوتے ہیں، جن کی گردنیں آزاد نہیں، یا جو بندھے ہوئے ہیں۔ یعنی غلام جو دُوسروں کی رعایا ہیں۔ یا قیدی، جو کسی جرم فوجداری یا دیوانی کی علت میں گرفتار ہو کر محبوس ہیں۔ الرقبة جعل فی التعارف اسمًا للمما لیک کما عبر بالرأس و بالظهر من المركوب (راغب) والرقبة مجاز عن الشخص (روح) تقدیر کلام یوں ہے، فی تخلیص الرقاب۔ یا فی فکاک الرقاب، گویا مضاف محذوف ہے، اور یہ ترکیب قرآن مجید میں عام ہے۔ مراد وہی زرِ معاوضہ دے کر قیدیوں کو قید سے اور غلاموں کو غلامی سے آزادی دلانا ہے۔ یعنی المکاتبین قاله اکثر المفسرین (معالم) وقیل فداء الاسارٰی (معالم) وهم المکاتبون (ابن کثیر) اے فی تخلیصها بمعاونة المکاتبین اوفک الاسارٰی (بیضاوی) اے فی تخلیصها الرقاب و فکاکها (روح) مصارف خیر واعانت کی ایک ضروری مدرہی جاتی تھی۔ قرآن مجید نے آخر میں اُس کا بھی اضافہ کر دیا۔ اور اب یہ فہرست اُمت کے اجتماعی نقطہ نظر سے ہر طرح مکمل ہو گئی

و۶۳۱ تصحیح عقائد کی ہو چکی۔ تصحیح معاملات کی ہو چکی۔ اب نمبر عبادات کا آتا ہے۔ عبادات بے شمار ہیں، بنیادی اور بڑی تقسیم عبادت بدنی اور عبادت مالی کی ہے۔ یہاں الصلوٰة والزکوٰة لا کر دونوں کی جنس کی طرف اشارہ کر دیا۔ نماز ساری بدنی عبادتوں کی قائم مقام ہو گئی۔ زکوٰة ساری مالی عبادتوں کی۔ اَقَامَ الصَّلٰوةَ یعنی نمازیں وقت مقرر پر، شرائط و قواعد معلوم کے ساتھ ادا کرتے رہتے ہیں۔ اٰتَى الزَّكٰوةَ۔ یعنی زکوٰة، حسب آداب و شرائط شریعت باقاعدہ ادا کرتے رہتے ہیں و۶۳۲ عقائد ہو چکے، معاملات ہو چکے، عبادتیں ہو چکیں، اب ذکر اخلاق کا شروع ہوا۔ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ۔ فقرہ ہر قسم کے معاہدات کا جامع ہے۔ خواہ وہ معاہدہ بندہ کا اپنے خالق کے ساتھ ہو، یا معاہدہ بندوں کا بندوں کے درمیان ہو۔ مومن جھوٹا وعدہ کرنا یا جھوٹا عہد لینا جانتا ہی نہیں۔ اے فی مابینهم و بین الله تعالٰی و فی ما بینهم و بین الناس (قرطبی) الْبَاْسَآءِ۔ مصیبت اور تنگدستی میں۔ باساء کا اصل تعلق مالی پریشانیوں سے ہے۔ اے الشدة والفقر (قرطبی) الْبَاْسَآءِ فی الاموال کالفقر (بیضاوی عن الازہری) الضَّرَّآءِ بیماری کی تکلیفوں میں۔ ضراء کا اصل تعلق جسمانی آزار سے ہے۔ اے المرض والزمانة (قرطبی) الضراء فی الانفس کالمرض (بیضاوی۔ عن الازہری) حِيْنَ الْبَاْسِ۔ یعنی جنگ کے وقت دُشمنانِ دین کے مقابلہ میں۔ اے وقت مجاهدة العدو (بیضاوی) اے وقت الحرب (قرطبی) ثبات و صبر کے ظاہر کرنے اور جوہر سیرت و مردانگی کی چمک دکھانے کے یہی تین خاص مواقع ایک مومن کے لیے ہوتے ہیں و۶۳۳ یعنی کمالاتِ حقیقی کے ساتھ موصوف، اور طاعت و پرہیزگاری (بروتقوٰی) میں پورے اُترنے والوں کی علامتیں یہی ہیں جو اُوپر بیان ہو چکیں۔ اس معیار سے جس کو چاہو، جانچ لو، پرکھ لو۔ اے صدقوا فی الدین و اتباع الحق و طلب البر (بیضاوی) قرآن مجید کی ہر آیت بجائے خود معظم، محترم و واجب العمل ہے۔ لیکن اس آیت کے باب میں تو حدیث نبوی ﷺ میں یہاں تک صراحت موجود ہے، کہ من عمل بهٰذه الاٰية فقد استكمل الایمان (جس نے اس آیت پر عمل کر لیا، اُس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا) اور محققین کا قول نقل ہوا ہے، کہ یہ آیت اہم ترین آیتوں میں سے ہے اور اس کے اندر دین و شریعت کے سولہ احکام آ گئے ہیں۔ قال علماؤنا هٰذه اٰية عظيمة من امهات الاحكام لانها تضمنت ست عشرة قاعدة الایمان بالله و باسمه وصفاته والنشر والحشر و المیزان والحوض والشفاعة والجنة والنار والملٰئكة والكتب المنزله وانها حق من عند الله والنبيين و انفاق المال فی مایعنّ من الواجب والمندوب وايصال القرابة وترک قطعهم وتفقد اليتيم وعدم اهماله والمساكين كذٰلک ومراعاة ابن السبيل والسوال و فک الرقاب (قرطبی) اور بعض صوفیوں نے آیت کے اجزاء کی جامعیت پر نظر کر کے کہا کہ آیت اصل و مدار ہے شریعت و طریقت کی۔ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن کے لیے کافی نہ صرف باطنی اعتقاد ہے اور نہ صرف ظاہری، بلکہ دل میں ایمان ہونا بھی لازمی ہے اور ظاہر میں احکام کی اطاعت بھی۔ اور خیر یہ باتیں تو سب اپنوں کی تھیں۔ فرنگیوں میں سے ایک ذات شریف پادری وہیری (Wherry) نامی ہوئے ہیں۔ مسلمانوں اور اسلام کے بڑے "عنایت فرما"۔ سن سفید ڈاڑھی کے بال اسلام کی عداوت ہی میں سفید کیے۔ سیل (Sale) کے انگریزی ترجمۂ قرآن پر تفسیر کا اضافہ اُنہی کے قلم سے ہے۔ اس آیت پر پہنچ کر قدرت اُن کے قلم سے یوں لکھواتی ہے:۔ "یہ (آیت) قرآن کی بلند ترین آیتوں میں سے ہے...... ذات باری پر ایمان، اور نوع انسانی کے ساتھ حسن سلوک، اس کو اس میں واضح طور پر مذہب کا جوہر اصلی بتایا گیا ہے۔ اس میں لب لباب عقائد اور اعمال کا آ گیا"۔ خیر یہی، بہت غنیمت ہے کہ پادری صاحب کو کچھ تو آیتیں قرآن مجید میں "بلند" نظر آ گئیں و۶۳۴ (اس حال میں کہ جب تم اپنی حکومت رکھتے ہو، اور سزاؤں کے نفاذ پر باقاعدہ قدرت رکھتے ہو) اسلام اپنے پیروؤں سے توقع دنیوی سربلندی ہی کی رکھتا ہے، اور اسے بہ طور ایک

وَ لَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ

اور تمہارے لئے اے اہل فہم (قانون) قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم پرہیزگار

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

بن جاؤ و۶۴۱ تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی معلوم ہو،

اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ

بشرطیکہ کچھ مال بھی چھوڑ رہا ہو، تو وہ والدین اور عزیزوں کے حق میں

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ

معقول طریقہ سے وصیت کر جائے یہ لازم ہے پرہیزگاروں پر و۶۴۲ پھر جو کوئی اسے اس کے سننے کے بعد

بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ

بدل ڈالے، سو اس کا گناہ بس انہی پر ہو گا جو اسے بدل ڈالیں و۶۴۳ بے شک

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ ؕ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ

اللہ بڑا سننے والا ہے، بڑا جاننے والا ہے و۶۴۴ البتہ جس کسی کو وصیت کرنے والے سے متعلق کسی بے عنوانی یا گناہ

جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ

کا علم ہو جائے، و۶۴۵ پھر وہ ان لوگوں کے آپس میں صلح کرا دے، و۶۴۶ تو اس پر کوئی گناہ نہیں و۶۴۷

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بے شک اللہ تعالیٰ بڑا مغفرت کرنے والا ہے، بڑا رحم کرنے والا ہے و۶۴۸ اے ایمان والو،

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ

تم پر روزے فرض کیے گئے و۶۴۹ جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے

مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ لا اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ

قبل ہوئے ہیں و۶۵۰ عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ و۶۵۱ (یہ روزے) گنتی کے چند روز کے (ہیں) و۶۵۲

ع ۲۲ / ۶

مسلمہ کے فرض کیے رہتا ہے کہ امت دنیوی اقتدار کی بھی مالک ہوگی۔ مسلمانوں کا صدیوں تک مسلسل کافروں کے تسلط واقتدار میں رہنا اسلام کے مفروضاتِ اوّلین میں گویا داخل ہی نہیں۔ قانون فوجداری اور قانون دیوانی دونوں کی اکثر دفعات کا نفاذ نظامِ حکومت کے اسلامی ہونے پر معلق ہے یعنی اُمت کو ان قوانین الٰہی کی تنفیذ کی باقاعدہ قدرت بھی تو ہو۔ لا خلاف ان القصاص فی القتل لایقیمہ الاّ اولوا الامر فرض علیھم النھوض بالقصاص واقامۃ الحدود وغیر ذٰلک (قرطبی) اتفق ائمۃ الفتوٰی علی انہ لایجوز لاحد ان یقتصّ من احد حقّہ دون السلطان و لیس للناس ان یقتصّ بعضھم من بعض (قرطبی) قصاص۔ یہ انتقام محض کا مرادف نہیں کہ ہر فرد دوسرے فرد سے ازخود لینا شروع کردے۔ بلکہ قانون فوجداری کے ماتحت سزا کی منظم، مہذب ومنضبط ترین شکل کا نام ہے۔ اُمت کا ایک قانونی واجتماعی حق ہے۔ اس کے اجراء کی ذمہ داری حکومت یا اہل حل وعقد پر عائد ہوتی ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں مومنین سے خطاب اجتماعی حیثیت سے ہے، انفرادی حیثیت سے نہیں۔ قتلی۔ قتل عمد کی سزا دنیا کے ہر قانون میں عموماً قتل ہی ہے۔ البتہ خود قتل عمد کی تعریف میں بہت کچھ اختلافات ہیں۔ شریعت اسلامی کی اصطلاح میں قتل عمد وہ ہے کہ کوئی کسی کو ارادہ کرکے کسی آہنی سلاخ سے یا کسی اور حربہ سے جس سے گوشت پوست کٹ کر خون بہ سکے قتل کرے۔ اما العمد فما تعمد ضربہ بسلاح اوما یجری مجری السلاح فی تفریق الاجزآء (کافی) السلاح مایکون اٰلۃ قاتلۃ اُعدّت للقتال (نہایہ) اور فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ قصاص یعنی سزائے قتل اسی قتل کے ساتھ خاص ہے ف۶۳۵ مراد یہ ہے کہ قصاص میں مساوات ملحوظ رہے گی، اور خون خون سب کا برابر سمجھا جائے گا۔ یہ نہیں کہ اونچے شخص کی جان کی قیمت معمولی شخص کی جان سے زیادہ سمجھی جائے۔ عرب جاہلی میں ایک دستور یہ پڑ گیا تھا کہ آزادوں میں سے کوئی اگر کسی غلام کو مار ڈالتا، تو قصاص میں جان اُس آزاد کی لینے کے بجائے کسی غلام کی لی جاتی۔ دُنیا کی تاریخ دُوسرے ملکوں میں بھی ایسی مثالوں سے خالی نہیں۔ اور امریکہ میں تو آج تک ایک گورے (White) کا خون ایک کالے (Negro) کے خون سے کہیں زیادہ قیمت رکھتا ہے۔ اور فرنگی حکومتیں اپنے ایک ایک مقتول کے عوض، قاتل قوم کے کئی کئی شخصوں کی جانیں بے تکلف لیتی رہتی ہیں۔ یہاں پہونچ کر داد اُن فقہاء ومفسرین کی نکتہ سنجی کی دینا پڑتی ہے جنھوں نے آیت کی تفسیر میں صاف لکھ دیا ہے۔ امر المساواۃ بینھم لاالزیادۃ۔ اسلام نے ان ظالمانہ دستوروں کو مٹایا، اور اعلان کردیا کہ زندگی ہر مومن کی، اُمت کے ہر فرد کی، یکساں قابل احترام ہے۔ اور مرد ہو، عورت ہو، آزاد ہو، غلام ہو، کوئی ہو، جس کا جو قاتل ہوگا، وہی سزا پائے گا۔ القصاص عبارۃ عن المساواۃ والمعنی فرض علیکم اعتبار المماثلۃ والمساواۃ من القتلٰی (مدارک) فقہ حنفی کے دو مسئلے اس سلسلہ میں قابل خیال رکھنے کے ہیں:۔ (۱) مقتول اگر کافر ہے لیکن ذمی، تو اس کا بھی قصاص قاتل ہی سے لیا جائے گا، اگرچہ وہ مسلم ہو۔ ہاں کافر حربی چونکہ کھلا ہوا باغی اور دشمن ہوتا ہے، اسلامی "اسٹیٹ" کا بھی اور اسی لیے تو اُسے حربی کہا ہی جاتا ہے، سو اُس کے قتل میں ظاہر ہے کہ قصاص نہیں۔ (۲) دُوسرے یہ کہ قتل عمد میں آزاد کے عوض میں تو آزاد قتل کیا ہی جائے گا، غلام کے عوض میں بھی آزاد قتل کیا جائے گا اگر وہ قاتل ہے اور عورت کے عوض میں عورت تو ماری جائے گی، لیکن مرد بھی قتل کیا جائے گا، اگر وہ قاتل ہے۔ آیت میں ایک پہلو ایسا بھی ہے، جس سے معتزلہ کا رد نکل آیا۔ معتزلہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو خارج از ایمان سمجھتے ہیں حالانکہ آیت میں اکبر الکبائر یعنی قتل مسلم کا بیان ہے، اور قاتل کو دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کیا ہے، مسلمان ہی شمار کیا ہے۔ شریعت موسوی کی جو تصریحات اس باب میں درج ہیں وہ قابل ملاحظہ ہیں:۔ "اور وہ جو انسان کو مار ڈالے گا وہ مار ڈالا جائے گا"۔ (احبار۔ ۲۴:۱۷) "اور جو انسان کو مار ڈالے، جان سے مارا جائے۔" (احبار۔ ۲۴:۲۱) "توڑنے کے بدلہ توڑنا۔ آنکھ کے بدلہ آنکھ، دانت کے بدلہ دانت، جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے، اس سے ویسا ہی کیا جائے"۔ (احبار۔ ۲۴:۲۰)۔ ف۶۳۶ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد قاتل یا قاتلین ہی ہوسکتے ہیں۔ یراد بھا القاتل ھٰذا قول ابن عباس و قتادۃ و مجاھد و جماعۃ من العلماء (قرطبی) من ھو قاتل معفولہٗ (مدارک) مِنْ اَخِیْهِ۔ یعنی مقتول کے فریق کی طرف سے۔ مدعی یا مستغیث کی طرف سے۔ لفظ اخیہ کی بلاغت ومعنویت اس سیاق میں سر دھننے کے قابل ہے، شدید ہیجانِ جذبات انتقام واشتعال پزیری کا موقع قتل سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے۔ اس انتہائی موقع پر بھی یہ لفظ لاکر بتادیا کہ قاتل باوجود اتنے سنگین جرم کے کافر نہیں ہوجاتا، اخوتِ اسلامی کے دائرہ سے خارج نہیں ہوجاتا۔ مقتول کا ولی ووارث، قاتل کا دینی بھائی اس وقت بھی رہتا ہے۔ والمراد بالاخ ولی الدم (روح) سمّاہ اخًا استعطافًا بتذکیر اخوۃ البشریۃ والدین (روح) یعنی ولی الدم وذکرہ بلفظ الاخوۃ الثابتۃ بینھما من الجنسیۃ والاسلام لیرق لہ و یعطف علیہ (بیضاوی) والاخ ولی المقتول وذکر بلفظ الاخوۃ بعثًالہٗ علی العطف لما بینھما من الجنسیۃ والاسلام (مدارک) شَیْءٌ۔ لفظ ابہم ہے یعنی سزائے واجب کا کچھ حصہ چھوڑ دیا جائے۔ نہ ہو کہ تمامتر معاف کردیا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ مقتول کے عزیز اور وارث اگر قاتل کو سزائے قتل نہ دینا چاہیں، بلکہ اُسے ہلکی کوئی سزا دے کر، یا خونبہا کی پوری رقم میں سے کچھ حصہ اُسے معاف کرکے اُسے چھوڑ دینے پر آمادہ ہوں۔ رُومیوں کی مشرک قوم میں قتل تمامتر ایک جرم قانون فوجداری کا تھا۔ قانون دیوانی سے اُسے کوئی علاقہ ہی نہ تھا۔ موجودہ فرنگی قانون چونکہ تمامتر رُومیوں ہی کے قانون (رومن لا) پر مبنی ہے۔ اس لیے اس میں بھی قتل محض ایک فوجداری کا جرم ہے۔ شریعت اسلامی کی نظر فطرتِ بشری کی گہرائیوں اور مصالح اجتماعی کی باریکیوں پر اس سے کہیں زائد ہے۔ اُس نے اپنے اصول قانون میں یہ بات رکھی کہ قتل جس طرح فوجداری کا جرم ہے، دیوانی کا بھی ہے۔ اس جرم سے محض (اسٹیٹ) حکومت، اور (سوسائٹی) ہیئت اجتماعیہ ہی کے ایک قانون کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، بلکہ یہ فرد پر بھی اُس کی شخصی حیثیت میں ایک حملہ ہے گویا یہ جرم ایک پبلک حیثیت رکھتا ہے اور ایک پرائیویٹ۔ اور جب اس کی یہ دوگونہ حیثیت ہے تو مقتول کے وارثوں یا خون کے مدعیوں کو یہ اختیار ہونا چاہیے کہ وہ چاہیں تو مجرم کو پوری سزا اسٹیٹ (حکومت) سے دلائیں، اور چاہیں تو خود مالی معاوضہ لے کر انتہائی سزا سے دستبردار ہو جائیں۔ اسی مالی معاوضہ کو اصطلاح شریعت میں دیۃ یا خونبہا کہتے ہیں۔ اور اس میں گھٹ بڑھ برابر ہو سکتی ہے (دیت کا ذکر خود قرآن مجید میں آگے آرہا ہے) آج بھی انٹرنیشنل (بین الاقوامی) قانون میں یہ بالکل جائز ہے کہ جب ایک (اسٹیٹ) ملک کی رعایا کا خون دُوسرے ملک (اسٹیٹ) کے باشندوں کے ہاتھوں ہوجائے، اور غیر ملک میں فوجداری کا مقدمہ چلانے میں دقتیں اور دُشواریاں محسوس ہوں، تو بجائے فوجداری استغاثہ اور اُس کی پیروی کے صرف "ہرجانہ" (Damages) کی رقم پر کفایت کرلی جائے۔ یہ "ہرجانہ" اُسی خونبہا کے لیے ایک خوشنما اور جدید اصطلاح ہے۔ ف۶۳۷ (اور خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ شر وفساد کا موقع نہ نکالنا چاہیے) یعنی مقتول کا فریق، کہ وہی اب مدعی یا مستغیث ہوگا۔ خونبہا کی مطلوبہ رقم کا مطالبہ معقولیت، آدمیت سے کرے، خواہ مخواہ ضد اور اشتعال سے فریق مقابل کو تنگ نہ کرے، اور اس کے جوش کو نہ بڑھائے کہ اس سے فساد کو مزید تحریک ہوگی۔ عین حدت واشتعال طبع کے نازک موقعوں پر یہ رکھ رکھاؤ، اتنی احتیاط اور حسن معاشرت کو سنبھالے رکھنے کا اہتمام شریعت اسلامی کا مخصوص حصہ ہے۔ ف۶۳۸ اب یہ تاکید قاتل یا اُس کے فریق کو ہورہی ہے۔ اُن ملزموں یا مدعا علیہم کو بھی اپنی طرف سے بھی چاہیے کہ جتنی رقم کی قرارداد ہوچکی ہو، اُسے بغیر مزید طوالت یا پیچیدگی وبدمزگی کے، فریق مقتول یعنی مدعیوں یا مستغیثوں تک خوبصورتی اور خوش اسلوبی سے پہنچا دیں۔ اِلَیْهِ میں ضمیر فریق مقتول کی جانب ہے۔ والضمیر فی الیہ للاخ (مدارک) فطرتِ بشری کی ان نزاکتوں کا لحاظ، اور قاتل ومقتول ہر ممکن فریق کے مصالح وجذبات کی رعایت کون انسانی قانون رکھ سکتا ہے؟ قانون ساز انسان تو ایک محض خشک انسان ہوتا ہے۔ اتنے متعدد اور باریک پہلوؤں کی رعایت تو صرف خدائی قانون ہی کی شان ہوسکتی ہے۔ ف۶۳۹ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی حکم جو اُوپر فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ کے اندر مذکور ہوچکا۔ یعنی الحکم المذکور من العفو واخذ الدیۃ (مدارک) ایک طرف قصاص کی بظاہر سختی، دُوسری طرف دیت اور عفو کی نرمی، یہ حسن امتزاج اور اعتدال وتوازن کا یہ مکمل قوام اُسی قانون کا حصہ ہوسکتا ہے جو بشری دماغ سے نہیں، حکمت مطلق سے نکلا ہو۔ ف۶۴۰ (آخرت میں) اعتداد۔ یعنی زیادتی کی صورتیں بہت سی ہوسکتی ہیں۔ مثلاً ایک یہی کہ کسی بے گناہ پر قتل کا جھوٹا دعویٰ کردیا۔ یا یہ کہ قاتل کو پہلے تو معاف کردیا، اور پھر معافی کے بعد پورے قصاص کے درپے ہوگئے۔ وقس علٰی ہذا۔ ایسے بیدردوں اور خدا ناترسوں کو صرف خوفِ آخرت ہی بیجا جسارتوں سے روک سکتا ہے۔ ف۶۴۱ قانونِ قصاص عین عدل و مساوات کا قانون ہے اور ہیئت اجتماعی کے نظم وقیام راستی کا بہترین ضامن وکفیل، کہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرنے پائے اور قوی وضعیف سب کے حقوق کا تحفظ ہوجائے۔ یہ نہ ہو کہ جو زبردست ہوں وہ زیردستوں پر ستم ڈھا ڈھا کر رہیں۔ اُمت کے مختلف طبقوں میں ایک دُوسرے کی طرف سے اطمینان ودلجمعی پیدا کرنے والا درحقیقت یہی قانون ہے۔ اور جب اس قانون پر عملدرآمد ایک عرصہ تک رہے گا، اس قانون کی رُوح اُمت میں سرایت کر جائے گی تو

ساری قوم کا مزاج صالح ہو جائے گا، اور آئین پسندی، باہم صلح وسازگاری، خدمت ومعاونت جزوِ زندگی بن جائے گی، اور اُمت دیکھتے ہی دیکھتے اُمت صالحین وابرار، اُمت عادلہ کہلانے کی مصداق بن جائے گی۔ ف۶۴۲ یہ حکم وصیت، آیت میراث کے نزول سے (جس میں حقداروں کے حصے معین کرکے بتادیئے گئے ہیں) بہت قبل کا ہے۔ نزلت قبل نزول الفرائض والمواریث (قرطبی) اس لیے قدرۃً اب اس پر عملدرآمد اُس آیت متاخر وما بعد ہی کے ماتحت ہوگا۔ اور اسی کو مفسرین اپنی اصطلاح میں ایک آیت کا دوسری آیت سے منسوخ ہو جانا کہتے ہیں۔ جائیداد کی تقسیم اب آیت میراث کے بموجب ہوگی۔ اور وصیت کا اب کوئی محل ہی نہ رہا، بجز جائیداد کے ایک ثلث کے، کہ اتنے میں وصیت چل سکتی ہے۔ اور اس کی تصریح بھی اُسی سورۃ النساء کی آیت میراث میں موجود ہے۔ وصِيَّة کے لفظی معنی نصیحت کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد وہ ہدایتیں ہوتی ہیں جو وصیت کر جانے والے کی موت کے بعد قابل عملدرآمد ہوتی ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ وصیت کی بھی کئی قسمیں ہیں:۔ (۱) بعض وصیتوں کی تعمیل درجہ واجب میں ہے مثلاً ادائے زکوۃ وکفارہ کی وصیت، یا ادائے امانت یا ادائے قرض کی وصیت۔ (۲) بعض مستحب کا درجہ رکھتی ہیں۔ مثلاً کسی کار خیر کے لیے وصیت کر جانا، یا کسی ایسے عزیز کو میراث دے جانا جسے حصہ نہ پہنچ رہا ہو۔ (۳) بعض صرف مباح ہوتی ہیں۔ جیسے کسی امر جائز کے لیے وصیت کر جانا۔ (۴) اُن کے علاوہ بعض ایسی بھی ہوتی ہیں۔ جن کی تعمیل ممنوع ہے۔ وہ وصیتیں کالعدم سمجھی جائیں گی۔ مثلاً کسی کافر حربی کے حق میں، یا کسی فعل حرام کے لیے وصیت کر جانا۔ (۵) اور بعض وصیتیں موقوف کہلاتی ہیں۔ ان کی تعمیل شرط کے ساتھ معلق ہوتی ہے۔ مثلاً ترکہ کے ایک ثلث سے زائد میں وصیت کر جانا۔ اس کی تعمیل دُوسرے ورثاء کی رضامندی پر موقوف رہے گی۔ الْوَصِيَّةُ یہاں الایصاء کے معنی میں ہے اور اسی معنی کا لحاظ کر کے اس کے لیے فعل مذکر (كُتِبَ) لایا گیا ہے۔ ورنہ اصل قاعدہ کے لحاظ سے فعل مؤنث (كُتِبَتْ) آنا چاہیے تھا۔ اور تاء تانیث کے حذف کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اسم وصیت اپنے فعل سے بہت فاصلہ پر ہے اور اتنا فاصلہ حائل ہو جانے پر محاورۂ زبان میں فعل کی تاء تانیث حذف ہو جاتی ہے (قرطبی) خَيْرًا۔ خیر کے ایک معنی علاوہ مشہور معنی کے، مال طیب کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس استعمال کی مثالیں جا بجا ملتی ہیں۔ مثلاً قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ (سورۂ بقر) یا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ (سورۂ بقرہ) وقس علیٰ ہذا بہرحال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہاں خیر مال ہی کے معنی میں ہے۔ الخیر ھٰھنا المال من غیر خلاف (قرطبی) قال بعض العلماء انما سمی المال ھٰھنا خیرا تنبیھا علی معنی لطیف وھو ان الذی یحسن الوصیۃ بہ ماکان مجموعا من المال من وجہ المحمود (راغب) ای مالاً کما قالہ ابن عباس و مجاھد (روح) ایک گروہ نے لفظ وجوب سے استناد کرکے کہا ہے کہ کچھ نہ کچھ وصیت بہرحال کر جانا چاہیے۔ دُوسرے گروہ نے آیت میراث کی موجودگی میں اسے بالکل غیر ضروری ٹھیرایا ہے۔ امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس باب میں قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے سامنے دونوں قسم کے اُسوۂ حسنہ موجود ہیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وصیت کر گئے تھے۔ لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی وصیت نہیں فرمائی۔ وقال النخعی مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و لم یوص وقد اوصی ابو بکر فان اوصی فحسن وان لم یوص فلا علیہ شیء (قرطبی) بِالْمَعْرُوْفِ۔ یعنی پسندیدہ طریقہ پر، عقل کی رعایت سے، حاجت کا لحاظ کرکے۔ حسن معاشرت وحسن معاملت دونوں قسم کے احکام کے موقع پر قرآن مجید میں یہ لفظ کثرت سے آیا ہے۔ عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۔ متقین سے یہاں مراد مومنین ہیں۔ اُن کے وصف تقویٰ کا ذکر کرکے مراد خود اُنہی سے لی گئی ہے۔ مراد بالمتقین المومنین وھم الذین اتقوا الکفر (بحر) والمراد بالمتقین المؤمنون (روح) ف۶۴۳ (نہ کہ حاکموں پر جو عالم الغیب نہیں ہوتے، بلکہ گواہوں کے بیانات ہی پر فیصلہ کی بنیاد رکھتے ہیں) بَدَّلَهٗ اور سَمِعَهٗ دونوں میں ضمیر وصیت کی طرف ہے۔ والضمیر فی بدّلہ یرجع الی الایصاء وکذلک الضمیر فی سمعہ (قرطبی) یعنی جن گواہوں کے سامنے وصیت کی گئی کہ فلاں فلاں عزیز کو اتنا اتنا حصہ ملے، اور وہ گواہ اُس میں اپنی طرف سے کچھ قطع وبرید کردیں، جس سے بعض کی حق تلفی لازم آتی ہے۔ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ۔ یہ حاکموں، قاضیوں کو اطمینان دلایا ہے کہ تمہارا اس غلط اجراء میں کیا قصور۔ قصور تو بس اُنہی جھوٹے گواہوں کا ہے۔ ف۶۴۴ سَمِيْعٌ۔ اُس پر خوب روشن ہے کہ گواہ نے کس کس طرح جھوٹ سے کام لیا، اور اصل وصیت میں کیا کیا کتر بیونت کی۔ عَلِيْمٌ۔ اُس پر خوب روشن ہے کہ قاضی یا ثالث ایسے موقع پر کیسا معذور وبے بس ہوتا ہے۔

ف۶۴۵ (اور وہ اس بنا پر ازراہِ اخلاص وخیر خواہی وصیت میں تبدیلی کردے۔ جس سے اُس بے ضابطگی یا معصیت کی اصلاح ہو جائے) خَافَ۔ خوف عربی میں ہمیشہ اندیشہ اور ڈر ہی کے معنی میں نہیں آتا، بلکہ کبھی علم کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ ای فمن توقع و علم وھٰذا فی کلامھم شائع (کشاف) والخوف والخشیۃ العلم (کبیر) و معنی خاف توقع و علم (روح) ای قد ظھرلہ من احوال الموصی ما یغلب معہ علی ظنہ انہ یرید الجور و صرف المیراث عن الوارث (جصاص) جَنَفًا۔ جنف کہتے ہیں نادانستہ غلطی، یا بے ضابطگی کو۔ مراد ہے سہو یا خطائے فہم سے گونہ زیادتی۔ الجنف الخطاء (ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) الجنف الخطاء من حیث لا یعلم بہ (کبیر) میلاً عن الحق بالخطاء (کشاف) اِثْمًا۔ یعنی دانستہ غلطی۔ کھلی ہوئی حق تلفی جس پر گناہ کا اطلاق ہو سکے۔ الاثم العمد (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) الاثم ھو العمد (کبیر) ف۶۴۶ (مضمون وصیت میں ترمیم کرکے، اور وارثوں کی حق تلفیوں کو دُور کرکے) بَيْنَهُمْ میں ضمیر جمع غائب وارثوں کی جانب ہے۔ ای بین الموصی لھم (روح) الکنایۃ عن الورثۃ (قرطبی) یعنی وصیت اگر بے ضابطہ ہے یا خلاف قاعدۂ شرعی ہے، اور کوئی شخص وارثوں کے درمیان وقوع نزاع یا احتمالِ نزاع ہی دیکھ کر مضمونِ وصیت میں ایسی ترمیم کردے۔ جس سے حق تلفیوں کی اصلاح ہو جائے اور وارثوں میں باہم مصالحت ہو جائے۔ بعض فقہاء نے اس حکم کے ماتحت وسعت دے کر کہا ہے کہ حکم صرف وصی اور گواہانِ وصیت اور حاکم کے ساتھ مخصوص نہیں، اُمت کا ہر فرد اس پر عمل کر سکتا ہے۔ فمن خاف من سائر الناس من موص میلا عن الحق و عدولاً الی الجور فالواجب علیہ ارشادہ الی العدل والصلاح (جصاص) الخطاب لجمیع المسلمین (ابن العربی) اس لیے کہ اس حکم کا تعلق باب امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے ہے اور وہ ساری اُمت پر فرض ہے۔ ولا یختص بذلک الشاھد والوصی والحاکم دون سائر الناس لان ذٰلک من باب الامر بالمعروف و النھی عن المنکر (جصاص) لان اصلاح الفساد فرض علی الکفایۃ (ابن العربی) فقہاء نے اس آیت سے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ غلبۂ ظن کے بعد رائے وعمل کا اجتہاد جائز ہو جاتا ہے اس لیے کہ وصیت کرنے والے کی طرف سے ظلم وزیادتی کا اندیشہ تو ظن غالب ہی کے حکم میں رہے گا۔ و فیھا الدلالۃ علی جواز اجتھاد و الرای والعمل علی غالب الظن لان الخوف من المیل یکون فی غالب ظن الخائف (جصاص) و فی ھٰذا دلیل علی الحکم بالظن (ابن العربی) ف۶۴۷ (اس تبدیل وترمیم مضمون وصیت کے باب میں) بلکہ وہ تو اور مستحق اجر و ثواب کا ہوگا۔ لانہ تبدیل باطل الی حق (مدارک) ف۶۴۸ اللہ تو گنہگاروں تک کے حق میں غفور ورحیم ہے۔ چہ جائیکہ یہ شخص جو گنہگار بھی نہیں بلکہ اپنی سعی اصلاح میں تو مطیع حکم اور مستحق اجر ہے۔ غَفُوْرٌ۔ یعنی گناہوں کا بخشنے والا۔ رَّحِيْمٌ۔ یعنی خطا کاروں کے حال پر رحم کرنے والا۔ ف۶۴۹ صیام جمع ہے صوم کی۔ صوم یا روزہ اصطلاح شریعت میں اسے کہتے ہیں کہ انسان طلوع فجر سے غروب آفتاب تک اپنے کو کھانے، پینے اور عمل زوجیت سے روکے رہے۔ جو روزے فرض ہیں وہ ماہِ رمضان کے ہیں۔ غیبت، فحش، بدزبانی وغیرہ زبان کے تمام گناہوں سے روزہ میں بچے رہنے کی سخت تاکیدیں حدیث میں آئی ہیں۔ جدید وقدیم سب طبیب اس پر متفق ہیں کہ روزہ جسمانی بیماریوں کے دُور کرنے کا بہترین علاج اور جسم انسانی کے لیے ایک بہترین مصلح ہے۔ پھر اس سے سپاہیانہ ہمت اور ضبطِ نفس کی رُوح جو ساری امت میں تازہ ہو جاتی ہے، اس کے لحاظ سے بھی مہینہ بھر کی یہ سالانہ مشق ایک بہترین نسخہ ہے۔ ف۶۵۰ روزہ کسی نہ کسی صورت میں تو دُنیا کے تقریباً ہر مذہب اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، طبع چہاردہم کی جلد ۹ صفحہ ۱۰۶ اور جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۳ سے ظاہر ہے لیکن قرآن کو مشرکانہ مذہبوں سے بحث نہیں۔ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے اس کی اصل مراد اہل کتاب ہی سے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ روزہ شریعت موسوی کا ایک اہم اور مشہور جزو ہے۔ مذاہب عالم سے اتنی گہری واقفیت، کہ صاف صاف اُن میں روزہ کے جزوِ مذہب ہونے کی خبر دے دی، ڈاک اور ریل کے زمانہ سے صدیوں قبل اور اخبارات اور کتب خانوں کے دَور سے ہزار بارہ سو سال پیشتر عرب جیسے دُور اُفتادہ اور دنیا کے ہر ملک سے بے تعلق جزیرہ نما میں ایک اُمی کے لیے کسی طرح ممکن نہیں ——— بجز وحی اِلٰہی کے توسط کے۔ ف۶۵۱ روزہ تعمیل ارشادِ خداوندی میں تزکیۂ نفس، تربیت جسم دونوں کا ایک بہترین دستور العمل ہے، اشخاص کے انفرادی اور اُمت کے اجتماعی ہر دو نقطۂ نظر سے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کے ارشاد سے اسلامی روزہ کی اصل غرض وغایت کی تصریح ہوگئی کہ اس

سے مقصود تقویٰ کی عادت ڈالنا اور اُمت و افراد کو متقی بنانا ہے۔ تقویٰ نفس کی ایک مستقل کیفیت کا نام ہے۔ جس طرح مضر غذاؤں اور مضر عادتوں سے احتیاط رکھنے سے جسمانی صحت درست ہوجاتی ہے اور مادّی لذتوں سے لطف وانبساط کی صلاحیت زیادہ پیدا ہوجاتی ہے۔ بھوک خوب کھل کر لگنے لگتی ہے خون صالح پیدا ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح اس عالم میں تقویٰ اختیار کرلینے سے (یعنی جتنی عادتیں صحت رُوحانی وحیاتِ اخلاقی کے حق میں مضر ہیں، اُن سے بچے رہنے سے) عالم آخرت کی لذتوں اور نعمتوں سے لطف اُٹھانے کی صلاحیت واستعداد انسان میں پوری طرح پیدا ہو کر رہتی ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں اسلامی روزہ کی افضلیت تمام دُوسری قوموں کے گرے پڑے روزوں پر علانیہ ثابت ہوتی ہے اور غیر مشرک قوموں کے ناقص، ادھورے اور برائے نام روزوں کا تو ذکر ہی نہیں، خود مسیحی اور یہودی روزوں کی حقیقت بس اتنی ہے کہ وہ یا تو کسی بلا کو دفع کرنے کے لیے رکھے جاتے ہیں، یا کسی فوری اور مخصوص روحانی کیفیت کے حاصل کرنے کو۔ یہود کی قاموسِ اعظم جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ ”قدیم زمانہ میں روزہ یا تو بطور علامت ماتم کے رکھا جاتا تھا، اور یا جب کوئی خطرہ درپیش ہوتا تھا، اور یا پھر جب سالک اپنے میں قبولِ الہام کی استعداد پیدا کرنا چاہتا تھا۔“ (جلد ۵۔ صفحہ ۳۴۷) اسلام میں روزہ نام ہے اپنے قصد وارادہ سے، ایک مدت معین تک کے لیے اپنی جائز اور طبعی خواہشوں کی تکمیل سے دستبرداری کا۔ اور اس سے ایک طرف طبی اور جسمانی، دُوسری طرف رُوحانی اور اخلاقی جو فائدے حاصل ہوتے ہیں، فرد اور اُمت دونوں کو، ان کی تفصیل کی گنجائش تو یہاں بہرحال نہیں۔ البتہ سورۃ کے آخر میں بطور ضمیمہ اس نامہ سیاہ کی بعض تحریریں پرچہ صدق اور سچ سے نقل کر کے درج کی جاتی ہیں۔

فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ

پھر تم میں سے جو شخص بیمار ہو ف۶۵۳ یا سفر میں ہو ف۶۵۴ اس پر دوسرے دنوں کا

مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ

شمار رکھنا (لازم ہے) ف۶۵۵ اور جو لوگ اسے مشکل سے برداشت کرسکیں ف۶۵۶ ان کے ذمہ

فِدۡيَةٌ طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ ؕ فَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا فَهُوَ

فدیہ ہے (کہ وہ) ایک مسکین کا کھانا ہے ف۶۵۷ اور جو کوئی خوشی خوشی نیکی کرے ف۶۵۸ اس کے

خَيۡرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ

حق میں بہتر ہے، اور اگر تم علم رکھتے ہو ف۶۵۹ تو بہتر تمہارے حق میں یہی ہے کہ تم روزے

تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸۴﴾ شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِىۡٓ اُنۡزِلَ فِيۡهِ

رکھو ف۶۶۰ ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن

الۡقُرۡاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰى

اتارا گیا ہے، ف۶۶۱ وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے ف۶۶۲ اور (اس میں) کھلے ہوئے (دلائل ہیں) ہدایت

وَالۡفُرۡقَانِ ۚ فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَـصُمۡهُ ؕ

اور (حق وباطل میں) امتیاز کے ف۶۶۳ سو تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے، لازم ہے کہ وہ (مہینہ بھر) روزہ

وَمَنۡ كَانَ مَرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ

رکھے ف۶۶۴ اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو، تو (اس پر) دوسرے دنوں کا شمار

اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيۡدُ اللّٰهُ بِکُمُ الۡيُسۡرَ وَلَا يُرِيۡدُ

رکھنا (لازم ہے) ف۶۶۵ اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے اور تمہارے حق میں

بِکُمُ الۡعُسۡرَ وَلِتُکۡمِلُوا الۡعِدَّةَ وَلِتُکَبِّرُوا

دشواری نہیں چاہتا ف۶۶۶ اور یہ (چاہتا ہے) کہ تم شمار کی تکمیل کرلیا کرو، ف۶۶۷ اور یہ کہ تم

ف۶۵۲ یعنی ان فرض روزوں کی ایک متعین تعداد ہے جیسا کہ ڈسپلن (تنظیم یا باقاعدگی) کا اقتضا ہے۔ یہ نہیں کہ جب جس کا جی چاہے جتنے دنوں کے لیے رکھ ڈالے۔ وحدت اُمت کے لحاظ سے لازمی تھا کہ ایک متعین زمانہ، متعین حدود کے ساتھ ساری اُمت کے لیے مقرر ہو۔ ضمناً یہ پہلو بھی نکل آیا کہ ان فرض روزوں کی تعداد کچھ بہت بڑی نہیں۔ یہ نہیں کہ سال سال بھر روزے رکھتے ہی جاؤ۔ چھ مہینے بلکہ تین مہینے بھی نہیں۔ سال بھر میں کل ۲۹ یا ۳۰ دن ف۶۵۳ (اور بیماری کے باعث روزہ اس پر شاق ہو)۔ بیماری کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بیماری بہت شدید بھی ہوسکتی ہے اور بہت خفیف برائے نام بھی ہوسکتی ہے اور پھر موسم، عمر، جثہ وغیرہ کے اختلافات بھی اثر انداز ہوا کرتے ہیں۔ یہاں مراد ایسی بیماری ہے، جو روزہ رکھنے میں خلل انداز ہو۔ محض مریض کسی درجہ میں ہونا اجازت ترک صوم کے لیے کافی نہیں۔ اے مريضًا يعسر عليه الصوم معه (روح) قال جمهور من العلماء اذا كان به مرض يؤلمه اويخاف تماديه اويخاف تزيّده صحّ له الفطر (قرطبی) يخاف من الصوم زيادة مرض (مدارک) قال ابو حنيفةؒ و ابو يوسفؒ و محمدؒ اذا خاف ان تزداد عينه وجعًا او حماه شدة افطر (جصاص) فثبت اتفاق الفقهاء ان الرخصة فى الافطار للمريض موقوفة على زيادة المرض بالصوم. وانه ما لم يخش الضرر فعليه ان يصوم (جصاص) بیماری کی کوئی معین حد شریعت نے نہیں بتائی۔ ہر شخص اپنے حالات کے لحاظ سے اپنے ضمیر کی روشنی میں اس کا فیصلہ کرسکتا ہے ف۶۵۴ سفر کے اندازے شریعت نے مقرر کردیئے ہیں۔ یعنی سفر کی اتنی مقدار کہ جس میں ترک صوم جائز ہو۔ وقد اتفقوا على ان للسفر المبيح للافطار مقدارًا معلومًا فى الشرع (جصاص)۔ لیکن خود ان اندازوں میں اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے اب تک چلا آرہا ہے۔ ابن عمرؓ، ابن عباس صحابیوں رضی اللہ عنہم اور فقیہ ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ سفر شرعی کا اطلاق تین دن کے مسافت والے سفر پر ہوتا ہے۔ قال ابن عمر و ابن عباس والثورى الفطر فى سفر ثلثه ايام (قرطبی) حنفیہ کے ہاں بھی فتویٰ تین ہی دن کی مقدار سفر پر ہے۔ گو دُوسرے ائمہ کے یہاں دو روز بلکہ ایک روز کے سفر پر بھی افطار جائز ہے۔ فقال اصحابنا مسيرة ثلثة ايام و لياليها و قال آخرون يومين وقال آخرون مسيرة يوم (جصاص) فقال مالک والشافعى اقل السفر يوم وليلة وقال ابو حنيفة اقله ثلاثة ايام (ابن العربی) ف۶۵۵ (اگر اس بیماری یا سفر کے دوران میں روزے چھوٹ گئے ہوں) یہ حکم نہیں، اجازت ہے۔ اور مقصود معذوروں کے لیے گنجائش ہے۔ البتہ اگر کوئی ایسی بیماری یا ایسا سفر ہو، جس میں روزہ رکھنے سے ہلاکت کی نوبت آئی جاتی ہو، تو اس حالت میں ترک صوم جائز ہی نہیں، واجب ہوجاتا ہے اور زیادہ تکلیف کی حالت میں ترکِ صوم ہی بہتر سمجھا گیا ہے۔ ف۶۵۶ يُطِيقُونَهٗ میں ضمیر صوم کی طرف ہے۔ یعنی روزہ رکھنے کو رکھ تو ڈالیں لیکن روزہ کا تحمل انہیں مشکل ہی سے ہوسکے۔ مشقت بہت زائد اُٹھانی پڑے۔ مثلاً زیادہ بوڑھے اشخاص، یا حاملہ اور مرضعہ عورتیں۔ طاقة اور وسعة اِن دو لفظوں میں اہل لغت نے فرق کیا ہے۔ وسعت تو گویا امکان کے مرادف ہے، اور طاقت میں یہ مفہوم شامل ہے کہ وہ کام، کرنے والے کی قدرت میں تو ہو، لیکن اُس کے کرنے میں مشقت بہت زائد پڑے۔ کام تو ہوجائے، لیکن بہ مشکل ہو۔ هو اسم لمقدار ما يمكن ان يفعله بمشقة منه (تاج) الطاقة اسم لمقدار ما يمكن للانسان ان يفعله بمشقة (راغب) الوسع فوق الطاقة فالوسع اسم لمن كان قادرًا على الشئ على وجه السهولة واما الطاقة فهو اسم لمن كان قادرًا على الشئ مع الشدة والمشقة (کبیر) اور یہاں طاقة کا مادہ استعمال ہوا ہے جس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ ”وہ لوگ جو تکلیف کے ساتھ روزے رکھ سکیں“ مثلاً بوڑھے اور بوڑھیاں، حاملہ اور مرضعہ۔ اے يصومونهم جهدهم و طاقتهم و مبلغ وسعهم (کشاف) اے الذين يقدرون على الصوم مع الشدة والمشقة (کبیر) فيصير المعنى و على الذين يصومونه مع الشدة والمشقة فيشمل نحو الحبلى والمرضع (روح)

یکلفونه او یتکلفونه علٰی جهدٍ منهم و عسرٍ و هم الشیوخ والعجائز (کشاف) اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں تو یطوّقونهٗ ہے، جو صاف مرادف یکلفونهٗ کا ہے۔ و مشهور قراۃ ابن عباس یطوّقونه بفتح الطاء و تشدید الواو بمعنٰی یکلفونه (قرطبی) تابعین بلکہ صحابیوں رضی اللہ عنہم کی متعدد روایتوں میں اس سے مراد بوڑھے اور بوڑھیاں ہی لی گئی ہیں، اور متعدد مفسروں نے بھی یہی سمجھا ہے اور آیت کے منسوخ قرار دینے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔ هو الشیخ والشیخة (ابن جریر۔ عن علی) نزلت هٰذه الأیة فی حق الشیخ الهرم (کبیر) قال ابن عباسؓ لیست منسوخة هو الشیخ الکبیر و المرأۃ الکبیرۃ لا یستطیعان ان یصوما (ابن کثیر۔ عن عطاء) ففسر ابن عباس ان کان الاسنادعنه صحیحًا یطیقونه بیطیقونه و یتکلفونه (قرطبی) روٰی ابوداؤد عن ابن عباس وعلی الذین یطیقونهٗ قال اثبتت للحبلٰی والمراضع (قرطبی) وخرج الدّار قطنی عنه ایضاً قال رخص للشیخ الکبیر ان یفطر و یطعم عن کل یوم مسکینًا ولا قضاء علیه۔ هٰذا اسناد صحیح (قرطبی) وروی عنه ایضًا انه قال و علی الذین یطیقونه فدیة طعام لیست بمنسوخة هو الشیخ الکبیر والمرأۃ الکبیرۃ لا یستطیعان ان یصوما فیطعما مکان کل یوم مسکینًا و هٰذا صحیح (قرطبی) و حکم هٰؤلآء الافطار والفدیة و هو علٰی هٰذا الوجه ثابت غیر منسوخة (کشاف) مفسر قرطبی کا فیصلہ اس باب میں قولِ فیصل ہے:۔ فقد ثبت بالاسانید الصحاح عن ابن عباسؓ ان الأیة لیست بمنسوخة وانها محکمة فی حق من ذکر۔

و۶۵۷ یعنی جن بوڑھوں، بوڑھیوں، ناتوانوں کے لیے روزہ رکھنا بہت تعب کا باعث ہو، انہیں اختیار ہے کہ بجائے روزہ رکھنے کے ایک غریب کو روزانہ کھانا کھلا دیا کریں۔ اور کھانے کا معیار وہ ہو جو خود ان کا اوسطاً رہتا ہے۔ مختلف فقہاء سے مختلف مقداریں منقول ہیں۔ و۶۵۸ (اسی ادائے فدیہ کے باب میں) یعنی اس قدر مقدار تو بہرحال واجب ہے اب اگر اس میں کوئی اور زیادتی کرنا چاہے، یعنی ایک شخص کے بجائے دو شخصوں کو کھلا دے، کھانے کی تعداد بڑھا دے، کھانے کی قسم بہتر کر دے، فدیہ کے ساتھ روزہ کو بھی جمع کر لے تو اور بہتر ہے۔ خیر، خیرات، فیاضی، وسیر چشمی، حسن سلوک و حسن معاشرت کی تاکید تو اسلام میں ہمیشہ اور ہر حال کے لیے موجود ہے۔ لیکن رمضان کے ماہ مبارک میں اس کی اہمیت اور زیادہ ہے۔ چنانچہ ماہ مبارک کے ختم پر، یا ختم سے ذرا قبل جو صدقہ فطر واجب بتایا گیا ہے، کہ آس پاس کا کوئی کلمہ گو بھوکا نہ رہنے پائے وہ اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیاضی، سخاوت، جود و کرم میں اپنی نظیر آپ تھے، تاہم متعدد حدیثوں میں آتا ہے کہ اس ماہِ مبارک میں آپ کا جوشِ کرم اور بڑھ جاتا تھا، اور آپؐ فیاض سے فیاض تر ہو جاتے تھے۔ و۶۵۹ (کہ صوم رمضان کی کیا کیا برکتیں اور فضیلتیں ہیں اور اس کے کیا کیا منافع و مصالح ہیں) و۶۶۰ (اگرچہ معقول عذر روزہ کو قضا کر دینے اور اس کے بجائے فدیہ دینے کے موجود ہوں) اس میں ترغیب اور تشویق ہے کہ روزہ رکھنے کے جو منافع و مصالح ہیں، وہ تو روزہ رکھنے ہی سے حاصل ہوں گے، ہاں معذوروں کے لیے گنجائش فدیہ کی بھی رکھ دی گئی ہے و۶۶۱ یعنی اُترنا شروع ہوا۔ ای ابتدی فیه انزاله (مدارک۔ بیضاوی۔ روح) بدی بانزاله فیه علٰی رسول الله (بحر) کل قرآن مجید کا نزول تو بڑی تدریج کے ساتھ کوئی ۲۱۔ ۲۲ سال کی مدت میں ہوا ہے، یہاں مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول قرآن کی ابتداء ماہِ رمضان میں ہوئی۔ وحی قرآنی کی سب سے پہلی آیتیں سورۃ العلق کا ابتدائی حصہ ہے، اور وہ غارِ حرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی مہینہ میں نازل ہوئی تھیں۔ (۱ نبوی) بہت سے مفسر اس جانب بھی گئے ہیں کہ قرآن مجید کا نزول آسمانِ دنیا پر اسی مہینہ میں ہوا اور پھر وہاں سے فرشتۂ وحی حضرت جبرئیل کے توسط سے بتدریج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا رہا۔ القران۔ جس طرح ارض کا اطلاق سارے روئے زمین پر بھی ہوتا ہے اور زمین کے ہر ہر ٹکڑے پر بھی۔ اسی طرح قرآن کا اطلاق ۳۰ پاروں والی مکمل کتاب پر بھی ہوتا ہے اور اس کے ہر ہر جزو پر بھی۔ رمضان۔ سنہ قمری اسلامی کے نویں مہینہ کا نام ہے۔ شریعت نے اعتبار قمری مہینوں کا کیا ہے اور اپنے حسابات میں اسی تقویم سے کام لیا ہے۔ قمری مہینے چونکہ مختلف موسموں میں اُدل بدل کرآتے رہتے ہیں۔ مسلمان روزہ دار بھی رمضان کی اس گردش سے ہلکی گرمی اور ہلکی سردی، شدید گرمی اور شدید سردی، خشک و تر، ہر ہر موسم میں بھوک اور پیاس کے ضبط و تحمل کا خوگر ہو جاتا ہے۔ روزوں کی تعداد تو شریعت نے مقرر کر ہی دی ہے، زمانہ بھی ایک متعین و مقرر ہے۔ یہ نہیں کہ محض تعداد جس کا جب جی چاہے پوری کر لے۔ انفرادی اصلاح تو شاید ان حسب مرضی روزوں سے ہو بھی جاتی لیکن اجتماعی منافع و مصالح کے لیے تعداد کی طرح تعیین بھی ناگزیر تھی۔ وحدت اُمت کے لیے لازمی تھا کہ عرب و چین، مصر و ہندوستان طرابلس و جاپان، حبش و آسٹریلیا، افغانستان اور کناڈا، سائی بیریا اور میکسیکو، برطانیہ اور آسٹریا، غرض سارے روئے زمین پر اسلامی آبادی جہاں کہیں بھی ہو، سب ایک ہی وقت میں رُوحانیت کی اس سالانہ پریڈ میں شریک ہو ---- علم الاجتماع کے مبصرین جانتے ہیں کہ وحدتِ امت و تنظیم ملت میں کتنا زیادہ دخل اس ہم وقتی یا وقت کی ہم آہنگی کو ہوتا ہے۔ قرآن کی مناسبت رمضان کے ساتھ ہر صاحب نظر پر بالکل روشن ہے، اہل سنت اسی لیے قرآن مجید کے اس نزول کی سالانہ یادگار اس مہینہ بھر راتوں کو اپنی مسجدوں میں مناتے ہیں اور تراویح کی رکعتوں میں سارے قرآن کو اپنے حافظہ میں تازہ کر لیتے ہیں۔ و۶۶۲ یعنی اس میں خفا و التباس کسی قسم کا نہیں، اور اس کے سارے ہدایات و احکام لوگوں ہی کے نفع کے لیے ہیں۔ للنّاس سے اس پر بھی روشنی پڑ گئی کہ قرآن کی مخاطب ساری دنیا ہے۔ محض قریش یا عرب نہیں۔ و۶۶۳ قرآن مجید ایک کتاب محکم ہے نہ صرف دلالت احکام میں وضاحت کامل کی بنا پر، بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ اس کے دلائل حق کو باطل سے واضح اور نمایاں طور پر ممتاز کر دینے والے ہیں، و۶۶۴ فَلْيَصُمْهُ یعنی کج فہموں نے خدا معلوم کس قاعدۂ زبان سے اس لفظ کے یہ معنٰی نکال کر کہ رمضان "میں" یا رمضان کے "اندر" روزے رکھے جائیں۔ یہ حکم لگا دیا ہے کہ صرف تین دن کے روزے بھی کافی ہیں۔ یہ ایجاد بندہ تمامتر گندہ ہے۔ آیت کے صاف و صریح معنٰی اس مہینہ کو روزہ میں گزارنے کے ہیں اور اردو میں اس مفہوم کو "مہینہ بھر" میں ہی سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ فیصیر تقدیرهٗ من شهد جزءً ا من اجزاء الشهر فلیصم کل الشهر (کبیر) ای الشهر کله (معالم) شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ۔ قمری مہینہ کا آغاز ہر ۲۹ یا ۳۰ دن کے بعد چاند دیکھنے سے ہوتا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور یہ رنگ اس کی اخلاقی، معاشرتی، تعبدی، جزئی، کلی، ہر تعلیم میں نمایاں ہے۔ طاعتوں اور عبادتوں کے باب میں جہاں اس نے ایک طرف یہ تاکید رکھی ہے کہ وقت مقرر پر، اور زمانہ معین ہی میں ادا ہوں، وہاں یہ نہیں کیا کہ خود اوقات کو یا زمان کی مقداروں کو ماہرین ہیئت و حساب کا محتاج و پابند بنا دیا ہو۔ شمسی تقویم رکھنے والے بیچارے اپنی گھڑی گھنٹہ کے لیے تمامتر دست نگر رہتے ہیں۔ ہیئت دانوں اور فلکیات کا حساب کتاب رکھنے والوں کے۔ اور اگر کسی ملک یا قوم کا تمدن ابھی اس درجہ تک نہ پہنچا ہو کہ رصد خانے بن سکے ہوں، دُور بینیں ایجاد ہو چکی ہوں، طرح طرح کے آلات سے کام لیا جانے لگا ہو۔ ریاضیات کا طویل و عریض نظام وجود میں آ چکا ہو۔ تو وہاں کے لوگ بیچارے منہ دیکھتے رہ جائیں۔ اسلام تو اس سیدھے سادھے فطری حساب کا قائل ہے کہ بغیر کسی آلہ کی مدد کے بغیر ریاضیات اعلٰی کے توسط کے، بس آنکھ سے جب چاند دیکھ لو، روزہ رکھنا شروع کر دو۔ شَهِدَ۔ وسیع معنٰی میں ہے۔ یعنی جب ماہِ رمضان کے شروع ہونے کا علم ہو جائے۔ خواہ چاند کو براہ راست دیکھ کر، خواہ دُوسروں سے رویت کی خبر سن کر، تو بیماروں، مسافروں، معذوروں کو چھوڑ کر، اور سب لوگ روزہ رکھنا شروع کر دیں۔ وشهد من الشهود والترکیب یدلّ علی الحضور امّا ذاتًا او علمًا (روح) امّا بالرؤیة وامّا بالسماع (کبیر) رویت ہلال معتبر کہاں کی ہوگی؟ فقہاء نے اس کے جواب میں بڑی بڑی موشگافیاں کی ہیں، لیکن صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ اسی شہر یا بستی کی یا قرب و جوار کی بستیوں کی۔ سینکڑوں ہزاروں میل دُور سے رویت ہلال کی خبریں منگانے کا تار، ٹیلیفون، ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ سے انتظام کرنا، یا کلکتہ کی رویت کو ۱۹۰۰ میل دُور ممبئی پر حجت گرداننا شریعت اسلامی کی اصل رُوح پر ظلم کرنا ہے اختلاف مطالع ایک صریح مشاہدہ کی چیز ہے۔ اسے کیونکر جھٹلایا جا سکتا ہے۔ وحدت یقیناً ایک بڑی اہم چیز ہے لیکن اس کے لیے یہ زبردستی کی کوششیں کرنا طبعی کو غیر طبعی کی حد تک پہنچا دینا ہے۔ واختلفوا اذا اخبر مخبر عن رویة بلدۃ فلا یخلوا انه یقرب اویبعد فان قرب فالحکم واحد وان بعد فلاهل کُلِّ بلدٍ رؤیتهم روی هٰذا عن عکرمه والقاسم و سالم و روی عن ابن عباس وبه قال اسحٰق والیه اشار البخاری حیث بوّب لاهل کل بلدرؤیتهم (قرطبی) اسی تفسیر قرطبی میں ایک روایت صحیح مسلم کے حوالہ سے اس مضمون کی درج ہے کہ ایک بار رمضان کے سلسلہ میں شام کی رویت کی خبر مدینہ میں پہنچی۔ دونوں جگہ کی تاریخوں میں فرق نکلا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صحابی نے حدیث نبوی کا حوالہ دے کر فتویٰ دیا کہ ہم تو یہیں کی رویت کا اعتبار کریں گے۔ اس کے بعد امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ قال علماؤنا قول ابن عباس هکذا امرنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کلمة تصریح برفع ذٰلک الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و بامره فهو حجة علٰی ان البلاد اذا تباعدت کتباعدت الشام من الحجاز فالواجب

علی اهل کل بلدان تعمل علی رؤیته دون رؤیة غیره امام مسلم کا شمار فقہاء محدثین میں ہے۔انہوں نے اپنی صحیح کی کتاب الصیام کے ایک باب کا عنوان یہی قرار دیا ہے۔باب بیان ان لکل بلدٍ رؤیتهم و انهم اذا راوا الهلال ببلدٍ لا یثبت حکمه لما بَعُد عنهم۔یعنی باب اس بیان میں کہ ہر شہر کے لیے رؤیت وہیں کی معتبر ہے۔اور اس میں کہ جس بستی میں چاند دکھائی دے، وہاں سے دُور کی بستیوں پر وہاں کا حکم عائد نہ ہوگا۔اور باب کے تحت میں وہی حدیث لائے ہیں جو قرطبی کے حوالہ سے اُوپر گزر چکی۔اور اس حدیث کو محدث ابن منذر اور امام ترمذی نے بھی نقل کیا ہے۔وحکاه ابن المنذر عن عکرمة والقاسم وسالم واسحٰق و حکاه الترمذی (فتح الباری) اور نووی شارح مسلم نے لکھا ہے کہ

والصحیح عنداصحابنا ان الرؤیة لاتعم الناس بل تختص بمن قرب علی مسافة لا تقصر فیها الصّلٰوة و قیل ان اتفق المطلع لزمهم وقیل ان اتفق الاقلیم والافلا۔

صحیح مسئلہ ہمارے علماء کے یہاں یہ ہے کہ رؤیت سارے انسانوں پر حجت نہیں بلکہ صرف اتنی مسافت والوں پر ہے جہاں تک نماز قصر نہ کی جائے۔اور ایک قول ہے کہ جہاں تک مطلع متحد ہو، اور ایک قول ہے کہ ایک اقلیم کے حدود کے اندر اور اُس کے آگے نہیں۔

اور پھر اُس کے آگے یہ لکھا ہے کہ ابن عباس ؓ نے غیر رؤیت پر بے اعتباری نہیں کی، بلکہ

انما رده لان الرویة لایثبت حکمها فی حق البعید۔

انہوں نے اس پر عمل کرنے سے اس لیے انکار کیا کہ رؤیت کا حکم دُور دراز مقامات پر صادق نہیں آتا۔

اور فقیہ قاضی ابن رُشد مالکی نے اس حدیث سے نتیجہ نکالا ہے کہ ہر بستی کے لیے وہیں کی رؤیت معتبر ہے، چاہے بستیاں آس پاس کی ہوں یا دُور کی۔فظاهر هٰذا الاثر یقتضی ان لکل بلد رؤیته قَرُبَ اوبَعُدَ (بدایۃ المجتہد) مالکیہ کا مذہب مشہور تو یہ ہے کہ ایک جگہ کی رؤیت سب جگہ کے لیے کافی ہوگی۔لیکن ابن عبدالبر نے اجماع اس کے برخلاف نقل کیا ہے۔یعنی ایسے دُور دراز ممالک جیسے خراسان اور اسپین ہیں، ان میں سے ایک کے ہاں کا اعتبار دُوسری جگہ نہیں کیا جائے گا۔لکن حکا ابن عبدالبر الاجماع علی خلافه وقال اجمعوا علی انه لا تراعی الرؤیة فی مابعد من البلاد کخراسان والاندلس (فتح الباری) وحکی ابو عمر الاجماع علی انه لاتراعی الرؤیة فی مابعد من البلدان کالاندلس و خراسان قال و لکل بلد رؤیتهم الاما کان کالمصر الکبیر و ماتقاربت اقطاره من بلدان المسلمین (قرطبی) و روی المدنیون عن مالک ان الرؤیة لاتلزم بالخبر عند غیر اهل البلد الذی وقعت فیه الرؤیة الا ان یکون الامام یحمل الناس علی ذٰلک و به قال ابن الماجشون والمغیره من اصحاب مالک و اجمعوا علی انه لا یراعی ذٰلک فی البلدان النائیة کالا ندلس و الحجاز (بدایۃ المجتہد) واختلف فی تاویل قول ابن عباس هٰذا فقیل ردّهٗ لانه خبرٌ واحدٌ وقیل ردّهٗ لان الاقطار مختلفة فی المطالع و هو الصحیح (ابن العربی) اَلشَّهْرَ۔کوئی ملک اس دُنیا کے پردہ پر اگر ایسا آباد ہے کہ وہاں انسانی آبادی عاقلوں، بالغوں، شریعت کے مکلفوں کی ہے، اور وہاں کئی کئی مہینے آفتاب طلوع نہیں ہوتا، یا جب طلوع ہوتا ہے تو کئی کئی مہینے غروب نہیں ہوتا، تو ظاہر ہے کہ وہاں رویت ہلال کے انتیسویں دن یا تیسویں دن کے واقع ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں۔اور جب یہ نہیں تو وہاں شہود الشهر یعنی طلوع ماہِ رمضان کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا---- قرآن مجید کے اس اعجاز بلاغت کے قربان جائیے کہ صرف ایک لفظ شهد الشهر کے لے آنے سے کتنے سوالات اور شبہات کی جڑ کاٹ دی! بطور تطوّع یا بہ خیال تقویٰ کوئی وہاں بھی روزہ رکھنا چاہے تو سونے جاگنے، کھانے پینے، غرض دُنیا کے اور سارے کاروبار کے لیے وہاں اوقات کا جو معیار ہوا اسی اندازہ اور حساب سے روزہ بھی رکھ سکتا ہے۔ ف۶۶۵ ابتداء میں حکم صرف اسی قدر تھا کہ تندرست اور مقیم بھی جو ماہِ رمضان میں روزہ نہ رکھنا چاہیں، قضا کر سکتے ہیں، جب آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ نازل ہوئی، اس وقت سے تندرستوں اور مقیموں سے یہ اختیار چھن گیا۔اور رمضان کے روزے اُن کے لیے اختیاری نہیں رہے، لازمی ہوگئے۔لیکن مریضوں، ناتوانوں، مسافروں کے لیے قضا کا اختیار بدستور باقی رہا۔آیت کے اسی جز وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا الخ کو ایک بار پھر اسی لیے دوہرا دیا گیا کہ مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کی تعلیم سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ معذوروں سے بھی رعایت ختم کر دی گئی۔اس لیے حکم کی تکرار صرف صوری اور ظاہری ہے۔حقیقی اور معنوی نہیں۔کرّر لئلا یوهم نسخه بتعمیم من شهد (جلالین) مخصصًا له لان المسافر والمریض ممن شهد الشهر ولعل تکریره لذٰلک لئلا یوهم نسخه (بیضاوی) ف۶۶۶ چنانچہ شریعت اسلامی کے سارے احکام وقوانین اسی ایک اصل پر مبنی ہیں اور خود اسی روزۂ رمضان کے معاملہ میں معذور کے لیے کتنی گنجائش، کتنی سہولتیں رکھ دی گئیں۔حدیث نبوی میں جو آیا ہے۔دین الله یسر وہ اسی آیت قرآنی کی شرح یا تتمہ ہے اور واقعی اگر غور کر کے دیکھا جائے، تو شریعت کا ایک حکم بھی ایسا نہ ملے گا۔جس میں عامل کے حالات، عمر، صحت، جثہ، موسم اور دُوسری مشکلات کا لحاظ نہ کر لیا گیا ہو۔اور جو احکام بظاہر سخت معلوم ہوتے ہیں، اُن کی تہ میں بھی ہمیشہ یہی حقیقت پائی جائے گی کہ فرد یا اُمت کی راہ میں کچھ آسانیاں ہی پیدا ہوں۔اُمت اسلامی کے فخر و مسرت کے لیے یہ کافی ہے کہ جو احکام غیروں کو سخت معلوم ہوتے ہیں اُن کی تعمیل میں بھی اور آج ساڑھے تیرہ سو برس گزر جانے کے بعد، ساری مخالف فضا و ماحول کے باوجود اس خوشدلی اور بے تکلفی کے ساتھ لگی ہوئی ہے کہ اغیار دیکھ دیکھ حیرت میں رہ رہ جاتے ہیں۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں: ''روزہ کی سختیاں بدستور قائم ہیں۔خواہ وہ کسی موسم میں پڑیں، اور آج تک مشرق کے میدانوں میں، چلچلاتی ہوئی دُھوپ اور جھلساتی ہوئی سموم میں گرمیوں کے لمبے لمبے دنوں میں محمد ﷺ کے پیرو صبح سے شام تک پانی کا ایک قطرہ حلق کے نیچے نہیں اتارتے ...... اتنی سخت ریاضت قوتِ ایمانی اور ضبطِ نفس کا پورا امتحان ہے''۔(لائف آف محمد ﷺ، صفحہ ۱۹۳)

ف۶۶۷ (یعنی ایامِ قضا کی) یعنی جتنے روزے قضا ہو جائیں اُن کی تکمیل کرلو، تو پورا پورا اجر روزوں کی ادائی ہی کا مل جائے گا۔ وَلِتُكْمِلُوا۔یہ نحوی حیثیت سے ماتحت میں یُرِيدُ اللّٰهُ کے ہے اور عطف لِلتَّيَسِّرِ پر ہے۔یجوزان یعطف علی الیسر ای و یرید بکم لتکملوا (بیضاوی) ف۶۶۸ (تمہارے ہی نفع اور فلاح کی) اور راہ بھی ایسی جس میں نہ زیادہ مشقت وتعب، بلکہ ہر ایک کے حالات کی پوری پوری رعایت۔ ف۶۶۹ شکر گزار بن جانے کا کتنا آسان نسخہ اللہ کی نعمتوں کا مراقبہ ہے۔بندہ بس اسی پر غور کرتا رہے کہ اللہ نے شریعت اسلامی کے ذریعہ سے کیسے کیسے بسہولت طریقے اُس کے نفع اور اجر کے بتا دیئے ہیں۔ ف۶۷۰ (اے پیغمبر!) عَنِّيْ۔یعنی میرے قرب وبعد سے متعلق۔اقریب ربنا فنناجیه ام بعید فننادیه (بیضاوی) گمراہ قوموں نے باری تعالیٰ کے وجود کا اقرار تو بار ہا کیا ہے۔لیکن ذاتِ باری کو انسان سے اس قدر پرے، مادی و معنوی دونوں حیثیتوں سے فرض کیا ہے کہ وہاں تک بندوں کی رسائی گویا ممکن ہی نہیں! اِذَا سَاَلَكَ۔اہل لطائف نے اس سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ قرب وقبول طلب پر موقوف ہے اور لَكَ خطاب اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ توسط آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے کسی اور کی طرف گمان نہ جائے۔ ف۶۷۱ (اور یہ آپ بندوں سے میری طرف سے کہہ دیجئے) قَرِيْبٌ۔قریب باعتبار کمال علم، یا قریب بہ اعتبار قبول دُعا۔ای قریب بالا جابة (ابن عباس ؓ) قریبٌ بالعلم لا یخفی علیّ شئ (معالم) ای بالاجابة و قیل بالعلم (قرطبی) علمًا واجابةً لتعالیه عن القرب مکانًا (مدارک) انه تعالٰی یسمع دعاء هم و یریٰ تضرعهم اوالمراد من هٰذا القرب العلم و الحفظ (کبیر) قرب سے ظاہر ہے کہ قربِ مادّی یا مکانی تو مراد ہو ہی نہیں سکتا، قرب معنوی مراد ہوگا، تمثیل لکمال علمه بافعال العباد و اقوالهم و اطلاعه علی احوالهم (بیضاوی) حق تعالیٰ کا قرب اپنے بندوں سے رہتا تو ہمیشہ ہی ہے۔ماہِ رمضان میں اس عموم میں خصوص پیدا ہو جاتا ہے اور یہ قرب یا تعلق خاص اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔بندوں کی تسکین اور تسلی کا کس قدر سامان اس آیت کے اندر موجود ہے! ہمیں اپنے خدا کو ڈھونڈنے کہیں اور نہیں جانا ہے۔وہ تو ہم سے قریب ہی، ہم سے متصل ہی ہے۔ ف۶۷۲ (اور جن دعاؤں کا قبول کرنا میری حکمت کاملہ اور مشیت مطلقہ کے منافی نہیں ہوتا) عَنِّيْ، اِنِّيْ، اُجِيْبُ، دَعَانِ۔متکلم کی ساری ضمیریں آیت میں بجائے جمع کے واحد کی ہیں۔دونوں صیغوں کا عمومی فرق ملحوظ رہے۔صیغۂ جمع عمومًا قدرت عظمت، قوت کا مظہر ہے، اور واحد اس کے برعکس التفات، اختصاص، توجہ کی جانب مشیر ہوتا ہے۔اور یہاں توجہ والتفات کا مشیر ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔آیت کے الفاظ سے دُعا کی ترغیب وتشویق بھی نکل آئی۔اور اشارہ اس جانب بھی ہوگیا کہ دُعا بندہ کا کوئی سرتاسر خود غرضانہ اور دنیوی عمل نہیں، بلکہ عین عبادت اور موجب تقرب ہے۔ایک حدیث صحیح میں یہ مضمون آیا ہے کہ جس کے لیے دُعا کا دروازہ کھل جاتا ہے یعنی دُعا کی توفیق ہو جاتی ہے، اُس کے لیے رحمت کا بھی دروازہ کھل جاتا ہے۔ ف۶۷۳ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ۔یعنی میری دعوتِ ایمان وطاعت قبول کریں، جس طرح میں اُن کی دُعائے حاجات قبول کرتا ہوں۔اذادعوتهم للایمان و الطاعة کما انی

اجیبھم اذا دعونی لحوائجھم (مدارک) المعنی فلیجیبوا الیّ فی ما دعوتھم الیه من الایمان ای الطاعة والعمل (قرطبی۔ عن مجاہد وغیرہ) حکیم مطلق کے کسی حکم کے نامناسب ہونے کا احتمال ہی نہیں بخلاف بندوں کی درخواستوں کے کہ ان میں بہت سی نامناسب بھی ہوتی ہیں، اور اس لیے مرتبۂ قبول سے محروم رہتی ہیں (تھانوی) وَلْيُؤْمِنُوا بِي۔ یعنی یقین رکھیں نہ صرف میرے وجود پر بلکہ میرے حاکم ہونے پر، میرے حکیم ہونے پر، اور میری رعایت مصالح پر۔ و٦٧٤ (اوران پر فلاح دارین کا دروازہ کھل جائے) لَعَلَّ اُوپر بیان ہو چکا ہے کہ کلام الٰہی میں جب حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہو کر یہ لفظ آتا ہے تو اس کے معنی محض اُمید یا احتمال کے نہیں رہتے، بلکہ اس میں یقین پایا جانے لگتا ہے۔ مراد یہ ہوئی کہ احکام الٰہی پر عمل کرنے، اور اس کے حکیم و حاکم ہونے پر یقین رکھنے سے دروازہ فلاح دارین کا کھل کر رہے گا۔ و٦٧٥ یہ اجازت شروع میں نہ تھی۔ ابتداءً روزہ کی حالت میں، رات میں بھی دن ہی کی طرح بیویوں سے علیحدگی کا حکم تھا۔ شریعتِ اسلامی رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ رسالت میں بتدریج نازل ہوئی۔ کہیں تو ایسا ہوا کہ احکام شروع میں نرم تھے۔ رفتہ رفتہ سخت کیے گئے۔ مثلاً شراب نوشی، کہ پہلے صرف ناپسند کی گئی، اور پھر ہوتے ہوتے اُس کی حرمت کا حکم آ گیا۔ اور کہیں اس کے برعکس ہوا ہے، یعنی ابتداءً قانون سخت تھا، رفتہ رفتہ اس میں سہولتیں اور رعایتیں زیادہ ہوتی گئیں۔ چنانچہ یہی روزہ کا معاملہ ہے کہ پہلے صحبت رات میں بھی حرام تھی، بعد کو جائز کر دی گئی۔ رَفَثُ کے لفظی معنی شہوت انگیز کلام کے ہیں لیکن جب صیغۂ متعدی میں اسے لایا جاتا ہے تو اس سے مراد صحبت یا مباشرت ہوتی ہے۔

اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

الله کی بڑائی کیا کرو، اس پر کہ تمہیں راہ بتا دی و٦٦٨ عجب نہیں کہ تم شکر گزار بن جاؤ و٦٦٩

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ

اور جب آپ سے میرے بندے میرے باب میں دریافت کریں، و٦٧٠ تو میں تو قریب ہی ہوں و٦٧١ دعا

دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ

کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے و٦٧٢ پس (لوگوں کو) چاہئے کہ میرے احکام

وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ اُحِلَّ لَكُمْ

قبول کریں، اور مجھ پر ایمان لائیں و٦٧٣ عجب نہیں کہ ہدایت پا جائیں و٦٧٤ جائز کر دیا گیا ہے تمہارے لئے

لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ

روزوں کی رات میں اپنی بیویوں سے مشغول ہونا و٦٧٥ وہ تمہارے لئے

لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ

لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو و٦٧٦ الله کو خبر ہو گئی کہ تم اپنے کو

كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا

خیانت میں مبتلا کرتے رہتے تھے و٦٧٧ پس اس نے تم پر رحمت سے توجہ فرمائی، اور تم سے

عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ

درگزر کر دی، و٦٧٨ سو اب تم ان سے ملو ملاؤ و٦٧٩ اور اسے تلاش کرو، جو الله نے تمہارے

اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ

لئے لکھ دیا ہے و٦٨٠ اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ تم پر

الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ

صبح کا سفید خط سیاہ خط سے نمایاں

چنانچہ یہاں الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ہے۔ عداہ بالی لانه فی معنی الافضاء (لسان) جعل کنایة من الجماع و عدی الی تضمنة معنی الافضاء (راغب) کنی به عن الجماع (کشاف) والمراد به ھھنا المباشرة (ابن العربی) یہیں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بیوی کی طرف میل و رغبت ذرا بھی کمال روحانیت و تزکیہ نفس کے منافی نہیں، جیسا کہ بہت سے مشرکانہ اور جاہلی مذہبوں نے سمجھ لیا ہے اور ماہِ صیام کی طاعت و عبادت، اور بیوی سے خلوت و صحبت کے درمیان منافات ذرا بھی نہیں، جیسا کہ مذہب کے جوگیانہ اور راہبانہ تخیل نے دلوں میں بٹھا دیا ہے۔ شریعت اسلامی نے جس چیز پر سخت پہرہ بٹھا رکھا ہے، وہ شہوتِ حرام اور اس کے مبادی و مقدمات ہیں، نہ کہ نفس شہوت —— بھوک، پیاس، نیند کی طرح جنسی بھوک بھی اگر اپنے حدود کے اندر ہے تو ایک طبعی اور بے ضرر خواہش ہے۔ قصداً اور بلا ضرورتِ شرعی روزۂ رمضان توڑ دینے کی سزا شریعت نے دو مہینے یعنی ساٹھ دن کے مسلسل روزے رکھی ہے اور شوہر و بیوی اگر اپنے مشترک سے روزہ توڑ دیں تو دونوں کی یہی سزا ہے لیکن اگر بیوی رضامند نہ ہو، اور شوہر اُسے دن میں ہم بستری پر مجبور کر دے، تو بیوی پر گناہ نہیں۔ البتہ خود جبر کا تحقق ہونا چاہیے۔ اُس کے لیے صرف ایک روزہ کی قضا ہوتی ہے۔ کفارہ کی بنیاد قصد و تعمد پر ہے۔ و٦٧٦ (قرب و اتصال کے لحاظ سے، یا ایک دُوسرے کے پردہ دار اور موجب تسکین ہونے کے لحاظ سے) گویا اُردو محاورہ میں، دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ وہ ان کے حق میں اوڑھنا بچھونا ہیں، اور یہ اُن کے حق میں۔ یہ لباس کی تشبیہ کس اعتبار سے ہے؟ مختلف زبانوں سے اس کے مختلف جوابات ملتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ ایک دُوسرے کے محتاج ہونے کی بنا پر کسی نے کہا کہ اجسام کی ملابست و ملامست کی بنا پر۔ وقس علیٰ ہذا۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انسان کے حق میں لباس کا ایک وصفِ امتیازی اُس کی پردہ پوشی ہے۔ لباس جسم کے عیبوں کو چھپاتا ہے، اُس کے حسن و خوبی کو اُبھارتا ہے۔ تشبیہ سے خاص اشارہ اسی وصف کی جانب معلوم ہوتا ہے۔ گویا ہر اسلامی خاندان میں میاں بیوی کو ایک دُوسرے کا پردہ پوش ہونا چاہیے، اور ایک دُوسرے کی زینت کو بڑھانے والا۔ جو انتہائی گہرا رشتہ اور تعلق میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کی بنا پر ظاہر ہے کہ جتنا موقع ایک کو دوسرے کے جسمانی، اخلاقی، روحانی عیبوں اور کمزوریوں پر مطلع ہونے کا ملتا ہے اُتنا نہ کسی دوست کو مل سکتا ہے نہ کسی عزیز کو۔ اور نہ ایک کا کوئی راز دُوسرے سے مخفی رہ سکتا ہے۔ اسی صورتِ حال میں عورت کے اخلاق کا کمال یہی ہے کہ شوہر کی ہر کمزوری کو چھپائے، اس پر صبر کرے، اُسے بہتر سے بہتر صورت میں ظاہر کرے، اور

ع ناخوش تو خوش بود بر جانِ من کا ثبوت قدم قدم پر پیش کرے۔ علیٰ ہذا مرد کے بھی کمال اخلاق کی یہی معراج ہے! دونوں کی اخلاقی تکمیل کا یہ مؤثر ترین نسخہ اسلام نے باتوں باتوں میں بغیر کسی شدید اور پُر تعب مجاہدہ میں ڈالے ہوئے روزمرہ کے لطیف و سہل مجاہدات کے ذریعہ بتا دیا۔ یہ اس مذہب کی تعلیم ہے جو فرنگی ''محققین'' کی نظر میں پست اس لیے ہے کہ اُس میں عورت کی تحقیر کی گئی! ع کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا! کون جھوٹ اس سے بڑھ کر سخت، کونسا اتہام اس سے بڑھ کر صریح ہوگا؟ منوسمرتی والے ہندو مذہب کا ذکر نہیں، عہد عتیق و جدید والے یہودی و نصرانی مذہبوں سے سوال ہے کہ اُن کے سارے دفتر کتب و اسفار میں کون سی تعلیم زن و شو کے باہمی تعلق، محبت و اعتماد کے باب میں اس درجہ کی ہے؟ و٦٧٧ یعنی رات کو چھپ چھپ کر بیویوں سے صحبت کرتے تھے، اور جو حکم ممانعت اب تک تھا اُسے بار بار توڑتے رہتے تھے۔ و٦٧٨ یعنی پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا، اور آئندہ کے لیے رمضان میں رات کو بیویوں کے ساتھ خلوت اور صحبت کی اجازت دے دی۔ و٦٧٩ (اپنے معمولی طریقہ پر، جیسے رمضان کے علاوہ دوسرے زمانوں میں کرتے رہتے تھے) بَاشِرُوْا۔ صیغۂ امر ہے مراد اجازت ہے نہ کہ حکم۔ مباشرت سے مراد عورت سے صحبت کرنا ہے۔ کنایة عن الجماع (قرطبی) کنی به عن الجماع (بیضاوی) و٦٨٠ (بصورت اولاد اور بطور میاں بیوی کی یکجائی کے قدرتی نتیجہ کے) مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ، مراد اولاد، اور اولاد صالح ہے۔ عمل مباشرت اگر صحیح سن میں اور مناسب وقت پر ہو، بڑی گہری طبعی لذت بھی رکھتا ہے۔ لیکن اسلام نے اس عمل سے اصلی اور بڑا مقصد افزائش نسل اور حصول اولاد رکھا ہے کہ اُمت کی قوت اور کثرت میں برابر کا اضافہ ہوتا رہے اور ذاتی لذت اجتماعی منفعت کا زینہ بنتی رہے ٹھیک اسی طرح جیسے کھانے پینے کی لذت طبعی ذریعہ بنتی رہتی ہے۔ فرد کی حیات و بقا کا، اور اس کی تقویت جسم کا ما قضی الله لکم من ولد

الح (ابن عباسؓ) یعنی الولد قاله اکثر المفسرین (معالم) اورابن کثیر نے اسی معنی کی تائید میں حضرت ابن عباس، ابوہریرہ، انس رضی اللہ عنہ جیسے صحابیوں سے لے کر قاضی شریح، مجاہد، حسن بصری، ضحاک،
دہ، عکرمہ، عطاء، سعید بن جبیر وغیرہ اکابر تابعین تک سب کا اجماع نقل کر دیا ہے۔ کَتَبَ۔ ''لکھ رکھا ہے''۔ یعنی لوح محفوظ میں۔ اپنی مشیت تکوینی میں۔ ای فی اللوح المحفوظ (معالم) ای اثبت فی اللوح
ی الولد (کشاف) وَابْتَغُوْا۔ بعض نے وَابْتَغُوْا سے مراد شب قدر کی تلاش اور کَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ کے معنی اس کے اجر وثواب کے لیے ہیں۔ لیکن اہل تحقیق نے رد کر دیا ہے۔ هو قريب من بدع التفاسير (کشاف)
بْتَغُوْا سے صاف اشارہ نکل رہا ہے کہ مطلوب افزائش نسل ہے، نہ کہ ارادی لاولدی یا عزل۔ قيل هو نهي عن العزل (کشاف) قيل النهي من العزل (بیضاوی) منع حمل اور قطع نسل کی جس جدید تحریک کا اس
ت زور ہے اور جو ''ضبط تولید'' وغیرہ مختلف خوشنما ناموں سے پیش ہو رہی ہے۔ قرآن مجید نے اپنے بلیغ انداز میں اس سب کی تردید کر دی اور بتا دیا کہ مباشرت کا جو نتیجہ قدرۃً اور طبعاً نکلتا ہے، اس کی توقع رکھنا چاہیے اور
ں کا انتظار کرنا چاہیے۔ عام قاعدہ اور اصل عمومی یہی ہے باقی اجتماع تزوجی کے قدرتی نتیجوں کو بلا وجہ خاص وضرورت شدید مصنوعی ذریعوں اور تدبیروں سے روکنا، اور ربڑ وغیرہ کے آلات کو کام میں لانا، مصیبتوں کو دُور
رنا نہیں، جسمانی آلام اور اخلاقی امراض کو بڑھانا اور فرد وقوم دونوں کو نئے نئے فتنوں کی دعوت دینا ہے انتہائی سرگرم کوششوں کے باوجود اول تو ابھی تک کوئی پوری طرح ''حمل روک'' آلہ دریافت ہی نہیں ہو سکا ہے۔

الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَ لَا

ہو جائے و۶۸۱ پھر روزہ کو رات (ہونے) تک پورا کرو و۶۸۲ اور بیویوں سے

تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ

اس حال میں صحبت نہ کرو، جب تم اعتکاف کئے ہو مسجدوں میں و۶۸۳

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

یہ اللہ کے ضابطے ہیں سو ان (سے نکلنے) کے قریب بھی نہ جانا و۶۸۴ اللہ اسی طرح اپنے احکام

اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ وَ لَا تَاْكُلُوْٓا

لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے و۶۸۵ عجب نہیں کہ وہ پرہیزگار بن جائیں و۶۸۶ اور آپس میں

اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى

ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اڑاؤ و۶۸۷ اور نہ اسے حکام تک

الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ

پہنچاؤ کہ جس سے لوگوں کے مال کا ایک حصہ تم گناہ سے

بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ

کھا جاؤ، درآنحالیکہ تم جان رہے ہو و۶۸۸ آپ سے (لوگ) نئے چاندوں کے باب میں دریافت کرتے ہیں، و۶۸۹

قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَ لَيْسَ الْبِرُّ

آپ کہہ دیجیے کہ وہ لوگوں کے لئے حج کے لئے آلۂ شناخت اوقات ہیں و۶۹۰ اور یہ تو (کوئی بھی) نیکی نہیں

بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ

کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ، و۶۹۱ البتہ نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص

مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا

تقوی اختیار کرے و۶۹۲ اور گھروں میں ان کے دروازوں ہی سے آؤ و۶۹۳ اور اللہ سے تقوی

ع ۲۳ / ۷

''اب تک کوئی مانع حمل ایسا نہیں دریافت ہو سکا ہے جو ہر طرح قابل اطمینان ہو۔ یعنی قطعی ہو، بے ضرر ہو، اور سادہ ہو''۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد ۳۔ صفحہ ۶۵۰، طبع چہاردہم) اور پھر اگر کوئی بے خطا اور حکمی تدبیر دریافت ہو بھی گئی، تو منع حمل کی جسمانی مضرتوں کے تدارک کی کیا صورت ہوگی؟ ''یہ باور کرنا دشوار ہے کہ یہ عمل (امتناع) بار بار کیا جائے، اور اس کے مضر اثرات مرد وعورت کے اعلیٰ صفات پر مرتب نہ ہوں''۔ (ایضاً صفحہ ۶۵۱) یہ اگر مان بھی لیا جائے کہ جلد جلد استقرار حمل اور وضع حمل سے عورت کی صحت خراب ہو جاتی ہے، تو بھی خود طب جدید کا فتویٰ یہ ہے کہ عورت کو زمانہ حمل میں صنفی اعمال سے جو مہلت مل جاتی ہے، نیز وضع حمل کے بعد رضاعت وغیرہ کی مشغولی وتوجہ، یہ سب عورت کی صحت کے لیے ضروری ہے اور پھر یہ بھی تو ہے کہ اولاد کی پیدائش ہمیشہ والدین کے ارادہ کی تابع نہیں رہتی۔ چنانچہ ایسے والدین کی مثالیں بارہا مشاہدہ میں آچکی ہیں کہ پہلے تو انہوں نے امتناع کی صناعی تدبیریں اختیار کر کے اپنے اعضاء تولید کی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا اور پھر آگے چل کر جب اولاد کی خواہش یا ضرورت محسوس کی تو اپنی سابقہ حرکتوں پر پچھتائے ہیں''۔ یہ سب تصریحات انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ہی سے ماخوذ تھیں، باقی متعدد دوسرے ڈاکٹروں، اور انہی میں لیڈی ڈاکٹر بھی ہیں اور سائنس کے ماہرین نے اس جدید فیشن کی لغویت اور بیہودگی پر اس سے بھی زیادہ کھلے لفظوں میں کہا ہے اور اس کی طبعی مضرتیں کھول کر دکھائی ہیں خصوصاً عورت کے حق میں۔ بلکہ یورپ کے متعدد ملک تو اس تحریک کے نتائج سے تنگ آکر اور طویل تجربوں کے بعد، بالآخر اس پر مجبور ہوئے کہ ماؤں کے لیے انعام قرار دیں، اور ہر نئی زچگی پر ایک نیا انعام دیں! جرمنی، اٹلی وغیرہ سے تو یہ خبریں کئی سال سے آنا شروع ہو گئی تھیں، اور اب روس، فرانس وغیرہ سے عین دوران جنگ میں آنے لگی ہیں[1]! اور بالآخر بات اسی کی اونچی نکلی اور اسی کی بلند رہی، جس نے کہا تھا کہ تزوجوا الولود الودود۔ شادیاں کرو زیادہ بچے پیدا کرنے والی بیویوں سے! و۶۸۱ یعنی طلوع صبح صادق تک کھانے پینے، اور ہمبستری کی اجازت ہے۔ خَيْطُ الْاَبْيَضُ۔ خَيْطُ الْاَسْوَدِ۔ فجر کی سفید دھاری کا سیاہ دھاری سے ممتاز ہو جانا کنایہ ہے۔ تاریکی شب کے دُور ہونے اور سپیدۂ صبح کے نمودار ہونے یعنی طلوع فجر سے۔ اي بياض النهار من سواد الليل (راغب) يعني بياض النهار من سواد الليل (معالم) خود شارع اسلام علیہ السلام سے یہی تفسیر مروی ہے۔ هو سواد الليل و بياض النهار (بخاری) خط سے یوں بھی کنایہ رنگ سے ہوتا ہے۔ اور یہاں انہیں خط سے یوں تعبیر کیا گیا ہے کہ شروع میں یہ واقعۃً دھاریاں ہی سی نظر آتی ہیں۔ الخيط في كلامهم عبارة عن اللون (قرطبی) الخيط الابيض هو اول مايبدء من الفجر (کشاف) سميا خيطين لان كل واحد منهما يبدء في الابتداء ممتدًا كالخيط (معالم)

حادیث میں بڑی تاکید کے ساتھ ترغیب دی گئی ہے کہ روزہ دار کی رات بھی حتی الامکان ذکر وعبادت میں بسر ہونی چاہیے۔ چنانچہ اہل سنت نے اپنے ہاں جو نماز تراویح پر اتنا زور دیا ہے، وہ صاف اسی منشاء نبوی کی تعمیل
ہے۔ مشقت وراحت، تعب ولذت کی جو خوشگوار اور حکیمانہ آمیزش، شریعت اسلامی کی ساری عبادتوں میں ہے، اس کا ایک نمایاں نمونہ یہ رمضان کے روزے ہیں۔ دن بھر صبر وضبط کی مشق، کھانے پینے کا
نتظار جس سے کھانے پینے کا لطف اور بڑھ کر رہتا ہے۔ شام کے وقت فرحت وتفریح۔ پھر شام سے لے کر صبح صادق تک عبادتوں اور مادّی لذتوں کا ملا جلا ہوا تسلسل، یہ اسلام ہی کے خصوصیات میں سے ہے۔
مِنَ الْفَجْرِ۔ فجر شرعی سے مراد صبح کاذب نہیں، جب کچھ دیر کے لیے اُجالا شمال وجنوب میں معلوم ہونے لگتا ہے، بلکہ وہ نور کا ترکا مراد ہے، جو صبح کاذب کے کچھ دیر بعد ہوتا ہے۔ اور روشنی شرقاً غرباً پھیلنے لگتی
ہے۔ قال الجمهور ذلك الفجر المعترض في الافق يمنةً و يسرةً و بهذا جاءت الاخبار و مضت عليه الاعصار (قرطبی) حدیث میں سحری میں تاخیر کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔
صحیح مسلم میں سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ صحابی کی روایت درج ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ جو لوگوں کو ہوشیار کرنے کے لیے، بہت سویرے اذان دے دیتے ہیں، ان کی اذان سے یا

حاشیہ [1] یہ سطور ۱۹۴۳ء میں دوسری جنگ عظیم کے دوران میں لکھی جا رہی ہیں۔

محض شمال جنوب میں روشنی دیکھ کر سحری نہ ختم کر دو، بلکہ روشنی کے پھیل جانے کو (یعنی وہی شرقی غربی سپیدہ کو) معتبر جانو۔ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یغرنکم اذان بلال ولا ھذا البیاض لعمود الصبح الافق حتی یستطیر (کتاب الصیام، باب فضل السحور) روی الائمہ قال النبی ﷺ لا یمنعنکم اذان بلال من سحورکم فانہ یوذن بلیل لیرجع قائمکم و یوقظ نائمکم (ابن العربی) بلکہ نسائی کی ایک حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ، بالکل صبح ہو جانے تک سحری سے شغل فرماتے رہتے۔ بس اس کا لحاظ رہتا کہ کہیں آفتاب ہی نہ نکل آئے۔ عن زید قال قلنا لحذیفۃ ای ساعۃ تسحرت مع رسول اللہ ﷺ قال ھو النہار الا ان الشمس لم تطلع (کتاب الصیام، باب السحور) (زید کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حذیفہ صحابی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ کس وقت تک سحری کھائی ہے؟ وہ بولے کہ صبح تک۔ بس اتنی کسر رہ گئی تھی کہ آفتاب طلوع نہیں ہو گیا تھا) دوسری روایتیں بھی ایسی ہیں تاخیر سحور کی تائید میں ہیں ایک گروہ ادھر گیا ہے کہ سحر اس وقت تک درست ہے، جب تک راستے اور مکانوں میں صبح کی روشنی نہ پھیل جائے۔ قالت طائفۃ ذٰلک بعد طلوع الفجر و تبینہ فی الطرق والبیوت (قرطبی) اور حضرت عمر اور حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم جیسے صحابیوں اور متعدد تابعین سے یہ منقول ہے کہ کھانے پینے سے احتیاط اس وقت سے واجب ہے جب صبح راستوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر ظاہر ہو جائے۔ ان الامساک یجب بتبیین الفجر فی الطرق و علی رءوس الجبال (قرطبی) حالت جنابت میں اگر صبح ہو گئی اور ہنوز غسل کی نوبت نہیں آئی تو روزہ بلا اختلاف جائز ہوگا۔ و فی تجویز المباشرۃ الی الصبح دلالۃ علی جواز تاخیر الغسل الیہ و صحۃ صوم من اصبح جنباً (ابوسعود) والجمہور من العلماء علی صحۃ صوم من طلع علیہ الفجر و ھو جنب (قرطبی) اذا جوزنا لہ الوطیٔ قبل الفجر ففی ذٰلک دلیل علی جواز طلوع الفجر علیہ و ھو جنب و ذٰلک جائز اجماعاً (ابن العربی) اِلَى الَّيْلِ۔ و۶۸۲ یعنی جب سے رات داخل ہونے لگے۔ یہ مطلب نہیں کہ رات کی تاریکی چھا جانے کے وقت تک روزہ رکھے رہو۔ روزہ رات آتے ہی ختم ہو جانا چاہیے، یہ نہ ہو کہ رات کا کوئی جز و روزہ میں شامل و داخل ہو جائے۔ الی اللیل ای الی دخول اللیل (ابن عباس رضی اللہ عنہما) فجعل اللیل غایۃ الصیام ولم تدخل فیہ (جصاص) فانہ تعالٰی ذکرہ حد الصوم بان اٰخر وقتہ اقبال اللیل (ابن جریر) کلمۃ الی لانتہاء الغایۃ فظاھر الاٰیۃ ان الصوم ینتہی عند دخول اللیل (کبیر) اللیل لیس من جنس النہار فیکون اللیل خارجًا عن جنس النہار (کبیر) اللیل۔ اور خود لیل کا اطلاق عربی میں دن کے خاتمہ یعنی غروب آفتاب پر معاً ہو جاتا ہے۔ اور اعتبار صرف زوال آثار شمس کا کیا گیا ہے۔ اللیل من مغرب الشمس الی طلوع الفجر الصادق (قاموس۔ تاج) اللیل عقب النہار و مبدءہ من مغرب الشمس (لسان) اس لیے آیت کے معنی صاف یہ ہوئے کہ افطار عین غروب آفتاب کے ساتھ ہو جانا چاہیے۔ یقتضی الافطار عند غروب الشمس حکمًا شرعیًا (ابن کثیر) اَتِمُّوا۔ صیغہ امر کا ہے، اور وجوب کے معنی دیتا ہے۔ امر یقتضی الوجوب من غیر خلاف (قرطبی) والامر بالاتمام ھنا للوجوب (بحر) صوم وصال یعنی بلا افطار کیے دن اور رات کے مسلسل روزہ کی ممانعت بھی اسی آیت سے بہت سے فقہاء نے نکالی ہے اور حدیث میں اس کی ممانعت صراحۃً موجود ہی ہے۔ فیہ ما یقتضی النہی عن الوصال اذ اللیل غایۃ الصیام و قالتہٗ عائشۃ (قرطبی) فدلّ الاٰیۃ علی نفی کون اللیل محل الصوم و ان یکون صوم الیومین صومۃ واحدۃ و قد استنبط النبی ﷺ منہا حرمۃ الوصال (روح) معصیت کسی قسم اور کسی درجہ کی بھی ہو، مسلمان کے لیے ہر زمانہ اور ہر موسم میں حرام ہے۔ لیکن رمضان کے ماہ مبارک میں یہ ممانعت اشد و اکد ہو جاتی ہے۔ روزہ دار کی رات بھی گویا عبادت میں بسر ہوتی ہے۔ اور دن تو خیر اتنی بڑی عبادت، یعنی حکم الٰہی کے احترام میں لذائذ نفس و طبیعت سے اجتناب میں بسر ہوتا ہی ہے۔ بدگوئی، بدنظری، بدزبانی حرام ہمیشہ ہی ہیں۔ رمضان میں کہنا چاہیے کہ حرام تر ہو جاتی ہیں۔ پورے مہینہ بھر کے رات اور دن کا ایک ایک گھنٹہ سپاہِ اسلام کی رُوحانی پریڈ کا زمانہ ہے۔ غفلت کسی لمحہ نہ ہونا چاہیے۔ سرڈبلو۔ ٹی آرنلڈ مسلمان نہیں مسیحی ہیں۔ تاہم جذبۂ انصاف پسندی وحق گوئی سے مجبور ہو کر بیدرد مسیحی معاندین کے جواب میں لکھتے ہیں۔ "ماہ رمضان کے روزوں کے سلسلہ میں صرف اس قدر کہنا ہے کہ دین کا یہ رُکن بجائے خود اس خیال کی تردید کے لیے کافی ہے کہ اسلام کی ترویج عیش پرستیوں کے جائز کر دینے

سے ہوئی ہے۔ کارلائل کے یہ قول محمد ﷺ کا مذہب تن آسانی کا مذہب نہیں، سخت سخت روزے طہارت کے ضابطے، عبادت کے سخت اور پیچیدہ طریقے، دن میں پانچ پانچ مرتبہ نماز، شراب کی حرمت، یہ احکام جس مذہب میں ہوں، اُس کی مقبولیت تن آسانیوں کا نتیجہ تو نہیں ہو سکتی"۔ (پریچنگ آف اسلام، صفحہ ۴۱۸، طبع ثالث) ملاحظہ ہو ضمیمہ، سورۂ بقرہ کے خاتمہ پر و۶۸۳ (بلکہ کسی قسم کا بھی شہوانی میل جول اُن سے نہ رکھو) وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ۔ لفظ مباشرت یہاں وسیع معنی میں ہے۔ یعنی عمل مجامعت کے علاوہ اُس کے مقدمات و دواعی، بوس و کنار وغیرہ بھی شامل ہیں۔ انہ اللمس والقُبلۃ (ابن العربی) لایمس المعتکف امرأتہ ولا یباشرھا ولا یتلذذ منہا بشیٔ قُبلۃ ولا غیرھا (ابن جریر۔ عن مالک بن انس) المراد بالمباشرۃ انما ھو الجماع و دواعیہ من تقبیل و معانقۃ ونحو ذٰلک (ابن کثیر) یہ تفسیر حنفیہ و مالکیہ کے مسلک کے مطابق تھی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ چیزیں اعتکاف میں کراہت پیدا کر دیتی ہیں، اُسے باطل نہیں کرتیں۔ امّا ما دون الجماع من المباشرۃ کالقبلۃ واللمس بالشہوۃ فمکروہ ولا یفسد بہ الاعتکاف عند اکثر اہل العلم و ھو اظہر قول الشافعیؒ (معالم) عٰكِفُوْنَ۔ اعتکاف کے لغوی معنی ہیں، اپنے کو کسی شے پر روک رکھنے یا لازم کر لینے کے۔ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد ہے مسجد میں بیٹھ کر اپنے کو عبادت کے لیے مقید کر لینا۔ ھو الاحتباس فی المسجد علی سبیل القربۃ (راغب) اعتکف فی المسجد۔ ای اقام بہ ولازمہ و حبس نفسہ فیہ (تاج) الاعتکاف فی اللغۃ الملازمۃ و ھو فی عرف الشرع ملازمۃ طاعۃ مخصوصۃ فی وقت مخصوص علی شرط مخصوص فی موضع مخصوص (قرطبی) العکوف ھو الاقامۃ علی الشیٔ والاعتکاف فی الشرع ھو الاقامۃ فی المسجد علی عبادۃ اللہ (معالم) معتکف کے لیے لازم ہے کہ ہر وقت مسجد ہی میں رہے سہے کھائے پیے، سوئے جاگے اور بغیر مادی یا شرعی ضرورتِ شدید کے مسجد سے باہر قدم نہ نکالے۔ یجب ان لایخرج الا لما لابد منہ من حاجۃ الانسان و قضاء فرض الجمعۃ (جصاص) لیس للمعتکف ان یخرج من معتکفہ الا لما لابدّ لہ منہ (قرطبی) مدت اعتکاف کے زیادہ سے زیادہ ہونے کی کوئی حد نہیں۔ البتہ اقل مدت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک لحظہ بھی ہو سکتی ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں کم از کم ایک شب و روز ہونا چاہیے۔ و اقل الاعتکاف عند مالک وابی حنیفۃ یوم ولیلۃ و قال الشافعی اقلّہ لحظۃ ولاحد لاکثرہ (قرطبی) ھو غیر مقدر عند الشافعی واقلّہ لحظۃ وقال مالک و ابو حنیفۃ ھو مقدر بیوم و لیلۃ (ابن العربی) فِی الْمَسٰجِدِ۔ اس سے استنباط یہ کیا گیا ہے کہ اعتکاف ہمیشہ مسجد ہی میں ہونا چاہیے۔ اجمع العلماء علی ان الاعتکاف لایکون الا فی مسجد (قرطبی) البتہ عورتوں کا اعتکاف بجائے مسجد کے گھر کے کسی گوشہ میں بھی ہو سکتا ہے، جسے نماز و عبادت کے لیے مخصوص کر لیا جائے۔ بلکہ مسجد میں عورت کے اعتکاف کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ انما المرأۃ فتعتکف فی مسجد بیتہا ولو لم یکن لہا فی البیت مسجد تجعل موضعًا فیہ فتعتکف فیہ (ہدایہ) والمرأۃ تعتکف فی بیتہا (شرح وقایہ) ویکرہ فی المسجد ولا یصح فی غیر موضع صلاتہا من بیتہا (درمختار) دوسرے دنیوی معاملات مثلاً لوگوں سے بات چیت کرنا حالت اعتکاف میں جائز ہیں، بشرطیکہ ان میں کوئی بات احترام مسجد یا آداب اعتکاف کے منافی نہ پیدا ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ ماہِ مبارک کے آخری عشرہ میں پورے دس دن کے لیے مسجد میں اعتکاف فرماتے، اور علائق دنیوی سے انقطاع جو یوں بھی کامل رہتا، اس عرصہ کے لیے کامل تر ہو جاتا۔ اعتکاف مسنون یہی ہے اور اسی کو فقہاء نے سنت کفایہ قرار دیا ہے۔ یعنی بستی بھر میں اگر کوئی بھی کرے تو پوری بستی کی طرف سے وہ سنت ادا ہو جائے گی۔ باقی نفس اعتکاف، ہر مدت کے لیے، ہر زمانہ میں بہر حال استحباب و فضیلت کی چیز ہے۔ روحانی قوت و توانائی کا ذخیرہ اپنے اندر بھرنے کے لیے اپنے کو روحانی و ایمانی اعتبار سے تازہ دم کرنے کے لیے اس سے بہتر اور مؤثر تر نسخہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ عین اُس زمانہ میں جبکہ بیس دن کی مسلسل اطاعت و عبادت اور شب و روز کے ذکر الٰہی و فکر ایمانی سے روح پر صیقل ہو چکی ہو، ملکوتیت بیدار ہو چکی ہو، انسان اپنے کو چند روز کے لیے کامل یکسوئی اور انقطاع کے عالم میں لے آئے اور اخلاص و للہیت کی مشقوں کو دعاؤں سے، عبادتوں سے، ذکر و فکر سے منتہائے کمال پر پہونچا دے! لیکن ہر کس و ناکس کا ظرف اس مرتبہ کا متحمل نہیں ہو سکتا، عجب عجب غیر متوقع صورتیں معصیت کی پیش آ جاتی ہیں (جیسا کہ ان سطور کے راقم نامہ سیاہ کو اپنی ذات سے متعلق تلخ و قابل نفریں تجربات ہو

چکے ہیں) مثلاً یہی کہ کھانا لانے والا آدمی گھر سے کھانا بہت دیر سے لایا، اور معتکف بے اختیار اُس پر غصہ سے برس پڑا تو فقہاء نے کہا ہے، کہ ایسی صورت میں اعتکاف نہ کرنا ہی بہتر ہے کہ معصیت شدید عبادت (اعتکاف) کے اُسی طرح منافی اور ناقص ہے، جس طرح نماز وطہارت کی ناقص جسمی ناپاکیاں (بول وبراز) ہیں۔ المعتکف اذا اتی کبیرة فسد اعتکافه لان الکبیرة ضد العبادة کما ان الحدث ضد الطهارة والصلوٰة قاله ابن خویز منداد عن مالک (قرطبی) ویکره الدخول فیه لمن یخاف علیه العجز عن الوفاء بحقوقه (قرطبی) و۶۸۴ بہت ہی برمحل یہ یاددلا دیا گیا ہے کہ یہ سب ضابطے اور قاعدے خدائے دانا وبینا کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ یہ احکام وہدایات حکیم مطلق وحاکم برحق ہی کی طرف سے ہیں۔ انہیں خاطی انسانوں کے قانون قاعدہ پر قیاس کرکے معمولی باتیں نہ سمجھنا۔ تِلْكَ سے اشارہ اُن سب چھ یا سات احکام کی جانب ہے جو آیت میں مذکور ہو چکے۔ ای هٰذه الاوامر والنواهی (قرطبی) ای الاحکام الستة المذکورة (روح) و۶۸۵ یعنی جس طرح اُس نے یہاں روزہ، اُس کے حدود واوقات، اعتکاف، اور اُس کے متعلقات کے احکام تفصیل سے بیان کردیے ہیں، اسی طرح وہ اپنے سارے ہی احکام وشرائع انسان کے سود وبہبود کے لیے تفصیل سے بیان فرماتا رہتا ہے۔ المراد انه کما تبین ما امرکم به و نهاکم عنه فی هٰذا الموضع کذٰلک یبین سائر ادلته علیٰ دینه و شرعه (کبیر) اٰیٰتِهٖ آیات سے مراد احکام یا دلائل شرعی ہیں۔ ای امره و نهیه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای اٰیاته الدالة علیٰ بقیة مشروعاته (بحر) ای العلامات الهادیة الی الحق (قرطبی) و۶۸۶ (ان احکام الٰہی پر مطلع ہوکر) احکام الٰہی کی عین تعمیل ہی پرہیزگاری ہے۔ لَعَلَّ سے متعلق اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے جب اس کا استعمال ہوتا ہے، تو معنی میں شک وتردد نہیں بلکہ یقین کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی احکام کی تعمیل تمہیں پرہیزگار بنا ہی دے گی، عمل کرکے تجربہ کرلو و۶۸۷ (اے اہل ایمان!) لَا تَأْكُلُوْٓا اکل۔ یہاں لفظی معنی میں نہیں۔ یعنی صرف 'کھانا' مراد نہیں، بلکہ کسی طرح بھی اپنے تصرف میں لے آنا ہے۔ عبّر بالاکل عن انفاق المال (راغب) عبّر به عن الاخذ والاستیلاء (بحر) اُردو محاورہ میں بھی ایسے موقع پر بولتے ہیں، فلاں صاحب روپیہ کھا گئے، یا رقم ہضم کر گئے۔ بِالْبَاطِلِ۔ باطل سے مراد ہے ہر ناجائز طریق۔ فاکل المال بالباطل صرفه الی ما ینافیه حق (راغب) ای بالوجه الذی لا یبیحه الله تعالیٰ (بیضاوی) والمراد من الباطل الحرام و کل ما لم یاذن باخذه الشرع (روح) گویا دو مختصر لفظوں میں تقویٰ مال کی ساری تعلیم آگئی۔ ہر خیانت سے احتیاط کی تاکید، اور ہر قسم کی امانت و دیانت کا حکم۔ اور فقہاء نے اکل باطل کی جو تفصیل لکھی ہے، اُسی میں قمار، غصب، حق تلفی وغیرہ کے ساتھ ایک مد یہ بھی بڑھا دی ہے کہ وہ مال بھی باطل ہی کے حکم میں آجاتا ہے، جو مالا تطیب به نفس مالکه او حرّمه الشریعة وان طابت به نفس مالکه (قرطبی) (اُس مال کے مالک سے بغیر اس کی خوشدلی کے حاصل کیا جائے۔ یا مالک گو اسے خوشدلی سے دے رہا ہو لیکن خود شریعت نے اس مد کو ناجائز قرار دیا ہو) اَمْوَالَكُمْ۔ خطاب تمام مومنین کو ہے، اور حکم کے مخاطب افراد اُمت ہیں۔ اُردو میں اَمْوَالَكُمْ کا صحیح مفہوم ''اپنا مال'' سے نہیں بلکہ ''ایک دُوسرے کا مال'' سے ظاہر ہوگا۔ جیسے اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ سے مراد ''ایک دُوسرے کا قتل کرنا'' ہے۔ والمعنیٰ لا یاکل بعضکم مال بعض (بحر) والمعنیٰ لا یاکل بعضکم مال بعض بغیر حق (قرطبی) ڈاکٹر رابرٹ رابرٹس نے ایک کتاب قرآن مجید کے قوانین معاشری پر لکھی ہے۔ اُس میں اس آیت کو نقل کرکے لکھا ہے:۔ ''یہ آیت اس امر کی شہادت مزید ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں میں کتنی تاکید باہمی حسن معاملت کے باب میں رکھی ہے''۔ (سوشل لاز آف دی قرآن، صفحہ ۱۰۸) بَيْنَكُمْ کے دائرہ کی وسعت میں فقہاء نے ساری نسل آدم علیہ السلام کو داخل کیا ہے، اور صرف مسلمانوں کے مال تک حکم کو محدود نہیں رکھا ہے، مسلم ہو یا کافر، کسی کا بھی مال دغا، فریب، ظلم وغیرہ سے لینا جائز نہیں۔ صرف کافر حربی کے مال پر تصرف وتسلط جائز ہے، کہ اس سے تو اعلان جنگ ہو ہی چکا ہے، لیکن اُس سے بھی علی الاطلاق نہیں، بلکہ خاص خاص قیود و شرائط کے ساتھ۔ رشوت، جعلسازی، خیانت، کافر حربی کے معاملات میں بھی درست نہیں و۶۸۸ (کہ تم ناحق اور زیادتی پر ہو) دُنیا کی کوئی عدالت بہتر سے بہتر ہو، اور کوئی حاکم عادل سے عادل سہی، بہرحال دنیوی فیصلے علم غیب کی بنا پر نہیں، روئیداد مقدمہ ہی کی بنا پر صادر ہوں گے۔ اور اُن میں غلطی، لغزش، ناانصافی، دھوکے کا احتمال ہر وقت ہے۔ آیت اسی حقیقت کی طرف توجہ دلا رہی ہے، کہ جو حق ہے وہ عند اللہ حق ہی رہے گا، اور جو ناحق ہے وہ اللہ کے ہاں ناحق ہی شمار ہوگا۔ اگرچہ حکام کا فیصلہ اُس کے برعکس ہی ہو، جو قاضی کے فیصلے حق کو ناحق اور ناحق کو حق نہیں بنا سکتے۔ اصل شے انسان کی توجہ ولحاظ کے قابل خود اُس کا ضمیر اور تقویٰ ہے۔ حدیث میں اس مضمون کی صراحت بہت زور کے ساتھ آ چکی ہے اور مفسرین بھی اسے خوب صاف کر چکے ہیں۔ اعلم ابن اٰدم ان قضاء القاضی لا یحل لک حرمًا ولا یحق لک باطلًا انما یقضی القاضی بنحو ما یرٰی و یشهدبه الشهود والقاضی بشر یخطی و یصیب (ابن جریر) و من الاکل بالباطل ان یقضی القاضی لک و انت تعلم انک مبطل فالحرام لا یصیر حلالا بقضاء القاضی لانه انما یقضی بالظاهر و هٰذا اجماع فی الاموال (قرطبی) علی القول بهٰذا الحدیث جمهور العلماء و ائمة الفقهاء و هو نص فی ان حکم الحاکم علی الظاهر لا یغیر حکم الباطن (قرطبی) و هٰذا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم المصطفٰی للاطلاع علی الغیب یتبرأ من الباطن فکیف بغیره من الخلق (ابن العربی) بلکہ جو لوگ اپنی چرب زبانی سے، سخن سازی سے، اپنے ''اثر'' و ''پیروی'' سے جھوٹے مقدمے جیت جائیں، انہیں اور زیادہ ڈرنا چاہیے کہ اُن پر علاوہ دوسرے جرائم اور فریق ثانی کی حق تلفی کے، ایک مزید جرم حاکم عدالت کو فریب میں مبتلا کرنے کا بھی عائد ہوگا۔ تُدْلُوْا بِهَآ۔ ھَا کی ضمیر، اموال کی طرف ہے، ب فعل۔ ادلاء کا حرف صلہ ہے۔ تُدْلُوْا۔ ادلاء کے معنی کنوئیں میں ڈول ڈالنے، اور پھر مجازاً، کسی چیز کو کہیں پہونچانے یا اُسے ذریعہ یا وسیلہ بنانے کے ہیں۔ ادلیتها ای اخرجتها و قیل یکون بمعنیٰ ارسلتها واستعیر للتوصّل الی الشیٔ (راغب) واصل الادلاء ارسال الرجل الدلو فی سبب متعلقابه (ابن جریر) مطلب یہ ہوا کہ مال کو حکام تک پہونچنے کا، اپنی رسائی اور رسوخ پیدا کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ اور رشوت وغیرہ مالی تحفہ وتحائف سے حکام پر اثر نہ ڈالو۔ ای لا ترشوها الیهم (کبیر) ای تلقوا بعضها الی حکام السوء علیٰ وجه الرشوة (مدارک) اسلامی حکومت قائم ہونا اور اسلام کے سارے قانون دیوانی وفوجداری کا نافذ ہونا تو خیر بڑی چیز ہے، قرآن مجید کی صرف اسی آیت پر اگر آج عملدرآمد ہو جائے، تو جھوٹے دعووں، جعلی کاغذات، جھوٹی گواہیوں، جھوٹے حلف ناموں، اہلکاروں، اور عہدہ داروں کی رشوتوں کے ساتھ ساتھ اعلیٰ احکام کی خدمت میں نذر، نذرانوں، قیمتی ڈالیوں، شاندار دعوتوں کا وجود کہیں باقی رہ جائے؟ بِالْاِثْمِ۔ گناہ کا لفظ عام ہے۔ ہر قسم کی معصیتیں جو عدالتی کارروائیوں اور انتظامی معاملات کے سلسلہ میں کام میں لائی جاتی ہیں، اس کے تحت میں آجاتی ہیں۔ ای بالظلم والتعدّی (قرطبی) بشهادة الزور اوبالایمان الکاذبة او بالصلح مع العلم بان المقضی له ظالم (مدارک) فَرِيْقًا۔ فریق کے معنی یہاں پارٹی یا گروہ کے نہیں، بلکہ حصہ یا جزو کے ہیں۔ ای قطعة و جزءًا (قرطبی) قطعة و جملة (روح) و۶۸۹ (اے پیغمبر! کہ اُن کے گھٹنے بڑھنے کی غایت کیا ہے؟) اَلْاَهِلَّةِ۔ نیا چاند یا ہلال تو ایک وقت میں ایک ہی ہوتا ہے، لیکن یہاں سوال اہلّہ (بہ صیغہ جمع) سے متعلق ہے۔ سوال عن الاهلة کے معنی ہی ہوئے چاند کے مہینوں کی بابت دریافت کرنا۔ یعنی پہلے چاند کا طلوع ہونا۔ پھر تاریخ وار اس کا بڑھنا، اور پھر تاریخ وار اس کا گھٹنا، یہاں تک کہ اُس کا غائب ہو جانا۔ یرید بالاهلة شهورها، قد یعبر بالهلال عن الشهر لحلوله فیه (قرطبی) ای عن زیادة الاهلة و نقصانها لماذا (ابن عباس) سئل رسول الله عن زیادة الاهلة و نقصانها و اختلاف احوالها (ابن جریر) چاند کے روزانہ (بلکہ شبانہ) تغیرات مشاہدہ کی چیزیں ہیں، اس لیے سوال بھی ان کی بابت آسانی سے پیدا ہوتا ہے۔ آفتاب کے تغیرات عام نظروں کے لیے غیر مشاہد رہتے ہیں و۶۹۰ (اور اس سے زیادہ اُن کی کوئی حیثیت نہیں) قرآن کا ایک ایک فقرہ توحید کے اعلان اور شرک کی تردید میں ہے۔ دُنیا میں مشرک قومیں کثرت سے قمر پرستی میں مبتلا رہی ہیں۔ اور بعض ہلال پرستی میں بھی۔ نئے چاند کو دیوتا مان کر اُس کی پوجا کثرت سے کی گئی ہے۔ اور بڑھتے چاند کو مبارک، اور اُترتے چاند کو منحوس سمجھنے کا رواج تو آج خدا معلوم کتنے مسلمان گھرانوں میں بھی موجود ہے۔ اور ہندوستان میں چھپی ہوئی جس جنتری کو چاہیے آج اُٹھا کر دیکھ لیجیے، اُس کے کتنے خانے اس سے بھرے نظر آئیں گے کہ فلاں تاریخ فلاں کام کے لیے سعد ہے اور فلاں تاریخ نحس۔ قرآن مجید نے عروج وزوال قمر کی یہ غایت بتا کر کہ وہ انسان کے کام آنے والی چیز ہیں ہِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ، ہلال پرستی اور اس کے ماتحت سارے خرافات کی جڑ ہی کاٹ دی! احمق انسان! تو چاند کی کیا پوجا کر رہا ہے، چاند تو خود تیری خدمت کے لیے ہے! مَوَاقِيْتُ جمع ہے میقات کی۔ اور اس کے معنی وقت کے بھی ہیں اور منتہائے وقت کے بھی، اور وقت موعود ومتعین کے بھی۔ جمع المیقات

و ھو الوقت و قیل المیقات منتھی الوقت (قرطبی) الوقت المضروب للشیٔ (راغب) مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ۔ یعنی اُن کے معاملات دُنیوی میں بھی اور حساباتِ شرعی میں بھی۔ سنہ قمری میں، دنوں، تاریخوں، مہینوں کا حساب چاند کے عروج و زوال سے ہوتے رہنا ظاہر ہی ہے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سے یہ نکتہ خوب نکالا ہے، کہ جب اعمال شرعی کا مدار حساب قمری پر ٹھہرا، تو اس حساب قمری کا اہتمام و انضباط بھی فرض کفایہ ہوا۔ جنہیں انگریزی سنہ سے کاروبار رکھنا ضرورت کے درجہ میں آپڑا ہے، اُن کے لیے تو خیر عذر بھی ہے، لیکن بلاضرورت سنہ ہجری قمری اسلامی کو چھوڑ کر سنہ شمسی مسیحی انگریزی اختیار کر لینا واقعی بڑے افسوس کی بات ہے۔ وَالْحَجِّ۔ قمری مہینے عام مواقیت انسانی کا تو کام دیتے ہی ہیں، اور ان کے علاوہ حج اور دُوسری طاعتوں اور عبادتوں کے لیے بھی معیار و مدار وہی ہیں۔ حج کا ذکر تخصیص کے ساتھ شاید اس لیے فرمایا گیا ہو کہ اس کی اہمیت عرب کے ہر شعبۂ زندگی میں بہت نمایاں تھی و۶۹۱ (جیسا کہ مشرکین عرب اپنی سفاہت سے سمجھ رہے ہیں) جاہلی عرب جب احرام حج کی حالت میں ہوتے تو گھر میں جانے کے لیے دروازہ سے داخل ہونے کو نحوست اور بدشگونی سمجھتے، بلکہ پشت کی دیوار میں ایک بڑا سا روزن پیدا کر دیتے، اور اُس کے اندر سے مکان میں داخل ہوتے، یا پیچھے کی طرف سے چھت پر چڑھ جاتے، اور اس سے اندر پھاندتے، اور اسے اپنے نزدیک کوئی بڑی عبادت اور خانہ کعبہ کی تعظیم سمجھتے۔ کانوا اذا احرموا فی الجاھلیۃ اتوا البیت من ظھرھا (بخاری) کانوا اذا حجوا لم یدخلوا بیوتھم من ابوابھا کانوا ینقبون فی ادبارھا (ابن جریر) اذا احرم الرجل منھم نقب کوۃ فی ظھر بیتہ فجعل سلّما فجعل یدخل منھا (ابن جریر) بعض قبیلوں کے نومسلم صحابی بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے۔ اُنہی کی اصلاح خیال کے لیے آیت نازل ہوئی، اور عقیدۂ جاہلی کی تصحیح کی گئی۔ نزلت فی نفر من اصحاب النبی ﷺ کنانۃ و خزاعۃ کانوا یدخلون بیوتھم فی الاحرام من خلفھا او من سطحھا کما فعلوا فی الجاھلیۃ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) مفسر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ انصار مدینہ جب حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے تھے، تو اپنے اور آسمان کے درمیان کسی چیز کا حائل ہونا تقویٰ اور آدابِ احرام کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور واپسی میں اپنے مکان میں دروازوں سے نہیں داخل ہوتے تھے۔ و کان الانصار اذا حجوا وعادوا لایدخلون من ابواب بیوتھم ...... فکانوا یرون ھذا من النسک والبر (قرطبی) یہ رسم چونکہ حج ہی کے سلسلہ میں تھی، اس لیے اس کا ذکر بھی حج ہی کے متصل فرمایا گیا و۶۹۲ (اور تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی منع کی ہوئی اور حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں سے ڈرا جائے، بچا جائے) ای فخافہ و تجنب محارمہٗ و اطاعہ باداء فرائضہ التی امرہٗ بھا (ابن جریر) ضمناً یہیں سے یہ بات بھی صاف ہوگئی، کہ اصل نیکی تقوائے الٰہی ہے۔ یعنی احکام الٰہی کی خلاف ورزی کا خوف، نہ کہ اپنے کسی گڑھے ہوئے دستور و رواج کا اتباع و۶۹۳ (جب آنا چاہو، اور گویا رسوم شرک و جاہلیت کو پامال کرتے ہوئے) آیت سے فقہاء اُمت کو ایک بڑی اصل ہاتھ آگئی ہے۔ جس سے صدہا ہزارہا اعمال کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔ وہ اصل یا قاعدہ یہ ہے کہ جو شے شریعت میں صرف مباح ہو، یعنی کتاب و سنت میں اس کی کوئی نظیر یا مثال طاعت و عبادت کے حکم میں نہ ملے، اُسے اپنے دل سے طاعت و عبادت ٹھہرا لینا، یا اسی طرح اسے بلا دلیل شرعی، معصیت و محل ملامت یقین کر لینا، یہ دونوں اعتقاد گناہ ہیں، اور ہر بدعت اسی حکم میں داخل ہے۔ ھٰذا دلیل علٰی مسئلۃ من الفقہ و ھی ان الفعل بنیّۃ العبادۃ لایکون الا فی المندوبات خاصۃ دون المباح و دون المنھی عنہ و ھٰذا اصل حسن (ابن العربی) فی ھٰذہ الاٰیۃ بیان ان مالم یشرعہ اللہ قربۃً ولا ندب الیہ لا یصیر قربۃً بان یتقرب لہ متقرب (قرطبی) قال ابن خویز منداد اذا اشکل ما ھو برٌّ و قربۃ بما لیس ھو برٌّ قربۃً ان ینظر فی ذٰلک العمل فان کان لہ نظیر فی الفرائض و السنن فیجوزان یکون و ان لم یکن فلیس ببرولا قربۃ (قرطبی) قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے حدیث نبوی ﷺ بھی نقل کی ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ تقریر فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑا ہوا ہے۔ دریافت فرمایا۔ معلوم ہوا کہ وہ ابو اسرائیل انصاری ہیں۔ اور اس کی نذر مانے ہوئے ہیں کہ روزہ رکھ کر بیٹھیں گے نہیں، کھڑے ہی رہیں گے، اور سایہ میں نہ کھڑے ہوں گے، اور کسی سے بات چیت نہ کریں گے، خاموش رہیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ انہیں وہاں سے ہٹا لاؤ۔ مروہ فلیتکلم و یستظل ولیقعد و لیتم صومہ (وہ بات چیت بھی کریں، اور سایہ میں رہیں، اور بیٹھ بھی جائیں اور اس حال میں روزہ تمام کریں)۔ اسلام نام صرف امتثال امر کا ہے اور ایمان کی حقیقت فقط تعمیل احکام کی ہے۔ خود رائی اس راہ میں سرتاسر کج رائی ہے و۶۹۴ (دُنیا اور آخرت دونوں میں) تقویٰ (خوف خدا) اور فلاح (انتہائی کامیابی) کے قریب ترین تعلق کو آیت ایک بار پھر واضح کرتی ہے، اور اس حقیقت کو ذہن میں تازہ کرتی ہے کہ فلاح دارین کا اصل اصول تقویٰ ہے۔ خشیت الٰہی اور محبت الٰہی کے درمیان نسبت تضاد، تخالف، بلکہ تباین کی بھی بالکل نہیں، بلکہ علاقہ توافق و مناسبت کا ہے۔ مخلوقات میں جس کسی چیز سے خوف کیا جاتا ہے اُس میں خاصہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے سے بھگاتی ہے، ہٹاتی ہے، دُور کرتی ہے۔ لیکن خشیت الٰہی میں تو اس کے برعکس ایک کشش ہوتی ہے۔ وہ اللہ کی طرف لاتی ہے، کھینچتی ہے، بلاتی ہے، اللہ سے قریب تر کرتی ہے۔ اور اس طرح عملاً محبت الٰہی کے مرادف ہے۔ اہل تقویٰ، اور صالحین سے جس خوف کی نفی کی گئی ہے، وہ ”دہشت“ کے مرادف ہے، اور وہ ”وحشت“ سے پیدا ہوتا ہے۔ خشیت الٰہی، اس کے ٹھیک برعکس، احساسِ **عظمت** سے پیدا ہوتی ہے، اور وہ رب عظیم و معظم سے قریب تر لانے والی ہوتی ہے۔ خوف خدا کی ترغیب اور خشیت الٰہی کی تاکید سے قدیم صحیفے بھی لبریز ہیں۔ مثلاً:۔ ”خداوند کا خوف، دانش کی ابتدا ہے“۔ (امثال سلیمانی۔ ۱:۷) ”خداوند کا خوف، دانائی کا شروع ہے“۔ (امثال سلیمانی۔ ۹:۱۱) ”خدا سے ڈر، اور اس کے حکموں کو مان، کہ انسان کا فرض کلی یہی ہے“۔ (واعظ کی کتاب۔ ۱۲:۱۳) و۶۹۵ قَاتِلُوْا۔ قتال کا یہ حکم اُن مظلوم مسلمانوں کو مل رہا ہے، جو دو چار مہینے نہیں، پورے تیرہ برس مکہ میں ہر طرح کے شدائد پر، اور شدائد کیسے، یہ کیسے شقاوت، سفاکی، بہیمیت پر، صبر کے امتحان میں پورے اُتر چکے تھے، اور اب وطن سے بے وطن ہو کر، گھر بار چھوڑنے پر بھی، مدینہ میں چین سے نہیں بیٹھنے پاتے تھے۔ اللہ تربت ٹھنڈی رکھے لارڈ ہیڈلے انگریز کی۔ نومسلم ہو کر بات پتہ کی کہہ گیا ہے، کہ اسلامی غزوات کے تین ابتدائی جغرافی محل وقوع کو دیکھ کر خود فیصلہ کر لو، کہ لڑائی کی ابتداء کس نے کی، اور چڑھائی کون کس پر کر کے گیا تھا؟ حملہ اور جارحانہ اقدام کون کر رہا تھا، اور حفاظت خود اختیاری و مدافعت میں کون لڑ رہا تھا؟ مکہ کے جنگجو اہل فساد، یا مدینہ کے صابر و شاکر مومنین؟ (۱) جنگ بدر۔ بدر میں ہوئی، مدینہ سے کل تیس میل کے فاصلہ پر۔ **جنگ اُحد**۔ اُحد تو مدینہ سے کل بارہ ہی میل ہے (۳) جنگ احزاب۔ اس میں تو محاصرہ خود مدینہ ہی کا ہوا! غرض ہر دفعہ قریش مکہ یا اُن کے حلیف و مددگار ہی چڑھ چڑھ کر آئے۔ اَلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ۔ خود یہ لفظ کیا بتا رہے ہیں؟ دو باتیں بالکل صاف ہوئی جاتی ہیں (۱) ایک یہ کہ جنگ کی ابتداء کرنے والے مسلمان نہ تھے۔ ابتداء دوسرا ہی فریق کر رہا تھا۔ ای الذین یبدءونکم بالقتال (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای ینا جزونکم القتال دون المحاجزین (مدارک) ای یحل لکم القتال ان قاتلکم الکفار (قرطبی) (۲) دُوسرے یہ کہ قتال کا حکم صرف اُنہی افراد کے مقابلہ میں ہے جو واقعی لڑ رہے ہوں، یا آج کل کی اصطلاح میں صرف مصافیوں Combatants کے مقابلہ میں۔ غیر مصافی Non-combatants آبادی کے سروں پر بم برسا دینے، پرامن شہریوں پر ہوائی تاخت کرنے، اور اُن پر زہریلی گیسیں چھوڑنے کے ”مہذب ترین“ آئین حرب سے اسلام کا قانون جنگ ناآشنا ہے۔ بوڑھوں، بچوں، عورتوں، اپاہجوں، بیماروں، گوشہ نشینوں، غرض ایسے کل لوگ جو جنگ سے معذور ہوں، انہیں رسول ﷺ کے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو صراحت کے ساتھ مستثنیٰ قرار دیا ہی ہے، لیکن خود یہ آیت بھی اس استثناء کی جانب صاف مشیر ہے۔ لا تقتلوا النساء ولا الصبیان ولا الشیخ الکبیر و لا من القی الیکم السّلم و کف یداہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای لا تقاتل من لا یقاتلک یعنی النساء والصبیان والرھبان (ابن جریر۔ عن عمر بن عبدالعزیز) عن ابن عمرؓ قال وجدت امرأۃ فی بعض مغازی النبی ﷺ مقتولۃ فانکر رسول اللہ ﷺ قتل النساء والصبیان (بخاری۔ مسلم) کان النبی ﷺ اذا بعث جیشا قال اغزوا بسم اللہ و فی سبیل اللہ ...... ولا تقتلوا امرأۃ ولا ولیدًا ولا شیخا کبیرًا (معالم۔ عن بریدۃ) امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اصل حکم میں تو پھل دار درخت کو کاٹنے تک کی ممانعت ہے۔ آپ نے یہ حکم خلافت اسلامیہ کے پہلے سپہ سالار فوج (کمانڈر انچیف) یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ اور اُن کی مشایعت آپ نے پاپیادہ چل کر کی تھی۔ اس حکم نامہ کے الفاظ یہ نقل ہوئے ہیں:۔ وانی اوصیک بعشر لاتقتلن امرأۃ ولاصبیًا ولا کبیرًا ھرماً ولا تقطعن شجرًا مثمرًا ولا تخربن عامرًا ولا تعقرن شاۃ ولا بعیرًا لا لما کلۃ ولا تحرقن نخلاً ولا تغرقنہ (طبقات ابن سعد) البتہ الذین یقاتلونکم سے یہ بھی مراد نہیں کہ جب دشمن واقعۃً سر پر آ جائے، اور لڑائی شروع کر دے، جبھی تم قتال کرو۔ اتنے انتظار و توقف کے معنی یہ ہوں گے کہ آدھی جیت اُن کی ہوگئی، جیسا

کہ اس زمانہ کی لڑائیوں میں برابر مشاہدہ بھی ہورہا ہے۔ بلکہ غنیم کا ارادہ اور آمادگی ہی اُسے اس حکم کے تحت میں لے آنے کے لیے کافی ہے۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہ قید کتنی اہم اور دنیا کی تاریخ محاربات میں کیسی انقلاب انگیز ہے! دُنیا میں لڑائیاں ہمیشہ لڑی گئیں، اب بھی لڑی جارہی ہیں، آئندہ بھی لڑی جائیں گی۔ لیکن کاہے کے لیے؟ زر کے لیے، یا زن کے لیے، یا زمین کے لیے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ "قوم" اور "وطن" کے لیے! یعنی زر و زمین کی طلب فرد کے لیے نہیں بلکہ قوم کے لیے رہ جائے۔ یہ خصوصیت صرف اسلامی جہاد "بدنام و رسوا" اسلامی جہاد کی ہے، کہ جب کبھی اور جن حالات میں شروع ہو، اللہ کی راہ میں ہو۔ شرک کو مٹانے اور توحید کو بلند کرنے کے لیے ہو، دین حق کی حمایت و نصرت میں ہو، انسانی حکومت مٹا کر خدائی حکومت قائم کرنے کے لیے ہو۔ خودی کے لیے نہیں، خدا کے لیے ہو۔ نفس کے لیے، قبیلہ کے لیے، "حلقۂ اثر" کی توسیع کے لیے "آزادیٔ تجارت" کے لیے، "آزادیٔ سمندر" کے لیے، "نوآبادیوں کے تحفظ" کے لیے، "برآمد کی منڈیاں" پیدا کرنے کے لیے، غرض نئی اور پرانی قسم کی بھی عصبیت جاہلی کے جھنڈے نیچے نہ ہو۔ صاف صاف فی سبیل اللہ ہو۔ اور فی سبیل اللہ کے معنٰی ہیں لاعزاز دین اللہ۔ الجهاد لاعلاء كلمة الله و اعزاز الدين (مدارک) اے جاهدوا لاعلاء كلمته واعزاز دينه (بیضاوی) يعنى دينا و اظهارًا للكلمة (قرطبی) اے فى طاعته و طلب رضوانه (کبیر) قتال کا طریقہ دُوسری اُمتوں سے نرالا کچھ اُمت محمدی ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں، بائبل میں اس کا ذکر ایک دو جگہ نہیں، بیسیوں جگہ موجود ہے۔ اور محاربات یہود سے تو تاریخ کے دفتر کے دفتر رنگین ہیں۔ رہیں مسیحی قومیں اور اُن کی خونریزیاں اور خون آشامیاں، تو اُن کی نظیر تو دنیا کے پردہ پر کہیں نہ ملے گی۔ عیاں راچہ بیاں! اور عملاً جو نمایاں فرق اسلامی فاتحین کی رحمدلی اور مسیحی فاتحین کی سنگدلی کے درمیان رہا ہے، اس کا اعتراف تو خود مسیحی اہل قلم کو ہے۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو Finlays' Greece under the Romans. صفحہ ۳۵۳۔ نیز Bosworth smith's Mohammad & Mohammadanism صفحہ ۲۱۷ و صفحہ ۲۱۸۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت ماقبل میں ابھی ابھی تقوٰی کی تاکید آچکی ہے، اب اُسی مناسبت سے ذکر تقوٰی کی شدید ترین اور نفس کے لیے دشوار ترین قسم یعنی قتال و جہاد کا شروع ہوا ہے۔ لما امر ها لتقوى امر فى هذه الأية باشد اقسام التقوى واشقها على النفس (کبیر) و۶۹۶ وَلَا تَعْتَدُوْا۔ اعتداء کے لغوی معنٰی حق سے تجاوز کر جانے کے ہیں، مجاوزۃ الحق۔ اور اس تجاوز کی متعدد صورتیں ممکن ہیں۔ حد سے مراد حد شریعت بھی ہوسکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ انتقام کے جوش یا فتحمندی کے زور میں بے تحاشا غنیم کے مصافی و غیر مصافی سب کو قتل کرنا شروع کردیا جائے۔ اُن کے کھیتوں، باغوں، چراگاہوں میں آگ لگادی جائے، اُن کے بے زبان جانور تلوار کے گھاٹ اتار دیئے جانے لگیں، وقس علٰی ہذا۔ قرآن نے دُنیا کو سبق یہ دیا کہ قوت کا استعمال صرف اُسی حد تک جائز ہے، جس حد تک ناگزیر ہے۔ حد سے مراد حد معاہدہ بھی ہوسکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ بدعہد و پیمان شکن قوموں کی دیکھا دیکھی خود بھی معاہدوں کی پروا نہ کی جائے، اور عہد شکنی کی ابتداء اپنی طرف سے کرکے ہلہ بول دیا جائے۔ اسی طرح اور بھی پہلو تجاوز حدود کے نکل سکتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اعتداء کا لفظ زیادتی کے ہر پہلو کو جامع ہے، اور ہر قسم کی زیادتیوں کی ممانعت اس سے نکل آئی۔ اے لاتعتدوا بابتدآء القتال او بقتال المعاهد اوالمفاجاة به من غير وعدة او المثلة او قتل من نهيتم عن قتله (بیضاوی) اے لا تعتدوا بوجه من الوجوه (روح) اور اعتداء اور تجاوز کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ قتال علاوہ فی سبیل اللہ کے کسی اور غرض کے لیے شروع کردیا جائے۔ چنانچہ بعض دقیق النظر مفسرین نے یہ پہلو بھی لیا ہے۔ اے لا تقاتلوا على غير الدين (ابن العربی) المعنى لا تعتدوا فى القتال لغير وجه الله كالحمية و كسب الذكر (قرطبی) غلبہ و اقتدار کے وقت انتقام کے حدود کے اندر رہنا اخلاق کے مرتبۂ اعلٰی کا مقام ہے۔ اچھے اچھوں کی عقل، متانت اور قوت عدل و توازن اُس وقت جواب دے دیتی ہے اور کل کے مظلوم، بیساختہ اور شاید بے شعوری کے عالم میں، آج کے ظالم بن جاتے ہیں۔ قرآن مجید کا اس موقع پر اپنے پیروؤں کو ضبط و احتیاط کی تلقین کرنا، افراد اُمت کو حکمت و اخلاق فاضلہ کے بلند سے بلند مقام پر پہونچا دینا ہے۔ اور پھر جب یاد کرلیا جائے، کہ آیت کا موقع نزول ذیقعدہ ۷ھ ہجری ہے، جب معاہدۂ حدیبیہ کے دُوسرے سال مسلمان عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہورہے تھے، اور اندیشہ تھا کہ مشرکین معاہدہ کو توڑ کر جنگ شروع کردیں گے، اور اُس کے جواب میں قدرۃً مسلمان بھی اشتعال سے لبریز ہوجائیں گے۔ تو آیت کے اس تاکیدی اور امتناعی حکم کی قدر

و منزلت کس درجہ اور بڑھ جاتی ہے! پھر فتحمندی کی گھڑیوں میں ایسی ہدایت پر عمل دنیا کی کسی قوم نے آج تک کیا ہے، بجز رسول ﷺ کے صحابیوں، اور خلافت اسلامیہ کے سپاہیوں کے؟ سوال عقیدت کا نہیں، محض تاریخ کا ہے و۶۹۷ وَاقْتُلُوْهُمْ میں هُمْ کی ضمیر اُنہی لوگوں کی طرف ہے جو مسلمانوں سے لڑنے نکلے ہیں۔ والضمير عائد الى الذين امر لقتلهم فى الأية الأولى (کبیر) حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ۔ یعنی ان مقاتلین محاربین مکہ کو جہاں کہیں بھی پکڑ پاؤ، اور جب کبھی اُن پر غلبہ حاصل کر پاؤ، قتل کردو۔ هم الكفار من اهل مكة فامر الله تعالٰى بقتلهم حيث كانوا فى الحل والحرم و فى الشهر الحرام (کبیر) اے حيث وجدتموهم من حلٍ او حرمٍ (ابوسعود) وَاقْتُلُوْا کے صیغۂ جمع سے فقہاء حنفیہ نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ قتال و جہاد فریضۂ انفرادی نہیں ہے، امام کی معیت میں ہے۔ لشکر کا وجود وجوب بطور عبارۃ النص کے نکلا اور امام کا بطور اقتضاء النص کے، کہ لشکر کا انتظام و اجتماع بغیر ایک امام کے ممکن نہیں۔ مِنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ یعنی سرزمین مکہ سے۔ مِنْ حَيْثُ کے معنٰی "جہاں سے" کے علاوہ "جس طرح" کے بھی ہیں۔ وَاقْتُلُوْهُمْ۔ وَاَخْرِجُوْهُمْ۔ مراد یہ ہے کہ سرزمین مکہ سے اُنہیں چاہے مارو، چاہے نکالو، جو بھی تمہیں اپنی قدرت و مصلحت کے مطابق نظر آئے۔ والمراد افعلوا كلّ ماتيسر لكم من هٰذين الامرين فى حق المشركين (روح) و۶۹۸ (اپنی مضرتوں اور مفسدوں کے لحاظ سے) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے کہ مشرکوں کی شرارت جسے یہاں فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے، وہی تو اصل جڑ تھی اور اخراج و قتل، وغیرہ اس کی سزائیں تو محض فرع ہوئیں۔ الفتنة، فتنہ سے مراد شرک یا اس کی ترغیب و تحریص اور اہل توحید کی تخویف ہے۔ الفتنة الشرك بالله و عبادة الاوثان (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اقدام الكفار على الكفر و على تخويف المؤمنين (کبیر) روى عن جماعة من السلف ان المراد بالفتنة ههنا الكفر و قيل انهم كانوا يفتنون المومنين التعذيب و يكرهونهم على الكفر (صاص) کفر و ترغیب کفر کو فتنہ سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ نظام کفر آخر دُنیا کو فتنہ و فساد، کشت و خون، غدر و بدامنی ہی کی طرف لے جاتا ہے۔ انما سمى الكفر بالفتنة لانه فساد فى الارض يؤدى الى الظلم والهرج و فيه الفتنة (کبیر) اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ یعنی حرم میں قتل و خون سے بھی شناعت میں کہیں بڑھا ہوا درجہ اس مرکز توحید و ایمان میں شرک، اشاعت شرک و تبلیغ شرک کا ہے۔ اشدُّ من القتل فى الحرم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اے شركهم بالله اعظم من القتل الذى يحل بهم منكم (مدارک) يجوزان يرادفتنهم اياكم بصدكم عن المسجد الحرام اشد من قتلكم اياهم فى الحرم (کشاف) يعنى كفرهم و تعذيبهم المؤمنين فى البلد الحرام فى الشهر الحرام اشد و اعظم اثمًا من القتل فى الشهر الحرام (صاص) دُوسرے معنٰی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ مکہ والوں کی یہ مسلسل و غیر منقطع تعدیاں اور مظالم قتل سے بھی کہیں زیادہ سخت و ناقابل برداشت ہیں۔ اور بعض قدیم اکابر کی نظر بھی اسی پہلو کی طرف گئی ہے۔ اے المحنة التى يفتتن بها الانسان كالاخراج من الوطن اصعب من القتل لدوام تعبها و بقاء تألّم النفس بها (بیضاوی) اے المحنة والبلاء الذى ينزل بالانسان يتعذب به اشدّ عليها من القتل (کشاف) الاخراج من الوطن لما فيه من مفارقة المالوف والاحباب و تنغيص العيش دائما (بحر) ایک معنٰی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ یہاں فتنہ سے مراد وہ ابدی عذاب اُخروی ہے جو انہیں کفر کی سزا میں ملے گا۔ گویا ارشاد یہ ہے کہ وہ دائمی عذاب دُنیا کی سزائے قتل سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ اور عذاب پر اس معنٰی میں فتنہ کا اطلاق جائز ہے۔ المراد من الفتنة العذاب الدائم الذى يلزمهم بسبب كفرهم (کبیر) واطلاق اسم الفتنة على العذاب جائز و ذٰلك من باب اطلاق اسم السبّب على المسبب (کبیر) والكفر بالله يقتضى العذاب دائمًا و القتل ليس كذٰلك (بحر) و۶۹۹ (کہ یہاں قتال کی ابتداء بلاوجہ اور بلاضرورت کردینے سے حدود حرم کی ہتک لازم آتی ہے) عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی حرم شریف یا مسجد کعبہ کے گرد و نواح میں کئی میل کا پورا علاقہ جو اصطلاح میں حرم کہلاتا ہے۔ اور اس کے احترام کے خاص آداب و قواعد ہیں۔ عندنا المسجد الحرام يقع على الحرم كله (مدارک) نزول آیت کے وقت مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان عارضی صلح کا معاہدہ تھا۔ یہاں یہ ارشاد ہورہا ہے کہ اُس پاس معاہدہ کے علاوہ مسلمانوں کے لیے یہ دوسرا مانع احترام حدود حرم کا بھی تو ہے۔ بعض تابعین اور فقہاء حنفیہ نے آیت سے یہ مستقل حکم نکالا ہے کہ مسجد حرام میں قتل و قتال ناجائز ہے، تاوقتیکہ وہ جواب و مدافعت میں نہ ہو۔ قال مجاهد لا يجوز قتال

احد فی المسجد الحرام الابعدان یقاتل و بہ قال طاؤس و ھوالذی یقتضیہ نص الأیۃ (قرطبی) والیہ ذھب ابوحنیفۃ واصحابہ (قرطبی) فیہ قولان احدھما انہ محکم قالہ مجاھدو ابوحنیفۃ (ابن العربی) ف۷۰۰ حفاظت خود اختیاری حدود حرم کے اندر بھی قتال کو جائز کردے گی۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی یہی سزائیں جواُوپر گزر چکیں: وطن سے اخراج اور حدود حرم کے اندر قتل۔ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ۔ یعنی ایسے معاند، پیمان شکن، بےادب کافروں کی سزا۔ "کفار کے ساتھ جبکہ شرائط جواز کے پائے جائیں، ابتداءً قتال شروع کرنا درست ہے۔ اوراس مقام پر جوابتداءً بالقتال سے ممانعت فرمائی ہے تووہ صرف بوجہ معاہدہ کے ہے۔ تو معاہدہ میں ابتداءً ناجائز ہے۔ البتہ اگر معاہدہ کا باقی رکھنا مصلحت نہ ہوتو صاف اطلاع کردی جائے کہ ہم وہ معاہدہ باقی نہیں رکھتے۔ پھر قتال جائز ہے۔ اسی طرح اگر وہ لوگ معاہدہ توڑ دیں تب بھی قتال جائز ہے"۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۷۰۱ (محض جنگ سے نہیں، جسے اُنہوں نے شروع کیا تھا، بلکہ عقائد کفروشرک سے جومحرک اور باعث بنے ہوئے تھے جنگ وقتال کے) ای عن الکفر و الشرک و تابوا (ابن عباس) ای فان تابوا (ابن جریر۔ عن مجاہد) من قتالکم و کفرھم باللہ (ابن جریر) عن الشرک والقتال (مدارک) یعنی انتھوا بالایمان (ابن العربی) عن الکفر بالتوبۃ منہ کما روی عن مجاھد وغیرہ او عنہ و عن القتال (روح) فَاِنِ انْتَهَوْا میں ضمیر غائب کفار محاربین کی طرف ہے۔ حرف تعقیب فَ سے مراد ہے، جنگ شروع کرنے کے بعد۔ جن مفسرین جدید نے انتھوا سے صرف جنگ میں باز آجانا مراد لیا ہے، انہوں نے سخت غلطی کی ہے ف۷۰۲ (اس لیے ان کی توبہ قبول کرلی جائے گی، انہیں دائرۂ اسلام

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ

اختیار کیے رہو، تاآنکہ فلاح پا جاؤ ف۶۹۴ اور اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ

لڑو ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں، ف۶۹۵ اور حد سے باہر مت نکلو، کہ اللہ

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

حد سے باہر نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا ف۶۹۶ اور انہیں جہاں کہیں پاؤ

ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ

قتل کرو، اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے تم انہیں نکالو، ف۶۹۷

وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ

فتنہ تو قتل سے (بھی) سخت تر ہے، ف۶۹۸ اور ان سے مسجد حرام کے قریب

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ

قتال نہ کرو، جب تک وہ (خود) تم سے قتال نہ کریں ف۶۹۹ ہاں اگر وہ (خود) تم سے قتال کریں

فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ

تو (تم بھی) انہیں قتل کرو۔ یہی سزا ہے کافروں کی ف۷۰۰ پھر اگر

انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَ قٰتِلُوْهُمْ

وہ باز آجائیں ف۷۰۱ تو بےشک اللہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے ف۷۰۲ اور ان سے لڑو

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ

یہاں تک کہ فساد (عقیدہ) باقی نہ رہ جائے ف۷۰۳ اور دین اللہ ہی کے لئے رہ جائے ف۷۰۴

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

سو اگر وہ باز آجائیں ف۷۰۵ تو سختی (کسی پر بھی) نہیں، بجز (اپنے حق میں) ظلم کرنے والوں کے ف۷۰۶

میں داخل سمجھا جائے گا، اوران کے اسلام کولاحاصل یا بےقدر نہیں سمجھا جائے گا) آیت کے اس جزو نے اِنِ انْتَهَوْا کے اس مفہوم کو خود قرآن ہی سے واضح کردیا کہ مراد کفرو شرک سے باز آجانا ہے، نہ کہ محض جنگ وقتال سے۔ صفاتِ مغفرت ورحمت کا ترتب کفر ہی سے تائب ہونے پر ہوسکتا ہے نہ کہ محض ترک جنگ پر۔ جو کفر سے تائب ہوگیا اُس کے پچھلے گناہ بھی معاف ہوجائیں گے، اور آئندہ بھی اُس کے ساتھ معاملہ رحمت کا ہوگا، جیسا کہ خود قرآن ہی میں دُوسری جگہ ہے۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ۔ غفور لمن تاب و رحیم لمن مات علی التوبۃ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) فان اللہ یغفر لھم جمیع ما تقدم و یرحمھم کلًّا منھم بالعفو عما اجترم (ابن العربی) و لذٰلک علّق علیہ الغفران و الرحمۃ و ھمالا یکونان مع الکفر (بحر) فقہاء ومفسرین نے آیت سے قاتل کی قبول توبہ کا مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب کفر کی توبہ قبول ہوسکتی ہے، توقتل عمد تو کفر سے خفیف تر ہے، اُس سے توبہ کیوں نہ قبول ہوگی۔ و فیہ دلالۃ علی قبول توبۃ قاتل العمد اذکان الکفر اعظم مأثما من القتل و قد اخبر تعالٰی انہ یقبل التوبۃ من الکفر (بحر) ھٰذا یدل علٰی ان قاتل العمد لہ توبۃ اذکان الکفر اعظم ما ثما من القتل و قد اخبر اللہ انّہ یقبل التوبۃ منہ و یغفر لہ (جصاص) ف۷۰۳ (ان لوگوں میں، یا سر زمین عرب پر) قٰتِلُوْهُمْ میں ھُمْ کی ضمیر کس کی طرف ہے؟ جنگ جاری رکھنے کا حکم کس کے مقابلہ میں دیا جارہا ہے؟ ظاہر ہے کہ رُوئے زمین کے عام کفار بھی مراد ہوسکتے ہیں، اور مشرکین عرب بھی سمجھے جاسکتے ہیں۔ لیکن فقہاء حنفیہ اور بہ کثرت تابعین نے مراد مشرکین مکہ ہی سے لی ہے۔ و من رأھا غیر ناسخۃ قال المعنی قاتلوا ھٰؤلاء الذین قال اللہ فیھم فان قاتلوکم (قرطبی) و ھم کفار مکۃ و الفتنۃ ھٰھنا الشرک ولا یسنّ بھم سنۃ اھل الکتٰب فی قبول الجزیۃ قالہ ابن عباس و قتادۃ والربیع والسدی (بحر) عطف علٰی قاتلوا الذین یقاتلونکم و یؤیدہ ان مشرکین العرب لیس فی حقھم الا الاسلام اوالسیف (روح) وھٰذہ الأیۃ خاصۃ فی المشرکین دون اھل الکتٰب لان ابتداء الخطاب جزی بذکرھم فی قولہ عزّوجلّ واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم و ذٰلک صفۃ المشرکین اھل مکۃ الذین اخرجوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ فلم یدخل اھل الکتٰب فی ھٰذا الحکم (جصاص) حَتّٰى۔ یہاں اظہار غایت کے لیے ہے اور کَیْ یا اِلٰی، ان کے مرادف ہے۔ و ھٰذا البیان غایۃ القتال (روح) حتّٰی بمعنٰی کَیْ او اِلٰی ان (مدارک) لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ۔ یعنی حدودِ حرم اور حدودِ عرب کے اندر شرک وکفر باقی نہ رہنے پائے۔ فتنہ سے یہاں کفروشرک کے مراد ہونے پر کہنا چاہیے کہ محققین امت کا اجماع ہے۔ ای شرک قالہ ابن عباس وابو العالیۃ و مجاھد والحسن و قتادہ و الربیع و مقاتل بن حیان والسدی (ابن کثیر) ای الشرک باللہ فی الحرم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای حتّٰی لاتکون شرک باللہ و حتّٰی لا یعبدونہ احدٌ (ابن جریر) قال ابن عباس و قتادۃ و مجاھد و الربیع ابن انس الفتنۃ ھٰھنا الشرک و قیل انما سمی الکفر فتنۃً لانہ یؤدی الی الھلاک کما یؤدی الیہ الفتنۃ (جصاص) اگر وہ لوگ اسلام نہ لائیں تو گواور کفار سے جزیہ دینے کے اقرار پر قتال سے دستکش ہونے کا حکم ہے، لیکن یہ خاص کفار چونکہ اہل عرب ہیں، ان کے لیے قانونِ جزیہ نہیں ہے۔ بلکہ ان کے لیے اسلام ہے یا قتل (تھانوی علیہ الرحمۃ) اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کا ایک جغرافی مرکز ہو، مستقر ہو۔ اور رُوئے زمین پر کم ازکم ایک خطہ تو ایسا ہو جوشرک وکفر سے قطعاً پاک، اور اہل توحید کے لیے صحیح معنی میں "پاکستان" ہو۔ اوراس غرض کے لیے مولدِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ومہبطِ قرآن سے بڑھ کر سرزمین اور کون ہوسکتی تھی؟ قدرۃً انتخاب اس کے لیے سرزمین عرب کا ہوا۔ کفار عرب اگر اسلام نہ لائیں تو اُن کے لیے صرف قتل کا قانون ہے۔ اگر وہ جزیہ دینا چاہیں تو نہ لیا جائے گا۔ (تھانوی) ف۷۰۴ (خالصۃً۔ اور کفروشرک ہر دین باطل کا زور ٹوٹ کر رہے) ذکر وہی خطۂ عرب کی خالص اسلامی حکومت کا چل رہا ہے کہ کم ازکم اس "پاکستان" میں کفر وترغیبات کفر کے لیے موقع ہی باقی نہ رہیں۔ یکون الاسلام و العبادۃ للہ فی الحرم (ابن عباس رضی اللہ عنہما)

على وجه المداومة والعادة (جصاص) ف۷۰۵ (اپنے کفر و انکار سے، اور ملت اسلامیہ میں داخل ہو جائیں) عن قتالکم و دخلوا ملّتکم واخترو بما الزمکم الله من فرائضه (ابن جریر) عن الکفروا سلموا (معالم) ف۷۰۶ (جو اسی بے انصافی کی راہ سے اب تک دین توحید تک سے منکر ہیں) اور جب یہ تائب ہو کر مسلمان ہو گئے، تو ظاہر ہے کہ اب اپنے حق میں ظالم باقی نہیں رہے۔ اور اب اُن کے حق میں سزائے قتل وغیرہ کا حکم باقی نہ رہا۔ فلا سبیل لکم بالقتل (ابن عباس رضی اللہ عنہما) عُدْوَان۔ اس کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں۔ یہاں سزا اور سزائے قتل کے معنی میں ہے۔ والمراد من العدوان ههنا المعاقبة والمقاتلة (ابن کثیر) ای العقوبة بالقتل (روح) عربی اسلوب بیان میں ایک دستور یہ بھی ہے کہ جزاءِ عمل کے موقع پر بعینہٖ وہی لفظ بول دیا جاتا ہے جو خود اس عمل کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً مکر کے مقابلہ میں مکر ہی کا لفظ کید کی سزا کے موقع پر لفظ کید کا استعمال، استهزاء کے معاوضہ میں لفظ استهزاء وقس علی ہذا۔ اس صنعت کا نام مشاکلت ہے اور قرآن مجید نے عربی بلاغت کی دُوسری صنعتوں کی طرح اس کا بھی بار بار استعمال کیا ہے، چنانچہ یہاں سزائے عُدوان کے موقع پر خود لفظ عدوان کا لانا اسی طرز پر ہے۔ ومن العدوان الذی هو علی سبیل المجازاة قوله فلا عدوان الا علی الظّٰلمین (راغب) انهٗ ذٰلک علی وجه المجازاة لما کان من المشرکین من الاعتداء (ابن جریر) سمّی جزاء الظّٰلمین ظلمًا للمشاکلة (کشاف) ارادهنا بالعدوان الجزاء یقول لا جزاء ظلم الا علی ظالم (ابن قتیبہ) ف۷۰۷ یعنی کسی مہینہ کی حرمت کی بنیاد تو بس اسی پر ہے کہ دُوسرا فریق بھی اس کی حرمت ملحوظ رکھے گا، اور اگر یہ نہیں تو پھر کسی مہینہ کی حرمت کی بنیاد ہی نہیں۔ یہ چیز تو محض عوض معاوضہ کی، اور طرفین کے تعامل پر مبنی ہے۔ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ۔ کے لفظی معنی ہیں "حرمت والا مہینہ"۔ عرب کے قبائل آپس میں سخت جنگجو چلے آتے تھے۔ لیکن آپس میں یہ بھی ٹھہر گئی تھی، کہ سال میں چار مہینے جنگ بند رہے، اور یہ زمانہ امن و صلح کے ساتھ گزارا جائے اور یہ چار مہینے یہ تھے:۔ محرم۔ سنہ قمری کا پہلا مہینہ۔ رجب۔ سنہ قمری کا ساتواں مہینہ۔ ذی قعدہ۔ سنہ قمری کا گیارہواں مہینہ۔ ذی الحجہ۔ سنہ قمری کا بارہواں مہینہ۔ یہاں اشارہ ذی قعدہ ۷ھ کی جانب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ قصد عمرہ اس وقت صحابیوں کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے تھے، لیکن مشرکین آمادۂ قتال ہو گئے تھے، بلکہ تیر اندازی اور سنگ اندازی شروع کر دی تھی۔ عرب جاہلیت اپنی جہالت، شقاوت، جنگجوئی کے لیے بدنام اور بالکل بجا طور پر بدنام ہے۔ لیکن اس کے باوجود سال کی صرف دو تہائی لڑتے تھے، اور باقی ۱/۳ حصہ امن و آشتی ہی کے مشغلہ میں گزار دیتے تھے ـــــ یہ کمال تو جاہلیت جدید یا جاہلیت فرنگ ہی کے لیے اُٹھ رہا تھا کہ فرنگی قوموں کے بڑے بڑے سورما نہ تو اُردیکھیں، نہ بڑا دن، نہ ایسٹر، نہ گڈ فرائیڈے، نہ کوئی موسم نہ کوئی مہینہ، ہر روز اور ہر ہفتہ، ہر مہینہ اور ہر موسم میں، توپیں اور ٹینک اور ہوائی بم ہیں کہ ایک دُوسرے کی جانیں لینے پر تلے ہوئے ایک دُوسرے کو موت کے گھاٹ اتارنے پر اڑے ہوئے رہتے ہیں! ف۷۰۸ (پس جو تم سے ان حرمتوں کی رعایت کرے، تم بھی اُن سے حرمتوں کی رعایت ملحوظ رکھو) قصاص کے لفظی معنی بدلہ کے ہیں، خواہ وہ معاوضہ قولی ہو، یا عملی، یا جسمانی اور یہاں عملی بدلہ مراد ہے۔ یعنی جیسا تمہارے فریق مقابل نے تمہارے ساتھ کیا، تم اُس کے ساتھ کرو۔ قصاصٌ ای بدلٌ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) القصاص هو المجازاة من جهة الفعل اوالقول اوالبدن و هو فی هٰذا الموضع من جهة الفعل (ابن جریر) القصاص المساوات والمماثلة وهوان یفعل بالفاعل مثل مافعل (معالم) یہاں کافروں پر تعریض ہے، کہ خود تو ان مقدس مہینوں کا ذرا پاس لحاظ نہیں کرتے، اپنی کسی حرکت سے بھی باز نہیں رہتے، اور مسلمانوں سے توقع یہ رکھتے ہیں کہ وہ ان کے سارے ظلم اور زیادتیوں پر اس لیے خاموش رہیں گے کہ یہ مقدس مہینے ہیں! والحاصل ان حرمة الشهر الحرام لمالم تمنعهم عن الکفر والافعال القبیحة فکیف جعلوه سببًا فی ان یمنع القتال من شرّهم و فسادهم (کبیر) ف۷۰۹ یعنی اگر فریق مقابل قتال شروع کر دے، تو تم بھی برابر جواب دو۔ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ۔ مثلاً ایک زیادتی یہی، کہ دشمن ان مہینوں کا احترام نہ کرے، بلکہ تم سے جنگ شروع کر دے فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ۔ یہاں مسلمانوں کے اس جوابی اور دفاعی کارروائی کو محض مجازاً اور محاورۂ زبان کے اعتبار سے (اعتداء) فرمادیا گیا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ زیادتی کے جواب میں جو کارروائی بہ طور سزا کی جائے، اُس پر حقیقۃً زیادتی کا اطلاق ہو کیونکر سکتا ہے؟ عربی زبان کے قاعدۂ مشاکلت الفاظ پر حاشیہ ابھی اُوپر گزر چکا ہے۔ بس وہی صورت یہاں بھی ہے، اور محض لفظی تطابق کی بنا پر یہاں سزائے اعتداء کو خود اعتداء سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ اہل لغت اور اہل تفسیر دونوں کے ہاں یہ تصریح منقول ہے ای قابلوه بحسب اعتدائه و تجاوزوا الیه بحسب تجاوزه (راغب) انه بمعنی المجازاة واتباع لفظ لفظًا وان اختلف معناهما (ابن جریر) انما سمی الفعل الثانی اعتداءً و هو مفعول بحق حملًا للثانی علی الاول علی محاورة العرب (ابن العربی) ف۷۱۰ (ان سارے احکام و معاملات میں، اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں) یہ اسلام ہی کا معجزانہ کمال ہے کہ ایک طرف تو قتال اور انتقام کی اجازت پوری پوری دی اور دوسری طرف آخر میں پھر یہ بھی یاد دلا دیا کہ دیکھنا، حدود سے تجاوز کسی حال میں بھی نہ ہو۔ جوش پر قابو بہر صورت رکھنا۔ یہ نہ ہو کہ اُلٹی زیادتی تم اپنی طرف سے حالت انتقام میں کرنے لگو۔ خوفِ خدا، بازپرس کا خیال، ہر وقت مستحضر رہے، جو کچھ بھی ہو، شدید اشتعال کے موقع پر بھی ہیجانِ نفس کے ماتحت نہیں، خشیت الٰہی ہی کے ماتحت ہو! واتقوا ایها المؤمنون فی حرماته و حدوده ان تعتدوا فیها (ابن جریر) اللہ اکبر! اس حکیمانہ امتزاج کی نظیر، دُنیا کے کسی قانون، کسی آئین، کسی نظام کے اندر ملے گی؟ ف۷۱۱ اللہ اللہ! کتنی بلند و پر حکمت تعلیم ہے۔ ابھی ابھی انتقام میں بھی اہل ایمان پر تقویٰ کی زبردست قید عاید کی جا چکی ہے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ

حرمت والا مہینہ تو حرمت والے مہینہ کے عوض میں ہوتا ہے ف۷۰۷ اور حرمتیں معاوضہ

قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ

کی چیزیں ہیں، ف۷۰۸ تو جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو ف۷۰۹

بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ ۠ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا

جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو ف۷۱۰ اور جانتے رہو

اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ف۷۱۱ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو ف۷۱۲

وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ ۚۛ وَ اَحْسِنُوْا ۚۛ

اور اپنے کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو ف۷۱۳ اور اچھے کام کرتے رہو

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾ وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ

یقیناً اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ف۷۱۴ اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے

لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ ۚ

پورا کرو ف۷۱۵ پھر اگر گھر جاؤ، تو جو بھی قربانی کا جانور میسر ہو، (اسے پیش کر دو) ف۷۱۶

وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَکُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ ؕ

اور جب تک قربانی اپنے مقام پر پہنچ جائے اپنے سر نہ منڈاؤ ف۷۱۷

فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًی مِّنْ رَّاْسِهٖ

لیکن اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو ف۷۱۸ یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو ف۷۱۹

فَفِدْیَةٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُکٍ ۚ فَاِذَاۤ

تو وہ روزوں سے یا خیرات یا ذبح سے فدیہ دے دے ف۷۲۰ لیکن جب تم

ای یکون دین اللہ ھو الظاھر العالی علیٰ سائر الادیان (ابن کثیر) خالصا لیس للشیطان فیہ نصیب (مدارک) اَلدِّیْنُ۔ دین سے مراد اللہ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت ہے۔ انما الدین الذی ذکرہ اللہ فی ھذا الموضع فھو العبادۃ والطاعۃ للہ فی امرہٖ و نھیہ (ابن جریر) الدین ھنا الطاعۃ ای لایکون الانقیاد خالصا للہ (بحر) والدین الشرعی ھو الانقیاد للہ عزو جل والاستسلام لہ اب ارشاد ہورہا ہے کہ ان احکام سے کہیں پست ہمت نہ ہوجانا، اور یوں نہ خیال کرنے لگنا، کہ ”حدود و قیود“ عائد کرکے پرزور مقابلہ سے روکا جارہا ہے، اور ان کے بعد دل کے حوصلے پوری طرح کیونکر نکل سکیں گے؟ تو یہ بات نہیں ہے، بلکہ قانونِ الٰہی یہ ہے کہ اللہ کی فتح و نصرت، رحمت و عنایت شاملِ حال اُنہی لوگوں کے رہتی ہے، جو اُس کی خشیت و عظمت اپنے دل میں رکھتے ہیں اور متقی ہوتے ہیں!...... تقویٰ کی تاکید عین نصرت و ہمت افزائی کے لیے ہے۔ ضعف پیدا کرنے کے لیے نہیں۔ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔ متقین کے ساتھ اللہ کی معیت کی آخر نوعیت کیا ہوتی ہے؟ محققین کا فیصلہ ہے کہ اللہ کی معیت بلحاظ اُس کی نصرت، اعانت، حفظ، علم وغیرہ کے ہوتی ہے نہ کہ کسی جسمانی یا مادی اعتبار سے۔ ای بالمعونۃ والنصرۃ والحفظ والعلم (کبیر) النصر و العون (روح) بالنصرۃ والتکمین و التائید (بحر) اور یہیں سے امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ حق تعالیٰ نہ مجسم ہے، اور نہ وہ کسی جگہ کو گھیرے ہوئے ہے، جیسا کہ ہر جسم کسی متعین جگہ کو اپنے سے لبریز کردیتا ہے۔ وھذا من اقوی الدلائل علیٰ انہ لیس بجسم ولا فی مکان (کبیر) ف۱۲ (اپنا مال) جان قربان کرڈالنے کا حکم تو قتال کے ذیل و ضمن میں آچکا، اب حکم صرف مال کا ل رہا ہے۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اس قید کا خوب خیال رہے۔ اسلام میں جس طرح محض جان دے دینا مطلوب و مقصود نہیں، بلکہ وہ جان دینا مطلوب و مقصود ہے، جو خدا کی راہ میں ہو، اللہ کے دین کی بڑائی کے لیے ہو، اُسی طرح مطلق صَرف مال کی ہرگز کوئی وقعت و قدر نہیں۔ قدر صرف اُس صَرفِ مال کی ہے جو باطل کی راہ میں نہیں، حق کی راہ میں ہو، ہوائے نفس کی تکمیل کے لیے نہیں، رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ہو۔ یہاں اشارہ خاص جہاد و قتال کی جانب ہے، لیکن فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کے الفاظ عام ہیں۔ ہر دینی خدمت میں مالی امداد اس کے تحت میں آجاتی ہے یعنی فی طاعۃ اللہ (قرطبی) ف۱۳ (جان یا مال میں بخل کرکرکے) قرآن مجید میں جب صیغہ جمع حاضر آتا ہے تو کبھی تو افراد مخاطب ہوتے ہیں اور کبھی جماعت۔ یہاں اصل مخاطبت اُمت سے بہ حیثیت مجموعی ہے۔ اور بیان یہ حقیقت ہورہی ہے کہ افرادِ اُمت نے اگر جہاد و قتال سے جان چرائی، اور مجاہدین کو مالی امداد دینے میں بخل کیا، تو نتیجہ لازمی طور پر ساری اُمت کی تباہی، بربادی، ہلاکت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ۔ اصل تقدیرِ کلام یوں ہے:۔ وَلا تلقوا انفسکم بایدیکم یا انفسکم (اپنے آپ کو) محذوف ہے قیل تقدیرہ ولا تلقوا انفسکم بایدیکم (کشاف) ای لا توقعوا انفسکم فی الھلاک (بیضاوی) التَّهْلُكَةِ۔ لفظی معنی ہلاکت کے ہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اُمت کی ضرورت کے موقع پر بخل کرکے اُمت کو بربادی میں نہ ڈالو، اور یہی معنی ابن عباس، ابو ایوب انصاری، اور حذیفہ رضی اللہ عنہ صحابیوں سے، اور حسن اور قتادہ اور عکرمہ اور عطاء تابعین سے مروی ہیں، اور محدث جلیل امام بخاری نے بھی یہی معنی اختیار کیے ہیں۔ بترک الانفاق فی سبیل اللہ وھو قول حذیفۃ والحسن وقتادۃ و عکرمۃ و عطاء (معالم) و قال حذیفۃ بن سلیمان و ابن عباس و عکرمہ و عطاء و مجاھد وجمھور الناس المعنیٰ لا تلقوا بایدکم ان تترکوا النفقۃ فی سبیل اللہ ولا تخافوا عیلۃ والی ھذا المعنیٰ ذھب البخاری اذلم یذکر غیرہ (قرطبی) التھلکۃ الاقامۃ فی الاھل والمال و ترک الجھاد (کشاف عن ابی ایوب الانصاری) بعض نے یہ معنی بھی لیے ہیں کہ بہت زیادہ خرچ کرکرکے اپنے کو تباہ حال نہ کردو۔ وقال الجبائی التھلکۃ الاسراف فی الانفاق (روح) ای بالاسراف و تضییع وجہ المعاش (بیضاوی) قیل ھو الاسراف فی الانفاق حتیٰ لا یجد ما یاکل و یشرب فیتلف (جصاص) ف۱۴ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی جانب رغبت و التفات، ناپسندیدگی و بیزاری کے افعال و صفات بارہا منسوب کیے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی اللہ کے لیے ہے کہ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ ان سارے افعال و صفات کے لانے سے ایک بڑا مقصود اُن گمراہ قوموں کی تردید ہے جو وجودِ باری کے تو قائل ہیں، لیکن خدا تعالیٰ کو صفاتِ کمال و جمال سے معرّیٰ ایک طرح کا محض جامد، بے جان، بے حس، علت العلل سمجھے ہوئے ہیں!...... اسلام کا خدا، قرآن کا خدا، ہر معنی میں ایک زندہ خدا، بیدار، متحرک، فعال خدا ہے۔ خوش بھی ہوتا ہے ناخوش بھی۔ مخلوق کو محبوب بھی رکھتا ہے، مبغوض بھی، صلہ بھی دیتا ہے اور سزا بھی۔ اَحْسِنُوْا۔ یعنی جو کچھ بھی کرو، حسن نیت و اخلاص کے ساتھ کرو۔ محض بیگار سمجھ کر بوجھ سانہ اُتارو۔ صحابیوں سے اسی قسم کے معنی مروی ہیں۔ ای احسنوا اعمالکم بامتثال الطاعات روی ذٰلک عن بعض الصحابۃ (قرطبی) احسنوا اعمالکم و افعالکم (بیضاوی) ف۱۵ یعنی جب یہ عبادتیں بجالاؤ، تو اللہ کی رضا جوئی ہی کے لیے بجالاؤ۔ اخلاصِ نیت کے ساتھ، اور اللہ کے مقرر کیے ہوئے قاعدوں اور ضابطوں کے ساتھ، تمام ممنوعات سے محترز رہ کر۔ یہ نہ ہو کہ کسی طرح اُلٹے سیدھے ادا کرکے ان عبادتوں کو بھی ناقص و فاسد بنادو۔ ای افعلوا الحج والعمرۃ علیٰ نعت الکمال والتمام (کبیر) و ظاھر السیاق باکمال افعالھما بعد الشروع فیھما (ابن کثیر) ای ادوھما تامین بشرائطھما و فرائضھما لوجہ اللہ تعالیٰ بلا توان و لانقصان (مدارک) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ علیہم سے متعدد تفسیریں نقل ہوئی ہیں۔ لیکن سب سے جامع تفسیر مقاتل تابعی کی ہے کہ اس درمیان میں کوئی ایسی چیز نہ کرو کہ جو ان عبادتوں کے غیر شایاں ہو۔ الاتفعلوا فیھا ما لا ینبغی لکم (قرطبی) لِلّٰهِ کی تفسیر میں ایک فقیہ مفسر ابن العربی مالکی علیہ رحمۃ اللہ نے یہ نکتہ بہت خوب پیدا کیا ہے کہ اعمال تو سارے کے سارے اللہ کی جانب منسوب ہوتے ہی ہیں، خلق، علم، ارادہ وغیرہ ہر لحاظ سے یہاں اس تائید و تخصیص سے مقصود اس امر کی تنبیہ ہے کہ حج و عمرہ کا قصد، میلہ ٹھیلہ سمجھ کر نہ ہو، تفاخر کی راہ سے نہ ہو، تجارتی ضروریات سے نہ ہو، اخلاص محض کے ساتھ، قرب و رضائے الٰہی کی نیت سے ہو۔ وفائدۃ ھذا التخصیص ان العرب کانت تقصد الحج للاجتماع والتناصر والتظاھر والتنافر والتفاخر و قضاء الحوائج و حضور الاسواق و لیس للہ تعالیٰ فیہ حظ یقصد ولا قربۃ تعتقد فامر اللہ سبحانہٗ بالقصد الیہ لاداء فرضہ و قضاء حقہ (احکام القرآن) ف۱۶ یعنی اگر کسی دشمن کی روک تھام کے باعث، یا کسی بیماری وغیرہ سے معذور ہوکر راستہ ہی میں رُک جانا پڑے اور منزل مقصود تک نہ پہنچ سکو، تو قربانی کا جانور جو ساتھ میں ہو، اُسے وہیں ذبح کردو، اور احرام کھول ڈالو۔ عازم حج جب کسی معذوری کی بنا پر راہ ہی میں رُک گیا، اور اب قصد حج پورا نہیں کرسکتا، تو احرام سے باہر آنے کا طریقہ اسے بتایا جارہا ہے۔ اِنْ اُحْصِرْتُمْ۔ احصار کے لفظی معنی گھر جانے کے ہیں۔ خواہ کسی سبب سے بھی ہو۔ ائمہ لغت سے یہی عام مفہوم منقول ہے۔ الاحصار المنع من طریق البیت یقال فی المنع الظاھر کالعدوّ والمنع الباطن کالمرض (راغب) قال الفراء ان لفظ الاحصار یفید الحبس والمنع سواء کان بسبب العدوّ او بسبب المرض (کبیر) قال الکسائی وابو عبیدۃ واکثر اھل اللغۃ الاحصار المنع بالمرض اوذھاب النفقۃ (جصاص) چنانچہ فقہاء حنفیہ نے بھی اسی عام معنی میں لیا ہے۔ اور یہی معنی بعض فقہاء صحابہ و تابعین سے منقول ہیں۔ ذھب الامام ابو حنیفۃ الی انہ المراد بہ ما یعم، کل منع من عدوّ مرض و غیرھما (روح) روی عن ابن مسعود و ابن عباس العدو والمرض سواء و ھو قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف و محمد و زفر والثوری (جصاص) ولما کان اصل الحصر الحبس قالت الحنفیۃ المحصر من یصیر ممنوعاً من مکۃ بعد الاحرام بمرض او عدوٍ او غیر ذٰلک واحتجوا بمقتضی الاحصار مطلقاً (قرطبی) ای منعتم بای عذرٍ کان قالہ مجاھد و قتادۃ و ابو حنیفۃ (ابن العربی) البتہ امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ و امام مالک علیہ رحمۃ اللہ کے نزدیک احصار صرف دشمن کے باعث ہوسکتا ہے۔ المراد من الاحصار ھنا حصر العدو عند مالک والشافعیؒ (روح) و عند الشافعی الاحصار بالعدو وحدہ (مدارک) ای بالعدو خاصۃ قالہ ابن عمر و ابن عباس و انس والشافعی ھو اختیار علمائنا (ابن العربی) ف۱۷ (جو علامت ہے مناسکِ حج کے تمام ہوجانے اور حالت احرام سے باہر آجانے کی) مَحِلَّهٗ۔ یعنی موضع حرم۔ قربانی کی اصل جگہ وہی ہے۔ ای مکانہ الذی یجب نحرہٗ فیہ و ھو الحرم (مدارک) جب عازم حج خود وہاں پہنچنے سے معذور ہوجائے تو قربانی کا جانور وہاں بھیج دے۔ وہیں اس کی قربانی کردی جائے گی۔ ھدی کے لفظی معنی محض اُس پیشکش کے ہیں، جو خانہ کعبہ کے لیے بھیجا جائے۔ الھدی مختص بما یھدی الی البیت (راغب) و ھو ما یھدی الی بیت اللہ من بدنہ او غیرھا (قرطبی) حنفیہ نے بھی اسی عام معنی میں رکھا ہے، اور قربانی کا ہر جانور اس سے مراد لیا ہے۔ اور امام مالک علیہ رحمۃ اللہ و امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ سے بھی یہی مذہب منقول ہے۔ فقال ابو حنیفۃ و ابو یوسف و محمد و زفر و مالک والشافعی الھدی من اصناف الثلثۃ الابل والبقر والغنم وھو قول ابن شبرمہ (جصاص) بعض ائمہ کے نزدیک اس کا اطلاق قربانی کے صرف اُونٹ پر ہوتا ہے۔ ف۱۸ (ایسے مرض میں کہ اس کی وجہ سے سر کے بال اُتروانے کی ضرورت پڑجائے) مرضا یحوجہ الی الحلق (بیضاوی) ف۱۹ مثلاً درد، زخم، وغیرہ سے، اور اس لیے سر منڈانے کی ضرورت محسوس ہورہی ہو۔ ف۲۰ معذوروں کو اجازت ہے کہ قبل از وقت ہی سر منڈا ڈالیں، اور اس کا شرعی فدیہ دے دیں۔ فَفِدْيَةٌ۔ مِنْ رَّاْسِهٖ کے بعد عبارت مقدر یوں ہے۔ فحلق فعلیہ فدیۃ۔

اٰمِنۡتُمۡ ۫ وقفۃ فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالۡعُمۡرَةِ اِلَى الۡحَجِّ فَمَا

حالت اطمینان میں ہو و۲۱ ۔ تو پھر جو شخص عمرہ سے مستفید ہو اسے حج سے ملا کر تو جو

اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِ ۚ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ

قربانی بھی اسے میسر ہو، وہ کر ڈالے و۲۲ ۔ اور جس کسی کو میسر ہی نہ آئے و۲۳ ۔ وہ تین دن کے

ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الۡحَجِّ وَسَبۡعَةٍ اِذَا رَجَعۡتُمۡ ‌ؕ

روزے زمانۂ حج میں رکھ ڈالے، اور سات روزے جب تم واپس ہو

تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ اَهۡلُهٗ

یہ پورے دس (روزے) ہوئے و۲۴ ۔ یہ و۲۵ ۔ اس کے لئے (درست) ہے جس کے اہل

حَاضِرِى الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ‌ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ

مسجد حرام کے قریب نہ رہتے ہوں و۲۶ ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو،

اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ۞ ع ﴿۱۹۶﴾ اَلۡحَجُّ اَشۡهُرٌ مَّعۡلُوۡمٰتٌ ۚ

اور جانے رہو، کہ اللہ سخت گرفت کرنے والا ہے و۲۷ ۔ ایام حج کے (چند) مہینے معلوم ہیں، و۲۸ ۔

فَمَنۡ فَرَضَ فِيۡهِنَّ الۡحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوۡقَ ۙ

جو کوئی ان میں اپنے اوپر حج مقرر کرے و۲۹ ۔ تو پھر حج میں نہ کوئی فحش بات ہونے پائے اور نہ کوئی بے حکمی

وَلَا جِدَالَ فِى الۡحَجِّ‌ ؕ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ

اور نہ کوئی جھگڑا، و۳۰ ۔ اور جو کوئی بھی نیک کام کرو گے،

يَّعۡلَمۡهُ اللّٰهُ ‌ؕ وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَيۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰى ‌ز

اللہ کو اس کا علم ہو کر رہے گا و۳۱ ۔ اور زاد راہ لے لیا کرو و۳۲ ۔ اور بہترین زاد راہ تو تقویٰ ہے و۳۳ ۔

وَاتَّقُوۡنِ يٰۤاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ

سوائے اہل فہم میرا ہی تقویٰ اختیار کئے رہو و۳۴ ۔ تمہیں اس باب میں کوئی مضائقہ نہیں

ع ۲۴ ۸

فیہ اضمار اے فحلق فعلیہ فدیۃ (معالم) اور اس فدیہ کی تین صورتیں ہیں۔ یا روزے رکھ لیے جائیں، یا مسکینوں کو صدقہ دے دیا جائے، یا قربانی کردی جائے۔ مِنۡ صِيَامٍ۔ جمہور فقہاء کا مسلک حدیث صحیح کی بنا پر، تین روزے رکھنے کا ہے۔ جمہور فقهاء المسلمين على ان الصوم ثلثة ايام و هو محفوظ صحيح فى حديث كعب بن عجرة (قرطبی) اَوۡ صَدَقَةٍ۔ کھانا اگر دیا جائے، تو چھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی مقدار کے مساوی دیا جائے على ستة مساكين لكل مسكين نصف صاع من برّ (مدارک) ...... فيحصل من ذلک ان يكونوا من التمرستة اصع ومن الحنطة ثلاثة اصع و عدد المساكين اللذين يتصدق عليهم ستة بلا خلاف (جصاص) اَوۡ نُسُكٍ۔ نُسُكٍ سے مراد بالاتفاق ذبح ہے۔ يقال نسكتُ لله اے ذبحت لله (ابن قتیبہ) النسيكةُ مختصّة بالذبيحة (راغب) یہ قربانی کم از کم ایک بکری کی ہونی چاہیے اور اس سے بہتر یہ ہے کہ ایک گائے یا اُونٹ کی ہو۔ ولاخلاف بين الفقهاء ان ادناه شاة وان شاء جعله بعيرًا او بقرة (جصاص) اعلاه بُدنة و اوسطه بقرة و ادناه شاة (معالم۔ عن الحسن وقتادۃ) روزہ، صدقہ، قربانی، یہ تینوں صورتیں فدیہ و کفارہ کی یکساں ہیں، جو شق بھی پسند آئے، اختیار کی جاسکتی ہے۔ لا خلاف انهٗ مخيّرٌ بين هٰذه الاشياء الثلاثة يتعدى بايها شاء و ذلک مقتضى الأية و اَوۡتخيير (جصاص) وعامة الاثار عن كعب بن عجرة وردت بلفظ التخيير وهو نص القراٰن و عليه مضى عمل العلماء فى كل امصار و فتواهم (قرطبی) و۲۱ ۔ بہ مقابلہ اس حالت خطر و مرض کے جس کا ذکر شروع آیت میں فَاِنۡ اُحۡصِرۡتُمۡ میں آچکا ہے۔ اور جس طرح وہاں ایک عام و جامع لفظ احصار آیا تھا، یہاں بھی ایک عام و جامع لفظ امن آیا ہے، جو مرض کے دُور ہو جانے پر بھی اسی طرح حاوی ہے، جس طرح خطرۂ دشمن کے دفع ہو جانے پر۔ اصل الامن طمانية النفس و زوال الخوف (راغب) معناه برأتم من المرض وقيل خوفكم من العدوقاله ابن عباسؓ وقتادة و هو اشبه باللفظ الّا ان يتخيل الخوف من المرض فيكون الامن منه (قرطبی) جاء بلفظ الامن وهو عام فى العدووالمرض ليكون اٰخر الكلام على نظام اوله (ابن العربی) اِذَا شرطیہ ہے۔ اس سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ بعد حصر اگر وقت حج میں مانع دُور نہ ہو تو عاصی نہ ہوگا۔ اَمِنۡتُمۡ۔ فقہاء کہتے ہیں کہ صحت کو بھی امن سے اس لیے تعبیر کیا کہ صحت اچھی ہو جانے پر بہ ظاہر فوت حج کی طرف سے اطمینان ہو جاتا ہے و۲۲ ۔ (اور اگر کسی نے صرف حج یا صرف عمرہ کیا ہو تو اس پر یہ قربانی واجب العمل نہیں) فَمَنۡ تَمَتَّعَ۔ تمتع کے لفظی معنی فائدہ اُٹھانے کے ہیں۔ اصطلاح فقہ میں مراد حج اور عمرہ کے ملا لینے سے ہوتی ہے۔ یعنی زمانۂ حج میں ایک احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا جائے اور پھر دوسرے احرام سے حج بھی کر لیا جائے۔ دونوں احراموں کی درمیانی مدت میں حالت احرام کے ممنوعات سے پوری طرح تمتع کیا جاسکتا ہے۔ دین ابراہیمی کو چھوڑ کر عرب جاہلی جہاں اور بہت سے اوہام میں گرفتار تھے۔ وہاں ایک عقیدہ یہ بھی گڑھ لیا تھا کہ موسم حج میں عمرہ کرنا سخت گناہ ہے۔ لان العرب فى الجاهلية كانت لاتعرف العمرة فى اشهر الحج و تنكرها اشد الانكار (جصاص) يروى عن ابن عباس و عن طاؤس ان ذلک عندهم كان من افجر الفجور (جصاص) و۲۳ ۔ (ان ایام حج میں بسبب ناداری یا کسی اور معذوری کے) و۲۴ ۔ تین زمانۂ حج میں اور سات زمانۂ حج کے بعد۔ یہ "پورے دس" کی تصریح تاکید در تاکید کی غرض سے ہے۔ كاملة توكيد للكلام، كما يقول القائل سمعته باذُنى و رايته بعينى (ابن جریر) قيل هو توكيد كما تقول كتبت بيدى و قوله كاملة تاكيد اٰخر (قرطبی) اِذَا رَجَعۡتُمۡ۔ فقہاء حنفیہ اور بعض اکابر تابعین کے ہاں اس رجوع سے مراد اعمال حج سے فراغت ہے۔ خواہ واقعۃً کوئی وطن واپس ہو جائے یا ابھی وہیں مقیم رہے اے بعد الفراغ من اعمال الحج و هو المراد من الرجوع المذكور فى الأية (معالم) قال ابوحنيفةؒ المراد من الرجوع الفراغ من اعمال الحج (کبیر) اے فرغتم و نفرتم من اعمال (روح) قال المجاهد وعطاء و ابراهيم المعنى اذارجعتم نفرتم و فرغتم من اعمال الحج و هو مذهب ابى حنيفةؒ (بحر) بعض دُوسرے اکابر کے نزدیک مکہ سے وطن کی واپسی مراد ہے۔ يعنى الى بلاد كم قاله ابن عمر و قتادة والربيع و مجاهدو عطاء قاله مالک فى كتاب محمد و به قال الشافعى (قرطبی) اذا رجع الى اهله و مصره (ابن جریر) و۲۵ ۔ یعنی موسم حج میں عمرہ کے ساتھ حج کا ملا لینا۔ ذٰلِكَ۔ یہ اشارہ تمتع کی جانب ہے جس کا ذکر ذرا اُوپر فَمَنۡ تَمَتَّعَ کے ضمن میں آچکا ہے۔ اے التمتع بالعمرة الى الحج (ابن جریر) اشارة الى التمتع (مدارک) یہ تفسیر امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ اور بعض تابعین کے مسلک کے مطابق تھی۔ جن کے ہاں حج میں تمتع اور قران یعنی موسم حج میں عمرہ کے ساتھ حج کر لینے کی دو صورتیں صرف آفاقیوں کے لیے درست ہیں، مکہ اور جوار مکہ والوں کے لیے نہیں۔ اذلاتمتع ولاقران لحاضرى المسجد الحرام عندنا (مدارک) و قال ابو حنيفةؒ ان قوله ذلک اشارة الى الابعد و هو ذكر التمتع المفهوم من قوله فمن تمتع عندابى حنيفةؒ (روح) امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک ذٰلِكَ کا اشارہ اصل حکم، یعنی وجوب قربانی کی جانب ہے و۲۶ ۔ یعنی جو مکہ کے باشندے یا شہر مکہ سے بالکل متصل کے باشندے نہ ہوں، بلکہ حدود میقات سے باہر کے رہنے والے ہوں۔ مِيقَات اُس مقام کو کہتے ہیں جہاں سے حرم کے حدود شروع ہو جاتے ہیں۔ اور وہاں پہنچ کر ہر آفاقی پر حج یا عمرہ کی نیت کر لینا اور احرام باندھ لینا واجب ہو جاتا ہے۔ ہر ہر سمت سے آنے والوں کی میقات الگ الگ ہے۔ لِمَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ میں لِ بمعنی علی ہے۔ اے وجوب الدم على من لم يكن من اهل مكة (قرطبی)

حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سے خاص اہل مکہ کا مراد ہونا اور ان کے لیے تمتع کا ناجائز ہونا سب کو مسلّم ہے۔ اجمع جمیعھم علی ان اھل الحرم معنیون بہ و انہ لا متعۃ لھم (ابن جریر) لیکن فقہاء حنفیہ اور بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ اس میں مکہ کے علاوہ جوار مکہ کے باشندے بھی شامل ہیں۔ اور حدود میقات کے ادھر تک کل رہنے والے حاضری المسجد الحرام کے حکم میں داخل ہیں۔ عن مکحول قال من کان دون المواقیت (ابن جریر) عن عطاء قال من کان اھلہ من دون المواقیت فھو کاھل مکۃ لا یتمتع (ابن جریر) ھم اھل مواقیت فمن دونھا الی مکۃ (مدارک) قال عطاء و مکحول من دون المواقیت و ھو قول اصحابنا (جصاص) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکہ سے قصر نماز کی مسافت تک رہنے والے اہل مکہ ہی کے حکم میں رہتے ہیں۔ المراد بالموصول من کان من الحرم علیٰ مسافۃ القصر عند الشافعیؒ و من کان مسکنہ وراء المیقات عند ابی حنیفۃؒ (روح) اور مفسر طبری نے بہ قاعدۂ عربیت لفظ حاضر کے اسی مفہوم کو ترجیح دی ہے، جو امام شافعی کا اختیار ہوا ہے۔ واولی الاقوال بالصحۃ عندنا قول من قال ان حاضری المسجد الحرام من ھو حولہ فمن بینہ و بین المسافۃ مالا تقصر الیہ الصلوٰۃ لان حاضر الشیٔ فی کلام العرب ھو الشاھد لہ بنفسہ (ابن جریر) لیکن محقق جصاص رازی نے قرآن مجید ہی کی متعدد آیتوں کے سیاق سے یہ دکھایا ہے کہ محاورۂ قرآنی میں البیت سے خانہ کعبہ نہیں، بلکہ مکہ، اور صرف مکہ ہی نہیں بلکہ جوار مکہ مراد لیا گیا ہے کان مراد اللہ تعالیٰ بذکر البیت الحرب من مکۃ و ان کان خارج منھا (احکام القرآن) اور الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سے بھی مراد مکہ اور مضافات مکہ ہی لی گئی ہے۔ وھی مکۃ و ما قرب منھا (احکام القرآن) ف۷۲۷ ان کی جو احکام الٰہی کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ اور تقویٰ الٰہی اختیار نہیں کرتے۔ لمن لم یتقہ (بیضاوی) وَاتَّقُوا اللّٰہَ۔ یعنی اللہ سے ڈرتے رہو۔ ان تمام احکام کی بجا آوری میں۔ اصل شے اور مدار کار تمام احکام و مسائل میں بس یہی تقویٰ الٰہی یا خوفِ خدا ہے۔ باقی تعبیر و تفسیر میں جزئی اختلافات تو اپنی اپنی فہم و بصیرت، فکر و نظر کے مطابق علماء و فقہاء شارحین و مفسرین میں ہوتے ہی رہیں گے، شَدِیْدُ الْعِقَابِ۔ یہاں جس سیاق میں آیا ہے اُس سے بعض علماء نے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ مقدس و متبرک مقامات میں جس طرح قبولیت و سعادت کے مواقع بہت زیادہ ہیں، اسی طرح گناہ و عقوبت کا خطرہ بھی زیادہ لگا ہوا ہے۔ ف۷۲۸ اور چونکہ وہ مشہور و معلوم ہیں۔ اس لیے قرآن کو ان کی تصریح کی بھی ضرورت نہیں، اور وہ تین مہینے شوال، ذیقعدہ و ذی الحجہ ہیں، اصل ارکانِ حج تو ذی الحجہ کے دُوسرے ہفتہ میں ادا ہوتے ہیں، لیکن احرام حج شوال ہی سے بندھنا شروع ہو جاتا ہے۔ احرام اُس خاص پوشش کا نام ہے جو حدود حرم یا میقات میں داخل ہوتے ہی ہر حاجی و زائر پر واجب ہو جاتی ہے۔ یہ پوشش اور کچھ نہیں، صرف بے سلی ہوئی چادریں ہونی چاہئیں۔ حنفیہ کے ہاں احرام جب چاہے باندھا جا سکتا ہے۔ گو قبل شوال ناپسندیدہ ہے۔ جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حنفیہ کے ہاں احرام رکن حج نہیں صرف شرط حج ہے، جیسے وضو کہ رکن نماز نہیں، صرف شرط نماز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں شوال سے قبل حج کا احرام باندھنا ناجائز ہے۔ یہ اس لیے کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک احرام رکن حج ہے، اور کسی رُکن حج کی ادائگی قبل موسم حج درست نہیں۔ اَلْحَجُّ۔ روزانہ پنج وقتہ نماز باجماعت، مہینہ بھر کے روزوں، اور مال کے ۴۰/۱ حصہ کی زکوٰۃ کی طرح حج بیت اللہ بھی اسلام کی اُن عبادتوں میں سے ہے، جس نے اپنوں ہی کو نہیں، بیگانوں کو بھی خاص طور پر متاثر کیا ہے۔ اور ''مستشرقین کے رُعب افگن نام سے فرنگی اہل علم و اہل قلم کا جو طبقہ ہے، اُس نے تو اس کے ظاہری منافع اور اجتماعی مصالح پر بار بار رشک کیا ہے اور اسے اکثر'' عالم اسلامی کی سالانہ کانگرس'' سے تعبیر کیا ہے۔ ف۷۲۹ فَرَضَ فِیْھِنَّ الْحَجَّ۔ یعنی موسم حج میں ادائے حج کی نیت کرلے، اور اسے اپنے اُوپر واجب کرلے۔ ای اوجبہ علی نفسہ (ابن قتیبہ) فمن الزمہ نفسہ (کشاف) الفرض اصلہ و جوب الشیٔ (ابن قتیبہ) لیکن اپنے اُوپر لازم کر لینے کی عملی اور معتبر علامت کیا ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک صرف نیت کر لینا کافی ہے۔ لیکن حنفیہ نے بعض صحابیوں اور تابعین کی طرح اس کی علامت، پوشش احرام کو قرار دیا ہے۔ الفرض الاحرام (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) فرض الحج الاحرام (ابن جریر۔ عن عطاء والحسن) ولزم علیٰ نفسہ بالاحرام (مدارک) قال ابن عباس و الحسن و قتادۃ فمن احرم (جصاص) ف۷۳۰ (بلکہ اس سارے زمانہ میں اپنے آپ کو عبادت و ذکر الٰہی میں مشغول رکھو) ایام صوم کی طرح یوم حج کو بھی اعمال خیر کے ساتھ مناسبت خاص حاصل ہے۔ اور جو چیزیں حرام ہیں، وہ تو خیر ہمیشہ ہی حرام ہیں۔ باقی جو امور جائز و مباح ہیں، ان میں بھی بہت سی چیزوں سے زمانہ صیام کی طرح حالت احرام میں دستبردار ہونا

چاہیے۔ جملہ صورۃً خبریہ ہے، لیکن معنًی نہی ہے، اور وہ بھی تاکید کے ساتھ۔ یعنی ان سب امور سے ممانعت کا قطعاً حکم ہو رہا ہے۔ و ان کان ظاھرہ الخبر فھو نھی عن ھٰذہ الافعال و عبر بلفظ النفی عنھا لان المنھی عنہ سبیلہ ان یکون منفیا غیر مفعول (جصاص) نفی الثلاثۃ علی قصد النھی للمبالغۃ (بیضاوی) فِی الْحَجِّ۔ یعنی اس زمانہ حج میں، حالت احرام میں۔ فی وقتہ ولا فی موضعہ (قرطبی) ای فی ایامہ (روح) فَلَا رَفَثَ۔ رفث کا مفہوم عام ہے، ہر قسم کی شہوانیت یعنی مباشرت کے دواعی و مبادی اس میں شامل ہیں۔ الرفث کلام متضمن لما یستقبح ذکرہ من ذکر الجماع و داعیہ (راغب) الرفث کلمۃ جامعۃ لما یریدہ الرجل من اھلہ (قرطبی) و قال قوم الرفث الافحاش بذکر النساء کان ذٰلک بحضرتھن ام لا (قرطبی) یہاں مراد شہوانی تذکرے ہیں۔ تابعین اور بعض صحابیوں سے بھی مروی ہیں۔ فقہاء حنفیہ نے صراحت کے ساتھ دواعی و مبادی مباشرت کو اس کے تحت میں شامل رکھا ہے۔ قال ابن عمر و طاؤس و غیرھم الرفث الافحاش للمرأۃ بالکلام (قرطبی) قال ابن عباس ھو التعریض بالجماع (ابن جریر) الرفث التعریض للنساء بالجماع (ابن جریر۔ عن ابن طاؤس) قال عطاء الرفث الجماع و مادونہ من قول الفحش (ابن جریر) الجماع و دواعیہ محظورۃ علی المحرم (جصاص) و قال الحسن المراد من کل ما یتعلق بالجماع (کبیر) اللہ اکبر! ایک معیار یہ ہے۔ عبادت میں طہارت و پاکبازی کا، اسلام کا قائم کیا ہوا، کہ اشارۃً و کنایۃً بھی اُس زمانہ میں جائز شہوانی خیالات زبان پر نہ لائے جائیں۔ اور دوسری طرف مشرک قوموں کے میلے ٹھیلے، تیرتھ ہار، تیرتھ جاترا، اور نمائشیں اور جلسے ہیں، جن کی گرم بازاری ہی فحش کاریوں اور شہوت انگیزیوں سے ہے اور پھر عرب جاہلیت کے تو ارکانِ حج تک میں فحش داخل تھا۔ وَلَا فُسُوْقَ۔ اس کے تحت میں بڑے چھوٹے ہر قسم کے گناہ کی ممانعت آ گئی۔ قال بعضھم الفسوق ھی المعاصی کلھا (ابن جریر) عن محمد بن کعب القرظی قال الفسوق معاصی کلھا (ابن جریر) یعنی جمیع المعاصی کلھا قالہ ابن عباس و عطاء و حسن و کذٰلک قال ابن عمرو جماعۃ (قرطبی) ای ولا خروج عن حدود الشرع بارتکاب المحظورات (روح) حالت احرام میں جب متعدد جائز مشغلے مثلاً شکار، ناجائز ہو جاتے ہیں، تو بڑی چھوٹی کسی قسم کی معصیت کی گنجائش ظاہر ہے کہاں نکل سکتی ہے۔ یہاں یہ حکم محض تاکید کے لیے ہے۔ وَلَا جِدَالَ۔ جدال اپنے عام و وسیع معنی میں ہے۔ مار پیٹ، ہاتھا پائی الگ رہی، زبانی حجت و تکرار جو اکثر مسابقت و مفاخرت کے موقعوں پر ہو جاتی ہے، سب احرام کی حالت میں ممنوع ہے۔ قال محمد بن کعب القرظی الجدال ان تقول طائفۃ حجنا ابر من حجکم و یقول الاٰخر مثل ذٰلک (قرطبی) وقیل الجدال کان فی الفجر بالاٰباء (قرطبی) ای لاخصام مع الخدام و الرفقۃ (روح) لامراء مع الرفقاء و الخدم (مدارک) ای الجدال فی تقریر الباطل و طلب المال و الجاہ (کبیر) حج کے موقع پر دُنیا کے گوشہ گوشہ کی آبادیاں کھنچ کر آ جاتی ہیں۔ ہر قسم، ہر عمر، ہر قماش، ہر مزاج کے لوگ ہوتے ہیں، بوڑھے بھی، جوان بھی، بچے بھی، بڑے تیز مزاج اور غصہ ور بھی، آوارہ مزاج بھی، حریص و طامع بھی، حسین و نوجوان عورتیں بھی، پھر تکلیفیں اور صعوبتیں بھی، راہ اور سواری کے سلسلہ میں طرح طرح کی پیش آتی ہیں ــــ بڑے بڑے حلیم بھی دامن صبر چھوڑ بیٹھتے ہیں، رشک و منافقت، بدنظری و بدکاری، نزاع و جدال کے موقع قدم قدم رکھے ہوئے ہوتے ہیں ــــ حکیم مطلق کی حکیمانہ نگاہ نے رَفَثَ اور فُسُوْقَ اور جِدَالَ سب کی تصریحاً اور تاکیداً ممانعت کر کے کمزور بندوں کے حق میں کیا خوب انتظام کر دیا ہے۔ محققین نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ فقرہ کے آخر میں، یعنی فی الحج میں جو بجائے ضمیر کے اصل اسم لایا گیا ہے، یہ تاکید و تعظیم کے لیے ہے۔ الاظھار فی مقام الاضمار لاظھار کمال الاعتناء بشانہ (روح) ف۷۳۱ (اور اسی کے مطابق صلہ بھی دے گا) حاجیوں کے اعمال خیر کی تشویق و رغبت افزائی کے لیے یہ بہترین و مؤثر ترین یاددہانی ہے۔ اللہ کے عالم کل و عالم جزئیات ہونے کا پورا استحضار رکھو، اہل جاہلیت کی طرح کہیں اس تذبذب میں نہ پڑ جاؤ کہ ہمارے فلاں فلاں عمل خیر کا صلہ ملے یا نہ ملے، علم الٰہی میں وہ آئے بھی، یا آنے سے رہ جائے۔ مومن کے لیے تو بڑی سے بڑی ہمت بھی اسی عقیدہ کا استحضار پیدا کر سکتا ہے کہ خفی سے خفی، باریک سے باریک نیکی بھی عالم الغیب کی نظر سے مخفی نہیں۔ اطباء یونانی موسم بہار میں مصفیات پلاتے ہیں، اور جاڑے کے زمانہ میں مقویات استعمال کراتے ہیں، کہ ان موسموں کو ان دواؤں کے ساتھ خاص مناسبت ہے...... رمضان کا مہینہ اور حج کا موسم بھی روحانیات کے عالم میں اپنی صحت بخش آب و ہوا

کے لیے ممتاز ہیں، تو طبیب حقیقی ان موسموں میں اعمالِ خیر کی طرف خصوصی توجہ کیسے نہ دلاتا!
۷۳۲ جب ارادۂ حج سے نکلا کرو۔ اس ہدایت کی قدر اُس وقت ہوگی جب جاہلی قوموں کے زائرین کی ذہنیت پر نظر ہو، خصوصاً جاہلیت عرب کی تاریخ پر۔ آج بھی ہندوستان میں کتنی ہی قومیں ایسی ہیں، جو تیرتھ جاترا کے وقت گھر سے مفلس اور تہیدست نکلنا ہی اپنی رُوحانیت کا کمال سمجھتے ہیں! راستہ میں مانگتے ہوئے جائیں گے، کوئی دوسرا انہیں کھلا پلا دیا کرے گا یا اپنے فقیر ہونے پر فخر کریں گے۔ اس قسم کے سارے تخیلات واوہام اسلام نے مٹا دیئے اور حکم دیا کہ جب گھر سے حج وزیارت کے لیے نکلو تو ضرورت بھر کا روپیہ پیسہ لے کر نکلو۔ راستہ میں دوسروں پر بار بننے کی کوشش نہ کرو۔ عرب جاہلیت میں یہ مرض اور زیادہ پھیلا ہوا تھا، بلکہ بعض گروہوں کو تو یہ غلو تھا کہ احرام پہننے کے بعد جو کچھ سرمایہ ہوتا بھی، اُسے بھی پھینک دیتے! كانوا يحجون بغير زادٍ و كان بعضهم اذا احرم رمى بما معه من الزاد (ابن جریر) كان اهل اليمن يحجون ولا يتزودون و يقولون نحن المتوكلون فاذا اقدموا مكة سالوا الناس (بخاری۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) طائفة من العرب كانت تجئ الى الحج بلا زاد ويقول بعضهم كيف تحج بيت الله و لا يطعمنا فكانوا يبيتون عالة على الناس (قرطبی) اسلام ایسے دستور کا جو جھوٹی اور نمائشی روحانیت پر مبنی تھا اور ایک طرف شخصی غیرت وخودداری کے بھی منافی تھا اور دوسری طرف معاشیات اجتماعی پر ایک خواہ مخواہ کا بار تھا، کیسے روادار ہو سکتا تھا، اور اسے کیونکر باقی رہنے دیتا۔ تَزَوَّدُوْا کے صیغہ امر سے فقہاء نے نکالا ہے کہ زادِ راہ لینے کا وجوب آیت سے بہ قاعدۂ عبارۃ النص ثابت ہے۔ فقہاء نے یہ بھی صاف لکھ دیا ہے کہ آیت اُن ''توکل پیشہ'' صوفیہ کے مذہب کی بھی تردید کر رہی ہے، جو کسب معاش کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور اسے کوئی بڑا روحانی کمال سمجھ رہے ہیں هذا يدل على بطلان مذهب المتصوفة الذين يتسمون بالمتوكلة في تركهم التزود والسعى فى المعاش (جصاص) هم المقصرون عن درجة التوكل الغافلون عن حقائقه (ابن العربی) ۷۳۳ (خصوصاً گداگری اور دوسروں کے آگے دست سوال دراز کرنے سے احتیاط) اى اتقوا الاستطعام و ابرام الناس والتثقيل عليهم (کشاف) فان خير الزاد ما تكفون به وجوهكم عن السوال (کبیر) اى الاتقاء عن الابرام و التثقيل عليهم (مدارک) زائروں اور جاتریوں کی گداگرانہ عادت اور جھوٹے توکل کو خاص طور پر روکنا تھا۔ اس لیے حکم تزودوا کے بعد مزید تاکید کے لیے یہ تصریح اور بڑھا دی، ابھی ارشاد ہوا تھا کہ مصارف سفر کا انتظام کر کے چلو۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ بڑا انتظام یہی ہے کہ راہ میں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا اور دوسروں کے لیے باعث گرانی نہ بننا پڑے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ زاد سے جب زادِ راہ اور زادِ عمل دونوں مراد ہو سکتے ہیں، تو واجب یہی ہے کہ دونوں کا اہتمام والتزام رکھا جائے۔ لما احتملت الأية الامرين من زاد الطعام و زاد التقوى وجب ان يكون عليهما اذلم تقم دلالة على تخصص زاد من زاد (جصاص) ۷۳۴ (ان احکام کی تعمیل کے باب میں) اہم حکم کے بعد تقویٰ الٰہی کی تاکید اس کی دلیل ہے کہ اسلام صرف احکام کی ظاہری تعمیل کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ چاہتا ہے کہ بندوں کی اصلاح باطن سے ہو جو بھی نیک عمل انسان کرے وہ صرف اعضاء وجوارح سے نہیں بلکہ ضمیر اور دل کی پاکیزگی کے ساتھ ۷۳۵ بہ سلسلۂ سفر حج۔ اسلام جس طرح فلاحِ اُخروی کا ضامن ہے، فلاحِ دنیوی کا بھی داعی ہے، اور اس کی یہ جامعیت اس کی ہر عبادت سے بالکل صاف ظاہر ہو رہی ہے، وضو، نماز، نماز باجماعت، روزہ، زکوٰۃ سب سے روح کو جلا دینے اور اپنے باطن کو صیقل کرنے کے ساتھ ساتھ دنیوی، مادی، جسمانی، معاشی فائدوں اور مصلحتوں سے بھی کتنے لبریز ہیں۔ یہی اصول حج کے بارے میں بھی کام کر رہے ہیں حج کا منزل در منزل سفر، بری وبحری طویل سفر، اور اُمت کے مختلف طبقوں کا دُنیا کے مختلف گوشوں سے یہ عظیم الشان اجتماع، ایک خشک عبادت اور محض ذکر الٰہی کے لیے نہیں۔ فرد وملت دونوں کے لیے یعنی انفرادی واجتماعی ہر قسم کے فائدے اس سے حاصل کیے جا سکتے ہی، اور کیے جانے چاہئیں ---- حج کے روحانی اسرار وحقائق کا ادراک تو فرنگی دماغوں کے لیے آسان نہیں۔ لیکن اس ''بین الاقوامی سالانہ کانگریس'' سے جو سیاسی، ملّی، اجتماعی فائدے وابستہ ہیں، اور اس ''بین الاقوامی سالانہ بازار'' سے جو مالی، تجارتی، معاشی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں، ان کا اندازہ اور اُن کا اعتراف تو فرنگیوں کی زبان سے بھی بارہا ہو چکا ہے۔ یہاں خاص طور پر توجہ اس سفر واجتماع کے معاشی وتجارتی پہلو پر دلائی ہے۔ اور جو رُکاوٹ ایک خالص ''دیندار'' شخص کو ان فوائد کو حاصل کرنے سے ہو سکتی ہے، اُسے دُور کیا ہے۔ فَضْلًا۔ سب کا اتفاق ہے کہ فضل سے یہاں مراد مال اور نفع تجارت ہے۔ يعنى المال و ما يكسب (راغب) هو النفع والربح بالتجارة (کشاف) لوگوں کا غلو اس باب میں اتنا بڑھا ہوا تھا کہ جو تاجر مال تجارت لے کر منیٰ اور مکہ کے بازاروں کے لیے جاتے، یا جو اونٹ والے اپنے اُونٹ مزدلفہ، عرفات و منیٰ کے لیے لے جاتے، سمجھا جاتا تھا کہ ان کا حج ہی نہیں ہوتا، کہ جہاں تجارت آگئی، وہاں عبادت کا وجود کہاں باقی رہا۔ قرآن مجید نے اس مغالطۂ عامۃ الورود کی تردید کر دی۔ نزلت ردًّا على من يقول لاحج للتجار والاجراء والجمّالين (کبیر) فى هٰذا دليل جواز التجارة فى الحج للحجاج مع اداء العبادة ولا يخرج به المكلف عن رسم الاخلاص للمفترض عليه (ابن العربی) يدل على ان الحج لا يمنع التجارة و على هٰذا امر الناس من عصر النبى عليه السلام الى يومنا هٰذا فى مواسم منى و مكة فى ايام الحج (جصاص) ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے لے کر حسن، عطاء، مجاہد، قتادہ وغیرہ تابعین تک بلا اختلاف سب سے یہی تفسیر مروی ہے۔ روى نحو ذٰلک من جماعة من التابعين منهم الحسن و عطاء و مجاهد و قتادة ولا نعلم احدا روى عنه خلاف ذٰلک (جصاص) صرف ایک روایت کسی حد تک اس سے مخالف ملتی ہے، لیکن محققین نے تصریح کر دی ہے کہ وہ ظاہر قرآن واجماع عام دونوں کے منافی ہے۔ هٰذا قول شاذ خلاف ماعليه الجمهور و خلاف ظاهر الكتٰب (جصاص) مِنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی حسب تقدیر الٰہی۔ بات بات میں بات پیدا کرنا قرآن مجید کا تو ایک مستقل اعجاز ہے۔ یہ ذرا سا لفظ لا کر یاد دلا دیا کہ اس نفع وتجارت کو بھی اپنے قوتِ بازو کا ثمرہ نہ سمجھ لینا، جو کچھ بھی حاصل ہوگا، سب کو کارساز حقیقی ہی کے لطف وکرم کا ثمرہ سمجھنا، نظر تجارت وکاروبار میں بھی ہر وقت اسی پر رہے۔ اس ہدایت پر عمل کے بعد تجارت کی کوئی بڑی سی بڑی مشغولیت بھی تجارت باقی رکھ سکتی ہے؟ تجارت اس حال میں اگر عبادت نہ بن جائے، تو آخر کیا ہو۔ ۷۳۶ (۹ ذی الحجہ کی شام کو عرفات میں وقوف اور ادائے آداب وقوف کے بعد) حج کے اعمال (واجب، سنن ومستحبات) تو بہت سے ہیں۔ لیکن فرض تین ہی ہیں۔ احرام پوشی، ۹ کو عرفات میں حاضری یا وقوف اور طواف فرض۔ ان تینوں ارکان میں بھی اہم ترین رکن یہی وقوف عرفات ہے۔ اَفَضْتُمْ۔ افاضہ کے لفظی معنی انبوہ در انبوہ چلنے یا واپس ہونے کے ہیں۔ اى دفعتم منها بكثرة (راغب) الافاضة الاندفاع فى السير بكثرة (کبیر) اصطلاح فقہ میں افاضہ عرفات سے مزدلفہ کو کہتے ہیں۔ عَرَفٰتٍ۔ مکہ معظمہ سے جو سڑک مشرق کی جانب طائف کو جاتی ہے اس پر مکہ سے کوئی بارہ میل کے فاصلہ پر کئی میل کے رقبہ کا ایک لمبا چوڑا میدان پڑتا ہے۔ اور اس کا نام عرفات ہے اسی نام کی ایک پہاڑی بھی اسی میدان میں واقع ہے، سطح زمین سے کوئی ۲۰۰ گز بلند۔ سال بھر یہ میدان بالکل سنسان پڑا رہتا ہے، صرف ایک دن یعنی ۹ ذی الحجہ کو اس کی پوری کسر نکل آتی ہے۔ اس روز یہ میدان انسانوں اور ان کی سواریوں سے کھچا کھچ بھر جاتا ہے۔ حاجیوں کو ۸۔ ذی الحجہ کی دوپہر تک منیٰ میں آ جانا چاہیے، اور ۹ کی صبح کو بعد اشراق قافلہ عرفات کے لیے روانہ ہو جائیں، تا کہ ۸۔ ۹ میل کا درمیانی فاصلہ دوپہر تک طے ہو جائے، دوپہر سے لے کر آخر وقت عصر تک اسی میدان میں رہنا چاہیے، اور اسی کا اصطلاحی نام وقوف ہے۔ یہی حاضری اعمالِ حج کی جان ہے اور یہ سارا وقت توبہ واستغفار، عبادت، انابت ہی میں صرف ہونا چاہیے۔ قریب غروب مزدلفہ (یا مشعر الحرام) کے لیے کوچ ہونا چاہیے، اور جس طرح آج ظہر کے ساتھ عصر کی نماز (بہ قاعدۂ تقدیم) عرفات کی مسجد نمرہ میں ملا لی گئی تھی، اسی طرح آج مغرب کی نماز (بہ قاعدۂ تاخیر) عشاء سے ملا کر اس وقت پڑھی جائے گی، جب قافلے مزدلفہ پہنچ جائیں۔ ۷۳۷ اَلْمَشْعَرِ الْحَرَامِ۔ مشعر کے لفظی معنی نشانی یا علامت کے ہیں۔ اور حرام یعنی محترم یا مقدس اس کی تعظیمی صفت ہے۔ نام اُس خاص مقام کا بھی ہے، جو مزدلفہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان ہے، اور خود سارے مزدلفہ کو بھی مشعر الحرام ہی کہتے ہیں۔ لم يختلف اهل العلم ان المشعر الحرام هو المزدلفة (جصاص) والمشهور ان المشعر مزدلفة كلها (روح) مزدلفہ مکہ سے کوئی ۶ میل کے فاصلہ پر ہے منیٰ سے عرفات جانے کا ایک تو سیدھا راستہ ہے۔ حاجی ۹ کو عرفات جاتے اسی راستہ سے ہیں۔ واپسی میں حکم ہے کہ دُوسرے راستہ سے لوٹیں، یہ ذرا چکر کا ہے، اور مزدلفہ اسی راستہ میں پڑتا ہے، حاجیوں کے قافلے شب ۱۰ کے اول حصہ میں یہاں پہنچ جاتے ہیں، اور رات یہاں تسبیح وتہلیل، نماز واستغفار میں گزارتے ہیں۔ مسجد پہاڑی کے اوپر ہے۔ جبلٌ يقف عليه الامام و انما سمى مشعرًا لانه معلم العبادة و وصف بالحرام لحرمته (بیضاوی) عِنْدَ الْمَشْعَرِ۔ یعنی اس مسجد کے گرد وپیش خصوصیت کے ساتھ، اور یوں تو سارا مزدلفہ (بجز وادی محسر کے) متبرک ومحترم ہے۔ خص الله تعالىٰ الذكر عنده مع انه مامور به فى جميع المزدلفة لانها كلها موقف لمزيد شرفه و فضله (روح) وَاذْكُرُوا اللّٰهَ نے یاد

اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضۡتُمۡ

کہ تم اپنے پروردگار کے ہاں سے تلاش معاش کرو ف۳۵ ۷ پھر جب تم جوق در جوق عرفات سے

مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ

واپس ہونے لگو ف۳۶ ۷ تو اللہ کا ذکر مشعر حرام کے پاس کر لیا کرو ف۳۷ ۷

وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰٮكُمۡ ۚ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مِّنۡ

اور ان کا ذکر اس طرح کرو جیسا اس نے تمہیں بتایا ہے ف۳۸ ۷ اور اس سے قبل تم

قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيۡنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيۡضُوۡا مِنۡ حَيۡثُ

یقیناً محض ناواقفوں میں تھے ف۳۹ ۷ ہاں تو تم وہاں جا کر واپس آؤ جہاں سے

اَفَاضَ النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ

لوگ واپس آتے ہیں ف۴۰ ۷ اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا

رَّحِيۡمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيۡتُمۡ مَّنَاسِكَكُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ

مہربان ہے ف۴۱ ۷ پھر جب تم اپنے مناسک ادا کر رہے ہو ف۴۲ ۷ تو اللہ کی یاد کرو

كَذِكۡرِكُمۡ اٰبَآءَكُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِكۡرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ

اپنے باپ دادوں کی یاد کی طرح، بلکہ یہ یاد اس سے بھی بڑھ کر ہو ف۴۳ ۷ اور لوگوں میں سے کچھ

مَنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ

ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے ہمیں دنیا (ہی) میں دے دے ف۴۴ ۷ اور ایسے شخص کا آخرت میں

مِنۡ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِى

کوئی حصہ نہیں ف۴۵ ۷ اور کوئی ان میں ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے ہم کو دنیا

الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ

میں (بھی) بہتری دے اور آخرت میں (بھی) بہتری۔ اور ہم کو آگ کے عذاب سے

دلادیا کہ یہ رات رنگ رلیاں منانے کی نہیں، جاہلی قوموں کے میلوں ٹھیلوں کی طرح روشنی وآتشبازی کے لیے نہیں، خوابِ غفلت میں پڑے رہنے کے لیے نہیں، فخریہ قصیدوں اور شعروشاعری میں صرف کرنے کے لیے نہیں، ذکر وعبادتِ الٰہی کے لیے ہے۔ ف۳۸ ۷ (اپنے رسول کے ذریعہ سے اور اپنے اختراعی طریقوں سے بچو) الحادوانکار سے بچ کر دین ومذہب کے دائرہ میں آجانے کے بعد پھر جو خطرہ اہل مذہب کو شیطان کے ہاتھوں سب سے بڑھ کر درپیش رہتا ہے وہ بدعات ومحدثات کا ہے۔ انسان دل سے طرح طرح کے طریقے عبادت وذکرِ الٰہی کے ایجاد کرتا رہتا، اور انہیں مذہب میں داخل کرتا رہتا ہے۔ حالانکہ دین صرف وہ ہے جو شارع اللہ ﷺ کی طرف سے پہنچائے، یا اپنے اجتہاد سے بتائے۔ یہاں اگر ایک طرف اس کی تاکید ہے کہ برابر یادِالٰہی میں لگے رہو، تو دوسری طرف اس کی بھی صراحت ہے کہ اس یاد کے طریقے اپنے ایجاد کردہ نہ ہوں، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ ہی کے بتائے ہوئے ہوں۔ حکم ذکر کی تکرار تاکید کے لیے ہے۔ کرّرہ الامر تاکیدًا (قرطبی) کرر علی سبیل التوکید والمبالغة فی الامر بالذکر (بحر) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلا حکم مشعر الحرام میں ذکر کرتے رہنے کے لیے ہو، اور دوسرا حکم اہتمام اخلاص کے لیے ہو۔ قیل الاول امرٌ بالذکر عندالمشعر الحرام والثانی امر بالذکر علی حکم الاخلاص (قرطبی) ف۳۹ ۷ (عبادت اور ذکرِ الٰہی کے صحیح طریقوں سے) ضالٌ ہمیشہ گمراہ ہی کے معنی میں نہیں آتا، ناواقف کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور ضلال سے مراد احکامِ الٰہی سے ناواقفیت ہوسکتی ہے۔ الضلال ضربان ضلالٌ فی العلوم النظریة ...... و ضلال فی العلوم العملية كمعرفة الاحكام الشرعية التی هی العبادات (راغب) اور یہاں یہی مراد ہے۔ والمراد من الضلال الجهل بالايمان و مراسم الطاعات (روح) اِنۡ یہاں اِنَّ کے معنی میں تحقیق و توثیق کے لیے ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ قدکے مرادف ہے۔ ای و انکم کنتم (روح) ان هنا عند البصريين التی للتوكيد المخففة من الثقلية (بحر) مِنۡ قَبۡلِهٖ میں ضمیرہ ھدٰی کی طرف راجع ہے جو ھَدٰٮكُمۡ سے مفہوم ہوتا ہے۔ والهاء فی قبلهٖ عائدة علی الهدٰی المفهوم من قوله هَدٰٮكُمۡ (بحر) ف۴۰ ۷ یعنی عرفات سے۔ قریش کے گڑھے ہوئے عقیدوں میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ ہمیں حج میں عرفات کی حاضری کی کیا ضرورت ہے۔ وہاں تک سب کے ساتھ جانا ہماری غلوِّ شان کے منافی ہے، ہمارے لیے مزدلفہ تک جانا کافی ہے۔ كانت قريش و من دان دينها يقفون بالمزدلفة و كانوا يسمون الحمس وكانت سائر العرب يقفون بعرفات (صحیح بخاری۔ عن عائشہ رضی اللہ عنہا) كانت قريش ومن كان على دينها و هم الحمس يقفون بالمزدلفة يقولون نحن قطين الله (ابن جریر۔ عن عائشہ رضی اللہ عنہا) كانوا يقولون لانخرج من الحرم فكانوا لايشهدون وقف الناس بعرفة معهم (ابن جریر) كانوا يقولون نحن قطين الله فينبغی لنا ان نعظم الحرم ولا نعظم شيئا من الحل (قرطبی) آیت انہی کی اصلاح کے لیے ہے۔ النَّاسُ سے مراد جنس انسان ہے۔ المراد من الناس الجنس كما هو ظاهر (روح) ثُمَّ یہاں تاخرِ زمانی کے لیے نہیں، فصل کلام کے لیے ہے۔ یعنی ایک بات ختم ہوئی، اب دوسری ہدایت سنو۔ جیسے اُردو میں ایسے موقع پر ''اچھا تو'' یا ''ہاں تو'' کہتے ہیں۔ ثم ليست فی هذه الأية للترتيب وانما هی لعطف جملة كلام هی هٰهنا منقطعة (قرطبی) ثم للترتيب فی الذكر لا للترتيب فی الزمان الواقع فيه الافعال (نہر) ف۴۱ ۷ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ۔ حدیث صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں یوم عرفہ سے زیادہ بندے آگ سے آزاد کیے جاتے ہوں۔ حج کا بیان جہاں سے شروع ہوا ہے، دیکھتے آیئے تزکیۂ قلب کا قدم قدم پر کس درجہ اہتمام ہے۔ حرم شریف نہیں، حدودِ حرم بھی ابھی منزلوں فاصلہ پر ہیں کہ ساری عمر کا مالوف ومانوس لباس جسم سے اُتر گیا، اور اب نہ سر پر ٹوپی ہے، نہ کسی قسم کی پگڑی صافہ، اور جسم پر نہ شیروانی ہے نہ کوٹ، نہ عبانہ قمیص، شاہ وگدا، رئیس ورعایا، حکام وعوام سب کے سب دو دو چادروں میں ملبوس! پھر احرام پہنتے ہی جو چیزیں حرام تھیں ان کا ذکر ہی نہیں جو ہمیشہ حلال تھیں، اور فی نفسہٖ جائز ہیں ایک خاصی طویل مدت کے لیے بالکل ممنوع! کتنی ہی مرغوبات ومالوفات سے اس درمیان میں دستبرداری کرنی ہوتی ہے۔ یہ سب بھی کافی نہیں۔ گھڑی گھڑی لبیک کہتے رہو۔ اللہ کے دربار میں حاضری بولتے رہو۔ مسلسل ذکرِ الٰہی کرتے رہو، اور اب یہ حکم مل رہا ہے کہ خطاؤں کو، گناہوں کو، سیہ کاریوں کو یاد کر کر کے اُن سے معافی چاہتے رہو! ---- اتنے پاکیزہ، ایسے ستھرے اس قدر اصلاحی اجتماع سے دنیا جہان کے میلوں ٹھیلوں، بت پرستانہ، وہم پرستانہ، ہوس پرستانہ، میلوں تہواروں کو کوئی بھی مناسبت ہے؟ ع کوئی نسبت بھی اِن آنکھوں سے ہے پیمانہ کو! کیسا صریح ظلم وہ اہل قلم خود اپنی بصارت و بصیرت پر کرتے ہیں، جو اسلام کو دوسرے ادیان ومذاہب کی سطح پر سمجھے ہوئے ہیں! غَفُوۡرٌ۔ آیت کے آخر میں یاد دلا دیا کہ تمہارے رب کی صفت غفر بہت بڑی ہے۔ اُس سے مغفرت طلب کر کے دیکھو تو۔ طالبین مغفرت کی مغفرت وہ کیوں نہ کرے گا؟ رَحِيۡمٌ۔ اور ساتھ ہی اس کی صفت رحمت بھی تو بے پایاں ہے۔ طالبانِ مغفرت کے ساتھ وہ رحمت کا معاملہ کیوں نہ کرے گا؟ ف۴۲ ۷ (اور ابھی منیٰ سے منتشر نہیں ہوئے ہو) عرفات ومزدلفہ سے واپسی کے بعد منیٰ میں قیام تین دن ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲ کو لازمی ہے، اور بعض ائمہ کے نزدیک ۱۳ کو بھی۔ اِذَا کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہاں حکم ادائے مناسک کے بعد کے لیے مل رہا ہے۔ اِذَا ہمیشہ بعد کے لیے نہیں آتا ہے۔ ہمزمانی کے موقع پر بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ مثلاً فَاِذَا قَضَيۡتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوۡدًا جس کے معنی ہیں کہ جب تم نماز پڑھتے ہو (نہ یہ کہ جب تم نماز ختم

کر چکو) یا اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ جس کے معنی ہیں کہ جب تم طلاق دے چکو (نہ یہ کہ جب تم طلاق دینے لگو) اسی طرح یہاں بھی معنی یہ ہیں کہ جب تم ادائے مناسک کر رہے ہو۔ مَّنَاسِكَكُمْ۔ مناسک شعائرِ حج کو کہتے ہیں۔ هی شعائر الحج (قرطبی) قَضَيْتُمْ۔ قضا کے معنی کسی عبادت کے ادا کر چکنے یا بجالانے کے ہیں۔ قضيتم هنا بمعنى اديتم وفرغتم (قرطبی) قضاء المناسک هو فعلها علی تمام (جصاص) ف۴۳ قومی عظمت وقومی خودداری، نسلی مفاخرت جس طرح جدید جاہلی تہذیب کا عنصرِ اعظم ہیں، عرب کے دینِ جاہلی کے بھی رکنِ اعظم تھے۔ عرب جب منیٰ میں جمع ہوتے تو ہر ہر قبیلہ اپنے قبائل کی جے پکارتا اور اپنے بزرگوں کے مفاخر ومناقب کے پرزور بیان سے دلوں کو گرماتا۔ كان اهل الجاهلية يجلسون بعد الحج فيذكرون ايام اٰباء هم (ابن عباس) كان القوم فی جاهليتهم بعد فراغهم من حجهم و مناسكهم يجتمعون فيتفاخرون بمآثر اٰباء هم (ابن جریر) كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ۔ مسلمانوں کو حکم ملتا ہے کہ یہی جوش وخروش تم اللہ کے ذکر میں دکھاؤ۔ تمہاری نہ کوئی قوم ہے، نہ کوئی نسل، نہ تمہارا کوئی وطن۔ تم ان سب کے بدلے اللہ کی عظمت دلوں میں بٹھاؤ، بساؤ اور اللہ کا نام زبانوں پر لاؤ۔ اَوْ یہاں تخییر کے لیے نہیں، بلکہ ترقی کا مفہوم دے رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ربط و تعلق کم از کم اس درجہ کا تو رکھو جتنا اپنے خاندان اپنے قبیلہ، اپنی قوم کے ساتھ رکھتے ہو۔ بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر رہو۔ قيل بمعنى بل (بحر) اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا۔ مولانائے رومی علیہ الرحمۃ نے

النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ

بچائے رکھنا ف۴۶ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ف۴۷ حصہ مل کر رہے گا، بہ عوض اس کے کہ جو انہوں نے عمل کر رکھا ہے

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ

اور اللہ حساب بہت جلد لے لے گا ف۴۸ اور اللہ کو (ان چند) گنے ہوئے (دنوں) میں (برابر)

مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ

یاد کرتے رہو ف۴۹ جو شخص (ان) دو دنوں میں جلدی کرے، اس پر (بھی) کوئی

عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ

گناہ نہیں۔ اور جو تاخیر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ف۵۰ (یہ) اس کے لئے جو ڈرتا رہتا ہے، ف۵۱

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ تم (سب) اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے ف۵۲

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ

اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے ف۵۳ کہ اس کی گفتگو جو دنیوی غرض سے اچھی

الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ

معلوم ہوتی ہے اور جو اس کے دل میں ہے اس پر وہ اللہ کو گواہ لاتا ہے! درآنحالیکہ وہ

الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ

شدید ترین دشمن ہے ف۵۴ اور جب پیٹھ پھیر جاتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں رہتا ہے کہ زمین پر

فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ

فساد کرے، اور کھیتی اور جانوروں کو تلف کرے، ف۵۵ درآنحالیکہ اللہ فساد کو (بالکل)

الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ

پسند نہیں کرتا ف۵۶ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ خوفِ خدا کرو، تو اسے نخوت گناہ پر

اسی کو اپنی شاعرانہ وعاشقانہ زبان میں یوں ادا کیا ہے ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود ۔۔۔ گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

ف۴۴ دنیا میں ایسی بھی قومیں ہیں جو خدا کی قائل ہوتی ہیں، اسے معبودِ اعظم سمجھتی ہیں، لیکن حشر ونشر جزا وسزا کی قائل نہیں، ایسے لوگوں کی دعائیں، التجائیں، تمنائیں قدرۃً اسی مادی دنیا کی ترقیوں تک محدود رہتی ہیں۔ مشرکینِ عرب کے عقیدے بھی اسی قسم کے تھے۔ اور یہ لوگ جب دعا بھی مانگتے تھے، تو تمامتر سامانِ دنیوی اور دشمن پر فتح و نصرت وغیرہ کی۔ ابن زید، سدی وغیرہ تابعین سے یہی معنی مروی ہیں۔ المراد المشركون، قال ابووائل والسدی و ابن زيد كانت العرب فی الجاهلية تدعوا فی مصالح الدنيا فقط فكانوا يسألون الابل و الغنم و الظفر بالعدو ولا يطلبون الاٰخرة (قرطبی) مَنْ يَّقُوْلُ سے یہ لازم نہیں آتا کہ دعائیں بالکل اُنہی الفاظ کے ساتھ کی ہی گئی ہوں۔ ''قول'' کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ تمنا کرنا، زبانِ حال سے کہنا، دل میں خیال لانا، سب اس میں شامل ہیں ف۴۵ وہی آخرت جس کے تسلیم کرنے سے عمر بھر انکار کرتا رہا۔ اذ كانوا لايعرفون ولايؤمنون بها (قرطبی) ف۴۶ یہ اشارہ انسانیت کے پسندیدہ طبقہ یعنی اہلِ ایمان کی جانب ہے۔ مومنین کی دعائیں، مناجاتیں، آرزوئیں، دنیا و آخرت دونوں کی فلاح و بہبود کی جامع ہوتی ہیں۔ حَسَنَةً وہ طاعت ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ و بہتر ہے، اور اس کے اندر ہر قسم کی خیر وخوبی آگئی۔ ان حسنة نكرة فی بيان الدعاء فهو محتمل لكل حسنة من الحسنات علی البدل (قرطبی) والحسنة الكاملة فی الدنيا مايشمل جميع حسناتها (روح) دنیا میں حَسَنَةً توفیقِ خیر ہوئی، اور آخرت میں حَسَنَةً ثمرۂ خیر۔ والذی عليه اكثر اهل العلم ان المراد بالحسنتين نعم الدنيا والاٰخرة و هذا هو الصحيح فان اللفظ يقتضی هذا كله (قرطبی) ایسی جامع وہمہ گیر دُعا کی نظیر سے ادیان وملل کے صحیفے خالی ہیں۔ رسول مقبول ﷺ خود اس دعا کی کثرت رکھتے تھے۔ كان اكثر دعوة يدعوبها النبی ﷺ يقول اللّٰهم اٰتنا فی الدنيا حسنة و فی الاٰخرة حسنة و قنا عذاب النار (بخاری ومسلم عن انس) مال، اولاد، صحت، اطمینان وغیرہ جو چیزیں بھی تحصیلِ خیر میں معین ہو سکتی ہیں، خواہ بظاہر کیسی ہی دنیوی اور مادی ہوں، سب مومن کا مقصود ومطلوب بن سکتی ہیں۔ البتہ خود دنیا ہرگز کسی مومن کا مدعا اور مقصود نہیں بن سکتی۔ آیت کی ترکیب خوب نظر میں رہے۔ اٰتِنَا کا مفعول صرف حَسَنَةً ہے۔ یعنی جس چیز کی طلب وتمنا کی جا رہی ہے وہ حَسَنَةً یا بہتری ہے، فِي الدُّنْيَا اور فِي الْاٰخِرَةِ صرف ظرف یا محل ہیں۔ ترکیب میں یہ مفعول یا معنی کے لحاظ سے مقصود کسی طرح بھی نہیں ہو سکتے۔ مرادِ محض یہ ہے کہ ہمیں تو آپ کے دربار سے صرف بھلائی یا بہتری درکار ہے، دنیا میں ہو تو بھی اور آخرت میں ہو تو بھی۔ مزید تفسیر یہ کہ دنیا میں ہمیں اعمالِ خیر عنایت ہوں، اور آخرت میں ثمراتِ خیر۔ بعض نادان اور سطحی دماغ والے اہلِ قلم نے آیت سے یہ عجیب وغریب نتیجہ نکالا ہے کہ آخرت کی طرح دنیا بھی مومن کا مقصود بن سکتی ہے، بلکہ قرآن خود طلبِ دنیا کی تعلیم وترغیب دیتا ہے! -- تعالی اللّٰه علوا كبيرا۔ مغالطہ کی قلعی اُوپر کھولی جا چکی ہے۔ مادہ پرست قوموں کی دنیا طلبی اور دنیا پسندی سے مرعوب ہو کر خود مسلمانوں کو طلبِ دنیا کی تعلیم دینا بلکہ اُسے قرآنی تعلیم قرار دینا خدمتِ اسلام کی عجیب وغریب صورت ہے! ف۴۷ (دونوں جہانوں میں۔ اور جو گمراہ قوموں کی طرح بے بہرہ نہ رہیں گے) ف۴۸ (اور یوم حساب خود ہر لحظہ قریب آتا جا رہا ہے، بس اس سے غفلت ہرگز مقتضائے عقل ودانش نہیں) مِّمَّا كَسَبُوْا۔ مِن سببیہ ہے۔ اے من اجل ماكسبوا (بحر) من اجله (بیضاوی) سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ اس جیسے قدرتِ کاملہ کے مالک کو حساب کرتے یا بندوں کو اُن کے اعمال کی جزا دیتے دیر ہی کیا لگ سکتی ہے۔ اے سريع المجازاة للعباد باعمالهم (قرطبی) جاہلی قوموں نے اس وصفِ خاص میں بھی اپنے دیوی دیوتاؤں کے باب میں بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں ف۴۹ یعنی ایامِ تشریق میں، زمانہ قیامِ منیٰ میں۔ منیٰ مکہ معظمہ سے شمال ومغرب میں ۳ میل کے فاصلہ پر ہے۔ پہلے کبھی محض میدان تھا۔ اب بہت سی پختہ اور عالی شان عمارتیں بن گئی ہیں۔ سال بھر تو خالی پڑی رہتی ہیں۔ موسمِ حج میں خوب آباد ہو جاتی ہیں۔

صاحب حیثیت حاجی انہیں بڑے بڑے کرایوں پر لے لیتے ہیں۔ بعض سرکاری عمارتیں ہیں۔ بازار بھی اس زمانہ میں یہاں بہت بڑا اور بہت پررونق لگتا ہے۔ دنیا جہان کی چیزیں بکنے آجاتی ہیں۔ تشریق کے معنی قربانی سکھانے کے ہیں۔ ایام تشریق ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲ ذی الحجہ ہیں۔ حاجیوں کے قافلے عرفات ومزدلفہ سے واپسی میں آکر صبح یہاں پہنچ جاتے ہیں، اور ۱۲ کی شام تک تو بہرحال یہاں قیام رہتا ہے۔ حج کے سلسلہ میں متعدد واجبات، سنن ومستحبات یہیں انجام پاتے ہیں۔ مثلاً قربانی کرنا، سر کے بال اُتروانا، شیطانوں کو کنکریاں مارنا، جامۂ احرام اُتارنا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ۔ ادھر حج کا بیان آیا، اُدھر ذکر الٰہی کی تاکید پھر شروع ہوگئی۔ تکبیر کی کثرت قیام زمانہ منیٰ کا ایک خاص جزو ہے۔ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ۔ اس پر صحابہ وتابعین سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد زمانہ تشریق ہے۔ **لا خلاف بین اهل العلم ان المعدودات ایام التشریق و قدروی ذٰلک عن علی و عمرو ابن عباس وابن عمر وغیرهم** (جصاص) ف۵۰ یعنی منیٰ سے مکہ معظمہ کی طرف روانگی کے لیے دونوں صورتیں بالکل جائز ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ۱۰ر کے بعد صرف دو دن قیام کرکے ۱۲ر کی شام کو مکہ چلا آئے تو بھی درست ہے اور جس کا جی چاہے ۱۳ر تک وہیں ٹھیرا رہے، جب بھی درست ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اگر ۱۲ر کو واپس ہوتا ہے تو قبل غروب رمی جمرات (کنکریاں پھینکنے) سے فراغت کرلے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اگر ۱۳ر تک ٹھیرنا ہے، تو قبل طلوع آفتاب ہی رمی جمرات کر ڈالے۔ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ۔ نفی دونوں صورتوں سے گناہ کی کی گئی ہے۔ گویا بلحاظ جواز دونوں شقیں یکساں ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ دونوں میں کوئی افضل ومفضول نہیں۔ اور بلحاظ درجہ بھی دونوں مساوی ہیں۔ فقہاء حنفیہ کے ہاں ۱۳ر کا قیام افضل ہے ف۵۱ یعنی یہ سب احکام نافع اسی کے حق میں ہوسکتے ہیں جو دل میں خوف خدا وخشیت الٰہی رکھتا ہو۔ تقویٰ الٰہی کی اس شدومد سے تاکید یوں ہی اور بے کار نہیں۔ مومن کے دل پر تقویٰ کی اہمیت نقش کرنے کے لیے ہے۔ وہ مومن ہی کیا جو متقی نہ ہو ف۵۲ (اور اسی کے سامنے سارے اعمال کا جواب دہ ہونا ہوگا) یہ یاددہانی حفظ اعمال میں کس درجہ مؤثر ہے! سارا کھیل اسی استحضار ہی کا تو ہے۔ ف۵۳ (اُس کی چرب زبانی کی بناپر، اُس کے دعوئ اسلام ومحبّ اسلام کے باعث) اوپر دو قسم کے انسانوں کا ذکر تھا۔ آخرت کے قائلین ومعتقدین کا اور آخرت کے منکرین کا۔ اب ذکر منکرین اور منافقین کا ہوتا ہے۔ اور ابتداء منافقین کے بیان سے ہوتی ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ۔ لازمی نہیں کہ ایک ہی شخص مراد ہو۔ ایک بھی ہوسکتا ہے، بہت سے بھی ہوسکتے ہیں۔ **اشارة الی بعضهم فیحتمل الواحد و یحتمل الجمع** (کبیر) فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ فی اظہار مقصودیت کے لیے ہے، یعنی گفتگو سے مقصود اسے محض حصول دنیا ہوتی ہے، طلب آخرت نہیں۔ **یطلب به حظًا من حظوظ الدنیا** (کشاف) **لطلب مصالح الدنیا** (کبیر) فی، "باب میں" یا "درباره" کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ "دنیوی امور سے متعلق"۔ **ای مایقوله فی امور الدنیا و اسباب المعاش** (بیضاوی) درباب زندگانی دنیا (شاہ ولی اللہ دہلوی) شانِ نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ قبیلہ ثقیف کا ایک شخص خوش منظر وخوش تقریر اخنس بن شریق نامی تھا۔ مجلس رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جب آتا تو خوب لمبے چوڑے دعوے اپنے ایمان واسلام کے کرتا، بات بات پر خدا کو گواہ ٹھہراتا۔ لیکن جب مجلس سے اُٹھ کر چلا جاتا تو طرح طرح کی عملی شرارتوں میں لگ جاتا۔ **نزلت فی اخنس بن شریق الثقفی** (ابن جریر) **کان رجلًا حلو الکلام، حلو المنظر** (معالم) **کان منافقا حسن العلانیة خبیث الباطن** (کبیر) مگر شان نزول کی روایتوں سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آیت کا انطباق صرف اسی خاص شخص تک محدود ہے، بلکہ جہاں کہیں بھی وہ صفات پائے جائیں گے، وہاں وہ آیت بھی چسپاں ہوگی۔ **القول الثانی فی الاٰیة و هو اختیار اکثر المحققین من المفسرین ان هذا الاٰیة عامة فی حق کل من کان موصوفًا بهذه الصفات المذکورة** (کبیر) ف۵۴ (اللہ کے دین کا، اللہ کے رسول کا) يُشْهِدُ اللّٰهَ۔ یعنی آپ کو اللہ کی قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتا ہے۔ قسم کا مفہوم بھی شہادت میں پیش کرنا ہوتا ہے۔ **یقول انی لاحبک و یحلف باللّٰه علی ذٰلک** (معالم) رسول سے علم غیب کی نفی پر دلائل بہت سے قائم ہیں۔ ایک مزید دلیل اس آیت سے نکلتی ہے۔ منافق کے نفاق کا علم آیت کے ذریعہ سے حق تعالیٰ آپ کو کرا رہا ہے۔ ورنہ آپ تو اس کی باتوں سے خوش ہورہے تھے۔ اگر آپ اُسے منافق پہچان گئے ہوتے، تو ظاہر ہے کہ اس سے گفتگو میں لطف ہی کیوں لیتے ف۵۵ (جیسا کہ اخنس نے کیا بھی، کہ قبیلۂ ثقیف کے کھیت جلوا دیے اور ان کے مویشیوں کو ہلاک کر ڈالا) **کما فعله الاخنس بثقیف اذ بیّتهم و احرق زروعهم و اهلک مواشیهم** (بیضاوی) وَاِذَا تَوَلّٰى۔ یعنی جب مجلس رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اُٹھ کر چلا گیا۔ **ای اذا خرج من عندک** (ابن عباس رضی اللہ عنہما) **ای ادبروا عرض** (روح۔ عن الحسن) تَوَلّٰى کے دوسرے معنی "حاکم بن گیا" "حکومت پا گیا" کے بھی ہوسکتے ہیں، اور کیے گئے ہیں۔ یعنی جب وہ ملک میں حاکم ومسلط ہوجاتا ہے۔ **قال مجاهد من الولایة ای صار والیًا** (بحر) **ای ملک الامر و صار والیًا** (معالم۔ عن الضحاک) چوں ریاست پیدا کند (شاہ ولی اللہ دہلوی) اور جب حاکم ہوتا ہے (شاہ رفیع الدین دہلوی) لیکن نظم کلام و سیاق عبارت کے لحاظ سے ترجیح معنی اول کو ہے، کہ نفاق پر روشنی یہی معنی لے کر پڑتی ہے۔ **القول الاول اقرب الی نظم الاٰیة لان المقصود بیان نفاقه** (کبیر) سَعٰى کے معنی ہیں سرگرم عمل ہونا، دوڑ دھوپ کرنا۔ **السعی فی کلام العرب العمل** (ابن جریر) فِي الْاَرْضِ۔ عام طور پر اس سے مراد منافقین کی کثرت سعی اور وسعت عمل تخریب لی گئی ہے۔ **یدل علی کثرة سعیه و تقلبه فی نواحی الارض** (بحر) لیکن الارض کے ال سے مراد کوئی زمین معہود یعنی شہر مدینہ بھی ہوسکتا ہے۔ **واذا کان المراد الاخنس فالارض ارض المدینة فالالف واللام للعهد** (بحر) اَلْحَرْثَ وَ النَّسْلَ۔ کھیتوں میں اُس نے آگ لگا دی، اور مویشیوں کو ہلاک کر دیا۔ اَلنَّسْلَ سے ہر قسم کے جانور مراد لیے گئے ہیں۔ **النسل نسل کل دابة** (ابن عباس رضی اللہ عنہما) **النسل من کل شئ من الحیوان** (ابن جریر۔ عن مجاہد) ازہری لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ حرث سے یہاں عورتیں مراد ہیں اور نسل سے اولاد انسانی **ذکر الازهری ان الحرث هنا النساء والنسل الاولاد** (روح) اور جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حرث سے مراد دین ہے اور نسل سے انسان۔ **عن الصادق ان الحرث فی هذا الموضع الدین والنسل الناس** (روح) ف۵۶ شریعت اسلام کا تو عین مشن یہ ہے کہ دُنیا کو عدل وامن سے بھر دے۔ بدامنی وفساد عین غضب الٰہی کی چیزیں ہیں، اور ہدایات اسلامی کے برعکس عمل کرنے ہی سے پھیلتی ہیں ف۵۷ یعنی جب اسے اس کا کوئی مخلص ہوا خواہ سمجھاتا ہے، اور اسے تقوای اختیار کرنے کا مشورہ دیتا ہے، تو بجائے سنبھلنے کے وہ اور بگڑ جاتا ہے اور اپنی کج روی میں اور زیادہ دلیر ہوجاتا ہے۔ یہ بیان ہورہا ہے اس کا کہ ایسے کا فر معاند میں مخالفت حق اور ایذاء مخلوق کے ساتھ ساتھ کبر وپندار بھی کس درجہ کا ہوتا ہے ف۵۸ اب بیان پھر مومنین کاملین کا ہو رہا ہے ف۵۹ عباد کا لفظ ہے عام۔ لیکن سیاق چاہتا ہے کہ یہاں مراد بندگان مقبولین ہوں۔ **حیث ارشدهم الی مثل هذا الشراء** (بیضاوی) **لفظ العبادله فی القراٰن تشریف و اختصاص** (بحر) ف۶۰ حکم خاص طور پر قابل غور ہے۔ اسلام صرف چند عقائد یا صرف چند عبادات، یا صرف چند قوانین کا نام نہیں۔ وہ تو ایک جامع ومانع نظام حیات ہے، ایک مکمل ومنظم دستور زندگی ہے۔ انسانیت کے ایک ایک شعبہ ہر ہر گوشہ پر حاوی۔ اور اس کا ہر جزو اُس کے کل سے، اس کے دُوسرے اجزاء سے نہایت درجہ ملحق ومرحبط۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص توحید تو اسلام سے لے لے، لیکن عبادات کے لیے مسجد، مندر، کلیسا سب کو یکساں سمجھے یا رسالت پر تو ایمان لے آئے، لیکن معاشیات کے قاعدے کارل مارکس سے اور اخلاق کے ضابطے گوتم بدھ سے لینے جائے۔ معادیات، معاشیات، اخلاقیات، اجتماعیات، اسلام کے سب اپنے ہیں، کسی اور فلسفہ کسی اور دین کسی اور نظریہ کی پیوند کاری اس کے ساتھ نبھ ہی نہیں سکتی۔ آیت کا حکم عام ہے، لیکن شان نزول کی روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ خطاب خاص نومسلم یہود کی طرف تھا۔ یہ اسلام لانے کے بعد بھی چاہتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ رعایت اپنے عقائد قدیم کی کیے جائیں۔ اور اسلام کی ایک مستقل شاخ یہودیانہ اسلام قائم کرلیں۔ جس طرح بعد کو گمراہ فرقوں کے اثر سے معتزلی اسلام، شیعی اسلام، نیچری اسلام وغیرہ بہت سے "اسلام" قائم ہوکر رہے! اُدْخُلُوْا خود ہی صیغہ امر وجوب کے معنی دے رہا ہے۔ پھر اس کے حال كَآفَّةً نے اسے کس درجہ مؤکد کر دیا۔ اور بہ قاعدۂ اشارۃ النص واجب ہوگیا کہ ظاہری، باطنی، انفرادی، اجتماعی، اعتقادی، عبادتی سارے اعمال وامور میں اسلام ہی کا رنگ چڑھا رہے۔ السِّلْمِ۔ سلم کے لفظی معنی صلح وامن کے ہیں اور یہ لفظ حرب کے مقابل آتا ہے۔ **السِّلم والسَّلم الصلح و قیل السلم اسم بازاء الحرب** (راغب) لیکن السِّلم سے مراد دین اسلام لی گئی ہے اہل لغت نے بھی اسے قبول کیا ہے اور صحابیوں اور تابعین سے بھی مروی ہے۔ **ای فی الاسلام** (تاج) **ای ادخلوا فی الاسلام** (ابن جریر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ومجاہد وقتادۃ) **و فسر السلم بالاسلام** (نہر) ف۶۱ یہ اس طرح مثلاً کہ اپنے کو کہلاتے تو رہو مسلمان، لیکن رسمیں اختیار کرلو مجوس عجم کی، معاشرت لے لو مشرکین ہند کی، قانون فوجداری اختیار کرلو ملحدین فرنگ کا، معاملات کرنے لگو دستور یہود کے مطابق۔ شیطان کے نقش قدم پر چلنا یہی ہے کہ اسلام میں غیر اسلام کی آمیزش کی جانے لگے، اور

اسے کوئی اصلاحی یا تجدیدی کارنامہ سمجھا جانے لگے۔ اسلام کامل فرض ہے، اور اس کا کامل ہونا جب ہے کہ جو امر اسلام میں قابل رعایت نہ ہو اس کی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جائے اور ایسے امر کو دین سمجھنا یہ ایک شیطانی لغزش ہے۔ اور بہ نسبت ظاہری معاصی کے اس کے اشد ہونے کے سبب یہ عذاب کا زیادہ مظنہ ہے (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۷۶۲ (وہ تو تمہیں طرح طرح کی آمیزشوں اور جدتوں کا مشورہ دیتا ہی رہے گا، خوشنما سے خوشنما عنوانات کے ساتھ) آیت میں وعید و تنبیہ شدید ہے۔ ایک طرف جاہل و مبتدع اہل تصوف و طریقت کے لیے، اور دوسری طرف "روشن خیال" اہل تجدد کے لیے ف۷۶۳ (ہر سزا پر قادر، اور سزا کو وقت مناسب ہی پر دینے والا) اَلۡبَیِّنٰتُ مراد اس سے کھلے ہوئے احکام بھی ہو سکتے ہیں جن میں کسی قسم کا خفا یا ابہام نہیں، مثلاً عقیدہ توحید، عقیدہ رسالت، حکم نماز، حکم جہاد اور ہر وہ چیز بھی اس میں داخل ہے جو دین اسلام کی حقانیت یا قانونِ اسلام کی صداقت پر روشن دلیل کا کام دے سکے۔ یہ بینات خواہ جس معنی میں بھی لیے جائیں، بہر حال ان نو مسلم یہود کے پاس پہنچ چکے تھے۔ اور انہیں کوئی وجہ اب قدم پیچھے ہٹانے یا لڑکھڑانے کی نہیں رہی تھی۔ زَلَلۡتُمۡ زلت کے لفظی معنی پھسل جانے کے ہیں، جو بے اختیاری میں بھی ہوتا ہے۔ یہ لفظ لا کر ڈرا دیا ہے کہ قصداً و دانستہ مخالفت تو پھر بڑی چیز ہے غلطی یا بے خیالی سے بہک جانے میں بھی گرفت کا احتمال ہے۔ عَزِیۡزٌ۔ سیاق آیت میں وہ ہے جو جب اور جو کچھ چاہے سزا دے سکتا ہے۔ حَکِیۡمٌ وہ ہے جو ہمیشہ وقت مناسب ہی پر سزا دیتا ہے ف۷۶۴ (جن کا کام ہی تعمیل ارشاد کرنا ہوتا ہے) اب پھر اشارہ اُنہی نو مسلم یہود کی طرف ہے، جن کا ذکر دو آیت قبل آچکا ہے۔ یہ اسلام میں ابھی داخل ہوئے ہیں، لیکن کفر و یہودیت سے پوری طرح نہیں نکل پائے ہیں۔

بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ

(اور زیادہ) آمادہ کردیتی ہے، ف۷۵۷ سو اس کے لئے جہنم بس ہے، اور بری سے بری آرام گاہ ہے! اور انسانوں

النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ ؕ

میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اپنی جان (تک) اللہ کی رضا جوئی میں بیچ ڈالتا ہے ف۷۵۸

وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا

اور اللہ بندوں کے حق میں بڑا شفیق ہے۔ ف۷۵۹ اے ایمان والو

ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّةً ۪ وَلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ

اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ ف۷۶۰ اور شیطان کے نقش قدم پر

الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنۡ زَلَلۡتُمۡ

نہ چلو ف۷۶۱ وہ تو تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے ف۷۶۲ پھر اگر تم بعد اس کے کہ

مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡکُمُ الۡبَیِّنٰتُ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ

تمہارے پاس کھلی ہوئی نشانیاں پہنچ چکی ہیں ڈگمگا گئے تو جانے رہو کہ اللہ

عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیَهُمُ

بڑا زبردست ہے بڑا حکیم ہے ف۷۶۳ (یہ لوگ) تو بس اسی کا انتظار کررہے ہیں کہ ان کے پاس

اللّٰهُ فِیۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓئِکَةُ وَقُضِیَ

خدا بادل کے سائبانوں میں آ جائے اور فرشتے (بھی) ف۷۶۴ اور قصہ ہی

الۡاَمۡرُ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۲۱۰﴾ سَلۡ بَنِیۡۤ

ختم ہوجائے، اور اللہ ہی کی طرف (سارے) معاملات رجوع کیے جائیں گے ف۷۶۵ (آپ) بنی اسرائیل

اِسۡرَآءِیۡلَ کَمۡ اٰتَیۡنٰهُمۡ مِّنۡ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَمَنۡ یُّبَدِّلۡ

سے پوچھ دیکھیے ہم نے انہیں کھلی نشانیاں کتنی دے رکھی تھیں ف۷۶۶ اور جو کوئی

ع ۲۵ ۱۴ ۹

یَاۡتِیَهُمُ اللّٰهُ …… وَالۡمَلٰٓئِکَةُ۔ عقائد کا یہ اصولی اور مسلم مسئلہ ہے کہ ذات باری کے لیے نہ محل ہے نہ ظرف۔ اس لیے اسلامی عقیدہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے "آنے" یا "جانے" کے کوئی معنی ہی نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، اجمع المعتبرون من العقلاء علی انه سبحانه و تعالٰی منزۃ عن المجیء او الذهاب (کبیر) اور آگے اس پر متعدد دلائل قائم کرنے کے بعد پھر لکھتے ہیں:۔ ثبت الله تعالٰی لیس بجسم ولا بمتحیز وانه لا یصح المجیء او الذهاب علیه (کبیر) اس لیے اکثر مفسرین نے آیت کو متشابہات میں سے مانا ہے اور صاف لکھ دیا ہے کہ اس پر اجمالی ایمان کافی ہے، تفصیل عقل بشری سے ماوراء ہے۔ چنانچہ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ کے لیے آنا وغیرہ جہاں مذکور ہے اس کی حقیقت کے درپے ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ جس طرح اس کی ذات کی حقیقت کسی کو مدرک نہیں ہوئی ہے، اسی طرح اس کی صفات و افعال کی کنہ معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ وجود اور وقوع پر اجمالاً بلا تعیین کیفیت ایمان لے آنا چاہیے کہ اس سے زیادہ فکر میں پڑنا مالا یطاق کا قصد کرنا ہے۔" اور صاحب روح المعانی نے یہ لکھ کر چھوڑ دیا ہے کہ یَاۡتِیَهُمُ اللّٰهُ بالمعنی اللائق به جل شانه منزها عن مشابهة المحدثات والتقید بصفات الممکنات اور "مذہب السلف الصالح" یہ نقل ہوتا چلا آرہا ہے کہ فالاولٰی السکوت عن التاویل و تفویض معنی الأیة علٰی سبیل التفصیل الی الله تعالٰی (کبیر) اور مفسر و محدث بغوی کو یہ لکھنا پڑا۔ الاَولٰی فی هٰذه الأیة و فی ماشاکلها ان یومن الانسان بظاهرها ویکل علمها الی الله تعالٰی و یعتقد ان الله عز اسمهٗ منزه عن سمات الحدث علٰی ذٰلک مضت ائمة السلف و علماء السنة (معالم) اور بہتوں نے آیت میں یَاۡتِیَهُمُ اللّٰهُ کے درمیان کوئی اور لفظ مثلاً امر یا باس یا اٰیات وغیرہ محذوف مان کر معنی یہ کیے ہیں کہ اللہ کا حکم آپہنچے یا عذاب آجائے۔ اے یاتیهم ثوابه و حسابه و عذابه (ابن جریر) اے امره و باسه (مدارک) اے اٰیات الله (کبیر) اے امر الله (کبیر) یاتیهم الله مما وعدهم من الثواب والعقاب قاله الزجاج (بحر) یعنی بیاید عذاب او (شاہ ولی اللہ) اور ایک جماعت نے ملائکہ کی آمد اور قضی الامر کے پہلو کو مدنظر رکھ کر ان واقعات کو روز قیامت سے متعلق کیا ہے، کہ یہ منکرین و معاندین قبول حق کے لیے اب شاید آمد قیامت ہی کے منتظر ہیں۔ قوله یَاۡتِیَهُمُ اللّٰهُ اخبار عن حال القیامة (کبیر) یہ سب مذہب اپنی اپنی جگہ صحیح اور حق ہیں، لیکن ان سب میں بناء مشترک یہ ہے کہ آیت کا روئے سخن عام منکرین یا منافقین و اہل کتاب کی جانب سمجھا گیا ہے۔ اے یکذبون بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم (ابن جریر) ارید به المنافقون او اهل الکتب (روح) لیکن سیاق کلام پر نظر کر کے اگر روئے سخن صرف یہود تک محدود کر دیا جائے تو بات بالکل صاف ہوئی جاتی ہے، اور بجائے اوپر کی تفسیرات کے صرف اتنا بڑھا دینا ہوگا، "حسب اعتقاد یہود"۔ اس لیے کہ یہود کا مذہب تشبیہ و تجسیم کا تھا۔ یہ لوگ خدا کی جسمانیت کے پوری طرح قائل تھے، اور جلوۂ حق کو بادلوں سے خاص طور پر متعلق سمجھتے تھے۔ بلکہ بادلوں کو گویا حق تعالیٰ کی سواری سمجھے ہوئے تھے۔ اُن کے مقدس صحیفوں اور نوشتوں میں اب تک اس قسم کی تعلیمات محفوظ چلی آتی ہیں "وہ نور کو پوشاک کی مانند پہنتا ہے، اور آسمانوں کو پردہ کے مانند پھیلاتا ہے۔ وہ اپنے بالا خانوں کو پانیوں میں بناتا ہے، اور بدلیوں کو اپنی رتھ ٹھہراتا ہے، اور ہوا کے بازوؤں پر وہ سیر کرتا ہے"۔ (زبور۔ ۱۰۴۔ ۳) خداوند ایک تیز رو ابر پر سوار ہو کر مصر آوے گا۔ اور مصر کے بت اس کے حضور میں لرزاں ہوں گے"۔ (یسعیاہ۔ ۱۹۔ ۱) "کروبی گھر کی داہنی طرف کھڑے ہوئے، اور اندرونی صحن بادل سے بھر گیا۔ تب خداوند کا جلال کروہ سے اُٹھ گیا، اور گھر کے آستانہ پر آیا، اور گھر بادل سے بھر گیا، اور صحن خداوند کے جلال کی چمک سے معمور ہوا"۔ (حزقی ایل۔ ۱۰: ۴) غرض خدائے تعالیٰ کا بادلوں سے بطور مرکب یا سواری کے قریب ترین تعلق یہود کے تخیل میں رچ گیا تھا۔ یہاں تک کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے جدید ترین ایڈیشن (طبع چہاردہم) میں حق تعالیٰ کی جو تصویر نیم یہودی نیم مسیحی تخیل کے مطابق دی ہے (جلد ۲ صفحہ ۱۰۲) اس میں (معاذ اللہ) حق تعالیٰ کو صاف صاف

نِعۡمَةَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُ فَاِنَّ اللّٰهَ

اللہ کی نعمت کو بدل ڈالے، بعد اس کے کہ وہ اس کو پہنچ چکی ہو تو اللہ بھی

شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوا الۡحَيٰوةُ

سزا دینے میں بڑا سخت ہے و۶۷ے خوشنما کر دی گئی ہے دنیوی زندگی ان لوگوں کی نظر میں جو

الدُّنۡيَا وَيَسۡخَرُوۡنَ مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۘ وَالَّذِيۡنَ

کافر ہیں و۶۸ے اور وہ ان لوگوں سے تمسخر کرتے ہیں جو ایمان لے آئے ہیں، و۶۹ے (درآنحالیکہ) جو لوگ

اتَّقَوۡا فَوۡقَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرۡزُقُ مَنۡ

ڈرتے رہتے ہیں وہ ان سے (کہیں) اوپر ہوں گے قیامت کے دن، و۷۰ے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار

يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟

رزق دیتا رہتا ہے و۷۱ے لوگ ایک ہی امت تھے، و۷۲ے

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ ۪

پھر اللہ نے انبیاء بھیجے، خوشخبری دینے والے، اور ڈرانے والے، و۷۳ے

وَاَنۡزَلَ مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَ

اور ان کے ساتھ کتب حق نازل کیں، و۷۴ے کہ وہ لوگوں کے درمیان اس باب میں

النَّاسِ فِيۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ ؕ وَمَا اخۡتَلَفَ فِيۡهِ

فیصلہ کرے جس میں وہ اختلاف رکھتے تھے و۷۵ے اور کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا

اِلَّا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡهُ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ

مگر انہی نے جنھیں وہ ملی تھی انہی کی ضد کے باعث بعد اس کے کہ انہیں

الۡبَيِّنٰتُ بَغۡيًا بَيۡنَهُمۡ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيۡنَ

کھلی ہوئی نشانیاں پہنچ چکی تھیں و۷۶ے پھر اللہ نے اپنے فضل سے انہیں جو

وقف لازم

بدلیوں پر سوار دکھایا ہے! تو قرآن مجید نے آیت میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی ہے، صرف یہود کے خیال کی ترجمانی، اس کی صحت وغلطی سے بحث کیے بغیر، کردی ہے کہ یہ بنی اسرائیل اسی خیال میں پڑے ہوئے ہیں کہ خدا مع فرشتوں کے بدلیوں پر سوار ہو کر ان کے سامنے آجائے گا، اور ہر امر قطعی کا فیصلہ کر کے رکھ دے گا؟ اللہ بڑے اونچے مرتبے کرے امام المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے، ان کی نظر سے یہ نکتہ بھی نہ بچا، صاف اپنی تفسیر میں لکھ گئے ہیں، اور صرف لکھ ہی نہیں گئے، اسی کو پہلے وھو اوضح عندی من کل ما سلف، اور پھر ھٰذا الوجہ اظھر من عندی من کل ماسبق کہہ کر بہترین توجیہ بھی قرار دے گئے ہیں کہ یہود حق تعالیٰ کی تشبیہ اور تجسیم کے قائل تھے اور قرآن نے یہاں بجنسہٖ اُن کے اعتقاد کو اس پر تنقید کیے بغیر دہرا دیا ہے، اس لیے اس کے بعد نہ مجاز وغیرہ کسی تاویل کی حاجت رہتی ہے اور نہ کوئی اشکال ہی رہ جاتا ہے۔ اذاکان ھٰذا حکایة عن حال الیھود لم یمنع اجراء الأیة علی ظاھرھا وذٰلک لان الیھود کانوا علیٰ مذھب التشبیه و کانوا یجوزون علی الله المجیء والذھاب و علیٰ ھٰذا التقدیر یکون ھٰذا الکلام حکایة عن معتقد الیھود القائلین بالتشبیه فلا یحتاج حینئذ الی التاویل ولا الیٰ حمل اللفظ علی المجاز ...... و لیس فی الأیة دلالة علیٰ انھم محقون فی ذٰلک الانتظار اومبطلون و علیٰ ھٰذا التقدیر یسقط الاشکال (کبیر) ھَلۡ ...... اِلَّا ھل یہاں استفہامیہ نہیں، بلکہ جب اِلَّا کے ساتھ آتا ہے تو نفی کے معنی دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کے اس استعمال کی اور بھی مثالیں ہیں، مثلاً ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ کونھا بمعنی النفی ھو جاء بعدھا اِلَّا کثیر الاستعمال فی القراٰن و فی کلام العرب (بحر) معناہ النفی ولھٰذا جاء بعدہ اِلَّا (عکبری) و۶۵ے (آخری فیصلہ اور تصفیہ کے لیے) کلام بطور تہدید کے ہے۔ و۶۶ے (اور پھر وہ ہر آیت کا انکار و کفران بھی کس شد و مد سے کرتے رہے) اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ۔ یہ کھلی ہوئی نشانیاں کس چیز کی تھیں؟ خدائے تعالیٰ کے مخصوص فضل و کرم کی، اور بنی اسرائیل کی مخصوص سرافرازیوں کی مثلاً کتاب توریت اور دوسرے آسمانی صحیفوں کا نزول یا اس نسل میں انبیائے کرام کا مسلسل ظہور، وقس علیٰ ہذا۔ سَلۡ لفظ سل سے مستنبط ہوتا ہے کہ یہ وہ تاریخی حقائق ہیں کہ اسرائیلی ان سے انکار کر ہی نہیں سکتے۔ و۶۷ے (عام اس سے کہ اس سزا کا ظہور فوری اور اسی دُنیا میں ہو، یا بہ تاخیر عالم آخرت میں) نِعۡمَةَ اللّٰهِ۔ نعمت ادنیٰ بھی ہو، جب بھی نعمت ہی ہے۔ اور بہر صورت قابل قدر، چہ جائیکہ ایسی اعلیٰ نعمتیں جن سے بنی اسرائیل کی مدتوں سرفرازی رہی۔ يُّبَدِّلۡ۔ تبدیل کے معنی ہیں کسی شے کی اصل حقیقت کو کچھ کا کچھ کر دینا، اُس شے کے اندر تحریف کر دینا، اُسے مسخ کر دینا، اور اللہ کی نعمتوں کے اندر تبدیلی ایک تو یہ ہوئی کہ جو چیزیں ہدایت واستفادہ کے لیے تھیں، اُلٹا انہی کو فسق و کفر کے کاروبار میں لگا دیا جائے، اور یا پھر یہ کہ جو کلام باعث ہدایت ہوتا تھا، اسی میں تصحیف و تحریف کا عمل شروع کر دیا جائے۔ اہل تفسیر نے دونوں شقیں اختیار کی ہیں و تبدیلھم ایاھا ان الله اظھرھا لتکون اسباب ھداھم فجعلھا اسباب ضلالتھم او حرّفوا ایات الکتاب الدّالّة علی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم (کشاف۔ مدارک) یجعلھا سبب الضللة و ازدیاد الرجس او بالتحریف والتاویل الزائغ (بیضاوی) شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ۔ نِعۡمَةَ اللّٰهِ کی وسعت اطلاق، دینی و دنیوی ہر قسم کی نعمتوں کو شامل ہے اور یہاں ہر نعمت کے مسخ کر ڈالنے پر عذاب شدید کی وعید ہے۔ اب نعمت اگر دینی ہے، مثلاً کتاب الٰہی یا ظہور انبیاء، تو اس میں تحریف یا انکار پر عذاب اُخروی کا وقوع ظاہر ہی ہے، لیکن نعمت اگر محض دنیوی ہے، مثلاً دولت، صحت، سلطنت، تو اس کے سوء استعمال کا خمیازہ بیماری، ناکامی، افلاس، ذلت وغیرہ کی شکل میں اُٹھانا بھی مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُ کا فقرہ زور دینے اور تاکید کے لیے ہے۔ یعنی بعد اس کے کہ اس نعمت کا پوری طرح تحقق ہو سکے۔ اس کے پوری طرح فہم و معرفت میں آجانے کے بعد پھر جو کوئی اس کے ساتھ کفران کرے۔ آیت آج اُمت کے کس قدر حسب حال اور کس درجہ قابل غور ہے۔ اللہ کی عطا کی ہوئی ہر دینی و دنیوی نعمت کے ساتھ آج ہمارا کیا معاملہ ہے؟ کس نعمت کا حق ہم ادا کر رہے ہیں، کونسی نعمت ایسی ہے جس کی روح ہم نے نہیں بدل ڈالی؟ ہماری نمازیں، ہمارے روزے، ہمارے حج، ہماری ساری عبادتیں مغز و روح سے خالی، ان عبادتوں کے خالی ڈھانچے رہ گئے ہیں۔ اخلاق واتحاد کی دولت ہم نے الگ برباد کر ڈالی۔ نتیجہ جو نکلا، سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ ہاں ایک بات اور مسیحیوں کے ہاں ایک عربی داں انگریز پادری ڈاکٹر وہیری Wherry ابھی حال میں گزرے ہیں۔ مسلمانوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے، انگریزی میں مختصر سی تفسیر بھی لکھی ہے۔ اس آیت کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:۔ ”مسلمانوں نے متن قرآن کی جو اتنی سخت حفاظت رکھی ہے، اس کا ایک سبب اسی قسم کی تہدیدی آیتیں ہیں“۔ خیر، اس سے کم از کم محفوظیت قرآن پر شہادت تو ایک دشمن اسلام کی زبان سے ہاتھ آگئی۔ و۶۸ے (اور اس کا ساز و سامان، جاہ و حشم، باغ و مکان، موٹر اور ریڈیو، کوٹھی اور فرنیچر، سب باوجود فانی و بے حقیقت ہونے کے انہیں نہایت اہم و قابل وقعت نظر آتا ہے، اور اُن کے دلوں کے لیے خاص کشش رکھتا ہے) جو کافر ہے وہ اسی دنیوی زندگی کی مادی لذت و دولت، عیش و عشرت پر مستار رہتا ہے۔ اسی کو مبتم بالشان سمجھے ہوئے، اسی پیمانہ سے سب کو ناپتا رہتا ہے۔ وہ بے حد تنگ نظر ہوتا ہے۔ وہ اس برائے نام عیش پر عیش سرمدی و عشرت لازوال کو قربان کیے رہتا ہے۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ کافر اس باب میں معذور ہے۔ حُبِّ دنیا طبعاً اس پر اتنی غالب کردی گئی ہے کہ وہ اس کے ترک ہی پر قادر نہیں ـــــ ایسا ہرگز نہیں۔ کافر تو کہتے ہی اس کو ہیں، جو بلا کسی معذوری کے، اپنے قصد و اختیار سے حق کے بجائے باطل کی راہ اختیار کرے اور دنیا کی خوشنمائی کا آنکھوں میں بس جانا، یہ تو کفر کا نتیجہ اور معلول ہے، نہ کہ اس کا باعث و سبب۔ اپنے ارادہ کا سوء

اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ

ایمان والے تھے، وہ امر حق بتا دیا جس کے بارے میں وہ اختلاف کر رہے تھے ف۷۷۷ اور اللہ

يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾ اَمْ

جسے چاہتا ہے راہ راست بتا دیتا ہے ف۷۷۸ کیا

حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ

تم یہ گمان رکھتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے ف۷۷۹ درآنحالیکہ (ابھی) تم پر ان لوگوں

الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ

کے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں ف۷۸۰ انہیں تنگی اور سختی پیش آئی

وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ

اور انہیں ہلا ڈالا گیا ف۷۸۱ یہاں تک کہ پیمبر اور جو لوگ ان کے ہمراہ

اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ

ایمان لائے تھے بول اٹھے ف۷۸۲ کہ اللہ کی امداد (آخر) کب آئے گی ف۷۸۳ سن رکھو اللہ کی امداد

قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ

یقیناً قریب ہی ہے ف۷۸۴ آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں ف۷۸۵ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ تمہیں مال سے خرچ

مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى

کرنا ہے ف۷۸۶ سو وہ حق ہے والدین کا اور عزیزوں کا اور یتیموں کا

وَ الْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ

اور مسکینوں کا اور مسافروں کا، ف۷۸۷ اور جو بھی نیکی

خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ

کرو گے، اللہ کو اس کا پورا علم رہتا ہے ف۷۸۸ تمہارے اوپر قتال

استعمال تو وہ پہلے ہی کر چکا، محض نتیجہ کے طور پر مشیت تکوینی نے اس کی کوشش کو کامیاب کر دیا۔ ف۷۶۹ (اور سامان دنیوی سے محروم ہیں) کافر اسی غلط معیار کی بنا پر، اسی کج نگاہی سے کام لے کر اپنے کو بڑا سمجھتا، اور ایمان وطاعت کی بے وقعتی اور تحقیر کرتا رہتا ہے۔ نگاہ کی یہ کجی، یہ غلط بینی ہی دنیا کا شدید ترین ابتلا ہے۔ حدیث نبوی کی یہ دعا اسی فتنہ سے بچنے کے لیے ہے۔ اللّٰھم ارنا الحق حقا و ارنا الباطل باطلاً اور عارف رومی کی یہ مناجات بھی اسی موقع کے لیے ہے۔

انچہ در کون ست اشیا ہر چہ ہست　　و انماجاں را بہر صورت کہ ہست
آب خوش را صورت آتش مدہ　　اندر آتش صورت آبے منہ

ف۷۷۰ (کہ وہ دن ہوگا کشف حقائق کا) اَلَّذِيْنَ اتَّقَوْا۔ یعنی اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ یا کفر وشرک سے بچتے رہتے ہیں۔ فَوْقَهُمْ۔ یعنی درجہ ومرتبہ میں ان سے ہزار چند بڑھے ہوئے ہوں گے۔ لانھم فی علیین و ھم فی اسفل السافلین (بیضاوی) ف۷۷۱ مطلب یہ ہوا کہ دنیوی مال ودولت کا تعلق مصالح تکوینی سے ہے۔ سو یہ مال ودولت کی افراط، یہ روپیہ کی ریل پیل، یہ بڑی بڑی تجارتی کوٹھیاں اور بڑے بڑے ساہوکارے، ہرگز کوئی معیار مقبولیت یا حق وصداقت کا نہیں۔ چاہے وہ جاہ وتمول ذاتی وشخصی ہو، یا قومی واجتماعی۔ کوئی اس میں بھول نہ پڑے۔ اور "قومی اقبال مندی" پر نہ مغرور ہو، نہ اس سے مرعوب ہو۔ ف۷۷۲ (آغازِ فطرت میں) آیت نے ایک بڑی گرہ کھول دی۔ فرنگی "محققین"۔ حسب معمول مدتوں اس باب میں بھٹکتے رہے، اور ان میں سے اکثر یہی کہے گئے کہ انسان کا ابتدائی مذہب شرک یا تعدد الٰہہ تھا۔ شروع شروع وہ ایک ایک چیز کو خدا سمجھتا تھا۔ اور عقیدۂ توحید تک تو نسل انسانی بہت سی ٹھوکریں کھانے کے بعد، اور عقلی ودماغی ارتقاء کے بڑے بڑے طویل سفر کے بعد پہنچی ہے۔ قرآن مجید نے اس خرافی نظریہ کو ٹھکرا کر صاف اعلان کر دیا کہ نسل انسانی آغازِ فطرت میں دینی حیثیت سے ایک، اور واحد تھی۔ اس میں "مذہب" و "ادیان" کے یہ تفرقے کچھ بھی نہ تھے۔ اُمَّةً وَّاحِدَةً میں جس وحدت کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ اس سے دینی واعتقادی ہی وحدت مراد ہے۔ کانوا علی شریعۃ من الحق (ابن جریر۔ عن عباسؓ) کانوا علی الھدٰی جمیعًا (ابن جریر۔ عن قتادۃ) انھم کانوا علی دین واحد و ھو الایمان والحق ھذا قول اکثر المحققین (کبیر) صدیوں کی الٹ پھیر، قیل وقال کے بعد اب آخری فیصلہ بڑے بڑے ماہرین اثریات، انسانیات واجتماعیات کا (سر چارلس مارسٹن، پروفیسر لنگڈن، پروفیسر شمڈٹ کا) یہی ہے کہ انسان کا دین اولین، دین توحید تھا ف۷۷۳ (بھٹکے ہوؤں کو راہ حق پر واپس لانے اور جمع کرنے کی خاطر) فَبَعَثَ میں ف سے مراد ہے کہ ایک مدت کے بعد، جب کہ اہل باطل اپنے اختراعی عقائد واعمال سے بہت سے فرقے اور مذاہب پیدا کر چکے تھے مُبَشِّرِيْنَ۔ یعنی خوشخبری سنانے والے اہل ایمان کو، ان لوگوں کو جو خدائی دستور حیات کو قبول و اختیار کر لیں۔ مُنْذِرِيْنَ۔ یعنی ڈرانے والے اہل کفر کو، ان لوگوں کو جو خدائی دستور حیات کے مقابلہ میں انکار وطغیان کو قائم کریں۔ ف۷۷۴ الْكِتٰبَ سے کوئی مخصوص و متعین کتاب الٰہی مراد نہیں، بلکہ ال جنس کتب کے لیے ہے، اور کتاب سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو مختلف پیغمبروں پر مختلف زمانوں میں اترتی رہیں۔ گویا لفظ کتاب صورۃً واحد ہے، اور معنًی جمع۔ یرید بہ الجنس (بیضاوی) بِالْحَقِّ حق کو لے کر یا اظہار حق کے لیے۔ ترکیب میں بالحق حال واقع ہوا ہے کتاب کا۔ بتبیان الحق (مدارک) حال من الکتب ای ملتبسًا بالحق شاھدًا بہ (بیضاوی) ف۷۷۵ یعنی عقائد واعمال کے باب میں۔ یحکم۔ تاکہ وہ فیصلہ کر دے انہی انبیاء یا کتب کے واسطہ سے۔ فیصلہ کون کر دے؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کہ وہی اصلی فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس لیے لِيَحْكُمَ کی ضمیر غائب کا مرجع اللہُ ہے لیکن بعض نے نبی اور بعض نے کتاب بھی مراد لی ہے۔ یہ دونوں بھی صحیح ہو سکتے ہیں۔ ای لیحکم اللہ او النبی المنزل علیہ او الکتب (کبیر) والضمیر عائد علی اللہ ھذا ھو الظاھر وقیل عائد علی الکتاب (بحر) ف۷۷۶ (تصدیق حق کی۔ اور اصولِ دین کے باب میں کسی قسم کا التباس اور خفاء باقی نہیں رہا) بَغْيًا بَيْنَهُمْ۔ یہاں یہ صاف کر دیا کہ اختلاف اور نزاع کا باعث آپس کی ضد اور نفسانیت ہوئی، نہ یہ امر کہ اصل احکام الٰہی یا پیام حق میں کسی طرح کا اینچ پینچ تھا، اور نہ یہ کہ مسائل اجتہادی میں کوئی رائے یا اجتہاد کا اختلاف ہوا۔ اَلَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ۔ یعنی وہی لوگ جنہیں کتاب بواسطہ انبیاء ملی تھی، مراد ہیں علماء ومشائخ وپیشوایان قوم۔ گمرہی اور کجروی کی طرح بھی لوگ ڈالتے ہیں، عوام محض ان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ ف۷۷۷ (چنانچہ اہل حق کو نزاع و اختلاف کبھی معتبر نہیں پڑا) لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ۔ میں ذکر اہل حق کے اختلاف کا ہے اہل باطل سے بِاِذْنِهٖ۔ میں اذن کے معنی فضل، توفیق ولطف کے ہیں الاذن التوفیق (تاج) بارادتہ و لطفہ (بیضاوی) بتوفیقہ و تیسیرہ (روح) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پر سوال ہوا ہے کہ جو اس کے مصداق ہو چکے تھے وہ تو خود ہی ہدایت یافتہ تھے، پھر اب انہیں ہدایت کیسی؟ جواب یہ ہے کہ ایمان سے یہاں مراد قصد ایمان و صلاحیت ایمان ہے۔ یعنی جو ایمان کے طالب تھے، انہیں ہدایت حاصل ہو گئی۔ ف۷۷۸ (اور اس کی مشیت ہدایت ہمیشہ ان لوگوں سے متعلق ہو جاتی ہے جو اس کی طرف بڑھنا چاہتے، اور ضد وتعصب کو چھوڑ کر طلب حق اختیار کرتے ہیں اس میں مومنین کی تشفی وتسلی کا پہلو بھی نکل رہا ہے کہ مخالفین ومعاندین کی سرگرم کوششوں اور زبردست پروپیگنڈے سے خوف وہراس نہ کریں۔ اپنی طلب اگر صادق ہے، تو کوئی مکر وتدبیر، کوئی قوت یا شوکت ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ ف۷۷۹ (بلا مشقت اور بغیر امتحان، اے گروہ مومنین!) خطاب براہ راست عہد رسالت کے مومنین سے ہے۔ ایھا المؤمنون باللہ و

وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ

فرض کر دیا گیا ہے و۷۸۹ درآنحالیکہ وہ تم پر گراں ہے و۷۹۰ لیکن کیا عجب کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور وہ

خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ

تمہارے حق میں بہتر ہو اور کیا عجب کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں (باعث) خرابی ہو، و۷۹۱

وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۱۶ يَسْـَٔلُوْنَكَ

اور علم تو اللہ ہی رکھتا ہے، اور تم علم نہیں رکھتے و۷۹۲ اور آپ سے حرمت والے مہینے کی بابت (یعنی) اس

عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ

میں قتال کی بابت دریافت کرتے ہیں و۷۹۳ آپ کہہ دیجئے کہ اس میں قتال کرنا

كَبِيْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ

بڑا (گناہ) ہے، و۷۹۴ اور اس سے کہیں بڑے (جرم) اللہ کے نزدیک، اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور

الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ

مسجد حرام سے روک دینا اور اس سے اس کے رہنے والوں کو نکال دینا ہیں و۷۹۵

وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

اور فتنہ قتل سے (کہیں) بڑھ کر ہے و۷۹۶ اور یہ لوگ تو تم سے جنگ جاری ہی رکھیں گے،

حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَ مَنْ

تا آنکہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر ہی کر رہیں و۷۹۷ اور جو کوئی بھی تم میں سے

يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ

اپنے دین سے پھر جائے اور اس حال میں کہ وہ کافر ہے مر جائے

فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ

تو یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے و۷۹۸

سلہ (ابن جریر) و۷۸۰ یعنی اُن مومنین سابقین، ان انبیاء قدیم کی امتوں کی سی آزمائش اور مصیبتیں۔ مَثَل کے معنٰی غیر معمولی حالات وتجربات کے ہوتے ہیں۔ المثل الشبه الاانه مستعار لحال غريبة
قضية عجيبة لها شان (بحر) یہاں مراد اُن پچھلی امتوں کے تحمل شدائد سے ہے۔ ماينال من اذى الكفار والفقر والمجاهدة فى سبيل الله (بحر) حالهم التى هى مثل فى الشدة (کشاف)
یت سے یہ مراد نہیں کہ کوئی مومن محض ایمان کی برکت اور فضل خدا سے جنت میں داخل ہی نہ ہو سکے گا جب تک کہ مجاہدات شدیدہ کی منزل سے نہ گزر لے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ صحابہ جن درجاتِ عالیہ کے طالب تھے اور
ول مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ ہر مومن کو طلب ایسی ہی رکھنی چاہیے۔ ان درجات عالیہ تک پہنچنے کے لیے عام شرط ان منزلوں سے گزرنے کی ہے۔ باقی نفس مجاہدہ تو ہر مومن کو اپنے درجہ وبساط کے لحاظ سے کرنا ہی ہوتا ہے۔
۷۸۱ (شدت تکلیف سے) ای مُزِّ کوا بانواع البلايا و الرزايا (کبیر) اَلْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ۔ یعنی مخالفین کے ہاتھوں انہیں جو مصیبتیں جھیلنا پڑیں۔ دونوں لفظ قریب المعنٰی ہیں۔ فرق یہ کیا گیا ہے کہ باساء
ں راحت وآسائش کے فقدان کا پہلو نمایاں ہے اور ضراء میں واقعی درد واذیت کا۔ الباسآء عبارة عن تضييق جهات الخير والضرآء عبارة عن انفتاح جهات الشر (کبیر) ان آزمائشوں کے تذکرے
یم صحیفوں میں بھی بکثرت ملتے ہیں۔ مثلاً "صادق پر بہت سی مصیبتیں ہوتی ہیں"۔ (زبور ۳۴-۱۹) "چاندی کے لیے گھریا ہے اور سونے کے لیے بھٹی، پر خداوند دلوں کو تپاتا ہے"۔ (امثال ۱۷:۳) "ضرور ہے
لہ ہم بہت سی مصیبتیں سہ کر خدا کی بادشاہت میں داخل ہوں" (اعمال ۱۴:۲۲)
۷۸۲ (شدتِ غم وحزن سے بےقرار ہو کر) الرَّسُوْلُ سے مراد اس زمانہ کے پیمبر
ں۔ المراد من الرسول الجنس لاواحد بعينه (روح) الرسول ههنا اسم
نس (نہر) و۷۸۳ نَصْرُ اللّٰهِ۔ یعنی نصرتِ موعود۔ انبیاء ومومنین کا یہ قول حالت
طرار میں دعا ومناجات کے طور پر تھا، نہ بہ طور اعتراض وشکوہ۔ وعدہ نصرت الٰہی کا تھا،
گر یہ تعیین تو نہ تھا کہ کس وقت ہوگی۔ جب ہجوم شدائد ہوتا، تو نصرتِ غیبی کی ضرورت
سوس کرتے، اور اپنے اجتہاد سے بہ الحاح وزاری پکارتے کہ حضرت، یہی تو وقت
ئیری ونصرتِ غیبی کے نزول کا ہے۔ (تھانوی) آیت میں اشارہ ہے کہ امت محمدیؐ
و بھی ہر قسم کی بلائیں پیش آئیں گی، جیسی کہ اگلی امتوں کو پیش آچکی ہیں۔ و۷۸۴ یہ
اب ان امتوں کو ان کی درخواست کا ملا کرتا۔ اس میں مومنین کو ہمیشہ کے لیے
ارت اور تسلی مل گئی۔ اور اس حقیقت کا بیان آگیا کہ نصرتِ الٰہی اپنے وقت پر ضرور آ
رہے گی۔ مجاہدات سے گھبرانا اور بددل نہ ہونا چاہیے۔ صوفیہ نے آیت سے یہ تعلیم
ی اخذ کی ہے کہ حالات مخالف کے ہجوم سے بہ تقاضائے بشریت اضطراب تو کاملین
ں کو ہوتا ہے، مگر ساتھ ہی ثابت قدمی اور اتباع احکام کی برکت سے نصرتِ الٰہی
اصل ہو کر رہتی ہے۔ و۷۸۵ (اور کن موقعوں پر) سال المؤمنون رسول الله
صلی اللہ علیہ وسلم اين يضعون اموالهم (روح۔ عن ابن جریج) المطلوب بالسوال ان
صرفه اىّ شئ هو (کبیر۔ عن القفال) مرادهم من قولهم ليس هو طلب
ماهية بل طلب المصرف (کبیر) سوال مسلمانوں کی طرف سے تھا، اور اس
ب میں تھا کہ اپنی حسب ہمت وحیثیت اور خوشدلی سے کب خرچ کریں۔ باقی جو خرچ
ہ فرض ہو چکا تھا، یعنی زکوٰۃ، اس کا حساب کھلا ہوا تھا۔ سوال اس کی بابت نہ تھا۔
لاكثرون على ان الأية فى التطوع (روح) عن الحسن هى فى
تطوع (مدارک) قرآن جو مکمل دستور حیات ہے، اس میں معاشیات کے
سائل کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے، اپنی جگہ پر وہ پوری اہمیت اس کے اندر رکھتے
یں۔ و۷۸۶ خَیْرٍ کا مفہوم علاوہ نیکی اور بھلائی کے معروف ومتعارف معنٰی کے
مود اور نیک کمائی والے مال کے بھی ہیں۔ المال من وجه محمود (راغب)
ر یہاں یہی مراد ہے و۷۸۷ مصارفِ خیر کی یہ فہرست کیسی جامع اور اس کی
تیب کس قدر حکیمانہ ہے۔ سب سے بڑھا ہوا اور اہم ترین حق انسان کے ماں
پ کا ہے۔ جتنی بھی مالی خدمت ہو سکے، اُن کی کی جائے۔ پھر دُوسرے عزیزوں کا
بر ہے، اور اس میں بھائی، بہن، چچا، پھوپھی وغیرہ سب آگئے —— شریعت نے
پنے نظام میں خاندان کو جو مرکزی اہمیت دی ہے، اس پر یہ ایک اور دلیل ہے
—— پھر اُمت کے وہ فرزند ہیں، جو معاش کے سب سے بڑے ظاہری سہارے
ی شفیق باپ کے سایہ سے محروم ہو چکے ہیں۔ پھر وہ اللہ کے بندے ہیں، جن پر کسی طبعی معذوری کی وجہ سے یا اور کسی خارجی سبب سے معاش کے عام ذریعے بند یا قریباً بند ہو چکے ہیں۔ اور اپنی ضرورتوں
ے پوری ہونے کے لیے بیرونی امداد کے محتاج ہیں۔ اور آخر میں وہ عام انسان آتے ہیں، جو اپنے وطن سے علیحدہ ہونے کے باعث عارضی طور پر احتیاج یا تنگدستی میں مبتلا ہیں۔ قریبی اور دُور کے حقدار اور ملی
شتہ رکھنے والے سب کے سب اپنی اپنی جگہ پر کس خوبصورتی سے ایک فریم کے اندر "فٹ" ہو گئے۔ مقصود شریعت یہ ہرگز نہیں کہ پڑوس میں ہمارا بھائی بھوک سے تڑپ رہا ہو، اور ہم اس سے بےخبر چندہ لکھوا
ہے ہوں چینی ریلیف فنڈ میں! و۷۸۸ (اور اس لیے اس کا اجر بھی پورا ادا کر رہے گا) خَیْرٍ، عام ہے۔ بدنی مالی، بڑی، چھوٹی ہر قسم اور درجہ کی نیکی کو شامل ہے۔ آیت میں تنبیہ ہے کہ گمراہ قوموں نے اپنے
یویوں، دیوتاؤں سے متعلق جو عقیدے گھڑ لیے ہیں، اُن پر قیاس کر کے یہ نہ سمجھ لینا کہ اسلام کے خدا کا بھی علم ناقص یا محدود ہے یا جزئیات یا مخفیات پر محیط نہیں۔ و۷۸۹ (جب اس کے شرائط کا تحقق
و جائے، اے مسلمانو!) قتال کے آداب، شرائط وقواعد میں سے کچھ پہلے اسی پارہ میں بیان ہو چکے ہیں، کچھ آئندہ حسب موقع بیان ہوتے رہیں گے۔ غیر مصافی کو قتل نہ کرنے پر اسلام نے جو "زور" دیا ہے،
ں کو یاد رکھ کے ذرا ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو، ایسی کتاب سے جو یہود ونصاریٰ دونوں کے نزدیک مقدس ہے:۔ "سو اب تو جا، اور عمالیق کو مار، اور جو کچھ اس کا ہے یکلخت ختم کر، اور اُن پر رحم مت

ع ۲۶ ۱۰

کر، بلکہ مرد اور عورت، ننھے بچے شیر خوار اور بیل، بھیڑ، اور اونٹ اور گدھے تک کو سب کو قتل کر"۔ (ا۔سموئیل۔۱۵:۲) ف۹۰ جیسا کہ بالکل قدرتی اور طبعی ہے۔ اپنی جان کس کو عزیز نہیں ہوتی، اور اپنی جان خطرہ میں ڈالتے ہوئے ہر جاندار قدرۃً ہچکچاتا ہے۔ پھر مکہ کے غریب مہاجرین جو ابھی ترکِ وطن کر کے مدینہ میں آکر پناہ لینے پر مجبور ہوئے تھے، دونوں روپیہ پیسہ میں، ساز و سامان میں، تعداد میں، غرض مادّی اعتبار سے کسی معنی میں بھی اپنے حریفوں کے مدمقابل نہ تھے۔ اِن شکستہ دلوں، شکستہ بازوؤں کو حکم جنگ وقتال پا کر اگر طبعی گرانی محسوس ہوئی ہو تو یہ ان کے مرتبہ اخلاص اور قوت ایمانی کے ذرا بھی منافی نہیں۔ شاق علیکم مکروہ طبعا (بیضاوی) مکروہ بالطبیعة (بحر) ھٰذه الکرہ من حیث نفور الطبع عنه لما فیه من مؤنة المال ومشقة النفس و خطر الروح لا انھم کرھوا امر اللہ تعالیٰ (معالم) ھُوَكُرْهٌ لَّكُمْ آیت پوری تردید کر رہی ہے اُن بے غیرت "مستشرقین" کی جنہوں نے یہ لکھ ڈالا کہ مسلمان مال غنیمت کی حرص میں خود ہی مشتاقِ جنگ وقت کے تھے! کُرْهٌ لفظاً مصدر ہے، معنی مفعول کے دے رہا ہے۔ جیسے خبز سے مخبوز مراد ہو جاتی ہے، اور نقض سے مراد منقوض۔ ف۹۱ تعداد میں قلیل اور قوت وشوکت میں ضعیف و مضمحل جن مسلمانوں کو جہاد وقتال پر آمادہ کرنے کے لیے قرآن مجید کو اس تفصیل و اہتمام سے کام لینے کی ضرورت پیش آرہی ہے اُن کی بابت اسلام کے مشہور و معروف "کرم فرما" اور مسیحی دُنیا کے نامور مؤرخ وسیرت نویس، پروفیسر مارگولیس کا یہ قول کس قدر "سچائی" اور "دیانت" سے لبریز ہے کہ (نعوذ باللہ) "محمد ﷺ نے اپنے شورش پسند پیروؤں کو مشغول کار رکھنے کے لیے انہیں جہاد میں لگا دیا"! گویا کمزوروں کا زور آوروں کے سامنے اپنی جانیں دینے کے لیے آنا، شکار کی قسم کا کوئی مشغلۂ سیر وتفریح تھا! --- دین کے دشمنوں پر یہ بھی اللہ کی کیسی پھٹکار ہے، کہ عقلیں بھی مسخ ہو جاتی ہیں! شَيْءٌ صیغہ نکرہ ہے، اور اس سے یہ اشارہ نکل آیا، کہ یہاں کوئی کلی قاعدہ نہیں بیان ہو رہا ہے۔ یعنی ہر طبعی ومرغوب ومحبوب کا شر ہونا اور ہر طبعی مکروہ ومبغوض کا خیر ہونا لازمی نہیں۔ ف۹۲ یعنی اللہ ہی کا علم کامل اور ظاہر و باطن ہر پہلو کو محیط ہے۔ اس لیے اس کے احکام ہمیشہ بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ انسانی علم اس کے برخلاف کسی چیز کا بھی کامل وجامع نہیں ہوتا۔ اس لیے خود انسان کی واقفیت ومصلحت اسی میں ہے کہ احکام خداوندی کی تعمیل بے چون وچرا کر لیا کرے۔ ف۹۳ الشھر الحرام بالشھر الحرام کی ذیل میں اُوپر گزر چکا ہے کہ قمری سال کے چار مہینے، محرم، رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، عرب جاہلیت میں متبرک ومحترم تھے۔ قتل وغارت تو ان لوگوں کا پیشہ تھا، لیکن اس زمانہ میں ہر قسم کی جنگ بند رہتی تھی۔ الشَّهْرِ الْحَرَامِ سے یہاں مراد ماہ رجب ہے۔ ہوا یہ کہ ۲ ہجری میں یعنی ہجرت مدینہ سے کوئی ۱۷ مہینے بعد ایک بار سفر میں بعض صحابیوں کا مقابلہ مشرکین سے ہو گیا، اور ایک مشرک مقاتلہ میں جان سے مارا گیا۔ واقعہ کی تاریخ صحابیوں کے خیال میں ۳۰ جمادی الثانی کی تھی۔ بعد کو علم ہوا (جیسا کہ آج بھی قمری مہینوں میں بار ہا ہوتا رہتا ہے) کہ چاند ۲۹ کا ہو گیا تھا، اور وہ تاریخ یکم رجب کی تھی۔ مشرکین نے سہو وغلطی کی اس رائی کو لے کر پہاڑ بنا دیا، اور طعن واعتراض شروع کر دیا کہ مسلمانوں کو اب محترم مہینوں کی حرمت کا بھی لحاظ نہیں۔ ان محمدا بعث سرية فلقوا عمرو بن الحضرمي أخر ليلة من جمادى الاوّل ليلة من رجب و ان اصحاب محمد ﷺ كانوا يظنون تلك الليلة من جمادى و كانت اول رجب و لم يشعروا فقتله رجل منهم واحد (ابن جریر۔عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) لقى و اقد بن عبدالله عمرو ابن الحضرمي اول ليلة من رجب و هو يرى انه من جمادى فقتله (ابن جریر۔عن مقسم) قِتَالٍ فِيْهِ ترکیب میں بدل ہے الشَّهْرِ الْحَرَامِ سے۔ بدل اشتمال من الشهر الحرام (بیضاوی) و ھٰذا یسمّی بدل الاشتمال كقولك اعجبنى زيد علمه و القعنى زيد كلامه (کبیر) ف۹۴ (جب کہ دانستہ یعنی ماہِ حرام کا علم رکھنے کے باوجود ہو۔ اور یہ جرم مسلمانوں سے سرے سے سرزد ہی نہیں ہوا) وما وقع من اصحابه علیه السلام كان من باب الخطاء فی الاجتهاد و هو معفوٌّ عنه (روح) فقہاء مفسرین میں ایک بڑی بحث اس کی ہوئی ہے کہ حرمت والے مہینوں میں قتال اب بھی جائز ہے یا نہیں؟ محققین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جب کافر اس زمانہ میں قتال شروع کر دیں، تو مسلمان کی حیات کی حفاظت کے لیے دفاعی وجوابی قتال تو بہرحال جائز ہے۔ لا خلاف فی جواز القتال فی الشهر الحرام او اذا بدوا (زاد المعاد۔ فصل احکام غزوہ خیبر) گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے بھی اس میں ابتداء جائز ہے؟ انما الخلاف ان یقاتل فیه ابتداء (زاد المعاد) سو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وامام مالک رحمۃ اللہ علیہ وامام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور فقہاء اس کے قائل ہیں کہ قرآن ہی کی دُوسری آیتوں سے یہ حکم حرمت کالعدم ہو گیا ہے، اور اب جہاد ان مہینوں میں بھی شروع ہو سکتا ہے۔ فالجمھور جوزوه وقالوا تحریم القتال فیه منسوخ و هو مذهب الائمة الاربعة (زاد المعاد) قال سائر العلماء هی منسوخة (ابن العربی) روٰی سلیمان بن یسار و سعید بن المسیب ان القتال جائز فی الشهر الحرام و هو قول فقهاء الامصار (جصاص) لیکن عطاء تابعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض اور اکابر اس کے قائل ہیں کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ممانعت کا حکم دائمی وقطعی ہے۔ بلکہ عطاء تو اپنے فتوے کی صحت پر حلف اٹھا لینے کو تیار تھے۔ مذهب عطاء وغیره الی انه ثابت غیر منسوخ و كان عطاء یحلف باللہ ما یحل القتال فی الشهر الحرام (زاد المعاد) كان عطاء یحلف انها ثابت لان الاٰیات التی بعدها عامة فی الازمنة وهٰذا خاص والعام لا ینسخ بالخاص باتفاق (ابن العربی) قالت طائفة حكمه باق لم ینسخ و فیمن قال ذٰلك عطاء بن ابی رباح (جصاص) ف۹۵ (سو بالفرض وہ جرم مسلمان سے سرزد ہوا بھی ہوتا، جب بھی ایسے شدید بلکہ اشد جرائم کے مجرموں کو کیا حق ہے ایک اتفاقی واقعہ قتل پر اعتراض واحتجاج کا؟) صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اللہ کی راہ سے مراد اسلام ہے، اُس سے روکنا یعنی اسلام قبول کرنے والوں کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنا، اُن پر ظلم وستم توڑنا۔ سبیل اللہ ای الاسلام او ما یوصل العبد الی اللہ (بیضاوی) كُفْرٌ بِهٖ، یعنی اللہ سے کفر اختیار کرنا۔ اللہ کے دین وشریعت کو نہ قبول کرنے، اور اللہ کا شریک دوسروں کو ٹھہرانے کا عین کفر ہونا ظاہر ہی ہے وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ مسجد کعبہ خاص اہل توحید ہی کا معبد ومرکز ہے۔ اس کا ہر وقت اللہ کے پرستاروں کے لیے کھلا رہنا اسلامی حکومت کے فرائض اولین میں سے ہے۔ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کا عطف ترکیب میں سَبِيْلِ اللّٰهِ پر نہیں، بلکہ تقدیر کلام یوں ہے ویصدون عن المسجد الحرام۔ ولا یحسن عطفه علی سبیل اللہ (بیضاوی) تقدیره و یصدون عن المسجد (عکبری) واختار ابو البقاء كونه متعلقاً بفعلٍ محذوف ای علیه الصد ای ویصدون عن المسجد الحرام (روح) اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ۔ دونوں ضمیریں الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کی طرف ہیں۔ یعنی رسول ﷺ اور مومنین کو ہر طرح تنگ وپریشان کر کے مسجد الحرام سے نکال دینا، وہاں اُن کا داخلہ بند کر دینا۔ انہیں اہل اس لیے کہا گیا کہ یہی لوگ تو اس حرمت والی مسجد کے حقوق ادا کرنے والے تھے۔ انما كانوا اهله لانهم القائمون بحقوقه (روح) گویا کافروں کے اعتراض کے جواب میں دو باتیں ارشاد ہوئیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں سے وہ گناہ عمداً ازمانہ حرمت میں قتل کرنے کا عمل صادر ہی نہیں ہوا۔ دوسری بات یہ کہ بالفرض صادر ہوتا بھی تو تمہارے ایسے سنگین وشدید جرائم سے اس کا کیا مقابلہ؟ ف۹۶ (اپنے مفاسد اور اپنی مضرتوں کے لحاظ سے) الْفِتْنَةُ سے مراد وہ شدید مزاحمتیں اور رکاوٹیں ہیں جو معاندین نے دین حق کی راہ میں پیدا کر رکھی تھیں --- اُس دین کی راہ میں جس کا مقصد ہی دنیا کو راہِ امن دکھانا اور تمام زحمتوں اور کلفتوں سے نجات دلانا ہے۔ ای مما یفتن به المسلمون و یعذبون به لیکفروا (روح) والمعنیٰ عند جمهور المفسرین الفتنة التی كانت تفتن المسلمین عن دینهم حتّٰی یهلكوا (بحر) الفتنة هی ما كانوا یفتنون المسلمین عن دینهم تارة بالقاء الشبهات فی قلوبهم و تارةً بالتعذیب (کبیر) فتنة کے معنی یہاں مطلق کفر کے بھی کیے گئے ہیں، لیکن زیادہ چسپاں نہیں ہوتے، یہ قول امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے و هو عندی ضعیف (کبیر) قول محقق وہی ہے جو اُوپر درج ہوا۔ اَكْبَرُ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور تابعین کے قول میں اشد سے آئی ہے۔ مِنَ الْقَتْلِ۔ یعنی اس خاص واقعہ قتل سے۔ مقصد ارشاد یہ ہے کہ دین حق کی راہ میں جو لوگ رکاوٹ پیدا کرتے ہیں، اور لوگوں کو اس طرف آنے سے طرح طرح کی سازشوں، تدبیروں، ترکیبوں سے روکتے ہیں، وہ حقیقۃً دنیا کو امن، عدل وعافیت سے محروم کر دینا چاہتے ہیں۔ اور اس لیے وہ نوع ونسل انسانی کے مجرم ہیں۔ اسلامی جہاد کی تو غایت ہی دنیا سے ہر قسم کی خود غرضیوں اور فریب کاریوں، ظلم وجور، شورش وبدامنی کو دُور کرنا ہے۔ جو احمق اس کو اور عام دنیوی حکومتوں کے قتل و قتال کو یکساں سمجھ رہے ہیں، وہ جراح کے نشتر اور ڈاکو کے خنجر کو ایک سطح پر رکھ رہے ہیں۔ ف۹۷ یہ بیان ہے اس کا کہ مشرکین عرب اسلام سے کس درجہ بیزار اور حق کے کس درجہ دشمن تھے۔ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ میں اشارہ انہی دشمنان حق کی جانب ہے۔ ایک انگریز مترجم قرآن، کیمبرج یونیورسٹی کے استادِ عربی، پروفیسر پامر ہوئے ہیں، اس موقع پر طنز وتعریض کا نشتریوں چلاتے ہیں:۔ "اب اسلام نے کافروں پر ہر چہار طرف سے دھاوا بول دیا"۔ دھاوا چاروں طرف سے یقیناً بول دیا گیا تھا،

وَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۱۷﴾

اور یہ اہل دوزخ ہیں اسی میں (ہمیشہ) پڑے رہنے والے ف۷۹۹

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ

فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

میں جہاد کیا ف۸۰۰ تو یہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھیں گے ف۸۰۱ اور اللہ

غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسۡــَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡخَمۡرِ وَالۡمَيۡسِرِ ؕ

بڑا بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے ف۸۰۲ (لوگ) آپ سے شراب اور قمار کی بابت دریافت کرتے ہیں ف۸۰۳

قُلۡ فِيۡهِمَآ اِثۡمٌ كَبِيۡرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثۡمُهُمَآ

آپ کہہ دیجیے کہ ان میں بڑا گناہ ہے ف۸۰۴ اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں ف۸۰۵ اور ان کا گناہ

اَکۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا ؕ وَيَسۡــَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ۬

ان کے فائدوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے، ف۸۰۶ اور (لوگ) آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں، ف۸۰۷

قُلِ الۡعَفۡوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ

آپ کہ دیجیے کہ جتنا آسان ہو، ف۸۰۸ اللہ اسی طرح تمہارے لئے کھول کر احکام بیان کرتا ہے

لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۲۱۹﴾ۙ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ؕ وَيَسۡــَٔلُوۡنَكَ

تاکہ تم سوچ لیا کرو دنیا اور آخرت کے (معاملات) میں، ف۸۰۹ اور (لوگ) آپ سے

عَنِ الۡيَتٰمٰى ؕ قُلۡ اِصۡلَاحٌ لَّهُمۡ خَيۡرٌ ؕ وَاِنۡ

یتیموں کے باب میں دریافت کرتے ہیں، ف۸۱۰ آپ کہ دیجیے کہ مصلحت کی رعایت رکھنا بہتر ہے، ف۸۱۱ اور اگر

تُخَالِطُوۡهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ

تم ان کے ساتھ (خرچ) شامل رکھو تو وہ تمہارے بھائی (ہی) ہیں، ف۸۱۲ اللہ کو علم ہے کہ مفسد (کون) ہے

لیکن اس جھوٹ میں سچ صرف اتنا ہے کہ یہ دھاوا اسلام کا نہ تھا، خود اسلام پر تھا۔ حَتّٰی کے معنی یہاں "تاکہ" کے ہیں اور غرض و مقصود کے اظہار کے لیے ہے۔ حتّٰی للتعلیل (بیضاوی) یجوزان یکون بمعنٰی الٰی (عکبری) امے الٰی ان یردوکم و قیل المعنٰی لیردوکم (کبیر) اِنِ اسۡتَطَاعُوۡا میں اشارہ یہ پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا اپنے دین سے ہٹنا اور کافروں کا انہیں اپنی کوششوں سے ہٹالینا کچھ آسان نہ تھا۔ استبعاد لاستطاعتهم (کبیر) اشارۃ الٰی تصلبهم فی الدین و ثبات قدمهم فیه کانهٗ قیل و انّٰی لهم ذٰلک (ابوسعود) ف۷۹۸ حَبِطَتۡ ...... الۡاٰخِرَةِ حبط اعمال کا اثر آخرت میں تو یوں ظاہر ہوگا کہ یہ بدنصیب مرتد اپنے کو ہر ساعت کے اجر اور ہر عبادت کے ثواب سے محروم پائے گا۔ اور دنیا میں اس کا ظہور یوں ہوگا کہ نہ مسلمان بیوی سے اس کا نکاح قائم رہ سکتا ہے، نہ مسلمان کی میراث میں اُسے حصہ مل سکتا ہے۔ بلکہ حکومت اگر اسلامی ہو تو ایسے بدعہد، باغی و غدار کو زندہ رہنے کا بھی حق باقی نہیں رہتا۔ شریعت یہود میں ارتداد ہی نہیں، سعی ارتداد اور ترغیب ارتداد کی بھی سزا قتل و سنگساری ہے۔ توریت میں ہے:۔ "اگر تیرا بھائی جو تیری ماں کا بیٹا ہے یا تیرا ہی بیٹا ہے یا تیری بیٹی یا تیری ہمکنار جورو یا تیرا دوست جو تجھے جان کے برابر عزیز ہے تجھے پوشیدہ میں پھسلاوے اور کہے کہ آج غیر معبودوں کی بندگی کریں جن سے تو اور تیرے باپ دادے واقف نہیں تھے...... تو تو اُس سے موافق نہ ہونا، اور اُس کی بات نہ سننا۔ تو اُس پر رحم کی نگاہ نہ رکھنا، تو اُس کی رعایت نہ کرنا، تو اُسے پوشیدہ نہ رکھنا، بلکہ اُسے ضرور قتل کرنا۔ اس کے قتل پر پہلے تیرا ہاتھ بڑھے اور بعد اس کے قوم کے ہاتھ۔ اور تو اُسے سنگسار کرنا، تا کہ وہ مر جائے"۔ (استثناء۔ ۱۳: ۶۔ ۱۰) اور نصرانیوں کے ہاں بھی۔ "دانستہ ارتداد ناقابل تلافی گناہ ہے قتل اور زنا کاری کے درجہ کا"۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس جلد ۶ صفحہ ۶۲۳) چنانچہ انگلستان میں ایک چھوٹے پادری نے جب تیرہویں صدی مسیحی میں ایک یہودن سے شادی کے پھیر میں دین نصرانیت کو ترک کر دیا تھا تو اُسے آکسفرڈ میں ۱۷۔ اپریل ۱۲۲۲ء کو جلا دیا گیا۔ (ایضاً۔ صفحہ ۶۲۴) فَيَمُتۡ وَهُوَ كَافِرٌ۔ "اُسی حالت کفر ہی میں اُس کی موت آجائے" یہ فقرہ بڑھا کر گویا یہ ترغیب دے دی کہ اگر خدانخواستہ کوئی مرتد ہو ہی گیا، تو اب بھی موقع ارتداد سے پھر اپنے دین کی طرف واپس آجانے کا باقی ہے۔ امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ نے اس فقرہ سے یہ استنباط کیا ہے کہ محض ارتداد سے اعمال کا حبط نہیں ہو جاتا جب تک کہ مرتد کی موت بھی ارتداد پر نہ ہو۔ و بها احتج الشافعیؒ علٰی ان الردة لا تحبط العمل حتّٰی یموت علیها (مدارک) قید الردة بالموت علیها فی احباط الاعمال کما هو مذهب الشافعی (بیضاوی) لیکن حنفیہ کے پاس جواب ہے کہ یہ مسئلہ تو خود قرآن ہی نے صاف کر دیا ہے، اور ایک دُوسری آیت میں صاف حبط عمل کو نفس ارتداد پر معلق کر دیا ہے۔ و من یکفر بالایمان فقد حبط عملهٗ اور یہی قول امام مالک علیہ رحمۃ اللہ کا بھی ہے۔ قال مالک یحبط بنفس الردة (ابن العربی) يَرۡتَدِدۡ باب افتعال سے ہے۔ اور افتعال میں ایک مفہوم تکلف کا بھی نکلتا ہے۔ بعض اہل معانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ فعل کے اس باب میں لانے سے اسی عمل ارتداد کے استبعاد پر توجہ دلاتا ہے وجاء افتعل هنا بمعنٰی التعمل والتکسب لانه تکلف اذ من باشر دین الحق یبعدان یرجع عنه (بحر) عَنۡ دِيۡنِهٖ۔ دین سے یہاں کھلی ہوئی مراد دین اسلام ہے کہ خطاب یہاں مومنین ہی سے ہے۔ ف۷۹۹ خٰلِدُوۡنَ۔ خلود کے معنی ہیں کسی چیز کا ایک حالت پر بغیر کسی قسم کا خلل پڑے ہوئے قائم و باقی رہنا۔ الخلود بقاء الاشیاء علی الحالة التی علیها من غیر اعتراض الفساد (راغب) اس تصریح نے اور صاف کر دیا۔ ورنہ یوں بھی عالم آخرت ہمیشگی کا عالم ہے۔ وہاں کی ہر سزا اور جزا (تاوقتیکہ موقت و محدود نہ کر دی جائے) یوں بھی دائمی و جاودانی ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قدیم محقق مترجمین نے اپنے ترجموں میں اس پہلو کو واضح کر دیا ہے۔ ایشاں دراں جاویدند۔ (شاہ ولی اللہ دہلوی) وہ بیچ اُس کے ہمیشہ رہیں گے (شاہ رفیع الدین دہلوی) ف۸۰۰ الَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا۔ دین کے تحفظ و بقا کی خاطر وطن جیسی عزیز و محبوب چیز کو مع وہاں کے تمام مرغوبات و مالوفات کے چھوڑنا اور کفر کی بستی کو ترک کر کے ایمان کی بستی میں آجانے کا نام ہجرت ہے الخروج من الکفر الی دار الایمان (راغب) جٰهَدُوۡا۔ جہاد کے معنی شدید کوشش اور جدوجہد کے ہیں۔ اس میں سب طرح کی بلائیں اور تکلیفیں آگئیں، اور اس کی بڑی فرد قتال ہے۔ فاطر کائنات کے قانون میں ہجرت و جہاد دونوں کے بڑے فضائل اور بڑے مرتبے ہیں۔ ایمان خود ہی کیا کم دولت ہے، اور پھر جب اُس کے ساتھ یہ دونوں مرتبے بھی حاصل ہو جائیں، تو اُس کے درجہ کا کیا ٹھکانا ہے! نفس ایمان تو سب صحابیوں میں مشترک تھا ہی، کثرت سے صحابہ ان دونوں دولتوں سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ۔ یہ قید لگا کر پھر اس حقیقت کو صاف کر دیا، کہ ہجرت و جہاد، بجائے خود کیسے ہی مجاہدے سہی، اللہ کے ہاں مقبول جبھی ہیں، جب خدا کی راہ میں ہوں، دین خدا کے واسطے ہوں۔ ورنہ محض محنت ہی محنت ہاتھ رہے گی ---- وطن، قوم، نسل، رنگ کے نام پر جانیں دے دینے والے، بڑی سی بڑی مصیبتیں جھیل لے جانے والے آج ہندوؤں، پارسیوں، جرمنوں، انگریزوں، روسیوں، امریکیوں، جاپانیوں سب میں لاکھوں، کروڑوں کی تعداد میں مل جائیں گے، سب کے سب فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اور الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا کے وصف سے خالی! اکبر علیہ رحمۃ اللہ نے خوب کہا ہے ۔ ثواب جب ہے کہ ناخوش ہو اس بنا پر تم ✖ دلوں کو طاعت حق سے یہ دور کرتے ہیں ✖ نہ یہ کہ عیش میں میرے ہیں یہ خلل انداز ✖ ہمیں ضعیف سمجھ کر غرور کرتے ہیں ✖ ف۸۰۱ اس میں بشارت و تسلی ان مومنین کے لیے ہے جن کے ہاتھ سے ایک مشرک کا قتل یکم رجب کو بغیر صحیح تاریخ سے واقفیت کے ہو گیا تھا۔ اُوپر حاشیوں میں ضروری تفصیل گزر چکی۔ ف۸۰۲ ان صفات کے اثبات سے مقصود مومنین کی مزید تشفی و بشارت ہے۔ غَفُوۡرٌ۔ سو وہ اپنی صفت

غفوریت کے تقاضہ سے اس سہو وخطا کو معاف کرے گا۔ رَحِیْمٌ۔ سو وہ اپنی صفت رحیمیت کے تقاضہ سے اجر بھی مرحمت فرمائے گا۔ ف۸۰۳ یعنی اُن کے حکم شرعی کی بابت، ان کے جواز وعدم جواز کی بابت۔ والمعنی یسئلونک عما فی تعاطیهما بدلیل (کشاف) دل تخصیص الجواب علی ان ذٰلک السوال کان واقعًا عن الحل والحرمة (کبیر) اَلْخَمْرِ۔ خمر ومیسر یہاں دونوں اپنے عام و وسیع معنی میں ہیں۔ خمر کے تحت میں ہر وہ نشیلا مشروب داخل ہے، جو عقل کو مختل کردے۔ اسم لکل مسکر خامر العقل (تاج) الخمر ما اسکر من عصیر کل شیٔ (تاج) سمیت لکونها خامرة لمقر العقل (راغب) شریعت نے بھی اسی لغوی مفہوم کو قبول کرلیا ہے۔ صحابیوں اور تابعین سب سے یہی معنی منقول ہیں۔ الخمر ما خامر العقل (بخاری۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما) الخمر کل شراب خمر العقل فستره و غطی علیه (ابن جریر) اَلْمَیْسِرِ بھی ایسے ہی وسیع معنی میں ہے، اور جوئے کے تمام اقسام پر شامل ہے۔ کل شیٔ فیه قمار فهو من المیسر (تاج) علمائے شریعت نے بھی اسی لغوی مفہوم پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔ المیسر و هو القمار (ابن کثیر) یعنی القمار (معالم) و فی حکم المیسر انواع القمار و النرد والشطرنج و غیرهما (مدارک) شراب اور جوا جس طرح آج فرنگی تہذیب میں جائز ہی نہیں، بلکہ عین اس تہذیب کا جزو بنے ہوئے ہیں، اور دلیل عزت وشرافت ہیں، اسی طرح قدیم عربی تہذیب کا بھی جزو تھے، اور لوازم شائستگی میں سے سمجھے جاتے تھے۔ اور اکیلے عرب ہی پر موقوف نہیں، یہ مشغلے سارے روئے زمین پر پھیلے ہوئے تھے، اور ہندی تہذیب، مصری تہذیب، یونانی تہذیب، رومی تہذیب تو خیر خود ہی جاہلی تہذیبیں تھیں، اسرائیلی اور مسیحی تہذیبیں تک جو شرف رسالت کے تعلق سے مشرف تھیں، ان کی روک تھام نہ کرسکی تھیں۔ شریعت اسلامی ہی دُنیا کا وہ قانون ہے، جس نے آکر اُن کی قطعی حرمت کا اعلان کیا۔ یہ آیت سلسلہ حرمت کی سب سے پہلی آیت ہے۔ قطعی حکم بعد کو نازل ہوا۔ علامہ آلوسی بغدادی، صاحب تفسیر روح المعانی نے اس مقام پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، کہ ہمارے زمانہ کے فاسقوں نے نشیلے مشروبات کے لیے طرح طرح کے خوشنما نام اور لقب رکھ لیے ہیں۔ عرق عنبری، ماءالاکسیر وغیرہا لیکن نام کے بدل دینے سے حقیقت اور حکم شرعی نہیں بدل جایا کرتا۔ نشہ آور چیزیں بہرحال حرام ہیں۔ علامہ کا سال وفات ۱۸۵۳ء ہے۔ گویا آج (۱۹۴۵ء) سے ایک سو سال قبل کے عراق میں آپ کو یہ حسرت ناک تجربے ہوچکے تھے۔ اُن مرحوم کو کیا اندازہ کہ آج فرنگیوں کے اثر سے اُن کے وطن عراق ہی میں نہیں، بلکہ مصر، ایران، ترکی، شام وغیرہ میں شراب کتنی اور کن کن شکلوں کے ساتھ پھیل چکی ہے! اور خمر ہی نہیں میسر بھی کیسے کیسے نئے اور خوشنما ناموں کے ساتھ "تہذیب وتمدن" کا جزو بن چکا ہے۔ اور کتنے گوشوں میں داخل ہوچکا ہے! ف۸۰۴ (جیسا کہ مشاہد ہے) اِثْمٌ کا لفظ ہر ایسے فعل کے لیے آتا ہے، جو نیکی کی راہ سے رکاوٹ پیدا کرنے والا ہو۔ اسم للافعال المبطئة عن الثواب (راغب) اِثْمٌ کا اطلاق کسی عمل پر خود اسے حرام قرار دینے کے لیے کافی ہے۔ الاثم کله محرم (جصاص) چہ جائیکہ جب اس پر تاکید بھی کَبِیْرٌ کے ساتھ موجود ہو! اِثْمٌ کَبِیْرٌ ہی سے فقہاء نے نکالا ہے کہ شراب کی مقدار قلیل بھی حرام ہے۔ ولا حد علی تحریم القلیل منه (جصاص) اور اس لحاظ سے قرآن مجید ان دونوں کے حق میں لفظ اِثْمٌ بہت خوب لایا۔ معاشرہ میں آج تک جتنے فسادات شراب نوشی سے پیدا ہوچکے ہیں، اظہر من الشمس ہیں۔ گالیاں یہ بکوائے، بے حیائی یہ پھیلائے، حرامکاری کی طرف یہ لائے، بلوے، دنگے یہ کراوے، چوری ٹھگی پر یہ آمادہ کردے۔ قتل کی نوبت یہ لے آئے، ہر عبادت سے، طہارت سے، پاکیزہ منشی سے یہ روک دے، اور اسراف تو اس کے لیے کوئی بات ہی نہیں۔ اور قمار بازی کی لائی ہوئی مصیبتیں کچھ کم ہیں؟ فرنگستان کے سب سے بڑے قمار خانہ مونٹے کارلو Monte Carlu میں ہر سال کتنی بے شمار دولت تلف ہوتی رہتی ہے! دیوالی اور جمگھٹ کی راتوں کو ہندوستان کے اندر کیا کچھ نہیں ہوتا؟ اور پھر جوئے کی جدید ترین شکلوں، بیمہ کمپنیوں کے جوئے، گھڑ دوڑ کے جوئے، چٹھیوں (لاٹریوں) کے جوئے، سٹے وغیرہ کو کوئی کہاں تک شمار کرے؟ سچ کہا اُن مفسرین نے جنہوں نے کہا کہ ان دونوں مشغلوں کے اندر نیکیوں سے بڑی رکاوٹ ہے۔ فی تناولهما ابطاءٌ عن الخیرات (راغب) من حیث ان تناولهما مؤدٍّ الی مایوجب الاثم وهو ترک المامور و فعل المحظور (روح) بعض صحابیوں، مثلاً حضرت عمر اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کی بابت منقول ہے کہ انہوں نے شراب کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے از خود دریافت کرنا شروع کردیا تھا کہ ایسی چیز جو عقل اور مال دونوں کو غارت وبرباد کردینے والی ہو، اُس کے باب میں کیا حکم ہے؟ کان المسلمون یشربونها و هی حلال لهم ثم ان عمرو معاذًا و نفرًا من الصحابة قالوا یا رسول الله افتنا فی الخمر فانها مُذهبة للعقل مسلبة للمال (کبیر) صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اگر قلوب میں از خود اتنی جلا پیدا ہوگئی ہو، تو اس میں حیرت ہی کیا ہے؟ ف۸۰۵ (کچھ تھوڑے، بہت) حق تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کائنات میں سرے سے مضر ہی مضر اور ہر طرح نفع اور مصلحت سے خالی، کوئی شے موجود ہی نہیں۔ یہاں تک کہ شراب نوشی اور قمار بازی جیسے گندے مشغلے بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ مثلاً شراب سے بعض بیماریوں کا علاج ہوسکتا ہے۔ بعض شرابیں خوشبو رکھتی ہیں، شراب سے فوری لذت وسرور حاصل ہوتا ہے، بعض قوتوں میں عارضی طور پر تحریک پیدا ہوجاتی ہے، وقس علیٰ ہذا یا اسی طرح جوئے میں جو جیتتا ہے، اسے بلامشقت وتعب تھوڑی ہی دیر میں آمدنی ہوجاتی ہے۔ وقس علی هذا۔ ای باللذة والفرح فی الخمر و اصابة المال بلا کدفی المیسر (جلالین) مفسرین نے آیت کے اس جزو کے تحت میں شراب کے بہت سے منافع ومصالح اپنی اپنی بصیرت ودائرۂ علم کے لائق گنائے ہیں۔ اور یہیں سے ایک اور مسئلہ نکل آیا ــــ کسی حرام اور ناجائز شے کے جزوی منافع ومصالح بیان کرنا اُس کی حرمت کے منافی اور اس کی حرمت سے انکار کے مرادف ہرگز نہیں۔ آج جو "اسپرٹ" ملی ہوئی انگریزی دوائیں کثرت سے چل پڑی ہیں، یہ عموماً تیزاب کے قسم کی ہوتی ہیں۔ اور فقہاء نے انہیں زہر کے حکم میں رکھا ہے۔ ف۸۰۶ (اس لیے عقل سلیم کے لحاظ سے یہ دونوں چیزیں قابل ترک اور واجب الاحتراز ہیں) فقہاء نے کہا اور بالکل صحیح کہا ہے کہ حرمت خمر پر دوسری آیتیں اس سے صریح تر نہ موجود ہوتیں، جب بھی خود یہ آیت حرمت کے لیے کافی تھی۔ هٰذه الآیة قد اقتضت تحریم الخمر لو لم یرد غیرها فی تحریمها لکانت کافیة مغنیة (جصاص) یہ فخر تاریخ میں اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اُس نے اپنے ایک اشارہ سے اپنے حدود مملکت سے کہنا چاہیے کہ ان خبائث کا خاتمہ ہی کردیا۔ اور اشخاص وافراد کی کارستانیوں سے قطع نظر، اُمت کی نظر میں، بحیثیت مجموعی لفظ "شرابی" اور لفظ "جواری" دونوں کو انتہائی تحقیر وذلت کا لقب ٹھہرادیا۔ یہ اسلام ہی کا اعجاز ہے کہ اُس نے اپنے پیروؤں کو جہاں تک ان اخلاقی نجاستوں کا تعلق ہے، پاکیزگی اور ستھرائی کے اس بلند مقام پر پہنچادیا، جہاں تک باوجود علم وفضل وفہم ودانش کے بلند بانگ دعووں کے، آج تک نہ کوئی "ٹمپرنس ایسو سی ایشن" (اعتدال، احتیاط کی تبلیغ کرنے والی انجمن) پہنچا سکی ہے نہ کوئی پروہیبشنسٹ Prohibitionist گورنمنٹ" (قانون امتناع جاری کرنے والی حکومت)! سر ولیم میور، اپنے نہیں، بیگانے ہیں۔ معتقد نہیں، منتقد ہیں۔ باوجود اس کے لکھتے ہیں:۔ "اسلام فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ترک میکشی کرانے میں جیسا وہ کامیاب ہوا ہے، کوئی اور مذہب نہیں ہوا ہے"۔ (لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۵۲۱) انیسویں صدی کے ربع آخر میں لندن میں چرچ کانگرس کے ایک اجلاس کے موقع پر ایک ممتاز پادری اسحٰق ٹیلر نے کہا تھا:۔ "دنیا میں انسداد مے نوشی کی سب سے بڑی انجمن خود اسلام ہے۔ برخلاف اس کے ہماری یوروپین تجارت کے قدم جہاں جہاں پہنچتے جاتے ہیں، مے نوشی وبدکاری اور لوگوں کی اخلاقی پستی بڑھتی ہی جاتی ہے"۔ ٹمپرنس کے نام سے مے نوشی میں اعتدال واحتیاط پیدا کرنے کے لیے یورپ اور امریکہ اور ہندوستان میں آج بھی خدا معلوم کتنی انجمنیں بہترین نظم ونظام اور شہرت کارکردگی کے ساتھ قائم ہیں، اور امریکہ کے مشہور کارکن "گربہ پا جانسن" Pussy Foot Johnson نے تو اپنی سرگرمیوں کی دھوم ساری دنیائے متمدن میں مچادی۔ اور بڑے بڑے ڈاکٹر اور ماہرین سائنس شراب کے نقصانات پر بیانات اور اعداد برابر شائع ہی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان ساری سرگرم کوششوں کے باوجود خود انہی لوگوں کو یہ اقرار ہے کہ شراب کو قطعی حرام کیے بغیر کوئی چارہ نہیں"۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، جلد ۲۶ صفحہ ۵۹۰، طبع یازدہم) ہندوستان میں ابھی دو ہی چار سال ہوئے (غالباً ۱۹۳۹ء میں) متعدد صوبہ وار حکومتوں نے اپنے علاقوں میں قانون امتناع نافذ کیا تھا۔ لیکن آخر میں وہ قانون واپس لیتے ہی بنی!...... محکمہ آبکاری کی لکھو کھا روپیہ کی آمدنی سے دستبردار ہوجانا کوئی آسان بات ہے؟ رہی قمار بازی۔ سو اس باب میں قانون اسلام سے باغی ومنحرف ہوکر یورپ اپنے ہاتھوں اپنا جو حال کررہا ہے، وہ عالم آشکار ہے۔ خودکشی اور اقدام خودکشی کے کتنے واقعات، مے نوشی اور قمار بازی ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں! پھر مالی ابتری کا اندازہ اس سے کیجئے کہ یورپ کی پہلی جنگ عظیم سے قبل، اکیلے ملک انگلستان سے متعلق تخمینہ ہے کہ کم از کم دس کروڑ پونڈ سالانہ کی رقم اپنے مالکوں کے قبضہ سے نکل کر جواریوں کے ہاتھ میں پہنچتی رہتی ہے! (انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس۔ جلد ۶ صفحہ ۱۶۴) یہ تخمینہ یورپ کے صرف ایک ملک، اور ایک چھوٹے سے رقبہ سے متعلق تھا، اور وہ بھی پہلی جنگ عظیم سے قبل کا! یورپ کے کل ملکوں (اور اس فہرست میں دنیائے معلوم کا مشہور ترین قمار خانہ مانٹی کارلو بھی شامل ہے) اور امریکہ کی ساری ولایتوں کی مجموعی تباہ کاریوں کے جدید ترین تخمینہ کے لیے تو

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حساب کے کن ہندسوں تک میزان پہنچے! اریں قانونِ وقت کی ناکام کوششیں، تو اسی انسائیکلوپیڈیا کے اسی مقالہ میں ہے کہ ”قانون اس میں کمی پیدا کرنے کی اپنی والی سب ہی کوششیں کررہا ہے بجز اُسے قطعی ممنوع کرنے کی ناممکن کوشش کے“۔ (ص ۱۶۵) یہ حوصلہ اسلام ہی کا تھا کہ اس نے ”عقلائے فرنگ“ کی اس ”ناممکن“ کوشش کو اپنے حدود میں ممکن ہی نہیں واقع کرکے دکھا دیا۔ **ف۸۰۷** (خیر خیرات میں) فرض زکوٰۃ کی تو شرح متعین تھی۔ یہ سوال اس کے علاوہ دوسرے نیک کاموں میں صرف سے متعلق تھا۔ **ف۸۰۸** اور اس آسانی کا معیار، بہ قول مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ یہ ہے کہ اس سے کسی حقدار کا حق ضائع نہ ہو اور اپنے ضروری مصارف میں تنگی نہ اُٹھانا پڑے۔ اَلْعَفْوَ۔ عفو سے مراد بس اتنا خرچ کرنا ہے جو اپنے اُوپر بار نہ ہو۔ **العفو نقیض الجھد و ھو ان ینفق مالا یبلغ انفاقه منه الجھد** (کشاف) **ای مالا یجھد** (روح۔ عن الحسن) **ای انفقوا ما فضل عن قدر الحاجة** (مدارک) **ف۸۰۹** (ان احکام پر عمل کے وقت) امورِ آخرت میں غور و فکر کرتے رہنے کی اہمیت تو ظاہر ہے۔ یہاں حکم اس کا مل رہا ہے کہ امورِ دُنیا میں بھی سوچ بچار سے کام لیا کرو۔۔۔ تو کیا دُنیا بھی اس قابل ہے کہ اس کے معاملات میں غور و تدبر سے کام لیا جائے؟ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ راز اس کا یہ ہے کہ انسان خلوِ ذہن کے ساتھ جس قدر دنیا اور اُس کے کاروبار کو سوچے گا، اسی قدر اس کی بے ثباتی اور بے قدری اس کے دل پر جمتی جائے گی۔ **ف۸۱۰** (کہ ان کے خرچ کا انتظام رکھا جائے، آیا اپنے حساب میں شامل رکھا جائے یا ان کا حساب بالکل الگ کردیا جائے) یہ سوال کرنے والے یتیموں کے اولیاء تھے، جن کی ولایت و سرپرستی میں یتیم بچے پل رہے تھے۔ اللہ رے صحابہ رضی اللہ عنہم کی احتیاط اور مرتبہ تقویٰ! صراحت کے ساتھ آ کر سوال کیا کہ یتیموں کی جائیدادوں سے انتفاع کی آیا کوئی شکل بھی اولیاء اور سرپرستوں تک کے لیے جائز ہے؟ جائیداد کی طمع بھی بری ہوتی ہے۔ عرب جاہلی میں بہت سے لوگ اس لیے یتیموں کو اپنی ولایت و سرپرستی میں لیتے تھے کہ اُن کی جائیداد میں خورد برد کا موقع مل جائے گا۔ بلکہ کوئی یتیم لڑکی اگر مالدار نظر آئی، تو اُس سے اپنے لڑکے کی شادی بھی اسی طمع میں کردیا کرتے تھے۔ اَلْيَتٰمٰى۔ یتیم کی جمع ہے۔ اور یتیم سے مراد وہ لڑکا یا لڑکی ہے، جس کے سر سے باپ یا ماں کا سایہ اُٹھ گیا ہو۔ احکامِ شریعت میں یتیمی باپ کی طرف سے معتبر مانی گئی ہے۔ **الیتیم المنفرد عن اجدادیه** (جصاص) **انما المراد بالایتام الفاقدون لأبآئھم و ھم صغار** (جصاص) **ف۸۱۱** سو وہ جس طریق پر حاصل ہو وہی صورت اختیار کی جائے۔ یہاں اصل اصول بیان کردیا کہ مقدم شرط جائیدادِ یتیم کے مصالح کی رعایت ہے۔ اگر اس کا تقاضہ یہ ہو کہ اپنا اور یتیم کا حساب ایک میں رکھا جائے، تو یہی کیا جائے، ورنہ اس کے برعکس۔ اصلاح کا لفظ عام ہے۔ اگرچہ اس کا قریبی تعلق مالی مصالح سے ہے۔ لفظ کے عموم میں جسمانی، مالی، اخلاقی، ہر قسم کی اصلاح آ گئی۔ فقہاء نے بہ قاعدۂ اقتضاء النص اس عموم سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یتیم پر جو تہدید، تنبیہ، تعلیم و تربیت کی ضرورت سے ہو وہ بالکل درست ہے۔ اسلام کی یتیم نوازی، یتیم پروری کا اعتراف اپنوں ہی کی طرح بیگانوں اور منکروں کو بھی ہے۔ برطانوی مصنف باسورتھ اسمتھ نے لکھا ہے:۔ ”پیمبر کی توجہ خصوصی کے مرکز غلاموں کی طرح یتیم بھی رہے ہیں۔ وہ خود بھی یتیم رہ چکے تھے۔ اس لیے دل سے چاہتے تھے کہ جو حسن سلوک خدا نے ان کے ساتھ کیا وہی وہ دوسروں کے ساتھ رکھیں۔“ (محمد اینڈ محمدنزم، صفحہ ۲۵۱) امریکی ماہر اجتماعیات، ڈاکٹر رابرٹس لکھتے ہیں:۔ ”قرآن کے مطالعہ سے ایک خوشگوار ترین چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بچوں کا کس قدر خیال تھا۔ خصوصاً اُن بچوں کا جو والدین کی سرپرستی سے محروم ہوگئے ہوں۔ بار بار تاکید بچوں کے ساتھ حسن سلوک کی ملتی ہے“ (سوشل لاز آف دی قرآن صفحہ ۴۰۔۴۱) اور پھر کہا ہے:۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں کے باب میں اپنی خاص توجہ مبذول رکھی۔ یتیموں کے حقوق کا بکثرت ذکر اور اُن سے بدسلوکی کرنے والوں اور اُن کے حقوق غصب کرنے والوں کے خلاف سخت سے سخت وعیدیں سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پہلو کو ظاہر کرتی ہیں، جس پر مسلمان مصنفین کو بجا طور پر ناز ہے“ (ص ۴۳)۔ **ف۸۱۲** (بھائی ہیں۔ اور اس لیے مشترک خرچ میں کوئی مضائقہ نہیں) اِخْوَانُكُمْ لفظ اخ یا بھائی انتہائی اخلاص، یگانگت و مودت کا مظہر ہے۔ اس ذرا سے لفظ میں بہت کچھ آ گیا۔ جب تم اور وہ بھائی ہی بھائی ٹھہرے، تو بھائی بھائی میں تکلف کیسا؟ ۔۔۔ اور عرب میں تو یہ رشتہ اور زیادہ قوی تھا۔ **فھم اخوانکم والاخوان یعین بعضھم بعضا و یصیب بعضھم من اموال بعض علی وجه الاصلاح والرضاء** (معالم) چونکہ اس وقت اکثر مسلمانوں کے پاس، مسلمان ہی یتیم تھے، اس لیے اِخْوَانُكُمْ فرمایا۔ ورنہ اگر دوسرے مذہب کا بچہ بھی اپنی تربیت میں ہو، اس کا بھی بجنسہٖ یہی حکم ہے۔ اور اس کی دلیل دوسری آیات و احادیث ہیں جو الفاظ عامہ سے وارد ہیں۔ بلکہ اُس کے ساتھ مذہبی رعایت اتنی اور زائد ہے کہ اس بچہ پر بعد بلوغ قبولِ اسلام کے لیے جبر نہیں کیا جاتا، مذہبی آزادی دی جاتی ہے“۔ (تھانوی) **ف۸۱۳** یعنی اس پر سب کی نیک نیتی اور بدنیتی دونوں خوب روشن ہیں۔ اَلْمُفْسِدَ یعنی یتیموں کی مصلحت کو ضائع کرنے والا۔ **الذی یقصد بالمخالطة الخیانة و افساد مال الیتیم** (معالم) اَلْمُصْلِحِ یعنی یتیموں کی مصلحت کا لحاظ رکھنے والا **الذی یقصد الاصلاح** (معالم) مفسر ابوسعود نے کہا ہے کہ لفظ اَلْمُفْسِدَ کو اَلْمُصْلِحِ پر مقدم رکھنے میں وعید میں تاکید اور تہدید اور زیادہ پیدا ہوگئی۔ **ف۸۱۴** یعنی بجائے ان آسانیوں کے اس باب میں کوئی سخت قانون بنا دیتا۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ، یعنی اگر اس کی حکمت و مشیت تکوینی کا اقتضاء یہی ہوتا۔ **ف۸۱۵** یہاں اپنی دونوں صفات یاد دلا دیں۔ پہلی صفت عَزِيْزٌ کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ جو حکم چاہتا دے سکتا تھا، کوئی قوت اُس سے بالاتر، کوئی حاکم اُس کے اُوپر ممکن نہیں۔ سب پر بالادست خود ہی ہے۔ لیکن دوسری صفت حَكِيْمٌ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ احکام وہی دیتا ہے جو بندوں کے لیے نرم و آسان و قرین مصلحت ہوں۔ **ف۸۱۶** (اے مسلمان مردو!) میاں بیوی کا رشتہ انتہائی اُلفت و رفق کا، اور باہمی مناسبت اور موانست کا ہوتا ہے۔ بیوی کو اگر شوہر سے اس درجہ نامناسبت ہے کہ وہ اس کی ساری شعوری اور اختیاری زندگی کے اصل اصول یعنی توحید و رسالت ہی کی منکر ہے، تو معلوم ہوا کہ دونوں میں باہمی مناسبت کی بنیاد درجہ ضعیف میں بھی موجود نہیں، مرد کو ایسی عورت کے ساتھ عمر نباہ کرنے کا خیال ہی چھوڑ دینا چاہیے، موافقت کامل کے دوسرے اجزاء عناصر موجود نہ ہوں، نہ سہی، لیکن کم از کم وہ بنیادی عقیدہ تو مشترک ہو، جس کے تابع و ماتحت، چھوٹا بڑا، زندگی کا ہر معاملہ ہے۔ فطرتِ بشری خود ایسے بے جوڑ ازدواج سے ابا کرتی ہے، دینِ فطرت اسے کیونکر جائز رکھ سکتا تھا۔ پھر نکاح اسلام میں ایک دینی اور مذہبی عمل ہے۔ محض معاہدۂ دیوانی Civil Contract نہیں۔ جب ایک فریق دین و مذہب کی بنیادوں ہی سے منحرف ہے، تو اس کے ساتھ معاہدہ ممکن کیونکر ہے؟ اَلْمُشْرِكٰتِ۔ لفظ مشرکہ یہاں اپنے عام و وسیع معنٰی میں ہے۔ ہر قسم کی کافر یا غیر مسلم عورت اس حکم ممانعت میں داخل ہوگئی۔ اس کا بت پرست ہونا لازمی نہیں۔ قول محقق یہی ہے۔ **عن ابن عمر انھا عامة فی الکتابیات و غیرھن** (جصاص) **المشرکات ھنا الکفار** (نہر) **والاکثرون من العلماء علی ان اللفظ المشرک یندرج فیه الکفار من اھل الکتاب و ھو المختار** (کبیر) امام مالک علیہ الرحمۃ و امام شافعی علیہ الرحمۃ بس اسی آیت پر رُک گئے ہیں اور اُن کی فقہ میں ہر قسم کی غیر مسلم عورت سے نکاح ناجائز ہے۔ **لا یجوز العقد بنکاح علی مشرکة کانت کتابیة او غیر کتابیة قال عمر فی احدٰی روایته و ھو اختیار مالک والشافعی** (ابن العربی) لیکن فقہاء حنفیہ کی نگاہ مزید نکتہ بخی کے ساتھ قرآن مجید ہی کی ایک دوسری آیت کی طرف بھی گئی، اور وہ آیت سورۂ مائدہ کی ہے۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ الخ اور انہوں نے پہلی آیت کے عموم کو اس کی جگہ پر رکھ کر اس کا خصوص اس دوسری آیت سے پیدا کیا۔ یعنی عام قاعدہ کے لحاظ سے تو ہر غیر مسلمہ کے ساتھ نکاح ناجائز ہے لیکن کتابیہ یعنی یہودی یا نصرانی عورت اس حکم سے مستثنٰی ہے۔ اور یہی مذہب ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض تابعین سے مروی ہوا ہے۔ **و ھو عموم خص بجواز نکاح الکتابیات** (نہر) **عن ابن عباسؓ قال فی ولا تنکحوا المشرکات نسخ من ذٰلک نکاح نساء اھل الکتاب احلھن للمسلمین و حرم المسلمات علی رجالھم و عن الحسن و مجاھد مثل ذٰلک** (روح) مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ کے چند افادات اس موقع پر نقل کرنے کے قابل ہیں:۔ ۱۔ ہندو عورت یا آتش پرست عورت سے نکاح نادرست ہے۔ ۲۔ کتابی عورت سے نکاح جائز ہے، لیکن بہتر نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ناپسند فرمایا ہے اور خود حدیث میں نکاح کا حکم دیندار ہی عورت سے کرنے کا ہے۔ ۳۔ ایسی عورت جو وضع و طرز سے کتابیہ معلوم ہوتی ہو، لیکن بعد تحقیق اُس کے عقائد کتابیوں کے سے نہ نکلیں، اُس سے بھی نکاح نادرست ہے، یہودیت چونکہ ایک نسلی مذہب ہے، اس لیے اسرائیلیوں کو غیر اسرائیلیوں سے نکاح کرنے کی سخت ممانعت ہے، خروج، ۳۴: ۶، استثناء ۷: ۱۔ ۳۔ عزرا ۹ و ۱۰ مسیحی مذہب میں بھی ”بے ایمانوں“ یعنی غیر مسیحیوں سے ازدواج کی ممانعت ہے۔ ۲ کرنتھیون ۶: ۱۴، ۱۵۔ ویسٹر مارک کی کتاب مختصر تاریخ نکاح (شارٹ ہسٹری آف میرج) میں ہے ”سینٹ پال کی تعلیم ہے کہ کوئی عیسائی کسی کافر سے ہرگز نکاح نہ کرے۔ اور ٹرٹولین کے نزدیک تو ایسے ازدواج کا نام حرامکاری ہے“ (ص ۵۸) اور ہندوؤں کے ہاں تو نکاح مذہب سے باہر ہونا کیا معنٰی ”ذات“ کے باہر بلکہ برادری کے باہر بھی درست نہیں۔ حَتّٰى يُؤْمِنَّ۔ یہ قید لگا کر بتا دیا کہ ممانعت کی بنیاد تمام تر دینی و اعتقادی ہے۔ نسلی، قومی، جغرافی وغیرہ ہرگز نہیں۔ جو بھی ایمان لے

آئے، اسی وقت جائز ہو جاتی ہے۔ و۸۱۷ (اور پسندیدگی کی بنا خواہ یہ ہو کہ وہ مالدار ہے، یا یہ کہ وہ حسین و جمیل ہے یا ان کے علاوہ کوئی اور بنا ہو) آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ کفر قرآن کی نظر میں کس قدر مبغوض ہے۔ کافر عورت میں جو بھی خوبیاں ہوں، کل ایک طرف اور اُس کے کفر کی گندگی دوسری طرف۔ لَاَمَۃٌ میں ل زور اور تاکید کے لیے ہے۔ اُردو میں ایسے موقع پر "تک" لاتے ہیں۔ لام الابتداء الشبيهة بلام القسم فى افادة التاكيد (ابوسعود) واللام فى افادة التوكيد (کبیر۔ عن ابی مسلم) مطلب یہ ہوا کہ ہر مسلم عورت، یہاں تک کہ نعمت آزادی سے محروم اور عرفاً حقیر و ذلیل سمجھی جانے والی باندی تک آزاد، خوش حال، خوش جمال کافر عورت سے بہتر ہے۔ و۸۱۸ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا۔ یہ ٹکڑا یہاں بھی اسی حقیقت کے زوردار اظہار کے لیے ہے کہ اصلی مانع وحائل اُن مردوں کا کفر ہے۔ جب یہ مانع دور ہو جائے، تو پھر کوئی امر مانع نہیں۔ اَلْمُشْرِكِیْنَ۔ "مشرک" یہاں بھی اسی عام و وسیع معنی میں ہے جیسے "مشرکہ" ابھی اوپر آچکا ہے یعنی ہر قسم کے کافر کے مرادف ہے۔ قانون اسلام کا منکر جو کوئی جس قسم کا بھی ہو مومن خاتون اُس کے نکاح میں نہ دی جاسکتی ہے، نہ رہ سکتی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ شوہر اگر پہلے سے مسلمان ہے، اور بعد کو خدانخواستہ مرتد ہو گیا، تو مسلمان عورت اسی وقت اُس کے نکاح سے باہر ہو جائے گی۔ اور جو نکاح ابھی تک صحیح تھا ٹوٹ جائے گا۔ اور یہ عورت عدت پوری کر کے کسی مسلمان شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اگر میاں بیوی پہلے سے کافر ہیں، اور عورت مسلمان ہو گئی، تو اب بقاء نکاح کی کوئی صورت نہیں، بجز اُس کے کہ شوہر بھی اسلام قبول کر لے۔ مزید تفصیل اس قسم کے مسائل کی کتب فقہ میں ملے گی۔ لَا تُنْكِحُوا۔ خطاب مردوں سے ہے کہ تم اپنی عورتوں کو کافروں کے نکاح میں نہ دو۔ حکم خود عورتوں کو براہ راست نہیں مل رہا ہے کہ تم کافروں کے نکاح میں نہ جاؤ۔ یہ طرز خطاب بہت پر معنیٰ ہے۔ صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح مردوں کے واسطہ سے ہونا چاہیے۔ و۸۱۹ (علمی قابلیت کی بنا پر، اونچی ڈگریوں کی بنا پر، بڑے عہدوں کی بنا پر، کسی بھی دنیوی بنیاد پر) لَعَبْدٌ کا ل یہاں بھی تاکید اور زور کے لیے ہے۔ اردو کے "تک" کے معنیٰ میں یعنی نعمت آزادی سے محروم، اور عرفاً حقیر و ذلیل سمجھے جانے والے غلام تک کو اختیار کر سکتے ہو، لیکن نہ اختیار کرو تو کسی کافر کو، خواہ وہ دنیاوی اعتبار سے کیسا ہی بڑا آدمی ہو۔ و۸۲۰ اِلَى النَّارِ۔ دوزخ کی طرف، یعنی اُن اعمال اور اُن عقائد کی طرف، اُس طریق زندگی کی طرف، جس کا انجام دوزخ ہے۔ اور وہ طریق کفر و شرک ہے۔ اى الى الاعمال موجبة للنار (معالم) اى الكفر المؤدى الى النار (بیضاوی) اُولٰٓئِكَ۔ اشارہ انہی کافر مردوں اور کافر عورتوں کی جانب ہے۔ اُن کی طرف سے مزید نفرت دلانے کے لیے یہ فقرہ بھی بڑھا دیا گیا ہے۔ گویا جتا دیا ہے کہ ایسے گئے گزرے ہوئے اور خطرناک لوگ تو معمولی تعلقات رکھنے کے بھی قابل نہیں، چہ جائیکہ ان سے ازدواج کا سا گہرا رشتہ پیدا کیا جائے! و۸۲۱ (چنانچہ اس رحمت و مغفرت ہی کے تقاضے سے اُس نے یہ حکم بھی دے رکھا ہے کہ کافروں سے ازدواجی تعلق نہ رکھو، نہ اُن کے گہرے تعلق کا کوئی اثر تم پر پڑنے پائے، اور نہ تم جنت و مغفرت سے دور ہوتے جاؤ) اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ۔ یعنی اللہ ترغیب دیتا ہے ایمان و اسلام کی اور اس طریق زندگی کی جس کا انجام جنت و مغفرت ہی ہے۔ بِاِذْنِهٖ۔ اذن کے معنیٰ یہاں توفیق یا ارادہ یا اعلام احکام کے ہیں۔ باعلامه اياكم سبيله و طريقه (ابن جریر) اى قضائه و قدره و ارادته (معالم) بتيسير الله و توفيقه للعمل (کشاف) و۸۲۲ (اور نصیحت پر عمل کر کر کے جنت و مغفرت کے حقدار بن جائیں) و۸۲۳ یعنی عورت کے زمانۂ خاص میں اُس سے ہمبستری کا حکم۔ قرآن زندگی کا مکمل دستور العمل ہے۔ وہی زندگی جس میں کھانا، پینا، سونا، جنسی خواہش کا پیدا ہونا، بچہ کا باپ یا ماں بننا، سب کچھ داخل ہے۔ زندگی کا ہر شعبہ جو کچھ بھی تعلق تعمیر سیرت سے رکھتا ہے، اس کی بابت ہدایات واحکام وہ لازمی طور پر دے گا۔ وہ محض "بزرگان ملفوظات" کا مجموعہ نہیں۔ معاشیات، معاشرت، اخلاقیات، قانون، غرض انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ کے ضروری ابواب کا ذکر ناگزیر ہے۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہوتا، تو اس ہدایت نامہ کی جامعیت و کاملیت پر حرف آجاتا۔ محيض۔ مصدر میمی ہے معناً حیض کے مرادف و۸۲۴ (جیسا کہ دنیا میں عموماً دوسری قوموں نے بھی سمجھا ہے اور سامی نسل والوں نے علی الخصوص) طب قدیم و جدید دونوں کو مسلّم ہے کہ یہ ایک خاص قسم کا ناقص خون ہے، رنگ و بو و ترکیب میں عام خون سے الگ۔ و۸۲۵ اِعْتَزِلُوْا یہ اعتزال یا عورتوں کو چھوڑے رہنے کا حکم صرف ہمبستری کے عمل خاص تک محدود ہے۔ مجالست و مواکلت وغیرہ عام معاشرت سے اس کا تعلق نہیں۔ بعض قوموں میں عورتیں اپنے اس زمانہ میں نہ دوسروں کے ساتھ کھا پی سکتی ہیں، نہ لیٹ بیٹھ سکتی ہیں، بعض قوموں میں اس زمانہ میں عورت کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا ناپاک سمجھا جاتا ہے۔ بعض مشرک قوموں میں یہ دستور ہے کہ اس زمانہ میں عورت کو میلے کچیلے کپڑے پہنا کر گھر کے ایک الگ گوشہ میں اچھوت بنا کر بٹھا دیا جاتا ہے۔ غرض دوسری قوموں نے عام طور پر اس طبعی ناپاکی سے متعلق بہت مبالغہ آمیز تخیل قائم کر لیا ہے۔ شریعت اسلامی میں اس قسم کے کوئی امتناعی احکام موجود نہیں۔ و۸۲۶ مشرک قوموں نے اس باب میں جو سختیاں روا رکھی ہیں، اُن سے قطع نظر خود توریت کے قانون کا تشدد بھی اس باب میں اپنی مثال آپ ہے۔ عورت اپنے ایام ماہوار کے زمانہ میں خود ہی ناپاک نہیں ہوتی، بلکہ جو شخص یا جو چیز بھی اُس سے چھو جاتی ہے، وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہے اور سلسلہ در سلسلہ یہ ناپاکی متعدی ہوتی جاتی ہے۔ "جو کوئی اسے چھوئے گا شام تک نجس رہے گا...... اور جو کوئی اس کے بستر کو چھوئے، اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے

مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور مصلح (کون) و۸۱۳ اور اللہ اگر چاہتا تو تم کو پریشانی میں ڈال دیتا، و۸۱۴ اللہ یقیناً

عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى

زبردست ہے، حکمت والا ہے و۸۱۵ اور نکاح مشرک عورتوں کے ساتھ نہ کرو جب تک

یُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ

وہ ایمان نہ لے آئیں و۸۱۶ کہ مومنہ کنیز تک بہتر ہے (آزاد) مشرک عورت سے

وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَتّٰى

اگرچہ وہ تمہیں پسند ہو و۸۱۷ اور اپنی عورتوں کو (بھی) مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک

یُؤْمِنُوْا ؕ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ

وہ ایمان نہ لے آئیں و۸۱۸ اور مومن غلام تک بہتر ہے و۸۱۹ مشرک (آزاد) سے اگرچہ وہ

اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ یَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَ اللّٰهُ یَدْعُوْۤا

تمہیں پسند ہو وہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں و۸۲۰ اور اللہ جنت و مغفرت

اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَ یُبَیِّنُ اٰیٰتِهٖ

کی طرف بلا رہا ہے و۸۲۱ اور لوگوں سے اپنے احکام کھول کر

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ وَ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ

بیان کرتا ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں و۸۲۲ اور لوگ آپ سے حیض کا حکم

الْمَحِیْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی

دریافت کرتے ہیں و۸۲۳ آپ کہہ دیجیے کہ وہ ایک (طرح کی) گندگی ہے و۸۲۴ پس تم عورتوں کو حیض کے دوران

الْمَحِیْضِ ۙ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى یَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا

میں چھوڑے رہو و۸۲۵ اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے قربت نہ کرو و۸۲۶ پھر جب وہ

تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ

پاک ہو جائیں، و۸۲۷ تو ان کے پاس آؤ، جس جگہ سے اللہ نے تمہیں اجازت دے رکھی ہے و۸۲۸ بے شک اللہ

يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ نِسَاؤُكُمْ

محبت رکھتا ہے توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتا ہے پاک صاف رہنے والوں سے و۸۲۹ تمہاری بیویاں

حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۖ وَقَدِّمُوا

تمہاری کھیتی ہیں، و۸۳۰ سو تم اپنے کھیت میں آؤ جس طرح چاہو و۸۳۱ اور اپنے حق میں آیندہ کے لئے

لِأَنفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ ۗ

کچھ کرتے رہو و۸۳۲ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے و۸۳۳

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٢٣﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً

اور آپ ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجیے و۸۳۴ اور اللہ (کے نام) کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے

لِّأَيْمَانِكُمْ أَن تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ ۗ

اپنی نیکی کے اور اپنے تقویٰ کے اور اپنی اصلاح خلق کے کاموں کے حق میں حجاب نہ بنا لو و۸۳۵

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٤﴾ لَّا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ

اور اللہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے و۸۳۶ اللہ تمہاری قسموں میں سے

بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا

لایعنی (قسم) پر مؤاخذہ نہ کرے گا البتہ تم سے اس (قسم) پر مؤاخذہ کرے گا، و۸۳۷ جس پر

كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٢٥﴾ لِّلَّذِينَ

تمہارے دلوں نے قصد کیا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا بردبار ہے و۸۳۸ جو لوگ

يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِن

اپنی بیویوں سے (ہمبستری کرنے کی) قسم کھا بیٹھتے ہیں، ان کے لئے مہلت چار ماہ تک ہے و۸۳۹ پھر اگر

کی نجاست اُس پر ہو، تو وہ رات دن تک ناپاک رہے گا، اور ہر ایک بستر جس پر وہ مرد سوئے گا، ناپاک ہو جائے گا'' (احبار۔ ۱۵:۱۹۔ ۲۴) یہ احکام تو خود توریت کے ہوئے۔ باقی فقہاء یہود تو اپنے تشددات میں ان حدود سے بھی کہیں آگے بڑھ گئے ہیں۔ اور ایسی ایسی قیدیں بیچاری عورت پر عائد کردی ہیں کہ گویا وہ عورت نہیں ہے، کوئی بلا ہے۔ ملاحظہ ہو، جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۱۱ صفحہ ۳۰۱ نیز ہیسٹنگز کی ڈکشنری آف دی بائبل، جلد ۴ صفحہ ۸۲۷۔ و۸۲۷ یعنی خون نجس کا آنا بالکل بند ہو جائے، اور عورت غسل کرلے، شریعت میں یہ غسل واجب ہے۔ و۸۲۸ یعنی جائز وفطری طریق کے مطابق۔ اس عام وفطری طریق قربت کے علاوہ، حصول لذت کے اور سارے طریقے ناجائز ہیں۔ و۸۲۹ التَّوَّابِيْنَ توابین اس سیاق میں وہ لوگ ہیں جن سے قوانین بالا کے باب میں کوئی اتفاقی خلاف ورزی ہو جائے، اور وہ بعد کو توبہ کریں، اور اپنی غلطی پر نادم ہوں۔ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ متطھرین اس سیاق میں وہ لوگ ہیں، جو عورت کی مواصلت سے اس کی طبعی ناپاکی کے زمانہ میں محترز رہتے ہیں۔ اسی لفظ سے فقہاء نے اشارۃ النص سے یہ استنباط کیا ہے کہ جو اعمال صریحاً نجس ہیں (مثلاً اغلام) وہ سب حرام ہیں۔ صفائی وطہارت کی یہ روح قرآنی عام ہے۔ اور اس کے تحت میں جسمانی اور ظاہری صفائی پوری طرح آجاتی ہے۔ اسلام کی اس لطافت پسندی، نظافت پسندی، طہارت پسندی کے مقابلہ میں، دوسرے سرے پر وہ مذاہب ہیں، جن میں قرب حق کا ذریعہ صفائی کو نہیں، عین جسمانی گندگی، کثافت وغلاظت کو قرار دیا گیا ہے۔ مشرک قوموں میں جو فرقے اگھور پنتی کے نام سے ہیں، ان کے تفصیلی ذکر سے تو ان صفحات کو نجس کرنے کی جرأت نہیں، خود مسیحیت کی تاریخ میں صدیوں تک راہبوں کے لیے غسل یا جسم کی شست وشو ایک مستقل معصیت رہی ہے۔

و۸۳۰ اور کھیت کہتے ہیں اُس موضع زمین کو جس میں تخم ریزی ہوتی ہے اور اس میں سبزی، غلہ، نباتات کا نشو ونما ہوتا ہے۔ کھیت والے اُسے اپنی بہت بڑی دولت سمجھ کر نہایت درجہ عزیز رکھتے ہیں، اور اُس سے خوب نفع حاصل کرتے ہیں۔ اسلام نے ہمبستری کا اصل مقصد طلب اولاد ہی کو رکھا ہے، گو اُس کے دوسرے پہلو یعنی طلب لذت کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ و۸۳۱ (اس تشبیہ اور اس کے مضمرات کو خوب سوچ سمجھ کر) فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ۔ کنایہ ہے عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے۔ اور قرآن حکیم ایسے موقعوں پر اکثر کنایہ ہی سے کام لیتا ہے۔ فقہاء مفسرین نے یہیں سے استنباط کیا ہے کہ ہر ایسے موقع پر مسلمان کو یہی چاہیے کہ حتی الامکان بات اشارہ کنایہ ہی میں کہے۔ فاتوا حرثکم من الکنایات اللطیفۃ والتعریضات المستحسنۃ فعلی کل مسلم ان یتأدب بھا و یتکلف مثلھا فی المحاورات و المکاتبات (مدارک) حَرْثَكُمْ۔ ''کہاں'' کا یہ جواب خوب ملحوظ رہے۔ اتیان یا داخلہ کھیت ہی میں ہونا چاہیے۔ قبول تخم کے موضع یا عضو میں ہونا چاہیے، نہ کہ اس کے علاوہ یا اس سے خارج کسی اور موقع ومحل میں۔ ای نساؤکم مزرع اولادکم فاتوا مزرعکم کیف شئتم و این شئتم (ابن جریر) أَنّٰى۔ اَنّٰی کے مشہور و معروف معنی کیف اور این کے ہیں۔ یعنی جس طرح کے، جس کیفیت کے ساتھ کے، اور جدھر سے، جس جہت سے کے۔ للبحث عن الحال والمکان (راغب) ھو بمعنی این و کیف (راغب) قرآن مجید میں انّٰی کیف کے معنی میں آیا ہے۔ مثلاً انّٰی یحیی ھٰذہ اللہ بعد موتھا۔ یہاں انّٰی یحیی صاف کیف یحیی کے معنی میں ہے۔ یا پھر انّٰی یکون لی غلام۔ اس آیت میں بھی قرآنیات کے بہترین ماہرین، ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی نے اور مجاہد، قتادہ، عکرمہ وغیرہ تابعین نے انّی کو اسی معنی میں لیا ہے۔ یاتیھما کیف شاء (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما وعکرمہ ومجاہد) ای کیف شئتم (ابن جریر۔ عن السدی) انّی حرف استفھام یکون سوالاً عن الحال والمحل معناہ کیف شئتم و حیث شئتم بعد ان یکون فی صمام واحد (معالم) گویا یہاں صاف رد ہو رہا ہے یہود کا جو مباشرت کی صرف ایک ہی وضع وہیئت کو جائز سمجھتے تھے، اور باقی سب کو ناجائز۔ متعدد آثار وروایات اسی مضمون کے تفسیروں میں منقول ملیں گے۔ اور آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ کھڑے ہونے، بیٹھے رہنے، چت لیٹے رہنے، پٹ لیٹنے، کروٹ کے بل لیٹنے کی ساری ہیئتیں جائز ہیں۔ ای کیف شئتم من قیام و قعود و اضطجاع واقبال و ادبار (جلالین) دوسرے معنی اَنّٰی کے این کے، یعنی جدھر کے، جس رُخ کے ہیں۔ اور اس معنی کو لے کر بعض گندہ مذاق لوگوں نے اس کی تشریح میں اپنی گندہ سیرتی کے عجیب عجیب مظاہرے کیے ہیں، حالانکہ ظاہر ہے کہ موضع ومحل میں کسی تبدیلی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ابن کثیر نے تو اس معنی پر ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وشافعی رحمۃ اللہ علیہ واحمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیسے ائمہ فقہ اور ان کے شاگردوں اور بہت سے تابعین کا اجماع نقل کرکے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اس معنی سے تجاوز کرکے جواز ڈھونڈھنے والوں کا ان تمام علماء وفقہاء نے شدت سے انکار کیا ہے، بلکہ بعض نے تو اس تجاوز کو کفر کے حکم میں داخل کردیا ہے۔ انھم انکروا ذٰلک اشد الانکار و بینھم من یطلق علی فعلہ الکفر وھو مذھب جمھور العلماء۔ موضع ومکان تو بہرحال متعین ہے۔ آزادی صرف اسی موضع ومکان میں داخلہ کے لیے، ہر رخ، ہر جہت کی دی جا رہی ہے۔ ای علی ایّ شیٍٔ من الاحوال و ذٰلک فی مکان الحرث (بحر) سئل ابن عباس عن الذی یاتی امرأتہ فی دبرھا فقال ھذا یسالنی عن الکفر (جصاص) من حیث شئتم وای وجہ احببتم (ابن جریر) لیکن ان دو معروف ومتداول معنوں کے علاوہ اَنّٰی کے ایک تیسرے معنی مَتٰی، یعنی جب اور جس وقت کے بھی نقل ہوئے ہیں۔ گویا اَنّٰی یہاں ظرف زمان کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ ضحاک تابعی اور بعض محققین قرآن اس طرف گئے ہیں۔ انّی بمعنی متی قال الضحاک (بحر) ای متی شئتم (ابن جریم۔ عن الضحاک) ای فی متی زمان اردتم (بحر) متی شئتم من لیل و نہار (کبیر) ای وقت شئتم من اوقات الحل (کبیر) انّی

شنتم من اللیل و النہار (ابن جریر۔ عن ابن عباس ﷺ) جس خدا کی بنائی ہوئی دنیا کی عملی زندگی میں اس قسم کے سوالات ومسائل روزمرہ پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اُسی خدا کے اُتارے ہوئے ہدایت نامہ میں اگر ان سے متعلق ہدایات واحکام نہ ہوتے، تو یہ بہت عجیب سی بات ہوتی۔ ف۸۳۲ آئندہ کے لیے کچھ بھیجنے کی چیز عمل صالح ہی ہوسکتے ہیں۔ یہ گویا اس کی تاکید ہے کہ عین لذت والتذاذ کے مشغلوں کے وقت بھی اپنی عبدیت کو، اپنی ذمہ داری کو بھول نہ جاؤ۔ تمامتر لذت پرستی ہی میں غرق نہ ہوجاؤ، بلکہ ہوسکے تو اپنی لذتوں کو بھی عین طاعت وعبادت بنالو۔ ف۸۳۳ (کہ اسی کا استحضار ہر تقوٰی وخشیت کو آسان بنادے گا) آیت میں تعلیم اس کی ہے کہ مومن کے ہاتھ سے تقوٰی الٰہی کا سررشتہ کسی حال میں نہ چھوٹنے پائے۔ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ۔ یعنی ہر حال میں، ایام حیات کے ہر ہر لمحہ میں، تقوائے الٰہی پر قائم رہو۔ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ۔ قرآن مجید صرف احکام ہی نہیں دیتا، بلکہ وہ طریقہ اور تدبیر بھی بتاتا جاتا ہے جن سے ان احکام پر عمل آسان ہوجائے۔ حکم ابھی تقوٰی الٰہی کا ملا ہے، اور اب اس کی آسان تدبیر ارشاد ہورہی ہے کہ وہ لقاء آخرت کا استحضار ہے۔ وَ اعْلَمُوْۤا سے محض جان لینا مراد نہیں، بلکہ اس علم کا تروتازہ رکھنا مراد ہے۔ ف۸۳۴ (اے پیغمبر!) یہاں جو اہل ایمان مراد ہیں، ان کے صفات ابھی اوپر بیان ہوچکے ہیں کہ وہ اعمال صالحہ کا اہتمام رکھتے ہیں (قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ) اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں (وَ اتَّقُوا اللّٰہَ) اور جزاوسزا کا عقیدہ تروتازہ رکھتے ہیں (وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ) ف۸۳۵ عرب جاہلیت کے جاہلانہ دستوروں میں سے ایک دستور یہ تھا کہ خدا کی قسم کھا کر یہ کہہ بیٹھتے تھے کہ ہم فلاں اور فلاں کام نیکی کا تقوٰی کا، اصلاح خلق کا نہ کریں گے۔ اور جب کوئی کہتا تو یہی عذر پیش کردیتے کہ ہم تو اس کی قسم کھا چکے ہیں! ان اعمال خیر کا ترک یوں بھی ہر صورت میں مذموم تھا، چہ جائیکہ حضرت حق کے اسم بزرگ اور اس کی قسم کو بجائے قرب حق کے اس سے دوری کا ذریعہ بنالیا جائے! — آیت اسی شعار جاہلی کی تردید میں ہے۔ عُرْضَةً کے عام ومتداول معنٰی ہدف یا نشانہ کے ہیں اور بعض نے یہاں بھی یہی معنٰی رکھے ہیں۔ عرضة لایمانکم ای نصبًا لھا (جوہری) جعلته عرضته لکذا نصبتہ له (قاموس) لیکن ایک دوسرے معنٰی حجاب یا مانع کے بھی ہیں، اور یہاں یہی زیادہ چسپاں ہیں۔ ای حاجزًا لما حلفتم علیه (کشاف) قالوا العرضة عبارة عن المانع (کبیر) فقہاء نے بلاضرورت اور کثرت سے قسمیں کھاتے رہنے کو یوں بھی ناپسند کیا ہے کہ اس میں اللہ کے نام کی بے توقیری ہے۔ چہ جائیکہ قصداً جھوٹی قسمیں کھانا! ف۸۳۶ سَمِیْعٌ۔ خوب سننے والا تمہارے اقوال کا۔ اس لیے ہر بات سوچ سمجھ کر منہ سے نکالو۔ عَلِیْمٌ خوب جاننے والا تمہارے احوال کا۔ اس لیے نیت میں ہر وقت اخلاص رکھو۔ ف۸۳۷ یعنی گرفت ان قسموں پر ہوگی، جن میں جھوٹ کی آمیزش بالقصد کی گئی ہے۔ آخرت میں بھی انہی پر داروگیر ہے، اور دنیا میں بھی ان کے لیے کفارہ ہے۔ بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِكُمْ۔ مراد ان قسموں سے ہے، جو ناواقفیت کی بنا پر یا بے خیالی میں محض عادۃً زبان سے نکل جاتی ہیں، اور جھوٹ کی آمیزش ان میں بلاقصد ہو جاتی ہے۔ فقہاء نے اس نوعیت کی ساقط الاعتبار قسموں کی کئی قسمیں کی ہیں، ان کا تعلق ماضی کے واقعات سے بھی ہوسکتا ہے اور آئندہ کے ارادوں سے بھی۔ اُن کی تفصیلات اور ان کے احکام کتب فقہ میں ملیں گے۔ ف۸۳۸ غَفُوْرٌ۔ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ چنانچہ اسی شانِ غفر کا تقاضہ ہے کہ اُس نے لایعنی قسموں پر مؤاخذہ کو معاف کردیا۔ حَلِیْمٌ۔ وہ بڑا بردبار ہے۔ چنانچہ اسی شان حلم کا تقاضہ ہے کہ اُس نے ارادی جھوٹی قسموں پر بھی سزا فوراً نہ دی بلکہ قیامت تک کے لیے ملتوی کردیا ف۸۳۹ ایلاء۔ عرب جاہلی کا ایک شعار یہ بھی تھا، کہ شوہر غصہ میں آکر قسم کھا بیٹھتے تھے کہ اپنی بیویوں سے ہمبستری نہ کریں گے۔ اصطلاح میں اس کو ایلاء کہتے ہیں۔ لاخلاف انه قد اضمرت فیه الیمین علی ترک الجماع (جصاص) شریعت اسلامی نے اس میں جو اصلاحیں کیں، اور اس باب میں جو احکام دیے یہاں ان کا ذکر ہے۔ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ۔ عرب جاہلی ایلاء کرلینے کے بعد، جو ایک طرح کی طلاق ہی تھی، بیوی کے نان ونفقہ اور ہر قسم کے ادائے حقوق سے معاً دستبردار ہوجاتے تھے۔ اسلام نے اس کی ایک اصلاح یہ کی، کہ اس کو خلع نکاح یا فسخ نکاح کا مرادف نہیں، بلکہ اُس کی صرف تمہید قرار دے کر غور وفکر کے لیے ایک مدت مقرر کردی۔ اور پھر اس مدت کی میعاد چار مہینے کی رکھی، جو اس کے لیے بالکل کافی ہے کہ سارے پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے غور کرلیا جائے ف۸۴۰ فَاِنْ فَآءُوْ۔ یعنی اگر رجوع کرلیں اپنے قصد ترکِ تعلق سے، اور رشتۂ نکاح کو برقرار رکھیں۔ الفئ الرجوع الی الشئ (جصاص) غَفُوْرٌ۔ بڑا مغفرت والا ہے، چنانچہ ایسی قسم توڑنے کا گناہ ایک خفیف سے کفارہ کے بعد معاف کردے گا۔ رَحِیْمٌ۔ بڑا مہربان ہے، چنانچہ شوہر جواب از سرنو ادائے حقوق پر متوجہ ہوگیا ہے، اس پر وہ رحمت سے نظر کرے گا ف۸۴۱ (اتنے دنوں کے غور وفکر کے بعد بھی) طلاق نام ہے زن وشوہر کے باہمی تعلق کے باضابطہ وکامل انقطاع کا۔ اسلام سے قبل دنیا میں طلاق سے متعلق عجب افراط وتفریط قائم تھی۔ افراط یہود کے ہاں تھی اور تفریط مسیحیوں کے ہاں۔ یہود کے ہاں نہ کوئی قید طلاق پر عائد تھی، نہ شوہر پر اس باب میں کوئی ذمہ داری تھی۔ اُس کا جب جی چاہتا وجہ بلاوجہ، بس ایک طلاق نامہ لکھ کر بیوی سے چھٹکارا حاصل کرلیتا۔ بیوی اسی وقت دوسرا امرد کرسکتی تھی۔ توریت کے قانون کے الفاظ یہ ہیں:۔ ”اگر کوئی مرد کوئی عورت لے کے اس سے بیاہ کرے، اور بعد اس کے ایسا ہو کہ وہ اس کی نگاہ میں عزیز نہ ہو، اس سبب سے کہ اُس نے اس میں سے کوئی پلید بات پائی، تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کے اُس کے ہاتھ دے، اور اسے اپنے گھر سے باہر کرے۔ اور جب وہ اس کے گھر سے نکل گئی، تو جاکے دوسرے مرد کی ہووے“۔ (استثناء۔ ۲۴:۱و۲) اُس آزادی اور بے قیدی کے مقابلہ میں مسیحیوں نے یہ سختی اور تنگی اختیار کی کہ زن وشو میں علیحدگی کی کوئی گنجائش ہی نہ رکھی۔ انجیل کے الفاظ ہیں:۔ ”جسے خدا نے جوڑا ہے اُسے آدمی جدا نہ کرے...... جو

فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَ اِنْ عَزَمُوا

یہ لوگ رجوع کرلیں، تو اللہ بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے ف۸۴۰ اور اگر طلاق (ہی) کا پختہ ارادہ

الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَ الْمُطَلَّقٰتُ

کرلیں ف۸۴۱ تو بے شک اللہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ف۸۴۲ اور طلاقنیں

یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَ لَا یَحِلُّ لَهُنَّ

اپنے کو تین میعادوں تک روکے رہیں ف۸۴۳ اور ان کے لئے یہ جائز نہیں

اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْۤ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ

کہ اللہ نے ان کے رحموں میں جو پیدا کر رکھا ہے اسے وہ چھپائے رکھیں ف۸۴۴ اگر وہ

كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ

اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہیں ف۸۴۵ اور ان کے شوہر ان کے واپس لے لینے کے اس (مدت) میں زیادہ

بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْۤا اِصْلَاحًا ؕ وَ لَهُنَّ

حقدار ہیں، ف۸۴۶ بشرطیکہ اصلاح حال کا قصد رکھتے ہوں ف۸۴۷ اور عورتوں کا (بھی) حق ہے

مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ

جیسا کہ عورتوں پر حق ہے ف۸۴۸ موافق دستور (شرعی) کے ف۸۴۹ اور مردوں کو ان کے اوپر ایک گونہ

دَرَجَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۸﴾ ع اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪

فضیلت حاصل ف۸۵۰ ہے، اور اللہ بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۸۵۱ طلاق تو دو ہی بار کی ہے ف۸۵۲

فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ

اس کے بعد (یا تو) رکھ لینا ہے قاعدے کے مطابق یا پھر خوش عنوانی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے، ف۸۵۳

وَ لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْـًٔا

اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو مال تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو ف۸۵۴

ع ۲۸ / ۱۲

کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دُوسری سے بیاہ کرے، وہ اُس پہلی کے خلاف زنا کرتا ہے۔ اور اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دے، اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے۔" (مرقس۔ ۱۰:۷۔۱۲) "میں نہیں بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی شوہر سے علیحدہ نہ ہو"۔ (ا۔کرنتھیون۔ ۷:۱۰) چنانچہ مسیحی آبادی کے سوادِاعظم یعنی فرقہ کیتھولک کے ہاں تو طلاق مطلقاً ناجائز ہے۔ اور بجز موت کے کوئی صورت میاں بیوی میں افتراق کی ممکن نہیں۔ اور یہی فرقہ اسلام سے قبل موجود تھا۔ پروٹسٹنٹ فرقہ ظہور اسلام سے صدیوں بعد پیدا ہوا۔ اس کے ہاں البتہ اجازت ہوئی ہے۔ لیکن صرف اس صورت میں کہ پہلے عدالت میں کسی ایک فریق کا ارتکابِ زنا یا ظلم وجور ثابت ہولے! یہ حال اُن قوموں کا تھا، جو اہل کتاب تھیں۔ یعنی بہرحال اُن کے قانون کی بنیاد آسمانی کتابوں ہی پر تھی۔ رہیں قدیم جاہلی اور مشرک "مہذب" "ترقی یافتہ" قومیں۔ سو ایک طرف یونانیوں میں، ہندوؤں میں، اور ایک عہد خاص تک رومیوں میں طلاق سے کوئی واقف ہی نہ تھا۔ بلکہ ہندو مذہب میں تو آج تک طلاق ناجائز چلی آرہی ہے۔ گو حالات سے مجبور ہو کر اُس کے جائز کرانے کے آج بڑے زور انگریزی ہند میں بھی اور ریاستوں میں بھی کاؤنسلوں اور اسمبلیوں میں لگائے جارہے ہیں۔ دوسری طرف رومیوں میں عہد جمہوریت کے خاتمہ پر، طلاق کے جائز ہونے کے ساتھ ہی اس کا جو زور بندھا تو گویا شرافت اور طلاق لازم وملزوم ہوگئے! دنیا کے دوسرے بڑے بڑے مذہبوں اور بڑی بڑی "مہذب" قوموں کی یہ بے اعتدالیاں اور افراتفریاں پیش نظر رہیں، جب جا کر شریعت اسلام کی حکمتوں اور اس کے پیدا کیے ہوئے توازن واعتدال کی قدر ہوگی۔ اسلام نے فطرت بشری کا بالکل صحیح اندازہ کر کے یہ حکم دیا کہ جب زوجین میں ناموافقت لاعلاج حد تک پہنچ جائے (اور اس ناموافقت کے اسباب کا احاطہ واستقصاء ممکن ہی نہیں، ہر شخص کے لیے کہنا چاہیے کہ الگ الگ ایک سبب ومحرک ہوتا ہے) اور دوسری صورتیں موافقت پیدا کرنے کی ناکام ہولیں، تو آخری علاج یہ ہے کہ فریقین ہنسی خوشی اور باضابطہ معاہدۂ نکاح کو فسخ کر کے ایک دوسرے سے مستقل علیحدگی اختیار کرلیں۔ اور اسی کا اصطلاحی نام طلاق ہے۔ اور اس انقطاعی عمل کو بھی مطلق نہیں چھوڑ دیا ہے، بلکہ اس پر متعدد پابندیاں بھی عائد کردی ہیں۔ آگے ذکر انہیں قیود وشرائط کا آئے گا و۸۴۲ (اس لیے خوب اپنی ذمہ داری محسوس کر کے عمل کا کوئی قدم اٹھاؤ) سَمِیۡعٌ۔ وہ تو بڑا سننے والا ہے۔ اس لیے زن وشوہر کے ظاہر قول کو اور شوہروں کی قسموں کو، سب کو سنتا رہتا ہے۔ عَلِیۡمٌ۔ وہ بڑا جاننے والا ہے، اس لیے زن وشوہر کے دلوں کے اندر کی مخفی باتوں کو جانتا ہے، اُن کے ارادوں سے واقف ہے، اور ان کے مناسب حال ہی حکم دیتا ہے۔ آیات کے آخر میں صفات باری کا اثبات محض یوں ہی اٹکل سے نہیں ہوتا۔ ہمیشہ پُرمعنی اور سیاق کلام کے لحاظ سے بلیغ ہی ہوتا ہے۔ یہاں مقصود زن وشوہر کو، خصوصاً شوہروں کو، ان کی ذمہ داریوں پر متنبہ کرنا ہے، اس لیے انہی صفات باری کا لانا موزوں ومناسب ہوا و۸۴۳ (دوسرے نکاح سے) اَلۡمُطَلَّقٰتُ، لفظی معنی کے اعتبار سے ہر طلاق عورت کے لیے وسیع ہے۔ لیکن یہاں مراد صرف ان بیویوں سے لی گئی ہے جو آزاد ہوں (کنیز شرعی نہ ہوں) بالغ ہوں (نابالغ نہ ہوں) اور جن سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہو (غیر ملموس نہ ہوں) یہاں احکام صرف انہی آزاد شوہر دیدہ بیویوں سے متعلق بیان ہوں گے، دوسری قسم کی عورتوں کے طلاق کے احکام دوسرے مقامات پر ملیں گے۔ المراد المدخول بهن من ذوات الاقراء (مدارک) ای ذوات الاقراء من الحرائر المدخول بهن (روح) یَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ۔ اپنے کو روکے رہیں۔ یہ نہ ہو کہ اِدھر شوہر نے طلاق دی، اور اُدھر بیوی نے معاً دوسرا شوہر کر لیا۔ یہ پہلی پابندی طلاق پر عائد ہوئی۔ اس سے پہلے نکاح سے آزادی کے بعد کا جو تعطل کا زمانہ ہے، اسے اصطلاح شریعت میں عدت کہتے ہیں۔ عورت کے لیے انتظار کی اس مدت متعین میں متعدد حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ ایک طرف تو شوہر کو ٹھنڈے دل سے غور وفکر کا پورا موقع مل جاتا ہے، دوسری طرف عورت کے حمل کی بابت پوری تحقیق ہوجاتی ہے۔ دوسرے مذہب اور دوسری قومیں سب شریعت اسلامی کے قائم کیے ہوئے زمانہ تعطل ووقفہ کے مصالح وفوائد سے محروم ہیں! ثَلٰثَةَ قُرُوۡٓءٍ۔ قرء کے لفظی معنی محض ایک زمانہ معلوم یا مدت متعین کے ہیں۔ اصل القرء فی كلام العرب الوقت (ابن تیمیہ) اهل اللغة اتفقوا علی ان القرء الوقت (ابن العربی) لیکن اس سے میعاد کا آغاز بھی مراد ہوسکتا ہے اور میعاد کا اختتام بھی۔ دونوں مفہوم ایک دوسرے کے متضاد ہیں، لیکن لغت عرب میں دونوں ہی مستعمل ہیں۔ قال ابو عبيدة الاقراء من الاضداد فی كلام العرب (کبیر) واصل القرء فی كلام العرب الوقت لمجیء الشیٔ المعتاد مجیئه لوقت معلوم ولادبار الشیٔ المعتاد ادباره لوقت معلوم (ابن جریر) كلمة محتملة للطهر والحيض (ابن العربی) اسی لیے یہاں بھی اہل شرح وتفسیر کے دو گروہ ہوئے ہیں۔ ایک جماعت نے طہر یا پاکی قرار دیئے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہی معنی مروی ہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسی طرف گئے ہیں۔ قالت عائشة الاقراء الاطهار (جصاص) والمراد بالقرء عند الشافعی الانتقال من الطهر الی الحيض (روح) لیکن دوسری طرف حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم جیسے تیرہ صحابیوں کا قول یہ نقل ہوا ہے کہ یہاں قرء حیض یا ناپاکی کے معنی میں ہے (جصاص) اور یہی قول امام ثوری، امام اوزاعی، امام ابوحنیفہ اور تمام فقہائے حنفیہ کا ہے۔ قال اصحابنا جميعًا الاقراء الحيض وهو قول الثوری والاوزاعی والحسن بن صالح (جصاص) اور ائمہ لغت ولسان سے بھی سند اس معنی کی زیادہ مل رہی ہے۔ يقال اقرءت المرأة اذا حاضت ذكره الاصمعی والكسائی والفراء (جصاص) قرأت المرأة رأت الدم واقرأت صارت ذات قرء (راغب) والقرء فی الحقيقة اسم للدخول فی الحيض عن طهر (راغب) ثلاثة قروء ای ثلاثة احياض وقول من الطهر وفی الحيض۔ اور فقہاء حنفیہ نے حدیث نبوی سے قرء کے اس معنی پر شہادت بہم پہنچائی ہے۔ ملاحظہ ہو جصاص، جلد اوّل صفحہ ۳۲۳۔ بہرحال حنفیہ کے ہاں کا متفقہ مسئلہ یہی ہے کہ عورت اپنے تین ایام ماہواری کے آنے تک اپنے کو عدت میں سمجھے۔ اور اس مدت میں نکاح ثانی اپنے لیے جائز نہ سمجھے و۸۴۴ اس لیے کہ چھپانے کی یہ کوشش زمانہ عدت کے شمار وحساب میں خلل انداز ہوگی، اور اس طرح شریعت نے جو مصلحتیں اس کے اندر رکھی ہیں وہ ضائع ہوکر رہیں گی) مَا خَلَقَ اللّٰهُ میں مَا کا لفظ عام ہے۔ رحم کے اندر جو چیز بھی ہو، جاندار بچہ ہو، یا ایام ماہواری کا خون ہو، دونوں پر شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خواہ حمل قائم ہوچکا ہو، خواہ ایام ماہواری کا دور چل رہا ہو، کوئی بھی صورت حاصل ہو، اسے چھپانا نہ چاہیے و۸۴۵ دنیا کے ہر علم وفن کا یہی حال ہے کہ وہ جس درجہ مکمل ومنظم ہوگا، اسی قدر اس کا ہر جزو دوسرے اجزاء سے مربوط ومرحبط ہوگا۔ شریعت اسلامی جملہ دنیوی علوم وفنون سے منظم تر ہے۔ اس لیے قدرۃً اس کے کسی معمولی جزئیہ کی طرف سے بھی بے التفاتی، دوسرے اجزاء حیات پر لازمی طور پر مؤثر ہوگی۔ آیت کا یہ جزو بڑھا کر گویا یہ تاکید وتصریح کردی ہے کہ جس کسی کو اللہ کی ہمہ گیر حکومت اور آخرت کی بازپرس کا پورا عقیدہ ہے اس کی یہ شان نہیں کہ ایک جزئیہ کی بھی خلاف ورزی کی دانستہ جسارت کرسکے و۸۴۶ (اور یہ واپسی بلا تجدید نکاح ہوجائے گی) فِیۡ ذٰلِكَ۔ یعنی تین مہینے کی میعاد ومدت کے اندر۔ ای فی ذلك التربص (مدارک) اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ۔ اس سے اشارۃً یہی نکلتا ہے کہ جہاں تک ہوسکے اُسے پختہ نہ ہونے دے اور میاں بیوی از سرنو آباد ہوجائیں۔ طلاق کو شریعت الٰہی نے صرف ضرورت کے موقع پر بہ طور علاج اور آخری تدبیر کے جائز رکھا ہے، خواہ مخواہ اس کی ترغیب نہیں دی ہے، اور نہ بلاضرورت اسے پسند فرمایا ہے۔ اور حدیث نبوی میں جو اسے ابغض المباحات سے تعبیر فرمایا ہے، یعنی اللہ کی قانوناً جائز ٹھہرائی ہوئی چیزوں میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند، وہ اسی حقیقت کی ترجمانی ہے۔ تین مہینہ کی مدت غور وفکر کے لیے اور ناگواری وبیزاری کے ہنگامی جذبات کے سرد پڑجانے کے لیے بہت ہوتی ہے۔ اس اثناء میں اگر شوہر بیوی کو واپس لینا چاہے، تو طلاق کو قول یا عمل سے منسوخ کرسکتا ہے، اور اسی کو اصطلاح میں رجعت کہتے ہیں و۸۴۷ (اس رجوع ورجعت سے۔ نہ یہ کہ فسخ طلاق سے مزید اذیت رسانی مقصود ہو۔ اگرچہ رجعت کا نفاذ قانونی وظاہری بہرصورت ہوجائے گا) قانونی احکام اور اخلاقی ہدایات دو الگ الگ چیزیں ہیں، قانونِ ظاہری کا نفاذ اسی دنیا تک ہے۔ مومن کو اپنا معاملہ حق تعالیٰ سے درست رکھنا چاہیے، کہ اجر وترقی درجات کا مدار اسی پر ہے۔ اسی لیے قانونی احکام کے بیچ بیچ تصحیح نیت واخلاص کی تاکید برابر آتی جاتی ہے۔ و۸۴۸ یہ قرآنی بلاغت کا اعجاز ہے کہ اتنا بڑا مضمون اتنے مختصر سے فقرہ میں آگیا۔ اُردو میں یہ مضمون یوں ادا ہوگا:۔ جس طرح مردوں کا حق عورتوں پر ہے، اُسی طرح عورتوں کا حق بھی مردوں پر ہے۔ گویا دنیا کو یہ بتایا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ بس مردوں کے حقوق عورتوں پر اور شوہروں ہی کے حقوق بیویوں پر ہوتے ہیں، نہیں، بلکہ اسی طرح عورتوں کے بھی حقوق مردوں پر اور بیویوں کے حقوق بھی شوہروں کے ذمہ عائد ہوتے ہیں۔ حقوق نسواں کا یہ نام عرب کے ایک امی کی زبان پر اُس وقت لایا جارہا ہے، جب کہ دنیا کی دنیا اس تخیل سے ناواقف تھی اور یہودیت ونصرانیت کی مذہبی دنیا میں تو عورت گویا ہر برائی کا سرچشمہ تھی، اور ذلت وحقارت کا ایک مرقع۔ یہود کی معتبر ومستند جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ "معصیت اوّل چونکہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوئی تھی، اُس کو شوہر کا محکوم کر کے رکھا گیا، اور شوہر اس کا حاکم ہے۔ شوہر اس

کا مالک وآقا ہے اور وہ اس کی مملوکہ ہے"۔ (جلد ۶ صفحہ ۵۰۸) اور مسیحی دنیا سے متعلق، مسٹر لیکی Lecky فرنگی مسیحی اپنی تاریخ اخلاق یورپ History of European Morals میں لکھتے ہیں "عقیدہ یہ تھا کہ عورت جہنم کا دروازہ ہے اور تمام آفاتِ بشری کا باعث ہے۔ اُسے اپنے کو ذلیل سمجھتے رہنے کے لیے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ عورت ہے"۔ (جلد ۳ صفحہ ۱۴۲) یہ حال وقت کے اونچے اونچے مذہبوں کا تھا۔ شرک وجاہلیت کے پست مذہبوں کا ذکر ہی بے کار ہے۔ اور خود ملک عرب کا یہ حال تھا کہ عورتیں گویا انسان نہیں، جانور یا جائیداد ہیں، کہ شوہر کے بعد بیویاں بھی ترکہ میں سوتیلے بیٹوں کی ملک وتصرف میں آنے لگی تھیں۔ مِثْلُ الَّذِیْ۔ یہ مثلیت ومماثلت کس لحاظ سے ہے؟ کیفیت یا کمیت کے اعتبار سے نہیں، بلکہ نفس وجوب کے لحاظ سے ہے۔ والمراد بالمماثلة الواجب فی کونه حسنة لا فی جنس الفعل (کشاف) اے فی الوجوب و استحقاق المطالبة علیها (بیضاوی) یعنی شوہر کہیں اس بھول میں نہ پڑ جائیں کہ اُن کے صرف حقوق ہی حقوق ہیں اور فرائض کچھ نہیں۔ فرائض ان پر بھی اسی طرح عائد ہوتے ہیں جس طرح ان کی بیویوں پر۔ اسی طرح بیویاں بھی کہیں اس افراط "روشن خیالی" میں نہ مبتلا ہو جائیں کہ خدمت کرنا ہمارا کام نہیں، یہ کام سب مردوں کا ہے، ہمارا کام خدمت لینا ہے ف۸۴۹ لیکن حقوق باہمی کا آخر معیار کیا ہے؟ آیت کا یہ ٹکڑا اسی سوال کا جواب ہے۔ یعنی ان حقوق کے جزئیات وتفصیلات کو شریعت ہی کے اصول وکلیات کے ماتحت ہونا چاہیے، یا پھر عقل سلیم کے ماتحت۔ اے بالوجه الذی لا ینکر فی الشرع و عادات الناس (مدارک) یہ نہیں کہ محض ہوائے نفس سے یا جاہلی مزعومات کے ماتحت کوئی دستور گڑھ لیا جائے، اور ان کا نام "ضابطۂ حقوق نسواں" رکھ دیا جائے! ف۸۵۰ تہذیب جاہلی ہر زمانہ میں عجیب عجیب بے اصل اور تمام تر غلط دعوے کرتی رہتی ہے، اور بعد کو ان دعووں کی عملی تردید بھی ہوتی رہتی ہے۔ تہذیب جدید کے انہی بے بنیاد مفروضوں میں سے ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ مرد و عورت ہر حیثیت اور ہر اعتبار سے ہم درجہ ہیں...... محض دعویٰ، کتنی ہی کثرت سے دہرایا جائے، دعویٰ ہی رہے گا، دلیل نہ بن جائے گا۔ قرآن ابھی ابھی جاہلیت ہی کے ایک مفروضہ کی تردید میں کہہ چکا ہے کہ عورت بے حقی نہیں ہے، وہ بھی مردوں کی طرح اپنے حقوق رکھتی ہے۔ اب وہ جاہلیت کے دوسرے دعوی کی تردید میں بے دھڑک اعلان کر رہا ہے کہ دونوں جنسوں میں مساوات مطلق و مساواتِ کامل نہیں، بلکہ مرد کو عورت پر ترجیح وفضیلت حاصل ہے۔ دَرَجَةٌ۔ قرآنی لفظ دَرَجَةٌ خوب خیال میں رہے۔ مرد عورت کے مالک نہیں، عورت اس کی کنیز یا باندی نہیں، بلحاظ حقوق دونوں ایک سطح پر ہیں۔ پھر بھی مرد کو عورت پر ایک گونہ فضیلت وترجیح حاصل ہے۔ معناه فضیلة فی الحق (معالم) اے زیادة فی الحق (کشاف) جدید علوم وطبیات کے ماہرین جنھوں نے مرد وزن کی جسمانی ساخت وترکیب، دماغی وذہنی قویٰ اور طبعی خصوصیات کے مطالعہ وتحقیق میں عمریں بسر کر دی ہیں، ان کی بڑی جماعت آخر اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے متمم ومکمل ہیں، تاہم بہ لحاظ قوت وبہ لحاظ عقل مرد ہی کو فضیلت حاصل ہے۔ اور عورت جن ملکوں میں مردوں کے برابر ثابت ہوئی ہے وہاں اپنی نسائیت کا خون کر کے۔ ف۸۵۱ معاشرت انسانی اور معاملات باہمی کے بہت سے صیغوں کے اہم مسائل اس آیت میں آگئے۔ اس لیے حق تھا کہ آیت کا خاتمہ ان ہی صفات باری کے اثبات پر کیا جائے۔ عَزِیْزٌ۔ وہ بڑی قوت والا ہے۔ ہر مانع پر غالب۔ جو احکام وہ چاہے دے سکتا ہے۔ حَکِیْمٌ۔ لیکن ساتھ ہی وہ بڑا حکمت والا بھی تو ہے، اس لیے وہ وہی احکام دیتا ہے جو بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں کے جامع ہوتے ہیں۔ بندوں بیچاروں کی نظریں وہاں تک پہنچ کہاں سکتی ہیں ف۸۵۲ (جب تک کہ واپسی کی گنجائش باقی ہے) طلاق سے یہاں مراد طلاق رجعی ہے۔ دو بار تک الفاظ طلاق ادا کرنے پر رجوع کر لینے کی گنجائش باقی رہتی ہے ف۸۵۳ یعنی دو ماہ کے بعد، تیسرے مہینہ۔ تیسری پاکی کے زمانہ میں، یا زبان سے الفاظِ طلاق ادا کرے، یا خاموش رہے، دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی، اور اب بغیر کسی دوسرے شوہر سے نکاح کیے اور طلاق پائے، اس پہلے شوہر سے نکاح درست نہ رہے گا۔ تو ایک صورت تو یہ ہوئی کہ اب پختہ ارادہ کر کے اس طلاق کو مکمل اور قطعی کر دیا جائے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ آخری گنجائش سے فائدہ اٹھا کر طلاق واپس لے لی جائے، اور تعلق زناشوئی از سر نو قائم ہو جائے۔ فَإِمْسَاكٌ۔ یعنی اس کچی طلاق پائی ہوئی بیوی کو رجعت کر کے پھر اپنے پاس رکھ لینا ہے۔ بِمَعْرُوْفٍ۔ یعنی قواعد شرعی کے مطابق۔ تفصیلی احکام طلاق کتب فقہ میں ملیں گے۔ بِإِحْسَانٍ۔ یعنی طلاق سے مقصود رفع نزاع ہو۔ ناخوشگوار صورت حال کا خاتمہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ عورت کی دل شکنی، تحقیر وتذلیل مقصود ہو۔ قرآن مومن کے خاندان کی، اس کے گھر بار کی کتنی عزت وحرمت ملحوظ رکھتا ہے! اس کی بے حرمتی کسی حال میں اُسے گوارا نہیں۔ آج مسلمان کو خود اپنی اور اپنے خاندان کی عزت وحرمت کا اتنا خیال بھی ہوتا جتنا اُن کے خدا کو ہے، تو آج خانگی فضیحتوں کا کوئی وجود بھی کہیں باقی نہ رہتا! ف۸۵۴ (طلاق کے وقت) اکثر انسان جب غصہ میں آ کر طلاق دیتا ہے تو یہ بھی کر گزرتا ہے کہ اب تک جو کچھ بیوی کو دیا لیا ہے، اس سے چھین لیتا ہے۔ عرب جاہلیت میں یہ دستور اور زیادہ پھیلا ہوا تھا۔ یہاں اسی ظالمانہ دستور کی ممانعت ہے۔ اور بتایا ہے کہ مہر وغیرہ جو کچھ انہیں پہلے دے چکے ہو، اب اس کے چھیننے اور واپس لینے کا کوئی محل نہیں۔ مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا۔ عام مفسرین اور فقہاء نے اس سے مراد مہر کی رقم رکھی ہے۔ لیکن فقیہ ابن العربی مالکی نے اسے ہر اُس مال تک وسعت دی ہے، جو شوہر بیوی کو دے چکا ہو۔ قال قوم یعنی من الصداق و عندی ان من کل شی اعطاها۔ حسن معاشرت، حسن معیشت، حسن سلوک کی تاکید ہر صورت میں ہے۔ بیویوں کو رکھو تو بھی خوش اسلوبی کے ساتھ۔ رخصت کرو تو بھی ہنسی خوشی، خوش عنوانی کے ساتھ ف۸۵۵ (ادائے حقوق زوجیت کے باب میں) يَخَافَا، يُقِيْمَا۔ وہ دونوں، یعنی میاں بیوی ف۸۵۶ یعنی حقوق زوجیت درجۂ اقل میں بھی ادا نہ ہو سکیں، اور موافقت کی کوئی صورت ہی نظر نہ آئے۔ حُدُوْدَ اللّٰهِ۔ یعنی معاشرت زوجی کے فرائض۔ قال طاؤس فیما افترض علی کل واحد منهما فی العشرة و الصحبة (جصاص) ف۸۵۷ یعنی بیوی اگر قید نکاح سے مخلصی پانے اور شوہر سے طلاق حاصل کرنے کے لیے اپنی مہر سے یا اس کے کچھ حصہ سے دستبردار ہو جانا چاہے، تو یہ بھی ایک جائز صورت علیحدگی کی ہے، اور اس مال کو قبول کر لینا شوہر کے لیے درست ہوگا۔ طلاق کی اس خاص صورت کا نام جس میں طلاق کی خواستگار عورت ہو، اصطلاح شریعت میں خلع ہے اور احکام خلع کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان القرآن میں بھی کلام مبسوط ملے گا۔ خلع کے جائز صورت طلاق ہونے اور اس کے طلاق بائن کے درجہ پر رکھنے پر حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے صحابیوں اور حسن اور ابی سلمہ اور قاضی شریح اور ابراہیم اور شعبی اور مکحول جیسے تابعین تک کا اتفاق جصاص نے نقل کیا ہے، اور اس کو فقہاء کا متفقہ قول بھی قرار دیا ہے۔ وهو قول فقهاء الامصار لاخلاف بینهم۔ فقہاء کے ہاں ایک بحث یہ بھی چلی ہے کہ خلع آیا صرف اسی اندیشہ کے وقت جائز ہے، جس کا آیت میں ذکر ہے، یا یوں بھی عام طور پر؟ جمہور فقہاء ومجتہدین اسی طرف گئے ہیں کہ خلع ہر صورت میں اور ہر حال میں جائز ہے۔ اما جمهور المجتهدین فقالوا الخلع جائز فی حالة الخوف و فی غیر حالة الخوف (کبیر) البتہ فقیہ زہری، نخعی اور داؤد ظاہری کا مذہب یہ نقل ہوا ہے کہ خلع کی اجازت صرف اندیشہ اور غصہ کی حالت میں ہے۔ و قال الزهری والنخعی و داؤد لا یباح الخلع الا عند الغضب والخوف (کبیر) ف۸۵۸ یہ تاکید ہے اس امر کی کہ احکام شرعی میں کسی خفیف جزئیہ کو بھی ناقابل التفات نہ سمجھا جائے۔ اور شریعت جیسے بے انتہا منظم فن میں ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔۔۔ مشین جتنی نازک اور اعلیٰ صناعی کا نمونہ ہوگی، اُسی قدر اُس کا ایک ایک تھا پرزہ بھی اپنی جگہ پر بے بدل ہوگا ف۸۵۹ یعنی اُن پہلی دونوں طلاقوں کے بعد رجعت نہ کرے، اور طلاق پر قائم ہی رہے، تو اب تیسری بار، یا پہلی طلاق سے تین مہینے گزر جانے کے بعد، اب طلاق قطعی طور پر نافذ ہو جائے گی۔ تین مہینے کی مدت غور وفکر کے لیے اور سعی مصالحت ومفاہمت کے لیے، بہت کافی ہوتی ہے ف۸۶۰ (اور وہ شوہر اُس سے ہمبستری بھی کر لے) دوسرے شوہر سے یہ نکاح، پہلے شوہر سے طلاق قطعی پانے کے تین مہینے بعد یعنی ایام عدت گزارنے کے بعد ہی ہو سکے گا۔ تَنْكِحَ۔ نکاح یہاں اپنے اصطلاحی شرعی معنی میں، یعنی عقد نکاح کے مرادف نہیں، بلکہ اپنے اصلی اور لغوی معنی میں، یعنی ہمبستری کے مرادف ہے۔ محض عقد کا مفہوم تو خود لفظ زَوْجًا سے نکل آتا ہے۔ تَنْكِحَ سے مقصود ہم بستری کو ظاہر کرنا تھا۔ العقد فهم من زوجًا و الجماع من تنکح (روح) یحتمل ان تفسیر النکاح بالاصابة (بیضاوی) اور امام ابن جریر اس سوال کے جواب میں، کہ ہمبستری کا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن میں موجود نہیں تو آخر یہ دلالت کہاں سے پیدا کی گئی ہے۔ لکھتے ہیں کہ معنی کی یہ دلالت ساری اُمت کے اجماع نے پیدا کی ہے۔ الدلالة علی ذلک اجماع الامة جمیعًا علی ان ذلک معناه اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قول مختار یہی ہے کہ ہم بستری کی شرط حدیث سے نہیں، قرآن ہی سے ثابت ہے۔ واختلف العلماء فی ان شرط الوطئ بالسنة او بالکتاب قال ابو مسلم الاصفهانی الامران معلومان بالکتاب و هذا هو المختار (کبیر) اور آگے اسے بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ نکاح کا لفظ جب مطلق صورت میں ہے جب تو

مرادعقدزوجیت سے ہوگی، لیکن جب اضافت زوجته و امراته کے ساتھ ہوگی، تو ہمبستری ہی ہوگی۔ اور آخر نتیجہ یہ نکالا ہے کہ قوله نكح يدل على الوطى وقوله زوجا يدل على العقد (کبیر) بہرحال جمہور فقہاء وائمہ مجتہدین کا مذہب یہی ہے کہ مطلقہ کے ساتھ پہلے شوہر کا نکاح جب ہی درست ہے جب دوسرا شوہر اُس کے ساتھ ہمبستری کر کے اُسے طلاق دے دے، اور اس طلاق پر بھی تین ماہ کی مدت گزر لے۔ مذهب جمهور المجتهدين ان المطلقة بالثلاث لا تحل لذٰلک الزوج الابخمس شرائط تعقد منه و تعقد للثانی و يطوءها ثم يطلقها ثم تعقد منه (کبیر) اختلاف صرف دو تابعین سے منقول ہے۔ ان کے خیال میں مجردعقد ثانی بھی، بغیر ہمبستری کے، طلاق کے بعد شوہر اول سے یا کسی اور سے عقد کے لیے کافی ہے۔ قال سعيد بن جبير و سعيد بن المسيّب تحل بمجرد العقد (کبیر) لیکن مذہب جمہور ہی نہایت قوی اور شریعت اسلامی کے عین مزاج کے مطابق ہے۔ شریعت نے طلاق کو پسند یقیناً نہیں کیا ہے۔ اس کے نفاذ میں طرح طرح کی قیدیں لگا دی ہیں۔ ترغیب یہ دی ہے کہ خوب سوچ سمجھ کر ہی طلاق دی جائے۔ لیکن ان سب مرحلوں سے گزر جانے کے بعد جب طلاق نافذ ہی ہو جائے، تو پھر اب رعایت کا کوئی موقع نہیں، شوہر کو اب دوبارہ آسانی سے وہ بیوی واپس نہیں مل سکتی، اب اُسے ذرا خون جگر کھا لینا پڑے گا، جب وہ حاصل ہو سکتی ہے۔۔۔ سزائے زنا میں بھی یہی اصل کارفرما ہے۔ ثبوت زنا نہایت ہی قوی بلکہ قطعی ہونا چاہیے۔ ذرا سے بھی شبہ کا فائدہ ملزم ہی

اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا

ہاں بجز اس صورت کے کہ جب اندیشہ ہو کہ اللہ کے ضابطوں کو دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے و۸۵۵ سو اگر تم کو یہ

يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا

اندیشہ ہو کہ تم اللہ کے ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکو گے و۸۵۶ تو دونوں پر اس (مال) کے باب میں کوئی گناہ نہ ہوگا، جو

افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ

عورت معاوضہ میں دے دے و۸۵۷ یہ (سب) اللہ کے ضابطے ہیں سو ان سے باہر نہ نکلنا،

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

اور جو کوئی اللہ کے ضابطوں سے باہر نکل جائے گا، سو ایسے لوگ تو (اپنے حق میں) ظلم کرنے والے ہیں و۸۵۸

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ

پھر اگر کوئی اپنی عورت کو طلاق دے ہی دے، و۸۵۹ تو وہ عورت اس کے لیے اس کے بعد جائز نہ رہے گی، یہاں

زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ

تک کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح کرے، و۸۶۰ پھر اگر وہ (بھی) اسے طلاق دے دے و۸۶۱ تو دونوں پر کوئی گناہ

يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ

نہیں کہ پھر مل جائیں و۸۶۲ بشرطیکہ دونوں گمان غالب رکھتے ہوں کہ اللہ کے ضابطوں کو قائم رکھیں گے و۸۶۳ اور

حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ

یہ بھی اللہ کے ضابطے ہیں۔ انہیں وہ کھول کر ان لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں و۸۶۴ اور جب تم

النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

عورتوں کو طلاق دے چکو و۸۶۵ اور وہ اپنی مدت گزرنے پر پہنچ جائیں و۸۶۶ تو (اب یا تو) انہیں عزت کے ساتھ

اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا

روکے رکھو اور یا عزت کے ساتھ رہائی دے دو و۸۶۷ اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے

کو ملے گا، لیکن جب یہ سب مرحلے طے ہو چکیں تو پھر اب نفاذ سزا میں کسی رعایت کی گنجائش نہیں۔ مِنْۢ بَعْدُ۔ یعنی طلاق ثالث کے بعد۔ ای التطليقة الثالثة (مدارک) اس شرط کے ساتھ نئے شوہر کا کسی مطلقہ کے ساتھ نکاح کرنا کہ بعد صحبت طلاق دے دی جائے گی، تاکہ وہ اپنے شوہر اول کے لیے جائز ہو جائے حلالہ کہلاتا ہے۔ حدیث میں محلل یعنی وہ دوسرا شوہر جو نکاح جیسے اہم، سنجیدہ اور مقدس معاہدہ کو پہلے شوہر کی خاطر ایک کھیل اور تفریح کی چیز بنائے دیتا ہے، اور محلل لہٗ یعنی وہ پہلا شوہر جس کی خاطر معاہدۂ نکاح کی اہمیت، سنجیدگی و تقدیس خاک میں ملائی جا رہی ہے، ان دونوں پر لعنت آئی ہے۔ اور اکثر فقہاء کے ہاں یہ نکاح، نکاح فاسد کے حکم میں آتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں ایسا نکاح منعقد ہو جائے گا۔ یعنی اس کا نفاذ قانونی ہو جائے گا، اگرچہ اس سے گناہ عائد ہوگا و۸۶۱ (اور اس دوسری طلاق پر بھی تین مہینے کی عدت گزر جائے) و۸۶۲ (بدستور سابق، دوبارہ نکاح کر لے) مطلقہ اپنے شوہر کے لیے ہمیشہ کو حرام اب بھی نہیں ہو جاتی۔ ان درمیانی مرحلوں سے گزرنے کے بعد اب بھی اس کا نکاح اپنے شوہر اول سے ممکن ہے۔ ہر ہر فریق معاملہ کے حقوق کی پوری رعایت کا جو حکیمانہ اہتمام والتزام شریعت اسلامی کے سارے اجزاء میں ہے، اس کا ایک اعلیٰ نمونہ یہ طلاق کے جزئیات احکام ہیں۔ انسانی ذہن اور بشری دماغ اپنی ساری کوششیں کر تھکے، اتنے دقائق کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا و۸۶۳ (اور آئندہ خواہ مخواہ کی رنجشیں پیدا کر کے اتلاف حقوق میں نہ مبتلا ہوں گے) يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ۔ حدود اللہ کی اقامت اس سیاق میں یہی ہے کہ حسن معاشرت کی رعایت رکھی جائے۔ ای يتعاشرا بالمعروف (ابن کثیر) ای يكون بينهما الصلاح و حسن الصحبة (معالم) اِنْ ظَنَّا۔ یعنی اگر امید و ارادہ بھی رکھتے ہوں۔ باقی یقین کے ساتھ مستقبل کا حال کون جان سکتا ہے۔ ای رجوا لان احد الا يعلم ما هو كائن الاالله عزوجل (معالم) ای متى حصل هٰذا الظن حصل لهما العزم علٰى اقامة حدود الله حسنت هٰذه المراجعة (کبیر) ای ان كان فى ظنهما انهما يقيمان حقوق الزوجية (مدارک) ومن فسر الظن هٰهنا بالعلم فقدوهم من طريق اللفظ (کشاف) و۸۶۴ اہل فہم و دانش کے لیے۔ ان لوگوں کے لیے جو احکام و اوامر الٰہی کا علم رکھتے ہیں۔ یعنی يعلمون ما امرهم الله تعالٰى به (معالم) يريد من له عقل و علم (کبیر) ای يفهمون ما تبين لهم (مدارک) حُدُوْدَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے احکام و قوانین۔ ای احكامه و شرائعه (ابن کثیر) و۸۶۵ یعنی وہی ایک بار یا دو بار دی ہوئی طلاق رجعی، جو ابھی قطعی نہیں ہوئی ہے اور جس سے ابھی رجوع کر لینے کی گنجائش ہے و۸۶۶ (لیکن وہ مدت ابھی پوری گزر چکی نہ ہو) یعنی زمانۂ عدت اب ختم ہونے ہی پر ہو، لیکن پوری طرح ختم ہو چکا نہ ہو۔ ورنہ بالکل ختم ہو جانے کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ اب کوئی گنجائش ہی رجعت کی نہیں باقی رہی۔ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ۔ المراد مقاربة البلوغ والاشراف عليه لاحقيقتهٗ (جصاص) المراد مقاربتهٗ دون انقضائه و نظائره كثيرة فى القراٰن واللغة (جصاص) معناه قارب البلوغ (ابن العربی) اَجَلَهُنَّ۔ اجل کا اطلاق ساری مدت پر بھی ہوتا ہے اور آخر مدت پر بھی۔ والاجل يقع على المدة كلها و علٰى اٰخرها و كذٰلک الغاية والامد (کشاف) و يقع فى البلوغ ايضًا فيقال بلغ البلد اذا شارفه و داناه (کشاف) جعل لفظ بلغ بمعنٰى قارب كما يقال اذا بلغت مكة فاغتسل (ابن العربی) و۸۶۷ یعنی جب وہ سہ ماہی مدت عدت ختم ہونے پر آئے، تو شوہر کو اب دو اختیار ہیں۔ یا یہ کہ اپنی اُس نیم مطلقہ بیوی کو پھر شرافت و عزت کے ساتھ اپنی زوجیت میں واپس لے لے، اور یا پھر اُسے شرافت و عزت کے ساتھ اپنے گھر سے رخصت کر دے۔ اور مستقل علیحدگی اختیار کر لے۔۔۔ غرض دونوں صورتوں میں سے جو بھی اختیار کی جائے، تمام تر شریعت و اخلاق کے قانون و آداب کے موافق ہو

لِّتَعۡتَدُوۡا ۚ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ فَقَدۡ ظَلَمَ

نہ روکے رہو و۸۶۸ اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ اپنی ہی جان پر ظلم

نَفۡسَہٗ ؕ وَ لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰیٰتِ اللّٰہِ ہُزُوًا ۫ وَّ اذۡکُرُوۡا

کرے گا و۸۶۹ اور اللہ کے احکام کو ہنسی (کھیل) نہ سمجھو، و۸۷۰ اور

نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ

اللہ کی نعمتیں اپنے اوپر یاد کرو و۸۷۱ اور (اس) کتاب و حکمت کو بھی

الۡکِتٰبِ وَ الۡحِکۡمَۃِ یَعِظُکُمۡ بِہٖ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ

جو اس نے تم پر اتاری ہے کہ اس سے وہ تمہیں نصیحت کرتا رہتا ہے و۸۷۲ اور اللہ سے ڈرتے رہو

وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۲۳۱﴾ وَ اِذَا

اور جانے رہو کہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے و۸۷۳ اور جب

طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَہُنَّ فَلَا تَعۡضُلُوۡہُنَّ

تم طلاق دے چکو اپنی عورتوں کو، اور پھر وہ اپنی مدت کو پہنچ چکیں و۸۷۴ تو تم انہیں اس سے مت روکو و۸۷۵

اَنۡ یَّنۡکِحۡنَ اَزۡوَاجَہُنَّ اِذَا تَرَاضَوۡا بَیۡنَہُمۡ

کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں، جب کہ وہ آپس میں سب شرافت کے ساتھ

بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ ذٰلِکَ یُوۡعَظُ بِہٖ مَنۡ کَانَ مِنۡکُمۡ

راضی ہوں و۸۷۶ اس (مضمون) سے نصیحت کی جاتی ہے تم میں سے اس شخص کو جو

یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِکُمۡ اَزۡکٰی لَکُمۡ

اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے و۸۷۷ یہی تمہارے حق میں پاکیزہ تر اور

وَ اَطۡہَرُ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۲﴾

صاف تر ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو و۸۷۸

ع ۲۹ / ۱۳

و۸۶۸ گویا عورت کی حق تلفی کی گنجائش، کسی صورت اور کسی حال میں بھی نہیں۔۔۔ زوجیت میں واپسی خانہ آبادی کے لیے ہونا چاہیے نہ کہ خانہ بربادی کے لیے و۸۶۹ (اور اپنی زیادتیوں کی سزا دنیا یا آخرت میں بھگتے گا) بیویوں کے حقوق ادا نہ کرنے والے، حقوق زوجیت میں برابر اور شدید کوتاہیاں کرتے رہنے والے خیال کرتے رہیں کہ ایسوں کے حق میں کیسی کیسی وعیدیں وارد ہو رہی ہیں و۸۷۰ (کہ جس پر جی چاہا عمل کیا، اور جسے چاہا یوں ہی چھوڑ دیا) شریعت اسلامی میں حیات اجتماعی و معاشری کا سنگ بنیاد خاندان اور خاندانی زندگی ہے، اور خاندان کا کلیدی نقطہ میاں بیوی کے صحیح تعلقات ہیں۔ اس لیے ایک معنی میں کہنا چاہیے کہ سارے نظام معاشرت کی بنیاد ہی یہی حقوق زناشوئی کی ادائی ہے۔ اور جس طرح بعض بظاہر معمولی بے احتیاطیاں بڑی بڑی سخت بیماریوں کا سبب بن جاتی ہیں، بعض جزئی احکام شریعت سے بے پروائی بڑے بڑے سخت فتنوں کا دروازہ کھول دیتی ہے۔۔۔ ان دقائق کو سنبھالے رہنا شریعت ہی جیسا حکیمانہ نظام کا کام ہے۔ ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ احکام محض ہزل نہیں، پوری سنجیدگی سے ہر حال میں نافذ ہو جائیں گے۔ یہ نہیں کہ پہلے تو زبان سے صاف الفاظ میں طلاق دے دی، اور پھر بعد کو یہ کہہ کر ٹال دینا چاہا کہ یہ تو ہنسی میں کہا تھا۔ بعض تابعین اسی طرف گئے ہیں و۸۷۱ (اور ان ہی نعمتوں میں سے آئین معاشرت کی یہ مکمل، مفصل جامع تعلیم بھی ہے) و۸۷۲ یَعِظُکُمۡ بِہٖ۔ اس سے، یعنی اس کے ذریعہ وہ تمہیں نصیحت کرتا رہتا ہے۔ بہ میں ضمیر مَآ اَنۡزَلَ کی طرف ہے و۸۷۳ (اور چھوٹے بڑے ہر حکم کی مصلحتوں سے بھی وہی خبردار ہے) وَاتَّقُوا، وَاعۡلَمُوۡا۔ تقویٰ الٰہی اور علم الٰہی کی کاملیت کا استحضار، یہی دو تو بنیادیں ہیں ہر عمل صالح اور صالحانہ زندگی کی و۸۷۴ (اور عدت پوری کر کے دوسرے نکاح کی آرزومند ہوں) اِذَا طَلَّقۡتُمۡ۔ یہاں یہ خطاب صرف شوہروں سے نہیں، عام امت سے ہے۔ خطابا للاولیاء و للازواج ولسائر الناس والعموم یقتضی ذٰلک (جصاص) بَلَغۡنَ اَجَلَہُنَّ یہاں زمانہ عدت کا قرب ختم مراد نہیں، جیسا کہ آیت ماقبل میں تھا۔ بلکہ عین ختم مراد ہے۔ المراد حقیقۃ البلوغ بانقضاء العدۃ (جصاص) البلوغ ھٰھنا حقیقۃ لامجاز فیھا (ابن العربی) و۸۷۵ (جیسا کہ عرب میں بہت سے موقعوں پر اولیاء و اقرباء کی طرف سے روکنے کا رواج تھا) و۸۷۶ اَزۡوَاجَہُنَّ۔ یعنی ان کے تجویز کیے ہوئے شوہر عام اس سے کہ وہ نئے ہوں یا وہی پرانے ہوں جو ایک بار انہیں چھوڑ چکے ہیں۔ ای الذین یرغبن فیھم و یصلحون لھن (مدارک) یَنۡکِحۡنَ۔ اس لفظ سے معلوم ہوا کہ عورتیں خود بھی اپنا نکاح کر سکتی ہیں۔ اور یہیں سے حنفیہ نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ نکاح بغیر ولی کے بھی جائز ہے۔ قد دلت ھٰذہ الاٰیۃ من وجوہ علی جواز النکاح اذا عقدت علی نفسھا بغیر ولی ولا اذن ولیھا احدھا اضافۃ العقد الیھا من غیر شرط اذن الولی (جصاص) تَرَاضَوۡا۔ حنفیہ نے اس لفظ سے استنباط کیا ہے کہ ایجاب و قبول رکن نکاح ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی بجائے زوجین کے اُن کے ولی یا وکیل کر دیں۔ بِالۡمَعۡرُوۡفِ یہ قید ان احکام میں ہر جگہ لگی ہوئی ہے، اور کس کثرت سے اس کا اعادہ ہو چکا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی ادنیٰ سی ادنیٰ بات بھی دین و اخلاق کے قانون کے خلاف نہ ہونے پائے و۸۷۷ ان تعلیمات و ہدایات کی پوری قدر اُن ہی کو ہوگی جو مومن کامل ہیں و۸۷۸ دقیق حکمتوں اور حقیقی مصلحتوں کا علم ہمہ بیں، ہمہ داں، خدائے تعالیٰ کو ہو سکتا ہے، یا علم کے ناقص، عقل کے ناقص گندے بندوں کو؟ اَزۡکٰی لَکُمۡ وَاَطۡہَرُ۔ یعنی مفید حکیمانہ، قابل عمل، آسان احکام، ذاتی و ملی ہر اعتبار سے۔ شخصی سیرتوں اور اجتماعی مصلحتوں دونوں کے معیار سے۔ دوسرے مذہبوں کے برعکس اسلام جس نظام کو لے کر آیا ہے وہ محض صوفیوں راہبوں، جوگیوں، فلسفیوں کے لیے نہیں، صرف نفس کشی و ریاضت کرنے والوں کے لیے نہیں۔ اس مادی دنیا کے بھی معاشری، اجتماعی فوائد کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کے قانون پر عمل کیا جائے۔ ذٰلِکُمۡ۔ ای الاتعاظ بہ والعمل بمقتضاہ (روح)

و۸۷۹ رضاعت اصلی حق ماں کا ہے، اور ماں سے بہتر کوئی مرضعہ ہو نہیں سکتی۔ پرانے طبیبوں اور نئے ڈاکٹروں اور ڈاکٹرنیوں سب کو اس پر اتفاق کرنا پڑا ہے۔ یجعل الام احق برضاع الولد ھذہ المدۃ (جصاص) اَلْوَالِدٰتُ۔ خواہ ان ماؤں کا نکاح باقی ہو یا طلاق ہو چکی ہو۔ اَوْلَادَهُنَّ۔ اس قید نے یہ صاف کر دیا کہ مراد مائیں ہی ہیں، نانیاں دادیاں مراد نہیں۔ رضاعت کامل کے لیے دو برس کی مدت پر بھی طبیبوں کا اتفاق رائے موجود ہے و۸۸۰ یعنی جو پورے نصاب کی تکمیل نہ کرنا چاہے اس کے لیے کم مدت کی بھی اجازت ہے۔ و۸۸۱ مرضعہ کی تنخواہ اور کھانے کپڑے کی ذمہ داری بہر حال باپ کے سر ہے۔ اور مرضعہ عام حالات میں ماؤں ہی کو ہونا چاہیے۔ خواہ وہ مائیں ہنوز قید نکاح میں ہوں یا قید عدت میں۔ بِالْمَعْرُوْفِ۔ یعنی عرف شریفانہ کے موافق، جو کسی قاعدۂ شرعی کے خلاف نہ ہو۔ ای بمایحسن فی الدین والمروءۃ (مدارک) ای بمالا یکون مستنکرا شرعا و مروءۃ (روح) فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کھلانے پہنانے میں مرد کی واجبی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اسے نہ خست سے کام لینا چاہیے،

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ

اور مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں پورے

كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَ عَلَى

دو سال و۸۷۹ (یہ مدت) اس کے لئے ہے جو رضاعت کی تکمیل کرنا چاہے و۸۸۰ اور جس کا

الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

بچہ ہے، اس کے ذمہ ہے ان (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا موافق دستور کے و۸۸۱

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ

کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا بجز اس کی برداشت کے بہ قدر و۸۸۲ نہ کسی ماں کو تکلیف پہنچائی جائے

بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَ عَلَى

اس کے بچہ کے باعث اور نہ کسی باپ ہی کو تکلیف پہنچائی جائے اس کے بچے کے باعث و۸۸۳ اور اسی طرح

الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ

(کا انتظام) وارث کے ذمہ بھی ہے و۸۸۴ پھر اگر دونوں اپنی باہمی رضامندی

تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ

اور مشورہ سے دودھ چھڑا دینا چاہیں، و۸۸۵ تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔

وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا

اور اگر تم لوگ اپنے بچوں کو (کسی اور انا کا) دودھ پلوانا چاہو تب بھی

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم (ان کے) حوالے کر دو جو کچھ انہیں دینا ہے موافق دستور کے، و۸۸۶

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اور اللہ سے ڈرتے رہو و۸۸۷ اور جانے رہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کا

نہ اسے اسراف کی حاجت۔ یدل علی ان الواجب من النفقۃ والکسوۃ ھو علی قدر حال الرجال فی اعسارہ و یسارہ (جصاص) و۸۸۲ (اور اس کے قوائے ترکیبی کے مناسب حال) چنانچہ یہاں بھی رضاعت کا حکم ملا تو ماں کو، کہ یہ چیز عورت ہی کے فرائض میں داخل ہے۔ اور مرضعہ کو کھلانے پہنانے کی ذمہ داری رکھی گئی ہے باپ کے سر، کہ یہ کمانا اور خرچ کرنا مرد ہی کی زندگی سے مناسبت رکھتا ہے۔ جزئیات کے درمیان درمیان کلیے لے آنا یہ انشاء قرآنی کے خصوصیات میں سے ہے و۸۸۳ آیت میں تنبیہ ہے باپ اور ماں دونوں کو، باپ کو تو یہ کہ وہ لڑکے کی ماں پر خواہ مخواہ سختی روا نہ رکھے اور ماں کو یہ کہ وہ لڑکے کے باپ سے خواہ مخواہ سخت مالی مطالبے نہ کرے و۸۸۴ (جب باپ زندہ نہ ہو) اَلْوَارِثِ۔ وارث سے فقہی اصطلاح میں وہ قرابت دار محرم مراد ہے۔ جو بچہ کا شرعی وارث ہے۔ مِثْلُ ذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح باپ پر بچہ کی ماں کا حفظ حقوق واجب ہے، اسی طرح باپ کے بعد اپنے قریب ترین عزیزوں پر بھی واجب ہے علیہ مثل ما علی والد الطفل من الانفاق علی والدۃ الطفل والقیام بحقوقھا وعدم الاضرار بھا (ابن کثیر) و بہ قول الجمھور و قداستقصی ذٰلک ابن جریر فی تفسیرہ (ابن کثیر) باپ کے ہوتے ہوئے بچہ کی پرورش کا خرچ صرف باپ کے ذمہ ہے۔ اور جب باپ مر جائے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر بچہ مال کا مالک ہے تب تو اسی مال میں اس کا خرچ ہوگا۔ اور اگر مال کا مالک نہیں تو اس کے مالدار عزیزوں میں جو اس کے محرم ہیں یعنی اس بچہ سے اُن کا رشتہ ایسا ہے کہ دونوں میں سے ایک کو مرد اور ایک کو عورت فرض کریں تو باہم نکاح درست نہ ہو، اور محرم ہونے کے علاوہ شرعاً اس کے مستحق میراث بھی ہیں۔ پس ایسے محرم و وارث رشتہ داروں کے ذمہ اس کا خرچ واجب ہوگا اور ان رشتہ داروں میں ماں بھی داخل ہے۔ مثلاً ایک ایسے بچہ کی ایک ماں ہے، ایک دادا ہے، تو اس کے خرچ کا ایک ثلث ماں کے ذمہ ہے اور دو ثلث دادا کے ذمہ۔ کیونکہ دونوں محرم بھی ہیں اور بچہ کی میراث بھی اسی نسبت سے پاسکتے ہیں (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)۔ شیر خوار کے مصارف جو دوسروں پر واجب کیے گئے ہیں، اس کی علت یہی ہے کہ بچہ بذاتِ خود اپنی پرورش کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس اشتراکِ علت سے فقہاء حنفیہ نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ محتاج عورتوں، اپاہج مردوں اور نابالغوں کے مصارف ان کے اقارب کے ذمہ ہیں۔ اور یہی مسلک حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ و قد استدل بذٰلک من ذھب من الحنفیۃ والحنبلیۃ الی وجوب نفقۃ الاقارب بعضھم علی بعض و ھو مروی عن عمر بن الخطاب و جمھور السلف (ابن کثیر) و۸۸۵ (تکمیل رضاعت سے قبل، یعنی دو برس کی مدت کے اندر ہی) تَرَاضٍ۔ تَشَاوُرٍ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ماں کا جذبۂ شفقت اور حق پرورش زیادہ ہوتا ہے، اس لیے اس قسم کے امور کو محض باپ کی رائے پر نہیں چھوڑا گیا۔ بلکہ ماں کی رائے اور رضامندی کی بھی شرط لگا دی گئی۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ باہمی مشورہ کی ضرورت یہ ہے کہ خود بچہ کی مصلحت پر نظر کر لیں و۸۸۶ مقصد یہ ہے کہ بعض دفعہ ماں سے چھڑا کر کسی اور سے رضاعت کرانے کی ضرورت یا مصلحت بھی پیش آجاتی ہے۔ چنانچہ جب ایسی صورت پیش آجائے تو کسی انا سے رضاعت کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بالکل جائز ہے، بشرطیکہ اجرت حسب قرارداد ادا کر دی جائے۔ بِالْمَعْرُوْفِ۔ یعنی حسب معاہدہ و قرارداد۔ بِالْمَعْرُوْفِ کا نحوی تعلق سَلَّمْتُمْ سے بھی ہو سکتا ہے اور اٰتَيْتُمْ سے بھی و۸۸۷ (سارے احکام و اوامر کے باب میں) چنانچہ یہاں بھی یہ ہے کہ اجرت نہ دو گے تو گنہگار ہو گے ---- معاملات چھوٹے ہوں یا بڑے، قرآن مجید نے سارے دائرۂ زندگی میں قدم قدم پر تقوائے الٰہی کو شمع راہ رکھا ہے۔

و۸۸۸ انسان کو بدمعاملگی، بددیانتی پر لانے والی چیز صرف یہی ذہول وغفلت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے کا، اس کی ہمہ بینی، ہمہ خبری کا استحضار اگر ہر وقت رہے، تو کوئی لغزش ہونے ہی نہ پائے۔ قرآن مجید بار بار اسی جذبہ کو بیدار کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ مسلمان اپنی خانگی زندگی کی کسی منزل میں بھی اس طرف سے غافل نہ ہونے پائے و۸۸۹ (نکاح اور قریبی مقدمات نکاح سے) دُنیا کے عمرانی اور معاشری مسائل میں طلاقن کے بعد بیوہ کا مسئلہ بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ بیوہ کے ساتھ دنیا کے کسی دوسرے مذہب نے کوئی خاص اعتنا برتا ہی نہیں ہے۔ بلکہ بعض مذہبوں نے تو ستی وغیرہ کو جائز کر کے بیوہ کو زندہ

بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾ وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ

خوب دیکھنے والا ہے و۸۸۸ اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جاتے ہیں اور بیویاں

اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

چھوڑ جاتے ہیں، وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینہ اور دس دن تک

وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

روکے رکھیں و۸۸۹ پھر جب وہ اپنی مدت تک پہنچ جائیں و۸۹۰ تو تم پر اس باب میں کوئی گناہ نہیں

فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا

کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے بارے میں کچھ (کارروائی) کریں، شرافت کے ساتھ و۸۹۱ اور جو تم کچھ بھی کرتے

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا

ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے، و۸۹۲ اور تم پر کوئی گناہ اس میں نہیں کہ تم ان

عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ

(زیر عدت) عورتوں کے پیغام نکاح کے باب میں کوئی بات اشارۃً کہو یا (یہ ارادہ) اپنے دلوں ہی میں

اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَ لٰكِنْ

پوشیدہ رکھو، و۸۹۳ اللہ کو تو علم ہے کہ تم ان عورتوں کا ذکر مذکور کرو گے و۸۹۴ البتہ

لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا

ان سے کوئی وعدہ خفیہ (بھی) نہ کرو و۸۹۵ مگر ہاں کوئی بات عزت وحرمت کے موافق

مَّعْرُوْفًا ؕ وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى

(چاہو تو) کہہ دو و۸۹۶ اور عقد نکاح کا عزم اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ

يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

میعاد مقرر اپنے ختم کو نہ پہنچ جائے و۸۹۷ اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے،

ہی جلا دیا ہے۔ اسلام نے بیوہ کو زندہ رہنے، پوری طرح زندہ رہنے کا، سہاگنوں ہی کی طرح زندہ رہنے کا حق عطا کیا ہے۔ اور یہ باب بھی، جہاں تک دنیوی برکتوں کا تعلق ہے، اسلام کا ایک روشن ترین باب ہے۔ تَرَبُّص۔ انتظار کی اس مدت کا اصطلاحی نام عدت ہے۔ طلاقن کی عدت پورے تین ماہ کی تھی۔ بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن یا کل ۱۳۰ دن تجویز ہوئی ہے۔ اس زمانہ میں بیوہ کے لیے بناؤ سنگار سب ناجائز ہے۔ بیوہ اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت تا وضع حمل ہے۔ و۸۹۰ یعنی عدتِ بیوگی ختم ہو جائے و۸۹۱ یعنی جب عدت ختم ہوگئی، تو اب نکاح کی تجویز وغیرہ میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ۔ خطاب عام ہے اہل امت کو یعنی تم پر ایسی بات کے جائز رکھنے میں کوئی گناہ یا حرج نہیں۔ ایها الائمة الحكام (جصاص) هذا خطاب للاولياء (ابن العربی) قيل الخطاب لجميع المسلمين (روح) اس طرزِ خطاب سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ کوئی شخص خلافِ شرع کام کرے تو دوسروں پر واجب ہوتا ہے کہ بشرطِ قدرت وبہ قدرِ قدرت اس کو روکیں، ورنہ یہ بھی گناہگار ہوں گے۔ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ۔ یعنی نکاح اور متعلقاتِ نکاح کی تجویزیں بھی جو شرعاً جائز ہوں بِالْمَعْرُوْفِ۔ جو بھی کارروائی ہو قانونِ شریعت و آئینِ اخلاق کے باہر نہ ہو و۸۹۲ (چنانچہ کوئی بات خلافِ شریعت اگر خود کرو گے یا اُسے ہونے دو گے تو اُس کے ذمہ دار قرار پاؤ گے) مشرک قوموں نے اپنے خداؤں سے علم کامل اور باخبری کی نفی کی ہے۔ قرآن مجید نے ان صفات کے اثبات میں ایک پہلو ردِ شرک کا بھی رکھا ہے و۸۹۳ دورانِ عدت میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ کوئی مرد کسی بیوہ سے نکاح کا ارادہ اپنے دل میں قائم کر لے، اور زبان پر نہ لائے، یا اگر لائے بھی تو محض اشارۃً کنایۃً۔ صراحت کے ساتھ البتہ اجازت اس زمانہ میں نہیں و۸۹۴ (سو محض تذکرہ کی حد تک رہنے کا کوئی مضائقہ نہیں) یہ عین فطرت بشری ہے کہ جو عورت دل میں بس جاتی ہے مرد اِدھر اُدھر گھوم گھما کر اس کا ذکر ضرور لاتا ہے، اور اس کا تذکرہ چھیڑنے کا بہانہ ڈھونڈا کرتا ہے۔ آیت کا یہ ٹکڑا عین اسی فطرتِ بشری کا ترجمان ہے و۸۹۵ دورانِ عدت میں عورت سے وعدۂ نکاح کر لینا، علانیہ نہ سہی، بہ طور راز کے بھی جائز نہیں۔ اور یہ ٹکڑا اسی حکم کی تاکید کے لیے ہے۔ سِرًّا، سِرّ کے عام معنی جو راز کے ہیں، ظاہر ہیں۔ جمہور مفسرین نے وہی قبول کیے ہیں۔ لیکن ایک مجازی معنی خود نکاح کے بھی ہیں اور ابن سیدہ لغوی، فراء نحوی وغیرہما نے یہاں اس سے کنایہ نکاح ہی کا سمجھا ہے۔ وكنى عن النكاح بالسر (راغب) و من المجاز السر للنكاح وقال ابن السيده و هو كناية عنه (تاج) و هو ان يصف احدهم نفسه للمرأة فى عدتها فى النكاح و به فسر الفراء (تاج) اس صورت میں آیت کا ترجمہ ہوگا ”البتہ ان سے وعدۂ نکاح نہ کرو“ و۸۹۶ اور وہ عزت وحرمت کے ساتھ بات کہنا یہی ہے کہ جو کچھ بھی کہنا ہو اشارۃً وکنایۃً ہی کہا جائے نہ کہ صراحۃً و۸۹۷ یعنی ختم عدت سے قبل عزم نکاح کر لینا بھی درست نہیں۔ عزم سے مراد قصد مصمم وقطعی ہے۔

مَا فِيٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

اللہ اسے جانتا ہے و۸۹۸ سو اس سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ اللہ

غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ

بخشنے والا ہے، بڑا بردبار ہے و۸۹۹ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان بیویوں کو

النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ

جنہیں تم نے نہ ہاتھ لگایا اور نہ ان کے لئے مہر مقرر کیا طلاق

فَرِيْضَةً ۖۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ

دے دو و۹۰۰ وسعت والے کے ذمہ اس کی حیثیت کے لائق ہے

وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا

اور تنگی والے کے ذمہ اس کی حیثیت کے لائق و۹۰۱ (یہ) خرچ شرافت کے موافق ہو (اور یہ) واجب ہے،

عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ

خوش معاملہ لوگوں پر و۹۰۲ اور اگر تم نے انہیں طلاق دے دی ہے

قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ

قبل اس کے کہ انہیں ہاتھ لگایا ہو، لیکن ان کے لئے کچھ مہر مقرر کر چکے ہو،

فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ

تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہے اس کا آدھا واجب ہے بجز اس صورت کے کہ (یا تو) وہ عورتیں خود معاف کر دیں۔

اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ

یا وہ (اپنا حق) معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، و۹۰۳ اور اگر تم (اپنا حق)

تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ

معاف کر دو تو یہ بہت ہی قرین تقویٰ ہے و۹۰۴ اور آپس میں لطف و احسان نظر انداز نہ کرو و۹۰۵

ع ۱۴

و۸۹۸ سو جو اُمور نا جائز ہیں ان کے ارتکاب کا عزم بھی اس کے علم میں رہتا ہے و۸۹۹ غَفُوْرٌ (چنانچہ توبہ کے بعد نافرمانوں کو بھی معاف کر دیتا ہے) حَلِيْمٌ (چنانچہ بہت دفعہ نافرمانوں کو فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ مہلت دے دیتا ہے)۔ و۹۰۰ یعنی کوئی باز پرس نہیں مہر کے باب میں۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں شوہر کے ذمہ مہر واجب بھی نہیں۔ لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ۔ یہاں مس سے مراد ہمبستری کی دونوں قسمیں ہیں، حقیقی اور واقعی، اور حکمی و فقہی (یعنی خلوتِ صحیحہ) طلاق ہمبستری کے قبل بھی بالکل جائز ہے، بغیر کسی مہر کی ذمہ داری کے۔ نکاح بلا تعین مہر بھی صحیح رہتا ہے۔ طلاق کے وقت اس واجب مبہم کا اندازہ شوہر کی حسب استطاعت کیا جائے گا و۹۰۱ مَتِّعُوْهُنَّ کا لفظ قرآن میں عام ہے اور مذاق بشری کی ہمہ گیری اس عموم کو چاہتی بھی ہے۔ اے ملکوهن ما يتمتعن به و ذٰلك الشئ يسمى متعة (روح) متعة الطلاق اعلاها الخادم و دُون ذٰلك الورق و دون ذٰلك الكسوة (روح۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ادنى مايكون من المتعة ثلاثون درهمًا (روح۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما) البتہ فقہاء نے یہاں عموماً تین کپڑوں کا جوڑا مراد لے لیا ہے۔ لیکن خود یہ جوڑا بھی یقیناً حسب رواج ملک و قوم ہوگا و۹۰۲ اور خوش معاملہ تو سارے مسلمانوں کو ہونا چاہیے، اس لیے مراد ہیں سارے مسلمان۔ لفظ محسنین لا کر ان کے اس وصف کو نمایاں کر دیا ہے والاحسان انما على وجه التاكيد (جصاص) اے على المسلمين (مدارک) و۹۰۳ طلاق کی ایک صورت وہ تھی جو ابھی اُوپر بیان ہو چکی، یعنی نہ مہر طے ہوا تھا اور نہ ابھی خلوت ہوئی تھی کہ طلاق ہو گئی۔ دوسری صورت اب بیان ہو رہی ہے کہ مہر تو معین ہو چکا تھا، لیکن خلوت نہیں ہوئی تھی کہ طلاق ہو گئی۔ عام قاعدہ ایسے موقع کے لیے یہ ہے کہ مہر مقرر کا نصف شوہر کے ذمہ واجب الادا ہوگا۔ لیکن دو صورتیں اس حکم عام سے استثناء کی ہیں۔ ایک یہ کہ بیوی اپنے حق سے تمام تر دستبردار ہو جائے اور نصف مہر بھی نہ لے۔ اور دوسری صورت یہ کہ شوہر اپنے حق سے دستبردار ہو جائے، یعنی جو نصف مہر اُسے رکھ لینے کا اختیار تھا اُسے بھی وہ نہ رکھے اور بجائے نصف کے پورا مہر ادا کر دے۔ يَعْفُوْنَ۔ عورت اپنا حق معاف کر دے، اور اس کا حق ہے وہی مہر معین کا نصف۔ گویا عورت مہر تمام تر چھوڑ دے۔ نِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ۔ تعداد مہر اگر معین تھی، جب تو اس کا نصف ظاہر ہے۔ اگر تعداد معین نہ تھی تو فیصلہ مہر مثل پر ہوگا (یعنی خاندانی مہر پر) الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ یعنی جو نکاح کی گرہ کے توڑے اور جوڑے رکھنے کا اختیار رکھتا ہے مراد شوہر ہے۔ یہ الفاظ اس پر ناطق ہیں کہ معاہدۂ نکاح میں شریک غالب کی حیثیت شوہر ہی رکھتا ہے و۹۰۴ قانون اور ضابطہ ابھی بیان ہو چکا ہے کہ شوہر طلاق کی اس صورت میں نصف مہر روک سکتا ہے، اب معاً اخلاق کے افضل و اعلیٰ مقام کی طرف رہنمائی کر دی گئی کہ حق وصول کرنے سے کہیں بہتر و برتر اس حق کا معاف کر دینا ہے۔ جائز و برتر، مباح و افضل، قانون و اخلاق کا یہ مسلسل امتزاج قرآن کے معنوی معجزات میں سے ہے۔ و۹۰۵ چنانچہ طلاق کے موقع پر بھی، جو تعلقات کی بقا کا نہیں، اس کے اختتام و انقطاع کے اعلان کا نام ہے، باہمی حسن سلوک، مروت، رعایت سے نہ چوکو۔ آیت سے صاف اشارہ ادھر نکل رہا ہے کہ کسی ناخوشگوار واقعہ کے پیش آجانے سے صحبت قدیم و محبت سابق کے حقوق زائل نہیں ہو جاتے۔ بلکہ حالت طیش و ناگواری میں بھی لحاظ تقویٰ اور حسن اخلاق اور عفو و احسان کا برابر رکھنا چاہیے۔ وَلَا تَنْسَوُا۔ نسیان یہاں بھول کے معنیٰ میں نہیں، کہ وہ تو غیر اختیاری ہے، بلکہ ترک کرنے اور نظر انداز کرنے کے معنیٰ میں ہے۔ قال ابو محمد والنسيان ههنا الترك (ابن قتیبہ)

اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۲۳۷﴾ حٰفِظُوْا عَلَی

تم جو کچھ بھی کرتے ہو، اللہ یقیناً اس کا خوب دیکھنے والا ہے ۹۰۶ (سب ہی) نمازوں کی

الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی ۗ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ

پابندی رکھو۔ اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی، ۹۰۷ اور اللہ کے سامنے عاجزوں (کی طرح)

قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُکْبَانًا ۚ فَاِذَآ

کھڑے رہا کرو ۹۰۸ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو تو تم پیدل ہی (پڑھ لیا کرو) یا سواری پر، ۹۰۹ پھر جب

اَمِنْتُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَمَا عَلَّمَکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا

تم امن میں آ جاؤ تو اللہ کو یاد کیا کرو جس طرح اس نے تمہیں سکھایا ہے جس کو تم جانتے

تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ وَ الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ

(بھی) نہ تھے ۹۱۰ اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں

اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ

چھوڑ جائیں (ان پر لازم ہے) اپنی بیویوں کے حق میں نفع اٹھانے کی وصیت (کر جانے) کی کہ وہ ایک سال

غَیْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ

تک (گھر سے) نکالی نہ جائیں، ۹۱۱ لیکن اگر (خود) نکل جائیں تو کوئی گناہ تم پر نہیں

فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَ اللّٰهُ

اس باب میں جسے وہ (بیویاں) اپنے باب میں شرافت کے ساتھ کریں ۹۱۲ اور اللہ

عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا

بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ۹۱۳۔ اور طلاقنوں کے حق میں بھی نفع پہنچانا دستور کے

عَلَی الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۴۱﴾ کَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ

موافق مقرر ہے ۹۱۴ (یہ) پرہیزگاروں پر واجب ہے، ۹۱۵ اللہ اسی طرح تمہارے لئے کھول کر اپنے احکام

۹۰۶ سو اس کے ہاں تمہاری کوئی سی نیکی بھی، کسی درجہ اور کسی موقع کی ہو، رائیگاں نہ جائے گی ۹۰۷ اوپر سے ذکر برابر بیویوں کے حقوق و مطالبات کا چلا آرہا تھا اور آگے پھر یہی ذکر چلے گا۔ درمیان میں احکام نماز سے متعلق آگئے۔ یہیں سے اس حقیقت پر ایک بار اور روشنی پڑ رہی ہے کہ اسلام میں معاشرت و معاملت، قانون و اخلاق کے مسائل، عبادات سے الگ نہیں۔ اور نظام شریعت میں خالق کے حقوق اور مخلوق کے حقوق دوش بدوش چل رہے ہیں۔ حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ۔ محققین نے محافظت صلوٰۃ کے تین درجے قرار دیے ہیں، ادنیٰ یہ کہ نماز وقت پر پڑھی جائے اور فرائض و واجبات ترک نہ کیے جائیں۔ اوسط یہ کہ جسم ہر طرح طہارت ظاہری سے آراستہ ہو، طبیعت اکل حلال کی خوگر ہو، دل میں خشوع و خضوع ہو، سنن و مستحبات کی پوری رعایت رہے۔ اعلیٰ یہ کہ نماز گویا حق تعالیٰ کے مواجہ میں ہو رہی ہے۔ اس قدر حضور قلب و استغراق رہے۔ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی۔ اس درمیانی نماز سے کیا مراد ہے؟ اکثر ائمہ تفاسیر نے نماز عصر مراد لی ہے اور یہی معنٰی ابن جریر میں حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صحابیوں اور قتادہ و ضحاک تابعین اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہوئے ہیں۔ لیکن ابن جریر ہی میں دوسرے معنٰی، نماز ظہر اور نماز مغرب اور نماز فجر کے بھی اسی پایہ کے حضرات سے منقول ہیں۔ بعض نے لفظی پہلو پر زور دے کر یہ تفسیر کی ہے کہ ہر نماز چونکہ اپنی جگہ پر عبادات و حسنات کا درجہ متوسط ہے، اور پھر ہر نماز کے اِدھر اُدھر کچھ نمازیں بھی ہوتی ہیں، نماز وسطیٰ کا اطلاق ہر نماز پر ہو سکتا ہے، اور اس سے کسی خاص وقت کی نماز مقصود نہیں۔ ۹۰۸ (حالت نماز میں) قٰنِتِیْنَ۔ لفظ قنوت بہت جامع ہے اور حاوی ہے ذکر اور دعا اور خشوع و خضوع پر۔ قال ابو محمد ولا ازی اصل هذا الحرف الا الطاعة لان جمیع هذه الخصال من الصلوة والقیام فیها والدعاء وغیر ذٰلک یکون عنها (ابن قتیبہ) ۹۰۹ (جس طرح بھی بن پڑے اور جس طرح تک حالات اجازت دیں) فَاِنْ خِفْتُمْ۔ یعنی اگر عام قاعدہ کے مطابق نماز باجماعت میں کسی دشمن کی طرف سے خوف ہو۔ اسلام کی یہ روزانہ پنج وقتہ پریڈ یا دربار الٰہی میں حاضری اس درجہ اہمیت رکھتی ہے کہ بالکل معاف عین حالت جنگ میں بھی نہیں ہوتی۔ محافظت صلوٰۃ کا حکم بہر حال قطعی اور دائمی ہے۔ ترک نماز کی اجازت اس خطرہ کے حال میں بھی نہیں۔ البتہ رعایت ماحول کی پوری گنجائش دوسرے موقعوں کی طرح اس محل میں بھی رکھ دی گئی ہے۔ نماز خوف کی تفصیلات کتب فقہ میں ملیں گی ۹۱۰ یعنی اب نماز عام قاعدوں کے موافق و ماتحت ادا کرو۔ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ۔ یعنی جب دشمن کی طرف سے اندیشہ اور خطرہ باقی نہ رہے ۹۱۱ یہ وصیت کا حکم اس وقت تھا جب میراث کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے، جب میراث کے مستقل احکام نازل ہو گئے اور شوہر کے ترکہ میں ایک مستقل حصہ بیوہ کا بھی مقرر ہو گیا، تو ظاہر ہے کہ اب حکم وصیت پر عمل کا کوئی محل باقی نہ رہا ---- اسی کو مفسرین اپنی اصطلاح میں نسخ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اُس وقت یعنی احکام میراث کے نزول سے قبل شریعت نے بیوہ عورتوں کے لیے حسب ذیل رعایتیں رکھی تھیں:۔ (۱) وہ اگر شوہر ہی کے گھر رہنا چاہیں تو ایک سال تک انہیں کوئی بے دخل نہیں کر سکے گا (۲) انہیں کھانا کپڑا بھی اس مدت تک شوہر ہی کے ترکہ سے ملتا رہے گا (۳) وہ خود ہی اگر اپنی کسی مصلحت سے اس گھر میں رہنا نہ چاہیں، تو بعد ختم عدت ان کے لیے یہ بالکل جائز تھا، اور دوسرے حقوق کی طرح اس حق سے بھی دستبرداری کا انہیں حق حاصل تھا۔ مَتَاعًا۔ یہ نفع اٹھانا، کھانے اور کپڑے اور سکونت مکان کے متعلق ہو گا۔ المتاع عام شامل للانفاق والاسکان جمیعًا (روح) بیوہ غریب، ظہور اسلام کے وقت یوں بھی ہر مذہب میں کسمپرسی میں پڑی ہوئی تھی۔ اور عرب جاہلیت میں تو کوئی اس کی بات پوچھنے کا بھی روادار نہ تھا۔ اسلام ہی نے آ کر دنیا کی تاریخ میں پہلی بار بیوہ کی عزت اور اس کے حقوق کی نصرت کی ---- مشرکانہ مذہبوں میں تو بیوگی اور نحوست مترادف تھیں، اور بیوہ کو گھر بھر کی تحقیر و طعن کا ہدف بننا پڑتا تھا ۹۱۲ مثلاً یہی نکاح یا نکاح کی بات چیت۔ مِنْ مَّعْرُوْفٍ کی قید نے اسے واضح کر دیا کہ وہ کارروائی نہ کسی ضابطہ شریعت کے خلاف ہو گی۔ مثلاً قانونِ عدت کی خلاف ورزی اور نہ کسی آئین اخلاق کے منافی ۹۱۳ عَزِیْزٌ۔ یاد دلا دیا کہ وہ بڑا قوت والا ہے، سو ایسے کے حکم کی خلاف ورزی کیسی زبردست نادانی ہے۔ حَکِیْمٌ۔ یاد دلا دیا کہ اس کے احکام سارے کے سارے، قریب و بعید، جلی و خفی، مصالح بشری کے جامع ہوتے ہیں ۹۱۴ (کسی نہ کسی درجہ میں) مطلب یہ ہے کہ جس عورت کو طلاق دی جائے، یہ نہ ہو کہ اسے ننگا بوچا کر کے بھوکا پیاسا، اسی وقت گھر سے نکال دیا جائے بلکہ ایک مدت تک اس کی آسائش کا خیال اور اس کی ضرورتوں کی کفالت شوہر کے ذمہ ہے۔ فقہاء نے حدیث و سنت کی روشنی میں ایک سہ ماہی کی مدت مقرر کی ہے کہ اتنی مدت تک کھانے پہننے اور رہنے سہنے کا انتظام شوہر پر واجب ہے مطلقہ پر تینوں طلاقیں اگر ابھی نہیں پڑی ہیں، جب تو یہ حکم متفق علیہ ہے، اور اگر پڑ چکی ہیں تو حنفیہ کے ہاں جب بھی یہی حکم ہے ۹۱۵ عَلَی الْمُتَّقِیْنَ۔ یعنی مسلمانوں پر، کہ اس درجہ میں پرہیزگار ہر مسلمان ہوتا ہے۔ اے متقی الشرک (بحر) علی کل من کان متقیا عن الکفر (کبیر) بمعنی المؤمنین المتقین الشرک (معالم)

ف۹۱۶ (اور ان پر عمل کرو) حضرت تھانوی علیہ نے یہاں یہ خوب لکھا ہے کہ ان احکام طلاق وغیرہ میں اتَّقُوا اللّٰهَ اور حَدُوْدَ اللّٰهِ اور سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اور عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ اور بَصِیْرٌ اور خَبِیْرٌ اور هُمُ الظّٰلِمُوْنَ اور فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ وغیرہ کا اس کثرت سے آنا، جو سب مخالفت پر وعیدیں ہیں، اس امر پر دلیل قطعی ہیں، کہ یہ سب احکام شریعت میں مقصود اور واجب ہیں، محض مشورہ کے طور پر نہیں ہیں کہ ان میں ترمیم و تبدیل کا ہمیں حق و اختیار حاصل ہے ف۹۱۷ (اے مخاطب) اَلَمْ تَرَ۔ عربی میں یہ طرز خطاب ایسے موقع پر آتا ہے جب مخاطب کو کسی بڑے اہم اور معروف واقعہ کی طرف توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے۔ رؤیت سے ہمیشہ چشم بصارت سے دیکھنا مراد نہیں ہوتا بلکہ وہم و تخیل اور غور و فکر اور عقل کی راہ سے بھی مطالعہ و مشاہدہ مراد ہوتا ہے۔ اور جب اس فعل کا صلہ الیٰ کے ساتھ آتا ہے، تو کوئی مقصود کوئی نتیجہ نکالنا یا عبرت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ واذا عدی رأیت بالٰی اقتضی معنی النظر المؤدی الا الاعتبار (راغب) ف۹۱۸ (عین موقع جہاد پر) حَذَرَ الْمَوْتِ۔ یہ تصریح ہے اس کی کہ اتنی بڑی تعداد میں اپنے گھروں سے باہر نکل جانا محض امر اتفاقی نہ تھا، موت کے خوف سے تھا۔ ذکر کسی قدیم قوم کا ہے، اور اشارہ کسی ایسے واقعہ کی جانب ہے، جو مخاطبین اوّل، اہل عرب کے لیے معروف و متعارف تھا۔ مفسرین نے مختلف قوموں اور مقاموں کے نام لیے ہیں۔ ممکن ہے اُن ہی میں سے کوئی صحیح ہو، ممکن ہے کہ ان کے علاوہ کوئی قوم و مقام ہو۔ پوری تحقیق انشاء اللہ مستقبل میں قرآنیات کا کوئی متعلم کر کے رہے گا۔ کچھ کام آخر آئندہ کے مفسرین و محققین کے لیے بھی تو اُٹھ رہے۔ قرآن کی مخاطب جس طرح ہجرت کی دُوسری صدی اور تیرھویں صدی کی دُنیا رہی ہے، اسی طرح ہجرت کی پندرھویں اور بیسویں صدی کی دنیا بھی تو رہے گی۔ کچھ فرض ہے کہ جتنی تحقیقات بھی ہونا ہے سب چودھویں صدی میں ختم ہو جائے، اور آئندہ صرف اُنہی کو دہرا دینا اور نقل کر دینا رہ جائے؟ عہد عتیق کی کتاب حزقی ایل (۳۷: ۱۔۱۰) میں ایک روایت بہ صورت کشف و رؤیا اس سے ملتی جلتی ہے۔ بہر حال قرآن کا جو اصل مقصد موعظت و تذکیر ہے، وہ قوم و مقام کے ابہام و عدم تعیین کے باوجود بھی حاصل ہے ف۹۱۹ (وبا سے، یا کسی اور طریق سے، چنانچہ وہ سب مر گئے) یعنی وطن سے نکل کھڑے ہوئے جان بچانے کو اور حکم جہاد کی تعمیل سے جی چراتے ہوئے۔ لیکن یہ تدبیر کچھ بھی کام نہ آئی، اور اُلٹے موت کا شکار ہو کر رہے۔ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا۔ مقصود محض اس قول کا نقل کرنا نہیں۔ مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جب یہ ارادہ کر لیا، تو کوئی امر اس میں مانع نہ ہو سکا، اور عمل بن کر رہا۔ عربی میں یہ اسلوب بیان عام ہے۔ المراد انه تعالٰی متٰی اراد ذٰلک وقع من غیر منع و تاخیر و مثل هٰذا عرف مشهور فی اللغة (کبیر) ف۹۲۰ (اور انہیں مشاہدہ کرا دیا کہ موت و زندگی کا سر رشتہ کسی اور ہی کے ہاتھ میں ہے۔ عقل و تدبیر انسانی کے ہاتھ میں نہیں، اور اس لیے جہاد یا دُوسرے احکام شریعت کی تعمیل سے جی چرانا انتہائی سخافت و نادانی ہے) فقہاء و مفسرین نے یہاں طاعون سے فرار کی بحث چھیڑ دی ہے اور فرمانِ نبوی نقل کیا ہے کہ ”جس سرزمین پر طاعون ہو وہاں سے بھاگو نہیں، اور جہاں ہو وہاں جاؤ نہیں“۔ اس پر ایک عقلی اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طاعون زدہ مقام میں داخل ہونا اور طاعون زدہ مقام سے نہ ہٹنا، یہ دونوں عملاً متضاد ہدایتیں ہوئیں۔ اگر طاعون بچنے کی چیز ہے، تو وہاں سے ہٹنے کا بھی حکم ملنا چاہیے۔ اور اگر بچنے کی چیز نہیں، تو اُس شہر میں پہنچ جانے میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہیے! اصل یہ ہے کہ وبا زدہ مقام سے بھاگنے اور ہٹنے کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک کو اجازت ملی، تو بس سب ہی بھاگنا شروع کریں گے، اور شہر خالی ہو جائے گا۔ اس بے تحاشا بھگدڑ Panic سے آبادی کو جن مالی، معاشی، تمدنی، اخلاقی نقصانات سے دو چار ہونا پڑے گا وہ بالکل ظاہر ہیں، اور بہ کثرت تجربہ و مشاہدہ میں بھی آچکے ہیں۔ پھر ایک طرف یہ عادت اگر ہمت، ثباتِ قلب، شجاعت اور باہمی ہمدردی کے منافی ہے، تو دوسری طرف اسباب ظاہری پر ضرورت سے زیادہ تکیہ و اعتماد کی دلیل اور توکل، اعتماد علی اللہ کے منافی، اور ایک مذہبی قوم کے بالکل غیر شایان ہے۔ لیکن جہاں وبا ہے اور موت کا بازار دھڑا دھڑ گرم ہے، وہاں بے دھڑک داخل ہو جانا اور احتیاط نہ برتنا، ایک طرف سلسلۂ اسبابِ ظاہری کو بالکل نظر انداز کر دینا ہے، اور دوسری طرف انسان میں جو درجہ خوف و اندیشہ طبعی کا رکھ دیا ہے، اس کے مقتضا کو پامال کرنا ہے۔ ان متضاد پہلوؤں کے درمیان اعتدال اور سلامتی کی راہ ڈھونڈ نکالنا اسلام ہی جیسے حکیمانہ مذہب کا کام تھا۔ اُس نے عقلی اور طبعی تمام پہلوؤں کی رعایت رکھ کر یہ معتدل اور عادلانہ حکم دیا کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ خواہ مخواہ جاؤ، نہ خواہ مخواہ وہاں سے نکل بھاگو ف۹۲۱ (کہ اُنہی کے فائدے والے احکام اُنہیں دیتا رہتا ہے) ف۹۲۲ (بلکہ اُلٹے ان احکام کی مخالفت میں لگے رہتے ہیں) حکم قتال معاً آگے آتا ہے۔ اس کے قبل ایسی حکایت بیان کرنا جس سے قلوب میں بے خوفی اور اللہ پر اعتماد پیدا ہو، عین تقاضائے حکمت ہے ف۹۲۳ (اے امت اسلامیہ!) حکم کی مخاطب امت بہ حیثیت جماعت ہے، افراد اُمت نہیں۔ کہ فرداً فرداً ہر شخص جب جی چاہے، تلوار اُٹھا کر چلانا شروع کر دے۔ اس تمہیدی حکایت کے بعد کہ موت و زیست سب کا آخری سر رشتہ اُسی کے ہاتھ میں ہے، اب حکم ملتا ہے کہ اُسی کے حکم سے، اُسی کے دین و آئین کی خدمت و نصرت کے لیے، جہاد و قتال میں مشغول ہو جاؤ ف۹۲۴ سَمِیْعٌ۔ وہ خوب سن رہا ہے، جہاد کرنے والوں اور نہ کرنے والوں دونوں کی باتوں کو۔ عَلِیْمٌ۔ وہ خوب جانتا ہے جہاد کرنے والوں اور نہ کرنے والوں دونوں کی نیتوں کو ف۹۲۵ یعنی اللہ کی راہ میں اخلاص کے ساتھ خرچ کرے۔ جہاد و قتال کا حکم ابھی ملا ہے۔ قدرۃً سامان جنگ کے لیے اُمت اسلامیہ کو بڑے سرمایہ کی ضرورت ہوگی، اس لیے پہلے ہی نمبر پر امراء ملت کو اس میں حصہ لینے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ قَرْضًا حَسَنًا۔ اصطلاح قرآنی میں اس لفظ سے مراد ہر وہ رقم ہے جو دین کی کسی مد میں خرچ ہو سکے۔ یہاں مراد مصارف جہاد ہیں۔ اس ملی چندہ کو، قرض اور پھر قرض

اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ

بیان کرتا ہے شاید کہ تم سمجھو ف۹۱۶ کیا تجھے خبر نہیں ف۹۱۷ ان لوگوں کی

خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ

کہ جو اپنے گھروں سے نکل گئے تھے موت سے بچنے کے لئے، اور وہ ہزاروں

الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْیَاهُمْ ؕ اِنَّ

ہی تھے ف۹۱۸ تو اللہ نے ان سے کہا کہ مر جاؤ ف۹۱۹ پھر اس نے انہیں جلا دیا ف۹۲۰ بے شک

اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

اللہ انسانوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے، ف۹۲۱ لیکن اکثر انسان شکر

لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اعْلَمُوْٓا

نہیں ادا کرتے ف۹۲۲ اور اللہ کی راہ میں قتال کرو ف۹۲۳ اور جانے رہو

اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ

کہ اللہ بڑا سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ف۹۲۴ کون ایسا ہے جو اللہ کو اچھا قرضہ

اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ

قرض دے ف۹۲۵ پھر اللہ اسے بڑھا کر اس کے لئے کئی گنا کر دے ف۹۲۶

وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ

اور اللہ ہی تنگی بھی کرتا ہے اور فراخی بھی کرتا ہے، ف۹۲۷ اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے، ف۹۲۸ کیا تجھے

تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ

خبر نہیں موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی ایک جماعت کی ف۹۲۹

اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ

جب کہ ان لوگوں نے اپنے نبی سے کہا ف۹۳۰ کہ ہمارے لئے ایک امیر مقرر کر دیجیے کہ ہم خدا کی راہ

ع ۳۱/۱۵

وقف لازم

حسنہ سے تعبیر کرنا عین محاورۂ عرب کے مطابق ہے کہ اہل عرب ہر اچھے معاوضہ والے عمل کو اچھے قرض اور ہر برے معاوضہ والے عمل کو برے قرض سے تعبیر کرتے تھے۔ والعرب تقول لکل من فعل الیہ خیرًا قد احسنت قرضی وقد اقرضتنی قرضًا حسنًا (تاج) قال الزجاج القرض ھو کل ما یفعل لیجازٰی علیہ تقول العرب لک عندی قرض حسن و سیئ (کبیر) عرب ایک مشہور تجارت پیشہ قوم تھے۔ قرض، بیع وشراء وغیرہ کے الفاظ اگر ان کی زبان کے جزو بن گئے ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ایک بددین، اُردو خواں جاہل، قرآن مجید میں قرض کا لفظ دیکھ، اور اُسے اُردو کے قرضہ پر قیاس کر کے تمسخر کی راہ سے بولا کہ خدا بھی محتاج ہوگیا ہے، جو اُسے بندوں سے اُدھار مانگنے کی ضرورت پڑی!...... جہل مرکب بھی انسان کے لیے کیسی سخت لعنت ہے! امردم اندر حسرت فہم درست و۹۲۶ (یعنی اصل استحقاق سے کہیں بڑھا چڑھا کر) یُضٰعِفَہٗ اس کو، یعنی اس کے اجر وثواب کو و۹۲۷ (سو اُس کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرنے سے کیوں رکو، کیوں گھبراؤ) صاف بتلا دیا کہ معاشیات کے سارے قوانین اللہ ہی کی مٹھی میں ہیں۔ اس کی راہ میں خرچ کرنے سے یہ نہ سمجھو کہ مفلس ہو جاؤ گے و۹۲۸ (اور وہی دین کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو جزا دے گا اور نہ خرچ کرنے والوں کو سزا) و۹۲۹ اَلْمَلَا۔ پر ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۹۱۷۔ الملاء۔ ملاء مطلق جماعت نہیں، اہل حل وعقد یا اہل الرائے کی جماعت ہے۔ الملاء جماعۃ یجتمعون علی رأیٍ (راغب) الملاء من القوم وجوھھم و اشرافھم (روح) توریت میں اس موقع پر ''اسرائیلی بزرگ'' ہے۔ مِنۢ بَعْدِ مُوْسٰی۔ ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی تین صدی بعد، اور حضرت داؤد علیہ السلام سے کچھ ہی قبل کے زمانہ کا ہے۔ سنہ مسیحی کے آغاز میں ابھی کوئی ہزار گیارہ سو سال کی مدت باقی تھی و۹۳۰ مراد حضرت شموئیل ہیں (۱۱۰۰ق م۔ تا ۱۰۲۰ق م) ملک شام قدیم میں ایک کوہستانی علاقہ افرائیم کے نام سے تھا۔ اس کے شہر رامہ میں آپ رہتے تھے و۹۳۱ (اور اس امیر کی ماتحتی میں ہم سب منظم ہو کر دشمنوں سے جنگ کریں) اسرائیلی اس وقت خاص طور پر دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے، اور لڑائی میں ان سے مغلوب وعاجز آچکے تھے۔ توریت میں اس کی بھی تصریح ہے کہ حضرت شموئیل نبی اُس وقت بوڑھے ہوچکے تھے۔ اور آپ کے صاحبزادوں میں امارت وسرداری کی کوئی صلاحیت نہ تھی۔ مَلِکًا۔ عربی میں مَلِك کا لفظ بہت وسیع ہے، ہر صاحب قوت واقتدار جو اپنے احکام وقوانین نافذ کر سکے مَلِک ہے۔ الملک ھو المتصرف بالامر والنھی فی الجمھور (راغب) اور یہاں مَلِك سے مراد امیر جیش یا سالارِ لشکر لی گئی ہے، اور یہی سیاق کے مطابق ہے۔ یبن لنا ملک الجیش (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای انھض لنا من تصدُرُ عنہ تدبیر الحرب و ننتھی علٰی امرہ (بحر) ای اقم لنا امیرًا (روح) طلبوا من نبیھم نحو ما کان یفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من التامیر علی الجیوش (کشاف) اُردو میں رئیس وامیر کے الفاظ، اور سرحدی قبیلوں میں خان کا لفظ مَلِك کے مرادف ہے۔ توریت میں اس موقع پر ''بادشاہ'' کا لفظ آیا ہے، اور اسرائیلی تخیل میں بادشاہ کے لیے فوج کی سرداری لازمی تھی، اور ہر سردار اعلیٰ کو بادشاہ کہتے بھی تھے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ ''بادشاہ کا پہلا فرض یہ تھا کہ فوج کی امارت اور سپہ سالاری کرے'' (جلد ۷، صفحہ ۵۰۱) اور یہ تصریح بھی ہے کہ ''فلسطین میں تقریبًا ہر بڑا سردار بادشاہ ہی کہلاتا تھا'' (جلد ۷، صفحہ ۵۰۰) توریت میں اسی موقع کا بیان ان الفاظ میں ہے:۔ ''تب سارے اسرائیلی بزرگ جمع ہو کر رامہ میں سموئیل کے پاس آئے، اور اُسے کہا کہ دیکھ تو بوڑھا ہوا، اور تیرے بیٹے تیری راہ پر نہیں چلتے، اب تو کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کر، جو ہم پر حکومت کیا کرے، جیسا کہ سب قوموں میں ہے''۔ (۱۔سموئیل۔ ۸: ۴و۵) ''ہم تو بادشاہ چاہتے ہیں جو ہمارے اوپر مقرر ہو تا کہ ہم بھی اور سب گروہوں کے مانند ہوں اور ہمارا بادشاہ ہماری عدالت کرے اور ہمارے آگے آگے چلے، اور ہمارے لیے لڑائی کرے'' (۱۔سموئیل۔ ۸: ۱۹و۲۰) و۹۳۲ یہ سب حضرت شموئیل نے کچھ تو اپنی فراست ایمانی سے فرمایا، اور کچھ اپنی قوم کی افتادِ طبیعت کے تجربوں کی بنا پر۔ عَسَیْتُمْ اَلَّا تُقَاتِلُوْا کے معنی ہیں کہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تم نہ لڑو گے۔ یعنی اتوقع جبنکم عن القتال (کشاف) ھَلْ عَسَیْتُمْ میں ھَلْ تاکید کلام کے لیے ہے۔ اراد بالاستفھام التقریر والتثبیت ان المتوقع کائن (کشاف) و۹۳۳ وہ لوگ بولے، کہ واہ بھلا یہ بھی کہیں ممکن ہے۔ حکم شرعی سے قطع نظر ہم لوگ انتہائی مظلوم اور ستائے ہوئے بھی تو ہیں۔ اس دور میں فلسطینیوں کی جو شدید اور بے پناہ یورش اسرائیلیوں پر جاری تھی اور اسرائیلیوں کا ملک جس بے اندازہ حد تک ان کے ہاتھوں تاراج ہو رہا تھا اس کی تفصیلات قدیم اسرائیلی مؤرخ جوزیفس کے صفحات اور یہود کی دُوسری تاریخوں میں ملتی ہیں۔ توریت بھی ان معرکہ آرائیوں کے ذکر سے بالکل خالی نہیں، ایک جگہ ہے:۔ ''اور جب وہ باہم مقابل ہوئے تو اسرائیلی نے فلسطیوں سے شکست پائی۔ اور انہوں نے اُن کے لشکر میں سے قریب چار ہزار آدمی کے مارے''۔ (۱۔سموئیل۔ ۴: ۳) اور دُوسری جگہ ہے:۔ ''سو فلسطی لڑے، اور بنی اسرائیل نے شکست کھائی، اور ہر ایک اپنے اپنے خیمہ کو بھاگا، اور وہاں نہایت بڑی خونریزی ہوئی کہ تیس ہزار اسرائیلی مارے مارے پڑے، اور خدا کا صندوق لوٹا گیا''۔ (۱۔سموئیل۔ ۴: ۱۰) و۹۳۴ آخر اُن کے نبی کا کہا اُن کے آگے آیا۔ اور بنی اسرائیل اتنے دعووں کے باوجود پست ہمتی اور بزدلی کا شکار ہو کر رہے۔ جوزیفس کی مشہور تاریخ آثار یہود میں ہے:۔ ''اُن پر دہشت طاری ہوگئی۔ یعنی پہاڑوں میں چھپ گئے، بعض نے زیر زمین غاروں میں پناہ لی، اور بہت سے لوگ تو اپنا ملک چھوڑ کر دریائے یردان عبور کر گئے''۔ (باب ۶۔ فصل ۶۔ فقرہ ۱) و۹۳۵ (اور ان کی سزا پر بھی پوری طرح قادر) الظّٰلِمِیْنَ سے یہاں مراد اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں، یعنی اللہ کے نافرمان بندے۔ ھم الذین ظلموا بانفسھم عندالقتال و ترک الجھاد (روح) و۹۳۶ طالوت بن کش تاریخ میں قوم اسرائیل کے پہلے بادشاہ تسلیم کیے گئے ہیں۔ زمانہ حکومت ۱۰۲۸ق۔م تا ۱۰۱۲ق۔م۔ یہ وہی ہیں جن کا ذکر توریت میں ساؤل Saul کے نام سے آیا ہے۔ توریت میں ان کی نصب حکومت کا ذکر حسب دستور طوالت کے ساتھ موجود ہے:۔ ''اور خداوند نے ساؤل کے آنے سے ایک دن پیشتر سموئیل کے کان میں کہہ دیا تھا کہ کل اسی وقت میں ایک شخص کو بنیمین کی سرزمین سے تجھ پاس بھیجوں گا۔ سو تو اس پر تیل ملیو کہ وہ میری قوم اسرائیل کا حاکم ہو تا کہ میرے لوگوں کو فلسطیوں کے ہاتھ سے چھڑائے...... سو جب سموئیل ساؤل سے دو چار ہوا تو وہیں خداوند نے کہا کہ دیکھ یہی شخص ہے جس کی بابت میں نے تجھے کہا تھا یہی میرے لوگوں پر ریاست کرے گا''۔ (۱۔سموئیل ۹: ۱۵۔۱۶) مَلِکًا یہاں ترکیب میں طالوت سے حال واقع ہوا ہے و۹۳۷ حضرت سموئیل نبی علیہ السلام کا کہنا بالکل ٹھیک نکلا۔ اسرائیلی کہاں تو امیر کے تقرر کا خود ہی تقاضا کر رہے تھے، اور کہاں اب جو اس کا خدائی تقرر ہو گیا، تو لگے نکتہ چینی بھی کرنے اور کہنے کہ ایسے شخص کا انتخاب ہو کیونکر سکتا ہے''۔ فلما بعث لھم ملکًا انکروا ذٰلک و عجبوا (ابن جریر) واستبعدوا جدًا ان یکون ھو ملکًا علیھم (کبیر) اَنّٰی۔ من این کا بھی مرادف ہو سکتا ہے اور کیف کا بھی۔ حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی کمال تعجب۔ مقصود نبی کی تکذیب نہیں، صرف اس کے قول پر کمال حیرت ہے۔ کیف و من این، وھو انکار لتملکہ علیھم و استبعادلہ (کشاف) الاستفھام حقیقی او للتعجب لا لتکذیب نبیھم (روح) ایک خاص قبیلہ کی طرف سے اعتراض وانکار کا ذکر توریت میں بھی ہے:۔ ''بنی بعال بولے کہ یہ شخص ہم کو کس طرح بچائے گا۔ اور اس کی تحقیر کی۔ اور اس کے لیے نذرانے نہ لائے''۔ (۱۔سموئیل۔ ۱۰: ۲۷) بنی اسرائیل حضرت یعقوب کی بارہ اولادوں کی نسل میں، نسلی بنا پر ۱۲ فرقوں یا قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان میں سب سے چھوٹا قبیلہ بنی یامین کا تھا، اور توریت میں تصریح ہے کہ طالوت اسی قبیلہ سے تھے (۱۔سموئیل۔ ۹: ۲۱) تو ایک وجہ تو ان کے حقیر سمجھے جانے کی یہی ہوئی۔ نسل وخاندان کی اہمیت جب جائز حدود سے بڑھ جاتی ہے، تو ہندوؤں کی طرح ذات پات کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اسرائیلیوں کا بھی اب یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ نبوت حق مخصوص ہے قبیلہ بنی لاوہ کا، اور حکومت حق مخصوص ہے قبیلہ بنی یہودا کا۔ و کان فی بنی اسرائیل سبطان سبط نبوۃ و سبط مملکۃ و لم یکن طالوت من سبط النبوۃ ولا من سبط المملکۃ (ابن جریر) جیسے آج عام ہندوؤں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ کوئی شخص جو نہ برہمن ہو نہ چھتری، وہ اعلیٰ حاکم وسردار کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ دوسرا اعتراض اسرائیلیوں کا یہ تھا کہ یہ مالی اعتبار سے بھی تو منصب امارت کے لائق نہیں...... جیسے ہندو کسی کے متعلق یہ اعتراض کریں کہ برہمن اور چھتری نہ سہی، یہ شخص ویش (مہاجن یا ساہوکار) کے درجہ کا بھی تو نہیں! و۹۳۸ (اور اللہ کا انتخاب ظاہر ہے کہ ہر طرح پُر حکمت وپُر مصلحت ہی ہوگا) حضرت شموئیل نبی علیہ السلام نے پہلا اور اصلی جواب تو یہی دیا کہ یہ انتخاب انسانی نہیں خدائی ہے۔ اور اس لیے ہر طرح یہی مناسب وپُر مصالح ہے، ایسا کہ تمہارا تو ذہن بھی ان باریک مصلحتوں تک نہیں پہنچ سکتا ع پیمبر ہر چہ گوید دیدہ گوید

توریت میں اس مقام پر ہے:

سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ

میں قتال کریں و۹۳۱ (نبی نے) کہا کہیں ایسا تو نہیں، کہ اگر تم پر قتال فرض،

الۡقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوۡا ؕ قَالُوۡا وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىۡ

کر دیا جائے تو تم قتال نہ کرو؟ و۹۳۲ وہ بولے بھلا ہمارے لیے کونسا ایسا سبب ہوسکتا ہے کہ ہم

سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَ قَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِيَارِنَا وَ اَبۡنَآئِنَا ؕ

خدا کی راہ میں نہ لڑیں۔ درآنحالیکہ ہم نکالے جاچکے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے فرزندوں سے، و۹۳۳

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ ؕ

لیکن جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا تو وہ (سب) پھر گئے بجز ان میں ایک قلیل تعداد کے و۹۳۴

وَ اللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۴۶﴾ وَ قَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ اِنَّ

اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے و۹۳۵ اور ان لوگوں سے ان کے نبی نے کہا کہ

اللّٰهَ قَدۡ بَعَثَ لَكُمۡ طَالُوۡتَ مَلِكًا ؕ قَالُوۡۤا اَنّٰى يَكُوۡنُ

اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو امیر مقرر کر دیا ہے و۹۳۶ وہ بولے اسے ہمارے اوپر کیسے

لَهُ الۡمُلۡكُ عَلَيۡنَا وَ نَحۡنُ اَحَقُّ بِالۡمُلۡكِ مِنۡهُ وَ لَمۡ

امیری حاصل ہوسکتی ہے، درآنحالیکہ ہم اس سے بڑھ کر امیری کے مستحق ہیں اور اسے

يُؤۡتَ سَعَةً مِّنَ الۡمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰٮهُ

مال میں بھی تو وسعت نہیں دی گئی ہے و۹۳۷ (نبی نے) کہا کہ اسے اللہ نے تمہارے مقابلہ میں انتخاب

عَلَيۡكُمۡ وَ زَادَهٗ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ وَ الۡجِسۡمِ ؕ وَاللّٰهُ

کر لیا ہے و۹۳۸ اور اسے علم و جسم دونوں میں کشادگی زیادہ دی ہے، و۹۳۹ اور اللہ

يُؤۡتِىۡ مُلۡكَهٗ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۴۷﴾

اپنا ملک جسے چاہتا ہے دیتا ہے و۹۴۰ اور اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے و۹۴۱

''اور سموئیل نے جماعت کو کہا کہ تم اُسے دیکھتے ہو کہ جسے خداوند نے چن لیا کہ اس کی مانند سارے لوگوں میں ایک بھی نہیں''۔ (۱۔سموئیل۔۱۰:۲۴) و۹۳۹ یہ شموئیل نبی کا دوسرا اور ''عقلی'' جواب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے معیار سے بھی دیکھ لو۔ تمہارے معیار سے سردار فوج میں بھی دو ہی چیزیں ہونی ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ اسے سپہ داری و ملک گیری کے فنون سے واقفیت ہونا چاہیے۔ سو وہ طالوت کو حاصل ہے۔ اور دوسرے خود اس کی جسمی قوت و توانائی، سو اس میں بھی وہ ممتاز ہے۔ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ۔ علم سے مراد یہاں وہی علوم و فنون ہیں جن کا تعلق ملک گیری و ملک داری سے ہے۔ **ای علم الحرب** (ابن عباس رضی اللہ عنہما) **لیتمکن به من حرفة الامور السیاسیة** (روح) **کان اعلم بنی اسرائیل بالحرب والدیانات فی وقته** (مدارک) وَالۡجِسۡمِ۔ **بسطة فی الجسم** سے مراد ہے کہ طالوت قد و قامت اور وجاہت ظاہری میں دوسروں سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ **ای الطول والقوة** (ابن عباس رضی اللہ عنہما) **اطول من کل انسان براسه و منکبه** (مدارک) توریت کی دی ہوئی تفصیلات سے اُن کے حلیہ کا نقشہ ذہن میں خود کھینچ لیجیے:۔ ''بہت خوب جوان تھا۔ اور بنی اسرائیل کے درمیان اس سے خوبصورت کوئی شخص نہ تھا۔ یہ ساری قوم میں کاندھے سے لے کر اوپر تک ہر ایک سے اونچا تھا''۔ (۱۔سموئیل۔۹:۱۰) ''اور وہ جب کہ جماعت کے درمیان کھڑا ہوا تو شانوں سے لے کر اوپر تک سب لوگوں سے زیادہ لمبا تھا''۔ (۱۔سموئیل۔۱۰:۱۳) اور درازقامتی، اسرائیلیوں کے ہاں کوئی معمولی صفت نہیں، بڑی اہم اور ضروری صفت سرداری کے لیے تھی۔ توریت کے بعد اُن کے ہاں کا مقدس ترین نوشتہ تالمود ہے، اس کی تصریح ملاحظہ ہو:۔ ''خداوند تبارک و تعالیٰ اپنی سکینت کا نزول صرف اُس شخص پر کرتا ہے جو دانشمند ہو، مضبوط ہو، متمول ہو اور دراز قامت ہو (Everyman's Talmud صفحہ ۱۲۸) قرآن مجید کی اس بلاغت کے قربان جایئے، کہ اُس نے نام ہی ایسا رکھا، جس سے بلند قامتی کی جانب پورا اشارہ ہو جائے۔ چنانچہ اہل تحقیق کا ایک گروہ اس جانب گیا ہے کہ طالوت دراصل طولوت تھا، اور طول سے مشتق۔ **کان طالوت اسمه بالعبرانیة ساؤل فسمی طالوت لطوله** (معالم) **قیل انه عربی من الطول واصله الطولوت** (روح) و۹۴۰ (کہ وہی مالک و مختار ہے، اور اُس کی ہر عطا اقتضاء حکمت کے موافق ہی ہوتی ہے) مُلۡكَهٗ: ملک کی نسبت اپنی جانب کر کے اللہ نے بتا دیا کہ حقیقت میں وہی ایک مالک سارے ملکوں کا ہے۔ و۹۴۱ وَاسِعٌ۔ وہ بڑی ہی وسعت والا ہے، جس کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ وہی ہر پست کو بلند، اور ہر ادنیٰ کو سرفراز کر سکتا ہے واسع کی تفسیر **واسع الفضل و الرزق و الرحمة** سے بھی آئی ہے اور موسع سے بھی اور ذو سعة سے بھی (کبیر) عَلِيۡمٌ۔ اس کا علم محیط و کامل ہے۔ وہی خوب جانتا ہے کہ کس میں ملک گیری و ملک داری کی صلاحیت موجود ہے و۹۴۲ (یا وہ غیبی تصرف جو تمہارے اطمینان کا کام دے سکے) کچھ عجب نہیں جو بنی اسرائیل نے اپنی قدیم اعجوبہ پرستی کی بنا پر طالوت کے لیے کسی غیبی نشان کا مطالبہ اپنے پیمبر سے کیا ہو، اور وہ اس کے جواب میں بہ ایماء الٰہی یہ فرما رہے ہوں و۹۴۳ (درآنحالیکہ تم مدت دراز سے اپنی اس متاع عزیز سے محروم ہو) يَّاۡتِيَكُمُ۔ یعنی از خود بغیر تمہاری کسی خاص جدوجہد کے آ جائے گا۔ التَّابُوۡتُ۔ اس خاص صندوق کا اصطلاحی نام تابوت سکینہ ہے۔ یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین ملی و قومی ورثہ تھا۔ اس کے اندر اصل نسخہ توریت مع تبرکات انبیاء محفوظ تھا۔ اسرائیلی اس کو انتہائی برکت و تقدیس کی چیز سمجھتے تھے، اور اس کے ساتھ برتاؤ انتہائی احترام کا رکھتے تھے۔ سفر و حضر جنگ و امن ہر حال میں اُسے بڑی حفاظت سے اپنے ساتھ رکھتے۔ یہ کچھ ایسا بڑا نہ تھا۔ موجودہ علماء یہود کی تحقیق کے مطابق اس کی پیمائش حسب ذیل تھی:۔ طول اڑھائی فٹ عرض ڈیڑھ فٹ بلندی ڈیڑھ فٹ۔ بنی اسرائیل اپنی ساری خوش بختی اسی سے وابستہ سمجھتے تھے۔ مدت ہوئی فلسطینی اسے ان سے چھین لے گئے تھے۔ اسرائیلی اسے اپنے حق میں انتہائی نحوست و بدطالعی سمجھ کر اس کی واپسی کے لیے نہایت درجہ بے تاب و مضطرب تھے طالوت کے وقت میں یہ تابوت واپس آ جانے کے بعد تاریخ کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل کے قبضہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام (متوفی ۹۳۳ ق۔م) تک رہا۔ اور آپ نے بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد اسی میں اُسے رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہود کا عام خیال یہ ہے کہ یہ تابوت اب بھی ہیکل سلیمانی کی بنیادوں کے اندر دفن ہے۔ سَكِيۡنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ۔ یعنی توریت کا نسخہ شفاء و۹۴۴ یعنی ان دونوں حضرات اور اُن کی مقدس اولاد کے آثار و تبرکات۔ بعض اہل طریق نے کہا ہے کہ اولیاء اللہ کے احترام کا جو طریقہ چلا آ رہا ہے، اس کی اصل اور سند اس قصہ تابوت سے مل جاتی ہے

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

اور ان سے ان کے نبی نے کہا کہ اس کی امارت کا نشان یہ ہے ف۹۴۲ کہ تمہارے پاس وہ صندوق (ازخود)

التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا

آجائے گا جس میں (سامان) تسکین تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے ف۹۴۳ اور کچھ بچی ہوئی چیزیں بھی

تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ

جنہیں آل موسیٰ اور آل ہارون چھوڑ گئے ہیں ف۹۴۴ اس (صندوق) کو فرشتے لے آئیں گے ف۹۴۵

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع

بے شک اس واقعہ میں تمہارے لئے ایک نشان ہے، ف۹۴۶ اگر تم ایمان والے ہو،

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ

پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر بڑھے تو بولے ف۹۴۷ کہ اللہ

مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ

تمہارا امتحان ایک دریا کے ذریعہ سے لینا چاہتا ہے ف۹۴۸ سو جو کوئی اس میں سے پانی پی لے گا وہ میرا

مِنِّیْ ۚ وَ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْۤ اِلَّا مَنِ

نہیں ہے ف۹۴۹ اور جو کوئی اسے نہ چکھے سو وہی میرا ہے، مگر ہاں جو کوئی

اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا

اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے (اس کا مضائقہ نہیں) ف۹۵۰ لیکن ان (سب) نے اس سے پی لیا بجز ان میں سے

مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ

تھوڑے سے (آدمیوں) کے، ف۹۵۱ پھر جب طالوت اور مومنین بھی ان کے ساتھ اس (دریا) سے اتر گئے

قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ ؕ

تو وہ لوگ بولے کہ آج تو ہم میں جالوت اور اس کی فوجوں سے مقابلہ کی طاقت نہیں ف۹۵۲

ع ۳۲ / ۱۶

ف۹۴۵ تاریخ کا بیان ہے کہ فلسطینی اس تابوت سکینہ کو چھیننے کو تو چھین لائے۔ لیکن جس تاریخ سے اُسے لے کر آئے، ایک دن بھی چین نہ اُٹھانے پائے۔ ابھی وبا کا زور ہے ابھی کوئی اور مصیبت۔ آخر عاجز آکر یہ طے کیا کہ (نعوذ باللہ) اس نحوست کی پوٹ کو کہیں اور پھینکوا دیا جائے۔ ایک بیل گاڑی پر اسے لاد، گاڑی کو بغیر کسی گاڑی بان کے یوں ہی ہانک دیا۔ بیل سیدھے علاقہ بنی اسرائیل کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور گاڑی صوبہ یہودا کے شہر بیت شمس میں آکر ٹھہر گئی۔ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ تکوینی تصرفات جتنے بھی ہوتے رہتے ہیں، سب فرشتوں ہی کے ذریعہ سے انجام پاتے رہتے ہیں، چنانچہ بیلوں کا رخ خاص اسرائیلی علاقہ کی جانب کر دینا بھی فرشتوں ہی کا کام تھا۔ اور یہی غیبی نشان تھا طالوت کی تائید میں۔ بائبل میں تابوت سکینہ کی بازیابی عہد طالوت سے بہت پیشتر درج ہوگئی ہے۔ قرآن مجید نے یہاں یہ تصریح کر کے، حسب معمول، بائبل کے بیان کی تصریح کر دی...... مسیحیوں اور ان کے حلیفوں کی یہ کوشش جس قدر مضحکہ خیز ہے اسی قدر عبرت انگیز بھی، کہ بجائے اس کے کہ قرآن جیسی محکم، محفوظ، مستند دستاویز کو بائبل پر پیش کریں، اور اس کی روشنی میں بائبل کے بیانات کو جانچیں، پرکھیں، اُلٹے بائبل جیسی مشتبہ، غیر محفوظ، بے سند تحریر کی روشنی میں قرآن مجید کے بیانات کو جانچنا، پرکھنا چاہتے ہیں!...... گویا آفتاب کی روشنی میں لالٹین کو دیکھنے کی بجائے لالٹین سے آفتاب کو دیکھنے کی کوشش! ف۹۴۶ (تصرف غیبی کا) فِیْ ذٰلِكَ ای فی رجوع التابوت الیکم (مدارک) ای فی اتیان التابوت (بحر) لَكُمْ۔ تمہارے لیے، یعنی تمہارے اطمینان کے لیے ف۹۴۷ (اپنی فوج والوں سے) فَصَلَ، یعنی دشمن کے مقابلہ میں بڑھے ف۹۴۸ (صبر وثبات، ضبط اور ڈسپلن میں) نَهَرٍ۔ دریا سے یہاں مراد دریائے یردن Jorden ہے۔ یہ دریا بڑا نہیں، براہ راست لمبائی ۶۵ میل کی ہے۔ البتہ اس کے خم و پیچ ملا کر کوئی ۲۰۰ میل کی ہے۔ علاقہ فلسطین میں اہم ترین دریا یہی ہے، اور گویا ملک کی قدرتی سرحد کا کام دیتا ہے۔ چنانچہ یردن کے اس پار اور اس پار علاقوں کی تقسیم خود توریت میں درج ہے۔ (یوشع۔ ۱: ۱۴ و ۱۵) اس کا بہاؤ شمال سے جنوب کی جانب ہے۔ اور یہ بحر جلیل اور بحر طبریہ ہوتا ہوا، بحر مردہ Dead Sea میں جا گرتا ہے۔ اس کا پانی شروع میں تو صاف شفاف، شیریں ہے، لیکن آگے چل کر گندلا، بدبودار اور مضر ہو جاتا ہے ف۹۴۹ یعنی میرے ہمراہیوں، رفیقوں میں سے نہیں۔ یہ معنی نہیں کہ وہ سرے سے ایمان ہی سے خارج ہو گیا۔ ای من اشیاعی (روح) لیس من اتباعی و اشیاعی (مدارک) لم یخرجھم بذلک عن الایمان (بحر) شَرِبَ مِنْهُ۔ یعنی جی بھر کر اس میں سے پانی پی لے گا۔ موسم گرمی کا تھا، اور طالوت کے سپاہیوں کو پیاس قدرۃً زور کی لگی ہوئی تھی ف۹۵۰ معلوم ہوتا ہے کہ اصل حکم وہی پہلا تھا کہ کوئی راستہ میں یہ پانی زبان ہی پر نہ رکھے۔ اور یہ دوسرا حکم بطور رخصت و اجازت تھا کہ خیر ایک آدھ چلو سے منہ تر کر لینے میں مضائقہ نہیں۔ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ۔ ای من لم یذقه (روح) من لم یذقه من طعم الشیٔ (مدارک) اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ۔ معناه الرخصة فی اغتراف الغرفة بالیددون الکرع (مدارک) ف۹۵۱ (کہ ان کی تعداد حسب روایت توریت ۶۰۰ تھی) "تب ساؤل نے اُن لوگوں کو جو اُس کے پاس حاضر تھے، گنا۔ اور وہ مرد چھ سو کے قریب تھے"۔ (۱۔ سموئیل۔ ۱۳: ۱۵) شَرِبُوْا مِنْهُ۔ یعنی خوب سیر ہو کر پیا، جس کے بعد چلنا خصوصاً فوجی مارچ کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ف۹۵۲ (بہ نظر احوال ظاہر) یہ گفتگو ان میں آپس میں ہونے لگی۔ دشمن کی کثرت تعداد اور اس کی عظمت و سامان پر نظر کر کے اس کی ہیبت دل میں بیٹھ جانا اور اپنی طرف سے مایوس ہو جانا ایک امر طبعی تھا۔ اچھے اچھے اہل ایمان کی بھی ہمت ایسے موقع پر طبعی طور پر چھوٹ جاتی ہے۔ جوزیفس اسرائیلی کی تاریخ آثار یہود میں ہے:۔ "طالوت اور اس کے لشکری یہ سامان دیکھ کر سہم اُٹھے۔" (باب ۶۔ ۹: ۱) خود توریت کی روایت ہے:۔ "جس وقت ساؤل اور سارے اسرائیل نے اس فلسطی کی بات سنی تو ان کی دلاوری نکل گئی اور وہ نپٹ ڈر گئے"۔ (۱۔ سموئیل۔ ۱۷: ۱۱) جَالُوْتَ۔ فلسطینیوں کے لشکر کا مشہور سردار بڑے تن و توش کا پہلوان تھا۔ گویا انسان کیوں تھا، دیو زاد تھا۔ توریت میں اُس کی جسامت، قد و قامت، اُس کی شہزوری، اُس کے اسلحہ اور اُس کی مبارزت کا ذکر تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا قد ۱۰ فٹ کا تھا، بجز چہرہ کے، سر سے پیر تک آہن پوش رہتا تھا، اور اُس کی سپر کا وزن کوئی تین من کا تھا! ف۹۵۳ (آخرت میں) لشکر طالوت میں مومن تو سب ہی تھے، بہتوں پر لشکر جالوت کی ہیبت طبعی طور پر طاری ہوگئی۔ لیکن کچھ ایسے بھی تھے جن کا ایمان خدا اور آخرت پر بالکل پختہ و غیر متزلزل رہا۔ اُس وقت بھی ان کے ذہن میں یہ عقیدہ مستحضر تھا اور وہ ہنگامی طور پر بھی مرعوب و دہشت زدہ نہ ہوئے۔ بلکہ بڑے استقلال کے ساتھ بولے۔ يَظُنُّوْنَ۔ ظن یہاں گمان کے معنی میں نہیں، علم و یقین کے معنی میں ہے۔ ای یعلمون و یستیقنون (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای یوقنون بالشهادة (مدارک) یحتمل ان یکون الظن بمعنی الایقان ای یوقنون بالبعث والرجوع الی الله قاله السدی (بحر) ف۹۵۴ (اس لیے دشمن کی کثرت تعداد سے خوف ہی کیا) ان مومنین راسخین نے اس وقت بھی کہا کہ اصل شے تو ایمان کی مضبوطی ہے۔ ایمان سے لبریز اقلیت بارہا اکثریت پر غالب آچکی ہے۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ میں اذن، مشیت تکوینی کے معنی میں نہیں۔ حکم و توفیق الٰہی کے معنی میں ہے۔ ای بحکمه و تیسیره (روح) بِاِذْنِ اللّٰهِ کی قید نے اسے بھی واضح کر دیا کہ اہم ترین شے ذاتی ہمت و شجاعت نہیں، یہی تائید غیبی ہوتی ہے۔ ف۹۵۵ (اس لیے اہم و مقدم شے صبر و ثبات اور اعتماد علی اللہ ہے) مَعَ سے اللہ کی معیت جسمانی مراد نہیں، اس کی معیت نصرت و امداد کے ساتھ مراد ہے۔ المراد منه المعية بالنصر و الاحسان (روح) ای بالنصر (مدارک) المراد به معية نصره و توفيقه (ابو سعود) ف۹۵۶ ان دونوں آیتوں میں اللہ کے لشکر کے سپاہیوں کو آداب جنگ کی تعلیم ہے، کہ بہ خلاف

عام مومنین سپاہیوں کے دل کا تکیہ قوت و شوکت پر نہیں، بلکہ نصرت الٰہی پر ہوتا ہے۔ قرآن اور توریت موجودہ کے بیانوں کا مقابلہ کر دیا جائے۔ توریت میں نفس جنگ کے خشک و غیر ضروری واقعات کی تفصیل قرآن سے کہیں زائد ہے۔ لیکن وہ بس اسی پر قانع ہے۔ گویا کوئی کتاب تذکرہ و تاریخ کی ہے۔ قرآن مجید اس کے برخلاف ہر موقع پر تعلیم اصولِ دین اور اخلاقِ عالیہ کی دیتا جاتا ہے۔ اور یہی اس نے یہاں بھی کیا۔ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا۔ یعنی ہمیں ثبات قلب کی توفیق دے۔ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا۔ یعنی ہمیں ثباتِ قدم نصیب کر۔ فَانْصُرْنَا۔ ثباتِ قلب و ثباتِ قدم کے بعد کافروں پر غلبہ تو قدرتی نتیجہ کے طور پر شاید حاصل ہو ہی جاتا۔ لیکن مومنین عافرین کی نظر اپنے سارے انتظامات اور ساری سعی سے کہیں بڑھ کر تائید الٰہی پر رہتی ہے۔ اس لیے صراحت کے ساتھ فتح و غلبہ کی دعا بھی ان کی زبان سے نقل کی گئی و۹۵۷ فَهَزَمُوْهُمْ۔ انہوں نے انہیں یعنی طالوت کے لشکر نے جالوت والوں کو شکست دے دی۔ اذن۔ یہاں بھی حکم و توفیق کے معنی میں ہے۔ توریت میں فلسطینیوں کی اس شکست فاش کی منظر کشی یوں کی گئی ہے:۔ ”اور فلسطیوں نے جو دیکھا کہ اُن کا پہلوان مارا پڑا تو وہ بھاگ نکلے۔ اور اسرائیل اور یہوداہ کے لوگ اُٹھے اور للکارے، اور فلسطیوں کو وادی تک اور عقران کے پھاٹک کی راہ تک رگیدا“۔ (۱۔ سموئیل۔ ۱۷: ۵۲) و۹۵۸ دَاوٗدُ۔ داؤد بن لیسی بن عوبید (۱۰۲۴ تا ۹۶۳ ق۔م) ایک پیغمبر برحق ہوئے ہیں۔ قرآن میں آپ کا ذکر ۱۶ مقاموں پر آیا ہے۔ طالوت کی فوج میں محض ایک نوجوان سپاہی کی حیثیت سے شامل تھے۔ اس وقت تک نہ نبوت سے سرفراز ہوئے تھے، نہ ملک و سلطنت سے۔ توریت میں یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ درج ہے:۔ ”اور ایسا ہوا کہ جب فلسطی اُٹھا اور آگے بڑھ کر داؤد علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے نزدیک ہوا، تو داؤد نے پھرتی کی۔ اور صفوں کی طرف داؤد سے مقابلہ کرنے دوڑا۔ اور داؤد نے اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈالا۔ اور اُس میں سے ایک پتھر لیا۔ اور فلاخن میں دھر کے فلسطی کے ماتھے پر ایسا مارا کہ وہ پتھر اس کے ماتھے میں غرق ہو گیا۔ اور وہ زمین پر منہ کے بل گر پڑا۔ سو داؤد ایک فلاخن اور ایک پتھر سے اس فلسطی پر غالب ہوا۔ اور اس فلسطی کو مارا اور قتل کیا“۔ (۱۔ سموئیل۔ ۱۷: ۴۸۔ ۵۰) و۹۵۹ (یہ سب کچھ اس واقعہ کے بعد ہوا) اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ۔ یہ بادشاہی خدائی عطیہ تھی، پہلے تو اسی کو قرآن نے صاف کیا۔ یہ فرماں روائی قوم اسرائیل کو عطا ہوئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نسل اسرائیلی کے دوسرے بادشاہ ہیں۔ تاجدار اول طالوت تھے۔ آپ انہی کے داماد تھے۔ طالوت جب مع اپنے بڑے فرزند کے میدانِ جنگ میں کام آ گئے تو قبیلہ یہودا نے آپ کو اپنا بادشاہ منتخب کیا۔ اور دو سال کی کشمکش کے بعد، باقی قبیلوں نے بھی آپ ہی پر اتفاق کر لیا۔ سات سال تک آپ نے اپنا پایہ تخت حبرون (یعنی الخلیل) کو رکھا۔ اس کے بعد یروشلم کو دشمنوں کے قبضہ سے نکال کر اُسے دار السلطنت بنایا۔ آپ نے اپنے گرد و پیش کے حکمرانوں کو مسخر و مغلوب کیا۔ اور اپنے حدودِ سلطنت کو خوب وسیع کیا۔ آپ کا عہد حکومت تاریخ اسرائیل میں فتوحاتِ ملکی اور حسن انتظام دونوں کے لیے یادگار ہے۔ الْحِكْمَةَ۔ حکمت سے یہاں مراد نبوت ہے۔ جو حکمت کا بلند ترین مقام ہے۔ حکمت کے عام معنی تمیز و دانائی بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ قیل الحکمة العلم والعمل بها و فسرها بعضهم بالنبوة (بحر) اے النبوة (بیضاوی) الحکمة به وضع الامور مواضعها علی الصواب والصلاح و کمال هٰذا المعنٰی یحصل بالنبوة فلا یبعد ان یکون المراد ههنا النبوة (کبیر) عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ۔ علوم انبیاء کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟ مِمَّا يَشَآءُ کے عموم میں وہ تمام علوم، فنون و صنائع آ گئے جو حضرت داؤد علیہ السلام کو سکھا دیئے گئے تھے۔ مِمَّا میں من تبعیضیہ نہیں ابتدائیہ ہے و۹۶۰ (غلبۂ بدی و بدکاری سے) بَعْضَهُمْ۔ یعنی مفسدوں، نافرمانوں، قانون شکنوں، باغیوں کو۔ بِبَعْضٍ۔ یعنی دوسرے بندوں کو مشیت تکوینی کا آلہ کار بنا کر۔ یہاں یہ عام قانون بتا دیا کہ دنیا میں حکومتوں اور سلطنتوں کے جو انقلابات ہوا کرتے ہیں یہ یوں ہی بلا ضرورت و مصلحت ”گردشِ گردوں سے“ نہیں ہو جایا کرتے۔ بلکہ ہمیشہ با مقصد و پر حکمت ہی ہوا کرتے ہیں اور ان سے ظلم و عصیان و طغیان کی اصلاح مد نظر ہوتی ہے۔ آیت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اس عالم اسباب میں مشیت تکوینی جو کام بھی لیتی ہے بندوں ہی کے واسطہ اور ذریعہ سے لیتی ہے و۹۶۱ (اس لیے وہ اپنے فضل و کرم سے روئے زمین پر اس فساد عظیم کی نوبت ہی نہیں آنے دیتا اور بدکاروں اور نافرمانوں کے غلبہ و تسلط کو دوسروں کے ذریعہ سے ہٹاتا اور مٹاتا رہتا ہے) غرض یہ کہ ہر ایسے انقلابِ حکومت کے عقب میں رحمت الٰہی ہی کام کرتی ہے و۹۶۲ بالحق یعنی بالکل بے کم و کاست، اپنی اصلی حالت میں، اور غرض صحیح کے ساتھ۔ بالیقین الذی لا یشک فیه اهل الکتب (مدارک) بالوجه المطابق الذی لایشک فیه اهل الکتاب وارباب التواریخ (بیضاوی) اے ملتبسة بالیقین الذی لایرتاب فیه احد من اهل الکتاب و ارباب التواریخ (ابو سعود) گویا یہاں یہ ظاہر کر دیا کہ صحیح و مستند بیان صرف قرآن ہی کا ہے۔ دوسری الہامی کتابوں اور مذہبی نوشتوں کی طرح اس کے قصے غلط سلط اور مسخ شدہ ہو کر نہیں رہ گئے ہیں۔ اور اس کی ایک مثال خود یہی قصہ طالوت ہے۔ بائبل والوں نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے و۹۶۳ (بس آپ اپنے پیغمبر برحق ہونے میں اصلاً شک نہ کیجئے، ان حقائق کا نزول پیغمبروں ہی پر ہوتا ہے) مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ لفظ مرسلین کی معنویت قابل غور ہے۔ انبیاء کی حیثیت اسلام میں تمام تر قاصدوں، سفیروں، بھیجے ہوؤں کی ہے۔ اور جو مرسل (بھیجا ہوا) ہوتا ہے، ظاہر ہے، کسی کی طرف سے، کسی کے پاس ہی بھیجا ہوا ہوتا ہے۔ یہ مرسلین یا پیامبر، خالق کی طرف سے مخلوق کے پاس ایلچی بن کر آتے ہیں۔ ان کی عظمت و بزرگی جو کچھ بھی ہے، اُن کے اسی منصب متعارف و پیامبری سے وابستہ ہے۔ یہ خود نہ اوتار ہوتے ہیں نہ دیوتا، نہ خدائی کے مظہر، نہ ان میں خدائی حلول کیے ہوتی ہے۔ معبودیت یا نیم معبودیت کی صلاحیت یہ ذرا سی بھی نہیں رکھتے اللہ اکبر! شرک بلکہ شائبہ شرک سے بھی بچنے کا قرآن مجید کو کس درجہ اہتمام ہے۔ اور الفاظ تک کے انتخاب میں وہ اس کا کیسا لحاظ رکھ لیتا ہے۔

قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ

اور وہ لوگ جنھیں یقین تھا کہ اللہ کے روبرو پیش ہوں گے، و۹۵۳ بولے کہ بارہا چھوٹی جماعتیں

قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ

بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آ گئی ہیں و۹۵۴ اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ قَالُوْا

ساتھ ہے و۹۵۵ اور جب وہ جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابل آئے تو بولے

رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا

اے ہمارے پروردگار ہمارے اوپر صبر ڈال دے، اور ہمارے قدم جمائے رکھ اور ہمیں غالب کر

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ؕ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫

کافر لوگوں پر و۹۵۶ پھر انہوں نے ان کو اللہ کے حکم سے شکست دے دی، و۹۵۷

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ

اور داؤدؑ نے جالوت کو قتل کر دیا و۹۵۸ اور اللہ نے داؤدؑ کو بادشاہت اور دانائی عطا کی،

وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ

اور جو کچھ چاہا انہیں سکھایا و۹۵۹ اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعہ سے

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

دفع نہ کرتا رہتا تو (روئے) زمین پر فساد برپا ہو جاتا و۹۶۰ لیکن اللہ تو

ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا

جہان والوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے و۹۶۱ یہ اللہ کی آیتیں ہیں، ہم انہیں آپ کو پڑھ

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

کر سناتے ہیں ٹھیک ٹھیک، و۹۶۲ اور آپ یقیناً مرسلین میں سے ہیں و۹۶۳

ضمیمہ پارہ ۲

متعلق آیت نمبر ۱۸۳ حاشیہ نمبر ۶۵۱

(۱)

کھانا انسان کی زندگی قائم رکھنے کے لیے ہے، یا انسان کی زندگی اس لیے ہے، کہ اُسے کھانے پینے کی لذتوں میں بسر کیا جائے؟ موجودہ مادی دنیا نے شق دوم کو اختیار کیا ہے، اور اس کا عمل بھی اسی پر ہے۔ مذہب نے شق اوّل کو اختیار کیا ہے، اور اپنے پیروؤں کو اس پر عمل کی ہدایت کی ہے۔

اسلام دین فطرت کا دوسرا نام ہے اس میں کوئی شے فطرتِ انسان و فطرتِ کائنات کے مخالف ہو نہیں سکتی۔ وہ ایک طرف اپنے پیروؤں کو جائز لذتوں سے لطف اٹھانے کی بار بار دعوت دیتا ہے اور دوسری طرف قدم قدم پر لَاتُسْرِفُوْا! دائرۂ اعتدال سے قدم باہر نہ رکھو کی بھی تاکید کرتا جاتا ہے۔ لذتوں پر جھک پڑنے کا نام فسق ہے، اور لذتوں سے بالکل کنارہ کش ہو جانے کو رہبانیت کہتے ہیں۔ اسلام نے جو شاہراہِ ہدایت دنیا کے سامنے پیش کی ہے، وہ فسق و رہبانیت، دونوں سے بچ کر ان کی درمیانی راہ ہے۔

خواص جب گمراہ ہوتے ہیں، تو رہبانیت کے ڈھرّے پر پڑ جاتے ہیں۔ عوام کی گمراہی کا نام فسق ہے۔ نفس انسانی میں لذتوں پر جھک پڑنے کا قدرتی میلان موجود ہے۔ انسان اکثر انہی لذتوں پر گرتا ہے اور ایسا گرتا ہے کہ انسانیت سے گزر کر بہیمیت کے غار تک پہنچ جاتا ہے۔ رُوح کو چاہیے کہ روز بروز لطافت کی جانب ترقی کرتی جائے، تاکہ جب جسم سے جدا ہو جانے کا وقت آئے تو اپنے مرکزِ اصلی کی جانب پرواز کرکے، جو از سرتا پا نور و لطافت ہے، وصل و وصال کا وہ انتہائی لطف و سرور حاصل کرے، جس کا نام مذہب کی اصطلاح میں جنت ہے۔ لیکن انسان جب فسق میں مبتلا ہو جاتا ہے، یعنی اُن مادی لذتوں میں پڑ جاتا ہے، جو اس کی روحانی صحت کے حق میں مضر ہیں، تو رفتہ رفتہ اس کی روح کثافت اور گندگی میں آلودہ رہنے لگتی ہے، یہاں تک کہ جسم سے جدا ہونے کے بعد اُس میں اپنے مرکزِ اصلی کی جانب پرواز کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ اور مجبوراً اُسے تنزل کر کے مادہ کی کثافتوں اور آلائشوں کے مرکز سے آمیز ہونا پڑتا ہے، جو اس سے کوئی بھی طبعی و خلقی مناسبت نہیں رکھتے، اس لیے اسے انتہائی اذیت و تکلیف کا سامنا ہوتا ہے، اور اس کو مذہب کی اصطلاح میں دوزخ کہتے ہیں۔

اسلام خلق اللہ کو راحت و سرور کی انتہائی منزل تک پہنچانے کا بہترین رہبر ہے۔ اس نے چن چن کر اپنے نظام و آئین میں وہی باتیں رکھی ہیں، جو روح کی فطری صلاحیت کو بڑھائیں، اور گندگی و کثافت میں آلودہ ہونے سے اُسے محفوظ رکھیں۔ ان سب تدبیروں میں سے ایک اہم تدبیر کا نام روزہ ہے۔ محض بھوکا اور پیاسا رہنا یا خواہ مخواہ کسی کو اپنے تئیں گرسنگی و تشنگی کی تکلیف میں مبتلا کرنا، ہرگز روزہ کا مدعا نہیں۔ روزہ کی غرض و غایت صرف یہ ہے کہ انسان کچھ دیر کے لیے تمام اہم لذاتِ مادی کی طرف سے بے توجہ ہو کر رُوح کو اپنی صفائی و پاکیزگی کی جانب متوجہ ہونے کا موقع دے۔ قرآنِ پاک میں روزہ کی غایت دو لفظوں میں فرمادی ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ) 'تقویٰ' کے معنیٰ 'بچنے' کے ہیں۔ بچنا کس شے سے؟ ہر اُس شے سے جو روح کی پرواز ترقی میں حائل ہوتی ہے۔ ہر اُس شے سے جو روح کے جوہر لطیف کے حق میں زہر کا اثر رکھتی ہے۔ ہر اُس شے سے جو روح کو کثافتوں اور آلائشوں کی دلدل میں پھنسائے رکھتی ہے۔ قرآنی بلاغت کا یہ معجزہ ہے کہ اس سارے مفہوم کو ایک لفظ تَتَّقُوْنَ، کے ذریعہ سے ادا کردیا۔

نماز اور روزہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے دو جداگانہ چیزیں نہیں، بلکہ ایک ہی حقیقت کے ایجابی و سلبی، مثبت و منفی دو پہلو ہیں۔ نماز کی حیثیت فاعلی ہے، یعنی دربارِ خداوندی میں حاضری دو، اپنی روح جزئی کا براہِ راست تعلق روح کلی سے پیدا کرو۔ روزہ کی حیثیت انفعالی ہے، یعنی ان چیزوں سے بچو جو اس راہ میں حائل ہوتی ہیں، جو روح کو اس رفتارِ ترقی کے ناقابل بناتی ہیں۔ طبیب حاذق علاج بھی کرتا ہے، اور پرہیز بھی بتاتا ہے۔ شفا اُسی وقت ممکن ہے جب مریض دونوں ہدایتوں پر عمل کرے۔ نماز بمنزلہ دوا ہے اور روزہ بمنزلہ پرہیز۔ دوا اور پرہیز دونوں کی اہمیت اپنی اپنی جگہ پر ظاہر ہے۔

یہیں سے ہے، کہ دُنیا کے کامل ترین انسان کو نماز کے بعد جو عبادت سب سے زیادہ محبوب تھی، وہ روزہ تھا۔ رسول خدا ﷺ اس کثرت سے روزہ رکھا کرتے تھے کہ اہل خاندان اور اصحاب رضی اللہ عنہم بعض اوقات دنگ رہ جاتے۔ وجہ کھلی ہوئی ہے۔ اعلیٰ ترین روح کو روحانی پاکیزگی و صفائی کے نمونے بھی بہترین اور کامل ترین دکھانے تھے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا۔ جس جس نے عمل کیا وہ اپنی مراد کو پہنچ کر رہا۔

کھانے پینے میں زیادتی کرنا، عورت سے میل ملاپ پر حریص ہونا، جھوٹ بولنا سخت کلامی کرنا، کسی کا دل دُکھانا، کسی کے پیچھے اس کا برائی سے ذکر کرنا، مال و دولت کی ہوس کرنا، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو روح کی لطافت کو صدمہ پہنچاتی ہیں، اس کی بالیدگی کو روک دیتی ہیں، اس میں تازگی کی بجائے پژمردگی پیدا کرتی ہیں۔ اور جسم و مادہ کی کثافتوں کو بڑھاتی رہتی ہیں۔ اس قسم کی تمام چیزوں سے بچنے اور پرہیز کرنے کا نام روزہ ہے۔ اور روزہ دار کے لیے یہ سب اُمور ممنوع ہیں۔

انسان اگر اپنی عمر کا بیشتر حصہ ان پابندیوں کے ساتھ گزار سکے تو اس کے مرتبہ کا کیا پوچھنا، لیکن کم از کم سال کا بارھواں حصہ تو اس طرح گزارنا اپنے لیے لازمی سمجھے۔ اور اگر بہت سے بندے مل کر ایک خاص زمانہ اس کے لیے مقرر کرلیں، جس میں وہ سب شریک ہوں تو شرکت و اجتماع کی بنا پر نفس روزہ کی برکتیں بدرجہا بڑھ سکتی ہیں۔ مگر سب کا اپنے ارادہ سے ایک خاص زمانہ مقرر کرنا ممکن نہیں، کسی کو کبھی سہولت ہوگی، کسی کو کبھی۔ اس لیے خود شریعت نے (راحت و سرور ابدی کی منزل کے بہترین، ہموار ترین و محفوظ ترین راستہ کا نام شریعت ہے) ایک خاص مہینہ کا تعین کردیا، جسے رمضان سے موسوم کرتے ہیں۔

خدائے اسلام جس طرح ہمارے رکوع و سجود، ہماری تکبیر و تسبیح سے بے نیاز ہے، اسی طرح اسے ہمارے بھوکے اور پیاسے رہنے، ہمارے روزہ و تراویح، ہماری سحری و افطاری کی بھی کوئی حاجت نہیں۔ یہ تمام امور صرف ہمارے نفع و فائدہ کے لیے ہیں۔ ہماری طبیعتیں اور سرشتیں چونکہ شیطانی اثرات سے مسخ ہو چکی ہیں۔ اس لیے آج بہتوں کو روزہ کی پابندی ایک بار معلوم ہوتی ہے لیکن کل جب حجابات دور ہو جائیں گے، جب آنکھیں کھل جائیں گی اس وقت اندازہ ہو سکے گا کہ روح میں اعلیٰ صلاحیتیں پیدا کرنے کے لیے اور ابدی سرور و دائمی راحت حاصل کرنے کے لیے روزہ کتنا سہل، آسان، مفید، موثر نسخہ تھا۔ کاش ہمارے سب بھائیوں کی آنکھیں آج ہی کھل جائیں۔

(منقول از ''سچ''، لکھنو ہفتہ وار۔ مورخہ ۳۔ اپریل ۱۹۲۵ء۔ ایڈیٹر عبدالماجد)

(۲)

بہار کا موسم آتے ہی چمن دہر میں روح پرور ہوائیں چلنے لگتی ہیں، خشک درخت سبز ہو جاتے ہیں، پھول کھلنے لگتے ہیں جسم انسانی کی رگوں میں تازہ خون کی گردش ہونے لگتی ہے، سوئی ہوئی امنگیں جاگ اٹھتی ہیں، اور چستی و توانائی کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ جسم و مادہ کی کائنات میں آفتاب کا ایک پورا دورہ گزر جانے کے بعد یہ موسم آتا ہے، اور طبیبوں کا بیان ہے کہ جسم سے مادہ فاسد کے دفع کرنے اور مسہل لینے کا یہ بہترین زمانہ ہے۔ ٹھیک اسی طرح روح و جان کی کائنات میں بھی چاند کا ایک پورا دورہ گزر جانے کے بعد موسم بہار آتا ہے مہتاب کو عشق کے سودازدوں سے مناسبت ہے۔ ظاہر ہے، ماہتاب جب اپنے سالانہ سفر کا چکر ختم کرتا ہے، تو عشق و محبت کی اقلیم میں پھر شوریدگی و جنون کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، اور سال کے گیارہ مہینے کے اندر غیریت کی جو کدورتیں جم جاتی ہیں، طبیعت ان کے دفع کرنے کے لیے بیقرار ہو جاتی ہے، اسی لیے رحمت کاملہ و محبوبیت مطلقہ نے اپنے وفاشعاروں، اپنے سرمستوں کے لیے ایک خاص مہینہ، ماسوا سے بے تعلق و بے نیاز رہنے کا مقرر کردیا۔ جس کو اصطلاح میں ماہِ رمضان سے موسوم کرتے ہیں۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ اے حسنِ ازل سے پیمان وفا باندھنے والو۔ اے اپنے محبوب کی یکتائی کا کلمہ پڑھنے والو، اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو، آؤ، اپنے طریق عشق و آئین اُلفت میں، ایک مہینہ تک ماسوا پر نظر کرنا تک ناجائز سمجھو، اور اپنی تمام نفسانی لذتوں کو اس بڑی اور حقیقی لذت کے تصور پر قربان کرتے رہو[1]، کہ یہی نفسانی لذتیں، اس شاہد حقیقی کے وصال کی راہ میں سب سے

حاشیہ [1] ''صوم کے معنیٰ ہیں، باز رہنے اور رکنے کے، خواہ کھانے سے ہو یا کلام کرنے سے، یا کسی اور چیز سے، جس پر نفس حریص ہو، یا جو طبیعت کو مرغوب ہو۔ الصوم فی الاصل الامساک عن الفعل مطعمًا کان او کلامًا او شیئًا (راغب) الصوم امساک عن طعام او کلام او نحوھما (بجستانی) الصوم فی اللغۃ الامساک عما تنازع الیہ النفس (بیضاوی)

بڑی رکاوٹیں ہیں۔

یہ شرط محض تمہارے ساتھ مخصوص نہیں، اکیلے تم ہی اس آزمائش میں نہیں ڈالے گئے ہو، بلکہ تمہارے اگلوں میں سے جس جس گروہ نے ہم سے پیمانِ وفا باندھا، جس جس جماعت نے راہِ اُلفت میں قدم رکھنے کا دعویٰ کیا، ان سب کو اپنے دعوے کا کچھ ایسا ہی ثبوت پیش کرنا پڑا ہے، ان سب کو کچھ ایسی ہی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا ہے، ہراساں نہ ہو، بہتوں کی آزمائش اسی طرح ہو چکی ہے۔ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ اور اس حکم سے غرض تمہیں تکلیف میں ڈالنا نہیں تمہاری جان کو ہلکان کرنا نہیں، بلکہ مقصود صرف تمہاری ہی فلاح و بہبود ہے۔ تمہارے ہی کمالات کی نشوونما اور تمہاری ہی ترقی ہے۔ تمہی میں ضبطِ نفس پیدا کرنا ہے۔ تمہی کو خواہشاتِ نفسانی پر حاکم بننے کی تعلیم دینا ہے تمہاری پاکیزگی کی چھپی ہوئی قوت کو اُبھارنا، اور تمہیں حیوانیت کے غار سے نکال کے ملکوتیت کے آسمان پر پہنچانا ہے۔ تمہاری بوالہوسی جو تمہاری خودداری پر غالب آجاتی ہے، اسی کو توڑنا منظور ہے۔ تمہاری ہی راہِ عروج میں ہر طرح کی سہولت پیدا کرنا مدِنظر ہے، اور تمہارے ہی چھپے ہوئے اندرونی دشمنوں، یعنی بدی کی طاقتوں کو ہلاک و نابود کرنا مقصود ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ اور پھر یہ آزمائش بھی دائمی نہیں، تمہاری ساری عمر کے لیے نہیں۔ کسی بڑی طویل مدت کے لیے نہیں، بلکہ صرف گنتی کے چند روز یعنی گیارہ مہینہ کے بعد، رمضان کا ایک مہینہ[2] اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ

پھر ان عاشقین صادقین اور مومنین مخلصین میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو باوجود اپنے صدق و خلوص کے، اپنی جسمانی کمزوری یا پردیس میں ہونے کی بنا پر، آسانی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل نہ کر سکیں گے، ان کے لیے یہ آزمائش زیادہ سخت ہوگی۔ ایسے معذوروں کے لیے اس کی اجازت ہے کہ انہیں جب اطمینان و فراغت نصیب ہو، تو اس ماہِ مبارک کے چھوٹے ہوئے روزوں کو پورا کر لیں۔ "بلبلِ بیمار" اگر اپنے جذبہ دل میں صادق ہے، تو اس کے لیے سال کا ہر موسم موسمِ گل کا حکم رکھتا ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ بعض بیچارے ایسے بھی ہوتے ہیں، جو بہ سبب اپنی جسمانی کمزوری یا کسی اور مجبوری کے، ماہ مبارک کے بعد بھی، روزہ رکھنے میں سخت مشقت محسوس کرتے ہیں[3]۔ ایسوں کے لیے یہ رعایت ہے کہ وہ اپنی معذوری کے کفارہ کے طور پر کسی صاحبِ احتیاج کو پوری طرح کھانا کھلا دیا کریں۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ اس رخصت و اجازت کے باوجود بھی اگر کوئی شخص محنت و مشقت گوارا کر کے اس بڑی نیکی یعنی روزہ کو اختیار کرتا رہے، یا ایک مسکین سے زائد کو کھلاتا پلاتا رہے، تو اُس کے مرتبہ کا کیا پوچھنا۔ ایسی نیکی جو فرض نہ رہی ہو، اگر اختیار کی جائے تو اس کے افضل و برتر ہونے میں کیا شبہ۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ۔ یہ ایک عام اصول بتایا گیا۔ باقی اگر روزہ کی حقیقت پر نظر ہو جائے، روزہ سے جو باطنی ترقیاں مقصود ہیں، اگر ان کا علم ہو جائے، تو کون ایسا ہے، جو روزہ کی جانب بہ شوق و رغبت نہ دوڑے۔

یہ ماہِ مبارک صرف اسی لحاظ سے مبارک نہیں، کہ اس میں انسان، صبر و ضبط کی خدائی طاقتوں سے نوازا جاتا ہے، بلکہ اس خیر و برکت والے مہینہ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے، کہ اسی ماہ میں اوّل اوّل، دنیا کے لیے بہترین، کامل ترین، و جامع ترین ہدایت نامہ اُتارا گیا۔ اسی چاند میں انسانیت کے ظلمت کدہ کو نورانیت کے بدرِ کامل سے پُرانوار بنایا گیا، اور اسی بابرکت موسم میں انسان کے کان میں پہلی بار[4] نغمۂ ازل کی سریلی آواز بیہوشوں کو بیدار اور ہوشیاروں کو مست کرنے والی پکار پہنچی، جس سے بڑھ کر کوئی دولت جس سے اونچی کوئی نعمت، جس سے برتر کوئی رحمت، عالمِ تصور میں بھی موجود نہیں۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ قیس عامری کے پاس اگر لیلیٰ کا کوئی مکتوب یا پیام آجاتا، تو کس طرح وہ اپنی جان نثار کرنے کو تیار ہو جاتا، اور اس مبارک گھڑی کو کس قدر عزیز رکھتا! حسنِ ازل کے شیدائی بھی، نامۂ یار کے ورود کے زمانہ کو کیونکر بھول سکتے ہیں جب جب یہ زمانہ آئے گا، اس کی یاد میں بیتاب ہو جائیں گے، اور اس پاک گھڑی کی پاک سالگرہ منانے میں اپنی بھوک پیاس تک کو بھول جائیں گے۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔

موسمِ بہار کی فرحتیں، طراوتیں اور نشاط انگیزیاں، بڑے سے بڑے افسردہ دلوں تک میں امنگ پیدا ہی کر دیتی ہیں اور گل و گلزار کی سیر سے کوئی محروم رہنا نہیں چاہتا۔ ماہِ مبارک کی برکتوں، فضیلتوں اور نعمتوں کا ذکر سن کر بڑے سے بڑے بدہمت اور افسردہ دل کی رگوں میں جوش پیدا ہو جانا، اور بڑے سے بڑے فرزانہ و دوراندیش میں شورش و شوریدگی کا اُبھر آنا قدرتی ہے۔ حالانکہ یہ آزمائش صرف ان کے لیے ہے جو اس کی جسمانی قوت بھی رکھتے ہیں۔ معذوروں پر خواہ مخواہ بارِ مشقت ڈالنا ہرگز مقصود نہیں۔ اُن کے جذبہ شوق کو تسکین دینے کے لیے ایک بار پھر اس ارشاد کی ضرورت ہوئی، کہ معذوروں کو ان دنوں کی گنتی بعد میں پوری کر لینی چاہیے، کہ مقصد آسانی راہ ہے، نہ کہ تنگی۔ اللہ کی بڑائی کرنے، اور اس کا شکر ادا کرنے کا مقصد، بعد کو بھی گنتی کے دن پورے کر لینے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

یہ پُربہار موسم جب کسی کے شوق و ارمان میں گزرے گا، یہ متبرک گھڑیاں جب کسی کی یاد میں بسر ہوں گی، یہ مبارک دن جب کسی کے اشتیاق میں بغیر بھوک پیاس کے صرف ہوں گے، یہ برکت والی راتیں جب کسی کے انتظار میں آنکھوں ہی میں کٹیں گی، تو ناممکن ہے کہ روح میں لطافت، قلب میں صفائی، اور نفس میں پاکیزگی، پیدا نہ ہو جائے۔ حیوانیت دُور ہوگی، ملکوتیت نزدیک آئے گی اور انسان خود اپنی ایک جدید زندگی محسوس کرے گا، ایسی حالت میں بالکل قدرتی ہے، کہ سوزِ دل اور تیز ہو جائے، قرب و وصل کی تڑپ اور بڑھ جائے، تزکیہ و مجاہدہ کے اثر سے، زنگ دور ہو کر، کسی کا عکس قبول کرنے کے لیے آئینۂ قلب بے قرار و مضطر ہونے لگے۔ ٹھیک یہی گھڑی، ذوقِ طلب اور ذوقِ عطا، سوال اور اجابت، دعا اور مقبولیت، حاجتمندی اور کریمی، گدائی اور شاہی، بندگی و بندہ پروری کے درمیان ناز و نیاز کی ہوتی ہے، اس لیے قدرۃً اس منزل پر پہنچتے ہی، تجلۂ غیب سے یہ صدائے بشارت کان میں آنے لگتی ہے، کہ اے ہمارے پیام پہنچانے والے، ہمارے شیدائی، ہمارے پرستار، ہمارے بندے، اگر تم سے ہمارا پتہ پوچھیں، تو اُن کو بتا دو کہ ہم اُن سے کچھ دُور نہیں ہم تو ان سے بہت ہی قریب ہیں، ہمیں دل کی تڑپ کے ساتھ پکاریں تو سہی، ہم فوراً ان کی پکار کو سنیں گے۔ وہ صرف ہم سے اپنی لو لگائے رہیں، اور ہم پر بھروسہ رکھیں، اس سے وہ سیدھی راہ پا کر، اور منزل مقصود تک پہنچ کر رہیں گے۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔

(منقول از سچ لکھنو) ہفتہ وار۔ ۱۳، اپریل ۱۹۲۶ء ایڈیٹر عبدالماجد)

(۳)

دو شخص ہیں۔ ایک وہ جو اپنی خواہشاتِ نفسانی کا غلام ہے، دوسرا وہ جو اُن پر حاکم و آقا ہے۔ ایک وہ جو اپنی ہر ہوائے نفس سے مغلوب ہو جاتا ہے، دوسرا وہ جو اُسے اپنے قابو و اختیار میں رکھتا ہے۔ ایک شخص وہ ہے جو اپنی بھوک، اپنی پیاس، اپنی نیند، اپنی حرص، اپنے غصہ، کسی شے پر قابو نہیں رکھتا، دوسرا وہ جو اِن میں سے ہر شے کے ضبط پر قدرت رکھتا ہے۔ آپ دو ایسے شخصوں میں سے کس کو ترجیح دیں گے؟ آپ خود ان دونوں میں سے کیا بننا پسند کریں گے؟ آپ کے نزدیک نفس کی غلامی بہتر ہے؟ یا اس پر حکمرانی؟ اگر آخر الذکر بہتر و پسندیدہ ہے، تو پھر یہ کیا ہے، کہ ماہِ رمضان کی پیشوائی کو آپ ذوق و شوق، مسرت و خندہ جبینی کے ساتھ نہیں بڑھتے؟

حاشیہ [2] واولیٰ ذلک بالصواب عندی قول من قال عنی اللہ جل ثناءہ بقولہ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ، ایام شھر رمضان (ابن جریر) والمراد بھا رمضان (بیضاوی) المراد بھٰذہ الایام المعدودات شھر رمضان (ابومسلم)

[3] عن عبداللہ قال یقول و علی الذین یطیقونہ ای یتجشمونہ (ابن کثیر) و قرأ ابن عباسؓ یطوقونہ بمعنی الطاقۃ والقلادۃ ای یکلفونہٗ او یتکلفونہٗ علیٰ جھد منہ و عسروھم الشیوخ والعجائز (زمخشری) یصومونہ جھدھم و طاقتھم و مبلغ و سعھم (زمخشری) و ھو الرخصۃ لمن یتعبہ الصوم و یجھدہ وھم الشیوخ والعجائز فی الافطار والفدیۃ (بیضاوی) من صام بالکلفۃ والمشقۃ فعلیہ فدیۃ طعام مسکین (گازرونی)

[4] ای ابتدیٰ فیہ انزالہ (بیضاوی) ابتدیٰ فیہ انزالہ (زمخشری) ابتدیٰ فیہ انزالہ (روح المعانی) یکون ابتداء نزول القراٰن علیٰ محمد ﷺ فی شھر رمضان وھو قول ابن اسحاق و ابی سلیمان الدمشقی (خازن) اولت الاٰیۃ بان المراد انہٗ ابتدیٰ فیہ انزالہ ھٰذا قول محمد بن اسحاق (نیشاپوری)

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی علیہ الرحمۃ دائم الصوم تھے۔ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ نے اپنی عمر کے سالہا سال روزہ رکھ کر گزارے، حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کا مقولہ مشہور ہے کہ مجھے جو کچھ ملا، سب بھوک اور گرسنگی ہی کی طفیل میں ملا۔ حضرت مولانائے روم علیہ الرحمۃ کا عمل خود انہی کی اس تعلیم پر تھا، کہ منزل حق کی جتنی راہیں کھلتی ہیں، سب بھوک اور پیاس سے۔ ہر سلسلے کے جتنے مقدس بزرگ اور مستند صوفی گزرے ہیں، سب کا عمل یہی رہا ہے اور تعلیم بھی یہی۔ مگر پھر یہ کیوں ہے، کہ آپ باوجود ان حضرات سے اعتقاد ظاہر کرنے، اور ان کے ماننے کے، اس باب میں ان کی تعلیم سے اس قدر بے پروا، اور ان کے عمل سے اس قدر بے نیاز ہیں؟

نماز میں جس طرح عبدیت کی تکمیل ہوتی ہے، ٹھیک اسی طرح روزہ دار کو اخلاق الٰہی کے ساتھ کس درجہ مناسبت و مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔ بھوک اور پیاس سے بے نیازی، صبر و ضبط، قوت و اختیار، حلم و تحمل، عفو و درگزر، یہ سب شانیں بندہ کی ہیں، یا مولیٰ کی؟ عبد کی یا معبود کی؟ خاک کے پتلے کی یا آسمان کے فرمانروا کی؟ پھر یہ کیونکر ہے، کہ جو شے کچھ ہی دیر کے لیے سہی، آپ میں اس کیفیت سے مناسبت پیدا کر رہی ہو، جو شے ذرہ میں آفتاب کا پرتو ڈال رہی ہو، جو شے آئینہ میں جلا پیدا کر کے اُسے نورانیت کاملہ کا عکس قبول کرنے کے قابل بنا رہی ہو، آپ اس نعمت عظیمہ کی جانب لپکنے میں تامل کر رہے ہیں؟

حدیث قدسی کے الفاظ یاد کیجیے، الصوم لی و انا اجزی بہ "روزہ میرے لیے ہے اور اس کا اجر خود میں ہوں"۔ حوریں نہیں، جنت کے قصر و محل نہیں، کوئی اور ایسی نعمت نہیں، جسے مادی عقل سمجھ سکے۔ بلکہ میں خود اس کا اجر ہوں"۔ یہ کون، کس سے کہہ رہا ہے؟ آفتاب ذرہ سے نہیں، مخدوم خادم سے نہیں، شاہ گدا سے نہیں، بلکہ خالق مخلوق سے، معبود عبد سے، خدا بندہ سے! کیا زمینوں اور آسمانوں کی ساری نعمتیں، ساری برکتیں، ساری بادشاہتیں مل کر بھی اس ایک اجر کے سامنے پیش کی جا سکتی ہیں؟ کیسی دردناک نادانی ہوگی، کہ اتنے ارزاں سودے کو بھی اپنی غفلت و بے پروائی کے نذر کر دیا جائے۔!

(منقول از سچ (لکھنؤ) ہفتہ وار۔ ۲۶ مارچ ۱۹۲۶ء ایڈیٹر عبدالماجد)

(۴)

کھانا کھانے میں آپ کو لطف کس وقت آتا ہے؟ اُس وقت جب کہ بھوک کھل کر لگی ہو، یعنی کچھ دیر پیشتر سے کھانا نہ کھایا ہو۔ پانی کے گلاس میں مزہ کس وقت ملتا ہے؟ اُس وقت جب کہ پیاس لگی ہوئی ہو، اور پانی پینے کی طلب بے قرار کر رہی ہو۔ نیند سکھ سے کس وقت آتی ہے؟ اس وقت جبکہ کچھ گھنٹے قبل سے آپ برابر جاگ رہے ہوں۔ ان ساری مثالوں میں آپ کو روزمرہ، ہر وقت اور ہر جگہ تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ مادی لذتوں سے بھی پوری طرح لطف اٹھانے کے لیے کسی قدر ضبط، صبر و احتیاط لازمی ہے۔ یہی آپ کا مشاہدہ ہے، یہی آپ کا تجربہ ہے، اور اسی پر آپ کا عمل ہے۔ یہ آپ کبھی نہیں کرتے کہ مسلسل چوبیسوں گھنٹے منہ میں نوالے چباتے رہیں۔ یہ کوئی بھی نہیں کرتا کہ ہر منٹ لگاتار پانی کے گھونٹ اُتارتا رہے۔ یہ کسی کو بھی نہیں دیکھا، کہ دن اور رات، صبح اور شام، ہر وقت برابر پڑا سوتا ہی رہے۔

"روشن خیالی" جب ایک قدم آگے بڑھاتی ہے، تو تعطیل اور چھٹی کو بھی انسانی زندگی کا ایک لازمی جزو بنا دیتی ہے۔ اسکولوں کے کمرے، کالجوں کے ہال، عدالت عالیہ کے ایوان، ہفتوں سے بند چلے آ رہے ہیں، اس لیے کہ موسم گرما کی 'تعطیل کلاں' کا زمانہ ہے! کچہریاں اور دفتر بند ہیں، اس لیے کہ آج بڑا دن ہے۔ ڈاک خانہ اور تار گھر، بینک اور خزانے بند ہیں، اس لیے کہ آج اتوار ہے! یہ سب اس لیے ہے کہ دماغ کو آرام ملتا رہے، اور تازہ دم ہونے کے بعد کام بہتر طور پر انجام پاتا رہے، آپ اپنے اس نظام اور اس انتظام پر شرماتے نہیں، فخر کرتے ہیں۔ اور آپ کی عقلیت و روشن خیالی کا یہ ایک مسلمہ ہے، کہ کام میں زیادہ مستعدی اور بہتر کارگزاری Efficiency کے لیے جسم اور اعضائے جسم کو آرام دیتے رہنا لازمی ہے! یہ نہیں کہتے کہ اس سے کام میں خواہ مخواہ حرج اور نقصان ہوتا ہے۔

لیکن جب مذہب آپ سے کہتا ہے، کہ سال کے ایک خاص زمانہ میں چند گھنٹوں کے ایک محدود وقت کے لیے معدہ کو آرام دیتے رہو، بھوک اور پیاس کو ضبط کرتے رہو، تو معاً آپ کی عقلیت و روشن خیالی بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ آپ اپنے روزمرہ کے تجربہ اور مشاہدہ، نظریات و عملیات، سب کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، رمضان کی آمد کو اپنے لیے ایک قہر و مصیبت سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اگر زبان سے نہیں تو کم از کم دل میں تو یہ ضرور کہنے لگ جاتے ہیں کہ روزہ کی یہ قیدیں کیسی سخت ہیں۔ اور آپ کے کمزور قویٰ ہرگز اتنی بڑی محنت کو نہیں برداشت کر سکتے! بیشک اگر آپ ہزاروں روپیہ کمانے اور اُڑانے والے بیرسٹر ہیں، اگر آپ اپنی "سرکار ابد قرار" کے بنائے ہوئے جج یا کلکٹر ہیں، اگر آپ صوبہ یا ملک کی کونسل کے ممبر ہیں، اگر آپ لاٹ صاحب اور بڑے لاٹ صاحب کی پارٹیوں میں شریک ہونے والوں میں ہیں، اگر آپ کے پاس سواری کے لیے موٹریں، اور رہنے کے لیے اونچی اونچی کوٹھیاں موجود ہیں، تو آپ کی محرومی اور حرماں نصیبی نے، اجر روحانی و راحت سرمدی کی طرح، روزمرہ کی مادی لذتوں اور جسمانی فائدوں کا بھی دروازہ آپ پر بند کر رکھا ہے، اور آپ کی اس بے مائیگی پر جن و بشر، حور و ملائک جتنا بھی ترس کھائیں کم ہے۔ لیکن اگر آپ اپنی خوش بختی سے کوئی غریب کاشتکار ہیں، کوئی مفلس مزدور ہیں، کوئی کم حیثیت خدمتگار ہیں، بھاری بھاری بوجھ کی گٹھریاں اور گٹھے اپنے سر پر لادنے والے ہیں، دھوپ میں جل جل کر اور بھن بھن کر کام کرنے والے ہیں، تو انشاء اللہ آج آپ اپنے خالق و مالک کے حکم کی تعمیل میں رمضان مبارک کے باران رحمت سے سیراب ہو رہے ہوں گے! یقین کیجیے کہ آج آپ کے مرتبہ پر، زمین پر بسنے والے نہیں، آسمان پر اُڑنے والے، فضائے قدس میں سانس لینے والے، حریم عرش کے پایہ تھامنے والے رشک کر رہے ہیں! ممکن ہے کہ آج یہ شاعری معلوم ہو رہی ہو لیکن کل انشاء اللہ حقیقت ہو کر رہے گی، اور اُن بے خبروں کو بھی خبردار کر کے رہے گی، جو آج روزہ داری کے طبی فوائد اور مادی لذتوں سے بھی محرومی میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں!

(منقول از سچ (لکھنؤ) ہفتہ وار۔ ۳ مارچ ۱۹۲۸ء ایڈیٹر عبدالماجد)

(۵)

نیند پورے سکھ کے ساتھ کس کو آتی ہے؟ اُس کاہل کو جو رات دن بستر پر پڑا رہتا ہے، یا اُس محنتی کو جو دن بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد تھک کر اپنے دماغ و جسم کو چند گھنٹوں کے لیے آرام دینے کو لیٹتا ہے؟ کھانے میں اصلی مزہ کس کو ملتا ہے؟ اُس امیر کو جو سارے دن اپنے ذائقہ کی خاطر داریوں میں لگا رہتا ہے، اور طرح طرح کی بدپرہیزیاں کرتا رہتا ہے یا اُس غریب کو جو محنت و مشقت کے بعد دن میں ایک یا دو بار سادہ اور معمولی کھانا کھاتا ہے؟ سو کر اُٹھنے کے بعد فرحت اور چاقی کس کو حاصل ہوتی ہے؟ اُس کو جو ساری رات پریشان اور ہولناک خواب دیکھتا رہتا ہے، یا وہ جو شروع سے آخر تک میٹھی نیند لیتا رہتا ہے؟ پس اگر کسی کو نیند پورے سکھ کے ساتھ نہیں آتی، کھانے میں پورا مزہ نہیں ملتا، یا سو کر اُٹھنے کے بعد طبیعت سے کسل پوری طرح دُور نہیں ہوتا، تو اُس کی ذمہ داری اور تنہا ذمہ داری، اُسی کی بے احتیاطیوں، بدپرہیزیوں اور بے اعتدالیوں پر آتی ہے۔

روزہ، جسم و روح دونوں کے ایک خاص ضبط و انضباط، تزکیہ و تنقیہ، پرہیز و احتیاط کا نام ہے، اس کے تمام ہونے پر انتہائی لطف و راحت، لذت و فرحت محسوس ہونی چاہیے۔ اگر آپ اس میں کمی محسوس کرتے ہیں تو یقیناً یہ آپ ہی کا قصور ہے اور یہ لازمی ہے کہ روزہ کی کچھ شرطیں آپ توڑ چکے ہیں، اور اس کے جو آداب نگاہ رکھنے کے تھے وہ آپ نے نہیں رکھے۔ جسم و دماغ کو اگر آپ دن صحیح طور پر کام میں لگائے ہوئے ہیں، تو شب کو نیند کی حالت میں بھی سکھ ملے گا اور نیند پوری کرنے کے بعد بھی فرحت حاصل ہوگی ٹھیک اسی طرح اگر جسم و روح کو آپ ٹھیک طور پر دن بھر مشغول رکھے ہوئے ہیں، اگر آپ وہی کرتے رہے ہیں جو ایک روزہ دار کو کرنا چاہیے تو آپ کا دن اور آپ کی رات، آپ کی صبح اور آپ کی دوپہر، آپ کا سہ پہر اور آپ کی شام، غرض آپ کے وقت کی ہر گھڑی، آپ کے دل کی کلی کو کھلی رکھے گی۔ افسردگی اور اداسی آپ کے لیے بے مفہوم ہوگی اور سرور و نشاط کی ہوائیں، آپ کی روح کو تر و تازہ رکھیں گی۔

روزہ کے معنی یہ ہیں کہ آپ اپنے پیدا کرنے والے، آپ کے سامانِ زندگی کے مہیا

کرنے والے، اور آپ کی موت وزندگی، بیماری وتندرستی، ہر چیز پر قدرت رکھنے والے کے سامنے عہد کرتے ہیں کہ سارے دن آپ اپنے تئیں، اپنی آنکھ اور کان، اپنے منہ اور زبان، اپنے دل اور اپنے دماغ اپنے ہاتھ اور پیر، اپنے جسم اور جان، غرض اپنے سارے وجود کو ہر ٹیڑھی راہ سے روکے رہیں گے، ہر کجی اور کج روی سے باز رکھیں گے اور صرف اُسی کے لیے وقف رکھیں گے جو اُس کا اصلی کام اُس کی سیدھی راہ، اُس کا فطری حق، اور اُس کی سچی غایت ہے۔ زبان اگر کھلے گی تو صرف کلمہ حق پر، کان اگر سنیں گے تو صرف سچی آواز، آنکھ اگر دیکھے گی تو صرف امر حق کو، دل اگر سوچے گا تو صرف سچائیوں کو، ہاتھ اور پیر اگر حرکت کریں گے تو صرف سچائی کی راہ میں۔ مادّی زندگی کے سب سے بڑے اور طاقتور مظہر، سورج کے ڈوب جانے پر، جب آپ اُس ذات کے شکر کے ساتھ جس نے آپ کو یہ توفیق دی، اپنا جائزہ لیں اور اپنی اس نذر کی ہر شرط کو پوری طرح ادا کیا ہوا پائیں تو —— دنیا کے کس لفظ اور کس عبارت میں اس کیفیت کو ادا کرنے کی قدرت ہے! رضائے الٰہی آپ میں اور آپ رضائے الٰہی میں جذب ہوں گے! راحت ولذت، لطف ومسرت، سرور ونشاط، شادی وانبساط، یہ سارے الفاظ بڑی فرحت (افطار) کی کیفیت کو ادا کرنے کے لیے ناکافی ہیں جو اُس سب سے بڑی فرحت (دیدارِ الٰہی) کا پیش خیمہ ہے، جس سے موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام جیسے برگزیدہ پیمبر، باوجود شوق وتمنا، اس دنیا میں محروم رہے!

(سچ لکھنو۔ ۱۴/مارچ ۱۹۲۷ء)

ضمیمہ

روزہ

(متعلق حاشیہ نمبر ۱۴۳ سورۃ البقرۃ)

آپ کو معلوم ہے کہ اطبائے یونانی کتنے متعدد امراض میں فاقہ کو مفید بتاتے ہیں؟ آپ کو خبر ہے کہ ڈاکٹروں کے اصول سے اب فاقہ کتنے امراض کا علاج ہے؟ آپ واقف ہیں کہ ہر طریقہ علاج کے ماہرین فن نے کتنی شدید اور مہلک بیماریوں کا علاج اپنے تجربہ میں فاقہ ہی کو پایا ہے؟ خود آپ کا ذاتی تجربہ کیا ہے؟ آپ کو جب کبھی بیماری میں طبیب یا ڈاکٹر فاقہ کا مشورہ دیتے ہیں تو آپ کیسی خاموشی کے ساتھ بے چون وچرا اور بغیر بحث ومناظرہ اُس کے حکم کے آگے گردن جھکا دیتے ہیں اور اُس کی ہدایتوں کے مطابق کھانے اور پینے کی لذتوں سے دستبردار ہو جاتے ہیں! لیکن جب اس سے کم تکلیف اور اس سے ہزاروں گنی زاید راحتوں اور نعمتوں کے وعدہ کے ساتھ اس قسم کی احتیاط خورد ونوش کا حکم، آپ کو سب سے بڑے حکیم کے مطب سے ملتا ہے، تو یہ کیا ہے کہ آپ اس خوش دلی کے ساتھ اُس کی تعمیل پر آمادہ نہیں ہو جاتے بلکہ طرح طرح کی تاویلوں سے جن سے اکثر خود آپ کا دل بھی مطمئن نہیں ہوتا اُسے ٹال جانا چاہتے ہیں!

آپ کہتے ہیں کہ آپ خدا کے فضل سے روزہ دار ہیں اور ماہ رمضان کا احترام ملحوظ رکھتے ہیں لیکن پھر یہ کیا ہے کہ آپ کی اندرونی زندگی میں کوئی نمایاں فرق نہیں محسوس ہوتا۔ غصہ اب بھی آپ کو برابر آتا رہتا ہے بلکہ شاید کچھ اور بڑھ ہی گیا ہے۔ دوسروں کے عیب چینی میں اب آپ کو ویسا ہی مزہ آرہا ہے۔ نفسانی خواہشوں اور لڑنے جھگڑنے کے منصوبوں میں اب بھی کوئی کمی نہیں معلوم ہوتی۔ دن میں بے شبہ آپ کھاتے پیتے نہیں ہیں لیکن وقت کا بڑا حصہ بجائے عبادتوں کے، سونے اور بیکاری میں گزارتے ہیں، یا پھر سحری، طعام شب اور افطار پارٹیوں کے اہتمام و انتظام میں! وہ وہ لذیذ اور ثقیل غذائیں جن سے آپ کا ذائقہ، سال میں گیارہ مہینے بالکل نامانوس رہتا ہے، آپ صرف اسی ماہِ صبر وتقویٰ کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں، اور وقت اور روپے کا اچھا خاصا حصہ اسی ماہِ مبارک کی دعوتوں اور ضیافتوں میں صرف فرماتے رہتے ہیں! کیا اسی روزہ داری پر آپ خوش ہیں؟ کیا اسی کا نام آپ کے خیال میں ماہِ مبارک کا احترام ہے؟

ایک شخص قند اور دودھ کا نفیس شربت تیار کرتا ہے، مگر اُس میں کچھ مکھیاں بھی پیس کر ملا دیتا ہے، آپ ایسے شخص کی صحت دماغی کی بابت کیا رائے قائم کریں گے؟ ایک شخص لذیذ سے لذیذ اور بہتر سے بہتر کھانا خوان میں لگا کر لاتا ہے لیکن اُس میں ایک جزو غلاظت کا بھی ملا دیتا ہے، آپ اس بدنصیب کی عقل وفہم پر ماتم کرنے کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں؟ یقین فرمائیے کہ اس سے کہیں زائد موجب تاسف ومستحق ماتم اُس بے عقل وبدنصیب کی حالت ہے جو روزہ رکھ کر بھی غصہ کر کر کے عیب چینی میں مصروف رہ رہ کے، نفسانی خواہشوں کے منصوبوں میں مبتلا رہ رہ کے، روزہ کی نعمتوں اور راحتوں، لذتوں اور فرحتوں کو اپنے ہاتھوں غارت کرتا رہتا ہے! اور جو حرماں نصیب سرے سے روزہ ہی کو ترک کیے ہوئے ہیں، اُن بیچاروں کو تو بس اللہ ہی سیدھی سمجھ اور نیک ہدایت کی توفیق نصیب کرے!

(سچ لکھنو ۱۲/مارچ ۱۹۲۷ء)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ

ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے ف۹۶۴ ان میں وہ بھی ہیں

مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا

جن سے اللہ نے کلام کیا ہے ف۹۶۵ ان میں سے بعض کے درجے اس نے بلند کئے ہیں ف۹۶۶ اور ہم نے

عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ

عیسیٰ ابن مریمؑ ف۹۶۷ کو شواہد عطا کئے ف۹۶۸ اور ہم نے ان کی تائید روح القدس کے

الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ

ذریعہ سے کی ف۹۶۹ اور اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو ان کے بعد کے لوگ آپس میں

بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ

خونریزی نہ کرتے بعد اس کے کہ ان کے پاس شواہد آ چکے تھے ف۹۷۰ لیکن

اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ

(لوگ) آپس میں جھگڑے ف۹۷۱ کوئی تو ان میں سے ایمان لے آیا اور کوئی ان میں سے کفر ہی کرتا رہا ف۹۷۲

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ

اور اگر اللہ کی مشیت ہی ہوتی تو وہ آپس میں خونریزی نہ کرتے ف۹۷۳ لیکن اللہ وہی کرتا ہے

مَا يُرِيْدُ ۝۲۵۳ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا

جو ارادہ کر لیتا ہے ف۹۷۴ اے ایمان والو جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے

رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ

خرچ کرو ف۹۷۵ قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے ف۹۷۶ جس میں نہ تجارت کام آئے گی

وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۵۴

اور نہ دوستی اور نہ سفارش اور کافر ہی تو ظالم ہیں ف۹۷۷

ف۹۶۴ (مراتب قرب ومنزلت میں) فضل کے لفظی معنی بزرگی کے ہیں۔ یعنی ایسی صفت جس سے انسان دنیا میں مدح وثنا کا مستحق ہو اور آخرت میں اجر سے سرفراز۔ فَضَّلْنَا میں ضمیر متکلم کا لحاظ رہے۔ یہ تفصیل یا باہمی فضیلت وافضلیت جو کچھ ہے محض عند اللہ ہے۔ خالق کے ہاں درجات ومراتب قربت کے لحاظ سے ہے۔ خلق کے لیے بہ حیثیت مطاع سب یکساں ہیں۔ عام خلقت کے لیے رسول سب برابر ہیں۔ اطاعت وتعظیم سب کی یکساں واجب ہے۔ اور اسی معنی میں قرآن مجید کی دوسری آیت اسی سورت کے آخر میں اسی پارہ میں آ رہی ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ **ليس مقام التفضيل اليكم انما هو الى الله عزوجل و عليكم الانقياد والتسليم له والايمان به** (ابن کثیر) تِلْكَ الرُّسُلُ۔ مراد وہی مرسلین ہیں جن کا ذکر ابھی ابھی آ چکا ہے۔ الرُّسُلُ کے اعراب رفعی کی بنا پر ترکیب کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ **تلك الجماعة الرسل** (کبیر) اہل لطائف نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ انبیاء کے نائبین یعنی اولیاء کاملین کے بھی فرق مدارج کے باب میں عوام کو بحث وگفتگو جائز نہیں، ان کا تقابل وتفاضل عوام کے منصب سے باہر ہے۔ ہاں بجائے خود ان کے مقامات واحوال، واقعات وفضائل ذکر کرنے کا مضائقہ نہیں جیسا کہ یہاں بھی آگے ہو رہا ہے۔ ف۹۶۵ (براہ راست اور بلاتوسط ملائکہ) جیسا کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے ساتھ ہوا۔ ورنہ ایک معنی میں تو جس نبی پر بھی وحی آئی اللہ کا مکالمہ اس سے ہو ہی گیا۔ **اتفقوا على ان موسى عليه السلام مراد بقوله تعالى** (کبیر) **وهو موسى عليه السلام** (مدارک) ف۹۶۶ (بہت زاید) اشارہ ہے جامع کمالات وخاتم نبوت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف۔ **المراد بعضهم هنا النبى** ﷺ (روح) **و هو محمد** ﷺ **و هو قول مجاهد** (بحر) **والظاهر انه اراد محمدا** ﷺ (کشاف) زمخشری نے یہاں یہ نکتہ ادب وبلاغت خوب لکھا ہے کہ جہاں شناخت وتعیین میں کوئی دقت ہی نہ ہو وہاں کنایہ وابہام صراحت وتفصیل سے بڑھ کر بلیغ ومؤثر ہوتا ہے۔ ف۹۶۷ کہ وہ بھی انہی پیغمبران برحق میں سے تھے۔ ابن مریم یعنی مریم نامی ایک خاتون کے فرزند نہ کہ خدا زادہ یا ابن اللہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باایں شرف وسروری بہرحال ایک انسانی شکل وصورت اور بشری گوشت وپوست رکھنے والی عورت ہی کی اولاد تھے نہ خدا تھے نہ خدا زادے، الوہیت کا کوئی سا بھی جزو ان میں نہ تھا انہیں خدا کا بیٹا ٹھہرا لینا نری جہالت تھی۔ اور اس کی وضاحت کے لیے ضرورت تھی انہیں صراحت کے ساتھ ابن مریم کہنے کی کہ محض اس نشان دہی اور پتہ ہی سے نصرانیت پر ضرب لگ جائے۔ ورنہ نام تو اور بھی پیمبروں کے لیے گئے ہیں۔ کہیں ابن فلاں کر کے تعارف نہیں کرایا گیا ہے! نہ ابن داؤد نہ ابن ابراہیم۔ نہ ابن اسحٰق نہ ابن یعقوب نہ ابن زکریا نہ ابن عمران علیہم السلام۔ اس طرح کا تعارف صرف ابن مریم ہی کے لیے مخصوص ہے کہ انہیں کے لیے ابن اللہیت کی تردید کی ضرورت تھی۔ ف۹۶۸ (ان کی حقانیت اور پیمبری کے) یہاں یہ فرمایا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام رسول برحق اور مؤید من اللہ تھے۔ نہ کہ نعوذ باللہ کوئی مفتری یا کذاب۔ جس طرح نصاریٰ نے غلو وافراط سے کام لے کر آپ کو حد عبدیت ومعبودیت میں سے باہر نکال رکھا تھا۔ اسی طرح یہود نے تفریط وعناد کو کام میں لا کر آپ کو سرے سے ایک بازیگر اور شعبدہ باز قرار دے لیا تھا۔ قرآن مجید ابھی ابھی نصرانی شرک کی تردید کر چکا ہے، اب یہودی دجل کی تردید کر رہا ہے۔ الْبَيِّنٰتِ۔ بینات کے تحت میں وہ تمام کھلی ہوئی چیزیں شامل ہیں جنہیں دیکھ کر ہر عقل سلیم والا منصف مزاج نبوت عیسوی کا قائل ہو جائے۔ **كلها يدل على نبوته** (روح) ف۹۶۹ کہ وہ قدم قدم پر دشمنوں سے ان کی حفاظت کرتے رہتے تھے۔ رُوْحُ الْقُدُسِ۔ قرآن مجید اور اسلام کی اصطلاح میں اس سے مراد فرشتہ اعظم حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ نصرانی تثلیث کے اقنوم ثانی سے یہاں کوئی واسطہ نہیں۔ جبرئیل ملکوتی مخلوق ہیں اور بہت مقرب لیکن بہرحال مخلوق ہی ہیں۔ الوہیت کا کوئی شائبہ بھی اپنے اندر نہیں رکھتے۔ اَيَّدْنٰهُ۔ ان کی تائید ہم نے کی جو ہر طرح قادر مطلق ہیں۔ یہ تائید خود بخود نہیں ہو گئی۔ آیت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑ گئی کہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام باایں کمالات وفضائل بہرحال انسان ہی تھے اور وہ انسانوں کی طرح دفع ضرر اور حصول نفع دونوں کے محتاج۔ قدرت کاملہ نے ان کی محافظت وتقویت ورفاقت کے لیے ایک دوسری مخلوق، لطیف وغیر مرئی جنس کی مقرر کر دی۔ ف۹۷۰ الْبَيِّنٰتُ پر حاشیہ ابھی گزر چکا ہے۔ بینات کا مفہوم بہت وسیع وجامع ہے۔ عقلی وحسی دونوں قسم کے روشن شواہد۔ یعنی ایک طرف دلائل وبراہین اور دوسری طرف خوارق ومعجزات سب اس کے تحت میں آ جاتے ہیں۔ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی اگر مصالح تکوینی کے اعتبار سے مشیت الٰہی کا اقتضاء یہی ہوتا۔ مِنْۢ بَعْدِهِمْ غیر پیمبروں کی طرف سے یعنی ان پیمبروں کے ظہور کے بعد مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔ یہ باہم خونریزی کرنے والے کون لوگ تھے؟ یقیناً پیمبروں کے منکرین اور انکار کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ ظاہری اور صوری تو اقرار ہو اور حقیقی ومعنوی انکار ہی ہو جیسے یہود ونصاریٰ اہل کتاب کا ظاہر میں اقرار اور معنوی انکار۔ دوسرے یہ کہ انکار صورۃً ومعنیً دونوں طرح پر ہو، جیسے مشرکین کا انکار توحید ورسالت میں۔ ف۹۷۱ گویا بینات کا تقاضائے طبعی تو یہی تھا کہ ایمان سب کے سب لے آتے لیکن ایک گروہ نے کج روی اور کج رائی سے کام لیا، اور یہ لوگ منکر ہی رہے۔ یہاں اس حقیقت کا بیان ہے کہ چونکہ مشیت الٰہی سب کو اضطراراً ایک ہی دین پر جمع کرنے کی نہ ہوئی۔ اور حکمت کاملہ نے اس عالم کو عالم ابتلاء ہی رکھنا چاہا۔ اس لیے خلقت کا باہم مختلف ہونا بھی ناگزیر رہا۔ ف۹۷۲ (تو جب یہ اختلاف دینی شروع سے اور انبیاء سابقین کے وقت سے چلا آ رہا ہے تو آپ اے پیمبر اپنے زمانہ کے کافروں پر بہت زیادہ رنج وغم نہ کریں۔ اور اپنے کو اس فکر ومشقت میں نہ ڈالیں کہ سب کے سب ایمان لے ہی آئیں) فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ۔ سو جو لوگ ایمان لے آئے وہ تو نجات پا گئے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ۔ جو لوگ کفر پر قائم رہے وہ سزائے ابدی کے مستحق قرار پائے۔ مَنْ اٰمَنَ اور مَنْ كَفَرَ

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُ ۚ لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ

اللہ (وہ ہے کہ) کوئی معبود اس کے سوا نہیں ف۹۷۸ وہ زندہ ہے سب کا سنبھالنے والا ہے ف۹۷۹ اسے نہ اونگھ آسکتی ہے

وَّلَا نَوۡمٌ ؕ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ

نہ نیند ف۹۸۰ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ف۹۸۱

مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ يَعۡلَمُ

کون ایسا ہے جو اس کے سامنے بغیر اس کی اجازت کے سفارش کر سکے ف۹۸۲ وہ جانتا ہے

مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ ۚ وَلَا يُحِيۡطُوۡنَ

جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اس سب کو ف۹۸۳ اور وہ اس کے معلومات میں سے کسی

بِشَىۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرۡسِيُّهُ

چیز کو بھی گھیر نہیں سکتے ف۹۸۴ سوا اس کے کہ جتنا وہ خود چاہے ف۹۸۵ اس کی کرسی نے سما رکھا ہے ف۹۸۶

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ وَلَا يَـئُوۡدُهٗ حِفۡظُهُمَا ۚ وَهُوَ

آسمانوں اور زمین کو اور اس پر ان کی نگرانی ذرا بھی گراں نہیں ف۹۸۷

الۡعَلِىُّ الۡعَظِيۡمُ ﴿۲۵۵﴾ لَاۤ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ

اور وہ عالیشان ہے عظیم الشان ہے ف۹۸۸ دین میں کوئی زبردستی نہیں ف۹۸۹ ہدایت تو گمراہی سے

الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَىِّ ۚ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ

صاف صاف کھل چکی ہے ف۹۹۰ تو جو کوئی طاغوت سے کفر کرے

وَيُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ

اور اللہ پر ایمان لے آئے اس نے ایک بڑا مضبوط حلقہ

الۡوُثۡقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۵۶﴾

تھام لیا ف۹۹۱ جس کے لئے کوئی شکستگی نہیں ف۹۹۲ اور وہ بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے ف۹۹۳

ونوں کے صیغوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ایمان اور کفر بندہ کی اپنی اختیاری چیزیں ہیں، خالق کی طرف سے جبر کسی صورت میں نہیں۔ ف۹۷۳ یعنی اگر سب کی خلقت ہی یکساں رکھ دی گئی ہوتی، اور کفر و گمراہی کی زادی ہی سلب کر لی گئی ہوتی جب البتہ نہ اختلاف ہوتا اور نہ نوبت قتل و قتال کی پہنچتی ف۹۷۴ اَللّٰهَ يَفْعَلُ۔ اللہ وہی کرتا ہے بہ مقتضائے قدرتِ کاملہ۔ مَا يُرِيْدُ۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے بہ مقتضائے حکمت بالغہ۔ یعنی نہ س کی قدرت وقوتِ فاعلہ پر کوئی قیدیں اور حد بندیاں عائد ہیں اور نہ اس کی تجویزوں، ارادوں میں کسی غلطی یا سہو وخطا کا مکان ہے۔ ارسطو جیسے مشہور فلسفی نے خدا کی قدرت وقوت کو محدود مانا ہے۔ اور سہو وخطا کا مکان تو مشرکوں نے اپنے خداؤں میں کثرت سے تسلیم کیا ہے۔ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ چھوٹی بڑی اچھی بری کوئی سی شے بھی ہو، بہرحال مشیت الٰہی سے باہر نہیں۔ و فی الآیة دلیل علٰی ان الحوادث تابعة لمشیّة اللّٰه تعالٰی خیرًا کانت او شرًا ایمانًا او کفرًا (روح) ف۹۷۵ اللہ کی راہ میں مصارف خیر میں) رَزَقْنٰكُمْ۔ ضمیر متکلم لا کر اور رزق کو اپنی جانب منسوب کر کے صاف بتا دیا کہ مالی دولت جو کچھ بھی بندوں کے پاس ہے خود بخود سے نہیں خدا ہی کا بخشا ہوا عطیہ ہے۔ اسی کی دَین ہے اور اسی کو حق حاصل ہے کہ جن کاموں میں چاہے ان کے صرف کرنے کا حکم دے دے۔ ف۹۷۶ یعنی روزِ قیامت۔ مطلب یہ ہے کہ مصارفِ خیر میں صرف کرنے اور نیکیاں جمع کرنے کا موقع جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہے۔ وقت کی قدر کرو، فرصت عمر کو نعمت سمجھو۔ ف۹۷۷ (اپنے حق میں) ظُلم کے اصلی معنٰی وضع الشیٔ فی غیر محلہ (کسی شے کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھنے) کے ہیں۔ اللہ یا اس کے قانون کو نہ ماننے سے بڑھ کر کون سا ظلم انسان کا اپنے حق میں ہوگا۔ لَا بَيْعٌ۔ جاہلی اور نیم جاہلی قوموں کی گمراہیاں ایک سے بڑھ کر ایک عجیب رہی ہیں۔ مشرک قومیں تو سرے سے روزِ جزا ہی کی قائل نہیں۔ اہل کتاب نے اس کے وقوع کو مانا، تو اس میں بھی یہ تخمیں لگا دیں کہ وہاں بھی دنیا کی طرح لین دین ہو سکے گا۔ کوئی کسی سے نیکیاں خرید لے گا۔ کوئی کسی کے ہاتھ اپنی بدیاں فروخت کر دے گا وقس علٰی ھذا قرآن نے اس ساری لغو خیالی کا خاتمہ کر دیا۔ وَلَا خُلَّةٌ۔ خلة گہری جگری دوستی کو کہتے ہیں۔ مقصود ایسی دوستی کے نافع ہونے کا ابطال ہے، جو ایمان کے بغیر کام دے سکے اور کفر کے مجرم کو نجات دلا سکے۔ اہل کتاب نے سمجھ رکھا تھا کہ یہاں کی نسبی رشتہ داریوں اور ذاتی خانگی دوستیوں سے وہاں کام چل جائے گا۔ جب گہری اور دلی دوستی کے نافع ہونے کی نفی ہو گئی۔ تو محض زبانی رسمی ظاہری تعلق کا لا حاصل ہونا تو اور زیادہ ظاہر ہے۔ وَلَا شَفَاعَةٌ۔ پہلی دو گمراہیوں کا بھی تعلق مسیحیوں سے تھا اور یہ تیسری گمراہی تو مسیحیت کے خصوصیات میں سے ہے۔ مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ ابن اللہ کی حیثیت شافع مطلق کی ہے۔ انسان کے قالب میں انہوں نے اسی لیے تو جنم لیا تھا کہ اپنی جان کا فدیہ سب گنہگاروں کی طرف سے دے کر اور سب کی طرف سے صلیب پر اپنے خون کا چڑھاوا چڑھا کر قیامت میں شافع مطلق کی حیثیت سے ظاہر و نمودار ہوں اور ان کی شفاعت سب کے حق میں نجات کا حکم قطعی رکھے گی۔ ہمارے ہاں کے عام واعظوں اور نعت گو شاعروں نے شفاعت مصطفوی ﷺ پر حد سے زیادہ زور دینا شروع کیا ہے یہ صاف مسیحیت سے تاثر کا نتیجہ ہے الْكٰفِرُوْنَ۔ یہاں وہی کافر مراد ہیں جو اسی قسم کے عقائد کفریہ میں مبتلا ہیں۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت سے بخل کی مذمت نکلتی ہے جو لوگ ضروری مصارفِ خیر میں خرچ نہیں کرتے، وہ اپنے کو اہل کفر اور اہل جہنم کے حکم میں لا رہے ہیں۔ ف۹۷۸ (نہ بڑا نہ چھوٹا، نہ اصلی نہ ظلی، نہ خدا نہ خدا زادہ) خدا کے نفس وجود کے قائل تو جاہلی مذاہب بھی ہوئے ہیں، البتہ وہ اس معبودِ اعظم (ہندوؤں کی اصطلاح میں ایشور) کے علاوہ تحتانی معبودوں اور دیوتاؤں کے بھی قائل رہے ہیں۔ یہ تعلیم اسلام ہی کی ہے کہ اس ایک خدا کے سوا کسی اور خدا کا سرے سے وجود ہی نہیں۔ یہ نہیں کہ وہ تو معبودِ اعظم ہے باقی چھوٹے چھوٹے معبود اور بھی موجود ہیں۔ عیسائی بھی چونکہ شرک میں مبتلا ہو چکے تھے اس لیے ان کے مقابلہ میں بھی توحید کامل کے اثبات اور پھر غیر اللہ کی الوہیت کی نفی کی اس قدر ضرورت تھی۔ یہ آیت اٰیة الکرسی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی برکتوں اور فضیلتوں سے شاید ہی کوئی مسلمان ناواقف ہو۔ احادیث میں اس کے فضائل بہ کثرت وارد ہوئے ہیں۔ اس کی معنویت اور جامعیت ہے بھی اتنی نمایاں اور اس درجہ کی۔ اپنے تو خیر اپنے ہی ہیں، بیگانے جیسے سیل مترجم قرآن مجید اور میور اور وہیری جیسے معاندین نے بھی بے ساختہ اس کی داد دی ہے۔ ف۹۷۹ اَلْحَیُّ۔ وہ مستقلاً زندہ ہے وہ ازلی اور ابدی ہے صفت حیات اس کی جزو ذات ہے۔ موت یا عدم حیات اس پر نہ پہلے کبھی طاری ہوئی اور نہ آئندہ کبھی طاری ہو سکتی ہیں۔ تو کیا کوئی قوم ایسی بھی ہوئی ہے جس نے اپنے معبود کی اس کھلی ہوئی اور موٹی صفت میں بھی شبہ کیا ہو --- ایک نہیں متعدد قوموں نے شک و اشتباہ کیا۔ معنًی انکار تک اس صفت کا کیا ہے! بحر روم کے ساحل پر متعدد قومیں اس عقیدہ کی گزری ہیں کہ ہر سال فلاں تاریخ پر ان کا خدا وفات پا جاتا ہے، اور دوسرے دن از سر نو وجود میں آ جاتا ہے! چنانچہ ہر سال اس تاریخ کو خدا یا بعل کا پتلا بنا کر جلایا جاتا تھا اور دوسری صبح اس کے جنم کی خوشی میں رنگ رلیاں شروع ہو جاتی تھیں۔ ہندوؤں کے ہاں اوتاروں کا مرنا اور پھر جنم لینا اسی عقیدہ کی مثالیں ہیں --- اور خود مسیحیوں کا عقیدہ بجز اس کے اور کیا ہے کہ خدا پہلے تو انسانی شکل اختیار کر کے دنیا میں آتا ہے اور پھر صلیب پر جا کر موت قبول کر لیتا ہے! مسلمان کے گھرانے میں پیدا ہونے والے بچے شروع ہی سے ایک ازلی ابدی باقی و غیر فانی خدا کے عقیدہ سے چونکہ مانوس ہو جاتے ہیں۔ بڑے ہو کر ان کے خیال ہی میں یہ بات نہیں آتی کہ خدا کبھی اور کسی حال میں کسی معنٰی میں اور کسی لحاظ سے حادث و فنا پذیر بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن آخر آج بھی

متعلق بھی عجیب گمراہی میں پڑ گئے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جس طرح بیٹا بغیر باپ کی شرکت و آمیزش کے خدا نہیں اسی طرح باپ پر بھی بغیر بیٹے کو شریک کیے خدا کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ گویا جس طرح نعوذ باللہ مسیح ابن اللہ خدا کے محتاج ہیں اسی طرح خدا بھی اپنی خدائی کے اثبات کے لیے مسیح کا محتاج ہے۔۔۔ صفت قیومیت کا اثبات کر کے قرآن نے اسی مسیحی عقیدہ پر ضرب لگائی ہے۔ قیوم وہ ہے جو نہ صرف اپنی ذات سے قائم ہے بلکہ دوسروں کے بھی قیام کا سبب و باعث ہے اور سب کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اس کے سب محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ القیوم القائم الحافظ لکل شی والمعطی لہ ما بہ قوامہ (راغب) بہ القائم بنفسہٖ مطلقا لابغیرہ و ھو مع ذٰلک یقوم بہٖ کل موجود حتی لایتصور وجود شیء ولا دوام وجود الا بہٖ (تاج) ائمہ تفسیر نے بھی اسی معنٰی میں لیا ہے القیم لغیرہٖ فجمیع الموجودات مفتقرۃ الیہ وھو غنی عنھا ولا قوام لھا بدون امرہٖ (ابن کثیر) و۹۸۰ (جیسا کہ مشرک قوموں نے سمجھ لیا ہے) جاہلی مذہبوں کے دیوتا نیند سے جھوم بھی جاتے ہیں اور سونے بھی لگتے ہیں اور اسی غفلت کی حالت میں ان سے طرح طرح کی فروگزاشتیں ہو جاتی ہیں۔ مسیحیوں اور یہود کا بھی عقیدہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جب چھ روز میں آسمانوں اور زمین کو بنا ڈالا تو ساتویں دن اسے ستانے اور آرام لینے کی ضرورت پڑ گئی۔ اسلام کا خدا دائم، بیدار، ہمہ خبردار، غفلت، سستی اور تھکن سب سے ماوراء خدا ہے۔ و۹۸۱ لَہٗ کو مقدم کر دینے سے معنٰی میں زور اور تاکید آگئی اور مفہوم حصر کا پیدا ہو گیا، یعنی ساری کائنات کی ملکیت اور مالکیت صرف اسی کی ہے۔ کوئی اس صفت میں اس کا شریک نہیں۔ اور اس کی ملک سے مخلوق کا کوئی گوشہ کوئی شعبہ خارج نہیں۔ مشرک قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو کائنات کا مالک مانا بھی ہے تو اندھے، لولے، لنگڑے ناقص قسم کا۔ اسلام نے آکر اس پر زور دیا کہ صحیح رشتہ و تعلق خالق کا مخلوق کے ساتھ ملکیت کامل ہی کا ہے۔ لہٗ میں ل متفقہ طور پر ملک کے معنٰی میں ہے۔ واللام للملک (بحر۔ نہر) و۹۸۲ مَنْ ذَا الَّذِیْ کون ایسا ہے؟ استفہام انکاری ہے، یعنی کوئی ایسا نہیں۔ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ۔ شفاعت پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔ مسیح کی شفاعت کبریٰ مسیحیوں کا ایک عقیدۂ خصوصی ہے۔ مسیح کے لیے ان کے ہاں بالاستقلال شفاعت ہی ثابت نہیں، بلکہ تخلیق کائنات بھی خدا نے (نعوذ باللہ) اپنے اسی فرزند کے واسطہ سے کیا ہے۔ قرآن مجید مسیحیوں سے مخاطبہ کے وقت اُن کے مخصوص مرکزی عقائد کفارہ و شفاعت وغیرہ پر برابر ضرب لگاتا جاتا ہے۔ بِاِذْنِہٖ یہ تصریح بھی بہت ضروری تھی۔ مسیحیوں نے جہاں نجات کا دارومدار شفاعت پر رکھا ہے وہاں کے برعکس بعض مشرک قوموں نے خدا کو قانونِ مکافات (ہندی میں کرم) کے ضابطوں سے ایسا جکڑا ہوا سمجھ لیا ہے کہ اس کے لیے معافی کی اور اس کے ہاں شفاعت کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی ہے۔ اسلام نے توسط و اعتدال کی شاہراہ اختیار کر کے بتایا کہ نجات کا مدار ہرگز کسی کی شفاعت پر نہیں، البتہ خدا نے اس کی گنجائش رکھی ہے اور اپنی اجازت کے بعد مقبول بندوں کو دوسروں کی شفاعت کا (جو درحقیقت دعا ہی کی ایک صورت ہے) موقع دے گا اور اُن کی دعائیں قبول کرے گا۔ اور مقبولین کے سب سے بڑے رئیس و سردار ہمارے رسول کریم ﷺ ہیں۔ و۹۸۳ یعنی حاضر و غائب محسوس و معقول مدرک و غیر مدرک سب کا علم اُسے پورا پورا حاصل ہے۔ ما کان قبلھم وما کان بعدھم (کشاف) نام یہاں آگے اور پیچھے صرف دو ہی سمتوں کا لیا گیا ہے لیکن مراد جمیع جہات ہیں اور یہ کنایہ عربی زبان میں عام ہے۔ ھٰذا کنایۃ عن احاطۃ علمہ تعالٰی بسائر المخلوقات من جمیع الجھات۔ اَیْدِیْھِمْ اور خَلْفَھُمْ میں ضمیر جمع غائب یا تو مَن ذا کے مدلول کی جانب ہے جس میں انبیاء و ملائکہ سب آگئے اور یا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی جانب ہے اور ضمیر مذکر اس لیے کہ مراد زمین و آسمان کے اہل عقل سے ہے) والضمیر لما فی السموات والارض لان فیھم العقلاء اولمادل علیہ من ذامن الملائکۃ والانبیآء (کشاف) صفاتِ باری میں حیات کا قیومیت کا، مالکیت کا اثبات اوپر ہو چکا ہے۔ اب یہاں اس حقیقت کا ہو رہا ہے کہ حق تعالیٰ کی صفت علم بھی کامل ہے۔ سعی و سفارش کا ایک موقع دُنیا میں یہ بھی ہوتا ہے کہ جس حاکم یا مالک کے سامنے مقدمہ درپیش ہو اس کا علم محیط و کامل نہیں اس لیے ضرورت ہے کہ خارجی ذرائع سے اس کے معلومات میں اضافہ کیا جائے اور اس کے علم کو کامل کر دیا جائے۔ یہاں یہ بتلا کر کہ اللہ کا علم خود ہر خفی و جلی پر حاوی ہے۔ گویا یہ بتا دیا کہ اس کے علم پر کسی کے اضافہ کرنے اس کے آگے کسی کی خوبیاں بتلانے اُسے کسی نامعلوم شے پر آگاہ کرنے کے کوئی معنٰی ہی نہیں۔ اور اس طرح مسیحی عقیدۂ شفاعت پر ایک اور ضرب لگی۔۔۔ و۹۸۴ کون نہیں گھیر سکتے؟ وہی مخلوقات جن میں پیر، پیمبر، فرشتہ سب شامل ہیں مِنْ عِلْمِہٖ۔ میں علم سے مراد معلومات الٰہی سے ہے۔ ای من معلوماتہٖ (کشاف) العلم ھنا المعلوم (بحر) بڑے سے بڑے صاحب علم و معرفت کے بھی بس میں یہ نہیں کہ معلوماتِ الٰہی میں سے کسی ایک ہی چیز کی کنہ و حقیقت سے پوری طرح واقف ہو جائے۔ محدود و لامحدود کے علم کا مقابلہ ہی کیا۔ و۹۸۵ (اپنی حکمت و مصلحت کے موافق) یہاں اسی حقیقت کا بیان ہے کہ بندہ بڑے سے بڑا بھی عالم و عارف ہو، بہرحال اس کا علم محدود ہوتا ہے اور عین مشیت الٰہی کے ماتحت و مطابق۔ و۹۸۶ (تو وہ خود بڑی سے بڑی چیز میں کیسے سما سکتا ہے) اس کی کرسیٔ علم و قدرت تو خود سارے کائنات پر محیط ہے اس کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے تو آسمان پر، عرش پر، کسی وسیع سے وسیع چیز کے بھی اندر کیسے سما سکتا ہے؟ وہ سب کو گھیرے ہوئے ہے، اُسے کون گھیر سکتا ہے۔ اس صفت کے اثبات سے اُن مشرکوں کے بھی عقیدہ کی تردید ہو گئی جو خدائے تعالیٰ کے مجسم ہونے اور کسی مکان میں اس کے محدود و مقید ہونے کے قائل ہیں۔ کرسی سے مراد علم الٰہی لی گئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے یہی معنٰی منقول ہیں اور متعدد اہل تفسیر نے اس کی پیروی کی ہے۔ کرسیہ ای علمہ (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قیل مجاز عن العلم (روح) الکرسی ھو العلم (کبیر) ای علمہ و منہ الکراسۃ لتضمنھا العلم (مدارک) ای وسع علمہ وسمی العلم کرسیا تسمیۃ بمکان الذی بہ کرسی العالم (کشاف) کرسی کے عام متعارف معنٰی وہی ہیں جو اُردو ہی میں چلے ہوئے ہیں۔ لیکن حق تعالیٰ کے سلسلہ میں کہیں وہ معنٰی تھوڑے ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ کیا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ بھی کوئی جسم رکھتا ہے جو وہ اس عام معنٰی میں کرسی نشین ہو گا۔ ولا کرسی فی الحقیقۃ ولا قاعد (بیضاوی) کرسی کے اصلی معنٰی علم ہی کے ہیں اور کراسۃ جو علمی صحیفوں کے لیے آتا ہے وہ اسی اصل سے ماخوذ ہے اور اہل لغت نے کرسی کے جہاں ایک معنٰی سریر کے کیے ہیں، وہاں دوسرے معنٰی علم کے کیے ہیں۔ الکرسی السریر والعلم (قاموس) اصل الکرسی العلم ومنہ قیل للصحیفۃ یکون فیھا علم مکتوب کراسۃ (ابن جریر) کرسی کے دوسرے معنٰی قدرت و حکومت کے بھی ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی بہتیرے اہل لغت و اہل تفسیر اسی طرف گئے ہیں۔ الکرسی السریر (قاموس) و قیل کرسیّہ ملکہ (راغب) المراد من الکرسی السلطان والقدرۃ والملک (کبیر) قیل کرسیّہ ملکہ و سلطانہ والعرب تسمی الملک القدیم کرسیا (معالم) قال قوم کرسیۂ قدرتہ التی یمسک السمٰوٰت والارض (کشاف) ای وسع ملکہ تسمیۃ بمکانہ الذی ھو کرسی الملک (کشاف) غرض یہ کہ اس کی کرسی علم ہو یا کرسی حکومت وہ جمیع کائنات کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ بڑی چھوٹی، لطیف کثیف، جلی خفی، ہر چیز اس پر عیاں و روشن ہے۔ و۹۸۷ (کہ اس سے تھک کر اسے کسی شریک یا مددگار کی ضرورت پڑے) مشرک قوموں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ اتنے وسیع اور لق و دق سلسلۂ موجودات کی نگرانی تنہا خدا کہاں تک کر سکتا ہے۔ اس لیے نعوذ باللہ وہ کبھی غافل بھی ہو جاتا ہے اور یہ کاروبار سنبھالنے کے لیے اُسے ضرورت شریکوں اور مددگاروں کی بھی پڑ گئی ہے۔ خود یہود اور مسیحیوں کا عقیدہ خدا کے ستانے اور آرام لینے کے باب میں بھی اسی تخیل کی طرف مشیر ہے۔ حِفْظُھُمَا میں تثنیہ کے صیغہ سے مراد ہے ایک طرف سلسلۂ سمٰوات اور دوسری طرف زمین اور اسی لیے قرآن مجید نے ہر ایسے موقع پر صیغہ بجائے جمع کے تثنیہ کا استعمال کیا ہے۔ و۹۸۸ یعنی ایک طرف ہر نقص سے ماوراء اور ہر عیب سے بالاتر۔ دوسری طرف تمام صفاتِ کمال کا جامع۔ علی اور عظیم دو دو صفتوں کا لانا معنٰی سے خالی اور بے کار نہیں۔ علو کا حاصل ہے تمام صفاتِ نقص کی نفی، سارے عوارضِ حدوث سے برتری۔ لا یحدّ المتعالی عن الاشباہ و الانداد والامثال والاضداد و عن امارات النقص و دلالات الحدوث (روح) العلی الرفیع فوق خلقہ المتعالی عن الاشباہ والانداد (بحر) اور عظمت کا حاصل ہے تمام صفاتِ کمال کا اثبات اور ایسی ذات کا ایجاب نہ جس کے مرتبہ کی انتہا ہو اور نہ جس کی کنہ دریافت ہو سکے۔ ای ذوالعظمۃ و کل شیٔ بالاضافۃ الیہ حقیرا (روح) العظیم الذی لا منتھٰی لعظمتہٖ ولا یتصور کنہ ذاتہٖ (روح) العظیم ذوالعظمۃ الذی کل شیٔ دونہ فلاشیٔ اعظم منہ (بحر) گویا ان دو صفات کے اندر عظمت و کمال کے سلبی و ایجابی پہلو سارے کے سارے آگئے۔ اور ہر اُس

ضلالت کی تردید ہوگئی جو شرک فی الصفات سے پیدا ہو سکتی ہے۔ و۹۸۹ دین کا تعلق اصلاً عقیدۂ قلب سے ہے اور قلب پر جبر واکراہ کی گنجائش ہی نہیں۔ اسی لیے گویا یہاں اس حقیقت کا اعلان ہے کہ ایمان کا تعلق اپنے ارادہ واختیار سے ہے جبر واضطرار پر نہیں۔ ای لم یجر الله امر الایمان علی الاجبار و القسر ولکن علی التمکین والاختیار (کشاف) ولولا ذٰلک لما حصل الابتلاء ولبطل الامتحان والی ذٰلک ذھب القفال (روح) قال ابو مسلم والقفال معناه انه ما بنٰی تعالٰی امر الایمان علی الاجبار والقسر وانما بناه علی التمکین والاختیار (بحر) جزیہ کو کم فہموں نے اسلام میں جبر کی اصل سمجھا ہے حالانکہ اگر ذرا غور کریں تو معلوم ہو جائے کہ جزیہ کی مشروعیت عین اس کے برعکس خود اس کی دلیل ہے کہ مقصود اصلی قانونِ اسلام حکومت اسلام کو غالب رکھنا ہے نہ کہ فرداً فرداً ہر کافر کو بہ جبر مسلم بنانا۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اکراہ کی نفی سے مقصود اکراہ فی نفسہٖ کی نفی ہے۔ اس لیے کہ اگر مرتد پر یا کافر حربی پر بوجہ خفائے دلیل کے اکراہ کیا جائے جیسا شریعت میں حکم ہے تو یہ نفی اکراہ فی نفسہٖ کے معارض نہیں اور یہ اکراہ بھی صورتِ دین پر ہوگا۔ نہ کہ حقیقت دین پر، کیونکہ قلب پر اطلاع کا کوئی یقینی طریق نہیں اور اس نفی اکراہ سے نہی عن الاکراہ بھی لازم آگئی۔ اس لیے بعض نے نہی کے ساتھ اس کی تفسیر کی ہے یعنی دین میں اکراہ مت کرو۔ ای ھو من وضوح الدلائل والحجج بحیث لایکون فیه اکراہ بل یجب الدخول فیه بانشراح صدر و اختیار (نہر) الدِّيْنِ۔ دین سے مراد مطلق دین نہیں۔ دین اسلام ہے۔ والدین ھنا ملّة الاسلام واعتقادهٗ (بحر) و۹۹۰ اور دلائل وشواہد نے دونوں کے درمیان علانیہ امتیاز پیدا کر دیا ہے۔ الرُّشْدُ یعنی راہِ اسلام۔ الْغَيِّ۔ یعنی طریق کفر۔ یعنی اب تو کفر واسلام کے درمیان بہت کھلے ہوئے فرق اور امتیازات پیدا ہو چکے ہیں۔ اب کسی پر خفا والتباس کی کوئی وجہ نہیں! و۹۹۱ یعنی جس نے دین اسلام قبول کر لیا اور جو باطل کی پیروی سے باز آ گیا اُسے دنیا و آخرت میں ایک بڑا زبردست سہارا ہاتھ آ گیا۔ الطَّاغُوْتُ۔ طاغوت۔ کا صحیح ترجمہ مشکل ہی ہے۔ اُردو میں اس کے لیے قریب ترین لفظ شیطان کا ہو سکتا ہے۔ اپنے عام ووسیع معنٰی میں عربی میں اس کا اطلاق ہر معبود باطل اور ہر سرکش پر ہوتا ہے۔ قال ابو اسحق کل معبود من دون الله جبتٌ و طاغوتٌ (لسان) الطاغوت عبارة عن کل معبد و معبود من دون الله (راغب) مالک بن انس اور بعض اور اہل تفسیر بھی اسی عموم کی طرف گئے ہیں۔ قال مالک ابن انس کل ماعبد من دون الله تعالٰی (روح) مردة من الجن والانس و کل مایطغٰی (کبیر) ماعبد من دون الله تعالی قاله الطبری (بحر) و۹۹۲ (نہ دنیا میں نہ آخرت میں)۔ بندہ کا فاطر کائنات سے صحیح ونظری تعلق ہی کا نام دین اسلام ہے۔ یہ وہ زبردست سہارا ہے جس کے ہاتھ لگ جانے کے بعد زندگی کا ہر مرحلہ آسان ہو جاتا ہے اور ہر عقدہ کا حل مل جاتا ہے اور اس کے نتیجہ کے طور پر آخرت کی بھی منزلیں آسان رہتی ہیں۔ اس ایک سہارے کے سوا باقی سارے سہارے ناقص، کمزور اور بودے ہیں۔ بعض محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ عروة الوثقٰی نسبت مع اللہ ہے۔ وہ حاصل ہو جانے کے بعد منقطع نہیں ہوتی۔ و۹۹۳ سَمِيْعٌ سننے والا الفاظ کا اور اقوال کا۔ عَلِيْمٌ جاننے والا احوال کا اور اعمال کا۔ یعنی اللہ کو ظاہر وباطن، کلی، جزئی ہر قسم کا علم واطلاع ہے — اللہ کی باخبری اور ہمہ علمی مسلمانوں کو ایک معمولی اور موٹی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن جاہلی قوموں میں ایک دو نہیں کثرت سے ایسی ہیں جو حق تعالٰی کی صفت علم میں بھی شبہ کر چکی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض جاہلی فلاسفہ یہ بھی کہہ گزرے ہیں کہ خدا کو علم صرف کلیات کا ہے جزئیات کا نہیں ہوتا۔ کلام مجید کی اس قسم کی آیتوں کی پوری قدر جبھی ہوتی ہے، جب دنیا کی جاہلی قوموں کے عقائد باطلہ پر نظر ہو......! و۹۹۴ وَلِيُّ۔ ولی کا ترجمہ بھی کسی ایک لفظ سے مشکل ہی ہے۔ رفیق، دوست، پشت پناہ، سرپرست سب کے مفہوم اس میں شامل ہیں۔ اور اہل تفسیر سے یہ سب معنٰی منقول ہیں۔ محبھم ومتولی امورھم (بیضاوی) نصیرھم و ظھیرھم یتولاھم بعونه (ابن جریر) الولی المتکفل بالمصالح (کبیر) معینھم و محبھم او متولی امورھم (روح) اہل ایمان کے بگڑے کام بنانے والا۔ آڑے وقت ان کے کام آنے والا اللہ ہی ہے نہ کہ ابن اللہ یا کوئی دیوی دیوتا — خفی رد مسیحیوں اور مشرکوں کا یہاں بھی کیا گیا۔ بعض صوفیہ نے آیت سے ولایت عامہ کے اثبات پر استدلال کیا ہے، و۹۹۵ (اور یہی مومنین کے حق میں سب سے بڑی اور کارآمد نصرت وپشت پناہی ہے) الظُّلُمٰتِ سے مراد کفر، انواع کفر اور متعلقات وملحقاتِ کفر ہیں۔ مثلاً شک وارتیاب شہوت ممنوع میں غلو وغیرہا۔ النُّوْرِ سے مراد ایمان وانوار ایمان ہیں۔ عقل سلیم وذوق شوق وغیرہا۔ کفر وظلمات کی قسمیں بے شمار ہیں اس لیے ظلمات کو صیغۂ جمع میں لائے۔ انواع کفر واسباب کفر بہت زائد ہیں۔ دو نقطوں کے درمیان منحنی یا ٹیڑھے خط بے شمار ہو سکتے ہیں۔ سیدھا خط ایک ہی ہو سکتا ہے۔ راہ راست ایک ہی ہے اس لیے النُّوْرِ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آیا ہے صیغۂ واحد ہی میں آیا ہے۔ و۹۹۶ (ترغیب، تحریص وتخویف کے ہر ممکن حربہ سے کام لے کر) طاغوت پر حاشیہ اُوپر گزر چکا ہے۔ اس کا اطلاق واحد جمع دونوں پر ہوتا ہے۔ یہاں معنٰی میں جمع ہی مراد ہے۔ اور جب فضا ہی ساری کی ساری ظلماتی ہو تو ظاہر ہے کہ شیطنت اور بدی کے محرکات کتنے بڑھ جاتے اور ایمان وتقوٰی کے محرکات کتنے گھٹ جاتے ہیں۔ شیطان بدی کے چہرہ پر طرح طرح کے خوشنما نقاب ڈال، اس کے نام طرح طرح کے خوبصورت رکھ اُسے سامنے لانے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ جو اہل ایمان، اہل تقوٰی ہیں وہی نکو بن کر رہ جاتے ہیں۔ اکبرالٰہ آبادی ؎

مغوی کو بھی بد نہ کہیے ترغیب ہے یہ ۔۔۔ کس سے میں کہوں کہ دل کی تخریب ہے یہ

شیطان کو رجیم کہہ دیا تھا اک دن ۔۔۔ اک شور مچا خلاف تہذیب ہے یہ

و۹۹۷ (کہ انہوں نے اپنی قوتِ فیصلہ سے کام نہ لے کر راہ کفر وضلالت اختیار کی) و۹۹۸ (اے مخاطب) اَلَمْ تَرَ اِلَى۔ عربی ادب میں یہ اسلوب بیان حیرت واستعجاب کے موقع کے لیے ہے اور وہ بھی پہلوئے ذم لیے ہوئے۔ جب بھی کسی کے کسی حیرت انگیز نقص یا عیب کی طرف توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے تو اُسے شروع اس طریقہ پر کرتے ہیں جیسے اُردو میں "کہیے کہ تم نے فلاں کی حرکت دیکھی ہے؟" وکذٰلک تفعل العرب اذا ارادت التعجب من رجل فی بعض ما انکرت من فعله قالوا ما ترٰی الی ھٰذا (ابن جریر) ھی کلمة یوقف بھا المخاطب علٰی تعجب ھنا و لفظھا لفظ الاستفھام (کبیر) و۹۹۹ (منکر ومخالف کی حیثیت سے) یہ بحث ومناظرہ کرنے والا کون تھا؟ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی معاصر بادشاہ تھا۔ یہ تصریحات تو قرآن مجید بلکہ اس آیت کے اندر موجود ہیں۔ مفسرین نے اس موقع پر نمرود کا نام لیا ہے اور چونکہ اس خاص قصہ کا ذکر اہل کتاب کی کتاب میں موجود نہیں اس لیے وہ اس روایت ہی کے ماننے میں تامل کر رہے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید توریت کی اس طرح کی خدا جانے کتنی فروگزاشتوں کی تصحیح کرتا گیا ہے۔ اتنا تو بہرحال تاریخ توریت اور روایات یہود میں تسلیم ہے کہ نمرود نامی بادشاہ کا وجود تھا۔ بادشاہ بہت بڑا تھا اور ساتھ ہی سخت ظالم اور مشرک اور آزر اس کا وزیر تھا۔ توریت میں ہے:۔ "اور کوش سے نمرود پیدا ہوا زمین پر جبار ہونے لگا۔ خداوند کے سامنے وہ صیاد وجبار تھا۔ اسی واسطے مثل ہوئی کہ خداوند کے سامنے نمرود سا صیاد وجبار (پیدائش ۱۰۔ ۹۸۰) اور کوش سے نمرود پیدا ہوا وہ زمین پر جبار ہونے لگا (۱۔ تواریخ ۱۰۔ ۶۰) اور حسب روایاتِ یہود، یہ نمرود اپنے قبیلہ والوں کی مختصر فوج سے آل یافث کو شکست دینے کے بعد زمین کا بادشاہ ہو گیا۔ اور آزر کو اس نے اپنا وزیر بنایا۔ اس کے بعد اپنی عظمت کے نشہ میں نمرود خدا سے بیگانہ ہو گیا۔ اور بہت سخت قسم کا مشرک ہو گیا"۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۹ صفحہ ۳۰۹۔ بابل (کلدانیہ) ہی کی تاریخ میں ایک اور بادشاہ کا نام آتا ہے جو بابل کا سب سے پہلا انسانی خدا تھا۔ بعض مؤرخین نے اسے نمرود کا مرادف قرار دیا ہے (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۶ نمبر ۳۴۶) انیسویں صدی عیسوی کے ثلثِ آخر میں فرنگی مادّیت وعقل پرستی اور اس کی تقلید میں ہندوستانی "روشن خیالی" اور "نیچریت" کا شدید تقاضا یہ تھا کہ ان قصوں ہی سے سرے سے انکار کر دیا جائے لیکن جوں جوں خود فرنگی مؤرخین کے قدم آگے بڑھتے گئے یہ تشکیک وبے اعتقادی بھی ضعیف ہوتی چلی گئی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے سب سے آخری یعنی چودھویں ایڈیشن میں اعتراف ہے، کہ نصف صدی پیشتر ان قصوں کو جیسا بے اصل ونامعتبر سمجھ لیا گیا تھا وہ خیال اب مزید تحقیق سے قائم نہیں رہا۔ یہاں تک کہ نمرود کے ساتھ مناظرہ ابراہیمی علیہ السلام کا قصہ بھی (جلد ۱۳ صفحہ ۱۶۵) رَبِّهٖ میں ضمیر ابراہیم کی طرف ہے لیکن بعض نے الَّذِيْ حَآجَّ کی جانب بھی جائز رکھی ہے۔ اور اس صورت میں ترجمہ ہوگا اپنے رب کے باب میں۔ والضمیر یحتمل ان یعود الی ابراھیم و یحتمل ان یرجع الی الطاعن والاول اظھر (کبیر) بہرحال قابل لحاظ لفظ یہاں رب ہے گفتگو "رب" کے بارہ میں تھی۔ "اللہ" کے بارہ میں نہ تھی۔ مسئلہ ربوبیت میں تھی، باب الوہیت میں نہ تھی و۱۰۰۰ یعنی اُسے وسعت سلطنت ہی نے اتنا دلیر، سرکش اور

برخود غلط بنا رکھا تھا۔ روایات یہود میں یہاں تک تصریح ملتی ہے کہ وہ اپنی تعظیم بلکہ پرستش خدا ہی کی طرح کراتا تھا اور اپنے لیے اس نے ایک عرشِ الٰہی تیار کرایا تھا جس پر اجلاس کیا کرتا تھا (ملاحظہ ہو گینزبرگ Ginzhug کی حکایاتِ یہود .Legends of the Jews جلد اوّل صفحہ ۱۷۸) اَنۡ اٰتٰهُ اللّٰهُ میں ان سببیہ ہے لان کے معنی میں ای ابطرہ ایتاء الملک و حملہ علی المحاجۃ (بیضاوی) کلدانیوں کا ملکی اور قومی مذہب خوب خیال رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں اصلاً شمس پرستی تھا۔ یعنی سورج دیوتا کی پوجا اور یہی سب دیوتاؤں کے سردار تھے۔ نمرود کلدانی فرعون مصری کی طرح اپنے کو اسی خدائے اعظم کا مظہر یا بروز یا اوتار سمجھتا تھا۔ اور اہل توحید کو اپنے ملک کا غدار و باغی اور اپنے مذہب کا دشمن اور منکر قرار دیتا تھا۔ رفتہ رفتہ اہل توحید کے خدائے واحد سے بھی جلنے لگا تھا جوزیفس یہود کا مؤرخ قدیم اپنی تاریخ آثار یہود میں لکھتا ہے:۔ "وہ لوگوں کی خوشحالی کو خدا کی جانب نسبت دینے سے روکنے لگا۔ گویا کہ وہ خود قادر علی الاطلاق ہے۔ وہ کہتا تھا کہ اگر اب کی خدا نے طوفانِ نوح علیہ السلام کی طرح دنیا کو ڈبویا تو میں اُس سے انتقام لوں گا"۔ (باب اول۔ ۲:۴) ف۱۰۰۱ (آپ کے اس سوال کے جواب میں کہ وہ کونسا خدا ہے جس کے تم پرستار ہو؟) نمرود تو مدعی اپنے خدا ہونے اور مظہر خدا ہونے کا تھا۔ اُس نے داعیٔ توحید کو چیلنج دے کر پوچھا کہ وہ کونسا خدا ہے جس کی تم دعوت دے رہے ہو؟ ذرا میں تو اس کے اوصاف سنوں۔ مشرک افراد آج بھی بڑی حیرت اور بڑے اچنبھے کے ساتھ پوچھا کرتے ہیں کہ ہمارے فلاں فلاں دیوتا اور فلاں فلاں دیوی کے علاوہ اور ان سے ماوراء آخر خدا ہے کونسا؟ کہاں ہے؟ کیسا ہے؟ اس کے افعال وصفات کیا ہیں؟ ف۱۰۰۲ یعنی حیات وموت کی ساری قوتیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی سارے نظام ربوبیت کا سرچشمہ ہے۔ کائناتِ حیاتی کی بقاو فنا کے سارے قانون اور ضابطے آخر میں اسی پر جا کر ٹھیرتے ہیں۔ کسی بندہ میں یہ طاقت نہیں کہ اس نظامِ حیاتی وافنائی کو بدل دے یا اس میں کوئی ادنیٰ تصرف بھی کر دکھائے۔ فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ آیت سے مداہنت کا ابطال ہو رہا ہے۔ محققین صوفیہ نے محاجۂ ابراہیمی سے یہ استنباط کیا ہے کہ ضرورتِ دین کے وقت بحث ومناظرہ ہرگز تجرید وتفرید کے منافی نہیں۔ خصوصاً کامل کے لیے۔ اور علم کلام کا سنت انبیاء میں سے ہونا تو بیان سے بالکل ظاہر ہو رہا ہے۔ وھذہ الأیۃ تدل علی صحۃ المحاجۃ فی الدین واستعمال حجج العقول والاستدلال بدلائل اللّٰہ تعالٰی علٰی توحیدہٖ وصفاتہ الحسنٰی (جصاص) اور ایک محقق نے یہ نکتہ بھی خوب نکالا ہے کہ حضرات انبیاء توحید باری میں صرف افعالِ حق سے استدلال کرتے تھے اور ایسی صفات کو پیش نہ کرتے جن سے مذہب تشبہ وتجسم کے لیے گنجائش نکل سکے۔ تدل علی انہ تعالٰی لایشبہ بشیء وان طریق معرفتہٖ ما نصب من الدلائل علی توحیدہ لان انبیاء علیہم السلام انما حاجوا الکفار بمثل ذٰلک ولم یصفوا اللّٰہ تعالٰی بصفۃ توجب التشبیہ وانما وصفوہ بافعالہ واستدلوا بہا علیہ (جصاص) ف نمرود نے موت وحیات کے اسباب بعید وخفی کو چھوڑا اور صرف اسباب ظاہری وسطحی کو سامنے رکھ کر جواب دیا کہ سامانِ معیشت تو سب میرے ہاتھ میں ہے۔ میں جسے چاہوں روزی دوں اور جسے چاہوں بھوکوں مار ڈالوں۔ یا کسی اور طریقہ سے اس کی زندگی ختم کر دوں۔ ف۱۰۰۳ (اگر تو اپنے دعوائے قدرت وتصرف میں کچھ بھی سچائی رکھتا ہے) نمرود اوتار تھا سورج دیوتا کا۔ اور سورج ہی کلدانیوں کے عقیدہ میں معبود اعظم تھا۔ اسی کی مثال کو اور زیادہ قریب الفہم بنانے کے لیے موحد اعظم نے اس کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم تو سورج کے قادر ومتصرف ہونے کے قائل ہو تو زیادہ نہیں یہی کر دکھاؤ کہ سورج اپنے ارادہ سے عام سنت الٰہی کے خلاف ذرا اپنا رُخ ہی بدل دے دوسروں پر قدرت رکھنا الگ رہا۔ خود اپنے ہی پر ذرا اپنا ارادہ صرف کر دکھائے۔ اور ارادہ بھی اتنا ہلکا کہ صرف رخ بدل دینے کا۔ کسی خدا کی بے بسی کا منظر اس سے بڑھ کر اور کیا پیش ہو سکتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے استدلال وہی قائم رکھا۔ صرف مخاطب کی سطحی ذہنیت کا لحاظ کر کے اس کی مثال دُوسری پیش کر دی اور فرمایا کہ اچھا کائناتِ حیاتی نہ سہی کائناتِ طبعی ہی کے خدائی نظام میں ایک ادنیٰ تصرف کر کے دکھا دو۔ نمرود سورج دیوتا کا اوتار تھا اور سورج کے خدائے اعظم ہونے کا قائل۔ اس کے عقیدہ کے ابطال وتردید میں سورج ہی کو مثال میں پیش کرنا اس پر بہترین گرفت تھی۔ ف۱۰۰۴ یعنی عاجز ولاجواب ہو گیا۔ اس کا جواب کسی مشرک وآفتاب پرست کے پاس ہو کیا سکتا تھا؟ نہ اس وقت کسی سے بن پڑا نہ آج کسی سے بن پڑنا ممکن ہے۔ استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس ہستی کے متعلق صاحب ارادۂ عظیم ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ تجربہ ومشاہدہ سے ارادۂ خفیف سے بھی معریٰ ثابت ہو رہا ہے۔ ف۱۰۰۵ عاجز ولاجواب ہو جانے کے باوجود وہ ایمان نہ لایا۔ اور ایمان لاتا ہی کیسے؟ جو لوگ غصہ اور عناد سے کجروی اختیار کیے رہتے ہیں انہیں ہدایت کبھی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ الظّٰلِمِیْنَ۔ وہی لوگ ہیں جو غلوءِ ذہن کے ساتھ حق وحقیقت پر غور ہی نہیں کرتے اور اپنی ضد ونفسانیت پر قائم رہتے ہیں۔ آیت سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ ایمان مستقیم اور فہم سلیم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ف۱۰۰۶ (اے مخاطب) آیت کا عطف معنوی ہے آیت سابق پر۔ اور تقدیر کلام اکثر نحوئین کے نزدیک یہ ہے۔ ارأیت کالذی حاجّ ابراھیم او کالذی مرعلٰی قریۃ و ھو قول الکسائی والفرّاء و ابی علی القاری واکثر النحویین (کبیر) اور دوسری ترکیب یہ بھی مانی گئی ہے۔ اور أیت مثل الذی مرّ الخ زمخشری بیضاوی وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ يُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ

اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو ایمان لائے ف۹۹۴ اور انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف

اِلَى النُّوۡرِ ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَوۡلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوۡتُ ۙ

نکال کر لاتا ہے ف۹۹۵ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں

يُخۡرِجُوۡنَهُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓـئِكَ

جو انہیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں ف۹۹۶ یہی لوگ

اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵۷﴾ اَلَمۡ تَرَ

اہل دوزخ ہیں اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے ف۹۹۷ کیا تو نے اس شخص کے حال پر

اِلَى الَّذِىۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِىۡ رَبِّهٖۤ اَنۡ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ

نظر نہیں کی ف۹۹۸ جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں مباحثہ کیا تھا، ف۹۹۹ اس سبب سے کہ اللہ نے

الۡمُلۡكَ ‌ۘ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىۡ يُحۡىٖ

اسے بادشاہت دے رکھی تھی ف۱۰۰۰ جبکہ ابراہیم نے اس سے کہا کہ میرا رب ف۱۰۰۱ تو وہ ہے جو زندگی بخشتا ہے

وَيُمِيۡتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحۡىٖ وَاُمِيۡتُ ؕ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ

اور موت دیتا ہے ف۱۰۰۲ وہ بولا کہ زندگی اور موت تو میں دیتا ہوں ف ابراہیم نے کہا

فَاِنَّ اللّٰهَ يَاۡتِىۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ

اچھا اللہ تو آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے

بِهَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىۡ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ

تو اسے مغرب سے نکال دکھا ف۱۰۰۳ اس پر وہ جو کافر تھا دنگ رہ گیا ف۱۰۰۴ اور اللہ

لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۚ‏ ﴿۲۵۸﴾ اَوۡ كَالَّذِىۡ مَرَّ

ظالم لوگوں کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا ف۱۰۰۵ یا (پھر) اس شخص (کے حال پر نظر کی) ف۱۰۰۶

ع ۳۴ / ۲

وقف لازم

۱۰۰۷ یعنی اس کی عمارتیں بالکل منہدم ومسمار ہو چکی تھیں۔ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوْشِھَا۔ عربی کا ایک خاص محاورہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ بستی بالکل تباہ وبرباد ہو چکی تھی۔ چھتیں گریں پھر چھتوں کے اُوپر دیواریں۔ بان
ط السقف اوّلًا ثم تهدمت الجدران عليه (روح) یہ کون صاحب تھے اور کس تباہ شدہ بستی سے ان کا گزر ہوا تھا! اَلَّذِیْ مَرَّ۔ مفسرین نے زیادہ تر مراد حضرت عزیر علیہ السلام نبی سے لی ہے۔ سلسلۂ اسرائیلی
ایک مشہور پیمبر گزرے ہیں۔ ان کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح تھا۔ ۴۵۰ ق،م میں ڈیڑھ ہزار یہود کو ان کی قید اور جلاوطنی سے چھڑا کر فلسطین لائے۔ بائبل میں انکا نام عزرا کاتب یعنی کاتب توریت کی
یت سے آتا ہے۔ ایک صحیفہ بھی ان کے نام کی طرف منسوب ہے۔ قتادہ۔ سدی وغیرہ تابعین اسی طرف گئے ہیں بلکہ یہی قول حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ سے بھی مروی ہوا ہے۔ ذکر انه
یر (ابن جریر۔ عن قتادہ) هو عزير (ابن جریر عن السدی) المارّ هو عزير كما اخرجه الحاكم عن على واسحق بن بشر عن ابن عباسؓ و عبدالله بن سلام، اليه ذهب قتادة و عكرمة
ربيع والضحاك والسدى و خلق كثير (روح) دوسرا قول حضرت یرمیاہ نبی سے متعلق نقل ہوا ہے۔ یہ بھی اسرائیلی سلسلہ کے پیمبر ہوئے ہیں۔ یہ ساتویں صدی قبل مسیح میں تھے۔ اور تاریخ یہود میں آتا
ہے کہ انہیں نبوت ۶۲۶ ق،م میں ملی تھی۔ تاریخی اعتبار سے امکان ان کے لیے بھی ہے۔ گوذرا ضعیف۔ حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ اور وہب سے روایت انہی کے متعلق ہے۔ قيل هو ارميا بن فلقيا و هو المروى

عَلٰی قَرْيَةٍ وَّ هِیَ خَاوِيَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ

جو ایک بستی سے گزرا تھا اس حال میں کہ وہ (بستی) اپنی چھتوں کے بل گری ہوئی تھی ف۱۰۰۷ وہ کہنے لگا

اَنّٰی يُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ

اللہ اس (آبادی) کو اس کے مرنے کے پیچھے کیوں کر جلا اٹھائے گا؟ ف۱۰۰۸ سو اللہ نے اس (شخص) کو سو سال تک

مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ

مُردہ رکھا، پھر اسے جلا اٹھایا ف۱۰۰۹ (پھر) پوچھا تو کتنی مدت (اس حالت میں) رہا اس نے کہا

لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ

میں رہا (اس حالت میں) کوئی دن بھر یا اس کا کچھ حصہ ف۱۰۱۰ فرمایا نہیں بلکہ تو سو سال

مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ

(کی مدت) تک رہا۔ اپنے کھانے اور پینے کی طرف تو دیکھ (کہ اب تک) وہ سڑا گلا

لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً

نہیں ہے، ف۱۰۱۱ اور اپنے گدھے کو دیکھ ف۱۰۱۲ اور (یہ سب) اس لئے کہ ہم تجھے ایک نشان لوگوں کے لئے

لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا

بنائیں ف۱۰۱۳ اور ہڈیوں کی طرف دیکھ ہم انہیں کس طرح ترتیب دیتے ہیں

ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ

اور پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں ف۱۰۱۴ پھر جب ان پر (یہ سب) روشن ہوگیا تو ان کے کہا میں یقین کرتا ہوں

اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَاِذْ قَالَ

کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۱۰۱۵ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب

اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ

ابراہیمؑ نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کس طرح جلائے گا، ف۱۰۱۶ ارشاد ہوا

عن ابی جعفر واليه ذهب وهبؑ (روح) بائبل میں اس سے ملتا جلتا ہوا ایک
واقعہ حضرت حزقیل نبی سے متعلق درج ہے، جو یرمیاہ نبی کے ہمعصر اور چھٹی صدی
قبل مسیح علیہ السلام میں تھے۔ لیکن بائبل میں یہ قصہ بصورت واقعہ نہیں، بلکہ کشف یا رؤیا
کے طور پر ہے (حزقیل۔ باب ۳۶ و ۳۷) قَرْيَةٍ۔ یہ بستی کونسی تھی، نام مختلف شہروں
کے لیے گئے ہیں۔ لیکن اکثریت یروشلم یا بیت المقدس کی طرف گئی ہے۔ یہ شہر بخت
نصر تاجدار بابل کے ہاتھوں ۵۸۶ ق،م میں پوری طرح تاخت وتاراج ہو چکا تھا۔
اور یہ واقعہ اسی شہر سے متعلق اس کی تباہی کے بعد قریب ہی کے زمانہ کا ہے۔ القرية
بيت المقدس قاله وهب وقتادة والضحاك و عكرمه والربيع (بحر)
۱۰۰۸ (قیامت کے دن) هٰذِهٖ۔ اشارہ مُردہ شہر کے مُردہ باشندوں کی جانب
ہے۔ اہل بصیرت کے لیے ہر حسرتناک منظر ایک درسِ عبرت ومعرفت ہوتا ہے۔
عجب کیا جو خدا کے نبی کا ذہن اپنے پیش نظر منظر سے کائنات کے ہولناک ترین منظر
کی طرف منتقل ہوا ہو، اور اس سے انہوں نے ایک اور سبق معرفت کا حاصل کرنا چاہا
ہو۔ المشار اليه امّا نفس القرية بدون تقدير او تقدير مضاف اے
اصحاب هٰذه القريةِ (روح) اے اهل هٰذهٖ (مدارک) اَنّٰی یہاں كيف کے
مرادف اور کس طرح، یا کس کیفیت کے ساتھ کے معنی میں ہے۔ اعتراف العجز
عن معرفة طريقة الاحياء (کشاف) ایّ علٰی ای حالٍ يحيى (روح)
آخرت میں حشر احیاء پر یقین نبی کیا معنی ہر مومن کو ہوتا ہے۔ سوال سے نبی کا یہ
مطلب تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کے نفس وقوع میں شبہ ظاہر کیا جائے۔ وہ صرف اس
کی نوعیت جاننے اور کیفیت سمجھنے کے آرزومند تھے۔ ف۱۰۰۹ (بہ طور خرقِ عادت)
معجزات یا خوارق پر کوئی عقلی اعتراض اگر کسی ملحد کی طرف سے ہو تو خیر اُس کے لیے تو
کچھ گنجائش بھی ہے لیکن خدا کے ماننے والے کی طرف سے یہ "عقلی اعتراض" یا اس
کے امکان میں گفتگو بالکل بے معنی ہے۔ جب معجزہ کا فاعل خدا تعالیٰ ہے تو وہ قادرِ
مطلق تو جس طرح اپنی عادت یا معمولِ عالم کے اجراء وبقاء پر قادر ہے۔ ٹھیک اسی
طرح اور ہمیشہ اسی درجہ میں اس کے ترک وخرق پر بھی! اس کے نزدیک تو یہ اور وہ ایسا
اور ویسا یہ دونوں بالکل یکساں ومساوی ہیں بلکہ اس ہستی مطلق کے لیے یہ عادت،
خلاف عادت کے معنی ہی کیا؟ یہ موافق عادت وخارقِ عادت کی اصطلاحیں تو محض
بندوں کے علم کے لحاظ سے ہیں، یہ تو ہم نے جس چیز کا بار بار اور متواتر مشاہدہ کیا
اسے عادتِ الٰہی میں داخل کر دیا۔ اور جس چیز کو ایسا نہ پایا اُسے خلافِ عادت اور
خارقِ عادت سے تعبیر کرنے لگے! -- لفظ "معجزہ" تو خود ہمارے جہل کا پردہ پوش
ہے۔ حق تعالیٰ کے لیے کونسی تعبیر معجز ہو سکتی ہے؟ غرض کوئی مذہبی شخص کسی بڑے
سے بڑے معجزہ کے نفس امکان میں تو زبان کھول ہی نہیں سکتا، گفتگو جو کچھ بھی چلے گی
روایت وروایت معتبر کے لحاظ سے چلے گی۔ اور یہ بحث ظاہر ہے کہ تمام تر نقلی اور تاریخی ہوگی نہ کہ عقلی۔ وقوعِ معجزہ کے راوی اگر معتبر اور شاہد عینی ہیں تو وہ خارقِ عادت بھی ہمارے لیے ایسا ہی قابل یقین ہوگا جیسا کہ
روزمرہ کے عام واقعات ہوتے ہیں اور پھر جس معجزہ کے راوی خود حق تعالیٰ یا نبی معصوم ہوں اس کے باب میں تو ظاہر ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ آگے کوئی گفتگو چل ہی نہیں سکتی۔ کس وقت کس خارقِ عادت کے ظہور کی
کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں، یہ حال بجز حکیم مطلق کے اور کون جان سکتا ہے؟ ف۱۰۱۰ یہ جواب اس بندہ نے اپنے علم وشعور اور اپنے حساس واندازہ کے مطابق دیا۔ اور بشری اندازہ وتخمین کی یہ غلطی ذرا بھی
حیرت انگیز نہیں۔ جب دماغ ودل، شعور واندازہ کی مشینوں کی حرکت ہی سرے سے باطل ہو گئی تھی۔ تو کوئی بشر اندازہ کر ہی کیونکر سکتا تھا اور یوں بھی گھنٹوں اور دنوں بلکہ مہینوں اور برسوں کی مدت کو خواب اور بیہوشی کی
حالت میں ہم روزمرہ منٹوں اور سیکنڈوں کے اندر سمٹے اور سمٹائے ہوئے آخر دیکھتے ہی ہیں۔ ف۱۰۱۱ (اتنی مدت کے باوجود) فقہاء ومفسرین نے اس جواب سے جوازِ اجتہاد پر استشہاد کیا ہے۔ فيه دليل جو
الاجتهاد (مدارک) اور یہ نظیر ہے اس کی کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو جتنی مدت تک بھی چاہے محفوظ وسالم رکھ سکتا ہے۔ بشری عقل وفہم مادی مثالوں اور نظیروں کی ہمیشہ حریص رہی ہے۔ اور آج کی "روشن خیالی" اُ

جتے ہیں۔ بعض بعض ڈھانچے سینکڑوں ہزاروں سال کے بعد سالم و محفوظ برآمد ہوئے ہیں۔ حِمَارِ۔ گدھے سے ہندوستان میں تو نہیں۔ لیکن عرب، شام، مصر، فلسطین وغیرہ میں سواری کا کام گھوڑے ہی کی طرح لیا
تا تھا۔ اور اب بھی لیا جاتا ہے۔ توریت اور انجیل دونوں میں گدھے کا ذکر سواری کے جانور کی حیثیت سے بہ کثرت آیا ہے۔ اور حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح علیہما السلام دونوں کا اسی پر سوار ہونا بیان ہوا ہے۔
۱۰۱۳ (اپنی قدرتِ کاملہ کا، اور ایک نظیر واقعۂ بعث کی) **ف۱۰۱۴** یعنی اپنے مردۂ صد سالہ گدھے کے ڈھانچے کو بچشم خود دیکھئے کہ ہم اس کا جوڑ جوڑ بٹھاتے ہیں اور پھر از سرِ نو روح پھونک کر زندہ کر اُٹھاتے ہیں۔
۱۰۱۵ یعنی ان پیمبر پر جب یہ ساری کیفیتیں تجربۃً اور مشاہدۃً گزر لیں تو وہ تر و تازہ جوشِ ایمانی کے ساتھ بے اختیار پکار اُٹھے کہ بیشک یہ پروردگار ہر چیز پر قادر ہے اور اب میرا ایمان واعتقاد سوگنا اور بڑھ گیا۔
عَلِمَ۔ علم سے یہاں مراد علم مشاہدہ و روئیت ہے۔ ورنہ علم بالدلیل تو پہلے ہی سے حاصل تھا۔ تاویلہ ان قدعلمت مشاهدة مما كنت اعلمه قبل ذالک الاستدلال (کبیر) **ف۱۰۱۶** (قیامت کے دن)
یف۔ یعنی کس خاص کیفیت کے ساتھ۔ کس متعین طریقہ پر فی ای حال اوعلی ای حال (ابوسعود) یہ وقوع تو اُسے پوری طرح مسلم ہے اور سوال اس کی صرف کیفیت کے بارہ میں کر رہا ہے۔ الاستفهام
کیف انما هو سوال عن حال شئ متقرر الوجود عندالسائل والمسئول فان الاستفهام ههنا عن هيئة الاحياء المتقرر عندالسائل (قرطبی) محققین نے کہا ہے کہ سوال کے الفاظ سے خود یہ

اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ

کیا آپ کو یقین نہیں ہے، **ف۱۰۱۷** عرض کی، ضرور ہے لیکن (یہ درخواست) اس لئے ہے کہ قلب کو (اور) اطمینان

قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ

ہو جائے، **ف۱۰۱۸** ارشاد ہوا کہ اچھا، چار پرندے لیجیے **ف۱۰۱۹** پھر انہیں اپنے سے

اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا

ہلا لیجیے پھر ان میں کا ایک ایک حصہ پہاڑ پر رکھ دیجیے **ف۱۰۲۰**

ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ

پھر ان کو اپنی طرف بلائیے (تو) وہ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس چلے آئیں گے **ف۱۰۲۱** اور یقین رکھیے کہ اللہ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٦٠﴾ ع مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ

بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے **ف۱۰۲۲** جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے

فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ

رہتے ہیں، ان کے مال کی مثال ایسی ہے **ف۱۰۲۳** جیسے کہ ایک دانہ ہے کہ اس سے سات

سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ

بالیاں اُگیں ہر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں **ف۱۰۲۴** اور اللہ جسے چاہے

يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦١﴾

افزونی دیتا رہتا ہے **ف۱۰۲۵** اللہ بڑا وسعت والا ہے۔ بڑا علم والا ہے **ف۱۰۲۶**

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ خرچ کر چکے ہیں اس کے

لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًی ۙ لَّهُمْ

عقب میں احسان و اذیت سے کام نہیں لیتے **ف۱۰۲۷** ان کے لئے

ع ۳۵ ۲

ظاہر ہو رہا ہے کہ سائل کو کوئی شبہ احیاءِ موتی کے نفسِ وقوع میں نہیں۔ صوفیہ اہل لطائف نے اس قصہ ابراہیمی سے ذیل کے نکات پیدا کیے ہیں:۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ سے کشف مقامات کا سوال موجبِ قبول ہے۔ ۲۔ مقبولین کو جو مشاہدات ہوتے ہیں ان سے مراتبِ عرفان و کمالاتِ ایقان میں اور ترقی ہوتی ہے۔ ۳۔ اور پھر اس سے ان کے تقرب و اعزاز حضور میں اضافہ ہوتا ہے۔ **ف۱۰۱۷** سوال سے مقصود یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمانِ کامل کا اقرار خود ان کی زبان سے کرا لیا جائے۔ اور دنیا کو یہ تعلیم بھی مل جائے کہ ایسے سوالات ہمیشہ بے اعتقادی یا فقدانِ ایمان ہی سے نہیں پیدا ہوتے۔ **ف۱۰۱۸** حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کرتے ہیں کہ ایمان کے درجہ تک تو یقین اب بھی حاصل ہے۔ ہاں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مشاہدہ کے بعد اطمینان اور زیادہ حاصل ہو جائے۔ اس مرتبہ کو اصطلاح میں عین الیقین کہتے ہیں۔ ورنہ یقین مرتبہ تصدیق تک تو جسے اصطلاح میں علم الیقین کہتے ہیں ہر مومن کو حاصل ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے مومنِ اعظم کو کیوں نہ حاصل ہوتا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایمان ہی بڑھتے بڑھتے اطمینانِ قلب پیدا ہو جاتا ہے اور محققین کہتے ہیں کہ یہ ترقی کبھی مشاہدہ و معائنہ سے ہوتی ہے اور کبھی محض وجدان سے۔ اطمینان مقابل ہے سکون کے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عدمِ سکون کی کیفیت ایمان و عرفان کے منافی نہیں اور طمانیت کا جو درجہ ولایت و صدیقیت کے مناسب ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اب بھی حاصل تھا اور آپ کو طلب اُس طمانیت کی تھی جو درجہ نبوت کے مناسب مقام ہو۔ **ف۱۰۱۹** ان پرندوں کے نام بھی تفسیروں میں نقل ہوئے ہیں لیکن اوّل تو سند کچھ قوی نہیں اور پھر یہ تعیین ہی سرے سے بے ضرورت ہے۔ البتہ اہل لطائف و اشارات نے ان چار پرندوں سے نکتے خوب پیدا کیے ہیں۔ چنانچہ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ ان سے اشارہ انسان کے اُن چار قویٰ کی جانب ہے جو مشاہدۂ حق اور حیاتِ حقیقی سے مانع ہوتے رہتے ہیں۔ اور وہ چار قوتیں یہ متعین کی ہیں:۔ (۱) خود بینی و خود ستائی۔ (حُبِّ جاہ) (۲) افراطِ شہوتِ جنسی۔ (۳) حرص و طمع (حُبِّ مال) (۴) طولِ امل یا محبتِ دُنیا۔ **ف۱۰۲۰** (ان کو ذبح کر کے اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد) صُرْهُنَّ اِلَيْكَ۔ یعنی ان پرندوں کو پال کر اور اپنے پاس رکھ کر انہیں اپنے سے خوب مانوس کر لیجیے کہ پھر شناخت میں دقت نہ ہو۔ صُرْهُن کا مصدر صور ہے۔ معنی میل کے ہیں۔ اسی لیے صرھن کی تفسیر عموماً املهن اور وجههن سے کی گئی ہے۔ ای اضممهن الیک ووجههن نحوک (ابن جریر) فاملهن واضممهن الیک (کشاف) اور بعض نحویوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اجزاءِ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ یعنی اِلَيْكَ کا تعلق صرھن سے نہیں فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ سے ہے۔ اور اِلَيْكَ صلہ فعل خذ کا ہے۔ کان فی الکلام تقدیم و تاخیر و یکون معناه فخذاربعة من الطير اليک فصرهن و یکون الیک من صلة خُذْ (ابن جریر) فَصُرْهُنَّ کے آگے اتنی عبارت محذوف مانی گئی ہے کہ اپنے سے ہلا چکنے کے بعد ان پرندوں کو ذبح کر کے ان کے ٹکڑے پہاڑوں پر رکھ دیجئے۔ قرآن مجید کے اسلوبِ بلاغت میں اس قسم کے محذوفات و مقدرات کی مثالیں نایاب نہیں۔ اسی سورۂ بقرہ کے شروع کے رکوعوں میں ہے فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ (ہم نے حکم دیا کہ اپنا عصا چٹان پر مارو) اور اس کے معاً بعد آتا ہے۔ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (پس چٹان سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے) یہاں سب نے اتنا کلام محذوف مانا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی اور عصا کی ضرب چٹان پر لگائی ایسے محذوفات و مقدرات کی نظیریں تو اپنے شاعروں کے کلام میں بھی بکثرت ملتی ہیں۔ پھر خدا کا کلام تو ظاہر ہے کہ ہر شاعر کے کلام سے فصیح تر و بلیغ تر ہے۔ بعض ائمہ لغت و تفسیر ادھر گئے ہیں کہ فعل صار یصور اور صار یصیر کے معنی ہی قطع کرنے کے ہیں۔ اس لیے کسی حذف و تقدیر کے ماننے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ آیت کے معنی ہی براہِ راست یہی ہیں۔ صار الشیء یصوره صورًا قطعه و فصله صورة صورة (تاج) قیل قطعهن صورة صورة (راغب) قال ابو عبیدة معناه قطعهن والصور القطع (معالم) علامہ ابن جریر نے جو تفسیر کے ساتھ لغت کے بھی امام ہیں بسط و تفصیل کے ساتھ گفتگو اس پر کیا ہے کہ صار یصور اور صار یصیر دونوں کے معنی لغتِ عرب میں قطع کے مشہور و معروف ہیں۔ اور آخر میں لکھتے ہیں:۔ ففی ذلک اوضح الدليل على جهل من زعم ان قول القائل

أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

اس کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف (واقع) ہوگا اور نہ وہ

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ

غمگین ہوں گے ف۱۰۲۸ مناسب بات اور درگزر ایسی خیرات سے بہتر ہے

مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ أَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

جس کے عقب میں اذیت ہو ف۱۰۲۹ اللہ بڑا غنی ہے، بڑا بردبار ہے ف۱۰۳۰

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ

اے ایمان والو اپنے صدقوں کو احسان (رکھ کر) اور

وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا

اذیت (پہنچا کر) باطل نہ کردو ف۱۰۳۱ جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کے دکھاوے کو، اور

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ

اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا ف۱۰۳۲ سو اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے ایک چکنا پتھر ہے

عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۗ لَا

جس پر کچھ مٹی ہے، پھر اس پر زوری کی بارش ہو سو وہ اس کو بالکل صاف کردے ف۱۰۳۳ (ایسے لوگ) کچھ بھی نہ

يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا

حاصل کرسکیں گے اپنی کمائی سے ف۱۰۳۴ اور اللہ کافر لوگوں کو

يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ

راہِ ہدایت نہ دکھائے گا ف۱۰۳۵ اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال

اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ

رضائے الٰہی کی طلب میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور اپنے نفس میں پختگی (پیدا کرنے کی

صاریصور و صاریصیر غیر معروف فی کلام العرب بمعنی قطع بہرحال حذف مانا جائے تو اور نہ مانا جائے تو، دونوں صورتوں میں اتنے پر بجز ایک ابومسلم اصفہانی کے سب کا اتفاق ہے کہ مراد یہاں ذبح کرکے پارہ پارہ کرنے ہی سے ہے۔ اجمع اهل التفسیر علی ان المراد بالآیة قطعهن (کبیر) کل المفسرین الذین کانوا قبل ابی مسلم اجمعوا علی انه حصل ذبح تلک الطیور تقطیع اجزائها فیکون انکار ذٰلک انکارًا للاجماع (کبیر) فان کان بمعنی التقطیع فلا حذف اوبمعنی الامالة فالحذف او قطعهن اجزاء (نہر) واجمع اهل التفسیر علی ان ابراهیم قطع اجزاء ها (بحر) ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور حسن بصری، سعید بن جبیر وغیرہ بہ کثرت تابعین سب اسی طرف گئے ہیں۔ معناه قطعهن وهو قول ابن عباس و سعید بن جبیر و مجاهد (کبیر) قالهٗ ابن عباس و مجاهد و ضحاک و ابن اسحاق (بحر) قالهٗ ابن عباس و عکرمه و سعید بن جبیر و ابو مالک و ابو الاسود الدؤلی ووهب بن منبه والحسن والسدی وغیرهم (ابن کثیر) اور ابومسلم کا یہ قول آج چودھویں صدی ہجری میں بعض سطح بینوں کی زبان سے پھر چمکایا گیا ہے اس کی بابت صاحب روح المعانی کہتے ہیں۔ لایخفی ان هذا خلاف اجماع المسلمین و ضرب من الهذیان لا یرکن الیه ارباب الدین۔ صُرْهُنَّ۔ کی دُوسری قرأت متواتر صِرهن (بہ کسر صاد) کی ہے اور اس قرأت پر تو کھلے ہوئے معنی قطع و تشقیق ہی کے ہوتے ہیں۔ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ یعنی جو پہاڑیاں آپ کے آس پاس ہیں اُن پر یہ مراد نہیں کہ رُوئے زمین پر جتنی بھی پہاڑیاں ہوں سب کو تلاش کرکے سب پر رکھیے۔ المعنی علی کل جبل من الجبال التی بحضرتک (کشاف) العموم فی کل جبل مخصّص بوصف محذوف ای یلیک او بحضرتک قالهٗ مجاهد (بحر) مِّنْهُنَّ جُزْءًا یعنی ان کے ملے جلے ہوئے گوشت کا ایک ایک حصہ۔ جُزْءًا کے اصل معنی عربی میں ٹکڑے کے ہیں۔ جس کا فارسی مرادف پارہ ہے۔ الجزء النصیب والقطعة من الشئ (تاج) جزء الشئ مایتقوم به جملته کاجزاء السفینة و اجزاء البیت (راغب)۔ جزء بالفتح پارہ پارہ کردن (صراح) وهن اجزاءٌ متفرقات (ابن جریر) ای ربعًا من کل طائر (ابن تیمیہ) بلکہ امام ابن جریر جن کی نگاہ لغوی اور ادبی نکتوں پر خوب رہتی ہے انہوں نے تو یہ بھی صراحت کردی ہے کہ جزء اور سہم کے استعمال میں فرق ہے کہ سہم کا اطلاق مسلم حصہ پر ہوتا ہے اور جزء کا لفظ عام ہے۔ الجزء من کل شئ هو البعض منه کان معناه جمیعه علی صحة او غیر منقسم فهو بذٰلک من معناه مخالف ففی السهم لان السهم من الشئ هو البعض المنقسم علیه جمیعه علی صحة۔ اور ایسا ہی دوسرے نے بھی کہا ہے وظاهر ثم اجعل علی کل جبل منهن جزءًا یدل علی ان تلک الطیور جعلت جزأ جزأ (بحر) ای قطعةً و بعضًا (روح) مِّنْهُنَّ سے پہلے تو مراد چاروں پرندوں کا مجموعہ لینا اور پھر جُزْءًا سے مراد اس مجموعہ کا ایک ایک جز یا ایک ایک مسلم پرندہ لینا خواہ مخواہ کا تکلف اور ایک غلط قسم کا لغوی اجتہاد ہے۔ صحابیوں اور تابعین کے بعد سے لے کر اس وقت تک جتنے بھی اہل تفسیر عربی کا ذوق سلیم رکھنے والے ہوئے ہیں سب نے مراد ہر ہر پرند کے ٹکڑے ٹکڑے سے لی ہے۔ جزأ هن اجزاءٌ و جعل علی کل جبل منهن جزءًا (ابن کثیر) جزئهن و فرق اجزاء هن علی الجبال (کشاف) ف۱۰۲۱ (صحیح وسالم اس طرح کہ زندہ ہوکر ان میں سے ہر ایک کے متفرق و منتشر اجزاء آپس میں مل ملا کر ٹھیک ہو جائیں گے) اُدْعُهُنَّ یعنی آواز دے کر انہیں اپنی طرف پکاریے۔ ف۱۰۲۲ عَزِيْزٌ۔ یعنی ایسا زبردست جو ہر شے پر یکساں قادر ہے۔ محال وممکن، اشد اور سہل کی تفریقیں اور تقسیمیں تو انسان کی قائم کی ہوئی ہیں۔ قادر مطلق کے ہاں کسی چیز کے اشد یا محال ہونے کے کوئی معنی ہی سرے سے نہیں۔ حَكِيْمٌ۔ یعنی باوجود عموم قدرت واختیارِ مطلق کے وہ کرتا صرف وہی ہے جو عین اس کی حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ایسے عزیز وحکیم کے لیے احیاء موتی میں دشواری ہی کیا ہے۔ جب بھی وہ اپنی حکمت کے لحاظ سے مناسب سمجھے گا حشر برپا کر دے گا۔ ف۱۰۲۳ (اللہ کی نظر میں اور اپنی برکت وافزائش اجر کے لحاظ سے) فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی احکام شریعت کے مطابق نیک کاموں میں۔ اَمْوَالَهُمْ۔ اور فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دونوں عام ہیں۔ تمام مصارف خیر ان میں آجاتے ہیں۔ ف۱۰۲۴ (تو جس طرح غلہ کے ایک دانہ سے سات سو دانے پیدا ہوگئے۔ اسی طرح اللہ کارِ خیر میں صرف کرنے والوں کو ان کے حسن عمل کا اجر سات سو گنا دیتا ہے) ایک عام فہم مادّی مثال دے کر یہ سمجھا دیا کہ اس تکثیر اجر پر اتنی حیرت کیوں کی جائے ایسی مثالیں تو مادّیات میں روزمرہ مل جاتی ہیں۔ تجارتی اور کاروباری تلمیحیں تو قرآن مجید میں بکثرت ملتی ہیں۔ زرعی اور کاشتکارانہ تلمیحیں بھی مفقود نہیں ف۱۰۲۵ یعنی اس کے اجر میں جس حد تک بھی چاہے اور بہ قدر اس کے اخلاص وشفقت کے۔ یہ جو نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی کھیتی سے لطیف تشبیہ دی گئی ہے۔ اس سے اہل لطائف نے دو نکتہ اور پیدا کیے ہیں:۔ ۱۔ ایک یہ کہ اپنے مصارفِ خیر کی حفاظت ونگہداشت بھی اہل زراعت ہی کی طرح کرتے رہنا چاہیے۔ ریا، نمائش، عجب، تکبر، ایذا اور احسان رکھنے سے انہیں برباد نہ کردینا چاہیے۔ ۲۔ جس طرح تخم ریزی، آبپاشی وغیرہ کے اختلاف سے پیداوار محنت اور قیمت اور نفع میں مختلف ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح اجر گو مقدار میں برابر ہو، تاہم حسن قبول وقرب درجات وغیرہ کی کیفیات میں نیت واخلاص کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی رہے گی۔ ف۱۰۲۶ وَاسِعٌ۔ اس کی وسعتوں کی کوئی انتہا نہیں اس لیے مشرک قوموں میں یہ نہ سمجھیں کہ عطاو بخشش سے اس کے خزانہ میں کوئی کمی آسکتی ہے۔ عَلِيْمٌ۔ اس کے علم سے کائنات کا کوئی ذرہ نہیں چھپ سکتا اس لیے مشرک قوموں میں یہ نہ سمجھیں کہ کوئی بھی مخلص و مستحق نظرانداز ہونے پائے گا۔ ف۱۰۲۷ یعنی جس کے

ساتھ کچھ سلوک کیا ہے اس پر نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ اُسے اپنے برتاؤ سے تکلیف پہنچاتے ہیں۔ حقارت سے پیش آنا یہ بھی تکلیف دہ برتاؤ میں داخل ہے۔ کسی کی کچھ خدمت اپنے سے بن پڑ جائے یہ تو خود اپنے لیے باعث اجر و موجب سعادت ہے نہ یہ کہ اُلٹا اس پر فخر کیا جائے۔ اور جس کے ساتھ سلوک کیا گیا ہے اُسے کسی درجہ میں بھی ذلیل ٹھیرایا جائے۔ ف۱۰۲۸ (قیامت کے دن) اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ یعنی ان لوگوں کو پورا پورا اجر ملے گا۔ ان کے درجۂ اخلاص کے تناسب سے ف۱۰۲۹ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ یعنی معذرت کی نرم بات کہہ دینا۔ مَغْفِرَةٌ یعنی سائل یا حاجت مند کی بات کو اُس وقت ٹال جانا جب وہ سختی یا بدتہذیبی سے پیش آنے لگے۔ آیت میں صاف یہ تعلیم ہے کہ صدقہ یا خیرات مقصود بالذات نہیں، مقصود اصلاح قلب ہے اور اس کے بعد دینے والا لینے والے پر کوئی احسان نہیں رکھتا۔ بلکہ دینا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ بلکہ اُلٹا لینے والے کا شکر گزار ہوتا ہے کہ اُس نے قبول کر کے اس کو ایک بار سے ہلکا کر دیا۔ اَذًى۔ کا لفظ عام ہے۔ ہر قسم کے آزار کو شامل۔ زبان سے یا عمل سے احسان جتانا بھی اس میں آگیا۔ خَيْرٌ۔ ناداری کے وقت نرمی سے جواب دے دینا۔ اور سائل کی سختی کو پی جانا موجب قرب و اجر ہیں، اس لیے انہیں خیر سے تعبیر فرمایا۔ ف۱۰۳۰ غَنِيٌّ۔ وہ تمہارا مال تمہارے ہی فائدہ کے لیے خرچ کراتا ہے اور جو کوئی کچھ خرچ کرتا ہے وہ اپنے ہی دائمی نفع کے لیے کرتا ہے۔ کوئی مشرک یا مشرک صفت احمق یہ نہ سمجھ لے کہ خدا کی راہ میں جو کچھ خرچ دیا جاتا ہے وہ خود خدا کو دیا جاتا ہے اور خدا ہمارے زر و مال کا محتاج ہے۔ حَلِيْمٌ۔ اس لیے مجرموں اور قانون شکنوں کو جو سزا فی الفور نہیں دیتا، سائل کی بدتہذیبی، غنی کی بد دماغی سب کو ایک مدت تک معاف کرتا رہتا ہے۔

أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ

غرض سے) ف۱۰۳۶ ایک باغ کی طرح ہے جو کسی ٹیکرے پر ہو اور اس پر زور کا مینہ پڑا ہو پھر وہ

فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ

دوگنے پھل لایا ہو ف۱۰۳۷ اور اگر زور کا مینہ نہ بھی پڑے تو ہلکی پھوار

فَطَلٌّ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٦٥﴾ أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ

(ہی کافی ہے) ف۱۰۳۸ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے ف۱۰۳۹ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا

أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي

ہے کہ اس کا ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا ہو جس کے نیچے نہریں پڑی

مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ

بہ رہی ہوں (اور) اس کے ہاں اس باغ میں (اور بھی) ہر قسم کے میوے ہوں

وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا

اور اس کا بڑھاپا آ چکا ہو اور اس کے عیال کمزور ہوں، اس (باغ) پر ایک بگولا

إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ

آئے کہ اس میں آگ ہو تو وہ (باغ) جل جائے، اللہ اسی طرح تمہارے لئے کھول کر نشانیاں بیان

لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٦٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

کرتا ہے تاکہ تم فکر سے کام لو ف۱۰۴۰ اے ایمان والو

آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا

جو تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو ف۱۰۴۱ اور اس میں

أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ

سے (بھی) جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں ف۱۰۴۲ اور خراب چیز کا قصد بھی نہ کرو

ف۱۰۳۱ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ یعنی ان ممنوع طریقوں سے اضافہ اجر و ازدیاد ثواب کو ملیانہ دو۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس طرح صدقہ کا ابطال یہاں حرام و ممنوع قرار دیا گیا ہے، اسی طرح کوئی سا بھی نیک عمل ہو اُسے باطل کر ڈالنا حرام اور ممنوع ہے۔ چنانچہ نفل نماز کی نیت باندھ کر اُسے توڑ ڈالنے کی حرمت و ممانعت اسی قاعدہ کے ماتحت ہے۔ ف۱۰۳۲ (اور یہ شخص صدقہ کے نفس اجر و ثواب ہی کو ضائع کر کے رہتا ہے) دو صورتیں الگ الگ بیان ہوئی ہیں۔ دونوں کا فرق ملحوظ رہے۔ پہلی صورت میں خطاب اہل ایمان سے ہے۔ نفس صدقہ تو اُن لوگوں کا قبول ہو جائے گا لیکن احسان جتلانے یا اذیت پہنچانے سے ترقی درجات و اضافۂ اجر سب سلب ہو جائے گا۔ دُوسری صورت میں ذکر اہل کفر کا ہے۔ یہ جب خدا اور آخرت پر ایمان ہی سے محروم ہیں تو اُن کے صدقہ و خیرات سے بہ ظاہر جو کچھ بھی مقصود ہو۔ سب کا حاصل دنیا ہی ہوگا۔ ایسوں کو اجر کس چیز کا؟ رضائے الٰہی کی طلب تو کسی درجہ میں بھی اُن کے عمل کا جز نہیں۔ رِئَآءَ النَّاسِ۔ انجیل میں بھی اس سے ملتی جلتی ہدایت موجود ہے (متی۔ ۶:۲) محققین نے لکھا ہے کہ ریاء کی مذمت میں یہ آیت نص صریح ہے۔ ف۱۰۳۳ (اور وہ ویسا ہی کورا رہ جائے جیسا پہلے تھا) تشبیہ کا ماحصل یہ ہے کہ کافر اسی طرح اپنے کو قیامت کے دن ہر خیر و خیرات کے اجر سے محروم پائے گا۔ اس کا انفاق مال حقیقۃً کسی صدقہ و خیرات کے حکم میں آتا ہی نہیں۔ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ۔ تشبیہ محرومی اجر کے لحاظ سے دی گئی ہے۔ ف۱۰۳۴ ذکر اُنہی لوگوں کا ہے جو نعمت ایمان سے محروم ہیں۔ مِّمَّا كَسَبُوْا۔ یعنی جسے وہ اپنے خیال و پندار میں اپنی کمائی سمجھ رہے ہیں۔ ورنہ بندہ کی کمائی تو حقیقۃً وہی ہے جس پر عمل صالح کا اطلاق ہو سکے اور عمل صالح کی پہلی اور بنیادی شرط ایمان ہے۔ ف۱۰۳۵ (قیامت کے دن ثواب کے گھر یعنی جنت کا) یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جو کفر اختیار کیے ہوئے ہیں اور اپنی قوتِ فیصلہ سے صحیح کام نہیں لے رہے ہیں انہیں زبردستی راہ ہدایت دکھا دینے کا قانون الٰہی ہے ہی نہیں۔ ف۱۰۳۶ (جیسا کہ ہر مومن مخلص کا شیوہ ہوتا ہے) تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ اتنے ٹکڑے میں نفسیاتِ بشری کی ایک گہری حقیقت بیان ہوئی۔ معصیت کی طرح ہر طاعت کا بھی خاصہ ہے کہ وہ متجانس اعمال کو کھینچتی ہے۔ چنانچہ ہر عمل صالح کے بعد نفس میں دوسرے اعمال صالح کے لیے آمادگی و پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ نفس بشری کا خاصہ ہے کہ ہر عمل سے تکرار و عادت کے بعد اس عمل سے متعلق ایک ملکہ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے مزاحمت کی قوت مغلوب و ضعیف ہوتی جاتی ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے کہ عمل صالح سے جس طرح حصولِ اجر مقصود ہوتا ہے اسی طرح اصلاح نفس بھی مقصود ہوتی ہے۔ یہ معنی تو ظاہر ہی ہیں کہ وہ خرچ اس لیے کرتے ہیں کہ کمال ایمان اور ثابت قدمی اور اطمینان حاصل ہو۔ ایک دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ ان کے دل اللہ کے کرم اور ثواب پر مطمئن ہیں وہ صرفِ مال کو نہ نقصان سمجھتے ہیں نہ باعث گرانی۔ ف۱۰۳۷ (کہ ہوا کی لطافت و زمین کی صلاحیت اور بارش کی کثرت مل ملا کر قوت بار آوری کو خوب بڑھا دیں گی) بِرَبْوَةٍ۔ ٹیکرے کی ہوا قدرۃً لطیف و بار آور ہوتی ہے۔ ف۱۰۳۸ تمثیل کی زبان میں بیان اس حقیقت کا ہو رہا ہے کہ اخلاص اگر درجہ اعلیٰ میں نہ ہو جب بھی محض ایمان، اور عدم موانع (یعنی احسان نہ رکھنا اور ایذا نہ پہنچانا) بجائے خود صدقات و خیرات کو مقبول بنا دینے کے لیے کافی ہیں ف۱۰۳۹ (اور اسی لیے ہر ایک کے درجۂ اخلاص کا بھی خوب جاننے والا ہے) خطاب یہاں عام نسل انسانی سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافر، مومن، مخلص، غیر مخلص سب کے محرکات عملی اور سب کے درجۂ اخلاص و عدم اخلاص سے خوب واقف ہے۔ ف۱۰۴۰ (اور اپنے انجام کو سوچ کر اس کے مطابق عمل کرتے رہو) مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ۔ تصریح کے ساتھ نام اُنہی میووں کا لیا گیا جو اہل عرب کے لیے خاص اہمیت اور خصوصی معنویت رکھتے تھے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ یہ یہ ظاہر کرنے کو ہے کہ وہ باغ خوب سر سبز و شاداب بھی تھا۔ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ۔ یہ مالک باغ کی مرفہ الحالی اور شان غنا ظاہر کرنے کو ہے۔ اَصَابَهُ الْكِبَرُ۔ یعنی وہ مالک باغ اب محنت و مشقت کے قابل نہ رہے۔ تمثیل کے پیرایہ میں بیان اس کا ہے کہ قیامت کا دن آ جائے اور اس شخص کی عمل سے معذوری اس پر عیاں ہو جائے۔ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ۔ یعنی اولاد بھی اس قابل نہ ہو

مِنۡهُ تُنۡفِقُوۡنَ وَلَسۡتُمۡ بِاٰخِذِيۡهِ اِلَّاۤ اَنۡ تُغۡمِضُوۡا

کہ اس میں سے خرچ کرو گے حالانکہ تم خود بھی اس کے لینے والے نہیں ہو بجز اس صورت کے کہ چشم پوشی ہی

فِيۡهِ‌ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيۡطٰنُ

کر جاؤ ف۱۰۴۳ اور جانے رہو کہ اللہ بے نیاز ہے، ستودہ صفات ہے ف۱۰۴۴ شیطان

يَعِدُكُمُ الۡفَقۡرَ وَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡفَحۡشَآءِ‌ۚ وَاللّٰهُ

تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور حکم دیتا ہے تمہیں بخل کا ف۱۰۴۵ اور اللہ

يَعِدُكُمۡ مَّغۡفِرَةً مِّنۡهُ وَفَضۡلًا‌ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

تم سے اپنی طرف سے مغفرت کا اور فضل کا وعدہ کرتا ہے ف۱۰۴۶ اور اللہ بڑا وسعت والا ہے

عَلِيۡمٌ ﴿۲۶۸﴾ ۖۚ يُّؤۡتِى الۡحِكۡمَةَ مَنۡ يَّشَآءُ ‌ۚ وَمَنۡ يُّؤۡتَ

بڑا علم والا ہے ف۱۰۴۷، وہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطاء

الۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِىَ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ‌ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ

ہو گئی اسے یقیناً خیر کثیر عطا ہو گئی ف۱۰۴۸ اور نصیحت تو بس صاحبانِ فہم

اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۶۹﴾ وَمَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ

ہی قبول کرتے ہیں ف۱۰۴۹ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو یا

نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ ‌ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ

جو نذر مانتے ہو یقیناً اللہ (سب کچھ) جانتا ہے اور ناانصافوں کا حامی

مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ‌ ۚ

کوئی بھی نہ ہو گا ف۱۰۵۰ اگر تم صدقات کو ظاہر کر دو جب بھی اچھی بات ہے

وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ

اور اگر انہیں چھپاؤ اور فقیروں کو دو جب تو یہ تمہارے حق میں

کہ تحصیل معاش میں اس کے کچھ کام آسکے، گویا اس کی معذوری ہر طرح روشن و آشکارا ہو جائے۔ فَاَصَابَهَاۤ اِعۡصَارٌ۔ کہ وہی باغ وجہ معاش تھا۔ تمثیل کے پیرایہ میں بیان اس کا ہے کہ اُس شخص کا بھروسہ ظاہری طاعات واعمال صالحہ پر تھا۔ فَاحۡتَرَقَتۡ۔ یعنی اُس شخص کی ساری امیدیں غارت ہو کر رہ جائیں۔ تمثیل کی زبان میں مراد یہ ہے کہ ایک شخص اپنے خیال میں نیک کام کر رہا ہے اور اپنے نزدیک ساری توقعات اس سے لگائے بیٹھا ہے مگر عین احتیاج کے وقت یعنی قیامت کے دن اُسے نظر آئے کہ وہ عمل تو شرائط قبول ومقبولیت ملحوظ نہ رکھنے کے باعث خود ہی نابود ہو چکا ہے۔ اس لیے اجر وثواب کیسا اب تو حرمانِ محض اس کے نصیب میں آیا ہے۔ اَلۡاٰيٰتِ۔ یہاں مثالوں اور نظیروں کے معنی میں ہے۔ لَكُمۡ۔ یعنی تمہارے نفع کے لیے۔ تمہیں سمجھانے کو۔ ذرا صورت حال کی حسرت ناکی کا تصور کیجیے۔ ایک شخص کی عمر بھر کی کمائی ایک باغ ہے، سرسبز وشاداب، خوب پھلا پھولا ہوا، ہر طرح کے میووں، پھلوں سے لدا ہوا، باغ کا مالک بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اور اب کسی نئی محنت کے قابل نہیں، بچے موجود ہیں مگر کمزور، کم سن، جو بجائے اس کے کہ کسب معیشت میں باپ کا ہاتھ بٹائیں، اُلٹے اس کے لیے بار ثابت ہو رہے ہیں۔ عین اُس وقت شدید ترین حاجت مندی کے وقت یک بیک معلوم ہوتا ہے کہ باغ میں آگ لگی اور سب کچھ جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ باغ کے مالک کے غم وحسرت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے؟ اس سے کہیں بڑھ کر ہزار گنا اور لاکھ گنا بڑھ کر حالت اس بدنصیب انسان کی ہوگی جس کی آنکھیں زندگی بھر غفلت سے بند رہیں اور پہلی بار اس وقت کھلیں گی جب عمل کی مہلت بالکل ختم ہو چکے گی۔ اور اب وہ دیکھے گا کہ کوئی چیز بھی اس کے دفتر عمل میں ایسی نہیں جو اس کے کام آسکے۔ کچھ ٹھکانا، کوئی اندازہ اس کی حسرت و حرمان نصیبی کا ہو سکتا ہے؟ ف۱۰۴۱ (اللہ کی راہ میں، نیک کاموں میں) مَا كَسَبۡتُمۡ جو کچھ تم نے کمایا ہے جائز، پاک طریقہ سے۔ طیبات کا اطلاق صرف پاک ہی کمائی پر ہو سکتا ہے۔ فقہاء نے بہ قاعدہ اشارۃ النص مَا كَسَبۡتُمۡ ہی سے نکالا ہے کہ زکوۃ اس مال میں ہے جو اپنا کمایا ہوا ہو، اور جو اضطراراً حاصل ہو جائے، اس میں زکوۃ نہیں۔ ف۱۰۴۲ یعنی نباتات، معدنیات وغیرہ۔ لَكُمۡ یعنی تمہارے کام کے لیے۔ مِنَ الۡاَرۡضِ۔ اس کے تحت میں زراعت، باغبانی، کانکنی وغیرہ کی ساری شاخیں آگئیں، جس طرح مَا كَسَبۡتُمۡ کے تحت میں تجارت اور کاروبار کے اقسام آگئے تھے۔ فقہاء نے مِنَ الۡاَرۡضِ سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ زکوۃ زمینی پیداوار (زراعت، معدنیات وغیرہ) پر واجب ہوئی، برخلاف موتی، مونگے وغیرہ کے کہ وہ زمین سے نہیں سمندر سے نکلتے ہیں ف۱۰۴۳ مطلب یہ ہوا کہ ایسی ناکارہ، ناقص، ردی چیزیں کہ اگر خود تمہیں ملنے لگیں تو تمہیں لینا گوارا نہ ہو، بجز اس صورت کے کہ تم ارادۃً ان کی طرف سے چشم پوشی کر لو۔ تو اللہ کی راہ میں تو ایسی چیزوں کے صرف کرنے کا تو تمہیں خیال بھی نہ کرنا چاہیے۔ اَلۡخَبِيۡثَ ردی، ناکارہ چیز۔ تُنۡفِقُوۡنَ مراد وہی اللہ کی راہ میں نیک کام میں خرچ کرنا ہے۔ لَسۡتُمۡ بِاٰخِذِيۡهِ یعنی جب وہ تمہیں قیمۃً ہدیۃً مل رہی ہو ف۱۰۴۴ غَنِىٌّ۔ وہ تمہارے صدقات کا محتاج نہیں۔ جو چیز تمہارے معیار سے بھی ناکارہ ہو۔ اُس کی نذر اس کے دربار میں پیش کرنا چاہو۔ اُس کے ہاں اجر میں کوئی بخل نہیں۔ اُس سے معاملہ کرنے والا کبھی نادم وخاسر نہیں ہو سکتا۔ حَمِيۡدٌ وہ خود ہر طرح ستودہ صفات وجامع کمالات ہے، تمہاری داد ودہش سے اس کی محمودیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ خود تمہارے لیے شرم کی بات ہے کہ ناقص اور ناکارہ چیزوں کی نذر ایسے جامع کمالات کے حضور میں! ضمناً یہ پہلو بھی آگیا کہ جب وہ ستودہ صفات ہے تو اُس کے ہاں مقبولیت بھی انہی بندوں کو نصیب ہو سکتی ہے جو خود بھی کوئی مناسبت اس کی صفات حسنہ سے رکھتے ہوں۔ مشرک قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو نذر اور چڑھاوے کا محتاج مانا ہے۔ صفت غنی لانے سے اس عقیدہ کی تردید ہوگئی اور دیوتاؤں میں کسی نہ کسی حیثیت سے نقص تو سب ہی مشرک قوموں کے ہاں مُسلَّم ہے صفت حمید نے ان خرافات کی بھی تردید کر دی۔ ف۱۰۴۵ (کہ راہِ خدا میں خرچ کر ڈالو گے تو خود مفلس رہ جاؤ گے) روزمرہ کا تجربہ ہے کہ جو چیز نیکی اور بھلائی کے کاموں میں صرف کرنے سے روکتی ہے۔ وہ یہی خیال ہوتا ہے کہ سب کچھ خرچ کر ڈالنے کے بعد پھر اپنی ضرورتوں کے لیے کیا رہ جائے گا؟ قرآن مجید نے اَلشَّيۡطٰنُ يَعِدُكُمُ کے بلیغ الفاظ سے یہ تعلیم دے دی کہ یہ خیال تمام تر ایک وسوسۂ شیطانی ہے۔ اور یوں اس خیال کے باطل ہونے کا بہترین پیرایہ اختیار کر لیا اَلۡفَحۡشَآءِ عربی میں فحش و فحشاء کا اطلاق ہر شدید برائی، ہر بری صفت پر ہوتا ہے۔ هو كل ما يشتد قبحهٗ من الذنوب والمعاصى (تاج) و قيل كل خصلة قبيحة فهى فاحشة من الاقوال والافعال (تاج) لیکن بخل پر فاحش کا اطلاق علی الخصوص ہوتا ہے۔ الفاحش البخيل (قاموس) قيل الفاحش هو البخيل جدًا (تاج) والعرب تسمى البخيل فاحشًا و البخل فحشًا و فحشاء (جصاص) اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہاں اَلۡفَحۡشَآءِ سے مراد ادائے زکوۃ وصدقات میں بخل ہے قال المفسرون اى يامركم بان لاتتصدقوا (تاج) قيل الفحشاء ههنا البخل فى اداء الزكوٰة۔ (تاج) يعنى باعظم القبح فى البخل (راغب) يغريكم على البخل و منع الصدقات (کشاف) المراد بها فى هذا الموضع البخل (جصاص) ف۱۰۴۶ (خوش دلی کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر) مَغۡفِرَةً وَّفَضۡلًا وعدۂ مغفرت کا تعلق آخرت سے ہے اور وعدۂ فضل کا دنیا سے۔ ماحصل یہ ہے کہ خدائی احکام پر خدائی قانون کے مطابق چلو گے تو دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح و بہبود یقینی ہے۔ شیطانی راہ بربادی وہلاکت کی ہے۔ اور خدائی راہ فلاح وصلاح کی ف۱۰۴۷ وَاسِعٌ۔ ایسے وصف والے کے ہاں انعام واکرام کی کیا کمی۔ عَلِيۡمٌ۔ ایسے علم کامل والے پر نیتوں کا حال رتی رتی روشن ہے۔ اس لیے ثمرہ بھی نیتوں کے مطابق ہی ملے گا

لَكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

اور بہتر ہے ف١٠٥١ اور اللہ تم سے تمہارے کچھ گناہ بھی دور کر دے گا ف١٠٥٢ اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٧١﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ

اللہ اس سے خبردار ہے، ف١٠٥٣ ان کی ہدایت آپ کے ذمہ نہیں ف١٠٥٤ بلکہ اللہ

اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے ف١٠٥٥ اور تم جو کچھ بھی مال میں سے خرچ کرتے ہو

فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ

سو اپنے لئے (کرتے ہو) ف١٠٥٦ اور تم اللہ ہی کی رضا جوئی کے لئے خرچ

اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ

کرتے ہوئے ف١٠٥٧ اور تم مال میں سے جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو (سب) تم کو پورا پورا لوٹا دیا جائے گا اور تم پر (ذرا بھی)

لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٢﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِىْ

زیادتی نہ کی جائے گی ف١٠٥٨ (اصل) حق ان حاجتمندوں کے لئے جو

سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ ز

اللہ کی راہ میں گھر گئے ہیں ف١٠٥٩ ملک میں کہیں چل پھر نہیں سکتے ف١٠٦٠

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج

ناواقف انہیں غنی خیال کرتا ہے ان کی احتیاط سوال کے باعث ف١٠٦١

تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ

تو انہیں ان کے بشرہ ہی سے پہچان لے گا، ف١٠٦٢ وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر نہیں مانگتے ف١٠٦٣

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٢٧٣﴾ ع

اور تم مال میں سے جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ اس کا خوب جاننے والا ہے ف١٠٦٤

ف١٠٤٨ (جس کے مقابل دنیا کی کوئی اور نعمت نہیں)۔ اَلْحِكْمَةَ حکمت کی تشریحیں بہت سی کی گئی ہیں۔ لیکن بہترین اور جامع ترین تشریح یہ ہے کہ وہ امور دین میں فہم صحیح کا نام ہے۔ اور اس فہم صحیح میں عمل سے بیزاری اور مصارف میں توازن بھی شامل ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ۔ یہ حکمت کی تقسیم وعطا مشیت تکوینی کے ماتحت ومطابق ہوتی رہتی ہے۔ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ یہ حکمت ودانائی ہرگز نہیں کہ جو کچھ بھی کمایا جائے سب یہیں اپنے نفس کی لذتوں اور خواہشوں پر اُڑا دیا جائے۔ عین دانائی اور حکمت یہ ہے کہ اس آج سے کل کا ذخیرہ جمع کیا جائے۔ آج تخم ریزی ایسی کی جائے کہ کل پھل ہی پھل ہاتھ لگیں اور ایمان وطاعت کا ایسا بیمہ کرا دیا جائے جو آئندہ کی دائمی اور غیر منقطع زندگی میں برابر کام آتا رہے۔ خَيْرًا كَثِيْرًا نکرہ اظہارِ عظمت کے لیے ہے۔ یعنی بہت ہی بڑی نعمت ف١٠٤٩ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی عقل سلیم سے کام لینے والے۔ نصیحت سے مراد راہِ حق پر چلنے کی اور راہنمایانِ دین کی اطاعت کی نصیحت ہے۔ اہل لطائف نے کہا ہے کہ آیت میں شیطانی وسوسہ کا علاج علم (حکمت) کے ذریعہ سے بتایا گیا ہے۔ جس طرح اس سے قبل تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ میں عمل سے بتایا جا چکا ہے۔ ف١٠٥٠ (یوم جزا میں) مَآ اَنْفَقْتُمْ۔ جو کچھ خرچ کرتے ہو۔ اچھے برے کسی مصرف میں۔ مِنْ نَّذْرٍ۔ نذر وہ چیز ہے جسے عوامی اُردو میں منت ماننا کہتے ہیں۔ فقہ میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ کسی مراد کے پورے ہونے پر اپنے اُوپر کوئی ایسی چیز لازم کر لینا ہے جو واجب نہ تھی۔ النذر عقد، ترتب علی شئ والتزامه علی وجه مخصوص (روح) النذر ما یلتزمه الانسان بایجابه علی نفسه (کبیر) یہ نذر عبادت بدنی کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے مثلاً نماز یا روزہ اور عبادت مالی کی صورت میں بھی۔ يَعْلَمُهٗ۔ یعنی اس کا علم رکھتا ہے کہ وہ کس نیت سے اور کس کی راہ میں مانی گئی ہے اور اس علم کامل کے مطابق جزا وسزا بھی ہوگی۔ کنایة عن مجازاته سبحانه علیه (روح) لیجازیکم علیه (بیضاوی) لِلظّٰلِمِيْنَ یعنی قانونِ الٰہی توڑنے والوں کا، اپنے حق میں ناانصافی کرنے والوں کا

ف١٠٥١ نیکی کی طرح صدقات وخیرات کے بھی مخفی ادا کرنے کی حقیقت تو ظاہر ہی ہے، لیکن زندگی میں ایسے مواقع بھی برابر پیش آتے رہتے ہیں جہاں نیکی کا اعلان و اظہار بھی ضروری ہو جاتا ہے ایک شخص ہے کہ بھوک پیاس سے نڈھال یا بیماری میں مبتلا سڑک پر پڑا تڑپ رہا ہے ہم قریب سے گزر رہے ہیں اور بالکل ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم اسے کھلا کر یا دوا دے کر کہنا چاہیے کہ از سرِ نو زندہ اُٹھا کھڑا کریں لیکن اس اندیشہ سے کہ کہیں ہماری اس خدمت کا شمار ریاء ونمائش میں نہ ہو جائے اس کے پاس سے کتراتے اور خاموش گزرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ تقویٰ نہیں، عین معصیت اور انتہائی وہم پرستی ہوگی۔ یہاں ضرورت فی الفور مدد رسانی کی تھی خواہ اس کے لیے اعلان بہ بانگ دہل ہی کرنا پڑے۔ نہ یہ کہ شبۂ ریاء وشائبۂ نمائش سے بچنے کے لیے تلاش پہلے گوشۂ تنہائی کی شروع ہو جائے۔ جن مذہبی طبقوں نے نیکی کے اہتمام اخفاء میں تاکید حد سے زیادہ کی ہے اور خدمت خلق کو مخفی رکھنے کے ساتھ محدود ومقید کر دیا ہے، ان کی تعلیم یقیناً ناقص، ناتمام، یکطرفہ ہے اور انہوں نے زندگی میں شب وروز اس قسم کے پیش آنے والے بہ کثرت واقعات کو نظر انداز ہی کر دیا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صحیح مسلک یہ ہے کہ عمل خیر کے اعلان واخفاء میں اختیار ہے اور ساتھ ہی افضلیت اخفاء کی ہے، جب اعلان میں کوئی خاص مصلحت نہ ہو۔ اِنْ تُبْدُوا وَاِنْ تُخْفُوْا یعنی حسب ضرورت ومصلحت دین اعلان واخفاء جو بھی مناسب ہو۔ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ یعنی فقیروں کے حوالے کرو اہتمام اخفاء کے ساتھ۔ هُوَ یعنی وہی اہتمام اخفاء ف١٠٥٢ (ان نیکیوں کی برکت سے) قرآن مجید نے ازالۂ سیئات کی جہاں اور صورتیں رکھی ہیں وہاں ایک صورت یہ بھی ہے کہ نیکیاں بدیوں کا کفارہ ہوتی رہتی ہیں اور حسنات سیئات کو محو کرتی رہتی ہیں۔ یہ چیز محض عقیدہ کی نہیں، مشاہدہ و تجربہ کی بھی ہے کہ خلق کی نظر سے چھپا کر طاعت اور نیکیوں کی عادت اگر ڈال لی جائے تو ایک عرصہ کی مشق کے بعد نفس کی اصلاح خود بخود ایک بڑی حد تک ہو جاتی ہے اور جو کچھ خرابیاں پھر بھی باقی رہ جائیں ان سے درگزر کے لیے خدائے رحمٰن و رحیم کا لطف وکرم کافی ہے جو خوبیوں کو خرابیوں کا اور بھلائیوں کو برائیوں کا عوض بناتا رہتا ہے۔ یہاں پہنچ کر مسیحیوں کے اس بنیادی عقیدہ کو ایک بار پھر یاد کر لیا جائے کہ گنہ گاروں کی نجات اور گناہوں کے دھلنے کی کوئی صورت بجز اس کے نہیں کہ "خداوند خدا کا اکلوتا بیٹا" انسان کے قالب میں دنیا میں آئے اور اپنی جان کو صلیب پر دے کر سب کی طرف سے کفارہ ادا کرے ف١٠٥٣ (اور اس لیے وہ ثمر بھی اعمال واحوال کے مطابق دے گا) گناہوں سے باز رکھنے میں خدائے علیم وخبیر کے علم کل ونظر محیط کا استحضار اکسیر کا حکم رکھتا ہے اور اسی لیے قرآن مجید نے اسے ہر ایسے موقع پر بار بار دہرایا ہے۔ ف١٠٥٤ (اے پیغمبر!) هُدٰىهُمْ۔ اُن کی یعنی کافروں کی ف١٠٥٥ (اپنی مشیت تکوینی کے ماتحت ومطابق) رسول کا کام صرف تبلیغ ہے، یعنی ہدایت کا پیام دنیا تک پہنچا دینا، باقی کس کو قبول حق کی توفیق ہوتی ہے اور کس کو نہیں۔ اس کا تعلق تمام تر مشیت الٰہی سے ہے۔ شانِ نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعض دفعہ کسی کافر مشرک صاحب حاجت کو خیرات دینے سے اس مصلحت سے رُک جاتے تھے کہ شاید یہ احتیاج ہی کی بنا پر اسلام قبول کر لیں۔ آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ اتنے بعید اہتمام کی ضرورت نہیں محض تبلیغ کافی ہے۔ فقہاء اُمت نے کہا ہے کہ کافر کو خیرات دینا بالکل جائز ہے، بشرطیکہ وہ حربی نہ ہو۔ المراد اباحة الصدقة علیهم و ان لم یکونوا علی دین الاسلام و قد روی ذلک عن جماعة من السلف (جصاص) حدیث میں جو آیا ہے کہ تیرا کھانا خاص متقی کھایا کریں۔ مراد اس سے طعام دعوت ہے اور آیت میں طعام حاجت۔ پس تعارض کا شبہ نہ کیا جائے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کافر حربی کو صدقہ وغیرہ جائز نہیں (تھانوی) کافر ذمی یعنی غیر حربی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں (تھانوی) اور دُوسرے صدقات واجب ونفل سب جائز ہیں (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) آیت میں ذکر زکوٰۃ کا نہیں عام صدقات کا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا

جو لوگ اپنا مال رات اور دن (اور) پوشیدہ اور آشکارا خرچ

وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا

کرتے رہتے ہیں سو ان لوگوں کے لئے ان کے پروردگار کے پاس اجر ہے نہ ان کے لئے

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ

کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے و۱۰۶۵ جو لوگ سود

الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ

کھاتے رہتے ہیں و۱۰۶۶ وہ لوگ نہ کھڑے ہو سکیں گے سوا اس کے کہ جیسے وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے جنون

الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا

سے خبطی بنا دیا ہو و۱۰۶۷ یہ سزا اس لئے ہو گی کہ وہ کہتے ہیں و۱۰۶۸ کہ

الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ

بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہے و۱۰۶۹ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو

الرِّبٰوا ۗ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى

حرام کیا ہے و۱۰۷۰ پھر جس کسی کو نصیحت اس کے پروردگار کی طرف سے پہنچ گئی اور وہ باز آ گیا

فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۗ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۗ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ

تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ اس کا ہو چکا و۱۰۷۱ اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ رہا و۱۰۷۲ اور جو کوئی پھر عود کرے تو یہی لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ

دوزخ والے ہیں، اس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے و۱۰۷۳ اللہ سود کو

الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ

مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے و۱۰۷۴ اور اللہ کسی کفر کرنے والے گنہگار کو

کہ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ کسی کے زیادہ درپے نہ ہو اور تدبیر میں بھی بہت زیادہ انہماک نہ رکھے، کفار کو صدقہ نہ دینا تدبیر ہی کی ایک قسم تھی و۱۰۵۶ یعنی اپنے ہی اجر اُخروی کے لیے نہ کہ کسی اور کے لیے۔ فهو لانفسكم لاينتفع به غيركم (کشاف) مَا تُنْفِقُوْا یعنی اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتے ہو مِنْ خَيْرٍ یعنی اپنے مال میں سے۔ خَيْرٍ یہاں مال کے مرادف ہے۔ اى من مالٍ (معالم) من مال (کشاف) خیر۔ اصلاً شر کے مقابل ہے اور اس کے مفہوم میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کو انسان اچھا سمجھتا ہے مثلاً عقل و اخلاق پُر منفعت شے وغیرہ الخير ما يرغب فيه الكل كالعقل مثلا والعدل والفضل والشئ النافع اور قرآن مجید میں مال کے لیے خَيْرٍ کا لفظ متعدد مقامات پر مال کے حسن استعمال کے سلسلہ میں آیا ہے۔ مثلاً ان ترک خیرًا۔ وانه لحب الخير لشديد۔ ما انفقتم من خير فللوالدين وغيرها و۱۰۵۷ (سو یہ مقصد ہر حاجتمند کی حاجت برآری سے پورا ہو جاتا ہے، خواہ اس کے عقائد کچھ بھی ہوں) كان النبي ﷺ لا يتصدق على المشركين فنزلت وما تنفقون الا ابتغآء وجه الله فتصدق عليهم (ابن جریر) مطلب یہ ہوا کہ مقصود جب اپنے لیے نفع اُخروی یا حصول اجر ہے تو وہ تو ہر حاجتمند کی امداد سے ہو سکتا ہے صدقہ کو مسلمانوں ہی پر محدود رکھنے کی قید کیوں لگائی جائے۔ وَجْهِ اللّٰهِ کے عام طور پر معنی ذاتِ الٰہی کے کیے گئے ہیں۔ ربما عبر عن الذات بالوجه (راغب) لیکن دوسرے معنی رضاءِ الٰہی کے بھی ہو سکتے ہیں اور بعض محققین اس طرف بھی گئے ہیں۔ عبر بالوجه عن الرضا كما قال ابتغاء مرضاة الله و ذلک عادة العرب (بحر) محض للہ کے مقابلہ میں ابتغاء وجه الله کہنے میں ایک تو زور زیادہ پیدا ہو گیا۔ دوسرے یہ معنی بھی پیدا ہو گئے کہ کسی درجہ کی شرکت مقصود و مطلوب نہیں، صرف اللہ ہی کی رضا مقصود ہے۔ گویا یہ ترکیب، تاکید اور حصر دونوں کی جامع ہے۔ اى ما تنفقون بسبب من الاسباب الا لهذا السبب (روح) اى ثوابه لا لغيره من اغراض الدنيا (جلالین) آیت میں رد ہے ان جاہل صوفیہ کا جو ثواب اور اجر کے مقصد کو اخلاص کے منافی سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید نے تو بارہا ضمناً نہیں صراحۃً ترغیب دی ہے اجر و ثواب کے تلاش کرنے کی و۱۰۵۸ (کہ اجر میں کچھ کسر رہ جائے اور ثواب کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے) مِنْ خَيْرٍ خیر کے مرادف مال ہونے پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ سب تم کو پورا پورا لوٹا دیا جائے گا۔ یعنی سارا اجر و ثواب آخرت میں و۱۰۵۹ یعنی صدقات کے اصل مستحق تو وہ حاجتمند ہیں جن کا ذکر اب آ رہا ہے۔ مبتداء یہاں محذوف ہے۔ اصل ترکیب یوں ہے۔ هذه الصدقات للفقرآء (مدارک) اُحْصِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی دین ہی کے کسی کام میں گھر گئے ہیں اور اب آزادی سے کسب معاش نہیں کر سکتے۔ اصل مراد یہاں مجاہدین ہیں هم الذين احصرهم الجهاد فمنعهم من العقف (مدارک) احصارٌ۔ میں بڑی گنجائش ہے یہ گھر جانا خواہ وقت کے لحاظ سے ہو یا جسم کے لحاظ سے سب اس کے تحت میں آ جاتا ہے۔ على هذا فی سبیل اللہ میں بھی بڑی وسعت ہے۔ دین کا کوئی سا کام، کوئی سی ضرورت ہو سب اس میں شامل ہو سکتی ہیں۔ گو اصل مراد جہاد ہے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ آیت کے مصداق ہمارے ملک میں سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دین میں مشغول ہیں کہ علم دین میں جس مشغولی و انہماک کی ضرورت ہے اس کے ساتھ اگر فکر معاش کی مصروفیت کو جمع کر لیا جائے تو علم دین کی خدمت ناتمام رہ جائے گی و۱۰۶۰ (آزادی سے طلب معاش کے لیے) یعنی اُن کا وقت خدمت دین میں ایسا گھرا رہتا ہے کہ کسب معاش کے لیے انہیں مہلت نہیں ملتی و۱۰۶۱ یعنی اُن کی غیرت و خودداری گوارا نہیں کرتی کہ وہ لوگوں سے سوال کریں۔ ناواقفوں کو اس سے گمان یہ گزرتا ہے کہ یہ لوگ خوشحال ہیں، محتاج و مستحق امداد نہیں۔ (تونگری) شریعت میں حاجت اصلی سے مال کے زائد ہونے کو کہتے ہیں۔ الغنى هوما يفضل عن مقدار الحاجة (جصاص) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سالکین کو کوئی ایسی خاص وضع نہ بنانا چاہیے جس سے عام اہل دُنیا سے اُن کا امتیاز ظاہر ہوتا ہو و۱۰۶۲ (کہ یہ محتاج و مستحق امداد ہیں۔ اے مخاطب!) یعنی یہ لوگ زبان سے کچھ بھی نہ کہیں۔ لیکن اُن کی طرز و ہیئت خود سے دیکھنے کے بعد خود ان کے فقر و فاقہ کی غمازی کرے گی۔ بعض فقہاء نے یہیں سے قرائن سے استنباطِ نتائج کا جواز نکالا ہے و۱۰۶۳ (شدت احتیاج کے باوجود) اور یہ دلیل ہے ان کے کمالِ غیرت کی۔ اِلْحَافًا اوپر مِنَ التَّعَفُّفِ کے ضمن میں ابھی آ چکا ہے کہ یہ غیور و خوددار لوگ سرے سے سوال ہی نہیں کرتے اور اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ لوگ لگ لپٹ کر نہیں مانگتے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس میں اشارہ ہے کہ الحاف (لگ لپٹ کر مانگنے کی عادت) بری عادت ہے۔ بعض محققین نے معنی مطلقاً عدم سوال کے کیے ہیں۔ والمعنى انهم لايسئلون اصلا و هو المروى عن ابن عباس واليه ذهب الفراء والزجاج واكثر ارباب المعانى (روح) و۱۰۶۴ (تمہارے اخلاص کا، اور اسی نسبت سے اجر بھی دے گا) وَمَا تُنْفِقُوْا۔ یعنی ایسے لوگوں پر خرچ کرتے رہو و۱۰۶۵ (قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس پہنچ کر) بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ یعنی جس وقت اور جس گھڑی بھی ضرورت و مصلحت ہو۔ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً۔ یعنی پوشیدہ تو حسب عادت اور علانیہ حسب ضرورت و مصلحت۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ۔ یعنی اللہ کی راہ اور خدمت دین میں۔ انفاق کی ترغیب جہاں جہاں بھی ہے۔ مطلق انفاق کی نہیں بلکہ مراد وہی انفاق فی سبیل اللہ یعنی خدمت دین میں خرچ ہے و۱۰۶۶ (اُسے جائز قرار دے کر) يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا سے مراد اُردو محاورہ میں سود لینا ہے۔ عربی اور فارسی محاورہ میں سود کھانا آتا ہے۔ اور اُردو میں بھی سود کھانا نامانوس نہیں۔ الرِّبٰوا ربو کے لغوی معنی ہر زیادتی اور اضافہ کے ہیں خصوصاً سرمایہ میں اضافہ کے۔ ربا اى زاد و علا (راغب) الربا الزيادة فى راس المال (راغب) اصطلاح شریعت میں ربٰوا کہتے ہیں اصل قرضہ پر زیادتی کو یا بلا معاوضہ مال، مال پر زیادتی کو۔ خواہ یہ بڑی ہو یا چھوٹی۔ خُصَّ فى الشرع بالزيادة على وجه دون وجه (راغب)

هو فضل مالٍ خالٍ عن العوض فی معاوضة مال بمالٍ (مدارک) اہلِ عرب اس لفظ کو اُس زائد رقم کے لیے استعمال کرتے تھے جو قرض خواہ اپنے قرض دار سے مہلت کے معاوضہ میں وصول کرتا تھا۔ اُردو میں اسی کا ترجمہ سود ہے اور سود کا مفہوم ہر شخص سمجھتا ہے ف۱۰۶۷ اصل منظر تو یہ قیامت کے دن کا ہے کہ آخرت میں اپنی قبروں سے اُٹھنے پر یہ سود خوار سیدھے کھڑے تک نہ ہو سکیں گے کھڑے ہوں گے بھی تو متوالوں، خبطیوں، دیوانوں کی طرح گرتے پڑتے لڑکھڑاتے ہوئے۔ لیکن اس کا ایک ہلکا سا رنگ اسی دنیا ہی میں نظر آ جاتا ہے۔ مہاجن، ساہوکار جو روپیہ کے پیچھے دیوانہ باؤلا رہتا ہے واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جن یا بھوت چمٹ گیا ہے اور اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے اس پر سود یا بیاج ہی سوار رہتا ہے۔ اور جس کی حرص و طمع کی پیاس دنیا میں اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ لازم ہے کہ اُس کا حشر بھی اس مخبوط، جنون زدہ حالت کے ساتھ ہو۔ اہلِ کشف اور محققین کا بیان ہے کہ حشر میں انسان اُسی صورت کے ساتھ اُٹھے گا۔ جس قسم کی سیرت اور خصلتیں دنیا میں اس پر غالب رہی ہوں گی۔ قال العارف الرومی ؎

سیرتے کو بر نہادت غالب است — ہم برآں تصویر حشرت واجب است

مِنَ الْمَسِّ۔ مس اور مس شیطانی سے مراد عربی محاورہ میں جنون ہوتی ہے۔ کُنّی بالمسّ عن الجنون (راغب) المسّ الجنون (کشاف) ان الفاظ کے آ جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن مجید خود ہی

كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

دوست نہیں رکھتا ف۱۰۷۵ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ

اور نماز کی پابندی کی اور زکوۃ دی ان کے لئے ان کا اجر

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

ان کے پروردگار کے پاس ہے نہ ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ف۱۰۷۶

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے

مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ

اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو ف۱۰۷۷ لیکن تم نے

تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ

ایسا نہ کیا تو خبردار ہو جاؤ جنگ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ف۱۰۷۸

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ

اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تمہارے اصل اموال تمہارے ہی ہیں ف۱۰۷۹ نہ تم (کسی پر) ظلم کرو گے

وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ

نہ تم پر (کسی کا) ظلم ہو گا ف۱۰۸۰ اور اگر تنگدست ہے تو اس کے لئے آسودہ حالی تک

اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

مہلت ہے ف۱۰۸۱ اور اگر معاف کر دو تو تمہارے حق میں (اور) بہتر ہے اگر تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى

علم رکھتے ہو ف۱۰۸۲ اور اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم (سب) اللہ کی طرف لوٹائے

اس عقیدہ کی تعلیم دے رہا ہے کہ جنون مس شیطانی ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ قرآن بعض اوقات ایسے موقع پر صرف مخاطبین کے معتقدات کو دہرا دیتا ہے۔ اور چونکہ اہلِ عرب کا عقیدہ یہی تھا اس لیے ہو سکتا ہے کہ قرآن انہی کی فہم کی مناسبت اور مذاق کی رعایت سے یہ فقرہ لے آیا ہو۔ قیل اضیف الی الشیطان علی زعمات العرب ان الشیطان یخبط الانسان فیصرعه فورًا علی ما کانوا یعتقدون (بحر) الناس یضیفون الصرع الی الشیطان والی الجن فخوطبوا علی ماتعارفوه من هٰذا ومن عادة الناس انهم اذا ارادوا تقبیح شیءٍ ان یضیفوه الی الشیطان (کبیر) ف۱۰۶۸ (حکم حرمت ربٰو کے جواب میں بطور استدلال کے) مراد سود خواروں اور جواز سود کے قائلوں کی جماعت ہے۔ یہ عہد جاہلیت کے ”روشن خیال“ تھے ف۱۰۶۹ (حصول نفع و اضافۂ دولت کے لحاظ سے) آج کل کے ”روشن خیالوں“ کی طرح اُس عہد کے سفیہوں کا بھی کہنا یہ تھا کہ مالی نفع آخر تجارت میں بھی تو ہوتا ہے، پھر جب تجارت حرام نہیں تو سود کیوں حرام ہو؟ ان نافہموں نے اسے بالکل نظر انداز کر دیا تھا کہ دونوں کی ایک سطح نہ اخلاقی حیثیت سے ہے نہ معاشی حیثیت سے۔ سود کی تو ایک متعین رقم بے کھٹکے ہر حال میں مہاجن کو ملتی رہتی ہے برخلاف اس کے تجارت میں نفع و نقصان دونوں کے احتمالات ہر وقت لگے رہتے ہیں اور تاجر کو نقصان سے بچنے کے لیے وقت، محنت، ذہانت سب کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ پھر تجارتی معاملت تو ہر وقت ختم ہو جاتی ہے برخلاف اس کے مدت اور مہلت کے ساتھ ساتھ سود خوار کے مطالبات کی میزان بھی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات قرضدار کی نوبت بالکل تباہ حالی اور بربادی کو پہنچ جاتی ہے۔ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے تفسیر کبیر میں حرمت سود کے جو عقلی دلائل لکھے ہیں وہ طرزِ ادا و تعبیر کی تھوڑی سی تبدیلیوں کے بعد آج بھی پوری طرح پڑھنے کے قابل ہیں۔ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے نمبر اوّل پر یہ بالکل صحیح لکھا ہے کہ سود کی رقم آخر کس چیز کا معاوضہ ہوتی ہے؟ بجز مفت خوری کی بدترین شکل کے اور یہ ہے کیا؟ ف۱۰۷۰ (اور معلوم ہے کہ اللہ وہ ہے جو شرائع و احکام کا مالک ہے اور حکیم بھی ہے اور حاکم بھی) جب حکیم مطلق نے ایک معاملت کو جائز اور دوسری کو حرام ٹھہرا دیا ہے تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ جائز کے اندر بیشمار منافع و مصالح اور حرام کے اندر بے شمار مفاسد و نقصانات ہیں اور بالفرض کسی کی سمجھ میں یہ مفاسد نہ بھی آئیں۔ جب بھی حاکم مطلق کا حکم واجب العمل تو بہر حال ہے۔ اسلام کے جو احسانات ساری دُنیا پر اور بہت روشن و نمایاں حیثیت سے ہیں ان میں سے ایک حرمت سود بھی ہے۔ اس کے مفاسد روشن سب پر ہو چکے تھے۔ اس سے عاجز سب ہی آ چکے تھے لیکن قطعی اور کلی صورت میں حرام اسے دنیا کے ضابطوں اور شریعتوں میں صرف اسلام ہی نے قرار دیا۔ سود خوار کے دل میں شقاوت و سنگدلی اور حرص مال اور بلا مشقت مال ہاتھ آ جانے سے نفس میں دناءت اور زر پرستی اور ساہوکاروں کا بخل اور باہمی حسد و رقابت اور قرضدار بیچارہ کی بے حرمتی و تذلیل یہ واقعات و مشاہدات کہنا چاہیے کہ پیش پا افتادہ تھے۔ لیکن اس کی قطعی بندش کا خیال کسی انسانی دماغ کو نہ آیا۔ اصلاحِ حال کی جو کوششیں زیادہ سے زیادہ ہوئیں وہ بس شرح سود کی تحدید تک رہیں۔ یونان میں سولن، انگلستان میں بیکن اور یورپ میں آبائے کلیسا کے جوشِ اصلاح و افادۂ خلق کی کائنات کل اسی قدر ہے۔ یہ فخر قیامت تک کے لیے عرب کے اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہو گیا کہ اس انسانیت کش رسم کی حرمت کی منادی اس کی زبان سے کرائی گئی اور حَرَّمَ الرِّبٰوا کا زلزلہ افگن نعرہ اس کے دہن سے بلند کرایا گیا ف۱۰۷۱ (اور وہ اس کھائے ہوئے نوالہ کے اُگلنے پر مجبور نہیں) مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ یعنی یہی حرمت سود کا حکم فَانْتَهٰى یعنی وہ باز آ گیا سود لینے اور اسے جائز ٹھہرانے سے۔ فَلَهٗ مَا سَلَفَ۔ یعنی حکم حرمت سے قبل جو کچھ لے چکا، سو لے چکا۔ توبہ کے بعد اس کے لیے گنجائش ہے کہ اُس مال کو اپنے پاس رہنے دے۔ پچھلی رقموں کی واپسی پر شریعت اسلام کسی کو مجبور نہیں کرتی ف۱۰۷۲ (جو دلوں کے اسرار و خفایا کا عالم ہے) مقصود یہ ہے کہ یہاں بیان بندوں کے سامنے معاملہ کے صرف ظاہری اور قانونی پہلوؤں کا ہو رہا ہے۔ باقی قلب کے تقوٰی و طہارت اور نفس کی اصلاح کا معاملہ اللہ پر چھوڑنا چاہیے۔ اَمْرُهٗ میں ضمیر باز رہنے والے (من انتہی) کی طرف ہے۔ الظاهر ان الضمیر فی امره عائد الی المنتهی (بحر) ف۱۰۷۳ یعنی جو کوئی اس تبلیغ کے بعد بھی عقیدۂ جواز سود پر قائم

اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا

جاؤ گے و۱۰۸۳ پھر ہر شخص کو اس کا معاوضہ پورا پورا ملے گا، اور ان پر ظلم (ذرا بھی) نہ

يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ

ہو گا و۱۰۸۴ اے ایمان والو جب ادھار کا معاملہ کسی مدت معین

بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ

تک کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو و۱۰۸۵ اور لازم ہے کہ تمہارے درمیان

بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ

لکھنے والا ٹھیک لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے

كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ

جیسا کہ اللہ نے اس کو سکھا دیا ہے و۱۰۸۶ پس چاہیے کہ وہ لکھ دے اور چاہیے کہ وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ

الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ

حق واجب ہے و۱۰۸۷ اور چاہیے کہ وہ اپنے پروردگار اللہ سے ڈرتا رہے اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے و۱۰۸۸

فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا

پھر اگر وہ جس کے ذمہ حق واجب ہے عقل کا کوتاہ ہو یا یہ کہ کمزور ہو و۱۰۸۹

اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ

اور اس قابل نہ ہو کہ وہ خود لکھوا سکے و۱۰۹۰ تو لازم ہے کہ اس کا کارکن ٹھیک ٹھیک

بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ

لکھوا دے و۱۰۹۱ اور اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ کر لیا کرو و۱۰۹۲

فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ

پھر اگر دونوں مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان گواہوں میں سے

ع ۳۸/۸

رہے، یا سودی معاملت کرتا رہے۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ۔ یہ سزا ہے سودی معاملت کرنے والوں کی۔ معاملت سود گناہ کبیرہ ہے اور کبیرہ کی سزا جہنم ہے۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ یہ سزا ہے جواز سود کے قائلوں کی۔ جوازِ سود کا عقیدہ کفر ہے اور کفر کی سزا خلودِ جہنم ہے۔ معتزلہ نے آیت کے اتنے جزء سے مومن اہل معاصی کی عدم مغفرت پر استدلال کرنا چاہا ہے۔ لیکن تفسیر کا جو پہلو یہاں اختیار کیا گیا اس پر یہ شبہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تفسیر کبیر میں اس مقام پر خوب تقریر کی ہے۔ و۱۰۷۴ آخرت میں تو اس وعدہ و وعید دونوں کا مشاہدہ پوری طرح ہو کر ہی رہے گا کہ سود میں برکت وخیریت برائے نام بھی نظر نہ آئے گی۔ اور صدقات کا اجر بے حساب ملے گا۔ لیکن دُنیا میں بھی اس کا ظہور کسی نہ کسی حد تک ہوتا ہی رہتا ہے۔ سود خوار قوموں کا انجام بارہا آپس کی خونریزی اور تباہی و بربادی ہی پر ہوا ہے اور افراد میں بھی مشاہدہ ہے کہ سود خواری کی عادت بنیوں، مہاجنوں کے دل میں روپیہ کوئی نفسہٖ محبوب بنا دیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سود خوار زر و دولت سے دنیوی لطف بھی نہیں اٹھا پاتا۔ اس کے مقابل صدقہ کی برکتیں، ملی غمخواری و ہمدردی، ایک دوسرے کی مشارکت ومعاونت قوم اور افراد دونوں میں مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔ بینکوں کے آئے دن ٹوٹنے، مہاجنوں اور بنیوں کے دیوالہ نکلتے رہنے اور پھر اس سے ہزاروں گھروں کی تباہی و بربادی کس نے نہیں دیکھی ہے؟ معاشرہ کی اس ابتری کا راز بھی سودی کاروبار کی ترویج ہے و۱۰۷۵ اس کے اندر دونوں قسم کے نافرمان آگئے۔ وہ جو سود کا کاروبار کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے عمل کے ساتھ ساتھ، حرمت سود کے عقیدۂ بھی منکر ہیں۔ كَفَّارٍ کافر کا صیغۂ مبالغہ ہے۔ ناشکرے اور کفرانِ نعمت کرنے والے کے مفہوم میں کفور کا مرادف اور اس سے بلیغ تر۔ یہاں مراد وہی لوگ ہیں جو جواز سود کے قائل ہیں۔ ای عظیم الکفر باستحلال الربوٰا (مدارک) مُصِرّ علی تحلیل المحرمات (بیضاوی) الکفور المبالغ فی کفران النعمة والکفار ابلغ من الکفور (راغب) اَثِيْمٍ۔ بڑے گنہگار۔ یعنی سود خواری جیسی شدید معصیت میں مبتلا۔ متماد فی الاثم باكله (مدارک) منهمک فی ارتکابه (بیضاوی) كَفَّارٍ۔ کے لفظی معنٰی بڑے ناشکرے کے ہیں۔ جس شخص پر اللہ اپنا اتنا فضل کرے کہ اُسے اس کی اپنی ضروریات سے زیادہ مال دے اور وہ اس مال کو بندوں کی آزار رسانی پر صرف کرے تو اس سے بڑھ کر سوء استعمال کی مثال اللہ کے فضل کی اور کیا ہو گی اور ایسے بدبخت سے بڑھ کر ناشکرا اور کون قرار پائے گا؟ و۱۰۷۶ (قیامت میں) خیر آخرت میں تو ایسے نیک کردار، متقی، خاشع، خادم خلق انسانوں کی خوش انجامی تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن دنیا میں بھی جو سکونِ قلب یکسوئی، طمانیت خاطر اور قناعت کی مسرتیں ایسے لوگوں کو حاصل رہتی ہیں اُن کا اندازہ وہ بدنصیب کر ہی نہیں سکتا۔ جو چوبیس گھنٹہ آنہ، پائی کی میزان لگاتا رہتا ہے۔ جو مخلوق کی ایذا رسانی کا خوگر ہو کر پیسہ پیسہ گنتا رہتا ہے اور جس پر ہر گھڑی بہی کھاتہ سنبھالے رہنے کا بھوت سوار رہتا ہے و۱۰۷۷ (کہ ایمان کا مقتضیٰ سارے ہی احکام قرآن پر عمل کرنا ہے) محققین نے اس ٹکڑے سے یہ استدلال کیا ہے کہ شریعت کے کسی ایک جزء سے بھی انکار کرنا ساری شریعت سے انکار کرنا ہے۔ فیه دلیل علی ان من کفر بشریعة واحدة من شرائع الاسلام کان کافرًا کما لو کفر بجمیع شرائعه (کبیر) اتَّقُوا اللّٰهَ۔ خوف خدا ہی اصل ہے تمام نیکیوں کی اور اجتناب معاصی کی۔ وَذَرُوْا مَا بَقِىَ۔ یعنی حرمت سود کے نزول حکم سے قبل جو رقم سود کی تم ٹھہرا چکے ہو اس کا وصول کر لینا اب جائز نہیں اُسے چھوڑ دو۔ و۱۰۷۸ یعنی تم پر باغیوں اور مرتدوں کی طرح جہاد کیا جائے گا۔ کما یحارب الفئة الباغیة (کبیر) کحرب المرتد و کحرب البغاة (روح) اعلام بانهم ان لم یفعلوا ما اُمِرُوا به فهم محاربون لله و رسوله (جصاص) اتنی شدید تہدید قرآن مجید میں کسی دوسری معصیت کے لیے نہیں آئی ہے۔ العظمة لله حرمت سود کا کس درجہ اہتمام ہے اور اس باب میں کس درجہ شدید احکام ہیں۔ کچھ حد ہے اس ڈھٹائی اور جسارت کی کہ اپنے کو مسلمان کہلا کر رسالہ "جوازِ سود" پر شائع کیے جائیں اور اپنی تحریر وتقریر سے لوگوں کو سودی کاروبار کی ترغیب دلائی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ جو قول منقول ہے کہ سود کو بھی چھوڑ دو اور اس کے مشابہ چیزوں کو بھی۔ وہ اسی قرآنی تہدید کا قدرتی نتیجہ ہے۔ جب جسمانی بیماریوں کا یہ حال ہے کہ کسی مرض کو طبیب اگر سخت مرض سے مشابہ پاتا ہے تو احتیاطاً علاج اُس سخت تر مرض کا شروع کر دیتا ہے تو جو مسلمان تقوٰی کا ادنیٰ درجہ بھی رکھتے ہیں، اُن پر بھی یہی لازم ہے کہ نہ صرف کھلے ہوئے سود سے بچیں بلکہ ایسی مالی و کاروباری صورتوں سے بھی احتیاطاً بچتے رہیں جن کا سودی ہونا مشتبہ ہے۔ اِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا۔ یعنی اگر اس حکم حرمت سود پر عمل نہ کرو گے و۱۰۷۹ یعنی حکومت اسلامی تمہارا اصل سرمایہ تمہیں واپس دلا دے گی۔ اگر توبہ نہ کرو گے تو راس المال بھی بہ حق حکومت اسلام ضبط ہو جائے گا۔ اِنْ تُبْتُمْ یعنی اگر سود خواری کی معصیت سے توبہ کر لو گے و۱۰۸۰ لَا تَظْلِمُوْنَ ظالم بننے کی صورت تو یہ ہے کہ کوئی رقم قرض دی اور وصول کرتے وقت اصل سے زائد وصول کر لی۔ بطلب للزیادة علی راس المال (کبیر) لَا تُظْلَمُوْنَ۔ مظلوم بننے کی صورت یہ ہے کہ جتنی رقم قرض لی تھی اب ادا کرنا اس سے زائد کا پڑ رہا ہے۔ ای بنقصان رأس المال (کبیر) و۱۰۸۱ یعنی مدیون یا قرضدار اگر وقت پر تنگدست ہے تو اُسے اُسی وقت تک کے لیے مہلت دے دی جائے۔ جب تک وہ ادا کرنے کے قابل ہو جائے و۱۰۸۲ (کہ اس احسان وحسن سلوک پر کتنا اجر عظیم موعود ہے) اَنْ تَصَدَّقُوْا۔ یعنی نادار مدیون کو اپنا مطالبہ بالکل معاف ہی کر دو۔ عقائد اسلامی کی طرح قوانین اسلامی کی بھی پوری قدر اُس وقت ہوتی ہے جب اُن کے مقابلہ میں اپنے کو مہذب اور ترقی یافتہ کہلانے والی قوموں کے قوانین رکھے جائیں۔ خود اس قرضہ کے معاملہ میں دوسری قوموں کے قانون قرض داروں کے حق میں سرتاسر ظالمانہ ہیں۔ رومی قانون (مرعوب کن Roman Law میں مدیون کو قتل تک کیا جا

تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنۡ تَضِلَّ اِحۡدٰىهُمَا

جنہیں تم پسند کرتے ہو ف١٠٩٣ تاکہ ان دو عورتوں میں سے ایک دوسری کو یاد دلا دے

فَتُذَكِّرَ اِحۡدٰىهُمَا الۡاُخۡرٰىؕ وَلَا يَاۡبَ الشُّهَدَآءُ

اگر کوئی ایک ان دو میں سے بھول جائے ف١٠٩٤ اور گواہ جب بلائے جائیں

اِذَا مَا دُعُوۡاؕ وَلَا تَسۡـَٔمُوۡۤا اَنۡ تَكۡتُبُوۡهُ صَغِيۡرًا

تو انکار نہ کریں ف١٠٩٥ اور اس (معاملت) کو خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی اس کی میعاد

اَوۡ كَبِيۡرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖؕ ذٰلِكُمۡ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ

تک لکھنے سے اُکتا نہ جاؤ یہ کتابت اللہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ قرینِ عدل ہے

وَاَقۡوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدۡنٰٓى اَلَّا تَرۡتَابُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ

اور شہادت کو درست تر رکھنے والی ہے اور زیادہ سزاوار اس کی کہ تم شبہ میں نہ پڑو ف١٠٩٦ بجز اس کے کہ

تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيۡرُوۡنَهَا بَيۡنَكُمۡ فَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ

کوئی سودا دست بدست ہو جسے تم باہم لیتے ہی رہتے ہو سو تم پر اس میں کوئی

جُنَاحٌ اَلَّا تَكۡتُبُوۡهَاؕ وَاَشۡهِدُوۡۤا اِذَا تَبَايَعۡتُمۡ ۖ

الزام نہیں کہ تم اسے نہ لکھو ف١٠٩٧ اور جب خرید و فروخت کرتے ہو (تب بھی) گواہ کر لیا کرو ف١٠٩٨

وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيۡدٌ ؕ وَاِنۡ تَفۡعَلُوۡا

اور کسی کاتب اور گواہ کو نقصان نہ دیا جائے ف١٠٩٩ اور اگر (ایسا) کرو گے

فَاِنَّهٗ فُسُوۡقٌۢ بِكُمۡؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُؕ

تو یہ تمہارے حق میں ایک گناہ (شمار) ہوگا ف١١٠٠ اور اللہ سے ڈرتے رہو، ف١١٠١ اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے ف١١٠٢

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿٢٨٢﴾ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ عَلٰى

اور اللہ ہر چیز کا بڑا جاننے والا ہے ف١١٠٣ اور اگر تم سفر میں ہو

تا تھا اور رومی تاریخ میں دائنوں کی ظلم و زیادتی سے بارہا نوبت شدید بلووں تک آگئی ہے۔ ایک اور نکتہ۔ اسلامی نظام معاشیات کی بنیاد مادّیات سے کہیں بڑھ کر انسانیت و روحانیت و تقوائے الٰہی پر رکھی ہے۔ اور یہ خصوصیت اُسے دنیا کے قدیم و جدید سارے معاشی نظاموں سے ممتاز کیے ہوئے ہے ف١٠٨٣ (اپنے اپنے اعمال کی پیشی کے لیے) خطاب یہاں اہل ایمان سے ہے ف١٠٨٤ (کہ کسی کا نیک عمل بلا معاوضہ رہ جائے یا کسی کے نامۂ عمل میں کوئی بدی خواہ مخواہ لکھ دی جائے) تُوَفّٰى۔ مَا كَسَبَتۡ۔ یعنی اعمال کا پورا پورا معاوضہ دیا جائے گا ف١٠٨٥ (اور اس صاف صاف لکھا پڑھی کو نہ دلیل بے اعتمادی کی سمجھو اور نہ اس میں عار) دَيۡنٍ۔ دَین کا لفظ بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ عربی میں یہ (عین) کے مقابلہ میں ہے اور اس کا اطلاق ہر اس معاملت پر ہوتا ہے، جس کے معاوضہ کا ایک جزء فی الفور نہ ہو۔ هو عبارة عن كل معاملة كان أحد العوضين فيها نقدًا والآخر في ذمةِ النسيئة كان العين عند العرب ما كان حاضرًا والدّين ما كان غائبًا (ابن عربی) تَدَايَنۡتُمۡ بِدَيۡنٍ۔ دَین یا اُدھار معاملت کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ چیز ابھی خریدی اور قیمت کے لیے طے پا گیا کہ اتنی مدت کے بعد دیں گے۔ دُوسری یہ کہ قیمت اُسی وقت دے دیں اور چیز کے لیے یہ طے پا گیا کہ اتنی مدت کے بعد لیں گے۔ شرعًا دونوں صورتیں جائز ہیں تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ فقہاء مفسرین نے اس سے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ قرضہ کے معاملات میں مدت بالکل صاف اور متعین ہونا چاہیے۔ گول اور مجمل نہ رہے۔ ”جاڑوں کے زمانہ میں“ ”برسات کے موسم میں“ ”ربیع کی فصل میں“ ان مبہم مدتوں کی بجائے تعیین و صراحت ہونا چاہیے کہ فلاں سنہ کے فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ۔ فقیہ ابن عربی مالکی نے ایک اس آیت کے ذیل میں ٥٢ مسئلے لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ آیت مسائل بیع میں اہم ترین آیت ہے۔ هي اصل في مسائل البيوع و كثير من الفروع عامی صوفیہ اور جاہل مشائخ نے جو یہ سمجھ رکھا ہے کہ معاملت و معاشرت کی اصلاح و درستی سلوک و طریقت کے منافی ہے وہ غور کریں کہ قرآن کو اس باب میں کتنا اہتمام بلکہ جزئیات تک کا انضباط مدنظر ہے! ف١٠٨٦ باہمی لین دین اور قانونی معاملات کے سلسلہ میں ادنیٰ ادنیٰ جزئیات تک کے لیے شریعت کا یہ اہتمام اللہ اللہ عالمگیر ہدایت و رہنمائی کا حق اگر کسی کتاب کو پہنچتا ہے تو بیشک وہ یہی کتاب ہوسکتی ہے۔ کہاں ایک طرف یہ مکمل نظام زندگی اور مفصل ضابطۂ حیات اور کہاں اس کے مقابلہ میں انجیل جس کے صفحات قانون و معاملت کی چھوٹی چھوٹی ہدایات تک سے خالی ہیں! بِالۡعَدۡلِ یعنی کسی فریق سے متاثر ہوئے، کسی کی رورعایت کیے ہوئے بغیر لکھے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ بھی نکالا ہے کہ کاتب کو متدین اور شرائط تحریر کا عالم ہونا چاہیے اور فریقین پر لازم ہے کہ ایسے ہی کاتب کی تلاش کریں۔ فيه دليل ان يكون الكاتب فقيها عالماً بالشروط وهو للمتداينين بتخيير الكاتب (مدارک) وَلَا يَاۡبَ كَاتِبٌ فقہا نے کہا ہے کہ کاتب کو اپنی محنت کی اُجرت لینا جائز ہے۔ ف١٠٨٧ دستاویز کا ماحصل کسی حق کا اپنی طرف اقرار کرنا ہے۔ یہ قدرۃً اُسی کو کرنا چاہیے جس کے ذمہ کوئی حق واجب الادا ہو۔ وَلۡيُمۡلِلِ۔ یعنی دستاویز کو لکھانا ف١٠٨٨ یعنی جو حق جس طرح اور جتنا اُس پر واجب ہے اُس میں سے کاتب دستاویز کو بتلائے اور لکھاتے وقت کچھ بھی کتر بیونت نہ کرے، وَلۡيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ۔ خوفِ خدا تو مسلمان کے لیے جزء زندگی اور اس کی زندگی بھر رہنا چاہیے۔ دستاویز لکھاتے وقت اس کی تاکید و یاددہانی کی حکمتیں اور مصلحتیں بالکل واضح ہیں ف١٠٨٩ اور یہ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ دستاویز لکھانے والا وہی ہونا چاہیے۔ سفيهًا۔ یہ مراد نہیں کہ پاگل ہو بلکہ صرف ضعیف العقل مراد ہے۔ ضعيف الرأي ناقص العقل من البالغين (کبیر) ضعيفًا۔ یہاں ایک جامع لفظ ہے۔ نابالغ اور پیر فرتوت سب اس کے اندر آجاتے ہیں۔ الصغير والمجنون والشيخ الخرف وهم الذين فقدوا العقل بالكلية (کبیر) ف١٠٩٠ (کسی اور عذر یا مانع سے) مثلاً یہ کہ گونگا ہو، یا پردیسی ہو، ملک کی زبان سے ناواقف، ف١٠٩١ (ایسی ہر صورت میں اس کی طرف سے ٹھیک ٹھیک) وَلِيُّهٗ سے مراد ولی شرعی ہے یا وکیل یا مختار۔ (یا پردیسی کے لیے) ترجمان۔ تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی صورت جب ایسی پیش آجائے کہ صاحب معاملہ کا اقرار اور بیان معتبر نہ رہ جائے تو اعتبار اُس کے کارکن کے بیان و اقرار کا کیا جائے

ف١٠٩٢ (جو عاقل ہوں، بالغ ہوں، آزاد ہوں، دیندار ہوں) اي من رجال المومنين والحرية البلوغ مشروط مع الاسلام (مدارک) مِنۡ رِّجَالِكُمۡ کی قید نے صاف بتا دیا کہ گواہوں کو مسلمان ہونا چاہیے۔ یہودی قانون میں بھی گواہ کا اسرائیلی ہونا ضروری ہے۔ کافروں کی گواہی کافروں کے معاملات میں مقبول ہوسکتی ہے۔ وشهادة الكفارِ بعضهم على بعض مقبولة عندنا (مدارک) وَاسۡتَشۡهِدُوۡا۔ گواہوں کی یہ گواہی تحریر و دستاویز کے علاوہ ہونا چاہیے۔ فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ اصل مدار ثبوت اُنہی گواہوں کی گواہی ہوگی ف١٠٩٣ (یعنی جو تمہارے نزدیک ثقہ و قابل اعتبار ہوں) فَاِنۡ لَّمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ یعنی دو مرد گواہی کے لیے میسر نہ آئیں۔ رَجُلٌ وَّامۡرَاَتٰنِ یہودی قانون میں گواہی صرف مردوں کی معتبر ہے اور عورت کی شہادت سرے سے قابل تسلیم نہیں۔ اسلام نے اسے یہ حق دیا ہے لیکن ساتھ ہی اپنے علم کامل اور تحقیق مطلق کی بنا پر عورت کی گواہی کا مرتبہ مرد کے مقابلہ پر نصف مانا ہے۔ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ۔ دیانت، ضمیر، سیرت، کردار کا ایک خاص معیار اسلام نے زندگی کے چھوٹے بڑے ہر شعبہ اور معاشرت کے بعید سے بعید گوشہ میں بھی قائم رکھا ہے۔ چنانچہ یہاں یہ قید لاکر صاف بتا دیا کہ شہادت بھی ایک خاص اعزاز و منصب ہے ہر کس و ناکس اس کا اہل نہیں۔ اس کے اہل وہی ہیں جن کی سیرت و کردار پر ہر اسلامی معاشرہ کو اطمینان ہو اور جن کی دیانت کم از کم عام طور پر مشتبہ نہ ہو۔ ف١٠٩٤ (اور اس طرح شہادت مکمل ہو جائے) اَنۡ تَضِلَّ۔ بھول جائے شہادت کے کسی حصہ کو۔ واقعہ کے کسی جزء کو، رہا یہ امر کہ عورت کی شہادت مرد کے

مقابلہ میں ضعیف کیوں مانی گئی ہے۔ اور نسیان کا احتمال مرد کی شہادت میں کیوں نہیں رکھا گیا؟ تو یہ سوالات ذہن و اخلاق کی دنیا میں بالکل ایسے ہی ہیں جیسے جسم و مادیات کی دُنیا میں دریافت یہ کیا جائے کہ حمل و رضاعت کا تعلق صرف عورت ہی سے کیوں رکھا گیا اور مرد کو باوجود اس کے قوت و جسامت کے اس بار کے برداشت کے کیوں ناقابل سمجھ لیا گیا؟ یہ فاطر کائنات ظاہر ہے کہ جسمیات و مادیات کے ایک ایک دانہ سے واقف ہے۔ اُس کے پیش نظر ذہنیات و اخلاقیات کی بھی باریک سی باریک حقیقتیں ہیں۔ مغرب کے ماہر نسائیات ہیولاک ایلز Hoolock Ellis نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ عورت کے لیے دھوکہ اور فریب بہ منزلہ امر طبعی کے ہوتا ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) ف۱۰۹۵ (کہ اس میں اعانت ہے معاملاتِ اُمت کی اور خدمت ہے دین کی) وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ۔ یعنی گواہ بننے اور گواہی دینے سے انکار نہ کریں ف۱۰۹۶ (یعنی وہی کتابت معاملہ دَین سے متعلق) عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے قانون وضابطہ میں۔ ای فی حکمہ سبحانہ (روح) لَا تَسْـَٔمُوْٓا۔ بار بار لکھنے لکھانے سے نفس میں ایک قسم کی کاہلی پیدا ہو جانا تقریباً طبعی ہے۔ تَكْتُبُوْهُ۔ میں ضمیر اُسی معاملہ دَین سے متعلق ہے۔ نافہموں نے آج کل شور برپا کر رکھا ہے کہ اب زمانہ اس کا نہیں کہ مذہب خصوصاً اسلام کو عقائد معاد سے پرکھا جائے اب تو دیکھنا یہ ہے کہ اس دنیا کے لیے سب سے زیادہ عملی مذہب کون ہے؟ روزانہ مسائل زندگی کے حل کرنے میں کون مذہب سب سے زیادہ زور دے رہا ہے؟ یہ معیار بجائے خود کس حد تک صحیح ہے؟ یہ تو ایک الگ سوال ہے۔ لیکن بہرحال جو لوگ اسی معیار کو مانے ہوئے ہیں کم از کم وہ تو خلوئے ذہن کے ساتھ غور کریں کہ ساری شریعتوں میں اسلام سے بڑھ کر کس شریعت نے روزانہ زندگی کے چھوٹے بڑے تمام مسائل کے حل کرنے کا اہتمام رکھا ہے! ف۱۰۹۷ یہ اس لیے کہ دستگرداں معاملتیں کثرت سے برابر واقع ہوتی رہتی ہیں اور عموماً مقداریں بھی ان کی خفیف ہوتی ہیں اور عموماً ان میں احتمال نزاع و اختلاف کا بھی کم ہی ہوتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسے موقعوں پر کتابت دستاویز کے التزام سے ہرج لازم آتا تھا اس لیے شریعت نے التزام کو یہاں سے اُٹھا دیا۔ لیکن اگر کوئی معاملت ایسی ہو کہ شکل کے اعتبار سے ہو تو دست بدست لیکن مالیت بڑی ہو یا آئندہ اختلاف و نزاع کے احتمالات موجود ہوں۔ یا اور کسی اعتبار سے حالات وہاں وہ نہ ہوں جو عموماً تجارتِ حاضرہ یا معاملہ دستگرداں میں ہوا کرتے ہیں تو ایسے موقعہ پر ترکِ کتابت کی علت مفقود ہو گی اور اہتمام کتابت مطلوب ہو گا ف۱۰۹۸ یعنی ایسے موقع پر گواہی کرا لینا بہتر ہو گی وَاَشْهِدُوْٓا صیغۂ امر یہاں وجوب کے لیے نہیں صرف استحسان کے لیے ہے۔ والامر للندب (مدارک) والاوامر التی فی ھذہ الاٰیۃ للاستحباب عند اکثر الائمۃ (بیضاوی) ف۱۰۹۹ یعنی فریق اپنی مصلحت کی خاطر کاتب یا گواہ کو زحمت میں نہ ڈالے ادھر کاتب اور گواہوں کو حکم مل چکا ہے کہ کتابت اور گواہی سے پہلوتہی نہ کریں اب فریقین کو حکم مل رہا ہے کہ وہ بھی کاتب اور گواہوں کی مصلحت و آسائش کا خیال رکھیں۔ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ۔ کاتب کو نقصان پہنچانا مثلاً یہ کہ اُسے بلا اُجرت کتابت پر مجبور کیا جائے۔ وَّلَا شَهِيْدٌ۔ گواہ کو تکلیف میں ڈالنا۔ مثلاً یہ کہ باوجود احتیاج اُسے آمد و رفت کا خرچ بھی نہ دیا جائے ف۱۱۰۰ (کہ جس کام سے منع کیا گیا وہی کر رہے ہو) فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ۔ کی تصریح کر کے حکم کی اہمیت کو کس درجہ بڑھا دیا ہے ف۱۱۰۱ (چھوٹے بڑے سارے معاملات اور کارروائیوں میں) سبحان اللہ! تقویٰ الٰہی کی تاکید کن کن موقعوں پر کیا ہے ف۱۱۰۲ (تمام تر حکمت کی باتیں) بعض اہل علم نے ''يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ'' کو فقرہ سابق ''وَاتَّقُوا اللّٰهَ'' سے بالکل مربوط پا کر استنباط یہ کیا ہے کہ علم حقیقی عین نتیجہ ہوتا ہے تقویٰ الٰہی کا۔ تقویٰ اختیار کرو اور از خود علم الٰہی مرحمت ہونے لگے گا ف۱۱۰۳ چنانچہ اپنے اس علم کے مطابق معاملت بھی مطیع و عاصی سے کرے گا ف۱۱۰۴ (کتابت و دستاویز کے لیے، در آنحالیکہ معاملۂ رہن کی ضرورت آ پڑے) رہن کے سلسلہ میں سفر کا ذکر شاید اس لیے کر دیا گیا ہو کہ سفر کی حالت میں ضرورت رہن کے پیش آ جانے کا احتمال زیادہ ہے ف۱۱۰۵ (صاحب حق کے۔ مدیون کی طرف سے) رِهٰنٌ ایسی حالت میں اطمینان کا ذریعہ بھی ہوتی ہیں۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ رہن بالقبضہ تو صرف قرض دینے والے کے اطمینان کے لیے ہے۔ اسے یہ حق نہیں کہ وہ شے مرہون سے فائدہ بھی اُٹھاتا رہے ف۱۱۰۶ (اور اس لیے رہن کی ضرورت نہیں سمجھتا) ف۱۱۰۷ معاملات کے سلسلہ میں یہ تقویٰ الٰہی کی تاکید ایک بار پھر ملاحظہ ہو۔ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ۔ یعنی مدیون۔ فَلْيُؤَدِّ ادا کرے پورا پورا۔ ف۱۱۰۸ (اور اصل شی قلب ہی کی گنہگاری ہے) اٰثِمٌ قَلْبُهٗ سب سے بڑا گناہ تو قلب ہی کا گناہ ہے۔ چنانچہ کفر جو سارے کبائر سے بڑھ کر کبیرہ ہے۔ قلب ہی کا گناہ ہے اس لیے اس اسلوب بیان نے خود یہ ظاہر کر دیا کہ کتمانِ شہادت شدید ترین گناہ ہے۔ لان افعال القلوب اعظم من افعال سائر الجوارح الاتری ان اصل الحسنات والسیاٰت الایمان والکفر وھما من افعال القلوب واذا جعل کتمان الشھادۃ من اثام القلوب فقد شھدلہ بانہ من معاظم الذنوب (مدارک) وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ۔ اور گواہی کو مت چھپاؤ۔ ادائے شہادت کے وقت۔ یہ ادائے شہادت کا حکم عام ہے تمام معاملات قانونی کے لیے۔ مثلاً نکاح، مہر، وصیت وغیرہ۔ صرف معاملہ رہن کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اور شہادت چھپانے کی ساری صورتیں اس ممانعت کے اندر آ جاتی ہیں۔ مثلاً ادائے شہادت سے گریز کرنا یا شہادت میں واقعات صحیح نہ بیان کرنا۔ وقس علی ہذا۔ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا۔ اور یہ کتمان خواہ جزئی ہو یا کلی۔ ادائے شہادت چونکہ واجب ہے۔ فقہاء نے اس پر اُجرت لینا ناجائز قرار دیا ہے البتہ آمد و رفت اور خوراک پر جو کچھ صرف ہو اس کا بہ قدر واقعی وصول کرنا جائز ہے ف۱۱۰۹ (اور اپنے اسی علم کامل کے مطابق جزا و سزا دے گا) بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ مثلاً ایک عمل اخفاء شہادت کا ہے جو معصیت ہے۔ اور دوسرا عمل ادائے شہادت کا ہے۔ جو طاعت ہے۔ ف۱۱۱۰ (اور کسی دیوی، دیوتا، بروز، مظہر، اوتار کی شرکت اس میں نہیں) قرآن مجید کی طویل ترین سورہ کا آخری رکوع

سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ

اور کوئی کاتب نہ پاؤ ف۱۱۰۴ سو رہن رکھنے کی چیزیں ہی جو قبضہ میں دے دی جائیں ف۱۱۰۵

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ

اور تم میں سے کوئی کسی اور پر اعتبار رکھتا ہے ف۱۱۰۶ تو جس کا اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ دوسرے کی امانت (کا حق)

اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ

ادا کر دے اور چاہیے کہ اللہ (یعنی) اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے، ف۱۱۰۷ اور گواہی کو مت چھپاؤ

وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اور جو کوئی اسے چھپائے گا اس کا قلب گنہگار ہو گا ف۱۱۰۸ اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس کا

عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ

بڑا جاننے والا ہے ف۱۱۰۹ اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ف۱۱۱۰

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ

اور جو کچھ تمہارے نفسوں کے اندر ہے اگر تم اس کو ظاہر کر دو ف۱۱۱۱ یا اسے چھپائے رکھو

يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

بہرحال اللہ اس کا حساب تم سے لے گا ف۱۱۱۲ پھر جسے چاہے گا بخش دے گا

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ

اور جسے چاہے گا عذاب دے گا ف۱۱۱۳ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے

قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ

والا ہے ف۱۱۱۴ پیغمبر ایمان لائے اس پر جو ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے

رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

نازل ہوا ہے ف۱۱۱۵ اور مومنین (بھی) یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر

ع ۳۹

شروع ہورہا ہے یہاں پر عقیدۂ توحید کامل کا اعادہ واثبات ہے۔ سورہ کا آغاز اصول دین سے متعلق جامع تعلیم سے ہوا تھا۔ سورہ کا خاتمہ بھی اسی طرح جامعیت ومانعیت کے ساتھ بنیادی عقائد پر ہورہا ہے۔ و۱۱۱۱ (زبان سے یا عمل سے) مَافِیْٓ اَنْفُسِكُمْ جو کچھ دلوں کے اندر ہے۔ افعال ارادی واختیاری میں ہے مثلاً کوئی عقیدہ فاسد یا عزم معصیت، اس میں وسوسہ اور گزرنے والے خیالات داخل نہیں کہ وہ حدود مؤاخذہ سے خارج ہیں۔ ولا تدخل الوساوس وحديث النفس فيما يخفيه الانسان لان ذٰلك مما ليس فى وسعة ولكن ما اعتقدهٗ و عزم عليه (مدارک) و۱۱۱۲ (مثل تمام معاصی کے) و۱۱۱۳ مغفرت ہوگی تو قانون رحمت عامہ کے مطابق اور عذاب ہوگا تو قانون حکمت کاملہ کے ماتحت و۱۱۱۴ اللہ فاعل بالارادہ ہے، مختار کل ہے اور اس سے منزہ ہے کہ عفو ومغفرت کے لیے اسے ضرورت بطور فدیہ یا کفارہ کے کسی ”خدائے مصلوب“ کی ہو۔ آیت میں اشارۃً رد آگیا عقیدۂ نصاریٰ کا اور متعدد مشرک قوموں کے عقائد کا۔ خدا بس اپنے ہی ارادہ یا مشیت کے علاوہ کسی اور قانون کا پابند نہیں جیسا کہ ہندی مشرک قوموں نے عقیدۂ کرم سے خیال کر رکھا ہے و۱۱۱۵ (یعنی قرآن پر) اٰمَنَ الرَّسُوْلُ۔ اپنی رسالت یعنی پیام حق کی حقانیت کامل پر ایمان لانے والے سب سے پہلے خود پیمبر ہی ہوتے ہیں۔ ایمان ایمان توسب برابر ہے۔ لیکن بہ اعتبار ظرف و بہ لحاظ کیفیت پیمبر کے ایمان عام اور عام افراد اُمت کے ایمان کے درمیان آسمان اور زمین کا فرق ہے۔ ہر ایک کے ایمان کا مرتبہ بھی اس کی حیثیت اور مرتبہ کے متناسب ہوتا ہے

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ

اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیمبروں پر، و۱۱۱۶ ہم اس کے پیمبروں میں باہم کوئی فرق بھی

رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ

نہیں کرتے و۱۱۱۷ اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کی و۱۱۱۸ ہم تیری مغفرت (طلب کرتے ہیں)

رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا

اے ہمارے پروردگار و۱۱۱۹ اور تیری ہی طرف واپسی ہے اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا

اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا

مگر اس کی بساط کے مطابق و۱۱۲۰ اسے ملے گا وہی جو کچھ اس نے کمایا اور اس پر پڑے گا وہی جو کچھ

اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ

اس نے کمایا و۱۱۲۱ اے ہمارے پروردگار ہم پر گرفت نہ کر اگر ہم بھول جائیں

اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا

یا چوک جائیں و۱۱۲۲ اے ہمارے پروردگار ہم پر بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے

كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا

ڈالا تھا ان لوگوں پر جو ہم سے پیشتر تھے و۱۱۲۳ اے ہمارے پروردگار

وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۣ وقفة

ہم سے وہ نہ اٹھوا جس کی برداشت ہم سے نہ ہو و۱۱۲۴ اور ہم سے درگزر کر

وَاغْفِرْ لَنَا ۣ وقفة وَارْحَمْنَا ۣ وقفة اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا

اور ہم کو بخش دے و۱۱۲۵ اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا کارساز ہے و۱۱۲۶ سو ہم کو غالب کر

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع

کافر لوگوں پر و۱۱۲۷

و۱۱۱۶ اس جامع آیت کے اندر تمام لوازم ایمان بیان ہوگئے ہیں۔ اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔ اللہ پر ایمان لانا ہے کہ اس کی ذات اور صفت دونوں کی تصدیق کی جائے۔ حسب تصریحات قرآنی وتعلیمات نبوی، یہ تردید ہوگئی دہریت، لاادریت، ارتیاب وغیرہ کی۔ خدائے واحد کی جزم کے ساتھ تصدیق کرنا لازمی ہے۔ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ۔ فرشتہ کی تعریف اوپر گزرچکی ہے کہ وہ ایک نوری مخلوق ہے جس سے صدور معصیت کا امکان نہیں۔ کثرت سے مشرک قوموں کو ٹھوکر اسی عقیدہ میں لگی ہے۔ فرشتوں کو بجائے تمامتر خدائی کارندہ ہونے کے اُن کی عظمت سے متاثر ہوکر انہیں کائنات کے مختلف شعبوں میں مستقلاً متصرف سمجھنے لگے۔ اور انہیں دیوی دیوتا کہہ کر پکارنے لگے مثلاً فلاں آگ کا دیوتا ہے فلاں ہوا کی دیوی ہے فلاں بارش کا دیوتا ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔ قرآن مجید نے جو فرشتوں کے عقیدہ پر بار بار زور دیا ہے اس کا مقصد شرک کی اس خاص قسم یعنی دیوتا پرستی کا استیصال ہے۔ فرشتہ گو نوری ہوتے ہیں، معصوم ہوتے ہیں لیکن بہرحال خالق کائنات کے سامنے انسان ہی کی طرح ایک عاجز وبے بس مخلوق ہوتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ اُن کی ذات یا صفات کو مدغم کردینا انتہائی حماقت ہے۔ وَكُتُبِهٖ۔ آسمانی نوشتوں اور ہدایت ناموں کے باب میں بھی بڑی افراتفری ہوتی آئی ہے۔ کسی کسی قوم نے توان کے وجود ہی سے انکار کردیا اور صاف کہہ دیا کہ خدا ہے لیکن کوئی ہدایت نامہ نہیں بھیجتا۔ اور بہت سی قوموں نے انہیں ذہن انسانی کی پیداوار قرار دیا۔ جنہیں چند بڑے اور ہدایت یاب انسانوں نے مل کر لکھ لکھا لیا۔ وَرُسُلِهٖ۔ رسالت کا عقیدہ بھی مشرک قوموں نے بالکل مسخ کردیا تھا۔ دنیا رسولوں کو بھول چکی تھی اور قائل اس کی رہ گئی تھی کہ جس کے ذریعہ سے ہدایت اور پھر نجات ہوتی ہے، وہ یا تو خدا کا اکلوتا بیٹا ہوتا ہے یا خود خدا کسی انسانی یا حیوانی قالب میں۔ قرآن مجید نے آکر بتایا کہ یہ انسان اور بندے ہی ہوتے ہیں جن پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی رہتی ہے۔ سلسلہ وحی کو ماننا بھی گویا ”اوتار“ کے عقیدہ پر ضرب لگانا ہے و۱۱۱۷ (کہ بعض کے قائل ہوں اور بعض کے منکر۔ بلکہ سب کو برحق سمجھتے ہیں اور سب کے مسلک ہدایت پر اللہ کی طرف سے ہونے کا یقین رکھتے ہیں) یہ مقولہ مومنین کا ہے۔ ای يقولون لا نفرق (بیضاوی ومدارک) یہود کی طرح نہیں کہ بجز اپنی نسل یعنی اسرائیلی انبیاء کے اور کسی کو نہ مانیں اور ان میں سے بھی جس کا جی چاہے انکار کردیں۔ یہاں تک کہ سلسلۂ اسرائیلی کے خاتم (حضرت مسیح علیہ السلام) سے تو وہ عداوت رکھیں کہ اپنے خیال میں اُن کی جان ہی لے ڈالیں۔ اور نہ نصرانیوں کی طرح کہ ایک اسرائیلی نبی کے ماننے میں تو وہ غلو کریں کہ پیمبری سے اُٹھا کر الوہیت کے مرتبہ پر پہنچادیں اور اسمٰعیلی شاخ سے پیمبری پانے والے سے عداوت ہی ٹھان لیں۔ انگریزوں میں ایک مشہور مؤرخ گبن ہوا ہے۔ قرآن مجید اس کے نزدیک کلام الٰہی نہیں، کلام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ بایں ہمہ اس آیت کی وسعت پر حیران ہوکر کہتا ہے:۔ ”محمد کی وسیع المشربی نے اپنے پیش روؤں کے لیے بھی وہی درجہ رکھا جو خود اپنے لیے اور ہبوط آدم علیہ السلام سے لے کر نزول قرآن تک سلسلہ وحی کو قائم رکھا“۔ (تاریخ زوال رومن امپائر۔ جلد ۵ صفحہ ۳۴۰) لَا نُفَرِّقُ۔ بعض اہل طریق نے اسی پر قیاس کرکے کہا ہے کہ اولیاء کاملین میں بھی یہ تفریق نہ کرنا چاہیے کہ کسی سے اعتقاد رکھے اور کسی سے انکار کرے و۱۱۱۸ سَمِعْنَا۔ سن لیا ہم نے اللہ کے پیام کو۔ اَطَعْنَا اطاعت کی ہم نے اللہ کے پیامبر کی و۱۱۱۹ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا۔ یعنی وہ مغفرت جو تو ہی عطا کرے گا۔ اس میں رد آگیا نصاریٰ اور دوسری قوموں کا۔ جو مغفرت کو عطیہ الٰہی نہیں۔ بلکہ ”ابن اللہ“ یا کسی اور کی عنایت کا ثمرہ سمجھتے ہیں۔ و۱۱۲۰ لَا يُكَلِّفُ۔ اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا احکام شرعیہ میں بجز الخ۔ احکام شرعی کی قید لگادینے سے اُمور تکوینی خارج ہوگئے۔ ذمہ دار بنادینے سے مراد ہے اُن اعمال سے متعلق سوال وباز پرس ہونا۔ اِلَّا وُسْعَهَا۔ یعنی اس کے اختیار کے اندر ہوں۔ گو بعض کسی قدر مشکل ہوں اس قید کے لگادینے سے وسوسہ اور خیالات غیر اختیاری سب حد محاسبہ سے نکل گئے۔ الوسع من القدرة ما يفضل عن قدر المكلف (راغب) قال لا يكلف الله نفسا الاّ وسعها تنبيهًا انه يكلف عبده ما ينوء به قدرته (راغب) الا طاقتها و قدرتها لان التكليف لا يرد بفعل لا يقدر عليه المكلف (مدارک) الا ما تسعهٗ قدرتها فضلا و رحمة (بیضاوی) صوفیہ محققین نے اس آیت سے ایک سبق تو یہ لیا ہے کہ مجاہدہ میں طالب کی حالت کی

رعایت رکھنا ضروری ہے۔ اور دُوسرا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ تجلیات کا وُرود و نزول بھی طالب کی طاقت و استعداد کے متناسب ہی ہوتا ہے۔ اور اگر ان میں کبھی کمی ہو تو طالب کو تنگدل نہ ہونا چاہیے۔ **و۱۱۲۱** یعنی اُس نیک عمل پر ثواب و جزا جو بندہ اپنے ارادہ و اختیار سے کرے۔ اور اس بدعمل پر عذاب و سزا جو بندہ اپنے ارادہ و اختیار سے کرے۔ یہ رَد ہے۔ ہندی و بدھ مت کے عقیدۂ ''کرم'' کا۔ یعنی انسان جو بھی کرے گا وہ لازمی نتیجہ ہوگا پچھلے جنم میں اس کے افعال و اعمال کا۔ گویا اس قالب میں انسان اپنے ارادہ و اختیار سے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ یہ جبریت کی انتہائی شکل ہے۔ اور تناسخ اور عقیدۂ جبریت لازم و ملزوم ہیں۔ قرآن مجید نے اس فاسد عقیدہ پر ضرب لگائی اور بتایا کہ نیکی اور بدی کی راہیں تو انسان کے اپنے اختیار کی چیزیں ہیں۔ اور یہیں سے نصاریٰ کے عقیدۂ کفارہ کا بھی رَد نکل آیا۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کو اب عمل صالح کی ضرورت ہی نہیں۔ ''ابن اللہ'' سب کی طرف سے بھینٹ چڑھ گئے ہیں اور سب کی نجات کا سامان اُن کی مصلوبیت سے ہوگیا ہے! **و۱۱۲۲** یہ مومنین کو جامع و کامل دعا کی تعلیم ہورہی ہے اِنْ نَّسِيْنَآ۔ یعنی باوجود یاد رکھنے کی کوشش کے بھول جائیں اَخْطَاْنَا۔ یعنی باوجود عزم و اہتمام کے بھی چوک جائیں۔ **و۱۱۲۳** (اور جیسی جیسی آزمائشوں سے انہیں دوچار ہونا پڑا، وہ ہم پر نہ ڈال) عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا۔ یعنی بعض سابق اُمتوں پر۔ انجیل میں پطرس، حواری مسیح علیہ السلام کا قول غیر اسرائیلی مسیحیوں کے باب میں نقل ہوا ہے کہ اب تم ان کی گردن پر ایسا جوا رکھ کر جس کو نہ ہمارے باپ دادا اٹھا سکتے تھے نہ ہم۔ خدا کو کیوں آزماتے ہو؟ (اعمال ۱۵:۱۰)

ایاتھا ۲۰۰ — ۳ سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ ۸۹ — رکوعاتھا ۲۰

اس میں ۲۰۰ آیتیں — سورۂ آل عمران و۱ مدنی ہے — اور ۲۰ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ۝۱ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝۲ نَزَّلَ

الف۔ لام۔ میم و۲ اللہ وہ ہے کہ کوئی خدا نہیں بجز اس کے و۳ زندہ (خدا ہے) سب کا سنبھالنے والا و۴ (خدا ہے) اس نے

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

(یہ) کتاب آپ پر نازل کی ہے قطعیت کے ساتھ و۵ ان کی تصدیق کرنے والی جو اس سے پہلے

يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳ مِنْ

آ چکی ہیں و۶ اور اس نے اتارا تھا توریت اور انجیل کو (اس سے) پیشتر

قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ

لوگوں کی ہدایت کے واسطے و۷ اور اس نے فرقان کو اتارا و۸ بے شک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ

جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں سے کفر کیا ان کے لئے عذاب سخت ہے و۹

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى

اور اللہ بڑا زبردست ہے بڑا بدلہ لینے والا ہے و۱۰ بے شک اللہ ایسا ہے کہ اس سے کوئی چیز چھپی

عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝۵

نہیں رہتی نہ زمین میں اور نہ آسمان میں و۱۱

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ

وہ وہی (خدا) ہے جو تمہاری صورت رحموں کے اندر بناتا ہے جس طرح

گویا اسرائیلی شریعت ان کے حق میں ایسا سخت جوا تھا جو اٹھائے اُٹھ نہ سکتا تھا۔ اِصْرًا سے مراد ہے سخت حکم جو حد بشری سے خارج تو نہ ہو لیکن اس کی تعمیل میں مشقت و کلفت زیادہ پڑے۔ استعیر للتکلیف الشاق (کشاف) والمراد به التكاليف الشاقة (روح) قرآن مجید نے ضمناً اس مبالغہ بیان کی بھی اصلاح کردی اور یہ اشارہ کردیا کہ گو وہ احکام سخت ضرور تھے لیکن نہ ایسے کہ ان پر ناقابل برداشت ہونے کا اطلاق ہو سکے۔ **و۱۱۲۴** (نہ حوادثِ تکوینی میں نہ احکام شرعی میں اور حق پرستی کو ہمارے لیے آسان کردے) دعا کا یہ جزو کمال عبدیت کا مظہر ہے۔ شانِ رحمت کا اقتضا تو خود ہی یہ ہے کہ ایسا بار ہم پر نہ ڈالا جائے گا لیکن عقلاً اس کا امکان تو بہرحال تھا اور ہے۔ مالک کامل کو مملوک پر اور خالق کو عبد پر اختیار و تصرف تو ہر وقت، ہر طرح کا حاصل ہے۔ **و۱۱۲۵** (بلا کسی رکاوٹ کے۔ بغیر ادنیٰ شائبہ سزا کے) عَنَّا۔ ہم سے یعنی ہماری بھول چوک سے۔ **و۱۱۲۶** (ہر عالم میں) وَارْحَمْنَا۔ یعنی ہم پر رحمت کامل ہو دنیا اور آخرت دونوں میں۔ **و۱۱۲۷** (کہ یہ دشمن ہیں تیرے دین اور تیرے آئین کے) فَانْصُرْنَا عَلَى۔ نصر کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے تو معنی غلبہ کے ہوجاتے ہیں۔ اور غلبہ سے مراد دونوں میں بہ لحاظ دلائل و علوم غلبہ علمی و معنوی اور بہ لحاظ فتوحات جہاد، غلبہ مادی و ملکی۔ اى فى محاربتنا معهم و فى مناظرتنا بالحجة معهم و فى اعلاء دولة الاسلام على دولتهم (کبیر)

سورۂ آلِ عمران۔ **و۱** عرب کا نقشہ سامنے ہو تو جنوب میں جو علاقہ یمن کے نام سے موسوم ملے گا اس میں ایک مقام نجران کا ہے۔ عہد نبوت میں یہاں مسیحیوں کی آبادی تھی۔ ۱۰ ہجری میں ان کے ۱۴۔ اکابر وفد کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ گفتگو میں ان کے عقائد تثلیث و ابنیت کی لغویت ان پر پوری طرح واضح کردی۔ سورہ میں اشارے جابجا اس طرف ہیں۔ سورۂ بقرہ میں خطاب جس طرح خاص طور پر یہود کی جانب تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ اسی طرح اس سورۃ میں مسیحیوں کی جانب ہے۔ بقرہ ہی کی طرح آل عمران کے فضائل بھی احادیث میں بہ کثرت وارد ہوئے ہیں۔ **و۲** یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ ان پر حاشیہ سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا۔ عجب نہیں جو یہ حروف مخفف ہوں فقرہ انا اللہ اعلم کے۔ **و۳** (نہ بہ حیثیت اقنوم کے نہ کسی اور حیثیت سے) یعنی اُس خدائے واحد کا شریک کوئی نہ ذات میں ہے نہ افعال میں۔ دنیا میں بہ کثرت ایسے مشرک مذہبوں کا وجود رہ چکا ہے اور اب بھی ہے جو کہتے ہیں کہ خدائے اعظم تو بیشک ایک ہی ہے لیکن اس کے ماتحت شعبہ وار چھوٹے چھوٹے خدا دیوتا اور دیویاں تو بہت سی ہیں۔ قرآن مجید ان سب کی تردید کر کے کہتا ہے کہ نفس وجود ہی کسی دُوسرے خدا کا نہیں، نہ چھوٹے کا نہ بڑے کا، الوہیت و ربوبیت تمامتر ایک ہی ذات میں ہے۔ آیت علاوہ ان جاہلی مذاہب کے خاص طور پر مسیحی عقائد کے بھی رَد میں ہے۔ **و۴** اَلْحَيُّ۔ وہ وہ خدا ہے جو ہمیشہ زندہ ہی ہے۔ زندہ ہی رہا اور زندہ ہی رہے گا۔ موت کا اس کے لیے کوئی امکان ہی نہیں، نہ صلیب کے اُوپر نہ کسی اور سطح پر۔ اس کی حیات جس طرح آج قائم ہے ہمیشہ سے قائم ہے۔ یہ نہیں کہ اسے بار بار قالب بدلتے رہنے کی ضرورت پیش آئے۔ کبھی وہ انسان بن جائے اور کبھی نعوذ باللہ حیوان۔ وہ زندہ معاذ اللہ اس طرح کا نہیں کہ ہر سال اس پر موت طاری ہوا کرے اور پھر وہ حیاتِ تازہ حاصل کرتا رہے۔ اَلْحَيُّ کے لفظ نے اُس کی صفت حیات کا اثبات کر کے ان سارے خرافات کی تردید کردی۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۹۷۹ پارۂ ہذا) اَلْقَيُّوْمُ۔ وہ بذاتِ خود قائم ہے اور ساری مخلوقات اس کے وجود سے قائم ہے۔ یہ نہیں کہ وہ خود بھی کسی معنی میں کسی دوسرے کا محتاج ہو جیسا کہ مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ: ''جس طرح بیٹا بغیر باپ کے تنہا خدا نہیں اسی طرح باپ بغیر بیٹے کے تنہا خدا نہیں۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس جلد ۷ صفحہ ۵۳۶) گویا نعوذ باللہ ابن اللہ اور اللہ دونوں اپنی خدائی میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ صفت قیومیت کا اثبات کر کے قرآن مجید نے فرزندی خدا کے عقیدہ کی جڑ ہی کاٹ دی۔ بہت سے جاہلی مذہب ایسے بھی ہیں جو ایک طرف خدا کو خدا بھی مانتے جاتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کے بھی قائل ہیں کہ وہ پیدا کسی اور سے ہے۔ (ملاحظہ

ہو حاشیہ نمبر ۹۷۹ پارہ ہذا) و۵ (لفظاً لفظاً اے پیغمبر!) نَزَّلَ کا مصدر تنزیل ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید کے لیے بکثرت آیا ہے۔ بہ خلاف اَنْزَلَ (مصدر انزال) کے جو عموماً دوسری کتب آسمانی کے لیے آیا ہے۔ تَنْزِیْل میں تدریج اور ٹکڑے ہو کر نازل ہونے کا تخیل تو موجود ہی ہے۔ القراٰن نزل نجومًا شیئًا بعد شیء والتنزیل مرة بعد مرة (قرطبی) لیکن عجب نہیں کہ اس کے مفہوم میں قرآن کا لفظ بہ لفظ، حرف بہ حرف نازل ہونا بھی شامل ہو۔ اور کچھ عجب نہیں جو اس کی سند آگے چل کر کسی محقق کو عربی لغت و زبان ہی سے ہاتھ آجائے۔ بِالْحَقِّ۔ حق کے تحت میں حکمت بھی داخل ہے اور راستی بھی اور قوتِ دلائل بھی اور یہ لفظ ہزل کے مقابل بھی ہے۔ انہ قول فصل و لیس بالھزل (کبیر) نزل بالحق لا بالمعانی الفاسدة المتناقضة (کبیر) بالصدق و قیل بالحجة الغالبة (قرطبی) و۶ (کتب آسمانی میں سے) مُصَدِّقًا۔ قرآن نے بار بار صراحت کردی ہے کہ اس کا تعلق کتب قدیم سے تصدیق کا ہے۔ قرآن اجمالاً ان کے مضامین کی تصدیق و توثیق بھی کرتا ہے۔ یہیں سے اُن دشمنانِ دین کی نادانی بھی ظاہر ہوئی جاتی ہے جو کسی قرآنی بیان کے مثل کوئی مضمون توریت وانجیل وغیرہ کا اس طرح پیش کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے کوئی خاص انکشاف کیا ہے۔ اور (نعوذ باللہ) گویا قرآن کی بڑی چوری پکڑی ہے۔ و۷ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ توریت اور انجیل قرآن مجید کی اصطلاح میں دو مستقل آسمانی کتابوں کے نام ہیں۔ اور قرآن تصدیق انہی کی کرتا ہے۔ موجودہ بول چال میں توریت نام ہے متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا۔ جن میں سے ہر صحیفہ کسی نہ کسی نبی کی جانب منسوب ہے لیکن ان میں سے کسی ایک صحیفہ کی بھی تنزیل لفظی کا دعویٰ کسی یہودی کو نہیں۔ اسی طرح انجیل نام ہے متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا جن میں حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق مختلف گمنام اور بے نشان لوگوں کی جمع کی ہوئی حکایتیں، روایتیں اور ملفوظات ہیں، لیکن ان میں سے کوئی صحیفہ بھی مسیحیوں کے عقیدہ میں آسمانی نہیں۔ بلکہ مسیحی صاف صاف کہتے ہیں کہ یہ مجموعہ ”حواریوں کے دور میں بلا ارادہ اور بلا توقع تیار ہوگیا“۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۳ صفحہ ۵۱۳ طبع چہار دہم) خوب سمجھ لیا جائے کہ ایسے بے سند ”مقدس نوشتوں“ کی تصدیق و توثیق کی ذمہ داری قرآن ہرگز نہیں لیتا اور موجودہ بائبل، یعنی عہد عتیق و عہد جدید کا کوئی جزو بھی قرآن مجید کے ماننے والوں پر حجت نہیں۔ مِنْ قَبْلُ۔ یعنی قرآن سے قبل عہد موسیٰ اور عہد عیسیٰ میں اُن کی اُمتوں کے لیے۔ و۸ الْفُرْقَانَ فرقان اور فرق اصلاً ہم معنی ہیں بجز اس کے کہ فرق کے معنی تو محض اور مطلق امتیاز کے ہیں خواہ وہ کسی کے درمیان ہو۔ اور فرقان مخصوص اُس امتیاز کو کہتے ہیں جو حق وباطل کے درمیان ہو۔ الفرقان ابلغ من الفرق لانہ یستعمل فی الفرق بین الحق و الباطل (راغب) بعض کے نزدیک یہ اسم جنس ہے کل کتب آسمانی کے لیے۔ جنس للکتب السماویة (کشاف) ایک قول ہے کہ اس سے مراد معجزات و دلائل نبوت ہیں جو ہر پیغمبر کو عطا ہوتے رہتے ہیں۔ والمختار عندی ان المراد من ھٰذا الفرقان المعجزات التی قرنھا اللہ تعالیٰ بانزال ھٰذہ الکتب (کبیر) لیکن محققین کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ ھو القراٰن انزل علیٰ محمد و فرّق بہ بین الحق و الباطل (ابن جریر عن قتادة) المراد ھو القراٰن (کبیر) ای القراٰن (قرطبی) الفرقان ھٰھنا القراٰن (ابن کثیر عن قتادة والربیع) و۹ (آخرت میں تو یقیناً اور دنیا میں بھی احتمالاً) كَفَرُوْا یعنی باوجود اس کے کہ ان پر تبلیغ دین پوری طرح ہو چکی تھی، وہ کفر اختیار کیے رہے۔ اٰيٰتِ اللّٰهِ سے مراد آیاتِ قرآنی بھی ہوسکتی ہیں۔ اور نشانیاں بھی یعنی توحید کے دلائل وشواہد۔ و۱۰ خوب خیال رہے کہ سورۃ کا اصل موضوع مسیحیت کی تردید ہے۔ عموماً ایسی ہی صفات کا اثبات کیا گیا ہے۔ جن سے مسیحیت ہی کے کسی نہ کسی پہلو پر ضرب لگے۔ عَزِيْزٌ۔ ہر سزا پر قادر ہے اور ہر حال میں سب سے بالادست وقوی تر ہے۔ وہ (معاذ اللہ) مسیحیوں کا خدا نہیں کہ انسانی قالب اختیار کر کے طرح طرح کی کمزوریوں اور بیچارگیوں کا شکار بن جائے اور دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر سولی پر موت تک پاجائے۔ اس کی صفت عزیزیت اس تخیل ہی سے ابا کرتی ہے۔ ذُو انْتِقَامٍ۔ وہ رحمٰن ورحیم ورؤف ہونے کے ساتھ عادل بھی ہے اور صفت معدلت کا اظہار مجرموں اور سرکشوں کے مقابلہ میں سزا وانتقام ہی سے ہوسکتا ہے۔

اسے سزا دینے میں ہرگز کوئی عار نہیں آتا کہ اس عار سے بچنے کے لئے اسے مصلوبیت اور کفارہ کے پیچ در پیچ راستے اختیار کرنے پڑیں۔ جن مذہبوں نے اپنے خدا کو صرف رحیم ہی رحیم مانا ہے ان کا خدا کامل نہیں ناقص ہے۔ و۱۱ جاہلی مذہبوں کے حکماء تک آخر جاہلی تھے! یونان کے نامی گرامی عقلاء وحکماء تک یہ کہہ گئے اور سکھلا گئے کہ علم باری صرف کلیات تک محدود رہتا ہے۔ جزئیات کو محیط نہیں ہوتا۔ اور مسیحیوں نے خیر نبوت کی برکت سے کھلم کھلا اس عقیدہ کو تو نہ مانا، تاہم مرعوب اس ”حکیمانہ“ تعلیم سے اچھے خاصے رہے۔ قرآن مجید نے للکار کر بتایا کہ یہ علم باری کا کمال نہیں، عین نقص ہوا، علم باری ہر حیثیت سے کامل ہے اور چھوٹی بڑی ہر چیز پر حاوی۔ الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ۔ آسمان اور زمین کے نام اس سلسلہ میں اس لئے دیئے گئے کہ علم انسانی کی وسعت گرفت انہی حدود کے اندر محدود ہے۔ ضمناً خطاب مسیحیوں سے بھی ہے کہ تم جو مسیح علیہ السلام کو خدا مانتے ہو تو بتاؤ ان کا علم کامل کہاں سے تھا اور خدا نے بندہ کی شکل اختیار کر کے کیسے اتنا بڑا نقص اپنے اندر گوارا کرلیا؟ و۱۲ (خواہ بغیر باپ کے بنائے خواہ باپ کی وساطت سے) قادر وہ ہر طرح اور ہر صورت سے ہے۔ باپ محض واسطۂ تخلیق ہوتا ہے اور خالق جس واسطہ کو جب چاہے ہٹادے۔ يُصَوِّرُكُمْ۔ میں خطاب عام ہے۔ سارے انسان مخاطب ہیں فِي الْاَرْحَامِ یعنی ماؤں کے رحم میں۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت بھی رحم مادر ہی میں بنی تھی۔ اُوپر ذکر اللہ کے علم کامل کا آچکا ہے۔ اب اشارہ اس کی قدرت کی طرف ہو رہا ہے کہ جس طرح اس کا علم کامل محیط کل وغیر محدود ہے اسی طرح اس کی قدرتِ تخلیق بھی غیر محدود و نامتناہی ہے۔ انسان کا اس کی حد بندی کی کوشش کرنا خود انسان کا جہل ہے۔ و۱۳ (نہ ذات کے لحاظ سے نہ صفات کے) پھر یاد دلادیا کہ کون اس کے معاملات تخلیق میں دخل دے سکتا ہے یا مشورہ کا حق رکھتا ہے وہ ذات پاک ہر اعتبار سے یکتا، بے شل اور بے مثال ہے۔ و۱۴ الْعَزِيْزُ۔ عزیز پر حاشیہ ابھی گزر چکا۔ خدائے تعالیٰ تخلیق کی ہر صورت پر یکساں قادر ہے۔ الْحَكِيْمُ۔ اسکی صفت حکمت کا اثبات ہے یعنی جو صورت جہاں قرین حکمت و مصلحت ہوتی ہے وہ وہی اختیار کرتا ہے۔ و۱۵ (اور وہی بہ طور معیار کے بن کر ان پر باقی کلام کو پیش کرنا چاہیے) مُحْكَمٰتٌ محکم قرآن مجید کی وہ واضح وصریح آیتیں ہیں جن کی دلالتیں متعین ہیں اور ان کے معانی میں کوئی خفا واشتباہ نہیں۔ المحکم مالایعرض فیہ شبھة من حیث اللفظ ولا من حیث المعنٰی (راغب) واضحة المعنی ظاھرة الدلالة محکمة العبارة محفوظة من الاحتمال والاشتباہ (روح) المحکمات فی اٰی القراٰن ما عرف تاویلہ و فھم معناہ و تفسیرہ (قرطبی عن جابر بن عبد اللہ والشعبی وسفیان الثوری) قال النحاس احسن ما قیل فی المحکمات ان المحکمات ما کان قائما بنفسہٖ لایحتاج ان یرجع فیہ الیٰ غیرہ (قرطبی) فالمراد بہ اللفظ الذی لا اشتراک فیہ ولا یحتمل عنہ سامعہ الامعنیً واحدًا (جصاص) اُمّ ہر شے کی اصل کو کہتے ہیں۔ یقال لکل ما کان اصلًا لوجود شئ او تربیتہٖ اواصلاحہٖ اومبدئہ اُمٌّ (راغب) ای اصلہ والعمدة فیہ یرد الیھا غیرھا (روح) یہاں اس حقیقت کو بیان کردیا کہ قرآن مجید میں جو آیتیں بالکل واضح و صاف ہیں جن سے ایک ہی معنیٰ نکلتے ہیں۔ وہی اصل مدار ومعیار ہیں۔ دوسری آیتوں کو جن کے کئی کئی معنیٰ ہوسکتے ہیں۔ انہیں پر پھر پیش کرنا چاہیے۔ فبیّن اللہ تعالیٰ ان القراٰن تشتمل علیٰ محکم وعلیٰ متشابہ والتمسک بالمتشابھات غیر جائز (کبیر) والامّ ھی التی منھا ابتداءہ و الیھا مرجعہ فسماھا اُمًّا فاقتضٰی ذٰلک بناء المتشابہ علیھا وردہٗ الیھا (جصاص) و۱۶ مُتَشٰبِهٰتٌ ایسے کلام کو کہتے ہیں جو دوسرے کلام سے ایسا ملتا جلتا ہو کہ باہم تفریق وتمیز مشکل ہو اور اس کی تعبیر وتفسیر میں مختلف پہلو نکلتے ہوں۔ ما اشکل تفسیرہ لمشابھتہ بغیرہ امامن حیث اللفظ اومن حیث المعنٰی (راغب) واما المتشابہ فھو ان یکون احد الشیئین مشابھا للاٰخر بحیث یعجز الذھن عن التمییز (کبیر) انما المتشابہ فی ھٰذہ الاٰیة من باب الاحتمال والاشتباہ وقیل ان المتشابہ مایحتمل وجوھا (قرطبی) المتشابھات لھن تصریف وتحریف

يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶﴾

وہ چاہتا ہے و۱۲ کوئی خدا نہیں بجز اس کے و۱۳ وہ بڑا زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے و۱۴

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ

وہ وہی (خدا) ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری ہے اس میں محکم آیتیں

مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ

ہیں اور وہی کتاب کا اصل مدار ہیں و۱۵ اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں و۱۶

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا

سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے (اسی حصہ کے) پیچھے ہو لیتے ہیں

تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ

جو متشابہ ہے و۱۷ شورش کی تلاش میں اور اس کے (غلط) مطلب کی تلاش میں و۱۸

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي

درآنحالیکہ کوئی اس کا (صحیح) مطلب نہیں جانتا بجز اللہ کے و۱۹ اور پختہ علم والے

الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ

کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان لے آئے (وہ) سب ہی ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے و۲۰

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۷﴾ رَبَّنَا لَا تُزِغْ

اور نصیحت تو بس عقل والے ہی قبول کرتے ہیں و۲۱ اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو

قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ

کج نہ کر بعد اس کے کہ تو ہمیں سیدھی راہ دکھا چکا اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت

رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ

عطا کر و۲۲ بے شک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے و۲۳ اے ہمارے پروردگار بے شک تو (تمام) لوگوں کو

وتاویل ابتلی اللہ فیهن العباد (قرطبی عن مجاہد وابن اسحٰق) و۱۷ (اور محکمات سے قطع نظر کر لیتے ہیں) اَلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ۔ کھلا ہوا اور براہ راست اشارہ ہے مسیحیوں کی جانب جنہوں نے اپنے پیمبروں کی صاف وواضح وصریح ہدایات توحید کو پس پشت ڈال کر ان کی بعض تشبیہات کو توڑ مروڑ کر اصل قرار دے لیا تھا لیکن الفاظ عام ووسیع ہیں۔ ہر کج راہ وکج رو، ہر زندیق وصاحب بدعت اس کے تحت میں آجاتا ہے۔ هذه الاية تعم كل طائفة من كافر وزنديق و جاهل وصاحب بدعة وان كانت الاشارة بها فى ذلك الوقت الى نصارى نجران (قرطبی) هم اهل البدع (مدارک) محققین نے اہل اسرار کے باب میں تصریح کردی ہے کہ ان سے اگر ایسا کلام منقول ہو جو اپنی ظاہری صورت میں شریعت کے مطابق نہ ہو، تو سلامتی اس میں ہے کہ نہ اس کلام کے ظاہر کو قبول کیا جائے اور نہ ان اشخاص ہی سے انکار کر دیا جائے۔ و۱۸ (تاکہ عقائد واحکام کے باب میں اس کلام سے اپنی گمراہیوں کی سند حاصل کریں) جن کے دلوں میں حق طلبی، حق جوئی وتلاش صداقت نہیں ہوتی وہ اس ادھیڑ بن میں لگے رہتے ہیں کہ دین میں کوئی نہ کوئی فتنہ برپا کریں اور بجائے اس کے کہ خود دین کی راہ پر چلیں، دین کو اپنی راہ پر چلانا چاہتے ہیں اور یہ لوگ نصوص کلام الٰہی کو توڑنے مروڑنے میں کوئی باک نہیں رکھتے۔ جیسا کہ آجکل بھی ہر فرقۂ باطل کی تاویلات میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ الفتنة هى الكفر والضلال فى هذا الموضع (جصاص) اِبْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ۔ اس غلط تعبیری میں بھی یہ لوگ مخلص نہیں۔ مقصود ہی ان کا عوام مسلمین کو تشویش میں ڈالنا اور وحدت دین میں رخنہ پیدا کرنا ہے۔ طلبًا للتشكيك فى القران واضلال العوام كما فعلته الزنادقة والقرامطة (قرطبی) وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ۔ یعنی تاکہ اس کے غلط سلط معنی اپنی مرضی کے موافق تراش لیں۔ تاویل یہاں تحریف کے مرادف ہے، اى تحريفه على مايريدون (ابن کثیر) الاضافة فى تاويله للعهد اى بتاويل مخصوص وهو مالم يوافق المحكم بل ماكان موافقا للتشهى (روح) والمراد منه انهم يطلبون التاويل الذى ليس فى كتاب الله عليه دليل ولا بيان (کبیر) اى التاويل الذى يشتهونه (مدارک) و۱۹ (اور وہی جس کو جتنا چاہے بتلا دے۔ چاہے نصوص قرآنی ہی سے اشارۃً یا دلالۃً یا اقتضاءً۔ چاہے اقوال رسول ﷺ سے صراحۃً) و۲۰ پس سارے کا سارا حق ہے۔ اور متشابہات کے معنی جو کچھ بھی ہوں بہرحال حق ہیں) الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ یعنی علم دین پختہ اور صاحبان عقل سلیم۔ اکثر محققین کا مذہب یہ ہے کہ وقف تام وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ پر ہے اور الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ سے دوسرا جملہ شروع ہوتا ہے۔ جس کی خبر يَقُوْلُوْنَ ہے قرطبی نے صحابہ وتابعین میں حضرت عائشہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود، عروۃ بن زبیر، ابی بن کعب رضی اللہ عنہم، اور عمر بن عبدالعزیز کا اور ائمہ لغت ونحو میں کسائی اور اخفش اور فراء اور ابوعبید کا مذہب یہی بتلایا ہے اور حنفیہ بھی عموماً اسی کے قائل ہوئے ہیں۔ وهو الذى ذهب اليه الحنفية (روح) والوقف عند الجمهور على قول الا الله (مدارک) بلکہ اکثر صحابہ وتابعین اور محققین اہل سنت کا یہی مذہب ہوا ہے هو مذهب الاكثرين من اصحاب رسول الله والتابعين واتباعهم خصوصًا اهل السنة وهو اصحّ الروايات عن ابن عباس (روح) رسوخ کے معنی مضبوط ہو جانے اور جڑ جم جانے کے ہیں۔ الرسوخ الثبوت فى الشئ كل ثابت راسخ (قرطبی) تو الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ وہ ہوئے جن کے دلوں میں دین کے حقائق ثبت ہو چکے ہیں۔ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا خواہ اس کے بعض حصوں کے معنی بالکل ظاہر وواضح ہوں اور خواہ اس کے بعض حصوں کے مفہوم میں خفا واشتباہ ہو تقدیر کلام یوں ہے۔ كله من عند ربنا اور کلہ میں ضمیر کتاب اللہ کی طرف ہے۔ و۲۱ (جو دین کے باب میں عقل وفہم سے کام لیا کرتے ہیں) بیان فہم سلیم رکھنے والوں کی عام ہے کہ ان لوگوں نے جب قرآن کے مجموعہ اور کل کو کلام الٰہی مان لیا، تو اب اس کے کسی حصے سے متعلق بھی بے اعتقادی اور ریب دل میں نہیں لاتے۔ و۲۲ یعنی ہم کو اس صراط مستقیم پر قائم رکھ اور ہمارا حال کہیں یہود ونصاریٰ کا سا نہ ہو جائے، جو کتاب ونبوت کے بعد بھی گمراہ ہو گئے۔ یہ ساری دعا الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کی زبان سے ہے۔ یعنی علم دین میں پختہ کاروں کی زبان سے۔ یہ لوگ اپنے رسوخ فی العلم اور پختہ کاری پر نازاں نہیں ہوتے بلکہ اس نعمت کے زوال سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں۔ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً۔ انہیں خود اپنے کسی عمل پر ناز یا دعویٰ نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہتے کہ ہمیں ہمارے حسن عمل کے انعام میں راہ راست پر قائم رکھ بلکہ کہتے ہیں کہ محض اپنے فضل وکرم لطف وعنایت سے راہ ہدایت پر مستقیم رکھ۔ اى من عندك ومن قبلك فضلًا لا عن سبب بيّن ولا عمل (قرطبی) گویا اس میں ادب دعا کی تعلیم بھی آگئی۔ رَحْمَةً کا صیغۂ نکرہ اس کی عظمت اور بڑائی کے لئے ہے۔ وتنوينه للتفخيم (روح) و۲۳ (تو ایسے کے لئے اس درخواست کا قبول کر لینا مشکل کیا ہے) مفسر قرطبی نے کہا ہے کہ جاہل صوفیہ اور باطنیہ زنادقہ نے اس آیت سے یہ من گھڑت مسئلہ نکالا ہے کہ علم وہی ہے جو اللہ کی طرف سے محض وہبی ہو، کسبی نہ ہو اور علم کتابی حجاب کے حکم میں ہے۔

و۲۴ (اس لئے قیامت کا آنا برحق اور بندوں کو اس کی یاد اور اس کا اہتمام ضروری) مومنین، کاملین کی یہ دعائیں خوف آخرت سے ہوتی ہیں، کسی مادی دنیوی غرض سے نہیں۔ جَامِعُ النَّاسِ یعنی لوگوں کی موت کے بعد اٹھانے والا اور اکٹھا کرنے والا۔ اى باعثهم و محييهم بعد تفرقهم (قرطبی) و۲۵ (جیسا کہ بعض جاہل قوموں اور فرقوں نے گمان کر رکھا ہے) جاہلی قوموں کے عجیب عجیب معتقدات میں سے یہ عقیدے بھی ہیں کہ خدا کے لئے جائز ہے کہ وعدہ کر کے بھول جائے یا وعدہ کا ایفاء اسے خلافِ مصلحت نظر آئے اور اس لئے اسے وہ ٹال جائے۔ اور افسوس ہے کہ بعض مسلمان کہلانے والے فرقوں نے ان خرافات میں ان کی تقلید شروع کر دی ہے۔ خلف وعید کا مسئلہ جو اہل سنت کے ہاں ہے وہ اس سے بالکل الگ ہے اور اس سے حق تعالیٰ کی شان میں کوئی منقصت نہیں نکلتی بلکہ عظمت و کرمت کچھ اور بڑھ ہی جاتی ہے۔ و۲۶ اَلنَّارِ۔ یعنی آتش جہنم۔ جہنم کے عذاب آتشیں پر توریت و انجیل کے حوالہ پارہ اول میں گزر چکے۔ آیہ کریمہ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ کے تحت میں۔ مِنَ اللّٰہِ۔ یعنی عذاب الٰہی سے نہ بچا سکیں گے۔ اے من عذاب اللہ (قرطبی) لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ۔ جاہلی قوموں کا ایک عقیدہ یہ بھی رہا ہے کہ اولاد اگر مرے ہوئے ماں باپ کی طرف سے دان پُن کر دے تو والدین کی نجات ہو جائے گی خواہ وہ ایمان سے محروم ہی دنیا سے اٹھے ہوں۔ و۲۷ (مجرموں اور باغیوں کو) ذُو انْتِقَامٍ پر حاشیہ ابھی گزر چکا ہے۔ اسے بھی ملاحظہ فرما لیا جائے۔ اللہ کوئی بے بس اور ہمہ عجز مہاتما نہیں کہ بندوں کو ہر طرح کے ظلم و عدوان کا

النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا

جمع کرنے والا ہے اس دن جس کے وقوع میں (ذرا) شک نہیں، و۲۴ بے شک اللہ اپنے وعدہ کے

يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ

خلاف نہیں جاتا، و۲۵ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا۔ ان کے

ع ۹

عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ

مال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام

شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ﴿١٠﴾ كَدَأْبِ

نہ آئیں گے اور یہی لوگ آگ کے ایندھن ہوں گے و۲۶ جیسا کہ معاملہ

آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا

فرعون والوں کے ساتھ ہوا اور ان سے قبل والوں کے ساتھ انہوں نے ہماری

بِآيَاتِنَا ۚ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ

نشانیوں کو جھٹلایا سو اللہ نے ان کی گرفت کی ان کے گناہوں کے باعث اور اللہ

شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١١﴾ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ

بڑا سخت سزا دینے والا ہے و۲۷ آپ (ان) کفر والوں سے کہہ دیجیے کہ تم عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے

وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٢﴾ قَدْ

اور جہنم کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانا ہے و۲۸ بے شک

كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ

تمہارے لئے ایک نشانی (ان) دو گروہوں میں ہے جو باہم مقابل ہوئے ایک گروہ اللہ کی راہ میں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ

لڑ رہا تھا اور دوسرا کافر و۲۹ یہ اپنے کو کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے ان سے

مرتکب دیکھے اور پھر دم نہ مارے۔ وہ جب سزا دینے ہی پر آ جاتا ہے تو سب کو پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی گرفت اس کی گرفت سے شدید تر و الیم تر نہیں۔ کَدَاْبِ۔ داْب کے معنی حالت یا معاملہ کے ہیں۔ الداب العادة والشان۔ (قرطبی) یہ مثلیت بے سود ہونے میں ہے۔ گویا تاریخ سے استشہاد ہے کہ جس طرح ماضی میں فرعونیوں کے کام ان کا مال اولاد کچھ نہ آ سکا۔ اور عذاب الٰہی سے انہیں کوئی چیز نہ بچا سکی، اسی طرح ان کافروں کے حق میں بھی یہ سارے مادی سہارے بالکل عبث ولا حاصل ثابت ہوں گے۔ اٰلِ فِرْعَوْنَ۔ فرعون اور فرعونیوں پر مفصل حاشیے پارۂ اول میں گزر چکے۔ فرعونیوں کی ہلاکت کے ذکر میں ایک مناسبت یہ بھی ہے کہ ان کی ہلاکت مسیحیوں کو مسلم تھی اور سورہ کا روئے سخن خاص طور پر مسیحیوں ہی کی جانب ہے اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یعنی وہ نافرمان قومیں جو عہد موسوی سے بھی قدیم تر ہوئی ہیں۔ اٰیٰتِنَا۔ یہ نشانیاں خواہ آسمانی صحیفوں اور نوشتوں کی صورت میں ہوں یا معجزات و خوارق نبوت ہوں یا دلائل توحید ہوں۔ يحتمل ان يريد الأيات المتلوة ويحتمل ان يريد الأيات المنصوبة للدلالة على الوحدانية (قرطبی) اما المتلوة فى كتاب الله تعالىٰ او العلاماتِ الدالة علىٰ توحيد الله تعالىٰ و صدق انبيآئه (روح) فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ۔ اور انہیں ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں مع ان کی ساری عظمت و شوکت کے نیست و نابود کر دیا۔ خطاب دین حق سے بغض و عناد رکھنے والوں سے رسول کے واسطہ سے ہے۔ و۲۸ تُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ کا تعلق تو ظاہر ہے کہ آخرت ہی سے ہے۔ سوال آیت کے وعید اول سَتُغْلَبُوْنَ سے متعلق ہے کہ دشمنانِ دین کی اس مغلوبیت و مقہوریت کا تحقق کہاں ہوگا؟ آخرت میں تو خیر ہو ہی گا لیکن آیا اس کے قبل اہل حق کے ہاتھوں میں اس دنیا میں بھی؟ اہل تفسیر نے بالاتفاق اس کا جواب اثبات میں دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ اس کا وقوع عنقریب اس دنیا میں ہوگا۔ چنانچہ ہوا اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ باقی یہ کہ اس سے کافروں کا کون سا گروہ متعین طور پر مراد ہے بعض نے پیشگوئی کا مصداق بدر میں حکومت مکہ کی ہزیمت کو ٹھہرایا ہے۔ المراد مشركى مكة (معالم عن مقاتل) قل لمشركى مكة ستغلبون يعنى يوم بدرٍ (بیضاوی) قيل نزلت فى قريش قبل بدر بسنتين (بحر) لیکن اکثر نے مدینہ میں یہود کے پرقوت جتھوں اور جرگوں کی شکست و پامالی مراد لی ہے۔ يعنى اليهود اى تهزمون (قرطبی، عن ابن عباس) فالمراد من الموصول اليهود (روح) سَتُغْلَبُوْنَ میں س قرب وقوع کے لئے ہے یعنی اس دنیا میں اس کا مشاہدہ ہو کر رہے گا۔ والسين لقرب الوقوع اى تغلبون عن قريب واريد منه فى الدنيا (روح) لیکن بہتر یہ ہوگا کہ لفظ کے اطلاق کو عام رکھا جائے اور یہود و مشرکین جو بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد میں مسلمانوں کے ہاتھ خوار و مغلوب ہوئے، سب کو آیت کا مصداق یکساں ٹھہرایا جائے۔ والظاهران الذين كفروا يعم الفريقين المشركين واليهود وكل قد غلب بالسيف والجزية والذلة و ظهور الدلائل والحجج (بحر) بہرحال قرآنی پیشگوئی کا اعجازی رنگ ہر صورت میں عیاں ہے نزول آیت کے وقت مسلمانوں کی بے بسی بے سروسامانی و زبوں حالی دیکھ کر کوئی بھی انسانی دماغ یہ پیشگوئی نہیں کر سکتا تھا کہ حکومت مکہ یا دولت یہود کسی سے بھی یہ ایسی زبردست ٹکر لے سکتے ہیں۔ و۲۹ (میدان بدر میں ۸ نبوی ۲ ہجری میں) اٰیَۃٌ۔ نشان اللہ کی قدرت و کارسازی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا) فِیْ فِئَتَیْنِ۔ یعنی دو گروہوں کے واقعہ میں۔ ایک گروہ مومنین بے سروسامان، دوسرا گروہ مشرکین باسروسامان کا۔ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ یہ گروہ مومنین کا تھا۔ تعداد میں قلیل اور سامان میں حقیر۔ تعداد میں کل ۳۱۳ تھے اور وہ بھی بغیر سامان حرب کے۔ اونٹ اتنے کم کہ چار چار پیادوں کے حصہ میں ایک ایک پڑتا تھا۔ گھوڑے لشکر بھر میں کل دو۔ آہنی زرہیں اتنے آدمیوں میں کل سات۔ وَاُخْرٰی كَافِرَةٌ۔ یہ لشکر حکومت مکہ کا تھا۔ تعداد میں مسلمانوں سے سہ چند تھا۔ یعنی ۹۵۰ افراد پر مشتمل۔ قریش کے بہترین سواروں کے زیر قیادت اور ہر ضروری سامان سے آراستہ شتر سوار ان میں ۷۰۰ تھے اور سب سوار زرہ پوش ۱۰۰ تھے۔

رَاْیَ الْعَیْنِ ؕ وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ

(یعنی مسلمانوں سے) کئی گنا ف۳۰ اللہ اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے مدد کر دیتا ہے، ف۳۱ بے شک

فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ زُیِّنَ لِلنَّاسِ

اس (واقعہ) میں اہل بصیرت کے لیے (بڑا) سبق ہے ف۳۲ لوگوں کے لیے خوشنما کر دی گئی ہے

حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ

مرغوبات کی محبت (خواہ) عورتوں سے ہو یا بیٹوں سے یا ڈھیر

الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ

لگے ہوئے سونے اور چاندی سے یا نشان پڑے ہوئے

الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ

گھوڑوں سے یا مویشیوں سے یا زراعت سے ف۳۳ یہ (سب) دنیوی زندگی کے

الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

سامان ہیں ف۳۴ اور حسن انجام تو اللہ ہی کے پاس ہے ف۳۵

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا

آپ کہیے کہ کیا میں تمہیں ایسی چیز کی خبر دوں جو ان (چیزوں) سے (کہیں) بہتر ہے، ف۳۶ جو لوگ ڈرتے رہتے ہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس باغ ہیں کہ ان کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہیں

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ

ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں ف۳۷ اور صاف ستھری کی ہوئی بیویاں ہوں گی ف۳۸ اور اللہ کی خوشنودی

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ ۚ اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ

ہوگی ف۳۹ اور اللہ اپنے بندوں کا خوب دیکھنے والا ہے ف۴۰ (یہ وہ لوگ ہیں) جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار

ف۳۰ (لیکن یہ کثرتِ تعداد پھر بھی کچھ کام نہ آئی اور آخر کار ذلت وشکست لشکر مکہ ہی کو نصیب ہوئی) یَرَوْنَهُمْ رَاْیَ الْعَیْنِ۔ یعنی یہ محض وہم وخیال نہ تھا بلکہ واقعۃً مشاہدہ کر رہے تھے۔ رؤیۃ آیت میں رؤیت چشم کے لئے ہے۔ قال ابو علی الرؤیة فی الآیة رؤیة عین ولذلک تعدت الی مفعولٍ واحدٍ (قرطبی) یعنی رویة ظاهرة مکشوفة (کشاف) یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ۔ کون کس کو کئی گنا دیکھ رہے تھے؟ سوال کے جواب یا ضمیروں کی تعیین میں اہل تفسیر کے درمیان شدید اختلاف ہے اور بالکل بلا دلیل قول کسی کا بھی نہیں۔ سب سے اسلم واحوط قول مفسر تھانوی کا نظر آتا ہے۔ جنہوں نے یَرَوْنَهُمْ میں فاعل اور مفعول دونوں کی ضمیریں کافروں کی طرف پھیری ہیں۔ اور مِّثْلَیْهِمْ میں هم سے مراد مومنین سے لی ہے۔ مِثْلَیْنِ۔ سے مراد دو چند بھی لی گئی ہے اور سہ چند بھی اور مطلق کثرت تعداد بھی بغیر کسی عدد خاص کے تعین کے۔ زعم الفراء ان معنی یرونهم مثلهم ثلاثة امثالهم (بحر) المراد بالمثلین مطلق الکثرة لاخصوص المثلین (جمل) ف۳۱ (چنانچہ اس موقعہ پر اس کی مشیت نصرت مومنین سے متعلق ہوگئی اور کافروں کے کام نہ ان کی تیاریاں آسکیں نہ کثرتِ تعداد) مَنْ یَّشَآءُ۔ اس کی تائید اس عالم ابتلاء میں مصالح تکوینی کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ ف۳۲ (یعنی بڑا سبق ہدایت کا ان لوگوں کے لئے ہے جو بصیرت سے کام ہی لیتے رہتے ہیں۔ عِبْرَةً۔ تنوین عظمت کے لئے ہے یعنی ہدایت وبصیرت کا بہت بڑا سبق۔ التنوین للتعظیم ای عبرة عظیمة کائنة (روح) ف۳۳ اور انہی کی محبت اکثر افراد میں حدود جائز سے تجاوز کر کے معصیت کا سبب بن جاتی ہے۔ حُبُّ الشَّهَوٰتِ۔ شہوات یہاں مشتہات کے معنی میں ہے۔ یعنی مرغوب ودلپسند چیزیں۔ وقد یسمّی المشتهی شهوة (راغب) جعل الاعیان التی ذکرها شهوات مبالغة فی کونها مشتهاة (کشاف) مِنَ النِّسَآءِ الخ ان مرغوبات کے نام صرف مثال اور نمونہ کے طور پر لے دیئے گئے ہیں۔ ان میں حصر مراد نہیں۔ زُیِّنَ لِلنَّاسِ۔ یہ صراحت ہے اس باب میں کہ انسان کی نظر میں ان چیزوں کی رغبت وکشش بہ طور امر طبعی کے ہے۔ اور بذات خود معصیت نہیں۔ انسان ان کے شوق کے ازالہ کا مکلف نہیں صرف انہیں عقل سلیم واحکام شریعت کے ماتحت کر کے رکھنا چاہیے۔ ف۳۴ (سو اس حقیقت کو سمجھ کر ان کی محبت جائز حدود کے اندر محدود رکھنی چاہیے) مَتَاعُ کہتے ہی اس چیز کو ہیں جس سے کسی حیثیت سے کچھ مدت کے لئے نفع حاصل کیا جائے۔ کل ماینتفع به علی وجهٍ مافهو متاع (راغب) والمتاع انتفاع عندالوقت (راغب) مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ مقصود یہ ہے کہ یہ اور اس قسم کی ساری چیزیں بہت زیادہ دل لگانے کے قابل نہیں۔ البتہ دنیوی زندگی برتنے میں مفید ومعین یقیناً ہیں۔ سو ان کی قدر اسی حد تک کرنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ یہ مقاصد حیات بن جائیں۔ دنیا خود ہی فانی ہے اور اس کے یہ سارے ساز وسامان بھی فانی۔ والمعنی تحقیر امر الدنیا والاشارہ الی فنائها وفناء ما یستمتع به فیها (بحر) ف۳۵ (سو دائمی اور غیر فانی راحت کے لئے فکر واہتمام صرف اللہ کی رضا کا رکھنا چاہیے اس کے آگے دنیا کی آنی وفانی بڑی سے بڑی لذت بھی بے بساط ہی ہے) و معنی الآیة تقلیل الدنیا و تحقیر ها والترغیب فی حسن المرجع الی الله فی الاٰخرة (قرطبی) ف۳۶ (کیا بہ لحاظ کیفیت، کیا بہ لحاظ کمیت اور کیا بہ لحاظ قیام ودوام) خطاب عام انسانوں سے۔ رسول علیہ السلام کے واسطہ سے ہے۔ ذٰلِكُمْ۔ یعنی یہ چیزیں جو سرتاسر بے ثبات وبے حقیقت ہیں۔ ف۳۷ اَلَّذِیْنَ اتَّقَوْا یعنی جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں۔ خوف خدا پر رحمت الٰہی کے مرتب ومتوجہ ہونے کا ذکر قرآن مجید ہی میں نہیں اگلے صحیفوں میں بھی بار بار آیا ہے۔ چنانچہ توریت کے حوالہ پارۂ اول کے حواشی میں گزر چکے۔ مسیحیوں کے مقدس نوشتے بھی خوف وخشیت کے ذکر سے خالی نہیں۔ ”اور اس کا رحم ان پر جو اس سے ڈرتے ہیں پشت در پشت رہتا ہے (لوقا ۱:۵۰) ”آؤ اپنے آپ کو ہر طرح کی جسمانی آلودگی سے پاک کر دیں اور خدا کے خوف کے ساتھ پاکیزگی کو کمال تک پہنچائیں“۔ (۲۔ کرنتھیون۔ ۷:۱) ”وہ وقت آپہنچا ہے کہ بڑے بڑے نبیوں اور مقدسوں اور ان چھوٹے بڑوں کو جو تیرے نام سے ڈرتے ہیں، اجر دیا جائے۔ ف۳۸ (ان کے لئے جنت میں) مُطَهَّرَةٌ۔ پاک صاف کی ہوئی ہر جسمانی آلودگی ونجاست سے۔ قرآن مجید نے بار بار اس پر زور دیا ہے کہ اہل جنت کے لئے راحت ولذت کا سامان ہر قسم کا ہوگا مادی لطف کا بھی، ذہنی لطف کا بھی، روحانی لطف کا بھی، پھر اگر انہیں وہاں بیویاں بھی عنایت ہوں، ہر طرح پاک صاف اور لطف ازدواجی بھی پوری طرح اٹھانے کا موقع ملے، تو اس میں ”روشن خیالی“ کے شرمانے کی کونسی بات ہے؟ ف۳۹ (جو حاصل اور عطر ہے ساری نعمتوں ولذتوں، راحتوں کا) رِضْوَانٌ۔ کی تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے) ای رضا عظیم علی مایشعر به التنوین (روح) ف۴۰ (اور ان کے احوال، اقوال، اعمال کے ایک ایک جزئیہ سے پوری طرح خبردار ہے) پس اس کا احتمال ہی نہیں کہ کوئی چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی حساب یا صدور جزائے سے رہ جائے۔

اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾

ہم یقیناً ایمان لے آئے سو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا دے ۴۱

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ

(یہ) صبر کرنے والے ہیں اور راستباز ہیں اور فروتنی کرنے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ

اور پچھلی رات میں گناہوں سے بخشش چاہنے والے ہیں ۴۲ اللہ کی گواہی ہے کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا

کوئی معبود نہیں ہے بجز اس کے اور فرشتوں اور اہل علم کی (بھی گواہی یہی ہے ۴۳) اور وہ عدل سے انتظام رکھنے والا

بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾ اِنَّ

معبود ہے، ۴۴ کوئی معبود نہیں ہے بجز اس زبردست حکمت والے کے ۴۵ یقیناً

الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ

دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے ۴۶ اور جو اختلاف کیا اس میں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا

اہل کتاب نے سو وہ آپس کی ضد سے کیا بعد اس کے کہ انہیں صحیح علم پہنچ

بَيْنَهُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

چکا تھا ۴۷ اور جو اللہ کی آیتوں سے انکار کرے گا سو اللہ یقیناً جلد حساب لینے

الْحِسَابِ ﴿١٩﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ

والا ہے ۴۸ پھر اگر یہ لوگ آپ سے حجت کئے جائیں ۴۹ تو خیر آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنا رخ

وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۭ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا

اللہ کی طرف کر چکا اور جو میرے پیرو ہیں (وہ بھی) ۵۰ اور آپ

ف۴۱ یہ کہنے والے کون ہیں؟ وہی ہوتے ہیں جن کا ذکر اَلَّذِیْنَ اتَّقَوْا کے ماتحت چل رہا ہے۔ یہ اپنے اعمال واحوال پر نازاں ہونا الگ رہا لئے فرط خشیت وہیبت سے اپنی مغفرت وحسن خاتمہ کے لئے مناجات کرتے رہتے ہیں اٰمَنَّا۔ یعنی ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی شریعت پر ایمان لے آئے۔ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا۔ ایمان پر معاً طلب مغفرت کو مرتب کرتے ہیں نکتہ یہ ہے کہ مغفرت میں اصل حائل عدم ایمان ہی تو ہوتا ہے۔ جب یہ مانع رفع ہو گیا تو اب کیا ہے۔ اب ہماری باقی خطاؤں، لغزشوں کو تو معاف کر ہی دیجئے۔ ایمان بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی انتہائی اہمیت اس آیت سے ظاہر ہو رہی ہے۔ امام المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر بہت خوب تقریر کی ہے۔ ذٰلک یدل علٰی انھم توسلوا بمجرد الایمان الٰی طلب المغفرة واللہ تعالٰی حکٰی ذٰلک عنھم فی معرض المدح لھم والثناء علیھم فدل ھٰذا علٰی ان العبد بمجرد الایمان یستوجب الرحمة والمغفرة من اللہ تعالٰی (کبیر) اور انہی کی پیروی صاحب بحر وصاحب روح نے بھی کی ہے۔ ف۴۲ بِالْاَسْحَارِ۔ سحر نام اس وقت کا ہے جب رات کی تاریکی صبح کی روشنی سے مل رہی ہو۔ السحر والسحرة اختلاط ظلام اٰخر اللیل بضیاء النھار وجعل اسمًا لذٰلک الوقت (راغب) آخر شب کی خصوصیت اس لئے ہے کہ وہ وقت خاص طور پر دلجمعی اور روحانی قوی کی بیداری وبالیدگی کا ہوتا ہے اور نفس پر اس وقت کا اٹھنا شاق بھی زاید ہوتا ہے۔ اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ۔ یعنی صبر کرنے والے اور راستی برتنے والے اپنے سارے معاملات میں۔ اَلْقٰنِتِیْنَ۔ یعنی فروتنی کرنے والے اللہ کے حضور میں۔ اَلْمُنْفِقِیْنَ یعنی خرچ کرنے والے اللہ کی راہ میں۔ عارفوں نے کہا ہے کہ یہ تمام صفات اولیاء اللہ کے ہوتے ہیں۔ ف۴۳ (اس لئے شرک ہر درجہ اور نوعیت کا باطل ہے) شَهِدَ اللّٰهُ۔ اللہ کی یہ گواہی کتب آسمانی سے بھی ظاہر ہو رہی ہے۔ اور صحیفہ کائنات سے بھی۔ ومن وحدانیتہ ینسب الدلائل الدالة علیھا وانزال الاٰیات القاطعة بھا۔ (بیضاوی) کتب الٰہی کی شہادت دلیل نقلی کا حکم رکھتی ہے۔ اور مصنوعات فطرت کی دلالت دلیل عقلی کا۔ اَلْمَلٰٓئِکَةُ۔ یہ وہی مخلوق ہے جسے اکثر مشرک قومیں دیوتا کا لقب دے کر شریک خدائی سمجھ رہی ہیں۔ اُولُوا الْعِلْمِ ''علم'' سے مراد علم حقایق ہے نہ کہ علوم دنیوی۔ محققین نے آیت سے علماء کا خاص شرف وفضل نکالا ہے۔ فی ھٰذہ الاٰیة دلیل علٰی فضل العلم و شرف العلماء فانہ لو کان احد اشرف من العلماء لقرنھم اللہ باسمہ واسم ملٰئکتہ کما قرن اسم العلماء (قرطبی) ف۴۴ (ساری کائنات کا) قَآئِمًا بِالْقِسْطِ۔ عدل سے مراد ہے کہ ہر شے اپنے محل مناسب میں ہو۔ بعض جاہل قوموں نے خدا کا وجود تو تسلیم کیا ہے لیکن وجود معطل یا ایسی صفات سے موصوف ہے جو کمالاتِ الٰہیہ کے منافی ہیں۔ اسلام کا خدا، خدائے معطل نہیں، منتظم ہے، کارساز ہے، ہر ایک کا اور ہر کام بنانے والا ہے۔ ف۴۵ اَلْعَزِیْزُ۔ وہ جس کی قوت سب پر غالب ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں۔ اَلْحَکِیْمُ۔ وہ جس کی حکمت سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ دونوں صفات کے اثبات سے مقصود یہ ہے کہ اسے نہ قوت کے لحاظ سے اور نہ علم وحکمت سے کسی شریک کی ضرورت ہے۔ ف۴۶ (نہ کہ مطلقاً ہر وہ چیز جسے دین کے نام سے موسوم کر دیا جائے) یہ ردّ ہے بادشاہ اکبر اور دوسرے بددینوں کے اس عقیدہ کا، کہ ہر دین دین حق ہے، اور ہر مسلک خدا ہی کی راہ ہے۔ اور دیر وحرم کفر وایمان میں فرق صرف لفظی واصطلاحی ہے۔ خط مستقیم حقیقت یہ ہے کہ دو نقطوں کے درمیان صرف ایک ہی ممکن ہے باقی سب خطوط منحنی وکج ہوں گے، راہ مستقیم خدا اور بندے کے درمیان صرف ایک ہی ہے۔ اور اسلام ہے جو انبیاء وہادیانِ حق کا دین ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔ اَلدِّیْنَ۔ یعنی دین مقبول اَلدِّیْنَ اور اَلْاِسْلَامُ دونوں کا معرفہ ہونا حصر کے معنی دے رہا ہے یعنی دین مقبول صرف یہی ہے۔ وتعریف الجزئین للحصر ای لادین مرضی عنداللہ تعالٰی سوی الاسلام (روح) ف۴۷ (نہ کہ کسی اجتہاد فکری اور اختلاف فہم کی بنا پر) یہاں پھر ایک بار اسے کھول کر بیان کر دیا ہے کہ اہل کتاب کا راہ حق سے انحراف کسی خطاء اجتہادی کی بناء پر نہیں، نفسانیت وہوا پرستی کی بنا پر ہے۔ یہود پہلے سے بھی یہی کہتے چلے آ رہے تھے کہ راہ حق ہماری راہ ہے۔ اس لئے کہ فلاں فلاں بزرگ ہمارے مورث ہوئے ہیں اور سرور کائنات ﷺ کے زمانہ میں بھی ان کا کہنا یہ تھا کہ نبوت تو اسرائیلیوں کا حق رہی ہے۔ یہ نعمت ایک اسمٰعیلی کے حصہ میں کیونکر جا سکتی ہے؟ بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ۔ یعنی نفسانفسی اور ضد وم ضدی آپس میں بھی اور دین حق سے بھی۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ یعنی ان پر دین حق کی تبلیغ پوری طرح ہو چکی اور دین برحق کی حقانیت وصداقت کے دلائل واضح انہیں پہنچ چکے۔ ف۴۸ (اور حساب کا جو انجام منکرین ومعاندین کے حق میں ہونے والا ہے، بالکل ظاہر ہے) ف۴۹ (خواہ مخواہ از راہ عناد اور پوری تبلیغ کے بعد بھی) اشارہ اہل کتاب کی جانب عموماً ہے اور نصرانیوں کی جانب خصوصاً۔ حَآجُّوْکَ۔ ای جادلوک بالاقاویل المزورة والمغالطات (قرطبی) ف۵۰ (اب تم مانو یا نہ مانو۔ تمہیں اختیار ہے) اَسْلَمْتُ وَجْھِیَ لِلّٰهِ۔ پورا رخ اللہ کی جانب کر لینا مترادف ہے اسلام کے یعنی میں اپنا سب کچھ اللہ کے سپرد کر چکا۔ وَمَنِ اتَّبَعَنِ۔ میں ہو سکتا ہے کہ و عطف کا نہ ہو، بلکہ مع کا مرادف ہو۔ (ویجوز ان یکون الواو بمعنی مع (کشاف) اہل طریق نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جب وضوح حق کی پوری کوشش ہو لے اور مخاطب پھر بھی قبول نہ کرے

ف۵۱ ءَاَسْلَمْتُمْ کے ایک صاف اور صریح معنی تو وہی ہیں جو متن ترجمہ میں درج ہو چکے ہیں، لیکن بعض اہل علم نے صیغہ امر میں معنی "اسلام لاؤ" کے بھی لئے ہیں۔ اور نحویین نے کہا ہے کہ الف استفہام کبھی امر کے بھی معنی دیتا ہے۔ بلکہ امر کے معنی میں زور اور زیادہ پیدا کر دیتا ہے۔ المقصود منه الامر (کبیر) قال النحویون انما جاء الامر فی صورة الاستفهام (کبیر) استفہام کی صورت میں بھی استفسار محض مراد نہیں بلکہ مقصود تہدید ہے جیسے اردو محاورہ میں بھی تہدید کے موقع پر کہتے ہیں۔ "کیوں جی۔ سنتے ہو کہ نہیں"۔ قال الزجاج ء اسلمتم تهدید وهذا حسن لان المعنی ء اسلمتم ام لا (قرطبی)

الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ

اہل کتاب سے اور اُمیوں سے دریافت کیجیے کہ تم اسلام لاتے ہو ف۵۱ سو اگر وہ اسلام لے آئیں تو بس

اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ

راہ ہدایت پر آ گئے ف۵۲ اور اگر وہ روگردان رہے تو آپ کے ذمہ تو صرف تبلیغ ہی ہے ف۵۳ اور اللہ

بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰ ع اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ

اپنے بندوں کا خوب دیکھتے رہنے والا ہے ف۵۴ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں سے

اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ

انکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو ناحق قتل کر ڈالتے ہیں ف۵۵ اور ان لوگوں کو

الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْھُمْ

جو عدل کا حکم دیتے ہیں انہیں قتل کر ڈالتے ہیں بس آپ انہیں عذاب دردناک کی

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۱ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ

خوشخبری سنا دیجیے ف۵۶ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۲۲

اور آخرت میں اکارت گئے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا ف۵۷

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب الٰہی سے حصہ دیا گیا تھا

يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَھُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى

انہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر ان میں سے ایک فریق

فَرِيْقٌ مِّنْھُمْ وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۲۳ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ

بے رخی کرتا ہوا منہ پھیر لیتا ہے ف۵۸ یہ اس سبب سے کہ یہ لوگ

وَالْاُمِّيّٖنَ۔ مطلقاً ان پڑھ یا کتب سماوی سے لاعلم و نابلد۔ مراد بہر صورت مشرکین مکہ ہیں۔ الامی هوالذی لایکتب ولایقرء من کتاب (راغب) ای الذین لاکتاب لهم (ابن جریر) الذین لاکتاب لهم وهو مشرکوا العرب (قرطبی) ف۵۲ (اور اب ان کی نجات و مغفرت میں بھی شبہ نہ رہا) جاہلیت کے نظریہ حیات (Ideology) میں اصلاح و تبدیلی ہی کا نام اسلام ہے پس جس نے بھی اسلام کے نظریہ حیات کو قبول کر لیا وہ کسی بھی نسل، قوم، رنگ، وطن کا ہو بہر حال اب اس کا تعلق کائنات و خالق کائنات کے ساتھ صحیح نوعیت کا قائم ہو گیا ہے۔ ف۵۳ (آپ پر نتائج کی ذمہ داری ذرا بھی نہیں) رسول اللہ ﷺ کو تسکین دی گئی ہے کہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو آپ ملول و فکر مند نہ ہوں۔ آپ کا کام تو صرف تبلیغ ہے۔ ف۵۴ (وہ خود ہی سب کے اعمال و احوال دیکھ کر مناسب جزا و سزا دے گا۔ ف۵۵ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔ کسی کتاب الٰہی سے یا اس کے کسی جزء سے انکار یہ سب کفر بآیات اللہ کی صورتیں ہیں۔ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ یعنی خود قاتلوں کے بھی آئین، قانون و ضابطہ کے خلاف، ورنہ قتل انبیاء فی الحقیقت اور عند اللہ تو ہمیشہ ہی ناحق رہے گا۔ یہود کے قتل انبیاء اور قتل ناحق پر حاشیہ پارہ اول رکوع ۷ میں گزر چکا۔ ف۵۶ (آخرت میں) يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ۔ یعنی لوگوں کو اخلاق و معاملات میں عدل کی ہدایتیں کرتے رہتے ہیں، ظاہر ہے کہ مراد انبیاء اور ان کے نائبین ہیں۔ يَقْتُلُوْنَ۔ یہ سب اشارے یہود کی حق دشمنی سے متعلق اور ان کی تاریخ کی جانب ہیں۔ عہد عتیق کے متعدد صحیفوں میں یہود کی حق بیزاری کی تصریح موجود ہے۔ مثلاً "وہ اس کا کینہ رکھتے ہیں جو دروازہ پر سرزنش کرتا ہے اور وہ اس سے نفرت رکھتے ہیں جو حق بات کہتا ہے"۔ (عموس۔ ۵:۱۰) عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ ایسے مجرموں اور خطا کاروں پر دنیوی لعنت حضرت داؤد نبی کی کتاب میں مفصل موجود ہے۔: "وہ جلد ہی گھاس کے مانند کاٹ ڈالے جائیں گے اور ہرے سبزے کی طرح مرجھا جائیں گے اور شریر نہ ہو گا تو غور کر کے اس کا مکان ڈھونڈے گا اور وہ نہ ہو گا۔ ان کی تلوار انہی کے دلوں میں بیٹھے گی۔ ان کی کمانیں ٹوٹ جائیں گی"۔ الخ (زبور، ۳۷: ۱۔ ۳۰) آیت سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ سابق امتوں میں امر بالمعروف واجب تھا اور یہ فرض انبیاء اور ان کے نائبین انجام دیتے تھے۔ و تحت هذه الآية علی ان الامر بالمعروف والنهی عن المنکر کان واجباً فی الامم المتقدمة و هو فائدة النبوة (قرطبی) ف۵۷ (سزا کے وقت کہ انہیں عذاب سے چھڑا لے۔ یا اس میں کچھ تخفیف ہی کرا دے) ف۵۸ حق و داعیانِ حق سے یہ مسلسل انحراف و اعراض تاریخ بنی اسرائیل کا کوئی نیا یا انوکھا واقعہ نہیں۔ ان کے مقدس نوشتے اور صحیفے ان شکایات سے بھرے پڑے ہیں۔ مثلاً:۔ "تم کا ہے کو مجھ سے محبت کرو گے۔ تم سب مجھ سے پھر گئے ہو"۔ (یرمیاہ۔ ۲: ۲۸، ۲۹) نیز ہوسیع ۱۰: ۲۷) مفصل حاشیے پارۂ اول رکوع ۶: ۷ کے ذیل میں گزر چکے۔ اَلَمْ تَرَ۔ خطاب یہاں رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ مِنَ الْكِتٰبِ۔ ذکر وہی یہود کا چل رہا ہے۔ الکتاب یہاں بطور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔ یعنی کتاب الٰہی اپنے عمومی و کلی مفہوم میں۔ اور اسی کا ایک جزء توریت ہے۔ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ اسی عمومی و کلی کتاب کا دوسرا جزء قرآن ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔ لِيَحْكُمَ بَيْنَھُمْ۔ یعنی مذہبی اختلافات کے باب میں فیصلہ کر دے۔

قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪

کہتے ہیں کہ ہم کو آگ چھوئے گی بھی نہیں بجز (چند) گنے ہوئے دنوں کے ف۵۹

وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ فَكَيْفَ

اور جو کچھ یہ تراشتے رہتے ہیں اس نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے ف۶۰ سو اس روز

اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ

جس میں ذرا شک نہیں جب ہم انہیں اکٹھا کریں گے تو کیا حال ہوگا ف۶۱ اور ہر شخص کو جو کچھ اس نے کیا ہے

نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ

پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر (ذرا) ظلم نہ کیا جائے گا ف۶۲ آپ کہیے

مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ

اے سارے ملکوں کے مالک تو جسے چاہے حکومت دے دے اور تو جس سے چاہے

الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ

حکومت چھین لے ف۶۳ تو جسے چاہے عزت دے ف۶۴ اور تو جسے

مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

چاہے ذلت دے ف۶۵ تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے بے شک تو ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ

قادر ہے ف۶۶ تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور رات میں دن کو

فِي الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ

داخل کرتا ہے اور تو بے جان سے جاندار کو نکالتا ہے اور تو جاندار سے

الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ

بے جان کو نکالتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے بے حساب رزق

ف۵۹ ذٰلِکَ۔ یعنی یہ سرکشی اور عدوان کی عادت اس سبب سے قائم ہے کہ یہ لوگ اپنے مشرک ہونے ہی کے گویا قائل نہیں۔ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ۔ یعنی وہ ۴۰ روز کی مدت جو بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی میں بسر کی تھی۔ آیت کا یہ جزء پارۂ اول میں بھی یہود کی زبان سے نقل ہو چکا ہے اور وہیں اس پر مفصل حاشیہ بھی گزر چکا ہے۔ ف۶۰ (چنانچہ اپنی نجات کا یقین کئے ہوئے بیٹھے ہیں) مَا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ۔ عقاید کے باب میں کوئی بات بے دلیل عقلی یا نقلی کے اپنی طرف سے گڑھ لینا افتراء علی اللہ کی ایک صورت ہے۔ اور یہود کے پیشواؤں اور سرداروں نے اس طرح قسم قسم کے عقائد کا ایک طومار گڑھ رکھا تھا۔ اور انہی میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ یہود پر آتش دوزخ (بجز برائے نام صورت کے) حرام ہے۔ ان کے لئے ان کے بزرگوں کی نسبت وشفاعت کافی ہے۔ اور ان کی نجات ومغفرت بلا ایمان وعمل خود بخود ہو جائے گی۔ ف۶۱ (ان بدبختوں اور شامت زدوں کا) یَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ۔ یعنی قیامت کے دن۔ اس طرز تسمیہ سے مقصود قیامت کا محض ذکر ہی کر دینا نہیں۔ بلکہ اس کے وقوع کی قطعیت کو ذہن میں تازہ کر دینا ہے۔ فَکَیْفَ۔ اس طرز استفہام سے مقصود عذاب کی ہولناکی کا اظہار ہے۔ **استعظام وتھویل وھدم لما استندوا الیه** (روح) لِیَوْمٍ۔ میں ل فی کے معنی میں ہے۔ **واللام فی قوله لیوم بمعنی فی قاله الکسائی** (قرطبی) ف۶۲ (کہ کسی کو سزا بلا جرم یا زائد از جرم مل جائے یا کسی کی کوئی نیکی بغیر اجر کے چھوٹ جائے) مَا کَسَبَتْ۔ جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے خواہ وہ حسنات ہوں یا سیئات۔ ف۶۳ رسول ﷺ کے واسطہ سے طریق دعا کی تعلیم امت کو دی جا رہی ہے۔ مٰلِکَ الْمُلْکِ۔ ملک سے مراد سارا جہان ہے۔ مالک کا لفظ دعا کے شروع ہی میں لا کر یاد دلا دیا کہ مالکانہ تصرف کا حق واختیار اسی کو حاصل ہے جس سے دعا کی جا رہی ہے تُؤْتِی وَتَنْزِعُ۔ حکومت کی نعمت دینا یا اس نعمت کو واپس لے لینا۔ تمامتر احکم الحاکمین کے ہاتھ میں ہے اور نفس بادشاہت یا حکومت میں تقدس یا الوہیت ذرا سی بھی نہیں۔ اس میں رد آ گیا اس کثرت سے پھیلے ہوئے جاہلی عقیدہ کا، کہ بادشاہی خود ایک درجہ الوہیت یا نیم الوہیت کا ہے اور کسی کا بادشاہ ہو جانا گویا خدا کے اوتار کے مرتبہ پر پہنچ جانا ہے۔ مصر میں فرعون کی پرستش ہوتی رہی۔ ہندوستان میں چندر بنسی اور سورج بنسی راجہ مہاراجہ خدائی اوتار سمجھے گئے۔ جاپان میں میکاڈو آج تک مظہر خدا کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ سب اسی عقیدۂ شاہ پرستی کے مظاہر ہیں۔ اسلام نے آ کر بتایا کہ بادشاہی بھی ساری دوسری نعمتوں کی طرح ایک خدائی تصرف ہے اور بادشاہ بھی بندگی، بے بسی، بیچارگی میں بالکل ایسا ہی ہوتا ہے جیسے سارے دوسرے بندے۔ حقیقت ہمیشہ سے اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اس وقت اس کا نظارہ پوری قوت وشدت کے ساتھ مسولینی (آمر اٹلی) وہٹلر (آمر جرمنی) کے انجام سے کرا دیا گیا ہے۔ ف۶۴ (اپنی حکمت کاملہ کے مطابق) اس مَنْ تَشَآءُ (جسے تو چاہے) کی وسعت اطلاق میں قومیں بھی آ گئیں اور فرد بھی۔ اور عزت کا سب سے بڑا ممکن مرتبہ یاد کر لیا جائے کہ نبوت ہے۔ اس طرح گویا اہل کتاب کو یہ یاد دلا دیا کہ جس قوم کے جس فرد کو وہ چاہے مرتبہ نبوت سے سرفراز کر دے۔ اس پر حسد بالکل بے معنی ہے۔ ف۶۵ (اس کے پاداش عمل میں) مَنْ تَشَآءُ کا عموم اطلاق یہاں بھی فرد و قوم دونوں پر حاوی ہے کوئی فرد تو مرتبہ نبوت سے معزول ہوا نہیں ہے۔ البتہ یہ نعمت قوموں سے سلب ہو سکتی ہے چنانچہ قوم اسرائیل صدیوں تک اس نعمت سے سرفراز رہنے کے بعد معزول کی گئی۔ اور یہ نعمت اپنی انتہائی اور آخری شکل میں عرب قوم کے ایک ممتاز فرد کے حصہ میں آئی۔ ف۶۶ (تو اہل کتاب اس پر حیرت کیوں کر رہے ہیں کہ نعمت نبوت سے عرب قوم کے ایک فرد کو سرافراز کیا جا رہا ہے) اَلْخَیْرُ۔ یعنی بھلائی ہر قسم کی اور ہر مرتبہ، درجہ کی۔ کائنات میں وجود ایجابی صرف خیر کا ہے اس لئے ذکر اسی کا کیا گیا اس کے مقابل کی چیز یعنی شر محض ایک سلبی حقیقت کا نام ہے۔ یہاں جو بجائے بِیَدِکَ الْخَیْرُ وَالشَّرُّ کے صرف بِیَدِکَ الْخَیْرُ کا ارشاد واقع ہے اس سے عارفین صوفیہ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ جس چیز میں بندہ کے ارادہ واختیار کو دخل نہ ہو وہ محض خیر ہی ہے۔ اسے ناگوار نہ جانے اور اسے اپنے حق میں عذاب ومصیبت نہ سمجھے۔

ف٦٦ (غرض یہ کہ تقلبات وتصرفات کائنات کا ہر ہر جزئیہ تیری ہی مشیت وقدرت کے تابع ومحکوم ہے) تُوْلِجُ الَّيْلَ۔ تُوْلِجُ النَّهَارَ۔ یہ سارے تصرفات وتقلبات بغیر کسی کی شرکت واعانت کے محض ارادۂ الٰہی سے رات دن ہوتے رہتے ہیں۔ جاہلی قوموں نے لیل (رات) اور نہار (دن) دونوں کو دیوی دیوتاؤں کی حیثیت دے رکھی ہے۔ آیت میں ضمناً ان خرافات کا بھی رد آ گیا۔ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ۔ اس کی ایک نمایاں مثال پرند کو انڈے سے نکالنا ہے۔ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ۔ اس کی ایک نمایاں مثال پرند سے انڈے کی پیدائش ہے۔ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ سو ایسا قادر مطلق اگر ضعیفوں، عاجزوں کو بڑی بڑی سلطنتوں کا بھی مالک بنا دے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ اوپر تقسیم رزق، عطائے دولت وغیرہ تکوینی انعامات کے سلسلہ میں۔ مَنْ تَشَآءُ کی قید جو ہر جگہ لگی ہوئی ہے۔ اس سے محققین نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ دولت، حکومت، امارت وغیرہ کی تقسیم محض مشیت تکوینی کے مصالح کائناتی کے اعتبار سے ہوتی رہتی ہے۔ اسے قرب الٰہی، اخلاقی افضلیت وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ف٦٨ (کیا ظاہر میں اور کیا باطن میں) جسے دوستی کا علاقہ کہتے ہیں وہ ایک کیفیت قلب اور پھر عملی برتاوے کا نام ہے۔ مسلمانوں کو، کافروں، منکروں، اللہ کے باغیوں کے ساتھ یہ تعلق قائم کرنے کی قطعی ممانعت ہے اور عقلاً بھی یہ ملی خودداری اور قومی تشخص کے بالکل منافی ہے۔ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی نہ مومنین کو چھوڑ کر اور نہ مومنین کے شمول میں۔ ای من غیر المومنین (کبیر) ای متجاوزین المومنین الی الکافرین استقلالاً او اشتراکاً (روح) بعض اہل حق نے یہیں سے تمسک کر کے اپنے مریدوں، معتقدوں، شاگردوں کو منکروں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کر دیا ہے۔ ف٦٩ یعنی دشمنانِ خدا کے ساتھ دوستی رکھنے والے کی دوستی اللہ کے ساتھ کسی درجہ میں بھی معتبر ومقبول نہیں۔ لَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ۔ مِنَ اللّٰهِ سے مراد من دین اللہ یا من ولایۃ اللہ سمجھی گئی ہے۔ ای من ولایتہ فی شیء (بیضاوی) ای لیس من دین اللہ فی شیء (معالم) ف٧٠ (بس رفع ضرر کے لئے بہ قدر ضرورت ظاہری تعلقاتِ دوستانہ کی اجازت ہے) کافروں کے ساتھ حسن سلوک کی تین ہی ممکن صورتیں ہیں:۔ (١) موالات یا دوستی۔ (٢) مدارات یا ظاہری خوش خلقی وخاطر داری۔ (٣) مواسات۔ یا احسان ونفع رسانی۔ اپنے علماء شریعت کی تحقیق ہے کہ شق اول یعنی موالات یا حقیقی دوستی تو کسی حال میں جائز نہیں۔ شق سوم بھی زیادہ دشوار نہیں۔ مواسات اہل حرب کے ساتھ ناجائز ہے۔ غیر اہل حرب کے ساتھ جائز ہے رہی شق دوم، سو وہ تفصیل طلب ہے۔ مدارات تین حالتوں میں درست ہے۔ ا۔ ایک اپنے رفع ضرر کے لئے۔ ٢۔ دوسرے خود اس کافر کی مصلحت دینی ہو۔ یعنی توقع ہدایت کے موقع پر۔ ٣۔ تیسرے اکرام ضیف کے طور پر۔ یعنی کافر جب مہمان ہو اس وقت کے لئے۔ بس ان تینوں صورتوں کے سوا اپنے نفع یا حصول مال وجاہ کے لئے مدارات درست نہیں بلکہ جب اس سے ضرر دین کا اندیشہ ہو تو یہ اختلاط بدرجہ اولیٰ حرام ہو گا۔ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً۔ یہ لحاظ رہے کہ آیت میں ذکر اندیشہ کا ہے۔ محض توہم یا احتمال بعید اس کے لئے کافی نہیں اور ضرر بھی جس کا اندیشہ کیا جائے معتد بہ ہونا چاہیے۔ التقیۃ لاتحل الا مع خوف القتل او القطع او الایذاء العظیم (قرطبی) یعنی ان تخافوا تلف النفس او بعض الاعضاء وھذا ھو ظاہر ما یقتضیہ اللفظ وعلیہ الجمہور (جصاص) آیت میں ایک طرف رد ہے۔ فرقۂ شیعہ کا۔ جس نے تقیہ کے حدود بہت وسیع کر کے اسے اپنے مذہب کا ایک جزء بنا لیا ہے اور دوسری طرف فرقۂ خوارج کا۔ جس نے جواز تقیہ سے سرے سے انکار کر دیا ہے۔ عدل واعتدال کا مسلک افراط وتفریط دونوں سے یکساں بچ کر اہل سنت کا ہے۔ صاحب روح المعانی نے اس ذیل میں ماشاء اللہ، بہت خوب لکھا ہے۔ ف٧١ (کہ حقیقۃً صاحب اقتدار وقابل عظمت صرف وہی ہے) نَفْسَهٗ۔ مراد یہ سمجھی گئی ہے کہ اللہ اپنے عذاب سے تم کو ڈراتا ہے۔ المعنی یحذرکم اللہ عقابہ (قرطبی) ف٧٢ (سو اس کے احکام کی ظاہری، باطنی ہر مخالفت سے باز رہو) خطاب عامۃ الناس سے رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے ہے۔ ف٧٣ یعنی اس کا علم ہر طرح کامل جزئیات وکلیات سب پر حاوی، حاضر وغائب سب پر شامل ہے۔ اس میں رد آ گیا یونان اور دوسری قوموں کے ان جاہل فلسفیوں کا جنھوں نے خدا کی صفت علم کو ناقص ومحدود مانا ہے۔ ف٧٤ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ کی تصریح صرف محاورۂ زبان کے مطابق ہے۔ مراد صفت علم کی کاملیت وجامعیت کا اظہار ہے۔ ف٧٥ اور جب علم کے ساتھ اس کی قدرت بھی کامل ہے تو وہی اس کا مستحق ہے کہ اس کی سزا سے ڈرا جائے) مشرک قوموں کو اصلی ٹھوکر صفت علم کے ساتھ صفت قدرت میں بھی لگی ہے۔ اسی لئے بار بار زور انھی صفات پر دیا گیا ہے۔ ف٧٦ (جزاء اعمال کے لئے) يَوْمَ یعنی قیامت کے دن۔ مُحْضَرًا۔ اپنے مواجہ میں اور اللہ کے حضور میں۔ لدیھا مشاھدًا (روح) مَا عَمِلَتْ۔ یعنی اس عمل کو نامۂ اعمال میں لکھا ہوا۔ یا ان اعمال کی جزاء کو۔ فی الصحف (روح) وقیل تجد جزاء اعمالھا محضرًا (روح) تقدیرہ یوم تجد کل نفس جزاء ما عملت محضرًا (قرطبی) صحائف اعمالھا او جزاء اعمالھا (بیضاوی) بعض صوفیۂ عارفین نے یہ معنی کئے ہیں کہ انسان بعینہٖ اس عمل کو کرتے ہوئے اپنے کو پائے گا۔ قیل ظاہرًا فی صورٍ (روح) حضرت اکبر الٰہ آبادی علیہ رحمۃ اللہ اردو کے مشہور شاعر ہونے کے ساتھ ہی حکیم وعارف بھی تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو ہر وقت ہم بولا کرتے ہیں کہ "وقت چلا گیا" وقت جاتا کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں چلا جاتا ہے اور وہیں جمع رہتا ہے۔ قیامت کے دن حق تعالیٰ اسی "وقت" کو واپسی کا حکم دیں گے۔ پس جب وقت واپس آئے گا تو جو کچھ بھی وقت کے اندر ہوتا رہا ہے اس سب کو لئے ہوئے آئے گا۔ اس کے کائنات میں جو کچھ ہوتا رہا ہے۔ سب اس روز بعینہٖ دوبارہ واقع ہو کر رہے گا۔ ف٧٧ (کہ اعمال بد یا ان کی جزا کا معائنہ نہ کرنا پڑتا) یہ حسرت ان کے دلوں میں پیدا ہوگی جن کے پاس اعمال خیر وشر کا مجموعہ ہوگا۔ تو جس بدنصیب کے پاس شر ہی شر ہوگا اس کی حسرت نصیبی کا کیا پوچھنا! بَيْنَهَا میں ضمیر نَفْس کی طرف اور بَيْنَهٗ میں یوم کی طرف ہے۔ ف٧٨ (کہ قابل عظمت وصاحب اقتدار ذات صرف اسی کی ہے) نَفْسَهٗ سے مراد عقاب نفسہ سمجھی گئی ہے۔

حِسَابٍ ﴿٢٧﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ

دیتا ہے ف٦٧ مومنوں کو نہ چاہیے کہ مومنوں کے ہوتے ہوئے کافروں کو

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ

(اپنا) دوست بنائیں ف٦٨ اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہ اللہ کے ہاں

مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ

کسی شمار میں نہیں ف٦٩ مگر ہاں ایسی صورت میں کہ تم ان سے کچھ اندیشہ (ضرر کا)

تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨﴾

رکھتے ہو ف٧٠ اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے ف٧١ اور اللہ ہی کی طرف آنا ہے ف٧٢

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ

آپ کہہ دیجیے کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے تم اسے خواہ پوشیدہ رکھو یا ظاہر کرو

يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

اللہ اس کو جانتا ہے ف٧٣ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اس (سب) کو

الْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ

جانتا ہے ف٧٤ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ف٧٥ جس روز

تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚۛ

ہر شخص اپنے ہر نیک عمل کو سامنے لایا ہوا پائے گا ف٧٦

وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا

اور (اسی طرح) ہر برے کام کو بھی (اس روز) تمنا کرے گا کہ کاش اس شخص

وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ

اور اس دن کے درمیان مسافت بعید ہوتی ف٧٧ اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے ف٧٨

معانقۃ ٣

و۷۹ (چنانچہ یہ بار بار کی تنبیہ وتہدید بھی اسی شفقت ورافت ہی کا نتیجہ ہے کہ کاش بندے اب بھی سنبھلیں اور راہ ہلاکت پر چلنے سے باز رہیں) و۸۰ (جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے۔ اور اپنے اسی زعم کی بنا پر جو نع رکھتے ہو کہ اللہ بھی تم سے محبت کرے گا) خطاب رسول ﷺ کے واسطہ سے عامۃ الناس سے ہے۔ تُحِبُّوْنَ۔ محبت کے جو معنی عربی میں ہیں اس میں ارادہ کا شمول ضروری ہے۔ قال ابن عرفة المحبة عند العرب ارادة الشئ علی قصدله (قرطبی) و۸۱ (کہ میں جامع کمالاتِ انسانی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری زندگی ساری کائناتِ انسانی کے لئے ہر شعبہ میں معیار اور نمونہ کا کام دے گی) محبت الٰہی کے دعویٰ کی جانچ کے لئے کیا اچھا معیار بتا دیا گیا۔ یعنی اتباع رسول ﷺ جو جتنا زیادہ متبع رسول ﷺ ہوگا اسی قدر اس کی محبت الٰہی مسلم ومعتبر ہوگی۔ اسی معیار پر آج بڑے بڑے مدعیان مشیخت ومدعیان محبت الٰہی کے دعوؤں کو جانچئے تو بہتوں کی قلعی کھل کر رہے و۸۲ (کہ اس کے آگے اور کوئی درجہ کمال نہیں) یہ طریقہ جو پچھلوں کو بتایا گیا، یہی آواز اگلوں کے کان میں ڈال دی گئی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے جو الفاظ اناجیل مروجہ میں نقل ہوئے ہیں۔ حسب ذیل ہیں:۔ ”اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے“ (یوحنا ۱۴: ۱۵، ۱۶) یہ مددگار کا لفظ اردو انجیلوں کے متن میں ہے۔ حاشیہ پر وکیل اور شفیع دونوں لفظ درج ہیں گویا اصل یونانی لفظ کے یہ سب معنی ہو سکتے ہیں۔ انگریزی انجیل میں لفظ ”کمفارٹر“ (Comforter) آیا ہے۔ جس کے معنی تسلی دہندہ کے ہیں۔ تو چوتھا مفہوم اس لفظ کا یہ ہوا۔ بہر حال وہ سب کا مددگار اور وکیل اور شافع اور تسلی دہندہ، اس پیشگوئی کرنے والے مسیح علیہ السلام کے پانچ صدی بعد آیا۔ اور ایک ابدی اور غیر منسوخ شریعت لے کر ابد تک ساتھ رہنے ہی کے لئے آیا۔ اور اسی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لئے خاتم النبیین کہلایا۔ پر صلیب کے پرستاروں اور مسیح علیہ السلام کی عبادت کرنے والوں نے اسے برابر جھٹلایا۔ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ اللہ کی محبت بندہ کے ساتھ یہی ہے کہ اسے مغفرت سے سرافراز فرمائے۔ محبة الله للعباد انعامه علیه بالغفران (قرطبی) و۸۳ غَفُوْرٌ اس کی شان غفر کا تقاضا ہے کہ تمہارے معاصی ”ذنوب“ کی مغفرت کر دے گا۔ رَحِیْمٌ۔ سو اس کی شان رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ خود تم سے محبت کرنے لگے گا۔ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ۔ وہ تمہاری تقصیروں کو نظر انداز کر دے گا اور تمہارے مراتب قرب میں ذرا کمی نہیں آنے دے گا۔ و۸۴ خطاب عامۂ ناس سے پیغمبر کے واسطہ سے ہے۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ۔ اللہ کی اطاعت اصالۃً اور بہ طور مقصود کے ہے۔ وَالرَّسُوْلَ۔ رسول کی اطاعت تبعاً ونیابۃً ہے بہ طور آلہ وواسطہ کے۔ یعنی اس حیثیت سے کہ پیغمبر اللہ ہی کا پیغام لے کر آتا ہے۔ و۸۵ (اور یہ لوگ کافر ہی تو ہیں جو اطاعت رسول سے منہ موڑے ہوئے ہیں خواہ محبت الٰہی کے کیسے ہی دعوے ان کی زبانوں پر ہوں)۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا یعنی ایسے صاف وصریح حکم کے ماننے سے انکار کریں۔ و۸۶ (چنانچہ وہ خود اور ان کے گھرانے والے توحید کے علمبردار رہے ہیں) اِصْطَفٰی۔ یہ برگزیدگی توحید کے علمبرداری کی حیثیت سے رہی ہے۔ اٰدَمَ۔ حاشیہ پارہ نمبر ا رکوع ۴ کے ذیل میں گزر چکے۔ نُوْحًا۔ حضرت نوح بن لامخ (یالمک) عراق میں ایک نہایت قدیم پیمبر گزرے ہیں۔ حسب روایت توریت حضرت آدم علیہ السلام سے دسویں پشت میں تھے۔ عمر ۹۵۰ سال پائی۔ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ۔ آل ابراہیم ہی کے تحت میں اسمٰعیل علیہ السلام اور خاندان اسمٰعیل علیہ السلام بھی آگئے۔ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام دونوں پر حاشیہ پارہ ا رکوع ۱۵ میں گزر چکا ہے۔ اٰلَ عِمْرٰنَ۔ عمران کے نام کی تاریخی شخصیتیں دو گزری ہیں۔ ا۔ ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد ماجد عمران بن یصہر۔ ۲۔ دوسرے ان کے کئی صدی بعد حضرت مریمؑ کے والد ماجد اور حضرت مسیح علیہ السلام کے جد مادری۔ عمران بن ماتان۔ یہاں مراد دونوں سے ہو سکتی ہے۔ لیکن بہ لحاظ سیاق ترجیح عمران ثانی کو ہے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ اور وہب رحمۃ اللہ علیہ تابعین سے یہی قول منقول ہے۔ والمراد بعمران هذا هو والد مريم بنت عمران (ابن کثیر) والمراد بآل عمران عیسٰی علیه السلام وامه مريم بنت عمران قاله الحسن ووهب (روح) فقد اختلفوا فیه فمنهم من قال المراد عمران والد موسٰی وهارون ومنهم من قال بل المراد عمران بن ماتان (کبیر) و۸۷ سَمِیْعٌ۔ سننے والا تمام زبان سے نکلے ہوئے الفاظ وکلمات کا۔ عَلِیْمٌ۔ جاننے والا تمام دل کے اندر کے جذبات وخیالات کا۔

ع ۱۰ / ۱۱

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ

اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا شفقت کرنے والا ہے و۷۹ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت

اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ

رکھتے ہو و۸۰ تو میری پیروی کرو و۸۱ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا و۸۲ اور تمہارے گناہ بخش دے گا،

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ

اللہ بڑا بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے و۸۳ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو و۸۴

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾

اس پر بھی اگر وہ رو گرداں رہیں تو اللہ کافروں سے (ذرا) محبت نہیں رکھتا و۸۵

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ

بے شک اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ اور خاندانِ ابراہیمؑ

وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾ ۙ ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا

اور خاندانِ عمران کو سارے دنیا جہان پر برگزیدہ کیا ہے و۸۶ ایک دوسرے کی اولاد ہیں

مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾ ۚ اِذْ قَالَتِ

اور اللہ (خوب) سننے والا ہے (خوب) جاننے والا ہے، و۸۷ (اور وہ وقت یاد کرو) جب عمران کی

امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا

بیوی نے عرض کیا و۸۸ کہ اے میرے پروردگار میں نے تیرے لئے نذر مانی ہے

فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ

اس (بچہ) کی جو میرے پیٹ میں ہے کہ (وہ) آزاد رکھا جائے گا و۸۹ سو تو (یہ) مجھ سے قبول کر تو تو

السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ

خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے و۹۰ پھر جب اس نے (مریمؑ) کو جنا تو بولی کہ اے میرے پروردگار

ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ۔ نوح اولاد میں حضرت آدم علیہ السلام کے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کی اولاد میں۔ اور حضرت عمران ان تینوں کی اولاد میں۔ و۸۸ یہ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ۔ حضرت مریمؑ کی والدہ اور حضرت عیسیٰ کی جدۂ مادری تھیں۔ مسیحی نوشتوں میں ان کا نام حنہ (.Haunnae) آیا ہے۔ ہمارے مفسرین نے لکھا ہے کہ شام وغیرہ میں کلیسا، کلیسائے حنہ کے نام سے مشہور ہیں اور ان کی قبر دمشق میں ہے۔ ودیر حنة بالشام معروف وثم دیر آخر یعرف بدیر منه (بحر) وقبر حنة جدة عیسٰیؑ بظاهر دمشق (بحر) و۸۹ (ہر قسم کے دنیوی کاروبار سے اور تیری ہی خدمت وعبادت کے لئے وقف رہے گا) حضرت مریمؑ کی ولادت سے قبل آپ کی والدہ ماجدہ نے جو نذر نیاز مانی تھی۔ اس کی بابت بہت سی تفصیلات قدیم ترین مسیحی نوشتوں میں درج تھیں۔ لیکن بزرگان کلیسا نے جب کاٹ چھانٹ کر کے مستند اناجیل اربعہ مرتب کرنا شروع کیں تو ان مضامین اور بیانات کو ان سے خارج کر دیا۔ اور اس کی شہادت آج ان ہی کے اکابر دے رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔ کیتھولک ڈکشنری صفحہ ۴۸۔ نیز ہیسٹنگز کی ڈکشنری آف دی بائبل جلد ۳ صفحہ ۲۸۸۔ نَذَرْتُ۔ سادہ اردو میں ”میں نے منت مانی ہے“۔ لَكَ میں لام تعلیل ہے یعنی مخصوص تیری خدمت وعبادت کے لئے۔ ای لعبادتک (قرطبی) لخدمة بیتک (روح) مُحَرَّرًا۔ ای حقیقًا خالصا لله تعالیٰ خادما للكنیسة [illegible] (قرطبی) ہیکل سلیمانی (بیت المقدس) کی خدمت اور مجاوری کے لئے اولاد کو نذر کر دینے کا دستور یہود کے ہاں جاری تھا۔ و۹۰ سَمِیْعٌ۔ سننے والا میری دعا کا۔ عَلِیْمٌ۔ جاننے والا میرے اخلاص کا

إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۖ

میں نے تو لڑکی جنی و۹۱ اور اللہ تو خوب جانتا تھا کہ اس نے کیا جنا ہے

وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ

اور لڑکا (اس) لڑکی جیسا نہیں ہو سکتا تھا و۹۲ اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا ہے

وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ

اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں

الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ

دیتی ہوں و۹۳ پھر اس کے پروردگار نے اس کو بوجہ احسن قبول کر لیا و۹۴

وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ

اور اس کو اچھا نشوونما دیا و۹۵ اور اس کا سرپرست زکریاؑ کو بنا دیا و۹۶ جب بھی

عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ

زکریاؑ ان کے پاس حجرہ میں آتے تو ان کے پاس کوئی چیز کھانے (پینے) کی پاتے و۹۷

قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ

(ایک بار) بولے کہ مریم یہ کہاں سے تجھے مل جاتی ہیں؟ و۹۸ وہ بولیں یہ اللہ کی طرف سے

عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ

آ جاتی ہیں و۹۹ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق

حِسَابٍ ﴿٣٧﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ

دے دیتا ہے و۱۰۰ (بس) وہیں زکریاؑ اپنے پروردگار سے دعا کرنے لگے و۱۰۱ عرض کی

رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ

اے میرے پروردگار مجھے اپنے پاس سے کوئی پاکیزہ اولاد عطا کر و۱۰۲

و۹۱ (اور لڑکی کس طرح تیرے معبد میں مجاور بن سکے گی؟) حضرت مریمؑ کی والدہ ماجدہ بہ صد حسرت ویاس بارگاہِ الٰہی میں مناجات کر رہی تھیں کہ تمنا تو لڑکے کی اس لیے کی تھی کہ اُسے ہیکل کی نذر کر دیا جاتا۔ وہ وہیں کی جاروب کشی اور مجاوری میں عمر بسر کرتا۔ اولاد تو ہوئی مگر لڑکی نکلی۔ لڑکی سے کیسے یہ نذر پوری ہو سکتی ہے؟ اسرائیلی قانون میں لڑکی سے اس خدمت کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ و۹۲ یہ پورا فقرہ والدہ مریمؑ کی تقریر کا حصہ نہیں۔ یہ بطور ایک مستقل جملہ معترضہ کے براہ راست ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اس لڑکی کی عظمت و منزلت سے تو خدائے تعالیٰ ہی خوب واقف تھا۔ ماں غریب کیا سمجھ سکتی تھی۔ قال مکی هو اعلام من الله تعالىٰ لنا على طريق التثبيت (قرطبی) الذَّكَرُ۔ یعنی جو لڑکا والدہ مریمؑ کے حسب خواہش ہوتا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ۔ یعنی اس مولود سے جو جو عظمتیں وابستہ تھیں ان کی خبر ماں غریب کو کیا ہو سکتی تھی۔ ان سے تو بس اللہ ہی خوب واقف تھا۔ ای الله اعلم بالشیٔ الذی وضعته وما علق به من عظائم الامور ودقائق الاسرار وواضح الاٰيات وهي غافلة عن ذٰلک كله (روح) و۹۳ والدہ مریمؑ کی توحید پرستی مناجات کے لفظ لفظ سے نمایاں ہے۔ وَذُرِّيَّتَهَا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ والدہ مریم اللہ سے امید لگائے ہوئے تھیں کہ لڑکی کا سلسلۂ نسل چلے گا و۹۴ یعنی والدہ مریمؑ کی نذر کو اس لڑکی کی شکل میں بھی اللہ نے قبول کر لیا۔ جو تاریخ خدمت ہیکل میں ایک نئی بات تھی۔ مسیحی نوشتوں کے بموجب حضرت مریمؑ تین سال کی عمر میں ہیکل کی خادمہ کی حیثیت سے قبول کر لی گئی تھیں اور معبد کے چھوٹے بڑے سب خادم اس کمسن بچی کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ ملاحظہ ہو ہیسٹنگز Hastings کی ڈکشنری آف دی بائبل، جلد ۳۔ صفحہ ۲۸۸ نیز بج (Budge) کی حکایات خاتون مریمؑ Legends of Lady Mary و۹۵ یہ اچھا نشوونما ممکن ہے کہ قوائے جسمانی کے اعتبار سے ہو اور ممکن ہے کہ قوائے روحانی واخلاقی کے اعتبار سے ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں حیثیتوں سے ہو۔ یعنی سوّى خلقها من غير زيادة ولا نقصان (قرطبی) ای ربّاها الرب تربية حسنة فی عبادة وطاعة لربها قاله ابن عباس (روح) مجاز عن تربيتها بما يصلحها فی جميع احوالها (بیضاوی) عبارة عن حسن النشأة والجودة فی خلق و خلق فانشاها على الطاعة والعبادة (بحر) عجیب تماشہ ہے کہ حضرت مریمؑ کے شرف و عظمت کی یہ ساری تفصیلات انجیل میں نہیں، قرآن مجید ہی میں مل رہی ہیں۔ انجیل اس قسم کے جزئیات سے بالکل خاموش ہے۔ و۹۶ زَكَرِيَّا اللہ کے پیغمبر تھے۔ مسیحی صحیفے ان کے تذکرہ سے گویا بیگانہ ہیں، چار مقدس و مستند انجیلوں میں لے دے کر صرف ایک جگہ ان کا ذکر انجیل لوقا میں آتا ہے۔ وہ بھی پیغمبر کی حیثیت سے نہیں صرف ایک بزرگ وراستباز کاہن کی حیثیت سے۔ یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں ابیاہ کے فریق میں زکریا نام کا ایک کاہن تھا (لوقا ۱:۵) یہ حضرت زکریا علیہ السلام رشتہ میں حضرت مریمؑ کے خالو تھے۔ یعنی آپ کی خالہ کے شوہر۔ حضرت مریمؑ کے والد ماجد جناب عمران کی وفات آپ کے بچپن ہی میں ہوگئی تھی اور ان کی وفات کے بعد ہیکل کے خادموں (یا یہود کی اصطلاح میں کاہنوں) کی سرداری حضرت زکریا علیہ السلام کے حصہ میں آئی تھی۔ آپ ایک تو مریمؑ کے عزیز قریب اور پھر خدام ہیکل کے سردار حضرت مریمؑ کی تربیت کا واسطہ وذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کو بنایا۔ كَفَّلَهَا کے لفظ میں اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ یہ سب خدائی انتظامات تھے۔ زکریا علیہ السلام کی حیثیت محض واسطہ یا ذریعہ کی تھی و۹۷ الْمِحْرَابَ۔ محراب حجرہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی سب سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھے۔ محراب مسجد کو بھی محراب اسی لئے کہتے ہیں کہ اس در میں امام نماز سب سے الگ اور تنہا کھڑا ہوتا ہے۔ المحراب الغرفة (قاموس) قال الازهری وسمی المحراب محرابًا لانفراده الامام فيه وبعده من الناس (لسان) كُلَّمَا۔ ہیکل کے خادموں کے رہنے اور عبادت کرنے کے لئے ہیکل کے ادھر ادھر زاویے، حجرے، یا خلوت خانے بنے ہوئے تھے، انہی میں سے ایک حجرہ حضرت مریمؑ کا تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام ایک تو یوں بھی سردار خدام تھے۔ اور اس حیثیت سے ہر خادم وخادمہ کی نگرانی رکھنا آپ کے فرائض میں داخل تھا اور پھر حضرت مریمؑ کے تو آپ بزرگ و سرپرست بھی تھے ان کے حجرہ میں قدرۃً آپ کی آمد و رفت رہا کرتی۔ قرآن حکیم کے ایک ذرا سے لفظ كُلَّمَا نے اس سارے مفہوم یعنی حضرت زکریا علیہ السلام کی کثرت آمد و رفت اور غیر متوقع وجود رزق سب کی طرف اشارہ کر دیا۔ وكلما تقتضى التكرار فيدل على كثرة تعهده وتفقده لاحوالها ودلت الاٰية على وجود الرزق عندها كل وقت يدخل عليها (بحر) رِزْقًا کھانے پینے کا سامان۔ مثلاً تر وتازہ میوے۔ بعض "جدت پسندوں" نے یہاں رزق کے معنی فیض اور علم و حکمت کے لئے ہیں۔ لیکن محققین نے کہا ہے کہ یہ تفسیر کے حدود سے تجاوز کر جاتا ہے ابعد من فسّر الرزق هنا بانه "فيض" (بحر) هذا شبيه بتفسير الباطنية (بحر) رِزْقًا کی تنوین تعظیم و تفخیم کے لئے ہے یعنی وہ رزق کوئی ندرت کا پہلو رکھتا تھا۔ التنكير فی قوله رزقا يدل على تعظيم حال ذٰلک الرزق كانه قيل رزقا ای رزق غريب عجيب (کبیر) مریمؑ اپنی ساری عظمت و جلالت کے باوجود بہرحال پیمبر نہ تھیں اسی بنا پر محققین اہل سنت نے آیت کو اثبات کراماتِ اولیاء کے باب میں نص قرار دیا ہے۔ اور علماء فرقہ شیعہ بھی اس باب میں ان سے متحد ہیں۔ اختلاف صرف معتزلہ کو ہے۔ واستدل بالاٰية على جواز الكرامة للاولياء لان مريم لانبوة لها و هذا هو الذى ذهب اليه اهل السنة والشيعة وقالت فی ذٰلک المعتزلة (روح) وهو دليل جواز الكرامة للاولياء (بیضاوی) احتج اصحابنا على صحة القول بكرامة الاولياء بهذه الاٰية (کبیر) و۹۸ یعنی لاتا تو میں ہی لاتا۔ میرے سوا اور کون اس سامان کا پہنچانے والا ہو سکتا ہے؟ سوال اظہار حیرت کے لئے ہے۔ استغرب زكريا وجود الرزق عندها وهو لم يكن

اِنَّكَ سَمِيۡعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتۡهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ

بے شک تو دعا کا (بڑا) سننے والا ہے ف۱۰۳ پس انہیں فرشتوں نے آواز دی اس حال میں کہ وہ

قَآئِمٌ يُّصَلِّىۡ فِى الۡمِحۡرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ

حجرہ میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری

بِيَحۡيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا

دیتا ہے ف۱۰۴ جو کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور مقتداء ہوں گے

وَّحَصُوۡرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ

اور بڑے ضبطِ نفس کرنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے صالحین میں سے، ف۱۰۵ (زکریا) بولے اے میرے

اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ وَّقَدۡ بَلَغَنِىَ الۡكِبَرُ وَامۡرَاَتِىۡ

پروردگار میرے بیٹا کس طرح ہوگا درآنحالیکہ مجھے بڑھاپا آ پہنچا ہے اور میری بیوی

عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفۡعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾

بانجھ ہیں ف۱۰۶ ارشاد ہوا اسی طرح اللہ کر دیتا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے ف۱۰۷

قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّىۡۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ

(زکریا) بولے اے میرے پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر کردے، ف۱۰۸ ارشاد ہوا کہ تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ تو

النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا ؕ وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ كَثِيۡرًا

لوگوں سے بات نہ کرسکے گا تین دن تک بجز اشارہ کے ف۱۰۹ اور اپنے پروردگار کو بکثرت یاد کرتے رہو

وَّسَبِّحۡ بِالۡعَشِىِّ وَالۡاِبۡكَارِ ﴿۴۱﴾ ع وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ

اور تسبیح کرتے رہو دن ڈھلے بھی اور صبح بھی ف۱۱۰ اور (وہ وقت یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا کہ

يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰٮكِ وَطَهَّرَكِ وَاصۡطَفٰٮكِ

اے مریم بے شک اللہ نے آپ کو برگزیدہ کیا ہے ف۱۱۱ اور پاک کردیا ہے اور آپ کو دنیا جہان کی

ع ۴ / ۱۱ / ۱۲

انی به فسال علی سبیل التعجب من وصول الرزق الیها (بحر) ف۹۹ (براہ راست اور بلا کسی واسطہ ظاہری کے) اہل اللہ کے ساتھ اس قسم کے خوارق کا ظہور کوئی انوکھی بات نہیں۔ ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اور بالفرض اس مومنہ قانتہ کو یہ سامان کسی ظاہری واسطہ سے بھی پہنچ رہے ہوں۔ جب بھی اس کی نظر تو اس واسطہ پر نہیں براہ راست اللہ تعالیٰ پر تھی ف۱۰۰ (خواہ واسطوں سے ہو۔ خواہ بلا واسطہ اور بلا استحقاق) اللہ اپنی مشیت تکوینی کے ہر جزئیہ میں جس طرح آزاد ہے اسی طرح تقسیم رزق کے باب میں ہے۔ اس میں رد آ گیا ان مشرک قوموں کا جنہوں نے خوشحالی اور بدحالی کو پہلے جنم کے اعمال کا نتیجہ قرار دیا ہے ف۱۰۱ (قدرتِ الٰہی کے تازہ مشاہدہ سے متاثر ہوکر) هُنَا کا دوسرا ترجمہ (وہیں) کے علاوہ (معاً) بھی ہوسکتا ہے۔ ہنا ظرفیہ کے لئے ہے۔ اور اس میں ظرف مکان اور ظرف زمان دونوں شامل ہیں۔ یعنی اسی جگہ بھی اور اسی وقت بھی۔ اسم یشاربه للمکان القریب وقدیشاربه للزمان اتساعًا (جمل) گو اصلی مفہوم ظرف مکان ہی کا ہے۔ یستعمل للزمان والمکان واصله للمکان (قرطبی) ای فی ذلک المکان اوفی ذلک الوقت فقد یستعارهنا و ثم وحیث للزمان (کشاف) هنا ظرف مکان وجوّزان یراد بها الزمان مجازًا (روح) هُنَالِكَ دَعَا۔ آیت سے استدلال مکان مبارک میں دعا کی مقبولیت پر کیا گیا ہے۔ علیٰ ہذا وقت مبارک میں بھی دعا کی مقبولیت پر حضرت زکریا علیہ السلام کو جب یہ مشاہدہ ہوگیا کہ یہ مقام خرق عادت کے صدور کا ہے تو آپ بھی وہیں دعا کرنے لگے۔ فی قوله هنالک دعا دلالة علی ان یوفی العبد بدعائه الامکنة المبارکة والازمنة المشرفة (بحر) ف۱۰۲ (جو میرے سلسلۂ روحانی کو آگے چلا سکے) هَبۡ لِىۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ۔ مجھے بھی اپنی عنایت سے اسی طرح دے جیسے کہ والدہ مریم کو مریم عنایت ہوچکی ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا سن زیادہ ہو چکا تھا اور بیوی صاحبہ بھی عقیم سمجھ لی گئی تھیں۔ ایک خارق عادت کو دیکھ کر آپ کا ذہن معاً اسی طرف زور شور کے ساتھ منتقل ہوا کہ جو خدا اس پر قادر ہے کہ بلا اسباب ظاہری یہاں یہ تر و تازہ میوے پہنچا دے، وہ یقیناً اس پر بھی قادر ہے کہ اس سن میں مجھے نعمت اولاد سے سرافراز کردے۔ مِنۡ لَّدُنۡكَ۔ یہ خبر صاف ظاہر کر رہی ہے کہ دعا کرنے والے کی نظر اس عالم اسباب میں بھی اسباب سے کہیں زیادہ مسبب الاسباب پر ہے۔ ذُرِّيَّةً۔ اولاد کی خواہش ایک امر طبعی ہے اور زہد کیا معنی کمال زہد کے بھی منافی نہیں۔ قرآن مجید نے بار بار پیغمبروں کی زبان سے اس قسم کی دعائیں نقل کرکے بتا دیا کہ وہ مذاہب حقیقت سے کتنی دور ہیں جنہوں نے بیوی بچوں کو مطلق صورت میں جنجال قرار دیا ہے۔ ہماری شریعت حقہ میں اولاد کی خواہش تو سنت انبیاء و صدیقین بتائی گئی ہے اور صحیح بخاری میں تو مستقل عنوانات طلب ولد کے فضائل میں ہیں:۔ دلت هذه الاٰية علی طلب الولدوهی سنة المرسلین والصدیقین (قرطبی) وقدترجم البخاری علی هذا باب طلب الولدوالاخبار فی هذا المعنی کثیرماتحث علی طلب الولد وتندب الیه (قرطبی) ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً۔ طیبہ کے اضافہ نے اسے صاف کردیا کہ اہل اللہ کی نظر آخرت پر بہرحال رہتی ہے اولاد کی خواہش میں بھی مطلق کوئی مضائقہ نہ تھا لیکن حضرت زکریا علیہ السلام محض اولاد ہی نہیں چاہتے، اولاد صالح چاہتے ہیں جو ان کے بعد ان کے مشن تبلیغ توحید کو جاری رکھے۔ اللہ والوں کی نگاہ میں اخلاق و روحانی فضائل بہرصورت مقدم رہتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے امور کے لئے دعا کرنا جو اسباب قریبہ سے ہٹ کر ہوں، آداب دعا کے منافی نہیں۔ ف۱۰۳ (اور بڑا قبول کرنے والا ہے) حق تعالیٰ کی اس صفت پر بار بار زور دینا مادی اور نیچری عقیدہ کے لوگوں کے رد میں ہے جو واقعات کو تمامتر اسباب ظاہری ہی کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اور ارادہ حق تعالیٰ کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں رکھتے۔ انجیل میں ہے کہ "زکریا نام کا ایک کاہن تھا۔ اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی اور اس کا نام الیشبع تھا۔ اور ان کے اولاد نہ تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے"۔ (لوقا۔ ۱: ۵۔ ۷) ف۱۰۴ (دعا معاً قبول ہوگئی۔ اور آپ کو حالت نماز ہی میں فرزند کی بشارت مل گئی)۔ الۡمَلٰٓئِكَةُ۔ صیغہ جمع ہے لیکن لازمی نہیں کہ آواز دینے والے کئی ہوں۔ صیغہ جمع اسم جنس کا بھی کام دیتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ آواز دینے والا ایک ہی فرشتہ ہو۔ وجائز فی العربیة ان یخبرعن لفظ الجمع (قرطبی) قال الزجاج ای اتاه النداء من هذا الجنس الذین هم الملٰئکة (ابوسعود) ذلک جائز فی کلام العرب بان تخبر عن الواحد بمذهب الجمع (ابن جریر) يَحۡيٰى۔ عہد جدید کے صحیفوں میں ان کا نام یوحنا آتا ہے۔ انجیل میں اس موقع پر آتا ہے:۔ "فرشتہ نے اس سے کہا۔ اے زکریا خوف نہ کر کیونکہ تیری دعا سن لی گئی اور تیری بیوی الیشبع تیرے لئے بیٹا جنے گی تو اس کا نام یوحنا رکھنا اور تجھے خوشی و خرمی ہوگی (لوقا ۱: ۱۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی اور آپ سے سن میں حسب روایت انجیل صرف چھ مہینہ بڑے تھے ۳۰ء میں والئے شام ہیرود کے حکم سے شہید ہوئے۔ ف۱۰۵ كَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ جس طرح روح القدس لقب حضرت جبرئیل کا ہے، کلمۃ اللہ لقب حضرت مسیح علیہ السلام کا ہے۔ یعنی عیسٰی فی قول اکثر المفسرین (قرطبی) وهو اختیار الجمهور (کبیر) قاله ابن عباس ومجاهد والحسن وقتادة والسدی وغیرهم (بحر) مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ آپ کی اصل حیثیت مسیح علیہ السلام کے پیش رو اور نقیب ہی کی تھی۔ بعض نے کلمۃ اللہ سے مراد کتاب اللہ بھی لی ہے۔ قال ابو عبید معنی بکلمة من الله بکتاب من الله (قرطبی) سَيِّدًا۔ یعنی دین کے باب میں مقتداء و پیشوا۔ مسیحی تو خیر آپ کے تقدس کے قائل ہی ہیں۔ یہود جو آپ کے منکر اور آپ کے سخت دشمن ہیں، وہ بھی آپ کی مرجعیت و مقبولیت سے انکار نہیں کرتے۔ حَصُوۡرًا۔ یعنی لذات و شہوات پر اسے قابو حاصل ہوگا۔ اور وہ نہایت درجہ محتاط و متقی ہوگا، انجیل میں آپ کے زہد و تبتل کا ذکر تصریح کے ساتھ ہے۔ مثلاً:۔ "وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ مئے نہ کوئی اور شراب پئے گا۔ اور اپنی ماں کے پیٹ ہی سے روح القدس

سے بھر جائے گا"۔ (لوقا۔ ۱۶:۱) اور بہت سے بنی اسرائیل کو خداوند کی طرف جو ان کا خدا ہے پھیرے گا اور وہ انبیاء کی روح اور قوت میں اس کے آگے آگے چلے گا کہ والدوں کے دل اولاد کی طرف اور نافرمانوں کو راستبازوں کی دانائی پر چلنے کی طرف پھیرے اور خداوند کے لئے ایک مستعد قوم تیار کرے"۔ (لوقا۔ ۱:۱۷، ۱۸) "اور وہ لڑکا بڑھتا اور روح میں قوت پاتا گیا اور اسرائیل پر ظاہر ہونے کے دن تک جنگلوں میں رہا"۔ (لوقا۔ ۱:۸۰) نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نبوت کا اثبات یہود کے مقابلہ میں ہے جو نعوذ باللہ آپ کو ایک بنا ہوا انسان سمجھتے تھے اور آپ کی صالحیت کا اثبات یہود کے مقابلہ میں تو مسلم ہے لیکن خود مسیحیوں کے مقابلہ میں بھی ہے جن کے نزدیک عصمت و تقویٰ لازمۂ نبوت تھیں۔ وٹ ۱۰۶ انجیل میں اس موقع پر ہے۔ "زکریا علیہ السلام نے فرشتہ سے کہا میں اس بات کو کس طرح جانوں کیونکہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی بھی عمر رسیدہ ہے"۔ (لوقا۔ ۱:۱۸) "ان کے اولاد نہ تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے"۔ (لوقا ۱:۷) اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ۔ یعنی اس بشارت کے تحقق کی متعین صورت آخر کیا ہوگی؟ آیا میری جوانی عود کر آئے گی یا اور کوئی خاص انقلاب ہوگا؟ وعدہ الٰہی سے بے اعتباری کا یہاں کوئی سوال نہیں۔ حضرت تو محض متعین صورت جاننا چاہتے ہیں لیکن بالفرض عدم اطمینان بھی مراد لی جائے، جب بھی خلاف اسباب عادیہ کسی شے کے غیر وقوع پر حیرت بالکل طبعی ہے اور پیغمبر بھی امور طبعی میں بالکل بشر ہی تھے۔ وٹ ۱۰۷ (کہ اس حقیقت کا مراقبہ ہر استبعاد کے رفع کر دینے کے لئے کافی ہے) كَذٰلِكَ یعنی عود شباب وغیرہ کچھ نہ ہوگا۔ بس اسی موجودہ حالت کے ساتھ ولادت فرزند ہوگی۔ وٹ ۱۰۸ (جس سے مجھے معلوم ہو جائے کہ گھر میں حمل ہے اور زمانہ ولادت قریب ہے اور میں ادائے شکر کا سامان کر سکوں) اٰيَةً ہر ایسی چیز ہے جس سے قدرت الٰہی نصرت غیبی خاص طور پر ظاہر ہو رہا ہو۔ ایسی چیز کو قدرۃً معمول عام سے کسی قدر ہٹا ہونا چاہیے اور اس واقعہ میں اعجازی رنگ ضرور ہونا چاہیے۔ وٹ ۱۰۹ (اور تسبیح وعبادتِ الٰہی اس حال میں بھی جاری رہے گی) اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ۔ انجیل کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی بڑی معصیت حضرت زکریا علیہ السلام سے سرزد ہو گئی تھی۔ اور اس کی سزا میں ان کی قوتِ گویائی چند روز کے لئے سلب کر لی گئی تھی۔ "اور دیکھ جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہولیں تو چپکا رہے گا اور بول نہ سکے گا۔ اس لئے کہ تو نے میری باتوں کا جو اپنے وقت پر ہوں گی یقین نہ کیا۔ جب وہ باہر آیا تو ان سے بول نہ سکا۔ پس انہوں نے معلوم کیا کہ اس نے مقدس رؤیا دیکھی ہے اور وہ ان سے اشارے کرتا تھا۔ اور وہ گونگا ہی رہا"۔ (لوقا ۱:۲۰، ۲۲) قرآن مجید جو تمام قدیم صحیفوں پر مہیمن یا نگران و نگہبان ہے اور ان کی تمام غلطیوں اور غلط بیانیوں کی تصحیح کرتا جاتا ہے، یہاں بھی اس نے حسب معمول اپنا فرض ادا کیا اور حضرت زکریا علیہ السلام سے یہ بہتان رفع کر کے صحیح صورت حال یہ بیان کی کہ ایک علامت غیبی واعجازی کی تو انہوں نے خود درخواست کی تھی اور ان کی اس درخواست پر یہ علامت غیبی عطا ہوئی تھی کہ آپ تسبیح وذکر الٰہی تو اپنی جگہ پر بدستور کرتے رہیں گے۔ البتہ لوگوں سے بات چیت کی قوت آپ کو تین دن کے لئے حاصل نہ رہے گی۔ تُكَلِّمَ النَّاسَ میں النَّاسَ ہی تو فقرہ کی جان ہے۔ انما خص تكليم الناس ليعلم انه يحبس لسانه عن القدرة على تكليمهم خاصة مع ابقاء قدرته على التكلم بذكر الله (مدارک) ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ۔ تین دن اور تین راتیں۔ دن کہنے سے رات اس میں تبعاً شامل ہو گئی ہے۔ سکوت طویل خصوصاً صوم سکوت کی حالت میں قدیم مذاہب وادیان میں جزء عبادت رہ چکا ہے۔ رَمْزًا۔ رمز میں سر کے اشارے بھی آ گئے اور ہاتھوں کے بھی۔ انجیل میں ہے:۔ "اور وہ ان سے اشارے کرتا تھا"۔ (لوقا ۱:۱۳) فقہاء مفسرین نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ اشارہ بھی کلام کا قائم مقام ہے۔ فی هذه الاٰية دليل على ان الاشارة تنزل منزلة الكلام و ذٰلك موجود فی كثير من السنة (قرطبی) وٹ ۱۱۰ (دل وزبان سے) وَاذْكُرْ۔ وَسَبِّحْ۔ یعنی ذکر الٰہی وتسبیح کا شغل دل میں بھی جاری ہے اور زبان سے بھی یہ نہ ہوگا کہ آپ کی زبان بہ طور مرض یا عذاب الٰہی کے مطلقاً بند ہو جائے اور آپ بالکل "گونگے" ہو جائیں (جیسا کہ انجیل میں درج ہے) بلکہ ذکر وتسبیح میں آپ برابر لگے رہیں گے۔ البتہ لوگوں سے گفتگو پر قادر نہ رہیں گے اور یہی

اس امر کی علامت ہوگی کہ حمل قرار پا گیا اور ظہور یحییٰ علیہ السلام کا زمانہ قریب آ گیا۔ عَشِيّ۔ زوال آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک کا سارا وقت اس میں آ گیا۔ العشی من حين ان تزول الشمس الى ان تغيب (کشاف) اِبْكَار۔ طلوع فجر سے دن چڑھے تک کا وقت اس میں شامل ہے۔ الابكار من طلوع الفجر الى وقت الضحى (کشاف) محاورہ میں مراد صبح وشام کے اوقات کی تعیین وتخصیص ہی نہیں بلکہ دوام بھی ہو سکتی ہے۔ وٹ ۱۱۱ (بعض خصوصیات کے لحاظ سے) اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ یہ قول خواہ بہ طور الہام ہو جس کا تعلق محض قلب وباطن سے ہے خواہ بہ طور نداء ہو جس کا تعلق سماعت اور ظاہر سے ہے ملٰئكة کے صیغہ جمع سے یہ لازم نہیں آتا کہ کہنے والے کئی کئی فرشتے ہوں۔ ملٰئكة سے مراد جنس ملائکہ بھی ہو سکتی ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ ملائکہ کا غیر انبیاء کے ساتھ ہمکلام ہونا آیت سے ثابت ہے البتہ ملائکہ کے لائے ہوئے پیام تبلیغ صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اصْطَفٰىكِ۔ اس اصطفاء کا تعلق مریم علیہا السلام کے بچپن سے ہے یعنی اللہ نے تو شروع ہی سے آپ کو بزرگی دے رکھی ہے، آپ کی والدہ کی دعاؤں کو سن کر آپ کو خلعت وجود بخشا گیا۔ پھر ہیکل کی خدمت کا کام لڑکوں اور مردوں کے لئے مخصوص تھا۔ آپ کو لڑکی ہونے کے باوجود اس کا موقع عنایت کیا گیا۔ پھر آپ کو آپ کے حجرہ میں غذائیں جس اعجازی رنگ میں پہنچائی گئیں اس نے زکریا علیہ السلام نبی تک کو متحیر کر دیا۔ یہ سب شواہد آپ کی برگزیدگی ہی کے تو ہیں۔ طَهَّرَكِ۔ یعنی آپ کو گناہوں کی آلائش سے پاک صاف کر دیا۔ آپ کو اخلاقی پاکیزگی کا ایک نمونہ بنا دیا۔ يعنی طهر دينک من الريب والادناس التی فی اديان نساء بنی اٰدم (ابن جریر) ای نزهک عن الاخلاق الذميمة و الطباع الردية (روح) روی عن الحسن وابن جبير ان المراد طهرک بالايمان عن الكفر و بالطاعة عن المعصية (روح) طهرک من الافعال الذميمة والعادات القبيحة (کبیر) عن مجاهد عما يعم النساء فی خَلق و خُلق و دين (بحر) عن مجاهد من الريب والشكوک (بحر) یہ خصوصیت کے ساتھ یہود کے رد میں ہے جو اپنی خباثت سے طرح طرح کے گندے الزامات حضرت مریمؑ پر لگائے ہوئے تھے اور آج تک لگاتے چلے آ رہے ہیں۔ وٹ ۱۱۲ اصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ۔ پہلے اصطفاء کا تعلق مریمؑ کے بچپن سے ہے۔ یعنی پیدائش ہی ایسی ہوئی اس اصطفاء کا تعلق ان کے بلوغ کے بعد سے ہے۔ یہ دوسری برگزیدگی خاص خاص حیثیات سے تھی۔ مثلاً اس صفت میں کہ مرد کے توسط کے بغیر محض مس ملکی سے انہیں ماں بنا دیا گیا انجیل میں بھی فضیلت مریمؑ کا ذکر ہے لیکن قرآن مجید سے کہیں ہلکے لفظوں میں:۔ "اس کنواری کا نام مریمؑ تھا اور فرشتہ نے اس کے پاس اندر آ کر کہا سلام تجھ کو جس پر فضل ہوا ہے خداوند تیرے ساتھ ہے (لوقا۔ ۱:۲۷، ۲۸) وٹ ۱۱۳ آیت ماقبل اگر یہود کے رد میں تھی جنہوں نے مریمؑ کی ذات کو اتہامات کا ہدف بنا رکھا تھا تو یہ آیت یہود ونصاریٰ دونوں کے رد میں ہے۔ یہود کو تو یہ بتایا گیا کہ آپؑ بڑی عبادت گزار وطاعت شعار خاتون تھیں اور نصرانیوں کو یہ جتلایا گیا کہ مریمؑ نہ (نعوذ باللہ) خدا کی ماں تھیں اور نہ کسی قسم کی دیوی، کہ ان کی پرستش کی جائے یا انہیں کسی درجہ میں بھی شریک عبادت کیا جائے۔ بلکہ ان کی ساری بزرگی وبرگزیدگی تو بس یہ تھی کہ وہ اپنے مالک ومولیٰ کی مخلص پرستار، فرمانبردار اور نہایت درجہ عبادت گزار وطاعت شعار تھیں۔ وٹ ۱۱۴ (اے پیغمبر!) یعنی یہ واقعات وہ ہیں جو آپ سے کئی سو سال قبل ایک دوسرے ملک میں پیش آئے تھے اور اب دنیا سے ان کی صحیح تاریخ تک مٹ چکی ہے اور ان کے علم واقعی کا کوئی ذریعہ بھی اب بجز وحی الٰہی کے باقی نہیں۔ آپ کو بالکل ٹھیک ٹھیک وحی کے ذریعہ سے القاء کئے جا رہے ہیں اور یہ بجائے خود ایک دلیل آپ کی صداقت کی ہے۔ وٹ ۱۱۵ (شام کے دریائے یردن میں تفاؤل کے لئے) اِذْ يُلْقُوْنَ۔ اس فعل کے فاعل کون تھے؟ یروشلم کے ہیکل مقدس کے خدام اور کاہن (بہ اصطلاح یہود) اَقْلَامَهُمْ۔ ہیکل سلیمانی کی خدمت ونگہداشت کے لئے خادموں کی ایک بڑی جماعت رہا کرتی تھی جیسے کہ بڑی مسجدوں کی خدمت کے لئے جاروب کشوں، فراشوں دربانوں مؤذنوں وغیرہ کا پورا عملہ رہتا ہے، حضرت مریمؑ کے والد حضرت عمران اپنے زمانہ میں ان خادمانِ حرم کے سردار تھے۔ ان

کی وفات پر سوال یہ پیدا ہوا کہ اب مریمؑ کا سرپرست کون ہو۔ رشتہ ان خادموں میں سب سے قریب حضرت زکریا علیہ السلام کا تھا کہ آپ مریمؑ کے خالو تھے۔ طے یہ پایا کہ سوال کا حل فال کے ذریعہ سے کیا جائے۔ فال اشارۂ غیبی کی قائم مقام تھی۔ فال کا طریقہ یہ رائج تھا کہ نے کے قلم جو توریت لکھنے کے ہوتے تھے، ان پر توریت شریف ہی کے کچھ کلمات لکھ کر انہیں دریائے یردن میں ڈال دیا جاتا تھا۔ اور قلم عموماً دریا ہی کے رخ بہنے لگتے لیکن بعض قلم مخالف رخ کو بہتے اور یہی مخالف بہاؤ کامیابی کی علامت سمجھی جاتی جیت ایسے ہی قلم کے مالک کی سمجھی جاتی۔ گویا غیب سے ڈگری اس کے حق میں ہوگئی۔ یہی صورت یہاں ہوئی اور قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا۔ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ۔ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ یعنی جب یہ مریمؑ کی کفالت وسرپرستی کا قضیہ طے ہورہا تھا تو آپ خود تو وہاں موجود نہ تھے اور نہ کوئی معتبر چشم دید شہادت ہی آپ تک پہنچی، پھر جو آپ اتنی صحیح اور سچی خبریں اپنی زبان سے ادا کررہے ہیں۔ ان کا ذریعہ بجز وحی الٰہی کے اور ہو کیا سکتا ہے؟ ف۱۱۶ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ کے صیغہ جمع پر حاشیے دوبار ابھی اوپر گزر چکے۔ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ۔ کلمۃ اللہ پر حاشیہ ابھی چند آیتیں قبل گزر چکا ہے۔ بشارت یہاں مریمؑ کو بیٹے کی مل رہی ہے۔ وہ بیٹا جسے بن باپ کے ہونے کی بنا پر کلمۃ اللہ کہا گیا ہے۔ حضرت مریمؑ اس وقت تک یہودی رسم ورواج کے لحاظ سے ناکتخدا اور کنواری تھیں البتہ آپ کی منگنی آپ ہی کے کفو وقبیلہ آل داؤد کے ایک نوجوان یوسف نامی سے ہوچکی تھی۔ جن کے ہاں کاروبار چوب سازی کا ہوتا تھا۔ انجیل کا بیان ہے۔

عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ

بیویوں کے مقابلہ میں برگزیدہ کرلیا ہے ف۱۱۲ اے مریم اپنے پروردگار کی اطاعت کرتی رہ

وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ

اور سجدہ کرتی رہ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہ ف۱۱۳ یہ (واقعات)

اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ

غیب کی خبروں میں سے ہیں، ہم آپ کے اوپر ان کی وحی کررہے ہیں ف۱۱۴ اور آپ تو ان لوگوں کے پاس تھے نہیں،

اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪

اس وقت جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریمؑ کی سرپرستی کرے

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ

اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت تھے جب وہ باہم اختلاف کررہے تھے ف۱۱۵ (وہ وقت یاد کرو) جب

الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ

فرشتوں نے کہا کہ اے مریم! اللہ آپ کو خوشخبری دے رہا ہے

مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

اپنی طرف سے ایک کلمہ کی ان کا نام (ولقب) مسیح عیسیٰ ابن مریم

وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ ۙ

ہوگا ف۱۱۶ دنیا و آخرت (دونوں) میں معزز اور مقربوں میں سے ف۱۱۷

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ

اور وہ لوگوں سے گفتگو کریں گے۔ گہوارہ میں بھی اور پختہ عمر میں بھی اور صالحین میں سے

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ

ہوں گے ف۱۱۸ وہ بولیں اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح

''جبریل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک مرد یوسف نام سے ہوئی تھی۔ اور اس کنواری کا نام مریمؑ تھا۔ لوقا۔ ۱: ۲۶، ۲۷)'' یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب آپ کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ (متی۔ ۱: ۱۸) رسم منگنی کی جو اہمیت یہود کے ہاں تھی اس کے لحاظ سے ہمیں اپنی اصطلاح و زبان میں یوں کہنا چاہیے کہ آپ کا عقد ہوگیا تھا۔ مگر رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی۔ گویا خلوت کی اجازت ابھی عرفاً نہیں ہوئی تھی۔ اِسْمُهٗ۔ اسم کی وسعت مفہوم و جامعیت پر حاشیہ پارۂ اول میں عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کے تحت میں گزر چکا ہے۔ اسم مسمّٰی کے تعارف کے لئے ہوتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ کے تعارف کے لئے یہ پوری عبارت ضروری تھی۔ المسیح عیسیٰ ابن مریم۔ اَلْمَسِيْحُ۔ لفظ مسیح کے اشتقاق میں اختلاف ہے لیکن خواہ یہ لفظ عربی الاصل ہو خواہ عبرانی کے کسی لفظ کا معرب۔ بہر صورت اپنے معنٰی کے لحاظ سے ''مبارک'' کا مرادف ہے۔ عِيْسٰى۔ انجیل کے تلفظ اور املا میں ''یسوع''۔ ف۱۱۷ (اللہ تعالیٰ کے) ابْنُ مَرْيَمَ۔ یہودیت اور مسیحیت دونوں کے رد ساتھ ساتھ چل رہے ہیں ابْنُ مَرْيَمَ کہہ کر قرآن مجید نے یہ حقیقت بیان کردی کہ عیسیٰ علیہ السلام خود تو بشر تھے ہی۔ فرزند بھی کسی دیوی دیوتا کسی مافوق البشر کے نہ تھے۔ محض عورت ذات کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ یہ یہود کے رد میں ہے کہ تم جس کے حق میں ہر قسم کی توہین وافترا روا رکھتے ہو وہ صاحب عزت واکرام ہیں۔ یہود کی قدیم کتابوں میں کوئی دقیقہ حضرت مسیح علیہ السلام کی توہین وتحقیر کا اٹھا نہیں رہا ہے۔ یہ قرآن ہی کی برکت واعجاز ہے کہ اس کے نزول کے بعد سے رفتہ رفتہ اب خود یہود کے لہجہ کی تلخی نرمی میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ اور تالمود کے الزامات دہراتے ہوئے یہود کو شرم آنے لگی ہے۔ آخرت کے اعزاز کا مشاہدہ تو خیر جب ہوگا، ہوگا۔ دنیا کا اعزاز اس سے ظاہر ہے کہ روئے زمین کے ۴۰۔ ۵۰ کروڑ مسلمان آج انہیں اللہ کا پیغمبر برحق مان رہے ہیں۔ ان کا نام بغیر علیہ السلام کے نہیں لیتے اور کروڑوں کی تعداد میں عیسائی ہیں جو انہیں انسان کے مرتبہ سے بھی بلند تر سمجھ رہے ہیں۔ یہ عقیدہ گو احمقانہ ہے لیکن بہرحال آپ کی تعظیم واحترام ہی سے ناشی ہے، مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ۔ قرآن مجید کا یہ کمال اعجاز ہے کہ ایک ایک لفظ سے پورا پورا مضمون ادا ہوجاتا ہے۔ یہاں اس لفظ سے ایک طرف تو آپ کا اصل مقام بتادیا، یعنی تقرب الٰہی۔ دوسری طرف یہودیت کے رد میں آپ کی شہادت دے دی۔ تیسری طرف مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ کی ترکیب سے یہ ظاہر کردیا کہ اس مقبولیت میں وہ منفرد نہیں، دوسرے بندے بھی ان کے ساتھ شریک ہیں اور مسیح علیہ السلام بایں عظمت واجلال بہرحال عبدیت سے مافوق کوئی مرتبہ نہیں رکھتے۔ ف۱۱۸ (نہ کہ معاذ اللہ ساحر یا شعبدہ باز یا بد اخلاق جیسا کہ یہود نے افتراء کر رکھا ہے) لیکن بایں عظمت واجلال بہرحال دوسرے ہی بندگان صالح کی طرح ہوں گے۔ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ نہ کہ ان سے مافوق کچھ اور جیسا کہ مسیحیوں نے اپنے دل سے ٹھہرا لیا ہے۔ يُكَلِّمُ النَّاسَ۔ اس سے اشارہ نکلتا ہے آپ کے جوش تبلیغ کی جانب۔ لوگوں سے آپ کی گفتگو قصہ کہانی کی نہیں، یقیناً توحید وتصحیح عقائد ہی پر ہوگی۔ انجیلوں سے بھی جتنی شہادتیں ملتی ہیں سب سے تائید آپ کے جوش تبلیغ ہی کی ہوتی ہے۔ فِى الْمَهْدِ۔ یعنی بالکل بچپن سے۔ یا اس سن سے جو گہوارہ میں لیٹے رہنے کا ہوتا ہے۔ ای طفلاً (کشاف) حال کونہ طفلا (بیضاوی) اتنی کم سنی سے گفتگو پر یہ قدرت اعجازی رنگ میں تھی۔ انجیلی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بارہ سال کے سن میں تبلیغ کرنے لگے تھے۔ اور اچھے اچھے دانا آپ کی گفتگو سن کر دنگ رہ جاتے تھے۔ (لوقا، ۲: ۴۲، ۴۶، ۴۷) كَهْلًا۔ سے مراد پختہ عمر سے ہے یعنی بچپن اور بڑھاپے کا درمیانی زمانہ اس کا اطلاق ۳۰ سے اوپر ۵۰ سال کے سن تک ہوتا ہے۔ الكهل بين حال الغلومة وحال الشيخوخة (قرطبی) الكهل مابين الشاب والشيخ (روح) حضرت مسیح علیہ السلام کے بچپن اور پھر پختہ عمری کے ذکر سے اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ ہر انسان کی طرح آپ کا نشوونما بھی تدریجاً ہوتا رہا۔ اور یہ نشوونما خود ایک مستقل دلیل رد الوہیت پر ہے۔

و۱۱۹ (بہ طریق مواصلت) حسب بیانِ انجیل حضرت مریمؑ کی رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی اور رخصتی کے قبل نامزد شوہر سے خلوت یہودی قانون میں بالکل ممنوع تھی۔ قَالَتۡ رَبِّ۔ انجیل میں اس مقام پر ہے کہ "مریمؑ نے فرشتہ سے کہا" (لوقا۔۱:۳۴) قرآن مجید نے اپنے حسب دستور اس موقع پر بھی انجیل کے بیان کی تصحیح کر کے یہ بتادیا کہ مریمؑ کی مخاطبت اب فرشتہ سے نہیں براہ راست حق تعالیٰ سے تھی، اور ہر صاحب نظر پر واضح ہے کہ اس سے مریمؑ کا مرتبہ معرفت وایمان کتنا بڑھ جاتا ہے۔ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ وَلَدٌ۔ فرشتہ کی زبان سے وہ پوری تقریر سن کر اب حضرت مریمؑ اپنے مالک ومولیٰ سے یہ عرض کررہی تھیں۔ آپ کا یہ سوال ظاہر ہے کہ حیرت اور واقعہ کی غرابت کی بنا پر تھا نہ کہ شک وانکار کی بنا پر۔ فرشتہ یا فرشتوں سے دوبدو ہوجانے اور ان کی گفتگو سن لینے کے بعد انکار کا تو اب کوئی محل رہا ہی نہیں تھا۔ استبعاد البتہ باقی تھا جو عین لازمہ بشریت تھا۔ انجیل نے اس موقع پر جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ درج ذیل ہیں:۔ "فرشتہ نے اس کے پاس اندر آکر کہا۔ سلام تجھ کو جس پر فضل ہوا ہے۔ خداوند تیرے ساتھ ہے۔ وہ اس کلام سے بہت گھبرا گئی۔ اور سوچنے لگی کہ یہ کیسا کلام ہے۔ فرشتہ نے اس سے کہا اے مریم خوف نہ کر کیونکہ خدا کی طرف سے تجھ پر فضل ہوا ہے۔ اور دیکھ تو حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی۔ اس کا نام یسوع ہوگا وہ بزرگ ہوگا۔۔۔ مریمؑ نے فرشتہ سے کہا۔ یہ کیونکر ہوگا جس حال میں کہ میں مرد کو نہیں جانتی اور فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی" (لوقا۔۱:۲۸، ۳۴) و۱۲۰ رفع استبعاد کے لئے حضرت مریمؑ

وَلَدٌ وَّ لَمۡ یَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ

ہو گا درآنحالیکہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا ہے و۱۱۹ ارشاد ہوا ایسے ہی

اللّٰهُ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا

اللہ پیدا کر دیتا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے و۱۲۰ جب وہ کسی بات کو پورا کرنا چاہتا ہے تو بس

یَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ ﴿۴۷﴾ وَ یُعَلِّمُهُ الۡكِتٰبَ

اس سے کہتا ہے کہ ہو جا و۱۲۱ سو وہ ہو جاتی ہے اور (اللہ) اسے کتاب

وَالۡحِكۡمَةَ وَالتَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوۡلًا

اور حکمت اور انجیل سکھا دے گا و۱۲۲ اور وہ پیمبر ہو گا

اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۙ اَنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِاٰیَةٍ

بنی اسرائیل کے لئے و۱۲۳ (اور کہے گا) میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے

مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ۙ اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَكُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ

نشانی لے کر آیا ہوں، و۱۲۴ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندوں کی مانند

كَهَیۡـَٔةِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡهِ فَیَكُوۡنُ طَیۡرًۢا

صورت بنا دیتا ہوں پھر اس میں دم کر دیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ

بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبۡرِئُ الۡاَكۡمَهَ وَالۡاَبۡرَصَ وَاُحۡیِ

بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور مبروص کو اچھا کر دیتا ہوں اور میں

الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا تَاۡكُلُوۡنَ

اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں اور تم جو کچھ کھاتے ہو

وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ ۙ فِیۡ بُیُوۡتِكُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً

اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ جمع کرتے ہو وہ تمہیں بتلا دیتا ہوں بے شک ان (سارے واقعات) میں

کو یہاں یاد دلایا جارہا ہے کہ نظر مسبب الاسباب پر رکھنی چاہیے کہ وہی فاعل حقیقی ہے نہ کہ اسباب طبعی وظاہری پر کہ ان کی حیثیت محض واسطہ اور ذریعہ کی ہے كَذٰلِكِ۔ یعنی مس بشر کے بغیر ہی۔ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ۔ ابھی چند ہی آیتیں قبل ذکر زکریا علیہ السلام اور بڑھاپے میں ان کی اولاد کا آچکا ہے۔ وہاں اس موقع کے لئے جو آیت تھی اس کے الفاظ تھے كَذٰلِكَ اللّٰهُ یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ وہاں یَفۡعَلُ اور یہاں یَخۡلُقُ کا استعمال محض اتفاق نہیں۔ مفسر محقق ابوحیان غرناطی نے خوب لکھا ہے کہ وہاں تو ولادت عام سنت الٰہی کے مطابق یعنی مرد وزن کے اتصال سے تھی اگرچہ وہ مرد وزن سن سے اتر چکے تھے وہاں قدرتِ الٰہی کے اظہار کے لئے یفعل بالکل کافی تھا۔ برخلاف اس کے یہاں عام وجاری سنت الٰہی سے ہٹ کر بغیر مرد وزن کے اتصال کے صرف عورت ہی سے ولادت کا تحقق کرانا ہے۔ اس لئے یہاں لفظ بھی یَخۡلُقُ لایا گیا جو حق تعالیٰ کی صفت ایجاد واختراع پر دلالت کررہا ہے۔ هناک یفعل لانه ممکن اذهو من ذکر وانثی مسنین وهنا یخلق لانه لم یعهد مولود من غیر ذکر فجاء بلفظ یخلق الدال علی الاختراع الصرف من غیر مادة ذکر (نہر) من حیث ان امر زکریا داخل فی الامکان العادی الذی یتعارف وان قل وفی قصة مریم یخلق لانه لایتعارف مثلا وهو وجود ولدمن غیر والدفیه ایجاد واختراع من غیر سبب عادی فلذلک جاء بلفظ یخلق الدال علی هذا المعنی (بحر) و۱۲۱ (اور وہ ہوجاتا ہے خواہ اسباب کے واسطے سے ہو یا بلا کسی سبب ظاہری کے) اس قسم کی آیتیں برابران فلسفیوں اور باطل مذہبوں کی رد میں ہیں جو حادث پر قیاس کر کے قدیم کو بھی سلسلہ اسباب کا پابند سمجھتے ہیں۔ بعض نادانوں نے ایک سوال یہ پیدا کیا ہے کہ کوئی شے جب ابھی سرے سے موجود ہی نہیں ہے تو حق تعالیٰ کا خطاب اس سے ہوتا کس طرح ہے؟ کھلا ہوا جواب یہ ہے کہ علم الٰہی میں تو موجود ہی ہے یعنی اس کو حکم ہوتا ہے کہ خارج میں بھی موجود ہوجا۔ یَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ۔ قول كُنۡ سے مراد اس دو حرفی لفظ کا تلفظ نہیں کہ یہ حروف تو خود ہی حادث ہیں۔ مراد اللہ تعالیٰ کا قول اس کیفیت کے ساتھ ہے جو اس کے شانِ کمال کے لائق ہے۔ اور جس طرح اس کی تمام صفات کی تفصیلات فہم بشری کی گرفت سے باہر ہیں اس کے قول کی یہی کیفیت تفصیل سے نہیں سمجھی جاسکتی۔ مراد صرف یہ کہ ارادۂ الٰہی اور اس کی تعمیل کے درمیان کوئی شئی حائل یا حاجب نہیں۔ و۱۲۲ یُعَلِّمُهُ میں ضمیر مفعول ظاہر ہے کہ وَلَدٌ مریم یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے۔ حضرت کا جو مقام عظمت ان الفاظ سے بیان کرنا مقصود ہے وہ تو ظاہر ہی ہے لیکن خود مریمؑ کی بھی تشفی خاطر کا کتنا سامان ضمناً ہوا جارہا ہے۔ ارشاد گویا یہ ہورہا ہے کہ تم غم نہ کرو اور پریشان نہ ہو۔ بے شوہری اولاد کی بنا پر خلق تمہیں جتنا بدنام اور مطعون کرے گی، اس کی تلافی کے لئے اولاد بھی تمہیں کس پایہ کی مرحمت کی جارہی ہے۔ الۡكِتٰبَ۔ یعنی کتب سماوی۔ لفظ کتاب بہ طور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔ ذهب کثیرون الی ان ال فیه للجنس والمراد جنس الکتب الالٰهیة (روح) الۡحِكۡمَةَ۔ حکمت سے مراد یا تو جمیع امور دین ہیں (اور اس سے ضمناً اس پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے کہ پیمبر دینی تعلیم، اپنی کتاب یا صحیفہ کے علاوہ بھی لے کر آئے ہیں) اور یا تہذیب اخلاق۔ جمیع ما علمه من امور الدین (روح) المراد بالحکمة تعلیم العلوم و تهذیب الاخلاق (کبیر) و۱۲۳ رَسُوۡلًا۔ آپ کا مرتبہ پیمبری کا ہوگا۔ نہ آپ معاذ اللہ ساحر وشعبدہ باز ہوں گے جیسا کہ بدتمیز یہود نے آپ کو سمجھا۔ اور نہ (نعوذ باللہ) آپ خود خدا یا فرزند خدا ہوں گے۔ جیسا کہ نصرانیوں نے اپنی بیہودگی سے فرض کرلیا۔ اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ۔ یہ بالکل صریح ہے اس باب میں کہ آپ کی دعوت بنی اسرائیل تک محدود تھی اور دوسرے بنی اسرائیلی پیمبروں کی طرح آپؑ بھی صرف قومی نبی تھے۔ انجیل تک میں یہ تصریح۔ اتنی تحریفوں کے بعد بھی باقی رہ گئی ہے:۔ "ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور انہیں حکم دے کے کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ (متی۔۱۰:۵۔۷)" اس نے جواب میں کہا کہ بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس بھیجا نہیں گیا" (متی۔۱۵:۲۴) ...

عالمگیری ایجاد بندہ ہے ورنہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاں اس تعلیم کا پتہ نہیں۔ مسیح علیہ السلام نے اسرائیل کے باہر اپنے مرید تلاش نہیں کئے"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۵ ص ۶۳۱ طبع چہاردہم) اور مسیح علیہ السلام تو مسیح علیہ السلام حواریوں تک کا بھی یہ خیال نہ تھا: "اولین شاگردوں کو تعلیم مسیح کی عالمگیری کا احساس نہ ہوا۔ (ایضا ۲ ۶۳۲) ف۱۲۴ جِئۡتُكُمۡ بِاٰيَةٍ۔ ایۃ کے لفظی معنی نشان کے ہیں۔ یہاں معجزہ کے مفہوم میں آیا ہے۔ معجزہ ایسے واقعہ کے ظہور کا نام ہے جو عام ومتعارف سلسلہ اسباب سے الگ ہو۔ پیمبر کے ذریعہ سے ایسے غیر عادی واقعہ کا وقوع اس امر کی دلیل ہوتا تھا کہ نصرت حق وتائید الٰہی پیمبر کے ساتھ ہے۔ معجزہ کا فاعل کائنات کے بڑے چھوٹے، معمولی غیر معمولی ہر واقعہ کی طرح صرف اللہ تعالیٰ ہوتا ہے پیمبر محض واسطہ یا ذریعہ ہوتا ہے۔ جولوگ ایک قادر مطلق کے وجود کے قائل ہیں ان کے لئے کسی بڑے سے بڑے معجزہ کا نفسی امکان تو قابل انکار بلکہ قابل اشتباہ بھی ہو ہی نہیں سکتا۔ طبعی، غیر طبعی، عادی، غیر عادی، متعارف ومجہول، جلی وخفی اسباب کی تفریق تو بشری تجربات کے لحاظ سے ہے۔ قادر مطلق کے لئے سب بالکل یکساں ہیں۔ اب رہا کسی متعین معجزہ کا ثبوت تو اس کا تعلق منطق سے نہیں تاریخ سے ہے۔ عقل سے نہیں نقل سے درایت سے نہیں روایت سے ہے۔ ظن وتخمین کا یہاں دخل نہیں۔ اب گفتگو صرف سند متصل اور شہادت معتبر کی رو سے ہوگی۔ معجزات مسیح علیہ السلام کا ذکر انجیلوں میں بہ کثرت آیا ہے۔ مِنۡ رَّبِّكُمۡ یہ اضافہ اس حقیقت کی تاکید اور اس پر زور دینے کے لئے ہے کہ معجزہ کا ظہور حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ نہ کہ پیغمبر کے اختیار وقدرت سے۔

لَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا

تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو ف۱۲۵ اور میں تصدیق کرنے والا ہوں

بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمۡ بَعۡضَ

اپنے سے پیشتر آئی ہوئی توریت کی اور (اس لئے آیا ہوں) کہ تم پر جو کچھ حرام کر دیا گیا تھا

الَّذِىۡ حُرِّمَ عَلَيۡكُمۡ وَجِئۡتُكُمۡ بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ

اس میں سے تم پر کچھ حلال کر دوں ف۱۲۶ اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان لے کر آیا ہوں، ف۱۲۷

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىۡ وَرَبُّكُمۡ

سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ف۱۲۸ بے شک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے

فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّاۤ

سو اس کی عبادت کرو یہی میری راہ ہے ف۱۲۹ پھر جب

اَحَسَّ عِيۡسٰى مِنۡهُمُ الۡكُفۡرَ قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِىۡۤ

عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار ہی پایا ف۱۳۰ تو بولے میرا کون مددگار ہو گا

اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِيُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ ۚ

اللہ کے لئے حواری بولے ہم ہیں اللہ کے مددگار ف۱۳۱

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشۡهَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَاۤ

ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور آپ گواہ رہیے گا کہ ہم فرمانبردار ہیں ف۱۳۲ اے ہمارے پروردگار

اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ فَاكۡتُبۡنَا مَعَ

ہم ایمان لے آئے اس پر جو کچھ تو نے نازل کیا ہے اور ہم نے پیروی (اختیار) کر لی رسول کی سو ہم کو بھی گواہوں کے ساتھ

الشّٰهِدِيۡنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوۡا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيۡرُ

لکھ لے، ف۱۳۳ اور انہوں نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی، اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے

یہ اور بات ہے کہ اس سے مقصود پیمبر ہی کی تائید ونصرت ہوتی ہے ف۱۲۵ یعنی اگر تم خبث باطن اور ضد وعناد کو چھوڑ کر ایمان کے طالب اور یقین واطمینان حاصل کرنا چاہتے ہو۔ اَخۡلُقُ۔ فعل خلق کا انتساب جب خالق کی جانب ہوتا ہے تو اس سے مراد نیست سے ہست کرنا، عدم سے وجود میں لانا ہوتا ہے۔ اور جب انسان کی جانب ہوتا ہے تو اس سے مراد ہوتا ہے اندازہ کرنا ایک خاص انداز سے بنانا اور صورت پیدا کرنا اور یہاں کھلی ہوئی مراد یہی ہے۔ خلقه تقديره ولم يرد انه يحدث معدومًا (تاج) الخلق اصله التقدير المستقيم (راغب) الذى يكون بالا ستحالة فقد جعله الله تعالىٰ بغيره فى بعض الاحوال والخلق لايستعمل فى كافة الناس الاعلىٰ وجهين احد هما فى معنى التقدير (راغب) اى اُقدّر و اُصوّر (کبیر) والمراد بالخلق التصوير والابراز على مقدار معين (روح) لَكُمۡ۔ یعنی تم میں یقین پیدا کرنے کے لئے۔ اى لاجل تحصيل ايمانكم ودفع تكذيبكم اياى (روح) واللام فى لكم معناه التعليل (بحر) عوام ہمیشہ بجائے دلائل وعقلیات کے معجزہ وخارق عادت ہی سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور یہود تو اپنی اعجوبہ پسندی میں خصوصیت کے ساتھ بڑھے ہوئے تھے۔ مِنَ الطِّيۡنِ۔ اس فقرہ نے اور زیادہ کھول کر اس حقیقت کو حضرت کی زبان سے ادا کر دیا ہے کہ میں عدم محض سے وجود میں ہرگز نہیں لاتا صرف مادہ میں ایک خاص ترکیب وترتیب کے ساتھ تصرف کر دیتا ہوں تقييده بانه لايوجد من العدم الصرف بل ذكر المادة التى يشكل منها صورة الطير (بحر) كَهَيۡـــَٔةِ الطَّيۡرِ یعنی پرندوں کی شکل کے کھلونے مٹی سے بناتا ہوں۔ طَیۡر یہاں بہ طور اسم جنس کے ہے۔ فَاَنۡفُخُ فِيۡهِ فَيَكُوۡنُ طَيۡرًا۔ یعنی میرے نفخ دم سے ان میں جان پڑ جاتی ہے اور وہ سچ مچ کے پرندے بن کر اڑنے لگتے ہیں۔ چاروں انجیلیں جو کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کلیسا کے نزدیک مستند ہیں ان میں اس معجزہ کا ذکر نہیں لیکن جو انجیل کلیسائے قبط (مصر) Coptic Church کی مستند الیہ ہے، اس میں یہ صاف مذکور ہے جیسا کہ ڈاکٹر بج Budge نے اپنی کتاب Legends of our lady Mary کے مقدمہ صفحہ ۲۹ میں نقل کیا ہے کہ:۔ "وہ پرندوں کی شکل کے جانور بنا دیتے تھے جو اڑ سکتے تھے"۔ بِاِذۡنِ اللّٰهِ۔ یعنی یہ جو کچھ بھی میں کر دکھاتا ہوں، اسے کہیں میری قوت وقدرت کا نتیجہ نہ سمجھ لینا یہ جو کچھ بھی ہوتا ہے سب محض مشیت خداوندی وقدرت الٰہی کا ثمرہ ہے۔ اَلۡاَكۡمَهَ۔ اندھوں کو بغیر اپریشن کے بینا کر دینا یوں بھی آسان نہیں چہ جائے کہ مادرزاد اندھوں کو: اور اکمہ ایسے ہی کو کہتے ہیں۔ اس معجزۂ مسیح علیہ السلام کا ذکر انجیلوں میں متعدد مقامات پر ہے مثلاً انجیل متی۔ ۹: ۲۷، ۳۰ میں اور انجیل مرقس ۸: ۲۲۔ ۲۵ میں لیکن سب سے زیادہ تفصیل انجیل یوحنا ۹: ۱۔ ۷ میں ہے اور اس میں تصریح اندھے کے مادرزاد یا پیدائشی ہونے کی ہے۔ اَلۡاَبۡرَصَ۔ کوڑھیوں کے اچھا کرنے کا ذکر انجیل میں دو جگہ ہے۔ ایک جگہ ایک کوڑھی کو شفا دینے کا اور دوسری جگہ دس کوڑھیوں کو "جب وہ اس پہاڑ سے اترا تو بہت سی بھیڑ اس کے پیچھے ہولی اور دیکھو ایک کوڑھی نے پاس آکر اسے سجدہ کیا اور کہا۔ اے خداوند اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھوا اور کہا میں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہو جا۔ وہ فوراً کوڑھ پاک صاف ہو گیا" (متی ۸: ۱۔ ۳) "اور ایسا ہوا کہ یروشلیم کو جاتے ہوئے وہ سامریہ اور گلیل کے بیچ سے ہو کر جا رہا تھا اور ایک گاؤں میں داخل ہوتے وقت دس کوڑھی اس کو ملے۔ انہوں نے دور کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا۔ اے یسوع، اے صاحب ہم پر رحم کر۔ اس نے انہیں دیکھ کر کہا جاؤ اپنے تئیں کاہنوں کو دکھاؤ اور ایسا ہوا کہ وہ جاتے جاتے پاک صاف ہو گئے (لوقا۔ ۱۷: ۱۱۔ ۱۴) انجیل کے جدید ناقدوں نے طرح طرح پر جرح کر کے پچھلی صدی میں اناجیل اربعہ کا گوشہ گوشہ مجروح کر ڈالا ہے۔ لیکن اتنے جزو پر یہ ناقدین بھی متفق ہیں کہ مسیح علیہ السلام کے معجزات شفا بخشی ثابت شدہ ہیں۔ (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۵ ص ۶۲) نیز انسائیکلوپیڈیا ببلیکا جو خاص انہی تنقیدات کے لئے ہے۔ اس کا کالم ۲۴۴۵۔ اُحۡىِ الۡمَوۡتٰى۔ برنابا حواری کی جو انجیل چلی آ رہی ہے اس میں تو معجزہ احیاء اموات کی تصریح بھی موجود ہے

(ص ۳۳۴ [illegible] انگریزی اڈیشن) [illegible] انجیلیں [illegible] موجودہ مسیحیوں کو مسلم [illegible] متعدد مثالیں اس قسم کے معجزہ [illegible]

کی مذکور ہیں چنانچہ لوقا جو یونان میں طبیب کی حیثیت سے مشہور تھے ان کی جانب منسوب انجیل میں یہ درج ہے:۔ ”تھوڑے عرصہ کے بعد ایسا ہوا کہ وہ مائین نامی ایک شہر کو گیا اور اس کے شاگرد اور بہت سے لوگ اس کے ہمراہ تھے جب وہ شہر کے پھاٹک کے نزدیک پہنچا تو دیکھا ایک مردے کو باہر لئے جاتے تھے وہ اپنی ماں کا اکلوتا تھا اور وہ بیوہ تھی اور شہر کے بہتیرے لوگ اس کے ساتھ تھے اسے دیکھ کر خداوند کو ترس آیا اور اس سے کہا رو نہیں۔ پھر اس نے پاس آکر جنازے کو چھوا اور اٹھانے والے کھڑے ہو گئے اور اس نے کہا اے جوان میں تجھ سے کہتا ہوں اٹھ وہ مردہ اٹھ بیٹھا اور بولنے لگا اور اس نے اسے اس کی ماں کو سونپ دیا اور سب پر دہشت چھا گئی (لوقا۔ ۷:۱۱۔۱۶) نیز (۷:۲۲) انجیل متی (۹:۱۸۔۲۵) میں ایک تازہ میت (ایک سردار کی لڑکی) کے جلا اٹھانے کا ذکر ہے۔ اور انجیل یوحنا (۱۱:۱۔۴۴) میں بڑی تفصیل کے ساتھ ایک چار روز کے دفن شدہ مردہ لعزر کے احیاء کا۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ مزید تاکید وتصریح کے لئے اس فقرہ کو مکرر لایا گیا ہے کہ کہیں ان اعجازی تصرفات کو میری جانب نہ منسوب کر دینا۔ جو کچھ بھی ہوا۔ محض خدائے برحق کی قدرت ومشیت سے ہوا۔ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ بعض اہل حال سے جو ایسے اقوال منقول ہیں جن میں وہ اپنی جانب ایسے افعال کو منسوب کر گئے ہیں جو حق تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں تو بشرط صحت نقل وہ دعوی غلبہ حال پر محمول ہوں گے لیکن ان میں جو اہل ادب ہیں وہ ہر ایسے موقع پر حضرت مسیح علیہ السلام ہی کی طرح باذن اللہ یا اس کے مرادف کسی فقرہ کی قید لگا دیتے ہیں۔ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ یہ بات آیت نے مثال اور نمونہ کے طور پر فرمائی یعنی تمہاری مخفی چیزوں پر بھی اللہ مجھے مطلع کر دیتا ہے۔ اٰيَةً۔ یعنی نشان میرے پیمبر اور مؤید من اللہ ہونے کا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھ سے خوارق کا بہ کثرت صادر ہونا تاریخ کا ایک مسلم واقعہ ہے خواہ ان کی توجیہ منکرین کچھ بھی کرتے رہے ہوں۔ یہود نے انہی خوارق کو دیکھ کر آپ کو ساحر وشعبدہ باز کہنا شروع کر دیا چنانچہ جوزیفس (متوفی ۱۰۰ء) نے اپنی تاریخ آثار یہود میں آپ کا ذکر اس حیثیت سے کیا ہے اور جیوش انسائیکلوپیڈیا میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں لکھا چلا آتا ہے:۔ ”یسوع نے بہ حیثیت معلم دین یا قانون ساز کے نہیں بلکہ بہ حیثیت شعبدہ باز کے اپنی زندگی میں شہرت وناموری گلیل کے سادہ مزاج باشندوں میں حاصل کی“ (جلد ۷ صفحہ ۱۶۷) **ف۱۲۶** (یہ ارشاد خداوندی) مُصَدِّقًا ...... التَّوْرٰىةِ کوئی نیا نبی پرانے نبی کی تردید وتغلیط کے لئے نہیں آتا۔ (اس قسم کی تحقیقات صرف حکماء وفلاسفہ کو مبارک رہے) بلکہ ہر جدید پیامبر پیام قدیم کی تجدید وتکمیل ہی کے لئے آتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام بھی یہاں یہود سے یہی کہہ رہے ہیں کہ میں شریعت موسوی کے مٹانے کے لئے نہیں ان کی تجدید وتصدیق کے لئے آیا ہوں۔ اس قسم کی تصریحات مروجہ انجیل میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً ”یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں“ (متی ۵:۱۷) ”آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے آسان ہے“ (لوقا۔ ۱۶:۱۷) (انجیلی زبان میں شریعت سے مراد شریعت موسوی ہی ہوتی ہے) حُرِّمَ عَلَيْكُمْ یعنی شریعت موسوی میں جو چیزیں تم پر حرام تھیں۔ قانونی جزئیات اور فقہی فروع میں ترمیم وتسہیل، عمومی تصدیق وتائید کے ذرا بھی منافی نہیں۔ اُحِلَّ لَكُمْ مسیحی تعلیم نے قدیم موسوی شریعت میں جو بعض سہولتیں اور آسانیاں پیدا کر دی تھیں ان کا ذکر انجیل مروجہ میں بھی ہوتا ہے۔ مثلاً:۔ ”اے محنت اٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو۔ سب میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں آرام دوں گا۔ میرا جوا اپنے اوپر اٹھا لو اور مجھ سے سیکھو کیونکہ میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن تو تمہاری جانیں آرام پائیں گی کیونکہ میرا جوا نرم ہے اور میرا بوجھ ہلکا“ (متی۔ ۱۲:۲۸۔۳۰) یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ تمہارے حبرون اور ربیون نے اپنی طرف سے جو احکام توریت میں خلط ملط کر دیئے ہیں میں اس سارے بوجھ کو تم سے دور کرنے آیا ہوں **ف۱۲۷** (اپنی نبوت ورسالت کا) اٰيَةٍ۔ نشان کا لفظ دلائل، معجزات سب پر حاوی ہے۔ اور لفظ کے مفرد ہونے سے یہ خیال نہ ہو کہ معنی بھی صیغۂ واحد میں ہے اور کوئی ایک مخصوص نشان مراد ہے۔ اٰية بہ طور اسم جنس کے ہے اور مراد اس سے سارے ثبوت اور شواہد حضرت علیہ السلام کی صداقت کے ہیں۔ انما وحد وهي ايات لانها جنس واحد في الدلالة على رسالته (قرطبی) خطاب بنی اسرائیل سے ہے **ف۱۲۸** (بہ حیثیت رسول خدا ہونے کے) فَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول کی تکذیب کی جرأت نہ کرو **ف۱۲۹** (جس کی تعلیم ابتداء سے لے کر آخر تک سارے ہی پیمبر دیتے آئے ہیں) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیم اسی عبدیت اور اسی توحید کی تھی۔ ظالموں نے اسے مسخ کر کے تثلیث بنا دیا۔ جو شرک ہی کی ایک کھلی ہوئی شکل ہے۔ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ۔ اس میں اشارہ اسی طرف ہے کہ اللہ کے مخلوق، مربوب اور عبد ہونے کے اعتبار سے پیمبر اور امتی سب یکساں ہیں۔ فَاعْبُدُوْهُ۔ یعنی صرف اسی کی پرستش کرو، بغیر کسی کی شرکت وآمیزش کے۔ آج جو انجیلیں دنیا کے پردہ پر موجود ہیں ان میں سے ایک انجیل برنابا بھی ہے اس کے انگریزی، عربی، اردو ترجمے موجود ہیں اور وہ حضرت برنابا سا نامی حضرت علیہ السلام کے ایک حواری کی جانب منسوب ہے۔ اس میں ظہور اسلام کی خبریں اور حضرت ختم رسل ﷺ کی بابت پیشگوئیاں ایسے صاف وصریح لفظوں میں موجود ہیں کہ مسیحیوں کو مفر اسی میں نظر آیا کہ اسے جعلی کہہ کر الگ کر دیں خیر وہ تو ہر سچے سفیر الٰہی کے کلام کی طرح توحید کی تعلیم وتاکید سے لبریز ہی ہے لیکن دوسری انجیلیں بھی جو خود کلیسا کے نزدیک مستند ہیں وہ بھی اس تعلیم سے خالی نہیں۔ مثلاً۔ ”یسوع نے اس سے کہا۔ اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر“ (متی۔ ۴:۱۰) تثلیث کا شرک جن ظالموں کی بھی ایجاد ہو بہرحال حضرت مسیح کا دامن اقدس اس آلودگی سے بالکل پاک اور منزہ ہے **ف۱۳۰** (اپنی ہر سعی اور تبلیغ کے باوجود) اَحَسَّ یعنی پایا یا محسوس کیا حواس ظاہری سے۔ معناه علم و وجد قاله الزجاج وقال ابو عبيده معنى احسّ عرف (قرطبی) لايقال ذلك الافي ما كان من جهة الحاسة (راغب) تحقق مايدرك بالحواس (بیضاوی) مِنْهُمُ۔ یعنی اپنے مخاطبین کی طرف سے جو بنی اسرائیل یا یہود تھے۔ اى من بني اسرائيل (قرطبی) الْكُفْرَ۔ یعنی انکار نبوت عیسوی سے اور انکار بھی ظلم وتعدی کے ساتھ۔ یہ انکار وطغیان علانیہ وبرملا تھا۔ کوئی دقیق ومخفی شے نہ تھی جو مستنبط کی جاتی بلکہ حواس ظاہری ہی سے محسوس ہونے والی کھلی ہوئی چیز تھی اور یہی نکتہ ہے کہ یہاں فعل احس استعمال کیا گیا جس کے معنی بالکل ظاہر ظہور پانے کے ہیں۔ فتنبيه انه قد ظهر منهم الكفر ظهورًا بان للحسّ فضلا عن الفهم (راغب) **ف۱۳۱** آپؑ نے اپنی قوم کو نصرت دین کے لئے جو پکارا اس سے محققین نے یہ استنباط کیا ہے کہ اہل دین سے دین کے بارہ میں مدد طلب کرنا توکل کے ذرا بھی منافی نہیں۔ ان سے یہ مدد طلب کرنا اسی حیثیت سے ہوتا ہے یہ نصرت الٰہی کے مظاہر ہوتے ہیں۔ اِلَى اللّٰهِ یعنی اللہ کی راہ میں۔ اللہ کے دین کے لئے۔ قال الحسن المعنى من انصاری فی السبیل الى الله (قرطبی) قال ابو علی القاری معنى الى الله لله (بحر) الى ههنا بمعنى مع اوفي او اللام (بیضاوی) الحواريون حواری کے لفظی معنی کپڑا دھو کر اسے صاف اور اجلا کر دینے والے کے ہیں۔ حوّرت الشئ اى بيّضته ودوّرته (راغب) واصل الحور في اللغة البياض وحورت الثياب بيضتها (قرطبی) حضرت مسیح علیہ السلام کے ابتدائی مرید چونکہ عموماً دریا کے کنارے کام کرنے والے ماہی گیر تھے اس لئے آپؑ کے بعد کے بھی رفیقوں، شاگردوں کا یہی لقب پڑ گیا۔ مجازی معنی مخلص مددگار کے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لئے یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔ الحواری ايضا الناصر (قرطبی) وقوله ﷺ لكل نبی حواری وحواریّ الزبير (راغب) حواری الرجال صفوته وخالصته (کشاف) بہرحال وجہ تسمیہ جو کچھ بھی ہو، مسیح علیہ السلام کے صحابیوں کے لئے لقب یہی چلا ہوا تھا۔ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو اپنے مددگار طلب کئے تھے من انصاری کو خدا کے کام کے لئے۔ حواری جواب میں اپنے کو خدا کے مددگار انصار اللہ کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں اور یہ نہیں کہتے کہ نحن انصارک الی اللہ محققین نے اس سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ اہل اللہ کے ساتھ معاملہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرنا **ف۱۳۲** مُسْلِمُوْنَ۔ مسلم ہی کا لفظی ترجمہ فرمان بردار ہے۔ مسلم کا اطلاق ہر نبی کے پیرو پر ہوتا ہے کہ حقیقۃً ہر نبی کی دعوت اللہ کی فرمان برداری ہی کی ہوتی ہے۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ حواریوں کا سارا زور ایمان باللہ پر ہے۔ ”ابن اللہ“ کے تخیل سے بھی وہ بیچارے آشنا نہ تھے **ف۱۳۳** مسیح علیہ السلام کے صحابی ابھی مسیح علیہ السلام سے گفتگو کر رہے تھے دفعۃً براہ راست حق تعالیٰ سے مناجات کرنے لگے۔ قرآن مجید

الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ

بہتر ہے ف۱۳۴ (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب اللہ نے فرمایاف۱۳۵ اے عیسٰی میں تم کو موت دینے والا ہوں ف۱۳۶

وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور تم کو اپنی طرف (ابھی) اٹھا لینے والا ہوں ف۱۳۷ اور ان لوگوں سے جو کافر ہیں تمہیں پاک کرنے والا

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

ہوں ف۱۳۸ اور جو تمہارے پیرو ہیں انہیں قیامت تک ان لوگوں پر غالب رکھنے والا ہوں

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ

جو منکر ہیں ف۱۳۹ تم سب کی واپسی میری طرف ہو گی سو میں تمہارے درمیان

بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

اس باب میں فیصلہ کر دوں گا جس میں تم (باہم) اختلاف کرتے رہتے تھے ف۱۴۰ سو جن لوگوں نے

كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا

کفر (اختیار) کیا انہیں دنیا اور آخرت میں سخت سزا

وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا ف۱۴۱ اور جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ

ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل (بھی) کئے سو اللہ انہیں ان کے پورے پورے صلے دے گا

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ

اور اللہ ناانصافوں کو دوست نہیں رکھتا ف۱۴۲ یہ جسے ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں،

مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى

نشانیوں میں سے ہے اور پر حکمت مضمون میں سے ف۱۴۳ بے شک عیسٰیؑ کا حال

ع ۵ ۱۴

اکثر ایسے موقعوں پر یہی کرتا ہے کہ بندوں کے خطاب کا رخ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پھیر دیتا ہے۔ کیا ٹھکانا ہے اس اہتمام توحید کا۔ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے معاصر مسیحی آپ کو رسول بھی تسلیم کرتے تھے۔ ''ابن اللہ'' ''اقنوم'' وغیرہ کے خرافات اس وقت تک نہ ایجاد ہوئے تھے نہ ہو سکتے تھے۔ الشّٰهِدِيْنَ۔ گواہ تیری توحید کے اور تیرے پیمبروں کی پیمبری کے ف۱۳۴ مَكَرُوْا کا اسم فاعل یہود ہیں۔ یہود کے اکابر اور سرداروں نے مخالفت وایذاء کے بہت سے درجہ طے کرنے کے بعد بالآخر یہ طے کیا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ختم ہی کر دینا چاہیے چنانچہ پہلے اپنی مذہبی عدالت میں الحاد کا الزام لگا کر آپ کو واجب القتل قرار دیا۔ پھر رومی حاکموں کی ملکی عدالت میں لا کر ان پر بغاوت کا مقدمہ چلایا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام اور آپ کے مخالفین کا یہ معرکہ ملک شام کے صوبہ فلسطین میں پیش آیا تھا۔ شام اس وقت رومی سلطنت کا ایک جزء تھا اور یہاں کے یہودی باشندوں کو اپنے معاملات میں نیم آزادی اور نیم خود مختاری حاصل تھی جیسے انگریزی حکومت کے ماتحت والیان ریاست کو حاصل رہتی ہے۔ شہنشاہ رومہ کی طرف ایک نائب السلطنت (وائسرائے) شام کا تھا۔ اور اس کے ماتحت ایک والی یا امیر فلسطین کا تھا۔ رومیوں کا مذہب شرک وبت پرستی کا تھا۔ یہود کو اتنا اختیار حاصل تھا کہ اپنے لوگوں کے مقدمات اپنی مذہبی عدالتوں میں لائیں لیکن سزاؤں کے نفاذ کے لئے انہیں پھر انہی مجرموں کو ملکی عدالتوں کے سامنے لانا پڑتا تھا۔ جرم الحاد میں فتوائے قتل خود یہود کی مذہبی عدالت دے سکتی تھی لیکن واقعۃً سزائے موت کا نفاذ صرف رومی ملکی عدالت کے قبضہ میں تھا۔ اور سزائے موت رومی حکومت میں سولی کے ذریعہ سے دی جاتی تھی۔ یہود کی اسی گہری اسکیم کی جانب اشارہ قرآن مجید کے لفظ مکروا میں ہے۔ وَمَكَرَ اللّٰهُ یعنی اللہ نے مخالفین ومعاندین کی ساری تدبیریں، ساری سازشیں الٹ دیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی کی موت سے بچا لیا۔ عربی زبان میں ایک قاعدہ مشاکلت کا ہے۔ یعنی کسی فعل کی سزا یا جواب کو بھی بجنسہٖ اسی فعل کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے اور اس طرز ادا میں مطلق کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ مثلاً کسی نے زید پر حملہ کیا، اور زید نے اس کا جواب دیا۔ تو عربی محاورہ میں یوں کہیں گے کہ اس نے زید پر حملہ کیا اور زید نے اس پر حملہ کیا حالانکہ زید کا ''حملہ'' مطلق نہ ہوگا۔ بلکہ صرف سزائے حملہ ہوگی یا زیادہ سے زیادہ ''جوابی حملہ'' یا کوئی مجھے ٹھگ لے اور میں اس سے انتقام لوں تو عربی میں پیرایہ ادا یہ ہوگا کہ اس نے مجھ ٹھگا۔ اور میں نے بھی اسے ٹھگ لیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ میری طرف سے ٹھگنے کی سزا ہی ملے گی۔ اس اصل کو ذہن نشین کر لینے کے بعد قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں سے کہ:۔ (۱) مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی ''مکر'' کیا۔ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا وہ ''کید'' سے کام لیتے ہیں اور میں بھی ''کید'' سے کام لیتا ہوں۔ (۳) جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ''برائی'' کی سزا ویسی ہی ایک ''برائی'' ہے۔ (۴) قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو محض ''ہنسی'' کرتے ہیں۔ اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے۔ (۵) فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ جو تم پر زیادتی کرتا ہے، تم اس پر زیادتی کرو۔ جو اشکال محض ترجمہ کی بنا پر پیدا ہوتا ہے وہ از خود ساقط ہو جاتا ہے۔ ان تمام مثالوں میں جوابی اور سزائی ''مکر'' نہ مکر ہے، نہ ''کید'' کید ہے۔ نہ ''سیئہ'' سیئہ ہے، نہ استہزاء، استہزاء نہ زیادتی زیادتی ہے۔ بلکہ ہر موقع پر مراد صرف سزائے مکر، سزائے کید، سزائے سیئہ، سزائے استہزاء، اور سزائے اعتداء ہے۔ تو اس جوابی وتعزیری مکر اللہ پر کوئی سوال ہی نہیں عائد ہوتا۔ لیکن اس کے علاوہ عربی میں مکر میں کوئی ذم کا پہلو لازمی طور پر ہے بھی نہیں۔ مکر محمود بھی ہو سکتا ہے اور مکر مذموم بھی۔ اصل معنی صرف خفیہ تدبیر، گہری تدبیر یا انگریزی میں Plan کے ہیں۔ المکر الخديعة والاحتيال وقال الليث احتيال فى خفية (تاج) و فى البصائر المكر ضربان محمود وهو ماتجرى به امر جميل ومذموم وهوما تجرى به فعل ذميم (تاج) المكر صرف الغير عما يقصده بحيلة وذٰلک ضربان مكر محمود ومذموم (راغب) پس جس کسی ہندی نے اردو کے مکر وفریب پر قیاس کر کے مکر اللہ پر حرف گیری کی ہے، اس نے خود اپنی جہالت کا پردہ فاش کیا ہے۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔ اور اللہ کی تدبیریں سب سے اونچی اور سب پر غالب آنے والی ہیں اس کا مقابلہ جس طرح کوئی جسمانی قوت اور مادی زور سے نہیں کر سکتا اسی طرح کسی کی عقل، تدبیر اس کے سامنے پیش نہیں پا سکتی۔ چنانچہ یہاں بھی اس کی حکمت وتدبیر کارگر رہی۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ وسلامت رہے۔ اور صلیب دیتے وقت یہود عوام نے تو ہجوم واژدحام کے گڑبڑ اور وقت کی تنگی سے اور سولی گھر کے رومی سپاہیوں نے شناخت نہ ہونے کی بنا پر یوں کہا کہ حضرت علیہ السلام ہی کے قوم کے کسی ہم شکل، ہم عمر، ہم وضع کو سولی پر چڑھا دیا۔ کلیسا کا آج عام عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے، صلیب پر وفات پانے اور پھر تیسرے دن جی اٹھنے کا ہے۔ لیکن مسیحیوں کے بعض قدیم فرقہ Bosiledious باسلیدیہ وغیرہ) ٹھیک اسی اسلامی عقیدہ کے ہوئے ہیں ف۱۳۵ (حضرت عیسٰی علیہ السلام سے ان کی گرفتاری کے موقع پر) واقعات وحالات کی رفتار سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اپنا انجام یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ یہود انہیں گرفتار کئے اور ان پر مقدمہ چلائے بغیر نہ رہیں گے۔ اور پھر رومیوں کی ملکی عدالت میں لے جا کر انہیں سزائے موت دلوائیں گے۔ یہ ارشاد الٰہی حضرت علیہ السلام سے ان کی تسکین کے لئے اسی موقع گرفتاری پر ہوتا ہے ف۱۳۶ (تمہارے وقت معہود پر) سو تم ان ظالموں کے مکر وعداوت سے گھبراؤ نہیں۔ یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اے ستوفی اجلک ومعناه انی عاصمک من ان يقتلک الكفار ومؤخرک الى اجل كتبته لک (کشاف) مميتک حتف انفک

لاقتلا بایدیھم (مدارک) مؤخرک الیٰ اجلک المسمّٰی عاصمًا ایاک من قتلھم (بیضاوی) انی متمم عمرک فحینئذٍ اتوفاک فلا اترکھم حتّٰی یقتلوک بل انا رافعک الیٰ سمائی ومقربک بملائکتی و اصونک عن ان یتمکنوا من قتلک وھذا تاویل حسن (کبیر) مُتَوَفِّيْكَ کے معنٰی میں پورا پورا دینے کا مفہوم شامل ہے۔ اس لئے اشارۃً گویا یہ بھی ارشاد ہوگیا کہ تمہیں طولِ حیات پورا پورا ملے گا ف۱۳۷ (اس درمیان میں) یعنی تمہاری وفات تو اپنے وقت مقرر پر جب ہوگی ہوگی۔ تمہارے دشمن تمہاری ہلاکت کے کسی منصوبہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ سردست اس کا انتظام یوں کیا جارہا ہے کہ تمہیں ان کے درمیان سے اٹھالیا جائے گا۔ اِلَيَّ یعنی آسمان کی طرف۔ ملاءِ اعلیٰ کی جانب۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ قرآن میں یہ محاورہ عام ہے۔ جہاں تعظیم وتفخیم مقصود ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی جانب منسوب کردیتا ہے۔ مثلاً ہجرت ابراہیمی کی عظمت کا اظہار مقصود تھا تو پیرایۂ بیان یہ رکھا گیا۔ اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ ہجرت ابراہیمی عراق سے شام کی طرف ہوئی تھی۔ ای الیٰ سمائی و مقرّ ملائکتی (کشاف) ای محل کرامتی و مقرّ ملائکتی (بیضاوی) ای سمائی ومقرّ ملائکتی (مدارک) رَافِعُكَ۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کی صراحت تو قرآن مجید میں موجود تھی۔ لیکن قریب بہ صراحت ہونے کے تو یہ عقیدہ قرآن مجید کی اسی آیت میں موجود ہے اوراحادیث نے تو اسے اور صاف اور مؤکد کردیا ہے۔ واولیٰ ھٰذہ الاقوال بالصحۃ عندنا قول من قال معنٰی ذٰلک انی قابضک من الارض ورافعک الیّ لتواتر الاخبار عن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم (ابن جریر) ممیتک فی وقتک بعد النزول من السماء ورافعک الاٰن (مدارک) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں لتواتر الاخبار عن رسول اللّٰہ کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں اور اسی عقیدہ پر محققین امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی جب پیدائش عام انسانی قاعدۂ توالد وتناسل سے الگ یعنی بغیر باپ کے توسط کے محض نفخہ جبریل سے ہوگئی تو اس میں استبعاد کیا ہے۔ بلکہ یہ تو اور قرین قیاس ہے کہ آپ کا انجام بھی معمول عام سے ہٹ کر ہوا۔ اور عجب کیا جو مَسِّ مَلَکی نے آپ کے جسم میں لطافت بھی شروع سے ایسے رکھ دی ہو جو آپ کے صعود آسمانی میں معین ہو سکے۔ اور یہ دلیل تو بالکل بودی ہے کہ آپؑ کے رفع آسمانی سے آپؑ کی فضیلت دوسرے انبیاء خصوصاً سید الانبیاء پر لازم آجاتی ہے۔ آخر خدا معلوم کتنے فرشتے دن رات زمین سے آسمان پر جاتے ہی رہتے ہیں تو کیا اس بنا پر وہ سب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو گئے؟ ایک یورپین فاضل DeBenson ڈی بنسن نے پچھلی صدی عیسوی میں ایک مختصر لیکن فاضلانہ کتاب اسلام یا حقیقی مسیحیت Islam or Ture Christianty کے نام سے لکھی تھی۔ اس کے صفحہ ۱۴۳ کے حاشیہ میں اس نے قدیم مسیحی فرقوں میں سے متعدد کے نام لے لے کر لکھا ہے کہ فلاں فلاں فرقہ کا عقیدہ مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کا تھا۔ نہ کہ وفات مسیح علیہ السلام کا جس پر اب عیسائی صدیوں سے جمے چلے آتے ہیں۔ اسی طرح سیل Sale نے بھی اپنے انگریزی ترجمہ کے حاشیہ میں بھی اس عقیدہ کے مسیحی فرقوں کے نام گنائے ہیں۔ حیرت ہے کہ اپنے کو مسلمان کہلانے والے ہی ایک جدید فرقہ نے وفات مسیح علیہ السلام کا عقیدہ مسیحیوں سے لے لیا ہے اور اسے اپنی خوش فہمی کے کمال "روشن خیالی" سمجھ رہا ہے ف۱۳۸ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ لفظاً بڑا عموم ہے لیکن سیاق سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہی لوگ مراد ہیں جو حضرت کی نبوت وصداقت کے منکر تھے یعنی یہود۔ المراد من الموصول الیھود (روح) مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنی ان لوگوں کی تہمتوں سے ان کی افتراپردازیوں سے۔ مما قالوہ فیک وفی اٰیتک (بحر) مطلب یہ ہے کہ یہود کے سارے مکائد کھل کر رہ جائیں گے اور انہوں نے جیسے جیسے گندے الزامات تراشے ہیں سب کی قلعی اتر کر رہے گی۔ ف۱۳۹ (تمہاری نبوت و صداقت کے) الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے یہاں پہلی کھلی ہوئی مراد یہود ہی ہے جیسا کہ اوپر کے حاشیہ میں بھی گزر چکا ہے۔ وھم الیھود (کبیر) الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ۔ یعنی جو عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت ونبوت کے قائل ہیں مراد مسلمان اور سچے عیسائی ہیں۔ وقیل ارادبہ النصارٰی (معالم) قال قتادۃ والربیع والشعبی ومقاتل و الکلبی ھم اھل الاسلام (معالم) واما بعد الاسلام فھم المسلمون واما النصارٰی فھم ان اظھروا من انفسھم موافقتہ فھم یخالفونہ اشد المخالفۃ من حیث ان صریح العقل یشھد انہ علیہ السلام ماکان یرضٰی بشیٔ مما یقولہ ھٰؤلآءِ الجُھّال (کبیر) فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ یہ مسلمانوں اور سچے عیسائیوں کا غلبہ یہود ومعاندین مسیح پر قیامت تک کس معنٰی میں اور کس حیثیت سے رہے گا؟ قوت دلائل کے لحاظ سے اور معنوی حیثیت سے تو بالکل ظاہر ہے لیکن اگر مادی، حربی، ملکی وسیاسی حیثیتیں مراد ہوں، تو بھی اس وقت تک جو کیفیت یہود کی دنیا کے ہر حصہ میں ہے انہیں اس پیشگوئی کا مصداق بنانے کے لئے بالکل کافی ہے۔ بہرحال مراد دونوں شقیں ہو سکتی ہیں۔ ای ظاھرین قاھرین بالعزۃ والمنعۃ والحجۃ (معالم) المراد من ھٰذہ الفوقیۃ فوقیۃ بالحجۃ والدلیل (کبیر) ای بالقھر والسلطان والاستعلاء (کبیر) یعلونھم بالحجۃ وفی اکثر الاحوال بھا و بالسیف (مدارک) صاحب کبیر و صاحب معالم دونوں کا زمانہ چھٹی صدی ہجری کا ہے دونوں نے آیت کے تحت میں لکھا ہے کہ یہود کو دیکھو۔ ہر جگہ ذلیل، خوار اور حکومت سے محروم ہیں بہ خلاف اس کے عیسائی بڑی بڑی حکومتوں کے مالک ہیں ف۱۴۰ (اور وہ فیصلہ عملی شکل میں اور انقطاعی طور پر ہوگا، ورنہ جہاں تک حجت اور دلیل کا تعلق ہے وہ فیصلہ تو اس وقت بھی ہو چکا ہے) مَرْجِعُكُمْ خطاب یہاں مومن وکافر، مسلمان ویہود۔ نصاریٰ سب سے ہے۔ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ لفظ عام ہیں۔ لیکن سیاق میں جس اختلافی ونزاعی امر کا ذکر ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت ہے۔ ف۱۴۱ فِي الدُّنْيَا (دنیوی سزا کا حال تاریخ یہود کے صفحات سے پوچھ دیکھئے۔ کون سی تباہیاں ہیں جو اس دو ہزار سال کی مدت میں بیچاروں پر نہیں آچکی ہیں۔ اور آج دولت وثروت کے باوجود بھی کیسی نکبت سوار ہے! بلکہ جیسا کہ جیوش انسائیکلو پیڈیا کے حوالہ سے پارہ اول کے ایک حاشیہ میں گزر چکا ہے، یہ قومی ثروت وتمول کا خیال بھی ایک افسانہ ہی ہے ورنہ حقیقۃً قوم پر بجائے دولت کے افلاس مسلط ہے) جرمنی۔ اٹلی۔ ہنگری، رومانیا وغیرہ سے جس بیدردی کے ساتھ نکالے گئے وہ داستان خونیں تو ابھی بالکل تازہ ہے۔ وَالْاٰخِرَةِ۔ رہی آخرت تو سزا کا پورا پورا ظہور تو وہیں ہوگا۔ ف۱۴۲ الظّٰلِمِيْنَ ظلم کی حقیقت افراط وتفریط ہے۔ یہاں ظالموں سے مراد یہود کا ہونا تو ظاہر ہی ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت وصداقت بلکہ شرافت نسب تک کے منکر تھے لیکن دوسری طرف اس کے تحت میں مسیحی بھی آئے جاتے ہیں۔ جو حضرت کو عبد کے بجائے معبود اور رسول کے بجائے مظہر یا اوتار قرار دے رہے ہیں۔ اور اس طرح حضرت علیہ السلام کے باب میں دونوں ہی ظالم ہیں۔ یعنی مقام عدل واعتدال سے بہت ہی ہٹے ہوئے۔ ف۱۴۳ (اے ہمارے پیغمبر!) ذٰلِكَ۔ یعنی صحیح قصہ مسیح علیہ السلام، اشارہ بعید اظہار شرف وتکریم کے لئے ہے۔ اشارۃ الیٰ ماتقدم من نبأ عیسٰی وزکریا وغیرھما (کبیر) والاتیان بما یدل علی البعد للاشارۃ الیٰ عظم شان المشار الیہ و بُعد منزلتہ فی الشرف (روح) مِنَ الْاٰيٰتِ۔ یعنی آپ کی صداقت ونبوت کی نشانیوں میں سے۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات وواقعات جن پر یہود اور نصرانیوں دونوں کی تاریخوں نے غلو وافتراء کے گہرے پردے ڈال رکھے ہیں، یہ جو آپؐ قرآن کے ذریعہ سے بالکل صحیح ومعتبر طور پر سنا رہے ہیں یہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ آپؐ موید من اللہ ہیں اور آپؐ وہی کہہ رہے ہیں جو عالم الغیب والشہادۃ آپؐ سے کہلا رہا ہے۔ الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ اشارہ اس طرف سے ہے کہ آپ کی رسالت پر دلیل ہونے سے قطع نظر یہ مضامین بجائے خود بھی پُرحکمت وپُرمعرفت ہیں۔

ف ۱۴۱ (اسی طرح یعنی ابن مریم بشر محض اور حادث و مخلوق ہیں انہیں قدیم اور غیر مخلوق کس طرح مان رہے ہو) مَثَلَ۔ یہ تمثیل کس لحاظ سے ہے؟ بشر محض ہونے اور بغیر باپ کے پیدا ہونے میں تھی۔ اٰدَمَ۔ جو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے اور پھر بھی بشر محض تھے۔ لَهٗ۔ ضمیر حضرت آدم علیہ السلام کے خاکی پتلے کی طرف ہے۔ یہ جواب ہے اس مشہور مسیحی شبہ کا، کہ جب مسیح علیہ السلام کی پیدائش ساری دنیا کے عام ضابطہ کے خلاف بغیر باپ کے توسط کے ہوئی، تو انہیں بجائے فوق البشر کے محض بشر کیسے تسلیم کیا جائے؟ جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو بشر تو تم خود ہی تسلیم کرتے ہو درآنحالیکہ ان کی پیدائش تو عجیب تر طور پر ہوئی یعنی وہاں ماں اور باپ دونوں میں سے کسی کا بھی توسط نہ تھا مخلوق ہونے اور حادث ہونے کا دارومدار کسی خاص و متعین طرز ظہور و وجود پر نہیں مطلق حدوث پر ہے اور وہ آفرینش عیسیٰ علیہ السلام میں پوری طرح موجود تھا۔ مسیحیوں میں ایک قدیم فرقہ ایرین Arians ہوا ہے۔ اس کا بانی Arius چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں اسکندریہ کا لاٹ پادری تھا۔ اس کی تعلیم یہی تھی کہ مسیح علیہ السلام قدیم وغیر مخلوق نہیں، مخلوق و حادث تھے (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ا صفحہ ۵۰۸ طبع چہاردہم) اس سے قبل بھی انطیوخ کے بطریق پال موسطوی (مشہور و معروف پولوس طرسوی سے اسے خلط نہ کیجئے) کی تعلیم تیسری صدی عیسوی میں بھی یہی تھی کہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی پیدائش ایک دوشیزہ ہی کے بطن سے ہوئی تھی بہ واسطہ روح القدس۔ اس لیے وہ بشر محض تھے۔ روح القدس کے توسط نے انہیں خود ہی مقدس بنا دیا تھا۔ اور اس لیے وہ مسیح تھے لیکن شریک الوہیت بہر حال نہ تھے (ایضاً۔ جلد ۱۷ صفحہ ۳۹۸ نیز انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۱۱ صفحہ ۱۷۱)

عِندَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ

اللہ کے نزدیک مثل آدمؑ کے حال کے ہے، اللہ نے ان کو مٹی سے بنایا پھر

قَالَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۵۹﴾ اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ

ان سے کہا وجود میں آجاؤ چنانچہ وہ وجود میں آگئے ف ۱۴۴ یہ امر حق تیرے رب کی طرف سے ہے

فَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنۡ حَآجَّكَ فِيۡهِ

سو (کہیں) تو شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا ف ۱۴۵ پھر جو کوئی آپ سے اس باب میں

مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا

حجت کرے بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم (صحیح) پہنچ چکا ہے ف ۱۴۶ تو آپ کہہ دیجیے ف ۱۴۷ کہ اچھا

نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَكُمۡ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمۡ

آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بھی بلائیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی

وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَكُمۡ ۟ ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ

اور اپنے آپ کو بھی اور تمہارے تئیں بھی، پھر ہم خشوع سے دعا کریں اور جھوٹوں پر

اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡقَصَصُ

اللہ کی لعنت بھیجیں ف ۱۴۸ بے شک یہی ہے سچا

الۡحَقُّ ۚ وَمَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ

واقعہ کوئی معبود نہیں ہے بجز اللہ کے اور بے شک اللہ ہی

الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ

زبردست ہے، حکمت والا ہے ف ۱۴۹ سو اگر یہ (اب بھی) سرتابی رکھیں تو بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے

بِالۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۶۳﴾ ع قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ

مفسدوں کا ف ۱۵۰ آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب ایسے قول کی طرف

ع ۹ / ۱۴

مسیحیوں کے صاحب فہم طبقہ میں برابر اس طرح کی تحریکیں صحیح عقیدہ کی اٹھتی رہی ہیں لیکن کلیسا کے عام جمود و تصلب نے کبھی ان اصلاحی تحریکوں کو عام نہ ہونے دیا۔ ف ۱۴۵ (اس حقیقت کے باب میں اے مخاطب!) قرآن مجید میں خطاب کہیں براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور کہیں عام مخاطب افراد امت ہیں اور ضمیر واحد حاضر دونوں کے لئے یکساں و مشترک ہے دونوں کا فرق و امتیاز مفسر کے ذوق پر منحصر ہے۔ ان سطور میں زیادہ سے زیادہ اتباع مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذوق کا کیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اور مراد آپ کی امت ہے اس لئے کہ خود آپؐ سے تو اس کا امکان ہی نہ تھا۔ الخطاب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم والمراد امتہ (قرطبی) اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ یہ حقائق پروردگار عالم کی طرف سے بیان ہو رہے ہیں اس لئے شک و شبہ کی گنجائش سے بالاتر ہیں۔ ف ۱۴۶ (اے پیغمبر!) فِيۡهِ۔ یعنی ربوبیت و الوہیت مسیح علیہ السلام کے باب میں۔ سورہ کے شروع میں جو حاشیہ ہیں انہیں ایک بار پھر نظر میں لے آیا جائے۔ سورہ کا اصلی موضوع مسیحیت اور عقیدۂ الوہیت مسیح علیہ السلام کا رد ہے۔ گفتگو نجران کے مسیحی وفد سے چل رہی ہے۔ فَمَنۡ حَآجَّكَ یعنی ان مسیحیوں میں سے اب بھی کوئی آپؐ سے اپنی سخن پروری جاری رکھے۔ الۡعِلۡمِ۔ اور علم بھی کیسا؟ ظنی و تخمینی نہیں۔ حتمی۔ قطعی۔ یقینی۔ ف ۱۴۷ بہ طور اتمام حجت کے۔ اب جبکہ زبانی افہام و تفہیم اور دلائل کے سارے مرتبے طے ہو چکے اور مسیحی اپنی بات کی پچ پر اڑے ہوئے ہیں) ف ۱۴۸ اسی کا نام شریعت کی اصطلاح میں مباہلہ ہے۔ مباہلہ میں ہر فریق اپنے کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اور تضرع و الحاح کے بعد اسی کے فیصلہ کا منتظر رہتا ہے۔ نَدۡعُ۔ ضمیر متکلم سے مراد ہر دو فریق اور ان کے افراد ہیں۔ اَبۡنَآءَ۔ محض صلبی بیٹے مراد نہیں نواسہ، داماد وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔ نِسَآءَ۔ بیویاں اور بیٹیاں دونوں اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ صفحہ ۱۲۱ حاشیہ ۱ میں بیان ہو چکا ہے کہ ۹ ہجری میں مسیحیان نجران کے ۱۴ اکابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے گفتگو الوہیت مسیح علیہ السلام کے مسئلہ پر رہی۔ اسلامی عقیدہ بالکل صاف اور واضح تھا۔ مسیحی اپنی بات پر اڑے رہے۔ آخر کار آپؐ نے وہی کیا جو ایک سچا اور مخلص دیندار ایسے موقع پر کرتا۔ آپؐ نے فرمان خداوندی کے ماتحت مسیحیوں کو مباہلہ کی دعوت دے دی کہ زبانی گفتگو تو بہت ہو چکی اب آؤ ہم تم اپنے خاص اقربا کو لے کر اپنے پروردگار ہی سے یہ تضرع و الحاح عرض کریں کہ جو فریق ناحق پر ہو اس پر اللہ کی لعنت نازل ہو۔ آپؐ نے یہ فرمایا اور اپنی اولاد یعنی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا علی، سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر آپؐ تشریف لے آئے لیکن تاریخ کے راوی کا بیان ہے کہ مسیحیوں کی ہمت عین وقت پر جواب دے گئی اور عافیت اسی میں نظر آئی کہ جزیہ دے کر اور ذمی رعایا بن کر اسلام کی حکومت میں رہنا گوارا کر لیا جائے سر ولیم میور مسلمان نہیں انیسویں صدی کے مسیحی تھے اور محض مسیحی ہی نہیں مشنری بھی۔ ان کے قلم سے ملاحظہ ہو: "سارے واقعہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کی پختگی بالکل نمایاں ہے نیز ان کے اس عقیدہ کی شہادت کہ ان کا تعلق عالم غیب سے جڑا ہوا ہے اور اس لئے حق تمام تر انہی کے ساتھ ہے۔ درآنحالیکہ ان کے خیال میں مسیحیوں کے پاس بجز ظن و تخمین کے اور کچھ نہ تھا" (میور کی لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۶۰) ف ۱۴۹ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡقَصَصُ الۡحَقُّ۔ یعنی یہ سارا سلسلہ واقعات جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح اور مادر مسیح علیہما السلام دونوں بشر محض تھے۔ ای المذکور فی شان عیسیٰ علیہ السلام قالہ ابن عباس (روح) ای ماقص من نباء عیسیٰ و مریم (بیضاوی) تکرار و اعادہ تاکید کے لئے ہے۔ الضمیر للقصر والتاکید (روح) مَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ کوئی بھی شریک الوہیت نہیں۔ نہ بہ لحاظ ذات اور نہ بہ لحاظ صفات اور اقنوم وغیرہ کے قصہ سب خرافات ہیں۔ مِنۡ زائدہ تاکید کلام کے لئے ہے۔ من زائدۃ للتاکید (قرطبی) فی افادۃ معنی الاستغراق الۡعَزِيۡزُ۔ ہر ارادہ پر غالب۔ قادر مطلق۔ یہ صفت بجز باری تعالیٰ کے مسیح علیہ السلام وغیرہ کس میں ہے؟ الۡحَكِيۡمُ۔ حکیم مطلق۔ علیم مطلق اس صفت کا تحقق بجز باری تعالیٰ کے مسیح علیہ السلام وغیرہ کس میں ہوتا ہے؟ ف ۱۵۰ یعنی ان لوگوں کا جو دین و اعتقاد میں فساد برپا کرتے رہتے ہیں۔ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا۔ یعنی اتنی توضیحات کے بعد بھی اپنی سرتابی جاری رکھیں۔ عَلِيۡمٌ۔ علم کامل رکھنے والا اور اسی علم کامل کے مطابق جزا و سزا دینے والا۔

ف۱۵۱ (نہ فرزند کہہ کر، نہ اقنوم ٹھہرا کر نہ مظہر یا اوتار بنا کر، نہ اور کسی حیثیت سے) لَا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰہَ۔ پروٹسٹنٹ فرقہ کئی صدی بعد کی چیز ہے۔ قرآن کے معاصر جو مسیحی تھے وہ کیتھولک فرقہ یا کلیسائے رومی کے متبع تھے۔ اور اس فرقہ میں مسیح پرستی اور روح القدس پرستی تو خیر تھی اس کے علاوہ بھی خدا معلوم کتنی اور پرستیاں موجود تھیں۔ مریم پرستی، پاپا پرستی، ولی پرستی، شہید پرستی وغیرہا۔ آیت کا یہ ٹکڑا شرک کی جلی، خفی، ساری صورتوں کی تردید کر رہا ہے۔ قُلۡ۔ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ اَھۡلَ الۡکِتٰبِ۔ تشریح سورۂ بقرہ کے حاشیہ میں ہو چکی ہے۔ مراد یہود و نصاریٰ دونوں ہو سکتے ہیں۔ یہاں اصلاً اشارہ نصرانیوں ہی کی جانب ہے۔ بَیۡنَنَا۔ اس صیغہ جمع متکلم سے مراد مسلمان ہیں۔ سَوَآءٍۢ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمۡ۔ یعنی وہ اصل جو ہم کو تم کو دونوں کو مسلم ہے۔ جس کی تعلیم تمہارے ہاں کے پیمبران برحق ہمیشہ دیتے آئے ہیں۔ اور یہودیت و نصرانیت دونوں دینوں کی بنیاد ہی اسی اصل پر ہے۔ توریت تو خیر تاکید توحید و ممانعت شرک سے لبریز ہی ہے۔ انجیل تک میں بھی تعلیم موجود ہے:۔ ”تو خداوند خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر“ (متی ۴:۱۰) انجیل میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ کچھ پرستش صرف خدا کی کرو اور بعض پرستشوں میں خدا کے ساتھ فرزند خدا اور روح القدس کو بھی شامل کر لیا کرو“۔ ف۱۵۲ (کہ عملاً اسے مرتبۂ خدائی پر رکھ دے) اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ۔ مخلوق پرستی اور مخلوق کی الوہیت کی تردید تو ادھر ہو چکی۔ اب تردید مخلوق کی ربوبیت کی ہو رہی ہے۔ مخلوق میں سے کسی کو مطاع مطلق مان لینا اس کو رب قرار دے لینا ہے۔ دُوۡنِ یہاں غیر یا علاوہ کے معنی میں ہے۔ دون ھنا بمعنی غیر (قرطبی) پاپا کی عصمت کیتھولک مسیحیوں کا اور پادریوں کے اجماع یعنی کلیسا Church کی عصمت کل مسیحیوں کا متفقہ عقیدہ ہے۔ ”ایک محسوس کلیسا کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ اس پر ہمیشہ روح القدس کا سایہ رہتا ہے۔ اس لئے مسائل میں کلیسا سے امکانِ خطا ہی نہیں“ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۶ صفحہ ۹۴۰) قرآن مجید نے انسان کی ان ساری خود ساختہ عصمتوں پر ضرب لگا دی۔ یہیں سے ان گمراہ فرقوں کی بھی تردید نکل آئی جو اپنے ان اماموں کے مجرد قول کو بلا دلیل شرعی واجب القبول ٹھہراتے ہیں۔ ھٰذا یدل علی بطلان القول بالاستحسان المجرد الذی لایستند الی دلیل شرعی وفیہ ردٌ علی الروافض الذین یقولون یجب قبول قول الامام دون ابانة مستند شرعی وانہ یحل ماحرمہ اللہ من غیران یبین مستندًا من الشریعة (قرطبی) ای لانطیع احبارنا فی ما احدثوا من التحریم والتحلیل (مدارک) انزلوھم منزلة ربھم فی قبول التحریم والتحلیل (بحر) کسی کو رب قرار دینے کے لئے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ اس لفظ کا بھی اطلاق اس پر کیا جائے بلکہ اس کے اندر اگر صرف صفاتِ ربوبیت مان لئے گئے تو عملاً وہ رب ٹھہر ہی گیا۔ و ان لم یطلقوا علیہ لفظ الرب الا انھم اثبتوا فی عقبہ معنی الربوبیة (کبیر) بَعۡضُنَا بَعۡضًا۔ مفسر ابن حیان نے اس سے یہ نکتہ خوب نکالا ہے کہ الوہیت و ربوبیت کی تردید تو بس اس فقرہ ہی سے ہو گئی۔ جب ایک دوسرے میں تثلیث اور رشتہ ہم نسبی قائم ہو گیا تو سب بندے ہونے کی حیثیت سے برابر ہو گئے۔ الوہیت و ربوبیت اب باقی ہی کہاں رہ گئی۔ و فی قولہ بعضنا بعضا اشارة لطیفة وھی ان البعضیة تنافی الالٰھیّة اذھی تماثل فی البشریة (بحر) ف۱۵۳ (اے مسلمانو!) یعنی اگر اب بھی قبول حق سے روگردانی کرتے رہیں اور اپنے اس گڑھے اور ٹھہرائے ہوئے شرک سے باز نہ آئیں) ف۱۵۴ (اور بہر حال و بہر صورت وہی توحید خالص کے علمبردار و مبلغ ہیں) مُسۡلِمُوۡنَ۔ لفظی معنی فرمان بردار کے ہیں اور یہی اصطلاحی نام بھی اس امت کا پڑ گیا۔ اشۡھَدُوۡا کیا اللہ کی شان ہے کہ یہود و نصاریٰ آج بھی مسلمانوں کی توحید خالص کی شہادت دے رہے ہیں۔ ف۱۵۵ (اور انہیں خواہ مخواہ یہودی یا نصرانی ٹھہرا رہے ہو) خطاب یہود و نصاریٰ دونوں سے ہے۔ فِیۡۤ اِبۡرٰھِیۡمَ۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کے دین و مذہب کے بارہ میں۔ لِمَ۔ مخفف ہے لِمَا کا۔ خبر کے التباس سے بچانے اور محض استفہام کا مفہوم رکھنے کے لئے آخر سے الف گرا دیا گیا۔ الاصل لما فحذفت الالف فرقا بین الاستفھام والخبر (قرطبی) ف۱۵۶ یعنی جن کتابوں پر تم اپنی نام نہاد یہودیت اور نصرانیت کی بنیاد قرار دیتے ہو وہ تو خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت بعد کی چیزیں ہیں، تو کیسی بے عقلی کی باتیں کرتے ہو کہ یہ مذہب ان کے سر چپکنا چاہتے ہو!

سَوَآءٍۢ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَ لَا نُشۡرِکَ

آ جاؤ جو ہم میں تم میں مشترک ہے وہ یہ کہ ہم بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا

بِہٖ شَیۡئًا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا

شریک نہ ٹھہرائیں ف۱۵۱ اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے علاوہ پروردگار

مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡہَدُوۡا بِاَنَّا

نہ ٹھہرائے ف۱۵۲ پھر پس اگر وہ روگردانی کریں تو تم لوگ کہہ دو ف۱۵۳ کہ گواہ رہنا ہم تو

مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۶۴﴾ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ

فرمانبردار ہیں ف۱۵۴ اے اہل کتاب تم ابراہیم کے بارہ میں کیوں جھگڑ رہے ہو ف۱۵۵

وَ مَاۤ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰىۃُ وَ الۡاِنۡجِیۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ اَفَلَا

درآنحالیکہ توریت و انجیل تو ان کے بعد ہی اتری ہیں تو تم کیوں عقل سے کام

تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۵﴾ ہٰۤاَنۡتُمۡ ہٰۤؤُلَآءِ حَاجَجۡتُمۡ فِیۡمَا لَکُمۡ

نہیں لیتے ف۱۵۶ ہاں تم لوگ وہی تو ہو جو اس امر میں جھگڑ چکے ہو جس کا تمہیں کچھ تو

بِہٖ عِلۡمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِیۡمَا لَیۡسَ لَکُمۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ

علم تھا سو (اب) ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں (کچھ بھی) علم نہیں

وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۶﴾ مَا کَانَ

اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ف۱۵۷ ابراہیم

اِبۡرٰہِیۡمُ یَہُوۡدِیًّا وَّ لَا نَصۡرَانِیًّا وَّ لٰکِنۡ کَانَ

نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ راہِ راست

حَنِیۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَ مَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ

والے مسلم تھے اور مشرکوں میں سے بھی نہ تھے ف۱۵۸ بے شک

ف۱۵۷ یعنی اس دین ابراہیمی سے متعلق۔ مراد یہ ہے کہ جب تم توریت و انجیل ہی کے مسائل میں بھٹکے اور ایسا بھٹکے، حالانکہ وہاں کچھ تو واقفیت اور علم تمہیں حاصل تھا تو اب دین ابراہیمی کے بارہ میں کیوں کٹ حجتی پر تلے ہو جس کے بارہ میں تو کوئی شائبۂ علم ہی تمہیں حاصل نہیں۔ ھٰۤاَنۡتُمۡ۔ میں ھا کا اشارہ مخاطبین کی تحقیر و تنقیص کے لئے ہے۔ والاشارة للتحقیر والتنقیص (روح) ف۱۵۸ (بلکہ شرک سے سخت بیزار تھے۔ اور دنیا شرک میں توحید کے پہلے علمبردار) حَنِیۡفًا مُّسۡلِمًا۔ ٹھیٹھ اردو میں ”سیدھے سادھے مسلم“۔ یَہُوۡدِیًّا وَّ لَا نَصۡرَانِیًّا۔ جس یہودیت اور جس نصرانیت کی نفی ہو رہی ہے وہ مروجہ اور گھڑی ہوئی یہودیت اور نصرانیت تھی۔ ورنہ اصل حقیقت کے اعتبار سے جو دین حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا، وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی تھا۔ حضرت علیہ السلام کی توحید پرستی یہود و نصاریٰ دونوں کو مسلم تھی۔ حضرت علیہ السلام کے دین توحید پر حاشیہ پارہ اول کے رکوع آخر میں گزر چکے۔ فقیہ مفسر جصاص نے لکھا ہے کہ ان آیتوں سے دین حق کی حمایت میں دلائل قائم کرنے اور اہل باطل کے جواب دینے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ وفی ھذہ الاٰیات دلیل علیٰ وجوب المحاجة فی الدین و اقامة الحجة علی المبطلین (جصاص)

اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا

ابراہیم سے سب سے قریب لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی تھی اور یہ

النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ان پر ایمان لائے اور اللہ ایمان لانے والوں کا حامی ہے ف۱۵۹

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۗ

اہل کتاب میں سے ایک گروہ کو تو یہی پسند ہے کہ تمہیں گمراہ کر کے رہے

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ

حالانکہ وہ بجز اپنے اور کسی کو بھی گمراہ نہیں کرتے اور (اس کی بھی) خبر نہیں رکھتے ف۱۶۰ اے

الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں سے کیوں انکار کئے جاتے ہو حالانکہ تم گواہ ہو ف۱۶۱

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

اے اہل کتاب تم حق کی تلبیس باطل کے ساتھ کئے جاتے

وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع وَقَالَتْ

اور حق کو چھپا جاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہوتے ہو ف۱۶۲ اور

طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ

اہل کتاب کا ایک گروہ کہتا ہے ف۱۶۳ کہ ایمان لانے والوں پر جو نازل ہوا ہے

عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ

اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور دن کے آخر میں اس سے انکار کر بیٹھو،

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ ج وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ

عجب کیا کہ (وہ بھی) پھر جائیں ف۱۶۴ اور واقع میں بجز اس کے کہ جو تمہارے دین کا

ع ۸ ۱۵

ف۱۵۹ (دنیا اور آخرت دونوں میں) اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ ابراہیم علیہ السلام سے قریب بہ لحاظ دین وعقائد۔ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ۔ وہ لوگ جنہوں نے آپ کے زمانہ میں آپ کی پیروی کی تھی۔ وَهٰذَا النَّبِيُّ۔ اور یہ نبی جو گویا انہی کا پیام لے کر آئے ہیں۔ اور انہی کی نیابت اس زمانہ میں کر رہے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی مسلمان۔ فرنگی مورخین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قدیم اسرائیلی مذہب کا جانشین اب اگر کوئی ہے تو وہ مسیحیت نہیں جس کے اندر یونان اور روما کے جاہلی مشرکانہ عقائد جمع ہوگئے ہیں بلکہ اسلام ہے۔ ملاحظہ ہو "مورخین کی تاریخ عالم" Historians History of the World ف۱۶۰ روایتوں میں آتا ہے کہ یہود کے حوصلے اتنے بڑھے ہوئے تھے اور انہیں باطل کی قوت پر اتنا غرہ تھا کہ خود اسلام قبول کرنا الگ رہا۔ مسلمانوں کو بھی ان کے عقائد سے برگشتہ کردینے کی فکر میں لگے رہتے تھے آج بھی کتنے مسیحیوں کے دل میں یہ تمنا جیتی جاگتی موجود ہے کہ مسلمان مسیحیت قبول کریں یا نہ کریں بہرحال اپنے اسلامی عقائد سے تو ڈگمگا ہی جائیں۔ طَآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔ خاص اشارہ یہود کی جانب ہے۔ يُضِلُّوْنَكُمْ۔ خطاب عام مسلمانوں سے ہے۔

مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی حقیقۃً وہ مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں تو کامیاب ہوتے نہیں۔ خود اپنے ہی نامۂ اعمال کو اور زیادہ سیاہ کرتے رہتے ہیں۔ مَا يَشْعُرُوْنَ۔ یعنی ایسے بے عقل، نافہم ہیں کہ حقیقت حال کا مطلق شعور نہیں رکھتے۔ ف۱۶۱ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کی ان آیتوں سے جو خود تمہاری کتابوں کے اندر موجود ہیں اور جن میں نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری علامتیں اور بشارتیں درج ہیں۔ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ۔ یعنی یہ انکار کچھ ناواقفیت اور لاعلمی کی بنا پر نہیں، جان بوجھ کر ان آیتوں میں تحریف کر رہے ہو۔ لفظی بھی اور معنوی بھی۔ ف۱۶۲ یہاں یہود پر تین الزامات متعین طور پر لگائے گئے ہیں:۔ ۱۔ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ۔ اپنی کتابوں کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ حق بالکل باطل کے تحت میں دب کر رہ جاتا ہے، باطل حق کو ڈھانپ لیتا ہے اور تاویل بڑھ کر صریح تحریف بن جاتی ہے۔ فسر اللبس بالخلط والتغطية (بحر) ۲۔ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ۔ حق کو سرے سے چھپا ڈالتے ہو اور جہاں جہاں بشارتیں ظہور اسلام کی صاف موجود ہیں وہاں عبارتیں کچھ کی کچھ کر دیتے ہو۔ ۳۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ یہ سب کچھ اپنے قصد وارادہ سے کر رہے ہو۔ محض اتفاقی طور پر یہ نہیں ہو رہا ہے۔ تحریفات اہل کتاب پر حاشیہ پارہ اول میں گزر چکے ہیں۔ ف۱۶۳ (آپس میں) قال بعضهم لبعض (قرطبی) فی ما بينهم (مدارک) یہ اشارہ ہے یہود خیبر وعرینہ کی جانب۔ كان احبار قرى عرينة اثنى عشر حبرًا فقالوا لبعضهم ادخلوا فی دين محمد اول النهار فاذا كان اٰخر النهار فاكفروا (ابن جریر) ف۱۶۴ (اس چال اور تدبیر سے) اٰمِنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ۔ یہاں ایمان اظہار ایمان کے معنی میں ہے یعنی صبح ایمان ظاہر کرو۔ ای اظهروا الاِيْمَانَ (کشاف) ادخلوا فی دين محمد باللسان دون الاعتقاد (معالم عن الحسن وقتادة) والمراد اظهروا الايمان ولايمكن ان يراد به التصديق (بحر) وجه النهار يعنى اوّله (قرطبی) اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی جو ان مومنین کے خیال میں ان پر نازل ہوا ہے۔ ای علی زعمهم (بحر) لَعَلَّهُمْ۔ ضمیر ان لوگوں کی جانب ہے جو واقعۃً مسلمان تھے مدینہ ومضافات مدینہ کے یہود کی چالیں مسلمانوں کے خلاف عجیب عجیب رہتی تھیں ایک بار آپس میں صلاح ومشورہ کے بعد یہ سوچا کہ ہم میں بعض صبح کے وقت صداقت اسلام کا اقرار کرلیا کریں اور پھر چند گھنٹوں کے بعد اس اقرار سے رجوع کرلیا کریں اور کہہ دیا کریں کہ غور وفکر اور مطالعہ توریت کے بعد اس نئے دین کی تصدیق نہ ہوئی اس لئے ہم اس سے نکل آئے ہیں۔ اہل عرب پر ہمارے علم واخلاق دونوں کی دھاک تو بیٹھی ہی ہوئی ہے لوگ کہیں گے آخر کوئی خرابی تو اس نئے دین میں ہے جو ایسے ایسے لوگ اس سے باہر نکل گئے اور عجب نہیں کہ اس تدبیر سے کچھ پرانے مسلمان بھی اکھڑ جائیں۔ تاریخ یہود میں منافقت کی یہی ایک مثال نہیں خود ان کی کتابوں میں یہ واقعہ بہ صراحت درج ہے کہ بارھویں صدی عیسوی میں جب اسپین میں اسلامی حکومت تھی تو حکومت کے "مظالم" فرضی یا واقعی کی بنا پر، بہت سے یہود نے اپنے ربیوں کی اجازت اور فتوی کے مطابق اپنے قبول اسلام کا اظہار شروع کردیا تھا درآنحالیکہ دل میں سب کے سب منکر ہی تھے (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد اول ۴۳۲، ۴۳۳) اور آج یہ جو بڑے بڑے فرنگی محققین یہود ومسیحی مستشرقین نے فرنگی زبانوں میں سیرۃ نبوی لکھنے کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ اپنے علم وتحقیق، وسعت مشرب وبے تعصبی کی دھاک بٹھا کر تمہید بڑے زور کی اٹھاتے ہیں اور معلوم یہی ہونے لگتا ہے کہ پیمبر عرب اور مصلح عالم کی نعت اور مقنن اعظم اور "تمثیل موسیٰ" کی منقبت میں دریا کے دریا بہا دیں گے لیکن آگے چل کر نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ نعوذ باللہ انہیں کچھ خلل دماغ سا تھا۔ یا یہود ونصاریٰ کی کتابوں کے مضامین کہیں سے سن سنا کر چرا لیتے تھے وقس علی ہذا۔ تو یہ بھی ٹھیک اسی قدیم یہودیانہ دجل وتلبیس کا ایک جدید فرنگی نمونہ ہے اور بس۔

دِيْنَكُمْ ط قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ لا اَنْ يُّؤْتٰٓى

پیرو ہو اور کسی پر ایمان نہ لاؤ۔ آپ کہہ دیجیے کہ ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے ف۱۶۵ اور یہ سب اس غصہ میں

اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ

کر رہے ہو کہ کسی اور کو وہ چیز مل گئی جو تمہیں ملی تھی یا وہ لوگ تم پر تمہارے پروردگار کے ہاں

رَبِّكُمْ ط قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ج يُؤْتِيْهِ مَنْ

غالب آ جائیں ف۱۶۶ آپ کہہ دیجیے کہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے

يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ

عطا کرتا ہے ف۱۶۷ اور اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے، ف۱۶۸ وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ

مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ وَمِنْ اَهْلِ

خاص کر لیتا ہے، اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے ف۱۶۹ اور اہل کتاب میں سے

الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ج

کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تو اس کے پاس ایک ڈھیر (کا ڈھیر) امانت رکھا دے تو وہ (بھی) تجھے ادا کر دے ف۱۷۰

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ

اور ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تو اس کے پاس ایک دینار امانت رکھا دے تو وہ تجھے اس کو واپس نہ کرے

اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ

بجز اس صورت کے کہ تو اس (کے سر) پر کھڑا رہے ف۱۷۱ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے

عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ج وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

اوپر اُمّیوں کے باب میں کوئی ذمہ داری ہی نہیں، یہ لوگ اللہ کے اوپر جھوٹ گڑھ

الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ

رہے ہیں درآنحالیکہ خوب جان رہے ہیں ف۱۷۲ کیوں نہیں جو شخص بھی اپنے عہد کو پورا کرے

ف۱۶۵ یعنی حقیقۃً اور دل سے تصدیق تو بس اپنے ہی والوں کی کیا کرو۔ وہی یہود کا قول چل رہا ہے۔ ف۱۶۶ (جواب اسلام کے نام سے ظاہر ہوئی ہے اور جس کی صداقت پر دلائل عقلی و نقلی قائم ہیں نہ کہ تمہارے محدثات ومخترعات) قُلْ۔ میں خطاب پیغمبر علیہ السلام سے ہے۔ اور یہ فقرہ کلام یہود کے جواب میں ہے۔ ف۱۶۷ (اور اسی ڈر سے سہمے جا رہے ہو) مِثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ۔ یعنی دولت نبوت۔ خطاب قوم یہود سے ہے۔ یعنی تمہیں اصل خلش تو بس اس کی ہے کہ انبیاء تو ہمیشہ ہماری نسل وقوم سے پیدا ہوتے رہے ہیں اب ایک عرب اور اسمٰعیلی کو یہ دولت کیسے مل جا رہی ہے۔ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ۔ یعنی قیامت کے دن مسلمان یہود پر یہ کہہ کر غلبہ نہ حاصل کر لیں کہ ان لوگوں نے بھی تو دنیا میں ہماری تصدیق کی تھی۔ مفسر واحدی نے کہا ہے کہ یہ آیت تفسیر کے مشکل ترین مقامات میں سے ہے (روح) ف۱۶۸ (اپنی حکمت مطلقہ اور مصلحت کاملہ کے مطابق) قُلْ۔ میں خطاب پیغمبر علیہ السلام سے ہے۔ وَاسِعٌ۔ اس کے کارخانہ فضل و عطا میں کمی نہیں پر یہ کیوں فرض کر لیا گیا کہ فلاں نسل یا قوم ہمیشہ محروم ہی رہے گی۔ عَلِيْمٌ۔ وہ اپنے علم کامل کے مطابق جس کی جیسی استعداد دیکھتا ہے اسے وہ نعمت عطا کر دیتا ہے۔ ف۱۶۹ (بخل اور کمی کا اس کے ہاں گزر کہاں) مَنْ يَّشَآءُ۔ وہ جسے چاہتا ہے حسب مصلحت تکوینی۔ ف۱۷۰ (بہ احتیاط و دیانت تمام) یعنی یہود سب کے سب یکساں نہیں۔ بعض ان میں ایسے ایسے امین و متدین بھی ہیں۔ یہی لوگ آگے چل کر مسلمان ہو گئے۔ ف۱۷۱ یہود کے حُبِّ زر کی یہ کتنی صحیح تصویر ہے۔ دِيْنَار Denarins رومی حکومت کا ایک طلائی سکہ۔ عرب میں بھی مستعمل تھا۔ آج بھی یورپ کے مختلف حصوں میں چل رہا ہے۔ اردو میں اس کا مفہوم اشرفی سے ادا ہو سکتا ہے۔ مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا۔ یعنی وہ ادائے امانت میں برابر حیلہ و حوالہ کرتا رہے گا اور اس سے تقاضا برابر جاری رکھنا پڑے گا۔ اراد بابقاء ادامة المطالبة لاعين القيام (قرطبی) ف۱۷۲ (کہ ایسا کوئی مسئلہ ہرگز شریعت اسرائیلی و موسوی میں موجود نہیں) الْاُمِّيّٖنَ یعنی ام القریٰ مکہ کے باشندے۔ یہود نسلی فخر و عصبیت اور قومی غرور سے بھرے ہوئے یہود، اہل مکہ کو اپنے سے بہت فروتر رکھتے تھے۔ لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ۔ یہود غیر یہود یا Gentiles کے ساتھ کاروباری تعلق کے سلسلہ میں بدمعاملگی کے لئے برابر بدنام رہے ہیں۔ قومی مفاخرت اور نسلی نخوت کا نتیجہ عموماً یہی ہوتا ہے۔ گوروں کا برتاؤ کالوں کے ساتھ آج دنیا کے ہر علاقہ میں کیا ہے! سَبِيْلٌ۔ سبیل کے معنی یہاں حجة کے ہیں۔ اور یہ معنی قرآن اور کلام عرب میں عام ہیں۔ السبيل الحجة وقوله فاولٰئک ما عليهم من سبيل من هٰذا المعنىٰ وهو كثير فى القراٰة و كلام العرب (بحر) يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ یہ جھوٹے ہیں اپنے اس دعویٰ اور اس انوکھے اصول مذہب و اخلاق میں۔ اس تفصیل نے یہود کے جرم کی شناعت کہیں زیادہ بڑھا دی۔ وہ صرف فسق عمل ہی میں مبتلا نہ تھے بلکہ ایک بے اصل عقیدہ بھی گڑھ لیا تھا۔ اور اعمال سے کہیں گزر کر عقائد کی خرابی میں مبتلا ہو چکے تھے۔

وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور (اللہ سے) ڈرے تو بے شک اللہ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، ف۱۷۳ بے شک جو لوگ

يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ

اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو قلیل قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ف۱۷۴ یہ وہی لوگ ہیں

لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ

جن کے لئے کوئی حصہ آخرت میں نہیں اور اللہ قیامت کے دن نہ ان سے بات کرے گا

وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ

نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے تو

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ

درد ناک عذاب ہے ف۱۷۵ اور انہی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی زبانوں کو کتاب میں کج

بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ

کرتے ہیں ف۱۷۶ تاکہ تم اس (جزء) کو بھی کتاب میں سے سمجھو درآنحالیکہ وہ کتاب میں سے

الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ

نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے درآنحالیکہ وہ

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ

اللہ کی جانب سے نہیں ہے اور یہ اللہ پر جھوٹ گڑھتے ہیں درآنحالیکہ (خوب)

يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ

جانتے ہوتے ہیں ف۱۷۷ کسی بشر سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تو اسے کتاب

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا

اور حکمت اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ تم میرے بندے

ف۱۷۳ (اور یہی خوف خدا اور تقویٰ ہی ساری خوش معاملگی کی بنیاد ہے) بلیٰ۔ یعنی ذمہ داری کیوں نہ ہوتی۔ ہے اور ضرور ہے۔ عَهْدِهٖ۔ عہد خالق کے ساتھ ہو یا مخلوق کے اس کی پابندی بہرحال لازمی ہے۔ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ آیت سے وفاء عہد کی بڑی تعظیم نکل رہی ہے۔ اس لئے کہ تمام طاعات کا خلاصہ صرف دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک احکام الٰہی کی تعظیم۔ دوسری خلق اللہ پر شفقت اور وفاء عہد ان دونوں قسموں کی طاعتوں کا مجموعہ ہے (کبیر)
ف۱۷۴ یعنی کسی دنیوی طمع میں آکر ان پابندیوں کو توڑ رہے ہیں۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا۔ دنیوی معاوضہ ہمیشہ اخروی اجر کے مقابلہ میں قلیل ہی ہوگا۔ یہ مراد نہیں کہ اگر زیادہ معاوضہ مل رہا ہو تو بددیانتی اور عہد شکنی جائز ہو جائے گی۔ مفہوم صرف اس قدر ہے کہ اپنے معاہدوں کی پابندی نہ کرنا اور بدمعاملگی کر بیٹھنا کسی حال میں جائز نہیں۔ عَهْدِ اللّٰهِ۔ یعنی وہ عہد متابعت جو اللہ سے کر چکے ہیں۔ اَيْمَانِهِمْ۔ یعنی جو قسمیں آپس میں معاملات سے متعلق کھاتے رہتے ہیں۔ فقہاء مفسرین نے آیت کے تحت میں لکھا ہے کہ کوئی فریق جو جانتا ہے کہ میں باطل پر ہوں اس بنا پر اپنے کو حق پر قرار نہیں دے سکتا کہ عدالت ظاہرہ سے فیصلہ اس کے موافق ہو گیا ہے۔ ودلت هذه الاٰية والاحاديث ان حكم الحاكم لايحل المال فى الباطن بقضاء الظاهر اذاعلم المحكوم له بطلانه (قرطبی) ف۱۷۵ (اس کفر و فسق کے پاداش میں) لَا خَلَاقَ۔ یعنی بھلائی کا کوئی حصہ نہیں۔ ای لا خير (بخاری) لَا يُكَلِّمُهُمْ۔ یعنی بہ طریق لطف ان سے خطاب نہ کرے گا۔ جو خطاب برائے عتاب و مواخذہ ہو، اس کی نفی مراد نہیں۔ لَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ۔ یعنی نگاہ مہر و التفات سے ان کی طرف نظر نہ کرے گا۔ نگاہ قہر کی نفی مقصود نہیں۔ لَا يُزَكِّيْهِمْ۔ یعنی گناہوں کی گندگی سے پاک صاف نہ کرے گا۔ اَلِيْمٌ۔ درد پہنچانے والے یا مؤلم کے معنی میں ہے۔ ای مؤلم موجع من الالم وهو فى موضع مُفعل (بخاری) ف۱۷۶ اپنے صحائف آسمانی پڑھتے وقت) مِنْهُمْ۔ یعنی انہی یہود میں۔ يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ۔ اس کے اندر تحریف لفظی و معنوی کی ساری صورتیں آگئیں۔ لی لسان سے عربی محاورہ میں مراد ہی ہوتی ہے جھوٹ۔ تلبیس۔ تحریف۔ لوى لسانه بكذا كناية عن الكذب وتخرّص الحديث (راغب) اور یہاں تحریف بالقصد مراد ہے۔ والمعنٰى يحرفون الكلم ويعدلون به عن القصد (قرطبی) ف۱۷۷ یعنی ان کی یہ تحریفیں دانستہ ہوتی ہیں لِتَحْسَبُوْهُ میں ضمیر مخاطب سے مراد سامعین ہیں اور ضمیر غائب سے مراد کتاب کا اختراعی حصہ۔ و هو المحرف (کبیر) يَقُوْلُوْنَ۔ ضرور نہیں کہ ان کا یہ کہنا لفظاً و صراحۃً ہو۔ اگر اجمالاً و دلالۃً ہو جب بھی کافی ہے۔ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فقیہ جلیل ابوبکر رازی علیہ رحمۃ اللہ نے اس کے تحت میں لکھا ہے کہ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ معاصی کی نسبت اللہ تعالیٰ یا اس کے فعل کی جانب دینا درست نہیں۔ فيها دلالة على ان المعاصى ليست من عندالله ولا من فعله (جصاص) لیکن مفسر و محدث ابوحیان غرناطی کی تنقید اس پر یہ ہے کہ یہ مذہب تو معتزلہ کا ہے اور ابوبکر رازی کا میلان خود اسی مذہب کی جانب تھا۔ هٰذا مذهب المعتزلة وكان الرازى يحتج الى مذهبهم (بحر) صاحب کبیر اور صاحب روح المعانی دونوں نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے وہ عربی دانوں کے پڑھنے کے قابل ہے۔

لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا

بن جاؤ علاوہ اللہ کے ف۱۷۸ بلکہ (وہ تو یہی کہے گا) کہ اللہ والے بن جاؤ ف۱۷۹ (یہ) اس لئے (اور بھی) کہ

كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾

تم پڑھاتے ہو کتاب (آسمانی) کو اور خود بھی (اسے) پڑھتے ہو ف۱۸۰

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ

اور نہ وہ تمہیں اس کا حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو پروردگار قرار دو ف۱۸۱

اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾

کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم اسلام لا چکے ہو ف۱۸۲

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب وحکمت

كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ

(کی قسم) سے دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسول اس (چیز) کی تصدیق کرنے والا آئے

لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ

جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس (رسول) پر ایمان لانا اور ضرور اس کی نصرت کرنا ف۱۸۳ (پھر) فرمایا تم اقرار کرتے

وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ

ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ وہ بولے ہم اقرار کرتے ہیں فرمایا

فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨١﴾ فَمَنْ

تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں ف۱۸۴ پھر جو کوئی

تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٨٢﴾ اَفَغَيْرَ

اس کے بعد بھی روگردانی کرے گا، سو یہی لوگ تو نافرمان ہیں ف۱۸۵ سو کیا یہ لوگ

ع ٨ / ١٢

ف۱۷۸ (جیسا کہ مسیحیوں نے دعوت وپیام مسیح علیہ السلام کا خلاصہ گڑھ رکھا ہے) درمیان میں مناسبت مقام سے ردّ یہود آ گیا تھا۔ اب یہاں سے رد نصاریٰ پھر شروع ہوتا ہے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ...... وَالنُّبُوَّةَ۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام سے بھی یہ نہیں ہوسکتا۔ جنہیں یہ ساری نعمتیں ملی تھیں۔ جن کے نفس ایسے طاہر ومطہر ہوں، ان سے ایسے دعوی کا صدور ممکن ہی کیونکر ہے۔ اَلْحُكْمَ۔ حکم سے مراد علم وفہم ہے یا فہم احکام شریعت۔ الحكم العلم والفهم وقيل ايضا الاحكام (قرطبی) قيل بمعنى الحكمة والظاهر ان الحكم هنا القضاء (بحر) اَلْكِتٰبَ۔ کتاب یہاں جنس کتاب کے معنی میں ہے۔ الكتاب هنا اسم جنس (بحر) ف۱۷۹ (جیسا کہ فی الواقع مسیح علیہ السلام کی دعوت رہی ہے) رَبّٰنِيّٖنَ۔ ربانی وہ ہے جو رب کی جانب منسوب ہو۔ ربّی کا مرادف ہے۔ ان کا اضافہ زور اور تاکید کے لئے ہے۔ یعنی بڑا اللہ والا۔ بڑا با خدا۔ معنى الربانی العالم بدين الرب الذی يعمل بعلمه (قرطبی) قال محمد بن الحنفية يوم مات ابن عباسؓ اليوم مات ربّانی هذه الامة (قرطبی) هو شديد التمسك بدين الله وطاعته (مدارک) ف۱۸۰ یعنی اس لئے تو تمہیں اور زیادہ ایسے لغو مشرکانہ عقائد سے بچنا چاہیے۔ ای بسبب كونكم معلمين الكتاب وسبب كونكم دارسين له (بیضاوی) امام رازی علیہ الرحمہ نے یہاں یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ علم وتعلیم ودراست کا اقتضاء ہی یہ ہے کہ انسان باخدا بن جائے۔ پس اگر ان مشغلوں سے یہ مقصود ہی نہیں رکھتا تو وہ اپنا وقت ضائع کر رہا ہے۔ اور ایسے ہی علم اور قلب سے حدیث نبوی میں پناہ مانگی گئی ہے۔ نعوذ بالله من علم لاينفع وقلب لايخشع (کبیر) خطاب نصاریٰ سے ہے۔ یعنی تمہارے پاس تعلیم وتعلم کے لئے کتاب آسمانی موجود اور پھر تم ایسے جہل وضلالت میں گرفتار۔ ف۱۸۱ لَا يَاْمُرَكُمْ میں لَا معنی نفی کی تاکید مزید کے لئے ہے۔ لامزيدة لتاكيد معنى النفی (مدارک) مسیحیوں کی تثلیث تو ایک معلوم ومعروف حقیقت ہے۔ لیکن یہ کمتر لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ملائکہ پرستی بھی ان کے ہاں زوروں پر رہ چکی ہے اور صدیوں تک یہ تعلیم ان کے ہاں جاری رہی ہے کہ "خدا نے انسانوں اور آسمان کے نیچے ساری چیزوں کے انتظامات تمام تر فرشتوں پر چھوڑ رکھے ہیں" (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس صفحہ ۵۷۸) نیز یہ کہ "خدا کائنات کی صرف کلی ربوبیت کرتا ہے باقی جزئیات سب ملائکہ کے حوالے ہیں" (ایضا) مسیحیت کی تاریخ ملائکہ کی باضابطہ عبادت وپرستش سے بھی نا آشنا نہیں۔ ان کی مورتیاں تک ان کے ہاں پوجی گئی ہیں۔ ہمارے قدیم مفسرین بھی اس سے بے خبر نہ تھے۔ هذا موجود فی النصارى يعظمون الملائكة والانبياء حتى يجعلوهم لهم اربابا (قرطبی) ف۱۸۲ (اور توحید خالص کا اقرار کر چکے ہو) اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ۔ اس سے ظاہر ہے کہ انبیاء پرستی وملائکہ پرستی صاف کفر کے حکم میں داخل ہے۔ آیت سے سبق ان مسلمانوں کو بھی لینا چاہیے جو اپنے شیوخ واکابر کی خواہ وہ زندہ ہوں یا گزر چکے ہوں، تعظیم وعقیدت میں غلو کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ جملہ کا سوالیہ انداز اظہار حیرت وانکار کے لئے ہے۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ کہیں ایسا ہوسکتا ہے؟ على طريق الانكار والتعجب (قرطبی) ف۱۸۳ (یہ ایمان دل وجان سے ہو اور نصرت دست وزبان سے) اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ یعنی ارواح انبیاء سے عہد لیا۔ عالم ارواح میں اس ناسوتی دنیا کے وجود سے قبل۔ یہاں یہ واضح رہے کہ جو احکام انبیاء کو ملے ان میں ان کی امتیں بدرجہ اولیٰ شامل ہیں۔ مِنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ۔ کتاب سے مراد کتاب آسمانی ہونا ظاہر ہے۔ حِكْمَةٍ سے مراد معرفت الٰہی بھی ہوسکتی ہے اور نبوت بھی۔ مُصَدِّقٌ۔ تصدیق ہونے سے بھی بڑھ کر یہ حالت ہے کہ وہ بعد کا آنے والا رسول خود ان پچھلی تعلیمات وہدایات کا مصداق بھی ہو۔ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔ عارفین صوفیہ نے کہا ہے کہ شیوخ پر لازم ہے کہ ان کا جو معاصر علم وعمل میں ان سے فوق ہو بلکہ ان کا مساوی ہو اس سے دعا کرانے میں عار نہ کریں۔ رَسُوْلٌ۔ اگرچہ نکرہ ہے لیکن اشارہ ایک فرد معین کی جانب کر رہا ہے۔ اور یہ اسلوب قرآن میں عام ہے۔ الرسول هنا محمد ﷺ فی قول علیؓ وابن عباسؓ واللفظ وان كان نكرة فالاشارة الى معين (قرطبی) ف۱۸۴ انبیاء کی زبان سے اقرار یوں بھی اقرار صالح اور حلف مؤکد کے برابر ہیں۔ اللہ کی اس گواہی نے مؤکد کو مؤکد تر کر دیا۔ اِصْرِيْ۔ اصر کے لفظی معنی بوجھ کے ہیں۔ مراد عہد ہی سے ہے الاصر فی اللغة الثقل فسمى العهد اصرا لانه منع وتشديد (قرطبی) ف۱۸۵ فَمَنْ تَوَلّٰى۔ یعنی مومنوں میں جو کوئی اس عہد سے اعراض کرے گا۔ خود انبیاء معصومین سے تو اس کا احتمال ہی نہیں، اس لئے لامحالہ افراد امت مراد ہوں گے۔ هذا الحكم بالنسبة الى اتباعهم (بحر)

و۱۸۶ (قیامت کے دن) سوڈرتے رہنا اس ہستی سے چاہیے جو آج بھی اس قدر با اختیار ہے اور کل بھی سابقہ اسی سے پڑے گا۔ اور اسی کی عبادت میں لگے رہنا چاہیے۔ یَبْغُوْنَ۔ یہ باطل کے تلاش کرنے والے

دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

اللہ کے دین کے علاوہ (کسی طریقہ کو) تلاش کر رہے ہیں؟ درآنحالیکہ اس کے فرمانبردار ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین

وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ

میں ہیں (خواہ یہ فرمانبرداری) رضا و اختیار سے ہو یا بے اختیاری سے اور (سب) اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے و۱۸۶

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى

آپ کہہ دیجیے کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر جو ہمارے اوپر اتارا گیا ہے اور اس پر جو

اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ

ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اولاد یعقوب پر اتارا گیا ہے

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠

اور اس پر جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور (دوسرے) نبیوں کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے و۱۸۷

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

ہم ان میں باہم کوئی فرق نہیں کرتے و۱۸۸ اور ہم تو (اسی) اللہ کے فرمانبردار ہیں و۱۸۹

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ

اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا

وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي

اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہو گا و۱۹۰ اللہ کیسے ایسے لوگوں کو

اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ

ہدایت دے گا جنہوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر (اختیار) کر لیا اور (بعد اس کے کہ) شہادت دے چکے تھے کہ

الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

رسول برحق ہیں اور (بعد اس کے کہ) ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں آ چکی تھیں اور اللہ (ایسے) ظالم

عام اہل باطل ہیں۔ دِيْنِ اللّٰهِ۔ یہاں صراحت کے ساتھ اسلام کے لئے دین اللہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہاں مراد ہے انقیاد تکوینی۔ یعنی اس کی مشیت سے باہر تو کوئی بھی نہیں جاسکتا۔ طَوْعًا۔ یعنی اپنے ارادہ و اختیار سے۔ كَرْهًا۔ یہ اشارہ غیر ذوی العقول، حیوانات، نباتات، جمادات وغیرہ کی طرف ہے۔ و۱۸۷ یہاں یہ حقیقت ایک بار پھر دہرادی گئی ہے کہ اسلام کوئی نیا، نو پیدا اور انوکھا دین نہیں، وہی پرانا دین توحید ہے۔ سارے انبیاء و مرسلین اسی کی تبلیغ کرتے چلے آئے ہیں۔ اور مسلمان کا ایمان سارے پیغمبروں پر یکساں ہوتا ہے۔ قُلْ۔ یعنی اے پیغمبر آپ اپنی امت کی طرف سے کہہ دیجیے۔ اُنْزِلَ عَلَيْنَا۔ یعنی قرآن مجید۔ نزولِ قرآن کا انتساب جس طرح عموماً پیمبر کی طرف کیا گیا ہے، اسی طرح کبھی پیمبر کی امت کی جانب بھی کردیا گیا ہے۔ اور فعل انزال کا صلہ قرآن مجید میں حرف علٰی اور الٰی دونوں کے ساتھ آتا ہے۔ الْاَسْبَاطِ۔ یعنی اولادِ یعقوب میں سے جو جو پیمبر ہوئے ہیں۔ اس لفظ پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکا۔ ان سب انبیاء کے اسماء گرامی پر بھی حاشیے گزر چکے۔ و۱۸۸ (ان کی صداقت کے لحاظ سے، کہ بعض کو مانیں اور بعض کو جھٹلائیں جیسا کہ یہود، نصارٰی وغیرہ مقہور اور معتوب امتوں کا شیوہ ہے) و۱۸۹ مُسْلِمٌ۔ ایک طرف امت محمدی ﷺ کا اصطلاحی نام بھی ہے۔ اور دوسری طرف اس کے لفظی معنٰی فرمانبردار کے ہیں و۱۹۰ اَلْاِسْلَامُ۔ سے یہاں کھلی ہوئی مراد اصطلاحی دین اسلام ہے۔ ورنہ لفظی معنٰی کے لحاظ سے تو کائنات کا ذرہ ذرہ مسلم ہے۔ اعلم ان ظاهر هذه الأية يدل على ان الايمان هو الاسلام (کبیر) اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ وغیرہ متعدد آیتوں میں یہ مضمون صاف صاف بیان ہو چکا ہے کہ سچا اور مقبول دین صرف یہی دین ہے۔ جس کی کتاب قرآن ہے۔ اور جس کے لانے والے اور سکھانے والے محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس ایک دین کے علاوہ اور جتنے بھی دین و مذہب چلے ہوئے ہیں سب کی مثال کھوٹے اور جعلی سکوں کی سی ہے کہ کہنے کو سکے وہ بھی ہیں۔ لیکن جب چل نہ سکے تو ان کا سکہ ہونا نہ ہونا برابر۔ یہ آیت اس حقیقت کو اور زیادہ مؤکد و آشکار کر رہی ہے۔ دوسرے ادیان و مذاہب کو بھی اس دین حق کی طرح سچا سمجھنا۔ ہر دین مذہب کو نجات کے لئے کافی سمجھنا۔ سب مذہبوں کو ملا جلا کر ان کا ایک ملغوبہ تیار کرنا، یا یہ کہنا کہ دیر و حرم، کعبہ و کلیسا سب یکساں ہیں، ضلالت و بے دینی کی انتہائی شکلیں ہیں۔ اکبر، دارا شکوہ، وغیرہ ان ناکام کوششوں کے لئے بجا طور پر بدنام ہو چکے ہیں۔ اور بڑے قلق کا مقام ہے کہ ہمارے زمانہ میں بھی بعض اہل قلم ایسی ہی نامراد کوششیں کر چکے ہیں۔

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ

لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ف۱۹۱ ایسوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر

لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ

اللہ کی اور فرشتوں کی اور انسانوں کی سب کی لعنت ہوتی ہے ف۱۹۲ وہ اس میں (ہمیشہ ہمیش) پڑے

فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾

رہنے والے ہیں نہ ان پر سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ف۱۹۳

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ

البتہ جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں اور (اپنے کو) درست کر لیں سو بے شک

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ

اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحم والا ہے ف۱۹۴ بے شک جن لوگوں نے بعد اپنے ایمان (لانے) کے

اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ

کفر اختیار کیا پھر کفر میں پڑے رہے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی ف۱۹۵

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

یہی لوگ تو گمراہ ہیں ف۱۹۶ بے شک جن لوگوں نے کفر (اختیار) کیا

وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ

اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے سو ان میں سے کسی سے ہرگز نہ قبول کیا جائے گا

مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ

زمین بھر (بھی) سونا اگرچہ وہ اسے معاوضہ میں دینا چاہے ف۱۹۷ یہی وہ لوگ ہیں

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع ۹ ۱۷

جن کے لئے عذاب دردناک ہے اور جن کے کوئی بھی مددگار نہ ہوں گے

ف۱۹۱ اَلْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ یعنی ایسے بے انصافوں کو جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں۔ اتنے دلیر ہیں۔ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ۔ یعنی دین حق سے مرتد ہو گئے۔ الْبَيِّنٰتُ۔ کھلی ہوئی نشانیاں، رسولِ اسلام اور دینِ اسلام کی صداقت کی۔ دلائل، معجزات، سب ان بینات کے تحت میں داخل ہیں۔ ف۱۹۲ لَعْنَةَ۔ رحمت الٰہی سے محرومی ومجبوری پر حاشیے پارۂ اول میں گزر چکے۔ ف۱۹۳ (جہنم میں پڑنے سے قبل) لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ۔ جہنم میں پڑنے کے بعد بھی کوئی تخفیف عذاب میں نہ ہوگی۔ فِيْهَا۔ یعنی اس حالت ملعونیت ومغضوبیت میں۔ ای خالدین فی اللعنة (کبیر) دوسرے معنٰی جہنم میں پڑے رہنے کے بھی مروی ہیں۔ قال ابن عباس ای فی جھنم (کبیر)
ف۱۹۴ تَابُوْا۔ یعنی صدق واخلاص کے ساتھ توبہ کر لیں۔ غَفُوْرٌ۔ سو وہ اپنی اس صفت غفر کے تقاضہ سے ان کی پچھلی خطاؤں کو بخش دے گا۔ رَحِيْمٌ سو وہ اپنی صفت رحیمیت کے تقاضہ سے ان پر مزید فضل کرے گا۔ ف۱۹۵ (دوسرے معاصی وسیئات سے) یعنی پڑے تو رہیں کفر وارتداد میں اور چاہیں کہ انہیں ان کے دوسرے اعمال حسنہ کا صلہ مل جائے۔ سو بغیر ایمان واعتقاد صحیح کے ان اعمال پر سرے سے "حسنہ" و "صالحہ" کا اطلاق ہی نہ ہو سکے گا جو ان پر اجر وصلہ کی توقع رکھی جائے
ف۱۹۶ یعنی گمراہ کامل، انتہاء درجہ کے گمراہ۔ ورنہ گمراہ تو سب ہی کافر ہوتے ہیں۔ ھٰذا محمول علٰی انھم ھم الضالون علٰی سبیل الکمال (کبیر)
ف۱۹۷ (قیامت کے دن) یعنی بالفرض قیامت کے دن کافر مال کا مالک ہو اور اس کے دے ڈالنے پر بھی قادر ہو۔ ذَهَبًا۔ ذھب سے سونے کی مخصوص ومتعین دھات ہی مراد نہیں۔ بلکہ مراد کسی عزیز سے عزیز اور زیادہ سے زیادہ قیمتی شے کے فدیہ سے ہے۔ الذھب کنایة عن اعز الاشیاء (کبیر) دوسرے معنٰی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ کوئی شخص آج چاہے کہ حالت کفر میں قائم رہ کر روئے زمین کے برابر روپیہ کار خیر میں خرچ کر دے اور اس کے معاوضہ میں قیامت میں نجات حاصل کرے تو ایسا ہرگز نہیں ہونے کا۔ ای من مات علی الکفر فلن یقبل منه خیرٌ ابدًا ولو کان قد ملء الارض ذھبًا فیما یراہ قربة" (ابن کثیر)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا

جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کرو گے (کامل) نیکی (کے مرتبہ) کو نہ پہنچ سکو گے و۱۹۸ اور جو کچھ بھی

تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ

کسی چیز سے خرچ کرتے رہتے ہو اللہ اُس سے خوب واقف ہے و۱۹۹ ہر

الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ

کھانا بنی اسرائیل کے لیے حلال تھا بجز اس کے کہ جو خود

اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ

اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا قبل اس کے کہ توریت

التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ

اُترے و۲۰۰ تو آپ کہیے کہ توریت لاؤ اور اسے پڑھو اگر تم

كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

سچے ہو و۲۰۱ سو جو شخص اللہ پر اس کے بعد جھوٹ

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ

گڑھ لے تو بس ایسے ہی لوگ ظالم ہیں و۲۰۲ آپ کہہ دیجیے

صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا

کہ اللہ نے سچ بات فرما دی ہے، سو تم سیدھی راہ والے ابراہیم کے دین کی پیروی کرو اور وہ

كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ

مشرکوں میں سے نہ تھے و۲۰۳ سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لیے وضع

لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾

کیا گیا و۲۰۴ وہ وہ ہے جو مکہ میں ہے (سب کے لیے) برکت والا اور سارے جہان کے لیے راہنما ہے و۲۰۵

و۱۹۸ (اے مسلمانو!) اَلْبِرَّ مطلق نیکی کو کہتے ہیں، یہاں مراد کمال خیر ہے۔ اور نیکی کا درجۂ اعلیٰ یا یہ کہا جائے کہ حقیقت خیر ابواب خیر کی جامعیت ہی مراد لی گئی ہے۔ البر الاحسان و کمال الخیر (روح) ای لن تبلغوا حقیقة البر (مدارک) قال ابو منصور البر خیر الدنیا والاٰخرة (تاج) تُنْفِقُوْا یعنی اللہ اور اس کے دین کی راہ میں نہ خرچ کرو گے۔ انفاق یہاں بہت وسیع معنی میں ہے اس میں خیر یا نیکی کے تمام ابواب آ گئے۔ قیل هی سبل الخیر کلها و هی الصحیح لعموم الاٰیة (ابن عربی) قال الزجاج کل ماتقرب به الی الله من عمل خیر (بحر) قال الزجاج قال بعضهم کل ما تقرب به الی الله عزوجل من عمل خیر فهو انفاق (تاج) مِمَّا تُحِبُّوْنَ محبوب چیز کے ماتحت ہر وہ چیز آ جاتی ہے جسے انسان عزیز رکھتا ہے، مال، دولت، عزت، حکومت، قوت، وقت وغیرہ تنہا مال و دولت ہی مقصود نہیں، بعض اوقات جاہ کی قربانی مال کی قربانی سے کہیں زیادہ سخت و دشوار ہوتی ہے۔ ای من المال اومایعمه وغیره کبذل الجاه فی معاونة الناس والبدن فی طاعة الله و ...... فی سبیله (بیضاوی) مِمَّا میں مِنْ تبعیض کے لیے ہے۔ مِنْ فی ممّا تحبون للتبعیض (بحر) و۱۹۹ (اور وہ جزا بھی اسی کے مطابق دے گا) مطلب یہ ہے کہ نیک کام کے لیے جو کچھ بھی لگاؤ گے اس کا اجر تو بہر حال ملے گا۔ باقی خیر کامل کا جو درجۂ اعلیٰ ہے وہ تو اسی وقت حاصل ہوگا جب راہ حق میں اپنے محبوبات و مرغوبات کی قربانی پیش کرو۔ والحاصل انه لا وصول الی المطلوب الاباخراج المحبوب (مدارک) مِنْ شَیْءٍ۔ یعنی عام اس سے کہ وہ محبوب ہو یا نہ ہو۔ مِنْ یہاں تبیین کے لیے ہے۔ مِنْ للتبیین ای من ای شیئٍ کان۔ (مدارک) ای من ای شیئٍ محبوب او غیره و من لبیان ما (بیضاوی) و۲۰۰ (اپنے اس دعویٰ میں کہ فلاں فلاں غذائیں تو ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے حرام چلی آتی ہیں) یہود کو تو روز ایک نیا فتنہ مسلمانوں کے خلاف اٹھاتا تھا، آپ پر ایک الزام یہ ہو گیا، فلاں فلاں غذائیں تم جائز سمجھتے ہو اور اپنے کو دین ابراہیم علیہ السلام کا متبع بھی کہے جاتے ہو، حالانکہ یہ چیزیں تو ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حرام ہیں۔ كُلُّ الطَّعَامِ یعنی وہ غذائیں جن کے باب میں یہود سے بحث و گفتگو ہو رہی ہے، ساری دنیا کے کھانے مراد نہیں۔ ای مطعومات التی فیها النزاع (مدارک) حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے آپ نے بعض طبی ضرورتوں سے بعض جائز غذائیں بالکل ترک کر دی تھیں، روایتوں میں آتا ہے کہ آپ کو مرض عرق النساء کی شکایت تھی، تو آپ نے اونٹ کے دودھ اور گوشت سے پرہیز شروع کر دیا تھا، اور ظاہر ہے کہ اس طبی پرہیز کا حرمت شرعی سے کوئی تعلق نہیں۔ قیل فعل ذٰلک للتداوی باشارة الاطباء (بیضاوی) قیل اشارت علیه الاطباء باجتنابه ففعل ذٰلک باذن من الله فهو کتحریم الله ابتداءً (کشاف) بعض جاہل صوفیہ کا یہ سمجھنا کہ ترک حیوانات یا بعض دوسری غذاؤں کے ترک کو قرب الٰہی میں کوئی دخل ہے تمام تر نادانی ہے۔ عاملوں کی مشقتیں اور ریاضتیں بالکل دوسری چیز ہیں ورنہ جو غذائیں انسان کی روحانی ترقی میں مانع ہیں وہ خود ہی حرام کر دی گئی ہیں۔ کسی غذا کے حلال ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ اس راہ میں مانع نہیں۔ و فی هٰذه الاٰیة دلالة علٰی بطلان قول الممتنعین من اکل اللحوم والاطعمة اللذیذة تزهدًا لان الله تعالٰی قدنهٰی عن تحریمها (جصاص) قُلْ (یعنی ان یہود سے کہیے جو معترض ہو رہے ہیں) فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ توریت میں تو آج تک یہ لکھا چلا آ رہا ہے:۔ ”وہ سب جیتے چلتے جانور تمہارے کھانے کے لیے ہیں میں نے ان سب کو نباتات کی مانند تمہیں دیا ہے“ (پیدائش ۹:۳) و۲۰۱ (اپنے حق میں) یعنی واضح اور صریح شہادتوں کے بعد بھی اپنے جھوٹ پر قائم رہیں اور یہ کہے جائیں کہ فلاں فلاں چیزیں خدا کی طرف سے حرام کی ہوئی ہیں۔ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ یعنی اس واضح شہادت کے بعد ای من بعدما لزمتهم الحجة (بیضاوی) بعد ظهور الحجة (جلالین) و۲۰۲ یعنی قرآن نے امر حق واضح کر دیا ہے۔ اور تم نے جو جھوٹ اپنے ہی اکابر اور اپنے مقدس نوشتوں کی بابت گڑھ رکھے تھے، ان کی قلعی کھول دی و۲۰۳ اِبْرٰهِیْمَ۔ ملة ابراهیم، حنیف، سب پر حاشیہ پارۂ اول کے ختم کے قریب سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۵ و ۱۶ میں گزر چکے۔ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ یعنی اُنہی ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جنہیں تم بھی اپنا مقتدیٰ و پیشوا مانتے ہو۔ و۲۰۴ (دنیا میں بطور عبادت گاہ کے) مراد خانہ کعبہ ہے، جس کی اولین تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی اور اس کے منہدم ہو جانے کے بعد از سر نو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے۔ وُّضِعَ لِلنَّاسِ یعنی لوگوں کی طاعت و عبادت کے لیے بنا۔ ای وضعه الله موضعًا للطاعات والخیرات و العبادات (کبیر) ای لعموم الناس لعبادتهم و نسکهم یطوفون به و یصلون به و یعتکفون عنده (ابن کثیر) وضع للناس یعبد الله فیه (معالم) اَوَّلَ بَیْتٍ۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال تابعین سب میں اس اوّلیت اور اقدمیت کی تشریح ملتی ہے۔ ثبت فی صحیح مسلم عن ابی ذرّ قال سألت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من اول مسجد وضع فی الارض قال المسجد الحرام (قرطبی) قال مجاهد خلق الله موضع هٰذا البیت قبل ان یخلق شیئٌ من الارض بالفی سنة (قرطبی) و۲۰۵ (بطور قبلہ کے) کعبہ کو سب سے پہلے معبد بتا کر یہود کو یہ بھی جتلا دیا گیا کہ کعبہ تو بیت المقدس سے بھی قدیم تر ہے۔ بکة۔ مکہ ہی کا دوسرا نام ہے۔ عربی میں ایک قاعدہ ہے، جس سے حرف م اور حرف ب میں اکثر تبادلہ ہو جاتا ہے مثلاً لازم اور لازب میں یا راتم اور راتب میں یا نمیط اور نبیط میں۔ اسی قاعدہ کا عمل یہاں بھی ہوا۔ هی علم لبلد الحرام و مکة و بکة لغتان فیه (کشاف) بکة لغة فی مکة عند الاکثرین (روح) قال مجاهد بکة هی مکة۔ (قرطبی) من اسماء مکة علی المشهور (ابن کثیر) ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ نام ہے کل شہر کا اور بکہ کا اطلاق ہے مسجد حرام اور مطاف پر۔ بَکَّۃَ۔ هو موضع المسجد (ابن عباس رضی اللہ عنہما) بکة موضع البیت

و مكة ماسوى ذٰلک (ابن جریر عن ابن مالک) بكة موضع البيت و مكة سائر البلد عن مالک بن انس (قرطبی) قال ابو مالک و ابو صالح و ابراهيم النخعي و عطية العوفي و مقاتل بن حيان بكة موضع البيت ماسوى ذٰلک مكة (ابن کثیر) بائبل میں بھی ایک جگہ ذکرِ وادیِ مکہ کا تحریفات کے باوجود رہ گیا ہے "وہ بکا کی وادی میں گزر کرتے ہوئے اسے ایک کنواں بناتے" (زبور ۶:۸۴) بائبل کے قدیم مترجمین نے اپنی تحریف کی عادتِ مستمرہ کے مطابق ترجموں میں اسے بجائے علم کے اسم نکرہ قرار دے کر اس کا ترجمہ رونے کی وادی کرڈالا صدیوں کے بعد اب غلطی کا احساس ہوا اور اب جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اقرار ہے کہ یہ ایک مخصوص (بے آب) وادی کا نام ہے (جلد ۲ صفحہ ۴۱۵) اللہ ان کو اتنا سمجھنے کی توفیق اور دے دے کہ یہی "بے آب وادی" مکہ معظمہ ہے۔ مُبٰرَكًا۔ یہ وہ مقام ہے جس میں مادّی اور روحانی دنیوی اور دینی برکتیں جمع کردی گئی ہیں۔ لَلَّذِیْ میں لام تاکید کا ہے۔ واللام توکید (قرطبی) مکہ کی قدامت پر بادلِ ناخواستہ مسیحی مؤرخین کو بھی اب شہادت دینی پڑی (ملاحظہ ہو حواشی تفسیر انگریزی) ف۲۰۶ تقدیر کلام یوں ہے۔ منها مقام ابراهيم والتقدير منها مقام ابراهيم قال الاخفش (قرطبی) فِيْهِ یعنی اسی اول بیت میں اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ کھلے ہوئے توحیدِ الٰہی کے شعائر یا حج کے

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ

اس میں کھلے ہوئے نشان ہیں (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے ف۲۰۶ اور جو کوئی اس میں داخل ہو

كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَي النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ

جاتا ہے وہ امن سے ہوجاتا ہے ف۲۰۷ اور لوگوں کے ذمہ ہے حج کرنا اللہ کے لیے اس مکان کا (یعنی) اس شخص کے ذمہ

اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ

جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو ف۲۰۸ اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ

غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴿۹۷﴾ قُلْ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ

سارے جہان سے بے نیاز ہے ف۲۰۹ آپ کہیے کہ اے اہل کتاب تم کیوں

تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ڰ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي

اللہ کی نشانیوں سے کفر کر رہے ہو، درآنحالیکہ اللہ تمہارے کرتوتوں کا

مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ

گواہ ہے ف۲۱۰ آپ کہیے کہ اے اہل کتاب جو ایمان لا چکا اُسے تم کیوں اللہ کی راہ سے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَھَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ

ہٹا رہے ہو اس (راہ) میں کجی نکال نکال کر درآنحالیکہ تم (خود)

شُهَدَاۗءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰٓاَيُّھَا

گواہ ہو اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ف۲۱۱ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ

ایمان والو اگر تم اُن لوگوں میں سے کسی گروہ کا کہا مان لو گے جنہیں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

کتاب دی جا چکی ہے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے پیچھے تمہیں کافر بنا چھوڑیں گے ف۲۱۲

شعائر۔ والمراد بالاٰيات شعائر الحج (کبیر) مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ پر حاشیہ پارۂ اوّل کے آخر یعنی سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۶ میں گزر چکا۔ بَیْت سے یہاں مراد خانہ کعبہ نہیں بلکہ سارا حرم شریف ہے۔ مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ کے نام سے جو پتھر رکھا ہوا ہے وہ خانہ کعبہ کے اندر نہیں باہر ہی ہے۔ المراد بالبيت هنا الحرم كله لان هٰذه الاٰيات موجودة في الحرم و مقام ابراهيم ليس في البيت انما هو خارج البيت (جصاص) ف۲۰۷ (شریعتِ الٰہی کی نظر میں) اٰمِنًا پر حاشیہ پارۂ اوّل کے آخر یعنی سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۶ میں گزر چکا ف۲۰۸ (بہ لحاظ زادِ سفر و امنِ راہ وغیرہ) اِسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ استطاعتِ سبیل سے مراد وہاں تک پہنچ جانے کے ذرائع و اسباب ہیں۔ استطاعة السبيل اليه هي امكان الوصول اليه (جصاص) استطاعة السبيل الى الشئ عبارة عن امكان الوصول اليه (کبیر) حِجُّ الْبَيْتِ۔ حج و فرضیتِ حج پر حواشی پارۂ دوم کے وسط میں گزر چکے۔ عَلَي النَّاسِ میں عَلٰی شدتِ تاکید کے لیے ہے۔ هي من اوكد الفاظ الوجوب عند العرب فاذا قال العربي لفلان على كذا فقد وكّدهٗ و اوجبهٗ (قرطبی) ف۲۰۹ (سو وہ سیاہ بخت اپنا نقصان آپ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کو کیا نقصان پہنچا سکے گا) اللہ تعالیٰ کی صفتِ غنا کا اثبات اُن مشرک قوموں کے رد میں ہے۔ جن کے دیوی دیوتاؤں کا وجود اُن کے پجاریوں ہی کے دم سے قائم ہے۔ اور وہ دیوتا اپنے کھانے پینے تک کے لیے اپنے پجاریوں کے محتاج رہتے ہیں۔ ف۲۱۰ (اور اس حاضر و ناظر۔ ہمہ بین۔ ہمہ دان حاکم کے آگے کوئی حیلہ۔ بہانہ نہ چل سکے گا) اَھْلَ الْكِتٰبِ سے اشارہ خاص طور پر یہود کی جانب ہے جو مسلمانوں کو طرح طرح پر بہکاتے رہتے تھے۔ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ آیات اللہ سے مراد خاص طور پر نبوتِ محمدیؐ کے شواہد و دلائل ہیں۔ اور کفر سے مراد نبوتِ محمدیؐ سے انکار ہے۔ المراد من اٰيات الله الاٰيات اللّٰتي نصّها الله تعالٰى على نبوة محمد عليه الصلوٰة والسلام و المراد بكفرهم بها كفرهم بدلا لتها على نبوة محمد عليه الصلوٰة والسلام (کبیر) مشرکوں کو بار بار یہ جتلانے اور یاد دلانے کی ضرورت تھی کہ اللہ صرف موجود ہی نہیں بلکہ ذرہ ذرہ سے باخبر بھی ہے۔ مشرکوں کے دیوتاؤں کی طرح بے خبر۔ ناقص العلم اور گم سم نہیں ف۲۱۱ (سو اس کی گرفت اور عذاب سے اپنے کو باہر نہ سمجھو) تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہود خود تو اسلام سے منکر تھے ہی اب ان کی جرأتیں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ طرح طرح کے مکر و فن سے دوسروں کو بھی دینِ حق سے ہٹانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ تَبْغُوْنَھَا عِوَجًا۔ یہود مسلمانوں کے آپس میں طرح طرح کی مخفی فتنہ انگیزی اور مفسدہ پردازی کرتے رہتے تھے کہ اگر اور کچھ نہیں بن پڑتا تو یہی ہو کہ یہ آپس میں مرکٹ کے تباہ ہوجائیں، چنانچہ ایک مرتبہ ایک مجمع میں جہاں مدینہ کے دونوں مشہور اور جنگجو قبیلوں اوس اور خزرج کے مسلمان جمع تھے ایک یہودی شاس بن قیس نے اُن کی عہدِ جاہلیت کی مشہور لڑائی جنگ بعاث کے پرجوش جنگ نامہ کے اشعار پڑھوا دیے۔ دلوں میں گزشتہ عداوتوں کی یاد تازہ ہوگئی اور فریقین قدرۃً بھڑک اُٹھے اور عین موقع پر اگر رسول اللہ ﷺ خود تشریف نہ لے آتے تو خانہ جنگی شروع ہی ہوچکی ہوتی۔ تَبْغُوْنَھَا میں ضمیر مؤنث غائب سبیل کی طرف ہے۔ الهاء في تبغونها عائدة الى السبيل (کبیر) وَّاَنْتُمْ شُهَدَاۗءُ یعنی تمہارا ضمیر خود گواہی دے رہا ہے کہ اسلام دینِ حق ہے۔ ف۲۱۲ (عقیدۃً نہ سہی عملاً سہی۔ تو یہی عملی ارتداد بھی کیا کم ہے) اِنْ تُطِيْعُوْا۔ یعنی اگر اپنے عقائد و اعمال میں ان لوگوں سے متاثر ہونے لگو گے۔ فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ

اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو، درآنحالیکہ تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی

اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ

جاتی ہیں اور تمہارے درمیان اس کے رسولؐ موجود ہیں؟ و۲۱۳ اور جو کوئی اللہ کو مضبوط پکڑتا ہے وہ ضرور

هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٠١﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

سیدھی راہ کی طرف ہدایت کیا جاتا ہے و۲۱۴ اے ایمان والو

اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا

اللہ سے ڈرو جو اس کے ڈرنے کا حق ہے و۲۱۵ اور جان نہ دینا بجز

وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا

اس حال کے کہ تم مسلم ہو و۲۱۶ اور اللہ کی رسی سب مل کر مضبوط تھامے رہو

وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ

اور باہم نااتفاقی نہ کرو و۲۱۷ اور اللہ کا یہ انعام اپنے اوپر یاد رکھو کہ جب تم (باہم)

اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ

دشمن تھے تو اُس نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی و۲۱۸ سو تم اُس کے انعام سے (آپس میں)

اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ

بھائی بھائی بن گئے، اور تم دوزخ کے گڈھے (گڑھے) کے کنارے پر تھے

فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ

سو اُس نے تمہیں اُس سے بچا لیا، و۲۱۹ اسی طرح اللہ اپنے احکام کھول کر

اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ

سناتا رہتا ہے تاکہ تم راہ یاب رہو اور ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے

ع ١٠/١

یہ نام کے تو اہلِ کتاب ہیں لیکن نکلے ہوئے ہیں عداوت اسلام پر و۲۱۳ مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے دینِ حق سے ارتداد کی گنجائش ہی کب ہے جبکہ تم میں قرآن اور سنت رسول ﷺ موجود و محفوظ ہے؟ ذٰلک لان تلاوته اٰيات الله عليهم حالاً بعد حال مع كون الرسول فيهم الذى يزيل كل شبهة و يقرّر كل حجة كالمانع من و قوعهم فى الكفر (بحر) كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ۔ میں کفر سے مراد اعمالِ کفر کی طرف بازگشت ہے اور کیف اظہارِ تعجب کے لیے ہے۔ قاله تعالىٰ على جهة التعجب (قرطبی) قيل المراد بكفرهم فعلهم افعال الكفرة (روح) اٰيٰتُ اللّٰهِ۔ یعنی قرآن کی آیتیں اور قرآن کے درمیان موجود و محفوظ ہے۔ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ۔ یعنی سردست تو وہ بہ نفس نفیس تشریف فرما ہیں ہر شبہ مٹا سکتے اور راہ بتا سکتے ہیں باقی ان کے بعد ان کے سنن و آثار یہی کام دیں گے۔ قيل الخطاب بجميع الامة لان اٰثاره و سننه فيهم و ان لم يشاهدوه (بحر) و۲۱۴ یہ صراطِ مستقیم یا سیدھی راہ دُنیا میں فلاح کامل کی ہے اور آخرت میں جنت کی۔ فَقَدْ هُدِيَ۔ یعنی اللہ سے تمسک کرتے ہو، یہ راہِ راست ضرور ہی مرتب ہو کر رہے گی۔ و۲۱۵ (ہماری طاقت اور استطاعت کے لحاظ سے) ورنہ حق تعالیٰ سے اُس کے مرتبہ کے لائق خشیت بھلا کون بشر اختیار کر سکتا ہے۔ والمعنىٰ حق تقته ما استطعتم (قرطبی) و۲۱۶ یعنی جیو تو قانونِ تقویٰ الٰہی کے ماتحت اور مرو تو قانونِ اسلام کے مطیع۔ زندگی اور موت دونوں کی منزلوں سے مسلمان کو اللہ کے تابع فرمان ہو کر ہی گزرنا ہے و۲۱۷ اس تعلیم کے ایک عملی پہلو کا اعتراف ایک غیر مسلم کی زبان سے:۔ "اسلام نے اُن قبیلوں کو متحد کر دیا جو اس وقت تک برابر ایک دوسرے سے معروفِ پیکار رہتے تھے" (آرنلڈ کی پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۱) حَبْلِ اللّٰهِ محاورۂ عربی میں حبل سے مراد عہد بھی ہوتا ہے اور مطلقاً ہر وہ شے جو ذریعہ یا وسیلہ کا کام دے سکے۔ يستعار الحبل للعهد. (روح) واستعير للوصل و بكل ما يتوصل به الى شىء (راغب) یہاں مراد شریعت اسلامی یا قرآن ہے۔ متعدد قول نقل ہوئے ہیں اور وہ سب متقارب ہیں۔ قال ابن مسعود حبل الله القراٰن و رواه علیؓ و ابو سعيد الخدرى عن النبى ﷺ و عن مجاهد و قتادة مثل ذٰلک (قرطبی) العهد او القراٰن او الدين او الطاعة او اخلاص التوبة او الجماعة او اخلاص التوحيد او الاسلام اقوال السلف يقرب بعضها من بعض (بحر) جَمِيْعًا۔ یعنی اُمت مجموعاً بھی اور افرادِ اُمت بھی و۲۱۸ (اور سب کو رشتۂ اسلام میں متحد و منسلک کر دیا) نِعْمَتَ اللّٰهِ۔ اس انعام کے تحت میں علاوہ فلاحِ اُخروی کے اتحادِ قومی کی فلاحِ دُنیوی بھی شامل ہے۔ اتحادِ اُمت بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً۔ ظہورِ اسلام سے قبل یعنی زمانہ جاہلیت مکہ۔ عرب قبائل کی باہمی دُشمنی اور جنگجوئی ضرب المثل کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ بات بات میں چھڑ جاتی تھی جو لڑائیاں تاریخی روایات میں محفوظ رہ گئی ہیں اُن کی تعداد ۱۷۰۰ ہوتی ہے۔ و۲۱۹ (دینِ اسلام اور شریعتِ اسلامی مرحمت کر کے) دُنیا میں یوں ایک انقلاب عظیم برپا کر دینا اسلام کا معجزہ ہی تھا۔ اس کا اعتراف آج فرنگی محققین بھی کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا۔ جس طرح عرب قبل اسلام کی عداوت حد ضرب المثل تک پہنچی ہوئی تھی اسی طرح بعد اسلام عرب کی آپس کی محبت، یگانگت۔ اخلاص بھی بے نظیر رہا۔ جہاں مکی مکی کا اور مدنی مدنی کا دشمن تھا۔ وہاں اسلام نے مکہ کے مہاجرین اور مدینہ کے انصار کو ایسا شیر و شکر کرا دیا کہ دونوں واقعی آپس میں بھائی بھائی معلوم ہونے لگے برٹانیکا اور گبن دونوں کے صفحات میں اس کا اعتراف موجود ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ۔ ذکر زمانۂ قبل اسلام کا ہے کہ اس وقت عقائد و اعمالِ مشرکانہ کی بنا پر اہلِ عرب دوزخ کے کنارہ تک پہنچ ہی چکے تھے۔

ف۲۲۰ کسی درجہ میں اور ایک چھوٹے پیمانہ پر تو یہ فرض ہر فردِ اُمت کا ہے۔ لیکن یہاں مقصود یہ ہے کہ ایک مستقل جماعت خاص اسی کام کے لیے ہو۔ اس کا کام ہی یہی ہو کہ خلق کو دعوتِ خیر دے،
معروف (بھلے کاموں) کی طرف بلائے منکر (برے کاموں) سے روکے۔ اُمَّۃٌ۔ یہ بھی کمالِ رحمت اور ضعفِ بشری کی انتہائی رعایت ہے کہ ساری اُمت کے بجائے اس فریضہ پر ایک مخصوص جماعت

يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
جو نیکی کی طرف بلایا کرے اور بھلائی کا حکم دیا کرے
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾
اور بدی سے روکا کرے اور پورے کامیاب یہی تو ہیں ف۲۲۰
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ
اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے بعد اس کے کہ
مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
انہیں شواہد پہنچ چکے تھے باہم تفریق کر لی اور مختلف ہو گئے ف۲۲۱ عذاب عظیم انہی کو تو
عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ ۙ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ
ہوتا ہے اس روز (جس روز) بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے، پھر جن کے چہرے سیاہ ہوں
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ
گے اُن سے کہا جائے گا کہ کیا تم ہی کافر ہو گئے تھے اپنے
اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾
ایمان کے بعد؟ ف۲۲۲ سو عذاب چکھو اپنے کفر کی پاداش میں
وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ
اور جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں
اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا
ہوں گے ف۲۲۳ اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم انہیں تم کو ٹھیک ٹھیک
عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾
پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ مخلوقات پر ظلم نہیں چاہتا ف۲۲۴

کو مامور کیا گیا، ورنہ اس فریضہ کی ادائی کے لیے جن اوصاف اور شرائط کی
ضرورت ہے کیا عجب کہ بہتوں کو وہ سخت دشوار معلوم ہوتے ف۲۲۱ (توحید،
رسالت، وحی، جزا و سزا وغیرہ اُصولی و بنیادی عقائد کے باب میں) كَالَّذِيْنَ مراد
سابق اہلِ کتاب، یہود و نصاریٰ ہیں۔ یعنی الیهود و النصارٰی فی قول
جمهور المفسرین (قرطبی) تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا۔ یعنی از راہِ نفسانیت و
شرارت وحدتِ دینی کو پارہ پارہ کر دیا اور اپنے الگ الگ مذہب گڑھ لیے۔
مسائل و جزئیاتِ احکام میں اختلاف جو اخلاصِ نیت کے ساتھ اجتہاد کی بنا پر ہو،
وہ اسلام میں ہرگز ممنوع نہیں، بلکہ وہ تو اُمت کے حق میں عین رحمت ہے،
اختلافِ مذاق وطبیعت کی بنا پر کسی کو کسی مسلک میں آسانی معلوم ہوتی ہے اور کسی
کو کسی میں۔ الْبَيِّنٰتُ اس کے تحت میں احکام، دلائل، معجزات سب آ گئے
ف۲۲۲ یہ خطاب اہلِ دوزخ سے تو بہرحال ہوگا، گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ ان
سب سے ہوگا یا اُن کے صرف بعض گروہوں سے؟ ایک قول یہ ہے کہ یہ خطاب
منافقین سے ہوگا اور ایمان سے یہاں مراد اظہارِ ایمان ہے۔ هم المنافقون
(ابن جریر۔ عن الحسن) ایک قول ہے کہ مخاطب اہلِ کتاب ہیں اور حجت ان پر قائم
کی جائے گی کہ تمہاری کتابوں میں نبی آخر الزمان ﷺ کا ذکر پوری طرح
موجود اور پھر تم مکر گئے۔ المراد اهل الكتب (کبیر عن عکرمہ والاصم والزجاج)
بعض اہلِ نظر نے ترجیح اسی قول کو دی ہے۔ والظاهر من السياق و السباق
ان هؤلاءِ اهل الكتاب (روح) ابن جریر نے بعض تابعین سے استناد کر کے
یہ شق اختیار کی ہے کہ خطاب سارے کافروں کے لیے عام ہے اور جس ایمان کا
یہاں ذکر ہے وہ اظہارِ ایمان عالمِ ارواح میں عہد الست کے وقت کا ہے۔ هو
الایمان الذی كان قبل الاختلاف فی زمان اٰدم (ابن جریر۔ عن اُبی بن
کعب) عنی بذٰلك جميع اهل الكتاب (ابن جریر) تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ۔
یومِ حشر تو کشفِ حقائق کا وقت ہوگا، ضرور ہے کہ اہلِ حق کے چہرے اس دن انوار
سے چمکتے جگمگاتے نظر آئیں۔ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ۔ کشفِ حقائق کے وقت یہ
شکل قدرتی ہے کہ اندر کی سیاہیاں اور باطن کی کدورتیں نکل نکل کر اہلِ باطل کے
چہروں پر چھا چھا جائیں۔ عربی محاورہ میں ابیضاض وجه اور اسوداد وجه
سے مراد محض مسرت، غم بھی ہو سکتی ہے ف۲۲۳ اور اسی محلِ رضا و محلِ رحمت کا نام
جنت ہے۔ جنت کی ایک ایک نعمت کو قرآن مجید نے محلِ ترغیب میں ذکر کیا ہے۔
رضائے الٰہی سے الگ کوئی چیز نہیں، جیسا کہ جاہل صوفیہ اور گستاخ شاعروں
کے کلام سے مترشح ہوتا ہے۔ ف۲۲۴ (اس لیے اس کے فیصلے ہمیشہ عادلانہ اور
رحیمانہ ہوتے ہیں) اسلام کا خدا تمام تر رحیم ہے۔ عادل ہے۔ شفیق ہے۔ مشرک
قوموں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح ظالم و خونخوار نہیں ہے۔ قرآن مجید کو بار بار خداوند تعالیٰ کی تنزیہ کا اثبات ان صفاتِ ذمیمہ سے کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ اور تو اور توریت تک کے خدا میں صفاتِ قہری کہیں
زیادہ زور و قوت کے ساتھ جلوہ گر نظر آ رہے ہیں۔ بِالْحَقِّ۔ یعنی بالکل صحیح۔ جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ ای بالصدق (قرطبی)

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى

اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ ہی

اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ

کی طرف (سارے) اُمور لوٹائے جائیں گے، و۲۲۵ تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا

لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ

کی گئی ہے و۲۲۶ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے

الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ

روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو و۲۲۷ اور اہل کتاب بھی اگر ایمان لے آتے

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ

تو اُن کے حق میں کہیں بہتر ہوتا و۲۲۸ اُن میں سے (کچھ تو) ایمان والے ہیں مگر اکثر ان میں سے

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ

نافرمان ہیں و۲۲۹ وہ تم کو بجز خفیف اذیت کے ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے و۲۳۰ اور اگر وہ تم سے مقابلہ

يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۚ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ

کریں گے تو تمہیں پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے، و۲۳۱ پھر ان کی مدد بھی نہ کی جائے گی و۲۳۲ اُن پر لیس

عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ

دی گئی ہے ذلت خواہ کہیں بھی وہ پائے جائیں سوا اس کے کہ اللہ کی طرف سے

اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ

کوئی عہد ہو یا لوگوں کی طرف سے کوئی عہد ہو اور وہ غضب الٰہی کے مستحق

اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

ہو گئے ہیں و۲۳۳ اور ان پر پستی لیس دی گئی یہ (سب) اس سبب سے ہوا کہ

ع ۱۱/۲

و۲۲۵ (اور کوئی دیوی دیوتا نہ اس مربعیت امور میں اس کا شریک وسہیم ہے نہ آسمان وزمین کے کسی جزء کی ملک وتصرف میں) جاہلی قوموں کی ان گمراہیوں کا ذکر پچھلے حاشیوں میں بار بار آچکا ہے۔ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔ میں تاکید اس امر کی ہے کہ آخری فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ناطق ہوگا، کسی کو بھی اس میں دخل دینے کی مجال نہیں و۲۲۶ یعنی تم تو اس لیے بنائے گئے ہو کہ لوگ تمہارے نقش قدم پر چلیں۔ تم ساری دنیا کے لیے ایک نمونہ بنا کر بھیجے گئے ہو۔ خطاب امت محمدی ﷺ اور ملتِ اسلامی سے ہے۔ كُنْتُمْ۔ کان یہاں یا تو زائد ہے یا تامہ استعمال ہوا ہے اور اگر ناقصہ ہے جب بھی مراد دوام نسبت ہے۔ قیل هو كان التامة المعنى خلقتم و وجدتم خير امة و قيل كان زائدة المعنى انتم خير امة (قرطبی) لا يراد ههنا الدلالة على معنى الزائد و انقطاع النسبة بل المراد دوام النسبة (بحر) و۲۲۷ (پورا پورا جیسا کہ حق ہے ایمان باللہ کا) آیت کے اس جزء میں اُمتِ اسلامی کی اعتقادی، اخلاقی اور عملی زندگی کے کامل ومکمل ہونے کا پورا فوٹو آگیا۔ مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو! تم اپنی ذمہ داری پوری طرح محسوس کرو تم توحید کے امانت دار ہو، زمین پر اللہ کے نائب وخلیفہ ہو۔ بہ طور اس کی پولیس کے ہو۔ الٰہی قانون کے نفاذ وتحفظ کے لیے، دنیا کے نظام عدل کو برقرار رکھنے کے لیے بھیجے گئے ہو۔ تمہاری زندگی کا مشن ہی یہ ہے کہ حکومت الٰہیہ کو چلاؤ، نظامِ حق کے ایک ایک کل پرزہ کو درست رکھو اور نظامِ باطل کا زور چلنے ہی نہ دو۔ ظلم ہوتا اگر اس ذمہ دار فعال (اگزیکٹو) جماعت کو جدال وقتال کی آزادی نہ ملتی! بلا اجازت جہاد، بلا اجازت اجراء حدود وتعزیرات اس قوم پر ذمہ داریاں ڈال دینے کے معنی یہ ہوتے کہ ہاتھ پیر باندھ کر حکم دریا میں پیَرنے کا دیا جا رہا ہے۔ کیا تماشہ ہے کہ انگریز ہندوستان میں ستی کی رسم کو جرم قرار دے دیں تو وہ ملک کے محسن۔ ہندوؤں میں بچپن کی شادیوں کے دستور کو روک دیں تو اُن کا شکریہ واجب۔ لیکن اللہ کے سپاہی اور مالک الملک کے پیارے اگر یہ حق حاصل کرنا چاہیں کہ قانونِ الٰہی سے بغاوت کرنے والوں اور امن عالم کو غارت کر کے رکھ دینے والوں کی دارو گیر کریں تو "روشن خیالی" کے جبین تحمل پر شکن آجائے اور "تہذیب" کا پروپیگنڈسٹ اسے رواداری کے خلاف قرار دینے لگے۔ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ منکر کے تحت میں آج کے شراب خانہ اور تھیٹر، سینما اور کنسرٹ ہال، ناچ گھر اور میوزک کالج، اسکول آف آرٹ اور تصویر خانے سب آجاتے ہیں، آیت سے ظاہر ہے کہ اس اُمت کی خیریت وافضیلت اسی وقت تک ہے جب تک وہ ان صفات کی حامل ہے۔ یعنی ایمان باللہ میں مضبوط ہے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (ایجابی و سلبی دونوں قسم کی اخلاقی خوبیوں) پر قائم ہے و۲۲۸ (حالاً بھی اور مآلاً بھی۔ فی الفور بھی اور بہ لحاظ انجام کار بھی) یہ ایمان لے آنا تو ان اہل کتاب کا فرض ہی تھا اور عملی مثال مسلمانوں کی دیکھ بھی رہے تھے و۲۲۹ فٰسِقٌ یہاں کافر کے معنی میں ہے۔ یعنی حد عبودیت سے باہر نکل جانے والے۔ كامل في فسقه متمرد في كفره (بحر) عبر عن الكفر بالفسق (روح) اى الكافرون (معالم) الضلالة الكفر الفسق العصيان (ابن کثیر) مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اس گروہ میں عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام یہودی کی طرح دُوسرے اہل کتاب بھی داخل ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی میں ایمان لے آئے تھے و۲۳۰ اشارہ ہے یہود کی طرف۔ جن کا خاص مدینہ اور حوالی مدینہ میں بڑا زور وغلبہ تھا۔ آپ نے وقوع سے بہت قبل پیشگوئی کر دی کہ یہود اپنے بڑے مضبوط قلعوں کے باوجود، بڑے بڑے خزانوں کے مالک ہونے کے باوجود مسلمان کو ہرگز کوئی قابل ذکر نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اَذًى۔ ضرر کے مقابلہ میں بہت ہلکی اور چھوٹی چیز ہے۔ اى ضررا يسيرا كطعن و تهديد (بیضاوی) الاذى بمعنى الضرر اليسير (روح) و۲۳۱ یعنی اگر وہ اتنی ہمت کر ہی جائیں کہ تم سے مقابلہ ومقاتلہ کو آئیں تو ہرگز غلبہ نہ پا سکیں گے بلکہ اُلٹی شکست کھا کر بھاگیں گے۔ یہ ایک پیشگوئی نہیں۔ مجموعہ ہے کئی پیشگوئیوں کا۔ اور سب کی سب ظاہری قرائن وقیاسات کے خلاف پوری طرح پیشگوئیاں صحیح نکلیں۔ بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع، یہود خیبر سب کے باب میں اس جزم کے ساتھ بجز خدائے علیم وخبیر کے اور کون جرأت بھی ایسی پیشگوئیوں کی کر سکتا تھا و۲۳۲ ایک اور پیشگوئی۔ وضاحت کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا کہ خود مظفر ومنصور ہونا الگ رہا، عرب کے جن مشرک قبیلوں کی حمایت کا غرہ ان یہود کو ہے، اُن میں سے کوئی ان کی مدد کو بھی تو نہ آئے گا اور نہ مدینہ کے منافقین ہی ان کے کام آسکیں گے۔ و۲۳۳ بنی اسرائیل کی مغضوبیت اور پستی وذلت پر حاشیہ پارۂ اول کے رکوع ۶ کے ذیل میں مفصل گزر چکے۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ۔ یعنی ان کی جانوں، ان کے مالوں، ان کی عزتوں سب کی بے وقعتی اور ناقدری خلق اللہ کے دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا۔ ابھی دو ہی چار سال اُدھر یہود کی جو گت جرمنی میں ہنگری میں، اٹلی میں زیکوسلاویکا میں اور دُوسرے ملکوں میں باوجود ان کی اس خوش حالی وامارت کے بن چکی ہے وہ آیت کی بہترین تفسیر ہے۔ حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ سے ان کی ایسی آبادی مراد ہو سکتی ہے جسے خود شریعت الٰہی نے قتل، ہلاکت اور تعزیری وانتقامی کارروائیوں سے مستثنیٰ رکھا ہے مثلاً ان کے بچے، ان کی عورتیں، ان کے گوشہ نشین زاہد، درویش وغیرہ۔ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ سے مراد ان کی وہ جماعتیں ہو سکتی ہیں جو معاہدوں کے ذریعہ سے امن حاصل کر لیتی ہیں۔ حَبْلٍ کے معنی پہلے ہی بیان ہو چکے ہیں۔ مراد عہد وذمہ سے ہے۔ الحبل العهد والذمة والامان (لسان) وَحَبْلٍ میں و عطف کے لیے نہیں بلکہ او کے معنی میں ہے۔

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ

وہ اللہ کی آیتوں کے منکر ہو جاتے تھے اور نبیوں کو بلا وجہ

بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ق

قتل کر ڈالتے تھے۔ یہ (سب) اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حدود سے نکل نکل جاتے تھے وٓ۲۳۴

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ

سب یکساں نہیں وٓ۲۳۵ (انہی) اہل کتاب میں ایک جماعت قائم ہے،

يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں وٓ۲۳۶

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ

اور بدی سے روکتے ہیں اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں

وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ

یہی لوگ نیکو کاروں میں سے ہیں وٓ۲۳۷ اور جو بھی نیک کام

خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

یہ کریں گے، اس سے ہرگز محروم نہ کیے جائیں گے، اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے وٓ۲۳۸

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ

بیشک جن لوگوں نے کفر (اختیار) کیا ہرگز ان کے ذرا بھی کام اللہ کے مقابلہ میں نہ اُن کے مال آئیں گے

وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

نہ اُن کی اولاد یہی لوگ دوزخ والے

وٓ۲۳۴ یعنی حدود عبدیت وطاعت سے۔ یہود کی مسلسل سرکشی اور نافرمانی کی داستان سے عہد عتیق، عہد جدید اور خود یہود کی لکھی ہوئی تاریخیں سب بھری پڑی ہیں۔ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ۔ وَ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔ دونوں موقعوں پر فعل کے ساتھ كَانُوْا لانے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کوئی استثنائی یا اتفاقی واقعہ ان کی زندگی میں نہ تھا، بلکہ کفر و عدوان ان کی قومی خصلت بن گئے تھے، ان کی سرشت کے جزء بن گئے تھے۔ عَصَوْا۔ نافرمانی ان لوگوں نے اپنے رسولوں ہی کی نہیں کی بلکہ آخر میں خاتم رسل کی بھی کی۔ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ یعنی انبیاء کو خود اپنے معیار عدل وقانون کے بھی خلاف ہی قتل کرتے تھے۔ مسکنت، قتل انبیاء، کفر بآیات اللہ وغیرہ پر مفصل حاشیہ پارۂ اوّل رکوع ۶ کے ذیل میں گزر چکے

وٓ۲۳۵ (اپنی حق ناشناسی اور اسلام سے متعلق اپنے طرز عمل کے لحاظ سے) لیس اهل الكتاب مستويًا (بحر) والضمير لاهل الكتاب (بیضاوی) اُوپر جو کچھ ذکر ہوا۔ اہل کتاب کی یہ اکثریت کا تھا، باقی ان میں سے بعض بعض حق شناس، انصاف دوست بھی تھے اور وہ بالآخر مشرف بہ اسلام ہو کر رہے۔

وٓ۲۳۶ یعنی نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ والمراد هم يصلون (روح) يصلون عن الفراء والزجاج (قرطبی) نماز شب کے فضائل آیت سے ظاہر ہیں۔ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ۔ یہ وہ جماعت تھی جو دین حق پر قائم وثابت رہی۔ ای المستقیمة العادلة (بیضاوی) انها ثابتة على التمسك بالدين الحق ملازمة له (کبیر) اٰيٰتِ اللّٰهِ۔ یعنی قرآن کی آیات۔ والمراد يقرءون القراٰن (روح) مفسرین نے یہاں عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعید اسید بن سعیؓ اسد بن عبید وغیرہم کے نام درج کئے ہیں جو یہودیت سے ایمان لائے تھے

وٓ۲۳۷ قرآن مجید جنہیں صالح قرار دیتا ہے۔ ان کے اوصاف وخصوصیات یہاں کس جامعیت وایجاز کے ساتھ ارشاد کر دیئے گئے ہیں۔ پہلی بات یہ بتائی کہ وہ ایمان میں کامل ہوں گے، جو کچھ بھی خرچ کریں گے، مقصد صحیح کے ساتھ اور راہ حق میں کریں گے، دُوسری بات یہ ارشاد ہوئی کہ وہ لوگ نہ صرف خود ہی ایجابی وسلبی ہر حیثیت سے اخلاق اور پاکیزہ کرداری کے پتلے ہوں گے بلکہ دُوسروں کو بھی اسی راہ پر لائیں گے اور لگائیں گے اور نیکیوں کی طرف دلی شوق ورغبت کے ساتھ بڑھیں گے۔ يُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ یعنی نیکیوں کی طرف بے دلی اور بدشوقی کے ساتھ گویا ہار اور تھک کر نہیں، بلکہ بڑے شوق واشتیاق، چاؤ اور رغبت کے ساتھ لپکیں گے۔ المسارعة فى الخير ناشئة عن فرط الرغبة (بحر) مِنَ الصّٰلِحِيْنَ کے معنٰی مَعَ الصّٰلِحِيْنَ کے بھی کیے گئے ہیں (قرطبی)

وٓ۲۳۸ (اور چونکہ یہ پرہیزگار ہیں، اس لیے انہیں بھی خوب جانتا ہے) یہ خیال نہ گزرے کہ کوئی متقی اللہ تعالٰی کے علم میں آجانے سے رہ جائے گا۔ غیر قوموں کے عقائد کی تردید کے لیے اس جزء کا اضافہ ضروری تھا۔ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ۔ یعنی کہیں نہ سمجھ لینا کہ جب ماضی خراب رہ چکا ہے تو اب نجات ومغفرت کی اُمید ہی کیا اور اب ایمان وحسن عمل سے حاصل کیا؟ غیر مذہب والوں نے ایسے ہی عقائد گڑھ رکھے تھے۔ اس لیے تنبیہ ضروری تھی۔ يُّكْفَرُوْهُ میں ضمیر عمل خیر کے اجر وثواب کی جانب ہے۔ ای لن تجحدوا ثوابهٗ (قرطبی) ای لن تمنعوا ثوابه و جزاءه (کبیر)

النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ

ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ف۲۳۹ یہ جو کچھ اس دنیوی زندگی میں

فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا

خرچ کرتے ہیں اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے ایک ہوا ہے جس میں

صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

سخت سردی ہے (اور) وہ ایسے لوگوں کی کھیتی کو لگ جائے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا ہے۔ پھر وہ (ہوا) اس

فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ

(کھیتی) کو برباد کر دے تو اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر

يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا

ظلم کرتے ہیں، ف۲۴۰ اے ایمان والو اپنے سوا (کسی کو) گہرا دوست

بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا

نہ بناؤ ف۲۴۱ وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں، کوئی بات اُٹھا نہیں رکھتے اور تمہارے دکھ پہنچنے کی

مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ

آرزو رکھتے ہیں، بغض تو اُن کے مونھوں سے ظاہر ہو پڑتا ہے

وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ

اور جو کچھ اُن کے دل چھپائے ہوئے ہیں، وہ اور بھی بڑھ کر ہے ف۲۴۲ ہم تو تمہارے لیے نشانیاں

الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ

کھول کر ظاہر کر چکے ہیں ف۲۴۳ اگر تم عقل سے کام لینے والے ہو، تم تو ایسے ہو کہ

تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ

اُن سے محبت رکھتے ہو اور یہ تم سے ذرا محبت نہیں رکھتے، تم کتاب (آسمانی) پر ان کے کل کے کل پر ایمان

ف۲۳۹ اُولٰٓئِكَ سے مراد ایمان سے محروم کفار ہیں۔ اور چونکہ اس لفظ سے حصر کا مفہوم پیدا ہوتا ہے، اہل سنت نے اس آیت سے معتزلہ کے خلاف استدلال کر کے کہا کہ خلود نار کی سزا صرف کافروں کے لیے ہے، گنہگار مومنین کے لیے نہیں ولما افادت هٰذه الكلمة معنى الحصر ثبت ان الخلود فى النار ليس الا للكافر (کبیر) لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ مال کو بہ طور کفارہ یا توبہ پیش کر کے نجات حاصل کر لی جائے۔ یہود کے جو غلط سلط عقیدے اس باب میں ہو چکے تھے، ان کا ذکر پارۂ اوّل کے حاشیوں میں آچکا ہے۔ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ۔ ہندوؤں اور جینیوں میں یہ گمراہی خاص طور پر بڑھی ہوئی ہے۔ اولادِ نرینہ کی اہمیت اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ لڑکا ہی مرے ہوئے باپ کو پانی دے دے کر عذاب سے چھڑا لیتا ہے۔ منوجی کا یہ قول کتابوں میں نظر سے گزرا ہے کہ بیٹے کو سنسکرت میں ''پتر'' کہتے ہی اس لیے ہیں کہ وہ باپ کو ''پت'' (دوزخ) سے چھڑا لاتا ہے ف۲۴۰ آسان اور عام فہم مثال میں اُن لوگوں کے مال کے ضائع جانے کو بیان کیا ہے جو ایمان سے محرومی کی حالت میں اس دنیا کے حصول کے لیے، ریا و ناموری کے لیے اپنی دولت خرچ کرتے رہتے ہیں۔ كَمَثَلِ۔ مثال ضائع جانے اور عبث ہونے میں ہے۔ صِرٌّ۔ سخت ٹھنڈی چیز کو کہتے ہیں جیسے پالا یا برف۔ قال ابن عباس الصرّ البرد الشديد (قرطبی) قال اكثر المفسرين و اهل اللغة الصرّ البرد الشديد۔ قال ابن زيد (کبیر) ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ اپنے ہاتھوں اپنی جان پر ظلم کیا، یعنی کفر اور بے دینی کر کر کے۔ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ۔ اللہ نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا کہ ان کے صرفِ مال کو خواہ مخواہ لاحاصل اور ضائع کر دیا۔ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ وہ خود ہی تو اپنے اُوپر ظلم کر رہے ہیں کہ مال کو بے محل اور خلاف اذنِ الٰہی خرچ کر رہے ہیں۔ ف۲۴۱ (ایسا کہ اس سے اپنے ذاتی اور ملی راز کہہ ڈالو) مِنْ دُوْنِكُمْ۔ یعنی بجز اپنی ملت والوں کے بِطَانَةً۔ کہتے ہیں راز دار دوست کو۔ اى مختصا بكم يستبطن امور كم (راغب) بطانة الرجل خاصته الذين يستبطون امره (قرطبی) قانون اسلام کے منکروں اور باغیوں سے تعلقات ایک خاص حد سے آگے بڑھانے کی اجازت کسی مسلم کو یا اسلامی اسٹیٹ کی رعایا کو نہیں کہ اس سے فرد اور ملت دونوں کو ضرر کے اندیشہ اور خطرے کھلے ہوئے ہیں، اور اس صریحی، معقول، مناسب اور ضروری انتظام کا نام بعض عقل کے دشمنوں نے ''تنگ نظری'' رکھا ہے — سبحان اللہ! امراضِ وبائی میں پرہیز و احتیاط کا نام تو فخر کے ساتھ ''اُصولِ حفظانِ صحت'' رکھا جائے۔ اور جو انتظام کفر و طغیان یعنی دنیا و آخرت دونوں کی بربادی سے بچنے کے لیے کیا جائے اس کا نام ''تنگ نظری'' پڑ جائے۔ عقل دشمنی کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔ فقہاء مدینہ بلکہ فقہاء حجاز نے عموماً آیت سے استنباط کیا ہے کہ دشمن کی شہادت دشمن کے حق میں معتبر نہیں، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں جائز ہے۔ و فى هٰذه الاٰية دليل علىٰ ان شهادة العدو علىٰ عدوه لا تجوز و بذٰلك قال اهل المدينة والحجاز و روى عن ابى حنيفة جواز ذٰلك (قرطبی) افسوس ہے کہ مسلمانوں نے آیت کے حکم پر عمل میں سستی اور مداہنت شروع ہی سے برتنی شروع کر دی اور ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو چند صدیاں بھی نہیں ہونے پائی تھیں کہ سلطنت کے کاروبار میں کھلم کھلا مسیحیوں، مجوسیوں وغیرہ کو شریک کیا جانے لگا، امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کا ہے۔ حسرت، قلق اور درد کے لہجہ میں لکھتے ہیں۔'' و قد انقلبت الاحوال فى هٰذه الازمان باتخاذ اهل الكتاب كتبةً و امناء و تسوّدوا بذٰلك عندالجهلة الاغنياء من الولاة والامراء یہ حال جب اُس زمانہ کا تھا تو آج چودھویں صدی ہجری میں جبکہ زندگی کے ہر شعبہ میں کافروں کا غلبہ اور تسلط مسلمانوں پر نمایاں ہے۔ صورتحال پر اظہار خیال کن لفظوں میں کیا جائے! فقہاء مفسرین نے آیت کے ذیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ کافروں سے تشبہ تک جب جائز نہیں تو اُن کے ساتھ مصاحبت تو بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگی۔ لا خلاف بين علماء نا ان المراد به النهى عن مصاحبة الكفار من اهل الكتاب حتّٰى نهى عن التشبُّه بهم (ابن عربی) ف۲۴۲ یعنی ان کی مخفی عداوت کا درجہ تو اس سے بھی کہیں بڑھا ہوا ہے۔ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ فقرہ کافرانہ ذہنیت کا پورا ترجمان ہے۔ اس کے اندر گہری تعلیم اس بات کی آگئی کہ کوئی غیر مسلم کسی حال میں مسلموں کا حقیقی دوست اور ہوا خواہ ہو نہیں سکتا۔ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ شدت عداوت میں غیر اختیاری طور پر زبان سے بھی ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں۔ اشارہ زیادہ تر یہود مدینہ کی جانب ہے۔ یہ لوگ اب اپنا بغضِ اسلام مسلمانوں سے چھپا بھی نہیں رکھ سکتے تھے اور بے اختیار ان کی زبانوں سے ظاہر ہو ہی جاتا تھا۔ ف۲۴۳ آیت کے معنی دو طرح پر کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کافروں کے بغض و عداوت کے آثار و علامات تم پر روشن ہو گئے ہیں، جن سے تم انہیں فوراً پہچان سکتے ہو۔ ثم بيّن الله تعالىٰ ان اظهار هٰذه الاسرار للمومنين من ...... عليهم (کبیر) دُوسرے معنی یہ کہ تمہارے لیے اُن سے ترکِ موالات کی آیتیں کھول کر بیان کی جا چکی ہیں۔ اى اظهرنا لكم الاٰيات الدالة على النهى عن موالاة اعداء الله تعالىٰ و رسوله (روح) الدالة علىٰ موالاة المؤمنين و معاداة الكافرين (بیضاوی)

وف۲۴۴ یعنی ساری کتب الٰہی پر الکتٰب۔ بہ طور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔ والکتاب اسم جنس قاله ابن عباس (قرطبی) بجنس الکتاب کله (بیضاوی) تُحِبُّوْنَهُمْ۔ یہ مسلمانوں کی سادہ دلی اور نیک طبعی کا ذکر ہے۔ وَلَا یُحِبُّوْنَكُمْ۔ یہ محبت تو تم سے کیا رکھتے۔ اُلٹے عداوت رکھتے ہیں، اور تمہاری کتاب الٰہی کے منکر ہیں، مطلب یہ ہوا کہ تم تو اُن کی کتابوں تک پر ایمان رکھتے ہو، اور وہ پھر بھی تم سے کسی درجہ میں بھی علاقہ محبت نہیں رکھتے۔ وف۲۴۵ عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ۔ غصہ سے انگلیاں کاٹ کاٹ کھانا عربی محاورہ میں کنایہ شدید جھنجلاہٹ سے ہے۔ جیسے اُردو محاورہ میں اپنی بوٹیاں نوچنا ''بوٹیاں چبانا'' ''دانت پیسنا'' وغیرہ۔ ذکر منافقین مدینہ کا ہے۔ یعنی المنافقین (قرطبی) وف۲۴۶ (چنانچہ اس نے تمہارے دلوں کے اندر کے کینہ اور عداوت کو کھول کر بیان کر دیا ہے) مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْ۔ یعنی شدت ناکامی و نامرادی میں مر رہو، اس لیے کہ جو تمہاری تمنا ہے یعنی اسلام کی مغلوبیت، ہزیمت وہ پوری ہونے کی نہیں۔ وف۲۴۷ منافقوں کی خباثت نفس اور کینہ پروری کا بیان ہے کہ مسلمانوں کی تکلیف سے خوش ہوتے ہیں اور اُن کی خوشی اور خوشحالی سے رنجیدہ۔ حَسَنَةٌ مسلمانوں کی اندرونی تنظیم یا کافروں پر اُن کی فتح و غلبہ سَیِّئَةٌ۔ مثلاً کوئی ہنگامی شکست۔ وف۲۴۸ (اللہ اُن کی سزا پر ہر طرح قادر ہے) وَاِنْ تَصْبِرُوْا۔ منافقین کے کید و مکر اور شدید مخالفین کے عناد و مخالفت کے نتائج سے محفوظ رہنے کا کتنا آسان اور سہل الحصول نسخہ یہاں مسلمانوں کو بتا دیا گیا ہے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو، اپنی اصلاح میں لگے رہو۔ استقامت علی الحق کا دامن ہاتھ سے نہ دو۔ کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا

رکھتے ہو وف۲۴۴ اور یہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں

عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا

تو تم پر (شدت) غیظ سے انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں وف۲۴۵ آپ کہہ دیجئے کہ تم غیظ میں

بِغَیْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

مر رہو، بیشک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے وف۲۴۶

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكُمْ

اگر تمہیں کوئی اچھی حالت پیش آ جاتی ہے تو یہ ان لوگوں کو دکھ پہنچاتی ہے اور اگر تم پر کوئی بری حالت

سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا

آ پڑتی ہے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں وف۲۴۷ اور اگر تم صبر و تقوی اختیار کیے رہو تو

لَا یَضُرُّكُمْ كَیْدُهُمْ شَیْــًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ

تم کو ان کی چالیں ذرا بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی، بیشک اللہ ان کے اعمال پر (پورا)

مُحِیْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ

احاطہ رکھتا ہے وف۲۴۸ اور وہ وقت یاد کیجئے جب آپ صبح کو اپنے گھر والوں (کے پاس) سے نکلے

الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ

مسلمانوں کو قتال کے لیے مناسب مقامات پر لے جاتے ہوئے، وف۲۴۹ اور اللہ بڑا سننے والا ہے

عَلِیْمٌ ﴿۱۲۱﴾ لا اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ

بڑا جاننے والا ہے وف۲۵۰ جب تم سے دو جماعتیں اس کا خیال کر بیٹھی تھیں

تَفْشَلَا ۙ لا وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ

کہ ہمت ہار دیں وف۲۵۱ درآنحالیکہ اللہ دونوں کا مددگار تھا وف۲۵۲ اور مسلمانوں کو تو اللہ ہی پر

ع ۱۲ / ۱۱ / ۳

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا۔ صبر و تقویٰ، ان دو مختصر سے عنوانات کے اندر ساری تنظیمی جدوجہد و مشغولیت کس ایجاز و جامعیت کے ساتھ آ گئی۔ آیت میں اس کی تعلیم بھی آ گئی کہ دشمن سے محفوظ رہنے کے لیے بہترین حربہ صبر و تقویٰ کا ہے۔ هٰذا تعليم من الله وارشادٌ الٰى ان يستعان علٰى كيد العدو بالصبر والتقوٰى (مدارک) وف۲۴۹ (دامن جبل اُحد کی طرف) اب ذکر جنگ اُحد کا شروع ہو رہا ہے۔ اُحد مدینہ منورہ سے شمال کی جانب ڈھائی تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی ہے۔ بدر میں شکست کھائے ہوئے مشرکین مکہ جوش انتقام سے دیوانہ ہو رہے تھے۔ ہجرت کا تیسرا سال قریب ختم کے تھا۔ اور واقعہ بدر پر ایک سال گزر چکا تھا، کہ مکہ والوں کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ اب کی تیاریاں بڑے انتظام و اہتمام کے ساتھ اور بہت بڑے پیمانہ پر ہوئی تھیں۔ قریش کی جمعیت ۳ ہزار کی تھی، ان میں ۷۰۰ جوان زرہ پوش تھے، ۲۰۰ سوار اور باقی شتر سوار تھے، قوم اور قبیلہ کے بڑے بڑے سردار سب ساتھ ہوئے، بڑی بات یہ کہ عورتیں بھی شریک جنگ ہوئیں۔ ہاتھوں میں باجے لیے ہوئے پرجوش نظمیں پڑھتی جاتی تھیں اور مقتولین بدر کے انتقام پر اپنے عزیزوں، قریبوں کو خوب اُبھارتی جاتی تھیں، جنگ میں عورتوں کی شرکت آج بیسویں صدی کی ''جدت'' نہیں۔ جاہلی مشرک قوموں کا پرانا شعار ہے۔ اسلامی فوج اس کے مقابلہ میں کل ایک ہزار تھی اور سامان کی کیفیت یہ تھی کہ علاوہ رسول اللہ (ﷺ) کی سواری مبارک فوج بھر میں صرف ایک گھوڑا اور تھا۔ اس سے بڑھ کر ستم یہ ہوا کہ صبح سویرے عین اس وقت جب غنیم سامنے نظر آیا اور مسلمان اپنے مقدس امیر الجیش کے ساتھ ابھی نماز ہی میں مشغول تھے، عبداللہ بن ابی مدینہ کا پرانا اور ذی اثر لیڈر یہ عذر کر کے کہ جب ہماری رائے نہیں سنی جاتی اور شہر کے اندر ہی محصور ہو کر نہیں لڑا جاتا تو ہم بیکار اپنی جانیں دوسرے کے کہنے پر کیوں دیں اپنے ۳۰۰ ساتھیوں کو لے کر شہر کو واپس چلا گیا۔ لشکر اسلام کی کل جمعیت ۷۰۰ کی رہ گئی۔ ان میں بھی زرہ پوش کل ۱۰۰۔ مقابل فوج تعداد میں چوگنی سے زائد۔ اور ساز و سامان کے لحاظ سے بھی کہیں زیادہ آراستہ! وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ میں مِنْ۔ عِنْدِ کے معنی میں ہے اور آنحضرت ﷺ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ سے برآمد ہوئے تھے۔ كان الخروج من حجرة عائشة (روح) يعنى خرجت بالصباح من منزلک من عند عائشة (قرطبی) مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ۔ ترتیب صفوف اور مورچوں کی تناسب موضعیت کی اہمیت جس طرح سکندر و دارا کے زمانہ میں تھی، جدید فن حرب میں بھی بالکل مسلم۔ اور ملٹری سائنس کی کتابوں میں ''پوزیشن'' Position کی اہمیت کی تشریح میں صفحہ کے صفحہ وقف رہتے ہیں، اُمت کا رہبر کامل، مقدس نبی ہونے کے علاوہ سپہ دار اعظم کی حیثیت سے بھی بے نظیر تھا۔ Tom Andre نامی بیسویں صدی کا ایک مسیحی مؤرخ عرب ہے، وہ اپنی سوانح محمد ﷺ میں آپ کے اس کمال خصوصی کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے ''برخلاف اپنے مخالفین کے جو محض ہمت و شجاعت ہی رکھتے تھے...... محمد ﷺ نے کہنا چاہیے کہ فن حرب کی بھی نئی راہ نکالی۔ مکہ والوں کی بے دھڑک اور اندھا دھند جیوٹ کے مقابلہ میں محمد ﷺ نے خوب دور اندیشی اور سخت قسم کے نظم و انضباط سے کام لیا''۔ (صفحہ ۲۰۳) (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) مولانا شبلی مرحوم نے الفاظ کے ذریعہ سے گویا پورا معرکہ اُحد کا کھینچ دیا ہے:۔ آنحضرت ﷺ نے اُحد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی، مصعب بن عمیر کو علم عنایت کیا، زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام رسالہ کے افسر مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس حصہ فوج کی کمان ملی جو زرہ پوش نہ تھے، پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن ادھر سے آئیں، اس لیے پچاس تیر اندازوں کا دستہ متعین فرمایا۔ اور حکم دیا کہ گو لڑائی فتح ہو جائے، تاہم وہ جگہ سے نہ ہٹیں، عبداللہ بن جبیر ان تیر اندازوں کے افسر مقرر ہوئے، قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا، اس لیے انہوں نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا، میسرہ عکرمہ کو دیا جو ابوجہل کے فرزند تھے، سواروں کا

کے وقت کام آئیں (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۲۷۳ طبع اوّل) ف۲۵۰ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ سمع وعلم کی صفات کو یاد دلا کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس وقت مخالفین وموافقین جو کچھ اپنی اپنی جگہ پر کہہ سن رہے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں آچکا، اور اس موقع پر مخالفین وموافقین دونوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا، اس میں سے کوئی شے اس سے مخفی نہ رہی۔ ف۲۵۱ (اور جنگ سے الگ ہو بیٹھیں۔ لیکن اس ارادہ پر عمل نہیں کرنے پائیں) ھَمَّتۡ۔ ھَمّ کے معنی عربی میں پختہ قصد وعزم کے بھی ہیں اور محض خفیف سے خیال اور شائبہ قصد کے بھی، یہاں مراد یہی آخری معنی ہیں الھمّ قَدۡ یُرَادُ به العزم و قد یراد به الفکر و قد یراد به حدیث النفس (کبیر) والظاهر ان هٰذا الهم لم یکن عن عزم بل کان مجرد حدیث نفس و وسوسة (روح) طَّآىِٕفَتٰنِ ان دو جماعتوں سے مراد قبیلہ اوس کے بنی حارثہ اور قبیلہ خزرج کے بنی سلمہ ہیں۔ الطائفتان بنو سلمة من الخزرج و بنو حارثة من الاوس (ابن ہشام) ان دونوں دستوں نے عبداللہ بن ابی کی مثال دیکھ آن کی آن کمزوری اور بدہمتی محسوس کی لیکن اللہ کے فضل نے دستگیری کی، اور وسوسہ کو وسوسہ کے درجہ سے آگے بڑھنے نہ دیا۔ اور یہ خیال بھی جو انہیں پیدا ہوا، اپنی قلت تعداد، قلت سامان، غرض ضعف مادّی کی بنا پر پیدا ہوا نہ کہ ضعف ایمان سے۔ انما کله ذٰلک منها من ضعف اووهن اصابهما من غیر شک فی دینهما (ابن ہشام) انیسویں صدی عیسوی کا انگریز باسورتھ آسمتھ ابتدائی غزواتِ اسلام سے متعلق جو عموماً تاریخی استناد رکھتے ہیں، کہتا ہے کہ یہ مظاہرے اخلاص وایثار وشجاعت کے لحاظ سے ہومر کے افسانوں سے بڑھے ہوئے ہیں (محمد اینڈ محمد زم صفحہ ۲۰۷) ف۲۵۲ (چنانچہ اس موقع پر بھی اس نے دستگیری کی اور اپنا فضل قائم رکھا) آیت ان دونوں ٹکڑیوں پر اظہار عتاب کے لیے نہیں، اظہار عنایت خاص والتفات کے لیے ہے"۔ حافظهما و ولاهما عن ذٰلک (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۲۵۳ (اور چاہیے کہ آئندہ یاس وبدہمتی کے جذبات کو اپنے پاس بھی نہ پھٹکنے دیں) توکل طریقت کے اعلیٰ صفات میں سے ہے اور محققین صوفیہ نے اس کی حقیقت پر مفصل بحثیں کی ہیں۔ ف۲۵۴ (یعنی تقویٰ کی عادت تمہیں شکرگزار بنا دے گی) بَدۡرٍ مدینہ کے جنوب ومغرب میں کوئی ۲۰ میل کے فاصلہ پر ایک پڑاؤ اور منڈی کا نام ہے۔ اس وقت اسے اہمیت اس لیے حاصل تھی کہ یہاں پانی کی افراط تھی اور یہ عرب میں ایک بڑی چیز تھی۔ توحید اور شرک کے درمیان یہیں سب سے پہلا قابل ذکر تصادم بروز جمعہ ۱۷ رمضان ۲ ہجری (۱۱۔ مارچ ۶۲۴ء) کو پیش آیا تھا۔ اس غزوہ نے گویا اسلام کی اور اس طرح بالواسطہ ساری دنیا کی تاریخ کا رُخ ہی پلٹ دیا تھا، فرنگی مؤرخین بھی اس کی اہمیت کے پوری طرح قائل ہیں۔ ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے:۔ "فتوحاتِ اسلامی کے سلسلہ میں جنگ بدر انتہائی اہمیت رکھتی ہے"۔ (جلد ۸ صفحہ ۱۲۲) اور امریکی پروفیسر ہٹی Hitti کی "ہسٹری آف دی عربس" میں ہے:۔ "یہ اسلام کی سب سے پہلی فتح مبین تھی" (صفحہ ۱۱۷) وَاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ یعنی تعداد میں قلیل اور سامان میں حقیر۔ مسلمان تعداد میں کل ۳۱۳ تھے، اس "فوج" کے ہمراہ گھوڑے صرف دو تھے اور اونٹ ۷۰ کی تعداد میں، اُنہی پر لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔ ای بقلة العدد والسلاح (جلالین) معناها قلیلون (قرطبی) فی حالة قلة و ذلة (بحر) یعنی ما کانوا علیه من الضعف و قلة السلاح والمال والمرکوب (بحر) فَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی جیسا کہ ابھی واقعہ بدر کی مثال میں تم نے دیکھ لیا۔ تم نے اپنی طرف سے تقویٰ کا حق ادا کر دیا، تو ادھر سے فضل باری اور نصرت الٰہی نے بھی کیسی دستگیری کی۔ وَلَقَدۡ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ۔ خطاب مومنین سے ہے، انہیں مستقبل میں ثابت قدم رکھنے کے لیے ماضی قریب سے نظیر لائی جا رہی ہے، کہ دیکھو ابھی پچھلے ہی سال تم نے کس قدر نازک موقع پر اعتماد علی اللہ سے کام لیا تو فضل الٰہی نے تمہیں کیسے حیرت انگیز طریقہ پر کامیاب کر دکھایا۔ ف۲۵۵ (جو آسمان سے خاص اسی غرض کے لیے اتارے گئے ہوں) اِذۡ تَقُوۡلُ میں ذکر اُس وقت کا ہے، جب میدان بدر میں یہ خبر اُڑ گئی تھی کہ غنیم کو زبردست کمک پہنچ گئی ہے، اور آپ مومنین کو تسلی دے رہے تھے۔ اَلَنۡ یَّکۡفِیَکُمۡ تمہارے لیے کافی

الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدۡ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّ اَنۡتُمۡ

اعتماد رکھنا چاہیے ف۲۵۳ اور یقیناً اللہ نے تمہاری نصرت کی بدر میں حالانکہ تم

اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذۡ تَقُوۡلُ

پست تھے، تو اللہ سے ڈرتے رہو، عجب کیا کہ شکرگزار بن جاؤ ف۲۵۴ (وہ وقت یاد کیجیے) جب آپ مومنین سے

لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَلَنۡ یَّکۡفِیَکُمۡ اَنۡ یُّمِدَّکُمۡ رَبُّکُمۡ

کہہ رہے تھے کہ کیا یہ تمہارے لیے کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد

بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓىِٕکَةِ مُنۡزَلِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓی ۙ

تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں سے کرے ف۲۵۵ کیوں نہیں،

اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا وَیَاۡتُوۡکُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ

بشرطیکہ تم نے صبر و تقویٰ قائم رکھا ف۲۵۶ اور اگر وہ تم پر فوراً آ پڑیں گے ف۲۵۷

هٰذَا یُمۡدِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓىِٕکَةِ

تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد پانچ ہزار نشان کیے ہوئے فرشتوں سے

مُسَوِّمِیۡنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشۡرٰی لَکُمۡ

کرے گا ف۲۵۸ اور یہ تو اللہ نے اس لیے کیا کہ تم خوش ہو جاؤ

وَلِتَطۡمَىِٕنَّ قُلُوۡبُکُمۡ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ

اور تمہیں اس سے دلجمعی حاصل ہو جائے، ورنہ نصرت تو بس زبردست

اللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۱۲۶﴾ ۙ لِیَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیۡنَ

اور حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے ف۲۵۹ (اور یہ نصرت اس غرض سے تھی) تاکہ کفر کرنے والوں

کَفَرُوۡۤا اَوۡ یَکۡبِتَهُمۡ فَیَنۡقَلِبُوۡا خَآىِٕبِیۡنَ ﴿۱۲۷﴾ لَیۡسَ

میں سے ایک گروہ کو ہلاک کر دے یا انہیں خوار کر دے کہ وہ ناکام ہو کر واپس جائیں ف۲۶۰ آپ

ربع

نہیں، یعنی کیا تمہاری تسکین وتسلی کے لیے یہ کافی نہیں۔ یُمِدَّکُمۡ رَبُّکُمۡ۔ امداد غیبی کے موقع پر صفت ربوبیت کا اظہار اور وہ بھی مخاطبین کی طرف اضافت کے ساتھ بہترین پیرایہ بلاغت واسلوب بیان ہے، آج کے ماہرین فن حرب پر بھی خوب روشن ہے کہ سپاہ کی ہمت قائم رکھنا، ان کے Morale کا درست رکھنا جنگ میں کامیابی کا کتنا بڑا اور اہم عنصر ہے! ف۲۵۶ (میدانِ جنگ میں اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ نہ موڑو گے) غور کر کے دیکھ لیا جائے، سارا زور صبر وثبات اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ جنگ اُحد سے قبل اُمت کے سپہد اراعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ اپنی سپاہ کے سامنے دیا تھا، اور جو حدیث کی کتابوں میں منقول چلا آتا ہے، اس میں یہ مضمون خصوصیت کے ساتھ ہے کہ:۔ "اگر ثابت قدم رہو گے تو اللہ تمہی کو مظفر ومنصور کرے گا۔ اپنے پروردگار پر اعتماد رکھو، ثابت قدم رہو، اور فتح تمہی کو نصیب ہو گی"۔ ف۲۵۷ (اور اچانک حملہ کی حالت میں امداد "بشری" عادۃً ممتنع ہوتی ہے) یَاۡتُوۡکُمۡ کے فاعل وہی مخالفین ومعاندین ہیں۔ ای المشرکون (روح) مِنۡ فَوۡرِهِمۡ۔ لفظة الفور تدل علی السرعة والعجلة (بحر) استعیر للسرعة (بیضاوی) ف۲۵۸ مُسَوِّمِیۡنَ۔ یعنی کسی امتیازی علامت کے ساتھ ممتاز۔ ای معلمین بعلامات (قرطبی) رہا یہ امر کہ واقعۃً نزول ملائکہ ہوا اور انہوں نے کافروں سے قتال کیا تو قرآن اس باب میں خاموش ہے، اور روایتوں میں قول دونوں قسم کے ملتے ہیں۔ "لم تتعرض الآیة الکریمة لنزول الملٰٓئکة ولا لقتالهم المشرکین و قتلهم بل هو امر مسکوت عنه

فی الآیة (بحر) قال ابن عباس و مجاهد لم تقاتل الملائکة الایوم بدر و قال بعضهم انما کانت الفائدة فی کثرة الملائکة انهم کانوا یدعون و یسبّحون و یکثرون الذین یقاتلون یومئذ فعلٰی هٰذا لم تقاتل الملائکة یوم بدر و انما حضروا للدعاء بالتثبیت والاول اکثر (قرطبی) لا دلیل فیها علی و قوع قتالهم ولا علی عدمه لاحتمالها الامرین و بکلٍ قال بعض (روح) عامر شعبی کی روایت ہے کہ مسلمانوں کو خبر یہ پہنچی تھی کہ مشرکین کی مدد کے لیے کرز بن جابر محاربی آرہا ہے، اس ڈر کو مسلمانوں کے دل سے دُور اور انہیں ڈھارس بندھانے کے لیے ان سے کہا گیا کہ تمہاری کمک پر بھی تو فرشتوں کے جھنڈ موجود ہیں، لیکن اُدھر نہ کرز مع اپنی جماعت کے آیا اور نہ اِدھر فرشتوں کو قتال کی ضرورت پڑی۔ فبلغت الکرز الهزیمة فرجع ولم یمدهم بالخمسة (ابن جریر) فبلغ کرز او اصحابه الهزیمة فلم یمدهم و لم تنزل الخمسة (ابن جریر) و۲۵۹ (نہ کہ فرشتوں، یا اور کسی مخلوق کی طرف سے) یہ گویا صاف طور پر بتا دیا کہ حقیقۃً متصرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے، فرشتے ہوں یا کوئی اور، کسی کا بھی ذریعہ امداد ہونا سبب ظاہری کے درجہ سے زیادہ نہیں، ملائکہ پرستی، دیوتا پرستی کی جڑ یہیں سے کٹ جاتی ہے۔ ضمناً اس جانب بھی اشارہ ہو گیا کہ اسلام کی کامیابی، اور فتحمندی حقیقۃً تمامتر تائید غیبی کا نتیجہ ہے۔ وَمَا جَعَلَهُ میں ضمیر اسی وعدۂ امداد ملائکہ کی جانب ہے۔ الهاء للوعد او الامداد (قرطبی) ای الامداد (روح) اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ

لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ

کو اس امر میں کوئی دخل نہیں، (اللہ) خواہ ان کی توبہ قبول کرے، خواہ

يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٢٨﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

انہیں عذاب دے اس لیے کہ وہ ظالم ہیں و۲۶۱ اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ

اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے

مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٢٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

عذاب دے اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے، و۲۶۲ اے ایمان والو

آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا

سود کئی کئی حصہ بڑھا کر نہ کھاؤ اور اللہ سے

اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي

ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ، و۲۶۳ اور اس آگ سے ڈرو جو

أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿١٣١﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ

کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے و۲۶۴ اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ

تاکہ تم پر رحم کیا جائے، و۲۶۵ اور مغفرت کی طرف

مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ

جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے، اور جنت کی طرف (دوڑو) جس کا عرض سارے آسمان اور زمین ہیں و۲۶۶

أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٣﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ

اور جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے، و۲۶۷ یہ وہ لوگ ہیں جو فراغت اور تنگی (دونوں) میں

قُلُوْبُكُمْ بِهٖ۔ یعنی یہ تو فتح و نصرت کا صرف مقدمہ تھا۔ وَمَا النَّصْرُ سے مراد نصرت حقیقی و واقعی ہے۔ الْعَزِيْزِ۔ اس پر قادر کہ جب اور جیسے بلا اسباب ظاہر، بلکہ خلاف اسبابِ ظاہر فتح دلا دے اور کامیاب کرا دے۔ الْحَكِيْمِ۔ عام فطرت بشری کی رعایت سے اسباب ظاہری کا جمع کر دینے والا۔ و۲۶۰ ذکر ابھی غزوۂ بدر کا چل رہا ہے۔ اور اشارات و تلمیحات اسی کی جانب ہیں۔ لِيَقْطَعَ طَرَفًا۔ قطع یہاں ہلاک کرنے کے معنی میں ہے۔ اور ل کا تعلق نصرکم (آیت ماقبل) سے ہے۔ و نظم الآیة ولقد نصرکم الله ببدر لیقطع (قرطبی) ای لیهلک جماعةً (راغب) لیهلک طائفة منهم (کشاف) لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا یعنی کافروں کو تمہارے ہاتھوں تباہ و ہلاک کرا دے جیسا کہ جنگ بدر کے موقع پر ہوا، کہ قریش کے لیڈروں میں سے ستّر کی تعداد میں اس روز قتل ہوئے اور اسی قدر قید بھی۔ يَكْبِتَهُمْ۔ یعنی دنیا کی نظروں میں ذلیل و رسوا۔ و۲۶۱ (اور اس لیے فوری عذاب کے مستحق) روایتوں میں آتا ہے کہ آپؐ نے چند شدید اور موذی قسم کے کافروں کے حق میں بددعا کی تھی، اس پر آیت نازل ہوئی۔ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ۔ یعنی انہیں قبول اسلام کی توفیق دے دے۔ اتنے ہی ٹکڑے سے ظاہر ہو گیا تھا کہ مکہ کے کافروں میں سے کچھ ضرور ایمان لے آئیں گے، چنانچہ لے آئے۔ يُعَذِّبَهُمْ۔ یعنی اسی دنیا میں عذاب دے دے۔ و۲۶۲ (سو معاملۂ مغفرت و رحمت کرنے کے لیے اسے کسی خاص سبب کی ضرورت ہی نہیں) يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ اور یہ مغفرت اس کے عام قانونِ رحمت کے مطابق ہوگی۔ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ۔ اور یہ عذاب اس کے خاص قانونِ حکمت کے ماتحت ہوگا، اللہ کی ملکیت آسمان و زمین پر حاشیے سورۂ بقر میں گزر چکے۔ و۲۶۳ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، تقویٰ اور فلاح میں یہ لزوم بتا کر گویا اس حقیقت کا اظہار کر دیا کہ فلاح و کامیابی یا دنیا میں عافیت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا راز، احکامِ تقویٰ پر عمل کرنے میں ہے۔ لَعَلَّكُمْ۔ لَعَلَّ کے لفظی معنی ”عجب نہیں“ کے ہیں۔ لیکن اُوپر گزر چکا ہے کہ لَعَلَّ جب وعدۂ الٰہی کے بیان میں آتا ہے تو اس کے مفہوم میں بجائے شک و تردد کے یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ترجمہ ”تاکہ“ سے صحیح ہوتا ہے۔ قال اهل التفسیر ان لعل و عسٰی من الله للتحقیق (مدارک) لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا۔ یعنی سودی کاروبار، لین دین کو بالکل حرام سمجھو، حرمت سود پر حاشیے پارۂ سوم میں ختم سورۂ بقر کے قریب گزر چکے۔ اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً، سود کم بخت کی خاصیت ہی یہ ہے کہ جو مفلس ہیں وہ مفلس تر اور جو امیر ہیں وہ امیر تر ہوتے جاتے ہیں۔ آیت میں سود کے اسی دوگنے چوگنے ہو جانے والے وصف کی طرف اشارہ ہے، یہ مراد نہیں کہ سود مرکب نہ لو اور سود مفرد لے سکتے ہو۔ متکلمین نے کہا ہے کہ آیت سے فرقۂ مرجیہ کا رد نکل رہا ہے، جن کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان کے بعد کوئی معصیت کفر نہیں، اور نہ مومن کے لیے کسی حال میں دوزخ کا عذاب ہے، فیه رد علی المرجئة فی قولهم لا یضر مع الایمان ذنب ولا یعذب بالنار اصلاً (مدارک) و۲۶۴ یعنی وہ جہنم کی آگ اصلاً ہے کافروں ہی کے لیے، کہیں تم کافروں کے سے اعمال کر کر کے اپنے کو ان کی لپیٹ میں نہ لے آنا۔ اکثر ائمہ تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ یہ وعید ان لوگوں کے لیے ہے، جو سود خواری کو عقیدۃً حلال سمجھتے تھے اور اس لیے حدودِ کفر میں داخل تھے۔ قال کثیر من المفسرین و هٰذا الوعید لمن استحل الربٰوا و من استحل الربٰوا فانه یکفر (قرطبی) و قال ابن عباس هٰذا تهدید للمؤمنین لئلا یستحلوا الربٰوا (بحر) و قال الزجاج والمعنٰی، اتقوا ان تحلوا ما حرم الله فتکفروا (بحر) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ قرآن مجید کی بہت ہی زیادہ ڈرانے والی آیت ہے، کہ اس میں دوزخ سے جو حقیقۃً کفر کی سزا ہے، ان لوگوں کو بھی ڈرایا گیا ہے، جو اللہ کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں سے نہیں بچتے۔ کان ابو حنیفةؒ یقول هی اخوف اٰیة فی القراٰن حیث اوعدالله المنافقین بالنار المعدة للکٰفرین ان لم یتقوه فی اجتناب محارمه (مدارک) و۲۶۵ (دنیا اور آخرت، دونوں میں) لَعَلَّ پر حاشیہ ابھی اُوپر گزر چکا ہے۔ وَاَطِيْعُوا۔ یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت خوش دلی کے ساتھ کرو۔ و۲۶۶ (اپنے اعمال کے ذریعہ سے) اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ

رَبِّکُمْ۔ ہر مومن کا منتہائے عمل اور منزل مقصود یہی مغفرت پروردگار ہونا چاہیے۔ و۲۶۷ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام محض ایک سلبی حقیقت کا نام نہیں، محض گناہوں سے بچنا کافی نہیں، بلکہ مسلمانوں کو حکم اس کا بھی ملا ہے کہ اسلام کے ایجابی پہلو کا بھی پورا حق ادا کریں، نیکیوں کی جانب لپکیں اور اس طرح جنت کو حاصل کر کے رہیں جو رضاء الٰہی کا محل اور ظہور رحمت کامل کا مقام ہے۔ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ یعنی وہ بے انتہا وسیع ہے، اس میں سب کی گنجائش ہے۔ وہاں چپقلش اور عدم گنجائش کا احتمال ہی نہیں۔ جنت کی بجنسہٖ پیمائش بیان کرنا مقصود نہیں، بلکہ صرف اس کی بے انتہا وسعت اور گنجائش کا اظہار مقصود ہے، عربی محاورہ میں انتہاء وسعت کے اظہار کا یہی پیرایہ ادا ہے۔ كناية عن غاية السعة بما هو فى تصور السامعين (روح) المقصود فى وصف سعة الجنة و ذلک لانه لاشئ عندنا اعرض منهما (کبیر) قال القفال ليس المراد ههنا ما هو خلاف الطول بل هو عبارة عن السعة (کبیر) و۲۶۸ آرنلڈ وغیرہ فرنگی فاضلوں نے کہا ہے کہ عرب جیسی تندخو، جنگجو، جدل پیشہ قوم کے سامنے حلم وضبط، صلح وآشتی کے ایسے معیار پیش کرنا، اور پھر اس تعلیم کو کامیاب بنانا بجائے خود ایک اعجاز ہے۔ يُنْفِقُوْنَ۔ یعنی راہ حق میں، دین کی خدمات میں خرچ کرتے رہتے ہیں، مطلق خرچ کرتے رہنا، چاہے کیسے ہی بیہودہ مقاصد کے لیے ہو، ظاہر ہے کہ شریعت میں ہرگز پسندیدہ نہیں۔ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ یعنی ہر حال اور ہر صورت میں دین اور اُمت کی مالی ضرورتوں سے متعلق خرچ کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ خوش حال ہوئے تو مسرفانہ عیش پرستیوں میں پڑ کر نیک کاموں سے ہاتھ ہی روک لیا یا تنگدست ہوئے تو ناشکری میں آکر اپنی بساط بھر بھی خرچ کرنے سے رک گئے۔ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ۔ کظم کہتے ہیں غصہ کے ضبط کر جانے کو، تو یہ لوگ وہ ہوئے جو غصہ سے مغلوب نہیں ہو جاتے، بلکہ اس سے مقابلہ کر کے اُسے زیر کر لیتے ہیں، اور اپنے اُوپر قابو رکھتے ہیں، بعض اہل تحقیق نے یہ خوب لکھا ہے کہ یہاں فاقدمن الغيظ ارشاد نہیں ہوا ہے یعنی مدح اس کی نہیں آئی ہے کہ غصہ سرے سے آتا ہی نہیں ہو، بلکہ اس کی آئی ہے کہ اسے قابو میں رکھا جائے، اور عقل جذبات کے اُوپر حاکم رہے۔ غصہ پیدا ہوتا ہے حرارت طبعی یا حمیت سے، اسے سرے سے فنا کر دینا ہرگز اسلام کو مقصود نہیں، مقصود اسے صرف حدود کے اندر رکھنا ہے، غصہ مطلق صورت میں ہرگز ممنوع نہیں، نہ شرعاً معصیت نہ عقلاً منکر۔ بلکہ اگر حدود کے اندر رہے اور محل مناسب پر پیدا ہو تو عیب نہیں ہنر ہے۔ غصہ کے ضبط کر جانے کی فضیلتیں حدیث نبوی میں بہ کثرت وارد ہوئی ہیں۔ مثال کے لیے صرف ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ من كظم غضبا وهو يقدر على انفاذه ملأ الله قلبه امنا و ايمانا۔ (قدرتِ نفاذ کے باوجود جو شخص اپنے غصہ کو روک لے جائے اللہ اس کا قلب امن وایمان سے لبریز کر دے گا۔ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ۔ یعنی لوگوں کے قصوروں، اور خطاؤں کو معاف بھی کر دیتے ہیں، یہی نہیں کہ باوجود قدرت و استطاعت خطاوار سے انتقام نہیں لیتے، بلکہ اسے معاف بھی کر دیتے ہیں، یہ درجہ کاظمین الغيظ سے بلند تر ہے، وہ اگر محض ایک سلبی کیفیت تھی، تو یہ ایک ایجابی مرتبہ ہے۔ الْمُحْسِنِيْنَ محسنین کا درجہ کاظمین وعافین دونوں سے بلند تر ہے۔ یعنی عفو سے بھی آگے بڑھ کر یہ اور حسن سلوک سے پیش آتے ہیں، اخلاقی تعلیم کے موقع پر قرآن نے اکثر تدریج کو پیش نظر رکھا ہے، اور اس کی بہترین مثال یہ آیت ہے، تینوں مقامات فضیلت کے ہیں لیکن یہ تیسرا مقام فاضل ترین ہے۔ محدث بیہقی نے سیدنا حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے متعلق روایت نقل کی ہے کہ آپ کو ایک جاریہ وضو کرا رہی تھی کہ لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر آپ پر گرا۔ غصہ آنا امر طبعی تھا۔ جاریہ نے فوراً الفاظ قرآنی الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ اپنی زبان سے ادا کیے۔ آپ کا غصہ دُور ہو گیا، پھر جاریہ نے الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ پڑھا، آپ نے فرمایا ''میں نے معاف کر دیا'' اب جاریہ کی زبان پر وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ آیا، آپ نے فرمایا ''جا میں نے تجھے آزاد کر دیا'' (روح)۔ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو خیر من و عن، قرآن کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی تھی ہی۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق قرب و قرابت رکھنے والے بھی کس درجہ نفوسِ قدسیہ کے مالک بن چکے تھے۔ و۲۶۹ (قاعدۂ شرعی کے مطابق) فَعَلُوْا فَاحِشَةً۔ فاحشة کا اطلاق ہر گناہ کے لیے عام ہے، یہاں مراد وہ برائی ہے جو کسی دُوسرے کے ساتھ کی جائے یعنی کسی حق عبد کی ادائی میں کوتاہی ہو جائے، الفاحشة مطلق على كل معصية (قرطبی) اصل الفحش مجاوزة الحد فى السوء (روح) الفاحشة الذنب الذى فيه ...... (بحر) اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یعنی حقوق اللہ کا اتلاف اگر ان سے ہو جائے۔ ولعل الفاحشة مايتعدى و ظلم النفس ما ليس كذلک (بیضاوی) ظلم النفس ما بين العبد و بين ربه (بحر) ذَكَرُوا اللّٰهَ کا اشارہ اس طرف ہے کہ نافرمانیاں ان سے پورے قصد وتعمد کے بعد خباثت نفس کی بنا پر سرزد نہیں ہوا کرتیں، بلکہ احکام الٰہی کا ذہول اُن کے ذہن سے وقتی طور پر ہو جاتا ہے۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گاہ گاہ لغزشوں کا صادر ہوتے رہنا، قرب وتعلق مع اللہ کے منافی نہیں۔ اصل اور مقدم شے ہر غلطی اور کوتاہی کی تلافی اور تدارک کی فکر اور اس کی مناسب تدبیر ہے۔ فَاسْتَغْفَرُوْا۔ استغفار صحیح ومعتبر وہی ہے جو محض زبان سے نہیں دل کی حسرت وندامت کے ساتھ اور اس عزم کے ساتھ ہو کہ اب وہ گناہ دوبارہ نہیں ہونے پائے گا ورنہ اگر ہاتھ میں تسبیح چل رہی ہے اور دل بدستور گناہوں سے لذت لے رہا ہے تو اکابر نے کہا ہے کہ یہ استغفار خود قابل استغفار ہے اور عجب نہیں کہ ایسے استغفار کا شمار استہزاء میں ہو جائے الاستغفار المطلوب هو الذى يحل عقد الاصرار و يثبت معناه فى الجنان لا التلفظ باللسان (قرطبی) روى عن الحسن البصرى انه

وَ الضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ

خرچ کرتے ہیں اور غصہ کے ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے درگزر

النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ

کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے و۲۶۸ اور یہ وہ لوگ ہیں

اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا

کہ جب کوئی بیجا حرکت کر بیٹھتے یا اپنے ہی حق میں کوئی ظلم کر ڈالتے ہیں تو اللہ کو

اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ

یاد کر لیتے ہیں اور اپنے گناہوں سے معافی طلب کرنے لگتے ہیں و۲۶۹ اور اللہ تعالیٰ

الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا

کے سوا ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو۔ اور یہ (لوگ) اپنے کیے ہوئے پر اصرار نہیں کرتے

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ

درآنحالیکہ وہ جان رہے ہوں و۲۷۰ ایسے لوگوں کی جزا اُن کے پروردگار کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

بخشش ہے اور (بہشت کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ

ان میں وہ ہمیشہ (ہمیش) رہیں گے۔ اور کام کرنے والوں کے لیے کیسا اچھا معاوضہ ہے و۲۷۱ یقیناً

خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

تم سے قبل (مختلف) طریقے گزر چکے ہیں، سو تم روئے زمین پر چلو پھرو

فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا

اور دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے و۲۷۲ یہ ایک

قال استغفارنا يحتاج الى استغفار (قرطبی) هذا يقوله فی زمانه فكيف في زماننا هذا الذی يُرى فيه الانسان قائمًا على الظلم حريصًا عليه لا يقلع والسبحة فی يده زاعما انه يستغفر الله من ذنبه ...... واستخفاف (قرطبی) ف۲۷۰ (یعنی اپنی کسی غلطی پر جان بوجھ کر ہرگز جمے نہیں رہتے) وَمَنۡ يَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰهُ۔ یہ تنبیہ ہے اس پر کہ گناہوں کی معافی صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، کسی نبی، ولی، فرشتہ وغیرہ کے ہاتھ میں نہیں اور اس میں خصوصیت کے ساتھ رد ہے اس مسیحی عقیدہ کا کہ گناہوں کی معافی مسیح بلکہ ان کے نائبوں کے اختیار میں ہے۔ ملاحظہ ہو انجیل:۔ "جس طرح باپ نے مجھے بھیجا ہے، میں تمہیں بھیجتا ہوں، اور یہ کہہ کر ان پر پھونکا اور ان سے کہا کہ روح القدس کو لو، جن کے گناہ تم بخشو، ان کے بخشے گئے ہیں اور جن کے گناہ تم قائم رکھو، ان کے قائم رکھے گئے ہیں"۔ (یوحنا۔ ۲۰: ۲۱۔ ۲۴) يَعۡلَمُوۡنَ۔ ای يعلمون قبح فعلهم (روح) والمراد لم يصروا عالمين (روح) ف۲۷۱ اُولٰٓئِكَ کا اشارہ صاف اُنہی لوگوں کی طرف ہے جن کا ذکر ابھی آچکا ہے، غلطیاں، خطائیں، لغزشیں بھی ان سے صادر ہوتی رہتی ہیں، اور ساتھ ہی وہ اُن کی تلافی اور تدارک بھی کرتے رہتے ہیں، اُنہی کے لیے یہ جنت کی نعمتیں بیان ہو رہی ہیں، عَامِلِيۡنَ۔ لفظی معنی عمل کرنے والے کے ہیں۔ محاورۂ قرآنی میں اس سے مراد عمل صالح کرنے والے ہیں۔ ف۲۷۲ سُنَنٌ یعنی مختلف طور طریقہ اور ان طور طریقوں پر عمل کرنے والے۔ مختلف مسلکوں اور مشربوں کے لوگ، مشرک و کافر بھی، موحد و مومن بھی۔ قال الزجاج والمعنى اهل سنن فحذف المضاف (قرطبی) ساری گزشتہ اُمتوں اور قوموں کی طرف جامع اشارہ ان الفاظ میں آگیا۔ اور سنة کے معنی خود امة کے بھی کیے گئے ہیں، اس لیے سنن۔ امم کا مرادف ہوگا۔ السنة الامة والسنن الامم (قرطبی) و قال الفضل ان المراد بها الامم و قد جاءت السنة بمعنى الامة فی کلامهم (روح) سِيۡرُوۡا۔ فَانۡظُرُوۡا۔ دونوں صیغہ امر کے ہیں۔ لیکن مقصود سیاحت نہیں بلکہ سرکش جاہلی قوموں سے عبرت حاصل کرنا ہے۔ خواہ جس ذریعہ سے بھی حاصل ہو۔ سیاحت سے، تاریخ سے، وقس علیٰ ہذا۔ ليس المراد الامر بذالک لا محالة بل المقصود تعرف احوالهم فان حصلت هذه المعرفة بغير السير فی الارض كان المقصود حاصلاً (کبیر) تاریخ اثریات وغیرہ کا مطالعہ اگر صحیح نقطہ نظر اور ایمان و معرفت کے پہلو سے کیا جائے تو یہ بجائے خود ایک جہاد ہے۔ الۡمُكَذِّبِيۡنَ یعنی دین حق کی جھٹلانے والی قوموں اور اُمتوں کا۔ ف۲۷۳ مطلب یہ ہوا کہ قرآن اعلان نامہ تو ہے ساری دُنیا کے لیے لیکن اس سے نفع وہی لوگ اٹھائیں گے جن کے دلوں میں خوف خدا موجود ہوگا۔ هٰذَا۔ اشارہ قرآن مجید کی جانب ہے۔ يعنی القراٰن عن الحسن وغيره (قرطبی) قال الحسن و قتادة و ابن جريج والربيع الاشارة الى القراٰن (بحر) ای هذا القراٰن (معالم) بعض نے وہ امر و نہی، وعدہ و وعید مراد لیے ہیں جو اُوپر گزر چکے ہیں۔ یعنی يقول هذا ما تقدم بين امره و نهيه و وعده و وعيده (کبیر) الاشارة الى ماخص من امر الكفار والمتقين والتائبين (روح) ای القراٰن او ما تقدم من الكتب (مدارک) ف۲۷۴ (اے ایمان والو) اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ۔ وعدۂ غلبہ کے لیے شرط ایمان پر ثبات کی لگی ہوئی ہے۔ یہ خوب خیال رہے۔ الۡاَعۡلَوۡنَ۔ یہ علو و غلبہ کا وعدہ ہر قسم کے علو و غلبہ کو حاوی ہے۔ خواہ وہ مادی ہو یا روحانی، گو بیان پر نظر کر کے غلبہ مادی ہی اغلب ہے۔ یعنی الغالبين على الاعداء (قرطبی) ف۲۷۵ (تو تمہاری کسی افتاد سے ان مخالفوں کو کیا تسلی ہو سکتی ہے، انہیں تو ایسی ہی افتاد پیش آچکی ہے) اِنۡ يَّمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٌ۔ اشارہ ہے ہونے والی جنگ اُحد کی طرف۔ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ۔ اشارہ ہے جنگ بدر کی طرف، اس میں قریش کو سخت ہزیمت اُٹھانا پڑی تھی۔ ف۲۷۶ (مصالح تکوینی کے اعتبار سے) سو مجرد فتح و شکست کو حق و باطل کا معیار نہ سمجھا جائے۔ تِلۡكَ الۡاَيَّامُ یعنی فتح و ظفر کا زمانہ۔ والمراد بالايام اوقات الظفر و الغلبة (کشاف) ف۲۷۷ (سو ظالموں کے برسرِ حق ہونے کا تو گمان بھی نہ کیا جائے، خواہ تکوینی مصلحتوں کی بنا پر انہیں عارضی اور ہنگامی کامیابیاں کیسی ہی حاصل ہو جائیں) لِيَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا۔ یعنی مومنین کا ایمان عالم آشکار ہو جائے، ان کے اعمال ایثار اور جانبازی کی بنا پر۔ وَيَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ۔ شہادتِ راہِ حق، معلوم ہے کہ شریعت اسلامی میں روحانی ترقی کی معراج اور قرب الٰہی کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ ف۲۷۸ (انہیں اسی عارضی کامیابی پر اور زیادہ مغرور کر کے) ذکر اسی غزوۂ احد کا چل رہا ہے، ایک فرنگی مؤرخ نے حال میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ گو قریش اُحد میں فتحمند ہوئے لیکن یہی عارضی فتح مندی ان کے مستقل زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اہل ایمان کو ابتلاء جب بھی پیش آتا ہے تو دفع سیئات کے لیے ہوتا ہے اور یا رفع درجات کے لیے ف۲۷۹ (ان کے اعمال کے ذریعہ سے) اللہ تعالیٰ کے علم سرمدی میں جو کچھ بھی ہے، اشخاص کا استحقاق تو جنت میں کسی درجہ کے لیے بھی اس مادی دنیا میں اعمال کے بعد ہی ثابت ہو سکتا ہے۔ اَمۡ یہاں بل کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اسی لیے ترجمہ میں مفہوم "شاید" سے ادا کیا گیا ہے۔ ام بمعنی بل (قرطبی) ای بل (جلالین) اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ یعنی جنت میں امتیازِ خاص کے ساتھ پہنچ جاؤ گے۔ خطاب یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حصولِ جنت ہی کے مشتاق نہ تھے بلکہ اس کے اعلیٰ درجوں اور مرتبوں کا بھی حوصلہ اور ظرف رکھتے تھے اور ان مدارج کے لیے جہاد کی کڑی کڑی منزلوں سے گزرنا ناگزیر تھا۔

بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوۡعِظَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۳۸﴾

اعلان ہے (سارے) لوگوں کے لیے اور ڈرنے والوں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے ف۲۷۳

وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ

اور نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم

كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنۡ يَّمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ

مومن رہے ف۲۷۴ اگر تمہیں کوئی زخم پہنچ جائے تو

مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ ؕ وَتِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا

اُن لوگوں کو بھی تو ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے ف۲۷۵ اور ہم ان ایام کی اُلٹ پھیر تو لوگوں کے

بَيۡنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَتَّخِذَ

درمیان کرتے ہی رہتے ہیں ف۲۷۶ تاکہ اللہ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے کچھ کو

مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۰﴾

شہید بنانا تھا اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ف۲۷۷

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَمۡحَقَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۴۱﴾

اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو میل کچیل سے صاف کر دے اور کافروں کو مٹا دے ف۲۷۸

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَعۡلَمِ

شاید تم اس گمان میں ہو کہ جنت میں جا داخل ہو گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے

اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَيَعۡلَمَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۴۲﴾

ان لوگوں کو جانا ہی نہیں جنہوں نے جہاد کیا اور نہ صبر کرنے والوں کو جانا ف۲۷۹

وَلَقَدۡ كُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ

اور تم تو موت کی تمنا کر رہے تھے قبل اس کے کہ

تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع وَمَا

اس کے سامنے آؤ سو اس کو تو اب تم نے کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا ف۲۸۰ اور

مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ

محمدؐ تو بس ایک رسول ہی ہیں ف۲۸۱ ان کے قبل اور بھی رسول گزر چکے ہیں ف۲۸۲

اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ

سو اگر یہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں واپس چلے جاؤ گے ف۲۸۳ اور جو

يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

کوئی بھی اُلٹے پاؤں واپس چلا جائے گا وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا، ف۲۸۴

وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ

اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو بدلہ دے گا ف۲۸۵ اور ممکن نہیں، کسی کے لیے

اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ

کہ وہ ایک میعاد مقرر پر حکم خدا کے بغیر مر جائے ف۲۸۶ اور جو کوئی

يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ

دنیا کا فائدہ چاہتا ہے ہم اس کو دنیا کا حصہ دے دیتے ہیں اور جو کوئی آخرت کا نفع

الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

چاہتا ہے تو اسے اس آخرت کا حصہ دے دیں گے اور عنقریب ہم شکر گزاروں کو بدلہ دے دیں گے ف۲۸۷

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ

اور کتنے ہی نبی ہو چکے ہیں کہ اُن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے لڑے ہیں ف۲۸۸

فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

سو جو کچھ انہیں اللہ کی راہ میں پیش آیا

ع ۱۴/۱۴ ۵

ف۲۸۰ (پھر اب اس سے خوف وہراس کیوں ہے؟) خطاب صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے ہے۔ الخطاب للمومنين و ظاهره العموم والمراد الخصوص (بحر) خو طب به الذين لم يشهدوا بدرًا (مدارک) الخطاب للذين لم يشهدوا بدرًا و تمنوا ان يشهد وامع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم (بیضاوی) معرکہ بدر میں مسلمانوں کی غیر متوقع بلکہ خلاف توقع کامیابی سن کر بعض اشخاص کو خیال پیدا ہوا کہ افسوس ہے ہم اس موقع پر حاضر نہ تھے۔ اب کاش کوئی معرکہ پھر اس قسم کا پیش آئے تو ہم بھی اپنی جانوں کی بازیاں لگا لگا کر شہداء بدر کا سا مرتبہ حاصل کریں۔ یہاں اُنہی کو جواب دیا جا رہا ہے کہ پہلے تو یہ ہمت تھی۔ سو اب ایسی پست ہمتی کا اظہار کیوں ہو رہا ہے! وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۔ و یہاں حتّٰی کے معنی میں بھی لیا گیا ہے یعنی جب تک ان کا صبر نہ ثابت ہو جائے۔ الواو هنا بمعنى حتّٰى قاله الزجاج (قرطبی) ای حتى يعلم صبرهم (قرطبی) مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ (یعنی اس معرکہ احد کے وقوع سے قبل) تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ موت سے مراد سبب موت۔ ذریعۂ موت یعنی جہاد وقتال ہے یا خود موت شہادت الموت ای سبب الموت (معالم) ای الحرب فانها من اسباب الموت او الموت بالشهادة (بیضاوی) رَاَيْتُمُوْهُ ضمیر موت یا سبب موت کی جانب ہے۔ يعنى الموت (ابن کثیر) یعنی اسباب الموت (معالم) ف۲۸۱ (اور اس لیے فنا پذیر بھی ہیں۔ کوئی خدا یا جزء خدا یا مظہر خدا تو ہیں نہیں جو قانون حیات وممات سے بالاتر ہوں) مُحَمَّدٌ۔ اسم مبارک قرآن میں پہلی بار آیا ہے، لفظی معنٰی ہیں وہ شخص جس کی مدح بہت یا بار بار کی جائے یا جو صفات حسنہ کا مجموعہ ہو۔ يقال فلان محمد اذا كثرت خصاله المحمودة (راغب) اسم علم ہے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دنیا کے آخری نبی کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اس نام کا رواج بہت کم تھا۔ علامہ ابو جعفر محمد بن حبیب بغدادی المتوفی ۲۴۵ھ نے کل سات آدمی اس نام کے گنائے ہیں (کتاب المحبّر صفحہ ۱۳۰) اور ان میں سے ایک محمد بن سفیان بن مجاشع کی بابت تو یہ کہا ہے کہ اُن کے والد نے ایک شامی راہب سے یہی سن کر کہ آئندہ پیمبر کا نام محمد ہوگا اپنے لڑکے کا یہی نام رکھ دیا۔ كان سفيان الى الشام تنزل على راهب فاعجبته فصاحته و عقله فسأل الراهب عن نسبه فانتسب له الى مضر فقال له اما انه يبعث فى العرب نبى يقال له محمد فسمي سفيان ابنه محمدًا تاج العروس اور لسان العرب میں بھی یہی سات نام نقل ہوئے ہیں۔ لیکن یہ نام عام طور سے عرب میں شائع نہ تھا۔ اور تصریحات اس قسم کی ملتی ہیں کہ لم يكن شائعًا بين العرب هذا الاسم اور تاج میں بھی اسی سے ملتا جلتا قول موجود ہے۔ راقم آثم کے ایک قدیم اور جواں مرگ دوست مولنا عبدالرحمٰن ندوی نگرامی مرحوم کا ایک مستقل مقالہ اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، ان کی یادگار کے طور پر اور اُن کی روح کو ثواب پہنچانے کی خاطر اس مقالہ کا بیشتر حصہ سورۃ کے آخر میں بہ طور ضمیمہ کے شامل کیا جاتا ہے۔ ف۲۸۲ (اور ان سب نے اپنے اپنے وقت پر دنیا کو خیر باد کہا، سو یہ بھی اپنے وقت موعود پر وفات پائیں گے اور اس میں نہ کوئی بات حیرت کی ہوگی اور نہ کوئی پہلو آپ کی اہانت کا نکلے گا) رسول کا مرتبہ خوب سمجھ لیا جائے۔ رسول محض عبد ہوتے ہیں صاحب وحی۔ عقیدۂ حلول، مظہریت، ابنیت وغیرہ پر ضرب لگانے کے لیے مرتبۂ رسالت اور رسولیت کی بار بار تصریح ضروری تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا حادثہ اس قدر سخت تھا کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ جیسے باوقار عالی ظرف بھی صبر وضبط کھو بیٹھے اور بے اختیار ہو گئے، عین اُس وقت ایک اُن سے بھی برتر شخصیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسی آیت کی برمحل تلاوت کر کے اُن کے اور سب کے جذبات کو قابو میں لے آئے تھے۔ ف۲۸۳ (کفر اور بے دینی کی طرف) مطلب سوال کا یہ ہے کہ جب دین کی حقیقت تمہاری نظر میں ثابت ہو چکی، تو اب قاصد یا پیغامبر کی زیست یا وفات کا اس حقیقت وصداقت پر کیا اثر! غزوۂ اُحد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم پہنچا اور کسی شیطان نے یہ افواہ اُڑا دی کہ آپؐ دنیا سے رخصت ہو گئے تو بعض صحابہ نے اس انتہائی صدمہ انگیز خبر سے بددل اور شکستہ خاطر ہو کر میدان جنگ چھوڑنا شروع کر دیا تھا اور منافقین کی وقتی طور پر بن آئی تھی۔ انہوں نے برابر طنز کرنا اور ارتداد کی ترغیب دینی شروع کر دی تھی۔ آیت میں ان سب پہلوؤں کی طرف اشارہ ہے۔ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ۔ اشارہ طبعی اسباب سے آنے والی موت کی طرف ہے۔ اَوْ قُتِلَ اشارہ معرکہ جنگ وغیرہ میں شہادت کی طرف ہے۔ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ۔ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ محاورہ میں کنایہ ہے ارتداد سے۔ جنگ سے فرار بھی مراد ہو سکتی ہے۔ مجاز من الارتداد او الانهزام (مدارک) ف۲۸۴ (بلکہ اس کا وبال خود اپنے ہی سر لائے گا) جاہلی مذہبوں میں دیوتاؤں اور پجاریوں کے درمیان ایک طرح کی مساوات ہمیشہ رہی ہے۔ یعنی معبود بھی اپنی پرستش وعدم پرستش سے برابر متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ قرآن نے بار بار اسی جاہلی ذہنیت پر ضرب لگائی ہے ف۲۸۵ شاکرین۔ یہ شکریہ (کافر) کے مقابلہ میں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ عنقریب جزائے خیر ان لوگوں کو ملے گی جو اللہ کی اصلی اور بڑی نعمت دین حق کا شکریہ اس کے قبول واختیار کی صورت میں ادا کرتے ہیں۔ الشاكرين على نعمة الاسلام بالثبات عليه (بیضاوی) ف۲۸۶ (اور اس میعاد مقرر کا علم بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں پھر آخر شرکت جنگ میں اتنا جی چرانے سے کیا حاصل؟) موت جب بھی آئے گی حکم خدا ہی سے آئے گی اس کے بدون نہیں آسکتی۔ اور پھر جب آئے گی وقت موعود میں آئے گی اس کے قبل نہیں آسکتی۔ خواہ خطرات کیسے ہی شدید ہوں ان حقائق کا اگر استحضار رہے تو موت کا طبعی خوف بھی حد اعتدال پر قائم رہے۔ ف۲۸۷ (جنہوں نے نعمت الٰہی کا شکریوں ادا کیا اور جنگ میں شریک ہوئے اور جہاد سے جی نہیں چرایا) پہلی

آیت میں شاکرین سے وہ لوگ مراد تھے جنہوں نے دین حق کو قبول کیا اور اعمالِ نیک پر قائم رہے۔ یہاں شاکرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان اعمال میں آخرت کی نیت کیے ہوئے جہاد میں شریک

وَ مَا ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ

اُس سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ وہ دبے اور اللہ صبر کرنے والوں کو دوست

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَ مَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا

رکھتا ہے ف۲۸۹ اور ان کا کہنا تو بس اتنا ہی تھا کہ وہ کہتے رہے کہ اے، ہمارے پروردگار

اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِیْۤ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ

ہمارے گناہوں کو اور ہمارے باب میں ہماری زیادتی کو بخش دے اور ہم کو

اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ

ثابت قدم رکھ اور ہم کو کافروں پر غالب کر ف۲۹۰ سو اللہ نے انہیں

اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ

دنیا کا بھی عوض دیا اور آخرت کا بھی عمدہ عوض اور اللہ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ؑ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ

نیکوکاروں سے محبت رکھتا ہے ف۲۹۱ اے ایمان والو اگر

ع ۱۵/۵

تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ

تم ان لوگوں کا کہا مانو گے جو کافر ہیں تو وہ تمہیں پچھلے پیروں واپس کر دیں گے

فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَ هُوَ خَيْرُ

اور تم گھاٹے میں آ کر رہ جاؤ گے ف۲۹۲ البتہ تمہارا دوست اللہ ہے اور وہ بہترین

النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

مددگار ہے ف۲۹۳ ہم ابھی کافروں کے دلوں میں رُعب ڈال

الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ

دیں گے اس لیے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ایسی چیز کو ٹھیرایا جس کے لیے کوئی دلیل (اللہ نے)

ہوئے۔ الذین شکروا نعمة اللہ فلم یشغلھم شیء عن الجھاد (بیضاوی) وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْیَا۔ دنیا کا نفع چاہنا مطلق صورت میں ممنوع نہیں ہے۔ یہاں مراد اُس نفع سے ہے جو خالص دنیا ہی کے لیے ہو۔ اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ ہی نہ ہو، ثَوَابَ الدُّنْیَا سے مراد ہے کہ مقصود یہی دنیا ہو اور فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً سے مراد ہے کہ بھلائی حاصل ہو اور اس کا محل حصول یہ دنیا ہی ہو۔ دونوں کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے۔ نُؤْتِهٖ مِنْهَا۔ یعنی اگر ہماری مشیت ہوئی تو اس کی یہ آرزو پوری کر دیں گے اور آخرت سے محروم کر کے اُسے یہیں نقد کا نقد معاوضہ دے دیں گے۔ وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا۔ یہ ثواب آخرت جو ہے اللہ کی طرف وعدہ اور ذمہ ہے، اس نُؤْتِهٖ مِنْهَا اور قبل کے نُؤْتِهٖ مِنْهَا کے درمیان بڑا فرق ہے۔ **ف۲۸۸** (راہ حق میں جہاد فی سبیل اللہ میں) یہ بتلایا ہے کہ جہاد کی سنت انبیاء قدیم کے وقت سے چلی آتی ہے اور اس راہ کے رہروں کو برابران منزلوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ رِبِّیُّوْنَ۔ رِبِّی ربانی کے مرادف ہے اور اور معنی بھی کیے گئے ہیں۔ ای ربّانیون (کشاف) اخرج سعید بن منصور عن الحسن انھم العلماء الفقھاء و اخرجه ابن جبیر عن ابن عباس ایضا فھو منسوب الی الربّ (روح) کَاَیِّنْ کم کے مرادف ہے یعنی بہت سے کتنے ہی۔ کاین بمعنی کم (قرطبی) صارت بمعنی کم (بیضاوی) **ف۲۸۹** (اور دنیا اور آخرت میں اُس کا درجہ اور مرتبہ بڑھاتا رہتا ہے) مَاۤ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یعنی طرح طرح کی مصیبتیں اور پریشانیاں۔ وَمَا ضَعُفُوْا یعنی ہراس ودہشت کو اپنے اُوپر غالب نہ آنے دیا۔ وَمَا اسْتَكَانُوْا یعنی کفر واہل کفر کے سارے ساز وسامان وشان وشوکت سے ذرا مرعوب نہ ہوئے۔ وَهْنٌ۔ ضَعْفٌ۔ اِسْتِكَانَةٌ تین متقارب المعنی الفاظ کے درمیان فرق امام رازی علیہ الرحمہ نے یہ نقل کیا ہے کہ وھن تو کہتے ہیں قلب کی کمزوری یا بدہمتی کو، اور ضعف مطلق ہے، اس کا تعلق جسمانی قوت ومادی قدرت سے زیادہ ہے اور استکانة اظہار عجز کو کہتے ہیں۔ **ف۲۹۰** وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اس سے اشارہ ہو گیا کہ ان لوگوں کے عمل میں تو لغزش کیا ہوتی، زبان تک بھی اُن کی کلمات تحمید وتمجید اور اعترافِ عجز وقصور کے لیے وقف رہی ذُنُوْبَنَا۔ اِسْرَافَنَا۔ ذنوب سے یہاں مراد صغائر سے لی گئی ہے اور اسراف سے کبائر مراد ہیں۔ ذنوبنا یعنی الصغائر و اسرافنا یعنی الکبائر (قرطبی) ابن فورک نے کہا ہے کہ اس سے قدریہ کا رد بھی نکل رہا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ افعالِ عبد کا خالق نہیں ہے (بحر) **ف۲۹۱** آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے انہیں دنیا وآخرت دونوں میں کامیاب بنایا اور آخر میں نکوکاری کی بشارت اللہ کی محبوبیت کی صورت میں دی

......دنیا اور آخرت کے سارے انعامات سے بڑھ چڑھ کر۔ ثَوَابَ الدُّنْیَا یعنی فتح وظفر۔ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں۔ **ف۲۹۲** سو کافروں کی ہم خیالی، ہم مذاقی سے بچو۔ یَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ یعنی تمہیں اُلٹے پاؤں ارتداد اور بے دینی کی طرف دھکیل لے جائیں گے۔ **ف۲۹۳** (سو اس کے ہوتے ہوئے تم نصرت واعانت کے لیے مخلوق پر کیوں نظر رکھتے ہو؟) اَللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ اللہ تمہارا دوست ومحافظ ہے۔ سو وہی تمہیں بچائے گا۔

سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۗ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

نہیں اُتاری اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ کیسی بری جگہ ظالموں کے لیے ہے ف۲۹۴

وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ

اور یقیناً تم سے اللہ نے سچ کر دکھایا اپنا وعدہ (نصرت) جب کہ تم انہیں اس کے حکم سے قتل

بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰىٓ اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ

کررہے تھے ف۲۹۵ یہاں تک کہ جب تم (خود ہی) کمزور پڑ گئے اور باہم جھگڑنے لگے حکم (رسول) کے باب میں

وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۗ

اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ نے تمہیں دکھا دیا تھا جو کچھ کہ تم چاہتے تھے ف۲۹۶

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ

بعض تم میں وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے ف۲۹۷ اور بعض تم میں ایسے تھے جو آخرت

الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ

چاہتے تھے ف۲۹۸ پھر اللہ نے تم کو ان سے ہٹا لیا تاکہ تمہاری (پوری) آزمائش کرے، ف۲۹۹ اور اللہ نے یقیناً

عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

تم سے درگزر کی، ف۳۰۰ اور اللہ ایمان والوں کے حق میں بڑا فضل والا ہے

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ

(وہ وقت یاد کرو) جب تم چڑھے جارہے تھے اور مڑ کر بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے اور رسولؐ

يَدْعُوْكُمْ فِىٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ

تم کو پکار رہے تھے تمہارے پیچھے کی جانب سے ف۳۰۱ سو (اللہ نے) تمہیں غم دیا غم کے پاداش میں ف۳۰۲

لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۗ

تاکہ تم رنجیدہ نہ ہوا کرو اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس مصیبت سے جو تم پر پڑے،

ف۲۹۴ (یعنی اُن کے لیے جو خود اپنے اُوپر ظلم کرتے رہتے ہیں) مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا یعنی شرک کی تائید میں نہ کوئی عقلی ہی دلیل موجود ہے اور نہ نقلی۔ سَنُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ دشمنانِ دین کے دلوں میں القاء رعب یا ہیبت حق کے معجزانہ ظہور کی ایک یادگار مثال تاریخ کے صفحات میں یوں محفوظ ہے کہ معرکۂ اُحد جب آخری فتح بہ ظاہر مشرکین مکہ کو ہو گئی تو اب قدرتی نتیجہ یہ نکلنا تھا کہ وہ لوگ وہیں سے شہر مدینہ پر چڑھ دوڑتے۔ فاصلہ اب رہ ہی کتنا گیا تھا...... لیکن اس کی ہمت انہیں کسی طرح نہ پڑی اور اُلٹے انہیں واپس ہی جاتے بنی۔ اور تعاقب اس کے برعکس خود "شکست خوردہ" مسلمانوں نے اپنے بے مثل و بے مثال سالارِ لشکر کے ماتحت مدینہ سے آٹھ میل دُور حمراء الاسد تک کیا، یہاں تین دن تک ان کا کیمپ رہا اور لگے ہاتھوں غنیم کا ایک آدمی بھی گرفتار کرتے لائے۔ قال ابن اسحاق فخرج رسول الله ﷺ حتی انتھی الی حمراء الاسد و ھی من المدینة علی ثمانیة امیال فاقام بھا الاثنین والثلاثاء والاربعاء (ابن ہشام) اور یہ اہم جنگی کارروائی اس خدائی سپہ دارِ اعظم نے کی ہی اس غرض سے کہ مشرکین مکہ پر پورا رعب پڑ جائے اور ان کا یہ وہم و گمان مٹ کر رہے کہ مسلمانوں نے ہار مان لی ہے۔ و انما خرج رسول الله ﷺ ترھیبا للعدو ولیبلغھم الله خرج فی طلبھم لیظنوا بہ قوة و ان الذین اصابھم من عدوھم (ابن ہشام) بِمَآ اَشْرَكُوْا میں ب تعلیل کے لیے ہے۔ یعنی یہ رعب ان کے شرک کی بنا پر ڈالا گیا۔ ای کان سبب القاء الرعب فی قلوبھم اشراکھم (قرطبی) الباء للسبب ای بسبب اشراکھم بالله الھة (بحر) ف۲۹۵ (غزوۂ اُحد کے اندر) پوری آیت میں بیان غزوۂ اُحد کے مختلف پہلوؤں کا ہے۔ یہاں ذکر اس وقت کا ہے جب تک مسلمان ابتداء معرکہ میں اطاعت احکام رسول ﷺ پر قائم تھے۔ تَحُسُّوْنَهُمْ سے اشارہ دشمنانِ دین مشرکین مکہ ہیں۔ حس کے معنی قتل کے ہیں۔ عُبّر بہ عن القتل (راغب) ای تقتلونھم قتلا ذریعا (کشاف) قال ابو عبیدہ الحس الاشتغال بالقتل (قرطبی) بِاِذْنِهٖ میں اذن سے مراد اللہ کا حکم تکوینی ہے۔ ای بعلمه او بقضاءہ و امرہ (قرطبی) بتیسیرہ و توفیقہ (روح) ای بارادتہ (جلالین) ف۲۹۶ یعنی اپنی فتح اور غنیم کی شکست جس کا مشاہدہ تم برای العین کر رہے تھے۔ حَتّٰىٓ اِذَا فَشِلْتُمْ یعنی فتح و فیروز مندی کی کیفیت اس وقت تک قائم رہی، جب تک تم اپنی استقامت میں کمزور نہ پڑ گئے۔ اس وقت تم اپنی رائے میں مذبذب ہو گئے اور تیر اندازوں کے دستہ نے خود رائی سے کام لے کر اطاعت رسول ﷺ کی پروا نہ رکھی۔ معرکۂ اُحد میں جنگ شروع ہونے سے قبل مسلمانوں کے مقدس اور نہایت درجہ بالغ نظر سالارِ لشکر نے امکاناتِ نقشہ جنگ کا بالکل صحیح اندازہ کر کے ایک گھاٹی میں ایک بلند ٹیکری پر ۵۰ چیدہ و ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین کر دیا تھا اور احکام دے دیئے تھے کہ اس مورچہ سے کسی حال میں نہ ٹلنا یہاں تک کہ اگر ہم شکست کھا جائیں، جب بھی ہماری مدد کو نہ آنا۔ بلکہ اپنے عقب کا خیال رکھنا جنگ شروع ہوئی اور مسلمانوں نے پورے جوش شجاعت کے ساتھ یلغار کی۔ مشرکین کا لشکر بہ ایں فراوانی اور بہ ایں سروسامانی زبردست ٹکر کی تاب نہ لا سکا اور اس کے قدم اُکھڑ گئے۔ مسلمان اور آگے بڑھے اور بدر کا جوش و خروش تازہ ہو گیا۔ لیکن اب کی افراطِ جوش میں توازن قائم نہ رہا، ان کا خط ٹوٹ گیا اور صفوف میں ترتیب باقی نہ رہی اور ایک جماعت نے مزید پیش قدمی کر کے غنیم کے خیمے ڈیرے لوٹنے شروع کر دیے۔ اُدھر ٹیکری والے تیر انداز دستہ نے جو یہ دیکھا کہ دشمن میدان چھوڑ رہا ہے اور مالِ غنیمت لٹنا شروع ہو گیا ہے، تو یہ سوچا کہ اب یہاں مورچہ پر جمے رہنے کے کیا معنی۔ حکم جس وقت تک کے قیام کے لیے تھا، اس کی تعمیل ہو چکی۔ چنانچہ اس خیال کے ماتحت ۵۰۔ میں سے ۴۰ تیر انداز سپاہی اپنی پوزیشن چھوڑ کر نیچے میدان میں دُوسروں کے ساتھ غنیمت کی تاخت میں شریک ہو گئے۔ خالد بن ولید جو بعد کو ایمان لائے اور سیف اللہ کہلا کر مسلمانوں کے مشہور جنرل ہوئے، اس وقت تک مشرکوں کے رسالہ کے سردار تھے۔ اُن کی دُور بین نگاہ موقع کے گھات ہی میں تھی، اپنے سواروں کے ساتھ کاوا کاٹ اسی درہ کی طرف سے حملہ بول دیا، گنتی کے دس سپاہی کتنی دیر ٹھہر سکتے تھے، جنگ کا پانسہ آناً فاناً پلٹ گیا، اور فتح مسلمانوں کے ہاتھ سے آ کر چھن گئی، قرآن اپنے معجزانہ رنگ میں اس سارے پس منظر پر تبصرہ کر رہا ہے۔ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ یعنی اپنے قائد اعظم ﷺ کے حکم کے باب میں بحث کرنے لگے کہ آیا اب بھی وہ حکم قائم اور واجب الاتباع ہے، ۵۰ میں سے ۴۰ ناوک افگن سپاہی لوٹ پر ٹوٹ پڑے تھے اور باقی ۱۰ امیر لشکر کے حکم پر آخر تک قائم رہے۔ وَعَصَيْتُمْ یعنی اپنے سالارِ لشکر اور رسول برحق ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ یہ حالت ایک استثنائی تھی اور اس لیے اس پر گرفت بھی اتنی سخت ہوئی ورنہ اسلامی فوجیں عام طور پر تو نظم و ضبط، اطاعت و امتثال (ڈسپلن) کی تصویر ہوتی تھیں۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) ف۲۹۷ (اور اسی لیے غنیمت کی لوٹ میں پڑ گئے) اشارہ اُنہی ۴۰ جلد باز تیر اندازوں کی طرف ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ لوٹ بھی مبنی و متفرع دشمنانِ دین کی شکست ہی پر تھی، اس لیے ایسی دنیا طلبی بھی تمامتر مذموم نہیں۔ یہاں برا اسے اس لیے ٹھہرایا گیا کہ اس میں مخالفت تھی حکم رسول کی، گو وہ بھی اجتہاداً ہی تھی۔ ف۲۹۸ یہ وہ دس تیر انداز تھے جو نص نبوی کے تمامتر متبع ہو کر آخر تک اپنی جگہ پر قائم رہے۔ ف۲۹۹ (ایک عارضی و ہنگامی شکست کے ذریعہ سے) یہ ثبوت ہے صحابہ نبوی پر کمال رحمت کا، یہ عارضی شکست بھی غضب الٰہی یا عذاب کی کوئی فرد نہ تھی بلکہ اس سے بھی مقصود صحابہ کی قوتِ ایمانی کا مزید امتحان ہی تھا۔ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ یعنی جب تم میں عدم ثبات و تزلزل پایا تو اللہ نے اپنی وہ آسمانی امداد و نصرت روک لی۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ

اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے ف۳۰۳ پھر اس نے اس غم کے بعد

مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً

تمہارے اُوپر راحت نازل کی (یعنی) غنودگی کہ اس کا تم میں سے ایک جماعت پر

مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ

غلبہ ہو رہا تھا ف۳۰۴ اور ایک جماعت وہ تھی کہ اسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی، یہ اللہ کے بارے میں

بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ

خلاف حقیقت خیالات، جاہلیت کے خیالات قائم کر رہے تھے، یہ کہہ رہے تھے ف۳۰۵

هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ

کہ ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے؟ ف۳۰۶ آپ کہہ دیجئے کہ اختیار تو سارا

كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ

اللہ کا ہے ف۳۰۷ یہ لوگ دلوں میں ایسی بات چھپائے ہوئے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں

لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ

کرتے ف۳۰۸ کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہمارا اختیار چلتا تو ہم یہاں

مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ

نہ مارے جاتے ف۳۰۹ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم گھروں میں ہوتے (جب بھی)

لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ

وہ لوگ تو جن کے لیے قتل مقدر ہو چکا تھا، اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل ہی پڑتے ف۳۱۰

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا

اور (یہ سب اس لئے ہوا) کہ اللہ تمہارے باطن کی آزمائش کرے، اور تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے

ف۳۰۰ (اس لیے اب مؤاخذہ آخرت کا کھٹکا نہیں) کیا ٹھکانا ہے مومنین پر بالعموم اور صحابہ رسول رضی اللہ عنہم پر بالخصوص شفقت کا کن کن عنوانات سے تسلی دی جارہی ہے۔ ف۳۰۱ (کہ ادھر آؤ۔ میں ادھر ہوں) یہ بیان ہو رہا ہے مسلمان سپاہ کی بھگدڑ اور شدت بدحواسی کا۔ اور واقعی بات ہے کہ جب فوج میں بھگدڑ پڑتی ہے تو ایسی ہی بے حواسی پھیل جاتی ہے، نفسی نفسی کا عالم ہوتا ہے، کوئی کسی کی نہیں سنتا، ہر ایک کو اپنی ہی جان بچانے کی فکر پڑ جاتی ہے۔ اِذْ تُصْعِدُوْنَ یعنی جب بھاگتے ہوئے چڑھے جارہے تھے۔ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ رسول اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام علاوہ اپنے دُوسرے کمالات وفضائل کے ہمت وشجاعت میں بھی فرد اور بے عدیل تھے۔ ف۳۰۲ یعنی اس رنج کے عوض میں جو تمہاری ذات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُٹھانا پڑا تھا، تمہیں بھی ایک رنج دے دیا گیا۔ اى اثابكم غمًا بسبب غم اذقتموه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بعصيانكم له و مخالفتكم امره (روح) ف۳۰۳ (اور اسی باخبری کے مطابق جزا وسزا بھی دے گا) لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا الخ یہ اشارہ ہے ان حکمتوں اور مصلحتوں کی جانب جو اس واقعہ شکست میں پوشیدہ تھیں۔ لِکَیْ یعنی تاکہ آئندہ کے لیے اس واقعہ سے سبق لو اور ہمت و استقلال کو کام میں لاؤ۔ ف۳۰۴ مسلمان تھکے ماندے تو تھے ہی، دوپہر کے وقت ان پر نیند کا غلبہ ہوا اس سے تازہ دم ہو گئے۔ تھکی ہوئی فوج کو نیند جیسی نعمت کے میسر آجانے کی قدر کوئی اہل فوج ہی کے دل سے پوچھے۔ ف۳۰۵ (اور مسلمانوں سے حجت اور تکرار کر رہے تھے کہ تم سے جو وعدۂ فتح ونصرت تھا، وہ کیا ہوا؟) مراد منافقین ہیں...... مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے ہوئے تھے، اس لیے خطاب بھی اُن سے اکثر مسلمانوں کے ساتھ مشترک ہی ہے۔ یعنی المنافقين (قرطبی) هم المنافقون (بیضاوی) اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ یعنی اس قسم کا سوچ بچار کہ دیکھئے یہاں سے بچ کر بھی جانا ہوگا، اپنی جان کی فکر بجائے خود کوئی بری چیز نہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اُن منافقین کو اپنی ہی پڑی تھی نہ دین کی کوئی فکر تھی نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی خیال تھا۔ ما همّهم الا انفسهم و خلاصها لا همّ الدين و لا همّ رسول الله (مدارک) يَظُنُّوْنَ غَيْرَ الْحَقِّ۔ اللہ سے متعلق ان کی بدگمانیاں خلافِ واقعیت وحقیقت تھیں انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ مومنین کو نصرتِ حق وتائید غیبی نصیب نہ ہوگی۔ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ اس سے بھی بڑھ کر ان کے خیالات اس حد تک پہنچ گئے تھے جو مشرک اور جاہلی ہی قوموں کے ہوتے ہیں ان کے نزدیک یہ بھی ممکن تھا کہ اللہ کسی سے وعدۂ تائید ونصرت کرے اور پھر اسے پورا نہ کرے۔ ایسے عقائد مشرک قوموں میں عام تھے۔ الْجَاهِلِيَّةِ۔ جاهلية محاورۂ قرآنی میں اسلام سے قبل کا دور شرک ہے، یہ جاہلیت توحید کے منافی ہے۔ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ کی ترکیب یوں سمجھی گئی ہے۔ کظن اهل الجاهلية۔ ف۳۰۶ (ورنہ ہم تو شروع ہی سے اس جنگ سے منع کر رہے تھے، کسی نے ہماری نہ سنی، ہماری سن لی گئی ہوتی تو آج یہ مصیبت ہی کیوں پیش آتی) یہ منافقین اپنی خفت وندامت مٹانے کے لیے کہہ رہے تھے۔ ف۳۰۷ (اور قضاء الٰہی ہر انسانی تدبیر پر غالب وحاکم ہے) خطاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ آپ یہ ان منافقین سے کہہ دیجئے۔

ف۳۰۸ یعنی اپنا کفر ونفاق۔ اس کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سے مخفی رکھنے کا ہی تو خاص اہتمام تھا۔ ف۳۰۹ یعنی اگر ہمارے مشورہ پر عمل ہوتا تو نہ لڑائی ہی کی نوبت آتی اور نہ اس شکست اور اتنے مقتولین کی۔ ف۳۱۰ مطلب یہ ہوا کہ احکام تکوینی تقدیری سے باہر رہنا کسی کے لیے کسی صورت میں ممکن نہیں، کوئی نہ کوئی ظاہری سبب بھی مقتل تک ان کے کھنچ آنے کا ضرور نکل آتا۔

وا۳۱ (شیطانی اور نفسانی میل کچیل سے) وَلِيُمَحِّصَ تمحیص کے معنٰی ہیں آمیزشوں سے، کدورتوں سے پاک کرنا۔ مَا فِي صُدُوْرِكُمْ۔ یعنی تمہارے اخلاص کی آزمائش ہو جائے۔ و۳۱۲ (میدانِ اُحد میں) اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مراد وہی صحابی ہیں جن سے اُحد کے موقع پر کمزوری کا اظہار ہوا تھا۔ اُنہی کی تسکین وتسلی کے لیے نیز آئندہ کی تنبیہ وہدایت کی غرض سے یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ و۳۱۳ اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ آگیا کہ ہر پچھلا گناہ سبب بن جاتا ہے مزید وجدید معصیت کا۔ یہاں مراد ہے حُبِّ حیات اور مالِ غنیمت کی ہوس۔ **وقال بعض العلماء حبهم الغنيمة والحرص على الحياة** (بحر) **معنى السببية انجرارها اليه لان الذنب يجر الذنب كما ان الطاعة تجر الطاعة** (روح) اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ اس میں اس ادب کی تعلیم آگئی کہ گناہ جو بھی سرزد ہو جائے اس کی نسبت حق تعالٰی کی جانب نہیں بلکہ شیطان کی جانب دینا چاہیے۔ **قال الكعبى الأية تدل على ان المعاصى لا تنتسب الى الله فانه تعالىٰ نسبها فى هٰذه الأية الى الشيطان** (کبیر) **فالاضافة الى الشيطان لطف و تغريب و التعليل بكسبهم وعظ و تاديب** (مدارک) خود کلام مجید میں بھی دوسری آیتیں اس قسم کی ہیں مثلاً حضرت موسٰی کی زبان سے هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ یا حضرت یوسف کی زبان سے مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ یا خادم موسٰی کی زبان سے وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ۔ و۳۱۴ (ان کے توبہ واستغفار کی بنا پر) یہی مضمون تین آیت قبل بھی بیان ہو چکا ہے وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ تکرار سے ان صحابیوں کی مزید تسلی واطمینان مقصود ہے جو لوگ ان صحابیوں کو اس واقعۂ اُحد کی بنا پر موردِ طعن سمجھ رہے ہیں وہ صاف آیاتِ قرآنی کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ و۳۱۵ یہاں دو صفات باری کا اثبات کیا ہے۔ غَفُوْرٌ ایک صفت غفر کا، اس کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ حَلِيْمٌ دوسرے صفت حلم کا، اس کا ظہور اسی دنیا میں ہوتا رہتا ہے، کہ فوراً مؤاخذہ نہیں کرتا بلکہ توبہ واستغفار کا موقع برابر دیتا رہتا ہے۔ و۳۱۶ (لیکن زبان پر دعوٰی اسلام وایمان کا رکھتے ہیں) مراد منافقین ہیں۔ **يعنى المنافقين** (بیضاوی) **هٰؤلآء المنافقون اصحاب عبدالله بن ابى** (ابن جریر عن السدی) لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ ہدایت مومنین کو ہو رہی ہے کہ تم اپنی گفتگو میں منافقین کے مثل نہ ہو جاؤ ان کی سی باتیں نہ کرنے لگو۔ اس قسم کی باتیں صرف ان ایمان سے محروموں کے شایاں ہے۔ **نهى تعالى المؤمنين ان يكونوا مثلهم فى هٰذه المقالة الفاسدة** (بحر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہاں منافقین پر اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا کا اطلاق ہوا ہے، حالانکہ منافقین کو زبانی دعوٰی اسلام کا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ مجرد دعوائے اسلام ایمان کے لیے کافی نہیں جب تک کہ تصدیقِ قلب بھی شامل نہ ہو۔ **فالأية تدل على ان الايمان ليس عبارة من الاقرار باللسان كما تقول الكرامية** (کبیر) و۳۱۷ (اور کسی جہاد یا اسلامی سفر پر روانہ نہ ہوتے تو مزے سے زندگی بسر کرتے رہتے اور کسی خطرہ میں نہ پڑتے) لِاِخْوَانِهِمْ میں لِ تبلیغ کا نہیں، اس لیے اس کے معنٰی ''سے'' کے نہیں بلکہ تعلیل یا سببیت کا ہے، اس کے معنٰی ''کی بابت'' یا ''کے باب میں'' کے ہوں گے۔ **اى لاجل اخوانهم** (کشاف) **واللام لام السبب اى لاجل اخوانهم وليست لام التبليغ** (بحر) اِخْوَانِهِمْ۔ اِخْوَانٌ سے مراد نسبی بھائی یعنی مسلمان بھی مراد ہو سکتے ہیں اور اعتقادی بھائی یعنی دوسرے منافقین بھی، ترجیح نسبی بھائیوں یا مسلمانوں کو ہے۔ مسلمانوں کی موت یا شہادت کی خبر جب منافقین سن پاتے تو اسی طرح کے فقرے کہتے۔ **ومعنى الاخوة اتفاق الجنس او النسب** (کشاف) اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ یعنی کسی اسلامی، دینی مقصد سے سفر کو جاتے اور وہیں وفات پا جاتے۔ اَوْ كَانُوْا غُزًّى یعنی جہاد پر جاتے اور اسی میں شہید ہو جاتے۔ اِذَا اگرچہ عموماً مستقبل کے لیے ہے، لیکن اِذْ اور اِذَا دونوں کا ایک دوسرے کے بجائے لانا بھی درست ہے۔ **قال قطرب كلمة اذ و اذا يجوز اقامة كل واحدة منهما مقام الاخرى واقول هٰذا الذى قاله قطرب كلام حسن** (کبیر) و۳۱۸ یعنی ایسے خیالات دماغ میں موجزن ہونا اور ان کا زبان پر لانا یہ خود ایک وبال ان کی منافقت اور نورِ ایمان سے محرومی کا ہے، دل میں وہ ایقان تو ہوتا ہی نہیں جو تسکین پیدا کرتا ہے، اس لیے ہر امر تکوینی تقدیری سے اُن کے دلوں میں حسرت اور کڑھن کا اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ **اى يجعل ظنهم انهم لو لم يخرجوا ما قُتِلوا حسرة** (قرطبی) و۳۱۹ موت وزندگی دونوں تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہیں، اس مسبب الاسباب وعلت حقیقی کو چھوڑ کر نظر ظاہری اور فوری اسباب پر جانا اور سفر یا جہاد کو موت یا قتل کی علت تامہ قرار دینا کیسی شدید جہالت وسفاہت ہے۔ امریکہ میں اس وقت سوشیالوجی (عمرانیات) کا ایک ماہر فاضل ڈینی سن Denison اپنی کتاب Emotion a basis of Civilisation میں ایک جگہ لکھتا ہے:۔ ''مسلمانوں کی اس عقیدۂ تقدیر یا ہر امر تکوینی کو خدا کے تفویض کر دینے کی عادت نے نیز عقیدۂ شہادت نے (کہ شہید معاً جنت میں داخل ہو جاتے ہیں، جہاں اسے ۷۲ حوریں ملتی ہیں، اور کھانے کے لیے سونے کے ظروف) مسلمانوں میں معرکہ جنگ کے اندر بڑی ہی قوت اور استقامت پیدا کر دی تھی۔'' (صفحہ ۲۰۶) امریکی فاضل کا ایمان نہ عقیدۂ تقدیر پر ہے نہ عقیدۂ شہادت پر، اس پر بھی وہ ان عقیدوں کی نافعیت اور ان کی حیثیت افادی کی داد دینے پر اپنے کو بے اختیار پا رہا ہے۔ و۳۲۰ (سو اگر کہیں خدانخواستہ تم نے منافقین کے طرز خیال و

فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ

اُسے صاف کر دے، وا۳۱ اور اللہ باطن کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ یقیناً

الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا

تم میں سے جو لوگ اُس دن پھر گئے تھے جس دن کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئی تھیں و۳۱۲ تو یہ تو بس

اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ

اس سبب سے ہوا کہ شیطان نے انہیں ان کے بعض کرتوتوں کے سبب لغزش دے دی تھی و۳۱۳ اور بیشک

عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع ۱۶ يٰٓاَيُّهَا

اللہ انہیں معاف کر چکا ہے و۳۱۴ یقیناً اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا علم والا ہے و۳۱۵ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا

ایمان والو اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو حقیقۃً کفر اختیار کیے ہوئے ہیں و۳۱۶ اور

لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى

اپنے بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں جب کہ وہ لوگ زمین پر سفر کرتے ہیں یا کہیں غزوہ کرنے جاتے ہیں

لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ

کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے و۳۱۷ (یہ بات اس لیے ان کی زبان پر آگئی ہے)

اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ

تاکہ اللہ اسے ان کے دلوں میں سبب حسرت بنا دے و۳۱۸ اور اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے، و۳۱۹

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ

اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے خوب دیکھتا رہتا ہے و۳۲۰ اور اگر تم اللہ کی راہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ

مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی مغفرت و رحمت اس سے کہیں

خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ

بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں و۳۲۱ اور تم لوگ خواہ مر جاؤ یا مارے جاؤ،

لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٥٨﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ

ضرور اللہ ہی کے پاس اکٹھے کیے جاؤ گے و۳۲۲ پھر یہ اللہ کی رحمت ہی کے

اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ

سبب سے ہے کہ آپ ان کے ساتھ نرم رہے، و۳۲۳ اور اگر آپ تندخو، سخت طبع ہوتے

لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ

تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہوگئے ہوتے و۳۲۴ سو آپ ان سے درگزر کیجیے اور ان کے لیے استغفار کردیجیے

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ

اور ان سے معاملات میں مشورہ لیتے رہیے و۳۲۵ لیکن جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر

عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾ إِن

بھروسہ رکھیے و۳۲۶ بیشک اللہ ان سے محبت رکھتا ہے جو اس پر بھروسہ رکھتے ہیں، و۳۲۷ اگر

يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِن يَخْذُلْكُمْ

اللہ تمہارا ساتھ دے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا و۳۲۸ اور اگر وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دے

فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى

تو کون ایسا ہے جو اس کے بعد تمہارا ساتھ دے؟ و۳۲۹ اور ایمان والوں کو

اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن

تو چاہیے کہ صرف اللہ پر بھروسہ رکھیں، اور کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ

يَغُلَّ ۚ وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ

خیانت کرے و۳۳۰ اور جو کوئی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو حاضر کرے گا و۳۳۱

و۳۲۱ (حظوظِ دنیوی میں سے) مطلب یہ ہے کہ موت تو اپنے وقت موعود ہی پر آئے گی جہاد یا سفر فی سبیل اللہ سے خواہ مخواہ تو آنہ جائے گی البتہ اگر اس حالت میں وقت ہی پورا ہوگیا تو اجر اور ابدی زندگی کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ اَوْ مُتُّمْ یعنی چاہے وہ موت طبعی ہی ہو لیکن مشغولی اُس وقت اللہ کے کام میں ہو۔ و۳۲۲ (سو مومن کے لیے تو کوئی خوف وہراس کی بات ہی نہیں) مُتُّمْ یعنی طبعی موت سے اپنے وطن میں وفات پاگئے۔ قُتِلْتُمْ یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں مارے گئے۔ و۳۲۳ لَهُمْ یعنی ان لوگوں کے ساتھ نرم رہے، جو جنگ اُحد میں آپ کی نافرمانی کر کے مسلمانوں کی شکست و تفضیح کا سبب بنے تھے، نافرمان سپاہیوں کے ساتھ، عین معرکہ جنگ میں خودرائی سے کام لینے والے سپاہیوں کے ساتھ، شفقت وملاطفت کا معاملہ قائم رکھنا دُنیا کی جنگی تاریخ میں شاید اپنی نظیر آپ ہی ہو۔ بِمَا میں مَا زائدہ تاکید کے لیے ہے۔ ترجمہ میں اسی لیے ''ہی'' لایا گیا ہے۔ وما مزیدة للتاکید و التنبیه (بیضاوی) و ما مزیدة للتاکید و علیه اجلة المفسرین و به الماثور عن قتادة (روح) صلة فیها معنی التاکید (قرطبی) والدلالة علیٰ ان لینه لهم ما کان الا برحمة من الله (کشاف) و۳۲۴ حضور انور ﷺ کے حلم وتحمل، نرمی وخوش خوئی، شفقت وملاطفت کے واقعات سے تو حدیث اور سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ کوئی کہاں تک گنائے اور یہ حقیقت تو خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اپنی ذات کے لیے آپ نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ غیروں (اور غیر ہی کیسے، بعض معاند تک) کے دو ایک قول سننے کے قابل ہیں۔ لین پول نے کہا ہے:۔ ''ظلم محمد ﷺ کی سرشت ہی میں نہ تھا''۔ اور باسورتھ اسمتھ کا بیان ہے:۔ ''انہوں نے عمر بھر کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا...... کوئی مصافحہ کرتا تو نہ وہ اپنا ہاتھ الگ کرنے میں سبقت کرتے نہ از خود اس سے الگ ہوتے۔ گفتگو بہت نرم وشیریں کرتے''۔ اور ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے:۔ ''پیمبر کا میلان طبع ہمیشہ نرمی ہی کی جانب رہتا''۔ مفصل حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ لیکن نرمی و ملاطفت کے بھی شریعت میں حدود مقرر ہیں۔ جہاں دین کی توہین ہو رہی ہو یا احکام دین کے اجراء کی ضرورت ہو وہاں سختی اور سزا لازمی ہو جاتی ہے۔ اللین والرفق انما یجوز اذا لم یفض الی اهمال حق من حقوق الله فاما اذا ادی الی ذٰلک لم یجز (کبیر) و۳۲۵ (حسب دستور سابق) گویا اسلام کے نظام شوریٰ جمہوری میں حکم یہ ہے کہ ایسے مجرموں کو بھی مسائل ملی میں رائے زنی سے محروم نہ کیا جائے اور ان سے ووٹ کا حق سلب نہ کیا جائے...... کیا حد ہے اس رحمت کی آج دنیا کی بڑی بڑی آزاد جمہوریتیں بھی اس کی مثال پیش کرسکیں گی؟ فَاعْفُ عَنْهُمْ یعنی جہاں تک آپ کے حقوق کے اتلاف کا تعلق ہے، آپ معاف کردیجیے۔ چنانچہ آپ نے اس حکم کی تعمیل میں ان خطا کاروں کو زبانی تہدید بھی نہ فرمائی۔ لم یخاطبهم الرسول ﷺ بالتغلیظ والتشدید و انما خاطبهم بالکلام اللین (کبیر) وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ یعنی جہاں تک حقوق اللہ کے اتلاف کا تعلق ہے، آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کر دیجیے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ جہاد میں بھاگنے سے بڑھ کر گناہ کبیرہ اور کیا ہوگا لیکن قرآن مجید نے ان اصحاب نبی رضی اللہ عنہم کے عفو ومغفرت کی بار بار تصریح کر کے یہ صاف کر دیا کہ ان حضرات کے کبائر بھی معاف ہو گئے تھے۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ مشورہ کی بڑی فضیلتیں حدیث میں آئی ہیں اور ظاہر ہے کہ مشورہ کا حکم جب رسول صاحب وحی کو مل رہا ہے تو دوسروں کے لیے اس کی احتیاج کتنی زائد رہے گی۔ فقہاء ومفسرین نے اس آیت سے اجتہاد اور قیاس شرعی کے جواز کی دلیل پکڑی ہے۔ فیه دلالة جواز الاجتهاد و بیان ان القیاس حجة (مدارک) و۳۲۶ یعنی جب کسی امر میں مشورہ ہو لے تو بس اب تذبذب وتامل کو دخل نہ دیجیے اور بلا تکلف وتوقف اللہ کے بھروسہ پر عمل اسی پختہ عزم پر کرنے لگیے۔۔۔ شخصیت واجتماعیت، فردیت وشوریت کا یہ کیسا حکیمانہ امتزاج ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ اعتماد کی چیز اللہ کی ذات ہے۔ نہ کہ انسانی مشورے۔ قال قتادة امر الله نبیه ﷺ اذا عزم علی شیء ان یمضی و یتوکل علی الله لا علی مشاورتهم (قرطبی) والمقصود ان لا یکون للعبد اعتماد علی شیء الا علی الله فی جمیع الامور (کبیر) و۳۲۷ اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ اس گئی گزری حالت میں بھی، نظام شرعی سے اس قدر بُعد کے بعد بھی مسلمانوں کو صبر وقناعت کی دولت لازوال حاصل ہے اور خودکشی کے فیشن سے دنیائے اسلام ناواقف ہے۔ و۳۲۸ (جیسا کہ معرکہ بدر میں تم نے دیکھ لیا اور وہ ثمرہ طاعت کا تھا) المقصود من الآیة الترغیب فی الطاعة والتحذیر عن المعصیة (کبیر) و۳۲۹ (جیسا کہ معرکہ اُحد میں تمہیں تجربہ ہوگیا اور وہ ثمرہ خودرائی کا تھا) مِنْ بَعْدِهِ یعنی اس کی ترک نصرت کے بعد۔ ای من بعد خذلانه (کشاف) آیت سے یہ بھی استنباط کیا گیا ہے کہ ایمان ثمرہ ہوتا ہے اعانت الٰہی کا اور کفر خذلان الٰہی کا۔ اِحْتَجَّ الاصحاب بهذه الآیة علی ان الایمان لا یحصل الا باعانة الله والکفر لا یحصل الا بخذلانه (کبیر) و۳۳۰ یعنی یہ شان نبوت کے بالکل منافی ہے۔ المراد ان النبوة والخیانة لا یجتمعان (کبیر) والمعنی انه لا یمکن ذٰلک منه لان الغلول معصیة والنبی ﷺ معصوم و هذا النفی اشارة الی انه لا ینبغی ان یتوهم فیه ذٰلک (بحر) آیت کا پس منظر یہ ہے کہ جنگ بدر کے بعد جب مالِ غنیمت تقسیم ہو رہا تھا تو ایک سرخ رنگ کا جبہ ذخیرہ سے غائب معلوم ہوا۔ اس پر کوئی بول اُٹھا کہ رسول اللہ ﷺ نے لے لیا ہوگا۔ یہ قول اب اگر کسی منافق کا تھا تو اس بدبخت نے کھلا ہوا حملہ رسول اللہ ﷺ کی دیانت پر کر دیا اور اگر کسی نو مسلم کی زبان سے نکلا تھا تو وہ یقیناً اس غلط فہمی میں تھا کہ رسول

کو بغیر اطلاع بھی تصرف کا حق حاصل ہے۔ آیت ہر مفروضہ کی تردید کر رہی ہے۔ اور ایسے عمل کو خیانت سے تعبیر کر رہی ہے۔ مشرک غریب تو سرے سے جانتے ہی نہ تھے کہ مرتبۂ نبوت کس منصب عظیم کا

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا

پھر ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کا پورا عوض ملے گا اور ان پر بالکل

يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦١﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ

ظلم نہ ہوگا ف۳۳۲ کیا جو شخص رضاء الٰہی کا تابع ہے ف۳۳۳ وہ بھلا اُس جیسا ہو جائے گا

بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ

جو غضبِ الٰہی کا مستحق ہے ف۳۳۴ اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری

الْمَصِيْرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ

جگہ ہے یہ لوگ اللہ کے نزدیک (مختلف) طبقوں میں ہوں گے اور اللہ اُن کے اعمال کو

بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٣﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

خوب دیکھنے والا ہے ف۳۳۵ حقیقت میں اللہ نے (بڑا) احسان مسلمانوں پر کیا

اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا

جب کہ اُنہی میں سے ایک پیغمبر اُن میں بھیجا جو اُن کو اس کی آیتیں

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک صاف رکھتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی

وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ

تعلیم دیتا ہے ف۳۳۶ اور بیشک یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں

مُّبِيْنٍ ﴿١٦٤﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ

مبتلا تھے ف۳۳۷ اور جب تمہیں ایسی ہار اٹھانی پڑی جس کی دوگنی تم (فریق مقابل پر)

مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ

ڈال چکے تھے ف۳۳۸ تو تم کہنے لگے یہ کدھر سے ہوئی آپ کہہ دیجئے کہ وہ تمہاری ہی

النصف

نام ہے اور پیمبرانہ اخلاق کے معنی کیا ہیں۔ یہود و نصاریٰ البتہ پیمبروں کے نام اور کارناموں سے آشنا تھے لیکن ان ظالموں نے بھی رفتہ رفتہ مرتبۂ نبوت کی اخلاقی عظمت کو بالکل ہی بھلا دیا تھا اور نبی کو کاہن کی قسم کا محض ایک پیشین گوئی کرنے والا انسان سمجھ رکھا تھا۔ آیت سب غلط خیالیوں کی اصلاح کر رہی ہے۔

ف۳۳۱ اتنی بڑی رسوائی اور فضیحت کو پیمبرانہ تقدیس سے کوئی دُور کا بھی واسطہ ہو سکتا ہے فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ غلول یا خیانت معصیت کبیرہ ہے۔ قال العلماء الغلول كبيرة من الكبائر (قرطبی) و قد عظم النبی ﷺ امر الغلول حتی اجراه مجری الکبائر (جصاص) اور یہ بھی کہا ہے کہ حکام کا ہدیہ قبول کرنا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ ومن الغلول هدايا العمّال و حكمه في الفضيحة في الأخرة حكم الغالّ (قرطبی) ف۳۳۲ پیمبروں کا اعزاز و اکرام قطعی ہے۔ تو کسی نبی کی جانب خیانت جیسے ذلیل جرم کی نسبت ہی کیونکر جا سکتی ہے؟ ف۳۳۳ (جیسا کہ ہر نبی لازمی طور پر ہوتا ہے) ف۳۳۴ (جیسے خائن یا اور کوئی مجرم) ف۳۳۵ (اور اپنے اسی علم کامل کے مطابق جزا و سزا دینے والا ہے) یعنی یہ سب لوگ رضاء حق پر چلنے والے ہیں۔ اور راہِ حق کی مخالفت کرنے والے ہیں۔ هُمْ دَرَجٰتٌ یہ مختلف طبقہ اللہ کے ہاں محبوبیت اور مغضوبیت کے لحاظ سے ہوں گے۔ تقدیر کلام یوں ہے هم ذو درجت یا لهم درجتٌ. معنٰی هم درجتٌ. ای ذو درجتٍ او لهم درجت (قرطبی) و تقدير الكلام لهم درجت عندالله (کبیر) عِنْدَ اللّٰهِ سے مراد ہے اللہ کی عدالت میں۔ ای فی حكم الله و علمه (کبیر)

ف۳۳۶ اللہ کی بہترین نعمت ہونے کے لحاظ سے بعثت رسول ﷺ کا احسان ہے تو سارے عالم پر۔ مسلمانوں کی تخصیص ذکر کی وجہ ظاہر ہے کہ بعثت سے فائدہ اُٹھانے والے یہی لوگ تھے۔ مِنْ اَنْفُسِهِمْ یعنی اُنہی کی جنس میں سے اس میں مومنین کے لیے بڑی بشارت ہے کہ پیمبر بھی بس تمہارے ہی جیسے ایک بشر ہیں۔ اراد به المؤمنين كلهم و معنٰى من انفسهم انه واحد منهم و بشر مثلهم (قرطبی) رسول ﷺ کی تلاوتِ آیات، تزکیۂ تقویٰ، تعلیم کتاب و حکمت پر حاشیہ پارۂ اوّل کی آیت کے ذیل میں گزر چکے۔ ف۳۳۷ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ قرآنی دستور العمل اور محمدی ﷺ نمونہ عمل سے قبل دنیا پر عقائد، معاملات، عبادات اخلاق ہر اعتبار سے اندھیرا ہی چھایا ہوا تھا اور انسانی آبادی صحیح معنٰی میں فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کی تصویر تھی۔ اِنْ۔ یہاں اِنَّ کا مخفف ہے اور تاکید کے معنٰی دے رہا ہے۔ ان هي المخففة يعني الثقيلة (کشاف) ف۳۳۸ (اس کے قبل بدر میں) اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ یعنی اُحد میں جب تمہیں شکست ہوئی اور تمہارے ستر آدمی شہید ہوئے۔ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا یعنی بدر میں جب مشرکین کے ستر آدمی قتل ہوئے تھے اور ستر گرفتار۔ اَوَ میں وعطف کا ہے اور اَ، تفریع و استفہام کا۔ الهمزة للتفريع والتقرير والواو عاطفة (بیضاوی) الالف للاستفهام والواو للعطف (قرطبی)

اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۶۵﴾

طرف سے ہوئی ف۳۳۹ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۳۴۰

وَ مَاۤ اَصَابَکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ فَبِاِذۡنِ

اور جو مصیبت تم پر اُس روز پڑی جب کہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوئے سو وہ اللہ کی مشیت سے

اللّٰهِ وَ لِیَعۡلَمَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۶۶﴾ۙ وَ لِیَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ

ہوئی، ف۳۴۱ تاکہ اللہ مومنین کو جان لے اور اُن لوگوں کو بھی جان لے

نَافَقُوۡا ۚۖ وَ قِیۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا قَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ

جنہوں نے منافقت اختیار کی ف۳۴۲ اور اُن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو

اللّٰهِ اَوِ ادۡفَعُوۡا ؕ قَالُوۡا لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعۡنٰکُمۡ ؕ

یا دفعیہ میں جاؤ ف۳۴۳ تو وہ بولے کہ اگر کوئی (ڈھنگ کی) جنگ دیکھتے تو ضرور تمہارے پیچھے ہو لیتے ف۳۴۴

هُمۡ لِلۡکُفۡرِ یَوۡمَئِذٍ اَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡاِیۡمَانِ ۚ

یہ لوگ اس روز ایمان سے زیادہ کفر کے نزدیک ہو گئے ف۳۴۵

یَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِمۡ مَّا لَیۡسَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ

یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ف۳۴۶

وَ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا یَکۡتُمُوۡنَ ﴿۱۶۷﴾ۚ اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡا

اور جو کچھ یہ چھپائے ہوئے ہیں اللہ اُسے خوب جانتا ہے، یہ لوگ درآنحالیکہ (خود) بیٹھے رہے، اپنے

لِاِخۡوَانِهِمۡ وَ قَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ قُلۡ

بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کہا مانتے ف۳۴۷ تو نہ مارے جاتے، آپ کہہ دیجئے کہ

فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِکُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ

(اچھا تو) اگر تم سچے ہو تو اپنے کو موت سے

ف۳۳۹ یعنی تمہارے اپنے ہاتھوں ہوئی۔ ہمارا وعدۂ فتح ونصرت تمہاری طاعت واطاعت کے ساتھ مشروط تھا۔ جب تم نے اس کا لحاظ نہ رکھا تو اب وعدہ کہاں باقی رہا۔ اَنّٰی هٰذَا حیرت طبعی میں مسلمان بار بار استعجاب سے کہتے تھے کہ ہم صاحب ایمان بندہ، اللہ کی راہ میں لڑنے والے پھر ہم میں نبی موجود اور مقابل مشرکین اور پھر بھی شکست ہم ہی کو۔ ف۳۴۰ فتح دینے پر بھی قادر اور فتح سے محروم کر دینے پر بھی قادر۔ ف۳۴۱ (اور اللہ کی ہر مشیت اللہ ہی جانتا ہے کتنی حکمتوں اور مصلحتوں کی سرمایہ دار ہوتی ہے) بِاِذۡنِ اللّٰهِ۔ اذن یہاں مشیت کے معنی میں ہے۔ ای بقضاء ہ و قدرہ (قرطبی) المراد من الاذن قضاء اللہ بذلک (کبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ یعنی معرکۂ اُحد میں مکہ کا ایک لشکر ابوسفیان کی کمان میں اور مدینہ کی فوج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں۔ المراد یوم احد (کبیر)

ف۳۴۲ یعنی علانیہ اس کا امتحان ہو جائے کہ مومن کون کون ہے اور منافق کون کون ہے۔ ف۳۴۳ یہ منافقین سے کہا گیا تھا۔ لھم میں ھم کی ضمیر اُنہی کی طرف ہے۔ ای للمنافقین (مدارک) اَوِ ادۡفَعُوۡا۔ یعنی اگر لڑتے نہیں ہو تو کم از کم اپنی شمولیت ہی سے مسلمانوں کی تعداد کافروں کی نظر میں بڑھائے رہو۔ ای کثروا سواد المسلمین (ابن کثیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قال السدی و ابن جریج وغیرهما کثروا سوادنا وان لم تقاتلوا معنا (قرطبی) یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب منافقین کا تین سو کا گروہ آغاز جنگ میں مسلمانوں سے کٹ کر مدینہ کو واپس آ رہا تھا۔ ف۳۴۴ (لیکن یہ تو جنگ نہیں صریح خودکشی ہے) ولا یقال لمثلہ قتال هو القاء بالانفس الی التهلکة (کشاف) منافقین کا کہنا یہ تھا کہ دشمن اوّل تو تعداد میں تم سے چوگنا پھر ساز وسامان میں کہیں زائد ایسی حالت میں شہر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کرنا سارے اصول جنگ کے خلاف، صریح دیوانگی ہے۔ ف۳۴۵ (یعنی ایمانِ ظاہری ولفظی سے بھی بہت دُور ہو گئے اور حقیقی ایمان تو خیر کبھی تھا ہی نہیں) اور کفر سے قریب تر علانیہ بھی ہو گئے۔ یَوۡمَئِذٍ یعنی جس روز ایسی باتیں زبان سے نکالیں۔ ف۳۴۶ (چنانچہ ان کا یہ عذر بھی مخلصانہ نہیں) اصل نیت ان منافقین کی کسی حال میں بھی مسلمانوں کی اعانت کی نہ تھی۔ اور کیوں ہونے لگی تھی جبکہ سرے سے ایمان ہی دلوں میں نہ تھا۔ بِاَفۡوَاهِهِمۡ۔ بِاَفۡوَاهِهِمۡ کا اضافہ زور اور تاکید کے لیے ہے جیسے اُردو محاورہ میں کہتے ہیں "یہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے"۔ یا۔ "اپنے کانوں یہ سنا ہے"۔ والتقیید بالافواہ للتاکید (مدارک) ف۳۴۷ (اور ہماری ہی طرح جنگ سے علیحدہ رہے) لِاِخۡوَانِهِمۡ۔ اِخۡوَانٌ سے مراد اخوان دینی واعتقادی نہیں۔ بلکہ اخوانِ نسبی ووطنی ہیں۔ ذکر منافقین کی زبان سے مسلمان شہداء کا ہو رہا ہے۔ فی النسب لا فی الدین هم شهدآء اُحد (معالم) و هم اخوة نسب مجاورة لا اخوة الدین (قرطبی) ل۔ واسطہ کا ہے معناہ لاجل اخوانهم (قرطبی) اِخۡوَان اور ل دونوں پر حاشیہ اُوپر قریب ہی گزر چکا ہے۔

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ
بچا لینا ف۳۴۸ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں
سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ
انہیں ہرگز مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں
يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ
رزق پاتے رہتے ہیں ف۳۴۹ ان (نعمتوں) سے مسرور ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے
فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا
عطا کی ہیں اور جو لوگ ان کے بعد والوں سے ابھی ان سے نہیں
بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
جا ملے ہیں ف۳۵۰ ان کی بھی اس حالت سے خوش ہیں کہ ان پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ
يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ
غمگین ہوں گے وہ لوگ خوش ہو رہے ہیں اللہ کے انعام اور
وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾
فضل پر اور اس پر کہ اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ف۳۵۱
اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ
جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو مان لیا ف۳۵۲ بعد اس کے کہ
اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ
انہیں زخم لگ چکا تھا ف۳۵۳ اُن میں سے جو نیک اور
وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ
متقی ہیں اُن کے لیے اجر عظیم ہے ف۳۵۴ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان سے کہنے والوں نے کہا ف۳۵۵

وقف لازم — ع ۱۷ / ۸ — معع

ف۳۴۸ یعنی اگر تمہارا نظریہ یہ ہے کہ موت معرکہ جنگ ہی میں جانے سے ہوئی ہے تو تم تو بہر حال جنگ سے احتراز کیے ہوئے ہو، دیکھنا ہے کہ موت سے کب تک بچے رہتے ہو۔ ف۳۴۹ (عالم برزخ میں ایک حیاتِ مخصوص کے ساتھ) وَلَا تَحْسَبَنَّ...... اَمْوَاتًا شہداء کی موت عام انسانوں کی موت کی طرح نہیں ہوتی بلکہ انہیں برزخ میں ایک مخصوص قسم کی زندگی حاصل رہتی ہے۔ اَحْيَآءٌ...... يُرْزَقُوْنَ یہ حیات اور یہ رزق سب اسی عالم برزخ کے مناسب ہوتے ہیں۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ یہ اپنے پروردگار کے مقرب بھی ہوتے ہیں۔ عندهنا تقتضي غاية القرب (قرطبی) بمعنى القرب والشرف (روح) پارۂ دوم، آیت رکوع ۳ کے حاشیہ بھی ملاحظہ کر لیے جائیں۔ ف۳۵۰ (مگر آخر کار شہید ہو کر ان سے جا ملنے والے ہیں) مِنْ فَضْلِهٖ۔ اس فضل خداوندی کے اندر ہر قسم کی نعمتیں اور سرافرازیاں آگئیں۔ ف۳۵۱ اس حقیقت کا تو انہیں عینی مشاہدہ ہو رہا ہے۔ نِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ نعمت یہ کہ اجر انہیں پورا پورا مل رہا ہے۔ اى ثوابا لاعمالهم (بیضاوی) فَضْلٍ فضل یہ کہ انعام واکرام استحقاق سے کہیں بڑھ کر ملا۔ اى زيادة عليه (بیضاوی) ف۳۵۲ (اور رسول کی اطاعت میں خوش دلی کے ساتھ جنگ کے لیے نکل پڑے) اِسْتَجَابُوْا یہاں اجابوا کے معنی میں ہے اور حروف س و ت اس میں زائد ہیں۔ بمعنى اجابوا والسين والتاء زائدتان (قرطبی) استجاب بمعنى اجاب (کبیر) ف۳۵۳ (جنگ اُحد میں، اور وہ زخم ابھی تازہ ہی تھا) معرکہ اُحد میں لشکر اسلام کو جو صدمہ پہنچا تھا، اس نے اہل مکہ کی ہمتیں بڑھا دی تھیں۔ سال ہی بھر بعد ایک بار پھر ابوسفیان قرشی اُموی کی قیادت میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ (ابوجہل، ابولہب، عتبہ وغیرہ کے قتل و ہلاکت کے بعد اب قوم قریش کی سرداری کی باگ ابوسفیان ہی کے ہاتھ میں تھی) دو ہزار پیادہ فوج، مع پچاس سواروں کی جمعیت کے، لیکن دو ہی ایک روز بعد خود ان لوگوں پر کچھ ایسی ہیبت سوار ہوئی کہ اُلٹے پاؤں واپس چلے گئے۔ آیات قرآنی میں اشارہ انہی واقعات کی جانب ہے۔ ف۳۵۴ (اور نیک اور متقی تو یہ سب ہی ہیں) مِنْهُمْ جس طرح تبعیض کے لیے آتا ہے، یعنی کل میں سے کسی جزء کے بتانے کو، اسی طرح تبیین یعنی توضیح کے لیے بھی آتا ہے۔ چنانچہ یہاں اسی معنی میں ہے اور اَحْسَنُوْا اور اتَّقَوْا کے لے آنے سے مقصود اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا کی ممدوحیت کی علت یہی دو اوصاف احسان وتقویٰ ہیں۔ و من للبيان والمقصود من ذكر الوصفين المدح والتحليل لا التقييد لان المستجيبين كلهم محسنون متقون (بیضاوی) قد احسنوا كُلُّهم واتقوا لا بعضهم (مدارک) ف۳۵۵ (اور یہ ابوسفیان کے سکھائے پڑھائے ہوئے اس کی طرف سے پروپیگنڈا کرنے والے تھے) تاریخ میں اس پروپیگنڈسٹ جماعت کے لیڈر کا نام نعیم آتا ہے۔ یہ شخص قبیلہ ثقیف کا تھا۔

و۳۵۶ (اورتم کسی طرح ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہو) اِنَّ النَّاسَ۔ یہاں ناس سے مراد قوم قریش ہے۔ اس روایت کی نشر و اشاعت سے مقصود مسلمانوں کے دلوں میں قریش کا رعب بٹھانا اوران کی طرف سے دہشت پیدا کرنی تھی۔ "حربِ اعصاب" War of Nerves جس طرح آج حربِ اسلحہ کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے اور اس کا ایک اہم جزء ہے، زمانہ قدیم میں بھی ہوتی رہتی تھی اور ابوسفیان اپنے وقت اور اپنی قوم میں اس فن کا ماہر تھا، اس نے اپنے آدمی چھوڑ رکھے تھے کہ مسلمانوں سے مل مل کر انہیں قریش کی عسکری قوت اور حربی عظمت سے ایسا مرعوب کردیں کہ ان کی ہمت پست پڑ جائے اور مقابلہ کا حوصلہ ہی باقی نہ رہے۔ و۳۵۷ (ہماری حمایت، حفاظت، سب کے لیے) یعنی اس خبر کی اشاعت اور پروپیگنڈا نے بجائے ان میں پست ہمتی پیدا کرنے کے مسلمانوں میں جوشِ ایمانی اور تیز کردیا اور وہ توکل اور اعتماد علی اللہ کی پوری قوت کے ساتھ بول اُٹھے کہ غنیم جو چاہے کرے ہمارا کارساز تو اللہ ہے اور وہی ہمارے لیے کافی ہے۔ زادھم قول الناس ایمانًا (قرطبی) و۳۵۸ (اور یہی رضاء الٰہی سرچشمہ ہے دنیوی اور اُخروی ہر قسم کے نفع و راحت کا) فَانْقَلَبُوْا یعنی مقام بدر تک جا کر مسلمان واپس آئے۔ اہل سیر و تاریخ کی زبان میں یہ واقعہ غزوۂ بدر ثانیہ کے نام سے موسوم ہے اور اس کا زمانہ شعبان ۴ ہجری کا ہے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے:۔ "آپؐ نے ابوسفیان کے چیلنج کے جواب میں بدر کا قصد فرمایا چنانچہ وہاں پہنچ گئے اور یہاں آپؐ نے ابوسفیان کا انتظار آٹھ دن تک کیا اور ابوسفیان بھی مکہ والوں کو لے کر روانہ ہوا مگر نواحی ظہران میں پہنچا تو اس کی رائے مکہ واپس چلے آنے کی ہوئی اور اس نے قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارے سفر کے لیے تو ایسا موسم مناسب ہے، جس میں تم اپنے جانوروں کو چرا بھی سکو اور دودھ بھی خوب پی سکو اور یہ موسم تو خشکی کا ہے سو میں تو واپس چلا تم بھی واپس چلے چلو چنانچہ وہ لوگ واپس ہو گئے"۔ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ یعنی نعمت مقبولیت اور ترقی ایمان کے ساتھ۔ فضل یعنی دُنیوی نفع کے ساتھ بھی۔ مال کی نکاسی خوب ہوئی۔ و۳۵۹ چنانچہ یہاں اس کا فضل مسلمانوں پر ان صورتوں میں ظاہر ہوا۔ ۱۔ ان کے درجہ ایمان میں ترقی ہوئی۔ ۲۔ انہیں معرکہ جہاد میں نکلنے کی توفیق ہوئی۔ ۳۔ وہ ہر قوتِ دشمن کی شوکت وصولت سے ذرا مرعوب نہ ہوئے۔ مقابلہ کی ہمت قائم رکھی۔ ۴۔ مالی و تجارتی دنیوی نفع حاصل ہوئے۔ ۵۔ اجرِ عظیم کی بشارت ملی۔ و۳۶۰ شیطان کہیں اپنی اصلی صورت میں سامنے آکر حملہ نہیں کرتا جب وار کرتا ہے کسی نہ کسی انسانی شکل و قالب میں آکر اور یہی اولیاء الشیطان کہلاتے ہیں، یہاں اس جماعت کا لیڈر نعیم ثقفی تھا۔ اولیاء ای باولیاءہ (قرطبی) و۳۶۱ (کہ اللہ کے خوف کو مخلوق کے خوف پر غالب رکھنا لازمہ ایمان ہے) لَا تَخَافُوْهُمْ۔ هُمْ۔ سے مراد ہیں شیطان کے دوست یا اللہ کے دشمن۔ و۳۶۲ یعنی ان لوگوں کے لیے آپ فکر و غم میں نہ پڑیں اَلَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ مراد منافقین ہیں۔ اِدھر مسلمانوں کو خفیف سی بھی شکست ہوئی اور اُدھر یہ کھلم کھلا کفر میں جا پڑے۔ اور کافروں کے علانیہ بھی شریک ہونے لگے۔ نزلت فی المنافقین (کبیر)

اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

کہ لوگوں نے تمہارے خلاف بڑا سامان اکٹھا کیا ہے و۳۵۶ ان سے ڈرو

فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ

لیکن اس نے ان کا (جوش) ایمان اور بڑھا دیا اور یہ لوگ بولے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین

الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ

کارساز ہے و۳۵۷ سو یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ واپس آئے

لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ

کہ انہیں کوئی ناگواری (ذرا) نہ پیش آئی اور یہ لوگ رضاء الٰہی کے تابع رہے و۳۵۸

وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ

اور اللہ بڑا فضل والا ہے و۳۵۹ یہ تو شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے دوستوں

يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ

کے ذریعہ سے ڈراتا ہے و۳۶۰ سو تم اُن سے نہ ڈرو بلکہ مجھی سے ڈرو

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ

اگر ایمان والے ہو و۳۶۱ اور آپ کے لیے یہ لوگ جو

يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ

جلدی سے کفر میں جا پڑتے ہیں باعث غم نہ بنیں و۳۶۲ یقیناً یہ لوگ اللہ کو ذرا سا بھی نقصان نہیں

شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي

پہنچا سکتے و۳۶۳ اللہ کی یہی مشیت ہے، کہ اُن کے لیے آخرت میں ذرا بھی

الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

بھی حصہ نہ رکھے و۳۶۴ اور اُن کے لیے بڑا عذاب ہے۔ یقیناً جن لوگوں نے

و۳۶۳ یعنی اللہ کے دین کو ذرا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ آیت سے مقصود پیغمبر ﷺ کو تسکین دینا ہے کہ آپ کو بڑی فکر اس کی ہے کہ منافقین کی چالوں سے کہیں اشاعتِ اسلام نہ رُک جائے۔ سو اطمینان رکھیے ان کی چالیں ذرا بھی کامیاب نہ ہوں گی۔ و۳۶۴ (ان کے کفر اختیاری کی پاداش میں) ارادته ان لا یکون لهم ثواب فی الأخرة لا تکون بدون ارادة کفرهم و معاصیهم (مدارک)

اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ

ایمان کے عوض کفر کو خرید لیا ہے وہ اللہ کو ذرا بھی نقصان نہیں

شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ

پہنچا سکتے و۳۶۵ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ

یہ نہ خیال کریں کہ ہم جو انہیں مہلت دے رہے ہیں و۳۶۶ یہ ان کے حق میں بہتر ہے،

اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

ہم تو انہیں بس اس لیے مہلت دے رہے ہیں کہ وہ جرم میں اور بڑھ جائیں و۳۶۷ اور اُن کے لیے رسوا کن

مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

عذاب ہے جس حال پر تم ہو اللہ اس پر ایمان والوں کو چھوڑے

عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ

رکھنے کا نہیں جب تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ

الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ

نہ کر لے و۳۶۸ اور نہ اللہ تمہیں غیب پر مطلع کرنے والا ہے و۳۶۹

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪

البتہ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے رسولوں میں سے انتخاب کر لیتا ہے و۳۷۰

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا

تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ و۳۷۱ اور اگر تم ایمان لے آئے اور تم نے تقویٰ اختیار کر لیا

فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ

تو تمہارے لیے اجر عظیم ہے، اور جو لوگ کہ اس مال میں بخل کرتے رہتے ہیں و۳۷۲ جو کچھ

و۳۶۵ (بلکہ الٹے خود ہی ہر طرح کے خسارہ میں رہیں گے) اَلَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ اس میں اسلام کے دشمن خفیہ و علانیہ ہر قسم کے آگئے۔ و۳۶۶ (اور فوراً انہیں عذاب کی گرفت میں نہیں لے رہے ہیں)۔ و۳۶۷ (عمر و مہلت میں اضافہ کے ساتھ ساتھ) یعنی ہمارے قانونِ تکوینی کا اقتضاء یہی ہے کہ جب گرفت فوری نہیں ہوتی تو غفلت و جسارت اور بڑھتی جاتی ہے۔ و۳۶۸ (طرح طرح کے امتحانوں سے اور آزمائشوں کے ذریعہ سے) خطاب عام نوعِ انسانی سے ہے۔ علی مآ انتم ایھا الناس (جلالین) لِيَذَرَ میں ل تاکیدِ نفی کے لیے ہے، واللام لتاکید النفی (مدارک) مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ (یعنی مومنین و منافقین کی ملی جلی ہوئی قوم) علی ما انتم علیه من اختلاط المؤمن بالمنافق (قرطبی) من اختلاط المؤمن الخلص والمنافقین (مدارک) المعنٰی لا یترککم مختلطین لا یعرف مخلصکم من منافقکم (بیضاوی) الْخَبِيْثَ اور الطَّيِّبِ سے ظاہر مراد منافقین اور مومنین ہیں۔ و۳۶۹ (مثلاً یہی کہ وہ بتلا دے کہ فلاں فلاں شخص منافق ہیں اور فلاں فلاں مومن) یہ منافقین کے جواب میں ارشاد ہوا ہے جو مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ اچھا بڑے سچے بنتے ہو تو یہی بتادو کہ منافق کون کون سے ہیں۔ لِيُطْلِعَكُمْ میں خطاب عالم انسانی سے ہے یا صرف مسلمانوں سے۔ الْغَيْبِ سے تکوینی حقیقتیں مراد ہو سکتی ہیں جو اس سے پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔ و۳۷۰ (بعض امور غیب کی اطلاع کے لیے) مَنْ يَّشَآءُ یعنی جسے وہ چاہتا ہے اپنی مصلحت و حکمت تکوینی کے ماتحت۔ متکلمین نے کہا ہے کہ آیت نص ہے عقیدۂ باطنیہ کے مقابلہ میں جو علم غیب کا اثبات علاوہ رسول کے اپنے امام کے لیے بھی کرتے ہیں۔ الاٰیة حجة علی الباطنیة فانھم یدعون ذٰلک العلم لامامھم (مدارک) و۳۷۱ رُسُلِهٖ صیغۂ جمع میں۔ رسوله صیغہ واحد میں۔ مقصود تو اب صرف نبوتِ محمدی ﷺ پر ایمان لانے کی ترغیب دینا ہے لیکن اس ضمنی موقع پر بھی حکم تمام انبیاء پر ایمان لانے کا مل رہا ہے۔ کس قدر اہتمام قرآن کو وحدتِ پیام اور سلسلۂ وحی کی اہمیت و عظمت کا ہے۔ و۳۷۲ (صرفِ واجب کے موقع پر) البخل فی اللغة ان یمنع الانسان الحق الواجب علیه (قرطبی) نزلت فی مانعی الزکٰوة المفروضة قاله ابن مسعود و ابو ھریرة و ابن عباس والشعبی و مجاھد (بحر)

يَبۡخَلُوۡنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ هُوَ

اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دے رکھا ہے، وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں ۳۷۳ کہ یہ

خَيۡرًا لَّهُمۡ ؕ بَلۡ هُوَ شَرٌّ لَّهُمۡ ؕ سَيُطَوَّقُوۡنَ

ان کے حق میں کچھ اچھا ہے، نہیں، بلکہ ان کے حق میں (بہت) برا ہے، یقیناً انہیں

مَا بَخِلُوۡا بِهٖ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيۡرَاثُ

قیامت کے دن طوق پہنایا جائے گا اس (مال) کا جس میں انہوں نے بخل کیا تھا ۳۷۴ اور اللہ ہی وارث ہے

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع

آسمانوں اور زمین کا، ۳۷۵ اور اللہ جو تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے ۳۷۶

لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ

بیشک اللہ نے اُن لوگوں کا قول سن لیا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اللہ

فَقِيۡرٌ وَّنَحۡنُ اَغۡنِيَآءُ ۘ سَنَكۡتُبُ مَا قَالُوۡا

مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں ۳۷۷ ہم ضرور اُن کے کہے ہوئے کو لکھ کر رہیں گے ۳۷۸

وَقَتۡلَهُمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا

اور ان کے ناحق قتل انبیاء کو بھی ۳۷۹ اور ہم کہیں گے کہ (اب) ۳۸۰ آگ کے عذاب کا

عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ

مزہ چکھو یہ ان (حرکتوں) کی وجہ سے ہوا جو تم آگے بھیج چکے ہو

وَاَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿۱۸۲﴾ ۚ اَلَّذِيۡنَ

اور اس لیے کہ اللہ بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ۳۸۱ (یہ وہ لوگ ہیں)

قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيۡنَاۤ اَلَّا نُؤۡمِنَ لِرَسُوۡلٍ

جو کہتے ہیں ۳۸۲ کہ خدا نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں

ع ۱۸ ۹

۳۷۳ (یعنی یہی شیوۂ بخل) هو ای البخل (مدارک) ۳۷۴ (اور یہ طوق سانپ کی شکل میں ہوں گے ان کی گردنوں میں لپٹے ہوئے) حشر میں جب مجردات اور معانی مادّی جسم اور شکلیں اختیار کرلیں گے۔ بخل اور منع زکوٰۃ حدیث میں آیا ہے کہ سانپ بن کر مجرموں کی گردن میں لپٹے گا۔ قال رسول اللہ ﷺ ما من احد لا یؤدی زکوٰۃ ماله الامثل له شجاع اقرع یطوقه (ابن جریر عن ابن مسعود) سَیُطَوَّقُوْنَ میں س تاکید کے لیے ہے۔ السین مزیدۃ للتاکید (روح) ۳۷۵ (اور وہی آج بھی سب کا مالک حقیقی ہے) سو یہ لوگ بخل درحقیقت اپنے مال میں نہیں بلکہ اُس کے مال میں کررہے ہیں جو اور بھی قبیح ہے۔ و للیس ھذا بمیراث فی الحقیقة لان الوارث فی الحقیقة هو الذی یرث شیئًا لم یکن ملکه قبل واللہ سبحانهٗ تعالٰی مالک السمٰوٰت والارض وما بینهما (قرطبی) والمقصود من الاٰیة انه یبطل ملک جمیع المالکین الاملک اللہ سبحانهٗ و تعالٰی (کبیر) ۳۷۶ (اس لیے اخلاص کا اہتمام قدم قدم پر رکھنا لازمی ہے) ۳۷۷ یہ کہنے والے یہود تھے اور ان کا یہ قول بہ طور مضحکہ و تمسخر کے تھا۔ یہود کا ایک قبیلہ بنی قینقاع کے نام سے نواحِ مدینہ میں آباد تھا یہ زرگروں اور مہاجنوں ساہوکاروں کا گروہ تھا۔ اُنھی نے آیۂ کریمہ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا سن کر بہ طور تعریض و تضحیک اس قسم کی بدگوئی شروع کردی تھی۔ یہود کی بدتمیزیوں اور گستاخانہ طنز و تمسخر کو کوئی آج سمجھنا چاہے تو آریہ سماجیوں کا مناظرانہ لٹریچر اُٹھا کر پڑھ لے۔ ۳۷۸ یعنی فرشتوں کے ہاتھ سے ان لوگوں کے نامۂ اعمال میں لکھا کر رہیں گے اور ایسی گستاخانہ پھبتیوں کو ہرگز نظر انداز نہ ہونے دیں گے۔ سَنَکْتُبُ۔ س یہاں بھی تاکید کے لیے ہے۔ السین للتاکید ای لن یفوتنا ابدًا تدوینه (روح) ۳۷۹ جو اس درجہ شقی القلب ہوں کہ اپنے پیغمبروں تک کو ہلاک کر ڈالیں اُن سے ایسے گستاخی کے کلمہ بعید ہی کیا ہیں؟ قتل انبیاء اور ناحق قتل انبیاء پر حاشیہ پارۂ اوّل میں گزر چکے۔ رکوع ۷۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جو یہود قتل انبیاء سے راضی و مطمئن رہے وہ بھی گویا عملاً قتل میں شریک اور قتل کے ذمہ دار ہوئے ہیں۔ اور پھر یہ حقیقت کلی درج کی ہے کہ رضا بالمعصیت بھی معصیت ہے۔ ھذه مسالة عظمٰی حیث یکون الرضا بالمعصیة معصیة (قرطبی) ۳۸۰ (قیامت کے دن) ۳۸۱ یہ عین اس کی صفت عدل کا تقاضا ہوگا کہ ایسے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے، نہ یہ کہ اس میں ذرا بھی شائبہ ظلم ہو۔ مشرک قوموں نے اپنے دیوی دیوتاؤں کو ظالم، جابر سب ہی کچھ مانا ہے۔ یہاں ان عقائد کی بھی پوری تردید ہوگئی۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ حشر میں عذاب تو صرف متشکل ہو کر سامنے آ جائے گا ورنہ ہوگا تو حقیقۃً ان مجرموں کی دنیوی کرتوتوں ہی کا ثمرہ۔ ۳۸۲ (اور تمام تر جھوٹ کہتے ہیں)

وِ٣٨٣ یعنی مدعیٔ نبوت کے لیے یہ دکھانا ضروری ہے کہ جو قربانی مذبح میں پیش کی جائے اسے آگ آسمان سے آ کر جلا جائے۔ سوختنی قربانی کا ذکر توریت میں کثرت سے آیا ہے۔ عَہِدَ اِلَیۡنَا یعنی ہم نے نسل اسرائیل کو حکم دیا تھا۔ وِ٣٨٤ یعنی اگر تمہارا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ مرتبۂ نبوت اور اس خاص معجزہ کا ظہور لازم ملزوم ہیں تو آخر تمہاری قوم کے جن انبیاء نے یہ معجزہ دکھایا تم خود اُن کے منکر کیوں رہے؟ جَآءَکُمۡ رُسُلٌ یعنی خاص تمہاری ہی نسل وقوم کے پیمبر جو تمہارے پاس آچکے ہیں۔ بِالَّذِیۡ قُلۡتُمۡ توریت میں اس قسم کے متعدد واقعات مندرج ہیں مثلاً ''ایلیا نبی نزدیک آیا اور بولا کہ اے خداوند ابرہام اور اسحاق اور اسرائیل کے خدا آج کے دن معلوم ہو جائے کہ تو اسرائیل کا خدا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں نے یہ سب کچھ تیرے کہے سے کیا ہے...... تب خداوند کی طرف سے آگ نازل ہوئی اور اس نے اس سوختنی قربانی اور لکڑیوں اور پتھروں اور پانی کو جلایا'' (١۔ سلاطین۔ ١٨: ٣٧ و ٣٨) ''اور جب سلیمان دعا مانگ چکا تو آسمان سے آگ اُتری اور سوختنی قربانی اور ذبیحوں کو کھا گئی اور وہ گھر خداوند کے جلال سے بھر گیا'' (٢۔ تواریخ ٧: ١) وِ٣٨٥ (اس لیے آپ کچھ غم نہ کریں، کہ یہ معاملہ تو سارے انبیاء ومرسلین کے ساتھ ہوتا آیا ہے) بِالۡبَیِّنٰتِ بینات دلائل عقلی اور معجزات سب کا جامع ہے۔ ای الحجج والمعجزات (کبیر) ای الحجج والبراھین القاطعۃ (ابن کثیر) اَلزُّبُرِ زبور کی جمع ہے، مراد وہ مختصر رسالے ہوتے ہیں، جن میں صرف اخلاقی موعظ ہوتے ہیں۔ اس کی بہترین مثالیں اناجیل اربعہ ہیں۔ قیل الزبر المواعظ و الزواجر (بیضاوی) اَلۡکِتٰبِ اصطلاح قرآنی میں اس سے مراد ایسی کتاب ہوتی ہے، جس میں احکام وشرائع سب ہوں۔ اور پوری طور پر ہادی ہو۔ والکتاب فی عرف القراٰن ما یتضمن الشرائع والاحکام (بیضاوی) وِ٣٨٦ (خواہ وہ کوئی اور کیسا ہی ہو) گویا اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ موت ایک طبعی تتمہ وتکملہ ہے حیات کا، اسے نکوکاری اور بدکاری سے کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ انسان کے لیے بطور سزا کے مقرر ہوئی ہے۔ اس میں مسیحیوں اور یہود دونوں کا رد آ گیا جن کے عقیدہ میں موت نام ہے گناہ کی سزا یا نتیجہ کا۔ انجیل کے صحیفوں میں ہے:۔ ''جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب موت آئی اور موت سب آدمیوں میں پھیل گئی'' (رومیون ٥: ١٢) ''گناہ کی مزدوری موت ہے'' (رومیون ٦٠: ١٣) ''خواہش حاملہ ہو کر گناہ کو جنتی ہے اور گناہ جب بڑھ چکا تو موت پیدا کرتا ہے'' (یعقوب ٧: ١٥) یہود کا عقیدہ کہ موت نتیجہ ہوتی ہے شخصی گناہ کا، ان کا معتبر ومستند جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ٤ صفحہ ٤٨٣ میں درج ہے۔ وِ٣٨٧ (سو اگر آج کوئی شخص یہاں قانون مکافات کی گرفت سے بچ بھی گیا تو اس کی یہ محفوظیت عارضی ہے کہ یہ دنیوی زندگی سلسلۂ حیات کا ایک بہت ہی ناقص ونا تمام حصہ ہے) خطاب یہاں عام نوع انسانی سے ہے۔ اُجُوۡرَ۔ اجر کا لفظ اپنے وسیع معنی میں جزاء کی طرح عذاب وثواب دونوں کے لیے عام ہے۔ فاجر المومن ثواب و اجر الکافر عذاب (قرطبی) تعطون جزاء اعمالکم خیرا کان او شرًا تامًا وافیاً (بیضاوی) وِ٣٨٨ (اور یہاں کے سارے عیش تمامتر عارضی، فانی اور بے ثبات ہیں) ایک اس عقیدہ کا استحضار رہے تو ہر انسان کس قدر فرشتہ خصلت بن جائے۔ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ یہ بچنا خواہ شروع ہی سے ہو، خواہ کچھ سزا بھگتنے کے بعد۔ وِ٣٨٩ (اے مسلمانو!) یعنی نقصانِ مال اور نقصانِ جان دونوں طرح تمہاری آزمائش ہوگی۔ وَاَنۡفُسِکُمۡ اس سے رد نکل آیا ان فلاسفہ ومتکلمین کا جنہوں نے مادئین کی طرح نفس کو صرف جسم مادّی ومرئی کے مرادف قرار دیا ہے۔ وھذا الاٰیۃ دلیل علی ان النفس ھی الجسم المعاین و ان مافیہ المعنی الباطل کما قال بعض اھل الکلام و الفلاسفۃ (مدارک)

حَتّٰی یَاۡتِیَنَا بِقُرۡبَانٍ تَاۡکُلُہُ النَّارُ ؕ قُلۡ قَدۡ

جب تک وہ ہمارے مواجہہ میں ایسی نیاز نہ پیش کرے جسے آگ کھا جائے وِ٣٨٣ آپ کہہ دیجئے

جَآءَکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِیۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَ بِالَّذِیۡ

کہ مجھ سے پیشتر یقیناً تمہارے پاس رسول دلائل کے ساتھ اور اس (معجزہ) کے ساتھ بھی آچکے جسے

قُلۡتُمۡ فَلِمَ قَتَلۡتُمُوۡہُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۸۳﴾

تم کہہ رہے ہو تو تم نے انہیں کیوں قتل کر ڈالا، اگر تم سچے ہو وِ٣٨٤

فَاِنۡ کَذَّبُوۡکَ فَقَدۡ کُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِکَ

سو اگر یہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ سے پیشتر بھی پیغمبروں کی تکذیب ہو چکی ہے

جَآءُوۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الۡکِتٰبِ الۡمُنِیۡرِ ﴿۱۸۴﴾

جو شواہد اور فرشتوں اور روشن کتاب کے ساتھ آئے تھے وِ٣٨٥

کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ

ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے وِ٣٨٦ اور تم کو تمہاری پوری مزدوری تو بس

اُجُوۡرَکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ

قیامت ہی کے دن ملے گی وِ٣٨٧ تو جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا

وَ اُدۡخِلَ الۡجَنَّۃَ فَقَدۡ فَازَ ؕ وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ

اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہی کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو کچھ بھی نہیں،

اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبۡلَوُنَّ فِیۡۤ اَمۡوَالِکُمۡ

بجز ایک دھوکے کے سودے کے وِ٣٨٨ یقیناً تم اپنے مال اور جان سے

وَ اَنۡفُسِکُمۡ ۟ وَ لَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا

آزمائے جاؤ گے وِ٣٨٩ اور یقیناً تم بہت سی دلآزاری کی باتیں اُن سے (بھی) سنو گے جنہیں

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا

تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے اور اُن سے بھی جو

اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ

مشرک ہیں ف۳۹۰ اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو یہ

مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ

تاکیدی احکام میں سے ہے ف۳۹۱ اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب اللہ نے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا

اہل کتاب سے عہد لیا تھا کہ کتاب کو پوری طرح ظاہر کر دینا، (عام) لوگوں پر اور اسے

تَكْتُمُوْنَهٗ ؗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا

چھپانا مت ف۳۹۲ سو انہوں نے اس (عہد) کو اپنے پس پشت پھینک دیا اور اس کو ایک حقیر قیمت کے

بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا

عوض میں بیچ ڈالا ف۳۹۳ سو کیسی بری چیز ہے جسے وہ خرید رہے ہیں، جو لوگ

تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ

اپنے کرتوتوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام نہیں کیے ہیں،

اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ

اُن پر بھی اُن کی مدح کی جائے ف۳۹۴ سو ایسے لوگوں کے لیے ہرگز نہ خیال کرو

بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

کہ وہ عذاب سے حفاظت میں رہیں گے ان کے لیے دردناک عذاب ہے ف۳۹۵

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى

اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے اور اللہ

ف۳۹۰ (سو صبر وثبات، تحمل واستقامت کی عادت برابر قائم رکھنا چاہیے) اَذًى كَثِيْرًا میں دین کی تحقیر، پیمبر کی توہین وغیرہ سب چیزیں آگئیں۔ قرآن مجید کی یہ پیش گوئی آج تک کیسی صحیح چلی آتی ہے۔ یہود کی، مسیحیوں کی، ہندوؤں کی زبانوں سے اپنے پیمبر، اپنے دین اور اپنی کتاب کے بارہ میں کیا کچھ سننا نہیں پڑ چکا ہے!

ف۳۹۱ (اور اس لیے ہر طرح واجب العمل) ای من معزوماتها التی یعزم علیها (جلالین) ای الامور التی ینبغی ان یعزمها (روح) ایں از کارہائے مقصود است (ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ) ذٰلِكَ یعنی یہی صبر وتقویٰ یعنی الصبر والتقوی (بیضاوی) ف۳۹۲ (چنانچہ اس حکم کی شہادت کسی درجہ میں تو موجودہ منحرف توریت اور انجیل بھی دے رہی ہے۔ ”تم اس کلام میں جو میں تمہیں فرماتا ہوں کچھ زیادہ نہ کیجیو اور نہ اس میں کم کیجیو“ (استثناء ۴:۲) ”تو یہ باتیں اپنے بیٹوں اور پوتوں کو سکھلا“ (استثناء۔ ۴:۹) ”اس نے...... بنی اسرائیل میں ایک شریعت بنا رکھی جس کی بابت اس نے ہمارے باپ دادوں کو حکم کیا کہ وہ اسے اپنی اولاد کو سکھلا دیں تاکہ آنے والی پشت وہ فرزند جو پیدا ہوویں سیکھیں اور وہ اُٹھ کے اپنی اولاد کو سکھلا دیں“ (زبور۔ ۷۸:۵ و ۶) ”جو کچھ میں تم سے اندھیرے میں کہتا ہوں اُجالے میں کہو اور جو کچھ تم کہتے ہو کوٹھوں پر اس کی منادی کرو“ (متی ۱۰:۲۷) لَتُبَيِّنُنَّهٗ۔ تبیین کے معنی خوب کھول کر بیان کرنے کے ہیں۔ ہٗ کی ضمیر کتاب کی طرف ہے۔ یعنی جو کتاب تمہیں ملے، اس کو اور اس کے مضامین کو خوب پھیلاؤ۔ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ یعنی اس کے کسی حصہ، کسی مضمون کو کسی غرض سے بھی نہ چھپاؤ۔ ف۳۹۳ یعنی احکام الٰہی کو سستے داموں بیچ کر دنیا خرید کی! ثَمَنًا قَلِيْلًا آخرت کے مقابلہ میں دنیا ہمیشہ کم قیمت ہی رہے گی۔ یہ مراد نہیں کہ ان نافرمانوں نے تحریف کا معاوضہ ہلکا لیا انہیں اس سے زیادہ لینا تھا۔ نَبَذُوْهُ ضمیر اسی عہد کی طرف ہے۔ ای المیثاق (بیضاوی) ف۳۹۴ خاص طور پر مراد ہیں علماء یہود اور منافقین یہود۔ عُنِیَ بِذٰلک قومٌ من اهل النفاق (ابن جریر) عُنِیَ بِذٰلک قومٌ من احبار الیهود (ابن جریر) بِمَآ اَتَوْا مثلاً ان کا یہی کارنامہ کہ حق کا اخفاء اور اپنی بدکرداریوں کا کتمان کرتے رہے۔ مَا لَمْ يَفْعَلُوْا مثلاً یہی کہ دین حق کی نشر واشاعت نہ کی۔ ف۳۹۵ (آخرت میں) بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ اس عذاب سے مراد اسی دنیا میں سزائیں ہیں۔ چنانچہ یہود چند ہی سال کے اندر قتل ہوئے، گرفتار ہوئے، جلاوطن ہوئے، اور منافقین یہود ذلیل و رسوا ہوئے۔

كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

ہر چیز پر قادر ہے ف۳۹۶ بیشک آسمانوں اور زمین کی

وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ

پیدائش اور رات دن کے اول بدل میں اہل عقل

لِّاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا

کے لیے (بڑی) نشانیاں ہیں ف۳۹۷ یہ ایسے ہیں کہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے

وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ

اور اپنی کروٹوں پر (برابر) یاد کرتے رہتے ہیں ف۳۹۸ اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا

غور کرتے رہتے ہیں ف۳۹۹، اے ہمارے پروردگار تو نے یہ (سب) لایعنی نہیں

بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ

پیدا کیا ہے ف۴۰۰ تو پاک ہے ف۴۰۱، سو محفوظ رکھ ہم کو دوزخ کے عذاب سے ف۴۰۲ اے ہمارے پروردگار

اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ

تو نے جسے دوزخ میں داخل کر دیا اسے واقعی رسوا ہی کر دیا

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا

اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں ف۴۰۳ اے ہمارے پروردگار ہم نے ایک پکارنے والے کو

مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ

سنا ایمان کی پکار کرتے ہوئے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ،

فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا

سو ہم ایمان لے آئے، ف۴۰۴ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو بخش دے، اور ہم سے ہماری خطاؤں کو

ف۳۹۶ (چنانچہ مجرموں کی دنیوی واخروی سزاؤں پر بھی) اللہ کی ملکیت تامہ اور قدرتِ کاملہ کا استحضار رہے تو شاید ایک بھی معصیت نہ سرزد ہو۔ ف۳۹۷ (اللہ کی توحید اور فردیت کی، اس کی حکمت و صنعت کی اور اس کی قدرت وحاکمیت کی) نظامِ فلکی اور اس کی تفصیلات، چاند، سورج، ستاروں کی تعداد، ان کے درمیانی فاصلے، ان کے باہمی تعلقات وتاثرات، ان کی گردشوں کی پیائش، گرہن کے اسباب واوقات، اُن کے طلوع وغروب، نور وحرارت وغیرہ کے قاعدہ ضابطہ، اس قسم کی تفصیلات سے علم ہیئت کی کتابوں کے دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں...... رہی زمین تو ہیئت ارض، مساحت ارض، طبقاتِ ارض، معدنیاتِ ارض، کشش ارض، ہواؤں اور موسموں کے تغیرات وغیرہ کے لیے تو کوئی ایک پورا فن بھی کافی نہ ہوا بلکہ جغرافیہ، جغرافیہ طبعی، جیالوجی، فزالوجی، میٹیر ولوجی، آرکیالوجی خدا جانے کتنے فنون پر فنون نکلتے چلے آرہے ہیں اور حکمت باری اور صنعت باری کے انداز اور تخمینے ختم ہونے کے قریب بھی نہیں آرہے ہیں! آیت میں ضمناً اُن مشرک قوموں کا بھی رَدّ آگیا جنہوں نے آسمان یا زمین یا رات دن کو دیوی دیوتا سمجھا ہے، معبودیت کی صلاحیت ان میں سے کسی میں بھی نہیں، یہ سب کے سب مملوک ومسخر ہیں ایک صانع اعظم کے۔ ف۳۹۸ یعنی یادِ الٰہی خواہ دل سے ہو یا زبان سے، ہر حال اور ہر ہیئت کے ساتھ کرتے رہتے ہیں۔ المرادمنه كون الانسان دائم الذكر فان الاحوال ليست الّا هذه الثلاثة (کبیر) قال سائر المفسرين ارادبه المداومة على الذكر فى عموم الاحوال (معالم) عَلٰى جُنُوْبِهِمْ سے مراد ہے لیٹے ہوئے۔ اى مضطجعين (قرطبی) ف۳۹۹ کائناتِ طبعی کے ان عظیم الشان موجودات کے قوانین طبعی اور قواعد تکوینی سے صانع اعظم وخالقِ عالم کی قدرت، حکمت، صنعت پر استدلال کرتے رہنا عبادت ہی نہیں ایک اعلیٰ واشرف عبادت ہے۔ هو افضل العبادات كما قال عليه الصلٰوة لاعبادة كالتفكر لانه المخصوص بالقلب والمقصود من الخلق (بیضاوی) دلت الأية على ان اعلٰى مراتب الصديقين التفكر فى دلائل الذات والصفات (کبیر) کاش آج ہماری قوم کے ماہرین فن ہیئت، فلکیات، ریاضیات وغیرہ علوم طبعی پر دینی وایمانی نقطۂ نظر سے قلم اُٹھاتے! ف۴۰۰ یعنی بلاغایت وبے مقصد نہیں پیدا کیا ہے، بڑے بڑے مصالح ومقاصد اس کے اندر رکھے ہیں۔ اس میں رَدّ آگیا علاوہ مادئین ودہرئین کے جو کائنات کو محض بخت واتفاق کا نتیجہ سمجھتے ہیں، اُن مذاہب باطلہ کا بھی جن کے نزدیک یہ نظام کائنات محض کسی دیوتا کا کھیل تماشہ یا ایک طرح کا طلسم وشعبدہ ہے۔ ف۴۰۱ (ہر فعل عبث اور لاحاصل سے) تنزيهاً عن الوصف بخلق الباطل (مدارک) ف۴۰۲ (اور وہ اس طرح کہ ہمیں راہ ہدایت پر چلائے اور راہِ ضلالت کے سایہ سے بھی بچائے) ف۴۰۳ (کہ انہیں میرے عذاب سے کچھ بھی بچاسکے) الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالم سے یہاں کھلی ہوئی مراد کافر سے ہے۔ اى الكفار (قرطبی) والمراد الكفار (مدارک) القراٰن دل علٰى ان الظالم بالاعلان هو الكافر (کبیر) مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ مراد وہ لوگ ہیں جو کفر وشرک میں مرے اور عذاب ابدی کے لیے دوزخ میں جھونکے جائیں گے، وہ گنہگار مسلمان مراد نہیں ہیں جو گناہوں سے پاک صاف ہونے کے لیے عارضی ووقتی طور پر دوزخ میں بھیجے جائیں گے۔ قال سعيد بن المسيب الأية خاصة فى قوم لا يخرجون من النار (قرطبی) حکماء وعلماء اسلام کے گروہ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ عذابِ روحانی عذاب جسمانی سے بھی بڑھ کر زبردست و شدید ہوگا اس لیے کہ قرآن خِزْیٌ (رسوائی) کا ذکر عذابِ دوزخ کے بعد کرتا ہے (کبیر) ف۴۰۴ (اُس داعیٔ حق کی ہدایت کے مطابق) ایمان شریعت میں وہی معتبر ومستند ہے، جو پیمبر کی ہدایات کے مطابق ہو نہ کہ اپنے ظن وتخمین کے ماتحت۔ امام ماتریدی نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ اپنے ایمان کو انشاء اللہ کے ساتھ مقید ومشروط کرنا درست نہیں۔ قال الشيخ ابو منصورؒ فيه دليل بطلان الاستثناء فى الايمان (مدارک) مُنَادِيًا پکارنے والے سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ یہ ضرور نہیں کہ پیمبر کی دعوت براہ راست ہی پہنچتی ہو، کسی واسطہ سے بھی پہنچے، بہرحال پیمبر ہی کی دعوت ہوگی، لِلْاِيْمَانِ میں ل الیٰ کے معنی میں ہے۔ اللام بمعنى الٰى اى الى الايمان (قرطبی)

سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا

زائل کر دے، اور ہمیں نیکوں کے ساتھ موت دے و۴۰۵ اے ہمارے پروردگار ہمیں عطا کر

مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا يَوْمَ

وہ چیز جس کا تو ہم سے اپنے پیغمبروں کی معرفت وعدہ کر چکا ہے اور ہم کو قیامت کے دن

الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ

رسوا نہ کرنا و۴۰۶ بیشک تو تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے و۴۰۷ سو ان کی دعا کو ان کے پروردگار نے

لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ

قبول کر لیا و۴۰۸ اس لیے کہ میں تم میں کسی عمل کرنے والے کے خواہ

مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ

مرد ہو یا عورت عمل کو ضائع نہیں ہونے دیتا تم آپس میں

بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ

ایک دوسرے کے جز ہو و۴۰۹ تو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے شہروں سے

دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِيْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا

نکالے گئے اور (اور بھی) تکلیفیں انہیں میری راہ میں دی گئیں اور وہ لڑے اور مارے گئے،

لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ

ان کی خطائیں ضرور ان سے معاف کر دی جائیں گی و۴۱۰ اور میں ضرور انہیں

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ

ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، (یہ) اللہ کے پاس سے

عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

ثواب ملے گا اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے و۴۱۱

و۴۰۵ (اور آخرت میں اُن کی رفاقت نصیب کر) مخصوصین بصحبتهم و معدودین فی زمرتهم (بیضاوی) ذُنُوْبَنَا۔ ذنوب سے مراد بڑے گناہ ہیں۔ ای کبائرنا (بیضاوی) سَیِّاٰتِنَا۔ سیات سے مراد چھوٹے گناہ ہیں۔ ای صغائرنا (بیضاوی) و۴۰۶ یعنی ابتداء ہی سے ہم پر فضل وکرم رکھ۔ جہنم وغیرہ کے جو شدید ترین عذاب ہیں، وہ تو خیر الگ رہے، باقی میدان حشر میں پبلک رسوائی، عام تفضیح، کچھ کم ہے، ذرا اس پر خیال تو کیا جائے۔ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا یعنی اجر موعود، جنت موعود۔ عَلٰی رُسُلِكَ۔ اللہ کے وعدے معتبر تمام تر وہی ہیں جو پیمبروں کی وساطت سے ہوں، مہر تصدیق صرف اُنہی پر لگی ہے نہ کہ اپنی عقل وذہانت سے فرض کیے ہوئے وعدوں پر۔ رَبَّنَا اس سلسلۂ دعا میں بار بار اس لفظ کی تکرار، اللہ کی صفت ربوبیت کو بار بار مخاطب کرنا اور گویا اسے اس کی صفت کا واسطہ دینا دلیل ہے دعا کرنے والے کی خشیت اور الحاح اور تضرع کی۔ و۴۰۷ (اس لیے تیرے وعدہ پر تو قطعاً بھروسہ ہے لیکن اس کا اطمینان تو نہیں کہ ان وعدوں کا تحقق ہمارے حق میں ہو، ہم ہی ان وعدوں کے مصداق ٹھہریں) و۴۰۸ (اور انہیں اپنے فضل وکرم کی جنت میں داخل کر دیا) اِسْتَجَابَ یہاں بھی اجاب کے معنٰی میں ہے۔ استجابهٗ ای اجابهٗ (قرطبی) و۴۰۹ (اور تم دونوں الگ الگ قسم کی مخلوق نہیں ایک ہی نوع کی دو شاخیں ہو) اَنِّیْ لَاۤ اُضِيْعُ ہر زبان کا ایک مخصوص اسلوب بیان وطرز انشاء ہوتا ہے، اوپر سے برابر صیغہ غائب چلا آرہا ہے۔ اب دفعۃً اس آیت کے اندر صیغہ متکلم آگیا، عربی ادب وانشاء میں یہ فوری انتقال صیغہ داخل عیب نہیں، داخل ہنر ہے اور اپنے موقع ومحل پر ایک خاص صفت، یہاں صیغہ متکلم خاص طور پر دلالت کر رہا ہے تخصیص وشفقت پر۔ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی جاہلی مذہبوں میں یہاں تک کہ مسیحیت میں بھی عورت ہونا بجائے خود ایک جرم ونقص تھا، عورت غریب محض اس لیے کہ عورت تھی بہت سے درجات سے، بہت سے ثوابوں سے محروم تھی اس گمراہی کو مٹانے کے لیے صراحت کے ساتھ یہ بیان کرنے کی ضرورت تھی کہ جنس مذکر ومونث سے عمل واجر عمل پر مطلق کوئی اثر نہیں پڑتا، عمل کے لحاظ سے ہر عامل یکساں ہے۔ نماز اِس کی بھی قبول اُس کی بھی، روزہ اِس کا بھی مقبول اُس کا بھی، عصمت اس کی بھی قابل غور اس کی بھی و قس علی ہذا۔ لَاۤ اُضِيْعُ لا کر یہ بھی بتا دیا کہ عمل پر ثمرات کا ترتب تمام تر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ یہ تصریح ہے اس کی کہ انسانیت دونوں جنسوں میں مشترک ہے اس لیے حکم بھی دونوں کا مشترک ہی رہے گا۔ لانهما من اصل واحد (بیضاوی) لا تفاوت فی الاجابة ولا فی الثواب بین الذکر والانثی (کبیر) بینت فیها شرکة النساء مع الرجال فی ما وعد الله عباده الصالحین (مدارک) ذرا اسے یاد کر لیا جائے کہ دونوں جنسوں کے درمیان اشتراک انسانیت کی یہ تعلیم بیسویں صدی عیسوی میں نہیں ساتویں صدی عیسوی کی ابتداء میں مل رہی ہے، جبکہ فرنگستان اور ہندوستان دونوں میں عورت ہونا خود ایک جرم تھا اور عورت کا وجود مرادف تھا گندگی اور ناپاکی کے۔ مِنْ ذَكَرٍ میں مِنْ تاکید کے لیے ہے۔ دخلت مِنْ للتاکید (قرطبی) و۴۱۰ (اور یہ کفارہ سیئات والا انعام علاوہ اس اجر کے ہوگا جو انہیں اپنے اعمالِ شاقہ اور حسنات پر ملے گا) اَلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا...... وَ قُتِلُوْا یہ ذکر ہو رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقوں اور صحابیوں کی جان نثاریوں کا۔ اور بیان میں چند اعمال کا نام لے کر ذکر کیا گیا ہے، بطور مثال ونمونہ کے یا فہرست حسنات کے مہمات عنوان کے طور پر بتایا کہ انہی پر سارے اعمال حسنہ کا قیاس کر لیا جائے ان سے حسنات کا حصر مقصود نہیں۔ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ اس تصریح سے صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ حضرات باوجود ان مرتبوں کے، باوجود صحابی اور مہاجر اور مظلوم فی سبیل اللہ اور غازی اور شہید ہونے کے معصوم نہ ہوں گے، لغزش وخطا سے ماوراء نہ ہوں گے، صاحب سیئات ہوں گے عام بشری لغزشوں کے یہ بھی مرتکب ہوں گے البتہ فضل خداوندی ان کے حسنات کو ان کے سیئات پر کہیں غالب رکھے گا۔ آج جو ہر "شیخ" اور ہر "بزرگ" کو عملاً تقدس مآب ومعصوم اور بشریت سے ماوراء سمجھا جانے لگا ہے اس عقیدۂ فاسدہ کی تردید قرآن مجید قدم قدم پر کر رہا ہے۔ و۴۱۱ صیغہ حصر کا وارد ہوا ہے یعنی یہ بہترین وبرترین نعمت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ کسی اور کے ہاتھ میں نہیں۔ ای یختص به و لا یقدر علیه غیره (مدارک)

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ؕ

(یہ) کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا کہیں تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے ف۴۱۲

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۗ قف ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ

(یہ) چند روزہ بہار ہے ف۴۱۳ پھر تو ان کو ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسی بری

الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ

آرام گاہ ہے البتہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں ان کے لیے باغ ہوں گے،

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا

جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ (ہمیش) رہیں گے (یہ تو) مہمانی (ہو گی)

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

اللہ کی طرف سے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کے حق میں کہیں بہتر ہے ف۴۱۴

الثلثة

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ

اور اہلِ کتاب میں کچھ ایسے بھی ضرور ہیں جو اللہ پر

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ

اور جو کچھ تم پر اُتارا گیا ہے، اور جو کچھ اُن پر اتارا گیا ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ سے

لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ

ڈرنے والے ہیں، اللہ کی آیتوں کا حقیر قیمت پر سودا نہیں کرتے ف۴۱۵

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

انہیں ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ضرور ملے گا بیشک اللہ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

حساب بہت جلد لے لیتا ہے، ف۴۱۶ اے ایمان والو

ف۴۱۲ یعنی اے مخاطب اہل کفر کا حظوظ دنیوی سے بہرہ ور ہونا، مادی نعمتوں کا حصہ دار ہونا کہیں تجھے اس دھوکے میں نہ ڈال دے کہ ان کی حالت بھی قابل وقعت اور مستحق احترام ہے۔ یہ دھوکا بھی کتنا عام ہے اور آج دنیا کتنا زیادہ اس دھوکے میں پڑی ہوئی اور اس فریب پر مٹی ہوئی ہے۔ الخطاب لکل احد (مدارک) ھٰذا خطاب لِکُلِّ مَنْ سمعہٗ من المکلّفین کَاَنَّہٗ قیل لاَیَغُرَّنَّکَ ایھا السامع (کبیر) ف۴۱۳ (آخرت کی ابدی نعمتوں اور سرافرازیوں سے ان حظوظ دنیوی کو نسبت ہی کیا؟ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا ہے کہ دُنیا کو آخرت کے مقابلہ میں کوئی سمجھنا چاہے تو موجیں مارتے ہوئے سمندر میں انگلی کا سرا ڈالے اور نکال لے پھر دیکھے کتنا پانی اس میں آیا ہے۔ ف۴۱۴ (ہر دنیوی لذت ونعمت سے، کیفیت میں، کمیت میں، غرض ہر اعتبار وہر جہت سے) وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ یعنی اُخروی نعمتوں کی قسموں میں سے۔ اِتَّقَوْا رَبَّهُمْ اور اس تقویٰ الٰہی کی پہلی منزل قبولِ اسلام ہے۔ نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ اللہ نے اہل جنت کو اپنا ''مہمان'' ٹھہرا کر ان کا مرتبہ، اعزاز واکرام جس حد تک بڑھا دیا ہے الفاظ اس کے ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ النزل ما یھیّأ للضیف (کبیر) ف۴۱۵ یعنی کسی بھی مصلحت ومنفعت کے خیال سے اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف، ترمیم، تصحیف، تلبیس گوارا نہیں کرتے۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا پر حاشیہ اُوپر گزر چکے، ہر دنیوی معاوضہ بڑا ہو یا چھوٹا حقیر ہی قیمت کا کہا جائے گا۔ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ یعنی اللہ کی ذات وصفات پر ایمان پورے توحیدی رنگ میں ہے اس میں شرک کی آمیزش نہیں۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ خطاب مومنین سے ہے، یعنی قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ یعنی اپنی اپنی آسمانی کتابوں توریت، انجیل وغیرہ پر اُن کی اصلی، غیر محرف صورتوں میں ایمان رکھتے ہیں۔ یہ مدح جیسا کہ ظاہر ہے اُن اہل کتاب کی ہو رہی ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور اسلام قبول کر لیا۔ ف۴۱۶ (سو وہاں کسی کو انتظار کی بھی زحمت نہ اُٹھانی پڑے گی) حشر کے مجمع عظیم کو دنیوی مجمعوں کی بھیڑ بھاڑ اور دنیوی عدالتوں کی تعویق اور تاخیر پر ہرگز قیاس نہ کیا جائے۔

ضمیمہ ۴پ

اسم پاک محمد ﷺ

(بہ سلسلہ حاشیہ نمبر ۲۸۱ ۴پ)

حضور کا نامِ نامی آپ کے دادا "عبدالمطلب" نے رکھا تھا۔ عام طور پر اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ رجاء ان یحمد عبدالمطلب نے آثار نیک دیکھ کر محمد ﷺ نام رکھا کہ مستقبل میں یہ مولود سعید آقائے نامدار ﷺ مجموعۂ محامد اور مرجع خلائق بنے۔ ارباب تصوف موشگافی کی انتہا کر دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لفظ "محمد ﷺ" خدا کے نام "احد" سے مشتق ہے۔

اگرچہ عام طور پر نام کی صرف اس قدر ضرورت سمجھی جاتی ہے کہ چند چیزوں میں باہم امتیاز قائم رہے لیکن نام کی صحیح اور حقیقی غرض یہ نہیں۔ اسم کو اپنے مسمّٰی کے صفات، خواص اور حالات کا آئینہ ہونا چاہیے۔ افراد کے نام رکھنے میں تو اس کا کم لحاظ کیا جاتا ہے۔ لیکن عموماً انواع و اجناس کے نام اسی مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ مثلاً انسان، مسلم، قوم۔ شاذ و نادر طریقہ پر افراد و اشخاص کے ناموں میں بھی اس کا لحاظ کر لیا جاتا ہے جیسے "مسیح" اور "بدھ" یہ دونوں نام اپنے مسمّٰی کے اوصاف اور خواص کو بتلاتے ہیں۔

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جیسا کہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ آپؐ سے پہلے عرب میں کہیں اس نام کا پتہ نہیں چلتا۔ مؤرخین اکثر لکھتے ہیں۔ و لم یکن شائعا بین العرب ھٰذا الاسم اس حالت کو تسلیم کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اتفاقی طور سے "نامِ مبارک" کا "عبدالمطلب" کے ذہن میں آنا منشاء خداوندی معلوم ہوتا ہے کہ جب اس نام کا محلِ کامل دنیا کو اپنے وجودِ گرامی سے مشرف کر چکا تو پھر اسم بھی فطری طور سے نام رکھنے والے کے ذہن میں وارد ہوا۔

نامِ مبارک کا عام اور سادہ ترجمہ یہی کیا جاتا ہے کہ "وہ ذات جس کی تعریف کی گئی" اس ترجمہ کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن اس جامعیت کبریٰ، برزخ کامل اور مقصودِ آفرینش کے فضائل و کمالات کے سامنے ترجمہ ہیچ ہے خدا کے تمام نبی اُس کے نزدیک موجب توصیف ہیں۔ دنیا کے تمام حکیم، فاتح عام انسانوں کی نظروں میں لائق مدح و ستائش ہیں اس لیے اس ترجمہ کی صحت کو پورے طور پر تسلیم کرتے ہوئے تفحص کو اور زیادہ وسعت دیں۔ صاحب مفردات "محمد" کے معنٰی لکھتے ہیں الذی اجمعت فیہ الخصال المحمودۃ یعنی مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ لفظ محمد ﷺ کے معنٰی مجموعۂ خوبی کے ہیں

ع اے کہ تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

کارسازِ قدرت کی وسعت لامحدود اس کے کرشمے ناقابل شمار اس کی خلقت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے وا ہے۔ غور کرنے سے ہم اپنی عقل کے مطابق اس فیصلہ پر پہنچتے ہیں کہ قدرت نے تخلیق انواع کے لیے ایک معیار مقرر کیا ہے۔ مخلوقات کی ہر نوع کا ایک درجۂ کمال ہے۔ کہ جس کے آگے اُس کا قدم نہیں بڑھتا "حیوانات" "نباتات" اور "جمادات" تک میں اس کے شواہد مل سکتے ہیں، صورتیں ایک ہیں شکلیں متحد ہیں، اوصاف مختلف ہیں، لیکن ان مختلف اوصاف کی ایک انتہا ہے جسے جنس اعلیٰ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ کہ جس کے آگے کوئی درجہ نہیں، ہر نوع میں جنس اعلیٰ کو جس پر اوصاف جامعیت کے ساتھ جا کر ختم ہوتے ہیں ہم مقصودِ فطرت اور نقطۂ تخلیق کہہ سکتے ہیں۔ اس نقطۂ تخلیق کی اصطلاح کو پوری تشریح کے ساتھ ذہن میں رکھنا چاہیے یہ بات تھوڑے سے غور اور مشورے سے بہ آسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔ تفحص اور تفتیش کے بعد تمام انواع مخلوقات کے اوصاف کا ایک درجۂ اعلیٰ پاتے ہیں کہ جس کے آگے انسانی معلومات میں کوئی درجہ نہیں۔

دوسرے تمام انواع کی طرح اس مقصودِ فطرت کو انسانوں کی جماعت میں بھی تلاش کرنا ضروری ہے دوسری مخلوقات اور انسانوں میں ایک عام اور بیّن فرق یہ ہے کہ وہاں نوع کے سینکڑوں افراد ہیں اور یہاں اوصاف و خصوصیات کے اعتبار سے ہر ہر فرد اپنے مقام پر نوع مستقل ہے۔ آفرینش انسان کی مجمل یا مفصل تاریخ پر ایک اجمالی نظر بتلا سکتی ہے کہ آج بھی انسان کی شکل و شباہت اس کے اعضاء و جوارح اس کا ڈھانچہ جسمانی ساخت ٹھیک وہی ہے سب چیزیں وہی ہیں جو دنیا کے پہلے انسان کی تھیں۔ لیکن دماغی کیفیتوں کا حال اُن سے جداگانہ ہے۔ ان میں برابر ارتقاء و اختلاف جاری ہے۔ اب اگر انسان کی اس ارتقائے دماغی پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ماقبل و مابعد ادیبوں، زبانوں کی تاریخ میں ارتقائے دماغی کی آخر ترین سرحد اگر کوئی معلوم ہو سکتی ہے تو وہ ذات قدسی صفات آقائے نامدار رسول خدا ﷺ کی ہے لغات قاموس نے لفظ "حمد" کے ایک معنٰی قضاء الحق کے بھی بتلائے ہیں پس لفظ "محمد ﷺ" کے ایک معنٰی یہ بھی ہیں کہ وہ جس کا حق پورا کر دیا گیا ہو یعنی قدرت کی جانب سے نوع انسان کو جس سرحد کمال تک پہنچانا مقصود تھا اور انسان کا اپنے خالق پر جو حق تخلیق مقرر تھا وہ محمد ﷺ پر پورا کر دیا گیا۔ علم و عمل، خُلق و خَلق، دماغ و کیرکٹر ارتقائے ذہنی و ارتقائے عملی یہی دو چیزیں انسان کا خلاصہ اور اس کی کائناتِ تخلیق کا لب لباب ہیں اوّل ثانی کے لیے بنیاد ہے عمل علم پر، کیرکٹر دماغ پر، خُلق خَلق پر قائم ہے، یہ ایک عجیب نکتہ ہے جس کی تشریح کسی دوسرے مقام پر آئے گی کہ جتنی ہی کسی انسان کی حالت مکمل ہوگی اسی قدر اس کی خُلقی کیفیت راسخ و مستحکم ہوگی ایک کا کمال دوسرے کے کمال کی علامت اور ایک کا نقصان دوسرے کے نقصان کی نشانی ہے۔ تاریخی طور پر یہ امر ثابت ہے کہ کیرکٹر اور اخلاق کی جملہ شاخوں کی پختگی اور تکمیل کا جو نمونہ آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک نے پیش کیا عالم انسانی اس کی نظیر سے عاجز ہے حتیٰ کہ خود دشمنوں کے اقرار سے اس کو فرما دیا گیا۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ محاورات عرب سے حمد کے یہ بھی معنٰی معلوم ہوتے ہیں کہ کسی کام کو اپنی قدرت کے مطابق انجام دینا حماسیات میں نیزہ کے بھرپور پڑنے کے وقت حَمِدتُ بلاءَہٗ (میں نے وار پورا کیا) کا محاورہ بہت مشہور ہے۔ اس معنٰی کو سامنے رکھتے ہوئے اور اوپر کے مضمون کو پیش نظر رکھ کر بے تامل کہا جا سکتا ہے کہ لفظ محمد ﷺ کے معنٰی مخلوق کامل کے بھی ہیں۔

منجملہ دیگر کمالات نبوت و معجزات رسالت کے ایک معجزہ گرامی حضور اقدس ﷺ کا نام نامی بھی ہے۔ یہ زندۂ جاوید معجزہ بعثت کے وقت سے تاہنوز اپنے فضائل کی شہادتیں پیش کر رہا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ محمد الذی یحمد مرۃ بعد مرۃ جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو۔ تعریف کے بعد تعریف اور توصیف پر توصیف ہوتی رہے۔ زمانہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے اور انسان اپنی سعی و کوشش کے مطابق جس درجہ ترقی کرتا جاتا ہے محض اعتقاداً نہیں بلکہ واقعۃً رسالتمآب روحی فداہ ﷺ کے کمالات سے پردہ اُٹھتا جاتا ہے۔ علماء و فضلاء یورپ کی اکثریت تاریخ اسلام کے ماتحت اپنا مطالعہ جس قدر گہرا کرتی جاتی ہے دنیا کی مختلف پریشانیوں اور بے قراریوں کو معدوم کرنے کی ضرورت جتنی ہی ان کے نزدیک بڑھتی جاتی ہے، بادلِ ناخواستہ انہیں اسی راہ کی طرف آنا پڑتا ہے اور زبان اعتراف کھولنا پڑتا ہے کہ بے شبہ پیغمبر عرب کے قانون

دنیا کی ضرورتوں کے کفیل اور ان کی زندگی عالم انسان کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ اہلِ ایشیا کا رجحان طبعی جتنا روحانیت اور سادگی کی طرف بڑھ رہا ہے اسی قدر وہ پیغمبر عالم محمد رسول اللہ ﷺ سے قریب تر ہوتا جاتا ہے" یہ دنیا کا صرف واحد معجزہ ہے کہ نام مبارک تیرہ سو برس پہلے سے اس آنے والی حالت کا پتہ دے رہا ہے مستقبل میں دنیا کی عمر جس قدر دراز ہوگی خواہ وہ اپنی موجودہ حالت میں ترقی کرے جس کی بظاہر امید نہیں اور خواہ اپنے پچھلے سبق دہرائے۔ دونوں حالتوں میں اسے کمالات نبوت کے اعتراف سے چارہ نہ ہوگا اس حیثیت سے نام مبارک محمد ﷺ کا ترجمہ سلسلۂ اوصاف ومحامد ہوگا۔

جیسا اوپر کہا گیا ہے عام طور سے اشخاص کے نام اور اوصاف باہم کوئی نسبت نہیں رکھتے شاذ ونادر اتفاقی حیثیت سے تناسب بھی مل جاتا ہے اور ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کسی انسان کا وہ نام رکھا گیا ہو جو اس کی تمام زندگی کا آئینہ اور اس کے شعبہائے حیات کی تفصیل ہو۔ مگر نام نامی آقائے نامدار اس سے مستثنیٰ ہے۔ اسی مطابقت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خاص نام کے رکھنے کے متعلق ضرور عبدالمطلب کو ایک غیبی تحریک ہوئی۔ اب غور کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کا خلاصہ دوست ودشمن کی یکساں تنقید حاضر وغائب کی رائے زنی کا ماحاصل اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ علم وعمل، ظاہر وباطن، خُلق وخَلق ہر حیثیت سے حضور ﷺ کی زندگی قابل تعریف تھی اور اسی خلاصہ حیات کا ترجمہ ہے محمد ﷺ۔

اس سے بھی زیادہ عجیب امر یہ ہے کہ نام مبارک حضور کے نہ صرف نبی بلکہ خاتم النبیین ہونے کی دلیل بھی ہے۔ کمال وکمالِ اخلاق بھی انبیاء علیہم السلام کی مخصوص اور ممتاز صفات میں سے ہیں۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا کمال علمی وعملی کسی ایک خاص صفت میں مخصوص تھا لیکن حضور کی جامعیت آپ کی سوانح وتعلیمات سے معلوم ہو جاسکتی ہے۔ لفظ "محمد" کے معنی مجموعہ خوبی اور "مخلوق کامل" کے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اس کے آگے کوئی نقطہ ہی نہیں ہے۔ اسی حالت پر کمال کلی کی انتہا اور معارف کا اختتام ہے جس کے بعد نہ کسی نبی کی حاجت نہ کسی نبی کا وجود ممکن ہے۔ مستشرقین یورپ میں سے جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی سیرت پاک کا مطالعہ کیا ہے وہ باوجود ہزار سعی تنقیص اعتراف کمال پر مجبور ہوئے ہیں۔ سر ولیم میور اور مارگولیث جیسے سخت لوگوں کو بھی کھلے اور چھپے لفظوں میں اس کا اقرار کرنا پڑا کہ پیغمبر اسلام کی تعلیم انتہائی سچائی اور حقیقی صداقت پر مبنی نظر آتی ہے۔ عہد نبوت میں بھی اسی قسم کے واقعات پیش آچکے ہیں کہ بعض سخت ترین منکر ایک توجہ نظر اقدس کی تاب نہ لاسکے۔ عبداللہ بن سلام جو نامور علماء یہود میں سے تھے وہ جس طرح اسلام لائے معلوم ہے۔ بعثت کے حالات سیرت طیبہ تعلیم وتلقین اپنے اندر کچھ ایسی کشش رکھتی ہے کہ مخالف سے مخالف اور سخت سے سخت حریف اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی خاصیت اور بے اختیارانہ کشش کو نام مبارک میں بیان کیا گیا لفظ "محمد" عربی زبان میں تحمید سے مشتق ہے جو باب تفعیل کا مصدر ہے اس باب کے معنی کے خواص میں سے ہے کہ کسی کام کا وجود میں آنا اس طور پر مانا جائے کہ گویا کسی مخفی یا ظاہر طاقت نے اس کو وجود میں آنے کے لیے مجبور کیا جیسے صرف (پھیر دیا)۔ یعنی کسی طاقت نے بے اختیار کر کے پھیر دیا اسی طرح "محمد" کے معنی ہیں وہ جس کی تعریف بے اختیار کی گئی ہو۔ اس معنی سے اسی قوتِ جاذبہ اور کشش اصلی کی طرف اشارہ ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام کے متعلق مروی ہے کہ وہ چہرۂ اقدس کو دیکھتے ہی پکار اُٹھے ھٰذا لیس بوجہ کذاب یورپ میں بڑی ہوشیارانہ تدبیر سے محمد رسول اللہ ﷺ کو بدترین پیرایوں میں دکھلانے کی کوششیں کی گئی ہیں لیکن اب آج کل بعض جماعتوں اور خداترس بندوں کی طرف سے جو مساعی جمیلہ کی جارہی ہیں انہوں نے تجربہ کرادیا کہ جب بھی اصل صورت ان کے سامنے پیش کی گئی ہے تو انہوں نے یہی کہا کہ یہی تو ہمارا کعبۂ مقصود ہے۔

اس باب کی دوسری خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ کسی کام کے اس طور پر ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام پہلوؤں کا استقصاء کئے ہوئے ہے کوئی جزء اس سے چھوٹا ہوا نہیں استعمال میں آتا ہے قتلہ تقتیلا یعنی خوب خوب قتل کیا اس خاصیت کا لحاظ رکھتے ہوئے نام مبارک کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ "محمد" یعنی جس کا جزء جزء قابل تعریف ہے "اصلاح نفس" "تدبیر منزل اور تدبیر مدن کی وہ کونسی شاخ ہے جس کا عملی نمونہ ذات قدسی صفات محمد رسول اللہ ﷺ نے پیش نہیں کر دیا۔ انبیاء علیہم السلام کا تمام تر سلسلہ عالم میں ایک خاص ترتیب ونظام کے ساتھ آیا اور ہر ایک اپنے اندر کوئی نہ کوئی کمال اخلاقی یا عرفانی یا انتظامی لایا یہ بابرکت سلسلہ جب اپنی حد ونہایت کو پہنچا تو ضرورت ہوئی کہ عالم انسان کے سامنے ایک ایسا نمونہ کامل پیش کیا جائے۔ جو ان تمام صفات کا مجمع اور فضائل کا آئینہ ہو۔ جس کی زندگی کو سامنے رکھنے سے موسویانہ مستی، مسیحانہ اخلاق، ابراہیمی محبت بیک وقت نظر کے سامنے آجائے۔ اور پھر ان تمام اوصاف میں وہ اپنے متقدمین سے بالا تر ہو۔ وہ ہستی کا جامع اور برزخ کامل ذات پاک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہے اسی لیے حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی بشارت میں لفظ "احمد" فرمایا۔ یعنی وہ آئے گا جو اپنے تمام پہلے آنے والوں کا سردار اور سب پر فائق ہوگا۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب نے اپنی کامل نشو ونما جب ہی پائی ہے جب وہ معرفت وروحانیت کی آغوش سے نکل کر سلطنت اور حکومت کی گود میں چلے گئے ہیں۔ مسیحی مذہب کی ترقی رومی بادشاہوں کی رہینِ احسان ہے۔ بودھ نے بہت کچھ تبلیغ کی لیکن اس کا عالمگیر مذہب بھی اُسی وقت اپنی تکمیل کرسکا جب وہ اشوک خاندان کی سرپرستی میں آگیا۔ لیکن اسلام اپنی تاریخ میں بالکل علیحدہ ہے وہ جن جن ملکوں میں گیا اور جن جماعتوں میں پھیلا اخلاق وروحانیت سے گیا غریب تلوار اسلام میں روحانیت اور مذہب کے داخلہ کے بعد گئی ہے۔ افریقہ اور ہندوستان کی نظیریں اس بارہ میں بہت صاف ہیں۔ اس خاص نعمت تبلیغ کو بھی نام مبارک میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔ فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العالمین بظاہر اسباب ان مفاسد کے مٹنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی لیکن فطرت کی تدبیریں اندر اندر جاری رہتی ہیں اور ایک وقت معین پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ فطرت کی رفتار ہوا کی طرح تیز اور سیلاب کی طرح نرم ہوتی ہے۔ خوش تدبیری اور حسن اسلوب کے موقع پر بھی حمد کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے پس لفظ "محمد" کے ایک یہ بھی معنی قرار دیئے جاسکتے ہیں کہ وہ جس کے ساتھ خوش تدبیری نے ترقی کی آپ کی تعلیم کا انتشار آپ کا لایا ہوا دین خدا کی خاص مرضی اور خاص تدبیر سے عالم میں پھیل گیا جس کی سرعت اور بغیر جد وجہد رفتار ترقی سے اس وقت بھی دنیا متحیر ہے۔

الغرض اسلام کی تمام معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلام کا نام مبارک بھی اپنے معانی کے لحاظ سے مختلف خوبیوں کا مرقع بہتیرے فضائل کا خلاصہ ہے ایک طرف وہ اپنے مسمّٰی کے کام اور کام کے انجام کی پیشین گوئی ہے دوسری طرف اُس کے کاموں کی تاریخ اور اس کی تعلیم کا لُب لباب ہے۔

پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے نبی کا ایسا پاک نام رکھا اور پاکیزہ ہے وہ نبی جسے اس کے معبود نے ایسی فضیلتوں سے آراستہ کیا۔

والحمد للہ رب العالمین

اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ قف وَاتَّقُوا اللّٰهَ

(خود) صبر کرو، اور مقابلہ میں صبر کرتے رہو، اور مقابلہ کے لیے مستعد رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو،

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۟ ع ۲۰۰

عجب نہیں جو فلاح پا جاؤ ف ۴۱

ایاتها ۱۷۶ ۴ سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ ۹۲ رکوعاتها ۲۴

اس میں ۱۷۶ آیتیں سورۃ النساء مدنی ہے اور ۲۴ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

اے لوگو اپنے پروردگار سے تقویٰ اختیار کرو جس نے تم (سب) کو

مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا

ایک ہی جان سے پیدا کیا ف۱ اور اسی سے اُس کا جوڑا پیدا کیا ف۲

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ ج وَاتَّقُوا

اور ان دونوں سے بہ کثرت مرد اور عورتیں پھیلا دیے ف۳ اور اللہ سے تقویٰ اختیار کرو

اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ ط اِنَّ

جس کے واسطہ سے ایک دُوسرے سے مانگتے ہو، ف۴ اور قرابتوں کے باب میں بھی (تقویٰ اختیار کرو) ف۵ بیشک

اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝۱ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ

اللہ تمہارے اُوپر نگران ہے ف۶ اور یتیموں کو ان کا مال پہنچا دو

وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ ص وَلَا تَاْكُلُوْٓا

اور پاکیزہ کو گندی چیز سے مت تبدیل کرو اور اُن کا مال

ع ۲۰ / ۱۱

ف۴۱ اِصْبِرُوْا یعنی جو صعوبتیں راہِ حق میں از خود پیش آئیں اُن پر صبر کیے جاؤ۔ ای علی مشاق الطاعات و مایصیبکم من الشدائد (بیضاوی) ای الصبر بالطاعات و عن الشهوات (قرطبی) قال الحسن و قتادة و ابن جریج و الضحاک اصبروا علی طاعة الله (جصاص) صَابِرُوْا یعنی جو مصیبتیں مخالفین و معاندین کے ہاتھوں پیش آئیں انہیں بھی برداشت کرو۔ ای غالبوا اعداء الله۔ فی الصبر علی شدائد الحرب (بیضاوی) معناه مصابرة الاعداء قاله زید بن اسلم (قرطبی) صابروا اعداء الله (جصاص) رَابِطُوْا یعنی خارجی دشمنوں اور اپنے اندرونی دشمن (نفس) دونوں سے مقابلہ کے لیے مستعد رہو۔ الرباط حمل النفس علی النیة الحسنة والجسم علی فعل الطاعة و من اعظمه ارتباط الخیل فی سبیل الله وارتباط النفس علی الصلوٰة (ابن عربی) وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ صبر و مصابرہ و مرابطہ سب کا اصلی مصدر اور آخری ماخذ تقویٰ الٰہی ہے۔ آخر میں اس کی تاکید ہے اور اسی کا نتیجہ دنیا و عقبیٰ میں فلاح ہے۔ ولا بُدَّ للانسان فی کل فعل یفعله من داعیة و غرض و جب ان یکون للانسان فی هٰذه المجاهدة غرض و باعث و ذٰلک هو تقوی الله لِنَیل الفلاح والنجاح (کبیر)

ف۱ یعنی ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے۔ وحدت نوعِ انسانی کا یہ سبق اپنے عملی اور دور رس نتائج کے لحاظ سے کتنا اہم ہے! آخری جدِ اعلیٰ ہر گورے اور ہر کالے کے، ہر وحشی اور ہر مہذب کے، ہر ہندی اور ہر چینی کے، ہر حبشی اور ہر فرنگی کے ایک ہی ہیں اور وہ آدم ہیں، یہ نہیں کہ فلاں نسل کے مورثِ اعلیٰ کوئی اور تھے اور فلاں نسل کے کوئی اور، اور نہ یہ کہ برہمن ذات والے برہما جی کے منہ سے پیدا ہوئے اور کھشتری نسل والے اُن کے سینہ سے اور ویش جاتی والے اُن کے پیٹ سے اور شدر ذات والے اُن کی ٹانگوں سے، اصلاً انسان انسان سب ایک ہیں۔ خَلَقَكُمْ مسئلہ ارتقاء کسی حد تک کسی معنیٰ میں صحیح ہے یا نہیں، قرآن مجید کو اس سے مطلق سروکار نہیں، انسان بہرحال و بہر صورت مخلوق ضرور ہوا ہے۔ قرآن انسان کی مخلوقیت کو بار بار نمایاں کر رہا ہے۔ اور ہر اس نظریہ اور عقیدہ کی تردید کر رہا ہے جو انسان کی تخلیق کے منافی ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ خطاب ساری نوعِ انسانی سے ہے، خواہ کوئی کسی نسل، کسی رنگ، کسی قوم، کسی جنس، کسی ملک کا ہو، ایمان اور ایک درجہ میں تقویٰ کے مکلف سب ہیں۔ اِتَّقُوْا رَبَّكُمُ پروردگار سے ڈرنا اُس کے احکام کی مخالفت سے ڈرنا ہے۔ لفظ رب میں خود یہ اشارہ موجود ہے کہ جن احکام کی مخالفت سے ڈرایا اور روکا جا رہا ہے، خود اُن کی غایت بھی ربوبیت اور پرورش ہے۔ ف۲ یعنی حضرت حواّ سے۔ تخلیق حوا کی تفصیلی کیفیت سے قرآن مجید تو یکسر ساکت ہے رہی حدیث سو اس کا بھی یہی حال ہے۔ جس مشہور حدیث کی رو سے حضرت حواّ کا حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونا بیان کیا جاتا ہے اُس میں ذکر نہ حضرت آدم علیہ السلام کا ہے نہ حضرت حواّ کا۔ بلکہ محض عورت کی پیدائش اور کج سرشتی کا بیان ہے۔ آثار میں جو روایت ملتی ہے وہ روایت توریت کی آواز بازگشت ہے اور توریت کا بیان حسب ذیل ہے:۔ ”خداوند خدا نے آدم پر بھاری نیند بھیجی کہ وہ سو گیا اور اُس نے اُس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی اور اس کے بدلے گوشت بھر دیا۔ اور خداوند خدا نے اس پسلی سے جو اُس نے آدم سے نکالی تھی ایک صورت بنا کر آدم کے پاس بھیجا“ (پیدائش ۲: ۲۲ و ۲۳) مِنْهَا ضمیر ھا عموماً نفس کی طرف پھیری گئی ہے۔ لیکن ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ مِنْهَا یہاں من جنسها کے مرادف ہے۔ القول الثانی ماهو اختیار ابی مسلم الا صفهانی ان المراد من قوله و خلق منها زوجها ای من جنسها (کبیر) اور یہی قول علاوہ ابو مسلم کے ابن بحر سے بھی نقل ہوا ہے۔ وقیل هو علی حذفِ مضاف التقدیر و خلق من جنسها زوجها قاله ابن بحر و ابو مسلم (بحر) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عورت کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے محض بہ طور تشبیہ کے ارشاد فرمائی گئی ہو اور مقصود محض اس کے عدم ثبات کو ظاہر کرنا ہو جیسا کہ قرآن مجید ہی میں ہے کہ انسان کی پیدائش جلد بازی سے ہوئی ہے۔ یحتمل ان یکون ذٰلک علی جهة التمثیل لا ضطراب اخلاقهن و کونهن لا یثبتن علی حالة واحدة کما جاء خلق الانسان من عجل (بحر) و یحتمل ان یکون المعنی من جنسه لامن نفسه حقیقة (نہر) اور اس معنیٰ کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث میں ذکر جنس عورت کا ہے نہ کہ حوا کا۔ ویؤید هٰذا التاویل قوله ان المرأة فانی بالجنس و لم یقل ان حوآء (بحر) اور بعض شارحین حدیث بھی حدیث مذکور کی شرح میں اسی طرف گئے ہیں کہ یہ فطرت نسوانی کی کجی کی طرف صرف استعارہ ہے:۔ استعارة للمعوج ای خلقهن خلقا فیه اعوجاج (کرمانی بہ حوالہ مجمع بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۲۹۴) وقد حمل العوج بعض العلماء علی المجاز والمعنیٰ ان العوج هو المیل عن الاعتدال وحب الشذوذ هو شان المرأة (حاشیہ تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ مصر) بخاری کی ایک حدیث میں تو بالکل صاف ہے کہ عورت مثل پسلی کے ہے۔ عن ابی هریرة ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال المرأة کالضلع ان اقمتها کسرتها (صحیح بخاری۔ کتاب النکاح حدیث نمبر ۱۱۵) اور یہی حدیث مسلم نے بھی (کتاب الرضاع میں) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی سند سے نقل کی ہے۔ خود ضلع کے پسلی کا مفہوم تو ثانوی ہے، اصل معنیٰ کجی و انحراف بالکل ہی کے ہیں۔ الضلع المیل (کتاب الفائق، زمخشری) الضلع الاعوجاج ای الزیغ حتی یمیل صاحبه عن الاستواء والاعتدال (نہایہ۔ ابن اثیر) ف۳ دونوں جنسیں اُسی ایک جوڑے یعنی حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حواّ سے دنیا میں چلی ہیں۔ كَثِيْرًا آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر اب تک جو آبادی ہر ملک اور ہر زمانہ کی رہی ہے یا جو قیامت تک ہوگی اس کے مجموعہ پر

اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا

مت کھاؤ اپنے مال کے ساتھ بیشک یہ بہت بڑا

كَبِيْرًا ۝۲ وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى

گناہ ہے وے اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے باب میں انصاف نہ کر سکو گے و۸

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى

تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں و۹ اُن سے نکاح کر لو دو دو سے

وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

خواہ تین تین سے خواہ چار چار سے و۱۰ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی پر بس کرو و۱۱

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ ۝۳

یا جو کنیز تمہاری ملک میں ہو و۱۲ اس میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے و۱۳

وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ

اور تم بیویوں کو اُن کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو و۱۴ لیکن اگر وہ خوشدلی سے

لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا

تمہارے لیے اس میں کا کوئی جزء چھوڑ دیں تو تم اُسے مزہ دار اور خوشگوار سمجھ کر

مَّرِیْٓــًٔا ۝۴ وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ

کھاؤ و۱۵ اور کم عقلوں کو اپنا وہ مال نہ دے دو جس کو

جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا

اللہ نے تمہارے لیے مایۂ زندگی بنایا ہے اور اس مال میں سے انہیں کھلاتے

وَ اكْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵

اور پہناتے رہو اور اُن سے بھلائی کی بات کہتے رہو و۱۶

بھی اگر کثیر کا اطلاق نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا۔ و۴ (اپنے حقوق اور مراعات) قال الزجاج تطلبون به حقوقكم (بحر) یعنی اس کے نام کا واسطہ دلا دلا کر۔ آیت سے اللہ کے واسطہ سے مانگنے کا جواز نکل آیا۔ و فى الاية دلالة على جواز المسئلة بالله تعالى (جصاص) و۵ الْاَرْحَامَ کا عطف اللہ پر ہے۔ یہ ہے قرابت اور رشتہ داری کی اہمیت اسلام میں، حقیقت میں اُمت کے نظامِ اجتماعی کا سنگ بنیاد شریعت نے قرابت یا رحم ہی کو قرار دیا ہے۔ و فى عطف الارحام على اسم الله دلالة على عظم ذنب قطع الرحم (بحر) و قدنّبه سبحانه تعالىٰ اذا قرن الارحام باسمه الكريم على ان صلتها بمكان منه (بیضاوی) فيه تعظيم لحق الرحم و تاكيد للمنع عن قطعها (جصاص) رحم کا اطلاق وسیع ہے۔ جملہ اعزہ واقرباء اس کے اندر آجاتے ہیں۔ الرحم اسم لكافة الاقارب من غير فرق بين المحرم وغيره (قرطبی) من المجاز الرحم القرابة و بينهما رحم اى قرابة قريبة (تاج) اور اسی معنی میں یہ حدیث بھی آئی ہے:۔ الرحم معلقة بالعرش تقول الامن وصلنى وصله الله و من قطعنى قطعه الله، (رحم عرش الٰہی سے معلق دعا کرتا رہتا ہے کہ جو مجھے جوڑے رکھے اللہ اسے جوڑے رہے اور جو مجھے کاٹے اللہ اُسے کاٹے) فقہاء اس پر متفق ہیں کہ قرابت کا لحاظ واجب ہے اور اسے قطع کرنا جرم ہے۔ اتفقت الملة على ان صلة الرحم واجبة و ان قطيعتها محرّمة (قرطبی) و۶ (اور اس نگرانی میں انسان کے ذاتی، خانگی، اجتماعی سارے معاملات آگئے) اگر اس کا استحضار رہے تو آج خانگی زندگیاں کس قدر خوشگوار ہو جائیں! و۷ یتیم یعنی بن باپ کے بچوں اور بچیوں کا مسئلہ ہر قوم میں اہم و نازک رہا ہے۔ قرآن اب یہاں اسی باب میں ہدایتیں دے رہا ہے۔ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ یعنی ان یتیموں کے بالغ ہونے پر ان کی جائیداد، اُن کا سامان ان کے حوالہ کر دو، اور اس کے لیے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ یتیم اپنی جائیداد کا مطالبہ کرے بھی۔ وفيه دلالة على وجوب تسليم اموال اليتمٰى بعد البلوغ و ايناس الرشد و ان لم يطالبوا بادائها (جصاص) خطاب یتیموں کے اولیاء اور سرپرستوں سے ہے۔ یتیموں کے سپرد ان کی جائداد ان کے بالغ اور سمجھدار ہو جانے کے بعد ہی کرنا چاہیے اس کے قبل نہیں۔ ان اليتيم لا يجب اعطاء ه ماله قبل البلوغ (جصاص) انما يجب الدفع اليتيم بعد البلوغ و ايناس الرشد (جصاص) وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ یعنی ایسا نہ ہونے پائے کہ ان نابالغ یتیموں کی اچھی چیز نکال کر اپنے مال میں ملالی اور اپنی طرف کی کوئی گھٹیا چیز ان کے حصہ میں شامل کر دی۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ یعنی اپنے حصہ کے ساتھ یتیموں کے حصہ کو خلط ملط کر کے۔ اى لا تاكلوها مضمومة الى اموالكم (بیضاوی) الى اموالكم اى مع اموالكم (بحر) اِنَّهٗ ضمیر اسی دست درازی اور یتیموں کے مال میں گڑبڑ کرنے کی طرف ہے۔ اى الاكل (قرطبی) ڈاکٹر رابرٹ رابرٹسن مسلم نہیں، کافر ہیں اس پر بھی اس کے قائل ہیں کہ قرآن اور پیمبر نے یتیموں کے حقوق کے تحفظ کا بہترین انتظام کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۸ یعنی جو یتیم لڑکیاں تمہاری نگرانی و سرپرستی میں ہیں اُن کے حقوقِ مہر وغیرہ پوری طرح ادا نہ کر سکو گے۔ خطاب یتیم لڑکیوں کے سرپرستوں سے ہے۔ جاہلیت میں ایک دستور یہ تھا کہ یتیم لڑکیاں جو مردوں کی سرپرستی میں ہوتیں تو ان کے وہی سرپرست اکثر یہ دیکھ کر کہ کوئی اور ان کی طرف سے مہر وغیرہ کا مطالبہ کرنے والا اور ان کی حمایت پر کھڑا ہونے والا ہے نہیں، ان کے حقوق مار لینے آسان ہیں، اُنھی کے ساتھ نکاح کر لیتے ان کی جائیدادیں اپنی طرف شامل کر لیتے یا اور طریقوں سے ان کے ادائے حقوق کی طرف سے بے التفاتی برتتے۔ و۹ (ان یتیم، صاحب جائداد، مگر بے حمایتی لڑکیوں کے علاوہ جو اپنی رضا و عدم رضا کھل کر آزادی کے ساتھ ظاہر ہی نہیں کر سکتیں) مَا طَابَ لَكُمْ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ عقل کے ساتھ ساتھ حسن و جمال کے پسند میں طبیعت کے مقتضی پر عمل کی بھی پوری اجازت شریعت میں موجود ہے۔ مِنَ النِّسَآءِ۔ أمروا ان ينكحوا سواهن من النساء (جصاص) اى غيرهن (قرطبی) اس میں بالغ نابالغ سب آگئیں۔ والصغار و الكبار (جصاص) و۱۰ یعنی تم پر نکاح کے باب میں کوئی تنگی نہیں۔ اپنی زیر نگرانی یتیم لڑکیوں کو زیر عقد لانے میں اتلافِ حقوق کا اندیشہ بھی ہو تو اس خیال کو جانے دو۔ باہر والی آزاد عورتوں میں سے انتخاب کر سکتے ہو۔ ایک ہی کا نہیں، ایک سے لے کر چار تک کی گنجائش ہے۔ وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ میں وعطف کا نہیں تخییر کا ہے اور اَوْ کے مرادف ہے۔ وقد تخرج الواو عن افادة مطلق الجمع و ذلك على اوجه احدها تكون بمعنى اَوْ (تاج) والواو بمعنى او للتخيير (معالم) خود قرآن مجید میں و کے اس معنی میں استعمال کی مثالیں متعدد ملتی ہیں مثلاً:۔ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى (سبا۔ ع۶) اُولِىْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (فاطر۔ ع۱) بعض اہل زیغ نے ۲ اور ۳ اور ۴ کے عدد کو جوڑ کر آیت سے استدلال ۹ بیویوں کے جواز کا کیا ہے۔ اور بعض ظالموں نے تو اس تعداد کو ۱۸ تک پہنچا دیا ہے۔ یہ سرتاسر جہل و زیغ ہے، جہل زبان عرب سے بھی اور جہل سنت رسول ﷺ سے بھی۔ و هذا كله جهل باللسان والسنة و مخالفة لاجماع الامة (قرطبی) اگر نو ہی کی تعداد منظور تھی تو صاف ہی کیوں نہ ارشاد ہو گیا، اس قدر گھوم پھیر کر بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تعدد ازدواج کی اجازت ہرگز کوئی ایسی چیز نہیں جس پر کسی مغرب زدہ مسلمان کو شرمانے اور اس کی طرح طرح کی تاویلیں کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔ مرد کے قویٰ اور اس کی جسمانی ساخت و ترکیب ہی اس نوعیت کی ہے کہ بہ کثرت عورتوں میں ایک بیوی اس کی طبعی خواہش کی تشفی کے لیے کافی نہیں ہوتی، مرد و عورت

کے اتحاد و تناسل کا جہاں تک تعلق ہے مرد کا عمل چند منٹ میں ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد مرد پر جسمانی حیثیت سے کوئی ذمہ داری ہی نہیں، برخلاف اس کے عورت کے لیے اس دو منٹی عمل کے نتائج کا سلسلہ دنوں اور ہفتوں نہیں حمل اور رضاعت کی مدت ملا کر ڈھائی ڈھائی سال تک پھیلا ہوا رہتا ہے۔ پھر حمل کے بغیر بھی ہر جوان تندرست عورت کے لیے ہر مہینہ ایک ایک ہفتہ کی معذوری ایک امر طبیعی ہے۔ اور وہ قانونی نظام کامل نہیں ناقص ہے جو مرد کی طبیعی ضرورتوں کی طرف سے آنکھ بند کر لے اور عورت کی طبیعی معذوریوں کا لحاظ کر کے مرد کے لیے کوئی سہولت جائز نہ رکھے! پھر یورپ کے بڑے بڑے ڈاکٹروں اور ماہرین حیاتیات کی شہادتیں اس تجربہ و مشاہدہ کی تائید میں ہیں کہ طبیعی ضرورت سے قطع نظر مرد کی شہوانی جبلت تنوع پسند بھی ہے اس لیے جو شریعت اس کی اس جبلت کی کوئی رعایت اپنے نظام میں نہیں رکھتی وہ اور کچھ بھی ہو، بہرحال خدائی اور مطابق فطرت نہیں کہی جا سکتی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخ جب سے ساتھ دیتی ہے، داعیانِ توحید نے اس دستور کو نہ صرف جائز رکھا ہے بلکہ اس پر عمل کر کے اسے اور زیادہ قوت پہنچا رہی ہے۔ حضرت ابراہیم، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ۔ حضرت داؤد۔ حضرت سلیمان علیہم السلام میں سے کسی کے ہاں بھی یک زوجی کی سند نہیں ملتی، بلکہ بعض کی حرم سرا تو کثرت تعداد کے لیے بھی مشہور ہے۔ ہند قدیم میں اکابر ہنود کی بابت بھی روایتیں وحدت کی نہیں، تعدد ہی کی ہیں اور یورپ و امریکہ میں آج رسم نکاح کو درمیان میں لائے بغیر جو اندھیر کھلے بندوں ہو رہا ہے اُس کی نقل و حکایت کی بھی تاب ان صفحات میں کہاں سے لائی جائے۔ اسلام نے ایک طرف تو یک زوجی کی قید اڑا کر تعدد کو سند جواز دے دی اور دوسری طرف اس کی مناسب حد بندیاں بھی کئی کئی طرح کر دیں اور یہی اس کی حکمت کا کمال رہا۔ و۱۱ (کہ جب تعدد کی صورت ہی نہ ہو گی تو عدل کا سوال ہی پیدا نہ ہو گا) اَلَّا تَعْدِلُوْا یعنی بیویوں کے درمیان عدل نہ کر سکو گے اور ان کے حقوق واجب ادا نہ کر پاؤ گے۔ عدل سے یہاں مراد ادائے حقوق واجب میں عدل و مساوات ہے جو انسان کے قصد و اختیار کے اندر کی چیز ہے۔ مثلاً یہ کہ کوئی بیوی بغیر کھانے، کپڑے، مکان کے نہ رہے باقی جہاں تک محبت طبعی اور تعلق قلب کا سوال ہے اس میں مساوات قدرتِ بشری سے باہر ہے، اور اس باب میں شریعت نے کوئی گرفت نہیں رکھی ہے۔ اور اس عدل اختیاری میں بھی یہ لازم نہیں کہ ہر معاملہ مساواتِ عددی ہی کے ساتھ کیا جائے۔ ایک افریقی بیوی خوگر بالکل دوسری چیزوں کی ہو گی اور امریکی بیوی دوسری چیزوں کی، مُسن اور ادھیڑ سن کی بیوی کی ضرورتیں، خواہشیں، دلچسپیاں سب ایک کم سن، نوجوان بیوی کی ضرورتوں، دلچسپیوں، خواہشوں سے مختلف ہوں گی، مقصود یہ نہیں کہ ساری بھینسیں ایک ہی لاٹھی سے ہانکی جانے لگیں، مقصود ہر ایک کو بقدر امکان اور بہ لحاظ اس کے ذوق و حالات کے راحت پہنچانا ہے۔ فقہاء نے عدل بین الازواج کو فرض قرار دیا ہے لیکن خود عدل کی تفسیر عدم ظلم سے کی ہے کہ کسی پر زیادتی نہ ہونے پائے۔ و ظاهر الاية انه فرض ان يعدل اى ان لايجور (درمختار) فَوَاحِدَةً کوئی شوہر اگر ظلم و بے انصافی کے ساتھ دو یا زائد بیویاں رکھے تو اس پر ظلم و بے انصافی کا گناہ برابر ہوتا رہے گا لیکن یہ نہیں کہ دوسری بیوی یا بیویوں سے نکاح ہی منعقد نہ ہو۔ ظلم و جور قانونی انعقادِ نکاح کا مانع نہیں۔ و۱۲ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کے لفظی معنی ہیں...... وہ جن کے مالک تمہارے داہنے ہاتھ ہیں" محاورہ میں اس سے مراد شرعی مملوک، غلام اور کنیزیں ہوتے ہیں۔ جن کا اب مدتِ دراز سے ہندوستان بلکہ دنیا کے اکثر ملکوں میں کہیں وجود نہیں۔ اسیرانِ جنگ کا معاملہ ہمیشہ ایک اہم و دشوار معاملہ رہا ہے یعنی یہ کہ جو مرد اور عورتیں شکست خوردہ غنیم کے ہاں سے گرفتار ہو کر آئیں۔ اُن کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے، انہیں کہاں اور کیسے رکھا جائے۔ کسی نے اس کا حل جبری مزدوری Forced Labour یا بیگار کو نکالا۔ کسی نے کچھ اور۔ ہماری شریعت نے حکم یہ دیا کہ بجائے اس کے کہ ایک بڑی آبادی کا بار حکومت State پر ڈالا جائے، اس تعداد کو افراد میں تقسیم کیا جائے اور ہر فرد اس نو وارد کو اپنے خاندان کا ایک جزء بنا لے۔ اس سے کام ہر طرح کا یقیناً لے۔ لیکن اس کے آرام کا بھی ہر طرح لحاظ رکھے۔ اور ان میں جو عورتیں ہوں ان سے ہمبستری کا حق بھی حاصل رہے۔ اس کا قیدی ہو کر آنا یہ خود اعلانِ نکاح کا قائم مقام ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی مزید ایجاب و قبول اور شاہدین کی ضرورت نہیں اور یہ لوگ آسان شرائط پر اپنی آزادی ہر وقت خرید سکتے ہیں (شرائط کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی) بلکہ ان کے آزاد کرنے کی فضیلتیں اور اس کے لیے طرح طرح کی ترغیبات خود قرآن مجید ہی میں درج ہیں۔ اور حدیث میں تو اور زائد ہے...... حیرت ہے کہ ایسے صاف، سیدھے، شریفانہ، حکیمانہ قانون سے شرمانے اور اسے غیروں سے چھپانے کی ضرورت تجدد زدہ مسلمان محسوس کرتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ ان کا ذہن معاً انگریزی کے لفظ Slave اور ان ساری سختیوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو اس لفظ کے تخیل کے ساتھ وابستہ ہیں۔ حالانکہ ہمارے ہاں تو غلاموں اور غلام زادوں نے بارہا بادشاہتیں کی ہیں اور اُمرا تو ان میں کثرت سے ہوئے ہیں اور دینی حیثیت سے بڑے بڑے علماء، فقہاء و ائمہ فن اُن میں تابعین ہی کے زمانہ سے پیدا ہونے لگے تھے۔ کنیز کے حقوق بیوی سے کمتر ہوتے ہیں، اس لیے ان کا ادا کرنا بھی قدرۃً سہل تر ہے۔ و۱۳ ظاہر ہے کہ جب ایک ہی کے ساتھ نباہ ہو گا تو ظلم اور زیادتی کے امکانات بھی بہت گھٹ جائیں گے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی ایک پر قناعت۔ اشارة الى اختيار الواحدة (مدارک) اَلَّا تَعُوْلُوْا عول کے معنی ایک طرف جھک جانے اور جور کرنے کے ہیں، لَا تَعُوْلُوْا کے معنی ہوئے کہ ظلم و زیادتی نہ کرو۔ العول هو ترک النصفة باخذ الزيادة (راغب) من قولهم عال الميزان عولاً اذا مال و عال الحاكم فى حكمه اذا جار (کشاف) معناه لا تجوروا ولا تميلوا وهذا هو المختار عند اكثر المفسرين (کبیر) لا خلاف بين السلف و كل من روى عنه تفسير هذه الاية ان معناه ان لا تميلوا و ان لا تجوروا (جصاص) و۱۴ صَدُقٰتِهِنَّ۔ صداق یا مہر شریعت اسلامی میں بیوی کی وہ قیمت نہیں جو شوہر اس کے اولیاء کو دے کر ان سے بیوی حاصل کرتا ہے۔ بلکہ مہر بہ طور ایک نذرانہ کے ہے جو شوہر بہ غرض اکرام و اعزاز براہ راست بیوی کو پیش کرنا اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے۔ ہمارے فقہاء نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے۔ المهر واجب شرعاً ابانة لشرف المحل (ہدایہ) عورت کی شرمگاہ نکاح ہو جانے سے شوہر کی ملک نہیں ہو جاتی بلکہ عورت ہی کی رہتی ہے شوہر کے لیے صرف جائز ہو جاتی ہے۔ الزوج لا يملك بدله شيئاً لان البضع فى ملك المرأة بعد النكاح كهو قبله (جصاص) وانما الذى يستحقه الزوج منها بعقد النكاح به الاستباحة لا الملك (جصاص) وَاٰتُوا النِّسَآءَ یہ رقم مہر اپنی بیویوں کو دو نہ کہ ان کے اولیاء و والدین کو۔ مہر کی اہمیت اور ادائے مہر کی تاکید شریعت میں بالکل ظاہر ہے۔ گو افسوس ہے کہ اُمت کا عمل اس کے برعکس ہے مہر کو محض ایک وہمی اور فرضی چیز سمجھ رکھا گیا ہے۔ و۱۵ یعنی اس اجازت کے بعد بے تکلف اسے اپنے کام میں لا سکتے ہو۔ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ بیویوں کی طرف سے یہ ابراء بغیر کسی جبر اور دباؤ کے اور شوہر کے کسی مکر و فریب کے بغیر ہونا چاہیے، مہر اگر کسی جبر یا مکر سے معاف کرایا گیا ہے تو قاضی و عدالت کے ہاں سے جو کچھ بھی فیصلہ ہو جائے عند اللہ معاف نہیں سمجھا جائے گا۔ عَنْ شَيْءٍ چاہے وہ جزء چھوٹا ہو یا بڑا، یہاں تک کہ کل کا کل بھی۔ بیوی اگر شوہر سے مہر وصول کر کے پھر اسے واپس کر دے تو اسے ہبہ کہیں گے اور اگر لیے بغیر پہلے ہی معاف کر دے تو اس کا نام اصطلاح فقہ میں ابراء ہے اور شرعاً دونوں صورتیں بالکل درست ہیں۔ فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا محاورۂ زبان میں مراد اس کے لفظی معنی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ بیوی کی اجازت کے بعد اس مال کو بے تکلف اپنے تصرف و استعمال میں لا سکتے ہو۔ تصرفوا فيه تملكاً (روح) لا اعتبار بلفظ الاكل فى ذلك و ان المقصد فيه جواز استباحته بطيبة من نفسها (جصاص) ليس المقصود صورة الاكل و انما المراد به الاستباحة باى طريق كان (قرطبی) و۱۶ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ سیاق میں سفہاء سے مراد وہ یتیم ہیں جو عمر کے اعتبار سے بالغ ہو چکے ہیں لیکن صَرفِ مال کا سلیقہ و انتظام ان میں پیدا نہیں ہوا ہے۔ اور وہ بے تکان اور بے تحاشا اسراف میں مشغول رہتے ہیں۔ المبذرين اموالهم الذين ينفقونها فى مالا ينبغى ولا قدرة لهم على اصلاحها (مدارک) وصف اليتامٰى بانهم سفهاء باعتبار خفة احلامهم و اضطراب اٰرائهم لما فيهم من الصغر و عدم التدرّب (روح) ليس السفه فى هؤلاء صفة ذم ولا يفيد معنى العصيان لله تعالٰى و انما سموا سفهاء لخفة عقولهم و نقصان تميزهم عن القيام بحفظ المال (جصاص) سفہ و سفاہت سے یہاں کسی معصیت یا جرم اخلاقی کی طرف اشارہ کرنا نہیں بلکہ محض ان لوگوں کی انتظامی نا قابلیت کا اظہار مقصود ہے۔ اَمْوَالَكُمُ مراد اس مال سے ہے جو ملک یتیموں ہی کی ہے لیکن فی الحال سرپرستوں کی ولایت میں ہے۔ اى اموالهم التى فى ايديكم (جلالین) انما اضاف الاموال الى الاولياء لانها فى تصرفهم و تحت ولايتهم (بیضاوی) لَكُمْ قِيٰمًا۔ ضمیر مخاطب سے مراد عالم

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ

اور یتیموں کی جانچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ عمر نکاح کو پہنچ جائیں ؁۱۷

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ

تو اگر تم ان میں ہوشیاری دیکھ لو تو ان کے حوالہ ان کا مال

اَمْوَالَهُمْ ۚ وَ لَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا

کر دو ؁۱۸ اور مال کو جلد جلد اسراف سے اور اس خیال سے

اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ

کہ یہ بڑے ہو جائیں گے ؁۱۹ مت کھا ڈالو، بلکہ جو شخص خوشحال ہو وہ تو اپنے کو بالکل روکے رکھے ؁۲۰

وَ مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

البتہ جو شخص نادار ہو وہ مناسب مقدار میں کھا سکتا ہے ؁۲۱

فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا

اور جب اُن کے مال اُن کے حوالہ کرنے لگو تو ان پر گواہ بھی

عَلَيْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۶﴾ لِلرِّجَالِ

کر لیا کرو، اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے ؁۲۲ مردوں کے لیے بھی

نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۠

اس چیز میں حصہ ہے جس کو والدین اور نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں

وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

اور عورتوں کے لیے بھی اس چیز میں حصہ ہے جس کو والدین اور نزدیک کے

وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا

قرابت دار چھوڑ جائیں اس (متروکہ) میں سے تھوڑا ہو یا زیادہ (بہرحال) ایک حصہ

انسانیت ہے یعنی مال جو انسان کے بے مایہ زندگی ہے، جس کے اُوپر انسان کی حیات مادّی و معاشرتی کا دارومدار ہے۔ وبہ قوامًا لا بدانکم و معاشا لاھلکم و اولادکم (مدارک) المراد من القیام ما به القیام (روح) لَکُمۡ کا مطلب یہ ہے کہ مال اللہ کی بڑی نعمت ہے اور بڑی قدر کی چیز۔ ابھی اسے نافہم یتیموں کے ہاتھ میں نہ دے دو۔ کہ اس کی قدر و مرتبہ سے ناواقف ہیں وہ ناقدری سے اسے اُڑا دیں گے۔ فقہاء نے آیت سے حفظ مال وعدم تضیع مال کے وجوب پر بھی استدلال کیا ہے۔ و فیه الدلالة علی النھی عن تضییع المال و وجوب حفظه و تدبیرہ و القیام به (جصاص) وَارۡزُقُوۡھُمۡ...... مَعۡرُوۡفًا مطلب یہ ہوا کہ اسی جائداد سے یتیموں کی ضرورتیں پوری کرتے رہو، اُن کی راحت و آسائش کے سامان کرتے رہو اور بجائے اُن کے ہاتھ میں جائیداد دے دینے کے اُن سے تسلی کی باتیں کرتے رہو کہ یہ ملک تمہاری ہی ہے تمہاری ہی ہوا خواہی کا تقاضا ہے کہ اسے ابھی تمہارے ہاتھ میں نہ دیا جائے بلکہ انتظار کیا جائے کہ تم میں پوری طرح سمجھ آ جائے۔ ان کی یہ سفاہت ان کے نان ونفقہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ اور یہیں سے فقہاء نے نالائق اولاد اور بیوی کے نان ونفقہ کے وجوب پر استدلال کیا ہے:۔ فی ذٰلک دلیل علی وجوب نفقة الاولاد السفه والزوجات (جصاص) مَعۡرُوۡفًا۔ معروف کے اندر ہر وہ چیز داخل ہے جو علماً خواہ عملاً عقل و شریعت کے نزدیک پسندیدہ ہو۔ کل ما سکنت الیه النفس لحسنه عقلاً او شرعاً من قولٍ او عملٍ فهو معروف (مدارک) ای کلاماً تطیب به نفوسهم (روح)

؁۱۷ یعنی سیانے اور بالغ ہو جائیں۔ یعنی القدرة علی الوطیٔ (ابن عربی) حتی اذا بلغوا حدالبلوغ (بیضاوی) اور بلوغ کی عمر حنفیہ کے ہاں لڑکے کے لیے ۱۸ سال کی اور لڑکی کے لیے ۱۷ سال کی رکھی گئی ہے۔ و شاع عن الامام الاعظم ان السن للغلام تمام ثمانی عشرة سنة وللجارية تمام سبع عشرة سنة (روح) ھکذا قاله ابن عباس و تابعه القتبی (روح) وَابۡتَلُوا الۡیَتٰمٰی یعنی اُن کے بالغ ہونے سے پہلے ان کی جانچ انتظامی معاملات میں ہوشیاری اور تمیزداری کی کر لیا کرو۔ والاختبار فی استبراء حاله فی المعرفة بالبیع والشرٰی و ضبط امورہٖ و حفظ مالهٖ (جصاص) خطاب وہی یتیموں کے اولیاء اور سرپرستوں سے چل رہا ہے۔

؁۱۸ (بغیر اُن کے عمر بلوغ کا انتظار کیے) من غیرتاخیر عن حد البلوغ (مدارک) فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡھُمۡ رُشۡدًا یعنی بلوغ و آزمائش کے بعد اگر ان میں انتظام اور صَرفِ مال کا سلیقہ پاؤ۔ یہاں دیکھنے کی چیز اُن کی صرفِ انتظامی صلاحیت ہوگی نہ کہ ان کی عبادت وتقوی رُشۡدًا رشد یہاں سلیقہ مندی اور انتظام کے مفہوم میں ہے۔ نہ کہ تقوی وہدایت کے عام معنی میں۔ ای نوعاً من الرشد و ھو الرشد فی التصرف والتجارة (کشاف) و بین الرشدین اعنی الرشد المونس من الیتیم والرشد الذی اوتی ابراھیم علیہ السلام بونٌ بعید (راغب) ای ھدایةً فی التصرفات و صلاحاً فی المعاملات (مدارک) و تنکیر الرشد یفیدان المراد رشد مخصوص و ھو الرشد فی التصرف والتجارة (مدارک) فاعتبار الدین فی دفع المال غیر واجب باتفاق الفقھاء لانه لوکان رجلا فاسقاً ضابطاً لامورہٖ عالماً بالتصرف فی وجوہ التجارات لم یجزان یمنع ماله لاجل فسقه (جصاص)

؁۱۹ (اور اس وقت تو بہرحال اُن کے حوالہ کرنا ہی پڑے گا) وما یکبروا فیطالبوا باموالھم (جصاص) حد کبر میں داخل ہونے کے بعد جائیداد بہرحال صحیح الحواس اصل مالک کو مل جائے گی خواہ رشد سے انتظامی صلاحیت حاصل ہو یا نہ ہو فاتر العقل کے احکام الگ ہیں۔ فیھا دلالة علی انه اذا صار فی حدالکبر استحق المال اذاکان عاقلا من غیر شرط ایناس الرشد (جصاص) اور حد کبر میں داخلہ کی عمر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ۲۵ سال کی ہے کہ اس سن میں انسان دادا بن سکتا ہے۔ و جعل ابو حنیفةؒ حدالکبر فی ذٰلک خمسا و عشرین سنة لان مثله یکون جدًا و محال ان یکون جدًاولایکون فی حد الکبار (جصاص) بِدَارًا کے معنی جلدی کرنے کے ہیں۔ بدارًا ای مسارعة (راغب) بدارًا ای مبادرة (بخاری)

؁۲۰ (جائداد یتیم میں تصرف سے) وَمَنۡ کَانَ غَنِیًّا۔ ذکر انہی اولیاء یتامٰی کا ہے۔ حکم ان کو مل رہا ہے کہ اگر وہ خوش حال ہیں تو انہیں فیس، آنریریم وغیرہ کے نام سے کوئی رقم بھی یتیم کے مال میں سے نہ لینا چاہیے۔ بلکہ اسے محض حِسۡبَةً لِلّٰہ کرتے رہنا چاہیے۔

؁۲۱ یعنی بہ قدر اپنی ضرورت کے ای بقدر الحاجة (ابن عربی) بقدر حاجته الضروریة (روح) یہ رقم، محققین حنفیہ نے صاف کر دیا ہے کہ بہ طور اُجرت کے نہ ہوگی کہ نگرانی تو ولی کے فرائض میں ہے اور معلوم ہے کہ ادائے فرائض پر اُجرت جائز نہیں۔ بلکہ یہ رقم تو الگ سے اللہ کی مقرر کی ہوئی ایک مد ہے۔ اِنّ الرزق لیس باجرة لشیء وانما ھو شیء جعله اللہ له (جصاص) فاخذ الاجرة للقاضی و لمن قام بشیٔ من امور الدین غیر جائز (جصاص) بِالۡمَعۡرُوۡفِ۔ یعنی یہ تدبیر کہ اس آمدنی سے خوب عیش کی زندگی بسر کرنے لگے۔ بلکہ صرف اتنا معاوضہ لے جتنا اسے معاشرہ میں متعارف ہو۔

؁۲۲ یعنی یہ گواہوں کا حکم تو دنیوی ضابطہ کی تکمیل کے لیے دیا جا رہا ہے ورنہ حقیقۃً ہر خیانت اور ہر امانت کا علم تو اللہ کو ہے۔ فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ اِلَیۡھِمۡ یعنی جب بعد تحقق شرائط مذکور (بلوغ و قابلیت انتظام) یتیموں کے سپرد ان کی جائیداد یں کرنے لگو۔ فَاَشۡھِدُوۡا عَلَیۡھِمۡ گواہ اس امر پر کہ یتیموں کا مال اُن کے سپرد کر دیا گیا۔

ف۲۳ یعنی یہ مورث کی رائے اور اختیار پر موقوف نہیں۔ حصوں کی ہر تقسیم اور ترکہ کا ہر استحقاق شریعت الٰہی کا مقرر کیا ہوا قانون ہے۔ یہ نہیں کہ جو روشن خیال جب جب چاہیں انھیں اور اس قانون میں قطع و برید کر کے رکھ دیں۔ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ...... وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ یعنی حق میراث مردوں عورتوں دونوں کو یکساں پہنچتا ہے۔ اس میں رد آ گیا ان مذہبوں کا جنھوں نے عورت کو محض اس کے عورت ہونے کی بنا پر حق وراثت سے محروم رکھا ہے۔ ہندوؤں کی طرح جاہلیت عرب میں بھی عورتوں کا کوئی حصہ ہی نہ تھا۔ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ۔ منه میں ضمیر غائب ترکہ یا مال کی طرف ہے۔ والضمیر یعود الی ما ترک (مدارک) ف۲۴ یعنی نرمی اور خوش اسلوبی سے معذوری کر دو۔ خشونت سے کام نہ لو۔ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ یعنی جس وقت وارثوں کے درمیان تقسیم ترکہ ہو رہی ہو۔ ای قسمة الترکة (مدارک) اُولُوا الْقُرْبٰى۔ ایسے عزیز مراد ہیں جن کا میراث میں کوئی حق نہیں۔ فی مَنْ لَّا يَرِثُ (مدارک) مِنْهُ ضمیر ترکہ کی طرف ہے۔ ای مما ترک الوالدان و الاقربون (مدارک) یہ تقسیم صرف بالغوں کے حصہ میں سے ہوگی۔ نابالغوں کے حصہ میں سے خیر و خیرات یا کسی کی مراعات جائز نہیں۔ فَارْزُقُوْهُمْ اس میں بڑی بحث و گفتگو ہوئی ہے کہ یہ حاضر الوقت غیر وارثوں کو ترکہ میں سے دینے کا حکم وجوبی ہے یا محض استحبابی۔ تحقیق یہ ہے کہ یہ درجہ استحباب کی چیز ہے۔ واجب نہیں ہے۔ اور اگر ابتداء میں واجب تھا بھی تو اب حکم وجوب منسوخ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی، ابن جبیر تابعی، حسن

مَّفْرُوْضًا ﴿۷﴾ وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى

قطعی ہے ف۲۳ اور جب تقسیم کے وقت اعزہ

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ

اور یتیم اور مسکین موجود ہوں تو انہیں بھی اس میں سے (کچھ) دے دو

وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۸﴾ وَ لْيَخْشَ

اور اُن سے ہمدردی کی بات کہو ف۲۴ اور ایسے لوگوں کو

الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا

ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے چھوٹے بچے چھوڑ جائیں

خَافُوْا عَلَيْهِمْ ص فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا

تو ان کی انہیں (کیسی) فکر رہے پس چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور بات

سَدِيْدًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى

پکی کہیں ف۲۵ بیشک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھا

ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ط

لیتے ہیں وہ بس اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں ف۲۶

وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۰﴾ ع يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ

اور عنقریب وہ دہکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے، اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی میراث) کے

اَوْلَادِكُمْ ق لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ج فَاِنْ

بارہ میں حکم دیتا ہے ف۲۷ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے ف۲۸ اور اگر

كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا

دو سے زائد عورتیں (ہی) ہوں ف۲۹ تو ان کے لیے دو تہائی (حصہ) اس (مال) کا ہے جو مورث

ع ۱۰ / ۱۲

بصری تابعی، اور محققین حنفیہ کا یہی مذہب ہے۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنہما و ابن جبیر و الحسن ھو ندب (بحر) ...... ھذا کله یوجب ان یکون اعطاء ھٰؤلآء الحاضرین عند القسمة استحبابًا لا ایجاباً (جصاص) والصحیح ان ھذا علی الندب (قرطبی) ف۲۵ (اور ان یتیموں کے حسب مصلحت) یعنی ان کی تعلیم، تادیب، تسلی، دلجوئی ہر پہلو کا لحاظ رہے۔ ذکروا بالنظر فی مصلحتھم (ابن عربی) القول السدید من الاوصیاء ان لا یؤذوا الیتامٰی و یکلموھم کما یکلمون اولادھم بالادب الحسن والترحیب (کشاف) مفسرین کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ یہ خطاب اولیاء کو نہیں بلکہ قریب الموت شخص کے عزیزوں قریبوں کو ہے کہ وہ اسے سمجھائیں کہ اسے حق صرف ایک ثلث میں صدقہ کا ہے اور باقی مال مقررہ وارثوں کے لیے چھوڑ جائے۔ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ یعنی اللہ سے ڈرتے رہیں کہ کہیں خود ان کے چھوٹے یتیم بچوں کے ساتھ یہ معاملہ پیش آ کر نہ رہے۔ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا ضعیف سے مراد بوڑھی نہیں، کمزور اور کم سن اولاد ہے۔ ای اولادًا صغارًا (معالم۔ جلالین) قَوْلًا سَدِيْدًا یعنی پکی اور صحیح بات جس میں کوئی پہلو شر و فساد و اتلافِ حقوق کا نہ نکلتا ہو۔ ھو العدل والحق الذی لا خلل فیه ولا فساد فی رجحان بوارث او حرمان لذی قرابة (جصاص) ف۲۶ خیانت، غصب، بددیانتی ہر صورت میں بری ہیں، یتیموں کے مال میں ان کا وقوع قبیح تر ہے۔ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى۔ یاکلون سے مراد یتیم کا مال کسی طریقہ سے بھی بے جا صرف میں لے آنا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ صرف کھانے ہی کے کام میں آئے۔ اُردو محاورہ میں بھی روپیہ "کھا جانا" ایسے موقع پر بڑے وسیع معنی میں آتا ہے۔ خص الاکل بالذکر لانه اعظم ما یبتغی له الاموال (جصاص) اِنَّمَا...... نَارًا یعنی اس حرام خوری کا انجام یہی ہوتا ہے۔ ف۲۷ ترکہ کی تقسیم اجتماعی و معاشرتی زندگی کے اہم ترین مسائل میں سے ہے اور اس کی عادلانہ تقسیم پر معاشرہ کی فلاح و بہبود کا بہت کچھ مدار ہے۔ اور وہ نام نہاد آسمانی کتابیں دنیا کے ہدایت نامہ کی حیثیت سے کامل نہیں ناقص ہیں۔ جو ایسے اہم مسئلہ کی تفصیلات سے خالی ہوں۔ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ اب تصریح سے یہ یاد دلا دیا کہ یہ احکام کسی بندہ کے تجویز کیے ہوئے نہیں۔ حکیم مطلق اور عالم الغیب حاکم برحق کے ارشاد کیے ہوئے ہیں۔ ف۲۸ یہ ایک عام اصل بیان کر دی کہ ہر لڑکے کو دہرا اور ہر لڑکی کو اکہرا حصہ ملے گا۔ خواہ لڑکا اور لڑکی ایک ایک ہوں یا کئی۔ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ دنیا کی بہت سی مذہبی اور غیر مذہبی شریعتیں ایسی ہیں جن میں لڑکی کا سرے سے کوئی حصہ ہی نہیں اور عرب جاہلیت میں بھی ترکہ کے حصہ دار صرف مرد (اور مردوں میں بھی بالغ اور قابل حرب مرد) تھے۔ ایسے قانون کا ظالمانہ اور خلافِ فطرت ہونا بالکل ظاہر ہے لیکن اب اس کے ردعمل کے طور پر بعض حلقوں سے جو یہ صدا اٹھی ہے کہ مرد و عورت کا حصہ مساوی ہونا چاہیے یہ دوسری بے اعتدالی اور افراط کی جگہ تفریط ہے۔ عورت کی فطری ساخت، جسمانی ترکیب اور عضویاتی فرائض نے اسے اس قابل ہی نہیں رکھا ہے کہ تربیت نسل کے ساتھ ساتھ اس پر فکر معاش کی ذمہ داریاں بھی ڈال دی جائیں۔ قدرت نے اور اس لیے صحیح اور سچی شریعت نے اس کا ذمہ دار مرد کو ٹھہرایا ہے۔ گھر اور خاندان کا خرچ چلانا اس کے سر رکھا ہے۔ اس لیے یہ ظلم نہیں عین عدل ہے کہ ترکہ میں اسے حصہ بھی بڑا ملے۔ پھر ہر شادی شدہ عورت کو حصول میراث کے موقع پر دوہرے حصے حاصل رہتے ہیں۔ ایک اِدھر میکہ میں باپ کے ترکہ میں سے حصہ، دوسرا اُدھر سسرال میں شوہر کے ترکہ میں سے حصہ، اس طرح صوری اور ظاہری اعتبار سے بھی عورت گھاٹے میں نہیں رہتی۔ ف۲۹ (یا صرف دو ہی اولاد میں) اِنْ كُنَّ نِسَآءً یعنی اگر وارث صرف لڑکیاں ہی ہوں۔ فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فوق کے معنی یہاں لازمی طور پر "زائد" کے نہیں۔ یہ صلہ محاورۂ عرب میں اکثر زائد بھی آ جاتا ہے اور خود قرآن مجید میں بھی اس کے زائد استعمال کی مثالیں موجود ہیں مثلاً فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ ان ذکر فوق ھھنا صلة للکلام (جصاص)

تَرَكَ ۚ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ

چھوڑ گیا ہے، ف۳۰ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے نصف (حصہ) ہے، ف۳۱

وَ لِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا

اور مورث کے والدین یعنی ان دونوں میں ہر ایک کے لیے اُس (مال) کا چھٹا حصہ ہے جو وہ

تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ

چھوڑ گیا ہے، ف۳۲ بشرطیکہ مورث کے کوئی اولاد ہو، ف۳۳ اور اگر مورث کے کوئی اولاد

وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ

نہ ہو اور اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے، ف۳۴ لیکن اگر مورث کے

اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے ایک چھٹا حصہ ہے، ف۳۵ وصیت کے نکالنے کے بعد کہ مورث اس کی وصیت

يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا

کر جائے یا ادائے قرض کے بعد ف۳۶ تمہارے باپ ہوں کہ تمہارے بیٹے تم نہیں

تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً

جانتے ہو کہ ان میں سے نفع پہنچانے میں تم سے قریب تر کون ہے ف۳۷، یہ سب

مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾ وَلَكُمْ

اللہ کی طرف سے مقرر ہے، بیشک اللہ ہی علم والا ہے، حکمت والا ہے، ف۳۸ اور تمہارے لیے

نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ

اُس (مال) کا آدھا حصہ ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں بشرطیکہ ان کے کوئی

لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ

اولاد نہ ہو ف۳۹ اور اگر ان کے اولاد ہو تو تمہارے لیے بیویوں کے ترکہ کی

ف۳۰ لڑکیاں اگر صرف دو ہوں تو ان کا کل حصہ ۳/۲ ہونا ظاہر ہے ہر ایک کو ۳/۱ کے حساب سے۔ لیکن یہ شرح یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ تین کو ۳/۳ یعنی کل کا کل نہیں مل جائے گا۔ بلکہ لڑکیاں جتنی بھی
ہوں ان کا مجموعی حصہ ترکہ کا ۳/۲ ہی رہے گا، باقی ۳/۱ میں اور اعزاء خاص شریک ہوں گے۔ تفصیل فرائض کی کتابوں میں ملے گی۔ ف۳۱ (کل ترکہ کا) اور بقیہ نصف حصہ میں دوسرے متعین اعزہ
شریک ہوں گے۔ لیکن اگر وہ نہ موجود ہوئے تو پھر وہ نصف بھی اسی لڑکی کی طرف عود کر آئے گا۔ ف۳۲ اور بقیہ ۶/۵ اولاد اور دوسرے وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ ف۳۳ خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ اور خواہ تعداد میں ایک ہو یا زائد۔ ف۳۴ (اور بقیہ دو تہائی باپ کا) وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ یعنی علاوہ اولاد کے بھائی بہن بھی نہ ہوں، صرف ماں باپ ہی وارث ہوں، ف۳۵ (اور بقیہ ۶/۵ حصہ باپ کا) باپ کے باعث بھائی بہنوں کو نہ ملے گا۔ اِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ یہ بھائی بہن خواہ سگے ہوں یا سوتیلے۔ یہ وہ صورت ہے کہ میت کے اولاد کوئی نہیں۔ لیکن ماں باپ بھی ہیں اور بھائی بہن بھی۔ اِخْوَةٌ کا لفظ یہاں بھائی بہن دونوں کے لیے ہے۔ صیغۂ مذکر قاعدۂ زبان کے مطابق محض تغلیباً لایا گیا ہے۔ ف۳۶ (اگر کچھ ہو) وارثوں کو حصہ اس وقت ہوگا جب پہلے مورث کا قرض ادا ہو لے اور اگر وہ ایک ثلث جائداد سے متعلق کچھ وصیت کر گیا ہے تو اس وصیت کا اجراء ہو لے۔ فقہاء نے یہاں دو قاعدے اور بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ قرض اور وصیت میں ادائے قرض مقدم ہے۔ گو قرآن مجید میں لفظ وصیت پہلے مذکور ہے۔ الدّين مؤخر فى اللفظ و هو مبتدأ به فى المعنى على الوصية (جصاص) انما قدمنا الدين على الوصية لقوله عليه السلام الا ان الدّين قبل الوصية (مدارک) دوسرے یہ کہ ادائے قرض اور اجراء وصیت ان دونوں سے بھی پہلے مورث کی تجہیز و تکفین کے لیے خرچ نکالنا ضروری ہے۔ ف۳۷ یعنی نفع دنیوی ہو یا اخروی تمہیں کون زیادہ پہنچا سکے گا! اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ۔ اٰبَآؤُكُمْ کے تحت میں صرف باپ ہی نہیں بلکہ دادا، پردادا، اوپر کے سارے اصول آ گئے۔ اسی طرح اَبْنَآؤُكُمْ کے تحت میں نہ صرف صلبی بلکہ اولاد در اولاد نیچے کے سارے فروع آ گئے۔ یہاں یہ جتا دیا ہے کہ ترکہ کی تقسیم مورث کی رائے و اجتہاد پر نہیں چھوڑی گئی ہے۔ حکیم و خبیر حاکم مطلق نے خود ہی سب قاعدے ضابطے مقرر کر دیئے ہیں۔ آیت سے حسن معاملت کے ساتھ ساتھ حسن معاشرت کی بھی تعلیم نکل آئی۔ انسان کو چاہیے کہ شفقت و رحمت اور حسن سلوک اپنے سارے بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ رکھے۔ اُسے کیا خبر کہ کون اُس کے زیادہ کام آ کر رہے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ف۳۸ اور اللہ کے علم و حکمت سے بھلا کسی بندہ کی فہم و دانش کو کوئی نسبت ہو سکتی ہے؟ آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ احکام میراث کے باب میں قرآن مجید کو کس درجہ تاکید اور اہتمام منظور ہے۔ شروع يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ سے کیا، اور آیت کے خاتمہ پر پھر دُہری دُہری بلکہ تہری تہری تصریح و تاکید موجود ہے ...... اور پھر ہم لوگ بھی ٹھیک اس کے مقابل غفلت اور بے پروائی میں کس قدر پڑے ہوئے ہیں۔ كَانَ یہاں ماضی کے معنی میں نہیں، بلکہ دوام و استمرار کے اظہار کے لیے ہے فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ چند حالات ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن میں میراث جاری نہ ہوگی مثلاً (۱) وارث مرتد ہو جائے (۲) وارث اپنے مورث کے قتل عمد کا مجرم ہو۔ (۳) وارث جا کر دار الحرب میں قیام اختیار کر لے۔ تفصیل ان موانع میراث کی، فقہ و فرائض کی کتابوں میں ملے گی۔ ف۳۹ (نہ تم سے نہ کسی اور شوہر سے) ظاہر ہے کہ اتنے جزء میں خطاب شوہروں سے ہے۔

مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ

چوتھائی ہے و۴۰ وصیت (نکالنے) کے بعد جس کی وہ وصیت کر جائیں

اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ

یا ادائے قرض کے بعد و۴۱ اور ان (بیویوں) کے لیے تمہارے ترکہ کی چوتھائی ہے و۴۲ بشرطیکہ تمہارے

يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ

کوئی اولاد نہ ہو لیکن اگر تمہارے کچھ اولاد ہو تو ان (بیویوں) کو

الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ

تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا و۴۳ بعد وصیت (نکالنے) کے جس کی تم وصیت کر جاؤ

بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً

یا ادائے قرض کے بعد، اور اگر کوئی مورث مرد ہو یا عورت، ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں

اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ

نہ فروع اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ایک

مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ

چھٹا حصہ ہے اور اگر یہ لوگ اس سے زائد ہوں تو وہ

فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

ایک تہائی میں شریک ہوں گے و۴۴ بعد وصیت (نکالنے) کے،

يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً

جس کی وصیت کر دی جائے یا ادائے قرض کے بعد بغیر کسی کے نقصان پہنچائے و۴۵ یہ حکم اللہ کی طرف سے

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ (۱۲) تِلْكَ حُدُوْدُ

ہے و۴۶ اور اللہ بڑا علم والا ہے۔ بڑا بردبار ہے و۴۷ یہ سب خداوندی ضابطے ہیں و۴۸

و۴۰ (اور بقیہ ۴/۳ دوسرے وارثوں کا حصہ ہے) بیوی کے ترکہ میں ۴/۱ حصہ شوہر کا ہر صورت میں ہے۔ خواہ بیوی کوئی اولاد چھوڑے یا نہ چھوڑے۔ اِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ یہ اولاد خواہ تم سے ہو یا پہلے شوہر سے۔ و۴۱ حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ میراث کی تقسیم ہر حال میں اجرائے وصیت اور ادائے قرض کے بعد ہی ہوگی اور ان دونوں میں بھی ادائے قرض مقدم ہے۔ و۴۲ اور بیویاں اگر کئی ہوں تو شوہر کے ترکہ کی وہی چوتھائی سب میں برابر تقسیم ہو جائے گی۔ و۴۳ (اور شوہر کے ترکہ کا بقیہ ۸/۷ دوسرے وارثوں کی طرف جائے گا) بیویوں کو ۸/۱ ہر صورت ملے گا خواہ اولاد ہو یا نہ ہو۔ اِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ یہ اولاد خواہ اُنھی بیویوں سے ہو یا کسی اور عورت سے۔ و۴۴ (اور بقیہ ۳/۲ حصہ دوسرے وارثوں کی طرف جائے گا) فَهُمْ شُرَكَآءُ یہ شرکت برابری کی رہے گی، یعنی مذکر و مؤنث کا حصہ برابر کا رہے گا۔ كَلٰلَةً اُردو میں اس کے لیے کوئی ایک لفظ موجود نہیں۔ کلالہ عربی میں ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کے نہ باپ دادا میں سے کوئی موجود ہو اور نہ اولاد، اولاد در اولاد میں سے۔ و۴۵ یعنی مورث کسی وارث کو نقصان نہ پہنچائے نہ عملاً نہ ارادۃً۔ عملاً کی مثال یہ کہ وصیت ۳/۱ سے زائد کی کر دی ایسی وصیت قانونِ شریعت کے خلاف ہونے کی بنا پر ناقابلِ نفاذ ہوگی۔ ارادۃً یہ کہ وصیت رکھے تو ۳/۱ کے اندر ہی۔ لیکن نیت و مقصود یہ ہو کہ وارث کا حصہ کٹ جائے۔ ایسی وصیت کا نفاذ قانونی تو ہو جائے گا لیکن وصیت کرنے والا عند اللہ گنہگار ٹھہرے گا۔ اسلام اپنے پیروؤں سے قدم قدم پر عمل کے ساتھ ساتھ نیت کا بھی اخلاص وصداقت چاہتا ہے۔ و۴۶ ختم کے قریب پھر یاد دلا دیا کہ یہ سارا قانون میراث شریعت کے ہر دوسرے حکم کی طرح حاکم مطلق اور حکیم برحق کا نازل کیا ہوا ہے۔ کسی انسانی عقل و دماغ کا سوچا ہوا کسی کونسل، کمیٹی، مجلس کا وضع کیا ہوا نہیں جو آج پاس ہو اور کل اس میں ترمیم ہو جائے۔ و۴۷ چنانچہ علم کامل کی بنا پر وہ خوب واقف ہے کہ کون اس قانون پر عامل ہے اور کون اس سے منحرف۔ اور حلم کامل کے اقتضاء سے بہت دفعہ مجرموں کی گرفت وہ فوراً نہیں کرتا۔ و۴۸ (جنھیں ہلکا سمجھنا خود اپنے کو خدائی عدالت میں مجرم بنانا ہے) تِلْكَ کا اشارہ اُن تمام احکام کی جانب ہے جو یتیموں اور وصیتوں اور ترکہ کے باب میں ابھی گزر چکے ہیں۔ اشارۃ الی الاحکام التی ذکرت فی باب الیتامٰی والوصایا والمواریث (مدارک)

اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی (پوری) اطاعت کرے گا اللہ اسے (بہشت کے) باغوں میں داخل

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ

کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ ہمیش

فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۳﴾ وَ مَنْ یَّعْصِ

رہیں گے۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے ف۴۹ اور جو کوئی اللہ اور

اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ

اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کے ضابطوں کی حدود سے باہر نکل جائے گا اسے وہ (دوزخ کی) آگ

نَارًا خَالِدًا فِیْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۱۴﴾ؑ وَ الّٰتِیْ

میں داخل کرے گا اس میں وہ ہمیشہ ہمیش پڑا رہے گا، اور اسے ذلت دینے والا عذاب ہوگا، ف۵۰ اور تمہاری

یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا

عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ف۵۱ اُن پر چار (آدمی)

عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ

اپنے میں سے گواہ کر لو سو اگر وہ گواہی دے دیں تو ان (عورتوں) کو گھروں کے اندر

فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ

بند رکھو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے، ف۵۲ یا اللہ اُن کے لیے

اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾ وَ الَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ

کوئی (اور) راہ نکال دے ف۵۳ اور تم میں سے کوئی دو جو وہ کام کریں

فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَ اَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا

انہیں اذیت پہنچاؤ ف۵۴ پھر اگر دونوں توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں ف۵۵ تو ان سے تعرض

ع ۱۲

ف۴۹ اور یہ فوزِ عظیم جس اطاعت کامل پر مشروط ہے اس کے اندر اس قانونِ میراث کی پابندی بھی آگئی۔ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ۔ اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد اُس قانون کی پابندی ہے جو اللہ کا اُتارا ہوا اور رسول ﷺ کا لایا ہوا ہے۔ ف۵۰ یہ عذاب دائمی بھی ہوگا اور مُعذّب کے حق میں ذلت آفرین بھی۔ اس عذاب کے مورد کافر ہی ہوں گے۔ یَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یعنی حد سے اس قدر باہر نکل جائے، کہ ان احکام کے احکامِ الٰہی ہونے ہی سے انکار کر دے۔ الكافر هو الذى تعدى الحدود كلها (مدارک) اى يتعد حدوده استحلالاً (مدارک عن الکلبی) وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ میں معصیت سے مراد معصیت کفر و شرک ہے۔ فسر الضحاک هنا المعصية بالشرک وقال الکلبی و من يعص الله يكفره (مدارک) ف۵۱ یعنی زنا کے مرتکب ہوں۔ اَلْفَاحِشَةَ۔ فاحشة قولی و فعلی ہر بڑی برائی کے لیے عام ہے۔ الفاحشة ما عظم قبحه من الافعال و الاقوال (راغب) الفعلة القبيحة (کبیر) یہاں مراد زنا ہے۔ كناية عن الزنا (راغب) واجمعوا على ان الفاحشة هٰهنا الزنا (کبیر) استعملت كثيراً فى الزنا لانه من اقبح القبائح و هو المراد على الصحيح (روح) نِّسَآئِكُمْ نساء ہر عورت کے لیے عام ہے یہاں مراد بیویاں ہیں۔ ف۵۲ زنا کی ایک سزا ابتداء اسلام میں عمر قید یا دائم الحبس تھی۔ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ۔ اَرْبَعَةً اول تو نصاب شہادت اس معاملہ میں دوگنا ہے یعنی جہاں مسلمان مرد یا عورت کی عزت کا سوال ہے، گواہوں کی تعداد بجائے دو کے چار ہونا چاہیے اور پھر یہ چاروں:۔ (۱) مسلم ہوں غیر مسلم نہ ہوں (۲) آزاد ہوں، غلام نہ ہوں (۳) عاقل ہوں، فاتر العقل نہ ہوں (۴) بالغ ہوں، نابالغ نہ ہوں (۵) گواہی چشم دید دیں۔ سماعی یا قیاسی شہادت کا یہاں دخل نہیں۔ فَاَمْسِكُوْهُنَّ یہ قید حکام یا اہل حل و عقد کے حکم سے ہونا چاہیے۔ هذا خطاب للحكام (معالم) فامسكوهن فى البيوت یعنی گھروں کے اندر انہیں قید یا نظر بند کر دو بعض ظالموں نے جو اس سے پردہ مراد لیا ہے انہوں نے اپنی عقل و فہم پر ظلم کیا ہے۔ فاحبسو هن فى البيوت واجعلوها سجناً عليهن (بیضاوی) ف۵۳ (اپنے رسول پر وحی کے ذریعہ سے) فقرہ خود اس پر دلالت کر رہا ہے کہ گھروں کے اندر دائمی نظر بندی کی سزا عارضی تھی اور آئندہ کوئی دوسری سزا تجویز ہونے والی ہے چنانچہ کچھ روز بعد سورۃ النور میں قرآن ہی کے ذریعہ سے دوسری سزا تجویز ہوئی۔ یعنی زانی مرد اور زانی عورت دونوں کے لیے سو ۱۰۰ سو ۱۰۰ تازیانے۔ اور سنت رسول ﷺ نے اس کی مزید تشریح یہ کی کہ یہ سزا ناکتخدا کے لیے ہے اور بیاہے ہوؤں کے لیے جرم کی سزا سنگساری ہے۔ وهذا كله كان قبل نزول الحدود فنسخت بالجلد والرجم والجلد فى القرآن و الرجم فى السنة (معالم) ف۵۴ یعنی سزا اس جرم کے سارے مجرموں کے لیے ہے۔ بہت سی قومیں اپنے کو مہذب کہلانے والی آج بھی موجود ہیں جن کے ہاں حرام کاری (جب تک کہ بہ جبر نہ ہو) سرے سے قابل تعزیر ہی نہیں۔ بہت سی قوموں میں حرام کاری صرف شادی کے بعد ہے۔ بن بیاہوں اور بن بیاہیوں کے لیے یہ کوئی جرم ہی نہیں، آیت اس سارے غلط و گمراہ کن نظریات کی تردید کر رہی ہے۔ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا۔ میں ھَا کی ضمیر فَاحِشَةً کی طرف ہے یعنی کوئی بھی جوڑا جو حرام کا مرتکب ہو۔ اس عموم میں ہر طرح کے مرتکب آگئے، بیاہے اور کنوارے، مرد و عورت سب، بجز فاتر العقلوں کے۔ فَاٰذُوْهُمَا اجراء سزا کا یہ حکم حکام یا اہل حل و عقد کو ہے۔ الخطاب هنا للحكام (روح) ف۵۵ (اجرائے سزا کے بعد) جن جرائم کی حد شرعی مقرر ہے ان میں اجرائے حد سے قبل توبہ کافی نہیں۔

عَنۡهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا

نہ کرو ف۵۶ بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ بڑا مہربان ہے ف۵۷ توبہ جس کا

التَّوۡبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السُّوۡٓءَ

قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے وہ تو بس اُنہی لوگوں کی ہے جو بری حرکت نادانی سے کر

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ قَرِيۡبٍ فَاُولٰٓـئِكَ

بیٹھتے ہیں، ف۵۸ اور پھر قریب ہی (وقت میں) توبہ کر لیتے ہیں ف۵۹ ایسے ہی لوگوں کی

يَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۱۷﴾

توبہ اللہ قبول کرتا ہے ف۶۰ اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ف۶۱

وَلَيۡسَتِ التَّوۡبَةُ لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ ۚ

ایسے لوگوں کی توبہ نہیں ہے ف۶۲ جو (برابر) گناہ کرتے رہیں

حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ اِنِّىۡ

یہاں تک کہ موت اُن میں سے کسی کے سامنے آ کھڑی ہو ف۶۳ (اور تب) وہ کہنے لگے کہ اب میں

تُبۡتُ الۡـٰٔنَ وَلَا الَّذِيۡنَ يَمُوۡتُوۡنَ وَهُمۡ كُفَّارٌ ؕ

توبہ کرتا ہوں، اور نہ ان لوگوں (کی توبہ) جو اسی حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہیں ف۶۴

اُولٰٓـئِكَ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۱۸﴾ يٰۤاَيُّهَا

یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، اے

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَحِلُّ لَـكُمۡ اَنۡ تَرِثُوا النِّسَآءَ

ایمان والو تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتوں کے جبراً مالک

كَرۡهًا ؕ وَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ لِتَذۡهَبُوۡا بِبَعۡضِ مَاۤ

ہو جاؤ ف۶۵ اور نہ انہیں اس غرض سے قید رکھو کہ تم نے انہیں جو کچھ دے

۵ یعنی مجرم جب سزا بھی بھگت چکا اور اب تائب بھی ہے تو اب اس پر مزید طعن وملامت وغیرہ جائز نہیں۔ ف۵۷ اسلام کا خدا محدود ومقید قسم کا خدا نہیں کہ مغفرت ذنوب پر قادر ہی نہیں بلکہ کائنات میں
یا مشین کی طرح ایک قانون مکافات عمل کی حکومت ہے اور خدا (نعوذ باللہ) بیٹھا ہوا منہ دیکھ رہا ہے۔ یا اگر مغفرت پر قادر ہے بھی جب بھی کفارہ کا محتاج ہے۔ ہندومت، مسیحیت وغیرہ تمام باطل ادیان
تردید آیت سے ہوگئی۔ ف۵۸ جو طبائع غیر سلیم ہیں۔ اُن کے لیے ہر قسم کی بدعملی کی گنجائش آیت ماقبل سے نکل سکتی تھی اور وہ اپنے دل میں کہہ سکتے تھے کہ جب توبہ قبول ہو ہی جائے گی تو پھر اطمینان سے
ہر قسم کے فسق وفجور میں پڑے رہ سکتے ہیں۔ جب مرنے لگیں گے۔ توبہ کرلیں گے۔ اس خدشہ کے دُور کرنے کے لیے ضرورت تھی کہ قبول توبہ کے قیود وشرائط کو صاف کردیا جاتا۔ اَلسُّوْٓءَ۔ لفظ جامع ہے
اہ کبیرہ اور صغیرہ دونوں کے لیے۔ ای المعصیة صغیرة او کبیرة (روح) اَلتَّوْبَةُ۔ توبہ کی حقیقت شریعت میں یہ ہے کہ ماضی پر ندامت ہو اور مستقبل کے لیے ترک معصیت کا عزم ہو اور یہاں
ے مراد قبول توبہ ہے۔ التوبة عبارة عن الندم علی ما مضی والعزم
ی الترک فی المستقبل (کبیر) ای ان قبولها (مدارک) بِجَهَالَةٍ
دیہ ہے کہ معصیت کے ارتکاب کے وقت اس کے نتائج کا ذہن سے ذہول ہو
یا ہو اور عقل شدتِ جذبات (یا ہوائے نفس) سے اندھی ہوگئی ہو۔ عَلَى اللّٰهِ
ں حق کا مذہب ہے کہ اللہ پر حقیقۃً واجب تو کوئی بھی چیز نہیں۔ یہاں مقصود
رف وعدہ کی تاکید ہے۔ ولیس المراد به الوجوب اذ لایجب علی اللّٰه
یء ولکنه تاکید للوعد (مدارک) ف۵۹ معصیت پر ندامت اور اس
ے ترک کا عزم، عمل معصیت کے بعد جس قدر جلد بھی ہوسکے اس کا مطلوب ہونا
ہر ہے۔ لیکن شریعت نے انتہائی شفقت سے کام لے کر اس قرب (من
یب) کی میعاد حضورِ موت سے قبل تک وسیع کردی ہے۔ صحابیوں اور تابعین
ے یہی مروی ہے۔ والقریب فی مابینه و بین ان ینظر الی ملک
موت (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) کل شیء قبل الموت فهو
یب (ابن جریر۔ عن الضحاک) و هو ما قبل حضرة الموت (مدارک)
رے معنی یہ کیے گئے ہیں اور یہ معنی بھی لگتے ہوئے ہیں کہ قبل اس کے کہ برائی
ں پر چھا جائے۔ اور نیکیوں کو سوخت کر جائے۔ معناه قبل ان یحیط
سوء بحسناته فیحبطها (معالم) مِنْ قَرِيْبٍ میں مِنْ تبعیض کے لیے
ہے۔ معناه التبعیض ای یتوبون بعض زمان قریب (کشاف) ف۶۰
ں وعدۂ مغفرت مرتب ایسے ہی لوگوں کی توبہ پر ہوتا ہے۔ ف۶۱ سو وہ اپنی شان
م سے خوب جانتا ہے کہ کس کس نے دل سے توبہ کی ہے اور اپنی شان حکمت
ے دل سے توبہ نہ کرنے والے کو بھی رسوا نہیں کرتا، اور تائب مخلص ہو یا غیر
ص۔ بہرصورت اس کے لیے مزید ملامت روا نہیں رکھتا۔ ف۶۲ یعنی ایسے
وں سے قبول توبہ کا وعدہ نہیں۔ باقی اگر اور کسی کے ساتھ محض فضل وکرم ہی کا
املہ کرنا چاہے تو اس کی راہ میں حائل کون ہوسکتا ہے۔ ف۶۳ (اور عالم برزخ
ں پر منکشف ہونے لگے) یعنی حالت نزع وسکرات شروع ہوجائے کہ اب
ذاب وملائکہ عذاب کے مشاہدہ کے بعد جو توبہ ہوگی وہ اضطراری ہوگی اور اس
یے کسی درجہ میں بھی مقبول نہیں۔ اَلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ۔ معصیت کا صدور
ر ایک ہی آدھ بار ہو لیکن اس سے توبہ نہ کی جائے تو اس کا شمار بھی اصرار علی
معصیت میں ہوگا اور یہ عمل گناہ متواتر کرتے رہنے کے حکم میں داخل ہوگا۔
یات۔ یہ صیغۂ جمع لانے سے یہ لازم نہیں کہ گناہوں کی مختلف قسمیں صادر ہوتی
ہیں بلکہ ایک ہی معصیت کی عرصہ دراز تک تکرار اسے صیغہ جمع میں لانے کے
لیے کافی ہے۔ جمعت باعتبار تکرر وقوعها فی الزمان المدید
(روح) ف۶۴ کافر کے ایمان کا مرتے وقت نامقبول رہنا تو اوپر کے فقرہ میں شامل تھا۔ مزید تصریح شاید تاکید اور مزید تقبیح کے لیے ہو۔ ف۶۵ عرب جاہلیت میں میت کی جائداد کی طرح اس کی بیویاں
ی وارث کے قبضہ میں آجاتی تھیں اور یہی دستور یونانی تمدن اور رومی تمدن میں بھی رہ چکا ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) پھر مرد اگر چاہتا تو ان سے جبراً یا خود نکاح کرلیتا یا دوسروں کے نکاح میں
ے دیتا۔ تَرِثُوا النِّسَآءَ۔ میں بیویوں کے جسم کا مالک ہونا بھی آگیا اور ان کے مال وجائداد کا بھی۔ عورتوں کے مال کے مالک ہوجانے کی تین صورتیں مفسر تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عرب میں رائج تھیں۔
ک یہ کہ عورت کا جو حق شرعی میراث میں نکل رہا ہو اُسے خود لے لیا جائے اور اُسے نہ دیا جائے۔ دُوسرے یہ کہ اس کو نکاح نہ کرنے دیا جائے یہاں تک کہ وہ مرجائے اور اس کے مال پر قبضہ کرلیا جائے۔
سرے یہ کہ خاوند اپنی بیوی کو بلاوجہ مجبور کردے کہ اسے کچھ مال دے جب یہ اُسے چھوڑے۔ دنیا بداخلاقی اور بدعملی کی کتنی مختلف صورتوں میں مبتلا تھی اور اسلام نے آکر کن کن چیزوں کی اصلاح کی ہے۔

وٓ۶۶ (کہ جب البتہ عورتوں کو قید رکھنا یا اُن سے کچھ مال وصول کرنا جائز ہوگا) ایک دستور عرب جاہلیت میں یہ بھی تھا کہ مالدار بیوی کو وارث اس خیال سے کہیں نکاح نہ کرنے دیتے کہ یہ اپنا مال اپنے ساتھ لے جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ مجبور و محبوس بیوہ اس کے گھر میں اپنی جان دے دیتی۔ یا پھر اسے اپنا مال و متاع حوالہ کر کے اپنی جان چھڑاتی۔'' اس مضمون میں بھی تین صورتیں آگئیں۔ ایک یہ کہ میت کا وارث اس میت کی بیوی کو نکاح نہ کرنے دیتا تا کہ ہم کو یہ کچھ دے۔ دوسرے یہ کہ خاوند اس کو مجبور کرتا کہ مجھ کو کچھ دے تب چھوڑوں۔ تیسرے یہ کہ خاوند طلاق دینے کے بعد بھی اس سے کچھ لیے بغیر اس کو نکاح نہ کرنے دیتا'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)۔ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ یعنی جو چیزیں خود تم نے دی ہوں یا تمہارے قرابت والوں نے۔ فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ اس سے مراد زنا کاری ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ وهو الزنا (ابن جریر عن السدی) ای الزنا (ابن الجریر عن الحسن) لیکن دوسرے معنی شوہر کی نافرمانی کے بھی ائمہ فن سے منقول ہیں۔ وهو النشوز (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) وهو النشوز (ابن جریر۔ عن قتادة) محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ لفظ زنا کاری اور نافرمانی دونوں مفہوموں کا جامع ہے۔ كل فاحشة من بذاءة باللسان على زوجها واذى له و زنا بفرجها (ابن جریر) خلاصہ یہ کہ سوء معاشرت کا سبب اُن بیویوں کا پیدا کردہ نہ ہو۔ ای الا ان يكون سوء العشرة من جهتهن (کشاف) وٓ۶۷ قرآن مجید کا یہ ایک عام اسلوب بیان ہے کہ جزئیاتِ احکام کے درمیان ایک کلی مسئلہ بھی بیان کر دیتا ہے اور کلیات کے ضمن میں جزئیات بھی لے آتا ہے۔ یہاں بھی یہی ہے کہ جزئی احکام بیان کرتے کرتے اُس نے ایک اہم اصل بیان کر دی عورتوں کے ساتھ معاشرت کی۔ یہ حسن معاشرت کا مرکزی، بنیادی، کلیدی حکم سہاگنوں، بیواؤں، طلاقنوں، سب کے معاملہ میں واجب العمل ہے۔ اور یہ ہدایت اس مذہب کی ہے جو کتنے ہی کور چشم مسیحیوں، آریوں وغیرہ کے نزدیک عورت کے حق میں ظالمانہ ہے۔ وٓ۶۸ (حال یا مستقبل میں) شکایت کرنے والے شوہروں کو اپنی تسکین و تسلی کے لیے اس مراقبہ سے بڑھ کر اور کون خیال ہو سکتا ہے۔ خَيْرًا كَثِيْرًا خیر کے اندر دنیوی و اخروی، عاجل و آجل ہر قسم کی فلاح اور بھلائی آگئی۔ محض خیر ہی نہیں خیر کثیر (بھلائیوں کا ایک ڈھیر۔ ایک انبار) کہ اس سے زیادہ تسکین وہ اور کون خیال ہو سکتا ہے؟ اِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ یہاں وہ کراہت مراد ہے جو طبعی طور پر یا خواہ مخواہ ہو۔ نہ کہ کوئی ایسا قابل شکایت امر جس کے اندر عورت کا ارادی قصور شامل ہو۔ وٓ۶۹ بلا اس کے کہ اس پہلی بیوی کا کوئی قصور ہو۔ یعنی محض اپنی رغبت و خواہش سے تم ایک بیوی چھوڑ کر دوسری کرنا چاہتے ہو وٓ۷۰ (اور اس طرح اقرار کیے ہوئے مال کو روک بھی مت رکھو) اِحْدٰىهُنَّ یعنی اس پہلی بیوی کو جسے اب چھوڑ رہے ہو۔ قِنْطَارًا کے معنی مال کے انبار کے ہیں۔ القنطار المال العظيم (کبیر و کشاف) اس پر ایک سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ حدیث میں تو مہر کی زیادتی کی ممانعت آئی ہے لیکن خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار مسجد میں سر منبر گو پہلے مہر کی زیادتی سے روکا لیکن ایک ضعیفہ کے ٹوکنے پر اس کا جواز بھی تسلیم کر لیا اور خود اس آیت سے بھی ڈھیروں مال کا جواز ثابت ہو رہا ہے؟ سوال کا ایک مشہور جواب تو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم و دماغ سے ہے یعنی آیت سے جواز کہاں ثابت ہوا؟ آیت نے تو محض ایک مفروض و مشروط حالت کا ذکر کیا ہے کہ اگر تم ڈھیروں مال دے چکے ہو جب بھی اس کی واپسی کا مطالبہ درست نہیں۔ اس سے اُس مفروضہ یا شرط کا صحیح ہونا تو لازم نہیں ہوتا۔ لیکن اس سے بھی صاف، دل نشین اور بے تکلف جواب ہمارے زمانہ کے امام شریعت مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے نکلا ہے۔ فرماتے ہیں کہ'' یہ جواز مفہوم من القرآن بہ معنی صحت نفاذ ہے۔ اور حدیث میں جواز بہ معنی اباحت مطلقہ و عدم کراہت کی نفی ہے، پس کچھ تعارض نہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ میں زیادہ مہر کے جواز کو مان لینا اس لیے تھا کہ سامعین اس کو حرام نہ سمجھنے لگیں پس اس سے کراہت کا عدم ثابت نہیں ہوتا نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض لازم آتا ہے۔'' وٓ۷۱ یعنی بلا وجہ واپس لو گے تو یا تو صریح ظلم کے مرتکب ہو گے اور یا پھر بات بنانے کے لیے عورت پر کوئی جھوٹا سنگین الزام، زنا کاری یا نافرمانی کا لگانا ہوگا۔ وٓ۷۲ نکاح کے وقت کہ تم مہر ادا کرو گے۔ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا یعنی عہد مستحکم۔ وصفه بالغلظ لقوته و عظمه (کشاف) عهداً وثيقاً (مدارک) وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ۔ یعنی جب انہوں نے اپنا جسم تمتع و تلذذ کے لیے تمہارے سپرد کر دیا تو اب مہر ان سے واپس لینا یا اسے انہیں ادا نہ کرنا بڑی بے حمیتی بلکہ کم ظرفی کی بات ہے۔ افضٰی۔ افضا لغۃً خلوت صحیحہ اور اصل عمل صحبت دونوں کو شامل ہے۔ حنفیہ نے مراد خلوت صحیحہ لی ہے۔ افضى الى امراته اى خلا بها (راغب) قال الكلبى الا فضاء ان يكون معها فى لحافٍ واحدٍ جا معها او لم يجامعها و هذا القول اختيار الفراء و مذهب ابى حنيفةؒ (کبیر) ذكر الفراء ان الافضاء هو الخلوة و ان لم يقع دخول و قول الفراء حجةٌ فى ما يحكيه من اللغة (جصاص) اى خلا بلا حائل (مدارک) حنفیہ کے ہاں مہر خلوتِ صحیحہ پر واجب ہوتا ہے۔ والأية حجة لنا فى الخلوة الصحيحة وهنا توكد المهر (مدارک) وٓ۷۳ یعنی اس حکم کے نزول سے قبل جو ہو چکا۔ اب اس پر باز پرس نہیں۔ اى قبل نزول اٰية التحريم فانه معفو عنه (کبیر) لَا تَنْكِحُوْا میں نکاح اپنے لغوی معنی یعنی صحبت کرنے کے مفہوم میں لیا گیا ہے۔ فيه تحريم وطى موطوءة الاب بنكاح او بملك يمين او بزنا كما هو مذهبنا و عليه كثير من المفسرين (مدارک) [illegible] قال ابن عباس و جمهور المفسرين كان اهل الجاهلية

اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ

رکھا ہے اُس کا کچھ حصہ وصول کر لو بجز اس صورت کے کہ وہ صریح بدکرداری کی مرتکب ہوں وٓ۶۶

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ

اور بیویوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گزر بسر کیا کرو وٓ۶۷ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں

فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ

تو عجب کیا کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ اس کے اندر کوئی بڑی بھلائی

خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ

رکھ دے وٓ۶۸ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ (دوسری) بیوی بدلنا

مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا

چاہو وٓ۶۹ اور تم اس بیوی کو (مال کا) انبار دے چکے ہو تو تم

تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔـا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا

اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو وٓ۷۰ کیا تم بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کر کے

وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى

اسے (واپس) لو گے وٓ۷۱ اور تم کیسے اسے (واپس) لے سکتے ہو درآنحالیکہ ایک

بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا

دوسرے سے خلوت کر چکے ہو اور وہ (بیویاں) تم سے ایک مضبوط اقرار

غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ

لے چکی ہیں وٓ۷۲ اور اُن عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ

النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً

نکاح کر چکے ہیں، مگر ہاں جو کچھ ہو چکا (ہو چکا) وٓ۷۳ بیشک یہ بڑی بے حیائی اور

وَّ مَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ ع حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ

نفرت کی بات تھی اور بہت برا طریقہ تھا ۷۴ تمہارے اُوپر حرام کی گئی ہیں

اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ

تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں

وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ

اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے

اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ

تمہیں دُودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی

نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ

مائیں اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں رہی ہیں

نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا

اور جو تمہاری ان بیویوں سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہے لیکن اگر ابھی تم نے

دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ز وَحَلَآئِلُ

ان بیویوں سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور جو بیٹے تمہاری

اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ لا وَاَنْ تَجْمَعُوْا

نسل سے ہوں اُن کی بیویاں اور یہ بھی (حرام ہے) کہ تم

بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

دو بہنوں کو یکجا کرو مگر ہاں جو ہو چکا (ہو چکا) بیشک اللہ

كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾ لا

بڑا بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے ۷۵

یتزوجون بازواج ابائھم (کبیر) مَا نَكَحَ میں مَا۔ مَنْ کے معنی میں ہے۔ مَا بمعنی مَنْ (جلالین) اٰبَآؤُكُمْ اس کے ذیل میں وہ بیویاں بھی آگئیں جو دادا یا نانا کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔ ۷۴ قرآن مجید نے تین لفظ استعمال کیے ہیں اور تینوں سے الگ الگ اشارے ہیں۔ فَاحِشَةً یہ دستور بجائے خود اور عقلاً بھی بڑی بے حیائی کی چیز تھا۔ مَقْتًا۔ مذاقِ سلیم رکھنے والوں کے عرف میں بڑی گندی چیز تھا۔ مقت کہتے ہیں ایسی بری چیز کو جسے دیکھ ہی کر طبیعت میں گھن پیدا ہو۔ المقت بغض شدید لمن تراہ تعاطی القبیح (راغب) خود اہل جاہلیت بھی اس نکاح کو بہت بری نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کا نام ہی نکاح المقت پڑ گیا تھا۔ سَآءَ سَبِيْلًا یعنی اس کے نتائج بھی بڑے قبیح تھے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قبیح کے تین درجے ہوتے ہیں۔ ایک قبح عقلی، دوسرے قبح شرعی، تیسرے قبح عرفی، فاحشۃ میں اشارہ اوّل کی جانب ہے، مقتا میں دوم کی جانب، ساء سبیلا میں سوم کی طرف۔ ۷۵ اس لیے جو غلطیاں نزول حکم سے قبل ہو چکیں، ان پر وہ گرفت نہیں کرتا۔ اور ان پر وہ خط عفو کھینچ دیتا ہے۔ قرآن مجید نے یہاں ایک مفصل فہرست دے کر بتا دیا کہ ان ان عورتوں سے مطلقاً یا فلاں فلاں صورتوں میں نکاح حرام ہے۔ اور یہ فہرست محرمات قرآن مجید کی کاملیت کے دلائل میں سے ایک قوی دلیل ہے۔ موجودہ انجیل اور خدا معلوم کتنی نام نہاد آسمانی کتابوں میں تعلیم کا یہ ورق سرے سے سادہ موجود ہے۔ اُمَّهٰتُكُمْ تمہاری مائیں اور اسی طرح ماں کی مائیں، دادیاں، نانیاں وغیرہا۔ والجدۃ من قبل الام والاب ملحقة بھن (مدارک) بَنٰتُكُمْ تمہاری بیٹیاں اور اسی طرح بیٹیوں کی بیٹیاں، پوتیاں، نواسیاں وغیرہا۔ وبنات الابن و بنات البنت ملحقات بھن (مدارک) اَخَوٰتُكُمْ۔ اس میں حقیقی کے علاوہ سوتیلی بہنیں بھی آگئیں۔ لاَبٍ و اُمٍّ اولاَبٍ او لاُمٍّ (مدارک) عَمّٰتُكُمْ اس میں باپ کی اور باپ سے اوپر والوں کی بہنیں آگئیں۔ من الاوجہ الثلاثة (مدارک) خٰلٰتُكُمْ۔ اس میں ماں کی اور ماں سے اوپر والوں کی بہنیں آگئیں۔ من الاوجہ الثلاثة (مدارک) بَنٰتُ الْاَخِ یعنی سگی اور سوتیلی بھتیجیاں۔ کذٰلک (مدارک) بَنٰتُ الْاُخْتِ یعنی سگی اور سوتیلی بھانجیاں۔ کذٰلک (مدارک) اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ خیال کر کے دیکھا جائے کہ قرآن مجید دودھ پلائیوں کو ماں کے لقب سے یاد کر رہا ہے۔ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ رضاعت کے اوقات گو مختلف ہوں، مگر دودھ ہو ایک ہی ماں کا۔ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ اس میں بیوی کی نانیاں، پرنانیاں وغیرہ بھی آگئیں۔ ان کی حرمت محض عقد سے لازم آجاتی ہے۔ وھن محرمات بمجرد العقد (کشاف) رَبَآئِبُكُمْ اس میں بیوی کی بیٹیوں کے علاوہ نواسیاں وغیرہ بھی آگئیں۔ فِيْ حُجُوْرِكُمْ لفظی معنی ہیں کہ تمہاری گودوں میں ہوں، مراد ہے تربیت و پرورش میں ہونا۔ یہ محض عام عادت و عرف کا بیان ہے کوئی قید یا شرط نہیں۔ ذکر الحجر علٰی غلبة الحال دون الشرط (مدارک) مِنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ یعنی ماں سے مجرد نکاح اس کی بیٹی کی حرمت کے لیے کافی نہیں۔ حرمت کے لیے ماں سے صحبت کا ہو چکنا ضروری ہے۔ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ اصلاً تو کنایہ صرف صحبت سے ہے۔ وھی کنایة عن الجماع (بیضاوی۔ کشاف) لیکن حنفیہ نے لمس شہوانی اور بوس و کنار کو بھی اسی حکم میں داخل کیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بہت ائمہ فقہ اس میں حنفیہ کے ہمراہ ہیں۔ واللمس و نحوہ یقوم مقام الدخول (مدارک) ھو التمتع من اللمس او القبل قال المالک و ابو حنیفة (ابن العربی) واتفق اصحابنا والثوری و مالک و اوزاعی واللیث والشافعی ان اللمس بشھوة بمنزلة الجماع فی تحریم ام المراۃ و بنتھا (جصاص) الجماع ھو الاصل و یحمل علیه اللمس لانه استمتاع مثله و یدخل تحت عمومه (ابن العربی) حنفیہ و مالکیہ نے علاوہ لمس شہوانی کے شہوانی نظروں کو بھی سبب تحریم قرار دیا ہے۔ قال اصحابنا جمیعًا اذا نظر الٰی فرجھا بشھوة کان ذٰلک بمنزلة اللمس فی ایجاب التحریم (جصاص) وقال مالک اذ انظر الٰی شعر جاریته تلذذاً او صدرھا او ساقھا او شیءٍ من محاسنھا تلذذاً حرّمت علیه اُمّھا و بنتھا (جصاص) و اما النظر فانه فی الدرجة الثالثة شبه فی الزنا ذریعة الذریعة (ابن العربی) فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ایسی غیر مدخول بہا بیوی کی بیٹی سے نکاح کر لینے میں۔ مِنْ اَصْلَابِكُمْ یہ صلب یا نسل کی قید اس لیے لگا دی کہ متبنّٰی یا محض منہ بولے بیٹوں کی بیویاں اس میں نہ شامل ہو جائیں جیسا کہ عرب جاہلیت میں دستور تھا۔ من اوما تبنّیتم (کشاف) اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ بہنیں خواہ حقیقی ہوں یا رضاعی اُن کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ

اور وہ عورتیں بھی (حرام کی گئی ہیں) جو قیدِ نکاح میں ہوں بجز اُن کے جو تمہاری ملک میں آ جائیں ۷۶

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ

اللہ نے فرض کر دیا ہے (ان احکام کو) تم پر، اور جو ان کے علاوہ ہیں وہ تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں ۷۷

اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ

یعنی تم انہیں اپنے مال کے ذریعہ سے تلاش کرو (اس طور پر کہ) قیدِ نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ مستی نکالنے والے ۷۸

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

پھر جس طریقہ سے تم نے ان عورتوں سے لذت لی ہے، سو انہیں ان کے مقرر شدہ مہر

فَرِيْضَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ

دے دو اور تم پر اس (مقدار) کے بارہ میں کوئی گناہ نہیں جس پر تم لوگ مہر کے طے ہو جانے

بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا

کے بعد باہم رضامند ہو جاؤ ۷۹ بیشک اللہ بڑا جاننے والا ہے

حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ

بڑا حکمت والا ہے ۸۰ اور تم میں سے جو کوئی مقدرت نہ رکھتا ہو کہ

يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ

آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکے ۸۱ تو وہ تمہاری (آپس کی) مسلمان کنیزوں

اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ

سے جو تمہاری ملک (شرعی) میں ہوں (نکاح کرے) ۸۲ اور اللہ تمہارے ایمان (کی حالت) سے

بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ

خوب واقف ہے ۸۳ تم (سب) آپس میں ایک ہو ۸۴ سو ان کے مالکوں کی اجازت سے

۷۶ (بہ طور کنیز شرعی کے) اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ یعنی ایسی بیاہی ہوئی عورتیں جواب مسلمانوں کی قید میں جہاد کے بعد آ گئی ہیں، ان کی ازواج بن سکتی ہیں باوجود اس کے کہ ان کے شوہر زندہ اور دارالحرب میں موجود ہیں، ان کا وہ نکاح کافرانہ ان کے مسلمانوں کے ملک یمین میں جانے سے مانع نہیں ہوسکتا۔ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے ۳؂، حاشیہ ۱۰ لفظی معنی ہیں ''وہ جن کے مالک تمہارے دونوں ہاتھ ہو جائیں'' مراد شرعی کنیزیں ہیں اَلْمُحْصَنٰتُ۔ احصان کے معنی ہیں روک میں آ جانا۔ قید میں آ جانا۔ الاحصان ہوان یحمی الشیء و یمنع منہ (ابن تیمیہ) الاحصان فی اللغۃ المنع (کبیر) مُحْصَنٰتٍ کے معنی ہوئے قید میں آ جانے والیاں۔ مراد شادی شدہ عورتیں ہیں۔ عقدِ نکاح کو قید سے تعبیر کرنے سے یہ اشارہ نکلا کہ ازدواج خود محافظ عفت ہے۔ ای ہن النساء ذوات الازواج لان الازواج احصنوہن و منعوا منہن (ابن تیمیہ) قیل المحصنٰت المزوّجات تصوّراً انّ زوجہا ہو الذی احصنہا (راغب) والمراد بالاحصان ہنا العفۃ (روح) مطلب یہ ہوا کہ ایک شوہر کے ہوتے ہوئے اب دوسرا نکاح حرام ہے۔ یہ تو عام قاعدہ ہوا۔ استثنااس سے شرعی کنیزوں کا ہے جو کافر شوہروں کی زوجیت سے آئی ہیں۔ وَالْمُحْصَنٰتُ کا عطف نحوی اعتبار سے ان محرمات پر ہے جو قبل میں مذکور ہو چکے۔ عطف علی المحرمات المذکورات قبل (قرطبی) ۷۷ نظام خانگی ہی کی درستی پر ساری ہیئتِ اجتماعی کی درستی کا انحصار ہے اور نظام خانگی کا ایک بڑا اہم جزیہ ہے کہ عقدِ نکاح کس کس کے ساتھ جائز ہے اور کس کس کے ساتھ ناجائز۔ ضروری تھا کہ اس کے اصول قرآن مجید ہی میں محفوظ کر دیے جاتے۔ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ۔ وہی تاکید و اظہار اہمیت کے لئے ہے۔ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ حدیث و سنت سے جن دوسری عورتوں سے حرمت نکاح ثابت ہے مثلاً رضاعی بہنوں کے ساتھ پھوپھی کا بھتیجی کے ساتھ یا خالہ کا بھانجی کے ساتھ جمع کرنا۔ یہ سب کنایۃً قرآن مجید کی آیات بالا میں آ گئیں۔ حدیث نے انہیں صرف کھول کر بیان کر دیا ہے۔ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ۔ تقدیر کلام یوں مانی گئی ہے۔ الزموا ما کتب اللہ علیکم (معالم) یا یوں کتاب اللہ علیکم کتاباً (مدارک) ۷۸ یعنی مقصود فرد و جماعت دونوں کے نزدیک یہ ہے کہ زوجین نکاح کے ذریعہ سے پاک و منزہ، باعفت مستقل زندگی بسر کریں گے۔ اور نکاح کی شرطیں معلوم و معروف ہیں مثلاً کم سے کم دو گواہوں کی موجودگی میں میاں بیوی کی رضامندی کا اعلان، نکاح کا موقت نہ ہونا وغیرہا۔ المراد بالاحصان ہنا العفۃ و تحصین النفس عن الوقوع فی ما لا یرضی اللہ تعالیٰ (روح) معناہ متعففین عن الزنا (قرطبی) غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ۔ یعنی مقصود حیوانات کی طرح تمام تر ایک مادی شہوت یا جنسی تقاضہ کا پورا کرنا نہ ہو۔ بیوی کے ساتھ مستقل تاہل، رہنے، بسنے، نباہ کرنے کا ارادہ اور اس کی وقعت و محبت کسی درجہ میں تو ہو تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ۔ مال سے مراد مہر ہے۔ یا ملک یمین کی قیمت۔ ان تبغوا النساء باموالکم بالصرف فی مہورہن (بیضاوی) ای تنکحوا بصداق او تشتروا بثمن (معالم) یعنی المہور (مدارک) فقہانے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ مہر نکاح کا لازمی جزء ہے گو تعدادِ مہر معین نہ ہو۔ وفیہ دلیل علی ان النکاح لایکون الا بمہر وانہ یجب وان لم یسم (مدارک) مہر کی بار بار تاکید سے ظاہر ہے کہ شریعت اسلامی کو عورتوں کے حقوق کا کس درجہ اہتمام مطلوب ہے۔ نفس خرچ نکاح و سفاح دونوں میں مشترک ہے۔ فرق یہ ہے کہ نکاح سے زندگی انسانوں کی طرح مقید و پابند ہو جاتی ہے اور سفاح میں انسان جانوروں کی طرح چھوٹا ہوا رہتا ہے۔ تَبْتَغُوْا۔ بغی کے معنی تلاش کرنے طلب کرنے کے ہیں اور حکم کے مخاطب مرد ہیں۔ گویا نکاح کی درخواست کرنا یا انگریزی محاورہ میں ''(پرپوز)'' کرنا مرد کا کام ہے۔ عورت کا کام صرف قبول کرنا منظوری دینا ہے۔ نر اور مادہ کے درمیان یہ فاعلیت و انفعالیت کا فرق زندگی کے ہر شعبہ پر محیط و حاوی ہے۔ ۷۹ یعنی مقدار مہر ایسی شے نہیں جو ایک مرتبہ بندھ جانے کے بعد کسی طرح قابل تبدیلی نہ ہو۔ میاں بیوی باہمی رضامندی سے اسے گھٹا سکتے ہیں، بڑھا سکتے ہیں یا بالکل معاف بھی کر سکتے ہیں۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ یعنی بعد نکاح لطف اٹھایا ہے۔ الاستمتاع التلذذ والاجور المہور (قرطبی) ۸۰ اللہ کا علم کامل ہے بندوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں کا۔ اور اسی علم کامل کے لحاظ سے اس نے قانون اور ضابطے مقرر کئے ہیں۔ ۸۱ یعنی ان آزاد شریف بیویوں کا مہر، نفقہ وغیرہ، پوری طرح ادا کرنے کے قابل نہ ہو۔ اَلْمُحْصَنٰتُ سے یہاں مراد شریف آزاد بیویاں ہیں۔ ای الحرائر (معالم) یرید الحرائر وقالت فرقۃ معناہ العفائف وہو ضعیف۔ (قرطبی) طول کے معنی وسعت و مقدرت کے ہیں۔ الطول السعۃ والغنی قالہ ابن عباس و المجاہد و سعید بن جبیر والسدی و ابن زید (قرطبی) ۸۲ اور کنیز کو بیوی بنا لینے میں عار محسوس نہ کرے۔ یہ مشورہ اس مصلحت سے دیا گیا ہے کہ باندی کا مہر نفقہ وغیرہ نسبتہً ہلکا ہوتا ہے اور پھر یہ بھی کہ ان کے مالک انہیں غریب شوہروں کے نکاح میں دے دینے میں عار بھی محسوس نہ کریں گے۔ فَتَيٰتِكُمْ۔ فتاۃ کا لفظ جب باندیوں کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اس میں جوان عمر کی قید باقی نہیں، بوڑھی، جوان ہر سن و سال کی باندیاں فتیات ہی کہی جائیں گی۔ العجوز الحرۃ لاتسمی فتاۃ والامۃ شابۃ والعجوز کل واحدۃ منہما تسمی فتاۃ (جصاص) ای امائکم (راغب) ای المملوکات وہی جمع فتاۃ (قرطبی) فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ حنفیہ کے یہاں کنیز کتابیہ سے بھی نکاح جائز ہے اور آیت میں مومنات کی قید محض استحبابی ہے۔ ونکاح الامۃ الکتابیۃ یجوز عندنا والتقیید فی النص للاستحباب (مدارک) ۸۳ (اور ایمان ہی معیار و مدار فضیلت ہے) پھر کوئی آزاد کیوں بہ وقتِ ضرورت کسی باندی سے عقد کرنے میں عار محسوس کرے فقہاء مفسرین نے آیت سے ظاہر ایمان کے قبول کرنے پر استدلال کیا ہے نیز اس پر کہ ایمان

تصدیق قلب کا نام ہے نہ کہ اقرار زبانی کا۔ فیہ تنبیہ علی قبول ظاهر ایمانهن ودلیل علی ان الایمان هو التصدیق دون عمل اللسان (مدارک) ف۸۴ (مسلمان ہونے کی حیثیت سے بھی اور اولادِ آدم ہونے کے لحاظ سے بھی) انتم وارقائکم متناسبون نسبکم من ادم و دینکم الاسلام (بیضاوی) ای لاتستنکفوا من نکاح الاماء فکلکم بنوادم (مدارک) عرب سوسائٹی میں باندیوں سے نکاح کرنا عار اور ذلت کی چیز تھی کہ ان سے جو اولاد ہوگی وہ کنیز زادی کہلائے گی۔ قرآن مجید نے اس عار کو مٹایا اور بتایا کہ بوقت ضرورت اس میں ذرا تکلف نہ کرنا چاہیے۔ ان العرب کانوا یفتخرون بالانساب فاعلم فی ذکر هذا الکلمة ان الله لاینظر ولا یلتفت الیه (کبیر) ف۸۵ مجرد نکاح سقوطِ ملک کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے مالک کی اجازت بہرحال ضروری ہے۔ اَهْلِهِنَّ۔ المراد به الموالی لانه لاخلاف انه لایجوز لها ان تتزوج بغیر اذن مولاها والله لا اعتبار باذن غیر المولی (جصاص) لیکن نفسِ نکاح میں رضامندی خود باندیوں کی معتبر ہوگی نہ کہ ان کے مالکوں کی۔ وهو حجة لنا فی ان لهن ان یباشرن العقد بانفسهن لانه اعتبر اذن الموالی لاعقدهم (مدارک) ف۸۶ (اور ان کے کنیز ہونے کی بنا پر اداءِ مہر کو غیر اہم یا غیر ضروری نہ سمجھو) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ چونکہ مالک اپنی باندیوں کی ہر کمائی کے مالک ہوتے تھے اس لئے باندیوں کا مہر بھی ان کے مالکوں ہی کو دیا جائے گا، اور تقدیر کلام یوں ہوگی۔ واتوا

بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

ان سے نکاح کر لیا کرو ف۸۵ اور اُن کے مہر انہیں دے دیا کرو مقرر کے موافق ف۸۶

مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ

اس طرح کہ وہ قیدِ نکاح میں لائی جائیں نہ کہ مستی نکالنے والیاں ہوں اور نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والیاں، ف۸۷

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَیْهِنَّ

پھر جب وہ (کنیزیں) قیدِ نکاح میں آجائیں اور پھر اگر وہ (بڑی) بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان کے لئے

نِصْفُ مَا عَلَی الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ

اس سزا کا نصف ہے ف۸۸ جو آزاد عورتوں کے لئے ہے ف۸۹ یہ اس کے لئے

لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَیْرٌ

ہے جو تم میں سے بدکاری کا اندیشہ رکھتا ہو ف۹۰ اور اگر تم ضبط سے کام لو تو تمہارے حق میں کہیں بہتر

لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۵﴾ ع یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ

ہے ف۹۱ اور اللہ بڑا بخشنے والا ہے اور بڑا مہربان ہے ف۹۲ اللہ کو منظور ہے کہ تم سے (احکام) کھول کر بیان

لَكُمْ وَیَهْدِیَكُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

کر دے اور تم کو تم سے قبل والوں کے حالات بتلا دے

وَیَتُوْبَ عَلَیْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ

اور تم پر توجہ فرمائے ف۹۳ اور اللہ بڑا علم والا ہے، اور بڑا حکمت والا ہے، ف۹۴ اور اللہ کو

یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْكُمْ ۟ وَیُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ

منظور ہے کہ تمہارے حال پر توجہ فرمائے ف۹۵ اور جو لوگ خواہشوں کے

الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا ﴿۲۷﴾ یُرِیْدُ اللّٰهُ

بندے ہیں ف۹۶ انہیں یہ منظور ہے کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ ف۹۷ اللہ کو منظور ہے

موالیهن اجورهن۔ فکان اداء ها الیهن اداءً الی الموالی لانهن وما فی ایدیهن مال الموالی (مدارک) ف۸۷ یعنی یہ اداءِ مہر بہ معاوضہ نکاح ہو بہ طور اجرتِ زنا نہ ہو۔ آزاد شریف بیویوں کے مقابلہ میں باہر نکلنے والیوں کے بد چلنی کے امکانات یوں بھی زائد ہوتے ہیں، چہ جائیکہ باندیاں جو عرفاً حقیر، غیر معزز ہی سمجھی جاتی ہیں، اس لئے ان کے ذیل میں ان قیدوں کا ذکر صراحت کے ساتھ ضروری ہوا۔ مُسٰفِحٰتٍ۔ سے مراد ہیں کھلی ہوئی اور عام کسبیاں۔ اور متخذٰت اخدان سے مراد ہیں وہ جن کا کوئی ایک آدھ متعین آشنا ہوتا تھا۔ دنیائے حسن میں بیسواؤں کی دو قسمیں تقریباً ہر جگہ قائم رہی ہیں۔ ایک کھلی ہوئی کسبیاں، دوسرے چھپی ہوئی خانگیاں۔ جاہلیت عرب کے تمدن میں بھی یہی تفریق قائم تھی۔ قال اکثر المفسرین المسافحة هی التی تؤاجر نفسها مع ای رجل ارادها و متخذة الخدن هی التی تتخذ خدناً معیناً وکان اهل الجاهلیة یفصلون بین القسمین وما کانوا یحکمون علی ذات الخدن بکونها زانیة (کبیر) ف۸۸ (جیسا کہ قبل نکاح بھی تھا) باندیاں خواہ نکاحی ہوں یا کنواری ان کی سزائے زنا ہر حال میں آزاد شریف بے نکاحی عورتوں کی سزا کی نصف ہے۔ باندیاں جس طرح اکثر حقوق میں بیویوں کا نصف مرتبہ رکھتی ہیں، اسی طرح اس جرم کی سزا بھی ان کے لئے نصف ہی رکھی گئی ہے۔ شاید اس لئے کہ جرم کی ترغیبات بھی ان کے لئے زائد ہیں اور موانع کمتر ہیں۔ بِفَاحِشَةٍ۔ جرم بے حیائی یہاں زنا کاری کے معنی میں ہے۔ وهی الزنا (ابن جریر) مِنَ الْعَذَابِ۔ سے مراد حد شرعی ہے۔ ای من الحد (مدارک) عَلَی الْمُحْصَنٰتِ۔ مُحْصَنٰتِ سے یہاں مراد بیاہی ہوئی نہیں بلکہ بن بیاہی شریف خواتین ہیں۔ احصان کے تحقق کے لئے اس کا محض حرہ (آزاد) ہونا ہی کافی ہے۔ یعنی البکرة الحرّة سماها وان لم تزوج لان الاحصان یکون لها بها اذا کانت حرة ولایکون بالامة احصان (ابن قتیبہ) المحصنات هنا الحرائر الاتی لم یزوجن (مدارک) ای الابکار الحرائر (قرطبی) ای ما علی الحرائر الابکار (معالم) ایک آیت اوپر اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ کے ذیل میں بھی محصنات مطلق شریف عورتوں کے معنی میں آچکا ہے۔ ف۸۹ یعنی باندی کی زنا کاری کی سزا پچاس درے ہے، شریف کنواری عورت کی سزائے زنا کاری سو درے ہے۔ فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة اس کے نصف پچاس ہی درے ہوتے ہیں۔ شریف نکاحی عورت کے لئے سزائے زنا سنگ زنی ہے اور اس کی تنصیف ممکن نہیں اور مملوک پر سرے سے رجم ہی نہیں۔ اس کی سزا بہرصورت وہی پچاس درے ہے۔ نصف ما علی المحصنٰت یدل علی انه الجلد لا الرجم لان الرجم لا ینتصف (مدارک) غلاموں کی حرامکاری کی سزا قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ فقہاء نے اسی آیت سے استنباط کر کے ان کی سزا بھی یہی پچاس درے رکھی ہے۔ فرقہ خوارج سزائے رجم کا بالکل منکر ہے اور اس کا مستدل یہی آیت ہے۔ (کبیر) ف۹۰ (خواہ اس لئے کہ طبعی تقاضا مجبور کر رہا ہو خواہ اس لئے کہ شریف بیوی میسر نہ آرہی ہو) ذٰلِكَ یعنی باندی سے نکاح۔ یعنی نکاح الامة عند عدم الطول (معالم) ای نکاح الاماء (مدارک) اَلْعَنَتَ عنت کے لفظی معنی ضرر وزیان کے ہیں۔ اصل العنت الضرر والفساد (ابن قتیبہ) یہاں مراد زنا میں پڑ جانا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون ضرر مسلمان کے لئے ہو سکتا ہے۔ ای الزلّة والفجور منکم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) العنت الزنا (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای الاثم التی تؤدی الیه غلبة الشهوة (مدارک) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ شدید ضبط جس سے انسان جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہو جائے مثلاً اختناق الرحم کی شکایت ہو جائے یا مردوں کو ورم پشت وغیرہ کی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ جو خود بھی اپنے زمانہ کے نامور طبیب تھے اس قول کو یوں نقل کرتے ہیں:۔ والثانی ان الشبق الشدید والغلمة العظیمة قد تؤدی بالانسان الی الامراض الشدیدة اما فی حق النساء فقد تؤدی الی اختناق الرحم واما فی حق الرجال فقد تؤدی الی اوجاع الورکین والظهر (کبیر) ف۹۱ یعنی اگر خواہش نفس کا اتنا غلبہ نہیں ہے جس سے حرامکاری میں پڑ

اَنۡ یُّخَفِّفَ عَنۡکُمۡ ۚ وَ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا ﴿۲۸﴾

کہ تمہارے ساتھ تخفیف برتے اور انسان تو کمزور پیدا ہی کیا گیا ہے وف۹۸

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَكُمۡ بَیۡنَكُمۡ

اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر

بِالۡبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ

نہ کھاؤ وف۹۹ ہاں البتہ کوئی تجارت باہمی رضامندی

مِّنۡكُمۡ ۟ وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمۡ

سے ہو، وف۱۰۰ اور اپنی جانوں کو قتل مت کرو وف۱۰۱ بیشک اللہ تمہارے حق میں

رَحِیۡمًا ﴿۲۹﴾ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ عُدۡوَانًا وَّ ظُلۡمًا

بڑا مہربان ہے وف۱۰۲ اور جو کوئی ایسا کرے گا سرکشی اور ظلم کی راہ سے

فَسَوۡفَ نُصۡلِیۡهِ نَارًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

تو ہم عنقریب اس کو آگ میں ڈالیں گے اور یہ اللہ کے لئے

یَسِیۡرًا ﴿۳۰﴾ اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ

آسان ہے وف۱۰۳ اگر تم اُن بُرے کاموں سے جو تمہیں منع کئے گئے ہیں بچتے رہے،

نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَیِّاٰتِكُمۡ وَ نُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِیۡمًا ﴿۳۱﴾

تو ہم تم سے تمہاری (چھوٹی) برائیاں دور کردیں گے وف۱۰۴ اور تمہیں ایک معزز مقام پر داخل کردیں گے وف۱۰۵

وَ لَا تَتَمَنَّوۡا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى

اور تم ایسے امر کی تمنا نہ کیا کرو جس میں اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر

بَعۡضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبُوۡا ؕ

بڑائی دی ہے وف۱۰۶ مردوں کے لئے اُن کے اعمال کا حصہ (ثابت) ہے،

جانے کا قوی اندیشہ ہو رہا ہو تو پھر کنیزوں سے نکاح کرنے سے یہی بہتر ہے کہ خود خواہش نفس پر قابو حاصل کرلیا جائے۔ ای الصبر عن نکاح الاماء خیر لکم (ابن جریر) ظاهره الاخبار عن صبر خاص وهو غیر نکاح الاماء قاله ابن عباس و مجاهد وابن جبیر والسدی (بحر) وف۹۲ چنانچہ اس کی صفت رحیمی اسی سے ظاہر ہے کہ ایسے نکاحوں کی حرمت کا حکم نہیں رہا اور شان غفوریت یہ ہے کہ کنیزوں سے بلاضرورت شدید نکاح کرلینا کراہت تنزیہی کے باوجود نجات کی راہ میں حائل کسی طرح نہیں۔ وف۹۳ (رحمت و مغفرت کے ساتھ) لِیُبَیِّنَ لَكُمۡ چنانچہ وہ آیات احکام و مسائل تمہاری ہی مصلحت و نفع کے لئے نازل کرتا ہے۔ یَهۡدِیَكُمۡ سُنَنَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ چنانچہ وہ آیات قصص و حکایات تمہاری ہی مصلحت و نفع کے لئے نازل کرتا ہے وف۹۴ چنانچہ بندوں کی کوئی سی بھی ضرورت و مصلحت اس کے علم کامل سے باہر نہیں۔ اور اپنی حکمتِ کاملہ سے اس نے احکام ایسے رکھے ہیں جو ہر مصلحت کی پوری پوری رعایت کرنے والے ہیں۔ وف۹۵ (شفقت و رحمت کے ساتھ انہی احکام و تعلیمات کے ذریعہ سے) وف۹۶ (اور ہوائے نفس ہی کو اپنا دین و ایمان بنائے ہوئے ہیں) یہ کون لوگ ہیں؟ الفاظ کا مصداق کفار کا ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی فسق پیشہ افراد بھی مراد ہو سکتے ہیں، صحابہ و تابعین سے اس کے معنی اہل کتاب کے بھی مروی ہوئے ہیں، یہود کے بھی اور زانیوں کے بھی وقس علی ہذا۔ قیل المجوس (کبیر) قیل المجوس و قیل الیهود (بیضاوی) قال بعضهم هم الزناة و قال اٰخرون بل هم الیهود و النصاری (ابن جریر) هم الزناة اوالیهود والنصاری او الیهود خاصة او المجوس (بحر) قول فیصل یہ ہے کہ الفاظ ان سارے معانی کے محتمل ہیں۔ اس لئے کہ جو شخص بھی نافرمانی پر دلیر ہے وہی اپنی خواہش نفس کا بندہ ہے۔ كان داخلاً فی الذین یتبعون الشهوات الیهود والنصاری والزناة و كل متبع باطلا لان كل متبع مانهاه الله عنه متبع شهوة نفسه (ابن جریر) الفجرة (المدارک) ای متبعوا كل شهوة قاله ابن زیاد رجّحه الطبری و ظاهره العموم (بحر) وف۹۷ (اور راہ راست سے ہٹ کر انہی جیسے ہو جاؤ)۔ مَیۡلًا عَظِیۡمًا۔ اس سے بڑھ کر کجی اور کیا ہوگی کہ انسان یا تو حرام کو حرام سمجھنے ہی سے انکار کردے اور یا بے باکانہ ارتکاب حرام کرتا رہے۔ وف۹۸ (کمزور جسم کے لحاظ سے بھی اور کمزور ارادہ کے لحاظ سے بھی) اَنۡ یُّخَفِّفَ عَنۡكُمۡ۔ چنانچہ شریعت کے سارے احکام میں انسان کی سہولتوں کا لحاظ رکھ لیا گیا ہے۔ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا۔ چنانچہ جتنے بھی احکام شرعی ہیں سب انسان کے ضعف جسمانی و ضعف ارادی ہی کی رعایت سے ہیں۔ وف۹۹ بِالۡبَاطِلِ۔ یعنی غیر مشروع طریقوں پر۔ خیانت اور بد دیانتی کی تمام صورتوں کی بندش اس ایک حکم کے اندر آگئی۔ کاش اسلام کے ایک اسی قانون پر عمل ہو اور آج دنیا کی کایا پلٹ ہو جائے۔ وف۱۰۰ مطلب یہ ہوا کہ ایک دوسرے کے مال میں تصرف کی اجازت کسی باطل طریقہ (سود، قمار، وغیرہ) سے تو سرے سے ہی نہیں۔ صرف جائز طریقوں کے اندر ایک دوسرے کی رضامندی سے تصرف کرسکتے ہو۔ مثلاً سرمایۂ مشترک سے تجارت، کہ یہ تو عین باعث برکت ہے۔ وف۱۰۱ اَنۡفُسَكُمۡ۔ کے معنی عموماً اخوانكم یا من جنسكم کئے گئے ہیں۔ اور مراد یہ لی گئی ہے کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ اتفقوا علی ان هذا نهیٌ عن ان یقتل بعضهم بعضاً (کبیر) قتل بعضكم بعضًا (ابن جریر عن عطاء) ای اهل ملتكم (ابن جریر۔ عن السدی) یعنی اخوانكم (معالم۔ عن الحسن) من كان من جنسكم من المؤمنین (مدارک) دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ خودکشی نہ کرو اور یہ معنی بھی منقول ہیں۔ ولا یقتل الرجل نفسه (مدارک) بعض مذہبوں میں خودکشی خود ایک عبادت رکھی گئی ہے۔ مثلاً جاپانیوں میں یا بعض قدیم ہندی مذہبوں میں۔ بالبخع كما تفعله جهلة الهند (بیضاوی) وف۱۰۲ (چنانچہ یہ سارے احکام بھی اسی شفقت و رحمت کا نتیجہ ہیں) وف۱۰۳ یہ وعید ان لوگوں کے لئے ہے جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی اتفاقی طور پر یا بہ طور خطائے اختیاری کے نہیں بلکہ دیدہ و دانستہ کرتے رہتے ہیں۔ ذٰلِكَ۔ ای مانهی عنه (جلالین) یعنی ماسبق ذكره من المحرمات (معالم) عُدۡوَانًا۔ یعنی حدود شرعی سے تجاوز کرتے ہوئے یا دوسروں پر ظلم کرتے ہوئے۔ قیل اراد بالعدوان تعدی علی الغیر (بیضاوی) العدوان تجاوز الحد (قرطبی) ظُلۡمًا۔ یعنی اپنی جان پر ظلم کرتے ہوئے قیل اراد بالظلم ظلم النفس (بیضاوی) كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیۡرًا۔ اللہ کی قوت کو یہ دیوتا پرست مشرک کہیں انسانوں یا دیوتاؤں کے محدود قوی پر قیاس نہ کریں وف۱۰۴ (اور نتیجۃً تمہیں عذاب سے بھی بچالیں گے) یہ قانون الٰہی ہے جس کی تکرار قرآن مجید میں کئی بار آئی ہے۔ اور ایک جگہ اسے بالکل کلی اور عمومی صورت میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡهِبۡنَ السَّیِّاٰتِ۔ اس قسم کی آیتوں سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ بڑے بڑے اولیاء و اتقیاء میں بھی معصوم کوئی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ان کی کثرت طاعات پر نظر مرحمت کرکے ان کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر کردیتا ہے اور انہیں اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبوں سے سرفراز کرتا رہتا ہے۔ عصمتِ انبیاء کا مسئلہ ایک دوسرے قانون سے ثابت ہے۔ كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ۔ یعنی بڑے بڑے گناہ لیکن خود کبیرہ کا اطلاق کس عمل پر ہوتا ہے۔ اس کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں۔ سفیان ثوری تابعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ نقل ہوا ہے کہ کبیرہ بندوں کے اتلاف حقوق کا نام ہے اور صغیرہ صرف اللہ کے اتلافِ حقوق کا۔ قال سفیان الثوری الكبائر ما كان فی المظالم بینك وبین عباد الله تعالیٰ والصغائر ما كان بینك وبین الله تعالیٰ (معالم) اس ہیچمدان کے خیال میں کبیرہ وہ عمل ہے جس کی ممانعت صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آچکی ہو۔ اور اس کا معصیت ہونا کسی دقیق استنباط یا دلالت خفی کا محتاج نہ

ہو۔ یا کم از کم یہ کہ حدیث صحیح میں اس کی ممانعت صراحت اور تاکید کے ساتھ آچکی ہو۔ ممتاز صحابیوں کے نزدیک کچھ ایسا ہی پایا جاتا ہے۔ قال علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ھی کل ذنب ختمه الله بنار اوغضب اولعنة او عذاب (معالم) اور یہی ابن جریر نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا ہے۔ سَیِّاٰتِکُمۡ۔ سیات سے مراد چھوٹی برائیاں یا گناہ صغیرہ ہیں۔ ای صغائر کم (بیضاوی) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کبیرہ پر عتاب کے ساتھ ساتھ فضل کا احتمال اور صغیرہ پر عفو کے ساتھ ساتھ عتاب کا احتمال خاص اہل سنت کا مذہب ہے۔ بہ خلاف معتزلہ کے جن کے نزدیک صغائر واجب المغفرۃ ہیں اور کبائر غیر مغفور ہیں (مدارک) ف۱۰۵ یعنی جنت میں۔ پہلا وعدہ عذاب سے محفوظ رکھنے کا تھا۔ اب بشارت دخول جنت کی مل رہی ہے۔ ف۱۰۶ (طبعی و وہبی طور پر بلا دخل کسی عمل و کسب کے مثلاً مردوں کو جو فضیلت عورتوں پر حاصل ہے) کوئی دولت مند ہے، کوئی حسین و جمیل ہے، کوئی خوش آواز ہے، کسی کے قوائے جسمانی بہت مضبوط ہیں۔ اس قسم کے وہبی و طبعی فضائل کو قرب حق میں مطلق دخل نہیں۔ آیت میں تعلیم ہے کہ ان کی بنا پر ایک دوسرے پر رشک کرنا، ایک دوسرے کی جگہ پر ہونے کی حسرت و تمنا کرنا درست نہیں۔ قرب حق میں دخل صرف عمل و اکتساب کو ہے۔ شان نزول کی روایتوں میں آیا ہے کہ کچھ عورتوں نے اپنے احساس کمتری کی بنا پر مردوں پر رشک کا اظہار کیا تھا۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بتایا گیا کہ نجات و مغفرت اور قرب حق کا مدار تو اپنے اعمال ارادی و اختیاری پر ہے۔ اور اس لحاظ سے مرد و عورت کی حیثیت بالکل یکساں ہے۔ عورتوں کے لئے بھی قانون حسن عمل وہی ہے جو مردوں کے لئے ہے اور اس لئے انہیں مردوں پر رشک کا کوئی محل نہیں۔ یہ فرق تو محض تکوینی مصلحتوں سے رکھ دیے گئے ہیں۔ لان ذٰلک التفضیل قسمة من الله تعالٰی صادرة عن حکمة و تدبیر و علم باحوال العباد (مدارک) ف۱۰۷ (یہ نہ ہوگا کہ مرد کا اجر اس کے مرد ہونے کی بنا پر کچھ بڑھ جائے اور عورت کا اجر اس کے عورت ہونے کی بنا پر کچھ گھٹ جائے) مرد بہ حیثیت مرد ہرگز اللہ کے ہاں مقرب تر اور نجات کا مستحق تر نہیں۔ اور عورت اپنی جنس کی بنا پر ہرگز کسی اجر و قرب سے محروم نہ رہے گی۔ جیسا کہ بعض دوسرے مذہبوں نے قرار دے رکھا ہے۔ اس میں عورت کے لئے تعلیم ہے کہ وہ اپنا احساس کمتری دور کرے اور سمجھ لے کہ ایک مکلف مخلوق کی حیثیت سے وہ اور مرد دونوں بالکل ایک سطح پر ہیں اور حصول نجات و قرب حق میں وہ مرد سے ذرا بھی فروتر نہیں۔ ہندوؤں نے اپنی منوسمرتی کے اوراق میں اور کیتھولک کلیسا نے صدیوں تک اپنی کونسلوں میں جو فیصلہ عورت کی پستی اور پست فطرتی کے کئے ہیں۔ آیت ان سب کی تردید کر رہی ہے۔ مِمَّا اکۡتَسَبُوۡا۔ مِمَّا اکۡتَسَبۡنَ۔ اکتساب سے مراد دونوں جگہ اعمال خیر کا کسب ہے۔ ف۱۰۸ (توفیق اعمال میں رشک و تمنا والی اور دعاؤں سے طلب کرنے والی اصل چیز وہبی اور طبعی نعمتیں نہیں بلکہ توفیق حسن عمل ہے۔ ف۱۰۹ (چنانچہ اپنے اس علم کامل کے مطابق اس نے ہر مخلوق کو صلاحیت و استعداد بخشی اور وہی ہر ایک کے فرد عمل پر پوری طرح مطلع بھی ہے) ف۱۱۰ (قانون میراث کے ذریعہ سے) وارثوں کی تفصیل اسی سورت میں چند رکوع قبل گزر چکی۔ تقسیم ترکہ کی کچھ عارضی صورتیں آغاز اسلام ہی میں بتا دی گئی تھیں وہ مکمل قانون میراث کے نازل ہونے کے بعد اب قدرۃً منسوخ ہو گئیں لکل۔ میں مضاف الیہ محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے لکل احد ف۱۱۱ یعنی کل ترکہ کا ۱/۶ حصہ۔ اَلَّذِیۡنَ عَقَدَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ۔ اصطلاح میں یہ لوگ مولی الموالاۃ کہلاتے ہیں۔ عرب قدیم میں دستور تھا کہ دو شخص باہم قول و قرار کر کے ایک دوسرے کے اس طرح دوست و مددگار ہو جاتے کہ اگر ایک پر دیت لازم آئے تو دوسرا اسے ادا کرے اور ایک کی وفات پر دوسرا اس کی میراث پائے۔ اسی عہد کو عقد موالاۃ کہتے۔ شریعت نے شروع شروع اس دستور کو تھوڑی سی ترمیم کے بعد قائم رکھا۔ اور انصار و مہاجرین میں مواخات قائم کر کے باہم میراث جاری کرا دی۔ پھر اس عہد والے کا حصہ ۱/۶ متعین کیا۔ پھر جب سورت احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی وَ اُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلٰی بِبَعۡضٍ تو سب وارثوں کے حصے متعین ہو گئے اور اب اس کے لئے گنجائش نہ رہی۔ ف۱۱۲ ابھی یہ معلوم ہو چکا ہے کہ روحانیات کی دنیا میں یعنی قرب حق اور حسن عمل کے لحاظ سے مرد و عورت کی حیثیت بالکل مساوی ہے۔ نماز اور روزہ اور زکوۃ اور حج اور ساری عبادتیں جس طرح اور جس پیمانہ پر مرد کی قبول ہو سکتی ہیں۔ وہی ساری راہیں عورت کے لیے بھی کھلی ہوئی ہیں اب یہاں یہ بتایا گیا کہ مرد و زن کی یہ مساوات دنیوی معاملات میں اور انتظامی حیثیت سے قائم نہیں۔ باپ اور بیٹے دونوں بہ حیثیت عبد بالکل ایک ہیں۔ عنداللہ اعمال کی مقبولیت کے معیار سے دونوں بالکل مساوی ہیں۔ لیکن دنیا میں شریعت ہی کا حکم ہے کہ باپ افسر ہو کر رہے اور بیٹا ماتحت ہو کر۔ باپ حکم دے اور بیٹا حکم مانے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ معاشرت کی انتظامی مشین میں مرد کو عورت پر غلبہ و تفوق حاصل ہے۔ الزوجان مشترکان فی الحقوق و للرجال علیهن درجة بفضل القوامیة (ابن العربی) قَوّٰمُوۡنَ۔ قوام کے معنی ہیں کسی شے کے محافظ، منتظم، مدبر کے اور یہاں مراد یہ ہے کہ عورتوں کے امور کا انتظام کرنے والے، ان کی کفالت کرنے والے، ان پر احکام نافذ کرنے والے ہیں۔ قوّام اور قیم ہم معنی ہیں قوّام فصیح تر ہے۔ قام الرجل المرأة ای قام متکفلاً بامرها فهو قوّام وقد یجیٔ القیام بمعنی المحافظة والاصلاح (تاج) الرجال متکفلون بامور النساء (لسان) صاروا قوّاما علیهن نافذالامر علیهن (ابن جریر) فکانه تعالٰی جعله امیرا علیها ونافذالحکم فی حقها (کبیر) قیامهم علیهن بالتادیب والتدبیر والحفظ والصیانة (جصاص) القوّام والقیّم بمعنی واحدٍ والقوّام ابلغ وهو القائم بالمصالح والتدبیر والتادیب (معالم) بائبل نے

وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا اکۡتَسَبۡنَ ؕ وَ سۡئَلُوا اللّٰہَ

اور عورتوں کے لئے اُن کے اعمال کا حصہ (ثابت) ہے ف۱۰۷ اور اللہ سے اُس کے فضل کی

مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا ﴿۳۲﴾

طلب کرو ف۱۰۸ بیشک اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے ف۱۰۹

وَ لِکُلٍّ جَعَلۡنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ

اور جو مال والدین اور قرابت دار چھوڑ جائیں اس کے لئے ہم نے وارث

وَ الۡاَقۡرَبُوۡنَ ؕ وَ الَّذِیۡنَ عَقَدَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ فَاٰتُوۡہُمۡ

ٹھہرا دیئے ہیں ف۱۱۰ اور جن لوگوں سے عہد بندھے ہوئے ہیں انہیں ان کا حصہ

نَصِیۡبَہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدًا ﴿۳۳﴾ ع ۲

دے دو ف۱۱۱ بیشک اللہ ہر چیز پر مطلع ہے

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ

مرد عورتوں کے سر دھرے ہیں ف۱۱۲ اس لئے کہ اللہ نے اُن میں سے

بَعۡضَہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ وَّ بِمَاۤ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ ؕ

ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے ف۱۱۳ اور اس لئے کہ مردوں نے اپنا مال خرچ کیا ہے ف۱۱۴

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَیۡبِ بِمَا حَفِظَ

سو نیک بیویاں اطاعت کرنے والی اور پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے حفاظت کرنے والی

اللّٰہُ ؕ وَ الّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَہُنَّ فَعِظُوۡہُنَّ

ہوتی ہیں، ف۱۱۵ اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم اُن کی سرکشی کا علم رکھتے ہو، ف۱۱۶ تو انہیں نصیحت کرو، ف۱۱۷

وَ اہۡجُرُوۡہُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَ اضۡرِبُوۡہُنَّ ۚ

اور انہیں خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو ف۱۱۸ اور انہیں مارو ف۱۱۹

فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ سَبِيۡلًا ؕ اِنَّ

پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو اُن کے خلاف بہانے نہ ڈھونڈو و۱۲۰ بیشک

اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيۡرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ

اللہ بڑا رفعت والا ہے، بڑا عظمت والا ہے، و۱۲۱ اور اگر تمہیں دونوں کے درمیان کشمکش

بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ

کا علم ہو و۱۲۲ تو تم ایک حَکَم مرد کے خاندان سے اور ایک حَکَم عورت کے خاندان سے

اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ؕ

مقرر کردو و۱۲۳ اگر دونوں کی نیت اصلاح حال کی ہوگی تو اللہ، دونوں کے درمیان موافقت پیدا کردے گا، و۱۲۴

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا ﴿۳۵﴾ وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا

بیشک اللہ بڑا علم رکھنے والا ہے، ہر طرح باخبر ہے، و۱۲۵ اللہ کی عبادت کرو اور

تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـــًٔا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِى

کسی چیز کو اس کا شریک نہ کرو و۱۲۶ اور حسن سلوک (رکھو) والدین کے ساتھ اور

الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَارِ ذِى الۡقُرۡبٰى

قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور پاس والے پڑوسی

وَالۡجَارِ الۡجُـنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَـنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ

اور دُور والے پڑوسی اور ہم مجلس اور راہ گیر کے ساتھ

وَمَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ

اور جو تمہاری ملک میں ہے ان کے ساتھ و۱۲۷ قطعاً اللہ ایسوں کو دوست نہیں رکھتا جو

كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ۙ ﴿۳۶﴾ الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ

خود بین ہیں فخار ہیں و۱۲۸ جو بخل کرتے رہتے ہیں

عورت کو کیا درجہ دیا ہے اس کا اندازہ ذیل کی عبارتوں سے ہوگا:۔ ”خداوند خدا نے..... عورت سے کہا اپنے خصم کی طرف تیرا شوق ہوگا۔ اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا“ (پیدائش ۳:۱۶) ”اے بیویو اپنے شوہروں کی ایسے تابع رہو جیسے خداوند کی۔ کیونکہ شوہر بیوی کا سر ہے۔ جیسے کہ مسیح کلیسا کا سر ہے۔ اور وہ خود بدن کا بچانے والا ہے، لیکن جیسے کلیسا مسیح کے تابع ہے ایسے ہی بیویاں بھی ہر بات میں اپنے شوہروں کے تابع ہوں“۔ (افسیوں ۵:۲۲۔۲۴) قرآن حق کا کلام ہے اور ہمیشہ حق ہی کہتا ہے اور کلیسا کی کونسلوں اور منوسمرتی کی طرح عورت کی تحقیر و تذلیل کا ہرگز قائل نہیں لیکن ساتھ ہی اسے جاہلیت قدیم و جاہلیت جدید کی زن پرستی سے بھی ہمدردی نہیں۔ وہ عورت کو ٹھیک وہی مرتبہ و مقام دیتا ہے جو نظام کائنات نے اسے دے رکھا ہے۔ بہ حیثیت ایک عبد اور مکلّف مخلوق کے وہ مرد کے مساوی و ہم رتبہ ہے۔ لیکن دنیا کے انتظامی معاملات میں مرد کے ماتحت اور تابع ہے۔ و۱۱۳ (طبعی اور تکوینی طور پر) مرد کی یہ افضلیت اس کے قوائے جسمانی کی مضبوطی اور دل و دماغ کی برتری دونوں سے عیاں ہے۔ بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ۔ یعنی صنف ذکور کو صنف اناث پر۔ بعضهم وهم الرجال على بعض وهم النساء (کشاف) بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ میں ب سببیہ ہے اور اس کا تعلق قوامون سے ہے۔ الباء للسببية وهى متعلق بقوّامون اى قوّامون عليهن بسبب تفضيل الله تعالى اياهم عليهن (روح) و۱۱۴ (عورتوں پر مہر میں اور نفقہ میں) مطلب یہ ہوا کہ مرد کی افضلیت عورت پر دہری حیثیت رکھتی ہے۔ ایک تو طبعی یعنی جسمانی و دماغی قویٰ میں خلقی برتری۔ دوسری قانونی یا معاشری کہ عورت خرچ میں مرد کے دست نگر رہتی ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی نکل آئی کہ قرآنی نظام کی رو سے کمانا یا کسب معاش کرنا اور بیوی کے خرچ اٹھانا مردوں کے ذمہ ہے۔ دلّت على وجوب نفقتها عليه (جصاص) و۱۱۵ نیک بیویوں کی۔ مومنات صالحات کی علامت یہ ارشاد ہورہی ہے کہ وہ شوہر کی غیبت میں اس کے عزت و ناموس اور اس کے مال و جائداد کی نگہداشت کرنے والیاں ہوتی ہیں۔ فرنگیت مآب اسکولوں اور کالجوں کی پڑھی ہوئی لڑکیاں غور کریں کہ انہیں اس قرآنی معیار سے کیا مناسبت ہے۔ فَالصّٰلِحٰتُ۔ میں ف نتیجہ کا ہے۔ یعنی اوپر کے مقدمات سے ایک کھلا ہوا نتیجہ یہ نکلتا ہے بِمَا میں ب سببیہ ہے۔ یعنی ان کا ایسا کرنا توفیق الٰہی ہی کے سبب سے ہوتا ہے۔ والباء سببية اى بسبب حفظ الله لهن (جمل) اى بتوفيقه لهن (جمل) و۱۱۶ ذکر مہذب، شریف و شائستہ بیویوں کا ابھی اوپر ہو چکا ہے۔ اب اس کے مقابل ناشائستہ اور رذیل فطرت کی بیویوں کے باب میں کچھ احکام بیان ہورہے ہیں۔ وہ نظام قانون کامل نہیں ناقص ہے جو ذکر صرف اچھوں کے انعام و اکرام کا کرتا ہے اور بدوں کا تذکرہ ہی چھوڑ جاتا ہے۔ نُشُوۡزَهُنَّ۔ عورت کے نُشُوز کے اصل معنی یہ ہیں کہ شوہر کی نافرمانی پر کمربستہ ہوجائے۔ نشزت المرأة بزوجها اى استعصت على زوجها وارتفعت عليه وابغضته خرجت عن طاعته (تاج) نشوز المرأة بغضها لزوجها ورفع نفسها عن طاعته (راغب) واصل النشوز الترفع على الزوج بمخالفته (جصاص) ائمہ تفسیر نے اس معنی کی توثیق کی ہے۔ يعنى استعلائهن على ازواجهن وارتفاعهن عن فرشهم بالمعصية منهن والخلاف عليهم فى مالزمهن طاعتهم فيه بغضاً منهن واعراضاعنهم (ابن جریر۔ عن محمد بن کعب) گویا پرمسرت ازدواجی زندگی کے بجائے تصادم و بغاوت شروع ہوجائے۔ تَخَافُوۡنَ۔ خوف یہاں علم کے معنی میں ہے۔ یعنی جب ان کی بغاوت و نافرمانی تجربہ میں آجائے۔ یہ نہیں کہ محض بدگمانیاں یا دور کے احتمالات کو اس کے لئے کافی سمجھ لیا جائے۔ تخافون اى تعلمون (ابن عباس) والخوف هنا قيل معناه اليقين ذهب فى ذٰلك الى ان الاوامر التى بعد ذٰلك انما يوجبها وقوع النشوز لا توقعه (بحر) حمل الخوف على العلم (معالم) فارسی مترجمین قرآن نے بھی یہاں خوف کا ترجمہ علم یا دانستن سے کیا ہے آں زناں کہ معلوم کنید سرکشی ایشاں (ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) آں زنانے کہ میدانید نافرمانی اینہارا (سعدی رحمۃ اللہ علیہ) و۱۱۷ اب سرکش و نافرمان بیویوں کا علاج بیان ہورہا ہے۔ پہلی منزل یہ ہے کہ انہیں نرمی و آشتی سے سمجھایا جائے، اگر عورت شریف طینت ہے تو یہ کافی ہوجائے گا۔ اسی میں شوہر کو بھی تعلیم ہے کہ فوراً غصہ میں آکر کوئی سخت کارروائی نہ کر بیٹھو۔ و۱۱۸ یعنی ان سے تعلقاتِ ہم بستری منقطع کرلو اور ان کے پاس لیٹنا چھوڑ دو۔ یہ سزا کی دوسری منزل ہے۔ جب زبانی گفتگو و فہمائش سے اصلاح حال نہ ہو اور نافرمانی و سرکشی بدستور قائم رہے۔ جب پہلا عملی قدم یہ اٹھاؤ لیکن تحقیق و تجربہ کے بعد۔ اس کے قبل محض ظن و بدگمانی کی بنا پر نہیں۔ ان تحققتم و علمتم النشوز (جمل) فقہا نے تصریح کردی ہے کہ محض بدگمانی پر دوسری اور تیسری سزاؤں کا قدم اٹھانا جائز نہ ہوگا۔ فالحاصل ان كلامن الهجر والضرب مقيد بعلم النشوز ولايجوز بمجرد الظن (جمل) وَاهۡجُرُوۡهُنَّ۔ ہجر کے دوسرے معنی ترک کلام کے بھی کئے گئے ہیں۔ یعنی ان سے بات چیت کرنا چھوڑ دو۔ قال ابن عباس وعكرمة والضحاک والسدى هجر الكلام (جصاص) اى لايكلمهاوان وطئها قاله عكرمة وابوالضحى (ابن العربی) و۱۱۹ (ہلکے ہلکے) ضربًا غير مبرح ولاشائن (ابن عباس) قال الحسن ضربا غير مبرح وغير مؤثر (جصاص) یہ تیسرا علاج اس وقت کے لئے ہے جب دوسرا علاج بھی ناکام ثابت ہولے۔ والامور الثلاثة مرتبة ينبغى ان يتدرج فيها (بیضاوی) اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ یہ مار بالکل ہلکی قسم کی ہو۔ ایسی نہ ہو جس سے چوٹ زیادہ آجائے۔ یا جس سے رفیق زندگی کی توہین لازم آتی ہو۔ بلکہ مفسر صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تو یہ منقول

ہے کہ یہ مارمسواک جیسی ہلکی پھلکی چیز سے ہو۔ قال ابن عباس بالسواک ونحوہ (بحر) قرآن مجید کا خطاب ظاہر ہے (یکین بار بار اسے یاد کر لینے کی بھی ضرورت ہے) کہ کسی ایک طبقہ کسی ایک قوم، کسی ایک تمدن سے نہیں۔ اس کے مخاطب عرب وعجم، چینی اور حبش، انگریز اور ہندی، رومی اور جاپانی، اعلیٰ اور ادنیٰ، شریف ورذیل، عالم وعامی، فہیم اور کودن، چمار اور چوہڑے، نائی اور دھوبی، شہری اور دیہاتی، نیک بخت اور بدباطن، ہر طبقہ، ہر سطح، ہر ذہنیت کے لوگ پہلی صدی ہجری سے لے کر قیامت تک ہر زمانہ اور ہر دور والے ہیں اور اس کے احکام ومسائل میں لحاظ ہر انسانی ضرورت اور ہر بشری ماحول کا کرلیا گیا ہے اور یہ مشاہدہ ہے کہ بہت سے معاشرے اور طبقے ایسے ہیں جہاں عورت کے لئے جسمانی سزائیں عام ہیں۔ علاج کی یہ صورت ظاہر ہے کہ انہی طبقوں کے لئے ہے۔ پھر اتنی اجازت بھی ضرورت پڑنے ہی پر ہے ورنہ سیاق عبارت نرمی ہی کی سفارش کر رہا ہے۔ وسوق الکلام للرفق فی اصلاحھن (جمل) فالتخفیف مراعی فی ھذا الباب علی ابلغ الوجوہ (کبیر) وقال الشافعی رحمۃ اللہ علیہ الضرب مباح وترکہ افضل (کبیر) اور اہل تحقیق نے تصریح کردی ہے کہ نرم تدبیر اگر کافی ہو جائے تو سخت تر صورت ہرگز جائز نہیں۔ مھما حصل الغرض بالطریق الاخف وجب الاکتفاء بہ ولم یجز الاقدام علی الطریق الاشد (کبیر) یورپ میں بیویوں کی مار پیٹ کا دستور جہاں جہاں رہا ہے اس کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ قرآن مجید میں اس حکم کا ملنا قرآن مجید کے حق میں ذرا بھی مضر نہیں جیسا کہ بعض یورپ زدہ مسلمان سمجھ رہے ہیں بلکہ یہ تو عین دلیل ہے اس کی کہ قرآن مجید کے احکام ہر طبقہ اور ہر مزاج اور ہر سطح انسانی کے لئے ہیں۔ و۱۲۰ (ان پر سختی اور زیادتی کرنے کے لئے) اوپر کی تدبیر تو محض ضرورت کے لئے ہے۔ بلاضرورت اس کا استعمال بیوی کو ستانے اور تکلیف پہنچانے کے لئے ہرگز درست نہیں۔ و۱۲۱ (سو تم ایسی رفعت والے، عظمت والے پروردگار کے حقوق میں کوتاہی سے کب ماوراء ہو؟) شوہر اگر یہ مراقبہ کرتے رہیں تو بیویوں سے اپنے مطالبات میں یقیناً نرم پڑ جائیں اور ان کی طرف سے ادائے حقوق پر تنا اصرار جاری نہ رکھیں۔ و۱۲۲ خطاب عام امتِ اسلامیہ کو ہے اور حکام اور اہل حل وعقد کو بدرجۂ اولیٰ۔ الخطاب کما قال ابن جبیر والضحاک و غیر ھما للحکام (روح) وقال اٰخرون المراد کل واحد من صالحی الامۃ (کبیر) خطاب لجمیع المؤمنین (کبیر) بَیْنِهِمَا۔ یعنی میاں بیوی کے درمیان۔ شِقَاقَ۔ یعنی ایسی کشمکش جسے وہ باہم نہ سلجھا سکیں۔ امت اور افراد امت کا ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ افراد کے باہمی اور خانگی مناقشوں سے معاشرۂ اسلامی کا دامن بالکل الگ اور بے تعلق نہیں کہ افراد ہی کی صالحیت پر امت کی صالحیت کا مدار ہے آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ افراد کی خانگی نزاعوں کو امت اپنا ہی معاملہ سمجھے۔ اِنْ خِفْتُمْ۔ خوف یہاں بھی علم کے معنی میں ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۱۶ والمراد فان علمتم کما قال ابن عباس رضی اللہ عنہما (روح) والخوف بمعنی الیقین وقیل ھو بمعنی الظن یعنی ان ظننتم شقاقا بینھما (معالم) و۱۲۳ (جو تصفیہ کی اہلیت رکھتے ہوں وہ جا کر تحقیق حال کریں) فَابْعَثُوْا۔ یعنی تصفیہ کی غرض سے ان دو حَکموں کو ان میاں بیوی کے پاس بھیجو۔ میاں بیوی میں نزاع ہونے میں یہ ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ فوراً طلاق طلاق ہو جائے یا اور کسی ایسی ہی شدید کارروائی کی نوبت آ جائے۔ بلکہ پہلے یہ کوششیں مصالحت ومفاہمت کی کرلی جائیں۔ رشتہ ازدواج ایک اہم ترین رشتہ ہے، اس پر بے پروائی سے ضرب نہیں لگائی جا سکتی۔ و۱۲۴ اِنْ يُّرِيْدَآ۔ میں ضمیر تثنیہ دونوں حَکموں کی جانب ہے اور بَیْنَهُمَا میں زوجین کی جانب۔ الضمیر الاول للحکمین والضمیر الثانی للزوجین (بیضاوی) والضمیر فی ان یریدا للحکمین و فی بینھما للزوجین (مدارک) ہوسکتا ہے کہ دونوں موقعوں پر ضمیریں زوجین ہی کے لئے ہوں۔ وقیل کلاھما للزوجین (بیضاوی) اوالضمیران للزوجین (مدارک) اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا۔ یعنی اگر اخلاص ودیانت کے ساتھ نیت مصالحت ومفاہمت کی ہوگی تو اللہ تعالیٰ نیت میں برکت ضرور دے گا۔ اور قلب کی صفائی کی کوئی صورت نکال دے گا۔

وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ

اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور جو کچھ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا

دے رکھا ہے اُسے چھپاتے ہیں و۱۲۹ اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت والا عذاب تیار

مُّهِيْنًا ۝۳۷ۚ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاۗءَ

کر رکھا ہے و۱۳۰ اور جو لوگ اپنا مال لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتے

النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ

رہتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روزِ آخرت پر (تو یہ سب کافروں ہی کے حکم میں داخل ہیں) و۱۳۱

وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ۝۳۸

اور جس کا مصاحب شیطان ہوا سو برا مصاحب ہوا، و۱۳۲

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اور انہیں کیا خرابی لاحق ہو جاتی اگر یہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لے آتے

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ

اور جو کچھ اللہ نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے و۱۳۳ اور اللہ ان سے

عَلِيْمًا ۝۳۹ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ

خوب واقف ہے بیشک اللہ ذرہ بھر سے ظلم نہیں کرے گا و۱۳۴ اور اگر

تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ

ایک نیکی ہو گی تو اسے دوگنا کر دے گا اور اپنے پاس سے

اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۴۰ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ

اجرِ عظیم دے گا و۱۳۵ سو اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک ایک

حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ فیصلہ کرنا واجب ہے، اگر زوجین حکام سے رجوع کریں اور دوسروں کے لئے مستحب ہے اور من اھلہ واھلھا کی قید سب کے لئے مستحب ہے۔ و۱۲۵ ہر انسانی ضرورت ہر بشری مصلحت پر اس کا علم محیط ہے۔ و۱۲۶ (نہ ذات میں نہ صفات میں) و۱۲۷ حسن سلوک کی تاکید والدین سے لے کر غلاموں اور باندیوں تک معاشرہ کے ہر ہر طبقہ کے ساتھ! اور پھر اس حکم کا عطف توحید الٰہی پر!— دنیا کی کسی دوسری آسمانی کتاب میں اس بے نظیر تعلیم کی نظیر ملے گی؟ اور اسی کے ساتھ محققین کی یہ تصریح کہ "اہل حقوق اگر کافر ہوں تب بھی ان کے ساتھ احسان کرے۔ البتہ مسلمان کا حق اسلام کی وجہ سے ان سے زائد ہوگا۔" (تھانوی) وَالْجَارِ۔ حدیث میں آیا ہے جیسا کہ مفسرین نے محدث ابونعیم اور محدث بزار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ پڑوسی تین قسم کے ہیں۔ (۱) ایک وہ جن پر تہرے حق ثابت ہیں۔ حق جوار، حق قرابت، حق اسلام، (۲) دوسرے وہ جن پر دوہرے حق ثابت ہیں، حق جوار، حق اسلام۔ (۳) تیسرے وہ جن پر ایک ہی حق ثابت ہے یعنی حق جوار، اور وہ وہ پڑوسی ہے جو مشرک کتابی ہو۔ قرآن مجید کی یہ تصریح بھی یاد رہے کہ دونوں قسم کے پڑوسی حق رکھتے ہیں۔ قریب والے اور قرابت والے بھی اور دور والے اور اجنبیت والے بھی۔ مسلمان اگر آج ایک اسی تعلیم کو یاد رکھیں تو کتنی خانہ جنگیوں کا خاتمہ ہو جائے۔ بلکہ ایک تفسیر تو یہ بھی منقول ہے

بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾

گواہ حاضر کریں گے ف۱۳۶ اور ان لوگوں پر آپ کو بہ طور گواہ پیش کریں گے، ف۱۳۷

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ

جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور پیمبر کی نافرمانی کی ہے

لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ

وہ اس روز تمنا کریں گے کہ کاش زمین ان پر برابر کر دی جائے، اور اللہ پر کوئی بات نہ چھپا

حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ

سکیں گے ف۱۳۸ اے ایمان والو نماز کے قریب نہ جاؤ

وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا

اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو، یہاں تک کہ جو کچھ (منہ سے) کہتے ہو اسے سمجھنے لگو ف۱۳۹ اور نہ

جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ

حالت جنابت میں جب تک کہ غسل نہ کرلو ف۱۴۰ بجز اس حال کے کہ تم مسافر ہو ف۱۴۱ اور اگر

كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ

تم بیمار ہو یا سفر میں ہو ف۱۴۲ یا تم میں سے کوئی

مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً

استنجا سے آیا ہو ف۱۴۳ یا تم نے اپنی بیویوں سے قربت کی ہو ف۱۴۴ پھر تم کو پانی نہ ملے

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ

تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر

وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ

ہاتھ پھیر لیا کرو ف۱۴۵ بیشک اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے بڑا بخشنے والا ہے ف۱۴۶ کیا تو نے نہیں دیکھا

فهی عنده قرابة الاسلام واجنبیة الکفر (بحر) یحتمل ان یراد بالجار ذی القربیٰ من له مع الجوار قرب واتصال بنسبٍ اودین وبالجار الجنب الذی لا قرابة له ولو مشرکاً (روح) وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ۔ اس ہم مجلسی یا صحبت میں وقت کی کوئی قید نہیں۔ رفاقت ومصاحبت خواہ سالہا سال کی ہو خواہ چند منٹ کی، بہر حال اپنا حق قائم کر جاتی ہے۔ اس کی تعریف کے ذیل میں ہم سبق، ہم مدرسہ، ہم سفر کھیل کود کے ساتھی، ریل اور جہاز کے ساتھی، شریک تجارت، شریک صنعت سب آجاتے ہیں۔ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ یہ ضرور نہیں کہ مسافر مہمان "ہی" بن کر آئے۔ خاطر تواضع بہ قدر وسعت وہمت ہر آیند ورَوند کی ضروری ہے۔ ف۱۲۸ اب یہاں سے ان موانع کا بیان ہے جو ادائے حقوق کی راہ میں حائل ہوتے رہتے ہیں ان میں سے پہلی چیز خود بینی ہے اور دوسری چیز نمائش وحبِّ جاہ۔ مُخْتَالٌ وہ ہے جو اپنی بڑائی کے خیال میں گرفتار رہتا ہے اور عزیزوں، قریبوں، پڑوسیوں کی طرف التفات کرنے میں کسر شان سمجھتا ہے فَخُوْرٌ۔ وہ ہے جو دوسروں پر اپنا فخر زبان سے جتلاتا رہتا ہے۔ ف۱۲۹ (کہ ان تینوں قسم کے لوگ اللہ کے ہاں ناپسندیدہ مخلوق میں داخل ہیں) ادائے حقوق میں خود بینی اور فخاری کے بعد تیسرا بڑا مانع یہی بخل ہوتا ہے۔ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ سے مراد مال ودولت کا ہونا ظاہر ہے۔ دوسرے معنی علم دین کی دولت کے بھی کیے گئے ہیں اور وعید میں وہ لوگ شامل سمجھے گئے ہیں۔ جو مسائل دین کے اظہار میں بخل کرتے رہتے ہیں۔ ف۱۳۰ انسان عموماً بخل اسی لئے کرتا ہے کہ مال بچا کر اس سے اپنے جاہ میں اضافہ کرے۔ اس جاہ پرستی کی سزا قدرۃً یہ ملے گی کہ عذاب سخت دردناک ہونے کے علاوہ اسے خلق کی نظر میں ذلیل ورسوا کرنے والا بھی ہوگا۔ ف۱۳۱ رِئَآءَ النَّاسِ۔ یعنی یہ لوگ اہل حقوق پر خرچ نہیں کرتے بلکہ موقع نمود پر خرچ کرتے ہیں۔ جن لوگوں کا ایمان خدا اور روز جزا پر نہیں ہوتا وہ جس موقع پر اور جس مقصد سے بھی خرچ کریں گے، بہر حال کوئی نہ کوئی صورت رضاء خلق ہی کی ہوگی۔ حالانکہ اسلام نے جان کی طرح (گو اس سے کم درجہ میں) مال کی بھی خرچ کی اجازت رضاء خالق ہی کے تحت دی ہے ف۱۳۲ (جو ہمیشہ برائی ہی کی ترغیب دیتا رہے گا) مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا۔ جس کا مصاحب شیطان ہوا۔ جیسا کہ ان لوگوں کا ہے۔ ف۱۳۳ (دین کی راہ میں اور اخلاص کے ساتھ) مَاذَا عَلَيْهِمْ۔ محاورہ عربی میں ایسے موقع پر آتا ہے جیسے اردو میں کہتے ہیں:۔ کیا غضب ہو جاتا، کون سی بڑی بات تھی! ف۱۳۴ (قیامت کے دن) یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی کی کوئی نیکی بلا اجر رہ جائے یا کوئی بدی کسی کے حساب میں خواہ مخواہ لکھ لی جائے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ۔ اللہ جو خالق مطلق، حاکم مطلق، مالک مطلق ہے، حقیقۃً ظلم کا اطلاق تو اس کے کسی فعل پر بھی کسی حال میں نہیں ہوسکتا۔ یہاں مراد تو یہ ہے کہ وہ ظاہر میں اور مجازی معنی میں بھی ظلم نہیں کرتا۔ آیت میں دو پہلو اور بھی ہیں۔ ایک تو مشرک قوموں نے اپنی دیوی دیوتاؤں کو ظالم، ستم گر، خون خوار مانا ہے (مثلاً کالی مائی) حق تعالیٰ کی تنزیہ اس قسم کی صفات سے کلیۃً ہوگئی۔ دوسرے جن آیتوں میں حق تعالیٰ کی قوت مطلق اختیارات کامل کا اثبات ہے، ان سے ممکن تھا کہ مسلمانوں کو بھی یہ خیال ہو جاتا کہ ہر طرح کا ظلم اس قادر مطلق کے لئے روا ہے۔ اس کی تردید بھی آیت سے ہوگئی۔ ف۱۳۵ (سو کیا ٹھکانا ہے ایسے پروردگار کی رحمت وکرم کا) مِنْ لَّدُنْهُ۔ اپنے پاس سے، یعنی زاید از استحقاق بلکہ بلا استحقاق۔ اسلام کا خدا نہ کوئی خون خوار دیوتا ہے نہ ایسا معذور کہ کسی پر کرم کرنا چاہے بھی تو اپنی صفت عدل کو برقرار رکھنے کے لئے کسی اور پر ظلم اسے کرنا پڑے!۔۔۔ شرک اور مسیحی شرک دونوں کی تردید آیت سے ہوگئی۔ ف۱۳۶ (قیامت کے دن، اس امت سے متعلق اظہار دینے) یہ گواہ ہر امت کے مقابل اس امت کے رسول ہوں گے۔ جو اس کی شہادت دیں گے کہ وہ احکام کی پوری پوری تبلیغ کر آئے تھے۔ ف۱۳۷ (اے پیغمبر!) هٰٓؤُلَآءِ (ان لوگوں) کا اشارہ کس جانب ہے؟ بہ ظاہر وہ لوگ مراد معلوم ہوتے ہیں جو قرآن کے براہ راست یا بالواسطہ مخاطب تھے، اور جن سے رسول اللہ (ﷺ) کا سابقہ تھا۔ ای علی امتک (ابن جریر) یعنی قومه المخاطبین بالقراٰن (کبیر) دوسری تفسیر یہ ہے کہ اشارہ ان گواہوں کی جانب ہے، یعنی ان گواہوں کے صدقِ بیان پر گواہ ہو کر، نشهد علیٰ صدق هٰؤلآء الشهداء لعلمک بعقائدهم (بیضاوی) بہر صورت جب رسول اللہ (ﷺ) اس آیت پر پہنچے تھے تو اپنی ذمہ داری کے احساس اور فرط خشیت سے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ آنسو چشم مبارک سے ظاہر ہو جاتے تھے۔ کان النبی ﷺ اذا اتی علیها فاضت عیناه (ابن جریر) جن بیدردوں نے قرآن کو کلام محمدی ٹھیرایا، وہ غور کریں، اپنے گھڑے ہوئے کلام سے بھی انسان کے آنسو جاری ہوسکتے ہیں؟ ف۱۳۸ (بلکہ ہر چھپا ہوا راز اس روز ظاہر ہو کر رہے گا) يَوْمَئِذٍ۔ اس روز سے ظاہر ہے کہ روز حشر مراد ہے۔ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ۔ تا کہ وہ پیوند زمین ہو کر حشر کی رسوائی اور عذاب سے محفوظ رہیں۔ ف۱۳۹ یعنی نشہ اتر جائے اور زبان قابو میں آجائے۔ آیت اس وقت کی ہے جب کہ حرمت شراب کا حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا، مطلب آیت کا یہ کہ اوقات نماز میں تو شراب پینے سے باز رہو۔ یہ مطلب نہیں کہ شراب تو اسی طرح پیتے چلے جاؤ اور نشہ کی حالت میں نماز چھوڑے رہو۔ ف۱۴۰ یعنی حالت جنابت کے بعد غسل کرنا فرض ہے، بغیر اس کے نماز درست نہ ہوگی۔ مرد کو انزال ہو جانا۔ عورت کو حیض آجانا، مرد وعورت دونوں کا عمل مباشرت کرنا (خواہ انزال کے بغیر ہو) یہ سب حالتیں جنابت کی ہیں۔ اَلصَّلٰوةَ سے مراد مواضع الصلوٰة بھی لی گئی ہے۔ یعنی مسجدیں۔ ای مواضع الصلوٰة وهی المساجد (مدارک) المراد مواضع الصلوٰة وهو قول الشافعی (قرطبی) ف۱۴۱ یعنی بجز حالت سفر کے کہ جب پانی کا ملنا اور غسل کا انتظام ہونا دشوار ہو۔ ایسی حالت کا

اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ

کہ جنہیں کتاب سے حصہ ملا تھا وہ گمراہی کو مول لے

الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَ اللّٰهُ

رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم (بھی) گمراہ ہو جاؤ ف۱۴۷ اللہ

اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّ كَفٰى

تمہارے دشمنوں سے خوب واقف ہے ف۱۴۸ اور اللہ کا حمایتی ہونا کافی ہے اور اللہ کا

بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ

مددگار ہونا کافی ہے ف۱۴۹ جو لوگ یہودی ہو گئے ہیں ان میں سے ایسے بھی ہیں جو کلام کو

الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا

اس کے موقعوں سے پھیرتے رہتے ہیں ف۱۵۰ اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا مگر ہم نے مانا نہیں

وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ

اور (ہماری) سنو اور تمہیں سنوایا نہ جائے، اور "راعنا" میں زبانوں کو توڑ موڑ کر

وَ طَعْنًا فِى الدِّيْنِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا

دین میں طعنہ زنی کی راہ سے اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سنا

وَ اَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

اور ہم نے قبول کیا، اور (ہماری) سنو اور "انظرنا" تو ان کے حق میں کہیں بہتر

وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ

اور درست تر ہوتا ف۱۵۱ لیکن اللہ نے تو ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کی ہے ف۱۵۲ سو وہ ایمان نہ لائیں گے

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا

مگر تھوڑے سے ف۱۵۳ اے وہ لوگو جنہیں کتاب مل چکی ہے اس (کتاب) پر ایمان لاؤ

حکم ابھی آگے آتا ہے۔ ولایصح لاحدان یقرب الصلٰوۃ وھو جنب الابعد الاغتسال الاالمسافر فانه یتیمم وھٰذا قول ابی حنیفۃ (قرطبی) جن فقہاء نے الصلٰوۃ سے مرادمواضع الصلٰوۃ لی ہے انہوں نے الاعابری سبیل سے جنبی کی ضرورت کے وقت مسجد سے گزرنے کا جواز نکالا ہے۔ فیجوز للجنب العبور فی المسجد عندالحاجۃ (مدارک) ھٰذا یقتضی جواز العبور للجنب فی المسجد لا الصلٰوۃ (قرطبی) ف۱۴۲ (اور مرض اور سفر دونوں صورتوں میں پانی کا استعمال یا معتذر ہو، یا اس کا بہم پہنچنا دشوار ہو، یا غسل کا انتظام نہ ہوسکتا ہو) ف۱۴۳ (اور اس لئے وضو باقی نہ رہا ہو) ف۱۴۴ (اور اس لئے غسل فرض ہوگیا ہے) لمس اور مس دونوں کے لفظی معنی چھوئے کے ہیں۔ اس لئے بعض فقہا نے یہاں بھی محض ملامست مراد لی ہے اور ملامست نساء کو موجبات وضو میں سے قرار دیا ہے لیکن لمس کے مجازی معنی ہم بستری کے ہیں۔ ویکنی به و بالملامسۃ عن الجماع (راغب) من المجاز اللمس والملامسۃ المجامعۃ (تاج) اور مس تو قرآن مجید میں بھی ہم بستری کے معنی میں آیا ہے۔ ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن اس لئے فقہا حنفیہ نے یہاں لمس سے بھی ہم بستری ہی مراد لی ہے اور یہی مذہب قوی ہے۔ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم جیسے صحابیوں اور مجاہد و طاؤس، حسن بصری سعید بن جبیر وغیرہم تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ ای جامعتم النسآء (ابن عباس رضی اللہ عنہما) قال قوم ھو المجامعۃ وھو قول ابن عباس والحسن والمجاھد وقتادۃ (معالم) روی عن علی و ابی ابن کعب و مجاھد و طاؤس والحسن و عبید بن عمیرو سعید بن جبیر والشعبی و قتادۃ و مقاتل بن حیان نحو ذٰلک (ابن کثیر) وکنی بالملامسۃ من الجماع والی ذٰلک ذھب علی کرم اللہ تعالٰی وجھه وابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما والحسن (روح) ف۱۴۵ یعنی ایسی مٹی ہو جو خود غیر طاہر یا گندی نہ ہو، دو دو بار ہاتھ مار کر پہلی بار پورے چہرہ اور دوسری بار ہاتھوں پر کہنیوں تک پھیر لیا کرو۔ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً۔ یعنی کسی سبب سے بھی سہی۔ پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو ماء کے صیغہ نکرہ میں آنے سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ پانی کسی قسم کا بھی ہو، وضو کے لئے درست ہے۔ فھو عام فی کل ما کان من سماء او نهر اوعین عذب اوملح (قرطبی) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں اتنی وسعت پیدا کی ہے کہ رنگ، مزہ یا بو بدلے ہوئے پانی تک کی اجازت دے دی ہے۔ واجاز ابوحنیفۃ الوضوء بالماء المتغیر (قرطبی) پانی کی معدومیت ایک تو حقیقی ہے وہ یہی کہ پانی موجود نہ ہو۔ دوسری حکمی ہے یعنی موجود تو ہو لیکن اس کا استعمال مرض پیدا کردے یا مرض کو بڑھا دے یا کسی اور وجہ سے اس کے استعمال سے معذوری ہو۔ فقہاء نے نام صرف چند چیزوں کے گنائے ہیں۔ فلم تقدروا علٰی استعماله لعدمه اوبُعده اوفقد اٰلۃ الوصول الیه اوالمانع من حیۃ اوسبُع اوعدوٍ (مدارک) لو کان یجد الماء الاّ انه مریض فخاف ان استعمل الماء اشتدّ مرضه تیمّم (ہدایہ) واما ان یخاف فوات الرفیق اوعلی الرجل بسبب طلبه او لصوصًا اوسباعًا اوفوات الرفیق او عطشا علی نفسه او علی غیرہ و کذٰلک بطبخ یطبخه لمصلحۃ بدنه فاذاکان احد ھٰذہ الاشیاء تیمّم وصلّے (قرطبی) صَعِيْدًا طَيِّبًا۔ صعید لغت میں کہتے ہیں زمین کے بالائی رخ کو، نہ کہ نفس مٹی کو۔ الصعید یقال لوجه الارض (راغب) قال الزجاج لیس ھو التراب انما ھو وجه الارض ترابا کان اوغیرہ (تاج) والذی یعضد الاشتقاق وھو صریح اللغۃ انه وجه الارض علٰی ای وجه کان من رمل اوحجر او مدر او تراب (ابن العربی) اس لئے حنفیہ کے ہاں جنس ارض کی تمام چیزوں پر تیمم جائز ہے خواہ ان پر گرد پڑی ہو یا نہ پڑی ہو اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ثوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ دوسرے ائمہ فقہ بھی اس باب میں حنفیہ کے ہم زبان ہیں۔ ویجوز التیمم عندابی حنیفۃ و محمد بکل ما کان من جنس الارض (ہدایہ) یتیمم المطھر من جنس الارض وان لم یکن علیه نقع (درمختار) یتیمم بوجه الارض کله ترابًا کان او رملا اوحجارۃ اومعدنااوصبغۃ ھٰذا مذھب مالک وابی حنیفۃ والثوری والطبری (قرطبی) جنس ارض میں سے ہونے کی شناخت یہ ہے کہ وہ آگ میں نہ جل جائے نہ اس سے پگھل جائے۔ چنانچہ گیرو، پتھر، سرمہ، یاقوت، زبرجد وغیرہ پر اس قاعدہ کے موافق اور چونہ پر اس قاعدہ کے خلاف عمل جائز ہے۔ البتہ خاکستر (راکھ) پر جائز نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تیمم صرف مٹی ہی پر جائز ہے۔ ف۱۴۶ (چنانچہ دشوار موقعوں کے لئے اس نے کیسے آسان حکم دے رکھے ہیں) ف۱۴۷ (اے مسلمانو!) یہود خود تو علم توریت کے باوجود کفر و ضلالت اختیار کئے ہوئے تھے ہی، مسلمانوں کو بھی اسلام سے برگشتہ کرنے کی جو طرح طرح کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ یہ اشارہ اسی طرف ہے۔ مِنَ الْكِتٰبِ کتاب سے مراد جنس کتاب ہے یعنی توریت۔ اَلَمْ تَرَ۔ میں خطاب عام ہے ہر مخاطب کے لئے۔ ف۱۴۸ (اور اس نے تم کو بھی خبردار کردیا) ف۱۴۹ اللہ کا حمایتی ہونا یہ ہے کہ وہ مومن بندوں کی مصلحتوں کی رعایت کرتا رہتا ہے اور اس کا مددگار ہونا یہ ہے کہ وہ انہیں دشمنوں کی نقصان رسانی سے محفوظ رکھتا ہے ف۱۵۰ (اور لفظی و معنوی ہر قسم کی تحریف کرتے رہتے ہیں) الْكَلِمَ۔ کلام سے مراد کلام الٰہی یا توریت ہے۔ الَّذِيْنَ هَادُوْا۔ یہ وہ لوگ تھے جو نسلاً اسرائیلی نہیں، بلکہ عرب تھے لیکن یہود کی طویل صحبت سے متاثر ہو کر خود بھی یہود کے شعائر و عقائد اختیار کر کے رفتہ رفتہ ان میں جذب ہو چکے تھے۔ شرارت و خباثت میں یہ بھی نسلی یہود سے کچھ کم نہ تھے تفصیل پارۂ اول میں گزر چکی۔ نحویین کہتے

بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

جسے ہم نے نازل کیا ہے تصدیق کرنے والی اس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے ف۱۵۴ قبل اس کے کہ

نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ

ہم چہروں کو مٹا ڈالیں اور چہروں کو ان کے پیچھے کی جانب اُلٹا دیں ف۱۵۵ یا ہم ان پر (اس طرح) لعنت کریں

كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ

جس طرح ہم نے سبت والوں پر لعنت کی تھی ف۱۵۶ اور اللہ کا حکم پورا ہو کر ہی

مَفْعُوْلًا ۝۴۷ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ

رہتا ہے ف۱۵۷ اللہ اس کو تو بیشک نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے ف۱۵۸ لیکن اس کے علاوہ

مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ

جس کسی کو بھی چاہے گا بخش دے گا اور جو کوئی (کسی کو) اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے

فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝۴۸ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ

اس نے یقیناً ایک بڑا گناہ سمیٹا ف۱۵۹ کیا تو نے ان پر نظر نہیں کی جو

يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ

اپنے کو پاکیزہ ٹھہراتے ہیں ف۱۶۰ حالانکہ اللہ جسے چاہے پاکیزہ ٹھہرائے ف۱۶۱

وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝۴۹ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ

اور ان پر دھاگا برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ف۱۶۲ دیکھ تو یہ لوگ اللہ پر کیسا جھوٹا

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۵۰ ع

طوفان باندھتے ہیں اور یہ کافی ہے جرم صریح کے لئے ف۱۶۳

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ

کیا تو نے ان لوگوں پر نظر نہیں کی جنہیں کتاب سے بہرہ ور کیا گیا تھا ف۱۶۴

ہیں کہ ھَادُوْا اور یُحَرِّفُوْنَ کے درمیان مَنْ محذوف ہے۔قال الفراء المحذوف مَنْ المعنی من الذین ھادو امَنْ یحرّفون (قرطبی) ف۱۵۱ (یعنی ان کے حق میں نافع بھی اور مطابق واقعہ بھی) عرب یہود کی مستمر شرارتوں اور خباثتوں میں سے یہ امر بھی تھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مخاطب کرتے وقت ایسے الفاظ قصداً بولتے جن میں پہلوئے ذم بھی نکلتا رہتا اور تحقیر یا بددعا پیدا ہوتی رہتی۔ پارۂ اول میں بھی یہ ذکر پوری وضاحت سے آچکا ہے۔ یہود کی ان گستاخیوں کا دارومدار چونکہ تلفظ اور الفاظ ہی کے سوء استعمال پر ہے اس لئے ترجمہ سے اصل مفہوم پوری طرح ظاہر ہی نہیں ہوسکتا۔ اصل عربی الفاظ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا۔ ظاہری مطلب یہ تھا کہ ہم نے آپ کا ارشاد سن لیا اور آپ کے گمراہ کن مخالف ومعاند کا قول نہیں مانا۔ لیکن اصل مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہم نے تمہاری بات تو سن لی لیکن اسے قبول نہیں کیا۔ اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ۔ ظاہراً مطلب یہ تھا کہ کوئی مخالف اور رنج دہ بات آپ کے کان میں نہ جائے لیکن اصل مطلب یہ ہوتا تھا کہ تمہیں کوئی اچھی بات سنائی ہی نہ دے۔ رَاعِنَا۔ راعنا کا ظاہر مطلب یہ تھا کہ ہماری رعایت سے دوبارہ فرمایئے لیکن تلفظ میں "ع" کو ذرا کھینچ کر پڑھنے سے بالکل گستاخانہ مفہوم پیدا ہوجاتا تھا۔ لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ۔ یعنی بہ ظاہر لہجہ سے تعظیم وتوقیر نظر آتی تھی لیکن زبانیں تقیہ سے کام لیتی ہوتی تھیں اور دل کے بغض وعناد کو چھپائے ہوئے رہتی تھیں۔ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ۔ اس تصریح نے بتادیا کہ عرب یہود کی یہ ساری حرکتیں بے خیالی سے خالی نہ تھیں اور نہ تفریح طبع کے طور پر تھیں۔ بلکہ اللہ کے دین پر طعن کرنا، اسے مجروح کرنا مقصود بھی تھا۔ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ اسمع، انظرنا۔ تعلیم ان الفاظ کی ہوئی کہ یہ پہلوئے ذم سے خالی ہیں۔ ف۱۵۲ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ نے ان کے دلوں کو اپنی رحمت خاصہ سے دور کردیا۔ لعنت پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکا۔ بِكُفْرِهِمْ اس سے یہ صاف ہوگیا کہ رحمت خاصہ سے بھی یہ دوری اور مجبوری خود بخود اور بلاسبب نہیں ہوئی بلکہ یہ انہی کے کرتوتوں کا ثمرہ ہے ف۱۵۳ اور یہ تھوڑے سے وہی تھے جو آگے چل کر مسلمان ہوگئے باقی سب کا خاتمہ علم الٰہی کے مطابق کفر ہی پر ہوا۔ ف۱۵۴ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔ میں کتاب سے مراد توریت ہے۔ بِمَا نَزَّلْنَا۔ اس کتاب پر جسے ہم نے اب اپنے رسول پر نازل کیا ہے یعنی قرآن پر۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ۔ یعنی قرآن تو اصل توریت کی تصدیق ہی کرنے والا ہے۔ اس کے محرف اجزا ظاہر ہے کہ اس عام تصدیق سے مستثنیٰ ہیں۔ ف۱۵۵ (غرض اسی طرح کے کسی عذاب شدید و ہولناک میں مبتلا کردیں) نَّطْمِسَ وُجُوْهًا۔ طمس وجہ سے مراد ہے چہرہ کے نقش ونگار اور آنکھ وناک منہ وغیرہ اعضا کو مٹا دینا۔ فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَا یعنی ان لوگوں کے چہروں کو گدیوں کی طرح صفاچٹ کردیں۔ ف ہمیشہ تعجب ہی کے لئے نہیں ہوتی کبھی تفصیل اجمال کے لئے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں اسی غرض سے ہے۔ اور یہ دوسرا فقرہ پہلے فقرہ کی تفصیل وتوضیح کر رہا ہے۔ یہ ڈراوے سب عذاب اخروی کے ہیں لیکن وجوہ کے معنی مجازاً سرداروں اور رئیسوں کے بھی آئے ہیں قيل عنی بالوجوه الاعيان والرؤساء (راغب) يراد بالوجوه رءوسهم ووجهاؤهم (کشاف) اس لئے فقرہ کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم ان کے سرداروں کو ذلیل وخوار کریں۔ چنانچہ کشاف وکبیر وغیرہ میں یہ معنی بھی نقل ہوئے ہیں۔ اسی طرح اس کے متصل فقرہ کے معنی یہ ہوں گے کہ "ہم ان کی وجاہت واقبال کو سلب کرلیں اور ان پر ذلت وادبار نازل کریں" چنانچہ کشاف، بیضاوی وغیرہ میں یہ قول بھی نقل ہوا ہے۔ مِنْ قَبْلِ کا صحیح مفہوم پیش نظر نہ رہنے سے ایک سوال یہ پیدا ہوگیا ہے کہ طمس و مسخ کی یہ سزا ملی ہی کب؟ ظاہر ہے کہ ان سزاؤں کا ظہور تو آخرت میں ہوگا اور من قبل ہمیشہ کسی واقعہ کے واقع ہوجانے ہی پر دلالت نہیں کرتا بلکہ صرف اس کے ہوسکنے پر بھی دلالت کرتا ہے اور محل تہدید میں آتا ہے تو اس معنی میں اس کا استعمال قرآن مجید میں کثرت سے ہوا ہے۔ حدیث نبوی میں ایک دعا آتی ہے اللّٰھم ارزقنی عینین ھطالتین تسقیان القلب بذروف الدمع من خشیتک قبل ان تکون الدموع دمًا والاضراس جمرًا۔ قبل کے یہاں یہ کوئی معنی بھی نہیں سمجھتا کہ بعد کا واقعہ صرف زماناً مؤخر ہے اور واقع ہوکر رہے گا بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ اس کے وقوع سے اپنے کو بچایا جائے۔ اردو ہی کے محاورہ میں ہم برابر کہتے رہتے ہیں کہ قبل اس کے کہ دوزخ میں پڑو، گناہوں سے توبہ کرلو۔ اس کا یہ مطلب کوئی بھی نہیں لیتا کہ دوزخ میں تو بہرحال پڑنا ہے صرف زماناً اس سے قبل توبہ کرلینا چاہیے بلکہ صاف مطلب یہ ہے کہ دوزخ سے بچنے کے لئے گناہوں سے توبہ کرلو۔ اسی طرح آیت کا خلاصہ مفہوم صرف اس قدر ہے کہ طمس و مسخ کی سزاؤں سے بچنے کے لئے قرآن وصاحب قرآن کی تصدیق کرلو۔ ف۱۵۶ اَصْحٰبَ السَّبْتِ پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکا۔ ف۱۵۷ (سو طمس، مسخ لعنت جس چیز کا بھی حکم ہوگیا وہ بہرحال پورا ہوکر رہے گا) ف۱۵۸ (سو شرک عذاب دائمی میں مبتلا رہے گا) مشرک کی نجات کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس نے جنت کی نعمتوں کے قبول کرنے کی استعداد وصلاحیت ہی اپنے میں باقی نہ رکھی۔ ف۱۵۹ (اور اس جرم عظیم کی بنا پر وہ قابل مغفرت نہ ہوگا) اِفْتَرٰۤى اِثْمًا۔ گناہ سمیٹا کا محاورہ خاص اس مفہوم کے ادا کرنے کو ہے۔ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ۔ یعنی اور جتنے بھی گناہ ہوسکتے ہیں، وہ بہرحال شرک سے کمتر ہی ہوں گے۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ یعنی شرک تو آسمانی حکومت سے صریح بغاوت کے مرادف ہے۔ بس اسے چھوڑ کر باقی ہر معصیت مغفرت کی گنجائش رکھتی ہے اور جس کسی کے حق میں مشیت الٰہی ہوگی اسے معافی مل جائے گی۔ خواہ اس نے توبہ نہ بھی کی ہو۔ وقد ابانت ھذہ الاٰیة ان کل صاحب کبیرة ففی مشیئة اللہ ان شاء عفا عنه وان شاء عاقبه علیه ما لم تکن کبیرته شرکًا باللہ (ابن جریر) ای

یغفر مادون الشرک وان کان کبیرۃ مع عدم التوبۃ (مدارک) آیت میں رد ہے خوارج وغیرہ ان گمراہ فرقوں کا جو سمجھتے ہیں کہ ہر گناہ شرک ہے اور ہر گناہ کی سزا عذاب ابدی ہے۔ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ مشیت کا اطلاق بلا کسی قید و شرط کے ہے۔ یہیں سے رد نکل آیا معتزلہ کا جو کہتے ہیں کہ مغفرت ان کی ہوگی جو توبہ کرلیں، نہ ان کی جو توبہ نہ کریں گے۔ توبہ کے بعد تو ظاہر ہے کہ اہل کفر و شرک کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے۔ تفسیر کبیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ جس طرح شرک کے ساتھ کوئی عمل نفع نہیں پہنچا سکتا ہے اسی طرح میرا خیال ہے کہ توحید کے ساتھ کوئی عمل ضرر نہیں کرتا۔ یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے دہرایا گیا تو آپ نے اس پر سکوت اختیار کیا۔ ف۱۶۰ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ۔ یعنی ایسے لوگوں کی حماقت بھی قابل دید ہے۔ اَلَّذِیْنَ یُزَکُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی اللہ نے تو حید و تقویٰ کو جو معیار فضیلت و مقبولیت رکھ دیا ہے، اسے چھوڑ چھاڑ لوگوں نے نسل وغیرہ کے طرح طرح کے معیار شرف و بزرگی کے گڑھ لئے ہیں اور ان بنیادوں پر اپنے کو معظم و مقدس سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ تمام تر حماقت و ضلالت ہے، آیت کا اشارہ خاص یہود کی جانب ہے۔ اپنے کو نسل انبیاء میں سے ہونے کی بنا پر مقدس سمجھ رہے تھے باقی ہندوستان میں برہمن، چھتری وغیرہ اپنے کو محض مقدس خاندانوں سے انتساب کی بنا پر مقدس سمجھنے والے، اپنے چندر بنسی، سورج بنسی ہونے پر فخر و ناز کرنے والے یا جاپانیوں کی طرح اپنے کو دیوتاؤں کی نسل میں قرار دینے والے سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ اور ہاں پھر کسی درجہ میں مسلمان پیرزادے، مخدوم زادے، سیدزادے وغیرہا۔ ف۱۶۱ یعنی معتبر تو پاکیزگی اسی کی ہے جسے اللہ پاکیزہ قرار دے اور اپنے زعم و پندار میں اپنے کو پاکیزہ ٹھیرا لینے سے کیا ہوتا ہے۔ ف۱۶۲ یعنی جو سزا انہیں ملے گی، وہ ان کے جرم سے ذرہ بھر بھی زائد نہ ہوگی۔ ان کا جرم ہے ہی اسی سزا کا مستحق۔ فَتِیْلًا۔ فتیل کے لفظی معنی دھاگے کے ہیں۔ عربی محاورہ میں مراد حقیر سے حقیر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے ہوتی ہے۔ جیسے ایک دوسری جگہ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا۔ بھی آیا ہے۔ یرجع الی الکنایۃ عن تحقیر الشیء وتصغیرہ (قرطبی) اشارۃ الی اقل شیء (بحر) جیسے اردو میں ایسے موقع پر "ذرہ بھر" "رتی بھر" "بال برابر" استعمال ہوتے ہیں۔ ف۱۶۳ (تو ایسے صریح جرم پر ایسی سزا کیا کچھ ظلم و زیادتی ہے؟) بِهٖ میں ضمیر افتراء یعنی افتراء علی اللہ کی جانب ہے۔ والضمیر فی بہ عائد علی الافتراء وھو الذی انکر علیھم (بحر) ف۱۶۴ یعنی یہود۔ اور کتاب سے مراد کتاب الٰہی یا توریت ہے۔ ف۱۶۵ اَلْجِبْتِ۔ جبت کا اطلاق تو اللہ کے سوا ہر معبود پر ہوتا ہے۔ یقال لکل ماعبد من دون اللہ جبت (راغب) لیکن خصوصیت کے ساتھ اس کا استعمال ساحروں اور کاہنوں کے لئے ہوتا ہے۔ سمی الساحر والکاھن جبتًا (راغب) صحابہ اور تابعین دونوں سے یہ معنی منقول ہیں۔ قال عمر رضی اللہ عنہ الجبت السحر (ابن جریر) قال ابن عباس وابن جبیر وابو العالیۃ الجبت الساحر (قرطبی) یہود میں عملیات کا اور سحر، کہانت، نجوم، وغیرہ علوم سفلی کا ذوق ابتداء سے چلا آ رہا ہے، جیسا کہ پارۂ اول میں آیۃ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ کے تحت میں دکھایا جا چکا ہے۔ جبت کا لفظ لا کر عجب نہیں کہ اشارہ ان کی اسی قومی خصلت کی جانب کرنا مقصود ہو۔ اَلطَّاغُوْتِ۔ طاغوت پر حاشیہ پارۂ سوم میں گزر چکا۔ طاغوت ہر وہ چیز ہے جو انسان میں طغیان و عدوان پیدا کر دے۔ الطاغوت کل ما یطغی الانسان (قرطبی) عجب نہیں کہ یہ لفظ لا کر یہود کے رجحان مادیت اور ذوق مادہ پرستی کی طرف توجہ دلانا منظور ہو۔ ف۱۶۶ روایتوں میں آتا ہے کہ سرداران یہود مکہ میں آئے تو قریش نے ان سے پوچھا کہ ہمارا دین بہتر ہے یا پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اور سوال میں اپنے دینی کارناموں، مثلاً خدمت حجاج، خدمت کعبہ کا ذکر بھی کر دیا۔ سرداران یہود بولے کہ ان کے دین سے تو تمہارا ہی دین بہتر ہے۔ اور ان سے زیادہ ہدایت یاب تم ہی ہو۔ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ اللذین کفروا سے مراد قریش و مشرکین مکہ ہیں۔ ل کے معنی "بابت" یا "متعلق" کے ہیں۔ للذین ای فی حقھم (روح) واللام للتبلیغ (بحر) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ سے مراد مسلمان ہیں۔ ف۱۶۷ خود دین توحید رکھ کر اور آئین انبیاء سے آشنا ہو کر، دین توحید سے اتنی بیزاری اور ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا بغض کہ شرک اور مشرکین تک کو ان سے بہتر بتا رہے ہیں۔ ملعونیت کا تحقق ان سے بڑھ کر اور کس پر ہوگا۔ ف۱۶۸ (جو عذاب سے اسے بچالے یا اس میں کچھ کمی ہی کرا دے) مشرک قوموں اور قبیلوں نے خدا کے ساتھ ساتھ اپنے اور بھی حمایتی گڑھ کر رکھے تھے۔ ف۱۶۹ یعنی اپنی مقبولیت اور روحانی عظمت الگ رہی۔ یہود کو اگر دنیوی امارت و سیادت نصیب ہوتی تو یہ اتنے بخیل اور تنگ دل ہیں کہ اس میں بھی کسی کو شریک نہ ہونے دیتے۔ بلکہ لوگوں کے حقوق تک نہ ادا کرتے۔ اور شاید اسی بخیلی، تنگ دلی کی قومی جبلت کی بنا پر یہود دنیوی اقتدار سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں۔ نَقِیْرًا۔ نقیر کے لفظی معنی اس گڈھے کے ہیں جو کھجور کی گٹھلی میں ہوتا ہے۔ عربی محاورہ میں مثل فتیل کے حقیر سی حقیر اور چھوٹی سی چھوٹی چیز اس سے مراد ہوتی ہے۔ جیسے اردو میں رائی بھر، رتی بھر وغیرہ بولتے ہیں "تل برابر" ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ لایؤتون نقیرا ای یمنعون الحقوق (قرطبی) ف۱۷۰ (مثلاً نعمت نبوت) اَلنَّاسَ۔ کے لفظی معنی تو "لوگوں" کے ہیں لیکن یہاں مراد عرب یا بنی اسمٰعیل یا خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین ہیں۔ الناس ھنا العرب حسد تھا بنو اسرائیل (بحر۔ عن قتادہ) حسدت الیھود قریشا لان النبوۃ فیھم (قرطبی عن الضحاک) المراد ھٰھنا الرسول ومن معہ من المؤمنین (کبیر) یہود کو اصلی خلش اسی کی تھی کہ انبیاء تو ہمیشہ اسرائیلیوں میں ہوئے ہیں، یہ ایک عرب کو کیسے نبوت مل گئی۔ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ

يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ

(اس پر بھی) یہ بت اور شیطان کو مانے ہوئے ہیں ف۱۶۵ اور کفر کرنے والوں کی بابت

كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾

کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے تو یہی لوگ زیادہ ہدایت یاب ہیں ف۱۶۶

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ

یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے ف۱۶۷ اور جس پر اللہ لعنت کرے تو اس کا کوئی

تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ

مددگار ہرگز نہ پائے گا ف۱۶۸ کیا انہیں بھی کچھ اقتدار نصیب ہو جائے

فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ

تو یہ تو لوگوں کو تل بھر بھی نہ دیں ف۱۶۹ کیا یہ لوگوں پر

النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ

حسد کر رہے ہیں ان چیزوں کے باعث جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے دے رکھی ہیں ف۱۷۰

اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ

سو ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت دی ہے اور ہم نے انہیں بڑا اقتدار

مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ

بھی دیا ہے ف۱۷۱ اور ان میں سے کوئی کوئی تو اس پر ایمان لائے

مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ

اور کوئی کوئی اس سے رکے رہے اور دہکتا ہوا جہنم ہی کافی ہے ف۱۷۲ بیشک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ

جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کے ساتھ کفر کیا، ہم انہیں عنقریب (دوزخ کی) آگ میں جھونکیں گے

فَضۡلِهٖ۔ مراد نبوت ہے۔ قتادہ وابن جریج تابعین سے یہی معنٰی مروی ہیں معنی الفضل فی هٰذا الموضع النبوة التی فضل الله بها محمدا وشرف بها العرب (ابن جریر۔ عن قتادہ وابن جریج) اولی التاویلین فی ذٰلک بالصواب قول قتادة وابن جریج الذی ذکرناہ قبل (ابن جریر) **و۱۷۱** اٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ اور اس نسل ابراہیمی کی دو شاخیں ہیں۔ بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل۔ یہاں یہود کو یاد دلایا گیا ہے کہ ہماری نعمتوں کے وعدے تو کل نسل ابراہیم علیہ السلام سے ہیں نہ کہ اس کی ایک شاخ سے۔ پھر تم تنہا اپنے ہی کو ان نعمتوں کا حق دار کیسے سمجھنے لگے ہو۔ اور جب ایک اسمٰعیلی کو یہ نعمتیں مل رہی ہیں تو تمہیں اس پر حسد یا حیرت کیوں ہے؟ اَلۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ۔ دونوں روحانی نعمتیں ہیں۔ ان کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے اور ملک عظیم دنیوی نعمت ہے اس کا ذکر الگ کر کے کیا ہے۔ **و۱۷۲** (سو دنیا میں سزا ملنا نہ ملنا چنداں قابل التفات نہیں) مَّنۡ اٰمَنَ بِهٖ۔ میں ضمیر کس طرف ہے؟ بعض نے مراد کتاب لی ہے۔ بعض نے وہ سارا فقرہ جو آل ابراہیم سے متعلق گزرا ہے اور بعض نے ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ ماحصل تینوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ من اٰمن بالکتٰب (بحر) بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم او بما ذکر من حدیث ال ابراهیم (بیضاوی) یعنی بالنبی (صلی اللہ علیہ وسلم) (قرطبی) **و۱۷۳** آیت کا مقصود اہل دوزخ کے دوام عذاب کا اعلان ہے۔ نَضِجَتۡ۔ نضج کے لفظی معنٰی پک جانے کے ہیں۔ یہاں مراد جل چکنے سے ہے۔ مقصود یہاں یہی ہے کہ عذاب منقطع نہ ہوگا۔ اور احساس عذاب ہمیشہ تازہ ہوتا رہے گا۔ یمکن ان یقال هٰذا استعارة عن الدوام وعدم الانقطاع (کبیر) المقصود بیان دوام العذاب وعدم انقطاعها (کبیر) صاحب بحر نے بھی اس قول کو نقل کیا ہے اگرچہ قبول نہیں کیا ہے۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ کھال جب جل جائے گی تو اس میں مزید الم کا ادراک ہی کہاں باقی رہے گا۔ نہیں بلکہ کھال کا احساس ہر دم تازہ ہوتا رہے گا اور جلد بے حس کبھی بھی نہ ہونے پائے گی --- آخرت میں خواص اشیاء کو دنیا کے خواص طبعی پر قیاس کرنا یوں بھی کمال بے دانشی ہے۔ **و۱۷۴** چنانچہ صفت عزیز کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نئے، پرانے ہر قسم کے عذاب پر ہر وقت قادر ہے اور صفت حکیم کا تقاضا یہ ہے کہ عذاب ہو یا تجدید عذاب۔ کوئی بھی شے حکمتوں اور مصلحتوں سے خالی نہیں۔ **و۱۷۵** یعنی انہیں عیش و راحت ہر طرح کی حاصل رہے گی۔ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ۔ پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکے ہیں **و۱۷۶** الۡاَمٰنٰتِ۔ امانات کے اندر جملہ حقوق آ گئے جن کی ادائی واجب ہے، اور اَهۡلِهَا۔ سے وہ سب مراد ہیں جن کے متعلق وہ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ خطاب سارے مسلمانوں سے ہے۔ انہیں حکم ہو رہا ہے کہ جس جس کے جو حقوق واجب ہیں، سب ادا کرتے رہو۔ اسی میں حقوق اللہ و حقوق العباد سب آ گئے۔ هو یعم جمیع الامانات الواجبة علی الانسان من حقوق الله علٰی عباده و من حقوق العباد بعضهم علٰی بعض (ابن کثیر) حکمها عام ولهٰذا قال ابن عباس و محمدبن الحنفية هی للبر والفاجر ای هی امرٌ لکل احدٍ (ابن کثیر) هٰذه الاٰية من امهات الاحکام تضمنت جمیع الدین و الشرع (قرطبی) والاظهر فی الاٰية انها عامة فی جمیع الناس (قرطبی) **و۱۷۷** (ان کے آپس کے حقوق کے باب میں) اب خطاب حکام اور اہل حل و عقد سے ہو رہا ہے۔ انها نزلت فی الامراء یعنی الحکام بین الناس (ابن کثیر) **و۱۷۸** (کہ اسی طریق معدلت سے دنیا میں بھی انتظامات درست رہیں گے اور آخرت میں بھی اجر اسی کا ہے) يَعِظُكُمۡ بِهٖ۔ سے اشارہ اسی طریق معدلت کی جانب ہے۔ **و۱۷۹** چنانچہ وہ ادائے حقوق اور عدل گستری سب کے باب میں تمہارے لفظ و قول کو بھی سنتا رہتا ہے اور تمہاری نیتوں اور محرکاتِ عمل پر بھی نظر رکھتا ہے۔

كُلَّمَا نَضِجَتۡ جُلُوۡدُهُمۡ بَدَّلۡنٰهُمۡ جُلُوۡدًا

جب کبھی ان کی جلدیں پک جائیں گی ہم ان کی جلدوں کو بدل کر دوسری کر دیا

غَيۡرَهَا لِيَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيۡزًا

کریں گے تاکہ وہ (برابر تازہ) عذاب چکھتے رہیں **و۱۷۳** بیشک اللہ زبردست ہے

حَكِيۡمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

حکمت والا ہے **و۱۷۴** اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل بھی کیے

سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ

انہیں ہم عنقریب باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی

خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمۡ فِيۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ

ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، ان کے لئے ان باغوں میں صاف ستھری بیویاں ہوں گی

وَّنُدۡخِلُهُمۡ ظِلًّا ظَلِيۡلًا ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ

اور ہم انہیں بڑے گنجان سایہ میں لا اتاریں گے **و۱۷۵** اللہ تمہیں حکم دیتا ہے

اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ

کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو **و۱۷۶** اور جب لوگوں کے

بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو **و۱۷۷** بیشک اللہ

نِعِمَّا يَعِظُكُمۡ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيۡعًاۢ بَصِيۡرًا ﴿۵۸﴾

تم کو بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، **و۱۷۸** بیشک اللہ بڑا سننے والا ہے، بڑا دیکھنے والا ہے **و۱۷۹**

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی

وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ

اور اپنے میں سے اہل اختیار کی اطاعت کرو، ف۱۸۰ پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہو جائے کسی چیز میں

فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ

تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا لیا کرو ف۱۸۱ اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر

بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۵۹﴾ ع ۸ / ۵

ایمان رکھتے ہو ف۱۸۲ یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی خوشتر ہے ف۱۸۳

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ

کیا آپ نے اُن لوگوں پر نظر نہیں کی جو دعویٰ رکھتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لے آئے ہیں جو

اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ

آپ پر نازل کی گئی ہے، اور جو آپ سے قبل نازل ہو چکی ہے ف۱۸۴ (لیکن) چاہتے یہ ہیں

اَنْ یَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ

کہ اپنے مقدمہ طاغوت کے پاس لے جائیں ف۱۸۵ حالانکہ انہیں حکم مل چکا ہے کہ

یَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَ یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا

اس کے مقابلہ میں کفر اختیار کریں، ف۱۸۶ اور شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ انہیں بھٹکا کر بہت دور دراز

بَعِیْدًا ﴿۶۰﴾ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ

لے جائے ف۱۸۷ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی طرف آؤ جسے اللہ نے نازل

اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ

کیا ہے اور رسول کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے کہ منافقین آپ کی طرف سے بڑی پہلوتہی

عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ ۚ فَكَیْفَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ

کر رہے ہیں ف۱۸۸ پھر کیسی گزرتی ہے جب ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے

ف۱۸۰ (کہ ان کے احکام بھی احکام خدا اور رسول پر مبنی اور انہی سے ماخوذ ہوں گے) اَطِیْعُوا اللّٰهَ۔ مطاع اصلی اور حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ رسول مطاعِ مطلق اس اعتبار سے ہیں کہ اللہ کے احکام کے وہی پہنچانے والے اور وہی ان احکام کی شرح و تفصیل کرنے والے ہیں۔ اُولِی الْاَمْرِ۔ اولوالامر کون ہیں؟ اس میں اچھی خاصی قیل وقال ہوئی ہے۔ علما وفقہاء امت بھی مراد لئے گئے ہیں اور امراء و حکام بھی۔ اور بہتر یہ ہے کہ دونوں ہی مراد لئے جائیں کہ احکام شریعت کے نافذ کرنے والے یہ دونوں ہوتے ہیں۔ ای الولاة اوالعلماء (مدارک) روی عن جابر بن عبداللہ وابن عباس روایة والحسن وعطاء و مجاهد انهم اولوا الفقه والعلم وعن ابن عباس في رواية وابی هريرة انهم امراء السرايا ويجوز ان يكونوا جميعا مرادين بالأية لان الاسم يتناولهم جميعه (جصاص) اولوالامر۔ خواہ وہ علما وفقہا ہوں یا امراء و حکام۔ بہرحال ان میں مستقل مطاع ہونے کی صلاحیت ذرا سی بھی نہیں، وہ مطاع صرف اسی حیثیت سے ہیں کہ احکام شریعت کے نافذ کرنے والے یا بعض جزئیات میں شرح کرنے والے ہیں۔ اس حد کے آگے ان کی کوئی اطاعت نہیں۔ مِنْكُمْ۔ اس تصریح کے ہوتے ہوئے اس آیت سے جن صاحبوں نے کسی غیر اسلامی حکومت کی اطاعت پر استدلال کیا ہے، انہوں نے اپنی فہم سلیم پر بڑا ظلم کیا۔ اطاعت تو مسلم امیر کی بھی ہر صورت وحال میں جائز نہیں۔ چہ جائیکہ کسی غیر مسلم کی۔ وہ اگر جائز ہے بھی تو کم از کم اس آیت سے تو اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ف۱۸۱ (اور اس کی تحقیق مزید کر لیا کرو، کہ اولوالامر کا حکم احکام شریعت کے کہاں تک مطابق ہے) اِلَى اللّٰهِ۔ اللہ کے احکام کی طرف مراجعت کرنا تو ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنے سے ہر وقت ممکن ہے۔ لیکن اِلَى الرَّسُوْلِ۔ کی تعمیل کی کوئی صورت رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بجز اس کے ممکن نہیں کہ دفتر احادیث و سنن کی طرف رجوع کیا جائے۔۔ حدیث وسنت کی حجیت اس طرح فرقہ اہل قرآن کی سطحیت کے علی رغم خود قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اِنْ تَنَازَعْتُمْ۔ ضمیر جمع مخاطب سے مراد اولوالامر اور عام افراد امت ہیں۔ اس تصریح نے یہ حقیقت اور کھول دی کہ حکام وعلماء سے عوام کا اختلاف بالکل جائز ہے۔ آخری اپیل کتاب وسنت ہی کی عدالت میں ہونی چاہیے اور وہی ساری شریعت کا ماخذ ہے۔ یہیں سے اس فرقہ کا بھی رد نکل آئے گا جو رسولِ معصوم کے علاوہ مستقل ائمہ معصوم کا بھی وجود تسلیم کئے ہوئے ہیں۔ ہر امام وقت، اپنی ساری بزرگیوں کے باوجود بہرحال غیر معصوم ہے ف۱۸۲ (اور اس لئے شتر بے مہار نہیں ہو، بلکہ اپنی ذمہ داری اور جوابدہی کا احساس رکھتے ہو) ف۱۸۳ یعنی دنیا میں بھی یہی ذریعہ امن و راحت ہے اور آخرت میں بھی وسیلۂ نجات وسعادت۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی طریق عمل جس کا ذکر ابھی ہو چکا۔۔ اصل اور غیر مشروط اطاعت اللہ کی۔ اللہ ہی کے نائب معصوم کی حیثیت سے اطاعت رسول کی۔ اور پھر ان دونوں کے واسطے سے اور انہی کی موافقت وسازگاری کے ساتھ مشروط، اطاعت حکام وعلمائے اسلام کی۔ ف۱۸۴ مراد یہود اور منافقین ہیں۔ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔ یعنی توریت یَزْعُمُوْنَ۔ زعم کے اصل معنی مطابق قول کے ہیں۔ خواہ وہ حق ہو یا باطل لیکن عموماً اس کا استعمال جھوٹ یا مشکوک بات کے لئے ہوتا ہے۔ الزعم القول الحق والباطل و اكثر مايقال فيما يشك فيه ولا يتحقق (تاج) واذا شك فيه فلم يدر لعله كذب اوباطل قيل يزعم فلان (لسان) محاورۂ قرآنی میں یہ ہمیشہ ذم ہی کا پہلو لئے ہوئے آیا ہے۔ جاء في القرآن في كل موضع ذم القائلون به (راغب) ف۱۸۵ (بجائے اس کے کہ اسے شریعت کی عدالت میں لائیں) طاغوت۔ پر حاشیہ پ۳ میں گزر چکا ہے۔ یہاں مراد ہر غیر اللہ کی حکومت واقتدار ہے۔ ف۱۸۶ یعنی اس کی حاکمیت کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔ اور طاغوت کے اقتدار کے آگے گردن نہ جھکائیں۔ ف۱۸۷ یعنی بنی آدم کے دشمن ازلی شیطان کی تو تمنا ہی یہ رہتی ہے کہ انہیں راہِ حق سے زیادہ سے زیادہ دور کر دے۔ ف۱۸۸ منافقین یوں تو اسلام کے مدعی تھے۔ لیکن جب کبھی کوئی مقدمہ معاملہ آ پڑتا تو فیصلہ کے لئے رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہونے سے بہت ہی گھبراتے کہ یہاں تو بہرحال بلا رو و رعایت دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہو کر رہے گا۔ اور کسی قسم کی سخن سازی وخیانت نہ چل سکے گی۔ تعالوا الی الرسول۔ رسول کی طرف آؤ، کہ آپ قانونِ شریعت کے موافق فیصلہ کر دیں۔

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ

اپنے ہی ہاتھوں ف۱۸۹ پھر آپ کے پاس آتے ہیں اللہ کی قسم

بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰٓئِكَ

کھاتے ہوئے کہ ہمارا مقصد تو محض بھلائی اور مصالحت تھا ف۱۹۰ یہ وہ لوگ ہیں کہ

الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۖ فَاَعْرِضْ

جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ (اسے) سب جانتا ہے، تو آپ ان سے چشم پوشی کر جایا

عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا

کیجیے ف۱۹۱ اور انہیں نصیحت کرتے رہیے، اور انہیں ان کے باب میں مؤثر بات

بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ

کہتے رہیے ف۱۹۲ اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اس غرض سے کہ اس کی اطاعت

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ

اللہ کے حکم سے کی جائے، ف۱۹۳ اور کاش کہ جس وقت یہ اپنی جانوں پر زیادتی کر بیٹھے تھے آپ کے پاس آجاتے

فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

پھر اللہ سے مغفرت چاہتے، اور رسول بھی ان کے حق میں مغفرت چاہتے

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا

تو یہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے ف۱۹۴ سو آپ کے پروردگار کی قسم ہے کہ

يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے ف۱۹۵ جب تک یہ لوگ اس جھگڑے میں جو ان کے آپس میں ہو، آپ کو حکم نہ بنا لیں

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ

اور پھر جو فیصلہ آپ کر دیں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں

ف۱۸۹ مثلاً یہی کہ ان کی خیانت یا منافقت کا راز کھل گیا۔ اور اس پر ان کی دھڑ پکڑ شروع ہوگئی۔ ف۱۹۰ یعنی جب ان کی دورنگی کھل جاتی ہے اور باز پرس شروع ہو جاتی ہے تو قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے لگتے ہیں کہ ہم بھی تو مومن ہیں۔ اور ہمیں رسول ﷺ کی حاکمیت سے کچھ انکار تھوڑے ہی ہے۔ ہم تو محض نیک نیتی اور فریقین کی خیر خواہی کے خیال سے مقدمہ کو دوسری جگہ لے گئے تھے۔ آیتوں کی شان نزول میں آتا ہے کہ ایک یہودی اور ایک نام کے مسلمان یعنی منافق کے درمیان کسی معاملہ میں جھگڑا ہوا۔ یہودی نے رسول اللہ ﷺ کی دیانت پر اعتماد کر کے کہا کہ چلو وہیں تصفیہ کرائیں۔ منافق کا پہلو کمزور تھا، بولا نہیں بلکہ سردار یہود کعب بن اشرف کے پاس چلیں۔ بالآخر مقدمہ رسول اللہ ﷺ ہی کی خدمت میں آیا اور یہاں سے فیصلہ یہودی کے موافق ہوا کہ وہی اس معاملہ میں حق پر تھا۔ منافق نے کہا کہ چلو اب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں وہ غالباً اپنے دل میں یہ سمجھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی شدت وغلظت کافروں پر بہت بڑھی ہوئی ہے اور میں ظاہر میں تو بہر حال مسلمان ہوں۔ وہاں میری ہی چل جائے گی۔ آیات میں تلمیح اسی واقعہ کی جانب ہے۔ منافقین اپنا یہ عذر پیش کرتے تھے کہ ہم کسی اور کے پاس مقدمہ کچھ اس خیال سے تھوڑے ہی لے جاتے ہیں کہ فیصلہ کا حق رسول ﷺ کے سوا کسی اور کو حاصل ہے، بلکہ ہم تو اس لئے لے جاتے ہیں کہ وہاں حق وانصاف وقانون سے زیادہ فریقین کی مصلحت اور دلجوئی پر نظر رہے گی۔ ف۱۹۱ (اور ان کے کرتوتوں کو علم خداوندی اور مواخذۂ خداوندی کے حوالہ رکھیے، خود مواخذہ سر دست نہ فرمائیے) مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ۔ یعنی جو کچھ یہ اپنے دلوں میں کفر ونفاق کی قسم سے چھپائے ہوئے ہیں۔ ف۱۹۲ یعنی خاص ان کی اصلاح سے متعلق ان پر کافی مضامین کی تبلیغ کرتے رہیے کہ ان پر حجت الٰہی قائم رہے۔ وَعِظْهُمْ۔ انہیں نصیحت کرتے رہیے جیسا کہ منصب رسالت کا اقتضا ہے۔ ف۱۹۳ یہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ رسول کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اس کو حاکم اعلیٰ اور مقتدا تسلیم کیا جائے اور امت اسی کے لائے ہوئے قانون اور بتلائی ہوئی شریعت پر چلنا سیکھے۔ ورنہ محض زبانی رسول مان لینے سے تو کوئی حاصل ہی نہیں۔ مِنْ رَّسُوْلٍ۔ میں مِنْ زاید تاکید کی غرض سے ہے۔ من زائدة للتاكيد (قرطبی) بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اس قید نے واضح کر دیا کہ مطاع حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ رسول ﷺ مطاع اس کے نائب کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ ف۱۹۴ (اور ان کی توبہ قبول ہو گئی ہوتی) اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ اپنی جان پر ظلم اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ رسول زندہ سلامت اپنے درمیان موجود اور پھر ان عدالت سے اعراض، فَاسْتَغْفَرُوا۔ مغفرت چاہتے اپنے اس گناہ کی اور گناہ نفاق کی جَآءُوْكَ۔ آپ کے پاس ندامت کے ساتھ حاضر ہوتے۔ تقدیر کلام یہاں یوں سمجھی گئی ہے ثم جاؤک فامنوا واستغفروا۔ استغفار کے لفظ میں خود ایمان کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اس لئے امنوا کی تصریح کی ضرورت نہ رہی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بغیر ایمان لائے محض حاضری ہرگز کافی نہ تھی۔ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ۔ رسول ﷺ کی خدمت میں ایمان کے ساتھ حاضری اور پھر اللہ سے طلب مغفرت، یہ دونوں چیزیں یقیناً آپ کے قلب سے اثر متاذی کو دور کر دیتیں اور اس کے بجائے انشراح پیدا کر دیتیں اور آپ ضرور ان کے لئے مغفرت طلب کرنے لگتے۔ ایک نو پیدا باطل فرقہ کا آیت کے یہ معنی کرنا کہ ”کتاب اللہ بھی انہیں معافی دے دیتی“ لغت اور قرآن دونوں کے ساتھ تمسخر ہے۔ ف۱۹۵ عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے ہاں ان کا ایمان اس وقت تک معتبر نہ سمجھا جائے گا۔ ان لوگوں سے مراد وہی منافقین اور اسلام کے ظاہری اور زبانی دعویدار ہیں۔ فَلَا وَرَبِّكَ۔ میں لا زائد و تاکید قسم کے معنی میں ہے۔ مزيدة لتاكيد معنى القسم (مدارک)

ف۱۹۶ آیت نے اسے صاف کردیا کہ رسول ﷺ کی عدالت میں مقدمات محض لے آنا ہرگز ایمان کے لئے کافی نہیں، عقلی واعتقادی حیثیت سے اطمینان بھی رسول ﷺ کے فیصلہ پر ہونا چاہیے۔ ہاں اس کے بعد بھی کوئی طبعی تنگی باقی رہ جائے تو غیر اختیاری ہونے کی بنا پر معاف ہوگی۔ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔ آپ کی حیات مبارک میں تو آپ کا حَکَم بننا ظاہر ہی تھا۔ بعد وفات آپ کی شریعت حَکَم بننے کے لئے کافی ہے۔ فقہانے آیت سے استنباط کیا ہے کہ جو کوئی اللہ یا اس کے رسول ﷺ کے کسی حکم میں شک وشبہ کرے یا ماننے سے انکار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ وفی هذه الأية دلالة على ان من ردّ شيئًا من اوامر الله تعالى اواوامر رسول الله ﷺ فهو خارج من الاسلام سواء رده من جهة الشك فيه اومن جهة ترك القبول والا متناع من التسليم (جصاص) ف۱۹۷ (اور وہی تھوڑے مومن کامل ہوتے) اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ۔ ایک معنی میں تو دونوں حکم اب بھی موجود ہیں یعنی جہاد وقتال اور ترک وطن یا ہجرت اپنے اپنے موقع پر اور تحقق شرائط پر اب بھی واجب ہیں، یہاں مراد یہ ہے کہ اگر یہ احکام خود بھی مقصود بالذات ہوتے اور قتال وہجرت ہر حال میں فرض ہوتے۔ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ۔ قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ یہ عَلَيْهِمْ اور مِنْهُمْ میں ضمیر جمع غائب کس کی جانب ہے؟ جائز ہے کہ منافقین کی جانب ہو۔ والضمير قيل يعود على المنافقين (بحر) لیکن بہتر یہ ہے کہ مطلق انسانوں یا الناس کی جانب مانی جائے۔ لو كتب الله على الناس ما ذكر (کبیر) يخبر تعالى عن اكثر الناس (ابن کثیر) مَا فَعَلُوْهُ۔ ضمیر حکم کی جانب ہے والضمير للمكذب و دل عليه كتبنا (بیضاوی) اِلَّا قَلِيْلٌ۔ کی ایک قراءت بجائے رفع کے نصب کے ساتھ اِلَّا قَلِيْلًا بھی آئی ہے۔ لیکن ائمہ نحو نے ترجیح اسی مشہور قراءت کو دی ہے۔ ف۱۹۸ (ایمان کے معاملہ میں) یعنی اگر شک، تذبذب، تزلزل کی راہ چھوڑ کر اطاعت رسول میں یکسوئی کے ساتھ لگ جائیں تو انہیں ایمان میں ثبات و استقلال اور اس کی برکتیں از خود نصیب ہونے لگیں۔ ذکر انہی منافقین اور کمزور ایمان والوں کا چل رہا ہے۔ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ۔ یعنی اللہ ورسول ﷺ کے احکام کی اطاعت اگر انہوں نے بہ دل وجان کرلی ہوتی۔ ای ما يؤمرون به من التوبة والاخلاص (ابن عباس) من متابعة الرسول ﷺ و مطاوعته طوعاً ورغباً (بیضاوی) لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ یعنی دنیوی واخروی انفرادی واجتماعی ہر اعتبار سے ان کے فلاح کی صورت پیدا ہوجاتی۔ تَثْبِيْتًا۔ پہلے یہ بتایا کہ احکام دین پر اگر عمل کرتے تو یہ چیز انہی کے کام آتی اور انہی کے حق میں بہتر ہوتی۔ اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ احکام پر عمل کرنے سے خود قوت ایمانی، ضعیف سے قوی اور قوی سے قوی تر ہو جاتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تجربہ سے ثابت ہے کہ دین کا کام کرتے رہنے سے اعتقاد و یقین کی باطنی کیفیت کو بھی ترقی ہوتی رہتی ہے۔ ف۱۹۹ (آخرت میں) اِذًا۔ یعنی اگر انہوں نے احکام خدا اور رسول کا اتباع کیا ہوتا اور نتیجۃً انہیں خیر وصلاح بھی حاصل ہوچکتی اور دین میں ثبات واستقامت بھی نصیب ہوچکتی۔ ای لو اتبعوا (جلالین) ف۲۰۰ (کہ بے روک ٹوک سیدھے رضاء الٰہی کے مقام، جنت میں داخل ہو جائیں) اور عجب نہیں کہ اسی کی برکت سے دنیا میں بھی سعی وعمل کی صراط مستقیم ان پر خوب روشن ہو کر رہے۔ ف۲۰۱ دنیا کی مادی اور حسی نعمتیں چاہے جتنی بھی ہوں۔ انسان ان سے لطف ولذت لینے میں کچھ کمی ہی محسوس کرتا ہے۔ اگر ساتھ ہی یاران بزم اور شرکاء صحبت بھی اپنے ہم مذاق اور دل پسند نہ ہوں۔ یہاں بشارت اسی نعمت عظیم کی مل رہی ہے کہ اہل جنت کو مادی وروحانی ہر قسم کی نعمتوں کے علاوہ صحبت بھی پاکیزہ ترین، بہترین، انسانیت کے بلند ترین مقام پر فائز ہونے والوں کی نصیب ہوگی۔ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ میں ایک پہلو حیرت کا بھی ہے اور اسی لئے ترجمہ "کیسے اچھے" سے کیا گیا ہے۔ فيه معنى التعجب كانه قيل وما احسن اولٓئک رفيقا (کشاف) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ۔ اس اطاعت کا تعلق احکام اور واجبات ضروری سے ہے۔ ورنہ اگر فرائض وواجبات کے علاوہ مستحبات، نوافل، تطوعات کا بھی اسی قدر اہتمام ہوجائے تو پھر درجہ ولایت خود ہی حاصل ہوجائے گا اور بہ طور انعام رفاقت اولیاء نصیب ہونے کے کوئی معنی نہ رہیں گے۔ اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ یعنی باوجود اپنے اعمال میں کمی اور کوتاہی رہ جانے کے اور باوجود بالذات ان کاملین سے مرتبہ میں فروتر ہونے کے انہیں ان کاملین کی جنت نصیب ہوجائے گی۔ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ یہ انعام کمال قرب وصول کی صورت میں ہوگا۔ صِدِّيْقِيْنَ۔ یعنی بات کے کھرے اور معاملہ کے سچے، ایسے کہ سچائی اور حق پسندی گویا ان کی فطرت میں رچ گئی اور ان کی طبیعت کا جزء بن گئی ہے۔ ایمان کے ہر جزء سے متعلق ان کی تصدیق کامل ہوتی ہے۔ ریب وشک کے حدود سے بالاتر۔ كل من صدّق بكل الدين لايتخالجه فيه شك فهو صديق (کبیر) البالغ في الصدق والتصديق (قرطبی) اردو میں انہی کو اولیاء کہتے ہیں۔ قرب حق میں ان کا نام انبیاء کے بعد ہی ہوتا ہے۔ افضل الخلق هم الانبياء عليهم السلام وبعد هم الصديقون (کبیر) شُهَدَآء۔ شہید وہ ہے جو دین کی محبت میں اپنی جان تک سے دریغ نہ کرے۔ اور عمل سے ثابت کردے کہ جس چیز پر وہ ایمان لایا تھا، وہ اسے اس قدر عزیز تھی کہ اس کی خاطر اس نے اپنی جان تک قربان کردی۔ الصّٰلِحِيْنَ۔ صالحین وہ افراد امت کہلاتے ہیں جو پورے دیندار اور متبع شریعت ہوتے ہیں۔ ف۲۰۲ اللہ کا علم حاوی و محیط ہے۔ ان کی نیتوں کو بھی، ان کے عمل کو بھی، ان کے مقتضائے عمل کو بھی۔ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ۔ یعنی تمام مومنین کو جو کاملین کی معیت ورفاقت نصیب ہوگی، یہ محض فضل خداوندی کا ظہور ہوگا۔ ان کے اعمال کا ثمرہ نہ ہوگا۔

وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾ وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ
اور اس کو پورا پورا تسلیم کر لیں ف۱۹۶ اور اگر ہم نے ان پر فرض کر دیا ہوتا کہ

اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا
اپنے آپ کو مار ڈالو یا یہ کہ اپنے وطن سے نکل جاؤ تو اس کو ان میں سے نہ

فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا
کرتے کوئی مگر بجز تھوڑے سے لوگوں کے ف۱۹۷ اور اگر یہ (لوگ) وہ کر ڈالتے جس کی

يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾
انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو ان کے حق میں یہ بہتر بھی ہوتا اور انہیں ثابت قدم رکھنے والا بھی ف۱۹۸

وَّ اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ وَّ لَهَدَيْنٰهُمْ
اور اس وقت ہم انہیں ضرور اپنے پاس سے اجر عظیم دیتے ف۱۹۹ اور ہم انہیں سیدھی

صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ
شاہراہ دکھا دیتے ف۲۰۰ اور جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ
تو ایسے لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (اپنا خاص) انعام کیا ہے (یعنی)

النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ
پیمبر اور اولیاء اور شہید اور صالحین

وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ
اور یہ کیسے اچھے رفیق ہیں ف۲۰۱ یہ فضل ہے اللہ کی

اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
طرف سے اور اللہ ہی کا علم کافی ہے ف۲۰۲ اے ایمان والو!

ع ۹

خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾

اپنی احتیاط کر لو پھر گروہ گروہ کوچ کرو یا اکٹھے ف۲۰۳

وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ

اور یقیناً تم میں کوئی ایسا بھی ہے جو دیر لگا دیتا ہے ف۲۰۴ اور پھر تم پر اگر کوئی مصیبت

مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ

آ پڑتی ہے تو کہتا ہے کہ بیشک مجھ پر اللہ نے بڑا فضل کیا کہ میں

مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَ لَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ

ان لوگوں کے ساتھ شریک نہ ہوا ف۲۰۵ اور اگر تمہیں اللہ کا فضل پیش آتا

اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ

ہے تو بول اٹھتا ہے (اس بے تعلقی کے ساتھ کہ) گویا تمہارے اور اس کے درمیان کوئی (رشتہ) محبت

مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾

تھا ہی نہیں کہ کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو میں بھی بڑی کامیابی حاصل کرتا ف۲۰۶

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ

تو (اگر یہ ہے تو) اسے چاہیے کہ اللہ کی راہ میں لڑے ف۲۰۷ ان لوگوں سے جو دنیا کی زندگی خریدے

الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۗ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ

ہوئے ہیں آخرت کے عوض میں ف۲۰۸ اور جو کوئی اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا

لڑتا ہے تو مارا جائے یا جیت جائے (بہر صورت) ہم اس کو عنقریب اجر عظیم

عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

دیں گے ف۲۰۹ اور تمہیں کیا (عذر) ہے کہ تم جنگ نہیں کرتے ہو اللہ کی راہ میں ف۲۱۰

ف۲۰۳ (جیسا موقع اور جیسی مصلحت ہو) قرآن مجید کی اکثر آیتوں کی طرح ان آیتوں کو بھی پوری طرح سمجھنے کے لئے ان کا پس منظر پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اُحد میں ابھی حال ہی میں مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی تھی اور مشرکین کی ٹوٹی ہوئی ہمتیں اس سے قدرۃً بڑھ گئی تھیں اور اکیلے قریش مکہ ہی نہیں گردوپیش کے دوسرے قبیلے بھی متحد ہو کر اسلام کے خلاف زبردست محاذ تیار کر چکے تھے۔ مسلمانوں کو ہمت، ثبات واستقامت کے یہ درس عین اس وقت دیئے جا رہے ہیں۔ خُذُوْا حِذْرَكُمْ۔ حذر کا مفہوم بہت وسیع وجامع ہے۔ ہر چیز جو دشمن سے بچاؤ کے کام آتی ہے۔ اس میں شامل ہے۔ خواہ ہتھیار ہوں خواہ تدبیریں۔ وقس علیٰ ہذا۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ دشمن کے مقابلہ میں ہر طرح کیل کانٹے سے درست اور آمادہ رہو۔" حذرکم ای ما فیه الحذر من السلاح وغیرہ (راغب) مایحذربه کالحزم والسلاح (بیضاوی) خذ حذرک ای استعد بانواع ما یستعد به للقاء من تلقاہ (بحر) ف۲۰۴ (ایسی کہ جہاد میں شریک بھی نہیں ہوتا اور پیچھے رہ جاتا ہے) یہاں مراد منافقین ہیں جو جہاد میں شریک ہی نہیں ہوئے تھے۔ المبطئون منافقوهم تثاقلوا و تخلفوا عن الجهاد (بیضاوی) مِنْكُمْ۔ خطاب یہاں مومنین اور ظاہری مومنین (منافقین) کے مجموعہ سے ہے اور اس مضمون کی آیتوں میں قرآن مجید کا عام طریق خطاب یہی ہے۔ الخطاب لعسکر رسول الله ﷺ المؤمنین منهم والمنافقین (بیضاوی) انما جمع بینهم فی الخطاب من جهة الجنس والنسب لامن جهة الایمان (قرطبی) ف۲۰۵ (نہیں تو میں بھی اسی مصیبت کا شکار ہوتا) اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ۔ مصیبت مثلاً جنگ میں شکست۔ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ۔ یہ وہ فخر ومسرت کے ساتھ کہتا ہے۔ ف۲۰۶ منافقین کی دورنگی اور سیرتِ منافقانہ کو آشکار کیا ہے کہ مومنین کو جب کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو منافقین اپنی بے تعلقی اور علیحدگی پر جھٹ اپنی مسرت وفخر کا اعلان کرنے لگتے ہیں کہ خوب ہوا جو ہم شریک نہ تھے ورنہ ہم بھی اسی بلا میں پھنستے اور مسلمانوں کو جب فتح ونصرت حاصل ہوتی ہے تو رشک کرنے لگتے ہیں کہ کاش! مال غنیمت ہمارے حصہ میں بھی آتا۔ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ۔ مثلاً جنگ میں فتح ونصرت۔ كَاَنْ...... مَوَدَّةٌ۔ یعنی اس خودغرضی کے ساتھ کہتا ہے جیسے تم مسلمانوں کی خوشی سے اس منافق کو کوئی تعلق ہی نہیں۔ اور اسے تاسف وحسرت صرف اپنی ہی قوت ودولت پر ہے۔ یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ امت اسلامیہ کی خوشی سے خوش ہونا علامات ایمان میں سے ہے۔ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔ منافق کی زبان سے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ میں بھی خوب دولت حاصل کرتا۔ مالِ غنیمت میں میرا بھی بڑا سا حصہ ہوتا! ف۲۰۷ (اخلاص کامل اور اللہ کی رضاجوئی کی نیت سے) فَلْيُقَاتِلْ۔ میں ف کے معنی ہیں کہ اگر واقعی اسے فوز عظیم ہی منظور ہے۔ ف۲۰۸ یعنی کافروں سے قتال کرے جو دین کی صحیح تعلیم کو بھلائے ہوئے ہیں اور آخرت کے منکر ہیں۔ يَشْرُوْنَ۔ شراء لغات اضداد میں سے ہے۔ یعنی اس کے معنی خریدنے کے بھی ہیں اور فروخت کرنے کے بھی۔ کچھ اس بنا پر اور کچھ آیت کی ترکیب الفاظ کی بنا پر، آیت کے ایک بالکل دوسرے معنی بھی کئے جاسکتے ہیں اور کئے گئے ہیں، یعنی" وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑیں جو دنیا کی زندگی آخرت کے عوض میں فروخت کر چکے ہیں۔" اور اس صورت میں آیت کا تعلق تمام تر مومنین مخلصین سے ہوگا جو اپنی ہر دنیوی خوشحالی اور کامرانی کو رضاء الٰہی پر قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ ائمہ تفسیر نے دونوں ہی پہلو اختیار کئے ہیں۔ وللمفسرین وجهان الاول ان یشرون معناہ یبیعون والقول الثانی معنیٰ قوله یشرون ای یشترون (کبیر) یشرون بمعنیٰ یشترون ویبیعون (کشاف) نزلت فی المنافقین ومعنیٰ یشرون یشترون وقیل نزلت فی المؤمنین المخلصین و معنیٰ یشرون یبیعون (معالم) ف۲۰۹ (آخرت میں) یہ آخرت کا اجرِ عظیم مجاہدین کے لئے غلبہ اور شکست (کہ اس کی انتہائی صورت کو فَيُقْتَلْ سے تعبیر کیا ہے) کہ ہر صورت میں موعود ہے۔ مفسر تھانوی نے لکھا ہے کہ فوز عظیم کو اجر سے تعبیر کرنا وعدہ کے تاکد اور ترتب کے تیقن کے لئے ہے۔ ف۲۱۰ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہ اعلاء کلمۃ اللہ تو خود جہاد کا ایک مستقل محرک اور قوی داعی ہے۔ مَا لَكُمْ۔ استفہام سے مقصود ترغیب وتحریص ہے اور خطاب مومنین صادقین سے ہے۔ خطاب للمامورین بالقتال علی طریقة الالتفات مبالغة فی التحریص والحث علیه وهو المقصود من الاستفهام (روح)

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ

اور ان لوگوں کے لئے جو کمزور ہیں مردوں میں سے اور عورتوں اور لڑکوں (میں سے) ف۲۱۱

الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ

جو یہ کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو اس بستی سے باہر نکال

الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ

جس کے باشندے (سخت) ظالم ہیں ف۲۱۲ اور ہمارے لئے اپنی قدرت سے کوئی دوست

وَلِيًّا ۙ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ اَلَّذِيْنَ

پیدا کر دے، اور ہمارے لئے اپنی قدرت سے کوئی حمایتی کھڑا کر دے ف۲۱۳ جو

اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں ف۲۱۴ اور جو کافر ہیں

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ

وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں ف۲۱۵ سو تم لڑو شیطان کے

الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ع

ساتھیوں سے اور شیطان کی چال تو لچر ہی ہوتی ہے ف۲۱۶

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ

کیا تو نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رہو

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ

اور نماز کی پابندی کرو اور زکوۃ دیتے رہو ف۲۱۷ پھر جب ان پر

عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ

قتال فرض کر دیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ انسانوں سے ایسا ڈرنے لگا

ف۲۱۱ یہ دوسرا داعی جہاد کے لئے ارشاد ہوا۔ کمزوروں کی دستگیری ونصرت اور مظلوموں کی اعانت اور انہیں ظالم کافروں کے پنجہ سے رہائی دلانا بجائے خود مقاصد جہاد میں سے ہے۔ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ۔ کا عطف لفظ اللہ پر ہے یعنی فی سبیل اللہ والمستضعفین۔ زجاج اور زہری سے یہی ترکیب منقول ہے۔ عطف علی اسم اللہ عزوجل ای وفی سبیل المستضعفین وھذا اختیار الزجاج وقالہ الزھری (قرطبی) ف۲۱۲ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ۔ مراد مکہ کا شہر اور مکہ کی حکومت ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ القریة ھنا مکة باجماع من المتاولین (قرطبی) الظَّالِمِ اَهْلُهَا۔ مکہ والے ظالم دہرے معنی میں تھے۔ ایک تو مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم وستم ڈھا رہے تھے۔ دوسری طرف شرک کر کر کے خود اپنی جانوں پر بھی ظلم کر رہے تھے۔ ووصف اھلھا بالظلم اما لا شراکھم واما کما حصل منھم من شدة الوطاة علی المومنین واذلالھم (بحر) لاجل انھم کانوا یؤذون المسلمین ویوصلون الیھم انواع المکارہ (کبیر) بالشرک الذی ھو ظلم عظیم و باذیة المومنین ومنعھم عن الھجرة (روح) ف۲۱۳ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بچوں، عورتوں، مردوں کی ایک خاصی تعداد اسلام لا چکی ہے۔ مگر یہ لوگ سرداران قریش کے تشدد کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس پا رہے ہیں۔ نہ دفع ظلم ہی پر قادر ہیں اور نہ ہجرت پر۔ یہاں مناجات اور فریاد انہی لوگوں کی زبان سے ادا ہو رہی ہے۔ آیت سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ ظلم وشقاوت سے بچے، عورتیں، بوڑھے کوئی بھی محفوظ نہ تھے۔ مِنْ لَّدُنْكَ۔ لفظی معنی ہیں ”اپنے پاس سے“ اردو محاورہ میں ایسے موقع پر ”اپنی قدرت سے“ آتا ہے۔ یعنی غیب سے اس کا سامان کر دے۔ وَلِيًّا۔ ایسا دوست وہمدرد جو اس مصیبت میں ہمارے ساتھ رہے۔ ہم سے ہمدردی وغمخواری کرے۔ نَصِيْرًا۔ ایسا حمایتی جو ان ظالموں سے ہمیں نجات دلائے۔ ف۲۱۴ (اور جیسا کہ خود حق تعالیٰ ہر قسم کی نفسانی آمیزش وآلائش سے منزہ وپاک ہے۔ اللہ والوں کا لشکر بھی کبھی عدوان وطغیان، ظلم وخیانت، مے نوشی وبدکاری کے آلات حرب سے مسلح ہو کر جنگ کر ہی نہیں سکتا) فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ کی قید جو بار بار لگائی جا رہی ہے۔ بے معنی نہیں بہت ہی پُر معنی ہے۔ درحقیقت یہ آیت سلسلۂ جہاد کی آیتوں میں سے ایک کلیدی آیت ہے اس نے صاف صاف اسلامی جہاد کا فرق دنیا جہان کی تمام جنگوں اور جاہلی محاربات سے واضح کر دیا۔ اس نے وضاحت کے ساتھ بتا دیا کہ سچا مسلمان جب اپنے ابنائے جنس پر ہتھیار اٹھائے گا تو توسیع ملک کے لئے نہیں، قومی تفوق کے لئے نہیں، تجارتی منڈیاں قائم کرنے کو نہیں، دوسرے کو نیچا دکھانے کو نہیں، دوسرے پر اپنی برتری ثابت کرنے کو نہیں، رشک وہوس اور جاہ پرستی کے جذبات سے متاثر ہو کر نہیں، بلکہ دنیا کے بلند ترین مقصد، انسانیت کے برترین نصب العین، کلمہ توحید کی برتری اور سر بلندی کے لئے! --- رنگ اور نسل، مرز بوم اور قوم، وطن اور قبیلہ کی عزت وحمیت پر کٹ مرنے والے، اسلامی نقطہ نظر کی بلندی کو سمجھ بھی سکتے ہیں؟ اسلامی جہاد جب تک اسلامی جہاد رہا، کیا وہاں بھی کسی لشکر کے لئے ہزاروں من اور سیکڑوں ٹن شرابوں کی ضرورت پڑی؟ کیا اس لشکر میں بھی سوزاک اور آتشک کے سیکڑوں ہزاروں مریض سپاہیوں اور افسروں کے لئے امراض خبیثہ کے مخصوص اسپتالوں کا انتظام کرنا پڑا؟ --- مسلمان سپاہی کے سینہ میں تو یہ زندہ ایمان رہتا ہے کہ اسے ایک ایک اقدام کا حساب دینا ہے۔ کبھی ان کا قدم ان گندے راستوں پر پڑ سکتا ہے؟ ف۲۱۵ طاغوت کے لفظی معنی پر حاشیہ پ۳ میں گزر چکا۔ یہاں اس لفظ کو لا کر طاغوتی، جاہلی، سپاہیوں کے تمرد، خدا فراموشی، نفس پرستی اور تجاوز عن الحدود کے پہلو کو نمایاں کرنا ہے۔ طاغوت کا ترجمہ اگر اس موقع پر ”نفس“ سے کیا جائے تو اردو میں شاید پورا مفہوم ظاہر ہو جائے۔ طاغوت اور نفس کی راہ میں آج بھی جو قومیں وطن پرستی، قوم پروری، ملکی آزادی کے خوشنما لفظ اور لقب کے ساتھ جنگ کرتی رہتی ہیں، ان کی اخلاقی حالت کا جائزہ لے لیا جائے۔ شقاوت و سنگدلی، فریب وخیانت، شراب خواری وحرامکاری جس معیار سے چاہے جانچ لیا جائے جانوروں اور درندوں سے بھی کہیں ابتر حالت نکلے گی --- یہ سب کرشمہ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ لڑنے کے ہیں۔ محاسبہ آخرت سے بے نیاز ہو کر جنگ کرنے کے ہیں۔ ف۲۱۶ (سو شیطانی اور طاغوتی قوتوں کو کبھی بھی مستقل اور پائدار فتح حق کے مقابلہ میں نصیب نہیں ہو سکتی) فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ۔ مسلمانوں کو لڑنے کا حکم مل رہا ہے۔ مگر کس کے مقابلہ میں؟ شیطانوں اور طاغوتیوں کے مقابلہ میں۔ ان کے مقابلہ میں جو دنیا میں شر وفساد، فسق وشرک ہی کی حکومت پھیلانا چاہتے ہیں۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا۔ اس میں مسلمانوں کو ہمت دلائی ہے کہ شیطان کوئی ڈرنے اور سہمنے کی چیز نہیں وہ تم پر حاکم وآمر نہیں۔ تم ذرا ہمت کر جاؤ تو وہ خود تم سے پناہ مانگتا ہوا بھاگے گا۔ اس میں جان تو ہے ہی نہیں۔ حربی زندگی سے قطع نظر، اخلاق ومعاشرت، معاملات وعبادات کے میدان میں بھی شیطان سے مقابلہ کر لینا کچھ دشوار نہیں۔ ضرورت صرف ہمت کی ہے۔ ف۲۱۷ (کہ حالت امن میں اس قسم کی عبادات پر عمل کافی ہے) كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ۔ یعنی جوش انتقام اور قتال سے ابھی باز رہو۔ یہ ذکر کن لوگوں کا ہے؟ اسے سمجھنے کے لئے اس وقت کے حالات پیش نظر رکھنے ضروری ہیں۔ مسلمانوں کو مکہ میں قریش کے مظالم سہتے سہتے ایک زمانہ ہو گیا تھا، اور قدرۃً انتقام کی خواہش ان کے دلوں میں پیدا ہو گئی تھی۔ یہ لوگ بھی آخر اسی خون اور اسی گوشت وپوست کے تھے۔ اور جوش میں آ کر بار بار جنگ کی اجازت طلب کرنے لگے تھے۔ ادھر وحی الٰہی ابھی برابر عفو وحلم، مسامحت ودرگزر کا سبق دے رہی تھی۔ یہاں تک کہ ہجرت کا حکم آ گیا۔ اور مسلمان مدینہ کی پرامن فضا میں منتقل ہو آئے۔ ۱۳۔ ۱۴ سال کی صحبت رسول ﷺ کی زبردست ٹریننگ کے بعد جب علم الٰہی میں مسلمانوں کے اخلاق فاضلہ

پختہ ہوگئے۔ اور تحمل اور بے نفسی ان کے کردار کے جزء بن گئے تو حکم جہاد و قتال نازل ہوا۔ لیکن ادھر مدینہ کی پرامن فضا میں رہتے رہتے مسلمانوں کے جذبات انتقام دھیمے پڑ گئے تھے اور وہ جوش و ولولۂ قتال باقی نہیں رہا تھا۔ اب طبعی اقتضاء سے میدان جنگ میں جانے سے حیلہ حوالہ ڈھونڈے جانے لگے۔ یہاں ذکر انہی عافیت کوش مسلمانوں کا ہے۔ و۲۱۸ اللہ کے عقاب کا خوف لاکھ دل میں ہو۔ لیکن یہ عقیدہ بھی تو ساتھ ساتھ رہتا ہے کہ اللہ رحمٰن و رحیم ہے۔ غفور ہے اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ہے۔ عجب کیا جو تمام تر عفو و فضل ہی کا معاملہ فرمائے بہ خلاف اس کے دشمنوں سے بجز ایذا رسانی کے اور کسی برتاؤ کی توقع ہی نہ تھی۔ امام ماتریدی نے فرمایا کہ یہ خوف خوفِ طبعی تھا۔ اس لئے اس پر گناہ نہیں ہوا۔ قال الشیخ ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ هذه خشية طبع لما انهٗ ذٰلک منهم كراهة لحكم الله فالمرء مجبول على كراهة ما فيه خوف هلاكه غالباً (مدارک) فهي على ما طبع عليه البشر من المخافة لاعلى المخالفة (قرطبی) قالوا خوفا وجبنًا لا اعتقادًا ثم تابوا (معالم) اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً۔ اَوْ یہاں بلکہ کے مفہوم میں ہے قيل بمعنٰی بل (بحر)

كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا

جیسے اللہ سے ڈرنا (ہوتا) ہے یا اس سے بھی بڑھ کر ڈرنا ۲۱۸ اور وہ لوگ بولے کہ اے ہمارے پروردگار

لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ

تو نے ہم پر قتال کیوں فرض کر دیا، کاش تھوڑی مدت تو اور ہم کو (جینے کی) مہلت دے

قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ

دیتا ۲۱۹ آپ کہہ دیجیے کہ دنیا کا سامان (بہت ہی) تھوڑا ہے اور آخرت اس کے لئے کہیں

خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا

بہتر ہے جو تقویٰ (اختیار) کرے، ۲۲۰ اور تم پر دھاگے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا ۲۲۱ تم جہاں کہیں بھی

تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ

ہو گے وہیں تمہاری موت آ لے گی خواہ تم مضبوط قلعوں ہی میں

مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ

ہو ۲۲۲ اور اگر انہیں کوئی سکھ پہنچ جاتا ہے تو کہتے ہیں یہ تو

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ

خدا کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی دکھ پیش آ جاتا ہے تو کہتے ہیں

مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ

یہ آپ کے سبب ہوا ۲۲۳ کہہ دیجیے کہ ہر چیز اللہ ہی کی طرف سے ہے سو ان لوگوں کو

الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ

کیا ہوا ہے کہ گویا یہ بات ہی نہیں سمجھتے ۲۲۴ تجھے جو بھی سکھ

مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ

پیش آتا ہے وہ بس اللہ ہی کی طرف سے ہے اور جو دکھ

و۲۱۹ (اور ہم دنیا میں کچھ دن اور اطمینان سے جی لیتے) قَالُوْا۔ مسلمانوں کی زبان سے یہ قول بہ طور تمنا کے تھا۔ بہ طور اعتراض نہ تھا۔ وقولهم محمول على التمنى لتخفيف التكليف لاعلى وجه الانكار (کبیر) لاعلى وجه الاعتراض على حكمه تعالٰى والا نكار لايجابه بل على طريق تمنى التكليف (ابوسعود) یہ قول اگر زبان سے تھا جب بھی چونکہ درجۂ تمنا میں تھا، اعتراض و انکار اس سے مقصود نہ تھا، اس لئے قابل مؤاخذہ جب بھی نہ تھا۔ لیکن خود لفظ قَالُوْا سے یہ لازم نہیں آتا کہ زبان سے بھی ادا کیا گیا ہو۔ قول عربی میں جس طرح کلام لسانی کے لئے آتا ہے اسی طرح حدیث نفس کے لئے بھی۔ يقال للمتصور فى النفس قبل الابراز باللفظ قولٌ فيقال فى نفسى قولٌ لم اُظهره (راغب) اور علم الٰہی میں یہ دونوں برابر ہیں۔ اور حدیث نفس یا وسوسہ کا معصیت نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ ائمہ تفسیر نے یہاں حدیث نفس مراد لی ہے۔ يحتمل انهم ما تفوهوا به ولكن قالوه فى انفسهم فحكى الله تعالٰى عنهم (بیضاوی) بالسنتهم او بقلوبهم (روح) يجوزان يكون اعتقدوه و قالوا فى انفسهم فحكى ذٰلك تعالٰى عنهم (بحر) قد جوزان يكون هٰذا مما نطقت به السنة حالهم من غيران يتفوهوابه صريحا (ابوسعود) بہرصورت آیت ان ظالم پادریوں کی پرزور تردید کر رہی ہے جو یہ کہتے رہتے ہیں کہ مسلمان تو غنیمت کی طمع میں جنگ کے لئے تلے بیٹھے تھے، رسول کو صرف اشارہ کی دیر تھی یا معاذ اللہ۔ یہاں الٹے ان کو ترغیب دینے اور آمادہ کرنے کی ضرورت تھی۔ و۲۲۰ (اور ہر حکم الٰہی کو بہ خوشی بجالائے) عدم فرضیت جہاد اور زیست مزید کی مہلت کی تمنا، چونکہ حُبِّ دنیا اور مافی الدنیا سے پیدا ہوئی تھی، اس لئے نہایت حکیمانہ انداز میں اصل ضرب اسی پر لگائی گئی۔ اور ارشاد ہوا کہ اس دنیا میں رکھا ہی کیا ہوا ہے۔ جو کچھ ہے وہ بھی بالکل فانی و بے ثبات، طلب و تمنا کے قابل شے تو آخرت ہے اور اس کی لذتوں اور نعمتوں کے حصول کا ذریعہ تقویٰ اور احکام الٰہی کی تعمیل ہے۔ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ۔ سو ایسی حقیر اور بے ثبات چیز کی خاطر التواء حکم جہاد کی تمنا! خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى۔ اور اس تقویٰ ہی کی ایک فرد جہاد ہے۔ و۲۲۱ (سو یہ کیسے ممکن ہے کہ جہاد کے اعلیٰ ثمرات سے محروم رہ جاؤ) فَتِيْلًا۔ نَقِيْرًا۔ ہی کی طرح عربی میں حبہ بھی تحقیر و تصغیر کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ جیسے اردو محاورہ میں رتی بھر، رائی برابر، ذرہ بھر وغیرہا۔ و۲۲۲ (تو جب موت ایسی یقینی اور بے پناہ شے ہے تو آخرت میں جہاد کے اجر و مراتب بے حساب سے محروم اور خالی ہاتھ کیوں پہنچو؟) و۲۲۳ ذکر اب منافقین کا ہو رہا ہے۔ ان کا حال یہ تھا کہ جب تک مسلمانوں کی بات بنی رہتی، یہ لوگ بھی برابر ان کے شریک رہتے اور کہتے کہ یہ تو عین فضل خداوندی ہے، جس میں ہم تم سب یکساں شریک ہیں اور جب بات بگڑ جاتی تو جھٹ سارا الزام مسلمانوں اور ان کے سردار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھ دیتے کہ یہ جو کچھ پیش آیا، سب آپ ہی کی بے تدبیریوں کا نتیجہ ہے۔ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ۔ مثلاً جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور اس میں حصہ رسدی ان کو بھی مل گیا۔ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ۔ مثلاً جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور اس کا خمیازہ بحصہ رسدی انہیں بھی اٹھانا پڑا۔ يَقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ یعنی یہ کامیابی تو طبعی حالات کی بنا پر تکوینی اسباب سے حاصل ہوگئی۔ اس میں مسلمانوں یا ان کے سردار اعظم کے کسی حسن تدبیر کو کیا دخل۔ منافقین کا یہ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ کہنا بھی بہ طور حمد نہ تھا۔ بلکہ بہ طور محاورۂ زبان تھا۔ جیسے اردو میں لوگ کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ تو تقدیری امور ہیں۔ و۲۲۴ یہ توجہ دلائی ہے منافقین کی حماقت شعاری اور بے غوری کی عادت پر۔ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ یعنی دکھ ہو یا سکھ، رنج ہو یا راحت، سب کا مسبب الاسباب حقیقی اللہ ہی ہے۔ سکھ اور راحت اگر ہے تو یہ براہ راست اس کے فضل و کرم کا ظہور ہے بلا توسط اعمال۔ اور دکھ یا رنج اگر پیش آ رہا ہے تو یہ اس کے عدل کا ثمرہ ہے بہ توسطِ اعمال۔

سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ

پہنچتا ہے وہ تیرے اپنے ہی سبب سے ہے ف۲۲۵ اور ہم نے آپ کو انسانوں کی طرف پیمبر بنا کر

رَسُوْلًا ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ

بھیجا ہے اور اللہ کی گواہی کافی ہے ف۲۲۶ جس نے رسول کی اطاعت کی،

فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ

اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی ف۲۲۷ اور جو کوئی روگردانی کرلے سو ہم نے آپ کو ان پر

عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ؗ فَاِذَا بَرَزُوْا

نگران کر کے نہیں بھیجا ہے ف۲۲۸ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ طاعت (قبول ہے) ف۲۲۹ لیکن آپ کے پاس سے

مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ

باہر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت شب کے وقت اس کے برخلاف مشورہ کرتی ہے جو کچھ کہ

تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ

وہ کہہ چکے تھے اور اللہ ان کے رات والے مشوروں کو لکھتا جاتا ہے، تو آپ ان کی طرف سے بے التفات

عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

رہیے اور اللہ پر بھروسہ رکھیے اور اللہ ہی کافی کارساز ہے ف۲۳۰

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ (کلام) اللہ کے سوا کسی (اور) کی

غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَ اِذَا

طرف سے ہوتا تو اس کے اندر بڑا اختلاف پاتے ف۲۳۱ اور انہیں

جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ

جب کوئی بات امن یا خوف کی پہنچتی ہے تو یہ اسے پھیلا دیتے ہیں ف۲۳۲

ف۲۲۵ (اے انسان!) خطاب اب عام نوع انسانی سے ہے۔ یاانسان خطابا عامًا (کشاف) الخطاب عام کانه قیل ما اصابک یا انسان (بحر) والخطاب فیه کما قال الجبائی وروی عن قتادة عام لکل من یقف علیه لا للنبی ﷺ (روح) فَمِنَ اللّٰهِ۔ یعنی اس کے فضل وکرم کا نتیجہ۔ مِنَ اللّٰهِ ومِنْ عِنْدِ اللّٰهِ یہ دو محاورہ الگ الگ ہیں۔ زبان وادب کے ماہرین نے دونوں میں فرق یہ بتایا ہے کہ دوسرا محاورہ برے بھلے سارے افعال تکوینی کے لئے عام ہے بہ خلاف اس کے پہلے محاورہ کا استعمال صرف محل رضا پر ہوتا ہے۔ من عند اللہ اعم یقال فی ما کان یرضاہ و یسخطه ولایقال هو من الله الا فی ما کان یرضاہ و یامرہ (بحر) فَمِنْ نَّفْسِكَ یعنی اے بندہ تیری ہی بداعمالی کے سبب سے اور بہ اقتضائے عدل الٰہی۔ سَيِّئَةٍ کا اطلاق اس سیاق میں صرف اس برائی پر ہوتا ہے جو واقعۃً بھی برائی ہو۔ محض صورۃً ہی برائی نہ ہو۔ صالحین وابرار کو جو حوادث ومصائب پیش آتے رہتے ہیں وہ صرف صورۃً ہی مصائب ہوتے ہیں۔ حقیقت میں ان کی بلندئ مراتب کے لئے اور ذریعہ رحمت ہوتے ہیں۔ اور اس لئے ان کے حق میں بداعمالی کا ثمرہ ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ف۲۲۶ (اور اللہ کی یہ گواہی دنیا میں رسول ﷺ کے کمالات سے ظاہر ہو رہی ہے۔ معجزات وخوارق بھی انہی کمالات کا ایک جزء ہیں۔ وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا۔ یہاں صاف لِلنَّاسِ فرمایا ہے۔ للعرب نہیں فرمایا۔ خاتم النبیین کے پیام کی عالمگیری پر دوسری آیات کے علاوہ یہ آیت بھی ایک نص قاطع ہے۔ والناس عام عربهم وعجمهم (بحر) فیه رد لمن زعم اختصاص رسالته علیه السلام بالعرب فتعریف الناس للاستغراق (روح) تعریف الناس للاستغراق ای مرسلا لکل الناس لا لبعضهم (ابوسعود) ف۲۲۷ (کہ عام انسانوں کے پاس کوئی ذریعہ احکام الٰہی کی معرفت کا نہیں بجز واسطہ رسول کے) آیت میں رد آ گیا ان گمراہ فرقوں کا جو رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کے مستلزم نہیں سمجھتے۔ آیت عصمت رسول کے مضمون کو بھی واضح طور پر بیان کر رہی ہے کہ اگر رسول سے ذرا بھی خطا وغلطی کا امکان ہوتا تو ان کی اطاعت عین اطاعت الٰہی کیسے قرار پا سکتی۔ من اقوی الدلائل علی انه معصوم فی جمیع الاوامر والنواهی و فی کل ما یبلغه عن الله (کبیر) اور علاوہ حدیث نبوی کے جہاں یہ مضمون تصریحاً آیا ہے، فقہاء نے خود اس آیت سے بھی نکالا ہے کہ رسول کی نافرمانی عین حق تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ افادبذلک ان معصیتهٗ معصیة الله (جصاص) ف۲۲۸ (سو اگر کوئی ایمان نہیں لاتا تو اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں اور نہ آپ اس لئے زیادہ فکر وغم میں پڑیئے۔ فَمَنْ تَوَلّٰى۔ یعنی جو آپ کا کہنا نہ سنے اور آپ کی طرف سے بے توجہی اختیار کرے۔ ف۲۲۹ ذکر منافقین کا چل رہا ہے۔ یعنی المنافقین (ابن عباس) یہ زبان سے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی عرض کرتے تھے کہ ان کے احکام سر آنکھوں پر۔ آپ کے ارشادات کی تعمیل ہمیں قبول ومنظور۔ طَاعَةٌ۔ خبر ہے مبتد المحذوف ہے۔ ویه امرنا و شاننا طاعة (کشاف) ف۲۳۰ اس کی کارسازی یہ ہے کہ وہ دنیا میں آپ کو ان کے شر سے اور سازشوں سے محفوظ رکھے گا اور آخرت میں انہیں شدید سزائیں دے گا۔ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ۔ یعنی ان منافقوں کے سردار اور سرغنہ۔ بَيَّتَ۔ رات کی تاریکی اور پوشیدگی میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سازشیں ہوتی تھیں۔ منصوبے بنائے جاتے تھے۔ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ۔ یعنی خدائی ریکارڈ میں ان کی سازشیں اور منصوبے سب مندرج ومحفوظ ہیں۔ وقت آنے پر یہ سارا دفتر کھلے گا۔ ف۲۳۱ (جو بشری تالیف وتصنیف کا لازمہ ہے) اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ اس کے مفہوم میں بہت کچھ قیل وقال ہوئی ہے۔ کسی نے کہا کہ بیان میں تناقض مراد ہے اور کسی نے کہا کہ تحقیقات میں فرق مراتب اور کسی نے کہا کہ عبارت کی عدم یکسانی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود اختلاف کثیر کا لفظ بڑا وسیع اور جامع ہے۔ معنوی اور ادبی ہر قسم کی بے آہنگی ہر طرح کا جھول جھال اس کے اندر داخل ہے --- قرآن مجید نے اس آیت سے دنیا کے سامنے اپنی یکتائی کا ایک مستقل چیلنج پیش کر دیا کہ ہر طرح ٹھونک بجا کر دیکھ لو، ہر طرح جانچ پڑتال کر لو، مضامین کی پستی وبلندی، عبارت کی ناہمواری، کسی قسم کی کوئی کمی کوتاہی اس کے اندر نہ پاؤ گے۔ اور یہی دلیل ہے اس کی کہ یہ بشر اور مخلوق کا کلام نہیں۔ قرآن کے جملہ منکرین کے خلاف خواہ وہ کسی وجہ اور کسی پہلو سے ہوں، یہ قیامت تک کے لئے تحدی ہے۔ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ قرآن مجید میں تدبر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا لفظی ومعنوی اعجاز بالکل واضح ہو جائے گا۔ اور اس وضوح سے آپ کی رسالت کی جانب سے شبہات کافور ہو جائیں گے لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ۔ جیسا کہ معاصر ومتاخر منکرین کا خیال تھا اور جیسا کہ آج بعض "روشن خیال" مرتدین کا خیال ہے۔ يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ سے مبحث قیاس پر بھی دلیل نکل آئی۔ اور ان فرقوں کا بھی رد ہو گیا جو سمجھتے ہیں کہ تفسیر قرآن صرف رسول ﷺ اور امام معصوم کا حق ہے۔ ف۲۳۲ (بغیر اس تحقیق کے کہ وہ خبر صحیح بھی ہے اور بغیر اس پر غور کئے کہ اگر صحیح ہے بھی تو اس کی فوری اشاعت کہاں تک مناسب وقرین مصلحت ہے) اشارہ منافقین اور کمزور ایمان والوں کی طرف ہے۔ نزل فی جماعة من المنافقین او ضعفاء المسلمین (جلالین) ہیئت اسلامی شروع ہی سے ایک حد تک منظم، بلکہ نیم عسکری جماعت تھی اور یہ امر ہر اجتماعی تنظیم کے منافی عموماً اور عسکری تنظیم کے منافی تو خصوصاً ہے کہ امت کے عوام اور عام افراد جس خبر کو جہاں سن پائیں بلا اپنے سرداروں اور اہل حل وعقد کی طرف رجوع کئے بے تحقیق اسے لے دوڑیں اور بے تحاشا اسے پھیلانا شروع کر دیں۔ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ۔ مثلاً کہیں باہر سے لشکر اسلام کی فتح وظفر کی خبر آئی۔ اَلْخَوْفِ۔ مثلاً کہیں باہر سے مسلمانوں کی شکست وہزیمت کی خبر آئی۔

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ

اور اگر یہ لوگ اسے رسول کے یا اپنے میں سے صاحبان امر کے حوالہ کر دیتے ف۲۳۳

لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ

تو ان میں سے جو لوگ استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کی حقیقت بھی جان لیتے۔ ف۲۳۴ اور اگر تم پر اللہ کی رحمت

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٣﴾

شامل نہ ہوتی تو تم (سب) بجز تھوڑے سے لوگوں کے شیطان کی پیروی کرنے لگ جاتے ف۲۳۵

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ

تو آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجیے ف۲۳۶ آپ پر ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی بجز آپ کی اپنی ذات کے ف۲۳۷

وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ

اور آپ مسلمانوں کو بھی آمادہ کرتے رہیے ف۲۳۸ اور عجب نہیں کہ اللہ

بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ

کافروں کا زور روک دے ف۲۳۹ اور اللہ بڑا ہی زور والا ہے،

تَنْكِيْلًا ﴿٨٤﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ

بڑا ہی سزا والا ہے ف۲۴۰ جو کوئی اچھی سفارش کرے گا اس کو اس میں سے

لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً

حصہ ملے گا ف۲۴۱ اور جو کوئی بری سفارش لائے گا اس پر اس میں سے

يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

بار رہے گا ف۲۴۲ اور اللہ ہر چیز پر

مُّقِيْتًا ﴿٨٥﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ

طاقت رکھنے والا ہے ف۲۴۳ اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر طور پر سلام

ف۲۳۳ (بجائے اس کے کہ خود اس خبر کی شہرت واشاعت میں لگ گئے) اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ۔ یعنی صاحبان فہم سلیم۔ یہاں مراد ہیں اکابر صحابہ، مثلاً حضرت ابوبکرؓ۔ ذوی العقل واللبّ من المؤمنین یعنی ابابکر واصحابه (ابن عباس) ذوی العلم والرأی منهم (کبیر) وهم اهل العلم و الفقه عن الحسن وقتاده وغیرهما (قرطبی) یجوزان یرید به الفریقین من اهل الفقه الولاة لوقوع الاسم علیهم جمیعاً (جصاص) ف۲۳۴ یعنی اس خبر کی صحیح حیثیت متعین کر لیتے۔ اَلَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ اس سے ایک بڑی اہم فقہی حقیقت روشنی میں آگئی۔ معلوم ہوا کہ استنباط مسائل واجتہاد احکام، بعد صحابہ کے ہر ایک کا کام نہ تھا۔ اس کے لئے ایک خاص فہم وسلیقہ اور مرتبہ تحقیق کی ضرورت ہے۔ ہر فرد امت اس سے بہرہ ور نہیں ہوتا۔ مِنْهُمْ۔ آیت میں دو ۲ جگہ آیا ہے۔ دونوں جگہ اس سے مراد مجموعۂ امت ہے اس میں حسب الذین ظاہر منافقین بھی شامل تھے۔ امام رازی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ آیت سے چار امور ثابت ہوتے ہیں:۔ (۱) ایک یہ کہ نئے نئے مسائل جو پیش آئیں گے ان کی بابت احکام نص سے نہیں، استنباط سے حاصل ہوں گے۔ ۲۔ دوسرے یہ کہ استنباط بھی ایک حجت شرعی ہے۔ ۳۔ تیسرے یہ کہ احکام میں عامیوں پر اہل علم کی تقلید واجب ہے۔ ۴۔ چوتھے یہ کہ رسول اللہ ﷺ اس پر مامور تھے کہ استنباط احکام کرتے رہیں۔ آیت سے عقیدۂ امامت کا بھی رد نکل رہا ہے۔ اگر کسی امام معصوم کا وجود امت میں ہوتا تو استنباط احکام کی ضرورت کیا تھی۔ امام خود ہی الہاماً ان احکام سے واقف ہوتا۔ هذه الأية تدل على بطلان قول القائلين بالامامة لانه لو كان كل شيء من احكام الدين نصوصا عليه لعرفه الامام ولزال موقع الاستنباط (جصاص) ف۲۳۵ (اے امت محمدیہ ﷺ!) یعنی گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتے تو تم کو ان نعمتوں کی قدر خاص طور پر کرنی چاہیے کہ اس نے تمہیں قرآن دیا، شریعت دی، صاحب شریعت رسول ﷺ دیا۔ اِلَّا قَلِیْلًا۔ اور یہ تھوڑے سے جو محفوظ رہ جاتے وہ بھی عقل سلیم کی بدولت رہتے کہ وہ خود بھی فضل ورحمت خاص ہی کی صورت ہے۔ ف۲۳۶ (اے پیغمبر!) ادھر مضمون جہاد وقتال کا چل رہا تھا۔ درمیان میں دوسرے مضمون ضمنی مضامینوں سے آگئے تھے، اب پھر اس مستقل مضمون کی طرف رجوع ہے۔ ف۲۳۷ (نہ کہ کسی دوسرے کے عمل کی) مقصد یہ ہے کہ آپ خود جہاد پر آمادہ ہو جایئے خواہ کوئی دوسرا ساتھ دے یا نہ دے۔ آپ پر ذمہ داری کسی دوسرے کے عمل کی نہیں۔ تاریخ کا بیان ہے کہ غزوۂ احد جب شوال میں پیش آچکا تو اس کے معاً بعد ذی قعدہ میں آپ مشرکین کے وعدہ کا خیال کر کے بدر کی طرف پھر چلنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس وقت منافقین تو اپنی بے اعتقادی کے سبب سے نکل گئے۔ اور مومنین بھی ساتھ دینے میں بہت پس وپیش کرنے لگے۔ کچھ تو اس لئے کہ ابھی احد کے زخم بالکل تازہ تھے۔ اور کچھ اس لئے بھی کہ افواہی خبروں پر یقین کر بیٹھے تھے۔ مسلمانوں کا سپہ سالار اعظم ﷺ یہ رنگ دیکھ، بالکل تن تنہا چل کھڑے ہونے پر آمادہ ہو گیا۔ کیا ٹھکانا تھا فرض شناسی اور نصرت الٰہی پر اعتماد کا۔ قلت وکثرت اور اکائی اور سیکڑوں کی عددی نامناسبت کا گویا خیال بھی سامنے نہیں رہا۔ ف۲۳۸ (جہاد پر) یعنی درجہ ترغیب میں تبلیغ آپ کے فرائض رسالت میں داخل ہے۔ حَرِّضْ۔ تحریض کے معنی ہیں کسی شے کی خوبیاں بہ کثرت بیان کر کر کے اس کی جانب شوق ورغبت دلانا۔ گویا صحیح اور سچا پروپیگنڈہ کرنا۔ التحريض الحث على الشيء بكثر التزيين وتسهيل الخطب فيه (راغب) آیت ان ظالم اور بیدرد پادریوں کا پول کھول رہی ہے جنہوں نے یہ جھوٹ اچھال رکھا ہے کہ (نعوذ باللہ) پیروان محمد ﷺ لوٹ مار کے شوق میں جہاد پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ کیا بار بار ترغیب دلانے اور آمادہ کرنے کی ضرورت حریصوں کو ہوا کرتی ہے؟ ف۲۳۹ (اور انہیں ان کی زور آوری کے باوجود مغلوب کر دے) قرآن مجید کی یہ پیش خبری مستقبل قریب وبعید دونوں میں پوری ہو کر رہی۔ مخالفین ومعاندین میں سے قریش کا زور تو اسی زمانہ میں ختم ہو کر رہا۔ رہیں دور دراز کی پر قوت، پر شوکت بادشاہتیں اور حکومت سو وہ مغلوب ہوتی گئیں۔ عَسٰی۔ اس پر پہلے ہی حاشیہ گزر چکے ہیں کہ اس کا استعمال جب اللہ تعالیٰ کے کسی قول میں ہوتا ہے تو اس کے معنی محض امید یا توقع کے بجائے وعدہ اور یقین کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ عسى من الله واجب (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اطماع۔ والاطماع من الله عزوجل واجب (قرطبی) ف۲۴۰ اَشَدُّ بَاْسًا۔ اس قوت وشدت کا ظہور اسی دنیا میں ہوتا رہتا ہے۔ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا۔ اس صفت سزا دہی کا پورا ظہور آخرت میں ہوگا۔ ف۲۴۱ یعنی جو کوئی عمل خیر میں بہ طریق مشروع ساعی ہوگا، اسے اس کا اجر ملکر رہے گا کہ وہ کسی درجہ میں سبب بنا عمل خیر کا۔ ف۲۴۲ (اس لئے کہ وہ سبب اور ذریعہ بنا معصیت کا) شَفَاعَةً سَيِّئَةً۔ اس کے تحت میں علاوہ عمل بد کے وہ عمل خیر بھی آجاتے ہیں جو غیر مشروع طریق پر کئے جائیں۔ ف۲۴۳ تو ہر نیکی پر اجر اور ہر بدی پر عذاب کا ترتب اس کے لئے کچھ بھی دشوار نہیں۔

ف۲۴۴ (اس لئے معاشرت کے ان جزئیات کو حقیر سمجھ کر نظر انداز نہ کر دیا جائے) سلام کے جواب میں سلام تو بہر حال واجب ہے۔ اس کے بعد اختیار دو دیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ جوابِ سلام، سلام سے بہتر ہو۔ دوسرے یہ کہ ایسا ہی ہو۔ بہترین قول بعض صحابہ اور تابعین کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلام کرنے والا اگر مسلمان ہے تو اس کا جواب زیادتی کے ساتھ دیا جائے اور اگر غیر مسلم ہے تو اس کے الفاظ دہرائے جائیں۔ ردوھا بافضل منھا فی الزیادۃ علٰی اھل دینکم وملتکم اوردوھا مثل ما سلم علیکم علی غیر اھل دینکم (ابن عباس) اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ۔ یعنی جب تمہیں سلام کیا جائے طریق مشروع پر۔ سلام کے شرعی طریقوں کی تفصیل کتب فقہ میں ملے گی۔ تَحِیَّۃٍ۔ حیاک اللہ کے اصل معنٰی تو زندگی سے خبر دینے کے ہیں۔ پھر دعاءِ زندگی کے معنٰی ہوگئے۔ ذٰلک اخبار ثم یجعل دعاء (راغب) اہل

مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ

کرو یا اسی کو لوٹا دو بیشک اللہ ہر چیز کا

حَسِیْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى

حساب لینے والا ہے ف۲۴۴ اللہ وہ ہے کہ کوئی معبود نہیں بجز اس کے، وہ ضرور تم (سب) کو

یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ

قیامت کے دن جمع کرے گا، اس میں کوئی شبہ نہیں اور کون اللہ سے بڑھ کر بات میں

اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾ۧ فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ

سچا ہے ف۲۴۵ سو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقین کے باب میں دو گروہ ہو گئے ہو ف۲۴۶

وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا

درانحالیکہ اللہ نے ان کے کرتوتوں کے باعث انہیں الٹا پھیر دیا ف۲۴۷ کیا تم چاہتے ہو کہ انہیں راہ دکھاؤ

مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ

جنہیں اللہ نے گمراہ کر رکھا ہے، اور جسے اللہ گمراہ کر دے ان کے لئے تو ہرگز راہ نہ

سَبِیْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ

پائے گا ف۲۴۸ یہ لوگ تو دل سے چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے یہ لوگ کفر کر رہے ہیں تاکہ تم (سب) برابر

سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِیَآءَ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا

ہو جاؤ، ف۲۴۹ سو تم ان میں سے (کسی کو) دوست نہ بنانا جب تک اللہ کی راہ میں

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ

ہجرت نہ کریں ف۲۵۰ اور اگر وہ روگردانی کریں تو انہیں پکڑو اور جہاں کہیں انہیں پاؤ،

حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِیًّا

انہیں قتل کرو اور ان میں سے (کسی کو) دوست

النصف — ع ۱۱ / ۸

عرب جب آپس میں ملتے تھے تو اس کلمہ دعا کو استعمال کرتے تھے۔ اسلام نے اسے سلام کے معنٰی میں کر دیا۔ فلما جاء الاسلام ابدل ذٰلک بالسلام فجعلوا التحیۃ اسما للاسلام (کبیر) ف۲۴۵ مقصد یہ ہے کہ اللہ کے چھوٹے بڑے سارے ہی ارشادات سے متعلق قلب میں یقین محکم اور اذعان کامل قائم رہنا چاہیے۔ اگر ریب و تذبذب ذرا بھی باقی رہ گیا تو عمل بلکہ عزمِ عمل میں بھی کوتاہی رہ جائے گی۔ اِلٰی۔ یہ کبھی فی کے معنٰی میں بھی آجاتا ہے اور یہاں تو اسی معنٰی میں ہے۔ الٰی بمعنٰی فی (جمل) المراد لیجمعنکم فی الموت (کبیر) فِیْهِ میں ضمیر یَوْمِ کی طرف بھی ہوسکتی ہے اور جمع کی طرف بھی۔ فی الیوم او فی الجمع (بیضاوی) معنٰی بہر صورت یہ ہیں کہ کوئی شبہ اس بیان کی حقیقت اور اس خبر کی صداقت میں نہیں۔ لاشک فی حقیقۃ ما اقول لکم فی ذٰلک واخبر کم من خبری (ابن جریر) ف۲۴۶ (اے مسلمانو! کہ تم میں سے بعض ان کو اب بھی مومن کہے جا رہے ہیں) یہ آیت کس گروہ منافقین کے باب میں ہے؟ روایتیں اس بارہ میں مختلف ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ وہ منافقین ہوں جو غزوۂ احد کے موقع پر عبداللہ بن ابی کی سیادت میں جنگ سے قبل ہی واپس چلے آئے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وہ گروہ ہو جس نے مدینہ کی چراگاہ پر ڈاکہ ڈالا تھا۔ اس کا بھی امکان ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں، جو دار الحرب مکہ سے دار الہجرت مدینہ میں آئے۔ اپنا اسلام ظاہر کیا۔ مالِ تجارت لے کر مکہ گئے اور پھر واپس نہ آئے۔ مشرکوں میں مل جل کر وہیں دار الحرب میں رہ پڑے اور سیاق قرآنی کی رو سے یہی قول سب سے زیادہ قوی ہے بہر حال وہ کوئی سے بھی ہوں، تھے منافقین ہی، جو مسلمانوں کے ساتھ نہ صرف شرکت جنگ سے جی چراتے تھے بلکہ ان کے خلاف طرح طرح کی سازشوں اور منصوبوں میں لگے رہتے تھے۔ جیسا کہ قبل والے رکوع میں ذکر آچکا ہے۔ بلکہ بعض تو دار الاسلام کا قیام جو اس وقت عین علامت اسلام تھی، ترک کر کے دار الحرب میں کافروں سے جا ملے تھے۔ ف۲۴۷ (ان کے علانیہ کفر کی جانب) کافر تو حقیقۃً وہ پہلے ہی سے تھے، اب ان کی جسارتیں اتنی بڑھ گئیں کہ علانیہ دشمنانِ اسلام کے ساتھ ہو کر میدان میں مسلمانوں کے مقابل آگئے۔ بِمَا كَسَبُوْا۔ یہ ان کا اکتسابی ردِ عمل تھا کہ باوجود قدرت انہوں نے دار الاسلام کو چھوڑ دیا تھا۔۔۔ اس وقت جب کہ ترک اقرار اسلام کی طرح یہ بھی ایک علامت کفر کی تھی من ارتدادھم ولحوقھم بالمشرکین (مدارک) ف۲۴۸ یعنی جب انہوں نے گمراہی کا قصد کر لیا تو اللہ کا قانون تکوینی یہ ہے کہ ہر عزم فعل پر فعل پیدا کر دیا جاتا ہے۔ اور اسی قاعدہ کے مطابق مشیت تکوینی نے انہیں گمراہی میں ڈال دیا تو اب انہیں نکال کون سکتا ہے؟ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ۔ اللہ کی طرف اس اضلال (گمراہ کرنے) کی نسبت منافقین کے کفر

اختیاری کے نتیجہ کے طور پر ہے۔ اَتُرِیْدُوْنَ۔۔۔۔۔ اللّٰهُ۔ یعنی کیا تم ان کے قلوب میں زبردستی ایمان ڈال سکو گے جو سرے سے ارادہ ہی ایمان کا نہیں کرتے۔ ف۲۴۹ یعنی ان کے مومن ہونے کا کیا ذکر ہے۔ ان کے غلو و کفر کا تو یہ حال ہے کہ الٹے وہ تمہی کو اپنے رنگ میں رنگ لینے اور اپنے میں جذب کر لینے کی دھن میں ہیں۔ ف۲۵۰ (اور دار الحرب کو ترک کر کے دار الاسلام میں نہ آجائیں) اس وقت ہجرت بھی اسلام کے لئے اقرار شہادتین کی طرح لازمی تھی۔ لَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِیَآءَ۔ یعنی ان سے مسلمانوں کا سا برتاؤ مت رکھو کہ دوستی کے جواز کے لئے شرط ہے۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یہ قید، بہت ضروری تھی۔ ورنہ یوں تجارت وغیرہ کی غرض سے تو کافر بھی دار الہجرت میں آسکتے تھے۔ دنیا کے قانون میں اسلام کا ثبوت انہی ظاہری چیزوں سے ملتا ہے۔ رہی تصدیق قلب، سو وہ صرف عند اللہ ہے۔ بندوں کے ذمہ اس کی تفتیش نہیں۔

وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ

اور مددگار نہ بناؤ و۲۵۱ بجز ایسوں کے جو ان لوگوں سے جا ملتے ہیں جن کے اور تمہارے درمیان

وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ

عہد ہے و۲۵۲ یا تمہارے ہی پاس اس طرح آتے ہیں کہ ان کے سینے اس سے تنگ ہو رہے ہیں

اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ

کہ تم سے لڑیں یا اپنی ہی قوم سے لڑیں و۲۵۳ اور اگر اللہ چاہتا تو

اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ

انہیں تمہارے اوپر مسلط کر دیتا تو وہ تم سے ضرور لڑتے و۲۵۴ تو اگر وہ تمہیں چھوڑے رہیں اور تم سے قتال نہ کریں

فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ

اور تمہارے ساتھ سلامت روی رکھیں تو اللہ نے ان کے خلاف تمہارے لئے

اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ

کوئی راہ نہیں رکھی ہے و۲۵۵ عنقریب کچھ لوگ اور بھی پاؤ گے

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ۭ كُلَّمَا

جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں و۲۵۶ انہیں جب بھی

رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ

فساد کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اس میں پلٹ پڑتے ہیں و۲۵۷ تو اگر یہ تمہیں چھوڑے نہ رہیں

وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ

اور نہ تمہارے ساتھ سلامت روی رکھیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو (تم سے) روکیں تو تم بھی انہیں پکڑو

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا

اور انہیں قتل کرو جہاں کہیں بھی انہیں پاؤ یہی لوگ تو ہیں جن کے خلاف ہم نے

و۲۵۱ یعنی کسی حال میں کوئی علاقہ ان سے محبت کا نہ رکھو۔ نہ حالت امن میں دوستی کا نہ حالت خوف میں استعانت کا۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ یعنی اگر یہ ہجرت اور اسلام سے روگردانی رکھیں اور بدستور دارالحرب میں کافر ہی بنے رہیں۔ عن الایمان والھجرۃ (ابن عباس) عن الایمان الظاھر بالھجرۃ (بیضاوی) وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔ اس لئے کہ یہ بھی مشرکین محاربین کے حکم میں داخل ہو گئے اور ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا جو مشرکین محاربین کے ساتھ ہوتا ہے۔ کما کان حکم سائر المشرکین (مدارک) و۲۵۲ (اور ان کے بھی جا کر ہم عہد ہو جاتے ہیں تو گویا اس طرح تمہارے بھی حلیف ہو جاتے ہیں) حلیف کا حلیف بالواسطہ کسی اپنا ہی حلیف ہو جاتا ہے۔ اور اس سے مصالحت وامن حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسوں کے اخذ وقتل کا حکم نہیں۔ گویا بنائے حکم ان کا کفر نہیں بلکہ مادہ ضرر رسانی ہے۔ و۲۵۳ یعنی نہ وہ اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تم سے لڑنا چاہتے ہیں اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں بلکہ دونوں سے صلح وآشتی رکھنا چاہتے ہیں دوسرے لفظوں میں مسلمان ان کی طرف سے بھی امن میں ہیں۔ ان دونوں قسم کے منافقین کو حکم قتل واسیری سے مستثنیٰ کر کے قرآن مجید نے یہ بالکل صاف کر دیا کہ اصل مقصد مسلمانوں کو اذیت ونقصان سے محفوظ رکھنا ہے۔ و۲۵۴ (لیکن اللہ نے ایسا نہیں ہونے دیا اور تمہیں کلفت و پریشانی سے بچا لیا) لَوْ شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی اگر مشیت تکوینی یہی ہوتی۔ و۲۵۵ یعنی ایسوں سے جنگ جائز نہیں۔ اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ جو لوگ مسلمانوں سے نہ لڑیں اور ان کے ساتھ صلح وسازگاری سے رہنا چاہیں، اگرچہ وہ مسلمانوں کا بھی ساتھ کافروں کے مقابلہ میں نہ دیں، ان سے جنگ وقتال جائز نہیں۔ و۲۵۶ اور ان کا یہ چاہنا مکر وخداع کی راہ سے ہے نہ اس سے کہ ان کا دل واقعی لڑائی سے بھر گیا اور وہ اخلاص کے ساتھ صلح وامن چاہتے ہیں۔ یہ وہ منافقین تھے جو اپنے عقیدۂ اسلامی کی طرح اس صلح جوئی اور مصالحت پسندی میں بھی منافقت برت رہے تھے۔ سَتَجِدُوْنَ۔ میں س زمانہ مستقبل کے معنیٰ میں بھی لیا گیا ہے اور استمرار کے معنیٰ میں بھی۔ قیل السین للاستمرار لا للاستقبال (جمل) و۲۵۷ (اور موقع پانے پر مسلمانوں سے لڑنے پر بلا تامل آمادہ ہو جاتے ہیں) اَلْفِتْنَةِ۔ سے مراد کفر وشرک یا فساد عقائد ہی ہو سکتی ہے۔ لیکن سیاق کھلا ہوا اشارہ قتالِ مسلمین کی جانب کر رہا ہے فساد عقائد میں تو وہ پہلے ہی سے مبتلا تھے۔ اب موقع پا جانے پر مسلمانوں پر بھی ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ای کلما دعاھم قومھم الی قتال المسلمین (کبیر) اُرْكِسُوْا فِيْهَا۔ یعنی اس میں اندھا دھند اُلٹے منہ گر پڑتے ہیں۔ یہ ان کی شانِ کفر، بغض مسلمین کے اظہار کے لئے ہے۔ ھذا استعارۃ لشدۃ اصرارھم علی الکفر وعداوۃ المسلمین (کبیر) گویا ان کے کفر اور بدنفسی اور عداوت مسلمین کا اب عملی ثبوت بھی مل جاتا ہے۔

و۲۵۸ یعنی ان کا حکم کھلے ہوئے محاربین کا ہے، اوران پر کھلی ہوئی گرفت، ان کی بدعہدی اور عملی عداوت اسلام کی ہے۔ لظهور عداوتهم ووضوح كفرهم و خبائثهم (روح) لظهور عداوتهم وانكشاف حالهم فى الكفر والغدر و اضرارهم باهل الاسلام (بحر) سلطان یہ لفظ قرآن مجید میں جہاں آیا ہے گرفت اور دلیل ہی کے مفہوم میں آیا ہے۔ قال عكرمة حيثما وقع السلطان فى كتاب الله فالمراد به الحجة (بحر) و۲۵۹ (خواہ وہ غلطی غصہ میں ہوئی ہو یا نفس عمل میں) شرک، کفر وغیرہ اعتقادی معصیتوں سے قطع نظر، عملی گناہوں میں انسان کے لئے اکبر الکبائر قتل مومن ہے۔ اتنے بڑے گناہ کی جسارت کسی مومن سے بہ ثبات ہوش وسلامتی عقل بہت مستبعد ہے۔ ہاں غلطی اور دھوکے ہی سے ہوجائے تو اور بات ہے۔ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا۔ جرم قتل کی فقہاء نے دو قسمیں کی ہیں ایک قتل عمد جس میں آلۂ قتل سے کام لیا گیا ہو دوسرے قتل شبہ عمد جس میں کام آلۂ قتل سے نہ لیا گیا ہو۔ جو قتل کسی حجت شرعی کی بنا پر، مثلاً قصاص میں کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس پر جرم قتل کا اطلاق ہی نہ ہوگا۔ اِلَّا خَطَـًٔا۔ فقہاء نے قتل خطا کی دو بڑی قسمیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ غلطی قصد وظن میں ہوئی مثلاً دور سے آدمی کو شکار کا جانور سمجھ لیا یا آدمی ہونا تو پہچانا مگر مومن کے اوپر کافر حربی کا دھوکا ہوا۔ دوسرے یہ کہ غلطی نفس عمل میں ہوگئی۔ مثلاً نشانہ لگایا جانور کے مگر پڑ گیا آدمی کے اوپر۔ و۲۶۰ (جو مقتول کے شرعی وارثوں کے درمیان بقدر ان کے حصہ میراث کے تقسیم ہوگا) اگر کوئی وارث نہ ہوا تو ان کا قائم مقام بیت المال قرار پائے گا۔ دِیَۃٌ اس پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔ دیت کی مقدار سنت سے صرف سو اونٹ ثابت ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر قیاس کرکے ہزار دینار شرعی یا دس ہزار درہم شرعی ٹھیرا دی ہے۔ لیکن جس طرح عراق ومصر وشام کے حالات عرب سے مختلف تھے۔ اسی طرح ہندوستان وغیرہ کے حالات خود ان ملکوں سے مختلف ہیں۔ اس لیے دیت کی مقدار کو ہر ملک کے عرف کے ماتحت قاضی کے اختیار پر چھوڑ دیا جائے، مگر شرط یہ ہے کہ قاضی شرعی مقدار سے کم وبیش نہ کرے۔ البتہ مقتول کے وارثوں کو اختیار ہے کہ خونبہا بالکل معاف کردیں یا کم کردیں۔ رَقَبَۃٍ مُّؤْمِنَۃٍ۔ اس کے تحت میں جس طرح غلام ہے، کنیز بھی شامل ہے۔ و۲۶۱ (خواہ کل، خواہ کوئی جزء) اَنْ یَّصَّدَّقُوْا۔ خون بہا کی معافی کو لفظ تصدق سے تعبیر کرنے میں اشارہ اس طرف ہوگیا کہ افضل یہی ہے۔ سمى العفو عنها صدقة حثا عليه و تنبيها على فضله (بیضاوی) و۲۶۲ (اور دیت اس موقع کے لئے نہیں) ظاہر ہے کہ مقتول جب کافروں کے درمیان رہتا تھا تو اس کی دیت بھی کافروں ہی کے ہاتھ میں جائے گی۔ اور کافر کے لئے مسلم کی میراث ممنوع ہے۔ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ۔ یعنی مقتول تھا تو مومن، لیکن کسی سبب سے حربی کافروں کے درمیان رہ رہا تھا۔ عَدُوٌّ۔ لفظاً واحد ہے لیکن معناً یہاں جمع ہے، اعداء کے مرادف۔ مومن اگر دار الحرب ہی میں رہ گیا اور ہجرت کرکے دار الاسلام میں نہ پہنچ سکا تو اس کی جان تو بہر حال اس کے اسلام کی بناء پر محفوظ سمجھی جائے گی۔ اور اس کے لئے کفارہ دینا پڑے گا۔ لیکن دیت کا تعلق اس کے ایمان سے نہیں بلکہ اس کے مقام سے ہے اور وہ دار الاسلام ہے نہیں، اس لئے یہ واجب نہ آئے گی۔ سقطت الدية لوجهين احدهما ان اولياء القتل كفار فلايصح ان تدفع اليهم فيتقوّوابها والثانى ان حرمة هذا الذى لم يهاجر قليلة (قرطبی) و۲۶۳ (صلح کا یا ذمہ کا) یہاں حکم اس صورت کا بیان ہو رہا ہے کہ مقتول گو غیر مسلم ہے لیکن ایسی قوم کا فرد ہے جو مسلمانوں سے معاہدۂ صلح واتحاد کئے ہوئے یا فقہاء کی اصطلاح میں ذمی یا مستامن ہے۔ هم اهل الذمة من اهل الكتاب (کبیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) هم المعاهدون من الكفار (کبیر۔ عن الحسن) هذا فى الذمىّ والمعاهد يقتل خطأً فتجب الدية والكفارة قاله ابن عباس والشعبى والنخعى والشافعى واختاره الطبرى (قرطبی) و۲۶۴ گویا کفارہ اور دیت کے لحاظ سے ذمی اور معاہد کافر بھی ایک مسلم کے برابر ہی حق رکھتا ہے۔ وان كان من قوم كفرة معاهدين اواهل الذمة فحكمه حكم المسلمين فى وجوب الكفارة والدية (بیضاوی) ان كان المقتول ذميا فحكمه حكم المسلم و فيه دليل علىٰ ان دية الذمى كدية المسلم (مدارک) فَدِیَۃٌ مُّسَلَّمَۃٌ اِلٰٓی اَهْلِهٖ۔ یعنی اس کافر کا بھی خون بہا اس کے کافر وارثوں کو دیا جائے گا۔ و۲۶۵ بس ایسے علیم کل اور حکیم مطلق کے قانون میں کسی ترمیم، کسی تنسیخ کی گنجائش کسی بندہ کو نہیں) تَوْبَۃً مِّنَ اللّٰهِ۔ لفظ توبہ بہت اہم اور بلیغ ہے، ندامت، شرمساری، اصلاح کے سارے پہلو اس کے اندر آگئے۔ مِنَ اللّٰهِ میں اس کی تاکید وتصریح ہے کہ کفارہ اور دیت کے یہ طریقے اللہ کی طرف سے مشروع ہیں، کسی بندہ کی طرف سے نہیں۔ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ۔ یعنی جس کو باندی یا غلام کی استطاعت ہی نہ ہو۔ اور یہ صورت اس وقت ہندوستان میں تمام تر عائد ہے جب کہ شرعی کنیز اور غلام کا وجود ہی نہیں۔ فصيام شهرين۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ فعليه صيام شهرين (قرطبی) مُتَتَابِعَیْنِ ... [illegible] (قرطبی)

لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ

تم کو صاف گرفت دے رکھی ہے و۲۵۸ اور یہ کسی مومن کے شایان نہیں

اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا

کہ وہ کسی مومن کو قتل کردے، بجز اس کے کہ غلطی سے ایسا ہوجائے، و۲۵۹ اور جو کوئی کسی مومن کو غلطی سے

خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ

قتل کرڈالے تو ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا (اس پر واجب ہے) اور خون بہا بھی جو اس کے عزیزوں کے

اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ

حوالہ کیا جائے گا و۲۶۰ سوا اس کے کہ وہ لوگ (خود ہی) اسے معاف کردیں، و۲۶۱ تو اگر وہ ایسی قوم میں ہو

عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ

جو تمہاری دشمن ہے درانحالیکہ (وہ بذات خود) مومن ہے تو ایک مسلم غلام کا آزاد کرنا (واجب ہے) و۲۶۲

وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ

اور اگر ایسی قوم سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہے، و۲۶۳ تو خون بہا

مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ

واجب ہے، جو اس کے عزیزوں کے حوالہ کیا جائے گا اور ایک مسلم غلام کا آزاد کرنا (بھی) و۲۶۴ پھر جس کو

لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً

یہ نہ میسر ہو اس پر دو مہینے کے لگاتار روزے رکھنا (واجب ہے) یہ توبہ

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٩٢﴾ وَ مَنْ

اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے و۲۶۵ اور جو کوئی

يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا

کسی مومن کو قصداً قتل کردے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ

ع ۱۲ / ۹

فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ

پڑا رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس کے لئے عذاب عظیم

عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ

تیار رکھے گا و۲۶۶ اے ایمان والو! جب تم سفر کرو

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى

اللہ کی راہ میں تو خوب تحقیق کر لیا کرو و۲۶۷ اور جو تمہیں سلام کرتا ہو و۲۶۸ اسے یہ مت

اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ

کہہ دیا کرو کہ تو تو مسلمان ہی نہیں و۲۶۹ تم دنیوی زندگی کا سامان

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ

تلاش کرتے ہو تو اللہ کے پاس تو (بہت) کثرت سے مالِ غنیمت ہے، و۲۷۰ ایسے ہی

كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ

تم بھی تو پہلے تھے و۲۷۱ پھر اللہ نے تم پر کرم کیا و۲۷۲ تو (خوب) تحقیق کر لیا کرو، بیشک

اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ لَا يَسْتَوِي

تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھتا ہے و۲۷۳ مسلمانوں

الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ

میں سے بلا عذر (گھر) بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور

وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ

اپنی جان سے جہاد کرنے والے برابر نہیں

وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ

ہو سکتے و۲۷۴ اللہ نے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو

و۲۶۶ اکٹھی اتنی سخت وعیدیں، بجز کفر، شرک کے اور کسی جرم کی قرآن مجید میں وارد نہیں اور اسی لئے قتل مومن، اشاعرہ و معتزلہ سب کے نزدیک بالاتفاق اکبر الکبائر ہے اور یہ ڈرنے اور لرز جانے کی چیز ہے۔ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا۔ قتل عمد کی جو معروف اور براہ راست صورتیں ہیں وہ تو ہیں ہی۔ لیکن عجب نہیں کہ اس وعید کے تحت میں قتل مسلم کی وہ ساری صورتیں بھی آجائیں جو کسی غیر شرعی قانون کے مطابق اور کسی کافرانہ آئین ونظام کے ماتحت کی جاتی ہیں مثلاً کسی کافر حکومت کی فوج یا پولیس میں داخل ہو کر اس حکومت کے باغی اور مجرم مسلمان پر گولی چلا دینا یا کسی غیر اسلامی عدالت کی کرسی پر مجسٹریٹ یا جج کی حیثیت سے بیٹھ کر کسی مسلمان کو سزائے موت کا حکم سنا دینا وقس علی ہذا۔ مُّتَعَمِّدًا۔ تعمد کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مقتول کے ایمان ہی کی بناء پر اسے قتل کیا جائے۔ یہ صورت تو صاف کفر کی ہے۔ دوسری یہ کہ قتل مسلم کو جائز سمجھ کر۔ یہ صورت بھی کفر ہی کی ہوئی۔ ای قاصدا قتله لایمانه وهو كفر اوقتله مستحلا لقتله وهو كفر ايضاً (مدارک) فَجَزَآؤُهٗ۔ آگے سزا ایسے قاتل کی مذکور ہو رہی ہے جو اس قتل کو جائز سمجھے یا بلا توبہ مرجائے۔ والجمهور على انه مخصوص بمن لم يتب (بیضاوی) وهو عند نا مخصوص لما مستحل له (بیضاوی) پھر یہ بھی لحاظ رہے کہ نوعیت جرم کی شدت کے لحاظ سے اصل سزا یہی ہے جو یہاں مذکور ہوئی، لیکن یہ لازمی نہیں کہ ہر مومن کو بھی انتہائی سزا مل کر ہی رہے اور یہ تفسیر حدیث نبوی سے ماخوذ اور اسی پر مبنی ہے۔ دنیوی قانون میں بھی جرائم کی ایک انتہائی سزا مقرر ہوتی ہے لیکن یہ حاکم کی رائے تمیزی پر ہوگا کہ اس حد کے اندر جتنی سزا مناسب سمجھے دے۔ معناه هي جزاءهٗ ان جازاه ولكنه ان شاء حذبه وان شاء غفرله بكرمه فانه يغفر لمن يشآء (معالم) قال عليه السلام هي جزاءهٗ ان جازاه (مدارک) جمہور اہل سنت کا مذہب ہے کہ قاتل اگر مسلم ہے تو اس کی توبہ بھی بالآخر قبول ہو جائے گی۔ اور خلود فی النار کی سزا صرف کافروں اور مشرکوں کے لئے رہ جائے گی۔ اس عقیدہ کے دلائل کتاب و سنت سے ماخوذ کلام و عقائد کی کتابوں میں اپنی جگہ پر مبسوط درج ملیں گے۔

و۲۶۷ (ہر امر کی اور خصوصاً قتل کے باب میں) یہ مسلمانوں کو ہدایت ہو رہی ہے کہ جب تم وطن سے باہر سفر جہاد میں ہو تو بلا خوب چھان بین کیے محض شک و شبہ کی بنا پر قتل میں جلد بازی نہ کر دیا کرو۔ فَتَبَيَّنُوْا۔ خوب سوچ بچار لو۔ ایسا نہ ہو کہ کافر کے خیال میں کسی کلمہ گو کو قتل کر ڈالو۔ تحققوا حتى يتبين لكم المومن من الكافر (ابن عباس رضی اللہ عنہما) المقصود من هذه الأية المبالغة فى تحريم قتل المومنين (کبیر) یہ تحقیق واحتیاط، سفر وحضر ہر حال میں واجب ہے۔ سفر جہاد کی قید آیت میں صرف اس لئے ہے کہ نزول آیت سے قبل ایسا واقعہ اتفاق سے سفر جہاد ہی میں پیش آیا تھا۔ والتبيين اى التثبت فى القتل واجب حضرا وسفرا لاخلاف فيه دائماً خص السفر بالذكر لان الحادثة التى فيها نزلت الأية وقعت فى السفر (قرطبی) احادیث نبوی میں یہ مضامین بار بار آئے ہیں کہ ایک کلمہ گو کا قتل ہو جانا اللہ کے ہاں ہزار کافروں کے زندہ بچ جانے سے، بلکہ ساری دنیا کے فنا ہو جانے سے شدید تر ہے۔ فان ابقاء الف كافر اهون عندالله من قتل امرئ مسلم (بیضاوی) وفى الحديث زوال الدنيا اهون على الله من قتل امرئ مسلم (کشاف) فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی راہ جہاد میں ای فرعنهم فى الجهاد (ابن عباس رضی اللہ عنہما)

و۲۶۸ مسلمانوں کے طریقہ پر یا اور کسی ایسی ہی علامت سے اپنے اسلام کا اظہار کر رہا ہو) و۲۶۹ (بلکہ محض جان بچانے کو اظہار اسلام کر رہا ہے) مقصد یہ ہے کہ قتل سے دستکشی اس شخص کے مجرد اظہار اسلام سے واجب ہو جاتی ہے۔ اس کے باطن کی تفتیش ہرگز تمہارے ذمہ نہیں۔ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جان و مال کو محفوظ کر دینے والی شے کلمہ شہادت ہے۔ کافر غیر معاہد بھی اگر اسے پڑھ دے گا تو مسلم کے لئے اس پر تلوار اٹھانا حرام ہو جائے گی) المسلم اذاظن الكافر ولا عهدله جازله قتله فان قال لا اله الا الله لم يجز قتله لا نه قداعتصم بعصام الاسلام المانع من دمه و ماله واهله (قرطبی) آیت سے بعض فرقوں نے استدلال یہ کیا ہے کہ ایمان مجرد قول کا نام ہے لیکن اہل تحقیق کا قول ہے کہ ایمان فقط اقرار لسانی کا نام نہیں اور زبان سے اقرار تو منافقین بھی کرتے تھے بلکہ ایمان کی حقیقت میں تصدیق قلب بھی شامل ہے البتہ بندوں کے پاس علم کا کوئی ذریعہ بجز لفظ وقول کے نہیں، استدل بهذه الأية من قال ان الايمان هو القول وليس فى ذلك ان الايمان هو الاقرار فقط الاترى ان المنافقين كانوا يقولون هذا القول وليسوا بمومنين خشية ان الايمان هو الاقرار وغيره وان حقيقة التصديق بالقلب ولكن ليس للعبد طريق اليه الاماسمع منه فقط (قرطبی) و۲۷۰ یعنی اگر مال غنیمت کی طمع تمہیں ایک مدعی اسلام کے قتل میں جلد بازی اور بے احتیاطی کی طرف لا رہی ہے تو یہ یاد رکھو کہ مال اور مالِ غنیمت کا سرچشمہ بھی تو اللہ ہی کی ذات ہے اور وہ اس پر قادر ہے کہ وہ تمہیں اس کی بڑی سے بڑی مقدار قانونِ شریعت کے اتباع ہی سے دے دے۔ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (عرض وہ چیز ہے جو بذات خود قائم نہ رہ سکے اور اسی لئے متکلمین نے جوہر کے مقابل کی اصطلاح رکھی ہے) العرض ما لايكون له ثبات ومنه استعار المتكلمون العرض لمالاثبات له الا بالجوهر (راغب) یہاں عرض سے مراد مال ہے اور بجائے مال کے عرض اسی لئے لایا گیا ہے کہ اس سے مال کی بے ثباتی اور زود فنائی کی جانب بھی پورا اشارہ ہو جائے۔ شبّه تعالى بتسميته عرضا على كونه سريع الفناء قريب العرض المال سمى به لسرعة فنائه (مدارک) الانقضاء (کبیر) و۲۷۱ یہ تو مسلم صحابیوں اور

وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ

بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں فضیلت دے رکھی ہے اور بھلائی کا وعدہ

اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى

تو اللہ نے سب (ہی) سے کر رکھا ہے و۲۷۵ اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم

الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً

کے لحاظ سے برتری دے رکھی ہے و۲۷۶ یعنی اللہ کی طرف سے (بہت سے) درجے اور بخشش

وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور رحمت، اور اللہ ہے ہی بڑا بخشش والا، بڑا رحمت والا و۲۷۷ بیشک ان لوگوں کی جان جنہوں نے

تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ

اپنے اوپر ظلم کر رکھا ہے (جب) فرشتے قبض کرتے ہیں تو ان سے کہیں گے کہ تم کس کام میں

كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا

تھے و۲۷۸ وہ بولیں گے ہم اس ملک میں بے بس تھے و۲۷۹ فرشتے کہیں گے کہ

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ

اللہ کی سرزمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟

فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾

تو یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے و۲۸۰

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ

بجز ان لوگوں کے جو مردوں اور عورتوں بچوں میں سے کمزور ہوں

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾

(کہ) نہ کوئی تدبیر ہی کر سکتے ہوں اور نہ کوئی راہ پاتے ہوں و۲۸۱

دوسروں کو یاد دلایا ہے کہ آخر تمہارے اوپر بھی تو یہ دور گزر چکا ہے کہ تمہارے پاس تمہارے اسلام و ایمان کا ثبوت بجز تلفظ کلمہ اور زبانی دعوی کے اور تھا کیا؟ تمہارے اخلاص قلب اور تمہارے حسن اعمال کی شہادت تو بہت بعد کو پیش ہوئی۔ اول ما دخلتم فی الاسلام سمعت من افواهكم كلمة الشهادة فحصنت دماء كم واموالكم من غير انتظار الاطلاع على مواطاة قلوبكم لالسنتكم (کشاف) و۲۷۲ (کہ تمہارے اس اعلانِ اسلام اور وعدے کو کافی سمجھ لیا گیا اور تمہارے ایمان کو معتبر قرار دینے کے لئے تفتیش باطن کا حکم نہیں دیا) فعليكم بان تفعلوا بالداخلين فی الاسلام كما فُعِل بكم وان تعتبروا ظاهر القول (کبیر) هذا هو الذى اختاره اكثر المفسرين (کبیر) دوسری صورت اللہ کے فضل و کرم کی یہ بھی قرار دی جا سکتی ہے کہ اس نے تمہارے اس ابتدائی اسلام کو اب مشہور و معلوم کرا دیا اور تمہیں استقامت اور حسن عمل کی توفیق دی۔ لاشتهار بالايمان والاستقامة فی الدين (بیضاوی) حيث نوّر نور الايمان فی قلوبكم و ايمانكم على العمل به والمحبة له (کبیر) بالاستقامة والاشتهار بالايمان (مدارک) و۲۷۳ (سو اگر تم نے کوئی بھی بے احتیاطی کی تو اس کے ساتھ تمہارا کون سا عذر چل سکے گا) فَتَبَيَّنُوْا۔ تحقیق و احتیاط کے لئے بتکرار دعوت یا اہتمام حکم کی غرض سے۔ اعادة الامر بالتبيين تدل على المبالغة فی التاكيد من ذلک الفعل (کبیر) كرر الامر بالتبيين ليؤكد عليهم (مدارک) اعادالامر بالتبيين اللتاكيد (قرطبی) ایک سوال یہ پیدا ہوا کہ آیا زندیق کی توبہ قبول ہو گی؟ فقہاء نے اس آیت کی رو سے جواب دیا ہے کہ قبول ہو گی۔ اختلفوا فی ان توبة الزنديق هل تقبل امرلا فالفقهاء قبلوها واحتجوا عليه بوجوه الاول هذه الأية (کبیر) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے استدلال کر کے فرمایا ہے کہ بچوں کا اسلام بھی قبول ہو گا۔ اس لئے کہ آیت عام ہے۔ بالغ اور نابالغ کی اس میں کوئی قید نہیں۔ قال ابو حنيفة رحمۃ اللہ علیہ دلت هذه الأية على صحة اسلام الصبى لان قوله ولا تقولوا لمن القٰى اليكم السلٰم لست مؤمنا عام فی حق الصبى وفی حق البالغ (کبیر) بلکہ منافقین خود بھی جو اپنے جان و مال کو مسلمانوں سے بچائے ہوئے تھے، وہ کلمۂ اسلام کے تلفظ ہی کی بنا پر تو تھا، درآنحالیکہ عند اللہ ان کا کفر بالکل ظاہر تھا۔ اور رسول اللہ پر بھی اکثر صورتوں میں روشن ہو گیا تھا۔ وقد كان المنافقون يعصمون دماءهم واموالهم باظهار هذه الكلمة مع علم الله تعالٰى باعتقادهم الكفر و علم النبى صلی اللہ علیہ وسلم بنفاق كثير منهم (جصاص) و۲۷۴ (اللہ کے ہاں درجہ اور مرتبہ میں) اُولِي الضَّرَرِ کے لفظی معنی تو ہوئے ”بے دکھ والے“ لیکن یہاں ضرر مرض سے کہیں زیادہ وسیع معنی میں ہے اور ہر قسم کے عذر و مانع کو شامل ہے اور اہل الضرر اہل العذر کے مرادف ہے۔ قال العلماء اهل الضرر هم اهل الاعذار (قرطبی) الضرر النقصان سواء كان بالعمى او العرج او المرض او كان بسبب عدم الاهبة (کبیر) اَلْقٰعِدُوْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ۔ کی تقدیر کلام یوں ہے۔ القاعدون الذين هم غير اولى الضرر (قرطبی) مطلب صاف ہے۔ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنے والے اور بلا عذر گھر میں بیٹھے رہنے والے اللہ کے ہاں فضیلت و مقبولیت میں برابر نہیں ہو سکتے۔ یہیں سے یہ مطلب بھی صاف ہو گیا کہ جہاد فرض عین نہیں، فرض کفایہ ہے۔ اگر فرض عین ہوتا یعنی ہر ہر فرد پر فرض ہوتا تو ان بیٹھ رہنے والوں اور نہ شریک ہونے والوں پر یقیناً عتاب و وعید کے الفاظ وارد ہوتے رہتے۔ فيه دلالة على ان الجهاد ليس بفرض عين بل هو فرض كفاية (ابن کثیر) قال الفقهاء فيه دليل على ان فرض الجهاد على الكفاية وليس على كل احد بعينه (کبیر) وهٰذا دليل على ان فرض الجهاد على الكفاية وليس على كل احد بعينه (جصاص) فرقہ شیعہ نے آیت سے استدلال یہ کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر ظاہر ہو رہی ہے اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جہاد و قتال حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہیں زیادہ کیا ہے اور اس کو آیت میں معیار فضیلت قرار دیا گیا ہے۔ استدلال باطل ہے۔ اگر مطلق قتل کفار ہی معیار فضیلت ہوتا تو بہ قول امام رازی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل و اشرف ہوتے۔ حالانکہ اس کے قائل شیعہ بھی نہیں۔ معلوم ہوا کہ افضلیت کلی کے اجزاء اور بھی متعدد ہیں۔ مثلاً تبلیغ دین میں مصروفیت، اقامت احکام و استحکام ملت میں مشغولیت وغیرہا۔ اور ان سارے امور میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ٹھیک اپنے آقا سردار کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابی بڑی تعداد میں آپ ہی کی سعی و تبلیغ سے ایمان لائے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مجاہدانہ جوہر مدینہ میں آکر چمکے۔ جب اسلام کو یک گونہ غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔ برخلاف اس کے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دین کی گرانبہا خدمتیں اس وقت سے انجام دینا شروع کر دی تھیں جب ملت غایت ضعف و پستی میں تھی اور امت ہر طرف سے زغۂ اعداء میں محصور! (کبیر) و۲۷۵ (مجاہدین سے ان کے جہاد کی بنا پر۔ اور قاعدین سے ان کے دوسرے اعمال حسنہ کی بنا پر) كُلًّا۔ (یعنی مجاہدین اور قاعدین دونوں سے) اى كل فريق من القاعدين و المجاهدين (قرطبی) اَلْحُسْنٰى۔ یعنی جنت اور آخرت کی نعمتیں۔ المثوبة الحسنى وهى الجنة (بیضاوی) الجنة والجزاء الجزيل (ابن کثیر) اَلْمُجٰهِدِيْنَ وَالْقٰعِدِيْنَ۔ دونوں لفظوں میں جہاد اور قعود کے عموم مفہوم کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ بیان یقیناً میدانِ جہاد میں جانے والوں اور میدانِ جنگ سے رہ جانے والوں کا ہے۔ لیکن لفظ جہاد کو قتال کے معنی میں مخصوص و محدود کر

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

تو یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ انہیں معاف کر دے گا اور اللہ تو ہے ہی

عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَ مَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

بڑا معاف کرنے والا، بڑا بخشنے والا ف۲۸۲ اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا

يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ

وہ زمین پر جانے کی بہت جگہ اور گنجائش پائے گا ف۲۸۳ اور جو کوئی

يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کرتا ہوا نکلے

ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ

اور اسے پھر موت آئے ف۲۸۴ تو اس کا اجر یقیناً اللہ کے ذمہ ثابت رہا

وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ ع وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي

اور اللہ تو ہے ہی بڑا بخشنے والا، بڑا مہربان ف۲۸۵ اور جب تم زمین میں

الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ

سفر کرو تو تم پر اس باب میں کوئی مضائقہ نہیں کہ نماز میں

الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

کمی کر دیا کرو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر لوگ تمہیں ستائیں گے ف۲۸۶

اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَ اِذَا

بیشک کافر تو تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہی ہیں اور جب

كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ

آپ ان کے درمیان ہوں اور ان کے لئے نماز قائم کریں تو چاہئے کہ ان میں کا ایک گروہ

ع ۱۴ / ۱۱

دینا صحیح نہیں۔ بلکہ نصرت دین کی ہر سعی وفکر اس کے اندر آجاتی ہے (جس کی ایک فرد یقیناً قتال بھی ہے) علیٰ ہذا قعود یا خانہ نشینی کے تحت میں ہر امر شریعت میں سستی آجاتی ہے۔ اور اسی کی ایک اہم فرد قتال سے جی چرانا بھی ہے) گویا فضیلت دین کے ہر کام کرنے والے کو نہ کرنے والے پر حاصل ہے۔ اور اس سے یہ شبہ مٹ گیا کہ لشکر قتال کا ایک ایک سپاہی ہر غیر مقاتل سے افضل ہے خواہ وہ غیر مقاتل کسی پایہ ومرتبہ کا محدث، مفسر، فقیہ، متکلم وصوفی وغیرہ خادم دین ہو۔ ف۲۷۶ اہل لطائف نے یہاں یہ نکتہ لکھا ہے کہ المجاهدون باموالهم وانفسهم (جان ومال سے جہاد کرنے والوں) کا ذکر تو اوپر آچکا ہے۔ اب یہاں ذکر مطلق مجاہدین کا بغیر کسی قید کے ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگی کا رخ تمام تر غیر اللہ سے اللہ کی طرف پھیر لیں اور یہ مجاہدات صوفیہ کا اعلیٰ مقام ہے۔ وجب ان يكون المرادمنه من كان مجاهدا على الاطلاق فى كل الامور وهواشرف انواع المجاهدة و حاصل هذاالجهاد صرف القلب من الالتفات الى غيرالله الى الاستغراق فى طاعة الله (کبیر) ف۲۷۷ چنانچہ شان غفوریت کے تقاضہ سے وہ ان کا ہر عذر قبول کر لے گا اور شان رحیمیت کے تقاضہ سے انہیں اجر مزید عنایت کرے گا۔ ف۲۷۸ یعنی دار الکفر دار الحرب میں رہ کر دین کے کن کن کاموں میں لگے ہوئے تھے کہ ہجرت کو نہ نکلے؟ یہ تعریض ہے ان کے ہجرت نہ کرنے پر اور دار الحرب میں رہنے پر قانع وراضی ہو جانے پر۔ التوبيخ بانهم لم يكونوا فى شىء من الدين حيث قدرواعلى المهاجرة ولم يهاجروا (کبیر) یہ وہ لوگ تھے جو مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اقرار کر چکے تھے لیکن جب ہجرت فرض ہوئی تو یہ مسلمانوں کے ساتھ نہ آئے۔ مکہ ہی میں رہ گئے۔ یہاں تک کہ پھر مشرکین کا ساتھ دینے لگے۔ المراد بالجماعة من اهل مكة كانوا قد اسلموا واظهروا للنبى ﷺ الايمان به فلماهاجر النبى ﷺ اقاموامع قومهم وفتن منهم جماعة فافتتنوا (قرطبی) نزلت فى اقوام من اهل مكة كانوااقداسلموا و اٰمنوا بالله وبرسوله وتخلفواعن الهجرة مع رسول الله ﷺ حين هاجر وعرض بعضهم على الفتنة فافتتن (ابن جریر) نزلت فى قوم من المنافقين كانوا يظهرون الايمان للمؤمنين خوفااذارجعواالى قومهم اظهروا لهم الكفر ولايهاجرون الى المدينة (جصاص) یہ عتاب خود اس امر کی دلیل ہے کہ ہجرت اس وقت فرض عین تھی۔ هذا يدل علىٰ فرض الهجرة فى ذٰلک الوقت (جصاص) فتح مکہ کے بعد ہجرت واجب نہ رہی۔ حدیث نبوی میں ارشاد ہوا ہے۔ لاهجرة بعد الفتح۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ہجرت کا وجوب اس وقت اس لئے تھا کہ منکرین کی ایذا اور مزاحمت سے محفوظ رہ کر مسلمان حکومت الٰہی کے اندر رہیں اور قانون الٰہی کا نفاذ اپنے ہاں کر سکیں۔ جب لشکر اسلام کو کافی قوت حاصل ہو گئی اور منکرین کی مزاحمت کا زور ٹوٹ گیا تو ہجرت بھی واجب نہ رہی لیکن پھر کہیں اور جب کبھی وہی وجوہ ہجرت پائے جانے لگیں گے ہجرت واجب ہو جائے گی۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ۔ صیغۂ جمع ہے۔ مراد ہیں ملک الموت اور ان کے انصار۔ المراد ملک الموت واعوانه (بحر) لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ تنہا ملک الموت مراد ہے اور صیغۂ جمع ان کے لئے ان کی عظمت کے اظہار کے لئے لایا گیا ہے۔ الملٰئكة هنا قيل ملک الموت هو من باب اطلاق الجمع على الواحد تفخيمًاله وتعظيمًا لشانه هذا قول الجمهور (بحر) اور واحد پر لفظ جمع کا اطلاق محاورۂ عرب میں عام ہے۔ والعرب قد تخاطب الواحد بلفظ الجمع (معالم) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب تک ذکر جہاد کا تھا۔ جس کا خلاصہ ہے شر کفار کا دفع عام۔ اب ذکر ہجرت کا شروع ہو رہا ہے جس کا ماحصل ہے شر کفار کا دفع خاص۔ پہلا حکم اجتماعی تھا اور یہ دوسرا انفرادی ہے، دونوں میں غرض مشترک اقامت دین ہے۔ ف۲۷۹ یعنی ہم اپنے ملک میں محض مغلوب اور بے بس تھے۔ احکام دین پر عمل کرنا ہمارے بس میں نہ تھا۔ اس لئے ترکِ فرائض میں معذور رہے۔ ف۲۸۰ فقہاء نے لکھا ہے کہ جب ایک ملک میں رہ کر فرائض دین پوری طرح نہ ادا ہو سکتے ہوں اور یہ معلوم ہو کہ کوئی دوسرا ملک ہے جہاں فرائض دین ادا ہو سکتے ہیں تو پہلے سے دوسرے ملک کی طرف ہجرت واجب ہو جاتی ہے۔ والأية تدل على ان من لم يمكن اقامة دينه فى بلده كما يجب وعلم انه يمكن من اقامته فى غيره حقت عليه المهاجرة (مدارک) هذا يدل على الخروج من ارض الشرک الى اىّ ارض كانت من ارض الاسلام (جصاص) ف۲۸۱ یعنی ایسے لوگ جو فی الواقع اپنے ضعف جسمانی کی بنا پر نہ سفر ہجرت پر قادر ہوں۔ اور نہ کسی دار الاسلام کا پتہ نشان انہیں مل رہا ہو۔ اى لايجدون اسباب الهجرة ومباديها ولايعرفون طريق الموضع المهاجراليه (روح) حِيْلَةً۔ عربی میں تدبیر کے لئے عام ہے۔ اردو کے "بہانہ" کے مرادف نہیں۔ ف۲۸۲ عفو کا تعلق ماضی سے ہے اور غفو کا مستقبل سے یعنی ان کی پچھلی کوتاہیوں کو معاف کر دینے والا ہے اور آئندہ ان کے حق میں مغفرت کرنے والا ہے۔ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ۔ یعنی ان سے یہ فریضہ ہجرت سرے سے ساقط ہی کر دیا جائے۔ عَسَى اللّٰهُ۔ عسیٰ سے متعلق اوپر ذکر گزر چکا ہے کہ جب اس کے فعل کا تعلق اللہ سے ہوتا ہے تو مراد محض توقع یا امید نہیں رہ جاتی ہے بلکہ تیقن پیدا ہو جاتا ہے۔ وعسىٰ ان كان للاطماع فهو من الله واجب (مدارک) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ عدم ہجرت کا گناہ فی الاصل اس قدر سخت ہے کہ

کے لئے) یعنی کوئی ہجرت کر کے دیکھے تو۔ اللہ کی سرزمین تنگ نہیں۔ اس زمین پر اسے متعدد جگہیں مل جائیں گی جہاں وہ آزادی سے اپنے دین کا اظہار کر سکے گا۔ بعض اہل لطائف نے کہا کہ مراغم اور سعۃ دو الگ الگ لفظ لانے میں اشارہ یہ ہے کہ اس دنیا میں اظہار دین کی جگہیں مل جائیں گی اور آخرت میں فراخ اور وسیع بہشتیں ملیں گی۔ و۲۸۴ (قبل اس کے کہ وہ اپنی منزلِ مقصود یا ہجرت گاہ تک پہنچ سکے۔ اور اس لئے گویا بہ ظاہر نا کام رہے) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ ہر ایسی مجبوری جو انسان کو عاجز و بے بس کر دے، موت ہی کے حکم میں داخل ہے۔ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ یعنی ایسے مقام کی طرف چلے جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کا اظہار کر سکے۔ ای الی حیث امر اللہ ورسولہ (مدارک) محققین نے لکھا ہے کہ ہر ایسا سفر جو رضاء الٰہی کے لئے ہو مثلاً سفر حج، یا طلب علم دین کے لئے سفر، ہجرت کے لحاظ سے سفر ہجرت کے حکم میں داخل ہے۔ قالوا کل ھجرۃ لطلب العلم او حج او جھاد او فرار الی بلد یزاد فیہ طاعۃ او قناعۃ او زھدا او ابتغاء رزق طیب فھی ھجرۃ الی اللہ ورسولہ (مدارک) و۲۸۵ (تو اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ اس ناکامی پر بھی پورا ہی اجر دے دے جو کامیابی پر موعود تھا) ھذا یدل علی ان من خرج متوجھا لفعل شیء من القرب ان اللہ یجازیہ بقدر نیتہ وسعیہ وان انقطع دونہ (جصاص) و۲۸۶ یہ آخر کا فقرہ جیسا کہ شارع علیہ السلام کا عمل اس پر گواہ ہے اور سارے اہل علم بجز خوارج کے اس پر متفق ہیں، بہ طور شرط کے نہیں کہ صرف

مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا

آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور وہ لوگ اپنے ہتھیار لئے رہیں و۲۸۷ پھر جب

فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَاۗىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَاۗىِٕفَةٌ اُخْرٰى

وہ سجدہ کر چکیں تو اب چاہیے کہ وہ تم لوگوں کے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے

لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ

آجائیں اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے

وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ

ہتھیار (ساتھ) لئے رہیں و۲۸۸ کافروں کی تو خواہش ہی یہ ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان

عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ

سے (ذرا) غافل ہو جاؤ تو یہ لوگ تمہارے اوپر یک بارگی ہی

مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ

ٹوٹ پڑیں و۲۸۹ اور تمہارے لئے اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ اگر تمہیں

اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا

بارش سے تکلیف ہو رہی ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار

اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ

اتار رکھو اور اپنے بچاؤ کا سامان لئے رہو و۲۹۰ بیشک اللہ نے کافروں

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۱۰۲ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ

کے لئے ایک رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے پھر جب تم (اس) نماز کو ادا کر چکو

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا

تو اللہ کی یاد میں لگ جاتا کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے و۲۹۱ اور پھر جب

اسی حالت میں نماز قصر کی جائے بلکہ اس فقرہ میں نزول آیت کے وقت کی صرف حالت واقعی کا بیان ہے ورنہ قصر صلوٰۃ کا حکم ہر سفر کے لئے عام ہے۔ والخوف شرط جواز القصر عند الخوارج بظاھر النص وعند الجمھور لیس بشرط (مدارک) والذی علیہ الائمۃ ان القصر المشروع فی الامن ایضا وقد تظاھرت الاخبار علی ذلک (روح) اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ۔ سفر شرعی کی مسافت تین منزل کی قرار پائی ہے اور منزل کا اندازہ فقہا نے ۲۰ میل کا کیا ہے۔ لیکن یہ سب اندازے اور تخمینے ہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے اس سے بہت کم فاصلہ پر بھی قصر نماز ثابت ہے۔ جمہور فقہا کا قول ہے کہ سفر جس جائز غرض، مقصد سے بھی ہو، شرعی سفر کے حکم میں داخل ہے۔ الجمھور علی جواز القصر فی السفر المباح کالتجارۃ ونحوھا (قرطبی) لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ۔ یعنی بادی النظر میں رکعات نماز میں کمی کر دینا ایک گناہ کی چیز معلوم ہوتی ہے اور وسوسہ تمہیں بھی گناہ کا ضرور ہو رہا ہے۔ لیکن اطمینان رکھو کہ اس میں مضائقہ نہیں۔ اللہ کی طرف سے یہ جائز کیا جا رہا ہے۔ اَلصَّلٰوةِ۔ صلوٰۃ (نماز) سے مراد صلوٰۃ مکتوب یا نماز فرض ہے۔ حنفیہ کے ہاں سفر میں نماز قصر مستحب ہی نہیں واجب ہے۔ قلنا القصر عزیمۃ غیر رخصۃ ولا یجوز الاکمال (مدارک) روی عن جماعۃ اللہ فرض وھو قول عمر بن عبد العزیز والکوفیین والقاضی اسمعیل وحماد بن ابی سلیمان (قرطبی) اور یہ قصر چار رکعتوں والی تینوں نمازوں میں ہوتا ہے۔ ظہر، عصر، عشا میں فرض کی دو دو رکعتیں رہ جاتی ہیں۔ مسائل قصر کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔ فِي الْاَرْضِ۔ سے مراد یہ نہیں کہ سفر صرف خشکی ہی میں ہو۔ ارض کا لفظ برو بحر کے لئے عام و مشترک ہے اور مقصد یہ ہے کہ کوئی سا بھی ہو۔ المراد من الارض ما یشمل البر والبحر والمقصود التعمیم ای اذا سافرتم فی ای مکان یسافرفیہ من بر وبحر (روح) و۲۸۷ یعنی حالت نماز میں بھی مسلح رہیں۔ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ۔ صیغہ واحد حاضر ہے محض رسول اللہ ہی مراد نہیں۔ آپ ہوں یا آپ کا کوئی قائم مقام۔ قال الائمۃ نواب عن رسول اللہ ﷺ فی کل عصر (مدارک) ھذہ الأیۃ خطاب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یتناول الامراء الی یوم القیٰمۃ ھذا قول کافۃ العلماء (قرطبی) فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ۔ یعنی جب وقت نماز آ جانے پر آپ میدان جنگ میں امامت نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اندیشہ ہو کہ دشمن موقع پا کر حملہ کر دے گا۔ فَلْتَقُمْ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ۔ یعنی ایسے موقع پر چاہیے کہ سپاہ کے دو گروہ ہو جائیں کچھ لوگ تو نماز شروع کر دیں اور کچھ لوگ نگہبانی کے لئے دشمن کے مقابل کھڑے ہو جائیں۔ یہ سب بیان صلوٰۃ الخوف کا ہو رہا ہے۔ پوری تفصیلات کے لئے فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔ و۲۸۸ فقہا نے یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ عین عبادت منصوص کی حالت میں بھی اسباب و انتظام پر نظر رکھنا اولیٰ ہے۔ فَاِذَا سَجَدُوْا۔ یعنی پہلا گروہ ایک رکعت تمام کر لے۔ فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَاۗىِٕكُمْ۔ یعنی پہلے گروہ والے تمہارے پاس سے ہٹ کر دشمن کے مقابلہ میں آ جائیں۔ وَلْتَاْتِ...... لَمْ يُصَلُّوْا۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے ابھی نماز شروع بھی نہیں کی ہے اور ابھی تک وہ دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے وہ اب پہلے گروہ کی جگہ پر آ جائیں۔ فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ۔ یعنی نماز کی جو رکعت ابھی امام کے لئے باقی ہے، اس میں آ کر اس کے شریک ہو جائیں۔ و۲۸۹ کیا ٹھکانا ہے ہماری شریعت کی پیدا کی ہوئی اس چستی، مستعدی، ہر چستی اور ہمہ وقتی بیداری کا، دشمن سامنے ہے، قتل و خون کا بازار گرم ہے۔ جان کا سودا ہو رہا ہے۔ عین اس وقت نماز بھی ہوئے جائے اور ہتھیار بھی برابر ساتھ رہیں۔ سستی کاہلی، غفلت، آرام طلبی کہیں شریعت اسلامی کے ساتھ جمع ہو سکتی ہیں؟ و۲۹۰ نماز خوف کی جو صورتیں یہاں ارشاد ہوئی ہیں، وہ سب اس وقت کے لئے ہیں جب سب سپاہی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں اور حضور ﷺ کی موجودگی میں سب کا آپ ہی کے پیچھے پڑھنے پر حریص ہونا بالکل قدرتی تھا۔ لیکن جب امام ہی دو یا زائد ہوں تو پھر ان انتظامات کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ فقہا نے لکھا ہے کہ خوف کی بھی دو حالتیں ہیں اور دونوں کے حکم الگ الگ ہیں:۔ (۱) ایک یہ کہ

اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ
تمہیں اطمینان حاصل ہو جائے تو نماز کی اقامت کرو ؀۲۹۲ بیشک نماز
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي
تو ایمان والوں پر پابندیٔ وقت کے ساتھ فرض ہے ؀۲۹۳ اور (مخالف) قوم کے
ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ
تعاقب میں ہمت نہ ہارو ؀۲۹۴ اگر تمہیں دکھ پہنچا تو وہ بھی تو
يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ
دکھ اٹھائے ہوئے ہیں، جیسے تم دکھ اٹھائے ہوئے ہو، اور تم اللہ سے وہ امید لگائے ہوئے ہو
مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ اِنَّآ
جو وہ نہیں رکھتے ؀۲۹۵ اور اللہ تو ہے ہی بڑا علم والا، بڑا حکمت والا ؀۲۹۶ یقیناً ہم نے

ع ۱۵/۱۲

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ
آپ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے تا کہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ
النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ
اس کے مطابق کریں جو اللہ نے آپ کو بجھا دیا ہے ؀۲۹۷ اور (ان) خائنوں کے طرفدار
خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ لا وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا
نہ ہو جائیے ؀۲۹۸ اور آپ اللہ سے مغفرت چاہیے، بیشک اللہ بڑا ہی مغفرت والا ہے
رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾ ۚ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ
بڑا ہی رحیم ہے ؀۲۹۹ اور ان لوگوں کی طرف سے وکالت نہ کیجیے جو اپنے حق میں خیانت
اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا
کرتے رہے ہیں ؀۳۰۰ اللہ کسی ایسے شخص کو نہیں چاہتا جو بڑا خائن

عین معرکہ قتال گرم ہو اور جماعت کا اہتمام ہی سرے سے نہ بن پڑے ایسی حالت میں نماز جماعت اُڑادی جائے گی اور اس کا ذکر سورۂ بقرۂ آیت ۲۳۹ میں موجود ہے۔ شدت خوف کی حالت میں نماز الگ الگ پڑھی جائے گی۔ سوار یا پیادہ ہر حال میں جائز ہے۔ رکوع وسجدہ کے لئے اشارہ کافی ہے۔ استقبال قبلہ ہی ضروری نہ رہے گا۔ (۲) دوسرے یہ کہ ہو تو میدان جنگ میں، لیکن قتال ابھی شروع نہ ہوا ہو۔ اور نماز جماعت کا موقع ہو، جیسا کہ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ۔ سے اشارہ ہو رہا ہے۔ اس آیت میں جن انتظامات کی ہدایت ہوئی ہے وہ اسی صورت حال سے متعلق ہے۔ ؀۲۹۱ (غرض ہر صورت حال کے مناسب) علی ای حال کنتم (قرطبی) عَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔ کے لفظی معنی ہیں، اپنے پہلوؤں پر۔ یا اچھی کروٹوں پر، اردو محاورہ میں مراد لیٹنے سے ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ۔ مطلب یہ ہوا کہ تخفیف نماز میں تو یہ ہوگئی۔ باقی ذکر الٰہی میں کوئی تخفیف نہیں۔ اور اسی لئے ہے۔ یہاں تک کہ عین قتال کے وقت بھی ذکر الٰہی دل سے تو جاری ہی رہ سکتا ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ احکام شریعت کا اتباع بجائے خود ذکر الٰہی ہے۔ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ۔ الصلٰوۃ سے یہاں مراد وہی نماز خوف ہے جس کی ایک ہیئت مخصوص ہے عام نماز کی ہیئت سے ہٹی ہوئی۔ اس نماز کے لئے لفظ قَضَيْتُمْ ارشاد فرمانا اس کی دلیل ہے کہ یہ بہ ظاہر نامکمل، ناتمام نماز بھی عند اللہ ادا ہو جاتی ہے۔ ؀۲۹۲ (اصلی قاعدہ کے مطابق اور پورے شرائط کے ساتھ) اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ صلٰوۃ اصلی کے لئے یہاں لفظ اقامت استعمال کرنا اس کی دلیل ہے کہ اقامت صلٰوۃ سے مراد نماز کا اس کے جملہ شرائط ہی کے ساتھ ادا کرنا ہوتا ہے۔ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ۔ یعنی سفر اور خوف کی حالتیں ختم ہو جائیں۔ ؀۲۹۳ یہاں نماز کی صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ علاوہ فرض ہونے (کتابا) کے، پابندی وقت کے لحاظ سے فرض ہے۔ مَوْقُوْتًا۔ اس لئے سوا حالت معذوری کے، اسے وقت سے ہٹا دینا جائز نہ ہوگا۔ موقوتا ای محدود الاوقات لایجوز اخراجها من اوقاتها فی شیء من الاحوال (روح) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ فرض ہونے کی وجہ سے اس کا ادا کرنا ضرور ہے اور موقت ہونے کی وجہ سے وقت پر ہی ادا کرنا ضرور۔ اس لئے مخصوص حالات میں اس کی ہیئت کچھ کچھ تبدیل کر دی گئی تھی۔ جب وہ عارض دور ہو گیا تو اس کی اصل ہیئت واجب الحفظ ہوگئی۔ ؀۲۹۴ (جب تعاقب کی ضرورت آ پڑے) روایتوں میں آتا ہے کہ آیت غزوۂ حمراء الاسد کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس کا ذکر غزوۂ احد کے سلسلہ میں سورۂ آل عمران رکوع ۱۸ میں آ چکا ہے۔ آیت اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کے ماتحت۔ ؀۲۹۵ یعنی اجر آخرت کی۔ جس کے مقابل کوئی چیز منکروں کے پاس نہیں۔ تو قوت قلب کے لحاظ سے تم ان سے کہیں بڑھے چڑھے رہے۔ دنیوی فتح مندیوں اور کامیابیوں کی پیش گوئیاں بھی اس کے تحت میں آ سکتی ہیں۔ ؀۲۹۶ چنانچہ علیم کل ہونے کی بنا پر اس نے تمہاری قوتِ تحمل سے زیادہ تمہیں کوئی حکم نہیں دیا۔ ؀۲۹۷ (اسی قرآن کے ذریعہ سے) اَرٰىكَ اللّٰهُ۔ یہاں بتا دیا، سمجھا دیا، سکھا دیا کے مفہوم میں ہے۔ بما اراک الله ای بما علمک الله فی القراٰن (راغب) بما علمک الله فی القراٰن (ابن عباس رضی اللہ عنہما) بِالْحَقِّ۔ یعنی قانونِ عدل کے مطابق۔ آیت اس باب میں صریح ہے کہ فیصلہ جو کچھ بھی کئے جائیں قرآن ہی کے مطابق وماتحت کئے جائیں نہ کہ اپنے ہوائے نفس کے موافق یا کسی انسانی دماغ کے گڑھے ہوئے آئین ودستور کے ماتحت آیت کا پس منظر یہ ہے کہ انصار کے قبیلہ بنو ابیرق کے ایک گھرانے میں تین بھائی بشیر، بشر اور مبشر مسلمان تھے اور ان کا ایک بھائی بشیر منافق تھا۔ ایک مرتبہ چور حضرت رفاعہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں نقب لگا کر ان کے ہتھیار اور میدے کی ایک بوری لے گئے۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ بشیر منافق اور اس کے بدمعاش ساتھیوں نے چوری کی ہے۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے برادر زادہ جناب قتادہ بن نعمان سے کہا کہ تم آستانِ نبوت میں جا کر واقعہ بیان کرو تو عجب نہیں کہ ہمارا مال مل جائے۔ انہوں نے جا کر سارا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا۔ جب بشیر کے اقرباء نے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس استغاثہ ہوا تو وہ آ کر کہنے لگے یا رسول اللہ! قتادہ بن نعمان اور ان کے چچا رفاعہ ہمارے آدمی پر جو مسلمان ہو چکا ہے ناحق چوری کی تہمت لگاتے ہیں۔" اس کے بعد قتادہ حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا تم ایسے شخص پر بغیر کسی ثبوت کے چوری کی تہمت لگاتے ہو جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکا ہے؟ یہ سن کر قتادہ رضی اللہ عنہ کے دل میں آرزو ہوئی کہ کاش میں نے آپ سے چوری کی شکایت نہ کی ہوتی۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ خالق کردگار نے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی۔ (ترمذی ابواب تفسیر القرآن) ؀۲۹۸ خائنوں سے بنو ابیرق مراد ہیں۔ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو بنو ابیرق نے بشیر اور اس کے ساتھیوں کو مجبور کر کے چوری کا مال برآمد کر لیا اور تمام اسلحہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بھجوا دیے۔ بشیر نفاق کا لباس فریب اتار کر علانیہ مشرکوں سے جا ملا۔ (ترمذی) ؀۲۹۹ یہ استغفار کا حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کس کے لئے مل رہا ہے؟ اپنے حق میں یا امت کے حق میں۔ بہ ظاہر یہ حکم استغفار ان لوگوں کے حق میں معلوم ہوتا ہے، جو برادری کے خیال سے اس مجرم منافق کے حق میں ساعی اور سفارشی تھے اور قرآن مجید میں اس اسلوب بیان کی مثالیں اور جگہوں پر بھی ملتی ہیں۔ مثلاً يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ یا وَ اِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ وغیرھا۔ چنانچہ اہل تفسیر کا ایک گروہ اسی طرف گیا ہے۔ قیل الخطاب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم المراد بنو اُبیرق (قرطبی) والمعنٰی استغفر الله للمذنبین من امتک والمتخاصمین بالباطل (قرطبی) یحتمل ان یکون المراد واستغفروا الله لاولٰٓئک الذین یذبون عن طعمة ویریدون ان یظهروا براءته عن السرقة (کبیر) لیکن اگر یہ معنی لئے جائیں کہ اے پیمبر آپ اپنے حق میں مغفرت طلب کیجیے تو اس سے اشارہ آپ کے صرف اس میلانِ طبع کی جانب ہے کہ آپ

اَثِیْمًا ﴿۱۰۷﴾ یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا یَسْتَخْفُوْنَ
اور گنہگار ہو ف۳۰۱ یہ لوگ آدمیوں سے شرماتے ہیں اور اللہ سے

مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰى
نہیں شرماتے درانحالیکہ وہ ان کے ساتھ اس وقت بھی رہتا ہے جب وہ رات میں اس بات کا

مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا ﴿۱۰۸﴾
مشورہ کرتے ہیں جو اسے پسند نہیں، اور وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے ف۳۰۲

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫
تم لوگوں نے دنیوی زندگی میں تو ان کی طرف سے وکالت کر لی

فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَمْ مَّنْ
لیکن قیامت کے دن ان کی طرف سے اللہ کے سامنے کون وکالت کرے گا یا کون

یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ
ان کا کام بنانے والا ہو گا ف۳۰۳ اور جو کوئی بھی برائی کرے یا

یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ
اپنی جان پر زیادتی کرے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ کو

غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَ مَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا
بڑا مغفرت والا بڑی رحمت والا پائے گا ف۳۰۴ اور جو کوئی کسی گناہ کا ارتکاب

یَكْسِبُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۱۱﴾
کرتا ہے تو اس کا ارتکاب اپنی ہی جان کے خلاف کرتا ہے، اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ف۳۰۵

وَ مَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ
اور جو کوئی کسی قصور یا گناہ کا ارتکاب کرے پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر

نے بنوابیرق کی شکایت پر حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے اظہار ناراضی فرمایا۔ یہ میلان طبع ظاہر ہے کہ معصیت کبیرہ کیا معنٰی صغیرہ کا بھی درجہ نہیں رکھتا لیکن پیمبر تقوٰی اور طہارتِ قلب کے جس بلند ترین
مقام پر ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس قدر ارادہ اور میلان طبع بھی قابل استغفار
قرار پایا۔ ف۳۰۰ (یہ ہدایت آیندہ کے لئے ہے۔ جیسا کہ اب تک بھی آپ
نے پیش کیا ہے) ف۳۰۱ خوان اور اثیم کے لانے سے یہ مقصود نہیں کہ جو کم
درجہ کے خائن اور گنہ گار ہیں وہ اللہ کی نظر میں غیر محبوب نہیں۔ بلکہ مقصود صرف یہ
ظاہر کرنا ہے کہ منافق کی برادری کے جن لوگوں نے اسے مجرم جان کر بھی خواہ مخواہ
حق پوشی اور باطل کوشی کی، وہ خائن اور گناہگار بڑے درجہ کے تھے۔ اَلَّذِیْنَ
یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ۔ خیانت کا ضرر و وبال بالآخر خود خائن ہی کو بھگتنا پڑتا ہے اس
لئے خیانت کو خیانت نفس سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جعلت خیانة الغیر خیانة
لانفسهم لان وبالها وضررها عائد علیهم (روح) ف۳۰۲ (اس کے
احاطہ علم سے کون سی کارروائی مخفی سے مخفی بھی باہر رہ سکتی ہے؟) اس حقیقت کا
استحضار ہر جرم، ہر معصیت سے باز رکھنے کو کافی ہے۔ یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ۔
یعنی خلق کے سامنے ذلت و رسوائی سے شرماتے ہیں۔ لَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ۔
یعنی اللہ کے حضور میں بہ طور مجرم پیش ہونے سے نہیں شرماتے ہیں۔ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ
...... الْقَوْلِ۔ اشارہ ہے اس طرف کہ اس خاص معاملہ میں رات کو باہم
رازدارانہ مشورہ ہوا تھا کہ صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گفتگو اسی طریقہ پر
کی جائے گی۔ وَهُوَ مَعَهُمْ۔ معتزلہ، قدریہ، جہمیہ، وغیرہ نے اس قسم کی آیتوں
سے حق تعالٰی کی معیت مکانی پر استدلال کیا ہے۔ قال الجهمیة والقدریة
والمعتزلة هو بكل مكان تمسكا بهٰذه الآیة وما كان مثلها (قرطبی)
لیکن اہل سنت اسے شان تنزیہی کے منافی سمجھتے ہیں اور انہوں نے مراد صرف
معیت علمی لی ہے۔ ای بالعلم والرؤیة والسمع هٰذا قول اهل السنة
(قرطبی) یرید بالعلم والقدرة والرؤیة (کبیر) ف۳۰۳ اس حقیقت کبریٰ
کو یاد دلایا ہے کہ اصل پیشی اور جوابدہی تو عدالت آخرت ہی کی ہے۔ یہاں کسی
طرح اگر بات بنا بھی لی گئی تو کیا ہوتا ہے مومن کے لئے اصل خوف کی چیز تو وہی
آخرت کی عدالت ہے جہاں کسی قسم کی بھی تلبیس کی گنجائش نہیں هٰۤاَنْتُمْ۔ خطاب
ہے مجرم کی برادری اور محلہ والوں کی طرف جنہوں نے سازش کر کے مجرم کی پشت
پناہی کی تھی۔ ف۳۰۴ اوپر کی وعیدی و انذاری آیتوں کے بعد گنہگاروں اور کمزور
ایمان والوں کے لئے یہ کیسی حکیمانہ اور مناسب حال دلدہی ہے۔ مَنْ یَّعْمَلْ
سُوْٓءًا۔ متعدی برائی مراد ہے یعنی کسی دوسرے کے ساتھ برائی کی جائے۔ مثلاً
ظلم، دغا، سود خواری، رشوت ستانی وغیرہا۔ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ۔ وہ برائی جو خود اپنے ہی
حق میں کی جائے۔ مثلاً ترکِ نماز، شراب خواری وغیرہا۔ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ۔ یہ
استغفار قواعد شرعی کے مطابق ہونا چاہیے۔ ف۳۰۵ علیم کل ہونے کی حیثیت
سے وہ سب کے چھوٹے بڑے گناہوں سے باخبر ہے۔ حکیم ہونے کے اعتبار سے وہ جزا و سزا سب کے مناسب حال ہی تجویز کرتا ہے۔ اِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ۔ یعنی گناہ کا ضرر و وبال خود اسی کو بھگتنا ہو
گا۔ اس لئے توبہ و استغفار، تدارک و تلافی لازمی ہے۔

بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَ لَوْ

لگا دے تو درحقیقت اس نے ایک بڑا بہتان اور کھلا ہوا گناہ اپنے سر لے لیا ف۳۰۶ اور اگر

لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ

آپ پر اللہ کا فضل (خاص) اور رحمت نہ ہوتی، تو ان میں سے ایک گروہ نے تو تہیہ ہی کر

مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ

لیا تھا کہ آپ کو بھٹکا کر رہیں گے حالانکہ یہ بس اپنے ہی آپ کو بھٹکا کر رہتے ہیں

وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ

اور آپ کو کسی چیز میں بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے ف۳۰۷ اور اللہ نے آپ پر

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ

کتاب اور حکمت اتاری ہے اور آپ کو وہ سکھا دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے ف۳۰۸

وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ

اور آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے ف۳۰۹ سرگوشیاں بہت سی ایسی ہیں

كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ

جن میں کوئی بھلائی نہیں ہاں البتہ بھلائی یہ ہے کہ کوئی صدقہ کی ترغیب دے

مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ

یا کسی اور نیک کام کی یا لوگوں کے درمیان اصلاح کی ف۳۱۰ اور جو کوئی

ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا

اللہ کی رضا حاصل کرنے کو ایسا کرے گا ف۳۱۱ سو ہم اس کو عنقریب اجر عظیم

عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا

دیں گے اور جو کوئی بعد اس کے کہ اس پر (راہ) ہدایت کھل چکی

ف۳۰۶ (اور اپنے جرم کو کئی گنا بڑھا دیا) توبہ نہ کرنا اپنی جگہ پر نادم و منفعل نہ ہونا، تلافی و کفارہ اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ نہ کرنا یہ جرائم بجائے خود! کیا کم ہیں۔ چہ جائیکہ اپنا گناہ الٹا کسی بے گناہ کے سر تھوپ دیا جائے۔ قرآنی اخلاقیات میں یہ جرم ضمیر و اخلاق کی انتہائی پستی کا نمونہ ہے اور اس لئے لازمی طور پر اس پر گرفت بھی سخت رکھی گئی ہے۔ خَطِيْٓئَةً۔ وہ چھوٹا گناہ ہے جس میں قصد و تعمد لازمی نہیں یا وہ گناہ ہے جو صرف خدا اور بندہ کے درمیان ہو۔ الخطیئة قد تکون من قبل العمد وغیر العمد (ابن جریر) ای صغیرة اوما لاعمد فیه من الذنوب (روح) ذنب بینه وبین ربه (مدارک) اثم۔ وہ بڑا گناہ ہے جس میں قصد و تعمد لازمی طور پر ہو۔ یا جو بندوں کا گناہ ہو۔ الاثم لایکون الامن العمد (ابن جریر) او کبیرة اوما لایکون من العمد (روح) ذنب فی مظالم العباد (مدارک) ف۳۰۷ یعنی اپنی اس ناپاک کوشش میں کامیاب ہونا تو ان کے لئے ممکن نہیں۔ البتہ اس سعی سے اپنے ہی کو یہ مستحق عقوبت بنا رہے ہیں۔ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ۔ اللہ کا فضل و کرم تو آپ پر عموماً اور ہر حال میں تھا لیکن اس خاص قضیہ میں خصوصیت کے ساتھ اس کا ظہور رہا۔ اَنْ يُّضِلُّوْكَ یعنی آپ کو غلطی اور دھوکے میں مبتلا کر کے آپ سے غلط فیصلہ حاصل کر لیں۔ ان یخطئوک عن الحکم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای بان یضلوک عن القضاء بالحق (روح) ف۳۰۸ (احکام دین و قضایا کے باب میں) یعنی شیطان اور اس کے چیلوں (منافقین) کو یہ قوت نہیں دی گئی ہے کہ وہ آپ کو دین کے کسی شعبہ میں کچھ بھی مغالطہ میں ڈال سکیں۔ ف۳۰۹ یہ کتاب کا نزول، حکمت کا نزول، علوم خاصہ کی تعلیم یہ سب اسی فضل عظیم کے شواہد ہیں اور اللہ کا فضل جس پر عظیم ہو اس پر کس کا قابو چل سکتا ہے؟ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ۔ اور اس کتاب ہی کے ذریعہ سے منافقین کی معاندانہ روش کا پردہ بھی چاک کیا گیا۔ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ یعنی جو علوم عالیہ آپ پر قبل نبوت و نزول قرآن منکشف نہ تھے۔ اب سب منکشف ہو گئے۔ ف۳۱۰ (اور ان اغراض کے لئے خفیہ گفتگو اور سرگوشی کی ضرورت پڑ جائے تو اس میں البتہ کوئی حرج نہیں، بلکہ ایسے موقع پر خیر و برکت ہو گی) نَجْوٰىهُمْ۔ میں ضمیر هم مطلق انسان کی جانب ہے۔ ای نجوی الناس جمیعا (ابن جریر) یعنی کلام الناس (ابن کثیر) المراد لاخیر فی ما یتناجی فیه۔ ف۳۱۱ (نہ کہ اپنے ذاتی دنیوی اغراض کے لئے) اخلاصِ نیت اور حصول رضاء الٰہی کی شرط ہر اہم موقع کے لئے یہاں بھی لگی ہوئی ہے۔

و۳۱۲ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى ۔ اسے صاف کردیا کہ آیت میں بیان مرتدوں کے خصائل رذیلہ کا ہو رہا ہے۔ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى ۔ یعنی ہم اسے اسی طریق پر چھوڑے رکھتے ہیں اپنے قانونِ مشیت تکوینی کے موافق۔ مقصود یہ ہے کہ جبر واکراہ سے کسی کو راہِ حق کے قبول کرنے اور ماننے پر مجبور نہیں کیا جاتا، بلکہ وضوحِ حق کے بعد جو بدبخت اپنی کجروی پر قائم رہنا چاہتا ہے۔ اسی پر اسے قائم رہنے دیا جاتا ہے۔ وَمَنْ يَّتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ اس اتباع کا تعلق امورِ دین سے ہے۔ يَتَّبِعْ ...... جَهَنَّمَ آیت کے اس جزء سے فقہاء کو ایک بہت بڑی اصل ہاتھ آ گئی ہے۔ اور اس کو انہوں نے اجماعِ امت کے حجتِ شرعی ہونے کا مبنیٰ قرار دیا ہے۔ اور تقریرِ استدلال یہ ہے کہ طریق مومنین سے الگ ہونا جب حرام اور مستحقِ جہنم ٹھیرا تو لازمی ہے کہ اس کا عکس یعنی اتباعِ طریق مومنین واجب ہو۔ اور اس کی مخالفت بھی کتاب وسنت کی مخالفت کے بعد ناجائز ٹھہرے۔ اور یہاں قرآن مجید نے عدمِ اتباعِ طریق مومنین کو مخالفت رسول ﷺ کے ساتھ جمع کرکے فرمایا ہے۔ هو دليل على ان الاجماع حجة لا تجوز مخالفتها كما لاتجوز مخالفة الكتاب والسنة لان الله تعالى جمع بين اتباع غير سبيل المؤمنين و بين مشاقة الرسول فى الشرط وجعل جزاءه الوعيد الشديد فكان اتباعهم واجبا كموالاة الرسول (مدارک) وقرن اتباع غير سبيل المؤمنين الى مباينة الرسول فى ما ذكر له من الوعيد فدل على صحة اجماع الامة لالحاقه الوعيد بمن اتبع غير سبيلهم (جصاص) وتقرير الاستدلال ان اتباع غير سبيل المؤمنين حرام فوجب ان يكون اتباع سبيل المؤمنين واجبا (کبیر) وهو من احسن الاستنباطات واقواها (ابن کثیر)

تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ

رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنین کے راستہ کے علاوہ (کسی راستہ کی) پیروی کرے گا

نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ

ہم اسے کرنے دیں گے جو کچھ وہ کرتا ہے اور پھر ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے و۳۱۲ اور وہ برا

مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ

ٹھکانا ہے یقیناً اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے

وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ

اور اس کے سوا (اور گناہوں کو) بخش دے گا جس کے لئے منظور ہو گا اور جو کوئی

يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ

اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ یقیناً بڑی دور کی گمراہی میں پڑ گیا و۳۱۳ یہ لوگ

يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ يَّدْعُوْنَ

اللہ کو چھوڑ کر پکارتے بھی ہیں تو بس زنانی چیزوں کو و۳۱۴ اور یہ لوگ پکارتے بھی ہیں

اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ

تو بس شیطان سرکش کو و۳۱۵ اس پر لعنت کی ہے اللہ نے و۳۱۶ اور وہ کہہ چکا ہے کہ میں تیرے بندوں میں

مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ

اپنا مقرر حصہ لے کر رہوں گا و۳۱۷ اور میں انہیں گمراہ کرکے رہوں گا

وَ لَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ

اور ان میں ہوس پیدا کر کے رہوں گا اور انہیں حکم دوں گا و۳۱۸ چنانچہ وہ چوپایوں کے کانوں کو تراشیں گے و۳۱۹

وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّخِذِ

اور انہیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی کریں گے و۳۲۰ اور جو کوئی

ع ۱۷ / ۱۴ — وقف لازم

و۳۱۳ (ایسا کہ اب حق کی طرف اس کی مراجعت ممکن نہیں) اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ۔ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ ۔ شرک ضد ہے توحید کی۔ اور جس طرح توحید اصل اصول ہے تمام ممکن بھلائیوں اور نیکیوں کی، اسی طرح شرک اصلی بنیاد ہے ساری خرابیوں اور برائیوں کی اس لئے اور کسی معصیت پر شرک کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ راہرو کا رخ اگر منزل مقصود کی طرف ہو تو گرتا پڑتا، وقت ضائع کرتا کبھی نہ کبھی منزل تک پہنچ ہی جائے گا۔ لیکن اگر رخ ہی غلط ہے تو ظاہر ہے کہ ہر قدم اسے منزل سے دور تر ہی کرتا رہے گا اور قیامت تک بھی اگر چلتا رہے تو منزل تک نہ پہنچ سکے گا۔ مشرک قبول رحمت کی ساری صلاحیتوں واستعدادوں ہی کو سوخت کر دیتا ہے اس لئے وہ آخرت کی کسی نعمت، کسی لذت، کسی راحت کے قابل ہی نہیں رہ جاتا۔ ملاحظہ ہوں اسی سورت کی آیت ۴۹ کے حاشیہ ۱۶۰ آیت میں خوارج کے اس عقیدہ کا بھی رد آ گیا کہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے۔ فيه رد على الخوارج حيث زعموا ان مرتكب الكبيرة كافر (قرطبی) و۳۱۴ مشرک قوموں کی دیومالا (میتھالوجی) میں ہمیشہ دیویوں دیوتاؤں کی ایک بڑی اور اہم تعداد رہی ہے۔ ہندوؤں میں درگا دیوی، کالی مائی، لکشمی جی، سرسوتی دیوی کے نام ایک ایک کی زبان پر ہیں۔ عرب جاہلی میں یہ دیوی پرستی اور زیادہ زور کے ساتھ جاری تھی۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی جاہلی معبودوں کے سلسلہ میں صراحت جن ناموں کی آئی ہے وہ دیویوں ہی کے ہیں۔ یعنی لات، منات اور عزیٰ، ملاحظہ حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اِنٰثًا ۔ لغت میں اس کے ایک معنی دیوی، کمزور اور ضعیف العمل چیزوں کے بھی آتے ہیں۔ قيل لما يضعف عمله انثى (راغب) پھر چونکہ جمادات تمام تر انفعالیت کے مظہر ہوتے ہیں اور پتھر کے بت یا مورتیاں انہی کی بنی ہوئی ہوتی ہیں جن میں نہ جان ہوتی ہے اور نہ کوئی قوت فاعلی۔ اس لئے لغت نے لفظ اناث کا مجازی استعمال ان کے لئے بھی جائز رکھا ہے۔ لما كانت معبوداتهم من جملة الجمادات التى هى منفعلة غير فاعلة سمّاها الله تعالى انثى (راغب) من كل شيء اخسّه (ابن جریر) چنانچہ اکابر تفسیر میں سے بھی بہت سے اسی طرف گئے ہیں۔ اى اصناما بلاروح (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ميتا لاروح فيه (ابن جریر عن قتادہ) و۳۱۵ یہ مشرکوں کی حماقت کو واضح کیا ہے کہ ان بتوں اور دیویوں کو پکارنا عین شیطان کو پکارنا ہے۔ و۳۱۶ (اور لعنت کی باعث اسکی یہی سرکشی اور بے حکمی ہوئی ہے) و۳۱۷ یہ بنی آدم کو وضاحت سے بتا دیا ہے کہ شیطان تو ان کا پرانا دشمن اور بدخواہ ہے۔ لَاَتَّخِذَنَّ ...... نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا یعنی اپنی راہ پر لگا کر رہوں گا۔ و۳۱۸ یعنی ان کے عقائد اور بنیادی خیالات کو بھی ڈگمگا دوں گا۔ اور ان کے نفسانی جذبات اور خواہشات کو بھی ابھار دوں گا۔ گمراہیاں دو ہی طریقوں سے آسکتی ہیں اور انسان شیطانی اثر دو ہی شکلوں سے قبول کرسکتا ہے۔ ایک عقل وفکر کی راہ ہے۔ دوسرے جذبات اور احساسات کا راستہ ہے۔ قرآن مجید کے دو جامع لفظوں نے ان سب کا احاطہ کرلیا۔ ضلال کے تحت میں ہر قسم کی عقلی، فکری، نظری گمراہیاں آگئیں اور تمنّی کے تحت میں معاصی وفواحش کی جانب میلان اور نظر سے ان کی مضرتوں کا غائب ہو جانا آ گیا۔ و۳۱۹ (بتوں کے نام پر) عرب جاہلیت کے ایک خاص دستور کی طرف اشارہ ہے۔ کان کے پیچھے جو غدود ہوتے ہیں، وہ غدود بندروں کے کاٹ کاٹ کر انسان کے جسم میں ان کی تقلیم کی جو اس زمانہ میں چلنی شروع ہوئی ہے۔ اور عجب نہیں کہ کل بندروں سے گزر کر دوسرے جانوروں اور چوپایوں تک پہنچ جائے۔ ادھر اگر فاطر کائنات کے کلام میں اشارہ ہے تو کچھ عجب نہیں۔ و۳۲۰ تغییر خلق الله کی دو بڑی قسمیں ہوسکتی ہیں، ایک خلق تکوینی میں تغییر، دوسرے خلق تشریعی میں تغییر۔ قدیم مفسرین نے تغییر خلق تکوینی کی مثال میں داڑھی منڈانے اور جسم گدانے کو پیش کیا ہے۔ لیکن جاہلیت جدید کی ترقیوں نے ان سے کہیں بڑھ بڑھ کر مثالیں نہ صرف ایجاد کرلی ہیں بلکہ انہیں فیشن میں داخل کردیا ہے۔ مثلاً مردوں کا چہرہ کے بال بالکل صاف کرکے اور طرح طرح کی

الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا
اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنائے گا وہ یقیناً کھلے ہوئے نقصان میں

مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ
رہے گا و۳۲۱ (شیطان) ان سے وعدے ہی کرتا اور ہوسیں ہی دلاتا رہتا ہے اور شیطان

الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ
ان سے وعدہ صرف فریب کی راہ سے کرتا ہے، و۳۲۲ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے

وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اور یہ لوگ اس سے بچنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے، اور جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
اور انہوں نے عمل نیک کئے ہم انہیں عنقریب (بہشت کے) باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ
نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی ان میں ہمیشہ ہمیش کو رہیں گے اللہ کا

اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ
وعدہ سچا ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون بات کا سچا ہے؟ و۳۲۳ نہ تمہاری

بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ
تمناؤں پر ہے نہ اہل کتاب کی تمناؤں پر (بلکہ) جو کوئی بھی برائی کرے گا

سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا
اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا و۳۲۴ اور وہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے لئے نہ کوئی دوست پائے گا

وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ
نہ مددگار اور جو کوئی نیکیوں پر عمل کرے گا (خواہ)

نزاکتیں اختیار کر کے زیادہ حد تک عورت بن جانا۔ عورتوں کا سر کے بال کٹا کر اور مردانہ وضع ولباس اختیار کر کے زیادہ سے زیادہ حد تک مرد بن جانا، ایسے اپریشن کرانا جن سے جنس تبدیل ہو جائے یعنی عورت مرد بن جائے اور مرد عورت ہو جائے۔ وقس علٰی ہٰذا۔ خلق تشریعی میں تغییر کے معنٰی دین اور احکام دین تحریف کر دینا ہے۔ قیل معناه یغیرون حکمه (راغب) ابن جریر نے خلق اللہ کے معنٰی دین اللہ کے ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور مجاہد تابعی اور عکرمہ تابعی سے نقل کئے ہیں اور دوسروں نے بھی یہی معنٰی لئے ہیں۔ ای دینه بالکفر و احلال ماحرم وتحریم ما اُحل (جلالین) قال معناه ابن عباس وعن عکرمة وابوصالح وذٰلک کله تعذب للحیوان و تحریم وتحلیل بالطغیان وقوله بغیر حجة ولابرهان (قرطبی) یہ بھی کہا گیا ہے کہ آفتاب پرستی، شجر پرستی، حیوان پرستی وغیرہ سب اس تغییر خلق اللہ کی صورتیں ہیں کہ مشرک ان سے وہ کام لے رہا ہے، جس کے لئے ان کی خلقت ہوئی ہی نہ تھی۔ (قرطبی)

و۳۲۱ شیطان کا دوست بنانا یہی ہے کہ احکام شریعت کو چھوڑ کر خود ساختہ طور طریقوں کو اختیار کیا جائے اور مخلوق کے چلائے ہوئے رسم ورواج کو دلیل راہ بنا لیا جائے۔ و۳۲۲ چنانچہ ان وعدوں کی بے حقیقتی اکثر تو اسی دنیا میں روشن ہو کر رہتی ہے ورنہ موت کے وقت تو بہرصورت کھلتی ہی ہے۔ یَعِدُھُمْ۔ شیطانی وعدے مثلاً یہ کہ حشر نشر، حساب کتاب کوئی چیز نہیں، جو کچھ ہے یہی مادی دنیا ہے۔ عقل جزوی ہی سب سے بڑا معیار اور آخری معیار ہے۔ وحی الٰہی محض وہم ہے۔ مادہ کی قوتیں، اور قوانین ہی سب کچھ ہیں۔ ان کے اوپر کوئی مشیت اعلٰی حاکم نہیں۔ وقس علٰی ہٰذا یُمَنِّیْھِمْ۔ شیطانی جذبات مثلاً یہ کہ فحش کاری میں کوئی عیب وہرج نہیں۔ شراب صحت کے لئے ضروری ہے۔ قانونِ حجاب ترقی کی راہ میں حائل ہے۔ و۳۲۳ دائمی راحت کی زندگی صرف قرآن اور شریعت کے اتباع سے ممکن ہے۔ و۳۲۴ (اس برائی کے متناسب اور اس شخص کے مناسب حال) یہ اس حقیقت کا بیان ہے کہ مدار کار طاعت ہے محض آرزوئیں اور خوش خیالیاں لاشی محض ہیں خواہ وہ کسی کی بھی ہوں۔ سُوْۗءًا۔ کے معنٰی یہاں شرک کے بھی کئے گئے ہیں لیکن جمہور مفسرین نے اسے عام ہی رکھا ہے۔ قال الجمهور لفظ الاٰیة عام و الکافر والمومن مجاز بعمله السوء (قرطبی)

ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان ہو تو ایسے (سب) لوگ جنت میں داخل

الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَ مَنْ اَحْسَنُ

ہوں گے، اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہو گا ف۳۲۵ اور دین میں اس سے

دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ

بہتر کون ہے جو اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو ف۳۲۶

وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ

اور ابراہیم راست رو کے مذہب کی پیروی کرے ف۳۲۷ اور اللہ نے تو ابراہیم کو اپنا دوست

خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ

بنا لیا ف۳۲۸ اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ

اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے ف۳۲۹ لوگ آپ سے عورتوں کے باب میں فتویٰ

فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَ مَا يُتْلٰى

طلب کرتے ہیں، ف۳۳۰ آپ کہہ دیجئے اور تمہیں ان کے بارہ میں (وہی) فتویٰ دیتا ہے ف۳۳۱ وہ (آیات بھی) جو

عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا

تمہیں کتاب کے اندر ان یتیم عورتوں کے باب میں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جنہیں

تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ

وہ نہیں دیتے ہو جو ان کے لئے مقرر ہو چکا ہے، ف۳۳۲ اور اس سے بیزار ہو کہ

تَنْكِحُوْهُنَّ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَ اَنْ

ان سے نکاح کرو ف۳۳۳ اور جو (آیات) کمزور بچوں کے (باب میں ہیں) اور (جو آیات اس باب میں

ع ۱۸/۱۱ ۱۵

ف۳۲۵ (کہ ان کی کوئی نیکی لکھنے سے جزءًا یا کُلًّا رہ جائے) وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ ایمان کی قید بہت ضروری ہے۔ ہر عمل کے واقعۃً صالح ہونے کے لئے لازم ہے کہ محرک عمل بھی صحیح ہو۔ ریا، نمائش یا وہم پرستی مقصود نہ ہو۔ اسی اخلاص نیت کا نام اصطلاحِ شریعت میں ایمان ہے۔ اور بغیر اخلاص نیت کے کوئی عمل مقبول نہیں اس کے بغیر عمل صالح صرف صورۃً ہی صالح ہو گا۔ حقیقت صالحیت سے خالی۔ یہیں سے اس بحث کا بھی خاتمہ ہوا جاتا ہے۔ جو بعض سطحی دماغ والوں نے آج کل پیدا کر رکھی ہے یعنی آیا کافروں کے اعمال صالحہ قبول ہوں گے؟ جواب یہ ہے کہ بغیر اخلاص نیت یا ایمان کے کسی عمل پر عمل صالح کا اطلاق ہی درست نہیں، تو اس کے اجر کا کیا سوال ہے يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ۔ کے بعد هُوَ مُؤْمِنٌ۔ کے اضافہ نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا کہ ایمان اور عمل صالح دو الگ الگ چیزیں ہیں، باہم مرادف نہیں۔ فیہ اشارۃ الی ان الاعمال لیست من الایمان (مدارک) مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى۔ اس میں تردید آ گئی ان تمام جاہلی مذہبوں کی جو حسن عمل کے باوجود عورت کو محض اس کے عورت ہونے کی بنا پر ثمرۂ حسن عمل سے محروم ٹھہرائے ہوئے ہیں۔ اسلام میں عورت کو اس کی جنس کی بنا پر ہرگز کسی اجر سے محروم نہیں کیا ہے۔ نَقِيْر پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے۔ ف۳۲۶ یعنی فرمانبرداری دل سے ہو، منافقانہ نہ ہو۔ موحد محسن بالقول والفعل (ابن عباس رضی اللہ عنہما) متابعا للشریعۃ فیصح ظاھرہٗ بالمتابعۃ و باطنہٗ بالاخلاص (ابن کثیر) اَسْلَمَ وَجْهَهٗ یعنی فرمانبرداری اختیار کرے عقائد میں بھی، اعمال میں بھی، ای اخلص دینہٗ وعملہ للہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۳۲۷ (کہ اسی ملت ابراہیمی کا دوسرا نام دین اسلام ہے) ف۳۲۸ توریت میں بھی ابراہیم علیہ السلام کا لقب خدا کا "دوست" آیا ہے:۔ "کیا تو ہمارا خدا نہیں، جس نے اس سرزمین کے باشندوں کو اپنی گروہ اسرائیل کے آگے سے خارج کیا اور اسے اپنے دوست ابرہام کی نسل کو ہمیشہ کے لئے دیا۔" (۲۔ تواریخ ۲۰: ۷) "اے اسرائیل میرے بندے، اے یعقوب جسے میں نے پسند کیا، جو میرے دوست ابرہام کی نسل سے ہے" (یسعیاہ ۴۱: ۸) خَلِيْلًا۔ خلۃ کہتے ہیں محبت خالص کو اور خلیل دوست خالص کو۔ الخلۃ ھی المودۃ التی لیس فیھا خلل (بحر) محبۃ تامۃ لاخلل فیھا (تاج) قال الزجاج الخلیل ھو المحب الذی لاخلل فی محبتہ (تاج) سمّی خلیلا لان اللہ احبہ واصطفا (معالم) قال ثعلب انما سمی الخلیل خلیلا لان محبتہٗ تتخلل القلب فلاتدع فیہ خللا الأملاتہ (قرطبی) خلت الٰہی سے مراد ہے تقرب و مقبولیت کا اعلیٰ مقام۔ قرآن مجید نے ایک طرف تو ملت ابراہیمی کی پیروی ضروری قرار دی اور دوسری طرف ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ اس میں صاف اشارہ یہ نکل آیا کہ اسی ملت کی پیروی سے آج بھی کوئی نہ کوئی درجہ خلت کا حاصل ہو سکتا ہے۔ ف۳۲۹ (اپنے علم و قدرت سے) لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ میں بیان کیا گیا اللہ کے کمال قدرت و وسعت سلطنت کا اور کان اللہ بکل شیء محیطا میں بیان آ گیا اس کے کمال علم کا۔ یعنی چھوٹی بڑی کوئی سی شے کائنات میں نہ اس کی ملک و سلطنت سے باہر ہے اور نہ اس کے احاطہ علم سے۔ مشرکین کو علی العموم انہی دو صفات باری (صفت علم و صفت ملک و قدرت) میں ٹھوکر لگی ہے۔ اس لئے انہی صفات کا اثبات قرآن مجید بار بار کرتا ہے۔ ف۳۳۰ یعنی ان کے مہر، میراث وغیرہ کے باب میں، ان کے حقوق و فرائض کے بارہ میں۔ ای یطلبون منک تبیین المشکل من الاحکام فی النسآءِ ومما یجب لھن وعلیھن (روح) یہ سوال کرنے والے صحابی حضرات تھے۔ نزلت بسبب سوال قوم من الصحابۃ امر النساء واحکامھن فی المیراث وغیر ذٰلک (قرطبی) آیت کے مضمون کا ربط سورت کی ابتدائی آیتوں سے ہے۔ ھٰذہ الأیۃ مرجوع الٰی ما افتتحت بہ السورۃ من امر النساء (قرطبی) ف۳۳۱ (جو پہلے مل چکا ہے) مثلاً یہ کہ عورتوں کو ترکہ سے محروم نہ رکھو۔ ایک بندھا ہوا حصہ انہیں دو جو یتیم عورتیں تمہاری پرورش میں ہیں ان کا نکاح کہیں اچھی جگہ دیکھ کر کر دو، اگر اپنے ہی سے کرتے ہو تو ان کا مہر پورا ادا کرو۔ وقس علیٰ ہذا۔ ف۳۳۲ یعنی ان کا مہر یا ترکہ میں ان کا حصہ۔ وقس علیٰ ہذا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ۔ یعنی وہ آیتیں جو اس کے قبل نازل ہو چکی ہیں۔ اشارہ جاہلیت کے ظالمانہ دستوروں کی جانب ہے کہ مثلاً یتیم عورتوں کے ساتھ معاملہ یہ رکھتے ہو کہ اگر وہ صاحب مال اور صاحب جمال ہوئیں تو ان سے عقد تو کر لیتے ہو لیکن ان کے جو حقوق مقرر ہیں، وہ انہیں ادا نہیں کرتے ہو۔ یتیموں کے حقوق اور عورتوں کے حقوق آج معمولی سی بات معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن یہ تو آج ہے ظہور اسلام کے ساڑھے تیرہ سو سال بعد۔ باقی اگر ان احکام کی اہمیت کا پورا اندازہ کرنا ہے تو تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم کر لیا جائے کہ چھٹی صدی عیسوی میں عرب کی خصوصاً اور ہندوستان، ایران، چین، یورپ کل دنیا کی عموماً کیا حالت حقوق نسواں کے باب میں تھی۔ ف۳۳۳ یعنی چونکہ وہ صاحب جمال نہیں، اس لئے اپنے عقد میں انہیں لینے سے گریز کر رہے ہو، اور ساتھ ہی چونکہ صاحب مال ہیں۔ اس لئے دوسری جگہ بھی انہیں نکاح نہیں کرنے دیتے ہو کہ اس طرح مال ہاتھ سے چلا جائے گا۔ تَرْغَبُوْنَ۔ کے ساتھ اس کا صلہ عن یہاں مذکور نہیں، لیکن اکثر ائمہ تفسیر نے مقدر مانا ہے اور اسی لئے تفسیر بیزاری سے کی ہے۔ اور خود عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی ترغبون عن نکاحھن (ابن عباس) ای ترغبون عنھن (ابن جریر۔ عن الحسن) ای و ترغبون عن ان تنکحوھن تو حذفت عن (قرطبی) وحدیث عائشہ رضی اللہ عنہا یقوی حذف عن (قرطبی) دوسری تفسیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مقدر بجائے عن کے فی یا الی کو مانا جائے اور

تَقُوۡمُوۡا لِلۡيَتٰمٰى بِالۡقِسۡطِ ؕ وَ مَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ

ہیں) کہ یتیموں کے معاملات میں انصاف پر قائم رہو وٓ۳۳۴ اور تم جو کچھ بھی

خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيۡمًا ﴿۱۲۷﴾ وَ اِنِ امۡرَاَةٌ

نیکی کرو گے، سو اللہ اس کا خوب علم رکھتا ہے وٓ۳۳۵ اور اگر کسی عورت کو

خَافَتۡ مِنۡۢ بَعۡلِهَا نُشُوۡزًا اَوۡ اِعۡرَاضًا فَلَا

اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے التفاتی کا اندیشہ ہو تو اس میں ان کے لئے کوئی

جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يُّصۡلِحَا بَيۡنَهُمَا صُلۡحًا ؕ

مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں ایک خاص طریق پر صلح کر لیں وٓ۳۳۶

وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ ؕ وَ اُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ؕ

اور صلح (بہرحال) بہتر ہے وٓ۳۳۷ اور طبیعتوں میں تو بخل ہوتا ہی ہے وٓ۳۳۸

وَ اِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَ تَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا

اور اگر تم حسن سلوک رکھو اور تقویٰ اختیار کئے رہو تو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ بیشک اس کی

تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا

پوری خبر رکھتا ہے وٓ۳۳۹ اور تم سے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تم بیویوں کے درمیان

بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ

(پورا پورا) عدل کرو خواہ تم اس کی (کیسی ہی) خواہش رکھتے ہو، وٓ۳۴۰ تو تم بالکل ایک ہی طرف نہ ڈھلک

الۡمَيۡلِ فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنۡ تُصۡلِحُوۡا

جاؤ وٓ۳۴۱ اور اسے اُدھر میں لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو، وٓ۳۴۲ اور اگر تم (اپنی) اصلاح کر لو

وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنۡ

اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ بے شک بڑا بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے وٓ۳۴۳ اور اگر

معنی یہ کئے جائیں کہ "تم رغبت تو ان سے عقد کی رکھتے ہو ان کے صاحب مال یا صاحب جمال ہونے کی بنا پر، لیکن ان کے مہر پورے نہیں دینا چاہتے ہو" اکابر کی ایک جماعت اس طرف بھی گئی ہے۔ قال سعید بن جبیر ومجاهد و يرغب فی نكاحها اذا كانت كثيرة المال (قرطبی) کشاف نے فی اور عن دونوں کے احتمالات نقل کر دیے ہیں، اور کبیر میں ابوعبیدہ لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ معنی رغبت اور بیزاری دونوں کے نکلتے ہیں۔ قال ابو عبيدة هذا يحتمل الرغبة والنفرة۔ لب لباب دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی عورتوں کے باب میں عدم ادائے حقوق۔ وٓ۳۳۴ تقدیر کلام یوں ہے:۔ يفتيكم فی يتامی النساء وفی المستضعفين وفی ان تقوموا (مدارک) یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ ساری آیات احکام جو پہلے گزر چکی ہیں، بدستور واجب العمل ہیں۔ ان احکام میں کوئی ترمیم یا تنسیخ نہیں ہوئی ہے۔ یتیموں کی حق رسی، یتیم لڑکوں کے ساتھ حسن سلوک، عورتوں کی مردوں کے ساتھ میں وجہ مساوات وغیرہ کے باب میں آیات ذیل پہلے گزر چکی ہیں۔ يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِىۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ الخ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى الخ وَاٰتُوا الۡيَتٰمٰٓى اَمۡوَالَهُمۡ الخ وَلَا تَاۡكُلُوۡهَاۤ اِسۡرَافًا وَّبِدَارًا الخ لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبُوۡا۔ وٓ۳۳۵ (اور اسی علم کامل کے مطابق جزائے خیر بھی دے گا) وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ۔ اسی عمل خیر میں یتیموں اور عورتوں کے ساتھ حسن سلوک وحسن معاشرت بھی آگیا۔ وٓ۳۳۶ (بہ شرطیکہ شرائط صلح اصلاً جائز ہوں، حرام وممنوع نہ ہوں) فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ صلح اگر کسی حرام شرط کے ساتھ مشروط ہوگی تو باطل ہو گی۔ مثلاً شوہر نے صلح کی یہ شرط لگا دی کہ وہ بیوی کے ساتھ اس کی بہن کو بھی زوجیت میں رکھے گا اور بیوی نے اسے منظور کر لیا، جب بھی چونکہ یہ ایک امر حرام ہے، اس لئے یہ مصالحت باطل رہے گی۔ صُلۡحًا۔ کی تنوین تنویع کے لئے ہے۔ یعنی ایک خاص قسم کی صلح۔ پوری صلح اگر طیب خاطر کے ساتھ ہو جائے تو پھر تو کسی شرط وغیرہ کا سوال ہی نہیں رہ جاتا۔ اَنۡ يُّصۡلِحَا بَيۡنَهُمَا صُلۡحًا۔ مثلاً اس طور پر کہ بیوی اپنے شوہر کو رضامند رکھنے کے لئے اپنے حقوق میں سے کچھ چھوڑ دے۔ اپنا مہر معاف کر دے، یا اس میں کمی کر دے، اپنی باری کا دن دوسری بیوی کو دے دے، اپنے مصارف کا بار ہلکا کر دے وقس علیٰ ہذا۔ فقہا نے لکھا ہے کہ بیوی کے حق شوہر پر دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک ثابت و مستقل مثلاً رقم مہر۔ دوسرے وہ جو وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہتے ہیں مثلاً نفقہ یا ہم بستری، صلح کے لئے عورت دستبرداری دونوں قسم کے حقوق سے کر سکتی ہے۔ البتہ یہ فرق ہے کہ قسم اول کے حقوق میں نقض صلح کا اختیار نہ رہے گا۔ یعنی جو چھوڑا، بس وہ ساقط ہو گیا۔ اور الساقط لا يعود۔ لیکن دوسرے قسم کے حقوق میں بیوی کو یہ اختیار باقی رہے گا کہ وہ جب چاہے، کسی چھوڑے ہوئے حق کا مطالبہ از سر نو کر دے۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا۔ بیوی کی طرف سے یہ دستبرداری بظاہر ایک صورت رشوت کی معلوم ہوتی ہے۔ یہاں اس وہم کو دفع فرمایا ہے اور بتا دیا ہے کہ نہیں اس میں کچھ مضائقہ نہیں، بالکل جائز و درست ہے۔ نُشُوۡزًا۔ نشوز کے معنی پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے۔ اِنِ امۡرَاَةٌ خَافَتۡ۔ بیوی کی طرف سے جو نشوز ہو اس کا علاج اوپر بتایا جا چکا ہے۔ اب یہاں یہ بتلایا جا رہا ہے کہ نشوز اگر شوہر کی طرف سے ہو تو وہ بھی لاعلاج نہیں۔ اس کی بھی تدبیریں ہیں۔ خَافَتۡ۔ خوف یہاں توقع کے معنی میں ہے خافت یعنی توقعت (قرطبی) وٓ۳۳۷ (ہر نزاع وافتراق سے، ہر فساد وعناد سے) من الفرقة وسوء العشرة اومن الخصومة (بیضاوی) نزاع وافتراق یوں بھی عقل وشریعت کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ چہ جائیکہ خانگی زندگی میں اور میاں بیوی جیسے قریب ترین رشتوں کے درمیان!۔ وٓ۳۳۸ بیوی کے لئے ان الفاظ میں صاف ترغیب ہے کہ وہ اپنے کچھ حقوق چھوڑ ہی دے بلا سے۔ تعلق زوجیت تو قائم رہے۔ تو شوہر جب دیکھے گا کہ اس کے اپنے حقوق وحظوظ میں کچھ فرق نہیں آتا اور بیوی ہی اپنے بعض حقوق کا مطالبہ چھوڑے دے رہی ہے تو عجب نہیں کہ مصالحت پر جلد آمادہ ہو جائے الشُّحَّ۔ شح ایسے بخل کو کہتے ہیں جس کے ساتھ حرص ملی ہو۔ الشح بخل مع حرص (راغب) مراد یہ ہے کہ خود غرضی اور نفس کی آرام طلبی سے کوئی بھی فریق خالی نہیں۔ یہ اپنی راحت ڈھونڈتا ہے، وہ اپنی۔ ای كل واحد منهما يطلب ما فيه راحته (مدارک) وٓ۳۳۹ (اور اس کی طرف سے وعدہ ہر تقویٰ اور حسن سلوک پر اجر کا ہے) اس میں در پردہ شوہروں کو نصیحت ہے کہ نفاق وافتراق تو خیر بہت دور کی چیز ہے انہیں تو تقویٰ اور حسن سلوک کی روش پر قائم رہ کر بیویوں سے کسی حق کی دستبرداری کی بھی توقع نہ رکھنی چاہیے۔ وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا۔ ذکر یہاں شوہروں کے نشوز واعراض کا چل رہا ہے اس لئے یہ خطاب بھی شوہروں سے ہے تُحۡسِنُوۡا۔ تو شوہر جب بیوی سے حسن سلوک کا خوگر ہو جائے گا تو اس سے اس کی بھی توقع نہیں رکھے گا۔ کہ وہ اپنے کسی حق سے دستبردار ہو جائے۔ وَتَتَّقُوۡا۔ اور جب تقویٰ اختیار کرے گا تو نشوز واعراض خود ہی کافور ہو جائیں گے۔ خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں حسن معاشرت زوجین کا ذکر آیا ہے میاں بیوی میں سے کسی کو ادائے حقوق پر توجہ دلائی ہے۔ ایک جامع لفظ تقویٰ کا لایا گیا ہے اور اس خانگی حسن معاشرت کو تقویٰ ہی کی ایک اہم فرد قرار دیا گیا ہے اور حق یہ ہے کہ اس سے بہتر اور مؤثر تر تدبیر کوئی اور ہے ہی نہیں۔ وٓ۳۴۰ (سو یہ حد تمہارے اختیار سے باہر ہے۔ اس لئے تم اس حد کے مکلف بھی نہیں)۔ اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ۔ برابری ہر چیز میں، یہاں تک کہ رغبت قلب اور امور غیر اختیاری میں بھی۔ شروع سورت میں جہاں چار تک کی تعداد ازواج کی اجازت صراحت کے ساتھ مرحمت ہوئی تھی۔ فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ وہاں معنی یہ

بھی ارشاد ہوا تھا کہ ان کے درمیان عدل رکھنا اور اگر عدل نہ کرسکو تو ایک ہی پر قناعت رکھنا۔ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔ اس موقع پر عدل سے مراد تھی عدل معاملات میں، عدل امور اختیاری میں، یعنی ہر بیوی کی ضروریات کا، مزاج ومذاق کا لحاظ رکھنا، بہ خلاف اس کے یہاں جس عدل کی نفی کی جارہی ہے اور ارشاد ہو رہا ہے کہ ایسے عدل پر تم قادر ہی نہیں ہو سکتے چاہے لاکھ اس کی تمنا کرو۔ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ۔ اس عدل سے مراد ہے مساوات امور غیر اختیاری میں، کیفیات قلب میں، مثلاً محبت ورغبت میں اور ایسی مساوات کامل تو والدین تک عادۃً اپنی ساری اولاد کے درمیان نہیں رکھ سکتے -- لفظ عدل دونوں جگہ مشترک ہے، لیکن مفہوم الگ الگ ہے۔ اور اس اسلوب بیان کی مثالیں قرآن مجید میں کثرت سے ملتی ہیں۔ اخبر تعالٰی بنفی الاستطاعة فی العدل بین النساءِ و ذٰلک فی میل الطبع فی المحبة والجماع والحظ فی القلب (قرطبی) روی عن ابی عبیدة قال یعنی المودة ومیل الطباع وکذٰلک روی عن ابن عباس والحسن وقتادة (جصاص) پس بعض جدید محرفین نے اس آیت سے یہ جو نکالنا چاہا ہے کہ قرآن مجید نے عدل بین الازواج کو ناممکن بتایا ہے اور تعدد ازدواج کی اجازت صرف عدل کے ساتھ دی ہے تو اس طرح اس اجازت کو ایک بار دے کر پھر واپس لے لیا ہے تو ایسے لوگوں نے نادانستہ سہی، لیکن بہرحال قرآن پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اور اس کی جانب بے تکلف اس عیب کو منسوب کردیا ہے کہ وہ جس چیز کو روکنا چاہتا ہے اسے براہ راست منع نہیں

يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ

دونوں جدا ہی ہوجائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنے (فضل کی) وسعت سے بے نیاز کردے گا ف۳۴۴ اور

اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اللہ ہے ہی بڑا وسعت والا بڑا حکمت والا ف۳۴۵ اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے (سب)

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اللہ ہی کی ملک ہے ف۳۴۶ اور ہم نے ان لوگوں کو جنہیں تم سے قبل

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

کتاب مل چکی ہے اور خود تمہیں بھی حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو ف۳۴۷

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

اور اگر ناشکری کروگے تو (یاد رہے کہ) جو کچھ بھی آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ ہی کی

الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا

ملک ہے ف۳۴۸ اور اللہ بڑا بے نیاز ہے ستودہ صفات ہے ف۳۴۹ اور جو کچھ بھی

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے (سب) اللہ ہی کی ملک ہے اور اللہ ہی کافی

وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ

کارساز ہے ف۳۵۰ وہ اگر چاہے تو اے لوگو تم (سب) کو لے جائے اور دوسروں کو

بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ

لے آئے ف۳۵۱ اور اللہ اس پر قادر ہی ہے ف۳۵۲ جو کوئی

كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ

دنیا کا انعام چاہتا ہے تو اللہ کے پاس تو دنیا اور آخرت (دونوں) کا

کردیتا بلکہ اس کے لئے خواہ مخواہ ایک پر پیچ راستہ اختیار کرتا ہے۔ ف۳۴۱ (کہ مساوات کامل اور رغبت قلب کی بے اختیاری کو بہانہ کرکے بیوی کے ظاہری اور اپنے اختیار کے اندر والے حقوق بھی پامال کرنے لگو) قال مجاهد لا تعمدوا الاساءة بل الزموا التسوية فی القسم والنفقة لان هٰذا مما يستطاع (قرطبی) ف۳۴۲ (کہ وہ بیچاری نہ تو عام شوہر والیوں کی طرح اپنے حقوق سے مستفید ہوتی رہے۔ اور نہ طلاقنوں کی طرح اپنے کو آزاد وخود مختار پائے) فَتَذَرُوْهَا۔ میں ضمیر مؤنث مظلوم بیوی کی جانب ہے۔ ای لاهی مطلقة ولا ذات زوج قاله الحسن (قرطبی) التی ليست ذات بعل ولا مطلقة (بیضاوی) شریعت نے اس اُدھر میں پڑی رہنے والی کی حالت کو بدترین قرار دیا ہے۔ شوہر کو چاہیے کہ اپنے امکان بھر پوری کوشش حسن معاشرت کی اور تعلق زوجیت کے حق کی کرے۔ لیکن جب دیکھے کہ کوئی صورت اس میں کامیابی کی نہیں تو پھر صاف طور پر قاعدۂ شرعی کے مطابق طلاق دیدے۔ یہ ظالمانہ صورت بہرحال نہ اختیار کرے کہ عورت بہ ظاہر سہاگن اور شوہر دار ہو، لیکن حقیقۃً اپنے کسی حق سے بھی متمتع نہیں ہورہی ہے۔ ف۳۴۳ (سو اس کے ہاں ماضی کی اصلاح حال کی احتیاط، اور مستقبل کے عزم احتیاط کے بعد تمام تر مغفرت ورحمت ہی ہے) اِنْ تُصْلِحُوْا۔ یعنی اپنی پچھلی بدعنوانیوں کی اصلاح حسب قاعدۂ شرعی کرلو۔ وَتَتَّقُوْا۔ اس تقویٰ کا تعلق حال اور مستقبل سے ہے۔ ف۳۴۴ (ایک کو دوسرے سے) یعنی اگر صلح وموافقت کی ہر تدبیر ناکام رہے اور نوبت بالآخر علیحدگی ہی کی آجائے تو زیادتی (نشوز) اور بے التفاتی (اعراض) کرنے والا فریق یہ سمجھے رہے کہ اللہ کسی کے کام کو کسی سے اٹکائے نہیں رکھتا۔ وہ بغیر کسی بندہ کی شرکت اور مدد کے ہر ایک کا کام چلا دینے کے لئے کافی ہے۔ ف۳۴۵ (اسے ہر ایک کے لئے مناسب سبیل نکال لینا کیا مشکل ہے) ف۳۴۶ (سو اس مالک الملک اور ملک الملوک کی رضا جوئی کے بجائے کسی اور کی رضا طلبی کیسی شدید حماقت ہے وہ زمین وآسمان کے سارے خزائن کا مالک ہے۔ اسے دوسروں کو غنی بنا دیتے کیا دیر لگ سکتی ہے۔ ف۳۴۷ (کہ یہی خوف خدا اور تقویٰ الٰہی بنیاد ہی تمام احکام الٰہی کی تعمیل کی ہے اور اسے آسان اور خوش گوار بنا دینے والی بھی) انسان کی ساری زندگی کا سنگ بنیاد یہی تقویٰ ہے اور اس لئے یہ عین مقتضائے حکمت ہے کہ قرآن مجید اس کی تاکید سے لبریز ہے۔ مسیحیوں کا دعویٰ ہے کہ اُن کے مذہب کی بناء خوف خدا پر نہیں، بلکہ محبت الٰہی پر ہے اور ان کے پادری اسے بہت فخر سے پیش کرتے رہتے ہیں حالانکہ ان کی انجیل ان تاکیدوں سے خالی نہیں مثلاً:۔ ”اسی سے ڈرو جو روح اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کرسکتا ہے۔“ (متی ۱۰:۲۸) اس سے ڈرو جس کو قتل کرنے کے بعد اختیار ہے کہ جہنم میں ڈالے۔ ہاں میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی سے ڈرو“ (لوقا ۱۲:۵) رہی توریت تو اس کے حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۳۴۸ (سو ایسے کی ناشکری اور نافرمانی سے اس کا کیا ضرر۔ ضرر تو خود تمہارا ہی ہے) اِنْ تَكْفُرُوْا احکام الٰہی کی مخالفت ہی کا نام ناشکری ہے۔ ف۳۴۹ مشرک جاہلی قوموں کے دیوی، دیوتا اپنی صفات میں ناقص اور اپنی ذات کے لحاظ سے محدود ہوتے ہیں، ان کے پرستار اور پجاری جو منتروں سے جاپ کرتے رہتے ہیں۔ اس سے ان کے نقائص کی تکمیل ہوتی رہتی ہے۔ اور وہ اپنی الوہیت ومعبودیت کے لئے غذا حاصل کرتے رہتے ہیں -- قرآن مجید نے یہاں ان دو صفات کا ذکر کرکے ان خرافات کی تردید کردی۔ اللہ بذاتِ خود ہر طرح کامل ومکمل ہے۔ کسی کی عبادت سے اس کی تکمیل کا خیال ہی مہمل ہے اور اس کی صفات سب عالی وستودہ ہیں نقص کا گزر نہیں۔ ف۳۵۰ اس کی کارسازیٔ عالم کو ناکافی سمجھ کر کسی مخلوق کی طرف التفات کرنا اور اس سے کارسازی کی توقع رکھنا کیسی خرافت ہے) خلقت کائنات وتدبیر کائنات سب اس کے لئے آسان ہیں۔ ف۳۵۱ (اور جو کام اسے لینے ہیں، وہ اسی نئی مخلوق سے لے) یہ بیان اس کے کمالِ قدرت کا ہے اٰخَرِيْنَ۔ یعنی نوع انسان کے علاوہ کوئی اور ہی نئی مخلوق۔ ای خلقاً اٰخرين مكان الانس (بیضاوی) جوز الزمخشری وابن عطية ومقلد وهما ان يكون المراد جنسا غير جنس الناس (روح) ف۳۵۲ (سو اس قدرت کے باوجود وہ اگر ایسا نہیں کرتا اور تمہارے

ع ۱۹ ۸ ۱۲

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع

انعام موجود ہے ف۳۵۳ اور اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا دیکھنے والا ہے ف۳۵۴

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ

اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے

شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ

گواہی دینے والے رہو ف۳۵۵ چاہے وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور عزیزوں کے

وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى

خلاف ہی ہو ف۳۵۶ وہ امیر ہو یا مفلس اللہ (بہرحال) دونوں سے زیادہ

بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا

حقدار ہے ف۳۵۷ تو خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا ف۳۵۸ کہ (حق سے) ہٹ جاؤ ف۳۵۹ اور اگر تم کجی کرو گے

اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

یا پہلوتہی کرو گے تو جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب خبردار ہے ف۳۶۰

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسولؐ اور (اس) کتاب پر ایمان لاؤ

الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ

جو اس نے اپنے رسولؐ پر نازل کی ہے اور اس (جنس) کتاب پر بھی جو وہ اس سے قبل

مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ

نازل کر چکا ہے ف۳۶۱ اور جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں

وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾

اور اس کے پیمبروں اور قیامت کے دن سے کفر کرتا ہے وہ گمراہی میں بہت دور جا پڑا ہے ف۳۶۲

بجائے کسی جدید مخلوق کو وجود میں نہیں لا رہا ہے تو اس کا تمہارے ہی اوپر کمال احسان ہے کہ وہ اس طرح حصول اجر کا موقع دیے جا رہا ہے) کَانَ لانے سے مفہوم ماضی مقصود نہیں۔ بلکہ صفت قدرت کی ازلیت اور غیر متناہیت کا اثبات مقصود ہے۔ القدرة صفة ازلية لا تتناهى معلوماته والماضى والمستقبل فى صفاته بمعنى واحد (قرطبی) صیغۂ ماضی لانے میں نکتہ یہ ہے کہ صفت کے قدیم ہونے کی طرف اشارہ ہو جائے۔ ذات وصفات کو کوئی حادث نہ سمجھ لے۔ انما خص الماضى بالذكر لئلا يتوهم انه يحدث فى ذاته و صفاته (قرطبی) ف۳۵۳ (سو اس لازوال انعام ولذت کو چھوڑ کر صرف عارضی اور فانی لذتوں پر قناعت کر لینا کس درجہ بے دانشی اور عاقبت نااندیشی ہے) ف۳۵۴ سو وہ سب کی دعاؤں کو، التجاؤں کو خوب سنتا رہتا ہے۔ خواہ وہ معاوضۂ دنیوی کے باب میں ہوں یا اجر اخروی سے متعلق اور سب کی نیتوں کے اخلاص وعدم اخلاص کو دیکھتا رہتا ہے۔ ف۳۵۵ (اپنے تمام معاملات میں) احکام کی تعمیل میں اور زندگی کے مختلف معاملات میں بار بار ترغیب راہ حق ودیانت سے ہٹنے کی ہوتی رہتی ہے اور کہیں اپنے ذاتی نقصان کے خیال سے، کہیں بزرگوں، عزیزوں کی مروت اور خاطر سے قدم کو بار بار لغزش ہونے لگتی ہے۔ یہاں تاکید ہے کہ ایسے تمام موقعوں پر حق ودیانت پر قائم رہو۔ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ۔ اس کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ گواہی سے مقصود اللہ کی رضا جوئی ہے۔ اى تقيمون الشهادات لوجه الله (بیضاوی) اى لا يراعى فى الشهادة الاجهة الله (بحر) لذات الله ولوجهه ولمرضاته وثوابه (قرطبی) اور دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ”اللہ کے گواہ بن جاؤ“ یعنی تمہاری شہادت شہادتِ الٰہی کے قائم مقام ہو جائے۔ فقہاء نے یہی معنی لے کر استنباط یہ کیا ہے کہ جو امر گواہوں سے ثابت ہو جائے، وہی قطعی ہے۔ اور اس کی مخالفت جائز نہیں۔ چنانچہ قاضی اگر معتبر آدمیوں کی شہادت پر مدعی کو ڈگری دے دے اور مدعیٰ علیہ خوب علم رکھتا ہو کہ حق مدعی کا نہیں اور فیصلہ غلط اور نا منصفانہ ہوا ہے۔ تاہم اگر وہ تعمیل نہ کرے گا تو قاضی اسلام کی مخالفت اور گواہوں کی تکذیب کا مجرم ہوگا۔ ف۳۵۶ یعنی مروت اور رعایت نہ خود اپنی کرو نہ اپنے کسی بزرگ کی نہ کسی عزیز کی، بلکہ صرف اللہ کی اور حق وصداقت کی۔ قرآن مجید پر عامل مسلمان۔ حلفیہ شہادت کا ذکر نہیں، بلا حلف بھی کبھی جھوٹی گواہی کا مرتکب ہو سکتا ہے؟ حکم عام ہے ہر قسم کی گواہی کے لئے۔ صرف مالی اور عدالتی معاملات کی حد تک محدود نہیں۔ محققین لکھتے ہیں کہ اس کے پورے مصداق تو حضرات محدثین ہوئے ہیں کہ انہوں نے روایات حدیث کے باب میں کسی کی ذرا رعایت نہ کی۔ اسی لئے وہ اللہ کے گواہ بن گئے۔ اور ان کی روایتوں پر دین کے ایک حصہ کا مدار ٹھیر گیا۔ ف۳۵۷ یعنی جس کے خلاف آ کر تمہاری سچی گواہی پڑ رہی ہے اور اس کی خاطر تم سچے اظہار سے بچنا چاہتے ہو، اس پر جتنا حق تمہارا ہے، اس سے کہیں بڑھ کر حق اللہ کا ہے جھوٹی گواہی کے محرک عموماً دو ہی ہوتے ہیں۔ فریق اگر امیر ہے تو اس کا دباؤ، لحاظ، مروت اور اگر غریب ہے تو اس کے ساتھ جذبہ ہمدردی۔ یہاں دونوں کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اور بتایا ہے کہ دونوں صورتوں میں، جتنا تمہارا تعلق اس کے ساتھ ہے۔ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر اللہ کا تعلق اس کے ساتھ ہے۔ ف۳۵۸ (ادائے شہادت میں) تاکید ہے کہ شہادت بالکل واقعہ کے مطابق ہونا چاہیے۔ شاہد کے ذاتی رجحانات کا دخل بھی نہ آنے پائے۔ ف۳۵۹ یعنی ذاتی رجحانات کو دخل دینے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ قدم راہ حق سے ادھر یا اُدھر ہو جائے گا۔ اَنْ تَعْدِلُوْا۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ ان لا تعدلوا (جلالین) اى مخافة ان تعدلوا (ابو سعود) ف۳۶۰ ہر معصیت، ہر بداخلاقی کی طرح ادائے شہادت کی بھی ہر بے عنوانی سے روکنے کا سب سے زیادہ مؤثر طریقہ بھی اللہ تعالیٰ کی ہمہ بینی، ہمہ دانی کا استحضار ہے۔ جتنا یہ عقیدہ قوی، زندہ اور تازہ ہوگا، اسی قدر سخت پہرہ انسان کے نفس پر قائم رہے گا۔ اِنْ تَلْوٗۤا۔ یعنی شہادت دی تو جائے لیکن بددیانتی، خیانت اور اینچ پینچ کے ساتھ۔ تُعْرِضُوْا۔ یعنی سرے سے شہادت ہی نہ دی جائے۔ ف۳۶۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ آیت میں خطاب ان لوگوں سے ہے جو کلمہ اسلام پڑھ کر اجمالاً تو ایمان لا چکے ہیں اور اسی لئے لقب مومنین سے مشرف ہیں اور انہی کو تاکید ہو رہی ہے کہ تفصیل کے ساتھ ایمانیات کے ایک ایک جزء پر اپنا عقیدہ مضبوط کریں۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ۔ یعنی اللہ کی ذات وصفات پر، اس کی اور توحید کے تضمنات پر بہ تفصیل ایمان لاؤ۔ وَرَسُوْلِهٖ۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے معنی ہیں کہ اس کی شریعت کے ہر ہر جزء کو بے چون وچرا مان لیا جائے۔ الْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ۔ مراد یہاں جنس کتاب ہے۔ یعنی ان کتابوں پر ایمان لایا جائے جو قرآن سے قبل نازل ہو چکی ہیں المراد به جنس ما انزل على الانبياء قبله من الكتب (کشاف) نزلت فى جميع المؤمنين والمعنى يا ايها الذين صدقوا اقيموا على تصديقكم و اثبتوا عليه (قرطبی) يا ايها الذين امنوا بحسب الاستدلالات الجميلة امنوا بحسب الدلائل التفصيلية (کبیر) ف۳۶۲ ان میں سے ہر ہر عقیدہ پر فرداً فرداً ایمان لانا ضروری ہے اور ان میں سے کسی ایک عقیدہ سے بھی انکار دائرۂ اسلام سے خارج کر دینے کے لئے کافی ہے۔ و یہاں چاروں جگہ اَوْ کے معنی میں ہے۔ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ۔ اللہ کی ذات سے انکار کی طرح اس کی صفات سے بھی انکار داخل کفر ہے۔ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ۔ بجائے فرشتوں کے جاہلی قوموں کی طرح دیوتاؤں کو ماننا فرشتوں ہی سے کفر کی ایک شکل ہے وَكُتُبِهٖ۔ جاہلی مشرک قومیں چونکہ عقیدۂ وحی سے محروم ہیں، اس لئے کتب آسمانی کی بھی قائل نہیں۔ وَرُسُلِهٖ۔ بجائے پیمبروں کے اوتاروں یا خدا کے مظہروں کو ماننا رسولوں سے کفر کرنا ہے۔ اى من يكفر بشىء من ذلك (بیضاوی۔ بحر۔ مدارک) لان الكفر ببعضه كفر بكله۔ (مدارک)

۳۶۳ (جنت وہدایت کی) ذکران لوگوں کا ہے جو اسلام پر قائم نہ رہے بلکہ مرتد ہو گئے۔ اور دوبارہ ایمان لا کر پھر بھی ایمان پر قائم نہ رہے۔ اور توبہ نہ کی۔ بلکہ اسی حالت کفر وارتداد پر ختم ہو گئے۔ مگر متعین طور پر کون گروہ مراد ہے؟ ایک قول ہے کہ یہود مراد ہیں۔ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ پھر انہی کی زندگی میں گوسالہ پرستی کی اور کافر ہو گئے۔ تائب ہوئے اور ان کی ذریت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے انکار کر کے پھر کافر ہو گئی۔ اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار کر کے اپنا کفر بڑھاتے ہی رہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مرتدین کا کوئی خاص گروہ مراد ہے۔ جو مکرر مرتد ہوا اور آخر تک مرتد رہا۔ تیسرا قول اور یہ سب سے زیادہ لگتا ہوا ہے۔ یہ ہے کہ مراد منافقین ومترددین ومذبذبین ہیں اور مقصود ان کے تردد وتذبذب کا اظہار ہے۔ نہ کہ ان کے ارتداد کا تعدد۔ سیاق قرآنی بھی منافقین ہی کو چاہتا ہے۔ كنا نحسبهم

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا

بیشک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے

ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ

پھر کفر میں ترقی کرتے گئے اللہ ہر گز نہ ان کی مغفرت کرے گا

وَ لَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ

اور نہ انہیں سیدھی راہ دکھائے گا ۳۶۳ آپ منافقین کو سنا دیجئے کہ

لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ

ان کے لئے عذاب دردناک ہے ۳۶۴ (یعنی وہ لوگ) جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ

دوست بنائے ہوئے ہیں کیا ان کے پاس عزت کی تلاش

الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَ قَدْ نَزَّلَ

کر رہے ہو سو عزت تو ساری اللہ ہی کی ہے ۳۶۵ اور وہ تمہارے اوپر

عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ

یہ (فرمان) کتاب میں نازل ہی کر چکا ہے کہ جب تم اللہ کی نشانیوں کے ساتھ

يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ

کفر اور تمسخر ہوتا ہوا سنو تو ان لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو،

حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا

یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں کہ اس حالت میں یقیناً تم بھی انہی جیسے

مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ

ہو جاؤ گے ۳۶۶ بیشک اللہ دوزخ میں منافقوں اور کافروں سب کو

المنافقين ويدخل في ذٰلك من كان مثلهم (ابن جریر۔عن مجاہد) هٰؤلآء المنافقون (ابن جریر۔عن ابن زید) روى عن ابن عباس ان الاٰية في المترددين (بحر) ليس المراد بيان هذا العدد بل المراد ترددهم كما قال مذبذبين بين ذٰلك (کبیر عن القفال) جعلها ابن عباس عامة لكل منافق في عهده صلی اللہ علیہ وسلم في البر والبحر (روح) لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ بظاہر نفی تاکید ہے۔ حالانکہ واقعتہً تاکید نفی کے لئے ہے۔ ان نفي التاكيد اذا ذكر على سبيل التهكم كان المراد منه المبالغة في تاكيد النفي (کبیر) ۳۶۴ بَشِّرِ تبشیر کے معنی ہمیشہ خوشخبری ہی کے نہیں ہوتے۔ لغت میں عام ہے ہر ایسی خبر کے لئے جس کا اثر چہرہ سے ظاہر ہونے لگے۔ التبشير الاخبار بما يظهر اثره على البشرة (قرطبی) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بشارت یہاں طنز وزجر کے معنی میں ہو۔ اور عرب ایسے موقع پر ایسا ہی استعمال کرتے ہیں۔ قوله بشر تهكم بهم والعرب تقول تحيتك الضرب وعتابك السيف (کبیر) ذٰلك قول الشاعر تحية بينهم ضرب وجيع اردو میں تو طنزیہ موقع پر کہتے ہیں۔ لو، اب اپنا انعام لو۔ اب تو مزہ پایا۔ اب دیکھو اپنا تماشا۔ ۳۶۵ یعنی اعزاز تو تمام تر اللہ کی ملک اور قبضہ میں ہے۔ وہ جسے چاہے معزز بنا دے۔ منکرین کے بڑے بڑے امراء ورؤسا تک حقیقی عزت سے خالی ہیں۔ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ یعنی یہ منافقین اہل ایمان کے سے دلی عقائد تو کیا رکھتے۔ ظاہری تعلقات بھی ان سے قائم نہ رکھ سکے۔ اور بجائے ان کے الٹے کافروں سے لگے لپٹے ہوئے ہیں۔ فقہاء نے آیت سے نکالا ہے کہ منکروں اور کافروں سے بلا ضرورت میل جول۔ خلا ملا۔ ان کی وضع قطع بلا ضرورت بنانا، ان کا فیشن اختیار کرنا۔ ان کے لباس، تمدن و معاشرت کو فخر وعزت کی چیز سمجھنا یہ سب داخل نفاق ہے۔ ۳۶۶ (نفس معصیت میں) یہ مثلیت اور یکسانی نفس معصیت میں ہو گی۔ ورنہ منکرین کا استہزاء ظاہر ہے کہ کفر اعتقادی سے پیدا ہوتا ہے اور ان کے جلسوں، محفلوں میں مسلمانوں کی شرکت محض فسق ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اى في العذر اذا مكثتم معهم ولم يرد به التمثيل من كل وجه فان خوض المنا فقين فيه كفر ومكث هٰؤلآء معهم معصية (مدارک) اى في العصيان وان لم تبلغ معصيتهم منزلة الكفر (بصاص) فِي الْكِتٰبِ حوالہ اسی کتاب قرآن کا ہے۔ واذارايت الذين يخوضون في اٰيتنا فاعرض عنهم حتى يخوضوا في حديث غيره (سورۂ انعام آیت ۶۷) یہ سورۂ نساء مدنی ہے اور سورۂ انعام اس سے بہت قبل کی کی ہے اٰيٰتِ اللّٰهِ۔ اللہ کی نشانیوں کا لفظ عام ہے۔ قرآن مجید کی آیتیں بھی انہی میں شامل ہیں۔ حکم کی تکرار یعنی ایک بار مکہ میں نزول اور دوبارہ مدینہ میں۔ حکم کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہ کفر اور تمسخر کرنے والے تھے کون لوگ؟ مکہ میں تو مشرکین تھے اور مدینہ میں یہود اور منافقین۔ آیت کا حکم عام ہے۔ بے دینی کا ہر مشغلہ، کفر وانکار کا ہر مظاہرہ اس کے تحت میں آ جاتا ہے۔ مسیحی یا ہندوانہ تعلیمی، تہذیبی، معاشرتی وسیاسی ماحول کے جو گہرے اثرات طبعی طور پر مسلمانوں پر پڑ رہے ہیں، وہ سب اس وعید کے ماتحت آ جاتے ہیں۔ اپنے شعائر واصول دین پر مضحکہ سنتے رہنا خواہ وہ اسکولوں اور کالجوں میں ہو یا بازاروں اور میلوں میں ہو یا تھیٹروں اور سینماؤں میں۔ یوں بھی بہر صورت بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ فاسقوں کی مجلس میں شرکت، جس وقت وہ فسق میں نہ مشغول ہوں جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ۔

وﮯ۳۶۷ (کہ آخرت میں ایک کا چھپا ہوا اور ڈھکا ہوا کفر اور دوسرے کا کھلا ہوا کفر دونوں یکساں روشن وظاہر ہوں گے) اسی سے یہ تعلیم بھی نکلتی ہے کہ اصلی جوڑ اور ساتھ تو کافروں اور منافقوں کا ہے۔ حقیقۃً مناسبت انہی دونوں کے درمیان باہم ہے۔ پاک وصالح انسانوں یعنی مسلمانوں کا ان لوگوں کے ساتھ مجلسی اختلاط ہی کیسا؟ جَامِعُ یہاں مضارع یجمع کے معنٰی میں ہے۔ الاصل جامعٌ بالتنوین محذوف استخفافاً فانه بمعنٰی یجمع (قرطبی) وﮯ۳۶۸ منافقین کی پوری ذہنیت آشکارو بے نقاب کی جارہی ہے۔ ان لوگوں کا بھی عجب حال تھا۔ جب جنگ چھڑتی تو منافقین کا گروہ لشکر اسلامی کے ساتھ ساتھ ہوتا اگرچہ کافروں سے قتال نہ کرتا یا برائے نام ہی کرتا تو اگر مسلمانوں کو فتح ہوجاتی تو یہ مسلمانوں کے پاس آکر اپنی شرکت، معیت ورفاقت کا حق جتلاتے اور مال غنیمت وغیرہ میں سے اپنا حصہ طلب کرتے۔ لیکن اگر اس کے برعکس کبھی اتفاق سے کافروں ہی کے ہاتھ میدان رہتا تو یہ جھٹ ان کے پاس جاکر ان پر اپنا احسان رکھتے کہ دیکھو فلاں موقع پر لشکر اسلامی کا پلہ بھاری ہورہا تھا۔ اور تم شکست کھانے ہی کو تھے کہ ہم آڑے آگئے۔ ہم نے اپنی کوشش وتدبیر سے تمہارا پلہ وزن دار کرادیا اور ہاری ہوئی لڑائی جتادی۔ تو اب ہمارا حصہ دلواؤ۔ حربی کافروں سے مسلمانوں کی مخبری کرنا، جاسوسی کرنا سب اسی کے تحت میں آجاتا ہے یَتَرَبَّصُوْنَ بِکُمْ یعنی تمہارے لئے آفت ومصیبت کے انتظار میں رہتے ہیں۔ ای ینتظرون بکم یعنی الدوائر والشدة (ابن عباس) اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ معیت کا تعلق سفر جہاد سے ہے۔ اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ یہاں صیغۂ جمع متکلم میں منافقین اپنے کو مجموعہ لشکر اسلام میں شامل کررہے ہیں۔ آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ منافقین کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملتا تھا جب ہی وہ اسے مانگتے اور اس کے لئے مطالبہ کرتے۔ والأية تدل علٰی ان المنافقین کانوا لایعطونهم الغنیمة ولهٰذا طلبوها (قرطبی) فتح کے لفظ میں شان وعظمت ہے۔ اس لئے مسلمانوں کی کامیابی کو اس سے تعبیر کیا گیا اور نصیب میں حقارت اور پستی ہے۔ اس لئے کافروں کی کامیابی کے لئے یہ لفظ دیا گیا۔ سمی ظفر المسلمین فتحاً تعظیماً لشان المسلمین وسُمّی ظفر الکافرین نصیبًا تخسیسًا لحظ الکافرین (کشاف) وﮯ۳۶۹ یعنی آج تو اظہار اسلام کرکے ہر قانون کی گرفت سے بچ جاتے ہیں اور مسلمانوں میں ملے جلے رہتے ہیں لیکن قیامت میں کیا کریں گے۔ وہاں تو ان کا کفر علانیہ ظاہر ہوگا اور یہ مسلمانوں سے علیحدہ ہوکر رہیں گے۔ وﮯ۳۷۰ (اپنے اسی آخری اور اُخروی فیصلہ میں) آخرت دار الجزاء ہے۔ وہاں اس دار العمل کی طرح کسی تکوینی امتحان التباس واشتباہ کی گنجائش نہیں وہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی بہر حال وصورت الگ ہوکر رہے گا دوسرے معنٰی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اسی دنیا میں کافروں کو مومنوں پر غالب نہ آنے دے گا۔ حجت عقلی وشرعی کے لحاظ سے۔ قال علی رضی اللہ عنہ معنی یوم القیمة یوم الحکم وکذاقال ابن عباس ذاک یوم القیمة قال ابن عطية وبهٰذا قال جمیع اهل التاویل (قرطبی) المراد بالسبیل الحجة (بیضاوی) ای حجة شرعیة لاعقلیة (بحر) ای حجة عقلية ولاشرعية یستظهرون بها الاابطلت ودحضت (قرطبی) اس نفی غلبہ وولایت کفار کا تعلق اسی عالم تکوینی سے مان کر بعض فقہاء نے اس سے ذیل کے استنباطات کئے ہیں:۔ (۱) کافر کی گواہی اگر مسلمان کے مضر پڑ رہی ہو تو قبول نہ کی جائے گی۔ (۲) کافر کی ولایت کسی مسلم نابالغ کے نکاح میں جائز نہ ہوگی۔ (۳) کافر کو کسی مسلمان کی وراثت نہ پہنچے گی۔ وﮯ۳۷۱ (ان کی چالوں کو ناکام دیکھ کر، ان کی چالوں کی سزا ان کو دے کر) يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ یعنی اپنے اسلام کا جھوٹا اقرار کرکے اللہ تک کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور اپنے حمق سے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ جس طرح دنیا میں ان کے ساتھ معاملہ ہورہا ہے، اسی طرح آخرت میں بھی ہوگا۔ وَهُوَ خَادِعُهُمْ خداع کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مراد مجازات خداع ہوتی ہے۔ الخداع من الله مجازاتهم علٰی خداعهم اولیاءه ورسله (قرطبی) سمی الجزاء علی العمل باسمه علی مجاوزة الکلام (جصاص) ای یجازیهم بالعقاب علٰی خداعهم (کبیر) ای هو الذی یستدرجهم فی طغیانهم وضلالهم ویخذلهم عن الحق والوصول الیه فی الدنیا وکذٰلک یوم القیمة (ابن کثیر) وﮯ۳۷۲ یعنی یہ منافقین اول تو نماز پڑھتے ہی کہاں ہیں۔ جب مسلمانوں کے مجمع میں شرما شرمی پڑھنا ہی پڑی۔ تو صرف ہیئت ظاہری کے لحاظ سے کچھ دیر اٹھک بیٹھک سی کرلی۔ قَامُوْا كُسَالٰى عبادت میں نشاط، مستعدی اور چستی تو صرف ایمان واعتقاد کی قوت سے پیدا ہوتی ہے۔ جب سرے سے یہی مفقود ہے تو ظاہر ہے کہ کاہلی اور بد ہمتی کیسے نہ پیدا ہوتی۔ یہاں تو مقصود تمام تر ظاہر داری تھی۔ خلقت کی نظر میں اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا۔ اِلَّا قَلِيْلًا عارفین نے کہا ہے کہ یہ عمل قلیل ہی اگر اللہ کے لئے ہوتا تو اللہ اسے کثیر ہی قرار دیتا۔ قال الحسن لو کان ذٰلک القلیل لله تعالی لکان کثیرا (مدارک) انماسماه قلیلا لانه لغیروجهه فهو قلیل فی المعنٰی وان کثر الفعل منهم (جصاص) يُرَآءُوْنَ النَّاسَ محض لوگوں کے دکھاوے کو، تاکہ یہ بھی مسلمان ہی سمجھے جائیں اور ان کے ساتھ بھی مسلمانوں ہی کی سی مراعات ہوتی رہے۔ ریا کے معنٰی ہیں کسی اچھی چیز کو دکھاوے کے لئے اختیار کرنا نہ کہ حکم الٰہی کی تعمیل میں۔ الریاء اظهار الجمیل لیراه الناس لا لاتباع امر الله (قرطبی) اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ جب نماز جیسے اہم ترین رکن اسلام کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو دوسری عبادتوں کے ساتھ جو معاملہ ہوگا، ظاہر ہی ہے۔ نماز کی تصریح خصوصیت کے ساتھ اس لئے کی گئی ہے کہ اعمال میں نماز ہی ایمان واسلام کا ظاہری معیار ہے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ جس نماز ریائی کا یہاں ذکر ہے اور جو معصیت کے درجہ میں ہے اور جس نماز کا دہرانا لازم

فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًاۨ ۝۱۴۰ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ

اکٹھا کرے گا وﮯ۳۶۷ (یہ وہ لوگ ہیں) جو تمہارے لئے مصیبت کے منتظر رہتے ہیں

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ

تو اگر تمہیں اللہ کی جانب سے فتح حاصل ہوگئی تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم

مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا

تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو حصہ مل گیا تو (ان سے) کہنے لگتے ہیں کہ

اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ

کیا ہم تم پر غالب نہیں آنے لگے تھے اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچا نہیں لیا وﮯ۳۶۸

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ

تو اللہ ہی تم (سب) لوگوں کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا وﮯ۳۶۹ اور اللہ

اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝۱۴۱ اِنَّ

کافروں کا ہرگز مومنوں پر غلبہ نہ ہونے دے گا وﮯ۳۷۰ بیشک

الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ

منافقین تو اللہ سے چال چل رہے ہیں حالانکہ اللہ انہی کی چالوں کو ان پر الٹ رہا ہے، وﮯ۳۷۱

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَاۗءُوْنَ

اور یہ لوگ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں (صرف) لوگوں کو

النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۴۲ۙ مُّذَبْذَبِيْنَ

دکھاتے ہیں، اور اللہ کی یاد کچھ یوں ہی سی کرتے ہیں وﮯ۳۷۲ درمیان ہی میں

بَيْنَ ذٰلِكَ ڰ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ

معلق نہ (پورے) اِدھر ہی کے ہیں نہ (پورے) اُدھر ہی کے

ع ۲۰/۱۷

ہے وہ وہ ہے جو عقیدہ کے بغیر لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے پڑھی جائے کہ اس سے اسے لوگ مسلمان سمجھنے لگیں۔ باقی جو نماز اس ارادہ سے پڑھی جائے کہ لوگ اسے دیکھ کر اس کے مومن اور مقبول الشہادۃ ہونے کی اور اس کے جواز امانت کی شہادت دیں تو ایسی نماز اس وعید کے تحت میں نہیں آتی۔ یعنی انهم يفعلونها ليراها الناس وهم يشهدونها لغوا فهذا هو الرياء والشرك فاما ان صلاها ليراها الناس يعني ويرونه فيها فيشهدون له بالايمان فليس ذٰلك الرياء المنهي عنه وكذٰلك لوارادبها طلب المنزلة والظهور لقبول الشهادة وجواز الامانة لم يكن عليه حرج وانما الرياء والمعصية ان يظهرها صيدا للدنيا وطريقا الى الاكل بها فهٰذه نية لا تجزى وعليه الاعادة (ابن عربی) و۳۷۳ (ایمان اور ہدایت کی) مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ یعنی کافروں اور مومنوں کے درمیان۔ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ یعنی ظاہر اور صورت کے اعتبار سے مومن اور معنیٰ اور حقیقت کے لحاظ سے کافر۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ۔ اللہ کا یہ فعل اضلال اس کی سنت تکوینی کے مطابق ہے۔ جس کے ماتحت وہ ہر عزم عمل پر عمل کا ترتب کردیتا ہے۔ و۳۷۴ (اپنے مجرم اور مستحق سزا ہونے کی) اتنی صریح وعیدوں کے باوجود ہم لوگ جو بلا ضرورت ہر قسم کے غیر مسلموں، بے دینوں، بددینوں سے دوستی اور صحبت کے تعلقات قائم رکھے ہوئے ہیں تو ہم لوگوں کا کیا انجام ہونا ہے۔ اللّٰهم احفظنا۔ لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ کافروں کے تحت میں پوری طرح وہ چھپے

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓاَيُّهَا

اور جسے اللہ گمراہ رکھے تو اس کے لئے تو کوئی راہ نہ پائے گا و۳۷۳ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ

ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا

دوست مت بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر

لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

اللہ کی حجت صریح قائم کر لو؟ و۳۷۴ یقیناً منافق

فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ

دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہوں گے اور تو ان کا کوئی مددگار

نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا

نہ پائے گا، و۳۷۵ البتہ جو لوگ توبہ کرلیں اور (اپنی) اصلاح کرلیں اور اللہ کا سہارا

بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ

پکڑے رہیں اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کرلیں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ

ہوں گے و۳۷۶ اور اللہ مومنوں کو عنقریب

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ

اجر عظیم دے گا و۳۷۷ اللہ کو تمہارے عذاب سے کیا کرنا ہے، اگر

شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

تم شکرگزاری کرو اور ایمان لے آؤ اللہ تو بڑا قدر دان ہے بڑا علم والا ہے و۳۷۸

ہوئے کافر بھی داخل ہیں جنہیں منافقین کہا گیا ہے۔ اقتضت الاٰية النهي عن الاستنصار بالكفار والاستعانة بهم و الركون اليهم والثقة بهم (جصاص) فقہاء حنفیہ نے ذمیوں کو وکیل مال بنانا اور ان سے شرکت تجارت (مضاربت) میں بھی کراہت کی ہے۔ وقد كره اصحابنا توكيل الذمي في الشرى والبيع ودفع المال اليه مضاربة وهٰذه الاٰية دالة على صحة هٰذا القول (جصاص) و۳۷۵ (کہ انہیں بچاسکے یا ان کی سزا کچھ ہلکی ہی کرا سکے) فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ ہر منافق اصلاً کافر ہی ہوتا ہے۔ منافق کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ اپنے جرم کفر پر ایک مزید جرم مکر و فریب کا اضافہ کئے ہوئے ہے اس لئے اگر اسے کھلے ہوئے کافر سے سخت تر سزا ملے تو یہ عین مقتضائے عمل ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا سے فقہاء مفسرین نے محض گنہگاروں کی شفاعت پر استدلال کیا ہے۔ اور تقریر استدلال یہ ہے کہ یہ عدم نصرت کی تہدید چونکہ اہل نفاق کے لئے مخصوص ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ جو منافق نہ ہوں گے، ان کی نصرت وشفاعت ہو سکے گی۔ واحتج اصحابنا بهٰذا على اثبات الشفاعة في حق الفساق من اهل الصلوٰة (کبیر) و۳۷۶ (جنت اور درجات جنت میں) مومنین کے ساتھ ان نئے تائبین کا ذکر لانے سے مومنین ہی کی تکریم اور شرف مرتبت نکلتی ہے۔ اوقع اجر المومنين في التشريف لانضمام المنافقين اليهم (کبیر) مع المومنین کے معنیٰ من المومنين کے بھی کئے گئے ہیں۔ قال الفراء اي من المومنين (قرطبی) تَابُوْا یعنی اپنے عقائد شرک و کفر سے توبہ کرلیں۔ اَصْلَحُوْا یعنی اپنے افعال واحوال کو شریعت کے مطابق و ماتحت کرلیں۔ وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ اور اس اعتصام باللہ کے تحقق کے لئے کافروں کی رفاقت کا ترک لازمی ہے۔ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ۔ اللہ کے ساتھ اخلاص کی یہ شرط منافقت کی جڑ کاٹ رہی ہے۔ فقہاء نے آیت کے اس جزء سے یہ نکالا ہے کہ اعمال تقرب و عبادت ہر قسم کے شائبہ ریا اور ہر قسم کے دُنیوی معاوضہ ونفع سے خالی ہونا چاہیے۔ يدل على ان كل ما كان من امر الدين على منهاج الحق فسبيله ان يكون خالصًا لله سالمًا من شوب الرياء وطلب عرض من الدنيا (جصاص) اور یہ بھی نکالا ہے کہ نماز اذان وحج وغیرہ اعمال عبادات پر معاوضہ قبول کرنا جائز نہیں۔ هٰذا يدل على امتناع جواز اخذ شيء من اعراض الدنيا على ما سبيله ان لايفعل الاعلى وجه القربة من نحو الصلوٰة والاذان والحج (جصاص) پوری آیت کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ منافقین جو اس قدر وعیدوں کے مستحق ہیں، وہ بھی اللہ کی رحمت ومغفرت سے ہمیشہ کے لئے مایوس نہ ہوجائیں۔ توبہ اور اصلاح حال تو ان کی اپنی اختیاری چیز ہے۔ جب اور جس وقت چاہیں، سیدھی راہ اختیار کرکے مؤمنین کی معیت حاصل کر سکتے ہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا گناہ بھی ایسا نہیں جو موروثی یا پیدائشی ہو یا اب ناقابل اصلاح وتلافی ہو۔ و۳۷۷ (اور جب یہ تائبین اور نو مسلمین، مومنین کے ساتھ ہوئے تو ظاہر ہے کہ اجر عظیم ان کے حصہ میں بھی آکر رہے گا) اس میں سبق ہے ان خاندانی اور پشتینی مسلمانوں کے لئے جو آج ہر کفر وفسق سے تائب نو مسلم یا نو صالح کو حقارت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ اسلامی اور ایمانی برادری میں نئے شامل ہونے والے بھائی ہیں جو اور زیادہ عزت واکرام کے مستحق ہوتے ہیں۔ و۳۷۸ خطاب منافقوں سے ہے۔ انہیں بتایا ہے کہ تمہاری سزا دینے پر اللہ تعالیٰ کا کوئی کام تو معلق ہے نہیں۔ یہ تو محض تمہارا کفر اور کفران نعمت ہے جو تمہیں جنت کی نعمتوں سے استفادہ کے ناقابل بنائے ہوئے ہے۔ اگر اپنے ان عقائد کو چھوڑ دو تو رحمت حق تو خود بخود تمہیں آلے گی۔ اس میں یہ تعلیم بھی آگئی کہ اسلام کا خدا مشرک اور جاہلی قوموں کے خونخوار وسفاک دیوی دیوتاؤں کی طرح نہیں جسے بندوں کے آزار دہی ہی میں لطف آرہا ہے۔ شَاكِرًا یعنی خدمت اور عبودیت اور اخلاص کا قدر دان۔ عَلِيْمًا یعنی ہر ایک کے درجۂ اخلاص سے واقف۔ آیت سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ مومن شاکر عذاب الٰہی سے بالکل دور رہے گا۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ صاحب کبیرہ پر عذاب نہیں ہے۔ قال اصحابنا دلت هٰذه الاٰية على انه لا يعذب صاحب الكبيرة (کبیر)

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۵۰﴾ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓىِٕكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

اللہ منہ پھوڑ کر برائی کرنے کو (کسی کے لئے بھی) پسند نہیں کرتا سوا مظلوم کے، اور اللہ تو ہے ہی خوب سننے والا۔ خوب جاننے والا و۳۷۹ تم کسی بھلائی کو ظاہر کرو یا چھپاؤ یا کسی برائی سے درگزر کر جاؤ و۳۸۰ تو اللہ تو (بہرصورت) بڑا معاف کرنے والا ہے، بڑا قدرت والا ہے، و۳۸۱ بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے پیمبروں سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے پیمبروں کے درمیان فرق رکھیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی پر تو ایمان لائے ہیں اور کسی کے ہم منکر ہیں و۳۸۲ اور یہ چاہتے ہیں کہ ایک راہ درمیانی نکالیں و۳۸۳ تو یہی لوگ حقیقی کافر ہیں و۳۸۴ اور ہم نے کافروں کے لئے ایک عذاب رسوا کرنے والا تیار کر رکھا ہے و۳۸۵ اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیمبروں پر ایمان لائے، اور وہ لوگ ان کے درمیان فرق بھی نہیں کرتے، و۳۸۶ تو ایسے لوگوں کو (اللہ) ضرور اُن کا اجر دے گا، اور اللہ تو ہے ہی بڑا مغفرت والا

و۳۷۹ آیت نے اخلاق کی اصطلاح میں غیبت وبدگوئی کواور قانون کی زبان میں ہتک عزت کو بالکل ناجائز قرار دے دیا ہے۔ اور فرد و جماعت، شخص وملت دونوں کے ہاتھ میں فلاح واصلاح کی ایک بڑی اصل دے دی ہے۔ اَلْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ۔ کے تحت میں پس پشت بھی کسی کے عیب کی تشہیر آگئی اور اس کے روبرو تلخ کلامی بھی۔ بلاضرورت اور بلا مصلحت شرعی کسی کی بدگوئی کسی حال میں بھی جائز نہیں، نہ سامنے نہ پیچھے۔ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ۔ مظلوم البتہ اپنے دل کا بخار بک جھک کر بھی نکال سکتا ہے، اور حاکم کے سامنے فریاد بھی لے جاسکتا ہے۔ انسان کے طبعی تقاضوں اور اضطراری یا نیم اضطراری ضرورتوں کا اس حد تک لحاظ بجز شریعت اسلامی کے اور کس نے کیا ہے؟ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ جھوٹی بات کی شہرت مظلوم کو بھی جائز نہیں۔۔۔ لیجئے مظلوموں کے ساتھ ساتھ ظالموں کے حق بھی اسی سچی، فطری، الٰہی شریعت نے تسلیم کر لیے۔ سَمِیْعًا۔ اس میں ایک طرف تو ظالم کو تنبیہ ہے کہ مظلوم کہیں فریاد لے کر جائے نہ جائے، اللہ تو بہرصورت اُس کی سن ہی رہا ہے۔ اور دوسری طرف مظلوم کو بھی ترغیب دی ہے کہ خلق کے آگے خواہ مخواہ زیادہ روتا گاتا نہ پھرے، یہ یقین رکھے کہ اللہ تو سننے والا ہے ہی۔ عَلِیْمًا۔ یہ صفت لا کر بھی ظالم ومظلوم دونوں کو یاد دلا دیا ہے کہ کوئی زبان سے نکالے یا نہ نکالے، اللہ پر تو ہر ظلم کی نوعیت وحقیقت عیاں ہی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے انتقام کی اجازت نکل رہی ہے، جس کی ایک جزو شکایت بھی ہے۔ اور ضعفاء کی اس میں بڑی رعایت ہے، کہ اس سے دل کا کینہ دُور ہو جاتا ہے۔ و۳۸۰ (جو بہرصورت افضل اور اولیٰ ہے) انسان اپنے نفس کو ٹٹولے تو نظر آئے کہ کسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے یا اس پر مال خرچ کرنے سے کہیں زیادہ شاق نفس پر یہ گزرتا ہے کہ کوئی ہمیں دکھ پہنچائے اور ہم اُس سے درگزر کر جائیں، اور انتقام نہ لیں۔ اس لیے فعل خیر سے الگ اور ممتاز کر کے اس وصف چشم پوشی اور عدم انتقام کو بیان کیا ہے۔ فندب الی العفو و رغب فیه (قرطبی) و۳۸۱ اخلاقی حیثیت سے یہ تین مرتبے الگ الگ ہیں۔ اور انہیں یہاں کیسی صحیح ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا۔ پہلا درجہ تو یہ ہے کہ انسان نے نیکی کی۔ ساتھ ہی وہ اس کا اظہار واعلان بھی کر دیتا ہے۔ خلق سے داد لینے کی خواہش ایک حد تک طبعی ہے۔ ایک درجہ نیکی کا یہ بھی ہوا نیکی یہ بھی ہوئی مگر ہلکی قسم کی۔ مبتدی کی سطح کی۔ اَوْ تُخْفُوْهُ اونچا مرتبہ یہ ہے کہ نیکی کرے، اور خلق سے داد وصلہ کی پرواہی نہ رکھے، بلکہ اُسے خلق کے علم میں آنے ہی نہ دے اور مقصود اس سے تمامتر رضاء الٰہی ہی رکھے۔ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ انسان کو ناگواریاں پیش آئیں، اور وہ انہیں نظر انداز کر جائے اور برائی کرنے والے سے بدلہ نہ لیا جائے۔ یہ نفس کے لیے بہت ہی شاق ہے۔ اور اس کا مرتبہ سلوک واخلاق کے منتہی ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ عَفُوًّا۔ اس صفت کو لا کر یہ یاد دلا دیا کہ درگزر کی صفت تو صفات کمالیہ الٰہیہ میں سے ہے۔ کیا خوب ہو جو بندہ بھی اپنے کو اسی رنگ میں رنگ لے! قَدِیْرًا یہ لفظ لا کر ادھر اشارہ کر دیا، کہ بندہ بیچارہ انتقام لے ہی کیا سکتا ہے۔ انتقام پر قدرت کامل تو اللہ ہی کو حاصل ہے، اور وہ اس کمال قدرت کے باوجود عفو و درگزر سے کام لیتا رہتا ہے۔۔۔ بندوں کو عفو و درگزر کی راہ پر لانے کا کتنا موثر وحکیمانہ طریقہ یہ ہے! امام رازی رحمۃ اللہ علیہ جن کی نکتہ رسی قرآن فہمی میں قابل صد رشک ہے، یہاں پر خوب بات فرمائی ہے کہ آیت کے ان دو مختصر سے فقروں میں سارا خلاصہ اخلاق وسلوک آگیا۔ دخل فی هاتین الکلمتین جمیع انواع الخیر واعمال البر (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس طرح پہلی آیت میں ضعفاء کی رعایت تھی، یہ آیت اہل ہمت کے مناسب حال ہے۔ اس میں مصلحت عروج الی القرب ہے۔ و۳۸۲ یہ ارشاد کن لوگوں کی طرف ہے؟ اس باب میں بہت کچھ بحث ہوئی ہے۔ بہرحال اتنا تو صاف ہے کہ اصل ارشاد یہود کی جانب ہے جو انبیاء سابقین میں سے بہتوں کے تو قائل تھے۔ لیکن اپنے ہی سلسلہ کے انبیاء میں سے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے منکر تھے۔ اور پھر نبوت مصطفوی کے۔ لیکن قرآن کے الفاظ عام ہیں اور ان کے تحت میں نہ صرف مسیحی آجاتے ہیں، جو نبوت مصطفوی کے تو صاف منکر، اور رسالت مسیح علیہ السلام کے بھی منکر ہو کر الوہیت مسیح علیہ السلام کے قائل ہوگئے ہیں۔ بلکہ آج کل کے بہت سے ”آزاد خیال“ اور ”روشن خیال“ بھی اس ذیل میں آجاتے ہیں۔ یورپ میں ایک فرقہ (خداپرستوں) کا کہلاتا ہے، اور ہندوستان میں برہموسماج ہے۔ یہ لوگ توحید کے تو قائل ہیں۔ لیکن عقیدۂ وحی ونبوت کے منکر، یہ سب مثالیں اسی ناقص اور غلط ذہنیت کی ہیں، جسے اسلام بڑھانا اور پیدا کرنا نہیں، بلکہ مٹانا اور فنا کرنا چاہتا ہے۔ و۳۸۳ جیسے دہلی کے ایک مغل بادشاہ اکبر نے کفر واسلام کو ملا جلا کر ایک ”دین الٰہی“ ایجاد کیا تھا، اور پھر تین پشتوں کے بعد ایک اور شہزادہ داراشکوہ نے بھی کچھ اسی قسم کی کوشش شروع کی تھی۔ اور بعض ملحد طبع آج بھی شرک وتوحید، کفر واسلام کو مخلوط وممزوج کر کے طرح طرح کے خوشنما ناموں کے ساتھ ایک نئے دین کی ترکیب واختراع کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔۔۔۔ ان لوگوں کی نظر دین اسلامی کی وحدت، اور اس کے عقائد وارکان کے اندرونی نظم وارتباط پر سرے سے ہے ہی نہیں! و۳۸۴ کہیں کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ ایسے لوگوں کا مرتبہ کافروں سے تو بہرحال بہتر ہوگا۔ نہیں بلکہ یہ لوگ پکے کافر ہیں۔ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ جملہ کی ترکیب خود ہی زور پیدا کرنے کے لیے ہے۔ حَقًّا کا اضافہ تاکید مزید کے لیے ہے۔ ای وهم الکاملون فی الکفر (کشاف) ای لاعبرة بایمانهم هذا (بیضاوی) و هو تاکید لمضمون الجملة الخبریة (بحر) اولٰٓئک هم الکافرون کفرًا کاملًا ثابتًا حقًا یقینًا (کبیر) و۳۸۵ ایسے لوگوں کے خیالات ونظریات کی تہ میں اصلی روگ اپنی بڑائی کا ہوتا ہے۔ شعوری یا لاشعوری طور پر، بہرحال یہ

رَّحِيمًا ﴿١٥٢﴾ ع يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ

بڑا رحم والا ہے۔ و٣٨٧ آپ سے اہل کتاب فرمائش کرتے ہیں کہ آپ ان کے اوپر ایک نوشتہ

كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِنْ

آسمان سے اتروا دیں و٣٨٨ سو یہ تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑی فرمائش کر چکے

ذَٰلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ

ہیں و٣٨٩ (ان سے) یہ بولے تھے کہ ہمیں اللہ کو کھلم کھلا دکھا دو۔ سو ان کی (اس) زیادتی پر انہیں

بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ

کڑک بجلی نے آ پکڑا پھر بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں آچکی تھیں، انہوں نے گوسالہ

الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذَٰلِكَ ۚ وَآتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطَانًا

کو (معبود) تجویز کر لیا۔ لیکن ہم نے اس سے (بھی) درگزر کیا اور ہم نے موسیٰ کو ایک صریح اقتدار

مُّبِينًا ﴿١٥٣﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِيثَاقِهِمْ وَقُلْنَا

عطا کیا و٣٩٠ اور ہم نے اُن کے اُوپر طور کو معلق کر دیا تھا ان سے قول و قرار کے لئے، اور ہم نے

لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي

اُن سے کہا کہ دروازہ (شہر) میں داخل ہو عاجزی کے ساتھ اور ہم نے ان سے کہا کہ سبت کے بارہ میں

السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿١٥٤﴾ فَبِمَا

زیادتی نہ کرنا، اور ہم نے اُن سے سخت قول و قرار لیا و٣٩١ سو ہم نے یہ سب کچھ

نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ

اُن کی عہد شکنی اور بہ سبب آیاتِ الٰہی سے اُن کے کفر کے اور بہ سبب اُن کے قتل ناحق انبیاء

الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ

کے، اور بہ سبب اُن کے اس قول کے کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں، (ہم نے انہیں سزا میں مبتلا کیا) و٣٩٢ نہیں بلکہ ہے

لوگ سمجھتے یہی ہیں کہ اُن کی عقل وحی الٰہی کے مقابلہ میں زیادہ وزن دار ہے۔ اور پیغمبروں سے (نعوذ باللہ) جو کوتاہیاں رہ گئیں، اُن کی تلافی یہ اپنی عقل آرائیوں سے کر دیں گے..... اسی کبر و خود بینی کی سزا انہیں آخرت میں یہ ملے گی کہ علاوہ جسمانی تعذیب کے، یہ خلق کی نظر میں ذلیل و رسوا ہو کر بھی رہیں گے۔ و٣٨٦ یعنی یہ نہیں کرتے کہ کسی پیمبر کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں۔ قرآن مجید نے وحدت وحی پر بڑا زور دیا ہے، اور سارے انبیاء کو ایک مستقل نظام و سلسلہ کے اندر منسلک قرار دیا ہے۔ و٣٨٧ سَوْفَ۔ یہاں قرب زمانی کے لیے نہیں، جزم و تیقن کے لیے ہے۔ معناہ ان ایتاء ھا کائن لا محالة و ان تاخر (کشاف) فالغرض بہ توکید الوعد و تحقیقه لا کونه متاخراً (کبیر) متکلمین نے آیت سے معتزلہ کا رد بھی نکالا ہے جو مرتکب گناہ کبیرہ کے دوام عذاب کے قائل ہیں، حالانکہ آیت میں صاف مضمون موجود ہے کہ ایمان محض پر بھی اجر ملے گا۔ والاٰیة تدل علی بطلان قوله المعتزلة فی تخلید المرتکب الکبیرة لانه اخبر ان من اٰمن باللّٰه ورسله و لم یفرق بین احدمنهم یوتیه اجرهٗ و مرتکب الکبیرة فیمن من اٰمن باللّٰه و رسله و لم یفرق بین احد فیدخل تحت الوعد (مدارک) تمسک اصحابنا بھذه الاٰیة فی اثبات العفو و عدم الاحباط فقالوا انه تعالٰی وعد من اٰمن باللّٰه و رسله بان یوتیهم اجورهم والمفهوم یوتیهم اجورهم علٰی ذٰلک الایمان (کبیر) و٣٨٨ یہ فرمائش کرنے والے یہود مدینہ تھے۔ خصوصاً کعب بن اشرف اور اس کی پارٹی۔ ای کعب و اصحابه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) یہود کہتے تھے کہ ہم ایسی وحی کے قائل نہیں جو فرشتہ کے ذریعہ سے قلب نبی پر نازل ہو۔ ہم تو بس یہ جانتے ہیں کہ ہمارے پیمبر موسیٰ علیہ السلام پر لکھے لکھائے ہوئے احکام عشرہ نازل ہوئے تھے تو اگر آپ اپنے دعوائے نبوت میں سچے ہو، تو اسی طرح کا کوئی لکھا لکھایا صحیفہ پیش کرو! قالت الیهود ان کنت صادقا فجیٔ بکتاب من السمآء جملة کما جاء موسٰی بالکتاب (بحر۔ عن السدی) سال الیهود رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم ان ینزل علیهم کتاباً من السماء کما نزلت التوٰرٰة۔ علٰی موسٰی مکتوبة (ابن کثیر۔ عن محمد بن کعب القرظی والسدی وقتادة) فاتنا بکتاب من السماء جملة کما جاء موسٰی بالالواح (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے اس شخص کی مذمت نکل رہی ہے جو برکات ساوی کو شیخ کے اختیار میں سمجھ کر اُس سے اضافہ کی درخواست کر رہا ہے۔ و٣٨٩ (سو ایسی قوم سے ایسی فرمائشیں کچھ انوکھی اور نادر نہیں) ضمناً جواب بھی نکل آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو خود ہی ایسی چیز لائے تھے، پھر اس پر ان ظالموں نے کب بس کیا؟ اُن سے تو یہ فرمائش کر دی کہ براہِ راست اللہ میاں کا دیدار ہی ہمیں کرا دیجئے۔ یہ سارے واقعات اس غرض کے لیے یاد دلا دیے گئے کہ ان لوگوں کی ساری قومی تاریخ ہی ضد و عناد سے بھری پڑی ہے۔ ایسی فرمائشوں سے اُن کا مقصود تحقیق حق نہیں بلکہ محض مجادلہ و مکابرہ ہے۔ ھٰذا یدل علی ان طلب هؤلاء لنزول الکتب علیهم من السماء لیس لا جل الاسترشاد بل لمحض العناد (کبیر) و٣٩٠ (چنانچہ وہ محض نبی و رسول ہی نہ تھے بلکہ اپنی قوم کے حاکم اعلیٰ اور صاحب اقتدار لیڈر بھی تھے) اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً۔ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ۔ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ ان سب واقعات پر حاشیے پارۂ اوّل میں گزر چکے۔ محققین نے کہا ہے کہ آیت میں اُس شخص پر رد نکل رہا ہے، جو وقوع رویت کا اسی دنیوی زندگی میں قائل ہے۔ یدل علی الانکار علٰی من یعتقد وقوع الرؤیة فی النشاة الدنیویة (روح) بِظُلْمِهِمْ میں ب سببیہ ہے۔ بسبب ظلمهم (بیضاوی) ثُمَّ یہاں تاخر زمانی کے لیے نہیں استبعاد کے لیے ہے۔ یعنی ایسی بیہودہ فرمائشیں ہی کیا کم تھیں کہ اس سے بڑھ کر حرکت یہ گوسالہ پرستی کی شروع کر دی۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش کئے ہوئے دلائل و معجزات جاننے، سمجھنے، دیکھنے کے بعد، شرک خصوصاً اپنی قبیح ترین صورت گوسالہ پرستی میں، یوں بھی برا ہی تھا، فطرتِ سلیم خود اس سے اِبا کرتی ہے۔ لیکن پیمبر برحق کے لائے ہوئے دلائل قوی اور شواہد بیّن کے بعد تو اس پستی میں گرنا بدبختی کی انتہا ہے۔ و٣٩١ (ان احکام نیز دوسرے احکام کی تعمیل کے لیے) رَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ۔ اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا۔ لَا تَعْدُوْا فِی السَّبْتِ ان سب واقعات پر حاشیے پارۂ اوّل میں گزر چکے۔ بِمِيْثَاقِهِمْ میں ب اظہار غرض و غایت کے لیے ہے۔ ای بسبب میثاقهم لیقبلوه (بیضاوی) والباء للسبب (بحر) سُجَّدًا یہاں سجدۂ شرعی مراد نہیں۔ بلکہ سجدہ اپنے لفظی معنی میں ہے۔ یعنی تواضع کے ساتھ۔ ای متطامنین خاضعین۔ (روح) و٣٩٢ یہود کے نقض میثاق اور کفر بایاتِ الٰہی اور انبیاء کے قتل ناحق پر، اور اُن کے قول قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ان سب پر حاشیے پارۂ اول میں گزر چکے۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ کی اصل تقدیر کلام یوں ہے۔ فبنقضهم میثاقهم لعناهم۔ التقدیر فبنقضهم میثاقهم لعناهم عن قتادة وغیره (قرطبی) عربی اسلوب بیان میں ایسے محذوفات عام ہیں۔ مخاطبین کے علم کی بنا پر محذوف کر دیئے جاتے ہیں۔ حذف هٰذا العلم السامع (قرطبی) قال ابن عطیة و حذف جواب هٰذا الکلام بلیغ متروک علٰی ذهن السامع (بحر) بما میں ما زائدہ تاکید کلام کے لیے ہے۔ ما زائدة مؤکدة (قرطبی)

اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥٥﴾

یہ کہ) اللہ نے اُن پر مہر لگادی، بہ سبب ان کے کفر کے، ف٣٩٣ سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر (بہت) تھوڑا سا ف٣٩٤

وَّبِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿١٥٦﴾

نیز بہ سبب اُن کے کفر کے اور بہ سبب ان کے مریمؑ پر بہتان عظیم رکھنے کے ف٣٩٥

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

اور بہ سبب ان کے (اس) قول کے کہ ہم نے عیسیٰؑ ابن مریم کو مار ڈالا، جو مسیح اور

رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ

اللہ کے پیمبر تھے ف٣٩٦ حالانکہ نہ وہ آپ کو مار ڈال سکے اور نہ آپ کو سولی ہی پر چڑھا پائے ف٣٩٧ بلکہ ان پر شبہ

لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ

ڈال دیا گیا ف٣٩٨ اور یہ لوگ آپ کے بارہ میں اختلاف کررہے ہیں ف٣٩٩ وہ آپ کی طرف سے شک میں پڑے

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ

ہوئے ہیں، ف٤٠٠ ان کے پاس کوئی علم (صحیح) تو ہے نہیں ہاں بس گمان کی پیروی ہے، ف٤٠١ اور یقینی بات ہے، کہ انہوں

يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا

نے آپ کو مار نہیں ڈالا ف٤٠٢ بلکہ آپ کو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا ف٤٠٣ اور اللہ بڑا قوت والا ہے،

حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ

بڑا حکمت والا ہے ف٤٠٤ اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو آپ پر اپنے مرتے وقت

قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾ ۚ

ایمان نہ لے آئے ف٤٠٥ اور آپ قیامت کے دن اُن پر گواہ (کی حیثیت سے پیش) ہوں گے ف٤٠٦

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ

سو یہود کی (ایسی ہی) زیادتیوں کے باعث ہم نے اُن پر بہت سی چیزیں جو اُن پر حلال تھیں،

ف٣٩٣ یہ مہر ابتداءً کبھی نہیں لگتی، جزاءً ہی لگتی ہے۔ اور یہاں تو اس کی تصریح ہی موجود ہے۔ بکفرهم ای جزاء لهم علی کفرهم (قرطبی) ف٣٩٤ (اور وہ بہت تھوڑا سا ایمان نجات کے لیے کافی نہیں) یہ ایمان قلیل غیر نافع اسی لیے ہوگا کہ یہ کل انبیاء پر ایمان پر شامل نہیں۔ ای الا ایمانا قلیلا ای ببعض الانبیاء و ذٰلک غیر نافع لهم (قرطبی) و هو غیر مفید لان الکفر بالبعض کفر بالکل (روح) اہل کتاب کا ''ایمان'' بس ایسا ہی تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ماننے کا اقرار کیا، اور عیسیٰ علیہ السلام سے انکار کرتے رہے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی تصدیق کی، لیکن حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تکذیب یا مثلاً حضرت عیسیٰ اور حضرت یحیٰی علیہما السلام کو تو مان لیا، لیکن خود خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار کیے گئے۔ ایسی حالت میں لفظ ایمان پر ایمان شرعی کا اطلاق ہو ہی کہاں سکتا ہے۔ ایمان اصطلاح شریعت میں تو وہ ہے، جو سارے سلسلۂ نبوت پر ہو، ورنہ ایک نبی پر ایمان لا کر دوسرے انبیاء سے انکار کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ لانه ایمان لغوی لا شرعی (تھانوی) فقد بینا ان من یکفر برسولٍ واحد فانه لا یمکنه الایمان باحد من الرسل البتة (کبیر) ف٣٩٥ (کہ نعوذ باللہ وہ بدوضع تھیں) بُهْتَانًا عَظِيْمًا۔ یہود کی کتابوں میں ایسی ایسی گندہ روایتیں اس پاک سرشت خاتون کی بابت لکھی ہوئی ہیں، کہ ان صفحات پر بہ غرض رد بھی نقل ہونے کے قابل نہیں۔ قرآن مجید نے اس سارے طومار خرافات کی طرف بہ کمال بلاغت، بہتان اور بہتانِ عظیم لا کر اشارہ کردیا۔ مَرْيَمَ پر حاشیہ پ ٣ میں گزر چکے۔ یہ عمران کی صاحبزادی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ تھیں۔ نکاح حسب روایاتِ تاریخی یوسف سے ہوا تھا۔ جو نجاری کا کارخانہ قائم کیے ہوئے تھے۔ دونوں بڑے عابد و خدا رسیدہ تھے۔ بِكُفْرِهِمْ۔ ذکر یہود کی سزا کا چل رہا ہے کہ اُن پر جو یہ عذاب مسلط ہے، فلاں فلاں اسباب سے ہے۔ یہاں کفر یہود سے مراد اُن کا کفر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے۔ ای بعیسٰی علیه السلام (بیضاوی) ف٣٩٦ یہ قول کس کا تھا؟ ظاہر ہے کہ یہود ہی کا تھا، جو اس پر خوش بھی ہوئے تھے، اور اس کا دعویٰ بھی فخر کے ساتھ کررہے تھے۔ الْمَسِيْحَ۔ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ یہ دونوں الفاظ یہود کے نہیں، وہ انہی دونوں منصبوں یا مسیحیت اور رسالت ہی کے تو منکر تھے۔ قرآن حمید نے نفس واقعہ کے لحاظ سے ان کا صحیح منصب بیان کردیا۔ قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان عام ہے۔ هو اخبار من الله تعالٰی بصفة عیسٰی (بحر۔ عن ابن عطیه) یجوز ان یضع الله الذکر الحسن مکان ذکرهم القبیح فی الحکایة عنهم (کبیر۔ کشاف) یحتمل ان یکون استئنافا من الله تعالٰی بمدحه (بیضاوی) یحتمل ان الله وصفه بالرسول و ان لم یقولوا ذٰلک (مدارک) اِنَّا قَتَلْنَا۔ قتل کے اصل معنی روح کو جسم سے جدا کردینے کے ہیں، خواہ کسی طریقہ پر ہو۔ اسی کو اُردو محاورہ میں ''ختم کردینا'' یا ''کام تمام کردینا'' کہتے ہیں۔ اصل القتل ازالة الروح عن الجسد (راغب) قتله ای اماته بضرب او حجر او سم او علة (تاج) هو ازالة الروح عن الجسد کالموتِ (ابوالبقاء) اور امام قرطبی نے ایک دوسری آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ کے تحت میں لکھا ہے القتل هو کل فعل یفیت الروح و هو انواع من النحر والذبح والخنق والرضخ و شبهه۔ یہاں اصطلاح خصہ کا قتل مراد نہیں، جس کے معنی محض کسی دھاردار آلہ سے ہلاک کرنے کے ہوتے ہیں۔ تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سزائے موت اگرچہ رومی عدالت سے ملی۔ اور وہی ملکی عدالت نفاذ سزا پر قادر تھی، لیکن آپ کو سزا دلوانے میں اور آپ کے لیے سزائے موت کا حکم سنوانے میں ہاتھ تمام تر یہود ہی کا کام کررہا تھا۔ اسی لیے قرآن مجید نے بھی، جو تاریخ کی دقیق حقیقتوں کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیتا، بالکل صحیح طور پر آپ کے قتل یا اقدام قتل کی ذمہ داری یہود ہی پر رکھی۔ انجیلیں اتنے جزو پر متفق المعنی (بلکہ ایک حد تک متفق اللفظ بھی) ہیں کہ رومی عدالت کا حاکم پیلاطیس آپ کو سزا دینا ہرگز نہیں چاہتا تھا، بلکہ اس سے برابر بچ رہا تھا۔ یہ یہود ہی تھے، جنہوں نے استغاثہ جھوٹا گڑھا، گواہیاں جھوٹی فراہم کیں، اور بلوہ و فساد کی دھمکی دے دے کر اُسے حکم سنانے پر مجبور کردیا۔ انجیل متی کا ایک مختصر سا بیان ملاحظہ ہو:۔ ''...... جب پیلاطس نے دیکھا کہ کچھ نہیں بن پڑتا، بلکہ اُلٹا بلوہ ہوا جاتا ہے، تو پانی لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے، اور کہا میں راستباز کے خون سے بری ہوں۔ تم جانو۔ سب لوگوں نے کہا کہ اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر۔ اس پر اس نے براباؔ کو اُن کی خاطر چھوڑ دیا اور یسوع کو کوڑے لگوا کر حوالہ کیا تاکہ صلیب دی جائے''۔ (٢٧: ٢٤۔ ٢٦) اسی کی تائید دوسری انجیلیں بھی کرتی ہیں، بلکہ لوقا میں تو اتنی تصریح اور زائد ہے کہ حاکم نے ملزم کو سزائے موت سے بچانے کی تین تین بار کوشش کی، لیکن یہود نے ہر دفعہ اس کی بات کو رد کردیا۔ (٢٣: ٢٢) یہ بیانات تو مسیحیوں کے تھے۔ خود یہود کی لکھی ہوئی جو قدیم ترین حیاتِ مسیح دنیائے معلوم میں موجود ہے، یعنی جوزیفس کی اور جس کا ترجمہ انگریزی میں Antiquities of Jewish کے نام سے شائع ہوچکا ہے، اس میں اس واقعہ کو فخر کے ساتھ اپنی ہی جانب منسوب کیا ہے۔ (حاشیہ صفحہ ٣٦) انجیلوں میں جو پیشگوئیاں حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے اپنے قتل ہونے کی بابت منقول ہیں، اُن میں بھی ساری ذمہ داری سرداران یہود ہی کے سر لگتی ہے اور رومیوں یا حاکموں کا ذکر نہیں آتا:۔ ''اُس وقت سے یسوع اپنے شاگردوں پر ظاہر کرنے لگا کہ مجھے ضرور ہے کہ یروشلم کو جاؤں اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں کی طرف سے بہت دُکھ اٹھاؤں، اور قتل کیا جاؤں۔'' (متی۔ ١٦: ٢١) ''پھر وہ انہیں تعلیم دینے لگا کہ ضرور ہے کہ ابن آدم بہت دُکھ اُٹھائے اور بزرگ اور سردار کاہن اور فقیہ اُسے رد کریں اور وہ قتل کیا جائے۔ (مرقس ٨: ٣١) ''ضرور ہے کہ ابن آدم علیہ السلام بہت دُکھ اُٹھائے اور بزرگ اور سردار کاہن اور فقیہ اسے رد کریں۔ اور وہ قتل کیا جائے۔ (لوقا ٩۔ ٢٢) ف٣٩٧ یعنی آپ کا کام تمام کردینا تو الگ رہا یہود تو واقعۃً اتنا بھی نہ کرسکے کہ اُس زمانہ میں

اس ملک میں جو طریقہ سزائے موت کا تھا اُسی تک پہنچ جاتے! یعنی آپ کو سولی پر چڑھا تک نہ سکے۔ وَمَا صَلَبُوْهُ. صلبوا کے اصل معنی محض سولی پر لٹکانے یا چڑھانے کے ہیں، چڑھا کر ختم کر دینے کے نہیں۔ هو تعليق الانسان للقتل (راغب) اُردو میں یہ مفہوم ''سولی دینے'' سے نہیں ''سولی چڑھانے'' ہی سے ادا ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فارسی ترجمہ، اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اپنے اُردو ترجموں میں بھی یہی مفہوم لیا ہے۔ و۳۹۸ یا ''وہ دھوکے میں ڈال دیئے گئے یا ''حقیقت اُن پر مشتبہ ہوگئی''۔ یہ شبہ میں کون پڑ گئے یا حقیقت کن پر مشتبہ و ملتبس ہوگئی؟ ظاہر ہے کہ مراد وہی یہود یا اعدائے مسیح ہیں جن کا ذکر اُوپر سے چلا آ رہا ہے۔ كانه قيل وقع عليهم الشبه (مدارک) التبس عليهم الامر (بیضاوی) یا یوں کہا جائے کہ شبہ انہیں مقتول سے متعلق ہوا، اور وہ دھوکے میں اس کی شخصیت کے بارہ میں پڑ گئے۔ شبه لهم المقتول و المصلوب (جلالین) بہر حال اس پر ہمارے سارے مفسرین کا اتفاق ہے، کہ یہود کو دھوکا ہوا، اور وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے دھوکے میں کسی اور کو سولی پر چڑھا گئے۔ لیکن یہ شخص کون تھا، اور دھوکے کی صورت کیا ہوئی، اس کا تصریحی جواب نہ قرآن مجید میں ہے نہ کسی حدیث صحیح میں۔ اب سوا اس کے چارہ نہیں رہتا کہ تاریخ کی روشنی میں واقعہ کے جزئیات کو ایک ایک کر کے لایا جائے، اُس وقت کے پس منظر کو سامنے لایا جائے۔ اور جو صورتِ واقعہ نسبۃً قرین قیاس اور مطابق مقتضائے حال معلوم ہو، اُسی کو ترجیحی طور پر اختیار کیا جائے پہلی بات اس سلسلہ میں یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یروشلم کے لوگوں سے ملتے جلتے کم تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ عوام تو عوام، خواص بھی آپ کو پوری طرح پہچانتے نہ تھے۔ چنانچہ جب آپ کی گرفتاری کا وقت آیا، تو اس کے لیے اکابر یہود اور متعدد سپاہیوں کا ایک پورا گروہ اس ضرورت کے لیے کافی ثابت نہ ہوا، بلکہ آپ کی شناخت کے لیے آپ ہی کی مختصری پارٹی کے ایک منافق وغدار کو ساتھ لینا پڑا۔ یہ ایک خالص تاریخی حقیقت ہے لیکن امام المفسرین امام رازی اس راز سے بھی واقف ہیں۔ فرماتے ہیں۔ والناس ما كانوا يعرفون المسيح الا بالاسم بانه كان قليل المخالطة للناس (کبیر) متی اور مرقس دونوں انجیلوں میں ہے کہ گرفتاری کرنے والی پارٹی میں سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں کی طرف سے ایک ''بڑی بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لیے ہوئے'' سپاہیوں کی شامل تھی۔ اس پر بھی گرفتاری اور شناخت کے لیے انہیں یہوداہ منافق کا سہارا ڈھونڈنا پڑا۔ اور انجیل یوحنا میں ہے کہ جب یہ پلٹن اور پیادے وہاں پہنچے، تو ''یسوع نے اُن سے پھر پوچھا کہ تم کسے ڈھونڈتے ہو؟ وہ بولے یسوع ناصری کو، یسوع نے جواب دیا میں تم سے کہہ تو چکا ہوں کہ میں ہی ہوں''۔ (۱۸: ۳۔۸) ''حضرت مسیح علیہ السلام'' کا تعظیمی تخیل تو بہت بعد کی پیداوار ہے۔ معاصر مخالفین ومعاندین کی نظر میں تو آپ کی حیثیت صرف یسوع ناصری نامی ایک بدنام وغیر معروف مجرم کی تھی۔ وہ سامنے موجود تھا، اور پھر بھی کوئی پہچان نہیں رہا تھا، حالانکہ سب آئے تھے اُسی کی تلاش میں! دوسری بات یہ خیال رکھنے کی ہے کہ حضرت علیہ السلام کو، یا بالفاظ یہود یسوع ناصری کو تبدیل ہیئت میں خاص ملکہ تھا۔ انجیلوں میں حضرت علیہ السلام کی اسی قدرت کو بہ طور معجزہ کے بیان کیا گیا ہے۔ ''چھ دن کے بعد یسوع نے پطرس اور یعقوب اور اس کے بھائی یوحنا کو ہمراہ لیا، اور انہیں ایک اُونچے پہاڑ پر الگ لے گیا۔ اور اُن کے سامنے اُس کی صورت بدل گئی، اور اُس کا چہرہ سورج کی مانند چمکا''۔ (متی۔ ۱۷: ۱، ۲) ''جب وہ دُعا مانگ رہا تھا تو ایسا ہوا کہ اس کے چہرہ کی صورت بدل گئی، اور اس کی پوشاک سفید براق ہوگئی''۔ (لوقا ۹: ۲۹) نیز مرقس ۹: ۲۔ یہ معجزہ تھا یا نہ تھا، یہ ایک الگ بحث ہے۔ بہر حال آپ کو نفس قدرت اس پر حاصل تھی۔ تیسرے، اس تاریخی حقیقت کا استحضار ذہن میں کر لیا جائے، کہ ملک (شام و فلسطین) کی آبادی اُس وقت اسرائیلیوں (یہود) کی تھی۔ اور اسی برادری کے ایک فرد آپ بھی تھے۔ لیکن ملک پر حکومت رُومیوں کی تھی، اور اعلیٰ عہدہ دار اور پولیس اور فوج رومیوں پر مشتمل تھی۔ اور یہ رومی نہ صرف مشرک یعنی دین وعقیدہ میں اسرائیلیوں سے مختلف تھے، بلکہ صورت شکل، وضع ولباس، زبان ومعاشرت وغیرہ میں بھی اُن سے ایسے ہی الگ تھے جیسے آج انگریز ہندوستانیوں سے مختلف وممتاز ہیں ...... اور جس طرح آج ہندوستانیوں کو سب فوجی گورے یکساں اور گوروں کو سارے ''کالے'' ایک سے معلوم ہوتے ہیں، بدیسی رومی سپاہیوں اور فوجیوں کی نظر میں سب یہود یہود، اور اسرائیلی اسرائیلی بھی ایک ہی تھے۔ چوتھی کڑی اس سلسلہ کی یہ ملائیے، کہ جس مقام پر رومی عدالت تھی، وہاں سے سرکاری سولی گھر فاصلہ پر تھا، اور سولی یا صلیب جس کی شکل انگریزی چھاپہ کے بڑے حرف (ٹی) T کے مشابہ یا ریلوے سگنل سے ملتی جلتی ہوتی تھی، وہ سولی گھر میں پوری گڑی ہوئی نہیں ہوتی تھی، صرف اس کا سیدھا اور کھڑا استون زمین میں گڑا ہوا رہتا تھا، باقی جو لکڑی اُس کے اُوپر آڑی پڑتی تھی، اس کے لیے قاعدہ یہ تھا کہ وہ مجرم کو عدالت سے اپنے اُوپر لاد کر سولی گھر تک لانی پڑتی تھی۔ یہاں تک جو کچھ عرض ہوا، اس پر ایک نظر دوبارہ کر کے اُمورِ ذیل کو بھی نظر کے سامنے لے آئیے:۔ (۱) حکم جب سنایا گیا ہے، جمعہ کا دن تھا۔ اور دن آخر ہو رہا تھا۔ اور یہود کو جلدی تھی کہ ہر طرح فراغت پا کر شاموں شام گھر واپس آ جائیں۔ جمعہ کی شام ہی سے اُن کا یوم السبت شروع ہو جاتا تھا، اور یوم السبت کے حدود کے اندر مجرم کی سزا دہی وغیرہ بھی ممنوع تھی۔ اور پھر یہود کا اہم تہوار، عید فسح (Passover) بھی شروع ہو رہی تھی۔ غرض یہود کو اس کی بہت ہی عجلت تھی کہ کسی طرح اُن کا یہ مجرم جلد سے جلد سولی پا کر شام سے قبل ہی دفن ہو جائے۔ (۲) لاغر و ناتوان مجرم (یعنی خود حضرت مسیح علیہ السلام) کے لیے ممکن نہ تھا کہ اتنی وزنی لکڑی لاد کر اتنا فاصلہ یہود کی خاطر خواہ تیزی سے طے کر سکیں۔ خصوصاً جب کہ یہودی بچے اور شریر قسم کے یہود خود ہی قدم قدم پر انہیں چھیڑتے جاتے، اور اُن کا راستہ کھوٹا کرتے جاتے۔ اب اس ساری صورت حال کو اس تفصیل کے ساتھ پیش نظر رکھ کر فرمائیے کہ رومی سپاہی، جو مجرم، بلکہ مجرموں کو (آپ کے ساتھ سولی کے لیے دو مجرم اور بھی تھے) حراست میں لیے ہوئے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ رعایا میں سے نہیں، بلکہ حاکم قوم کے افراد تھے، ایسے موقع پر کیا کرتے؟ ـــــ خود تو اپنے اوپر وہ سولی والی لکڑی کا بوجھ لادنے سے رہے۔ انہوں نے وہی کیا جو اُن کی جگہ پر کوئی بھی اُن جیسا انسان کرتا۔ انہوں نے مجمع ہی میں سے کسی بدتمیز یہودی کو پکڑ لیا، اور صلیب کی لکڑی اُسی پر لاد دی! ...... انگریز گارد ایسے موقع پر، یعنی کسی ہندوستانی مجرم کو حراست میں لیے جاتا ہوتا تو کیا کرتا؟ یہی کرتا کہ بھیڑ میں کسی ہندوستانی ہی کو پکڑ لیتا اور اس پر لاد دیتا۔ یہ محض قیاس و قرینہ نہیں، انجیلوں میں اتنے جزو کی تصریح موجود ہے:۔ ''انہیں شمعون نام ایک کرینی آدمی ملا۔ اُسے بیگار پکڑا کہ اُس کی صلیب اُٹھائے''۔ (متی۔ ۲۷: ۳۲) ''اور شمعون نام ایک کرینی آدمی اسکندر اور روفس کا باپ دہات سے آتے ہوئے اُدھر سے گزرا۔ انہوں نے اُسے بیگار میں پکڑا کہ اُس کی صلیب اٹھائے'' (مرقس۔ ۱۵: ۲۱) ''اور جب اس کو لیے جاتے تھے، تو انہوں نے شمعون نام ایک کرینی کو جو دہات سے آتا تھا، پکڑ کے صلیب اُسی پر رکھ دی کہ یسوع کے پیچھے پیچھے چلے'' (لوقا ۲۳: ۲۶) جب یہ مجمع (جو یقیناً کوئی باقاعدہ و منظم مجمع نہیں، بلکہ عوام کی ایک بھیڑ تھا) اس افراتفری کے ساتھ ایک دوسرے کو ریلتا پیلتا، مجرم سے چھیڑ چھاڑ کرتا، اُس سے تمسخر کرتا ہوا، سولی گھر کے پھاٹک پر پہنچا، تو رومی پولیس گارد جو ساتھ تھا، اب اُس کی ڈیوٹی ختم ہوگئی۔ اب یہاں سے جیل کے سنتریوں کا عمل و دخل شروع ہوتا ہے۔ وہ کیا جانیں، کہ یسوع ناصری کس کا نام ہے۔ وہ اپنے حسب دستور مجرم اُسی کو سمجھے جس کے اُوپر صلیب لدی ہوئی تھی ...... ایک مرتبہ پھر اس حقیقت کو مستحضر کر لیجیے کہ جیل کے رومی سپاہیوں کے لیے سب یہودی اجنبی ہی تھے، اور اس لیے باہم گرہم شکل اور یکساں۔ انہیں ایک اسرائیلی (یسوع ناصری) اور دوسرے اسرائیلی (شمعون کرینی) کے درمیان اشتباہ نہایت آسان تھا، انہیں دونوں کے درمیان کوئی نمایاں فرق ہی نہیں نظر آ سکتا تھا۔ شمعون نے یقیناً واویلا مچایا ہوگا، لیکن ادھر مجمع کا شور و ہنگامہ اُدھر جیل کے سپاہیوں کی اسرائیلیوں کی زبان سے ناواقفیت، اور پھر سولی پر لٹکا دینے کی جلدی، اسی افراتفری کے عالم میں اُسی شمعون کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا گیا۔ اور وہ چیختا چلاتا رہا۔ حضرت مسیح علیہ السلام قدرۃً اس ہڑبونگ میں دشمنوں کے ہاتھ سے رہا ہو گئے۔ اور دشمن دھوکے میں پڑے ہوئے ٹامک ٹوئیے مارتے رہ گئے! وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ یہ عقیدہ تو ایجاد نہیں۔ خود مسیحیوں ہی کا ایک قدیم ترین فرقہ باسلیدیہ (Basilidian) کے نام سے گزرا ہے (بانی فرقہ کا سال وفات

۱۴۰ء) وہ اسی عقیدہ کا قائل تھا۔ اور کھلم کھلا کہتا کہ مصلوب حضرت مسیح علیہ السلام نہیں ہوئے، بلکہ شمعون کرونی ہوا ہے۔ قرآن مجید نے اسی عقیدہ کی تصویب کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ لیکن پولوس (متوفی ۶۵ء) کے اثر سے جو مسیحیت چلی اور پھیلی، اُس کی تو بنیاد ہی عقیدۂ کفارہ پر ہے۔ یعنی اس عقیدہ پر کہ ابن اللہ نے یا خود خدا نے مجسم ہو کر، اور صلیب پر جانکنی کی تکلیف اٹھا کر اور اپنی جان دے کر سب کی طرف سے مخلوق کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ اس لیے یہ رواجی مسیحیت تو بغیر مصلوبیت مسیح علیہ السلام کو مانے اور فرض کیے ہوئے ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتی۔ اس لیے لامحالہ اسی پولوی اور کلیسائی مسیحیت نے کل قدیم صحیح العقیدہ مسیحی فرقوں کو "بدعتی" اور "مبتدع" قرار دے کر کلیسا سے خارج کر دیا۔ اور خود ہی کہنے لگے جو دشمنانِ عیسیٰ علیہ السلام یعنی یہود پہلے ہی سے کہہ رہے تھے۔ یعنی یہی کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر وفات پا گئے! گو ظاہر ہے کہ اس اشتراک عقیدہ میں نیتیں دونوں کی بالکل الگ الگ ہیں۔ یہود وفات عیسیٰ علیہ السلام کو موقع تحقیر واہانت میں بیان کرتے ہیں، اور مسیحی بعینہٖ اسی واقعہ سے آپؑ کی عظمت پر دلیل لاتے ہیں۔ لیکن نفس عقیدہ بہرحال دونوں میں مشترک ہے۔ اور بڑے تاسف اور قلق کا مقام ہے کہ آج بیسویں صدی عیسوی میں بعض "مسلمان" فرقے بھی اسی گمراہی کی طرف واپس جا رہے ہیں۔ اور طرفہ یہ ہے کہ وفات مسیح علیہ السلام کے اس باطل اور خلاف تحقیق عقیدہ کو "روشن خیالی" کا تمغہ اور تحقیق کا پروانہ سمجھ رہے ہیں! **ف۳۹۹** (آپس میں، کہ کوئی آپ کو مرتبۂ الوہیت پر پہنچائے دیتا ہے، اور کوئی مرتبۂ عبدیت کاملہ سے بھی نیچے اتارے لاتا ہے) فِيْهِ میں ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے ای فی شان عیسٰی علیہ السلام (روح) ای فی عیسٰی (مدارک) ای فی عیسٰی (جلالین) الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ سے مراد یہود و نصاریٰ اور اُن کے مختلف فرقے ہیں۔ کہ کوئی آپؑ کو نعوذ باللہ شعبدہ باز قرار دے رہا ہے، اور کوئی نعوذ باللہ آپؑ کی خدائی کا کلمہ پڑھ رہا ہے۔ المراد من الموصول ما یعم الیهود والنصارٰی جمیعًا (روح) قیل الضمیر عائد علی الیهود والنصارٰی (بحر) **ف۴۰۰** شَكٍّ کی بہترین تفسیر مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے، یعنی قول بلا دلیل۔ یعنی نظریہ پر نظریہ قائم کرتے چلے جاتے ہیں اور کوئی بات بنائے نہیں بنتی۔ مسیحی مسیحیوں سے دست و گریباں ہیں اور یہود یہودیوں سے۔ اندر ہی اندر خدا معلوم کتنے فرقے ہو گئے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ **ف۴۰۱** (اور گمان یا اٹکل حقیقت رسی میں کہاں تک کافی ہو سکتی ہے!) مسیحیوں نے تو غضب ہی کر رکھا ہے، اپنے سارے مذہب یعنی الوہیت مسیح، وفات مسیح، احیاء مسیح علیہ السلام کی بنیاد تمامتر ظن ووہم پر رکھی ہے۔ لَهُمْ میں ضمیر اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا کی طرف ہے۔ یعنی وہ لوگ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے باب میں جھگڑ رہے ہیں۔ یہود، نصاریٰ اور اُن کے اندرونی فرقے۔ مِنْ عِلْمٍ۔ علم سے مراد علم صحیح، علم ثابت بالدلائل ہے۔ اور مِنْ زائد ہے۔ من زائدة (قرطبی) چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند: یہود اور مسیحی دونوں قوموں کی روایتوں اور مکاتبوں کی بالکل صحیح تصویر قرآن مجید نے ان مختصر و جامع الفاظ میں کھینچ دی ہے۔ لکن یتبعون فیه الظن الذی تخیلوهٗ (جلالین) ظن یہاں مقابل علم کے ہے۔ یعنی ایسا قول جو بالکل بلا دلیل ہو اور جس کا مبنیٰ نہ کوئی نص ہو نہ اُس سے کوئی استنباط...... یعنی کج فہموں نے آیتوں کے الفاظ سے نفی قیاس پر جو دلیل قائم کرنا چاہی ہے وہ بے اصل ہے۔ قیاس فقہی تو خود ایک دلیل شرعی ہے استنباط و استخراج کے مرادف۔ **ف۴۰۲** وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا میں يَقِيْنًا نفی قتل کی تاکید کے لیے ہے۔ کذلک ما قتلوه حقاً (کشاف) ما قتلوهُ حقا فیجعل یقینا تاکیدا لقوله و ما قتلوه (مدارک) ای حق انتفاه قتله حقاً (مدارک) حال موکدة لنفی القتل (جلالین) عقیدۂ وفات مسیح علیہ السلام یا قتل مسیح علیہ السلام چونکہ بہت بڑی غلط فہمی یا گمراہی کا باعث ہے اور دنیا کی دو بڑی قومیں یہود اور مسیحی اسی غلطی میں مبتلا ہیں۔ اس لیے قرآن مجید کو اس کی تردید کی ضرورت بھی بہت وضاحت اور تاکید کے ساتھ پیش آئی۔ **ف۴۰۳** اِلَيْهِ۔ اپنی طرف یا اپنے آسمان کی طرف۔ قرآن مجید میں اس طرح کے حذف مضاف کی مثالیں بہ کثرت ملتی ہیں۔ اور جس طرح "اللہ نے اپنی طرف بلا لیا ہے مراد" آخرت کی طرف بلا لینا سمجھی جاتی ہے، اُسی طرح عربی اور اُردو دونوں محاورہ میں اللہ کی طرف اُٹھا لینے سے مراد آسمان کی طرف اُٹھا لینے سے ہے۔ یحتمل رفعه الی السماء (راغب) ای الی السماء واللہ تعالٰی متعال عن مکان (قرطبی) الی السماء (مدارک) الی سمائه (بحر) رَفَعَهُ۔ رفع کے اصلی معنٰی رفع جسمانی یا رفع مادّی ہی کے ہیں۔ الرفع یقال فی الاجسام الموضوعة اذا اعلیتها عن مقرّها (راغب) مجازی معنٰی، یعنی رفع مراتب کے بھی جائز ہیں۔ ای رفعه من حیث التشریف (راغب) لیکن حقیقت کو چھوڑ کر مجاز اختیار کرنے کی کوئی وجہ قوی موجود ہونی چاہیے۔ اور وہ یہاں موجود نہیں۔ بعض نادان اور نوخیز فرقوں کا یہ استدلال کہ چونکہ رفع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب ہے، اس لیے رفع جسمانی تو مراد ہو ہی نہیں سکتا، اور اس لیے لامحالہ رفع مجازی یعنی قرب و منزلت ہی مراد ہوگی، قرآن فہمی سے بُعد پر مبنی ہے۔ آخر قرآن مجید ہی میں اس طرح کی آیات موجود ہیں یا نہیں:۔ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ یہاں مہاجرت الی اللہ سے کسی نے مہاجرت الی دارالاسلام یا مہاجرت الی المدینہ نہیں لی ہے؟ یا پھر قَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ۔ یہاں کون نہیں سمجھتا کہ ذہاب الی رب سے مراد ذہاب الی الشام مراد ہے؟ وقس علی هذا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے کہ تعظیم وتشریف کے جس سیاق میں یہاں ذکر رفع الی اللہ کا ہے، وہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ یہ رفع کوئی امتیازی اور مخصوص چیز ہے، متقین وصالحین کے عام دخول جنت اور وہاں کی لذات جسمانی وحسی سے الگ۔ رفعه الیه اعظم فی باب الثواب من الجنة و من کل ما فیها من اللذات الجسمانیة (کبیر) رفع جسمانی کا عقیدہ لازمۂ ایمان اور شرط اسلام ہو یا نہ ہو، بہرحال ظاہر قرآن سے قریب تر ضرور ہے۔ **ف۴۰۴** صفت عزیز لا کر یہ یاد دلا دیا کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کو بچا لینے پر بھی قادر، اسے اٹھا لینے پر بھی قادر، رفع جسمانی ورفع روحانی دونوں پر قادر۔ صفت حکیم لا کر ادھر اشارہ کر دیا کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے دشمنوں کے ساتھ جو معاملہ کیا وہی عین مقتضائے حکمت تھا۔ **ف۴۰۵** (جب عالم برزخ کا مشاہدہ شروع ہو جاتا ہے، اور اس لیے وہ ایمان نافع نہیں ہوتا) قَبْلَ مَوْتِهٖ میں ضمیر کتابی کی طرف ہے، اور مراد ہے موت کے وقت۔ یؤمن بعیسٰی اذا عاین الملک ولکنهٗ ایمان لا ینفع لانه ایمان عند الیاس و حین التلبس بحالة الموت (قرطبی) لا یموت یهودی حتّٰی یؤمن بعیسٰی (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) کل صاحب کتاب یؤمن بعیسٰی قبل موته (ابن جریر۔ عن مجاهد) هذا قول اکثر المفسرین و اهل العلم (معالم) یعنی اذا عاین قبل ان تزهق روحه حین لاینفعه ایمانه لا نقطاع وقت التکلیف (کشاف) حیث یعاین ملٰئکة الموت فلا ینفعه ایمانهٗ (جلالین) قَبْلَ کا اطلاق عربی میں جس طرح تقدم منفصل پر ہوتا ہے، تقدم متصل پر بھی ہوتا ہے۔ یستعمل فی تقدم المتصل والمنفصل (راغب) اور یہاں تقدم متصل ہی مراد ہے، یعنی مرتے وقت۔ بِهٖ میں ضمیر بالاتفاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے۔ لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ یعنی آپؑ کا جو صحیح مرتبہ عند اللہ ہے، اسے وہ جان کر، اور اس کا اعتراف واقرار کر کے رہیں گے۔ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔ لفظ عام ہے۔ لیکن محاورۂ قرآنی میں اکثر اس سے مراد یہود ہی ہوتے ہیں۔ اور یہاں بھی عبارت کا سیاق وسباق انہی کی جانب مشیر ہے۔ ای من الیهود (بحر) لا یموت یهودی حتّٰی یؤمن بعیسٰی (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای الیهود خاصة کما اخرج ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما (روح) اور اگر وہی عام ہی معنٰی لئے جائیں اور یہود ونصاریٰ دونوں مراد سمجھے جائیں، جب بھی معنٰی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یعنی الیهود والنصارٰی کما ذهب الیه کثیر من المفسرین (روح) مراد یہ ہوگی کہ مسیحیوں، یعنی مقام عیسیٰ علیہ السلام میں افراط کرنے والوں اور یہود یعنی منصب عیسیٰ علیہ السلام میں تفریط کرنے والوں، دونوں پر موت کے وقت صحیح مقام عیسیٰ علیہ السلام کا انکشاف کر دیا جائے گا۔ **ف۴۰۶** یعنی یہ بتلائیں گے کہ فلاں فلاں نے میری تصدیق کی تھی، اور فلاں فلاں نے تکذیب۔ یعنی شاهدا علیهم بتکذیب من کذبه منهم و تصدیق من صدقه منهم (ابن جریر) شَهِيْدٌ کے معنٰی حکم لگانے والے کے بھی ہوتے ہیں۔ و قد یعتبر بالشهادة عن الحکم (راغب)

أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ﴿١٦٠﴾

حرام کر دیں ف ٤٠٧ اور اس سبب سے بھی کہ وہ اللہ کی راہ سے بہت روکتے تھے ف ٤٠٨

وَأَخْذِهِمُ الرِّبَوٰا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ

اور (اس سبب سے بھی کہ) وہ سود لیتے تھے، حالانکہ انہیں اُس کی ممانعت کردی گئی تھی، ف ٤٠٩ اور (اس سبب سے بھی

النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَٰفِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا

کہ) وہ دوسروں کا مال ناحق کھا لیتے تھے، ف ٤١٠ اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لئے ہم نے عذاب دردناک تیار کر

أَلِيمًا ﴿١٦١﴾ لَّٰكِنِ الرَّٰسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ

رکھا ہے ف ٤١١ البتہ ان میں جو لوگ علم میں پختہ اور ایمان والے ہیں کہ ایمان رکھتے ہیں

يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ

اس (کتاب) پر جو آپ پر اتری ہے اور اُس پر (بھی) جو آپ سے قبل اتر چکی ہے

وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَوٰةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَوٰةَ وَالْمُؤْمِنُونَ

اور نماز کے پابند اور زکوۃ کے ادا کرنے والے ہیں اور اللہ اور

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَٰٓئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا

روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں ایسوں کو ہم اجرِ عظیم ضرور

عَظِيمًا ﴿١٦٢﴾ ع إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ

دیں گے ف ٤١٢ یقیناً ہم نے آپ پر وحی بھیجی ہے جیسی کہ ہم نے نوحؑ

وَالنَّبِيِّۦنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ

اور ان کے بعد کے نبیوں کی طرف وحی بھیجی تھی اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ

وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ

اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ اور عیسیٰؑ اور ایوبؑ

ع ٢٢/٢

ف ٤٠٧ جس طرح افراد کے نفس سرکش کی اصلاح کی ایک صورت یہ ہے کہ بعض مباحات سے بھی اُسے روک دیا جائے، اسی طرح جب قوم کا مزاج اعتدال سے منحرف ہو جاتا ہے تو اس کے لیے بھی مناسب صورت یہی ہوتی ہے کہ جن جائز چیزوں کی وہ عادی تھی، اُن سے اسے محروم کر دیا جائے۔ بظلم۔ میں با سببیہ ہے۔ اس سے یہ صاف نکل آیا کہ اُمت اسرائیلی پر بعد کو جو کچھ بھی سختیاں ہوئیں، خود اُنہی کی زیادتیوں کی بدولت ہوئیں، بلاوجہ نہیں ہوئیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معاصی کے سبب سالک سے واردات کا قبض اسی کے مشابہ ہے۔

ف ٤٠٨ یہود کی قومی فردِ جرم کی یہ دوسری دفعہ ہے۔ یعنی خود اپنی جانوں پر تو وہ ظلم کر ہی رہے تھے، ان کی گمراہی متعدی بھی تھی۔ دوسروں کو بھی بھٹکا رہے تھے۔ كَثِيرًا۔ کثیر کے ایک معنٰی تو یہی ہیں کہ وہ بہت لوگوں کو راہِ حق سے روک دیتے تھے۔ دوسرے معنٰی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اُن کی روک یا گمراہ کرنے کی خصلت بہت زائد تھی۔ تیسرے یہ معنٰی بھی کئے گئے ہیں کہ مدتِ طویل تک روک تھام کرتے رہے۔ غرض کثرت کا تعلق کمیت و کیفیت اور زمانہ تینوں سے ہو سکتا ہے۔ ای جمعًا عظیمًا من الناس او صدا کثیرا وقدرہ بعضهم زمانا کثیرا۔ (بحر) ف ٤٠٩ (ان کے پیمبروں کے ذریعہ سے اُنہی کی کتابوں میں) توریت میں ممانعت سود کے اس طرح کے احکام آج تک لکھے چلے آ رہے ہیں۔ ”اگر تو میرے لوگوں میں سے جس کسی کو جو تیرے آگے محتاج ہے کچھ قرض دیوے تو اس سے بیاجیوں کی طرح سلوک مت کر، اور سود مت لے“۔ (خروج۔ ٢٢:٢٥) ”تو اس سے سود اور نفع مت لے۔ اپنے خدا سے ڈرتا کہ تیرا بھائی تیرے ساتھ زندگانی بسر کرے۔ تو اسے سود پر روپیہ قرض مت دے، نہ اُسے نفع کے لیے کھانا کھلا۔“ (احبار۔ ٢٥:٣٦۔٣٧) یہ اور بات ہے کہ آج دنیا میں سب سے زیادہ سود خور قوم یہی یہود ہو۔ اور ان کے شائیلاک دنیا کے ادبیات میں ضرب المثل بن گئے ہوں۔ ف ٤١٠ یعنی ان کی شریعت میں سود، رشوت، خیانت وغیرہ آمدنی کے جن ذریعوں کو حرام کر دیا گیا تھا، اُنہی کو اختیار کر کر کے جن نعمتوں سے یہود محروم کر دیئے گئے تھے، وہ جنتی اور جو کچھ بھی ہوں، بہر حال اُن سے محرومی کے اسباب یہاں کھول کر بیان کر دیئے گئے ہیں:۔ (١) ایک ان کی ذاتی زبردستیاں، زیادتیاں، گنہگاریاں۔ (فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا) (٢) دوسرے اُن کی متعدی گمراہیاں (بِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا)۔ (٣) تیسرے اُن کی سود خوری، وہ بھی ممانعت کے بعد (أَخْذِهِمُ الرِّبَوٰا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ) (٤) چوتھے (ناجائز آمدنیوں سے ان کا تامل نہ کرنا (أَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ) ف ٤١١ (آخرت میں) اور دنیوی سزاؤں میں خود یہ نعمتوں سے محروم ہو جانا کیا کچھ کم ہے؟ آیت کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی سزائیں تو عمومی و اجتماعی رنگ میں ملتی ہیں۔ چنانچہ فلاں فلاں نعمتوں سے ساری قوم محروم کر دی گئی۔ لیکن آخرت میں سزائیں تمام تر انفرادی اور شخصی حیثیت سے ملتی ہیں۔ ہر ہر فرد اپنے اپنے اعمال کو بھگتے گا۔ جہنم کا عذابِ الیم صرف اُنہی افراد کو ہو گا جو کافر ہوں گے۔ ف ٤١٢ (آخرت میں) آیت میں ایمان کے بھی اہم ترین اجزاء (اللہ پر ایمان، آخرت پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان) آ گئے۔ اور عبادات کے بھی اہم ترین عنوانات، یعنی اقامت صلوٰۃ و ادائے زکوٰۃ۔ الرَّٰسِخُونَ فِي الْعِلْمِ۔ علم سے مراد علم دین ہے۔ الْمُؤْمِنُونَ۔ یعنی جو ایمان لے آنے والے ہیں۔ سَنُؤْتِيهِمْ۔ س یہاں تیقن کے لیے ہے۔ والسین لتوکید الوعد (روح)

وَيُونُسَ وَهٰرُونَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُورًا ﴿۱۶۳﴾

اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ پر وحی بھیجی تھی ف۴۱۳ اور ہم نے داؤدؑ کو ایک صحیفہ دیا تھا ف۴۱۴

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۗ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا ﴿۱۶۴﴾

اور (دوسرے) پیمبروں پر کہ ان کا حال ہم پیشتر آپ سے بیان کر چکے ہیں (ہم نے وحی بھیجی تھی) اور ایسے پیمبروں پر (بھی) کہ اُن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا، ف۴۱۵ اور اللہ نے موسیٰؑ سے (خاص طور پر) کلام فرمایا ف۴۱۶

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۶۵﴾

اور پیمبروں کو (ہم نے بھیجا) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر) تاکہ لوگوں کو پیمبروں کے (آنے کے) بعد اللہ کے سامنے عذر نہ باقی رہ جائے، ف۴۱۷ اور اللہ تو ہے ہی بڑا زبردست، بڑا حکمت والا ف۴۱۸

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ ۖ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا ﴿۱۶۶﴾

لیکن ف۴۱۹ (اس کے ساتھ) اللہ گواہی دے رہا ہے اس (کتاب) کے ذریعہ سے جو اس نے آپ پر نازل کی (اور) اُسے اس نے اپنے (کمال) علم سے نازل کیا ہے، ف۴۲۰ اور فرشتے (بھی) گواہی دے رہے ہیں، اور اللہ کی گواہی کافی ہے،

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلٰلًا بَعِيدًا ﴿۱۶۷﴾

ف۴۲۱ یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے (دوسروں کو) روکا، وہ بڑی ہی دُور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں،

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿۱۶۸﴾ إِلَّا

یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا، اور ظلم کیا ف۴۲۲ اللہ ایسا نہیں کہ انہیں بخش دے اور نہ یہ ہے کہ انہیں کوئی راستہ دکھائے بجز

ف۴۱۳ یہ جتنے نام یہاں آئے ہیں ان سب پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ خطاب کا رُخ زیادہ تر یہود ہی کی جانب ہے۔ انہی کو بتایا اور سمجھایا ہے کہ سلسلہ وحی کو تو آخر تم مانتے ہو، اور حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کے بعد کے انبیاء کی نبوت کو بھی تسلیم کرتے ہو، پھر ایک نئے نبی کی شناخت و معرفت میں تمہیں اتنی دشواری کیوں پیش آ رہی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ ایسے انبیاء کے ساتھ جن کی نبوت یہود کو مسلّم تھی، چند ایسے پیمبروں کے نام بھی لے دیئے گئے ہیں، جن کی نبوت کے یہود منکر (مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام) یا تقریباً منکر تھے (مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام) ف۴۱۴ زَبُورًا۔ زبور یہاں لفظی معنی میں ہے اور لفظی معنی اس کے ہر لکھی ہوئی چیز کے ہیں۔ الزبر الکتابة، زبر الکتاب کتبهٗ (لسان) اور الزبور کے بھی معنی لکھی ہوئی کتاب کے ہیں۔ الزبور الکتاب الزبور (لسان) الزبور الکتب المسطور (تاج) زبور کے نام سے اس وقت جو کتاب حضرت داؤد علیہ السلام کی جانب منسوب موجود ہے، وہ عہد عتیق کے مجموعہ صحائف میں سے ایک صحیفہ ہے۔ اور اس مجموعہ کے نمبر ۱۹ پر ہے۔ اس میں احکام و مسائل شریعت درج نہیں، بلکہ صرف حمد، مناجات، دعائیں وغیرہ ہیں۔ اور جابجا آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت پیشگوئیاں بھی، پیشگوئیوں کے ڈھکے ہوئے انداز میں موجود ہیں۔ ف۴۱۵ (اب تک) پھر بعض پیمبر ایسے ہیں جن کا ذکر اس آیت کے نزول کے بعد قرآن مجید میں آ گیا۔ اور بہت سے ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں سرے سے آیا ہی نہیں۔ والاکثرون غیر مذکورین علی سبیل التفصیل (کبیر) متکلمین نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ ہر ہر نبی پر تفصیل کے ساتھ ایمان لانا ضروری نہیں۔ البتہ سب نبیوں کی اجمالاً تصدیق ضروری ہے۔ والاٰیة تدل علی ان معرفة الرسل باعیانهم لیست بشرط لصحة الایمان بل من شرطه ان یومن بهم جمیعاً اِذلو کان معرفة کل واحد منهم شرطاً لقصّ علینا کل ذٰلک (مدارک) مِنْ قَبْلُ۔ یعنی اس آیت کے نزول سے پیشتر۔ ف۴۱۶ تَكْلِيمًا۔ فعل کے بعد اسی مصدر کو اور پھر تنوین کے ساتھ لانے کے معنی یہ ہیں کہ کلام کی کوئی بہت ہی مخصوص نوعیت مراد ہے۔ ورنہ کلام و مخاطبہ اپنے عام معنی میں تو ہر نبی کے ساتھ ہوتا ہے...... ایسا کلام جو ہمکلامی و مخاطبۂ انبیاء میں بھی ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ عام عقول کے لیے تو ناقابل فہم ہی ہوگا۔ مصدر معناه التاکید (قرطبی) هو الکلام الحقیقی الذی یکون به المتکلم متکلماً (قرطبی) والمعنی ان التکلیم بغیر واسطة منتهی مراتب الوحی و اعلاها (روح) اشارة الی ان المصدر و تنوینهٗ للتنویع لانه نوع عجیب لایدرک کنههٗ (تھانوی) ف۴۱۷ یعنی پیمبروں کے آ جانے کے بعد اب کسی کو قیامت میں یہ عذر پیش کرنے کا موقع باقی نہیں رہا، کہ ہماری عقل مسائل و حقائق کے سمجھنے سے قاصر رہی۔ متکلمین نے یہیں سے یہ اخذ کیا ہے کہ بندوں پر حجت الٰہی ارسال رُسل کے بعد ہی قائم ہوئی ہے نہ کہ مجرد عقل کی بنا پر۔ یدل علی انّ قبل البعثة یکون للناس حجة فی ترک الطاعات والعبادات (کبیر) احتج اصحابنا بهٰذه الاٰیة علی وجوب معرفة الله تعالیٰ لا یثبت الا بالسمع (کبیر) فی هٰذا کله دلیل واضح انه لا یجب شیء من ناحیة العقل (قرطبی) فیه تنبیه علی ان بعثة الانبیاء الی الناس ضرورة بقصور الکل عن ادراک جزئیات المصالح والاکثر عن ادراک کلیاتها (بیضاوی) ف۴۱۸ صفت عزیز لا کر یاد دلا دیا کہ وہ مالک حقیقی ہے، فاعل مختار، پیمبروں کے بھیجے ہوئے بغیر بھی ہر عذر کو قطع کر سکتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ حکیم بھی تو ہے۔ اس صفت کو لا کر یہ بتا دیا کہ اس کی حکمتِ کاملہ مقتضی اس کی ہوئی کہ وہ ظاہری عذر بھی نہ باقی رہنے دے۔ ف۴۱۹ لٰکِنْ کلمۂ استدراک ہے، اور استدراک قول ماسبق پر ہوتا ہے۔ یہاں مراد ہے کہ اگر یہ لوگ خصوصاً یہود اب بھی اور اس کے باوجود بھی نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانیں تو...... روایتوں میں آتا بھی ہے کہ یہود نے پچھلی آیات اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ الخ کو سن کر کہا تھا کہ ہم تو ان کی رسالت کی گواہی نہیں دیتے۔ مما قال انا اوحینا الیک قال القوم لا نشهدلک بذٰلک فنزل لکن الله یشهد (کبیر) فی الکلام حذف دل علیه الکلام۔ کان الکفار قالوا ما تشهدلک یا محمد فی ما تقول فمن یشهدلک (قرطبی) ف۴۲۰ (اور اسی کمال علمی ہی نے تو قرآن کو معجزہ بنا دیا ہے) اَللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ۔ یعنی اللہ کی شہادت اسی قرآن کے ذریعہ سے ظاہر ہو رہی ہے۔ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ۔ اس میں قرآن کے لیے صفت کمال کا اثبات ہے۔ والمراد من قوله وصف القراٰن بغایة الحُسن ونهایة الکمال (کبیر) معتزلہ نے جو صفاتِ باری سے انکار کیا ہے، اس کا رَد بھی متکلمین اہل سنت نے یہیں سے نکالا ہے۔ فیه نفی قول المعتزلة فی انکار الصفات فانه اثبت لنفسه العلم (مدارک) دلت علی انه تعالیٰ عالم بعلم (قرطبی) ف۴۲۱ یعنی حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے اللہ کی شہادت ہر دوسری شہادت سے بے نیاز ہے۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُونَ۔ اللہ کی گواہی تو قرآن کے ذریعہ سے ظاہر ہی ہے، لیکن فرشتوں کی گواہی سے کیا مراد ہے؟ عام مفسرین نے یہ پہلو اختیار کیا ہے کہ فرشتے جو ان منکرین سے کہیں افضل و اشرف ہیں، جب وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر گواہ ہیں، تو ان منکرین کی ہستی اور حقیقت کیا ہے۔ لیکن ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سارا تکوینی کاروبار فرشتوں ہی کے ذریعہ سے انجام پاتا ہے تو گویا کائنات کی فعلی شہادت جو درحقیقت فرشتوں ہی کی شہادت ہے، خود تمامتر رسول اسلام اور دین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق و تائید میں ہے۔ بِاللّٰهِ میں ب زائد ہے۔ والباء زائدة (قرطبی) ف۴۲۲ اس ظلم سے مراد دونوں قسم کے ظلم ہو سکتے ہیں، ایک ظلم تو خود اپنے نفس اور جان پر، کفر و انکار کر کے۔ دوسرا ظلم یہ ہے کہ دوسروں کو اسلام و ایمان کے راستہ سے ظلم یا مکر سے روکا جائے۔

و۴۲۳ یہ بیان ہورہا ہے قانونِ مجازات اور مکافاتِ عمل کا۔ کفر اور ظلم کے نتیجے قدرۃً اسلام اور عدل کے نتیجوں سے بالکل مختلف نکلیں گے۔ و۴۲۴ اسلام کا خدا مشرک قوموں کے خداؤں کی طرح محدود او
ناقص قوتیں رکھنے والا خدا نہیں، جوئے اس سزا ہی کے لیے کسی خاص اہتمام یا تکلف کی ضرورت پڑے۔ وہ مطلق الاختیار ہے۔ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ہے۔ جو کچھ چاہے بات کی بات میں کرسکتا ہے۔ و۴۲۵ یٰاَیُّ
النَّاسُ۔ خطاب صرف اہلِ عرب یا اہلِ مکہ کو نہیں، سارے جہان کو ہے۔ دعوتِ قرآنی کی عالمگیری کا ایک اور ثبوت۔ هٰذا خطاب للکل (قرطبی) خطاب لجميع المكلفين (روح) ذکر خطابا عا
يعمهم ويعم غيرهم (کبیر) اَلْحَقُّ۔ اس میں سچے دعوے اور سچے دلائل دونوں آگئے۔ و۴۲۶ ایمان لانے اور زندگی کو شریعت کے مطابق ڈھالنے میں نفع تمام تر بندہ کا اپنا ہی ہے۔ حق تعالیٰ کی کوئی غرض
اس سے اٹکی ہوئی نہیں ہے، جیسا کہ مشرک قوموں نے اپنے دیوتاؤں کے بارہ میں تصور کر رکھا ہے۔ فَاٰمِنُوْا۔ میں ف سے اشارہ اس جانب ہے کہ صحیح دعویٰ اور صحیح دلیل کا مقتضا ہی یہ ہے کہ ایمان لے آیا جائے۔
و۴۲۷ (سو اُس کا ضرر کسی طرح بھی نہیں، ضرر سر تا سر تمہارا ہی ہے) مشرکوں کو یہ حقیقت بار بار یاد دلانے کے قابل تھی۔ وہ اپنے دیوی دیوتاؤں کو بھی اپنا ہی جیسا محتاج اور غرض مند تصور کرتے تھے۔ و۴۲۸
صفت علیم لا کر یاد دلا دیا کہ ہر ایک کا کفر و ایمان اُس پر روشن ہے، اس کے حدودِ علم سے باہر کوئی چیز نہیں۔ اور صفت حکیم لا کر یہ اشارہ کر دیا کہ وہ سزا بھی موقع مناسب ہی پر دے گا۔ و۴۲۹ دین میں غلو کر

طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ

راہ جہنم کے و۴۲۳ اس میں وہ پڑے رہیں گے (ہمیشہ ہمیش کو) اور اللہ کے نزدیک

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ

یہ آسان ہے و۴۲۴ اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس (یہ) رسول تمہارے پروردگار کے پاس سے آئے ہیں،

بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا

سچی بات لے کر و۴۲۵ پس ایمان لاؤ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا و۴۲۶ اور اگر تم کفر کرتے رہے و۴۲۷

فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

تو بیشک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اللہ بڑا علم والا ہے

حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا

بڑا حکمت والا ہے و۴۲۸ اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو و۴۲۹ اور اللہ کے بارہ میں کوئی بات

عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

حق کے سوا نہ کہو و۴۳۰ مسیح عیسیٰ ابن مریم تو بس

رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ

اللہ کے ایک پیمبر ہی ہیں و۴۳۱ اور اس کا کلمہ و۴۳۲ جسے اللہ نے پہنچا دیا تھا مریم تک، و۴۳۳ اور ایک جان ہیں

مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ

اس کی طرف سے، و۴۳۴ پس اللہ اور اس کے پیمبروں پر ایمان لاؤ و۴۳۵ اور یہ نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں و۴۳۶

اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ

(اس سے) باز آجاؤ و۴۳۷ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے اللہ تو بس ایک ہی معبود ہے و۴۳۸ وہ پاک ہے

اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

اس سے کہ اس کے بیٹا ہو و۴۳۹ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے و۴۴۰

وقف لازم

یہ ہے کہ عقائد و مسائل میں اضافہ و افراط کو اپنی طرف سے دخل دے دیا جائے۔ خواہ
کسی نیت سے ہو۔ الغلو فی الدین هو مجاوزة حد الحق فيه (جصاص)
اَهْلَ الْكِتٰبِ۔ سے یہاں مراد اہلِ انجیل یا نصاریٰ ہیں۔ ای اهل الانجيل من
النصارٰى (ابن جریر) والتقدير يا اهل الكتب من النصارٰى (کبیر)
نهٰى تعالٰى اهل الكتب عن الغلو والاطراء و هٰذا كثير فى النصارٰى
(ابن کثیر) نزلت فى النصارٰى (معالم) یہود کے مطاعن کا ذکر کرکے اور ان کا
جواب دے کر اب ذکر عیسائیوں کا شروع ہو رہا ہے، جو یہود کی تفریط کے مقابلہ پر
افراط کی انتہاء پر پہنچ گئے تھے۔ اور عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو بجائے ایک صالح اور مقبول بندہ
کے خدا یا خدا کا بیٹا ماننے لگے تھے۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ یہود کا غلو احکام
ظاہری میں تعمق تھا اور مسائل باطن کی طرف سے اعراض تھا اور مسیحیوں کا غلو مسائل
باطن میں تعمق اور ظاہر کی طرف سے اعراض تھا۔ طریق حق ظاہر و باطن کو جمع کرنا
ہے۔ و۴۳۰ یعنی الوہیت کے باب میں کوئی عقیدہ اپنی رائے سے گڑھ کر نہ پیش
کرو۔ اور توحید میں کوئی شائبہ بھی شرک کا نہ آنے دو۔ و۴۳۱ (نہ کہ خود معبود یا
خدا یا مظہر خدا) اللہ کے بھیجے ہوؤں کو، اُس کے نائبوں اور رسولوں کو خود معبود سمجھ بیٹھنے
کا مرض مشرک قوموں میں عام رہا ہے۔ مسیحیوں نے بھی مصری، یونانی، رومی مشرکوں
اور مشرک فلاسفہ سے متاثر ہو کر اپنے پیمبر برحق کو بھی مظہر خدا یا فرزند خدا کا درجہ
دے دیا تھا۔ یہ اُس کی تردید ہو رہی ہے۔ و۴۳۲ یعنی اُن کی پیدائش اللہ کے ایک
کلمہ ہی کا نتیجہ ہے۔ ای صار بكلمة من الله مخلوقًا (ابن عباس رضی اللہ عنہما)
المعنٰى انه وجد بكلمة الله وامره عن غير واسطة ولا نطفة (کبیر)
ای هو مكوّن بكلمة كُن (قرطبی) کلمہ سے مراد یا تو کلمہ کن ہے یا وہ کلمہ جو
بواسطہ جبرئیل حضرت مریم پر القاء کیا گیا تھا۔ و معنٰى كونه كلمة انه حصل
بكلمة كن من غير مادة معتادة و الٰى ذٰلک ذهب حسن و قتادة
(روح) ای قوله كن (معالم) ليست الكلمة صارت عيسٰى و لكن
بالكلمة صار عيسٰى (ابن کثیر، عن شاذان بن یحییٰ) و تسمية عيسٰى
كلمةً لكونه موجداً بكن (راغب) و۴۳۳ (بہ واسطہ فرشتہ جبرئیل کے)
ای القاء الكلمة كان من الله ثم من جبرئيل" (ابن العربی) و۴۳۴
یعنی اللہ کے زندہ کیے ہوئے اور اللہ کی بنائی ہوئی روح ہیں، جو بلا اسباب عادی
ظاہری مریم کے بطن میں مجسم ہوگئے۔ ای تخليقه و تكوينه (مدارک) ای
من امره صار ولدًا بلا اب (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای احياء الله اياه بتكوينه
(ابن جریر) نسب الٰى انه روح من الله لانه بامره (ابن جریر) ای من
خلقه و من عنده (ابن کثیر) ای مخلوق من روح مخلوقه (ابن کثیر)

وَرُوْحٌ مِّنْهُ۔ روح کا انتساب اللہ کی جانب محض اُس کے شرف و عظمت کے لیے ہے۔ جیسے بیت اللہ یا نعمت من اللہ میں نسبت تشریفی و تعظیمی ہوتی ہے۔ والمراد من قوله منه التشريف والتفضيل كما
يقال هٰذه نعمة من الله۔ (کبیر) اُضيفت الروح الى الله على وجه التشريف كما اُضيفت الناقة والبيت الى الله (ابن کثیر) هو روح كسائر الارواح الا انه تعالٰى اضافه الٰى نفسه
تشريفاً (معالم) اضافه الله تعالٰى اليه تشريفاً له كما يقال بيت الله و سماء الله (جصاص) یہ مراد نہیں کہ صرف اُنھی میں اللہ کی روح تھی، کسی اور میں اللہ کی رُوح نہیں ہوتی۔ اللہ کی رُوح تو ہر فرد بشر
میں ہے۔ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ قرآن مجید میں موقع تخصیص و امتیاز پر کبھی کسی کو عَبْدُهٗ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور کبھی کسی کو عبدنا سے، حالانکہ ظاہر ہے کہ اللہ کے عبد سب ہی ہیں۔ و۴۳۵ (ان ہی
پیمبروں کی تعلیمات کے مطابق) فَاٰمِنُوْا کی ف میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان صحیح حقائق کو سمجھ لینے کے بعد اب واجب ہے کہ اپنے خود تراشیدہ عقائد و خیالات کو چھوڑ کر ایمان اللہ اور اس کے رسولوں کی ہدایات
پر لاؤ۔ و۴۳۶ خواہ وہ تین اقنوم ہوں یا تین مستقل بالذات ہستیاں۔ مسیحی تثلیث کا عقیدہ خود مسیحیوں کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:۔ "باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر عظمت

روح قدس ازلی۔ تاہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ازلی۔ اسی طرح تین غیر مخلوق، بلکہ ایک غیر مخلوق اور ایک غیر محدود۔ یونہی باپ قادر مطلق، بیٹا قادر مطلق، اور روح قدس قادر مطلق۔ تو بھی تین قادر مطلق نہیں، بلکہ ایک قادر مطلق ہے۔ ویسا باپ خدا، بیٹا خدا اور روح قدس خدا۔ بس یہ ہی تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا"۔ ایک طرف یہ گورکھ دھندا، اور دوسری طرف اسلام کا صاف وسادہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔۔کوئی مناسبت بھی دونوں میں ہے؟ ف۴۳۷ (کہ یہ غالیانہ عقائد کفر بلکہ شرک تک پہنچا دینے والے ہیں۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ یہ آیت حلول واتحاد کے بطلان صریح پر دال ہے، جس کے قائل بعض جہلاء صوفیہ ہوئے ہیں۔ ف۴۳۸ واحد ہر اعتبار سے اور اپنے ہر معنی میں۔ نہ وہ ایک تین میں تقسیم ہے، نہ وہ ایک اپنے کو تین شکلوں میں ظاہر کرنے والا ہے۔ نہ تریمورتی کی کوئی قسم بھی صحیح ہے۔ ف۴۳۹ یہ ولدیت کا عقیدہ غلط ہی نہیں، بلکہ اصلاً مہمل اور تنزیہ الوہیت کے لیے باعثِ توہین، شانِ الوہیت کے بالکل منافی ہے۔ ف۴۴۰ خالق کا صحیح رشتہ مخلوق کے ساتھ صرف مالکیت کا ہے۔ مالک ومملوک میں مباینت لازمی ہے، برخلاف اس کے والد ومولود کے درمیان مجانست ہم جنسی وہم قومی شرط ہے۔ تو جب ہر مخلوق اللہ کی مملوک ہے تو کوئی بھی مخلوق اس کی اولاد ہو ہی نہیں سکتی۔ ف۴۴۱ کیا اسے بندوں کی حاجت روائی اور اپنی کارسازی میں کسی کی اعانت کی محتاجی ہے، جو وہ کسی کو شریک کرے؟ ف۴۴۲ (نہ عالم ناسوت میں، نہ برزخ میں، نہ آخرت میں) اَلْمَسِيْحُ۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ ایک طرف حضرت مسیح علیہ السلام اور دوسری طرف ملائکہ مقربین، یہی دونوں دنیا میں کثرت سے پجے ہیں۔ مشرکوں نے فرشتوں کو دیوی دیوتا کے نام دے کر شریک الوہیت ٹھہرایا، اور مسیحیوں نے مسیح علیہ السلام کو خدائی کے مرتبہ پر پہنچایا، اسی لیے خصوصیت کے ساتھ تصریح سے ان دونوں کی نفی الوہیت کی گئی، اور بتایا گیا کہ اللہ کی عبدیت کوئی چیز توہین والی نہیں۔ مسیح علیہ السلام اور ملائکہ مقربین تو اس پر فخر کرتے ہیں، نہ یہ کہ اس میں کسی قسم کا بھی عار محسوس کرتے ہیں۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ مراتب شرف میں عبدیت مرتبہ اعلیٰ ہے۔ ف۴۴۳ یہاں بیان اس عام قانون کا ہو رہا ہے کہ کوئی اللہ کی بندگی میں عار اور تکبر کر ہی کیونکر سکتا ہے، اللہ تو ایسا حاکم مطلق ہے کہ وقت موعود پر سب ہی کو اس کی خدمت میں حاضری دینا ہے۔ ف۴۴۴ (جس کی کوئی حد ونہایت نہیں ہے) يُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ۔ یعنی جتنا اجر مقرر وموعود ہے، وہ تو انہیں پورا ملے ہی گا۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یعنی جو لوگ عقیدہ اور عمل دونوں کے اعتبار سے عبد بنے رہے۔ ف۴۴۵ خلاصہ یہ کہ نیک سے نیک، بزرگ سے بزرگ، مقبول سے مقبول بندے بھی بہرحال بندے ہی ہوتے ہیں۔ غالی مریدوں، معتقدوں کا اپنے شیخ یا کسی پیمبر کو اس کی حد عبدیت سے باہر نکال دینا اپنے کو مستحق جہنم بنانا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا یعنی جنہوں نے عبد بننے سے عار رکھا۔ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا۔ ولی اور نصیر میں فرق یہ ہے کہ ولی ایجابی طور پر ایصال نفع پر قادر ہوتا ہے، اور نصیر سلبی طور پر دفع مضرت پر۔ ولیاً ای قریباً ینفعھم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) نصیرا ای مانعا یمنعھم من عذاب اللہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۴۴۶ (کافی اور محکم) بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ اس برھان سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے، جن کی سیرت پاک اور تعلیم کی جامعیت نے ہر مشکل کو آسان اور ہر پتھر کو پانی بنا دیا ہے ای رسول من ربکم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) یعنی محمدا صلی اللہ علیہ وسلم عن الثوری (قرطبی) الجمہور علی ان البرہان ھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم (بحر)

وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ

اور اللہ ہی کارساز ہونا کافی ہے ف۴۴۱ مسیح ہرگز اس سے عار نہ کریں گے

اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَ مَنْ

کہ وہ اللہ کے بندہ ہیں اور نہ مقرب فرشتے بھی ف۴۴۲ اور جو کوئی

يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ

اللہ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو اللہ ضرور اپنے پاس سب کو

اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿١٧٢﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

جمع کرے گا ف۴۴۳ پھر جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے ہوں گے

فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَ اَمَّا

تو وہ ان کو ان کا پورا پورا اجر دے گا اور انہیں اپنے فضل سے اور زائد دے گا ف۴۴۴ اور جن

الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ

لوگوں نے عار اور تکبر کیا ہو گا سو انہیں وہ دردناک عذاب دے گا

وَّ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿١٧٣﴾

اور وہ لوگ اپنے حق میں کسی غیر اللہ کو نہ دوست پائیں گے نہ مددگار ف۴۴۵

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ

اے لوگو! تمہارے پاس یقیناً ایک دلیل تمہارے پروردگار کے پاس سے آچکی ہے ف۴۴۶ اور ہم تمہارے اوپر

اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا

ایک کھلا ہوا نور اتار چکے ف۴۴۷ تو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے، اور اسے انہوں نے مضبوط

بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ يَهْدِيْهِمْ

پکڑا انہیں وہ ضرور اپنی رحمت و فضل میں داخل کرے گا ف۴۴۸ اور انہیں اپنے تک

ع ۲۳ / ۲

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب ساری نسل انسانی، جملہ اہل مذاہب کو عام ہے۔ یایھا الناس من جمیع اصناف الملل (ابن جریر) یقول تعالیٰ مخاطباً جمیع الناس (ابن کثیر) خطاب لکافۃ المکلفین (روح)۔ ف۴۴۷ یعنی قرآن مجید جس کے اندر بڑے اور چھوٹے، انفرادی اور اجتماعی، سارے مسائل کا حل موجود ہے۔ ای کتاباً مبینا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) النور المنزل ھو القراٰن۔ عن الحسن (قرطبی) و ھو القراٰن کما قالہ قتادۃ و مجاھد والسدی (روح) ف۴۴۸ یعنی جنت میں داخل کر کے اور بھی نعمتوں سے سرفراز کرے گا۔ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ یعنی اللہ کی توحید اور نفی

اِلَيۡهِ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ؕ﴿۱۷۵﴾ يَسۡتَفۡتُوۡنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ

سیدھی راہ دکھادے گا و۴۴۹ لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تمہیں (میراث) کلالہ کے

يُفۡتِيۡكُمۡ فِى الۡكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امۡرُؤٌا هَلَكَ لَيۡسَ لَهٗ

باب میں و۴۵۰ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے، اور اس کے کوئی

وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخۡتٌ فَلَهَا نِصۡفُ مَا تَرَكَ‌ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ

اولاد نہ ہو اور اس کے ایک بہن ہو و۴۵۱ تو اُسے اُس ترکہ کا نصف ملے گا، و۴۵۲ اور وہ مرد وارث ہوگا اس (بہن کے کل

اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهَا وَلَدٌ‌ ؕ فَاِنۡ كَانَـتَا اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ

ترکہ) کا اگر اس (بہن) کے اولاد نہ ہو و۴۵۳ اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کو ترکہ میں سے دو تہائی

مِمَّا تَرَكَ‌ ؕ وَاِنۡ كَانُوۡۤا اِخۡوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ

ملے گا و۴۵۴ اور اگر (وارث) چند بھائی بہن مرد وعورت ہوں تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے

مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ‌ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمۡ اَنۡ تَضِلُّوۡا ‌ؕ

برابر ملے گا و۴۵۵ اللہ تمہارے لئے (یہ احکام) کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم گمراہی میں نہ پڑو و۴۵۶

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع

اور اللہ ہر شے کا پورا علم رکھتا ہے و۴۵۷

آیاتها ۱۲۰ ۵ سُورَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۲ رکوعاتها ۱۶

اس میں ایک سو بیس آیتیں سورہ مائدہ و۱ مدنی ہے اور سولہ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ اُحِلَّتۡ لَـكُمۡ

اے ایمان والو (اپنے) عہدوں کو پورا کرو و۲ تمہارے لئے چوپائے مویشی

و۴۴۹ یعنی دنیا میں انہیں طریق رضا پر ثابت وقائم رکھا جائے گا۔ اور اطاعت کی برکت سے انہیں ثبات علی الطاعات کی توفیق ہوگی۔ ای یثبتھم علی طریق مستقیم فی الدنیا مقدم و مؤخر (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اسی سے تارکین ایمان واعمال صالحہ کی حالت معلوم ہوگئی، کہ ان کو یہ ثمرات نہ ملیں گے۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) و۴۵۰ کلالہ وہ ہے جس کے نہ اولاد ہو، اور نہ والدین زندہ ہوں۔ و۴۵۱ اور یہ بہن حقیقی یا عینی ہو، یا علاتی یعنی باپ کی طرف سے ہو۔ اخیافی یعنی صرف ماں کی طرف سے۔ بہن کا حکم سورۃ کے شروع (آیت ۱۲) میں آچکا ہے۔ و۴۵۲ (اور بقیہ نصف اگر کوئی عصبہ ہوا تو اُسے ملے گا، ورنہ خود اُسی بہن پر لوٹ آئے گا) چچا، چچازاد بھائی وغیرہ عصبات میں داخل ہیں۔ ادائے قرض اجرائے وصیت پر بہرحال مقدم ہے۔ و۴۵۳ (اور والدین بھی نہ ہوں) و۴۵۴ اور بقیہ ایک تہائی عصبہ کو ملے گا ورنہ بہ طور رد پھر انہی بہنوں کو مل جائے گا۔ بہنیں اگر دو سے زائد ہوں، تو اُن کا بھی یہی حکم ہے۔ و۴۵۵ یعنی بھائی کو دُہرا اور بہن کو اکہرا حصہ ملے گا۔ یہ بیان عام قاعدہ یا اصول کا ہے۔ باقی تفصیلات کہ عینی بھائی اور عینی بہن کا اثر علاتی بھائی، بہنوں پر کیا پڑے گا، کتب فقہ وفرائض میں ملیں گی۔ وَاِنۡ كَانُوۡۤا اِخۡوَةً۔ یعنی ایسی میت کے بھائی بہن ہوں، جس پر اطلاق کلالہ کا ہو۔ و۴۵۶ (اور معاشرت دنیوی اور جزائے آخرت دونوں میں نقصان سے محفوظ رہو) و۴۵۷ اپنی صفت علم لاکر یاد دلا دیا کہ ان احکام میں بندوں کی ساری رعایتیں اور مصلحتیں جمع کردی گئی ہیں۔

و۱ سورۃ مدنی اس معنی میں ہے کہ اس کے نزول کا زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام مدینہ (بلکہ آخر عمر شریف) کا زمانہ ہے، ورنہ واقعۃً اس کے بیشتر حصہ کا نزول مکہ معظمہ میں حجۃ الوداع (ذی الحجہ ۹ھ) کے موقع پر ہوا ہے۔ اور کچھ صلح حدیبیہ (۶ھ) سے واپسی کے وقت اور کچھ سال فتح مکہ ۸ھ میں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ جس وقت اس کا نزول ہوا ہے، آپ اونٹنی پر سوار تھے۔ نزول وحی کے ثقل کو جانور تک نے محسوس کیا، اور وہ بیٹھ گئی۔ و۲ اَلۡعُقُوۡدِ۔ عقد کا لفظ عام ہے۔ اور ہر عہد شرعی کو شامل، خواہ اس کا تعلق خالق سے ہو خواہ مخلوق سے۔ العھود التی بینکم و بین اللہ او بین الناس (ابن عباس رضی اللہ عنہما) والظاھر عموم العقود فی کل ربط یوافق الشرع سواء کان اسلامیًا او جاھلیًا (بحر) عبادات کے علاوہ بھی جتنے عہد سیاسیات، تجارت، معاشرت وغیرہ معاملات واخلاقیات سے متعلق ہوسکتے ہیں، سب اس میں آگئے۔ قال الحسن یعنی بذٰلک عقود الدین و ھو ما عقدہ المرء علٰی نفسہ من بیع و شراء اجارۃ و کراء و مناکحۃ و طلاق و مزارعۃ ومصالحۃ و تملیک و تخییر و عتق و تدبیر و غیر ذٰلک من الامور ما کان ذٰلک غیر خارج عن الشریعۃ و کذٰلک ما عقدہ علٰی نفسہ للہ من الطاعات (قرطبی)

ع ۲۴

المنزل ۲

بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي

جائز کئے گئے ہیں بجز (ان چیزوں کے) جن کا ذکر (آگے) تم سے کیا جاتا ہے، ف۳ ہاں شکار اس حال میں

الصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۗ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ﴿١﴾

کہ تم احرام میں ہو جائز نہیں ف۴ بیشک اللہ جو چاہے حکم دے ف۵

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا

اے ایمان والو بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں کی اور نہ

الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ

حرمت والے مہینوں کی، اور نہ (حرم میں) قربانی والے جانوروں کی اور نہ گلے میں پٹے پڑے ہوئے جانوروں کی

الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ

اور نہ بیت الحرام کے قصد کرنے والوں کی جو اپنے پروردگار کے فضل اور رضامندی کے طالب رہتے ہیں ف۶

وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ

اور جب تم احرام کھول چکو تو اب تم شکار کر سکتے ہو ف۷ اور ایسا نہ ہونا چاہیے کہ کسی قوم سے جو تمہیں بیزاری

أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا ۘ

اس بنا پر ہے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا تھا، تو تم (اس بیزاری کے باعث) زیادتی کرنے لگو، ف۸

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ

ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقوٰی میں کرتے رہو، اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی

وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾

مدد نہ کرو ف۹ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے ف۱۰

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا

تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور سؤر کا گوشت ف۱۱ اور جو جانور

ف۳ اور وہ ذکر کہیں دُور نہیں۔ آیت نمبر ۳ ہی میں آرہا ہے۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ الخ کے تحت میں۔ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ۔ اضافت تشبیہ کے لیے ہے، یعنی مویشیوں سے ملتے جلتے ہوئے چوپائے، جو نہ درندے ہوں نہ شکاری، اضافتها الى الانعام لملابسة الشبه (بیضاوی) ای ممّایماثل الانعام فی الاجتراء وعدم الانیاب (بیضاوی) مراد ہیں، ہرن، نیل گائے وغیرہ ایسے چوپائے جو شکاری اور درندے نہ ہونے میں مویشیوں (گائے۔ بیل۔ اونٹ۔ بھیڑ۔ بکری) سے مشابہ ہوں، البتہ خچر، گدھے، وغیرہ جن کی حرمت حدیث صحیح سے ثابت ہے، اس قاعدہ سے مستثنٰی ہیں۔ ف۴ یعنی شکار حلال چوپایوں کا بھی۔ الصَّيْدِ۔ شکار سے یہاں مراد صرف اُن جانوروں کا شکار ہے جن کا کھانا جائز ہے۔ الصيد فی هٰذا الموضع مختص بما يوكل لحمه (راغب) باقی سانپ، بچھو وغیرہ موذی جانوروں کا اس ممانعت سے کوئی تعلق نہیں، اور نہ اُن کے ہلاک کرنے پر شکار کا اطلاق ہوتا ہے۔ صید ہی کے لفظ نے اسے بھی واضح کر دیا کہ شکار ان جانوروں کا مراد ہے جو وحشی ہوتے ہیں، اور جن کے پکڑنے میں کسی تدبیر یا حیلہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ عام گھریلو جانور بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ وغیرہ جو عادۃً شکار کر کے نہیں لائے جاتے، اور روزانہ محض ذبح کر کے کھانے کے کام میں لائے جاتے ہیں، اُن کے ذبح کی کوئی ممانعت نہیں۔ ای ما كان صيدًا فهو حلالٌ فی الاحلال دون الاحرام و مالم يكن صيدًا فهو حلال فی حالين (قرطبی) وَأَنتُمْ حُرُمٌ۔ حالت احرام میں ہو یا حدود حرم کے اندر داخل ہو۔ خواہ بلا احرام ہی سہی۔ ممانعت کا اصل مدار صید کا حدود حرم کے اندر موجود ہونا ہے۔ ف۵ (کہ وہی حکم ہمیشہ عین مطابق مصلحت ہوگا) ارادۂ الٰہی سے بالاتر کوئی قانون نہیں، جس کے وہ ماتحت ہو۔ وہ خود ہی سب سے بالاتر ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت میں اسرار احکام کی تفتیش کی ممانعت کا اشارہ ہے۔ ف۶ (اپنے زعم و پندار میں) فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا۔ مشرکین عرب بھی اُس وقت حج و عمرہ کی نیت سے بیت اللہ کا قصد کرتے رہتے تھے۔ فضل سے مراد تو اُن کی منفعت دنیوی ہو سکتی ہے۔ (حج کے موقع پر تجارت بھی خوب زوروں پر ہوتی تھی) رضوان سے مراد ان کے حسب پندار رضاء الٰہی ہے۔ قال فيه جمهور المفسرين معناه يبتغون الفضل والارباح فی التجارة و يبتغون مع ذٰلك رضوانه فی ظنهم و طمعهم (قرطبی) شَعَائِرَ اللَّهِ۔ شعائر جمع شعیرہ کی ہے۔ مراد اعلام الٰہی ہیں یعنی وہ چیزیں جن کے ادب و احترام کے تحفظ کے لیے اللہ نے کچھ احکام مقرر کر دیے ہیں جميع معالم دين الله (جصاص) ان احکام و آداب کی خلاف ورزی کرنا اُن شعائر کی بے حرمتی کرنا ہے۔ مثلاً حدود حرم اور جامہ احرام کا ایک ادب یہ ہے کہ ان میں شکار بند کیا جائے۔ اب اس کی خلاف ورزی کرنا شعائر حرم و احرام سے بے ادبی کرنا ہے۔ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ۔ بہ طور اسم جنس آیا ہے۔ لفظاً واحد معنیً جمع۔ یعنی سارے حرمت والے مہینے۔ الشهر مفرد محلّى باللام الجنسية فالمراد به عموم الاشهر الحرم (بحر) مطلب یہ ہوا کہ ان چاروں متبرک مہینوں میں قتال کی ابتدا نہ کرو۔ الْهَدْيَ۔ لفظ اُن قربانیوں کے لیے مخصوص ہے جو کعبہ مقدس کو لے جائی جاتی ہیں۔ الهدی مختص بما يهدى الى البيت (راغب) هی اسم ما اشعرای جُعل شِعاراً وعَلَماً (مدارک) ان کی بے حرمتی یہ ہوگی کہ ان قربانیوں سے تعرض کیا جائے۔ الْقَلَائِدَ۔ یہ پٹے اسی نشانی کے لیے گلے میں پڑے رہتے تھے کہ یہ اللہ کی نذر ہیں۔ حرم ہی میں ذبح ہوں گی۔ الْقَلَائِدَ سے مراد ذوات القلائد ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت سے تبرکات کی تعظیم بہ وجہ تعلق ذات واجب التعظیم کے مفہوم میں ہوتی ہے۔ پھر چونکہ فضل و رضوان کا تعلق مشرکین سے ہے، اس لیے یہ مفہوم بھی ہوا کہ طالب رضائے حق قابل رعایت ہے اگرچہ اخذِ طریق میں اس نے غلطی کی ہو۔ اسی طرح رَّبِّهِمْ سے اشارہ رحمت الٰہی کے عموم و وسعت کی جانب نکلتا ہے۔ ف۷ (جب کہ خود وہ شکار حدود حرم میں نہ ہو) فَاصْطَادُوا۔ صیغۂ امر ہے، لیکن وجوب کے معنٰی میں نہیں، بلکہ صرف اجازت کے مفہوم میں۔ ای فلا جناح عليكم بالاصطياد لزوال المانع (روح) فالامر للاباحة بعد الحظر (روح) هو اطلاق من حظرٍ (جصاص) اباحة للا صطياد بعد حظره عليهم (مدارک) ای فقد ابحنالكم ما كان محرما عليكم فی حال الاحرام من الصيد (ابن کثیر) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ محض ایک امر مباح کے لیے صیغۂ امر کا وارد ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ جس مباح کے ترک سے اس کے ممنوع ہونے کا شبہ ہونے لگے، اس مباح کا کرنا ہی مطلوب ہوتا ہے۔ اور یہیں سے اُن متشددین کی غلطی بھی واضح ہو جاتی ہے، جو مباحات کے ترک کر دینے میں حرام ہی کی طرح تشدد و غلو رکھتے ہیں۔ ف۸ (بلکہ اس عقلی ناگواری اور طبعی انقباض کے باوجود معاملہ اُن سے بھی حق و انصاف ہی کا رکھو) مراد کفار قریش ہیں، جنہوں نے ۶ھ میں مسلمانوں کو بیت اللہ تک پہنچنے اور عمرہ کرنے سے حدیبیہ میں روک دیا تھا۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ ایسے موذی اور خدا ناترس دشمنوں سے بھی باوجود ہر غصہ و اشتعال کے برتاؤ عدل ہی کا رکھو...... اللہ اللہ! کیا ٹھکانا ہے اس فراخ دلی کا! مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جس سے بغض فی اللہ ہو اس کے معاملات میں بھی حدود شرعی سے تجاوز جائز نہیں۔ ف۹ کیسے زرّیں اصول کی تعلیم مل رہی ہے! نیکی میں سب کے شریک رہو، بدی اور فسق میں کسی کا ساتھ نہ دو!...... ''مہذب'' قوموں کا سا شیوہ نہ رکھو، کہ اپنی قوم سب پر مقدم، اور اپنی پارٹی بہر حال اپنی پارٹی! اُدھر قاعدے اور اصول غیروں سے معاملت کے بتائے تھے، اب یہاں ارشاد آپس کی معاملت سے متعلق ہو گیا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہیں سے معلوم ہوا کہ حسن و قبح میں مقدمات کو مقاصد کا حکم دیا جاتا ہے، اور مشائخ اہل تربیت کے ہاں اسی قاعدہ پر عمل ہے۔ یہیں سے وجوب اُن

أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ

غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو، ف۱۲ اور جو گلا گھٹنے سے مر جائے اور جو کسی ضرب سے مر جائے، اور جو اونچے سے گر کر

وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۟ وَمَا ذُبِحَ

مر جائے، اور جو کسی کے سینگ سے مر جائے اور جس کو درندے کھانے لگیں، سو اس صورت کے کہ تم اسے ذبح کر ڈالو، اور

عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْأَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ

جو جانور استھانوں پر بھینٹ چڑھایا جائے ف۱۳ اور نیز یہ کہ قرعہ کے تیروں ف۱۴ سے تقسیم کیا جائے یہ سب

فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا

گناہ (کے کام) ہیں ف۱۵ آج کافر تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے ف۱۶ سو تم ان سے

تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

نہ ڈرو، اور مجھی سے ڈرو ف۱۷ آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا

وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ

اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بہ طور دین کے

دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ ۙ

پسند کر لیا ف۱۸ ہاں جو کوئی بھوک کی شدت سے بیقرار ہو جائے، گناہ کی طرف رغبت کئے بغیر ف۱۹

فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ أُحِلَّ

سو اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۲۰ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا چیز (کھانے کی) ہم پر حلال

لَهُمْ ؕ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ

کی گئی ہے، ف۲۱ آپ کہہ دیجئے کہ تم پر (کل) پاکیزہ جانور حلال ہیں، ف۲۲ اور تمہارے سدھے ہوئے

الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا

شکاری جانوروں کا شکار، جو شکار پر چھوڑے جاتے ہیں ف۲۳ تم انہیں اس طریقہ پر سکھاتے ہو جو تمہیں اللہ نے سکھایا ہے، ف۲۴

مجلسوں میں شرکت کا نکل آیا جن کا مقصد اشاعت دین ونصرت دین ہے، اور حرمت اُن اجتماعی اداروں میں شرکت کی نکل آئی جن سے بے دینی یا بدعملی کی تائید ہوتی ہو ف۱۰ (نافرمانوں اور سرکشوں کے حق میں) اِتَّقُوا اللّٰهَ۔ خشیت الٰہی ہی ایسی چیز ہے، جو ہر مجاہدہ کو آسان اور ہر پابندی کو سہل بنا سکتی ہے۔ ف۱۱ آیت نمبر ایک میں اِلَّا مَا يُتْلٰى گزر چکا ہے۔ اب اُسی کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ اَلْمَيْتَةُ۔ یعنی وہ جانور جو بلا ذبح شرعی مر جائے۔ اَلدَّمُ۔ دم مسفوح یعنی بہتا ہوا خون مراد ہے۔ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ۔ اسی میں سور کی چربی وغیرہ اس کے جسم کے دوسرے اجزاء بھی شامل ہیں۔ اکله نجس و انما خصّ اللحم لانه معظم المقصود (مدارک) فانه قد تناول شحمه و عظمه و سائر اجزائه و لا خلاف بین الفقهاء فی ذلک (جصاص) سور کے گوشت کی جسمانی مضرتوں سے طبی لٹریچر بھرا پڑا ہے۔ اخلاقی وروحانی نقصانات کا ذکر ہی کیا۔ ف۱۲ (بہ خیال تقرب اور بہ نیت عبادت) حرمت کا اصل مدار ذابح کی نیت پر ہے۔ اور یہ غیر اللہ کی طرف نامزدگی خواہ عین ذبح کے وقت ہو یا اس سے قبل۔ قبروں، درگاہوں پر چڑھاوے چڑھانے والے ذرا اپنے لیے بھی سوچ لیں۔ ف۱۳ (عام اس سے کہ نامزدگی غیر اللہ کی جانب زبان سے بھی کی جائے یا محض دل میں نیت رکھی جائے) حرمت کی اصل بنا اعتقادِ خبیث ہے، خواہ زبان سے اس کا اظہار کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ پتھروں پر ذبح فی نفسہٖ حرام نہیں، حرام یہ نیت خبیث ہے۔ ما ذبح علی اعتقاد تعظیم النصب (کبیر) والنیة فیها تعظیم النصب لا ان الذبح علیها غیر جائز (قرطبی) علیٰ ہو سکتا ہے کہ یہاں لِ کے مرادف ہو۔ یعنی تھانوں پر چڑھائے جانے کی غرض سے۔ قال قطرب علی بمعنی اللام ای وما ذبح لاجل النصب (معالم) قیل علٰی بمعنی اللام ای لاجلها (قرطبی) اَلْمَوْقُوْذَةُ یہ وہ جانور ہے جو کسی ضرب سے مر جائے۔ المقتولة بالضرب (راغب) فقہاء نے ایسے جانور کو بھی جو محض غلہ یا گولی سے بلا ذبح مر جائے، اسی حکم میں داخل کیا ہے۔ و یدخل فی الموقوذة ما رمی بالبندق فمات۔ (کبیر) اَلْمُتَرَدِّيَةُ پہاڑی سے گر کر مر جانا یا کنوئیں میں گر کر مر جانا سب اسی کے تحت میں آ جاتا ہے۔ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ۔ یعنی وہ جانور جسے درندے کھانے لگیں اور وہ اسی صدمہ سے مر جائے۔ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ یعنی تم اُسے ذبح کر ڈالو قبل اس کے کہ اس کا دم نکلے۔ اس استثناء کا تعلق اُوپر کی لکھی ہوئی سب صورتوں سے ہے۔ یعنی گردن سے مروڑے ہوئے، چوٹ کھائے ہوئے وغیرہ سب حلال جانور بھی حرام ہیں، بشرطیکہ ابھی جانور کا دم نہ نکلا ہو اور وہ مطابق شرع ذبح کر لیا جائے۔ ایسا جانور حکم حرمت سے مستثنیٰ اور حلال ہے۔ نصب علی الاستثناء المتصل عند الجمهور من العلماء والفقهاء و هو راجع علی کل ما ادرک ذکاته من المذکورات و فیه حیاة (قرطبی) ذَكَّيْتُمْ ذکاۃ ذبح کے معنی میں ہے۔ الذکاة فی کلام العرب الذبح قاله قطرب (قرطبی) التذکیة الذبح (نہر) ف۱۴ أَزْلَام۔ ایک دستور اہل جاہلیت کا یہ ہے کہ تیروں پر اجازت وممانعت کے الفاظ لکھ رکھتے تھے، اور بعض خالی چھوڑتے تھے، اور سفر، تجارت، جنگ وغیرہ کے اہم موقعوں پر یہ کرتے کہ انہی تیروں سے جا کر فال لیتے۔ اور جو حکم نکل آتا، اُسی پر عمل کرتے۔ خود صحیح بخاری، کتاب التفسیر میں ایک روایت اسی مضمون کی ہے۔ والاستقسام ان یحیل القداح فان نهته انتهی و ان امرته فعل ما امره و قد اعلموا القداح اعلامًا بضروب یستقسمون بها۔ صحابہ تابعین اور اکثر مفسرین سے یہی معنی منقول ہیں۔ یعنی القداح کانوا یستقسمون بها فی الامور (ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) و کذا روی عن مجاهد و ابراهیم النخعی والحسن البصری و مقاتل بن حیان (ابن کثیر) فمعنی الاستقسام بالازلام طلب معرفة الخیر والشرّ بواسطة ضرب القداح وهو اختیار الجمهور (کبیر) مجاہد تابعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرعہ اندازی، فال گیری اور وہم پرستی کی یہ شکل اہل عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ ایران اور روم کی بڑی بڑی مہذب ومتمدن قومیں اس میں مبتلا تھیں۔ قال سهام العرب و کعاب الفارس والروم کانوا یتقامرون بها۔ (ابن جریر۔ ابن کثیر۔ قرطبی۔ عن مجاہد) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ آج کل چٹھی ڈالنے کا جو دستور نکلا ہے، وہ اسی سے ملتی جلتی ہوئی ایک شکل قمار کی ہے۔ ف۱۵ (اور اللہ کے مقرر کیے ہوئے دین وآئین کی خلاف ورزی) ذٰلِكُمْ کا اشارہ ممکن ہے کہ استقسام بالازلام تک محدود ہو۔ لیکن زیادہ قابل قبول یہ ہے کہ ان سب چیزوں کی طرف ہو جن کی ممانعت اُوپر آ چکی ہے۔ یرجع الی جمیع ما ذکر من الاستحلال لجمیع هذه المحرمات و کل شئ منها فسق و خروج من الحلال الی الحرام (قرطبی) راجعاً الی جمیع ما تقدم ذکرہٗ من التحلیل والتحریم (کبیر) ذٰلِكَ۔ اشارہ بعید ہے۔ یہاں کنایہ ان افعال کی بُعدِ منزلت سے ہے۔ و معنی البعد فیه الاشارة الی بعد منزلته فی الشر (روح۔ ابو سعود) ف۱۶ (کہ یہ دین کبھی بھی مغلوب یا گمنام ہو سکے گا) آیت کے نزول کا وقت یوم جمعہ (ذی الحجہ ۹ھ ، ۱۵، ۱۶/ مارچ ۶۳۲ء) بعد عصر، مقام عرفات ہے۔ نزلت فی یوم عیدین فی یوم الجمعه و یوم عرفة (ترمذی ابواب تفسیر القرآن، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نزول کے کل دو مہینے ۲۱ دن بعد انتقال فرمایا۔ نکتہ رس ودقیقہ سنج اصحابِ نبی آیت کے مضمون ہی سے سمجھ گئے تھے کہ اب دین ہر طرح مکمل ومستحکم ہو چکا، نبی کے مشن کی ہر طرح تکمیل ہو چکی، نبی کو اب دنیا میں مزید قیام کی ضرورت کیا رہی۔ زمانہ مفارقتِ نبوی کا قریب آ گیا۔ چنانچہ حدیث وسیر کی کتابوں میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آیت کو سن کر رو پڑے تھے۔ ف۱۷ یعنی

کرو۔ یہ گویا وعدۂ الٰہی ہے کہ اب تشویش وتردد کی چیز غلبہ کفر واستیلاء کفار نہیں۔ بلکہ احکام شریعت سے تجاوز وتزلزل ہے۔ یہی چیز ایسی ہے جو مسلمانوں کو ضرر پہنچا سکتی ہے، اور اُن کے ملی وجود کے لیے خطرہ کا باعث بن سکتی ہے۔ خشیت الٰہی ہی ایک ایسی چیز ہے، جس کی کمی مسلمانوں میں ضعف پیدا کرسکتی ہے، نہ کہ اہل کفر وغیرہ کی کوئی خارجی قوت۔ و۱۸ (قیامت تک کے لیے) اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ۔ یہ اکمالِ دین بہ لحاظ قوت بھی ہے اور بہ لحاظ احکام وقواعد بھی۔ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ۔ یہ اتمام نعمت اسی دین کی تکمیل سے ہوا۔ اس اکمالِ دین واتمام نعمت کے بعد ظاہر ہے کہ اب دین میں کسی ترمیم، اضافہ، تصرف کی گنجائش نہ رہی۔ نہ کسی نبی کی بعثت کی حاجت۔ ختم نبوت پر اگر دلائل صریحہ موجود ہوتے، تو یہاں سے بھی مسئلہ کا استنباط ہوسکتا تھا۔ شیعی عقیدۂ امامت کا، جو درحقیقت اجراء نبوت ہی کی ایک شکل ہے، رَد بھی یہیں سے نکل آتا ہے۔ البتہ ہر دَور میں نئے نئے مسائل کا انکشاف اہل علم واجتہاد اپنی بصیرت سے کتاب وسنت کے اصول وقواعد کے مطابق و ماتحت قیامت تک کرتے رہیں گے۔ اشیاء کی حلت وحرمت کا ذکر اُوپر سے چلا آرہا تھا۔ تو یہ مسئلہ بھی اسی کتاب واضح کے اندر آگیا اور اس میں بھی اب کسی تغیر وتصرف کی گنجائش نہ رہی۔ اَلْيَوْمَ۔ دین الٰہی چلا تو شروع ہی سے آرہا تھا، لیکن ہر نبی کے عہد میں زمان ومکان کے مصالح ومقتضیات کے لحاظ سے احکام شریعت وقت ومقام کے ساتھ محدود ومخصوص رہتے تھے۔ دین اب پہلی بار عالمگیر اپنے جزئیات وتفصیلات کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اَلْيَوْمَ میں اشارہ اسی جانب ہے کہ اب خدائی پروگرام میں وحدت نسل انسانی کا زمانہ شروع ہونے کو ہے دنیا اب تک مختلف جغرافی حصوں اور ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر نہایت دشوار تھا، اور اس میں نامہ وپیام کی بھی کوئی آسان راہ نہ تھی۔ ہر علاقہ کہنا چاہیے اپنے جغرافی وطبعی سرحدوں کے اندر محفوظ تھا۔ دریا، پہاڑ، سمندر وغیرہ جو راہ میں حائل رہتے، ان کا عبور کرنا گویا محال تھا۔ ریل، موٹر، لاری، تار، ٹیلیفون وغیرہ خواب وخیال میں بھی نہ تھے۔ اب کائنات ارضی کی تاریخ میں پہلی بار اس کا وقت آرہا تھا کہ انسانیت کے ٹکڑے ایک دوسرے سے ملیں۔ رسل ورسائل کے ذرائع وسیع ہوں۔ اور جس طرح نظام تکوینی میں ہر فرد کے لیے، اس کے وجود میں آنے سے قبل ہی اس کے لیے ہوا کا، اور روشنی کا اور پانی کا سامان حکمت الٰہی موجود رکھتی ہے اسی طرح نظام تشریعی میں رحمت حق نے چاہا کہ نوع انسان کی انفرادی واجتماعی دونوں زندگیوں کی روحانی واخلاقی تربیت کا انتظام پیشتر سے موجود رہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فقہاء ظاہر اور حکماء باطن نصوص سے جو مستنبط کرتے ہیں، وہ بھی سب دین ہی میں داخل ہے، ورنہ اکمالِ دین کے بعد اس کی اجازت نہ ہوتی۔ و۱۹ (اور حرام ماکولات میں کسی شے کو کھا پی لے) فاباح الله عند الضرورة اكل جميع ما نص على تحريمه فى الاٰية (جصاص) مَخْمَصَةٍ۔ کے معنی شدید بھوک کے ہیں۔ المخمصة جوع و خلاء البطن من الطعام (قرطبی) قال ابن عباس والسدى و قتادة المخمصة المجاعة (جصاص) قال اهل اللغة الخمص والمخمصة خلو البطن من الطعام عند الجوع (کبیر) غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ۔ یعنی حرام شے محض بھوک کی شدت سے مجبور ہوکر کھالی جائے، حصولِ لذت کی نیت نہ ہو، اور نافرمانی یا قانون شکنی مقصود نہ ہو۔ اى غير متعمد لمعصية فى قصده قاله قتادة والشافعى رحمهما الله (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس چیز کی اجازت بہ ضرورت دی جائے، اُس سے حظ نفس کا قصد جائز نہیں۔ جیسے طبیب یا گواہ عورت یا اُس کے جسم کو بہ ضرورت دیکھے، تو بہ قصد شہوت نظر کرنا حرام ہے۔ و۲۰ صفت غفور لاکر یہ یاد دلا دیا کہ اگر قدر ضرورت سے کوئی ایک آدھ لقمہ زیادہ کھا گیا، جب بھی معاف کردیا جائے گا اور صفت رحمت سے یہ اشارہ ہے کہ قانون ایسے موقع کے لیے دیکھو کیسا نرم وآسان رکھ دیا و۲۱ (کتے اور باز کے شکار کیے ہوئے جانوروں میں سے) یہ سوال کرنے والے منکرین نہ تھے مومنین وصحابہ ہی تھے۔ اور حلت وحرمت اشیاء کے سلسلہ میں اس مسئلہ کا حل بھی ضروری تھا۔ يسئلك يا محمد اصحابك ما الذى اُحل لهم (ابن جریر) لَهُمْ یعنی مسلمانوں پر۔ صحابہ کا اصل سوال یہ تھا کہ شکاری جانوروں (مثلاً کتے اور باز) کے ذریعہ سے شکار کیے ہوئے جانوروں میں سے کون کون حلال ہیں؟ آیا سب ہی حلال جانور اس طریق شکار کے بعد بھی حلال رہتے ہیں، یا کچھ مخصوص جانور حلال رہ جاتے ہیں، اور وہ بھی مخصوص شرائط کے ماتحت؟ اللہ حضرات صحابہ پر بے شمار رحمتیں نازل کرے، اُمت کے کام کی کیسی کیسی چیزیں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر ڈالیں! یہ معلومات پیشتر سے نہ موجود ہوتے تو آج کتنی دقتیں

ہوتیں! و۲۲ جواب یہ ملا کہ جو حلال جانور ہیں، وہ اس طریق شکار کے بعد بھی حلال رہتے ہیں، البتہ خود شکار کے شرائط آگے آتے ہیں۔ طیب کی تعریف میں ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ وہ وہ پاک اور لذیذ غذا ہے جسے طبع سلیم قبول کرلے۔ و۲۳ دو شرطیں اتنے ہی جواب سے نکل آئیں۔ پہلی شرط تو یہ نکلی کہ وہ شکاری جانور سکھائے ہوئے، سدھائے ہوئے ہوں۔ اور فقہاء نے بات سے بات یہ پیدا کی ہے کہ یہ قید صرف وحشی جانوروں کے لیے نہیں، بلکہ گھریلو جانوروں کے لیے بھی ہے، چنانچہ گھریلو جانور اگر ٹریننگ پایا ہوا نہ ہو تو اُس کا کیا ہوا شکار حلال نہ ہوگا۔ البتہ جو جانور (وحشی ہو یا گھریلو) سکھایا ہوا ہوگا، اُس کا فعل خود شکاری کا فعل سمجھا جائے گا۔ دوسری شرط یہ پیدا ہوئی کہ وہ جانور تمہارے چھوڑے ہوئے جھپٹیں، یہ نہیں کہ از خود شکار پکڑ کر لائیں، اور تمہارے سامنے ڈال دیں۔ اَلْجَوَارِحِ۔ جارحہ کی جمع ہے۔ معنی ہیں ہر شکاری جانور کے، خواہ وہ پرندہ ہو یا درندہ۔ تسمى الصائده من الكلاب و الفهود والطيور جارحة (راغب) جارحہ کا نام ہی اس لیے جارحہ پڑا ہے کہ وہ شکار کو زخمی کرتا ہے قيل فى الجوارح انها ما تجرح بناب او مخلب (جصاص) سميت جوارح من الجرح لانها تجرح الصيد عند امساكه (خازن) وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ ترکیب میں اس کا عطف الطَّيِّبٰتُ پر ہے۔ اور صید مضاف محذوف ہے۔ عطف على الطيبات اى احل لكم الطيبات وصيد ما علمتم فحذف المضاف (کشاف) اى وصيد ما علمتم (قرطبی) مُكَلِّبِيْنَ۔ مُكَلِّبٌ کے ایک معنی تو ہیں کتے کو تعلیم دینے والا، اور دوسرے معنی ہیں شکار پر جھپٹنے والا۔ دونوں میں کوئی منافات نہیں، اور اہل لغت نے دونوں کی گنجائش رکھی ہے۔ المكلّب معلم الكلاب الصيد مضرلها عليه و قد يكون التكليب واقعاً على الفهد و سباع الطير (تاج) مكلب مضر للكلاب على الصيد معلم لها و قد يكون التكليب واقعاً على الفهد و سباع الطير (لسان) المكلّب الذى يعلم الكلب (راغب) التكليب هى التضرية بالشئ والتسليط عليه لغةً (ابن العربی) مُكَلِّبِيْنَ۔ کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہ تعلیم وتربیت صرف کتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ شکاری پرندے بھی بلا اختلاف فقہاء سب اسی حکم میں داخل ہیں۔ لا يخصص ذلك بالكلاب دون غيرها فوجب حمله على العموم ولا نعلم خلافاً بين فقهاء الامصار فى اباحة صيد الطير (جصاص) گویا یہ پہلی شرط کی تفصیل ہوگئی (ملاحظہ ہو اسی حاشیہ کی پہلی سطر) و۲۴ فقہاء نے تعلیم (ٹریننگ) کا معیار کتے کے حق میں یہ رکھا ہے کہ سکھایا ہوا کتا شکار کو پکڑ کر خود نہ کھا جائے۔ اور باز کے حق میں یہ رکھا ہے کہ سدھے ہوئے باز کو جب آواز دی جائے، تو وہ شکار کا پیچھا چھوڑ کر واپس چلا آئے۔ و۲۵ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ۔ یعنی وہ شکار مسلمان شکاری ہی کے لیے ہونا چاہیے نہ کہ جانور کے اپنے لیے۔ اس نص نے اُسے صاف کردیا جو فقہاء قبل کے الفاظ سے استنباطاً سمجھے تھے۔ اور اس کا معیار وہی ہے، جو اُوپر کے حاشیہ میں بیان ہوچکا تو اگر کتا اس شکار کو خود کھانے لگے۔ یا باز شکاری کے بلانے سے واپس نہ آئے تو یہی سمجھا جائے گا کہ جانور نے شکار مالک کے لیے نہیں، اپنے لیے پکڑا ہے۔ عَلَيْكُمْ میں علی ل کے معنی میں ہے۔ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ سے مراد یہ ہے کہ وہ جانور خود اُس شکار کو نہ کھائے، اور اسے شکاری کے لیے روکے رکھے۔ اى حبس لكم ولم ياكل (قرطبی) الامساك على صاحبه ان لا ياكل منه (مدارک) اور قرطبی نے اس معنی پر صحابیوں میں سے ابن عباس، ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے عکرمہ وقتادہ، ابن جبیر اور عطاء کا اور ائمہ فقہ میں سے نخعی، شافعی، احمد، اسحٰق، ابوثور اور ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کا اتفاق نقل کیا ہے۔ واليه ذهب اكثر الفقهاءِ (بیضاوی) البتہ باز، شکرہ وغیرہ شکاری پرندوں کی تادیب اس حد تک ذرا دشوار ہی ہے۔ اس لیے فقہاء کے دقیقہ سنج گروہ نے انہیں اس قاعدہ سے مستثنیٰ رکھا۔ وقال بعضهم لا يشترط ذلك فى سباع الطير لان تاديباً الى هذه الحد متعذر (بیضاوی) قال ابو حنيفة و ابو يوسف و محمد و زفر يوكل صيد البازى و ان اكل (جصاص) و اما البازى فانه معلوم انه لا يمكن تعليمه بترك الاكل وانه لا يقبل التعليم من هذه الجهة (جصاص) فان اكل منه لم يوكل اذا كان صيد كلب و نحوه فاما صيد البازى و نحوه فاكله لايحرمه (مدارک) و۲۶ یعنی شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ کہہ لیا کرو۔ يعنى اذا ارسلت جارحك فقل بسم الله

مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠

سو کھاؤ اس (شکار) کو جسے (شکاری جانور) تمہارے لئے پکڑے رکھیں ف٢٥ اور اللہ کا نام اس (جانور) پر لے لیا کرو ف٢٦

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝٤ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ

اور اللہ سے ڈرتے رہو، ف٢٧ بیشک اللہ حساب جلد کر دیتا ہے ف٢٨ آج جائز کر دی گئیں

لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ

تم پر پاکیزہ چیزیں ف٢٩ اور جو لوگ اہل کتاب ہیں ان کا کھانا تمہارے لئے

لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

جائز ف٣٠ اور تمہارا کھانا ان کے لئے جائز ف٣١ اور (اسی طرح تمہارے لئے جائز ہیں) مسلمان

الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

پارسائیں اور ان کی پارسائیں جن کو تم سے قبل کتاب مل

مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ

چکی ہے جب تم انہیں ان کے مہر دے دو ف٣٢ اور قید نکاح میں لانے والے ہو،

غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ

نہ کہ (محض) مستی نکالنے والے، اور نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والے ف٣٣ اور جو کوئی

يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ

ایمان سے انکار کرے گا تو اُس کا عمل اکارت جائے گا، اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝٥ۧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ

میں سے ہو گا ف٣٤ اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھو ف٣٥

اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى

تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو لیا

ع ٥

(ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای سموا علیه عند ارساله (مدارک) و من شرائط ذکاة الصید التسمیة علی الارسال (جصاص) حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے:۔ عن عدی بن حاتم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ارسلت کلابک المعلمة و ذکرت اسم اللہ فکل مما امسکن علیک (صحیح بخاری) عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سکھایا ہوا کتا اللہ کا نام لے کر چھوڑ دو تو پھر وہ جو تمہارے لیے پکڑے رکھے، اُسے کھا سکتے ہو...... فقہاء نے حدیث بالا ہی سے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے۔ کہ ذبح حیوانات کے وقت جو بسم اللہ پڑھی جاتی ہے، اسی کے قائم مقام وہ بسم اللہ ہے جو شکار پر شکاری جانور کے چھوڑتے وقت پڑھی جائے۔ ھٰذا یدل علی ان حال الارسال بمنزلة حال الذبح فی وجوب التسمیة علیه (جصاص) و تشترط التسمیة من الذابح حالة الذبح او الرمی بصیداو الارسال (درمختار) ف٢٧ (ہر معاملہ کی طرح اس معاملہ میں بھی اُس کے احکام کی خلاف ورزی کرنے سے) ذرا موقع کی تصویر چشم تصور میں لائیے۔ خوب بھوک لگی ہوئی ہے، بڑے لذیذ گوشت کا جانور شکرہ یا کتا پکڑ کر لایا ہے۔ شوق بے قرار ہے کہ جلد سے جلد اس کے کباب لگیں، اور بھنے ہوئے شکار سے جی بھر کر لذت حاصل کی جائے۔ اب کون اس موقعہ پر یاد دلائے کہ شرائط حلت ذرا متحضر کر لیجئے۔ جانور سدھا ہوا ہے یا نہیں، اُسے چھوڑتے وقت بسم اللہ کہہ دی گئی تھی یا نہیں، وغیرہا...... بجز تقوی الٰہی کے اور کس میں اس وقت یہ یاد دلانے کی قوت ہے؟ ف٢٨ (اور یہی مراقبہ ہر دشوار حکم کی تعمیل کو آسان بنا دے گا) خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآن حکیم میں احکام جہاں جہاں بھی آئے ہیں، اُن کے متصل ہی کوئی اس قسم کا فقرہ بھی ضرور مل جاتا ہے، جس سے یاد آخرت یا اللہ کے علم کل کا استحضار ہو جائے...... ہر دشواری کو آسان بنا دینے کا، ہر پتھر کو پانی کر دینے کا نسخہ اس سے بڑھ کر اور ہو کیا سکتا ہے۔ ف٢٩ (اور یہ جواز قیامت تک رہے گا، کوئی نئی شریعت اسے منسوخ کرنے والی اب نہیں آنے کی) ف٣٠ (بہ شرطیکہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے دیا گیا ہو) ”تثلیث مقدس“ کے نام پر اگر کوئی جانور ذبح ہوا ہو گا تو وہ محققین حنفیہ کے ہاں حلال نہیں، حرام ہوگا۔ قال ابو حنیفة و ابو یوسف و محمد و زفر من کان یهودیًا او نصرانیًا من العرب و العجم فذبیحته مذکاة اذا سمی اللہ علیها وان سمی النصرانی علیها اسم المسیح لم تو کل (جصاص) طَعَامُ سے مراد حلال جانور ہیں، جو اہل کتاب کے ہاتھ کے ذبح کیے ہوئے ہوں۔ جیسا کہ صحابیوں، تابعین اور ائمہ تفسیر نے سمجھا ہے ورنہ مطلق کھانا تو دوسرے غیر مسلموں کے ہاں کا بھی جائز ہے۔ کچھ اہل کتاب کی تخصیص نہیں۔ و فی المراد بالطعام ھھنا وجوه الثلاثة الاول انه الذبائح والاکثرون علی القول الاوّل (کبیر) ھو ھنا خاص بالذبائح عند کثیر من اهل العلم بالتاویل (قرطبی) و علیه اکثر المفسرین (روح) روی عن ابن عباس و ابی الدرداء والحسن و مجاهد وابراهیم و قتادہ والسدی انه ذبائحهم وظاهرهٗ یقتضی ذٰلک (جصاص) بعض فقہاء اُمت نے تصریح اور تاکید کی ہے کہ جن اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے، انہیں واقعۃً اور عملاً یہودی یا نصرانی ہونا چاہیے۔ محض اسماً یا نسلاً اُن کا ”قوم“ اہل کتاب سے ہونا کافی نہیں۔ ورنہ جو علت مشرکین کے ذبیحہ کی حرمت کی ہے، وہی یہاں بھی مشترک ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابیوں کے فتوے اس باب میں موجود ہیں۔ اُس وقت جو نصرانی محض نام کے تھے، اُن کے ذبیحہ کے کھانے سے آپ نے روک دیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور بعض تابعین سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ عن علی رضی اللہ عنہ قال لا تاکلوا ذبائح نصاری بنی تغلب فانهم لم یتمسکوا بشیء من النصرانیة الا بشرب الخمر (ابن جریر) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لا تاکلوا ذبائح نصاری العرب و ذبائح نصاری ارمینیه (ابن جریر) و قال بهٰذا من الصحابة علی رضی اللہ عنہ و عائشة رضی اللہ عنہا و ابن عمر رضی اللہ عنہما و هو قول طاؤس والحسن (قرطبی) امام مالک کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ وقال مالک اکره ذٰلک ولم یحرمه (قرطبی) لیکن اس کے مقابل بہت سے اکابر تابعین اور ائمہ فقہ کا قول یہ بھی موجود ہے کہ کتابیوں کا ذبیحہ بہر صورت جائز ہے۔ و ذهب اکثر اهل العلم الی انه یحل وهو قول الشعبی و عطاء والزهری و مکحول (معالم) حسن بصری تابعی کا یہ قول دل کو بہت زیادہ لگتا معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہودی یا نصرانی کے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام خود سن لو، جب تو نہ کھاؤ، ورنہ کھا لینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ و قال الحسن اذا ذبح الیهود والنصرانی فذکر اسم غیر اللہ وانت تسمع فلا تاکله واذا غاب عنک فکل فقد احل اللہ لک (معالم۔ روح) لیکن واضح رہے کہ یہ سارے اختلافات اس صورت حال کے موقعہ پر ہیں، جب جانور بہرحال ذبح ہوا ہو۔ لیکن جب ذبح ہی کی نوبت سرے سے نہ آئے، مثلاً مرغ کو گردن مروڑ کر ہلاک کر دیا گیا، تو ایسے غیر مذبوح جانور کے جواز کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور آج کی برائے نام مسیحی قوموں میں جو عام دستور ہے، سب پر ظاہر ہے۔ ف٣١ (سو تم اپنے کھانے سے انہیں بلا تکلف کھلا سکتے ہو) مسلمان رُک رہے تھے، کہ معلوم نہیں ہمارے لیے جائز بھی ہے یا نہیں کہ ہم کتابیوں کو اپنے کھانے میں سے کھلا سکیں، یہاں تصریح کر دی گئی کہ بے تکلف جائز ہے۔ فلا جناح علیکم ان تطعموهم (مدارک) ای ویحل لکم ان تطعموهم من طعامکم (کبیر) یہ صراحت اس لیے بھی ضروری تھی کہ نکاح کا بیان معاً بعد آ رہا ہے۔ ذبیحہ تو طرفین سے حلال ہے۔ لیکن مناکحت کا قیاس اس پر درست نہ ہوگا نکاح صرف اُن کی عورتوں

سے مسلمان مرد کا جائز ہے۔ مسلمان عورت کا نکاح اُن کے مرد سے جائز نہیں۔ لا جرم ذکر الله تعالٰی ذلک تنبیهاً علی التمییز بین النوعین (کبیر) ۳۲ ابھی ذکر کھانے کی حلال چیزوں کا تھا، اب ذکر عورتوں کا ہے، کہ زن مسلم اور زن کتابی تمہارے لیے حلال ہے...... مواکلت کی طرح مناکحت بھی انسان کی ایک طبعی خواہش ہے۔ اس لیے دونوں کے احکام اگر اکٹھے لائے گئے تو یہ عین باہمی مناسبت کا تقاضہ ہے۔ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ ـــــ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ۔ مسلمات اور کتابیات دونوں کے درمیان اصلاً قدر مشترک سلسلہ وحی ونبوت پر ایمان ہے۔ یہود اور نصرانیوں کے اعمال کیسے ہی فاسقانہ ہوں، اور بعض عقائد کیسے ہی غالیانہ ہوں۔ بہر حال اصلاً وہ لوگ توحید ہی کے قائل ہیں اور سلسلہ وحی ونبوت کے ماننے والے۔ اور عقائد کے باب میں یہی دو عنوانات اہم ترین ہیں...... البتہ یہ خیال رہے کہ "نصرانیت" موجودہ یورپی قوموں کی مسیحیت کے مرادف نہیں۔ نکاح کتابیوں کے ساتھ بالکل جائز ہے۔ نفس جواز میں کوئی گفتگو اس نص کے بعد چل ہی نہیں سکتی۔ البتہ فقہاء نے مفسدوں پر نظر کر کے اور مصلحت شرعی کا لحاظ کر کے فتوٰی یہ دیا ہے کہ بلاضرورت ایسے نکاحوں سے بچنا چاہیے۔ یجوز تزوج الکتابیات والاولی ان لایفعل (فتح القدیر) و صح نکاح کتابیة وان کره تنزیهاً (درمختار) اور کتابیہ حربیہ کے ساتھ نکاح کی کراہت میں تو شبہ نہیں۔ و تکره الکتابیة الحربیة اجماعاً لا فتتاح باب الفتنة (فتح القدیر) واصحابنا یکرهون مناکحات اهل الحرب من اهل الکتاب (جصاص) یجوز للمسلم ان یتزوج کتابیة فی دار الحرب ولکنه یکره (مبسوط) حنفیہ کے اس قول کا ماخذ حضرت علی ؓ کا ایک اثر ہے، جس میں آپؓ نے کتابیہ مقیم دار الحرب سے نکاح پر کراہت ظاہر کی ہے۔ بلغنا عن علی ؓ بن ابی طالب انه سئل عن مناکحة اهل الحرب من اهل الکتاب فکره ذلک وبه ناخذ (مبسوط) علامہ شامی نے فیصلہ کیا ہے کہ نکاح غیر حربیہ کے ساتھ تو محض مکروہ تنزیہی ہے، لیکن حربیہ کے ساتھ مکروہ تحریمی۔ قوله والاولی ان لا یفعل یفید کراهة التنزیه فی غیر الحربیة وما بعده یفید کراهیة التحریم فی الحربیة (ردالمحتار) وَالْمُحْصَنٰتُ۔ ترکیب میں عطف ہے الطیبات پر اوپر کی آیت میں۔ المحصنات۔ پر حاشیہ پارہ پنجم کی ابتداء میں گزر چکا۔ یہاں مراد ہے کہ قید عصمت کی پابند اور پارسا ہوں۔ یہ نہ ہو کہ ادھر کسی کے عقد میں بھی آئیں، اور اُدھر بدچلنی اور عصمت فروشی بھی جاری رکھیں۔ ای حصان فی النساء هی العفة عن الزنا (ابن کثیر) لفظ کے لانے سے مقصود عصمت کی عظمت کو بڑھانا اور اس کی ترغیب دینا ہے، ورنہ قانونی حیثیت سے نکاح منعقد تو ہر نیک چلن، بدچلن اور بیوی و باندی سب کا ہو سکتا ہے۔ هی الحرائر والعفائف و لیس هٰذا بشرط لصحة النکاح بل هو للاستحباب لانه یصح نکاح الاماء من المسلمات و نکاح غیر العفائف (مدارک) روی عن الحسن والشعبی و ابراهیم والسدی انهم العفائف (جصاص) قال ابو عبید یعنی العواهر فهٰذا یدل علی ان معنی الاحصان عقده ههنا کان علی العفة (جصاص) اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔ مہر شرط نکاح نہیں، لیکن مہر کی عظمت اور اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید بار بار اس کا ذکر تصریحاً کرتا ہے۔ و تقیید التحلیل بایتاء الاجور یدل علی تاکد وجوبها (کبیر) و تقیید الحل بایتائها لتاکید و جوبها (روح) ۳۳ نکاح اسلام میں کوئی ضمنی اور ثانوی حیثیت کی چیز نہیں۔ ایک اہم اور زبردست اخلاقی، اجتماعی، روحانی ادارہ ہے اس کے منافع ومصالح فرد کے، خاندان کے، معاشرہ کے، سب کے لیے بیشمار ہیں۔ نکاح یا شادی کے لیے اسی لیے اُردو میں بھی دوسرا لفظ "خانہ آبادی" کا ہے...... اُجڑے ہوئے سنسان اور ویران گھر گھرانے اسی ذریعہ سے آباد ہوتے ہیں۔ مرد و زن کے باہمی تعلق کو اسلام نے صرف اسی صورت میں جائز رکھا ہے، کہ زوجین کا اس سے اصل مقصود ایک خاندان کی بنیاد رکھنا، ایک مستقل معاشرہ قائم کرنا ہو۔ اپنے کو مہذب ومتمدن کہلانے والی، لیکن حقیقۃً جاہلی قوموں میں اس صورت مناکحت کے علاوہ دو اور صورتیں بھی مرد و زن کے تعلق کی پہلے بھی جاری رہی ہیں، اور اب بھی جاری ہیں۔ ایک شکل تو کھلم کھلا بدکاری کی ہے۔ عورت زنا کے لیے آزاد ہے۔ اس کو باقاعدہ اپنا پیشہ بنالے۔ نہ سوسائٹی اُسے اس سے روک سکے نہ حکومت۔ جو مرد جب چاہے، اس کے ہاں جا کر ایک خاص کرایہ دے کر اپنے جسم کا پانی بہا آئے، اور منہ کالا کر کے چلا آئے۔ دوسری صورت چوری چھپے آشنائی کی ہے۔ یعنی عصمت کے معنی ہی مٹ جائیں اور شریف وبیسوا میں کوئی فرق نہ رہ جائے۔ البتہ اس سے پبلک فضیحتا (Scandal) نہ پھیلتا ہو، یعنی جانتے اپنی جگہ سب ہوں، لیکن عام زبانوں پر چرچے نہ پھیلیں۔ اسلام نے ان دونوں مہذب جرموں کو ایک لعنت قرار دیا اور جائز صورت مرد وعورت کو جنسی شہوانی تعلق کی صرف نکاح بتائی۔ نکاح چوری چھپے نہیں، اعلان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس میں خدا کا نام درمیان میں لا کر، خالق کائنات کا واسطہ ڈال کر، مرد عورت کی راحت، آسائش کا ذمہ لیتا ہے اور عورت مرد کی خدمت کی ذمہ داریوں کو قبول کر لیتی ہے۔ دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق قائم ہوتے ہیں، فرائض عائد ہوتے ہیں۔ دونوں اپنے کو مستقل نباہ کے لیے عمر کے ہر دور، مال واقبال کے ہر اتار چڑھاؤ کے لیے، حتی الامکان تیار کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے۔ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ لا کر قرآن مجید نے ازدواجی وخانگی زندگی کا وہ بلند ترین معیار پیش کر دیا، جہاں کوئی مادی تہذیب آج تک نہیں پہنچ سکی ہے۔ ۳۴ (گو اس کا حال اور مستقبل قریب بہ ظاہر کیسا ہی خوش نما ہو) بِالْاِیْمَانِ۔ یعنی مقتضیات ایمان سے۔ اُن چیزوں سے جو ایمان لانے سے واجب ہو جاتی ہیں۔ اور انہی میں حلت وحرمت کے مسائل بھی آجاتے ہیں۔ ای بشرائع الاسلام و ما احل الله و ما حرّم (کشاف) قال الزجاج معناه من احلّ ما حرّم الله او حرّم ما احلّ الله فهو کافرٌ (بحر) حَبِطَ عَمَلُهٗ۔ کوئی عمل، کیسا ہی خوشنما ہو، اگر روح سے خالی ہے، تو اُس کا شمار نیکی میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ایمان نام اسی روح عمل کا ہے۔ تو جس کی نیت ہی سرے سے درست نہیں، اور جو ایمان کی دولت سے یکسر محروم ہے ظاہر ہے کہ اس کے اعمال صرف صورۃً نیک ہو سکتے ہیں، نہ کہ معنیٰ وحقیقت کے لحاظ سے۔ نیکی کی نقل اور چیز ہے، اور خود نیکی اور ۳۵ یعنی نماز کا ارادہ کرو اور حالت وضو میں نہ ہو۔ ای اذا اردتم (قرطبی) ای اذا اردتم القیام عُبّر عن ارادة الفعل بالفعل المسبب عنها للایجاز (بیضاوی) اتنا فقرہ کہ حالت وضو میں نہ ہو، یا مُحدِث ہو، محذوف مانا گیا ہے، اجماعاً، اسی لیے وضو پر وضو نماز کے لیے ضروری نہیں۔ وظاهر الاٰیة یوجب الوضوء علٰی کل قائم الی الصلٰوة و ان لم یکن محدثا والاجماع علٰی خلافه (بیضاوی) مطلق ارید به التقیید والمعنٰی اذاقمتم الی الصلٰوة محدثین (بیضاوی) و قدروی نفی ایجاب الوضوء بکل صلاة من غیر حدث عن ابن عمرو ابی موسٰی و جابر بن عبدالله و عبیدة السلمانی و ابی العالیة و سعید بن المسیب و ابراهیم والحسن ولا خلاف بین الفقهاء فی ذلک (جصاص) گو تازہ وضو کی فضیلت بہت زائد وارد ہوئی ہے، اور رسول الله ﷺ اور خلفائے راشدین ؓ کا عام تعامل بھی یہی تھا۔ چنانچہ وضو پر وضو کرنے کے استحباب کے سب قائل ہیں۔ وقدروی عن النبی ﷺ اخبارٌ فی تجدید الوضوء (جصاص) و قدروی عن ابی بکر و عمر و عثمان و علی انهم کانوا یتوضئون لکل صلاة و هٰذا محمول علٰی انه فعلوه استحباباً (جصاص) و قال ﷺ لو لا ان اشق علٰی امتی لامرتهم بالوضوء عند کل صلوة فهٰذا کله یدل علٰی استحباب الوضوء عند کل صلاة و ان لم یکن محدثا (جصاص) قال ابن سیرین کان الخلفاء یتوضئون لکل صلاة (قرطبی) حملوا الامر علی الندب و کان کثیرٌ من الصحابة منهم ابن عمر یتوضئون لکل صلاة طلباً للفضل و کان علیه السلام یفعل ذلک (قرطبی) ۳۶ اب تعلیم ارکانِ وضو کی ہو رہی ہے۔ اسلام بخلاف دوسرے مذہبوں کے، باطنی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ ظاہری وجسمانی صفائی کا بھی بہت قائل ہے۔ اور اس نے اپنی مرکزی عبادت نماز سے قبل وضو کو لازمی ٹھیرایا ہے کہ بغیر اس کے نماز درست ہی نہیں۔ آیت احکامِ قرآنی کی اہم ترین آیتوں میں سے ہے۔ ذکر العلماء ان هٰذه الاٰیة من اعظم اٰیات القراٰن مسائل و اکثرها احکاماً فی العبادات و یحق ذلک (ابن العربی) یہاں تک کہ اس ایک آیت کے اندر سے بعض بعض علماء وفقہاء نے آٹھ آٹھ سو اور ہزار ہزار مسئلے متخرج اور مستنبط کیے ہیں۔ ولقد قال بعض العلماء ان فیها الف مسئلة واجتمع اصحابنا بمدینة السلام فتتبعوها فبلغوها ثمان مائة مسئلة ولم یقدروا ان یبلغوها الالف (ابن العربی) وضو میں فرض صرف چار چیزیں ہیں، اور انہی کا آیت میں بیان ہے:۔ (١) فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَکُمْ۔ چہرہ کا دھونا۔ (٢) وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ۔ ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا۔ (٣) وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ۔ سر کا مسح کرنا، یا پانی میں تر کیا ہوا ہاتھ اُس پر

پھیرنا۔(۴)(واغسلوا) اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ پیروں کا ٹخنوں سمیت دھونا۔ ان کے علاوہ اور جو چیزیں ہیں، کلی کرنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی لینا، غرغرہ کرنا، وقس علیٰ ہذا، ان میں سے بعض امور مسنون ہیں، اور بعض مستحب۔ تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔ تفسیر سے اس کا تعلق نہیں اعضائے وضو پر پانی بہانا، انہیں دھونا، ملنا صاف کرنا، اپنے اندر جتنی بھی حکمتیں اور جسمانی مصلحتیں رکھتا ہے اور حضور قلب میں جس حد تک معین ہوسکتا ہے، ان پہلوؤں پر تفصیل سے لکھنے کے لیے ایک مستقل مقالہ کی ضرورت ہوگی۔ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ۔ مالکیہ کے ہاں چہرہ دھونے کے معنی یہ ہیں کہ پانی اُس پر بہایا جائے اور ہاتھ اُس پر پھیرا جائے۔ لیکن حنفیہ کے ہاں محض پانی کا اُس پر بہہ جانا کافی ہے، ہاتھ سے ملنا اور رگڑنا لازمی نہیں۔ ولا بد فی غسل الوجه من نقل الماء اليه و امرار اليدعليه وهٰذه حقيقة الغسل عندنا (قرطبی) قال اٰخرون وهو قول اصحابنا و عامة الفقهاء عليه اجراء الماء عليه و ليس عليه دلكه بيده (جصاص) وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ۔ اِلیٰ اظہار غایت وانتہاء کے لیے آتا ہے اور اس فیصلہ کا تعلق سیاق سے ہے کہ اِلیٰ کا مابعد بھی الی کے ماقبل کے ساتھ شامل رکھا جائے یا اس سے الگ سمجھا جائے بعض ماہرین نحو نے یہ بھی کہا ہے کہ مابعد اگر ہم جنس ہے تو ماقبل کے ساتھ شامل سمجھا جائے گا۔ اور اگر غیر جنس ہے تو اس سے خارج رہے گا۔ لان ما بعد الٰی اذا كان من نوع ما قبلها دخل فيه قاله سيبويه وغيره (قرطبی) قال الخليل فی قوله تعالٰی الی المرافق ان المرافق فيما يغسل (تاج) القول الثانی ان الٰی حد والحد اذا كان من جنس المحدود دخل فيه (ابن العربی) اِلیٰ۔ کبھی معیت کے معنی بھی دیتا ہے، اور مع کا مرادف ہوتا ہے۔ و تاتی للمعية (تاج) چنانچہ قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں اس معنی میں آیا ہے۔ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ۔ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ وغیرھا۔ اور بہت سے نحویین نے یہاں بھی اِلیٰ اسی معنی میں لیا ہے۔ فان جماعة النحويين جعلوا الٰی بمعنٰی مع ههنا واوجبوا غسل المرافق والكعبين (تاج) رسول اللہ ﷺ کا تعامل بھی کہنیاں دھونے کا تھا۔ بہرحال لفظ اِلیٰ سے اگر کچھ اشتباہ رہ بھی گیا ہو، تو سنت رسول ﷺ نے اُسے دفع کردیا ہے۔ روی جابر رضی اللہ عنہ بن عبدالله ان النبی ﷺ كان اذا بلغ المرفقين فی الوضوء ادار الماء عليهما وفعله ذٰلک عندنا على الوجوب لوروده مورد البيان (جصاص) عن النبی ﷺ انه كان يدير الماء على مرفقيه (مدارک) حنفیہ کے ہاں تو کہنی کا اعضاء وضو میں داخل ہونا ایک متفقہ مسئلہ ہے ہی (اختلاف صرف امام زفر سے منقول ہے) والذی ذكرنا من دخول المرافق فی الوضوء هو قول اصحابنا جميعًا الّا زفر (جصاص) باقی دوسرے مذاہب فقہ نے بھی کہنی کا دھونا لازم قرار دیا ہے۔ وجمهور الفقهاء علٰى دخولها و حكى عن الشافعی رحمۃ اللہ علیہ انه قال لا اعلم خلافاً فی ان المرافق يجب غسلها (روح) فقد نقل ابن هبيرة اجماع الائمة الاربعة علٰى فرضية غسل اليدين مع المرفقين (روح) قال الجمهور غسل اليدين الی المرفقين واجب معهما (كبير) وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ۔ مسح سے مراد بھیگے ہوئے ہاتھ کے پھیر لینے سے ہے۔ جملہ کی ترکیب (بِرُءُوْسِكُمْ) اس کی مقتضی ہے کہ مراد پورے سر کا مسح نہیں، بلکہ اس کے کسی حصہ کا ہے۔ چنانچہ حنفیہ کے ہاں سر کے چوتھائی حصہ کا مسح کافی ہے۔ اور ب تبعیض کے لیے ہے۔ يقتضی مسح بعضه (جصاص) روی عن اصحابنا فيه روايتان احدهما ربع الرأس والاخرٰى مقدار ثلاثة اصابع (جصاص) اخبر ابراهيم ان الباء للتبعيض وقد كان من اهل اللغة مقبول القول فيها (جصاص) الباء مزيدة و قيل للتبعيض (ابوسعود) نحویین کے ایک گروہ نے ب کے تبعیضیہ ہونے سے انکار بھی کیا ہے۔ وقيل الباء للتبعيض وكونها للتبعيض ينكرهٗ اكثر النحاة حتٰى قال بعضهم وقال من لا خبرة له بالعربية الباء فی مثل هٰذا للتبعيض و ليس بشیء يعرفه اهل العلم (بحر) تاہم ربع سر کے لیے حنفیہ کے ہاں دلیل سنت رسول سے ہے۔ آپ ﷺ کا تعامل پیشانی پر مسح کا تھا۔ اور پیشانی کی مقدار ربع سر کے برابر ہوتی ہے۔ واخذنا ببيان نبی ﷺ و هو ما روی انه مسح على ناصيته و قدرت الناصية بربع الرأس (مدارک) وَاَرْجُلَكُمْ۔ شامی و نافع و علی و حفص سب سے اس کی قرأت نصب کے ساتھ اَرْجُلَ مروی ہے۔ جس سے اَرْجُلَكُمْ۔ فاغسلوا کا مفعول ٹھہرتا ہے۔ اور وجوهكم اور ایدیکم پر عطف ہوتا ہے اور معنی یہ ہوتے ہیں کہ اپنے چہروں اور ہاتھوں اور پیروں کو دھوؤ۔ بالنصب شامی و نافع و علی و حفص والمعنٰى فاغسلوا وجوهكم و ايديكم و ارجلكم (مدارک) قرأ نافع ابن عامر والكسائی ارجلكم بالنصب (قرطبی) عن ابی عبدالرحمن قال قرأ علی الحسن والحسين رضی اللہ عنہما فقرا و اَرْجُلَكُمْ الی الكعبين تسمع علیّ رضی اللہ عنہ ذٰلک و كان يقضی بين الناس فقال و ارجلكم و هٰذا من المقدم والمؤخر من الكلام (ابن جریر) قرأ علی و عبدالله بن مسعود و ابن عباس فی رواية و ابراهيم والضحاک و نافع و ابن عامر والكسائی و حفص عن عاصم بالنصب و كانوا يرون غسلها واجباً (جصاص) دونوں پیروں کا دھونا ہی نہ کہ ان پر مسح کرنا، سنت رسول سے بھی ثابت ہے اور تعامل صحابہ سے بھی۔ اور عطاء تابعی کا قول ہے کہ صحابہ کا اس بارہ میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ هٰذا مذهب الجمهور والكافة من العلماء و هو الثابت من فعل النبی ﷺ (قرطبی) عن علی رضی اللہ عنہ قال اغسلوا الاقدام الی الكعبين (ابن جریر) و عن عطاء قال والله ما علمت ان احدًا من اصحب رسول الله ﷺ مسح على القدمين و انّما امر بغسل هٰذه الاعضاء (مدارک) و لنا ان النبی ﷺ واظب علٰى غسل الرجلين وبه امر من علمه الوضوء ورأى رجلاً يلوح عقبه فقال ويلٌ للاعقاب من النار (مبسوط) النبی ﷺ غسل و ما مسح قط (ابن العربی) يؤيده السنة الشائعة و عمل الصحابة وقول اكثر الائمة (بیضاوی) قال جمهور الفقهاء والمفسرين فرضهما الغسل (كبير) والجواب بان وجوب واحدة بالعبارة واخرٰى بالدلالة لا طائل تحته بعد انعقاد الاجماع القطعی علٰى افتراضهما ...... فان الاجماع انعقد علٰى غسلهما (بحرالرائق) اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ یعنی ٹخنوں کو شامل کرکے۔ و حكم الكعبين كالمرفقين (بحرالرائق) اِلیٰ کے مفہوم سے متعلق یہاں بھی وہی بحثیں ہوئی ہیں، جو الی المرافق کے تحت میں گزر چکی ہیں۔ وضوہی کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان ایک طویل بحث نیت کی آجاتی ہے۔ حنفیہ کے ہاں نیت واجب نہیں، دوسرے ائمہ کی بابت روایتیں مختلف آئی ہیں۔ وقال كثير من الشافعية لاحاجة الٰى نية وهو قول الحنفية (قرطبی) النية فی الطهارة واجبة فيه و به قال مالک والشافعی و اكثر العلماء وروى الوليدبن مسلم عن مالک انها غير واجبة فيه وبها قال ابو حنيفة والاوزاعی۔ سواء قارنته النية اولم تقارنه (جصاص) قال ابوحنيفة و ابو يوسف و محمد كل طهارة بماء تجوز بغيرنية و هو قول الثوری و قال الاوزاعی يجزی الوضوء بغيرنية (جصاص) قال الشافعی رحمۃ اللہ علیہ النية شرط لصحة الوضوء والغسل و قال ابو حنيفة رحمۃ اللہ علیہ ليس كذٰلک (كبير) اختلف علماء الامصار هل النية شرط صحة الوضوء ام لا. فذهب فريق منهم الٰی انها شرط و هو مذهب الشافعی و مالک و احمد و ذهب فريق اخر الٰی انها ليست بشرط و هو مذهب ابی حنيفة والثوری (بدایۃ المجتهد)

و٣٧ یعنی غسل کرلو۔ یا سارے جسم کو پانی سے دھوڈالو۔ ای فاغتسلوا (معالم۔ بیضاوی) امر بالاغتسال بالماء (قرطبی) جُنُبًا۔ جنابت پر حاشیہ سورۃ النساء میں گزر چکا۔ فَاطَّهَّرُوْا۔ تطہیر باب تفعیل سے ہے یہیں سے تخریج فقہاء نے سارے جسم کے دھونے کا حکم نکالا ہے، اور محض بعض اعضاء کے دھوڈالنے کو کافی نہیں سمجھا ہے، اور غسل واجب میں کلی، غرغرہ اور ناک میں پانی لینے کا حکم بھی یہیں سے پیدا ہوا ہے۔ عموم سائر البدن فلا يجوز الاختصار على بعضه (جصاص) يقتضی تطهير داخل الفم والانف (جصاص)

و٣٨ (یا کسی اور طریقہ سے غسل ٹوٹ چکا ہو اور اب غسل کی ضرورت ہو) لٰمَسْتُمُ۔ ملامست سے کنایہ جماع سے ہے، صحابہ، تابعین، لغت سب سے یہی ثابت ہے۔ الملامسة هنا الجماع (قرطبی) يكنى بالملامسة عن الجماع (راغب) قال علی و ابن عباس و ابو موسٰی رضی اللہ عنہم والحسن و عبيده والشعبی هی كناية عن الجماع (جصاص) فمن قرأ اولمستم فظاهره الجماع لا غير لان المفاعلة لاتكون الا من اثنين الا فی اشياء نادرة (جصاص)

و٣٩ اس کا تعلق ضرورتِ وضو و غسل کی سب شکلوں سے ہے۔ یعنی پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو، خواہ یہ بسبب مرض کے، خواہ بہ سبب فاصلہ کے، یا کسی اور سبب سے معناه فلم تقدروا على الماء (راغب) سردی لگ

جانے کا خوف، بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ، پانی لانے میں بہت زیادہ دشواریاں، یہ ساری چیزیں پانی نہ ملنے ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ حدیث میں تصریح موجود ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے پانی ہوتے ہوئے بھی تیمم کرلیا، اس لیے کہ پانی سے انہیں سردی لگ جانے کا اندیشہ تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے جائز رکھا۔ قدروی فی حدیث عمر و بن العاص انہ تیمم مع وجود الماء لخوف البرد فاجازہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و لم ینکرہ (جصاص) حنفیہ کے ہاں سردی کے عذر پر بجائے غسل کے تیمم کرلینا بالکل جائز ہے۔ قال ابو حنیفةؒ و محمدؒ و من خاف بردالماء ان اغتسل جازلہ التیمم لما یخاف من الضرر (جصاص) تیمم کے ساتھ نماز جماعت میں بھی شرکت کی پوری اجازت حدیث میں موجود ہے۔ و حدیث عمران بن حصین نص فی ذٰلک و ھو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا معتزلا لم یصل فی القوم فقال یا فلان ما منعک ان تصلی فی القوم فقال یا رسول اللہ اصابتنی جنابة و لا ماء قال علیک بالصعید فانہ یکفیک. اخرجہ البخاری (قرطبی) فقہاء اُمت نے جنہیں حقیقۃً حکمائے اُمت کہنا چاہیے اسے خوب صاف کردیا ہے۔ کہ پانی مل سکتا تو ہو لیکن بہت گراں قیمت پر، یا موجود تو ہو لیکن اتنی کم مقدار میں کہ پینے کے لیے نہ بچ سکے گا، تو ایسے ہر موقع پر پانی کا وجود اس کے عدم ہی کے برابر ہے، اور تیمم بالکل درست ہوگا۔ والجملة التی اتفق اصحابنا علیھا ان الوجود امکان استعمال الماء الذی یکفیہ لطھارتہ من غیر ضرر فلو کان معہ ماء و ھو یخاف العطش او لم یجدہ الا بثمن کثیر تیمم و لیس علیہ ان یغالی فیہ (جصاص)

الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى
کرو اور اپنے سروں پر مسح کرلیا کرو اور اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت
الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ
(دھولیا کرو) ف۳۶ اور اگر تم حالت جنابت میں ہو تو (سارا جسم) پاک صاف کرلو ف۳۷ اور اگر تم
مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ
بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی استنجا سے آئے
اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا
یا تم نے عورت سے صحبت کی ہو ف۳۸ پھر تم کو پانی نہ ملے ف۳۹ تو پاک مٹی سے تیمم کرلیا
طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ
کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اُس سے مسح کرلیا کرو ف۴۰ اللہ
اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ
نہیں چاہتا کہ تمہارے اوپر کوئی تنگی ڈالے ف۴۱ بلکہ وہ (تو یہ) چاہتا ہے
لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞
کہ تمہیں خوب پاک صاف رکھے ف۴۲ اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے، تاکہ تم شکرگزاری کرو ف۴۳
وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ
اور اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو یاد کرلیا کرو ف۴۴ اور اُس کے اس عہد کو بھی جس کا اس نے تم سے معاہدہ
بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
کیا ہے (یہ اس وقت) جب تم نے کہا کہ ہم نے سن لیا، اور مان لیا ف۴۵ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ
عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا
سینوں کے اندر تک کا علم رکھتا ہے ف۴۶ اے ایمان والو، اللہ کے لئے پوری پابندی

ف۴۰ تیمم کا بیان اور اس کا طریقہ سب سورۂ نساء کی آیت متعلقہ کے ماتحت گزر چکا ہے۔ صَعِيْدًا طَيِّبًا۔ صعید سے مراد مٹی کی جنس ہے۔ جس چیز میں بھی اجزاء ارضی شامل ہوں، اس حکم میں آجائے گی۔ و کان الصعید اسمًا للارض اقتضی ذٰلک جواز التیمم بکل ما کان من الارض (جصاص) قال ابو حنیفةؒ یجزی التیمم بکل ما کان من الارض التراب والرمل والحجارة والزرنیخ والنورة والطین الاحمر والمراد اسنج وما اشبھہٗ و ھو قول محمد و زفر۔ (جصاص) ف۴۱ (احکام شریعت کے ذریعہ سے۔ بلکہ وہ تو تنگی رفع کرتا رہتا ہے۔ جیسا کہ احکام تیمم سے ابھی ابھی ظاہر ہوگا) آیت میں ایک بہت بڑی اصل کا بیان آگیا۔ یعنی یہ کہ اللہ نے شریعت میں مشقت وتعب نہیں رکھی ہے۔ اور اس ایک اصل سے بیسیوں مسائل نکل سکتے ہیں۔ اور محقق رازی علیہ الرحمۃ کی نظر اس نکتہ تک خوب پہنچی ہے۔ اعلم ان ھٰذہ الآیة اصل کبیر معتبر فی الشرع و ھوان الاصل فی المضار ان لا تکون مشروعة (کبیر) احکام کا وہ مجموعہ جس پر شریعت کا اطلاق ہوتا ہے، وہ تو نام ہی بہترین نقشۂ زندگی کا ہے۔ اور اس کا مقصود بھی یہ ہے کہ جو کوئی اس ہدایت نامہ پر عمل کرے، وہ زندگی کی دشواریوں کو بہترین اور سہل ترین طریقہ پر عبور کرسکے...... احکام شریعت کو سخت سمجھ لینا ایسا ہے ہے جیسے کوئی بچہ اپنے شفیق اور تجربہ کار باپ کی ہدایتوں کو، یا کوئی مریض اپنے دلسوز اور حاذق طبیب کے احکام کو ظلم وجبر سے تعبیر کرنے لگے، بلکہ ان دونوں مثالوں سے بھی کہیں بڑھ کر احمقانہ ف۴۲ (معنوی وظاہری ہر اعتبار سے) طہارت کا لفظ صفائے قلب اور جسمانی پاکیزگی دونوں کے لیے عام ووسیع ہے۔ چنانچہ شریعت کے احکام دونوں اقسام کے جامع ہیں۔ مَا يُرِيْدُ۔ يُرِيْدُ۔ متکلمین نے آیت کے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب ارادہ ہے۔ دلت الآیة علی انہ تعالیٰ مرید وھٰذا متفق علیہ بین الائمة (کبیر) یہی الفاظ اُن نیم مشرک نیم ملحد قوموں کی تردید کے لیے بھی کافی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کو صفت ارادہ سے محروم، محض مشین کی طرح چند قاعدوں کا پابند ومحکوم سمجھے ہوئے ہیں۔ تطہیر۔ باب تفعیل سے ہے۔ یعنی خوب اچھی طرح تمہیں پاک وصاف کردے۔ یہاں یہ نکتہ بھی خوب سمجھ لینا چاہیے، کہ ایک طرف صوفیہ محققین اور دوسری طرف فقہاء اُمت نے کتاب وسنت ہی سے جو جزئیات اعمال نکال نکال کر پیش کیے ہیں، اُن سے مقصود بھی تمامتر اسی تطہیر ظاہری وباطنی کی راہ میں سہولتیں پیدا کرنا ہے، نہ کہ اور مشقتیں بڑھانا۔ ف۴۳ (اور ادائے شکر کی اعلیٰ ترین فرد ان احکام کی تعمیل ہے) لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ۔ اور وہ اتمام نعمت یہی ہے کہ وہ اپنے قرب اور رضا کے راستے سہل ترین اور کامل ترین صورت میں تمہیں بتادے۔ نعمتہ بالاسلام و بیان شرائع الدین (جلالین) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ شرعی رخصتوں سے تنگدل ہونا اور اُن پر نفس کا شبہ کرنا جیسا کہ عمل میں غلو رکھنے والے کرتے رہتے ہیں، مزاحمت حق ہے۔ ف۴۴ (اور اس کی بڑی نعمت یہی ہے کہ اُس نے فلاح دنیوی واُخروی کے طریقے اس تفصیل اور اس تکمیل کے ساتھ تمہیں بتادیے ہیں) النعمة ھنا الاسلام (بحر) و ھی نعمة الاسلام (روح) امام رازی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ نِعْمَةَ اللّٰهِ سے یہاں مراد ان نعمتوں کی تعداد نہیں بلکہ جنس نعمت ہے۔ نِعْمَة بہ طور اسم جنس مستعمل ہوا ہے۔ اس لیے ضرورت صیغۂ جمع کی نہیں پڑی۔ ف۴۵ مِيْثَاقَكُمْ۔ اس سے کون سا عہد مراد ہے؟ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس سے مراد عالم ارواح کا وہ عہد ہے جو سارے بنی آدم سے اقرار ربوبیت کی بابت لیا گیا تھا۔ قال مجاھد و کلبی و مقاتل ھو المیثاق الذی اخذہ اللہ تعالیٰ منھم حین اخرجھم من ظھر ادمؑ (کبیر) روح انسانی کے اندر جو فطری طلب خدارسی کی اور طبعی خواہش خداطلبی کی ہے، یہ اُسی عہد کا عملی ظہور ہے۔ لیکن خطاب یہاں

قيل الميثاق اقرار كل مومن بما التمربه (بحر) اس سے بھی زیادہ دلنشین تفسیر یہ ہے کہ میثاقکم سے مراد بیعت واطاعت کے وہ عہد ہیں، جو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے لیے تھے۔ ابن عباس صحابی اور سدی تابعی وغیرہم سے یہی معنٰی مروی ہیں۔ والذى عليه الجمهور من المفسرين كا بن عباس ؓ والسدى هو العهد والميثاق الذى جرى لهم مع النبى ﷺ على السمع والطاعة من المنشط والمكره كما جرى ليلة العقبة و تحت الشجرة. (قرطبی) المراد هو المواثق التى جرت بين رسول الله ﷺ و بينهم فى ان يكونوا على السمع والطاعة فى المحبوب و المكروه۔ (کبیر) و هذه هى البيعة التى كانوا يبايعون عليها رسول الله ﷺ عند اسلامهم (ابن کثیر) و ذلک حين بايعوا رسول الله ﷺ على السمع والطاعة فى ما احبوا و كرهوا و هو قول اكثر المفسرين (معالم) ایسے عہد لیے تو تھے رسول اللہ ﷺ نے، لیکن حق تعالیٰ نے ان کے اہتمام شان کے اظہار کے لیے انہیں منسوب اپنی ہی جانب فرمایا۔ و اضافه تعالىٰ الىٰ نفسه كما قال انما يبايعون الله فبا يعوا رسول الله ﷺ (قرطبی) انه تعالىٰ اضاف الميثاق الصادر عن الرسول سدی تابعی سے یہ تفسیر بھی منقول ہے کہ اس میثاق سے مراد حقانیت اسلام کے دلائل عقلی ونقلی ہیں۔ اور متکلمین نے عموماً یہی معنٰی اختیار کیے ہیں۔ قال السدى المراد بالميثاق الدلائل العقلية والشرعية نصبها الله تعالىٰ على التوحيد والشرائع و هو اختيار اكثر المتكلمين، (کبیر) ف٤٦ اس حقیقت کے استحضار سے تعمیل احکام میں اخلاص کا پیدا ہو جانا لازمی ہے۔ ورنہ عمل بلا اخلاص سے تو محض مشقت ہی مشقت ہاتھ رہے گی۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اللہ سے ڈرنا یہ کہ اُس کے احکام کی مخالفت سے بچو۔ پہلے یہ تھا کہ تعمیل احکام میں نفع تمہارا ہی ہے۔ اپنی ہی خیر خواہی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان احکام پر عمل کیا جائے۔ پھر یہ یاد دلا دیا کہ تم عہد ومعاہدہ بھی تو کر چکے ہو، اب اخلاقی فرض ان معاہدوں کو پورا کرنا ہے۔ اب وَاتَّقُوا اللّٰهَ میں اشارۃً یہ بتایا جا رہا ہے کہ مخالفت وعدم تعمیل میں ضرر بھی تمہارا ہی ہے۔ ف٤٧ قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ۔ یعنی اللہ کے احکام کی پوری پابندی کرتے رہو۔ معناه كونوا قوامين لله بالحق فى كل ما يلزمكم القيام به من الامر بالمعروف و العمل به والنهى عن المنكر واجتنابه (جصاص) والمراد حثهم على الانقياد لتكاليف الله تعالىٰ (کبیر) لِلّٰهِ۔ یعنی اللہ کی رضا جوئی کے لیے اَىْ لاجل ثواب الله (قرطبی) مطلب یہ ہوا کہ حقوق اللہ کی ادائی میں ہمہ وقت مستعد رہو۔ اشارة الى التعظيم لامر الله (کبیر) شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ۔ یعنی ہر معاملہ میں مرتبہ انصاف کا لحاظ رکھو۔ یہ تاکید ہوئی حقوق العباد کی ادائی کی۔ اشارة الى الشفقة علىٰ خلق الله (کبیر) ف٤٨ گویا ادائے حقوق ہی کا دوسرا نام تقوٰی ہے۔ اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا۔ یہ بالکل حکیمانہ ترتیب کے مطابق پہلے ممانعت ناانصافی اور زیادتی سے ہوئی۔ پھر اس سلب کے بعد ایجابی حکم عدل کا ملا۔ شَنَاٰنُ قَوْمٍ۔ جس قوم یا جماعت سے مسلمانوں کو بہ حیثیت مسلمان کے دشمنی ہوگی ظاہر ہے کہ وہ دشمن اسلام کافروں ہی کی ہوگی۔ تو گویا تاکید اس کی ہوئی کہ دشمنوں تک کے ادائے حقوق میں کمی نہ کرو۔۔۔۔۔۔ اللہ اللہ! دنیا کا کون قانون ایسا ملے گا، جس نے اپنے باغیوں اور معاندوں تک کے حقوق کی یہ رعایت رکھی ہو! فقہاء نے آیت سے یہ حکم نکالا ہے کہ کافر کا کفر اُسے اس سے محروم نہیں کر دیتا کہ اس کے حق میں عدل کیا جائے، یا اس کے حقوق ادا کیے جائیں۔ دلت الاية علىٰ ان كفر الكافر لا يمنع من العدل عليه (قرطبی) اور عدل کا وجوب جب کفر کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے، تو کفر سے کمتر درجہ کی چیزوں، فسق، بدعت وغیرہ کے ساتھ اس کا وجوب کیونکر نہ جمع ہوگا۔ جب منکروں، باغیوں، سرکشوں کے ساتھ عدل واجب ہے تو توحید ورسالت کے قائلوں کے ساتھ یہ وجوب کتنا اور مؤکد ہوگا! اکابر شارحین نے اس طرف بار بار توجہ دلائی ہے۔ فيه تنبيه عظيم علىٰ ان وجوب العدل مع الكفار الذين هم اعداء الله اذاكان بهذه الصفة من القوة فما الظن بوجوبه مع المؤمنين. (کشاف۔ کبیر۔ مدارک) و فى الاية تنبية علىٰ مراعاة حق المؤمنين بالعدل اذ كان تعالىٰ قد امر بالعدل مع الكافرين۔ (بحر) شدت غضب میں کون اپنے آپ پر قابو رکھ سکا ہے۔ یہاں تاکید اسی کی ہو رہی ہے کہ جو غصہ تمہارے دلوں میں کافروں کے خلاف ہے وہ کہیں تمہیں اُن کے مقابلہ میں زیادتی پر نہ آمادہ کر دے۔ تو زیادتی نہ ہونے پائے۔ عدل واعتدال کا لحاظ ہر معاملہ میں رہے۔ عداه بعلىٰ لتضمنه معنى الحمل والمعنىٰ لا يحملنكم شدة بغضكم للمشركين علىٰ ترک العدل فيهم فتعتدوا عليهم بارتكاب مالا يحل (بیضاوی) نهاهم اوّلاً عن ان يحملهم البغضاء علىٰ ترک العدل ثم استانف فصرح لهم بالامر بالعدل تاكيدًا و تشديدًا (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معاملات میں طبعیات پر عمل نہ کرنا ایک مجاہدہ ہے، اور یہاں اسی کی تعلیم ہے۔ ف٤٩ اللہ کی اس ہمہ بینی وہمہ دانی کا استحضار ہی تقوٰی کی ہر منزل اور ہر مرحلہ کو آسان بنا سکتا ہے۔ اسی لیے یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں تقوٰی کا حکم ہے، اکثر اسی کے متصل ہی اس مضمون کا بھی بیان ملتا ہے۔ اسی سے ملتی جلتی ایک آیت پارۂ پنجم، سورۃ النساء میں بھی آئی ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ الخ۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا کہ معاملات میں بے انصافی کے سبب عموماً دو ہی ہوتے ہیں۔ یا تو کسی فریق کی رعایت ومروت اور یا کسی فریق کی عداوت ومخالفت سورۃ النساء میں اقامت عدل کا حکم سبب اوّل کی مناسبت ہے، اور یہاں سبب دوم کی مناسبت ہے۔ ف٥٠ وَعَدَ اللّٰهُ۔ آیت میں جان ڈال

قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

کرنے والے (اور) عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو ف٤٧ اور کسی جماعت کی

شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ

دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کر دے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف ہی نہ کرو، انصاف کرتے رہو (کہ) وہ تقوٰی سے

لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝٨

بہت قریب ہے، ف٤٨ اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ کو اس کی (پوری) خبر ہے کہ تم کیا کرتے رہتے ہو ف٤٩

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ

جو لوگ کہ ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے، اللہ نے اُن سے وعدہ کر لیا ہے

مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝٩ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

کہ اُن کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے ف٥٠ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری نشانیوں

بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝١٠ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

کو جھٹلایا (سو) ایسے لوگ دوزخ والے ہیں ف٥١ اے ایمان والو

اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ

اللہ کی نعمت کو (جو) تم پر ہے یاد کرو جب ایک قوم نے

يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ

ٹھان لی تھی کہ تم پر اپنے ہاتھ دراز کریں ف٥٢ لیکن اللہ نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیے ف٥٣

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١١ وَلَقَدْ

اور اللہ سے ڈرتے رہو ف٥٤ اور ایمان والوں کو چاہیے کہ بھروسہ اللہ ہی پر رکھیں ف٥٥ اور بیشک

اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ

اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا ف٥٦ اور ہم نے ان میں

ع ٢

اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ

بارہ سردار مقرر کئے تھے وے۵ اور اللہ نے (ان سے یہ بھی) کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں و۵۸ تو اگر

اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ

نماز کے پابند رہو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے، اور میرے پیمبروں پر ایمان لاتے رہو گے،

وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

اور اُن کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو گے، تو میں

لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

تم سے تمہارے گناہ ضرور دُور کردوں گا، اور ضرور تمہیں (بہشت کے) باغوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ

نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی و۵۹ اور جو کوئی تم میں سے اس کے بعد بھی کفر کرے گا

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ

تو بیشک اُس نے ضائع کردی راہ راست و۶۰ غرض ان کی پیمان شکنی ہی کی بنا پر ہم نے انہیں رحمت سے

لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ

دُور کر دیا و۶۱ اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا و۶۲ وہ کلام کو اس کے موقع و محل سے

عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَ لَا تَزَالُ

بدل دیتے ہیں اور جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک (بڑا) حصہ بھلا بیٹھے ہیں و۶۳ اور ان میں سے بجز

تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ

معدودے چند کے، آپ کو اُن کی خیانت کی اطلاع آئے دن ہوتی رہتی ہے و۶۴ سو آپ اُن کو معاف

عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

کر دیجیے اور (اُن سے) درگزر کیجیے و۶۵ بیشک اللہ نیک کاروں کو پسند کرتا ہے و۶۶

دینے والا لفظ یہی وعدۂ الٰہی ہے، اہل ایمان کے لیے کس قدر شوق افزاء اور کس درجہ محرک عمل! اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ اللہ جس اجر وصلہ کو "عظیم" کہے، کون بندہ اُس کا اندازہ بھی کر سکتا ہے؟ و۵۱ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۔ صاحب میں مفہوم عارضی وہنگامی اجتماع کا نہیں، بلکہ مستقل اور طویل تعلق کا پایا جاتا ہے۔ اس لیے کافروں کو اصحاب دوزخ کہنے کے معنی یہ ہوئے کہ وہ گویا دوزخ ہی کے لیے بنے ہیں یا دوزخ اُنھی کے لیے بنی ہے اگر صرف وعید کی صورت ہوتی تو کچھ اُمید نجات کی باقی بھی رہ جاتی۔ الصاحب الملازم ولا یقال فی العرف الّا لمن کثرت ملازمته (راغب) والمصاحبة والاصطحاب ابلغ من الاجتماع لاجل ان المصاحبة تقتضی طول لبثه (راغب) ای ملابسوا النار الشدیدة التاجج ملابسة مؤبدة (روح) فخر المفسرین فخر رازی علیہ رحمۃ اللہ نے حسب معمول اس موقع پر بھی ژرف نگاہی سے کام لیا ہے۔ اور دوسرے بھی اُن کی راہ پر چلے ہیں:۔ یفید الحصر والمصاحبة تقتضی الملازمة کما یقال اصحاب الصحراء ای الملازمون لها (کبیر) فهم دائمون فی عذاب اذ حتم لهم انهم اصحاب الجحیم ولم یات بصورة الوعید فکان یکون الرجاء لهم فی ذلک (بحر) لم یؤت بالجملة فی سیاق الوعید قطعا لرجائهم (روح) اور آیت ہی سے یہ نکتہ بھی خوب نکالا ہے کہ خلود جہنم کفار ہی کے لیے ہے۔ فهذه الآية نصّ قاطع فی ان الخلود لیس الا للکفار (کبیر) و۵۲ (اور اس تنبیہ کے ساتھ کہ تمہارا خاتمہ ہی کر دیں۔ اور ظاہر میں قرائن بھی اُن کے اسی ارادہ کی تائید میں تھے) يَّبْسُطُوْا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ۔ بسط ید کے ایک معنی عربی محاورہ میں حملہ کرنے، پکڑنے، مارنے کے ہیں۔ اور وہی یہاں مراد ہیں۔ یستعمل تارةً للصولة والضرب (راغب) یقال بسط الیه یده اذا بطش به (کبیر) اُردو میں بھی "دراز دستی" ایسے ہی موقعوں کے لیے ہے۔ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ۔ یہ کون لوگ تھے؟ مخالفین و معاندین سے مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ سوال یہ رہ جاتا ہے کہ یہاں متعین طور پر کن کی جانب اشارہ ہے؟ اشارہ اگر اسلام کی ابتدائی تاریخ کی طرف سمجھا جائے، تو اس وقت تو سب سے بڑے دشمن مشرکین قریش تھے۔ اور ارباب تفسیر کا ایک گروہ اسی جانب گیا ہے۔ وهم المشرکون (کبیر) روی ابو صالح عن ابن عباس انها نزلت من اجل کفار قریش (بحر) اور اگر مراد مابعد کے زمانہ سے لی جائے، تو اُس وقت سب سے پُرقوت مخالفین یہود عرب تھے۔ اور ایک گروہ سے یہی تفسیر منقول ہے موقع نزول کی روایتیں متعدد ہیں، لیکن ان میں تعارض وتناقض کچھ بھی نہیں۔ اور قوم کے لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی جماعت ہی مراد ہو۔ کوئی مخصوص لیڈر یا سرغنہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ لا یخفی ان سبب النزول یجوز تعدده و ان القوم قد یطلق علی الواحد (روح) و۵۳ (بلکہ آخر میں تمام قرائن ظاہری کے خلاف تمہی کو کامیاب اور غالب کر دیا) کفّ ید۔ بسطِ ید کی ضد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ دشمنوں نے تم پر حملہ کر کے تمہارا قلع قمع کر دینا چاہا تھا، لیکن اللہ نے ان کے حملوں کو ناکام رکھا، اور ان کے منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اس میں رد ہے اُن افراط پسند جاہلوں کا جو اللہ کی دنیوی نعمتوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ و۵۴ (جیسا کہ اب تک ڈرتے رہے ہو) غلبہ وکامیابی کی مسرت کو یاد دلا کر معاً بعد تقویٰ الٰہی کے استحضار سے صاف اشارہ اس امر کی طرف پایا جاتا ہے کہ غلبہ وکامیابی میں بڑا دخل تقویٰ الٰہی کو ہے۔ قناعت، بے طمعی، بے نفسی، ہمدردی، صداقت شعاری، ایثار، حفظ حدود غرض سیرت وکردار کی ساری انفرادی واجتماعی خوبیاں اس ایک جامع لفظ "تقویٰ" کے اندر آ گئیں۔ و۵۵ (نہ کہ اپنے دست وبازو، اپنی ہمت وتدبیر پر) کامیابی وکامرانی کے بعد بڑا خطرہ یہی رہتا ہے کہ گھمنڈ اپنی قوتِ بازو اور اپنی عقل وفرزانگی پر ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید انسان کو پست ہمتی اور تعطل کی تعلیم ہرگز نہیں دیتا۔ اُسے سرگرم عمل برابر رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کا بھی روادار نہیں کہ انسان خود پرستی کی لعنت میں مبتلا ہو جائے۔ وہ تعلیم بار بار اسی کی دیتا ہے کہ نظر اسباب سے بڑھ کر مسبب الاسباب پر رکھنا چاہیے۔ اسی نے پہلے بھی بگڑے کام بنائے تھے، اور اسی کی ذات کا سہارا آخرت تک قائم ہے۔ و۵۶ (ان کی اطاعت ووفاداری کا، ان کے پیمبروں کے واسطے سے) ابھی تاکید اللہ پر اعتماد اور اس کے احکام کی تعمیل کی آ چکی ہے۔ اب شہادت بنی اسرائیل کی تاریخ سے لائی جا رہی ہے کہ دیکھو اس موحد قوم نے جب نافرمانی اختیار کی، کیسے کیسے وبال میں پڑنے لگی و۵۷ (ان کے قبیلوں کی تعداد کے مطابق) قوم اسرائیل ۱۲ قبیلوں میں تقسیم تھی۔ اور ہر ہر قبیلہ کا ایک ایک سردار تھا۔ ۱۲ سرداروں کا قرآنی عدد، توریت کے بیان کے عین مطابق ہے۔ توریت میں ہے کہ مصر سے نکلنے کے دوسرے برس خداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا:۔ "تو بنی اسرائیل کی ساری جماعت کا، مطابق اُن کے فرقوں کے اور اُن کے آبائی خاندانوں کے اسم شماری کے ساتھ ہر ایک مرد سر سے سرگن کر حساب کر...... اور ہر فرقہ سے ایک ایک آدمی ہر ایک جو اپنے اپنے آبائی خاندان کا سردار ہے تمہارے ساتھ ہو"۔ (گنتی۔ ۱:۲۔۴) آگے ان سرداروں کے نام درج ہیں، اور وہ تعداد میں ۱۲ ہیں۔ اسی طرح توریت میں ایک دوسری جگہ، کنعان (فلسطین) پر فوج کشی سے ذرا قبل کے موقع پر ہے:۔ "خداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو لوگوں کو بھیج تاکہ کنعان کی زمین کی جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں جاسوسی کریں۔ ایک ایک مرد اس کے آبائی فرقہ میں سے جو اُس میں سردار ہے، بھیج دے۔ چنانچہ موسیٰ نے خداوند کے ارشاد کے موافق دشت فاران میں ان کو بھیجا۔ وہ سب لوگ بنی اسرائیل کے سردار تھے"۔ یہاں بھی سرداروں کی تعداد ۱۲ درج ہے۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اس آیت میں اصل ہے مشائخ اہل تربیت کی اس عادت کی کہ وہ مریدوں پر اُن کی اصلاح، نگرانی کی غرض سے اپنے نائبوں کو مقرر کر دیتے ہیں۔ اور اس میں ان کی باہمی مناسبت کا لحاظ رکھ لیتے ہیں۔ و۵۸ یہ معیت الٰہی کا تصور ایک خدا پرست قوم کے لیے کس درجہ ہمت آفرین وشوق افزا ہے! دل اس

کے بعد کس قدر قوی اور مطمئن ہو جاتا ہے اور شکست کا کوئی امکان بھی اس کے بعد ذہن کے سامنے نہیں آسکتا...... آج محض وائسرائے اگر رعایا کے ایک معمولی فرد سے کہہ دے کہ ”گھبرانا مت ہم تمہارے ساتھ رہیں گے“ تو اُسے کس قدر قوت و استقامت حاصل ہو جائے۔ چہ جائیکہ یہاں خالق کائنات مالک الملک، حاکم علی الاطلاق اپنی معیت کا یقین دلا رہا ہے! تسکین و اطمینان کا کوئی درجہ اس کے بعد اور ہو کیا سکتا ہے؟ یہ ایک پہلو تھا۔ اب دوسرے پہلو سے دیکھئے۔ کوئی معصیت اس استحضار معیت الٰہی کے بعد بندہ سے ممکن ہے؟ جہاں کوئی اپنے سے ذرا بڑا اگر نگرانی کے لیے پاس موجود رہتا ہے، جب تو اس کی مروت لحاظ یا دباؤ سے ہم اپنے اُوپر قابو رکھتے ہیں، اور کوئی لغزش یا معصیت سرزد نہیں ہونے دیتے، چہ جائیکہ ہمہ بین و ہمہ تواں مالک و مولا کی معیت کا استحضار! کوئی معصیت بھی اس کے بعد ممکن رہ سکتی ہے؟ غرض ترغیب و ترہیب کے جس اعتبار سے بھی دیکھا جائے معیت الٰہی کا مراقبہ بہترین و موثر ہے۔ محققین نے یہ بھی صاف کر دیا ہے کہ معیت سے یہاں مراد نعوذ باللہ معیت جسمانی نہیں جیسے مخلوق مخلوق کے درمیان ہوتی ہے، بلکہ احاطہ علم و قدرت و نصرت کے لحاظ سے ہے۔ انی معکم بالعلم و القدرة فاسمع کلامکم و ازی افعالکم و اعلم ضمائر کم و اقدر علیٰ ایصال الجزاء الیکم (کبیر) ای بالعلم والحیاطة و فی ھذہ المعیّة دلالة علی عظم الاعتناء والنصرة (بحر) ای ناصر کم و معینکم (مدارک)

ف۵۹ خوب خیال رہے کہ ایمان و حسن عمل کی اصل جزاء قرآن مجید نے آخرت ہی میں رکھی ہے۔ اور سارا زور جنت اور اُس کی نعمتوں ہی پر دیا ہے۔ یہاں تک کہ یہود وغیرہ قدیم قوموں کے تذکرہ کے سلسلہ میں بھی اسی کو بار بار دُہرایا ہے...... دنیوی کامیابی اور غلبہ کو بھی بیان کیا ہے، لیکن صرف کہیں کہیں، اور وہ بھی گویا ضمنی اور ثانوی طور پر، بہ طور انعام اصلی کے تتمہ کے...... اور یہی بڑا فرق قرآن اور توریت کے درمیان ہے۔ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ۔ یعنی جو پیمبر میری طرف سے آئندہ آتے رہیں گے، اُن کی تصدیق کروگے۔ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ۔ یعنی اُن کے دشمنوں کے مقابلہ میں اُن کی مدد کروگے۔ ای رددتم عنھم امدادھم (قرطبی) نصرتموھم بان تردوا عنھم اعداء ھم (مدارک) اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ یعنی اللہ کی راہ میں، نیک کاموں میں اخلاص و خوشدلی کے ساتھ خرچ کرتے رہوگے۔ ہر زبان کے کچھ خاص محاورے ہوتے ہیں جو دوسری زبان والوں کو نامانوس معلوم ہوتے ہیں۔ اُنہی میں سے عربی کا یہ محاورہ ہے۔ جو اُردو خوانوں کو بہت ہی اجنبی سا محسوس ہوتا ہے قرض کی حقیقت عربی زبان میں صرف اس قدر ہے کہ یہ وہ مال ہے جس کی واپسی کچھ مدت بعد لینے والے پر لازم اور واجب ہو جاتی ہے۔ سمی ما یدفع الی الانسان من المال بشرط ردّ بدلہ قرضا (راغب) تو اسی واپسی کے لزوم و وجوب کی بنا پر اللہ کی خدمت میں مال پیش کرنے کو قرض سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ اور حَسَنًا کے اضافہ نے یہ قید لگادی، کہ وہ صرف مال اخلاص اور خوشدلی کے ساتھ ہو۔ **ف۶۰** (اور بھٹک گیا) بَعْدَ ذٰلِكَ یعنی اس عہد و پیمان کے بعد۔ **ف۶۱** چنانچہ خود توریت بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانی، عہد شکنی اور ملعونیت کی داستان سے لبریز ہے۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ۔ ب سببیہ ہے۔ اور ف نے یہ صاف کر دیا کہ یہ ساری فہمائشیں بیکار گئیں۔ اور بنی اسرائیل خود اپنے عہد و قرار کے توڑنے پر تل گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روز بہ روز لعنت الٰہی میں گرفتار ہوتے گئے۔ لعنت کے مفہوم یعنی رحمت الٰہی سے محرومی پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ لعناھم ای طردناھم و ابعدناھم من الرحمة قالہ عطاء والزجاج (بحر) بِمَا۔ میں مانے معنی تاکید کے پیدا کر دیے۔ ما زائدة للتوکید عن قتادة و سائر اھل العلم و ذٰلک انھا موکد الکلام بمعنی تمکنہ فی النفس من جھة حسن النظم و من جھة تکثیرہ للتوکید۔ فالتاکید بعلامة موضوعة کالتاکید بالتکریر (قرطبی) الباء سببیة و ما مزیدة لتوکید الکلام و تمکینہ فی النفس (روح) ما مزیدة لافادة تفخیم الامر (مدارک) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے یہ نکلا کہ بعض معاصی سے قبض طاری ہو جاتا ہے۔ **ف۶۲** (کہ حق بات قبول نہیں کرتے) یہ قلب کی قساوت یعنی کلمہ حق کے قبول کرنے سے گریز اسی ملعونیت کے اثر سے ہے۔ اور لعنت کی حقیقت ہے، لطف حق سے دُوری اور رحمت حق سے مجہوری۔ اللعن الابعاد والطرد من الرحمة (قرطبی) یحتمل التاویل الباطل و یحتمل تغییر اللفظ (کبیر) یہود کی قساوت قلب کا ذکر انجیل میں بھی بار بار آیا ہے: ”اُس نے اُن کی سخت دلی کے سبب غمگین ہو کر اور چاروں طرف اُن پر غصہ سے نظر کر کے اس آدمی سے کہا“ (مرقس۔ ۳:۵) ”اُن کی بے اعتقادی اور سخت دلی پر ملامت کی“۔ (مرقس۔ ۱۶:۱۴) ”تو اپنی سختی اور غیر تائب دل کے مطابق اس قہر کے دن کے لیے اپنے واسطے غضب کما رہا ہے“۔ (رومیوں۔ ۲:۵) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس طرح معاصی سے قبض طاری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قبض سے معاصی پیدا بھی ہو جاتے ہیں **ف۶۳** (اور اسی بڑے حصہ میں تصدیق رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہے)۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنہما ترکوا نصیبًا بما اُمروا بہ فی کتابھم و ھو الایمان بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم (کبیر) حَظًّا۔ تنکیر معنی کی بڑائی کے لیے ہے، یعنی بڑا حصہ ای نصیباً جزیلًا و قسطا وافیًا (مدارک) نصیبًا وافیًا۔ (بیضاوی) يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ اس میں لفظی اور معنوی دونوں قسم کی تحریفیں آگئیں۔ ای یتاولونہ علیٰ غیر تاویلہ (قرطبی) قیل معناہ یبدلون حروفہ (قرطبی) یہود مسیحیوں کی طرح خود بھی وحی لفظی کے قائل نہیں اور نہ اپنے صحیفوں بلکہ خود توریت تک کی محفوظیت کے مدعی۔ اُن کا تو سارا کام مسیحیوں کی طرح بجائے اصل متن کے، ترجمہ کے زور پر چل رہا ہے۔ اور ترجمہ بالفرض بہتر سے بہتر ہو، جب بھی اصل سے جتنا دُور ہوتا ہے، ہر صاحب علم پر روشن ہے۔ اور ترجمہ در ترجمہ میں یہ لوگ ارادی ترمیم و تصرف سے شرماتے نہیں، فخریہ اس کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ **ف۶۴** یہود کی دینی و دنیوی خیانتوں کی مثالیں خود قرآن ہی میں جا بجا مذکور ہیں۔ مثلاً اُن کا اخفاء احکام توریت، ان کی جھوٹی اور جعلی شہادتیں پیش کرنا، وقس علیٰ ہذا۔ خائنة سے مراد خیانت ہے۔ اور ایسا استعمال عربی میں عام ہے۔ الخائنة الخیانة قال قتادة و ھذا جائز فی اللغة (قرطبی) الخائنة فی ھذا الموضع الخیانة وضع و ھو اسم موضع المصدر (ابن جریر) بمعنی المصدر و نظیرہ کثیر کالکافیة والعافیة و قال تعالیٰ فاھلکوا بالطاغیة ای الطغیان (کبیر) خائنة کا اطلاق بھی علامہ و نسابہ کی طرح مبالغہ کے لیے بھی ہوتا ہے۔ ان تقع خائنة للواحد کما یقال رجل نسابة علامة فخائنة علیٰ ھذا للمبالغة یقال رجل خائنة اذا بالغت فی وصفہ بالخیانة (قرطبی) اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ۔ اور وہ معدودے چند منکرین وہ تھے، جو بعد کو ایمان لے آئے۔ **ف۶۵** یعنی اُن کے ان جرائم کے باوجود ابھی ان سے انتقام نہ لیجئے اور بلا ضرورت شرعی اُن کی تفضیح و رسوائی کا سامان نہ کیجئے۔ **ف۶۶** (اور اُسی نیک کاری کی ایک فرد یہ ہے کہ بلا ضرورت شرعی کسی کی تفضیح و رسوائی نہ کی جائے) مُحْسِنِيْنَ۔ احسان کے معنی عربی میں صرف حسن عمل اور نیک کاری کے ہیں۔ اُردو کے ”احسان“ کا اسے مرادف نہ سمجھا جائے۔ نکتہ سنجوں نے یہیں سے یہ حقیقت اخذ کی ہے کہ جب کافروں اور کافر بھی کیسے، غیر متدین و خائن کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ حسن عمل اور نیک کاری قرار پایا تو پھر مسلمان کے ساتھ عفو و درگزر کے معاملہ کی فضیلت کا کیا کہنا! تنبیہ علیٰ ان العفو عن الکافر الخائن احسانٌ فضلاً عن العفو عن غیرہ (بیضاوی) **ف۶۷** (ویسا ہی عہد جس کا ذکر ابھی بنی اسرائیل کے سلسلہ میں اُوپر آچکا ہے) قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى۔ انداز بیان کی احتیاط ملاحظہ ہو۔ یہ ارشاد نہیں ہوا کہ ہم نے نصاریٰ سے عہد لیا بلکہ یہ ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں، ان سے ہم نے عہد لیا، نَصٰرٰى۔ نصرانی کی جمع ہے۔ اور اس لفظ پر حاشیے پ میں گزر چکے۔ زیر آیت وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ الخ **ف۶۸** (اور اسی بھلائے ہوئے بڑے حصہ میں توحید الٰہی بھی شامل ہے اور تصدیق رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بھی) یہ قرآن کا ایک عجیب معجزہ ہے، کہ آج جو صحیفے انجیلوں کے نام سے مسیحی ہاتھوں میں موجود ہیں، صد گونہ تحریفات کے بعد بشارات محمدی ان میں اب تک باقی ہیں۔ حضرت یحییٰ کے سلسلہ میں ہے:۔ ”جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اُس کے پاس بھیجے، کہ تو کون ہے؟ اُس نے انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اُس سے پوچھا، پھر کون ہے: کیا تو ایلیاہ ہے؟ اُس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انہوں نے اُس سے کہا پھر تو ہے کون؟ (یوحنا۔ ۱:۱۹۔ ۲۲) ”انہوں نے اُس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ ہے۔ نہ وہ نبی۔ تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے“؟ (یوحنا۔ ۱:۲۵) یہ بار بار وہ نبی کے سوال کے کیا معنی؟ ضرور ہے کہ کسی معروف نبی کی پیشگوئی یہود میں مدت سے چلی آرہی ہے، اور یہ نبی یقیناً مسیح علیہ السلام سے الگ کوئی تھے، جیسا کہ اوپر کے سوالات سے ظاہر ہے۔ اور آگے چلئے۔ خود مسیح علیہ السلام نے ایک بار عید کے اخیر دن کھڑے ہو کر پکارا کہ اگر کوئی پیاسا ہو تو میرے پاس آکر زندگی کا پانی پئے۔ ”پس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں سن کر کہا، بیشک یہی وہ نبی ہے۔ اوروں نے کہا، یہ مسیح علیہ السلام ہے“۔ (یوحنا ۷:۴۰) ایک حوالہ اور ملاحظہ ہو۔ حضرت مسیح علیہ السلام دنیا سے رخصت ہونے سے قبل اپنے شاگردوں کو

وَ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا وٓ٦٧

فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ

سو جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی (اس کا) بڑا حصہ وہ بھلا بیٹھے وٓ٦٨ تو ہم نے ان میں باہم بغض اور

وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ

عداوت قیامت تک کے لئے ڈال دیا وٓ٦٩ اور جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں اللہ

بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١٤﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ

انہیں عنقریب وہ جتلا دے گا وٓ٧٠ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے (یہ جو) رسول

رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ

آئے ہیں، یہ تمہارے سامنے کتاب (الہی) کے (وہ مضامین) کثرت سے کھول دیتے ہیں جنہیں تم چھپاتے

الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

رہے ہو وٓ٧١ اور بہت سے امور کو نظر انداز بھی کر جاتے ہیں وٓ٧٢ بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک

نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿١٥﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ

روشنی اور واضح کتاب آچکی ہے وٓ٧٣ اس کے ذریعہ سے اللہ انہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اس کی رضا کی

رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ

پیروی کرتے رہتے ہیں وٓ٧٤ اور انہیں اپنی توفیق سے نور کی طرف،

اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾

تاریکیوں سے نکال کر لاتا ہے اور انہیں سیدھی راہ دکھائے رہتا ہے وٓ٧٥

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ

وہ لوگ یقیناً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ خدا ہی تو مسیح ابن مریم

تسلی دیتے ہیں۔ ”اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے۔ اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے“۔ (یوحنا۔ ١٤:١٦) (”مددگار“ کے لفظ پر اُردو انجیل میں نسخہ ”یا وکیل یا شفیع“ بھی درج ہے) اب یہ ابد تک ساتھ رہنے والا مددگار یا شفیع یا وکیل بجز نبی ”خاتم النبیین“ کے اور کون ہے؟ اسی کی تاکید ایک بار پھر حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے ملاحظہ ہو: ”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار (وکیل یا شفیع) تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر میں جاؤں گا تو اُسے تمہارے پاس بھیج دُوں گا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارہ میں قصوروار ٹھہرائے گا“۔ (یوحنا ١٦: ٧، ٨) اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہوئے کہ وہ نبی آکر پرانی شریعتیں منسوخ کرے گا، اور نئی شریعت چلائے گا۔ حَظًّا پر حاشیہ ابھی نمبر ٦٣ میں گزر چکا۔ وٓ٦٩ بَيْنَهُمْ۔ یعنی مسیحی قوموں کے درمیان۔ اشارہ نصرانیوں کے اندرونی مذہبی اختلافات کی جانب ہے۔ مسیحیوں کے اندر جس کثرت سے فرقے ہیں اور پھر اُن میں باہم جس درجہ شدید اختلافات ہیں، باہر والوں کو اُس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ اور اگر اس مفہوم میں یورپ کی موجودہ سیاسی قومیں شامل سمجھی جائیں تو ان کی باہمی رقابتیں اور عداوتیں تو اور زیادہ ظاہر و روشن ہیں۔ جرمنی کی آویزش فرانس سے، برطانیہ کا غصہ رُوس پر، فرانس کی عداوت اسپین سے، امریکہ کی بدگمانی اٹلی سے، وغیرہا۔ اندرونی نفسانیت اور کشمکش کی حدو حساب ہی نہیں۔ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ یعنی ہمیشہ، مستقل طور پر۔ قرآن مجید ظاہر ہے کہ محاورۂ انسانی کے مطابق ہے۔ اور محاورہ میں ”قیامت تک سے“ مراد یہ ہوتی ہے کہ جب تک اس شے کا وجود باقی ہے۔ قرآن مجید ہی میں ابلیس کے ذکر میں ہے کہ اُس پر لعنت قیامت تک رہے گی۔ معنی بالکل ظاہر ہیں کہ وہ لعنت اُس پر ہمیشہ رہے گی۔ نہ یہ کہ وہ یوم حشر کے بعد لعنت سے نجات پا جائے گا۔ اس لیے زائغین جدید میں سے ایک صاحب کا آیت کے ذیل میں یہ کہنا کہ ”اس سے یہ معلوم ہوا کہ عیسائی قیامت کے دن تک رہیں گے......اور یہ خیال کہ کسی وقت کل کے کل مسلمان ہو جائیں گے، اس آیت کے رُو سے غلط ٹھہرتا ہے“۔ جہل محض ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معاصی جس طرح عقاب اُخروی کا سبب بنتے ہیں، عقاب دنیوی کا بھی باعث بن سکتے ہیں۔ وٓ٧٠ سَوْفَ۔ یعنی قیامت میں۔ قرآن مجید نے قرب آخرت کے استحضار کے لیے بار بار اس کی آمد و وقوع کے لیے سَوْفَ کا لفظ اختیار کیا ہے۔ القاء عداوت و بغض باہمی میں ذکر وبال دنیوی کا تھا۔ اب سزائے آخرت کا آ گیا۔ وٓ٧١ (اور یہ بجائے خود ایک شہادت ہے ان کے پیمبرانہ علم کی) مطلب یہ ہوا کہ یہ پیمبر اُمی ہونے کے باوجود، توریت و انجیل کے اصل مضامین کو تمہاری کوشش اخفاء کے باوجود وحی الٰہی سے معلوم کر کے ظاہر کر دیتے ہیں۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ۔ اب خطاب یہود و نصاریٰ دونوں سے ہے۔ وٓ٧٢ (اور یہ حلم و عفو بجائے خود ایک شہادت ہے ان کے پیمبرانہ اخلاق کی) يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ یہ مضامین جنہیں آپ نظر انداز کر جاتے ہیں وہ ہیں، جن کے اظہار سے بجز مجرموں کی تفضیح کے اور کوئی شرعی غرض وابستہ نہیں۔ انما لم یظھرہ لانه لا حاجة الی اظھارہ فی الدین (کبیر) لا یُبَیِّنُهٗ اذا لم تضطرّ الیه مصلحة دینیة و ما فیه احیاء الشریعة و اماتة بدعةٍ (کشاف) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہیں سے اہل اللہ کی یہ عادت ہے کہ جب تک کوئی مصلحت دینی نہ ہو مقتضائے غیظ پر عمل نہیں کرتے، اور عداوت میں بھی شفاء غیظ نفسانی کا قصد نہیں کرتے۔ وٓ٧٣ نُوْرٌ سے اشارہ ہے رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اور كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ سے قرآن مجید کی جانب۔ یعنی بالنور محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم و کتاب مبین هو القرانُ الذی انزله علی نبینا (ابن جریر) نور قیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم عن الزجاج و کتاب مبین ای القرانُ فانه یُبَیِّن الاحکام (قرطبی) وٓ٧٤ یعنی رضائے حق کا ارادہ کرتے ہیں، اور اس کی تلاش و فکر میں رہا کرتے ہیں۔ ای مَنْ یَعلم اللّٰه تعالٰی انه یرید اتباع رضاء اللّٰه تعالٰی بالایمان به (روح) یہیں سے یہ حقیقت بھی روشن ہو جاتی ہے کہ راہ ہدایت انہی کے نصیب میں آتی ہے، جو از خود اس کی تلاش و طلب میں رہتے ہیں۔ سُبُلَ السَّلٰمِ پوری سلامتی، مادّی و روحانی، ہر حیثیت سے مکمل جنت ہی میں جا کر نصیب ہو سکتی ہے۔ اُس کے راستے یعنی جنت میں جانے کے طریقے، صحیح عقائد اور صحیح اعمال میں طرق السلامة الموصلة الی دارالسلام و هی الجنة (قرطبی) قیل طرق الجنة (بحر) بِهٖ میں ضمیر کتاب کی طرف ہے۔ ای بالکتاب المبین (کبیر) ظاهرہ انه یعود علی کتاب اللّٰه (بحر) ای بالقرانُ (مدارک) وٓ٧٥ یعنی عمر بھر انہیں سیدھی راہ پر قائم رکھتا ہے۔ الظُّلُمٰتِ۔ سے مراد کفر کی تہ بہ تہ تاریکیاں ہیں۔ ای من ظلمات الکفر والجھالات (قرطبی) النُّوْرِ سے مراد ایمان و طاعت کی روشنی ہے۔ ای الی نور الاسلام والھدایات (قرطبی) بِاِذْنِهٖ سے مراد ارادۂ الٰہی، توفیق الٰہی، یا مشیت تکوینی ہے۔ ای بتوفیقه (کبیر) ای بارادته و توفیقه (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اصل مقصود طلب رضا ہے، دخولِ جنت اس کے تابع ہے۔

مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ

ہے ف۷۶ آپ کہیے کہ ف۷۷ اچھا تو اللہ سے کون کچھ بھی بچا سکے اگر وہ

اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي

ہلاک کر دینا چاہے مسیح ابن مریم اور ان کی والدہ کو ف۷۸ اور جو کوئی بھی

الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

زمین پر ہے سب کو ف۷۹ اور آسمانوں پر اور زمین پر اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اس (سب) پر

وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اللہ ہی کی حکومت ہے ف۸۰ وہ جو کچھ چاہے پیدا کر دیتا ہے اور اللہ کو ہر چیز پر پوری

قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ

قدرت ہے ف۸۱ اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے لڑکے اور اس کے

وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ

چہیتے ہیں ف۸۲ آپ کہہ دیجیے تو پھر خدا تمہیں گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے ف۸۳ نہیں بلکہ تم (محض) بشر ہو

مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

مخلوقات میں سے ف۸۴ وہ جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا ف۸۵

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ

اور اللہ ہی کی حکومت آسمانوں اور زمین پر، اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اُس (سب) پر بھی ہے اور اسی کی طرف

الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ

واپسی ہے ف۸۶ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے (یہ) رسول جو تمہیں صاف صاف

لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا

بتاتے ہیں، آپہنچے ایسے وقت میں کہ رسولوں کا آنا بند تھا ف۸۷ کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بھی

ف۷۶ اس عقیدہ کو جو کھلا ہوا شرک ہے، خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآن مجید "نصرانیت سے" تعبیر نہیں کرتا۔ نہ ایسے لوگوں کو نصاریٰ یا اہل الکتٰب سے موسوم کرتا ہے۔ ان کا ذکر تو اَلَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓی کے تحت میں ابھی اُوپر آچکا ہے۔ اب جن لوگوں کا ذکر ہے، اُن کے لیے تو کھلا ہوا اور قطعی حکم تکفیر ہی کا ہے۔ لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ الخ مسیحیت موجودہ کی متعدد شاخوں کے عقیدے تو کھلے ہوئے مشرکانہ ہیں، مثلاً Sabellianism، Docetism، Monarchianism وغیرہا۔ ان کے لیے ملاحظہ ہو راقم سطور کی تفسیر انگریزی۔ اُردو میں ان کی اصطلاحوں کے ترجے بھی دشوار ہیں۔ اب رہی وہ مسیحیت جو مسلک جمہور کے مطابق ہے اور صدیوں سے دنیا میں خوب پھیلی ہوئی ہے، وہ بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں عقیدۂ اتھانیاسیس (Athanasian Creed) جو کیتھولک، پروٹسٹنٹ وغیرہ سب مشہور و مقبول فرقوں میں مشترک ہے، اس میں یہ الفاظ صراحۃً موجود ہیں:۔ "باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر، عظمت ازلی یکساں۔ جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا...... باپ غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق...... باپ غیر محدود، بیٹا غیر محدود...... باپ ازلی، بیٹا ازلی...... یونہی باپ قادر مطلق، بیٹا قادر مطلق...... ویسا ہی باپ خدا، بیٹا خدا"۔ کھلا شرک اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے؟ مسیح اور مریم دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ اَلْمَسِیْحُ کے ساتھ ابن مریم کا اضافہ بجائے خود ایک ضرب کاری ہے۔ عقیدۂ الوہیت مسیح علیہ السلام پر، کہ جسے تم عین خدا قرار دے رہے ہو، وہ تو خود ایک خاتون کا فرزند تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں صریح رَد ہے اُن لوگوں پر جو خالق و مخلوق میں اتحاد کے قائل ہیں۔ ف۷۷ (اس مسیح پرستی کی تردید میں، اے ہمارے پیغمبر!) ف۷۸ (طبعی موت سے) اَنْ یُّهْلِكَ۔ اہلاک ایک تو ہوتا ہے بہ صورت عذاب، وہ یہاں مراد نہیں۔ یہاں اہلاک بہ صورت موت طبعی مراد ہے۔ المراد بالاهلاک الاماتة والاعدام مطلقاً لاعن سخط و غضب (روح) مَنْ یَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا۔ ملک یہاں قدرت کے معنٰی میں ہے۔ الملک هو القدرة (کبیر) یملک بمعنیٰ یقدر من قولهم ملکت علی خلاف امره ای اقتدرت علیه (قرطبی) پورے فقرہ کا مفہوم یہ ہوا کہ کون اللہ کے ارادہ کی راہ میں حائل و مانع ہوسکتا ہے؟ یعنی فمن الذی یقدر علی دفع شیء من افعال الله تعالٰی و منع شیء من مراده (کبیر) ای فمن یقدر ان یمنع من ذٰلک شیئاً (قرطبی) فمن یمنع من قدرته وارادته شیئاً (بیضاوی) فَمَنْ میں فَ کے لانے سے مراد یہ ہے کہ اگر تمہارا یہ عقیدہ صحیح ہے تو بتاؤ۔ اسی مفہوم کو ترجمہ میں "اچھا تو" سے ظاہر کیا گیا ہے۔ وَاُمَّهٗ۔ مسیح علیہ السلام کے ساتھ حضرت مریم کا ذکر لانے کی ایک مناسبت یہ ہے کہ دنیائے مسیحیت کی ایک بڑی آبادی کے نزدیک وہ بھی شریک الوہیت ہیں، اور لاکھوں بلکہ کروڑوں مسیحیوں کے اعتقاد میں مرتبۂ خدائی پر فائز ہیں۔ اصل حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو راقم سطور کی تفسیر انگریزی۔ حاصل استدلال یہ ہوا کہ قوت، قدرت ارادہ و اختیار میں کوئی مخلوق، حتیٰ کہ مسیح علیہ السلام و مریم بھی خدائے تعالیٰ خالق کائنات کے مقابلہ میں کچھ بھی لائے جا سکتے ہیں؟ اور اللہ کی مشیت کی راہ میں ذرا بھی حائل ہو سکتے ہیں؟ کھلا ہوا جواب ہے کہ نہیں۔ پھر جب یہ ہے تو تمہاری عقل کیسی ماری گئی ہے، کہ تم مسیح علیہ السلام (یا مسیح و مریم دونوں) کو شریک الوہیت ٹھہرا رہے ہو! ف۷۹ (کہ بے اختیاری، بے بسی، اور مخلوقیت میں حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم بھی ساری ہی مخلوق جیسے ہیں، اور اس اعتبار سے اِن میں اور اُن میں کوئی فرق نہیں) اراد بعطف من فی الارض علی المسیح و امه انهما من جنسهم لاتفاوت بینهما و بینهم فی البشریة (کشاف) یعنی ان عیسٰی مشاکل بمن فی الارض فی الصورة والخلقیة والجسمیة والترکیب و تغییر الصفات والاحوال (کبیر) ف۸۰ (بلا کسی کی شرکت و اعانت کے) "آسمانوں پر اور زمین پر اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس پر" یعنی ساری موجودات و کائنات پر۔ ف۸۱ مسیحیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں، اور اس سے ان کا استدلال یہ تھا کہ ایسے محیر العقول وجود کو انسان یا بشر کیسے تسلیم کرلیا جائے؟ وہ یقیناً فوق البشر ہے اور الوہیت کا حصہ دار یہاں جواب اسی کا دیا گیا ہے، کہ اللہ تو پیدا کرنے کی ہر صورت پر، ہر صورت سے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اُس نے اگر کسی مخلوق کو عام اور عمومی عادت کے خلاف طریقہ سے پیدا کردیا، تو اس سے اُس مخلوق کی الوہیت یا غیر مخلوقیت کیسے ثابت ہو گئی؟ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ۔ جو کچھ چاہے اور جس طرح چاہے، خواہ سنت عادی کے موافق ہو یا مخالف، پیدا کرسکتا اور پیدا کرتا رہتا ہے۔ اُس کی قوت خلاقی کسی صورت اور کسی طریق کے ساتھ مخصوص و معین نہیں۔ تخلیق کی ہر نوع اور ہر صنف، بلاواسطہ، بہ واسطہ سب پر یکساں قادر ہے۔ ای یخلق ای خلق یشاءه فتارةً یخلق من غیر اصل و اخرٰی من اصل و تارة من اصل یجانسه و یخلق بلا توسط شیء من المخلوقات و قد یخلق بتوسط مخلوق اٰخر (روح) ای ان خلقه لیس مقصورًا علی نوع واحدٍ بل ماتعلقت مشیئتهٗ با یجاده اَوْجَدَهٗ و اخْتَرَعَهٗ (بحر) ف۸۲ (اور اس لیے عام نوع انسان سے کہیں افضل و اشرف) نَحْنُ صیغۂ جمع متکلم (ہم) سے مراد یہاں افراد نہیں بلکہ قوم یا ملت، مجموعہ افراد مراد ہے۔ یعنی یہود من حیث القوم اور نصاریٰ بہ حیثیت ملت۔ موجود محرف اور مسخ شدہ بائبل تک میں اس قسم کے حوالے موجود ہیں:۔ "خداوند نے یوں فرمایا ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے"۔ (خروج۔ ۴:۲۲) "تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو"۔ (استثناء ۱۴:۱) "جب اسرائیل لڑکا تھا میں نے اس کو عزیز رکھا اور اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا"۔ (ہوسیع۔ ۱۱:۱) (جیوش انسائیکلو پیڈیا (جلد ۶۔ صفحہ ۱۵) میں بھی انہیں عقائد کی تکرار

مِنۡۢ بَشِيۡرٍ وَّلَا نَذِيۡرٍ‌ فَقَدۡ جَآءَكُمۡ بَشِيۡرٌ وَّنَذِيۡرٌ‌ؕ

نہ بشارت دینے والا آیا نہ تنبیہ کرنے والا و۸۸ (اب تو) آ گیا تمہارے پاس بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا و۸۹

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۹﴾ وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى

اور اللہ ہر چیز پر (پوری) قدرت رکھتا ہے و۹۰ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے

لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ جَعَلَ

اپنی قوم سے کہا و۹۱ کہ اے میری قوم! اللہ کا وہ احسان تم اپنے اُوپر یاد کرو جب اُس نے تمہارے اندر

فِيۡكُمۡ اَنۡۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمۡ مُّلُوۡكًا ‌ۖ وَّاٰتٰٮكُمۡ مَّا لَمۡ يُؤۡتِ

نبی پیدا کیے اور تمہیں خود مختار کیا و۹۲ اور تمہیں وہ دیا جو دنیا جہان میں

اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۲۰﴾ يٰقَوۡمِ ادۡخُلُوا الۡاَرۡضَ

کسی (قوم) کو بھی نہیں دیا گیا تھا و۹۳ اے میری قوم! اس زمین مقدس میں

الۡمُقَدَّسَةَ الَّتِىۡ كَتَبَ اللّٰهُ لَـكُمۡ وَلَا تَرۡتَدُّوۡا عَلٰٓى

داخل ہو جاؤ جسے اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے و۹۴ اور پچھلے پیروں

اَدۡبَارِكُمۡ فَتَـنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِيۡنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوۡا يٰمُوۡسٰۤى اِنَّ

واپس نہ ہو ورنہ بالکل خسارہ میں پڑ جاؤ گے و۹۵ وہ بولے کہ اے موسیٰ اس

فِيۡهَا قَوۡمًا جَبَّارِيۡنَ ‌ۖ وَاِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَا حَتّٰى يَخۡرُجُوۡا

سرزمین پر تو بڑی زبردست قوم (آباد) ہے و۹۶ اور ہم تو وہاں ہرگز نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں سے

مِنۡهَا‌ ۚ فَاِنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا فَاِنَّا دٰخِلُوۡنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ

نہ نکل جائیں البتہ وہ اگر وہاں سے نکل جائیں تو ہم بیشک داخل ہونے کو تیار ہیں و۹۷ (اس پر) وہ

رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيۡنَ يَخَافُوۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمَا

دو آدمی جو (اللہ سے) ڈرنے والوں میں تھے (اور) ان دونوں پر اللہ کا فضل تھا بولے و۹۸

موجود ہے) ''جتنوں نے اُسے قبول کیا، اُس نے انہیں خدا کے فرزند بننے کا حق بخشا''۔ (یوحنا۔ ۱:۱۲) ''جتنے خدا کی روح کی ہدایت سے ملتے ہیں، وہی خدا کے بیٹے ہیں''۔ (رومیوں۔ ۸:۱۴) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم سطور کی انگریزی تفسیر۔ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ میں اَبۡنٰٓؤُا سے مراد حقیقی صلبی بیٹے نہیں اور نہ ابن کے یہ معنی ہی لازمی طور پر ہیں اس کے لیے عربی میں دوسرا لفظ ہے۔ ولد۔ ابن کا اطلاق مجازی منہ بولے لڑکوں پر پوری طرح ہوتا ہے۔ اور عربی میں اس کا مجازی استعمال بہت عام ہے یقال لکل ما یحصل من جهة شیء او من تربیته او بتفقده او کثرة خدمته لهٗ او قیامه بامره هو ابنهٗ نحو فلانٌ ابن حرب و ابن السبیل للمسافر و ابن اللیل و ابن العلم و فلان ابن بطنه و ابن فرجه اذا کان همّته مصروفاً الیهما و ابن یومه اذا لم یتفکر فی غده (راغب) اور اہل لغت نے لکھا ہے کہ اب، ابن، بنت یہ تین لفظ ایسے ہیں کہ بڑی کثرت سے چیزیں ان کی جانب منسوب و مضاف مستعمل ہوتی ہیں۔ وللاب والابن والبنت اسماء کثیرة تضاف الیها (تاج۔ لسان) اور آگے ازہری لغوی اور ابن العربی لغوی کے حوالہ سے ایک بڑی طویل فہرست ایسے ناموں کی دے دی ہے جو عربی میں کسی کے 'ابن' کی حیثیت سے مشہور و متعارف ہیں، مثلاً ابن الطین حضرت آدم علیہ السلام کے لیے، ابن اللیل چور کے لیے، ابن الاقوال باتونی شخص کے لیے وغیرہا۔ ہمارے مفسرین رحمہم اللہ نے بھی بغیر اس کے کہ بائبل کے محاوروں کا مطالعہ کیا ہو، محض اپنے اشراق ایمانی سے یہاں یہی معنی قرار دیے ہیں، یعنی ہم خاصانِ خدا میں سے ہیں ہمارا اور عام خلقت کا مقابلہ ہی کیا۔ کما کان یقول رهط مسیلمة نحن انبیاء الله ویقول اقرباء الملک و ذووهٗ و حشمه نحن الملوک (کشاف) ای اعزة علیه کالابن علی الاب (مدارک) لفظ الابن کما یطلق علی ابن الصلب فقد یطلق ایضاً علی من یتخذ ابنًا و اتخاذه ابنا بمعنی تخصیصه بمزید الشفقة و المحبة (کبیر) ارادوا ان الله تعالیٰ لنا کالاب فی الحنو والعطف و نحن کالابناء له فی القرب والمنزلة (معالم۔ ابوسعود) قالوا هذا یطلق عندهم علی التشریف والاکرام (ابن کثیر) و مرادهم بالابناء المقربون ای نحن مقربون عندالله تعالیٰ قرب الاولاد من والدهم (روح) البنوة هنا بنوة الحنان والرأفة (بحر) حاصل تقریر اُن کا یہ تھا کہ ہم سب سے اونچی ذات والے، اور خاص مقربین حق میں ہیں...... ٹھیک وہی ذہنیت جو ہندوستان میں برہمنوں کی اور اپنے کو چندر بنسی اور سورج بنسی کہلانے والے راجپوتوں کی ہوتی ہے۔ و مقصود الفریقین هو المعنی المتضمن مدحًا و حاصل دعواهم ان لهم فضلًا و مزیةً عندالله تعالیٰ علی سائر الخلق (روح) و جملة الکلام ان الیهود والنصارٰی کانوا یرون لانفسهم فضلاً علی سائر الخلق بسبب اسلافهم الافاضل من الانبیاء حتی انتهوا فی تعظیم انفسهم (کبیر) اور یہ ذہنیت خود مسلمانوں کے اندر بھی پیرزادگی، مشائخ زادگی، مخدوم زادگی کے گھمنڈ سے کچھ بہت زیادہ مختلف تھیں۔

و۸۳ (جس کے تم خود قائل ہو) بداعمالی پر دنیوی سزاؤں کا ترتب تو ایک کھلی ہوئی حقیقت تھی، جس سے یہود و نصاریٰ کسی کے لیے انکار ممکن نہ تھا۔ اور ان دنیوی سزاؤں کے تذکرہ سے عہد عتیق کے صحیفے بھرے پڑے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں صریح رد ہے اُس شخص پر جو اللہ کے ساتھ ایسے قرب کا قائل ہو جس میں معصیت پر بھی مؤاخذہ نہ ہو۔ و۸۴ (اور بلا امتیاز و استثناء انہیں کی طرح عام قاعدوں کے تحت میں داخل ہو) یعنی جزاء و سزا کا جو قانون ساری دُنیا کے لیے ہے۔ وہی تمہارے لیے بھی ہے۔ و۸۵ (اور وہی قادر مطلق، حاکم برحق یہ وعدہ کر چکا ہے کہ اہل ایمان کے لیے مغفرت ہے، اور اہل کفر کے لیے دائمی عذاب) یعنی اسی کی مشیت سب پر غالب ہے، وہ کسی کی محکوم نہیں۔ و۸۶ (نہ کہ کسی نبی یا ولی کی طرف، فرشتہ یا دیوتا کی طرف) مسیحیوں کا عقیدہ تھا کہ وہ ابن اللہ مسیح کے دربار میں پیش ہوں گے، اور یہود اس خیال میں تھے، کہ اُن کے آباؤ اجداد، یعقوب اور اسحٰق اور ابراہیم علیہم السلام انہیں عذاب الٰہی کی گرفت سے بچا لیں گے حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ لفظ بہ لفظ نقل ہونے کے قابل ہے:۔ ''یہ دعویٰ مذکورہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا ہمارے زمانہ کے جاہل پیرزادوں کا انتساب تولدیا اتصال سلسلہ کی بنا پر گھمنڈ ہے کہ حق تعالیٰ کو ہمارے ساتھ ایک گونہ ذاتی خصوصیت اور نسبت ہے جو معاصی وغیرہ سے قطع نہیں ہوتی۔ اور ہم کیسے ہی ہوں مگر اس انتساب یا اتصال کے زور سے کھڑے جنت میں جائیں گے''۔ و۸۷ (اور دنیا صدہا سال سے وحی تازہ کی نعمت سے محروم تھی) رَسُوۡلُنَا۔ ہمارے یہ رسول جن کی آمد آمد تم اہل کتاب مدت سے سن رہے تھے۔ انجیل میں بار بار ذکر ''وہ نبی'' The Prophet کا یہود کی زبان سے آتا ہے۔ اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ ایک متعارف نبی کا آنا مدتوں سے مسلم چلا آ رہا تھا۔ يُبَيِّنُ لَـكُمۡ تمہیں صاف صاف احکام شریعت بتاتے رہتے ہیں۔ عَلٰى فَتۡرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ کی تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ علی حین فترة من الرسل۔ ای جاء کم علی حین فترة من ارسال الرسل (کشاف) ای علی فتور من الارسال (کبیر) فترة کے لفظی معنی انقطاع عمل یا سکون کے ہیں۔ ای سکون والاصل فیها انقطاع العمل عما کان علیه من الجد فیه (قرطبی) اصطلاح میں دو نبوتوں کے درمیانی زمانہ کو کہتے ہیں۔ الفترة ما بین کل نبیین (تاج) ای علی انقطاع ما بین النبیین عن ابی علیّ و جماعة من اهل العلم (قرطبی) سمیت المدة التی بین الانبیاء فترة (کبیر) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وقفہ کم و بیش چھ سو سال کا رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سال ولادت ۵۷۰ء ہے اور سال بعثت ۶۱۰ء ہمارے

ہاں بھی متعدد تابعین سے یہی مدت منقول ہے۔ و قال قتادۃ کان بین عیسٰی و محمد علیھما السلام ستمائۃ سنۃ و قال مقاتل و الضحاک و وھب بن منبہ الا ان وھبًا زاد عشرین سنۃ (قرطبی) ف۸۸ (اس لیے ہم کو دین کے باب میں صحیح اور تفصیلی کافی علم ہونے ہی نہیں پایا) اَنۡ تَقُوۡلُوۡا یعنی کہیں قیامت کے دن یہ عذر نہ پیش کرنے لگو۔ اَنۡ یہاں لئلا کے معنی میں ہے۔ ای لئلا او کراھۃ ان تقولوا (قرطبی) قدرہ القراء لئلا تقولوا (ابوسعود) مِنۡۢ بَشِیۡرٍ میں مِنۡ نفی وانکار میں زیادتی کے لیے ہے، کہ کوئی بھی تو نہیں آیا۔ و زیادۃ من فی الفاعل للمبالغۃ فی نفی المجیء (روح) ف۸۹ (سو سن لو کہ اب عذر کی کوئی گنجائش تمہارے پاس باقی نہیں رہی۔ آگے ماننا نہ ماننا تمہارا فعل ہے) والتقدیر ھنا لا تعتذروا فقد جاء کم۔ (روح) والفاء متعلق بمحذوف ای لا تعتذروا فقد جاء کم (مدارک) ف۹۰ (اور یہ اسی کی قدرت کا ایک ظہور ہے کہ اُس نے صدیوں کے بعد ایک پیغمبر اور وہ بھی سب پیغمبروں سے بڑا، مبعوث کردیا) آیت کے اس ٹکڑے سے یہ پہلو بھی صاف ہوا جاتا ہے کہ گو اُس نے تمہاری حجت قطع کرنے کو یہ پیمبر مبعوث کردیا، تاہم اگر وہ چاہتا تو بغیر اس کے بھی تم پر حجت قائم کردیتا، اور تمہیں دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ ف۹۱ حضرت موسٰی علیہ السلام کی اس تقریر کا وہ زمانہ ہے کہ جب بنی اسرائیل مصریوں کی غلامی ومحکومی سے آزاد ہوکر جزیرہ نمائے سینا میں آزادی سے نقل وحرکت کررہے ہیں۔ اور حضرت موسٰی علیہ السلام جو ایک ہی وقت میں اُن کے دینی پیغمبر بھی تھے اور دُنیوی لیڈر بھی، انہیں آمادہ کررہے ہیں کہ اپنے وطن فلسطین چلو، ظالم وغاصب قوم عمالقہ کو وہاں سے نکال دو اور خود اس پر حکمرانی کرو۔ تازہ ترین تاریخی اور اثری تحقیق کے مطابق مصر سے خروج بنی اسرائیل کا زمانہ ۱۴۴۰ق۔م کا ہے، اور فلسطین پر اسرائیل کی فوج کشی کا زمانہ ۱۴۰۰ق۔م کا۔ اس لحاظ سے حضرت موسٰی علیہ السلام کی اس تقریر کا زمانہ اسی درمیانی مدت کا ہے۔ عجب نہیں کہ آپ کے بالکل آخری زمانہ کی ہو۔ جیسا کہ توریت کے صحیفہ استثناء، باب اول سے اندازہ ہوتا ہے۔ یہ اگر صحیح ہے تو اس صحیفہ استثناء میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ آپ نے یہ تقریر دریائے یردن کے اسی پار موآب کے میدان میں، واقعہ خروج مصر کے چالیسویں سال کے گیارہویں مہینہ کی پہلی تاریخ کو ارشاد کی تھی۔ ف۹۲ یٰقَوۡمِ۔ خطاب یہاں قوم سے بہ حیثیت مجموعی ہے، افراد سے نہیں۔ فِیۡكُمۡ میں فی، من کے مرادف ہے۔ فیکم ای منکم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) نبوت ایک انفرادی اور شخصی منصب ہوتا ہے۔ اسی لیے فِیۡكُمۡ وارد ہوا ہے۔ یعنی تمہاری قوم کے اندر افراد انبیاء ہوتے رہے۔ جَعَلَكُمۡ مُّلُوۡكًا۔ ملک کے معنی عربی میں لازمی طور پر بادشاہ اور تاجدار ہی کے نہیں۔ ہر آزاد، خودمختار اور صاحب حیثیت شخص پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ یقال من استغنی عن غیرہ فھو ملکٌ (قرطبی) الملک اسم لکل من یملک السیاسۃ اما فی نفسہ و اما فی غیرہ سواء تولی ذلک او لم یتول (راغب) کل من کان مستقلا بامر نفسہ و معیشتہ و لم یکن محتاجاً فی مصالحہ الی احد فھو ملک (کبیر) کل من ملک بیتا و خادما و امراۃً فھو ملک (ابن جریر) حدیث میں ہر ایسے شخص پر ملک کا اطلاق آیا ہے، جو اپنا ذاتی مکان اور زوجہ اور خادم رکھتا ہو۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ بیت او قال منزل یاوی الیہ و زوجۃ و خادمٌ یخدمہ فھو ملک (قرطبی) عن زید بن اسلم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ بیت و خادمٌ فھو ملکٌ (ابن جریر) اور قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ ملک سردار، افسر یا فوجی قائد کے معنی میں آچکا ہے۔ ابعث لنا ملکاً (بقرہ۔ رکوع ۳۲) خود اہل فلسطین کے محاورہ میں بھی تقریباً ہر سردار بادشاہ ہی کہلاتا تھا۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۷ صفحہ ۵۰۰) اسی لیے یہاں متعدد ائمہ کابر نے ملک کا ترجمہ مخدوم یا اور ایسے ہی مترادفات سے کیا ہے۔ ای ھو مخدومون کالملوک و عن ابن عباس ایضًا یعنی الخادم و المنزل و قالہ مجاھدٌ و عکرمۃ و الحکم بن عیینۃ۔ (قرطبی) اصحاب خدم و حشم (جلالین) قال ابن اسحٰق یعنی اصحٰب خدم و حشم (کمالین) اسرائیلی ابھی چند سال قبل تک محکوم، مغلوب ومقہور تھے۔ اور اب ہر طرح آزاد وخود مختار تھے۔ بالکل بجا تھا کہ تقابل حالات کے اظہار کے لیے اب انہیں ملوک سے تعبیر کیا جاتا۔ بعد ما کنتم مما لیک فرعون (ابن عباس رضی اللہ عنہما) قال السدی یعنی و جعلکم احرارًا تملکون انفسکم بعد ما کنتم فی ایدی القبط بمنزلۃ اھل الجزیۃ فینا (کبیر) ف۹۳ یہ نعمت عظمٰی نعمت توحید ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ اقوام عالم میں نسلی وقومی حیثیت سے توحید اسرائیلیوں کے ساتھ مخصوص رہی ہے، ورنہ اور قومیں تو من حیث القوم شرک ہی میں مبتلا رہی ہیں۔ ہمارے مفسرین کو اس مضمون کی آیتوں کی تفسیر میں بڑی دشواری یہ پیش آتی رہی ہے کہ اگر بنی اسرائیل کو سب سے افضل مان لیا جائے، تو پھر اُمت محمدی کے لیے کون سا مقام باقی رہ جائے گا؟...... اشکال اور دشواری کی بنیاد ہی سرے سے غلط ہے۔ یہاں مقابلہ تو دنیا کی ساری قوموں اور نسلوں کا ہورہا ہے۔ اُن میں بیشک سب سے افضل، اشرف، نسل اسرائیلی ہی ہے۔ کہ بہ خلاف دوسری قوموں کے شرک اور وہم پرستیوں کے توحید اور اس کے لوازم یعنی رسالت، وحی، حشر وغیرہ عقائد صحیحہ کی حامل، دنیا کی تاریخ میں یہی ایک قوم رہی ہے۔ بہ خلاف اس کے اُمت محمدی تو کسی قوم یا نسل کا نام ہی نہیں۔ یہاں تو اسرائیلی، اسمٰعیلی، حبشی، چینی، روسی، جاپانی جو کوئی بھی عقائد اسلامی پر ایمان لے آئے۔ وہی اُمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہے۔ اس پر مفصل حاشیے اَنِّیۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ کے تحت میں سورۂ بقرہ کے رکوع ۵، ٦ میں گزر چکے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل اللہ کے خاندان میں سے ہونا ایک نعمت ہے جس پر شکر واجب ہے، کیونکہ اس تعلق سے دین اس پر سہل ہوجاتا ہے، البتہ اس پر فخر اور گھمنڈ روا نہیں۔ ف۹۴ (لوح محفوظ میں، یا اپنے علم میں) حضرت موسٰی علیہ السلام موقع ترغیب پر فرما رہے ہیں کہ وہ زمین تو تمہارے لیے مقدر ہو ہی چکی ہے، ذرا سی ہمت وکوشش کرو تو ابھی مل جاتی ہے۔ الۡاَرۡضَ الۡمُقَدَّسَۃَ۔ مقدس سرزمین سے مراد شام ہے۔ فلسطین (کنعان) اسی کے ایک علاقہ کا نام ہے۔ ھی الشام (ابن جریر۔ عن قتادۃ) الارض المقدسۃ دمشق و فلسطین و بعض الاردن۔ (ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) توریت میں ان وعدوں کی صراحتیں موجود ہیں۔ ”دیکھو۔ میں نے یہ زمین جو تمہارے آگے ہے، تمہیں عنایت کی، داخل ہو اور اس زمین کو جس کی بابت خداوند نے تمہارے باپ دادوں ابرہام اور اضحاق اور یعقوب سے قسم کی کہ تم کو اور تمہارے بعد تمہاری نسل کو دوں گا، میراث میں لو“۔ (استثناء۔ ۱:۸) ”تو اس سرزمین میں جس کی بابت خداوند نے تیرے باپ دادوں ابرہام اور اضحاق اور یعقوب سے قسم کھا کے کہا کہ اسے میں تمہیں دوں گا، سکونت کرے۔“ (استثناء۔ ۳۰:۲۰) ”مضبوط ہوجاؤ اور دلاور ہو خوف نہ کھاؤ اور اُن سے مت ڈرو۔ کیونکہ خداوند تیرا خدا وہی ہے جو تیرے ساتھ جاتا ہے۔ وہ تجھ سے غافل نہ ہوگا اور تجھ کو نہ چھوڑے گا“۔ (استثناء ۳۱:٦) ف۹۵ دنیوی خسارہ تو ظاہر ہی ہے کہ حکومت اور اتنی بڑی حکومت سے محروم ہوجاؤ گے، اور اُخروی خسارہ یہ کہ حکم جہاد کی نافرمانی کا خمیازہ آخرت میں اٹھانا پڑے گا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معاصی سے کبھی کبھی دنیوی مضرتیں بھی پیدا ہوجاتی ہیں۔ ف۹٦ یہ قوم عمالقہ کی تھی۔ جو ایک بڑی زور آور اور جنگ آزما قوم تھی۔ بنی اسرائیل کی پرانی حریف توریت اور تاریخ اسرائیل اس کی خونریزیوں کی داستان سے رنگین ہے۔ توریت میں اس قوم پر بنی اسرائیل کی زبان سے یہ الفاظ ادا کیے گئے ہیں:۔ ”ہمیں زور نہیں کہ ہم ان لوگوں پر چڑھیں، کیونکہ وہ ہم سے زیادہ زور آور ہیں“۔ (گنتی۔ ۱۳:۳۲) ”یہ زمین جس کی جاسوسی میں ہم گئے تھے، ایک زمین ہے جو اپنے بسنے والوں کو نگلتی ہے۔ اور سب لوگ جنہیں ہم نے وہاں دیکھا، بڑے قدآور ہیں۔ اور ہم نے وہاں جباروں کو وہاں بنی عناق کو جو جباروں کی نسل میں ہیں دیکھا اور ہم اپنی نظروں میں ان کے سامنے ایسے تھے جیسے ٹڈے۔ اور ایسے ہی ہم اُن کی نظروں میں تھے۔“ (گنتی۔ ۱۳:۳۳) جَبَّارِیۡنَ۔ جبار کا اطلاق بڑے ڈیل ڈول والوں، کلّے ٹھلّے والوں پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں یہی مراد ہے۔ ای عظام الاجسام طوالٌ (قرطبی) یقال رجل جبارٌ اذا کان طویلا عظیما قویًا والقوم کانوا فی غایۃ القوۃ و عظم الاجسام (کبیر) روایات یہود میں ذکر بہت مبالغہ کے ساتھ اُن کے قد وقامت کی درازی کا آیا ہے اور اُن کی دراز دستیاں بھی بہت کچھ مذکور ہیں...... لفظ جبار جو قرآن مجید نے ان کے لیے استعمال کیا ہے، یہ وہی ہے جو خود توریت میں ان کے لیے آیا ہے، جیسا کہ اُوپر کے اقتباسات میں نقل ہوچکا۔ ف۹۷ بنی اسرائیل ایک طرف تو اپنے ان مخالفین یعنی عمالقہ کی ہیبت وشوکت سے اس قدر مرعوب تھے، اور دوسری طرف تن آسانیوں کے طالب اور فرائض جہاد سے جی چرانے والے بھی۔ اپنے وطن تک کے لیے، اپنے پیمبر اور دنیوی لیڈر کی ترغیب کے باوجود بھی آمادہ نہ ہوئے۔ توریت میں اُن کی زبان سے ادا کیا گیا ہے:۔ ”وہ لوگ جو وہاں بستے ہیں زور آور ہیں۔ اور اُن کے شہر بڑے مضبوط قلعوں میں ہیں۔ اور ہم نے بنی عناق کو بھی وہاں دیکھا۔ اور اس زمین میں دکھن کی طرف عمالیقی بستے ہیں...... ہمیں زور نہیں کہ ہم اُن لوگوں پر

چڑھیں، کیونکہ وہ ہم سے زیادہ، زورآور ہیں''۔ (گنتی۔ ۱۳: ۲۸ و ۳۲) نیز ملاحظہ ہو حاشیہ ماقبل۔ اسرائیلیوں کا یہ قول بھی بہ طریق استبعاد تھا۔ خوب سمجھے ہوئے تھے کہ نہ عمالقہ وہاں سے ازخود نکلیں گے، اور نہ ہمیں چڑھائی کی نوبت آئے گی۔ انما قالوا ھٰذا علی سبیل الا ستبعاد (کبیر) قیل قالوا ذٰلک علی سبیل الاستبعاد ان یقع خروج الجبارین منھا (بحر) ف۹۸ (ان کم ہمتوں کو حوصلہ دلانے کے لیے) رَجُلٰنِ۔ ان میں سے ایک کا نام یوشع بن نون تھا۔ اور دوسرے کا کالب بن یوفنا۔ یوشع سردار تھے قبیلہ بنی افرائیم کے اور کالب قبیلہ بنی یہودا کے۔ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ۔ یعنی وہ لوگ جن میں خوف خدا تھا۔ جن کے دلوں میں تقوائے الٰہی اور خشیت تھی۔ ای یخافون اللہ سبحانہٗ و یتقونہ (بیضاوی) کانہ قیل رجلان من المتقین (کشاف) اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا۔ اللہ کا فضل وانعام اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ انہیں حق گوئی وحق پرستی کی توفیق دی۔ اور وہ شوکت کفار سے مرعوب نہ ہوئے۔ ای بالیقین والصلاح (قرطبی) موسیٰ علیہ السلام نے جیسا کہ ہر دانشمند فوجی لیڈر کو ایسے موقع پر کرنا چاہیے، کیا یہ تھا، کہ فلسطین پر فوج کشی سے قبل اپنی قوم کے ہر ہر قبیلہ سے اُس کے لیڈر کو چن کر، کل ۱۲ معززین وشرفاء کو ملک کے متعلق تحقیق حال کے لیے یا بہ اصطلاح توریت ''جاسوسی'' کے لیے آگے روانہ کر دیا۔ اُن میں سے دس نے آکر یہ مبالغہ آمیز رپورٹ دی، کہ غنیم بہت ہی طاقتور ہے، اس سے مقابلہ کرنا اپنی جان کھونا ہے۔ باقی دو نے اس کے برعکس ہمت افزا باتیں بیان کیں۔ توریت کے بیانات اس موقع پر بھی حسب معمول بڑے طویل ہیں۔ تاہم کچھ اقتباسات تو بہرحال قابل نقل ہیں:۔ ''پھر خداوند نے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو لوگوں کو بھیج تاکہ کنعان کی زمین کی جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں، جاسوسی کریں ایک ایک مرد اس کے آبائی فرقہ میں سے جو اُس میں سردار ہے، بھیج دے۔ چنانچہ موسیٰ نے خداوند کے ارشاد کے موافق دشت فاران سے اُن کو بھیجا۔ وہ سب لوگ بنی اسرائیل کے سردار تھے اور اُن کے نام یہ ہیں...... اور موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بھیجا کہ زمین کنعان کی جاسوسی کریں...... اور اُس زمین کو دیکھو کہ کیسی ہے۔ وہ لوگ جو وہاں کے بسنے والے ہیں، کیسے ہیں، زورآور ہیں یا کمزور۔ تھوڑے ہیں یا بہت۔ اور وہ زمین جس میں وہ رہتے ہیں کیسی ہے، اچھی ہے کہ بری اور وہ شہر جن میں وہ بستے ہیں کیسے ہیں خیموں میں ہیں یا قلعوں میں۔ اور زمین کیسی ہے، جید یا بنجر۔ اس میں درخت ہیں یا نہیں''۔ (گنتی۔ ۱۳: ۱۔ ۲۰) ''وہ لوگ چڑھے اور زمین کی جاسوسی دشت سین سے حوب تک جو حمات کے راستہ میں ہے کی...... وہ چالیس دن کے بعد اُس زمین کی جاسوسی کر کے پھرے''۔ (گنتی۔ ۱۳: ۲۱۔ ۲۵) انہوں نے آکر جو کچھ کہا، وہ حاشیہ نمبر ۹۶ میں نقل ہو چکا۔ ف۹۹ ان لوگوں نے ایک بڑی گہری اور عارفانہ حقیقت بیان کر دی، کہ اصل امتحان تو حضرت حق کے ہاں بس عزم وہمت ہی کا ہوتا ہے۔ باقی نتائج میں برکت تو ازخود پیدا ہو جاتی ہے۔ توریت میں اس مقام کی منظر کشی یوں کی ہے:۔ ''تب کالب نے موسیٰ کے حضور لوگوں کو چپ کروایا اور کہا کہ البتہ ہم لوگ چڑھیں گے اور ملک پالیں گے۔ کیونکہ ہمیں بلاشبہ اس کے لینے کا زور ہے''۔ (گنتی۔ ۱۳: ۳۰) ''اور نون کے بیٹے یشوع اور یفنہ کے بیٹے کالب نے جو اُس زمین کی جاسوسی کرنے والوں میں سے تھے، اپنے کپڑے پھاڑے اور انہوں نے بنی اسرائیل کی ساری جماعت کو کہا، وہ زمین جس پر ہمارا گزر اُس کی جاسوسی کے لیے ہوا نہایت خوب زمین ہے۔ اگر خدا ہم سے راضی ہے تو ہم کو اس زمین پر لے جائے گا اور یہ زمین جس پر دودھ اور شہد بہہ رہا ہے، ہم کو عنایت کرے گا۔ مگر تم خداوند سے بغاوت نہ کرو اور نہ تم اس زمین کے لوگوں سے ڈرو، وہ تو ہماری خوراک ہیں۔ اُن کا سایہ اُن سے جا چکا ہے پر خداوند ہمارے ساتھ ہے۔ اُن کا خوف نہ کرو۔ تب ساری جماعت نے چاہا کہ اُن پر پتھراؤ کرے''۔ (گنتی۔ ۱۴: ۶۔ ۹) ف۱۰۰ یہ کہنے والی بنی اسرائیل کی عام جماعت تھی، جو ان فہمائشوں سے غیر متاثر رہی تھی۔ توریت میں اس موقع کی منظر کشی یوں کی گئی ہے:۔ ''تب ساری جماعت چلا کر روئی اور لوگ اُس رات بھر رویا کیے، پھر سارے بنی اسرائیل موسیٰ اور ہارون پر کڑکڑائے اور ساری جماعت نے انہیں کہا کہ اے کاش ہم مصر میں مرجاتے اور کاش کہ ہم اسی بیابان میں فنا ہوتے! خداوند کس لیے ہم کو اس زمین میں لایا کہ

ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ

تم ان پر چڑھائی کر کے شہر کے دروازہ تک تو چلو، سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے اسی وقت

غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾

غالب آجاؤ گے اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو ف۹۹

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا

وہ لوگ بولے اے موسیٰ ہم ہرگز وہاں کبھی بھی نہ داخل ہوں گے جب تک کہ وہ لوگ وہاں موجود ہیں،

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾

سو آپ خود اور آپ کے خداوند چلے جائیں اور آپ دونوں لڑ بھڑ لیں ہم تو یہاں سے ٹلتے نہیں ف۱۰۰

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ

(موسیٰ نے) عرض کی اے میرے پروردگار میں تو سوا اپنے اور اپنے بھائی کے اور کسی پر اختیار رکھتا نہیں، سو تو ہی

بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ

ہمارے اور (اس) بے حکم قوم کے درمیان فیصلہ کر دے ف۱۰۱ ارشاد ہوا کہ اچھا تو وہ ملک ان پر

عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ فَلَا

چالیس سال کے لئے حرام کر دیا گیا یہ لوگ زمین پر بھٹکتے پھریں گے ف۱۰۲ سو آپ (اس)

تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ ع وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ

بے حکم قوم پر (ذرا) غم نہ کیجئے ف۱۰۳ اور آپ انہیں آدمؑ کے دونوں بیٹوں کا قصہ

اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا

ٹھیک ٹھیک پڑھ سنایئے ف۱۰۴ (یہ اس وقت ہوا) جب دونوں نے ایک نیاز پیش کی ف۱۰۵ ان میں سے ایک کی تو قبول ہوگئی

وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا

اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی ف۱۰۶ (اس پر وہ دوسرا) بولا کہ میں تجھ کو قتل کر کے رہوں گا ف۱۰۷ (پہلے نے) کہا

ع ۸

تلوار سے گر جائیں اور ہماری جورواں اور بچے پکڑے جائیں''۔ (گنتی۔ ۱۴: ۱۔ ۳) ''تب ساری جماعت نے چاہا کہ اُن پر (یوشع اور کالب پر) پتھراؤ کرے''۔ (گنتی۔ ۱۴: ۱۰) فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ۔ اسرائیلیوں کی اس تقریر کا گستاخانہ طنز تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشرک قوموں سے متاثر ہو کر یہ موحد قوم بھی اپنے عقیدہ میں شرک اس حد تک داخل کر چکی ہو۔ مشرک قوموں کا یہ ایک عام دستور تھا کہ میدان جنگ میں جاتے تو اپنی مورتیوں، ٹھاکروں کو اپنے ساتھ لے جاتے اور یہ عقیدہ بھی رکھتے کہ اُن کے دیوتا بھی ان کے ساتھ ساتھ ہیں۔ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔ یہ واضح رہے کہ اسرائیلیوں کی اس وقت تک کوئی الگ باقاعدہ فوج نہ تھی۔ بلکہ ساری قوم کا ہر بالغ وتندرست مرد مسلح اور فوجی سپاہی تھا۔ ف۱۰۱ یعنی فیصلہ ان دو فریقوں کے درمیان، جن میں ایک طرف ہم دو بھائی ہیں، بے بس وبے اختیار، اور دوسری طرف یہ جم غفیر ہے، ہر طرح گستاخ ونافرمان۔ اَخِىْ۔ بھائی سے مراد حضرت ہارون علیہ السلام ہیں۔ جو خود بھی پیغمبر برحق تھے۔ یہ دعا ظاہر ہے کہ ان پیمبران برحق نے اپنی ناکارہ قوم کی سرکشی اور بغاوت اور اپنی بے بسی پوری طرح محسوس کرنے کے بعد ہی کی۔ توریت کے صفحات اسرائیلیوں کی گستاخانہ روش کے تذکرہ سے لبریز ہیں۔ آیت میں بڑی تسکین کا

تو وہ دل شکستہ کیوں ہو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دعائے موسوی میں لفظ اخی کے بڑھانے سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ شیخ اپنے مخلص تابع میں بھی وہی حاکمانہ تصرف رکھتا ہے جو خود اپنے نفس میں۔ ف۱۰۲ (اور اسی جزیرہ نمائے سینا میں ٹھوکریں کھاتے رہیں گے) مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ۔ یعنی اُن کے لیے تکوینی طور پر اب یہ ممکن ہی نہ ہوگا کہ ۴۰ سال سے قبل اس ارض مقدس میں داخل ہو سکیں اور جو نعمت انہیں تھوڑی سی جدوجہد کے بعد فی الفور ملی جارہی تھی۔ اب اس کے لیے انہیں ۴۰ سال کا انتظار کرنا ہوگا، اور اُن کی موجودہ نسل کا بڑا حصہ اسی انتظار میں ختم ہو جائے گا۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ میں اُن سے جو وعدہ تھا وہ بالکل مطلق اور غیر مشروط صورت میں نہ تھا وہ مشروط تھا اُن کی جدوجہد کے ساتھ۔ والمراد بقوله كتب الله لكم اى بشرط ان تجاهدوا اهلها فلما ابوا الجهاد قيل فانها محرمة عليهم (مدارک) ينبغي ان يكون الله قد جعلها على شريطة القيام بطاعته واتباع امره فلما عصوا حرمهم اياها (جصاص) توریت میں اس مقام پر ہے:۔ "مجھے اپنی حیات کی قسم کہ ساری زمین خداوند کے جلال سے معمور ہوگی کہ وہ سب لوگ جنہوں نے میری شوکت اور میرے معجزے جو میں نے مصر میں اور اس بیابان میں ظاہر کیے دیکھے اب تک مجھے اس مرتبہ آزماتے اور میری آواز پر کان نہ دھرتے وہ اس زمین کو جس کی بابت میں نے اُن کے باپ دادوں سے قسم کی تھی نہ دیکھیں گے، بلکہ کوئی ان میں سے جنہوں نے مجھے غصہ دلایا اُسے نہ دیکھے گا"۔ (گنتی۔ ۱۴: ۲۱، ۲۲) "مجھے اپنی حیات کی قسم جیسا تم نے مجھے سنا کے کہا ہے میں تم سے ویسا ہی کروں گا، تمہاری لاشیں اور اُن سب کی جو تم میں شمار کیے گئے اُن کے کل جمع کے مطابق ۲۰ برس والے سے لے کے اُوپر والے تک جنہوں نے میری شکایتیں کیں، اس بیابان میں گریں گی"۔ (گنتی۔ ۱۴: ۲۸، ۲۹) "تم جو ہو تمہاری لاشیں اس بیابان ہی میں گریں گی اور تمہارے لڑکے اس دشت میں چالیس برس تک بھٹکتے پھریں گے۔ اور تمہاری برگشتگی کے اُٹھانے والے ہوں گے"۔ (گنتی۔ ۱۴: ۳۳) "ان دنوں کے شمار کے موافق جن میں تم اس زمین کی جاسوسی کرتے تھے جو چالیس دن ہیں، دن پیچھے ایک سال ہوگا۔ سو تم چالیس برس تک اپنے گناہ کو اُٹھاتے رہوگے۔ تب تم میری عہد شکنی کو جان لوگے۔ میں نے جو خداوند ہوں کہا ہے کہ میں اس سارے خبیث گروہ سے جو میری مخالفت پر جمع ہیں، ایسا ہی کروں گا۔ اس دشت میں وہ برباد ہو جائیں گے اور یہیں ہلاک ہوں گے"۔ (گنتی۔ ۱۴: ۳۴، ۳۵) عصر حاضر کے ایک فرنگی ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن کے تخمینہ کے مطابق یہ زمانہ ۱۴۴۰ ق۔م اور ۱۴۰۰ ق۔م کے درمیان کا ہے أَرْبَعِينَ۔ فعل حرم کا ظرف ہے۔ اربعين ظرف التحريم (مدارک) ف۱۰۳ پیمبر آخر پیمبر ہوتے ہیں، رحمت وشفقت کے پتلے، عفو وکرم کے مجسمے۔ کہاں خود ہی تو دعا کی تھی کہ نافرمان قوم کو سزا ملے۔ اور کہاں اب جو سزا، وہ بھی صرف دنیوی، ملنے لگی تو لگا خود آپ ہی کا دل پسیجنے اور اُن لوگوں پر غم کرنے عین اُسی وقت حکم ہوا کہ حکمت کاملہ میں ایسے نافرمانوں کے لیے سزا ایسی مناسب ہے اور آپ اِن پر غم نہ کیجئے۔ خطاب موسیٰ علیہ السلام سے ہے، جیسا کہ جمہور مفسرین کا قول ہے، اور سیاق خود اسی کا مقتضی ہے۔ فالخطاب لموسیٰ علیہ السلام كما هو الظاهر و اليه ذهب اجلة المفسرين (روح) ف۱۰۴ (اے ہمارے پیغمبر!) عَلَيْهِمْ۔ میں ضمیر کس طرف ہے؟ اہل کتاب، خصوصاً معاندین اہل کتاب کی طرف ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ واتل على اهل الكتاب (کبیر) اى القصص على هؤلاء البغاة الحسدة (ابن کثیر) واتل على هؤلاء اليهود الذين هموا ان يبسطوا ايديهم اليكم (ابن جریر) لیکن عام نوع انسانی بھی مراد ہو سکتی ہے۔ واتل على الناس (کبیر) قصہ کا مقصد دو اُمور کی تعلیم دینا ہے، (۱) ایک یہ کہ نسب کی بزرگی مطلق کام نہیں آتی۔ مقبول صرف وہی ہوتا ہے جو حکم کا مطیع ہوتا ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ انسان حسد سے متاثر ہو کر کیسی کیسی شیطانی حرکتیں کر گزرتا ہے۔ ابْنَيْ آدَمَ۔ مراد قابیل وہابیل ہیں، یا بہ اصطلاح توریت قائن وہابل۔ قابیل بڑے تھے، ہابیل چھوٹے۔ حسب تصریح توریت قابیل کاشتکار تھے اور ہابیل بھیڑ بکری کے چرواہے یا گلہ بان۔ بِالْحَقِّ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ متلبساً بالحق۔ تلاوة متلبسة بالحق والصحة (کشاف) عجب نہیں مقصود یہ ظاہر کرنا ہو کہ قرآن کی یہ بیان کی ہوئی روداد بالکل سچ ہی سچ ہے۔ توریت وغیرہ کی روایتوں کی طرح یہ قصہ بھی حق و باطل کی ملاوٹ نہیں رکھتا۔ محقق رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پہلو اور بھی رکھا ہے۔ یعنی یہ قرآنی حکایت، دوسری قرآنی حکایتوں کی طرح ہدایت کا سبق لینے کے لیے ہے۔ جاہلیت جدید و جاہلیت قدیم کی طرح، قصہ محض قصہ کی غرض سے، آرٹ محض آرٹ کی غرض سے، قرآن مجید کا مقصود نہیں ہو سکتا۔ اى ليعتبروا به لا ليحملوه على اللعب والباطل مثل كثير من الاقاصيص التى لا فائدة فيها و انما هى لهو الحديث (کبیر) اور یہ بات اسی ایک حکایت کے ساتھ خاص نہیں۔ قرآن مجید کی ساری حکایتوں اور قصوں سے مقصود یہی عبرت، موعظت وہدایت ہے و هذا يدل على ان المقصود بالذكر من الاقاصيص والقصص فى القران العبرة لا مجرد الحكاية (کبیر) ف۱۰۵ (اللہ کے حضور میں) قُرْبَانًا۔ قربانی یہاں اصطلاحی معنی میں یعنی ذبیحہ کے مرادف نہیں۔ بلکہ لفظی معنی اور وسیع مفہوم میں ہے، نذر و نیاز کے مفہوم میں ہے۔ القربان ما يتقرب به الى الله (راغب) القربان اسم لما يتقرب به الى الله تعالىٰ من ذبيحة او صدقة (کبیر) القربان ما يقصد به القرب من رحمة الله تعالىٰ من اعمال البر (جصاص) قربان اسم جنس ہے۔ واحد وجمع دونوں موقعوں پر اسی صورت سے آتا ہے۔ اسم جنس فهو يصلح للواحد والعدد (کبیر) ف۱۰۶ (اس لیے کہ وہ مخلصانہ نہ تھی) روایتوں میں آتا ہے کہ چھوٹے بھائی ہابیل کی نذر مخلصانہ تھی۔ اُس نے اپنے گلے کی بہترین بھیڑ پیش کر دی تھی، وہ قبول ہو گئی۔ بڑے بھائی قابیل نے اپنے کھیت کی پیداوار کا ناقص حصہ پیش کیا، وہ قبول نہ ہوا...... قبول نیاز کی علامت اُس زمانہ میں یہ تھی، کہ ایک آگ آسمان سے آکر نذر قبول کر لے جاتی تھی۔ توریت میں اس کے اشارے بار بار آئے ہیں۔ ف۱۰۷ قابیل ہابیل سے خفا پہلے ہی کسی معاملہ میں تھا، اور یوں بھی سن میں بڑا تھا، اپنے کو بزرگی ومقبولیت کا زیادہ حقدار سمجھتا تھا۔ اب شدت حسد سے بہت ہی برافروختہ ہو کر بے گناہ بھائی کی جان لینے تک پر آمادہ ہو گیا۔ توریت میں یہ پورا قصہ یوں درج ہے:۔ "چند روز کے بعد یوں ہوا کہ قائن اپنے کھیت میں سے خداوند کے واسطے ہدیہ لایا اور ہابل بھی اپنی پلوٹھی اور موٹی بھیڑ بکریوں میں سے لایا۔ اور خداوند نے ہابل کو اور اس کے ہدیہ کو قبول کیا، پر قائن کو اور اس کے ہدیہ کو قبول نہ کیا۔ اس لیے قائن نہایت غصہ اور ترش رو ہوا۔ اور خداوند نے قائن سے کہا تجھے کیوں غصہ آیا اور اپنا منہ کیوں بگاڑا۔ اگر تو اچھا کرتا تو کیا مقبول نہ ہوتا؟ اور اگر تو اچھا نہ کرے تو گناہ دروازہ پر موجود ہے۔ اور تیرا ارادہ رکھتا ہے۔ پر تو اس پر غالب آ۔ اور قائن نے اپنے بھائی ہابل سے باتیں کیں، اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے، تو یوں ہوا کہ قائن اپنے بھائی ہابل پر اُٹھا، اور اسے مار ڈالا"۔ (پیدائش۔ ۴: ۳۔۸) ف۱۰۸ (اور تم چونکہ مقام تقویٰ واخلاص پر قائم نہ رہے، اس لیے قبول نذر کے معاملہ میں ناکام رہے۔ اس میں میری کیا خطا ہے؟) لان حصول التقوىٰ شرط فى قبول الاعمال (کبیر) محقق رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تقویٰ میں ان تین اُمور کی رعایت لازمی ہے۔ ایک یہ کہ قبول طاعت میں غایت خشیت کا استحضار ہو، اور اپنی طرف سے کوئی بات تکمیل طاعت میں اٹھا نہ رکھی جائے۔ دوسرے یہ کہ امکانی کوشش اس امر کی رہے کہ طاعت سے رضاء الٰہی کے سوا اور کچھ مقصود نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ غیر اللہ کی شرکت وآمیزش ذرا بھی اس طاعت میں نہ ہو۔ و حقيقة التقوىٰ امور احدها ان يكون على خوف و وجل من تقصير نفسه فى تلك الطاعة فيتقى بالقصى ما يقدر عليه عن جهات التقصير و ثانيها ان يكون فى غاية الاتقاء من ان ياتى بتلك الطاعة لغرض سوى طلب مرضاة الله تعالىٰ و ثالثها ان يتقى ان يكون لغير الله تعالىٰ فيه شركة (کبیر) محققین اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ تقویٰ سے اس سیاق میں مراد تقویٰ شرک ہے۔ تو جو شرک سے محفوظ اور توحید پر قائم رہا، تو جن اعمال میں اُس نے صدق نیت سے کام لیا، وہ مقبول ٹھہریں گے اور جو شرک ومعصیت دونوں سے بچا، وہ قبول ورحمت دونوں کا حقدار ٹھہرا۔ قال ابن عطية المراد بالتقوىٰ هنا اتقاء الشرك باجماع اهل السنة فمن اتقاه و هو موحد فاعماله التى تصدق فيها نيته مقبولة (قرطبی۔ بحر) واما المتقى الشرك والمعاصى فله الدرجة من القبول و الختم بالرحمة (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنے کسی کمال کا اظہار موقع شکر پر جائز ہے، بہ طور فخر نہیں ف۱۰۹ (باوجود اپنے اس علم کے کہ میں بے قصور ہوں) ف۱۱۰ (حالانکہ تیرے ارادۂ قتل پر مطلع ہو کر اور تیری آمادگی قتل دیکھ کر میرے پاس جواز قتل کا عذر بھی موجود ہے) فقرہ کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ تم جس طرح آغاز قتل میں دلیر ہو، میں ابتداء بالقتل کی جرأت نہیں رکھتا۔ یہ مطلب نہیں کہ مدافعت میں تلوار اُٹھانا جائز نہ ہو۔ شریعت اسلامی میں جب قرائن قوی سے یہ معلوم ہو جائے کہ قاتل حملہ کیا ہی چاہتا ہے، تو جواب ومدافعت میں تلوار اٹھانا بالکل جائز ہے، بلکہ اگر مصلحت

يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ

اللہ تو متقین کا (عمل) قبول کرتا ہے ف۱۰۸ تو اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر اٹھائے گا

يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ

کہ مجھے قتل کر ڈالے ف۱۰۹ تو میں (جب بھی) اپنا ہاتھ تجھ پر اٹھانے کا نہیں کہ تجھے قتل کر ڈالوں ف۱۱۰

اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ

(کیونکہ) میں تو اللہ پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں ف۱۱۱ میں تو یہی چاہتا ہوں

تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ

کہ تو میرے (قتل کا) گناہ اور اپنا (پچھلا) گناہ (دونوں) اپنے سر رکھ لے پھر تو دوزخیوں میں شامل ہو جائے ف۱۱۲

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ۚ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ

یہی سزا ہے ظلم کرنے والوں کی ف۱۱۳ غرض اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے

قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

قتل پر آمادہ کر دیا، تو اُس نے اُسے مار (ہی) ڈالا، ف۱۱۴ جس سے وہ بڑا نقصان اٹھانے والوں میں ہو گیا ف۱۱۵

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ

اس پر اللہ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کو کھودتا تھا تاکہ اسے دکھا دے کہ وہ

يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ

اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے ف۱۱۶ (یہ دیکھ کر) وہ بولا، ہائے میری کمبختی کہ میں اس سے بھی گیا گزرا ہوا کہ

اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ

اس کوے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا ف۱۱۷

فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ ۛ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا

غرض وہ (بہت ہی) شرمندہ ہوا ف۱۱۸ اسی باعث ہم نے بنی اسرائیل پر

اسلامی اس کی مقتضی ہو، تو ایسے موقع پر واجب ہو جاتا ہے۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنہما لئن بدأتنی بقتل لم ابدأک به و لم یردانی لادفعک علی نفسی اذا قصدت قتلی (جصاص) یجب علی من قصده انسان بالقتل قتله اذا امکنه (جصاص) انه فی شرعنا یجوز دفعه اجماعاً و فی وجوب ذلک علیه خلاف والاصح وجوب ذلک (قرطبی) واختلف فی هذا الأن فالصحیح من المذهب انه یلزم الرجل دفع الفساد عن نفسه وغیره و ان ادی للقتل (روح) محققین اہل سنت نے اس فتوی پر علاوہ احادیث نبوی کے متعدد آیات قرآنی سے بھی استدلال کیا ہے۔ مثلاً:۔ (۱) وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ، کہ قصد قتل یقیناً فتنہ میں شامل ہے۔ (۲) وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ کہ اسی سزائے قتل کے خوف سے قاصد قتل باز رہے گا۔ (۳) فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ الخ۔ کہ فئہ باغیہ قصد قتال ہی رکھتی ہے۔ اور انہی آیاتِ قرآنی واحادیث نبوی سے استدلال کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے قتال، اُن کے قصد قتال کی بنا پر جائز رکھا تھا، اور سب صحابیوں نے آپؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔ وقد قتل علی بن ابی طالب الخوارج حین قصدوا قتل الناس و اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم معه والفقون علیه و قدروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اثار فی وجوب قتلهم (جصاص) مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ کے فقرۂ نفی میں ایک تو بجائے فعل کے اسم فاعل اور پھر حرف ب نفی بسط کی تاکید واستمرار کے لیے ہے۔ لتاکید النفی بما فی خبرها من الباء للمبالغة فی اظهار برائته عن بسط الید ببیان استمراره علی نفی البسط (ابوسعود) و اکد النفی بالباء (بیضاوی) ذکر الشرط بلفظ الفعل والجزاء بلفظ اسم الفاعل مقروناً بالباء المزیدة لتاکید النفی (نیشاپوری) ف۱۱۱ (اور مدافعت تک میں ہاتھ نہیں اُٹھاتا۔ تیری سی جسارت کہاں سے لاسکتا ہوں کہ خدا سے ذرا نہیں ڈرتا، اور بالکل بلاوجہ میرے قتل پر آمادہ ہو گیا ہے) اصل مسئلہ شرعی تو وہی ہے جو اُوپر کے حاشیہ میں مذکور ہو چکا۔ البتہ الفاظ قرآنی کے ظاہر سے سند پکڑ کے بعض بزرگوں نے ایسے موقع پر بھی عفو ودرگزر ہی کو اختیار کیا ہے۔ اور بعض اکابر سے منقول ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا آخری وقت کا طرز عمل اسی آیت کے مطابق تھا۔ یعنی اپنی جان دینا گوارا کر لی، اور جان کے دشمنوں سے مقابلہ و قتال قبول نہ فرمایا۔ قال ایوب السختیانی ان اوّل من اخذ بهذا الأیة من هذه الامة عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان رواه ابن ابی حاتم (ابن کثیر) و هذا فی الشرع جائز لمن ارید قتله ان ینقاد و یستسلم طلبا للاجر کما فعل عثمان رضی اللہ عنہ (معالم) قال بعضهم المقصود بالقتل ان ارادان یستسلم جازله ذلک و هکذا فعل عثمان رضی اللہ عنہ (کبیر) انما استسلم کما استسلم عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (بحر) اِنِّيْٓ اَخَافُ جملہ تعلیلیہ ہے، اور اسی لیے ترجمہ میں "کیونکہ" بڑھا دیا گیا۔ اشارة الی کون الجملة تعلیلیة لما قبله و هذا التقریر احسن من کل مایوجد فی التفاسیر (تھانوی) علل ذلک بقوله انی اخاف الله (ابوسعود) تعلیل للامتناع عن بسط یده لیقتله (روح) ف۱۱۲ (جو کھلا ہوا نتیجہ تیری بدکرداریوں کا ہوتا ہے) اِثْمِيْ کے معنی "میرے" گناہ کے نہیں، بلکہ اہل تحقیق کے نزدیک "میرے قتل کے گناہ" کے ہیں۔ اور تقدیر کلام یوں ہے، باثم قتلی من قتلک ایای (ابن جریر ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہ وناس من اصحاب الرسول) ای باثم قتلی (ابن کثیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ومجاہد والضحاک وقتادہ والسدی) ای باثم قتلی و هذا قول اکثر المفسرین (معالم) اِثْمِكَ سے مراد وہ گناہ ہیں جو قابیل اس تازہ اقدام گناہ سے قبل کر چکا تھا۔ یا وہ پہلا گناہ جس کے پاداش میں اس کی نذر قبولیت سے محروم رہ گئی تھی۔ و اثمک فی معصیة الله بغیر ذلک من معاصیک (ابن جریر عن ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہ وناس من اصحاب الرسول) اثم الذی علیک قبل ذلک (ابن کثیر وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما ومجاہد والضحاک وقتادہ والسدی) اثمک الذی لا جله لم یتقبل قربانک (مدارک) قال اکثر العلماء ان المعنی ترجع باثم قتلی و اثمک الذی عملته قبل قتلی قال الثعلبی هذا قول عامة اکثر المفسرین (قرطبی) فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ۔ اس جزو سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قابیل کافر تھا، اس لیے کہ اصحاب النار کا اطلاق قرآنی اصطلاح میں کافروں ہی پر ہوتا ہے۔ و قد استدل بقول هابیل لاخیه قابیل انه کان کافرًا لان لفظ اصحاب النار انما ورد فی الکفار حیث وقع فی القران (قرطبی) لیکن اہل تحقیق کے نزدیک یہ استدلال صحیح نہیں۔ اصحاب النار وہ بھی ہیں جو کچھ دیر کے لیے بھی دوزخ میں جائیں، اور یہ سزا مومن عاصی کے لیے ممکن ہے۔ و هذا مردود بما ذکرناه عن اهل العلم فی تاویل الأیة و معنی من اصحب النار مدة کونک فیها (قرطبی) ولا یقوی هذا الاستدلال لانه یکنی عن المقام فی النار مدة بالصحبة (بحر) اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ۔ یعنی میں چاہتا ہوں کہ سارا وبال تمہی پر پڑے، مجھ پر نہ پڑے۔ یہ مراد نہیں کہ میں چاہتا ہوں، تم بھی گناہ کرو کسی کے لیے یہ چاہنا کہ وہ گناہ کرے، جائز نہیں۔ البتہ اس چاہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ گناہ کا وبال گنہگار ہی پر پڑے۔ والمراد انی ارید ان تبوء بعقاب اثمی و اثمک لانه لایجوزان یکون مراده حقیقة الاثم اذغیر جائز لاحد ارادة معصیة الله من نفسه ولا من غیره (جصاص) معناه انی اریدان تبوء بعقاب قتلی فیکون ارادة صحیحة لانها موافقة لحکم الله عزوجل (معالم) تَبُوْٓاَ۔ باء کے معنی اُلٹ کر پڑنے کے ہیں۔ و معنی تبوء ترجع والبواء الرجوع بالقود

(جصاص) و قیل تحمل (معالم) و۱۱۳ اپنے عام حکیمانہ اسلوب کے مطابق قرآن مجید نے یہاں بھی ایک مخصوص واقعہ کے بیان کے معاً بعد ہی قانون عام بھی سنا دیا۔ و۱۱۴ ہابیل کی اس مؤثر تقریر سے قابیل ذرا بھی متاثر نہ ہوا، بلکہ مقابلہ و مزاحمت کی طرف سے بے فکر ہو کر عجب نہیں جو قتل پر اور زیادہ آمادہ ہو گیا ہو۔ فَقَتَلَهٗ۔ توریت میں ہے۔ ''اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے، تو یوں ہوا کہ قائن اپنے بھائی ہابل پر اٹھا اور اُسے مار ڈالا'' ۔ (پیدائش ۴: ۸) فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ۔ یعنی اسے نفس نے اس کام پر رفتہ رفتہ دلیر و مستعد بنا دیا، اور اسے اس کی نظر میں خوشگوار کر دکھایا۔ ای فحسنت و سولت نفسه و شجعته علی قتل اخیه (ابن کثیر) یہ حال ہر بدی و معصیت کا ہے۔ ابتداءً ہر فطرت سلیم اس سے رُکتی ہے، ہچکچاتی ہے، لیکن نفس رفتہ رفتہ اس کی جانب مائل اور اُس پر گرویدہ ہوتا جاتا ہے، اور اس کی طرف سے جھجک مٹتی جاتی ہے، یہاں تک کہ انسان اسے بے دھڑک کر گزرتا ہے۔ و۱۱۵ خسران اور نقصان اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ دنیا میں سب سے پہلا قتل کیا، قتل انسانی اور برادر کشی کا مرتکب ہوا۔ اور آخرت میں عذاب شدید کا مستحق ہوا۔ فَاَصْبَحَ سے یہ مراد نہیں کہ قتل رات ہی کے وقت ہوا تھا۔ اَصْبَحَ کا اطلاق وقت مبہم کے لیے عام ہے۔ وقوع قتل و حصول خسران دن رات کے جس حصہ میں بھی ہوا ہو، اس لفظ کے اعتبار سے بے تکلف جائز ہے۔ اصبح ہو گیا کے معنی میں اور صار کے مرادف عرب کا عام محاورہ ہے۔ بعضوں کو اس محاورہ کے سمجھنے میں عجب غلطی ہوئی ہے۔ ولا دلالة فی قوله فاصبح علی ان القتل

عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ

یہ مقرر کر دیا کہ جو کوئی کسی کو کسی جان کے (عوض کے) یا زمین پر

اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ

فساد (کے عوض) کے بغیر مار ڈالے و۱۱۹ تو گویا، اُس نے سارے آدمیوں کو مار ڈالا و۱۲۰

وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ

اور جس نے ایک کو بچا لیا، تو گویا اُس نے سارے آدمیوں کو بچا لیا و۱۲۱ اور یقیناً

جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ

اُن لوگوں کے پاس ہمارے پیمبر کھلے ہوئے احکام لے کر آئے و۱۲۲ اس پر بھی ان میں کے بہت سے لوگ

بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝۳۲ اِنَّمَا جَزٰۗؤُا

ملک میں زیادتی کرنے والے ہی رہے و۱۲۳ جو لوگ

الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ

اللہ اور اُس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے میں لگے

فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ

رہتے ہیں و۱۲۴ ان کی سزا بس یہی ہے کہ وہ قتل کیے جائیں، یا سولی دیے جائیں یا ان کے ہاتھ

وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ

اور پیر مخالف جانب سے کاٹے جائیں، یا وہ ملک سے نکال دیے جائیں و۱۲۵ یہ تو ان کی

لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

رسوائی دنیا میں ہوئی، و۱۲۶ اور آخرت میں ان کے لیے بڑا

عَظِيْمٌ ۝۳۳ لا اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا

عذاب ہے و۱۲۷ مگر جو لوگ توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم اُن پر

کان لیلا و انما المراد به وقت مبهم جائز ان یکون لیلاً و جائز ان یکون نهارًا وهذا عادة العرب فی اطلاق مثله والمراد به الوقت المبهم (جصاص) اصبح بمعنی صار (بحر) الاترى انهم جعلوا اضحی وظل و امسی و بات بمعنی صار (بحر) و۱۱۶ یہ روئے زمین پر پہلا قتل تھا، اور قابیل غریب کو یہ بھی خبر نہ تھی، کہ اپنے مقتول بھائی کی لاش کو آخر کرے کیا۔ آخر ایک معمولی اور حقیر سا پرندہ، انتظاماتِ تکوینی کے ماتحت اس قاتل کو دفن کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا گیا۔ سَوْءَةَ کے لفظی معنی جسم کے پوشیدہ رکھے جانے والے حصہ کے ہیں۔ یہاں مراد نعش سے ہے۔ ای جیفة اخیه (کبیر) قیل جمیع جیفته فان المیت کله عورة (بحر) و۱۱۷ قاتل اب بہ کمال حسرت و ندامت کہہ رہا ہے، کہ مجھے تو اس مردار خوار جانور کے برابر بھی فہم و شعور نہیں! توریت میں تو ہابیل کی تدفین کا کچھ ذکر نہیں، البتہ شارحین توریت نے ایک پرندہ کا ذکر کیا ہے، کہ اس کے عمل تدفین کو دیکھ کر آدم علیہ السلام و حوا نے بھی ہابیل کا لاشہ زمین میں دفن کیا، لیکن پرندہ کا نام بجائے کوے کے جنگلی فاختہ آیا ہے۔ ملاحظہ ہو جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد اوّل صفحہ ۴۹۔ اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ۔ بعض فقہاء نے اس بیان سے جواز قیاس تمثیلی کا استنباط کیا ہے۔ فیه دلیل علی قیاس الشبه (ابن العربی) و۱۱۸ (اپنی اس تباہ حالی پر) یہ ندامت نفس قتل پر بالکل نہ تھی، جو توبہ کی قائم مقام کسی درجہ میں بھی ہو سکتی، بلکہ قتل کے بعد اُسے جو دشواریاں نظر آئیں، صرف اُن پر تھی۔ جسے ندامت طبعی کہا جا سکتا ہے، جو کسی حد تک بھی توبہ کا کام نہیں دے سکتی ...... گویا قاتل صرف پریشان ہوا، پشیمان اب بھی نہ ہوا۔ و لم یکن ذلک ندم توبة (قرطبی) قیل انه ندم علی القتل علی غیر جهة القربة الی الله تعالٰی منه و خوف عقابه (جصاص) ...... فکان ندمه لاجل هذه الاسباب لا لکونه معصیة (کبیر) حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر یہ ندامت عواقب قتل پر نہیں، بلکہ قتل ہی پر مانی جائے، جب بھی ہر ندامت توبہ نہیں۔ جب تک معذرت اور انکسار اور فکر تدارک بھی اس کے ساتھ شامل نہ ہو۔ یہ ندامت اگر کہیں معصیت کو معصیت سمجھ کر، اور خوفِ خدا سے ہوتی تو توبہ قبول ہی نہ ہو گئی ہوتی۔ ولو ندم علی الوجه المامور به لقبل الله توبته و غفر ذنوبه (جصاص) الندم له شروط فکل من جاء بشروطه قبل منه و من اخل بها او بشیء منها لم یقبل (ابن العربی) الندم علی المعاصی انما ینفع بشرط العزم علی ان لایفعل فی المستقبل (ابن العربی) و۱۱۹ (اور اس طرح قتل ناحق کا مرتکب ہو) آیت سے ظاہر ہو گیا کہ جو بھی قتل ارادی بجز ان دو صورتوں کے کیا جائے، وہ قتل ناحق ہوگا:۔ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ۔ یعنی وہ قتل بہ طور قصاص یا کسی قتل کے عوض میں ہو۔ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ۔ یعنی وہ قتل کسی ایسے جرم کے پاداش میں ہو جس سے ملک میں بدامنی اور فساد کی بنیاد پڑ رہی ہو، اور نظام عالم پر اس سے ضرب لگ رہی ہو، مثلاً جرم رہزنی، جرم ارتداد، جرم حرامکاری وغیرہ۔ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ یعنی ان مفاسد کے باعث جو قتل ناحق سے پیدا ہوتے ہیں۔ ذٰلِكَ سے اشارہ قصہ قتل ہابیل کی جانب نہیں، بلکہ ان مفاسد کی جانب ہے جو قتل ناحق سے لازم آتے ہیں۔ هو اشارة الی ما مر ذکره فی هذه القصة من انواع المفاسد الحاصلة بسبب القتل الحرام (کبیر) آیت کے اس ٹکڑے سے فقہاء نے قیاس شرعی کا بھی اثبات و استناد کیا ہے۔ فیه ابانة عن المعنی الذی من اجله کتب علی بنی اسرائیل ما ذکر فی الآیة (جصاص) و فیه دلیلٌ علی اثبات القیاس و وجوب اعتبار المعانی التی علق بها الاحکام و جعلت عللًا و اعلامًا لها (جصاص) و۱۲۰ آیت پر یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے، کہ ایک فرد کا قاتل اور ساری نوع کا قاتل برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ تو یہ لفظ فَكَاَنَّمَا پر غور کرنے سے جاتا رہتا ہے۔ یہ ارشاد ہرگز نہیں ہو رہا ہے، کہ ایک کا قاتل اور سب کا قاتل قانون کی نظر میں یکساں ہوگا۔ قانون، عدالت، ضابطہ کی نظر میں دونوں کی مساوات کا یہاں مطلق ذکر نہیں۔ مقصود قاتل کی فطرت پر روشنی ڈالنا ہے۔ جو ظالم و فاجر ایک شخص کی بھی جان بلا وجہ اور بے قصور لے ڈالنے میں نہیں ہچکچاتا، اُس کی جسارت اور خبث نفس سے بعید کیا ہے، جو وہ پائے، تو سارے انسانوں کو تہ تیغ کر کے رکھ دے ... اصل شے تو اس کی نظر میں

قانون شریعت کی بے وقری اور اس کے خلاف ورزی پر اس کی دلیری ہے۔ من حیث انہ ہتک حرمۃ الدماء و سنّ القتل و جرأ الناس علیہ (بیضاوی) المقصود من تشبیہ قتل النفس الواحدۃ بقتل النفوس المبالغۃ فی تعظیم امر القتل العمد العدوان و تفخیم شانہ (کبیر) قیل المعنی من استحل واحدًا فقد استحل جمیعا لانہ انکر الشرع (قرطبی) حدیث نبوی ﷺ میں بھی یہ مضمون ایک جگہ آیا ہے کہ روئے زمین پر جو بھی قتل ناحق ہوتا ہے، اس کے وبال کا ایک حصہ قابیل کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے کہ بانیٔ اول اس جور وستم کا تو ہی ہوا ہے۔ عن عبداللہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تقتل نفسٌ ظلمًا الّا کان علی ابن اٰدم الاول کفلٌ من دمھا لانہ اول من سنّ القتل (بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ باب خلق آدم وذریتہ) موجودہ توریت میں تو جرم قتل انسانی سے متعلق صرف اس قدر ہے:۔ ”جو کوئی آدمی کا لہو بہاوے آدمی ہی سے اس کا لہو بہایا جائے گا، کیونکہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ہے“۔ (پیدائش۔ ۹:۶) لیکن تالمود میں (حسب روایت راڈول، انگریزی مترجم قرآن) حسب ذیل مضمون بھی موجود ہے:۔ ”جو کوئی کسی ایک اسرائیلی کو بھی مار ڈالے گا، اس کے لیے یوں سمجھا جائے گا کہ گویا اُس نے ساری نسل اسرائیل کو قتل کر دیا“۔
و۱۲۱ ایک حدیث صحیح میں بھی یہ مضمون، ایک عام قاعدہ وضابطہ کی صورت میں آیا ہے:۔ مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَعَمِلَ بِھَا کَانَ لَہٗ اَجْرُھَا و مثل اجر من عمل بھا لاینقص من اجورھم شیئاً و من سن سنۃ سیئۃ فعمل بھا کان علیہ وزرھا و وزر من عمل بھا لا ینقص من اوزارھم شیئاً۔ جو کوئی کسی نیک رسم کی بنیاد ڈال دے اور اُس پر عمل بھی کرے اُسے اجر اپنا بھی ملتا ہے اور اس کے بعد اس پر تمام عمل کرنے والوں کا بھی، بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے اجر سے کچھ کیا جائے اور جو کوئی کسی رسم بد کی بنیاد ڈال دے، اور اُس پر عمل بھی کرے اُس پر گناہ اپنے کئے کا بھی پڑتا ہے، اور اُس کے بعد اس پر دوسرے عمل کرنے والوں کا بھی، بغیر اس کے کہ اُن لوگوں کا گناہ کچھ ہلکا ہو۔ اگر نص کی اتنی تصریحات نہ موجود ہوتیں، جب بھی یہ مسئلہ اپنی جگہ پر عقلی تھا۔ اَحْیَاھَا۔ احیا کے معنی یہاں زندہ کرنے کے نہیں، موت سے بچا لینے اور اسباب ہلاکت سے دُور رکھنے کے ہیں۔ قال مجاھد نجاھا من الھلاک (جصاص) من سلم من قتلھا (معالم) المراد من احیاء النفس تخلیصھا عن المھلکات مثل الحرق والغرق والجوع المفرط والبرد والحر المفرطین (کبیر) یہ بچالینا مستحق مدح واجر جب ہے جب خون حق سے بچایا جائے، ورنہ بچا لینے کو اگر اپنے مطلق اور عمومی معنی میں رکھا جائے، تو موقع قصاص وغیرہ پر قتل واجب سے کسی کو بچانا بجائے خود ایک معصیت اور اعانت علی الحرام ہے۔ و۱۲۲ (اور انھی احکام میں قتل ناحق اور خونریزی کی ممانعت بھی داخل تھی) اَلْبَیِّنٰتِ سے مراد دلائل و معجزات بھی ہو سکتے ہیں، لیکن یہاں زیادہ چسپاں معنی احکام وہدایات کے ہیں۔ ای بالامر و النھی و العلامات (ابن عباس ؓ) ”صاف حکم“ (شاہ عبدالقادر دہلوی) جَآءَتْھُمْ۔ ھم کی ضمیر انھی بنی اسرائیل کی جانب ہے۔
و۱۲۳ (یہاں تک کہ بعض اوقات تو خود انھی پیمبروں کو قتل کر ڈالا) ثُمَّ۔ بھی استبعاد کے لیے بھی آتا ہے۔ ثم للتراخی فی الرتبۃ والاستبعاد (روح) چنانچہ یہاں اسی معنی میں ہے کہ جو نتیجہ ان پیمبروں کے آنے کا نکلنا تھا وہ تو کچھ بھی نہ نکلا، البتہ اس کے برعکس نکلا۔ لَمُسْرِفُوْنَ۔ اسراف میں ہر قسم کی زیادتی اور ہر قسم کے گناہ آگئے۔ اور مطلب یہ ہوا کہ پیمبروں کی آمد کے باوجود، اسرائیلیوں کی اکثریت قانون کی مسلسل خلاف ورزی کرتی رہی۔ الاسراف فی کل امر التباعد عن حد الاعتدال مع عدم مبالاۃ بہ (روح) ای ان اکثرھم مجاوزون الحد وتارکون امر اللہ (قرطبی) ای محادوا اللہ و رسلہ باتباعھم اھواء ھم و خلافھم علی انبیاء ھم و ذلک کان اسرافھم فی الارض (ابن جریر) و۱۲۴ یہ کون لوگ ہیں؟ اور آیت کے ان دو جملوں میں باہمی تعلق کیا ہے؟ اہل تحقیق کے نزدیک دونوں فقروں کے درمیان کا واؤ تفسیری ہے، اور اس لیے دوسرا فقرہ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ پہلے فقرہ اَلَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ کی تشریح و تفسیر اور اس کی مراد متعین کر رہا ہے۔ و یسعون فی الارض فساداً ھذا ھو معنی محاربۃ المسلمین (جمل) مراد یہاں رہزنوں اور ڈاکوؤں کے گروہ سے ہے۔ عام اس سے کہ وہ کافر ہوں یا مسلم۔ یہی گروہ جب نکلتا ہے تو ہتھیار باندھ کر، پوری شان و شوکت کے ساتھ کہ جن پر حملہ کیا جائے وہ بیچارے مقابلہ بھی نہ کر سکیں۔ عاصیوں اور نافرمانوں کے طبقہ میں یہ گروہ خصوصیت کے ساتھ محاربین کا مصداق ہوتا ہے۔ ذھب اکثر المفسرین و علیہ جملۃ الفقھاء الی انھا نزلت فی قطاع الطریق (روح) والصحیح ان ھذہ الاٰیۃ عامۃ فی المشرکین و غیرھم فی من ارتکب ھذہ الصفات (ابن کثیر) یتناول کل من کان موصوفًا بھذہ الصفۃ سواء کان کافرًا او مسلماً (کبیر) نزلت فی قطاع الطریق من المسلمین و ھذا قول اکثر الفقھاء (کبیر) المراد قطاع الطریق من اھل الملۃ (جصاص) و لم یسم بذلک کل عاصٍ للہ تعالٰی اذ لیس بھذہ المنزلۃ فی الامتناع و اظھار المغالبۃ فی اخذ الاموال و قطع الطریق (جصاص) ایک قول بعض غیر مستند متاخرین (عن بعض المتاخرین ممن لا یعتد بہ) کا یہ بھی نقل ہوا ہے کہ آیت کے مصداق مرتدین ہیں۔ لیکن محققین نے تصریح کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ یہ قول سرتاسر لغو وباطل ہے۔ ھو قول ساقطٌ مردودٌ مخالف للاٰیۃ و اجماع السلف والخلف (جصاص) لا خلاف بین السلف و الخلف من فقھاء الامصار ان ھذا الحکم غیر مخصوص باھل الردۃ و انہ فی من قطع الطریق و ان کان من اھل الملۃ (جصاص) یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ محاربہ اپنے لفظی معنی میں اللہ سے تو کسی کا ممکن ہی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے ممکن تھا، لیکن کبھی کسی مسلم سے واقع نہیں ہوا، اور بعد وفات شریف تو اس کا امکان ہی نہ رہا۔ یہاں محاربہ سے مراد معصیت اور مخالفت یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون کو توڑنا اور اس سے مقابلہ کرنا ہے۔ اہل لغت نے یہی معنی لئے ہیں۔ یعنی المعصیۃ ای یعصونہ (لسان) ای یعصونہ (تاج) اور اہل تفسیر تو سب اسی طرف گئے ہیں۔ ای الذین یخالفون احکام اللہ و احکام رسولہ (کبیر) المحاربۃ ھی المضادۃ و المخالفۃ و ھی صادقۃ علی الکفر و علی قطع الطریق و اخافۃ السبیل (ابن کثیر) یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا۔ مسلمان تو خیر مسلمان ہی ہیں ان کے ساتھ ذمیوں کے بھی مال اور جان دونوں اللہ اور اس کے رسول کے بخشے ہوئے حفظ وامن میں ہوتے ہیں، اب جو کوئی ان پر بلا عذر حملہ کرتا ہے، وہ پوری طرح سعی فساد فی الارض کا مرتکب ہوتا ہے، اور یہی اللہ اور رسول سے محاربہ بھی ہے سمی قاطع الطریق محاربًا للہ لکون المسافر معتمدًا علی اللہ تعالٰی فالذی یزیل امنہ فحارب لمن اعتمد علیہ فی تحصیل الامن (فتح القدیر) سمّوا محاربین تشبیھًا لھم بالمحاربین من الناس (جصاص) فقہاء حنفیہ نے یہاں یہ قید لگائی ہے کہ جس رہزنی کا یہاں ذکر ہے۔ اور جس کی سزا یہاں درج ہے، یہ شہر یا قرب شہر میں معتبر نہیں۔ شہر اور قرب شہر صرف تعزیر وقصاص کا محل ہے۔ یہاں حد جاری نہ ہوگی۔ و مذھب ابی حنیفۃ و جماعۃ ان المحاربین ھم قطاع الطریق خارج المصر واما فی المصر فیلزمہ حدما اجترح من قتل او سرقۃ او غصب و نحو ذلک (بحر) و قال قوم المکابرون فی الامصار لیس لھم حکم المحاربین فی استحقاق ھذا الحد و ھو قول ابی حنیفۃ (معالم) قالت طائفۃ لا تکون المحاربۃ فی المصر انما تکون خارجا عن المصر ھذا قول سفیان الثوری و اسحٰق و النعمان (قرطبی) و۱۲۵ چار سزائیں یہاں مذکور ہوئیں اور چاروں الگ الگ موقعوں کے لیے ہیں۔ قول صحیح و معتبر یہی ہے، نہ یہ کہ امام کو ان چار سزاؤں میں سے ہر ایک موقع کے لیے اختیار دے دیا گیا ہے، اگرچہ بعض اکابر اس طرف بھی گئے ہیں۔ ذھب الاکثرون الی ھذہ العقوبات علی ترتیب الجرائم لاعلی التخییر (معالم) وقال ابن عباس و ابو مجلز و قتادۃ والحسن و جماعۃ بکل رتبۃ من الحرابۃ رتبۃ من العقاب (بحر) و المراد منہ واللہ اعلم التوزیع علی الاحوال (ہدایہ) اَوْ۔ حرف اَوْ جو یہاں سزاؤں کے درمیان بار بار آیا ہے، تخییر کے لیے نہیں، تفصیل کے لیے ہے۔ و اَوْ فی الاٰیۃ علی ھذا للتفصیل (بیضاوی) قال ابن عباس فی روایۃ عطاء کلمۃ او ھھنا لیست للتخییر بل ھی لبیان ان الاحکام تختلف باختلاف الجنایات و ھذا قول الاکثرین من العلماء (کبیر) یُقَتَّلُوْا۔ یہ سزا اُس موقع کے لیے ہے، جب رہزنوں نے کسی کو صرف قتل کیا ہو، اور نوبت مال لینے کی نہ آئی ہو۔ تقتیل باب تفعیل سے ہے اور اس کے معنی میں باب قتل یا قصاص پر زیادتی ہے۔ یہیں سے اشارہ اس نکتہ کی طرف ہو رہا ہے کہ یہ حق شریعت ہے۔ محض ولی کے معاف کر دینے سے معاف نہیں ہوگا۔ و یقتلون حدًا حتی لو عفا الاولیاء عنھم لا یلتفت الی عفوھم لانہ حق

الشرع (ہدایہ) رہزنی کا جرم تنہا فرد یا افراد کے خلاف نہیں، معاشرہ کے خلاف بھی ہے۔ اس لیے مستغیث افراد کی دستبرداری ایسے مقدمہ کو ختم کرنے کو کافی نہیں۔ یُصَلَّبُوْا۔ یہ سولی پر چڑھانا اس صورت کے لیے ہے، جب رہزنی میں قتل وغارت دونوں کا ارتکاب ہوا ہو۔ حنفیہ کے ہاں سولی کی سزا کے لازمی ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ امام ابوالحسن قدوری کا قول ہے اور یہی ظاہر الروایۃ ہے کہ سولی دینے نہ دینے کا امام کو اختیار ہے۔ ثم ذکر فی الکتاب التخییر بین الصلب و ترکہ و ھو ظاھر الروایۃ (ہدایہ) فی ظاھر الروایۃ ھو مخیر فی الصلب ان شاء فعلہ و ان شاء لم یفعلہ و اکتفی بالقتل (مبسوط) لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سولی ضرور دی جائے، اس لیے کہ اولاً تو یہ نص قرآنی کے مطابق ہے اور دُوسرے سزا سے جو مقصود تشہیر اور دوسروں کے لیے عبرت ہے، وہ بھی اسی سے حاصل ہوتا ہے۔ و عن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ انہ لا یترکہ لانہ منصوص علیہ المقصود والتشہیر لیعتبر بہ غیرہ (ہدایہ) و عن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ قال لیس للامام ان یدع الصلب لان المقصود بہ الاشتہار لیعتبر غیرہ (مبسوط) خود صاحب ہدایہ کا کہنا یہ ہے کہ تشہیر جو نفس قتل ہی سے ہو جاتی ہے، البتہ سولی سے اس تشہیر میں اور زیادتی ہو جاتی ہے، اس لیے یہ امام ہی کی رائے پر چھوڑنا چاہیے۔ و نحن نقول اصل التشہیر بالقتل والمبالغۃ فی الصلب فیخیر فیہ (ہدایہ) تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پیر کاٹا جائے گا۔ یہ سزا اس صورت میں ہے کہ صرف مال لوٹا ہو اور جان نہ لی ہو۔ اس سزا کے باب میں بھی فقہاء حنفیہ میں کسی قدر اختلاف ہے۔ امام محمد سے منقول ہے کہ جب قتل یا سولی کی سزا اپنے اپنے دفعات جرم کی بنا پر نافذ ہو رہی ہو تو یہ قطع اعضاء کی سزا نافذ نہ کی جائے گی، اس لیے کہ بڑی حد کے اجراء کے بعد پھر چھوٹی حد کے اجراء کا سوال باقی نہیں رہتا۔ مثلاً اگر کسی پر چوری اور زنا دونوں ثابت ہوں، تو سزا صرف زنا کی ملے گی، اور سنگساری کے ہوتے ہوئے، ہاتھ کاٹے جانے کی الگ سزا کی ضرورت نہ رہے گی۔ لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا ہے کہ قطع اعضاء اور سولی، یہ تعداد میں دو سزائیں ہی نہیں، بلکہ مجرم کے ہاتھ پیر کاٹ کر قتل یا سولی ایک ہی سزا ہوئی۔ یہ سزا سخت تر بیشک ہے، لیکن یہ اس لیے کہ جرم بھی تو سخت تر ہے، اور جرم کی اشدیت یہ ہے کہ مجرم نے قتل وغارت (مار اور لوٹ) دونوں کر کے امن عامہ کو انتہاء درجہ کا نقصان پہنچا دیا...... یہ ساری تفصیلات ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ۔ یہ اُس صورت میں کہ ابھی نوبت نہ جان لینے کی آئی، نہ مال لوٹنے کی، محض قصد و اقدام ہی کے بعد گرفتاری ہو گئی۔ ملک سے نکال دیے جانے سے مراد ایک تو جلاوطنی ہے۔ دوسرے یہ کہ مجرم ملک میں آزادانہ چلنے پھرنے نہ پائیں، اُن کی آزادی سلب کر لی جائے، اور وہ قید خانہ میں بند کر دیے جائیں۔ فقہاء حنفیہ نے بھی آخری معنی اختیار کیے ہیں، اور لغت بھی اس کی تائید میں ہے۔ و قال ابو حنیفۃ النفی من الارض ھو الحبس و ھو اختیار اکثر اھل اللغۃ (کبیر) والمراد بالنفی عندنا ھو الحبس والسجن والعرب تستعمل النفی بذلک المعنی لان الشخص یفارق بیتہ و اھلہ (روح) قیل نفیھم ان یخلدوا فی السجن (تاج۔لسان) فقہاء حنفیہ کہتے ہیں کہ جلاوطنی کی صورت میں مجرم یا تو کسی دُوسرے اسلامی شہر میں چلا جائے گا تو وہاں جا کر فتنہ وفساد کا باعث بنے گا۔ یا اگر دارالحرب چلا گیا تو وہاں دشمنانِ اسلام کی تقویت کا سبب بن جائے گا۔ اس لیے یہاں مراد حبس اور قید ہی ہے...... مبسوط۔ ہدایہ، فتح القدیر وغیرہ میں یہ بحثیں تفصیل سے ملیں گی۔ ان چار صورتوں کے علاوہ پانچویں صورت یہ بھی ممکن ہے کہ رہزنوں نے کسی کو محض زخمی کر کے چھوڑ دیا ہو، تو اس کا حکم مثل عام زخمیوں کے ہوگا۔ یہاں قانون قصاص وضمان کی دفعات چلیں گی۔ اور یہ حق العبد ہونے کے باعث معاف بھی ہو سکے گا۔ ''روشن خیالی'' اور ''تجدد نوازی'' جو دُوسرا نام ہے، جاہلیت فرنگ سے مرعوبیت کا، ممکن ہے اسلامی سزاؤں کی ان سختیوں پر چیں بہ جبیں ہو لیکن ساری قیاسی اور عقلی بحثوں سے قطع نظر، صرف عملی اور تجربی حیثیت سے نہ دیکھ لیا جائے کہ جن ملکوں نے اپنے ہاں قانون کو نرم سے نرم کر کے سزائیں ہلکی سے ہلکی کر دی ہیں، اُن کے ہاں جرائم اور بدامنی کا کیا حال ہے، اور اُن قوموں کے ہاں کیا، جن کے ہاں اب تک اسلامی تعزیرات وحدود کا نفاذ جاری ہے؟...... امریکہ اور برطانیہ اور فرانس کا ریکارڈ جرائم کے لحاظ سے، بلوؤں اور ڈاکوں، قتل وغارت کے لحاظ سے، کیا ہے، اور نجد وحجاز و یمن کا کیا؟ Gunmen اور Gangster قسم کی نئی نئی اصطلاحیں روز کہاں پیدا ہو رہی ہیں؟ بدنام تو لوٹ مار، نوچ کھسوٹ، کشت وخون کے لیے عرب کے بدوی تھے، لیکن اب کیا نسبت انہیں مہذب دنیا کے روز روشن میں ڈاکوں سے رہی ہے؟ ...... یہ تو واقعات ہیں واقعات، خوش اعتقادی کا کوئی سوال نہیں۔ عقلاً اور اصلاً ہے بھی یہی بات کہ اسلام نے معاش اور معیشت اور معاشرت کا جو بہترین نظام دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے اور فرد و جماعت دونوں کے لیے فراغ خاطری اور آسائش وسہولت کے جتنے موقعے بہم پہنچا دیے ہیں، ان کے بعد بھی جو ظالم اللہ کی ان نعمتوں کی شدید ناشکری کر کے امن عامہ پر ڈاکہ ڈالتا، اور اللہ کے بندوں کی جان اور مال بہ جبر لے لینا چاہتا ہے، اور ثبوت جو اپنے انتہائی خبث نفس کا دے رہا ہے، ایسا خبیث الفطرت مستحق بھی سخت ترین سزا کا ہے۔

ف۱۲۶ عبرت وموعظت کے لیے سزاؤں کا محض سخت یا جسمانی حیثیت سے تکلیف دہ ہونا ہی کافی نہیں، تفضیح و رسوائی، دماغی وقلبی تکلیف کا پہلو بھی ان میں نمایاں ہونا چاہیے۔ فقہاء نے یہ بھی طے کر دیا ہے کہ رہزنی اور ڈکیتی کا ارتکاب اگر ایک غول یا جتھے نے کیا ہے، تو فرداً فرداً ہر ایک کے تعیین جرم کے ثبوت کی حاجت نہیں۔ محض اُس گروہ سے وقوع جرم کا ثبوت کافی ہے۔ اس لیے کہ جتھے کے کسی فرد نے بھی جو کچھ کیا ہے، جتھے ہی کی قوت کے بھروسہ پر کیا ہے چنانچہ قتل بالفرض رہزنوں کی جماعت میں سے کسی ایک نے بھی کیا ہے، تو محاربہ میں بہرحال پورا جتھا شریک ہوا اور قصاص میں قتل سب ہوں گے۔ فان باشر القتل احدھم اجری الحد علیھم باجمعھم لانہ جزاء المحاربہ (ہدایہ) ان باشر القتل احدھم یجب الحد علی الجمیع (شرح وقایہ)

ف۱۲۷ (اور یہ نہ سمجھا جائے کہ دُنیا کی سزا ایسے مجرموں کے لیے کافی ہوگی) یہیں سے فقہائے حنفیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ اجرائے حد کفارۂ معصیت کے لیے کافی نہیں۔ یدل علی ان اقامۃ الحد علیہ لا تکون کفارۃ للذنوبہ (جصاص) والآیۃ اقوٰی دلیل لمن یقول ان الحدود لا تسقط العقوبۃ فی الاخرۃ (روح) اور یہی مذہب مالکیہ کا بھی ہے۔ واذا خرج المحاربون فاقتتلوا مع القافلۃ فقتل بعض المحاربین و لم یقتل بعض قتل الجمیع (قرطبی)

ف۱۲۸ (اس لیے وہ توبہ کرنے والوں سے حد بھی ساقط کیے دیتا ہے) اب نہ ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے، نہ سولی اور نفی فی الارض (حبس) کا اختیار باقی رہے گا۔ یہ متعین حدود جو اللہ کی مقرر کی ہوئی تھیں، توبہ کے بعد ساقط ہو جائیں گی۔ اور کوئی دعوٰی اور مطالبہ اب حکومت اسلامی کی طرف سے باقی نہیں رہے گا البتہ وارثوں اور مدعیوں کو اب بھی اختیار ہے کہ خواہ معاف کر دیں، خواہ مال پر صلح کر لیں، خواہ خون کے بدلہ میں خون کا مطالبہ کریں اب معاملہ صرف بندوں کے درمیان رہ گیا۔ وان اخذ بعد ما تاب و قد قتل عمدًا فان شاء الاولیاء قتلوہ وان شاءوا عفوا عنہ لان الحد فی ھٰذہ الجنایۃ لایقام بعد التوبۃ (ہدایہ) و متی سقط الحد المذکور فی الآیۃ و جبت حقوق الآدمیین فی المال والنفس والجراحات (جصاص) فان کان قد قتل فان شاء الاولیاء قتلوہ و ان شاءوا عفوا عنہ لان ھذا القتل قصاص فصح العفو عنہ والصلح بہ (فتح القدیر) تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْھِمْ۔ توبہ کے تحقق کے لیے یہ شرط ضروری ہے کہ اس کا وجود مجرموں پر قابو پائے جانے سے پہلے پایا جائے بغیر اس کے صدق توبہ اور اخلاص ثابت نہ ہوگا۔ فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ توبہ محض زبانی ولفظی کافی نہیں۔ عملی علامتیں بھی اصلاح حال اور صدق توبہ کی ظاہر ہونی چاہیے۔ حتٰی یتوب لا بالقول بل بظھور سیماء الصلحاء (درمختار)

ف۱۲۹ یعنی اُس کے احکام کی نافرمانی سے ڈرو اور بچو۔ تقوٰی ہی ایسی چیز ہے، جو جاہ ومال کی ہر حرص بیجا سے بچا سکتا ہے۔

ف۱۳۰ (طاعتوں کے ذریعہ سے) وسیلۃ کے معنی قرب کے ہیں۔ اہل لغت اور تابعین سب سے یہی معنی مروی ہیں۔ یعنی بالوسیلۃ القربۃ (ابن جریر) توسلت الی فلان بکذا بمعنی تقربت الیہ (ابن جریر) الوسیلۃ القربۃ التی ینبغی ان یطلب بھا (قرطبی) الوسیلۃ ھی القربۃ عن ابی وائل والحسن و مجاھد و قتادہ و عطاء والسدی و ابن زید و عبداللہ بن کثیر (قرطبی) الوسیلۃ القربۃ الزلفۃ یقال توسل الی ھکذا ای تقرب (ابن تیمیہ) اور قرب کا بہترین ذریعہ احکام الٰہی کی تعمیل ہے۔ اطلبوا الیہ القرب فی الدرجات بالاعمال الصالحۃ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) استعیرت لما یتوسل بہ الی اللہ تعالٰی من فعل الطاعات و ترک السیئات (مدارک) فالمراد طلب الوسیلۃ الیہ فی تحصیل مرضاتہ و ذٰلک بالعبادات و الطاعات (کبیر) و حقیقۃ الوسیلۃ الی اللہ تعالٰی مراعاۃ سبیلہ بالعلم والعبادۃ و تحرّی مکارم الشریعۃ و ھی کالقربۃ (راغب) جن لوگوں نے وسیلہ کے تحت میں بزرگانِ دین کی استعانت اور انبیاء واولیاء سے استغاثہ جائز رکھا ہے، انہوں نے عربی کے وسیلہ (بہ معنی قرب) کو اُردو کے وسیلہ (بہ معنی

ذریعہ) کا مرادف سمجھ لیا ہے۔ اور ایسی شدید و فاحش غلطیاں نادر نہیں، کثیر الوقوع ہیں۔ علامہ آلوسی نے بڑے بسط و تفصیل سے اس موضوع پر گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ و اما اذا کان المطلوب منه میتًا او غائبًا فلا یستریب عالم انه غیر جائز وانه من البدع التی لم یفعلها احدٌ من السلف (روح) (میت یا غائب شخص سے دعا کرانے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو بھی شک نہیں۔ اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا ارتکاب سلف میں کسی نے بھی نہیں کیا ہے) اور لکھا ہے کہ:۔ ولم یرو عن احد من الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم و هم احرص الخلق علٰی کل خیر انه طلب من میتٍ شیئًا (حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر نیکی اور ثواب کا حریص اور کون ہوا ہے، لیکن کسی ایک صحابی سے بھی منقول نہیں کہ انہوں نے صاحب قبر سے کچھ طلب کیا ہو) صحابیوں میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اتباع سنت ضرب المثل کی حد تک شہرت رکھتا ہے، ان کی حالت میں تھی۔ قد صحّ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انه کان یقول اذا دخل الحجرة النبوية زائرًا السلام علیک یا رسول الله السلام علیک یا ابابکر السلام علیک یا ابت ثم ینصرف ولا یزید علٰی ذٰلک ولا یطلب من سید العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم او من ضجیعیه المکرمین شیئًا وهم اکرم من ضمته البسیطة وارفع قدرًا من سائر من احاطت به الافلاک المحیطة۔ (جب روضہ نبوی میں زیارت کے لیے داخل ہوتے، تو صرف اس قدر کہتے کہ السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابا بکر، السلام علیک ابا جان، اور اس سے زائد کچھ نہ کہتے نہ کچھ مانگتے

عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٤﴾ يٰٓاَيُّهَا

قابو پاؤ تو جانے رہو کہ بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۱۲۸ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

ایمان والو اللہ سے ڈرو ف۱۲۹ اور اُس کا قرب تلاش کرو ف۱۳۰

وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ

اور اُس کی راہ میں جدوجہد کرو ف۱۳۱ تاکہ (ہر طرح) فلاح پاؤ ف۱۳۲ بیشک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

جو لوگ کافر ہیں اگر اُن کے پاس ساری دنیا کی چیزیں ہوں، اور اتنی ہی اُن کے پاس

وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اور بھی ہوں، تاکہ وہ انہیں معاوضہ میں دے کر قیامت کے دن عذاب سے چھوٹ جائیں،

مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيْدُوْنَ

تو وہ ان سے (ہرگز) قبول نہ کی جائے گی، اور ان کے لئے عذاب دردناک (ہی) ہے ف۱۳۳ چاہیں گے

اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ

کہ نکل آئیں آگ سے حالانکہ اس سے (کبھی) نہ نکل پائیں گے،

وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ

اور اُن کے لئے مستقل عذاب ہے ف۱۳۴ اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت،

فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ

دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو ف۱۳۵ ان کے کرتوتوں کے عوض میں، اللہ کی طرف سے بہ طور عبرت ناک سزا کے، ف۱۳۶

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ

اور اللہ بڑا قوت والا ہے، بڑا حکمت والا ہے، ف۱۳۷ پھر جو شخص اپنی حرکت ناشائستہ کے بعد توبہ کر لے،

ع ۸

نہ سرور عالم سے نہ اُن کے اُن اکرم مقربین سے۔ درآنحالیکہ سارے زمین و آسمان کی مخلوقات میں اُن سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے) روضہ مبارک کے سامنے دعا کرنے سے بڑھ کر کون سی شے مقبول ہو سکتی ہے، لیکن فقد کانت الصحابة تدعوا الله تعالٰی هناک مستقبلین القبلة و لم یرو عنهم استقبال القبر الشریف عندالدعاء مع انه افضل من العرش یہاں بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی ہی سے دعا کرتے تھے قبلہ رخ ہو کر۔ اور یہ نہیں کرتے تھے کہ دُعا کرتے وقت قبر شریف کی طرف منہ کر لیں باوجود اس کے کہ وہ مقام عرش سے بھی افضل ہے) اور تو اور سلام پڑھتے وقت تک کے لیے۔ واختلف الائمة فی استقباله عندالسلام فعن ابی حنیفة انه لا یستقبل بل یستدبر ویستقبل القبلة (ائمہ میں اختلاف ہے کہ منہ کس طرف رکھنا چاہیے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ اس موقع کے لیے بھی یہی ہے کہ منہ قبر شریف کی طرف نہ کرے، بلکہ اُدھر پشت رکھے اور چہرہ قبلہ شریف کی طرف رہے) غرض یہ کہ بعض اہل بدعت نے لفظ وسیلہ سے جو اپنے لیے پناہ ڈھونڈی ہے، وہ سرتاسر بودی اور بے بنیاد ہے۔ ف۱۳۱ وسیلہ ہی کی طرح عربی کے جہاد کو بھی لوگوں نے اُردو کے جہاد کے مفہوم میں لے رکھا ہے۔ اُردو میں جہاد ایک دینی اصطلاح کی حیثیت سے صرف قتال فی سبیل اللہ کے معنی میں مخصوص ہو چکا ہے۔ عربی میں یہ حصر و تحدید صحیح نہیں۔ عربی میں جہاد کا مفہوم بہت وسیع اور عام ہے۔ ہر سخت کوشش جو کسی بھی دینی غرض سے کی جائے، خاص کر دشمنانِ دین کے مقابلہ میں اصطلاحِ قرآنی میں جہاد کا درجہ رکھتی ہے۔ الجهاد و المجاهدة استفراغ الوسع فی مدافعة العدو (راغب) و هو المبالغة والاستفراغ ما فی الوسع والطاقة من قولٍ او فعلٍ (تاج) اور جہاد جس طرح میدانِ جنگ میں تیغ و تفنگ سے ہو سکتا ہے، اُسی طرح جہاد مال و دولت سے اور قلم و زبان سے بھی ہو سکتا ہے۔ ف۱۳۲ فلاح کا لفظ دنیوی، اُخروی، مادّی و روحانی ہر طرح کی کامیابیوں اور کامرانیوں پر شامل ہے۔ لیس فی کلام العرب کله اجمع من لفظة الفلاح لخیری الدنیا والأخرة کما قاله ائمة اللسان (تاج) اور سب سے بڑی کامیابی رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ لعل پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں کہ جب اس کا استعمال حق تعالٰی کی زبان سے ہوتا ہے، تو معنی میں مفہوم شک واحتمال کا باقی نہیں رہتا، بلکہ یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ ف۱۳۳ توحید و رسالت کی طرح معاد و آخرت کے مسئلہ میں اہل جاہلیت سیکڑوں غلطیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ انہی میں سے ایک بڑی اہم غلطی یہ ہے کہ وہاں کے معاملات کو بھی دنیا پر قیاس کر کے یہ سمجھا جاتا ہے، کہ جس طرح یہاں کی عدالتوں، دفتروں، محکموں میں لین دین سے کام چلا لیا جاتا ہے۔ ایسے ہی نذرانوں، رشوتوں کی گرم بازاری وہاں بھی ہو گی، اور ہر خطا و لغزش پر کسی نہ کسی مالی معاوضہ سے قلم پھیر دیا جا سکے گا۔ قرآن مجید کو اس عالمگیر غلطی کی بار بار تردید کرنی پڑی، اور بتانا پڑا ہے کہ کفر کا فدیہ یا کفارہ آخرت میں کسی مال و دولت سے بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ اَنَّ لَهُمْ۔ ان لکل واحد منهم کے معنی میں ہے۔ یعنی ان میں سے ایک ایک کے پاس بھی اگر اتنا مال ہوتا۔ مَعَهٗ میں ضمیر واحد غائب اسی مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا کی طرف ہے۔ لَوْ۔ یہ حرف اکثر جس عبارت پر آتا ہے، اس سے مراد ایک اَن ہونی بات بہ طور فرض محال کے ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی یہی مراد ہے کہ اس فرض محال پر بھی کوئی صورت عذاب سے نجات کی نہ ہو سکے گی۔ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ اس کے تحت میں وہ سب کچھ آ گیا، جو ذہن انسانی میں سما سکتا ہے۔ ف۱۳۴ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ وہ عذاب پائدار و مستقل ہے، جو کبھی ہٹنے والا اور مٹنے والا نہیں۔ معناه دائم ثابت لا یزول ولا یحول (قرطبی) عذاب دائم ثابت لا یزول عنهم ولا ینتقل ابدًا۔ (ابن جریر) يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ عذاب اور وہ بھی عذاب الیم!...... ظاہر ہے کہ دوزخیوں کو کیسی کچھ تڑپ، کیسی کچھ حسرت، کیسی کچھ تمنا اس عذاب سے نکل بھاگنے کی ہو گی! مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ اس ارشاد سے اُن حسرت نصیبوں کی حسرت نصیبی پر گویا مہر لگ گئی۔ عذاب سے نکلنے کا نہ کوئی امکان ہے، نہ کوئی تدبیر کام دے سکتی ہے۔ بلکہ اب یہ بھی سنا دیا گیا کہ یہ عذاب جس درجہ کا شدید و ہولناک ہو گا، اسی طرح لازوال بھی ہو گا...... اشد ادعذاب قبل کی آیت

میں بیان ہو چکا، اشد اور عذاب اب بتادیا گیا۔ اس عذاب دائمی کی خصوصیت چونکہ کافروں کے ساتھ بیان ہوئی، اس سے متکلمین نے یہ نتیجہ اور صحیح نتیجہ نکالا ہے کہ مخلص کلمہ گو ہر صورت عذاب سے مخلصی پا جائے گا۔ احتج اصحابنا بھذہ الأیة علی ان اللہ تعالٰی یخرج من النار من قال لا الٰہ الا اللہ علی سبیل الاخلاص (کبیر) اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات بھی خوب فرمائی ہے کہ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ کی ترکیب خود حصر پر دلالت کر رہی ہے۔ یعنی یہ عذاب دائمی صرف کافروں کے لیے ہوگا، نہ کہ غیر کافروں کے لیے۔ و ھٰذا یفید الحصر فکان المعنی و لھم عذابٌ مقیم لا لغیر ھم (کبیر) ف۱۳۵ (اے حکام) اجرائے حدود شرعی وقصاص کا حق صرف اہل حل وعقد یا حکومتِ اسلامی کے حکام ہی کو حاصل رہتا ہے، اس لیے خطاب بھی قدرۃً انہی سے ہے۔ خطاب مع قوم فیحتمل ان یکون والفاعلی شخص متعین منھم و ھو امام الزمان کمایذھب الیہ الاکثرون (کبیر) اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ۔ لاکر یہ بتادیا گیا ہے کہ مجرم قابل تعزیر کی حیثیت سے مرد وعورت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ یہ نہ ہوگا کہ مجرم اگر عورت ہے تو اس کی سزا کچھ بڑھادی جائے یا عورت ہونے کی بنا پر اس کی سزا کچھ گھٹا دی جائے...... دوسری قوموں کے قانون میں مرد وعورت کے درمیان سزا کی عدم مساوات کی مثالیں کثرت سے ملیں گی۔ سرقہ اپنے لغوی معنی میں تو مطلقاً ہر چوری کو کہیں گے۔ لیکن اصطلاح شریعت میں اس سے مراد ہوتی ہے غیر کے مال کو کسی خاص جگہ سے اور کسی خاص مقدار میں چرا کر لینا۔ السرقة اخذ ما لیس لہ اخذہ فی خفاء و صار ذٰلک فی الشرع لتناول الشیء من موضع مخصوص و قدر مخصوص (راغب) قد ثبت عندنا ان الحکم متعلق بمعنی غیر الاسم یجب اعتبارہ فی ایجابہ و ھو الحرز والمقدار (جصاص) ان دو قیدوں کے لگ جانے سے ایسی بیسیوں چیزیں جو ہر جگہ اور ہر مقدار میں مل جاتی ہیں، ان کی چوری، چوری کی فقہی تعریف سے خارج ہوگئی۔ پھر چوری کے ثبوت کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک جرم کا اقرار، دوسرے عادل گواہوں کی شہادت السرقة انما تظھر باحد الامرین اما بالبینة او بالاقرار (محیط) جس چوری پر حد جاری ہوگی، اس کی مالیت حنفیہ کے ہاں کم از کم ایک دینار یا دس درہم کی ہونا چاہیے۔ اور اس چیز کو کسی محفوظ مقام میں ہونا چاہیے۔ اور خود وہ چور جس پر حد واجب ہوگی، اُسے عاقل وبالغ ہونا چاہیے۔ اذا سرق العاقل البالغ عشرة دراھم او ما یبلغ قیمتہ عشرة دراھم مضروبة من حرز لاشبھة فیہ وجب القطع (ہدایہ) حفاظت عرف عام کے تابع ہے، کوئی جامع ومانع معیار اس کا خارج میں موجود نہیں۔ الحرز ھو مانصب عادةً لحفظ اموال الناس و ھو یختلف فی کل شیء بحسب حالہ (قرطبی) فقہاء نے اور بھی متعدد شرطیں، کتاب وسنت کے مزاج کو سمجھ کر اور انہی سے اخذ کر کے لگائی ہیں، حنفی فقہ میں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔ ا۔ چور عاقل وبالغ ہو۔ بچہ اور مجنون پر حد نہیں ہے۔ (۲) مال نظر بچا کر لے گیا ہو، کھلے خزانہ چھین جھپٹ کر نہ لے گیا ہو۔ غاصب اور اُچکے کی سزائیں دوسری ہیں، حد سرقہ نہیں۔ (۳) مال کسی کی ملک ہونا چاہیے۔ غیر مملوک مال (مثلاً کفن جو کسی کی ملک نہیں ہوتا) کی چوری سرقہ مستوجب الحد کی تعریف میں نہ آئے گی۔ (۴) مال کسی غیر کی غیر مشترک ملک ہو۔ چور کے اپنے مال کے ساتھ مخلوط ومشترک نہ ہو۔ شوہر، بیوی، اولاد وغیرہ پر حد اسی لیے جاری نہ ہوگی، کہ اُن کے مال کے ساتھ خلط واشتراک رہا کرتا ہے۔ (۵) مال کسی حد اور درجہ تک حفاظت میں ہو، خواہ حقیقۃً (مثلاً کسی سپاہی، چوکیدار وغیرہ کے پہرہ میں) خواہ حکماً (مثلاً مکان کے اندر، صندوق کے اندر وغیرہ) سر راہ کھلے اور پڑے ہوئے مال کے اُٹھا لینے پر حد سرقہ جاری نہ ہوگی۔ چوکیدار، پہرہ دار وغیرہ اگر چوری کریں، تو وہ خیانت کی دفعہ میں ملزم ہوں گے۔ حد سرقہ کے مستوجب نہ ہوں گے۔ علماء متکلمین نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ اُمت کے لیے نصب امام ضروری ہے۔ اس لیے کہ اجرائے حدود کا حکم درجہ فرض میں ہے، اور اجراء کی صورت اجماع اُمت سے طے ہو چکا ہے کہ افراد سے ممکن نہیں۔ اس لیے امام معین کا ہونا لازمی ہے۔ احتج المتکلمون بھذہ الأیة فی انہ یجب علی الامة ان ینصبوا لانفسھم اماماً معیناً والدلیل علیہ انہ تعالٰی او جب بھذہ الأیة اقامة الحد علی السراق والزناة فلا بد من شخص یکون مخاطباً بھذا الخطاب واجمعت الامة علی انہ لیس لأحاد الرعیة اقامة الحدود علی الجناة بل اجمعوا علی انہ لا یجوز اقامة الحدود علی الاحرار الجناة الاللامام (کبیر) فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا۔ چوری کی سزا میں پہلی بار داہنا ہاتھ پہونچے سے کاٹا جائے گا۔ دوسری بار کی چوری میں بایاں پیر ٹخنہ سے قطع کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد کی چوریوں میں فقہاء نے سنت ہی سے اخذ کر کے لکھا ہے کہ اب مزید سزا قطع اعضاء کی نہیں، بلکہ قید کی دی جائے گی۔ چوری کی سزا، قطع ید، عرب میں قبل سے جاری تھی۔ اسلام نے آکر اسے قائم رکھا، اور اس میں چند قیود وشرائط کا اضافہ کر دیا۔ و قد کان القطع معمولاً بہ فی الجاھلیة فقرر فی الاسلام ویزید شروط اُخر۔ (ابن کثیر) دنیا کے اور قانونوں اور دوسری تہذیبوں میں بھی چوری کی یہ سزا کہیں تو ایک طویل مدت کی اسیری رہی ہے، اور کہیں جلاوطنی اور کہیں قطع اعضاء اور کہیں پھانسی یا اور کسی طریقہ سے ہلاکت رہی ہے۔ ف۱۳۶ جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا۔ چوری شریعت اسلامی میں ایک بدترین جرم ہے۔ اسلام نے فرد و جماعت دونوں کے لیے امن وامان اور سکون خاطر کا جو بہترین وکامل ترین نظام قائم کیا ہے، چور اُس میں رخنہ ڈالنا، اور اس ساری فضا کو درہم وبرہم کر ڈالنا چاہتا ہے آیت کے اس ٹکڑے نے واضح کر دیا کہ چوری کا بد بخت مجرم ہے ہی ایسی سخت سزا کا مستحق۔ شریعت موسوی کا قدم بھی اس باب میں کچھ پیچھے نہیں، کچھ آگے ہی ہے نقب زن کی جان سے امان اُٹھ جاتی ہے۔ کوئی اگر اُسے قتل کر ڈالے تو اُس کے خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا۔ ''اگر چور سیند مارتے ہوئے دیکھا جائے اور کوئی اُسے مار بیٹھے اور وہ مر جائے، تو اُس کے لیے خون نہ کیا جائے گا''۔ (خروج۔ ۲:۲۲) اجازت ہی نہیں، ایک جگہ تو حکم تک نقب زن کے قتل کا ملتا ہے:۔ ''اگر کوئی شخص اپنے بھائیوں بنی اسرائیل میں سے کسی کو چرانے میں پکڑا جائے اور اس کا بیوپار کرے یا اُسے بیچ ڈالے تو چور مارا جائے۔ اور تو شر کو اپنے درمیان سے دفع کر''۔ (استثناء۔ ۲۴:۷) نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ۔ نکال کہتے ہیں ایسے عذاب وسزا کو جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔ ای ما یوجب ان ینکل بہ عن ذٰلک الفعل (قرطبی) ای عظة من اللہ بما عوقبا بہ لمن راٰھما (ابن تیمیہ) فلسفہ تعزیر کے واقفین جانتے ہیں کہ مجرم کے لیے سزا کی تجویز کرنے میں دو بڑے پہلو پیش نظر ہوتے ہیں:۔ ایک انتقامی۔ یعنی مظلوم یا مستغیث کے جذبات کی تسکین۔ دوسرے انتظامی۔ یعنی آئندہ کے ممکن مجرموں کی حوصلہ فرسائی وہمت شکنی۔ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ۔ اسی دوسرے پہلو کی تاکید وتقویت کے لیے ہے۔ اور پھر مِنَ اللّٰهِ سے اشارہ یہ بھی ہو گیا، کہ یہ خدائی فیصلہ ہے۔ بندوں کو اس میں ترمیم وتنسیخ کا حق حاصل نہیں۔ جَزَآءً۔ نَكَالًا۔ دو لفظ الگ الگ آئے، اور دونوں مفعول لہٗ بلا عطف میں۔ علماء بلاغت نے کہا ہے کہ جزاء میں اشارہ حق العبد کے اتلاف کا ہے۔ اور نکال میں حق اللہ کے اتلاف کا۔ والجزاء اشارة الٰی ان فیہ حق العبد و النکال اشارة الٰی ان فیہ حق اللہ تعالٰی۔ (روح) ف۱۳۷ صفت عَزِيْزٌ لاکر یہ یاد دلادیا کہ اللہ حاکم مطلق ہے۔ وہ جس جرم کی جو سزا چاہے، مقرر کر دے، کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔ اور صفت حَكِيْمٌ سے اشارہ اس طرف کر دیا کہ اس کا کوئی سا بھی حکم حکمتوں، اور مصلحتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لیے اس نے چوری کی بھی سزا وہی مقرر کی، جو فرد اور جماعت دونوں کی مصلحتوں کے عین مطابق ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر اصمعی کے حوالہ سے یہ حکایت نقل کی ہے کہ میں ایک روز ایک بدوی عرب کے سامنے سورۂ مائدہ زبانی پڑھ رہا تھا، یہ آیت آئی، اور یہاں سہواً میری زبان سے غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ نکلا۔ بدوی نے کہا کہ یہ کس کا کلام ہے؟ میں نے کہا کلام الٰہی ہے۔ اس پر وہ بولا، کہ اسے دوبارہ پڑھو۔ میں نے پھر پڑھا، اور اب مجھے تنبیہ ہوگئی کہ بجائے عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ کے میری زبان سے غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ نکل گیا تھا۔ بدوی نے کہا کہ بیشک اب ٹھیک پڑھا۔ میں نے کہا تمہیں کیسے پتہ چلا۔ اُس نے جواب دیا کہ سیاق کلام سے۔ یہاں جب ذکر سزا وعقاب کا ہے، تو عین مقتضائے بلاغت یہی ہے کہ صفات بجائے غفور و رحیم کے عزیز و حکیم ہی لائی جائیں۔ ف۱۳۸ (رحمت کے ساتھ یوں کہ پچھلا گناہ معاف کر دے گا، اور توبہ پر استقامت کی بھی توفیق دے گا) فَمَنْ تَابَ یہ توبہ قاعدۂ شریعت کے مطابق ہونا چاہیے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ چرائی ہوئی چیز مالک کو واپس کر دینا چاہیے، اور اگر تلف ہو چکی ہو تو اُس کا تاوان مالک کو دے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو، تو مالک سے معاف کرانے کی کوشش کرے، کہ یہ سب شرائط تکمیل توبہ میں سے ہیں۔ سزائے قطع ید جو حق العباد کی اتلاف کی سزا ہے، محض توبہ سے معاف نہیں ہو جاتی۔ فاما القطع فلا یسقط عنہ بالتوبة عند الاکثرین (معالم) والقطع لا یسقط بالتوبة (قرطبی) لم یسقطہ شیء ولا توبة السارق (ابن العربی) و قال الجمھور لا یسقط عنہ ھٰذا الحد (کبیر) حنفیہ ومالکیہ کا اس پر

اتفاق ہے۔ البتہ امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ کے ایک قول میں اس سے اختلاف نقل ہوا ہے اور ایک گروہ نے اس پر استدلال اس سے کیا ہے کہ آیت کے آخر میں غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ جو آ گیا ہے۔ قال بعض العلماء التابعین یسقط عنه الحدلان ذکر الغفور الرحیم فی اٰخر هٰذه الاٰیة (کبیر) فقیہ مفسر ابن العربی مالکی نے اس موقع پر شافعیہ کو مخاطب کر کے جو کچھ لکھا ہے (احکام القرآن، جلد اول۔ صفحہ ۲۵۴) وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ وَاَصْلَحَ۔ یعنی آئندہ کے لیے ایسی عادتیں اور حرکتیں چھوڑ دے۔ توبہ کا تعلق ماضی سے تھا۔ اور اصلاح حال کا تعلق مستقبل سے ہے۔ باریک بین فقہاء نے لفظ وَاَصْلَحَ سے یہ بھی استنباط کر لیا ہے کہ مجرم نے جب توبہ کر کے اپنی حالت کی اصلاح کر لی، تو اب اس پر طعن جائز نہیں۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ توبہ کا معتبر ہونا اصلاح پر موقوف ہے۔ مثلاً سرقہ وغیرہ کا مال بہ شرط امکان واپس کر دینا، ورنہ مالک سے معاف کرا لینا، اور جب مالک نہ معلوم ہو تو اللہ کی راہ میں تصدق کر دینا۔ **ف۱۳۹** چنانچہ صفت غفر کے تقاضہ سے اُس نے پچھلا گناہ معاف کر دیا۔ اور صفت رحمت کے تقاضہ سے آئندہ کے لیے توفیق تقویٰ دے دی۔ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے آیت میں ان صفات کے آنے سے جو موقع مدح پر لائی گئی ہیں، معتزلہ کے رد میں یہ استدلال کیا ہے کہ توبہ کی قبولیت اللہ کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہے۔ واجب ہوتی تو یہ فضل واحسان کو یاد دلانے والی صفات نہ لائی جاتیں۔ دلت الاٰیة علیٰ ان قبول التوبة غیر واجب علی اللّٰه تعالیٰ لانه تعالیٰ تمدح بقبول التوبة والتمدح انما یکون بفعل التفضل والاحسان لاباداء الواجبات (کبیر) **ف۱۴۰** (اے مخاطب!) پھر یاد دلا دیا ہے کہ جس نے یہ سزائیں تجویز کی ہیں، بس وہی ایک مالک حقیقی اور قادر تحقیقی ہے۔ الم تعلم میں خطاب عام ہر انسان کے لیے ہے۔ قیل معناه الم تعلم ایها الانسان فیکون خطابا لکل واحد من الناس (معالم) **ف۱۴۱** (اور کوئی چیز اس پر قدرت نہیں رکھتی) وہ حاکم مطلق ہے، آمر علی الاطلاق ہے۔ وہ کسی قانون سے مجبور نہیں کہ مجرم کو ہمیشہ سزا ہی دے۔۔۔ اس میں تردید آ گئی ہندی مشرکوں کے قانون "کرم" (ناگزیر مکافاتِ عمل) کی۔ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ۔ لیکن وہ سزا اسی کو دیتا ہے جو سزا ہی کے لائق ہوتا ہے۔ اس کی حکمت کاملہ خود ہی جانچ کر لیتی ہے کہ کون کس لائق ہے۔ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ یہ معافی چاہے صرف آخرت میں، چاہے دونوں جگہ۔ **ف۱۴۲** یعنی آپ ایسے لوگوں کی باتوں سے رنج نہ قبول کریں۔ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ۔ قرآن مجید جیسی قیامت تک باقی رہنے والی کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر صیغۂ غائب میں صرف الرسول والنبی سے، اور صیغۂ حاضر میں ایها الرسول اور ایها النبی سے بغیر صفات کے لانا بجائے خود اس امر کی طرف مشیر ہے کہ اب کوئی دوسرا شخص وصف نبوت و رسالت میں شریک آنے والا نہیں۔ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ۔ یعنی کفریات کی طرف بے تکلف اور بہ شوق و رغبت لپکتے ہیں۔ یُسَارِعُوْنَ مضارع ہے مسارعة، باب مفاعلة سے۔ مراد یہ ہے کہ یہ لوگ کفر کی جانب ایسے ساعی ہیں کہ گویا ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتے ہیں۔ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ تو قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے۔ لیکن یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ سے مخاطبت صرف دو ہی جگہ وارد ہوئی ہے۔ ایک یہاں، اور دوسری جگہ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ میں، اور یہ طرز خطاب شرف و تعظیم کے لیے ہے۔ وهٰذا الخطاب لاشک انه خطاب تشریف و تعظیم (کبیر) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیت سے اہل طریق کی اس عادت کی اصل نکلتی ہے کہ اہل اعراض کی بدحالی پر کچھ زیادہ فکر نہیں کرتے۔ **ف۱۴۳** ظاہر ہے کہ مراد منافقین ہیں۔ زبان پر دعوی ایمان، دل میں ایمان کا گزر نہیں، مِنَ الَّذِیْنَ میں مِن بیانیہ ہے۔ مراد ہے من المنافقین۔ اور اسی پر عطف ہے، مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا کا جو ابھی آ رہا ہے۔ **ف۱۴۴** منافقین اور یہود دونوں قسم کے لوگوں میں وصف مشترک یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹ اور باطل کے بڑے سننے والے اور قبول کرنے والے ہیں۔ سَمّٰعُوْنَ میں سمع قبول کرنے کے معنی میں ہے، اور عربی میں یہ استعمال عام ہے۔ والسمع یستعمل و یراد منه القبول (کبیر) ای قابلون لما تفتریه الاحبار (بیضاوی) لِلْکَذِبِ کے معنی لاجل الکذب کے بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ خبریں اس لیے سنتے ہیں کہ جھوٹ بولیں اور غلط شہرت دیں۔ ای یسمعون منک لکی یکذبوا علیک (کبیر) **ف۱۴۵** (بربنائے کبر و بغض) تجافوا عنک تکبرا و افراطا فی البغضاء (بیضاوی) یعنی کچھ تو ایسے ہیں جو بربنائے کبر و بغض آپ کی خدمت میں آتے ہی نہیں، مثلاً یہود خیبر۔ اور کچھ ایسے ہیں جو آپ کی مجلس میں حاضر تو ہوتے ہیں، لیکن طلب حق کی غرض سے نہیں، بلکہ مثل مخبروں اور جاسوسوں کے کہ دوسروں سے لگائی بجھائی کریں۔ **ف۱۴۶** یہ وصف اُنہی اکابر یہود کا بیان ہوا، جو فرط عداوت و کبر سے خود تو بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے نہ تھے، اور جب موقع دیکھتے تو اپنے ہاں کے کلام الٰہی میں تحریف سے بھی نہ چوکتے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہود اپنے ہاں کی زناکاری کا ایک مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے آپ نے فرمایا کہ توریت میں حکم سنگساری کا موجود ہے، اُسی کے مطابق سزا جاری کرو۔ وہ ظالم اس سزا ہی کو چھپا گئے۔ **ف۱۴۷** یعنی اس کے مان لینے کا اقرار نہ کرنا۔ یَقُوْلُوْنَ۔ یعنی یہ لوگ اپنے والوں سے، اپنے جتھے کے لوگوں سے، جنہیں یہ مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھیجتے رہتے تھے، کہتے ہیں۔ هٰذَا۔ یعنی یہ حکم محرف۔ اصلی اور آسمانی حکم کے بجائے ان کا اختراعی حکم۔ فَخُذُوْهُ یعنی اس کے ماننے کا اقرار کر لینا۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیت سے اُس شخص کی مذمت نکل رہی ہے جو اہل علم کی طرف رجوع اس غرض سے نہیں کرتا کہ مسئلہ پر عمل کرے گا۔ بلکہ اس اُمید پر کرتا ہے کہ اگر اس کی مرضی کے موافق قول مل گیا تو اس کو اپنی بدنامی کی سپر بنا لے۔

وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اور اپنی اصلاح کر لے، تو بیشک اللہ اس پر توجہ کرے گا ف۱۳۸ بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے،

رَّحِیْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

بڑا مہربان ہے ف۱۳۹ کیا تو نہیں جانتا کہ بس اللہ ہی کی حکومت آسمانوں اور زمین

وَالْاَرْضِ ؕ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ

میں ہے ف۱۴۰ وہ جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف کر دے

وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۰﴾ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا

اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ف۱۴۱ اے پیغمبر! آپ

یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ

کو وہ لوگ رنج میں نہ ڈالیں جو دوڑ دوڑ کر کفر میں پڑتے ہیں ف۱۴۲ (خواہ) ان میں سے ہوں جو

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ

اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ اُن کے دل ایمان نہیں لائے ف۱۴۳ (خواہ) اُن میں سے ہوں

الَّذِیْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ

جو یہودی ہیں جھوٹ کے بڑے سننے والے ف۱۴۴ سننے والے دوسرے لوگوں کی

اٰخَرِیْنَ ۙ لَمْ یَاْتُوْكَ ؕ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ

خاطر جو آپ کے پاس نہیں آتے ف۱۴۵ کلام کو اس کے صحیح موقعوں سے

مَوَاضِعِهٖ ۚ یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ

بدلتے رہتے ہیں ف۱۴۶ کہتے رہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ ملے تو قبول کر لینا

وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ

اور اگر یہ نہ ملے تو اس سے احتیاط رکھنا ف۱۴۷ اور جس کے لئے اللہ ہی کو گمراہی منظور ہو

ف۱۴۸ (کہ تو اس گمراہی کو پیدا ہونے سے روک دے، اے مخاطب!) وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ۔ اس ارادۂ اللہ کا ترتّب خود اس شخص کے عزم گمراہی پر ہوگا۔ مِنَ اللّٰهِ یعنی اللہ کے قانون تکوینی کے مقابلہ میں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ کی شفقت و توجہ بدون فضل و توفیق الٰہی کچھ نفع نہیں دیتی۔ **ف۱۴۹** (ان کے کفریات سے، اس لیے کہ یہ لوگ خود ہی اس کا عزم نہیں کرتے) مطلب یہ ہوا کہ جب یہ لوگ خود ہی اپنی اصلاح کا قصد نہیں کرتے، بلکہ اس کے برعکس یہ مصر ہیں، تو یہ عادات الٰہیہ تکوینیہ میں سے ہے کہ بندہ کے عزم فعل پر اُس فعل کی تخلیق بھی حق تعالیٰ کی طرف سے ہو جاتی ہے۔ اور اس قانون تکوینی کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس سے ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دے دی گئی۔ اور دوسری طرف معتزلہ کا رد بھی نکل آیا، جو خالق افعال اللہ کو نہیں، بندہ کو سمجھتے ہیں۔ **ف۱۵۰** عذاب آخرت کا ظہور تو آخرت میں ہوگا۔ لیکن دنیا کے عذاب تفضیح کا ظہور تو اس شد و مد سے چند ہی روز کے اندر ہو کر رہا، کہ دوست دشمن سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ منافقین میں سے نفاق ایک ایک کا ظاہر ہو کر رہا۔ سب کے سب سوسائٹی میں حقیر و ذلیل ہوئے۔ رہے یہود، تو ان کے بڑے سے بڑے پُر قوت قبیلہ بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع، سب کے سب قید ہوئے، جلا وطن ہوئے، قتل ہوئے۔ **ف۱۵۱** سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ۔ یہ وصف یہود کے خواص و عوام دونوں کا بیان ہوا۔ سمع میں یہاں سننے کے ساتھ کذب و باطل کا قبول کرنا بھی داخل ہے۔ ابھی یہ لفظ آیت ماقبل میں گزر چکا ہے۔ دوبارہ زور و تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ كرّره تاكيدًا و تعظيمًا (قرطبی) كرّر للتاكيد (مدارک) اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ۔ سحت ہر حرام خوری کے لیے عام ہے۔ السحت الحرام او ما خبث من المكاسب (قاموس) و هو كل مالايحل كسبه (مدارک) یہاں مراد رشوت ہے اور یہی معنی اب اس کے خاص ہو گئے ہیں۔ سمی الرشوة فی الحكم سحتا (تاج) سمی الرشوة سحتا (راغب) قال الزجاج سميت الرشوة التی كانوا ياخذونها بالسحت (کبیر) و فی الحديث هو الرشوة فی الحكم (مدارک) هو الرشوة (ابن کثیر) یہ وصف یہود کے خواص و اکابر کا بیان ہو رہا ہے جو رشوت اور نذرانے لے کر غلط سلط احکام بتانے اور مسائل کے مسخ کر ڈالنے کے عادی ہو گئے تھے خود اُن کی کتاب آسمانی میں اُن کو عدل پر قائم رہنے اور رشوت نہ لینے کے باب میں حکم یہ ملا تھا کہ "اپنے سارے فرقوں میں قاضی اور حاکم مقرر کیجیو۔ وہ انصاف سے لوگوں کی عدالت کریں تو عدالت میں مقدمہ مت بگاڑیو۔ تو طرفداری نہ کیجیو اور نہ رشوت لیجیو کہ رشوت دانشمند کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے۔ اور صادق کی باتوں کو پھیرتی ہے۔" (استثناء۔ ۱۶: ۱۸۔ ۱۹) لیکن اُنہی کے بزرگوں نے تالمود میں احکام یہ جاری کر دیئے تھے، کہ جب کسی مقدمہ میں ایک فریق اسرائیلی ہو، اور دوسرا غیر اسرائیلی، تو اگر اسرائیلی کے موافق فیصلہ یہودی شریعت کے مطابق ہو سکتا ہے تو وہی کر دو۔ اور یہ کہہ دو کہ یہی ہمارا قانون ہے۔ اور اگر اس کے موافق فیصلہ غیر اسرائیلی قانون کے مطابق ہو سکتا ہو، تو یہی کر دو۔ اور غیر اسرائیلی سے کہہ دو کہ تمہارے ہاں کا ضابطہ یہی ہے۔ اور اگر ایسا فیصلہ دونوں ضابطوں میں سے کسی ضابطہ سے بھی نہ ہو رہا ہو تو کسی حیلہ سے کام لو"۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت اللہ کی رحمت پر بڑی دلیل ہے کہ اس میں مذمت کو کثرت و عادت معصیت پر مرتب فرمایا۔ سرسری خطا پر مذمت نہیں فرمائی جس سے عادۃً کوئی خالی نہیں ہوتا۔ یہی شان ہوتی ہے مشائخ اہل تربیت کی کہ خفیف اُمور سے تسامح کرتے ہیں۔ **ف۱۵۲** (آپ کو دونوں چیزوں کا اختیار ہے، جیسی بھی آپ کو مصلحت معلوم ہو) فَاِنْ جَآءُوْكَ یعنی جب یہ کوئی مقدمہ معاملہ لے کر آپ کے پاس آئیں۔ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب حاکم اور دنیوی حیثیت سے بھی آمر و مقتدر تھے۔ کچھ تو اس لیے بھی یہود کو اپنے معاملات آپ کے سامنے لامحالہ لانے پڑتے تھے، پھر یہ بھی تھا کہ بہت سے مسائل میں شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، شریعت یہود سے کہیں زیادہ نرم تھی۔ اس لالچ میں بہت سے یہود مدینہ اپنے قصے قضیے فیصلہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خدمت میں لایا کرتے تھے۔ فیصلہ واجب امیر اسلام پر تو ذمیوں ہی کے درمیان ہے۔ دوسرے کافروں کے لیے واجب نہیں، صرف جائز ہے، حسب ضرورت و مصلحت۔ هذا تخيير من الله تعالٰى ولا يجب علينا الحكم بين الكفار اذا لم يكونوا اهل ذمة بل يجوز الحكم ان اردنا (قرطبی) هذا التخيير مختص بالمعاهدين الذين لاذمة لهم (کبیر) **ف۱۵۳** (اور وہ قانونِ عدل اب منحصر ہے قانونِ اسلام میں) وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ آپ کا یہ ٹالنا بھی کسی مصلحت دینی ہی کے ماتحت ہوتا۔ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا اس لیے آپ اندیشہ نہ کریں کہ ناخوش ہو کر یہ لوگ آپ سے دشمنی نکالیں گے۔ بالقسط ای بالعدل الذی امرت به وهو ما تضمنه القراٰن واشتملت عليه شريعة الاسلام (روح) اختیار اس امر میں تو دیا گیا تھا کہ غیر ذمی کافروں کے درمیان فیصلہ کیا جائے یا نہ کیا جائے، لیکن فیصلہ اگر کیا جائے، تو یہ قطعی ہے کہ قانونِ شریعت ہی کے ماتحت کیا جائے۔ اس کا اختیار نہیں کہ فیصلہ کسی اور قانون کے مطابق کر دیا جائے۔ **ف۱۵۴** (اور اللہ جن کے ساتھ محبت کرتا ہے، ظاہر ہے کہ انہیں توفیق بھی حق پر قیام کی دیتا رہے گا) یہاں یہ یاد دلا دیا ہے کہ وہ لوگ کیسے ہی اہل جور ہوں، آپ بہر حال ان کے معاملہ میں بھی طریق حق و عدل سے ذرا تجاوز نہ کیجئے۔ بالقسط ای بالحق والعدل وان كانوا ظلمة خارجين عن طريق العدل (ابن کثیر) **ف۱۵۵** (جس کا کتاب الٰہی ہونا انہیں مسلم ہے) كَيْفَ کلمہ تعجب ہے۔ یعنی اس پر اظہار حیرت ہے کہ یہ لوگ اپنی کتاب آسمانی رکھنے کے باوجود دین کے کسی معاملہ میں فیصلہ کے لیے آپ کے پاس آتے ہیں! تعجب من تحكيمهم من لايؤمنون به والحال ان الحكم

فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ

تو اس پر تیرا زور اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں چل سکتا ف۱۴۸ یہی لوگ وہ ہیں جن کے لئے

يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۚۖ

اللہ کو منظور نہ ہوا کہ اُن کے دلوں کو پاک (صاف) کرے ف۱۴۹ ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے،

وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ

اور ان کے لئے آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے ف۱۵۰ جھوٹ کے بڑے

لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ

سننے والے ہیں، حرام کے بڑے کھانے والے ہیں ف۱۵۱ اور اگر یہ آپ کے پاس آئیں تو (خواہ) اُن کے درمیان فیصلہ

بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ

کر دیجیے (خواہ) انہیں ٹال دیجیے ف۱۵۲ اور اگر آپ انہیں ٹال دیں جب بھی

يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ

یہ آپ کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اگر آپ فیصلہ کریں تو اُن کے درمیان (قانون) عدل کے

بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ

مطابق فیصلہ کریں، ف۱۵۳ بیشک اللہ عدل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے، ف۱۵۴ اور آپ سے یہ کیسے

يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ

فیصلہ کراتے ہیں درانحالیکہ اُن کے پاس توریت موجود ہے، ف۱۵۵ اور اُس میں اللہ کا حکم (درج) ہے۔ ف۱۵۶ پھر

يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ ع

اس کے بعد ہٹ جاتے ہیں ف۱۵۷ اور یہ لوگ ہرگز ایمان والے نہیں ف۱۵۸

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا

بے شک ہم ہی نے توریت نازل کی ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے ف۱۵۹ اسی کے مطابق

النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ

وہ نبی جو اللہ کے مطیع تھے، یہودی لوگوں کا فیصلہ کرتے تھے، اور (اسی طرح) ان کے

وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا

مشائخ وعلماء (بھی) ف١٦٠ اس لیے کہ انہیں کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا ف١٦١ اور وہ

عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا

اس کے گواہ تھے ف١٦٢ سو تم انسانوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو ف١٦٣

تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ

اور میرے احکام کو دنیا کی متاع قلیل کے عوض نہ بیچ ڈالو ف١٦٤ اور جو کوئی اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے

اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿٤٤﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا

مطابق فیصلہ نہ کرے، تو یہی لوگ تو کافر ہیں ف١٦٥ اور ہم نے اُن پر اس میں یہ فرض کر دیا تھا ف١٦٦

أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ

کہ جان کا بدلہ جان ہے اور آنکھ کا آنکھ اور ناک کا

بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ

ناک اور کان کا کان اور دانت کا دانت ف١٦٧ اور زخموں میں

قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ ۚ وَمَنْ

قصاص ہے سو جو کوئی اسے معاف کر دے ف١٦٨ تو وہ اُس کی طرف سے کفارہ ہو جائے گا ف١٦٩ اور جو کوئی

لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٤٥﴾

اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کرے تو ایسے ہی لوگ تو ظالم ہیں ف١٧٠

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا

اور ہم نے اُن کے پیچھے عیسیٰؑ ابن مریم کو بھیجا تصدیق کرنے والے

منصوص علیه فی الکتب الذی هو عندهم (بیضاوی) تعجیب من تحکیمهم (کشاف) اوپر کسی حاشیہ میں گزر چکا ہے کہ یہود کا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا معرفت حق کے لیے تو ہوتا نہ تھا، اپنے مطلب اور اپنی غرض کے لیے تھا کہ شاید کوئی آسان تر حکم مل جائے۔ تنبیة علی انهم ما قصدوا بالتحکیم معرفة الحق و اقامة الشرع وانما طلبوا به ما یکون اهون علیهم و ان لم یکون حکم الله تعالٰی فی زعمهم (بیضاوی) ف١٥٦ جس خاص حکم کا یہ ذکر برابر چل رہا ہے، اور یہود نے اسے رسول اللہ ﷺ سے چھپا ڈالنا چاہا تھا، وہ حکم رجم یا سنگساری ہے۔ اور قرآن کے اعجاز کے لیے یہ دلیل بھی بجائے خود کافی اور قوی ہے کہ یہود کی ہزار کوشش اخفاء کے باوجود، شادی شدہ زنا کاروں کے لیے حکم قتل و رجم کسی نہ کسی صورت میں آج تک باقی ہے، اور موجودہ توریت سے پیہم تحریفات بھی اُسے یکسر اور تمام تر دُور نہ کر سکیں۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں:۔ ”اور وہ شخص جو دوسرے کی جورو کے ساتھ یا اپنے پڑوسی کی جورو کے ساتھ زنا کرے، وہ زنا کرنے والا اور زنا کرنے والی دونوں قتل کیے جائیں“۔ (احبار۔ ٢٠:١٠) ”اور وہ مرد یا عورت جس کا یار دیو ہے یا جادوگر ہو تو دونوں قتل کیے جائیں اور چاہیے کہ تم اُن پر پتھراؤ کرو۔ اُن کا خون اُنہی پر ہووے“۔ (احبار۔ ٢٠:٢٧) ”اگر کوئی جورو کرے اور اس سے خلوت کرے،...... اور کہے کہ میں نے اس عورت سے بیاہ کیا، اور جب میں اُس کے پاس گیا تو میں نے اُسے کنواری نہ پایا...... اگر یہ بات سچ نکلے اور لڑکی کے کنوارے پن کی نشانیاں پائی نہ جائیں، تو وہ اُس لڑکی کو اس کے ماں باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کی بستی کے لوگ اُس پر پتھراؤ کریں کہ وہ مر جائے“۔ (استثناء۔ ٢٠:١٣۔ ٢٠، ٢١) ”اگر کوئی مرد شوہر والی عورت سے زنا کرتے پایا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں، مرد جس نے اُس عورت سے صحبت کی، اور عورت بھی“۔ (استثناء ٢٢:٢٣) اور انجیل کے واسطہ سے جو گواہی پہنچی ہے وہ تو اس سے بھی زیادہ کھلی ہوئی ہے:۔ ”فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی۔ اور اُسے بیچ میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا اے استاد، یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہے توریت میں موسیٰ نے ہم کو حکم دیا کہ ایسی عورتوں کو سنگسار کریں، پس تو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے؟“ (یوحنا ٨:٤۔٦) ف١٥٧ پہلے تو خود ہی فیصلہ کرانے کے لیے رسول ﷺ کی خدمت میں آئے، اور جب فیصلہ سن لیا، تو اُس سے ہٹ بھی گئے۔ ثُمَّ تعجب میں ترقی کے لیے ہے، یعنی حیرت بالائے حیرت کے اظہار کے لیے۔ ثم للتراخی فی الرتبة (روح) تصریح بما علم لتاکید الاستبعاد والتعجب (روح) ف١٥٨ ان کے اس طرز عمل نے ظاہر کر دیا کہ ان کا ایمان قرآن و صاحب قرآن پر تو کیا ہوتا، توریت وصاحب توریت پر بھی مکمل و مستحکم نہیں۔ مومنین بک او بکتابهم کمایدّعون (مدارک) مومنین بکتابهم کما یدعون (کشاف) ف١٥٩ هُدًى یعنی عقائد و مسائل سے متعلق ہدایات و احکام تھے۔ نُوْرٌ یعنی وضوح تھا احکام عملی سے متعلق۔ تَوْرٰىةَ پر حاشیہ سورۂ آل عمران کے شروع میں گزر چکا۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ۔ اس میں رد آ گیا یہود کے موجودہ عقیدہ کا کہ توریت، صاحب الہام انبیاء کی مرتب کی ہوئی ایک انسانی کتاب ہے۔ توریت، اسلامی عقیدہ کے مطابق، خدا کے ہاں سے نازل شدہ کتاب ہے۔ ف١٦٠ مقصود توریت کی اہمیت و شرف کا اظہار ہے۔ یہ وہ کتاب الٰہی ہے جو پچھلی صدیوں میں معیار حق و عدل رہا کی ہے، علماء و مشائخ و انبیاء بنی اسرائیل کے لیے۔ اَلنَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا۔ یہود کی اصطلاح میں ”نبوت“ اسلامی نبوت سے بالکل الگ ایک مفہوم رکھتی ہے۔ اُن کے ہاں یہ ہرگز ضروری نہیں کہ نبی کا تعلق اللہ کے ساتھ جڑا ہوا اور مستحکم ہو یا اس کی نسبت مع اللہ قوی ہو۔ وہ ”نبی“ یا ”نبوت“ کے قائل صرف اُن کے لفظی معنی میں تھے۔ نبی اُن کے ہاں پیشگوئی کرنے والا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ صاحب کشف بھی ہو۔ جیسے مشرک قوموں میں کاہن۔ خود یہود کے ہاں نبی اور کاہن کی اصطلاحیں ساتھ ساتھ چلتی تھیں۔ توریت میں ذکر ایک جگہ نہیں، متعدد مقامات پر جعلی اور جھوٹے نبیوں کا آیا ہے، جو کفر و شرک کی طرف دعوت دینے والے تھے۔ صرف چند بہ طور نمونہ کے ملاحظہ ہوں:۔ ”اگر تمہارے درمیان کوئی نبی یا خواب دیکھنے والا ظاہر ہو اور...... تمہیں کہے آؤ ہم غیر معبودوں کی جنہیں تم نے نہیں جانا، پیروی کریں۔ تو ہرگز اُس نبی یا خواب دیکھنے والے کی بات پر کان مت دھریو...... وہ نبی یا خواب دیکھنے والا قتل کیا جائے گا“۔ (استثناء۔ ١٣:١۔ ٣، ٥) ”وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے“۔ (استثناء۔ ١٨:٢٠۔ ٢٢) ”انبیاء میرا نام لے کر جھوٹی نبوت کرتے ہیں۔ میں نے انہیں نہیں بھیجا، اور حکم نہیں دیا، نہ انہیں کہا...... یہ نبی تلوار اور کال سے ہلاک کیے جائیں گے“۔ (یرمیاہ۔ ١٤:١٣۔ ١٦) قرآن مجید نے انہی عقاید کے مدنظر اَلَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا کی قید لگا کر بتا دیا کہ اَلنَّبِيُّوْنَ سے مراد جھوٹی اور شیطانی نبوت کرنے والے نہیں، بلکہ سچے اور وحی الٰہی سے مشرف نبی ہیں۔ اَلرَّبّٰنِيُّوْنَ۔ مراد اہل اللہ و مشائخ و علماء باطن ہیں۔ العلماء الحکماء (قرطبی) الربانیون فوق العلماء (قرطبی) الاحبار۔ مراد علماء ظاہر و فقہاء ہیں۔ قال ابن عباس هم الفقهاء (قرطبی) الحبر الرجل العالم و هو ماخوذ من التحبیر فهم یحبرون العلم ای یبینونه و یزینونه (قرطبی) لِلَّذِيْنَ هَادُوْا میں ل علیٰ کے معنی میں ہے۔ اللام بمعنی علٰی ای علی الذین هادوا (بحر) ف١٦١ یہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ توریت حفاظت اور عملدرآمد کے لیے اکابر یہود کی سپردگی میں دے دی گئی تھی۔ اُسْتُحْفِظُوْا۔ استحفاظ کے معنی ہیں کسی سے سوال کرنا کہ وہ حفاظت و نگہداشت رکھے۔ ای

بسبب ما طلب اللہ منھم حفظھم لکتاب اللہ و کلفھم حفظھا و اخذ عھدہ علیھم فی العمل بھا والقول بھا (بحر) من کتاب اللہ میں من بیانیہ ہے۔ من للتبیین (بیضاوی) بما میں ب سببیہ ہے الباء فی بما للسبب (بحر) و١٦٢ گواہ اس امر کے، کہ یہ کتاب، کتاب الٰہی ہے۔ اور محافظ اس کے متن وعبارت کے۔ ای علی الکتٰب بانہ من عنداللہ (قرطبی) کانوا علیہ رقباء لئلا یبدل (بحر) رقباء لایترکون ان یغیر (بیضاوی) شھداء علی ان کل ما فی التوراۃ حق و صدق و من عنداللہ (کبیر) و١٦٣ (کہ میں ہی انکارِ حق پر ہر سزا پر قادر ہوں) خطاب قرآن اپنے معاصر مقتدایانِ یہود سے کر رہا ہے۔ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ۔ خلقت سے ڈرتے ہو، کہ اگر ہم نے حسب بشاراتِ توریت نبوت محمدی ﷺ کی تصدیق کر دی، تو ہمارے عوام ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ رؤساء واکابر یہود کے لیے قبول حق یا تصدیق محمدی ﷺ سے پہلا مانع یہی حُبِّ جاہ تھا، یہ ضرب اسی پر لگائی گئی۔ و١٦٤ (اور یہ نذرانے وغیرہ جو عوام سے حاصل ہوتے ہیں، ان کے بند ہو جانے کا ڈر دل سے نکال ڈالو) مقتدایانِ یہود کو قبول حق وتصدیق اسلام سے پہلا مانع تو حُبِّ جاہ تھا، جس کا ذکر ابھی اُوپر آچکا ہے، اور دوسرا مانع یہ حُبِّ مال تھا۔ و١٦٥ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ بلکہ غیر شرعی احکام کو شرعی احکام قرار دے دے۔ اور انسانی قانون کو خدائی قانون کہہ کر چلائے۔ مقتدایانِ یہود کا اصلی اور سب سے بڑا جرم یہی تھا کہ وہ اپنے گھڑے ہوئے قوانین ومسائل کو خدائی قوانین ومسائل کہہ کر چلاتے تھے۔ فتویٰ خود اور اپنی طرف سے دیتے، اور کہتے کہ یہی مذہب کا حکم ہے۔ اتنی جسارت رکھنے والوں کے کفر میں شک ہی کیا ہو سکتا ہے۔ اور یہی تفسیر بعض اکابر تابعین سے منقول ہے۔ عن ابن زید قال من حکم بکتاب الذی کتب بیدہ و ترک کتاب اللہ وزعم ان کتابہ ھذا من عنداللہ فقد کفر (ابن جریر) اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔ و من لم یحکم میں مَنْ، اَلَّذِی کا مترادف ہے۔ اور آیت یہود کے حق میں ہے۔ من ھنا بمعنی الذی (قرطبی) معنی یہ ہوئے کہ وہ یہود جو احکام الٰہی رجم وقصاص وغیرہ کو مٹا کر اپنی تجویزوں کو حق تعالیٰ کی جانب منسوب کر دیتے، وہ کافر ہو گئے۔ والتقدیر والیھود الذین لم یحکموا بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکفرون فھذا من احسن ما قیل فی ھذا (قرطبی) آیت سے خوارج نے بڑے زور ودعویٰ کے ساتھ استدلال کیا ہے کہ مسلمان فاسق بھی کافر کے حکم میں داخل ہے، جب اُس نے غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ شروع کر دیا، تو وہ کفر میں داخل ہو گیا۔ لیکن یہ استدلال (خوارج کے دوسرے استدلالات کی طرح) تمام تر سطحی ہے۔ اس لیے کہ جس فیصلہ کا یہاں ذکر ہے، اس کا تعلق عمل سے نہیں، بلکہ عقیدہ سے ہے۔ اور وہ شخص کافر یقیناً ہو جاتا ہے، جو عقیدۃً بھی اللہ کے قانون کو غلط اور اپنے قانون کو صحیح سمجھنے لگتا ہے۔ المراد بہ ھنا عمل القلب و ھو التصدیق و لا نزاع فی کفر من لم یصدق بما انزل اللہ تعالٰی (روح) آیت کے عام نہ ہونے بلکہ کفار خصوص یہود کے ساتھ مخصوص ہونے پر ابو صالح، عکرمہ، ضحاک، قتادہ وغیرہ تابعین کے علاوہ حذیفہ، ابن عباس صحابی رضی اللہ عنہ بلکہ خود نبی کریم ﷺ تک کی سند موجود ہے۔ عن البراء بن عازب عن النبی ﷺ فی قولہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الظالمون۔ و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الفاسقون فی الکافرین کلھا (ابن جریر) عن ابی صالح قال الثلاث الاٰیات التی فی المائدۃ و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون والظالمون والفاسقون لیس فی اھل الاسلام منھا شیٔ ھی فی الکفار (ابن جریر) عن الضحاک قال نزلت ھؤلاء الاٰیات فی اھل الکتاب (ابن جریر) عن ابی جعفر قال انزلت فی الیھود والنصارٰی و اھل الشرک او نحوا من ھذا (ابن جریر) عن عکرمۃ قال ھؤلآء الاٰیات فی اھل الکتاب (ابن جریر) عن عبید اللہ بن عبداللہ قال انما عنی بذٰلک الیھود و فیھم نزلت ھذہ الصفۃ (ابن جریر) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال انما انزل اللہ تعالٰی و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون والظّٰلمون والفاسقون فی الیھود خاصۃً (روح) قال البراء بن عازب و حذیفۃ بن الیمان و ابن عباس و ابو مجلز و ابو رجاء العطاردی و عکرمہ و عبیداللہ بن عبداللہ و الحسن البصری و غیر ھم نزلت فی اھل الکتاب (ابن کثیر) قال قتادۃ والضحاک نزلت ھذہ الاٰیات الثلاث فی الیھود دون من اساء من ھذہ الامۃ (معالم) امام ابن جریر طبری حسب دستور، موافق و مخالف سارے اقوال کو نقل کر کے ترجیح اسی کو دیتے ہیں، کہ آیت کا تعلق صرف کفار اہل کتاب سے ہے

کہ اُنہی کا ذکر سیاق میں بھی ہے۔ اور انہی کا ذکر سباق میں بھی، اور دُوسرے محققین مفسرین بھی اسی طرف گئے ہیں۔ و اولی ھذہ الاقوال عندی بالصواب قول من قال نزلت ھذہ الاٰیات فی کفار اھل الکتاب لان ما قبلھا و ما بعدھا من الاٰیات ففیھم نزلت و ھم المعنیون بھا (ابن جریر) قال الشعبی ھی فی الیھود خاصۃ و اختارہ النحاس (قرطبی) یعنون ان من جحد حکمًا او حکم بغیر حکم اللہ تعالٰی ثم قال ان ھذا حکم اللہ فھو کافر کما کفرت بنو اسرائیل حین فعلوا ذٰلک (جصاص) کفر کی دفعہ اگر کسی غیر خدائی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے والے مسلمان پر عائد ہو گی بھی، تو صرف اس صورت میں جب وہ بیّن وصریح حکم کی خلاف ورزی دیدہ ودانستہ کرے، نہ اُس وقت جبکہ حکم کی دلالت ہی خفی ہو اور نادانستہ تعبیر ہی غلط کر رہا ہو۔ قال العلماء ھذا اذا ردّ نصّ حکم اللہ عیاناً فاما من خفی علیہ و اخطأ فی تاویل فلا (معالم) عکرمہ تابعی نے کہا ہے، اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس قول کی تصویب کی ہے کہ جب تک کوئی کسی حکم الٰہی کو دل سے مان رہا ہے، اور زبان سے اس کا اقرار کر رہا ہے، اس وعید کے تحت میں آ کیونکر سکتا ہے؟ عمل اُس کا اس کے مخالف ہی ہو، جب بھی وہ محض عاصی یا تارک کہا جائے گا نہ کہ منکر یا باغی۔ قال عکرمۃ قولہ و من لم یحکم بما انزل اللہ انما یتناول من انکر بقلبہ و جحد بلسانہ امامن عرف بقلبہ کونہ حکم اللہ و اقر بلسانہ کونہ حکم اللہ الا انہ اتی بما یضادہ فھو حاکم بما انزل اللہ تعالٰی و لکنہ تارک لہ فلا یلزم دخولہ تحت ھذہ الاٰیۃ و ھذا ھو الجواب الصحیح (کبیر) خارجیوں کے مذہب کی ہمارے زمانہ میں پھر زبردست تجدید شروع ہوئی ہے، بڑے بڑے خوشنما القاب واسماء کے ساتھ، اور اس دعایہ میں خاص کام اسی آیت سے لیا جاتا ہے، اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ آیت کی تفسیر مذہب اہل سنت کے مطابق ذرا تفصیل سے کر دی جائے۔ و١٦٦ (قتل عمدًا یا دانستہ ضرب رسانی کی صورت میں) عَلَيْهِمْ ضمیر یہود کی طرف ہے۔ ذکر انہی کا برابر چل رہا ہے۔ اور یہ بجائے خود ایک دلیل اس امر کی ہے کہ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کا تعلق بھی یہود ہی سے ہے۔ فِيْهَآ۔ ضمیر متفقہ طور پر توریت کی جانب ہے۔ وَكَتَبْنَا سے اس کی صراحت ہو گئی کہ توریت کی تعزیرات اللہ ہی کی مقرر کی ہوئی ہیں۔ و١٦٧ موجودہ توریت میں اتنے تحریفی انقلابات کے بعد بھی یہ حکم ان الفاظ میں موجود رہ گیا ہے:۔ ”اگر وہ اس صدمہ سے ہلاک ہو جائے تو تو جان کے بدلہ میں جان لے اور آنکھ کے بدلہ میں آنکھ، دانت کے بدلہ دانت۔ اور ہاتھ کے بدلہ ہاتھ پاؤں کے بدلہ پاؤں۔ جلانے کے بدلہ جلانا۔ زخم کے بدلہ زخم اور چوٹ کے بدلہ چوٹ“۔ (خروج۔ ٢١: ٢٣۔ ٢٥) ”اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگا دے سو جیسا کرے گا ویسا ہی پائے گا۔ توڑنے کے بعد توڑنا۔ آنکھ کے بدلہ آنکھ، دانت کے بدلہ دانت۔ جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے، اُس سے ایسا ہی کیا جاوے“۔ (احبار ٢٤: ٢٠) ”اور تیری آنکھ مروّت نہ کرے کہ جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہو گا“۔ (استثناء۔ ١٩: ٢١) و١٦٨ بِهٖ۔ اس کو یعنی اس قصاص کو۔ اس بدلہ لینے کے حق کو۔ ای تصدق بالقصاص (قرطبی) وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ۔ قصاص سے مراد ہے کہ زخم محلِ قصاص ہیں ای ذات قصاص (بیضاوی) ای معاقصۃ (قرطبی) ای یقتص فیھا (جلالین) و١٦٩ یعنی موجب اجر وثواب، اور اس معاف کر دینے والے کے گناہوں کے دُور ہونے کا باعث بن جائے گا۔ هُوَ۔ یعنی یہ معاف کر دینا۔ یا اپنے جائز حق سے دستبرداری۔ لَهٗ یعنی اس معاف کر دینے والے کے حق میں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں ترغیب ہے، عفو کی، اور یہ اہل اللہ کی عادات میں داخل ہے۔ و١٧٠ (اپنے حق میں) یعنی بہت برا کام کرنے والے ہیں۔ یہود کا ذکر اب بھی چلا جا رہا ہے پہلے ذکر یہ تھا کہ اُن کے اکابر ومشائخ اپنی طرف سے ایک فتویٰ گھڑ کر دے دیتے ہیں، اور اُسے شریعت الٰہی کی جانب منسوب کر دیتے ہیں، ایسے لوگ اپنی اس حرکت سے یقیناً کافر ہو جاتے ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ اب ذکر انہی یہود کا ہے کہ یہ اجراء حدود قصاص میں احکام شریعت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، تو یہ اپنے ہی اُوپر ظلم کر رہے ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ١٦٥۔ و١٧١ یہ تصدیق خود موجودہ محرف اور مسخ شدہ انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے موجود ہے:۔ ”یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں“۔ (متی۔ ٥: ١٧) اٰثَارِهِمْ میں ضمیر انبیاء اسرائیل کی جانب ہے۔ ای النبیین الذین اسلموا من قبلک یا محمد ﷺ (ابن جریر) وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ یعنی ہم نے اُن کے نقش قدم پر پیچھے پیچھے

بھیجا۔ ان الفاظ میں اشارہ اس جانب بھی ہوگیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اسی طرح کے ایک نبی تھے، جیسے کہ ان کے قبل بنی اسرائیل میں اور نبی ہو چکے تھے، اُن کی شخصیت اور اُن کی وحی دوسرے انبیاء کی شخصیت اور وحی سے کچھ مختلف نہ تھی۔ ف۱۷۲ قرآن مجید بار بار یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نامی کوئی کتاب وحی یا الہام کی گئی تھی۔ اب یہ کتاب دنیا کی نظروں سے معدوم ہے۔ اور آئندہ کے کسی اسلامی محقق کا کام یہ پتہ لگانا ہے کہ آخر یہ کتاب آسمانی ہوئی کیا؟ اور کب اور کیسے غائب ہوگئی "عہد نامہ جدید" جسے عوام انجیل کا مرادف سمجھتے ہیں، اس کے کتاب الٰہی یا آسمانی ہونے کا دعویدار تو کوئی بھی نہیں، نہ عیسائی، نہ غیر عیسائی۔ وہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ ملفوظات اور کچھ حالات ہیں، آپ کے بہت بعد مجہول الحال لوگوں کے لکھے ہوئے۔ هُدًى۔ یعنی عقائد و مسائل صحیحہ۔ نُوْرٌ یعنی واضح احکام عملی۔ ف۱۷۳ انجیل کی اصطلاح میں "شریعت" (Law) سے مراد شریعت موسوی یا توریت ہوتی ہے، اور اس کی بابت موجودہ انجیل میں تصریح موجود ہے، کہ "آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے ہٹ جانے سے آسان ہے"۔ (لوقا۔ ۱۶: ۱۷) ف۱۷۴ یعنی نفع اُس سے صرف پرہیزگار ہی اٹھائیں گے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس کے مخاطب اُس ملک اور زمانہ کے عام و خاص سب ہی تھے۔ ف۱۷۵ خود انجیل مروجہ کی تعلیم اس سلسلہ میں یہ ہے:۔ "جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا، اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔ لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائے گا۔" (متی۔ ۵: ۱۹) مگر ایک

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ

اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کے ف۱۷۱ اور ہم نے انہیں انجیل دی جس میں

هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

ہدایت اور نور ہے ف۱۷۲ تصدیق کرنے والی اپنے قبل کی کتاب یعنی توریت کی ف۱۷۳

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ؕ﴿۴۶﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ

اور پرہیزگاروں کے لئے ایک ہدایت اور نصیحت ف۱۷۴ اور اہل انجیل

الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ

پر بھی لازم ہے کہ اللہ نے جو کچھ اس میں نازل کیا ہے، اس کے مطابق فیصلہ کریں، ف۱۷۵ اور جو کوئی اللہ کے

اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے، تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں ف۱۷۶ اور ہم نے آپ پر (یہ)

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ

کتاب اتاری ہے سچائی کے ساتھ، تصدیق کرنے والی اُن کتابوں کی جو اس سے پیشتر اتر چکی ہیں

وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا

اور اُن پر محافظ ف۱۷۷ تو آپ ان لوگوں کے درمیان اللہ کے اتارے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ کیا کیجئے اور

تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ

اُن لوگوں کی خواہشوں پر عمل نہ کیجیے ف۱۷۸ اُس سچائی سے الگ ہو کر جو آپ کے پاس آچکی ہے ف۱۷۹ تم میں سے

جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ

ہر ایک کے لئے ہم نے ایک (خاص) شریعت اور راہ رکھی تھی، ف۱۸۰ اور اگر اللہ چاہتا

لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ

تو تم (سب) کو ایک ہی اُمت بنا دیتا ف۱۸۱ لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا) تا کہ تمہیں آزماتا رہے اس میں جو

لطیفہ یہ ہے کہ موجودہ "انجیل" میں احکام قانونی کا حصہ کہنا چاہیے کہ بس برائے نام ہی ہے۔ فوجداری اور دیوانی کے قانون کے بیسیوں باب سرے سے خالی ہیں۔ اخلاقی مواعظ ان کے بجائے البتہ ملتے ہیں۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکتہ بھی اخذ کیا ہے کہ پچھلی شریعتوں سے جو حصہ منسوخ نہیں ہوا ہے وہ اس معنی میں اب بھی واجب العمل ہے کہ وہ اب عین ہماری شریعت کا جزو بن گیا اور اسی میں شامل ہوگیا۔ فيه دلالة على مالم ينسخ من شرائع الانبياء المتقدمين فهو ثابت على معنى انه صار شريعة النبى صلی اللہ علیہ وسلم (جصاص) انهم ماموررون باستعمال احكام تلك الشريعة على معنى انها قدصارت شريعة للنبى عليه السلام (جصاص) ف۱۷۶ ظاہر ہے کہ آیت کا خاص تعلق اہل انجیل ہی سے ہے۔ مسیحیوں ہی کو حکم مل رہا ہے کہ جب دعویٰ انجیل کے ماننے کا ہے، تو عمل بھی اسی کتاب الٰہی کے مطابق و ماتحت ہونا چاہیے۔ وقدتقدم ان هذه الاٰية نزلت فى النصارٰى و هو ظاهر من السياق (ابن کثیر) امر القسيسين والرهبان ان يحكموا بما فى الانجيل (معالم) قال الاصم فى النصارٰى (کبیر) آیت کو آج مسلمانوں پر چسپاں کرنا، خوارج کی دعایت کا دانستہ یا نادانستہ شکار ہو جانا ہے۔ ف۱۷۷ (اے پیغمبر!) توریت و انجیل کے بعد اب ذکر قرآن مجید کا شروع ہو رہا ہے۔ بِالْحَقِّ۔ یعنی ایسی کتاب جو بجائے خود سچی ہے، ہر شک و کذب سے برتر۔ اى بالامر الحق (قرطبی) يعنى بقوله بالحق بالصدق ولا كذب فيه ولاشك انه من عندالله (ابن جریر) مِنَ الْكِتٰبِ۔ کتاب بہ طور اسم جنس آیا ہے۔ من جنس الكتب (قرطبی) مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ۔ تصدیق کرنے والی اُن پچھلی کتابوں کی کہ وہ بھی منزل من اللہ ہی ہیں۔ اس تصدیق سے اُن کتابوں کی تحریفات و تصحیفات کی تصدیق ہرگز لازم نہیں آتی، مُهَيْمِنًا۔ مهیمن کے لفظی معنی ہیں حفظ و نگہبانی کرنے والا۔ اصل المهيمنة الحفظ والارتقاب (ابن جریر) مراد یہ کہ قرآن ہی سب اگلی کتابوں کے لیے معیار صحت و صداقت ہے۔ شهيدًا على الكتب كلها و يقال امينًا على الكتب (ابن عباس رضی اللہ عنہما) مؤتمنًا عليه (ابن جریر۔ عن ابن عباس) قال قتادة معناه الشاهد و قيل الحافظ (قرطبی) قال بعضهم معناه شهيدًا و قال بعضهم معناه امينًا عليه (ابن جریر) عن ابن عباس اى شاهدًا عليه و هو قول مجاهد و قتادة والسدى والكسائى (معالم) قال سعيد بن جبير و ابو عبيدة مؤتمنًا عليه (معالم) محقق ابن کثیر نے "حاکم" اور "امین" اور "شہید" اور "موتمن" وغیرہ متعدد معنی نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ سب قریب المعنی ہیں اور مهیمن کا مفہوم ان سب پر شامل ہے۔ اور قرآن سب کتابوں کی خاتم اور سب سے اکمل و اعظم و اشمل ہے۔ هذه الاقوال كلها متقاربة المعنى فان اسم المهيمن يتضمن هذا كله فهو امين و شاهد و حاكم على كل كتاب قبله جعل الله هذا الكتاب العظيم الذى انزله اٰخر الكتب و خاتمها اشملها و اعظمها و اكملها۔ مجاہد تابعی کی جانب منسوب ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ مهیمن سے مراد ذات محمدی ہی ہے، اور عليه میں ضمیر قرآن (الْكِتٰبِ) کی طرف ہے، گویا محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پر بطور مهیمن کے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کی نقل میں کہیں غلطی ہوگئی ہے۔ امام ابن جریر لکھتے ہیں کہ یہ معنی تو قواعد عربیت کے لحاظ سے غلط ہیں۔ اگر یہی مراد ہوتی تو، مُصَدِّقًا اور مُهَيْمِنًا کے درمیان واو عطف نہ ہوتا۔ عطف کے بعد تو دونوں صفتیں ایک ہی موصوف، قرآن کی ہو سکتی ہیں۔ وهذا التاويل بعيد من المفهوم فى كلام العرب بل هو خطأ و ذلك ان المهيمن عطف على المصدق فلا يكون الامن صفة ما كان المصدق صفة له (ابن جریر) قرآن مجید کی دو صفتیں پہلے بیان ہو چکی تھیں۔ ایک یہ کہ وہ بذاتِ خود صحیح اور سچی ہے، دوسری یہ کہ وہ قبل کی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے تیسری صفت مهیمن کی اب بیان ہوئی۔ مصدق و مهیمن۔ ان دو صفات کے لانے سے قرآن مجید کی دو حیثیتوں کو بیان کرنا ہے۔ ایک یہ کہ سابق کتابوں کے کل مضامین اس کے اندر آگئے۔ اور اس میں جمع و محفوظ ہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن اُن کتابوں پر بطور نگران کے بھی کام دے گا، یعنی اُن کی تحریفات و تصحیفات کے لیے معیار کا کام بھی دے گا۔ ف۱۷۸ (جیسا کہ اب تک بھی نہیں کیا ہے) مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق جواب سب کے سب قرآن میں محفوظ ہیں۔ اى بما فى القراٰن (مدارک) بَيْنَهُمْ۔ یعنی اہل

کتاب کے درمیان، جبکہ اُن کے معاملات آپ کے سامنے پیش ہوں۔ای بین الیھود (کبیر) ای بین اھل الکتاب کما قال ابن عباس رضی اللہ عنہما (روح) ف۱۷۹ (اور وہ سچائی وحی الٰہی کی روشنی ہے) ای بالقرآن و الوحی الذی نزله الله تعالٰی علیک (کبیر) ف۱۸۰ خطاب عام ہے، نوعِ انسان بھی مراد ہو سکتی ہے، اور اہلِ کتاب بھی۔ایھا الناس (مدارک، بیضاوی) ایھا الامم الباقیة (روح) شِرْعَةً سے مراد ہر نبی کی لائی ہوئی تعلیم یا کتاب ہے۔اور منہاج اُس پیمبر کا تعامل یا سنت ہے۔گویا یہ بتا دیا کہ کتاب و سنت کی دو گونہ نعمت قدیم موحد قوموں کے حصہ میں بھی ودیعت رہی ہے۔عن ابن عباس رضی اللہ عنہما سبیلاً و سُنَّةً و کذاروی عن مجاھد و عکرمة و حسن البصری وقتادة و ضحاک والسدی (ابن کثیر) ایک قول یہ بھی ہے کہ شرعة سے مراد مطلق شریعت ہے، اور منہاج سے مراد کمالاتِ شریعت۔قال اٰخرون بینهما فرق فالشرعة عبارة عن مطلق الشریعة والطریقة عبارة عن مکارم الشریعة و ھی المراد بالمنهاج فالشریعة اول والطریقة اٰخر و قال المبرد الشریعة ابتداء الطریقة والطریقة المنهاج المستقر (کبیر) ف۱۸۱ (اور آپس میں کوئی دینی اختلاف باقی ہی نہ رکھتا سب کے سب دینِ حق پر متحد و متفق ہوتے) ای فجعل شریعتکم واحدة فکنتم علی الحق (قرطبی) فجمع الناس کلهم علی دین واحد و شریعة واحدة (ابن کثیر) وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ۔یعنی اگر مشیت تکوینی یہی ہوتی۔اگر اللہ تعالیٰ کو مصالحِ تکوینی کے اعتبار سے یہی منظور ہوتا۔مخاطبت یہاں ساری نوعِ انسانی یا مختلف اقوام سے ہے۔ھٰذا

اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ

وہ تمہیں دیتا رہا ہے، تو تم نیکیوں کی طرف لپکو، ف۱۸۲ اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا

جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۙ﴿۴۸﴾ وَ اَنِ

ہے، تو وہ تمہیں وہ بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو ف۱۸۳ اور آپ

احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ

اُن لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے رہیے اسی (قانون) کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے اور اُن کی خواہشوں

وَ احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ

پر عمل نہ کیجیے ف۱۸۴ اور اُن لوگوں سے احتیاط رکھیے کہ کہیں وہ آپ کو بچلا نہ دیں، آپ پر اللہ کے اتارے ہوئے

اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ

کسی حکم سے ف۱۸۵ پھر اگر یہ رُوگردانی کریں تو جان لیجیے کہ اللہ کو بس یہی منظور ہے

يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ

کہ ان کے بعض جرموں پر انہیں پاداش کو پہنچا دے ف۱۸۶ اور یقیناً زیادہ آدمی تو بے حکم ہی

لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَ مَنْ

ہوتے آئے ہیں ف۱۸۷ تو کیا یہ لوگ زمانہ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟ ف۱۸۸ اور جو

اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ يٰٓاَيُّهَا

قوم یقین (و ایمان) رکھتی ہے اس کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے؟ ف۱۸۹ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ؔۘ

ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست مت بنانا ف۱۹۰

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ

وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں ف۱۹۱ اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا

خطاب لجمیع الامم و اخبارٌ عن قدرته (ابن کثیر) ف۱۸۲ یعنی قانونِ اسلام کی طرف، جو نام ہی نیکیوں اور بھلائیوں کے تسلسل کا ہے۔اَلْخَيْرٰتِ۔خیرات کا لفظ جامع ہے۔اس کا اطلاق نیکیوں کے جملہ اقسام پر ہوگا۔المراد کل ما امر الله تعالٰی به (مدارک) یہاں جبر و اختیار، خیر و شر کے پورے فلسفہ کی طرف ارشاد کر دیا ہے۔اشارہ یہ ہے کہ اگر حکمتِ مطلقہ کا تقاضہ یہ ہوتا کہ سب کو یکساں راہِ حق ہی پر رکھا جاتا تو تکوینیات کے قانون ہی دوسرے ہوتے۔نہ یہ اختلاف عقول باہم باقی رکھا جاتا، نہ یہ اختلاف طبائع، نہ یہ اختلاف استعدادات۔سب انسان، اختلاف ماحول کے باوجود یکساں و یک رنگ ہوتے۔بہ ظاہر سب حق ہی پر ہوتے، لیکن حقیقۃً سب بے ارادہ، بے اختیار، مجبور مشین کی طرح حرکت کرتے رہتے۔لیکن مشیت تکوینی کو یہ منظور ہی نہ ہوا۔اس لیے انسان کی خلقت و ترکیب ہی دوسرے طریق پر ہوئی۔وہ فاعل مختار و با ارادہ بنا کر بھیجا گیا کہ اپنے قصد و ارادہ سے کام لے کر ایک راستہ کو چھوڑ، دوسرے کو انتخاب کر سکے۔لِيَبْلُوَكُمْ۔اس میں انسان کے صاحبِ ارادہ و اختیار ہونے کی غایت و مقصود کی جانب اشارہ ہو گیا۔حق کا باطل سے، صالح کا فاسد سے، خیر کا شر سے انتخاب ہی ارادہ و اختیار کا صحیح استعمال ہے، اور یہی انسان کی آزمائش۔فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ۔یعنی طاعتوں کی طرف قدم بڑھاؤ، لپکو۔ای سارعوا الی الطاعات (قرطبی) فقہاء نے لفظ استباق سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ عبادات واجب میں عجلت کرنا تاخیر سے افضل ہے۔و ھٰذا یدل علی ان تقدیم الواجبات افضل من تاخیرھا (قرطبی۔جصاص) ف۱۸۳ (باوجود وضوحِ حق کے۔اور جزا بھی اسی کے مطابق دے گا) مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا۔سب کی واپسی اُسی کے حضور میں ہونا اور اُسی سے سابقہ پڑنا ہے۔اس میں رد آ گیا اُن تمام مشرکانہ خیالات کا، جن کا ماحصل یہ ہے کہ حشر کی داوری، بجز حق تعالیٰ یا علاوہ حق تعالیٰ کے کسی اور کے سپرد ہوگی۔فَيُنَبِّئُكُمْ۔خبر دینا یہاں محض اطلاع دینے کے معنی میں نہیں، بلکہ سزا دینے پر بھی شامل ہے۔ای فیفعل بکم من الجزاء الفاصل بین الحق و الباطل (روح) فالانباء ھنا مجاز عن المجازاة بما فیها من تحقق الامر (روح) ف۱۸۴ (اے پیغمبر!) فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ۔یعنی ان اہلِ کتاب خصوصاً یہود کے درمیان فیصلہ کیجیے جب وہ اپنا مقدمہ آپ کے سامنے لائیں۔آیت کا یہ ٹکڑا ابھی اُوپر آ چکا تھا، دوبارہ اس کا ورود تاکید کے لیے ہے۔و تکرر و ان احکم بینهم للتاکید (قرطبی) بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ۔بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے مراد قرآن مجید کا ہونا تو ظاہر ہی ہے۔لیکن اگر توریت و انجیل ہی مراد لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اُن کتابوں کے بھی ٹھیک الہامی اور وحی شدہ احکام کے مطابق ہی فیصلہ کیجیے۔نہ کہ اُن اضافوں اور تحریفوں کے مطابق جو انہوں نے اپنے دل سے اُن کتابوں میں کر لیے ہیں۔اَهْوَآءَهُمْ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ حکم دو مختلف مسئلوں کے بارہ میں ہے، اس لیے تکرار صرف ظاہری ہے، حقیقی نہیں۔لیس بتکرار لماتقدم من مثله لانهما نزلا فی شیئین مختلفین احدھما فی شان الرجم والاٰخر فی التسویة بین الاٰیات (جصاص) ف۱۸۵ اس حذر کا التزام اور اتنی احتیاط کا اہتمام ہر بار کرتے رہنا بہ قول مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خود باعثِ اجر ہے۔اَنْ يَّفْتِنُوْكَ رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی حکمِ الٰہی سے بچلنا قصد و عمد سے تو ہو ہی نہیں سکتا، لامحالہ سہو و نسیان ہی کی بنا پر ہوگا۔اور یہیں سے ہے کہ آیت سے بعض محققین نے پیغمبر کے لیے جوازِ نسیان پر استدلال کیا ہے۔و فی الاٰیة دلیل علی جواز النسیان علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (قرطبی) قال اھل العلم ھٰذه الاٰیة تدل علی ان الخطاء والنسیان جائزان علی الرسول (کبیر) ف۱۸۶ (اسی دنیا میں) بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ۔جرموں سے یہاں مراد یہود کا فیصلۂ قرآنی اور تحکیم رسول سے انکار ہے۔یعنی ذنب التولی عن حکم الله سبحانه و تعالٰی (بیضاوی) یہ حقیقت مدنظر رہے کہ کفر یا محض بدعقیدگی کی سزا آخرت پر رکھی گئی ہے۔لیکن حربیت یا دنیا میں فتنہ و فساد پھیلانے کی سزا اسی دنیا میں ملتی ہے۔چنانچہ یہود کو قید کی، جلاوطنی کی، اور قتل کی سزا پاتے سب نے اسی دنیا میں دیکھ لیا۔بَعْضِ کا لفظ لانے سے اظہارِ عظمت و اہمیت مقصود ہے، جیسا کہ لفظ کے نکرہ لانے سے ہوتی ہے۔فیه دلالة علی التعظیم کما فی التنکیر (بیضاوی) ھٰذا الابهام فیه تعظیم التولی و فرط اسرافهم فی ارتکابهم (بحر) فَاِنْ تَوَلَّوْا۔رُوگردانی آپ کے فیصلہ سے ہوگی، جو عین حکمِ قرآنی کے مطابق ہوگا۔عن الحکم المنزل وارادوا غیرهٗ (بیضاوی) ف۱۸۷ (اس لیے آپ زیادہ رنج و تردد میں نہ

پڑیں) النَّاس سے مراد عام نوعِ انسانی بھی لی گئی ہے، اور قوم یہود بھی جن کا ذکر برابر چلا آرہا ہے۔ والمراد من الناس العموم و قیل الیھود (روح) ظاھر الناس العموم و یحتمل ان یکون الناس للعھد و ھم الیھود الذین تقدم ذکر ھم (بحر) ف۱۸۸ (حالانکہ اُس دَور سے خود ہی پناہ مانگتے ہیں) یہود و نصاریٰ کو قائل کیا جارہا ہے کہ تم جو اسلام کے قانون سے گریز کر رہے ہو، تو یہ تو عمداً دورِ جاہلیت ہی کی طرف واپس جانا ہوا۔ جس قانون کی بنیاد تمام تر عدل اور ہر جہتی انصاف پر ہے، وہ تو اسلام ہی کا خدائی قانون ہے۔ ورنہ جاہلی قوموں کے قانون کا عملدرآمد تو اسی اصل اصول پر رہا ہے (اور دورِ جاہلیت عرب اس سے مستثنیٰ نہ تھا) کہ زبردست کا ساتھ دو، جو قوی ہے اُسے قوی تر کردو، اور زیر دستوں کی کوئی پروانہ کرو۔ خود یہود اہل کتاب وصاحب شریعت ہونے کے باوجود اس فضا سے اس حد تک متاثر ہو چکے تھے کہ اُن کے دو فرقے بنو نضیر اور بنو قریظہ جو حوالی مدینہ میں آباد تھے، اُن میں بنو نضیر چونکہ زبردست تھے اس لیے انہوں نے قاعدہ یہ مقرر کر لیا تھا کہ قتل وغیرہ کے معاملات میں دیت کی جتنی رقم خود دیتے، اس کی دوگنی شرح سے بنو قریظہ سے وصول کرتے! اَلْجَاهِلِيَّة۔ جاھلیت پر حاشیہ پارہ ٤ آل عمران، آیت ١٥٤ میں گزر چکا ہے۔ قانون جاہلیت کا اطلاق ہر ایسے قانون پر ہوگا جو خدائی اور آسمانی قانون کے مقابلہ میں بشری دماغ نے تراشا ہو۔ حافظ ابن کثیر نے اسی آیت کے تحت میں بڑے سخت الفاظ میں اور بہت تفصیل کے ساتھ اُن لوگوں کی تاڑ کی ہے، جو خدائی قانون کے مقابلہ میں، اور اُسے کُلاًیا جزواً بے دخل کر کے غیر قوموں کے قانون چلاتے ہیں، یا بشری اختراعات کو دخل

فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

وہ ان ہی میں (شمار) ہوگا ف۱۹۲ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا ف۱۹۳

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ

اسی لئے تو ایسے لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے ان کی طرف دوڑتے ہوئے دیکھتا ہے

يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ

(وہ) کہتے ہیں کہ ہمیں تو یہ اندیشہ رہتا ہے کہ ہم پر کہیں کوئی دقت نہ پڑ جائے ف۱۹۴ لیکن کیا عجب کہ اللہ (کامل) فتح

يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى

ہی دے دے، یا (اور کوئی) خاص بات اپنی طرف سے (کر دے) تو اُس وقت

مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ؕ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ

یہ اپنے پوشیدہ دلی خیالات پر شرمندہ ہو کر رہیں، ف۱۹۵ اور جو لوگ

اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ

ایمان والے ہیں وہ (حیرت سے) کہیں گے، ارے، کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کی قسمیں بڑے زور وشور سے کھایا کرتے

اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا

تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں! ف۱۹۶ ان کے عمل (سب) غارت گئے اور یہ لوگ گھاٹے میں

خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ

آ گئے ف۱۹۷ اے ایمان والو، تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے

عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ

پھر جائے، سو اللہ عنقریب ایسے لوگوں کو (وجود میں) لے آئے گا ف۱۹۸ جنہیں وہ چاہتا ہو گا

وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى

اور وہ اُسے چاہتے ہوں گے ایمان والوں پر وہ مہربان ہوں گے اور کافروں کے مقابلہ میں

دیتے ہیں، اور ایسے لوگوں کو قطعی کافر ٹھہرایا ہے، جن سے جہاد واجب ہے۔ پوری عبارت گو طویل ہے لیکن ہے نظر میں رکھنے کے قابل۔ ینکر تعالٰی علٰی من خرج عن حکم اللہ المحکم المشتمل علٰی کل خیر الناھی عن کل شرو عدل الی ما سواہ من الاٰراء والاھواء والاصطلاحات التی وضعھا الرجال بلا مستند من شریعۃ اللہ کما کان اھل الجاھلیۃ یحکمون بہ من الضلالات و الجھالات بما یضعونھا باٰراء ھم و اھواء ھم و کما یحکم بہ التتار من السیاسات الملکیۃ الماخوذۃ عن ملکھم فان الذی وضع لھم الیاسق و ھو عبارۃ عن کتاب مجموع من احکام قد اقتبسھا عن شرائع شتّی من الیھودیۃ والنصرانیۃ والملّۃ الاسلامیۃ و غیرھا و فیھا کثیر من الاحکام اخذھا من مجرد نظرہ و ھواہ فصارت فی نبیہ شرعا متبعا یقدمونہ علی الحکم بکتاب اللہ و سنۃ رسول اللہ فمن فعل ذٰلک فھو کافر یجب قتالہ حتٰی یرجع الی حکم اللہ و رسولہ فلا یحکم سواہ فی قلیل و لا کثیر ف۱۸۹ شریعت الٰہی سے بڑھ کر عادلانہ وحکیمانہ، صحیح ومناسب قانون اور کون ہوسکتا ہے۔ لیکن اتنی موٹی سی بات بھی محسوس وہی کرتے ہیں۔ جن کی عقلیں شرک والحاد کے زنگ سے صاف اور ایمان وایقان کی روشنی سے منور ہوتی ہیں۔ ف۱۹۰ (جو صاحب کتاب ہونے کے باوجود قانون الٰہی کے منکر بلکہ اس کے باغی ہیں) اَوْلِيَآءَ۔ ولی کی جمع ہے۔ اور ولی کا اطلاق دوست، قریبی اور ناصر ومددگار سب پر ہوتا ہے۔ یہاں جس چیز کی ممانعت فرمائی گئی ہے، وہ تعلق دوستی، محبت، قرب اختصاصی کا ہے۔ رہا عدل وحسن سلوک، تو اس کا تعلق کفر واسلام سے نہیں۔ وہ تو ہر فرد بشر، بلکہ ہر مخلوق کے حق میں لازمی ہے۔ ایک تیسری اور درمیانی صورت مصالحت و معاملت کی رہ جاتی ہے تو وہ اہل اسلام کی اپنی مصلحت کے تابع ہے۔ صلح اور عہد وپیمان ہر کافر جماعت سے مشروع طریقہ پر کرسکتے ہیں۔ ممانعت قطعی صرف موالات یا دوستانہ اتحاد اور برادرانہ مناصرۃ کی ہے۔ ھٰذا یدل علٰی قطع الموالات شرعاً (قرطبی) ای لاتعتمدوا علی الاستنصار بھم ولا تتوددوا الیھم (کبیر) اور پھر یہ ممانعت جب اہل کتاب سے دوستی اور یگانگت کی ہے، جو توحید، سلسلۂ نبوت اور جزائے آخرت کے عقائد میں کم ازکم اصولی طور پر تو مسلمانوں سے متحد ہیں، تو ظاہر ہے کہ مشرکین کے مقابلہ میں یہ ممانعت کتنی مؤکد اور اشد ہوگی جو مسلمانوں کے ساتھ کچھ بھی قدر مشترک نہیں رکھتے...... یہ نہ بھی ہو، جب بھی کافر کتابی کے درجہ میں تو وہ بہرحال رہیں گے فاذا امرنا بمعاداۃ الیھود والنصارٰی لکفرھم فغیرھم من الکفار بمنزلتھم (جصاص) ف۱۹۱ (اپنی مناسبت باہمی اور اسلام سے عداوت مشترک کی بنا پر) مطلب یہ ہوا کہ یہودی یہودی اور نصرانی نصرانی تو باہم دوست ہوتے ہی ہیں، باقی خود یہود و

نصاریٰ کے درمیان بھی بہت کچھ مناسبت ہے، کم ازکم یہی کہ اسلام اور مسلمانوں کی عداوت پر دونوں متحد ہیں۔ ان کے آپس میں اگر تمہارے خلاف سازباز ہو جائے تو کچھ تعجب نہیں، لیکن تم جو اہل ایمان ہو، تم میں اور منکرین قرآن میں مناسبت ہی کیا، اور اشتراک کیسا؟ آج جب کہ یہ سطریں لکھی جارہی ہیں (جمادی الثانی ۶۵ ۱۳ھ مئی ١٩٤٦ء) فلسطین میں مسلمانوں کے خلاف یہود اور نصرانیوں کی سازباز قرآن مجید کی اس پیش خبری کی معجزانہ تصدیق پیش کررہا ہے۔ ف۱۹۲ یعنی وہ بھی انہی میں داخل وشامل اور انہی کا ایک جزو یا ضمیمہ سمجھا جائے گا۔ ای من جملتھم و حکمہ حکمھم و ھٰذا تغلیظ من اللہ و تشدید فی وجوب مجانبۃ المخالف فی الدین (مدارک) غیروں، بیگانوں، اللہ کے دشمنوں سے دوستی ہو نہیں سکتی، جب تک پہلے ان کی عظمت یا محبت کا نقش دل پر نہ بیٹھ لے، اور مسلمان اپنی پختگی سے کچھ نہ کچھ ہٹ نہ لے...... قومی تشخص اور ملت کی خودی کے لیے لازمی ہے کہ ملت اسلامی کے دوستانہ، رازدارانہ، برادرانہ تعلقات غیر مسلموں سے بالکل ممنوع قرار دے دیے جائیں۔ یہ آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ جو لوگ دشمنان دین کے ساتھ خلا ملا، میل جول زیادہ رکھتے ہیں، ان کے اندر سے فہم دین اور دینی تصلب اور ملی خودداری رخصت ہو جاتی ہے۔ حدیث نبوی میں دوسری قوموں کے وضع ولباس اختیار کرنے، اُن سے تشبہ پیدا کرنے کی جو ممانعت آئی ہے، وہ عجب نہیں کہ انہی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہو۔ ف۱۹۳ یعنی دین کی سمجھ اور غیرت ملی ایسے لوگوں سے سلب ہو جاتی ہے۔ ظالمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین خدا کے باغیوں کو دوست و رازدار بنا کر خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔ الذین ظلموا

الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا

سخت ہوں گے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی

يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ

ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے ف١٩٩ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٤﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ

عطا کرے، اور اللہ بڑا وسعت والا ہے، بڑا علم والا ہے ف٢٠٠ تمہارے دوست تو بس اللہ

وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

اور اس کا رسولؐ اور ایمان والے ہیں جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں،

وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ

اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں، اس حال میں کہ وہ خشوع بھی رکھتے ہیں ف٢٠١ اور جو کوئی اللہ اور

اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ

اس کے رسولؐ اور ایمان والوں سے دوستی رکھے گا، سو بے شک اللہ ہی کا گروہ

هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا

غالب ہے ف٢٠٢ اے ایمان والو! جن لوگوں کو،

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ

تم سے پہلے کتاب (آسمانی) مل چکی ہے اور وہ ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ

بنا رکھا ہے اُن کو اور کافروں کو دوست نہ بناؤ ف٢٠٣ اور اللہ سے

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ

ڈرتے رہو، اگر تم ایمان والے ہو ف٢٠٤ اور جب تم نماز کے لئے پکار کرتے ہو ف٢٠٥

ع ٨ ١٢

انفسهم بموالاة الكفرة (کشاف۔مدارک) ف١٩٤ (اور اُس وقت یہودی ساہوکاروں سے دوستانہ تعلقات کام آئیں گے) دائرۃ۔مراد ہے گردش زمانہ سے کوئی اتفاقی مصیبت مثلاً قحط، گرانی، شکست جنگ وغیرہ۔قال الواحدی الدائرة من دوائر الدهر كالدولة و هی التی تدور من قوم الی قوم (کبیر) والدائرة هی التی تخشٰی كالهزيمة والحوادث المخوفة (کبیر) من دوائر الزمان ای صرف من صروفه و دولة من دوله فيحتاجوا اليهم (کشاف) اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ سے مراد منافقین مدینہ ہیں۔یہی ان احکام امتناعی کے باوجود، یہودی مہاجنوں، ساہوکاروں سے برابر رشتہ موالات قائم کیے ہوئے تھے۔مرض سے مراد شک ونفاق کا مرض ہے۔مرض شک و نفاق والمراد ابن ابیٌ واصحابه (قرطبی) المنافقون مثل عبدالله بن ابی واصحابه (کبیر) فَتَرَی میں خطاب عام ہے، یعنی اے دیکھنے والے۔فِیْهِمْ یعنی اُن کی دوستی کی طرف جن سے اُن کا لین دین جاری تھا۔ای فی موالاتهم و معاونتهم (بیضاوی۔قرطبی) فی مودة اليهود و نصارٰی نجران لانهم كانوا اهل ثروة و كانوا يعينونهم علٰی مهماتهم و يقرضونهم (کبیر) یَقُوْلُوْنَ۔یعنی مسلمانوں سے بہ طور حیلہ بازی اور سخن سازی کے کہتے ہیں۔روایتوں میں آتا ہے کہ مدینہ میں جو پرقوت جتھا عبداللہ بن اُبَی کی سرداری میں منافقوں کا تھا، وہ برابر متمول یہود ونصارٰی سے لین دین جاری رکھے ہوئے تھے، اور مسلمانوں سے کہتا رہتا کہ کل کی کیا خبر، اگر کہیں یہی لوگ تم پر غالب آ گئے، یا اور کوئی مصیبت ہم تم پر پھٹ پڑی تو بغیر ان لوگوں سے مدد لیے کچھ بنائے نہ بنے گی۔اس لیے انہیں ساتھ لیے رہنا ضروری ہے۔ف١٩٥ اور شرمندگی بھی کیسی، دوہری بلکہ تہری تہری شرمندگی اٹھانا پڑے۔پہلی کھسیاہٹ تو اسی کی کہ سمجھے کیا تھے، اور ہوا کیا۔دوسری جھنجلاہٹ اپنی رسوائی پر جو نفاق کمبخت کی بدولت ظہور میں آئی۔تیسرا غصہ اپنی اس ناکامی پر کہ ادھر کافروں سے دوستی کچھ آڑے نہ آئی، اور اُدھر مسلمانوں سے بھی برے بنے! عَسَی اللّٰهُ۔عسٰی کے لیے اُوپر کئی بار آچکا ہے کہ جب اس کا تعلق حق تعالیٰ کے کسی فعل سے ہوتا ہے تو معنٰی میں شک واحتمال نہیں رہتا، بلکہ مفہوم یقین کا پیدا ہو جاتا ہے۔یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ یہ فتح مسلمانوں کو اُنہی کافروں کے مقابلہ میں حاصل ہوگی جو آج ان منافقوں کی امیدوں کا سہارا اور جائے پناہ بنے ہوئے ہیں۔اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ۔اللہ کی طرف سے کوئی خاص بات، مثلاً اُنہی منافقین کی پردہ دری ان کے ناموں کی تعیین کے ساتھ۔ف١٩٦ (لیکن اب تو حقیقت حال کچھ اور ہی ظاہر ہو رہی ہے) یہ کہنے والے مومنین ہوں گے اور آپس میں کہیں گے جب منافقین کا نفاق کھل کر رہے گا۔ف١٩٧ (آخرت اور دنیا دونوں میں) استحقوا اللعن فی الدنيا و العقاب فی الأخرة (کبیر) دنیا میں یوں کہ کافروں کی معاونت لاحاصل نکلی، اور مسلمانوں کے سامنے قلعی کھل کر رہی۔اور آخرت میں یوں کہ اُن کی ظاہری نیکیاں بالکل بے وزن نکلیں۔اَعْمَالُهُمْ۔میں اعمال سے اُن کے وہ اعمال تو مراد ہیں ہی جن پر انہیں طاعات ہونے کا گمان تھا۔لیکن ان سے مراد اُن کی منافقانہ کارروائیاں اور دوزخی چالیں بھی ہو سکتی ہیں۔ف١٩٨ (ان مرتدوں کے بجائے، دین کی خدمت کے لیے) سو کسی فرد یا جماعت کے ارتداد سے دین اسلام یا خدائے اسلام کو مطلق ضرر نہیں۔ف١٩٩ (دین وجہاد کے باب میں) یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ۔قرآن مجید نے اسے بار بار صاف کیا ہے کہ خدائے اسلام بعض مشرک قوموں کے خداؤں کی طرح ایک بے جان وبے حس مشین اور محض علت العلل نہیں۔وہ خوش بھی ہوتا ہے اور ناخوش بھی۔وہ پسند بھی کرتا ہے اور ناپسند بھی۔وہ حکم بھی دیتا ہے اور منع بھی کرتا ہے۔یہاں یہ بتایا کہ وہ فلاں فلاں اوصاف والوں کو پسند کرتا ہے، اور وہ لوگ بھی اُس کو محبوب رکھتے ہیں۔اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ۔یہی مضمون سورۃ الفتح، رکوع ٤ میں بھی بیان ہوا ہے۔اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ۔اَذِلَّةٍ۔کے معنٰی ہیں نرمی وشفقت سے لبریز۔ای يرافقون بالمؤمنين ويرحمونهم و يلينون لهم (قرطبی) ليس المراد بكونهم اذلة هو انهم يهانون بل المراد المبالغة فی وصفهم بالرفق ولين الجانب (کشاف) اَعِزَّةٍ۔کے معنٰی ہیں غالب، سخت، مستقل۔ای اشداء غلاظ على الكفار يعادونهم ويغالبونهم (معالم) هم فی الغلظة على الكفار كالسبع على فريسته (ابن عباسؓ) یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔یہ یُجَاهِدُوْنَ کے ساتھ ہر جگہ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کی قید لگی رہنا بے معنٰی نہیں۔نفس مجاہدے اور سخت قسم کی مشقتیں مشرک، ملحد، منافق سب ہی اپنے اپنے دنیوی، ملکی، وطنی، شخصی، قومی اغراض ومقاصد کے لیے کیا کرتے ہیں۔جیل جاتے ہیں، تازیانے کھاتے ہیں، گولیاں سینہ پر لیتے ہیں، پھانسی پر چڑھ جاتے ہیں۔مومن مسلم کی شان امتیازی یہ ہے کہ اس کے مجاہدے بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں، جو بھی ہوں اللہ کی راہ میں، رضاء الٰہی کی غرض سے، دین خدا کی سربلندی کی خاطر ہوں۔لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ۔یہ شان مومنین مخلصین کی ہے۔بہ خلاف منافقین کے کہ وہ اگر جہاد میں شریک ہوتے بھی ہیں تو دبے دبائے، شرمائے ہوئے، کافروں کی طعنہ زنی سے ڈرے سہمے ہوئے۔مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں اہل طریق کے طرز عمل کی تصریح آ گئی۔ف٢٠٠ ذٰلِكَ۔اشارہ ایمان اور اُن اوصافِ عمل کی جانب ہے جو ابھی اوپر بیان ہو چکے۔اشارة الی ماتقدم من الاوصاف (بیضاوی) وَاسِعٌ۔اُس کے ہاں کی وسعتوں اور گنجائشوں کا کیا پوچھنا۔وہ چاہے تو سب ہی کو ان اوصاف سے متصف کر دے۔عَلِیْمٌ۔لیکن اس کا علم بھی تو ہمہ گیر ودقیق ترین ہے۔وہ اُنہی کو ان اوصاف سے متصف کرتا ہے جو اس کے علم کامل میں اس کے اہل ہوتے ہیں۔ف٢٠١ وَلِیُّكُمُ۔یہاں ولی اس معنٰی میں ہے کہ وہ جس سے تمہیں دوستی رکھنا چاہیے۔یعنی تمہارے حقیقی دوست۔اور خطاب اُمت اسلامی سے ہے۔اُوپر ذکر اس کا تھا کہ یہود ونصارٰی کو اپنا دوست مت بناؤ۔اب گویا ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ دوست اللہ اور رسول اور اہل ایمان کو بناؤ۔فکانہ

اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا

تو یہ لوگ اس کو ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ (بالکل) عقل سے

يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ

کام نہیں لیتے ف٢٠٦ آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! تم ہم سے بس یہی ضد رکھتے ہو نا

اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ

کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور جو کچھ ہمارے اوپر اترا ہے اس پر اور جو کچھ ہم سے پیشتر

قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ

اُتر چکا ہے اُس پر؟ ف٢٠٧ اور یہی کہ تم سے اکثر نافرمان ہیں ف٢٠٨ آپ کہہ دیجیے کیا میں تمہیں جتلا دوں

بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ

وہ جو اللہ کے ہاں پاداش کے لحاظ سے اس سے (بھی کہیں) برا ہے ف٢٠٩ وہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے

اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ

لعنت کی ہے اور اُن پر غضب کیا ہے ف٢١٠ اور اُن میں سے بندر

وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا

اور سور بنا دیے ف٢١١ اور انہوں نے شیطان کی پوجا کی ف٢١٢ ایسے لوگ مقام کے اعتبار سے بدتر

وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾ وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا

اور راہ راست سے بہت دُور ہیں ف٢١٣ اور جب یہ لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں

اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ

کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ وہ کفر کو لے آئے تھے اور اسی کو لے کر چلے گئے

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا

اور اللہ خوب جانتا ہے اس چیز کو جسے یہ لوگ چھپاتے ہیں ف٢١٤ اور آپ ان میں سے بہتوں

ہے جو اہل اللہ اوران کے طریق کے ساتھ تمسخر کرے۔ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ میں و حالیہ ہے۔ والواو للحال (کشاف) ای یعملون ذلک فی حال الرکوع (کشاف) لیکن خود رکوع کے اس سیاق میں کیا معنی ہیں؟ رکوع یہاں بمعنی خشوع ہے نماز کی اصطلاحی ہیئت متعارف مراد نہیں۔ و ھو الخشوع والاخبات والتواضع للہ اذاصلوا و اذا زکوا (کشاف) والرکوع ھناظاھرہ الخضوع لاالھیئۃ التی فی الصلوٰۃ (بحر) مطلب یہ ہوا کہ ان کی اقامت صلوٰۃ وادائے زکوٰۃ محض صورت ظاہری کے لحاظ سے نہیں ہوتی، بلکہ وہ صحیح کیفیت باطنی کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ ١ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ ٢ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ۔ ٣ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ غرض یہ کہ وہ لوگ عقائد اور اعمال بدنی و مالی اور اخلاص واخلاق سب کے جامع ہوں گے۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ عین ذکر میں اگر کسی ایسے شغل کا ہجوم وتقاضا ہو کہ اگر اس سے فارغ نہ ہوتو اس کا قلب مشغول رہے تو اس سے جلد فارغ ہو جانا ہی مستحسن ہے۔ ف٢٠٢ (باعتبار اصل حقیقت کے گو بعض اوقات اس غلبہ کے آثار کسی حکمت ومصلحت کی بنا پر ظاہر نہ ہوں) بہ قول مفسر تھانوی علیہ رحمۃ اللہ حقیقۃ ارفع تو مومنین ہی ہیں، گو حکمت ابتلاء وغیرہ کی بنا پر کسی خاص محل، مثلاً اس دنیا میں، اور کسی خاص وقت تک اس ارفعیت کے آثار نمایاں نہ ہوں۔ واقعیت بجائے خود قائم ہے، خواہ اس کے آثار بعد ایک مدت کے اسی دُنیا میں ظاہر ہو جائیں خواہ کسی دوسرے محل کے لیے، مثلاً آخرت میں اپنے ظہور کے اصلی اور مقدر وقت پر اٹھا رہیں۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ غلبہ کی تفسیر اگر قوت قلب سے کی جائے تو فہم سہل تر ہو جائے۔ اہل اللہ پر اسباب مغلوبیت کا ظاہراً کتنا ہی ہجوم ہو، لیکن ان کو ضعف واستکانت بوجہ توکل وتعلق مع اللہ کے نہیں ہوتا۔ ف٢٠٣ جو لوگ دین حق سے تمسخر واستہزاء کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں، خواہ وہ کتابی کافر ہوں یا غیر کتابی، اُن سے انقطاع تعلقات و دوستی کے باب میں یہ آیت ایک اور نص قطعی ہے۔ ذکرھھنا النھی العام عن موالاۃ جمیع الکفار (کبیر) الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ سے مراد ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ اسی آیت سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ مشرکین سے مدد لینا ناجائز ہے۔ فیہ نھی عن الاستنصار بالمشرکین لان الاولیاء ھم الانصار (جصاص) مِنَ الَّذِيْنَ میں مِن تبیین وتشریح کے لیے ہے۔ انتخاب وتبعیض کے لیے نہیں۔ من للبیان (جلالین) اس لیے یہ معنی نہیں کہ اہل کتاب میں سے ایک طبقہ اس قسم کا ہے، بلکہ مراد ہے اہل کتاب جو سب کے سب اسی قماش کے ہیں۔ شاہ عبدالقادر دہلوی اور مفسر تھانوی دونوں نے اپنے اپنے ترجمہ میں یہی پہلو اختیار کیا ہے۔ وَالْكُفَّارَ۔ کفار سے مراد کافر غیر کتابی ہیں۔ ای المشرکین و قد ورد بھذا المعنی فی مواضع من القرآن (روح) ف٢٠٤ حکم، اور بعض صورتوں میں ناخوشگوار حکم کی تعمیل اور ادائے فرض پر تقوی الٰہی ہی آمادہ کرسکتا ہے۔ اور خود تقوی ایمان کی پختگی کے لوازم میں سے ہے۔ امرھم بتقوی اللہ فانھا ھی الحاملۃ علی امتثال الاوامر و اجتناب النواھی (بحر) ثم نبّہ علی الوصف الحامل علی التقوی و ھو الایمان (بحر) ف٢٠٥ اسی پکار کا نام اصطلاح شریعت میں اذان ہے۔ اور یہ اسلام کے امتیازات خصوصی میں سے ہے۔ دوسرے مذہبوں میں اوّل تو روزانہ عبادت اجتماعی کا دستور ہی نہیں (چہ جائیکہ دن میں پانچ پانچ مرتبہ) اور پھر روزانہ یا ہفتہ وار جب کبھی بھی وقت عبادت کے اعلان کی ضرورت پڑتی ہے، تو اس موقعہ پر کام گھنٹہ کی ٹھنا ٹھن یا گھنٹی کی ٹن ٹن سے لیا جاتا ہے!...... یہ شرف صرف اسلام کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس نے عبادت کے اعلان دعوت کا طریقہ ایسا نکالا، جو عبادت کا ذریعہ ہی نہیں، بلکہ بجائے خود بھی ایک عبادت ہی ہے! اذان میں ہوتا کیا ہے؟ نہ باجہ نہ گانا، نہ جرس نہ ناقوس، نہ قومی نغمہ نہ ملی ترانہ۔ بس اللہ کی حکومت و کبریائی، اللہ کی توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار کے ساتھ ساتھ لوگوں کو نماز کی طرف بلاوا! الفاظ کل یہی ہوتے ہیں، کہ:۔ اللہ اکبر (چار بار) اللہ ہی بڑا ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (دوبار) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (دوبار) میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ (دوبار) لپکو نماز کی طرف۔ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ (دوبار) لپکو فلاح و بہبود کی طرف۔ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ (دوبار) نماز نیند سے کہیں بہتر ہے۔ (صرف فجر کے وقت) اَللّٰهُ اَكْبَرُ (دوبار) اللہ ہی بڑا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (ایک بار) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ فرمایئے، اس سے پاکیزہ تر پکار اور کیا ہوسکتی ہے؟ اس وسیع کرۂ ارض کے جس قطعہ میں جہاں بھی کوئی مسجد ہے، موذن اس پاک گھر میں خود بھی پاک وصاف ہوکر، باوضو کسی بلند مقام پر کھڑے ہوکر، اللہ کی کبریائی، اللہ کی یکتائی، محمد کی رسالت کی منادی بلند آواز سے کرتا رہتا ہے۔ اور لوگوں کے لیے عبادت وفلاح کی دعوت بغیر کسی مادّی آلہ کی مدد کے فضا میں پانچ بار ہر روز بلند ہوتی رہتی ہے!...... ظالم اسی صدائے خیر وفلاح کو روکنا اور بند کرنا چاہتے تھے۔ غیر قوم والے اس قدرتی لحن سے جس طرح متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف٢٠٦ اس پاکیزہ صدا کا کونسا جزو آخر قابل مضحکہ ہے؟ کونسا پہلو اس کا قابل تمسخر ہے؟ اتنا صحیح، سچا، سنجیدہ پیام آخر کس اعتبار سے ناقابل التفات ہے؟...... اور جو اسے قابل تحقیر سمجھیں، کیا اُن کی انتہائی بے عقلی، کج فہمی پر کسی مزید دلیل قائم کرنے کی ضرورت ہے؟ اِتَّخَذُوْهَا میں ضمیر صلوٰۃ کی طرف بھی ہوسکتی ہے۔ اور ندا (اذان) کی طرف بھی۔ الضمیر للصلوٰۃ او للمناداۃ (کشاف) سیاق کے لحاظ سے اذان ہی مراد لینا بہتر ہوگا۔ ف٢٠٧ یعنی ہمارے اصول دین میں سے تمہیں عداوت اور ضد اس کے کس جزو سے ہے؟ ہمارا جرم بس یہی ہے نا کہ ہم توحید کے پرستار ہیں، اور اپنے نبی کے ساتھ ساتھ تمہارے انبیاء پر بھی ایمان رکھتے ہیں؟ قُلْ۔ خطاب پیغمبر کو ہے کہ آپ سب مسلمانوں کی طرف سے یہ جواب دیں۔ قال علی سبیل التعجب ھل تجدون فی ھذا الدین الا الایمان باللہ والایمان بما انزل علی

[illegible] ... معناہ تسخطون و قیل تکرھون و قیل

مِنۡهُمۡ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاَكۡلِهِمُ

کو دیکھتے ہیں گناہ اور ظلم اور حرام کھانے پر

السُّحۡتَ‌ ؕ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۲﴾ لَوۡلَا يَنۡهٰٮهُمُ

لپکتے ہوئے کیسے برے ان لوگوں کے کرتوت ہیں ف۲۱۵ کیوں اُن کے

الرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِهِمُ الۡاِثۡمَ وَاَكۡلِهِمُ

مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کے کھانے سے نہیں روکتے

السُّحۡتَ‌ ؕ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ

ہیں کیسی بری ان کی کارستانیاں ہیں! ف۲۱۶ اور یہود کہتے ہیں کہ

يَدُ اللّٰهِ مَغۡلُوۡلَةٌ‌ ؕ غُلَّتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَلُعِنُوۡا بِمَا قَالُوۡا‌ ۘ بَلۡ

خدا کا ہاتھ بند ہو گیا ف۲۱۷ ہاتھ اُن ہی کے بند ہوں! اپنے اس کہنے سے یہ ملعون ہو گئے ف۲۱۸

يَدٰهُ مَبۡسُوۡطَتٰنِ ۙ يُنۡفِقُ كَيۡفَ يَشَآءُ‌ ؕ وَلَيَزِيۡدَنَّ

اللہ کے تو دونوں ہاتھ خوب کھلے ہوئے ہیں ف۲۱۹ وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے ف۲۲۰ اور جو کچھ آپ پر

كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ طُغۡيَانًا

آپ کے پروردگار کی طرف سے اُترا ہے، وہ اُن میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر

وَّكُفۡرًا‌ ؕ وَاَلۡقَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ

بڑھا دیتا ہے، ف۲۲۱ اور ہم نے اُن کے درمیان دشمنی اور کینہ قیامت تک کے لئے ڈال دیا

الۡقِيٰمَةِ‌ ؕ كُلَّمَاۤ اَوۡقَدُوۡا نَارًا لِّلۡحَرۡبِ اَطۡفَاَهَا اللّٰهُ ۙ

ہے ف۲۲۲ جب جب وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اسے بجھا دیتا ہے ف۲۲۳

وَيَسۡعَوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَسَادًا‌ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ

اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ف۲۲۴ درآنحالیکہ اللہ فساد کرنے والوں کو

وقف لازم

تنکرون والمعنی متقارب (قرطبی) ھل تنکرون منا وتعیبون (بیضاوی) ف۲۰۸ (خود اپنے دین کے معیار سے بھی) اہل کتاب اُس وقت دینی اور اخلاقی اعتبار سے اتنے گرے ہوئے تھے کہ قرآن مجید بے تکلف انہیں اس لحاظ سے بھی ملزم قرار دے رہا ہے۔ ای فسقکم ثابت معلوم عندکم (بیضاوی) انتم فی دینکم فساق لاعدول (کبیر) وَاَنَّ میں و، مع کے معنی بھی دے سکتا ہے۔ یجوزان یکون الواو بمعنی مع (کشاف۔ کبیر) اس ترکیب کے بعد آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ تم ہم سے ہمارے ایمان ہی کی بنا پر تو خفا ہو، باوجود اس کے کہ اکثر تم خود ہی نافرمان ہو۔ ما تنقمون منا الا الایمان مع ان اکثرکم فاسقون (کشاف) ای لان اکثرکم فاسقون تنقمون منا ذٰلک (قرطبی) ف۲۰۹ (جسے تم اپنے لیے برا سمجھ رہے ہو) یعنی تم تو ہمارے طریقہ کو برا سمجھ رہے ہو، لیکن میں تمہیں اُس طریقہ کا پتہ بتائے دیتا ہوں جو واقعی عنداللہ سزا و پاداش کے لحاظ سے بدترین ہے۔ مِنۡ ذٰلِكَ. یعنی ہمارے اس طریقہ سے جو تمہارے نزدیک موجب صد عیب ہے۔ ای من ذٰلک المنقوم (بیضاوی) ای بشرٍ من نقمکم علینا (قرطبی) اشارۃ الی المنقم (کبیر) ف۲۱۰ (ان کے اسی طریق مبغوض کے باعث) لَعَنَهُ. لعنت پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے کہ اس کے معنی رحمت الٰہی سے دُوری اور مجبوری کے ہوتے ہیں۔ مِنۡ عِنۡدَ اللّٰهِ کا مضاف محذوف ہے اور تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے بشرٍ من اھل ذٰلک من لعنه اللہ او بشرٍ من ذٰلک دین من لعنه اللہ (بیضاوی) لا بد من حذف المضاف و تقدیرہ بشرٍ من اھل ذٰلک (کبیر) ذکر یہود کا ہے۔ ف۲۱۱ یہ لوگ جو بندر اور سوٴر بنا دیے گئے کون تھے کہاں کے تھے، کس زمانہ کے تھے، قرآن مجید اس باب میں خاموش ہے اور احادیث صحیح میں بھی کوئی تفصیل وارد نہیں ہوئی ہے۔ اس لیے اس پر محض اجمالی ایمان بالکل کافی ہے۔ البتہ جمہور مفسرین اس پر متفق ہیں کہ قردۃ بننے والے سے مراد یہود یا اصحاب السبت ہیں جن کا ذکر سورۂ بقرہ پارہ اوّل میں آچکا ہے۔ اور خنازیر سے مراد مسیحی اصحاب المائدہ ہیں، جن کا ذکر اسی سورۃ میں آگے آرہا ہے۔ قال اھل التفسیر عنی بالقردۃ اصحاب السبت و بالخنازیر کفار مائدۃ عیسیٰؑ (کبیر) ای مسخ بعضھم قردۃ و ھم اصحاب السبت و بعضھم خنازیر و ھم کفار مائدۃ عیسیٰؑ (روح) لیکن یہ قول بھی سلف ہی سے مروی چلا آرہا ہے کہ مسخ محض معنوی ہوا تھا، صوری نہ تھا، یعنی صورتیں وہی رہی تھیں، صرف سیرتیں بندروں اور سوروں کی ہوگئی تھیں۔ مفردات میں لغت خنزیر کے تحت میں ہے:۔ قیل عنی من اخلاقه و افعاله مشابھة لا خلاقھا لا من خلقته خلقتھا و روی ان قومًا مُسخوا خِلقةً و کذا ایضاً فی الناس قومٌ اذا اعتبرت اخلاقھم وُجدوا کالقردۃ والخنازیر و ان کانت صُوَرُھم صُوَر الناس (راغب) اس نامہ سیاہ کو اس آیت کی تفسیر کے باب میں خاص طور پر تردّد تھا۔ مسودۂ اوّل کی تحریر کے وقت (اپریل ۱۹۴۲ء میں) حکیم الامت مفسر تھانوی علیہ رحمۃ اللہ زندہ و سلامت تھے۔ حل مشکل کے لیے عریضہ ان کی خدمت میں بھیجا، اور اس میں امام راغب کی عبارت مذکورۂ بالا نقل کردی۔ جواب جو موصول ہوا اُس کو خلاصۃً یوں بیان کیا جا سکتا ہے، کہ "اوّلا تو ایسی تاویلیں ان صحیح و مسلم اور عقلی قواعد کے آکر مخالف پڑتی ہیں۔ النصوص تحمل علی ظواھرھا لایعید الی المجاز الا اذا تعذرت الحقیقۃ الناطق یقضی علی الساکت۔ ثانیاً، خود الفاظ قرآنی اس تاویل کو مستبعد بتا رہے ہیں۔ مثلاً لفظ جَعَلَ ضمیر پر دال ہے، تو اس کا مفعول ثانی ایسی ہی چیز ہو سکتی ہے جو پہلی کے خلاف ہو۔ اور قردۃ وخنازیر بالتاویل تو وہ خود ہی ہو چکے تھے، اس میں جَعَلَ کے کیا معنی۔ اس جَعَلَ کا تو یہ حاصل ہوا کہ جعل القردۃ قردۃً و جعل الخنازیر خنازیر۔ یا بہ عبارت دیگر جعل الخبیثین خبیثین کیا اس سے کلام کے بے معنی ہونے کا شبہ قوی نہیں ہو سکتا، جو کلام اللہ سے نہایت مستبعد ہے۔ ثالثاً جب وہ خود خبیث ہو چکے تھے تو اب اُن کو خبیث بنانے کے کیا معنی۔ رابعاً سورۂ بقرہ میں ہے فَجَعَلۡنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهَا وَمَا خَلۡفَهَا وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ تو سزا پر تو نکال اور مَوۡعِظَةً صادق آتا ہے مگر عقائد و اخلاق فاسدہ تو خود موجب سزا ہیں نہ کہ سزا۔ غایۃ مافی الباب ایسی تاویل کو نص کی تکذیب نہ کہیں گے لیکن کیا بدعت بھی نہ کہیں گے؟ اگر شبہ کیا جائے کہ بعض سلف کو بدعتی کہنا لازم آتا ہے، تو یہ بدعت اجتہادی محل وعید نہیں، ورنہ اگر اس تاویل کو سنت میں داخل کیا جائے تو جمہور کو بدعتی کہنا لازم آئے گا"۔ گنجائش بہرحال اس تاویل کی بھی موجود ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ف۲۱۲ یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب عَبَدَ بہ طور فعل پڑھا جائے۔ اور تقدیر کلام یوں ہوگی۔ وَمَنۡ عَبَدَ الطَّاغُوۡتَ عطف اس صورت میں مَنۡ لَّعَنَهُ اللّٰهُ پر ہوگا۔ جعلوہ فعلاً ماضیًا و عطفه علی فعل ماضٍ و ھو غضب و لعن (قرطبی) عطف علی صلۃ من کانهٗ قیل و من عبدالطاغوت (کشاف) دوسری ترکیب یہ بھی جائز ہے کہ عبد کو اسم اور عبد کی جمع سمجھا جائے۔ اس صورت میں عبد کا عطف الۡقِرَدَةَ وَالۡخَنَازِيۡرَ پر ہوگا۔ اور پورے فقرہ کے معنی ہوں گے کہ "انہیں بندر اور سور اور پرستار شیطان بنا دیا"۔ طاغوت پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں، یہود رفتہ رفتہ کاہنوں کے بہت معتقد اور گرویدہ ہو گئے تھے، اور کہانت وغیرہ تمام شیطانی فنون اُن پر غالب آگئے تھے۔ اسی کو شیطان کی پرستاری سے تعبیر کیا گیا۔ عن عباس رضی اللہ عنہما الطاغوت الکھنة و کل من اطاع احدًا فی معصیة اللہ فقد عبدہٗ (کشاف) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جب مصلحت دینی ہو تو مخالف کی ذم کو خوب ظاہر کر دیا جائے اور یہ صبر و حلم کے منافی نہیں۔ ف۲۱۳ (اسی دنیا میں) شَرٌّ مَّكَانًا آخرت میں کہ وہ مکان دوزخ ہے۔ شر کو یہاں مضاف مکان کی طرف کیا گیا ہے، اور مراد اس سے اہل مکان تھی۔ لان مکانھم النار و اما المومنون فلا شر فی مکانھم (قرطبی) جعلت الشرارۃ للمکان و ھی لاھله للمبالغة (مدارک) ف۲۱۴ یعنی ان کے عقائد کفر و نفاق کو۔ ذکر اب منافقین کا ہے، خصوصاً منافقین یہود کا، جو اپنے عقائد کفر کے باوجود اپنے کو مسلمان آبادی کے درمیان چالاکی سے ملے جلے رکھتے تھے۔ ھٰذہ صفة المنافقین (قرطبی) ای

منافقوا الیھود (جلالین) اِذَا جَآءُوْکُمْ یعنی یہ منافقین جب مسلمانوں کی مجلسوں میں آتے جاتے اُٹھتے بیٹھتے ہیں۔ دَخَلُوْا بِالْکُفْرِ۔ یعنی تمہاری مجلس کے اندر عقائد کفر لیے ہوئے آئے۔ خَرَجُوْا بِالْکُفْرِ۔ یعنی تمہاری مجلس سے باہر وہی عقائد کفر لیے ہوئے واپس ہوئے۔ مطلب یہ ہوا کہ انہیں مسلمانوں کی مجلس میں آنے سے نفع مطلق نہ ہوا۔ جو کفریہ عقائد لے کر آئے تھے، وہی لے کر چلے بھی گئے۔ والمعنی انھم لم ینتفعوا بشیء مما سمعوہ بی دخلوا کافرین و خرجوا کافرین (قرطبی) ف۲۱۵ ذکر یہود کا ہے۔ الْاِثْمِ۔ جھوٹ کے قسم کے سارے گناہ اس میں شامل ہیں۔ یا وہ گناہ جو گنہگار کی ذات تک محدود ہیں۔ الاثم الکذب و قیل الاثم ما یختص بھم (کشاف) یعنی عن قول الکذب والزور (ابن جریر) الْعُدْوَانِ۔ یہ لفظ ہر قسم کے ظلم، زیادتی اور سرکشی پر حاوی ہے۔ یا وہ گناہ جو دوسروں تک متعدی ہو۔ العدوان الظلم و قیل العدوان ما یتعدا ھم الی غیرھم (کشاف) اَکْلِھِمُ السُّحْتَ۔ اس میں سود، رشوت اور جبریا مکر سے حاصل کی ہوئی ہر آمدنی آگئی۔ پرانے حکماء کی تحلیل نفس کے مطابق اثم قوت نطقیہ سے صادر ہوتا ہے۔ اور عدوان قوت غضبیہ سے اور اکل سحت قوت شہویہ سے۔ ف۲۱٦ آیت ماقبل میں ذکر عوام یہود کا تھا۔ اس آیت میں ذکر خواص واکابر یہود کا ہے۔ لَوْلَا۔ الا کے معنی میں ہے۔ لو لا بمعنی الا (قرطبی) یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب اس کا داخلہ مستقبل پر ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہے، تو اس کے معنی صیغہ امر کے اور ممانعت کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ فاذا کانت للمستقبل فھی فی معنی الامرلم لا تفعل و ھی ھھنا للمستقبل یقول ھلا ینھا ھم ولم لا ینھا ھم (جصاص) لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۔ صحابہ وتابعین اور علماء سلف سے مروی ہے کہ یہ آیت قرآن مجید کی سخت ترین آیتوں میں سے ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ھی اشد اٰیۃ فی القراٰن (کشاف) عن الضحاک ما فی القراٰن اٰیۃ اخوف عندی منھا (کشاف) کان العلماء یقولون ما فی القراٰن اٰیۃ اشد توبیخا للعلماء من ھٰذہ الاٰیۃ ولا اخوف علیھم منھا (ابن جریر) ف۲۱۷ یہ مسلمانوں کے افلاس پر طنز واستہزاء کی راہ سے ایک فقرہ تھا۔ محاورہ میں اس سے مراد بخل و تنگدستی ہوتی ہے غل الید و بسطھا مجاز عن البخل والجود (کشاف) غل الید و بسطھا مجاز مشھور عن البخل والجود (کبیر) ید کے یہاں لفظی معنی لینا مضحکہ خیز ہیں۔ یہ تو محض محاورۂ زبان اور ایک اسلوب بیان ہے۔ کسی کے ہاتھ بالکل کٹے ہوئے ہوں جب بھی اُس کے بخل وجود کے لیے غل ید و بسط ید کا محاورہ بلا تکلف استعمال ہوگا۔ اس لیے یَدُ اللّٰہِ کے لفظ کے آ جانے سے حق تعالیٰ کے اثبات ید کا قطعاً کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لا یقصد المتکلم بہ اثبات ید و لا غل ولا بسط (مدارک) روایتوں میں یہ قول صرف دو ہی یہودیوں سے نقل ہوا ہے، لیکن اس سے دلچسپی لینے والے اور اس کو منع نہ کرنے والے دوسرے لوگ بھی رہے، اسی لیے یہ قول منسوب افراد ہی کی جانب نہیں بلکہ فرقہ کی جانب کر دیا گیا۔ لما قال قوم ھٰذا و لم ینکر الباقون صار کانھم باجمعھم قالوا ھٰذا (قرطبی) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہود کا یہ قول گو ان کے اعتقاد پر مبنی نہ ہو، لیکن کلمہ کفر کا تلفظ بھی بلا ضرورت اور بغیر تردید کے کفر ہی ہوتا ہے۔ اور یہیں سے یہ ہے کہ آگے فقرہ میں لُعِنُوْا کی علت بِمَا قَالُوْا ارشاد ہوئی ہے، بما اعتقدوا۔ نہیں۔ ف۲۱۸ چنانچہ دنیا میں اس ملعونیت کا اثر قید، قتل، ذلت وغیرہ سے ظاہر ہوا۔ اور آخرت میں عذاب جہنم سے ظاہر ہوگا۔ غُلَّتْ

اَیْدِیْھِمْ۔ یہ دُعا کا کلمہ ہے یعنی افلاس وتنگدستی، بدحالی اُن ہی پر چھا کر اور ان ہی پر الٹ کر رہے گی۔ یجوزان یکون دعاء علیھم (قرطبی) یجوزان یکون معناہ الدعاء علیھم بالبخل (کشاف) اس پیش خبری کا ظہور عین اُس وقت بھی ہوا۔ یعنی چند ہی سال کے اندر یہود مدینہ مفلس و بے زر ہو کر رہ گئے۔ اور خود آج بھی باوجود اپنے شہرۂ آفاق تمول کے خوشحالی اور دولت اُن کے کچھ افراد ہی تک محدود ہے، ورنہ بحیثیت قوم ایک نہایت درجہ مفلس و نادار قوم ہے۔ مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ، آیت ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ کے تحت میں پارۂ اوّل میں گزر چکا ہے۔ ف۲۱۹ یعنی اللہ کے ہاں کریمی اور رزاقی بدستور جاری ہیں۔ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ۔ اُردو میں بھی غایت فیاضی کے اظہار کے موقع پر بولتے ہیں کہ کوئی ایک ہاتھ سے خرچ کرتا ہے، فلاں دونوں ہاتھوں سے خرچ کرتا ہے عربی میں بھی دونوں ہاتھوں کا لانا زور و تاکید کے لیے ہے۔ لیکون ردقولھم و انکارہ ابلغ و اول علی اثبات غایۃ السخاء و نفی البخل عنہ (کشاف) یہ بھی کہا گیا ہے کہ تثنیہ کا صیغہ دوسری نعمتوں کے اظہار کے لیے ہے۔ ایک نعمت دنیا کی اور دوسری آخرت کی۔ ف۲۲۰ (حسب حکمت و مصلحت) اور وہ جس کو چاہتا ہے، اپنی مصلحت تکوینی سے غنی و تونگر کر دیتا ہے۔ اہل سنت اللہ تعالیٰ کے اختیار مطلق غیر مقید و غیر محدود کے قائل ہیں۔ اسی لیے اس آیت سے انہوں نے اپنے مذہب کی تقویت اور معتزلہ کے رَد کا کام لیا ہے۔ جو اس کے قائل ہیں کہ حق تعالیٰ پر اجر طاعت و مزد اعمال واجب ہے۔ اعلم ان ھٰذہ الاٰیۃ ردٌّ علی المعتزلۃ و ذٰلک لانھم قالوا یجب علی اللہ تعالیٰ إعطاء الثواب للمطیع و یجب علیہ ان لا یعاقبہ (کبیر) ف۲۲۱ یعنی اپنے ضد وعناد کی بنا پر یہی نسخہ شفا یہ لوگ اپنے حق میں ازدیاد مرض کا سبب بنا لیتے ہیں۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ۔ یعنی یہی قرآن۔ ف۲۲۲ یعنی اُن کا ہر قبیلہ اور فرقہ دوسرے کا دشمن ہے۔ بَيْنَهُمُ۔ مراد یہود کے اندر کے فرقہ اور قبیلہ ہیں کہ یہود ہی کا ذکر قریب میں ہے۔ ای القینا بین طوائف الیھود (قرطبی) المراد و قوع العداوۃ بین فرق الیھود (کبیر) جائز یہ بھی ہے کہ ضمیر کل اہل کتاب کی طرف ہو، جس کا ذکر ذرا اور قبل آ چکا ہے۔ قال مجاھد ای بین الیھود والنصارٰی (قرطبی) المراد منہ ما بین الیھود والنصارٰی من العداوۃ و ھو قول الحسن و مجاھد (کبیر) ف۲۲۳ آگ کا بجھانا یہ کہ اللہ اُن کی یہ شرارتیں چلنے نہیں دیتا۔ ان کی تدبیریں باطل کر دیتا ہے۔ خصوصاً اس طرح کہ اُن ہی میں کے ایک دوسرے کے مخالف اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اطفاؤھا صرف اللہ عنھم ذٰلک و تفرق اٰرائھم وحل عزائمھم و تفرق کلمتھم والقاء الرعب فی قلوبھم (بحر) اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ۔ یعنی مومنین کے خلاف جنگ کی تدبیریں سوچتے ہیں۔ جنگ کے نقشے تیار کرتے ہیں۔ جنگ کی آگ روشن کرنا، عربی محاورہ میں کنایہ ہے جنگ کی تیاری سے۔ قال الجمھور ھو استعارۃ و ایقاد النار عبارۃ عن اظھار الحقد و الکید والمکر بالمومنین و القتال (بحر) ایقاد النار کنایۃ من ارادۃ الحرب (روح) عرب جنگ کے وقت واقعۃً بھی آگ روشن کیا کرتے تھے، اور اس اعتبار سے یہ فقرہ محض مجازاً و استعارۃً نہیں بلکہ لفظاً بھی صحیح ہو جاتا ہے۔ ف۲۲۴ (دوسرے دوسرے ذرائع سے) دنیا میں قانون الٰہی کے نفاذ کی مخالفت کرنا خواہ وہ کسی عنوان سے بھی ہو، بہرحال اور بہر صورت فساد فی الارض ہی ہے، انفرادی بربادی و اجتماعی ہلاکت دونوں کا پیش خیمہ۔

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا

پسند نہیں کرتا ف٢٢٥ اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے

لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾

تو ہم ضرور اُن کی برائیاں اُن سے دور کر دیتے، اور ہم ضرور انہیں نعمت کے باغوں میں داخل کر دیتے ف٢٢٦

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ

اور اگر وہ توریت اور انجیل کی پابندی کرتے اور اس کی جو اُن پر ان کے پروردگار کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ

(اب) نازل ہوا ہے ف٢٢٧ تو یہ لوگ (خوب) کھاتے (پیتے) رہتے اوپر سے (بھی) اور اپنے پیروں کے نیچے سے (بھی)

مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا

ف٢٢٨ انہی میں ایک جماعت میانہ رو بھی ہے ف٢٢٩ لیکن اکثر ان میں کے ایسے ہیں جو بہت ہی برا

يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

کر رہے ہیں ف٢٣٠ اے (ہمارے) پیغمبر جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے یہ (سب) آپ (لوگوں

مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ

تک) پہنچا دیجیے ف٢٣١ اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی نہیں ف٢٣٢

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى

اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا ف٢٣٣ یقیناً اللہ کافر لوگوں کو

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى

راہ نہ دے گا ف٢٣٤ آپ کہہ دیجیے کہ اہل کتاب تم کسی راہ (حق) پر بھی نہیں

شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ

جب تک تم توریت و انجیل کی پابندی نہ کرو اور اس (کتاب) کی جو تمہارے

ع ١٢

ف٢٢٥ (اللہ کی رضامندی کو فساد فی الارض سے کوئی دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ ف٢٢٦ اٰمَنُوْا۔ یعنی قرآن اور حامل قرآن پر ایمان لاتے۔ اٰمَنُوْا کے مطلق رکھنے میں بعض اہل علم نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ اہل کتاب اگر محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئیں، تو یہ تو خیر عین مقصود ہی ہے لیکن اگر اپنے پیمبر اور اپنی ہی کتاب پر سچا اور پورا ایمان رکھیں، تو اُن کی ہدایت اور عبارت بھی تو بالآخر اسی ایمان مصطفوی ﷺ پر لائے گی۔

عشق گرزیں سرو گراز آں سرست عاقبت ما را بداں شہ رہبرست

ف٢٢٧ (بہ واسطہ نبی آخر الزمان ﷺ) مراد قرآن و شریعت اسلامی ہے۔ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ۔ مراد ہے ان کتابوں کی عدم تحریف اور ان کے احکام پر عمل۔ و اقامة التورٰة والانجيل العمل بمقتضا هما وعدم تحريفهما (قرطبی) وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ اس کے معنی علاوہ قرآن مجید کے خود اُن کے انبیاء کی دوسری کتابوں کے بھی کیے گئے ہیں۔ قيل كتب انبياء هم (قرطبی) من سائر كتب الله لانهم مكلفون الايمان بجميعها (مدارک) ف٢٢٨ یعنی اس دنیا میں آسمانی اور زمینی برکتوں سے خوب تمتع حاصل کرتے۔ فوق و تحت کے الفاظ عموم تمتع دنیوی اور زور و تاکید کے لیے ہیں۔ ذکر فوق و تحت للمبالغة فی ما يفتح عليهم من الدنيا (قرطبی) المراد منه المبالغة فی شرح السعة (کبیر) آیت سے یہ استنباط بھی کیا گیا ہے کہ طاعت و عمل صالح خوشحالی اور وسعت رزق کے موجبات میں سے ہیں۔ دلت الاٰية علی ان العمل بطاعة الله تعالٰی سبب لسعة الرزق (مدارک) ف٢٢٩ (اور یہی میانہ رو جماعت آگے چل کر ایمان لے آئے گی) مُقْتَصِدَةٌ۔ اقتصاد۔ کے معنی عمل میں راہ اعتدال اختیار کرنے کے ہیں۔ والاقتصاد الاعتدال فی العمل (قرطبی) یہاں مراد اُن لوگوں سے ہے، جو حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے باب میں نہ افراط کے غلو تک پہنچ جاتے ہیں، نہ تفریط کے قعر میں گر پڑتے ہیں۔ مقتصدة فی القول فی عيسٰی ابن مريم (ابن جریر) مسیحیوں میں نجاشی شاہ حبشہ اور اُن کے رفقاء اور یہود میں عبد اللہ بن سلام اور ان کی جماعت یہ سب اسی اُمت مقتصدہ کے افراد ہوئے ہیں۔ ف٢٣٠ اشارہ اہل کتاب کی تحریف کتب و تکذیب انبیاء کی جانب ہے۔ ف٢٣١ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ اس میں قرآن مجید کے سارے کا سارا آ جانا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی جو چیزیں وحی خفی کے ذریعہ سے رسول اللہ ﷺ کو تعلیم ہوتی تھیں، وہ بھی اس عموم میں شامل ہیں۔ قال ابن عباسؓ المعنی بلّغ جميع ما انزل اليک (قرطبی) فيه امر للنبی ﷺ بتبليغ الناس جميعًا ما ارسله به اليهم من كتابه و احكامه و ان لايكتم منه شيئاً خوفاً من احد ولامداراة له (جصاص) جميع ما انزل اليک (مدارک) يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ۔ تبلیغ کے موقع پر یہ انداز خطاب بجائے خود نہایت بلیغ و حکیمانہ ہے کہ اے مخاطب تمہاری تو حیثیت ہی تمام تر رسول کی، پیغام پہنچانے والے کی ہے۔ ف٢٣٢ یعنی اگر آپ نے کوئی بات احکام خداوندی میں سے چھپا لی، تو گویا آپ نے فریضہ رسالت ادا ہی نہیں کیا۔ فان كتمت شيئًا منه فما بلغت رسالته (قرطبی۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اخبر انه ان ترک تبليغ شیءٍ منه فهو كمن لم يبلغ شيئاً (جصاص) فكانک لم تبلغ الرسالة اصلًا (مدارک) لان كتمان بعضها ككتمان كلها (جلالین) اور ایسے مفروضات، محالات عادی ہی نہیں محالات عقلی تک، مثلاً ایک کے بجائے دو خداؤں کا ہونا، تو قرآن مجید نے بیان توحید تک میں روا رکھے ہیں۔ اس میں رَدّ آ گیا اُن غالی باطل پرستوں کا جن کا یہ عقیدہ ہے کہ آپؐ نے نعوذ باللہ کسی خوف یا مصلحت سے قرآن مجید ہم تک پورے کا پورا نہیں، بلکہ کسی قدر ناقص صورت میں پہنچایا ہے۔ دلت علی انه ﷺ لم يُسِرَّ الی احدٍ شيئاً من امر الدين (قرطبی) اور حقیقۃً یہ ہے بھی مرتبہ رسالت سے بہت ہی گری ہوئی چیز کہ پیمبر جیسا عبد کامل بھی کوئی حکم شریعت کسی مروّت یا کسی خوف سے چھپا جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کیسی لطیف اور سچی بات اس موقع پر کہی ہے کہ اگر آپؐ نے کوئی سا بھی جزو قرآن کریم کا چھپایا ہوتا، تو وہ یہی جزو ہوتا! قالت لو كان محمد ﷺ كاتمًا شيئًا من القراٰن لكتم هٰذه الاٰية (ابن کثیر) فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ رسول کی طرح علماء اُمت کے لیے بھی کسی مسئلہ شریعت کا اخفاء و کتمان جائز نہیں۔ هٰذا تاديب للنبی ﷺ و تاديب لحملة العلم من امته الّا يكتموا شيئًا من امر شريعته (قرطبی) ف٢٣٣ (کہ آپؐ کے قتل و ہلاک پر قدرت حاصل کر سکیں) اس لیے آپؐ تبلیغ کے باب میں تو اپنی جان کی ذرا فکر نہ کیجیے۔ مخالفین و معاندین جو کچھ بھی چاہیں کرتے رہیں۔ يعصمک من القتل فلايصلون الٰی قتلک (معالم) ایک سوال یہاں یہ پیدا کیا گیا ہے کہ جب محفوظیت کا وعدہ ہو چکا تھا، تو پھر جنگ اُحد میں جسم مبارک کو جراحتیں کیسے پہنچیں؟ مفسرین نے اس کے متعدد جوابات دیے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ صاف اور بے تکلف جواب مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے یہ ہے کہ وعدۂ محفوظیت سیاق تبلیغ میں کیا گیا ہے، اس لیے اس کا تعلق بھی قدرۃً اتنی ہی محفوظیت سے ہے، جو آپؐ کے فرائض تبلیغ میں مانع نہ ہو۔ بالکلیہ محفوظیت نہ مقصود تھی نہ ہو سکتی تھی۔ مرض، صدمہ، زخم وغیرہ تو حکمت تکوینی کے ماتحت رفع درجات و ترقیٔ مراتب کے لیے ضروری ہیں۔ آیت سے علماء نے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ علماء حق پرست خدا کے کام کو اپنے ذمہ سمجھیں، اور اپنی ضرورتوں کا کفیل اُسی کے فضل کو سمجھے رہیں۔

ف٢٣٤ (کہ آپ تک پہنچ کر اپنے ملعون منصوبوں کو پورا کر سکیں) لا يمكنهم مما يريدون انزاله بک من الهلاک (کشاف)

اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ؕ وَلَيَزِيۡدَنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ

پروردگار کی طرف سے تمہارے اُوپر اتری ہے، ف۲۳۵ اور جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا

اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ طُغۡيَانًا وَّكُفۡرًا ۚ فَلَا تَاۡسَ عَلَى الۡقَوۡمِ

گیا ہے وہ یقیناً ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو بڑھا کر رہے گا ف۲۳۶ تو آپ کافر لوگوں پر

الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا

افسوس نہ کیجیے ف۲۳۷ بے شک جو لوگ ایمان لا چکے اور جو لوگ یہودی ہوئے

وَالصّٰبِـُٔوۡنَ وَالنَّصٰرٰى مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ

اور صابی اور نصرانی (غرض) جو بھی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان

الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ

رکھتا ہو اور نیک عمل بھی کرے، سو ایسوں کو نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ

يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَ بَنِىۡۤ اِسۡرَاۤءِيۡلَ

غمگین ہوں گے ف۲۳۸ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا

وَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌۢ

اور اُن کے پاس (بہت سے) پیمبر بھیجے ف۲۳۹ جب جب کوئی پیمبر اُن کے پاس (ایسا) حکم لائے،

بِمَا لَا تَهۡوٰٓى اَنۡفُسُهُمۡ ۙ فَرِيۡقًا كَذَّبُوۡا وَفَرِيۡقًا

جس کو اُن کا جی نہیں چاہتا تھا تو بعض کو جھٹلاتے تھے اور بعض کو قتل ہی

يَّقۡتُلُوۡنَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوۡۤا اَلَّا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ فَعَمُوۡا

کر ڈالتے تھے ف۲۴۰ اور گمان یہی کرتے رہے کہ وبال کچھ نہ پڑے گا ف۲۴۱ سو اندھے

وَصَمُّوۡا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ ثُمَّ عَمُوۡا وَصَمُّوۡا

اور بہرے ہو گئے ف۲۴۲ پھر اللہ نے اُن پر رحمت سے توجہ فرمائی ف۲۴۳ پھر بھی اُن میں کے بہت سے اندھے

ف۲۳۵ یہاں اشارہ اس حقیقت کی طرف ہے کہ مدار فضیلت کا، مقبولیت کا، احکامِ الٰہی کا اتباع ہی ہے۔ تو پھر جب سرے سے اس سے گریز ہے، تو کیسی افضلیت اور کہاں کی مقبولیت؟ علی شئی۔ یعنی راست و دین حق۔ ای علی دین یعتدبہ (کشاف۔ بیضاوی) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ بغیر اتباع شریعت کے کوئی کمال معتبر نہیں۔ ف۲۳۶ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۲۲۔ ف۲۳۷ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرط شفقت وترحم سے کافروں کے حال پر بے چین ومضطر رہا کرتے تھے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ اتنا غم وتاسف نہ کیجئے۔ یہ تو اپنی ضد وعناد کی بنا پر مستحق کسی ہمدردی و رعایت کے نہیں۔ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے ہے۔ آپ کو ممانعت حزن سے نہیں کی گئی ہے، کہ وہ آپ کے لیے ایک امر طبعی تھا، بلکہ افراط حزن سے کی گئی ہے۔ و ھذہ تسلیۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم و لیس بنھی عن الحزن لانہ لا یقدر علیہ و لکنہ تسلیۃ و ینھی عن التعرض للحزن (قرطبی) لا تتاسف بسبب نزول اللعن والعذاب علیھم فانھم من الکافرین المستحقین لذلک (کبیر) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اعراض کرنے والوں پر زیادہ قلق نہ کرے جیسا کہ بعض مبالغین فی الشفقۃ کرتے ہیں۔ ف۲۳۸ آیت کے الفاظ و مطالب کی تشریح پارۂ اوّل میں گزر چکی۔ حاشیہ نمبر ۲۱۸ سے حاشیہ نمبر ۲۲۲ تک۔ ف۲۳۹ چنانچہ قوم بنی اسرائیل کی تاریخ گویا انبیاء مرسلین ہی کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ مِيۡثَاقَ بَنِىۡۤ اِسۡرَاۤءِيۡلَ پر حاشیے پارۂ اوّل میں گزر چکے۔ یہ عہد توحید ہی سے متعلق تھا۔ ف۲۴۰ یعنی کم وبیش مخالفت تو اپنے سب ہی انبیاء کی کی، جو ذرا سا بھی کوئی حکم اُن کی مرضی کے خلاف لے کر آئے۔ لیکن بعض کو تو تکذیب سے گزر کر ہلاک تک کر ڈالا۔ یہود کے قتل انبیاء وغیرہ پر حاشیے پارۂ اوّل میں گزر چکے ہیں۔ انجیل میں یہ الزام اس سے کہیں زیادہ زوردار الفاظ میں دہرایا گیا ہے۔ ”اے سانپو، اے افعی کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے۔ اس لیے دیکھو میں نبیوں اور داناؤں اور فقیہوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ اُن سے بعض کو قتل کرو گے اور صلیب پر چڑھاؤ گے اور بعض کو اپنے عبادت خانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بہ شہر ستاتے پھرو گے“۔ (متی ۲۳:۳۲، ۳۴) ملاحظہ ہوں پارۂ اوّل کے حاشیے آیت نمبر ۶۱ پر۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ سارے کبائر کی اصل اتباع ہوئی ہے، اس لیے صوفیہ اس کے استیصال کی سخت کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ف۲۴۱ (ان پر تکذیب انبیاء اور قتل انبیاء کا)۔ فِتۡنَةٌ کے ایک معنٰی سزا کے بھی ہیں۔ الفتنۃ العذاب (قاموس) قرآن مجید میں بھی فِتۡنَةٌ ایک دوسرے موقع پر اسی معنٰی میں آیا ہے۔ ذوقوا فتنتکم ای عذابکم (راغب) اہل تحقیق نے یہی معنٰی یہاں بھی لیے ہیں۔ ای عذاب و قتل (معالم) صحیفۂ زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک مناجات بھی اسی معنٰی ومفہوم کی تائید میں ہے:۔ ”اے خداوند، شریر کب تک، ہاں شریر کب تک شادیانے بجائیں گے۔ وہ ڈکارتے اور گستاخی کی باتیں بولتے۔ سارے بدکاری کرنے والے لاف زنی کرتے۔ وہ اے خداوند تیرے لوگوں کو پیس ڈالتے ہیں، اور تیری میراث کو دُکھ دیتے ہیں۔ اور بیوہ اور پردیسی کو جان سے مارتے ہیں اور یتیم کو قتل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں، خداوند نہ دیکھے گا، یعقوب کا خدا ہرگز نہ سمجھ لے گا“۔ (زبور۔ ۹۴:۳۔۷) فِتۡنَةٌ کے مشہور ومتعارف معنٰی آزمائش کے ہیں، وہ بھی یہاں بے جا نہیں اور بعض مفسرین نے یہی اختیار کیے ہیں۔ انہ لا یقع من اللہ عز وجل ابتلاء و اختبار بالشدائد (قرطبی)
ف۲۴۲ یعنی ان کے اس گمان وپندار نے اور حق تعالیٰ کی طرف سے مہلت نے انہیں قبول حق وکلمۂ حق کی طرف سے اور زیادہ غافل وبے نیاز کر دیا۔ عموا عن الھدٰی و صموا عن سماع الحق (قرطبی) عموا عن الرشد و صموا عن الوعظ (مدارک) ف۲۴۳ (اور مزید ہدایت کے لیے کوئی اور پیغمبر اُن میں بھیجا)

كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ لَقَدْ

اور بہرے ہی رہے، اور اللہ خوب دیکھ رہا ہے ان کے کرتوت ف۲۴۴ یقیناً

كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ

وہ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ خدا ہی تو مسیح ابن مریم ہے ف۲۴۵

وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ

حالانکہ (خود) مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل میرے پروردگار اور اپنے پروردگار (یعنی) اللہ کی

رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ

عبادت کرو ف۲۴۶ جو کوئی اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک کرے گا، سو اللہ اس پر جنت حرام

عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ

کر دے گا، اور اس کا ٹھکانا (دوزخ کی) آگ ہے، اور (ایسے) ظالموں کا کوئی مددگار

اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ

نہ ہو گا ف۲۴۷ یقیناً وہ (بھی) کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ خدا تین میں سے

ثَلٰثَةٍ ۘ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا

تیسرا ہے ف۲۴۸ حالانکہ کوئی معبود نہیں بجز ایک معبود کے ف۲۴۹ اور اگر یہ لوگ اپنے (ان) اقوال سے

عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ

باز نہ آئے تو اُن میں سے جو لوگ کافر رہیں گے اُن پر عذاب دردناک واقع ہو کر

اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ

رہے گا ف۲۵۰ سو یہ لوگ اللہ کے سامنے کیوں توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے؟ درآنحالیکہ اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا

بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحم والا ہے ف۲۵۱ مسیح ابن مریم اور کچھ نہیں ہیں بجز

وقف لازم

ف۲۴۴ (اور وقت مناسب پر انہیں سزا دے کر رہے گا) فیجازیھم بحسب اعمالھم (مدارک) صحیفۂ زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان سے ہے:۔ ''اے قوم کے بیوقوفو سمجھو۔ اے جاہلو تم کب ہوشیار ہو گے۔ وہ جس نے کان لگایا، کیا نہیں سنتا؟ وہ جس نے آنکھ بنائی، کیا نہیں دیکھتا؟ وہ جو قوموں کو تنبیہ دیتا ہے، کیا وہ سزا نہ دے گا؟ وہ جو انسان کو دانش سکھلاتا ہے کیا وہ واقفیت نہ رکھتا ہوگا''؟ (زبور۔ ۹۴:۹) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معاصی پر اصرار سے استعداد بالکل مضمحل ہو جاتی ہے، اور اسی کو بطلانِ استعداد کہا جاتا ہے۔ ف۲۴۵ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۷۶ سورۂ ہذا۔ خوب خیال کر لیا جائے کہ قرآن مجید النصرٰی اور ان صریح کافروں بلکہ مشرکوں کے درمیان فرق کرتا ہے۔ اُن کا ذکر نام کے ساتھ نہیں، صرف صفات کے ساتھ کرتا ہے، اور انہیں ایک الگ مستقل اُمت قرار دیتا ہے۔ ہبرٹ جرنل (لندن) دنیائے مسیحیت کا ایک بلند پایہ علمی سہ ماہی رسالہ ہے۔ اُس کے اکتوبر ۱۹۳۴ء نمبر میں ہے:۔ ''ٹیٹھ مسیحی کے عقیدہ میں مسیح تمام تر خدا نہیں۔ عقلاً جو عقیدہ جتنا زیادہ مستبعد ہو، اسی قدر خوش عقیدگی سے قریب ہوتا ہے''۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں صاف رد ہے حلول و اتحاد کا جس کے قائل جاہل صوفیہ ہوئے ہیں۔ ف۲۴۶ ملاحظہ ہو پ۳، حاشیہ نمبر ۱۲۹۔ قرآن مجید کے بیان کی تائید اس حد تک تو موجودہ محرف اور مسخ شدہ انجیلیں بھی کر رہی ہیں:۔ ''تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر، اور صرف اسی کی عبادت کر''۔ (متی۔ ۴:۱۰) ''تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر، اور صرف اسی کی عبادت کر''۔ (لوقا۔ ۴:۸) ''یسوع نے اس سے کہا تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ کوئی نیک نہیں، مگر ایک، یعنی خدا''۔ (لوقا۔ ۱۸:۱۹) ف۲۴۷ (جو شفاعت کی حد تک بھی اُن کی مدد کر سکیں) یہ سب وعیدیں مسیحیوں یا عیسائیوں کے لیے آرہی ہیں، جو مسیح پرستی کے شرک کو اپنے لیے باعث ننگ نہیں، باعث فخر سمجھ رہے ہیں۔ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ ہر قسم کے شرک پر حاوی ہے خواہ ذاتی ہو یا صفاتی۔ مِنْ اَنْصَارٍ۔ صیغۂ جمع لانے میں نکتہ یہ ہے کہ اُن لوگوں کو اپنے بہت سے ناصروں اور شافعوں کا زعم تھا۔ ف۲۴۸ موجودہ مسیحیوں کے کافر بلکہ مشرک ہونے پر یہ صاف نصوص موجود ہیں۔ مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ باپ، بیٹا، رُوح القدس، یہ تین اقنوم (اصل) منفرداً بھی خدا ہیں، اور مجتمعاً بھی۔ تینوں الگ الگ بھی خدا ہیں اور تینوں مل کر بھی۔ ف۲۴۹ (جو نہ اقنوموں میں تقسیم ہے نہ اور کسی طرح) مِنْ اِلٰهٍ میں مِنْ زائد کلیت یا استغراق کے لیے ہے۔ اور آیت کے معنی ہیں کہ سرے سے ایسے معبود کا کوئی وجود ہی نہیں، جو صفت وحدانیت سے متصف نہ ہو۔ من مزیدۃ للاستغراق (بیضاوی) والمعنی و ما الٰہ قط فی الوجود الا اللہ موصوف بالوحدانیۃ لا ثانی لہ (کشاف) اکد ذٰلک بزیادۃ من الاستغراقیۃ (بحر) ف۲۵۰ (آخرت میں اُن کے کفر صریح کے پاداش میں) عما یقولون۔ یعنی تثلیث کے اس مشرکانہ قول و عقیدہ سے ای یکفوا عن القول بالتثلیث (قرطبی) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ۔ یعنی ان میں سے جو لوگ کافر رہ جائیں گے اس کے بعد بھی کہ اُن کے عقائد کی گمراہی اُن پر پوری طرح واضح ہو چکی۔ ای اللذین اقاموا علی ھٰذا الدین (کبیر۔ عن الزجاج) اللذین بقوا منھم علی الکفر (بیضاوی) مِنْهُمْ میں من تبعیضیہ ہے۔ علم الٰہی میں یہ بات تھی کہ ان میں سے بہت سے لوگ اپنے اس مشرکانہ عقیدہ سے باز آجائیں گے اور ایمان لے آئیں گے۔ ایسے لوگ اس وعید سے خارج ہیں۔ خص اللذین کفروا بعلمہ ان بعضہ یومنون (معالم) ف۲۵۱ ان لوگوں کی حماقت دکھائی ہے کہ ابھی مہلت باقی ہے، اور پھر ایسے غفور و رحیم خدا کے سامنے توبہ و استغفار کر کے اُس کے غفور و رحمت سے فائدہ نہیں اُٹھاتے! غَفُوْرٌ۔ اُس کے حق میں جو طالب مغفرت ہو۔ رَحِيْمٌ۔ اس کے حق میں جو طالب رحمت ہو۔ مسیحیوں کے رد کے موقع پر ان صفات کے لانے میں شاید یہ بھی ایک مصلحت و مناسبت ہو کہ اللہ تعالیٰ تو خود غفور و رحیم ہے۔ اس کے ان صفات کو بروئے کار لانے کے لیے اس کی کوئی ضرورت تھوڑے ہی ہے کہ کوئی ''ابن اللہ'' اپنے کو سب کی طرف سے کفارہ کے لیے پیش کرے!

رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ وَ اُمُّهٗ
ایک رسول کے ف۲۵۲ ان سے قبل بھی (اور) رسول گزر چکے ہیں ف۲۵۳ اور ان کی ماں

صِدِّيْقَةٌ ۗ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ
ایک ولیہ تھیں ف۲۵۴ دونوں کھانا کھاتے تھے ف۲۵۵ دیکھو کہ ہم کس کس طرح صاف دلائل

لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٧٥﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ
اُن کے سامنے بیان کررہے ہیں، پھر دیکھو کہ وہ کدھر اُلٹے چلے جارہے ہیں ف۲۵۶ آپ کہیے، کہ کیا تم اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ۗ وَاللّٰهُ
ایسے کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نقصان پہنچا سکے نہ نفع، اور اللہ ہی (سب کی)

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٦﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا
سننے والا، (سب کچھ) جاننے والا ہے ف۲۵۷ آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! اپنے دین میں

فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ
ناحق غلو نہ کرو ف۲۵۸ اور ان لوگوں کی من مانی باتوں پر نہ چلو ف۲۵۹

ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ
جو پہلے (خود بھی) گمراہ ہو چکے ہیں اور بہتوں کو گمراہ کر چکے ہیں اور راہِ راست

السَّبِيْلِ ﴿٧٧﴾ؑ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ
سے (بہت) بھٹک چکے ہیں ف۲۶۰ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا، اُن پر لعنت ہوئی

عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۗ ذٰلِكَ بِمَا
داؤدؑ اور عیسیٰؑ ابن مریم کی زبان سے ف۲۶۱ یہ اس لئے کہ

عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ
انہوں نے (برابر) نافرمانی کی، اور حد سے آگے نکل جاتے تھے، ف۲۶۲ جو برائی انہوں نے اختیار کر رکھی تھی، اس

ع ١١ ١٣

ف۲۵۲ (نہ کہ خدا یا فرزندِ خدا، یا معاذ اللہ دشمنِ خدا) یہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا صحیح مرتبہ بیان کردیا۔ اس میں رَدّ آگیا ایک طرف مسیحی افراط کا جو آپ کو مظہرِ خدا یا اوتار سمجھتے تھے، اور دوسری طرف یہودی تفریط کا، جو معاذ اللہ آپ کو ایک شعبدہ باز ساحر قرار دیتے تھے۔ سورۂ نساء کے حواشی نمبر ۸۴۶، نمبر ۸۵۱ وغیرہ بھی ایک بار پھر ملاحظہ کرلیے جائیں۔ اِبْنُ مَرْيَمَ۔ ابن مریم لاکر مسیح علیہ السلام کو یہ یاد دلادیا کہ مسیح علیہ السلام تو ایک عورت، فانی عورت کے بطن سے تھے، بشر کے سوا اور ہو کیا سکتے تھے۔ ف۲۵۳ (اور انہی کے سے ایک رسول یہ بھی ہیں، نہ وہ اوتار یا دیوتا تھے، نہ یہ اوتار یا دیوتا ہیں) ف۲۵۴ صِدِّيْقَةٌ وہ ہے جو نافرمانی سے غایت بُعد اور فرمانبرداری میں کمال رکھتی ہو۔ المراد بکونها صديقة غاية بعدها عن المعاصى وشدة جدّها واجتهادها فى اقامة مراسم العبودية (کبیر) اور محاورہ میں پورا مفہوم لفظ "ولیہ" یا ولی بیوی ہی سے ادا ہوتا ہے۔ اس ایک لفظ میں پورا رَدّ آگیا یہود کا، جو معاذ اللہ آپ کی عصمت تک کو متہم کررہے تھے۔ ف۲۵۵ (اور اپنے سارے کمالاتِ بشری کے باوجود، حوائجِ بشری سے منزہ و بالاتر نہ تھے) اس میں بتادیا کہ یہ مقدس ماں اور مقدس تر فرزند، دونوں بہرحال قوائے بشری ہی سے مرکب تھے، اور کھانے پینے، ساری بشری ضرورتوں کے محتاج۔ تو جو ایسے صاحبِ احتیاج ہوں، انہیں خدائی کا مرتبہ دیتے ہوئے، تثلیث پرستوں کو شرم نہیں آتی؟ ف۲۵۶ اور اس طرح کے خرافات میں برابر پڑے ہوئے ہیں، کہ "باپ، بیٹا اور روح القدس تین جدا جدا اور مستقل اقنوم ہیں"۔ "عالم لاہوت میں تینوں کی وحدت ایک ہی خدا ہے۔ تین خدا نہیں"۔ "بیٹا ازل ہی میں باپ سے پیدا ہوا۔ اور روح القدس کا صدور بھی ازل ہی میں باپ سے ہوا ہے"۔ "روح القدس کا صدور اکیلے باپ سے نہیں بلکہ بیٹے سے بھی ہوا ہے"۔ "خدا ہونے میں تینوں اقنوم برابر کے شریک ہیں۔ ایک ایک پورا، اور باقی دونوں اپنی اپنی جگہ جزوی حصہ دار ہیں"۔ "یہاں ترکیب سے وحدت پیدا ہوتی ہے اور وحدت کا نام ہی ترکیب ہے"۔ "اقنوم وجود باپ ہے، اقنوم حیات بیٹا، اور اقنوم علم روح القدس ہے"۔ یہ صرف چند عقیدے بہ طور نمونہ مسیحیوں کے "اسرار الٰہیات" سے پیش کیے گئے ورنہ اسی طرح اور بھی بہت سے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ ایک طرف میرے صاف سادہ اور ہر شخص کی سمجھ میں آجانے والے بیانِ توحید کو دیکھو، اور دوسری طرف الفاظ و اصطلاحات کے اس گورکھ دھندے پر نظر کرو۔ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے سچ کہا جب یہ کہا کہ ایسے لغو و مہمل عقیدے شاید دنیا کے پردہ پر کسی کے نہ ہوں گے۔ ولا يرى فى الدنيا مقالة اشد فساداً واظهر بطلاناً (کبیر) ف۲۵۷ اُس ایک عالمِ کل ہمہ دان ہمہ بین کے سوا عبادت و پرستش کے قابل اور ہے کون؟ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنَ الخ۔ یہ سارا خطاب مسیحیوں ہی سے ہے، اور ان کے مشرک ہونے پر نصِ قرآنی کی مہر لگا رہا ہے۔ مسیحیوں کی مشہور و ضخیم و مستند انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس میں ایک جگہ فخر کے ساتھ درج ہے کہ کلیسا نے اپنی طویل تاریخ میں "کبھی ایسا نہیں کیا کہ خدا کے ساتھ ساتھ مسیح سے بھی دعا نہ کی ہو"۔ (جلد اول۔ صفحہ ۱۰۴) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں رَدّ ہے مشائخ کو مستقل متصرف سمجھنے والے جاہلوں کا۔ ف۲۵۸ (بلکہ اپنے اصل دین اور عقائدِ حق پر قائم رہو) اَهْلَ الْكِتٰبِ سے یہاں مراد مسیحی ہیں اور اَلْكِتٰبِ سے انجیل۔ يعنى بالكتب الانجيل (ابن جریر) قل يا محمد لهٰؤلاء الغالية من النصارى فى المسيح (ابن جریر) قيل الخطاب للنصارى خاصة (بیضاوی) لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۸۴۶۔ ۸۵۳ سورۂ نساء۔ ف۲۵۹ اس میں صاف اشارہ اس حقیقت کا آگیا کہ مسیحیوں کی گمراہیاں اور بدعقیدگیاں کسی اور گمراہ قوم کی ریس اور تقلید سے پیدا ہوئی ہیں۔ اَهْوَآءَ۔ لغو و بے بنیاد خیالات، من گھڑت عقائد، خیالی ڈھکوسلے۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں اُن رسوم کا ابطال ہے جو شریعت کے خلاف ہیں اگرچہ وہ منسوب مشائخ کی جانب ہوں۔ مشائخ اگر محقق ہیں تو اُن کی طرف یا تو یہ نسبت ہی صحیح نہ ہوگی، اور یا پھر کسی عذرِ صحیح پر انہیں محمول کیا جائے گا۔ ف۲۶۰ جو لوگ مسیحیت کی ابتدائی تاریخ پر نظر رکھتے ہیں، اور خود فرنگیوں کی موجودہ Biblical Criticism سے پوری طرح واقف ہیں۔ وہ قرآن مجید کے اس بیان پر عش عش کرجائیں گے۔ چھٹی صدی عیسوی کا ایک عرب اُمّی، لاکھ ذہین و باخبر ہو، ان اہم تاریخی حقائق پر نظر رکھ ہی کیسے سکتا تھا، تاوقتیکہ عالم الغيب والشهادة براہِ راست اُسے تعلیم نہیں دے رہا تھا۔ مصری شرک یونانیوں میں پوری طرح حلول کر آیا تھا، اور بڑے بڑے یونانی فلاسفر اسکندریہ کے مرکز "عقلیت" و "روشن خیالی" سے مرعوب و متاثر تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم جب شروع شروع پھیلی تو انہی یونانیوں میں اکابر یہود (مثلاً فائیلو) پہلے ہی سے یونانیوں کے آگے گردن ڈال چکے، اور ان سے Logos وغیرہ کے عقائد اخذ کرچکے تھے۔ مسیحیوں نے ان تعلیمات کو بلاتامل قبول کرلیا، اور پھر پولوس (سینٹ پال) نے تو حضرت مسیح علیہ السلام کے مذہب اور تعلیمات کو تمامتر مسخ کرکے اسے یونانی شرک کی ایک شاخ ہی بنادیا۔ آخر میں رہی سہی کسر رومیوں کے مشرکانہ عقائد و خرافات نے پوری کردی۔ موجودہ مسیحی قوموں کے عقائد و رسوم کثرت سے مصری یونانی رومی شرک ہی کی صدائے بازگشت ہیں اور بس۔ ف۲۶۱ ان دونوں لعنتوں کا ذکر عہد عتیق کے صحیفۂ زبور اور عہد جدید کے صحیفۂ متی میں علی الترتیب موجود ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد کی زبان سے:۔ "خداوند نے سنا اور نہایت غصہ ہوا۔ اس لیے یعقوب میں ایک آگ بھڑکائی گئی، اور اسرائیل پر قہر بھی اُٹھا۔ کیونکہ انہوں نے خدا پر اعتماد نہ کیا، اور اُس کی قیامت پر اعتماد نہ رکھا"۔ (زبور۔ ۷۸:۲۱، ۲۲، ۲۳) اور حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی زبان سے:۔ "غرض اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھردو، اے سانپو، اے افعی کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے!" (متی۔ ۲۳:۳۱، ۳۲) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ اسرائیلیوں کا یہ کفر اپنے اپنے پیغمبروں کے مقابلہ میں تھا۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں قانون سبت کو توڑا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تو خود اُن کی نبوت ہی کا انکار کردیا۔ ف۲۶۲ ان مسلسل نافرمانیوں کی داستان سے اسرائیلیوں کے مذہبی نوشتے اور صحیفے خود بھرے ہوئے ہیں۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک اقتباس ملاحظہ ہو:۔ "انہوں نے ایسی شرارتیں کیں کہ جن سے خداوند کو غصہ ور کیا۔ کیونکہ انہوں نے بت پوجے باوجودیکہ خداوند نے انہیں کہا تھا کہ تم یہ کام نہ کیجیو۔ اور باوجود اس کے کہ خداوند نے سارے نبیوں اور غیب بینوں کی معرفت سے اسرائیل اور یہوداہ پر باتیں جتائی تھیں...... پر انہوں نے نہ سنا، بلکہ اپنے باپ دادوں کی گردن کشی کی مانند جو خداوند اپنے خدا پر ایمان نہ لائے تھے، گردن کشی کی۔ اور اس کے قانونوں کو، اور اُس کے عہد کو جو اُس نے اپنے باپ دادوں سے باندھا تھا اور اس کی گواہیوں کو جو اُس نے اُن پر دی تھیں رَدّ کیا اور بطالتوں کو اختیار کیا، اور بیہودہ ہوئے اور ان

مُنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾ تَرٰى

سے باز نہ آتے تھے، کیسا بے جا تھا جو کچھ وہ کر رہے تھے ف۲۶۳ آپ ان میں سے

كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا

بہتوں کو دیکھیں گے کہ کفر کرنے والوں سے دوستی رکھتے ہیں ف۲۶۴ کیسا بیجا ہے وہ جسے

قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي

وہ اپنے آگے بھیج چکے ہیں، جس سے اللہ ان سے ناخوش ہوا اور وہ لوگ

الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ

عذاب میں ہمیشہ پڑے رہیں گے! ف۲۶۵ اور اگر یہ لوگ ایمان لے آتے

بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ

اللہ اور (اس) نبی پر اور جو کچھ اس (نبی) پر نازل ہوا ہے اس پر، تو وہ ان لوگوں کو دوست نہ بناتے ف۲۶۶

وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ

لیکن ان میں سے اکثر تو نافرمان ہی ہیں ف۲۶۷ آپ لوگوں میں

النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ

ایمان والوں کے ساتھ سب سے بڑھ کر دشمنی رکھنے والے یہود اور مشرکین ہی کو

اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ

پائیں گے ف۲۶۸ اور آپ ایمان والوں کے ساتھ دوستی میں سب سے زیادہ قریب انہیں پائیں گے

اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ

جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں ف۲۶۹ یہ اس لئے کہ ان میں

قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾

عالم اور درویش ہیں، اور اس لئے کہ یہ تکبر نہیں کرتے ف۲۷۰

اُمتوں کے پیرو ہوگئے جو اُن کے گرد و پیش تھیں، جنہیں دکھا کے خداوند نے انہیں حکم کیا تھا کہ تم ان کے سے کام مت کیجیو۔ اور انہوں نے خداوند اپنے خدا کے سب حکم ترک کیے۔ اور اپنے لیے ڈھالی ہوئی مورتیں یعنی دو بچھڑے بنائے۔ اور یسیرت تیار کی۔ اور آسمانی ستاروں کی ساری فوج کی پرستش کی، اور بعل کی عبادت کی۔ اور انہوں نے اپنے بیٹے بیٹی کو آگ کے درمیان گزارا۔ اور فال گیری اور جادوگری کی۔ اور اپنے تئیں بیچ ڈالا کہ خداوند کے حضور بدکاریاں کریں کہ اُسے غصہ دلاویں۔ ان باعثوں سے خداوند بنی اسرائیل پر نپٹ غصہ ہوا"۔ (۲۔ سلاطین۔ ۱۷: ۱۲۔ ۱۸) پارۂ اول آیت نمبر ۸۷ کے حاشیے بھی ملاحظہ ہوں۔ ف۲۶۳ (باوجود بار بار کی تبلیغ و ہدایت کے) یعنی بجائے ندامت و استغفار کے انہیں اپنی کفریات پر شدید اصرار تھا۔ ای كانوا لاينتهون عن منكر اتوه (ابن جریر) التناهي بمعنى الانتهاء (روح) دوسرے معنی لايتناهون کے یہ ہوسکتے ہیں کہ "وہ ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے" اور یہی معنی اکثر نے لیے ہیں۔ و هو الذي عليه الجمهور انه تفاعل من النهي اى كان لا ينهي بعضهم بعضا (کبیر) اور یہ معنی لے کر فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ منکرات سے ایک دوسرے کو نہ روکنا بڑا سنگین گناہ اور اُمت کے لیے بڑی حسرت کی چیز ہے۔ فيه دليل على ان ترك النهي عن المنكر من العظائم فيا حسرةً على المسلمين في اعراضهم عنه (مدارک) ف۲۶۴ یعنی مشرکین عرب سے ساز و باز رکھتے ہیں۔ تاریخ اسلام کا یہ ایک مشہور و مسلم واقعہ ہے کہ رسول اسلام ﷺ کی مخالفت و عناد میں اور اسلام کو مٹانے کی خاطر یہود نے مشرکین عرب سے ہر طرح کی سازشیں کی تھیں۔ ف۲۶۵ یہی اُن کا عذاب دوزخ میں پڑے رہنا اللہ کی ناخوشی کا ظہور ہے۔ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ میں اَنْ موصولہ کا کام دیتا ہے۔ اى الذى اوجب لهم سخط الله عليهم (جمل) مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ۔ یعنی اپنے اعمال و عقائد کفریہ جنہیں آخرت میں وہ بھگتیں گے۔ ف۲۶۶ (بلکہ ایسی صورت میں تو وہ اسلام کے جان نثاروں میں ہوتے) النَّبِيِّ سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک ہے يصدقون نبيه محمدا ﷺ (ابن جریر) وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ۔ یعنی قرآن۔ و يقرون بما انزل الى محمد ﷺ (ابن جریر) النَّبِيِّ سے اشارہ حضرت موسیٰ اور مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ سے توریت کی جانب بھی سمجھا گیا ہے۔ ف۲۶۷ اور اسی نافرمانی کے آثار میں سے ان کی عداوت اسلام و مسلمین کے ساتھ اور اُن کی موالات مشرکین عرب کے ساتھ ہے۔ فٰسِقُوْنَ۔ فاسق یہاں محض بدعمل کے معنی میں نہیں بلکہ خارج از ایمان کے معنی میں ہے۔ اى خارجون عن الايمان (قرطبی۔ جلالین) ف۲۶۸ یعنی اسلام سے مخالفت و عداوت تو ہر غیر مسلم کو ہے۔ لیکن اس عموم میں مرتبہ خصوص مشرکین و یہود کو حاصل ہے کہ وہ شدید ترین دشمنان اسلام ہیں۔ ف۲۶۹ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى۔ آیت پر اشکالات متعدد وارد ہوئے ہیں، اور جوابات بھی متعدد دیے جاچکے ہیں۔ مثلاً ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں مراد صرف رسول اللہ ﷺ کے معاصر مسیحی ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے لیکن بنیادی اشکال صرف اس لیے پیدا ہوا ہے کہ آیت کے لفظ نصاریٰ پر کافی غور نہ کیا گیا اور اسے "مسیحیوں" کا مرادف سمجھ لیا گیا۔ آیت میں مسیحی یا عیسائی سرے سے مراد ہی نہیں، بلکہ نصاریٰ سے مراد نصاریٰ ہی ہیں، جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی ماننے والا، نہ کہ انہیں ابن اللہ قرار دینے والا ایک قدیم فرقہ ہوا ہے، اور جس کا شمار آج ہزار ڈیڑھ ہزار سال سے موجودہ مسیحی "ملحدوں" میں کررہے ہیں۔ قال قتادة نزلت في ناس من اهل الكتاب كانوا على شريعة مما جاء به عيسى أمنوا بالرسول فاثنى الله عليهم (بحر) قال اٰخرون هذه صفة قوم كانوا على شريعة عيسى من اهل الايمان (ابن جریر) لفظ نصاریٰ پر مفصل حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکا ہے، وہ ملاحظہ کرلیا جائے۔ قَالُوْٓا کا لفظ بھی حشو نہیں۔ ذکر ان کا ہو رہا ہے جو اپنے نصاریٰ ہونے کا اقرار کررہے ہیں۔ موجودہ فرنگی قومیں اور حکومتیں تو اپنی مسیحی ہونے کا بھی کھلی طرح اقرار نہیں کررہی ہیں، چہ جائیکہ اپنے کو نصرانی کہیں!...... ان نیم ملحد، نیم مشرک قوم کو قدیم "نصرانیت" سے کوئی علاقہ ہی نہیں، اس لیے اُن کی مودت وغیر مودت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اَقْرَبَهُمْ ذکر یہاں قرب مطلق کا نہیں صرف قرب اضافی کا ہو رہا ہے۔ ف۲۷۰ یہاں نصاریٰ کے اسلام سے نسبۃً قریب تر ہونے کے دو وجوہ بھی بیان کردیئے۔ ایک یہ کہ ان کی جماعت میں علم دوست، شب بیدار علماء اور تارک الدنیا درویش ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے قلوب میں تواضع کی نرمی ہوتی ہے۔ ان دو خصوصیات نے اس حقیقت کو اور زیادہ روشن و مؤکد کردیا کہ مراد عام مسیحی، خصوصاً فرنگی قومیں ہو ہی نہیں سکتیں، یہاں ان دونوں اوصاف کا قحط ہے۔ بلکہ مراد اسی قدیم فرقہ نصاریٰ (Nazarenes) ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی نصاریٰ کا اسلام سے قرب اضافی۔ قِسِّيْسِيْنَ۔ قس کے لفظی معنی عربی میں رات کو کسی شیء کے طلب کرتے رہنے کے ہیں۔ اصل القس تتبع الشيء و طلبه بالليل (راغب) اور علماء نصاریٰ چونکہ شب بیدار ہوتے تھے، اس لیے انہیں بھی قسیس کہنے لگے۔ والقسيس العالم العابد من رءوس النصارٰى (راغب) لیکن یہ بھی اہل لغت سے مروی ہے کہ قسیس کسی بیرونی زبان، سُریانی یا لاطینی سے منتقل ہوکر عربی میں آیا ہے۔ اور لغت عرب میں داخل ہوگیا ہے۔ قال قطرب القس والقسيس للعالم بلغة الروم (کبیر) و لفظ القسيس اما ان يكون عربيا واما ان يكون بلغة الروم ولكن خلطته العرب بكلامهم فصار من لغتهم اذليس في الكتاب ما ليس من لغة العرب (قرطبی) محققین نے آیت سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ تواضع وغیرہ صفات محمودہ بہرحال قابل قدر ہیں خواہ وہ کہیں مل جائیں یہاں تک کہ نصاریٰ میں بھی۔ و في الأية دليل على ان التواضع والاقبال على العلم والعمل والاعراض عن الشهوات محمودة اينما كانت (روح) و في هذا التعليل دليل على جلالة العلم وانه سبيل الى الهداية و على حسن عاقبة الانقطاع (بحر) و فيه دليل على ان العلم انفع شيء و اهداه الى الخير و ان كان علم القسيسين و كذا علم الاخرة و ان كان في راهب والبراءة من الكبر وان كانت في نصراني (مدارک) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ علوم و اخلاق کو اعمال میں دخل عظیم ہے، اور اسی لیے مشائخ طریقت کو علوم و اخلاق کا اہتمام اعمال سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔

وا۷ ۲ یہ تصدیق کرنے والے کون لوگ تھے؟ حدیث وسیر کی کتابیں اس پر متفق ہیں کہ اس سے مراد نجاشی شاہ حبشہ (متوفی ۹ ہجری) اور اس کے درباری ہیں۔ یہ لوگ بچے مسیحی تھے۔ قبل ہجرت نبوی جب آپؐ نے مکہ معظمہ سے صحابیوں کی ایک جماعت کی ہجرت ملک حبشہ کو کرائی تھی تو ایک موقع پر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی کی فرمائش پر سر دربار سورۂ مریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ اس پر نجاشی اور اہل دربار متاثر ہو کر رو پڑے۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنہما یرید النجاشی و اصحابه (کبیر) عن عبداللہ بن زبیر قال نزلت هٰذه الأية فی النجاشی و اصحابه (ابن کثیر) فبکی والله النجاشی حتی اخضلت لحیتهٗ وبکت اساقفتهٗ حتی اخضلوا مصاحفهم حین سمعوا ماتلا علیهم و ثم قال النجاشی ان هٰذا والذی جاء به عیسٰی لیخرج من مشکاة واحدةٍ (ابن ہشام) مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَى الرَّسُوۡلِ۔ یہ سورۂ مریم کی آیتیں تھیں۔ فقرأ علیه صدرًا من كٓهٰيٰعٓصٓ (ابن ہشام) ثم امر جعفر ان یقرأ علیهم القراٰن فقرأ سورة مریم (قرطبی)

وَ اِذَا سَمِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَى الرَّسُوۡلِ تَرٰۤى اَعۡيُنَهُمۡ

اور جب وہ اس (کلام) کو سنتے ہیں جو پیمبر پر اُتارا گیا ہے تو آپ اُن کی آنکھیں دیکھیں گے کہ

تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ الۡحَقِّ ۚ يَقُوۡلُوۡنَ

اُن سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا وہ کہتے ہیں

رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ ﴿۸۳﴾ وَ مَا لَنَا لَا

کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے۔ سو تو ہم کو بھی تصدیق کرنے والوں میں لکھ لے وا۷ ۲ اور آخر کیوں ہم

نُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الۡحَقِّ ۙ وَ نَطۡمَعُ

ایمان نہ لائیں اللہ اور (اُس) حق پر جو ہمیں (اب) پہنچا ہے اور (پھر) اُمید اس کی رکھیں

اَنۡ يُّدۡخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ

کہ ہمارا پروردگار ہم کو صالح لوگوں کی معیت میں داخل کردے گا و۲۷ ۲ تو اللہ اُن کو اس قول کے

اللّٰهُ بِمَا قَالُوۡا جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ

عوض میں ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں پڑی بہہ رہی ہوں گی اُن میں وہ (ہمیشہ)

خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۸۵﴾

رہیں گے اور نیکو کاروں کا ایسا ہی معاوضہ ہے و۳۷ ۲

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰۤئِكَ اَصۡحٰبُ

اور جو لوگ کفر کرتے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے رہے تو وہی دوزخ والے

الۡجَحِيۡمِ ﴿۸۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحَرِّمُوۡا طَيِّبٰتِ

ہیں و۴۷ ۲ اے ایمان والو! اپنے اُوپر اُن پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لیے جائز کی ہیں

مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

حرام نہ کرلو اور حدود سے آگے نہ نکلو۔ بیشک اللہ حدود سے آگے نکل جانے والوں کو پسند

اَعۡيُنَهُمۡ تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ۔ افاضہ یعنی آنسو کثرت سے رواں ہو گئے۔ خبرٌ مستفیضٌ اذا کثر وانتشر کفیض الماء عن الکثرة (قرطبی) اہل علم کا تاثر اسی قسم کا ہوتا ہے۔ وہ ہائے وائے نہیں کرتے البتہ ان کے آنسو چلنے لگتے ہیں۔ وهٰذه احوال العلماء یبکون ولا یصعقون و یسالون ولا یصیحون (قرطبی) مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ الۡحَقِّ۔ کلام حق سے متاثر ہو کر آبدیدہ ہو آنا اور گریہ طاری ہو جانا گویا سنت صالحین ہے۔ توریت میں ہے:۔ ”سب لوگ شریعت کی باتیں سن کے روتے تھے“ (نحمیاہ۔ ۸:۹) زیادہ ہنسی جس طرح غفلت کی دلیل ہے اُسی طرح رقت قلب علامت عبرت پذیری اور بیداری روح کی ہے۔ الۡحَقِّ کا لفظ لانے میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے جس آخری نبی کی پیش گوئی درج ہے اُسے تعبیر بھی ”روح حق“ ہی سے کیا (یوحنا۔ ۱۴:۱۷۔ یوحنا ۱۶:۱۳) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے وجد صوفیہ کا اثبات ہوتا ہے۔ اور وجد نام ہے بے اختیاری کی کیفیت محمودہ کا۔ حالة محمودة غریبة غیر اختیاریة۔ فَاكۡتُبۡنَا۔ اکتاب یہاں قطعی طور پر بنا دینے یا کر دینے کے معنی میں ہے۔ و معنی فاکتبنا اجعلنا فیکون بمنزلة ما قد کُتب و دُوّن (قرطبی) الشّٰهِدِيۡنَ یعنی قرآن کے کلام الٰہی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول برحق ہونے کی گواہی دینے والے۔ قال ابو علی الذین یشهدون بتصدیق نبیک و کتابک (قرطبی) مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ الۡحَقِّ میں پہلا مِنۡ سببیہ ہے اس لیے کے معنی میں اور دوسرا مِنۡ تبعیضیہ ہے بعض الحق کے معنی میں۔ الاول لابتداء الغایة والثانیة للتبعیض (کبیر)

و۲۷ ۲ یعنی ہماری اس آرزو کا پورا ہونا موقوف ہی ہے اسلام لانے پر۔ استفهام انکار و استبعاد لانتفاء الایمان مع قیام الداعی و هو الطمع فی الانخراط مع الصالحین (بیضاوی) مع مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بغیر عمل کے محض آرزو یا طمع مفید یا معتد بہ نہیں۔ و۳۷ ۲ خاص سے عام کی طرف آنا اور جزئیات سے کلیات پیدا کرنا قرآن مجید کا ایک عام اسلوب بیان ہے۔ اُوپر ایک خاص گروہ کے انعامات کا ذکر تھا۔ اب عام قاعدہ بیان کر دیا ہے کہ ہمارے قانون میں ایسی جزائے خیر تو ہر نیکوکار کو ملتی ہی رہتی ہے اور اخلاص طلب رائگاں نہیں جاتا۔ وهٰکذا من خلص ایمانه وصدق یقینه یکون ثوابه الجنة (قرطبی) فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوۡا سے معلوم ہوا کہ جنت اس اقرار اور اس معرفت سے معاً واجب ہو جاتی ہے اگرچہ صاحب اقرار و صاحب معرفت صاحب کبیرہ ہی ہو۔ اسی لیے متکلمین نے کہا ہے کہ آیت میں قوی دلیل اس کی موجود ہے کہ مومن فاسق کی سزا خلود فی النار نہیں۔ الأية دالة علی ان المؤمن الفاسق لایبقی مخلدًا فی النار (کبیر) فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوۡا سے اہل سنت نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ اقرار داخل ایمان ہے وفیه دلیل علی ان الاقرار داخل فی الایمان کما هو مذهب الفقهاء (مدارک) مَعَ الۡقَوۡمِ الصّٰلِحِيۡنَ میں مَعَ فی کے معنی میں بھی سمجھا گیا ہے۔ قیل مع بمعنی فی (قرطبی) و نطمع میں و حالیہ لیا گیا ہے۔ والواو فی و نطمع واو الحال (کشاف) و۴۷ ۲ اُولٰۤئِكَ کے حصر سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اصحاب جحیم یعنی دوزخ میں مستقل رہنے والے کافر ہی ہوں گے نہ کہ غیر کافر یا فاسق مسلم۔ یفید الحصر ای اولٰئک اصحاب الجحیم لا غیرهم فهٰذا یقتضی تخصیص هٰذا الدوام بالکفار (کبیر)

ف۲۷۵ تحریم حلال کی ایک عام اور چلی ہوئی صورت یہ ہے کہ کسی جائز لذت سے بہ قصد قربت حق اپنے کو ہمیشہ کیلیے محروم کر دیا جائے۔ غیر مذہب والے اس عادت کا شکار بہ کثرت ہو چکے ہیں کسی مسلمان کا ایسی جسارت کرنا گویا اس کا اقرار کرنا ہے کہ شریعت سے فلاں فلاں پرہیز کے مقرر نہ کرنے میں کمی ہوئی ہے اور اب میں اپنی عقل و تجربہ سے اس فروگذاشت کی تلافی کر رہا ہوں۔ کسی جائز چیز سے کسی طبی یا انتظامی مصلحت کی بنا پر دست بردار ہو جانا اور چیز ہے اور بعض بزرگوں سے جو ترک لذات کے سلسلہ میں جو مجاہدے منقول ہیں، سمجھنا چاہیے کہ وہ اسی قبیل سے ہوں گے --- کم از کم حسن ظن کا تقاضا تو یہی ہے۔ لَا تُحَرِّمُوْا۔ تحریم اعتقادی، تحریم قولی، تحریم عملی کی تینوں صورتوں پر شامل ہے۔ ای لا تعتقدوا تحریم ما احل اللہ تعالٰی لکم و لا تظھروا باللسان تحریم ما احل اللہ لکم و لا تجتنبوا عنھا اجتنا باً شبیه الاجتناب من المحرمات (کبیر) طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ۔ ان پاکیزہ اور جائز چیزوں میں غذا، لباس، ازدواج وغیرہ ہر قسم کی لذتیں آ گئیں اور طیبات کے تحت میں ہر وہ جائز لذت شامل ہے جس کی طرف قلب اور طبیعت کو میلان ہوتا ہے۔ الطیبات اللذیذات التی تشتھیھا النفوس و تمیل الیھا القلوب (کبیر) الطیبات اسمٌ یقع علٰی ما یستلذ و یشتھی و یمیل الیه القلب (جصاص) وَلَا تَعْتَدُوْا۔ اعتداء یا حدود سے نکل جانا یہی ہے کہ شریعت کی احتیاطوں اور قیدوں کو ناکافی سمجھ کر ان پر اپنی رائے و تجویز سے اضافہ کر لیا جائے یا اس کے برعکس انہیں زیادہ سمجھ کر ان میں سے کچھ چیزوں کو گھٹا دیا جائے۔ جو حکمت یا صنعت ہر لحاظ سے اکمل اور ہر اعتبار سے اجمل ہو اُس میں ایک ذرّہ کا اضافہ کر دینا بھی اُس کے کمالِ حسن کے غارت کر دینے کے لیے ایسا ہی کافی ہے جیسا اُس میں سے گھٹا دینا یا نکال دینا۔ فالنھیان علٰی ھٰذا تضمنا الطرفین ای لا تشددوا فتحرموا حلالًا ولا تترخصوا فتحلوا حرامًا (قرطبی) ای لا تبالغوا فی التضییق علٰی انفسکم تحریم المباحاتِ علیکم کما قال من قاله من السلف (ابن کثیر) محققین نے کہا ہے کہ آیت میں دو طرفہ رَد ہے۔ ایک طرف رَدّ زُہاد متشددین کا اور دوسری طرف رخصت میں بہت ڈھیل ڈال دینے والے صوفیہ اہل باطل کا۔ قال علماء نافی ھٰذہ الأیة و ما شابھھا ردٌ علٰی غلاۃ المتزھدین و علٰی اھل البطالة من المتصوفین (قرطبی) ف۲۷۶ (کہ یہ تقویٰ یا خوف خدا ہی راہ اعتدال و احتیاط و فرمانبرداری پر قائم رکھے گا) اسلامی شریعت کے احکام عقلاء و حکماء کے گڑھے ہوئے نہیں کہ ان میں کسی قسم کی ترمیم، تنقید، اضافہ و اصلاح کی گنجائش ہو۔ وہ تو تمام تر حکیم مطلق اور حاکم برحق کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ اس میں اپنی رائے و تجویز کو دخل دینا مقتضیات ایمان کے سرتا سر خلاف اور حاکمیت الٰہی سے بغاوت ہے۔ فقہاء محققین نے لکھا ہے کہ جو غذائیں شریعت الٰہی نے حلال و طیب قرار دی ہیں انہیں چھوڑ دینے میں کوئی دینی فضیلت ہرگز نہیں۔ جیسا کہ خود ساختہ مذہبوں نے ترک لذائذ کو ایک معیار تقویٰ و مقبولیت سمجھ رکھا ہے۔ یدل علٰی انه لا فضیلة فی الامتناع من اکلھا (جصاص) خود رسول اللہ ﷺ نے گوشتوں میں علاوہ بکری، بھیڑ، اونٹ وغیرہ کے مرغ کا گوشت بھی تناول فرمایا ہے۔ قد روی ابو موسی الاشعری انه رای النبی ﷺ یاکل لحم الدجاج (جصاص) فواکہ اور شیرینی اور حلوے کی دوسری لذیذ قسمیں بھی آپؐ سے نوش فرمانا ثابت ہیں۔ رای انه کان یاکل الرطب والبطیخ (جصاص) روی ان رسول اللہ ﷺ کان یاکل الدجاج والفالوذ وکان یعجبه الحلواء والعسل (مدارک) كُلُوْا۔ کے امر و اجازت کا دائرہ صرف کھانے کی چیزوں تک محدود نہیں۔ کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے، سواری و مکان غرض برتنے کی ساری چیزیں اس کے اطلاق میں داخل ہیں۔ الاکل فی ھٰذہ الأیة عبارۃ عن التمتع بالاکل والشرب واللباس و الرکوب و نحو ذٰلک (قرطبی) ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی نے فرمایا کہ جو چاہو کھاؤ جو چاہو پیو، بس لحاظ صرف اس کا رکھو کہ اسراف اور فخر و نمائش کے حدود تک نہ پہنچ جاؤ۔ عن طاؤس قال سمعت ابن عباس رضی اللہ عنہما یقول کل ما شئت و اکتس ما اخطأتك اثنتین سرفًا او مخیلة (جصاص) فقیہ جصاص رازی نے لکھا ہے کہ صحابیوں میں حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت حسن، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی، حضرت عمران بن حصین، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور مشہور تابعی قاضی شریح سے لباس میں پشمینہ کا استعمال ثابت ہے (احکام القرآن) كُلُوْا۔ صیغہ امر ہے لیکن مراد یہاں وجوب نہیں صرف اباحت ہے۔ کلوا صیغة امر و ظاھرھا للوجوب الّا انّ المراد ھٰھنا للاباحة والتحلیل (کبیر) مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ میں مِنْ تبعیض کے لیے ہے۔ اس میں ادھر اشارہ ہے کہ جائز چیزوں میں سے کچھ کھاؤ پیو اور کچھ دوسروں کی نذر کر دو، تاکہ اسراف سے بھی بچے رہو۔ کلمة من للتبعیض فکانه قال اقتصروا فی الاکل علی البعض و اصرفوا البقیة الی الصدقات والخیرات لانه ارشاد الی ترک الاسراف کما قال ولا تسرفوا (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں رسم ترک حیوانات کا ابطال ہے جو بعض مدعیان طریقت کا طریق ہے۔ ف۲۷۷ مؤاخذہ سے مراد یہاں سزائے دنیوی ہے۔ یعنی ایسی قسم کا کفارہ واجب نہیں۔ اللَّغْوِ فِیٓ اَيْمَانِكُمْ۔ بے معنی قسموں پر حاشیہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ پ۲ آیت ۲۲۵۔ ف۲۷۸ (اور اس کے توڑنے کی سزائے دنیوی کفارہ ادا کرنا ہے) بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ۔ جھوٹی قسم ایک تو کسی گزشتہ واقعہ سے متعلق ہو سکتی ہے۔ جیسے کسی واقعہ کا وقوع قسم کھا کر بیان کیا حالانکہ وہ خلاف واقع تھا۔ یہاں ایسی قسموں کا ذکر نہیں، قسموں کی ایک دوسری قسم یہ ہے کہ مستقبل میں کسی امر کے وقوع یا عدم وقوع کو قسم سے مؤکد کر کے بیان کیا جائے۔ یہاں یہی قسم مراد ہے۔ عَقَّدْتُّمْ عقد کے لفظی معنی گرہ دینے کے ہیں۔ مجازاً عہد، قسم، بیع وغیرہ کے مؤکد کرنے پر بولا جاتا ہے۔ ف۲۷۹ یہ کفارہ قسم توڑنے کے بعد ہی واجب ہوگا۔ اس کے قبل نہیں ادا ہو سکتا۔ یہ قسم خواہ ارادۃً توڑی ہو یا بھول چوک سے ٹوٹ گئی ہو،

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا

نہیں کرتا ف۲۷۵ اور اللہ نے جو کچھ تمہیں حلال، پاکیزہ چیزیں دے رکھی ہیں ان میں

طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾

سے کھاؤ (پیو) اور اسی اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو ف۲۷۶

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ

اللہ تم سے تمہاری بے معنی قسموں پر مؤاخذہ نہیں کرتا ف۲۷۷ لیکن

يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ

جن قسموں کو تم مضبوط کر چکے ہو اُن پر تم سے مؤاخذہ کرتا ہے ف۲۷۸ سو اس کا کفارہ

اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو دیا

اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ

کرتے ہو یا انہیں کپڑا دینا یا غلام آزاد کرنا ف۲۷۹ لیکن جس

يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ

کو (اتنا) مقدور نہ ہو تو اس کے لیے تین دن کے روزہ ہیں ف۲۸۰ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے

اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

جب کہ تم حلف اُٹھا چکے ہو اور اپنی قسموں کو یاد رکھا کرو ف۲۸۱ اور اس طرح اللہ تمہارے لیے

اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر گزار ہو ف۲۸۲ اے ایمان والو!

اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ

شراب اور جوا اور بت اور پانسے تو بس نری گندی باتیں

بہاء نے لکھا ہے کہ کفارہ دونوں صورتوں میں واجب ہوگا۔ اِطْعَامُ۔ یہ کھانا دونوں وقتوں کا ہوگا۔ یہ کھانا چاہے دس شخصوں کو ایک دن کھلا دیا جائے یا ایک ہی شخص کو دس دن تک کھلایا جاتا رہے۔ كِسْوَتُهُمْ۔ کپڑا ایسا ہو
جسم کے اکثر حصہ کے لئے کافی ہو۔ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ۔ لفظی معنی گردن آزاد کرانے کے ہیں۔ مراد غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے۔ رَقَبَةٍ کا لفظ سورۃ النساء ع ۱۳، آیت ۹۲ میں آچکا ہے اور اس کی جمع رقاب سورۃ البقرہ
ع ۲۲، آیت ۱۷۷ میں۔ اَوْ۔ کفارہ کی یہ تین صورتیں جو یہاں ارشاد ہوئیں ان کی ترتیب ذکر سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان پر عمل بھی نمبروار اسی ترتیب سے ہو۔ بلکہ اختیار ہے کہ ماحول کا لحاظ کر کے جو کفارہ بہتر ہو وہی
ا جائے۔ لا خلاف فی رد کفارۃ الیمین علی التخییر (قرطبی) ومعنی او التخییر وایجاب احدی الکفارات الثلاث (مدارک) بلکہ فقہائے مالکیہ نے تو تصریح کر دی ہے کہ ضرورت کا اعتبار کیا جائے۔
عندی انها تکون بحسب الحال فان علمت محتاجا فالاطعام افضل لانک اذا اعتقت لم ترفع حاجتهم وزدت محتاجا (ابن العربی) ف۲۸۰ (اور یہ تین روزے متواتر ہونے چاہئیں) یہ
باقی کفارہ معاف ٹوٹ جائے گا جونہی کہ عدم مقدرت کا عذر ختم ہو گیا۔ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی نے یہ کفارہ کے روزے شروع کئے اور دو روزے ہو بھی چکے تھے کہ اسے طعام یا لباس کی مقدرت حاصل ہو گئی تو اب تیسرا
روزہ رکھنے کے بجائے اسے اصل کفارہ ہی دینا چاہیے۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ یہاں مقدرت کا معیار صاحب نصاب ہونا ہے ف۲۸۱ (تا کہ اس کے توڑنے اور پھر کفارہ دینے کی نوبت ہی نہ آئے) اِذَا
حَلَفْتُمْ یعنی جب تم حلف لے چکے اور اسے توڑ بھی چکے ف۲۸۲ شکر یہ اس کا کہ حاکم علی الاطلاق وحکیم مطلق نے تمہاری چھوٹی بڑی، دینی و دنیوی، انفرادی واجتماعی ساری مصلحتوں اور ضرورتوں کا لحاظ اور سب کی رعایت رکھ لی۔ ف۲۸۳ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں فطرت انسانی اور طبیعت بشری سے پھر کچھ نہ کچھ لگاؤ ہوتا ہے لیکن یہ چاروں چیزیں تو ایسی ہیں کہ انسان ان کی جانب تمامتر خارجی مؤثرات ہی کے اثر سے آتا ہے اور یہ بالکل ہی شیطان کی تحریک کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ان کی بالکل صحیح تصویر کشی ہے۔ فطرت بشری ان سے خود ابا کرتی ہے۔ خمر اور میسر پر حاشیہ سورۃ البقرہ رکوع ۲۸ کے تحت میں اور انصاب اور ازلام پر اسی سورۃ مائدہ کے شروع میں درج ہو چکے۔ شراب اور جوئے کی مادی مضرتوں کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ یعنی تحریک شیطانی کا نتیجہ۔ لانه مسبب عن تسویله وتزیینه (بیضاوی) لانهٗ یحمل علیه فکانّه عمله (مدارک) ف۲۸۴ اور فلاح میں دینی و دنیوی، مادی و روحانی، جسمانی و دماغی انفرادی واجتماعی ہر قسم کی فلاح شامل ہے۔ مفسر زمخشری نے لکھا ہے کہ حرمت خمر و میسر کے متعدد طریقے قرآن نے اسی آیت میں جمع کر دیئے:۔ (۱) آیت کی ابتدا کلمۂ حصر اِنَّمَا سے کی، یعنی ان چیزوں کی بس یہی کل حقیقت ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔ (۲) ان دونوں چیزوں کا ذکر انصاب وازلام جیسی مسلّم گندی چیزوں کے ساتھ کیا (۳) انہیں رجس قرار دیا (۴) انہیں عمل شیطان ٹھہرایا (۵) صاف صاف ان سے اجتناب کا حکم دیا (۶) ان سے احتراز کو موجب فلاح بتلایا (۷) ان کی دینی و دنیوی مضرتوں کا ذکر کیا۔ فَاجْتَنِبُوْهُ میں ضمیر رِجْسٌ یا عَمَلِ الشَّيْطٰنِ کی جانب ہے۔ الضمیر للرجس (بیضاوی) الضمیر یرجع الی الرجس اوالی عمل الشیطان (مدارک) حرمت خمر پر اگر دوسرے نصوص نہ موجود ہوں جب بھی یہی ایک آیت کافی ہے اس لئے کہ اول تو لفظ رجس موجود ہے جو خود تحریم کا مقتضی ہے اور پھر فَاجْتَنِبُوْهُ بہ صیغہ امر ہے۔ اقتضت هذه الاٰية تحریم الخمر من وجهین احدهما قوله رجسٌ لان الرجس اسم فی الشرع لمایلزمه اجتنابه والوجه الاٰخر قوله تعالٰی فاجتنبوه و ذٰلک امر والامر یقتضی الایجاب (جصاص) ف۲۸۵ شراب نوشی اور قمار بازی کی دنیوی مضرتوں اور اخلاقی قباحتوں کی تفصیل لکھنے پر کوئی آئے تو کتاب کی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید نے یہاں ان کی صرف سب سے بڑی اور کلیدی مضرت، خانہ جنگی کی طرف اشارہ کر دیا۔ شراب وقمار دونوں کے مضر اثرات شر و فساد کی شکل میں روزمرہ کے مشاہدے ہیں۔ مے نوشی اور جرائم کا قریبی تعلق آج ماہرین فن کے فراہم کئے ہوئے اعداد سے ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور جوئے کی لت میں پڑ کر بڑے بڑے مشاہیر واکابر کا اپنی دولت، سلطنت، عزت وناموس تک گنوا بیٹھنا ہندوستان کے

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ

ہیں شیطان کے کام ف۲۸۳ سو اس سے بچے رہو تا کہ فلاح

تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ

پاؤ ف۲۸۴ شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمہارے آپس میں

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ

دشمنی اور کینہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے ڈال دے ف۲۸۵ اور تمہیں اللہ کی یاد

عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

اور نماز سے روک دے ف۲۸۶ سو اب بھی تم باز آؤ گے ف۲۸۷

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ

اور اطاعت کرتے رہو اللہ کی اور رسول کی اور احتیاط رکھو اور اگر

تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

اعراض کرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے اور بس ف۲۸۸

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ

جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے رہتے ہیں ان پر اس چیز میں

فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے ہوں، جبکہ وہ لوگ تقویٰ رکھتے ہوں ف۲۸۹ اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے

ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ

ہوں پھر تقویٰ کریں، ف۲۹۰ اور ایمان رکھتے ہوں اور پھر تقویٰ کریں، اور خوب نیک کاری کریں ف۲۹۱ اور اللہ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ

تو محبت رکھتا ہے خوب نیکو کاری کرنے والوں سے، ف۲۹۲ اے ایمان والو اللہ تمہیں آزمائے گا

ع ۱۲/۲

قدیم ترین قصہ مہابھارت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ جاہلیت عرب کے مہذب باشندے ان دونوں بلاؤں میں بری طرح مبتلا تھے، ٹھیک اسی طرح جیسے آج جاہلیت فرنگ کی مہذب آبادی پر بھی دونوں بلائیں بری طرح مسلط ہیں۔ ملاحظہ ہو راقم سطور کی انگریزی تفسیر القرآن۔ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ میں فِي سببیہ ہے یعنی ان کے ذریعہ یا واسطہ سے۔ ای بسببهما (جمل) ای بسبب تعاطیهما (روح) اَلْخَمْرِ۔ خمر کے اصل معنی اگرچہ صرف شراب انگوری کے تھے لیکن بعد کو یہ لفظ ہر قسم کی نشہ آور شراب کے لئے استعمال ہونے لگا۔ الخمر هی عصیر العنب المشتد (جصاص) کل شیء اسکر فهو خمر (جصاص) الخمر سمیت لکونها خامرة لمقر العقل وهو عند بعض الناس اسم لکل مسکر، عند بعضهم اسم للمتخذ من العنب والتمر (راغب) شراب کے سلسلہ میں یہ یاد رہے کہ جس طرح اس کا پینا ناجائز ہے اسی طرح اس کا بنانا، اس کا بیچنا، اس کے کاروبار میں حصہ لینا، اس سے کسی طرح نفع اٹھانا سب ناجائز ہے۔ حدیث ابوداؤد میں ان اللّٰه حرم الخمر وثمنها صاف آچکا ہے۔ اور فقہاء نے تمام متعلقات شراب کی حرمت پر دلائل نقل کئے ہیں۔ آبکاری کا عظیم الشان محکمہ اور پر منفعت کاروبار اسلامی حکومت کے تحت میں ایک منٹ کے لئے بھی زندہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے اس آیت کے ذیل میں خوب فرمایا کہ معاصی میں

خاص کی تصریح کردینا قرآن مجید کا عام اسلوب بیان ہے۔ ضمناً اس سے نماز کی عظمت اور اہمیت واشرفیت پر پوری روشنی پڑگئی۔ خص الصلوٰۃ من الذکر بالا فراد للتعظیم والاشعار بان الصاد عنها کالصاد عن الایمان (بیضاوی) وخص الصلوٰۃ من بین الذکر لزیادۃ درجتها کانہ قال وعن الصلوٰۃ خصوصًا (مدارک) شراب اور جوئے کے دنیوی نقصانات کی طرف اشارہ ابھی اوپر ہو چکا اب بیان ان کی دینی مضرتوں کا ہو رہا ہے۔ میسر کی حرمت کی جو حکمتیں یہاں بیان ہوئیں وہی شطرنج وغیرہ نیم قماری کھیلوں میں بھی مشاہد ہیں اسی لئے فقہاء نے ان کے بھی عدم جواز کا فتوی دیا ہے اور صحابہ اور تابعین سے بھی منقول ہے۔ روی عن علی ؓ انہ قال الشطرنج من المیسر وقال عثمان وجماعۃ من الصحابۃ والتابعین النرد وقال قوم من اھل العلم القمار کلہ من المیسر (جصاص) ھذہ الاٰیۃ تدل علی تحریم اللعب بالنرد والشطرنج قمارًا اوبغیر قمارٍ (قرطبی) و۲۸۷ (شراب اور قمار سے) اصحاب نبی ﷺ جو آیت کے مخاطب اولین تھے، اسے سنتے ہی پکار اٹھے، ہم باز آگئے، ہم باز آگئے۔ قال عمر انتھینا انتھینا (ابن جریر) فقالو انتھینا یا ربّ (ابن جریر) فقالو انتھینا ربنا انتھینا ربنا (ابن جریر) کیسا ڈسپلن تھا بارگاہ نبوت کا اور کیسی زبردست اصلاحی قوت تھی عرب کے اس امی حکیم کی کہ دم کے دم میں بڑے بڑے پرانے اور عمر بھر کے شرابیوں جواریوں کو پاکباز و متقی بلکہ پاکبازوں اور صالحین کا سردار بنا دیا— سچ کہا ہے اکبر الہ آبادی نے ؂

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔ حرمت شراب وقمار کی تاکید در تاکید تو اوپر سے چلی آرہی تھی اب اس فقرہ نے اسے اور مؤکد کر کے گویا شدت ممانعت پر مہر لگا دی۔ اعاد الحث علی الانتھاء بصیغۃ الاستفھام مرتبًا علی ما تقدم من انواع الصوارف (بیضاوی) ایذانا بان الامر فی المنع والتحذیر بلغ الغایۃ وان الاعذار قد انقطعت (بیضاوی) علامہ زمخشری نے ایک سوال یہاں یہ پیدا کیا ہے کہ پہلی آیت میں خمر و میسر کا ذکر انصاب و ازلام کے ساتھ کیا ہے اور اب کی تنہا انہی دو کا ذکر کیوں کیا ہے؟ اور خود ہی اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آیت میں خطاب مسلمانوں سے ہے اور انہی کو شراب اور قمار سے روکنا مقصود ہے۔ پہلی آیت میں چاروں منکرات کا ذکر ایک ساتھ اس امر کے اظہار کے لئے اور مسلمانوں کو شراب وقمار سے مزید نفرت دلانے کے لئے تھا کہ یہ ایسے اعمال ہیں جن کا ارتکاب اہل جاہلیت و مشرکین ہی کر سکتے ہیں۔ ذکر الانصاب والازلام لتاکید تحریم الخمر والمیسر واظھاران ذٰلک جمیعًا من اعمال الجاھلیۃ واھل الشرک ثم افردھما بالذکر لیُرٰی ان المقصود بالذکر الخمر والمیسر (کشاف) و۲۸۸ (احکام اور پیام کی، سو وہ تبلیغ پوری پوری کر چکے اور عذر کی گنجائش کسی کو نہ رہی) اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ یہ اطاعت اللہ اور رسول کی سارے احکام شریعت میں ہوگی۔ وَاحْذَرُوْا۔ یہ احتیاط کا حکم احکام کی نافرمانی سے مل رہا ہے۔ و۲۸۹ (اور اس لئے اس وقت کی حرام چیزوں سے محترز ہوں) فِيْمَا طَعِمُوْا۔ جبکہ وہ وہ چیزیں کھا رہے ہوں جو اس وقت میں حلال ہوں۔ طعموا بما لم یحرم علیھم (بیضاوی) روایتوں میں آتا ہے کہ جب شراب وقمار کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے سوال کیا کہ پھر ان کا کیا حشر ہوگا جو اب تک شراب پیتے اور قمار کا مال کھاتے رہے؟ اور پھر اب زندہ بھی نہیں، جو توبہ واستغفار سے کام لیں بلکہ وفات پا چکے ہیں؟ یہ آیت اسی پر نازل ہوئی...... سوال اسی قسم کا تھا جیسے حکم تحویل قبلہ کے بعد بعض صحابیوں نے سوال کیا تھا کہ جو نمازیں بیت المقدس کی طرف پڑھی جاچکی ہیں، ان کا کیا حشر ہوگا؟ اور اس کا جواب بھی قرآن ہی میں موجود ہے۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ...... سوال دونوں موقعوں پر بالکل قدرتی تھا۔ اور آج جن لوگوں نے سوال پر استعجاب ظاہر کیا ہے۔ انہوں نے خود اپنی سطحیت و کم فہمی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ چار چار صحابیوں ابن عباس، جابر و براء بن عازب وانس بن مالک ؓ اور چار چار تابعیوں حسن، مجاہد، قتادہ، ضحاک کی سند سے جصاص نے لکھا ہے کہ لمّا حرم الخمر کان قد مات رجال من اصحاب رسول اللہ ﷺ وھم یشربون الخمر قبل ان تحرم فقالت الصحابۃ کیف بمن مات منا وھم یشربونھا فانزل اللہ تعالٰی ھذہ الاٰیۃ۔ و۲۹۰ یعنی ان چیزوں کو ترک کردیں جو پہلے حلال تھیں اور اب حرام ہوگئی ہیں؛ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یہ عمل صالح خود دلیل ہے ان کے ایمان وتقویٰ کی۔ و۲۹۱ مطلب یہ ہوا کہ نزول شریعت کے ہر دور میں، ہر منزل میں وہ اتباع احکام اور احترام قیود پر حریص ہوں۔ احسان سلوک شرعی میں آخری مرتبہ کا نام ہے۔ ایک تو ہوا کسی کام کو محض کر دینا اور ایک ہے اس کام کو بہ وجہ احسن کرنا، دل وجان سے کرنا، اس میں حسن وزیبائی کے کمالات پیدا کر کے کرنا۔ اسی کا نام احسان ہے لفظ "احسان" اردو میں جس مفہوم کے لئے چلا ہوا ہے، اس سے یہاں کوئی تعلق نہیں۔ ثُمَّ اتَّقَوْا۔ اس تقویٰ سے بھی یہی مراد ہے کہ جو چیز اب حرام ہوئی ہے اسے ترک کردیں۔ وَاٰمَنُوْا۔ ایمان کی تصریح سے اشارہ اوپر ہو گیا کہ وہی ایمان ہی مبنیٰ اور منشا سارے اعمال صالحہ کا ہے۔ جصاص رازی نے لکھا ہے کہ تقویٰ کا ذکر آیت میں تین مرتبہ آیا ہے اور ہر مرتبہ ایک نئی مراد ہے پہلے تقویٰ سے اشارہ ماضی کی طرف ہے اور دوسرے سے مستقبل کی طرف۔ اور تیسرے سے مراد بندوں پر ظلم وزیادتی سے بچنا ہے۔ واعاد ذکر الاتقاء فی الاٰیۃ ثلاث مرات فاما الاول فمن اتقی فی ما سلف والثانی الاتقاء منھم فی مستقبل الاوقات والثالث اتقاء ظلم العباد والاحسان الیھم و۲۹۲ (سوا ایسے ایمان، تقویٰ وحسن عمل والوں کے مبغوض ومردود ہونے کا تو احتمال ہی نہیں۔ ان کا شمار تو محبوبوں اور مقبولوں میں ہے) علماء نے اس پوری آیت سے ہر مباح لذت سے پورے استلذاذ وانتفاع کا جواز نکالا ہے۔ قال ابن خویز منداد تضمنت ھذہ الاٰیۃ تناول المباح والشھوات والانتفاع بکل لذیذ من مطعم ومشرب ومنکح وان بولغ فیہ وتنوھی فی ثمنہ (قرطبی) و۲۹۳ یعنی وہ شکار کے جانور تم سے بہت دور بھی نہ ہوں گے۔ قریب ہی پھرتے رہیں گے کہ تمہارے لئے ان کا شکار بہ آسانی ممکن ہوگا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ ذکر مقام حدیبیہ کا ہے۔ شکار کے جانور بالکل آس پاس لگے پھرتے تھے لیکن مسلمان حالت احرام میں تھے اس لیے شکار سے محتاط ومحترز رہے۔ انزلت ھذہ الاٰیۃ فی عمرۃ الحدیبیۃ فکانت الوحش والطیر والصید تغشاھم فی رحالھم (ابن کثیر)

اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ

قدرے شکار سے جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں و۲۹۳

لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰی

تا کہ اللہ معلوم کرلے کہ کون شخص اُس سے بے دیکھے ڈرتا ہے و۲۹۴ سو جو کوئی اس کے بعد حد سے

بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۹۴﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ

نکلے گا تو اس کے لیے عذاب دردناک ہے و۲۹۵ اے ایمان

اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَ مَنْ قَتَلَهٗ

والو شکار کو مت مارو جب کہ تم حالت احرام میں ہو و۲۹۶ اور تم میں سے جو کوئی دانستہ اسے

مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ

مار دے گا تو اُس کا جرمانہ اُسی طرح کا ایک جانور ہے جس کو اُس نے مار ڈالا ہے و۲۹۷

یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْیًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ

(اور) اس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کریں گے خواہ وہ جرمانہ چوپایوں میں سے ہو جو نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائے

اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِیَامًا

جاتے ہیں خواہ مسکینوں کو کھانا (کھلا دیا جائے) و۲۹۸ یا اس کے مساوی روزہ رکھ لیے جائیں

لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَ مَنْ

تا کہ وہ اپنے کیے کی شامت کا مزہ چکھے و۲۹۹ جو کچھ ہو چکا اللہ نے اسے معاف کردیا و۳۰۰ لیکن جو کوئی

عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

پھر یہ حرکت کرے گا اللہ اس سے انتقام لے گا و۳۰۱ اور اللہ زبردست ہے، انتقام پر قادر ہے و۳۰۲

اُحِلَّ لَكُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ

تمہارے لیے دریائی شکار اور اس کا کھانا جائز کیا گیا تمہارے نفع کے لیے

لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ۔ سورہ کے شروع میں آچکا ہے کہ حالت احرام میں شکار ممنوع ہے اب یہاں اس کی کچھ تفصیل بیان ہوگی۔ ملاحظہ ہوں سورہ مائدہ کے حواشی نمبر ۴ ومابعد۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لَیَبْلُوَنَّكُمُ سند ہے ان مشائخ کے لئے جو اپنے طالبین کے صدق واخلاص کا امتحان کرتے رہتے ہیں۔ مِنَ الصَّیْدِ میں مِنْ یا تو تبعیض کے لئے ہے یا تمیز کے لئے یا جنس کے لئے۔ قیل فی موضع من هٰهنا انها للتبعیض وقیل انها للتمییز (جصاص) ومن للتبعیض او لبیان الجنس (مدارک) یرید بعض الصید فمن للتبعیض (قرطبی) و۲۹۴ یعنی اس اَن دیکھے معبود کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرتا ہے۔ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ۔ یعنی تا کہ اللہ دنیا کی نظر میں بھی اس شخص کے عمل سے معلوم کرلے۔ اللہ کا علم تو ہمیشہ ہی سے ہے۔ ایسے موقعوں پر مراد یہ ہوتی ہے کہ اس شخص کے عمل سے بھی یہ کیفیت ظاہر ہو جائے۔ و۲۹۵ بَعْدَ ذٰلِكَ۔ یعنی اس حکم حرمت کے بعد یا اس شکار کی آزمائش کے بعد۔ بعدذ لک الابتلاء بالصید (بیضاوی) اِعْتَدٰی۔ یعنی احکام شرعی کی حد سے نکلے گا اور شکار ممنوع کا مرتکب ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم شکار کے خاص طور پر عادی تھے۔ اس لئے ان کی اطاعت اور قوت ضبط کا پورا امتحان ہو رہا تھا۔ بِشَیْءٍ۔ یہ دل بڑھانے کے لئے ہے کہ امتحان کوئی ایسا بڑا نہیں۔ ایک حقیر ہی شے کا ہے۔ التقلیل والتحقیر فی بشیء للتنبیه علی انه لیس من العظائم (بیضاوی) لیعلم انه لیس بفتنة من الفتن العظام التی تدحض عندها اقدام الثابتین (کشاف) و۲۹۶ (اور یا تم خود تو حالت احرام سے باہر ہو لیکن وہ شکار حدود حرم کے اندر ہو) یہ عام ممانعت خشکی اور تری کے ان جانوروں کے حق میں نہیں جن کے قتل یا شکار کا جواز قرآن مجید ہی کی کسی دوسری آیت یا حدیث صحیح سے ثابت ہو گیا ہے۔ مثلاً دریائی جانور یا سانپ بچھو، بھیڑیا، کاٹنے والا کتا وغیرہا۔ فقدروی ابن عباس وابن عمر وابو سعید وعائشة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خمس یقتلهن المحرم فی الحل والحرم الحیة والعقرب والغراب والفارة والکلب العقور (جصاص) واما ما کان من السباع لا یعدو (جصاص) لَا تَقْتُلُوْا۔ قتل کے معنی اردو میں اہلاک کی ایک بالکل خاص صورت کے ساتھ محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ عربی کے قتل کے مفہوم میں یہ تنگی نہیں، وہ جان لے لینے کی ہر صورت کے لئے عام ہے اور یہی یہاں مراد ہے۔ القتل هو کل فعل یفیت الروح وهو انواع (قرطبی) و۲۹۷ یعنی اس شخص کو جرمانہ میں اسی قیمت کا جانور پیش کرنا چاہیے۔ مِثْلُ مَا قَتَلَ۔ مثلیت کا معیار حنفیہ کے ہاں ہم قیمتی ہے قال ابوحنیفة وابو یوسف المثل هو القیمة (جصاص) وهو قیمة الصید (مدارک) یہ جزاء (جرمانہ) جس طرح قصد وتعمد میں واجب ہے اسی طرح حالت خطا ونسیان میں بھی۔ حدیث سے بھی ثابت ہے اور فقہاء نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ من الزهری قال نزل القراٰن بالعمد وجرت السنة فی الخطا (ابن جریر) ان قتله متعمدا اوناسیا حکم علیه (ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قال قائلون وهم الجمهور سواء قتله عمدًا او خطأً فعلیه الجزاء (جصاص) وانما شرط التعمد فی الاٰیة مع ان محظورات الاحرام یستوی فیها العمد والخطأ لان مورد الاٰیة فی معنی تعمد (مدارک) الاصل فعل التعمد والخطاء ویلحق به وللتغلیظ (مدارک) یحکم علیه فی العمد و الخطأ والنسیان قاله ابن عباس وروی عن عمرو طاؤس والحسن وابراهیم والزهری وبه قال مالک والشافعی وابوحنیفة واصحابهم (قرطبی) والذی علیه الجمهوران العامد والناسی سواء فی وجوب الجزاء علیه (ابن کثیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس پوری آیت سے اہل ریاضت کے اس طریق کا ثبوت مل جاتا ہے کہ پہلی خطا پر اپنے نفس کو ایسی سزا دیتے ہیں جس کا تحمل اس کو آسان ہوتا ہے۔ اور اگر وہ خطا پھر عود کرے تو اسے ایسی سزا دیتے ہیں جو اس پر قدرے دشوار ہو۔ و۲۹۸ یعنی یہ کھانا اسی جانور کی تخمینی قیمت کے مساوی ہو۔ مِنَ النَّعَمِ۔ چوپایوں سے مراد ہیں اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری۔ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔ یعنی اس جانور کی قیمت کا تخمینہ تم میں سے دو متدین، اہل اور صاحب بصیرت اشخاص کریں۔ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ۔ "کعبہ تک" سے مراد ہے کہ حدود حرم کے اندر پہنچا جائیں۔ حرمت فقہی کے اعتبار سے کعبہ اور کل حرم دونوں یکساں ہیں اور قربانی خاص کعبہ تک تو پہنچتی بھی نہیں۔ بلوغة الکعبة وجه فی الحرم لاخلاف فی ذٰلک وهٰذا یدل علی ان الحرم کله بمنزلة الکعبة فی الحرمة (جصاص) ویرسل من الحل الی مکة ولم یرد الکعبة بعینها فان الهدی لا یبلغها اذهی فی المسجد وانما اراد الحرم ولا خلاف فی هٰذا (قرطبی) الکعبة انما ارید بها کل الحرم لان الذبح والنحر لایقعان فی الکعبة و لا عندها ملازقًا لها (کبیر) و۲۹۹ مساوی تعداد میں روزہ کے معنی یہ ہیں کہ ہر مسکین کے حصہ کا ایک ایک روزہ رکھا جائے۔ گویا کفارہ کی تین صورتیں ارشاد ہوئیں۔ ہدی۔ اطعام۔ صیام۔ اور تینوں مساوی ہیں۔ جیسا کہ اَوْ کلمہ تخییر کا اقتضاء ہے۔ وما ذکره اللّٰه تعالیٰ فی هٰذه الاٰیة من الهدی والاطعام والصیام فهو علی التخییر لان او یقتضی ذٰلک وروی نحو ذٰلک عن ابن عباس وعطاء والحسن وابراهیم روایة وهو قول اصحابنا (جصاص) و۳۰۰ یعنی جو لوگ یہ جرمانہ ادا کر چکے وہ معاف ہو جائیں گے۔ دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ قبل اسلام یا قبل نزول حکم جو کچھ گزر چکا اس سے درگزر کردی جائے گی۔ عما کان فی الجاهلیة (ابن جریر۔ عن عطاء) عما سلف منکم فی جاهلیتکم (ابن جریر) عما مضٰی فی الجاهلیة وعما سلف قبل التحریم فی الاسلام (کبیر) و۳۰۱ (اس جسارت اور ڈھٹائی کا) گناہ کا اعادہ خود ایک دلیل ہے ڈھٹائی کی۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ توبہ سے یہ علت انتقام بھی منتفی ہو جائے گی۔ و۳۰۲ اس میں رد آ گیا بہت سی جاہلی قوموں کے عقیدہ کا جن کا معبود فعالیت سے یکسر محروم، اور ہر طرح بے حس اور جامد ہے۔

وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ

اور قافلوں کے لیے ف۳۰۳ اور تمہارے اُوپر جب تک تم حالت احرام میں ہو خشکی کا شکار حرام

حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾

کیا گیا اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس جمع کیے جاؤ گے ف۳۰۴

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ

اللہ نے کعبہ کے مقدس گھر کو انسانوں کے باقی رہنے کا مدار ٹھہرایا ہے ف۳۰۵

وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۗ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا

(نیز) حرمت والے مہینہ کو اور حرم میں قربانی کو، اور گلے میں پٹہ پڑے ہوئے جانوروں کو ف۳۰۶ یہ اس لیے کہ تم یقین

اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

کر لو کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ اس سب کا علم رکھتا ہے

وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

اور بیشک اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے ف۳۰۷ جانے رہو کہ اللہ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ ۗ مَا

بہت سخت سزا دینے والا بھی ہے ف۳۰۸ اور اللہ بڑا مغفرت والا، بڑا رحمت والا بھی ہے ف۳۰۹

عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ

رسول کے ذمہ تو بجز تبلیغ کے اور کچھ نہیں اور اللہ (اس کو بھی) جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو

وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ

اور (اس کو بھی) جو کچھ تم چھپاتے ہو ف۳۱۰ آپ کہہ دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے۔

وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي

گو تجھے ناپاک کی کثرت حیرت میں ڈالتی ہو ف۳۱۱ سو اے عقل والو! اللہ سے ڈرتے

ف۳۰۳ بحری مسافروں کے لئے دریائی جانوروں کے شکار کی اجازت ان کے حق میں رحمت خاص ہے۔ یہ ہدایتیں حالت احرام کے بارہ میں مل رہی ہیں۔ وانتم حرم کے تحت میں۔ صَيْدُ الْبَحْرِ۔ بحر سے صرف سمندر مراد نہیں، ہر قسم کے دریا، ندی، جھیل، تالاب وغیرہ غرض پانی کا ہر ذخیرہ اس کے تحت میں آجاتا ہے۔ وعنی بالبحر فی ھٰذا الموضع الانھار کلھا والعرب تسمی الانھار بحاراً (ابن جریر) اصل البحر کل مکان واسع جامع للماء الکثیر (راغب) المقصد فیہ صید الماء فسائر حیوان الماء یجوز للمحرم اصطیادہ و لا نعلم خلافاً فی ذٰلک بین الفقھاء (جصاص) والمراد بالبحر جمیع المیاہ والانھار (کبیر) والمراد بالبحر جمیع المیاہ (معالم) اور دریائی جانور کی تعریف فقہاء نے یہی کی ہے کہ وہ وہ جانور ہے جس کا مولد ہی پانی ہے اور مسکن بھی پانی۔ اس لئے مرغابی، بط وغیرہ اس تعریف کے بعد دریائی جانور کے حکم سے نکل گئے۔ طَعَامُهٗ۔ میں ضمیر صید کی طرف ہے۔ قیل الضمیر للصید وطعامہ اکلہ۔ اور اس پر کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن بہت سے ارباب تفسیر ادھر بھی گئے ہیں کہ ضمیر بحر کی جانب ہے۔ ما قذفہ او نضب عنہ (بیضاوی) تو گویا اب دو چیزیں ہوئیں ایک صَيْدُ الْبَحْرِ اور دوسرے طعام البحر۔ یہ ترکیب مان کر دونوں میں فرق یہ کیا گیا ہے کہ صید البحر وہ جانور ہے جس کا شکار کر کے اسے مارا جائے۔ اور طعام البحر وہ جانور ہے جسے دریا خود پھینک دے یا جو پانی کے پیچھے ہٹ آنے سے رہ جائے اور یہ تفریق حضرات صحابہ بلکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ طعامہ ما قذف بہ (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) طعام ما قذف منہ (ابن جریر۔ عن قتادۃ) و ھو الاحسن ما ذکرہ ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ان الصید ما صید بالحیلۃ حال حیاتہ والطعام ما یوجد مما لفظہ البحر او نضب عنہ الماء من غیر معالجۃ فی اخذہ ھٰذا ھو الاصح (کبیر) اس اُحِلَّ لَكُمْ۔ سے مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ اس میں زہد کی تعدیل اور اس میں غلو کرنے سے منع ہے۔ ف۳۰۴ ہر حکم، ہر قید کو نفس کے لئے خوشگوار بنا دینے والا ہی استحضار حاکم مطلق کی حکومت کا ہے۔ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ۔ یہ حکم حرمت عام ہے شکار پکڑنے والے اور اس میں مُعِین ہونے والے دونوں پر۔ ف۳۰۵ (اور اس کے حفظ ادب اور تعظیم شان کے لئے تو یہ سب حرم واحرام کے احکام وقواعد ہیں) اَلْكَعْبَةَ۔ جس طرح لفظ اللہ خود دلالت کرتا ہے اپنے مسمّٰی کے سارے مخلوق سے بلند ہونے اور اس کے معبود ہونے پر اور لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود جامعیت رکھتا ہے ہر طرح کی بزرگی اور ستودہ صفاتی کی۔ اسی طرح لفظ کعبۃ کے اندر بھی دلالت اس کی عظمت و بزرگی کی موجود ہے۔ کعبہ کے معنٰی ہی بلند مقام کے ہیں اور یہ بلندی ظاہری و معنوی دونوں کی جامع ہے۔ سمیت الکعبۃ کعبۃ لارتفاعھا (کبیر) فالکعبۃ لما ارتفع ذکرھا فی الدنیا واشتھر امرھا فی العالم سمیت بھٰذا الاسم (کبیر) اَلْبَيْتَ الْحَرَامَ۔ کو بیت الحرام اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں چھت اور دیواریں ہیں اور یہ حقیقت بیتیت ہے نہ اس لئے کہ اس میں کسی کی سکونت ہے۔ والبیت سُمّی بذٰلک لانھا ذات سقف وجدار وھی حقیقۃ البیتیۃ وان لم یکن بھا ساکن (قرطبی) قِيٰمًا۔ یعنی لوگوں کی حفاظت و نگہداشت کا ذریعہ وواسطہ اور پھر قیاماً للعرب نہیں قِيٰمًا لِّلنَّاسِ یعنی ساری کائنات انسانی اسی کے نام سے قائم انسانیت کی سانس اسی کے وجود سے وابستہ...... گویا اس میں اس کا وعدہ بھی آگیا کہ جب تک انسانی آبادی قائم ہے خانہ کعبہ کا وجود بھی باقی رہے گا۔ ارادانہ جعل ذٰلک قواماً لمعایشھم وعماداً لھم فھو قوام دینھم و دنیاھم (جصاص) اصلہ قوام وھو ما یستقیم بہ الامر ویصلح (کبیر) یعنی یقومون بھا (قرطبی) ای سبباً لقوام مصالح الناس (کبیر) ھو سبب لامن الناس عن الافات والمخافات وسبب لحصول الخیرات والسعادات فی الدنیا والأخرۃ (کبیر) ای بسبب اصلاح امورھم (روح) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کعبہ کے سبب قوام ہونے کی متعدد توجیہیں کی گئی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ سب درست ہوں اور کعبہ قیاماً للناس کسی ایک ہی جہت سے نہیں متعدد جہات سے ہو۔ لا یبعد حمل الأیۃ علی جمیع ھٰذہ الوجوہ وذٰلک لان قوام المعیشۃ اما بکثرۃ المنافع واما برفع المضار واما بحصول الجاہ والریاسۃ واما بحصول الدین فلما کانت الکعبۃ سبباً لحصول ھٰذہ الاقسام الاربعۃ وثبت ان قوام المعیشۃ لیس الا بھٰذہ الاربعۃ ثبت ان الکعبۃ سبب لقوام الناس (کبیر) احادیث میں آتا ہے جب خانہ کعبہ کا ہدم کافروں کے ہاتھ سے ہو جائے گا تو اسی کے بعد قیامت بھی آجائے گی۔ ف۳۰۶ ھدی اور قلائد پر حاشیہ پارۂ ششم میں سورۂ مائدہ کے شروع میں گزر چکے۔ اَلشَّهْرَ الْحَرَامَ۔ یعنی حرمت والے چاروں مہینے۔ وھو اسم جنس والمراد الاشھر الثلاثۃ باجماع من العرب (قرطبی) اراد بالشھر الحرام الاشھر الحرم الاربعۃ الا انہ عبر عنھا بلفظ الواحد (کبیر) عن الحسن انہ قال ھو الاشھر الحرم فاخرجہ مخرج الواحد لانہ اراد الجنس (جصاص) بعض نے صرف ماہ ذی الحجہ ہی مراد لیا ہے۔ وھو ذوالحجۃ لانہ المناسب لقرنائہ (بیضاوی) ای الذی یؤدی فیہ الحج وھو ذوالحجۃ (روح) ف۳۰۷ (کہ اس کا علم ذاتی بھی اور محیط و کامل بھی ہے، اور اس لئے صرف اسی سے ایسی پیشگوئیوں کا صدور ممکن ہے) کان تعالٰی فی الازل عالماً بجمیع المعلومات من الکلیات والجزئیات (کبیر) ذٰلِكَ۔ یعنی خانہ کعبہ کا قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ہونا اور اس کی مصلحتیں خصوصاً یہ پیش گوئی کہ کائنات انسانی کی عمر کعبہ کے دم کے ساتھ وابستہ ہے۔ اشارۃ الٰی جعل اللہ ھٰذہ الامور قیاماً (قرطبی) ای ذٰلک التدبیر اللطیف لاجل ان تفکروا فیہ (کبیر) لِتَعْلَمُوْٓا۔ علم یہاں یقین کے معنٰی میں ہے (تھانوی) ف۳۰۸ (اس لئے اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچو) ف۳۰۹ (اس لئے اگر خلاف ورزی ہو جائے تو حسب قاعدہ توبہ وتدارک بھی کر لو)

الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

رہو تاکہ (پوری) فلاح پا جاؤ ف۳۱۲ اے ایمان والو!

لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ

ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار گزریں ف۳۱۳ اور اگر

تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا

تم انہیں دریافت کرتے رہو گے۔ اُس زمانہ میں جب کہ قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کردی جائیں گی ف۳۱۴ اللہ نے

اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ

ان کی بات در گزر کی، اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا حلم والا ہے ف۳۱۵، لوگ تم سے قبل بھی ایسی ہی پوچھ پاچھ

مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ

کر چکے ہیں پھر اُن سے منکر ہو ہو گئے ہیں ف۳۱۶ اللہ نے نہ

اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ

بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو نہ حامی کو ف۳۱۷

وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ

البتہ جو لوگ کافر ہیں وہی اللہ پر جھوٹ جوڑتے رہتے ہیں۔

وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

اور اُن میں سے اکثر عقل سے کام ہی نہیں لیتے ف۳۱۸ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ

اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا

نازل کیا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ ف۳۱۹ تو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہی کافی ہے

مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا

جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے ف۳۲۰ تو کہنا چاہئے کہ اُن کے بڑے نہ کسی شے

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے پہلے بھی حق تعالیٰ کی رحمت و ربوبیت ہی کا بیان تھا۔ اور درمیان میں عقاب کا ذکر لا کر آیت کا خاتمہ بھی صفات غفر و رحمت کے ذکر پر ہو رہا ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ خلق و ایجاد کی ابتدا بھی رحمت ہی سے ہوئی ہے۔ اور خاتمہ بھی رحمت ہی پر ہوگا۔ ھذا تنبیہ علی حقیقۃ وھی ان ابتداء الخلق والایجاد کان لاجل الرحمۃ والظاھر ان الختم لا یکون الا علی الرحمۃ (کبیر) ف۳۱۰ اللہ اور اس کے رسول کی جداگانہ حیثیتوں کی یہ تشریح مشرک منش مخاطبین کے لئے بار بار ضروری ہوئی۔ اور بار بار بتانا پڑا کہ رسول کے ہاتھ میں ہدایت یا تقسیم عذاب و ثواب کچھ بھی نہیں، صرف تبلیغ ہے۔ ای لیس لہ الھدایۃ والتوفیق ولا الثواب وانما علیہ البلاغ (قرطبی) البلاغ۔ یعنی تبلیغ احکام کی اور پیام کی۔ مَا تُبْدُوْنَ یعنی تمہارے اقوال اور تمہارے اعمال۔ مَا تَكْتُمُوْنَ۔ یعنی تمہارے اسرار اور محرکات عمل۔ اللہ کی ان دونوں صفات کو یاد دلا کر گویا یہ بتا دیا کہ اطاعت ظاہری بھی ہونا چاہیے اور اطاعت باطنی بھی۔ ف۳۱۱ (اے مخاطب) الْخَبِيْثُ۔ نافرمان یا نافرمانی، ذات و صفات سب کے لئے جامع۔ والصحیح ان اللفظ عام فی جمیع الامور یتصور فی المکاسب والاعمال والناس والمعارف من العلوم وغیرھا (قرطبی) الطَّيِّبُ۔ فرمان بردار یا فرمان برداری۔ لَا يَسْتَوِي اس لئے کہ ایک اللہ کے ہاں محبوب و محمود ہے اور دوسری مبغوض و مردود۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ عالم روحانیات میں جو چیزیں گندی یا خبیث ہیں، وہ عالم جسمانیات میں بڑی مقدار والی اور بڑی لذت والی دکھائی دیتی ہیں لیکن ان کی یہ ظاہری تعداد اور لذت دائمی اور سرمدی لذتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دینے والی ہے، اس لئے اُن کا اور ان کا کوئی مقابلہ ہی کیا؟ یعنی ان الذی یکون خبیثاً فی عالم الروحانیات قد یکون طیبا فی عالم الجسمانیات ویکون کثیر المقدار وعظیم اللذۃ الا انہ مع کثرۃ مقدارہ وللذاذۃ متناولہ وقرب وجدانہ سبب للحرمان من السعادات الباقیۃ الابدیۃ السرمدیۃ (کبیر) وَلَوْ اَعْجَبَكَ۔ یعنی اس پر حیرت نہ کرو کہ جب نافرمان اور نافرمانی اس قدر مبغوض ہیں تو پھر ان کی کثرت و فراوانی کیوں ہے؟ یہ ترقی یقیناً دلیل مقبولیت نہیں، اس کی بنا دوسری ہی تکوینی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ اعجابہ لہ ان صار عندہ عجباً مما یشاھدہ من کثرۃ الکفار والمال الحرام وقلۃ المومنین والمال الحلال (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل حقائق کے مقابلہ میں اہل رسوم کی کثرت سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ وَلَوْ اَعْجَبَكَ کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ "گو تجھے بھلی لگے"۔ ای وان سرک ایھا الناظر (روح) آج دنیا میں بدی کی کثرت بھی ہے اور ظاہری خوشنمائی بھی۔ اور ایسا ہی کم و بیش ہر زمانے میں رہا ہے۔ ف۳۱۲ (دنیا اور آخرت دونوں میں) فَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی راہ ہدایت اور پاکیزگی ہی کی راہ اختیار کرو اور بدی اور گندگی کی کثرت یا ظاہری خوشنمائی سے متاثر ہو کر ادھر نہ جھک جاؤ۔ ای اثروا الطیب وان قل علی الخبیث وان کثر۔ (کشاف) تُفْلِحُوْنَ کو فَاتَّقُوْا پر مرتب کر کے گویا یہ بتا دیا کہ فلاح کی بنیاد تقوی الٰہی ہی پر ہے۔ خطاب اولی الالباب سے کر کے ادھر اشارہ کر دیا کہ عین عقل و بصیرت کا تقاضا یہ ہے کہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی سے بچا جائے اور راہ تقویٰ اختیار کی جائے۔ اولی الالباب۔ لُب کے معنی عقل خالص کے ہیں جو ہر طرح کی آمیزش و کدورت سے پاک ہو۔ اللب العقل الخالص من الشوائب (راغب) عقل انسان کے پاس اللہ ہی کی بخشی ہوئی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ قرآن مجید نے عقل کو دبایا نہیں، بلکہ صحیح حدود کے اندر عقل سلیم سے کام لینے پر تاکید کی ہے ف۳۱۳ ممانعت ایسے سوالات سے ہو رہی ہے جو سر تا سر فضول اور لایعنی ہوں مثلاً لوگوں کے جزئیات زندگی کی بابت سوالات کرتے رہنا۔ سوال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی معاشی یا معادی ضرورت واقعی پیش آ جائے یا اس کے پیش آ جانے کا احتمال قوی ہو اور صاحب شریعت سے ادب و احترام کے ساتھ اس کی بابت پوچھ لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ غرض و مقصد صحیح کچھ بھی نہ ہو اور دور دور کے احتمالات پیدا کر کے سوال محض سوال کرنے کی نیت سے کیا جائے تشقیقات اپنے دل سے گڑھے جائیں اور گویا رسول کا امتحان لینے کو سوالات اس کے سامنے پیش کیے جائیں۔ یہاں ذکر اسی آخری قسم کا ہے اور اسی سوال بازی کو ممنوع قرار دیا جا رہا ہے۔ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ناگوار ہونے کی صورتیں مثلاً یہ کہ تمہارے کسی چھپانے والے واقعہ کی پردہ دری ہو جائے اور تمہیں تفضیح و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے یا ایسے احکام نازل ہو جائیں جن کی تعمیل تم پر شاق گزرے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت آئی ہے کہ ایک شخص نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ اچھا یہ بتائیے کہ میرا باپ کون تھا؟ آپ نے فرمایا کہ فلاں شخص، اسی طرح ترمذی وغیرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب فرضیت حج کی آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کرنا شروع کر دیا کہ یہ ہر سال فرض ہے؟ ــ یہ دو نمونہ ہیں اس قسم کے بیجا سوالات کے جن کے خلاف یہاں تنبیہ کی جا رہی ہے۔ "احکام میں جیسا یہ سوال بوجہ افراط ممنوع ہے، واقعات میں یہ سوال موجب تفریط فی الاطاعت والادب بھی ہے۔ چنانچہ بخاری میں یہ بھی ہے کہ استہزاءً پوچھتے تھے۔ پس آیت سب اقسام سوال کو اور سب اقسام جواب کو شامل ہے۔ گو علت نہی کی کہیں افراط ہو گی، اور ناگواری جواب کا احتمال کہیں تحریم سے ہو گا کہیں رسوائی سے کہیں زجر سے۔ اور بعد نزول وحی کے ایسے سوالات سے نہی کی علت اضاعت وقت اور مجیب کو ضیق میں ڈالنا ہے" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) روی مسلم عن المغیرۃ بن شعبۃ عن رسول اللہ ﷺ قال ان اللہ کرہ لکم ثلاثا قیل وقال وکثرۃ السؤال واضاعۃ المال وقال کثیر من العلماء المراد بقولہ کثرۃ السؤال التکثیر من السؤال فی المسائل الفقھیۃ تنطعاً وتکلفا فی مالم ینزل والاغلوطات وتشقیق المولدات وقد کان السلف یکرھون ذلک یرونہ من التکلیف (قرطبی) ف۳۱۴ تو ایسے ہی سوالات جن میں یہ احتمالات ہوں ممنوع قرار دیے جاتے ہیں۔ ھذا تادیب من اللہ لعبادہ المومنین ونھی لھم عن ان یسالوا عن اشیاء مما لا فائدۃ لھم فی

السؤال والتنقيب عنها لانها ان اظهرت لهم تلک الامور بما ساء تهم وشق عليهم سماعها (ابن کثیر) ف۳۱۵ (اس لئے حکم کی خلاف ورزی پر گرفت اگر فوری نہیں ہوئی تو اس سے مطمئن اور بے خوف نہ ہو جاؤ) عَنْهَا۔ یعنی ان سوالات کے بارہ میں جو تم اب تک کر چکے۔ ای عن المسئلة التی سلف منھم (قرطبی) ای عما سلفکم من مسائلکم (کبیر) غَفُوْرٌ۔ اس صفت غفر کا اقتضا ہے کہ اس نے ماضی کو معاف کر دیا۔ ف۳۱۶ اس کفر وانکار کی دو صورتیں ممکن ہیں اور دونوں واقع ہو چکی ہیں۔ ایک یہ کہ جو احکام دیئے گئے ان کا حق ادا نہ کیا، دوسرے یہ کہ جو واقعات بیان کئے گئے ان سے متاثر نہ ہوئے۔ قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ یہ کن لوگوں کی طرف اشارہ ہے؟ عام طور سے بنی اسرائیل سے مراد لی گئی ہے کہ سابق انبیاء کی امتوں میں وہی کھود کھود کر اور کرید کرید کر سب سے زیادہ سوال کرنے کے عادی رہے ہیں۔ گنجائش دوسری امتوں کے مراد ہونے کی بھی ہے۔ ف۳۱۷ مَا جَعَلَ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ نے ان چیزوں کو مشروع نہیں کیا۔ والمعنی ما سمی الله ولا سن ذلک حکما ولا تعبدبه شرعا (قرطبی) یہ سب اصطلاحیں عرب جاہلیت کی ہیں۔ بَحِيْرَةٍ۔ وہ اونٹنی ہے جو دس بچے جنتی اور ان میں کا آخری نر ہوتا۔ اس کا کان چیر کر اسے سانڈ کی طرح آزاد چھوڑ دیا جاتا اور کوئی کام اس سے نہ لیا جاتا۔ سَآئِبَةٍ۔ وہ اونٹنی ہے جو کسی دیوتا کے نام پر سانڈ کی طرح آزاد چھوڑ دی جاتی اور اسے چارہ پانی سے نہ روکا جاتا۔ وَصِيْلَةٍ۔ یہ بھی اونٹنی ہی کی ایک قسم ہے مادہ بچہ جننے والی۔ اسے بھی دیوتاؤں کے نام پر آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ حَامٍ۔ نر اونٹ کی ایک قسم ہے جس کو آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ اہل شرک کی رسمیں ہر ملک میں ملتی جلتی سی ہیں۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ اس قسم کی گھڑی ہوئی رسمیں اور ایسے جانوروں کا ادب واحترام ہرگز مشروع نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں ابطال ہے اہل جاہلیت کی اس بدعت کا کہ بعض چیزوں کو غیر اللہ سے نامزد کر دیتے تھے جیسا کہ اب بھی بعض جہلاء ارواح طیبہ سے تقرب حاصل کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ ف۳۱۸ (اور سمجھتے رہتے ہیں کہ خدا ان لغویات وخرافات سے خوش ہوگا) ای ما شرع الله هذه الاشياء ولاهی عنده قربة ولکن المشرکون افتروا ذلک وجعلوه شرعا لهم وقربة يتقربون بها اليه (ابن کثیر) يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ اہل شرک اپنے عقائد وغیرہ دوسرے مسائل کی طرح رسوم کے باب میں بھی افترا علی اللہ پر بڑے جری وبے باک ہوتے ہیں اور گھڑنے والے عموماً مشرکین کے خواص واکابر ہوتے ہیں۔ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ یہ کورانہ تقلید کرنے والے مشرکین کے عوام ہوتے ہیں۔ اور انہی کی تعداد بڑی ہوتی ہے۔ والمعنی ان الرؤساء يفترون على الله الکذب فاما الاتباع والعوام فاکثرهم لايعقلون (کبیر) ف۳۱۹ یعنی حق وباطل کا معیار محض احکام خدا ورسول کو قرار دو۔ اپنے مزعومات ومظنونات کو شریعت کی کسوٹی پر کسو، پرکھو، جانچو۔ ف۳۲۰ (اور ہمیں کسی مزید تحقیق کی ضرورت نہیں) تقلید جامد جاہلوں کا سہارا ہر ملک اور ہر دور میں رہا ہے کسی صاحب علم کی تقلید اگر اس اعتماد پر کی جائے کہ وہ احکام شریعت کا ماہر ہے۔ تو یہ ممنوع نہیں بلکہ عین مطلوب ہے۔ لیکن آنکھ بند کر کے باپ دادا کی راہ پر اس لئے چلتے رہنا کہ وہ باپ دادا تھے۔ یہ اندھی تقلید محض معصیت ہی نہیں بلکہ بعض اوقات شرک تک پہنچا دیتی ہے۔ اور اسی کا نام رسم پرستی ہے...... آج ہندوستان کی بڑی آبادی کے پاس نہ کوئی "کتاب" ہے نہ کسی "رسول" کی تعلیم محفوظ۔ بس رسوم کا ایک مجموعہ ہے۔ جو سینکڑوں، ہزاروں برس ہوئے ہاتھ آ گیا تھا۔ اور اسی طرح اندھا دھند اس کی پوجا ہوتی چلی آ رہی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں ابطال ہے جاہل صوفیہ کے اس طریقہ کا کہ جب ان کے سامنے شریعت پیش کی جاتی ہے تو اس کے بجائے وہ اپنے مشائخ کے معمولات سے تمسک کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ ف۳۲۱ یعنی کیا ان کا یہ خیال جب بھی ہے جب ان کے بزرگ علم نہ رکھتے ہوں حقائق دین سے کسی شے کا اور ہدایت نہ رکھتے ہوں کسی کتاب الٰہی کے ذریعہ سے۔ وتقديره وحسبهم ذلک ولو کان اٰباؤهم (کشاف) اَوَ میں وحالیہ ہے اور اس پر ہمزہ (أ) انکار کا داخل ہوا ہے واو الحال وقد دخلت عليها همزة الانكار (کشاف) ف۳۲۲ حکم افراد کو ہے کہ دوسروں کی فکر میں اتنا زیادہ کیوں گھلے جاتے ہو۔ مقدم فکر اپنی ہے۔ اپنے مطالبات دین ادا کئے جاؤ۔ تم پر دوسروں کی ذمہ داری نہیں تم سے پرسش تمہارے ہی احوال کی ہوگی۔ آیت میں ایک زبردست اصول یعنی شخصی ذمہ داری کا اثبات ہے۔ اور ان لوگوں کا ابطال ہے جو انفرادیت کو اجتماعیت میں گم رکھنا چاہتے ہیں۔ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ۔ یعنی اپنے نفس کی نگرانی اپنے اوپر لازم کر لو۔ معناه احفظوا انفسکم من المعاصی (قرطبی) عَلَيْكُمْ محاورہ میں جب صیغہ مخاطب میں آتا ہے تو اس کے معنٰی لازم پکڑ لینے کے ہوتے ہیں۔ صیغہ غائب وغیرہ میں نہیں آتا۔ تقول عليک زيدا بمعنى الزم زيداً ولا يجوز عليه زيداً بل انما يجری هذا فی المخاطبة (قرطبی) دوسروں کی بھی بہ قدر وسعت واستطاعت اصلاح شخصی مطالبات دین ہی میں شامل ہے۔ ان کے منافی نہیں۔ مقصود دوسروں کی اصلاح کے کام سے روکنا نہیں، صرف اس کے مبالغہ آمیز تخیل میں اعتدال پیدا کرنا ہے۔ مطلب یہ نہیں کہ دوسروں کو اچھی بری بات بتاؤ نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ دوسروں کی عیب چینی اور کھوج میں نہ پڑے رہو۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر تو بجائے خود ایک انفرادی فریضہ ہے اس کا سقوط مقصود نہیں۔ قال ابن خويز منداد تضمنت الاٰية اشتغال الانسان بخاصة نفسه وترکه التعرض لمعايب الناس والبحث عن احوالهم بانهم لا يسالون عن حاله فلا يُسال عن حالهم (قرطبی) ومن الاهتداء اتباع امر الله فی انفسنا وفی غيرنا فلا دلالة فيها اذا على سقوط فرض الامر بالمعروف والنهی عن المنکر (جصاص) اخبر ابوبکر رضی اللہ عنہ ان هذه الاٰية لا رخصة فيها فی ترک الامر بالمعروف والنهی عن المنکر وانه لا يضر ضلال من ضل اذا اهتدى هو بالقيام بفرض الله من الامر بالمعروف والنهی عن المنکر (جصاص)

يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

کا علم رکھتے ہوں نہ ہدایت؟ ف۳۲۱ اے ایمان

اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا

والو! تم اپنی ہی فکر میں لگے رہو کوئی بھی گمراہ ہو جائے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں جب

اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ

کہ تم راہ پر چل رہے ہو ف۳۲۲ اللہ ہی کی طرف تم سب کی واپسی ہے وہ تمہیں جتلا دے گا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ

جو کچھ کہ تم کرتے رہے تھے ف۳۲۳ اے ایمان والو! جب کہ تم میں سے کسی کو

بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ

موت آ جائے وصیت کے وقت تمہارے آپس میں گواہ

اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ

دو شخص تم میں سے معتبر ہوں ف۳۲۴ یا دو گواہ تم میں سے کے علاوہ ہوں ف۳۲۵ جب

اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ

تم زمین پر سفر کر رہے ہو اور تم پر موت کا واقعہ

الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ

آ پہنچے تو اگر تم کو شبہ ہو جائے ف۳۲۶ تو دونوں (گواہوں) کو بعد نماز روک رکھو اور وہ دونوں اللہ کی

بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّ لَوْ كَانَ

قسم کھائیں کہ ہم اس کے عوض کوئی نفع نہیں لینا چاہتے خواہ کسی قرابت دار

ذَا قُرْبٰى ۙ وَ لَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

(ہی کے لئے) ہو اور نہ ہم اللہ کی گواہی چھپائیں گے ورنہ ہم بے شک گنہگار ہوں گے ف۳۲۷

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ

پھر اگر خبر ہو جائے کہ وہ دونوں (وصی) حق بات دبا گئے ف ٣٢٨ تو دو گواہ اُن کی جگہ

يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ

اور مقرر ہوں اُن لوگوں میں سے جن کا حق دبا ہے (میت کے) قریب تر لوگوں میں سے ف ٣٢٩

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا

اور یہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی اُن دونوں کی گواہی سے زیادہ درست ہے

وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ ذٰلِكَ

اور ہم نے زیادتی نہیں کی ہے ورنہ بیشک ہم ہی ظالم ٹھہریں گے ف ٣٣٠ یہ اس کا

اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا

قریب ترین (طریقہ) ہے کہ لوگ گواہی ٹھیک دیں یا اس سے ڈرے رہیں

اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ

کہ ہماری قسمیں اُن کی قسموں کے الٹی پڑیں گی ف ٣٣١ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے رہو

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٨﴾ ع يَوْمَ يَجْمَعُ

اور اللہ فاسق لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا ف ٣٣٢ (اس دن سے ڈرو) جس دن اللہ

اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ

پیمبروں کو جمع کرے گا ف ٣٣٣ پھر اُن سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا تھا ف ٣٣٤ وہ عرض کریں گے کہ ہم کو

لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿١٠٩﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى

علم نہیں چھپی ہوئی باتوں کو خوب جاننے والا تو بس تُو ہی ہے ف ٣٣٥ (وہ وقت یاد میں رکھو) جب اللہ عیسٰی ابن مریم سے

ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِىْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ

کہے گا کہ میرا انعام اپنے اور اپنی والدہ کے اوپر یاد کرو ف ٣٣٦ جب کہ

ع ١٤/٨ — وقف لازم

آیت کا ایک محمل یہ بھی ہے کہ انسان جب یہ دیکھ لے کہ وعظ وپند مطلق کارگر نہیں ہوتا بلکہ الٹا اس پر اور مضحکہ ہوتا ہے تو ایسے موقع پر چاہیے کہ سکوت سے کام لے اور بس اپنے ہی ذاتی عمل کی فکر میں لگا رہے۔ قیل الآیۃ فی اہل الاہواء الذین لا ینفعہم الوعظ فاذا علمت من قوم انہم لا یقبلون بل یستخفون ویظہرون فاسکت منہم (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہی طریقہ ہے عارفین سالکین کا وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کردینے کے بعد پھر کسی کے زیادہ درپے نہیں ہوتے۔ ف ٣٢٣ (کہ حشر ہی اصلی وقت ومقام نتائج کے ظہور تام کا ہوگا) ف ٣٢٤ قرآن محض ایک پندنامہ اخلاق نہیں قانون کی بھی کتاب ہے زندگی میں قانون اخلاق، خطابت سب ہی کی اپنی اپنی جگہ ضرورت پڑتی ہے اور قرآن نے جو مکمل ہدایت نامہ اور زندگی کا مکمل دستور العمل ہے۔ سب میں اپنی اپنی جگہ کام لیا ہے۔ اس جگہ قانون وصیت ووراثت کا بیان مختلف پہلوؤں سے آرہا ہے۔ بَيْنِكُمْ۔ یعنی تمہارے آپس کے معاملات میں، مثلاً موت کے وقت ورثہ کو مال سپرد کرنے کے وقت۔ شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اصطلاح فن میں انہی کو وصی کہتے ہیں۔ اور انہی کے اقرار و اظہار کو گواہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں کوئی حکم نہیں مل رہا ہے۔ صرف بہ طور مشورۂ مناسب کے ارشاد ہو رہا ہے۔ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔ مِنْكُمْ یعنی مسلمان ہوں، تم میں ہوں، تمہارے غیر نہ ہوں، ان اوصیاء کا مسلمان اور عادل ہونا صرف افضل ہے۔ شرط لازم نہیں۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ وصی اگر دو نہ ہوں، یا ایک بھی نہ ہو، جب بھی وصیت جائز رہے گی۔ یہ آیتیں اپنی ترکیب نحوی وغیرہ کے لحاظ سے قرآن کے مشکل ترین مقامات میں سے ہیں اور یہ دشواری اس بے علم وکم سواد ہی کو نہیں محسوس ہوئی ہے، اکابر قدیم بھی کچھ ایسا ہی فرما گئے ہیں۔ هٰذہ الآیات الثلاثۃ عند اہل المعانی من اشکل ما فی القرآن اعرابًا ومعنًی وحکمًا (قرطبی) وقال ابن عطیۃ ہذا کلام من لم یقع لہ الثلج فی تفسیرہا (قرطبی) اتفق المفسرون علٰی انہا فی غایۃ الصعوبۃ اعراباً ونظماً وحکماً (کبیر) ف ٣٢٥ یعنی اگر حالت سفر وغیرہ میں مسلمان اور عادل اوصیاء نہ مل سکیں، تو غیر مسلم گواہ بھی جائز ہیں۔ صحابہ اور تابعین اور فقہاء میں سے اکثر کا مذہب یہی ہے۔ مِنْ غَيْرِكُمْ۔ ضمیر للکافرین وہذا اشبہ لبیان الآیۃ مع ما تقرر من الاحادیث وہو قول ثلاثۃ من الصحابۃ الذین شاہدوا التنزیل ابو موسی الاشعری وعبداللہ بن قیس وعبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (قرطبی) ہذا معنی الآیۃ علٰی مذہب ابی موسی الاشعری وسعید بن المسیب ویحیی بن یعمر وسعید بن جبیر وابی مجلزہ وابراہیم وشریح وعبیدۃ السلیمانی وابن سیرین ومجاہد وقتادۃ والسدی وابن عباس وغیرہم وقال بہ من الفقہاء سفیان الثوری واختارہ احمد بن حنبل کلہم یقولون منکم من المؤمنین ومعنی من غیرکم یعنی الکفار (قرطبی) ف ٣٢٦ (ان اوصیاء کی دیانت وشہادت کے باب میں) خطاب یہاں وارثوں سے ہے۔ ف ٣٢٧ شریعت اسلامی، جو انفرادی واجتماعی ہر بشری ضرورت کی کفیل ہے، یہاں ایک اکثر پیش آجانے والی ضرورت کا صحیح طریقہ تعلیم کر رہی ہے۔ ارشاد یہ ہے کہ مسلمان اگر اپنی موت کے وقت اپنا مال کسی کو حوالہ کرنا چاہے تو بہتر ہے کہ دو معتبر مسلمانوں کو گواہ کر جائے۔ لیکن گواہ اگر مسلمان نہ مل سکیں جیسا کہ حالت سفر وغیرہ میں اکثر اتفاق ہو جاتا ہے تو پھر دو غیر مسلموں ہی کو گواہ بنالے۔ پھر اگر ان گواہوں کی دیانت ہی سے متعلق شبہ ہو جائے اور وارث اپنا دعوٰی ان کے بیان کے خلاف پیش کردیں، لیکن گواہ نہ رکھتے ہوں تو اس وقت خود ان اوصیاء سے مؤکد بہ حلف بیان لیا جائے — کب اور کہاں؟ بعد نماز کہ وہ وقت عموماً عظمت الٰہی کے استحضار کا ہوتا ہے۔ اور مسجد میں کہ خلق کے سامنے انسان عادۃً کذب بیانی سے شرماتا ہے۔ بَعْدِ الصَّلٰوةِ۔ نماز سے یہاں مراد عموماً نماز عصر لی گئی ہے، گو جائز ہر نماز کا وقت سمجھا گیا ہے۔ یرید صلاۃ العصر قالہ الاکثر من العلماء وقیل ای صلاۃ کانت (قرطبی) ای صلاۃ العصر کما روی عن ابی جعفر وقتادہ وابن جبیر وغیرہم وجوّزان تکون اللام للجنس ای بعد ای صلاۃ (روح) تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس سے مقصود قسم کی قوت اور اہمیت کو اور بڑھا دینا ہے، زمان متبرک اور مکان اجتماع خلق کی قید کے ساتھ۔ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى۔ انسان عموماً اور عادۃً عزیزوں قریبوں ہی کے نفع کا لحاظ کر کے جھوٹ بولنے اور جھوٹا حلف اٹھانے پر آمادہ ہو جاتا ہے — خالق فطرت کا کلام ہے۔ فطرت بشری کے کیسے کیسے چھپے ہوئے چوروں کا لحاظ رکھا ہے۔ شَهَادَةَ اللّٰهِ۔ یعنی جس بات کے بیان کرنے پر ہم اللہ کی طرف سے مامور ہیں..... عظمت الٰہی کے استحضار اور خشیت قلب کے بیدار کرنے کے لئے قرآن مجید اسلوب بھی کیسے کیسے مؤثر اختیار کرتا ہے۔ یہاں محض شہادت کو شہادۃ اللہ سے تعبیر کر کے اس کی کتنی اہمیت بڑھا دی۔ ف ٣٢٨ یعنی بظاہر ان گواہوں کا کاذب وخائن ہونا معلوم ہو جائے۔ عُثِرَ عَلٰى۔ یعنی اگر اس کی خبر ہوگئی۔ اگر یہ کھل گیا۔ عثر علی کذا ای اطلع علیہ (قرطبی) آیت کی ترکیب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے اہل زبان صحابی اور زجاج جیسے نحوی کو دشوار معلوم ہوئی ہے اور دوسرے مفسرین کرام کا ذکر ہی نہیں۔ قال عمر ہذہ الآیۃ اعضل ما فی ہذہ السورۃ من الاحکام وقال الزجاج اصعب ما فی القرآن من الاعراب (قرطبی) ف ٣٢٩ اب مقدمہ کا رخ بدل گیا، اوصیاء جو پہلے مدعا علیہ تھے ورثہ کے مقابل، اب خود مدعی ہوگئے۔ اور ورثہ جو اوصیاء کی خیانت کا دعوٰی لے کر آئے تھے۔ اب مدعا علیہ بن گئے۔ یعنی فی الایمان اوفی الشہادۃ (قرطبی) يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا۔ اگر دو کے بجائے ایک ہی گواہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ۔ یعنی ان لوگوں میں سے جنہیں مال وصیت پہنچتا تھا۔ یعنی میت کے قریب تر اور مال کے وارث۔ روی عن سعید بن جبیر قال معنی الاولیان بالمیت یعنی الورثۃ (جصاص) الاقربان الی المیت (کبیر) اَوْلَيٰنِ آیت میں بدل

ہے فاخران سے۔ والمعنی عند اهل التفسیر من الذین استحقت علیهم الوصیة الاولیان بدل من قوله فاخران قاله ابن السری واختاره النحاس (قرطبی) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت سے ذمیوں کے آپس کے معاملات میں ان کے قبول شہادت کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ استدل ابو حنیفة بهذه الآیة علی جواز شهادة الکفار من اهل الذمة فی ما بینهم قال ومعنی اواخران من غیرکم ای من غیر اهل دینکم فدل علی جواز شهادة بعضهم علی بعض (قرطبی) ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ۔ ضرب فی الارض کے معنی محاورہ میں سفر کرنے کے آتے ہیں (مطلق ضرب کے معنی سفر کرنے اور چلنے کے نہیں جیسا کہ آج کل کے ایک نادان فرقہ نے اپنی تفسیروں میں لکھ دیا ہے بلکہ جب فعل ضرب کا صلہ فی کے ساتھ آئے، اس وقت یہ معنی ہو جاتے ہیں) ای سافرتم (قرطبی) پوری تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ ان انتم ضربتم فی الارض فاصابتکم مصیبة الموت فاوصیتم الی اثنین عدلین فی ظنکم ودفعتم الیهما ما معکم من المال ثم مُتم وذهبا الی ورثتکم بالترکة فارتابوا فی امرهما وادعوا علیهما خیانة فالحکم ان تحبسوهما من بعد الصلاة ای تستوثقوا منهما (قرطبی) اگر تم سفر کر رہے ہو اور اس حال میں تمہیں موت آگئی اور تم نے اپنے خیال میں دو متدین شخصوں کو اپنا وصی مقرر کر کے مال ان کے سپرد کر دیا اور تمہاری وفات ہو گئی۔ اور دونوں وصی تمہارا ترکہ لے کر تمہارے وارثوں کے پاس گئے اور ان لوگوں کو ان گواہوں کے بیان میں شک پیدا ہوا اور ان دونوں پر انہوں نے دعوٰی دائر کر دیا تو اب چاہیے کہ نماز کے بعد ان دونوں گواہوں کو روک لو اور ان سے پوچھ پاچھ کر لو۔ ف ۳۳۰ یہ سب تعلیم اس غرض سے مل رہی ہے کہ یہ گواہ بھی اپنی ذمہ داری کا خوب اچھی طرح احساس واستحضار کر لیں۔ وَمَا اعْتَدَیْنَا۔ یعنی ہم نے حق وصداقت سے ذرا تجاوز نہیں کیا ہے۔ نہ مال کے مطالبہ میں اور نہ اوصیاء پر الزام خیانت لگانے میں۔ ای ما اعتدینا فی طلب هذا المال وفی نسبتهم الی الخیانة (کبیر) ف ۳۳۱ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے تفسیری حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ یعنی وارثوں کو شبہ پڑے تو قسم دینے کا حکم رکھا۔ اس لئے کہ قسم سے ڈر کر اول ہی جھوٹ نہ ظاہر کریں۔ پھر اگر ان کی بات جھوٹ نکلے تو وارث قسم کھائیں، یہ بھی اسی واسطے کہ وہ قسم میں دغا نہ کریں، جانیں کہ ہماری قسم الٹی پڑے گی" (موضح القرآن) ذٰلِکَ۔ یعنی یہی قانون جو دو آیتوں میں بیان ہوا ہے۔ ای الحکم الذی ذکرنا والطریق الذی شرعنا (کبیر) عَلٰی وَجْهِهَآ۔ یعنی مطابق حقیقت، بلا آمیزش۔ ای علی حقیقتها من غیر تغییر لها (روح) اَوْ یَخَافُوْٓا...... اَیْمَانِهِمْ۔ اور اس ڈر سے جھوٹی قسم کھانے سے رک جائیں۔ "اگر سپردگی مال زائد کی نہیں ہوئی تو قسم کھالیں اور اگر ہوئی ہے تو گناہ سے ڈر کر انکار کر دیں۔ یہ حکمت تو تحلیف اوصیاء میں ہے" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اور ہم کو خفیف ہونا پڑے گا، یہ حکمت تحلیف ورثہ میں ہے" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف ۳۳۲ بےراہ ہدایت سے محرومی دنیا اور آخرت دونوں میں ان کے حصہ میں آتی ہے جو گویا نافرمانی کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہیں۔ اس عادی نافرمانی کا وبال یہ پڑتا ہے کہ نہ دنیا میں انہیں راہ راست پر چلنے کی توفیق ہوتی ہے اور نہ آخرت میں انہیں اس کا ثمرہ یا جنت نصیب ہوگی۔ ای لا یهدیهم الی حُجة اوالی طریق الجنة (بیضاوی) وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی تقوی الہی پر نظر اپنے تمام معاملات میں رکھو اور ادائے شہادت میں بھی۔ وَاسْمَعُوْا۔ یعنی اللہ کے احکام کو سنتے اور مانتے رہو۔

ف ۳۳۳ (مع ان کی امتوں کے) ذکر قیامت کے موقع کا ہے تقدیر کلام یوں ہے واتقوا یوم یجمع اللہ الرسل۔ بعض نے احذروا اور بعض نے اذکروا فرض کیا ہے، مقصود ہر صورت میں تخویف وتہدید ہے۔ قیل التقدیر واتقوا یوم یجمع اللہ الرسل عن الزجاج وقیل التقدیر اذکروا اواحذروا یوم القیٰمة حین یجمع اللہ الرسل والمعنی متقارب والمراد التخویف والتهدید (قرطبی) ف ۳۳۴ (ان امتیوں کی طرف سے) یعنی تمہاری دعوت آیا قبول کی یا رد کی؟ ماذا یہاں بماذا کے مرادف ہے۔ بای شیء اُجبتم (بیضاوی) قیل التقدیر بماذا اُجبتم (روح) امت کے نافرمانوں کے مواجہہ میں یہ مکالمہ بجائے خود ایک عذاب ان نافرمانوں اور سرکشوں کے حق میں ہوگا۔ انه اراد ان یفضحهم علی رءوس الاشهاد لیکون ذٰلک نوعاً من العقوبة لهم (قرطبی) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ کہا ہے کہ قرآن مجید کا ایک عام اسلوب بیان یہ ہے کہ احکام وشرائع کے مفصل بیان کے معا بعد یا تو ذکر صفات الٰہی کا شروع کر دیا جاتا ہے یا حالات انبیاء کا، یا احوال قیامت کا، اور مقصود ان سب صورتوں میں ان احکام کی تعمیل کے لئے قلب کو زیادہ آمادہ کر دینا ہوتا ہے چنانچہ یہاں بھی یہی صورت ہے۔ اعلم ان عادة اللہ تعالی جاریة فی هذا الکتاب الکریم انه اذا ذکر انواعا کثیرة من الشرائع والتکالیف والاحکام اتبعها اما بالالٰهیات واما بشرح احوال الانبیاء اوبشرح احوال القیٰمة لیصیر ذٰلک موکدا لما تقدم ذکره من التکالیف والشرائع (کبیر) ف ۳۳۵ یعنی ہمیں علم نہیں کہ ہمارے پیچھے انہوں نے کیا کیا یا یہ کہ ان کے واقعی عقائد کیا تھے؟ ہم تو اپنے سامنے ان کے صرف ظاہری اقوال واعمال کو جانتے تھے، باطن کا علم تو صرف تجھی کو ہو سکتا ہے اور جزا صرف انہی اصل عقائد پر ملے گی۔ معناه لا علم لنا بباطن ما اجاب به اممنا لان ذٰلک هو الذی یقع علیه الجزاء (قرطبی) دوسری تفسیر اسی سے ملتی جلتی یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ جواب محض غلبہ خشیت سے ادبا ہوگا۔ یعنی تیرے علم کامل ومحیط کے آگے ہمارا علم ہیچ ہے۔ جو کچھ ہمیں علم ہے بھی، خود اس کا بھی تو ہم سے عالم تر ہے۔ بعض صحابیوں اور تابعین سے یہی معنی مروی ہیں لاعلم لنا لانک تعلم ما اظهروا وما اضمروا ونحن لا نعلم الا ما اظهروا فعلمک فیهم انفذ من علمنا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) امام المفسرین ابن جریر طبری اور فخر المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ واولی الاقوال بالصواب قول من قال معناه لا علم لنا الا علم انت اعلم به منا (ابن جریر) وهو الاصح (کبیر) دونوں تفسیروں کے درمیان کچھ زیادہ فرق نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تیسرے معنی یہ بھی بیان کئے ہیں کہ ہمیں جو کچھ حاصل ہے وہ محض درجہ ظن کی چیز ہے اور آج جو کشف حقائق کا دن ہے محض ظن کام نہیں دے سکتا، آج تو علم ہی کام دے گا اور وہ بس تجھی کو حاصل ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس ذہول کی وجہ بعض نے تجلی جلال کے آثار ظہور کو بتایا ہے۔ ف ۳۳۶ انعامات کا سرچشمہ صرف وہی ذات تبارک وتعالی ہے۔ مسیح علیہ السلام اس کے صرف ایک انعام پائے ہوئے معزز ومقرب بندے ہیں اور والدہ مسیح علیہا السلام اس کی صرف ایک انعام پائی ہوئی معزز ومقرب بندی۔ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ۔ عیسٰی سے یاد دلا دیا گیا کہ وہی جو ایک عورت کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں نہ کہ ابن اللہ۔ وَعَلٰی وَالِدَتِکَ۔ اس طریق تخاطب سے مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل اللہ کی اولاد میں ہونا بھی ایک نعمت وشرف ثابت ہوتا ہے۔

آیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ

میں نے تمہاری تائید روح القدس (کے واسطہ) وے ۳۳ سے کی تھی تم آدمیوں سے کلام (ان کی) گود میں بھی کرتے تھے

وَ كَهْلًا ۚ وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ

اور بڑی عمر میں بھی و۳۳۸ اور جب کہ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل کی

وَ الْاِنْجِیْلَ ۚ وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ

تعلیم دی و۳۳۹ اور جب تم مٹی سے پرندہ جیسی ایک شکل میرے حکم سے وجود میں

بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ وَ تُبْرِئُ

لاتے تھے پھر تم اُس کے اندر پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا ف۳۴۰ اور تم مادرزاد

الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى

اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے اور جب تم مُردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا

بِاِذْنِیْ ۚ وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ

کرتے تھے و۳۴۱ اور جبکہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے روک رکھا

اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ

جب تم اُن کے پاس روشن (نشانیاں) لے کر آئے تھے و۳۴۲ پھر اُن میں سے جو کفر اختیار کئے رہے وہ بولے کہ یہ تو

هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ

اور کچھ نہیں، ایک کھلا ہوا جادو ہے و۳۴۳ اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب میں نے حواریوں کو حکم دیا

اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا

کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے پیمبر پر، تو وہ بولے کہ ہم ایمان لے آئے اور آپ شاہد رہیے

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ

کہ ہم (پورے) فرمانبردار ہیں و۳۴۴ اور (وقت قابل ذکر ہے) جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریمؑ

ے۳۳ مختلف انبیاء کی امتیازی شانیں بھی مختلف رہی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان امتیازی یہ تھی کہ آپ کو حضرت جبریل علیہ السلام کی تائید ایک درجہ خاص میں حاصل تھی۔ سورۂ آل عمران میں اس فقرہ اور لفظ روح دس پر حاشیہ گزر چکے۔ و۳۳۸ اس پورے فقرہ پر حاشیے سورۂ آل عمران میں گزر چکے۔ و۳۳۹ حضرت عیسیٰ علیہ السلام براہ راست حق تعالیٰ کے شاگرد تھے جیسا کہ اور سب انبیاء ہوئے ہیں اور سب سے بڑھ کر رے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم۔ اَلْكِتٰبَ۔ یہاں بہ طور اسم جنس کے ہے۔ یعنی آسمانی کتابوں کی جنس۔ المراد منه جنس الكتاب (کبیر) الكتاب والحكمة لان المراد بهما جنس الكتاب الحکمة (کشاف) اَلْحِكْمَةَ۔ التَّوْرٰىةَ۔ اَلْاِنْجِیْلَ۔ ان سب پر حاشیہ گزر چکے۔ ف۳۴۰ ان سب معجزات پر حاشیے سورۂ آل عمران میں گزر چکے۔ معجزہ اصطلاح میں ہر اس خارق عادت کو کہتے ہیں جس ظہور پیمبر کے ہاتھ سے کافروں اور منکروں پر پیمبر کی تائید غیبی اور نصرت الٰہی کے اظہار کے لئے کرایا جاتا ہے۔ اور خارق عادت وہ واقعہ بھی ہے جو تکوینیات میں بندوں کے سمجھے اور قرار دیئے ہوئے کسی قاعدہ سے ف ہو مثلاً عام قاعدہ بندوں کے مشاہدہ میں یہ آیا ہے کہ ہندوستان میں جون کے مہینہ میں تیز گرمی اور دسمبر میں تیز سردی پڑتی ہے۔ اب اگر کسی پیمبر کی دعا سے جون میں برف جمنے اور دسمبر میں لو چلنے لگے۔ تو یہ اس پیمبر کا معجزہ کہا جائے گا۔۔۔ نیچر پرستوں یا منکرین معجزات کی پہلی غلطی یہ ہے کہ وہ بندوں کے مشاہدہ و تجربہ کو خود قدرت کی طرف سے کسی مستقل قاعدہ یا قانون کا اعلان سمجھ بیٹھے اور دوسری غلطی یہ کہ قاعدوں اور قانون کو قانون ساز اور قاعدہ گر کی مرضی و ارادہ سے بے نیاز، خود مستقل، مستمر، لایزال، حقیقتیں سمجھ بیٹھے۔ بِاِذْنِیْ۔ کی تکرار اس سارے سلسلۂ معجزات میں قابل غور ہے۔ جو کچھ بھی ہو رہا تھا۔ بادی النظر میں کیسا ہی عجیب و غریب ہو، بہر حال تھا وہ اذن الٰہی قانون تکوینی ہی کی کسی نہ کسی دفعہ کے ماتحت۔ انما اعاد قوله باذنی تاكيدًا لكون ذٰلك واقعاً بقدرة الله وتخليقه لا بقدرة عيسىٰ وايجاده (کبیر) تَخْلُقُ۔ خلق کے معنی یہاں صورت بنانے کے ہیں۔ تخلق ای تصور (روح) ای تصوره وتشكله على هيئة الطائر (معالم) تَنْفُخُ فِیْهَا۔ میں ضمیر مونث هيئة کی طرف نہیں بلکہ كهيئة کے ک کی جانب ہے۔ الضمير للكاف لانها صفة الهيئة التى كان يخلق عيسىٰ ولا يرجع الى الهيئة المضاف اليها لانها ليست من خلقه (کشاف) و۳۴۱ ان سارے معجزوں پر بھی حاشیے سورۂ آل عمران میں گزر چکے۔ بِاِذْنِیْ کی تکرار ہر فقرہ میں بہت ہی قابل لحاظ ہے۔۔۔۔۔۔ پیمبر کے سارے معجزات کی تہ میں کارفرما خالق کائنات ہی کا کوئی نہ کوئی قانون تھا۔ باذنی ای بفعلى ذٰلك عند دعائك (کبیر) ذكر الاذن فى هٰذه الافاعيل انما هو على معنى اضافة حقيقة الفعل الى الله تعالىٰ۔ (کبیر) و۳۴۲ یہ اشارہ ہے اس حقیقت تاریخی کی جانب ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کی کوشش بار بار کی تھی اور ہر دفعہ اس میں ناکام رہے تھے۔ انجیل بھی اس تذکرہ سے خالی نہیں۔ مثلاً "انہوں نے اس کو مارنے کو پتھر اٹھائے مگر یسوع چھپ کر ہیکل سے نکل گیا" (یوحنا ۸۔۵۹) "انہوں نے پھر اس کے پکڑنے کی کوشش کی، لیکن وہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا" (یوحنا ۱۰۔۳۹) بِالْبَیِّنٰتِ۔ بینات میں دلائل عقلی اور معجزات دونوں آگئے۔ ای الدلالات والمعجزات (قرطبی) اِذْ جِئْتَهُمْ ضمناً سہی تاہم ایک بار پھر یہ حقیقت معرض بیان میں آگئی کہ حضرت کا خطاب صرف بنی اسرائیل سے تھا۔ ملاحظہ ہوں سورۂ آل عمران کے حاشیے و۳۴۳ یہود کی جو قدیم ترین کتابیں ملتی ہیں یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ ہی کی لکھی ہوئی ان میں بھی آپ کے سحر پیشہ ہونے کی صراحت موجود ہے۔ اور اسی طرح ان کتابوں میں بھی جو اس بیسویں صدی عیسوی میں یہودی نقطہ نظر سے لکھی گئی ہیں۔ اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ۔ سے مراد وہی یہود ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر تھے عام اس سے کہ وہ اسرائیلی انبیاء سابقین کو مانتے ہوں یا نہ مانتے ہوں۔ يعنى اللذين لم يؤمنوا بك وجحدوا نبوتك (قرطبی) و۳۴۴ یا یہ کہ "ہم پورے مسلم ہیں"۔ "مسلم" کا لفظ کوئی نو پیدا اصطلاح نہیں، انبیاء کے ماننے والے تو ہمیشہ اور ہر نبی کے دور میں مسلم ہی کہلائے ہیں۔ وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ۔ حواری۔ پر حاشیہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا۔ وحی کا اطلاق عربی زبان میں بہت وسیع ہے۔ وحی کے معنی قلب میں القاء یا الہام کے بھی ہوتے ہیں۔ الوحى كل شى دللت به من كلام او كتاب او اشارة او رسالة (ابن قتیبہ) والوحى فى كلام العرب معناه الالهام۔۔۔۔۔ ای الهمتهم وقذفت فى قلوبهم (قرطبی) المراد بذٰلك الوحى الالهام والالقاء فى القلب (کبیر) قيل المراد بالوحى اليهم الهامه تعالى اياهم (روح) عن السدى يقول قذفت فى قلوبهم (ابن جریر) قيل المراد بهٰذا الوحى وحى الهام (ابن کثیر) وحی کے یہ معنی تو لیکر آگے کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن وحی کو امر کے مرادف ہی قرار دیا گیا ہے۔ قال ابو عبيدة اوحيت بمعنى امرت وقيل اوحيت هنا بمعنى امرتهم (قرطبی) وجاء استعمال الوحى بمعنى الامر فى كلام العرب كما قال الزجاج (روح) اس صورت میں صرف اتنا محذوف ماننا پڑے گا کہ "اے عیسیٰ علیہ السلام تمہارے ذریعہ سے" ای امرتهم فى الانجيل على لسانك (روح) يحتمل ان يكون المراد اذ اوحيت اليهم بواسطتك (ابن کثیر)

ف۳۴۵ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ۔ اس طرزِ خطاب سے صاف ظاہر ہے کہ حواری بھی آپ کو ابن مریم ہی سمجھتے تھے۔ ابن اللہ کا کوئی شائبہ بھی ان کے خیال میں نہ تھا۔ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ۔ حواری بہرحال صاحب ایمان تھے۔ سوال سے ان کی مراد بہ قول مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کوئی امر، مثلاً اس کا خلاف حکمت ہونا، اس سے مانع تو نہیں! المراد من هذا الکلام استفهام ان ذلک هل هو جائز فی الحکمة ام لا (کبیر) قیل هذه الاستطاعة علی ما تقتضیه الحکمة والارادة فکانهم قالوا هل ارادة اللہ تعالیٰ وحکمتہ تعلقت بذلک او لا (روح) مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ۔ مائدہ کے معنی طعام کے بھی ہیں اور خوانِ طعام کے بھی۔ المائدة فی المشهور الخوان الذی علیه الطعام وتطلق المائدة علی نفس الطعام ایضاً (روح) المائدة الطبق الذی علیه الطعام ویقال لکل واحدة منهما مائدة (راغب) یہاں مراد کھانے ہی سے لی گئی ہے۔ قیل اتدعوا طعاماً (راغب) ف۳۴۶ یعنی بلاضرورت خرقِ عادت کی طلب و فرمائش آدابِ ایمانی کے بالکل خلاف ہے۔ اتقوا اللہ فی تعیین المعجزة فانه جار مجری التعنت والتحکم (کبیر) اتقوا اللہ من امثال هذا السؤال واقتراح الآیات (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں زجر ہے کہ اہل اللہ میں خوارق کو تلاش کیا جائے۔

هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً

کیا آپ کا پروردگار اس کو جائز رکھتا ہے کہ ہم پر کھانا آسمان سے

مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

اتارے ف۳۴۵ (اس پر عیسیٰ نے) کہا کہ اللہ سے ڈرو! اگر ایمان رکھتے ہو ف۳۴۶

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ

وہ لوگ بولے کہ ہم تو (بس) یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور اپنے دلوں کو مطمئن کرلیں اور یقین کرلیں

اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

کہ آپ ہم سے سچ بولے ہیں اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں ف۳۴۷

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَيْنَا

عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ ف۳۴۸ اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ایک (خوان) طعام آسمان سے

مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا

ایسا اتار دے کہ وہ ہمارے لئے (یعنی) ہم میں سے اگلوں اور پچھلوں کے لئے ایک جشن بن جائے

وَ اٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَ ارْزُقْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور تیری طرف سے ایک نشان ہو جائے تو ہمیں عطا کر اور تو ہی بہترین عطا کرنے والا ہے ف۳۴۹

قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ

اللہ نے فرمایا کہ وہ کھانا ضرور تم پر اتار دوں گا۔ لیکن پھر جو کوئی تم میں سے کفر اختیار کرے گا

فَاِنِّيْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع

اسے سزا بھی وہ دوں گا کہ وہ سزا دنیا والوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا ف۳۵۰

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ

اور (وہ وقت بھی قابل یاد رکھنے کے ہے) جب اللہ فرمائے گا ف۳۵۱ کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے

ربع

ع ۱۵ / ۵

ف۳۴۷ حواری اپنی صفائی میں یہ تقریر کر رہے ہیں کہ سوال سے ہماری غرض کوئی بے ادبی نہیں مقصود صرف اس قدر تھا کہ نَّاْكُلَ مِنْهَا۔ ہم اس آسمانی غذا سے کچھ کھائیں اور اس سے لذت و برکت حاصل کریں۔ اکل تبرک (روح) وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا۔ اور اس خرقِ عادت کے مشاہدہ سے ہمارا ایمان اور ترقی حاصل کرے۔ بازدیاد الیقین کما قال عطاء (روح) وَنَعْلَمَ۔ اور ہم مشاہدہ کی مزید قوت کے ساتھ یقین حاصل کرلیں۔ علم مشاهدة وعیان علی ما قلمناه (روح) اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا۔ کہ آپ اپنے دعوی نبوت میں بالکل سچے ہیں۔ ای انه قد صدقتنا فی ادعاء النبوة (روح) ونکون علیها من الشّٰهدین۔ اور اس کے بعد ہم دوسروں کے سامنے بھی گواہی دے سکیں کہ ہاں ہم نے اپنی آنکھوں سے ایسا معجزہ دیکھا ہے اور اسی طرح ان کی ہدایت کا ذریعہ بھی بن جائیں۔ عند من لم یحضرها من بنی اسرائیل (روح) نُرِیْدُ۔ ارادہ یا تو اپنے عام معنی میں ہے، یا شوق و تمنا کے معنی میں۔ والارادة اما معناه الظاهر اوبمعنی المحبة (روح) ف۳۴۸ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھ لیا کہ حواریوں کی غرض فاسد نہیں تو اب ان کے فرمائشی معجزہ کے لئے حضرت حق سے دعا و مناجات کی۔ ف۳۴۹ دعا کے الفاظ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا، وَارْزُقْنَا، وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ کس کس طرح عقیدۂ الوہیت مسیح پر ضرب لگانے والے ہیں۔ خوب خیال کرلیا جائے۔ اَللّٰهُمَّ اور رَبَّنَا دونوں میں الوہیت و ربوبیت کا مکرر انتساب حق تعالیٰ کی جانب حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے ہے۔ عِیْدًا۔ عید کہتے ہیں اس خوشی کو جو بار بار لوٹ کر آتی رہے۔ یعنی اپنے تہوار کا دن منالیں۔ العید السرور العائد (کشاف) یستعمل العید فی کل یوم فیه مسرة (راغب) ای یکون یوم نزولها عیداً (مدارک) لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا۔ یعنی ہم لوگ جو موجود ہیں ان کے لئے بھی اور جو ہمارے بعد آئیں ان کے لئے بھی۔ ای لاهل زماننا ولمن یجیء بعدنا (روح) اٰيَةً مِّنْكَ۔ ایک الٰہی نشان بن جائے میری پیمبری کا، کہ اس سے مومنین کا ایمان بڑھ جائے اور منکرین پر حجت قائم ہو جائے۔ اٰیة کائنة منک دالة علی کمال قدرتک وصحة نبوتی (روح) علی صحة نبوتی (مدارک) مِنَ السَّمَآءِ۔ یہ لازمی نہیں کہ نزول آسمان ہی سے مراد ہے بلکہ صرف جہت آسمان سے بلندی ہی سے نزول بھی مراد ہوسکتا ہے۔ والمراد بها اما المحل المعهود وهو المتبادر من اللفظ واما جهة العلو (روح) ف۳۵۰ ایسی کھلی ہوئی حس و مشاہدہ میں آئی ہوئی نعمت کا انکار جس شدید درجہ کی ناشکر گزاری ہے۔ سزا بھی اسی درجہ میں شدید ملے گی۔ اجر ایمان کا دارومدار غیبیت پر ہے اور جو واقعہ سلسلہ اسباب عادیہ سے اس قدر الگ ہو، جیسا کہ بلا اسباب ظاہری بلکہ خلاف اسباب ظاہری، آسمان سے یا جہت آسمان سے تیار شدہ کھانے کا اتر آنا، نہایت یقین اور معمول سے زیادہ نمایاں معجزہ ہے، اتنے کھلے ہوئے خارق عادت سے ایمان پر انکار گویا غیب ہی نہیں، کہنا چاہیے کہ شہود کے بعد بھی انکار پر قائم رہنا ہے۔ جو جحود کی قبیح ترین شکل ہے۔ اور ایسے جرم کی سزا بھی شدت جرم ہی کی مناسبت سے شدید ترین ہوگی۔ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ۔ مفسرین کے ایک گروہ نے ان الفاظ سے یہ استنباط کیا ہے کہ نزول مائدہ ضرور واقع ہو کر رہا، لیکن مفسرین ہی کے دوسرے گروہ نے ان الفاظ کے ساتھ اس کی بھی قید لگادی ہے۔ یعنی ان سالتم اور نزول سے انکار بعض تابعین تک سے منقول ہے فقال مجاهد والحسن لم تنزل (معالم) ف۳۵۱ (قیامت کے دن) قال قتادة وابن جریج واکثر المفسرین انما یقول له هذا یوم القیامة (قرطبی) الجمهور علی ان هذا السؤال یکون فی یوم القیامة (مدارک) قال سائر المفسرین انما یقول اللہ له هذا القول یوم القیامة (معالم)

لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰـهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

یہ کہہ دیا تھا کہ "خدا کے علاوہ مجھے اور میری والدہ کو بھی معبود بنا لو"؟ ف۳۵۲

قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ

(عیسیٰ) عرض کریں گے، پاک ہے ف۳۵۳ تو، میرے لیے یہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا کہ میں ایسی بات کہہ دیتا

لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا

جس کا مجھے کوئی حق ہی نہ تھا اگر میں نے کہا ہوتا تو یقیناً تجھے اس کا علم ہوتا، ف۳۵۴ تو جانتا ہے جو کچھ

فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ

میرے دل میں ہے، اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے دل میں ہے، بیشک تو ہی تو ہے

عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ

پوشیدہ چیزوں کا خوب جاننے والا ف۳۵۵ میں نے تو اُن سے کچھ بھی نہیں کہا تھا بجز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا،

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا

یعنی یہ کہ میرے اور اپنے پروردگار اللہ کی پرستش کرو ف۳۵۶ میں ان پر گواہ رہا

مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ

جب تک میں اُن کے درمیان رہا پھر جب تو نے مجھے (دنیا سے) اٹھا لیا (جب سے) تو ہی اُن پر

عَلَیْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ

نگراں ہے اور تُو تو ہر چیز پر گواہ ہے ف۳۵۷ تُو اگر انہیں عذاب دے

فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ

تو یہ تیرے بندے ہیں ف۳۵۸ اور اگر تُو انہیں بخش دے تو بھی تو زبردست ہے،

الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ

حکمت والا ہے ف۳۵۹ اللہ فرمائے گا آج وہ دن ہے جب سچوں کے کام

ف۳۵۲ مسیح پرستی تو خیر موجودہ مسیحیت کے مرادف ہی ہے۔ لیکن مریم پرستی بھی مسیحی دنیا کا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں، دعائیں اس "خدائی کنواری" کو مخاطب کر کے کی جاتی ہیں، منذریں نیازیں ان کے نام پر کی جاتی ہیں۔ کیتھولک گرجاؤں میں قد آدم تصویریں ان کی لگی ہوتی ہیں جن کے آگے مراسم پرستش بجالائے جاتے ہیں۔ مریم پرستی پر مزید معلومات کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ سوال سے مقصود ظاہر ہے کہ استفہام واستفسار نہیں، بلکہ مسیح پرستوں اور مریم پرستوں پر مزید حجت قائم کرنا اور انہیں اور زیادہ خجل ولاجواب کرنا اور انہیں خود انہی کی نظر میں ذلیل کرنا ہے۔ ولیس ھو باستفھام ...... انه ساله عن ذٰلک توبیخاً لمن ادّعٰی ذٰلک علیه لیکون انکاره بعد السوال ابلغ فی التکذیب واشد فی التوبیخ والتقریع (قرطبی) ف۳۵۳ (ہر قسم کی شرکت کی آلودگی سے، اور ہر ایسے انتساب سے جو تیری شان کے لائق نہ ہو) ف۳۵۴ (میری مجال تھی کہ میں ایسا صریح کلمہ باطل زبان سے نکال سکتا) فخر المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کے براہ راست ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ کا جواب براہ راست مَا قُلْتُ دینے اور یوں اپنی صفائی پیش کرنے کے بجائے اسے تمامتر علم الٰہی کے حوالہ کر دیا اور یہی مقام ادب وتواضع کے زیادہ مناسب بھی تھا۔ فلم یقل بانی ما قلت هٰذا الکلام لان هٰذا یجری مجری دعوی الطهارة والنزاهة والمقام مقام الخضوع والتواضع (کبیر) ف۳۵۵ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ بالفرض میں نے کوئی ایسی بات کہی ہوتی تو وہ ضرور ہی تیرے علم میں ہوتی اور جب تیرے علم میں نہیں، تو ظاہر ہے کہ وہ سرے سے واقع ہی نہیں ہوئی۔ میرے ناقص ومحدود علم اور تیرے کامل وغیر محدود علم کا مقابلہ ہی کیا، میری ہر چھپی ہوئی چیز آپ تجھ پر روشن، لیکن تیری کوئی سی بھی چھپی ہوئی چیز مجھ پر روشن نہیں، اور ایک میرے ہی مغیبات پر کیا موقوف ہے، تجھ پر تو ہر غیب روشن ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ سے مقصود حق تعالیٰ کے علم محیط وکامل کا اثبات ہے۔ اور اس میں رد آ گیا بہت سی مشرک قوموں کے عقائد واہیہ کا۔ مَا فِیْ نَفْسِكَ۔ بعض اہل باطل نے حق تعالیٰ کی تجسیم نکالنا چاہی ہے، اور کہا ہے کہ نفس سے مراد شخص ہوتی ہے۔ لیکن جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اول تو نفس وذات مرادف ہیں۔ شخصیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ النفس عبارة عن الذات یقال نفس الشیٔ وذاته بمعنی واحد (کبیر) قال الزجاج النفس عبارة عن جملة الشیٔ و حقیقته یقول تعلم جمیع ما اعلم من حقیقة امری ولا اعلم حقیقة امرک (معالم) ای ذاتک فنفس الشیٔ و ھویتهٗ والمعنی تعلم معلومی ولا اعلم معلومک (مدارک) اور پھر نَفْسِیْ کے مقابلہ میں نَفْسِكَ لانا ہی بقاعدہ مشاکلت عربی اسلوب بیان میں فصیح تر ہے۔ ذکر هٰذا الکلام علٰی طریق المطابقة والمشاکلة و ھو من فصیح الکلام (کبیر) ف۳۵۶ موجودہ انجیلیں بھی باوجود اپنی تثلیثی شرک کے اس توحیدی تعلیم کو مٹا نہ سکیں:۔ "یسوع نے اس سے کہا، اے شیطان دُور ہو، کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اُسی کی عبادت کر۔ تب ابلیس اس کے پاس سے چلا گیا اور دیکھو فرشتے آ کر اُس کی خدمت کرنے لگے" (متی۔ ۴: ۱۰، ۱۱) "یسوع نے جواب میں اُس سے کہا۔ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر، اور صرف اسی کی عبادت کر" (لوقا۔ ۴: ۸) اَنِ اعْبُدُوا میں ان مفسرہ اَیْ کے مرادف ہے۔ ان مفسرة بمعنی ای (مدارک) ان مفسرة (کبیر) حضرت کا یہ کلام آپ کی کمال عبدیت اور انتہائی عبودیت پر دلالت کر رہا ہے۔ آپ نے اس پیام توحید کو بھی براہ راست اپنی جانب منسوب نہیں کر دیا کہ میں انہیں یہ پیام دے آیا تھا۔ بلکہ یوں عرض کیا کہ میں تو وہی کہہ آیا تھا جس کا تو نے ہی حکم دیا تھا۔ پیام توحید بھی میری اپنی طرف سے نہ تھا، تیرے ہی ارشاد کی تعمیل یہ بھی تھی۔ ف۳۵۷ آیت میں ایک بار پھر حضرت حق کے علم محیط وکامل کا اثبات ہے۔ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ۔ یعنی میں جب تک دنیا میں موجود رہا۔ میری اُمت کا حال میرے علم ومشاہدہ میں آتا رہا۔ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ۔ یعنی جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا۔ اُس کے بعد سے مجھے کچھ خبر نہیں۔ تَوَفَّیْتَنِیْ۔ یہ لفظ دونوں مفہوموں کو شامل ہے۔ زندہ آسمان پر اُٹھا لیے جانے کو بھی اور دوبارہ اپنے وقت اصلی پر وفات کو بھی۔ المراد منه وفاة الرفع الی السماءِ (کبیر) ای قبضتنی بالرفع الی السماء کما یقال توفیت المال اذا قبضتهٗ وروی هٰذا عن الحسن و علیه الجمهور (روح) ف۳۵۸ (اور تو اُن کا مالک ومختار ہے۔ تو جو چاہے اُن کے ساتھ سزا کا معاملہ کرے۔ میں دخل دینے کی مجال نہیں رکھتا) ف۳۵۹ تو اُن کی مغفرت ہی کر دینا چاہے تو کون تجھے روک سکتا ہے۔ تو سب پر غالب، اَلْعَزِیْزُ ہے۔ تیرا ارادہ سب پر حاکم ومقتدر لیکن تو اسی کے ساتھ اَلْحَكِیْمُ بھی تو ہے۔ تیرا کوئی فیصلہ خلاف حکمت ہو نہیں سکتا۔ تو کرے گا وہی جو تیرے آئین حکمت ومصلحت کے مطابق ہوگا۔ میں ایک بندہ ہو کر اس میں دخل دینے والا کون؟ یعنی انت قادر علٰی ما ترید، حکیم فی کل ما تفعل لا اعتراض لا حد علیک فمن انا والخوض فی احوال الربوبیة (کبیر) واضح رہے کہ یہ ساری گفتگو قیامت میں ہوگی۔ جہاں کافروں اور منکران دین حق کے لیے کوئی محل ہی شفاعت کا نہیں۔ یہیں سے یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس کلام میں اُن کے پیمبر جلیل القدر ہونے کے باوجود کوئی شائبہ شفاعت کا نہیں۔ بلکہ مقصود تمامتر اللہ کی طرف تفویض ہے۔ و مقصودهٗ منه تفویض الامور کلها الی الله و ترک التعرض والا عتراض بالکلیة (کبیر) دلّ ذٰلک علٰی ان غرضه تفویض الامر بالکلیة الی الله تعالٰی و ترک التعرض لهٰذا الباب من جمیع الوجوه (کبیر) ضمناً حضرت مسیح علیہ السلام کے اس کلام سے تردید بھی مسیحیوں کے اس عقیدہ کی نکل آئی کہ قیامت میں عدالت کا کام خدا کے نہیں، خدا کے بیٹے کے ہاتھ میں ہوگا، چنانچہ موجودہ انجیل میں ہے:۔ "باپ کسی کی بھی عدالت نہیں کرتا، بلکہ اُس نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپرد کیا ہے" (یوحنا۔ ۵: ۲۲)

صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اُن کا سچ آئے گا و۳۶۰ اُن کے لئے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی،

خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا

اُن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اللہ اُن سے خوش رہا اور وہ اللہ سے

عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

خوش رہے، یہی بڑی کامیابی ہے و۳۶۱ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں

وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲۰﴾

اور زمین کی اور جو کچھ اُن میں ہے اُس (سب) کی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے و۳۶۲

اٰیاتها ۱۶۵ ٦ سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّیَّةٌ ۵۵ رکوعاتها ۲۰

اس میں ایک سو پینسٹھ آیتیں سورۂ انعام مکی ہے اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

ہر تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ

اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا، اس پر بھی جو کافر ہیں وہ اپنے پروردگار کے برابر (دوسروں کو)

یَعْدِلُوْنَ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی

ٹھہرا رہے ہیں و۱ وہ (اللہ) وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر ایک وقت

اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿۲﴾

مقرر کیا اور معین وقت اسی کے علم میں ہے پھر بھی تم شک رکھتے ہو و۲

و۳۶۰ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد اوپر کے سب مکالمات ومخاطبات کے بعد ہوگا۔ اَلصّٰدِقِیْنَ وہ ہیں جو دنیا میں عقائد صحیحہ واعمال صالحہ پر قائم رہے ہوں۔ المعنی ان صدقهم فی الدنیا ینفعهم فی القیامة (کبیر) اس کے تحت میں انبیاء کے علاوہ عام مومنین بھی داخل ہیں۔ و۳۶۱ ذٰلِكَ یہ بڑی کامیابی یا فوز عظیم کس چیز کو کہا گیا ہے! جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ اشارہ پوری آیت کی جانب، یعنی نعمت جنت اور نعمت رضوان الٰہی سب کی جانب ہے۔ الجمهور علی ان قوله ذٰلک عائد الی جملة ما تقدم من قوله لهم جنات الی قوله و رضواعنه (کبیر) لیکن امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ اَلْفَوْزُ الْعَظِیْمُ کا تعلق صرف رضوان الٰہی سے ہے۔ جس کے مقابلہ میں جنت کی عام نعمتوں کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ و عندی انه یحتمل ان یکون ذٰلک مختصًا بقوله رضی الله عنهم و رضواعنه فانه ثبت عند ارباب الالباب ان جملة الجنة بما فیها بالنسبة الی رضوان الله کالعدم بالنسبة الی الوجود و کیف والجنة مرغوب الشهوة والرضوان صفة الحق و ایّ مناسبة بینهما (کبیر) امام موصوف تصوف کے بھی ذوق شناس تھے۔ خدا جانے خشک متکلم کیسے مشہور ہوگئے۔ خود بھی خشک متکلموں سے عاجز تھے۔ چنانچہ یہیں اپنا خیال لکھ کر فرماتے ہیں:۔ وهذا الکلام یشمئز منه طبع المتکلم الظاهری ولکن کل میسر لما خلق (کبیر) اَبَدًا۔ صراحت کے ساتھ یہ دوام اور ہدایت کی خوشخبری اہل جنت ہی کے حصہ میں آئی ہے۔ ورنہ اہل دوزخ کے لیے وعید صرف لفظ خلود کی حد تک ہے۔ اشارة الی الدوام (کبیر) و۳۶۲ مخلوقات پر حکومت وسلطنت جو کچھ ہے وہ خدائے واحد ویکتا کی ہے۔ نہ کہ کسی فرزند خدا یا مظہر خدا وغیرہ کی۔ مَا فِیْهِنَّ۔ ما غیر ذوی العقول یا بے جانوں کے واسطے آتا ہے۔ اور من ذوی العقول کے لیے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سوال قائم کرکے کہ یہاں من کے بجائے ما کا استعمال کیوں ہوا ہے۔ جواب یہ دیا ہے کہ ساری مخلوقات اپنے مسخر ہونے کے اعتبار سے خالق کی قضا وقدرت کے آگے ایسی ہیں کہ جیسے اُن میں جمادات کی طرح نہ کوئی قوت ہے، اور نہ بہائم کی طرح عقل ہے۔ اللہ کی قدرت کے سامنے وہ گویا بے قدرت اور اللہ کے علم کے سامنے وہ گویا لاعلم ہیں۔ و لم یقل و من فیهن فغلب غیر العقلاء علی العقلاء والسبب فیه التنبیه علی ان کل المخلوقات مسخرون فی قبضة قهره و قدرته و قضائه و قدره و هم فی ذٰلک التسخیر کالجمادات التی لا قدرة لها و کالبهائم التی لاعقل لها فعلم الکل بالنسبة الی علمه کلا علم و قدرة الکل بالنسبة الی قدرته کلا قدرة (کبیر)۔

و۱ جیسے عیسائی قوم میں مسیح علیہ السلام کو، روح القدس کو، مریم علیہا السلام صدیقہ کو۔ اور مشرک قومیں اپنے اپنے دیوی دیوتاؤں کو۔ خلق۔ یہاں ایجاد وابداع، یعنی نیست سے ہست کرنے کے معنی میں ہے۔ ای اخترع و اوجد والشاء و ابتدع (قرطبی) اَلسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ یہ دو نام ان چیزوں کے لیے دیئے گئے جنہیں اصطلاح فلسفہ میں جوہر کہتے ہیں۔ اَلظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ۔ یہ دو نام ان چیزوں کے لیے دیئے گئے۔ جنہیں اصطلاح فلسفہ میں عرض کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اس کائنات میں جوہر ہو یا عرض ہر چیز کا بلا استثناء خالق وفاطر وہی ایک ہے۔ کوئی شے اس کے لیے غیر مخلوق نہیں۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ بیسیوں مشرک قوموں نے آسمان اور زمین کو دیوی دیوتا تسلیم کیا ہے۔ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ۔ مجوس خصوصاً مجوس نے نور وظلمت کو مظہر الوہیت مانا ہے۔ اور ان کے خالق الگ الگ مانے ہیں۔ جَعَلَ یہاں خَلَقَ کا مرادف ہے اور اسی لئے صرف ایک مفعول کے ساتھ آیا ہے۔ قال النحاس جعل بمعنی خلق و اذا کانت بمعنی خلق لم تتعد الاّ الی مفعول واحد (قرطبی) اَلظُّلُمٰتِ کے صیغہ جمع اور اَلنُّوْرَ کے صیغہ واحد میں اشارہ اس طرف ہے کہ گمراہیاں ایک نہیں، بہت سی ہو سکتی ہیں۔ اور راہ حق صرف ایک ہی ہے۔ دونوں نقطوں کے درمیان خطوط منحنی بے شمار ہو سکتے ہیں۔ خط مستقیم ایک ہی ممکن ہے۔ ثُمَّ یہاں "اس کے باوجود" یا "اس پر بھی" کے معنی میں ہے۔ قال ابن عطیة ثم دالة علی قبح فعل الکافرین (قرطبی) الفائدة فیه استبعادان یعدلوا به بعد وضوح اٰیات قدرته (کبیر) اَلْحَمْدُ۔ حمد پر مفصل حاشیہ شروع سورۂ فاتحہ میں گزر چکا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ذیل میں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ خودستائی بندوں کے حق میں عیب ہے، لیکن جس نے حمد الٰہی کے حکم کو اللہ کے حق میں عیب سمجھا، اس نے اللہ کو بندوں پر قیاس کیا۔ اور معتزلہ کے اکثر خیالات کی بنیادی واساسی غلطی یہی ہے۔ دلّ هذا علی انه لا یمکن قیاس الحق علی الخلق فکما ان هذا قبیح من الخلق مع انه لا یقبح من الحق فکذٰلک لیس کل ما یقبح من الخلق وجب ان یقبح من الحق وبهذا الطریق وجب ان یبطل کلمات المعتزلة فی ان ما قبح منّا وجب ان یقبح من الله (کبیر) اسی ضمن میں امام موصوف نے یہ اصل بھی درج کیا ہے کہ جس طرح افعال خلق پر افعال حق کو نہیں قیاس کیا جا سکتا، اسی طرح صفات خلق پر صفات حق کو اور ذوات خلق پر ذات حق کو نہیں قیاس کیا جا سکتا (کبیر) اللہ اسم ذات ہے، اور خالق، جاعل، رب اسماء صفات۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حمد کو پہلے اسم ذات کے ساتھ متعلق کرنے اور پھر صفات خاصہ کے ساتھ موصوف کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ حمد کا استحقاق حق تعالیٰ کو بحیثیت ذات بھی ہے اور بحیثیت صفات بھی (من حیث الذات کے معنی نفی صفات کے نہیں بلکہ صرف یہ کہ اس وقت صفات کی طرف التفات نہیں) و۲ (مسئلہ بعث بعد الموت میں) خَلَقَكُمْ۔ ضمیر مخاطب نوع انسانی کی جانب ہے۔ ثُمَّ اَنْتُمْ۔ یعنی اتنے کھلے ہوئے دلائل کے باوجود بھی۔ معناه ان بعد ظهور مثل هذا الحجة الباهرة انتم تمترون (کبیر) قَضٰۤی اَجَلًا۔ وقت مقرر کیا سب کی موت کا۔ بقضاء الدنیا قاله ابن عباس ومجاهد (قرطبی) قال الضحاک اجلاً فی الموت (قرطبی) اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ۔ یعنی یہ دوسرا معین وقت اسی کو معلوم ہے۔ اس سے مراد وقت بعث ہے۔ قال ابن

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ

اور وہی (ایک) اللہ آسمانوں میں ہے اور زمین میں (بھی) ۳ وہ تمہارے پوشیدہ (حال) کو بھی جانتا ہے

وَجَهْرَكُمْ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝۳ وَ مَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ

اور ظاہر (حال) کو بھی اور جو کچھ تم کرتے رہتے ہوئے ہے بھی وہ جانتا ہے، ۴ اور جو نشانی بھی اُن کے پاس

اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۴

ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے آتی ہے وہ اُس سے اعراض ہی کیا کرتے ہیں ۵

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ

سو انہوں نے (کلام) حق کو بھی جھٹلایا جب وہ اُن کے پاس آیا ۶ سو عنقریب ہی انہیں خبر معلوم

اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ

ہوجائے گی اُس چیز کی جس کے بارے میں وہ تمسخر کیا کرتے تھے ۷ کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان کے قبل

اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا

کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں، جنھیں ہم نے روئے زمین پر وہ قوت دے رکھی تھی جو

لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪

تمہیں نہیں دی ہے ۸ اور ہم نے اُن پر خوب کثرت سے بارش برسائی

وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ

اور ہم نے اُن کے نیچے نہریں بہائیں، پھر ہم نے انہیں اُن کے گناہوں کے باعث

بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۶ وَلَوْ

ہلاک کر ڈالا اور ہم نے اُن کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا ۹ اور اگر

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ

ہم آپ پر کوئی نوشتہ کاغذ پر (لکھا ہوا) نازل کرتے اور اس کو یہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے

عباس ومجاهد لابتداء الأخرة (قرطبی) قال الضحاک لاجل القيامة (قرطبی) تَمْتَرُوْنَ یعنی وہم پیدا کر کر کے کج بحثی کیا کرتے ہو۔ التماری المجادلة على مذهب الشك (قرطبی) ف ۳ (نہ یہ کہ زمین کے دیوتا اور ہوں اور آسمان کے اور) اس میں رد آ گیا بہت سی مشرک قوموں کی اس بنیادی گمراہی کا کہ ہر عالم کے خدا یا دیوتا الگ الگ ہیں۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے یہاں یہ شبہ نقل کر کے کہ اس سے حق تعالیٰ کی تجسیم ثابت ہوتی ہے۔ اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ جوابات اپنی جگہ پر بالکل کافی بلکہ شافی ہیں۔ لیکن جو بنیادی حقیقت یہاں عرض کی گئی، یہ پیش نظر ہو، تو آگے کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ فِي السَّمٰوٰتِ اور فِي الْاَرْضِ میں فِي سے یہ مراد ہی نہیں کہ اللہ آسمانوں یا زمین "میں" کہیں بیٹھا ہوا ہے۔ بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین سب کا خدا وہی ایک ہے، نہ یہ کہ ہر عالم کے دیوتا الگ الگ ہوں۔ فی کا ترجمہ آیت میں اگر بجائے "میں" کے "کا" سے کیا جائے تو شبہ کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے۔ ف ۴ (اور اسی علم پر مدار جزاء ہے) يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ۔ یعنی اس کا علم محیط و کامل تمہارے ظاہر و باطن سب کو شامل ہے۔ اس میں رد آ گیا اس مشرکانہ عقیدہ کا کہ بہت سے مخفیات خدا کے علم سے بھی باہر رہ جاتے ہیں۔ ف ۵ ان نشانیوں میں تشریعی اور تکوینی دونوں قسم کے آیات الٰہی آ گئے۔ یعنی ایک طرف ادیان حق کا ظہور اور ان کے پیام و تعلیمات اور دوسری طرف ان کے معجزات اور قحط و زلزلہ وغیرہ تخویفی آیات۔ مُعْرِضِيْنَ۔ اعراض کے معنی ہیں ترک التفات کے وَمَا تَاْتِيْهِمْ ضمیر جمع غائب کافروں اور منکروں کی جانب ہے۔ مِنْ اٰيَةٍ۔ مِنْ استغراق جنس کے لئے ہے۔ یعنی کوئی سی بھی نشانی ہو۔ من لاستغراق الجنس (قرطبی) مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ۔ مِنْ تبعیض کے لئے ہے من للتبعيض (قرطبی) ف ۶ الحق سے مراد قرآن مجید ہے۔ صاحب قرآن سے بھی مراد ہو سکتی ہے۔ يعنى القران وقيل محمدا عليه السلام (قرطبی) یعنی خدائی نشانیوں کی تکذیب تو ان کا شعار ہی ہو چکی ہے اس لئے حسب عادت انہوں نے قرآن کو بھی جھٹلایا۔ ف ۷ یعنی عذاب الٰہی ان پر واقع ہو کر رہے گا۔ واراد بالانباء وهى الاخبار العذاب (قرطبی) المراد بالانباء لا نفس الانباء بل العذاب الذى انبأالله تعالىٰ به (کبیر) عذاب سے مراد جنگ بدر میں شکست وغیرہ ہے۔ جو مشرکین عرب کو دنیا ہی میں نصیب ہوئی۔ والمراد ما نالهم يوم بدرونحوه (قرطبی) يحتمل ان يكون عذاب الدنيا وهو الذى ظهر يوم بدر (کبیر) عذاب آخرت بھی مراد ہو سکتا ہے۔ قيل يوم القيامة (قرطبی) ويحتمل ان يكون عذاب الأخرة (کبیر) ف ۸ (اے اہل عرب) مراد قرآن کے مخاطبین اول ہیں۔ كَمْ اَهْلَكْنَا۔ یعنی اپنے عذاب سے ہلاک کر دیا۔ مَكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ۔ تمکین فی الارض کے تحت میں ہر قسم کا غلبہ و اقتدار شامل ہے۔ ف ۹ اس نص نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ کوئی قوم اگر سرکشی کے مرض میں مبتلا ہے تو اس کی ظاہری خوشحالی اور مادی فارغ البالی اسے ہلاکت کے انجام سے نہیں روک سکتی۔ السَّمَآءَ۔ یہاں بارش کے معنی میں ہے۔ يريد المطر الكثير (قرطبی) اى المطر والسحاب (بیضاوی) اى المطر كمارو ى عن هرون التيمى ونسب الى ابن عباس رضی اللہ عنہما (روح) يريد الغيث والمطر (کبیر) اَرْسَلْنَا۔ ارسال کا ترجمہ یہاں "برسانے" ہی سے صحیح ہو گا۔ الارسال والانزال متقاربان فى المعنى (بحر) تَحْتِهِمْ۔ یعنی ان کے باغوں اور بستیوں میں۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کی سرزمینیں خوب گل و گلزار اور خوب شاداب و سرسبز ہیں۔ اى من تحت اشجارهم ومنازلهم (قرطبی) والمراد منه كثرة البساتين (کبیر) مِدْرَارًا۔ یعنی خوب کثرت سے یا لگاتار۔ دالة على التكثير كمذكار للمراة التى كثرت ولادتها للذكور (قرطبی) هو للمبالغة فى اتصال المطر و دوامه وقت الحاجة (بحر) المدرار الكثير الدر يقال سحاب مدرار اذا تتابع امطاره (کبیر)

لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦

جب بھی جن لوگوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے یہی کہتے کہ یہ تو بس ایک کھلا ہوا جادو ہے ف۱۰

وَ قَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا

اور یہ کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا ف۱۱ حالانکہ اگر ہم کوئی فرشتہ اُتار دیتے

لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ⑧ وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا

تو قصہ ہی ختم ہو جاتا اور اُن کو ذرا مہلت نہ ملتی ف۱۲ اور اگر ہم اُس کو فرشتہ ہی تجویز کرتے

لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨

تو اُسے بھی آدمی ہی بناتے اور اُن پر (پھر) وہی اشتباہ ڈالتے جس اشتباہ میں وہ اب (پڑے ہوئے) ہیں ف۱۳

وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ

اور آپ سے پہلے بھی پیمبروں کے ساتھ تمسخر کیا گیا ہے پھر اُن لوگوں کو

سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩ قُلْ

جواُن (پیمبروں) کی ہنسی اُڑاتے تھے اسی (عذاب) نے آگھیرا جس پر وہ تمسخر کیا کرتے تھے ف۱۴ آپ کہیے کہ

سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

زمین پر چلو پھرو، پھر دیکھ لو کہ تکذیب کرنے والوں کا

الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلْ

کیاانجام ہواف۱۵ آپ کہیے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے یہ (سب) کس کی ملک ہے؟ کہہ دیجئے

لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ

کہ اللہ (ہی) کی ہے ف۱۶ اُس نے اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے ف۱۷ یقیناً تمہیں اکٹھا کرے گا

الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا

قیامت کے دن، اُس کے باب میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنے کو گھاٹے میں کر رکھا ہے وہ ایمان نہیں

ع ۱۰

ف۱۰ (تو یہ حالت ان کے شدت ضد وعناد کی ہے!) مطلب یہ ہوا کہ ان کو تو قرآن واسلام سے اس قدر ضد وعداوت ہے کہ قرآن مجید بذریعہ وحی قلبی نہیں، بلکہ ایک لکھی لکھائی مادی کتاب کی شکل میں آسمان سے اتر آئے اور یہ لوگ اپنی آنکھ سے اسے اترتا ہوا دیکھ بھی لیں، بلکہ اسے ہاتھ سے چھو کر، ٹٹول کر بھی اپنا پورا اطمینان کر لیں جب بھی یہ اس کی تصدیق نہ کریں گے، بلکہ یہی کہنے لگیں گے، کہ یہ تو نظر بندی وغیرہ سے ہم کو فریب میں مبتلا کیا جارہا ہے!۔۔۔ انسان جب قبول حق کا ارادہ ہی نہ کرے بلکہ اس کی مخالفت کو اپنے دل میں اتار لے۔ تو ہر دلیل اس کے سامنے بے کار وغیر موثر ہی رہے گی۔ سچ فرمایا ہے عارف رومی صاحب مثنوی علیہ الرحمۃ نے ۔ یک کس نا مستمع ز ستیز و رد صد کس گوینده را عاجز کند مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت میں معاند کے حال کا بیان ہے کہ وہ کسی طرح منتفع نہیں ہوتا۔ اسی لیے اہل طریق اس کے درپے نہیں ہوتے۔ ف۱۱ بشر محض کا رسول ہونا منکرین کی سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ اوتار مان سکتے تھے، مظہر خدا مان سکتے تھے۔ فرزند خدا مان سکتے تھے۔ دیویوں، دیوتاؤں کے، خدا کی بیٹیوں کے وجود کے قائل ہو سکتے تھے۔ لیکن بشر کی رسالت کو ان کا دماغ کسی طرح قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ برابر ان کی طرف سے مطالبہ "مافوق البشریت" کا "خارق عادت" کا ہوتا رہتا تھا۔ کوئی آسمانی فرشتہ ان پیمبر کے ساتھ لگا رہے۔ جب جا کر یہ ان کی پیمبری کے قائل ہوں ۔۔۔ حالانکہ قائل جب بھی نہ ہوتے! قَالُوْا۔ یہ کہنے والے کون تھے؟ مشرکوں ہی کا کوئی گروہ تھا۔ و ظاهر الاٰية يقتضى انها فى كفار العرب (بحر)۔ ف۱۲ یعنی فرشتہ کا نزول دنیا میں اس طرح کہ وہ کافروں تک کو آنکھ سے نظر آجائے۔ یہ تو دستور الٰہی میں عین وقوع عذاب کے وقت ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر مہلت کا امکان ہی کہاں ہے؟" آیت قاہرہ اور پھر وہ بھی فرمائشی نازل ہونے کے وقت نہ ماننا حسب عادت الٰہیہ موجب اہلاک فوری ہے"۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) ان سنة الله جارية بان عند ظهور الاٰية القاهرة ان لم يومنوا جاء هم عذاب الاستيصال (کبیر) قُضِيَ الْاَمْرُ۔ قضاء امر سے مراد عذاب الٰہی کا واقع ہو جاتا ہے۔ قال الحسن و قتادة لاهلكوا بعذاب الاستيصال (قرطبی) ای لاتم امر اهلاكهم (روح) قال ابن عباس و قتاده والسدى لقضى الامر بعذابهم (بحر) اس احقر کے خیال میں یہ بات آتی ہے کہ ایسے کھلے ہوئے معجزات کے بعد تو اس عالم ناسوت کے گویا حجابات اُٹھ جاتے ہیں اور غیبت کے پردہ کے بجائے مواجہہ گویا شہود کے میدان کا ہو جاتا ہے۔ جو عالم برزخ ہی کا دوسرا نام ہے۔ عالم برزخ کشف حقائق کا محل ہے۔ اور کافروں کی اصل حقیقت چونکہ معذب ہی ہونا ہے۔ اس لیے اس طاری شدہ عالم برزخ کے وجود میں آتے ہی اس حقیقت کا ظہور اور عذاب کا ترتب لازمی ہو جاتا ہے۔ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ۔ ثم یہاں اظہار اشدیت کے لیے ہے۔ یعنی عذاب تو واقع ہو ہی گا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ مہلت بھی ذرا نہ ملے گی۔ فی الفور واقع ہو جائے گا۔ گویا شدت عذاب سے بھی بڑھ کر اس کا فوری وقوع ہے۔ و معنى ثم ما بعد ما بين الامرين قضاء الامر و عدم الانظار جعل عدم الانظار اشد من قضاء الامر لان مفاجاة الشدة اشد من نفس الشدة (کشاف) ف۱۳ اور یہ لوگ اس انسان نما فرشتہ کے باب میں بھی وہی اشکالات اور احتمالات اور وہی کج بحثیاں پیدا کرتے اور وہی کٹ حجتی نکالتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کر رہے ہیں۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ۔ اس کو یعنی اس بھیجی ہوئی ہستی کو۔ ای لجعلنا الرسول ملكاً (بحر) الضمير للنذير المحدث للناس (روح) مَلَكًا۔ فرشتہ یعنی وہ نورانی ہستی جسے انسان نہ اپنے عام ومعروف حواس سے دیکھ سکتا اور نہ اُس کے ملکات کے لحاظ سے اُس کا اتباع کر سکتا ہے۔ لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا۔ یعنی اُسے بھی شکل وجسم کے لحاظ سے انسان ہی بناتے کہ تم اُسے اپنی ان آنکھوں سے دیکھ تو سکتے۔ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ۔ اشتباہ کا اسناد حق تعالیٰ کی جانب محض تکوینی طور پر اور بہ طور مسبب الاسباب کے ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ سانپ کے زہر کا بھی خالق ہے، بیماری کا بھی خالق ہے، ہر دکھ، درد کا خالق ہے۔ یہاں تک کہ شیطان کا بھی خالق ہے۔ قال لبسنا بالاضافة الى نفسه على جهة الخلق (قرطبی) ایمان نام ہے قلب کی ایک کیفیت اختیاری کا، باقی کوئی ایسا معجزہ قوی کا سامنے آجانا جس سے انسان ایمان لے آنے پر مجبور ہو جائے۔ جیسے کہ فرشتہ کو اس کی اصلی شکل پر دیکھ لینا، تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ایمان اختیاری باقی کہاں رہا؟ ایمان تو معتبر جبھی تک ہے، جب تک ایمان بالغیب ہے۔ جب انکشاف وشہود شروع ہو گیا تو ایمان مطلوب کا سوال ہی نہ رہا۔ رَجُلًا۔ رجل کے معنی مطلق انسان کے نہیں۔ بلکہ مرد یا جنس مذکر کے ہیں اور یہیں سے بعض مفسرین نے یہ نکالا ہے کہ رسالت عورت کے لیے نہیں، صرف مرد کے لیے مخصوص ہے۔ و فيه اشعار كما قال عصام الدين و غيره بان الرسول لا يكون امراة و هو متفق عليه (روح) ف۱۴ (تو آپ اپنے زمانہ کے منکرین و مستہزئین کی مخالفت واستہزاء سے مغموم ومتفکر کیوں ہوں؟ یہ لوگ تو خود ہی اپنے کو دنیوی واُخروی عذاب کا مستحق بناتے جارہے ہیں) انبیاء قدیم کے ساتھ استہزاء اور اُس کی سزا کا ذکر توریت میں بھی جابجا ہے۔ مثلاً:۔ "اور خرقیاہ نے سارے اسرائیل اور یہوداہ کو کہلا بھیجا اور افرائیم اور منسی کے پاس بھی نامے لکھ بھیجے...... سو قاصد افرائیم اور منسی کے ملک میں زبلون تک شہر بہ شہر گزرتے پھرے لیکن وہ اُن پر ہنسے اور انہیں ٹھٹھے میں اُڑایا" (۲۔ تواریخ۔ ۳۰: ۱۰ و ۱۰) "لیکن انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھے میں اُڑایا اور اُس کی باتوں کو ناچیز جانا اور اُس کے بیٹوں سے بدسلوکی کی، یہاں تک کہ خداوند کا غضب اپنے لوگوں پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا" (۲۔ تواریخ ۳۶: ۱۶) "انہوں نے ہم کو ٹھٹھے میں اُڑایا اور ہماری حقارت کی اور کہا یہ کیسا کام ہے کہ تم کرتے ہو" (نحمیاہ۔ ۲: ۱۹) سَخِرُوْا...... يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ سخریہ اور استہزاء دونوں ایک ہی معنی میں آتے ہیں۔ هما متحدان معنًا و استعمالاً (روح) ف۱۵ اس میں تعلیم وترغیب ہے اس کی کہ انسان پچھلی تباہ شدہ قوموں کے حالات سے عبرت ونصیحت حاصل کرے اور بڑی بڑی مہذب وبااقبال سلطنتوں کے

آثار اور مٹے ہوئے کھنڈروں سے سبق لے...... نقطہ نظر صحیح اور توحیدی ہو جائے تو مسلمان طالب علم کے لیے جغرافیہ، تاریخ اور اثریات ان سارے علوم کا مطالعہ عبادت بن سکتا ہے۔ ھذا السفر مندوب الیه اذا کان علی سبیل الاعتبار باٰثار من خلا من الامم و اهل الدیار (قرطبی) ثُمَّ انْظُرُوْا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی نکتہ رسی نے یہاں ایک عجیب نکتہ پیدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر یہاں فانظروا ہوتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ اسی عبرت پذیری کی غرض سے سفر کرو۔ ثُمَّ انْظُرُوْا نے سفر کا دارومدار اُس نظر عبرت پر نہ رکھا، بلکہ زیادہ گنجائش پیدا کر دی۔ اب سفر ہر جائز غرض کے لیے مباح ہے۔ اور عبرت پذیری کی غرض سے واجب۔ اما قوله سیروا فی الارض ثم انظروا فمعناه اباحة السیر فی الارض للتجارة و غیرها من المنافع و ایجاب النظر فی اٰثار الهالکین (کبیر) ف۱۶ (کہ اس جواب سے ان مشرکوں کو بھی مجال انکار نہیں، یہ تو جو کچھ گھبرا رہے ہیں۔ وہ اس اقرار توحید کے مضمرات اور تفریعات سے) مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی ساری فضائے کائنات کے اندر۔ ای لمن الکائنات جمیعًا (روح) ف۱۷ (سو مشرکوں اور منکروں کو اب بھی موقع ہے کہ تائب ہو کر اس کے دامن رحمت کی پناہ میں آ جائیں) الرحمة لمن ترک التکذیب بالرسل و تاب و اناب (کبیر) خدائے اسلام کی صفت ذاتی تو یہی رحیمیت و رحمانیت ہے۔ باقی قہر و غضب جو کچھ ہے، اس کا ظہور تو محض عادی مجرموں کی جرم شعاری کی بنا پر ہوگا۔ کیسے ظالم و ناخدا ترس ہیں وہ مسیحی مشنری جنہوں نے قرآن کے خدا کو مہیب اور ڈراؤنا بنا کر پیش کیا ہے۔ نفسه۔ نفس سے یہاں مقصود نفس وجود ہے۔ اور وعدہ کی تاکید اور بجائے وسائط کے براہ راست و اصالۃً اپنی ہی طرف توجہ دلانا۔ و ذکر النفس هنا عبارة عن وجود و تاکید وعده و ارتفاع الوسائط دونه (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت اپنے اطلاق سے اس پر دال ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت سب کو عام اور شامل ہے۔ چنانچہ کوئی غضب ایسا نہیں جس میں کچھ رحمت شامل نہ ہو۔ اور رحمتیں بہت سی ایسی ہیں جن میں ذرا غضب نہیں۔ ف۱۸ یہ پیش خبری اُن کے حق میں ہے جنہوں نے اپنی صلاحیت ایمان تک کو ضائع کر دیا ہے۔ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے قبول حق سے قصداً انکار کر کے اپنی صلاحیتوں کو اپنے ہاتھوں سوخت کر دیا ہے۔ بتضییع راس مالهم و هو الفطرة الاصلیة و العقل السلیم (بیضاوی) الی یہاں فی کے معنی میں ہے۔ قیل الی بمعنی فی (قرطبی۔ کبیر) لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ یعنی جمع تو کرے گا قیامت کے دن اور زندگی بھر اپنی اُس رحمت کے اقتضاء سے تمہیں مہلت دے رکھی ہے۔ ل قسم کا ہے اور ن تاکید کا۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ ضمیر یوم کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس یوم میں جمع کیے جانے کی طرف بھی۔ فی الیوم او الجمع (بیضاوی) ای جمعًا لاریب فیه (روح) فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ ف نے اسے صاف کر دیا کہ ان کا یہ عدم ایمان نتیجہ ہوگا خود اُن کی ارادی غفلت و اعراض عن الحق کا۔ والفاء للدلالة علی ان عدم ایمانهم مسبب عن خسرانهم فان ابطال العقل باتباع الحواس والوهم والانهماک فی التقلید و اغفال النظر ادی بهم الی الاصرار علی الکفر والامتناع من الایمان (بیضاوی) ف۱۹ صفت السمیع کا تعلق انسان کے ظاہر اور اقوال سے ہے۔ صفت العلیم کا تعلق انسان کے باطن اور احوال قلب سے ہے۔ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ابھی اُوپر ما فی السمٰوٰت والارض میں سارے موجوداتِ کائنات کا ذکر وجود مکانی کے اعتبار سے آ چکا ہے۔ اب ذکر وجود زمانی کے اعتبار سے ہے۔ موجودات کے لیے ظرف دو ہی ہیں۔ ظرفِ مکان و ظرفِ زمان۔ ظرفیت مکانی کا ذکر ابھی آ چکا تھا۔ ظرفیت زمانی کا ذکر اب آ گیا۔ لیس المراد من هذا السکون ما هو ضد الحرکة بل المراد السکون بمعنی الحلول کما یقال فلان یسکن بلد کذا اذا کان محله فیه (کبیر) یہ سکون حرکت کی ضد نہیں، بلکہ حرکت کو شامل ہے۔ اور محض استقرار کے معنی میں ہے۔ معناه هدأ واستقر والمراد ما سکن و ما تحرک فلیس المراد بالسکون ضد الحرکة بل المراد الخلق (قرطبی) اور اس طرح ظرفیت کے لحاظ سے احاطہ کامل ہو گیا۔ ذکر فی الاٰیة الاولیٰ السمٰوٰت والارض اذلامکان سواهما و فی هذه الاٰیة ذکر اللیل والنهار اذلازمان سواهما فاخبر سبحانه انه مالک للمکان والمکانیات و مالک للزمان والزمانیات و هذا بیان فی غایة الجلالة (کبیر۔ عن ابی مسلم) ف۲۰ (جیسا کہ بدبخت مشرکوں نے قرار دے لیا ہے) فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمان و زمین اور ساری کائنات کو محض اپنے ارادہ سے بغیر رُوح، مادہ، ہیولیٰ کے سہارے کے نیست سے ہست میں لانے والا۔ فاطر کا لفظ اس ساری مشرک و نیم مشرک قوموں کی تردید کر رہا ہے۔ جو اللہ کو محض ایک صانع کی حیثیت دیتے ہیں۔ فاطر کے معنی مبدع کے ہیں اور فعل فطر ابتداء کرنے کے لیے آتا ہے۔ فطر ای ابدع و فطرنا ای ابدعنا و اوجدنا (راغب) و عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال ما عرفت فاطر السمٰوٰت حتی اتانی اعرابیان یختصمان فی بئر فقال احدهما انا فطرتها ای ابتداتها (کبیر) ای خالقها و مبدعها و مبدئها (معالم) السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمان و زمین کا خصوصیت سے نام لینے کی ایک وجہ تو ظاہر ہی ہے کہ بادی النظر میں کائنات کی عظیم ترین مخلوقات یہی ہیں، دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی مشرک قوموں نے انہیں دیوتا ضرور تسلیم کیا ہے۔ یہاں گویا مشرکوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ تم جنہیں معبود مان رہے ہو، اللہ ان کا بھی خالق، انہیں نیست سے ہست میں لانے والا ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) هُوَ يُطْعِمُ ساری مخلوق کے لیے، ساری کائنات حیات کے لیے رزق کا سامان وہی اللہ بہم پہنچاتا ہے۔ وَلَا يُطْعَمُ۔ یہ بھی ضرب ہے عقیدۂ شرک پر مشرک قوموں کے عقیدہ میں بڑے بڑے دیوتا بھی کھانے پینے کے محتاج ہیں۔ ان کے نام پر جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ انہیں کھا پی کر وہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور مسیحیوں نے تو اس سے بھی بڑھ کر کمال ہی کر دیا کہ نعوذ باللہ

يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ

لانے کے ف۱۸ اور اُسی کی مِلک ہے جو کوئی بھی رات اور دن میں رہتا ہے اور وہ

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ

بڑا سننے والا ہے، بڑا جاننے والا ہے ف۱۹ آپ کہیے کہ کیا میں اللہ کے سوا جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ قُلْ اِنِّىْٓ

ہے اور وہ (سب) کو کھلاتا ہے (خود) اُس کو کھلایا نہیں جاتا، کسی (اور) کو کارساز قرار دے لوں؟ ف۲۰ آپ کہہ دیجیے

اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

کہ مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کروں اور (یہ کہ) تم کہیں مشرکوں میں

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٤﴾ قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ

نہ ہو جانا ف۲۱ کہہ دیجیے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ

عذاب سے ڈرتا ہوں ف۲۲ جس کسی پر سے وہ (عذاب) اُس روز ہٹا لیا جائے گا

فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿١٦﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ

اُس پر اللہ نے بڑا رحم کیا اور یہی کھلی کامیابی ہے ف۲۳ اور اگر اللہ تجھے کوئی دکھ

اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ

پہنچائے تو اُس کا دور کرنے والا (بھی کوئی) نہیں بجز (خود) اُسی کے، اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی

بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ

پہنچائے تو وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والا ہے ف۲۴ وہ غالب ہے اپنے بندوں کے

عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿١٨﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ

اُوپر اور وہ بڑا صاحب حکمت ہے، بڑا باخبر ہے ف۲۵ آپ کہیے شہادت سب سے بڑھ کر

اپنے معبود "ابن اللہ" کا گوشت اور خون خود کھانا پینا شروع کر دیا۔ چنانچہ مقدس عشائے ربانی Eucharist کے تہوار کے موقع پر ہر سال ایک بار یا تین بار اس رسم کو تازہ کرتے رہے ہیں۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) و۲۱ ایمان اور مقتضیاتِ ایمان سے پیمبر مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ سب سے پہلے تو اسی کو فرمان بردار بننے کا حکم ملتا ہے۔ اور پیمبر تو اپنی اُمت کے لیے نمونہ اور پیشوا دونوں کا کام دیتا ہے۔ اُسے تو اہل ایمان کی صف میں سب سے آگے ہونا ہی چاہیے و هو امام امته و مقتدهم و ینبغی لکل أمران یکون هو العامل اولا بما آمر به (روح) اَوَّلَ مَنۡ اَسۡلَمَ۔ یہ اولیت اپنے ملک وقوم اور اپنے زمانہ کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اول من اخلص ای من قومی و امتی عن الحسن وغیرہ (قرطبی) لان النبی ﷺ سابق امته فی الدین (بیضاوی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تکالیف شرعیہ کسی سے بھی ساقط نہیں ہوتیں، یہاں تک کہ انبیاء سے۔ و۲۲ یعنی مجھ جیسا نبی معصوم بھی قانونِ الٰہی کی ہمہ گیری سے باہر نہیں۔ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ۔ روزِ قیامت کو روزِ عظیم اُن واقعاتِ عظیم کے لحاظ سے کہا ہے کہ جو اس روز واقع ہو کر رہیں گے۔ ای عذاب یوم القیامة و عظمه بعظم مایقع فیه (روح) و۲۳ ذٰلِکَ۔ یعنی یہی نجات کامل یا دفع عذاب، یا رحم الٰہی۔ ای النجاة البینة (قرطبی) ای الصرف بعد الرحمة (بیضاوی) و۲۴ آفرینش کا مسئلہ تو طے ہو چکا کہ اُس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ یہاں بیان اس کا ہو رہا ہے کہ علاوہ آفرینش کے اور سارے تصرفات و اختیارات بھی ہر وقت کے نفع و ضرر، تکلیف و راحت کے تمامتر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ کوئی اس کے ارادہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کسی کو کوئی دخل و تصرف، واقعات کائنات و حوادثِ دہر میں ہے ...... بڑے چھوٹے دیوتاؤں، خدائی کے سارے شریکوں کی نفی اس میں آگئی ہے۔ اِنۡ یَّمۡسَسۡکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ۔ یہ امساس ضرر اپنے مطلق معنی میں ہے۔ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں بہ طور جزاء ہو یا تکوینی مصلحت سے۔ یمسسک۔ کاشف۔ امساس اور کشف دونوں یہاں حق تعالیٰ کے سلسلہ میں اپنے مجازی معنی میں ہیں۔ ورنہ اصلاً دونوں کا تعلق مادیات و جسمانیات سے ہے۔ المس والکشف من صفات الاجسام وهو هنا مجاز و توسع (قرطبی) یہیں سے ہے کہ (صوفیہ) محققین نے سب سے زیادہ زور توحید پر، اور ہر طرف سے انقطاعِ تعلق کر کے اللہ ہی پر اعتماد کرنے پر دیا ہے۔ شیخ اعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی فتوح الغیب میں ہے۔ من اراد السلامة فی الدنیا والاخرة فعلیه بالصبر والرضاء و ترک الشکوٰی الی خلقه وانزال حوائجه بربه و انتظار الفرج منه سبحانه و تعالیٰ والانقطاع الیه۔ (جس کسی کو دنیا و آخرت میں عافیت مقصود ہو، اُسے چاہیے کہ صبر و تسلیم کی عادت ڈال لے اور خلق خدا سے شکوہ و شکایت کو ترک کر دے اور اپنی حاجتوں کو اپنے رب ہی کے حوالہ کر دے اور کشایش کی اُمید صرف اُسی سے رکھے اور سب سے ٹوٹ کر اُسی کا ہو رہے)۔ اور مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں نفی ہے غیر اللہ سے نصرت مستقل کی۔ یہاں تک کہ مقبولین سے بھی۔ و۲۵ ربوبیت کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہے۔ وہ سب صرف اسی کی ذات میں جمع ہیں۔ یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ ایسی ذات کامل الصفات کے ساتھ کسی کی شرکت روا رکھی جائے۔ و هو القاهر یفید الحصر و معناه انه لا موصوف بکمال القدرة و کمال العلم الا الحق سبحانه و تعالیٰ (کبیر) هُوَ الۡقَاهِرُ فَوۡقَ عِبَادِهٖ۔ قدرت و قوت کے لحاظ سے وہی ساری مخلوقات پر غالب ہے۔ قہر کے معنی غلبۂ حاکمانہ کے ہیں۔ القهر الغلبة و القاهر الغالب و فی القهر معنی زائد لیس فی القدرة و هو منع غیره عن بلوغ المراد (قرطبی) القاهر مشعر بکمال القدرة و تمام المکنة (کبیر) فوق کا تعلق یہاں اُوپر کی سمت سے نہیں بلکہ مرتبہ و حکومت کی بلندی سے ہے۔ فوقیة الاستعلاء بالقهر و الغلبة علیهم ای هم تحت تسخیره لا فوقیة مکان (قرطبی) وجب حمل تلک الفوقیة علیٰ فوقیة القدرة لا علیٰ فوقیة الجهة (کبیر) الۡحَکِیۡمُ۔ قدرت کے علاوہ حکمت میں بھی وہی کامل ہے۔ الۡخَبِیۡرُ۔ قدرت و حکمت کے علاوہ علم و اطلاع میں بھی کامل وہی ہے۔ و۲۶ (میری رسالت اور قرآن کے برحق ہونے کے باب میں) اللہ کی شہادت زبانِ حال سے خود اس قرآن کا معجزہ بے نظیر ہونا ہے اپنی تعلیمات کے لحاظ سے۔ شیٔ کا یہاں لفظی ترجمہ "چیز" سے کرنا مناسب نہیں۔ شیٔ یہاں ذاتِ حق کے لیے ہے۔ لفظ شیء هنا واقع موقع اسم الله تعالیٰ المعنیٰ الله اکبر شهادة ای انفراده بالربوبیة و قیام البراهین علیٰ توحیده اکبر شهادة و اعظم (قرطبی) متکلمین کے ہاں یہ ایک معرکہ کی بحث ہے کہ شیٔ کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر جائز ہے یا نہیں، جمہور کا فیصلہ ہے کہ جائز ہے اور اس فیصلہ کی سند یہی آیت ہے۔ احتج الجمهور علیٰ تسمیة الله تعالیٰ بالشیٔ بهٰذه الاٰیة (کبیر) و فی المواقف و شرحه والشیء عند الاشاعرة یطلق علی الموجود فقط فکل شیٔ عندهم موجودٌ و کل موجود شیءٌ (روح) اَیُّ شَیۡءٍ اَکۡبَرُ شَهَادَةً۔ یعنی کس کی شہادت سب سے زیادہ معتبر باوزن و باوقعت ہے؟ و۲۷ (اس کے احکام و ہدایات کی مخالفت سے) مَنۡۢ بَلَغَ کی تقدیر کلام یوں سمجھی گئی۔ من بلغه القراٰن۔ حذف ضمیر طوالت سے بچنے کے لیے ہے۔ ای من بلغه القراٰن فحذف الهاء لطول الکلام (قرطبی) وَمَنۡۢ بَلَغَ۔ اس ذرا سے ٹکڑے سے دو باتیں اور نکل آئیں۔ ایک یہ کہ قرآن کا دائرہ صرف اس کے براہ راست اور اولین مخاطبین تک محدود نہیں رہے گا۔ ای کل من بلغه القراٰن من العرب والعجم و قیل من الثقلین (کبیر) من بلغه القراٰن من العجم و غیرهم من الامم الیٰ یوم القیامة (معالم) دوسرے یہ کہ انذار کا تعلق بھی انہی لوگوں سے ہے جن تک قرآن پہنچ چکا ہے۔ هو نذیر لکل من بلغه (ابن کثیر) من یبلغه القراٰن غیر مؤاخذ بترک الاحکام الشرعیة (روح) و۲۸ (دیویوں، دیوتاؤں، اوتاروں، خدا کے بیٹوں اور بیٹیوں کے نام سے) سوال کے مخاطب

شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۟ۙ شَهِيۡدٌۢ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ ۚ وَاُوۡحِىَ
کس چیز کی ہے؟ کہہ دیجیے کہ اللہ کی کہ وہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے و۲۶ اور میرے پاس

اِلَىَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ لِاُنۡذِرَكُمۡ بِهٖ وَمَنۡۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمۡ
یہ قرآن بہ طور وحی بھیجا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعہ سے تمہیں ڈراؤں اور اُس کو جسے یہ پہنچے و۲۷ تو کیا تم

لَتَشۡهَدُوۡنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخۡرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ
یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود بھی شریک ہیں و۲۸ آپ کہہ دیجیے کہ میں

اَشۡهَدُ ۚ قُلۡ اِنَّمَا هُوَ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا
تو گواہی نہیں دیتا، آپ کہہ دیجیے کہ وہ تو بس ایک ہی معبود ہے اور میں اُس سے بری ہوں جو شرک

تُشۡرِكُوۡنَ ۘ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا
تم کرتے ہو و۲۹ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دے رکھی ہے وہ ان (صاحب) کو پہچانتے ہیں جس طرح

يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ ۘ اَلَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَهُمۡ لَا
اپنے لڑکوں کو پہچانتے ہیں و۳۰ جن لوگوں نے اپنے کو گھاٹے میں کر رکھا ہے وہ ایمان

يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
نہیں لانے کے و۳۱ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو جھوٹ بہتان اللہ پر لگائے

اَوۡ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوۡمَ
اور اُس کی نشانیوں کو جھٹلائے بیشک وہ ظالموں کو فلاح نہیں دیتا و۳۲ اور (وہ دن یاد رکھو) جس دن

نَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا ثُمَّ نَقُوۡلُ لِلَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا اَيۡنَ
ہم ان سب کو اکٹھے کریں گے پھر جو لوگ شرک کرتے رہے ہیں، اُن سے کہیں گے کہ تمہارے

شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمۡ تَكُنۡ
وہ شریک کہاں ہیں جن کے لئے تم دعویٰ کیا کرتے تھے و۳۳ پھر اُن کا

مشرکوں اور منکروں کے مختلف گروہ ہیں۔ ف۲۹ اثبات توحید کے ساتھ ہر پہلو سے نفی شرک بھی قبولِ اسلام کے لیے ہے۔ چنانچہ بعض فقہاء اس کے قائل ہوئے ہیں کہ نومسلم کو اسلام لاتے وقت علاوہ اقرار شہادتین کے شرک سے تبری بھی کرنا چاہیے۔ قال العلماء المستحب لمن اسلم ان یاتی بالشهادتین و یتبرأ من کل دین سوٰی دین الاسلام و نص الشافعی رحمۃ اللہ علیہ علی استحباب ضم التبری الی الشهادة (جصاص) قُلْ لَّآ اَشْهَدُ۔ ایسے کھلے ہوئے امرِ باطل کی گواہی میں کیسے دے سکتا ہوں۔ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ وہ خدائے واحد اپنی ذات و صفات ہر لحاظ سے واحد ہی ہے۔ انما کلمہ حصر کا ہے۔ کلمة انما تفید الحصر و لفظ واحد صریح فی التوحید و نفی الشرکاء (کبیر) ف۳۰ یعنی اپنے ابنائے قوم کو فرزندانِ اسرائیل کو پہچانتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور نبی آخر الزمان کی بھی شناخت کی ایسی کھلی ہوئی علامتیں ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں جیسی خود انہی کے قوم و نسل کے انبیاء کی۔ اَلْکِتٰبَ۔ کتاب آسمانی۔ خصوصاً توریت۔ والمراد من الکتاب جنسه الصادق علی التوراة والانجیل (روح) یَعْرِفُوْنَهٗ۔ ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ ای یعرفون النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الحسن و قتادہ و هو قول الزجاج (قرطبی) الهم یعرفونه بالنبوة والرسالة (کبیر) یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر الکتاب کی طرف راجع کی جائے۔ و قیل الضمیر للکتاب و اختاره ابو البقاء (روح) قیل یعود الی الکتاب (قرطبی) حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ ذکر آیت میں یہود کا من حیث القوم اور مشترکا و مجموعاً ہو رہا ہے نہ کہ افراد کا۔ اسی قسم کا مضمون سورۂ بقرہ آیت ۱۴۶ میں گزر چکا ہے۔ اس کے حاشیہ ملاحظہ کر لیے جائیں۔ ف۳۱ (اسی لیے انہوں نے اپنی فکر و نظر کو معطل کر رکھا ہے) آیت کا یہ ٹکڑا ابھی اُوپر گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۸ ف۳۲ یہ فلاح کی نفی آخرت میں تو مادّی و معنوی ہر حیثیت سے ہو کر رہے گی۔ باقی دنیا میں بھی اہل کفر، مومن کی سی حقیقی راحت قلب و سکون ضمیر سے محروم ہی رہتے ہیں۔ اِفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ اللہ پر افتراء کذب یہ کہ جن چیزوں سے نفی و انکار واجب ہے، ان کا اقرار و اثبات کرنے لگے۔ مثلاً دیویوں دیوتاؤں کا، خدا کے بیٹوں بیٹیوں کا، روح یا مادہ کی قدامت، آواگون کا چکر، اوتاروں کا وجود۔ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ۔ تکذیب آیاتِ الٰہی یہ کہ جن باتوں کا اقرار و اثبات واجب ہے، اُن سے انکار کرنے لگے مثلاً توحید، رسالت، یوم جزاء، حقانیت قرآن وغیرہ۔ ف۳۳ (کہ یہ خدائی میں شریک ہیں) سوال ظاہر ہے کہ حصولِ جواب کی غرض سے نہیں، بلکہ تفضیح کے لیے ہوگا۔ المقصود منه التقریع والتبکیت لا السؤال (کبیر) يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ۔ تقدیرِ کلام یوں ہے۔ واذکر یوم نحشرهم۔ علی معنی واذکر یوم نحشرهم (قرطبی) ف۳۴ یعنی وہاں کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کر کے بدحواسی میں یوں بھی پکار اٹھیں گے لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ۔ یعنی ان کے کفر و شرک کا وبال یہی ہونا ہے۔ فتنة کے معنی اس سیاق میں انجام کفر کے کیے گئے ہیں۔ والمعنی ثم لم تکن عاقبة کفرهم (کشاف) قال الحسن و معنی فتنتهم عاقبة فتنتهم ای کفرهم (قرطبی) دوسرے معنی رَدِّ جواب کے بھی کیے گئے ہیں۔ ای علرهم وجوابهم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) و یجوزان یراد ثم لم یکن جوابهم (کشاف) الفتنة الاختبار ای لم یکن جوابهم حین اختبروا بهذا السؤال (قرطبی) قال قتادة معناه معذرتهم (قرطبی) ف۳۵ یعنی جو جو باطل امیدیں اور آرزوئیں وہ پالے ہوئے تھے وہ عین وقت پر انہیں کیسا جواب دے گئیں اور ان کے معبود اور شافعین کچھ بھی ان کے کام نہ آئے! ف۳۶ (لیکن یہ ظاہری استماع چونکہ قبول حق کے ارادہ سے بالکل خالی ہوتا ہے۔ اس لیے نافع نہیں ہوتا اور یہ محروم کے محروم ہی رہ جاتے ہیں) مَنْ يَّسْتَمِعُ میں مَنْ لفظاً واحد ہے۔ لیکن معناً جمع کا کام دیتا ہے۔ ف۳۷ یہ سب نتیجہ تکوینی طور پر اُن کے ارادی انکارِ حق و شدت عناد پر مرتب ہو جاتے ہیں۔ ای فعلنا ذٰلک بهم مجازاة علی کفرهم (قرطبی) اَنْ يَّفْقَهُوْهُ۔ معنی نفی کے ہیں۔ یعنی "جس سے وہ نہ سمجھ سکیں"۔ المعنی کراهیة ان یفهموه اولئلا یفهموه (قرطبی) ف۳۸ یہ بیان ان کی شدت عناد و تعصب کا ہو رہا ہے کہ کوئی دلیل، کوئی ثبوت انہیں قبول حق کی جانب نہ لا سکے گا قال ابن عباس رضی اللہ عنہما و ان یروا کل دلیل و حجة لا یومنوا بها (کبیر) ف۳۹ قرآن مجید کی نسبت کچھ اسی قسم کی رائے جاہلیت جدید یا جاہلیت فرنگ کے پجاریوں کی بھی ہے۔ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ اسطورہ یا اسطارہ کے معنی پرانی دہرائی داستان یا فرسودہ لغو کہانی کے ہیں۔ ای ما سطره الاولون فی الکتاب و قال الجوهری وغیره الاساطیر الاباطیل والترهات (قرطبی) حَتّٰٓى سے مقصود کفر و عناد میں اُن کی انتہائی شدت کا اظہار ہے کہ اُن کی تکذیب آیات اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ آپ تک کے پاس مجادلہ کے لیے آتے ہیں۔ والمعنی انه بلغ تکذیبهم الاٰیات الی انهم یجادلونک و یناکرون (کشاف) يُجَادِلُوْنَكَ۔ ان کا مجادلہ یہی ہے کہ قرآن مجید جیسی روشن حقیقت کو خرافات واکاذیب کے درجہ میں رکھتے ہیں اور یہ ان کی تکذیب کی انتہاء ہے۔ ای یجعلون کلام الله و اصدق الحدیث خرافات و اکاذیب و هی الغایة فی التکذیب (کشاف) ف۴۰ کیا ٹھکانا ہے اُن کی حماقت و غباوت کا! وَمَا يَشْعُرُوْنَ۔ اہل علم نے لکھا ہے کہ نفی شعور کا درجہ نفی علم سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ گویا ذرا سا بھی احساس نہیں رکھتے۔ حالانکہ احساس تو جانور تک رکھتے ہیں۔ و نفی الشعور عنهم باهلاکهم انفسهم ابلغ فی نفی العلم اذا البهائم تشعر و تحس (بحر) و نفی الشعور ابلغ من نفی العلم کانه قیل و ما یدرکون ذٰلک اصلاً (روح) وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ۔ یعنی قرآن مجید سے دوسروں کو روکتے ہیں اور خود بھی اس سے رُکے رہتے ہیں عَنْهُ کی ضمیر دونوں موقعوں پر قرآن کی جانب ہوگی۔ والضمیر علی قول قتادة للقراٰن (قرطبی) هؤلاء المشرکون المکذبون بآیات الله ینهون الناس عن اتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم و القبول منه و یتباعدون عنه (ابن جریر) الضمیر المرفوع للمشرکین

فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾

انجام اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ وہ یوں کہیں گے کہ قسم اللہ اپنے پروردگار کی کہ ہم مشرک نہ تھے ف۳۴

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا

دیکھ تو یہ کیسا اپنے متعلق جھوٹ بول گئے اور ان سے وہ (سب) چیزیں ضائع ہو گئیں جنہیں

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ

یہ گڑھا کرتے تھے ف۳۵ اور ان میں ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں ف۳۶

وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْٓ

اور ہم نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیئے ہیں کہ وہ اُس کو نہ سمجھیں اور

اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى

ان کے کانوں میں بوجھ ہے، ف۳۷ اور اگر وہ ساری (کی ساری) نشانیاں دیکھ لیں (جب بھی) اُن پر ایمان نہ لائیں

اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ

ف۳۸ یہاں تک کہ یہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑتے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے وہ کہتے

هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ

ہیں کہ یہ تو نری اگلوں کی خرافات ہیں ف۳۹ اور یہ اس سے (دوسروں کو) روکتے ہیں

وَ يَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَ اِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا

اور (خود بھی) اس سے الگ رہتے ہیں، اور یہ (لوگ کسی اور کو نہیں) اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور (اس کی بھی)

يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَ لَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا

خبر نہیں رکھتے ف۴۰ اور اگر آپ ان کو اُس وقت دیکھیں جب یہ دوزخ پر کھڑے کئے جائیں گے اور کہیں گے

يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ

کہ کاش ہم پھر واپس بھیج دیئے جائیں تو ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور ہم ایمان والوں

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ

میں سے ہو جائیں، ف۴۱ ہاں اب ان پر وہ چیز ظاہر ہو کر رہی جسے اس کے قبل چھپایا کرتے تھے ف۴۲

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٢٨﴾

اور اگر یہ واپس بھیج دیے جائیں جب بھی یہ پھر وہی کریں جس سے یہ روکے گئے تھے، اور یقیناً یہ (بالکل) جھوٹے ہیں ف۴۳

وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ

اور یہ کہتے ہیں کہ زندگی تو بس ہماری اسی دنیا کی زندگی ہے اور ہم زندہ

بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ

اُٹھائے جانے والے نہیں ف۴۴ اور اگر آپ اس وقت دیکھتے ہوں جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے

اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا

ف۴۵ اور وہ ان سے ارشاد کرے گا کیا یہ (قیامت) ف۴۶ امر واقعی نہیں؟ یہ کہیں گے بیشک ہے قسم ہے ہمیں اپنے پروردگار کی، وہ

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٠﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ

ارشاد کرے گا اچھا تو عذاب (کا مزہ) چکھو اس کفر کے بدلہ میں جو تم کیا کرتے تھے ف۴۷ یقیناً وہ لوگ گھاٹے میں آ گئے جنہوں

كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا، یہاں تک کہ جب وہ (مقرر) گھڑی ان پر یک بیک آ پہنچے گی ف۴۸

قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ

تو بول اُٹھیں گے، ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو ہم اس کے بارہ میں کرتے تھے ف۴۹ اس حال میں کہ وہ اپنے گناہ

اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿٣١﴾

اپنی پشتوں پر لادے ہوں گے ف۵۰ دیکھو تو (کیا ہی) برا (بوجھ) ہے، جس کو یہ لادے (لادے پھر رہے) ہوں گے،

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ

اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں بجز کھیل تماشہ کے اور تقویٰ رکھنے والوں کے حق میں یقیناً

ع ۱۰ / ۹

المجرور للقرآن (روح) ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ "دوسروں کے ضرر کو رسول اللہ سے روکتے ہیں مگر خود بھی آپ سے رُکے رہتے ہیں یعنی آپ پر ایمان نہیں لاتے ہیں" اور آیت سے اشارہ خواجہ ابو طالب اور اُن
کے پیروؤں کی جانب سمجھا گیا ہے، جو گو دشمنوں سے رسول علیہ السلام کا دفاع کرتے تھے۔ لیکن خود ایمان بھی نہیں لے آتے تھے۔ قیل هو خاص بابی طالب ينهى الكفار عن اذاية محمد عليه السلام و يتباعد
عن الايمان به (قرطبی) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال عطاء او مقاتل نزلت فی ابی طالب كان ينهى قريشًا عن ايذاء النبی ﷺ ثم يتباعد عنه و لا يتبعهٗ علی دينه (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس
تفسیر کی بنا پر فرمایا کہ اہل اللہ کے ساتھ حُبِّ طبعی اور نصرت قوی بدون حُبِّ عقلی کے نافع نہیں۔ ف۴۱ یہ سب حسرتیں جہنم کے ہول و ہیبت کے بعد ہی ان کی زبان پر آنے لگیں گی۔ وَلَوْ تَرٰٓى یعنی اگر آپ دیکھیں تو آپ کو
بڑا ہولناک منظر نظر آئے۔ لو کا جواب عربی اسلوب میں اظہار عظمت و اہمیت کے لیے یا علم مخاطب کی بنا پر اکثر حذف کر دیا جاتا ہے۔ قد حذف تفخيمًا للامر و تعظيمًا للشان و جاز حذفه لعلم
المخاطب به و اشباهه كثيرة فی القرآن والشعر (کبیر) عَلَى النَّارِ میں عَلٰی کے معنی ب کے بھی لیے گئے ہیں اور فی کے بھی یعنی دوزخ کے قریب بھی اور دوزخ کے اندر کے بھی۔ قیل علی بمعنى الباء
ای اتقوا بقربها و هم يعاينونها (قرطبی) علی بمعنى فی ای اتقوا فی النار (قرطبی) يعنی فی النار فوضعت علی موضع فی (ابن جریر) ف۴۲ یعنی ان کے اعمال کی زشتی و کراہت جو دنیا میں اُن پر
چھپی رہتی ہے، اب علانیہ و بے نقاب نظر آنے لگے گی۔ من قبائحهم و فضائحهم
فی صحفهم و بشهادة جوارحهم عليهم (کشاف) مبرد لغوی سے منقول
ہے کہ مضاف وبال یہاں محذوف ہے۔ قال المبرد بدالهم و بال عقائدهم و
اعمالهم و سوء عاقبتها و ذٰلك لان كفرهم ما كان باديًا ظاهرًا لهم
لان مضار كفرهم كانت خفية (کبیر) ف۴۳ یعنی مشاہدۂ عذاب پر بھی ان کی
یہ صادق و مخلصانہ نہیں محض جان بچانے کو ہے۔ لَكٰذِبُوْنَ میں ل تاکید کا ہے۔ ترجمہ
میں اسی لیے "بالکل" بڑھا دیا ہے۔ ف۴۴ عرب میں جہاں شرک بہ کثرت پھیلا
ہوا تھا، وہاں الحاد بھی اس معنی میں شائع تھا کہ لوگ علی العموم جزاء و سزا، حشر و نشر کے
قائل ہی نہ تھے۔ آج کل کے مادیین کی طرح اسی دنیا کو سب کچھ جانتے تھے۔ ملاحظہ
ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ھی ضمیر حیاۃ کی طرف ہے۔ الضمير للحياة (بیضاوی)
ف۴۵ (تو آپ کو ایک بڑا عجب منظر نظر آئے) عربی اسلوب بیان میں ایسے موقع پر
لو کا جواب محذوف کرنے سے اس کی عظمت و اہمیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ و
جواب لو محذوف لعظم شان الوقوف (قرطبی) عَلٰى رَبِّهِمْ۔ علی یہاں
عند کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اور رب سے مراد ملائکہ رب سے لی گئی ہے۔ حکم الٰہی
بھی مراد لی گئی ہے۔ قیل علی بمعنى عند ای عند ملائكته و جزائه (قرطبی)
بمعنى علی حكم الله و قضائه (ابن جریر) وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ سے بعض اہل
باطل نے حق تعالیٰ کی تجسیم پر استدلال کرنا چاہا ہے۔ ف۴۶ (یا اب بھی اس کی
واقعیت سے انکار ہے جیسا کہ دنیا میں تھا؟) ف۴۷ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ یہ عذاب کفر
کے بدلہ میں ہوگا۔ ای بسبب كفركم (کبیر) ف۴۸ السَّاعَةُ سے مراد قیامت
ہونا بالکل ظاہر ہے۔ سميت القيامة ساعة لسرعة الحساب فيها (قرطبی)
المراد بالساعة القيامة (کبیر) لیکن موت بھی مقدمات قیامت میں سے ہے۔
بلکہ من وجہٍ اس میں شامل۔ اس لیے وہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ لمّا كان الموت و
قوعاً فی احوال الاٰخرة و مقدماتها جعل من جنس الساعة و سمی
باسمها (کشاف) فسر بعضهم هنا بوقت الموت (روح) بِلِقَآءِ اللّٰهِ۔ لقاء
اللہ سے مراد ہے بعث بعد الموت اور جزاء اعمال۔ قیل بالبعث بعد الموت و
بالجزاء (قرطبی) حَتّٰٓى کا تعلق تکذیب سے ہے۔ خسران سے نہیں۔ حتى غاية
لكذبوا لا لخسر لان خسرانهم لاغاية لهٗ (کشاف) ف۴۹ اس کے لیے ہم
نے کوئی تیاری نہ کی۔ یا یہ کہ دنیوی زندگی میں ہم نے ادائے فرائض میں غفلت برتی۔
فَرَّطْنَا فِيْهَا۔ ضمیر قیامت یا السَّاعَةُ کی طرف ہے۔ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا کی بابت بھی سمجھی جا
سکتی ہے۔ ای فی الساعة ای فی المقدمة لها عن الحسن (قرطبی) الضمير
للحيوة الدنيا (کشاف) يٰحَسْرَتَنَا۔ ترکیب یہاں ندا منادیٰ کی نہیں۔ بلکہ یہ اسلوب
شدت تحسر کے اظہار کا ہے۔ وضع النداء على الحسرة وليست بمنادى فی الحقيقة ولكنه يدل على كثرة التحسر (قرطبی) والعرب تعبر عن تعظيم امثال هٰذه الامور بهٰذه اللفظة (کبیر)
ف۵۰ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ۔ یہاں اوزار کے معنی ذنوب سب کو مسلم ہیں۔ ای ذنوبهم (قرطبی) اٰثامهم و ذنوبهم (ابن جریر) قال ابن عباس رضی اللہ عنہما الاٰثام والخطايا (کبیر) وزر جو اوزار
کا واحد ہے۔ اس کے معنی ثقل وحمل کے بھی لئے گئے ہیں۔ لیکن امام ابن جریر نے جو عربیت کے بھی امام ہیں اس پر سخت جرح کی ہے، اور وزر کے معنی گناہ ہی رکھے ہیں۔ فقد زعم بعضهم ان الوزر الثقل
والحمل ولست اعرف ذٰلك كذٰلك فی شاهد و لا من رواية ثقة عن العرب سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ گناہ تو ایک غیر مادی شی ہے، گناہ پیٹھ پر کیسے لدیں گے؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں مجاز اور محض محاورہ
زبان مراد ہے۔ مجاز و توسع و تشبيه بمن يحمل ثقلًا (قرطبی) والمعنى انهم لزمتهم الاٰثام فصاروا مثقلين بها (قرطبی) لیکن خود یہ ماننے میں کیا عقلی یا شرعی دشواری ہے کہ آخرت میں مجردات بھی مادیات
ہی کی طرح باوزن ہوں گے اور اعمال بھی وزن رکھیں گے، یا اعمال بہ شکل اجسام متمثل ہو جائیں گے، اکابر اہل سنت میں سے متعدد حضرات عقیدۂ تجسیم اعمال کے قائل ہوئے ہیں۔ غرض یہ کہ جب حقیقی معنی لینے ممکن ہیں تو
[illegible] لا مانع من الحمل على الحقيقة واجراء الكلام على ظاهره و قد قال كثير من اهل السنة بتجسيم الاعمال فی تلك الدار وهو الذي

يقتضيه ظاهر الوزن (روح) والظاهر ان هذا الحمل حقيقة وهو قول عمير بن هانی وعمرو بن قيس العلائی والسدی واختاره الطبری (بحر) و۵۱ (اور فکر آخرت چھوڑ کر اسی سامانِ دنیوی میں منہمک ہو) جس دنیا کی یہ مذمت ہے، وہ وہی دنیا ہے جو مقصود بالذات ہو جیسی کہ ملحدوں اور مادہ پرستوں کو ہوتی ہے، وہی لوگ جن کا قول ابھی اُوپر نقل ہو چکا ہے۔ ان هی الاحياتنا الدنيا. فالمقصد بالاٰية تكذيب الكفار فی قولهم ان هی الاحياتنا الدنيا (قرطبی) قال ابن عباس رضی اللہ عنہما هذه حياة الكافر لانه يزجيها فی غرور و باطل (قرطبی) المراد منه حياة الكافر قال ابن عباس رضی اللہ عنہما يريد حياة اهل الشرک و النفاق والسبب فی وصف حياة هٰؤلآءِ بهٰذه الصفة ان حياة المومن يحصل فيها اعمال صالحة فلا تكون لعباً و لهوًا (کبیر) ورنہ وہ دنیا جو آخرت کی تیاریوں کے لیے ہوتی ہے، جیسی ہر مومن کی ہونی چاہیے وہ مذمت کے قابل نہیں، وہ تو عین مطلوب ہے۔ ليس من اللهو و اللعب ما كان من امور الاخرةِ فان حقيقة اللعب ما لا ينتفع به واللهو ما يلتهى به (قرطبی) قال ابن عباس رضی اللہ عنہما فاماحياة المؤمن فتنطوی علی اعمال صالحة فلا تكون لهوًا و لعباً (قرطبی) جعل اعمال الدنيا لعباً و لهوًا و اشتغالاً بما لايعنی و لا يعقب منفعةً كما تعقب اعمال الاٰخرة المنافع العظيمة (کشاف) لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ۔ تقوٰی میں تو معاصی سے بھی پرہیز آ گیا۔ لیکن یہاں خاص طور پر مراد شرک والحاد سے پرہیز ہے۔ و۵۲ (سو آپ غم و حزن میں زیادہ نہ

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۳۲ قَدْ نَعْلَمُ

آخرت کا گھر کہیں بہتر ہے تو کیا تم عقل سے کام ہی نہیں لیتے و۵۱ بیشک ہمیں خوب معلوم ہے

اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ

کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں وہ آپ کو رنج پہنچاتا ہے تو یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے

وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۳۳ وَ لَقَدْ

بلکہ (یہ ظالم تو) اللہ کی نشانیوں ہی سے انکار کر دیتے ہیں و۵۲ اور آپ سے

كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا

قبل پیمبر خوب جھٹلائے جا چکے ہیں سو انہوں نے اس پر صبر کیا کہ ان کی تکذیب کی گئی

وَ اُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ

اور انہیں ایذا دی گئی یہاں تک کہ انہیں ہماری نصرت آ پہنچی، اللہ کی باتوں کو کوئی بدل

اللّٰهِ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۴ وَ اِنْ

نہیں سکتا اور پیمبروں کے کچھ قصے تو آپ کو پہنچ ہی چکے ہیں و۵۳ اور

كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ

آپ پر اگر اُن کا اعراض گراں گزرتا ہے و۵۴ تو اگر آپ کے بس میں ہو کہ

تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ

زمین (میں جانے) کے لئے کوئی سرنگ یا آسمان (پر جانے) کے لئے کوئی زینہ ڈھونڈ لیں تو ضرور کوئی نشان اُن کے لئے

بِاٰيَةٍ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ

آئیں و۵۵ اور اگر اللہ چاہتا تو ان (سب) کو ہدایت پر جمع کر دیتا و۵۶ تو آپ نادانوں میں سے

مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۳۵ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ

نہ ہو جایئے و۵۷ قبول تو بس وہی لوگ کرتے ہیں جو سنتے ہیں و۵۸

پڑیے۔ بلکہ ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ کیجیے) مطلب یہ ہے کہ منکرین، مکذبین آپ کی ذاتی صداقت وامانت سے کچھ تھوڑے ہی انکار کر رہے ہیں۔ انہیں تو ضد اس پیامِ الٰہی سے ہے جو آپ انہیں پہنچا رہے ہیں، سو ان کا معاملہ آپ سے نہیں براہ راست حق تعالیٰ سے ہے۔ حدیث وسیر کی روایتوں میں صراحۃً آتا ہے کہ سرگروہ مکذبین ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہم کچھ آپ کو تھوڑے ہی جھوٹا کہتے ہیں۔ ہم تو اس پیام کو جھوٹا کہتے ہیں جس کا لانا آپ بیان کرتے ہیں۔ قال ابو جهل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لا نكذبک ولكن نكذب بما جئت به (ابن کثیر۔ عن علی رضی اللہ عنہ) قال ابو ميسرة ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مرّ بابی جهل واصحابه فقالوا يا محمد والله ما نكذبک وانک عندنا لصادق ولكن نكذب ما جئت به (قرطبی) يَجْحَدُوْنَ۔ جحود ایسے انکار کو کہتے ہیں کہ انسان کا دل تو قائل ہو جائے لیکن زبان ہٹ دھرمی سے انکار کیے جائے۔ منکرین ومکذبین رسول میں بہت سے ایسے ہی تھے۔ الجحود نفی ما فی القلب اثباته واثبات ما فی القلب نفيه (راغب) قد كان فيهم العناد فی جحود نبوته صلی اللہ علیہ وسلم مع علم منهم به وصحة نبوته (ابن جریر) وكان بعضهم قدتبين امره وعلم صحة نبوته وهو فی ذٰلک يعاند ويجحد نبوته حسدًا له وبغيًا (ابن جریر) قَدْ نَعْلَمُ میں قَدْ کا ترجمہ اردو میں "خوب" ہی سے مناسب ہے۔ قد بمعنٰی ربما الذی يجئ لزيادة الفعل وكثرته (کشاف) مفسر ابن حیان نے اگرچہ زمخشری کے اس قول سے اختلاف کیا ہے اور اسے قول غير مشهور للنحاة قرار دیا ہے۔ تاہم تحقیق وتاکید کے معنی انہوں نے بھی تسلیم کیے ہیں۔ تكون حينئذ للتحقيق والتوكيد (بحر) و۵۳ (جن سے نصرتِ الٰہی کی تحقیق وتصدیق آپ کو ہو ہی چکی ہے اس لئے آپ بھی صبر سے کام لیجیے۔ نصرتِ الٰہی کا آپ تک بھی پہنچنا یقینی ہے) كَلِمٰتِ اللّٰهِ۔ سے یہاں مراد اللہ کا وعدۂ نصرت ہے۔ ای مواعيده (کشاف) قال ابن عباس رضی اللہ عنہما ای مواعيد الله (بحر) مِنْ نَّبَاِی۔ میں مِن تبعیض کا ہے۔ ترجمہ کچھ سے کیا گیا ہے۔ من ههنا للتبعيض (کبیر) و۵۴ (اور اس لئے آپ چاہتے ہیں کہ ان کے فرمائشی معجزے بھی کسی نہ کسی طرح پورے ہو کر رہیں) اعراض وہی جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔ و۵۵ مطلب یہ ہوا کہ ہم تو ان کی فرمائشیں بوجہ عدم ضرورت ولزوم ضرور پوری کرنے کے نہیں۔ ہاں آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح مسلمان ہو ہی جائیں تو آپ ہی یہ انتظامات کیجیے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ۔ یعنی آپ کے بس میں ہو تو آپ یہ کر دکھایئے، مقصود اس امر کا اظہار ہے کہ آپ میں ان کافروں کے حال پر شفقت اور ان کے اسلام لے آنے کی حرص اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ آپ کے اختیار میں ہو تو آپ ہر فرمائشی معجزہ کر دکھانے کو تیار ہیں کہ کسی طرح یہ مسلمان ہو تو جائیں۔ فافعل يعنی انک لا تستطيع ذٰلک والمراد بيان حرصه علی اسلام قومه وتهالكه عليه وانه لو استطاع ان ياتيهم باية من تحت الارض اومن فوق السماء لاتٰی بها رجاء ايمانهم (کشاف) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت نص ہے اس باب میں کہ ارادۂ عبد حصول مراد کے لئے قطعی اور لازمی نہیں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ بھی، پھر کسی بزرگ سے متعلق اہل غلو کا یہ عقیدہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ اس کی دعا کا قبول ہونا لازمی ہے۔ و۵۶ یعنی اگر مصالحِ تکوینی کے اعتبار سے ہماری مشیت یہی ہوتی کہ چھوٹے بڑے سب کو بلا استثناء راہ ہدایت ہی دکھا دی جائے تو پھر ایسا ہو ہی نہ جاتا، اس میں مانع کون اور کیا ہو سکتا تھا۔ اور دنیا میں اختلاف مسلک وعقیدہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی۔ طلب معجزات وغیرہ کا کوئی سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔ ای لاراهم اٰية تضطرهم الی الايمان ولكنه اراد عزوجل ان يثيب منهم من اٰمن ومن احسن (قرطبی) و۵۷ (کہ ایسی ان ہونی بات کی توقع کرنے لگیں) مطلب یہ ہوا کہ انسان کو جو اختیار دیا گیا اور ارادہ کی قوت سونپی گئی۔ اس کے معنٰی ہی یہ ہیں کہ روش اختلاف باقی رہے، جبری ہدایت تو اس بنیادی ومرکزی نقطۂ تکوینی ہی کے منافی ہے اور ایسی روشن وبنیادی حقیقت سے بےخبر رہنا عین جہالت ہے۔ والمقصود من تغليظ الخطاب التبعيد والزجر له عن مثل هذه الحالة (کبیر) و۵۸ (کلام حق و پیامِ حق کو، بقصد قبولِ حق) قبولِ حق کی پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ پیامِ حق کو بلا عناد وقصد مخالفت، خلوئے ذہن کے ساتھ سنا تو جائے۔ ای سماع اصغاء وتفهم وارادة الحق (قرطبی) والمراد بالسماع

وَ الْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ قَالُوْا

اور مُردوں کو اللہ چلا کھڑا کرے گا پھر وہ اس کی طرف واپس لائے جائیں گے ۵۹ اور یہ کہتے ہیں کہ

لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ

ان (صاحب) پر کوئی معجزہ ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہ اتارا گیا ۶۰ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ بیشک قادر ہے

عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

(ایسا) معجزہ اتارنے پر، لیکن ان میں سے زیادہ تر ایسے ہیں جو (خود ہی) علم نہیں رکھتے ۶۱

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ

اور جو بھی جانور زمین پر چلنے والا ہے اور جو بھی پرند اپنے دونوں بازوؤں سے اڑنے والا ہے

اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ

وہ سب تمہارے ہی طرح کے گروہ ہیں ہم نے اپنے رجسٹر میں کوئی چیز نہیں چھوڑ رکھی ہے۔

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

پھر یہ (سب) اپنے پروردگار کے پاس جمع کیے جائیں گے ۶۲ اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں

صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ

وہ بہرے اور گونگے ہیں (طرح طرح کی) تاریکیوں میں (گرفتار) اللہ جسے چاہے اُسے بے راہ کردے

وَ مَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ

اور جسے چاہے وہ سیدھی راہ پر لگا دے ۶۳ آپ کہیے

اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ

کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ پڑے یا (قیامت کی) گھڑی آ پڑے،

اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ

تو کیا اللہ کے سوا اور کو پکارو گے (بتاؤ) اگر سچے ہو ۶۴ نہیں بلکہ

سماع الفهم والتدبر (روح) ۵۹ (حساب کے لئے) اس وقت پوری حقیقت کھل کر رہے گی۔ دنیا میں پوری سزا اعراض وانکار کی اگر نہ بھی ملی تو کیا ہوا؟ ۶۰ (ہمارے فرمائشی معجزوں میں سے جو ایمان پر مجبور کردے) یہ فرمائش کرنے والے وہ جاہلی منکرین تھے۔ جن کے نزدیک حقانیت وصداقت کا ثبوت صرف مادی خوارق اور حسی معجزات تھے۔ ملجئة للايمان (روح) كما نقترح (مدارک) اى خارق على مقتضى ما كانوا يريدون ومما يعتنون (ابن کثیر) ۶۱ یعنی علم صحیح سے محروم ہیں اور عقل سلیم سے کام لینا جانتے نہیں۔ یہ اس حقیقت سے بھی خبردار نہیں کہ پیمبر کی تعلیمات صحیح اور ہدایاتِ صادق کے لئے مثلاً عقیدۂ توحید کے لئے عقیدۂ جزا وسزا کے لئے کسی معجزۂ حسی اور خارقِ مادی کی سرے سے ضرورت ہی کیا ہے۔ اور بالفرض ہو تو معجزات تو پہلے سے موجود چلے آتے ہیں۔ پھر ان سے حاصل کیا ہوا جو نئے معجزات طلب کیے جارہے ہیں؟ فرمائشی معجزات طلب کرنے والے پر انجیل میں بھی بڑی لتاڑ آئی ہے۔ ”اس زمانہ کے برے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یونس کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔“ (متی ۱۶:۴) ”پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اسے آزمانے کے لئے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا، اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔“ (مرقس ۸۔۱۱:۱۳) ۶۲ مقصود حکم حشر کی تعمیم ہے سارے خلائق کے لئے۔ اى للجزاء (قرطبی) دل بهذا على ان البهائم تحشر يوم القيامة وهذا قول ابى ذروابى هريرة والحسن وغيرهم (قرطبی) اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ۔ قیامت میں محشور ہونے کے لحاظ سے۔ اى فى الخلق والرزق والموت والبعث والاقتصاص هذا اختيار الزجاج (قرطبی) قيل فى الخلق والموت والبعث (معالم) فى انهم يحشرون والمقصود بيان ان الحشر والبعث كما هو حاصل فى حق الناس فهو ايضاً حاصل فى حق البهائم (کبیر) اراد تعالىٰ انما امثالنا فى انها تحشر يوم القيامة يوصل اليها حقوقها (کبیر) یہ التزام وانتظام جب غیر مکلفین ونیم مکلفین کے لئے ہے تو انسان جو پوری طرح مکلف وذمہ دار ہے کیونکر اس سے بچ سکتا ہے؟ مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ۔ چوپائے، چرند، پرند ہر قسم کے جانور خدائی رجسٹر میں حساب وکتاب کے لئے سب مندرج اور منضبط ہیں۔ الْكِتٰبِ سے مراد لوح محفوظ کا خدائی رجسٹر ہے۔ جس میں جزئی سے جزئی معلومات بھی درج ہیں۔ عن الحسن وقتادة ان المراد بالكتاب الكتاب الذى عند الله تعالىٰ وهو مشتمل على ما كان ويكون وهو اللوح المحفوظ (روح) ۶۳ صُمٌّ۔ یعنی سماع حق سے بہرے۔ بُكْمٌ۔ یعنی کلام حق سے گونگے۔ فِی الظُّلُمٰتِ۔ صیغہ جمع اس لئے کہ ہر اعراض بجائے خود ایک تاریکی ہے۔ اور ہر تاریکی کفر ہے۔ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ۔ مَنْ يَّشَاْ دونوں جگہ قانون مشیت تکوینی کا بیان ہے۔ يُضْلِلْهُ۔ یہ اضلال حق کی طرف سے، بندوں کے اعراض ارادی پر الزاماً مرتب ہوجائے گا۔ ۶۴ (اپنے دعوائے شرک میں) یعنی اگر تم واقعی خلوص دل کے ساتھ دوسرے معبودوں کے بھی قائل ہو۔ تو انتہائی نازک وقتوں پر انہیں کیوں نہیں پکارتے ہو؟ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ۔ اگر تم پر عذاب الٰہی یک بیک آپڑے۔ جیسا کہ پچھلی قوموں پر آچکا ہے۔ مراد عذاب دنیوی کی کوئی شکل ہے۔ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ۔ قیامت آجائے۔ جو مجموعہ ہوگی بہت سی ہولناکیوں کا۔ مراد عذاب آخرت ہے۔ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ۔ کیا کسی غیر اللہ کو بھی انتہائی مصیبتوں کو دور کرنے کو پکاروگے؟

و۶۵ آیت میں مخاطبہ ملحدوں سے نہیں، بلکہ اس نوع کے کافروں سے ہے جو قائل تو ایک صانع عالم کے تھے لیکن اس کے ساتھ اعمال ربوبیت میں دوسروں کو بھی شریک سمجھتے تھے۔ اِنْ شَآءَ۔ یعنی اگر ان مصائب سے نجات دلانا اس کی مشیت تکوینی کے مطابق ہو۔ و۶۶ (اور اپنے کفر وتکذیب سے توبہ کرلیں) یہاں صاف الفاظ میں ابتلاء کی غرض بھی بیان کردی، کہ مقصود اصلی ان سخت دل والوں کے دلوں میں نرمی، انابت وخشیت پیدا کرنا تھا۔ یَتَضَرَّعُوْنَ۔ تضرع کے معنی خشوع وخضوع، انابت ورجوع کے ہیں۔ معنی التضرع التخشع وهو عبارة عن الانقياد وترك التمرد (کبیر) پچھلے صحیفوں میں بھی اس سے ملتا جلتا مضمون ملتا ہے۔ مثلاً: ”خداوند تیرا خدا بیابان کے بیچ پر چالیس برس تجھ کو لئے پھرا تا کہ تجھے عاجز کردے اور تجھے آزماوے۔ اور تیرے دل کی بات دریافت کرے کہ اس کے احکام مانے گا کہ نہیں۔“ (استثناء ۸:۲) بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ۔ بأساء سے مراد فقر وفاقہ وغیرہ مالی مصائب سمجھے گئے ہیں اور ضراء سے بیماری وغیرہ جسمانی مصائب گو اس کے برعکس کا استعمال بھی صحیح ہے۔ ومعنى بالباساء بالمصائب في الاموال والضراء في الابدان هذا قول الاكثر وقد يوضع كل واحد منهما موضع اخر (قرطبی) قال الحسن الباساء شدة الفقر من البئوس والضراء الامراض والاوجاع (کبیر) و۶۷ (بجائے نرم پڑنے کے) ایسے قسی القلب مجرموں کا انجام سابق صحیفوں میں یوں درج ہے:۔ ”وہ جو باوجود بار بار تنبیہ پانے کے سخت گردنی کرتا ہے، ناگہاں برباد کیا جائے گا اور اس کا کوئی چارہ نہ ہوگا۔“ (امثال۔ ۱:۲۹) فَلَوْلَآ...... تَضَرَّعُوْا۔ اور اس تضرع سے ان کا جرم بھی معاف ہو جاتا، فقرہ کے شروع میں لَوْلَآ کے لے آنے سے اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ بجز عناد وقسوت قلب اور خود بینی کے اور کوئی مانع ان کے پاس تضرع سے تھا ہی نہیں، ذكر كلمة لو لا يفيد انه ما كان لهم علر في ترك التضرع الاعنادهم وقسوتهم واعجابهم باعمالهم زينها الشيطان لهم (کبیر) قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ قساوت قلب یہ تھی کہ کفر اور اصرار معاصی پر قائم رہے۔ هي عبارة عن الكفر والاصرار على المعصية (قرطبی) و۶۸ شیطان کا اصلی حربہ یہی تزئین معاصی ہے۔ ہر گندہ سے گندہ فسق ومعصیت میں وہ کوئی نہ کوئی پہلو ظاہری زینت یا فوری لذت کا ضرور دکھا دیتا ہے۔ اور انسان کا کمزور نفس اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ شراب نوشی، سود خواری، حرامکاری سے لے کر آج کی سینما بازی تک میں بھی یہ خصوصیت سب میں مشترک نکلے گی۔ و۶۹ (ہر طرح مایوس ہو کر) یہاں اس حقیقت کا بیان ہے کہ جاہ وثروت، خوشحالی اور اقبال مندی کو صداقت وحقانیت کی دلیل سمجھ لینا تمامتر حماقت وسفاہت ہے:۔ اس کا لازمی تعلق حق وصداقت سے ہرگز نہیں، گو اکثر حالات میں مطیعین اور اہل حق کو یہ دنیوی سربلندیاں بھی بہ طور انعام مل جاتی ہیں۔ نَسُوْا۔ نسیان سے یہاں وہ عدم حافظہ کا عمل مراد نہیں جو غیر اختیاری ہے، بلکہ ترک اختیاری مراد ہے، نسو بمعنى تركوا عن ابن عباس وابن جريج وهو قول ابي علي (قرطبی) مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ۔ یعنی ایمان واطاعت کے مطالبات جو بار بار پیمبروں کی طرف سے پیش ہوتے رہے۔ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ۔ یعنی ہر قسم کے اسباب نعمت انہیں مہیا ہو گئے۔ اي من النعم والخيرات اي كثرنا لهم ذلك (قرطبی) مطلب یہ ہوا کہ پہلے سختیوں میں اور اب آسانیوں میں دونوں طرح ہم نے انہیں رکھ دیکھا کہ اب بھی وہ فطرت سلیم سے کام لے کر کسی طرح راہ حق پر آجائیں۔ وہ کسی طرح بھی نہ آئے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انہی استدراجی نعمتوں کی ایک نظیر اس شخص کا حال ہے جس کا ذوق وحال باوجود معصیت وفسق کے باقی رہے، یہ اس کے حق میں استدراج ہے۔ وہ جاہل اس پر فخر کرتے ہیں کہ دیکھو ہماری نسبت کیسی قوی ہے۔ اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا۔ یعنی دنیوی جاہ وحشمت کی غفلت ومستی میں پڑ کر ان کا کفر خوب بڑھ گیا۔ فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۔ گویا اردو محاورہ میں ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اور وہ غایت یاس میں مبتلا ہو گئے۔ ايسون من كل خير قال الفراء المبلس الذى انقطع رجاءهٗ وقال الزجاج المبلس شديد الحسرة الحزين (کبیر) و۷۰ یعنی اس خدا کے لئے جو محافظ ہے نظام تکوینی کا اور اس سے ہر رخنہ اندازی کو دور کرتا رہتا ہے۔ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ یہ ظلم وہ اپنی جانوں پر بھی کرتے رہے۔ اور نظام کائنات پر بھی۔

اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ

خاص اسی کو پکارو گے، پھر جس (مصیبت کے ہٹانے) کے لئے اُسے پکارتے ہو، وہ چاہے تو اُسے دور بھی کردے

وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ

اور تم اُن سب کو بھول بھال بھی جاؤ جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو و۶۵ اور بلاشبہ ہم نے آپ سے قبل (اور بھی) امتوں

قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

کی طرف (پیمبر) بھیجے پھر ہم نے انہیں تنگدستی اور تکلیف میں مبتلا کیا تاکہ وہ

يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا

ڈھیلے پڑ جائیں و۶۶ سو جب انہیں ہماری طرف سے سزا پہنچی تو وہ کیوں نہ ڈھیلے پڑ گئے

وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا

بلکہ اُن کے دل تو (ویسے ہی) سخت رہے و۶۷ اور جو کچھ وہ کرتے رہے، شیطان اُسے ان کی نظر میں خوشنما کر

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا

دکھاتا رہا و۶۸ پھر جب وہ اس چیز کو جس کی انہیں نصیحت کی جاتی تھی وہ بھلائے رہے تو ہم نے ان پر

عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا

ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ اُس پر جو انہیں ملا تھا اترا گئے

اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ

تو ہم نے اُن کو دفعۃً پکڑ لیا اور وہ دھک سے رہ گئے و۶۹ اس طرح جڑ کاٹ دی گئی

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

ان لوگوں کی جو ظلم کرتے تھے اور ساری حمد اللہ سارے جہانوں کے پروردگار ہی کے لئے ہے و۷۰

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ

آپ کہہ دیجیے کہ اچھا یہ تو بتلاؤ کہ اللہ اگر تمہاری شنوائی اور تمہاری بینائی سلب کرلے

ا۷ (اور جن مقدمات ومبادی سے توحید لازم آتی ہے۔ اُن پر غور ہی نہیں کرتے اور نتیجۂ توحید تک اپنے کو پہنچنے ہی نہیں دیتے ہیں) یَصۡدِفُوۡنَ ۔صدف۔ اعراض کے مرادف ہے۔ای یعرضون عن ابن عباس والحسن ومجاهد وقتادہ والسدی ، یقال صدف عن الشیء اذا اعرض عنه (قرطبی) کَیۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ ۔تصریف آیات یہ کہ انہیں گھما کر بار بار لایا جائے اور مختلف اعتبارات سے پیش کیا جائے۔ وتصریف الأیات الاتیان بها من جهات من اعذار وانذار وترغیب وترهیب ونحو ذٰلک (قرطبی) المراد من تصریف الأیات ایرادها علی الوجوہ المختلفة المتکاثرة بحیث یکون کل واحد منها یقوی ما قبله فی الایصال الی المطلوب (کبیر) اِنۡ اَخَذَ اللّٰهُ سَمۡعَکُمۡ وَاَبۡصَارَکُمۡ ۔یعنی تمہاری سماعت وبصارت سے تمہیں اس طرح محروم کر دے کہ تمہیں نہ کچھ سنائی دے نہ کچھ دکھائی دے۔ ابصار کا جمع ہونا تو ظاہر ہے۔ سمع لفظاً واحد ہے لیکن چونکہ مصدر ہے۔ اس لئے کام جمع کا دے رہا ہے۔ وحد سمعکم لانه مصدر یدل علی الجمع (قرطبی) خَتَمَ عَلٰی قُلُوۡبِکُمۡ ۔تمہارے دلوں پر ایسی مہر کر دے کہ تمہاری عقلیں مخبوط ومعطل ہو جائیں۔ یہ دلوں پر مہر جو تکوینی طور پر لگ جائے اس مہر لگ جانے سے اس کا الگ ہونا ظاہر ہی ہے جو کفر وفسق پر اصرار سے بہ طور نتیجہ طبعی کے

وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوۡبِکُمۡ مَّنۡ اِلٰهٌ غَیۡرُ اللّٰهِ یَاۡتِیۡکُمۡ بِهٖ ؕ

اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو بجز اللہ کے اور کون معبود ہے جو یہ (چیزیں) تمہیں دے دے؟

اُنۡظُرۡ کَیۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ ثُمَّ هُمۡ یَصۡدِفُوۡنَ ﴿۴۶﴾

آپ دیکھئے ہم کس کس طرح دلائل (توحید) بیان کرتے ہیں اور یہ پھر بھی بے رخی کئے ہوئے ہیں و۱۷

قُلۡ اَرَءَیۡتَکُمۡ اِنۡ اَتٰىکُمۡ عَذَابُ اللّٰهِ بَغۡتَةً اَوۡ جَهۡرَةً

آپ کہہ دیجیے کہ اچھا یہ تو بتلاؤ کہ اگر تمہارے اوپر اللہ کا عذاب اچانک یا خبرداری میں آپڑے

هَلۡ یُهۡلَکُ اِلَّا الۡقَوۡمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرۡسِلُ

تو کیا بجز ظالم لوگوں کے کوئی اور بھی ہلاک کیا جائے گا؟ و۲۷ اور ہم پیمبروں کو تو

الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ ۚ فَمَنۡ اٰمَنَ

بشارت دینے والے اور ڈرانے والے ہی کی حیثیت سے بھیجتے ہیں تو جو کوئی بھی ایمان لے آئے

وَاَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۴۸﴾

اور اپنی درستی کر لے تو ان لوگوں کے لئے نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ یہ لوگ غمگین ہوں گے و۳۷

وَالَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّهُمُ الۡعَذَابُ بِمَا کَانُوۡا

اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں انہی کو عذاب لگے گا اس لئے کہ وہ (عبودیت سے) تجاوز کر کر

یَفۡسُقُوۡنَ ﴿۴۹﴾ قُلۡ لَّاۤ اَقُوۡلُ لَکُمۡ عِنۡدِیۡ خَزَآئِنُ

جاتے ہیں و۴۷ آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے

اللّٰهِ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَکُمۡ اِنِّیۡ مَلَکٌ ۚ اِنۡ

ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں و۵۷

اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ؕ قُلۡ هَلۡ یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی

میں تو بس اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس آتی ہے، آپ کہیے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر

لگ جاتی ہے اور جس کا ذکر محرومیٔ ایمان کے سلسلہ میں کئی بار آ چکا ہے۔ یَاۡتِیۡکُمۡ بِهٖ۔بہ میں ضمیر واحد اس مذکور کی جانب ہے جو ابھی اوپر گزر چکا۔ ای باحد هٰذه المذکورات (قرطبی) جوزان یکون راجعًا الی احد هٰذه المذکورات (روح) و۲۷ عذاب الٰہی کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ اس کا شکار صرف مجرمین ہوتے ہیں اور مطیعین اس سے بچا لئے جاتے ہیں۔ حقًا علینا ننج المومنین۔ عَذَابُ اللّٰهِ بَغۡتَةً اَوۡ جَهۡرَةً ۔بَغۡتَةً وہ عذاب ہے جو یک بیک اور اچانک بغیر کسی اطلاع کے آ جائے۔ اور جَهۡرَةً وہ عذاب ہے جو پورے طور پر اظہار علامات کے بعد آئے۔ مقصود کلام یہ ہے کہ کوئی عذاب کسی قسم کا بھی ہو اس کے دفع کرنے کی قوت وقدرت صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔ هٰذا عام فی جمیع انواع العذاب والمعنٰی انه لا دافع لنوع من انواع العذاب الا الله سبحانه (کبیر) ای لا یهلک انتم الا بشرککم والظلم هنا بمعنی الشرک (قرطبی) آیت میں تعلیم اس مضمون کی ہے کہ ہلاکت وبربادی تو بہر حال کافروں ہی کے لئے ہے۔ باقی مومن کے لئے تو خوشحالی اور بدحالی دونوں یکساں نعمت ہی ہیں۔ خوشحالی کا نعمت ہونا تو ظاہر ہی ہے بدحالی بھی اس معنٰی میں نعمت ہے کہ وہ کفارۂ سیئات، یا رفع مراتب کا کام دے گی۔ ذٰلک تنبیه علٰی ان المومن المتقی النقی هو السعید سواء کان فی البلاء اوفی الألاء والنعماء وان الفاسق الکافر هو الشقی کیف دارت قضیته واختلفت احواله (کبیر) و۳۷ (قیامت کے دن) لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اور حزن ماضی پر ہوتا ہے۔ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ یہاں یہ نہیں ارشاد ہوا ہے کہ بہ اقتضائے ایمان، وہ اللہ کا طبعی خوف بھی نہ رکھتے ہوں گے، بلکہ ارشاد صرف یہ ہے کہ واقعۃً ان کے لئے کوئی اندیشہ ناک بات نہ ہوگی۔ وَمَا نُرۡسِلُ...... مُنۡذِرِیۡنَ یعنی پیمبروں کی بعثت کی غرض تمام تر یہ ترغیب وترہیب ہوتی ہے۔ یہ کچھ اپنی پوجا کرانے کے لئے نہیں آتے، نہ اس لئے کہ خارق عادت عجائبات دکھایا کریں۔ والمقصود هنا ان الانبیاء والرسل بعثوا مبشرین ومنذرین ولا قدرة لهم علٰی اظهار الأیات وانزال المعجزات بل ذاک مفوض الی مشیة الله تعالٰی وکلمته وحکمته (کبیر) فَمَنۡ اٰمَنَ وَاَصۡلَحَ ۔ایمان کا تعلق قلب سے ہے، اور اصلاح کا اعضاء ظاہری سے۔ الایمان الذی هو عمل القلب والاصلاح الذی هو عمل الجسد (کبیر) و۴۷ (اور کفر میں جا پڑتے ہیں) یفسقون ای یکفرون (قرطبی) وَالَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ۔یعنی ان کا عمل تکذیب پیمبروں کی اسی تبشیر وانذار کے بعد بھی جاری ہے۔ آیات کے تحت میں قرآن مجید اور معجزات نبوی دونوں داخل ہیں۔ ای بالقراٰن والمعجزات (قرطبی) یَمَسُّهُمُ الۡعَذَابُ ۔یہ عذاب عام ہے۔ خواہ دنیا میں ہو، خواہ آخرت میں۔ یہ وعید انہی فاسقین کے لئے ہے جو ساتھ ہی آیات اللہ کے مکذبین میں سے بھی ہوں۔ و۵۷ (کہ لوازم بشریت سے منزہ ہوں) قُلۡ لَّاۤ اَقُوۡلُ لَکُمۡ عِنۡدِیۡ خَزَآئِنُ اللّٰهِ ۔یعنی نہ میری ملک وقدرت کامل کہ جس کو جو چاہوں عطا کر دوں۔ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ ۔اور نہ میرا علم کامل ومحیط کہ وہ خاصۂ حق تعالیٰ ہے۔ آیت کے ان تین فقروں میں مشرکوں کے تین عقیدوں کا رد تو ظاہر ہی ہے لیکن اس کے علاوہ مسیحیت کا رد بھی اس میں آ گیا ہے۔ جس نے مسیح علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ کا ہم پلہ وہمسر بنا کر پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں اناجیل رائج الوقت کی چند آیتیں:۔ "باپ بیٹے سے محبت رکھتا ہے۔ اور اس نے سب چیزیں اس کے ہاتھ میں دے دی ہیں۔" (یوحنا ۳:۳۶) "میں اور باپ ایک ہیں۔" (یوحنا۔۱۰:۳۰) "جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے۔" (یوحنا۔۱۶:۱۵) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں پیمبر کے لئے اثبات کیا گیا ہے دو صفات کا۔ پہلا اثبات عبدیت کا، جس کے لوازم میں امتثال امر اور اتباع وحی ہے، دوسرا اثبات بشریت کا، جس کے لوازم میں اکل وشرب، خوف ورجاء ہے۔ اسی طرح دو صفات کی نفی ہے۔ پہلی نفی عبد سے خواص

وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۵۰ وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ

ہو سکتے ہیں؟ تو کیا تم غور نہیں کرتے ف۷۶ اور آپ اس (وحی شدہ قرآن) کے ذریعہ سے انہیں ڈرایئے

يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ

جو اندیشہ رکھتے ہیں اس امر کا کہ وہ اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائیں گے اس حال میں کہ ان کے حق میں

دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۵۱ وَلَا تَطْرُدِ

نہ کوئی مددگار ہو گا نہ کوئی شفیع، شاید کہ وہ ڈرنے لگیں ف۷۷ اور ان لوگوں کو نہ نکالئے

الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ

جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں ف۷۸ خاص اسی کی رضا کا قصد

وَجْهَهٗ ۭ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا

کرتے ہوئے آپ کے ذمہ ان کا حساب ذرا بھی نہیں، اور نہ اُن کے ذمہ آپ کا ذرا بھی

مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ

حساب ہے جس سے آپ انہیں نکالنے لگیں اور آپ کا شمار بے انصافوں میں

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۲ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

ہو جائے ف۷۹ اور اس طرح ہم نے اُن میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے

لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ

جس سے یہ لوگ کہیں گے کہ کیا یہی لوگ ہمارے درمیان میں سے ہیں جن پر

اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝۵۳ وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ

اللہ نے اپنا فضل کیا ہے؟ ف۸۰ کیا اللہ شکر گزاروں سے خوب واقف نہیں؟ ف۸۱ اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں

يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ

جو ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہو، تمہارے پروردگار نے

ف۷۶ (جو اتنی موٹی سی بات تمہاری سمجھ میں آجائے کہ کہیں نورِ وحی سے منور، صاحب بصیرت اور کہیں فیضانِ نور سے محروم، بے بصر دونوں برابر ہو سکتے ہیں) اَلْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۔ سے مراد کافر و مومن ہیں۔ ای الکافر والمومن عن مجاهد (قرطبی) اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۔ یہ ہے ایک مختصر سے فقرہ میں ساری حقیقت نبوت و رسالت کی، صاحب وحی کا ہر قدم وحی الٰہی کی ہی روشنی میں اٹھتا ہے۔ اور نبی تمامتر وحی الٰہی ہی کا اتباع کرتا رہتا ہے۔۔۔۔۔ نبی کو شریعت میں جو معصوم مانا گیا۔ وہ تمامتر فرع ہے اسی اصل کی، جب رسول اپنے سارے فرائض رسالت میں احکام الٰہی کا پیرو ہو گیا تو اس میں خطا و غلطی کا امکان ہی کہاں باقی رہ گیا؟ آیت سے یہ مراد نہیں کہ پیمبر اجتہاد سے محروم ہوتا ہے، اجتہاد و قیاس شرعی کے موقع جب امتیوں کے لئے ہیں تو پیمبر کے لئے تو بدرجہا زاید ہیں، مراد صرف یہ ہے کہ جو امور قابل اجتہاد نہیں، وہاں تمامتر وحی الٰہی ہی پیمبر کی زندگی کی رہنمائی کرتی رہتی ہے۔ ف۷۷ (اور ایمان و طاعت کی راہ اختیار کرلیں) اَلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا ۔ پیمبر اپنا وعظ سناتا تو سب کو ہے لیکن اس سے نفع اندوز بس وہی ہوتے ہیں، جن کے دلوں میں خوفِ خدا و خوفِ عاقبت کسی درجہ میں موجود ہوتا ہے، یا جن کا ضمیر کسی حد تک زندہ ہوتا ہے۔ خص فی هذه الاٰية اللذين يخافون الحشر لان انتفاعهم بذٰلك الانذار اكمل بسبب ان خوفهم يحملهم على اعداد الزاد ليوم المعاد (کبیر) لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۔ کہ شاید آپ کے موعظہ سے متاثر ہو کر وہ پوری طرح راہ ہدایت پا جائیں راہ ایمان پر ثابت قدم ہو جائیں۔ ای فی المستقبل و هو الثبات على الايمان (قرطبی) وَاَنْذِرْ بِهِ ۔ ضمیر اُس وحی کی جانب ہے، جس کا ذکر ابھی آچکا ہے۔ والضمير لما يوحى الى (بیضاوی) ای انذر بما اوحى اليك (بحر) ای بالقراٰن (قرطبی) قال ابن عباس والزجاج بالقراٰن (کبیر) انذار یوں تو پیمبر کے ذمہ مطلق و عام صورت میں بھی واجب ہے لیکن یہاں مقصود انذار خاص ہے۔ جو وہیں ہوتا ہے جہاں نفع معتدبہ متوقع ہوتا ہے۔ انذار کے معنی یہاں اعلام بھی کئے گئے ہیں۔ الانذار الاعلام (قرطبی) الانذار الاعلام بموضع المخافة (کبیر) وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۔ یہ غیر اللہ کے متعلق دستگیری یا شفاعت کا عقیدہ، بہت زائد پھیلا ہوا تھا۔ اور مشرکین کے علاوہ یہود و نصاریٰ تک میں عام تھا، اسی لئے اس کی تردید بار بار اور شد و مد سے آئی ہے۔ اس سے اس شفاعت کی نفی نہیں ہوتی جو اہل سنت کے نزدیک انبیاء و ملائکہ و صالحین کی طرف سے ثابت ہے، اس لئے کہ یہ شفاعت مستقلاً و اصالۃً نہیں بلکہ حق تعالیٰ ہی کی طرف سے نیابۃً ہوگی ـــــ مِنْ دُوْنِهٖ اور الا باذنه کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قوله ليس لهم من ولى ولا شفيع لانها فى ملهبنا فى اثبات الشفاعة للمومنين لان شفاعة الملائكة والرسل للمومنين انما تكون باذن الله فكلما كانت تلك الشفاعة باذن الله كانت فى الحقيقة من الله تعالىٰ (کبیر) اِلٰى رَبِّهِمْ ۔ یہ مطلب نہیں کہ حق تعالیٰ کسی سمت و جہت میں قائم ہیں اور حشر وہاں ہوگا بلکہ مراد صرف وہ مقام ہے جو پروردگار نے خلق کے اجتماع اور فیصلہ کیلئے مقرر کیا ہے۔ المراد المكان الذى جعله ربهم لاجتماعهم وقضائهم (کبیر) المراد الحشر الى المكان الذى جعله عزوجل محلًا لاجتماعهم وللقضاء عليهم (روح) ف۷۸ یعنی دن رات اپنے فرائض میں لگے رہتے ہیں جانباز سپاہی کی طرح ہر وقت اپنی ڈیوٹی پر حاضر رہتے ہیں۔ الغداوة والعشى سے صبح و شام کے متعین ہی اوقات مراد نہیں بلکہ دوام مراد ہے۔ ذكر هذين القسمين تنبيها على كونهم مواظبين على الصلوات الخمس (کبیر) المراد بذكر الغداوة والعشى الدوام (کشاف) المراد بهما ههنا الدوام (روح) يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ ۔ کے تحت میں عبادت الٰہی اور ہر قسم کے فرائض آگئے۔ المراد بالدعاء المحافظة على الصلوٰة المكتوبة فى الجماعة قال ابن عباس و مجاهد والحسن (قرطبی) يواصلون دعاء ربهم اى عبادته و يواظبون عليها (کشاف) وَلَا تَطْرُدِ ۔ یعنی اپنی مجلس سے نہ نکالیے۔ عرب جاہلیت خصوصاً قریش کے امراء و رؤساء اسی طرح طبقاتی کبر و نخوت میں مبتلا تھے۔ جس کی مثالوں سے آج یورپ بھرا پڑا ہے وہ اپنے عوام کے ساتھ ایک مجلس میں نشست کے روادار نہ تھے چہ جائیکہ ایسے مجمع میں جس میں غیر عرب حبشی وغیرہ اور پھر ان میں بھی غلام تک ہوں، انہی رئیسوں اور سرداروں نے اس مصلح اعظم ﷺ کے ہاں کہلا بھیجا کہ ان عوام و اجلاف کو اپنے پاس سے ہٹایئے تو ہم لوگوں کے لیے گنجائش نکلے قرآن کو ان شعائر جاہلیت پر تو ضرب کاری ہی لگانا مقصود تھی۔ جواب ان آیات کے ذریعہ عطا ہوا۔ ف۷۹ یعنی مطیعین اور فرمانبرداروں کو بلا عذر اپنی مجلس سے محروم کر دینا سخت ناانصافی کا برتاؤ ہے۔ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۔ یعنی یہ اطاعت و عبادت بھی تمامتر اخلاص کے رنگ سے رنگین ہے۔ يخلصون نياتهم فى عبادتهم (بحر) اى طاعته والاخلاص فيها (قرطبی) اى مخلصين له سبحانه فيه (روح) وَجْهَهٗ سے محاورہ میں مراد کسی شی کی ذات یا حقیقت ہی ہوتی ہے یا پھر عظمت و تعظیم مقصود ہوتی ہے۔ الوجه يعبر به عن ذات الشئ و حقيقته (کشاف) يذكرون لفظ الوجه للتعظيم كما يقال هذا وجه الراى و هذا وجه الدليل (کبیر) حسابهم حسابك حساب سے مراد باطن کی تفتیش سے لی گئی ہے۔ یعنی جس طرح اُن کے باطن کی تفتیش آپ کے ذمہ ذرا بھی نہیں۔ اسی طرح آپ کے باطن کی تفتیش اُن کے ذمہ بھی نہیں، مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں مریدین کے ہی بعض حقوق کا بیان ہے کہ انہیں بلا مصلحت اپنے پاس سے مطرود نہ کریئے۔ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۔ پہلا مِنْ تبعیض کے لیے ہے اور دوسرا مِنْ زور و تاکید کے لیے ہے۔ من الاولى للتبعيض و الثانية زائدة للتوكيد (قرطبی) فقہاء نے آیت اور اس کے ہم مفہوم احادیث سے یہ استنباط کیا ہے کہ کسی شخص کی عزت و تعظیم اس کی خوش غلافی کی بنا پر اور کسی کی تحقیر اس کی بدلباسی کی بنا پر کرنا دونوں ناجائز ہیں ۔۔۔ و قد حصل من فوق الاٰية والحديث

عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا

اپنے اُوپر رحمت لازم کر رکھی ہے، و۸۲ بیشک تم میں سے جو کوئی نادانی سے برائی

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ

کر بیٹھے پھر وہ اُس کے بعد توبہ کرلے اور اپنی حالت درست کرلے، تو وہ بڑا مغفرت والا ہے،

رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ

بڑا رحمت والا ہے و۸۳ اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے رہتے ہیں نشانیوں کو تاکہ مجرموں کا طریقہ

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ

واضح ہوکر رہے و۸۴ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں اُن کی عبادت کروں

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَاۗءَكُمْ ۙ

جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے رہتے ہو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہشوں کی پیروی نہ کروں گا،

قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّيْ

ورنہ میں بھی بے راہ ہوجاؤں گا، اور راہ پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا و۸۵ آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس

عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ۭ مَا عِنْدِيْ

تو دلیل ہے میرے پروردگار کی طرف سے اور تم اُسی کو جھٹلاتے ہو جس چیز کا تم تقاضا کررہے ہو

مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقُصُّ

وہ میرے پاس نہیں و۸۶ حکم (تو اور کسی کا) نہیں بجز اللہ کے وہی حق کو بتلاتا

الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ

ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے و۸۷ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی

مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ

جس کا تم تقاضا کررہے ہو تو (اب تک) میرے تمہارے درمیان قصہ فیصل ہو چکا ہوتا،

ع ۵ ۱۲

النهي عن ان يعظم احد لجاهه و لثوبه و عن ان يحتقر احد لخموله و لرثاثة ثوبه (قرطبی) و۸۰ شروع میں اسلام کے ماننے والوں میں ضعفاء وغرباء کثرت سے تھے۔ سرکش وشریرالطبع قریش ان بیچاروں کو دیکھ دیکھ کر طنز وتعریض سے کہتے تھے کہ "اجی ان لوگوں کی بدحالی دیکھو، یہ تو اپنے دین کو اللہ کی نعمت بتاتے ہیں تو کیا یہی بدحالی اللہ کی نعمت ہے؟" وَكَذٰلِكَ یعنی امارت وافلاس کے درمیان فرق قائم کر کے۔ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ۔ یعنی خوشحال کافروں کو بدحال مومنوں کے ذریعہ سے۔ المفتون بالغنى والفقر او بالشرف والوضاعة والقوة والضعف (بحر) لِّيَقُوْلُوْٓا۔ میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی امارت وافلاس کی اس طبقاتی تقسیم سے ایک مقصود تکوینی امتحان بھی ہے۔ یہ کہنے والے امراء و رؤساتھے۔ اور جن لوگوں کی طرف اشارہ تھا، وہ ضعفاء وفقراء تھے۔ يعنى الاشراف والاغنياء و هٰؤلاء يعنى الضعفاء والفقراء (قرطبی) و۸۱ (چنانچہ ان غریبوں، مسکینوں نے حق کو پہچانا اور قدر کی۔ انہیں دولت ایمان سے سرافراز کردیا گیا، رؤساء وامراء قریش کفران وانکار میں لگے رہے۔ قسمت سے محروم رہ گئے) و۸۲ رحمت وشفقت کل کائنات کے لیے عمومی اور مطیعین ومومنین کے لیے خصوصی، اور اس قانونِ رحمت کی ایک دفعہ یہ ہے، جو ابھی بیان ہورہی ہے۔ كَتَبَ۔ یہاں اوجب کے مرادف ہے یعنی حق تعالیٰ نے اپنے اُوپر محض اپنے فضل وکرم سے بلاکسی کے توسط کے لازم یا واجب کرلیا ہے۔ اى اوجب ذٰلك بخبره الصدق و وعده الحق (قرطبی) اى اوجبها علىٰ ذاته المقدسة تفضلاً و احسانا بالذات لابتوسط شئ اصلا (روح) کتب میں خود ہی وجوب موجود ہے اور پھر جب علیٰ اس کے ساتھ آ گیا تو تاکید اور دہری ہوگئی۔ كتب كذا علىٰ فلانٍ يفيد الايجاب و كلمة علىٰ ايضاً تفيد الايجاب و مجموعهما بالغة فى الايجاب (کبیر) علیٰ نفسہٖ۔ نفس سے مراد یہاں ذات وحقیقت ہے نہ کہ جسم۔ النفس ههنا بمعنى الذات و الحقيقة و اما بمعنى الجسم والدم فالله سبحانه و تعالىٰ مقدس عنه (کبیر) معناه وعدكم بالرحمة وعدًا مؤكدًا (مدارک) سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ۔ السلام علیکم تو مسلمانوں کے ہاں کا اصطلاحی سلام بھی ہے ہر دُوسرے فرقہ اور قوم کے طریق سلام وتحیت سے ممتاز، نہ ڈنڈوت نہ پالاگن، نہ گڈمارننگ نہ "جے رام جی کی" نہ "نمستے" نہ "آداب وبندگی" بلکہ صرف دعائے رحمت کہ اللہ ہر طرح فلاح وسلامتی نصیب رکھے...... وہ جامع وبے نظیر دعا جو ہر موقع پر، ہر مرتبہ اور ہر سن کے انسان کو دن اور رات کے ہر وقت بلاتکلف دی جاسکتی ہے۔ اور یہاں سیاق میں سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ کے معنی ہوں گے کہ اللہ تمہیں اُن تمام خرابیوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھے جو کفر وانکار کے لازمی نتیجہ کے طور پر دنیا اور آخرت میں پیش آئیں۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ایک جامع ترین دعاء ہے جس میں دنیوی اور اُخروی ہر قسم کی سلامتی آ گئی۔ معناه سلمكم الله فى دينكم و انفسكم (قرطبی) يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا۔ آیات سے مراد یہاں آیاتِ قرآنی بھی ہوسکتی ہیں اور دلائل بھی۔ والمراد بالآيات الآيات القرانية۔ او الحجج مطلقاً (روح) فخر المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حسب معمول یہاں بھی غایت نکتہ رسی سے کام لیا ہے، ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے سب پر اطلاق آیت اللہ کا ہوسکتا ہے۔ وہ سب آیات یا اُس کی ذات و وجود کی ہیں یا اُس کی وحدانیت کی اور یا اُس کی صفاتِ عالیہ کی۔ اور اس معنی میں آیاتِ الٰہی کی کوئی انتہاء نہیں۔ ہر شخص جو معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے اسے آیات کے کسی نہ کسی حصہ ہی پر قناعت کرنا ہوتی ہے۔ کل آیاتِ الٰہی کا احاطہ حد بشر سے باہر ہے اور بندہ کی ترقی کی کوئی انتہا ہی اس طریق معرفت کے لحاظ سے نہیں، وہ برابر ترقی ہی کرتا جائے گا، تو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ملتا ہے کہ جس بندہ میں یہ صفت دیکھو اسے سلامتی کی بشارت پہنچادو۔ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔ دوسری آیتوں کی طرح اس آیت سے بھی ثابت ہوگیا کہ ذات باری تعالیٰ کے لئے نفس کا استعمال جائز ہے۔ دلت هذه الأية علىٰ انه لا يمتنع تسمية ذات الله تعالىٰ بالنفس (کبیر) و۸۳ چنانچہ وہ شان غفر کے تقاضا سے معاصی کی لغوتوں سے بھی بچالے گا۔ اور شان رحمت کے تقاضا سے مزید نعمتوں سے بھی سرفراز کرے گا۔ غفورٌ بسبب ازالة العقاب رحيمٌ بسبب ايصال الثواب (کبیر) مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ۔ یعنی بدعملی کا وقوع اگر وقتی غلبہ نفس سے جہل وغفلت کی بناء پر ہوجائے۔ تَابَ وَاَصْلَحَ۔ یعنی وقوع معصیت کے بعد نفس کو اس پر تنبیہ ہوجائے۔ اور اپنے امکان بھر ایک طرف ماضی کے کفارہ اور دوسری طرف حال ومستقبل میں بچنے کا اہتمام کرلیا جائے۔ تاب اشارة الى الندم على الماضى واصلح اشارة الى كونه اتيا بالاعمال الصّالحة فى الزمان المستقبل (کبیر) و۸۴ (اور اس سے مومنین صادقین کا طریقہ بھی ممتاز ہوکر خود بخود واضح ہوجائے گا) والحق والباطل لا واسطة بينهما فمتى استبانت طريقة المجرمين فقد استبانت طريقة المحققين ايضا لا محالة (کبیر) كَذٰلِكَ۔ یعنی جیسے اسی سورۃ میں ہم اور بھی دلائل مشرکین کے خلاف کھول کر بیان کرچکے ہیں۔ اى كما فصلنا لك فى هذه السورة دلائلنا ومحاجتنا مع المشركين (قرطبی) كما فصلنا لك فى هذه السورة دلائلنا علىٰ صحة التوحيد والنبوة والقضاء والقدر (کبیر) الْاٰيٰتِ۔ یعنی وہ احکام ودلائل جن کی ضرورت اقامت دین اور مقابلہ اہل باطل کے لئے مومنین کو پڑ سکتی ہے۔ اى فى كل ما تحتاجون اليه من امر الدين وتبين لكم ادلتنا وحججنا فى كل حق ينكره اهل الباطل (قرطبی) نميز ونفصل لك دلائلنا وحججنا فى تقرير كل حق ينكره اهل الباطل (کبیر) و۸۵ آیت سے خدائی قانون کی ہر جہتی ہمہ گیری اور اس کے مقابلہ میں بندوں کی عقل آرائیوں کی انتہائی پستی وگندگی دونوں پر یکساں روشنی پڑ جاتی ہے۔ رسول جو پاک نفسوں اور قدسی سرشتوں کے سردار ہیں، ان تک کی زبان سے کہلوایا جارہا ہے کہ تمہارے قاعدے اور ضابطے تمہاری عبادتیں اور پوجاپاٹ اس درجہ گندے ہیں کہ میں ان کی پیروی کرنے لگوں تو

اپنے مرتبہ سے کہیں گر جاؤں اور خود میرا شمار گمراہوں میں ہونے لگے۔ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ یعنی تمہارے خودساختہ اور تراشیدہ معبود۔ ای تدعو نهم فی امهات امورکم علی جهة العبادة اراد بذلک الاصنام (قرطبی) اَهْوَآءَكُمْ۔ هوٰی کا لفظ بہت عام ہے وحی الٰہی کے مقابلہ میں جو بھی ”عقل آرائی“ کام میں لائی جائے گی، اس کا شمار ہوائے نفس میں ہوگا۔ ف۸۶ یعنی عذاب الٰہی۔ ای العذاب (قرطبی) مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ۔ یعنی مجھ میں اس عذاب کے جلد یا بدیر لانے کی قدرت کہاں؟ لا قدرة لی علی تقديمه او تاخيره (کبیر) منکرین طنز کے لہجہ میں رسول اللہ ﷺ سے بار بار کہتے تھے کہ سچے ہو تو ہم پر عذاب الٰہی لا دکھاؤ، یہ جواب اسی بیہودہ فرمائش کا دیا جا رہا ہے۔ فانهم كانوا لفرط تكذيبهم يستعجلون نزوله استهزاء (قرطبی) عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ۔ سب سے بڑا بینۃ یہی قرآن مجید ہے جو دنیا کا عظیم ترین دائمی و مستقل معجزہ ہے۔ اپنی تعلیمات کے لحاظ سے جامع و کامل، اپنی ہدایت و احکام کے لحاظ سے بے مثل، اور اپنی انشاء و طرز بیان کے لحاظ سے بھی اپنا نظیر آپ ای علی حجة من جهة ربی وهی القران (کشاف) بینة کا صیغہ نکرہ تنوین کے ساتھ اظہار عظمت کے لئے ہے۔ یعنی بہت بڑی دلیل۔ التنوين للتفخيم ای بينة جليل الشان (روح) وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ۔ یعنی تمہارا حال یہ ہے کہ تم ایسی صاف روشنی کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہو، بِهٖ ضمیر مذکر البینۃ کی جانب ہے، اس کے معنی بیان، یا اس کے مفہوم و مراد ”قرآن“ کے لحاظ سے۔ ای بالبينة لانها فی معنی البیان وقیل بالفرقان (قرطبی) ذكر الضمير علی تاویل البیان او القران (کشاف) ای ما جئت به (معالم) بینۃ کے اصل معنی بیان کے ہیں، اور بیان وتوضیح کے معنی میں یہ محاورہ عربی لغت میں عام ہے۔ ای انی علی بیان وبينة وبرهان قد وضح لی من ربی و كذلك تقول العرب فلان العرب فلان علی بينة من هذا الامر اذا كان علی بيان منه (ابن جریر) ای علی بیان وبصيرة وبرهان (معالم) ف۸۷ (چنانچہ اپنی حکمت مطلقہ کے مطابق وہ صحیح و مناسب وقت پر اپنا عمل اور ناطق فیصلہ بھی صادر فرما دے گا) والمراد ان ذلک العذاب ينزله الله فی الوقت الذی اراد انزاله فيه (کبیر) يَقُصُّ الْحَقَّ۔ اللہ ہی حق کو بتلاتا ہے چنانچہ اس وقت بھی اس نے حق کو روشن دلائل کے ساتھ قرآن کی صورت میں پیش کر دیا۔ ای یحکم بالحق بدلیل (معالم) اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ یعنی اختیار و حکومت تو تمامتر اللہ کی ہے۔ کائنات میں حاکمانہ تصرف صرف وہی کر سکتا ہے۔ میں عذاب اپنے ارادہ و اختیار سے کب لا سکتا ہوں اس کا انحصار تو ارادۂ الٰہی پر ہے۔ ای فی تاخیر العذاب وتعجيله (قرطبی) ای فی تاخیر عذابکم (کشاف) والمراد ههنا ان الحكم الا لله فقط فی تاخیر عذابهم (کبیر) فمعنى الكلام اذا ما الحكم فی ما تستعجلون به ايها المشركون من عذاب الله فی ما بینی وبینکم الا لله (ابن جریر) انما ای یرجع امر ذلک الی الله ان شاء عجل لكم ما سالتموه من ذلک وان شاء انظركم واجلكم (ابن کثیر) آیت کے اس جزء کو فرقۂ خوارج نے بار بار پیش کیا ہے اور اس سے اپنا بڑا کام نکالنا چاہا ہے یہاں تک کہ خلیفہ راشد و برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت اسی آیت کو پیش کر کر کے پھیلائی تھی، اور آج بھی ایک گروہ ہر انسانی، مادی حکومت کو اسی آیت کے ماتحت ”غیر اسلامی“ حکومت قرار دے کر اس سے کسی قسم کا تعاون ناجائز بلکہ حرام ٹھہرا رہا ہے۔ سیاق قرآنی پر ادنیٰ غور و تامل سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ آیت کو اس بحث سے ذرا بھی تعلق نہیں۔ سیاق تمامتر حکومت تکوینی و ارسال آیات و معجزات کا ہے۔ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ۔ یعنی احقاق حق کے واسطے اس عذاب کو میں اب تک نازل کرا چکا ہوتا۔ ای من العذاب لا نزلت بكم حتى ينقضی الامر الی اخره (قرطبی) لاهلكتكم عاجلا غضبا لربی (کشاف) لا وقعت لكم ما تستحقونه من ذلک (ابن کثیر) اس فقرے نے اور زیادہ صاف کر دیا کہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ سے مراد حکومت تکوینی ہی تھی۔ ف۸۸ اور وہی سارا فیصلہ کرے گا جو جس کے مناسب حال و قرین حکمت ہو، خواہ عذاب دنیوی ہو یا اخروی) الله اعلم بالظلمين وبما يجب فی الحكمة من وقت عقابهم ومقداره (کبیر) یعنی انه هو العالم بكل شیء فهو يعجل ما تعجيله اصلح ويؤخر ما تاخيره اصلح (کبیر) عِنْدِيْ۔ یعنی میرے قبضہ و اختیار میں۔ ای فی قدرتی (کشاف) ای فی قدرتی وامکانی (کبیر) ای لو کان مرجع ذلک الیّ (ابن کثیر) ف۸۹ یعنی قدرت کاملہ تو الگ رہی، علم کامل بھی بجز اللہ کے کسی کو حاصل نہیں، مشرکوں اور نیم مشرکوں کو حیات، قدرت، علم انہی تینوں صفات میں سخت ٹھوکریں لگی ہیں۔ قرآن مجید بھی اسی لئے انہی تینوں صفات کے بارہ میں کثرت تکرار و تاکید کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ۔ تو وہی جب اور جس قدر چاہے، جس چیز کو ظہور میں لے آئے۔ مَفَاتِحُ۔ جمع مفتح (بالفتح) کی بھی ہے اور مِفتح (بالکسر) کی بھی۔ مَفتح کے معنی خزانہ کے مسلم ہیں۔ مِفتح کے لفظی معنی کنجی کے ہیں لیکن مراد اس سے بھی یہاں وسائل و اسباب ہی سے ہوگی۔ غرض معنی خواہ یہ لئے جائیں کہ غیب کے خزانے اس کے ہاتھ میں ہیں یا غیب کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں، مراد دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے کہ غیب کا مالک صرف وہی ہے۔ اراد انه هو التوصل الی المغيبات وحده لا يتوصل اليها غيره (کشاف) لفظ المفاتیح يمكن ان يكون المراد منه المفاتيح ويمكن ان يراد منه الخزائن (کبیر) ف۹۰ یعنی لوح محفوظ میں، جو علم الٰہی ہی کی متشکل صورت کا نام ہے۔ یا کتاب مبین سے مجرد علم الٰہی ہی مراد لیا جائے اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔ الكتاب المبين علم الله تعالی او اللوح (کشاف) ذلک الكتاب المبين هو علم الله تعالی و لا غير و هذا هو الاصوب (کبیر) الا هو مثبت فی اللوح المحفوظ (ابن جریر) مختلف مثالوں کے ذریعہ سے بتایا ہے کہ اللہ کا علم جزئیات کلیات ہر شے پر محیط ہے۔ اس میں رد آ گیا

وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو ف۸۸ اور اس کے پاس ہیں غیب کے خزانے،

لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ

انہیں بجز اُس کے کوئی نہیں جانتا ف۸۹ اور وہی جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے،

وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ

اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر یہ کہ وہ اسے جانتا ہے اور کوئی دانہ

ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ

زمین کی تاریکیوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز مگر (یہ کہ یہ سب) روشن کتاب

مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ

میں (موجود) ہیں ف۹۰ وہ وہی تو ہے جو رات میں تمہیں وفات دے دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں

مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى

کرتے رہتے ہو اسے جانتا ہے پھر تمہیں اس سے جگا دیتا ہے کہ میعادِ معین تمام

اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا

کر دی جائے ف۹۱ پھر اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے پھر وہ بتا دے گا جو کچھ تم

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ

کرتے رہتے تھے ف۹۲ اور وہ غالب ہے اپنے بندوں کے اُوپر

ع ۱۳

وَ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ

اور وہ تمہارے اوپر نگران (فرشتے) بھیجتا ہے ف۹۳ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو

الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَ هُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا

موت آجاتی ہے تو اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتہ) قبض کر لیتے ہیں، اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے پھر وہ (سب)

اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ

واپس لائے جائیں گے اپنے مالک حقیقی کے پاس۔ وا۹ سن رکھو کہ فیصلہ اسی کا ہوگا اور وہ بہت ہی جلد

الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ

حساب لے لے گا وا۹۵ آپ کہیے کہ تمہیں کون نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کی

وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا

تاریکیوں سے (اور) اسے تم پکارتے رہتے ہو عاجزی سے اور چپکے چپکے کہ اگر وہ ہمیں نجات دے دے

مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ

ان (مصیبتوں) سے تو ہم یقیناً شکر گزاروں میں (داخل) ہو کر رہیں وا۹۶ آپ کہہ دیجیے اللہ ہی

يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾

تمہیں نجات دیتا ہے ان سے اور ہر غم سے، اس کے بعد بھی تم شرک کرنے لگتے ہو وا۹۷

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ

آپ کہہ دیجیے کہ وہ (اس پر بھی) قادر ہے کہ تمہارے اوپر کوئی عذاب مسلط کر دے

فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا

تمہارے اوپر سے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے یا تمہیں گروہ گروہ کر کے بھڑا دے

وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ

اور تمہیں ایک دوسرے کو لڑائی (کا مزہ) چکھا دے آپ دیکھئے ہم کس کس طرح دلائل کو الٹ پھیر

الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ

کر بیان کرتے ہیں شاید کہ وہ لوگ سمجھ جائیں وا۹۸ اور آپ کی قوم نے اس کی تکذیب کی ہے

وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ

درآنحالیکہ وہ برحق ہے، آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہارے اوپر کچھ داروغہ تو ہوں نہیں وا۹۹ ہر خبر (کے وقوع) کا

ان مشرک فلاسفہ کا جو علم الٰہی کو صرف کلیات پر محدود مانتے ہیں۔ آیت کی اہمیت ومعنویت جب ہی پوری طرح سمجھ میں آسکتی ہے جب مشرک قوموں کے ان عقائد کا پوری طرح علم ہو۔ وا۹۱ یعنی میعاد معین تمہاری عمر کی، اسی طرح بیداری وخواب کے دوران سے، پوری کردی جائے! اے انسانو! اجل مسمّٰی ای اعمار کم المکتوبة و معنی القضاء فصل الامر علی سبیل التمام و معنی قضاء الاجل فصل مدة العمر من غیرها بالموت (کبیر) ای یستوفی کل انسان اجلاً ضرب له (قرطبی) بِالَّیْلِ۔ یعنی سونے کے وقت جو عموماً وعادۃً (نہ کہ کلیۃً ولازماً) رات ہی کا ہوتا ہے۔ عنی النوم (ابن جریر۔ عن السدی) وتخصیص التوفی باللیل والجرح بالنهار للجری علی السنن المعتاد والا فقد یعکس (روح) محاورۂ قرآنی میں ایسی مثالیں شاذ تھیں۔ یَتَوَفّٰىكُمْ۔ یعنی تمہاری روح نفسیاتی کو جس سے احساس وادراک متعلق ہیں معطل کر دیتا ہے یا اسے قبض کر لیتا ہے۔ جدید نفسیات کی اصطلاحی بولی میں، تمہارے شعور کو باطل کر دیتا ہے۔ فیتو فی الفسکم التی بها تقدرون علی الادراک والتمییز (کبیر) لا تخرج منه الروح ولکن یخرج منه الذهن (قرطبی) ایک جدید فرقہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت قرآن مجید کے الفاظ متوفیک اور توفیتنی سے ثابت کرنی چاہی ہے۔ وہ علاوہ دوسرے قطعی دلائل کے یہاں یَتَوَفّٰىكُمْ کے استعمال میں بھی اپنا رد دیکھ لے۔ بِالنَّهَارِ۔ یعنی بیداری میں جب شعور پوری طرح کام کرتا ہوتا ہے۔ وا۹۲ (دنیا میں اور اسی کے مناسب جزا سزا جاری کرے گا) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ موت وبعثت مجازی کے کرشمہ تو تمہیں رات دن، خواب وبیداری کے ذریعہ سے دکھاتا ہی رہتا ہے۔ ایسے کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ تمہیں آخری طور پر موت دے کر پھر حشر میں اٹھا کھڑا کرے۔ اَجَلٌ مُّسَمًّى۔ ہر شخص کی مدت عمر۔ معین لکل فرد وهو اجل بقائه فی الدنیا (روح) وا۹۳ یہ فرشتے اعمال کی کتابت کے لیے بھی ہوتے ہیں اور جان کی حفاظت کے لیے بھی۔ حَفَظَةً میں دونوں مفہوم آگئے۔ گو حفظ وکتابت اعمال کا پہلو ظاہر تر ہے۔ اتفقوا علی ان المقصود من حضور هؤلاء الحفظة ضبط الاعمال (کبیر) ای ملائکة حافظین لاعمالکم (کشاف) عن قتادة یحفظون العمل والرزق والاجل (روح) ارسال الملئکة بما حملوا من الحفظ الذی اُمروا به (قرطبی) هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ۔ اس کا غلبہ اپنے بندوں پر اس کے علم وحکمت وقدرت کے لحاظ سے نہ کہ سمت ومکان کی بلندی کے اعتبار سے۔ لا یجوزان یکون المراد من هذه الأیة الفوقیة بالمکان والجهة بل یجب ان یکون منها الفوقیة بالقهر والقدرة (کبیر) یعنی فوقیة المکانة والرتبة لافوقیة المکان والجهة (قرطبی) وا۹۴ (تعمیل احکام میں) ای لا یقصرون فی ما امروا به (کبیر) ای لاینقصون مما امروا به ولا یزیدون فیه (کشاف) رُسُلُنَا۔ مراد وہ فرشتے ہیں، جن کا کام ہی قبض روح کرنی ہے۔ وهم ملک الموت واعوانه (کشاف) قبض روح کا عمل اصلاً صرف قدرت حق تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ ظاہری عمل ملک الموت کرتے ہیں، باقی دوسرے فرشتے اس کے ماتحت ہوتے ہیں اور انہی کے لئے یہاں صیغہ جمع آیا ہے۔ التوفی فی الحقیقة یحصل بقدرة الله وهو فی عالم الظاهر مفوض الی ملک الموت وهو الرئیس المطلق فی هذا الباب وله اعوان وخدم وانصار (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض صوفیہ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ قبض ارواح کبھی حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں، کبھی ملک الموت اور کبھی دوسرے فرشتے (رسل) اور یہ متوفی کے احوال کے تفاوت پر ہے۔ آیت نے اسے بھی صاف کر دیا کہ اختیار ان ملائکہ موت کا کچھ بھی نہیں، ان کا کام محض تعمیل احکام ہے۔ جس میں یہ قصور کرتے ہی نہیں۔ یہیں سے رد نکل آیا ان مشرک قوموں کا جو خود فرشتہ موت کو فاعل مختار ومتصرف بالذات سمجھ کر اس کی پوجا کرتے رہتے ہیں۔ آیت منجملہ ان قرآنی دلائل کے ہے جو عصمت ملائکہ پر ناطق ہیں۔ دلت هذه الأیة علی ثبوت عصمة الملائکة علی الاطلاق (ابن جریر) رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ۔ الی سے یہاں یہ مراد نہیں کہ یہ مراجعت کسی خاص سمت یا مکان کی جانب ہوگی کہ حق تعالیٰ ہر مکان وجہت سے منزہ ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ مراجعت اللہ کے حکم سے ہوگی۔ یجب ان یکون ذٰلک الرد مفسرًا بکونه منقادًا لحکم الله مطیعاً لقضاء الله (کبیر) ای الی حکمه وجزائه (روح) مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ۔ مالک حقیقی وہی اللہ ہے۔ اس کا انکشاف اس روز خاص وعام، کافر ومومن سب کو ہو کر رہے گا۔ ورنہ دنیا میں تو کیسے کیسے مالکان باطل انسان پر حکمران رہتے ہیں۔ وا۹۵ اس میں بھی رد ہے ان مشرک قوموں کا جو یہ سمجھتی تھیں کہ خدا کو بھی دنیوی محاسبوں کی طرح کسی بڑے طویل وپیچیدہ حساب میں الجھنا ہوگا۔ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ۔ یہاں یہ یاد دلا دیا کہ فیصلہ صرف حق تعالیٰ کا حق ہے نہ کہ مسیح یا کسی اور شریک قدرت کا۔ یومئذٍ لا حکم فیه لغیره (کشاف) ای له الحکم وحده یوم القیمة ای القضاء والفصل (قرطبی) وا۹۶ آیت کا مفہوم ظاہر ہے ہجوم مصائب کے وقت اور شدت اضطرار میں جب تمام مادی ودنیوی سہاروں سے مایوسی ہو جاتی ہے تو فطرت بشری خود بخود حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوتی اور دعا وزاری سے کام لینے لگتی ہے تو سوال کر کے فطرت بشری کے اسی احساس توحید کو بیدار کیا گیا ہے۔ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ سے مراد مطلق شدائد ہی لی گئی ہے۔ ای من شدائد هما استعیرت الظلمة للشدة (بیضاوی) مجاز عن مخاوفهما واهوالهما (کشاف کبیر) امام رازی نے فرمایا ہے کہ آیت میں مصیبت زدہ انسان کے لئے چار صفات کا اثبات ہے۔ (۱) دعا، (۲) تضرع، (۳) اخلاص قلب (وهو المراد من قوله خفیة) اور (۴) التزام شکر۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے خفی وجلی، قلبی ولسانی ہر قسم کے ذکر کی مشروعیت پر دال ہے۔ وا۹۷ عام نفس بشری کی خباثت کا بیان ہے کہ مصیبت کے وقت تو کم ظرف انسان رونے گڑگڑانے چلانے لگتا ہے۔ اور ادھر مصیبت ختم ہوئی کہ اُدھر پھر وہی اکڑ پیدا ہو جاتی

ہے۔ وَمِنۡ كُلِّ كَرۡبٍ۔ یعنی ایک وہی مصیبت کی کیا تخصیص ہے۔ نجات جس غم سے بھی ملتی ہے۔ نجات دینے والا ہر حال میں وہی ہوتا ہے۔ و۹۸ یہاں دنیوی مصائب کی تین عام ومتعارف صورتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک عَذَابًا مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ یعنی اوپر سے آنے والا عذاب۔ جیسے پتھر، آندھی، طوفان وغیرہ۔ ایک تفسیر ظالم حاکموں سے بھی آئی ہے۔ یحمل هذا اللفظ علی مجازہ قال ابن عباس عذابًا من الامراء (کبیر) ای السلاطین الظلمة (معالم) من قبل اکابرکم وسلاطینکم (کشاف) دوسرے مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِكُمۡ یعنی نیچے سے آنے والا عذاب، زلزلہ، سیلاب وغیرہ اس کی کھلی ہوئی مثالیں ہیں۔ مجازاً سرکش رعایا یا نافرمان غلام بھی مراد لئے گئے ہیں۔ قال ابن عباس من العبید والسفلة (کبیر) من قبل سفلتکم وعبیدکم (کشاف) يُذِيۡقَ بَعۡضَكُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ۔ تیسری قسم عذاب الٰہی کی یہ بیان ہوئی ہے کہ گروہ کو گروہ سے بھڑا دیا جائے اور انسان کا ملک الموت انسان کو بنا دیا جائے۔ یہ عذاب دوسرے آسمانی اور زمینی عذابوں سے گھٹ کر نہیں، کچھ بڑھ ہی کر ہے۔ اس کا تجربہ دنیا کو ادھر چھ سات سال خوب ہو چکا ہے۔ اور آج بھی جنگ ختم ہو جانے کے سال بھر بعد (۱۹۴۶ء ۱۳۶۵ھ) میں بھی ہو رہا ہے ای یجعلکم فرقًا یقاتل بعضکم بعضًا (قرطبی) ای بالحرب والقتل فی الفتنة (قرطبی) هُوَ الۡقَادِرُ۔ یعنی وہ کامل القدرت ہے، اور تم کو خود بھی اس کا اقرار ہے۔ ای هو الذی عرفتموہ قادرًا وهو الکامل القدرة (کشاف) مفسرین کے درمیان ایک سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ آیت میں جس عذابِ تفرقہ کا ذکر ہے۔

نَبَاٍ مُّسۡتَقَرٌّ ز وَّسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَيۡتَ الَّذِيۡنَ

ایک وقت معین ہے اور تمہیں معلوم ہی ہو کر رہے گا و۱۰۰ اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے

يَخُوۡضُوۡنَ فِيۡۤ اٰيٰتِنَا فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ حَتّٰى يَخُوۡضُوۡا

جو ہماری نشانیوں کو مشغلہ بناتے ہوں و۱۰۱ تو ان سے کنارہ کش ہو جا یہاں تک کہ وہ کسی اور

فِيۡ حَدِيۡثٍ غَيۡرِهٖ ط وَاِمَّا يُنۡسِيَنَّكَ الشَّيۡطٰنُ فَلَا

بات میں لگ جائیں اور اگر شیطان تجھے بھلا دے تو

تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰى مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا

یاد آ جانے کے بعد (ایسے) ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ و۱۰۲ اور جو

عَلَى الَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ مِنۡ حِسَابِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ

لوگ بچتے رہتے ہیں اُن پر اُن کی باز پرس کا کوئی اثر نہیں پہنچے گا

وَّلٰـكِنۡ ذِكۡرٰى لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِيۡنَ

البتہ (ان کے ذمہ بھی) نصیحت ہے شاید کہ وہ بچنے لگیں و۱۰۳ اور ان لوگوں کو چھوڑے رہ

اتَّخَذُوۡا دِيۡنَهُمۡ لَعِبًا وَّلَهۡوًا وَّغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا

جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے اور انہیں دُنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے و۱۰۴

وَذَكِّرۡ بِهٖۤ اَنۡ تُبۡسَلَ نَفۡسٌۢ بِمَا كَسَبَتۡ ق لَيۡسَ

اور اس (قرآن) کے ذریعہ سے سمجھاتا بھی رہ تا کہ کوئی شخص اپنے کئے کے بدلے پھنس نہ جائے

لَهَا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِىٌّ وَّلَا شَفِيۡعٌ ج وَاِنۡ تَعۡدِلۡ كُلَّ

اللہ کے سوا نہ اس کا کوئی کارساز ہے نہ سفارشی، اور اگر وہ ہر (ممکن) معاوضہ

عَدۡلٍ لَّا يُؤۡخَذۡ مِنۡهَا ط اُولٰۤـئِكَ الَّذِيۡنَ اُبۡسِلُوۡا بِمَا

بھی دے (جب بھی) اس سے قبول نہ کیا جائے گا و۱۰۵ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوت کے بدلہ

او یلبسکم شیعا ویذیق بعضکم باس بعض میں اس کا تعلق صرف کافروں سے ہے یا مومنوں سے بھی؟ تو اگرچہ کہنے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ کافروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ قیل هی فی الکفار خاصةً (قرطبی) لیکن محققین اسی طرف گئے ہیں کہ یہ مومنین کے بارہ میں بھی ہے اور کافروں اور مومنوں کے لئے عام ہے۔ عن مجاهد الأية عامة فی المسلمین والکفار (قرطبی) قال الحسن هی فی اهل الصلاة (قرطبی) امام قرطبی علیہ الرحمۃ اندلسی ساتویں صدی ہجری کے آدمی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہی آخری قول صحیح ہے۔ اور صحیح ہوتا کیا معنٰی یہ تو مشاہدہ میں آ چکا ہے۔ ہمارے ہی بھائی بند دشمن بن کر ہم پر مستولی ہوئے، آپس میں تلوار چلی، جانیں گئیں، مال لٹا اور ایک نے دوسرے کی جان ومال کو حلال سمجھا۔ اناللہ۔ قلت هو الصحیح فانه المشاهد فی الوجود فقد لبسنا العدو فی دیارنا واستولی علی انفسنا واموالنا مع الفتنة المستولیة علینا بقتل بعضنا بعضًا واستباحة بعضنا اموال بعض (قرطبی) لَعَلَّهُمۡ يَفۡقَهُوۡنَ۔ یعنی ہم دلائل وشواہد کو اسی لئے واضح کر رہے ہیں کہ اب بھی یہ نادان شرک ومعصیت کی قباحتوں کو سمجھ جائیں۔ یرید بطلان ماهم علیه من الشرک والمعاصی (قرطبی) و۹۹ (کہ عذاب کے واقع کر دینے پر قادر ہوں، میں تو اس کی تفصیلات تک کا علم نہیں رکھتا ہوں) كَذَّبَ بِهٖ۔ ضمیر عذاب الٰہی کی طرف ہے۔ ای بالعذاب (بیضاوی) یجوزان یکون المراد عنه عذاب الاخرة ویجوزان یکون المراد منه استیلاء المسلمین علی الکفار بالحرب والقتال والقهر فی الدنیا (کبیر) والضمیر راجع الی العذاب المذکور فی الأیة السابقة (کبیر) وَهُوَ الۡحَقُّ۔ یعنی واقع ہو کر رہنے والا ہے۔ الواقع لا محالة (بیضاوی) ای لابدان ینزل بهم (کبیر۔ کشاف) و۱۰۰ (کہ عذاب آ کر آیا) اس عذاب سے عذاب آخرت بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اور عذاب دنیوی بھی جو قرآن کے مخاطبین اول قریش پر شدید وذلیل شکست کی صورت میں مسلط ہو کر رہا۔ یجوزان یکون المراد منه عذاب الأخرة ویجوزان یکون المراد منه استیلاء المسلمین علی الکفار بالحرب والقتال والقهر فی الدنیا (کبیر) سَوۡفَ۔ یہاں تاکید کے لئے ہے۔ سوف للتاکید (روح) مُسۡتَقَرٌّ۔ کے لفظی معنٰی تو ہیں جائے وقوع واستقرار کے، لیکن یہاں مراد وقت وقوع واستقرار ہے، بعض نے دونوں معنٰی جائز رکھے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ جس واقعہ کی خبر دے دیتا ہے وہ اپنے وقت ومقام پر ضرور ہی واقع ہو کر رہتا ہے۔ والمعنٰی ان لکل خبر یخبرہ اللہ تعالٰی وقتا ومکانا یحصل فیه من غیر خلف وتاخیر (کبیر) قال ابن عباس وغیر واحد لکل نبا حقیقة ای لکل خبر وقوع ولو بعد حین (ابن کثیر) ایک معنٰی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ہر عمل ایک جزاء ضرور رکھتا ہے۔ قیل ای لکل عمل جزاءٌ (قرطبی) و۱۰۱ (تکذیب، طنز واستہزاء کے ساتھ) بالتکذیب والا ستهزاء بها واللعن فیها (بیضاوی) اِذَا رَاَيۡتَ۔ خطاب یہاں عام ناظرین قرآنی سے ہے۔ ای اذارایت ایها السامع (کبیر) الَّذِيۡنَ يَخُوۡضُوۡنَ فِيۡۤ اٰيٰتِنَا۔ آیات میں یہاں معجزات ودلائل، احکام سب آ گئے، لیکن بالخصوص مراد قرآن ہے۔ ایات اللہ وهی القرآن (جصاص) یعنی فی القرآن (معالم) خوض۔ کے لفظی معنٰی بیہودہ گوئی، بے کار حجت نکالنے کے ہیں۔ لفظ الخوض فی اللغة عبارة عن المفاوضة علی وجه العبث واللعب (کبیر) خوض پر حاشیہ پارہ نمبر ۵ میں گزر چکا (سورۃ النساء آیت ۱۴۰ کے تحت میں) و۱۰۲ یہاں اہل ایمان کو صاف حکم مل رہا ہے کہ جو بے دین مذہبی احکام ومسائل کے ساتھ مضحکہ وتمسخر کرتے ہیں، ان کے پاس اتنی دیر تک بیٹھنا اٹھنا جائز نہیں، بلکہ ایسے لوگوں سے کنارہ کشی واجب ہے۔ هذا یدل علی ان علینا ترک مجالسة الملحدین وسائر الکفار عند اظهارهم الکفر والشرک وما لایجوز علی اللہ تعالٰی (جصاص) هذا دلیل علی ان مجالسة اهل المنکر لاتحل (ابن العربی) پھر جن قوموں نے وقتی وہنگامی طور پر نہیں، بلکہ اپنا مستقل مشغلہ ہی احکام اسلامی کے ساتھ طنز وتمسخر بنا رکھا ہے۔ ان کی صحبتوں سے کنارہ کشی، ان کی مجلسوں سے علیحدگی کس درجہ اہم وضروری ہوگی!...... بے دینوں اور غیر مذہب والوں سے بلاضرورت خلاملا، اور بلا کسی مصلحت کے مجالست ومخالطت اس حکم ممانعت کے تحت میں آ گیا۔ فَلَا تَقۡعُدۡ۔ یہاں بیٹھنے کے لفظی معنٰی لے کر یہ مراد نہیں کہ کھڑے ہونے کی اجازت ہے۔ بلکہ قعود اپنے

كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا

پھنسے ہیں ان کے لئے پینے کو تیز گرم پانی ہوگا اور عذاب دردناک ہوگا بہ عوض اُس کفر کے جو

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا

یہ کرتے رہے ہیں ف۱۰۶ آپ کہہ دیجیے کہ کیا ہم (مسلمان) اللہ کے سوا ایسے کو پکاریں، جو نہ

يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ

ہم کو نفع پہنچا سکے اور نہ ہم کو نقصان پہنچا سکے اور (کیا) ہم اُلٹے پاؤں واپس پھر جائیں بعد اس کے کہ

هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ

ہم کو اللہ ہدایت دے چکا ہے جیسے کوئی شخص ہو کہ اسے شیطانوں نے (کہیں) زمین پر بے راہ کر دیا ہو (اور وہ)

حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ

بھٹکتا پھرتا ہو ف۱۰۷ اس کے ساتھی ہوں کہ وہ اُس کو ہدایت کی جانب بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آ، ف۱۰۸

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ

آپ کہہ دیجیے کہ راہ تو بس اللہ کی (بتائی ہوئی) راہ ہے اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ (سارے) جہانوں کے

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ لا وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ

پروردگار کے (پورے) مطیع ہو جائیں ف۱۰۹ اور یہ کہ نماز کے پابند رہو، اور اُس سے ڈرتے رہو،

وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِىْ

اور وہ وہی ہے جس کے پاس تم (سب) جمع کیے جاؤ گے ف۱۱۰ اور وہ وہی ہے جس نے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ

آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا مقصد کے ساتھ، اور جس روز وہ کہے گا کہ

كُنْ فَيَكُوْنُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ

ہو جا بس وہ ہو جائے گا ف۱۱۱ اُسی کا قول با اثر ہے، اور اسی کی حکومت ہوگی اُس روز جب صور پھونکا

ع ۸/۱۰ ۱۴ — الثلثة

وسیع معنی میں ہے۔ اور بے دینوں سے صحبت واختلاط کی ہر صورت ناجائز ہے۔ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ۔ یعنی اگر خیال نہ رہے، کسی اور شغل میں پڑ کر ان لوگوں سے صحبت وہم نشینی رہے، محض سہو ونسیان سے شریعت نے جو مواخذہ اٹھادیا ہے اس کی نظیر یہ آیت بھی ہے۔ یفید ان التکلیف ساقط عن الناسی (کبیر) مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ فقہاء مفسرین نے یہاں سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ اہل کفر سے مجالست ومخالطت علی العموم ممنوع ہے، خواہ وہ اپنے کو کسی نام یا لقب سے یاد کرتے ہوں، اور خواہ وہ اس خاص وقت میں اپنی شرارت وخباثت کا اظہار کر رہے ہوں یا نہیں۔ ذلک عموم فی النھی عن مجالسة سائر الظالمین من اھل الشرک واھل الملة لوقوع الاسم علیھم جمیعا سواءً کانوا مظھرین فی تلک الحال للظلم والقبائح اوغیر مظھرین له لان النھی عامٌ عن مجالسة الظالمین (جصاص) ف۱۰۳ (اور اس کوشش کا اجر تو ان یاددہانی کرنے والوں کو ملِ ہی جائے گا) مطلب یہ ہے کہ بعض جگہ مومنین کو بالکل علیحدگی سے تو تعذر ہوگا، مثلاً آغاز اسلام ہی میں کہ جب مومنین مسجد کعبہ میں مصروف طواف وعبادت ہوتے۔ اور وہیں مشرکین بھی اول فول بکتے ہوتے۔ یا آج بھی اسکولوں میں، بازاروں میں، دفتروں میں، ریل پر، جہاز پر، لاری پر غرض کثرت سے موقع مسلمانوں اور بے دینوں کے اجتماع کے پیش آسکتے ہیں تو ایسے سب موقعوں کے لئے مسلمانوں کو سمجھایا ہے کہ ان بے دینوں کی بک جھک کا کوئی اثر تمہارے نامۂ اعمال پر تو پڑے گا نہیں، اپنی بیہودہ گوئی کے ذمہ دار تمام تر وہ خود ہی ہیں۔ تم اس سے ذرا نہ گھبراؤ۔ ضرورت کے وقت تم ان کے ساتھ رہ سکتے ہو۔ البتہ اتنا تم پر بھی واجب ہے کہ اپنے امکان ووسعت بھر انہیں تلقین وتبلیغ کرتے رہو۔ ممکن ہے وہ راہ راست پر آہی جائیں اور نہ بھی آئیں جب بھی تمہارا اجر تو کہیں گیا نہیں۔ مِنْ شَيْءٍ میں مِنْ۔ استغراق کے لئے ہے۔ یعنی کچھ بھی اثر نہ پہنچے گا۔ من زائدة للاستغراق (روح) الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ۔ یعنی وہ لوگ جو کفر، بے دینی، معاصی سے بچے ہوئے ہیں۔ مِنْ حِسَابِهِمْ۔ ضمیر مشرکین اور بے دینوں یعنی قوم الظلمین، الذین یخوضون فی ایاتنا کی طرف ہے۔ لٰكِنْ ذِكْرٰى یعنی تبلیغ وتفہیم میں لگے رہیں اپنی حسب قدرت واستطاعت۔ ای یذکرونھم ویفھمونھم (کبیر۔ عن ابن عباس) لکن علیھم ان یذکروھم ویمنعوھم عماھم فیه (روح) ولکن علیھم تذکرة لھم وموعظة (جلالین) ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ کہ اس موعظت سے شاید کہ وہ لوگ بھی تمسخر سے باز آجائیں۔ والمعنی لعل ذلک الذکری یمنعھم من الخوض (کبیر) ف۱۰۴ یعنی ایسے بے دینوں سے مجالست ومخالطت ترک کیے رہو۔ یہ مراد نہیں کہ ان پر تبلیغ وتلقین کرنا چھوڑ دو۔ ومعنی ذرھم اعرض عنھم ولیس المراد ان یترک انذارھم (کبیر) المراد ترک معاشرتھم وملاطفتھم ولا یترک انذارھم وتخویفھم (کبیر) اعرض عنھم ولا تشغل قلبک بھم (کشاف) اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا۔ ایسے کون ہیں جنہوں نے اسلام کو نہیں، خود اپنے دین کو لہو ولعب یا مشغلہ تفریح بنالیا ہے؟ دین کو بھلا کوئی قوم بھی مشغلہ تفریح بنا سکتی ہے؟ مفسرین کو اسی لئے یہاں دین کو متعین کرنے میں دقت پیش آئی ہے حالانکہ ہندی مسلمان اپنے گردوپیش جو کچھ دیکھ رہا ہے اس کے بعد کوئی دشواری باقی ہی نہیں رہتی۔ یہ ہولی جیسے مقدس تہوار کو محض ناچ اور رنگ، فحش گوئی وشراب نوشی کا جلسہ بنالینا، یہ دیوالی جیسے یادگار تہوار کو جوئے اور روشنی کا مستقل تماشہ بنالینا یا یہ دسہرہ کی حیثیت محض ایک سوانگ اور ناٹک کی رکھ دینا، "یہ بڑے دن" (کرسمس) کے پاک دن کو شراب نوشیوں اور بدمستیوں کے لئے وقف کر دینا، یہ "نوروز" کے شاہانہ جلسے یہ سب مثالیں اور نظریں اگر دین کو لہو ولعب اور مشغلۂ تفریح بنالینے کی نہیں تو اور کیا ہیں؟...... اللہ اپنی نعمتوں اور سرافرازیوں سے مالا مال کرے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو کیسی گہری اور نکتہ رسی کی بات فرما گئے ہیں! قال ابن عباس رضی اللہ عنہما جعل الله لکل قوم عیدا یعظمونه ویصلون فیه ویعمرونه بذکر الله تعالٰی ثم ان الناس اکثرھم من المشرکین واھل الکتاب اتخذوا عیدھم لھوًا ولعبًا غیر المسلمین (کبیر) عبرت کے ساتھ ہمارے اہل اعراس غور کریں کہ خود ان کے عرس بھی جو بدعات اور منکرات کے مجموعہ ہوتے ہیں، کہیں اس وعید کے تحت میں تو نہیں آئے جاتے ہیں۔ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ اور دنیا سے اسی گہری فریب خوردگی ہی کا یہ اثر ہے کہ انہیں اپنے تمسخر کا انجام کچھ نظر نہیں آتا! ف۱۰۵ (قیامت کے دن) تشریح قانون مجازات ومکافات کی ہو رہی ہے، وَذَكِّرْ بِهٖ۔ ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ ای ذکّر بالقراٰن (کبیر) اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ۔ آیت سے ایک تو اسی حقیقت پر روشنی پڑی کہ سزا جس کسی کو جو کچھ بھی ملے گی، اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی ہوگی، دوسرے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تبلیغ وتذکیر کا جو حکم ہے اس کی تہ میں جذبہ شفقت علی الخلق ہی کام کر رہا ہے۔ ای مخافة ان تسلم الی الھلکة والعذاب (کشاف) لَهَا۔ تَعْدِلْ۔ مِنْهَا۔ یہ سب مونث ضمیریں نفس کے لئے ہیں۔ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ۔ اس میں تردید ہے اسی عالمگیر مشرکانہ وнیم مشرکانہ عقیدہ کی کہ جزاء کے وقت فلاں دیوتا اوتار یا فلاں دیوتا تو خود کارسازی کے لئے اور بگڑی ہوئی بنانے کے لئے کافی ہو جائیں گے اور یا ان کی سفارش ومداخلت کام کر جائے گی۔ لَا يُؤْخَذْ مِنْهَا۔ جاہلی مذہبوں میں یہ عقیدہ بھی عام رہا ہے کہ معاوضے اور فدیے حشر میں بھی کام آجائیں گے۔ ف۱۰۶ یہ بیان ہو رہا ہے ان بدکرداروں، بے دینوں کے انجام بد کے ظہور تام کا جو آخرت میں واقع ہوگا۔ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ۔ اوپر جس طنز وتمسخر کا ذکر ہوا، وہ بھی اسی کفر کی ایک شاخ ہے۔ ف۱۰۷ مقصود عقیدۂ شرک کی حماقت وسفاہت دکھانا ہے۔ قُلْ۔ خطاب پیمبر سے ہے کہ آپ جملہ مومنین کی طرف سے مشرکین سے یہ کہیے۔ اَنَدْعُوْا۔ کیا ہم بھی پکاریں جیسے تم پکارتے ہو، اور جیسا کہ تم ہم سے چاہتے ہو۔ نُرَدُّ...... الله۔ شرک یوں بھی ایک تمامتر احمقانہ، سفیہانہ عقیدہ تھا، چہ جائیکہ اسلام کی روشنی پا جانے کے بعد پھر اسی کو اختیار کرنا! مشرکین نے مسلمانوں سے کہنا شروع کیا تھا کہ تم اپنے قدیم اور آبائی دین کو چھوڑ کر کہاں

اس نئے شخص محمد ﷺ نامی کی دعوت پر بہک گئے، اب بھی واپس آجاؤ اور اپنے قومی وملی دین کی تقویت کا باعث بنو، مسلمانوں کو تعلیم اسی جواب کی مل رہی ہے کہ کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ ہم اسی طریق کی طرف واپس آ جائیں جسے دین کہنا ہی دین کی توہین ہے یعنی جن میں کچھ بھی قدرت نہیں ہے، انہیں قادر مطلق کی جگہ پر رکھ لیں؟ اور پھر وہ بھی اسلام کے بتائے اور دکھائے ہوئے حقائق کا مزہ چکھ چکنے کے بعد ف۱۰۸ (مگر وہ بہکا بکا ہو کر کچھ سنتا سمجھتا نہ ہو) تمثیل کے اس دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ کیا تمہاری مرضی یہ ہے کہ اپنی ایسی حالت بنالیں کہ جس طرح ایک راہ گیر جنگل میں غول بیابانی کے ہاتھوں گرفتار ہو کر راہ اور رفیقان راہ سے جدا ہو گیا اور اس کے رفیق اسے آواز پر آواز دیئے جا رہے ہیں اور وہ ہے کہ مخبوط و سرگردان کچھ بھی سنتا سمجھتا نہیں، اسی طرح ہم گمراہوں کے پنجہ میں پڑ کر جادۂ حقیقت سے جدا ہو جائیں اور ہمارے ہادی اور پرانے رفیق پھر بھی خیر خواہی سے دعوت اسلام کئے جائیں اور ہم گمراہی کو نہ چھوڑیں؟ ف۱۰۹ (اور اس خداوند کائنات کے مکمل، ہر جہتی، ہمہ گیر و دائمی قانون کے پورے فرمانبردار ہو جائیں) لِنُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ۔ رب العالمین کے لفظ میں یہ اشارہ آ گیا کہ دعوت ایسے قانون کی اطاعت کی دی جا رہی ہے، جو کسی ملک، قوم، نسل، قبیلہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ جس میں رعایتیں ساری دنیا کے انسانوں، حیوانوں، جملہ مخلوقات کی رکھ لی گئی ہے۔ لِنُسۡلِمَ۔ میں ل تعلیل کا ہے۔ هی تعليل للامر بمعنى امرنا وقيل لنا اسلموا لاجل ان نسلم (کشاف) دوسری ترکیب یہ بھی جائز ہے کہ ل کو اَنۡ کا مرادف قرار دیا جائے۔ عربی محاورہ میں دوسری ترکیبوں کے ساتھ یہ

فِي الصُّوۡرِ ؕ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الۡحَكِيۡمُ

جائے گا، وہ غیب اور ظاہر (دونوں) کا علم رکھنے والا ہے اور وہ حکمت والا ہے،

الۡخَبِيۡرُ ﴿۷۳﴾ وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ لِاَبِيۡهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ

خبر رکھنے والا ہے ف۱۱۲ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو

اَصۡنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيۡۤ اَرٰىكَ وَقَوۡمَكَ فِيۡ ضَلٰلٍ

معبود قرار دیتے ہو؟ بیشک میں تو تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں (مبتلا)

مُّبِيۡنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ مَلَكُوۡتَ السَّمٰوٰتِ

دیکھتا ہوں ف۱۱۳ اور اسی طرح ابراہیم کو ہم نے دکھا دی آسمانوں اور زمین کی

وَالۡاَرۡضِ وَلِيَكُوۡنَ مِنَ الۡمُوۡقِنِيۡنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ

حکومت، تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں ف۱۱۴ تو یوں ہوا کہ جب رات ابراہیم پر

عَلَيۡهِ الَّيۡلُ رَاٰ كَوۡكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ

چھا گئی، انہوں نے ایک تارہ کو دیکھا، بولے یہی میرا پروردگار ہے، لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو بولے

لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِيۡنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الۡقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا

میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا ف۱۱۵ پھر جب چاند کو دیکھا چمکتے ہوئے تو بولے یہی

رَبِّيۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنۡ لَّمۡ يَهۡدِنِيۡ رَبِّيۡ لَاَكُوۡنَنَّ

میرا پروردگار ہے، لیکن جب وہ (بھی) غروب ہو گیا تو بولے کہ اگر میرا پروردگار مجھے ہدایت نہ کرتا رہے تو میں بھی

مِنَ الۡقَوۡمِ الضَّآلِّيۡنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمۡسَ بَازِغَةً قَالَ

گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں ف۱۱۶ پھر جب سورج کو چمکتے ہوئے دیکھا تو بولے

هٰذَا رَبِّيۡ هٰذَاۤ اَكۡبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتۡ قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّيۡ

یہی میرا پروردگار ہے، یہی سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو بولے اے لوگو میں

ترکیب بھی درست ہے۔ اى ان نسلم والعرب يقول امرتک لتفعل وان تفعل وبانْ تفعل (معالم) اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى۔ اس میں بتا دیا کہ جس راہ پر راہ کا اطلاق ہو سکے وہ تو بس وہی ہے جو خداوند عالم کی بتائی ہوئی ہے نہ کہ وہ جو محدود نظر رکھنے والے بندوں کی عقل یا جذبات کی بجھائی ہوئی ہے۔ هو الهدى يعنى هو الهدى الكامل النافع الشريف كما اذاقلت علم زيدهو العلم وملك عمر هو الملک (کبیر) ف۱۱۰ (نہ کہ کسی دیوی، دیوتا، پیر پیغمبر، جن وملک کے حضور میں) جملہ کی ترکیب حصر پر دلالت کر رہی ہے، یعنی حشر اسی کے حضور میں ہوگا نہ کہ کسی اور کے، وتقديم المعمول لافادة الحصر مع رعاية الفواصل اى اليه سبحانه لا الى غيره تُحۡشَرُوۡنَ (روح) اَنۡ یہاں بِاَنۡ کے معنٰی میں ہے اور جملہ کا عطف نسلم پر ہے۔ اَنۡ اى بِاَنۡ (جلالین) اى امرنا بالايمان واقامة الصلوة (روح) حکم اقيموا الصلوة نیابت کر رہا ہے تمام ظاہری عبادتوں کی اور حکم اتقوا ہر باطنی اصلاح کی واتقوه میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اى الرب فى مخالفة امره (روح) ف۱۱۱ اشارہ حشر کی جانب ہے، جس وقت وہ حشر کو واقع ہو جانے کا حکم دے گا وہ واقع ہو جائے گا۔ یہ شبہ محض عامیانہ نہیں کہ کوئی شے جب ابھی سرے سے موجود ہی نہیں، تو اسے حکم کیسے دیا جا سکے گا؟ اول تو اس عالم کی وسعتوں اور پہنائیوں کو اس عالم آب وگل کی قیدوں اور حد بندیوں پر قیاس کرنا خود سر تا سر جہل ہے۔ پھر حکم کا مخاطب بنانے کے لئے کسی شے کا وجود خارجی اس عالم میں بھی کب ضروری ہے۔ اپنے ہر موجود ذہنی کو حکم دیتے رہنا، مخاطب کرتے رہنا، ہم میں سے ہر ایک کا آئے دن کا تجربہ ہے۔ التقدير خلق يوم يقول كن فيكون والمراد من هذا اليوم يوم القيامة (کبیر) یہ معنٰی بھی لئے گئے ہیں کہ واقعۃً کوئی حکم وخطاب نہ ہوگا، بلکہ فقرہ سے مقصود صرف اظہار قدرت ونفاذ مشیت ہے، المراد منه التنبيه على نفاذ قدرته ومشيته فى تكوين الكائنات وايجاد الموجودات (کبیر) وَهُوَ الَّذِيۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ۔ وہ کوئی ناقص العلم، ناقص القویٰ، دیوی دیوتا نہیں۔ ساری موجودات کا خالق۔ سب کو نیست سے ہست کرنے والا ہے۔ مخلوقات کے سارے مصالح کی رعایت اس کے سوا اور کر ہی کون سکتا ہے؟ زمین وآسمان کا نام لے دینے سے مراد سارے سفلیات وعلویات ہوتے ہیں۔ وعدم التصريح بذلك الظهور اشتما لهما على جميع العلويات والسفليات (روح) بِالۡحَقِّ۔ یہ ساری تخلیق یوں ہی بغیر کسی غرض ومقصد کے نہیں ہو گئی ہے، بڑی بڑی گہری حکمتیں اور مصلحتیں اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اى قا ئما بالحق والحكمة (کشاف) اى بالعدل (ابن کثیر) بالحق کو للحق کے معنٰی میں بھی لیا گیا ہے اور ب کو ل کا مرادف قرار دیا گیا ہے۔ اس صورت میں معنٰی یہ ہوں گے کہ اس کی یہ کاری گری وصناعی اس کی حکمت وعظمت ووحدانیت پر دلیل کا کام دینے کی غرض سے ہے۔ قيل الباء بمعنى اللام اى اظهارًا للحق لانه جعل صنعه دليلًا على وحدانيته (معالم) ف۱۱۲ ذکر قیامت کا ہو رہا ہے۔ صفت حکمت کے تقاضہ سے وہ جزا ہر ایک کو بالکل مناسب وقرین مصلحت ہی دے گا۔ اور صفت خبرت کے لحاظ سے کسی امر کا اخفاء اس سے ممکن نہیں۔ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ۔ اس کا قانون مجازات ظاہر وباطن، علانیہ ومخفی سب پر یکساں جاری ہوگا۔ قَوۡلُهُ الۡحَقُّ۔ اس کا قول نہ خالی جا سکتا ہے، نہ کسی کے ٹالے ٹل سکتا ہے۔ اى الصدق الواقع لا محالة يريد ان ما وعده حق كائن (معالم) یہ معنٰی بھی کئے گئے ہیں کہ اس کے قول كُنۡ فَيَكُوۡنُ سے جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ عین حکمت وصواب ہی ہوتا ہے۔ اى لا يكون شيئًا من السمٰوٰت والارض وسائر المكونات الاعن حكمة وصواب (کشاف) وَلَهُ الۡمُلۡكُ يَوۡمَ يُنۡفَخُ فِي الصُّوۡرِ۔ قیامت کے دن جو کشف حقائق کا دن ہوگا اس کی حکومت ظاہراً اور علانیہ بھی سب کو ایسی ہی نظر آنے لگے گی، جیسی وہ حقیقۃً اس وقت بھی ہے۔ لَهُ الۡمُلۡكُ۔ اپنی ترکیب کے لحاظ سے کلمۂ حصر ہے یعنی حکومت صرف اسی کی ہوگی۔ اور کسی کی نہیں اس میں بھی رد آ گیا ان مشرک ونیم مشرک قوموں کا جو حشر میں اللہ تعالیٰ کی فرمان روائی میں دوسروں کو بھی شریک سمجھتے ہیں۔ والامر لله فى كل وقت ولكن لا امر فى ذلک اليوم لاحد مع امر الله (معالم) ف۱۱۳ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حاشیے پہلے گزر چکے، آپ ایک بت پرست وستارہ پرست قوم کے درمیان اپنے آبائی ملک بابل یا کلدان (موجودہ عراق) میں بہ

حیثیت مبلغ توحید، دعوت اسلام وتوحید سب سے پہلے اپنے خاندان ہی کے رکن اعظم یعنی اپنے والد کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ آزر عربی توریت میں اس نام کا املا تارح ملتا ہے۔ اور انگریزی میں تیرا Terah اور تالمود میں تراہ...... جو لوگ علم اللسان کے مبادی سے بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک ہی نام مختلف زبانوں میں جا جا کر کیسے کیسے عجیب تلفظ اختیار کر لیتا ہے...... فلسطین کے قدیم مسیحی مورخ یوسیبیس (۲۶۴ تا ۳۴۹ء) کے ہاں "آثر" یا "آتھر" آیا ہے۔ ان دونوں تلفظوں کی مشابہت ومماثلت آزر سے بالکل ظاہر ہے۔ اور آزر وزارہ بھی اگر ایک ہی مادہ سے مشتق ہوں تو کچھ بعید نہیں، اَبِیْہِ۔ ایک گمراہ فرقہ اپنے مخصوص عقائد کے تحفظ وپشت پناہی کی خاطر شروع سے کہتا آ رہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے والد کا نہیں بلکہ چچا کا نام تھا۔ اور حال کے ایک آدھ جدید گمراہ فرقے بھی یہی کہہ رہے ہیں، لیکن ان میں سے کسی کے پاس بھی دلیل کے نام سے کوئی چیز نہیں رہے محض احتمالات وامکانات، یہ تو ہر قطعی سے قطعی مسئلہ میں بھی پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ اَبْ۔ کو اس کے بالکل کھلے ہوئے ظاہر معنی سے ہٹا کر مجازی استعمال کی طرف لے جانے کے لئے آخر کوئی معقول وجہ بھی تو ہو۔ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً۔ تارح (آزر) کی بت پرستی کا ذکر موجودہ توریت میں بھی ملتا ہے:۔ "خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تمہارے باپ دادے تارح ابراہام کا باپ اور نحور کا باپ قدیم زمانہ میں نہر کے پار رہتے تھے اور غیر معبودوں کی بندگی کرتے تھے۔" (یشوع۔ ۲:۲۴) اور یہود کی مستند کتاب جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اتنا اور بھی ہے:۔ "وہ علاوہ بت پرست ہونے کے بت ساز اور بت فروش بھی تھا" (جلد ۱۲ صفحہ نمبر ۱۰۷) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مشغولی مع الحق اور مناظرۂ اہل باطل میں کوئی تنافی نہیں، بشرطیکہ حدود سے تجاوز نہ ہو۔ و۱۱۴ (چنانچہ اب وہ موحد کامل ہونے کے علاوہ خدمت تبلیغ پر بھی مامور تھے۔ اور اپنی قوم کو شرک سے توحید کی طرف بلا رہے اور لا رہے تھے) لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ یعنی زمین وآسمان پر حق تعالیٰ کی حکومت قاہرہ کے مشاہدہ سے ان کے دل پر توحید کا نقش کامل بیٹھ گیا، اور ازدیاد معرفت نے انہیں مرتبہ ایقان تک پہنچا دیا۔ یستدل بها ليكون من الموقنين (کبیر) انا اريناه هذه الآيات ليراها ولاجل ان يكون من الموقنين (کبیر) اليقين عبارة عن علم يحصل بعد زوال الشبهة بسبب التامل (کبیر) ليكون من الموقنين اشارة الى درجات انوار التجلى وشروق شمس المعرفة والتوحيد (کبیر) كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح ہم نے ان پر ان کی قوم اور ان کے والد کی گمراہی روشن کر دی تھی۔ اى كما ارينٰه اضلال ابيه وقومه (جلالین) المعنى ومثل ما اريناه من قبح عبادة الاصنام نرى ملكوت السمٰوٰت والارض (کبیر) اى كما ارينٰه البصيرة فى دينه والحق فى خلاف قومه (معالم) مَلَكُوْتَ۔ یعنی حکومت آسمانی کے کرشمے۔ ملکوت۔ اس ملک کے لئے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کا ہو۔ الملك مختص بملك الله تعالىٰ (راغب) مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مراد یہ ہے کہ اپنی ربوبیت ومالکیت کے طریقے ہم نے ان کے دل میں اتار دیئے۔ اى اٰيات السمٰوٰت والارض (ابن جریر۔ عن مجاہد) يعنى الربوبية والالهية وهديناه لطريق الاستدلال (کشاف) اى ربوبيتهٗ تعالىٰ ومالكيته لها (روح) ملکوت کی اضاعت کی قدر، علاوہ ارض کے سمٰوٰت کی طرف ہونے کی اس وقت بہت بڑھ جاتی، اور معنویت سے لبریز ہو جاتی ہے، جب یہ یاد کر لیا جائے کہ اہل بابل (کلدان) محض بت پرستی کے زمینی شرک میں نہیں بلکہ ستارہ پرستی کے آسمانی شرک میں بھی مبتلا تھے۔ نری۔ یہ اراءۃ کس طرح کی تھی؟ مادی آنکھوں سے یا چشم ہوش سے؟ دیدۂ بصارت سے یا دیدۂ بصیرت سے؟ محققین کا قول ہے کہ بصارت حسی سے نہیں بلکہ بصیرت عقلی سے۔ تلك الاراءة كانت اراءة بحسب بصيرة العقل لا بحسب البصر الظاهر (کبیر) نرى ابراهيم ملكوت السمٰوٰت والارض اشارة الى مراتب الدلائل والبينات۔ (کبیر) اى نبين له وجه الدلالة فى نظره الى خلقهما على وحدانية الله عزوجل فى ملكه وخلقه (ابن کثیر) اى نرى بصيرته لطائف خلق السمٰوٰت والارض (مدارک) و۱۱۵ (اور نہ ایسوں کی الوہیت ومعبودیت کا قائل ہو سکتا ہوں) فَلَمَّا۔ یہ سارا مکالمہ جو آگے نقل ہو رہا ہے ضروری نہیں کہ سب ایک ہی وقت میں ہوا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے مختلف اجزاء مختلف اوقات میں ہوئے ہوں۔ فَلَمَّا ہو سکتا ہے کہ آیت ماسبق کی تفصیل وتشریح ہی ہو۔ جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ۔ یہ کسی موقع پر کسی رات میں ہوا ہوگا۔ رَاٰ كَوْكَبًا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ملک وقوم کی ستارہ پرستی آفتاب پرستی کے لئے ملاحظہ ہوں راقم کی انگریزی تفسیر کے حواشی۔ كَوْكَبًا۔ لفظی معنی کے اعتبار سے کوئی بھی ستارہ مراد ہو سکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ کوئی خاص طور پر اہم وروشن ہی ستارہ ہوگا۔ موجودہ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ قدیم جاہلی قوموں میں سب سے زیادہ زوروں سے پرستش ان دو ستاروں مشتری Jupitor اور زہرہ Venus کی رہی ہے۔ ادھر ہمارے مفسرین کی صفائے قلب کا اثر دیکھئے کہ ان کے قلم سے بھی علی العموم انہی دونوں ستاروں کے نام نکلے ہیں! الكوكب الزهرة قاله ابن عباس وقتادة (بحر) او المشترى قاله مجاهد والسدى (بحر) والمراد بالكوكب فى ماروى عن ابن عباس المشترى (روح) عن قتادة انه قال ذكر لنا انه الزهرة (روح) قَالَ هٰذَا رَبِّيْ۔ آپ نے یہ اپنی ستارہ پرست قوم کو دکھا کر اور سنا کر ان پر حجت الزامی قائم کرنے کے لئے کہا...... مخالف پر حجت الزامی قائم کرنا تبلیغ ومناظرۂ علمی کے معمولات میں سے ہے۔ بلکہ عام گفتگو میں دستور ہے کہ دوسرے کے خیال کو اپنی زبان سے بجنسہ دہرا دیتے ہیں اور سیاق ولہجہ سے ہمیشہ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مخاطب کا قول وخیال نقل ہو رہا ہے بغیر اس کے کہ متکلم اس کی تصریح کرے۔ اردو، عربی، فارسی، انگریزی، ہر زبان میں یہ اسلوب بیان عام ہے۔ خود قرآن مجید ہی میں ایک جگہ قیامت کے بیان میں ہے "اَيْنَ شُرَكَآءِىْ، اللہ تعالیٰ کہے گا کہ آج میرے شریک کہاں ہیں؟ اس کا مطلب بالکل واضح وظاہر ہے کہ وہ کہاں ہیں جو تمہارے زعم وپندار میں میرے شریک تھے، یہ مطلب کوئی احمق سے احمق بھی نہیں لیتا کہ حق تعالیٰ خود اپنے شریکوں کا وجود تسلیم کر کے انہیں بلا رہے ہیں۔ يريد ان يستدرجهم بهٰذا القول ويعرّفهم خطأهم وجهلهم فى تعظيمهم شان النجوم وفضاحهم على الامور (ابن تیمیہ) ما جرى بينه وبين قومه كان احتجاجاً ولا اعتقادًا (ابن العربی) تاول بعضهم ذٰلك على اضمار القول وكثيرًا ما يضمر تقديره قال يقولون هٰذا ربى على حكاية قولهم وتوضيح فساده مما يظهر عليه من سمات الحدوث ولا يحتاج هٰذا الى الاضمار بل يصح ان يكون هٰذا كقوله تعالىٰ اين شركائى اى على زعمكم (بحر) قال الزجاج الجواب عندى انه قال هٰذا ربى على قولكم ونظير هٰذا قوله تعالىٰ اين شركائى والمعنى شركاءى على قولكم (قرطبی) المقصود منه حكاية قول الخصم ثم ذكر على عقبه ما يدل على فساده (کبیر) معناه هٰذا ربى فى زعمكم واعتقادكم ونظيره قال تعالىٰ وانظر الى الٰهك الذى ظلت عليه عاكفًا (کبیر) لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ۔ آپ نفی ان کی محبوبیت محض کی نہیں، محبوبیت معبودی کی کر رہے ہیں، آپ فرما رہے ہیں کہ جو ہستیاں خود ہی غیر ثابت اور تغیر پذیر ہیں، ان کے لئے میرے دل میں کوئی جگہ عزت ووقعت کی کیسے ہو سکتی ہے؟ عدم محبت سیاق عبارت میں صاف عدم معبودیت کے مرادف ہے۔ كنى بعدم المحبة عدم العبادة لانه يلزم من نفيها نفيها بالطريق الاولىٰ (روح) لا احب عبادة الارباب المتغيرين عن حال الى حال (کشاف) سرآمد موحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ استدلال کہ جو تاثر پذیر ہے وہ کسی کا محکوم ومسخر ہے، وہ اس قابل کب ہے کہ خدا مانا جائے، ظاہر ہے کہ خود اپنے لیے نہ تھا، بلکہ اپنے مشرک ہم قوموں کو قائل کرنے کے لیے تھا، و۱۱۶ (لیکن اس کی ہدایت تو اول روز سے میرے شامل حال ہے اور اسی لیے میں توحید پر قائم ہوں) چاند کی عدم معبودیت پر یہ تقریر، ضرور نہیں کہ آپؑ نے اسی وقت کی ہو، ہو سکتا ہے کہ اس ستارہ والی تقریر سے الگ یہ تقریر کسی دوسرے موقع پر کی ہو۔ هٰذَا رَبِّيْ۔ ستارہ پرستی کی طرح قمر پرستی بھی مشرک اور جاہلی قوموں میں بہت عام رہی ہے۔ اور اہل باطل بھی اس کا شکار تھے۔ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ۔ انبیاء کبار تک اپنے کسی کمال کو اپنی جانب منسوب نہیں کرتے، بلکہ اسے تمامتر عطیہ الٰہی سمجھتے اور کہتے ہیں۔ و۱۱۷ مِمَّا تُشْرِكُوْنَ۔ "جو شرک تم کیا کرتے ہو"۔ یہ ارشاد نہیں ہوا کہ جس شرک میں میں اب تک مبتلا تھا، بحمد اللہ اب اس سے نکل آیا، بلکہ ارشاد یہ ہوا کہ جس شرک میں تم لوگ، میری قوم والو، مبتلا ہو، میں اس سے بری اور بیزار ہوں، هٰذَا رَبِّيْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ۔ سورج دیوتا کی پوجا دنیا میں ہمیشہ بڑی دھوم دھام سے، بڑے زوروں پر ہوا کی ہے۔ اور اہل کلدانیہ شمس پرستی میں امتیاز خاص رکھتے تھے۔ هٰذَا رَبِّيْ تینوں موقع پر حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی زبان سے مشرکوں کی ترجمانی لفظ رب سے کرائی گئی ہے۔ الٰہ یا اور کوئی لفظ وارد نہیں ہوا ہے۔ جاہلی قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکر صفت ربوبیت ہی میں لگی ہے۔ اور یہی دھوکا آج تک چلا آ رہا ہے۔ سورج دیوتا یا زہرہ یا مشتری کو خالق کوئی نہیں مانتا، مشرک بس یہی کہتے ہیں کہ ہماری ضرورتیں ان سے وابستہ ہیں، ہماری دعائیں یہی سنتے ہیں۔ ہماری آرزوئیں یہی پوری کرتے ہیں۔ وقس علیٰ ہذا — رب کا لفظ معنویت سے لبریز ہے۔ و۱۱۸ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ توجہ وجہ یا رخ کے یکسو کرنے سے مراد طاعت ہے نہ کہ لفظی معنی۔ توجيه الوجه اليه كناية عن الطاعة (کبیر) لِلَّذِيْ۔ عام قاعدہ کا مقتضا تھا کہ یہاں الى الذى ہوتا۔ لیکن الیٰ سے معنی سمت وجہت اور مادی مرکزیت کے پیدا ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ جسمیت اور جہت سے

راہ ومنزہ ہے اس لئے بجائے الی کے صرف ل لایا گیا۔ ترک کلمة الی ھنا والا کتفاء بحرف اللام دلیل ظاھرٌ علی کون المعبود متعالیاً عن الحیز والجھة (کبیر) فَطَرَ۔ یعنی انہیں عدم سے وجود میں لایا۔ ومعنی
طر اخرجھما الی الوجود (کبیر) حَنِیۡفًا۔ حنیف وہ ہے۔ جو اور ہر معبود سے یکسو ہوکر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جائے۔ قیل الله العادل عن کل معبود دون الله تعالیٰ (کبیر) لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ۔ یہ گویا
حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دعوی پر دلیل بھی ساتھ ساتھ پیش کرتے جاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں تو اس خدا کا قائل ہوں جو تمہارے خود ساختہ زمینی وآسمانی خداؤں اور دیوتاؤں کا خالق ہے۔ سارے مکالمہ میں آپ کوئی ایسی بات نہیں
ماتے، جس سے یہ معلوم ہوکہ آپ پہلے بھی مشرک تھے اور اب پہلی بار مسلم وموحد ہوئے ہیں۔ ف۱۱۹ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مقولہ کو حیرت واستعجاب کے لہجہ میں پڑھا جائے گا جب مفہوم پوری طرح واضح ہوگا، آپ گویا یہ فرمارہے
یں کہ "اللہ کی شان! تم مجھ سے بحث وجدل کرنے توحید کے مسئلہ میں چلے ہو۔ جو میرے اوپر بالکل کھل چکا ہے اور مجھے ہدایت علم الیقین کیا معنی عین الیقین کے ساتھ مل چکی ہے"! حَآجَّهٗ قَوۡمُهٗ۔ بجائے اس کے کہ قوم ابراہیم علیہ السلام
حضرت کی صاف، سیدھی، فطری تعلیم کو مان لیتی الٹی آپ کے سر ہوگئی اور طرح طرح کی کج بحثیاں کرنے لگی، جیسا کہ ہر غبی، جاہل، مشرک قوم کا شیوہ ہے۔ حَآجَّ کے معنی علمی مناظرہ کے نہیں، بلکہ لڑنے جھگڑنے کے ہیں۔ حاجه ای
خاصمه وجادله (معالم) ف۱۲۰ (اتنا بھی کہ قادر اور عاجز کے درمیان فرق کرسکو) اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ رَبِّیۡ شَیۡـًٔا۔ یعنی ہاں میرا پروردگار ہی مجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہے تو ہر آن اپنے ارادہ پر قادر ہے۔ وہ تمہارے دیوتاؤں کی طرح ناقص

بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِکُوۡنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّیۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ
اس شرک سے بری (اور بیزار) ہوں جو تم کیا کرتے ہو ف۱۱۷ یقیناً میں نے تو اپنا رخ یکسو ہوکر اس کی طرف کرلیا ہے جس نے
فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ
آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے
الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿ۚ۷۹﴾ وَ حَآجَّهٗ قَوۡمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوۡٓنِّیۡ
نہیں ہوں ف۱۱۸ اور ان کی قوم لگی ان سے جھگڑنے، وہ بولے کہ کیا یہ جھگڑا مجھ سے
فِی اللّٰهِ وَ قَدۡ هَدٰىنِ ؕ وَ لَاۤ اَخَافُ مَا تُشۡرِکُوۡنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ
اللہ کے باب میں کرتے ہو؟ درآنحالیکہ وہ مجھے ہدایت کرچکا ہے ف۱۱۹ میں ان سے نہیں ڈرتا جنہیں تم (اللہ کا) شریک ٹھیرا
اَنۡ یَّشَآءَ رَبِّیۡ شَیۡـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیۡ کُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ؕ
رہے ہو، ہاں البتہ اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے۔ میرا پروردگار ہر چیز کو علم سے گھیرے ہوئے ہے،
اَفَلَا تَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۸۰﴾ وَ کَیۡفَ اَخَافُ مَاۤ اَشۡرَکۡتُمۡ
تو کیا تم خیال نہیں کرتے ف۱۲۰ اور میں اس سے کیوں ڈرنے لگا جس کو تم نے شریک ٹھیرا رکھا ہے،
وَ لَا تَخَافُوۡنَ اَنَّکُمۡ اَشۡرَکۡتُمۡ بِاللّٰهِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ
درآنحالیکہ تم تو اس سے ڈرتے نہیں ہو کہ تم نے اللہ کا شریک ٹھیرایا ہے، جن کے باب میں اس نے تم پر کوئی بھی
بِهٖ عَلَیۡکُمۡ سُلۡطٰنًا ؕ فَاَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ اَحَقُّ بِالۡاَمۡنِ ۚ
دلیل نہیں اُتاری ہے سو دونوں گروہوں میں سے امن کا زیادہ حقدار کون ہے؟
اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿ۘ۸۱﴾ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ لَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا
اگر تم جانتے ہو ف۱۲۱ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو
اِیۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الۡاَمۡنُ وَ هُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۸۲﴾ ع
شرک سے مخلوط نہیں کیا، ایسوں ہی کے لئے تو امن ہے اور وہی ہدایت یاب ہیں ف۱۲۲

ع ۱۲ ۱۵

القوی محدود القدرۃ نہیں۔ وَسِعَ رَبِّیۡ کُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا۔ قدرت کاملہ کے ساتھ علم کامل ومحیط بھی اس ذات کا خاصہ ہے۔ اہل کلدانیہ اپنے دیوتاؤں کی قدرت کاملہ کے ساتھ علم کامل کے بھی قائل نہ تھے، حضرت نے اپنی تقریر میں انہی دو صفات باری کا ذکر کرکے ان کے عقائد پر بھرپور ضرب لگادی۔ مَا تُشۡرِکُوۡنَ بِهٖ۔ ما حرف موصول بے جان کے لئے آتا ہے۔ حضرت نے یہ پیرایہ بیان اختیار کرکے گویا اوپر اشارہ کردیا کہ تمہارے دیوتا تو صفت حیات اور قدرت تک سے یکسر محروم ہیں، وہ کیا کسی کو نقصان پہنچاسکتے ہیں، اور ان سے ڈرنے کے معنی ہی کیا؟ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ رَبِّیۡ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مطلق لا اخاف سے ایک صورت دعوی کی پیدا ہوسکتی تھی۔ حضرت انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر محتاط اور کون ہوگا۔ معاً اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ رَبِّیۡ بھی بڑھادیا۔ لَاۤ اَخَافُ مَا تُشۡرِکُوۡنَ بِهٖ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جب آپ نے اثبات توحید پر یہ دلائل قائم کئے تو مذہب شرک کے پرستاروں سے اور کچھ تو نہ بنا، ہاں یہ ڈراوے اور دھمکیاں دینے لگے کہ اچھا ہمارے دیوتاؤں کو چھوڑتے ہو مگر دیکھنا کہ وہ بھی تمہیں سمجھ لیں گے، ان کی قوت وغضب سے واقف نہیں ہو، تمہیں تہس نہس کرڈالیں گے ——— وہی باتیں جو آج بھی ضعیف الاعتقاد، وہم پرست گروہ اہل توحید کے مقابلہ میں کہتا رہتا ہے۔ وقد خوفوه ان معبوداتهم تصيبه بسوء (کشاف) ذلک انهم قالوا له احذر الاصنام فانا نخاف ان تمسک بسوء من خبل اوجنون لعيبک اياها (معالم) ف۱۲۱ اگر تم صاحب علم وصاحب ایمان ہو تو خود ہی بتاؤ کہ سلامتی اور بے خوفی کا مستحق ہم دونوں میں سے کون سا فریق ہے؟ اہل توحید یا اہل شرک۔ فَاَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ۔ غایت تواضع وکسر نفسی سے حضرت نے یہ نہ فرمایا کہ ہم دونوں میں سے کون مستحق امن ہے بلکہ یہ فرمایا کہ اہل توحید اور اہل شرک ان دو میں سے کون مستحق امن ہے۔ ادب واحتیاط کوئی سیکھنا چاہے تو انہی حضرات انبیاء سے سیکھے ولم يقل فاينا احق بالامن انا ام انتم احترازا من تزکيته نفسه فعدل عنه (کشاف) کَیۡفَ...... سُلۡطٰنًا۔ ڈرنا مجھ کو چاہیے یا تم کو؟ میں جو حاکم یکتا کی یکتائی کا قائل ہوں یا تم کو جنہوں نے بے دلیل، بے سند دیوتاؤں معبودوں کی فوج گڑھ رکھی ہے۔ کیسی الٹی بات کررہے ہو کہ مجھے ڈرارہے ہو۔ میں جو توحید پر قائم ہوں تو میں تو ڈر جاؤں، اور تم جو اعظم ذنوب، شرک میں مبتلا ہو تو تم بے خوف بنے رہو! ف۱۲۲ (اس دنیا میں بھی) یعنی راست روی صرف اہل توحید کا حصہ ہے۔ بِظُلۡمٍ۔ جو معصیت ایمان کے منافی ہے وہ شرک ہے۔ یوں بھی سب سے بڑا ظلم جو انسان اپنی جان پر، اپنی عقل وضمیر اور روح پر کرسکتا ہے یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ ذات یا صفات میں کسی کو شریک ٹھیرالے۔ قرآن مجید میں بھی اسی کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ۔ (سورۂ لقمان) اور یہاں بھی ظلم کے یہی معنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت سلمان، حضرت حذیفہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ جلیل القدر صحابیوں اور عکرمہ، نخعی، ضحاک، ابن زید، علقمہ، قتادہ، مجاہد وغیرہ بہ کثرت تابعین سے مروی ہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی تفسیر منقول ہے اور تفسیر کے ائمہ محققین

اسی طرف گئے ہیں۔ واولی القولین بالصحة فی ذلک ما صح به الخبر عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهو الخبر الذی رواه ابن مسعود عنه انه قال الظلم الذی ذکره الله تعالیٰ فی هذا الموضع هو الشرک (ابن جریر) فالمراد ههنا الذین اٰمنوا بالله ولم یثبتوا لله شریکا فی المعبودية والدليل علی ان هذا هو المراد ان هذه القصة من اولها الی اخرها انما وردت فی نفی الشرکاء او لاضداد والانداد وليس فيها ذکر الطاعات والعبادات (کبیر) ف۱۲۳ (اور اپنی انہی صفات حکمت کامل وعلم محیط کے ماتحت، جو کمال جس کے حال واستعداد کے مناسب ہوتا ہے، وہی اس کو عطا کرتا ہے) تِلۡکَ۔ یعنی یہی مکالمہ ابراہیمی جو اوپر گزر چکا۔ اشارة الی کلام تقدم (کبیر) اشارة الی جميع ما احتج به ابراهيم عليه السلام علی قومه (کشاف) عَلٰی قَوۡمِهٖ۔ یہ نہیں ارشاد ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو یہ دلیل خود ان کے مقابلہ میں سجھائی گئی۔ بلکہ یہ ہے کہ ان کی قوم کے مقابلہ میں بتائی گئی، علی قومه ہے علی نفسه نہیں ہے، یہ بجائے خود اس امر کی تائید میں ہے کہ آپ شروع ہی سے موحد تھے، شرک کے خلاف کسی دلیل کی ضرورت آپ کو نہیں، آپ کی قوم کو تھی۔ تِلۡکَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیۡنٰهَاۤ اس استدلال توحیدی کو اپنی جانب نسبت دے کر حق تعالیٰ نے اس میں شرف خصوصی اور امتیاز خاص پیدا کردیا۔ جیسے دنیوی بادشاہ موقع عظمت پر کہتے ہیں کہ یہ کام ہم نے کیا۔ لمّا ذکر نفسه تعالیٰ ههنا باللفظ الدال علی العظمة وجب ان

کے ہوسکتے ہیں، اور درجات کی تنوین سے یہ ظاہر ہورہا ہے کہ یہ کوئی ایک مرتبہ نہیں بلکہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بہت سے مرتبے ہوں گے۔ والتنوین لا یدل الا علی الدرجات الکثیرۃ (کبیر) مَنۡ نَّشَآءُ۔ سب کچھ مشیت تکوینی کے مطابق ہوتا ہے۔ اور مشیت بھی حکمت مطلقہ سے جدا نہیں ہوتی۔ نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ۔ جو لوگ علم کلام میں مشغول رہتے اور اثبات توحید میں لگے رہتے ہیں، اُن کے شرف مرتبہ کا پورا ثبوت اس آیت سے مل گیا۔ اور یہیں سے اُن لوگوں کا رد بھی نکل آیا جو دلائل کلامی پیش کرتے رہنے کو لغو ولاحاصل بتاتے ہیں، فقہاء مفسرین نے اس استنباط پر بہت زور دیا ہے۔ لانہ تعالٰی البت لابراھیمؑ حصول الرفعۃ والفوز بالدرجات العالیۃ لا جل الله ذکر الحجۃ فی التوحید و قررھا و ذب عنھا و ذلک یدل علی ان لا مرتبۃ بعد النبوۃ و الرسالۃ اعلی و اشرف من ھذہ المرتبۃ (کبیر) اوضح دلالۃ علی وجوب الاستدلال علی التوحید (جصاص) فلما استدل ابراھیم علی توحید الله واحتج بہ علی قومہ ثبت بذلک ان علینا مثلہ (جصاص) ۱۲۴ یہ سب کے سب راہ ہدایت پر تھے، مہتدی بھی اور ہادی بھی۔ اسحٰق ویعقوب علیہما السلام کے نام لانے میں تعلیم ہے اہل عرب بنی اسمٰعیل کو کہ تم کہیں یہود بنی اسرائیل کی بدزبانیوں سے مشتعل ہو کر اُن کے قبیلہ وخاندان کے بزرگوں، ان دونوں پیمبروں کی شان میں کوئی گستاخی نہ کرنے لگنا۔ اسحٰقؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ ۲۰۶۰ ق م۔ تا ۱۸۸۰ ق م۔ وَ وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَ يَعۡقُوۡبَ۔ ہم نے اُن کو اسحٰق ویعقوب علیہما السلام عطا کیے، ایک کو بیٹا اور دوسرے کو پوتا بنا کر۔ یعقوبؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے

وَ تِلۡكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيۡنٰهَاۤ اِبۡرٰهِيۡمَ عَلٰى قَوۡمِهٖ ؕ نَرۡفَعُ

یہ تھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلہ پر دی تھی، ہم جس کے درجے

دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ﴿۸۳﴾

چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں، بیشک آپ کا پروردگار بڑا حکمت والا ہے، بڑا علم والا ہے ۱۲۳

وَ وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَ يَعۡقُوۡبَ ؕ كُلًّا هَدَيۡنَا ۚ وَ نُوۡحًا

اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحٰقؑ اور یعقوبؑ عطا کئے، ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی ۱۲۴ اور نوحؑ کو

هَدَيۡنَا مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيۡمٰنَ

ہم ہدایت دے چکے تھے زمانہ ماقبل میں اور ان کی نسل میں سے ۱۲۵ داؤدؑ اور سلیمانؑ

وَ اَيُّوۡبَ وَ يُوۡسُفَ وَ مُوۡسٰى وَ هٰرُوۡنَ ؕ وَ كَذٰلِكَ

اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اور ہم نیکوکاروں کو

نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۙ﴿۸۴﴾ وَ زَكَرِيَّا وَ يَحۡيٰى وَ عِيۡسٰى

اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں ۱۲۶ (اور ہم نے ہدایت دی) زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ

وَ اِلۡيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۙ﴿۸۵﴾ وَ اِسۡمٰعِيۡلَ

اور الیاسؑ کو، (یہ) سب صالحین میں سے تھے ۱۲۷ اور (ہم نے ہدایت دی تھی) اسمٰعیلؑ

وَ الۡيَسَعَ وَ يُوۡنُسَ وَ لُوۡطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلۡنَا عَلَى

اور الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو، اور (ان میں سے) ہر ایک کو ہم نے جہان والوں پر فضیلت

الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ﴿۸۶﴾ وَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَ ذُرِّيّٰتِهِمۡ وَ اِخۡوَانِهِمۡ ۚ

دی تھی ۱۲۸ اور (ہم نے ہدایت دی تھی) ان کے کچھ باپ دادوں کو اور ان کی کچھ اولاد کو اور ان کے کچھ بھائیوں کو،

وَ اجۡتَبَيۡنٰهُمۡ وَ هَدَيۡنٰهُمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۸۷﴾

اور ہم نے ان (سب) کو برگزیدہ کیا، اور ہم نے ان (سب) کو راہ راست کی ہدایت کی تھی ۱۲۹

صاحبزادہ ۲۰۰۰ ق م تا ۱۸۵۰ ق م۔ آپ کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ اور قوم بنی اسرائیل آپ ہی کی جانب منسوب ہے۔ ۱۲۵ نوحؑ بن لمک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اجداد میں سے مشہور و معروف نبی ہیں، توریت میں بھی جو نسب نامہ درج ہے، اس کے اعتبار سے حضرت ابراہیم خلیل حضرت نوح علیہما السلام کی گیارھویں پشت میں ہیں، آپ کا وطن وہی تھا جو تاریخ کے اس ابتدائی دور میں نسل انسانی کا وطن تھا، یعنی عراق کا دوآبہ دجلہ وفرات، آپ کا زمانہ قیاسی وتخمینی طور پر ۲۹۳۸ ق م تا ۱۹۹۸ ق م سمجھا گیا ہے۔ ذُرِّيَّتِهٖ۔ میں ضمیر کس کی طرف ہے یعنی کس کی اولاد کا ذکر ہے؟ مراد حضرت نوح علیہ السلام ہو سکتے ہیں کہ اول تو آپ ہی کا مذکور سب سے قریب واقع ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ آگے جن جن کا ذکر آرہا ہے وہ سب آپ ہی کی اولاد میں تھے بھی۔ ای من ذریۃ نوح (معالم) بعض نے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لی ہے اس لیے کہ اصلاً انہی کے فضائل یہاں مقصود ہیں، اس گروہ نے ذریۃ کے معنی وسیع کر کے لیے ہیں کہ اولاد دختری واولاد معنوی بھی اس میں شامل ہو جائے۔ روی عن ابن عباسؓ ان ھؤلاء الانبیاء علیھم السلام کلھم مضافون الی ذریۃ ابراھیم و ان کان منھم من لم یلحقہ بولادۃ من قبل ام و لا اب (روح) والضمیر عند جمع لابراھیم (روح) ۱۲۶ (جیسے ابراہیم علیہ السلام کو وہی کہ ان کی نسل میں ایک سلسلہ انبیاء اور خاصان خدا کا پیدا کر دیا) داؤد بن یسی۔ نبی برحق اور بنی اسرائیل میں ایک بڑے شان وشوکت کے بادشاہ۔ متوفی ۹۶۲ ق م، سلیمانؑ بن داؤدؑ۔ طبقہ انبیاء میں سب سے بڑے بادشاہ۔ متوفی ۹۳۲ ق م، ایوبؑ۔ آپ کا شمار پیمبران عرب میں ہے۔ مسکن شمالی عرب میں علاقہ فلسطین کی مشرقی سرحد تھا، بائبلی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے پانچویں پشت میں تھے۔ اسرائیلی روایتوں میں آپ کی عمر ۲۱۰ سال بیان کی گئی ہے۔ یوسفؑ بن یعقوبؑ۔ پیدائش ملک کنعان (فلسطین) میں، بعد کو مصر کے بادشاہ ہو گئے۔ ۱۹۱۰ تا ۱۸۰۰ ق م۔ موسیٰ بن عمران۔ صاحب توریت، اسرائیلیوں کے مشہور ترین پیغمبر ۱۵۲۰ ق م تا ۱۴۰۰ ق م۔ ہارون بن عمران۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی، عمر میں تین سال بڑے، ان سب میں ایک مشترک چیز یہ نظر آتی ہے کہ نبوت کے ساتھ ساتھ دولت یا حکومت یا قبیلہ کی سرداری غرض وجاہت دنیوی سے بھی مشرف تھے۔ ۱۲۷ یعنی اللہ کے ہاں معزز ومقرب، ان کی اگر دنیا میں بدنامی ہوئی، اور بعض گروہوں نے ان کی بدگوئی کو اپنا شعار بنا لیا تو اس سے متاثر نہ ہو جانا۔ قرآن تصدیق کرتا ہے کہ یہ سب صالح تھے۔ زکریا حضرت مسیح کے خالو ہوتے تھے انجیل میں ان کا اور ان کی زوجہ محترمہ کا ذکر خیر تفصیل سے موجود ہے۔ یحییٰ بن زکریا۔ متوفی ۳۰ء انجیل میں ان کا نام یوحنا آیا ہے۔ عیسیٰ ابن مریم۔ مشہور ومعروف نبی ۲۹ء میں دنیا سے تشریف لے گئے۔ الیاس۔ یہ غالباً وہ ہیں جن کا ذکر توریت کے بعض صحیفوں میں ایلیاہ نبی کے نام سے آیا ہے اور ان کے خارق عادت بہت سے دیے ہیں (۱۔ سلاطین وغیرہ) انگریزی تلفظ میں Elijah اہل کتاب نے اپنے ہاں کے انبیاء کی

سیرتوں کو جی بھر کر داغدار کر دیا تھا، قرآن مجید نے آکر ازسرنو ان کی عصمت قائم کی۔ اَلصّٰلِحِيۡنَ۔ یعنی صالحیت میں کامل ترین۔ الکاملین فی الصلاح (بیضاوی) اور ان تمام خرافات سے بری جو یہود ونصاریٰ نے ان حضرات کی جانب جاہلی قوموں کے دیوتاؤں کے گندے قصوں پر قیاس کر کے منسوب کر دیئے ہیں۔ ۱۲۸ (انہیں نبوت سے سرفراز کر کے) ظاہر ہے کہ ہر نبی اپنے زمانے کے تمام غیر انبیاء سے افضل ہی ہوگا۔ قال القاضی ویمکن ان یقال المراد کلا من الانبیاء یفضلون علی کل شیء عن سواھم من العالمین (کبیر) اِسۡمٰعِيۡلَ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے حضرت ہاجرہ کے بطن سے ۲۰۷۰ ق م تا ۱۹۳۳ ق م۔ الیسع بن سفط توریت کے بعض صحیفوں میں ان کا ذکر بھی تفصیل سے آیا ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام کے جانشین تھے۔ انگریزی تلفظ میں Elisha! یونس بن متی، نینوا (موجودہ نقشہ میں موصل) کے پیمبر تھے، ۸۱۰ ق م تا ۷۴۱ ق م۔ لوط بن ہاران۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ جہاں اب بحر لوط یا بحر مردہ Dead Sea ہے اسی کے کنارے آپ کی نافرمان وجرم پیشہ امت آباد تھی۔ اس کی ہلاکت عذاب الٰہی سے، کہا جاتا ہے کہ ۲۰۶۱ ق م میں واقع ہوئی۔ ۱۲۹ جتنے حضرات کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ یہ سب انبیاء صادقین تھے۔ اللہ کے مقبول وبرگزیدہ، ان کے فسق اعتقادی وعملی سے متعلق جتنی بھی روایات شائع ہوں، اگرچہ وہ بائبل ہی کے ذریعہ سے ہوں، سب کی سب موضوع وباطل ہیں۔ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ میں مِنۡ تبعیضیہ ہے "کچھ" کے معنی میں۔ من للتبعیض ای ھدینا بعض اٰبائھم وذریاتھم (قرطبی) وَ اجۡتَبَيۡنٰهُمۡ وَ هَدَيۡنٰهُمۡ۔ ھم کی ضمیر انہی انبیاء علیہم السلام کی

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ

یہ اللہ کی (راہ) ہدایت ہے اس کی ہدایت وہ اپنے بندوں میں کر دیتا ہے جس کو وہ چاہے،

وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور اگر وہ شرک کرتے تو جو کچھ وہ کرتے رہے سب ان سے اکارت جاتا ف۱۳۰

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ۚ

یہ تو وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی

فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا

سو اگر یہ لوگ اس سے انکار کردیں تو ہم نے اس کے (ماننے کے) لئے ایسے لوگ مقرر کردیئے ہیں جو اس کے

بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ

منکر نہیں ہیں ف۱۳۱ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی ان کے طریقہ پر

اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى

چلئے، آپ کہہ دیجیے میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا وہ (یعنی قرآن) تو بس ایک نصیحت ہے، (دنیا) جہان والوں

لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَآ

کے لئے ہے ف۱۳۲ اور انہوں نے اللہ کو نہیں پہچانا جو اس کے پہچاننے کا حق تھا، جب انہوں نے (یہ) کہہ دیا

اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ

کہ خدا نے کسی بشر پر کوئی بھی چیز نہیں اتاری ف۱۳۳ آپ کہئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی

الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ

جسے لے کر موسیٰ آئے تھے (بجائے خود بھی) نور اور لوگوں کے لئے ہدایت بھی جس کو تم نے (مختلف) اوراق

قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ

کر رکھا ہے، کہ ظاہر کردیتے ہو اور بہت کچھ چھپا جاتے ہو، اور تم سکھائے گئے وہ جو تم نہیں

ع ۸ ١٦

جانب ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اجتباء کا حاصل جذب ہے اور ہدایت کا حاصل سلوک ہے۔ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ۔ میں حق تعالیٰ نے حضرات انبیاء کے آباء اور اولاد اور اخوان یعنی اصول وفروع وفروع اصول تینوں کا ذکر موقع شرف ومدح میں کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء سے ہر قسم کا رشتہ باعث شرف ہے۔ ذلک یدل علی ان اللہ تعالٰی خصّ کل من تعلق بھو لاء الانبیاء بنوع من الشرف والکرامۃ (کبیر) ف۱۳۰ (اوران کی بزرگ زادگی یا اور کوئی نسبت اضافی ذرا بھی کام نہ آتی) يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ بہٖ کی ضمیر ھدی اللہ کی طرف ہے اور ھدی اللہ سے یہاں مراد توحید ومعرفت الٰہی ہے۔ یجب ان یکون المراد من ھذا الھدی معرفۃ التوحید وتنزیہ اللہ تعالٰی عن الشرک (کبیر) وَلَوْ اَشْرَكُوْا۔ بالفرض یہ شرک اعتقادی یا عملی میں مبتلا ہوئے ہوتے۔ جیسا کہ بائبل کے مختلف صحیفوں میں ان کے سر تھوپ دیا گیا ہے۔ لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ نبوت پر سرفراز وقائم رہنا کیا معنی، ایسی صورت میں تو وہ معمولی درجہ کے مومن بھی باقی نہیں رہ سکتے تھے، لیکن قرآن جب ان کے محسن وصالح ومہدی وافضل عالم ومجتبیٰ وصاحب کتاب ونبی ہونے کا اثبات اس شد ومد سے کر رہا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے (معاذ اللہ) شرک سے متعلق جو کہانیاں گڑھی گئی ہیں وہ سرتاپا باطل اور افتراء شدید ہیں۔ ف۱۳۱ یعنی گروہ صحابہ اور رسول اللہ ﷺ کے معاصر مومنین صادقین، جو نہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت کے منکر ہیں نہ ان انبیاء سابقین کے۔ قیل ھم اصحاب النبی (ﷺ) وکل من امن بہ (کشاف) قیل ھم اھل المدینۃ وقیل ھم المھاجرون والانصار (کبیر) اُولٰٓئِكَ ...... النُّبُوَّةَ۔ ہم نے تو ان صالحین وابرار کو کتاب وحکمت اور نبوت سے سرفراز کیا۔ اس پر بھی فسق پیشہ لوگ ان کے کمالات وفضائل سے انکار ہی کرتے رہے۔ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا۔ ھا کی ضمیر توحید کی طرف لی گئی ہے۔ یا کتاب وحکم ونبوت کی جانب۔ والمراد فان یکفر بھذا التوحید (کبیر) ای بھذہ الثلاثۃ (بیضاوی) هٰٓؤُلَآءِ یعنی رسول ﷺ کے زمانہ کے منکرین ومکذبین۔ ای کفار عصرک یا محمد ﷺ (قرطبی) کفار قریش (کبیر) بِكٰفِرِيْنَ میں ب زاید ہے تاکید کے لئے۔ والباء زائدۃ للتاکید (قرطبی) وفی بکافرین تاکید النفی (کشاف) ف۱۳۲ (خود نبی کے نفع ومصلحت کے لئے) اقْتَدِهْ۔ میں ہ ضمیر کی نہ سمجھی جائے کہ اصل امر تو اقتد ہے۔ ہ وقف ووصل کی ہے۔ ھاء السکت وقفاً ووصلاً (جلالین) الھاء للوقف (بیضاوی) فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ ان حضرات کا وہ ھدی (طریق) کیا تھا۔ جس پر چلنے کا حکم رسول اللہ ﷺ کو مل رہا ہے؟ وہ ان کا طریقہ صبر واستقامت کا تھا۔ ان سب نے بھی اپنے اپنے معاصر منکرین کے ہاتھوں سخت مصائب اٹھائے تھے۔ لیکن اس کے باوجود اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی تسلیہ قلب کے لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ کی راہ میں بھی سب کچھ پیش آتا ہے سو آپ بھی انہی کی طرح ثابت قدم رہیے۔ المعنی اصبر کما صبروا (قرطبی) ای اقتدبھم فی تحمل سفاھات الجھّال فی ھذا الباب (کبیر) ھدی کے دوسرے معنی توحید واصول دین کے بھی کئے گئے ہیں۔ والمراد بھدھم طریقتھم فی الایمان باللہ وتوحیدہ واصول الدین دون الشرائع (کشاف) ای اقتدبھم فی نفی الشرک واثبات التوحید (کبیر) لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا۔ علیہ میں ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ سنت انبیاء ایک یہ بھی ہے کہ وہ تبلیغ دین کی کوئی فیس نہیں طلب کرتے۔ یہ تو ان کا عین مشن (مقصد زندگی) ہی ہوتا ہے۔ وکان من جملۃ ھدٰھم ترک طلب الاجر فی ایصال الدین وابلاغ الشریعۃ (کبیر) بعض فقہاء نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ تعلیم قرآن وروایت حدیث پر معاوضہ لینا درست نہیں۔ فیہ دلیل علی ان اخذ الاجر علی تعلیم القرآن وروایۃ الحدیث لا یجوز (مدارک) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى۔ قرآن مجید کو کوئی قصہ کہانی کی کتاب، سائنس وفلسفہ کی کتاب، تاریخ وجغرافیہ کی کتاب، ادب ومحاضرہ کی کتاب نہ سمجھو۔ یہ تو تمامتر ایک ہدایت نامہ ہے۔ ایک نصیحت نامہ ہے۔ ایک دستور العمل ہے۔ ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ۔ ذکرٰی کے ساتھ للعرب نہیں للعالمین فرمایا۔ یعنی اس کی ہدایت اور اس کے قانون کسی ایک ملک وقوم کے ساتھ مخصوص نہیں، سارے عالم کے لئے ہیں...... اور اس پہلو کو فخر المفسرین فخر رازی علیہ الرحمۃ نے نظر انداز نہیں ہونے دیا ہے۔ یدل علی انہ ﷺ مبعوث الی کل اھل الدنیا لا الی قوم دون قوم (کبیر) استدل بالآیۃ علی عموم بعثتہ ﷺ (روح) ف۱۳۳ یہ کہنے والے کون تھے؟ روایات میں آتا ہے کہ کوئی یہودی تھا اور سیاق قرآنی خود بھی یہی کہہ رہا ہے کہ یہ قول کسی یہودی کی زبان سے نکلا تھا۔ بظاہر یہ مقولہ یہودی عقائد کے بالکل منافی ہے لیکن جوش مخالفت ایسی چیز ہے کہ اس حالت میں اپنے خلاف عقائد باتیں بھی زبان سے نکل جاتی ہیں۔ غلو کے وقت اپنے مسلک اور اپنے مسلمات کی بھی پروا نہیں رہ جاتی۔ خوش قسمتی سے بعض روایات بھی اس خیال کی تائید میں موجود ہیں۔ قیل ان صدور ھذا القول کان عن غضب وذھول عن حقیقتہ (روح) یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ اب کوئی کتاب نہیں اتاری، نہ یہ کہ کبھی کوئی کتاب نہیں اتاری...... آیت میں جو اشکال ہے حیرت ہے کہ اس پر تفصیل کے ساتھ نظر بجز فخر المفسرین امام رازی علیہ الرحمۃ کے اور کسی کی نہ گئی۔ مشکل یہ ہے کہ یہ قول اگر کسی مشرک کا ٹھہرایا جاتا ہے تو معاً بعد اس کا جو جواب قرآن مجید میں درج ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اوپر، جو نزول توریت ہوا اس سے استدلال تو اس جواب کا کوئی ربط مشرک کے قول سے نہیں ٹھہرتا۔ قریش عرب مشرکین ہند کی طرح نفس نبوت اور سلسلہ وحی ہی کے قائل نہ تھے۔ لان کفار قریش والبراھمۃ کما ینکرون رسالۃ محمد ﷺ فکذلک ینکرون رسالۃ سائر الانبیاء (کبیر) اور اگر یہود کا قول مانا جائے تو دشواری وہی آکر واقع ہوتی ہے کہ کوئی یہودی اپنے مسلمات کے خلاف ایسی بات زبان سے نکال کیونکر سکتا تھا امام رازی علیہ الرحمۃ نے سچ فرمایا کہ فی ھذہ الآیۃ بحث صعب (آیت کے اندر ایک سخت اشکال ہے) اور پھر اسے اپنی خداداد ذہانت سے حل یوں فرمایا ہے کہ اس یہودی کا مقصد صرف نبوت محمدی ﷺ کی تکذیب تھی۔ اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے جواب یہ ملتا ہے کہ جب تو موسیٰ علیہ السلام کے صاحب وحی ہونے کا قائل ہے تو یہ تو تو کہہ ہی نہیں سکتا کہ حق تعالیٰ کسی بندہ سے مخاطبہ نہیں کرتا اور اس لئے محمد (ﷺ) پر وحی آنا ناممکن ہے۔ زیادہ سے زیادہ تو ان سے ان کی صداقت کے ثبوت کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ والمقصود ھنا انک لما سلمت ان اللہ تعالٰی انزل التوراۃ علی موسٰی

تَعْلَمُوٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ

جانتے تھے، نہ تم اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ کہیے کہ اللہ نے، پھر آپ انہیں اُن کے مشغلوں میں

خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ

بیہودگی سے پڑے ہوئے رہنے دیجیے ۱۳۴ اور یہی کتاب ہے کہ ہم نے اس کو نازل کیا ہے، برکت والی ہے،

مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ

تصدیق کرنے والی ہے اُس کی جو اس سے پہلے ہو چکی ہیں تا کہ آپ ڈرائیں اُم القری اور اس کے

حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

گردوالوں کو ۱۳۵ اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس (کتاب) پر بھی ایمان لے آتے ہیں،

وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ

اور وہ اپنی نماز کی حفاظت رکھنے والے ہیں ۱۳۶ اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو

افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ

اللہ پر جھوٹ تہمت گڑھ لے یا کہنے لگے کہ میرے اُوپر وحی آتی ہے درآنحالیکہ اُس پر کچھ بھی وحی

اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ

نہیں کی گئی ہے، اور (اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا) جو کہے کہ جیسا (کلام) خدا نے نازل کیا ہے،

وَلَوْ تَرٰٓي اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ

میں بھی (ایسا ہی) نازل کروں گا ۱۳۷ کاش آپ اُس وقت دیکھیں جب (یہ) ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے، اور

بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ

فرشتے اپنے ہاتھ (اُن کی طرف) بڑھا رہے ہوں کہ اپنی جانیں (جلد) نکالو ۱۳۸ آج تمہیں ذلت کا

عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ

عذاب ملے گا بہ سبب اس کے کہ تم اللہ پر جھوٹ اور اللہ کے ذمے ناحق باتیں جوڑا کرتے تھے

علیہ السلام فعند هذا لا يمكنك الاصرار على انه تعالى ما انزل على شيئا لانى بشر وموسى بشر ايضا (کبیر) مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔ قدر کی تفسیر عظمت سے بھی کی گئی ہے یعنی اللہ کا جو حق عظمت تھا، وہ ان لوگوں نے ادا نہ کیا۔ قال الحسن ما عظموا حق عظمته ونسوا الله عزوجل الى انه لا يقيم الحجة على عباده (قرطبی) لیکن دوسرے معنی جو سیاق کلام کے موافق تر ہیں، یہ ہیں کہ ان لوگوں نے حق تعالیٰ کو پہچانا ہی نہیں جو اس کی بابت یہ فرض کرلیا کہ وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے رسول نہیں بھیجتا۔ قال ابو عبيدة اى ما عرفوا الله حق معرفته قال النحاس وهذا معنى حسن والمعنيان متقاربان (قرطبی) وما عرفوه حق معرفته فى الرحمة على عباده واللطف بهم حين انكر وابعثة الرسل والوحى اليهم وذلک من اعظم رحمته واجل نعمته (کشاف) حيث انكروا النبوة والرسالة (کبیر) اِذْ قَالُوْا۔ یہ کہنے والا ایک یہودی تھا۔ قال الحسن وسعيد بن جبير الذى قال احد اليهود (قرطبی) هذه الاية فى حق اليهود وهو القول المشهور عند الجمهور (کشاف) ف۱۳۳ حجت الزامی کا خلاصہ یہ ہے کہ جس خدا کو تم توریت کا نازل کرنے والا تسلیم کرتے ہو، وہ تو آج بھی زندہ و قائم اور اس پر قادر ہے کہ کوئی دستور حیات اس سے بھی جامع تر و کامل تر نازل کردے۔ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ۔ تقدیر کلام فی القراطیس سمجھی گئی ہے۔ اور معنی یہ کئے گئے ہیں کہ اسے پارہ پارہ کردیا ہے۔ اى فى القراطيس (قرطبی) اى جعلوه قراطيس مقطعة و ورقات مفرقة (کشاف) تُبْدُوْنَهَا۔ یعنی ظاہر کرتے ہو اُس کتاب الٰہی کے بعض حصوں کو اپنی مصلحتوں کے موافق پاکر۔ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا۔ اس کتاب کے بہت سے احکام کو چھپا جاتے ہو۔ جنہیں اپنے مصالح کے خلاف پاتے ہو۔ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا۔ تمہیں تعلیم دی گئی اسی کتاب کے ذریعہ سے اُن حقائق کی جن سے تم ناواقف تھے۔ اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ۔ نسلوں پر نسلیں اور صدیوں پر صدیاں گزرتی چلی گئیں اور تمہیں اپنی بشری کوششوں سے اُن حقائق کا علم نہ ہوسکا۔ قُلِ اللّٰهُ۔ اللہ ہی نے یہ سب کچھ کیا۔ اور وہی آج بھی سب کچھ کرڈالنے پر قادر ہے۔ ف۱۳۵ یعنی ساری دنیا کو۔ مُبٰرَكٌ۔ پہلی صفت قرآن مجید کی یہ ارشاد ہوئی کہ یہ ایک مبارک کتاب ہے۔ اس سے خلق جتنا چاہے۔ بہ قدر اپنے ظرف وہمت کے استفادہ کرے۔ اى كثير المنافع و الفوائد (کشاف) قال اهل المعانى كتابٌ مبارک اى كثير خيره دائم بركتهٗ و منفعته يبشر بالثواب والمغفرة و يزجرعن القبيح والمعصية (کبیر) فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں جو اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہیں وہ بجنسہٖ نقل ہونے کے قابل ہے۔ يقول مصنف هذا الكتاب محمد بن عمر الرازى و انا قد نقلت انواعاً من العلوم النقلية والعقلية فلم يحصل لى بسبب شىء من العلوم من انواع السعادات فى الدين والدنيا مثل ما حصّل بسبب خدمة هذا العلم (کبیر) (اس کتاب کا مصنف محمد بن عمر رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے کہ میں نے بہت سے علوم حاصل کیے نقلی بھی اور عقلی بھی، لیکن کسی علم سے بھی مجھے دین و دنیا میں وہ خیر و سعادت نہ محسوس ہوئی جو اس علم (قرآن) کی خدمت سے حاصل ہوئی۔) مُصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ۔ دوسری صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ اپنے سے سابق ہر وحی اور ہر رسالت کی تصدیق کرتی ہے۔ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اہل یہاں محذوف ہے اور اُمَّ الْقُرٰى سے مراد یہاں کے رہنے والے ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس سے اشارہ شہر مکہ کی جانب ہے۔ اتفقوا على ان ههنا محذوفًا والتقدير و لتنذر اهل امّ القرى و اتفقوا على ان ام القرى هى مكة (کبیر) اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ مکہ کا یہ نام اُمَّ الْقُرٰى (جس کے لفظی معنی بستیوں کے مرکز کے ہیں) پڑا کیوں؟ بعض نے کہا کہ اس لیے کہ ساری اقلیموں کی رُوحانی پرورش کا سامان یہیں سے ہوتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس لیے کہ قدیم جغرافیہ کے لحاظ سے یہ زمین کے عین وسط میں واقع تھا۔ کسی نے کہا اس لیے کہ اس وقت حجاز خصوصاً اس کا یہ شہر دُنیا کی تہذیبوں کا سنگم تھا۔ یعنی اس کے ایک بازو میں مصری، رومی، یونانی تہذیب تھی۔ اور دُوسرے بازو میں کلدانی، ایرانی اور ہندی تمدن۔ کسی نے کہا کہ اس لیے کہ آج بھی دنیا کے تین بڑے براعظموں ایشیا، افریقہ، یورپ کا سرا یہیں ساحل حجاز سے چھوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سب کے سب اسباب صحیح ہوں۔ وَمَنْ حَوْلَهَا۔ جب مکہ معظمہ ناف زمین یا مرکز بلاد قرار پایا تو اس کے ہر طرف آبادی جہاں تک بھی پھیلی ہوگی سب من حولها ہی کے تحت میں آئے گی۔ یعنی جميع الافاق (قرطبی) اى اهل الشرق والغرب (مدارک وبیضاوی) يتناول جميع البلاد والقرى المحيطة بها فيدخل فيه جميع بلاد العالم (کبیر) من اهل المدر والوبر فى المشارق والمغارب لعموم بعثته ﷺ (روح) ف۱۳۶ یعنی اعتقاد صحیح کے ساتھ ساتھ عمل صحیح میں بھی پختہ و مستقیم ہوجاتے ہیں۔ صلوٰة یہاں بہ طور جملہ عبادات کے قائم مقام کے ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ آیت سے صلوٰة کی انتہائی اہمیت و اشرفیت ظاہر ہوتی ہے کہ اسے گویا ایمان کے ہم رتبہ قرار دے دیا گیا ہے۔ المقصود منه التنبيه على ان الصلوٰة اشرف العبادات بعد الايمان بالله و اعظمها خطرا الاترى انه لم يقع اسم الايمان على شئ من العبادات الظاهرة الا على الصلوٰة (کبیر) وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ۔ بہ کی ضمیر قرآن مجید کی جانب ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ خوف آخرت رکھتے ہیں وہ مواخذۂ اُخروی کے ڈر سے پوری ذمہ داری اور اہتمام کے ساتھ حق کی تلاش و طلب میں رہتے ہیں۔ اور اس لیے قرآن کی بھی صداقت و حقانیت کے قائل ہوجاتے ہیں۔ ذلک ان اصل الدين خوف العاقبة فمن خافها لم يزل به الخوف حتى يؤمن (کشاف) الذى يؤمن بالأخرة هو الذى يؤمن بالوعد والوعيد والثواب والعقاب و من كان كذلک فانه يعظم رغبته فى تحصيل الثواب و رهبته عن حلول العقاب و يبالغ فى النظر والتامل فى دلائل التوحيد والنبوة فيصل الى العلم و الايمان (کبیر) ف۱۳۷ رسول اللہ ﷺ کے معاصرین میں نزول وحی کے طویل عرصہ کے زمانہ میں بعض ایسے بھی بدبخت تھے جنہوں نے یہ کہنا شروع کردیا تھا کہ ایسا کلام تو ہم بھی نازل کرسکتے ہیں۔ حدیث و سیر کی کتابوں میں ان کے نام نضر بن حارث اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح منقول ہوئے ہیں۔ والمراد عبدالله بن ابى سرح الذى كان [illegible]

وَكُنۡتُمۡ عَنۡ اٰيٰتِهٖ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰى

اور تم اللہ کی نشانیوں کے مقابلہ میں تکبر کیا کرتے تھے ف۱۳۹ اور اب تو تم ہمارے پاس تنہا تنہا آئے

كَمَا خَلَقۡنٰكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكۡتُمۡ مَّا خَوَّلۡنٰكُمۡ وَرَآءَ

جیسا کہ ہم نے تمہیں اوّل بار پیدا کیا تھا اور اپنے پیچھے چھوڑ آئے جو کچھ ہم نے تم کو

ظُهُوۡرِكُمۡ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمۡ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ

دیا تھا اور ہم تمہارے ہمراہ اُن شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت

زَعَمۡتُمۡ اَنَّهُمۡ فِيۡكُمۡ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدۡ تَّقَطَّعَ بَيۡنَكُمۡ

تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں (ہمارے) شریک ہیں، اب تو تمہارے آپس کا تعلق ٹوٹ کر رہا اور تم سے

وَضَلَّ عَنۡكُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ

گئے گزرے ہوئے وہ دعوے جو تم کرتے رہتے تھے ف۱۴۰ بیشک (اللہ ہی) دانہ اور گٹھلیوں کو

الۡحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخۡرِجُ الۡحَىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَمُخۡرِجُ

پھاڑنے والا ہے، وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے، اور بے جان کو

الۡمَيِّتِ مِنَ الۡحَىِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ

جاندار سے نکالنے والا ہے، وہی تمہارا اللہ ہے سو تم کہاں اُلٹے چلے جا رہے ہو ف۱۴۱ وہ صبح کا

الۡاِصۡبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيۡلَ سَكَنًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ

برآمد کرنے والا ہے اور اُسی نے رات کو راحت کی چیز بنائی اور سورج اور چاند کو

حُسۡبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ

حساب سے رکھا ہے یہ ٹھہرایا ہوا ہے، بڑے غلبہ والے کا، بڑے علم والے کا ف۱۴۲ وہ وہی تو ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوۡمَ لِتَهۡتَدُوۡا بِهَا فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ

تمہارے لئے ستارے بنائے، تاکہ تم اُن کے ذریعہ سے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں

ع ۱۷

اور رسول اللہ ﷺ کے کاتبِ وحی تھے۔ کتابت وحی ہی کے سلسلہ میں مرتد ہو کر مشرکوں سے جا ملے۔ ایک مدت تک مرتد و مباح الدم رہنے کے بعد فتح مکہ کے دن اپنے واجب القتل ہونے کی خبر سن کر روپوش ہو گئے۔ پھر حضرت عثمان ؓ کی سفارش کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُس وقت سے پھر پختہ مسلمان ہو گئے، پھر بڑے بڑے کارنامے اُن کے ہاتھ سے انجام پائے، اُن میں سے فتح مصر و تسخیر نوبیہ (موجودہ حبشہ) ہیں۔ وفات اپنی حسب دعا عین نماز میں فجر کا سلام پھیرتے وقت پائی۔ ؓ۔ اِفۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا مثلاً کوئی اسی کا قائل ہو جائے کہ خدا بندوں سے کبھی کوئی مخاطبہ و مکالمہ کرتا ہی نہیں۔ قَالَ اُوۡحِىَ اِلَىَّ وَلَمۡ يُوۡحَ اِلَيۡهِ شَىۡءٌ۔ اس کے تحت میں تمام جھوٹے مدعیانِ نبوت آ گئے۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ کوئی شخص کوئی خواب تراشے یا کسی وارد و الہام کاذب کا دعویٰ کرے یا اپنے اوہام و خیالات کو فیض غیبی کہے وہ بھی اسی ضمن میں آ جاتے ہیں۔ بعض فقہاء و مفسرین نے کہا ہے کہ جو فقہ و سنن اور آثارِ سلف سے اپنے کو مستغنی سمجھ کر خود رائی اختیار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میری رائے فلاں مسئلہ میں یہ ہے اور عام احکام عوام کے لیے ہیں، مجھ جیسے خواص کے لیے نہیں، وہ بھی اسی وعید کے تحت میں آ جاتا ہے۔ و من هذا النمط من اعرض عن الفقه والسنن وما كان عليه السلف من السنن فيقول وقع في خاطري كذا او اخبرني قلبي بكذا (قرطبی) ف۱۳۸ (جنہیں سو سو طرح بچاتے پھرتے ہو) یہ کافر معاند کے احوالِ موت کا بیان ہو رہا ہے۔ اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ۔ ظالم سے مراد اس سیاق میں ہر قسم کے کافر ہیں خصوصاً ان تینوں اقوال میں سے جو یہاں نقل ہوئے کسی کے بھی قائل ہوں۔ المراد بالظالمين ما يشمل الانواع الثلاثة من الافتراء (روح) اَلۡمَلٰٓئِكَةُ۔ مراد ہے فرشتوں کی جنس یا ملک الموت کے اعوان و انصار۔ اَخۡرِجُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ۔ یہ بہ طور امر نہیں بہ طور زجر و تعریض ہے۔ کافروں کی شدائد نزع کو اور بڑھانے کے لیے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جان تو فرشتہ نکال رہے ہوں گے، اپنی جان خود نکالنا انسان کا کام نہیں۔ ليس بامر بل هو وعيد و تقريع كقول القائل امض الان لترى ما يحل بك (کبیر) اَخۡرِجُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ سے یہ بھی صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ انسان کی جان یا روح اس کے جسم سے الگ یا مغایر ایک چیز ہے۔ هذا يدل على ان النفس مغايرة للاجساد (کبیر) ف۱۳۹ (اور اپنی عقل و رائے کو خدائی قانون کے مقابلہ میں پیش کرتے رہتے تھے) عَذَابَ الۡهُوۡنِ۔ اور چند مقامات کی طرح یہاں بھی یہ تصریح سے بیان کر دیا کہ آخرت کے اس عذاب میں جسمانی آزار اور سختیوں کے ساتھ توہین و رسوائی کا جزء بھی پوری طرح شامل ہوگا۔ دنیا کے استکبار کا نتیجہ آخرت میں تفضیح و رسوائی کی صورت میں ظاہر ہونا ہی تھا۔ المراد منه انه تعالى جمع هناك بين الايلام و بين الاهانة (کبیر) ف۱۴۰ یہ سارا مخاطبہ کافروں سے حشر کے دن ہوگا۔ لَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰى۔ اب تمہارے ساتھ نہ وہ جتھے اور پارٹیاں ہیں نہ بڑے بڑے لاؤ لشکر جن پر تمہیں گھمنڈ رہا کرتا تھا۔ اور نہ خود تمہارے پاس کوئی لباس یا وردی ہے، خالی خولی اسی طرح آئے ہو جس طرح دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔ والمعنى جئتمونا واحدًا واحدًا كل واحد منكم منفردًا بلا اهل ولا مال ولا ولد ولا ناصر ممن كان يصاحبكم في الدنيا ولم ينفعكم ما عبدتم من دون الله (قرطبی) اى منفردين عن الاعوان والاوثان التى زعمتم انها شفعاء كم وعن الاموال والاولاد وسائر ما اثرتموها من الدنيا (روح) وَتَرَكۡتُمۡ مَّا خَوَّلۡنٰكُمۡ وَرَآءَ ظُهُوۡرِكُمۡ۔ مال و دولت اور دنیوی علوم و فنون و صنائع جن پر دنیا میں تم بھولے رہتے تھے۔ وہ سب تم کو وہیں چھوڑ آنا تھا اور آخرت میں ان میں سے کوئی چیز کچھ کام نہ آئی۔ شُفَعَآءَكُمۡ...... شُرَكٰٓؤُا۔ وہ تمہارے خیالی دیوتا اور بزرگ جن کے متعلق تمہیں یہ دعویٰ تھا کہ وہ اپنے دخل و تصرف سے تمہیں ہمارے مواخذہ عدل سے بچا لیں گے۔ وہ سب کدھر غائب ہو گئے۔ یہ مستقل شفعاء کا عقیدہ یہود اہل توحید تک میں گھس گیا تھا اور مسیحیت کی تو بنیاد ہی کہنا چاہیے کہ کفارہ و شفاعت کے عقائد پر ہے۔ ف۱۴۱ مطلب یہ ہوا کہ جمادات، نباتات، حیوانات ہر صنف موجودات کا نظام تکوینی و تخلیقی سارے کا سارا اسی کے ہاتھ میں ہے اور چھوٹی بڑی ہر چیز کا دار و مدار اسی پر ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی دیوی دیوتا کی طرف متوجہ ہونا، کسی مشرکانہ نظریہ کو یا وہمیہ کو قابلِ التفات سمجھنا کس درجہ حمق و بے دانشی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰى۔ نباتات کا خدا کوئی اور دیوی دیوتا نہیں جیسا کہ احمق مشرک قوموں نے فرض کر لیا ہے۔ نہ یہ ہے کہ نباتات میں روئیدگی از خود ہو جاتی ہے۔ ہر بیج، ہر گٹھلی میں پھٹنے پھوٹنے کی صلاحیت پیدا کرنا پھر وقت مناسب پر اس صلاحیت کو فعلیت میں لانا یہ سب کام اسی پروردگار عالم کا ہے۔ يُخۡرِجُ الۡحَىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَمُخۡرِجُ الۡمَيِّتِ مِنَ الۡحَىِّ۔ بے جان سے جاندار کو نکالنے کی مثال جیسے انڈے سے مرغی یا نطفہ سے انسان، جاندار سے بے جان کو نکالنے کی مثال جیسے مرغی سے انڈا یا انسان سے نطفہ۔ اوپر مثال عالم نباتات کی آ چکی یہ ذکر جمادات و حیوانات کا ہو رہا ہے۔ ف۱۴۲ یہ سارا عظیم الشان کارخانہ حیات، یہ نظامِ ارضی و نظامِ فلکی یوں ہی اٹکل پچو نہیں چل رہا ہے۔ اس کے قانون کے مطابق اور اس کے ضابطہ کے ماتحت چل رہا ہے جو العزیز ہے۔ ہر غالب پر غالب، ہر قادر پر قادر۔ جس کی راہ ہر رکاوٹ سے خالی ہے۔ اور جو ساتھ ہی العلیم بھی ہے۔ جس کی ہر جنبش تکوینی و تخلیقی بے انتہا حکمتوں اور مصلحتوں سے لبریز رہتی ہے۔ اور جو ہر علم و حکمت کا مبدا بھی ہے اور منتہی بھی۔ والعزيز اشارة الى كمال قدرته والعليم اشارة الى كمال علمه (کبیر) فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ۔ وہ پردۂ شب سے صبح کا برآمد کرنے والا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ ذلكم الله ربكم فالق الاصباح۔ پچھلی آیت میں ذکر نظام ارضی کا تھا۔ اب ذکر نظام فلکی کا ہے۔ جَعَلَ...... حُسۡبَانًا۔ رات کی سکونی کیفیت، سورج اور چاند کی نپی تلی گردش، اس کی شرح رفتار اور مقدار یہ سب اسی قادرِ مطلق و حکیم برحق کے دستِ قدرت میں ہیں جو ہر ہر شعبہ موجودات کا اکیلا حاکم و ناظم ہے، اس کے حضور میں کسی سورج دیوتا اور کسی چندرماں اور کسی رات کی دیوی کا وجود فرض کرنا خرافت کی انتہا ہے۔ حُسۡبَانًا۔ یعنی مصالح خلق کے بالکل مناسب ایسے حساب کے مطابق جس میں نہ کمی کا احتمال ہے نہ زیادتی کا۔ اى بحساب يتعلق به مصالح العباد (قرطبی) اى جعل الله سير الشمس والقمر بحساب لا يزيد ولا ينقص (قرطبی) ذٰلِكَ۔ یعنی اجرامِ سماوی کی یہ جکڑ بند اور ان کی تسخیر۔ اشارة الى جعلهما كذلك (روح) ف۱۴۳ دلائل اپنی توحید اور قدرت اور حکمت کے۔ جَعَلَ...... الۡبَحۡرِ۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ ستارے تو خود ہی انسان کے نفع کی غرض سے اس کی خدمت کے لئے بنائے گئے

ہیں، اسلئے ان کی پرستش میں لگ جانا اور خادموں کو مخدوم سمجھ لینا جہل وحمق کی انتہا ہے۔ جَعَلَ۔ یہاں خلق کے معنی میں ہے۔ جعل هنا بمعنى خلق (قرطبی) لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ۔ یعنی ان شواہد و دلائل سے نفع وہی اٹھائیں گے جو علم وخبر رکھتے ہیں۔ خصهم لانهم منتفعون بها (قرطبی) یَعۡلَمُوۡنَ۔ میں علم سے مراد یا تو عقل ہے اور یا فکر واستدلال۔ المراد بالعلم ههنا العقل (کبیر) المراد من قوله لقوم يعلمو ن لقوم يفكرون ويتاملون ويستدلون بالمحسوس على المعقول وينتقلون من الشاهد الى الغائب (کبیر) ف ۱۴۴ دلائل اپنی توحید اور صنعت اور حکمت کے۔ اَنۡشَاَکُمۡ۔ خطاب عام نسل انسانی سے ہے۔ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے۔ یہاں وحدت انسانی کو بطور ایک حقیقت کے بیان کیا ہے اور اس مسئلہ کو صاف کر دیا کہ سب نوع انسانی کا مورث اعلیٰ ایک ہی ہوا ہے کئی نہیں ہوئے ہیں۔ جیسا کہ بعض ناقص فلسفیوں اور بعض باطل مذہب والوں نے خیال کیا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اس ایک اصل کو مان لینے سے انسانیت جو آج مہذب وغیر مہذب، کالی اور گوری، صاحب اور نیٹو، برہمن اور شودر، مشرقی اور مغربی اور خدا جانے کتنی اور ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی ہے۔ پھر ایک بار بنی آدم کی وحدت میں تبدیل ہو سکتی ہے اور دنیا کے کتنے جھگڑے اور خرخشے مٹ سکتے ہیں۔ فَمُسۡتَقَرٌّ وَّمُسۡتَوۡدَعٌ۔ دونوں میں فرق یہ کیا گیا ہے کہ مستودع بہت سریع الزوال کو کہتے ہیں اور مستقر اتنا زود فنا نہیں۔ الفرق بين المستقر والمستودع۔ اذا المستقر اقرب الثبات من المستودع (کبیر) مستقر۔ کی کئی تفسیریں منقول ہیں۔ لیکن اکثر نے اس سے مراد رحم مادر لی ہے۔ اکثر تابعین بلکہ بعض صحابہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ واكثر اهل التفسير يقولون المستقر ما كان في الرحم (قرطبی) عن ابن مسعود وابن عباس وابی عبد الرحمن السلمی وقيس بن ابی حازم ومجاهد وعطاء وابراهيم النخعی والضحاك وقتادة والسدی وعطاء الخراسانی وغيرهم ای فی الارحام (ابن کثیر) مُسۡتَوۡدَعٌ۔ کی بھی کئی تفسیریں منقول ہیں۔ لیکن اکثر نے مراد پشت پدری ہے ادھر مستودع کے سلسلہ میں جن تابعین وصحابہ کے نام درج ہوئے انہی نے مستودع کی شرح یہی کی ہے المستودع ما كان فی الصلب رواه سعيد بن جبير عن ابن عباس وقاله النخعی (قرطبی) قالوا او اكثرهم ای فی الاصلاب (ابن کثیر) لِقَوۡمٍ یَّفۡقَهُوۡنَ۔ ابھی اوپر کی آیت میں لقوم يعلمون آچکا ہے۔ اہل تحقیق نے کہا ہے کہ اس آیت میں دلالت واضح وصریح تھی اس لئے يعلمون کافی تھا۔ یہاں دلالت خفی ودقیق ہے۔ اس لئے يفقهون لایا گیا۔ انما قيل يعلمون ثم يفقهون هنا لان الدلالة ثم اظهر وهنا ادق (مدارک) ف ۱۴۵ پانی ایک ہی ہوتا ہے لیکن نباتات اس سے کیسی رنگا رنگ اور کتنی مختلف قسموں کی پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ سارے قوانین طبعی بس ایک ہی قادر مطلق حکیم مطلق ذات کے مقرر کئے ہوئے ہیں بارش کے یا زراعت کے۔ کسی دیوی دیوتا کا خیال کرنا ہی حمق ونادانی ہے۔ مِنَ السَّمَآءِ۔ کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو آسمان کی سمت سے نازل ہو۔ سماء عربی میں سحاب (بادل) بلکہ ہر اوپر والی چیز کے بھی مرادف ہے۔ المراد من السماء انزال المطر من جانب السماء (کبیر) سمى الله تعالىٰ السحاب السماء لان العرب سمى كل ما فوقك سماء (کبیر) الكلام على تقدير مضاف ای من جانب السماء (روح) ای كل صنف من النبات (قرطبی) ای كل صنف من اصناف النبات (روح) ف ۱۴۶ (صورت، شکل، رنگ، مزہ، وزن وغیرہ کے اعتبار سے) یہ ساری مثالیں ایسی ہیں جو قرآن مجید کے مخاطبین اول یعنی عرب کے لئے آسانی سے قابل فہم تھیں۔ جَنّٰتٍ مِّنۡ اَعۡنَابٍ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ واخرجنا جنات من اعناب۔ ف ۱۴۷ (اور مصنوعات کی صناعی سے صانع کے کمال پر استدلال کرنا چاہتے ہیں) اُنۡظُرُوۡۤا اِلٰی ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَیَنۡعِهٖ۔ پھل کا نفس پیدا ہونا ہی اپنی خام حالت میں کیسے کیسے حکیمانہ اور باریک کیمیاوی اور طبعی تغیرات کا نتیجہ ہوتا ہے اور چہ جائیکہ پھل کی خام حالت سے پختگی میں منتقلی جس میں رنگ، مزہ، خوشبو، جسامت ہر چیز کیا سے کیا ہو جاتی اور کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے۔ انظروا سے مراد سرسری میں نظر ڈال لینا نہیں، فکر وعبرت کی نظر سے دیکھنا ہے ای نظر اعتبار لا نظر الابصار المجرد عن التفكر (قرطبی) ای انظروا الى حال نضجه نظر اعتبار واستدلال على قدرة مقدره ومدبره وناقله من حال الى حال (مدارک) اُنۡظُرُوۡۤا اِلٰی مخلوقات کی طرف بار بار توجہ والتفات سے نظر کرنے کا جو یہ حکم قرآن مجید میں بار بار رہا ہے، اس پر محققین نے لکھا ہے کہ خلق پر نظر جبکہ للحق ہو مذموم نہیں بلکہ اگر مقصود میں اس کی احتیاج ہو تب تو مطلوب بھی ہے۔ لَاٰیٰتٍ۔ آیات یہاں دلائل کے معنی میں ہے۔ دلائل اللہ کے کمال قدرت پر۔ ای دلالات علی كمال قدرة خالق هذه الاشياء وحكمته و رحمته (ابن کثیر) لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ۔ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان کی تلاش وطلب رکھتے ہوں۔ تحقیق کی فکر میں لگے ہوئے ہوں۔ ای يطلبون الايمان بالله تعالىٰ (روح) ف ۱۴۸ یہ کن لوگوں کا ذکر ہے؟ مشرکین عرب تو یقیناً مراد ہیں، باقی دوسری جاہلی قومیں بھی مراد ہو سکتی ہیں جو بھی انہی عقائد کی ہوں۔ اَلۡجِنَّ۔ جنات وہ ناری مخلوق ہیں۔ جو خاکی مخلوق انسان سے قبل اس پروگنتی پر وجود میں آچکے تھے۔ عموماً وعادۃً یہ انسان کے لئے غیر مرئی رہتے ہیں۔ ابلیس انہی کی صنف کا مخلوق ہے۔ وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَکَآءَ الۡجِنَّ۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ وجعلوا لله الجن شركاء۔ معناه جعلوا الجن شركاء لله (کبیر) خَلَقَهُمۡ۔ حالانکہ اسی اللہ نے ان مشرکوں کو پیدا کیا ہے۔ نہ کہ جنات نے۔ ابن مسعود کی قرأت وهو خلقهم نے اسے اور صاف کر دیا ہے۔ والمعنى وقد علموا ان الله خالقهم دون الجن (بیضاوی) مطلب یہ ہے کہ ان مشرکوں کو خود تسلیم ہے کہ ہمارا خالق محض اللہ ہے، اس پر بھی یہ کیسی کج رائی ہے کہ یہ لوگ معبودیت میں جنات کو بھی شریک سمجھ رہے ہیں۔ هم۔ کی ضمیر اگر جن کی جانب لی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اسی خدا نے ان کو بھی پیدا کیا ہے پس جنات مخلوق ہو کر معبود اور شریک خدائی کیونکر ہوئے۔ یعنی وهو خلق الجن (معالم) وَخَرَقُوۡا لَهٗ بَنِیۡنَ وَبَنٰتٍ۔ خدا کا صاحب اولاد ہونا، اپنے کو دیوتاؤں کی اولاد سمجھنا، یہ مرض مشرک قوموں میں بہت زیادہ عام اور مشترک رہا ہے۔ ہندوستان کے برہمنوں اور چھتریوں کا اپنے کو سورج بنسی اور چندر بنسی کہلانا یا اپنے کو سورج دیوتا اور چندرماں دیوتا کی اولاد قرار دینا، یونانی شرفا کا اپنے کو خدا زادہ یا دیوتا مشہور کرنا یہ سب اسی مشرکانہ وگستاخانہ ذہنیت کے کرشمہ

وَالۡبَحۡرِ ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ

راہ پاؤ، بیشک ہم نے دلائل کھول کر بیان کر دیئے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو خبر رکھتے ہیں ف ۱۴۳ اور وہ

الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ فَمُسۡتَقَرٌّ

وہی تو ہے جس نے تم (انسانوں) کو پیدا کیا ایک ہی شخص سے۔ پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی

وَّمُسۡتَوۡدَعٌ ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّفۡقَهُوۡنَ ﴿۹۸﴾

اور ایک جگہ چندے رہنے کی، بیشک ہم نے دلائل خوب کھول کر بیان کر دیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں ف ۱۴۴

وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ

اور وہ وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اُس کے ذریعہ سے ہر قسم

نَبَاتَ کُلِّ شَیۡءٍ فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهُ خَضِرًا نُّخۡرِجُ مِنۡهُ

کی روئیدگی کو نکالا ف ۱۴۵ پھر ہم نے اُس سے سبز شاخ نکالی کہ ہم اُس سے اوپر تلے چڑھے

حَبًّا مُّتَرَاکِبًا ۚ وَمِنَ النَّخۡلِ مِنۡ طَلۡعِهَا قِنۡوَانٌ دَانِیَۃٌ

دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گپھوں سے خوشہ (نکلتے ہیں) نیچے کو لٹکے ہوئے

وَّجَنّٰتٍ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّالزَّیۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ مُشۡتَبِهًا

اور (ہم نے) باغ، انگور اور زیتون اور انار کے (پیدا کئے) باہم مشابہ

وَّغَیۡرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنۡظُرُوۡۤا اِلٰی ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَیَنۡعِهٖ ؕ اِنَّ

اور غیر مشابہ ف ۱۴۶ اُس کے پھل کو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اُس کے پکنے کو (دیکھو) بیشک

فِیۡ ذٰلِکُمۡ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَکَآءَ

ان سب میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان کی طلب رکھتے ہیں ف ۱۴۷ اور لوگوں نے اللہ کا شریک جنات کو قرار

الۡجِنَّ وَخَلَقَهُمۡ وَخَرَقُوۡا لَهٗ بَنِیۡنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ؕ

دے رکھا ہے در آنحالیکہ اُس نے انہیں پیدا کیا ہے اور لوگوں نے اُس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں محض بے سند تراش رکھی ہیں،

سُبۡحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ

پاک اور برتر ہے وہ اس سے جو کچھ یہ (اس کے باب میں) بیان کرتے ہیں ف ۱۴۸ موجد ہے آسمانوں

وَ الۡاَرۡضِ ؕ اَنّٰی یَکُوۡنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمۡ تَکُنۡ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ

اور زمین کا اُس کے اولاد کہاں سے ہو سکتی ہے؟ درآنحالیکہ اُس کے بیوی ہی نہیں،

وَ خَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ ۚ وَ هُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِکُمُ

اور اُسی نے ہر چیز کو پیدا کیا، اور وہی ہر چیز کو خوب جانتا ہے ف ۱۴۹ یہ ہے

اللّٰهُ رَبُّکُمۡ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ فَاعۡبُدُوۡهُ ۚ

اللہ تمہارا پروردگار، کوئی خدا نہیں بجز اس کے، ہر شے کا پیدا کرنے والا، پس اسی کی عبادت کرو،

وَ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّکِیۡلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ ۫ وَ هُوَ

اور وہی ہر چیز کا کارساز ہے ف ۱۵۰ اُسے نگاہیں نہیں گھیر سکتیں اور وہ

یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَ هُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدۡ جَآءَکُمۡ

نگاہوں کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ بڑا باریک بین ہے بڑا باخبر ہے ف ۱۵۱ اب تمہارے پاس روشن

بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ ۚ فَمَنۡ اَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَ مَنۡ عَمِیَ

دلائل تمہارے پروردگار کے پاس سے پہنچ چکے ہیں، سو جو کوئی بصارت سے کام لے گا، وہ اپنے ہی لئے، اور جو کوئی اندھا

فَعَلَیۡهَا ؕ وَ مَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِحَفِیۡظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَ کَذٰلِکَ نُصَرِّفُ

رہے گا اُس پر (وبال) رہے گا، اور میں کوئی تمہارے اوپر نگران تو ہوں نہیں، ف ۱۵۲ اور اسی طرح ہم دلائل کو (خوب) پھیر پھیر

الۡاٰیٰتِ وَ لِیَقُوۡلُوۡا دَرَسۡتَ وَ لِنُبَیِّنَهٗ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾

کر بیان کرتے ہیں۔ جس سے یہ (کافر) یوں کہیں گے کہ آپ نے پڑھ لیا ہے ف ۱۵۳ اور تاکہ ہم اس (قرآن) کو خوب کھول دیں

اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں ف ۱۵۴ پیروی کئے جایئے اس کی جو آپ کے پروردگار کی جانب سے وحی کیا گیا ہے کوئی خدا

ہیں..... خود مسیحیوں کا عقیدہ ابنیت الٰہی (حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق) بھی اسی اصل کی ایک فرع ہے۔ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ۔ یعنی ان خرافاتی عقائد پر اہل شرک نہ کوئی عقلی دلیل رکھتے ہیں نہ نقلی۔ سُبۡحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوۡنَ۔ مشرکوں نے کیسے کیسے بہتان اس پر لگا رکھے ہیں۔ اس کی ذات والاصفات ہر نالائق انتساب سے بالاتر ہے۔ قوله سبحانه تنزيه الله عن كل ما لا يليق به (کبیر) والمقصود ههنا تنزيه الله تعالىٰ عن هذه الاقوال الفاسدة (کبیر) سُبۡحٰنَهٗ اور تَعٰلٰی۔ مقصود دونوں سے اگرچہ اثبات تنزیہ ہی ہے۔ لیکن سُبۡحٰنَهٗ کا تعلق مخلوق کی زبان سے تسبیح پڑھنے یا اثبات تنزیہ سے ہے۔ برخلاف اس کے تَعٰلٰی سے اشارہ اللہ کی ذاتی صفت تقدس و تعالیٰ کی طرف نکل رہا ہے۔ عام اس سے کہ مخلوق تسبیح کرے یا نہ کرے۔ فالمراد بقوله سبحانه ان هذا القائل يسبحه وينزهه عما لا يليق به والمراد بقوله وتعالىٰ كونه في ذاته متعاليا مقدسا عن هذه الصفات سواء سبحه مسبح او لم يسبحه، فالتسبيح يرجع الى اقوال المسبحين والتعالي يرجع الى صفته الذاتية التي حصلت لذاته لا لغيره (کبیر) ف ۱۴۹ ہر شے سے اس کا رشتہ خالقیت اور علیمیت کا ہے۔ وہ چھوٹی بڑی ہر شے کا خالق اور ہر شے کا علم کل رکھتا ہے۔ اس سے کوئی رشتہ دنیوی اور مادی عزیزداریوں پر قیاس کر کے جوڑنا تمام تر اپنی سفاہت کا ثبوت دینا ہے۔ بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ۔ آسمان اور زمین سب اسی کی مخلوق ہیں نہ کوئی آکاش دیوتا ہیں نہ کوئی دھرتی مائی۔ بدیع یعنی محض ترتیب و ترکیب دے دینے والا نہیں بلکہ عدم محض سے ہست کرنے والا۔ بَدِیۡعُ پر حاشیہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ پارہ نمبر ۱ آیت نمبر ۱۱۷۔ الابداع عبارة عن تكوين الشيء من غير مثال (کبیر) اَنّٰی ...... صَاحِبَةٌ۔ مشرکین پر حجت قائم کی ہے کہ تم جب خدا کے صاحب اولاد ہونے کے قائل ہو، تو لازمی طور پر پہلے اس کے صاحب زوج ہونے کے قائل ہوئے۔ سو اس کا ثبوت لاؤ۔ کیسی لغویات اس کے لئے منہ سے نکال رہے ہو۔ وَ لَمۡ تَکُنۡ لَّهٗ صَاحِبَةٌ۔ اس میں تردید آ گئی۔ مصر، کلدانیہ، یونان اور روما کی قدیم مشرک قوموں کی جنہوں نے اپنے ہر دیوتا کے ساتھ ایک ایک یا کئی کئی بیویاں بھی فرض کی ہیں۔ ف ۱۵۰ سو رشتہ عبدیت اس کے سوا کسی سے بھی جوڑنا درست نہیں، آیت میں حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی یکتائی کا اثبات ہے، وہ اپنی ذات سے منفرد ہے۔ اور خالق و کارساز بھی ہر شے کا وہی ایک ہے۔ ف ۱۵۱ وہ مشرکوں کے دیوتاؤں کی طرح ناقص القویٰ نہیں۔ اس کا علم ہر کلیہ و جزئیہ کو محیط ہے۔ لَا ...... الۡاَبۡصَارُ۔ یعنی وہ کسی کے بھی حواس ظاہری کی گرفت میں اس دنیا میں نہیں آ سکتا۔ درآنحالیکہ اس کی گرفت علمی میں سب ہی ہیں۔ ادراک احاطہ و تحدید کے معنی میں ہے۔ اور آیت سے مقصود حق تعالیٰ کی تنزیہ حدوث سے ہے۔ بیّن سبحانه انه منزه عن سمات الحدوث وهنا الادراك بمعنى الاحاطة والتحديد (قرطبی) قال الزجاج اى لا يبلغ كنه حقيقته (قرطبی) قال ابن عباس لا تدركه الابصار في الدنيا ويراه المومنون في الأخرة (قرطبی) اعلم ان الادراك غير الرؤية لان الادراك هو الوقوف على كنه الشيء والاحاطة به (معالم) لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ۔ الفاظ پر یہ شبہ پیش کیا گیا ہے کہ جب انسانی آنکھیں حق تعالیٰ کی دید کر ہی نہیں سکتیں تو پھر جنت میں اس کی رویت مومنین کو کیسے ہوگی؟ نیز معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے ہوئی؟ مفسرین محققین نے شبہ کو نقل کر کے مفصل و شافی جوابات دیئے ہیں۔ لیکن اس کم فہم کے نزدیک ایک مختصر اور سیدھی سی بات یہ ہے کہ یہاں ذکر تو اسی مادی و ناسوتی دنیا کے قویٰ کا ہے۔ جنت میں تو قویٰ ہی دوسرے ہوں گے عالم ناسوت میں نفی دیدار سے جنت کے دیدار کو تعلق ہی کیا؟ علیٰ ہذا واقعہ معراج میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حق کا تعلق ہی ان قوائے ناسوتی سے بالکل نہیں۔ وہ واقعہ تو خود ہی عالم آخرت کا ہے۔ جس کا تجربہ و مشاہدہ بہ طور معجزہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی دنیا میں کرا دیا گیا۔ لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ۔ محقق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بصر سے مراد اگر بصارت ہے تو نفی رویت اسی دنیا کے ساتھ محدود رہے گی، اور اگر بصارت و بصیرت دونوں مراد ہیں تو نفی ادراک کے معنی نفی ادراک بالکنہ کے لئے جائیں گے۔ ف ۱۵۲ (کہ میرے اوپر تمہارے عقائد و اعمال کی ذمہ داری آتی ہو) یہ خطاب پیمبر کو ہے کہ آپ یوں کہہ دیجیے۔ بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ۔ قرآن کے دلائل، رسول کے معجزات، سب بصائر کے تحت میں داخل ہیں۔ اى ايات وبراهين يبصر بها ويستدل (قرطبی) يعني بالبصيرة الحجة البينة الظاهرة (قرطبی) البصائر هي البينات الحجج التي اشتمل عليها القرآن وما جاء به الرسول (ابن کثیر) فَمَنۡ اَبۡصَرَ۔ یعنی دلائل سے توحید تک پہنچ جائے گا۔ وَ مَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِحَفِیۡظٍ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے اہل طریق کے اس معمول کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ حق ارشاد ادا کر کے پھر کسی کے درپے نہیں ہوتے۔

ف ۱۵۳ (ان مضامین کو کسی صاحب علم سے) چنانچہ یہی ہوا، ایک امی کی زبان سے بلند پایہ علوم، معارف و حقائق کو صحیح و شستہ پیرایہ بیان میں سن کر ظالموں نے یہ کہنا شروع کیا کہ یقیناً یہ مضامین عالی انہوں نے کسی نصرانی یا یہودی سے خوب پڑھ کر یاد کر لئے ہیں اور جاہلیت کے انہی لال بجھکڑوں کی نقل آج بڑے بڑے مستشرقین اور فضلائے یورپ کر کے قرآن مجید کی اس پیش خبری کی توثیق مزید کر رہے ہیں۔ لِیَقُوۡلُوۡا میں ل عاقبت کا ہے۔ لام علت کا نہیں۔ اللام لام العاقبة (بیضاوی) یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے نہ یہ کہ یہ نتیجہ ہونا چاہیے۔ لام عاقبت جس کلام پر لایا جائے۔ اس سے مراد ایسی چیز ہوتی ہے جو بہ طور نتیجہ نکل آئے لیکن مقصود نہ ہو۔ وهى اللام التي تدخل على ما يترتب على شيء وليس مقصودا (کازرونی حاشیہ بیضاوی) ف ۱۵۴ وَ لِنُبَیِّنَهٗ۔ ضمیر قرآن کی تعلیم و ہدایت کی جانب ہے۔ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ۔ یعنی اس سے پورا فائدہ وہی اٹھائیں گے جو اپنی فہم و دانش سے کام لیں گے۔ ف ۱۵۵ یعنی فرط شفقت سے ان بدبختوں کے حال پر بہت زیادہ غم و حزن نہ کیجئے اور اپنے التفات کا مرکز قرآن و وحی الٰہی کو رکھیے۔ مشرکین کی طرف کچھ زیادہ توجہ ہی نہ کیجئے۔ اى لا تشغل قلبك وخاطرك بهم بل اشتغل بعبادة الله (قرطبی) ف ۱۵۶ (ہماری طرف سے کہ جب چاہیں ان پر عذاب نازل کر دیں یا قبول ہدایت پر انہیں مجبور کر دیں) اى قيم بامورهم في مصالحهم لدينهم او دنياهم حتى تلطف لهم في تناول ما يجب لهم (قرطبی) وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَکُوۡا۔ یعنی اگر مشیت تکوینی یہی ہوتی تو خلقت قبول ہدایت پر مجبور و مضطر ہوتی اور اپنا کوئی اختیار و ارادہ بھی اس باب میں نہ پاتی۔ لیکن مشیت تکوینی نے یہ نظام ہی سرے سے نہیں رکھا ہے۔ بلکہ ہر شخص کو قبول ہدایت میں انتخاب و اختیار کی آزادی دے رکھی ہے۔

شرک بھی مشیت تکوینی سے باہر نہیں، جیسا کہ بعض گمراہ فرقوں نے سمجھ رکھا ہے بلکہ اس کے تحت ہی میں ہے۔ نص علی ان الشرک بمشیئه وهو ابطال لمذهب القدرية (قرطبی) مراعياً لا عمالهم ما خوذًا باجرامهم (مدارک) وَمَاجَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا۔ آپ ان لوگوں پر کوئی نگران تو ہیں نہیں کہ ان کی بے ہودگیوں کی ذمہ داری کسی درجہ میں بھی آپ پر آ رہی ہو یا یہ کہ آپ انہیں عذاب الٰہی سے کسی درجہ میں بچاسکیں۔ ای لا يمكنک حفظهم من عذاب الله (قرطبی) ف۱۵۷ فقہاء نے اسی اصل سے یہ قاعدہ مستنبط کیا ہے کہ جو طاعت درجہ واجب میں نہ ہو۔ اور کسی معصیت کا سبب بن جاتی ہو تو اس طاعت کو ترک کر دیا جائے گا۔ قال العلماء حكمها باق في هذه الامة على كل حال فمتى كان الكافر في منعة وخيف ان يسب الاسلام اوالنبي عليه السلام اوالله عزوجل فلا يحل لمسلم ان يسب صلبانهم و لا دينهم ولا كنائسهم ولا يتعرض الى ما يؤدي الى ذلک لانه بمنزلة البعث على المعصية (قرطبی) منع الله تعالٰى في كتابه احدًا ان يفعل فعلاً جائزاً يؤدي الى محظور و لاجل هذا تعلق علمائنا بهذه الأية في سد الذرائع وهو كل عقد جائز في الظاهر يؤول اويمكن ان يتوصل به الى محظور (ابن العربی)" بتوں کو برا کہنا فی نفسہ امر مباح ہے مگر جب وہ ذریعہ بن جائے ایک امر حرام یعنی گستاخی بہ جناب باری تعالیٰ کا وہ بھی منہی عنہ اور قبیح ہو جائے گا۔ اس سے بے تکلف یہ ایک قاعدہ شرعیہ ثابت ہوا کہ مباح جب حرام کا سبب بن جائے، وہ حرام ہو جاتا ہے" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) في هذه الأية ضرب من الموادعة ودليل على وجوب الحكم بسد الذرائع وفيها دليل على ان المحق قد يكف عن حق له اذا ادى الى ضرر يكون في الدين (قرطبی) في ذلک

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَ لَوْشَآءَ اللّٰهُ مَآ

نہیں ہے بجز اس کے اور مشرکوں کی جانب سے بے التفات رہیے ف۱۵۵ اور اگر اللہ کی مشیت (یہی) ہوتی تو (لوگ) یہ

اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ

شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو اُن پر کوئی نگران نہیں بنایا ہے اور نہ آپ

عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾ وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ

اُن پر مختار ہیں ف۱۵۶ اور انہیں دُشنام نہ دو جن کو یہ (لوگ) اللہ کے سوا پکارتے

دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا

رہتے ہیں، ورنہ یہ لوگ اللہ کو حد سے گزر کر براہ جہل دُشنام دیں گے ف۱۵۷ اسی طرح ہم نے ہر طریق کے

لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ

لوگوں کی نظر میں اُن کا عمل خوشنما بنا رکھا ہے۔ پھر ان سب کو اپنے پروردگار کے پاس جانا ہے سو وہ انہیں جتلا دے

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٨﴾ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ

گا، جو کچھ بھی وہ کرتے رہتے تھے ف۱۵۸ اور انہوں نے اللہ کی قسم بڑے زور سے کھا کر کہا کہ

لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ

اگر ان کے پاس کوئی نشان آجائے تو وہ ضرور ہی اس پر ایمان لے آئیں، آپ کہہ دیجیے کہ نشانیاں تو (سب) اللہ ہی

اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٩﴾

کے پاس ہیں اور تم خبر نہیں رکھتے کہ جب وہ نشان آجائے گا (جب بھی) یہ ایمان نہیں لائیں گے، ف۱۵۹

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ

اور ہم بھی اُن کے دلوں کو اور اُن کی نظروں کو پھیر دیں گے جیسا کہ یہ لوگ اُس کے اوپر پہلی بار ایمان

مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١٠﴾ ع

نہیں لائے اور ہم اُن کو اُن کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑے رہیں گے ف۱۶۰

ع ۱۳ / ۱۰ / ۱۹

دليل على ان المحق عليه ان يكف عن سب السفهاء الذين يتسرعون الى سبه على وجه المقابلة له لانه بمنزلة البعث على المعصية (صاص)" لیکن جو امر درجہ واجب وفرض میں ہو۔ مثلاً اثبات توحید ورسالت یا ابطال شرک، فقہاء نے لکھا ہے کہ وہ ایسے مفاسد کے ترتب کی بنا پر ترک نہ کیا جائے گا۔" الحق ان كان واجباً فيأخذه بكل حال وان كان جائزًا ففيه يكون هذا القول (ابن العربی) اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ جنہیں یہ مشرکین بہ طور معبود پکارتے ہیں۔ مفسرین نے یہاں شبہ نقل کیا ہے کہ مشرکین عرب جنہیں پکارتے تھے وہ تو بے جان بت تھے۔ پھر ان کے لئے اللذین کیوں آیا جو صیغہ جاندار اور ذوی العقول کے لئے ہے۔ اور پھر خود ہی جواب دیا ہے کہ یہ مشرکین کے خیال کے مطابق ہے کہ وہ تو انہیں ذوی العقول میں شمار کرتے تھے۔ عُبِّرَ عن الاصنام وهي لا تعقل باللذين على معتقد الكفرة فيها (قرطبی) لیکن اصلی جواب یہ ہے کہ اللذین یدعون من دون اللہ سے مراد صرف بے جان بت ہی نہیں، بلکہ وہ تمام جاندار ہستیاں بھی ہیں جن کے معتقد اہل شرک، ہر قوم اور ہر دور میں رہے ہیں۔ عَدْوًا۔ ای جهلا واعتداءً (قرطبی) ف۱۵۸ (اور وہیں اس کا بدلہ بھی مل جائے گا) جس طرح یہ عالم عالم ابتلاء ہے، اسی طرح عالم آخرت عالم جزا ہے۔ جہاں کشف حقائق کے ساتھ ساتھ پورا پورا عدل بھی ہو کر رہے گا۔ كَذٰلِكَ...... يَعْمَلُوْنَ۔ یعنی اس پر حیرت مطلق نہ کی جائے کہ ایسی شدید گستاخی پر دنیا میں سزا فی الفور کیوں نہیں مل جاتی دنیا میں تو آزادیٔ عمل کا قاعدہ ہی ہم نے مقرر کر رکھا ہے اور اسی لئے تو اس عالم کا نام عالم ابتلاء ہے۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح ہم نے ان لوگوں کی نظر میں ان کے یہ عمل خوشنما اور پسندیدہ کر دکھائے ہیں، اسی طرح ہر ہر طبقہ اور ہر ہر امت کی نظر میں اس کا اپنا عمل پسندیدہ کر دکھایا گیا ہے۔ ای كما زينا لهٰؤلاء اعمالهم كذلک زينا لكل امة عملهم (قرطبی) ای مثل ذلک التزيين (مدارک) ف۱۵۹ یہ پیش خبری عالم الغیب والشہادہ کی طرف سے ہے۔ اور اسی کو یہ کہنے کا حق بھی پہنچتا ہے کہ ان کے فرمائشی معجزات بھی جتنے کے جتنے پورے ہو جائیں جب بھی غایت عناد سے یہ لوگ ایمان لانے کے نہیں۔ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ۔ محاورہ میں مراد بڑی سخت اور غلیظ قسموں سے ہے اور مشرکین عرب ایسی قسم اپنے خدائے اعظم اللہ ہی کے نام کی کھاتے تھے۔ هذه باغلظ الايمان عندهم (قرطبی) جهد الايمان اشدها وهو بالله (قرطبی) لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا۔ یعنی ہمارے فرمائشی معجزات میں سے کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں اور صاحب معجزہ کی نبوت کے قائل ہو جائیں۔ کوئی معجزہ سے مراد فلاں متعین معجزہ تھا۔ ای من مقترحاتهم (بیضاوی۔ مدارک) روایت میں آتا ہے کہ خاص فرمائش اس معجزہ کی تھی کہ مکہ کا کوہ صفا سونے کا بن جائے اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی معجزات وخوارق کا وقوع پیمبر یا کسی بندہ کے ہاتھ میں نہیں، تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے اس لئے کہ معجزہ کی حقیقت سے نظام کائنات کے کسی مستمر اور بندھے ہوئے معمول میں کچھ ترمیم کرنا، اور ان کا تمام تر قاطر کائنات ہی کے اختیار میں ہونا بالکل ظاہر ہے وہی قدرت بھی اس پر رکھتا ہے اور وہی علم بھی اس کا رکھتا ہے کہ کس معجزہ کا وقوع موافق حکمت ہوگا اور کس کا مخالف حکمت، پس کسی مخصوص ومتعین معجزہ کی فرمائش ہی سرے سے بے جا ہے۔ البتہ نفس کوئی معجزہ یا غیر معمولی نشان پیمبر کے دعویٰ کی تصدیق وتقویت کے لیے عین موافق حکمت ہے۔ اور ایسے نشانات ایک نہیں بے شمار تصدیق رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ظاہر ہو چکے تھے۔ وَمَا يُشْعِرُكُمْ...... لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ بعض مسلمانوں کو قدرۃً یہ خیال گزر رہا تھا کہ کاش ان منکروں کی فرمائشیں پوری کر دی جائیں، تو شاید کہ یہ لوگ اس طرح مسلمان ہو جائیں۔ یہاں جواب اس کا مل رہا ہے اور ضمیر کم کے مخاطب مومنین معاصرین ہیں۔ یا معشر المسلمين (ابن عباس رضی اللہ عنہما) و قال الفراء و غيره الخطاب للمؤمنين لان المؤمنين قالوا للنبي صلی اللہ علیہ وسلم يارسول الله لو نزلت الأية لعلهم يؤمنون (قرطبی) و كان المؤمنون يطمعون في ايمانهم (مدارک) اَنَّهَا۔ یعنی وہی فرمائشی معجزات، اى الأية المقترحة (مدارک) ف۱۶۰ (اُن کے ضد اور عناد کے نتیجہ کے طور پر) یعنی حق کی طلب وتلاش چونکہ ان میں سرے سے ہے ہی نہیں، اس لیے ہزار معجزات دیکھ لیں، ہدایت انہیں نصیب نہ ہوگی اور یہ یوں ہی بدستور بھٹکتے ہی رہیں گے۔ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ۔ ان کی آنکھیں حق بینی کی طرف اور ان کے دل حق طلبی کے قصد کی طرف سے ہٹا دیے جائیں گے۔ ضمیر جمع متکلم کا استعمال حق تعالیٰ کی طرف یہاں صرف تکوینی سلسلۂ علل کے مسبب الاسباب کی حیثیت سے ہے۔ عن قبول الحق و عن رؤية الحق عند الأية التي اقترحوها (مدارک) لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ۔ ضمیر قرآن مجید کی جانب ہے۔ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خوارق کا طلب کرتے رہنا طریق ہدایت نہیں، طریق ہدایت صرف اتباع بینات ہے۔ پس سالک کو چاہیے کہ شیخ کے کرامات وخوارق کی تلاش میں نہ پڑے۔ بلکہ اُس کے علم وعمل پر اطمینان کے بعد اس کی پیروی میں لگ جائے۔

والا (اس لیے کہ فرطِ شرارت اور شدتِ عناد سے یہ طلبِ حق کا قصد ہی نہیں کرتے) بیان منکرین اسلام کی شدتِ عناد وقساوتِ قلب کا ہو رہا ہے کہ بالفرض ان کی ساری فرمائشیں پوری کردی جائیں اور دُنیا بھر کے خوارق انہیں دکھلا دیے جائیں۔ جب بھی چونکہ وہ اپنے میں طلب صادق پیدا ہی نہیں کرتے، اس لیے ہمیشہ کوئی نہ کوئی الٹی سیدھی تاویل کر ہی لیں گے۔ اور ایمان بہرحال نہ لائیں گے۔ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ۔ جیسا کہ خود ان کی فرمائشیں ہیں۔ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ۔ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى۔ جیسا کہ خود ان کی فرمائشیں تھیں۔ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ۔ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا۔ یعنی ہر غیب ان پر مکشوف کر دیتے۔ آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مشاہدۂ خوارق سے نفع ہرگز لازمی نہیں، اصل شے طلبِ صادق ہے۔ عاشق کہ شد کہ یار بہ حالش نظر نہ کرد اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست اور مولانائے رومیؒ صاحب مثنوی کی زبان میں۔ آب کم جو تشنگی آور بہ دست تا بجوشد آب از بالا و پست۔ امام المفسرین فخر رازی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ کوئی ایک معجزہ تو پیغمبر کے لیے ضروری ہے کہ جس سے عوام صادق وکاذب کے درمیان فرق کرسکیں۔ لیکن ایک سے زیادہ کا مطالبہ کرتے رہنا محض ہٹ دھرمی ہے۔ ورنہ پھر ہر دوسرے کے بعد تیسرے اور تیسرے کے بعد چوتھے کی طلب برابر بڑھتی ہی رہے گی۔ اور سلسلہ کبھی ختم ہی نہ ہوگا۔ المعجزة الواحدة لا بد منها ليتميز الصادق من الكاذب فاما الزيادة عليها فتحكم محض و لا حاجة اليه والا فلهم ان يطلبوا بعد ظهور المعجزة الثانية ثالثة و بعد الثالثة رابعة و يلزم ان لا تستقر الحجة (کبیر) و۱۶۲ جہالت یہی کہ ایمان کا تو قصد ہی نہیں اور فرمائشیں خوارق ومعجزات کی پھر بھی کیے جاتے ہیں۔ پیمبر کی اصل تعلیمات اور ایمان کے مقصد وغایت پر غور ہی نہیں کرتے۔ اور پیمبر کو گویا ساحر یا شعبدہ باز سمجھتے ہیں۔ یہ معنی بھی لیے گئے ہیں کہ اتنا نہیں سمجھتے کہ ہر معجزہ وخارقِ عادت تمام تر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ قال اصحابنا المراد يجهلون بان الكل من الله و بقضائه و قدره (کبیر) اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی ان کی تقدیر ہی بدل دی جائے۔ مشیت انہیں زبردستی راہِ ہدایت پر لے آئے تو اور بات ہے۔ و۱۶۳ یعنی تا کہ لوگوں کو فریب میں مبتلا کریں۔ انسان شیطان کے فریب ہی میں آکر کفر میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہاں اس حقیقت کا بیان ہے کہ ہر پیمبر کے دَور میں شیاطین، انس وجن ہی دعوے کا سبز باغ دکھا دکھا کر لوگوں کو گمراہ کیا کیے ہیں۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح یہ کافر آپ کے دشمن ہیں۔ ای کما ابتليناك بهؤلاء القوم (قرطبی) ای جعلنا لك عدوا كما جعلنا لمن قبلك من الانبياء (کبیر) شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔ یہ اس باب میں نص ہے کہ قرآن نے جنہیں اپنی بولی میں شیاطین کہا ہے وہ ہمیشہ جنات ہی نہیں ہوتے۔ جو انسان بھی شیطان کی نیابت انجام دینے لگے، وہ گویا شیطان بہ قالب انسان ہے۔ شیطان کا لفظ قرآن مجید میں ہر سرکش ونافرمان کے لیے ہے۔ خواہ وہ جن ہو یا بشر۔ المعنى مردة الانس والجن والشيطان كل عاتٍ متمرد من الانس و الجن و هذا قول ابن عباس و مجاهد والحسن و قتادة (کبیر) يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ۔ اس میں اشارہ ہے کہ شیطانی تلبیسات ہمیشہ کوئی نہ کوئی پہلو ظاہری خوشنمائی کا رکھتی ہیں۔ اگر فوری لذت اور ظاہری آب وتاب ان میں نہ ہو تو کوئی ادھر کا رُخ ہی کیوں کرے؟۔ يُوْحِيْ۔ یعنی وحی کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کہ یہ وسوسہ اندازی بھی بالکل خفیہ ہوتی ہے۔ سمي وحيًا لانه يكون خفية (قرطبی) جتنے جاہلی مذہب دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ غور کر لیجیے سب میں ملمع سازی کے پہلو اچھے خاصے موجود ہوں گے۔ ہر باطل فرقہ کوئی نہ کوئی ظاہری کشش اپنے میں ضرور رکھتا ہے۔ آج اہل باطل کے جتنے مختلف نظریات، مغرب ومشرق سے آرہے ہیں نئی نئی .Ism کے ساتھ، ان سب کے دعوے کیسے کیسے خوشنما اور ظاہر فریب ہیں۔ کوئی کہتا ہے ہم روٹی کے سوال کو حل کیے دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہم دنیا سے مفلسی اور محتاجی کو مٹائے دیتے ہیں۔ وقس علی ہذا یہ سارے نمونے اسی زُخْرُفَ الْقَوْلِ کے ہیں۔ غُرُوْرًا۔ یہ سارے دعوے نرے دعوے ہی ہوتے ہیں۔ حقیقت اور اصلیت ان میں نام کو نہیں ہوتی۔ و۱۶۴ (ہمارے اُوپر۔ اور خود زیادہ فکر وغم میں مبتلا نہ رہیے)۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ۔ یعنی اگر اس کی مشیت تکوینی یوں ہی ہوتی۔ مَا فَعَلُوْهُ۔ یعنی یہ سب کے

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى

اور خواہ ہم ان پر فرشتوں ہی کو اتار دیتے اور (خواہ) ان سے مُردے (بھی) باتیں کرنے لگتے

وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا

اور (خواہ) ہم ہر چیز کو ان کے پاس ان کے سامنے ہی لاکر جمع کر دیتے، جب بھی یہ لوگ ایمان لانے کے نہ تھے و۱۶۱

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

سوا اس کے کہ اللہ ہی چاہے لیکن ان میں سے زیادہ تر جہالت ہی سے کام لیتے ہیں و۱۶۲

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن (بہت سے) شیطان، انسان اور جنات (دونوں) میں سے

وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ

پیدا کر دیے تھے ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں

غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا

دھوکے کے لیے و۱۶۳ اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو یہ ایسا نہ کر سکتے، سو آپ انہیں اور جو کچھ یہ افتراء کر رہے ہیں

يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِيْنَ لَا

اس کو چھوڑ رکھیے، و۱۶۴ تا کہ اُس (فریب آمیز بات) کی طرف ان لوگوں کے دل مائل ہو جائیں جو

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا

آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور تا کہ اس کو یہ پسند کرنے لگیں اور تا کہ یہ مرتکب ہونے لگیں اس کے جس کے

هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ

مرتکب ہو رہے ہیں و۱۶۵ تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو بہ طور حاکم تلاش کروں درآنحالیکہ اسی نے

الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ

ہی تو تمہارے پاس کتاب مفصل نازل کی ہے و۱۶۶ اور جن لوگوں کو

سب اضطراراً بھی مومن ومتقی ہوتے لیکن اس نے اپنے مصالح تکوینی سے انسان کو ایمان پر مضطر ومجبور نہیں بنایا ہے۔ بلکہ انہیں انتخاب واختیار کی آزادی دے رکھی ہے۔ وَمَا يَفْتَرُوْنَ۔ یعنی دین کے باب میں انہوں نے جو جو مسئلہ اور عقیدے گڑھ گڑھ کر رکھے ہیں۔ و۱۶۵ شیطانی وسوسہ اندازی کا بیان ابھی اُوپر آچکا ہے۔ اب شیطانی وسوسہ اندازیوں کی غرض وغایت کا بیان ہے۔ لِتَصْغٰى۔ میں ل غرض وغایت کے اظہار کے لیے ہے۔ اللام لام كي (قرطبی) اَلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ۔ سرکشی اور نافرمانی سے اصلی بچانے والی چیز یہی خوفِ آخرت ہے۔ اس بنیاد کا کمزور ہونا شیطان کے آغوش میں جا پڑنا ہے۔ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْئِدَةُ۔ گمراہی کے سلسلہ میں پہلا درجہ اسی میلان نفس کا ہوتا ہے۔ وَلِيَرْضَوْهُ۔ دوسرا درجہ ان گمراہانہ عقائد کا اعتقادِ قلبی کے ساتھ پسند کر لینے کا ہوتا ہے۔ وَلِيَقْتَرِفُوْا۔ تیسری منزل عملاً معاصی میں مبتلا ہو جانے کی ہوتی ہے۔ و۱۶۶ (جس کی ہدایات وتعلیمات دنیا وآخرت کے ہر معاملہ، ہر مرحلہ سے متعلق جامع، واضح اور مکمل ہیں) یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا کرایا جا رہا ہے۔ حَكَمًا۔ یعنی میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ صادر کرنے والا حاکم۔ المعنى افغير الله اطلب لكم حاكمًا و هو الذى كفا كم مئونة المسالة فى الأيات بما انزلهٗ اليكم (قرطبی) اى قل لهم يا محمد افغير الله اطلب من يحكم بيني و بينكم (بیضاوی)

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ

ہم نے کتاب (آسمانی) دی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ (یعنی قرآن) واقعیت کے ساتھ آپ کے پروردگار کی طرف سے

بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١١٤﴾ وَ تَمَّتْ

نازل ہوا ہے۔ سو آپ شک کرنے والوں میں نہ ہو جائیں ف١٦٧ اور آپ کے

كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ

پروردگار کا یہ (کلام) صدق و عدل کے لحاظ سے کامل ہے، کوئی بدل نہیں سکتا اس کے کلام کو،

وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١١٥﴾ وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ

اور وہی خوب سننے والا ہے، پورا علم رکھنے والا ہے ف١٦٨ اور جو (لوگ) زمین پر (آباد) ہیں ان میں سے اکثر کا کہنا

فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ

اگر آپ ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بھٹکا کر رہیں ف١٦٩ یہ تو

يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾

بس اٹکل ہی کی پیروی کرتے ہیں، اور محض گمان میں پڑے رہتے ہیں ف١٧٠

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ

بیشک آپ کا پروردگار خوب واقف ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے۔

وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١١٧﴾ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ

اور وہی راہ پائے ہوؤں کو بھی خوب جانتا ہے ف١٧١ سو اس (جانور) میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام

اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ وَ مَا

لیا جائے، اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو ف١٧٢ اور

لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ قَدْ

تمہارے لیے آخر کیا وجہ ہے کہ تم ایسے (جانور) میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا جا چکا ہے جب کہ (اللہ) نے تمہیں

ف١٦٧ یعنی شک وتردد اس باب میں کرنے لگیں کہ اہل کتاب پر وضوحِ حق پوری طرح ہو بھی چکا ہے یا نہیں۔ یاد رکھیے ان پر خوب اچھی طرح ہو چکا ہے۔ ای من الشاكين فی انهم يعلمون انه منزل من عنداللہ (قرطبی) فی ان اهل الكتاب يعلمون انهٗ منزّل من ربک (کبیر) ای المترددین فی انهم يعلمون ذٰلک لما لا يشاهد منهم أثار العلم و احكام المعرفة (روح) اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ۔ یعنی یہود ونصاریٰ۔ يريد اليهود و النصارٰی (قرطبی) يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی جانتے ہیں اور خوب یقینی طور پر جانتے ہیں۔ ان پیشگوئیوں کی بنا پر جو ان کی کتابوں میں درج ہیں۔ ایراد الطائفتین بعنوان ایتاء الکتب للایذان بانهم علموا ما علموا من جهة كتابهم (روح) بِالْحَقِّ۔ یعنی گڑھی ہوئی چیز، شک وشبہ والی چیز نہیں حقیقی وواقعی چیز ہے۔ ف١٦٨ خوب سننے والا ان منکرین کے اقوال کا۔ اَلسَّمِيْعُ۔ کوئی اُسے غافل و بے خبر نہ سمجھ لے، پورا علم رکھنے والا ان منکرین کے عقائد اور دلی خیالات کا۔ اَلْعَلِيْمُ۔ کوئی اسے ناواقف نہ خیال کرے۔ كَلِمَتُ رَبِّكَ۔ اہل معانی نے لکھا ہے کہ كلمة واحد ہے لیکن اس کا اطلاق مجموعۂ کلام پر بھی ہوتا ہے۔ جب وہ پورا کلام حکم واحد میں ہوتا ہے۔ چنانچہ کلمۂ ''زہیر'' سے مراد قصیدۂ زہیر اور كلمة سے مراد خطبۂ عربی میں عام ہے۔ الكلمة قد يراد بها الكلمات الكثيرة اذا كانت مضبوطة. بضابط واحد كقولهم قال زهير فی كلمته يعنی قصيدته و قال قس فی كلمته ای خطبته (کبیر) لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ۔ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس کلام الٰہی میں کاٹ، چھانٹ، گھٹ بڑھ کر سکے، یہ ترمیم وتغیر سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہے۔ قال قتادة الكلمات هی القرآن لا مبدل له لا يزيد فيه المفترون ولا ينقصون (قرطبی) المراد انها تبقی مصونة عن التحريف والتغيير (کبیر) دوسرے معنٰی امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کیے ہیں کہ ان دلائل قوی میں منکروں کے شکوک وشبہات ذرا بھی رخنہ نہیں پیدا کر سکتے۔ تلک الشبهات لا تاثير لها فی هذه الدلائل التی لا تقبل التبديل البتة (کبیر) وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا۔ تمام تر صدق اپنے بیانات کے لحاظ سے۔ ماضی کے جتنے واقعات اس نے بیان کیے ہیں، دنیا میں تاریخی واثری تحقیقات جتنی بھی بڑھتی جائیں گی، قرآن کی صداقت کو اس سے دھکا نہیں لگ سکتا، وہ اور زیادہ ہی روشن ہوتی جائے گی۔ یکسر عدل اپنے احکام وہدایت کے لحاظ سے۔ دنیا کے بڑے سے بڑے پیچیدہ انفرادی واجتماعی مسائل میں تجربہ کر لیا جائے۔ قرآن کے قائم کردہ نقطۂ عدل واعتدال اور درجۂ توازن کی قدر اور نکھرتی ہی آئے گی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کل مضامین قرآنی کو خبر اور تکلیف کے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور یہاں صفات صدق وعدل کو انہی دونوں سے متعلق کیا ہے۔ صدقًا ان كان من باب الخبر وعدلًا ان كان من باب التكاليف (کبیر) الصدق فی الاخبار والمواعيد والعدل فی الاقضية والاحكام (روح) فقہاء مفسرین نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ تصریحاتِ قرآنی کی طرح دلالاتِ قرآنی بھی واجب الاتباع ہیں۔ دلت الاٰية علٰی وجوب اتباع دلالات القرآن لانهٗ حق لا يمكن تبديله بمايناقضهٗ (قرطبی) ف١٦٩ (کہ دنیا کی اکثریت تو منکروں اور گمراہوں ہی پر شامل ہے) ف١٧٠ وحی الٰہی کے نور مبین اور علم قطعی کے سوا دنیا میں ''عقل'' اور ''علوم'' کے نام سے جو کچھ بھی ہے چاہے وہ ارسطو کی منطق ہو چاہے کینٹ کے معقولات سب ظن و تخرص ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ ظن یہاں بہت وسیع معنٰی میں ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ باب احکام میں کشف والہام حجت نہیں۔ اور ان پر جزم کرنا تو بالکل ہی باطل ہے۔ ف١٧١ سو اس کے اس علم کامل ومحیط کے لحاظ سے نافرمانوں کی سزا اور فرمانبرداروں کا انعام دونوں یقینی ہیں۔ مَنْ۔ یہاں اَیّ کا مرادف ہے۔ مَنْ بمعنی ای (قرطبی) ف١٧٢ آیت کے آخری ٹکڑے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حلال کو حرام قرار دے لینا ایمان کے منافی ہے۔ فَكُلُوْا۔ میں ف کا تعلق آیت نمبر ١١٦ سے سمجھا گیا ہے۔ جہاں اتباعِ ظن و تخرص یعنی وحی الٰہی کے سوا اور کسی چیز کے تابع فرمان ہونے کی صریح ممانعت وارد ہے۔ مسبب عن انكار اتباع المضلين الذين يحللون الحرام و يحرمون الحلال (کبیر) ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ یہ تسمیۂ الٰہی ذبح کے وقت ہونا چاہیے۔ اور بلا شرکت غیرے ہونا چاہیے۔ اور جانور کا حلال ہونا تو بہرحال ظاہر ہی ہے۔ كُلُوْا۔ صورۃً صیغۂ امر ہے، مراد یہاں حکم نہیں صرف اجازت واباحت ہے۔ ظاهرهٗ امر و معناه الاباحة (جصاص) محققین نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ مباح صرف اسی صورت میں ہے، جب اپنے ذائقہ کے لیے کھائے۔ باقی اگر یہ نیت ہو کہ اس سے طاعت الٰہی کے لیے قوت آئے گی تو یہی چیز باعث اجر بن جائے گی۔ هذا اذا اراد باكله التلذذ فهو اباحة و يحتمل الترغيب فی اعتقاد صحة الاذن فيه فی اكله للاستعانة به علٰی طاعة الله تعالٰی فيكون اكلهٗ فی هذه الحال ماجُوْرًا (جصاص) اٰيٰتِهٖ میں آیات احکام کے معنٰی میں ہے۔ باٰياته ای باحكامه و اوامره (قرطبی)

فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ

تفصیل بتادی ہے ان (جانوروں) کی جنھیں اس نے تم پر حرام کیا ہے و۱۷۳ سوا اس کے کہ اس کے لئے تم مضطر

اِلَيْهِ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ

ہو جاؤ، اور یقیناً بہت سے لوگ اپنی خواہشات کی بنا پر گمراہ کرتے رہتے ہیں بلا کسی

عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَ ذَرُوْا

علم کے، بیشک آپ کا پروردگار ہی خوب جانتا ہے حد سے نکل جانے والوں کو و۱۷۴ اور چھوڑ دو

ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ

گناہ کے ظاہر کو (بھی) اور اس کے باطن کو (بھی) بیشک جو لوگ گناہ کما

الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَ لَا تَاْكُلُوْا

رہے ہیں انہیں عنقریب بدلہ مل جائے گا اس کا جو کچھ کہ وہ کرتے رہتے ہیں و۱۷۵ اور اس (جانور) میں سے مت کھاؤ

مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَ اِنَّ

جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو بے شک یہ بے حکمی ہے اور بے شک

الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ

شیاطین اپنے دوستوں کو پٹی پڑھا رہے ہیں تاکہ وہ تم سے حجت کریں

وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ اَوَ مَنْ

اور اگر تم ان کا کہا ماننے لگو تو یقیناً تم (بھی) مشرک ہو جاؤ گے و۱۷۶ کیا جو شخص

كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ

مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کے لئے ایک نور بنا دیا کہ اس کے ساتھ وہ

فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ

لوگوں میں چلتا پھرتا ہے وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہے (اور) ان سے نکلنے

و۱۷۳ (اور یہ تفصیل یا تو قرآن مجید ہی کی دوسری آیتوں میں مل جائے گی، یا پھر حامل وحی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے) ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ یہ تسمیہ حلال جانور پر ذبح کے وقت اور بلاشرکت غیرے ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ خدا کا نام تو لیا جائے لیکن اس کے ساتھ شریک دوسروں کو بھی کر لیا جائے۔ اَلَّا تَاْكُلُوْا۔ یعنی ایسے جانور کو حرام سمجھنے لگو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے غلوئی الزہد کی مخالفت نکلتی ہے۔ جیسے بعض جاہل صوفی کیا کرتے ہیں۔ و۱۷۴ اور یہاں معتدین (حد سے نکل جانے والوں) سے مراد وہ لوگ ہیں جو اشیاء کی تحلیل وتحریم اپنے اختیار میں سمجھتے ہیں۔ ای اللذین یجاوزون الحلال الی الحرام (معالم) اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ۔ یعنی جب بھوک کی شدت سے مجبور ہو جاؤ۔ اور کوئی حلال غذا نہ مل رہی ہو۔ تو ایسی حالت میں حرام بھی حلال کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور جو چیزیں بھی حرام ہیں ان میں سے کھانے کی اجازت ہو جائے گی۔ یرید من جمیع ما حرم کا لمیتۃ وغیرھا (قرطبی) ای دعتکم الضرورۃ الی اکلہ بسبب شدۃ المجاعۃ (کبیر) لَيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ یعنی انہیں خواہشات کی پیروی دوسروں کو بلا کسی علم صحیح کے جو سند کا کام دے سکے گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ مشرکین وملحدین کے پاس اپنی بات کی حمایت کے لیے نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔ بس یونہی ایک بات بک دیتے ہیں۔ ذبیحہ اور مردار جانور کے گوشت کے درمیان طبی حیثیت سے جو عظیم الشان فرق ہے، اس تک کا بھی تو ادراک نہیں رکھتے۔ تو اللہ کی سی ہمہ دانی اور پیمبر کی سی باریک نظری، یہ کہاں سے لا سکتے ہیں۔ انما یتبعون فیہ الھوی و الشھوۃ ولا بصیرۃ عندھم ولا علم (کبیر) هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ۔ اور وہ جب ان ظالموں کے اسرار قلب تک کا پتہ رکھتا ہے تو انہیں سزا بھی پوری پوری دے گا۔ مقصود اس فقرہ سے تخویف وتہدید ہے۔ اذا کان عالمًا باحوالھم و کان قادرًا علی مجازاتھم فھو تعالٰی یجازیھم علیھا والمقصود من ھذہ الکلمۃ التھدید والتخویف (کبیر) و۱۷۵ (سو مکافاتِ عمل سے غافل کوئی بھی نہ رہے) سَيُجْزَوْنَ۔ عنقریب یعنی قیامت میں بدلہ مل کر رہے گا)۔ يَكْسِبُوْنَ۔ يَقْتَرِفُوْنَ۔ ان سب الفاظ سے ثابت وظاہر ہے کہ گناہ بندہ کی اختیاری چیز ہے۔ ایسی چیز نہیں جو بندہ کے اختیار سے کچھ بھی باہر ہو۔ گو خود یہ اختیار اللہ ہی کی عطا کی ہوئی ایک قوت ہے۔ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ گناہ کے ظاہر و باطن سے مراد کیا ہے؟ جن دونوں کے چھوڑ دینے کا یکساں حکم ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ گناہ کے ظاہر سے مراد اس کی عملی شکل اور اس کے باطن سے مراد غلط اعتقاد، اعتقادی گناہ ہے۔ الظاھر ما کان عملاً بالبدن مما نھی اللہ عنہ و باطنہ ما عقد بالقلب من مخالفۃ امر اللہ فی ما اُمِرَ و نُھِی (قرطبی) قال مجاھد ظاھرہٗ ما یعملہ الانسان بالجوارح من الذنوب و باطنہ ماینویہ و یقصدہ بقلبہ (معالم) قیل ما عملتم و ما نویتم (کبیر) ای قلیلہ و کثیرہ (ابن جریر۔ عن قتادہ) لیکن بہترین تفسیر یہ ہے کہ ظاہر الاثم سے وہ گناہ مراد لیے جائیں جو خلق کی نظر کے سامنے علانیہ کیے جائیں اور باطن الاثم سے مراد وہ گناہ سمجھے جائیں جو خلق کی نظر سے چھپا کر پوشیدہ کیے جاتے ہیں...... جاہلی تہذیبوں میں فسق ومعصیت کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں کہ بجائے خود وہ ذرا بھی معیوب نہیں۔ صرف ان کا کھل جانا گناہ ہے۔ یونان قدیم میں چوری بجائے خود کوئی جرم نہ تھی۔ چوری کا کھل جانا جرم تھا۔ آج فرنگی تہذیب میں حرامکاری بجائے خود کوئی عیب نہیں، صرف اس کا منظر عام پر آجانا، عام رسوائی وتفضیح پیدا ہو جانا، اس کا Public Scandal. بن جانا بس صرف یہ جرم ہے...... عرب کی جاہلی تہذیب میں بھی حرامکاری بجائے خود جائز تھی۔ صرف اس کا افشاء جرم تھا۔ یہ خصوصیت اسلام ہی کی ہے کہ اس نے پوشیدہ وعلانیہ ہر حرام کاری کو جرم ہی قرار دیا۔ کان اھل الجاھلیۃ یستترون بالزنا و یرون ذلک حلالاً ما کان سرًّا فحرّم اللہ السرّ منہ و العلانیۃ ما ظھر منھا (ابن جریر عن الضحاک) قیل ھو ما کان علیہ الجاھلیۃ من الزنا الظاھر و اتخاذ الحلائل فی الباطن (قرطبی) قال الضحاک کان اھل الجاھلیۃ یرون اعلان الزنا اثمًا والاستسرار بہ غیر اثم (جصاص) و اکثر المفسرین علی ان ظاھر الاثم الاعلان بالزنا و ھم اصحاب الرایات و باطنہ الاستسرار بہ و ذلک ان العرب کانوا یحبون الزنا و کان الشریف منھم یتشرف فیسرّبہ و غیر الشریف لایبالی بہ فیظھرہٗ (معالم) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گناہ کی اس قرآنی تقسیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ گناہ، جس طرح اعضاء وجوارح سے ہوتے ہیں اسی طرح قلب سے بھی ہوتے ہیں۔ و۱۷۶ (اے مسلمانو!) وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ۔ مشرک وملحد تو بہرحال اللہ کا نام نہ لے گا۔ اس لیے اس کا ذبیحہ تو کھلا ہوا حرام ہے۔ سوال صرف مسلمان کے ترک تسمیہ کے باب میں رہ جاتا ہے۔ سو مسلم کے لیے بھی ذبح کرتے یا شکاری جانور چھوڑتے وقت ترک تسمیہ کی دو صورتیں ممکن ہیں، یا عمداً ودانستہ ہو، اور یا محض سہو ونسیان سے ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے دوسرے فقیہوں اور بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ یہ ممانعت وحرمت صرف اس صورت کے لیے ہے۔ جب ترک تسمیہ دانستہ وعمداً ہو۔ ان ترکھا عمدًا لم یؤکلا قالہ مالکؒ و ابن القاسم و ھو قول ابی حنیفۃ واصحابہ والثوری والحسن بن حی و عیسٰی و قالہ سعید بن جبیر و عطاء واختارہ النحاس و قال ھذا حسن لانہ لا یسمّٰی فاسقًا اذا کان ناسیًا (قرطبی) قال اصحابنا و مالک والحسن بن صالح ان ترک المسلم التسمیۃ عمدًا لم یؤکل و ان ترکھا ناسیًا اکل (جصاص) اور مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مذہب کی تائید میں حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسے صحابیوں اور سعید بن المسیب اور طاؤس اور عطاء اور حسن بصری جیسے تابعین اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور مالک رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ جیسے ائمہ فقہ کے نام گنائے ہیں۔ المذھب الثالث فی المسئلۃ ان ترک التسمیۃ علی الذبیحۃ نسیانًا لم یضر وان ترکھا عمدًا لم

مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾

نہیں پاتا ؎۱۷۷ اسی طرح کافروں کی نظر میں خوشنما کر دیا گیا ہے جو کچھ وہ کرتے رہتے ہیں ؎۱۷۸

وَ كَذٰلِكَ جَعَلۡنَا فِىۡ كُلِّ قَرۡيَةٍ اَكٰبِرَ مُجۡرِمِيۡهَا

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا

لِيَمۡكُرُوۡا فِيۡهَا ؕ وَمَا يَمۡكُرُوۡنَ اِلَّا بِاَنۡفُسِهِمۡ وَمَا

تاکہ وہ وہاں چال چلا کریں حالانکہ وہ چال بس اپنے ہی خلاف چلتے ہیں اور (اس کو بھی)

يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ

نہیں سمجھتے ؎۱۷۹ اور جب انہیں کوئی نشان پہنچتا ہے ؎۱۸۰ تو کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے

حَتّٰى نُؤۡتٰى مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕۘ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ

جب تک ہم کو بھی وہی نہ ملے جو اللہ کے پیمبروں کو مل چکا ہے ؎۱۸۱ اللہ ہی بہتر جانتا ہے

حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَـتَهٗ ؕ سَيُصِيۡبُ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا

کہ کون اس کی رسالت کا اہل ہے ؎۱۸۲ جو لوگ مجرم ہیں ضرور انہیں اللہ کے پاس (پہنچ کر)

صَغَارٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيۡدٌۢ بِمَا كَانُوۡا

ذلت نصیب ہو گی اور عذاب سخت (بھی) اس شرارت کی پاداش میں جو وہ کیا

يَمۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ

کرتے تھے ؎۱۸۳ اللہ جس کسی کے لئے ارادہ کر لیتا ہے کہ اُسے ہدایت نصیب کردے اس کا سینہ وہ اسلام کے لئے

صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ اَنۡ يُّضِلَّهٗ يَجۡعَلۡ

کھول دیتا ہے ؎۱۸۴ اور جس کے لئے وہ ارادہ کر لیتا ہے کہ اسے گمراہ رکھے اس کے سینہ

صَدۡرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ؕ

کو وہ تنگ (اور) بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے اُسے آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہو ؎۱۸۵

تحل ھٰذا ھو المشھور من مذھب الامام مالک و احمد بن حنبل و بہ یقول ابو حنیفۃ و اصحابہ و اسحاق بن راھویہ و ھو یحکی عن علی و ابن عباس و سعید بن المسیب و عطاء و طاؤس والحسن البصری و ابی مالک و عبدالرحمٰن بن ابی لیلی و جعفر بن محمد و ربیعۃ بن ابی عبدالرحمٰن (ابن کثیر) اور اس حکم حرمت کے تحت میں وہ ذبیحے بھی آجاتے ہیں جن پر اللہ کے بجائے کسی اور کا نام لے دیا جائے۔ یا اللہ کے ساتھ ملا کر بھی کسی اور کا نام لے لیا جائے۔ ویدخل فیہ ما ذکر علیہ غیر اسم اللہ بعموم انہٗ لم یذکر علیہ اسم اللہ و بزیادۃ ذکر غیر اسم اللہ سبحانہ علیہ الذی یقتضی تحریمہ نصاً (قرطبی) اِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ لَيُوۡحُوۡنَ اِلٰٓى اَوۡلِيٰٓـئِهِمۡ لِيُجَادِلُوۡكُمۡ۔ مشرکین اپنے شیطانوں سے تعلیم پا کر مسلمانوں کے سامنے آکر طرح طرح کی بحثیں اور حجتیں نکالا کرتے تھے۔ مثلاً ایک چلتا ہوا فقرہ یہ تھا کہ یہ کیا کہ انسان مار ڈالے جب تو جانور حلال ہو جائے لیکن جس جانور کو خدا مارے یعنی وہ اپنے آپ سے مرجائے وہ حرام ہو...... ہزار ہا سیدھے سادھے، بھولے بھالے مسلمان پہلے بھی اس طرح کے لفظی دھوکوں اور مغالطوں میں آجاتے تھے۔ اور آج بھی ایسے ہی ظاہر فریب، دل خوش کن فقروں میں برابر آتے رہتے ہیں۔ خود اُمت کے اندر جتنے باطل فرقے نکلے ہیں۔ سب کی بنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی مغالطہ پر ہے۔ اِنَّهٗ لَفِسۡقٌ۔ یہاں فسق یا نافرمانی ان دونوں چیزوں کو کہا گیا ہے۔ ترک تسمیہ کو بھی اور ایسے ذبیحہ کے کھانے کو بھی۔ ھو راجع الی الامرین یعنی ترک التسمیۃ و من الاکل (جصاص) الضمیر قیل عائد علی الاکل و قیل عائد علی الذبح بغیر اللہ (ابن کثیر) وَاِنۡ اَطَعۡتُمُوۡهُمۡ۔ سیاق چاہتا ہے کہ یہ اطاعت اسی مسئلہ تحلیل مردار میں مراد ہو۔ ای فی تحلیل المیتۃ (قرطبی) وَاِنۡ اَطَعۡتُمُوۡهُمۡ اِنَّكُمۡ لَمُشۡرِكُوۡنَ۔ آیت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال ٹھہرا لینا انسان کو مشرک بنا دیتا ہے۔ دلت الاٰیۃ علی ان من استحل شیئاً مما حرم اللہ تعالیٰ صاربہ مشرکاً (قرطبی) قال الزجاج و فیہ دلیل علی ان من احل شیئاً مما حرم اللہ او حرم ما احل اللہ فھو مشرک (معالم) لیکن یہ تفصیل بھی فقہاء ہی نے کر دی ہے کہ مشرک بنا دینے والی وہ اطاعت ہے جو عقیدۂ قلب کے ساتھ ہو ورنہ محض عملی تقلید درجہ معصیت تک رکھے گی۔ منزل کفر تک نہ پہنچائے گی انما یکون المومن بطاعۃ المشرک مشرکاً اذا اطاعہٗ فی الاعتقاد و ان اطاعہ فی الفعل و عقدہ سلیم مستمر علی التوحید و التصدیق فھو عاص (ابن العربی) آیت سے یہ بھی نکالا گیا ہے کہ ایمان کا اطلاق جمیع طاعات پر ہوتا ہے۔ جس طرح شرک کے مفہوم میں ہر مخالفت امر الٰہی داخل ہے۔ قال الکعبی الاٰیۃ حجۃ علی ان الایمان اسم لجمیع الطاعات کما جعل تعالیٰ الشرک اسماً لکل ما کان مخالفاً للہ تعالیٰ (کبیر) ؎۱۷۷ یعنی وہ مومن جسے کفر سے نجات مل گئی ہے۔ اور کافر جو کفر کے اندھیروں میں پڑا ہے کہیں دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ التفسیر الماثور عن ابن عباسؓ ان المراد بالمیت الکافر الضال و بالاحیاء الھدایۃ و بالنور القران و بالظلمات الکفر والضلالۃ (روح) وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ۔ یعنی وہ نور ایمان ہر وقت اس کے ساتھ ہے اور وہ اسے تمام گمراہیوں سے محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ ای اماناً یھتدی بہ سبل الخیر و النجاۃ (ابن قتیبہ) فِى الظُّلُمٰتِ۔ مراد وہ شخص ہے جو کفر کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے۔ ای فی الکفر (ابن قتیبہ) ای الجھالات والاھواء والضلالات المتفرقۃ (ابن کثیر) نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ۔ ضمیر اس نور کی طرف ہے اور نور سے مراد نور ایمان اور نور ہدایت ہے۔ النور عبارۃ عن الھدٰی والایمان (قرطبی) یمشی بہ ای بالنور (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صوفیہ عارفین کے یہاں معرفت طریق حق کو جو نور سے تعبیر کرتے ہیں اس کی سند اس آیت سے مل جاتی ہے۔ ؎۱۷۸ اس عالم ابتلاء کے قیام و بقاء کا تو سارا راز ہی اس کی ظاہری خوشنمائی میں ہے۔ ہر کفر ہر نافرمانی میں اگر کوئی نہ کوئی لگاؤ ظاہری لذت اور عارضی راحت کا نہ ہو، تو دنیا کا کوئی بھی انسان اس راہ کو اختیار ہی کیوں کرے۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح مومن نور ایمان سے حیات تازہ پا جاتا ہے۔ کافر اسی طرح اپنی بداعمالیوں میں مگن رہتا ہے۔ الاشارۃ بذٰلک الی احیاء المومن (بحر) ؎۱۷۹ یہ سرکش مجرمین جتنے چالاک بھی ہوں بہرحال دانا و صاحب فہم نہیں ہوتے۔ قرآن مجید چالاکی اور دانائی کے اس فرق کو بار بار واضح کرتا جاتا ہے۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح آج سرداران مکہ آپ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کر رہے اور منصوبہ باندھ رہے ہیں۔ یعنی و کما جعلنا فی مکۃ صنادیدھا لیمکروا فیھا (کشاف) جَعَلۡنَا۔ میں فعل کی نسبت اپنی جانب حق تعالیٰ نے محض علت العلل تکوینی کی حیثیت سے کی ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی رضاء بھی اس میں شامل ہے۔ جَعَلۡنَا فِىۡ كُلِّ قَرۡيَةٍ اَكٰبِرَ مُجۡرِمِيۡهَا۔ ذکر پرانی اُمتوں کا ہو رہا ہے کہ ان میں بھی اوّل اوّل رئیسوں اور سرداروں ہی نے پیمبرانہ تحریک اصلاح کی مخالفت میں قدم اُٹھایا۔ اور قرآن مجید اس کی تصریح بار بار کرتا ہے۔ خص الاکابر لانھم ھم الحاملون مع الضلال و الماکرون بالناس (کشاف) لانھم لاجل ریاستھم اقدر علی الغدر والمکر و ترویج الاباطیل علی الناس من غیرھم (کبیر عن الزجاج) لِيَمۡكُرُوۡا فِيۡهَا۔ یعنی وہ چالیں پیمبروں کی مخالفت میں اپنے ملک میں چلیں گے۔ جن سے ان کا مستحق سزا ہونا خوب ثابت ہو جائے گا۔ ل۔ لام۔ عاقبت کا ہے۔ یعنی اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ قیل لام العاقبۃ والصیر ورۃ (بحر) وَمَا يَمۡكُرُوۡنَ اِلَّا بِاَنۡفُسِهِمۡ۔ یعنی ان چالوں کا وبال آخرکار خود انہی پر پڑتا ہے۔ ای وبال مکرھم راجع الیھم (قرطبی) لان مکرھم یحیق بھم (کشاف) ؎۱۸۰ (اور وہ تصدیق نبوت کے لیے بالکل کافی ہوتا ہے) اٰيَةٌ کے معنٰی آیت تکوینی یا معجزہ بالکل ظاہر ہیں۔ بعض نے مراد آیت قرآنی بھی لی ہے۔ ؎۱۸۱ یعنی معجزات مادّی یا مرتبہ مخاطبۂ الٰہی۔

فرط جہالت وغباوت سے کافروں کے بعض سرغنہ کہتے تھے کہ ہم تو ایمان جب لائیں گے جب ہم خود مرتبہ نبوت پر فائز کر دیئے جائیں۔ اور فرشتوں کو ہم دیکھنے لگیں اور معجزات ہم سے بھی صادر ہونے لگیں۔ قالوا لن نومن حتی نکون انبیاء فنوتی مثل ما اوتی موسٰی و عیسٰی من الاٰیات (قرطبی) و قال ابوجهل والله لانرضی به و لا نتبعه ابدًا الا ان یاتنا وحیٌ کما یاتیه (قرطبی) قالوا لن نومن حتی یحصل لنا مثل هٰذا المنصب من عندالله (کبیر) و۱۸۲ یعنی شرف رسالت کا اہل ہر کس وناکس نہیں ہوسکتا۔ مرتبۂ رسالت کے ظرف واہلیت کا فیصلہ تمامتر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ان کافروں کا یہ مطالبہ کیسا احمقانہ ہے کہ انہیں بھی وہی سرفرازیاں حاصل ہوجائیں! آیت نے عقائد کے اس مسئلہ کو بھی صاف کر دیا کہ ملکۂ رسالت کسبی نہیں وہبی ہے۔ حیث۔ یہاں بہ طور ظرف کے۔ موضع وموقع کے معنی میں نہیں۔ بطور اسم کے اہل کے معنی میں ہے۔ و حیث لیس ظرفًا هنابل هو اسم نصب نصب المفعول به علی الاتساع ای الله اعلم اهل الرسالة (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے یہ بھی ثابت ہوگیا ہے کہ استعداد ذات حصول فیضان کی شرط عادی ہے۔ و۱۸۳ (دنیا میں حضرات انبیاء کے مقابلہ میں) اَلَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا۔ یہ جرم بھی تھا کہ پیمبروں کی تکذیب کرتے تھے۔ اور اپنے کو ان کا ہمسر بلکہ ان سے کہیں بڑھ کر سمجھتے تھے۔ عِنْدَ اللّٰهِ سے مراد ہے "حشر میں" ای یوم القیٰمة (بیضاوی۔ روح) سَيُصِيْبُ۔ میں س تاکید وتیقن کا ہے۔ السین للتاکید (روح) صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا

اس طرح اللہ گندگی ڈالے رکھتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان

يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ

نہیں لاتے و۱۸۶ اور یہی تیرے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے و۱۸۷ ہم نے

فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ

آیتوں کو خوب کھول کر بیان کر دیا ہے ان لوگوں کے لئے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں و۱۸۸ اُن کے واسطے سلامتی

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٧﴾ وَيَوْمَ

کا گھر ہے ان کے پروردگار کے پاس اور وہی اُن کا دوست ہے بسبب اس کے کہ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں و۱۸۹

يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ

اور وہ دن (یاد کرنے کے قابل ہے) جب (اللہ) ان سب کو جمع کرے گا (اور کہا جائے گا) اے جماعت جنات! تم نے

مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰۗؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا

بڑا حصہ لیا انسانوں (کی گمراہی) میں و۱۹۰ اور انسانوں میں سے ان کے دوست (بھی) کہیں گے، اے ہمارے پروردگار

اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ

(واقعی) ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور ہم آپہنچے اپنی میعاد معین تک جو تو نے ہمارے لئے معین

لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ

کی تھی و۱۹۱ (اللہ) فرمائے گا تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اس میں (ہمیشہ کو) رہو گے سوا اس کے کہ اللہ ہی (نکالنا)

اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ

چاہے، بیشک آپ کا پروردگار بڑا حکمت والا ہے، بڑا علم والا ہے، و۱۹۲ اور اسی طرح ہم ظالموں کو

الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٢٩﴾ يٰمَعْشَرَ

ایک دوسرے کے قریب رکھیں گے بہ سبب ان اعمال کے جو وہ کرتے رہے تھے و۱۹۳ اے جماعت

ع ۱۵

شَدِيْدٌ۔ یعنی ایسے سرکشوں کو حشر میں ذلت تو نصیب ہوہی گی۔ اور اس کے علاوہ بھی عذاب شدید دنیا وآخرت دونوں میں حاصل رہے گا۔ عذابٌ شدید فی الدارین من الاسر و القتل وعذاب النار (کشاف) فحصل بهٰذا الکلام انه تعالٰی اعدلهم الخزی العظیم والعذاب الشدید ثم بین ان ذٰلک انما یصیبهم لاجل مکرهم و کذبهم و حسدهم (کبیر) و۱۸۴ (چنانچہ وہ شخص قبول اسلام میں کوئی پس وپیش نہیں کرتا) فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ۔ ارادۂ الٰہی سے مراد اس کی مشیت تکوینی ہے۔ و۱۸۵ (اور چڑھ نہ پاتا ہو، تو ظاہر ہے کہ اُسے کس درجہ میں مشقت اٹھانی پڑ رہی ہوگی۔ اور اُس کی سانس کیسی پھول رہی ہوگی) تشبیہ سے مقصود اس تکلیف شدید کا اظہار ہے جو کافر کو ایمان لانے کے خیال سے ہوتی ہے۔ شبه الله الکافر فی نفوره من الایمان و ثقله علیه بمنزلة من تکلف ما لا یطیقه کما ان صعود السمآء لایطاق (قرطبی) کانما یزاول امرا غیر ممکن لان صعود السماء مثل فی ما یمتنع و یبعد من الاستطاعة وتضیق عنه المقدرة (کشاف) والمراد المبالغة فی ضیق صدره (روح) وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ۔ یہ ارادۂ الٰہی بھی مشیت تکوینی وتقدیری کے معنی میں ہے۔ رضاء الٰہی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے اصل نکل آئی صوفیۂ محققین کے اصطلاحات بسط وقبض عقلی کی۔ و۱۸۶ یہاں بھی فعل کی نسبت اللہ تعالٰی کی جانب محض تکوینی حیثیت سے یا محض بطور مسبب الاسباب کے ہے اور مقصود کلام یہ ہے کہ ان کے ارادی کفر وشرارت کے ثمرات بھی مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ اور انہیں راہ ہدایت کی توفیق ہی نہیں نصیب ہوتی۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح کافر ایمان لانے میں تنگیٔ صدر محسوس کرتا ہے۔ کجعله ضیق الصدر فی اجسادهم (قرطبی) الرِّجْسَ۔ رجس کے لفظی معنی گندگی کے ہیں۔ یہاں مراد ہے محرومی، وبے توفیقی۔ یعنی الخذلان و منع التوفیق (کشاف) و۱۸۷ (اے مخاطب) هٰذَا یعنی دین اسلام۔ ای هٰذا الذی انت علیه یا محمد والمومنون (قرطبی) اشارة الی البیان الذی جاء به القراٰن اوالی الاسلام (بیضاوی) مُسْتَقِيْمًا۔ تاکید کے لیے ہے ورنہ صراط رب تو ظاہر ہے کہ مستقیم ہی ہوگی۔ یہ تاکید ایسی ہے جیسے حق کے ساتھ مصدق قرآن میں آتا ہے۔ و هو حال مؤکدة کقوله و هو الحق مصدقًا (بیضاوی) و۱۸۸ آیتیں مفصل ہیں تو سب ہی کے لیے۔ البتہ نفع ان سے وہی لوگ حاصل کریں گے۔ جن کے دلوں میں نصیحت وہدایت کی طلب ہے۔ و۱۸۹ اللہ کا اپنے صالح بندوں کے ساتھ جو یہ علاقہ قرب وولایت ہے۔ یہ ان بندوں کے حسن عمل کا نتیجہ ہے۔ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ۔ ولی کے معنی قریب کے ہیں۔ اور اسی سے مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ آیت سے بندگانِ صالح کا انتہائی شرف ظاہر ہو رہا ہے۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ اللہ سے بندوں کی قربت کا ترجمان ہے اور وَلِيُّهُمْ بندوں سے اللہ کی قربت کا مظہر۔ والولی معناه القریب فقوله عندربهم یدل علٰی قربهم من الله تعالٰی و قوله هو ولیهم یدل علٰی قرب الله منهم ولانزی فی العقل درجة للعبد اعلٰی من هٰذه الدرجة (کبیر) هُوَ وَلِيُّهُمْ کی ترکیب حصر پر بھی دلالت کر رہی ہے۔ یعنی اللہ ہی اس کا دوست وکارساز ہے۔ نہ کوئی اور۔ یفید الحصر ای لاولیّ لهم الاهو (کبیر) بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ اس میں گویا یہ بتا دیا کہ یہ مرتبۂ ولایت الٰہی اعمال ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ترک اعمال سے اس کے حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ دَارُ السَّلٰمِ۔ یعنی دار السلامة وہ مکان جو ہر قسم کے آفات سے محفوظ ہو اور ظاہر ہے کہ وہ جنت ہے۔ ای التی یسلم فیها من الاٰفات (قرطبی) المعنی دار السلامة والعرب تلحق هٰذه الهاء فی کثیر من المصادر و تحذفها (کبیر) ای دار السلامة من المکاره (بیضاوی) لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ۔ کی ترکیب حصر کے لیے ہے۔ یعنی سلامتی کا ٹھکانا ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے۔ نہ کہ دوسروں کے لیے۔ هٰذا یوجب الحصر فمعناه لهم دار السلام لا لغیرهم (کبیر) و۱۹۰ یعنی انسانوں کو خوب بہکایا۔ ای من الاستمتاع بالانس (قرطبی) قد استکثرتم من الدعاء الی الضلال (کبیر) ای من اغوائهم و اضلالهم (بیضاوی) يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا۔ سارے خلائق کے حشر کیے جانے کی طرف اشارہ ہے۔ المراد حشر جمیع الخلق فی موقف القیامة

الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ

جن وانس! کیا تمہارے پاس تمہی میں سے پیمبر نہیں آئے تھے (جو) میرے احکام تمہیں سناتے تھے

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا

اور تمہیں اسی آج کے دن کے وقوع سے ڈرایا کرتے تھے بولیں گے

شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا وَ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

(بیشک) ہم اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں و۱۹۴ ان کو (آج) دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے

وَ شَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝۱۳۰ ذٰلِكَ

اور وہ اپنے خلاف خود گواہی دیں گے کہ بیشک ہم کافر رہے و۱۹۵ یہ اس وجہ سے ہے

اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا

کہ آپ کا پروردگار بستیوں کو ظلم کی پاداش میں اس حال میں ہلاک نہیں کردیتا کہ وہاں کے باشندے

غٰفِلُوْنَ ۝۱۳۱ وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَ مَا رَبُّكَ

بےخبر ہوں و۱۹۶ اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں جیسے اس نے عمل کیے ہیں، اور جو کچھ یہ کرتے رہتے ہیں

بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۳۲ وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ

آپ کا پروردگار اس سے بےخبر نہیں و۱۹۷ اور آپ کا پروردگار غنی ہے صاحب رحمت ہے و۱۹۸

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا

وہ چاہے تو تم (سب) کو اٹھا لے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ

يَشَآءُ كَمَاۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝۱۳۳ ؕ

لا بسائے جس طرح تم کو پیدا کر دیا ایک دوسری قوم کی نسل سے و۱۹۹

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۱۳۴

وہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بیشک آ کر رہے گا، اور تم (اللہ کو) ہرا نہیں سکتے و۲۰۰

(قرطبی) الضمیر یعود الی المعلوم لا الی المذکور و ھو الثقلان و جمیع المکلفین الذین علم ان اللہ یبعثھم (کبیر) یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ فیقال لھم یمعشر الجن۔ یہ صیغہ مجہول اس لیے کہ یہ بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں سے براہ راست کلام کرے۔ قال الزجاج التقدیر فیقال لھم یا معشر الجن لانہ یبعد ان یتکلم اللہ تعالیٰ بنفسہ مع الکفار (کبیر) و۱۹۱ یعنی قیامت آگئی، اور ہم نے شیطانی وعدوں کا جھوٹ مشاہدہ کرلیا۔ اَوْلِیٰٓـؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ۔ یعنی وہ انسان جو اس دنیا میں ان شیاطین جن سے دوستی کا علاقہ رکھتے تھے، اور ان کی باتوں میں آجایا کرتے تھے۔ حصل من الجن بالدعاء و من الانس القبول و المشارکۃ حاصلۃ بین الفریقین (کبیر) ای الذین اطاعوھم (بیضاوی) اِسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ۔ چنانچہ ایک طرف گمراہ انسانوں کو اپنے ان عقائد کفر و شرک میں لذت ملتی ہے۔ دوسری طرف ان شیطانوں کو اس میں مزا آتا ہے کہ ہمارا جادو خوب چلا۔ ای انتفع الانس بالجن بان دلوھم علی الشھوٰت و ما یوصل بہ الیھا والجن بالانس بان اطاعوھم و حصلوا مرادھم (بیضاوی) و۱۹۲ (اس کے یہاں نہ کوئی سزا نامناسب وغیر حکیمانہ ہو سکتی ہے نہ کسی مجرم کا جرم اس کے علم سے باہر ہو سکتا ہے) مَثْوٰىكُمْ۔ اس مخاطبہ میں کفار جن وانس ہر قسم کے کفار شامل ہیں۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ ارادۂ الٰہی ہی سب سے برتر اور آخری قانون ہے۔ وہی سب پر حاکم وغالب ہے اور مشیت الٰہی کسی دوسرے قانون کی پابند و محکوم نہیں۔ مَا شَآءَ اللّٰهُ میں ما کو مَنْ کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ اور اِلَّا سے استثناء اہل ایمان کا کیا گیا ہے۔ قال ابن عباس والاستثناء لاھل الایمان فما علیٰ ھٰذا بمعنی مَنْ (قرطبی) اور اس تقدیر پر توقف ہر مرنے والے کے باب میں کیا جائے گا کہ ممکن ہے کہ اس کافر کا خاتمہ ایمان ہی پر ہوا ہو۔ عن ابن عباس انہ قال ھٰذہ الاٰیۃ توجب الوقف فی جمیع الکفار و معنی ذٰلک انھا توجب الوقف فی من لم یمت اذ قد یسلم (قرطبی) و۱۹۳ یہ ٹھیک ٹھیک بدلہ ان کے اعمال کا ہوگا۔ کوئی ظلم و زیادتی ہرگز ہرگز نہ ہوگی۔ ارواح میں باہم مشابہت و ہم جنسی ہوتی ہے۔ خبیث روحیں جن وانس کی ایک جگہ رہیں گی۔ اور طاہر روحیں جن وانس کی یکجا۔ لان الجنسیۃ علۃ الضم فالارواح الخبیثۃ تنضم الیٰ ما یشاکلھا فی الخبث (کبیر) كَذٰلِكَ یعنی جس طرح دنیا میں ایک دوسرے سے علاقہ قرب وولایت تھا۔ قرناء ھم فی العذاب کما کانوا فی الدنیا (بیضاوی) نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا۔ میں نولی کے معنی "ہم مسلط کردیں گے" کے بھی کیے گئے ہیں۔ قال ابن زید تسلط ظلمۃ الجن علیٰ ظلمۃ الانس (قرطبی) اور یہ معنی لے کر محققین نے کہا ہے کہ ظلم کے تحت میں ہر قسم کا ظلم داخل ہے۔ خواہ چوری کے ذریعہ سے ہو یا تاجرانہ دغابازی سے یا اور کسی طریقہ سے۔ یدخل فی الاٰیۃ جمیع من یظلم او یظلم الرعیۃ او التاجر یظلم الناس فی تجارتہ او السارق وغیرھم (قرطبی) مزید استنباط یہ بھی کیا گیا ہے کہ جب رعایا ظالم ہوتی ہے تو ان پر حاکم بھی ظالم ہی مسلط کردیا جاتا ہے۔ الاٰیۃ تدل علی ان الرعیۃ متی کانوا ظالمین فاللہ تعالیٰ یسلط علیھم ظالمًا مثلھم (کبیر) بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ بنیاد اس تولیت یا تسلط کی وہی ہم جنسی ہوگی۔ ای بسبب کون ذٰلک البعض مکتسباً للظلم والمراد منہ ما بینا ان الجنسیۃ علۃ للضم (کبیر) و۱۹۴ (اور اپنے جرم کا اقرار کرتے ہیں۔ بیشک ہمارے پاس کوئی عذر وجواب نہیں) یہ مخاطبہ قیامت میں ہوگا۔ اور سوال ظاہر ہے کہ مزید توبیخ کے لیے ہوگا۔ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ معشر کے معنی اس جماعت کے ہیں جو حکم واحد میں ہو، اور ان کے افراد کے درمیان معاشرت ومخالطت ہو۔ قال اھل اللغۃ المعشر کل جماعۃ امرھم واحد و یحصل بینھم معاشرۃ و مخالطۃ (کبیر) رُسُلٌ مِّنْكُمْ۔ نے ایک بڑی بحث یہ پیدا کردی ہے کہ آیا جنات کے درمیان بھی سلسلہ نبوت قائم رہا ہے؟ ضحاک تابعی سے سوال کا جواب اثبات میں نقل ہوا ہے۔ ان سے کسی نے سوال کیا کہ آیا ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جنات میں بھی نبی گزرے ہیں؟ انہوں نے جواب میں یہی آیت پڑھی اور فرمایا۔ یعنی بذٰلک رسلاً من الجن و رسلاً من الانس (ابن جریر۔ عن الضحاک) ایک اور قول بھی اس مضمون کا نقل ہوا ہے کہ جن وانس کے درمیان پیمبر انہی کے ہم جنس آتے رہے ہیں۔ و تعلق بظاھرہ قومٌ و قالوا بعث الی کل من الثقلین رسل من جنسھم (بیضاوی) و علیہ ظاھر النص (مدارک) لیکن اکابر کا بڑا گروہ اس جانب گیا ہے کہ منکم سے مراد مجموعہ جن وانس ہے نہ کہ دونوں فریق فرداً فرداً۔ والرسل من احد الفریقین کما قال مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ثم قال یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ و انما معنی ذٰلک یخرج من بعضھما او من احدھما (ابن جریر) فمعنی "منکم" ای من احدکم (قرطبی) اور جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ مستقل انبیاء صرف انسانوں میں پیدا ہوئے ہیں۔ جنات میں صرف ان کے نائب یا نذیر ہوتے رہے ہیں۔ لم یرسل منھم الیھم رسول ولم یکن لہٗ من الجن قط رسول مرسل و انما الرسل من الانس خاصۃ فاما من الجن فالنذر (ابن جریر) و معنی منکم فی الخلق و التکلیف و المخاطبۃ ولما کانت الجن ممن یخاطب و یعقل قال منکم و ان کانت الرسل من الانس و غلب الانس فی الخطاب کما یغلب المذکر علی المؤنث (قرطبی) الرسل من الانس خاصۃ لکن لما جمعوا مع الجن فی الخطاب صح ذٰلک (بیضاوی) قال مجاھد الرسل من الانس والنذر من الجن (معالم) الرسل من الانس خاصۃ و انما قیل رسل منکم لانہ لما جمع الثقلین فی الخطاب صح ذٰلک و ان کان من احدھما (مدارک) ای من جملتکم والرسل من الانس فقط

و ليس من الجنّ رسل كما قدنصّ علىٰ ذٰلک مجاهد و ابن جريج و غير واحد من الائمة من السلف والخلف (ابن کثیر) البتہ اجماع اس قول پر بھی نہیں اور نہ اس پر کوئی حجت قطعی قائم ہے۔القول الثانی و هو قول الاکثرين انه ما کان من الجن رسول البتة و انما کان الرسل من الانس ومارأيت فی تقرير هذا القول حجة الاادعاء الاجماع و هو بعيد لانه کيف ينعقد الاجماع مع حصول الاختلاف (کبیر) اس نامہ سیاہ کے خیال میں آتا ہے کہ رسل کو اگر محض لفظی وسیع معنیٰ میں لیا جائے، اور مخصوص اصطلاحی معنیٰ نہ سمجھے جائیں تو کوئی سوال ہی سرے سے نہیں پیدا ہوتا۔ جو کوئی بھی پیام ہدایت پھیلائے، لفظی معنیٰ میں وہی رسول ہے۔ اور اس معنیٰ میں ہر عالم، ہر مبلغ، ہر نائب رسول، رسول ہی ہے، اور جنات میں ان کے مبعوث ہونے سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ ایٰتِیْ۔ ایات کا لفظ یہاں عام ہے۔ احکام، کتب الٰہی، سب پر شامل۔ **ف۱۹۵** (دنیا میں) شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ۔ یہ اپنے خلاف گواہی منکرین قیامت میں دیں گے۔ وَ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ یہاں یہ بتادیا کہ دنیوی لذتوں کو مقصودِ اعظم سمجھ کر، ان میں منہمک ہوجانا یہی راز ہے آخرت سے غفلت اور کفر کا۔ آج دنیا میں جتنے ملحد افراد یا ملحد جماعتیں ہیں، غور کرکے دیکھ لیا جائے، سب کے کفر والحاد کی تہ میں کوئی نہ کوئی مادی انہماک ہی نکلے گا۔ **ف۱۹۶** یہاں یہ صراحت کردی ہے کہ یہ پیمبروں کا بھیجنا تو اسی لیے ہوتا ہے کہ منکروں پر خوب اتمام حجت ہوجائے۔ ان میں تبلیغ عقائد پوری طرح ہوجائے۔ کیوں کہ ان مراتب کے پورے ہوئے بغیر، منکروں

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ
آپ کہہ دیجیے اے میری قوم والو! عمل کرتے رہو اپنے طریقہ پر میں (اپنے طور پر) عمل کررہا ہوں عنقریب ہی
تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
تم کو معلوم ہوجائے گا کہ انجام کار کس کے حق میں (نافع) ہے یقیناً ظالموں کو فلاح نہیں ہونے کی **ف۲۰۱**
الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ
اور ان لوگوں نے کھیتی اور مویشیوں میں سے جو (اللہ ہی نے) پیدا کیے ہیں کچھ حصہ
وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا
اللہ کا مقرر کر رکھا ہے **ف۲۰۲** اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ (حصہ)
لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ
اللہ کا ہے اور یہ (حصہ) ہمارے دیوتاؤں کا اور پھر جو (حصہ) ان کے دیوتاؤں کے لئے ہوتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پہنچتا نہیں
وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا
اور جو حصہ اللہ کا ہوتا وہ اُن کے دیوتاؤں کی طرف پہنچ جاتا کیسی بری ہے
يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
اُن کی تجویز! **ف۲۰۳** اور اسی طرح ان کے دیوتاؤں نے بہت سے مشرکوں کی نظر
قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَ لِيَلْبِسُوْا
میں اُن کی اولاد کے قتل کو خوشنما بنا رکھا ہے **ف۲۰۴** جس سے وہ انہیں برباد کر ڈالیں اور اُن کے دین کو
عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ
اُن پر مخبوط کردیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو آپ ان کو اور اُن کی گڑھنت کو (ان کے حال پر)
وَ مَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ قَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ ۖ
چھوڑے رہیں **ف۲۰۵** اور کہتے ہیں اپنے خیال کے مطابق کہ یہ (فلاں فلاں) مواشی اور کھیت ممنوع ہیں

اور بدمذہبوں کو بے خبری میں پکڑ لینا سنت الٰہی ہے بھی نہیں۔ ذٰلک۔ یعنی یہ رسولوں کا بھیجنا۔ اشارة الى ما تقدم من بعثة الرسل اليهم (مدارک) اشارة الى ارسال الرسل (بیضاوی) مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ۔ یہاں یہ سنت الٰہی بیان کردی کہ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی گرفت بے خبری میں اور بلا اتمام حجت نہیں کی جاتی۔ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ۔ یعنی وہ لوگ احکامِ الٰہی سے بے خبر ہوں۔ **ف۱۹۷** وہاں تو ایک ایک کے اعمال کے ہر ہر جزئیہ کی پوری رُوداد موجود ہے۔ اُسے سب کو ان کے مناسب حال جزا و سزا دینا مشکل کیا ہے؟ وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ۔ ہر ایک کے لیے الگ الگ درجے ہیں جزا و سزا کے۔ ای لكل عامل بطاعة درجات فی الثواب ولكل عامل بمعصية دركات فی العقاب (قرطبی) **ف۱۹۸** صفت غنا لاکر یہ یاد دلادیا کہ وہ جو بار بار پیمبر بھیجتا رہا ہے تو کچھ اس لیے نہیں کہ وہ بندوں کی عبادت کا محتاج ومتمنی ہے۔ یہ تو مشرکوں ہی کے دیوتا ہوتے ہیں جو اپنے پوجاریوں کی پوجا و پاٹ کے محتاج رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر احتیاج وشائبۂ احتیاج سے پاک ہے۔ اور صفت رحمت لاکر یہ یاد دلادیا کہ اس کا یہ بار بار پیمبروں کو بھیجتے رہنا اسی رحمت کے تقاضہ سے ہے۔ تاکہ بندے مرضیاتِ الٰہی سے آگاہ و باخبر ہوکر دنیا میں نفع زیادہ سے زیادہ حاصل کرتے رہیں۔ وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ۔ کی ترکیب حصر کے معنی پیدا کررہی ہے۔ مراد یہ ہوتی ہے کہ غنی بھی کوئی اس کے سوا نہیں۔ اور صاحب رحمت بھی کوئی اس کے سوا نہیں۔ و علم ان قوله وربک الغنی ذوالرحمة يفيد الحصر (کبیر) فثبت ان لاغنی الاهو حيث انه لارحيم الاهو (کبیر) امام المفسرین امام رازی علیہ الرحمۃ نے آیت کے ذیل میں مذہب اہل سنت اور مسلک معتزلہ پر بحث کرکے آخر میں اپنے والد ماجد کے حوالہ سے شیخ ابوالقاسم سلیمان بن ناصر انصاری کا یہ بالکل صحیح فیصلہ نقل کیا ہے کہ اہل سنت کی نظر حق تعالیٰ کی قدرت و مشیت پر زیادہ رہتی ہے اور معتزلہ کی نظر تنزیہ وصفت عدل پر۔ اور دونوں کی تشفی وتوقع اجر کے لیے یہی کلمہ وربک الغنی ذوالرحمة کافی ہے۔ اعلم يا اخی ان الكل لايجادلون الا التقديس والتعظيم و سمعت الشيخ الامام الوالد ضياء الدين عمر بن الحسين قال سمعت الشيخ ابا القاسم سليمان بن ناصر الانصاری يقول نظر اهل السنة علىٰ تعظيم الله فی جانب القدرة و نفاذ المشية و نظر المعتزلة علىٰ تعظيم الله فی جانب العدل والبراءة عن فعل ما لا ينبغی فاذا تاملت علمت ان احدًا لم يصف الله الا بالتعظيم والاجلال والتقديس والتنزية ولكن منهم من اخطأ و منهم من اصاب ورجاء الكل متعلق بهذه الكلمة وهی قول و ربک الغنی ذوالرحمة (کبیر) **ف۱۹۹** یعنی جس طرح پرانی نسلیں معدوم ہوگئیں، اور ان کی جگہ اب تم ہو، اسی طرح اللہ اگر چاہے تو یک بیک تم سب کو فنا کرکے ایک نئی نسل انسانی اُٹھا کھڑی کرے۔ يُذْهِبْكُمْ۔ یعنی تمہیں ہلاک کردے اذهاب یہاں اہلاک کے معنی میں ہے۔ اماتت بھی مراد لی گئی ہے۔ الاقرب ان المراد به الاهلاک و يحتمل الاماتة ايضًا (کبیر) خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین معاصرین سے ہے۔ مِنْۢ بَعْدِكُمْ۔ یعنی تمہاری ہلاکت کے بعد۔ يعنی من بعد اذهابكم (کبیر) **ف۲۰۰** (اپنے کسی حیلہ وتدبیر سے) یعنی یہ کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ تم اللہ کے ہاتھ نہ آؤ۔ مَا تُوْعَدُوْنَ۔ یعنی وعدۂ قیامت ووعدۂ عذاب۔ **ف۲۰۱** (نہ آخرت میں نہ دنیا میں آخرکار) قُلْ۔ اس پیام کا یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور اتمام حجت کے مل رہا ہے۔ اور مقصود اس سے تہدید ہے۔ مقصود ان لوگوں کو ان کی گمراہی میں قائم وثابت رہنے کی اجازت نہیں۔ هذا تهديد شديد و وعيد اكيد (ابن کثیر) هی تفويض الامر اليهم علىٰ سبيل التهديد (کبیر) والتهديد بصيغة الامر مبالغة فی الوعيد (بیضاوی) مَكَانَة۔ کے معنی طور وطریقہ کے ہیں۔ المكانة الطريقة (قرطبی) الظّٰلِمُوْنَ۔ اور سب سے بڑھ کر ظالم وہی کافر ومشرک ہیں جو حق تعالیٰ کے باب میں سراسر ناانصافی کررہے ہیں۔ **ف۲۰۲** جاہلیت عرب میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ یہ لوگ اپنی سالانہ پیداوار وغیرہ میں سے ایک حصہ بطور خیر وخیرات الگ نکال رکھتے اس میں ایک جز و اللہ تعالیٰ کے نام کا رکھتے۔ اور اسے مسافروں، مسکینوں، مہمانوں پر خرچ کرتے، اور ایک جز و اپنے دیوتاؤں کے لیے نامزد کردیتے، اُسے مجاوروں، پنڈتوں، پروہتوں کے ذریعہ

مندروں میں بتوں اور مورتیوں پر چڑھ جاتے۔ اصولی اور نظری حیثیت سے تو بھی تسلیم کی تھی عملاً یہ بھی تھا کہ دونوں حصوں میں اگر اتفاق سے کچھ خلط ہو جاتا تو کل کا کل دیوتاؤں ہی کے لیے چڑھاوے پر منتقل کر دیتے یا اگر یہ دیکھتے کہ عمدہ مال اللہ والے حصہ میں چلا جا رہا ہے، جب بھی اُسے دیوتاؤں کی طرف کر دیتے۔...... یہاں اُن کی اس دہری، دہری حماقت پر توجہ دلائی ہے۔ صرفوا من مالهم طائفة الى الله بزعمهم و طائفة الى اصنامهم قاله ابن عباس والحسن و مجاهد و قتادة (قرطبی) جَعَلُوْا۔ کے فاعل وہی مشرکین عرب ہیں۔ اور جعلوا لله نصيبًا کے معنی یہ ہیں کہ ایک حصہ خدا کے لیے کر دیا اور ایک حصہ اپنے دیوتاؤں کے لیے۔ قال الزجاج و تقدير الكلام جعلوا لله نصيبًا ولشركائهم نصيبًا و دلّ على هذا المحذوف تفصيله القسمين فى ما بعد (کبیر) ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ۔ میں یہ اشارہ کر دیا کہ نباتات ہوں یا حیوانات۔ بہرحال جو کچھ بھی وہ اپنے دیوتاؤں کی نذر کر رہے ہیں اُن میں سے کوئی چیز بھی تو دیوی دیوتاؤں کی پیدا کی ہوئی نہیں۔ سب کچھ اللہ ہی کا تو پیدا کیا ہوا ہے۔ ف۲۰۳ ایک تو نفس تقسیم ہی اللہ اور دیوتاؤں کے درمیان کیسی حماقت و جہالت اور پھر اللہ کے مقابلہ میں دیوتاؤں کی ترجیح کیسی حماقت در حماقت! ف۲۰۴ (چنانچہ یہ احمق مشرکین ان دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے دھڑا دھڑ اپنی اولاد کو موت کے گھاٹ اتارتے جاتے ہیں!) مفسرین کا خیال آیت کے الفاظ سے عرب جاہلی کی رسم دختر کشی کی طرف گیا ہے۔ یہ

لَا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَ اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ

انہیں کوئی نہیں کھا سکتا سوا ان کے جن کو ہم چاہیں اور (فلاں) چوپائے ہیں کہ ان کی پشت حرام

ظُهُوْرُهَا وَ اَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا

کر دی گئی ہے اور (فلاں) چوپائے ہیں کہ اُن پر اللہ کا نام نہیں لیتے ہیں (یہ سب) اللہ ہی

افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

پر بہتان باندھتے ہوئے ف۲۰۶ (اللہ) انہیں ابھی بدلہ دیتا ہے اس بہتان کا جو یہ باندھ رہے ہیں ف۲۰۷

وَ قَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا

اور کہتے ہیں کہ ان چوپایوں کے شکم میں جو کچھ ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے

وَ مُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ

اور ہماری بیویوں کے لئے حرام ہے ف۲۰۸ اور اگر وہ مردہ ہو تو اس میں

فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ

وہ سب شریک، ابھی (اللہ) ان سے بدلہ لیتا ہے ان کے (اس) بیان پر، بیشک وہ بڑا حکمت والا ہے

عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا

بڑا علم والا ہے ف۲۰۹ بڑے ہی گھاٹے میں وہ لوگ آ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کر دیا از راہ حماقت

بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى

بغیر کسی بنیاد کے ف۲۱۰ اور جو کچھ انہیں اللہ نے نصیب کر رکھا تھا اسے (اپنے اوپر) حرام کر لیا اللہ پر

اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع وَ هُوَ الَّذِيْٓ

افتراء کرتے ہوئے (یہ لوگ) خوب ہی بھٹکے اور (کسی طرح) راہ یاب نہ ہوئے ف۲۱۱ اور وہ وہی (اللہ) تو ہے

اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّ النَّخْلَ

جس نے باغ پیدا کئے (ٹٹیوں پر) چڑھائے ہوئے اور بغیر چڑھائے ہوئے اور کھجور کے درخت

بھی ممکن ہے لیکن زیادہ لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ اس مقام پر اشارہ دختر کشی کی جانب نہیں، بلکہ عام اولاد کشی کی جانب ہے...... غریب مفسرین کو کیا خبر کہ بڑی بڑی "مہذب و شائستہ" لیکن جاہلی و مشرک قوموں میں کیسی کیسی ظالمانہ و وحشیانہ رسمیں موجود رہ چکی ہیں! اولاد کو دیوتاؤں کے استھانوں پر بے تکلف بھینٹ چڑھا دینے کا دستور سامی قوموں میں عام رہا ہے اور خود ہندوستان میں مدتوں یہ رسم رہی ہے کہ بچوں کو گنگا مائی کی موجوں کے آغوش میں ڈال دیا جاتا تھا کہ گھڑیال اور مگرمچھ انہیں نگل لیں۔ اور ان آبی درندوں میں الوہیت کی شان پیدا ہو جائے! تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ شُرَكَآؤُهُمْ۔ شرکاء سے مراد پہلی نظر میں ان کے دیوتا اور معبودانِ باطل معلوم ہوتے ہیں کہ انہی کا خیال ان مشرکوں کو اس طرف لاتا تھا۔ بعض نے اس کے معنی شیاطین کے کیے ہیں۔ قيل هم الشياطين و سمى الشياطين شركاء لانهم اطاعوهم فى معصية الله فاشركوهم مع الله فى وجوب طاعتهم (قرطبی) قال مجاهد شركاء هم شياطينهم و سميت الشياطين شركاء لانهم اطاعوهم فى معصية الله تعالٰى (کبیر) بعض اہل تحقیق نے صاف اس سے مراد مندروں کے پجاریوں، پروہتوں سے لی ہے۔ قال الفراء والزجاج شركاء هم ههنا هم الذين كانوا يخدمون الاوثان (قرطبی) وقال الكلبى كان لالهتهم سدنة وخدامٌ و هم الذين كانوا يزينون للكفار قتل اولادهم و على هذا القول الشركاء هم السدنة (کبیر) ف۲۰۵ (اور بہت زیادہ اس کی فکر اپنے سر نہ لیں) لِيُرْدُوْهُمْ۔ کے فاعل پر وہ حاشیہ ملاحظہ ہو جو ابھی شُرَكَآؤُهُمْ پر گزر چکا ہے۔ لِيُرْدُوْهُمْ میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی یہ ظاہر کرنے کو کہ اس عمل کا نتیجہ یہی ہونا تھا اللام ههنا محمولة على لام العاقبة (کبیر) واللام للعاقبة ان كان من السدنة اذ ليس محط نظرهم ذٰلك لكنه عاقبتهٗ (روح) دِيْنَهُمْ۔ یہ واضح رہے کہ عرب یعنی بنی اسماعیل کا اصل دین توحید خالص تھا۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ۔ اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوتی۔ آیت بالا کو پڑھتے وقت ہمارے ملک کے ناظرین اپنے ہاں کی بھی مشرکانہ خرافات کو یاد کر لیں۔ شیخ سدو کا بکرا، اٹھیلے کا مرغا وغیرہ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جعلوا لله مما ذرأ سے لے کر آخر رکوع یعنی قد ضلوا و ما كانوا مهتدين تک آیات میں ہمارے زمانہ کی بہت سی بدعات کا رد آ گیا ہے۔ جو بدعات مذکور کے بہت مشابہ ہیں۔ اور یہ مشابہت و مطابقت ذرا غور کرنے سے نظر آ جائے گی۔ اور غضب یہ ہے کہ آج کل کے رسمی شیوخ تک ان میں مبتلا ہیں۔ ف۲۰۶ یہ سب جاہلیت عرب کے مختلف دستوروں کا بیان ہو رہا ہے۔ اور ان سے ملتی ہوئی رسمیں دوسری مشرک قوموں میں بھی عام ہیں۔ اِفْتِرَآءً عَلَيْهِ۔ کمال افتراء یہ ہے کہ ان مشرکانہ رسموں کو عبادت اور ذریعہ تقربِ الٰہی مشہور کر رکھا ہے! حِجْرٌ۔ یعنی عام استعمال کے لیے ممنوع اور ہمارے استعمال کے لیے مخصوص۔ يقال فلان فى حجر فلان اى فى منع منه عن التصرف فى ماله و كثير من احواله (راغب) الحجر لفظ مشترك و هو هنا بمعنى الحرام واصله المنع (قرطبی) الحجر الممنوع منه بتحريمه (راغب) قال قتادة يعنى حرامًا واصله المنع (جصاص) اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ۔ یہ کھانا مخصوص اُنہی مندروں کے پجاریوں پروہتوں کے لیے تھا۔ وهم خدام الاصنام (قرطبی) يعنون خدم الاوثان والرجال دون النساءِ (کبیر) حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا۔ یہ تحریم ظہر سواری اور بار برداری سے متعلق تھی۔ عرب بعض جانوروں کو دیوتاؤں کے نام پر نامزد کر کے سانڈ بنا کر چھوڑ دیتے کہ پھر ان سے نہ سواری کا کام لیا جا سکتا نہ بار برداری کا۔ فلا تركب و لا تحمل عليها (روح) ہندوستان کے مشرکوں میں بھی بیل، بھینس وغیرہ کو بھوانی دیوی کے نام چھوڑ دینے کا عام رواج ہے۔ ف۲۰۷ ابھی سے مراد موت کا وقت ہے۔ جو کچھ بھی دُور نہیں اور جزاء کا ابہام شدت تخویف کے لیے ہے۔ وابْهَمَ الجزاء للتهويل (روح) يَفْتَرُوْنَ۔ افتراء کا لفظ لانے سے مقصود وعید کی اہمیت ہے۔ المقصود منه الوعيد (کبیر) سَيَجْزِيْهِمْ۔ میں س یقین کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ لابد (روح) ف۲۰۸ منجملہ اور وہم پرستیوں کے ایک ضعیف الاعتقادی یہ بھی پھیلی ہوئی تھی کہ فلاں فلاں چوپایوں کے شکم کے اندر کی چیزوں سے نفع اُٹھانا صرف مردوں کے لیے جائز ہے اور

عورتوں کے لیے ناجائز۔ مَافِیْ بُطُوْنِ۔ اس کے تحت میں دُودھ بھی آ گیا۔ اور بچہ بھی، ائمہ تفسیر سے دونوں معنٰی منقول ہیں۔ قال ابن عباس هو اللبن و قيل الاجنة (قرطبی) قال مجاهد والسدی يعنی بها الاجنة و قال غيرهم ارادبها الالبان و الاجنة جميعًا (جصاص) خَالِصَةٌ۔ کی ۃ ائمہ نحو سے منقول ہے کہ لفظ کے معنٰی میں مبالغہ اور قوت پیدا کرنے کے لیے ہے جیسے علّام سے علّامہ نسّاب سے نسّابہ۔ والهاء فی خالصة للمبالغة فی الخلوص و مثله رجل علّامة و نسّابة عن الكسائی والاخفش (قرطبی) قال الكسائی معنی خالص و خالصة واحد الا ان الهاء للمبالغة (قرطبی) انما انثت خالصة علی المبالغة فی الصفة (جصاص) وا ۲۰۹ سو اپنی صفت حکمت کی بنا پر وہ ہمیشہ ہر ایک کو سزا مناسب حال ہی دے گا اور اپنی صفت علم کی بنا پر کسی مجرم سے بھی بے خبر نہیں رہ سکتا۔ اِنْ یَّكُنْ مَّیْتَةً۔ یہ مردہ کونسی چیز ہے؟ وہی جو ان چوپایوں کے شکم میں تھی، یعنی بچہ۔ ای ان يكن ما فی البطون ميتة (قرطبی) فِیْهِ۔ یعنی اس مردہ سے نفع اٹھانے کے باب میں۔ فَهُمْ۔ یعنی مرد و عورت سب۔ ای الرجال و النسآء (قرطبی) ایک جاہلی دستور یہ تھا کہ بچہ اگر زندہ ہے جب تو اس سے انتفاع مَردوں کے لیے مخصوص ہے اور اگر مر چکا ہے تو پھر اس میں سب شریک ہو سکتے ہیں۔ یعنی اجنة الانعام اذا كانت ميتة استوی ذكرهم وانثاهم فيها فاكلوها جميعًا (جصاص) مشرکین عرب نے ان سب مسائل کو اپنے دین کا جزو بنا رکھا تھا۔ اصولیین نے آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ عالم کو چاہیے کہ اپنے مخالف پر اطلاع تو حاصل کرلے اس کے رَد کرنے کی غرض سے۔ و فی الاٰية دليل علی ان العالم ينبغی له ان يعلم قول مَنْ خالفه و ان لم ياخذبه حتی يصرف فساد قوله و يعلم كيف يرد عليه (قرطبی) وا ۲۱۰ اولادکشی کی رسم کسی ایک قوم یا ملک تک محدود نہ تھی۔ عرب، ہندوستان، یونان، رومہ، سب اس بلا میں مبتلا رہے ہیں۔ اسلام نے آکر اور اس دستور کو مٹا کر محض قومی یا ملکی نہیں، بلکہ ایک عالمی اور کائناتی اصلاح انجام دی۔ (ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن) سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ یہ لا کر صاف بتلا دیا ہے کہ اس جاہلی گو "مہذب" دستور کی بنیاد ہرگز نہ کسی وحی الٰہی پر ہے نہ کسی دلیل عقلی و تجربی پر بلکہ یہ تمامتر جہل و نادانی کا ثمرہ ہے۔ اُردو محاورہ کی رعایت سے قَدْ خَسِرَ۔ کا ترجمہ "بڑے ہی گھاٹے میں آ گئے" سے کیا گیا ہے۔ وا ۲۱۱ مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ۔ عام طور پر مفسرین نے اس فقرہ سے مراد کھانے پینے کی چیزیں لی ہیں۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد مقتول اولاد ہی ہو۔ جن کا ذکر چل رہا تھا۔ یعنی ملتی ہوئی اولاد سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آج "منع حمل" کے نام سے جو ملعون تحریک دجل و تزویر کی انتہائی خوشنمائیوں اور رنگ آمیزیوں کے ساتھ شائع ہو رہی ہے۔ وہ پوری طرح اس کے تحت میں آ جاتی ہے۔ اِفْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ۔ جس طرح احکام شریعت میں حک و اضافہ کھلا ہوا اِفْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ہے۔ اسی طرح اللہ کے قوانین تکوینی میں بھی "ایجاد بندہ" کو دخل دینا اور لمبے لمبے دعوے ہانکتے رہنا کہ ہمارے اس مجوزہ نظام میں فلاں فلاں اجتماعی مصالح ہیں یہ بھی ایک قسم افتراء علی اللہ ہی کی ہے۔ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۔ تاکید اور تصریح کے لیے ہے کہ یہ لوگ خوب جی بھر کر گمراہ ہوئے ہیں اور انہیں صحیح فلسفہ کی ہوا ہی نہیں لگی ہے۔

وا ۲۱۲ ان سارے نباتات، اشجار و اثمار کا پیدا کرنے والا وہی ایک خالق بے ہمتا ہے نہ کہ زراعت کا کوئی دیوتا بارش کی کوئی دیوی وغیرہ، مثالوں میں نام قدرۃً انہی چیزوں کے آئے جن سے مخاطبین اول یعنی عرب خوب مانوس و واقف تھے۔ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ۔ یہ مماثلت و عدم مماثلت رنگ، مزہ، خوشبو، جسامت ہر اعتبار سے ہو سکتی ہے۔ وا ۲۱۳ (مسکینوں اور اہل حاجت کو دے دلا کر) حَقَّهٗ۔ فقہاء حنفیہ نے تصریح کر دی ہے کہ یہاں حق شرعی سے مراد خیر و خیرات ہیں عشر مراد نہیں جو زمین کی زکوٰۃ ہے اور بہت سے تابعین اور بعض صحابہ کا یہی قول ہے۔ قال علی بن الحسين و عطاء والحكم و حماد و سعيد بن جبير و مجاهد هو حق فی المال سوی الزكوة امر الله به ندبًا وروی عن ابن عمر و محمد بن الحنفيه۔ ايضًا (قرطبی) عن الشعبی ان هذا حق فی المال سوی الزكوة (روح) مِنْ ثَمَرِهٖ۔ میں ضمیر مندرجہ بالا اثمار میں سے ہر ایک کی جانب ہے۔ ای من ثمر كل واحد من ذٰلك (بيضاوی) وا ۲۱۴ اور سب سے بڑا اسراف یہ تھا کہ پیداوار میں سے ایک حصہ بتوں، دیوتاؤں کے نام کا نکالا جاتا تھا۔ وَلَا تُسْرِفُوْا۔ اسراف کے لفظی معنٰی کسی انسانی فعل میں سے حد سے تجاوز کر جانے کے ہیں۔ السرف تجاوز الحد فی كل فعل يفعله الانسان (راغب) قال ابن الاعرابی السرف تجاوز ما حدّ لك (كبير) قرآن مجید کا ایک اعجاز یہاں یہ ہے کہ احکام کے جزئیات بلکہ بعض اوقات تو جزئیات در جزئیات کے ضمن میں وہ ایسے حکیمانہ کلیات و اصول بیان کر جاتا ہے، جو زندگی کے سارے ہی شعبوں پر یکساں منطبق ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی چلتے چلتے ایک ایسا چٹکلہ بیان کر دیا کہ انسان اگر اسی ایک پر عمل کر لے، تو اخلاق معاملات، سیاسیات، معاشرت، غرض کیا انفرادی اور کیا اجتماعی ہر زندگی کے سارے شعبوں کی مشکلات دُور ہو سکتی ہیں اور بڑے سے بڑے پتھر پانی ہو کر رہ سکتے ہیں۔ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ فخر المفسرین امام رازی نے یہاں بھی ایک نکتہ خوب پیدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ وقالت اليهود والنصٰرى نحن ابنٰٓؤا الله واحباءه قل فلم يعذبكم بذنوبكم سے معلوم ہوا کہ جو اللہ کے محب و محبوب ہیں وہ اہل نار و مبتلائے عذاب نہیں ہو سکتے۔ اور جب یہ ثابت ہے تو اس کا عکس بھی صحیح ہے کہ جو اللہ کے غیر محب و محبوب ہیں بعض ان میں کے اہل نار ہیں۔ وا ۲۱۵ (کہ جس چیز کو چاہا اپنے دل سے حرام کر ڈالا، اپنے دل سے حلال ٹھہرا لیا) ای فی التحليل والتحريم من عند انفسكم كما فعله اهل الجاهلية (كبير) ذکر شرک کی اُنہی صورتوں کا ہو رہا ہے، جو عرب میں عام طور پر رائج تھیں۔ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ۔ اشارہ یہ کر دیا کہ

وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ

اور کھیتی کہ ان کے کھانے کی چیزیں مختلف ہوتی ہیں اور زیتون اور انار

مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ

باہم مشابہ (بھی) اور غیر مشابہ (بھی) وا ۲۱۲ اس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب وہ نکل آئے

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

اور اُس کا حق (شرعی) اس کے کاٹنے کے دن ادا کر دیا کرو وا ۲۱۳ اور اسراف مت کرو بیشک اللہ اسراف کرنے والوں کو

الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا

پسند نہیں کرتا وا ۲۱۴ اور چوپایوں میں بڑے قد کے (بھی) ہیں اور چھوٹے قد کے (بھی) اللہ نے تمہیں

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ

جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو وا ۲۱۵ وہ تو

لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ

تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے (اللہ نے) آٹھ جوڑے (پیدا کیے) وا ۲۱۶ دو قسمیں بھیڑ میں

اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ

سے اور دو قسمیں بکری میں سے، آپ کہیے کہ (اللہ نے) آیا دونوں نروں کو حرام کیا ہے

اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

یا دونوں مادوں کو، یا اُس (بچہ) کو جس کو دونوں مادائیں اپنے رحم میں لئے ہوئے ہیں

نَبِّئُوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ

مجھے بتلاؤ تو دلیل کے ساتھ اگر تم سچے ہو وا ۲۱۷ اور (اسی طرح) دو قسمیں ہیں اونٹ

اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ

میں (بھی) اور دو قسمیں ہیں گائے میں (بھی) آپ کہیے کہ (اللہ نے) آیا دونوں نروں کو حرام کیا ہے

یہ جانور بھی صرف اللہ ہی کے پیدا کیے ہوئے، اللہ ہی کے عطیہ ہیں۔ کسی دیوی، دیوتا کے نہیں۔ جو تم انہیں خواہ مخواہ شریک کیے لیتے ہو۔ رزق سے مراد حلال ہی جانور ہیں۔ یرید ما احلھا لکم (کبیر) جانوروں کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے جیسا باغ اور زراعت کا تھا۔ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ و انشا حمولة و فرشا من الانعام (قرطبی) و ھو الذی انشا لکم من الانعام حمولة و فرشا (جصاص) زمخشری اور رازی دونوں نے لکھا ہے کہ ومن الانعام کا و آیت کا عطف آیت ماقبل و ھو الذی انشا جنّٰت سے کر رہی ہے۔ حَمُوْلَةً کے معنی بڑے اور قد آور جانور کے کیے گئے ہیں، جیسے اونٹ جو بوجھ اٹھانے اور سواری اور محنت کے قابل ہوں۔ الحمولة ما اطاق الحمل والعمل (قرطبی) ما تحمل الاثقال (کشاف، کبیر) صالحة للحمل علیھا کالابل الکبار (جلالین) فَرْشًا اور فرش وہ چھوٹے قد کے جانور ہیں، جو گوشت اور دودھ کے لیے استعمال میں آتے ہیں۔ جیسے بکری۔ قال ابن زید الحمولة ما یرکب والفرش ما یوکل لحمه و یحلب (قرطبی) ما یفرش للذبح (کشاف، کبیر) لا تصلح للحمل کالابل الصغار و الغنم سمیت فرشا لانھا کالفرش للارض لدنوھا منھا (جلالین) ف۲۱۶ (ان چوپایوں کے جن کی حلت و حرمت میں تم اپنی تراش خراش سے کام لے رہے ہو) ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ۔ کی تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ و انشا ثمانیة ازواج (قرطبی) اَزْوَاجٍ۔ سے مراد جانوروں کی قدرتی تقسیم نر و مادہ میں ہے۔ ثمانیة ازواج یعنی ثمانیة افراد و کل فرد عندالعرب محتاج الی اٰخر یسمّٰی زوجاً

اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

یا دونوں ماداؤں کو یا اس (بچہ) کو جسے دونوں مادہ اپنے رحموں میں لئے ہوئے ہیں۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ

کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا ف۲۱۸ تو اس سے بڑھ کر

اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ

ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ، بہتان باندھے بغیر علم کے، تاکہ لوگوں کو

بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ ع ۲

گمراہ کرے اللہ تو ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ف۲۱۹

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى

آپ کہہ دیجیے مجھ پر جو وحی آئی ہے اس میں تو میں (اور) کچھ نہیں حرام پاتا

طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا

کسی کھانے والے کے لئے جو اُسے کھائے سوا اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا

مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا

خون یا سؤر کا گوشت ہو، کیوں کہ وہ (بالکل) گندہ ہے ف۲۲۰ یا جو فسق (کا ذریعہ) ہو

اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ

غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ف۲۲۱ لیکن جو کوئی بیقرار ہو جائے اور طالب لذت نہ ہو، نہ حد سے تجاوز کرے،

فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا

تو بیشک آپ کا پروردگار بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے، ف۲۲۲ اور جو لوگ کہ یہودی ہوئے

حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا

ان پر ہم نے کھر والے کل جانور حرام کر دیئے تھے ف۲۲۳ اور گائے اور بکری میں سے ہم نے ان پر

(قرطبی) اور یہی مراد آگے چل کر اثنین سے بھی ہے۔ ای الذکر و الانثی (قرطبی) ف۲۱۷ (اپنے اس دعوے میں کہ فلاں، فلاں حرام ہے) ف۲۱۸ ابھی اوپر آچکا ہے۔ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ۔ یعنی کسی نبی الٰہی کی سند دعویٰ حرمت پر لاؤ، اب یہ سوال ہو رہا ہے کہ جب نبی کی سند نہیں پیش کر سکتے ہو تو کیا حق تعالیٰ نے براہ راست تم کو مخاطب کرکے ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔ بِهٰذَا۔ یعنی تمہارے قول وزعم کے مطابق اس تحلیل وتحریم کا حکم۔ مِنَ الْبَقَرِ۔ بقر ہی کے تحت میں بھینس بھی آجاتی ہے۔ اصولیین نے آیت سے تحقیق میں مناظرہ کا حکم نکالا ہے۔ چنانچہ یہاں پیمبر ﷺ کو مخالفین سے مناظرہ کا حکم مل رہا ہے اور آیت سے قیاس واستنباط کا بھی اثبات ہو رہا ہے۔ قال العلماء الاٰیة دلت علی اثبات المناظرة فی العلم لان اللہ تعالیٰ امر نبیه علیه السلام بان یناظرھم و یبین لھم فساد قولھم و فیھا اثبات القول بالنظر والقیاس (قرطبی) ف۲۱۹ یعنی ایسے لوگوں کو جو افتراء علی اللہ میں دلیر ہوں۔ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ اور ایک بڑا افتراء علی اللہ یہی ہے کہ تحلیل وتحریم ماکولات کا مسئلہ بندہ اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اور اسے خدائی تعلیم سمجھے۔ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ اس کا نحوی تعلق۔ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ۔ سے ہے یعنی بغیر یہ علم حاصل رکھے ہوئے کہ اس کی حرمت خدائے تعالیٰ کے یہاں سے ہوئی ہے، اسے اپنے دل سے گڑھ کر حرام ٹھہراتا ہے۔ ای افتری علیه سبحانه جاھلا بصدور التحریم عنه جل شانه (روح) بعض محققین نے لکھا ہے کہ جب قرآن مجید محض بے علم وتحقیق تحریم اشیاء کر دینے والوں کو ظالم ترین (و من اظلم ممن افتری) ٹھہرا رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ ان مجرموں کا کیا درجہ ہو گا جو عدم علم و بے تحقیقی کے ساتھ نہیں، بلکہ دانستہ تحریف کی جسارت کے ساتھ تحلیل حرام یا تحریم حلال کرتے رہتے ہیں۔ فان من افتری علیه سبحانه بغیر علم بصدور ذٰلک عنه جل جلاله مع احتمال صدوره اذا کان فی تلک الغایة من الظلم فما الظن ممن افتری و ھو یعلم عدم الصدور (روح) ف۲۲۰ (اور اسی لیے اس کے گوشت کے علاوہ بھی دوسرے اجزاء مثلاً کھال، چربی وغیرہ نجس اور حرام ہیں) فَاِنَّهٗ۔ میں ضمیر خنزیر کی طرف ہے۔ ای اللحم او الخنزیر لانه الاقرب ذکرًا (روح) و استدل الشافعیة بقول سبحانه فانه رجس علیٰ نجاسة الخنزیر بناء علیٰ عود الضمیر علی خنزیر لانه اقرب مذکور (روح) اذا احتمل للضمیر العود علی شیئین کان عوده علی الاقرب ارجع (بحر) فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ۔ یعنی ان جانوروں کے سلسلہ میں جو وحی مجھ پر آئی ہے، جن کی حلت وحرمت پر یہاں گفتگو ہو رہی ہے، یہاں جن حرام چیزوں کا حصر کیا گیا ہے، ان سے مراد یہی ہے کہ تم اور چیزوں کو اپنی رائے وتجویز سے کہاں سے حرام ٹھہرائے لیتے ہو۔ وحی الٰہی نے تو ابھی تک حرام تو بس یہی چیزیں کی ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ کل محرمات کی یہ مکمل فہرست ہے، آیت مکی ہے اس سے زیادہ چیزیں تو مدنی سورۂ مائدہ ہی میں مل جائیں گی۔ شراب اور گردن مروڑا ہوا جانور وغیرہ اور متعدد جانوروں کی حرمت جو حدیث میں آئی ہے وہ اس کے علاوہ۔ والمعنٰی قل یا محمد لا اجد فی ما اوحی الی محرما اِلا ھٰذه الاشیاء لا ما تحرمونهٗ بشھوتکم والاٰیة مکیة ولم یکن فی الشریعة فی ذٰلک الوقت محرمٌ غیر ھٰذه الاشیاء ثم نزلت سورة المائدہ بالمدینه و زید فی المحرمات کالمنخنقة والموقوذة والمتردیة والنطیحة والخمر وغیر ذٰلک و حرم رسول اللہ ﷺ بالمدینه اکل کل ذی ناب من السباع و کل ذی مخلب من الطیر (قرطبی) ھٰذه الاٰیة مکیة و کل محرم حرّمه رسول اللہ ﷺ اوجاء فی الکتاب مضموم الیھا فھو زیادة حکم من اللہ عزوجل علیٰ لسان نبیهٖ علیه السلام و نظیره نکاح المراۃ علیٰ عمتھا و علیٰ خالتھا مع قوله و احل لکم ماوراءَ ذٰلکم و کحکمه بالیمین مع الشاھد مع قوله فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان (قرطبی) علیٰ ھٰذا اکثر اھل العلم من النظر واھل الفقه والاثر (قرطبی) ذٰلک مخصوص بالا تفاق لا تفاق الجمیع من الفقھاء علی تحریم اشیاء غیر مذکورة فی الاٰیة کالخمر و لحم القردة والنجاسات وغیرھا (جصاص) فیه ایذان بان طریق التحریم لیس الا التنصیص من اللہ تعالیٰ دون التشھی والھوٰی (روح) عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ۔ عام ہے ہر کھانے والے کے لیے۔ مرد، عورت، کوئی بھی ہو۔ ای طاعم کان من ذکرا و

انثی ردًا علی قولھم محرم علی ازواجنا (روح) مَیۡتَةً۔ دم مسفوح۔ لَحۡمَ خِنۡزِیۡرٍ سب پر حاشیہ سورۂ بقرہ پارہ ۲ میں گزر چکے۔ فَاِنَّهٗ رِجۡسٌ۔ یعنی سور چونکہ نجس ہے اس لیے حرام ہے۔ اس ذرا سے فقرہ سے ایک بڑی اصل ہاتھ آگئی۔ یعنی نجاست کا سبب حرمت ہونا نص قرآنی سے ثابت ہوگیا۔ تو اب جہاں جہاں نجاست پائی جائے گی۔ وہاں حرمت کا حکم بھی نص قرآنی ہی کے ماتحت لگا دیا جائے گا۔ فھذا یقتضی ان النجاسة علة لتحریم الاکل فوجب ان یکون کل نجس یحرم اکله (کبیر) و۲۲۱ (بہ قصد تقرب وعبادت) یہ وہ جانور ہیں جو بجائے خود حلال وطیب ہیں لیکن ذابح کی نیت فاسد نے انہیں حرام بنا دیا ہے۔ اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ۔ پر حاشیہ سورۂ بقرہ پارہ ۲ میں گزر چکا۔ فِسۡقًا۔ ذریعہ فسق کو خود فسق سے تعبیر کرنا تاکید واظہار اہمیت کے لیے ہے۔ سمی ما اھل لغیر اللہ به فسقا لتوغله فی باب الفسق (کبیر) و۲۲۲ (اور اُنہی صفات غفر ورحمت کے تقاضہ سے اُس نے ایسی حالت میں بندوں پر حرام چیزیں حلال کر دیں اور گناہ کی چیزوں سے گناہ اُٹھالیا) فَمَنِ اضۡطُرَّ۔ یعنی جو کوئی بھوک کی شدت سے بے قرار ہو رہا ہو۔ اور اسے حلال غذا نہ مل رہی ہو۔ غَيۡرَ بَاغٍ۔ یعنی اس حرام جانور کو لذت وذائقہ کے لیے نہ کھائے۔ وَّلَا عَادٍ۔ یعنی شدت گرسنگی کی اصل ضرورت سے زائد کھانے والا نہ ہو۔ ان سب فقروں پر حاشیہ پہلے گزر چکے۔ و۲۲۳ ذِیۡ ظُفُرٍ۔ ظفر کا اُردو ترجمہ ایک لفظ سے کرنا مشکل ہے۔ پرندوں میں تو اس میں کل وہ پرندآ جاتے ہیں، جن کے بجائے انگلیوں کے پنجے ہوتے ہیں۔ جیسے چیل، گدھ، باز، شکرا وغیرہ اور چرندوں میں وہ سارے جانور شامل ہیں جن کے سم ہوتے ہیں۔ مثلاً گھوڑا، گدھا، خچر، اُونٹ وغیرہ۔ وھو من البھائم والطیر ما لم یکن مشقوق الاصابع (ابن جریر) قال عبداللہ بن مسلم انه کل ذی مخلب من الطیر و کل ذی حافر من الدواب ثم قال کذالک قال المفسرون (کبیر) قال مجاھد و قتادة ذی ظفرٍ مالیس بمتفرج الاصابع من البھائم والطیر (قرطبی) قال ابن عباس و سعید بن جبیر و قتادہ والسدی و مجاھد ھو کل ما لیس بمفتوح الاصابع (جصاص) الَّذِيۡنَ هَادُوۡا۔ یعنی جنہوں نے شریعت یہود کو قبول کیا تھا۔ موجودہ توریت محرف میں حلت وحرمت حیوانات کے احکام مقاماتِ ذیل میں ملیں گے:۔ کتاب احبار باب ۱۱، کتاب استثناء باب ۱۴۔ و۲۲۴ (اور ہمارے اس بیان کے خلاف کوئی چیز اگر توریت محرف وغیرہ میں ملے تو وہ ہرگز قابل اعتناء نہیں) ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِبَغۡيِهِمۡ۔ یعنی ان چیزوں کی حرمت فی نفسہٖ مقصود نہ تھی، بلکہ یہ حکم بہ طور سزا تھا۔ اور یہیں سے یہ قاعدہ ہاتھ آتا ہے کہ حرمتِ اشیاء کبھی کبھی گناہوں کے باعث بھی ہو جاتی ہے و فی ھذا دلیل علی ان التحریم انما یکون بذنب لانه ضیق (قرطبی) اَوِ الۡحَوَايَاۤ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ اوما حملت حوایا ھما والالف واللام بدلٌ من الاضافة (قرطبی) و۲۲۵ (جب اس عذاب کا وقت حکمتِ الٰہی اور مصلحت تکوینی کے ماتحت آجاتا ہے) توریت وانجیل کے حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی کی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ۔ یہ اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے؟ سیاق سے تو یہودی مراد معلوم ہوتے ہیں۔ اور اکثر محققین بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ای الیھود کما قال مجاھد والسدی و ھوالذی یقتضیه الظاھر (روح) الظاھر عود الضمیر علی اقرب مذکور و ھم الیھود (بحر) لیکن اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ اشارہ تمام مخالفین ومعاندین کے حق میں جامع سمجھا جائے۔ اور یہود و مشرکین اور ان کے اشباہ وامثال سب ہی مراد لیے جائیں۔ ای فان کذبوک یا محمد مخالفوک من المشرکین والیھود و من شابھھم (ابن کثیر) فَقُلۡ رَّبُّكُمۡ ذُوۡ رَحۡمَةٍ وَّاسِعَةٍ۔ اور اسی رحمت وسیع کے اقتضاء سے وہ مہلت اور گنجائش بھی بہت زیادہ دیتا رہتا ہے۔ یہ جواب یہود کے اس اعتراض کا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اگر سچے ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا ہے؟ و۲۲۶ خلاصہ اہل شرک و ضلالت کے اس استدلال کا یہ ہے کہ خدا جب ہر چیز پر قادر ہے، اور باوجود قدرت اس نے ہمیں شرک وتحریم حلال سے طبعاً وتکویناً نہ روک دیا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ شرک وتحریم حلال اُسے ناپسند ہی نہیں بلکہ اس کی عین مرضی سے ہو رہے ہیں۔ مغالطہ استدلال کے اندر یہ ہے کہ مشیت تکوینی اور پسند ورضا کو مرادف سمجھ لیا گیا ہے۔

عَلَيۡهِمۡ شُحُوۡمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتۡ ظُهُوۡرُهُمَاۤ

ان دونوں کی چربیاں حرام کی تھیں بجز اس (چربی) کے جو ان کی پشتوں پر

اَوِ الۡحَوَايَاۤ اَوۡ مَا اخۡتَلَطَ بِعَظۡمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ

یا اُن کی انتڑیوں میں لگی ہوئی ہو، یا جو ہڈی سے ملی ہوئی ہو، یہ سزا دی تھی ہم نے اُن کو

بِبَغۡيِهِمۡ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ

اُن کی شرارت پر اور ہم ہی یقیناً سچے ہیں و۲۲۴ سو اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجیے کہ

رَّبُّكُمۡ ذُوۡ رَحۡمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاۡسُهٗ عَنِ

تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت والا ہے، اور اس کا عذاب مجرم لوگوں

الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا لَوۡ شَآءَ

سے ٹل نہیں سکتا و۲۲۵ جو لوگ شرک کرتے ہیں اب کہیں گے کہ اللہ اگر

اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَكۡنَا وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمۡنَا مِنۡ شَىۡءٍ ؕ

چاہتا تو شرک نہ ہم کرتے نہ ہمارے باپ دادا کرتے، اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کر سکتے و۲۲۶

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ حَتّٰى ذَاقُوۡا بَاۡسَنَا ؕ

اسی طرح جھٹلایا تھا ان لوگوں نے بھی جو ان سے قبل ہوئے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کو چکھا و۲۲۷

قُلۡ هَلۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ عِلۡمٍ فَتُخۡرِجُوۡهُ لَنَا ؕ اِنۡ

آپ کہیے کہ آیا تمہارے پاس ہے کوئی دلیل؟ (ہو) تو اسے ہمارے سامنے ظاہر کرو و۲۲۸

تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَخۡرُصُوۡنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلۡ

تم تو نری گمان کی پیروی کرتے ہو، اور محض اٹکل سے کام لیتے ہو و۲۲۹ آپ کہہ دیجیے

فَلِلّٰهِ الۡحُجَّةُ الۡبَالِغَةُ ۚ فَلَوۡ شَآءَ لَهَدٰٮكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۴۹﴾

کہ پوری حجت تو اللہ ہی کی رہی اور اگر (اللہ) چاہتا تو تم سب کو ضرور ہدایت دے دیتا و۲۳۰

حالانکہ رضائے الٰہی تشریعی کا قانون دُوسرا ہے۔ اور مشیت الٰہی تکوینی کا دُوسرا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ کارفرما ہیں۔ دونوں کے درمیان کوئی تصادم وتزاحم نہیں۔ قانونِ مشیت نے انسان کو آزادی ہر طرح کی دے رکھی ہے۔ انسان اپنے طریق عمل کے انتخاب میں آزاد ہے۔ وہ اپنے ارادہ کا مالک ومختار ہے۔ اچھی وبری جو راہ چاہے، اپنی پسند وقصد سے اختیار کرے۔ لیکن رضاءِ الٰہی کا حکم یہ ہے کہ وہ بدی کی راہ سے بچے۔ اور نیکی کی راہ پر چلے۔۔۔۔۔ بہ حیثیت خالق وقادر مطلق اُس نے پیدا زہر کو بھی کر رکھا ہے اور بیماری کو بھی، لیکن بہ حیثیت حاکم وآمر اس کا حکم یہی ہے کہ بیماری کا علاج کیا جائے اور زہر کا توڑ تریاق سے کیا جائے۔ جو کج فہم خدا کی قدرت اور اپنی مجبوری کو اپنی بے دینی اور بدکرداری کے لیے حیلہ اور آڑ بناتے ہیں، وہ آخر بیماری میں اپنا علاج کیوں کرتے ہیں؟ اور روحانیات کی طرح جسمانیات کے ہر آزار میں اپنے کو معذور ومجبور کیوں نہیں سمجھتے؟ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا۔ کا مفہوم قرآن مجید کی اصطلاح میں المشرکین سے وسیع تر ہے۔ المشرکین سے مراد مشرکین عرب ہی ہوتے ہیں۔ بہ خلاف اس کے الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا کے عموم میں ہر قوم، ہر ملک، ہر زمانہ کے اہل شرک داخل ہیں۔ سَيَقُوۡلُ۔ بہ طور پیشگوئی کے اور س مستقبل کے لیے ہے۔ اخبار من مستقبل (بیضاوی) اخبر اللہ عزوجل بالغیب عما سیقولون (قرطبی) معتزلہ نے یہ کہہ کر شرک کا تابع مشیت ہونا موقع ذم میں وارد ہوا ہے، اپنے مسلک کی تائید اور تقویت آیت سے نکالنا چاہی ہے۔ حالانکہ اگر وہ مزید غور وتدبر سے کام لیتے تو ان پر ظاہر ہو جاتا کہ مذمت نفس اس عقیدہ کی نہیں ہو رہی

قُلۡ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ يَشۡهَدُوۡنَ اَنَّ
آپ کہیے کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس پر گواہی دیں کہ اللہ نے ان (چیزوں) کو
اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنۡ شَهِدُوۡا فَلَا تَشۡهَدۡ مَعَهُمۡ ۚ
حرام کیا ہے و٢٣١ اور اگر وہ (جھوٹی) گواہی دے بھی دیں تو آپ نہ ان کے ساتھ گواہی دیجیے
وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيۡنَ لَا
اور نہ ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کیجیے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور جو
يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَهُمۡ بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ ﴿١٥٠﴾ قُلۡ تَعَالَوۡا
آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور اپنے پروردگار کے برابر (دوسروں کو) ٹھیراتے رہتے ہیں، و٢٣٢ آپ کہیے کہ آؤ میں
اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمۡ عَلَيۡكُمۡ اَلَّا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًـا
تمہیں پڑھ کر سناؤں، وہ چیزیں جو تم پر تمہارے پروردگار نے حرام کی ہیں (یعنی یہ کہ) اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک
وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ۚ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ مِّنۡ
مت ٹھیراؤ اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو و٢٣٣ اور اپنی اولاد کو افلاس (کے خیال) سے قتل مت
اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ وَاِيَّاهُمۡ ۚ وَلَا تَقۡرَبُوا
کر دیا کرو، ہم ہی تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور اُن کو بھی و٢٣٤ اور بے حیائیوں کے پاس بھی
الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقۡتُلُوا
نہ جاؤ (خواہ) وہ علانیہ ہوں اور (خواہ) پوشیدہ و٢٣٥ اور جس جان کو اللہ نے
النَّفۡسَ الَّتِىۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِكُمۡ وَصّٰٮكُمۡ
محفوظ کر رکھا ہے اسے قتل مت کرو بجز حق (شرعی) کے و٢٣٦ اس (سب) کا اللہ نے تمہیں حکم
بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿١٥١﴾ وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا
دے رکھا ہے، تاکہ تم عقل سے کام لو و٢٣٧ اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ۔

ہے، بلکہ اس کی ہو رہی ہے کہ مشرکین اس عقیدہ کی آڑ میں اپنے کو بری الذمہ اور بے قصور قرار دے رہے تھے اور مشیت اور شرک کے درمیان خلط کر رہے تھے۔ و٢٢٧ كَذٰلِكَ۔ منکرین و مکذبین کا یہ لنگڑا، لولا استدلال کچھ نیا اور اس اُمت کے ساتھ مخصوص نہیں، پرانی اُمتوں کا بھی یہی شیوہ چلا آیا ہے۔ و٢٢٨ مکذبین کی دلیل عقلی کی لغویت ابھی اُوپر کے حاشیہ سے ظاہر ہو چکی ہے۔ اب مطالبہ ان سے دلیل نقلی کا ہو رہا ہے یعنی کس پیمبر کی یہ تعلیم رہی ہے جو تم پیش کر رہے ہو؟ مِنۡ عِلۡمٍ۔ یعنی دلیل تمہارے اس مقدمہ پر کہ فعل پر قدرت دینا اس فعل سے رضا کو مستلزم ہے۔ و٢٢٩ یعنی علم و تحقیق سے قطعی معرّیٰ۔ تمہارے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے، نہ کوئی دلیل نقلی۔ آج بھی ملحدوں اور مشرکوں دونوں کا یہی حال ہے۔ بس چند مفروضات و مزعومات ہیں، جو ان کی ساری عمارت کی بنیاد ہیں۔ و٢٣٠ یعنی اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوتی تو تم سب لوگ محروم الارادہ و مسلوب الاختیار ہو کر بس ایک ہی ڈھرے پر اضطراراً چلتے۔ لیکن اس نے اجر و صلہ تو ایمان اختیاری پر رکھا ہے نہ کہ ایمان اضطراری پر۔ انه قدشاء منهم الايمان اختيارًا و لوشاء الله الايمان منهم قسرًا لكان عليه قادرًا و لكنهم كانوالا يستحقون به الثواب والمدح۔ (جصاص) فَلِلّٰهِ الۡحُجَّةُ الۡبَالِغَةُ۔ اللہ کی حجت پوری کی پوری رہی اور تمہاری حجت باطل ہو گئی۔ و٢٣١ (اور شہادت مقبول وہی ہو گی جو مشاہدہ یا مثل مشاہدہ پر مبنی ہو) کوئی عقلی دلیل تو شرک پر قائم ہی نہیں اب مطالبہ یہ ہو رہا ہے کہ کسی پیمبر کی تعلیم سے، کسی آسمانی کتاب سے، اس کی نقلی، روایتی، تاریخی ہی شہادت پیش کرو۔ و٢٣٢ (اور یہی ان کی شرک پسندی، اور آخرت انکاری ان کے دلوں میں طلب حق نہیں پیدا ہونے دیتی) فَلَا تَشۡهَدۡ مَعَهُمۡ۔ یعنی آپ ان کی گواہی کی تصدیق نہ کیجیے، بلکہ ان کی غلطی ان پر ظاہر کیجیے۔ ای فلا تصدقهم فيه و بين لهم فسادهٗ (بیضاوی) و٢٣٣ بنیادی اور مرکزی عقیدہ (توحید) کی تصحیح کے معاً بعد اب عملی زندگی کی ہدایات شروع ہو جاتی ہیں۔ اور ان میں سب سے پہلا حکم ماں باپ کی خدمت کا ملتا ہے۔ اِحۡسَانًا۔ احسان کا لفظ یادر ہے۔ حکم والدین کی محض اطاعت کا نہیں۔ ان کے ساتھ حسن سلوک کا ہو رہا ہے...... جو لوگ خدمت والدین کو کوئی خاص اہمیت دین میں نہیں دیتے۔ کاش وہ اس قسم کی آیتوں پر غور کریں! ای احسانًا كاملاً لا اساءة معهٗ (روح) عن ابن عباس يريد البر بهما مع اللطف ولين الجانب (روح) قُلۡ تَعَالَوۡا۔ خطاب آیت میں، یہود، مشرکین بلکہ ساری نوع انسانی کے لیے عام ہے۔ اَلَّا۔ مرکب ہے اَنۡ اور لَا کا اور اَنۡ مفسرہ ہے اُردو کے 'یعنی' کے مرادف۔ اَنۡ مفسرة بمعنى اى (مغنی) مفسرة ولا للنهي (کشاف) یہ بھی کہا گیا ہے کہ لَا یہاں نافیہ یا ناہیہ نہیں۔ بلکہ زائدہ ہے جو حکم میں نفی یا نہی نہیں بلکہ اور زور و تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ لا الزائدة الداخلة فى الكلام لمجرد تقويته و توكيده (مغنی) تاج العروس میں ان دونوں ترکیبوں کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ ان کے علاوہ ایک تیسری ترکیب کو بھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَلَّا تُشۡرِكُوۡا سے قبل اوصاکم محذوف مانا جائے جیسا کہ آیت کے آخر میں ذٰلِكُمۡ وَصّٰٮكُمۡ بِهٖ موجود بھی ہے۔ اور کلام عرب میں اس طرز کلام کی نظیریں ملتی ہیں۔ و كان فى الكلام محذوفًا دل عليه السياق و تقديرهٗ اوصاكم الا تشركوا و تقول العرب امرتک ان لا تقوم (ابن کثیر) و٢٣٤ یہاں ارشاد یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ معاشی نظریہ بہت ہی غلط قسم کا ہے۔ جو نسل کو گھٹانے اور محدود کرنے کی طرف لے جاتا ہے معاشیات کے صحیح قوانین ہی دوسرے ہیں۔ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ۔ یہ قتل اولاد کی ملعون رسم، دختر کشی کے دستور کے علاوہ ہے۔ مقصود اس سے تمام تر روکنا ہے۔ افلاس کا ذکر اس لیے فرمایا کہ فلاسفہ مادیین اور مفکرین جاہلیت اپنے نظریہ کی عقلی توجیہ عموماً یہی کرتے ہیں۔ چنانچہ آج جاہلیت فرنگ کے زیر سایہ جو شاندار تحریک قتل اولاد کی خفی و باریک صورت کی ''منع حمل'' کے نام سے جاری ہے، اس کا محرک بھی یہی خوف افلاس ہے۔ مالتھس نامی ایک ماہر معاشیات جو برطانیہ میں انیسویں صدی کی ابتداء میں ہوا ہے اور قتل اولاد یا ''منع حمل'' کی تحریک اصلاً اُسی کی چلائی ہوئی ہے، اس کے سارے نظریہ کی بنیاد یہی خوف افلاس ملک ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ۔ اور بعض علمائے سلف نے آیت کے ان الفاظ سے عزل (یعنی منع حمل بلا آلات منع حمل) کے عدم جواز پر بھی استدلال کیا ہے۔ و قد يستدل بهذا من يمنع العزل لان الوأدبرفع الموجود و النسل والعزل منع اصل النسل فتشابها الا ان قتل النفس اعظم وزرًا و اقبح فعلاً (قرطبی) و٢٣٥ اَلۡفَوَاحِشَ۔ کے معنی بہت وسیع ہیں۔ تنہا زناکاری کے نہیں۔ بدکاری، بے حیائی، فحاشی کی تمام صورتیں اس کے اندر آ گئیں۔ پھر لَا تَقۡرَبُوۡا کی تعمیم ''یعنی اس کے قریب بھی نہ جاؤ''۔ اور پھر مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ نے تو تعمیم کی حد ہی کر دی۔ بے حجابی، لباس میں بے ستری وغیرہ کی تمام خفی صورتیں خواہ پبلک میں ہوں یا پرائیویٹ ہوں، یکساں حرام قرار پا گئیں، چہرے پر پاؤڈر، لپ اسٹک وغیرہ لگا کر، بن سنور کر، نیم برہنہ لباس پہن کر، خوشبوئیں لگا کر، عورتوں کا آزادی کے ساتھ بے تکلف باہر نکلنا، مردوں کے مجمع میں چلنا پھرنا، سیمینار اور تھیٹر میں گندے نظاروں سے لطف اندوز ہونا، آرٹ گیلری میں برہنہ تصویریں دیکھنا، غرض تہذیب جدید کے سارے جاہلی عنصر اس آیت کی رُو سے حرام ٹھیرے جاتے ہیں۔ اخلاق کی پاکیزگی، اور پاکیزہ خیالی جو فرد و جماعت دونوں کی حقیقی ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ اس کی جو نظیر شریعت اسلام نے قائم کر دی ہے وہ کہیں اور تلاش سے بھی نہ ملے گی۔ والاولٰى ان لا يختص هذا النهي بنوع معين بل يجرى على عمومه فى جميع الفواحش ظاهرها و باطنها (کبیر) و٢٣٦ مثلاً جہاد میں، قصاص میں، رجم میں۔ اَلنَّفۡسَ الَّتِىۡ حَرَّمَ اللّٰهُ۔ اور وہ جس کو اللہ کے قانون نے محفوظ کر رکھا ہے۔ وہ ہر انسانی جان ہے، تاوقتیکہ وہ کسی جرم شرعی میں واجب القتل نہ قرار دیا جائے۔ و هذا الاٰية نهىٌ عن قتل

بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ حَتّٰی یَبۡلُغَ اَشُدَّہٗ ۚ وَ اَوۡفُوا

مگر اس طریق پر کہ جو مستحسن ہو یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے ف۲۳۸ اور ناپ اور

الۡکَیۡلَ وَ الۡمِیۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ ۚ لَا نُکَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا ۚ

تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کرو ف۲۳۹ ہم کسی شخص پر اس کے تحمل سے زائد بار نہیں ڈالتے ف۲۴۰

وَ اِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَ لَوۡ کَانَ ذَا قُرۡبٰی ۚ وَ بِعَہۡدِ اللّٰہِ

اور جب بولو تو عدل (کا خیال) رکھو، اگرچہ وہ (شخص) قرابت دار ہی ہو ف۲۴۱ اور اللہ سے جو عہد کیا ہے

اَوۡفُوۡا ؕ ذٰلِکُمۡ وَصّٰکُمۡ بِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۱۵۲﴾ وَ اَنَّ

اُسے پورا کرو، اس (سب) کا (اللہ نے) تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو ف۲۴۲ اور (یہ بھی کہہ دیجیے) کہ

ہٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِیۡمًا فَاتَّبِعُوۡہُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ

یہی میری سیدھی شاہراہ ہے سو اسی پر چلو، اور (دوسری دوسری پگڈنڈیوں) راہوں پر نہ چلو

فَتَفَرَّقَ بِکُمۡ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ؕ ذٰلِکُمۡ وَصّٰکُمۡ بِہٖ لَعَلَّکُمۡ

کہ وہ تم کو (اللہ کی) راہ سے جدا کر دیں گی اس (سب) کا (اللہ نے) تمہیں حکم دیا ہے

تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ تَمَامًا عَلَی

تاکہ تم متقی بن جاؤ ف۲۴۳ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ جس سے اچھی طرح عمل

الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ وَ تَفۡصِیۡلًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ وَّ ہُدًی

کرنے والوں پر (نعمت) پوری ہو، اور ہر (ضروری) چیز کی تفصیل (اس کے ذریعہ سے ہو جائے) اور (باعث)

وَّ رَحۡمَۃً لَّعَلَّہُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّہِمۡ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾ؑ وَ ہٰذَا

ہدایت ہو، اور (ذریعہ) رحمت ہو تاکہ وہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات پر یقین لائیں ف۲۴۴ اور یہ

کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوۡہُ وَ اتَّقُوۡا لَعَلَّکُمۡ

ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا ہے (خیرو) برکت والی ہے سو (اب) اس کی پیروی کرو، اور ڈرو، تاکہ تم پر

فس المحرمة مومنة كانت او معاهدة الا بالحق الذى يوجب قتلها (قرطبی) ف۲۳۷ (اور ان ہدایات پر عمل کرو) قرآن مجید میں یوں تو متعدد آیات ایسی ملتی ہیں جو تہذیب فرنگ کی پھیلائی ئی فضائے حاضر پر خاص طور سے چسپاں ہیں۔ لیکن یہ آیت ان خاص آیتوں میں بھی اخص ہے۔ آیت کے ایک ایک جزو کو لے کر خوب غور سے دیکھئے:۔ (۱) ممانعت شرک۔ ا۔ آج کے "روشن خیال" کتنے مختلف موں کے شرک میں مبتلا رہتے ہیں! اُن کی تہذیب اور اُن کے علوم کی بنیاد ہی ترک توحید پر ہے۔ (۲) تعظیم و الدین۔ اخلاقیات جدید میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی کوئی دفعہ ہی نہیں۔ (۳) اولاد کشی سے انعت۔ "منع حمل"، "ضبط تولید" وغیرہ تو تمدن جدید کے خاص مفاخر میں سے ہیں۔ وہ بھی معاشیات کا نقاب منہ پر ڈالے ہوئے۔ (۴) منع فواحش۔ تمدن جدید کی تو ساری رونق ہی علانیہ و مخفی فواحش کی گرم زاری سے ہے۔ (۵) انسانی زندگی کا احترام۔ اس ہدایت پر کہیں عمل ہوتا تو جنگ چین و جاپان، جنگ جرمنی و فرانس، جنگ جرمنی و برطانیہ، جنگ جرمنی و روس وغیرہ کا وجود ہی سرے سے نہ ہوا ہوتا۔ اور دنیا کو قابل پیائش مصیبتوں سے نجات مل گئی ہوتی۔ کاش اب بھی ہماری آنکھیں کھلیں، اور دنیا کی سمجھ میں آئے کہ قرآن نسخہ شفاء صرف چھٹی اور ساتویں صدی مسیحی کے عرب کے لیے نہیں بلکہ بیسویں اور اکیسویں اور ہر بعد صدی کی کل دنیا کے لیے ہے! ذٰلِکُمۡ۔ یعنی یہی اُوپر کے محرمات، کم خطاب کا ہے۔ اشارة الى هذه المحرمات والكاف والميم للخطاب (قرطبی) ف۲۳۸ (اور سن بلوغ پر جب یتیم پہنچ جائے گا تو اس کی جائیداد اس کے حوالہ کر دی جائے گی۔ اور کوئی سوال ہی تولیت و سربراہ کاری کا باقی نہ رہ جائے گا) وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡیَتِیۡمِ۔ یعنی یتیم کی جائیداد میں کسی قسم کا تصرف روا نہ رکھو۔ یَبۡلُغَ اَشُدَّہٗ۔ یعنی اپنی پوری قوت کو پہنچ جائے۔ اور قوت میں قوت جسمانی اور قوت عقل و تجربہ دونوں آ گئیں۔ يعنى قوته و قد تكون فى البدن و قد تكون فى المعرفة بالتجربة ولا بدمن حصول الوجهين فان الا شد وقعت هنا مطلقة (قرطبی) الاشد واحدها شد و هو قوة الشباب عند ارتفاعه (جصاص) و لم يشرط البلوغ فدل علىٰ انه بعد البلوغ يجوزان يحفظ عليه ماله اذا لم يكن مانوس الرشد و لا يدفعه اليه (جصاص) کون سا سن پختگی کا کہلائے گا؟ فقہاء اس باب میں مختلف ہیں امام ابوحنیفہ علیہ رحمۃ اللہ سے ۲۵ سال کا سن منقول ہے۔ و قد اختلف فى بلوغ الاشد فقال عامر بن ربيعة و زيد بن اسلم هو بلوغ الحلم و قال السدى هو ثلاثون سنة و قيل ثمانى عشرة سنة و جعله ابوحنيفة خمساً و عشرين سنة (جصاص) اِلَّا بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ۔ اور شریعت میں مستحسن صورت صرف وہی ہے جس سے خود یتیم کا نفع متصور ہو۔ اسلام کے معاند فرنگیوں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یتیموں کے حقوق کی محافظت اسلام کا ایک خاص اور روشن کارنامہ ہے۔ ف۲۳۹ دغا فریب کی ہر آمیزش سے پاک کہ کسی کا حق مار لیا یا اپنے ذمہ باقی رہنے دیا، اس بظاہر چھوٹی سی ہدایت کے اندر تجارتی اخلاق کے سارے ابواب آ گئے...... شخصی اخلاق و کردار کی بلندی کے ساتھ ساتھ تجارتی، کاروباری، اخلاق کی بھی پاکیزگی مسلمان کے لیے لوازم میں سے ہے۔ اى بالاعتدال فى الاخذ و العطاء عند البيع والشراء (قرطبی) فيه امر بايفاء الحقوق على الكمال (جصاص) ف۲۴۰ اس لیے ان احکام کی پابندی میں بھی دشواری کچھ نہیں...... ضرورت صرف تھوڑی سی توجہ و صرف ہمت کی ہے۔ ف۲۴۱ (اور کسی کی قرابت یا عزیز داری تمہیں اس کے معاملہ میں نہ منصفانہ فیصلہ کرنے سے روکے نہ سچی گواہی دینے سے) وَ اِذَا قُلۡتُمۡ۔ یعنی جب تم کسی کے مقدمہ، معاملہ میں زبان کھولو۔ يتضمن الاحكام والشهادات (قرطبی) ف۲۴۲ (ان احکام کو اپنی روزانہ زندگی میں یاد رکھو اور ان پر عمل کرتے رہو) بِعَہۡدِ اللّٰہِ۔ اس کے تحت میں ہر وہ عہد آ جاتا ہے جو بجائے خود جائز ہو۔ اور اللہ کو حاضر و ناظر جان کر باندھا گیا ہو۔ ف۲۴۳ غرض و غایت ساری تعلیمات اسلامی کی بس اسی قدر ہے کہ اُمت بہ حیثیت مجموعی بھی اور اس اُمت کا ایک ایک فرد بھی ذاتی طور پر ہر قسم کے اخلاقی کمالات سے آراستہ، اللہ کی فوج کا سپاہی، اور کائنات انسانی کے لیے ایک نمونہ بن جائے۔ وَ اَنَّ۔ عطف بیانات مقدم پر ہے۔ اور و کے بعد اتل محذوف ہے۔ عطفها على ماتقدم و انّ فى موضع نصب ى و اتل انّ هذا صراطى عن الفراء و الكسائى (قرطبی) ہٰذَا۔ یعنی مکمل نظام حیات و دستور زندگی۔ جس کی چند اہم مدیں اوپر بیان ہوئیں۔ السُّبُلَ۔ ان ٹیڑھی پگڈنڈیوں میں اسلام کے باہر کے کل دوسرے مذاہب آ گئے اور اسلام کے اندر کے بھی اہل بدعت و ضلالت کے فرقے جو رسول اللہ ﷺ کے طریق مستقیم سے الگ ہیں۔ وهذه السبل تعم اليهوديه والنصرانيه والمجوسية و سائراهل الملل و اهل البدع والضلالات من اهل الاهواء (قالہ ابن عطیہ، قرطبی) قال مجاهد السبل البدع (قرطبی) وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمۡ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ۔ اس میں ردّ آ گیا اس مغالبہ پرور خیال کا کہ ہر مذہب اپنی اپنی جگہ سچا ہے اور اسلام بھی انہی مذہبوں جیسا ہے۔ یہ غلط بے محل اور غیر فطری رواداری مشرکوں ہی کو مبارک رہے۔ اسلام ایسی خطرناک، مفسدہ انگیز مصالحت پسندی سے بیزار ہے۔ ف۲۴۴ بنی اسرائیل کے تمام امراض کا سرچشمہ یہی تھا کہ ان کا اعتقاد آخرت ڈھیلا ہو کر برائے نام رہ گیا تھا۔ مذہب کو جس حد تک مانتے بھی تھے۔ محض دنیوی بہبود و ترقی کے خاطر...... ٹھیک وہی نقطہ نظر جو آج بھی یورپ زادوں اور یورپ زدوں کا ہو گیا ہے۔ مذہب کے ان پہلوؤں سے انہیں بحث ہی نہیں کہ اس میں ذات و صفات باری کا ذکر کتنا اعلیٰ اور مفصل ہے۔ نجات کی کیسی کیسی تشفی بخش صورتیں اس نے بتائی ہیں۔ غرض یہ کہ دائمی راحت

تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى

رحمت کی جائے۔ ؂۲۴۵ (اور اس لئے بھی) کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگتے کہ کتاب تو بس ان دو

طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ

گروہوں پر اتاری گئی جو ہم سے پہلے تھے، اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے

لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ

نرے بے خبر ہی رہے ؂۲۴۶ یا یوں کہنے لگتے کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوئی ہوتی

لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ

تو ہم ان سے بھی بڑھ کر راہ پر ہوتے سو اب تو آچکی تمہارے پاس تمہارے پروردگار

رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ

کی طرف سے ایک روشن دلیل ؂۲۴۷ اور ہدایت ہے اور رحمت ہے، سو اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ کی

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ

نشانیوں کو جھٹلائے اور اس سے (دوسروں کو) روکے ہم ابھی برے عذاب کے ساتھ ان لوگوں کو سزا دیں گے

يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا

جو (دوسروں کو) روکتے ہیں بہ سبب ان کے (اس) روکنے کے

يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

؂۲۴۸ یہ لوگ (گویا) صرف اس کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں

اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِىْ

یا آپ کا پروردگار خود آئے یا آپ کے پروردگار کی کوئی بڑی نشانی آجائے ؂۲۴۹ (حالانکہ) جس روز آپ کے

بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ

پروردگار کی کوئی بڑی نشانی آپہنچے گی کسی شخص کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو پہلے سے

اس کے ختم ہونے پر نبی ونبوت کا مضمون شروع ہوتا ہے۔ ثُمَّ۔ اسی اظہار کے لیے ہے (تھانوی علیہ الرحمۃ) یہ بھی کہا گیا ہے کہ ثم کے بعد قل محذوف ہے اور ثم کا عطف سابق کے قل تعالوا پر ہے۔قیل عطف علٰی قل و فیه حذف ای قل تعالوا ثم قل اٰتینا موسٰی (روح) معناه ثم قل اٰتینا موسٰی لانه عطف علٰی قل تعالوا (جصاص) ثم لترتیب الاخبار لا لتراخی الزمان (کمالین) ثُمَّ۔ جب جملہ پر آتا ہے تو واو عطف کے معنی بھی دیتا ہے۔اور یہ معنی بھی یہاں جائز قرار دیئے گئے ہیں۔ ثم مع الجملة تاتی بمعنی الواو (مدارک) مُوْسَى الْكِتٰبَ۔ حضرت موسٰی علیہ السلام اور ان کی کتاب کا ذکر خاص طور پر شاید اس مناسبت سے ہو کہ ان کے نام اور شہرت سے اختلاط یہود کے باعث، مشرکین عرب خوب واقف تھے، اور بنی اسمٰعیل بنی اسرائیل کے چچازاد بھائی بھی تھے۔ الَّذِىْٓ۔ بطور اسم جنس آیا ہے اس لیے جمع کے معنی دیتا ہے۔یرید جنس المحسنین (مدارک) تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ۔ یعنی صحیفہ موسوی میں محض اجمالاً کچھ اصول وقواعد نہیں بتادیئے گئے تھے، بلکہ احکام کی ضروری تفصیل بھی کردی گئی تھی۔ای بیانًا مفصلًا لکل ما یحتاج الیه فی الدین (روح) بیانًا مفصلًا لکل ما یحتاجون الیه فی دینهم (مدارک) هُدًى۔یعنی وہ باعث ہدایت ہوا اپنے مخاطبین کے لیے۔ رَحْمَةً۔ یعنی وہ ذریعہ رحمت ہوا اپنے ماننے والوں کے حق میں۔ ؂۲۴۵ فَاتَّبِعُوْهُ۔ اتباع کے تحت میں عقائد، اعمال سب کا اتباع حسب مراتب آگیا۔ھو امر باتباع الکتاب علٰی حسب ما تضمنه من فرض او نفل اواباحة و اعتقاد کل منه علٰی مقتضاه (جصاص) وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ۔ یعنی یہی قرآن جس کی برکتیں قیامت تک منقطع ہونے والی نہیں اور برکت کے تحت میں خیر دینی وخیر دنیوی دونوں آگئیں۔ای کثیر الخیر دینا و دُنیا (روح) ای القراٰن کثیر الخیر (مدارک) ؂۲۴۶ خطاب اب مشرکین عرب سے ہے۔ والخطاب متوجه الٰی کفار قریش باثبات الحجة علیهم (بحر) اَنْ تَقُوْلُوْٓا۔ یعنی قیامت کے دن کہیں بہ طور عذر وجواب یہ نہ کہنے لگتے۔ اَنْ، لئلا ۔کے معنی میں ہے۔قال الکوفیون لئلا تقولوا و قال البصریون انزلناه کراهیة ان تقولوا (قرطبی) ای ل ان لا (جلالین) طَآئِفَتَيْنِ۔ یعنی گروہ یہود و نصاریٰ۔ تابعین وصحابہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ قال ابن عباس والحسن و مجاهد و قتادہ والسدی و ابن جریج ارادبهما الیهود والنصارٰی (جصاص) والکتاب هنا جنس والطائفتان هما اهل التوراة والانجیل الیهود والنصارٰی بلا خلاف (بحر) حنفیہ نے لفظ طَآئِفَتَيْنِ سے یہ استنباط کیا ہے کہ اہل کتاب یہی دو گروہ ہوئے ہیں۔ ورنہ اگر مجوسی بھی اہل کتاب ہوتے تو بجائے تثنیہ کے جمع کا صیغہ ہوتا۔ و فی ذٰلک دلیل علٰی ان اهل الکتاب هم الیهود والنصارٰی و ان المجوس لیسوا اهل الکتب لانهم لوکانوا اهل کتاب لکانوا ثلاث طوائف (جصاص) هذا دلیل علٰی ان المجوس لیسوا باهل الکتاب (مدارک) اور اس پر یہ شبہ ضعیف ہے کہ یہ تو قول مشرکین کا نقل ہوا ہے۔قرآن مجید میں کسی کا بھی قول بلا تردید نقل ہونا بجائے خود ایک وزن رکھتا ہے۔ دِرَاسَتِهِمْ۔ ضمیر بجائے تثنیہ کے جمع کی اس لیے لائی گئی ہے کہ ہر طائفہ خود حکم جمع میں ہے۔و لم یقل عن دراستهما لان کل طائفة جماعة (قرطبی) واعاد الضمیر جمعًا لان کل طائفة منهم جمعٌ (بحر) ؂۲۴۷ یعنی یہی معجزہ کتاب خود تمہاری زبان میں جو اپنے دعووں پر دلیل روشن ہے۔ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ۔ ضمیر ھم قوموں کے مومنین کی جانب ہے یعنی ہم تو ان سے بھی بڑھ کر راہ حق پر ہوتے۔عربوں کو دعویٰ اپنی ذہانت وشرافت طبع کا تھا۔یہ قول اسی سے ناشی ہوا ہے۔ لحدة اذهاننا و ثقابة افهامنا و غزارة حفظنا لایام العرب و وقائعها و خطبها و اشعارها واسجاعها و امثالها علٰی انا اُمیون (کشاف) فَقَدْ جَآءَكُمْ۔ سو کتاب تو اپنے تمام اعجازی خصوصیات کے ساتھ آگئی اور اس نے تمہاری حجت تمام تر قطع کردی۔ اَوْ تَقُوْلُوْا۔ یہ آیت سابق کے ان تقولوا پر عطف ہے۔عطف علٰی ان تقولوا (قرطبی) ؂۲۴۸ یہاں گویا یہ بتلادیا کہ نفس سزا تو تکذیب پر بھی انہیں ملتی۔اب دوسروں کو روکنے کے باعث یہ سزا کہیں زیادہ بڑھ کر رہی۔ ؂۲۴۹ منکرین کی نفسیات کا بیان ہورہا ہے۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ۔ ھل یہاں ما کے معنی میں ہے۔ای ما ینظرون (بیضاوی) ھل استفهام معناه النفی (کبیر) فقرہ بہ طور تعریض کے ہے۔یعنی یہ لوگ جو اتنے وضوح حق کے بعد بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے، اور ایمان لانے کی کوئی فکر واہتمام نہیں کرتے تو ان کی بے فکری سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ قیامت کے انتظار میں ہیں۔ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ فرشتوں کے ورود کے انتظار میں ہیں، جیسا کہ وہ موت کے وقت اور قیامت کے دن ہوگا۔ يَاْتِىَ رَبُّكَ۔ پروردگار کا ان کا آمنا سامنا ہوجائے۔جیسا کہ قیامت میں حساب کے وقت واقع ہوگا۔مشرکانہ اور جاہلی عقیدہ کے مطابق یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں رب اکبر کے ظاہر ظہور آجانے کے منتظر ہیں۔اتیان رب کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اہل سنت کے عقیدہ میں حق تعالیٰ کے حق میں فعل ”آنا“ کا اطلاق بالکل جائز ہے۔ اگرچہ اس کے آنے کی کیفیت نامعلوم ہے اور اس کی آمد جسمانی حرکت وانتقال سے بری ومنزہ ہے۔لیس مجیئه تعالٰی حرکةً ولا انتقالًا ولا زوالًا لان ذٰلک انما یکون اذا کان الجائی جسمًا او جوهرًا والذی علیه جمهور ائمة اهل السنة انهم یقولون یجئ و ینزل و یاتی ولا یکیفون (قرطبی) يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ۔ یعنی کوئی عظیم الشان نشانی آجائے۔جیسا کہ قیامت کے قرب میں یقیناً آئے گی۔مشرکانہ اور جاہلی نقطہ خیال کے مطابق یہ لوگ گویا ایسے عظیم الشان اور مجبور کن معجزہ کے منتظر ہیں، حالانکہ مجبور کن معجزہ کے بعد تو ایمان بالغیب رہتا ہی نہیں۔شہود کے حکم میں داخل ہوجاتا ہے۔ آیت کا ایک سہل، بے تکلف مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ

منکرین تو بس اس وقت کے منتظر معلوم ہوتے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرنے کو آجائیں یا عذاب الٰہی ان پر نازل ہو رہے۔ یاتی ربک ای امرہ بمعنی عذابہ (جلالین) یا قیامت کی ہولناک نشانیوں کا ظہور شروع ہو جائے۔ يَأْتِيَ رَبُّكَ۔ کو متعدد اہل تفسیر نے یاتی امر ربک کے معنی میں لیا ہے۔ ف۲۵۰ اس لیے کہ نزع وسکرات کے وقت جب عالم برزخ کا یا خود احوال قیامت سے مشاہدہ عالم غیب کا شروع ہو گیا۔ تو ایمان اختیاری اب باقی ہی کہاں رہا۔ ایمانِ اضطراری کا نام ایمان نہیں۔ أَوْ كَسَبَتْ فِيٓ إِيمَٰنِهَا خَيْرًا۔ یعنی ایمان گو پہلے سے بھی رکھتا ہو۔ لیکن ایمان کی برکت سے ذرا بھی نفع نہ حاصل کیا ہو۔ بلکہ سرتاسر نادانیوں اور خباثتوں میں مبتلا رہا ہو۔ اور آج سے توبہ کر کے کوئی نیک عمل شروع کرنا چاہے تو اب مقدمات قیامت شروع ہو جانے کے بعد توبہ بھی نہ قبول ہو گی۔ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ ءَايَٰتِ رَبِّكَ۔ مراد ہیں قرب قیامت کی نشانیاں۔ مثلاً آفتاب مغرب سے طلوع ہونا۔ مغرب سے طلوع آفتاب کو ہیئت وفلکیات کے کسی قاعدہ کے ماتحت محال قرار دینا بجائے خود ایک جہالت ہے۔ ہیئت وفلکیات کے تو جتنے بھی قوانین ہیں۔ سب موجودہ نظام تکوینی ہی کے ماتحت ہیں۔ لیکن جب خود یہ نظام ہی شکست ہو جائے گا تو اس کے کسی مخصوص جزئیہ کے باقی رہ جانے پر اصرار سراسر بے معنی ہے۔ ف۲۵۱ (تم خود ہی دیکھ لو گے کہ نجات کسے نصیب ہوتی ہے، تم منکروں کو یا ہم مومنوں کو) قُلْ۔ یعنی اے پیغمبر آپ جماعت مومنین کی طرف سے کہہ دیجئے۔

ءَامَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِيٓ إِيمَٰنِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ

ایمان نہ لا چکا ہو یا اپنے ایمان کے ذریعہ سے اس نے کوئی نیکی نہ کر لی ہو ف۲۵۰ آپ کہہ دیجئے

انتَظِرُوٓا۟ إِنَّا مُنتَظِرُونَ ﴿١٥٨﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ فَرَّقُوا۟ دِينَهُمْ

کہ تم انتظار کیے جاؤ ہم (بھی) منتظر ہیں ف۲۵۱ بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا

وَكَانُوا۟ شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَآ أَمْرُهُمْ

اور گروہ گروہ بن گئے آپ پر اُن کی کچھ بھی (ذمہ داری) نہیں، ان کا معاملہ بس

إِلَى ٱللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا۟ يَفْعَلُونَ ﴿١٥٩﴾ مَن

اللہ ہی کے حوالہ ہے ف۲۵۲ پھر وہی انہیں جتلا دے گا جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں ف۲۵۳ جو کوئی

جَآءَ بِٱلْحَسَنَةِ فَلَهُۥ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَن جَآءَ

نیکی لے کر آئے گا اُس کو اس کے مثل دس (نیکیاں) ملیں گی ف۲۵۴ اور جو کوئی

بِٱلسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰٓ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦٠﴾

بدی لے کر آئے گا اس کو بس اُس کے برابر ہی بدلہ ملے گا ف۲۵۵ اور اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا ف۲۵۶

قُلْ إِنَّنِي هَدَىٰنِي رَبِّيٓ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو میرے پروردگار نے ایک سیدھا راستہ بتا دیا ہے، ایک

قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَٰهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ

دین مستحکم، طریقہ ابراہیم راست رَو کا اور وہ مشرکین میں سے

ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿١٦١﴾ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ

نہ تھے ف۲۵۷ آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری (ساری) عبادتیں اور میری زندگی

وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُۥ ۖ وَبِذَٰلِكَ

اور میری موت (سب) جہانوں کے پروردگار اللہ ہی کے لئے ہیں ف۲۵۸ (کوئی) اس کا شریک نہیں اور مجھے اسی

انتَظِرُوٓا۟۔ یہ بہ طور آخری تہدید کے ہے جیسا کہ ایسے موقع پر ہر زبان کے محاورہ میں عام وشائع ہے، یہ مراد نہیں کہ پیغمبر انہیں انتظار کی دعوت دے رہے ہیں:۔ ف۲۵۲ (کہ وہی خوب سب کو دیکھ بھال رہا ہے) إِنَّ ٱلَّذِينَ فَرَّقُوا۟ دِينَهُمْ۔ یعنی دین حق کو بتمامہ قبول نہ کیا خواہ سب کو چھوڑ دیا۔ خواہ اس کے بعض حصوں کو۔ دِينَهُمْ۔ مراد وہ دین ہے جس کے وہ مکلف تھے۔ اما دینھم فقد قیل الذی امرھم اللہ بہ وجعلہ دیناً لھم (جصاص) وَكَانُوا۟ شِيَعًا۔ یعنی کفر وشرک یا بدعت کے طریقوں کو اختیار کر کر کے ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ اس کا مصداق کون گروہ ہوا ہے؟ عموماً مراد یہود ونصاریٰ سے لی گئی ہے۔ من الیھود والنصاری (ابن جریر، عن قتادۃ) ھؤلاء الیھود والنصاری (ابن جریر، عن السدی) یعنی الیھود والنصاری (ابن جریر۔ عن الضحاک) مشرکین بھی مراد لیے گئے ہیں:۔ یرید المشرکین (کبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قال الحسن ھو جمیع المشرکین (قرطبی) اس اُمت کے اہل بدعت واہل ضلالت سے بھی مراد لی گئی ہے۔ ھم اھل البدع و اھل الشبھات و اھل الضلالۃ من ھذہ الامۃ (ابن جریر۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ) ھم اھل البدع والشبھات (ابن جریر عن مجاہد) انما ھم اصحاب البدع و اصحاب الاھواء واصحاب الضلالۃ من ھذہ الامۃ (قرطبی۔ عن عمر رضی اللہ عنہ) الفاظ قرآنی میں گنجائش یقیناً سب تفسیروں کی ہے۔ لیکن اگر قرائن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف معاصرین پیش نظر رکھے جائیں تو اس تعارف کے مصداق سب سے بڑھ کر مسیحی ہی نکلیں گے اور ان کے اندر فرقوں اور گروہوں کی تقسیم اور تقسیم کے اندر تقسیم سب سے بڑھی چڑھی ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وحدت کلمہ کے قائم و برقرار رکھنے کی اسلام میں کس قدر تاکید ہے اور اُمت کا تفرق وتشتت حق تعالیٰ کو کس درجہ مبغوض ہے۔ اعلم ان المراد من الأیۃ الحث علٰی ان تکون کلمۃ المسلمین واحدۃ و ان لا یتفرقوا فی الدین (کبیر) ھو تحذیر من تفرق الکلمۃ و دعاء الی الاجتماع والالفۃ علی الدین (جصاص) ف۲۵۳ (اور یہ جتلا دینا قیامت میں ہوگا) ”چونکہ لفظ فرقوا۔ سب کو شامل ہو سکتا ہے، اس لیے عام مراد لینا انسب ہے البتہ مراتب وعید کے متفاوت ہوں گے۔ یعنی کفار کو عذاب تخلد ہوگا اور مبتدعین کو بہ وجہ وجود ایمان کے بعد سزائے عقائد فاسدہ کے نجات ہوگی“ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۲۵۴ یعنی ہر نیکی پر دس گنا اجر ملے گا۔ گویا اس نے وہ نیکی دس بار کی ہے۔ اور یہ تو مرتبہ اقل میں ہے، ورنہ بعض نیکیوں پر تو اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر اجر دوسرے نصوص سے ثابت ہے......

یہ نمونہ ہے فضل خداوندی کا! صوفیہ صافیہ نے یہاں سے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے، کہ جب ہر نیکی پر اجر کم از کم دس گنا موجود ہے اور یہ مُسلّم ہے کہ محبت الٰہی اور شوق لقاء خداوندی سے بڑھ کر کوئی دوسری نیکی نہیں تو جن بندوں نے اپنے کو لقاء حق کا منتظر ومشتاق بنا رکھا ہے، انہیں یقین رکھنا چاہیے کہ محبوب بے نیاز تو خود اُن کی لقاء کا مشتاق ان سے کم از کم دس گنا ہوگا۔ ف۲۵۵ یعنی سزا اس سے زیادہ نہ ملے گی ...... یہ نمونہ ہے عدل خداوندی کا! ف۲۵۶ (انسانی معیار سے ہی) مثلاً یہ کہ کوئی نیکی درج ہونے سے رہ جائے یا کوئی بدی زیادہ لکھ لی جائے۔ ف۲۵۷ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید پرستی پر حاشیے سورۂ بقرع ۱۵ (پ۱) میں اور اور مقامات پر گزر چکے۔ ف۲۵۸ آیت لب لباب ہے سارے دین اسلام کا، اور عطر یا مغز کل ملت ابراہیمی کا۔ صلوٰۃ۔ یعنی نماز اور نسک یعنی عام عبادتوں کا تعلق نظام تشریعیات سے اور محیا یعنی زندگی اور ممات یعنی موت کا تعلق نظام تکوینیات سے ہونا بالکل ظاہر ہے تو گویا اقرار اس کا ہو رہا ہے کہ الوہیت میں بھی وہی رب برحق منفرد ہے اور ربوبیت میں بھی وہی۔ نسک سے یہاں مراد جمیع عبادات ہیں۔ قال قوم النسک فی ھذہ الأیۃ جمیع اعمال الطاعات (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت توحید کامل کی تعلیم پر دال ہے۔ یعنی جمیع حالاتِ تشریعی وتکوینی میں تسلیم وتفویض عمل واطاعت سے بھی اور رضا بالقضاء سے بھی۔

أُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِىْ

کا حکم ملا ہے، اور میں مسلموں میں سب سے پہلا ہوں و۲۵۹ آپ کہیے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی کو بہ طور پروردگار تلاش

رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَىْءٍ ؕ وَ لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا

کروں درآنحالیکہ وہی پروردگار ہے ہر چیز کا و۲۶۰ اور جو شخص کچھ بھی حاصل کرتا ہے

عَلَيْهَا ۚ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ

وہ اُسی پر رہتا ہے اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا پھر تم (سب) کی واپسی

مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَ هُوَ

تمہارے پروردگار (ہی) کے پاس ہے سو وہی تم کو جتلائے گا جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے و۲۶۱ اور وہ وہی

الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ

ہے جس نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا اور تم میں سے ایک کے رُتبے دُوسرے پر

بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

بلند کیے تا کہ تمہیں ان چیزوں میں آزمائے جو اس نے تم کو دے رکھی ہیں و۲۶۲ بیشک آپ کا پروردگار

سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بیشک وہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے و۲۶۳

اٰيَاتُهَا ۲۰۶ — ۷ سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ ۳۹ — رُكُوْعَاتُهَا ۲۴

اس میں ۲۰۶ آیات — سورۂ اعراف مکی ہے — اور ۲۴ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِىْ صَدْرِكَ

الف۔ لام۔ میم۔ صاد و۱ (یہ) ایک کتاب ہے آپ پر نازل کی گئی کہ آپ اس کے ذریعہ سے (لوگوں کو)

۲۵۹ یعنی اپنی اس دعوت پر خود ہی سب سے پہلا ایمان لانے والا، اسلام میں نبی کی حیثیت محض ایک پیشین گو یا مخبر کی یا زیادہ سے زیادہ محض ایک داعی کی نہیں، جیسا کہ بعض باطل مذاہب نے فرض کر
لھا ہے بلکہ سب سے پہلے خود ایک صاحب عمل انسان کی ہے جو دوسروں کے
لیے مثال اور نمونہ کا کام دے سکے۔ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔ یعنی اس کا کوئی شریک
ہیں۔ نہ ذات میں نہ صفات میں نہ بہ حیثیت اقنوم نہ بہ حیثیت مظہر، نہ اور کسی
حیثیت سے وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ۔ مجھے اس کا حکم ملا ہے بہ حیثیت فرد بھی اور بہ
حیثیت نبی بھی۔ یعنی اس دین کو میں خود بھی اختیار کروں اور اسی کی دعوت بھی
دوسروں کو دُوں و۲۶۰ یعنی اس کی ربوبیت جزوی اور ناقص نہیں جیسا کہ
شرکوں اور یونان وغیرہ کے جاہل فلسفیوں نے خیال کیا ہے۔ کوئی صفت
کائنات، کوئی شعبۂ موجودات اس کی ربوبیت سے خارج نہیں۔ قُلْ۔ یعنی
آپ ان منکرین توحید اور اہل باطل کے سامنے یہ دعویٰ پیش کیجیے۔ و۲۶۱ (اور
اسی کے مطابق جزاء وسزا ہوگی) علم بھی اُسی کا کامل ہے اور قدرت وحکومت بھی
اسی کی کامل۔ تَكْسِبُ۔ جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے بہ طور گناہ یا ثواب کے۔ وَ
لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔ چنانچہ مسیحیوں کا عقیدۂ کفارہ تمام تر مہمل و باطل
ہے۔ اسی طرح ان کا یہ عقیدہ بھی کہ آدم عليه السلام کی معصیت کی سزا نسلاً بعد نسلٍ
ساری اولادِ آدم عليه السلام کو ملتی رہے گی۔ یا مشرکوں کا یہ عقیدہ کہ خدا جس کی بجائے
اس کو چاہے سزا دے دے۔ اخبار بان الله تعالٰی لا یؤاخذ احدًا بذنب
غیرہ و انه لا یعذب الابناء بذنب الاباء (جصاص) ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ
مَّرْجِعُكُمْ۔ سب کی آخری واپسی پروردگار عالم ہی کے حضور میں ہوگی نہ کہ کسی
"ابن اللہ" وغیرہ کے پاس۔ و۲۶۲ (کہ کون ان نعمتوں کا حق کہاں تک ادا
کرتا ہے اور اس آزمائش کے بعد رُوحانی اور حقیقی مرتبہ متعین کرے)
جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ۔ خطاب پوری نسل آدم کو ہے۔ خلافت کی دولت
ادنیٰ واعلیٰ ہر ہر انسان کو عطا ہوئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عالم انسانی کی کثیر آبادی
نے اپنے کو نا اہل خلافت الٰہی کا ثابت کیا ہو۔ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ۔
یہاں مراد طبعی اور تکوینی فرق مراتب سے ہے، کوئی تندرست ہے کوئی بیمار، کوئی
قوی کوئی کمزور، کوئی حاکم کوئی محکوم، کوئی مرد کوئی عورت، کوئی زردار، کوئی نادار۔
فی الخلق والرزق والقوة والبسطة والفضل والعلم (قرطبی)
لِّيَبْلُوَكُمْ۔ یہ آزمائش ایک کی دوسرے کے ذریعہ سے ہوتی رہتی ہے۔ ای
بعضکم ببعض (قرطبی) و۲۶۳ یہاں تین صفتیں بیان ہوئی ہیں۔ اور تینوں
کا تعلق تین مختلف طبقات سے ہے۔ سَرِيْعُ الْعِقَابِ۔ بہت جلد سزا کو پہنچا
دینے والا وہ مجرموں اور نافرمانوں کے حق میں ہے۔ غَفُوْرٌ۔ غفور وہ ان
کے لیے ہے جو نافرمانی سے فرمانبرداری کی طرف واپس آجائیں۔ رَّحِيْمٌ۔
اس کی رحمتِ کاملہ فرمانبرداروں کے حق میں ہے۔ سورۂ اعراف و۱
حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا) یہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان حروف کے دو معنٰی منقول ہیں۔ ایک انّ الله افضل۔ دوسرے ان الله اعلم و افضل (کبیر)

حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

ڈرائیں۔ سو آپ کے دل میں اس سے (بالکل) تنگی نہ ہو، اور (یہ) نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے ف۲

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ

پیروی اس کی کرو جو کچھ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر (دوسرے) رفیقوں

دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ وَ كَمْ مِّنْ

کی پیروی مت کرو ف۳ کم ہی تم لوگ نصیحت قبول کرتے ہو ف۴ اور کتنی ہی

قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ

بستیاں ہیں کہ ہم نے انہیں تباہ کر دیا۔ اور ان پر ہمارا عذاب رات کو پہنچا یا وہ

قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ

دوپہر کو آرام میں تھے ف۵ پس وہ کچھ نہ بول سکے جب اُن پر ہمارا عذاب

بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾ فَلَنَسْئَلَنَّ

پہنچا ہاں بولے تو یہ بولے کہ بیشک ہم ہی ظالم (و خطاوار) تھے ف۶ سو ہم اُن لوگوں سے

الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾

بھی ضرور پوچھیں گے جن کے پاس (پیغمبر) بھیجے گئے تھے، اور پیمبروں سے (بھی) ہم ضرور پوچھیں گے ف۷

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّ مَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾

پھر ہم ان کے رُوبرو (سب) بیان کر دیں گے علم کے ساتھ اور ہم کہیں غائب تو تھے نہیں ف۸

وَ الْوَزْنُ يَوْمَئِذِ اِۨلْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ

اور اس روز وزن (ہونا) برحق ہے ف۹ جس کسی کا وزن بھاری ہو گا

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸﴾ وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ

وہی لوگ (پورے) کامیاب ہوں گے اور جس کا وزن ہلکا ہو گا

ف۲ یعنی اس کی نصیحتوں سے تو نفع اہل ایمان ہی اٹھائیں گے۔ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ۔ یعنی یہ خیال کر کے اپنا دل نہ کڑھایئے کہ بہت سے لوگ اس سے انکار و تکذیب کے بھی مرتکب ہوں گے۔ ای لا یضیق صدرک الایومنوا به (قرطبی) لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ انذار، کافروں کے لیے ہے اور ذِکْرٰی مومنین کے حق میں۔ الانذار للکافرین و ذکرٰی للمومنین لانهم المنتفعون به (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آیت میں شیخ کے لیے اشارہ ہے کہ مخاطب اگر اس کی بات نہ قبول کرے تو شیخ نہ تو بالکل ہی مستغنی رہے اور نہ زیادہ فکر و تردد میں پڑے۔ ف۳ یہ رفیق وہی ہیں جنہیں دوسری جگہ قرآن میں شیاطین الجن والانس سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ای یضلونکم من الجن والانس (بیضاوی) اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی جو کچھ تمہارے اُوپر تمہارے پیمبر کے واسطے سے نازل ہوا ہے۔ ابھی انزل الیک میں خطاب پیمبرؐ سے براہ راست تھا، اب خطاب مومنین سے ہے جن کا ذکر ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ کے تحت میں ابھی آچکا ہے۔ اور اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ سے مراد نزول بواسطہ پیمبر ہے۔ دونوں طرز تعبیر اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ۔ کے عموم میں محققین نے قرآن کے ساتھ سنت کو بھی شامل کیا ہے کہ وہ بھی وحی خفی کی ایک صورت ہے، یعنی الکتاب والسنة (قرطبی) یتناول الکتاب والسنة (کبیر) ای القرآن والسنة (مدارک) لیکن خود خبر واحد کے قبول کا معیار یہی ہے کہ وہ کسی نص قرآنی کے مخالف نہ ہو اور حنفیہ نے اس پر خاص طور سے زور دیا ہے۔ دلیل علٰی وجوب اتباع القراٰن فی کل حال وانه غیر جائز الاعتراض علٰی حکمه باخبار الاٰحاد لان الامر باتباعه قدثبت بنص التنزیل و قبول خبرواحد غیر ثابت بنص التنزیل وھذا یدل علٰی صحة قول اصحابنا فی ان قول من خالف القراٰن فی اخبار الاحاد غیر مقبول (جصاص) مِنْ دُوْنِهٖ۔ میں ضمیر ربکم کی طرف ہے یعنی اللہ کے ساتھ ساتھ دوسروں کو اپنا مطاع مت قرار دو۔ والھاء تعود علی الرب سبحانه والمعنٰی لا تعبدوا معه غیره (قرطبی) ای من دون اللہ (مدارک) آیت سے صاف ظاہر ہے کہ نص کے ہوتے ہوئے رائے کی پیروی ممنوع ہے۔ و دلت الاٰیة علٰی ترک اتباع الاٰراء مع وجود النص (قرطبی) ف۴ چنانچہ گمراہی اور گمراہوں دونوں کی کثرت ظاہر ہے۔ مَّا تَذَكَّرُوْنَ۔ میں ما زایدہ قلت تذکر کی تاکید کے لیے ہے۔ اصل ترکیب کلام یوں ہے۔ تذکرون تذکرًا قلیلًا۔ ما مزیدة لتوکید القلة (کشاف، بیضاوی) ف۵ یعنی عموماً ایسے وقت جب وہ غفلت اور بے فکری میں پڑے تھے ان دونوں وقتوں کی تصریح اس لیے کی گئی کہ یہی دو وقت عموماً غفلت و بے فکری کے ہوتے ہیں۔ نص ھٰذان الوقتان لانهما وقتا الغفلة (مدارک) معنی الاٰیة انهم جاء هم باْسناوھم غیر متوقعین له اما لیلًا و ھم نائمون اونهارًا و ھم قائلون والمقصود انهم جاء ھم العذاب علٰی حین غفلة منهم (کبیر) اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ۔ قائل قیلولہ کرنے والے کے معنی میں ہے۔ اور قیلولہ کہتے ہیں دوپہر میں آرام کرنے کو۔ یعنی القائلة وھی القیلولة و ھی نوم نصف النهار و قیل الاستراحة نصف النهار اذا اشتدالحر و ان لم یکن معها نوم (قرطبی) قال اللیث القیلولة نومة نصف النهار و قال الازھری القیلولة عند العرب الاستراحة نصف النهار اذا اشتد الحروان لم یکن مع ذٰلک نومٌ (کبیر) ف۶ دنیا میں بھی جب کوئی قوم ادبار و تباہی کے عذاب میں مبتلا ہو لیتی ہے تو بعد کو اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں کا اقرار ہی کرتے اُسے بنتا ہے، اور پھر اسباب پر بحث شروع ہوتی ہے۔ ف۷ ان اُمتوں سے تو یہ کہ تم نے انبیاء کی دعوت کہاں تک قبول کی؟ اور پیمبروں سے یہ کہ تمہاری دعوت کہاں تک قبول کی گئی؟ ف۸ اس میں اثبات ہے حق تعالیٰ کے علم کامل و علم صادق کا۔ ابھی اُوپر حشر میں سوالات کا ذکر ہے۔ اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ پوچھ پاچھ کچھ اس لیے تو ہوگی نہیں کہ (نعوذ باللہ) ہم کچھ ناواقف تھے۔ علم و تحقیق کا مصدر و مخزن تو خود ہماری ذات ہے...... ہر کیفیت ہم پر خود آئینہ ہے۔ پورے پورے حالات تحقیق کے ساتھ تو ہم خود ہی بیان کر دیں گے اور کیوں نہ بیان کریں۔ کیا ہم کہیں کچھ دیر کے لیے چلے گئے یا غائب ہو گئے تھے؟ ہمہ وقت تو ہم خود ہی حاضر و موجود رہے ہیں...... اس میں رد آ گیا اُن احمق جاہلی فلسفیوں کا جو سمجھتے تھے کہ حق تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں۔ ف۹ الفاظ میں ”وزن“ ہونا رائے میں ”وزن“ ہونا، معانی میں ”وزن“ ہونا یہ تو ہم لوگ گفتگو میں روزمرہ بولتے اور مجازی حیثیت سے برابر تسلیم ہی کرتے ہیں یوم حشر کشف حقائق کا دن ہوگا، ہر مجاز عین حقیقت بن جائے گا۔ ”وزن“ کے لیے جسمیت کی شرط تو مخصوص اس عالم ناسوت کے ساتھ ہے۔ اُس عالم میں تو مجردات بھی محسوسات کے لباس میں ملبوس ہوں گے...... اَلْوَزْنُ کے مجازی معنی یہی کیے گئے ہیں۔ لیکن اکابر اہل سنت کے یہاں بلا ضرورت ظاہر کو چھوڑ کر مجاز ماننا درست نہیں۔ وقد اجمعت الامة فی الصدر الاول علی الاخذ بھٰذه الظواھر من غیر تاویل و اذا اجمعوا علٰی منع التاویل وجب الاخذ بالظاھر و صارت ھٰذه الظواھر نصوصًا (قرطبی) يَوْمَئِذِ۔ سے مراد قیامت کا دن ہونا ظاہر ہی ہے۔ وہ دن تو کشف حقائق کا ہوگا، کیا یہ ممکن نہیں کہ اعمال میں وزن تو آج بھی ہو، لیکن آج ہمارے قُویٰ کے لیے غیر مدرک ہو، اور اُس روز جب ہمارا ادراک خود ہی سو گنا اور ہزار گنا بڑھ چکے گا، اعمال کی یہ کیفیت بھی ہمارے علم و شعور میں آنے لگے...... بارکلے برطانیہ کے مشہور فلسفی نے ثابت کیا ہے کہ مادّہ کے جتنے بھی اعراض تسلیم کیے گئے ہیں، ان کی اصل تو ان کی محسوسیت ہی ہے۔ اگر وہ سرے سے کسی کو محسوس ہی نہ ہوں تو ان کے وجود ہی کے کوئی معنی نہیں۔ اعمال کی صفت وزن آج ہمارے موجودہ قُویٰ کے لیے غیر محسوس ہے، کل ہمارے ترقی یافتہ قُویٰ کے لیے محسوس و مدرک ہو جائے گی۔ اَلْوَزْنُ۔ عقائد و اعمال کا وزن مراد ہے، اور یہ معنی صحابہ و تابعین سے مروی ہے۔ صحائف اعمال کا وزن بھی مراد

لیا گیا ہے۔ ای وزن الاعمال (مدارک) و الجمہور علی ان صحائف الاعمال توزن بمیزان (بیضاوی) والمراد بالوزن اعمال العباد بالمیزان (قرطبی) والذی یوضع فی المیزان یوم القیمة قبل الاعمال و ان کانت اعراضا الا ان اللہ تعالیٰ یقلبها یوم القیامة اجساماً (ابن کثیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں حدیث رسول ﷺ کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ مفسرین کا عام مذہب اس باب میں وزن صحائف اعمال کا ہے۔ سئل رسول اللہ ﷺ عما یوزن یوم القیامة فقال الصحف وھذا القول مذھب عامة المفسرین فی ھذہ الآیة (کبیر) و۱۰ دین حق کو نہ قبول کرنا اور نظامِ خداوندی سے انکار و بغاوت کیے جانا یہی آیاتِ الٰہی کے حق میں ظلم و بے انصافی کرنا ہے۔ اصل زندگی اصل جان، اصل حسن، اصل وزن، صرف طاعتوں یا نیکیوں میں ہے، جو یہاں سے کہیں بڑھ کر وہاں نمایاں ہوگا۔ اور ہر معصیت و بدی کی زندگی عارضی و نمائشی ہے۔ ان کا کھوکھلا پن بھی حشر ہی میں جو کشف حقائق کا مقام ہے خوب نمایاں ہوگا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان دونوں آیتوں کے ملانے سے دنیا میں لوگوں کے ساتھ معاملت کرنے کا ایک دستور العمل ہاتھ آجاتا ہے۔ جن لوگوں کی غالب حالت صلاح کی ہو۔ انہیں صالح ہی سمجھا جائے گا۔ اگرچہ ان میں خفیف جزء نقص کا بھی ہو۔ البتہ خود ایسے شخص پر واجب ہوگا کہ اپنے نفس کی اصلاح کرے۔ و۱۱ (اے انسانو!) خطاب عام عالم انسانی کو ہے۔ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۔ گرفت کے قابل اور اصل جرم یہ عدم شکر گزاری یا برائے نام شکر گزاری ہے۔ اور ادائے شکر کے معنی ادائے حقوق کے ہیں یعنی جس نعمت کے برتنے کے جو حقوق شریعت الٰہی نے بتائے ہیں انہیں برتنا۔ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ۔ زمین پر سکھ کے ساتھ رہنے سہنے کی جگہ ملنا، سامانِ معیشت بہ افراط ملنا، خاص طور پر محرکات شکر ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں جن دو نعمتوں کا ذکر ہے۔ ان سے اول کا حاصل جاہ ہے اور دوسرے کا خلاصہ مال، تو جاہ و مال کا ذکر موقع نعمت پر آنے سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں چیزیں مطلق صورت میں مذموم نہیں بلکہ قابل شکر ہیں، البتہ ان میں انہماک مذموم ہے۔ و۱۲ یعنی پہلے تمہاری نوع کا سلسلہ قائم کرنے کو مادہ بنایا، پھر اس مادہ کو صورت بشری دی، اور آدم علیہ السلام وجود میں آگئے۔ و۱۳ (از راہِ استکبار) قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ۔ یہ حکم جب ملائکہ کو ملا، تو جو مخلوق (مثلاً جن) اُن سے ادنیٰ تھی، اس کو تو یہ حکم بدرجہ اولیٰ ملا۔ ملاحظہ ہو حواشی نمبر ۱۲۳، نمبر ۱۲۴، پ۱ اسْجُدُوْا۔ سجدہ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس نماز والے سجدہ کی ہیئت متعارف و مخصوص کے ساتھ ہو، سجود کے لفظی معنی تواضع و تذلل کے ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پ۱ حاشیہ ۱۲۵۔ لِاٰدَمَ۔ ل یہاں الیٰ کا مرادف ہے۔ یعنی آدم علیہ السلام کی سمت میں (جیسے آج بھی کعبہ کی سمت میں ہوتا ہے) نہ کہ آدم علیہ السلام کو۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۲۵، پ۱۔ اِبْلِيْسَ۔ ایک ناری مخلوق یعنی جن تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں تصریح کے ساتھ آیا ہے نہ کہ نوری مخلوق یا فرشتہ جیسا کہ عوام کا عقیدہ مسیحیت کے اثر سے ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۲۶، پ۱۔ و۱۴ ارشاد الٰہی کا کوئی اور جواب بجز تعمیل کے ممکن ہی نہیں، پھر تجھے آخر نافرمانی کی کیا سوجھی؟ کونسی چیز تجھے اس پر لائی؟ اَلَّا۔ یہاں لا نافیہ یا ناہیہ نہیں بلکہ زائدہ ہے۔ اور زائدہ اصطلاح نحو میں حشو کے مرادف نہیں بلکہ یہ لا جو مضمون بیان ہو رہا ہے اس میں اور زور و تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ زائدة ای لتاکید معنی النفی فی منعک (جمل) و۱۵ (اور یہ دلیل ہے میری افضلیت کی) ابلیس کے اس دعوی اور دلیل کو منطقی شکل میں اگر مرتب کیا جائے تو مقدمات اور نتائج کی صورت حسب ذیل ہوگی:۔ (۱) آگ خاک سے افضل ہے۔ (۲) افضل غیر افضل کے آگے نہیں جھک سکتی، لہٰذا آگ خاک کے آگے نہیں جھک سکتی، میں فرع ہوں آگ کی، اور آدم علیہ السلام فرع ہیں خاک کی۔ اس لیے میں آدم علیہ السلام کے آگے نہیں جھک سکتا۔ ابلیس کو اپنی عقل و ذہانت پر بہت ناز ہے۔ لیکن یہ استدلال تو مغالطوں کی ایک پوٹ ہے۔ اول تو یہ بنیادی دعوی ہی غلط ہے کہ آگ، خاک سے افضل ہے۔ آگ اور خاک دونوں کے الگ الگ خصوصیات ہیں، کسی لحاظ سے یہ افضل کسی اعتبار سے وہ۔ پھر یہ دعوی بھی تمام تر باطل ہے کہ ہمیشہ غیر افضل ہی کو افضل کے آگے جھکنا چاہیے۔ بہت سے موقع اعلیٰ کے لیے بھی ادنیٰ کے آگے جھکنے کے ہوتے ہیں، اور پھر یہ مفروضہ تو اور بھی مہمل ہے کہ افضل کی فرع ہر حال میں غیر افضل کی فرع سے افضل ہی ہوتی ہے، ابلیس اب نافرمانی و کفر اختیار کر چکا تھا اور کافر و نافرمان کی عقل میں نورانیت کہاں، وہ تمام تر ظلمانیت سے بھر جاتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر ایسا شخص شیطان کا وارث ہے جو اپنی رائے اور رویت کو چاہے وہ کشف پر مبنی ہو یا وجدان و ذوق پر، شریعت کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے۔ و۱۶ یعنی یہ جگہ تو خاشعین اور فرمانبرداروں کے لیے ہے۔ تجھ بڑائی ہانکنے والے کا یہاں کیا کام، تو نکل یہاں سے حقیر و خوار ہو کر۔ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ۔ فقہاء و مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ معصیت و نافرمانی میں بندہ کی ذلت ہے۔ دلّ ھذا انّ من عصی مولاہ فھو ذلیلٌ (قرطبی) فَاهْبِطْ مِنْهَا۔ یہ نکلنے اور نیچے اُترنے کا حکم کہاں سے ہو رہا ہے؟ ہبوط آسمان سے زمین کی طرف بھی مراد ہو سکتا ہے۔ قیل من السماء الی الارض (معالم) ای من السماءِ (قرطبی) لیکن اکثر نے ضمیر ھا جنت کی جانب سمجھی ہے۔ اور قول اصح یہی ہے کہ حکم جنت سے نکل جانے کا مل رہا ہے۔ قال کثیر من المفسرین الضمیر عائد الی الجنة (ابن کثیر) ای من الجنة (معالم) قال ابن عباس یرید من الجنة (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کبر کی بنا پر درگاہِ الٰہی سے نکالا جانا، اس کی دلیل ہے کہ کبر وصولِ حق سے مانع ہے۔ و۱۷ مہلت کس چیز سے؟ موت اور عذاب سے۔ سال النظرة والامھال الی یوم البعث والحساب (قرطبی) اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔ یعنی قیامت تک۔ شیطان کا صاحب کشف ہونا اسی درخواست سے ظاہر ہے۔ جانتا تھا ضرور منظور ہو جائے گی۔ باوجود عتاب شدید کے موقع کے پیش کر دی۔

فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا

سو وہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے (خود) اپنے کو نقصان میں کر رکھا ہے بہ سبب اس کے کہ

بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ

ہماری نشانیوں کے ساتھ ناانصافی کرتے تھے و۱۰ اور بالیقین ہم نے تمہیں زمین پر رہنے کو جگہ دی

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع

اور ہم نے تمہارے لئے اس میں سامان زندگی پیدا کیا، بہت ہی کم تم لوگ شکر کرتے ہو و۱۱

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اور ہم ہی نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی و۱۲ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ڰ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ

آدم کے رُوبرو جھکو، سو (سب) جھکے بجز ابلیس کے وہ سجدہ

مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ

کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا و۱۳ (اللہ نے) فرمایا تجھے کیا مانع ہوا اس سے کہ تو سجدہ کرے،

اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ

جب میں تجھے حکم دے چکا و۱۴ بولا میں اس سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے

نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا

پیدا کیا اور اسے تو نے مٹی سے پیدا کیا و۱۵ (اللہ نے) فرمایا تو تُو اتر اس (جنت) سے

فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ

تو اس لائق نہیں کہ اس (جنت) میں رہ کر بڑائی کرتا رہے بس تو نکل بیشک تو

مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾

ذلیلوں میں سے ہے و۱۶ بولا تو مجھے اس دن تک کی مہلت دے جب سب اُٹھائے جائیں گے و۱۷

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ

(اللہ نے) فرمایا بے شک تجھے مہلت دی گئی ۱۸ بولا کہ چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کردیا ہے

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ

میں بھی لوگوں کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھ کر رہوں گا ۱۹ پھر اُن کو اُن کے سامنے

مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ

سے بھی آ لوں گا اور اُن کے پیچھے سے بھی اور اُن کے داہنے سے بھی

وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور اُن کے بائیں سے بھی اور آپ اُن میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے ۲۰

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ

(اللہ نے) فرمایا یہاں سے تو نکل ذلیل وخوار ہو کر اُن میں سے جو کوئی تیری پیروی

مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰٓاٰدَمُ

کرے گا سو میں تم سب سے جہنم کو بھر کر رہوں گا ۲۱ اور اے آدمؑ

اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ

تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور کھاؤ (پیو) جس جگہ سے چاہو اور

شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ

اس (خاص) درخت کے پاس مت جانا ورنہ تم دونوں بھی بے انصافوں میں (شامل)

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا

ہوجاؤ گے ۲۲ پھر دونوں (کے دل) میں شیطان نے وسوسہ ڈالا اس سے جو کچھ اُن کے پردہ کے بدن میں سے

مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا

اُن سے چھپایا گیا تھا وہ دونوں کے رُوبرو بے پردہ کردیا ۲۳ اور کہنے لگا تمہارے پروردگار نے

۱۸ کیا ٹھکانا ہے حق تعالیٰ کی رحمت بے پایاں کا، عین انتہائی عتاب کے وقت ایسے موذی نافرمان کی درخواست قبول کرلینا بس حضرتِ حق ہی کا حصہ تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دُعا کا قبول ہوجانا مقبولیت کی کافی دلیل نہیں دُعا تو شیطان کی بھی قبول ہوگئی لیکن شیطان بدستور مردُود رہا۔ ۱۹ (آدم علیہ السلام وذریت آدم علیہ السلام کی رہزنی کرنے کے لیے اور انہیں راہِ حق سے بے راہ کرکے رہوں گا) بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ۔ ابلیس کے دوسرے باطل اور مغالطہ پرور دعووں کی طرح یہ بھی ایک تمامتر شیطانی مغالطہ ہی ہے۔ تکوینی حیثیت سے خدا جس طرح ہر شے کا آخری سبب اور بیماری، بدکاری، زہر سب کا خالق ہے غوایت ابلیس کا بھی آخری سبب وہی ہے لیکن ابلیس نے اسے یہاں جس معنی میں استعمال کیا ہے یعنی گویا گمراہی کی ترغیب بھی اللہ ہی نے دی یا شیطان کو اس پر مجبور کیا۔ اس معنی میں یہ تمامتر حقیقت وصداقت سے معرّیٰ ہے۔ بما میں ب سببیہ ہے۔ ای بسبب اغوائک ایای (کبیر۔ مدارک) ای لاجل انک اغویتنی (معالم) لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ۔ فعل قعد کا صلہ جب ل کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی گھات میں بیٹھ جانے کے ہوتے ہیں۔ عبر عن الترصد للشئ عن القعود لہ (راغب) ۲۰ (اس لیے ان اکثر کو میں اپنی راہ پر لگالوں گا) ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ۔ یعنی ان پر ہر طرف سے حملہ کروں گا، انہیں ہر سمت سے گھیر لوں گا۔ کوشش کا کوئی دقیقہ ان کے گمراہ کرنے میں اٹھا نہ رکھوں گا۔ باقی ان چاروں فقروں کی الگ الگ تفسیریں بھی مختلف مفسرین وحکماء اسلام سے منقول ہیں۔ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سے مراد دنیا لی گئی ہے اور مِنْ خَلْفِهِمْ سے دین گویا ابلیس یہ کہہ رہا ہے کہ میں ان پر دنیا کی راہ سے بھی حملہ کروں گا اور دین کے راستے سے بھی...... حکماء اسلام نے اوّل الذکر سے مراد انسان کی قوتِ خیالی لی ہے۔ اور آخر الذکر سے قوتِ وہمی۔ عَنْ اَيْمَانِهِمْ سے مراد نیکی سے روکنا اور عَنْ شَمَآئِلِهِمْ سے مراد بدی پر جرأت دلانا لیا گیا ہے۔ گویا ابلیس یہ اعلان کررہا ہے کہ میں انہیں نیکیوں سے روکوں گا بھی اور بدی پر آمادہ بھی کروں گا...... حکماء اسلام نے پہلے فقرہ سے مراد قوتِ شہوی لی ہے اور دوسرے سے قوتِ غضبی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اس قسم کے اقوال کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ۔ سے ایک نکتہ یہ ذہن میں آتا ہے کہ محض کشف اگر مقبولیت کی دلیل ہوتا تو شیطان کے مقبول ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنے کشف سے قیامت تک کے لیے یہ نقشہ کھینچ دیا۔ ۲۱ (سوائے مردُود تو یہ ڈراتا دھمکاتا کسے ہے؟ تیری ان دھمکیوں سے ہوتا کیا ہے؟ ساری مخلوق میں ایک متنفس بھی اگر ہماری عبادت نہ کرے تو ہمارا کیا ضرر؟) کثرت سے جاہلی اور شرکیہ مذاہب میں خود معبود کو ایک بڑی حد تک بندوں کی عبادت کا محتاج مانا گیا ہے...... قرآن مجید ضمناً ان عقائد باطل کی بھی اصلاح کرتا جاتا ہے۔ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ مکالمہ کا سارا لب ولہجہ مجوس کی ثنویت کی قطعی تردید میں ہے۔ جنہوں نے شیطان (اہرمن) کو بھی خدائی کا درجہ دے رکھا ہے۔ اور یہی گمراہی ذرا ہلکی صورت میں مسیحیت اور یہودیت میں بھی سرایت کیے ہوئے ہے۔ قرآن میں شیطان کا درجہ اللہ کے مقابلہ میں ایک مدمقابل ہمسر وحریف یا کسی چھوٹے موٹے دیوتا کا نہیں، وہ اللہ کی مخلوق ہے اور تمامتر حقیر وخوار۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محض مکالمت و مخاطبت ہرگز مقبولیت کے مرادف نہیں۔ ۲۲ ان سب واقعات پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ رکوع ۴ (پارۂ اوّل) میں گزر چکے۔ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا۔ کھانے پینے کی یہ عام اجازت مل رہی ہے جہاں سے اور جو کچھ ان کا جی چاہے:۔ ۲۳ (اس درخت کا پھل کھلا کر) معلوم ہوتا ہے کہ اس شجر ممنوع کے پھل میں یہ تاثیر بالذات تھی۔ لِيُبْدِيَ۔ میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی ایسا عمل جس کا نتیجہ یہ ہونا تھا۔ اللام لام العاقبۃ (قرطبی) فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ۔ اس تصریح نے صاف کردیا کہ معصیت کا خیال آدم علیہ السلام کے اندر سے اور طبعی طور پر پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ تمامتر باہر سے ڈالا گیا۔ اور ڈالنے والا وہی موذی شیطان تھا۔ وسوسہ چونکہ ایک تصرف نفسانی وخیالی کا نام ہے۔ اس لیے اتصالِ مادّی یا قربِ مکانی اس کی شرط نہیں اور یہ بالکل ہی ضروری نہیں کہ شیطان اصالۃً بھی آدم وحوا علیہما السلام سے ملا ہو، بآسانی ہوسکتا ہے کہ اس نے زمین ہی پر رہ کر ان کے دلوں میں آسمان پر وسوسہ ڈال دیا ہو، بلکہ عجب نہیں جو آدم علیہ السلام کو وسوسہ ہونے ہی کا احساس نہ ہوا ہو۔ قال الحسن کان یوسوس من الارض الی السماء (کبیر) بائبل میں اغواء آدم علیہ السلام کے سلسلہ میں ذکر شیطان کا نہیں، بلکہ سانپ کا ہے، اور عجب نہیں جو انہی یہودی ومسیحی روایتوں سے متاثر ہوکر ہمارے ہاں بھی ایک عام روایت شیطان کے سانپ کے جسم میں حلول کرکے داخل جنت ہونے کی چل پڑی ہو، محققین کے نزدیک یہ قصہ بالکل لغو ہے۔ فتلک القصۃ الرکیکۃ مشھورۃ (کبیر) فَوَسْوَسَ لَهُمَا۔ نے ذمہ داری آدم علیہ السلام وزوج آدمؑ (حوا علیہا السلام) پر یکساں رکھ دی ہے بہ خلاف بائبل کے جو اصلی ذمہ دار حضرت حوا ہی کو ٹھہراتی ہے:۔ ”اور عورت نے جوں دیکھا کہ وہ درخت کھانے میں اچھا ہے، اور دیکھنے میں خوشنما، اور عقل بخشنے میں خوب ہے تو اس کے پھل میں سے لیا اور کھالیا۔ اور اپنے خصم کو بھی دیا“۔ (پیدائش۔ ۳:۶) لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا۔ اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم وحوا علیہما السلام کے جسم اس وقت تک لباس نور سے ڈھکے ہوئے تھے، اور اُن کے جسم کے قابل ستر حصے خود اُن کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔ اس سے تردید ہوگئی، بائبل کے اس بیان کی کہ ”اور وہ دونوں آدم اور اس کی جورو ننگے تھے اور شرماتے نہ تھے“۔ (پیدائش۔ ۲:۲۵) فقہاء ومفسرین نے اس قرآنی تصریح سے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ کشف ستر اہم ممنوعات میں سے ہے۔ وفیہ دلیل علی ان کشف العورۃ من عظائم الامور (مدارک) دل ھذا علی قبح کشفھا (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس قصہ آدم علیہ السلام سے معلوم ہوا کہ عصمت کے ساتھ بھی تصرف شیطانی اس حد

رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ

تم کو اس درخت سے تو صرف اس لئے روکا تھا کہ کہیں تم دونوں فرشتہ (نہ) بن جاؤ

اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا

یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں نہ ہو جاؤ ف٢٤ اور دونوں کے رُوبرو قسم بھی کھالی کہ میں تو تم دونوں کا

لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢١﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا

خیر خواہ ہوں ف٢٥ غرض دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا پھر جب دونوں نے

الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ

درخت (کا پھل) چکھا بے پردہ ہو گیا دونوں کے رُوبرو ان کے پردہ کا بدن اور دونوں لگے اپنے اُوپر

عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ

جنت کے (درختوں کے) پتے جوڑنے ف٢٦ اور دونوں کو پکار کر ان کے پروردگار نے فرمایا کہ کیا میں نے

اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

تمہیں منع نہیں کر دیا تھا، فلاں درخت سے اور کہہ نہ دیا تھا تم دونوں سے کہ شیطان

لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ۫ سکتة

تم دونوں کا کھلا دشمن ہے ف٢٧ دونوں بولے اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر (بڑا) ظلم کیا ف٢٨

وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو یقیناً ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں

الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ

ہو جائیں گے ف٢٩ (اللہ نے) فرمایا اُترو تم (سب) کوئی کسی کا دشمن (ہو کر)

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٢٤﴾ قَالَ

اور زمین میں تمہارے لئے ٹھکانا (رکھا گیا) ہے اور نفع (حاصل کرنا) ایک وقت معلوم تک ف٣٠ (اللہ نے)

تک جمع ہوسکتا ہے جو درجہ معصیت کو نہ پہنچے، اس لیے کہ آدم علیہ السلام سے جو کچھ واقع ہوا وہ محض اجتہادی غلطی اور معصیت لغوی تھی معصیت بہ اصطلاحِ شرعی نہ تھی۔ ف٢٤ (اور یہ دونوں باتیں یعنی ملکیت اور حیاتِ ابدی آپ کے لیے اُس وقت کے حالات کے اعتبار سے مناسب تھیں بھی نہیں۔ لیکن اب آپ کی استعداد ترقی کر گئی ہے اس لیے اب وہ ممانعت کا حکم باقی ہی نہیں رہا) بائبل میں اس کے بالکل برعکس امتناعِ خداوندی کی علت ہی یہ بیان کی گئی ہے کہ شجرِ ممنوع کے پھل کھانے سے موت طاری ہو جائے گی! کیونکہ جس دن تو اس سے کھائے گا تو ضرور مرے گا"۔ (پیدائش۔ ٢:١٧) اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا۔ یعنی کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ، بمعنی الاکراهیة ان (قرطبی) ف٢٥ (دل و جان سے) یعنی قسمیں کھا کھا کر خوب باتیں بنائیں اور اپنے اخلاص و خیر خواہی کا خوب یقین دلایا۔ آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام جنتی بھولے، اپنے اوپر قیاس کر کے یہ خیال بھی نہیں کر سکے کہ کوئی اللہ کے نام جھوٹی قسم کے سلسلہ میں لے سکتا ہے۔ یہ قسما قسمی بھی اسی وسوسۂ شیطانی کا ایک جزء تھی۔ ف٢٦ (اپنا پوشیدہ بدن چھپانے کے لیے) اس سے معلوم ہوا کہ شرم و حجاب انسان کے لیے بالکل فطری و طبعی ہے، اور بے ستری و بے حجابی کی جتنی کوششیں آج مختلف خوشنما ناموں سے کی جارہی ہیں۔ سب آدمی کو آدمیت کی بلندی سے ابلیسیت کی پستی ہی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ دلت هذه الأية على ان كشف العورة من المنكرات وانه لم يزل مستهجنًا فى الطباع مستقبحًا فى العقول (کبیر) و فى الأية دليل على قبح كشف العورة و ان الله وجب عليهما الستر (قرطبی) فيه دليل على ان كشف العورة قبيح من لدن ادم (کبیر) طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ۔ بائبل میں اس موقع پر ہے کہ:۔ "تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں معلوم ہوا کہ ہم ننگے ہیں اور انہوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لیے لنگیاں بنائیں (پیدائش ٣:٧) ان پتوں کے نام ہمارے یہاں کی بھی بعض تفسیری روایتوں میں انجیر اور زیتون اور کیلے کے درختوں کے لیے گئے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ قرآن مجید اور حدیث صحیح دونوں اس باب میں بالکل خاموش ہیں۔ ولم يثبت تعينها لا فى القران ولا فى الحديث الصحيح (بحر) عَلَيْهِمَا۔ میں ضمیر تثنیہ اہل نحو نے لکھا ہے کہ آدم و حوا علیہما السلام کی جانب نہیں بلکہ بدن یا عورة کی جانب ہے، اور تقدیر کلام یوں ہے على عورتيهما۔ و تقديره يخصفان على بدنيهما (بحر) ولا يجوزان يعود الضمير على ادمؑ و حواءٓ (بحر) دَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ۔ اِدلاء کے معنی اُوپر سے نیچے لانے کے ہیں۔ یہ اتار اور نزول مرتبہ و حیثیت کے اعتبار سے بھی ہوسکتا ہے۔ اور مکان مادّی کے اعتبار سے بھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس فریبئے کے دھوکے میں آ کر آدم علیہ السلام اپنی رائے عالی سے اس کی رائے سافل کی طرف مائل ہو گئے۔ جس سے جنت سے اسفل کی طرف اتار دیئے گئے۔ بِغُرُوْرٍ۔ نے اسے بالکل صاف کر دیا کہ آپ سے لغزش جو کچھ بھی ہوئی، ایک مکار کے کہے میں آ جانے سے ہوئی نہ کہ کسی قصد نافرمانی سے۔ قصہ آدم علیہ السلام اور ابلیس کے لیے ملاحظہ ہو پارہ کے آخر میں ضمیمہ۔ ف٢٧ اس لیے اس کے کہے سنے میں نہ آ جانا) ف٢٨ (کہ بلا تحقیق و تامل شیطان کی بات کو مان گئے) مقبولین و خاصانِ خدا کی ایک خاص شناخت یہ ہے کہ وہ غلبہ خشیت سے اپنی ہر معمولی لغزش کو بھی سخت ترین قصور سمجھتے رہتے۔ اور اس پر انتہائی ندامت و استغفار کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ف٢٩ بائبل، آدم علیہ السلام اور زوجِ آدم کی اس موثر مناجات سے یکسر خالی ہے۔ ابو البشر علیہ السلام اور اُم البشر کی اس مناجات میں ادب اور استغفار کی تعلیم سارے آدم زادوں کے لیے قیامت تک ہے۔ ف٣٠ یعنی وقت موت تک۔ گویا حکم یہ ملا کہ اب بجائے جنتی اور آسمانی زندگی کے، مدت العمر زمینی زندگی پر گزر بسر کرنا ہوگا۔ اِهْبِطُوْا۔ یعنی جنت سے اترو۔ خطاب اب محض آدم علیہ السلام و حوا سے نہیں۔ ذریت آدم علیہ السلام و ذریت ابلیس سے بھی ہے۔ اسی لیے اب خطاب میں صیغہ تثنیہ کا نہیں جمع کا ہے۔ یہ ہبوط دنیا میں کہاں ہوا؟ قرآن اس باب میں خاموش ہے۔ اور تفسیروں میں جو روایتیں منقول ہیں ان میں سے کوئی حدیث صحیح کے درجہ کی نہیں، بلکہ سب کا ماخذ اسرائیلیات ہی ہیں۔ اس لیے مسلمان کے لیے سکوت ہی اولیٰ ہے۔ و قد ذكر المفسرون الاماكن التى هبط فيها كل منهم و يرجع حاصل تلك الاخبار الى الاسرائيليات والله اعلم بصحتها (ابن کثیر) اور مفسر ابن کثیر نے ایک بات یہاں بڑے پتہ کی کہہ دی ہے جو صرف اسی موقع کے لیے نہیں بلکہ ہر ایسے موقع کے لیے کارآمد ہے۔ وہ یہ کہ جب قرآن و حدیث دونوں اس تعین سے خاموش ہیں تو اس کے معنی یہی ہیں، کہ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس کا علم دین و دنیا کی ضروریات میں داخل نہیں۔ ولو كان فى تعين تلك البقاع فائدة تعود على المكلفين فى امر دينهم او دنياهم لذكرها الله تعالىٰ فى كتابه و رسوله صلی اللہ علیہ وسلم۔ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ دنیا میں انسان بھی انسان کا دشمن ہے۔ لیکن اصلی دشمنی تو ذریت آدم سے ذریت ابلیس ہی کو ہے۔ بمعنى العداوة ثابتة بين الجن والانس لاتزول البتة (کبیر) وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۔ یعنی اب زمین ہی تمہارا مسکن ہوگی۔ وہیں تم آباد ہوگے۔ اور وہیں تمہیں اسباب معیشت موجود ملیں گے۔ بائبل نے آدم علیہ السلام کی جنت کو آسمان پر نہیں اسی روئے زمین پر مانا ہے اور ہمارے ہاں کے مفسرین زمینی جنت کے قائل ہو گئے ہیں وہ عجب نہیں جو بائبل ہی سے تاثر کا نتیجہ ہو ورنہ قرآن کے الفاظ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ تو اس باب میں صریح ہیں کہ آدم علیہ السلام (مع اپنی آیندہ ذریت کے) زمین پر پہلی بار بھیجے جا رہے ہیں۔ اِلٰى حِيْنٍ سے اشارہ اس جانب بھی ہو رہا ہے کہ زمینی زندگی بھی مستقل نہیں اور آدم زاد کو اس پر قانع نہ ہو جانا چاہیے

فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿۲۵﴾ ع

فرمایا اسی میں تمہیں جینا ہے اور اسی میں تمہیں مرنا ہے اور اسی سے نکلنا ہے ف۳۱

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ

اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا ہے (جو) تمہارے پردہ والے

سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ

بدن کو چھپاتا ہے اور (موجب) زینت بھی ہے ف۳۲ اور تقویٰ کا لباس (اس سے بھی) بڑھ کر ہے

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ

یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں ف۳۳ اے اولاد آدم!

لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ

یہ نہ ہو کہ شیطان تمہیں کسی خرابی میں ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے والدین کو جنت سے

الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ

نکلوا دیا اس طرح کہ دونوں سے اُن کا لباس بھی اتروا دیا تھا جس سے کہ ان دونوں کو ان کے پردہ کا بدن دکھائی دینے

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ

لگے ف۳۴ بیشک وہ خود اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے ف۳۵

اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

ہم نے تو شیطانوں کو رفیق انہی لوگوں کا بنے دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے ف۳۶

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا

اور جب یہ لوگ کوئی بیہودگی کر گزرتے ہیں، تو کہتے ہیں، کہ ہم نے اسی طریق پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے

وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ

اور خدا نے ہم کو یہی بتایا ہے ف۳۷ آپ کہہ دیجیے اللہ ہرگز بیہودگی نہیں بتلاتا ہے

ع۵

ف۳۱ (قیامت کے دن) حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کسی دوسرے نبی کے بہ طور خرقِ عادت آسمان پر جانے کے امکان کو اس آیت کی رُو سے جھٹلانا اور یہ دعویٰ کر بیٹھنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا اس آیت قرآنی کے خلاف ہے محض اپنی سطحیت کا مظاہرہ ہے...... یہاں بیان محض ایک عام حالت اور عمومی دستور کا ہے۔ اور معمولاتِ عام کے خلاف مستثنیات وعجائبات تو ہر روز مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ چہ جائیکہ جو خرقِ عادت بہ طور معجزہ کے ہوا ف۳۲ آیت سے پھر ایک بار یہ حقیقت ظاہر ہو رہی ہے کہ لباس وحجاب مقاصد شرعی میں سے ہیں۔ اور برہنگی ونیم برہنگی کا فلسفہ خواہ اس کی تبلیغ یورپ اور امریکہ سے ہو رہی ہو یا اس کی ترویج وحشی وغیر مہذب قوموں میں ہو بہرحال ایک شیطانی فلسفہ ہے۔ قال کثیر من العلماء هذه الأية دليل على وجوب ستر العورة (قرطبی) يدل على فرض ستر العورة لاخباره انه انزل علينا لباسا يوارى سواتنا (جصاص) وقداتفقت الامة على معنىٰ ما دلت عليه الأية من لزوم فرض ستر العورة (جصاص) قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا۔ تمہارے لیے لباس پیدا کیا ہے بہ طور اپنے ایک انعام خاص کے۔ انزلنا کے لفظی معنیٰ تو اتارنے کے ہیں۔ یہاں خلقنا کا مرادف قرار دیا گیا ہے۔ لفظ انزال میں اس کی برکتوں کی طرف اشارہ ہے کہ گویا وہ آسمان سے اُترا ہوا ہے۔ قيل انه وصفه بالانزال لان البركات تنسب الى انها تاتى من السماء (جصاص) غور کیا جائے تو ہر لباس اپنی تیاری کے لیے اسبابِ آسمانی ہی کا محتاج نظر آئے گا۔ ریشم، اُون، سوت، سب کی پیداوار کے آخری، ظاہری اسباب جا کر بارش ہی پر ٹھہرتے ہیں۔ رِيْشًا۔ ہربرٹ اسپنسر و ویسٹر مارک وغیرہ مغربی فلسفیوں نے بھی لباس کی ایک غایت زینت و آرائش ہی بتائی ہے۔ ف۳۳ (اس انعام الٰہی کو، اور ادائے حق نعمت کرتے رہیں) وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ۔ یعنی وہ دینداری کا معنوی لباس اس ظاہری لباس سے بھی بڑھ کر ضروری ہے۔ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ۔ یعنی یہ لباس کا پیدا کرنا، جس سے سترِ جسم اور زینت دونوں مقاصد حاصل ہوتے رہیں، اللہ کے فضل وکرم کی نشانیوں میں سے ہے۔ ف۳۴ حجاب وستر پوشی کی جو اہمیت اسلام میں ہے اس سے ظاہر ہے کہ قصہ آدم علیہ السلام کے ضمن میں یہ ذکر کس تکرار وتاکید کے ساتھ آ رہا ہے۔ وفى هذا ايضا دليل على وجوب ستر العورة (قرطبی) لَا يَفْتِنَنَّكُمْ۔ یعنی اب جبکہ تمہیں شیطان کی موروثی عداوت کا حال بخوبی معلوم ہو چکا۔ ہرگز اس کے پھندے میں نہ آ جانا۔ انما معناه التحذير من فتنة الشيطان والزام التحرز منه (جصاص) اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ۔ یعنی ان سے ایسا عمل صادر کرا دیا، جس سے انہیں جنت چھوڑنا پڑی۔ اى اغواهما حتى فعلا ما استحقابه الاخراج منها (جصاص) ف۳۵ (عموماً وعادۃً) اور چونکہ وہ مخلوق تمہارے لیے غیر مرئی ہے، اس لیے اس کے مخفی کید سے بچنے کے لیے بھی بڑی احتیاط اور ہمہ وقت چوکنے رہنے کی ضرورت ہے۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ انسان کا جنات کو دیکھنا عادتِ عامہ کے خلاف ہے لیکن دیکھنے کی قطعاً نفی بھی نہیں ہے۔ چنانچہ بعض اوقات انبیاء علیہم السلام یا غیر انبیاء بلکہ عوام سے بھی جو جنات کا دیکھنا مروی ہے وہ اس آیت کے خلاف نہیں۔ ورؤيتهم ايانا من حيث لانراهم فى الجملة لا تقتضى امتناع رؤيتهم و تمثلهم لنا (بیضاوی) هُوَ وَقَبِيْلُهٗ۔ سے مراد جن وشیاطین سمجھے گئے۔ قال مجاهد يعنى الجن والشياطين (قرطبی) مِنْ حَيْثُ۔ کیفیت کا بیان ہے یعنی اس طرح پر شیطان اور شیطانی لشکروں کے غیر مرئی ہونے کا اثبات ہے۔ ف۳۶ (چنانچہ جو مومن کامل ہیں ان پر شیطان کا زور نہیں چل پاتا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تم جس قدر شیطان کے کہے میں آؤ گے، معلوم ہوگا کہ اُسی قدر ایمان میں کچے اور کمزور ہو) آیت میں بڑی تسلی مومنین صادقین کے لیے ہے۔ شیطان کو پوری دست اندازی کا موقع تو بس وہیں ملتا ہے جہاں ایمان کا فقدان ہے۔ ف۳۷ آج بھی اہل باطل اور فسق پیشہ گروہ کے پاس عموماً یہی جواب اپنی ہر بیہودگی کی حمایت میں رہتا ہے۔ پہلے تو خاندانی رواج اور برادری کے دستور اور ملکی رسم کو سند میں پیش کرتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں۔ خدا نے ہم کو رکھا ہی اسی حال میں اور اسی طریق پر ہے۔ یہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، اگر اُس کی مرضی نہ ہوتی، تو ہم کرتے کیسے؟ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً۔ فاحشۃ کے تحت میں اعتقادی، عملی، ہر قسم کی بیہودگی آ گئی۔

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ

کیا اللہ کے ذمہ ایسا جھوٹ لگاتے ہو، جس کی (کوئی بھی) سند نہیں رکھتے ہو ف۳۸ آپ کہہ دیجیے کہ میرے

بِالْقِسْطِ ۟ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

پروردگار نے تو عدل (واعتدال) بتایا ہے ف۳۹ اور تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رُخ سیدھا رکھا کرو

وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ

اور اسے (یعنی اللہ کو) پکارا کرو، دین کو اسی کے واسطے خالص کرکے اس نے جس طرح تمہیں شروع میں پیدا کیا تھا اسی

تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ

طرح تم پھر پیدا ہوگے ف۴۰ ایک گروہ کو اس نے راہ دکھا دی، اور ایک گروہ ہے کہ اُن پر گمراہی ثابت

الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ

ہو چکی، انہوں نے شیطانوں کو اپنا رفیق بنا لیا ہے، اللہ کو

دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِيْٓ

چھوڑ کر اور (اپنی نسبت) گمان رکھتے ہیں کہ وہ راہ پائے ہوئے ہیں ف۴۱ اے

اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا

اولاد آدم ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور کھاؤ

وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ ع ۱۰

اور پیو لیکن اسراف سے کام نہ لو بیشک وہ (اللہ) مسرفوں کو پسند نہیں کرتا ف۴۲

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ

آپ کہیے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہے کس نے حرام کر دیا ہے،

وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو؟ ف۴۳ آپ کہہ دیجیے کہ یہ اشیاء ایمان والوں کے لئے

ف۳۸ یہ کیسا جہل مرکب ہے کہ اللہ نے جو تمہیں آزادیٔ عمل دے رکھی ہے، اس سے غلط کام لینے کو خدا کی مرضی قرار دے رہے ہو؟ اور جو طرز زندگی سرتاسر قانونِ الٰہی کے منافی ہے، اُسے اُس کا منظور شدہ بتا رہے ہو؟ ف۳۹ یعنی ہر امر میں توسط وتوازن کا طریقہ جو مغز شریعت ہے۔ اور اصل اصول ہے عبادات، معاملات واخلاق میں اس کو کسی قسم کے الفاحشة (بیہودگی) سے نسبت کیا؟ ای بالعدل و هو الوسط من كل شئ المتجافى عن طرفى الافراط والتفريط (بیضاوی) ف۴۰ (اپنے وقتِ مقرر پر یعنی حشر میں) كَمَا بَدَاَكُمْ۔ یعنی جس طرح اوّل بار تمہیں محض اپنی قدرت سے پیدا کر دیا تھا۔ وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ یعنی اس کی عبادت میں ہرگز کسی اور کی شرکت یا آمیزش نہ ہونے پائے۔ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ۔ یعنی ہر عبادت کے وقت اپنی توجہ اللہ ہی کی طرف رکھو۔ قال ربيع بن انس توجهوا بالاخلاص لله تعالىٰ لا لوثنٍ ولا لغيرهٖ (جصاص) عِنْدَ۔ یہاں فی کے معنی میں ہے۔ عند بمعنى فى (روح) عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ مسجد ظرف زمان ومکان دونوں ہے۔ معنی سجدہ کے وقت کے بھی ہیں۔ اور سجدہ کی جگہ کے بھی۔ یہاں مراد اوّل الذکر یعنی سجدہ کے وقت سے لی گئی ہے۔ فى كل وقت سجود او فى كل مكان سجود (کشاف) واختلفوا فى ان المراد منه زمان الصلٰوة او مكانها والاقرب هو الاول (کبیر) اى فى وقت كل سجودٍ (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت جامع ہے اصلاح ظاہر وباطن کی اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ سے طاعت ظاہری اور مخلصین سے طاعت باطنی کی جانب اشارہ ہے۔ ف۴۱ جیسا کہ آج بھی تمام اہل باطل اپنے لیے ہی حسن ظن رکھے ہوئے ہیں۔ فَرِيْقًا هَدٰى۔ یہ ہدایت یاب گروہ وہ ہے جس نے اپنی قوتِ اختیار وانتخاب سے صحیح کام لیا ہے۔ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ۔ یہ گم راہ گروہ وہ ہے جس نے اپنی قوتِ اختیار وانتخاب سے غلط کام لیا۔ ف۴۲ (اس لیے اسراف کے قریب بھی نہ جاؤ) اسراف نام ہے صَرف کرنے میں حد اعتدال سے تجاوز کرنے کا الاسراف هو مجاوزة حد الاستواء فتارة يكون بمجاوزة الحلال الى الحرام و تارة يكون بمجاوزة الحد فى الانفاق (جصاص) اور اندازۂ معتبر شرعی ہے اور اس کے بعد اندازۂ عقلی نہ کہ اندازۂ نفسانی یا جذباتی۔ اسی لیے لَا تُسْرِفُوْا کے معنی یہ لیے گئے ہیں کہ کھانے پینے میں حدود سے تجاوز نہ کرو۔ نہ کیفیت کے لحاظ سے نہ کمیت کے لحاظ سے۔ لا تسرفوا اى بالافراط فى الطعام والشراب كما ذهب اليه كثير (روح) كُلُوْا وَاشْرَبُوْا۔ کے مطلق صورت میں آنے سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ مطعومات ومشروبات میں اصل حلت ہی ہے۔ صرف حرمت کے لیے کسی مستقل دلیل کی ضرورت ہے اور تقاضائے عقل بھی یہی ہے کہ اباحت کے لیے کسی مستقل دلیل کی ضرورت نہیں۔ يتناول جميع المطعومات والمشروبات فوجب ان يكون الاصل فيها هو الحلّ فى كل الاوقات و فى كل المطعومات والمشروبات الاما خصّه الدليل المنفصل والعقل ايضًا مؤكد له لان الاصل فى المنافع الحل والاباحة (کبیر) زِيْنَتَكُمْ۔ یہاں زینت لباس یا لباسِ زینت کے معنی میں ہے۔ اى زينتكم و لباس زينتكم (کشاف) یعنی الثياب قال مجاهد ما يوارى عورتك (معالم) المراد من الزينة لبس الثياب (کبیر) عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ مسجد یہاں نماز وطواف کے معنی میں ہے۔ اى كلما صليتم او طفتم (کشاف) اى طواف او صلاة و الى ذٰلک ذهب مجاهد و ابو الشيخ وغيرهما (روح) خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ مشرکین عرب طوافِ کعبہ کے برہنہ ہو کر کرنے کے قائل تھے۔ وجوب اس کے برعکس کا مسلمانوں کو تعلیم ہو رہا۔ روى عن ابن عباس و ابراهيم و مجاهد و طاؤس والزهرى۔ ان المشركين كانوا يطوفون بالبيت عراة (جصاص) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ستر پوشی تو دوسرے اوقات میں بھی واجب ہے، اس وقت کے ذکر کرنے کی وجہ یہی ہے کہ وہ لوگ اس وقت برہنہ ہو جایا کرتے تھے۔ نیز اس وقت وجوب اور زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔ فقہاء ومفسرین نے اس سے نماز میں ستر پوشی کی فرضیت پر استدلال کیا ہے۔ هٰذه الاٰية تدل على فرض ستر العورة فى الصلٰوة (جصاص) يدل على ان حكم الاٰية غير مقصورٍ على الطواف و ان المراد بها الصلٰوة (جصاص) خذوا زينتكم امرٌ و ظاهر الامر الوجوب فهٰذا يدل على وجوب ستر العورة عند اقامة كل صلاة (کبیر) اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ اس کے تحت میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ کوئی مکلّف بندہ ایسا نہیں جو کسی حال میں ثواب وعقاب دونوں سے خالی ہو۔ اب جب ثواب کی اس سے نفی ہو رہی ہے تو لازم ہے کہ وہ مستوجب عتاب ہو۔ لان معنى محبة الله تعالىٰ للعبد ايصاله الثواب اليه فعدم هٰذه المحبة عبارة عن عدم حصول الثواب و متى لم يحصل الثواب فقد حصل العقاب لانعقاد الاجماع على انهٗ ليس فى الوجود مكلف لايثاب ولا يعاقب (کبیر) ف۴۳ یعنی اللہ کی جائز کی ہوئی نعمتوں کو حرام کر دینے کا حق کس مخلوق کو حاصل ہے؟ ظاہر ہے کہ کسی کو نہیں، اور جو لوگ اس میں مبتلا ہیں وہ گناہ ہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ مَنْ حَرَّمَ۔ استفہام انکاری ہے اور انکار میں زور وتاکید مقصود ہے۔ المراد منه تقرير الانكار والمبالغة فى تقرير ذٰلک الانكارِ (کبیر) زِيْنَةَ اللّٰهِ۔ زینت خداداد سے یہاں مراد کیا ہے؟ لباس فاخرہ کا مراد ہونا تو سب کے نزدیک مسلم ہے۔ الزينة منها الملبس الحسن اذا قدر عليه صاحبه (قرطبی) لیکن اکثر نے اسے وسعت دے کر جملہ سامانِ آرائش اس میں شامل رکھے ہیں۔ اى من الثياب و كل الملبس يتجمل به (کشاف، بیضاوی) امام المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید دقت نظر سے کام لے کر اس کے اندر سواری، زیور وغیرہ سارے مرغوبات داخل کیے ہیں۔ بجز ان کے جو کسی نص سے حرام قرار پا چکے ہیں۔ زینت سے مراد انہوں نے جمیع انواع

زینت لی ہے۔ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ یعنی کھانے پینے کی جائز، پاکیزہ، لذیذ اشیاء۔ الطيبت اسم عام لما طاب كسبًا و طعما (قرطبی) قيل هي كل مستلذمن الطعام (قرطبی) كل ما يستلذ ويشتهى من انواع الماكولات والمشروبات (کبیر) يتناول جميع انواع الزينة فيدخل تحت الزينة جميع انواع التزيين و يدخل تحتها تنظيف البدن من جميع الوجوه و يدخل تحتها المركوب و يدخل تحتها ايضا انواع الحلى لان كل ذٰلک زينة ولو لا النص الوارد فى تحريم الذهب والفضة والابريسم على الرجال لكان ذٰلک داخلًا تحت هٰذا العموم (کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے وسعت دے کر دوسرے مرغوبات ولذات بھی اس کے اندر مانے ہیں۔ مثلاً خوشبو یا حسن نسوانی۔ يدخل ايضًا تحته التمتع بالنساء و بالطيب (کبیر) آیت سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سے کچھ جائز و حلال ہیں اور کچھ ناجائز و حرام اور یہیں سے تردید ہو گئی اس مسیحی عقیدہ کی کہ "کوئی چیز باہر سے آدمی میں داخل ہو کر اُسے ناپاک نہیں کر سکتی"۔ (مرقس ۷: ۱۵) فقہاء و مفسرین نے آیت سے عید اور دعوت وغیرہ کے موقعوں پر خوش لباسی کے استحباب پر استدلال کیا ہے۔ دلت الاية على لباس الرفيع من الثياب والتجمل بها فى الجمع والاعياد و عند لقاء الناس و مزاورة الاخوان (قرطبی) محققین نے اس آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ ذائقہ دار کھانے بجائے خود ہرگز قابل ترک نہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض لذت کی بنا پر کسی بھی لذیذ غذا سے

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ

دنیا کی زندگی میں ہیں (اور) قیامت کے دن تو خالص (انہی کے لئے) ہم اسی طرح

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ

کھول کر آیتوں کو بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں ف۴۴ آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار

الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ

نے تو بس بیہودگیوں کو حرام کیا ہے ان میں سے جو ظاہر ہوں (ان کو بھی) اور جو پوشیدہ ہوں (ان کو بھی) اور گناہ کو اور

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا

ناحق کسی پر زیادتی کو اور اس کو کہ تم اللہ کے ساتھ شریک کرو جس کے لئے (اللہ نے) کوئی دلیل نہیں اتاری

وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ

اور اس کو کہ تم اللہ کے ذمہ ایسی بات جھوٹ لگا دو جس کی تم کوئی سند نہیں رکھتے ف۴۵ اور ہر امت کے لئے

اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً

ایک میعاد معین ہے سو جب اُن کی میعاد معین آجاتی ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے

وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ

اور نہ آگے بڑھ سکیں گے ف۴۶ اے اولاد آدم اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول

مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ

آئیں (جو) تم سے میرے احکام بیان کریں، سو جو کوئی تقویٰ اختیار کرے اور (اپنی) اصلاح کر لے

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ

تو ان لوگوں پر نہ کوئی خوف واقع ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ف۴۷ اور جو لوگ

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

جھٹلائیں گے ہمارے احکام اور ان سے تکبر کریں گے وہی لوگ تو دوزخ

نہیں روکا ہے۔ البتہ ان کے شوق کی زیادتی اور لت کو جو شغل آخرت سے روک دینے والی ہوتی ہے، منع کیا ہے۔ قال ابو الحسن على بن المفضل المقدسى شيخ اشياخنا و هو الصحيح ان شاء الله عزوجل فانه لم ينقل عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم انه امتنع من طعام لاجل طيبه قط بل كان يا كل الحلوٰى و العسل والبطيخ والرطب و انما يكره التكلف لمافيه من التشاغل بشهوات الدنيا عن مهمات الأخرة (قرطبی) ف۴۴ (اور اپنی قوت علمیہ سے صحیح کام لیتے رہتے ہیں) هِيَ لِلَّذِيْنَ ...... يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ یعنی ساری نعمتیں اہل ایمان کا حصہ دنیا میں بھی ہیں۔ اور آخرت میں تو خاص الخاص انہی کے لیے ہوں گی ہی۔ بغیر کسی غیر مومن کی شرکت کے۔ تم الكلام على الحيٰوة الدنيا ثم قال خالصة يوم القيٰمة اى يخلص الله الطيبات فى الأخرة للذين امنوا و ليس للمشركين فيها شیءٌ كما كان لهم فى الدنيا من الاشتراک فيها (قرطبی) و هى خالصة لهم دون المشركين (جصاص) ابن عباس صحابی رضی اللہ عنہما اور متعدد تابعین سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ هٰذا قول ابن عباس والضحاک والحسن و قتاده والسدى و ابن جريج و ابن زيد (قرطبی) زمخشری نے کہا کہ صرف هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور لغیرھم کی تصریح نہ کرنے میں نکتہ بلاغت یہ ہے کہ اصالۃً تو اُن نعمتوں کے حقدار مومنین ہی ہیں۔ کافروں کو بھی یہ نعمتیں اگر دنیا میں مل رہی ہیں تو محض تبعاً۔ لينبه على انها خلقت للذين امنوا على طريق الاصالة و ان الكفرة تبع لهم (کشاف) دوسری تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ایسی نعمتیں جو دنیا میں جان کو لگیں اور آخرت میں وبال بن کر سامنے نہ آئیں خاص اہل ایمان ہی کا حصہ ہیں۔ و قيل المعنى ان هٰذه الطيبٰت الموجودات فى الدنيا هى خالصة يوم القيامة للمؤمنين فى الدنيا و خلوصها انهم لايعاقبون عليها ولا يعذبون (قرطبی) هى خالصة يوم القيٰمة لهم من شوائب التنقيص والتكدير (جصاص) ف۴۵ یعنی اس کی ذات و صفات سے متعلق مشرکانہ و ملحدانہ عقیدے گڑھ گڑھ کر بیان کرتے رہو یا جو احکام و ہدایات اس کی طرف سے نہیں انہیں اس کی جانب منسوب کرتے رہو۔ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ۔ مطلب یہ ہوا کہ تم اپنے وہم و ظن سے یا تقویٰ کے جوش میں چیزوں کو حرام ٹھہرانے والے کون۔ حقیقۃً حرام چیزیں تو عقائد و اعمال کے دائرہ میں فلاں اور فلاں ہیں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جس طرح امر ربى بالقسط الخ میں تمام مامورات داخل ہو گئے۔ اسی طرح اب انما حرم ربی میں تمام منہیات آگئے۔ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ کی تصریح و تاکید سے ظاہر ہے کہ اسلام جس چیز کو روکنا چاہتا ہے وہ محض وہ فضیحتے ہی نہیں جو منظر عام پر آچکے ہوں، بلکہ بدی کا فی نفسہ استیصال کرنا چاہتا ہے، خواہ اس کا ارتکاب اس خاموشی سے کیا جائے کہ کسی کو کانوں کان خبر ہی نہ ہونے پائے...... پاک نفسوں اور پاکیزہ طینتوں کی سوسائٹی اسلام ہی کی ہدایات پر عمل کرنے سے میسر آسکتی ہے نہ کہ ان جاہلی تہذیبوں کے قانون پر عمل کرنے سے جو صرف ظاہر کی لیس پوت کرتے رہنا چاہتے ہیں۔ الْفَوَاحِشَ۔ وہ اعمال جو اپنی بیہودگی میں بہت بڑھے ہوئے ہوں۔ الاعمال المفرطة فى القبح (قرطبی) ما تفاحش قبحه اى تزايد (کشاف) الْاِثْمَ۔ اس کے تحت میں جملہ معاصی آگئے۔ الاثم اسم للافعال المبطئة عن الثواب (راغب) عام لكل ذنب (کشاف) الْبَغْيَ۔ اس میں معاملات کی ساری خرابیاں آگئیں۔ یعنی معاصی متعدی۔ اى الظلم و الكبر (کشاف) روح المعانی کے اشارات میں ہے کہ الْفَوَاحِشَ سے اشارہ رذائل قوت بہیمیہ کی جانب ہے۔ اور الْبَغْيَ سے رذائل قوت سبعیہ کی جانب اور اَنْ تَقُوْلُوْا۔ سے رذائل قوت نطقیہ کی جانب۔ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا۔ یعنی کوئی دلیل نہیں اتاری نہ جزوی نہ کلی، نہ عقلی نہ نقلی۔ ف۴۶ (بلکہ علم الٰہی میں جو وقت بہ تقاضائے حکمت اس سزا کے لیے معین ہے۔ مجرد اس کے آتے ہی وہ سزا جاری ہو جائے گی) لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ۔ یعنی ہر قوم کے لیے، عذاب و ہلاکت کا ایک وقت علم الٰہی میں مقرر ہے۔ سَاعَةً۔ ساعت کا لفظ اس لیے لایا گیا ہے کہ عرف عام میں وقت کے چھوٹے سے چھوٹے حصہ کے اظہار کے لیے مستعمل ہے۔ ساعت اصطلاحی و فلکی مراد نہیں۔ لانها اقل الاوقات فى استعمال الناس

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٦﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

والے ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے و۴۸ سو اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۗ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ

جھوٹ بہتان باندھے یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے، اُن کے نصیب کا جو کچھ

نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۗ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا

حصہ ہے وہ انہیں مل رہے گا و۴۹ چنانچہ جب ان کے پاس ہمارے قاصد ان کی جان

يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

قبض کرنے آئیں گے تو (ان سے) کہیں گے اب وہ کہاں گئے جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے

اللّٰهِ ۗ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ

تھے؟ وہ کہیں گے (واقعی) ہم سے (سب) غائب ہوگئے اور گواہی دیں گے اپنے ہی خلاف کہ بیشک وہ

كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿٣٧﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ

کافر ہی تھے و۵۰ (اللہ) کہے گا شامل ہو جاؤ دوزخ میں جنات اور

مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۗ كُلَّمَا

انسانوں کے ان گروہوں کے ساتھ جو تم سے قبل گزر چکے ہیں، جس وقت بھی کوئی (نئی) جماعت (دوزخ میں)

دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۗ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا

داخل ہوگی اُس کی ہم رنگ دوسری جماعت اس پر لعنت کرے گی و۵۱ یہاں تک کہ جب سب ہی اس میں

فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ

جمع ہو جائیں گے تو (اس وقت) ان کے پچھلے اپنے اگلوں کی نسبت کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار

اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۗ قَالَ لِكُلٍّ

انہی نے تو ہم کو گمراہ کیا تھا تو انہیں دوزخ کا عذاب زیادہ دے (اللہ) کہے گا زیادہ

قول المستعجل لصاحبہ فی ساعة یرید اقصر وقت و اقربهٗ (کشاف) ذکر الساعة لان هٰذا اللفظ اقل اسماء الاوقات (کبیر) قطعة من الزمان فی غایة القلة و لیس المراد بها الساعة فی مصطلح المنجمین (روح) و۴۷ (اے آدم زادوں کو اپنی اصلی میراث یعنی جنت حاصل کر لینا بھی دشوار نہیں) یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ۔ یہ ذکر ارواح کا ہے۔ یہ مخاطبہ انسان سے اس وقت ہوا تھا جب اس کی آفرینش ابھی عالم ناسوت میں ہوئی بھی نہ تھی۔ اور ابھی وہ عالم ارواح ہی میں تھا۔ اِمَّا۔ اِنْ شرطیہ ہے اور ما صلہ کا۔ ما صلة ای ان یاتکم (قرطبی) ان شرطیة ضمت الیها ما مؤکدة بمعنی الشرط (کشاف) اٰیٰتِیْ۔ یعنی میرے احکام وہدایات۔ ای فرائضی و احکامی (قرطبی) جن علمائے محققین کا مسلک یہ ہے کہ قیامت میں مومنین و مطیعین کو کوئی خوف وغم نہ ہوگا، وہ اسی آیت سے استشہاد کرتے ہیں (کبیر) و۴۸ کیسے صاف لفظوں میں دو گروہ الگ الگ بتا دیئے ہیں۔ ایک طرف اہل صلاح وتقویٰ کا گروہ ہے۔ دوسری طرف ان منکرین ومتکبرین کا۔ هُمْ۔ آیت میں موقع حصر پر آیا ہے۔ اور اسی سے اہل سنت نے استدلال کیا ہے کہ گنہگار مومن آخر عذاب سے نجات پا جائے گا، عذاب دائمی میں رہنے والے صرف مکذبین ومنکرین ہوں گے۔ و قد تمسک اصحابنا بهٰذه الاٰیة علٰی ان الفاسق من اهل الصلٰوة لا یبقی مخلدًا فی النار لانهٗ تعالٰی بیّن ان المکذبین بایات الله والمستکبرین عن قبولها هم الذین یبقون مخلدین فی النار و کلمة "هم" تفید الحصر (کبیر) اِسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا۔ یعنی ہمارے آیات و احکام کے قبول کرنے سے تکبر کریں گے۔ اپنی عقل کو وحی الٰہی سے بڑھ چڑھ کر سمجھیں گے۔ و۴۹ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا۔ افتراء علی اللہ کی مثال یہ ہے کہ جو احکام خدائی نہ ہوں، بلکہ انسانی ہوں انہیں خدا کی جانب منسوب کر دینا۔ کَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ۔ تکذیب بایات اللہ کی مثال یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کا فرمان ہے اسے اس کا فرمان نہ ماننا۔ نَصِیْبُهُمْ مِّنَ الْکِتٰبِ۔ یعنی رزق، عمر، اعمال وغیرہ جو کچھ اُن کے لیے مقدر ہو چکے ہیں۔ ای ما کتب لهم من رزق و عمر و عمل (قرطبی) و۵۰ (لیکن اس وقت کا اقرار جبکہ عالم برزخ کا انکشاف شروع ہو چکے گا، سرتاسر لاحاصل رہے گا) رُسُلُنَا۔ رسل یہاں ظاہر ہے کہ فرشتوں کے معنی میں ہے۔ ای ملائکة العذاب (کبیر) حَتّٰی۔ یہاں، یہاں تک کے معنی میں نہیں، چنانچہ، کے معنی میں ہے۔ حتّٰی لیست غایة بل هی ابتداء خبر عنهم (قرطبی) و۵۱ مصیبت اور پھر ایسی شدید اور انتہائی مصیبت کے وقت کچھ تھوڑی بہت تسکین اگر ہو سکتی تھی تو باہمی ہمدردی سے لیکن بدبخت اہل دوزخ اس آخری اور برائے نام راحت سے بھی محروم ہوں گے۔ وہ عالم انکشاف حقائق کا ہوگا۔ ہر بدکار دوسرے بدکار کو نہایت درجہ مبغوض رکھے گا۔ اُمَمٍ۔ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ۔ جن وانس دونوں کے بدگروہ ظاہر ہے کہ کافر ہی ہوں گے۔ اور آگے پیچھے، نئے پرانے ہر قسم کے کافر جہنم میں اکٹھے ہوں گے۔ فِیْٓ اُمَمٍ۔ فی یہاں مع کے معنی میں ہے۔ بعض نے فی ما بینهم کے معنی میں بھی لیا ہے۔ ای مع امم ففی بمعنٰی مع (قرطبی) و معنی الدخول فی الامم الدخول فی ما بینهم (کبیر) اُخْتَهَا۔ یعنی اسی کی ہم عقیدہ وہم مسلک۔ ای اختها فی الدین والملة (قرطبی)

و٥٢ (کہ عذاب کی زیادتی تمہاری ہی طرح دوسرے بھی محسوس کر رہے ہیں) اس لاعلمی و بے خبری میں بھی ایک حکمت ہے اگر دوسروں کی زیادتی عذاب کا علم انہیں ہو جاتا تو کچھ تو تسلی ان کی ہو جاتی۔ اس لیے انہیں ان کے حال کی خبر ہی سرے سے نہ دی گئی۔ ای لا یعلم کل فریق ما بالفریق الأخر اذلو علم بعض من فی النار ان عذاب احد فوق عذابه لکان نوع سلوة له (قرطبی) رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا۔ اے ہمارے پروردگار انہی نے تو ہمیں گمراہ کیا تھا اور ہم اپنے کفر و ضلالت میں تو بس انہی کے تابع اور پیرو تھے۔ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۚ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ۔ ضعف کے عام مشہور معنی تو دوگنے کے ہیں۔ لیکن دوسرے معنی مطلق زیادتی و شدت کے ہیں، کوئی متعین درجہ، مقدار مراد نہیں ہوتی۔ قال الازہری الضعف فی کلام العرب المثل الی ما زاد و لیس بمقصور علی المثلین (کبیر) والضعف فی الاصل زیادة غیر محصورة (کبیر) جائز فی الکلام العرب ان یقال لک ضعفهٔ یریدون مثلیه وثلاثة امثاله لانه ای الضعف فی الاصل زیادة غیر محصورة (تاج) خود قرآن مجید میں بھی ایک دوسری جگہ ہے۔ فاولئک لهم جزاء الضعف بما عملوا کہ یہاں کوئی معین نسبت نہیں بلکہ مطلق زیادتی مراد ہے اور یہی مفہوم یہاں بھی ہے۔ ضعفا ای زائدًا علی عذابنا (بحر) و اختاره هنا غیر واحد (روح) اور اگر معنی دوگنے ہی کے سمجھے جائیں تو توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ دوزخ کا عذاب ہر ساعت بڑھتا ہی جائے گا۔ اس لیے ہر دوزخی کو اپنا عذاب پہلے سے دوگنا ہی محسوس ہوگا۔ لِاُوْلٰىهُمْ۔ میں ل اجل کا ہے یعنی ''ان کی بابت'' کہیں گے۔ نہ کہ ''ان سے'' کہیں گے۔ اللامر لام اجل لانهم لم یخاطبوا اولهم و لکن قالوا فی حق اولهم (قرطبی) اُخْرٰىهُمْ کے معنی پیرووں مقتدیوں اور کم درجہ والوں کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور اُوْلٰىهُمْ کے معنی سرداروں، مقتداؤں اور بڑے درجہ والوں کے۔ چنانچہ زمخشری۔ بیضاوی وغیرہ نے یہی مفہوم لیا ہے۔

و٥٣ غرض اہل جہنم میں باہم سخت گلنچ شروع ہو جائے گی۔ ایک دوسرے پر الزام و طعن سے کام لینے لگیں گے اور یہ بجائے خود ایک عذاب ہوگا۔ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ۔ اگلوں کا یہ خطاب اپنے بعد والوں سے حق تعالیٰ کا یہ جواب سننے کے بعد ہوگا۔ مَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ۔ یعنی تخفیف عذاب کے بارے میں تم ہم سے کچھ بھی بہتر نہیں۔ تخفیف سے جس طرح ہم محروم ہیں تم بھی محروم ہو۔

و٥٤ یعنی یہ عام ضابطہ اور قانون ہمارے ہاں کا ہے جو جیسا کرے گا بھگتے گا۔ ہمیں کسی بندہ کے ساتھ کوئی کد تو ہے نہیں۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ۔ براء بن عازب ﷺ صحابی کی روایت سے حدیث میں آتا ہے کہ بعد وفات جب کافر کی روح آسمان کی طرف لے جائی جانے لگتی ہے تو اس سے ایسی سخت بدبو نکلتی ہے جیسی دنیا میں مردار کی ہوتی ہے۔ اس پر آسمان کے فرشتے اُسے راستہ دینے اور اس کے لیے در آسمان کھولنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ قال السدی وغیرہ لا تفتح لارواحهم ابواب السماء و تفتح لارواح المومنین (کبیر) ذکروا فی صعود الروحین الی السماء الاذن لروح المؤمن و رد روح الکافر احادیث و ذلک عند موتهما (بحر) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مکذبین و منکرین کے اعمال برکت و مقبولیت سے محروم رہیں گے اور آسمان کی طرف بلند نہ کیے جائیں گے۔ ای لا یصعد لهم عمل صالح (کشاف) و قیل لاتنزل علیهم البرکة ولا یغاثون (کشاف) حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ۔ محاورۂ زبان میں اس سے مراد مطلقاً ایک امر محال عادی کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ یعنی نہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے نکل سکے گا اور نہ فلاں فعل ہوگا۔ و قد کثر فی کلامهم مثل هذه الغایة و مراد هم لا افعل کذا ابدًا (روح) هذا نفی مغیاه بمستحیل (بحر) انجیل میں بھی اس محاورہ کا استعمال ایک ایسے ہی موقع پر ہوا ہے ''اور یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکہ سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو''۔ (متی۔ ١٩: ٢٣۔ ٢٤) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسی طرح ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی ابواب ملکوت کشادہ نہیں ہوتے۔

ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ

تو سب ہی کا (عذاب) ہے لیکن تمہیں علم نہیں و٥٢ اور ان کے اگلے

لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا

اپنے پچھلوں سے کہیں گے پھر تم کو ہم پر کوئی ترجیح نہیں، سو تم عذاب کا مزہ

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

چکھو اُن حرکتوں کے عوض جو تم کرتے رہے ہو و٥٣ بیشک جن لوگوں نے جھٹلایا

بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ

ہماری آیتوں کو اور ان سے تکبر کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے

وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ

اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں

الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ لَهُمْ مِّنْ

نہ سما جائے اور ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں و٥٤ ان کے لئے

جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ

دوزخ ہی کا بچھونا ہو گا اور اُن کے اوپر (اُسی کا) اوڑھنا ہو گا اور ہم اسی طرح

نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

سزا دیتے ہیں ظالموں کو و٥٥ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰۗىِٕكَ

نیک عمل کئے ہم کسی شخص کے ذمہ اُس کی قدرت سے زائد کام نہیں رکھتے، یہی لوگ تو

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَنَزَعْنَا مَا

جنت والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے و٥٦ اور جو کچھ اُن کے دلوں میں

ع ٨ ١١

و٥٥ یہ الظّٰلِمِيْنَ۔ یا اپنے اُوپر ظلم کرنے والے وہی ہیں جن کا ذکر اُوپر فَمَنْ اَظْلَمُ سے شروع ہوا ہے۔ قال ابن عباس یرید الذین اشرکوا بالله واتخذوا من دونه الٰهًا و علی هذه التقدیر فالظّٰلمون هٰهنا هم الکافرون (کبیر) لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ۔ عذاب ہی کا اوڑھنا عذاب ہی کا بچھونا، غرض ہر طرف عذاب ہی عذاب ہوگا۔ و٥٦ بندوں کی ہمت افزائی اور تسلی قلب کے لیے قرآن مجید کا ایک عام دستور سا ہے کہ اہل جہنم کی وعیدوں کے مقابل اہل جنت کی بشارتوں کا بھی ذکر کر دیتا ہے۔ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ یہاں ذکر جنت کے ضمن میں یہ جملہ معترضہ لا کر یہ بتا دیا کہ جنت تک رسائی کچھ دشوار نہیں۔ اس کا ذریعہ عمل صالح ہے اور عمل صالح انہی احکام کی تعمیل کا نام ہے۔ جو ہر بندہ کو اس کی وسعت و طاقت کے اندر ہی دیئے جاتے ہیں۔ جنت کے نام سے کوئی یہ خیال کر کے نہ گھبرائے کہ وہاں تک رسائی کے لیے خدا معلوم کیسی کیسی دشوار منزلوں سے ہو کر گزرنا ہوگا...... دوسری طرف کافروں کے حق میں بھی تنبیہ ہے کہ جنت جو ایسی آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے اُسے یہ اپنے ہاتھوں چھوڑے بیٹھے ہیں۔ وسع کے معنی خود ایسی چیز کے ہیں جو انسان کو آسانی اور معمولی کوشش سے حاصل ہو سکے۔ سخت و شدید کوشش کے لیے لفظ جهد کا آتا ہے۔ وسع کا نہیں۔ معنی الوسع ما یقدر الانسان علیه فی حال السعة والسهولة لا فی حال الضیق والشدة (کبیر) و اما اقصی الطاقة یسمّٰی جهدًا لا وسعًا (کبیر)

فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ

غبار (رہا) ہو گا اسے ہم دور کر دیں گے و۵۷ اُن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَ مَا كُنَّا

اور وہ کہیں گے کہ (ساری) تعریف ہے اللہ کے لئے جس نے ہم کو اس (مقام) تک پہنچا دیا اور ہم تو (کبھی بھی یہاں

لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ

تک) نہ پہنچتے اگر اللہ نے ہم کو نہ پہنچا دیا ہوتا واقعی ہمارے پروردگار کے پیمبر

رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَ نُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا

سچائی کے ساتھ آئے تھے و۵۸ اور انہیں ندا دی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم اب وارث ہو گئے ہو

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

بہ عوض اس کے کہ جو کچھ تم کرتے رہے ہو و۵۹ اور جنت والے ندا دیں گے

اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا

دوزخ والوں کو کہ ہم سے تو جو ہمارے پروردگار نے وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو سچ پایا و۶۰

فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ

اب (تم بتلاؤ) تم نے بھی سچ پایا اس وعدہ کو جو (تم سے) تمہارے پروردگار نے کیا تھا؟ و۶۱ وہ کہیں گے کہ ہاں۔

مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ لا الَّذِیْنَ

پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان پکارے گا کہ اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر و۶۲ جو

یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ هُمْ

اللہ کی راہ سے اعراض کیا کرتے اور اس میں کجی تلاش کیا کرتے اور وہ

بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ بَیْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَ عَلَی

آخرت کے منکر تھے و۶۳ اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہو گی و۶۴ اور اعراف کے

و۵۷ (اور اس رفع کدورت کے بعد وہ ایک دوسرے کے ساتھ کامل لطف و انبساط کے ساتھ ہنسی خوشی رہیں گے) ابھی اُوپر ذکر تھا اہل جہنم کے باہم بغض و نفرت کا۔ اب اس کے مقابل اہل جنت کے سلسلہ میں ذکر ہو رہا ہے ان کے باہمی رفق و اُلفت کا...... خوشدل دوستوں کی یکجائی ہر شخص دنیا میں تجربہ رکھتا ہے کہ بجائے خود کتنی بڑی نعمت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ انشاءاللہ میرا اور عثمان وطلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کا معاملہ ایسا ہی ہوگا (کبیر، مدارک وغیرہ) آیت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ دنیا میں اہل حق کے درمیان بھی کدورت و مخالفت کی نوبت پہنچ سکتی ہے خواہ رنجش کی بنیاد محض طبعی ہو مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو کینہ طبعی غیر اختیاری ہو وہ دخول جنت سے مانع نہیں۔ و۵۸ (چنانچہ انہوں نے جن اعمال پر جنت کا وعدہ کیا تھا وہ وعدہ بالکل سچ نکلا) مِنْ تَحْتِهِمْ۔ ”ان کے نیچے“ سے مراد ہے ان کے محلوں اور بالاخانوں کے نیچے والمراد تجری من تحت غرفها مياه الانهار (روح) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ...... اللّٰهُ۔ عبدیت تو اہل جنت کے رگ و ریشہ میں رچی ہوگی۔ وہاں پہنچ کر بھی زبان تمامتر حمد الٰہی اور اپنی عبدیت ہی کے اقرار پر کھلے گی۔ لِهٰذَا میں هٰذا کا اشارہ مقام یعنی جنت کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور مرتبہ یعنی درجہ قدر و منزلت کی جانب بھی اور خود ایمان کی جانب بھی۔ مآل سب صورتوں کا ایک ہے۔ اى الى هٰذا الفوز العظيم و هو الايمان (مدارک) هَدٰىنَا اللّٰهُ۔ (چنانچہ ہمیں ایمان و اعمال کا وہ طریقہ بتا دیا جو جنت تک پہنچاتا ہے اور اس پر چلنے کی بھی توفیق دے دی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وصول الی المقصود وہبی ہے کسبی نہیں اور جس کسب کا ظاہراً کچھ دخل ہے خود وہ کسب بھی وہبی ہے۔ و۵۹ (اور جنت تو تمہاری اصلی میراث اور تمہارے مورثِ اعلیٰ آدم علیہ السلام کی جگہ تھی ہی) تِلْكُمُ۔ تلک جو اشارۂ بعید کے لیے آتا ہے۔ یہاں هٰذه کے معنی میں اشارۂ قریب کے لیے ہے۔ تلكم بمعنى هٰذه (قرطبی) وَ نُوْدُوْا۔ یہ ندا دینے والا ایک فرشتہ ہوگا۔ اُوْرِثْتُمُوْهَا۔ اس لفظ میں کمال تعظیم و احترام اور مزید تقویت ہے اہل جنت کے لیے۔ یعنی اب تم تو اسے جیت چکے ہی ہو۔ اب کوئی تمہیں یہاں سے بے دخل نہ کر سکے گا۔ معناه صارت اليكم كما يصير الميراث الى اهله (کبیر) بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ اس سے ظاہراً دخولِ جنت کا سبب اعمال معلوم ہوتے ہیں لیکن حدیث صحیح میں آ چکا ہے کہ جنت میں کوئی بھی اپنے اعمال کے سبب سے نہیں بلکہ رحمت الٰہی سے جائے گا۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا ہے کہ قرآن مجید میں ذکر سبب ظاہری اور قریبی کا ہے اور حدیث میں سبب حقیقی کو بیان کیا گیا ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ اور دونوں میں کوئی تناقض نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تشریح کی ہے وہ بھی اسی سے ملتی جلتی ہے۔ و۶۰ (اور اُنہی کے وعدہ کے مطابق ایمان اور عمل صالح سے جنت کے حقدار ہو گئے) وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ۔ اہل جنت یہ ندا فرطِ فرحت و سرور میں آ کر دیں گے۔ بعضوں نے سوال یہ پیدا کیا ہے کہ دونوں فریقوں کے درمیان جو بُعد مسافت دکھایا گیا ہے اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اہل جنت کی آواز اہل جہنم تک کیسے پہنچے گی؟ سوال تمام تر سطحی ہے، اور سائل نے عالم آخرت کے قُویٰ کو ناسوت کے قُویٰ اور ناسوتیوں کی پابندیوں پر قیاس کیا ہے۔ و۶۱ (کہ کفر کے باعث دوزخ میں پڑو گے اور اب تو اللہ اور رسول کے صدق کی اور اپنی گمراہی کی حقیقت ظاہر ہو کر رہی؟) و۶۲ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ۔ یہ پکارنے والا ایک فرشتہ ہوگا۔ يعنى من الملئكة (قرطبی) و هو ملك يسمع اهل الجنة والنار (مدارک) و۶۳ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ۔ معنیٰ ماضی ہے اور کانوا محذوف ہے۔ اى كانوا بها كافرين فحذف و هو كثير فى الكلام (قرطبی) یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا۔ یعنی دین حق میں عیب و اعتراض تلاش کیا کرتے تھے۔ اور دوسروں میں شکوک و شبہات پیدا کرتے رہتے تھے المراد القاء الشكوك و الشبهات فى دلايل دين الحق (کبیر) یَصُدُّوْنَ۔ جس طرح متعدی ہے، لازمی بھی ہے اور یہاں اسی معنی میں ہے۔ اى يعرضون (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انہی کے مشابہ وہ لوگ بھی ہیں جو طریق سلوک کو اس رنگ میں ظاہر کرتے ہیں جس سے طالب صادق کو اس سے نفرت ہو جائے۔ مثلاً اہل بدعت و اہل ریاء۔ و۶۴ (بہ طور دیوار کے جس کا خاصہ یہ ہوگا کہ نہ جنت کی لذتوں اور نعمتوں کا اثر دوزخ تک پہنچ سکے اور نہ دوزخ کی سختیوں اور کلفتوں کا اثر جنت تک) اس پر یہ سوال پیش کرنا کہ پھر اس دیوار کے ہوتے اہل جنت و اہل جہنم کے درمیان مخاطبت کیونکر ہو سکے گی۔ عالم آخرت کی فضا کو تمام تر اس عالم عنصری کے مادی قوانین کا پابند و محکوم سمجھ لینا ہے۔ یہ آڑ تو صرف اسی لیے ہوگی کہ ایک مقام کی لذت یا اذیت دوسرے مقام تک نہ پہنچ سکے نظر کی حائل نہ ہوگی۔ ایسی نہ ہوگی کہ ایک جگہ کا حال دوسری جگہ دکھائی نہ دے سکے۔ ليس يعنى به ما يحجب البصر و انما يعنى ما يمنع من وصول لذة اهل الجنة الى اهل النار واذية اهل النار الى اهل الجنة۔ (راغب) بَیْنَهُمَا۔ هما سے مراد دونوں فریق بھی ہو سکتے ہیں اور دونوں مقام بھی۔ اى بين النار و الجنة (قرطبی) بين الجنة والنار او بين الفريقين (کشاف۔ مدارک)

الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا

اُوپر (بہت سے) اشخاص ہوں گے وہ سب کو ان کے قیافہ سے پہچانیں گے، اور اہل جنت کو

اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۟ لَمْ يَدْخُلُوْهَا

پکار کر کہیں گے کہ اللہ کی رحمت ہو تم پر اور (ابھی) یہ لوگ اُس میں داخل نہ ہوئے ہوں گے

وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ

اور وہ (اس کے) آرزو مند ہوں گے، ۶۵ اور جب اُن کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف

اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ

جا پھریں گی تو بول اٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو شامل نہ کرنا (ان) ظالم لوگوں کے

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ ع وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا

ساتھ ۶۶ اور اعراف والے پکاریں گے (بہت سے) اشخاص کو

يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ

جنہیں وہ ان کے قیافہ سے پہچانیں گے (اور) کہیں گے کہ تمہارے کچھ کام نہ آیا تمہارا جتھا

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ

اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا ۶۷ یہی وہ لوگ ہیں نا جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے

لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ

کہ ان پر اللہ رحمت نہ کرے گا ۶۸ (ان کو تو یہ حکم ہو گیا کہ) جنت میں داخل ہو جاؤ (جہاں) تم پر نہ کوئی خوف

عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ

واقع ہو گا اور نہ تم مغموم ہو گے ۶۹ اور دوزخ والے پکاریں گے

اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا

جنت والوں کو کہ ہمارے اُوپر کرم کرو کچھ پانی ہی سے یا اُس سے جو تمہیں

ع ۵ / ۸ / ۱۲

۶۵ (چنانچہ ان کی یہ آرزو پوری کردی جائے گی اور یہ جنت میں داخل ہو جائیں گے) اَلْاَعْرَاف۔ لفظی معنٰی بلند چیز کے ہیں الاعراف فی اللغة المکان المشرف (قرطبی) عن ابن عباس الله قال الاعراف الشیء المشرف (قرطبی) یہاں مراد جنت وجہنم کی اس درمیانی دیوار سے ہے۔ جس کا ذکر ابھی ابھی آچکا ہے هو الذی علیه الاکثرون ان المراد من الاعراف اعالی ذٰلک السور المضروب بین الجنة والنار و هٰذا قول ابن عباس (کبیر) و هو السور الذی ذکره الله فی قوله فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ (قرطبی) سورٌ بین الجنة والنار (راغب) عَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ۔ یہ اہل اعراف کون لوگ ہوں گے؟ متعدد صحابیوں اور متعدد تابعین سے منقول ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ہوں گی۔ قال عبدالله بن مسعود و حذیفة بن الیمان و ابن عباس والشعبی والضحاک و ابن جبیر هم قومٌ استوت حسناتهم وسیاٰتهم (قرطبی) يَعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ۔ علاوہ اس کے کہ جنتی اور دوزخی دونوں اپنے اپنے مقام پر ہوں گے۔ اور اس لیے بھی پہچان لیے جائیں گے کہ جنتی کون ہیں اور دوزخی کون ان کی پیشانیاں اور چہرہ بھی ذریعہ شناخت ہوں گے۔ اہل جنت کے بشرہ پر نورانیت برس رہی ہوگی۔ اور اہل دوزخ کے چہرہ پر ظلمت وکدورت۔ ای بعلامتهم التی اعلمهم الله بها کبیاض الوجه و سواده (بیضاوی) ای بعلاماتهم و هی بیاض الوجوه و حسنها فی اهل الجنة و سوادها و قبحها فی اهل النار الٰی غیر ذٰلک من معرفة حیز هٰؤلاء و حیز هٰؤلآء (قرطبی) وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ۔ یہ اہل جنت کو پکارنے والے وہی اصحاب اعراف ہوں گے۔ وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ۔ طمع کے ایک معنٰی علم کے بھی آتے ہیں۔ اس لحاظ سے مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے لیکن جانتے ہوں گے کہ اب داخل ہوں گے۔ بمعنی و هم یعلمون انهم یدخلونها و ذٰلک معروف فی اللغة ان یکون طمع بمعنی علم (قرطبی) ۶۶ یہ مناجات فرط خشیت وعبودیت سے ہوگی۔ ورنہ اہل اعراف تو جانتے ہی ہوں گے کہ ان کا شمار اہل جہنم میں نہیں ہو سکتا۔ و قد علموا انه لا یجعلهم معهم فهٰذا علی سبیل التذلل (قرطبی) ۶۷ (اور اپنی اس قوت وجمعیت کی بنا پر انبیاء کی راہ کا اتباع نہ کرنا) قَالُوْا۔ یہ بول اٹھنا فرط ہول ودہشت سے ہوگا۔ ۶۸ (اور تمہارے خیال میں ہر طرح حقیر و ذلیل اور مستحق حقارت وذلت تھے) اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ۔ یعنی یہی لوگ جو آج جنت میں عیش کر رہے ہیں۔ اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو باوجود دولت ایمان سے مالا مال ہونے کے مادّی دولت و وجاہت سے دنیا میں تہی دامن ہوتے ہیں اور اس لیے اہل کبر وضلال کی نظروں میں حقیر وذلیل۔ جیسے حضرات صحابہ میں بلال حبشی وسلمان فارسی رضی اللہ عنہما وغیرہما تھے۔ اشارة الٰی قوم من المؤمنین الفقراء کبلال و سلمان و خبّاب وغیرهم (قرطبی) الاشارة الٰی ضعفاء اهل الجنة الذین کان الکفرة یحتقرونهم فی الدنیا (روح) ۶۹ قول ابھی اہل اعراف کا اہل دوزخ کو مخاطب کرکے چل رہا ہے کہ تم تو دنیا میں اہل ایمان کو ہر طرح حقیر وذلیل سمجھتے تھے۔ مگر یہاں تو دیکھو انہیں اس اعزاز وتکریم کا مقام مل گیا۔

وٖ ۷ (اُس کے حکم کے خلاف ہم دیں کیسے اور ہم دیں بھی تو تمہیں نفع کیا ہو؟ تم نے اپنے قویٰ کو ان سے لطف اُٹھانے کے قابل رکھا ہی کب ہے؟ پھر تمہارے مسخ شدہ اور قہرزدہ حلق اور منہ میں پہنچ کر یہی نعمتیں اور آگ لگا دیں گی) حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ تحریم سے مراد دارالجزاء میں حرمت شرعی تو ہو نہیں سکتی۔ مراد یہی ہے کہ یہاں کے کھانے پینے تو تمہارے حلق سے اتریں گے ہی نہیں۔ حضرت مولانائے رومی رحمۃ اللہ علیہ کی ملفوظ فیہ مافیہ گو فن تصوف وسلوک میں ہے لیکن بعض تفسیری نکتہ بھی اس میں خوب آ گئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔ "اہل دوزخ با اہل بہشت فغان کنند کہ آخر کرم شما...... ازاں عطاہا و بخششہا کہ حق تعالیٰ بہ شما کردہ است، از روئے صدقہ بندہ نوازی بہر ما نیز اگر چیزے ریزیدہ ایثار کنید چہ شودء وللارض من کاس الاکرام نصیب کہ ما دریں آتش می سوزیم و می گدازیم ازاں میوہ یا دانہ آں آبہائے زلال قطرہ بر جانِ ما ریزید چہ شود...... بہشتیاں جواب دہند کہ آں را خدا بر شما حرام کردہ است تخم ایں نعمت در دار دُنیا بود۔ چوں آنجا نہ کشتید و نورزید و آں ایمان و صدق بود و عمل صالح، اینجا چہ برگیرید و اگر ما از روئے کرم بر شما ایثار کنیم چوں خدا آں را بر شما حرام کردہ است حلقہا را بسوزاند و بہ گلو فرو نرود۔ و اگر در کیسہ نہید دریدہ شود و بیفتد (فیہ مافیہ صفحہ ۷۷، ۷۸ معارف پریس اعظم گڑھ) وَ نَادٰی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ۔ اہل دوزخ کی یہ فریاد اہل جنت سے فرط اضطرار و شدتِ اضطراب سے ہوگی۔ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ۔ کہ شاید اسی سے کچھ ہماری تسکین ہو جائے۔ ورنہ ہم تو بھوک اور پیاس اور گرمی سے مرے بھنکے جاتے ہیں بھوک اور پیاس کی شدت سے اہل دوزخ کی تڑپ آیت سے بالکل عیاں ہے۔ ویکون فی الاٰیۃ دلیل علٰی نھایۃ عطشھم و شدۃ جوعھم (روح) حَرَّمَهُمَا۔ ضمیر تثنیہ سے مراد جنت کا کھانا پانی ہے۔ یعنی طعام الجنۃ و شرابھا (قرطبی) بعض فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ پانی پلانا بہترین اعمال میں سے ہے۔ فی ھٰذہ الاٰیۃ دلیل علٰی ان سقی الماء من افضل الاعمال (قرطبی) وا ۷ جحد کے معنی اُوپر بیان ہو چکے ہیں کہ مطلق انکار یا کسی غلط فہمی کی بناء پر انکار کے نہیں بلکہ دل سے حق کے قائل ہو کر بھی ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی سے انکار کیے چلے جانے کے ہیں۔ الجحود نفی ما فی القلب اثباتہٗ و اثبات ما فی القلب نفیہٗ (راغب) مَا كَانُوْا۔ میں ما مصدری ہے یعنی جیسا کہ انہوں نے بھلا دیا تھا۔ ما مصدریۃ ای کنسیھم (قرطبی) دِيْنَهُمْ۔ سے مراد مفسرین نے لی ہے وہ دین جس کا قبول کرنا ان لوگوں پر واجب تھا۔ الذی امرھم اللہ تعالٰی بہ (روح) لیکن دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ خود وہی دین جسے وہ اختیار کیے ہوئے تھے اسی کو انہوں نے بجائے زادِ آخرت بنانے کے محض ایک کھیل، تماشہ یا سوانگ کی حیثیت دے رکھی تھی۔ عبادات ہیں تو اُن میں ناچ گانا، روشنی باجا، عقاید ہیں تو اُن میں دیوی دیوتاؤں کے ساتھ تلعّب، ساری ساری عمر بس میلے ٹھیلے میں گزار دیتے ہیں۔ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ چونکہ دنیوی زندگی میں کوئی صریح اور بیّن وبال ان پر نہیں آتا۔ یہ دھوکے میں آ جاتے اور اپنے انہی عقائد باطلہ پر جم جاتے ہیں۔ نَنْسٰىهُمْ۔ انساء الٰہی سے جو ظاہر ہے کہ بالکل ارادی اختیاری ہوگا۔ مراد اللہ کا ان لوگوں کو رحمت کے ساتھ یاد نہ فرمانا ہے۔ محاورۂ عرب میں نسیان و انساء کا یہ استعمال نامعلوم نہیں۔ و قد جاء النسیان بمعنی الترک کثیرًا (روح) ف بکتاب۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ بجائے الکتب کے کتابٌ تنوین کے ساتھ لانا عظمت شان کے لیے ہے۔ الکتاب ھو القراٰن و تنوینہ للتفخیم (روح) وا ۲ ۷ (اور جس کتاب میں کسی خطا و غلطی کا امکان نہیں) علٰی علم منا بہ لم یقع فیہ سھو ولا غلط (قرطبی) وا ۳ ۷ (اور اب تو ہمیں اُن حقائق کا مشاہدہ ہو رہا ہے) هَلْ يَنْظُرُوْنَ۔ یعنی منکرین یا اتمام حجت و وضوح حق کے بعد بھی انکار کیے جانے والے تو بس اسی کے منتظر ہیں۔ تَاْوِيْلَهٗ۔ یعنی وعدۂ سزا کے عملی ظہور اور قرآن کے بتائے ہوئے مصداق کے۔ تاویل سے مراد وعید قرآنی کے آخری نتیجہ کے ہیں عاقبۃ ما وعدلھم فی القراٰن (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای الا عاقبۃ امرہ و ما یؤل الیہ من تبیّن صدقہ (کشاف) يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ۔ یعنی اُن آخری نتائج اور حقائق کے ظہور کا وقت۔ یوم آخرت۔ اے تبدو عواقبہ یوم القیامۃ (قرطبی)

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى

اللہ نے کھانے کو دے رکھا ہے وہ کہیں گے کہ اللہ نے تو ان دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام

الْكٰفِرِيْنَ ۙ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا

کر رکھا ہے وٖ ۷ (وہ کافر) جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا

وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا

اور اُن کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا، سو آج ہم (بھی) انہیں بھلائے رہیں گے جیسا کہ وہ آج کے دن کا

لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَ مَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

پیش آنا ٹالتے رہے تھے اور جیسا وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے رہے تھے وا ۷

وَ لَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى

اور ہم نے ان کے پاس (ایسی) کتاب پہنچا دی ہے ف جسے ہم نے علم کے ساتھ خوب کھول دیا ہے ان لوگوں کے

وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا

حق میں بہ طور ہدایت و رحمت کے جو ایمان رکھتے ہیں، وا ۲ ۷ وہ بس اس کے مصداق ہی کا انتظار

تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ

کر رہے ہیں (سو) جس روز اس کا مصداق پیش آ جائے گا تو وہ لوگ جو اُس کو پیشتر سے

قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ

بھولے ہوئے تھے بول اٹھیں گے کہ واقعی ہمارے پروردگار کے پیغمبر سچ ہی لے کر آئے تھے وا ۳ ۷ سو اب ہے کوئی

شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَاۤ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا

ہمارا سفارشی جو ہماری سفارش کر دے؟ یا آیا ہم (پھر) واپس جا سکتے ہیں تاکہ جو ہم کیا کرتے تھے اس کے برخلاف

نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

کچھ اور کریں؟ یقیناً انہوں نے اپنے کو خسارہ میں ڈال دیا اور اُن سے گم ہو گیا جو کچھ وہ

يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

گھڑا کرتے تھے ۷۴ بیشک تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں

وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

اور زمین کو پیدا کر دیا چھ دنوں میں پھر قائم ہو گیا عرش پر ۷۵

يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ

ڈھانپ لیتا ہے رات سے دن کو، وہ جلدی سے اُسے آ لیتی ہے اور سورج

وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ

اور چاند اور ستاروں کو (اسی نے پیدا کیا) سب اس کے حکم کے تابع، یاد رکھو اسی کے لئے خاص ہے آفرینش (بھی)

وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ

اور حکومت (بھی) برکت سے بھرا ہوا ہے، اللہ سارے جہانوں کا پروردگار، ۷۶ اپنے پروردگار سے دعا کرو

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾

عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے، بیشک وہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا ۷۷

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ

اور ملک میں اس کی درستی کے بعد فساد نہ مچاؤ اور اللہ کو پکارتے رہو

خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ

ڈر کے ساتھ (بھی) اور آرزو کے ساتھ (بھی) بیشک اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ

بہت نزدیک ہے ۷۸ اور وہ وہی (خدا ہے) جو ہواؤں کو قبل اپنی رحمت (یعنی بارش) کے

بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا

خوشخبری کے لئے بھیجتا ہے ۷۹ چنانچہ جب وہ (ہوائیں) بھاری بادل کو اٹھا لیتی ہیں

ع ۶ / ۱۴

۷۳ یعنی یہ اقرار و اعتراف اب سب بے اثر رہے گا اور کوئی ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔ نُرَدُّ۔ یعنی ہم دنیا میں جو دار العمل ہے ایک بار پھر واپس جائیں۔ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ۔ یعنی دنیا میں جا کر ان اعمال کفر و فسق کے برعکس اب کی ایمان و اعمال صالحہ اختیار کریں۔ ۷۵ یعنی عزت و جلال کے تحت پر۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ خلق یعنی عدم محض سے انہیں وجود میں لے آیا۔ یہ نہیں کہ مادہ سب پہلے سے خود بخود یا خود آفریدہ موجود تھا اور خدا نے ان میں صرف ترکیب و ترتیب پیدا کر دی جیسا کہ بہت سی جاہل مشرک قوموں نے فرض کر رکھا ہے۔ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ یہ پر عظمت و ہیبت ناک آسمان جن کی پرستش بہ طور دیوتا یا خدائے اعظم کے کلدانی اور مصری، ہندی اور یونانی، سب اپنے اپنے اوج تمدن کے وقت کرتے آتے ہیں اور یہ زمین جو دھرتی مائی کی حیثیت سے دنیا میں بہ کثرت پوجی گئی ہے۔ یہ معبود و مسجود ہونا تو الگ رہا، خود اپنے کو وجود میں لانے پر بھی قادر نہیں رہے ہیں، بلکہ ساری دوسری موجودات کی طرح اللہ کی مخلوق ہی ہیں۔ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ یوم سے مراد ظاہر ہے کہ یہ متعارف یوم چوبیس گھنٹوں والا تو ہو نہیں سکتا کہ یہ خود نتیجہ ہے حرکت ارض یا حرکت شمس کا اور بیان اُس وقت کا ہو رہا ہے جب یہ چاند، سورج، زمین، آسمان سرے سے موجود ہی نہ تھے۔ بلکہ مراد یہاں مطلق زمانہ ہے۔ یعنی چھ مختلف زمانوں میں یا چھ مراتب وجود کے ساتھ۔ ای فی ستة اوقات (بیضاوی۔ روح) اور یوم کے معنی مطلق مدت کے محاورۂ عرب میں برابر مستعمل ہیں۔ قد یعبر به عن مدةٍ من الزمان ای مدة کانت (راغب) البتہ توریت (کتاب پیدائش باب اوّل) میں صبح شام کی تصریح بار بار آئی ہے۔ اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ یعنی پہلا مرتبہ خلق کائنات کا تھا۔ اب اس کے بعد اس نے حکومت و تدبیر کے احکام جاری کرنے شروع کر دیئے۔ عرش کے لفظی معنی تخت کے ہیں۔ اور العرش سے مراد تخت حکومت الٰہی ہوتا ہے جو ہر قسم کے مادی تعینات سے ماوراء ہے۔ وکنی بالعرش عن العز والسلطان والمملکة (راغب) والمراد بالاستواءِ علی العرش نفاذ القدرة و جریان المشیة (کبیر) و اذا استقام لهٗ ملکه و اطرد امره و حکمه قالوا استوٰی علیٰ عرشه هذا ما قاله القفال والقول من الذی قالهٗ حق و صدق و صواب (کبیر) يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ۔ اس میں یہ بتا دیا کہ رات اور دن کوئی صاحب ارادہ ہستیاں نہیں (جیسا کہ بعض جاہلی قوموں نے سمجھ رکھا ہے) کہ اپنے قصد و خواہش سے اپنا ظہور و نمود کرتی رہیں۔ اور نہ مشین کی طرح اضطراراً ان میں ردّ و بدل ہوتا رہتا ہے۔ (جیسا کہ ملحدوں نے فرض کر رکھا ہے) بلکہ دونوں اپنے ظہور، نمود، وجود میں ہر مخلوق کی طرح تمام تر ارادۂ الٰہی کے تابع و محکوم ہیں۔ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا۔ دن آناً فاناً گزرتا معلوم ہوتا ہے، حتّیٰ کہ دفعۃً رات آ جاتی ہے (تھانوی) حث کے عام معنی جلدی و تیزی کے ہیں۔ الحث الاعجال والسرعة۔ لیکن حثیثاً کے دوسرے معنی لازمی کے بھی کیے گئے ہیں۔ ای یطلبهٗ دائماً من غیر فتور (قرطبی) وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ۔ چاند، سورج، ستارے ان میں سے کوئی بھی صاحب ارادہ، صاحب تصرف دیوی دیوتا نہیں بلکہ اپنی ایجاد میں، آثار میں، اختیار میں ہر شے میں مجبور و محکوم ہے۔ اللہ ہی جو اور جس طرح چاہے ان میں تصرفات کرے۔ بِاَمْرِهٖ۔ میں امر سے مراد احکام تکوینی ہیں کہ چاند، سورج، ستارے، احکام تشریعی کے مکلّف نہیں۔ لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ یعنی کوئی اس کا مطلقاً شریک نہیں۔ نہ خالق ہونے میں نہ حاکم ہونے میں۔ شرک کی عموماً دو ہی صورتیں رائج رہی ہیں۔ ایک یہ کہ کائنات کی تخلیق میں دوسروں کو شریک سمجھا جائے۔ دوسرے یہ کہ خالق تو تنہا اللہ کو تسلیم کر کے انتظاماتِ خلق دوسروں کے ذمہ سمجھے جائیں۔ خلق و امر دو لفظ لانے سے دونوں شقوں کی کلی نفی و تردید مقصود ہے۔ ۷۶ (یعنی وہ پروردگارِ عالم ہر قسم کے کمالات کا جامع ہے) ۷۷ (اور دعا میں آداب دعا و عبودیت کا لحاظ نہ رکھنا بھی ایک صورت حد سے نکل جانے ہی کی ہے) آداب دعا میں یہ بھی داخل ہے کہ دُعا نہ محالاتِ عقلیہ و عادیہ کی مانگی جائے۔ اور نہ معاصی کی طلب و تمنا پیش کی جائے۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ۔ یہ دعا مانگنے کی دعوت ہر حال میں اور بڑی چھوٹی ہر حاجت کے لیے دی جا رہی ہے۔ رَبَّكُمْ۔ کے لفظ نے بندوں کو یاد دلا دیا کہ جس سے دعا مانگ رہے ہو، وہ کوئی ظالم اور سخت گیر حاکم نہیں، وہ تو تمہارا شفیق پروردگار ہے۔ وہی تو تمہاری مادّی و رُوحانی ہر طرح کی ترقیوں کا ضامن ہے۔ تَضَرُّعًا۔ دعا تو خود ایک عبادت ہی ہے۔ چاہیے کہ حسب شانِ عبودیت لجاجت کے لہجہ میں اور خشوعِ قلب کے ساتھ ہو۔ بہ طور حکومت کے نہ ہو کہ جیسے موکلوں، جنات یا شیاطین کے لیے منتر، عملیات وغیرہ پڑھے جاتے ہیں۔ خُفْيَةً۔ اور دعا چلّا چلّا کر بھی نہ مانگو کہ (نعوذ باللہ) جیسے تمہارا پروردگار اُونچا سنتا ہے۔ انجیل میں ہے کہ: ”اور دعا مانگتے وقت غیر قوموں کے لوگوں کی طرح بک بک نہ کرو۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بہت بولنے کے سبب ہماری سنی جائے گی“۔ (متی۔ ۶:۷) دوسری بات یہ ہے کہ دُعا چپکے چپکے مانگنے میں ریا و نمائش کا بھی احتمال نہیں رہتا۔ حدیث میں ایسی ہی دُعا کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم دونوں میں یہ روایت آتی ہے کہ لوگ دُعا چلّا چلّا کر مانگ رہے تھے، ان پر آپ نے فرمایا کہ تم جسے پکار رہے ہو وہ نہ گراں گوش ہے اور نہ کہیں دُور ہے وہ تو قریب بھی ہے اور خوب سنتا بھی ہے۔ عن ابی موسی الاشعری قال رفع الناس اصواتهم بالدعا فقال رسول اللہ ﷺ ایها الناس ارجعوا علی انفسکم فانکم لا تدعون اصم و لا غائباً ان الذی تدعون سمیع قریب اور حنفیہ نے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد آمین بھی جو دُعا ہی کی ایک شکل ہے آہستہ کہنی چاہیے۔ وقد استدل اصحاب ابی حنیفة بهذا علی ان اخفاء امین اولی من الجهر بها لانه دعاء (قرطبی) و فی ذٰلک دلیل علی ان اخفاء امین من قراءة فاتحة الکتب فی الصلوٰة افضل من اظهاره لانه دعاءٌ (جصاص) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں

اشارہ ہے طریق جلوت وخلوت یا عبادات جوارح وعبادات قلب کی طرف۔ **ف۷۸** (سوتمہیں اجر ہی ملنا یقینی نہیں ہے اس کا جلد ملنا بھی یقینی ہے) وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔ کائنات کی اصلاح ودرستی قانونِ اسلام کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے ہی سے ہوتی ہے اور اس مکمل دستور العمل سے انکار ہی پہلے فساد عقاید اور پھر فساد اعمال، فساد اخلاق، جرائم ومعاصی، قتل و خونریزی ہر قسم کے فسادات کا باعث ہوتا ہے۔ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔ خوف تو اس لحاظ سے کہ شرائط قبول دُعا میں سے کوئی چیز چھوٹ نہ گئی ہو، اور آرزو اس کی کہ کوئی شرط چھوٹنے نہ پائی ہو۔ای مع الخوف من وقوع التقصير فى بعض الشرائط المعتبرة فى قبول ذلك الدعاء و مع الطمع فى حصول تلك الشرائط باسرها (کبیر) ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر کہیں اس نے عدل شروع کر دیا تو ہمارے اعمال کس قابل ہیں۔ ہمیں تو ڈرتے ہی رہنا چاہیے البتہ آرزو اس کے فضل کی رکھنا چاہیے۔قال ابن جريج خوف العدل و طمع الفضل (معالم) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خوف کا لفظ ناز، عجب و پندار کی تردید میں ہے اور آرزو کی تاکید مایوسی کے مقابلہ میں ہے۔ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ۔ رحمة کا لفظ مؤنث ہے اس لیے قاعدہ سے قریب کے بجائے قریبة ہوتا تھا۔لیکن رحمة کو جو مؤنث غیر حقیقی ہے یہاں رحم یا ثواب یا غفران کے مرادف قرار دیا گیا ہے۔اور خبر مذکر قریب اسی مناسبت سے لائی گئی ہے۔انما ذكر قريب على تاويل الرحمة بالرحم اوللتراحم (کشاف) او لان تانيث الرحمة غير حقيقى (کشاف) قال سعيد بن جبير الرحمة ههنا الثواب فرجع النعت الى المعنى دون اللفظ (معالم) قال الزجاج انما قيل قريب لان الرحمة والغفران فى معنى واحد و كذلك كل تانيث ليس بحقيقى (امالی ابن الشجری جلد ۲ صفحہ ۲۵۶) قال النضر بن شميل، الرحمة مصدر و من حق المصادر التذكير كقوله فمن جاءه موعظة (کبیر) **ف۷۹** (عموماً وعادۃً) قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں میں اور ان کی تعداد دو ایک کی نہیں پچاسوں کی ہے، یہ خوب یاد رکھا جائے کہ بیان واقعات تکوینی کی صرف غالب اور عمومی حالت کا ہوتا ہے۔حصر وکلیت کہیں بھی مقصود نہیں ہوتی ورنہ پھر معجزات وخوارق کا تو سرے سے سدباب ہو جائے...... خارق کے معنی بھی ایک عمومی دستور میں خرق ہو جانے کے ہیں۔ **ف۸۰** یعنی یہ تکوینی داستان تمہارے سامنے اس لیے دُہرائی گئی کہ تم اس مشاہدۂ فطرت سے توحید الٰہی اور مُردوں کے زندہ کرنے کی قدرت پر استدلال کر سکو۔ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا۔ یعنی ہوا بادل کے اجزا کو باہم ملائے رہتی اور انہیں فضا میں معلق رکھتی ہے۔ سُقْنٰهُ۔ فَاَنْزَلْنَا بِهٖ۔ دونوں میں ضمیر بادل کی طرف ہے۔ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ضمیر پانی کی طرف ہے۔ اَلْبَلَدُ الطَّیِّبُ...... شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مفہوم کو ادا کیا ہے۔ باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست۔ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس۔ رحمت الٰہی کی بارش سب پر یکساں ہوتی رہتی ہے۔خوش طینت اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ بدطینت پر وہ سارا لطف ضائع جاتا ہے۔ بِاِذْنِ رَبِّهٖ۔ یہ ٹکڑا بڑھا کر یاد دلا دیا کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے آپ ہی آپ مشین کی طرح نہیں ہوتا رہتا بلکہ کوئی اس نظام فطرت کا ناظم منتظم بھی ہے۔سب کچھ اسی کی مشیت تکوینی سے ہوتا ہے۔ متکلمین نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ مومن خیر وطاعت کی قسم سے جو کچھ بھی کرتا ہے سب توفیق الٰہی ہی سے انجام دیتا ہے۔ذلك يدل على ان كل ما يعمله المومن من خير و طاعة لا يكون الا بتوفيق الله (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے مسئلہ استعداد کی یعنی اس میں مثال آئی ہے ایسے شخص کی جس میں وعظ مؤثر ہوتا ہے اور ایسے کی جس میں مؤثر نہیں ہوتا۔ شخص طیب الاستعداد اور شخص فاسد الاستعداد کی۔ **ف۸۱** (یعنی وہ لوگ جو انہیں اپنی فلاح کی چیز سمجھ کر ان کی قدر کرتے، ان میں غور کرتے اور ان پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ **ف۸۲** حضرت نوح علیہ السلام بن لامک قدیم ترین انبیاء میں سے ہیں۔زمانہ کی تعیین دشوار ہے۔ بعض اندازوں کے مطابق ان کا زمانہ ۳۸۰۰ ق،م تا ۲۸۵۰ ق،م سمجھیے۔

سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا

تو ہم اسے کسی خشک بستی کی طرف ہانک لے جاتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعہ سے پانی نازل کرتے ہیں

بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ

پھر ہم اس کے ذریعہ سے ہر طرح کے پھل نکالتے ہیں اسی طرح ہم مُردوں کو نکال کھڑا کریں گے شاید کہ تم (اس سے)

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ

نصیحت حاصل کرو۔ **ف۸۰** اور ستھری بستی میں پیداوار اس کے پروردگار کے حکم سے (خوب)

رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ

نکلتی ہے اور جو (بستی) خراب ہے اس کی پیداوار نکلتی بھی ہے تو بہت کم، ہم اسی طرح

نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا

دلائل ہیر پھیر کر بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو شکر گزار ہیں **ف۸۱** بالیقین ہم نے نوح کو

اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم والو تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو۔اس کے سوا تمہارا کوئی

غَیْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵۹﴾

معبود نہیں مجھے تمہارے لئے ایک بڑے (سخت) دن کے عذاب کا اندیشہ ہے **ف۸۲**

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾

ان کی قوم کے رُودار لوگ بولے ہم تو تم کو کھلی گمراہی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں **ف۸۳**

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ

(نوح نے) کہا اے میری قوم والو مجھ میں تو (کوئی) گمراہی نہیں بلکہ میں تو سارے جہانوں کے پروردگار کی طرف سے

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ

رسول ہوں **ف۸۴** میں تمہیں اپنے پروردگار کے پیامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں،

توریت کی کتاب پیدائش میں ان کا مفصل ذکر باب ۵ سے باب ۹ تک آتا ہے البتہ اس میں مناقب کے ساتھ ساتھ مثالب بھی موجود ہیں۔ قَوْمِهٖ یہ لوگ ملک عراق میں آباد تھے۔اور دنیا کی ہر جاہلی، گو بہ ظاہر مہذب قوم کی طرح شرک میں مبتلا تھے۔ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ سے مراد دونوں عذاب ہو سکتے ہیں۔عذاب قیامت بھی اور دنیا کا عذاب طوفان بھی۔ولا شك ان المراد منه اما عذاب يوم القيامة او عذاب يوم الطوفان (کبیر) **ف۸۳** (کہ آبائی دین سے باغی ومنحرف ہو کر ایک نئے عقیدۂ توحید کی دعوت دے رہے ہو) اَلْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ۔ ہر صحیح اور سچی اصلاحی تحریک کی مخالفت میں سب سے پیش پیش قوم کے امراء واہل وجاہت ہی ہوتے ہیں۔ یہی تاریخ کا تجربہ ہے اور اسی کو قرآن مجید نے بھی ہر جگہ نمایاں رکھا ہے۔الملأ اشراف القوم و رؤساؤهم (قرطبی) **ف۸۴** رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ شرک کے پورے فلسفہ پر ضرب کاری لگانے والا لفظ یہی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔مشرک نظام کائنات کو متفرق ومنتشر صورت میں دیکھنے کا عادی ہوتا ہے۔وہ یہ تو سمجھ سکتا ہے کہ فلاں دیوی اور فلاں دیوتا فلاں، فلاں شعبہ کے مالک ہیں لیکن یہ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ کوئی مالک الملک سارے عالموں کا تاجدار اور پروردگار بھی ہے۔

وف۸۵ (چنانچہ میں جانتا ہوں کہ دعوتِ توحید سے انکار کا وبال تم پر ضرور پڑ کر رہے گا) اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ۔ پیغمبر خدا کا مظہر یا اوتار نہیں ہوتا۔ صرف مبلغ و داعی ہوتا ہے۔ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں یہ بات ابھی پہلے بھی آچکی ہے۔ اور اب دوبارہ مزید تصریح و تاکید کے لیے ہے۔ مشرک قوموں کی سمجھ میں جس طرح توحید نہیں آتی، اسی طرح رسالت کا تصور بھی اُن کے ذہن کی گرفت سے باہر ہی رہتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ اوتار وغیرہ کے مشرکانہ تخیل کے پھیر میں پڑے رہتے ہیں۔ اَنْصَحُ لَكُمْ۔ شفقت، خیر خواہی تو گویا پیمبر کے ضمیر ہی میں داخل ہوتی ہے۔ وہ اُمت اجابت تو خیر اُمت دعوت کے ساتھ بھی جو کچھ معاملہ کرتا ہے اس کی بنیاد اخلاق و شفقت ہی پر ہوتی ہے۔ جس میں خود غرضی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ النصح اخلاص النية من شوائب الفساد فی المعاملة (قرطبی) اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ۔ پیمبر کا یہ علم اس کا اپنا کسب کیا ہوا نہیں۔ اللہ ہی کی طرف سے عطا کیا ہوا ہوتا ہے۔ وف۸۶ (باوجود تمہارے پچھلے انبار معاصی کے) اَوَ عَجِبْتُمْ...... مِنْكُمْ مشرک جاہلی قوموں کی اُلٹی سمجھ میں اوتار کا عقیدہ تو آجاتا ہے۔ یعنی یہ کہ خالق کائنات خود کسی انسان یا کسی دوسری مخلوق کے قالب میں جلوہ گر ہو کر آگیا۔ لیکن یہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کسی اعلیٰ ظرف و کمالات والے انسان کے ذریعہ سے اپنے احکام و ہدایات دنیا کو بھیج سکتا ہے۔ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ۔ منکم سے مراد من جنسکم ہے اور علٰی رجل سے مراد منزّل علٰی رجل ہے۔ المعنٰی ان جاء کم ذکر من ربکم منزّل علٰی رجل منکم (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنے ہمعصر اولیاء سے محض ان کی معاصرت کی بنا پر نفرت و حقارت کا برتاؤ جاہلوں کا آج تک شیوہ چلا آرہا ہے۔ لِيُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا۔ ل دونوں میں تعلیلیہ ہے اور پورے فقرہ میں سببیت کی ایک خاص ترتیب پائی جاتی ہے۔ یعنی پیمبر کا آنا تو انذار کے لیے ہوتا ہے اور یہی انذار سبب ہو جاتا ہے، تقوٰی کا اور تقوٰی سبب بن جاتا ہے جلب رحمت کا۔ وف۸۷ (اپنی فرط جہالت سے، اور انہیں حق و باطل نفع و نقصان کچھ نہیں سوجھتا تھا) فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ۔ اس نجات کا تعلق عذاب طوفان سے ہے۔ یعنی انہیں ہمہ گیر غرقابی سے صاف بچالیا۔ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ یہ الفاظ خود اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ طوفان صرف مکذبین و منکرین کے لیے بہ طور سزا کے آیا تھا۔ ساری دنیا سے اس کا تعلق نہ تھا۔ عراق کی سرزمین خصوصاً کوہ ارارات کی وادیوں میں اب تک ایک مہیب طوفان کے نشانات اہل فن کو ملتے رہتے ہیں۔ توریت میں اس طوفان کے سلسلہ میں تصریحات ذیل ملتی ہیں:۔ ”وہ نوح علیہ السلام چھ سو برس کا تھا جب طوفان کا پانی زمین پر آیا“۔ (پیدائش ۷:۶) ”جب نوح علیہ السلام کی عمر چھ سو برس کی ہوئی، دوسرے مہینہ کی سترھویں تاریخ کو اُسی دن بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی۔“ (پیدائش ۷:۱۱، ۱۲) طوفانِ نوح علیہ السلام کا تخمینی سال، ۳۲۰۰ ق، م ہے یعنی آج (۱۹۴۶ء) سے پورے ۵۱۴۶ سال قبل۔ فِي الْفُلْكِ۔ کشتی کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہ کوئی چھوٹی موٹی ڈونگیا ناؤ تھی۔ محققین اثریات کا خیال ہے کہ یہ خاصہ بڑا جہاز اُوپر نیچے تین درجوں کا تھا۔ اور اُس کی پیمائش توریت میں حسب ذیل دی ہوئی ہے:۔ ”اُس کی لمبائی ۳۰۰ ہاتھ اور اُس کی چوڑائی ۵۰ ہاتھ اور اس کی اونچائی ۳۰ ہاتھ کی“۔ (پیدائش۔ ۶:۱۵) گویا اتنا بڑا مسافروں کا جہاز (Liner) تھا جو برطانیہ اور امریکہ کے درمیان عموماً چلتے رہتے ہیں۔ حسب روایت توریت یہ جہاز ۱۵۰ دن (یا ۵ مہینہ) تک چلتا رہا۔ وف۸۸ (بہ طور پیغمبر کے) ھود۔ سامی نسل کے قدیم ترین پیمبروں میں سے ہوئے ہیں۔ عرب آپ سے خوب واقف تھے۔ جنوبی عرب میں آج بھی قبر نبی ہود علیہ السلام کے نام سے ایک مقام مرجع خلائق و زیارت گاہ ہے۔ جس کا ذکر انگریزی سیاح بھی برابر کرتے ہیں۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ آپ ہی کا نام توریت (کتاب پیدائش) میں عبر کر کے آیا ہے۔

عاد ایک قدیم عرب قوم کا نام ہے۔ جو جنوبی عرب میں آباد تھی۔ اور اس کے حدود مشرق میں خلیج فارس کے شمال سے مغرب میں بحر قلزم کے جنوب تک وسیع تھے...... گویا آج کے یمن، عمان وغیرہ سب اس میں شامل تھے۔ اور ان کا پایہ تخت یمنی شہر حضر موت تھا۔ قوم کا نام اپنے مورثِ اعلیٰ کے نام پر ہے۔ اور ان کا مشہور نسب نامہ یہ ہے عاد بن عوض بن ارم بن سام بن نوح۔ اپنے زمانہ کی متمدن ترین قوم تھی۔ اپنے لمبے لمبے سفروں کے لیے ضرب المثل۔ اَخَاهُمْ۔ اخ سے مقصود ہے اشتراک وطنیت یا اشتراک قومیت کا اظہار۔ یہ ایک عام سنت الٰہی رہی ہے کہ قوم کی ہدایت کے لیے پیمبر اسی کا ہم قوم و ہموطن بھیجا جاتا تھا۔ ای اخاهم فی القبيلة (قرطبی) و معنٰی کونه علیه السلام اخاهم انه منهم نسباً و هو قول الكثير من النسابين (روح) و العرب تسمی صاحب القوم اخا القوم (کبیر) وف۸۹ (شرک کے دنیوی و اُخروی وبال سے) شرک کی تردید اور توحید کی دعوت بس یہی سارے انبیاء کی تبلیغ کا لب لباب رہی ہے۔ تَتَّقُوْنَ۔ میں اشارہ ادھر بھی ہو سکتا ہے کہ قوم نوح علیہ السلام کے انجام غرقابی سے بھی تم نہیں ڈرتے! اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ یہ پیام توحید تو ہر نبی کی دعوت میں مشترک ملے گا۔ وف۹۰ داعیانِ حق کو جواب بھی ہر قوم کے ”روشن خیالوں“ کی طرف سے یکساں ہی ملا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عقلاء دین کو سفیہ کہنے کا طریقہ سفہاء قدیم سے آج تک چلا آرہا ہے۔

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ

اور میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے وف۸۵ کیا تم اس پر حیرت کرتے ہو کہ

جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ

تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ سے نصیحت پہنچی ہے

لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ

تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تاکہ تم ڈرو عجب کیا جو تم پر رحم کیا جائے وف۸۶ پر ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا

تو ہم نے نوح کو بچالیا اور اُن لوگوں کو بھی جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے ان لوگوں کو ڈبو دیا

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع ۱۵

جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا بیشک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے وف۸۷

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور عاد کی طرف ہم نے اُن کے بھائی ہودؑ کو (بھیجا) وف۸۸ انہوں نے کہا اے میری قوم والو اللہ ہی کی عبادت کرو،

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ

اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے سو کیا تم ڈرتے نہیں؟ وف۸۹ ان کی قوم میں جو زودار

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ

لوگ کفر کر رہے تھے بولے ہم تو تم کو حماقت میں (مبتلا) دیکھتے ہیں

وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ

اور ہم تو تم کو جھوٹوں میں سے خیال کرتے ہیں وف۹۰ (ہودؑ نے) کہا اے میری قوم والو مجھ میں تو (کوئی بھی)

سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ

حماقت نہیں بلکہ میں تو رسول ہوں (سارے) جہانوں کے پروردگار کی طرف سے، پہنچاتا ہوں تمہیں

رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَعَجِبْتُمْ

اپنے پروردگار کے پیامات اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں ف۹۱ کیا تمہیں حیرت اس پر ہے

اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ

کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے، تم ہی میں سے ایک مرد کے واسطے سے نصیحت آئی

لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ

تاکہ وہ تمہیں ڈرائے، اور وہ وقت یاد کرو جب تمہیں (اللہ نے)

بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ

قوم نوحؑ کے بعد آباد کیا اور ڈیل ڈول میں تمہیں پھیلاؤ بھی زیادہ دیا

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا

سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو، تاکہ (ہر طرح) فلاح پاؤ ف۹۲ وہ بولے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو

لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ

کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ بیٹھیں جن کی عبادت ہمارے باپ (دادا) کرتے آئے ہیں؟

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾

سو اگر تم سچے ہو تو جس (عذاب) کی دھمکی دیتے ہو اسے لے آؤ ہمارے پاس ف۹۳

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ

(پیغمبر نے) کہا (تو اچھا) اب تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے عذاب اور غضب ف۹۴

اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ

آ ہی پڑا کیا تم مجھ سے بحث ان ناموں کے بارے میں لگائے ہوئے ہو جو تم نے

وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا

اور تمہارے باپ (دادوں) نے ٹھیرا رکھے ہیں، اللہ نے تو ان پر کوئی دلیل اُتاری نہیں سو تم بھی انتظار کرو

ف۹۱ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ رَسُوْلٌ۔ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ۔ نَاصِحٌ۔ وغیرہ پر حاشیے ابھی ابھی اُوپر گزر چکے ہیں۔ ف۹۲ (کہ یہی فلاح دنیوی و اُخروی ہر پیمبر کی تبلیغ و دعوت کا اصل مقصود رہی ہے) جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ۔ یعنی بعد قوم نوح علیہ السلام کے بہ حیثیت ایک زبردست وپُرقوت قوم کے تم ہی کو زمین پر آباد کیا۔ خلفاء سے مراد زمین پر نفس آبادی کی جانشینی ہے۔ یہ مراد نہیں کہ قوم نوح علیہ السلام کے وطن و ملک ہی میں آباد کیا ہو۔ چنانچہ قوم ہود علیہ السلام و قوم نوح علیہ السلام (عراق) سے بہت ہٹ کر جنوبی عرب میں آباد تھی۔ من علیھم بان جعلھم سکان الارض بعد قوم نوح (قرطبی) وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً۔ قوم عاد جسمانی حیثیت سے بڑے قد آور وقوی ہیکل لوگ تھے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ قوت و جسامت میں زیادتی بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے تو دنیوی نعمتوں کی تحقیر زہد میں داخل نہیں، جیسا کہ بعض اہل تقشف و تشدد کا مذاق ہے فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ۔ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اور اس کے احسانات یاد کرکے اس کی شکرگزاری پر زیادہ راغب ومائل ہو۔ ف۹۳ (ابھی اور فی الفور) دورِ انبیاء میں مشرکوں کو یہ مغالطہ بھی ہمیشہ ہی رہا ہے جب پیمبروں کا وعظ سنتے اور دلائل و جواب میں کچھ بن نہ پڑتا تو یہی کہنے لگتے کہ "لے آؤ نا اپنا عذاب دیکھیں تو وہ کیسا ہے"؟...... گویا پیمبروں کا وعدہ فی الفور عذاب کا تھا۔ اور گویا عذاب الٰہی کا لانا پیمبروں کے اختیار کی چیز تھی! اَجِئْتَنَا...... اٰبَآؤُنَا اسے وہ بڑے استعجاب کے لہجہ میں اور ایک انتہائی عجیب وغریب بات سمجھ کر کہتے۔ مشرکوں کو اصلی چڑ ہمیشہ توحید سے رہی ہے۔ انکار انہیں نفس وجود باری سے نہیں۔ وہ ملحد اور دہری نہیں ہوتے صرف مشرک ہوتے ہیں۔ یعنی نام خدا کا جتنی بار چاہیے لیجئے مگر جب بھی لیجئے تنہا نہ لیجئے۔ دوسروں کے ساتھ ملا جلا کر لیجئے ف۹۴ یعنی مستحق عقوبت تو تم اپنے قول و کردار سے ہو ہی چکے۔ اب نزول عذاب جس وقت بھی ہو جائے۔ معنی وقع ای وجب (قرطبی) ای حق علیکم ووجب (کشاف)

اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ

اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں، و۹۵ پھر ہم نے اپنی رحمت سے بچالیا اُن (پیمبر ہود) کو اور

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا

اُن لوگوں کو جو اُن کے ساتھ تھے، اور ان لوگوں کی جڑ ہی کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو

بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۲﴾ ع وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ

جھٹلایا تھا اور وہ ایمان والے تھے ہی نہیں و۹۶ اور (ہم نے) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو

صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

(بھیجا) و۹۷ (صالح نے) کہا اے میری قوم والو اللہ ہی کی عبادت کرو کہ اس کے سوا کوئی (اور) تمہارا

اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ

خدا نہیں ہے و۹۸ اب تو تمہارے پاس ایک کھلا ہوا نشان بھی تمہارے پروردگار کی طرف سے آپہنچا، یہ

نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ

اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے حق میں ایک نشان، سو اسے چھوڑے رہو، اللہ کی زمین پر

اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ

کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں عذاب دردناک

اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ

آپکڑے گا و۹۹ اور (وہ وقت) یاد کرو جب (اللہ نے) تم کو آباد کیا (قوم) عاد

عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا

کے بعد اور تمہیں زمین پر ٹھکانا دیا تم اس (زمین) کے نرم حصوں پر محل

قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ

بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو سو اللہ کی نعمتوں کو

ع ۱۲

و۹۵ (عذابِ الٰہی کے) فِیْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ۔ یعنی تمہارے ان دیوتاؤں اور منہ بولے خداؤں کی حقیقت اور حیثیت اور ہے کیا بجز چند گڑھے ہوئے ناموں اور اصطلاحوں کے؟ معنویت اور حقیقت سے معرّا۔ بِهَا۔ یعنی ان کی معبودیت پر۔ ای فی عبادتها (قرطبی) مَا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ۔ یعنی کوئی شہادت، کوئی ثبوت تمہارے ان گڑھے ہوئے دیوی دیوتاؤں کے وجود کا نہ تو عقل سلیم کو اور فطرت بشری کو ملتا ہے۔ اور نہ کوئی قدیم آسمانی نوشتہ ہی اس کی تائید میں ہے۔ نہ دلیل عقلی نہ دلیل نقلی۔ اَلَّذِیْنَ مَعَهٗ۔ معیت سے مراد رفاقت ایمانی ہے۔ یعنی جو لوگ ان پر ایمان لے آئے تھے۔ ای من امن به (مدارک) عذاب الٰہی کی ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ اس سے صرف نافرمان ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ اور اہل ایمان اس سے محفوظ رہتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہر نبی کے قصہ سے ظاہر ہوتا ہے، اور اسی سے ظاہر ہوگیا کہ موجودہ زمانہ کے ہولناک واقعات طبعی وتکوینی قحط، زلزلہ، جنگ، سیلاب، وباء وغیرہ جس سے فاسق وزاہد، کافر ومومن بلا امتیاز یکساں ہوتے رہے ہیں۔ یہ عذاب الٰہی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ عذاب الٰہی کے نمونے کہے جاسکتے ہیں۔ یہ عذابِ الٰہی ایک طوفانی آندھی کی شکل میں آیا تھا۔ و۹۶ یعنی ایمان کا ان میں گزر ہی نہ تھا۔ ایمان اگر موجود ہوتا تو یہ نوبت ہی کیوں آتی۔ تنبیه علی ان الفارق بین من نجا و بین من هلک هو الایمان۔ (بیضاوی) و۹۷ قوم کے مورثِ اعلیٰ کا نام ثمود تھا۔ اور مشہور نسب نامہ یہ ہے:۔ ثمود بن جبشیر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ عاد جس طرح عرب جنوبی ومشرقی کے مالک تھے، ثمود اس کے مقابل عرب مغربی وشمالی پر قابض تھے۔ ان کے دار الحکومت کا نام حجر تھا یہ شہر حجاز سے شام کو جانے والے قدیم راستہ پر واقع تھا۔ اب عموماً اس شہر کو مدائن صالح کہتے ہیں۔ یہ شمالی عرب کی ایک زبردست قوم تھی۔ فن تعمیر میں عاد کی طرح اس کو بھی کمال حاصل تھا۔ پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بنانا، پتھروں کی عمارتیں اور مقبرے تیار کرنا اس قوم کا خاص پیشہ تھا۔ یہ یادگاریں اب تک باقی ہیں۔ ان پر ارامی وثمودی خط میں کتبے منقوش ہیں۔ (ارض القرآن) از سلیمان الندوی جلد اول صفحہ ۱۸۸، ۱۸۹) اَخَاهُمْ۔ یعنی قوم ثمود کے ہموطن یا ہم قوم۔ صٰلِحًا۔ توریت میں ان سے ملتا جلتا ایک نام سلح آتا ہے۔ اگر انہی کو حضرت صالح علیہ السلام فرض کیا جائے تو شجرۂ نسب یہ پڑتا ہے۔ صالح بن ارفخشد بن سام بن نوح۔ ایک نسب نامہ یوں بھی منقول ہے۔ صالح بن عبید بن اصف بن شیخ بن عبید بن جوربن ثمود۔ (خطبات احمدیہ از سید احمد خان) آپ کا مزار مبارک جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی کنارہ پر آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔ ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن) و۹۸ وہی پیام توحید جو سارے انبیاء کی دعوتوں کا خلاصہ اور سب میں مشترک رہا ہے۔ و۹۹ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی میری صداقت کا کھلا ہوا مادّی نشان وہ بھی تمہاری خواہش وفرمائش کے مطابق۔ مشرک وجاہلی قوم نے فرمائش کی تھی کہ کوئی خارق عادت ہمیں دکھاؤ، تو ہم تمہیں سچا سمجھیں۔ ایک خاص قسم کی اونٹنی کا ظہور اسی فرمائش کا نتیجہ تھا۔ نَاقَةُ اللّٰهِ ناقہ کی اضافت یہاں اللہ کی جانب اسی طرح کی ہے جیسے بیت اللہ میں گھر کی اضافت اللہ کی جانب۔ یعنی تشریف وتعظیم وتخصیص کے لیے۔ واضیفت الناقة الی الله علی جهة اضافة الخلق الی الخالق و فیه معنی التشریف و التخصیص (قرطبی) اضیفت الی اسم الله تعظیمًا لها و تفخیمًا لشانها (کشاف) اللہ نے قوم کی درخواست معجزہ قبول کرکے، ایک اونٹنی کسی عجیب طریقہ سے پیدا کردی تھی اور پیمبر علیہ السلام کے ذریعہ سے حکم یہ دے دیا تھا کہ کوئی اسے چھیڑے نہیں۔ یہ اپنے آزاد گھومتی پھرے گی۔ اور جس وقت کوئی اسے نقصان پہنچائے گا بس وہی گھڑی عذاب الٰہی کی ہوگی۔ انگریز مترجم قرآن سیل نے فرنگی سیاحوں کے مشاہدات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جس پہاڑ سے وہ اونٹنی بہ طور خارق عادت برآمد ہوئی تھی اس میں اب تک ایک شگاف (۶۰) ساٹھ فٹ کا موجود ہے۔ اور جزیرہ نمائے سینا میں جبل موسیٰ کے قریب ''ناقة النبی'' کا نقش قدم آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

ف۱۰۰ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ یعنی قوم عاد جیسی متمدن، سرسبز، ترقی یافتہ قوم کے بعد تہذیب وتمدن کا مالک تمہیں بنایا۔ یہ مطلب نہیں کہ اُنہی کا ملک تمہیں دیا...... عاد وثمود دونوں کے مرکز بالکل جداگانہ تھے۔ عاد کا مستقر جنوب مشرقی عرب تھا۔ اور ثمود کا جولانگاہ ترقی شمال مغربی عرب۔ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا۔ عادیوں کی طرح ثمودی بھی بڑے صناع سنگتراش اور اپنی تعمیرات کے لیے مشہور ہوئے ہیں۔ اور جب ان صنعتوں اور صناعیوں میں اتنے بڑھے ہوئے تھے تو لازمی ہے کہ جن علوم وفنون پر یہ صنعتیں مبنی ہیں، یعنی ریاضی ہندسہ، انجیری ان میں بھی نہایت ممتاز و بلند پایہ ہوں۔ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ۔ اس جزء سے معلوم ہوا کہ دنیوی علوم وفنون میں کمال کا بھی شمار اللہ کی نعمتوں میں ہے۔ اور انہیں مطلقاً حرام یا ناجائز سمجھ لینا بہت زیادتی ہے۔ بعض نے اس جزء سے یہ بھی نکالا ہے کہ کافر بھی محل نعمت ہوتے ہیں۔ و هٰذا يدل علی ان الكفار منعم عليهم (قرطبی) وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔ تہذیب وتمدن کی پیدا کی ہوئی عیش پرستیوں میں پڑ کر خوفِ آخرت سے بے نیاز ہو جانا قانون شریعت کے حدود کو توڑ کر اپنے کو فسق وفجور میں ڈال دینا۔ اللہ کی عظمت اور اپنی عبدیت کو فراموش کر جانا، یہ سب فساد فی الارض میں داخل ہے۔ فقہاء کے ایک گروہ نے آیت سے نکالا ہے کہ بڑے بڑے محلوں کی تعمیرات بالکل جائز ہے۔ استدل بهٰذه الأية من اجاز جواز البناء الرفيع كالقصور و نحوها (قرطبی) ف۱۰۱ یہ لوگ بولے کہ صالح علیہ السلام کو سچا نبی سمجھنا کیا معنٰی ہم تو اُن کے لائے ہوئے پیاموں کو بھی سچا اور برحق سمجھ رہے ہیں۔ ان کی پیمبری کا مسئلہ تو قابل بحث ہی نہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ ان کی تصدیق کون کون کرتا ہے۔ سو ہم کو تو ان کی تصدیق کی توفیق ہوگئی ہے۔ كانهم قالوا العلم بارساله و بما ارسل به مالا كلام فيه ولاشبهة تدخله لوضوحه و انارته و انما الكلام فی وجوب الايمان به فنخبركم انابه مومنون (كشاف) تنبيهًا علٰی ان ارساله اظهر من ان يشک فيه عاقل و يخفی علٰی ذی رأی و انما الكلام فی من اٰمن به و من كفر (بيضاوی) اَلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا کے صیغہ کا معروف اور اَلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا کے صیغہ کا مجہول ہونا بہت معنٰی خیز ہے۔ رؤساء منکرین تو متکبر و نخوت پرست تھے۔ قرآن مجید نے یہ صاف و بے تکلف کہہ دیا۔ مومنین صادقین بجائے خود ضعیف وحقیر تھے یا نہیں، یہ قرآن مجید کچھ نہیں بتاتا۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ وہ لوگ ضعیف قرار دیئے گئے تھے۔ حقیر سمجھ لیے گئے تھے...... اور تعبیر کے ان دو طرزوں کے درمیان کتنا فرق ہے؟ متکبرین میں تو ذم خود اہل استکبار کی ہے اور مستضعفین میں ذم حقیروں کی نہیں، انہیں حقیر سمجھنے والوں کی ہے۔ للذين استضعفوا ای للذين استضعفهم رؤساء الكفار و استذلوهم (كشاف) كونهم مستكبرين فعل استوجبوا به الذم و كون المومنين مستضعفين معناه ان غيرهم مستضعفهم و يستحقرهم و هٰذا ليس فعلًا صادرًا عنهم بل عن غيرهم فهولا يكون صفة ذم فی حقهم بل الذم عائد الی الذين يستحقرونهم و يستضعفونهم (كبير) ضمناً یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تکبر شعار ہے اہل کفر وفسق کا، اور مومنین کو حقیر وضعیف سمجھنا بھی اُنہی کا شیوہ ہے۔ اور یہیں سے یہ اصل بھی ہاتھ آجاتی ہے کہ غنی سے فقر بہتر ہے۔ بين الله تعالٰی ان كثرة المال و الجاه حملهم علی التمرد والاباء والانكارو الكفر و قلة المال والجاه حملهم علی الايمان و التصديق و الانقياد و ذٰلک يدل علٰی ان الفقر خير من الغنی (كبير) ف۱۰۲ ”قوم“ کے ”خواص“ اور ”روشن خیالوں“ کی ذہنیت کا کیسا صحیح نقشہ یہ مکالمہ پیش کر رہا ہے! ف۱۰۳ گویا پیمبر کا کام فرمائشی عذاب کی فی الفور تعمیل کرنا ہے۔ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ عقر کے معنٰی کونچیں کاٹ ڈالنے کے ہیں۔ مراد اس سے اونٹ کو ہلاک کر ڈالنا ہے۔ فعل عقر کا اسناد قرآن مجید ساری قوم کی جانب کر رہا ہے حالانکہ اونٹنی کے مارنے میں ظاہر ہے کہ گنتی کے چند افراد شریک ہوں گے۔ لیکن یہ عمل ساری قوم کی رضامندی واتفاق رائے سے ہوا۔ اس لیے اسے منسوب بھی قوم کی جانب کیا گیا۔ اسند العقر الی جميعهم لانه كان برضاهم و ان لم يباشره الا بعضهم۔ اَمْرِ رَبِّهِمْ یہ امر پروردگار کا کیا تھا؟ یہ حکم اعتقاد توحید ورسالت کا تھا۔ ای ما امر به علٰی لسان صالح ...... او شان ربهم و هو دينه (كشاف) ف۱۰۴ قوم ثمود کی زلزلہ سے ہلاکت تو زمانہ قبل تاریخ کی ہے۔ یعنی اس زمانہ میں ہوئی جس کی تاریخ اس وقت محفوظ نہیں لیکن اٹلی کے مشہور اور گل وگلزار شہر پامپئی کی زلزلہ سے بربادی عہد تاریخ کی بات ہے۔ ۶۳ء تھا جب ایک زلزلہ سے یہاں کے فسق پیشہ باشندے تباہ وہلاک ہو کر رہ گئے۔ اور جو کچھ بچ رہے تھے انہیں ۷۹ء میں ایک قدرتی آتش بازی نے بھون ڈالا۔ دَارِهِمْ میں دار بہ طور اسم جنس کے آیا ہے۔ قيل وحدّ علٰی طريق الجنس (قرطبی) دار کو بلد کے معنٰی میں لیا گیا ہے۔ ای بلدهم (قرطبی) يعنی فی بلدهم و لذٰلک وحد الدار كما يقال دار الحرب (كبير)

اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ

یاد کرو اور زمین پر فساد مت پھیلاتے پھرو ف۱۰۰ ان کی

الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ

قوم کے جو متکبر زوردار لوگ تھے وہ ان

اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا

کمزور لوگوں سے جو اُن میں سے ایمان لے آئے تھے، بولے کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح

مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ

اپنے رب کے فرستادہ (پیمبر) ہیں وہ بولے ہم تو اس (پیام) پر ایمان ہی لے آئے ہیں جسے دیکر انہیں

مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِيْۤ

بھیجا گیا ہے، ف۱۰۱ وہ متکبر لوگ کہنے لگے ہم تو اس چیز کے منکر ہیں جس پر تم ایمان

اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ عَتَوْا عَنْ

لا چکے ہو ف۱۰۲ غرض اونٹنی کو (بھی) مار ڈالا، اور اپنے پروردگار کے

اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ قَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ

حکم سے سرتابی کی اور کہنے لگے اے صالح اگر پیمبر ہو تو اُس (عذاب) کو لے آؤ جس کی ہمیں

مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا

دھمکی دیتے ہو ف۱۰۳ پس انہیں زلزلہ نے آ پکڑا سو وہ

فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ

اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہ گئے ف۱۰۴ اب (صالح) ان سے منہ موڑ کر چلے اور بولے اے میری قوم والو!

لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ

میں نے تو تمہیں اپنے پروردگار کا پیام پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی

وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ

لیکن تم تو خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے و۱۰۵ اور (ہم نے) لوط (کو بھی بھیجا) جبکہ انہوں نے

لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ

اپنی قوم سے کہا کہ ارے! و۱۰۶ تم تو ایسا بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے اسے دنیا جہان والوں میں سے

مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً

کسی نے نہیں کیا تھا و۱۰۷ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ

مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَ مَا

شہوت رانی کرتے ہو نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ تم ہی ہو حد سے گزرے ہوئے لوگ و۱۰۸ ان کی قوم سے

كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ

کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ لگے (آپس میں) کہنے کہ انہیں اپنی بستی سے

مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ

نکال دو یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں و۱۰۹ پھر ہم نے بچا لیا لوط کو

وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖؗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾

اور ان کے گھر والوں کو بجز ان کی بیوی کے وہ پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی و۱۱۰

وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اور ہم نے ان پر مینہ برسایا سو تو دیکھ لے مجرموں کا کیسا

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ

انجام ہوا و۱۱۱ اور مدین کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی شعیبؑ کو (بھیجا) و۱۱۲ انہوں نے کہا

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ

اے میری قوم والو! اللہ ہی کی پرستش کرو بجز اس کے تمہارا کوئی معبود نہیں اب تو

ع ۱۰ / ۱۷

و۱۰۵ (بلکہ ناقدری کے ساتھ ان کی بات ٹھکراتے رہے۔ جبھی تو یہ دن دیکھنا نصیب ہوا) وَنَصَحْتُ لَكُمْ یعنی کس کس شفقت سے تمہیں سمجھایا، بجھایا! قَالَ لِقَوْمِهٖ ہلاک شدہ افراد اُمت سے یہ فرضی خطاب بے ساختہ اظہار قلق وحسرت کے لیے ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس خطاب سے سماع موتی ثابت ہوتا ہے۔ تاوقتیکہ کوئی دلیل قوی اس کے رد میں نہ ہو۔ و۱۰۶ حضرت لوط علیہ السلام بن حاران بن تارح (آزر) حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے۔ توریت میں اُن کا ذکر بڑی تفصیل سے ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب پیدائش باب ۱۱ تا باب ۱۹۔ البتہ محرفین توریت نے اپنے حسب معمول بعض بہت ہی گندی حرکتیں بھی حضرت کی جانب منسوب کردی ہیں۔ باب ۱۹۔ آپ نے جس ملک کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ وہ شرق یردن یعنی شام کا جنوبی علاقہ تھا۔ جو دریائے یردن کے اردگرد ہے۔ لِقَوْمِهٖ عربی کا لفظ "قوم" یہاں اُردو کے لفظ "اُمت" کے مفہوم میں ہے۔ عام قاعدہ اس سارے سیاق میں اُمت اور نبی کے درمیان "بھائی" کا رشتہ بیان کرنے کا ہے لیکن حضرت لوط علیہ السلام کی بعثت اپنی برادری یا وطن والوں کی جانب نہیں ہے بلکہ ایک دوسری قوم کی جانب ہوئی تھی۔ اس لیے وہ عام طرز بیان یہاں حذف کردیا گیا...... قرآن سے زیادہ ان نازک تاریخی حقائق کی رعایت اور کون کرسکتا ہے؟ آپ جس قوم کی جانب بھیجے گئے۔ یہ لوگ ملک شام کے جنوب میں دریائے یردن کی وادی میں آباد تھے، سدوم، عمورہ کا یہ علاقہ خوب سرسبز وشاداب تھا۔ "یردن کی ساری ترائی...... خداوند کے باغ اور مصر کے ملک کی مانند خوب سیراب تھی" (پیدائش۔ ۱۳:۱۰) و۱۰۷ مراد اغلام جیسے گندے عمل سے ہے۔ اس کی طرف رغبت وکشش ہونا تو درکنار، تصور ہی سے ہر فطرت سلیم رکھنے والے کو ایک طبعی کراہت پیدا ہوتی ہے۔ جو جگہ تمامتر گندہ فضلہ کے لیے ہو اور جو عضو بجز اخراج فضلات کے اور کسی ضرورت سے اندر کی جانب کھلتا ہی نہیں اُسے محل شہوت سمجھ لینا اور اُسے لطف ونشاط کا آلہ بنالینا اپنی حد درجہ غلاظت پسندی اور گھناؤنے پن کا ثبوت دینا ہے۔ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ یہ بھی عجیب بات ہے کہ گو بعد کو (مثلاً یونانی تہذیب کی ترقی کے زمانہ میں) اس شیطانی حرکت کو بھی بڑی ترقی ہوئی۔ اور آج تو یہ یورپی اور امریکی تہذیب کا جزو لاینفک ہے اور پورا زور کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ سے لگایا جارہا ہے کہ اسے بجائے غیر طبعی کے ایک طبعی تحریک قرار دیا جائے۔ لیکن قوم لوط علیہ السلام سے قبل اس کے وجود کا تاریخ سے بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حضرت لوط علیہ السلام کے قول میں دُہری دُہری ملامت اپنی قوم پر آگئی۔ یعنی ایک تو یہ کہ ایسی شدید بدکاری میں مبتلا ہو اور پھر یہ کہ اس کے موجد بھی تم ہی ہو، یہ بھی تو نہیں کہ کسی اور کو دیکھ کر تم نے سیکھا ہو! كانه وبخهم اولا باتيان الفاحشة ثم باختراعها فانه اسوأ (بیضاوی) مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ پہلا مِن زائد ہے تاکید نفی واستغراق معنی کے لیے ہے۔ اور دوسرا مِن تبعیض کے لیے ہے۔ من اُولٰی زائدة لتوكيد النفى الافادة معنى الاستغراق والثانية للتبعيض (کشاف) من لا ستغراق الجنس (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قوم لوط علیہ السلام کی بدکاری کے ساتھ اس کے عدم مسبوقیت کو لانا دلیل ہے اس پر کہ منکرات پر محض عمل سے کہیں بڑھا ہوا درجہ ایجاد منکرات کا ہے۔ تو اسی پر بدعت کے درجہ شناعت کا قیاس کرلیا جائے۔ و۱۰۸ (چنانچہ ایک اسی عادت پر کیا موقوف ہے ہر معاملہ میں ایسے ہی حدود سے گزرنے والے) ای انتم مسرفون فی كل الاعمال (کبیر) توریت میں اسی مقام پر ہے:۔ "اور سدوم کے لوگ خداوند کی نظر میں نہایت بدکار اور گناہگار تھے"۔ (پیدائش ۱۳:۱۳) و۱۰۹ (اور ہم کو گندہ بتاتے ہیں تو ہم گندوں میں ان پاکوں کا کیا کام۔ یہ نکلیں ہمارے شہر سے) اَخْرِجُوْهُمْ میں ضمیر جمع غائب اتباع حضرت لوط علیہ السلام کی جانب ہے۔ ای لوطاً و من اٰمن معهٗ (مدارک) يَتَطَهَّرُوْنَ یعنی بڑی پاکبازی بگھارتے ہیں۔ بڑے اپنی پاکبازی کے مدعی ہیں ای يدعون الطهارة (مدارک) و۱۱۰ توریت کی روایت میں ہے کہ وہ نافرمان عورت نمک کا ستون بن گئی:۔ "مگر اس کی جورو نے اس کے پیچھے سے پھر کر دیکھا۔ اور وہ نمک کا کھمبا بن گئی (پیدائش۔ ۱۹:۲۶) اَنْجَيْنٰهُ یعنی اپنے عذاب سے انہیں بچا دیا۔ اَهْلَهٗ۔ اهل میں خاندان والے اور دوسرے معتقدین مومنین سب شامل ہیں ای انصارهٗ و اتباعه الذين قبلوا دينه (کبیر) اِمْرَاَتَهٗ ان کی بیوی جو ایمان سے بھی خالی تھیں۔ كانت كافرة موالية لاهل سدوم (مدارک) اس سے یہ معلوم ہوا کہ عذاب الٰہی کا سبب مشترک علاوہ فسق عملی کے کفر اعتقادی بھی تھا۔ و۱۱۱ خطاب یہاں عام مخاطب قرآنی سے ہے۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا یعنی ان پر پتھراؤ کیا۔ یہ بارش آگ اور پتھروں کی تھی، جیسے کسی آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے کے وقت ہوتی ہے۔ علاقہ سدوم کی تباہی کا زمانہ ماہرین فن کے تازہ ترین تخمینہ کے مطابق ۲۰۶۱ ق، م کا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ہماری تفسیروں میں آتا ہے کہ چار یا پانچ شہر تھے، جو اس طرح برباد کیے گئے ہیں۔ اور ان کی آبادی کا مجموعہ چار لاکھ تھا۔ و۱۱۲ ان پیمبر شعیب علیہ السلام بن میکیل کا نام توریت میں کہیں تو تیرو آیا ہے۔ (مثلاً خروج ۳:۱ میں) اور کہیں حوباب (مثلاً گنتی ۱۰:۲۹ میں) نسب نامہ ہماری تفسیروں میں یوں درج ہے۔ شعیب علیہ السلام بن میکیل بن یشجر بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام۔ مَدْيَنَ۔ اس شہر کا محل وقوع بحر احمر کا ساحل عرب تھا۔ کوہ طور کے جنوب ومشرق میں شمالاً جنوباً عرض البلد ۲۹ درجہ، ۲۹ دقیقہ اور ۲۷ درجہ ۳۹ دقیقہ کے درمیان...... حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی ایک زوجہ محترمہ بیوی قطورہ تھیں۔ انہی کے بطن سے ایک صاحبزادہ مَدْيَنَ نامی تھے۔ شہر جب آباد ہوا تو قدیم دستور کے مطابق انہی کے نام سے موسوم ہوا۔

جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ

تمہارے پاس کھلا نشان بھی تمہارے پروردگار کی طرف سے آچکا ۱۱۳ سو تم ناپ اور تول پوری کیا کرو

وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي

اور لوگوں کا نقصان ان کی چیزوں میں مت کیا کرو، ملک میں فساد

الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

نہ مچاؤ اس کی درستی کے بعد یہی تمہارے حق میں بہتر ہے، اگر تم

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ

ایمان والے ہو ۱۱۴ اور سڑک پر مت بیٹھا کرو، اس طرح کہ دھمکیاں

تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ

دے رہے ہو، اور اللہ کی راہ سے ان لوگوں کو روک رہے ہو جو اس پر ایمان لا

بِهٖ وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا

چکے ہیں، اور اس (راہ) میں کجی تلاش کر رہے ہو ۱۱۵ اور وہ وقت یاد کرو جب تم تھوڑے تھے،

فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

پھر (اللہ نے) تمہیں بڑھا دیا اور دیکھ رکھو اہل فساد کا کیسا انجام ہوا ۱۱۶

وَ اِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْۤ اُرْسِلْتُ

اور اگر تم میں سے ایک گروہ اس پر ایمان لا چکا ہے جسے لے کر مجھے بھیجا

بِهٖ وَ طَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ

گیا ہے اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا ہے ۱۱۷ تو صبر کیے رہو، یہاں تک کہ اللہ ہمارے

اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

درمیان فیصلہ کر دے وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، ✱

ف۱۱۳ ممکن ہے کوئی خاص معجزہ مراد ہو، جس کی صراحت قرآن مجید میں نہیں۔ ای معجزة و ان لم تذكر فى القران (مدارک) ای معجزة مشاهدة بصحة نبوّتی (کشاف) يجب ان يكون المراد من البيّنة هٰهنا المعجزة (کبیر) اور ممکن ہے پیمبر کا نفس آنا ہی مراد ہو ...... و هو مجيء شعيب بالرسالة (قرطبی) ف۱۱۴ (اور میری تصدیق پر آمادہ ہو) فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ اہل مدین ایک تجارت پیشہ قوم تھی۔ ان کا اصلی فسق معاملاتِ تجارت میں بدمعاملگی اور بددیانتی تھی، اسی لیے پیمبر وقت بعد عام دعوتِ توحید کے، سب سے پہلا سبق تجارتی اخلاق کا دے رہا ہے۔ اَوْفُوا الْكَيْلَ۔ کیل سے مراد آلہ کیل یعنی پیمانہ ہے یا وہ چیز جو ناپی جائے۔ اريد بالكيل الة الكيل وهو المكيال او سمى ما يكال به بالكيل (کشاف) وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا اصلاحی نظام یعنی شریعت خداوندی کو جزءًا یا کُلًّا قبول کرنے سے انکار کرنا، اور بندوں کے ادائے حقوق میں کمی کرتے رہنا یہ سب صورتیں فساد فی الارض ہی کی ہیں۔ وَ لَا تَبْخَسُوْا کے اطلاق و عموم کے ماتحت خیانت و بددیانتی کی ہر صنف آگئی۔ چوری، ڈکیتی، رشوت غصب وغیرہا۔ المراد من البخس التنقيص بجميع الوجوه ويدخل فيه المنع من الغصب والسرقة و اخذ الرشوة و قطع الطريق و انتزاع الاموال بطريق الحيل (کبیر) وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مدلول نص پر قیاس کر کے صاحب روح المعانی نے کہا ہے کہ جو اہل علم اپنے معاصر فضلاء کی تعظیم و توقیر کا حق واجب نہیں ادا کرتے وہ بھی اس آیت کی زد میں آجاتے ہیں۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اشارہ ان پانچ چیزوں کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے یعنی دو چیزیں عقاید میں سے ایک اقرارِ توحید، دوسرے اقرارِ رسالت اور تین چیزیں اعمال میں سے، ایک شفقت علیٰ خلق اللہ، دوسرے ترکِ بخس، تیسرے ترکِ افساد (کبیر) ف۱۱۵ (اعتراض و اعراض کی نیت سے) تُوْعِدُوْنَ یہ لوگ ایمان والوں کو طرح طرح کی دھمکیاں دیتے رہتے تھے۔ جیسا کہ ہر سرکش بدراہ قوم کا قاعدہ ہے۔ كانوا يوعدون العذاب من امن (قرطبی) مَنْ اٰمَنَ بِهٖ ضمیر اسم اللہ کی طرف ہے اور شعیب علیہ السلام کی طرف بھی جائز ہے۔ يحتمل ان يعود الى اسم الله و ان يعود الى شعيب (قرطبی) ای بالله (مدارک) قوم کے امراضِ خبیثہ ایک ایک کر کے بیان ہو رہے ہیں۔ امام قرطبی آیت کی تفسیر کے ذیل میں اپنے زمانہ کا حال تأسف و قلق کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں بھی خلاف شرع جبرستانی اور ظلم و زیادتی کے طریقہ جاری ہوگئے ہیں۔ اور اسلام بجز نام اور رسم کے اب باقی ہی کہاں رہ گیا ہے۔ لم يبق من الاسلام الا رسمه و لا من الدين الا اسمهٗ ف۱۱۶ یعنی اُن مکذب و منکرِ حق قوموں کا انجام جو تم سے قبل ہو چکی ہیں۔ کس کس طرح تباہ و برباد ہو کر رہی ہیں اور ان کے علوم و فنون، ان کی صنعتیں اور حرفتیں، ان کی دولت و تمول، ان کی تہذیب و تمدن ان کی ترقیاں کوئی چیز بھی انہیں ہلاکت سے نہ بچا سکی۔ ف۱۱۷ (اور دونوں فریقوں کی حالت یکساں ہے اور اس ظاہری یکسانی نے تمہیں تردد میں ڈال رکھا ہے) ✱ (اور اس کا فیصلہ اپنے وقت مناسب پر عذاب کے ذریعہ سے ہوگا) فَاصْبِرُوْا وعید و تہدید کے مفہوم میں ہے۔ یہ مراد نہیں کہ آپ انہیں کفر پر قائم رہنے کی اجازت دے رہے ہیں۔ ليس هذا امرًا بالمقام على الكفر ولكنهٗ وعيد وتهديد (قرطبی)

وف۱۱۸ گفتگو میں لاجواب ہوکر اب قوم شعیب علیہ السلام جبر و تشدد پر اتر آئی ہے۔ اور پیمبر اور اُن کے رفیقوں کو شدید دھمکیاں دے رہی ہے وف۱۱۹ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا۔ عاد کے ایک معنی تو صار کے ہیں۔ قال غیر واحد ان تعود بمعنی تصیر کما اثبته بعض النحاة واللغویین (روح) ای لتصیرن الی ملتنا وقال الزجاج یجوز ان یکون العود بمعنی الابتداء (قرطبی) یہ معنی لے کر تو فقرہ کا مطلب صرف اس قدر ہوا کہ تم ہمارے مذہب میں آجاؤ یا ہمارے دین میں شامل ہو جاؤ۔ اور اس پر کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا لیکن عود کے عام معنی لوٹ آنے، پلٹ آنے کے ہیں۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ

ان کی قوم کے متکبر رُودار لوگ بولے کہ اے شعیبؑ ہم تم کو

يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ

اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں، اُن کو اپنی بستی سے نکال کر رہیں گے وف۱۱۸

اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾

یا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آجاؤ (شعیبؑ نے) کہا کہ اگرچہ ہم (اس سے) بیزار ہی ہوں؟ وف۱۱۹

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ

ہم تو اللہ پر جھوٹ تہمت لگانے والے ہوئے اگر ہم تمہارے مذہب میں آ جائیں

بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ

بعد اس کے کہ اللہ ہم کو اس سے بچا چکا وف۱۲۰ اور ہم سے تو ممکن نہیں کہ

نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ

ہم اس میں پھر آئیں لیکن ہاں یہ کہ ہمارے پروردگار اللہ ہی کی یہ مشیت ہو وف۱۲۱ ہمارا پروردگار ہر شے کو (اپنے) علم

شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا

سے گھیرے ہوئے ہے، اللہ (ہی) پر ہم نے بھروسہ کیا ہے وف۱۲۲ اے ہمارے پروردگار تو ہمارے اور

وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کردے اور تو ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ وف۱۲۳

وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ

اور (شعیبؑ کی) قوم میں کافروں میں جو رُودار لوگ تھے وہ کہنے لگے کہ اگر تم شعیبؑ کی پیروی

شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

کرنے لگے تو بڑا نقصان اٹھاؤ گے وف۱۲۴ پھر انہیں زلزلہ نے آ پکڑا

العود الرجوع الی الشیء بعد الانصراف عنه (راغب) اس پر یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام بہ حیثیت نبی ہونے کے ہمیشہ ہی سے مومن تھے۔ پھر اُن سے ملت کفر کی طرف واپس آنے کی فرمائش کے کیا معنی؟ لیکن یہ اشکال کچھ یونہی سا ہے پیمبر ظاہر ہے کہ بعثت سے قبل اپنے یہاں کے موروثی مذہب کی مخالفت نہیں کرتا اور اس لئے وہ قدرۃً اسی میں سمجھا ہی جاتا ہے۔ یہ تو جوں جوں اس کا شعور بیدار ہوتا جاتا ہے۔ وہ گرد و پیش کی خرابیوں پر توجہ کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ منصب نبوت پر آجانے کے بعد علانیہ مخالفت اپنے آبائی مذہب کی کرنے لگتا ہے۔ بعض اکابر تفسیر نے بھی شعیب علیہ السلام کے قبل بعثت کے مذہب کی تعبیر سکوت سے کی ہے۔ یراد بعود شعیب فی الملة حال سکوته عنهم قبل ان یبعث (بحر) حضرت شعیب علیہ السلام کے قول کا حاصل یہ ہوا کہ جب ہم بہ دلیل اور علیٰ وجہ البصیرت مذہب جاہلیت کو لغو و باطل سمجھ رہے ہیں۔ اور اس سے ہمارا ذوق اور ہماری عقل بیزار ہے تو ہم اسے اختیار کیسے کر لیں؟ وف۱۲۰ حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ نے تو ہم پر جاہلی مذہب کی حماقتیں واضح کر دیں، اور ہم پھر اس کو اختیار کر لیں تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہم قصداً تنزیہ و توحید باری سے متعلق افتراء و اختراع کرتے رہے۔ عُدْنَا۔ یہ لفظ حضرت نے اُنہی لوگوں کا کہا ہوا دہرا دیا ہے۔ وف۱۲۱ (کسی مصلحت تکوینی کے اعتبار سے) عارف ہمیشہ تقدیر الٰہی کے سامنے لرزاں و ترساں رہتا ہے۔ پہلے تو اپنا ارادہ مضبوطی کے ساتھ ظاہر کر دیا کہ ہم ہرگز کفر نہیں اختیار کرنے کے۔ لیکن یہ ایک صورت دعویٰ اور اثبات خودی کی تھی، اس لیے معاً یہ جزء بھی اضافہ کر دیا۔ عام مومنین کے لیے تو اس کا دھڑکا اور احتمال ہر وقت لگا ہی ہوا ہے۔ باقی خود پیمبر کا اپنے لئے یہ کہنا اظہار عبدیت کے لیے ہے جو کمالات نبوت کے لوازم میں سے ہے۔ اور اکابر انبیاء سے ایسے ہی کلمات برابر منقول ہیں قال الواحدی لم تزل الانبیاء والاکابر یخافون العاقبة وانقلاب الامر الاتری الی قول الخلیل وَ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ و کثیرا ما کان محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقول یا مقلب القلوب والابصار ثبت قلوبنا علی دینک وطاعتک وقال یوسف تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا (کبیر) وف۱۲۲ (اور وہ ہم کو دین حق سے کسی منزل میں بھی متزلزل نہ ہونے دے گا) عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا۔ فقرہ کی ترکیب حصر کے معنی دیتی ہے۔ یعنی بھروسہ صرف اللہ پر ہے نہ کہ کسی اور پر۔ تکیہ اسباب پر نہیں مسبب الاسباب پر ہے۔ فھذہ یفید الحصر ای علیه توکلنا لا علی غیرہ وکانه فی ھذا المقام عزل الاسباب وارتقی عنها الی مسبب الاسباب (کبیر) وف۱۲۳ یہ دعا ہے اس کی کہ اب آپ عملی و مشاہد طور پر حق کا حق ہونا ظاہر کر دیجئے۔ المراد منه ان ینزل علیهم عذاباً یدل علی کونهم مبطلین وعلی کون شعیب وقومه محقین (کبیر) وف۱۲۴ کہ ہماری سرپرستی سے محروم ہو جانے کے بعد دنیوی نقصان جو کچھ ہوگا ظاہر ہی ہے اور اپنے آباء کے دین سے انحراف جس درجہ کا مذہبی وبال ہے وہ بھی بالکل ظاہر ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ میں خاص زور مالی احتیاط اور معاشی تقویٰ پر تھا۔ جاہلی قوم میں اُسے اپنی مالی بربادی و معاشی تباہ حالی کا پیش خیمہ سمجھتی رہی ہیں۔ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۔ جملہ کی ترکیب خاص زور دینے کے لیے ہے۔ جیسے اردو میں کہیں کہ ”بس تم بالکل ہی چوپٹ ہو کر رہے۔“

فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۱﴾ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا

سو وہ اپنے اپنے گھر میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے ف۱۲۵ جن لوگوں نے شعیبؑ کو

شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۛ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا

جھٹلایا تھا (وہ ایسے مٹے) کہ گویا ان (گھروں) میں کبھی بسے ہی نہ تھے، جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا

كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ

نقصان اٹھانے والے وہی رہے ف۱۲۶ اس وقت وہ اُن سے منہ موڑ کر چلے اور بولے اے میری قوم والو،

لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ

میں نے تو تمہیں اپنے پروردگار کے پیام پہنچا دیئے تھے اور تمہاری خیر خواہی کی تھی،

فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا

تو اب میں کیوں کر غم کروں کافر لوگوں پر؟ ف۱۲۷ اور ہم نے جس کسی بستی

فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ

میں بھی کوئی نبی بھیجا اس کے باشندوں کو ہم نے تنگ دستی

وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ

اور بیماری میں مبتلا کیا تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں ف۱۲۸ اس کے بعد ہم نے بدحالی کی جگہ

السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ

بدل کر خوشحالی پھیلا دی چنانچہ انہیں خوب ترقی ہوئی اور وہ کہنے لگے کہ تنگی

اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ

اور راحت تو ہمارے باپ دادوں کو بھی پیش آتی رہی تھی اس پر ہم نے ان کو یک بہ یک پکڑ لیا اور وہ (اس کا)

لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا

گمان (بھی) نہیں رکھتے تھے ف۱۲۹ اور اگر بستیوں والے ایمان لے آئے ہوتے اور پرہیزگاری اختیار کی ہوتی

ف۱۲۵ (اور مدین کی بستی تباہ اور آبادی ہلاک ہو کر رہ گئی) توریت میں بھی ذکر اہل مدین کی بیہودگی اور پھر اسرائیلیوں کے ساتھ اُن کے قتل و ہلاک ہونے کا مفصل آتا ہے (گنتی باب ۳۱ و باب ۳۵) لیکن قرآن مجید اس زمانہ سے قبل کا حال بیان کر رہا ہے۔ دَارِهِمْ۔ مرادف مساکنهم کے ہے۔ فی دارهم ای فی مساکنهم (کبیر) ف۱۲۶ منکرین و متکبرین دعوی کے ساتھ پیشین گوئی مومنین کے نقصان اُٹھانے کی کر رہے تھے۔ واقعۃً و عملاً خود ہی سب سے زیادہ نقصان میں رہے۔ اور دُنیا نے اس کا مشاہدہ کر لیا۔ یہی مآل آخر کار اور ایک مدت کے مقابلہ کے بعد ہر سرکش و خدا فراموش قوم کا ہوتا رہا ہے۔ فِیْهَا۔ میں ضمیر دَارِهِمْ کی طرف ہے۔ لَمْ یَغْنَوْا فِیْهَا۔ غنی فی مکان کے معنی محاورہ میں یہ آتے ہیں کہ کوئی شخص فلاں مکان میں اپنے دوسرے مکانات سے بے نیاز ہو گیا۔ اسی سے ایک مجازی معنی بسنے اور آباد ہونے کے بھی پیدا ہو گئے اور وہی یہاں مراد ہیں۔ ای لم یقیموا فیها یقال غنینا بمکان کذا ای اقمنا فیه (ابن قتیبہ) آیت سے ظاہر ہے کہ ہلاکت و تباہی ہمیشہ مادی ہی اسباب سے نہیں آئی بلکہ کثرت معاصی بھی باعث ہو جاتی ہے۔ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا۔ کی تکرار اور كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ کی ترکیب واقعہ کے اظہار اہمیت کے لیے ہیں وللتنبیه علی هذا والمبالغة فیه کرر الموصول (بیضاوی) العرب تکرر مثل هذا فی التفخیم والتعظیم (کبیر) وفیه معنی الاختصاص ایاهم المخصوصون بالخسران العظیم دون اتباعه (کشاف) ف۱۲۷ تم پر یہ مصیبت تو اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہے۔ اور میرے ہر طرح سمجھانے کے بعد اسے تم اپنے اوپر لائے ہو۔ اب تم میری ہمدردی کے مستحق ہی کب باقی رہے۔ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ۔ یہ ذکر اُس وقت کا ہے جب قوم مبتلائے عذاب ہو چکی تھی۔ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ۔ یعنی میں پیام رسانی کا حق ادا کر چکا نَصَحْتُ لَكُمْ۔ یعنی فرطِ شفقت سے تمہیں ہر طرح سمجھا بجھا کر دیکھ چکا عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ۔ بجائے عَلَیْهِمْ کے قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ کی تصریح نے اسے صاف کر دیا کہ عدم استحقاق تاسف و ہمدردی کفر اختیاری ہی کی بناء پر ثابت ہوا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مبغوضین مستحق ترحم نہیں ہوتے ف۱۲۸ (اور استکبار و خود بینی چھوڑ کر عاجزی و فروتنی اختیار کر لیں) بلاؤں کا نزول اصلاً اسی لئے ہوتا ہے کہ لوگ اپنی گمراہیوں پر متنبہ اور اُن سے تائب ہو کر خدا پرستی کی راہ اختیار کر لیں۔ التضرع هو الخضوع والانقیاد لله تعالٰی (کبیر) اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ۔ یہ تنگدستی اور مرض میں ابتلاء بہ طور تنبیہ کے ہوتا ہے۔ ف۱۲۹ یعنی اس قدر غفلت اور مدہوشی میں پڑے ہوئے تھے حَتّٰى عَفَوْا۔ یعنی خوب بڑھے، خوب پھلے، خوب پھولے، دولت، صحت، کثرت آبادی، ہر طرح انہیں ترقی ہی ترقی ہوئی کثروا ونموا فی انفسهم واموالهم (کشاف) قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ۔ یعنی یہ رنج و راحت اور ادل بدل کر واقعات خارجی و تکوینی تو ہمیشہ سب کو پیش آتے رہتے ہیں۔ انہیں عقاید کی صحت و گمراہی اور حق و باطل کی بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ ای وما ذالک الا من عادة الدهر یعاقب فی الناس بین الضّرّاء والسّرّاء ویدا ولهما بینهم (روح) فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً۔ یعنی اس پر ہم نے انہیں کسی نہ کسی عذاب شدید میں دفعۃً پکڑ لیا محققین نے لکھا ہے کہ حضرات انبیاء کے مخالفین کو دنیا میں بھی سزا ضرور ملی ہے۔ تاکہ حجت الٰہی ظاہر ہو جائے اور امر نبوت مخفی نہ رہے ایسی علانیہ نصرت و اعانت اولیاء صالحین کے لئے بھی ہوتی ہے مگر ضروری نہیں۔ الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ۔ محققین نے لکھا ہے کہ جس نعمت کے بعد شکر اور مصیبت کے بعد صبر و رجوع حاصل ہو وہ حالت محمود ہے اور جس نعمت کے بعد غفلت و غرور اور مصیبت کے بعد شکایت یا انکار ظاہر ہو وہ حالت سرتاسر مذموم ہے۔

لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَلٰكِنْ

تو ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن

كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٦﴾ اَفَاَمِنَ

انہوں نے تو جھٹلایا، سو ہم نے ان کی کرتوتوں کے پاداش میں ان کو پکڑ لیاف ۱۳۰ تو کیا بستی والے

اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّ هُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿٩٧﴾

اس سے بے خوف ہوگئے ہیں کہ اُن پر ہمارا عذاب شب کے وقت آپڑے، درآنحالیکہ وہ سورہے ہوں ف ۱۳۱

اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى

یا کیا بستی والے اس سے بے خوف ہوگئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آپڑے

وَّ هُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩٨﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ

درآنحالیکہ وہ کھیل میں لگے ہوں ف ۱۳۲ کیا (یہ لوگ) اللہ کی خفیہ تدبیروں سے بے خوف ہوگئے ہیں سو اللہ کی

مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٩٩﴾ ع اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ

تدبیر سے کوئی بھی بے خوف نہیں ہوتا بجز اُن لوگوں کے جو گھاٹے میں آچکے ہیں ف ۱۳۳ کیا اُن لوگوں پر جو اب

يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ

زمین کے وارث ہیں بعد اس کے (سابق) باشندوں کے یہ بات واضح نہیں ہوئی ہے کہ اگر ہم چاہتے تو

اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ

انہیں بھی مصیبت میں مبتلا کردیتے ان کے گناہوں کے عوض میں، ف ۱۳۴ اور ہم بند لگائے ہوئے ہیں اُن کے دلوں

لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ

پر سو وہ سنتے ہی نہیں ف ۱۳۵ یہ وہ بستیاں ہیں جن کے کچھ قصے ہم آپ سے

اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا

بیان کر رہے ہیں اور ان (سب) کے پاس ان کے پیمبر کھلے ہوئے نشان لے کر آئے پھر بھی

ع ۱۲

ف ۱۳۰ (اور ہلاک کردیا) اَهْلَ الْقُرٰى۔ وہی آبادیاں مراد ہیں جن کی طرف پیمبر بھیجے گئے تھے اور جو ان کی تکذیب کے پاداش میں ہلاک کردی گئیں وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مومنین، متقین کے لئے غیب سے کارسازیاں ہوتی رہتی ہیں اور برکات سماوی وارضی سے مراد بھی وہ کل چیزیں ہیں جو انجام کار کے لحاظ سے مبارک ومفید ہوتی ہیں قيل المراد بالبركات السماوية والارضية الاشياء التي تحمد عواقبها ويسعد في الدارين صاحبها ولا يفتح ذلك الا للمومن (روح) لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ ہر طرح کی برکتیں اُن پر نازل کرتے اور بلاؤں سے مصیبتوں سے انہیں محفوظ رکھتے۔ آسمان وزمین کی برکتوں سے مراد ہر قسم کی برکات ہیں۔ اور ”فتح برکات“ سے مراد ہر امر میں آسانیاں پیدا کردینا ہے۔ منهما يحصل جميع المنافع والخيرات (کبیر) اے لاتيناهم بالخير من كل وجه (کشاف) ومعنى فتح البركات عليهم تيسيرها عليهم كما يسرامر الابواب المستغلقة بفتحها (کشاف) اى يسرنا عليهم الخير من كل جانب (روح) ف ۱۳۱ (یعنی خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہوں) نَآئِمُوْنَ۔ نوم سے مراد یہاں غفلت لی گئی ہے۔ اى غافلون عن ذلك (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اَهْلَ الْقُرٰى۔ مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین منکرین اہل مکہ ہیں۔ اى اهل مكة (ابن عباس) المراد بالقرى مكة وماحولها (قرطبی) قيل المرادبهم اهل مكة وما حواليها وهوالاولى عندى والى ذالك ذهب محى السنة (روح) ف ۱۳۲ یعنی خدا اور آخرت کو بھولے دنیا کی غفلتوں اور بدمستیوں میں پڑے ہوں۔ اهل القرى سے مراد یہاں بھی وہی مکہ والے ہیں۔ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا۔ یعنی اُن پر ہمارا عذاب آپڑے جیسا کہ منکرین سابقین پر آچکا ہے ف ۱۳۳ مَكْرَ اللّٰهِ سے مراد عذاب الٰہی ہے جس کی گرفت مجرموں پر عموماً بالکل اچانک ہوتی ہے۔ اى اخذه العبد من حيث لا يشعر (مدارک) اَلْخٰسِرُوْنَ۔ سے مراد محاورۂ قرآنی میں عموماً کافری ہوتے ہیں۔ یہ معنی لے کر آیۃ سے یہ استنباط کیا گیا ہے کہ عذاب الٰہی سے قطعاً بے خوف ہوجانا کفر ہے۔ ف ۱۳۴ یعنی منکرین مکذبین سابق کا انجام دیکھ کر بھی کیا یہ حقیقت ابھی کفار معاصرین پر منکشف نہیں ہوئی ہے؟ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ۔ هداية کا تعدیہ جب ل کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں تبیین کے یعنی روشن وواضح ہوجانے کے انما عدى يهد باللام بمعنى يبين (بیضاوی) لِلَّذِيْنَ...... اَهْلِهَا۔ مراد کفار عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین ہیں يريد كفار مكة ومن حولهم (قرطبی) ف ۱۳۵ (کلام حق وپیام حق کو توجہ والتفات یا ارادۂ قبول سے) قُلُوْبِهِمْ۔ میں ضمیر اُنہی کافروں کی طرف ہے جو عدم ایمان پر جمے ہوئے تھے۔ اى على قلب من لم يرد منه الايمان۔

ف۱۳۶ یہ بیان ہو رہا ہے کافروں کے کمال قساوت قلب اور شدتِ عناد کا کہ جس سے ایک بار یا پہلے وہلہ میں انکار کر بیٹھے اس پر انہیں پھر ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی اور ہر دلیل ہر ثبوت، ہر معجزہ اُن کے ئے بیکار ہی رہا۔ اَلْبَيِّنٰتِ۔ دلائل ومعجزات سب پر حاوی ہے۔ ای الحجج علی صدقهم (ابن کثیر) ای الآیات والمعجزات والعجائب (معالم) ف۱۳۷ (ان کے کفر اختیاری کی بنا)اس اصل کا بیان قرآن مجید میں بار بار آچکا ہے کہ جب بندہ اپنے قصد سے کفر کی راہ اختیار کئے رہتا ہے تو حق تعالیٰ اسے اسی راہ پر جما دیتا ہے اور اُن کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ لمّا علم منهم انهم

كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ

ان سے یہ نہ ہوا کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا دیا تھا اُس پر ایمان لے آتے ف۱۳۶ اسی طرح

اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ

اللہ کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتا ہے ف۱۳۷ اور ہم نے پاس (عہد) ان میں سے اکثر میں

مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

نہ پایا اور ہم نے ان میں سے اکثر کو بس نافرمان ہی پایا ف۱۳۸

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ

پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنے نشانوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس

وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

بھیجا پر اُن لوگوں نے ان (نشانوں) کا حق ادا نہ کیا سو دیکھئے مفسدوں کا کیسا (برا) انجام

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ

ہوا ف۱۳۹ اور موسیٰ نے کہا کہ اے فرعون میں پروردگار عالم کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰۤى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ

پیمبر (ہو کر آیا) ہوں ف۱۴۰ قائم ہوں اسی پر کہ میں کوئی بات

عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ

اللہ پر گڑھ کر نہ کہوں البتہ حق ہی (کہوں گا) میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلا نشان

رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ

لے کر آیا ہوں ف۱۴۱ سو تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے ف۱۴۲ (فرعون) بولا اگر

كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ

تم کوئی نشان لے کر آئے ہو تو اسے پیش کرو اگر تم (اپنے دعوے میں)

ختارون الثبات علی الکفر (مدارک) ف۱۳۸ خطاب پیغمبر سے ہے کہ ن نافرمانوں کی سرشت اور ذہنیت ہمیشہ سے یہی رہی ہے۔ سو آپ ان پر زیادہ غم کریں۔ اکثرهم میں ضمیر الناس (لوگوں) کی طرف ہے، یا امم سابقہ کی رف۔ الضمیر للناس علی الاطلاق یعنی ان اکثر الناس نقضوا هد الله (مدارک) ای لا کثر الامم الماضیة (ابن کثیر) مِنْ عَهْدٍ۔ ہد یہاں وفاء العہد کے معنی میں ہے اور حذف مضاف کی مثالیں قرآن مجید ں بکثرت ملتی ہیں۔ ای من وفاء عهد (بیضاوی) لیکن خود عہد سے یہاں راد کیا ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ مراد عہد یوم میثاق ہے۔ قال ابن عباس یرید وفاء بالعهد الذی عاهد هم الله وهم فی صلب ادم (کبیر) قال ابن سعود العهدهنا عهد الایمان (کبیر) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لوگ مبتلائے صیبت ہو کر ایمان لانے کا عہد کرتے تھے لیکن مصیبت دور ہو جانے پر پھر اسے ھلا دیتے تھے۔ ای ما عهدوا الیه حین کانوا فی ضر ومخافة بیضاوی) مِنْ عَهْدٍ میں من زائد ہے جنس پر دلالت کرنے کے لئے۔ من ائدة وهی تدل علی معنی الجنس (قرطبی) ف۱۳۹ (اسی دنیا میں نانچہ وہ غرق وہلاک ہو کر رہے) من بعدهم میں هم کی ضمیر رسل کی طرف ے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے یا پھر امم کی طرف۔ الضمیر للرسل فی قوله لقد جآء تهم رسلهم اوللامم (مدارک وبیضاوی) ای الرسل المتقدم کرهم (ابن کثیر) فَظَلَمُوْا بِهَا۔ یعنی ان نشانیوں کا حق ادا نہ کیا بلکہ برابر نکار وتکذیب ہی کرتے رہے۔ ان نشانیوں کا حق ادا کرنا یہی تھا کہ اُن پر ایمان لے آتے۔ بِهَا میں ضمیر آیات کی طرف ہے جو دلائل ومعجزات سب کی جامع ہے۔ بِاٰيٰتِنَا۔ ای بحججنا ودلائلنا البینة (ابن کثیر) باٰیتنا ای ادلتنا (معالم) فِرْعَوْنَ پر حاشیے سورۂ بقر رکوع ۵ میں گزر چکے۔ آیت سے تکلمین نے استدلال کیا ہے کہ نبی کے لئے کسی امتیازی اور روشن نشان کا ہونا لازمی ہے۔ هذا الاٰیة تدل علی ان النبی لابدله من اٰیة ومعجزة بها یمتاز عن غیره (کبیر) ف۱۴۰ مصر کا یہ فرعون قاہر تو خود الوہیت اور مظہریت کا مدعی تھا وہ نہ عقیدۂ توحید اور وجود رب العلمین ہی کے ماننے کے لئے تیار تھا اور نہ عقیدۂ رسالت کے یعنی اس ذات مطلق کی طرف سے کسی انسان کے پیامبر ہونے کے! ف۱۴۱ یعنی ایسا معجزہ جو تمہاری سمجھ میں بھی آجائے حَقِيْقٌ عَلٰۤى ...... الْحَقَّ پیمبر کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا وصف اس کی غیر متزلزل وغیر مشتبہ دیانت، اور امانت وراست بازی ہوتی ہے اسی لیے موسیٰ علیہ السلام اپنے متعلق سب سے پہلے اسی کا اعلان فرماتے ہیں حقیقٌ۔ قیل معناه جدیر وقیل واجبٌ (راغب) قَدْ جِئْتُكُمْ۔ صیغہ جمع مخاطب سے مراد کل فرعونی ہیں ف۱۴۲ بنو اسرائیل اصلاً ایک موحد قوم تھی اور اس وقت ایک مشرک تاجدار کے ظلم وستم کی تختۂ مشق بنی ہوئی تھی۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کا پہلا مطالبہ قدرۃً یہی ہے کہ میں ان موحدوں کو اس مشرکانہ وجاہلی فضا سے دور اور الگ لے جا کر ایک الگ خطۂ زمین میں آباد کروں گا۔ آج (۱۳۶۵ھ ۱۹۴۶ء میں) ہندوستان میں جو تحریک ایک مستقل اور جداگانہ اسلامی آبادکاری کی پاکستان کے نام سے چلی ہوئی ہے اس تحریک کو خلاف اسلام کہنے والے علماء براہ کرم اس آیت پر خلوئے ذہن کے ساتھ غور فرمائیں۔

الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ

سچے ہو ف۱۴۳ اس پر (موسیٰؑ) نے اپنا عصا ڈال دیا سو وہ دفعۃً ایک صاف اژدہا

مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

بن گیا ف۱۴۴ اور (موسیٰؑ نے) اپنا ہاتھ باہر نکالا سو وہ دیکھنے والوں کے رُوبرو یک بیک خوب روشن تھا ف۱۴۵

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ

قوم فرعون کے سرداروں نے (یہ دیکھ کر) کہا کہ واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر

عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا

ہے ف۱۴۶ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال دے ف۱۴۷ سو بتاؤ تمہاری اب کیا

تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَآئِنِ

صلاح ہے بولے اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دیجیے اور ہرکارے شہروں شہروں

حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَ جَآءَ

بھیجئے کہ وہ آپ کے پاس سارے ماہر جادوگر لے آئیں ف۱۴۸ اور جادوگر

السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْۤا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا

آ گئے فرعون کے پاس (اور) بولے ہم کو کوئی (بڑا) انعام تو ضرور ہی ملے گا اگر

نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

ہم غالب آگئے ف۱۴۹ (فرعون نے) کہا ہاں (ضرور) اور تم (ہمارے) مقربوں میں (داخل) ہو جاؤ گے ف۱۵۰

قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِىَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ

وہ (ساحر) بولے اے موسیٰؑ یا تو تم (پہلے) ڈالو یا

نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا

ہم ہی ڈال چلیں ف۱۵۱ (موسیٰؑ نے) کہا تم ہی ڈالو ف۱۵۲ پھر جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی

ف۱۴۳ مشرکوں کی سمجھ میں بجائے عقلی دلائل اور شہادت ضمیر و وجدان کے مادی معجزات ہی زیادہ آسانی سے آتے ہیں اور وہ فرمائشیں ہمیشہ مادی معجزہ و خارق عادت ہی کی سب سے بڑھ کر کرتے رہتے ہیں ف۱۴۴ یہ خیال رہے کہ مصر قدیم میں سانپ ایک مقدس جانور سمجھا جاتا تھا۔ جیسے ہندوستان میں گائے بلکہ ہندوستان میں تو خود سانپ بھی مقدس سمجھا جاتا ہے اور ہندوؤں میں سانپ کی پوجا کا دن "ناگ پنچمی" بڑے دھوم سے منایا جاتا ہے۔ ثُعْبَانٌ کہتے ہیں ایک بڑے اور موٹے قسم کے سانپ یا اژدر کو۔ الحية الضخم الذكر وهو اعظم الحيات (قرطبی) الثعبان الحية الضخمة الذكر فى قول جميع اهل اللغة (کبیر) عصائے موسوی جسامت کے لحاظ سے ایسا ہی ہوگا۔ باقی جہاں اس کی تیز رفتاری کا اظہار مقصود ہے وہاں قرآن مجید اس کے لیے جان لایا ہے۔ امکان اس کا بھی ہے کہ وہی عصا کہیں ثعبان بن جاتا ہو اور کہیں جانٌّ۔ توریت میں یہ واقعات درج ہیں مگر حسب معمول بڑے خلط ملط کے ساتھ، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ۔ یعنی اژدر بھی ایسا جس کے اژدر ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اى حية لا لبس فيها (قرطبی) لايشك فيه انه ثعبان (کشاف) یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ تبدیل حقیقت ہو جاتی تھی خیالی قصہ نہ تھا۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۱۴۵ لِلنّٰظِرِيْنَ۔ سے کوئی نظر بندی کا شبہ نہ کرے کیوں کہ یہ تاکید ہے اس کے واقعی بیاض کی، جیسے کہا کرتے ہیں کہ کھلی آنکھوں لوگوں نے دیکھا اور انقلاب حقائق کا محال ہونا جو فلاسفہ میں مشہور ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ حقائق ثلاثہ یعنی وجوب وامتناع وامکان ایک دوسرے کی طرف منقلب نہیں ہوتے ورنہ عناصر کا استحالہ کون نہیں دیکھتا۔" (تھانوی) نَزَعَ يَدَهٗ۔ یعنی اپنا ہاتھ گریبان سے باہر نکالا۔ ف۱۴۶ مصر کا جادو قدیم سے مشہور چلا آتا ہے۔ اُس وقت مصر علوم سحر و کہانت کا مرکز تھا۔ ف۱۴۷ (اور خود اپنی حکومت یہاں قائم کرے) دنیا پرستوں کی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی اہل حق اغراض دنیوی سے بالاتر ہو کر خالصۃ للہ بھی کام کر سکتا ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے طریق حق کو ایک باطل کی صورت میں ظاہر کیا۔ یہی حال اہل باطل کا ہے کہ عوام کو اہل حق سے نفرت دلانے کے لیے اُن کے حق کو برے برے عنوان سے ظاہر کرتے ہیں۔ ف۱۴۸ ارکان دربار و مشیران سلطنت نے مشورہ یہ پیش کیا کہ موسیٰ و ہارون کو سردست مہلت دے دی جائے اور اس درمیان میں قلم رو بھر میں سرکاری ہرکاروں کے ذریعہ سے منادی کرا کے ماہرین فن جادوگروں کو جمع کر لیا جائے۔ اَرْجِهْ۔ یعنی انہیں روکے رکھیے، ٹالے رکھیے۔ يقال ارجاته وارجيته اى اخرته وقال ابن عباس اخره (قرطبی) ف۱۴۹ مشورہ پر عمل ہوا اور اب بیان اس کے نتائج کا ہو رہا ہے۔ لَاَجْرًا میں تنوین اجر کی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ التنكير للتعظيم (کشاف) ف۱۵۰ یعنی مال و جاہ ہر طرح کے انعام و اعزاز سے سرفراز کیے جاؤ گے۔ ف۱۵۱ اب بیان ایک دوسرے منظر کا ہو رہا ہے۔ مقابلہ کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے۔ اس تاریخ پر سب میدان میں جمع ہوئے ہیں۔ قرآن مجید شعر بلیغ کی طرح درمیانی مضامین کی جو از خود سمجھ میں آ سکتے ہیں صراحت نہیں کرتا۔ انہیں چھوڑ کر دوسری منزل بیان کر دیتا ہے۔ ساحر اس وقت تک موسیٰ علیہ السلام نبی کو بھی اپنے ہی طرح کا ایک ماہر فن ساحر سمجھ کر گویا کہہ رہے ہیں کہ مقابلہ ہمارے تمہارے فن کا تو اب ہو ہی رہا ہے۔ اب یہ بتلاؤ شروع کون کرے گا؟ کرکٹ کی اصطلاح میں پہلی اننگز (innings) کس کی ہوگی؟ ف۱۵۲ احقاق حق کے لیے مقابلہ معجزہ سے سحر کا تو بہر حال ناگزیر تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قدرۃً وہ شق اختیار کی جس میں احقاق حق کا پہلو زیادہ قوی و نمایاں تھا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقصود اس سے خود اذن نہیں بلکہ اذن کو ان کے کفر کے ابطال اور اپنے معجزہ کے اثبات کا ذریعہ بنانا تھا۔ ایسی ہی مصلحت سے بعض اوقات شیوخ ایسے امر میں اذن دیتے ہیں کہ اس کا ظاہر معصیت ہوتا ہے مگر اس آخر میں اس میں کوئی مصلحت دینی ہوتی ہے اور وہی مصلحت ان کو مقصود ہوتی ہے۔

و۱۵۳ ساحر اپنے فن کے ماہر تھے اور انہوں نے پورا ثبوت اپنے کمال فن کا دے دیا۔ فَلَمَّآ اَلْقَوْا۔ یعنی جب ساحروں نے زمین پر اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو ڈال دیا۔ سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ۔ اور اس اثر سے وہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی طرح لہراتی دکھائی دینے لگیں۔ یہ نظر بندی اور آنکھوں کی مسحوریت سحر ہی کی قسم ہے۔ قرآن ساحروں کے کرتب کے سلسلہ میں تبدیلی حقیقت کا مدعی نہیں اور یہ دعویٰ کہ یہ لاٹھیاں یا رسیاں واقعی سانپ بن گئی تھیں۔ اور سحر نے بھی وہی کر دکھایا جو معجزہ کا حاصل تھا۔ قرآن کا نہیں، البتہ توریت کا ہے۔ چنانچہ مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادوؤں سے ایسا ہی کیا

أَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ

آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور بڑا جادو

عَظِيْمٍ ﴿١١٦﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ

کر دکھایا و۱۵۳ اور ہم نے وحی کی موسیٰ کو کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجیے سو یک بیک اس نے ان کے گڑھے ہوئے

فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿١١٧﴾ ۚ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ

(شعبدہ) کو نگلنا شروع کر دیا و۱۵۴ سو حق (کا حق ہونا) ظاہر ہو گیا اور جو کچھ وہ (ساحر) کرتے رہے تھے

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٨﴾ ۚ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا

سب ضائع ہو کر رہا و۱۵۵ سو وہ لوگ وہیں ہار گئے اور ذلیل ہو کر

صٰغِرِيْنَ ﴿١١٩﴾ ۚ وَ اُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿١٢٠﴾ ۚ قَالُوْٓا

رہے و۱۵۶ اور ساحر سجدے میں گر پڑے (اور) بولے

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢١﴾ ۙ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿١٢٢﴾

کہ ہم تو ایمان لے آئے (سارے) جہانوں کے پروردگار پر (وہی جو) پروردگار ہے موسیٰ اور ہارون کا و۱۵۷

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ

فرعون بولا تم ایمان لے آئے بغیر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں ہو نہ ہو

هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ

یہ ایک چال ہے جو شہر میں تم چلے ہو تاکہ تم اس (شہر) سے یہاں والوں کو

اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٢٣﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ

نکال دو و۱۵۸ سو تم کو ابھی (حال) معلوم ہوا جاتا ہے میں تمہارے ہاتھ

وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٢٤﴾

اور تمہارے پیر اُلٹی طرف سے کاٹے ڈالتا ہوں پھر تم سب کو سولی پر ٹانگ کر رہوں گا و۱۵۹

کہ اُن میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا عصا پھینکا۔ اور وہ سانپ ہو گیا۔ (خروج۔ ۷:۱۱، ۱۲) قرآن کے شارحین تو سب اُسے خیال بندی ہی کے معنی میں لیتے ہیں ای خیّلوا لهم وقلبوها عن صحة ادراكها (قرطبی) اروها بالحيل والشعوذة وخيلوا اليها ما الحقيقة بخلافه (کشاف) ای خيلوا الى الابصاران ما فعلوه له حقيقة فى الخارج ولم يكن الاّ مجرد صنعة وخيال (ابن کثیر) ای صرفوا اعينهم عن ادراک حقيقته ما فعلوه من التمويه والتخييل وهٰذا هو السحر (معالم) معجزہ حق دیکھیے کہ بائبل کے محققین کا فیصلہ آج توریت کی روایت کے حق میں نہیں۔ قرآنی بیان کی تائید میں ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی کی تفسیر القرآن۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الناس کے تحت میں موسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں چنانچہ انہیں بھی دھوکا لگا جیسا کہ سورۂ طٰهٰ میں ہے يُخَيَّلُ اِلَيْهِ۔ تو اس سے امور ذیل مستنبط ہوئے۔ (۱) خوارق سے دھوکا نہ کھانا، اس لیے کہ یہ تو اہل باطل سے بھی صادر ہو سکتے ہیں۔ (۲) سحر کی ایک قسم خیال میں تصرف کرنا بھی ہے اور اسی میں مسمریزم داخل ہے (۳) ایسی چیزوں سے متاثر ہو جانا کمال باطنی کے منافی نہیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام بھی خائف ہوئے (۴) اہل حق کا ایسے امور پر یا ان کے ابطال پر قادر ہونا ضروری نہیں۔ و۱۵۴ (اژدہا بن کر) مَا يَاْفِكُوْنَ۔ کا فاعل السحرة (جادوگر ہے) اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ۔ یعنی اپنا عصا ڈال دیجیے جیسا کہ اس سے پیشتر بھی کئی موقعوں پر ڈال چکے ہیں و۱۵۵ (جیسا کہ اکثر دنیا میں حق و باطل کے تصادم کے موقعوں پر ہوتا رہتا ہے) آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو حق تھا وہ ظاہر بھی حق ہو کر اور جو باطل تھا اُس کے بطلان کا بھی عملی ظہور ہو کر رہا۔ و۱۵۶ یہ مغلوبیت اور ذلت ظاہر ہے کہ علاوہ ساحروں کے ساری فرعونی پارٹی کے حصہ میں آئی تھی اِنْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ۔ انقلب ہمیشہ رجع ہی کا مترادف نہیں ہوتا۔ صار کے معنیٰ میں بھی آتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔ ای صاروا اذلاء (روح) و۱۵۷ یعنی ہم تو شرک و مخلوق پرستی کے گورکھ دھندے سے نکل آئے۔ ہم نے دین توحید اختیار کر لیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی ہم تصدیق کر رہے ہیں ساحروں کو اب اس کا احساس ہو گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جو کچھ ہے وہ سحر و طلسم سے کہیں بلند تر کوئی اور ہی چیز ہے۔ اور اسی احساس نے انہیں سجدے میں گرا دیا۔ سٰجِدِيْنَ۔ لازمی نہیں کہ سجدہ یہاں اصطلاحی معنیٰ میں ہو، ہو سکتا ہے کہ جادوگروں کا محض جھک جانا اور اطاعت اختیار کر لینا مراد ہو۔ وحمل السجود على الخضوع اى انهم خضعوا (روح) و۱۵۸ (اور موسیٰ وہارون علیہما السلام سے سازش کر کے اپنی حکومت قائم کر لو) قبل سے مراد ہمیشہ پیشتر ہی نہیں ہوتا۔ "بغیر" بھی مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں آیا ہے لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ۔ (کہف) یا اس حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اللّٰهم ارزقنى عينين هطالتين تسقيان القلب بذروف الدمع من خشيتک قبل ان تكون الدموع دماً والا ضراس جمرًا و۱۵۹ سولی کی سزا قدیم قوموں خصوصاً قدیم مصریوں میں عام تھی ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مِنْ خِلَافٍ۔ مثلاً داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ اور داہنا پاؤں۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ

وہ بولے (خیر) ہم اپنے پروردگار ہی کے پاس تو لوٹیں گے ف۱۶۰ اور تو آخر ہمیں کیوں سزا دے رہا ہے

اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ

بجز اس کے کہ ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جب وہ ہم تک پہنچیں اے ہمارے پروردگار ہمارے اوپر

عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ

صبر (کے مشکیزے) انڈیل دے اور ہماری جان اسلام (ہی) پر نکال، ف۱۶۱ اور قوم فرعون

قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَ قَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا

کے سردار بولے کیا آپ موسیٰؑ اور ان کی قوم کو (یوں ہی) چھوڑے رہیں گے کہ وہ ملک میں فساد

فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ

پھیلاتے پھریں اور موسیٰؑ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑے رہیں ف۱۶۲ وہ بولا (نہیں جی) ہم ابھی ان کے

وَ نَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ

لڑکوں کو قتل کرتے ہیں اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے، اور ہم ان پر (ہر طرح) غالب ہی ہیں، ف۱۶۳ موسیٰؑ

مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ

نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ (ہی) کا سہارا رکھو اور صبر کیے رہو زمین

الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ

اللہ ہی کی ہے وہ جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے اس کا مالک بنا دیں

وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ

اور انجام کار خدا سے ڈرنے والوں ہی کے ہاتھ رہتا ہے ف۱۶۴ (وہ لوگ) کہنے لگے ہم تو تمہارے آنے سے

تَاْتِيَنَا وَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ

قبل بھی مصیبت میں رہے اور تمہارے آنے کے بعد بھی ف۱۶۵ (موسیٰؑ نے) کہا کہ عنقریب تمہارا پروردگار

ع ۱۴ / ۱۸

ف۱۶۰ (تو اس سزا اور موت سے ہمیں ڈراتا کیا ہے؟) اللہ اللہ، ایمان باللہ بھی ذہن کے اندر کیسا انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ یہ ساحر وہی ہیں کہاں تو ابھی اپنا کمال فن دکھانے کے لئے مال و جاہ، انعام و اکرام کے طالب تھے۔ اور کہاں اب سر فروشی پر بے تکلف آمادہ ہو گئے ف۱۶۱ خاتمہ بالخیر کی دعا کرتے رہنا خاص شیوۂ مومنین ہے۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا۔ یعنی ہم کو صبر سے اتنا بہرہ ور کر کہ ہم ہر سختی پر ثابت قدم رہیں۔ باوجود کمال عزم و ہمت اپنے عزم و ہمت پر تکیہ نہ کرنا اور اللہ ہی سے مدد چاہے جانا خاص شعار مومنین ہے۔ ف۱۶۲ یعنی آپ موسیٰ علیہ السلام کو اس کی آزادی برابر دیے رہیں گے کہ وہ خوب آپ کی، آپ کے دین کی، آپ کے دیوتاؤں کی جتنی چاہیں توہین کریں اور موسیٰ علیہ السلام اور قوم اسرائیل سلطنت میں انقلاب و بغاوت پھیلاتے رہیں؟ يَذَرَكَ۔ لِيُفْسِدُوْا۔ میں ابھی ابھی ضمیر جمع غائب کی گزر چکی ہے اب ضمیر واحد غائب کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے — گویا ملکی انقلاب میں تو ساری قوم اسرائیل شریک اور مجرم ہے۔ باقی مذہبی بغاوت کے کرتا دھرتا موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اٰلِهَتَكَ۔ فرعون خود تو سورج دیوتا کا اوتار تھا ہی۔ اور اس کے علاوہ بھی مصر کے دین شرک میں بہت سے دیوی دیوتا موجود تھے۔ ف۱۶۳ (سو جو انتظام ہم کرنا چاہیں بے تکلف کر سکتے ہیں) سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ۔ یعنی ہم پھر وہی طریقے انسداد شر و فساد کے اختیار کریں گے جو ولادت موسیٰ علیہ السلام سے قبل کر چکے ہیں۔ ف۱۶۴ (سو دنیوی عارضی حاکمیت ہرگز کوئی معیار مقبولیت و حقانیت کا نہیں) یہاں یہ اہم حقیقت صاف ہو گئی کہ حکومت کا کوئی لازمی تعلق مقبولیت سے نہیں۔ بلکہ وہ مصالح تکوینی کے تابع ہے نہ یہ ضرور ہے جو حاکم ہے وہ مقبول ہی ہو، اور نہ یہ ضرور ہے کہ جو مقبول ہے وہ حاکم ہی ہو۔ محکومیت، مقبولیت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ دونوں کے درمیان منافات نہیں ف۱۶۵ بنی اسرائیل کے اس شکوہ سے متعلق ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ قَالُوْٓا کے فاعل یعنی یہ کہنے والے بنی اسرائیل ہی تھے۔

يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ

تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تم کو زمین کا حاکم بنا دے گا

فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع وَ لَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ

پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسا عمل کرتے ہو ف۱۶۶ اور ہم نے فرعون والوں کو

فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ

قحط سالی میں اور پھلوں (کی پیداوار) کی کمی میں پکڑا تاکہ وہ

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ج

تنبیہ حاصل کریں ف۱۶۷ لیکن جب ان پر خوشحالی آتی تو کہتے یہ تو ہمارے لیے ہی ہے

وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ ط

اور اگر انہیں بدحالی پیش آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے ف۱۶۸

اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

سنو جی! ان کی نحوست تو بس اللہ ہی کے علم میں ہے لیکن ان میں سے اکثر (اتنی موٹی بات بھی)

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ قَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ

نہ جانتے ف۱۶۹ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ تم کیسا ہی نشان ہمارے سامنے لاؤ

لِّتَسْحَرَنَا بِهَا لا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا

جس سے ہم کو مسحور کرنا چاہو ہم تو تم پر ایمان لانے کے نہیں ف۱۷۰ پھر ہم نے ان پر

عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ

بلا نازل کی اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک

وَ الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ قف فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا

اور خون (یہ سب) جدا جدا نشان تھے ف۱۷۱ مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی

ع ۱۵ / ۵

ف۱۶۶ (اور اپنے فرائضِ خلافتِ ارض کہاں تک انجام دیتے ہو) سو دیکھنے اور فکر رکھنے کی اصل چیز انسان کے اپنے اعمال ہیں نہ کہ انسان کا موقف تکوینی فِي الْاَرْضِ۔ ارض کا لفظ عام ہے۔ مخصوص ارض مصر ہی مراد نہیں شام فلسطین کہیں بھی بنی اسرائیل کا آزاد و خود مختار حاکم ہوجانا اس وعدہ کے ایفاء و تحقق کے لئے کافی ہے عسیٰ۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی میں شک واحتمال نہیں رہتا بلکہ یقین اور وعدہ پیدا ہوجاتا ہے۔ عسٰى من الله واجب (قرطبی) عن ابن عباس كل عسٰى فى القرآن فهى واجبة الافى موضعين (ابوالبقاء) عَسٰى۔۔۔۔۔۔ فِي الْاَرْضِ۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیۃ اس پر دلالت کررہی ہے کہ کافروں کا مغلوب اور مومنوں کا غالب ہونا ایک نعمت عظیم ہے۔ پس ترک دنیا کے یہ معنی نہیں کہ مومن کافروں کے ہاتھ میں بلا کسی عذر و مجبوری کے ذلت وخواری کے ساتھ پڑا رہے ف۱۶۷ یہ اس وقت پیش آیا جب فرعون اور فرعونی حکومت کی طرف سے انکار و مخالفت بڑھتی ہی گئی بِالسِّنِيْنَ۔ سنين۔ سنة۔ کی جمع ہے جس کے معنی محض سال کے ہیں لیکن محاورۂ زبان میں اس کا اطلاق قحط والے سال پر ہوتا ہے اور وہی یہاں مراد ہے يعنى الجدوب وهذا معروف فى اللغة (قرطبی) عبارة عن الجدب واكثر ما يستعمل فى الحول الذى فيه الجدب (راغب) لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۔ غایت اس نافرمان وسرکش قوم کے ابتلاء کی بھی اس کی اصلاح ہی تھی ف۱۶۸ (بجائے اس کے کہ اسے اپنی تکذیب وبدعملی کا نتیجہ سمجھ کر تائب ہوتے اور ان واقعات وحوادث سے عبرت کا سبق حاصل کرکے اپنی اصلاح کرتے) فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ۔ یعنی اسے تمام تر اپنی خوش بختی خوش تدبیری پر محمول کرتے۔ بجائے اس کے کہ اسے اللہ کی طرف سے نعمت سمجھ کر توحید وطاعت کی راہ اختیار کرتے ف۱۶۹ یعنی یہ بدبخت اپنی بدنصیبیوں اور محرومیوں کو موسیٰ علیہ السلام کے سر تھوپتے حالانکہ یہ موٹی سی بات ہے کہ ان کے اعمال کفریہ اللہ پر روشن تھے۔ اور ان کی دنیوی محرومیاں انہی اعمالِ کفریہ کا وبال تھیں۔ انما سبب شؤمهم عند الله وهو عملهم المكتوب عندهٗ (کشاف) ف۱۷۰ جب حق کے مقابلہ میں ضد وعناد حد سے بڑھ جاتا ہے اور انسان ہر صورت میں مخالفت ہی کی ٹھان لیتا ہے تو اس مسخ شدہ ذہنیت میں مبتلا ہوکر ہر سیدھی سی سیدھی بات اور صاف سی صاف دلیل سے اسی طرح انکار کرسکتا ہے۔ بجنسہ یہی ذہنیت جاہلین عرب کی دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے عناد میں رہی اور جاہلین فرنگ کی آج تک چلی آرہی ہے۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن سے روشن اور پاکیزہ سے پاکیزہ واقعات کو اس طرح توڑ مروڑ کر کے پیش کرنا۔ اُلٹے سے اُلٹے نتیجہ نکالنا یہ خاص الخاص جوہر آج کے "روشن خیال محققین فرنگ" کے ہیں۔ مَهْمَا اصل ما مکرر سے مرکب ہے۔ پہلا ما شرطیہ اور دوسرا ما تاکید کے لیے ہے پھر تکرار کے ثقل سے بچنے کے لئے پہلے ما کا الف ہ سے بدل دیا گیا ہے۔ اصلها ما الشرطيه ضمت اليها ما المزيدة للتاكيد ثم قلبت الفها هاء استثقالًا للتكرير (بیضاوی) خلیل نحوی اور نحوئین بصرہ کی تحقیق یہی ہے۔ هذا قول الخليل والبصريين (کبیر) ف۱۷۱ (قہر خداوندی کے بھی اور صداقت موسوی کے بھی) توریت کی کتاب خروج باب ۷۔۸۔۹ کی مختلف آیتوں میں ان میں سے اکثر عذابوں کا ذکر موجود ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن الْجَرَادَ۔ ٹڈیوں نے مصریوں کی زراعت کو برباد کردیا۔ الْقُمَّلَ۔ مصریوں کے کپڑوں اور جسموں میں یہ گندے کیڑے لپٹ گئے الضَّفَادِعَ۔ مینڈکوں کی ہرجائی افراط نے مصریوں پر کھانا، پانی سب حرام کردیا۔ الدَّمَ دریائے نیل مصریوں کے حق میں خونیں ہوگیا تھا۔ الطُّوْفَانَ۔ عربی میں طوفان ہر شدید وملک گیر حادثۂ ابتلاء کو کہتے ہیں۔ الطوفان كل حادثة تحيط بالانسان (راغب) قال الزجاج الطوفان من كل شیء ما كان كثيرًا محيطًا مطبقًا بالقوم كلهم (کبیر) توریت میں ذکر آتشیں ژالہ باری (اولوں میں لپٹی ہوئی آگ) کا آتا ہے (خروج۔ ۹: ۲۳۔ ۲۷) ہوسکتا ہے کہ الطُّوْفَانَ سے اشارہ اسی جانب ہو۔ عام طور پر مفسرین نے اس سے مراد موت یا وبائی مرض لیا ہے۔ الطوفان هو الموت (کبیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قيل الجدرى وقيل الطاعون (بیضاوی) وجاء من عطاء ومجاهد تفسيره بالموت (روح)۔

مُّجْرِمِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَ لَمَّا وَقَعَ عَلَیْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا

(عادی) مجرم ف۱۷۲ اور جب ان پر کوئی عذاب آ پڑتا تو کہتے کہ

یٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ

اے موسیٰ ہمارے لیے اپنے پروردگار سے دعا کرو جس کا اس نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے ف۱۷۳

كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ

اگر تم ہم پر سے (اس) عذاب کو ہٹا دو تو ہم ضرور تمہارے کہنے سے ایمان لے

مَعَكَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۚ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ

آئیں گے اور ہم تمہارے ہمراہ بنی اسرائیل کو کر دیں گے ف۱۷۴ پھر جب ہم اُن سے عذاب کو

الرِّجْزَ اِلٰۤى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

اسی مدت تک کے لیے ہٹا دیتے جس تک انہیں پہنچنا تھا تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے ف۱۷۵

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا

غرض ہم نے انہیں سزا دے دی اور انہیں سمندر میں ڈبو دیا اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں

بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ

کو جھٹلاتے تھے اور ان کی طرف سے (بالکل ہی) غفلت میں پڑے رہتے تھے، اور ف۱۷۶ ہم نے ان لوگوں کو

الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ

جو کمزور سمجھ لیے گئے تھے اس سرزمین کے پچھم اور پورب کا

وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ

مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھ دی ہے ف۱۷۷ اور آپ کے پروردگار کا

رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ

نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی بنا پر پورا ہو کر رہا

۱۷۲ (کہ اتنے کھلے عجائب قدرت دیکھ کر بھی قائل نہ ہوئے) ف۱۷۳ کہ ہمارے تائب ہو جانے پر وہ اپنے قہر کو ہم سے ہٹالے گا) بما میں ما، الذی کے معنٰی میں ہے ما بمعنی الذی ای بما (ب)ستودعک من العلم (قرطبی) ف۱۷۴ یہ مضمون توریت کی متعدد آیتوں میں ملتا ہے مثلاً: تب فرعون نے موسٰی اور ہارون علیہما السلام کو بلایا اور کہا کہ خداوند سے شفاعت کرو کہ مینڈکوں کو مجھ سے اور میری رعیت سے دفع کرے۔ اور میں اُن لوگوں کو جانے دوں گا تا کہ وہ خداوند کے لئے قربانی کریں۔ (خروج ۸:۸) تب فرعون نے موسٰی اور ہارون علیہما السلام کو بلوایا اور انہیں کہا کہ اس دفعہ میں نے گناہ کیا ہے۔ خداوند عادل ہے میں اور میری قوم گنہگار ہیں۔ خداوند سے شفاعت کرو (کہ بس) کہ آگے کو اس طرح سے نہ گرجے اور اولے نہ گریں تب میں تمہیں جانے دوں گا اور تم اس سے آگے یہاں نہیں رہنے کے (خروج ۹:۲۷۔۲۸) تب فرعون نے موسٰی اور ہارون علیہما السلام کو جلد بلایا اور کہا کہ میں خداوند تمہارے خدا کا اور تمہارا گنہگار ہوں سو اب میں تمہاری منت کرتا ہوں فقط اس مرتبہ گناہ بخشو اور خداوند اپنے خدا سے شفاعت کرو کہ فقط اسی موت کو مجھ سے دور کرے۔ (خروج ۱۰:۱۶۔۱۷) ف۱۷۵ یعنی جب جب وہ عذاب عارضی طور پر اُن سے ٹل جاتا تو معاً اُن کی وہ سرکشی و نافرمانی پھر لوٹ آتی۔ توریت میں یہ مضمون بار بار آیا ہے۔ مثلاً: جب فرعون نے دیکھا کہ مہلت ملی تو اُس نے اپنا دل سخت کیا اور جیسا خداوند نے کہا تھا اُن کی نہ سنی۔ (خروج ۸:۱۵) فرعون نے اس بار بھی اپنا دل سخت کیا۔ ان لوگوں کو ہرگز جانے کی رخصت نہ دی (خروج ۸:۳۲) اس مضمون کی آیتیں کتاب خروج کے باب ۷، ۸، ۹ میں بار بار آئی ہیں باب ۱۱ میں آتا ہے: اور موسٰی اور ہارون علیہما السلام نے یہ عجائب فرعون کو دکھائے اور خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا کہ اس نے اپنے ملک سے بنی اسرائیل کو جانے نہ دیا (خروج ۱۱:۱۰) اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ یعنی اس وقت کے لئے جو علم الٰہی میں ان کی ہلاکت کے لئے مقرر تھا۔ ای الی اجل معین (کبیر) ف۱۷۶ غرق فرعون پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ پارہ اول رکوع ۶ کی تفسیر میں گزر چکے۔ فَانْتَقَمْنَا۔ انتقام کے معنٰی محاورۂ عرب میں عذاب سے کسی نعمت کو سلب کر لینے کے ہیں۔ الانتقام فی اللغۃ سلب النعمۃ بالعذاب (کبیر) فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عقوبت دنیوی کبھی معصیت پر بھی مرتب ہو جاتی ہے بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ۔ اس میں تصریح کر دی کہ سزا کی بناء ان لوگوں کی تکذیب آیات الٰہی اور ان کی طرف سے اعراض تھا۔ عَنْهَا میں ضمیر ایات کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ اور نقمت کی طرف بھی جو فَانْتَقَمْنَا کا مدلول ہے۔ الکنایۃ عائدۃ الی الأیات وھو اختیار الزجاج (کبیر) قیل انھا عائدۃ الی النقمۃ (کبیر) غٰفِلِیْنَ۔ غفلت سے یہاں وہ کیفیت قلب مراد نہیں جو انسان کے اختیار کے باہر ہے بلکہ اعراض اختیاری مراد ہے۔ المراد بالغفلۃ ھنا الاعراض عن الأیات وعدم الالتفات الیھا فھم اعرضوا عنھا حتی صاروا کا لغافلین (کبیر) فانتقمنا میں ف اس پر دلالت کر رہی ہے کہ یہ سزا انہیں مسلسل گستاخانہ عہد شکنیوں کے بعد دی گئی۔ ف۱۷۷ (ظاہری و باطنی، مادی و روحانی دونوں قسم کی) مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا۔ یعنی سرزمین شام جس کی آبادیاں دریائے یردن کے مشرقی و مغربی دونوں ساحلوں پر ہیں۔ المراد بارکنا فیھا بالخصب وسعۃ الارزاق وذالک لا یلیق الابارض الشام (کبیر) الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ۔ ظاہر ہے کہ مراد بنی اسرائیل ہیں۔ علاقہ شام پر بنی اسرائیل کا پورا قبضہ چند نسلوں بعد حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کے زمانہ میں ہوا۔

وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا

اور جو کچھ فرعون اور اس کی قوم نے تیار کیا تھا اور جو جو اونچی (عمارتیں) بنائی تھیں ان (سب) کو ہم نے

كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ

ملیا میٹ کر دیا۔ ف۱۷۸ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے

الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ

پار اتار دیا پھر وہ ایسے لوگوں پر گزرے جو اپنے بتوں کو لیے بیٹھے تھے

قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ

(اس پر بنی اسرائیل) کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایک دیوتا ایسا ہی بنا دیجیے جیسے ان کے (یہ) دیوتا ہیں

اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ

(موسیٰ نے) کہا واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے ف۱۷۹ یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ ہو کر

فِیْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ

رہے گا اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ بھی (بالکل) باطل ف۱۸۰ (موسیٰ نے) کہا کیا میں اللہ کے سوا

اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾

کسی (اور) کو تمہارا معبود تجویز کر دوں درآنحالیکہ وہ تم کو دنیا جہان والوں پر فضیلت دے چکا ہے ف۱۸۱

وَ اِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی تھی جو تم کو سخت عذاب میں

الْعَذَابِ ۚ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ

ڈالے ہوئے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے

وَ فِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۱۴۱﴾ۧ وَ وٰعَدْنَا

اور اس میں تمہارے لیے تمہارے پروردگار کی طرف سے سخت آزمائش تھی۔ ف۱۸۲ اور ہم نے وعدہ کیا

ف۱۷۸ مَا كَانَ یَصْنَعُ سے مراد عمارتیں ہیں۔ یرید المصانع (کبیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ما کانوا یعملون ویسوّرون من العمارات وبناء القصور (کشاف) وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ۔ سے بھی مراد وہی اونچی عمارتیں ہیں۔ قال ابوعبیدة یبنون (راغب) یرفعون الابنیة المشیدة فی السماء (کبیر) یہ فرعون مغروق اپنے شوق تعمیرات کے لئے تاریخ میں مشہور بھی ہوا ہے وما کانوا یعرشون کے دوسرے معنی فرعون کے لگائے ہوئے باغ اور چمن بھی ہو سکتے ہیں۔ ای ما کانوا یعرشون من الجنات (کبیر) كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی۔ میں وعدہ نیک، فرعون کی غلامی سے آزادی حاصل ہونے اور خودمختاری کا تھا و معنی تمام الکلمة الحسنی انجاز الوعد الذی تقدم باهلاک عدوّهم واستخلافهم فی الارض (کبیر) بِمَا صَبَرُوْا۔ یعنی یہ مرتبے جو کچھ حاصل ہوئے انہیں صبر ہی کی بنا پر نصیب ہوئے۔ انما حصل ذالک التمام بسبب صبرهم (کبیر) ف۱۷۹ کہ توحید جیسی بے نظیر نعمت سے مشرف ہو کر بت پرستی جیسی لعنت پر گرتے ہو) وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ۔ یعنی جب بنی اسرائیل بحر احمر کے شمالی سرے کو عبور کر کے جزیرہ نمائے سینا میں قدم رکھ چکے۔ اس پر حاشیہ سورۂ بقرہ رکوع ۶ میں گزر چکا۔ قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤی اَصْنَامٍ لَّهُمْ۔ یہ قوم ممکن ہے کہ عمالقہ کی ہو اور ممکن ہے کہ بنی لخم ہو۔ بہرحال تھی کوئی بت پرست قوم اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا۔ بنی اسرائیل کی اس بیہودہ فرمائش سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید پرستی ان کے دل میں بالکل ہی نہیں اتری تھی اور جیسے وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ معبود سازی اپنے اختیار و انتخاب کی چیز ہے اور قومی سردار و رہبر کے بس میں ہے کہ وہ جب اور جسے چاہے اپنی قوم کے لیے معبود قرار دیدے عجب نہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ میں اس جانب بھی اشارہ ہو کہ تمہاری سمجھ میں اتنی موٹی سی بات ہی نہیں آتی! کیا معبود ٹھہرا دینا میرے یا کسی کے اختیار کی بات ہے؟ ف۱۸۰ یعنی ان کا یہ شغل بت پرستی بجائے خود بھی باطل ہے اور انجام کار اس کے حق میں خدائے قادر و قدوس کی طرف سے تباہی و بربادی بھی ہے۔ تم آخر کیا ایسوں کی تقلید کی طرف جا رہے ہو؟ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل باطل کے ساتھ تشبّہ تو دنیوی عادات میں بھی مذموم ہے چہ جائیکہ رسوم عبادت وغیرہ میں! ف۱۸۱ (بہ حیثیت علمبردار توحید کے حضرت علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شرک تو کسی قوم کے لیے کسی حال میں بھی جائز نہیں چہ جائیکہ تمہارے لیے جو شروع سے توحید کے حامل اور علمبردار بنا کر بھیجے گئے ہو، افضلیت بنی اسرائیل پر حاشیے سورۂ بقرہ، پارۂ اول رکوع ۵، ۶ میں گزر چکے۔ ف۱۸۲ ان سب واقعات پر حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۶ میں گزر چکے۔

مُوسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ

موسیٰ سے تیس شبوں کا پھر ان کا تکملہ دس (اور راتوں) سے کیا سو موسیٰ کے

رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ

پروردگار کی مدت چالیس شب کی پوری ہوئی ف۱۸۳ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے

اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ

کہا کہ میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور اصلاح کرتے رہنا اور مفسدین کی روش پر

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ

نہ چلنے لگنا ف۱۸۴ اور جب موسیٰ ہمارے وقت (موعود) پر آگئے اور ان سے ان کا پروردگار

رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ

ہم کلام ہوا ف۱۸۵ موسیٰ بولے اے میرے پروردگار مجھے اپنے کو دکھلا دیجیے (کہ) میں آپ کو ایک نظر دیکھ

وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ

لوں، ف۱۸۶ (اللہ نے) فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے البتہ تم (اس) پہاڑ کی طرف دیکھو، سو اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا

فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا

تو تم بھی دیکھ سکو گے ف۱۸۷ پھر جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو (تجلی نے پہاڑ کو) ریزہ ریزہ

وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ

کر دیا، ف۱۸۸ اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے، ف۱۸۹ پھر جب انہیں افاقہ ہوا تو بولے تو پاک ہے

تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ يٰمُوسٰۤى

میں تجھ سے معذرت کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں ف۱۹۰ (اللہ نے) فرمایا اے موسیٰ

اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۟ۖ

میں نے تمہیں انسانوں پر اپنی پیامبری اور اپنے کلام کے ذریعہ سے ممتاز کیا ف۱۹۱

ف۱۸۳ ان چالیس شبوں پر حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۶ میں گزر چکے۔ اب وقت وہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل مصر سے نکل کر آزاد خود مختار ہو چکی ہے اور اب اس قوم کے لئے ایک دستور شریعت نازل ہونے کو ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو لینے کے لیے کوہ طور پر طلب کئے گئے ہیں پہاڑ پر ایک چلہ کی مدت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خاص ریاضتوں کے ساتھ قیام کیا لَيْلَةً۔ میں دن اور رات دونوں شامل ہیں۔ اور لفظ لَيْلَةً۔ ہی سے استنباط کیا گیا ہے کہ شریعت میں معتبر تاریخ کا وہی حساب ہے جو بجائے دن کے رات سے کیا جائے دلت الاية علی ان التاريخ يكون بالليالی دون الايام (قرطبی) اور جو تقویم قمری حساب سے قائم ہوگی اس میں رات کی یہ اہمیت ویسی ہی قدرتی ہے جیسی تقویم شمسی میں دن کی اہمیت۔ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہی عدد اصل ہے صوفیہ کے ہاں کے چلہ کی جس کی برکتیں مشاہد ہیں۔ ف۱۸۴ (جیسا کہ مجھے اپنے وسیع تر تجربہ کی بنا پر حق حاصل ہے کہ تمہیں اپنی غیر حاضری کے زمانہ کے لئے انتظامی اُمور میں مفصل احکام وہدایت دے جاؤں) اُخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ۔ حضرت ہارون علیہ السلام تو خود نبی تھے۔ ان کی یہ جانشینی بہ حیثیت نبی نہیں، بہ حیثیت اعلیٰ سردار قوم کے تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں نبوت کی جانشینی سونپ کر نہیں جا رہے ہیں بلکہ بہ حیثیت نائب سردار اپنا جانشین بنا رہے ہیں اور اسی کے متعلق ہدایات بھی دے رہے ہیں — یہ نیابت وخلافت اسی طرح کی تھی جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے باہر کسی غزوہ وغیرہ میں جاتے تو انتظامی اُمور کی باگ کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے، کبھی حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے اور کبھی کسی اور صحابی کے ہاتھ میں دے جاتے اس کو خلافت نبوت سے کوئی تعلق نہیں۔ اُخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اصل ہے شیوخ کے اس عمل کی کہ مریدوں کو اپنے خلفاء کے سپرد کر دیتے ہیں۔ ف۱۸۵ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے جناب باری سے ہم کلامی کا یہ دوسرا موقع ہے۔ ایک بار اس سے قبل عطائے نبوت کے وقت کوہ طور پر ہی اس شرف سے مشرف ہو چکے تھے گو اس وقت کلام اس حد تک بے واسطہ اور براہ راست نہیں ہوا تھا جیسا کہ نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ۔ سے اشارہ ہو رہا ہے۔ لِمِيْقَاتِنَا۔ میں ل اختصاص کا ہے۔ اى لوقتنا الذی وقتناه واللام للاختصاص (روح) ف۱۸۶ (اپنی انہی مادی آنکھوں سے) ایک پیمبر جلیل القدر کی زبان سے یہ درخواست بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ رویت باری مادی آنکھوں سے عقلاً محال وممتنع نہیں۔ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول فرط اشتیاق سے مغلوب ہو کر تھا۔ ف۱۸۷ اصل درخواست کا جواب لَنْ تَرٰىنِيْ۔ پر ختم ہو گیا۔ یعنی اس ناسوتی دنیا میں اپنی مادی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے ہو اور یہ جواب اس ناسوت میں رویت باری کے امتناع شرعی کی دلیل ہے گویا بہ طور اصول کے یہ حقیقت بتا دی گئی کہ انسان اپنی ترکیب جسمانی کے اعتبار سے ضعیف البنیان ہے۔ اس کے قوائے ظاہری اس عالم عنصری میں رویت جمال باری کی تاب نہیں لا سکتے۔ اصل جواب تو وہیں ختم ہو گیا آگے مزید شفقت وکرم سے ایک موقع حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عملی تجربہ اور اطمینان قلب کا اور دیا جا رہا ہے۔ اور ارشاد ہو رہا ہے کہ اچھا دیکھو پہاڑ جو ظاہری ومادی اعتبار سے انسان سے کہیں زیادہ قوت رکھتا ہے۔ اس پر ہم اپنی تجلی کی ایک جھلک ڈالے دیتے ہیں۔ اگر وہ اسے برداشت کر لے گیا تو تمہارے لیے بھی برداشت کرنا ممکن ہوگا — پیمبر بھی آخر جسمانی قویٰ وہی رکھتا ہے جو دوسرے انسان رکھتے ہیں۔ ف۱۸۸ (اور اس سے یہ عیاناً ظاہر ہو گیا کہ بصر بشری میں رویت جمال باری کا تحمل نہیں) جَعَلَهٗ دَكًّا۔ ضمیر ہٗ سے مراد پہاڑ کا وہ خاص حصہ ہے جس پر بہ اختیار خود تجلی فرمائی گئی تھی۔ تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ۔ یعنی جو حجابات نور خداوندی کو بہ ارادہ خداوندی آج نظر خلائق سے محجوب کئے ہوئے ہیں وہ پہاڑ کے حق میں کسی قدر اور کسی حد تک مرتفع کر دیئے گئے۔ ف۱۸۹ (اپنے سے جسماً کہیں قوی تر پہاڑ کی یہ حالت مشاہدہ کر کے) حضرت کی غشی کی وجہ اغلباً یہ ہوئی کہ محل تجلی (پہاڑ) سے آپ بھی گونہ تعلق وتلبس رکھے ہوئے تھے۔ ف۱۹۰ (ذاتی تجربہ کے بعد تیرے اس ارشاد پر کہ "مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے"۔ (لن ترانی) بانک لاترٰی فی الدنيا لوعدک السابق فی ذلک (قرطبی) فَلَمَّاۤ اَفَاقَ۔ یعنی جب آپ کے ہوش بجا ہوئے۔ الافاقة رجوع العقل والفهم الی الانسان بعد ذها بهما عنه (روح) سُبْحٰنَكَ۔ یعنی تو پاک اور منزہ ہے۔ اس سے کہ عالم ناسوت میں انسانی حاسۂ بصر کی گرفت میں آسکے۔ تُبْتُ اِلَيْكَ۔ یعنی اپنی اس مشتاقانہ وبے تابانہ درخواست پر معذرت کرتا ہوں۔ قال مجاهد من مسألة الرؤية فی الدنيا (قرطبی) یہ خیال رہے کہ توبہ ہمیشہ معصیت ہی سے نہیں ہوتی۔ ہر نامناسب درخواست سے بھی ہو سکتی ہے۔ اور وہی یہاں مراد ہے۔ واجمعت الامة علی ان هذه التوبة ما كانت من معصية (قرطبی) مذہب اہل سنت میں رویت باری اس دنیا میں عقلاً بالکل جائز ہے۔ صرف شرعاً ممتنع ہے۔ ف۱۹۱ (سو تمہارے لئے یہ امتیازات خاصہ کچھ کم ہیں؟) بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ۔ دونوں کے درمیان عطف مغایرت لا کر گویا ادھر بھی اشارہ کر دیا کہ رسول اور کلیم دو مختلف منصبوں کے نام ہیں۔ اور ہر رسول کے لئے کلیم ہونا لازمی نہیں۔

فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَ كَتَبْنَا لَهٗ

سو اب لو جو کچھ میں نے تم کو عطا کیا ہے اور شکر گزاروں میں سے رہو ؁۱۹۲ اور ہم نے ان کو تختیوں پر

فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا

ہر چیز لکھ دی نصیحت اور تفصیل ہر چیز سے

لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ

متعلق ؁۱۹۳ تو انہیں قوت کے ساتھ پکڑ لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ

يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اس کے اچھے اچھے (احکام) کو لازم کر لیں ؁۱۹۴ عنقریب میں تم لوگوں کو نافرمانوں کا مقام دکھا دوں گا ؁۱۹۵

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ

میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کو پھرا ہوا ہی رکھوں گا جو روئے زمین پر ناحق تکبر کرتے

بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ

رہتے ہیں ؁۱۹۶ اور اگر یہ ساری نشانیاں (بھی) دیکھ لیں جب بھی ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر

يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ

ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تو اسے (اپنا) راستہ نہ بنائیں اور اگر

يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اسے (اپنا) راستہ بنا لیں یہ (ساری برگشتگی) اس سبب سے ہے کہ انہوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ

ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان کی طرف سے اپنے کو غافل رکھا ؁۱۹۷ اور جن لوگوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ

ہماری نشانیوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا ان کے اعمال اکارت گئے

؁۱۹۲ (بہ خلاف اپنی ناشکری قوم کے) مَآ اٰتَيْتُكَ۔ کے عموم میں رسالت ہم کلامی اور شریعت توریت سب آگئے۔ ؁۱۹۳ یعنی مسائل واحکام دین سے متعلق ہر ضروری تفصیل ان میں درج کردی گئی۔ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ سے ساری دنیا کی چیزیں مراد نہیں بلکہ وہی احکام ومسائل دین مراد ہیں۔ اى ممايحتاج اليه فى دينه من الاحكام (قرطبی) ولاشبهة فيه انه ليس على العموم بل المراد من كل ما يحتاج اليه موسٰى وقومه فى دينهم (کبیر) مِنْ یہاں مزیدہ ہے نہ کہ تبعیضیہ من مزيد لا تبعيضية (روح) لَهٗ۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے۔ الْاَلْوَاحِ۔ انہی لکھی ہوئی تختیوں کا نام توریت پڑا۔ اجمال کی کسی قدر تفصیل خود توریت میں ہے:۔ اور موسیٰ پھر کر پہاڑ سے اتر گیا اور شہادت کے دونوں تختے اس کے ہاتھ میں تھے اور وہ تختے لکھے ہوئے تھے دونوں طرف ادھر اور اُدھر لکھے ہوئے تھے اور وہ تختے خدا کے کام سے تھے اور جو لکھا ہوا سو خدا کا لکھا ہوا اور اُن پر کندہ کیا ہوا تھا۔ (خروج ۳۲:۱۵) مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ جار ومجرور سے بدل ہے یعنی مواعظ وتفصیل احکام میں سے ہر چیز وبدل من الجار و المجرور اى كتبنا له كل شىء من المواعظ وتفصيل الاحكام والى هذا ذهب غير واحد من المعربين (روح) ؁۱۹۴ یعنی اس کے سارے احکام کو، کہ اچھے تو اُس کے سب ہی احکام ہیں۔ خُذْهَا بِقُوَّةٍ۔ یعنی اے موسیٰ (علیہ السلام) کوشش واہتمام کے ساتھ اُن پر عمل کرو۔ ؁۱۹۵ (اے قوم اسرائیل) خطاب ابھی صیغۂ واحد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا اب صیغۂ جمع میں امت موسوی سے ہو رہا ہے۔ الْفٰسِقِيْنَ۔ سے مراد سرکش وبے دین عمالقہ ہیں جو اُس وقت تک ارض کنعان پر قابض تھے۔ اٰيَةٍ کو بشارت کے معنی میں بھی لیا جاسکتا ہے کہ عنقریب تمہیں تمہارے دشمنوں کے ملک پر قابض ومالک کر دیا جائے گا۔ اى سيورثهم ارض اعدائهم ودبارهم (کبیر) اور عبرت کا پہلو بھی نکل سکتا ہے کہ تم اپنے دشمنوں کے ملک میں داخل ہو گے۔ اُن کے انجام سے عبرت حاصل کرو گے چنانچہ قتادہ تابعی سے یہی معنی مروی ہیں فادخلكم الشام واريكم منازل الكافرين الذين كانوا متوطنين فيها من الجبابرة والعمالقة لتعتبروا بها (کبیر) ؁۱۹۶ (اور دنیا میں تکبر کا حق کسی کو بھی نہیں پہنچتا اس لیے تکبر جہاں کہیں بھی ہوگا ناحق ہی ہوگا) یعنی ایسے لوگ قصداً راہ کبر وانانیت اختیار کئے ہوئے ہیں، انہیں کبھی بھی قبول حق کی توفیق نہ ہوگی اور یہ برابر راہ حق سے برگشتہ ہی رہیں گے۔ یہ نہ ہوگا کہ ایسے لوگوں کو تکوینی طور پر قبول حق پر مجبور کر دیا جائے۔ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ یعنی یہ راہ کبر وگردن کشی خود ان گردن کشوں کے معیار سے بھی سرتا سر مہمل وباطل ہے۔ ؁۱۹۷ معاندین حق کی یہ نفسیت آج تک برابر چلی آرہی ہے۔ نیک سے نیک نمونے ان کے لیے بے اثر رہتے ہیں اور بدی کی ہر مثال ان کے لیے ایک سند اور نظیر کا کام دینے لگتی ہے۔ ساری آیت ان کے قساوت قلب کی ترجمان ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۔ آخر میں اس حقیقت کو اور زیادہ صراحت سے بیان کر دیا کہ ان گردن کشوں پر یہ خدائی پھٹکار آپ ہی آپ نہیں ہے۔ بلکہ یہ سارا وبال خود اُنہی کی ارادی عدول حکمیوں، کج اندیشیوں اور نخوت پسندیوں کا ہے۔ ذلک مجازاة من تكبرهم (قرطبی) كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ یعنی ہمارے تکوینی نشانوں اور تشریعی احکام کی انہوں نے بالقصد محض اپنے عناد سے تکذیب کی۔ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۔ یعنی ہمارے ان نشانوں پر غور سے کام ہی نہ لیا اور قصداً اُن سے اعراض کئے رہے۔ غفلة۔ یہاں نادانستہ بے خبری ولاعلمی کے معنی میں نہیں دانستہ اعراض کے معنی میں ہے۔

هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٧﴾ وَ اتَّخَذَ

اور ان کو بدلہ اسی کا ملے گا جو کچھ کہ وہ کرتے رہے ہیں ف١٩٨ اور موسیٰ کی

قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا

قوم نے ان کے (جانے کے) بعد ایک بچھڑا اپنے زیوروں سے بنایا (یعنی)

جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ

ایک قالب جس کے اندر ایک آواز تھی ف١٩٩ کیا اُن کو یہ تک نہ سوجھا کہ وہ نہ تو اُن سے بات کرسکتا تھا

وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿١٤٨﴾

اور نہ انہیں کوئی راہ بتلاسکتا تھا اسی کو انہوں نے (معبود) بنالیا اور بڑا ہی ظلم (اپنے حق میں) کر بیٹھے ف٢٠٠

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا

اور جب وہ نادم ہوئے اور محسوس کیا کہ وہ بڑی گمراہی میں پڑ گئے تو بولے

لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحمت نہ کرے اور ہماری مغفرت نہ کردے تو ہم تو بالکل گھاٹے

الْخٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ

میں پڑ گئے ف٢٠١ اور جب موسیٰ غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے اپنی قوم

غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ

کے پاس واپس آئے تو بولے تم (لوگوں) نے میرے پیچھے بہت ہی بری

بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ

حرکت کی، کیاتم نے اپنے پروردگار کے حکم (آنے) سے پہلے ہی جلد بازی کرلی ف٢٠٢ اور تختیاں تو (ایک طرف)

وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ

ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بال) پکڑ کر لگے انہیں اپنی طرف گھسیٹنے ف٢٠٣ (ہارون نے) کہا اے

ف١٩٨ یعنی یہ سزا اُن کو خواہ مخواہ ہرگز نہ ملے گی۔ تمام سزا اُن کا کفر ہی اس کا مقتضی ہوگا۔ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔ یہ سزا انہیں قیامت میں پہنچ کرلے گی۔ جن جن اعمال پر انہیں دنیا میں بھروسہ اور ناز تھا قیامت میں دیکھیں گے تو وہ سب کے سب صفر محض! اُن کی کوئی وقعت کوئی قیمت ہی نہیں، ایمان سے خالی۔ اس لئے ہر اجر سے خالی۔ صحیح مقصد تو اُن کا تھا ہی نہیں پھر نتیجہ بھی نیک کیسے نکلتا۔ ف١٩٩ اس نئے معبود زرین کی کیفیت یہ تھی کہ وہ محض ایک جسد تھا، بے جان، ایک قالب تھا، بے روح، ایک جسم، حیات سے معرّیٰ، بس اُس میں سے ایک آواز نکلتی تھی جیسے گوسالہ بھیں، بھیں کرتا ہے۔۔۔ اور ایسی آوازیں تو مٹی کے کھلونوں تک میں صنعت سے پیدا ہو جاتی ہیں، گراموفون وغیرہ اعلیٰ آلات صناعی کا ذکر ہی نہیں۔ یہ بچھڑا سچ مچ کا نہیں بن گیا، وہی چاندی سونے کا رہا تھا جیسا کہ محققین سلف نے کہا ہے۔ کان جسداً من ذهب لا روح فيها كان يسمع منه صوت (معالم) مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر توریت کے لینے کو تشریف لے گئے تو اُن کی چہل روزہ غیر حاضری سے فائدہ اُٹھا کر اسرائیلیوں نے پہلے تو ایک بچھڑے کی سنہری مورت بنائی جس کے اندر سے آواز بھی نکلتی تھی، اور پھر اس کی پرستش شروع کردی۔ مِنْ حُلِيِّهِمْ۔ یہ زیور وہ تھے جو اسرائیلیوں نے مصر سے اپنے کوچ سے قبل قبطیوں سے حاصل کئے تھے۔ توریت میں ہے:۔ ”اور انہوں نے مصریوں سے روپے کے برتن اور سونے کے برتن اور کپڑے عاریت لیے۔ اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ انہوں نے انہیں عاریت دی۔ (خروج ١٢: ٣٥، ٣٦) یہ زیور تو اصلاً قبطیوں یا فرعونیوں کے تھے۔ اور قرآن مجید یہاں ان کی نسبت اسرائیلیوں کی جانب کر رہا ہے۔ اس سے فقہاء مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ کافر کا مال جب مسلم کے قبضے میں آجائے تو اُس سے کافر کا حق ملکیت زائل ہو جاتا ہے۔ فيه دليل على ان الاستيلاء على اموال الكفار يوجب زوال ملكهم عنها (مدارک) اِتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى۔ ”قوم موسیٰ علیہ السلام“ کی یہ تصریح موجودہ توریت محرف کی تردید میں ہے جس نے گوسالہ سازی کی ساری ذمہ داری حضرت ہارون علیہ السلام کے سر ڈال دی ہے۔ (خروج باب ٣٢) ف٢٠٠ کیسی شدید حماقت وجہالت تھی ایسے بے بس و بے قدرت کو اپنا معبود بنا لینا! اِتَّخَذُوْهُ۔ توریت میں ہے:۔ ”انہوں نے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے نکال لایا“۔ (خروج ٣٢: ٤) ”انہوں نے اپنے لیے ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور اُسے پوجا اور اُس کے لیے قربانی ذبح کرکے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے چھڑا لایا“ (خروج ٣٢: ٨) اَلَمْ يَرَوْا۔۔۔۔۔۔ سَبِيْلًا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حجت شرعی کے سامنے خوارق سے دھوکا کھانا سفاہت ہے۔ ف٢٠١ یہ ندامت واستغفار کا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد کا ہے، جس کا ذکر ابھی آگے آتا ہے۔۔۔ آیت نمبر ١٤٨ کے بعد متصل سلسلۂ بیان کے لحاظ سے آیت نمبر ١٥٠ کو پڑھا جائے یہ آیت نمبر ١٤٩ بہ طور جملہ معترضہ کے ہے، اور قرآن مجید کا عام اسلوب بلاغت ہی یہ ہے کہ واقعات کی تقدیم وتاخیر کا اعتبار کئے بغیر وہ نتائج اور عبرتوں کو درمیان کلام میں لے آتا ہے۔ سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ۔ محاورہ میں اس کے معنی نادم ہونے کے ہیں۔ یعنی الندم (راغب) تقول العرب لكل نادم على امر قد سقط في يديه (معالم) قال ابو عبيدة يقال لمن ندم على امر و عجز عنه سُقِط في يده (بحر) يقال للنادم المتحير قد سقط في يده (قرطبی) سقط الندم قاله الازهري والنحاس وغيرهما (قرطبی) ف٢٠٢ یعنی میں تو احکام شریعت ہی لینے گیا تھا کم از کم اُنہی کا انتظار کرلیا ہوتا! رَجَعَ۔ غَضْبَانَ اَسِفًا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ابھی طور ہی پر تھے کہ آپ کو وحی الٰہی سے یہ حال معلوم ہو گیا۔ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں مذکور ہے۔ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ۔ یعنی یہی کہ توحید چھوڑ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ ف٢٠٣ (کہ تم نے یہ کیا غضب کیا اور اس بے ہودگی کو کیسے روا رکھا!) وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ۔ توریت میں ذکر تختیوں کے ”توڑ ڈالنے“ کا ہی ہے:۔ ”اور یوں ہوا کہ جب وہ لشکر گاہ کے پاس آیا اور بچھڑا اور ناچ راگ دیکھا تب موسیٰ علیہ السلام کا غضب بھڑکا اور اس نے تختے اپنے ہاتھوں سے پھینک دیئے اور پہاڑ کے نیچے توڑ ڈالے“۔ (خروج ٣٢: ١٩) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سارے افعال غیرت توحید کے جوش اور بے خودی میں سرزد ہوئے اس لیے نہ اُن پر گرفت کی جاسکتی ہے اور نہ یہ افعال دوسروں کے لیے ارادے کے بعد سند ونظیر کا کام دے سکتے ہیں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غضب چونکہ تمام تر للہ تھا اس پر دوسروں کے غصے کا قیاس نہیں کرسکتے جس میں نفس کا واسطہ شامل ہوتا ہے اور اُس کی مثال یہ ہے کہ جو سکر حرام سے پیدا ہوا اُسے شارع نے عذر نہیں قرار دیا ہے۔ بعض جاہل صوفیہ نے ان اعمال موسوی کو اپنے حالت تواجد میں کپڑے پھاڑ ڈالنے کو سند ونظیر بنانا چاہا ہے محققین نے لکھ دیا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق سرتاسر لغو وباطل ہے۔ كيف تقاس احوال الانبياء على احوال هؤلاء السفهاء وقد سئل ابن عقيل عن تواجدهم وتخريق ثيابهم فقال خطاء وحرام (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ معاملہ حضرت ہارون علیہ السلام سے اپنے اس اجتہاد کی بناء پر کیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام سے کوتاہی واقع ہوئی تھی، حالانکہ کوتاہی واقع نہیں ہوئی تھی تو جب پیمبر برحق کے اجتہاد کا مطابق واقع ہونا ضروری نہیں تو شیوخ غیر معصومین سے غلطی کا صدور کیوں ممکن نہیں۔ امام ابن جریر طبری کا شمار اکابر ومشاہیر میں ہے لیکن غلطی سے معصوم بہرحال وہ بھی نہیں اپنی تفسیر میں طویل روایت قتادہ تابعی کے حوالے سے اس مفہوم کی بھی نقل کردی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (معاذ اللہ) اتنا غصہ اس پر آیا کہ ان الواح میں مدح وستائش اُن کی اُمت کی نہیں بلکہ ایک دوسری امت (امت محمدی) کی درج تھی۔ ایسی روایت ایک معمولی صالح ومتقی انسان کے لئے بھی قابل قبول نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ کلیم اللہ جیسے جلیل القدر واولوالعزم پیمبر کے متعلق! اور مقام

مسرت ہے کہ دوسرے محققین نے ایسی بے اصل روایت کی پوری طرح پردہ دری کردی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ظاهر السياق انه انما القى الالواح غضبًا على قومه وهذا قول جمهور العلماء سلفًا وخلفًا وروى ابن جرير عن قتادة فى هذا قولًا غريبًا لايصح اسناده الى حكاية قتاده وقدرده ابن عطية وغير واحد من العلماء وهو جدير بالرد وكانه تلقاه قتادة عن بعض اهل الكتاب وفيهم كذابون ووضاعون وافاكون وزنادقة.

سیاق کلام کھلا ہوا کہہ رہا ہے کہ آپ نے جو تختیوں کو پٹخا ہے تو اپنی قوم پر غضبناک ہو کر پٹخا ہے اور یہ قول جدید و قدیم اہل علم کا متفقہ ہے اور وہ جو ابن جریر نے اس سلسلہ میں قتادہ سے ایک عجیب قول نقل کیا ہے اس کی سند بھی قتادہ تک نہیں پہنچی۔ اور ابن عطیہ اور دوسرے علماء نے اس کی پوری طرح تردید کردی ہے اور وہ تردید ہی کا مستحق ہے عجب نہیں جو وہ روایت قتادہ کو اہل کتاب سے پہنچی ہو جن میں بڑے بڑے زندیق اور جھوٹے لپاڑیئے پڑے ہوئے تھے۔

اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ کَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖ فَلَا

میرے ماں جائے (قوم کے) لوگوں نے مجھے بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ہی ڈالیں ف۲۰۴

تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ

سو میرے اوپر دشمنوں کو نہ ہنسوایئے اور مجھے (ان) ظالم لوگوں کے زمرے میں نہ داخل

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِاَخِیْ وَ اَدْخِلْنَا

کیجیے ف۲۰۵ (موسیٰ نے اب) کہا کہ اے میرے پروردگار مجھ سے اور میرے بھائی سے درگزر کر، اور ہم دونوں کو

فِیْ رَحْمَتِكَ ۖ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ اِنَّ

اپنی رحمت (خاص) میں داخل کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے، ف۲۰۶ بیشک

الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ

جن لوگوں نے گوسالہ کو (اپنا معبود) بنا لیا ہے۔ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے

رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی

غضب اور ذلت بہت جلد پڑے گی (اسی) دنیا کی زندگی میں اور ہم تہمت گڑھنے والوں کو ایسی ہی

الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَ الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا

سزا دیا کرتے ہیں ف۲۰۷ اور جن لوگوں نے گناہوں کے کام کیے پھر اُن کے بعد انہوں نے

مِنْۢ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْۤا ۫ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ

توبہ کرلی اور ایمان لے آئے (تو) بیشک تمہارا پروردگار اس کے بعد (اُن کے حق میں) بڑا مغفرت والا ہے،

رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَ لَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ اَخَذَ

بڑا رحمت والا ہے ف۲۰۸ اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو انہوں نے تختیوں کو

الْاَلْوَاحَ ۖ وَ فِیْ نُسْخَتِهَا هُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ

اٹھا لیا اور اس نسخہ (توریت) میں ہدایت و رحمت تھی، ان لوگوں کے لیے

اور علامہ قرطبی نے لکھا ہے:-

ولا التفات لماروى عن قتادة ان صح عنه ولا يصح...... وهذا قول ردئ لا ينبغى ان يضاف الى موسىٰ عليه السلام.

قتادہ کے حوالہ سے جو روایت بیان کی گئی ہے وہ صحیح ہو بھی تو قابل التفات نہیں لیکن وہ صحیح ہی نہیں...... وہ روایت بالکل لغو ہے اس قابل ہی نہیں، کہ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب منسوب کیا جائے۔

ف۲۰۴ حضرت ہارون علیہ السلام اپنی صفائی میں کہتے ہیں کہ اے میرے پیارے بھائی میری بات تو سن لیجیے میں نے اپنی والی بہت کوشش کی لیکن یہ ظالم و سرکش جب خدا کے خلاف گردن کشی میں باک نہیں رکھتے تو میری کیا پروا کرتے میری ایک نہ چلنے پائی بلکہ جب میں نے زیادہ روک ٹوک کرنا چاہا تو اُلٹے مجھ سے بغاوت پر آمادہ ہو گئے، میری جان بچ گئی یہی بہت ہے۔ کہاں عصمت انبیاء کا یہ قرآنی مقام اور کہاں توریت کی یہ تصریحات کہ اس بت پرستی کے بانی و باعث ہی معاذ اللہ حضرت ہارون علیہ السلام تھے! اتنا فرق دونوں کتابوں میں ہے بلکہ قرآن کی زبان سے یہ تفصیلات بھی کچھ غیر ضروری سی معلوم ہو رہی ہیں۔ جب تک توریت میں درج کی ہوئی فرد جرم سامنے نہ ہو نیز ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ابْنَ اُمَّ۔ محاورۂ عرب میں انتہائی شفقت دلانے کے موقعہ پر آتا ہے۔ كلمة لين وعطف (قرطبى) وتخصيص الام بالذكر للترقيق (روح) ف۲۰۵ توریت کے بیانات کے پیش نظر اور اُن کی تردید کے لئے ان سب فقروں کا اضافہ ضروری تھا۔ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ۔ یعنی آپ میرے اوپر بلا قصور اتنی سختی کر رہے ہیں اس سے دشمنوں کو ہنسنے اور طعنہ زنی ہی کا موقع ملے گا ف۲۰۶ حضرات انبیاء سے بڑھ کر رحمت الٰہی کا قدر شناس اور اندازہ دان اور کون ہو سکتا ہے۔ صحیح صورت حال کا علم ہوتے ہی معاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ استغفار و مناجات میں مشغول ہو گئے۔ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِاَخِیْ۔ درخواست مغفرت اپنے ہی لیے نہیں اپنے اُن بھائی کے لیے بھی ہے، جن پر ابھی یہ تشدد ہو رہا تھا! اپنے لئے تو استغفار اس امر پر کہ غیرت توحید سے بے خود ہو کر قبل تحقیق ہارون علیہ السلام نبی پر اتنی سخت گیری کیوں شروع کردی تھی۔ اے فيما اقدمت عليه من هذا الغضب والحدة (كبير) بما صنعت باخى (بيضاوى) اور حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے استغفار اس امر پر کہ دفع فتنہ پر پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے۔ اے فى تركه التشديد العظيم على عبدة العجل (كبير) توهمًا بانهٗ قصّر فى كفهم (بيضاوى) بھائی کو اپنی دعائے مغفرت کے ساتھ ملا لینا اس لئے بھی تھا کہ وہ ان سے خوش ہو جائیں اور اس لئے بھی کہ ان پر سے شماتت دفع ہو جائے۔ ضمه الى نفسه فى الاستغفار ترضية له ودفعًا للشماتة عنه (بيضاوى) ف۲۰۷ یہ اسی گوسالہ پرستی کے سلسلہ میں سارا کلام حق تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ (ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن) كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ۔ یعنی مفتری دنیا میں بھی مغضوب و ذلیل ہو کر رہتے ہیں۔ گو کسی خاص حکمت سے کسی خاص عارض کے باعث اس کا ظہور دیر میں ہو یا بالکل نہ ہو، مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دنیا میں ذلت کبھی سزائے معصیت کے طور پر بھی ہوتی ہے۔ ف۲۰۸ یہ عام قاعدہ غفر و رحمت کا بیان کر دیا کہ گنہگار و منکر کو زندگی بھر مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ خدائے اسلام اُن بے رحم و خونخوار دیوتاؤں کی طرح نہیں جو معاف کرنا کسی حال میں جانتے ہی نہیں۔ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا۔ میں ضمیر ھا توبہ و تجدید ایمان کے لیے ہے۔

هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَ اخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ

جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ف۲۰۹ اور موسیٰؑ نے اپنی قوم سے ستر مرد

سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

انتخاب کیے ہمارے وقت موعود کے لیے ف۲۱۰ پھر جب انہیں زلزلہ نے آ پکڑا ف۲۱۱

قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَ اِيَّايَ ؕ

تو (موسیٰؑ نے) کہا کہ اے میرے پروردگار اگر تجھے (یہی) منظور تھا تو تو نے اس کے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیا

اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا

ہوتا تو کیا تو ہمیں اس (حرکت) پر ہلاک کر دے گا جو ہم میں سے (چند) بیوقوفوں

فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ

نے کی ف۲۱۲ یہ تو بس تیری طرف سے آزمائش ہے، ان (آزمائشوں) سے تو جس کو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور

تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَاَنْتَ

جس کو چاہے ہدایت پر قائم کر دے، ف۲۱۳ تو ہی ہمارا کارساز ہے ہماری مغفرت کر ہم پر رحم کر اور تو ہی

خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا

بہترین مغفرت کرنے والا ہے ف۲۱۴ ہمارے حق میں بھلائی لازم کر دے اس دنیا میں (بھی)

حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ

اور آخرت میں (بھی) ہم تو تیرے ہی آگے جھک گئے ہیں ف۲۱۵ (اللہ نے) فرمایا

عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ

اپنا عذاب میں اسی پر واقع کرتا ہوں جس کے لیے چاہتا ہوں اور میری رحمت تو ہر چیز پر پھیلی

كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ

ہوئی ہے ف۲۱۶ سو اسے ان لوگوں کے لیے تو ضرور ہی لازم کر دوں گا جو خوف خدا رکھتے ہیں اور زکوۃ

ف۲۰۹ (اور اس خوف خدا کی بنا پر اس نسخہ ہدایت سے فائدہ اٹھانا بھی چاہتے ہیں) سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا عذر معقول سن کر قدرۃً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جوش غضب فرو ہو جاتا ہے۔ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ۔ لفظ قرآنی الواح ہے یعنی نفس تختیاں نہ کہ ان کے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے۔ اس سے ضمناً یہ بھی نکل آیا کہ تختیاں سالم تھیں ٹوٹ نہیں گئی تھیں۔ وظاھر ھذا یدل علی ان شیئا منھا لم ینکسر ولم یبطل (کبیر) فِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ۔ یعنی اس نسخہ کے مضامین ہدایت سے بھرے ہوئے اور رحمت کی طرف لے جانے والے تھے۔ ف۲۱۰ یعنی وقت معین پر اپنے ہمراہ کوہ طور پر لے جانے کے لیے۔ یہ حاضری دوبارہ تھی یا یہ اسی پہلی حاضری کی مزید تشریحات ہیں؟ توریت میں ذکر کسی دوسری میقات کا نہیں اور ہمارے یہاں کے عام مفسرین کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ کوئی دوسرا واقعہ نہیں بلکہ نزول توریت کے وقت کی اس حاضری کا ذکر ہے۔ لیکن قرآن پاک میں ایک دوسری آیت فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ۔ (سورۂ نساء) نیز خود اسی رکوع کی ترتیب مضامین ظاہراً اس خیال کی منافی ہے واللہ اعلم۔ ف۲۱۱ (اور وہ ستر کے ستر مردہ یا نیم مردہ ہو کر رہ گئے) اس پر حاشیہ سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۶ میں گزر چکا۔ قول جمہور یہ ہے کہ یہ لوگ واقعۃً مر گئے تھے پھر دوبارہ زندہ کئے گئے۔ والکثیر علی انھم ماتوا جمیعاً ثم احیاھم اللہ تعالیٰ (روح) لیکن ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ صرف بیہوش ہو گئے تھے پھر ہوش میں لائے گئے۔ قیل غشی علیھم ثم افاقوا (روح) ف۲۱۲ یعنی گستاخی کا اور تجھے عیاناً دیکھنے پر اصرار کا جرم تو ہم میں سے ایک محدود جماعت نے کیا ہے کہیں یہ تھوڑے ہی ہو سکتا ہے کہ تو اس کے پاداش میں ہم سب کو ہلاک کر دے! اَتُهْلِكُنَا۔ یہ استفہام، استفہام استعظام کہلاتا ہے مفہوم یہ ہے کہ تو ہرگز ایسا نہ کرے گا۔ قال المبرد المراد بالاستفھام استفھامُ استعظامٍ کانہ یقول لاتھلکنا (قرطبی) لَوْ شِئْتَ۔ یعنی اگر تجھے مصالح تکوینی کے اعتبار سے یہی منظور ہوتا۔ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَ اِيَّايَ۔ یعنی میری اور ان لوگوں کی ہلاکت سے قصہ ہی ختم ہو گیا ہوتا نہ میری بدنامی ہوتی اور نہ قوم مجھ سے بدگمان ہو کر مجھ سے انتقام لینے کی فکر میں پڑتی! لیکن تو نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا اہلاک بالذات مقصود نہیں۔ ف۲۱۳ (اور وہ تیری حکمتوں اور مصلحتوں کا اور زیادہ قائل ہو جائے) تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ۔ تو جسے اپنی مشیت تکوینی کے لحاظ سے چاہے گمراہ کر دے اور وہ تیرے شکوہ و شکایت اور ناشکری میں لگ جائے۔ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ۔ یہ تو تیری طرف سے ایک آزمائش ہے، جس سے مقصود مجرموں کو سزا دینا ہے، نہ کہ ساری قوم کو ہلاک کر دینا۔ ف۲۱۴ (سو تو اگر مجرموں اور خطا کاروں پر بھی مغفرت و رحمت کی نظر کر دے تو کیا بعید ہے) اَنْتَ وَلِيُّنَا۔ تو ہی ہمارا کارساز و کفیل ہے، اور ہمیں تیری ہی کارسازی اور چارہ فرمائی پر بھروسہ ہے ف۲۱۵ (اخلاص و اطاعت کے ساتھ) وَاكْتُبْ لَنَا۔ کے معنی لازمی طور پر یہ نہیں کہ قید کتابت میں لے آ، یا ہمارے لیے تحریر کر دے، بلکہ یہ ہیں کہ ہمارے حق میں لازم و مقرر کر دے، محاورۂ عرب میں کتابۃ کے یہ معنی عام ہیں، ای اوجب لنا والکتابۃ تذکر بمعنی الایجاب (کبیر) والبت لنا (کشاف) ویعبر عن الاثبات والتقدیر والایجاب والفرض والعزم بالکتابۃ (راغب) هُدْنَآ اِلَيْكَ۔ یعنی ہم تیرے آگے رجوع و توبہ کے ساتھ حاضر ہو رہے ہیں۔ قال المفسرون ای تبنا و رجعنا الیک (کبیر) ف۲۱۶ یعنی میرے قانونِ رحمت کے ماتحت معاملہ تو مجرم و غیر مجرم نیک و بد سب ہی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ البتہ قانون مکافات و مجازات کا عمل خاص خاص افراد کے ساتھ ہوتا ہے۔

الزَّكٰوةَ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٦﴾ اَلَّذِيْنَ

دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں ف۲۱۷ جو لوگ

يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ

اُس اُمی رسول و نبی کی پیروی کرتے ہیں ف۲۱۸ جسے وہ اپنے ہاں لکھا ہوا

مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ

پاتے ہیں ف۲۱۹ توریت اور انجیل میں ف۲۲۰ انہیں وہ نیک کاموں کا

بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ

حکم دیتا ہے اور انہیں برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزیں جائز

الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ

بتاتا ہے اور اُن پر گندی چیزیں حرام رکھتا ہے اور اُن پر سے بوجھ اور قیدیں

اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ

جو اُن پر (اب تک) تھیں اُتارے دیتا ہے ف۲۲۱ سو جو لوگ

اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ

اس (نبی) پر ایمان لائے اور اُس کا ساتھ دیا اور اُس کی مدد کی اور اُس نور کی پیروی کی جو اُس کے ساتھ

اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٥٧﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا

اُتارا گیا ہے سو یہی لوگ تو ہیں جو (پوری) فلاح پانے والے ف۲۲۲ کہہ دیجئے کہ اے

النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ

انسانو! بیشک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف ف۲۲۳ اسی (اللہ) کا جس کی حکومت ہے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ

آسمانوں اور زمین میں سوا اُس کے کوئی معبود نہیں وہی جلاتا ہے

ع ۱۹ ۹

ف۲۱۷ مناجات موسوی کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ میری رحمت تو، بہ طور کلیہ اور اصول کے ہر ایک کے لیے عام ہے تو اُس کا تحقق ان لوگوں کے حق میں کیسے نہ ہوگا (ہوگا اور ضرور ہوگا) جو عقاید و اعمال میں صفاتِ ایمان و تقوی سے آراستہ ہیں۔ فَسَاَكْتُبُهَا۔ میں ضمیر رحمت کی طرف ہے اور س تاکید کے لئے ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ۔ تقوی سے اشارہ اعمالِ قلب کی طرف ہے يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ۔ اس سے اشارہ اعمال جوارح وعبادات کی طرف ہے۔ يُؤْمِنُوْنَ۔ میں اشارہ عقاید کی جانب ہے۔ ف۲۱۸ اَلَّذِيْنَ۔ کا لفظ سب انسانوں کے لیے عام ہے، یہاں خاص اشارہ اہل کتاب کی جانب ہے۔ اُمی سے مراد ان پڑھ بھی ہو سکتا ہے جیسے کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ تھے اور ام القری والا یعنی مکی بھی، اور اُمت والا بھی۔ اور حاصل ان دونوں آخری نسبتوں کا بھی وہی ہے یعنی ان پڑھ ہونا۔ قیل منسوب الی الامة الذين لم يكتبوا لكونه على عادتهم وقيل سمى بذلك لانه لم يكن يكتب ولا يقرء من كتاب و قيل سمى بذلك لنسبته الى ام القرى (راغب) قال الزجاج معنى الامى الذى هو على صفة امته العرب فالعرب اكثرهم ما كانوا يكتبون ولا يقرءون والنبى عليه الصلوة والسلام كان كذلك (كبير) اى الذى لا يكتب ولا يقرأ (روح) ف۲۱۹ "جسے" یعنی جس کی صفات وعلامات کو۔ اى يجد نعته (کشاف) ف۲۲۰ یہاں تک کہ اتنی تحریف وتصحیف کے بعد بھی یہ حوالے مروجہ توریت وانجیل سے اب تک بالکل نہ دھل سکے چنانچہ توریت میں ہے:۔ خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھریو (استثناء ۱۸:۱۵) اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کیا سو اچھا کیا، میں اُن کے لیے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا۔ (استثناء ۱۸:۱۸) دونوں آیتوں میں بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد ظاہر ہے کہ بنی اسمٰعیل ہی ہو سکتے ہیں۔ "خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی"۔ (استثناء ۳۳:۲) آتشی شریعت بھی ہمارے ہی رسول ﷺ کی تھی۔ فتح مکہ کے وقت آپ ہی داخل ہوئے شہر میں دس ہزار پاک نفس صحابہ رضی اللہ عنہم (قدوسیوں) کے جلو میں اور سینا (حضرت موسیٰ علیہ السلام) اور شعیر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی نبوتوں کے بعد فاران سے جو نور نبوت جلوہ گر ہوا وہ بھی ہمارے ہی نبی کا تھا (فاران مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے)" اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اُسے برکت دوں گا اور اُسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اُس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے میں اسے ایک بڑی قوم بناؤں گا، (پیدائش۔ ۱۷:۲۱) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل کے حق میں یہ سارے وعدہ ہمارے رسول ﷺ کی ذات سے جا کر پورے ہوئے ہیں۔ "یہوداہ سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا اور نہ حاکم اُس کے پاؤں کے درمیان سے جاتا رہے گا۔ جب تک کہ وہ نہ آئے جو بھیجا جانے والا ہے اور قومیں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی۔ (پیدائش ۴۹۔۱۰) زیر خط عبارت کا ترجمہ رومن کیتھولک بائبل یعنی Dowey version کے مطابق ہے) دنیا کی مختلف قومیں ہمارے رسول ہی کے عَلَم کے نیچے جمع ہوئیں وہی نبی مرسل تھے۔ اُنہی کے بعد سے یہود کا اقتدار نمایاں اور دیرپا طور پر ختم ہو گیا اور داؤد کے ایک نغمے میں ہے:۔ "میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا پس سارے لوگ ابدالآباد تک تیری ستایش کریں گے" (زبور ۴۵:۱۷) ستایش ہی کو عربی میں محمدت کہتے ہیں اسم محمد ﷺ صاف ترجمہ ہے ستودہ کا۔ "دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا۔ بڑا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا۔ اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے گا اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں (یسعیاہ ۴۲:۱۔۴) یہ میرا بندہ (عبدہٗ ورسولہ) اور میرا برگزیدہ (مصطفیٰ) جس کا "زوال نہ ہوگا" (خاتم النبیین) صاف ہمارے ہی رسول اکرم ﷺ ہیں جن کی شریعت بحری ممالک تک پھیلی ہوئی ہے" نیز ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ اور انجیل میں ہے۔ "یسوع نے اُن سے کہا کہ کیا تم نے کتاب مقدس میں نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی، اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی، اور جو اس پتھر پر گرے گا اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے مگر جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا"۔ (متی ۲۱:۴۲:۴۴) جس پتھر کو اسرائیلیوں (معماروں) نے ہمیشہ رد کیا تھا وہ اسماعیلی تھے آخر میں اسی اسماعیلی نسل کے ایک فرد کو نبوت ملی، اور نبوت بھی اس شان کی کہ یہود، نصاریٰ جو بھی اس سے ٹکرائے چور چور ہو کر رہ گئے یسوع مسیح شہر یروشلم کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ "جب تک عالم بالا پر سے تم کو خوف کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھیرے رہو۔ (لوقا ۲۴:۴۹) جب تک ہمارے حضور کا نزول اجلال نہ ہو لیا تقدس شہر یروشلم ہی کا قیام رہا اور اس کے بعد کعبہ (واقع شہر مکہ) کی جانب منتقل ہوا حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ظہور کے بعد "جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے تو اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے کیا تو ایلیاہ ہے اُس نے کہا میں نہیں ہوں کیا تو وہ نبی ہے اس نے جواب دیا کہ نہیں"۔ (یوحنا ۱:۱۹۔۲۱) "انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے اور نہ ایلیاہ اور نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے"۔ (یوحنا۔ ۱:۲۵) یہ صاف اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ علاوہ مسیح کے ایک اور نبی "وہ نبی" (النبی ﷺ) کی معلوم ومعروف ہستی کا انتظار یہود کو عرصہ سے تھا۔ "پس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں

ن کر کہا بیشک یہی وہ نبی ہے اوروں نے کہا یہ مسیح ہے"۔ (یوحنا۔ ۷: ۴۰) ثبوت مزید اس امر کا کہ علاوہ مسیح کے ایک اور نبی موعود (النبی۔ اس نبی،،) کا انتظار ہو رہا تھا۔ اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ
تمہیں دوسرا مددگار (یا وکیل یا شفیع) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ (۱۴: ۱۶) جب وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف
نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔ (۱۵: ۲۶) یہ ابد تک ساتھ رہنے والا اور حضرت مسیح ؑ کی تصدیق کرنے والا بجز خاتم المرسلین کے جنہوں نے آ کر حضرت مسیح ؑ کی تصدیق کی اور کون ہو سکتا ہے؟ یہ حوالے ان
نام نہاد "اناجیل" اربعہ کے تھے جو مسیحی کلیسا میں آج بھی مسلم ہیں باقی انجیل برنابا تو اس سے کہیں زیادہ اور کھلی ہوئی تصریحات سے لبریز ہے و۲۲۱ یعنی اس کی شریعت تمام رسم و رواج اور سابق شریعتوں کی ناسخ
قران پر حاکم ہے يَاْمُرُهُمْ ...... عَنِ الْمُنْكَرِ۔ چنانچہ جیسا کہ ظاہر ہے شریعت اسلامی جامع ہے تمدن، معاشرت، اخلاق، سیاست، ہر شعبہ حیات میں انفرادی و اجتماعی بہترین احکام وقوانین کی۔ يُحِلُّ ......
الْخَبٰٓئِثَ۔ چنانچہ اسلامی شریعت پر عمل کے بعد کسی بھی گندگی، پلیدی کا اثر باقی نہیں رہ سکتا۔ و۲۲۲ (دنیا آخرت دونوں میں) دنیا میں بہترین دستور حیات و نظام عمل کا مالک اور آخرت میں ہر طرح کی آسائش،
فراغت سے مالا مال۔ اے هم الفائزون بالمطلوب فى الدنيا والاخرة (کبیر) اَلنُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ۔ اس نازل شدہ نور سے مراد ہے قرآن وسنت وهو القرأن وقيل الهدى والبيان

وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ

اور (وہی) مارتا ہے، و۲۲۴ سو ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے اُمی رسول و نبی پر

الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ

جو خود ایمان رکھتا ہے اللہ اور اُس کے کلاموں پر، اور اس کی پیروی کرتے رہو تا کہ تم

تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ

راہ پا جاؤ و۲۲۵ اور موسیٰ کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی ہے کہ (وہ لوگ) حق کے مطابق (دوسروں کو)

بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَ قَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ

ہدایت کرتے ہیں اور (خود بھی) اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں و۲۲۶ اور ہم نے انہیں بارہ خاندانوں

عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى

جماعتوں میں تقسیم کر دیا، و۲۲۷ اور ہم نے موسیٰ کو جب کہ اُن کی قوم نے اُن سے

اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ

پانی طلب کیا وحی کی کہ اپنے (اس) عصا کو (فلاں) پتھر پر مارو

فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ

تو اُس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے (اور) ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا مقام

كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ

معلوم کر لیا و۲۲۸ اور ہم نے اُن پر ابر کا سایہ کر دیا

وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ

اور ہم نے ان پر من و سلویٰ اتارا (اور کہا کہ) پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ

مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

جو ہم نے تم کو دے رکھی ہیں و۲۲۹ اور انہوں نے (کوئی) ظلم ہم پر نہیں کیا بلکہ اپنے ہی اوپر ظلم

والرسالة (کبیر) و۲۲۳ جس میں استثناء نہ کسی قوم و نسل کا ہے نہ کسی ملک و زمانہ کا) آیت ایک محکم و روشن دلیل رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ پر ہے یعنی قرآن کی دعوت عالمگیر ہے، اس کی مخاطب ساری دنیا ہے نہ کہ عرب قوم، یا چھٹی یا ساتویں صدی مسیحی کی دنیا۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ۔ اس طرز خطاب نے صراحت کردی کہ قرآن کے مخاطب سارے آدم زاد ہیں نہ کہ اُن کا کوئی خاص ٹکڑا۔ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ۔ اس نے ایک بار اور صراحت کردی کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ایک قاصد اور سفیر ہیں اور بس، نہ کہ اس کے مظہر یا اوتار، یا اُس کے فرزند و رشتہ دار و۲۲۴ یہ نہیں کہ بقاوحیات کے دیوتا وشنوجی ہوں اور موت و اہلاک کے دیوتا شوجی۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ یہ نہیں کہ معبود اعظم تو وہ ہے، اور چھوٹے بڑے دیوی، دیوتا اُس کے ماتحت ہزاروں ہیں۔ نہیں بلکہ کسی دوسرے کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔ معبود تو صرف وہی ایک اور اکیلا ہے۔ اَلَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ اس میں ایک لطیف اشارہ یہ نکلتا ہے کہ جس طرح خدائے اسلام کی ربوبیت و الوہیت ہمہ گیر ہے، رسول اللہ ﷺ کی بھی دعوت عالمگیر ہے۔ و۲۲۵ (اور انفرادی، اجتماعی، معاشی، معادی ہر قسم و نوعیت کی فلاح پا جاؤ) رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ۔ رسول اور نبی دہری صفت لانے سے مقصود تاکید اور زور کلام ہے۔ رسول اور نبی کے درمیان فرق بھی متعدد بتائے گئے ہیں اور ان میں سے ایک فرق یہ ہے کہ نبی بشر کے لیے مخصوص ہے اور رسول ملائکہ کے لئے بھی عام ہے اسمان لمعنيين فان الرسول اخص من النبى وقدم الرسول اهتماما لمعنى الرسالة والا فمعنى النبوة هو المتقدم (قرطبی) اَلَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ۔ یہاں یہ بتادیا کہ خود اُس رسول اشرف واکرم کے لئے یہ امر باعث شرف واکرام ہے کہ اُس کا ایمان اللہ اور اُس کے سارے کلاموں پر کامل و محکم ہے۔ كَلِمٰتِهٖ۔ یعنی جو وحی خدا اُن پر نازل ہوئی اُس پر اور اُس سے سابق کی ساری وحیوں پر۔ اے ماانزل عليه وعلى سائر الرسل عليهم السلام من كتبه ووحيه (روح) و۲۲۶ یہود میں یہ وہی اہل حق واہل انصاف ہیں جو آگے چل کر ایمان لے آئے۔ قيل هم اليهود الذين كانوا فى زمان الرسول عليه الصلوة والسلام واسلموا (کبیر) وَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى۔ قَوْمِ مُوْسٰى۔ قوم موسیٰ سے مراد بنی اسرائیل ہیں بِهٖ يَعْدِلُوْنَ۔ ضمیر الحق کی طرف ہے، اور یعدلون یعنی حکم و فیصلہ میں انصاف کرتے ہیں۔ به اى بالحق ويعدلون بينهم فى الحكم (بیضاوی) قال الزجاج العدل الحكم بالحق (کبیر) يَهْدُوْنَ بِالْحَقِّ۔ یعنی دوسروں کو راہ ہدایت کی طرف بلاتے ہیں۔ اے يدعون الناس الى الهداية (قرطبی) و۲۲۷ (اور ہر جماعت کا نگراں ایک ایک سردار کو مقرر کر دیا) یہی مضمون سورۂ مائدہ میں بھی آیا ہے۔ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا۔ توریت میں اسی سلسلہ میں ہے:۔ "یہ سب بنی اسرائیل کے بارہ فرقہ ہیں اور یہی ہے جو اُن کے باپ نے انہیں کہہ کے برکت دی۔" (پیدائش۔ ۴۹: ۲۸) نیز (خروج ۲۸: ۲۱) اَسْبَاطًا اُمَمًا۔ اسباط یہاں بدل ہے۔ اِثْنَتَيْ عَشْرَةَ سے اور اُمَمًا صفت ہے اسباط کی۔ اسباطا بدل من اثنى عشر امما نعت للاسباط (قرطبی) امما بدل بعد بدل او نعت اسباطا (بیضاوی) قَطَّعْنٰهُمُ۔ یعنی انہیں اتنے گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ اے صيرناهم قطعا اى فرقا (کبیر) و۲۲۸ حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۷ کے تحت میں گزر چکے۔ اِنْۢبَجَسَتْ۔ بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ یہ انفجرت کے معنی میں ہے اور انبجاس وانفجار مرادف ہیں اس قول پر آگے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ يقال بجس الماء يبجس وانبجس وتبجس اذا تفجر هذا قول اهل اللغة (کبیر) اے انفجرت كما قال ابن عباس (روح) لیکن بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ انبجاس پانی کے تھوڑے تھوڑے نکلنے کو اور انفجار پانی کے جوش سے نکلنے کو کہتے ہیں۔ ایسی صورت میں وجہ تطبیق یہ ہوگی کہ قرآن مجید نے یہاں جو انبجست کہا ہے یہ پانی نکلنے کی ابتداء کا ذکر ہے اور سورۂ بقرہ میں جو انفجرت ارشاد ہوا ہے وہاں آخر میں جوش و خروش سے جاری کرنے کا بیان ہے۔ قال أخرون الانبجاس خروج الماء بقلة والانفجار خروجه بكثرة وطريق الجمع ان الماء ابتدا بالخروج قليلا ثم صار كثيرا وهذا الفرق مروي عن ابى عمرو بن العلاء (کبیر) و۲۲۹ حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۶ کے تحت میں گزر چکے۔

يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٠﴾ وَ اِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ

کرتے رہے وف۲۳۰ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ان سے کہا گیا کہ (فلاں) بستی میں جا کر سکونت اختیار کرو،

وَ كُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّ ادْخُلُوا

اور وہاں کھاؤ، جہاں بھی تم چاہو اور کہتے جاؤ کہ توبہ ہے اور (شہر کے) دروازہ میں (عاجزی سے) جھکے ہوئے داخل

الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ

ہو، ہم تمہاری خطائیں تمہیں معاف کر دیں گے، ہم نیک کاروں کو

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا

اور زیادہ دیتے ہیں وف۲۳۱ لیکن ان میں سے ظالموں نے کلمہ بدل ڈالا

غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ

خلاف اس کے کہ جو ان سے کہا گیا تھا تو ہم نے اُن پر آسمان سے ایک

السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٢﴾ ع وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ

آفت بھیجی اس لئے کہ وہ (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہے تھے وف۲۳۲ اور آپ اُن سے اس بستی (والوں) کی بابت

الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ

دریافت کیجیے جو سمندر کے کنارے تھی وف۲۳۳ جب کہ وہ لوگ سبت کے بارہ میں (احکام سے) تجاوز کر رہے تھے

اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّ يَوْمَ

(اور) جب کہ ان کے سبت کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہوتی تھیں اور جب سبت

لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛۚ كَذٰلِكَ ۛۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا

نہ ہوتا تو نہ آتیں وف۲۳۴ ہم نے ان کی آزمائش اس طرح سے کی اس لیے کہ وہ

كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٣﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ

نافرمانی کر رہے تھے وف۲۳۵ اور جب کہ اُن میں سے ایک جماعت نے کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں

ع ۲۰ ۵ ۱۰ وقف لازم

النصف معانقة ۲

وف۲۳۰ (احکام الٰہی کی نافرمانی کر کر کے) مشرک جاہلی قوموں میں خدا سے بغاوت خود خدا کے لئے باعث مصیبت سمجھی گئی ہے۔ یہ اسی کی تردید ہے اور اس حقیقت کا بیان ہے کہ قانون الٰہی کے توڑنے سے خدا کا کیا نقصان؟ نقصان تو انسان کا اپنا ہوتا ہے۔ وف۲۳۱ حاشیے پارۂ اول سورۂ بقرہ، رکوع ۶ میں گزر چکے۔ وف۲۳۲ حاشیے سورۂ بقرہ، پارۂ اول، رکوع ۶ میں گزر چکے۔ وف۲۳۳ (اے پیغمبر) وَسْـَٔلْهُمْ۔ میں ضمیر عہد رسول ﷺ کے معاصر یہود کی طرف ہے۔ ای واسئل الیھود الذین ھم جیرانک عن اخبار اسلافھم (قرطبی) اَلْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ۔ حاشیے سورۃ البقرہ پارۂ اول رکوع ۷ میں گزر چکے۔ عَنِ الْقَرْيَةِ۔ القریہ سے مراد اھل القریۃ ہیں۔ ای عن اھل القریۃ (قرطبی) وف۲۳۴ (بلکہ وہاں سے کہیں اور نکل جاتیں) حِيْتَانُهُمْ۔ یعنی اُن کے سمندر کی مچھلیاں۔ تَاْتِيْهِمْ...... شُرَّعًا۔ یعنی وہ مچھلیاں سطح آب پر پانی سے سر نکال کر نمودار ہو جاتی تھیں، ای شوارع ظاھرۃ علی الماء کثیرۃ (قرطبی) وف۲۳۵ یعنی اس سخت آزمائش میں وہ اسی لئے ڈالے گئے کہ وہ نافرمانیاں پہلے سے کرتے آ رہے تھے، آزمائشیں حق تعالیٰ کے ہاں سے تو نافرمانوں اور فرماں برداروں دونوں کی ہوا کرتی ہیں لیکن جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے، اہل طاعت کی آزمائش لطف اور تائید اور توفیق سے مقرون ہوا کرتی ہے۔ بعض اہل علم نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ احکام شریعت سے بچنے کے لیے حیلہ کرنا حرام ہے۔ واستدل بعض اھل العلم بقصۃ ھؤلاء المعتدین علی حرمۃ الحیل فی الدین (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جن حیلوں کا مشروع ہونا فقہاء و حکماء امت سے وارد ہوا ہے وہ احکام شرعی کی تعمیل کے لئے ہے نہ کہ اُن سے بچنے کے لئے۔

تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا

نصیحت کیے جاتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں (کسی اور) سخت عذاب میں گرفتار کرنے

شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ

والا ہے ف۲۳۶ وہ بولے اپنے پروردگار کے رُوبرو عذر کرنے کے لئے اور شاید کہ یہ لوگ

يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ

تقویٰ اختیار کرلیں، ف۲۳۷ پھر جب وہ بھولے ہی رہے اس چیز کو جو انہیں یاد دلائی گئی تھی تو ہم نے اُن لوگوں کو بچا

يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ

لیا جو بری بات سے روکا کرتے تھے، اور جو لوگ ظلم کرتے تھے انہیں ہم نے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا

بَئِيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ

اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے رہتے تھے ف۲۳۸ پھر جب وہ اس چیز کی حد سے نکل گئے

مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۱۶۶﴾

جس سے وہ روکے گئے تھے ہم نے ان سے کہہ دیا کہ ذلیل بندر بن جاؤ ف۲۳۹

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب آپ کے پروردگار نے یہ جتلا دیا کہ وہ ان (یہود) پر قیامت کے دن تک کسی ایسے کو مسلط

مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ

رکھے گا جو انہیں سزائے شدید میں مبتلا رکھے گا ف۲۴۰ بیشک آپ کا پروردگار بہت جلد

الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى

سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۲۴۱ اور زمین پر ہم نے انہیں مختلف

الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ

جماعتوں میں تقسیم کر دیا ان میں سے (بعض) نیک بھی تھے اور ان میں سے (بعض) اس کے علاوہ

ف۲۳۶ (ان کے مسلسل جرائم کی پاداش میں) اِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ۔ یہ کہنے والے وہ لوگ تھے جو خود نیک کار تھے لیکن مجرموں کی اصلاح کی طرف سے مایوس ہوگئے تھے اور یہ کہا انہوں نے ان نیک کاروں سے جواب تک وعظ و نصیحت میں لگے ہوئے تھے۔ ف۲۳۷ (اور اس خشیت الٰہی سے اپنی اصلاح کرلیں) مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ۔ یعنی کم از کم اپنی صفائی تو ہم پیش ہی کردیں گے کہ ہم نے اپنی والی پند و نصیحت تو بہت کچھ کر ڈالی تھی، غرض یہ کہ ان مصلحین نے جواب دو دیے، ایک یہ کہ اپنے اوپر تو تلقین و اتمام حجت کا بار نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ شاید اب بھی یہ لوگ اصلاح قبول کرلیں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب نصیحت کے مؤثر ہونے کی اُمید بالکل نہ رہے تو نصیحت کرنا واجب نہیں رہتا گو دلیل عالی ہمتی ہے۔ چنانچہ اہل حق میں سے جنہوں نے لِمَ تَعِظُوْنَ کا سوال کیا انہوں نے بوجہ یاس فتوائے عدم وجوب پر عمل کیا اور جنہوں نے مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ سے جواب دیا انہیں یا تو یاس ہی نہیں ہوئی اور یا انہوں نے عالی ہمتی سے کام لیا اور دونوں فریقوں نے پورا پورا اجر پایا۔ ف۲۳۸ عذاب الٰہی کی یہ خصوصیت بار بار بیان کرنے کے قابل ہے (بار بار اس لیے کہ لوگ اسے بھول بھول جاتے ہیں) کہ اس میں گنہگار اور بے گناہ سب نہیں صرف گنہگار ہی مبتلا کیے جاتے ہیں اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ۔ جو لوگ راہ ہدایت پر قائم رہے اور اس کی تلقین دوسروں کو کرتے رہے۔ وہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہے۔ ف۲۳۹ مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۸ میں گزر چکا۔ ف۲۴۰ اور یہ سزا دنیا میں اس قوم کی مسلسل نافرمانیوں اور گستاخیوں کی پاداش میں مقرر ہوئی ہے) اس کا مشاہدہ آج تک (۱۹۴۶ء تک) ہو رہا ہے جرمنی میں ابھی کل تک اُن پر جو قیامت برپا رہی وہ اظہر من الشمس ہے۔ باقی یوں بھی بنی اسرائیل اس دنیا کے پردہ پر کسی خطہ و علاقہ میں مطمئن نہیں، روس، برطانیہ، فرانس، امریکہ کوئی بھی ان کا دوست اور مخلص نہیں ہر ایک موقع پا کر انہیں پیس ہی ڈالنا چاہتا ہے اور مشہور عالم دولت و ثروت کے باوجود یہ قوم آج تک مقہور ہی چلی آرہی ہے۔ عَلَيْهِمْ۔ ضمیر ھم کس کی جانب ہے؟ قول جمہور یہ ہے کہ اس سے عہد نبوی کے معاصر یہود مراد ہیں اُنہی کو یہ خبر پہنچا دینا مقصود ہے کہ اگر اب بھی ایمان نہ لائے تو بس حشر تک اس دنیا میں ذلت و خواری کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ رہنا ہے۔ قال الاکثرون هذه الأية فى اليهود اللذين ادركهم الرسول ﷺ ودعاهم الى شريعته وهذا اقرب (کبیر) لیکن خود سیاق قرآنی اس خیال کی تائید میں ہے کہ یہ وعید اُنہی قدیم سبت شکن یہود کو سنائی جارہی ہے کہ تم نے اگر اپنی اصلاح حال نہ کرلی تو قیامت تک محکومیت کے دنیوی عذاب میں مبتلا رکھے جاؤ گے۔ توریت کے بھی بعض بیانات اسی مضمون کے ملاحظہ ہوں:۔ ”اگر تم میرے سننے والے نہ ہو اور ان سب حکموں پر عمل نہ کرو...... اور مجھ سے عہد شکنی کرو، تو میں بھی تم سے ایسا ہی کروں گا...... اور میرا چہرہ تمہارے برخلاف ہوگا، اور تم اپنے دشمنوں کے سامنے قتل کیے جاؤ گے۔ اور جو تمہارا کینہ رکھتے ہیں تم پر حکومت کریں گے۔ (احبار ۲۶: ۱۴۔۱۷)“ ”تیرے بیٹے اور عزیز بیٹیاں دوسری قوم کو دی جائیں گی، اور تیری آنکھیں دیکھیں گی۔ اور سارے دن ان کی راہ تکتے تکتے تھک جائیں گے۔ اور تیرے ہاتھ میں کچھ زور نہ ہوگا۔ (استثناء ۲۸: ۳۲) ف۲۴۱ (تائبوں کے حق میں) بدکار نافرمان قوم میں مایوس نہ ہوں۔ ان کے لیے اب بھی توبہ و رجوع کے بعد اللہ کے غفر و رحمت سے پوری طرح استفادہ کا موقع باقی ہے اور یہود کے لیے تو اس میں خاص بشارت کا اشارہ نکلتا ہے کہ اگر وہ اپنی اسلام دشمنی سے باز آگئے تو اللہ کی رحمت اُن کی پوری دستگیری کو موجود ہے۔ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ۔ اس کی اس صفت کا ظہور صرف مجرموں اور عادی مجرموں کے حق میں ہوتا ہے۔

وف ۲۴۲ (اپنی مجرمانہ حرکتوں سے، اور ایمان واطاعت کی طرف لوٹ آئیں) ای لیرجعوا عن کفرھم (قرطبی) یرید کی یتوبوا (کبیر) بَلَوْنٰهُمْ۔ ضمیر جمع افراد کی طرف نہیں بلکہ مجموعا قوم یا اُمت کی طرف ہے۔ قومی خوشحالی کی مثالیں یہ ہیں کہ قوم معزز ہو، دولت مند ہو، صحیح، تندرست ہو، قومی بدحالی کی مثالیں یہ ہیں کہ قوم محکوم وماتحت ہو، ذلیل وضعیف ہو، مفلس وتنگدست ہو۔ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں مراد تو ظاہری ومادی تنگی وفراخی ہے لیکن بندہ کا ابتلاء کبھی حسنات باطنی سے بھی کیا جاتا ہے۔ مثلاً معاصی کے ہوتے ہوئے بھی ذوق ووجد حاصل ہو جاتا ہے اس سے بندہ کو دھوکا ہوتا ہے کہ میں حق پر ہوں حالانکہ وہ باطل پر ہوتا ہے تو اگر معصیت کے ساتھ بسط جمع ہو جائے تو وہ استدراج ہے اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ اس میں اس کا اشارہ آگیا کہ ابتلاء بھی اصلاح ہی کی غرض سے تھا قال اھل المعانی و کل واحد من الحسنات والسیئات یدعوا الی الطاعة اما النعم فلاجل الترغیب واما النقم فلاجل الترھیب (کبیر) قَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا۔ یعنی وہ قوم منتشر ومتفرق ہو کر زمین پر پھیل گئی اور مختلف حصوں میں آباد ہو گئی۔ ای فرقناھم فی البلاد (قرطبی) فرقناھم تفریقا شدیدا۔ (کبیر) وف ۲۴۳ (اس کتاب آسمانی کے مضامین کے عوض میں) یہ بیان ہو رہا ہے یہود کے کسب مال رشوت خواری وبددیانتی کا۔ پیسہ کے ایسے حریص ہیں کہ اپنی ہدایاتِ آسمانی تک اس کے عوض میں بیچ ڈالتے ہیں حالانکہ اُن کی شریعت اس باب میں اتنی سخت ہے کہ رشوت اور خیانت تو الگ رہی ہدیہ تک اس میں ممنوع ہے۔ ”تو ہدیہ نہ لینا کیونکہ یہ دانشمندوں کو اندھا کر دیتا ہے اور صادقوں کی باتوں کو پھیر دیتا ہے۔ (خروج ۲۳:۸) خَلْفٌ۔ (بسکون لام) کے معنی نالائق وارث کے ہیں۔ المتاخر بقصور منزلته یقال له خلف (راغب) قال ابن الاعرابی الخلف بالفتح الصالح وبالجزم الطالح (قرطبی) فخلف بالاسکان فی الذم وخلف بالفتح فی المدح ھذا ھو المستعمل المشھور (قرطبی) قیل ان الا غلب فی خلف بتسکین العین انه للذم (جصاص) عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى۔ عرض کے لفظ سے مال کے مفہوم میں پہلوئے بے ثباتی اور زود فنائی کا بھی آگیا۔ اور یہاں مراد رشوت سے لی گئی ہے جو انہیں احکام دین میں تحریف پر ملتی تھی۔ وروی ان معناہ الرشوۃ علی الحکم (جصاص) المراد ما کانوا یاخذونه من الرشا فی الاحکام علی تحریف الکلام (کبیر) وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ۔ یہ اشارہ یہود کی طمع غلیظ اور رشوت خواری وغیرہ کی جانب ہے۔ والاشارۃ فی ھذہ الاٰیة الی الرشا والمکاسب الخبیثة (قرطبی) يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى۔ یعنی اپنی طمع غلیظ کے آگے ہر سامانِ دنیوی پر گرے پڑتے ہیں العرض متاع الدنیا واخبر عنھم انھم یاخذون ما یعرض لھم من متاع الدنیا لشدۃ حرصھم ونھمھم (قرطبی) يَّاْتِهِمْ۔ میں ضمیر یہود مدینہ معاصرین رسول اللہ کی جانب ہے۔ یعنی جیسے اُن کے اسلاف مال حرام کے حریص تھے ویسے ہی یہ بھی ہیں۔ ای ان یات یھود یثرب الذین کانوا علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم عرض مثله یاخذوہ کما اخذ اسلافھم (قرطبی) يَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا۔ یہود کو اپنی نجات ومغفوریت پر گھمنڈ اپنے اسی غرور نسب وفخر نسل کی بناء پر تھا۔ پارہ اول کی آیت لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً۔ اور دوسری متقارب المعانی آیتوں کے ماتحت حاشیے گزر چکے۔ مفسر آلوسی رحمۃ اللہ علیہ بغدادی نے اس موقعہ پر جو کچھ لکھا ہے وہ اس قابل ہے کہ اس کو عبرت کے لیے ڈیڑھ سو سال کے بعد آج کے اہل ہند کے سامنے بجنسہ پیش کر دیا جائے۔ ھذا حال کثیر من المتصوفة راٰینا فانھم یتھافتون علی شھواتٍ تھافة الفراش علی النار ویقولون ان ذالک لایضرنا لانا واصلون۔ وحکی عن بعضھم انه یاکل الحرام الصرف ویقول ان النفی والاثبات رافع ضررہ وھو خطأ فاحشٌ وضلال بین اعاذنا اللہ تعالٰی من ذٰلک (روح) (ترجمہ) یہی حال ہمارے زمانے کے بہ کثرت صوفیہ کا ہے شہوات ولذات دنیوی پر پروانوں کی طرح گرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو مضر نہیں اس لیے کہ ہم واصل ہیں اور کسی کسی کی بابت تو یہ بھی سنا گیا ہے کہ وہ خالص حرام کھاتا تھا اور کہتا تھا کہ ذکر نفی واثبات اس کے ضرر کو دفع کر دیتا ہے۔ یہ لغزش صریح اور کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ وف ۲۴۴ توریت موجودہ کے صرف چند حوالے ملاحظہ ہوں:۔ ”تو ہر ایک بات پر جس کا حکم میں تمہیں دیتا ہوں دھیان رکھ کے عمل کیجیو تو اس سے زیادہ نہ کرنا اور نہ اس سے کم کرنا۔“ (استثناء ۱۲:۳۲) ”تم اس کلام میں جو تمہیں فرماتا ہوں کچھ زیادہ نہ کیجیو اور نہ اس میں کم کیجیو۔“ (استثناء ۴:۲) ”فقط تو مضبوط ہو اور خوب دلاوری کرتا تا کہ تو اس سب شریعت کے موافق جس کا میرے بندہ موسٰی نے تجھ کو حکم کیا کہ دھیان کر کے عمل کرے اس سے دہنے یا بائیں ہاتھ کو مت پھر تا کہ تو ہر جگہ جہاں جہاں تو جاتا ہے کامیاب ہو۔“ (یشوع ۱:۷) مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ۔ اس ترکیب اضافی میں اضافت فی کے قائم مقام ہے یعنی المیثاق المذکور فی الکتاب (کشاف) الاضافة بمعنی فی (جلالین) وف ۲۴۵ (اس لیے کہ عقل سے ذرا بھی کام لیں تو یہ حقائق ان پر خود روشن ہو کر رہیں) وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ۔ یعنی یہ لوگ اس مضمون سے خوب واقف بھی ہو چکے ہیں۔ اور اس لیے ناواقفیت کا عذر بھی پیش نہیں کر سکتے۔ الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ۔ یعنی جو لوگ اللہ سے تقویٰ اور خشیت اختیار کیے رہتے ہیں اور عقاید کفر واعمال فسق سے پرہیز کیے رہتے ہیں۔ وف ۲۴۶ (چنانچہ جو لوگ اس معیار پر پورے اُتر جاتے ہیں وہ یقیناً اپنا صلہ دنیا وآخرت دونوں عالموں میں پا کر رہتے ہیں) یہاں یہ بتلا

ذٰلِكَ وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ

بھی اور ہم انہیں خوشحالیوں اور بدحالیوں سے آزماتے رہے کہ شاید وہ

يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا

باز آجائیں وف ۲۴۲ پھر اُن کے بعد اُن کے جانشین ہوئے ایسے نالائق (لوگ)

الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ يَقُوْلُوْنَ

کہ کتاب کو تو اُن سے حاصل کیا (لیکن) اس دنیا کا مال لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ

ہماری تو ضرور مغفرت ہو جائے گی اور اگر ان کے پاس ویسا ہی مال (پھر) آجائے تو اُسے (بھی) پالیں وف ۲۴۳

اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى

کیا اُن سے کتاب میں اس کا عہد نہیں لیا جا چکا ہے کہ اللہ پر کوئی بات

اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ

نہ گڑھیں ہاں صرف حق کہیں وف ۲۴۴ اور انہوں نے پڑھ بھی لیا جو کچھ اس میں ہے اور آخرت ہی کا گھر

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ

ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو ڈرتے رہتے ہیں سو کیا وہ عقل سے کام ہی نہیں لیتے وف ۲۴۵ اور جو لوگ

يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ

کتاب (آسمانی) کے پابند ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں (سو) ہم اُن لوگوں کا اجر ضائع نہیں

اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ

کرتے جو اپنی اصلاح کر چکے ہوتے ہیں وف ۲۴۶ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ معلق کر دیا تھا

كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ

اس طرح کہ گویا وہ سائبان ہے اور انہیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ اُن کے اُوپر گرا ہی چاہتا ہے (اور فرمایا تھا کہ) جو

بالکتب بغیر اسلام کی حلقہ بگوشی کے ممکن نہیں۔ اَلْكِتٰبِ۔ سے اس سیاق میں کھلی ہوئی مراد توریت سے ہے۔ ای بالتورٰۃ (قرطبی) اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ۔ اقامت صلوٰۃ کا حکم تو تمسک بالکتب میں شامل ہی ہے۔ پھر الگ سے جو اس کا تصریحاً ذکر ہے تو وہ اس حکم کی عظمت خاص و امتیاز کے اظہار کے لیے ہے۔ اظهار العلو مرتبة الصلٰوة وانها اعظم العبادات بعد الايمان (کبیر) وے ۲۴ (جیسا کہ ہر صالح موحد قوم کو ہونا چاہیے) اس رفع طور پر حاشیے سورۃ البقرہ پارۂ اول رکوع ۸ میں گزر چکے۔ وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ۔ اور توریت میں اہم ترین تعلیم توحید کی تھی۔ ظَنُّوْٓا۔ ظن۔ یہاں گمان وخیال کے معنی میں نہیں علم ویقین کے معنی میں ہے۔ قال المفسرون اے علموا وايقنوا (کبیر) اے تیقنوا (بیضاوی) وہ ۲۴۸ (بقدر ضرورت انہیں سمجھ عطا کرکے) واقعہ عالم ارواح کا بیان ہو رہا ہے۔ اوپر ذکر بنی اسرائیل کے میثاق توحید کا تھا۔ اور اس سے پہلے بھی بنی اسرائیل کو بار بار اُن کا میثاق توحید یاد دلایا جا چکا ہے۔ اس پر سوال ہوسکتا تھا کہ اسرائیلی میثاق دنیا کی غیر اسرائیلی آبادی کے لیے کیونکر حجت بن سکتا ہے؟ اب بیان اس کا ہو رہا ہے کہ توحید کا عہد تو ساری نسل انسانی سے لیا جا چکا ہے اور توحید شناسی، توحید پرستی انسان کی فطرت میں راسخ کی جا چکی، اور بشر کی سرشت میں رچی جا چکی ہے۔ فطرت اگر مسخ نہیں ہو چکی ہے تو ایک خالق ورازق ومربی کا اعتراف ہر فطرت سلیم کا جزو ہے۔ هی عامة لجميع الناس لان كل احد يعلم انه كان طفلاً فغذى وربّى وان له مدبرا وخالقا (قرطبی) مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ۔

بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ وَ اِذْ اَخَذَ

(کتاب) ہم نے تم کو دی ہے اسے مضبوطی کے ساتھ اختیار کرو اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ

رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

وے ۲۴ اور (اس واقعہ کا ذکر کیجیے) جب آپ کے پروردگار نے نکالا اولاد آدم کی پشت سے ان کی نسل کو پیدا کیا

وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا

اور خود انہی کو اُن کی جانوں پر گواہ کیا، وہ ۲۴۸ (اور کہا) کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ بولے

بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ

ضرور ہیں ہم گواہی دیتے ہیں (یہ اس لیے ہوا) کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو

هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ

اس سے بے خبر تھے وہ ۲۴۹ یا یوں کہنے لگو کہ شرک تو ہمارے باپ دادا پہلے ہی سے

قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

کرتے آئے اور ہم تو اُن کے بعد ان کی نسل میں ہوئے تو کیا تو ہلاک کردے گا ہمیں (اصلی) اہل باطل کے کرتوت

الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ

کی بناء پر وہ ۲۵۰ اور ہم اسی طرح نشانیوں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ وہ (لوگ)

يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا

لوٹ آئیں وہ ۲۵۱ اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں

فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

پھر وہ ان سے بالکل نکل گیا سو شیطان اُس کے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہوں میں داخل ہو گیا وہ ۲۵۲

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ

اور اگر ہم چاہتے تو ہم اس کا مرتبہ اُن (اپنی نشانیوں) کے ذریعہ سے اونچا کر دیتے وہ ۲۵۳ لیکن وہ زمین کی طرف

ع ۲۱ / ۱۱ — معانقة ۷

یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب پہلے پشت آدم علیہ السلام سے نسل آدم وجود میں آچکی ہے۔ من ظهورهم ترکیب میں من بنی ادم سے بدل اشتمال ہے۔ بدل اشتمال من قوله من بنى ادم والفاظ الاٰية تقتضى ان الاخذانها كان من بنى ادم۔ (قرطبی) وہ ۲۴۹ (اور ہم پر اس کی ذمہ داری ہی نہیں عاید ہوتی) عَنْ هٰذَا۔ یعنی اس عقیدۂ ربوبیت اور عقیدۂ توحید سے شَهِدْنَا۔ یہ قول بلٰی کے تسلسل میں ذریت آدم ہی کی زبان سے ہے۔ شهدنا من بقية كلام الذرية (کبیر) قال ابن عباس وابى بن كعب قوله شهدنا هو من قول بنى ادم (قرطبی) معنٰی یہ ہوئے کہ اعتراف توحید اُن کے دل میں اتر گیا اور یہ نقش ان کی فطرت میں جم گیا۔ اے نصب لهم دلائل ربوبيته و ركب فى عقولهم ما يدعوهم الى الاقرار بها حتّٰى صاروا بمنزلة من قيل لهم الست بربكم قالوا بلٰى فنزل تمكينهم من العلم بها و تمكنهم منه بمنزلة الاشهاد والاعتراف على طريق التمثيل (بیضاوی) ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ شَهِدْنَا۔ کلام باری تعالیٰ ہے اور بلٰی کا تتمہ نہیں بلکہ مستقل عبارت ہے یعنی بنی آدم کے اس میثاق توحید پر حق تعالیٰ کی شہادت۔ هو خبر من الله عن نفسه وملائكته (ابن جریر عن السدی) وقد قيل ان قوله شهدنا من قول الله تعالٰى والملائكة والمعنٰى فشهدنا على اقراركم قاله ابو مالك وروى عن السّدى ايضاً (قرطبی) قَالُوْا بَلٰى یہ اقرار خالق گویا ان پر واجب ہو گیا ہے۔ اے ان ذالک واجب عليهم (قرطبی) اَنْ تَقُوْلُوْا۔ یعنی تا کہ کہیں یہ نہ کہنے لگو۔ اى كراهة ان تقولوا (بیضاوی) وہ ۲۵۰ یہاں قرآن نے گویا تصریح کر دی کہ نسل انسانی کا اصل اور ابتدائی دین توحید ہے اور شرک بہت بعد کی پیداوار ہے۔ ''دانایانِ فرنگ'' ابھی چند سال ادھر کی بات ہے کہ زور دے دے کر اس کے برعکس کہہ رہے تھے کہ نسل انسانی کا ابتدائی دین شرک ہے، اور توحید تک تو انسان بہت بعد کو رفتہ ہی رفتہ پہنچا ہے، لیکن اب ان کے ماہرین فن (Ethnologists.) کی آنکھیں کھلی ہیں اور اب علانیہ اقرار ہونے لگا ہے کہ انسان کا ابتدائی دین توحید ہی تھا۔ ملاحظہ ہوں حاشیے انگریزی تفسیر القرآن کے۔ وہ ۲۵۱ (دین توحید کی طرف اور باز آجائیں کفر وشرک سے) وہ ۲۵۲ ایسا کوئی شخص حقیقۃً سلف میں گزر چکا ہے۔ کون تھا؟ کہاں کا تھا؟ کب تھا؟ یہ متعین نہیں اور جب قرآن اس بارہ میں ساکت ہے تو کسی فرد کی تعیین پر اصرار صحیح ہی نہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اشارہ رسول اللہ ﷺ کے معاصر اُمیہ بن ابی الصلت کی جانب ہے۔ وهو صاحبكم اميه بن ابى الصلت (ابن جریر۔ عن ابن عمر) ایک گروہ کی رائے میں اشارہ عہد بنی اسرائیل کے مشہور زاہد بلعم باعور کنعانی کی طرف ہے هو بلعم بن باعورا (ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) رجل من بنى اسرائيل يقال له بلعم (ابن جریر۔ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ) قال اٰخرون كان من الكنعانيين (ابن جریر) قال ابن مسعودؓ وابن عباسؓ هو بلعام بن باعوراء (قرطبی) اسی بلعم باعور کا ذکر توریت میں بھی ہے۔ (گنتی۔ باب ۲۲۔ باب ۲۳۔ باب ۲۴) بہر حال اشارہ جس بھی فرد متعین کی طرف ہو اہل تحقیق کا اس پر اتفاق ہے کہ مثال عام ہے اور ہر اُس شخص پر صادق آتی ہے کہ جو دین حق کی نعمت پا چکنے کے بعد پھر اس کا تارک ہو گیا ہو۔ قتادہ۔ عکرمہ وغیرہ تابعین اور اکثر مفسرین کا مسلک یہی ہے۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ الخ یعنی ایک ایسے شخص کا حال بہ طور مثال ونظیر پڑھ کر سنایئے۔ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا۔ یعنی اسے اپنے احکام علم کی نعمت ہم نے عطاء کی تھی۔ فَانْسَلَخَ مِنْهَا۔ یعنی اُس نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی بلکہ تمرد وسرکشی پر آمادہ ہو گیا۔ ضمیر ھا، آیات کی طرف ہے اے من معرفة الله تعالٰى اے نزع منه العلم الذى كان يعلمه (قرطبی) فانسلخ من الاٰيات (مدارک) فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ۔ سو شیطان اُس پر مسلط ہو گیا۔ انسان جب اپنے ارادہ سے فسق اختیار کرتا ہے تو شیطان لازمی طور پر اُس سے مستقل رفاقت پیدا کر لیتا ہے۔ ''محدث طیبی نے لکھا ہے کہ جو شخص اس مثال میں غور کرے گا اس پر روشن ہو جائے گا کہ علماء سوء اس سے بھی ابتر حالت میں ہیں مال وجاہ دنیوی اور اس کی لذتوں میں کھپے ہوئے۔ عن الطيبى ان من تفكر فى هٰذا المثل تحقق له ان علماء السوء اسوء واقبح من ذالك (روح) وہ ۲۵۳ یعنی بہر حال وبہر صورت اُسے ان آیات پر عمل کی توفیق

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ

مائل ہوگیا اور اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرنے لگا ف۲۵۴ سو اس کی مثال کتے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اس پر

يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ

حملہ کرے (جب بھی) ہانپے اسے چھوڑے رہ (جب بھی) ہانپے ف۲۵۵ یہ مثال ہے ان (سب)

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ

لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، سو آپ بیان کیجیے (یہ) حالات شاید کہ

يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

لوگ سوچیں ف۲۵۶ (کیسی) بری مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری نشانیوں کو

بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ

جھٹلاتے ہیں اور اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں ف۲۵۷ جسے اللہ راہ دکھائے

فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

بس وہی راہ پانے والا ہے اور جسے وہ بے راہ کرے سو یہی لوگ

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ

نقصان اُٹھانے والے ہیں ف۲۵۸ اور بیشک ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جنات اور انسان

وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ

پیدا کیے ہیں ف۲۵۹ ان کے دل ہیں (مگر) یہ ان سے سوچتے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں

لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ

(مگر) اُن سے دیکھتے نہیں اور اُن کے کان ہیں (مگر) اُن سے سنتے نہیں،

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ

یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ یہ اُن سے بھی بڑھ کر بے راہ ہیں یہی لوگ تو

دیتے ہی رہتے۔ لَوْشِئْنَا۔ یعنی اگر ہماری مشیت تکوینی یہی ہوتی کہ ہم بندہ کے ارادہ میں دخل دے کر اُسے بہ جبر سیدھی راہ پر ڈال دیا کرتے۔ لَرَفَعْنٰهُ بِهَا۔ بھا کے معنی بالعمل بھا کے کئے گئے ہیں۔ ای بالعمل بھا (قرطبی) ف۲۵۴ یعنی عقیدہ وعمل کا معیار بجائے وحی الٰہی کے اپنی ہوائے نفس کو بنالیا۔ وَلٰكِنَّهٗ۔ یعنی یہ قانون تکوینی تو ہم نے رکھا ہی نہیں۔ چنانچہ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ۔ وہ اپنے قصد واختیار سے دنیا کی پستیوں کی طرف جھک گیا، ای مال الی زینة الحیوٰة الدنیا وزھرتھا (ابن کثیر) رأی الی شھوات الدنیا ورغب فیھا (بحر) ف۲۵۵ تشبیہ پریشانی وپریشان خاطری کے لحاظ سے ہے، یعنی ایسے شخص کو راحت کسی حال میں بھی نہیں۔ پریشانی، ذلت اس کے نصیب میں دائمی طور پر آگئی۔ کفر وارتداد پر جو یہاں ذلت وپریشانی کو مرتب فرمایا گیا، تو آخرت میں اس کا تحقق ظاہر ہی ہے۔ دنیا میں بھی اگر قلب کو ٹٹولا جائے تو اہل حق کی سی عزت وراحت نصیب نہیں ہوتی خصوصاً ارتداد کی حالت میں ھذا المثل فی قول کثیر من اھل العلم بالتاویل عام فی کل من اوتی القرآن فلم یعمل بہ وقیل ھو فی کل منافق (قرطبی) ف۲۵۶ یہاں یہ صاف کردیا کہ مقصود کسی فرد متعین کی تاریخ یا سیرت کو سنانا نہیں بلکہ کل منکرین، مکذبین، مرتدین کی حالت پر آگاہ کرنا اور اس سے عبرت دلانا ہے۔ ای ھو مثل جمیع الکفار (قرطبی) ف۲۵۷ آیات الٰہی کی تکذیب سے شامت زدہ انسان نقصان کسی اور کا نہیں، خود اپنا ہی کرتا ہے۔ اسی حقیقت کا یہاں ایک بار پھر اعادہ ہے۔ ف۲۵۸ اور اللہ کا کسی کو بے راہ کرنا خود بہ خود نہیں ہوگا۔ بلکہ بندہ کے قصد ضلالت پر محض نتیجہ کے طور پر مرتب ہوگا۔ ف۲۵۹ یعنی ایسے لوگ پیدا کیے ہیں جو نہ قصد اور طلب ہدایت کی کریں گے۔ اور نہ ہدایت انہیں نصیب ہوگی اس لیے لامحالہ اُن کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا۔ حق تعالیٰ کی طرف اس فعل کا انتساب محض تکوینی حیثیت سے ہے یعنی بہ طور علة العلل کے ہے نہ یہ کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہی یہ ہے۔ لِجَهَنَّمَ۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی ان کی غرض آفرینش یہ نہیں بلکہ وہ اعمال ایسے اختیار کریں گے جس کا نتیجہ یہ ہوکر رہے گا۔ واللام للعاقبة عند الکثیر (روح) توریت وانجیل، دونوں میں یہ مضمون وارد ہوا ہے:۔ "شریر ہلاکت کے دن کے لیے رکھ چھوڑا گیا ہے۔" (ایوب ۲۱:۳۰) "خداوند نے ہر ایک چیز اپنے لیے بنائی ہاں شریروں کو بھی اُس نے برے دن کے لیے بنایا۔ (امثال ۱۶:۴)" یہ لوگ بے عقل جانوروں کی مانند ہیں جو پکڑے جانے اور ہلاک ہونے کے لیے حیوان مطلق پیدا ہوئے ہیں...... اپنی خرابی میں خود خراب کیے جائیں گے۔" (۲ پطرس ۲:۱۲)۔

الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪

غافل ہیں و۲۶۰ اور اللہ ہی کے لئے اچھے اچھے (مخصوص) نام ہیں سو انہی سے اسے پکارو

وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ

اور اُن لوگوں کو چھوڑے رہو جو اس کے صفات سے کجروی کرتے رہتے ہیں ضرور انہیں اس کا بدلہ ملے گا

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَ مِمَّنْ خَلَقْنَاۤ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ

جو کچھ کہ وہ کرتے رہتے ہیں، و۲۶۱ اور ہم نے جن کو پیدا کیا ہے ان میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو حق کے

بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

مطابق (لوگوں کو) ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں، و۲۶۲ اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو

ع ۲۲

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَ اُمْلِيْ

جھٹلاتے ہیں انہیں ہم رفتہ رفتہ لیے جا رہے ہیں اس طرح کہ انہیں خبر ہی نہیں ہوتی، و۲۶۳ اور میں انہیں مہلت

لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا

دیتا رہتا ہوں، بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے، و۲۶۴ کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا،

مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ

ان کے ساتھی کو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو بس ایک صاف صاف ڈرانے

مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَ لَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ

والے ہیں، و۲۶۵ کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی حکومت پر نظر نہیں

وَ الْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّ اَنْ عَسٰۤى

کی اور اس پر جو کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے اس پر بھی و۲۶۶ اور اس بات پر کہ ممکن ہے

اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ

ان کی اجل قریب ہی آپہنچی ہو و۲۶۷ غرض یہ کہ اس (قرآن) کے بعد یہ کس بات پر

و۲۶۰ یعنی عقل سے کام لینے میں اور فکر آخرت رکھنے سے بے پرواہ رہتے ہیں۔ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ کیونکہ چوپائے تو ہدایت کے مکلف ہی نہیں یہ مکلف ہونے پر بھی اس قدر بے توجہ ہیں۔ جو لوگ انسان انسان کو بلاقید کفر و اسلام مساوی سمجھتے ہیں وہ دیکھیں کہ قرآن نے کافر کا درجہ مراتب انسانیت میں کتنا پست رکھا ہے کہنا چاہیے کہ اسے دائرۂ انسانیت ہی سے خارج کر دیا ہے۔ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا۔ یعنی یہ لوگ دل، آنکھ اور کان سے حق کے سوچنے سمجھنے حق کے دیکھنے بھالنے، حق کے سننے سنانے کا کبھی کام ہی نہیں لیتے۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ ایک مضمون توریت میں اس سے ملتا جلتا ہوا ملتا ہے:۔ بیل اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور گدھا اپنے صاحب کی چرنی کو...... بنی اسرائیل نہیں جانتے یہ لوگ کچھ نہیں سوچتے۔ (یسعیاہ۔ ۱: ۳) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت کا مدلول لفظی تو یہ ہے کہ غفلت عن اللہ سبب ہوتی ہے دوزخ کا۔ لیکن مدلول قیاسی یہ ہے کہ غفلت عن اللہ سبب بن جاتی ہے شہوات وحرص دنیا کے جہنم کی۔ جیسا کہ ذکر الٰہی سبب بن جاتا ہے دنیا میں جنت قناعت وانوار کا۔ اور یہ دونوں مشاہدات دنیا میں برابر ہوتے رہتے ہیں۔

و۲۶۱ وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآئِهٖ۔ یعنی جو لوگ اللہ کے اسماء وصفات میں الحاد سے کام لیتے رہتے ہیں انہیں چھوڑے رہو۔ ایسوں سے بالکل بے تعلق رہو لیکن خود الحاد فی الاسماء کیا چیز ہے؟ الحد کے لفظی معنٰی کجروی کے یا انحراف کے ہیں۔ اور یلحدون فی اسمائه کے دو پہلو ہیں ایک یہ کہ جو صفات موصوف میں نہ موجود ہوں، یا جو اس کے مرتبہ کے خلاف ہوں۔ انہیں اس کی جانب منسوب کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جو صفات اس موصوف میں ہوں۔ اُن میں خواہ مخواہ دوسروں کو شریک کر لیا جائے۔ والالحاد فی اسمائه علٰی وجهین احدهما ان یوصف بما لایصح وصفه به والثانی ان یتاوّل اوصافه علٰی ما لا یلیق به (راغب) یہاں ممانعت دونوں چیزوں کی ہے۔ نہ اللہ تعالٰی کو اس کے کمالات سے خالی سمجھو اور نہ اس کے کمالات میں دیوی، دیوتاؤں اپنے من گڑھت معبودوں کو شریک کرو۔ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ اللہ کے اسماء حسنٰی اس کے صفات کمال کے حامل ہیں۔ اور یہ وہ مخصوص نام ہیں جن کا اسماء الٰہی ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ یونان وغیرہ کے بعض مشرک فلسفیوں کا قول ہے کہ ذات الٰہی کی نہ کوئی صفت ہے اور نہ کوئی اس کا نام۔ اکابر یہود بھی اس مہمل فلسفہ سے متاثر ہو گئے تھے۔ یہاں ان کی تردید بھی مدنظر ہے۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ الاسماء الحسنٰی سے مراد صفات کمالیہ بھی ہیں۔ المراد بها الالفاظ و قیل الصفات (بیضاوی)

و۲۶۲ یعنی ہماری مخلوق میں سب کے سب ہی گمراہ نہیں۔ ایک جماعت اہل حق کی بھی ہے۔ جو دوسروں کو دین حق کے مطابق ہدایت کرتی رہتی ہے اور خود بھی بندوں کے ساتھ معاملات میں اسی قانون حق کے ماتحت برتاؤ کرتی رہتی ہے۔

و۲۶۳ پھر جب ان لوگوں کو آخری منزل جہنم معلوم ہو گئی تو ان کی ظاہری فلاح سے یا مادی چمک ودمک سے دھوکا کھانا ہی کیا معنٰی؟ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ۔ یعنی چپکے چپکے انہیں جہنم کی طرف لیے جا رہے ہیں۔ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی انہیں اصل منزل مقصود کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اور اپنی شامت سے ہمیشہ دوسرے اسباب کے اُلجھاوے میں پڑے رہتے ہیں۔

و۲۶۴ اور خدائی تدبیر کی مضبوطی یہی ہے کہ کافروں کو ڈھیل ملتی چلی جاتی ہے۔ اعمال موجب عذاب پر عذاب دنیوی معاً نہیں نازل ہو جاتا۔ اور گرفت فوراً نہیں ہوتی۔ مجرم کو یہ غرہ ہو جاتا ہے کہ کوئی گرفت کرنے والا نہیں اور اس لیے جرأت عصیاں اور بڑھتی جاتی ہے۔

و۲۶۵ (منکروں کو کہ جو قانونِ الٰہی کی نافرمانی کریں گے۔ وہ عذاب الٰہی کے مستحق قرار پائیں گے) اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا۔ اشارہ رسول اللہ ﷺ کے معاصر منکرین کی طرف ہے، صاحبهم۔ یعنی تمہارے ہر وقت کے ساتھی رسول اللہ ﷺ جن کے مزاج وسیرت واوضاع واطوار اخلاق ومعاملات کی تم ہر طرح جانچ وپڑتال کر سکتے ہو۔ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ۔ یعنی شائبہ جنون ہونا تو کجا وہ تو ایسے ایسے کارناموں اور کمالات کے مالک ہیں کہ ایک دنیا ان پر دنگ رہ گئی ہے۔ اور کمال ہے تمہیں کہ تم انہیں مجنون قرار دیئے چلے جا رہے ہو!

و۲۶۶ (کہ اس غور وفکر سے انہیں توحید کا علم استدلالی حاصل ہو جاتا)

و۲۶۷ (کہ اس مراقبہ استحضار موت سے احتمال عذاب سے ڈرتے اور اس سے بچنے کی فکر کرتے)۔

بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٥﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ

ایمان لائیں گے؟ و۲۶۸ جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی راہ دکھانے والا

لَهٗ ؕ وَ يَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١٨٦﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ

نہیں اور وہ انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑے رکھتا ہے و۲۶۹ یہ لوگ آپ سے قیامت

عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ

کی بابت دریافت کرتے ہیں و۲۷۰ کہ اس کا وقوع کب ہوگا آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو بس میرے پروردگار ہی

رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ

کے پاس ہے اس کے وقت پر اسے کوئی ظاہر کرے گا بجز و۲۷۱ اُس (اللہ) کے بھاری (حادثہ) ہے وہ آسمانوں

وَ الْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ

اور زمین میں وہ تم پر محض اچانک ہی آپڑے گی آپ سے دریافت کرتے بھی ہیں تو (اس طرح کہ) گویا آپ

حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ

اس کی تحقیق کر چکے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٧﴾ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا

لوگ (یہ بھی) نہیں جانتے و۲۷۲ آپ کہہ دیجیے کہ میں اپنی ہی ذات کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا

وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ

اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی جتنا اللہ چاہے و۲۷۳ اور اگر میں غیب کو جانتا رہتا

لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا

تو (اپنے لیے) بہت سے نفع حاصل کر لیتا و۲۷۴ اور کوئی مضرت مجھ پر واقع نہ ہوتی و۲۷۵ میں تو

اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٨﴾ هُوَ الَّذِيْ

محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں و۲۷۶ وہ وہی

وقف منزل — معانقة ٨ — ع ۲۳ / ۱۳

و۲۶۸ (کہ سب سے زیادہ موثر و بلیغ کلام تو یہ ہے) بعدہٗ میں ضمیرہٗ قرآن مجید ہی کی طرف ہے۔ و۲۶۹ (اور گرفت ہمیشہ فوراً ہی نہیں کرتا) مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ۔ اللہ کی طرف سے یہ اضلال، جیسا کہ بارہا پہلے آچکا ہے، بندہ کے عدم طلب ہدایت کے نتیجہ کے طور پر ہوتا ہے۔

و۲۷۰ (علم و واقفیت کے لیے نہیں، بلکہ تمسخر و استہزاء کی راہ سے) منکرین کے اس سوال میں سنجیدگی ذرا بھی نہ ہوتی۔ محض تمسخر مقصود ہوتا۔ کانوا یسئلون عن وقت الساعة استبعادًا لوقوعها وتكذيبًا لوجودها (ابن کثیر)

و۲۷۱ اور وہ ظاہر کرنا یہی ہے کہ قیامت واقع ہو کر رہے گی) التجلية اظهار الشيء (قرطبی) عِلْمُهَا۔ یعنی اس کے وقت وقوع کا تفصیلی علم۔ اِنَّمَا۔ اس کلمہ حصر نے صاف کر دیا کہ اس علم میں کوئی بھی مخلوق، نبی ہو یا فرشتہ باری تعالیٰ کا شریک نہیں۔ انجیل تک میں یہ قول موجود ہے:۔ اُس دن اور اُس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا، نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر صرف باپ (متی ۳۶:۲۴) اَيَّانَ۔ حتی کے معنٰی میں ہے۔ متی کے معنٰی میں بھی لیا گیا ہے۔ عبارة عن وقت الشيء ويقارب معنى متى (راغب) لِوَقْتِهَا۔ ل یہاں فی کے معنٰی میں ہے۔ اے فی وقتها (قرطبی)

و۲۷۲ جاہل منکرین حشر کے استدلال میں ترتیب مقدمات یہ تھی کہ جب آپ رسالت کے مدعی ہیں تو علم غیب بھی آپ کو ضرور ہی ہوگا اور جب علم غیب ہے، تو وقوع قیامت کا تفصیلی علم بھی آپ کے لیے لازمی ہے۔ اس لیے اگر یہ علم نہیں رکھتے تو آپ کا دعوائے رسالت بھی صحیح نہیں کھلی ہوئی غلطی اس استدلال میں یہ تھی کہ غیب دانی کو کوئی جزو منصب رسالت کا فرض کر لیا گیا تھا۔ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا۔ وقت قیامت کے علم کی یہ مکرر اور تاکیدی نفی اُن تمام ظنی و تخمینی معلومات کی تردید و تغلیط کر رہی ہے۔ جو دنیا کی مدت عمر سے متعلق عوام میں کبھی کسی اور کبھی کسی کے حوالہ سے مشہور ہوتے رہتے ہیں۔ في هذه الأية دليل على بطلان قول من يدعى العلم ببقاء مدة الدنيا (جصاص) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی اتنی موٹی بات بھی نہیں جانتے کہ وقت قیامت کا تفصیلی علم ہرگز لازمۂ نبوت نہیں ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی وہ ایسا پرہیبت و عظیم الشان واقعہ ہے کہ آسمان و زمین کوئی بھی اس کی برداشت کی قوت نہیں رکھتے، سب اُس وقت ٹوٹ پھوٹ کر رہیں گے۔ قال قتادة وغيره المعنى لا تطيقها السموٰت والارض لعظمها (قرطبی)

و۲۷۳ (اور جس امر میں اس کی مشیت مجھے اختیار دینے کی مقتضی نہیں ہوئی، اس میں ہر بشر کی طرح میں بھی بالکل عاجز و بے بس ہوں)

و۲۷۴ لیکن چونکہ میرا علم کامل و محیط نہیں اس لئے نفع تکوینی کے بہت سے مواقع ہاتھ سے جاتے ہی رہتے ہیں) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ نص ہے اس باب میں کہ قدرت مستقل اور علم محیط مقبولین سے بھی منفی ہیں اور جہلاء اپنے مشائخ سے کس کس طرح اس کا گمان رکھتے ہیں۔

و۲۷۵ (حالانکہ تکوینی حیثیت سے مجھے بھی مضرتیں حسب مشیت الٰہی واقع ہوتی رہتی ہیں) پیمبر بھی کبھی بیمار پڑتے ہیں کبھی مالی نقصان اُٹھاتے ہیں۔ وقس علیٰ ہذا۔ اور یہ امور ان کے کمال نبوت میں ذرا بھی قادح نہیں ہوتے۔

و۲۷۶ (تو اس لیے میں علوم شرعی اور احکام شرعی سے تو خوب بہرہ ور کر دیا گیا ہوں باقی اُمور تکوینی کے علم کامل کی توقع ہی مجھ سے کیوں کی جاتی ہے؟)۔

۲۷۷ یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے۔ نہ کہ متعدد مورثوں سے۔ قال جمهور المفسرين المراد بالنفس الواحدة أدم (قرطبی) خَلَقَكُمْ۔ میں ضمیر نوع انسان کی جانب ہے، یعنی کل نسل
انسانی ایک ہی ابوالبشر کی اولاد میں ہے۔ یہ نہیں کہ مختلف قوموں، نسلوں قبیلوں کے مورث اعلیٰ بھی الگ الگ ہوں۔ ۲۷۸ یعنی حضرت حوا کو۔ مِنْهَا۔ ضمیر نفس کی طرف بالکل ظاہر ہے لیکن خود
نفس سے مراد جنس بھی لی جاسکتی ہے اور لی گئی ہے۔ قيل يريد به الجنس (جصاص) والمراد خلق من النوع الانسانی زوجة أدم والمقصود التنبيه على الله تعالٰى جعل زوج أدم
انسانًا مثله (کبیر) ای من جنسها (روح) ملاحظہ ہو پارہ ۴ سورۃ النساء کی
آیت اول ۲۷۹ گویا عورت کی پیدائش کی غرض ہی یہ ہے کہ مرد اس سے
راحت وسکون حاصل کرے اور لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا۔ کے عموم کے تحت میں
مادی، روحانی، دماغی، جسمانی، ہر قسم کی راحتیں آگئیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر
القرآن۔ ضمناً یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ مقصود آفرینش اصلاً مستقلاً مرد ہے اور عورت تو
گویا مرد کے لیے ہے۔ اور ایک تبعی حیثیت رکھتی ہے۔ ۲۸۰ اب ابوالبشر و
اُم البشر کے قصہ سے گزر کر مرد وزن کی عام خلقت کا بیان شروع ہوگیا۔ خاص
سے عام کی جانب التفات قرآن مجید کا ایک عام اور پسندیدہ اسلوب بیان ہے۔
فَلَمَّا تَغَشّٰهَا۔ کنایہ مباشرت سے ہے۔ كناية عن الوقاع (قرطبی) اے
جامعها والغشيان اِتيان الرجل المراة (کبیر) ۲۸۱ (اور ادائے حقوق
توحید کریں گے) فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ۔ یعنی جب عورت کا پیٹ بھاری ہونے لگتا
ہے اور طرح طرح کے مشکلات وخطرات کا سامنا شروع ہو جاتا ہے۔
۲۸۲ آیت کے اندر شرک کی ساری قسمیں آگئیں۔ جَعَلَا۔ کی ضمیر
تثنیہ کس کی جانب ہے؟ بعض اس طرف گئے ہیں کہ آدم علیہ السلام وحوا مراد ہیں۔ لیکن
قول محقق یہ ہے کہ بنی آدم میں سے ہر نفس اور زوج نفس مراد ہیں بعض تابعین
سے بھی یہی منقول ہے۔ قال الحسن وقتادة الضمير فی جعلا عائد
الى النفس وزوجه من ولد أدم لا الى أدم وحواء (جصاص) جعل
الزوج والزوجة لله شركاء (کبیر۔ عن القفال) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے قفال
کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ قصہ بہ طور تمثیل کے مشرکین کی عام حالت کو بیان کر رہا
ہے اور اس تفسیر کو بہت ہی پسند فرمایا ہے۔ هذا جواب فی غاية الصحة
والسداد (کبیر) اور محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت میں ضمیر کو آدم علیہ السلام
وحوا علیہما السلام کی طرف راجع کرنے کی کوئی تائید نہ قرآن سے ملتی ہے نہ حدیث
صحیح سے اور نہ ایسے قصہ پیمبروں کے لائق ہیں۔ لم تثبت فی قرأن ولا
حديث صحيح فاطرحت ذكرها (بحر) وامثال ذالک لاتليق
بالانبياء (بیضاوی) ۲۸۳ اس میں مورتیاں بت، عناصر طبعی وغیرہ سارے ہی
معبودان باطل آگئے۔ ۲۸۴ مشرکوں کی کمال حماقت دکھائی ہے کہ ایسوں کے
آگے جھکتے ہیں اور گرتے ہیں۔ جو کسی کو تو پیدا کیا کرتے خود اپنے پیدا کرنے پر
قادر نہیں، بلکہ اپنی پیدائش تک کے لئے دوسرے ہی کے تمام تر محتاج ہیں۔
دوسری آیت میں ترقی کرکے ارشاد ہوا ہے کہ اتنا ہی نہیں بلکہ تخلیق الگ رہی وہ تو
امداد تک پر قادر نہیں۔ نہ کسی دوسرے کی نہ خود اپنی ہی! حیرت اور کمال حیرت ہے
کہ ایسی بے بس ہستیوں کو معبود کے درجہ پر رکھا جائے! ۲۸۵ تَدْعُوْهُمْ اِلَى
الْهُدٰى۔ کے ایک معنیٰ تو یہی ہیں کہ اگر تم انہیں اس غرض سے پکارو کہ یہ تمہیں کوئی راہ بتلائیں، تو تمہارا کہنا یہ نہ کرسکیں۔ یعنی راہ نہ بتلاسکیں۔ اور دوسرے معنیٰ یہ ہوسکتے ہیں کہ اگر تم انہیں اس لئے پکارو کہ
تم انہیں راہ دکھلا دو تو یہ تمہارے کہنے پر نہ چلیں یعنی ہدایت پر عمل نہ کرسکیں۔ تَدْعُوْهُمْ میں خطاب مشرکین سے ہے اور ضمیر هم اصنام کی جانب ہے۔ قيل الخطاب للمشركين وهم ضمير
للاصنام (بیضاوی)۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا

(پروردگار) ہے جس نے تمہیں ایک جان واحد سے پیدا کیا ۲۷۷ اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا ۲۷۸

لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا

تاکہ وہ اس (جوڑے) سے تسکین حاصل کرے ۲۷۹ پھر جب وہ (یعنی مرد) اُسے ڈھانک لیتا ہے اسے ہلکا سا حمل

خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا

رہ جاتا ہے پھر وہ اُسے لیے ہوئے چلتی پھرتی ہے ۲۸۰ پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے تو وہ دونوں (میاں بیوی) اپنے

لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾

پروردگار اللہ سے دعا مانگنے لگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں صحیح وسالم (اولاد) دے دی تو ہم (تیرے) بڑے شکر گزار ہوں

فَلَمَّاۤ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَاۤ

گے ۲۸۱ لیکن جب (اللہ) انہیں جیتی جاگتی (اولاد) دے دیتا ہے تو وہ لوگ (اللہ) کی دی ہوئی چیز میں (اللہ کے)

اٰتٰهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا

شریک قرار دینے لگتے ہیں ۲۸۲ تو پاک ہے اللہ ان کے شرک سے۔ کیا (اللہ کے ساتھ) یہ انہیں شریک کرتے

لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہ کرسکیں (بلکہ) خود ہی پیدا کئے گئے ہیں ۲۸۳

لَهُمْ نَصْرًا وَّلَاۤ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ

وہ انہیں کسی قسم کی مدد بھی نہیں دے سکتے ہیں (بلکہ) خود اپنی ہی مدد نہیں کرسکتے ۲۸۴ اور اگر

تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۗ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ

تم انہیں کوئی بات بتلانے کو پکارو تو تمہاری پیروی نہ کرسکیں برابر ہیں (دونوں امر) تمہارے اعتبار سے

اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

کہ خواہ انہیں پکارو خواہ خاموش رہو ۲۸۵ بیشک جنہیں

و۲۸۶ (لیکن وہ جواب کہاں دے پاتے ہیں؟ اور یہی ایک بات تمہارے دعوے کو بدیہی البطلان بنادینے کے لئے کافی ہے) عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ۔ یہ مثلیت ومشابہت انسان اور ان دیوتاؤں کے مخلوق ہونے اور بے بس وبے اختیار ہونے میں ہے۔ قال الحسن فی كونها مملوكة لله وقال التبريزى فی كونها مخلوقة (بحر) ای مماثلة لكم من حيث انها مملوكة لله تعالٰی مسخرة لامره عاجزة عن النفع والضر (روح) من حيث انها مملوكة مسخرة (بیضاوی) اشارہ ہے جاہلی قوموں کے دیوتاؤں، سورج، چاند، زہرہ، مشتری، آکاش دیوتا وغیرہ کی جانب۔

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ

تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ تمہارے ہی جیسے بندے ہیں سو تم انہیں پکارو

فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ

وہ تمہیں جواب دیں گے اگر تم سچے ہو و۲۸۶ کیا ان کے

اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ

پیر ہیں جن سے وہ چلتے ہیں؟ کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ (کسی چیز کو) پکڑتے ہیں؟

اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ

کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں؟ کیا ان کے کان ہیں

يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ

جن سے وہ سنتے ہیں؟ آپ کہہ دیجیے کہ تم اپنے (سب) شریکوں کو بلالو پھر میرے خلاف چال چلو

فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ

اور مجھے مہلت نہ دو و۲۸۷ یقیناً میرا کارساز اللہ ہے جس نے (مجھ پر یہ) کتاب نازل کی ہے

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

اور وہ صالحین کی کارسازی کرتا ہی رہتا ہے و۲۸۸ اور جن کو تم اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ

پکارتے ہو وہ نہ تو تمہاری ہی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد

يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا

کر سکتے ہیں و۲۸۹ اور اگر تم انہیں کوئی بات بتلانے کو پکارو تو وہ سن نہ سکیں و۲۹۰

وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ گویا آپ کی طرف نظر کر رہے ہیں درآنحالیکہ انہیں کچھ نہیں سوجھ رہا ہے و۲۹۱

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ اگر تم سچے ہو۔ ان کے معبود ورب ہونے کے باب میں۔ توریت میں بعل پرستوں اور بعل کے نبیوں کے سلسلہ ذکر میں ہے:۔ ”انہوں نے وہ بیل جو انہیں دیا گیا تھا لیا اور اُسے تیار کیا۔ اور صبح سے دوپہر تک بعل کا نام لیا کئے کہ اے بعل ہماری سن، پر کچھ آواز نہ ہوئی اور نہ کوئی جواب دینے والا تھا۔ اور وہ اس مذبح پر جو بنا تھا کودا کئے اور دوپہر کو ایسا ہوا کہ ایلیاہ اُن پر ہنسا اور بولا، بلند آواز سے پکارو کیونکہ وہ تو ایک خدا ہے۔ شاید وہ باتیں کر رہا ہے یا خلوت میں ہے یا کہیں سفر میں ہے اور شاید کہ وہ سوتا ہے۔ سو ضرور ہے کہ وہ جگایا جائے (۱۔سلاطین ۱۸:۲۶،۲۷) تَدْعُوْنَ۔ میں دعاء سے مراد اُن بتوں کو معبود قرار دینا اور فادعوهم میں دعاء سے مراد اُن سے طلب نفع ودفع ضرر چاہنا ہے۔ عنٰی بالدعاء الاول تسميتهم الاصنام الهة. والدعاء الثانی طلب المنافع وكشف المضار من جهتهم (جصاص) تدعون ای تعبدونهم وتسمونهم الهةً (بیضاوی) مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نداء غیر اللہ بہ طور استغاثہ آیت کی رو سے ناجائز ثابت ہورہی ہے۔ و۲۸۷ یعنی تم مع اپنے گونگے بہرے معبودوں کے سب مل کر اپنے دل کا ارمان نکال لو۔ اور میری مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر دیکھ لو کہ مجھے کہاں تک نقصان پہنچا سکتے ہو۔ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ۔ خطاب پیغمبر سے ہے کہ آپ ان بت پرستوں سے ان پر ان کے معبودوں کی بے کسی اور بے بسی واضح کرنے کو یوں فرمائیے۔ اَلَهُمْ...... يَسْمَعُوْنَ بِهَا۔ جسمانیات میں کمال کا تحقق اُنھی آلات واعضاء پر موقوف ہے۔ اس لیے ان پر جرح تفصیل سے فرمائی گئی۔ آیت میں یہ پہلو بھی آگیا ہے کہ انسان میں قوت وقدرت کے ظاہری آلات، پیر، ہاتھ، آنکھ کان تو کم سے کم ہیں بھی۔ یہ بے جان وبے حس بت تو ان سے بھی محروم ہیں پھر یہ مشرک انسان کی کیا شامت ہے کہ وہ ان کی پرستش میں لگا ہوا ہے جو خود اُس سے بھی ابتر وکمتر ہیں۔ المقصود من هذا الأية بيان ان الانسان افضل واكمل حالاً من الصنم واشتغال الافضل الاكمل بعبادة الاخس الادون جهل (کبیر) و۲۸۸ (تو پھر اپنے نبی اور نبی بھی کیسا افضل الانبیاء کی کارسازی کیوں نہ کرے گا؟ یہاں اکیلے اور سچے معبود کے دو وصف بیان کردئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس نے کتاب نازل کی ہے جو دنیا وآخرت میں نافع اور سارے علوم کی جامع ہے دوسرے یہ کہ وہ صالح بندوں کی نصرت وکارسازی کرتا ہے دیوی دیوتا نام کے معبودان دونوں ہی وصفوں سے عاجز وعاری! ای ومن عادته تعالٰی ان يتولى الصالحين من عباده فضلا عن انبيائه (بیضاوی) و۲۸۹ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۸۴ اصل مقصود ان معبودوں کا کمال عجز دکھانا تھا اس لیے اس پر توجہ اس آیت میں دلائی گئی ہے و۲۹۰ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۸۵ لَا يَسْمَعُوْا۔ ابھی اُوپر کی ایک آیت میں اسی مضمون کے خاتمہ پر لَا يَتَّبِعُوْكُمْ وارد ہوا ہے۔ یہاں اس سے ترقی کر کے لَا يَسْمَعُوْا ہے۔ عدم اسماع یقیناً عدم اتباع سے بڑھ کر ابتر وصف ہے یہ معبودان باطل اتباع تو کیا کرتے سننے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے۔ هذا ابلغ من نفی الاتباع (روح) و۲۹۱ تَرٰىهُمْ میں ضمیر اُنھی معبودان باطل کی طرف ہے۔ صناع مشرک وجاہلی قومیں اپنی صناعی کے زور سے جیسی ”جاندار“ مورتیں تراش لیتی ہیں، ان کے اُوپر قرآن مجید کا یہ بیان کس قدر صادق آتا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ

درگزر اختیار کیجیے اور نیک کام کا حکم دیتے رہیے اور جاہلوں سے کنارہ کش

الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ

ہو جایا کیجیے و۲۹۲ اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

تو (فوراً) اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے وہ خوب سننے والا ہے اور خوب جاننے والا ہے و۲۹۳ یقیناً جو لوگ

اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا

خدا ترس ہیں جب انہیں کوئی خطرہ شیطانی لاحق ہوتا ہے تو وہ یاد (الٰہی) میں لگ جاتے ہیں

فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي

جس سے یکایک انہیں سوجھ آجاتی ہے و۲۹۴ اور جو شیطان کے بھائی ہیں شیطان انہیں گمراہی میں

الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا

کھینچے رہتے ہیں سو وہ باز نہیں آتے و۲۹۵ اور جب آپ ان کے سامنے کوئی نشان نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں کہ

لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ

آپ اسے کیوں نہ چھانٹ لائے و۲۹۶ آپ کہہ دیجیے کہ میں تو بس اسی کی پیروی کرتا ہوں جو کچھ میرے اوپر میرے

رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ

پروردگار کی طرف سے وحی ہوا ہے، و۲۹۷ یہ (خود بہت سی) دلیلیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہدایت اور

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا

رحمت ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں و۲۹۸ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگایا

لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ

کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے و۲۹۹ اور اپنے پروردگار کو اپنے دل میں

و۲۹۲ (اور بہت زیادہ ان کے درپے نہ ہوجیے) خُذِ الْعَفْوَ۔ یعنی ان لوگوں کی جاہلانہ اور اشتعال انگیز حماقتوں سے درگزر ہی کرتے رہیے۔ امر خذ العفو عن المذنبين والمراد اعف عنهم والى هذا ذهب جمع من السلف يشهد له ما اخرجه ابن جرير وابن المنذر وغيرهما عن الشعبي (روح) آیت سے محققین نے طرح طرح کے سبق حاصل کئے ہیں۔ تحصیل علم، اعراض اہل ظلم اور ترک مجادلۂ سفہاء وغیرہ کے۔ الحض على التخلق بالعلم والاعراض عن اهل الظلم والتنزه عن منازعة السفهاء (قرطبی) اور جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس سے زیادہ کوئی آیت اخلاق کی جامع نہیں (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں لوگوں کے ساتھ تسامح اور شفقت کے برتاؤ کی اور جاہلوں کے ساتھ حلم سے پیش آنے کی تعلیم ہے۔ و۲۹۳ اس لیے آپ کے استعاذہ کو خوب سنے گا۔ اور آپ کے مقصود کو خوب سمجھے گا۔ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ۔ نزغۂ شیطانی سے یہاں مراد طبیعت میں اس غصہ واشتعال کا پیدا ہونا اور اس کے مقتضا پر عمل کرنا ہے، جو مشرکوں اور جاہلوں کی پیہم اشتعال انگیزیوں سے پیدا ہونا تقریباً ایک امر طبعی تھا لیکن اس پر عمل کرنے سے مصالح انتظامی میں فرق پڑنے کا بھی احتمال تھا۔ نزغ الشيطان وساوسه (قرطبی) الاغواء بالوسوسة واكثر ما يكون عند الغضب (جصاص) اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ آیا پیمبر کے لیے نزغ شیطانی ممکن بھی ہے؟ سیدھا اور صاف جواب یہ کہ ممکن کیوں نہیں پیمبر سے صرف صدور معصیت ممتنع ہے، گناہ کی رائے و تجویز کا پیغمبر کے سامنے پیش ہونا، چاہے وہ انسان کی طرف سے ہو یا شیطان کی طرف سے، یہ تو کسی درجہ میں بھی ممتنع نہیں، اور نزغ شیطان کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کہ شیطان نے ایک رائے آپ کے سامنے پیش کی اور قرآن مجید تو ہر بری تحریک کو شیطان ہی کی جانب منسوب کرتا ہے۔ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ آپ اللہ سے پناہ مانگئے وہ خود آپ کو پناہ میں لے لے گا۔ یعنی اس عارضی وسوسہ کو آپ سے دور کردے گا۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لطافت قلب اسی سے ظاہر ہے کہ جو وسوسہ شیطانی محض مس کے درجہ میں ہوتا تھا (چنانچہ اگلی آیت میں ایسے ہی موقع کے لیے لفظ مس آیا ہے اور وہاں ذکر صالحین و متقین اُمت کا ہے) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو اس کی اذیت مثل نزغ کے محسوس ہوتی تھی۔ ايراد النزغ في موضع والمس في اخر لعله للاشارة الى ان لطافة قلبه صلی اللہ علیہ وسلم ازيد من غيره حيث يكون الوسوسة التي لا يكون ورودهٗ اكثر من المس نزغًا وايذاءً شديدًا في حقه ولذا اكّد باسناده الى النزغ نفسه مبالغةً (تھانوی) و۲۹۴ یعنی حقیقت امر اُن پر منکشف ہو جاتی ہے مکاید شیطانی اُن پر واضح ہو جاتے ہیں۔ اور وہ شیطانی خطرہ اُن پر اثر نہیں کرتا۔ تَذَكَّرُوْا۔ یاد الٰہی میں لگ جاتے ہیں۔ یعنی دعاء استعاذہ وغیرہ کے ذریعہ سے اللہ کی عظمت کا استحضار کر کے اپنے ایمان کو تازہ کر لیتے ہیں۔ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ۔ یعنی شیطان کی تحریک پر ان کے دلوں میں غصہ واشتعال یا اور کسی امر ناجائز و ناپسندیدہ کا جذبہ بھڑکنے لگتا ہے۔ الشیطٰن سے یہاں مراد جنس شیاطین ہے نہ کہ ذات ابلیس۔ والمراد بالشيطن ولذلك جمع ضميره (بیضاوی) انما جمع الضمير في اخوانهم والشيطان مفرد لان المراد به جنس (مدارک) محققین نے لکھا ہے کہ وسوسہ شیطانی سے تقویٰ میں کوئی نقصان نہیں آتا۔ اور اس محفوظیت کے تین درجہ ہیں۔ درجہ اعلیٰ یہ کہ وسوسہ کا اثر ہی سرے سے نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ذبیح کے واقعہ میں منقول ہے۔ اور درجہ اوسط یہ کہ وسوسہ اثر دکھائے مگر معاً تنبیہ بھی ہو جائے اور وسوسہ کے شر سے حفاظت رہے۔ یہ مقام صدیقین کا ہے اور قصۂ یوسف و زلیخا میں اس کی نظیر موجود ہے۔ اور درجہ ادنیٰ محفوظیت کا یہ ہے کہ پھسلے مگر معاً سنبھل جائے۔ ڈرے جھجکے اور باز آجائے۔ یہ مقام تائبین کا ہوتا ہے۔ اور ان تینوں مقامات کا صاحب عارف، متقی، ولی، صاحب دل ہوتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں کاملوں کو وسوسہ آنے کے امکان کی مع اس کے علاج یعنی استعاذہ اور تذکر امر و نہی کی تصریح ہے۔ و۲۹۵ (گمراہیوں سے) اور باز آئیں بھی تو کیسے؟ نہ اس کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ شیطان کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔ ولا يكفون عن الغيّ ولا يقصرون كالمتقين (بیضاوی) لا يتوبون ولا يرجعون (قرطبی) اِخْوَانُهُمْ۔ یعنی مشرکین و اہل جاہلیت جو اہل طاعت و تقویٰ نہیں بلکہ اپنی حرکتوں کے باعث گویا شیطانی برادری کے لوگ ہیں۔ ضمیر۔ هم۔ الشیطٰن (اسم جنس) کی جانب ہے۔ المعنى اخوان الشياطين وهم الفجار من ضلال الانس (قرطبی) قال الحسن وقتاده والسدي اخوان الشياطين في الضلال يمدهم الشياطين (جصاص) اى اخوان الشياطين من شياطين الانس (مدارک) يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ۔ ضمیر هم اُنہی اخوان کی طرف ہے۔ وهم الفجار من ضلال الانس يمدهم الشياطين في الغي (قرطبی) يَمُدُّوْنَهُمْ۔ مَدّ اور اَمَدّ۔ دو قریب المعنیٰ لفظ ہیں۔ قرآن مجید میں دونوں برابر آتے ہیں۔ امدّ عموماً موقع مدح پر مدّ عموماً محل ذم میں۔ قال الواحدی عامة ما جاء في التنزيل مما يحمد ويستحب امددت على افعلت وما كان بخلافه فانه يجيءُ على مددت (کبیر) و۲۹۶ (کہ جب آپ نبی ٹھیرے تو سب کچھ آپ کے اختیار میں ہوگا) لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ۔ یعنی ہمارے فرمائشی معجزوں میں سے آپ کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتے۔ كانوا يطلبون ايات معينة ومعجزات مخصوصة على سبيل التعنت (کبیر) و۲۹۷ یعنی میرا کام تو صرف فرائض رسالت کو انجام دینا ہے، نہ کہ تمہارے فرمائشی معجزات بہ اختیار خود دلانا۔ جاہلی مشرک قوموں کے سمجھانے کے لئے جو نبوت کو الوہیت کی کوئی شاخ قرار دینے پر مصر رہتے ہیں، قرآن مجید نے اس حقیقت کو بیسیوں

مختلف طریقوں سے ادا کیا ہے۔ عارفوں نے یہیں سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ نبوت نام ہے کمال عبدیت وعبودیت کا۔ مرشد تھانوی علیہ نے فرمایا کہ آیت میں تصریح ہے اس کی کہ امور غیبی غیر اختیاری ہیں اس وہ کمال کی علامت بھی نہیں۔ کمال کی بڑی علامت بس اتباع وحی ہے **و۲۹۸** یعنی قرآن تو اپنے اعجاز لفظی واعجاز معنوی کے اعتبار سے خود ہی بہت سے معجزات ودلائل کا قائم مقام ہے **و۲۹۹** حکم کے مخاطب رہے کہ کفار و منکرین ہیں اور مقصود اصلی یہ ہے کہ جب قرآن بہ غرض تبلیغ وغیرہ پڑھ کر تم کو سنایا جائے تو اسے توجہ وخاموشی کے ساتھ سنو تا کہ اس کا معجز ہونا اور اس کی تعلیمات کی خوبیاں تمہاری سمجھ میں آجائیں اور تم ن لاکر مستحق رحمت ہو جاؤ۔ اصل حکم تو اسی قدر تھا لیکن علماء حنفیہ نے اس کے مفہوم میں توسع پیدا کر کے اس سے حالت نماز میں مقتدی کے لیے قرآنی سورۂ فاتحہ کی ممانعت بھی نکالی ہے۔ اور اس باب میں علمائے ت کے درمیان طویل مباحثے ہیں جن کے اعادہ کا یہاں محل نہیں۔ ظاهره وجوب الاستماع والانصات وقت قراءة القرآن فى الصلوٰة والتهليل ونحو ذالک (مدارک) وظاهر اللفظ ضى وجوبهما حيث يقراء القرآن مطلقاً (بیضاوی) فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ صیغۂ امر میں ہیں لیکن امر سے مراد یہاں وجوب ہے یا محض استحباب؟ فقہاء نے جواب یہ دیا ہے کہ بہ سبب حرج ختلاف مجتہدین کے اولیٰ اور اصح یہ ہے کہ صیغۂ امر کو استحباب کے لیے سمجھا جائے عامة العلماء على استحبابهما خارج الصلوٰة (بیضاوی) اَنْصِتُوْا۔ انصات ایسی خاموشی کو کہتے ہیں جو سننے ہی غرض سے اور بہ طور ادب ہو۔ الانصات السكوت للاستماع والاصغاء مراعاة (قرطبی) قال اهل اللغة الانصات الامساك عن الكلام سكوت لاستماع القرآن (جصاص) **و۳۰۰** (کہ ذکر الٰہی سے غفلت سے کر اور کون غفلت ہوگی) دُوْنَ الْجَهْرِ۔ جو چیز ممنوع ہے وہ جہر مفرط ہے ورنہ جہر لق یا جہر معتدل ممنوع نہیں۔ المراد منه ان يقع ذالك الذكر بحيث ون متوسطاً بين الجهر والمخافة (کبیر) ملاحظہ ہوں اسی سورۃ کی آیت نمبر پر حاشیے پارہ ۸ میں۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً مقصود تعلیم ادب ۔ ہیئت آواز ہر شے سے تذلل کا اظہار ہونا چاہیے۔ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۔ ں ہمیشہ مقصود انہی دو وقتوں کا حصر نہیں۔ قيل المراد ادامة الذكر باستقامة كر (مدارک) المراد مداومة الذكر والمواظبة عليه بقدر الامكان بیر) مرشد تھانوی علیہ نے فرمایا کہ ولا تکن من الغفلین سے معلوم ہوتا ے کہ ذکر کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ غفلت نہ ہو۔ یعنی فکر ہو اگر چہ اس میں زبان کی لت نہ ہو نہ جلی نہ خفی۔ **و۳۰۱** یعنی دل سے، زبان سے، جوارح سے، سب طرح ں کی عبادت میں لگے رہتے اور اپنی عبدیت کا ثبوت دیتے رہتے ہیں۔ اور ان میں ے کوئی بھی اپنے کو کسی صفت باری میں شریک نہیں سمجھتا۔ یہ آیت آیت سجدہ کہلاتی ہے۔ اور اس طرح کی آیتیں قرآن مجید میں بقول اصح چودہ ہیں اور بعض کے شمار میں ورہ (اختلاف سورہ حج کے دوسرے سجدہ سے متعلق ہے) سجدۂ تلاوت، آیت سجدہ ں تلاوت کے وقت حنفیہ کے یہاں واجب ہے۔ تفصیلی احکام کتب فقہ میں ملیں ے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ ۔ مراد اصلی تو فرشتے ہیں توسع کر کے انبیاء، اولیاء رمین بھی اس میں داخل کیے جا سکتے ہیں۔ يعنى الملائكة بالاجماع (قرطبی) نْدَ سے مراد قرب منزلت ومرتبت ہے نہ کہ قرب مکانی۔ هو عبارة عن قربهم ں الكرامة لا فى المسافة (قرطبی) مكانةً ومنزلةً لا مكانًا ومنزلًا دارک) القرب المعتبر هو القرب بالشرف لا القرب بالجهة (کبیر) یت کا مطلب یہ ہے کہ جب ملائکہ بہ ایں شرف وعظمت ہر وقت عبادت الٰہی وتسبیح ں لگے ہوئے ہیں تو انسان کو اپنی ناسوتی آلائشوں کے لحاظ سے اور زیادہ اس پر ستعد رہنا چاہیے والمعنى ان الملائكة مع نهاية شرفهم و غاية هارتهم لما كانوا مواظبين على العبودية والسجود والخضوع الخشوع فالانسان مع كونه مبتلى بظلمات عالم الجسمانيات اولى لمواظبة على الطاعة (کبیر) مرشد تھانوی علیہ نے فرمایا کہ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ یعنی تکبر سے بری ہونے کو دوسری طاعتوں پر مقدم رکھنے سے یہ نکلتا ہے کہ زوال کبر اصلاح کی باقی صورتوں کے لیے بہ منزلہ شرط ہے اور امام رازی علیہ نے الفاظ آیت کی ترتیب سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اعمال قلوب، اعمال جوارح پر مقدم ہیں۔

فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ
یاد کیا کر عاجزی اور خوف کے ساتھ نہ کہ چلانے کی آواز سے

الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾
صبح اور شام کو اور اہل غفلت میں نہ شامل ہو جانا **و۳۰۰**

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ
بیشک جو تیرے پروردگار کے قریب ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر

عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ ع
نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں **و۳۰۱**

السجدة ۱ | ع ۲۴/۱۸ | ۱۴

ایاتها ۷۵ | ۸ سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ ۸۸ | رکوعاتها ۱۰

اس میں پچھتر آیتیں | سورۂ انفال مدنی ہے | اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ
(یہ لوگ) آپ سے غنیمتوں کے بارہ میں سوال کرتے ہیں، **و۱** آپ کہہ دیجیے کہ غنیمتیں اللہ کی ملک ہیں

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ
(اصلاً) اور رسول کی (تبعاً) **و۲** پس اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنے آپس کی اصلاح کرو اور اللہ اور اس کے

وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ
رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو **و۳** ایمان والے تو بس وہ ہوتے ہیں کہ

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ
جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل سہم جاتے ہیں **و۴** اور جب انہیں اس کی آیتیں

سورة الانفال **و۱** (کہ یہ ملک کس کی ہیں اور انہیں تقسیم کس طرح کیا جائے) تقسیم مال غنیمت کے قدیم دستور کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ جب معرکۂ بدر کے بعد مسلمانوں کو پہلی بار بہ حیثیت ایک جماعت کے شکست کھائے ہوئے کافروں سے مال ہاتھ آیا تو قدرۃً یہ سوال پیدا ہوا، کہ (state property) حکومت کی آمدنی ملک کس کی ہے اور اسے سرکاری خزانہ میں داخل کس ترتیب سے کیا جائے؟ اَلْاَنْفَالِ۔ جمع ہے نَفَل (بہ حرکت فاء) کی اور نَفْل (بہ سکون فاء) کے معنی زاید یا اس چیز کے ہیں جو واجب کے علاوہ ہو۔ النفل اى الزيادة على الواجب (راغب) نَفَل (بہ حرکت فاء) سے مراد (اصطلاح شریعت میں) وہ مال ہوتا ہے جو جنگ کے بعد دشمن سے حاصل ہو اور اس کا اطلاق مال غنیمت قبل تقسیم پر ہوتا ہے۔ النفل ما يحصل للانسان قبل القسمة من جملة الغنيمة (راغب) لیکن عموماً اسے مطلق غنیمت کا مرادف مانا گیا ہے۔ قال ابن عباس ومجاهد والضحاك وقتادة وعكرمة وعطاء الانفال الغنائم (جصاص) سميت الغنائم انفالاً لان المسلمين فضلوا بها على سائر الامم (کبیر) اى الاموال الماخوذة من الكفار قهرا (کبیر) یہ سوال کرنے والے ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ میں سے تھے، انہی میں آپس میں یہ سوال اٹھا تھا کہ مال غنیمت

عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمۡ

پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ اُن کا ایمان بڑھا دیتی ہیں ف۵ اور وہ اپنے پروردگار پر

يَتَوَكَّلُوۡنَ ۚ ۝۲ الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا

توکل رکھتے ہیں ف۶ (اور) نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے

رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ؕ ۝۳ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ

انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں ف۷ یہی لوگ تو سچے (اور پکے) مومن ہیں

لَهُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَمَغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ۚ ۝۴

بڑے درجات ہیں ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس اور مغفرت (بھی) اور عزت کی روزی (بھی) ف۸

كَمَاۤ اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَيۡتِكَ بِالۡحَقِّ ۖ وَاِنَّ

جیسا کہ آپ کے ف۹ پروردگار نے آپ کو حکمت کے ساتھ آپ کے گھر سے باہر نکالا ف۱۰ اور

فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لَكٰرِهُوۡنَ ۙ ۝۵ يُجَادِلُوۡنَكَ

مومنوں کا ایک گروہ (اس کو) گراں سمجھ رہا تھا ف۱۱ وہ آپ سے اس حقیقت کے باب میں

فِى الۡحَـقِّ بَعۡدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوۡنَ اِلَى الۡمَوۡتِ

بعد اس کے کہ اس کا ظہور ہو چکا تھا اس طرح رد و قدح کر رہے تھے کہ گویا وہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہوں

وَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ ؕ ۝۶ وَاِذۡ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحۡدَى

اور وہ دیکھ رہے ہوں ف۱۲ اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا

الطَّآئِفَتَيۡنِ اَنَّهَا لَـكُمۡ وَتَوَدُّوۡنَ اَنَّ غَيۡرَ ذَاتِ

دو جماعتوں میں سے ایک کے لیے کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی ف۱۳ اور تم (یہ) چاہ رہے تھے کہ غیر مسلح

الشَّوۡكَةِ تَكُوۡنُ لَـكُمۡ وَيُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّحِقَّ الۡحَـقَّ

جماعت تمہارے ہاتھ آ جائے درآنحالیکہ اللہ کو منظور یہ تھا کہ حق کا حق ہونا ثابت کر دے،

مہاجرین، انصار وغیرہ میں سے حق کس کا ہے اور تقسیم کی بنیاد کیا ہونی چاہیے۔ ولا شک انهم کانوا اقوامًا لهم تعلق بالغنائم والانفال وهم اقوام من الصحابة (بیر) و لقد وقع اختلاف بین المسلمین فی غنائم بدر فی قسمتها فسالوا رسول الله ﷺ کیف نقسم ولمن الحکم فی قسمتها (مدارک) ف۲ (اور وہی دونوں مالک و مختار ہیں۔ کہ جس طرح بھی چاہیں ان کی تقسیم کا حکم جاری کریں۔ اس میں تردید آگئی اس خیال کی کہ مالِ غنیمت اصلی حق غازیوں اور مجاہدوں، اور لشکر اسلامی کے سپاہیوں کا ہے۔ ان سے وعدہ تو اجر آخرت کا ہے ان کا صلہ موعود تو صرف جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال ہرگز ہرگز اس نیت سے نہ کریں کہ مالِ غنیمت کے وہ مالک و متصرف ہوں گے۔ دنیا میں ظہور اسلام سے قبل بھی بڑی بڑی متمدن و مہذب، پرقوت و شوکت سلطنتیں موجود تھیں۔ عظیم الشان جنگیں بھی آپس میں ہو چکی تھیں۔ اور ہوتی رہتی تھیں۔ مصر، ہند، ایران یونان، روما سب میں بڑے بڑے سیاسی و معاشی مفکرین پیدا ہو چکے تھے، جنھوں نے غنائم جنگ سے متعلق بھی مختلف نظریے رواج دے رکھے تھے۔ قرآن مجید نے آکر دنیا میں پہلی بار ان سارے نظریات کو چیلنج دیا اور بتلایا کہ مالِ غنیمت نہ تو بادشاہ کی ملک ہے نہ فوج کے افسروں اور سپاہیوں کی، اور نہ ملک و قوم کی، بلکہ اصلاً و حقیقۃً صرف اللہ ہی کی ملک ہے، اور سپاہیوں اور مجاہدوں میں اخلاصِ کامل پیدا کرنے کی کوئی صورت اس سے بڑھ کر نہیں لِلّٰهِ سوال کا جواب کتنا بلیغ و حکیمانہ ملا کہ وہی اس کا بھی مالک ہے جو جان و مال ہر چیز کا مالک ہے۔ گویا ارشاد یہ ہوا کہ جس طرح ربوبیت اُس ذاتِ پاک کی صفت خاصہ ہے، مالکیت بھی تمام تر اُسی کا وصف مخصوص ہے۔ ہر جان کا مالک بھی وہی، ہر مال کا مالک بھی وہی، اسلامی نظام حکومت میں قانون اُسی کا، اقتدار اعلیٰ اسی کا، زمین اسی کی، اور ٹھیک اسی طرح دشمن سے حاصل کیا ہوا مال بھی اُسی کا۔ اُسی کو اختیار ہے کہ تقسیم کا حکم جس طرح چاہے دے، یا جو کچھ چاہے کرے۔ وَالرَّسُوۡلِ۔ کہ رسول ﷺ ہی کی معرفت اس حکم الٰہی کا اعلان اور بیان ہوگا کہ وہی اس دنیا میں اس مالک و مختار کی مرضی و اقتدار کے نمائندہ ہیں۔ ومعنی الجمع بین ذکر الله والرسول ان حکمها مختص بالله ورسوله یامر الله بقسمتها علی ماتقتضیه حکمتهٗ ویمتثل الرسول امر الله فیها ولیس الامر فی قسمتها مفوضًا الٰی رأی احدٍ (مدارک) ف۳ (کہ یہ اطاعت ہی ایمان کا معیار ہے) یہاں ادھر توجہ دلادی کہ طالب آخرت کے رہو نہ کہ دنیا کی حرص میں مبتلا ہو کر اپنی رائے و تجویز سے غنیمت تقسیم کرنے لگو۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ میں سارے حقوق اللہ کی نگہداشت آگئی۔ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ۔ اپنے آپس کے سابقہ کو ایسا سنبھالو، سنوارو کہ باہمی رشک و مسابقت کا نام و نشان نہ رہے اور بندوں کے حقوق پوری طرح ادا کرو گویا تقویٰ و اصلاح کی جامعیت کا حکم آیت میں آگیا، ف۴ (عظمت الٰہی کے استحضار سے) اور یہی حاصل ہے تقویٰ کا، خوف خدا و خشیت کی تاکید اگلے صحیفوں میں بھی ہے۔ توریت میں ایک مقام پر ہے" خداوند کہتا ہے کیا تم مجھ سے نہیں ڈرتے ہو؟ کیا تم میرے حضور میں نہیں تھرتھراتے؟ (یرمیاہ، ۵:۲۲) اور انجیل میں ہے، جو سرتاسر رحمت و شفقت ہی کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ " اے خداوند کون تجھ سے نہ ڈرے گا؟ اور کون تیرے نام کی بڑائی نہ کرے گا؟ کیوں کہ صرف تو ہی قدوس ہے" (مکاشفہ ۱۵:۴) ف۵ (قوت اور تازگی کے لحاظ سے) یہ بیان مومنین کاملین کی صفائے باطنی کا ہوا۔ ف۶ یہ بیان ہو رہا ہے مومنین کی عملی حالت کا، توکل پر حاشیہ پارہ ۴ سورۂ آل عمران میں آیت فاذا عزمت فتوکل علی الله کے تحت میں گزر چکا۔ ف۷ یعنی حقوق اللہ میں شعبہ بدنی اور شعبہ مالی دونوں کی ادائی کا پورا پورا اہتمام رکھتے ہیں، محققین نے کہا ہے کہ اعمال باطنی میں توکل اور اعمال ظاہری میں صلوٰۃ و زکوٰۃ کے تصریحی ذکر سے اشارہ اس طرف ہے کہ باطنی اور ظاہری زندگی میں یہی اعمال سب سے اہم اور قابل اہتمام ہیں۔ خص من الصفات الباطنة التوکل بالذکر علی التعیین ومن الاعمال الظاهرة الصلوٰة والزکوٰة علی التعیین تنبیهًا علی ان اشرف الاحوال الباطنة التوکل واشرف الاعمال الظاهرة الصلوٰة والزکوٰة (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت اوصاف سالکین کی جامع ہے۔ یعنی اس میں حال بھی ہے وجل کے لفظ سے اور عقاید بھی ہیں ایمان کے واسطہ سے، اور عمل باطنی بھی توکل کے ذریعہ سے اور عمل ظاہری بھی صلوٰۃ و انفاق کے واسطوں سے، اور آیت کامل اس پر نص ہے کہ ایمان کامل ان سب اوصاف کو جمع کرتا ہے، اور صوفیہ چونکہ ان سب اوصاف کے جامع ہوتے ہیں، ان کا ایمان بھی کامل ہوتا ہے۔ ف۸ یعنی جیسا کامل ان کا ایمان ہے ویسے ہی جزاء بھی انہیں ہر اعتبار سے کامل ہی ملے گی۔ ف۹ یعنی مالِ غنیمت کا یہ خدائی طرز تقسیم گو بعض طبائع کو اپنے خلافِ مرضی ہونے کی بنا پر ناگوار گزرے لیکن حقیقۃً یہ حکم ایسا ہی پر مصلحت ہے جیسا وہ واقعہ جس کا ذکر اب شروع ہو رہا ہے۔ كَمَا اس لفظ کی ترکیب قرآن مجید کی مشکل ترین ترکیبات نحوی میں سے ہے اضطرب المفسرون فی قوله کما اخرجک (بحر) چنانچہ صاحب بحر نے ۱۵ مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ ان میں ایک دلنشیں قول زجاج لغوی کا ہے۔ الانفال ثابتة لله ثباتاً کما اخرجک ربک (بحر) زمخشری جیسے امام ادب نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور تقدیر کلام یوں رکھی ہے الانفال استقرت لله والرسول وثبتت مع کراهیتهم ثباتاً مثل ثبات اخراج ربک ایاک من بیتک وهم کارهون (کشاف) صاحب بحر نے لکھا ہے کہ میں اسی غور و فکر میں ایک روز سو گیا تو میں نے خواب بھی اسی ترکیب سے متعلق دیکھا۔ اس خواب کے نتیجہ کے طور پر انہوں نے کما کے معنی میں محض تشبیہ ہی کو نہیں لیا بلکہ تعلیل کو بھی شامل کیا ہے۔ الکاف لیست لمحض التشبیه بل فیها معنی التعلیل (بحر) لیکن امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تقدیر کلام اختیار اور پسند کی ہے وہ اس سے بہتر ہے۔ کان التقدیر

انھم رضوا بھذا الحکم فی الانفال وان کانوا کارھین له کما اخرجک ربک من بیتک بالحق الی القتال وان کانوا کارھین له (کبیر) ف۱۰ (معرکہ بدر کے لئے) رسول اللہ ﷺ کو مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کیے ہوئے یعنی وطن کو چھوڑ کر بہ حکم الٰہی جلاوطن ہوئے دوسرا سال ہو چکا تھا مگر مکہ کے مشرکوں کی ایذا رسانیوں کا سلسلہ ابھی تک جاری تھا کہ اتنے میں خبر ملی کہ ان موذی دشمنوں کا قافلہ پچاس ہزار اشرفیوں کے مال تجارت سے لدا پھندا ایک مشہور کلی لیڈر ابوسفیان کی قیادت و رہنمائی میں شام سے مکہ کو واپس ہو رہا ہے اور مدینہ کے قریب سے ہو کر گزرے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے رفیق اور صحابی برسوں سے ان کے مظالم کے ہدف بنے ہوئے تھے۔ قدرۃً خیال گزرا کہ موقع اچھا ہے، دشمن کی اس شہ رگ کو کاٹ دینا چاہیے (مکہ کوئی زراعتی ملک تو تھا نہیں باشندوں کی آمدنی کا دارومدار اسی تجارتی قافلہ پر تھا) آپ تین سو تیرہ رفیقوں کے ہمراہ روانہ ہو گئے، نہ یہ کوئی باضابطہ فوج تھی اور نہ فوجی سامان وسلاح سے آراستہ اس وقت آپ نے اپنی بے مثال تنظیمی قابلیت کی بنا پر اتنے ہی لوگوں کو فوجی دستوں کی صورت میں مرتب کر لیا تھا۔ ساتھ میں کل ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے، ادھر یہ ہو رہا تھا، اُدھر یہ خبر قافلے والوں کو بھی لگ گئی۔ انہوں نے فوراً اپنے آدمی فوجی کمک کے لئے مکہ کو دوڑائے اور خود بالا بالا راستہ کترا کر سمندر کے کنارہ کنارہ نکل آئے۔ جمہوریہ مکہ کا رئیس ابوجہل اپنی ماتحتی میں چھوٹے چھوٹے رؤساء اور عام مسلح سپاہی ۹۵۰ کی تعداد میں لے کر جوش وخروش کے ساتھ مدینہ والوں پر چھپٹا، اور بدر کی منزل پر آکر دم لیا۔ جو مدینہ

بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ

اپنے احکام سے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے ف۱۴ تاکہ حق کا حق ہونا

وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸ اِذْ

اور باطل کا باطل ہونا ثابت کردے ف۱۵ اور اگرچہ مجرموں کو ناگوار ہی ہوتا رہے (اور اس وقت کو یاد کرو) جب

تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ

تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے ف۱۶ پھر اس نے تمہاری سن لی (اور فرمایا) کہ میں تمہیں

بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝۹ وَ مَا جَعَلَهُ

ایک ہزار فرشتوں سے بعد دیگرے آنے والوں سے مدد دوں گا ف۱۷ اور اللہ نے یہ بس اس لیے کیا کہ

اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَ لِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَ مَا النَّصْرُ

(تمہیں) بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان ہو جائے درآنحالیکہ نصرت تو

اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ ع ۱۰/۱۵

بس اللہ ہی کے پاس ہے بیشک اللہ زبردست ہے، حکمت والا ہے ف۱۸

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ

(اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب (اللہ نے) اپنی طرف سے چین دینے کو تم پر غنودگی کو طاری کر دیا تھا اور آسمان سے

مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ

تمہارے اوپر پانی اتار رہا تھا کہ اس کے ذریعہ سے تمہیں پاک کر دے اور تم سے

رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ يُثَبِّتَ

شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تاکہ مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور اس کے باعث

بِهِ الْاَقْدَامَ ۝۱۱ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ

(تمہارے) قدم جمادے ف۱۹ (اور اس وقت کو یاد کرو) جب آپ کا پروردگار وحی کر رہا تھا فرشتوں کی جانب کہ میں

سے صرف ۲۰ میل کے فاصلہ پر اور اس کے جنوب ومغرب میں واقع ہے۔ یہ واقعہ رمضان ۲ھ مارچ ۶۲۴ء کا ہے۔ ادھر رسول ﷺ پر وحی آئی کہ قافلہ یا لشکر دونوں میں سے ایک پر آپ کی فتح یقینی ہے۔ لیکن صحابہ تو بہرحال صاحب وحی نہیں تھے۔ انہوں نے تو یہ دیکھا کہ اب مقابلہ آپڑا ہے تجارتی قافلہ سے یا فوج کے سامان رسد سے نہیں، بلکہ خود لشکر جرار سے اور لشکر بھی کیسا، اپنے سے تعداد اور سامان دونوں میں کئی گنا زاید! قدرۃً ایک گروہ کو اب تذبذب، تامل، تردد پیدا ہوا، رسول اللہ ﷺ کو اس کم ہمتی پر تاسف ہوا لیکن خود صحابہ ہی کے گروہ میں سے، مہاجرین میں، ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اور انصار میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ رئیس اوس نے جوش اطاعت سے لبریز تقریریں کیں، جب آپ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ آیت بالا میں انہی واقعات کی طرف اشارات ہیں۔ معرکہ کے آئینی اور قانونی پہلو پر زمانہ حال کے ایک ماہر فن قانون بین الممالک (انٹرنیشنل لا) کے خیالات سننے کے قابل ہیں:۔ ”ایک طرف تو قریش کا مسلمانوں پر مظالم توڑ کر انہیں جلاوطنی پر مجبور کرنا، جلاوطنی پر اُن کی جائدادوں کا ضبط کر لینا، اور اُن کے نئے مسکن (حبشہ اور پھر مدینہ) میں وہاں کے حکمرانوں اور بااثر لوگوں کو ان تارکین وطن کو پناہ نہ دینے کی ترغیب دینا، دوسری طرف ان ناانصافیوں کا بدلہ لینے کے لیے مدینہ کے مسلمانوں کا قریش پر معاشی دباؤ ڈالنا اور بزور قریشی قافلوں کی آمد ورفت کو اپنے زیراثر علاقہ میں روک دینا، یہی بدر کی لڑائی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ قریشی قافلوں کو لوٹ لینا ڈاکہ اس وقت سمجھا جائے جب یہ بے قصور ہوں اور لوٹنے والے، حکومت نہیں بلکہ خانگی افراد ہوں، ورنہ دو سلطنتوں میں کشیدگی پر نہ صرف جان بلکہ مال وآبرو کے خلاف بھی ہر فریق دوسرے فریق کو نقصان پہنچانے کا پورا حق رکھتا ہے“۔ (ڈاکٹر حمید اللہ کی ”عہد نبوی کے میدان جنگ“ صفحہ ۱۷) بِالْحَقِّ۔ یعنی مقصد صحیح وصالح و پر حکمت کے ساتھ، یوں ہی اور بلا وجہ نہیں۔ ای اخراجاً متلبساً بالحکمۃ والصواب (کبیر) مِنْۢ بَيْتِكَ۔ یعنی شہر مدینہ سے جواب آپ کا وطن اختیاری تھا۔ یرید بیته بالمدینۃ او المدینۃ نفسھا لانھا موضع ھجرته وسکناہ (کبیر) ف۱۱ کہاں ۳۱۳ اور وہ بھی بے سروسامان، کہاں ۹۵۰ اور پھر ہر طرح مسلح وباساز وسامان۔ خوف واندیشہ بالکل قدرتی تھا اور یہ طبعی کیفیت مورد عتاب نہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی متقی وصالح شخص سانپ کا یا شیر کا اچانک سامنا ہو جانے پر ڈر جائے پھر فوراً یقیناً یہ امر بھی صاف ہو گیا کہ یہ خوف وتردد بھی سب کو نہ تھا۔ وھذا فیما لا یدخل تحت القدرۃ والاختیار فلا یرد انه لا یلیق بمنصب الصحابۃ (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نفع کبھی بہ صورت ضرر ہوتا ہے، اور عارفین کو اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ ف۱۲ یہ تفصیل بیان ہوئی اسی کراہت طبعی لکارھون کی (ملاحظہ ہوں اوپر کے دونوں حاشیے) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے الفاظ میں مدینہ سے چلتے وقت مسلمانوں کو یقین نہ تھا کہ آیا وہ قافلہ سے ملیں گے یا امدادی دستہ سے مٹ بھیڑ ہو گی۔ دونوں امکانات تھے چونکہ قریشی قافلہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل اور پانچ لاکھ درہم کا اسباب لا رہا تھا، اس لئے مدینہ والوں کو یقین تھا کہ اس کی مدد اور حفاظت کے لیے قریش اپنے تمام حلیفوں کی مدد سے ہزاروں آدمیوں کے ساتھ مقابلہ اور کشمکش کریں گے۔ مدینہ سے زیادہ دور مکہ کی سمت جانا بہتوں کے لیے موت کے منہ میں جانا معلوم ہوتا تھا۔ (کتاب مذکور)۔ صفحہ ۱۷، ۱۸ يُجَادِلُوْنَكَ۔ جدال محاورۂ قرآنی میں ہمیشہ موقع ذم ہی پر نہیں آتا، بلکہ اس کے معنی کہیں صرف زور دے کر کہنے کے آتے ہیں اور اس لفظ کا استعمال کہیں پیمبران معصوم تک کے حق میں آیا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے لیے۔ يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ...... فِي الْحَقِّ یعنی لشکر مکہ سے قتال کے بارے میں درآنحالیکہ وہ صرف قافلہ پر حملہ کے خیال سے کر آئے تھے والحق الذی جادلوا فیه رسول اللہ ﷺ تلقی النفیر (کبیر) بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ۔ یعنی بعد اس کے کہ اس عمل کا خیر ہونا انہیں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہو چکا تھا۔ ای بعد ماتبین لھم انک لا تامر بشیء الا باذن اللہ (قرطبی) ف۱۳ یعنی وہ مغلوب ہو جائے گی اور تم اس پر غالب آجاؤ گے۔ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ۔ یہ وعدۂ الٰہی رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے تھا۔ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ۔ دو جماعتوں (یعنی قافلہ ولشکر) میں سے ایک یعنی لشکر۔ ف۱۴ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جنگ بدر

ایک فیصلہ کن جنگ تھی۔ جمہوریہ مکہ کی قسمت کا پانسہ اسی نے ہمیشہ کے لیے پلٹ دیا۔ اور نئے دین کی جڑ جما دی۔ (ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے) مسلمانوں کی خواہش طبعی طور پر یہی تھی کہ سابقہ صرف تجارتی قافلہ سے پڑے، جس پر انہیں فتح بلا حرب وقتال کے حاصل ہو جائے۔ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ۔ یعنی وہی تجارتی قافلہ۔ شوکۃ کے لفظی معنی چبھنے والے کانٹے کے ہیں۔ مجازاً قوت، شدت اور اسلحہ سے مراد ہوتی ہے۔ مایدق ویصلب راسه من النبات ویعبّر بالشوک والشكة من السلاح والشدة (راغب) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کبھی ضرر بہ صورت نفع ہوتا ہے اور عارفین کو ہر وقت اس کا مشاہدہ اپنے حالات و معاملات میں ہوتا رہتا ہے۔ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ۔ یعنی حق کا حق ہونا عیاناً و مشاہدۃً ظاہر کر دے۔ بِكَلِمٰتِهٖ۔ کلمات سے مراد احکام شرعی بھی ہو سکتے ہیں، مثلاً رسول اللہ ﷺ کا بدر کی طرف روانہ ہونا، لشکر سے مقابلہ کے لیے حکم فرمانا وغیرہ اور احکام تکوینی بھی مثلاً روساء مکہ کا اتنی تیاریاں کر کے آنا، اور پھر بھی مغلوب و مقہور ہونا وغیرہ، ف۱۵ یہاں بھی وہی احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا عیاناً و مشاہدۃً واقع ہونا مراد ہے۔ اور يُحِقَّ الْحَقَّ میں تکرار معنوی اس لیے نہیں ہے کہ ایک جگہ وہ خود مقصود ہے اور دوسری جگہ ایک مقصود قطع دابر کا واسطہ ہے۔ ف۱۶ (اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی اور دشمن کی کثرت تعداد ساز و سامان پر نظر کر کے) ف۱۷ یہی مضمون سورۂ آل عمران پارۂ چہارم میں آیا ہے اور حاشیے وہاں گزر چکے۔ مُرْدِفِيْنَ۔ سے مراد شاید یہ ہو کہ جس طرح آج میدان جنگ میں باقاعدہ فوجوں کے جنگی دستے ترتیب کے ساتھ ایک کے بعد ایک آتے رہتے ہیں اُسی جنگی نظام و ترتیب کے ساتھ فرشتوں کے دستوں کا نزول ہوتا رہا۔ المردف المتقدم الذی اردف غیره (راغب) ای متابعین تاتی فرقة بعد فرقة وذالک اهیب فی العیون (قرطبی) فَاسْتَجَابَ لَكُمْ۔ یہ وعدہ امداد الٰہی پیمبر کے ذریعے ہوا ف۱۸ چنانچہ وہ بالکل براہ راست بلا کسی واسطے کے بھی امداد پر قادر ہے لیکن وہ رعایت اسباب بھی رکھتا ہے اور اس لیے مدد واسطوں اور ذریعوں سے پہنچاتا ہے۔ وَمَا جَعَلَهُ۔ ضمیر اسی وعدۂ امداد بذریعہ ملائکہ کی جانب ہے۔ اِلَّا بُشْرٰى۔ یعنی توقع فتح و غلبہ سے دل خوش ہو جائے۔ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ۔ اس میں اس حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ طبعاً تسلی اسباب ظاہری سے ہوتی ہے۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ یعنی کہیں وسائط و ذرائع پر زیادہ نظر کر کے اُنہی میں نہ الجھ جانا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ امداد ساری کی ساری اللہ ہی کی طرف سے ہے نبه علی ان النصر من عنده عزوجل لا من الملئکة (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت اس پر دال ہے کہ باوجود اسباب کے غیر مؤثر ہونے اور مسببات کے منجانب اللہ ہونے کے بعد پھر بھی اسباب میں حکمتیں ہوتی ہیں۔ ف۱۹ بدر میں مشرکین پہلے جا پہنچے تھے، اور پانی پر قبضہ کر لیا تھا مسلمان بعد میں پہنچے اور ایک خشک ریگستان میں اترے جہاں پانی نہ ہونے سے پیاس کی بھی شدت اور نماز کے وقت وضو اور غسل سے بھی عاجز (اور تیمم کا حکم اس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا) ادھر ریگستان میں چلنا پھرنا مصیبت کہ اس میں پاؤں دھنسے جاتے تھے۔ ان اسباب سے قلب سخت پریشان ہوا، اوپر سے شیطان نے وسوسہ ڈالنا شروع کیا کہ اگر تم اللہ کے نزدیک مقبول و منصور ہوتے تو اس پریشانی میں کیوں پھنستے۔ حالانکہ یہ وسوسہ محض بے بنیاد تھا مگر پریشانی بڑھانے کے لے کافی تھا۔ حق تعالیٰ نے اول بارانِ رحمت نازل فرمایا جس سے پانی کی افراط ہو گئی۔ پیا بھی وضو، غسل بھی کیا۔ اور اس سے ریتا جم گیا اور دھنسن جاتی رہی، برخلاف اس کے کفار نرم زمین میں تھے۔ وہاں کیچڑ ہو گئی جس سے چلنے پھرنے میں تکلف ہونے لگا۔ غرض سب وساوس و تشویشات دفع ہو گئے۔ اس کے بعد ان پر اونگھ کا غلبہ ہوا۔ جس سے پوری راحت ہو گئی اور سب بے چینی جاتی رہی۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اَمَنَةً مِّنْهُ۔ یعنی یہ غنودگی کا طاری ہونا بھی بلا سبب نہ تھا، ایک خاص حکمت و مصلحت کا نتیجہ تھا، منه میں ضمیر حق تعالیٰ کی جانب ہے۔ الهاء فی منه لله (قرطبی) لِيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ۔ یعنی وضو، غسل، وغیرہ کی سب ضرورتیں پوری ہو جائیں۔ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ۔ وہ شیطانی وسوسہ مومنین کے دل میں یہ تھا کہ معلوم ہوتا ہے ہم مخذول، غیر مقبول ہیں۔ جب ہی تو پانی سے محروم ہیں۔ قوت ارادی میں ضعف وسوسۂ شیطانی ہی پیدا کرتا ہے اس کا ازالہ مقدم ہے۔

مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ

تمہارے ساتھ ہوں سو ایمان والوں کو جمائے رکھو ف۲۰ میں ابھی کافروں کے دلوں میں

الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ

رعب ڈالے دیتا ہوں سو تم (کافروں کی) گردنوں کے اوپر مارو

وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا

اور ان کے پور پور پر ضرب لگاؤ ف۲۱ یہ (حکم قتال) اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور

اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ

اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ

سزا دینے میں سخت ہے ف۲۲ سو یہ (سزا) چکھو اور (جان لو) کہ

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا

کافروں کے لیے جہنم کا عذاب ہے ف۲۳ اے ایمان والو جب تمہارا

لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾

سامنا ہو جائے گا کافروں کے لشکر کا تو ان سے پشت مت پھیرنا ف۲۴

وَ مَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ

اور جو کوئی ان سے اپنی پشت اس روز پھیرے گا سوا اس کے کہ پینترا بدل رہا ہو لڑائی کے لیے یا

مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ

(اپنی) جماعت کی طرف پناہ لے رہا ہو تو وہ اللہ کے غضب میں آ جائے گا اور اس کا ٹھکانا

جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ

جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے ف۲۵ سو ان (کافروں) کو تم نے قتل نہیں کیا، بلکہ

لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ۔ خطرناک موقعوں پر شجاعت و ثابت قدمی اسی قوت یقین سے پیدا ہوتی ہے لِيُثَبِّتَ بِهٖ۔ میں ضمیر پانی کی طرف ہے۔ الضمیر فی به عائد علی الماء (قرطبی) ف۲۰ یعنی اپنے تصرفات ملکی سے ان کی ہمت بڑھائے رکھو۔ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ۔ یعنی اُنہی فرشتوں کی جانب جو امداد مومنین کے لئے نازل ہوئے تھے اَنِّيْ مَعَكُمْ۔ یعنی تم حسب ارشاد اپنا کام کیے جاؤ اثر پیدا کرنا ہمارا کام ہے اور اصل شے یہی معیت الٰہی ہے ف۲۱ یہ سب بیان اور تفصیل ہے ثَبِّتُوا۔ کی سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ۔ یہ بیان ہے اَنِّيْ مَعَكُمْ کا۔ فَوْقَ الْاَعْنَاقِ۔ میں فوق، علی کے معنی میں لیا گیا ہے۔ فوق بمعنی علی (معالم) بنان کہتے ہیں انگلیوں اور اُن کے پوروں کو۔ البنان الاصابع (راغب) البنان الاصابع یرید الاطراف (کشاف) وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۔ جنگ ظاہر ہے کہ دست بہ دست تھی۔ نیزوں، اور تلواروں سے، ایسی جنگ کے لیے (بلکہ کہنا چاہیے کہ ہر جنگ کے لیے) اس سے بڑھ کر حکیمانہ ہدایت اور کیا ہو سکتی ہے کہ دشمن کے سپاہیوں کی انگلیوں پر وار کر دو اور ان کی جان لیے بغیر انہیں لڑائی کے ناقابل بنا دو۔ خصه لاجل انهم بها تقاتل وتدافع (راغب) فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ۔ یعنی گردن کے اُوپر کے حصہ پر وار کرو۔ تاکہ حریف فوراً مر جائے خواہ مخواہ اور بلا ضرورت مدت تک تڑپتا، اور موت و زندگی کے درمیان جھولتا نہ رہے، والمعنی فاضربوا المقاتل والشوی لان الضرب اما واقع علی مقتل او علی غیر مقتل فامرهم بان یجمعوا علیهم النوعین معاً (کشاف)

اللّٰہَ قَتَلَھُمْ ۠ وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰہَ

اللہ نے انہیں قتل کیا اور آپ نے (ان پر) خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جب کہ آپ نے وہ پھینکی بلکہ اللہ نے

رَمٰی ۚ وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ

پھینکی و۲۶ تاکہ آزمائش کرے ایمان والوں کی اپنی طرف سے اچھی آزمائش بیشک

اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَ اَنَّ اللّٰہَ مُوْهِنُ كَیْدِ

اللہ خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے و۲۷ یہ تو ہو چکا و۲۸ اور بیشک اللہ کمزور کرکے رہے گا کافروں کی

الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ

تدبیر کو و۲۹ اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو فیصلہ تو تمہارے سامنے آموجود ہوا

وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ

و۳۰ اور اگر تم باز آجاؤ تو وہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم پھر وہی کروگے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے

وَ لَنْ تُغْنِیَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَیْــًٔا وَّ لَوْ كَثُرَتْ ۙ وَ اَنَّ

اور تمہاری جماعت تمہارے ذرا کام نہ آئے گی گو (کتنی ہی) زائد ہو اور (جانے رہو) کہ

اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا

اللہ تو ایمان والوں کے ساتھ ہے و۳۱ اے ایمان والو اطاعت کرتے رہو

اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾

اللہ اور اس کے رسول کی اور اس سے روگردانی نہ کرو درآنحالیکہ تم سن رہے ہو و۳۲

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو کہتے تو ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ (کچھ بھی) سنتے (سناتے) نہیں و۳۳

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِیْنَ

بد ترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ بہرے، گونگے ہیں جو عقل سے (ذرا)

دونوں ہدایتیں فنِ حرب کے لحاظ سے بہترین اور اعلیٰ طریق حرب وضرب کی جامع ہیں۔ و۲۲ (خواہ یہ سزا آخرت میں ہو یا دنیا میں۔ یا دونوں جگہ) شَآقُّوا اللّٰہَ۔ سے مراد شاقوا اولیاء اللہ بھی لی گئی۔ اے اولیاءہٗ (قرطبی) و۲۳ (کہ اصلی عذاب تو وہی ہے اور دنیوی سزا سے اس کا ٹل جانا لازم نہیں آتا) و۲۴ جہاد سے بھاگنا حرام ہے۔ عام حکم یہی ہے، بہ طور استثناء اجازت خاص خاص صورتوں میں ہے۔ ان کی تفصیل کچھ تو یہیں قرآن مجید میں آرہی ہے اور کچھ فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔ اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا۔ یعنی کافروں سے مڈبھیڑ ہو بحالت جہاد میں۔ زحفاً زحف کے لفظی معنی چھوٹے بچے کا گھسل گھسل کر چلنا ہے، مجازاً اس کا اطلاق لشکر پر بھی ہونے لگا کہ اسے بھی ہجوم کے باعث رک رک ہی کر چلنا ہوتا ہے۔ کالعسکر اذا کثر فیعثر انبعاثه (راغب) الزحف الدنو قلیلاً قلیلاً ثم سمی کل ماشٍ فی الحوب الی اٰخر زاحفاً (قرطبی) و۲۵ سپاہیوں کو اپنی جگہ چھوڑنے اور میدان جنگ سے ہٹنے کی اگر ذرا گنجائش رکھ دی جائے تو نظام عسکری تو فوراً ہی تشریف لے جائے۔ اس لیے دنیا کے کسی بھی حربی قانون میں اس کی ذرا بھی اجازت نہیں بلکہ بزدلی ایک ناقابل عفو جرم ہے۔ اور پھر لشکر اسلام کا تو ہر سپاہی خدا کا سپاہی ہوتا ہے۔ وہ اپنی جان بیچ کر اور اس کے عوض میں وعدۂ جنت لیکر تو قدم ہی میدان میں رکھتا ہے۔ اس کے لیے تو بزدلی کی اتنی بھی گنجائش نہیں نکل سکتی جتنی کسی دنیوی لشکر میں ممکن ہے۔ الفرار کبیرة موبقة بظاهر القراٰن واجماع الاکثر من الائمة (قرطبی) قال ابن القاسم لا تجوز شهادة من فرّ من الزحف ولا یجوز لهم الفرار وان فرّ امامهم (قرطبی) یَوْمَئِذٍ۔ جہاد کے دن یعنی جہاد کے موقع پر۔ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ۔ اس استثناء کے اندر جنگی مصلحت کی وہ تمام صورتیں آجاتی ہیں جن کا مقصد حریف کو غافل کر کے اس پر اکبارگی ٹوٹ پڑنا ہوتا ہے۔ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ۔ مثلاً سپاہی اپنے لشکر سے جدا ہو کر اکیلا پڑ گیا۔ اور اب بھاگنے سے اس کا مقصود اپنی جماعت سے مل کر اور ساز و سامان حاصل کر کے پھر سے حملہ کرنا ہے۔ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ۔ محققین نے یہاں پر یاد دلا دیا ہے کہ اس دخولِ جہنم سے خلود جہنم لازم نہیں آتا۔ وهذا لا یدل علی الخلود (قرطبی) و۲۶ (تاثیر حقیقی کے مرتبہ میں۔ کہ موثر حقیقی صرف اُس کی قدرت ہے،) سپہ دار اعظم رسول اللہ ﷺ نے حالت جہاد میں ایک مٹھی بھر کنکریاں یا مٹی اُٹھا کر مشرکوں کے لشکر کی طرف پھینکیں، ریزے اُن کی آنکھوں میں جا کر گھس گئے اور انہیں شکست ہوئی۔ حدیث میں روایت غزوۂ بدر وغزوۂ حنین دونوں کے سلسلہ میں آئی ہے۔ سیاق قرآن صاف غزوہ بدر کے سلسلہ میں ہے۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ۔ ف سے غرض یہ ہے کہ جب تم تائید غیبی کے ایسے ایسے عجائب وخوارق خود مشاہدہ کر چکے ہو تو اب یہ بھی سمجھ لو۔ آیت اس مضمون کو صاف کر رہی ہے کہ فاعل حقیقی وموثر اصلی صرف حق تعالیٰ ہے گو عالم اسباب میں وہ کام آلات ووسائط ہی سے لیتا رہتا ہے، فنزلت الاٰیة اعلاماً بان اللّٰہ تعالیٰ هو الممیت والمقدر لجمیع الاشیاء وان العبد انما یشارک بتکسبه وقصده (قرطبی) ای لیس بحولکم وقوتکم قتلتم اعداءکم مع کثرة عددهم وقلة عددکم ای بل هو الذی اظفرکم علیهم (ابن کثیر) وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔ یعنی یہ آپ کے یا کسی مخلوق کے بھی بس میں نہ تھا کہ خاک کے وہ ذرے ہر ہر کافر کی آنکھ تک پہنچا دیں، رمی کا یہ معجزانہ عمل تمام تر قدرت الٰہی کا کرشمہ تھا۔ عنی بذالک ان اللّٰہ بلغ بذالک التراب وجوههم وعیونهم اذلم یکن فی وسع احد من المخلوقین ان یبلغ ذالک التراب عیونهم من الموضع الذی کان فیه النبی ﷺ (جصاص) وما رمیت یا محمد رمیا توصله الی اعینهم ولم تقدر علیه اذ رمیت ای اذرمیت بصورة الرمی ولکن اللّٰہ رمیٰ ای اتیٰ بما هو غایة الرمی فاوصلها الی اعینهم جمیعاً حتی انهزموا (بیضاوی) و۲۷ اُس پر بندوں کے الفاظ واقوال بھی اور احوال واعمال بھی سب یکساں روشن ہیں۔ وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا۔ مومنین کی اس آزمائش سے مقصد یہ کہ انہیں ان کے قصد سے اختیار کیے ہوئے اعمال پر خوب اجر وصلہ دے۔ و۲۸ یعنی یہ ایک مصلحت تو پوری ہو چکی و۲۹ (اور وہ بھی کمزور اور بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں جس سے اُس کی قدرت وحکمت اور زیادہ واضح ہو کر رہے و۳۰ (اور جو فریق حق پر تھا اُسے غلبہ حاصل ہو گیا) خطاب مشرکین مکہ سے ہے روایتوں میں آتا ہے کہ جب مشرکین کا لشکر معرکۂ بدر کے لیے مکہ سے روانہ ہو رہا تھا تو سردار قریش ابوجہل نے غلاف کعبہ پکڑ کر دعا کی تھی کہ اے اللہ کامیابی اُس لشکر کو عطا کر جو حق پر ہو۔ کان المشرکون حین خرجوا من مکة الی بدر اخذوا باستار الکعبة فاستنصروا اللّٰہ وقالوا اللّٰهم انصر اعلی الجندین واکرم الفئتین وخیر القبیلتین (ابن کثیر عن السدی) وقیل قاله ابو جهل وقت القتال (قرطبی) و۳۱ اس لیے فتح وغلبہ اصلاً حق ہی کا ہے گو کسی عارض کی وجہ سے کسی وقت اس کا ظہور نہ ہو) وَاِنْ تَنْتَهُوْا۔ یعنی اتنے نمایاں وضوح حق کے بعد اگر اب بھی اسلام ورسول اسلام ﷺ کی مخالفت سے باز آجاؤ۔ خَیْرٌ لَّكُمْ۔ یہ بہتری تمہارے حق میں دنیوی اور اخروی دونوں اعتبار سے ہوگی۔ اِنْ تَعُوْدُوْا۔ یعنی اسی طرح مخالفت ومعاندت پر مصر رہو گے۔ نَعُدْ۔ یعنی ہم بھی اسی طرح تمہارا زور توڑتے رہیں گے۔ و۳۲ (اعتقاد کے ساتھ) مسلمانوں کا کلام الٰہی کا سننا ہمیشہ اعتقاد ہی کے ساتھ ہوگا۔ اور یہاں خطاب مسلمانوں ہی سے ہے، آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جیسے عقیدت سے سن رہے ہو، ویسے ہی عمل بھی کرو۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ۔ ساری دنیوی کامرانیوں اور اخروی کامیابیوں کی بنیاد یہی اطاعت ہے۔ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ۔ ''اس سے'' یعنی اس اطاعت سے۔ ضمیر حکم کی جانب ہے۔ الضمیر للجهاد اوللامر الذی دل علیه الطاعة (بیضاوی)

وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ۔ سے فقہاء و مفسرین نے یہ استنباط کیا ہے کہ مومن کی عملی زندگی پر ایمان کا اثر ہونا چاہیے اور اگر کوئی اثر نہیں ملتا تو محض قول بیکار ہی ہے۔ دلت الآیة علی ان قول المومن سمعت واطعت لا فائدة فیه مالم یظهر اثر ذالک علیه بامتثال فعله (قرطبی) ف۳۳ (مراد کفار و منافقین ہیں) مسلمانوں کو ہدایت ہو رہی ہے کہ ترک اطاعت میں تم کافروں اور منافقوں کی طرح نہ ہو جانا۔ ف۳۴ (اور سن کر عمل نہ کرنا بھی مشابہ اُن لوگوں کے عمل کے ہے جو بہرے اور گونگے ہیں۔ شَرَّ الدَّوَآبِّ۔ کفار و منافقین کے ذکر کے بعد یہ لفظ ان کی تحقیر و اہانت کے لیے ہے۔ عنی به الاشرار الذین هم فی الجهل بمنزلة الدوابّ (راغب) ف۳۵ یعنی اگر ان کافروں اور منافقوں میں کوئی خوبی طلب حق کے سلسلہ میں موجود ہوتی تو اللہ انہیں اعتقاد کے ساتھ سننے کی توفیق بھی دے دیتا۔ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ۔ یعنی انہیں اس بے پروائی کی حالت میں سنوا دے، جیسا کہ ظاہری کانوں سے وہ اب بھی سن ہی رہے ہیں۔ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا۔ اللہ کا علم تو ہمیشہ مطابق واقع ہی ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ کے علم میں کسی شے کے نہ آنے کے معنٰی ہی اس شے کی نفی کے ہیں۔ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ یہ ٹکڑا ان کی بے توجہی کو اور نمایاں کرنے کے لیے ہے۔ ف۳۶ یعنی احکام شریعت کی طرف۔ یہاں صاف صاف بتا دیا کہ حیات ابدی اور زندگی جاودانی بخشنے والی چیز یہی نظام دین ہے۔ خصوصیت کے ساتھ مراد جہاد ہے۔ لِلرَّسُوْلِ۔ یہ بات لحاظ رکھنے والی ہے کہ قرآن مجید میں ایسے تمام موقعوں پر رسول اللہ ﷺ کا ذکر بجائے اسم ذات کے ہمیشہ رسول یا الرسول ہی سے آتا ہے۔ یہ آپ کی حیثیت رسالت کو نمایاں کرنے کے لیے ہے کہ آپ کا بلانا بھی فرستادۂ الٰہی کی حیثیت سے اللہ ہی کا بلانا ہوتا ہے۔ اِسْتَجِيْبُوْا۔ یہاں اجیبوا کے معنٰی میں ہے۔ ف۳۷ (اور سب کا سابقہ بالآخر اسی سے پڑتا ہے) يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ۔ اللہ کا انسان اور اس کے قلب کے درمیان آڑ بن جانا دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک یوں کہ مومن کے قلب میں طاعت کی برکت سے کفر و معصیت کو نہیں آنے دیتا۔ دوسرے یوں کہ کافر کے قلب میں مخالفت کی نحوست سے ایمان و طاعت کو آنے نہیں دیتا۔ ف۳۸ (بلکہ اُن گنہگاروں کے علاوہ ان لوگوں پر بھی اس کا وبال پڑے گا۔ جنہوں نے باوجود کسی حد تک قدرت رکھنے کے ان گناہوں کو روکنے کی کوشش نہ کی۔ اور خود بھی اس طرح جرم مداہنت کے مرتکب ہوئے یا شریک جرم رہے) اسلام امت کو جس بلند معیار پر دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے افراد کا زمرۂ صالحین میں ہونا کافی نہیں، بلکہ ہر فرد بشر کو بہ قدر اپنی وسعت و بساط کے مصلح ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لئے جرم و مجرم سے مداہنت اسلام کے اندر خود ایک جرم ہے۔ ”جس طرح اپنی اصلاح کے متعلق طاعت واجب ہے، اسی طرح یہ بھی طاعت واجبہ میں داخل ہے کہ بہ قدر وسع دوسروں کی اصلاح میں بہ طریق امر بالمعروف و نہی عن المنکر بالید یا باللسان یا ترکِ اختلاط یا نفرت بالقلب جو کہ آخری درجہ ہے۔ کوشش کرو ورنہ درصورتِ مداہنت ان منکروں کا وبال جیسا مرتکبین منکرات پر واقع ہوگا۔ ایسا ہی کسی درجہ میں مداہنت کرنے والوں پر بھی واقع ہوگا۔“ (تھانوی) ف۳۹ (اور طاعت و اطاعت میں خوب مستعد ہو جاؤ) اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ۔ مسلمانوں کو اُن کی مکی زندگی قبل ہجرت کی یاد دلائی جا رہی ہے۔ مُسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ۔ یعنی تعداد میں کم ہونے کے علاوہ مکہ میں بہ لحاظ قوت بھی کمزور ہی شمار کیے جاتے تھے۔ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ۔ النَّاسُ سے مراد مخالفین و اعداء ہیں۔ اٰوٰىكُمْ۔ یعنی مدینہ میں اطمینان سے جگہ دی۔ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ۔ یعنی تمہاری تعداد بھی بڑھ گئی۔ بے سروسامانی بھی نہ رہی۔ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ۔ یعنی تمہیں ہر طرح کی خوش حالی عنایت کی۔

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا

کام نہیں لیتے ف۳۴ اور اگر ان میں کسی خوبی کا علم اللہ کو ہوتا تو وہ

لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

انہیں سنوا دیتا اور اگر (اب) وہ انہیں سنوا دے تو یہ ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے ف۳۵

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا

اے ایمان والو اللہ اور رسول کو لبیک کہو جب کہ وہ (یعنی رسول)

دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ

تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلائیں ف۳۶ اور جانے رہو کہ اللہ آڑ بن جاتا ہے درمیان

الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً

انسان کے اور اس کے قلب کے اور یہ کہ تم (سب) کو اسی کے پاس اکٹھا ہونا ہے ف۳۷ اور ڈرتے رہو اس وبال سے

لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَ اعْلَمُوْۤا

جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں ف۳۸ اور جانے رہو

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ

کہ بے شک اللہ سخت ہے سزا دینے میں اور یاد کرو (اس حالت کو) جب تم

قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ

تھوڑے تھے (اور) ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے ڈرتے رہتے تھے کہ

يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ

کہیں لوگ تم کو اچانک کھسوٹ نہ لیں سو (اللہ نے) تمہیں رہنے کو جگہ دی، اور اپنی نصرت سے تمہاری تائید کی

وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰۤاَيُّهَا

اور تم کو ستھری چیزیں عطا کیں تاکہ تم شکر گزار ہو ف۳۹ اے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا

(اے) ایمان والو خیانت نہ کرو اللہ اور رسول کی اور نہ

اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ

اپنی امانتوں میں خیانت کرو درآنحالیکہ تم جانتے ہو ف۴۰ اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور

وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع

تمہاری اولاد ایک آزمائش ہیں اور یہ بھی کہ بہت بڑا اجر تو اللہ ہی کے پاس ہے ف۴۱

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ

اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں

فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

ایک فیصلہ کی چیز دے دے گا اور تم سے دور کر دے گا تمہارے گناہ اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ

ہے ہی بڑے فضل والا ف۴۲ اور (اس واقعہ کا ذکر کیجیے) جب کہ کافر آپ کی نسبت تدبیر

كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ

سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کریں یا آپ کو قتل کریں، یا آپ کو (وطن سے) خارج کر دیں

وَيَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور وہ (اپنی) تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ (اپنی) تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر والا ہے ف۴۳

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہنے لگتے ہیں بس ہم نے سن لیا ہم چاہیں

لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

تو اسی کا سا ہم بھی کہہ لائیں یہ ہے ہی کیا بجز اگلوں کی کہانیوں کے ف۴۴

ف۴۰ (کہ اعمال میں کوتاہیوں کے نتائج بد اور مضرتیں کیا کیا ہیں) لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ۔ اللہ اور رسول کے جو حقوق عاید ہوتے ہیں اُنھی کو پوری طرح ادا نہ کرنا بھی اُن میں خیانت کرنا ہے۔ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ۔ اللہ اور رسول کے بتائے ہوئے اعمال سے جو منافع مرتب ہوتے ہیں اُنھی کو یہاں امانتوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ف۴۱ (جس کے آگے ساری دنیوی لذتیں فانی، مصلحتیں ہیچ ہیں) فِتْنَةٌ۔ یعنی یہ مال واولاد کی محبت ہی ایسی چیز ہے جس سے امتحان ہوتا رہتا ہے کہ کون ان کی محبت میں حد سے گزر کر اللہ اور رسول کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ ف۴۲ (اور اس بڑے داتا کی ساری بخششیں اور نعمتیں تمہارے وہم وگمان میں بھی کب آسکتی ہیں) اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ۔ اور اس تقویٰ وخشیت الٰہی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طاعت واطاعت میں لگے رہو گے۔ فُرْقَانًا۔ فرقان کی تشریح اہل تفسیر نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق کی ہے۔ لیکن بہتر ہوگا کہ لفظ ان سب مفہوموں کا جامع سمجھا جائے اور ہدایت اور نور قلب جس سے حق وباطل میں فیصلہ ہو جائے اور غلبہ علی الاعداء اور نجات آخرت جس سے حق وباطل میں عملی فیصلہ ہو جائے سب کو شامل رہے۔ ف۴۳ (جس کی تدبیر کے آگے ساری دنیا کے منصوبے اور تدبیریں ہیچ محض ہیں) اِذْ يَمْكُرُ بِكَ۔ مکہ کے رئیسوں سرداروں نے باہم جمع ہو کر آپ کی قید، جلاوطنی، قتل، سب تدبیروں پر غور کیا۔ اور اخیر رائے قتل ہی کی قرار پائی۔ آپ کو وحی سے معلوم ہو گیا۔ آپ خاموشی سے نقل مکان کر، غار ثور میں پوشیدہ ہو گئے اور بہ فراغ خاطر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ آیت میں انھی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ مکر پر حاشیے سورہ آل عمران آیت مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔ پر گزر چکے۔ لِيُثْبِتُوْكَ۔ اثبات یہاں قید یا حبس کے معنی میں لیا گیا ہے۔ الاثبات هو الحبس (ابن جریر عن السدی) ای لیسجنوک (ابن جریر عن عطاء وعبداللہ بن کثیر) ومعنی لیثبتوک لیحبسوک (قرطبی) ف۴۴ (اور کلام حق ہرگز نہیں) یہ کہنے والا کون تھا؟ اہل تاریخ وسیر کا بیان ہے کہ یہ کہنے والا نضر بن حارث تھا، اپنے زمانہ کا بڑا جہاندیدہ اور "روشن خیال" ایران جیسے مہذب ومتمدن ملک کی سیر کیے ہوئے۔ جیسے آج کا "ولایت پلٹ" ہندوستانی! قد قیل ان قائل لذالک هو النضر بن الحارث كما قد قص علٰى ذالک سعيد بن جبير والسدی وابن جریج وغيرهم فانه لعنه الله كان قد ذهب الى بلاد فارس وتعلم من اخبار ملوكهم رستم واسفند يار (ابن کثیر) هٰذا سے اشارہ دونوں جگہ قرآن مجید کی طرف ہے۔ قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا...... بولے کہ بس ہم نے سن لیا اور حال معلوم ہو گیا۔

وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ

اور (وہ وقت بھی یاد دلایئے) جب (ان لوگوں نے) کہا تھا کہ اے اللہ اگر یہ (کلام) تیری طرف سے

عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا

واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا پھر (کوئی اور ہی) عذاب

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ

دردناک لے آ ۴۵ حالانکہ اللہ ایسا نہیں کرنے کا کہ انہیں عذاب دے اس حال میں کہ آپ ان میں

فِيْهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

موجود ہوں اور نہ اللہ ان پر عذاب لانے کا ہے اس حال میں کہ وہ استغفار کر رہے ہوں ۴۶

وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ

ہاں یہ بھی ان لوگوں کے لیے نہیں کہ اللہ ان پر عذاب (ہی سرے سے) نہ لائے درآنحالیکہ وہ مسجد حرام سے

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ

روکتے ہیں جب کہ وہ اس کے متولی ہی نہیں ۴۷ اس کے متولی تو

اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ مَا كَانَ

بس متقی ہی (ہو سکتے) ہیں لیکن ان (لوگوں) میں سے اکثر تو علم (بھی) نہیں رکھتے ۴۸ اور (خود)

صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا

ان کی نماز (ہی) خانہ (کعبہ) کے پاس کیا تھی بجز سیٹی بجانے اور تالی بجانے کے سو

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

عذاب (کا مزہ) چکھو اپنے کفر کی پاداش میں ۴۹ بیشک جو لوگ کفر (اختیار) کیے ہوئے ہیں

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

اپنے مال کو اس لیے خرچ کر رہے ہیں کہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکیں

ف۴۵ (یعنی اسی طرح کا کوئی خارق عادت) صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ اس قول کا قائل ابوجہل بن ہشام تھا، اور طبرانی وغیرہ دوسری روایتوں میں نام نضر بن الحارث کا آتا ہے لیکن بہرحال ایک کا نام دوسرے کے منافی نہیں اور جیسا کہ محدث حافظ ابن حجر نے فیصلہ کیا ہے ممکن ہے دونوں نے ہی کہا ہو، لیکن ترجیح ابوجہل والی روایت کو ہے۔ **ولانها فی ذالک ما فی الصحیح لا حتمال ان یکون قالاه ولکن نسبته الی ابی جهل اولی** (فتح الباری) یہ بھی بہ آسانی ممکن ہے کہ کہنے والا کوئی ایک ہو، اور اس کے ہم زبان اور بہت سے اہل قریش ہو گئے ہوں۔ **قال الجمهور قائل ذالک کفار قریش** (بحر) **وان کان هذا القول نسب الی جماعة فلعله بدأ به ورضی الباقون فنسبت الیهم** (فتح الباری) هٰذَا۔ یعنی وہ کلام جسے محمد ﷺ بہ طور خدائی کلام کے پیش کر رہے ہیں۔ **ف۴۶** (گو وہ استغفار ایمان صحیح کی عدم موجودگی کی بنا پر آخرت میں نجات کیلئے کافی نہ ہو) یہاں یہ بتلایا کہ جس طرح کا خارق عادت عذاب یہ لوگ طلب کر رہے ہیں، اس کی راہ میں دو، دو مانع موجود ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان زندہ وسلامت موجود ہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ باوجود ان کے کفر وشرک ومعصیت شعاری کے، اللہ سے تعلق استغفار ان کا کسی درجہ میں باقی وقائم ہے چنانچہ طواف کے وقت یہ اس وقت بھی غفرانک، غفرانک کہتے جاتے ہیں۔ **ف۴۷** (اور عبادت الٰہی تو ان مومنین عابدین کا ایسا حق ہے کہ اس سے روکنے کا اختیار متولیوں کو بھی نہیں) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ عذاب خارق عادت کیلئے تو موانع موجود ہیں لیکن نفس عذاب سے مانع تو کوئی بھی نہیں بلکہ اس کا تو عین مقتضاء موجود ہے۔ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی حرم شریف کے اندر داخلہ سے اس میں نماز پڑھنے سے، اس کے اندر طواف کرنے سے یہ ظالم لوگ مسلمانوں کو اور رسول اسلام ﷺ کو برابر روک رہے ہیں۔ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ۔ قریش کا ایک زعم باطل یہ بھی تھا کہ چونکہ ہمارے باپ دادا خانہ کعبہ کے متولی رہ چکے ہیں۔ ہم میں اس کی تولیت آج تک چلی آرہی ہے یہاں اسی عقیدہ کی تردید ہے۔ اَوْلِيَآؤُهٗ میں ضمیر الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کی طرف ہے۔ **ف۴۸** (کہ منصب تولیت کے سرے سے نااہل ہیں) اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ اور تقویٰ کی پہلی شرط ایمان واسلام ہے۔ **ف۴۹** (چنانچہ اس وعید کے مطابق عذاب غیر خارق عادت غزوات نبوی کی شکل میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں پر نازل ہو کر رہا۔ وَمَا كَانَ...... تَصْدِيَةً۔ یہاں مشرکوں کی عبادت کی تحلیل کر کے بتایا ہے کہ بجز اس کے کہ منہ سے سیٹیاں بجائیں اور ہاتھ سے تالیاں، اور ان کی عبادت تھی ہی کیا؟۔ خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے کہ آج بھی عبادت کے جو غیر اسلامی اور جاہلی طریقے چلے ہوئے ہیں ان کا جزء اعظم یہی باجا گاجا، تالیاں اور سیٹیاں ہیں یا نہیں؟ فقہاء ومفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں اُن جاہل صوفیہ کے لیے بھی وعید ہے جو وجد وحال لا کر اچھلتے کودتے، تالیاں بجاتے اور ناچتے ہیں۔ اور اسے کوئی کمال روحانی سمجھتے ہیں۔ یہ صاف تشبیہ اعمال مشرکین کے ساتھ ہے۔ **فیه رد علی الجهال من الصوفیة الذین یرقصون ویصفقون وذالک کله منکر یتنزه عن مثله العقلاء ویتشبه فاعله بالمشرکین فیما کانوا یفعلونه عند البیت** (قرطبی) يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ۔ اعمال اور اعمالِ مخالفت کی تین ہی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ قولی، بدنی اور مالی، قولی اور بدنی مخالفت اوپر بیان ہو چکی۔ اب بیان یہ ہو رہا ہے کہ ان معاندین کے مالی وسائل بھی مخالفت اسلام کے لئے وقف ہیں۔ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی دین اسلام سے ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً۔ یہاں پیشگوئی فرما دی گئی ہے کہ ان کی یہ مالی کوششیں بھی رایگاں رہیں گی اور آثار ناکامی محسوس ہونے کے بعد ان پر حسرت ہی کا غلبہ رہے گا۔ ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ۔ یہ حسرت اُس وقت دُہری ہوگی۔ ایک حسرت تو اپنے مال ودولت کے ضائع جانے پر دوسری حسرت خود اپنی مغلوبیت پر۔

فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ

سو یہ لوگ تو خرچ کرتے ہی رہیں گے لیکن وہی (اموال) ان کے حق میں حسرت بن جائیں گے پھر یہ لوگ مغلوب ہو

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ

جائیں گے اور جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں انہیں دوزخ کی طرف اکٹھا کیا جائے گا ف۵۰ تاکہ

اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ

اللہ ناپاکوں کو الگ کر دے پاکوں سے اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے

عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ

یعنی ان سب کو متصل کر دے پھر اس مجموعہ کو دوزخ میں ڈال دے

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ

یہی لوگ تو ہیں (پورے) خسارہ میں رہنے والے ف۵۱ آپ کہہ دیجیے (ان) کافروں سے کہ اگر

يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا

یہ لوگ باز آجائیں گے تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ (سب) انہیں معاف کر دیا جائے گا ف۵۲ اور اگر وہی (عادت)

فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى

دہراتے رہیں گے تو (ہمارا) معاملہ بھی اگلوں کے ساتھ گزر چکا ہے ف۵۳ اور ان سے لڑو یہاں تک کہ

لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا

فساد (عقیدہ) باقی نہ رہ جائے اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لیے ہو جائے ف۵۴ لیکن اگر یہ باز آجائیں

فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا

تو اللہ خوب دیکھنے والا ہے ان کے عملوں کا ف۵۵ اور اگر یہ روگردانی کئے رہیں تو جانے رہو

اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

کہ تمہارا رفیق اللہ ہی ہے، بہترین رفیق اور بہترین مددگار ف۵۶

ع ۹ ۱۸

ف۵۰ یہ سزائے آخرت دنیوی سزا و حسرت کے علاوہ ہے۔ ف۵۱ یہ معاندین کا انجام پوری وضاحت سے بتادیا ہے فَيَرْكُمَهٗ۔ میں ف تفسیری ہے۔ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔ خبیث سے مراد کافر اور طیب سے مراد مومن ہے۔ ای المومن من الکافر (قرطبی) ف۵۲ (اور اب پچھلے گناہوں پر باز پرس نہ ہوگی) اس مقام کی شرح حدیث میں ان الفاظ سے آئی ہے۔ ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ فقہاء نے کہا ہے کہ مؤاخذہ حقوق عباد (مثلاً قرضہ، قصاص وغیرہ) کا فر حربی سے تو ساقط ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ وہ حالت کفر میں ہماری شریعت کا معاملات میں پابند نہ تھا لیکن کافر ذمی پر اسلام لانے کے بعد بھی باقی رہیں گے اس لیے کہ وہ ذمہ دار تھا۔ باقی حقوق اللہ سے متعلق دونوں کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ قال ابو حنیفۃ ما کان للہ مسقط وما کان للاٰدمی لا یسقط قال ابن العربی وھو قول علمائنا لان اللہ تعالیٰ مستغن عن حقہ والاٰدمی مفتقر الیہ (قرطبی) عام فی الحقوق التی للہ تعالیٰ (قرطبی) اِنْ يَّنْتَهُوْا۔ باز آجانے سے مراد کفر سے باز آجانا ہے۔ یرید عن الکفر (قرطبی) ان ینتھوا عن الکفر وعداوۃ الرسول ودخلوا الاسلام (کبیر) مَا قَدْ سَلَفَ۔ کے عموم سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ زندیق کی بھی توبہ قبول ہو جائے گی وہ اس لیے کہ زندقہ بھی بہر حال کفر کی ایک نوع ہے۔ فان قولہ یغفرلھم ما قد سلف یتناول جمیع انواع الکفر (کبیر) ف۵۳ یعنی انبیاء کے منکرین و معاندین کے ساتھ جو خدائی تعزیر دنیا میں ہلاکت اور آخرت میں عذاب کی پیش آتی رہی ہے وہی انجام ان جدید منکرین اور معاندین کا بھی رکھا ہوا ہے۔ عبارۃ تجمع الوعید والتھدید والتمثیل بمن ھلک من الامم فی سالف الدھر بعذاب اللہ (قرطبی) ای عادۃ اللہ الجاریۃ فی الذین تحزبوا علی الانبیاء من نصر المومنین علیھم وخذلانھم وتدمیرھم (روح) ف۵۴ (اور یہ موقوف ہے قبولِ اسلام پر) ای یضمحل عنھم کل دین باطل ویبقی فیھم دین الاسلام وحدہٗ (مدارک) ای تضمحل الادیان الباطلۃ کلھا اما بھلاک اھلھا جمیعاً اوبرجوعھم عنھا خشیۃ القتل (روح) اس پر حاشیے اسی مضمون کی آیت پر پارۂ دوم میں گزر چکے۔ قَاتِلُوْهُمْ۔ ضمیر۔ ھُمْ مشرکین عرب کی جانب ہے۔ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ۔ یعنی شرک باقی نہ رہ جائے الی ان لا یوجدفیھم شرک قط (مدارک) ای کفر (قرطبی) قال ابن عباس والحسن حتی لا یکو ن شرک (جصاص) یہ تفسیر فقہ حنفی کے مطابق ہے بعض ائمہ نے فتنۃ سے مراد فساد و حرب لی ہے۔ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ فقہاء نے آیت کے عموم سے جملہ اصناف کفار کے ساتھ قتال واجب ٹھیرایا ہے بجز اُن کے جن سے استثناء کی دلیل کتاب و سنت سے مل جائے۔ یدل علی وجوب قتال سائر اصناف اھل الکفر الاما خصہ الدلیل من الکتاب والسنۃ (جصاص) ف۵۵ (اور وہی احتساب کے لئے کافی ہے، بندوں کو بہت زیادہ ٹٹول اور کرید کی حاجت نہیں) فَاِنِ انْتَهَوْا۔ یہ باز آجانا کس چیز سے ہے؟ امام ابوحنیفہ علیہ رحمۃ اللہ کے نزدیک مراد کفر سے باز آجانا اور اسلام قبول کر لینا ہے۔ ای عن الکفر واسلموا (مدارک) بعض دوسرے ائمہ نے قتال سے باز آجانا مراد لیا ہے۔ (مفصل حاشیے پارۂ دوم میں گزر چکے) ف۵۶ (سو تم مقابلہ میں ان سے ہٹنے کا خیال ہی نہ کرو۔ اور اللہ ہی کی رفاقت و نصرت پر بھروسہ رکھو) وَاِنْ تَوَلَّوْا۔ اس روگردانی سے فقہاء حنفیہ کے نزدیک اسلام سے روگردانی مراد ہے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک ذمیت سے روگردانی مقصود ہوگی۔

ف۵۷ سورۃ کی ابتدائی آیتوں میں مالِ غنیمت اوراس کی تقسیم کا ذکر تھا۔اب پھر اُسی مضمون کی طرف مراجعت ہے اوراب مصارف غنیمت کی تفصیل بیان ہورہی ہے۔ مَا غَنِمْتُمْ۔ غنیمت کے لغوی معنی عام و وسیع ہیں یعنی ہروہ شے جوانسان کوشش سے حاصل کرے۔ **الغنیمة فی اللغة ما یناله الرجل او الجماعة بسعی** (قرطبی) اصطلاح فقہاء میں اُس مال کو کہتے ہیں جو کافروں سے بہ زور قوت حالت جنگ میں حاصل ہو۔**الغنیمة ما نیل من الکفار عنوة و الحرب قائمة** (المغرب) **الغنیمة فی الشریعة ما دخلت فی ایدی المسلمین من اموال المشرکین علی سبیل القھر بالخیل والرکاب** (کبیر) **مال الکفار اذاظفر به المسلمون علی وجه الغلبة والقھر** (قرطبی) مَا۔ **الذی** کے معنی میں ہے اور تقدیر کلام یوں ہے۔ **الذی غنمتموہ** **ف۵۸** یعنی کل مالِ غنیمت کا ۴/۵ حصہ تو غازیوں میں تقسیم ہو جائے گا اور باقی ۱/۵ اللہ کی نذر ہوگا یعنی آج کی اصطلاح میں یہ حصہ اسلامی اسٹیٹ کا ہوگا۔اور اسلامی سرکاری خزانہ میں جمع ہوگا۔ یہ ۱/۵ حصہ بھی اب یعنی رسول اللہ ﷺ کی وفات شریف کے بعد عملاً تین حصوں میں تقسیم رہے گا۔ لِلّٰہِ فقہاء حنفیہ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اللہ کا نام مصارف خمس کی ابتداء میں محض برکت کے لئے آیا ہے کہ حقیقۃً تو اللہ کی ملک و مملوک دنیا کی ہر چیز ہے۔ **ذکرہ تعالی للتبرک باسمه فی ابتداء الکلام اذا الکل للّٰہ** (درمختار) **فاما ذکر اللہ تعالی فی الخمس فانه لافتتاح الکلام تبرکًا باسمه** (ہدایہ) **قال الشعبی ھو مفتاح الکلام** (بصاص) **وعن الحسن بن محمد بن الحنفیة قال ھٰذا مفتاح کلامٍ لیس للّٰہ نصیب فی الدنیا والأخرة** (بصاص) لِلرَّسُوْلِ۔ اللہ اور رسول کے یہ دو حصہ الگ الگ نہیں۔کل ایک ہی حصہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کو زمانِ حیات میں ملتا تھا۔نائب الٰہی اور خلیفۃ اللہ کی خدمت میں اسے پیش کر دینا اللہ ہی کے حضور میں پیش کرنا تھا۔سرکاری ۱/۵ کا یہ پانچواں حصہ یعنی کل کا ۱/۲۵ حصہ اُس کو مل رہا ہے جو ایک ہی وقت میں آمر حکومت بھی تھا، امیر لشکر بھی، حامل رسالت بھی! وفات شریف کے بعد یہ حصہ ساقط ہو گیا۔ **وسھم النبی** ﷺ **سقط بموته** (ہدایہ) **وسھم النبی** ﷺ **انما کان له مادام حیاً فلما توفی سقط سھمه** (بصاص) شافعیہ کہتے ہیں کہ آپؐ کے بعد آپ کے خلیفہ کو یہ حصہ ملے گا۔لیکن حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ آپ کا یہ حصہ تو منصب رسالت کی بنا پر تھا اور رسالت آپ کے بعد رہی نہیں ۔ **لانه علیه السلام کان یستحقه برسالته ولا رسالة بعدہٗ** (ہدایہ) خود خلفاء راشدین کا تعامل بھی حنفیہ ہی کی تائید میں ہے کہ انہوں نے کبھی رسول ﷺ کا حصہ اپنی جانب منتقل نہیں کیا۔ لِذِی الْقُرْبٰی ۔ یہ دوسرا حصہ ہوا۔(پہلا حصہ اللہ اور رسول کا ملا کر ایک تھا) یہ جاں نثاروں کا وہ گروہ تھا جس نے مکہ سے مدینہ تک ہر حال میں، ہر مصیبت میں ساتھ دیا تھا۔فقہاء حنفیہ نے لکھا ہے کہ یہ حصہ ان حضرات کی نصرت قدیم ہی کی بنا پر تھا۔ **ان المراد من النص قرب النصرة لاقرب القرابة** (ہدایہ) فقہاء مفسرین نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ لذی کا ل ملک واستحقاق کے اظہار کے لیے نہیں۔محل و مصرف کے بیان کے لئے ہے۔ **لیست اللام لبیان الاستحقاق والملک وانما ھی لبیان المصرف والمحل** (قرطبی) بعد وفات نبوی یہ حصہ بھی ساقط ہو گیا۔ **واما بعد رسول اللہ** ﷺ **فسھمه ساقط بموته کذٰلک سھم ذوی القربیٰ** (مدارک) وَالْیَتٰمٰی۔ یہ تیسرا حصہ ہوا وَالْمَسٰکِیْنِ۔ یہ چوتھا حصہ ہوا۔ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔ یہ پانچواں حصہ ہوا۔فقہاء حنفیہ کی تحقیق میں اب وہ سرکاری خمس (۱/۵) انہی تین حصوں میں تقسیم ہوگا چنانچہ خلفاء راشدین سے انہی تین حصوں میں تقسیم منقول ہے۔ **لنا ان الخلفاء الاربعة الراشدین قسموہ علی ثلثه اسھم وکفی لھم قدوة** (ہدایہ) **فان الخلفاء الاربعة متفقون علی انه لا یستحق الا بالفقر** (بصاص) یہ بھی جائز ہے کہ بجائے تینوں صنفوں کے کسی ایک ہی صنف کے مصرف میں لے آیا جائے۔ان تین حصوں کے اندر کی تقسیم یوں ہوتی ہے کہ ایک ثلث یتیموں کو دیا جاتا ہے۔ایک ثلث مسکینوں کو اور ایک ثلث مسافروں کو۔ **الخمس الباقی یقسم اثلاثا عندنا للیتیم والمسکین و ابن السبیل** (درمختار) **سھم للیتمی وسھم للمساکین وسھم لابن السبیل** (ہدایہ) خاندانِ رسالت کے حاجت مند بھی اسی میں داخل سمجھے گئے ہیں بلکہ اُن کا حق مقدم ہے۔البتہ خوش حال قرابتداروں کو کچھ نہ ملے گا۔ **یدخل فقراء ذوی القربیٰ فیھم ویقدمون ولا یدفع الی اغنیاھم** (ہدایہ) **وقدم فقراء ذوی القربیٰ من بنی ھاشم ولا حق لاغنیاءھم عندنا** (درمختار) اس طرز تقسیم کو آج کی عینک سے خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے۔سرکاری خزانہ کا ۳/۵ ہی نہیں۔پورے کا پورا ۵/۵ آج بھی دنیا کی کسی بڑی سی غریب نواز و ہمدرد عوام سلطنت میں رعایا کے سب سے زیادہ مصیبت زدہ طبقوں (لاوارث یتیموں محتاج مسکینوں اور بے زادراہ مسافروں پردیسیوں) کے لئے وقف ہے؟ ابْنِ السَّبِیْلِ۔ مسافروں کی یہ اہمیت شاید نظروں کو کچھ کھٹکے لیکن بے زادوراحلہ تھکے ماندے، بھوکے پیاسے پیدل راہ گیروں پر آج بھی پردیس میں جو مصیبتیں پڑا کرتی ہیں اور چھوت چھات کے ماننے والوں کے درمیان دیہات میں، جس طرح گرمی کی جلجلاتی ہوئی دوپہریں اور سردی کی کڑکڑاتی راتیں گزارنی پڑتی ہیں، اُن کا ہلکا اور سرسری اندازہ بھی جگمگاتے ہوئے ہوٹلوں میں ٹھہرنے والے اور ریل کے اعلیٰ درجوں میں سفر کرنے والے مسافر کر نہیں سکتے۔ **ف۵۹** یعنی معرکہ بدر کے دن، جب حق و باطل کے درمیان عملی اور حسی فیصلہ بھی سب کے مشاہدہ میں آگیا اور کفر و اسلام کے درمیان اس پہلی مادی ٹکر نے دنیا کی تاریخ میں ایک کامیاب انقلابی دعوت کی بنیاد قائم کر دی۔ **ای الیوم الذی فرقت فیه بین الحق والباطل وھو یوم بدر** (قرطبی) مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا۔ یعنی نصرت غیبی، جو ہر تفصیل کو جامع ہے۔ **والمراد منه ما انزل علیه من الأیات والملائکة والفتح فی ذٰلک الیوم** (کبیر) عَبْدِنَا۔

وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ

اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہیں بہ طور غنیمت حاصل ہو **ف۵۷** سو اس کا پانچواں حصہ اللہ

وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ

اور رسول کے لئے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے

وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا

اور مسافروں کے لئے ہے **ف۵۸** اگر تم اللہ پر اور اس چیز پر ایمان رکھتے ہو جسے

عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ

ہم نے اپنے بندہ (محمدؐ) پر نازل کیا تھا فیصلہ کے دن **ف۵۹** جس دن کہ دونوں جماعتیں مقابل ہوئیں

وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ

اور اللہ ہی ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والا ہے **ف۶۰** (یہ وہ وقت تھا) جب تم (میدان جنگ کے) نزدیک

الدُّنْیَا وَ هُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَ الرَّكْبُ اَسْفَلَ

والے کنارہ پر تھے اور وہ دور والے کنارہ پر اور قافلہ تم سے نیچے (کی جانب)

مِنْكُمْ ؕ وَ لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَ لٰكِنْ

کو تھا **ف۶۱** اور اگر تم (اور وہ) وقت مقرر کرتے تو ضرور اس تقرر کے بارہ میں تم میں اختلاف ہو جاتا **ف۶۲** لیکن

لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّیَهْلِكَ مَنْ

(لڑائی بلا قصد ٹھن گئی) تا کہ اللہ اس امر کو پورا کر دے جو ہو کر رہنا تھا **ف۶۳** (یعنی) تا کہ جسے برباد ہونا ہو وہ

هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّ یَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَ اِنَّ

کھلے ہوئے نشان آئے پیچھے برباد ہو اور جس کو زندہ ہونا ہے وہ (بھی) کھلے ہوئے نشان آئے پیچھے زندہ ہو، **ف۶۴** اور

اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ۙ اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ

بیشک اللہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے، **ف۶۵** (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب اللہ نے آپ کے خواب

قَلِيْلًا ۭ وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي

میں آپ کو وہ لوگ کم دکھلائے ف۶۶ اور اگر (اللہ) انہیں آپ کو زیادہ دکھا دیتا تو تم لوگ ہمت ہار جاتے اور آپس میں

الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾

جھگڑنے لگتے اس باب میں ف۶۷ لیکن اللہ نے (تم کو) بچالیا، بیشک وہ دلوں کی باتوں کو خوب ف۶۸ جانتا ہے،

وَ اِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا

اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب کہ اس نے ان لوگوں کو تمہاری نظروں میں کم کر کے دکھلایا

وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ

اور ان کی نگاہ میں تمہیں کم کر کے تا کہ اللہ اس امر کو پورا کر دے جو ہو کر رہنا تھا ف۶۹

وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا

اور اللہ ہی کی طرف سارے امر رجوع ہوں گے ف۷۰ اے ایمان والو، جب

لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ

تم کسی جماعت کے مقابل ہوا کرو تو ثابت قدم رہا کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو

تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ ج وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا

تا کہ فلاح پاؤ ف۷۱ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور (آپس میں) جھگڑا مت کرو

فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ

ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرتے رہو بیشک اللہ صبر کرنے والوں

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ ج وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ

کے ساتھ ہے ف۷۲ اور ان لوگوں کی مثل نہ ہو جو اپنے گھروں سے

دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ

تو اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھلانے کے لئے نکلے اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ

ع ۱

موقع تخصیص وتشریف پر رسول اللہ ﷺ کا ذکر اسی عنوان سے کرنا قرآنی بلاغت کا ایک خالص جزء ہے یہ جنگ رمضان ۲ ھ (۶۲۴ء) میں لڑی گئی۔ مسلمان ۳۱۳ اور مشرک ۹۵۰ کی تعداد میں تھے۔ ف۶۰ اس میں افراد امت کو تنبیہ ہے کہ یہ ۳/۵ جو تمہیں مل رہا ہے، اُسے اپنی قوت بازو کا نتیجہ نہیں محض فضل الٰہی کا نتیجہ سمجھو۔ الْجَمْعٰنِ۔ مراد ایک طرف لشکر قریش ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کی سپاہ۔ ف۶۱ یعنی وہ تجارتی قافلہ جس کے تعاقب میں تم آئے تھے۔ وہ تم سے بچتا ہوا سمندر کے کنارے کنارہ چلا جا رہا تھا۔ الْعُدْوَةِ الدُّنْيَا۔ یعنی مدینہ سے قریب تر حصہ میں۔ شام سے جو شاہراہ مکہ کو آتی تھی، اسی سے متصل شہر بدر کے حدود سے ذرا پہلے شمال ومغرب کی سمت میں یہ پہاڑی پڑتی تھی، الْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى۔ یعنی مدینہ سے بعید تر حصہ میں، یہ پہاڑی شہر بدر کے جنوب ومشرق میں تھی۔ ابو جہل اپنی فوج لے کر یہیں مقیم تھا۔ مقام بدر سمندر (بحر احمر) سے اونٹ پر ایک منزل کی راہ پر تھا، مدینہ سے چار منزل اور مکہ سے آٹھ منزل کی راہ پر۔ اسلامی فوج شمال ومشرق سے آئی تھی، اور مشرکوں کا لشکر جنوب ومشرق سے۔ اس موضوع خاص کے محقق خصوصی ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:۔ "تاریخ عالم کا یہ ایک انقلاب انگیز معرکہ ہے۔ مکہ، مدینہ اور شام کے راستوں کے جنکشن ہونے سے قریشی قافلہ کے آنے سے کچھ ہی پہلے آنحضرت ﷺ مدینہ سے آ کر شمال مغربی درہ میں مقیم اور گھات میں رہے۔ ابوسفیان نے قافلہ کو کئی میل پہلے ہی روک کر ٹوہ لی اور اسلامی فوج کی بھنک ملنے سے بدر آئے بغیر راستہ کاٹ کر ساحل کے کنارے کنارے دو منزلہ کو یک منزلہ کر کے قافلہ کو بچالیا۔ قافلہ کے بچ کر نکل جانے کی اطلاع کے باوجود آنحضرت ﷺ بدر ہی میں کسی کام سے مقیم رہے تو مکہ سے ابوجہل کی قریشی فوج آ پہنچی، پیشگی اطلاع ملنے پر آنحضرت ﷺ نے پڑاؤ کی جگہ بدل کر پانی پر قبضہ کرلیا۔ صف بندی اور عمدہ فوج آرائی سے دشمن کی تگنی چوگنی فوج کو شکست دی۔ مسلمانوں کے دس بارہ اور دشمن کے ستر آدمی مارے گئے۔" تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "عہد نبوی کے میدانِ جنگ" از ڈاکٹر محمد حمید اللہ استاذ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن۔ الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ۔ بدر کی زمین پہاڑی تھی اور اس لئے قدرۃً بلند اور ساحل سمندر کی زمین جہاں سے قافلہ کترا کر گزر رہا تھا، نشیبی۔ ف۶۲ یعنی عام دستور ومعمول تو یہ ہے کہ مقاتلہ کے لئے فریقین اپنے قصد ومرضی سے کوئی میدان اور تاریخ مقرر کرتے ہیں، یہاں بھی اگر یہی صورت رہنے دی جاتی تو کوئی نہ کوئی فریق کوئی عذر پیدا کر لیتا، جس سے مقابلہ ومقاتلہ کی نوبت ہی نہ آتی اور جو فائدے اس سے اب مشاہدہ میں آ رہے ہیں یہ ظہور ہی میں نہ آئے ہوتے، اسی لئے حالات تکوینی کا اجتماع ایسا کر دیا گیا کہ مسلمانوں کو قصد وارادہ کے بغیر بھی لڑنا پڑ گیا۔ اور اس سے بہت سے مصالح پورے ہو گئے۔ ف۶۳ یعنی جس امر کے وقوع سے مسلمانوں کے مدارج روحانی کی ترقیاں وابستہ تھیں۔ تکوینی حالات ایسے جمع کئے گئے کہ مسلمانوں کی خواہش، قصد واختیار کے بغیر خود بخود اس کا اظہار ہو کر رہا۔ لِيَقْضِيَ۔ میں لِ متعلق ہے فعل محذوف کے۔ واللام فی لیقضی متعلقة بمحذوف والمعنى جمعهم ليقضى (قرطبی) ف۶۴ مطلب یہ ہوا کہ حکمت الٰہی کو یہ جنگ اس لئے منظور ہوئی کہ اس سے ایک خاص طریق پر اسلام کا حق ہونا ظاہر ہو جائے اور دنیا دیکھ لے کہ اسی قلت عدد وکم سامانی کے باوجود مسلمان غالب آئے، جو ایک حد تک خارق عادت اور دل میں یہ یقین پیدا کرنے کے لئے کافی ہے کہ اسلام حق اور اس سے حجت الٰہی تمام ہو گئی، اس کے بعد جو گمراہ ہوگا وہ وضوح کے بعد ہوگا جس سے عذاب کا پورا استحقاق ہو جاتا ہے اور عذر کی گنجائش نہیں رہتی، اسی طرح جس کو ہدایت پانا ہو وہ حق کو اتنے وضوح کے بعد قبول کرے گا۔ عَنْۢ بَيِّنَةٍ۔ عن دونوں جگہ بعد کے مرادف ہے اور بینة کے معنی اقامت دلیل کے ہیں۔ ای بعد مشاهدة هذه المعجزة (کبیر) ای بعد حجة ظاهرة (جلالین) والبينة اقامة الحجة والبرهان (قرطبی) لِيَقْضِيَ۔ اور لِيَهْلِكَ دونوں میں لِ غرض وغایت کا ہے۔ اللام لام الغرض وظاهره يقتضى تعليل افعال الله واحكامه بالاغراض والمصالح (کبیر) ف۶۵ چنانچہ اس ظاہر کا بھی وہ علم رکھتا ہے کہ اس وضوح حق کے بعد کون کون زبان پر کلمۂ اسلام لاتا ہے اور کون کون کلمۂ کفر کا تلفظ کئے جاتا ہے اور اس باطنی حقیقت کا بھی کہ دل سے کون کون ایمان لایا اور کون اب تک دل میں کفر کو جگہ دیئے ہوئے ہے۔ ف۶۶ (اور آپ نے وہ خواب اپنے صحابیوں سے بیان کیا، جس سے اُن کے دل قوی ہو گئے)۔ يُرِيْكَهُمْ۔ میں ضمیر ظاہر ہے کہ لشکر قریش کی جانب ہے۔ آیت سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ خواب کا اپنے ہر ہر جزئیہ کے ساتھ صحیح اترنا پیمبر تک کے لئے ضروری نہیں، چہ جائیکہ عام صالحین امت کے خوابوں کا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ بعض اوقات بعض واقعات کو نبی ﷺ سے بھی مخفی فرما لیتے ہیں۔ (جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ کفار تھے تو زیادہ مگر آنحضرت پر کم منکشف ہوئے) تو پھر غیر نبی کا کیا ذکر ہے اور اس شخص کا کیا کہنا جو اسے اپنے شیخ کے لئے جائز نہ سمجھے اور اس کے کشف وخواب پر جزم کر لے اور یہ واقعہ تو خواب کا ہے لیکن ایسا ہی بیداری میں بھی ممکن ہے جیسا کہ اس کے بعد والی آیت میں آ رہا ہے۔ ف۶۷ یعنی اس قیل وقال، بحث ومباحثہ میں پڑ جاتے کہ ایسی حالت میں جنگ کی بھی جائے یا نہیں لَفَشِلْتُمْ اور لَتَنَازَعْتُمْ۔ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرات صحابہ باوجود اپنی قوت قدسی اور مقام عالی کے بہر حال بشر ہی تھے اور بشری کمزوریوں سے محفوظ ومصون نہیں کر دیئے گئے تھے، ف۶۸ (اور اس پر روشن تھا کہ ضعف کن تدبیروں سے پیدا ہوگا اور ہمت کن تدبیروں سے، چنانچہ ویسا ہی اُس نے انتظام کر دیا) سَلَّمَ۔ یعنی اس اختلاف وکم ہمتی کے مظاہر سے تم کو بچالیا۔ ف۶۹ اب ذکر خواب کا نہیں عالم بیداری کا ہو رہا ہے۔ اور بیان اس کا ہو رہا ہے کہ یہ دونوں مشاہدات وواقعات عین حکمت پر مبنی تھے۔ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا۔ مراد دو چیزیں ہیں، ایک تو کافروں کے لشکروں سے مڈبھیڑ کرانا، دوسرے مشرکین کی

سَبِيلِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾ وَإِذْ زَيَّنَ

سے روکتے تھے درآنحالیکہ اللہ ان کے اعمال کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے ف۴۳ اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب

لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ

شیطان نے انہیں ان کے اعمال خوش نما کر دکھائے ف۴۴ اور کہا کہ لوگوں میں سے آج کوئی تم پر

مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ

غالب آنے والا نہیں، اور میں تمہارا حامی ہوں ف۴۵ پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں

نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي

وہ الٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا میں تم سے بری الذمہ ہوں میں

أَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ ۚ وَاللّٰهُ شَدِيدُ

وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے میں تو خدا سے ڈرتا ہوں اور اللہ شدید سزا

الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ ع إِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم

دیتے ہیں ف۴۶ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب منافق اور جن کے دلوں میں (شک کی)

مَّرَضٌ غَرَّ هٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ

بیماری تھی، یہ کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے گھمنڈ میں ڈال رکھا ہے ف۴۷ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ

فَإِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٩﴾ وَلَوْ تَرٰى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ

کرتا ہے، سو اللہ (بڑا) زبردست ہے (بڑا) حکمت والا ہے، ف۴۸ اور کاش آپ دیکھیں جب فرشتے (ان)

كَفَرُوا ۙ الْمَلٰئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۚ

کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہوں، مارے جاتے ہوں ان کے منہ پر اور ان کی پشتوں پر

وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٥٠﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ

اور (کہتے جاتے ہوں) کہ (اب) آگ کی سزا کا مزہ چکھو ف۴۹ یہ (عذاب) اس کے پاداش میں ہے جو کچھ تمہارے

ع ٢

ہلاکت وذلت اور اسلام کی فتح وسربلندی۔ کرر ھذا لان المعنی فی الاول من اللقاء وفی الثانی من قتل المشرکین و اعزاز الدین وھو اتمام النعمۃ علی المسلمین (قرطبی) مفصل حاشیہ سورۂ آل عمران، پارہ ۴ میں گزر چکے۔ ف۴۲ (اور اسی کا فیصلہ ہر گمراہ اور ہر راہ یاب کے حق میں ناطق ہوگا) آیت میں اشارہ اس طرف بھی آگیا کہ دنیا میں جو کچھ بھی پیش آرہا ہے یہ بجائے خود مقصود نہیں بلکہ مقصود تمام تر وہ اجر ہے جو ان سے آخرت میں حاصل ہوگا الغرض منه التنبیه علی ان احوال الدنیا غیر مقصود لذواتها وانما المراد منها ما یصلح ان یکون زاد الیوم المعاد (کبیر) ف۴۳ یہ حکم عام ہے۔ یہاں یہ بتادیا گیا کہ فلاح کا ذریعہ یہی ثبات قلب وثبات قدم کا اجتماع ہے۔ اور فلاح کے عموم میں شخصی واجتماعی، دنیوی واخروی ہر قسم کی فلاح آگئی۔ اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً۔ اس لقاء یا مڈبھیڑ ہو جانے سے جہاد میں سامنا ہو جانا مراد ہے۔ فَاثْبُتُوْا۔ یعنی پست ہمتی اور بزدلی نہ دکھاؤ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا۔ کہ قلب میں قوت وثبات اسی ذکر الٰہی اور کثرتِ ذکر الٰہی سے پیدا ہوگی۔ امر بالذکر حتی یثبت القلب علی الیقین و یثبت اللسان علی الذکر (قرطبی) ف۲ے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ اللہ اور رسول کے احکام کی اطاعت تو ہمیشہ اور ہر حال میں واجب ہے۔ اس بیان میں اس کی تاکید سے مراد یہ ہے کہ حالت جہاد میں بھی احکام شریعت کے دائرہ سے قدم ذرا بھی باہر نہ نکلے، وَلَا تَنَازَعُوْا۔ کوئی نزاع نہ افراد اُمت میں باہم ہونی چاہیے نہ امام یا امیر قوم سے۔ یہ اندرونی کشمکش، ڈسپلن (نظم واطاعت) کے حق میں زہر قاتل ہے۔ فَتَفْشَلُوْا۔ یہاں گویا یہ اشارہ کردیا کہ انتشار قوت کا لازمی نتیجہ پست ہمتی ہے۔ وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ۔ یعنی جو رعب تمہاری یک دلی، یک جہتی، یک رنگی کی بنا پر چھایا ہوا ہے، وہ جاتا رہے گا۔ ای قوتکم ونصرکم کما یقال الریح لفلان اذا کان غالبا فی الامر (قرطبی) وَاصْبِرُوْا۔ یعنی جو ناگوار حالات گردوپیش میں پیدا ہوتے رہیں گے۔ ان پر، بہر حال صبر سے کام لیتے رہو، صبر محمود تو ہر حال میں ہے۔ موقع قتال پر اور زیادہ۔ امر بالصبر وھو محمود فی کل المواطن وخاصۃ موطن الحرب (قرطبی) مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ یہ معیت حق خود ضامن نصرت ہے۔ ف۳ے (اور وقت مناسب پر جزاء اعمال بھی دے گا) اَلَّذِيْنَ خَرَجُوْا الخ مراد قریش کے لشکریان بدر ہیں جو ناحق وباطل کی راہ میں حمیت جاہلی کے علمبردار ہوکر لڑنے کو نکلے تھے۔ بَطَرًا۔ اللہ کی طرف سے جب نعمتوں کا فیضان ہونے لگتا ہے تو اب بندہ کے لئے دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انہیں اللہ ہی کی جانب منسوب کرتا رہے اور اسی کی رضاجوئی میں انہیں لگائے اور اس کا نام شکر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اُن سے اپنے معاصرین کے مقابلہ میں فخر کا کام لینے لگے یہی بطر ہے قال الزجاج البطر الطغیان فی النعمۃ والتحقیق ان النعم اذا کثرت من اللّٰہ علی العبد فان صرفها الی مرضاته وعرف انها من اللّٰہ تعالٰی فذٰلک هو الشکر اما ان توسل بها الی المفاخرۃ علی الاقران والمکاثرۃ علی اھل الزمان فذٰلک هو البطر (کبیر) وَرِئَاءَ النَّاسِ۔ رئاء کا مفہوم ہے کہ جو شے واقعۃً زشت ہو اُسے خوشنما کرکے ظاہر کرنا۔ الرئاء عبارۃ عن القصد الی اظهار الجمیل مع ان باطنه یکون قبیحا (کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سوال یہ پیدا کیا ہے کہ بطر اور رئاء تو اسم ہیں اور یصدون فعل ہے تو یہ بات کیا ہے کہ ایک ہی فقرہ میں ایک وصف تو اسم کے ذریعہ سے ظاہر کیا گیا اور دوسرا فعل کے ذریعہ سے اور پھر خود ہی جرجانی نحوی وادیب کے حوالہ سے جواب دیا ہے کہ اسم دلالت کرتا ہے وصف کے استمرار وتمکین یا مستقل کیفیت پر اور فعل اُس کی وقتی اور عارضی حالت پر، تو یہاں چونکہ فخر ونمائش قریش کا وصف مستقل تھا، اُس کے لیے اسم لایا گیا۔ اور مسلمانوں سے مقابلہ ومقاتلہ وقتی وعارضی کیفیت تھی اس کا اظہار فعل سے کیا گیا اور یہ بلاغت قرآنی کا ایک اعجاز ہے۔ بَطَرًا وَّرِئَاءَ النَّاسِ۔ یہ فخر ونمائش، غرور اور اتراہٹ کے اوصاف آج کی ''مہذب'' فرنگی قوموں اور ان کے لشکروں کی زرق برق وردیوں، اُن کے جھنڈوں اور نشانوں، ان کے فخریہ دعووں اور اعلانوں ان کی توپوں اور جہازوں، اُن کے طیاروں اور آبدوزوں، اُن کی بمباریوں اور اُن کے جوہری بموں پر کتنے صادق آتے ہیں! ف۴ے (جو وہ اسلام ورسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کر رہے تھے)۔ آیت میں کالذین بہت غور کے قابل ہے مسلمان ظاہر ہے کہ بطر ورئاء میں مبتلا نہ تھے لیکن انہیں تصریح کے ساتھ ممانعت اس امر میں مشرکین کے ساتھ مشابہ ہونے سے بھی کی جارہی ہے۔ آج کے مسلمان سوچیں کہ وہ اولیاء اللہ ہونے کے مدعی ہوکر کن کن چیزوں میں اور کیسی کیسی حرام ومکروہ چیزوں میں مشابہت اعداء اللہ سے حاصل کرتے جارہے ہیں۔ شیطان کی اصلی کارفرمائی یہی تو ہے کہ وہ ہر معصیت، ہر کفر کو انسان کی نظر میں خوشنما ودلفریب بنادیتا ہے اس سے زیادہ کوئی قوت اُسے ہرگز حاصل نہیں۔ انسان کی تربیت اگر صحیح ہوئی ہے۔ اور اُس نے اپنی عقل سلیم سے کام لینا سیکھ لیا ہے تو وہ ہر ترغیب شیطانی سے محفوظ رہے گا۔ ف۵ے قال سے یہ مراد نہیں کہ شیطان نے یہ گفتگو زبان اور الفاظ کی مدد سے کی ہو۔ دل میں اس کی وسوسہ اندازی کا مفہوم پوری طرح قول سے ادا ہوجاتا ہے لفظ قول عربی زبان میں بڑی ہی وسعت رکھتا ہے اور ہر طرح کی دلالت حال پر شامل ہے۔ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ۔ یعنی اپنی قوت وحشمت کو دیکھ کر وسوسۂ شیطانی سے یہ خیال سرداران قریش کے دل میں گزرا۔ اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ۔ جار یہاں حامی وپشت پناہ کے معنٰی میں ہے اور یہ مفہوم عربی زبان میں عام ہے۔ معنی الجار ھھنا الدافع عن صاحبه انواع الضرر کمایدفع الجار عن جارہ والعرب تقول انی جار لکم من فلان ای حافظ لک من مضرته فلا یصل الیک مکروہ منه (کبیر) حسن بصری اور اصم تابعی اور دوسرے محققین سے بھی منقول ہے کہ شیطان مجسم ہوکر سامنے نہیں آیا تھا

اَیۡدِیۡکُمۡ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ ﴿۵۱﴾ کَدَاۡبِ

ہاتھوں نے سمیٹا ہے اور اللہ ہرگز ظالم نہیں ہے بندوں کے حق میں ف۸۰ ان کی حالت ایسی ہی ہے جیسے

اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ

فرعون والوں کی اور ان لوگوں کی تھی جو ان سے قبل تھے (کہ) انہوں نے آیات الٰہی سے

اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوۡبِهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیۡدُ

کفر کیا سو اللہ نے انہیں پکڑ لیا ان کے (ان) گناہوں پر، بیشک اللہ بڑی قوت والا ہے، سخت سزا دینے

الۡعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمۡ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعۡمَةً

والا ہے و۸۱ یہ (سب) اس سبب سے ہے کہ اللہ کسی نعمت کو جس کا انعام وہ کسی قوم پر

اَنۡعَمَهَا عَلٰی قَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ

کر چکا ہو نہیں بدلتا جب تک کہ وہی لوگ اس کو نہ بدل دیں، جو کچھ اُن کے پاس ہے، و۸۲ اور بیشک اللہ

سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۵۳﴾ ۙ کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡ

خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے، و۸۳ اُن کی حالت فرعون والوں کی سی ہے اور اُن لوگوں کی سی جو ان سے

قَبۡلِهِمۡ ؕ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمۡ فَاَهۡلَکۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ

پہلے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کو جھٹلایا سو ہم نے انہیں ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا

وَ اَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ ۚ وَ کُلٌّ کَانُوۡا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ

اور ہم نے فرعون والوں کو تو غرق ہی کر دیا اور (وہ) سب (کے سب) ظالم تھے و۸۴ بیشک

شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰهِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَهُمۡ لَا

بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ کافر ہیں سو وہ ایمان تو

یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۵﴾ ۖ اَلَّذِیۡنَ عٰهَدۡتَّ مِنۡهُمۡ ثُمَّ یَنۡقُضُوۡنَ

لانے کے نہیں جن سے آپ (بار بار) عہد لے چکے ہیں پھر بھی اپنا عہد وہ ہر بار

بلکہ اُس نے وسوسہ اندازی ہی کی تھی۔ وفی کیفیة هذا التزیین وجهان، الاول ان الشیطان زین بوسوسته من غیر ان یتحول فی صورة الانسان وهو قول الحسن والاصم (کبیر) وسوس الیهم (کشاف) و۷۶ جتنا علم شیطان کو اللہ کی عظمت وقوت کا ہے اتنا تو انسان کو بھی نہیں اور یہ خوف اسی علم سے پیدا ہوا، اس لئے اس کا یہ کہنا محل اشکال نہیں اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ شیطان میں بھی خوف خدا کی بنا پر ایمان کی جھلک موجود ہے تَرَآءَتِ۔ یعنی اس طرح دونوں لشکر جمع ہوئے کہ ایک نے دوسرے کو دیکھا۔ الْفِئَتٰنِ۔ سے مراد بدر میں مومنوں اور کافروں کی جماعتوں کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اِنِّیۡۤ اَرٰی مَا لَا تَرَوۡنَ۔ سے مراد ہر خدائی قوت ہو سکتی ہے۔ سیاق میں فرشتوں کا وجود زیادہ لگتا ہوا ہے۔ وفیه وجوه الاول انه رای الملائکة والثانی انه رای اثر النصرة والظفر فی حق النبی علیه السلام (کبیر) اَخَافُ اللّٰهَ۔ خوفِ خدا سے لازمی طور پر خوف آخرت مراد نہیں ہو سکتا ہے کہ شیطان اسی سے ڈرا ہو کہ کہیں یہیں اور ابھی میری خبر نہ لے لی جائے مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آیت سے کئی مسئلہ نکلتے ہیں مثلاً:۔ (۱) شیطان جس طرح وسوسہ ڈالتا ہے، کبھی اُسے ترک بھی کر دیتا ہے، جیسا کہ یہاں اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ۔ میں اس کی مثال موجود ہے اور یہ ترک وہ اُس وقت کرتا ہے جب دیکھ لیتا ہے کہ انسان بغیر میرے وسوسہ کے بھی گناہ کرے گا۔ (۲) کشف اہل باطل کے لئے بھی ممکن ہے۔ چنانچہ یہاں شیطان کو ملائکہ مکشوف ہو گئے۔ (۳) اللہ تعالیٰ سے محض طبعی خوف کا ہونا کافی نہیں۔ مطلوب خوف ایمانی ہے۔ و۷۷ (کہ اُس میں آ کر یہ اس بے سروسامانی پر اتنے زبردست لشکر سے مقابلہ کا حوصلہ کر بیٹھے ہیں) حالات ظاہری کی بنا پر منافقوں اور کچے ایمان والوں کا ایسا کہہ گزرنا بالکل قدرتی تھا۔ اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ۔ المنافقون سے تو منافقین مدینہ کا مراد ہونا ظاہر ہی ہے۔ الذین فی قلوبهم مرض سے مکہ کے کچ دلے مسلمان مراد ہیں۔ هم قوم من قریش اسلموا وما قوی اسلامهم فی قلوبهم ولم یهاجروا (کبیر) و۷۸ (وہ اپنے مومنین متوکلین کو ہر حال میں غلبہ دلا سکتا ہے اور جب نہیں دلاتا تو یہ بھی کسی خاص حکمت ومصلحت ہی کے ماتحت ہوتا ہے) و۷۹ یعنی یہ تکلیفیں تو صرف نزع وسکرات کی ہیں۔ ابھی کیا ہے ابھی آگے چل کر عذاب جہنم کو برداشت کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ واضح رہے کہ قرآن مجید نے نزع وسکرات کی یہ ہولناک تفصیلات جہاں بھی بیان کی ہیں وہاں یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ یہ کافروں اور دشمنانِ دین کے لئے ہیں۔ مطلق موت کا جہاں ذکر ہے وہاں الفاظ "غمرات" یا "سکرة" وغیرہ ایسے رکھے ہیں جن کا مفہوم لازمی طور پر تکلیف ہی کا نہیں بلکہ مطلق غفلت، غشی اور بے ہوشی کو شامل ہے۔ متکلمین نے آیت سے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ انسان جس شے کا نام ہے وہ اس جسم سے الگ ہے اور اس کا اطلاق روح پر ہوتا ہے۔ قال الواحدی هذا یدل علی ان الانسان شیء مغائر لهذا الجسد (کبیر) یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَ اَدۡبَارَهُمۡ۔ سے امام رازی علیہ الرحمہ نے یہ لطیف نکتہ بھی نکالا ہے کہ کافر کی روح جب دنیا سے روانہ ہوتی ہے تو دنیا کے چھوٹنے کا تو اسے صدمہ ہوتا ہی ہے ادھر آخرت پر جب نظر کرتی ہے تو اُدھر بھی تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے اس طرح اُس پر آگے اور پیچھے دونوں طرف سے گویا دہری مار پڑتی ہے۔ فیه معنی اخرا لطف منه هوان روح الکافر اذا خرج من جسده فهو معرض عن عالم الدنیا مقبل علی الأخرة وهو لکفره لایشاهد فی عالم الأخرة الا الظلمات فبسبب مفارقته لعالم الدنیا تحصل له الألام بعد الألام و بسبب اقباله علی الأخرة مع علم النور والمعرفة ینتقل من ظلمات الی ظلمات فهاتان الجهتان هما المراد من قوله یضربون وجوههم وادبارهم و۸۰ (جیسا کہ مشرک قوموں نے اپنے اپنے دیوتاؤں کے حق میں گمان کر رکھا ہے) بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ۔ تصریح کر دی ہے کہ عذاب جو کچھ بھی ہوگا کفر کے پاداش ہی میں ہوگا، خواہ مخواہ ہرگز نہ ہوگا، یہ تصریح مشرک قوموں کی اُن خام خیالیوں کی تردید میں ضروری تھی جو وہ اپنے معبودوں کے جبار وظلام ہونے کے متعلق قائم کئے ہوئے تھے۔ و۸۱ (جس کی گرفت سے ان لوگوں کو کوئی بھی مادی قوت وتدبیر نہ بچا سکی) خدائے اسلام جس طرح ظالم وجابر نہیں اسی طرح مشرکوں کے بعض دیوتاؤں کی طرح عضو معطل اور بے دست وپا بھی نہیں، کہ سب کچھ دیکھے اور محض دیکھتا رہ جائے، اُس کی گرفت بھی اُس کے مرتبہ عظمت وحرمت کے لحاظ سے شدید وبے پناہ ہوتی ہے۔ کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ۔ تشبیہ کفر وعناد مسلسل پر معذب ہونے میں ہے۔ اَلَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ۔ ظاہر ہے کہ وہ کافر ومشرک قومیں مراد ہیں جو فرعون سے بھی پہلے تھیں۔ و۸۲ یعنی جب تک کوئی قوم خود اپنی حالت اُس سے مختلف نہ کر لے جو نزول نعمت کے وقت اُس کی تھی اور اپنے اندر بجائے ایمان وطاعت کے کفر وخباثت پیدا کر لے، نعمت اور خبث کا اجتماع خلاف حکمت الٰہی ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی قانون جو اوپر بیان ہوا۔ یہ کہ بے جرم خدید اللہ کسی کو سزا نہیں دیتا اور جب سزا دینا چاہتا ہے تو کوئی اُسے روک نہیں سکتا۔ نِعۡمَةً۔ کا لفظ عام ہے دنیوی واُخروی، مادی وروحانی، انفرادی وقومی سب ہی طرح کی نعمتیں اس میں آ گئیں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آیت کے عموم میں وہ صورت بھی داخل ہے کہ سالک سے جب کوئی معصیت سرزد ہو جاتی یا کوئی طاعت ترک ہو جاتی ہے تو اس سے انوار وبرکات مقصودہ منقطع ہو جاتے ہیں۔ و۸۳ چنانچہ وہ ہر تغیر قولی کو سن رہا ہے اور ہر تغیر فعلی کو جان رہا ہے۔ و۸۴ عذاب جن جن کو بھی آیا، کفر ونافرمانی کی پاداش ہی میں آیا۔ کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ۔ یہ تشبیہ تغیر نعمت کے لحاظ سے

عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّ هُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا

توڑ ڈالتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں و۸۵ سو اگر

تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ

آپ انہیں جنگ میں پا جائیں تو ان کے ذریعہ سے ان لوگوں کو منتشر کردیں جو ان کے علاوہ ہیں،

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ

تاکہ وہ لوگ سمجھ جائیں و۸۶ اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ (وہ عہد) ان کی

اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَ لَا

طرف اسی طرح واپس کردیں بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا و۸۷ اور

يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾

کافر لوگ یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے یقیناً وہ لوگ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے و۸۸

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ

اور ان سے مقابلہ کے لئے جس قدر بھی تم سے ہو سکے سامان درست رکھو قوت سے اور

رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

پلے ہوئے گھوڑوں سے جس کے ذریعہ سے تم اپنا رعب رکھتے ہو اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر و۸۹

وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ

اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی کہ تم انہیں نہیں جانتے۔ اللہ انہیں جانتا ہے و۹۰

وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ

اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا

اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ

دے دے گا اور تمہارے لئے (ذرا بھی) کمی نہ ہو گی و۹۱ اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف

ع ۱۰ / ۲

و۸۵ اشارہ خاص یہود بنی قریظہ کی جانب ہے جو رسول اللہ ﷺ سے بار بار یہ معاہدہ کرتے کہ ہم آپ کے مقابلہ میں مشرکین کی مدد نہ کریں گے، اور پھر جا کر انہی کے شریک ہو جاتے۔ قال ابن عباس هم قريظة (کبیر) شَرَّ الدَّوَآبِّ۔ کافر تو سب ہی اللہ کے ہاں بدتر مخلوق ہیں، ان میں بھی بدترین وہ ہیں جنہوں نے کفر پر بدعہدی کا اضافہ کر لیا۔ بيّن تعالىٰ انّ من جمع بين الكفر الدائم وبين نقض العهد على هذا الوجه كان شر الدواب (کبیر) مِنْهُمْ۔ میں من تبعیض کے لئے ہے کہ معاہدہ ان کے سرداروں اور اشراف ہی سے ہوتے تھے۔ ومن للتبعيض لان العهد انما كان يجرى مع اشرافهم (قرطبی) وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ۔ یعنی نہ ان کے دلوں میں خوف خدا ہے اور نہ یہ انجام کار سے ڈرتے ہیں و۸۶ (کہ عہد شکنی کا انجام یہی ہوتا ہے) لعلهم يتعظون (کشاف) حتى لا يجسر عليك احد بعدهم اعتبارًا بهم و اتعاظاً بحالهم (کشاف) تَثْقَفَنَّهُمْ۔ یعنی آپ ان پر قابو پا جائیں۔ فاما تصادفنهم وتظفرن بهم (کشاف) قال الليث يقال ثقفنا فلانا فى موضع كذا اى اخذناه وظفرنا به (کبیر) فَشَرِّدْ بِهِمْ۔ یعنی ان کے واسطہ سے، انہیں نمونہ بنا کر انہیں پارہ پارہ کر دے۔ التشريد عبارة عن التفريق مع الاضطراب (کبیر) والتشريد فى اللغة التبديد والتفريق (قرطبی) مَنْ خَلْفَهُمْ۔ خلف یہاں علاوہ کے معنٰی میں ہے اور من، الذی کے مرادف ہے۔ اى من ورائهم (کشاف) من بمعنى الذى (قرطبی) و۸۷ قرآن مجید کی اس قسم کی آیتیں عربی اسلوب بیان کے مطابق ہیں، اردو ادب میں ایسے موقع پر کہا جائے گا کہ اللہ خائنوں کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً۔ یعنی اس قوم نے ابھی بدعہدی عملاً کی نہ ہو لیکن قرائن سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ بدعہدی کرنے پر ہے۔ اى اذا ظهرت آثار الخيانة وثبتت دلائلها (قرطبی) فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ۔ یعنی اسی طرح اس عہد کے باقی نہ رہنے کی اطلاع اُس فریق کو کر دیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ امر واجب نہیں، تخییری ہے۔ اور امام کے اختیار تمیزی پر موقوف ہے۔ عَلٰى سَوَآءٍ۔ یہ اعلان استرداد معاہدہ کی تاکید اس لئے ہے کہ کہیں مخالفین نقض عہد کی ابتداء مسلمانوں کے سر نہ ڈال دیں۔ لئلا يتوهموا انك نقضت العهد بنصب الحرب (جصاص) و۸۸ یعنی یہ کہ اس کی گرفت سے بچ کر نکل جائیں۔ و۸۹ (اور اس دشمنی کی علت ان لوگوں کا کفر ہے) آیت میں بڑی گہری حقیقت کی تعلیم ہے، وہ یہ کہ اہل کفر تو برابر تمہارے اور تمہارے دین کے دشمن رہا ہی کریں گے، تم ان سے مقابلہ کے لئے ہمیشہ تیار رہو۔ ان کی طرف سے غافل کبھی نہ ہو اور اپنے پاس وہ سامان برابر تیار رکھو جن سے ان پر ہیبت طاری ہوتی ہو اور ان کے دل دہلتے ہوں۔ مِنْ قُوَّةٍ۔ قوۃ کا لفظ عام ہے، عددی قوت، سامانِ جنگ کی قوت، آلاتِ حرب کی قوت، سب کچھ اس کے اندر آ گیا، یہاں تک کہ بڑھے ہوئے ناخن بھی، وقد روى فى القوة انها الرمى (جصاص) عموم اللفظ شامل لجميع ما يستعان به على العدو من سائر انواع السلاح وآلات الحرب (جصاص) عن الحكم بن عمير قال امر رسول الله ﷺ ان لا نحفى الاظفار فى الجهاد وقال ان القوة فى الاظفار وهذا يدل على ان جميع ما يقوى على العدو فهو مامور باستعداده (جصاص) اى من كل ما يتقوى به فى الحرب كائنا ما كان (روح) صاحب روح المعانی نے آیت کے تحت میں بندوق کا ذکر تصریح کے ساتھ کیا ہے اور اگر آج ہوتے تو مشین گن، طیارہ، اور ٹینک اور جیپ اور ایٹم بم وغیرہ سب کے نام لکھ جاتے رِبَاطِ الْخَيْلِ۔ سوار فوج کی اہمیت اس حکم سے ظاہر ہے، موجودہ جنگوں میں سوار فوج کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ وضمیمہ، و۹۰ یہاں اشارۃً یہ بتا دیا کہ علاوہ ان کافروں کے جن سے تمہارا سابقہ رہا کرتا ہے کچھ اور بھی قومیں ہیں جو ابھی تمہارے علم میں نہیں، مگر اللہ کے علم میں تو ہے کہ کبھی اُن سے بھی تمہاری مڈبھیڑ ہو گی۔ اس میں ایران کے مجوسی اور روما کی مسیحی قومیں تو آ ہی گئیں، جن سے آگے چل کر حضرات صحابہ کو معرکہ آرائی کرنی پڑی، باقی قیامت تک کی ساری مخالف قومیں آ سکتی ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان آیتوں میں جو تدابیر حرب وسیاست بتائی گئی ہیں اُن سے صاف دلالت اس امر پر ہو رہی ہے کہ یہ سیاسی تدبیریں بڑے سے بڑے کمالاتِ باطنی کے بھی منافی نہیں، جیسا کہ غالی و ناقص صوفیہ نے خیال کر رکھا ہے۔ و۹۱ نفس کو مال خرچ کرنے میں بڑی تنگی اسی خیال سے پیدا ہوتی ہے کہ یہ ضائع جا رہا ہے۔ اور اس کے معاوضہ میں حاصل کچھ نہ ہو گا۔ یہاں اسی خیال کی جڑ کاٹ دی ہے اور اطمینان دلایا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کھوئیں گے کچھ بھی نہیں بلکہ سب وہاں پر حاصل کر لیں گے اور ان کے اجر میں ذرا بھی کمی نہ کی جائے گی۔

ف۹۲ اس میں تعلیم اس کی آگئی کہ احکام خداوندی کے ماتحت ظاہری تدابیر اختیار کرتے رہئے اور مخالفوں کو جھکتے ہوئے دیکھئے تو آپ بھی صلح کے مجاز ہیں۔ لیکن اصل اعتماد اللہ ہی پر رکھیے۔ اس کا ہر حکم

فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

تو (آپ کو اختیار ہے کہ) آپ بھی اس طرف جھک جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیے، بے شک وہ خوب سننے والا ہے

الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾ وَ اِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ

خوب جاننے والا ہے ف۹۲ اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو

حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

اللہ آپ کے لئے کافی ہے وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی نصرت اور مومنین کے ذریعہ سے قوت دی ف۹۳

وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ

اور اس نے ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ

جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ

کر ڈالتے جب بھی ان کے قلوب میں اتحاد نہ پیدا کر سکتے لیکن اللہ نے ان میں اتحاد

بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ

پیدا کر دیا بے شک وہ بڑا قدرت والا بڑا حکمت والا ہے، ف۹۴ اے نبی آپ کے لئے اللہ

اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ

کافی ہے اور وہ مومنین بھی جنہوں نے آپ کا اتباع کیا ہے ف۹۵ اے نبی

حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

مومنین کو قتال پر آمادہ کیجیے ف۹۶ اگر تم میں سے

عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ

بیس آدمی بھی ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آ جائیں گے اور اگر

مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ

تم میں سے سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آ جائیں گے اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں

مصالح پر مبنی ہوتا ہے۔ وہی بندوں کے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور وہی باطن کو بھی۔ وَاِنْ جَنَحُوْا۔ مراد ظاہر ہے کہ کفار معاندین ہیں۔ فَاجْنَحْ لَهَا۔ ضمیر مونث السَّلْمِ کی جانب ہے۔ سلم مذکر بھی ہے اور مونث بھی السلم یذکر ویونث (ابوالبقاء) یذکر ویونث (لسان تاج) فَاجْنَحْ لَهَا۔ یہ حکم نہیں ہے صرف اجازت ہے یعنی آپ اگر مصلحت صلح ہی میں دیکھیں تو کر سکتے ہیں۔ یہ آپ کے اختیار تمیزی پر ہے۔ صحح ان الامر فی من تقبل منهم الجزية علی ما یری فيه الامام صلاح الاسلام واهله من حرب اوسلم وليس بحتم ان يقاتلوا ابدا اويجابوا الی الهدنة ابدا (روح) وعقد الصلح ليس بلازم للمسلمين وانما هو جائز باتفاقهم اجمعين (ابن العربی) ف۹۳ (اور جس طرح اس نے یہ ماضی میں کیا، مستقبل پر بھی وہی قادر ہے) اَنْ يَّخْدَعُوْكَ۔ یعنی اسی صلح و مصالحت کی آڑ میں وہ آپ کو دھوکا دینا چاہیں۔ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ۔ یہ محض اتفاق نہیں، اتفاق سے کچھ زائد ہی ہے کہ آیت کے نزول کے بعد کسی موقع پر بھی رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں کید و خدع سے کامیابی ثابت نہیں۔ بِنَصْرِهٖ۔ کوئی خاص نصرت غیبی مثلاً نزولِ ملائکہ بِالْمُؤْمِنِيْنَ۔ دین کی ظاہری نصرت ظاہر ہے کہ مسلمانوں ہی کے ذریعہ سے ہوئی۔ ف۹۴ وہ جو چاہے اپنی قدرت سے اور جس طریق مناسب سے چاہے اپنی حکمت سے کر دکھائے۔ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ۔ یہ اللہ کی کریمی اور کارسازی تھی کہ مسلمانوں سے نسلی، قبائلی، لسانی تفریقیں مٹ مٹا کر سب نصرتِ دین پر متحد و یکجا ہو گئے۔ بغیر اس یکجہتی کے نصرتِ دین پوری طرح پر ممکن ہی نہ تھی۔ اللہ کا خاص موقع احسان پر اس نعمت اتحاد کو یاد دلانا دلیل ہے اس کی کہ یہ نعمت کتنی اہم و عظیم الشان ہے۔ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ۔ یعنی باوجود اس کے کہ آپ دنیا بھر میں سب سے بڑھ کر صاحب حکمت، صاحب تدبیر ہیں، آپ تک سارے ممکن مالی ذرائع کے استعمال کے بعد بھی اس نعمت اتحاد و اتفاق پر قادر نہ ہو پاتے۔ یہ تو محض فضل خداوندی کا کرشمہ ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ سے یہ بھی نکلتا ہے کہ قلب میں کسی صفت محمود کا پیدا کر دینا شیخ کے اختیار میں نہیں ف۹۵ (مرتبہ حقیقی میں صرف اللہ۔ اور درجہ ظاہری میں مومنین متبعین بھی۔ ف۹۶ (خواہ وہ طبعاً آمادہ ہوں یا نہ ہوں) حَرِّضِ۔ کے لفظ سے اشارہ ادھر ہو رہا ہے کہ مسلمان سب کے سب اور ہر وقت آمادہ قتال اور جنگجو نہ تھے جیسا کہ مسیحی مصنفین نے ایک الزام تراش رکھا ہے، بلکہ انہیں قتال پر آمادہ کرنے کی ضرورت تھی۔ الْقِتَالِ۔ واضح رہے کہ قرآن و شریعت نے اسلامی غزوات و جہاد کو قتال ہی سے تعبیر کیا ہے اور حرب کا لفظ جس کے ساتھ کید و خدع کی یادیں وابستہ ہیں، کافروں کی جنگ کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔

ف۹۷ (اور چونکہ سمجھ سے کام نہیں لیتے اس لئے کفر پر مصر ہیں اور اس لئے امداد غیبی سے محروم ہیں اور بہ آسانی مغلوب ہو جاتے ہیں) ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائة یغلبوا الفا من الذین کفروا اعداد کی یہ نسبت یاد دلانے سے مقصود یہ کہنا ہے کہ تم پر واجب ہے کہ اپنے سے دس گنے لشکر کے مقابلہ میں بھی پسپا نہ ہو۔ اِنْ یَّكُنْ۔ سے دونوں جملہ جو شروع ہوئے ہیں اُن سے مراد یہاں کوئی خبر دینا یا پیشگوئی کرنا نہیں بلکہ مقصود حکم دینا ہے کہ اپنے سے بڑی جمعیت کے مقابلہ میں بھی ثابت وقائم رہو اور گریز اختیار نہ کرو۔ قرار واجب ہے اور فرار حرام۔ عربی زبان اور بلاغت قرآنی کا یہ ایک عام اسلوب بیان ہے کہ زور وتاکید کے موقع پر حکم وجوبی کو خبر کی صورت میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ وان کان لفظه لفظ الخبر فمعناه الامر (جصاص) لیس المراد منه الخبر بل المراد الامر (کبیر) شرط فی معنی الامر (بیضاوی) قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ۔ فتح وغلبہ میں بڑا دخل اعتقاد صحیح وثباتِ قلب کو ہے اور یہ نعمتیں ایمان ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ عِشْرُوْنَ...... مِائَتَیْنِ۔ مِائَةٌ...... اَلْفًا۔ بعض اہل تفسیر نے یہ نکتہ آفرینی بھی کی ہے کہ بجائے محض دس گنا کہنے کے یہاں جو متعین بڑے بڑے اعداد ارشاد ہوئے ہیں اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ امرِ جہاد موقوف ہے جماعت وفوج پر، یہ نہیں کہ ایک ایک، دو دو آدمی بھی جہاد کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ ف۹۸ (اور جوش طبعی طور پر سرد پڑ ہی جاتا ہے جب تعداد قلیل سے کثیر ہو جاتی ہے) اَلْـٰٔنَ۔

لَا یَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ

جو کچھ نہیں سمجھتے ف۹۷ اب اللہ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ

فِیْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ

تم میں جوش کی کمی ہے ف۹۸ سو (اب) اگر تم میں سے سو ثابت قدم ہوں

یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفَیْنِ

تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب رہیں گے

بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ

اللہ کے حکم سے اور اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے ف۹۹ نبی کی شان کے لائق نہیں

یَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ؕ تُرِیْدُوْنَ

کہ اس کے قیدی (باقی) رہیں جب تک وہ زمین میں اچھی طرح خون ریزی نہ کر لے تم لوگ دنیا کا

عَرَضَ الدُّنْیَا ۖۗ وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ

مال اسباب چاہتے ہو، اور اللہ (تمہارے لئے) آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ بڑا قوت والا ہے،

حَكِیْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِیْمَاۤ

بڑا حکمت والا ہے، ف۱۰۰ اگر اللہ ہی کا ایک قانون پہلے سے نہ ہوتا تو جو امر تم نے اختیار کیا اس کے بارہ میں

اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا

تم پر کوئی سخت سزا نازل ہوتی ف۱۰۱ سو جو کچھ تم نے ان سے لیا ہے اس کو حلال پاک

طَیِّبًا ۖؗ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۹﴾ یٰۤاَیُّهَا

سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۱۰۲ اے

النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤی ۙ اِنْ یَّعْلَمِ

نبی ان قیدیوں سے کہہ دیجیے جو آپ کے ہاتھ میں ہیں کہ اگر اللہ کو

ع ۵

یعنی ایک مدت کے بعد۔ پچھلی آیت اور اس آیت کے نزول کے درمیان ایک خاصہ طویل وقفہ گزرا ہے۔ خَفَّفَ۔ کے لفظ سے ادھر اشارہ ہے کہ اصل قاعدہ اور وعدہ تو وہی رہا جو اُوپر بیان ہو چکا۔ صرف مشقت تم پر گھٹا دی گئی۔ یعنی اب اگر تم متحمل نہ ہو سکو اور ذرا لڑکھڑا جاؤ تو ویسی گرفت نہ ہوگی۔ ضَعْفًا۔ سے یہاں قوائے جسمانی کی کمی مراد نہیں بلکہ جوش وہمت کی کمی مراد ہے۔ لم یرد به ضعف القوی والابدان وانما المراد ضعف النیة لمحاربة المشرکین (جصاص) قال الخلیل الضعف فی العقل والرای (راغب) ف۹۹ (تو مدار نصرت وتائید غیبی کا بھی صبر وثابت قدمی پر ہے) بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ کی قید نے صاف صاف بتا دیا کہ یہ غلبہ وکامیابی خود بخود مشین کی طرح نہ حاصل ہو جائے گی بلکہ تمام تر اذنِ الٰہی ہی کے طفیل میں ہوگی، اور یہیں سے یہ پہلو بھی نکل آیا کہ اگر کسی موقع پر حکمت الٰہی اس اذن کی مقتضی نہ ہوئی تو نصرت وغلبہ بھی نہ ہوگا۔ اس قید سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ نظر اسباب ظاہری سے کہیں زیادہ مسبب حقیقی پر رکھنی چاہیے۔ ف۱۰۰ وہ جب اور جس کو چاہے کافروں پر غالب اور فتوحات سے مالامال کر دے اور جب اور جس کے لئے چاہے کسی حکمت کے تقاضہ سے اس نتیجہ میں تاخیر کر دے۔ آیت کا پس منظر یہ ہے کہ معرکہ بدر کے بعد غنیم کے ۷۰ آدمی گرفتار ہو کر آئے۔ سپہ سالار اعظم ﷺ نے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے، اکثر اہل شوریٰ کی رائے ہوئی کہ اس وقت اُمت کو بڑی ضرورت روپیہ کی ہے اور مصالح ملت کا تقاضا ہے کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ خود آپ بھی اپنی خلقی رحم دلی کے مقتضاء سے اسی طرف مائل ہو رہے تھے۔ چنانچہ چند تو قتل کئے گئے اور باقی فدیہ لے کر بلکہ ایک تو بلا فدیہ ہی چھوڑ دیے گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ۔ اثخان کے لفظ اور اس کے لغوی معنی پر بہت بحث ہوئی ہے لیکن اصل شے اس اثخان یا خونریزی کی غایت ومقصود ہے اور وہ فساد کی جڑ کٹنا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ پیمبر کو قتل وقتال اُس وقت تک جاری رکھنا ہے جب تک فساد کی بیخ کنی نہ ہو جائے۔ الی ان یعز الاسلام بذل الکفر واهله (تھانوی) یعنی حتی یذل الکفر باشاعة القتل فی اهله ویعز الاسلام بالاستیلاء والقهر (مدارک) تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا ۖۗ وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ۔ بندے لاکھ صالح ومتقی سہی بہر حال ان کی نظر سطحی اور محدود ہی ہو گی۔ یہ تو صرف خدائی حکمت تھی جسے منظور یہ تھا کہ دشمنانِ توحید بالکل مقہور ومغلوب ہو جائیں ان کا زور ہر طرح ٹوٹ جائے اور لوگ آزادی کے ساتھ جوق در جوق مسلمان ہونے لگیں۔ توریت کا قانون ایسے موقع پر یعنی جب غنیم کے شہر پر قبضہ ہو جائے تو حسب ذیل ہے:۔ ”جب خداوند تیرا خدا اُسے تیرے قبضہ میں کر دیوے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر، مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو، اس کا سارا لوٹ اپنے لئے لے۔“ (استثناء ۲۰: ۱۳، ۱۴) ”انہوں نے بارہ ہزار مرد بہادر روانہ کئے اور انہیں حکم دیا کہ عاد کے باشندوں کو جا کے عورتوں اور بچوں سمیت قتل کرو اور یہ وہ کام ہے جس کا تم کو کرنا ضرور ہے کہ سارے مردوں اور عورتوں کو جو مرد سے ہم بستر ہوئی ہوں ہلاک کر دینا۔“ (قاضیون ۲۱: ۱۱) مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ خطائے اجتہادی جب معصوم تک کے لئے جائز ہے تو شیوخ غیر معصوم کے متعلق امتناع خطا کا اعتقاد کس درجہ غلو ہے قبیح ہے۔ ف۱۰۱ قانونِ الٰہی یہی ہے کہ خطائے اجتہادی پر سزا نہیں ہے تو اگر یہ قانون میں بتایا پہلے سے موجود نہ ہوتا تو مسلمانوں کی یہ غلطی تھی تو سخت مواخذہ اور سزا کے قابل۔ ان لا یعذب احدا علی العمل بالاجتهاد وکان هذا اجتهادًا منهم (مدارک) وهو ان لا یعاقب المخطی فی اجتهاده (بیضاوی) ف۱۰۲ چنانچہ شانِ غفوریت کے تقاضہ سے اُس نے تمہاری یہ خطا معاف کر دی۔ اس پر کچھ گرفت نہ کی۔ اور شانِ رحمت کے تقاضہ سے زرِ فدیہ کو تمہارے لئے حلال وطیب بھی قرار دے دیا۔ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا۔ یعنی جو کچھ فدیہ ان کافروں سے وصول ہو گیا ہے اُس کے جائز وپاک ہونے میں شک وشبہ نہ کرو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اس تقویٰ کا اقتضاء یہ ہے کہ آیندہ ہر طرح کی احتیاط زیادہ رکھو گے۔

اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ

تمہارے قلب میں نیکی کا علم ہوگا تو جو کچھ تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا ف۱۰۳

وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۷۰﴾ وَ اِنْ یُّرِیْدُوْا

اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۱۰۴ اور اگر یہ آپ سے خیانت کرنے کا

خِیَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ

ارادہ رکھتے ہوں تو یہ اس کے قبل اللہ سے بھی خیانت کر چکے ہیں پھر اس نے انہیں گرفتار کرا دیا ف۱۰۵

وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۷۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا

اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے، ف۱۰۶ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی

وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

اور اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد بھی کیا اللہ کی راہ میں ف۱۰۷

وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓىٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ

اور جن لوگوں نے (انہیں) پناہ دی اور (ان کی) مدد کی یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں ف۱۰۸

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ

اور جو لوگ ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے کوئی تعلق میراث

مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا ۚ وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ

کا نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں ف۱۰۹ اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں

فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ

دین کے کام میں تو تم پر واجب ہے مدد کرنا ف۱۱۰ بجز اس کے کہ اس قوم کے مقابلہ میں ہو جس کے اور

وَ بَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۷۲﴾ وَ الَّذِیْنَ

تمہارے درمیان معاہدہ ہو اور اللہ خوب دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ف۱۱۱ اور جو لوگ

ف۱۰۳ (اسی دنیا میں) حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ مجھے معرکہ بدر کے بعد فدیہ میں ۲۰ اوقیہ دینے پڑے تھے (اور اوقیہ ۴۰ درہم یعنی تقریباً دس روپے کا ہوتا ہے گویا ۲۰ اوقیہ تقریباً (۲۰۰ کے برابر ہوئے) اور آج میرے پاس غلام بھی ۲۰ ہیں اور ہر غلام مالدار ہے پس دنیا میں وعدۂ الٰہی کا ظہور تو یوں نمایاں طور پر ہوگیا۔ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا۔ اس سے مراد ایمان ہے اے خلوص ایمان وصحة نیة (مدارک) ایمانًا و اخلاصًا (بیضاوی) مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آیت میں اس پر دلالت ہے کہ طاعت سے دنیا و آخرت دونوں کے برکات حاصل ہوتے ہیں خواہ مال کی صورت میں یا مقاماتِ باطنی کی صورت میں۔ ف۱۰۴ (اور ان صفات کا ظہور کامل آخرت میں ہوگا) آیت کے پہلے ٹکڑے میں ذکر دنیوی انعام کا ہے اور اس ٹکڑے میں اُخروی انعام کا۔ ف۱۰۵ (اور اُن کی خیانت کو چلنے نہ دیا) مطلب یہ ہے کہ اگر اُن کی نیت خالص نہ بھی ہو، اور اُن کا مقصود آپ کو دھوکا ہی دینا ہو، جب بھی آپ تشویش نہ کیجئے۔ اللہ اُن کی چالاکی چلنے نہ دے گا۔ اور انہیں آپ کے ہاتھ میں گرفتار کرا دے گا جیسا کہ اس کے قبل جنگ بدر میں کر چکا ہے۔ اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ۔ یعنی یہ اگر دل سے مسلمان نہیں ہیں بلکہ محض اظہار اسلام سے آپ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ خیانة کا لفظ وسیع ہے۔ ہر قسم کی چالاکی اس کے تحت میں داخل ہے۔ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ۔ اور آپ کی مخالفت کر چکے اور آپ کے مقابلہ میں آچکے ہیں۔ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ۔ یعنی اللہ نے انہیں آپ کے قابو میں دے دیا۔ مثلاً معرکہ بدر میں۔ اے اقدرک علیهم جسما رایت فی البدر (روح) ف۱۰۶ چنانچہ وہ خوب جانتا ہے کہ خائن کون کون ہے اور کوئی نہ کوئی تدبیر بھی ابھی نکال دے گا جس سے یہ خائن مغلوب ہو کر رہیں۔ ف۱۰۷ یہ صفات مہاجرین کے بیان ہوئے۔ یہ وہ مکہ والے تھے کہ پہلے تو اپنی قوم کی مخالفت کی پروا نہ کر کے اور ہر قسم کے خطرے مول لے کر ایمان لائے۔ پھر ترک وطن کیا خدا کی راہ میں وطن اور سارے مالوفاتِ وطن کو چھوڑ کر پردیس میں آئے۔ پھر اپنا روپیہ خرچ کر کے سامان جہاد درست کیا۔ پھر اپنی جانوں کو معرکہ قتال میں پیش کر دیا۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ کی قید بڑی اہم اور لازمی ہے۔ وطن وقوم کے پرستاروں کو ان مہاجرین فی سبیل اللہ کے درجہ میں کہنا اپنی قرآن فہمی پر شدید ظلم کرنا ہے۔ ف۱۰۸ (جب تک کوئی مستقل قانونِ وراثت نازل نہیں ہوتا) قانون وراثت (سورۃ النساء میں) نازل ہونے کے بعد یہ عارضی انتظام خود بخود ختم ہوگیا۔ اور اس کو اصطلاح میں "نسخ" کہتے ہیں۔ ثم نسخ اللہ ذٰلک بفتح مکة والمیراث بالقرابة سواء کان الوارث فی دارالحرب اوفی دارالاسلام لسقوط اعتبار الهجرة بالسنّة (ابن عربی) عن ابن عباس قال کان المهاجر لا یتولی الاعرابی ولا یرثه وهو مومن ولا یرث الاعرابی المهاجر فنسختها واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض (جصاص) وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا۔ یہ مدح انصار مدینہ کی ہو رہی ہے جنہوں نے مہاجرین مکہ کو اپنے گھروں میں جگہ دی اور ہر طرح انہیں آسائش پہنچا پہنچا کر پردیس اُن کے لئے دیس بنا دیا۔ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ۔ ولایت سے یہاں مراد وارثت میں حصہ ہے۔ فی هذا دلالة علی ان اطلاق لفظ الموالاة یوجب التوارث (جصاص) نقل الواحدی عن ابن عباس والمفسرین کلهم ان المراد هو الولایة فی المیراث (کبیر) فی المیراث علی ما هو المروی عن ابن عباسؓ والحسن ومجاهد والسدی وقتاده (روح) ف۱۰۹ آغاز اسلام میں ہجرت لوازم ایمان میں سے تھی مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ۔ یعنی نہ تم اُن کے مال کے وارث اور نہ وہ تمہارے مال کے۔ قال ابن عباس ومجاهد وقتاده ذٰلک فی المیراث (بحر) معناه نفی الموالاة فی التوارث (بحر) حَتّٰی یُهَاجِرُوْا۔ چنانچہ جب انہوں نے ہجرت کر لی تو وہ بھی مہاجرین میں داخل ہوگئے۔ ہجرت کا وجوب گو بعد فتح مکہ باقی نہیں رہا، تاہم دارالکفر سے ہجرت کر جانا ہمیشہ اولیٰ اور موجب اجر عظیم ہے۔ وقد کانت الهجرة فرضًا حین هاجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ان فتح النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکة (جصاص) ف۱۱۰ اِسْتَنْصَرُوْكُمْ۔ کے فاعل غیر مہاجرین ہیں یعنی دین کے باب میں یا قتال کفار میں یہ غیر مہاجرین بھی جب اور جس طرح مدد مانگیں تمہیں دینا واجب ہے۔ ف۱۱۱ جب ایسی قوم کے مقابلہ میں امداد طلب کی جائے کہ ان میں اور مہاجرین میں باہم عہد و پیمان ہے تو بقاء عہد تک مدد نہ دی جائے گی، البتہ عہد کو ختم کر کے مدد جائز ہے۔ باقی یہ کہ خود ایسا عہد توڑنا کب واجب ہو جاتا ہے، اس کی تفصیل کتب فقہ واحکام میں ملے گی۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ اللہ کے عالم کل اور بصیر مطلق ہونے کا استحضار تمہیں ہر نقض عہد، ہر بے احتیاطی سے روکے گا۔

كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ

کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں ف۱۱۲ اگر یہ نہ کرو گے تو

فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

زمین میں (بڑا) فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا ف۱۱۳ اور جو لوگ ایمان لائے

وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ

اور انہوں نے ہجرت (بھی) کی اور جہاد (بھی) کیا اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے

اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ

(انہیں) رہنے کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، یہی لوگ تو ہیں پورے پورے مومن، ان کے لئے

مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ

مغفرت اور معزز روزی ہے ف۱۱۴ اور جو لوگ ایمان لائے بعد میں

وَهَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا

اور ہجرت (بھی) کی اور جہاد بھی تم لوگوں کے ساتھ مل کر کیا سو یہ لوگ بھی تم ہی میں شامل ہیں ف۱۱۵ اور (ان میں کے)

الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ

قرابت دار ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں ف۱۱۶ کتاب اللہ کے نوشتہ میں بے شک

اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾ ع

اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے ف۱۱۷

آیاتها ۱۲۹ ۹ سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۳ رکوعاتها ۱۶

اس میں ۱۲۹ آیتیں سورۂ توبہ مدنی ہے اور ۱۶ رکوع ہیں ف۱

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ

دست برداری ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین (کے عہد) سے جن سے تم نے عہد

ف۱۱۲ (اور تم نہ اُن کے وارث، نہ وہ تمہارے وارث) دین کا رشتہ خون کے رشتہ سے کہیں بڑھ کر اور اہم تر ہے۔ ولایۃ کے معنٰی اس بیان میں وراثت کے نہیں، بلکہ اشتراک عداوت اسلام کے ہیں کہ یہود اور نصرانی اور مشرکین قریش گو آپس میں شدید دشمن تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی عداوت میں سب ایک ہو گئے۔ الحق ان یقال ان کفار قریش کانوا فی غایة العداوة للیهود فلما ظهرت دعوة محمد ﷺ تناصروا وتعاونوا علی ایذائه ومحاربته فكان المراد من الأية ذلك (کبیر) ف۱۱۳ (کیونکہ باہمی توارث سے سب ایک ہی جماعت سمجھی جائے گی اور ایک مستقل وعلیحدہ جماعت ہوئے بغیر اسلام کو قوت و شوکت حاصل نہ ہو گی) اِلَّا تَفْعَلُوْهُ۔ یعنی اگر اس حکم عدم توارث پر عمل نہ کیا اور باوجود تخالف دین، محض قرابت کی بنا پر مومن و کافر میں علاقہ توارث قائم رکھا۔ اے الا تفعلوا ما امرتكم به من تواصل المسلمين وتولّی بعضهم بعضًا (کشاف) ای تولی المسلمین وقطع الكفار (جلالین) یعنی ان لا تفعلوا ما امرتم به فی هاتین الأيتين من ايجاب الموالاة والتناصر والتوارث بالاخوة والهجرة ومن قطعها بترك الهجرة (جصاص) تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ۔ شوکت و قوت اسلام کا ضعیف ہونا ہی فتنہ و فساد عالم کا سرمایہ ہے۔ ف۱۱۴ (جنت میں) آخرت میں کامیاب ترین لوگ یہی تو ہوں گے جو دنیا میں سارے مراتب ایمان بجا لے آئے۔ اَلَّذِيْنَ ...... فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی طبقہ مہاجرین جنہوں نے ایمان، ہجرت و جہاد کا حق ادا کر دیا۔ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْا۔ یعنی گروہ انصار جنہوں نے نصرت مہاجرین کا حق ادا کر دیا۔ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔ یعنی ایمان میں کامل، سارے مراتب ایمان کے طے کر جانے والے، لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ۔ مغفرة کا صیغہ نکرہ اس پر دال ہے کہ مغفرت اپنے پورے کمال پر ہو گی۔ وتنكير لفظ المغفرة يدل على الكمال والمعنى لهم مغفرة تامة كاملة عن جميع الذنوب والسيات (کبیر) ف۱۱۵ (بہ اعتبار احکام شرعی کے مہاجرین سابقین اور مہاجرین مابعد میں بہ اعتبار فضل و مرتبہ جو کچھ بھی فرق ہو، بہ اعتبار احکام شرعی سب برابر ہیں۔ ف۱۱۶ یعنی مہاجرین مابعد میں جو لوگ آپس میں یا ان مہاجرین سابق کے قرابت دار ہوں وہی حقدار میراث کے ہیں نہ کہ غیر قرابت دار خواہ فضل و مرتبہ میں یہ غیر قرابت دار ہی بڑھے ہوئے ہوں۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ۔ اس قرابت کا تعلق آپس سے ہے یا مہاجرین سابق سے ہے۔ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ یعنی حکم شرعی میں۔ اے فی حكمه وقسمته (کشاف) اے في حكمه او فی اللوح المحفوظ (روح) یہ حکم فتح مکہ کے بعد سے باقی نہیں رہا۔ اب میت کا وارث مسلمان عزیز ہی ہو گا خواہ وہ کہیں ہو۔ ف۱۱۷ (اور اُسی نے ہر وقت کے مناسب احکام دیئے ہیں اور احکام میراث وغیرہ میں ہر ایک کی مصلحت کا پورا لحاظ رکھ لیا ہے)

ف۱ قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتوں میں سے صرف یہی ہے، جس کے شروع میں بسم اللہ درج نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت جب قرآن اپنی بالکل آخری شکل میں مرتب ہونے لگا تو اس سورت میں صحابہ میں اختلاف پیدا ہوا کہ آیا یہ مستقل سورت ہے یا سورۂ انفال کا جزء۔ دوسری سورتوں کی طرح اس سورت میں بسم اللہ کی تصریح رسول اللہ ﷺ سے پائی نہ گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کر کے دونوں احتمالات کی رعایت کر لی کہ اسے لکھا تو جائے بہ حیثیت مستقل سورت کے البتہ اس کے اور اس کے ماقبل کے درمیان فصل بہ صورت بسم اللہ نہ چھوڑا جائے۔ فقیہ ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام کا یہ فیصلہ خود اس کی دلیل ہے کہ نص کی عدم موجودگی میں قیاس شرعی ایک مستقل حجت ہے۔ چنانچہ انہوں نے سورہ براءۃ کے مضمون کو سورۂ انفال سے مشابہ پا کر ایک کو دوسرے سے ملحق کر دیا۔ اور جب خود تدوین قرآن میں قیاس شرعی سے کام لیا گیا تو دوسرے مسائل کا ذکر ہی کیا۔ هذا دليل على ان القياس اصل فی الدين الا ترى الى عثمان واعيان الصحابة كيف لجئوا الى قياس الشبه عند عدم النص و رأوا ان قصة براءة شبيهة بقصة الانفال فالحقوها بها فاذا كان الله تعالٰی قد بين دخول القياس فی تاليف القرأن فما ظنك بسائر الاحكام (قرطبی)" اور یہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور یہ سورۃ رفع امان کے لئے آئی ہے سو یہ علت نہیں، بہ طور نکتہ کے ایک حکمت ہے"۔ (تھانوی) بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ اہل عرب جب اپنے معاہدوں کو منسوخ کرتے تھے تو اس منسوخی کی تحریروں پر بسم اللہ نہیں لکھتے تھے۔ سورہ براءۃ میں چونکہ معاہدہ کی منسوخی ہی کا اعلان ہے اس لئے اس میں بھی مذاق عرب کی رعایت رکھی گئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اسے پڑھ کر سنایا تو شروع میں بسم اللہ نہ پڑھی۔ قیل كان من شان العرب فی زمانها فی الجاهلية اذا كان بينهم وبين قوم عهد فارادوا نقضه كتبوا اليهم كتبًا ولم يكتبوا فی بسملة فلما نزلت سورة براءة بنقض العهد الذی كان بين النبی ﷺ والمشركين بعث بها النبی ﷺ عليًا فقراها عليهم فی الموسم ولم يبسمل فی ذلك على ما جرت به عادتهم فی نقض العهد من ترك البسملة (قرطبی)۔

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ① فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ

کر رکھا تھا و٢ سو (اے مشرکو) زمین میں چار ماہ

اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ

چل پھر لو اور جانے رہو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے و٣ بلکہ اللہ ہی

مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ② وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ

کافروں کا رسوا کرنے والا ہے و٤ اور اعلان (کیا جاتا ہے) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے

اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ

لوگوں کے سامنے بڑے حج کے دن کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے

الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

دست بردار ہیں و٥ پھر بھی اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے و٦

وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ

اور اگر تم روگردانی کئے رہے تو جانے رہو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے و٧

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ③ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ

اور کافروں کو عذاب دردناک کی خوش خبری سنا دیجیے و٨ مگر ہاں وہ مشرکین اس سے

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَمْ

مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ

يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى

تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی سو ان کا معاہدہ ان کی مدت (مقررہ) تک

مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④ فَاِذَا انْسَلَخَ

پورا کرو و٩ بے شک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے و١٠ سو جب حرمت والے

و٢ (بلاتعیین مدت) مسلمانوں نے مشرک قبائل عہد سے معاہدے کر رکھے تھے۔ بعض سے میعاد معین کے لئے بعض سے غیر میعادی۔ یہاں انہی آخر الذکر معاہدوں کی منسوخی کا اعلان ہو رہا ہے۔ براءۃ کے معنی ترک موالات ورفع امان کے ہیں۔ البراءة هي قطع الموالاة وارتفاع العصمة وزوال الامن (جصاص) معنى البراءة انقطاع العصمة (کبیر) مشرکین عرب کی مسلسل عہد شکنیوں کے بعد اب انہیں نوٹس دیا جا رہا ہے کہ اتنی مدت کے بعد تم سے سارے معاہدہ ختم۔ بس اب تلوار ہی تمہارا فیصلہ کرے گی۔ براءۃ کی تنوین تفخیم کے لئے ہے۔ یعنی کامل انقطاع۔ مکمل دستبرداری۔ التنوين للتفخيم (روح) اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ۔ صیغۂ جمع۔ حالانکہ معاہدہ کرنے والے صرف رسول اللہ ﷺ تھے۔ اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ بہ حیثیت آمر و حاکم آپ کا فعل حکماً ساری امت کا فعل تھا۔ ولم يعاهدهم الا النبي ﷺ وحده ولكنه كان الآمر والحاكم وكل ما امر به او احكمه فهو لازم للامة منسوب اليهم محسوب عليهم (ابن العربی) يعني الى الذين عاهدهم رسول الله ﷺ لانه كان المتولي للعهود واصحابه كلهم بذلك راضون وكانهم عاقدوا وعاهدوا فنسب العقد اليهم (قرطبی) و٣ (کہ اس کے قبضہ سے نکل جاؤ یا اس کی مشیت پر غالب آ جاؤ) یہاں پر بتا دیا کہ یہ مہلت تمہاری مصلحت اور تم پر شفقت کے خیال سے ہے یہ نہیں کہ اس میں قادر مطلق کے عجز کو کوئی دخل ہو۔ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ۔ یعنی اس چار مہینہ کی مہلت کے اندر یا تو اسلامی برادری میں شامل ہو جاؤ یا اس جغرافی مرکز توحید و ایمان کو اپنے وجود سے خالی کر دو۔ عین عتاب کے موقع پر اسلام اپنے معاندین کی راہ میں کتنی سہولت پیدا کر رہا ہے۔ انہیں مہلت پورے ٤ مہینہ کی دے رہا ہے۔ یہ چار مہینہ کون سے تھے؟ اس کے جوابات مختلف دیئے گئے ہیں۔ عام چار محترم مہینہ تو ظاہر ہے کہ رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، اور محرم ہیں۔ لیکن یہاں بعض علماء سے شوال تا محرم منقول ہیں، اس بنا پر کہ آیت کا زمانہ نزول زمانہ شوال ہے۔ وهي شوال وذو القعدة وذو الحجة والمحرم عند الزهري لان الآية نزلت في الشهر الاول (روح) فَسِيْحُوْا۔ لفظ کے معنی سیر و سیاحت کرنے کے ہیں۔ اب خطاب براہ راست کافروں سے شروع ہو گیا قل محذوف ہے۔ اي سيروا هي السياحة (ابن العربی) رجع عن الخبر الى الخطاب اي قل لهم سيحوا (قرطبی) و٤ یعنی یہ احمق معاندین اللہ کے مقابلہ کی قوت تو کہاں سے لائیں گے اللہ ہی اُلٹا انہیں رسوا کر کے رہے گا۔ اس رسوائی کا ظہور حشر میں تو بہرحال کامل اور یقینی طور پر ہو ہی گا۔ باقی نزول آیت کے بعد دنیا میں بھی اچھی طرح ہو کر رہتا ہے۔ قال ابن عباس بالقتل في الدنيا والعذاب في الآخرة (کبیر) آیت میں مسلمانوں کو اطمینان بھی دلا دیا گیا ہے کہ وہ کافروں پر غالب آ کر رہیں گے۔ قال الزجاج هذا ضمان من الله عزوجل لنصرة المومنين على الكافرين (کبیر) و٥ یعنی انہیں امن دینے سے بری الذمہ اور دست بردار ہیں۔ اِلَى النَّاسِ۔ یعنی عام خلقت کے سامنے جس میں کافر، مومن، معاہد، غیر معاہد سب آ گئے۔ الناس ههنا جميع الخلق (قرطبی) مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ مشرکین سے سیاق آیت میں مراد وہی مشرکین ہیں جو نقض عہد کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ۔ حج اکبر حج ہی کو کہتے ہیں۔ کوئی مخصوص قسم کا حج مراد نہیں، اکبر کا لفظ صرف حج اصغر یا عمرہ سے تقابل و امتیاز کے لئے ہے۔ هذا هو الحج الاكبر لان العمرة تسمى الحج الاصغر (کبیر) قال مجاهد الحج الاكبر القران والحج الاصغر العمرة (ابن العربی) قال القاضي اذا نظرنا في هذه الاقوال فالمنقح منها ان الحج الاكبر الحج كما قال مجاهد (ابن العربی) اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور امام شافعی علیہ الرحمہ دونوں اسی کے قائل ہوئے ہیں۔ یہاں مراد ٩ ہجری کا یوم الحج ہے جو یوم الحج کی اصطلاح ٩ ذی الحجہ (یوم عرفہ) کے لئے ہے۔ ١٠ ذی الحجہ کو یوم النحر کہتے ہیں۔ ثبت الحج في اليوم التاسع من ذي الحجة وهو يوم عرفة والنحر يوم العاشر منه (جصاص) قال ابن عباس في رواية عكرمة انه يوم عرفة وهو قول عمر وسعيد بن المسيب وابن الزبير وعطاء وطاؤس ومجاهد واحدى الروايتين عن عليؓ (کبیر) قيل يوم عرفة روي عن عمر وعثمان وابن عباس وطاؤس ومجاهد وهو مذهب ابي حنيفة وبه قال الشافعي (قرطبی) لیکن دوسری روایتیں یوم النحر یا ١٠ ذی الحجہ کی بابت بھی ہیں۔ یہ اعلان حضرت علیؓ نے تمام قبائل عرب کے روبرو کیا تھا۔ امیر الحج اس سال رسول اللہ ﷺ نے اپنے بجائے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مقرر کیا تھا۔ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ۔ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ۔ معاہدہ کو فسخ کرنے کا اختیار تو امت کو حاصل رہتا ہے لیکن اس خاص موقع پر اس کا فسخ کرنا واجب ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں اس کا انتساب مسلمانوں کی جانب نہیں بلکہ خود اللہ اور رسول کی جانب کیا جا رہا ہے۔ و٦ یعنی تمہاری عہد شکنی معاف کر دی جائے گی اور دنیوی عقوبت سے بچ جاؤ گے اور نجاتِ اخروی تو توبہ کرنے اور ایمان لے آنے کے بعد ظاہر ہی ہے۔ فَاِنْ تُبْتُمْ۔ یعنی اگر اپنے عقاید کفر و شرک سے اب بھی توبہ کر لو۔ اي عن الشرك (قرطبی) و٧ (کہ اس کے قبضہ قدرت سے کہیں نکل بھاگو) فانه محيط بكم ومنزل عقابه عليكم (قرطبی) و٨ اس عذاب سے مراد عذاب آخرت ہے۔ و٩ (اور اپنی طرف سے ذرہ عہد شکنی نہ ہونے دو) لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا۔ یعنی اپنی طرف سے اُس عہد کے نباہنے اور پورا کرنے میں کچھ بھی کمی نہیں کی۔ وَلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاہد جب مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کی اعانت کرنے لگے، تو وہ ناقض عہد ہو گیا۔ يدل على ان المعاهد متى عاون علينا عدوا لنا فقد نقض عهده (جصاص) و١٠ (اور اسی تقویٰ و پرہیزگاری کی ایک فرد ایفاء عہد بھی ہے)۔

الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ

مہینے گزر لیں اس وقت ان مشرکوں کو قتل کرو جہاں کہیں

وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا

تم انہیں پاؤ اور انہیں پکڑو باندھو اور ہر گھات کے موقع پر ان کی

لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ

تاک میں بیٹھو ف۱۱ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں

وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾

اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۱۲

وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى

اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دیجیے تاکہ

يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

وہ کلام الٰہی سن سکے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجیے یہ (حکم مہلت) اس سبب سے ہے

قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ ع كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ

کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو پوری خبر نہیں رکھتے ف۱۳ (ایسے عہد شکن) مشرکوں کا عہد کیسے اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ

عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ

واجب رہے گا، مگر ہاں جن لوگوں سے تم نے عہد لیا

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ

مسجد حرام کے نزدیک ف۱۴ سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھے رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷﴾ كَيْفَ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ

بے شک اللہ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو ف۱۵ کیسے (ان عہد شکنوں کا عہد قابل رعایت رہے گا) جب کہ یہ حال ہے کہ اگر وہ کہیں

ف۱۱ غرض یہ کہ جنگ میں جو کچھ ہوتا اور کرنا پڑتا ہے اس کی عام اجازت ہے۔ واقعدوا سے اس کے لفظی معنی مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ غنیم کی فکر میں لگے رہو اور یہی صورت احصروھم کے لئے ہے۔ لیس معناه حقيقة القعود بل المراد ترقبهم وترصدهم (روح) واحصروهم اى امنعوهم عن الخروج اذا تحصنوا منكم بحصن (عن ابن عباس۔ روح) الْمُشْرِكِيْنَ۔ عام مشرکین مراد نہیں، بلکہ وہی محارب، عہد شکن مشرکین مراد ہیں جنہوں نے الٹے دشمنوں کی مدد کر کے مسلمانوں سے غداری کی۔ تبين ان المراد بالاٰية اقتلوا المشركين الذين يحاربونكم (ابن العربی) اى المشركين الناكثين (بیضاوی) الذين نقضوكم وظاهروا عليكم (مدارک) حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔ یعنی خواہ وہ حرم ہی میں ہوں۔ من حل اوحرم (مدارک) عام فى كل موضع وخص ابوحنيفة المسجد الحرام (قرطبی) وَخُذُوْهُمْ۔ یہ گرفتاری اسی غرض سے ہوگی کہ یا انہیں قتل کیا جائے یا بہ معاوضہ یا بلا معاوضہ حسب رائے امام چھوڑ دیا جائے۔ الاخذ هو الاسر و الاسر انما يكون للقتل اوالفداء اوالمن على ما يراه الامام (قرطبی) ف۱۲ (چنانچہ ایسے ایسے مجرموں کی بھی معافی کا حکم دے دیا اور ان کی جان بچالی) فَاِنْ تَابُوْا۔ یہ توبہ عقاید کفر و شرک سے ہونی چاہیے۔ اى عن الكفر (مدارک) اى من الشرك (قرطبی) وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ۔ بجنسہٖ یہی دو عمل مراد نہیں" یہ دونوں عمل تو بہ طور نمونہ کے ہیں مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے سے کام کرنے لگیں۔ فقہائے مفسرین نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ قتل سے بچنے کے لئے واقعۃً نماز کا پڑھنا (جو اپنے وقت ہی پر واجب ہوگی) اور زکوٰۃ دینا (جس کی ادائیگی سال بھر گزرنے ہی پر ہوگی) ضروری نہیں، ضروری صرف ان اعمال کے وجوب کا اعتقاد ہے۔ لا خلاف انهم لو قبلوا امر الله فى فعل الصلوة والزكوة ولم يكن الوقت وقت صلاة انهم مسلمون وان دمائهم محظورة فعلمنا ان شرط الزوال القتل عنهم هو قبول اوامر الله والاعتراف بلزومها دون فعل الصلوة والزكوة (جصاص) اكتفى بذكر هما لكونهما رئيسى العبادات البدنية والمالية (روح) فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ۔ چنانچہ اب اُن کے لئے حکم قید، قتل وغیرہ کا نہ رہے گا۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ جزیہ نہ لینا کفار عرب کے ساتھ مخصوص تھا اسی لئے یہ عدم اخذ وحصر اور "تخلیہ سبیل" کا حکم انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ باقی عام کفار و مشرکین کے لئے بعد جہاد غلامی میں آجانے کا مسئلہ اپنی جگہ ثابت و مسلم ہے۔ ف۱۳ (بس انہیں پوری واقفیت حاصل کرنے کا موقع دیا جائے) اس علیت نے یہ صاف کر دیا کہ مدار حکم مخاطب کی اس بے خبری پر ہے باقی جہاں اسلام کا پیام عام ہو چکا ہو اور بے خبری ولاعلمی کا کوئی قرینہ نہ ہو، وہاں یہ وجوب بھی باقی نہ رہے گا۔ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ یعنی انہی واجب القتل مشرکین میں سے۔ اى من الذين امرتك بقتالهم (قرطبی) حتّٰی کو یہاں بجائے "یہاں تک" کے "تاکہ" کے معنی میں لینا اور تعلیلیہ قرار دینا بہتر ہوگا۔ حتى للتعليل (روح) يصح ان تكون للتعليل (بحر) يَسْمَعَ۔ سماع سے یہاں مراد محض سماع آواز نہیں بلکہ فہم و تدبر کے ساتھ سوچنا سمجھنا مراد ہے۔ وقديراد بالسماع الفهم (بحر) ويتدبره (مدارک) ليس يريد مجرد الاصغاء فيحصل العلم له بظاهر القول وانما اراد به فهم المقصود من دلالته على النبوة (ابن العربی) اى بفهم احكامه واوامره ونواهيه (قرطبی) كَلٰمَ اللّٰهِ۔ علاوہ قرآن مجید کے تمام دلائل دین حق کے اسی حکم میں آجاتے ہیں۔ كان علينا اقامة الحجة وبيان توحيد الله وصحة نبوة النبى ﷺ (جصاص) ويطلع على حقيقة الامر (مدارک) ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ۔ فقہاء مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ حربی امن گزین کو چھیڑا ستایا نہ جائے۔ بلکہ اُس کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی جائے۔ فيه دليل على ان المستامن لايوذى (مدارک) يدل على ان على الامام حفظ هذا الحربى المستجير وحياطته ومنع الناس من تناوله بشر (جصاص) ذمیوں کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اسی آیت سے نکالی گئی ہے۔ وفى هذا دليل ايضاً على ان على الامام حفظ اهل الذمة والمنع من اذيتهم والتخطى الى ظلمهم (جصاص) یہیں سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ کافر حربی کا دارالاسلام میں زیادہ عرصہ تک ٹھیرنا ٹھیک نہیں۔ اُسے چاہیے کہ بس ضرورت بھر قیام کرے اور چلا جائے۔ وفيه الدلالة على انه لايجوز اقرار الحربى فى دارالاسلام مدة طويلة وانه لايترك فيها الابمقدار قضاء حاجته (جصاص) یہ حکم بھی فقہاء نے یہیں سے نکالا ہے کہ جو کوئی دین کے مسائل ہم سے دریافت کرنا چاہے تو ہم پر اس کا بتانا واجب ہے۔ فيه الدلالة ايضا على ان علينا تعليم كل من التمس منا تعريفه شيئًا من امور الدين (جصاص) ف۱۴ (اور اُن سے اُمید ہے کہ وہ عہد کو قائم رکھیں گے) الْمُشْرِكِيْنَ۔ سے مراد یہاں بھی وہی عہد شکن مشرکین ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔ المراد من المشركين الناكثون (روح) كَيْفَ۔ یہاں استفہام کے معنی میں نہیں، استنکار کے معنی میں اور اظہار عجب کے لئے ہے استفهام بمعنى الانكار والاستبعاد (کشاف۔ بیضاوی) كيف هناللتعجب كما تقول كيف يسبقنى فلان اى لا ينبغى ان يسبقنى (قرطبی) ف۱۵ (اور تقویٰ ہی کی ایک اعلیٰ فرد یہ ہے کہ ہر ترغیب اور موقع کے باوجود انسان اپنے عہد پر قائم رہے) فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ۔ یعنی تمہارے مقابلہ میں اپنا عہد نہ توڑیں۔ ولم يظهر منهم نكث۔ اى فما اقاموا على وفاء العهد (مدارک) فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ۔ یعنی اپنی طرف سے اُن کی مدت عہد پوری کرو۔

لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ

تم پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارہ میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول وقرار کا تمہیں پرچا رہے ہیں، (صرف) اپنی زبانی باتوں سے

وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸﴾ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ

اور ان کے دل انکار کئے جارہے ہیں اور زیادہ تر ان میں کے بدعمل ہی ہیں و۱۶ انہوں نے آیات الٰہی کے معاوضہ میں

اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ

بضاعت قلیل کو خرید لیا ہے سو یہ لوگ (اللہ) کے راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں، بے شک بہت برا ہے

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹﴾ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا

جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں، و۱۷ کسی مومن کے باب میں یہ لوگ نہ قرابت کا پاس کریں

وَّ لَا ذِمَّةً ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ فَاِنْ تَابُوْا

اور نہ قول وقرار کا، اور یہ لوگ ہی ہیں زیادتی کرنے والے و۱۸ لیکن اگر وہ توبہ کرلیں

وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي

اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہو جائیں گے

الدِّيْنِ ؕ وَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ اِنْ

دین میں و۱۹ اور ہم آیتوں کو علم والوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں و۲۰ اور اگر

نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ

یہ لوگ اپنی قسموں کو اپنے عہد کے بعد توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر

دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ

طعن کریں تو تم قتال کرو (ان) پیشوایان کفر سے کہ (اس صورت میں) ان کی قسمیں باقی نہیں رہیں

لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ

تاکہ یہ لوگ باز آجائیں و۲۱ تم ایسے لوگوں سے کیوں قتال نہیں کرتے جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا

(اور فسق وبدعملی کی ایک فرد عہد شکنی ہے) گویا ان مشرک جاہلیوں کی ذہنیت بھی آج کل کی مہذب فرنگی قوموں کی سی تھی کہ آپس کے معاہدوں میں لحاظ صرف وقتی مصلحت جوئی کا رہے۔ اِلًّا۔ اِلّ کے معنی قرابت وعزیزداری کے ہیں۔ الال علی ماروی عن ابن عباس الرحم والقرابۃ والی ذٰلک ذھب الضحاک (روح) فٰسِقُوْنَ۔ فاسق تو ہر کافر ہوتا ہے، یہاں مقصود ان کی بد اعمالی خصوصاً عہد شکنی کو نمایاں کرنا ہے۔ ای ناقضون العھد وکل کافر فاسق ولکنہ ارادھھنا المجاھرین بالقبائح ونقض العھد (قرطبی) و۱۷ یعنی انہوں نے احکام الٰہی کی لازوال دولت کے بجائے حاصل کیا تو کیا، اس دنیائے فانی کی تھوڑی سی متاعِ ناپایدار! یہاں ان کی بدعہدی کی اصلی لِم بتادی کہ آخرت کا اعتقاد تو ان کو ہے نہیں، اور آخرت کی کوئی ذمہ داری یہ اپنے دل میں نہیں پاتے۔ و۱۸ (اور اس لیے ہرگز قابل اعتماد نہیں) لَا یَرْقُبُوْنَ...... الخ کی تکرار تاکید کے لئے ہے۔ مؤاخذہ اخروی اور دینی ذمہ داری سے اتر کر ایک چیز شرافت بھی ہے۔ جس کے جوہر بلاقید ملت ہر قوم میں پائے جاتے ہیں اور اُس کا تقاضہ ہے کہ انسان قرابت اور اپنے قول وقرار کا پاس بہر حال کرتا ہے۔ یہ ننگ انسانیت معاندین اسلام اس جوہر سے بھی محروم تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سرے سے تکرار ہی نہیں۔ اس لئے کہ پہلی بار اس کا ذکر سارے مشرکوں کے سلسلہ میں آیا ہے اور دوبارہ یہود کے سلسلہ میں، قال النحاس لیس ھٰذا تکریرًا ولٰکن الاول لجمیع المشرکین والثانی للیھود خاصۃً (قرطبی) و۱۹ یعنی اگر یہ لوگ عقاید کفر وشرک سے اپنی تبرّی کا اظہار کردیں، اور مسلمانوں کے سے کام کرنے لگیں تو اعتبار ان کے ظاہر کا کرلیا جائے گا اور دل میں ان کے جو کچھ بھی ہو، بہر حال یہ اسلامی برادری کے جزء سمجھے جائیں گے اور معاملہ ان کے ساتھ مسلمانوں ہی کا سا کیا جائے گا۔ اور اب ان کے پچھلے جرائم عہد شکنی وغیرہ پر نظر نہیں کی جائے گی۔ یدل علی من اظھر لنا الایمان واقام الصلوۃ واتی الزکوۃ فعلینا موالاتہٗ فی الدین علی ظاھر امرہٖ مع وجودان یکون اعتقادہٗ فی المغیب علی خلافہ (جصاص) فَاِنْ تَابُوْا۔ یعنی اپنے کفر سے توبہ کریں اور احکام اسلام پر قائم ہو جائیں۔ ای عن الکفر (مدارک) عماھم علیہ من الکفر وسائر العظائم کنقض العھد وغیرہ (روح) ای عن الشرک والتزموا احکام الاسلام (قرطبی) وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ۔ یعنی اعمال ظاہری مسلمانوں کے سے بجالائے یا ان کی فرضیت کا اقرار کرے۔ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّيْنِ۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ اسلامی برادری میں شمول کے لئے اور اُمت کا ایک رکن بن جانے کے لئے صرف اس قدر کافی ہے۔ اس سے زاید کے مطالبات کو جزء لازمی سمجھنا محض تعمق وتشدد ہے۔ فی الدین نے اسے بھی صاف کردیا کہ یہ اخوت وہم سطحی دین کے لحاظ سے ہوگی، اور فقہاء نے جو بحث کفوی کی ہے۔ اس کا تعلق تمام تر نسب سے ہے نہ کہ دینی اخوت سے۔ ای لا فی النسب (مدارک) و۲۰ (کہ وہ سوچیں سمجھیں، غور وتدبر سے کام لیں) ای یفھمون فیتفکرون فیہ (مدارک) و۲۱ (اپنے عقاید کفریہ سے) وَاِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ۔ یعنی یہ عہد شکنی کرکر کے بجائے ایمان لانے کے کفر پر قائم رہیں۔ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ۔ یہ علامت مزید اُن کے کفر وعناد کی ملی۔ طعن کے لغوی معنٰی نیزہ مارنے کے ہیں۔ طعن کا اطلاق سنجیدہ، علمی، عقلی اختلاف رائے وعقیدہ پر نہیں ہوتا۔ طعن کہتے ہی ایسی بات کو ہیں جو دل کو چھیددے زخمی کردے، طعن فی الدین سے مقصود تحقیق کسی درجہ میں بھی نہیں ہوتی، بلکہ دین کی توہین اور اہل دین کی دلآزاری۔ ایسی زبان درازی اس "روشن خیال" بیسویں صدی میں بھی ہر قانون میں جرم ہے۔ ذمی جس وقت دین اسلام پر زبان طعن دراز کرتا ہے، معاہدہ امن سے نکل جاتا ہے، اور اس کا قتل جائز ہوجاتا ہے۔ اذا طعن الذمی فی دین الاسلام طعنًا ظاھرًا جاز قتلہ، لان العھد معقود معہ علی ان لا یطعن فاذا طعن فقد نکث عھدہٗ وخرج من الذمہ (مدارک) قَاتِلُوْۤا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ۔ یہ سرداروں کے قتل کا حکم عوام کے قتل کی نفی نہیں ہے۔ سرداروں کی تصریح اہتمام وخصوصیت وتاکید کے لئے ہے۔ ان کے قتل سے عوام خود بخود یا منتشر اور یا مطیع ومنقاد ہونے لگیں گے۔ ای قاتلوا الکفار (بحر) وخص الائمۃ بالذکر لانھم ھم الذین یحرضون الاتباع علی البقاء علی الکفر (بحر) تخصیصھم بالذکر لان قتلھم اھمّ لا لانہ لایقتل غیرھم (روح) سرداران قریش نے معاہدہ کے خلاف بنی خزاعہ کے مقابلہ میں بنی بکر کو مدد دی تھی۔ آیت میں اشارہ اسی جانب ہے۔ طعن فی الدین کے سلسلہ میں توریت کا حکم ملاحظہ ہو:۔ "اور وہ جو خداوند کے نام پر کفر بکے گا جان سے مارا جائے گا۔ ساری جماعت اُسے سنگسار کرے گی خواہ وہ مسافر ہو، خواہ دیسی ہو، جب اُس نے اس کے نام پر کفر کیا تو وہ جان سے ضرور مارا جائے گا۔" (احبار۔ ۲۴:۱۶) آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ معاہد جب معاہدہ کی کسی دفعہ کی بھی خلاف ورزی کرے یا دین پر طعن کرے تو وہ ناقض عہد ہو جائے گا فیہ دلالۃ علی ان اھل العھد متی خالفوا شیئًا مما عوھدوا علیہ وطعنوا فی دیننا فقد نقضوا العھد (جصاص)۔

وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ

اور رسول کے جلاوطن کرنے کی ٹھان لی اور انہوں نے تمہارے مقابلہ میں خود ہی ابتدا کی پہلے پہل ف۲۲

اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ

کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ حق دار ہے اس کا کہ اس سے ڈرو اگر تم

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ

ایمان والے ہو ف۲۳ ان سے لڑو اللہ انہیں تمہارے ہاتھ سے سزا دے گا

وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ

اور انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر غلبہ دے گا اور مسلمان لوگوں کے دلوں کو

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ

ٹھنڈا کرے گا ف۲۴ اور ان کے دلوں سے جھنجلاہٹ کو دور کرے گا ف۲۵ اور اللہ جس پر وہ چاہے گا

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ

رحمت کے ساتھ توجہ کرے گا، اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۲۶ کیا تمہارا یہ خیال ہے

اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ

کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے (ظاہری طور پر) ان لوگوں کو تم میں سے جانا ہی نہیں جنہوں نے جہاد کیا

يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِيْنَ

اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے سوا کسی کو گہرا دوست

وَلِيْجَةً ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ ع مَا كَانَ

نہ بنایا اور اللہ کو خبر ہے اس (سب) کی جو تم کرتے رہتے ہو ف۲۷ مشرکین اس

لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى

لائق ہی نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں، درآنحالیکہ وہ خود اپنے اوپر کفر کی

ع ۲ ۸

ف۲۲ وہ یوں کہ تمہاری طرف سے وفاء عہد میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اور انہوں نے خود ہی چھیڑ نکالی۔ ف۲۳ ایمان والوں کو انہی کے ایمان کی غیرت اور واسطہ دلایا ہے کہ کافروں مردودوں سے ڈرنا ہی کیا۔ اَتَخْشَوْنَهُمْ۔ کیا تم ان سے اس لیے ڈرتے ہو کہ یہ سامان اور جمعیت زیادہ رکھتے ہیں؟ ف۲۴ (کافروں کی ہزیمت اور تمہاری نصرت سے) يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ اعداء دین کو دنیا میں سزا خادمان دین کے ہاتھوں سے دلائی جاتی ہے اور یہ انسان عذاب الٰہی کے واسطہ یا آلہ کا کام دیتے ہیں۔ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعدائے دین کی مغلوبیت سے خوش ہونا امر طبعی بلکہ امر محمود ہے ف۲۵ یہ ذکر ایسے مسلمانوں کا ہے جو خود مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے اور کافروں کے غلبہ پر دل ہی دل میں کڑھا کرتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امور طبعی کاملین میں بھی رہتے ہیں چنانچہ بیان صحابہ میں غیظ کا ذکر موجود ہے ف۲۶ (چنانچہ اپنے علم کامل سے سب کا حال جان کر اپنی حکمت کاملہ سے سب کے مناسب حال احکام جاری فرمائے) يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی اپنی مشیت تکوینی کے ماتحت جس کو چاہے گا، ایمان کی توفیق دے دے گا۔ ف۲۷ اَنْ تُتْرَكُوْا۔ یعنی کیا مومنین صادقین یوں ہی بلا امتحان و آزمائش چھوڑ دیئے جائیں گے۔ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً۔ یعنی اصل امتحان کا موقع تو اب آیا ہے، جب اپنے عزیزوں، قریبوں سے قتال کرنا ہوگا اور اللہ اور اسلام کی خاطر اپنے ہر تعلق، ہر محبت کو قربان کرنا پڑے گا۔ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ۔ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی تحقیقی اور ازلی ہے۔ لیکن معلومات جب تک حدوث میں نہ آئیں، علم الٰہی کا تعلق فعلی ان سے پیدا نہیں ہوتا۔ اس حقیقت کو یہاں لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ سے تعبیر کیا ہے۔ وَ لَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً۔ اس سے فقہاء نے حجیت اجماع اور اتباع مومنین کا استنباط کیا ہے۔ يقتضى لزوم اتباع المومنين وترك العدول عنهم كما يلزم اتباع النبى صلى الله عليه وسلم وفيه دليل على لزوم حجة الاجماع (جصاص)

اَنۡفُسِهِمۡ بِالۡكُفۡرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ ۚۖ وَ فِى

گواہی دے رہے ہوں ف۲۸ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے (سب) اعمال اکارت جا چکے اور

النَّارِ هُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ

دوزخ میں وہی (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ف۲۹ اللہ کی مسجدوں کا آباد کرنا تو بس ان لوگوں کا کام ہے

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ

جو ایمان رکھتے ہوں اللہ اور روز آخرت پر، اور پابندی کرتے ہوں نماز کی، اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہوں

وَ لَمۡ يَخۡشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا

اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں پس ایسے لوگ امید ہے کہ

مِنَ الۡمُهۡتَدِيۡنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلۡتُمۡ سِقَايَةَ الۡحَآجِّ وَ عِمَارَةَ

راہ یاب ہو جائیں ف۳۰ کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے اور مسجد حرام کے

الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ كَمَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ

آباد رکھنے کو (برابر) قرار دے لیا ہے اس شخص (کے عمل) کے جو ایمان رکھتا ہے اللہ اور روز آخرت پر

وَ جٰهَدَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسۡتَوٗنَ عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ

اور اس نے جہاد بھی اللہ کی راہ میں کیا۔ یہ لوگ برابر نہیں (ہو سکتے) اللہ کے نزدیک، اور اللہ

لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۘ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ هَاجَرُوۡا

راہ نہیں دکھاتا ظالم لوگوں کو ف۳۱ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی

وَقف لازم

وَ جٰهَدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَ اَنۡفُسِهِمۡ ۙ

اور اللہ کی راہ میں جہاد اپنے مال اور اپنی جان سے کیا

اَعۡظَمُ دَرَجَةً عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۲۰﴾

وہ درجہ میں بہت بڑے ہیں اللہ کے نزدیک اور یہی لوگ (پورے) کامیاب ہیں ف۳۲

ف۲۸ یعنی ایسے عقاید کا اقرار کررہے ہوں جو داخل کفر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین میں اپنے عقاید شرکیہ کے ساتھ عمل آبادیٔ مساجد کی اہلیت ہی مفقود ہے۔ یہ اگر آبادی مساجد کریں بھی تو اس سے انہیں کیا نفع حاصل ہوگا؟ مَا كَانَ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ۔ یعنی اگر وہ ایسا کرنا بھی چاہیں تو اس کے لائق ہی نہیں۔ انہیں اس سے روکا جائے گا۔ ای لا ینبغی لھم ولا یلیق وان وقع (روح) ما ینبغی للمشرکین باللہ ان یعمروا مساجد اللہ التی بنیت علٰی اسمہ وحدہٗ لا شریک لہٗ (ابن کثیر) ما ینبغی للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ اوجب علی المسلمین منعھم من ذٰلک لان المساجد تعمر لعبادۃ اللہ وحدہ (معالم) اَنۡ يَّعۡمُرُوۡا۔ عمارۃ۔ عربی محاورہ میں ضد ہے ویرانگی کی، سو عمارت کے تحت میں مسجدوں کا آباد کرنا، اُن میں داخل ہونا، اُن کی تعمیر کرنا، اُن کی خدمت کرنا سب کچھ آ گیا۔ بعض نے عمارت سے مراد تعمیر معروف یعنی مسجد کی بنا اور اُس کی مرمت وغیرہ مراد لی ہے اور کافر کو اس سے روکا ہے۔ چنانچہ وہ اگر اس کی وصیت کر جائے تو اس کی بھی تعمیل نہ ہوگی۔ ذھب جماعۃ الی ان المراد منہ العمارۃ المعروفۃ من بناء المسجد ومرمتہ عند الخراب فیمنع منہ الکافر حتی لو اوصی بہ لا یمتثل (معالم) بعض نے مسجد میں داخلہ اور نشست و برخاست مراد لی ہے۔ وحمل بعضھم العمارۃ ھھنا علی دخول المسجد والقعود فیہ (معالم) مَسٰجِدَ اللّٰهِ۔ اس عموم میں مسجد الحرام (حرم شریف) بھی آ گئی۔ فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ کوئی کافر کسی مسجد کا متولی یا بانی وخادم ہونے کے لائق نہیں، فاقتضت الآیۃ منع الکفار من دخول المساجد ومن بنائھا وتولی مصالحھا والقیام بھا (جصاص) البتہ جہاں تک مسجد بنانے کا تعلق ہے فقہاء کے ہاں یہ صراحت ملتی ہے کہ اگر اس کافر کے ہاں خود اس کے مذہب کی رو سے تعمیر مسجد میں اجر ہے اور اُسے تعمیر مسجد کی اجازت دینا کسی مصلحت اسلامی کے خلاف بھی نہیں تو اجازت دے دی جائے گی۔

ف۲۹ (کہ یہ خلود عذاب سزائے موعود ہے کفر کی) اُولٰٓئِكَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ۔ یعنی ایمان جو قبول اعمال کی بنیاد ہے وہی اُن کے ہاں منعدم ہے۔ وَفِى النَّارِ هُمۡ خٰلِدُوۡنَ۔ آیت کے صیغۂ حصر سے متکلمین نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ خلود عذاب سزا صرف کافروں کی ہے نہ کہ گنہگار مسلمانوں کی، یعنی صرف وہی (کافر) پڑے رہیں گے نہ کہ کوئی اور۔ واحتج اصحابنا بھٰذہ الآیۃ علی ان الفاسق من اھل الصلٰوۃ لایبقی مخلداً فی النار (کبیر)

ف۳۰ (اور اپنے مقصود کو پہنچ جائیں جو نجات اور جنت ہے) ای الی الجنۃ وما اعد اللہ تعالٰی فیھا لعبادہ (روح) مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ۔ یہ بیان ہوا اُن کے بنیادی عقاید کا۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمۡ يَخۡشَ اِلَّا اللّٰهَ۔ یہ بیان ہوا اُن کے اعمال واحوال کا۔ عسٰی کے لئے اوپر کئی بار آ چکا ہے کہ جب یہ وعدۂ الٰہی کے سیاق میں آتا ہے تو اس میں معنی یقین کے پیدا ہو جاتے ہیں اور دور جا احتمال باقی نہیں رہتا۔ عسٰی من اللہ واجب (معالم) وعسٰی من اللہ واجبۃ عن ابن عباس وغیرھا (قرطبی) وَلَمۡ يَخۡشَ اِلَّا اللّٰهَ۔ محققین نے یہاں یہ قید لگا دی ہے کہ دین کے باب میں بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے، یہ مراد نہیں کہ جن چیزوں سے ڈرنا ایک امر طبعی ہے اُن میں بھی کسی سے نہیں ڈرتے جیسا کہ عوام اور ناقص قسم کے مشائخ نے سمجھ رکھا ہے۔ ای فی ابواب الدین فان الخشیۃ عن المحاذیر جبلیۃ لایکاد العاقل یتمالک عنھا (بیضاوی) واما الخوف الجبلی عن الامور المخوفۃ فلیس من ھٰذا الباب ولا ھو مما یدخل تحت التکلیف (روح) المراد من ھٰذہ الخشیۃ الخوف والتقوٰی فی باب الدین وان لایختار علٰی رضاء اللہ رضا غیرہ (کبیر) المعنی ولم یخش الا اللہ مما یعبد (قرطبی) اِنَّمَا يَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ۔ بعض اکابر سلف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جن لوگوں کو مساجد میں آباد ہوتے دیکھو اُن سے حسن ظن رکھنا لازم ہے۔ وقد قال بعض السلف اذا رأیتم الرجل یعمر المسجد فحسنوا بہ الظن (قرطبی) اور جامع ترمذی میں یہ حدیث نبوی ابوسعید الخدری صحابی رضی اللہ عنہ کی روایت سے موجود ہے کہ اذا رایتم الرجل یعتاد المسجد فاشھدوا لہ بالایمان۔ جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ مسجد کو لازم پکڑے ہوئے ہے تو اُس کے ایمان کے گواہ ہو جاؤ۔

ف۳۱ کہ جس طرح عمل عمل برابر نہیں ہوتے اسی طرح عامل عامل بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ کہاں ایمان صحیح وکامل اور جہاد فی سبیل اللہ اور کہاں بلا اعتقاد صحیح محض سقایۂ حجاج وخدمت حرم! کہاں مومن کامل ومجاہد اور کہاں غیر مومن ساقی حجاج! کعبہ چونکہ مشرکین کے نزدیک بھی مقدس تھا اُس کی خدمت اور اُس کے زائروں کی خدمت سرداران قریش نے بھی اپنے ذمہ لے لی تھی۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب نے اپنے زمانہ کفر میں اور شیبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں اپنی خدمات کعبہ وزائرین کعبہ پر فخر کیا تھا۔ یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی۔ اَلۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ۔ یعنی اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے یا مشرکین۔ كَمَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔ من اٰمن سے قبل عمل محذوف ہے۔ ای اجعلتم عمل من سقی الحجاج کعمل من اٰمن (قرطبی)

ف۳۲ یہاں یہ بتایا ہے کہ اصل شے تو ایمان باللہ اور اقرار توحید ہے۔ اور پھر جو اس پر ہجرت وجہاد کا اضافہ کرے اُس کے مرتبہ کا کیا کہنا! خانہ کعبہ کی عظمت جو کچھ ہے وہ مرکز توحید ہی ہونے کی بنا پر تو ہے۔ اَعۡظَمُ دَرَجَةً عِنۡدَ اللّٰهِ۔ سے یہ خیال نہ گزرے کہ بلا ایمان والوں یعنی کافروں کا بھی کوئی درجہ اللہ کے ہاں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو درجہ ومرتبہ اپنے نزدیک انہوں نے سمجھ رکھا ہے۔ والمراد انھم قدروا لانفسھم الدرجۃ بالعمارۃ والسقی فخاطبھم علٰی ما قدروہ فی انفسھم وان کان التقدیر خطأً (قرطبی)

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ

انہیں ان کا رب خوش خبری سناتا ہے اپنی طرف سے رحمت اور رضامندی اور (ایسے) باغوں

لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ؕ إِنَّ

کی کہ ان کے لئے ان میں دائمی نعمت ہوگی و۳۳ ان میں یہ ہمیشہ ہمیش کے لئے رہیں گے،

اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۲۲﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا

بے شک اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے و۳۴ اے ایمان والو

تَتَّخِذُوٓا اٰبَآءَكُمْ وَ إِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَآءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا

دوست نہ بناؤ اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو اگر وہ لوگ

الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَأُولٰٓئِكَ

کفر سے ایمان کے مقابلہ میں محبت رکھیں اور تم میں سے جو کوئی انہیں دوست رکھے گا سو ایسے ہی

هُمُ الظّٰلِمُونَ ﴿۲۳﴾ قُلْ إِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ أَبْنَآؤُكُمْ

لوگ تو ظالم ہیں و۳۵ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے

وَ إِخْوَانُكُمْ وَ أَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيرَتُكُمْ وَ أَمْوَالُ

اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبہ اور وہ مال

اقْتَرَفْتُمُوهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ

جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بگڑ جانے سے تم ڈر رہے ہو اور وہ گھر جنہیں

تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُولِهٖ وَ جِهَادٍ

تم پسند کرتے ہو (یہ سب) تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں

فِي سَبِيلِهٖ فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا

جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو منتظر رہو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے و۳۶ اور اللہ

و۳۳ اور اس خوشخبری سنانے کا ذریعہ بھی قرآن ہے۔ مقیم کے لفظ نے اسے صاف کر دیا کہ انعامات جنت جتنے بھی ہوں گے مستقل، پائدار، دائمی ہوں گے، مسافرانہ انداز کے نہ ہوں گے۔ استعارة للدائم (روح) رحمة اور رضوان کے صیغۂ نکرہ رحمت اور رضوان الٰہی کی عظمت وکثرت کے اظہار کے لئے ہیں۔ نکر الرحمة والرضوان للتفخیم والتعظیم (بحر) و۳۴ یہاں خلود کے ساتھ اَبَدًا۔ کی بھی تصریح کر دی ہے کہ محض خلود کے معنی زمانہ طویل کے بھی آتے ہیں۔ اکد الخلود بالتابید لانه قد یستعمل للمکث الطویل (بیضاوی) اور یہ حقیقت ایک بار اور صاف ہوگئی ہے کہ اجر جنت عظیم وگرانقدر ہونے کے ساتھ دائمی اور غیر منقطع بھی ہوگا۔ لَا تَتَّخِذُوٓا اٰبَآءَكُمْ وَ إِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَآءَ۔ جس محبت سے یہاں ممانعت ہو رہی ہے اس سے محبت طبعی مراد نہیں ہے وہ تو ہر عزیز سے ہونا بہتر ہے۔ قید صرف یہ لگا دی ہے کہ وہ محبت طبعی عمل میں محبت ایمانی پر غالب نہ آنے پائے، مغلوب ہی رہے اور غالب ہمیشہ ہر معاملہ میں محبت ایمانی رہے۔ و۳۵ (خود اپنے حق میں) ہجرت کی راہ میں عموماً انہی عزیزوں قریبوں کی محبت حائل ہو جاتی تھی، شریعت نے ایسی اور اس درجہ کی محبت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ۔ یہاں سے یہ مسئلہ فقہاء نے مستنبط کیا ہے کہ جس کافر کے ایمان لانے کی توقع ہو تو اس مصلحت سے اس سے تعلق رکھنا جائز ہے۔ أُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ۔ بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ یہ لوگ بھی مشرکوں کے حکم میں داخل ہوں گے کہ رضا بالشرک بھی شرک ہی ہے۔ قال ابن عباس هو مشرک مثلهم لان من رضی بالشرک فهو مشرک (قرطبی) و۳۶ (اور وہ حکم سزائے ترک ہجرت کا ہوگا) أَحَبَّ إِلَيْكُمْ۔ نے اس مسئلہ کو اور زیادہ صاف کر دیا جس کا ذکر ابھی اوپر کی آیت میں آچکا ہے یعنی عزیزوں کی محبت بجائے خود ممنوع نہیں، صرف اس کی وہ صورت ممنوع ہے جب وہ احکام شریعت کی تعمیل میں سدراہ بننے لگے۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ حکم بھی اخذ کیا ہے کہ اللہ اور رسول کی محبت کا درجہ وجوب کا ہے۔ وفی الأیة دلیل علی وجوب حب الله ورسوله ولا خلاف فی ذلک بین الامة (قرطبی) مِنَ اللّٰهِ وَ رَسُولِهٖ۔ سے مراد من العمل بِأَمْرِ اللّٰهِ وَ رَسُولِهٖ۔ ہے یعنی احکام خدا ورسول پر عمل سے عزیز تر۔ وفی الکلام حذف ای احب الیکم من امتثال امر الله تعالٰی ورسوله (بحر) اٰبَآؤُكُمْ وَ أَبْنَآؤُكُمْ وَ إِخْوَانُكُمْ وَ أَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيرَتُكُمْ۔ ہجرت سے ایک بڑا اندیشہ یہی ہوتا تھا کہ یہی سب عزیز قریب چھوٹ جائیں گے۔ أَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوهَا۔ دوسرا بڑا اندیشہ یہ ہوتا تھا کہ اموال واملاک تلف ہو جائیں گے، تجارت کا انتظام وسلسلہ بگڑ جائے گا، مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ۔ تیسرا ممکن اندیشہ یہ تھا کہ راحت وآسائش کے گھر بار چھوٹ جائیں گے۔ وَ جِهَادٍ فِي سَبِيلِهٖ۔ ہجرت سے ایک درجہ ترقی کر کے یہاں نام جہاد فی سبیل اللہ کا لے دیا گیا ہے کہ ہجرت تو پھر بھی ہلکی چیز ہے۔ مسلمان کو تو جہاد تک کو ہر دنیوی ومادی تعلق پر غالب رکھنا چاہیے۔ فَتَرَبَّصُوا۔ ایسے موقع پر قرآن مجید جب صیغۂ امر اختیار کرتا ہے تو مقصود ہمیشہ تہدید وتخویف ہوتی ہے۔ صیغة صیغة امر ومعناه التهدید (قرطبی) مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ آیت میں تعلیم اس کی ہے کہ تعلق مع الخلق کے مقابلہ میں تعلق مع اللہ زیادہ رعایت کے قابل ہے۔

وے۳ چنانچہ انہیں ان مرغوبات ومالوفات سے تمتع کا موقع دینے کے بجائے، کبھی خلاف توقع ان کی موت لے آتا ہے، کبھی کوئی اور ایسی ہی صورت پیدا کرتا ہے۔ و۳۸ جیسے جنگ بدر میں اور فتح مکہ کے موقع پر، اور بنوقریظہ وبنونضیر کے مقابلہ میں وقس علیٰ ہذا۔ نصرت غیبی وتائید ایزدی کا منظر تو کہنا چاہیے کہ ہر موقع پر نمایاں رہتا تھا، علماء نے ۸۰ ایسے موقع گنائے ہیں۔ وان ائمة التاریخ وعلماء المغازی نقلوا انما کانت ثمانین موطنا (بحر) حنین، طائف کے راستہ میں مکہ کی ایک وادی کا نام ہے، مکہ سے غالباً ۳ میل کے فاصلہ پر، فتح مکہ کے دوہی ہفتہ بعد یہاں مسلمانوں کا مقابلہ ہوازن اور ثقیف کے مشہور تیرانداز قبیلوں سے ہوا تھا، معرکہ کی تاریخ ۶ شوال ۸ ھ مطابق یکم فروری ۶۳۰ء ہے۔ و۳۹ مسلمان فتح مکہ کے ۲ ہزار طلقاء یعنی جدید العہد نومسلموں کو ملا کر ۱۲ ہزار کی تعداد میں تھے مسلمانوں کو قدرۃً خیال گزرا کہ آج تو ہماری جیت یقینی ہے چنانچہ اول اول ہوئی بھی مسلمانوں کو فتح۔ مشرکین بھاگے اور مسلمان مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے، مشرکین موقع دیکھ پلٹ پڑے اور تیراندازی اس غضب کی کی کہ مسلمانوں کے پیر اُکھڑ گئے۔ مشرکین کے تیرانداز دستے پہاڑیوں کی آڑ میں بہترین کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ مسلمانوں کو جگہ بُری ملی۔ مورچہ جما کر صفیں قائم کرنے کا موقع نہ ملا۔ پہلے پیر طلقاء کے اُکھڑے پھر عام مسلمانوں کے، صرف رسول اللہ ﷺ مع چند مخصوص صحابہ ابوبکر، عمر، عباس علی ابن سعد رضی اللہ عنہم وغیرہ کے میدان جنگ میں رہ گئے۔ عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب آپ کے خچر کی رکاب تھامے ہوئے تھے، اور آپ تھے کہ اپنی صداقت پر مطمئن دشمن کی طرف بڑھتے ہی جاتے تھے۔ بار بار پکار کر فرمایا انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب، میں عبدالمطلب کا بیٹا، نبی ہوں اس میں کچھ جھوٹ نہیں، الی عباد اللہ انی رسول اللہ۔ آخر مسلمانوں کو دوبارہ غیرت آئی، پھر سے مقابلہ شروع کیا، آسمان سے فرشتوں کی مدد نازل ہوئی مشرکین آخر بھاگ نکلے، کچھ قید ہوئے۔ کچھ قتل ہوئے۔ شرر کی تاریخ اسلام میں ہے:۔ ۱۰ ہزار جانباز تو وہی تھے جو مدینہ سے علم اسلام کے ساتھ آئے تھے اور ۲ ہزار اہل مکہ تھے ان میں بہت سے مشرک بھی تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اہل مکہ مفتوح ہونے کے بعد بھی مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کئے گئے تھے (جلد اول صفحہ ۹۲) اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ۔ یہاں صاف بتا دیا کہ شکست کا اصل راز مسلمانوں کی خود بینی تھی، اپنی کثرت تعداد پر ناز وغرہ، فقہاء مفسرین نے اس آیت کو بھی آیاتِ احکام میں شمار کیا ہے۔ اور چونکہ حدیث مالک میں ذکر آیا ہے کہ اس جہاد میں صفوان مشرک بھی شریک تھا اس لئے اس سے بعض فقہی مسائل بھی مستنبط کئے ہیں۔ امام مالک کی رائے ہے کہ مشرکین کے خلاف جہاد میں مشرک سے مدد لینا جائز نہیں۔ بجز اس صورت کے کہ وہ مشرک خادم بن کر شریک ہوجائے۔ قال مالک ولم یکن ذلک بامر رسول اللہ ﷺ ولا ازی ان یستعان بالمشرکین علی المشرکین الا ان یکونوا خدما اونواتیة (قرطبی) دوسرے ائمہ فقہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ثوری رحمۃ اللہ علیہ، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، کی رائے میں جب کلمہ اسلام غالب ہو رہا ہو تو اس کے لئے مشرکین سے استعانت جائز ہے۔ وقال ابوحنیفة والشافعی والثوری والاوزاعی لا باس بذلک اذا کان حکم الاسلام ہو الغالب وانما تکرہ الاستعانة بہم اذا کان حکم الشرک ہو الظاہر (قرطبی) و۴۰ چنانچہ جو ہٹ گئے تھے، وہ پھر میدان میں آکر جم گئے۔ سَكِينَتَهُ عَلٰى رَسُولِهٖ۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مراد اس سے مطلق تسلی نہیں، وہ تو آپ کو اور جو صحابی آپ کے ہمراہ رہ گئے تھے انہیں حاصل ہی تھی، اور اسی بنا پر وہ ثابت قدم بھی رہے بلکہ مراد اس سے تسلی خاص ہے جس سے سب کو غلبہ کی امید ہوگئی۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ ترک عجب نزول سکینت کا سبب ہوجاتا ہے۔ و۴۱ (یعنی ملائکہ آسمانی) یعنی الملائکہ (مدارک) ہم الملائکة بلا خلاف (بحر) لَمْ تَرَوْهَا۔ سے مراد صرف اس قدر ہے کہ وہ لشکر عام طور سے انسان کے لئے غیر مرئی تھا، اگر اتفاق سے کسی صحابی کو بہ طور کرامت یا خرق عادت کوئی فرشتہ نظر آگیا تو وہ اس بیان قرآنی کے منافی نہیں، ایسے موقعوں کے لئے قرآن کا یہ انداز بیان عام ہے۔ قرآن نے یہاں اس حقیقت کو ایک بار پھر صاف کردیا کہ اصل شئے اعتماد علی اللہ ہے۔ ظاہری اسباب پر بہت زیادہ تکیہ کر لینا مہلک ہے۔ و۴۲ چنانچہ حنین میں کافروں کو شکست کی ذلت نصیب ہوئی، ۷۰ آدمی قتل ہوئے، ہزارہا کی تعداد میں قید ہوئے، جن میں فقط عورتیں ہی ۶ ہزار تھیں، مال غنیمت میں مسلمانوں کو ۲۴ ہزار اونٹوں اور ۴۰ ہزار بھیڑ بکریوں کے علاوہ ۴ ہزار اوقیہ چاندی بھی ہاتھ لگی اور یہاں یہ عام قانون بھی بتا دیا کہ کفر کی سزا ہے ہی شکست، ذلت عذاب دنیوی، و۴۳ چنانچہ انہی صفات مغفرت ورحمت کے تقاضہ سے بہت سے کافر مسلمان بھی ہوگئے۔ و۴۴ (بہ لحاظ خبث عقاید) نَجَسٌ۔ مراد اس نجاست سے نجاست عقاید ہے نہ کہ نجاست اعیان واجسام۔ والمراد ذو نجس لخبث بواطنہم وفساد عقائدہم (روح) و۴۵ (بہ غرض خدمت وتولیت یا بہ غرض حج وطواف وغیرہ) یعنی حدود حرم کے اندر بہ غرض حج وعمرہ نہ داخل ہونے پائیں، ممانعت کا تعلق مطلق داخلہ حرم وداخلہ مسجد حرام سے نہیں۔ ای فلا یحجوا ولا یعتمروا کما کانوا یفعلون فی الجاہلیة (مدارک) حنفی مذہب میں مشرکوں کے عام داخلہ حرم یا داخلہ مساجد کی ممانعت نہیں، اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل کتاب بھی اس حیثیت سے مشرکین ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ ولا یمنعون من دخول الحرم والمسجد الحرام وسائر المساجد عندنا (مدارک) حدیثوں سے تمام جزیرہ عرب کا یہی حکم ثابت ہے۔ مشرکین کے لئے بھی اور یہود ونصاریٰ کے لئے بھی۔ چنانچہ حسب وصیت آپ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تمام جزیرۂ عرب میں اس قانون کا نفاذ ہوگیا۔ اور فقہ حنفی کی رو سے مراد اس سے قرب ودخول بہ طور توطن یا استیلاء کے ہے کہ یہ ناجائز ہے ورنہ مسافرانہ امام کی اجازت سے آنا اگر امام کے نزدیک خلاف مصلحت نہ ہو مضائقہ نہیں...... اور جب حرم کے

ع ۴ ۹

يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىْ

نافرمان لوگوں کو مقصود تک نہیں پہنچاتا وے۳ بے شک اللہ نے بہت سے موقعوں پر

مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ

تمہاری نصرت کی ہے و۳۸ اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنی کثرت (تعداد) پر

كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ

غرہ ہو گیا تھا پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود

الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ

اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے و۳۹ اس کے بعد

اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول پر اور مومنین پر تسلی نازل کی و۴۰

وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

اور نازل کئے (ایسے) لشکر جنہیں تم دیکھ نہ سکے و۴۱ اور (اللہ نے) کافروں کو سزا دی

وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ

اور یہی کافروں کی جزا ہے و۴۲ پھر اس کے بعد اللہ جس کو

بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

چاہے توبہ نصیب کر دے اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے و۴۳

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا

اے ایمان والو مشرکین تو نرے ناپاک ہیں و۴۴ سو

يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَ اِنْ

اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ آنے پائیں و۴۵ اور اگر

خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ

تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو ف۴۶ سو اللہ تمہیں اگر چاہے گا اپنے فضل سے (ان سے) بے نیاز

اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ

کردے گاف۴۷ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے، بڑا حکمت والا ہے، ف۴۸ اہل کتاب میں سے اُن سے لڑو

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ

جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں

مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ

جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں

مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ

یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں (اپنے) ہاتھ سے

يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ

ف۴۹ اور اپنی پستی کا احساس کر کے ف۵۰ اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر خدا کے

اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ

فرزند (مجازی) ہیں ف۵۱ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح خدا کے فرزند (مجازی) ہیں ف۵۲ یہ ان کا

قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

قول ہے (محض) ان کے منہ سے (بک دینے کا) ف۵۳ یہ بھی انہی لوگوں کی ریس کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر

مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوْۤا

ہو چکے ہیں ف۵۴ اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کدھر بہکے جا رہے ہیں ف۵۵ انہوں نے

اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اللہ کے ہوتے ہوئے اپنے علماء اور اپنے مشائخ کو (بھی) اپنا پروردگار بنا رکھا ہے ف۵۶ اور

ع ۱۰

اندر آنے کی اجازت دینا جائز ہے مسجد حرام بھی اسی حکم میں ہے'' (تھانوی) بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔ اس سال سے مراد ۹ ہجری ہے جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زیر امارت حج ادا ہوا تھا۔ اُس کے بعد سے مراد ۱۰ ہجری ہے جب سے اس کا نفاذ شروع ہوا۔ سنة عشر قاله قتاده وقال ابن العربی وهو الصحیح الذی یعطیه مقتضی اللفظ (قرطبی) اس سال کے بعد کی قید سے فقہاء حنفیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ نجاست اعتقادی (کفری) فی نفسہ مانع داخلہ مساجد نہیں۔ وفی ذالک دلالة علی ان نجاسة الکفر لا یمنع الکافر من دخول المسجد (جصاص) ف۴۶ عرب کا ملک کوئی زراعتی تو ہے نہیں باشندوں کی آمدنی کا دارومدار تجارت ہی پر رہتا ہے۔ تو مسلموں کو یہ خوف پیدا ہونا بالکل قدرتی تھا کہ اگر غیر مسلموں سے معاشی و تجارتی تعلقات بھی منقطع ہو گئے تو آخر کھائیں گے پئیں گے کہاں سے؟ یہاں اسی طرف سے اطمینان دلایا جا رہا ہے۔ ف۴۷ (چنانچہ اس نے بھی یہی کر دیا۔ اس طریقہ پر کہ، خود ان تاجروں کو مسلمان کر دیا) اِنْ شَآءَ۔ (اگر چاہے گا) سے مقصود اس حقیقت پر متوجہ کرنا ہے کہ اس وعدہ کے پورا کرنے کے لئے کسی لمبے چوڑے سامان کی ضرورت نہیں۔ محض اس کی مشیت کافی ہے۔ چنانچہ جب اس کی مشیت ہوئی، سارا ملک مسلمان ہو گیا۔ سامان تجارت دور دور سے بہ کثرت آنے لگا۔ بارشیں اچھی ہوئیں۔ پیداوار خوب ہونے لگی۔ فتوحات اور غنیمتوں کے دروازے کھل گئے۔ اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کی رقم وصول ہونے لگی۔ غرض مشیت کی ایک حرکت نے اسباب غناء ہر طرح کے جمع کر دیئے۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ رزق کے باب میں تعلق خاطر اسباب ظاہری سے رکھنا جائز ہے اور توکل کے منافی نہیں۔ فی هذه الآیة دلیل علی ان تعلق القلب بالاسباب فی الرزق جائز ولیس ذلک بمناف للتوکل (قرطبی) مِنْ فَضْلِهٖ۔ سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ رزق ثمرہ کوشش کا نہیں ہوتا بلکہ عطیہ خداوندی ہے۔ دلیل علی ان الرزق لیس بالاجتهاد وانما هو من فضل الله تولی قسمته بین عباده (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں تعلیم ہے کہ مصلحت دنیوی کو تکمیل مصلحت دینی میں مانع نہ ہونا چاہیے اور اگر مزاحم ہو تو توکل سے علاج کرنا چاہیے۔ ف۴۸ (چنانچہ وہ اپنے علم کامل سے سب احکام کی مصلحتوں کا علم رکھتا ہے اور حکمت کاملہ سے تمہارے افلاس کے انسداد کا بھی انتظام کر دے گا) ف۴۹ یعنی ان سے جنگ و قتال اُس وقت تک واجب ہے جب تک وہ ہتھیار رکھ کر، امن طلب کر کے جزیہ دینے پر مجبور نہ ہو جائیں۔ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ۔ یعنی ان تعلیمات پر حسب تعلیم اسلام پورا پورا ایمان نہیں رکھتے۔ آیت کے عموم میں جملہ اہل کفر آ جاتے ہیں قتال ان سب سے واجب ہے۔ اہل کتاب کا تصریحی ذکر صرف ان کے شرف مرتبہ اور ان کی امتیازی خصوصیات کی بنا پر ہے۔ امر سبحانه وتعالی بمقاتلة جمیع الکفار لاتصافهم علی هذا الوصف وخص اهل الکتاب بالذکر اکراماً لکتابهم ولکونهم عالمین بالتوحید والرسل والشرائع والملل (قرطبی) اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔ یہ تصریح تو اہل کتاب کی ہے، لیکن جو صفات اُن کی بیان ہوئی ہیں وہ اُن سے کہیں بڑھ کر مشرکین میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے مشرکین سے قتال بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔ البتہ مشرکین عرب سنت و احادیث رسول کی بناء پر اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اُن کے حق میں جزیہ نہیں۔ جزیرۃ العرب قیامت تک کے لئے توحید کا جغرافی مرکز قرار دیا گیا۔ اُس کے حدود کے اندر کفر و شرک کی اجازت کسی شرط پر بھی نہیں دی جا سکتی۔ ان لوگوں کے حق میں قرآن کی دوسری آیتیں ہیں مثلاً قاتلوهم حتی لا تکون فتنة۔ وغیرہا مجوس و مشرکین ہند وغیرہ سب اس حیثیت سے اہل کتاب کے حکم میں داخل ہیں مستثنیٰ صرف مشرکین عرب ہیں۔ ومن الذین اوتوا الکتاب بیان للذین قبله فاما المجوس فملحقون باهل الکتاب فی قبول الجزیة وکذا الترک والهنود وغیرهما بخلاف مشرکی العرب (مدارک) ثبت جواز اخذها من سائر الکفار اهل کتاب کانوا اوغیر اهل کتاب الاعبدة الاوثان من العرب بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یقبل منهم الا الاسلام او السیف (جصاص) قال اصحابنا لا یقبل من مشرکی العرب الا الاسلام او السیف وتقبل من اهل الکتاب ومن سائر کفار العجم الجزیة (جصاص)'' حدیثوں سے ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس سے بھی جزیہ لیا ہے۔ اور مشرکین عجم مثل مجوس کے ہیں۔ بلکہ آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے بدرجہ اولیٰ جزیہ لیا جائے گا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ من الذین اوتوا الکتاب میں من بیانیہ ہے۔ پس سب اہل کتاب انہی صفات سے موصوف ہوں گے۔ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ پس مدار وضع جزیہ کا یہ ٹھیرا اور ظاہر ہے کہ یہ صفات مشرکین میں بدرجہ اولیٰ پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ اہل کتاب توحید اور معاد کا عقیدہ رکھتے ہیں گو اس میں غلطیوں کی وجہ سے لا یؤمنون فرما دیا ہے۔ اور مشرکین تو خود ان عقاید کی اصل ہی میں مخالف ہیں۔ پس جب مدار حکم ان میں اقویٰ ہے تو حکم بھی بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا۔ البتہ مشرکین عرب خاص دلیل سے اس عام سے مخصوص ہو گئے۔ یہی مذہب ہے حنفیہ کا، اور اس کی تائید ہوتی ہے ابن شہاب کے قول سے'' (تھانوی) واما المجوس فقال ابن المنذر لا اعلم خلافاً ان الجزیة توخذ منهم (قرطبی) جزیہ کے معنی ہیں وہ رقم جو اسلامی حکومت اپنی غیر مسلم رعایا ذمیوں سے ان کے جان و مال کی حفاظت کے معاوضہ میں وصول کرتی ہے۔ الجزیة خراج الارض وما یوخذ من اهل الذمة (لسان) وهی فعلة من الجزاء کانها جزت عن قتله (ابن کثیر) اسلامی حکومت میں ہر مسلم مرد پر فوجی خدمت لازم ہے بہ وقت ضرورت ساری مسلم رعایا سپاہ بن سکتی ہے غیر مسلموں کے لئے یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ فوجی خدمت سے استثناء ایک قلیل رقم کے معاوضہ میں حاصل کر سکتے ہیں۔ غرض یہ کہ جزیہ معاوضہ کفر یا کسی اعتقادی گمراہی کا نہیں بلکہ معاوضہ فوجی خدمات کا ہے۔ فقہاء کے ہاں اس کی پوری تصریحات ملتی ہیں۔

وجب نصرة للمقاتلة! جزیہ واجب اس لئے کیا گیا ہے کہ جنگ کرنے والوں کی امداد باشندوں کی طرف سے ہو۔ خلفا عن نصرة مقاتلة اهل الدار لان من هو عن اهل دار الاسلام عليه نصرتهم وقد فاتت (فتح القدیر) یعنی اسلامی عملداری میں جو گروہ جنگی خدمات انجام دیتا ہے اُن کی امداد کے کام کے لئے۔ اس لئے کہ اسلامی عملداری میں جو بھی ہے اُس پر لڑنے والوں کی امداد واجب ہے اور ذمی چونکہ اس خدمت سے معاف ہیں۔ اس لئے اس کا قائم مقام یہ محصول ہے۔ بعض فارسی اہل لغت نے اسے فارسی لفظ گزیت (بروزن فعیل) اور گزیث (بروزن فعلة) کا معرب بتایا ہے (برہان قاطع) وقال الخوارزمی انها معرب کزیت وهو الخراج بالفارسية (روح) بہرحال لفظ کا اشتقاق جو کچھ بھی ہو مراد اس سے یہی ہے۔ ''یہی وجہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں قتل نہیں کئے جاتے جیسے عورتیں اور بچے اور بہت بڈھے اور اپاہج اور رہبان اور تارکان دنیا، اُن پر جزیہ نہیں اور اگر بوجہ قرار علی الکفر کے ہوتا تو اُن پر بھی ہوتا، کیونکہ کفر میں مشترک ہیں'' (تھانوی) جزیہ کی شرح ۱۲ درم سالانہ سے لے کر ۴۸ درم سالانہ تک ہے۔ ''عورت، بچے، بیمار، معذور بڈھے، بے روزگار، مذہبی طبقہ (مثلاً پادری، جوگی) غلام وغیرہ مستثنیٰ تھے۔ صرف کاروباری آدمیوں پر لگایا جاتا تھا۔ وہ بھی اگر کچھی جزیہ ہے تو اس کی مقدار معین تھی۔ ورنہ یوں معمولاً امراء سے تقریباً ایک روپیہ ماہوار یعنی ۱۲ روپے سالانہ، متوسط طبقہ والوں سے ۸/ ماہوار یعنی ۶ روپے سالانہ ادنیٰ طبقہ سے ۴/ ماہوار یعنی ۳ روپے سالانہ، اور درمیان سال میں اگر کوئی مرجاتا تو اُس سے جزیہ ساقط ہو جاتا۔'' (اسلامی معاشیات از علامہ مناظر احسن گیلانی مدظلہ)، روم اور

وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا

مسیح ابن مریم کو (بھی) ف۵۷ حالانکہ انہیں حکم صرف یہ دیا گیا تھا کہ ایک ہی

اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا

معبود (برحق) کی عبادت کریں ف۵۸ کوئی معبود نہیں اس کے سوا، وہ اس سے پاک ہے جو یہ (اس کے ساتھ)

يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ

شریک کرتے رہتے ہیں، ف۵۹ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں

وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾

حالانکہ اللہ کو نا منظور ہے (ہر صورت) بجز اس کے کہ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے خواہ کافروں کو (کیسا ہی) ناگوار

هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ

گزرے ف۶۰ وہ اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

کہ اسے وہ غالب کر دے سارے بقیہ دینوں پر خواہ مشرکوں کو (کیسا ہی) ناگوار ہو ف۶۱

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ

اے ایمان والو اہل کتاب کے اکثر علماء و مشائخ

وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

لوگوں کے مال باطل طریقوں پر کھاتے (اڑاتے) رہتے ہیں

وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ

اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں ف۶۲ اور جو لوگ کہ سونا اور چاندی

الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ

جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں ف۶۳

النصف

ایران کی رعایا کو مسلمانوں کی حکومت میں آجانے کے بعد جو رقم جزیہ کی دینا پڑتی تھی وہ اُن محصولوں سے کہیں کم تھی جو ان لوگوں کو پہلی حکومتوں کے وقت دینا پڑتی تھی۔ یہ شہادت حال کے ایک مشہور عیسائی اہل قلم جرجی زیدان مصری کی ہے۔ والجزیة التی کانوا یتکلفون دفعها الی المسلمین اقل کثیر عن مجموع الغرائب التی کانوا یودونها الی الروم اوالفرس ف۵۰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ۔ اس میں اشارہ آگیا کہ قانون اسلام کی بالادستی تسلیم کر کے اور شریعت اسلام نے انہیں جو آرام و آسائش دی اُس نعمت کا احساس کر کے جزیہ پیش کریں۔ اے یعطون ما یعطون عن مقابلة نعمة علیهم فی مفازتهم (راغب) عن انعام منکم علیهم (قرطبی) یحتمل (عن ید) عن نعمة فیکون تقدیره حتی یعطوا الجزیة عن اعتراف منهم بالنعمة فیها علیهم بقبولها منهم (جصاص) وَهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ اس حال میں کہ اپنی پستی کا احساس رکھتے ہوں۔ الصاغر الراضی بالمنزلة الدنية (راغب) اے تؤخذ منهم علی الصغار والذل (کشاف) امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ صغار یہی ہے کہ قانون اسلام کی بالادستی تسلیم کر لی جائے۔ نقل عن الشافعی ان الصغار هو جریان احکام المسلمین علیهم (روح) ف۵۱ عزیر یا توریت کے تلفظ میں عزرا (متوفی غالباً ۴۵۸ ق م)۔ یہود کے مذہبی نوشتوں میں زیادہ ''کاتب'' کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ بخت نصر (متوفی ۵۶۱ ق م) کے حملہ اور کامل تباہی اور بربادی کے بعد جب توریت کے نسخہ یہود کے پاس سے بالکل غائب ہو گئے تو انہی عزیر (عزرا) نے توریت کو از سر نو اپنی یادداشت سے لکھ دیا اور اس لئے انہیں یہود مثیل موسیٰ تسلیم کرتے ہیں، بلکہ بعض نے غلو کر کے اس مرتبہ سے بھی بڑھا دیا ہے۔ ابْنُ اللّٰهِ۔ عربی میں ابن اور ولد دو الگ الگ مفہوم رکھنے والے لڑکے اور بیٹے کے مرادف لفظ ہیں اور انگریزی میں بھی ان کے مقابلہ میں دو اصطلاحیں Son of god اور Child of god کی الگ الگ ہیں۔ ابن اللہ جو ترجمہ ہے۔ Child of god کا اس سے مراد صلبی یا حقیقی فرزند کے نہیں، بلکہ خدا کا لاڈلا یا چہیتا یا فرزند معنوی و مجازی ہے۔ جیسے قرآن ہی میں ایک دوسری جگہ اہل کتاب ہی کی زبان سے استعمال ہوا ہے۔ قالوا نحن ابنٰٓؤا اللہ واحباءه یہاں پر ابناء اللہ کے کھلے ہوئے یہی مجازی معنی ہیں۔ یہود اسی معنی میں حضرت عزیر کو اپنا مطاع کل اور بارگاہ حق میں محبوب مطلق مانتے تھے، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ف۵۲ مسیحیت کی دو گمراہیاں ایک شدید، دوسری شدید تر الگ الگ ہیں۔ ایک حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا ولد Son of god قرار دینا۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں جہاں آیا ہے، اکثر بہت سخت وعید کے ساتھ آیا ہے۔ تکاد السمٰوٰت یتفطرن منه وغیرہا۔ دوسری گمراہی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا فرزند مجازی (Child of god) قرار دینا ہے۔ قرآن مجید نے اس عقیدہ کو ابن اللّٰہیت سے تعبیر کیا ہے اور گو یہ بھی بجائے خود شدید ہے پھر بھی ولد اللّٰہیت کا عقیدہ اس سے اشد ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ہمارے بعض پرانے مفسرین بھی اس نکتہ تک پہنچ گئے تھے کہ یہاں ابنیت سے مراد ابنیت نسبی و نسلی نہیں بلکہ لاڈ پیار والی ابنیت ہے اور یہ بھی کفر ہے۔ قال ابن عطیة ویقال ان بعضهم یعتقدها بنوة حنو ورحمة و هذا المعنی ایضا لایحل ان تطلق البنوة علیه و هو کفر (قرطبی) یقال ان بعضهم یعتقدها بنوة حنو و رحمة (بحر) ف۵۳ (جس کا حقیقت اور واقعیت سے کوئی بھی تعلق نہیں) یہ فقرہ تاکید کلام کے طور پر لایا گیا ہے۔ قیل معناه التاکید (قرطبی) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ بھی خوب نکالا ہے کہ جس قول کو ابتداءً زبان سے ادا کرنا کفر ہے، اسے تردید کی غرض سے دہرانا اور نقل کرنا بالکل درست ہے۔ فی هذا من قول ربنا دلیل علی ان من اخبر عن کفر غیره الذی لا یجوز لا حدان یبتدی به لا حرج علیه لانه انما ینطق به علی معنی الاستعظام له والرد علیه فلا یمنع ذلک منه (ابن العربی) ف۵۴ یعنی ان مہمل عقاید پر اُن کے پاس نہ دلیل عقلی نہ نقلی۔ یہ تو محض ان جاہل مشرک قوموں کی نقالی ہے جو باری تعالیٰ کی تجسیم کی قائل تھیں اور عقیدۂ حلول یا اوتار کو ماننے والی تھیں۔ اشارہ خاص مشرکین یونان کی جانب ہے کہ اُنہی کے ''حکماء فلاسفہ'' کے اقوال سے پہلی صدی عیسوی کے یہود و نصاریٰ

فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿٣٤﴾ يَّوۡمَ يُحۡمٰى عَلَيۡهَا فِىۡ
آپ انہیں ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے، (جو) اس روز (واقع ہوگا) جب کہ اس (سونے چاندی)

نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكۡوٰى بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَ جُنُوۡبُهُمۡ
کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو

وَظُهُوۡرُهُمۡ‌ؕ هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ فَذُوۡقُوۡا
اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا، یہی ہے وہ جسے تم اپنے واسطے جمع کرتے رہے تھے سو اب مزہ چکھو

مَا كُنۡتُمۡ تَكۡنِزُوۡنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰهِ
اپنے جمع کرنے کا ؁٦٤ بے شک مہینوں کا شمار اللہ کے نزدیک

اثۡنَا عَشَرَ شَهۡرًا فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
بارہ ہی مہینہ ہیں کتاب الٰہی میں (اس روز سے) جس روز کہ اس نے آسمان اور زمین

وَالۡاَرۡضَ مِنۡهَاۤ اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ‌ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ
پیدا کئے ؁٦٥ اور ان میں سے چار (مہینہ) حرمت والے ہیں ؁٦٦ یہی دین مستقیم ہے

فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِيۡهِنَّ اَنۡفُسَكُمۡ‌ وَقَاتِلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ
سو تم ان (مہینوں) کے باب میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو ؁٦٧ اور لڑو مشرکوں سے

كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ كَآفَّةً‌ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ
سب سے جیسا کہ وہ لڑتے ہیں تم سب سے اور جانے رہو کہ اللہ متقیوں

الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿٣٦﴾ اِنَّمَا النَّسِىۡٓءُ زِيَادَةٌ فِى الۡـكُفۡرِ‌ يُضَلُّ
کے ساتھ ہے ؁٦٨ مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں اور ترقی کرنا ہے ؁٦٩ اس سے (عام) کفار

بِهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُحِلُّوۡنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوۡنَهٗ عَامًا
گمراہ کئے جاتے ہیں وہ کسی سال حرام مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اسے حرام سمجھتے ہیں

دونوں ہی متاثر ہو گئے تھے، اور ان کی مشرکانہ تعلیمات کو برابر اپنے عقاید کا جزء بناتے چلے گئے تھے۔ مسیحیت پر یونانی اور رومی مذہبوں کے گہرے اثر کی دریافت انیسویں صدی کے نصف آخر کے محققین وفضلاء کا خاص کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے صدیوں قبل جبکہ کوئی نام بھی Higher Criticism کا نہیں جانتا تھا، ایک اُمی کی زبان سے دنیا کو اس حقیقت سے آشنا کر دیا، ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن۔ ؁٥٥ (کہ صاحب کتاب ہونے کی دولت سے مشرف ہو کر، انبیاء کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہونے کے باوجود، ایسے ایسے افتراء اللہ پر باندھتے چلے ہیں) قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ۔ فطرت بشری ہے کہ ایسے موقعوں پر سخت بیزاری اور غصہ ونفرت کی حالت میں زبان پر بے اختیار ایسے فقرے آجاتے ہیں کہ خدا انہیں غارت کرے۔ قرآن نے فطرت بشری کا لحاظ کر کے گویا یہ فقرے پڑھنے والے کی زبان سے ادا کر کے، اُس کے جذبات کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔ ؁٥٦ یعنی انہیں مستقلاً ایسا صاحب اختیار مان رکھا ہے کہ گویا وہی معبود اور رب ہیں۔ جو چاہیں وہ جائز کر دیں، جو چاہیں، وہ حرام ٹھیرا دیں۔ سارے اختیارات شریعت وقانون سازی کے گویا انہی کو حاصل ہیں۔ مسیحیوں کے ہاں فرقہ کیتھولک میں آج بھی پوپ (پاپائے روم) بہ حیثیت نائب مسیح سارے اختیارات علانیہ رکھتا ہے۔ اور فرقہ پروٹسٹنٹ نے بھی عملاً سارے اختیارات چرچ (کلیسا) کو دے رکھے ہیں۔ یہود کے ہاں بھی ربیون کے احکام، خود توریت کی تعلیمات پر غالب آگئے تھے۔ الا کثرون من المفسرین قالوا لیس المراد من الارباب انھم اعتقدوا الٰھھم انھم الھة العالم بل المراد انھم اطاعوھم فی اوامرھم ونواھیھم (کبیر) آیت کی تفسیر ماثور بھی یہی ہے۔ عدی بن حاتم نومسلم عیسائی کی روایت کتب حدیث میں درج ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم لوگ اپنے مقتداؤں اور پیشواؤں کو خدا کب مانتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حلال وحرام کے اختیارات اُن میں مان لینا، عملاً انہیں خدائی اختیارات دے دینا اور رب کے مرتبہ پر پہنچا دینا ہے۔ آیت میں مسلمانوں کے لئے بھی بڑی عبرت ہے۔ انہوں نے بھی مختلف اماموں اور مشائخ کو مستقل مطاع قرار دے کر عملاً انہیں معصومیت بلکہ خدائی کے مرتبہ پر پہنچا دیا ہے۔ قرآن کی صریح آیت کو، اپنے ضمیر کی صریح شہادت کو، کھلے ہوئے مشاہدہ کو سب کو چھوڑ دیں گے لیکن اپنے شیخ کے قول کو نہ چھوڑیں گے! امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر اپنے استاد رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میری نظر سے ایسے مقلدین جامد گزرے ہیں جن کے سامنے اُن کے مسلک کے خلاف میں نے قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ انہوں نے آیات کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا، اُن کی طرف التفات نہ کیا، اُلٹے حیرت سے میری طرف دیکھتے رہے کہ اُن کے اسلاف کے مسلک کے خلاف یہ آیات قرآنی ہو کیونکر سکتی ہیں۔ اور تاویل بجائے اُن کے اقوال کے خود ان آیات میں کرنا چاہیے۔ یہ قول نقل کر کے امام موصوف خود لکھتے ہیں کہ:۔ لو تاملت حق التامل وجدت ھذا الداء ساریا فی عروق الاکثرین من اھل الدنیا! کہ غور کر کے دیکھا جائے تو اکثر اہل دنیا اسی بیماری میں مبتلا نظر آئیں گے۔ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کی توحید فی الطاعت چھوڑ کر۔ ؁٥٧ مسیحیت کی گمراہیوں میں سے ایک گمراہی یہ تھی کہ مسیح علیہ السلام کو علاوہ ولد الٰہ اور ابن اللہ سمجھنے کے مطاع مطلق بھی سمجھتے تھے، اور مطاع مطلق بھی، بالکل اور براہ راست حق تعالیٰ کے مساوی اور ہم رتبہ کی حیثیت سے۔ اور اُن کی مطاعیت چونکہ پوپ اور کلیسا کی مطاعیت کے برخلاف اصلاً ومستقلاً ہے اس لئے قرآن مجید نے اس کا ذکر بھی احبارھم ورھبانھم سے الگ کر کے کیا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں نصوص کے مقابلہ میں تقلید کرنے کی مذمت ہے جیسے جاہلوں کی عادت ہے کہ جب انہیں بدعات ومنکرات سے منع کیا جاتا ہے تو اپنے مشائخ سے تمسک کرنے لگتے ہیں۔ ؁٥٨ (اور یہ حکم انہیں اپنے پیمبروں کے ذریعہ سے اُن کے آسمانی نوشتوں میں دیا گیا تھا جو کسی حد تک آج بھی موجود ومحفوظ ہے) چنانچہ توریت میں ہے:۔ ”میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے“ (خروج ٢٠:٢) نیز (استثناء ٥:٦) اور انجیل میں ہے:۔ ”سب حکموں میں اول کون سا ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے، اے اسرائیل سن۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے“ (مرقس، ١٢:٢٩) ؁٥٩ یہاں ذکر قریش اور عرب کے جاہلی مشرکوں کا نہیں، اہل کتاب یہود ونصاریٰ کا ہے جو توحید کی دولت سے بار بار مشرف کئے جا چکے تھے۔ ؁٦٠ آیت کی صداقت پر امت کی ساڑھے تیرہ سو سال کی پوری تاریخ گواہ ہے، یہود ونصاریٰ، مشرکین غرض ہر مخالف ومعاند مکر وحیلہ زور وجبر کے ہر ممکن طریقہ سے اسلام کی بیخ کنی میں لگا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود اسلام ہے کہ پھیلتا ہی جاتا ہے اور پیروانِ اسلام کی تعداد میں اضافہ ہی روز افزوں ہے یہاں تک کہ مسیحی مشنریوں کو اعتراف ہے کہ بے دریغ روپیہ خرچ کرنے اور نہایت درجہ مستحکم نظام کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں اُن کے مشن افریقہ وغیرہ میں ناکام ہو رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ نُوۡرَ اللّٰهِ۔ یعنی دین اسلام يُطۡفِـئُوۡا بِاَفۡوَاهِهِمۡ۔ جس طرح چراغ پھونک مار کر بجھایا جاتا ہے یہ مخالفین ومعاندین چاہتے ہیں کہ اسی طرح اسلام کا چراغ بھی گل کر دیں۔ الۡكٰفِرُوۡنَ۔ اشارۂ خاص یہود ونصاریٰ کی جانب ہے اور کافر انہیں ان کے منکر نبوت محمدی ﷺ ہونے کی حیثیت سے کہا گیا ہے۔ ؁٦١ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ۔ یہ غلبہ دین بہ لحاظ قوت دلائل کے ہے کہ یہی نور اللہ کا اتمام ہے۔ ای بالحجة والبراھین (قرطبی) محققین نے کہا ہے کہ اسلام کا غلبہ سارے ادیان پر عقل واستدلال کی رو سے تو مطلق ہے اور کسی وقت وزمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، البتہ مادی غلبہ اہل اسلام کی صلاحیت واہلیت کے ساتھ مخصوص ومشروط ہے۔ الۡمُشۡرِكُوۡنَ۔ اشارۂ خاص یہود ونصاریٰ کی جانب ہے۔ اور مشرک انہیں ان کے شرک فی التوحید کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ ؁٦٢ اور خود حق کی تلاش وطلب رکھنا تو الگ رہا، اُسے قبول تک نہیں کرتے)

یا کلون اموال الناس بالباطل۔ سلیس وعام فہم اردو میں لوگوں کو ٹھگتے رہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ معتقدین کی مرضی دیکھ کرانہیں اُن کے موافق فتویٰ دے دیا اور اُن سے نذرانہ وصول کرلیا۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ اَلْبَاطِلِ۔ کے تحت میں رشوت اور ناجائز نذرانوں کی ہر صورت آگئی۔ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ عوام اُن کے انہی جھوٹے سچے فتووں میں آکر عمر بھر گمراہی میں پھنسے رہتے ہیں۔ و۶۳ یعنی شریعت کے واجب کئے ہوئے مصارف خیر میں۔ يَكْنِزُوْنَ۔ کنز کے لغوی معنی اُس مال کے ہیں جو کسی ظرف میں محفوظ کر کے رکھا گیا ہو یا زیر زمین دفن کر دیا گیا ہو۔ الکنز اسم للمال اذا احرز فی وعاء ولما یحرز فیه وقیل الکنز المال المدفون (لسان) اور يَكْنِزُوْنَ۔ یدخرون کے مرادف ہے لیکن حدیث نبوی اور اصطلاح شرعی میں کنز سے مراد وہ مال لیا گیا ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے اور جس کی زکوٰۃ ادا ہوتی رہے اُس پر اطلاق کنز کا نہ ہوگا۔ محدث بیہقی نے نافع مولیٰ، ابن عمر رضی اللہ عنہما صحابی سے روایت کی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا ہو چکی وہ کنز نہیں، چاہے زمین کے سات پردوں میں گڑا ہو۔ اور جس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی وہ کنز ہے چاہے سطح زمین پر کھلا پڑا ہو۔ ما ادی زکاته فلیس بکنز (بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ) کل ما ادیت زکاته وان کان تحت سبع ارضین فلیس بکنز و کل ما لاتؤدی زکاته فهو کنزوان کان ظاهرا علی وجه الارض (فتح الباری۔ کتاب الزکاۃ) اذا اخرج منه الواجب علیه لم یبق کنزا وان کان مکنوزاوهوحکم شرعی تجوز فیه عن

لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ

تا کہ ان (مہینوں) کی جنہیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے گنتی پوری کرلیں، و۷۰ پھر اللہ کے حرام کئے

اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

ہوئے مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں، ان کی بدعملیاں انہیں اچھی معلوم ہوتی ہیں، اور اللہ کافر لوگوں کو

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۷ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ

ہدایت نہیں دیا کرتا و۷۱ اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا ہے

اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى

کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ نکلو اللہ کی راہ میں تو تم زمین سے لگے

الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ

جاتے ہو و۷۲ کیا تم دنیا کی زندگی پر بہ مقابلہ آخرت کے راضی ہو گئے؟

فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝۳۸

سو دنیا کی زندگی کا سامان تو آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی قلیل ہے و۷۳

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا

اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں ایک دردناک سزا دے گا اور تمہارے بدلہ ایک دوسری قوم پیدا

غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

کر دے گا اور تم اسے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکو گے، اور اللہ ہر شے پر

قَدِيْرٌ ۝۳۹ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ

قادر ہے و۷۴ اگر تم لوگ ان کی (یعنی رسول اللہ کی) مدد نہ کرو گے تو ان کی مدد تو (خود) اللہ کر چکا ہے جب کہ ان کو کافروں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ

نے (وطن سے) نکال دیا تھا و۷۵ جب کہ دو میں سے ایک وہ تھے دونوں غار میں (موجود) تھے جب کہ وہ اپنے رفیق

ع ۸/۱۱

الاصل (لسان) هو فی الشرع مالم یؤد زکاته (جصاص) روی عن عمر و ابن عباس وابن عمر والحسن وعامر والسدی قالوا مالم یؤد زکاته فهو کنز (جصاص) وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہ قید خوب ذہن نشین رہے وعید انہی لوگوں کے حق میں ہے جو غایت حرص کی بنا پر مال کے حقوق واجب ادا نہیں کرتے۔ فالمراد منها مالم یؤد حقها (بیضاوی) مرادهٗ من الزکاة (جصاص) اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے جس جمع مال کو مذموم قرار دیا ہے وہ مطلق جمع نہیں بلکہ صرف وہ جمع ہے جس میں ضروری مصارف خیر کی گنجائش نہ رکھی جائے اور اس مفہوم پر بجز ایک صحابی ابوذر رضی اللہ عنہ اور چند اہل زہد کے باقی اکابر صحابہ، تابعین اور جمہور علماء امت کا اتفاق ہے۔ قال ابن عبد البر الجمهور علی ان الکنز المذموم مالم تؤد زکاته...... لم یخالف فی ذٰلک الا طائفة من اهل الزهد کابی ذر (فتح الباری۔ کتاب الزکوٰۃ) وکان ابوذر یحمل الحدیث علی اطلاقه فلا یری باذخار شیء اصلاً ...... خالفه جمهور الصحابة ومن بعدهم (ایضاً) مطلق جمع مال کی ممانعت قرآن میں نہیں، موجودہ انجیل محرف میں ملے گی:۔ ”اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو“ (متی ۔۶: ۱۹، ۲۰) اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاں بہت سے فقراء تھے وہاں بہت سے امیر کبیر بھی تھے مثلاً حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ وغیرہم۔ ولقد کان کثیر من الصحابة رضی اللہ عنهم کعبدالرحمن بن عوف وطلحة یقتنون الاموال ویتصرفون فیها وما عابهم احد (مدارک) اَلذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ۔ سونے اور چاندی کا نام بہ طور مثال اور نمونہ کے لے دیا گیا کہ عموماً مال وجائداد کے بڑے ذریعہ یہی ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ حصولِ دولت وجمع دولت کا حصر انہی دو چیزوں میں ہے۔ خصا بالذکر من بین سائر الاموال لانهما قانون التمول واثمان الاشیاء و ذکر کنزهما دلیل علی ما سواهما (مدارک) الحکم عام وتخصیصهما بالذکر لانهما قانون التمول (بیضاوی) و۶۴ اتنی صریح، شدید، مؤکد وعید عذاب سے ظاہر ہے کہ بڑے بڑے کوٹھی وال مہاجنوں بینکروں کی طرح سونے چاندی کے ڈھیر پر ڈھیر جمع کرتے رہنے کی گنجائش اسلام میں نہیں۔ مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔ سے قبل لفظ عذاب محذوف ہے۔ ای عذاب ما کنتم تکنزون (قرطبی) و۶۵ یعنی شریعت الٰہی میں معتبر قمری سنہ کے بارہ ہی مہینہ ہیں، نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم، اور یہ کچھ آج سے نہیں، روز آفرینش سے۔ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ یعنی شریعت خداوندی میں۔ ای فی ما اثبته واوجبه من حکمه (مدارک) یا لوح محفوظ میں، فی اللوح (مدارک) يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ اس تصریح سے مقصود زور وتاکید پیدا کرنا ہے۔ والمقصود بیان ان هذا الحکم حکم محکوم به من اول خلق العالم وذٰلک یدل علی المبالغة والتاکید (کبیر) و۶۶ اور وہ بھی متعین ومعروف یعنی محرم، رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، یہ نہیں کہ اہل جاہلیت کی طرح اپنی وقتی مصلحتیں دیکھ کر جس مہینہ کو چاہا ادب والا قرار دے دیا۔ اور سال کے مہینہ جب چاہا بڑھا دیے۔ حُرُمٌ۔ حرمت والے مہینہ وہ جن میں قتال ممنوع تھا۔ یہ تو فقہی پہلو ہوا۔ باقی یہ مہینہ وہ ہیں جن میں طاعت مقبول تر اور معصیت قبیح تر قرار دی گئی ہے۔ معنی الحرم ان المعصیة فیها اشد عقاباً والطاعة فیها اکثر ثواباً (کبیر) لا یبعدان یعلم اللہ تعالیٰ ان وقوع الطاعة فی هذه الاوقات اکثر تاثیرًا فی طهارة النفس ووقوع المعاصی فیها اقوی تاثیرًا فی خبث النفس وهذا غیر مستبعد عند الحکماء (کبیر) و۶۷ (عادت جاہلیت کا اتباع اور دستور الٰہی سے انحراف کرکے) ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ۔ یعنی مذہب کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ یہی ہے۔ اس کے خلاف روش اختیار کرنا بددینی ہے۔ لیکن دین کے معنی ”حساب“ کے بھی آئے ہیں۔ اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ سیدھا اور صحیح حساب یہی ہے گو ترجیح اُسی پہلے معنی کو ہے۔ الدین قد یراد به الحساب فتفسیر الاٰیة علی هذا التقدیر ذٰلک الحساب المستقیم الصحیح (کبیر) ای الحساب الصحیح والعدد المستوفی...... والاصوب عندی ان یکون الدین هٰهنا علی اشهر وجوهه ای ذٰلک الشرع والطاعة (قرطبی)

لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ

سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو بے شک اللہ ہم لوگوں کے ساتھ ہے و۷۶ سو اللہ نے اپنی تسلی

سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ

ان (رسول) کے اوپر نازل کی، اور ان کی تائید ایسے لشکروں سے کی جنہیں تم لوگوں نے نہ دیکھا و۷۷ اور اللہ

كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ

نے کافروں کی بات نیچی کر دی اور اللہ کی بات اونچی رہی،

وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا

اور اللہ بڑا قوت والا ہے بڑا حکمت والا ہے و۷۸ نکل پڑو ہلکے اور بوجھل

وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

اور جہاد کرو اپنے مال سے اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں و۷۹

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ

یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم علم رکھتے ہو و۸۰ اگر کچھ

عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْۢ

مال لگے ہاتھ مل جانے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی ہوتا تو یہ لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن

بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ

انہیں مسافت ہی دور دراز معلوم ہوئی و۸۱ اور یہ لوگ عنقریب اللہ کی قسم کھا جائیں گے اگر

اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ

ہم سے ہو سکتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے یہ لوگ اپنی ہی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں و۸۲

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ ع عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ

حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں و۸۳ اللہ نے آپ کو معاف کر دیا (لیکن)

ع ۵ ۱۲

فِيْهِنَّ۔ یہ ضمیر جمع مونث کس کی طرف ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا۔ کی جانب ہو، یعنی ان بارہ مہینوں کے باب میں گڑبڑ کر کے اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔ اے فلا تظلموا فی الشهور الاثنی عشر انفسکم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) علی قول ابن عباسؓ راجع الی جمیع الشهور (قرطبی) اور یہ بھی درست ہے کہ اربعہ حرم کی جانب ہو، جیسا کہ اکثر مفسرین کا خیال ہے۔ یعنی ان چاروں ادب والے مہینوں میں گڑبڑ کر کے گنہگار نہ بنو۔ قول الاكثرين ان الضمير فی قوله فيهن عائد الى الاربعة الحرم (کبیر) علی قول بعضهم راجع الى الاشهر الحرم خاصة (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ متبرک اوقات میں معصیت کی برائی شدید تر ہوتی ہے اور اسی پر متبرک مقامات کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ تو وائے بر حال اُن لوگوں کے جو اولیاء صالحین کے مزارات و مقابر پر اور وہ بھی زمانہ عرس میں فجور و بدعات کا ارتکاب کیا کرتے ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حسب معمول اس پر تفصیل و تحقیق سے گفتگو کی ہے اور کہا ہے کہ عربوں کے ہاں تو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے وقت سے سنہ قمری چلا آتا تھا۔ جس میں ماہ حج کبھی کسی موسم میں پڑتا تھا کبھی کسی میں۔ لیکن عربوں نے دیکھا کہ اس سے تجارت وغیرہ میں نقصان ہوتا ہے تو انہوں نے مصالح دین کا خیال نہ کر کے اور ان پر مصالح دنیوی کو ترجیح دے کر یہود و نصاریٰ سے حساب کبیسہ سیکھ لیا اور اپنے مہینوں میں کچھ کچھ روز کے بعد ایک مہینہ بڑھا کر حج وغیرہ کا زمانہ بہ حساب شمسی متعین کر دیا اور یہ صریح مصالح شریعت میں دست اندازی ہے۔ متعدد علماء نے آیت سے یہ حکم بھی مستنبط کیا ہے کہ مسلمانوں پر اپنے معاملات و عبادات میں سنہ قمری عربی کی پابندی واجب ہے اور سنہ عجمی و سنہ رومی شمسی کی پابندی جائز نہیں۔ قال اهل العلم الواجب على المسلمين بحكم هذه الأية ان يعتبروا فی بیوعهم و مدد ديونهم واحوال زكوتهم وسائر احكامهم السنة العربية بالاهلة ولايجوزلهم اعتبار السنة العجمية والرومية (کبیر) و۷۶ (بہ لحاظ اپنی نصرت کے) مطلب یہ ہوا کہ مشرکوں یا اُن کے سامان و جمعیت سے ڈرنا ہی کیا، ایمان و تقویٰ پر قایم رہو تو نصرت الٰہی تو تمہارے ہی ساتھ رہے گی۔ الْمُشْرِكِيْنَ۔ مراد مشرکین عرب ہیں، جزیہ اُن کے حق میں نہ تھا، انہیں لازمی طور پر مسلمان ہی ہونا تھا كَآفَّةً۔ یعنی ان سے ہر موسم میں، سال کے ہر مہینہ لڑ سکتے ہو جس طرح یہ تم سے لڑتے رہتے ہیں۔ و۷۷ یعنی کافرانہ دستوروں میں ایک اور دستور کا اضافہ ہے۔ النَّسِیْٓءُ۔ ہندوستان میں جو سنہ فصلی شمسی حساب سے رائج ہے، اس کے مہینوں میں حساب کو پورا کرنے کو ہندو پنڈت کبھی کبھی ایک مہینہ کو دہرا دیتے ہیں۔ اور اسے اصطلاح میں لوند لگانا کہتے ہیں۔ مثلاً اب کی سال اساڑھ میں لوند لگا یعنی اساڑھ کی مدت بجائے ایک مہینہ کے دو مہینہ قائم رہی۔ یہ تو محض حسابی ضرورتوں سے ہوتا ہے۔ عرب جاہلی کے رؤسا، یہ کرتے تھے کہ محض ان مصلحتوں کے تابع سنہ قمری کے جس ماہ کو چاہتے مقدس قرار دے دیتے جس مہینہ کو چاہتے دہرا دیا کرتے اور سال کو جب چاہتے بجائے بارہ کے تیرہ چودہ ماہ کا کر دیا کرتے۔ اس سے سارے نظام تقویمی میں خلل پڑ جاتا۔ و۷۸ یعنی شریعت الٰہی نے تو چار مخصوص و متعین مہینوں کو محترم ٹھہرایا ہے۔ یہ لوگ جب چاہتے ہیں، اپنی ذاتی و نفسانی اغراض کو پورا کرتے کبھی اس مہینہ کو محترم قرار دے لیا اور کبھی اُس مہینہ کو، اور اسی طرح چار کی گنتی بلا تخصیص و تعیین پوری کر لی۔ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ گمراہ جو کئے جاتے ہیں وہ تو عوام کفار ہوتے ہیں اور گمراہ کرنے والے اُن کے سردار اور رؤساء ہوتے ہیں۔ محققین نے کہا ہے کہ احکام عبادات میں معتبر صرف سنہ قمری ہے۔ رومی، ایرانی، مصری کسی اور سنہ کو اسلام معتبر نہیں قرار دیتا۔ هذه الأية تدل على ان الواجب تعليق الاحكام من العبادات وغيرها انها يكون بالشهور والسنين التى تعرفها العرب دون الشهور التى تعتبرها العجم والروم والقبط وان لم تزد على اثنى عشر شهرا (قرطبی) و۷۹ (وہ اس لئے کہ یہ لوگ خود راہ پر نہیں آنا چاہتے اور ہدایت کی کوئی طلب نہیں رکھتے) سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ۔ ''لوند کا مہینہ جو صحیح حساب موسم کے لئے بارہ پر بڑھا لیا جاتا ہے وہ اس آیت کی مخالفت نہیں، اسی طرح دوسرے حسابوں کی اس میں نفی نہیں ہے، جیسا بعض اہل زمانہ سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیونکہ ان حسابوں سے احکام شرعیہ میں تو فرق و خلل نہیں پڑتا اور مقصود آیت میں اس حساب کا ابطال ہے۔ جس سے احکام شرعیہ میں اختلال یا غلطی ہونے لگے۔ جیسا اہل جاہلیت کی عادت کا بیان کیا گیا۔ البتہ چونکہ احکام شرعیہ کا مدار حساب قمری پر ہے اس لئے اس کی حفاظت فرض علی الکفایہ ہے پس اگر ساری امت دوسری اصطلاح کو اپنا معمول بنالیوے جس سے حساب قمری ضائع ہو جائے۔ سب گناہگار ہوں گے۔ اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی مباح ہے لیکن خلاف سنت سلف ضرور ہے۔ اور حساب قمری کا برتنا بوجہ اس کے فرض کفایہ ہونے کے افضل و احسن ہے۔'' (تھانوی) زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ۔ شیطان کا بڑا دھوکا یہی ہے کہ معصیت اور بد عملی کو انسان کی نظر میں ایک عمل نیک کر دکھاتا ہے۔ اہل طریق نے اس سے بچنے کے لئے خاص طور پر دعائیں اور مناجاتیں کی ہیں۔

آنچہ در کون ست زاشیا آنچہ ہست دائما جاں را بہر حالت کہ ہست
گر نگی کردیم اے شیر آفریں شیر را مکمار بر ما زیں کمیں
آب خوش را صورت آتش مدہ اندر آتش صورت آبے منہ
از شراب قہر چوں مستی دہد نیستہا را صورت ہستی دہد

و۸۰ یعنی مستعدی کے ساتھ اُٹھتے اور چلتے نہیں۔ اشارہ رجب ۹ھ / ۶۳۰ء کے غزوہ تبوک کی جانب ہے، تبوک مدینہ کے شمال میں سرحد شام پر ایک مقام کا نام ہے۔ شام اُس وقت مسیحیوں کی رومن امپائر کا ایک صوبہ تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ آئے تو آپ کو اطلاع ملی کہ مسیحی فوجیں تبوک پر جمع ہو رہی ہیں اور عنقریب مدینہ پر حملہ کرنے والی ہیں۔ آپ نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا۔ چنانچہ ۳۰ ہزار کی جمعیت آپ کے ہمراہ ہوگئی۔ تاہم اب کے ایک طرف مقابلہ کسی قبیلہ سے نہیں ایک باضابطہ قواعد داں شاہی فوج سے کرنا تھا پھر

موسم بھی شدید گرمی کا۔ فصل کے پکنے اور کٹنے کا زمانہ بھی قریب اور سفر خاصہ دور دراز، قدرۃً بہتوں کی ہمتیں جواب دے گئیں اور منافقین تو خوب خوب رنگ لائے۔ لشکر نصاریٰ کو جب لشکر اسلام کی اس مستعدی کی اطلاع ملی تو خود ہی اُن کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور اُن کی ہمت فوج کشی کی نہ پڑی۔ لشکر اسلام ایک مدت کے انتظار کے بعد بلا مقابلہ واپس آیا۔ مَا لَكُمْ۔ کلمہ ملامت و توبیخ ہے یعنی آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ معناه التقرير و التوبيخ التقدير اي شيء يمنعكم عن كذا (قرطبی) فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی جہاد و قتال کے لئے۔ فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ جب جہاد کی نفیر (پکار) ہو جائے تو ہر شخص پر جو بلا عذر ہو، جہاد واجب ہو جاتا ہے۔ اقتضى ظاهر الأية وجوب النفير على من لم يستنفر (جصاص) ف۴۳ امت کے لئے اصلی اور قوی ترین محرک اور داعیہ عمل یہی اجر آخرت ہے جیسا کہ قرآن مجید کی بہ کثرت آیتوں سے ظاہر و روشن ہے۔ ''روشن خیالی'' نے افسوس ہے کہ اسی قوی ترین محرک اور موثر ترین داعیہ کو سب سے زیادہ کمزور کر دیا ہے۔ اب مسلمان کو لالچ اور ترغیب ہر قسم کی دی جائے گی۔ دنیوی ترقی کی، فلاح کی، مالی خوشحالی کی، وغیرہ وغیرہ اور زبان پر نام نہ آئے گا تو ایک وہی اجر آخرت کا۔ مِنَ الْاٰخِرَةِ۔ یعنی آخرت اور وہاں کی نعمتوں کے بدلہ میں۔ اے بدل الأخرة ونعيمها (بيضاوی) فِي الْاٰخِرَةِ۔ یعنی آخرت کے مقابلہ میں۔ اے في جنب الاخرة (بيضاوی) ف۴۴ عَذَابًا اَلِيْمًا۔ یہ عذاب الیم اسی دنیا میں نمودار ہوگا۔ یعنی تمہارے اوپر موت و ہلاکت مسلط کر دی جائے گی۔ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا

اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا

آپ نے ان کو اجازت کیوں دے دی تھی جب تک کہ آپ پر سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے

وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

اور آپ جھوٹوں کو جان نہ لیتے ف۸۴ جو لوگ اللہ اور روز آخرت پر ایمان

بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

رکھتے ہیں وہ (کبھی) آپ سے اجازت نہ مانگیں گے کہ اپنے مال و جان سے

وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ

جہاد نہ کریں اور اللہ پرہیز گاروں سے خوب واقف ہے ف۸۵ آپ سے اجازت تو

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ

وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں

قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَوْ اَرَادُوا

پڑے ہوئے ہیں سو اپنے شک میں پڑے ہوئے حیران ہیں ف۸۶ اور اگر ان لوگوں نے

الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّ لٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ

چلنے کا ارادہ کیا ہوتا تو اس کا کچھ سامان تو کرتے ف۸۷ لیکن اللہ نے ان کے

انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

جانے کو پسند ہی نہ کیا اسی لئے انہیں جما رہنے دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو، ف۸۸

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّ لَاَاَوْضَعُوْا

اگر یہ لوگ تمہارے شامل ہو کر چلتے تو تمہارے درمیان فساد ہی بڑھاتے یعنی تمہارے درمیان

خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ

فتنہ پردازی کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے ف۸۹ اور تمہارے درمیان ان کے جاسوس (اب بھی) موجود ہیں،

غَيْرَكُمْ۔ اور اللہ اپنا کام اُسی دوسری قوم سے لے گا۔ لَا تَضُرُّوْهُ۔ ضمیر غائب اللہ کے دین کی طرف ہے، خود اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف بھی ضمیر جا سکتی ہے۔ قيل الهاء لله تعالى وقيل للنبی ﷺ (قرطبی) ف۴۵ (اور وہ وقت اس سے بھی زیادہ سخت اور ان کی سخت تر بے بسی کا تھا) اشارہ ہے واقعہ ہجرت کی طرف، جب مشرکین مکہ آپ کے قتل پر تل گئے تھے اور آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلا کر شباشب تنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ہمراہ لے کر غار میں چھپتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ ف۴۶ آپ دونوں صاحب غار ثور کے اندر چھپے ہوئے تھے کہ مشرکوں کی تلاش کرنے والی پارٹی نقش قدم کے نشانات کی مدد سے اُس غار کے منہ تک پہنچ گئی۔ نشان شناس نے بتایا کہ نشان قدم یہیں تک ملتے ہیں اسی غار کے اندر ہوں گے۔ کون انسان تھا جو ایسے موقع پر اپنے کو جان کے دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار دیکھتے پریشان و مضطرب نہ ہو جاتا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس خیال پر سخت مضطرب تھے کہ اگر خدانخواستہ دشمنانِ دین نے رسول اللہ پر قابو پالیا تو اس کا کیا انجام ہوگا؟ لیکن آپ اللہ کے فضل سے اس وقت بھی بالکل مطمئن تھے، آپ نے فرمایا۔ کہ ابوبکر گھبرانے کی کیا بات ہے، ہم دو تنہا نہیں۔ ہمارے ساتھ تو اللہ کی تائید و نصرت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ یعنی اس کی نصرت و حفاظت ہماری رفیق ہے۔ اے بالنصر والرعاية والحفظ والكلاءة (قرطبی) مَعَنَا۔ سے معیت نصرت ہی مراد ہے ورنہ معیت ذاتی تو ہر مخلوق کو ہر آن حاصل رہتی ہے۔ اے بالعصمة والمعونة فهي معونة مخصوصة والا فهو تعالى مع كل واحد من خلقه (روح) فِي الْغَارِ۔ یہ غار غار ثور مضافاتِ مکہ میں سے تھا۔ مکہ سے جنوب و مشرق میں۔ آپ اس کے اندر تین دن تک قیام پذیر رہے۔ ثَانِيَ اثْنَيْنِ۔ لِصَاحِبِهٖ۔ دو سے مراد ایک ذاتِ رسول ہے دوسرے آپ کے مقرب ترین صحابی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ صاحب رسول ﷺ یا رفیق رسول کے اس تعین میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور اس سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت و اشرفیت پر جو روشنی پڑتی ہے۔ محتاج بیان نہیں۔ بعض علماء نے آیت سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ اول ہونے کا بھی اشارہ سمجھا ہے۔ وقال بعض العلماء ما يدل على ان الخليفة بعد النبی ﷺ ابوبكر الصديق لان الخليفة لا يكون ابدا الا ثانيا (قرطبی) علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت سے انکار کرتا ہے وہ قرآن سے انکار کرتا ہے اور اس سے اس کا کفر لازم آجاتا ہے۔ وقالوا من انكر صحبة ابی بكر فقد كفر لانكاره كلام الله وليس ذلك لسائر الصحابة (مدارک) ف۴۷ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا۔ سے مراد فرشتوں سے تو سب نے لی ہے اب ممکن ہے یہ وہ فرشتہ ہوں جو سکینہ قلب عالم غیب سے لے کر آئے تھے۔ یا ممکن ہے مراد اُن فرشتوں سے ہو جنہوں نے آگے چل کر بدر وغیرہ غزوات نبوی میں امداد کی۔ واللہ اعلم۔ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ۔ یعنی اللہ نے اپنی طرف سے تسکین نازل کی۔ ف۴۸ ہر تدبیر اُس کے لئے حاضر بھی اور تدبیر پر قادر بھی۔ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى۔ چنانچہ کافروں کا کوئی منصوبہ چلنے نہ پایا۔ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔ چنانچہ اسی کی تدبیر غالب رہی۔ ف۴۹ خفافًا اور ثقالًا دو مقابل کے لفظ ہیں، ان کی مختلف و متعدد تفسیریں آئی ہیں، مثلاً تنگدست اور خوشحال، جوان تیز رو اور پیر سست رفتار، بیکار اور مشغول، بے سامان اور باسامان، خوشدلی سے اور بیدلی سے وغیرہا۔ اے شیبًا و شبانًا (ابن جریر۔ عن الحسن) اے اغنياء و مساكين (ابن جریر۔ عن قتادہ) اے مشاغيل و غير مشاغيل (ابن جریر۔ عن الحکم) اے نشاطًا و غير نشاط (ابن جریر عن ابن عباس و قتادہ) مقصود بہر صورت عموم حکم ہے کہ جس حال میں بھی ہو جہاد کے لئے چل پڑو، نکل کھڑے ہو۔ ابن جریر نے متعدد تفسیریں نقل کر کے قول فیصل یہ لکھا ہے کہ خفاف کے تحت میں ہر وہ شخص داخل ہے جسے قوت، صحت، جوان عمری، خوشحالی، بے شغلی غرض کسی بنا پر آسانیاں حاصل ہوں اور ثقال کے ماتحت وہ سب آجاتے ہیں جنہیں اس کے برعکس مذکورہ بالا بناؤں میں دشواریاں لاحق ہوں اور اسی کے قریب قریب ابن کثیر نے بھی لکھا ہے۔ حتم على المومنين في الخروج معه على كل حال في المنشط والمكره والعسر واليسر (ابن کثیر) فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ جہاد خواہ اپنے عام و وسیع معنی میں ہو یا محدود و اصطلاحی معنی میں قتال کا مترادف، فی سبیل اللہ کی قید ہر

حال میں لگی ہوئی۔ فقہاء نے انفروا خفافاً وثقالاً سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جب جہاد واجب ہو جائے تو امیر جہاد اور لشکریوں کے فاسق ہونے کے ساتھ بھی واجب رہتا ہے۔ فان قیل ھل یجوز الجھاد مع الفساق قیل لہ ان کل احد من المجاھدین فانما یقوم بفرض نفسہ فجائز لہ ان یجاھد الکفار وان کان امیر الجیش وجنودہٗ فساقاً (جصاص) چنانچہ اصحاب نبی ﷺ سے خلفائے راشدین کے بعد فاسق امیروں کی سرداری میں جہاد کرنا ثابت ہے۔ وقد کان اصحاب النبی ﷺ یغزون بعد الخلفاء الاربعۃ مع الامراء الفساق وغزا ابوایوب الانصاری مع یزید اللعین۔ (جصاص) اور فقہاء نے یہ نکتہ بھی خوب لکھا ہے کہ فاسق جب جہاد میں شریک ہو گیا تو اس حیثیت سے وہ فاسق رہا کہاں، وہ تو خود اب مطیع ہو گیا۔ فان الفساق اذا جاھدوا فھم مطیعون فی ذٰلک (جصاص) و۸۰ جہاد سے آخرت کی فلاح تو ظاہر اً یقینی ہے یعنی وہاں کا اجر و قرب۔ باقی دنیا کی فلاح بھی اکثر حاصل ہی ہو جاتی ہے یعنی فتح و عزت اور مال غنیمت وغیرہ۔ و۸۱ (اور اس لئے یہیں رہ گئے) ذکر منافقین کا ہو رہا ہے جنہوں نے غزوۂ تبوک میں ہمراہ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ تبوک کی مسافت مدینہ منورہ سے ۱۲ منزلوں کی تھی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں سالک کے لئے اپنے اخلاص کے امتحان کا طریقہ درج ہے یعنی وہ یہ دیکھے کہ جس امر میں کوئی نفع دنیوی نہیں بلکہ مشقت ہی ہے۔ اُس میں نفس کا کیا رنگ ہے۔ نفع دنیوی والے ہی اعمال کا کرتے رہنا دلیل اخلاص نہیں۔ و۸۲ (جھوٹی قسمیں کھا کھا کر)

وَ اللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابۡتَغَوُا الۡفِتۡنَةَ مِنۡ

اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔ و۹۰ یہ تو پہلے بھی فتنہ پردازی کی فکر میں

قَبۡلُ وَقَلَّبُوۡا لَكَ الۡاُمُوۡرَ حَتّٰى جَآءَ الۡحَـقُّ وَ ظَهَرَ

لگ چکے ہیں اور آپ کے لئے کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے رہے یہاں تک کہ سچا وعدہ آ گیا اور اللہ کا حکم

اَمۡرُ اللّٰهِ وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ

غالب آ کر رہا اور ان کو ناگوار گزرتا رہا و۹۱ اور ان میں کوئی کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے رخصت

لِّىۡ وَلَا تَفۡتِنِّىۡ ؕ اَلَا فِى الۡفِتۡنَةِ سَقَطُوۡا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ

دے دیجئے اور مجھے خرابی میں نہ ڈالیے و۹۲ خوب سن لو کہ خرابی میں تو یہ پڑ ہی چکے ہیں، اور بے شک دوزخ

لَمُحِيۡطَةٌۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۴۹﴾ اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ

کافروں کو گھیرے ہوئے ہے و۹۳ اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو یہ

تَسُؤۡهُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡكَ مُصِيۡبَةٌ يَّقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ

انہیں غمگین کر دیتی ہے اور اگر آپ پر کوئی حادثہ آ پڑتا ہے تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم نے تو (اسی لئے) پہلے سے

اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ

اپنا امر (احتیاط) اختیار کر لیا تھا اور خوش خوش منہ موڑے ہوئے چلے جاتے ہیں و۹۴ آپ کہہ دیجئے

لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوۡلٰٮنَا ۚ وَعَلَى

کہ ہم پر کچھ بھی پیش نہیں آ سکتا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ ہی

اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾ قُلۡ هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ

کا سہارا اہل ایمان کو رکھنا چاہیے و۹۵ آپ یہ (بھی) کہہ دیجئے کہ تم تو ہمارے حق میں دو

اِلَّاۤ اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ ؕ وَنَحۡنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمۡ اَنۡ

بھلائیوں ہی میں سے ایک (بھلائی) کے منتظر رہتے ہو، و۹۶ درآنحالیکہ ہم تمہارے حق میں انتظار اس کا کرتے رہتے

سَيَحۡلِفُوۡنَ۔ میں س یعنی عنقریب سے مراد یہ ہے کہ جب تم لوگ جہاد سے واپس آ جاؤ گے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس طرح سالک کو اس کا نفس جھوٹے دعووں سے دھوکا دیتا رہتا ہے اور طاعات کی راہ میں طرح طرح کے باطل عذرات تراشتا رہتا ہے۔ و۸۳ (چنانچہ اُن کو استطاعت تھی اور پھر بھی یہ نہ گئے)۔ و۸۴ ذکر اُن منافقین کا ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر وطن میں رہ گئے تھے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی اجازت ملنے پر ان لوگوں کو جو گونہ بے فکری ہو گئی، یہ نہ ہوتی، بلکہ اگر آپ کے بغیر اجازت یہ رہ جاتے تو ان کی خباثت اور زیادہ کھل کر رہتی۔ اَلَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا۔ سے مراد مومنین صادقین ہیں جن کے پاس واقعی کوئی عذر تھا۔ لِمَ اَذِنۡتَ لَهُمۡ۔ اجازت سے مراد ہے جنگ میں شریک نہ ہونے اور وطن میں رہ جانے کی اجازت۔ یہ اجازت دے دینا کوئی معصیت نہ تھی۔ البتہ حالات وقت کے لحاظ سے اجازت نہ دینا بہتر تھا۔ عَفَا اللّٰهُ عَنۡكَ۔ لفظ عفو سے گناہ کا سرزد ہو چکنا لازم نہیں آتا۔ عفو جس طرح گناہ اور جرم کے جاتے ہیں، اسی طرح معافی خلاف احتیاط اور خلاف اولیٰ کارروائیوں پر بھی ملتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس طرح آیت میں حق تعالیٰ نے عفو کو شکایت پر مقدم فرمایا، یہی معاملہ حق تعالیٰ کا باطن میں مقبولین کے ساتھ رہا کرتا ہے کہ عین عتاب میں بھی اپنا لطف دکھاتے رہتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ لِمَ اَذِنۡتَ لَهُمۡ۔ الخ میں یہ شیوخ کو یہ تعلیم ہے کہ مریدوں کے عذر قبول کرنے میں احتیاط و بیداری سے کام لیں کہ آیا وہ عذر واقعی صحیح ہے بھی۔ و۸۵ (اور انہیں اجر بھی خوب اور پورا پورا دے گا) لَا يَسۡتَاۡذِنُكَ الخ بلکہ یہ صاحب ایمان لوگ جہاد سے چرانا کیا، اُلٹا تعمیل حکم الٰہی کیلئے اور دوڑیں گے۔ یہ مومنین سے جو نفی استیذان کی ہو رہی ہے اس سے مراد استیذان بلا عذر ہے۔ ورنہ عذر واقعی کی بناء پر استیذان تو بڑے سے بڑے کمال ایمان وتقویٰ کے منافی نہیں مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مومن جب خیر کو سنتا ہے تو بلا تامل اُس کی طرف دوڑتا ہے اور یہ حالت شوق سے پیدا ہوتی ہے تو اس میں شوق کا اثبات ہوا۔ و۸۶ (کہ نہ ایمان کا قصد کرتے ہیں اور نہ امت اسلامیہ کے دائرہ سے انہیں اپنے کو بالکل نکالتے ہی بن پڑتا ہے) يَتَرَدَّدُوۡنَ۔ تردد کے معنی ہیں حیران و سرگردان ہونا، دل کا آگا پیچھا کرنا۔ واقعی منافقین کا یہی حال رہا کرتا ہے۔ اِنَّمَا يَسۡتَاۡذِنُكَ۔ یعنی جہاد سے بلا عذر بچ جانے کی اجازت تو آپ سے وہی لوگ مانگتے ہیں۔ وَارۡتَابَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ۔ یہ شک ان کو اسلام کی صداقت و حقانیت کے بارہ میں ہے۔ و۸۷ یہ منافقین اب بعد کو عذر یہ کرنے لگے کہ چلنے کا ارادہ تو ہمارا پختہ تھا لیکن عین وقت پر فلاں فلاں ضرورتیں اور مجبوریاں پیش آ گئیں۔ جرح ان کے اس بیان پر ہو رہی ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ انہوں نے سفر کی تیاریاں بھی کچھ کی تھیں؟ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تعطل علامت ہے عدم ارادہ کی چنانچہ بہت سے لوگ اپنے نفس کے دھوکے میں پڑے ہوئے طاعات کی رغبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ جھوٹے ہوتے ہیں۔ و۸۸ سارے افعال کا حق تعالیٰ کا اپنی جانب منسوب کرنا اسی معلوم و معروف قرآنی محاورہ و اسلوب بیان کے مطابق ہے کہ بندہ کے ہر فعل تکوینی کی نسبت مسبب الاسباب کی جانب کر دینی درست ہے۔ لٰكِنۡ كَرِهَ اللّٰهُ انۡۢبِعَاثَهُمۡ۔ اللہ کی طرف سے یہ ناپسندیدگی یا کراہت ان لوگوں کی کفر پروری اور ایمان بیزاری ہی کی بنا پر ہے۔ فَثَبَّطَهُمۡ۔ یعنی انہیں چلنے کی ہمت و توفیق ہی نہ دی۔ اس سے اشارۃً یہ بھی نکل آیا کہ اخلاص و ارادت کے لئے توفیق الٰہی شرط ہے۔ وَقِيۡلَ۔ اس "قول" سے مراد حکم تکوینی ہے۔ الۡقٰعِدِيۡنَ۔ وہ پیچھے رہ جانے والے مراد ہیں جنہیں کسی عذر صحیح کی بنا پر مجبوری تھی۔ ای الرجال الذین یکون لھم عذر یمنعھم عن الخروج (روح) و۸۹ مطلب یہ ہوا کہ ان منافقین کا لشکر اسلام کے ساتھ نہ جانا مصالح تکوینی کے اعتبار سے بھی اچھا ہی ہوا۔ یہ ساتھ جاتے تو سوا اس کے اور کیا کرتے کہ لگائی بجھائی کر کے آپس میں تفریق ڈلواتے۔ جھوٹی خبریں اُڑا کر پریشان کرتے، اور دشمن کا خوف و رعب دلوں میں بٹھاتے۔ فِيۡكُمۡ۔ یعنی تمہارے درمیان شامل ہو کر۔ ای فی جیشکم وفی جمعکم (جمل) قیل فی بمعنی مع ای معکم (جمل) وَ۔ میں و عطف تفسیری کے لئے ہے۔ و۹۰ (چنانچہ اس سے بھی خوب واقف ہے کہ ان کے جو لوگ تمہارے ساتھ لگے ہوئے ہیں وہ چونکہ اہل الرائے نہیں۔ اس لئے ان کا شامل رہنا چنداں مضر بھی نہیں) سَمّٰعُوۡنَ۔ کے معنی اس

سیاق میں جاسوس کے یا ٹوہ لینے والوں کے ہیں۔ اے جواسیس للکفار (ابن عباس ؓ) المراد فیکم عیون لهم ینقلون الیهم ما یسمعون منکم (کبیر۔ عن مجاہد و ابن زید) وفیکم مخبرون لهم یؤدون الیهم ما یسمعون منکم وهم الجواسیس (معالم عن مجاہد) ف۹۱ (تو آئندہ بھی اسی طرح ہوگا۔ آپ فکر و تردد میں نہ پڑیں) اِبْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ۔ اشارہ ہے جنگ احد وغیرہ کی جانب۔ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ۔ مثلاً یہ کہ آپ کے شریک ہوئے اور پھر ہٹ گئے تاکہ مسلمان پراگندہ خاطر و دل شکستہ ہو جائیں۔ ف۹۲ رومی مسیحی لیڈیاں بالکل آج کل کی فرنگنوں کی طرح اپنے گورے رنگ، اپنے بناؤ سنگار اور اپنی بے حجابی و عشوہ طرازی کے لئے مشہور تھیں بعض چالاک منافقوں نے اس کو ایک عذر تراش لیا تھا اور رسول اللہ ﷺ سے آکر عرض کیا تھا کہ ہم کو تو یہیں رہ جانے دیجیے۔ ہمیں اپنی شرکت سے اُلٹے اور ضرر کا اندیشہ ہے۔ مِنْهُمْ۔ یعنی انہی مخالفین متخلفین میں سے۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ نفس طاعات کی پابندی سے یہ بہانہ کر کے عذر کرتا ہے کہ طاعت میں فلاں فلاں مفسدے ہیں جن کا شر طاعت کی خیر سے بڑھا ہوا ہے۔ ف۹۳ (جس کا ظہور کامل تو گو آخرت میں ہوگا لیکن بہر حال اعمال کفریہ کی بنا پر اس احاطت جہنم کا آغاز تو ابھی ہو چکا ہے) اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا۔ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور آپ کی شریعت سے کفر سے بڑھ کر خرابی اور ہو کون سی سکتی ہے۔ اور اپنی اس نافرمانی و کفر کے دنیوی و اخروی ثمرات و نتائج کو تو یہ اپنے ہاتھوں بلا چکے۔ دین کو مصیبت اور طاعت کو بلا سمجھنے والے کم از کم عہد رسول ﷺ اور دورانِ نزول قرآن میں امن میں نہ رہ سکے۔ صحابہ کرام سربکف سرگرم جہاد رہے۔ اور دنیا میں ہر طرح کامیاب و منصور۔ منافقین نے جتنی تمنائیں احکام دین سے بچنے کی کیں اور زیادہ ہدف مصائب بنتے گئے۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ اہل اشارات کے نزدیک یہی اخلاق سیئہ و اعمال قبیحہ جو آج کفار اشرار کو گھیرے ہوئے ہیں کل بہ صورت نار ظاہر ہوں گے۔ ف۹۴ هُمْ۔ اور سارے صیغہ جمع مذکر غائب کے منافقین کے لئے آئے ہیں۔ حَسَنَةٌ۔ مُصِيْبَةٌ۔ دونوں لفظوں کا استعمال منافقین کے نقطہ نظر سے ہے یعنی اسی مادی دنیا کا نفع و ضرر۔ قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا۔ مثلاً یہی کہ جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں نکلے۔ امر یہاں احتیاط یا پیش بندی کے معنی میں ہے۔ امرنا اے حذرنا (ابن جریر۔ عن مجاہد) ف۹۵ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ فضل خدا پر بھروسہ اور تقدیر الٰہی پر اعتماد اہل ایمان کا شیوہ اور ایمان کی علامت ہے۔ قُلْ۔ یعنی آپ یہ ان منافقین سے کہہ دیجیے جو اہل ایمان سے حسد رکھتے ہیں۔ لَنْ ...... مَوْلٰىنَا۔ سو وہ جو کچھ بھی کرے گا ہمارے حق میں بہتر ہی کرے گا۔ ع "ہر چہ آن خسرو کند شیریں بود۔" سکونِ خاطر، یکسوئی قلب، اطمینان و فراغت کا یہ آسان، سستا اور موثر نسخہ کتنی بار کا آزمایا ہوا ہے بدنصیب ترین ہیں وہ لوگ جو اس کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ آیت میں پہلے ایسے مراقبہ کی تعلیم ہے جو توکل کو سہل کر دے، اس کے بعد اصل توکل کا حکم ہے۔ ف۹۶ مطلب یہ ہوا کہ تم ہمارے لئے جن دو باتوں کو فرض کر سکتے ہو یعنی فتح یا موت و شکست تو ہمارے لئے تو دونوں پہلوؤں میں خیر ہی خیر ہے فتح کا خیر ہونا تو اجر اخروی اور منافع دنیوی دونوں کے اعتبار سے ظاہر ہی ہے۔ رہی مصیبت تو مومن کے حق میں وہ بھی عین رحمت ہے، رفع درجات و کفارۂ سیئات کا بہترین ذریعہ! ف۹۷ عَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖ۔ یعنی کوئی بلائے آسمانی، بلا توسط دست انسانی۔ بِاَيْدِيْنَا۔ یعنی کوئی سزا ہمارے ہاتھوں سے۔ ف۹۸ آیت میں رسول اللہ ﷺ کو ہدایت، دو جوابوں کی ہوئی۔ "پہلے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک و حاکم ہیں۔ حاکم ہونے کی حیثیت سے ان کو ہر تصرف کا اختیار ہے اس لئے ہم راضی ہیں۔ اور دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں۔ اس مصیبت میں بھی ہمارے فائدہ کی رعایت کرتے ہیں۔ اس لئے ہم ہر حال میں فائدہ میں ہیں بخلاف تمہارے کہ تمہاری خوش حالی کا انجام بھی وبال و نکال ہے اگر دنیا میں نہیں تو آخرت میں ضرور ہے۔" (تھانوی) حاصل یہ کہ مومن کسی صورت میں بھی نقصان میں نہیں رہتا۔ اگر تدبیر و کوشش میں کامیابی ہو گئی تو فوری مسرت ظاہر ہے۔ اگر ناکامی ہوئی تو اجر و ثواب، حسرت و تاسف میں بھی ہے۔ صوفیہ نے نکتہ یہ پیدا کیا ہے کہ قبض و بسط دونوں صورتیں عنایت الٰہی کی ہیں۔ طالب عارف کو مستقل مزاج ہر صورت میں رہنا چاہیے۔ ف۹۹ اور نافرمانی جو یہاں فقدان ایمان کے مرادف ہے تمہاری مالی اعانت کی مقبولیت سے مانع ہے۔ ایمان تو عند اللہ پہلی شرط قبول ہے اور عمل قبول کیسے ہوتا جبکہ خود ان لوگوں کو مقصود رضا و ثواب و قرب تھا ہی نہیں۔ آیت کے اندر ہماری قوم کے امراء و رؤساء کے لئے بڑی عبرت پوشیدہ ہے جو پختگی ایمان اور حسن عمل کی طرف سے غافل، محض اپنے بھاری بھاری قومی چندوں پر نازاں اور انہی پر تکیہ کئے رہتے ہیں۔ مالی اعانت بھی بلاشبہ بہت بڑی خدمت ہے دین کی، لیکن نفس ایمان اور ایمان صحیح کا وجود ان پر بھی مقدم ہے۔ ف۱۰۰ یہاں صاف تصریح کر دی ہے کہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی سا بھی عمل قبول نہیں۔ ایمان تو پہلی اور سب سے بڑی شرط قبول اعمال کی ہے۔ ف۱۰۱ اور یہ دل سے ناگواری اور طبیعت پر گرانباری خود دلیل ہیں ان کے فقدانِ ایمان کی۔ ادائے طاعت سے طبیعت میں تازگی، بشاشت اور مستعدی تو جب ہی پیدا ہو سکتی ہے جب ایمان پختہ ہو اور اجر و ثواب کی امید قوی ہو۔ آیت میں ہم سب نام کے مسلمانوں کے لئے ڈرنے کی بات ہے۔ ظاہری اعمال منافقین کے بھی مسلمانوں ہی سے مشابہت رکھتے تھے۔ نمازیں بھی کسی نہ کسی طرح پڑھ لیتے تھے۔ خیر خیرات میں بھی کچھ نہ کچھ دے ہی نکلتے تھے۔ اس پر بھی حکم ان پر کفر اور فقدانِ ایمان ہی کا لگا! خدا نہ کرے کہ ہم میں سے کسی کا یہ حشر ہو۔ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب محض کسل نماز نفاق کی علامت قرار پائی تو ترک نماز پر ظاہر ہے کس درجہ کی چیز ہوگی۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ یہ لوگ لذت عبودیت سے محروم اور مشاہدۂ جمال معبود سے محروم ہیں۔ بعض عارفوں نے کہا ہے کہ جس کو آمر کی معرفت نہ ہوگی وہ امر کی طرف کسل سے اٹھے گا اور جس کے دل میں آمر کی

يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ

ہیں کہ اللہ تم پر کوئی عذاب واقع کرے گا اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے ف۹۷

فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا

سو تم انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ (اپنے طور پر) منتظر ہیں ف۹۸ آپ کہہ دیجیے کہ تم خوشی سے خرچ کرو

اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا

یا ناخوشی سے، تم سے کسی طرح نہ قبول کیا جائے گا کیونکہ تم تو نافرمان

فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ

لوگ ہو ف۹۹ اور اس سے کہ ان کے چندے قبول کئے جائیں کوئی امر مانع نہیں

اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ

بجز اس کے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے ف۱۰۰ اور یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے

اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

مگر ہارے جی کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ ف۱۰۱

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ

سو ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں ف۱۰۲ اللہ کو تو بس یہ

اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ

منظور ہے کہ انہی (نعمتوں) کے ذریعہ سے انہیں دنیا کی زندگی میں ہی عذاب دیتا رہے،

اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ

اور ان کی جانیں ایسی حالت میں نکلے کہ وہ کافر ہوں ف۱۰۳ اور یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ

لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾

تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں، لیکن (ہے یہ کہ) وہ بزدل لوگ ہیں ف۱۰۴

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا

یہ اگر کوئی سی بھی پناہ کی جگہ پاتے یا کوئی غار یا کوئی (اور) جگہ گھس بیٹھنے کی تو یہ ضرور

اِلَیْهِ وَ هُمْ یَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّلْمِزُكَ

منہ اٹھا کر ادھر چل پڑتے و۱۰۵ اور ان میں ایسے بھی ہیں جو آپ پر صدقات کے بارہ میں

فِی الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ

طعن کرتے ہیں، لیکن اگر انہیں ان میں سے مل جاتا ہے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر

یُعْطَوْا مِنْهَاۤ اِذَا هُمْ یَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ لَوْ اَنَّهُمْ

انہیں ان میں سے نہیں ملتا تو بس ناراض ہو جاتے ہیں و۱۰۶ کاش! یہ اس پر

رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ

راضی ہوتے جو کچھ انہیں اللہ اور اس کے رسول نے دیا تھا، اور کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے،

سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ

اللہ ہم کو اپنے فضل سے اور اس کے رسول (بھی اور) دے دیں گے ہم تو اللہ ہی کی طرف

رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِیْنِ

راغب ہیں! و۱۰۷ صدقات (واجبہ) تو صرف غریبوں اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق ہیں جو ان پر

وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِی الرِّقَابِ

مقرر ہیں و۱۰۸ نیز ان کا جن کی دل جوئی منظور ہے و۱۰۹ اور (صدقات کو صرف کیا جائے) گردنوں (کے چھڑانے)

وَ الْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ؕ

میں و۱۱۰ اور قرض داروں (کے قرضہ ادا کرنے) میں، و۱۱۱ اور اللہ کی راہ میں و۱۱۲ اور مسافروں (کی

فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۶۰﴾ وَ مِنْهُمُ

امداد) ہیں، یہ (سب) فرض ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے، و۱۱۳ اور ان میں وہ

ع ۱۴/۱۲

معرفت ہوگی وہ امر کی طرف راحت سے اُٹھے گا۔ و۱۰۲ یعنی یہ خیال نہ گزرے کہ یہ جب غیر مقبولین میں ہیں تو انہیں مال اور اولاد کی نعمتیں کیسے نصیب ہو رہی ہیں۔ یہ سوال آج بھی کافر قوموں کی خوشحالی، کثرت آبادی، اقبال مندی کو دیکھ دیکھ یہ کثرت مسلمانوں کے دلوں میں ہوتا رہتا ہے۔ حالانکہ دنیوی نعمتوں کے لئے مقبولیت ذرا بھی شرط لازمی نہیں۔ تُعْجِبْكَ ۔ بہ ظاہر خطاب صرف رسول اللہ ﷺ سے ہے لیکن جواب کی یہ تعلیم کل مسلمانوں کو ہے۔ هذا الخطاب وان كان فى الظاهر مختصا بالرسول عليه السلام الا ان المراد منه كل المؤمنين (کبیر) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس میں اہل ایمان کو تنبیہ ہے کہ اہل دنیا کے مال و زینت کو مستحسن نہ سمجھیں اور کہیں اس کے باعث آخرت کے عمل اور اس پر نظر کرنے سے محجوب نہ ہو جائیں۔ و۱۰۳ (جس سے آخرت میں بھی مبتلائے عذاب رہیں)'' دنیا میں مال و اولاد کا عذاب ہونا حبِ دنیا کے لئے لازم ہے۔ اول اس کی تحصیل و تمنا میں کیسی کیسی کوفت جسمانی و روحانی اُٹھانا پڑتی ہے پھر حصول کے بعد ذرا نقصان ہو گیا ذرا مرض ہو گیا۔ بس ایک کوہ غم سر پر سوار ہے سب حالتیں طبیعت کے موافق بھی ہوں تو اس کا اندیشہ کہ کوئی امر ناگوار نہ پیش آ جائے پھر مفارقت کے وقت کس بلا کی حسرت اور صدمہ کہ خدا کی پناہ اور آخرت میں تو ظاہر ہے کہ کافر پر جتنی دنیوی نعمتیں ہوں گی اس کا کفر دونا پڑے گا جس پر عذاب آخرت موعود ہے''۔ (تھانوی) منافقوں پر ایک عذاب تو دنیا ہی میں مشاہد ہے کہ جن اہل ایمان سے وہ دل میں بغض رکھتے ہیں انہی کی خوشامد میں زبان سے لگے رہنا پڑتا ہے۔ انهم كانوا يبغضون محمدا عليه الصلوة والسلام بقلوبهم ثم كانوا يحتاجون الى بذل اموالهم واولادهم ونفوسهم فى خدمته ولاشك ان هذه الحالة شاقة شديدة (کبیر) فقہاء نے اس آیت سے بہ عبارۃ النص (کیونکہ لَا تُعْجِبْكَ ۔ بمعنی نہی تحریمی ہے) یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کافروں فاسقوں کی ظاہری نعمتوں کو دیکھ کر اُن کے حال کو اچھا سمجھنا اور ویسی ہی کیفیت کی تمنا کرنا حرام ہے۔ لِیُعَذِّبَهُمْ ۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی جو حرکتیں وہ لوگ کر رہے ہیں۔ ان کا انجام یہی ہونا ہے کہ یہ نعمتیں اُن کے حق میں عذاب بن کر رہیں۔ یہ مراد نہیں کہ انہیں یہ نعمتیں دینے سے اللہ کا مقصود یہی تھا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس میں محجوبین کو تنبیہ ہے کہ جس سامان کو راحت کے لئے جمع کرتے رہتے ہیں اس میں اُن کو راحت نہیں محض جمع و حفاظت کی مشقتیں ہی ہیں اور پھر چونکہ اعتقاد اجر اور تعلق مع اللہ سے محروم ہیں اس لئے ان مشقتوں میں تسہیل بھی نہیں ہوتی۔ و۱۰۴ (اور اس بزدلی کی بنا پر کہ اگر کہیں اپنے واقعی عقائد کا کھلم کھلا اظہار کر دیں تو اُن کے ساتھ بھی برتاؤ کافروں کا سا ہونے لگے، تقیہ کیے ہوئے ہیں، اور اپنے کو زبردستی مسلمان ظاہر کیے ہوئے ہیں) آج بھی ہمارے اندر کتنے لوگ ایسے ہیں جو محض سوسائٹی کے ڈر سے اور اس مجبوری کی بنا پر کہ کوئی دوسری سوسائٹی انہیں عزت کے ساتھ اپنے اندر جذب کرنے اور قبول کرنے پر تیار نہیں، محض سوشل حیثیت سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیے ہوئے، اپنے آپ کو اسلامی سوسائٹی کا رکن بنائے ہوئے اور اپنا نام مردم شماری کے رجسٹروں میں مسلمان کے خانہ میں لکھائے ہوئے ہیں! اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۔ یعنی قسمیں اس کی کھاتے رہتے ہیں کہ ان کا شمار بھی تم مسلمانوں میں ہے۔ یَفْرَقُوْنَ ۔ فرق کے معنی خوف سے اپنے اصلی عقیدہ کو چھپا ڈالنے کے ہیں۔ الفرق تفرق القلب من الخوف (راغب) اى يخافون القتل و ما يفعل بالمشركين فيتظاهرون بالا سلام تقية (کشاف) و۱۰۵ (اور اظہار اسلام کی کوئی ضرورت بھی نہ محسوس کرتے) یعنی یہ تو اظہار اسلام پر اپنے کو مجبور پا رہے ہیں جب ہی اتنی ظاہرداری بھی ہے۔ اگر انہیں کہیں پناہ گاہ مل گئی ہوتی تو یہ اتنی پروا بھی نہ کرتے۔ و۱۰۶ اسی سے ظاہر ہے کہ ان کے اغراض کی بنیاد تمام تر خود غرضی پر تھی۔ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ ۔ یعنی یہ منافقین آپ کی شکایت کرتے ہیں کہ تقسیم میں عدل کی رعایت نہیں کرتے۔ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا ۔ یعنی اگر خود انہی کو ان کی حسب مرضی و خواہش مل جائے۔ و۱۰۷ (اور اسی سے سب اُمیدیں قائم کیے ہوئے ہیں) مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۔ یعنی جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے رسول کے ذریعہ سے دلوائے ہیں۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ ۔ یعنی جتنا ہمیں اللہ نے دلوا دیا وہی ہمارے حق میں مناسب تھا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اہل رضا کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ بھی حق تعالیٰ کی طرف سے پیش آ جائے اس پر شاداں رہے اور بلا سے بھی لذت حاصل کرے۔ و۱۰۸ یعنی صدقات کی آمدنی انہی مدوں میں خرچ ہونی چاہیے۔ اِنَّمَا ۔ کلمہ حصر کا ہے۔ یعنی صرف انہی مدوں میں، کسی اور مد میں نہیں، الصَّدَقٰتُ ۔ صدقة سے یہاں مراد صدقہ واجب ہے یعنی زکوٰۃ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ ۔ دونوں لفظوں کی تعبیر و تفسیر میں متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں۔ محققین نے یہ معنی لیے ہیں کہ فقیر وہ نادار ہے جو سوال نہ کرے اور مسکین وہ نادار ہے جو سوال کرے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور حسن بصری اور جابر بن زید اور مجاہد اور زہری تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ قال الزهرى الفقير الذى لا يسئل والمسكين الذى يسئل وروى ابن سماعة عن ابى يوسف عن ابى حنيفة فى حد الفقير والمسكين مثل هذا (جصاص) وروى عن ابن عباس والحسن وجابر بن زيد والزهرى ومجاهد قالوا الفقير المتعفف الذى لا يسال والمسكين الذى يسال فكان قول ابى حنيفة موافقا لقول هؤلاء السلف (جصاص) فقراء و مساکین کی تفسیریں جتنی بھی مختلف ہوں لیکن حکم زکوٰۃ کی حد تک یہ اختلاف کچھ بھی اثر انداز نہیں البتہ حکم وصیت میں یہ بحث چلتی ہے کہ وصیت اگر فقراء کے لئے ہے تو کیسے لوگ مراد ہیں اور اگر مساکین کے لئے ہے تو کیسے لوگ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا ۔ یعنی جو ان صدقات کی تحصیل وصول کرنے پر مامور ہیں، اُن کی تنخواہوں میں۔ و۱۰۹ مؤلفة القلوب سے مراد ایسے غیر مسلم ہیں جن کے مسلمان ہو جانے کی اُمید ہو۔ یا اُن کے شر و فتنہ سے بچنا مقصود ہو۔ اور پھر ایسے مسلمان جو

الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ

لوگ بھی ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہر بات کان دے کر سن لیتے ہیں و١١٤ آپ کہہ دیجیے کہ وہ

اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

تمہارے حق میں خیر ہی کے باب میں کان دے کر سنتے ہیں و١١٥ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، و١١٦ اور مومنین کا

وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ

یقین رکھتے ہیں، و١١٧ اور ان پر مہربانی کرتے ہیں جو تم میں سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں، و١١٨ اور جو لوگ

رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ

رسول اللہ کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لئے عذاب دردناک ہے، و١١٩ یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں

لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ

کھاتے ہیں کہ تم کو خوش کرلیں، و١٢٠ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہیں کہ خوش اس کو کرلیں

اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ

اگر (واقعی) یہ لوگ ایمان والے ہیں و١٢١ کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو کوئی مخالفت کرے گا

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ

اللہ اور اس کے رسول کی سو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے، اس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا

ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ

اور یہ بڑی ہی رسوائی ہے و١٢٢ منافقین اندیشہ کرتے رہتے ہیں کہ

تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ

کہیں مومنین پر ایسی سورت نہ نازل ہو جائے جو ان کو منافقین کے مافی الضمیر کی خبر دے دے

قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾

آپ کہہ دیجیے کہ تم استہزا کیے جاؤ، یقیناً اللہ اسے ظاہر کر کے رہے گا جس کی بابت تم اندیشہ کرتے رہتے ہو، و١٢٣

اگرچہ اور حیثیتوں سے غیر مستحق ہوں لیکن مالی امداد سے توقع یہ ہو کہ انہیں اسلام سے مزید محبت پیدا ہو جائے گی غرض یہ کہ انسانوں کا ہر وہ گروہ، جس کی طرف سے کسی نہ کسی حیثیت سے اسلامی حکومت کو کوئی نہ کوئی خطرہ درپیش ہو۔ جمہور کا قول ہے کہ یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے لئے مخصوص تھا۔ ''صحابہ کے وقت میں اجماع ہو گیا اُن کے عدم استحقاق پر جو علامت ہے حکم سابق کے منسوخ ہو جانے کی'' (تھانوی علیہ الرحمۃ) لیکن بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ تعامل صحابہ سے یہ حکم منسوخ نہیں ہو گیا بلکہ محض وقتی رفع حکم تھا بہ سبب عدم ضرورت واستغناء کے۔ فاضل گرامی مولانا گیلانی مدظلہ، کی تحقیق حسب ذیل ہے۔ انہی مصارف میں ایک مد ان لوگوں کی بھی ہے جو محض مالی کمزوریوں کی وجہ سے اسلامی حکومت اور اسلام کی مخالفت کرتے ہیں جیسا کہ اس زمانہ میں سیاسی شورش پسندوں کے ایک گروہ کی یہی حالت ہے۔ ان لوگوں کے چپ کرنے کے لئے بھی الصدقات کے مصارف میں قرآن نے مؤلفة القلوب کی ایک مد رکھی ہے۔ اگرچہ عام طور پر فقہاء کہتے ہیں کہ یہ مصرف صرف ابتداء اسلام کی حد تک محدود تھا اور اب ساقط ہو گیا۔ دلیل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے مؤلفة القلوب کے بعض افراد کو دینے سے اس بناء پر انکار کر دیا کہ اب اسلام اتنا قوی ہو چکا ہے کہ ان لوگوں کی تالیف قلب کی ضرورت نہ رہی۔ حالانکہ قصہ صرف اس قدر ہے کہ چند خاص لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دینے سے یہ فرماتے ہوئے انکار کر دیا تھا کہ ان الله اعز الاسلام فاذهبا (اب خدا اسلام کو عزت وشوکت عطا کر چکا، پس تم دونوں جاؤ (کچھ نہ ملے گا) لیکن اس کا یہ مطلب قرار دینا کہ ہر شخص کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مد کو ساقط کر دیا میری کچھ سمجھ میں نہ آیا قرآن نے جس مصرف کو منصوص کیا ہے اس کو اولاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ منسوخ ہی کیسے کر سکتے ہیں نیز ایک ایسی واحد خبر سے قرآن کے ایک قانون پر خط نسخ نہیں پھیرا جا سکتا بلکہ اس کا صاف مطلب یہی ہے یہ امام اور حکومت وقت کے صواب دید پر ہے جس وقت جن لوگوں کے لئے ان کی ضرورت سمجھے، دے جن کے لئے ضرورت نہ سمجھے، نہ دے''۔ (اسلامی معاشیات از فاضل گیلانی) و١١٠ یعنی غلاموں کے آزاد کرانے کی مد میں۔ ''گردن چھڑانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی غلام کو اُس کے آقا نے کہہ دیا ہو کہ تو اتنا روپیہ دے دے تو آزاد ہے اس غلام کو زکوۃ دی جائے تاکہ اپنے آقا کو دے کر آزاد ہو جائے''۔ (تھانوی) و١١١ (خواہ وہ قرضدار بجائے خود غنی ومتمول ہی ہو) جس کے پاس دس ہزار روپیہ موجود ہو اور گیارہ ہزار کا مثلاً قرضدار ہے، اس کو زکوۃ دینا درست ہے۔ (تھانوی) دنیا میں شاید اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے، جس نے مقروضوں کے ساتھ عملی ہمدردی کا سبق دیا ہے اور اس گروہ کو بھی فقراء ومساکین ہی کی طرح حاجت مند سمجھا ہے۔ فاضل گرامی مولانا گیلانی لکھتے ہیں:۔ ''یہ دنیا کا وہ مظلوم گروہ ہے جس کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک تو بڑی بات ہے اس وقت تک دنیا کی حکومتوں نے ان کے ستانے والوں اور ان پر ظلم وتشدد کے بہاؤ توڑنے والوں کو صرف زبانی نہیں بلکہ قانونی امداد واعانت کو اپنا فریضہ قرار دے رکھا ہے ہر حکومت کی فوجی اور عسکری قوت اس کے لئے تیار رہتی ہے کہ مقروضوں کے ذمہ قرض خواہوں کا جو دین ومطالبہ ہے صرف اصل ہی نہیں۔ بلکہ سود در سود کے ساتھ اس سے وصول کرا دیا جائے خواہ اس راہ میں اس کی ساری جائداد، گھر کا سارا اثاثہ ہی کیوں نہ نیلام ہو جائے یہ ایک واقعہ ہے اور تہذیب وتمدن کی برقی روشنیوں میں سے یہ اندھیر کھلم کھلا اودھم مچائے ہوئے ہے۔ (اسلامی معاشیات) و١١٢ یعنی مجاہدین کی امداد میں، بعض نے حاجیوں کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔ بعض نے دینی طالب علموں کو بھی۔ وقيل المراد طلبة العلم واقتصر عليه في الفتاوى الظهيرية (روح) اور بعض فقہاء نے یہاں تک توسیع سے کام لیا ہے کہ طاعت الٰہی میں ہر قسم کے جدوجہد کرنے والوں کو اس میں داخل کر دیا ہے۔ وفسره في البدائع بجميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله تعالى وسبل الخيرات (روح) و١١٣ وہ ہر مناسب نامناسب کو جانتا ہے اور اُس کے احکام ہمیشہ مناسب حال اور مصلحتوں سے لبریز ہوتے ہیں۔ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ۔ یہ تاکید ہے ان احکام کے واجب العمل ہونے کی۔ و١١٤ (اور اس لئے انہیں دھوکے میں لے آنا اُن کے سامنے بات بنا جانا کوئی بڑی بات نہیں) منهم ضمیر ظاہر ہے کہ منافقین کی طرف ہے۔ يَقُوْلُوْنَ۔ یعنی یہ منافقین آپس میں ایسی باتیں کہتے رہتے ہیں۔ اُذُنٌ۔ کہتے ہیں ایسے شخص کو جو کان ہی کان ہو اور اپنی سادگی سے جو بات بھی سنے اُس کا یقین کر لے۔ الاذن الرجل الذي يصدق ويقبل قول كل واحد (کشاف) اي يقبل كل ما قيل له (ابن قتیبہ) يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ۔ یعنی ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں جو نبی ﷺ کے لئے باعث اذیت ہیں۔ و١١٥ قرآن مجید نے منافقین ہی کے لفظ کو اُن پر دہرا کر اُسے ایک بالکل دوسرے پہلو سے پیش کر دیا ہے۔ اُذن خیر کے درمیان کی اضافت فی کے معنی میں ہے۔ یعنی تمہارے حق میں جو بات خیر کی ہے اسی کو وہ کان دھر کر سنتے ہیں۔ اي هو اذن في الحق والخير (کشاف) و١١٦ یعنی اللہ کی وحی کی ہوئی ساری اطلاعوں پر یقین رکھتے ہیں۔ ایمان یہاں اپنے شرعی اصطلاحی معنی میں ہے جو کفر کی ضد ہے اور اسی لئے اس کا صلہ ''ب'' کے ساتھ آیا ہے۔ اي التصديق بالله الذي هو نقيض الكفر فعدى بالباء (کشاف) و١١٧ یعنی مومنین مخلصین کی باتوں کا۔ ''رسول اللہ ﷺ کا کسی بات کو سن لینا دو طور پر ہے ایک تصدیق کے طور پر کہ دل سے بھی اُس کو صحیح سمجھیں۔ دوسرا خوش خلقی اور کریم النفسی کے طور پر کہ باوجود اس سمجھ جانے کے کہ یہ بات محض غلط ہے خُلق وکرم جبلی سے اس کو ٹال دیں اور راوی پر داروگیر سے اُس کی صریح تکذیب نہ کریں۔ غرض کان دے کر اور سچا سمجھ کر تو صرف اللہ کی اور مخلصین کی باتیں سنتے ہیں'' (تھانوی) ایمان یہاں لغوی معنی میں ہے یعنی مومنین کی بات کی تصدیق اور اسی لئے اس کا صلہ ل کے ساتھ آیا ہے۔ قصد السماع من المومنين وان يسلم لهم ما يقولونه فعدى باللام (کشاف) معناه الاستماع منهم والتسليم لقولهم فيتعدى

وَ لَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُؕ

اور اگر آپ ان سے سوال کیجیے تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے ف۱۲۴

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾

آپ کہہ دیجیے کہ اچھا تو تم استہزا کر رہے تھے اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ، ف۱۲۵

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْؕ اِنْ نَّعْفُ

(اب) بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے اپنے اظہار ایمان کے بعد ف۱۲۶ اگر ہم تم میں سے ایک

عَنْ طَآىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا

گروہ کو معاف بھی کر دیں تو ایک گروہ کو تو سزا دیں ہی گے اس لئے کہ وہ

مُجْرِمِیْنَ ﴿۶۶﴾ۧ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ

مجرم رہیں گے ف۱۲۷ منافق مرد اور منافق عورتیں (سب) ایک ہی طرح

بَعْضٍۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ

کے ہیں، بری بات کا حکم دیتے رہتے ہیں اور اچھی بات سے روکتے رہتے ہیں

وَ یَقْبِضُوْنَ اَیْدِیَهُمْؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِیَهُمْؕ اِنَّ

اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں، انہوں نے اللہ کو بھلا دیا سو اس نے انہیں بھلا دیا، بے شک

الْمُنٰفِقِیْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ

منافقین بڑے ہی نافرمان ہیں۔ ف۱۲۸ اللہ نے منافق مردوں اور

وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاؕ

منافق عورتوں سے اور کافروں (سب) سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے، اس میں وہ (ہمیشہ) پڑے رہیں گے

هِیَ حَسْبُهُمْۚ وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۶۸﴾ۙ

وہی ان کے لئے کافی ہے اور اللہ ان پر لعنت کرے گا اور ان کے لئے عذاب دائم ہے ف۱۲۹

ع ۸

باللام (کبیر) قیل انما ادخلت اللام للفرق بین ایمان التصدیق و ایمان الامان (جصاص) ف۱۱۸ (گو وہ ایمان دل میں نہ ہو اور اسی شفقت و خوش خلقی کی بنا پر تمہاری باتیں بھی سن لیتے ہیں باوجودیکہ اس کی حقیقت خوب سمجھ چکے ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ حضرت حقیقت کو نہیں سمجھتے اور حقیقت یہ ہے کہ حقیقت کو تم ہی نہیں سمجھتے لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ دلوں کا حال بجز عالم الغیب کے کسے معلوم، رسول ﷺ تو تمہارے اظہار ایمان ہی کو ایمان سمجھ کر تم پر شفقت کرتے ہیں۔ اے اظهروا الایمان (کشاف) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ سے آپ کا کمال کرم ظاہر ہوتا ہے کہ محض اظہار ایمان پر ہی آپ کی شفقت مرتب ہو جاتی ہے۔ ف۱۱۹ (آخرت میں یقیناً اور دنیا میں اغلباً) اَلَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ اس ایذا کے عموم کے تحت میں سب کچھ آ گیا یعنی لفظ اذن کے استعمال سے بھی اور ہر دوسرے طریقہ سے۔ ف۱۲۰ اور اس طرح ہمارے انتقام و تعزیر سے اپنے جان و مال کو بچا لے جائیں) لکم یعنی تم مسلمانوں کے سامنے، تمہیں سنا سنا کر۔ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ۔ قسمیں اس امر پر کھاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کی۔ یا فلاں الزام میں ہم بالکل بے قصور ہیں۔ ف۱۲۱ یعنی اگر یہ لوگ واقعی اہل ایمان ہیں تو انہیں جاننا چاہیے تھا کہ مومنین کی رضا جوئی پر اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی کہیں مقدم ہے۔ یُرْضُوْهُ۔ میں ضمیر رسول کی جانب بھی ہو سکتی ہے جو مرجع قریب ہے اور اللہ کی جانب بھی جو مرجع بعید ہے اور ایک ہی ضمیر سے دونوں کام نکالنے میں نکتۂ بلاغت یہ ہے کہ رسول کی رضا اللہ کی رضا سے منضم ہے اور یہ کمال قرب وقبول رسول ﷺ کا ہے۔ انما وحد الضمیر لانه لا تفاوت بین رضاء الله ورضا رسوله ﷺ فکانا فی حکم مرضی واحد (کشاف) اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔ اس پر اشارہ ادھر آ گیا کہ اللہ کی رضا تو موقوف ہے ان لوگوں کے اخلاص و ایمان پر۔ ف۱۲۲ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا۔ اس طرز خطاب میں اشارہ یہ ہے کہ اتنے دنوں سے رسول ﷺ انہیں تعلیم دے رہے ہیں اور اتنی سی بات بھی یہ لوگ اب تک نہ سمجھے۔ قال اهل المعانی قوله الم تعلم خطاب لمن حاول الانسان تعلیمه مدة وبالغ فی ذلک التعلیم ثم انه لم یعلم فیقال له الم تعلم بعد هذه الساعات الطویلة والمدة المدیدة (کبیر) مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ۔ جو کوئی اللہ اور رسول کی مخالفت کرے گا جیسا کہ یہ لوگ اس وقت کر رہے ہیں۔ فَاَنَّ لَهٗ۔ خبر محذوف ہے۔ اے فحق ان له (کشاف) ف۱۲۳ اشارہ انہی کہ جو باتیں اپنے جلسہ میں دین کے ساتھ استہزاء کی کرتے رہتے ہیں، مسلمانوں پر وہ ظاہر ہو جائیں۔ قُلُوْبِهِمْ۔ ضمیر ظاہر ہے کہ منافقین کی جانب ہے۔ الضمیر فی قلوبهم للمنافقین (کشاف) عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ۔ ضمیر دونوں جگہ مومنین کی جانب ہے۔ یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ۔ ایک ترکیب یہ بھی جائز سمجھی گئی ہے کہ خبر امر کے معنی میں ہو اور مراد لیحذر المنافقون ہو۔ خبر بمعنی الامر اے لیحذر المنافقون (مدارک) قال الحسن ومجاهد کانوا یحذرون فحملاه علی معنی الاخبار عنهم بانهم یحذرون وقال غیرهما صورته صورة الخبر و معناه الامر تقدیره لیحذر المنافقون (جصاص) ف۱۲۴ (اور کچھ واقعی برائی یا عیب چینی ہمیں تھوڑے ہی مقصود تھی) یہ عذر آج بھی کتنا چلا ہوا ہے۔ شعر و ادب کے پردہ میں کون سی گستاخی اللہ اور اُس کی شریعت اور اُس کے فرشتوں اور حوروں کے ساتھ اُٹھ رہی ہے۔ اور جواب ہر مرتبہ یہی ملتا ہے کہ یہ تو محض ادبی دلچسپیوں کے لئے تھا۔ کہیں واقعی مذہب پر تعریض تھوڑے ہی مقصود تھی! ف۱۲۵ یعنی بالفرض تمہاری غرض تھوڑی دیر کے لئے خوش طبعی ہی تھی جب بھی یہ تو سوچا ہوتا کہ استہزاء کن چیزوں سے کر رہے ہو اللہ سے؟ اُس کے احکام سے؟ اُس کے رسول سے؟ یہ چیزیں محل استہزاء کسی صورت میں بھی ہو سکتی ہیں؟ آج کے ادیب اور شاعر (ایک دو نہیں صدہا کی تعداد میں) ذرا ان پہلوؤں کو بھی سوچ رکھیں۔ فقہاء نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ حکم شرعی کے اعتبار سے استہزاء کی یہ تینوں قسمیں (استہزاء باللہ، استہزاء بآیات اللہ و استہزاء برسول اللہ) برابر ہیں۔ دل علی ان الاستهزاء بآیات الله و بشیء من شرائع دینه کفر فاعله (جصاص) فقہاء نے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ کلمہ کفر خواہ ارادہ و سنجیدگی سے ادا کیا جائے خواہ محض ایک لطیفہ و خوش طبعی کے طور پر، حکم شرعی کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔ اس لئے کہ قرآن نے اُن کے عذر لہو و لعب کو بالکل مسترد کر دیا اور حکم کفران پر باقی رکھا۔ ہاں حالت جبر و اکراہ کا حکم اس سے الگ ہے۔ فیه الدلالة علی ان اللاعب والجاد سواءٌ فی اظهار کلمة الکفر علی غیر وجه الاکراه (جصاص) فاخبر ان هذا القول کفر منهم علی ای وجه قالوه من جدٍ او هزلٍ فدل ذلک علی استواء حکم الجاد والهازل فی اظهار کلمة الکفر (جصاص) اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو عقلی پہلو سے بیان کیا ہے۔ انه تعالی بین ان ذالک الاستهزاء کان کفراً و العقل یقتضی ان الاقدام علی الکفر لاجل اللعب غیر جائز (کبیر) اَبِاللّٰهِ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عمل استہزاء کا وقوع اللہ تعالی پر تو ہو ہی نہیں سکتا۔ لامحالہ مراد یا تو احکام شرعی سے ہو گی یا اسماء الٰہی سے اور یا قدرت الٰہی سے۔ المراد بالاستهزاء بالله هو الاستهزاء بتکالیف الله تعالی (کبیر) یحتمل ان یکون المراد الاستهزاء بذکر الله فان اسماء الله قد یستهزئ الکافر بها (کبیر) ثم ان بعض الجهال من المنافقین ذکر کلاماً مشعراً بالقدح فی قدرة الله کماهو عادات الجهال والملحدة (کبیر) ف۱۲۶ (اس لئے اب بات بنانے کی کوششیں سب بے کار ہیں) بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ۔ بعد اظهار ایمانکم کے معنی میں ہے ورنہ اصل ایمان ظاہر ہے کہ منافقوں میں سرے سے تھا ہی نہیں۔ اے بعد اظهار کم الایمان (کشاف) اے کفرتم بعد ایمانکم الذی اظهر تموه (کبیر۔ عن الحسن) دین کے ساتھ استہزاء فقہاء نے تصریح کر دی ہے اگر قصداً ہے تو خواہ بد اعتقادی سے نہ ہو جب بھی کفر ہے۔ قَدْ كَفَرْتُمْ۔ یعنی اس استہزاء کے بعد تمہارا کفر

ظاہر ہو گیا ورنہ موجود تو وہ پہلے ہی سے تھا۔ ای قد اظہرتم کفرکم باستہزاء کم (مدارک) قال الحسن المراد کفرتم بعد ایمانکم الذی اظہرتموہ وقال اٰخرون ظہر کفرکم للمومنین بعد ان کنتم عندھم مسلمین (کبیر) لَاتَعْتَذِرُوْا۔ یعنی بہانے نہ بناؤ۔ ای لا تشتغلوا باعتذاراتکم الکاذبۃ (مدارک) ف۱۲۷ (اور آخر وقت تک انہیں توفیق توبہ نصیب نہ ہوگی) اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ۔ یہ معافی انہیں تائب ہو جانے اور مومن مخلص بن جانے پر حاصل ہوگی۔ ف۱۲۸ (اور سب دائرۂ ایمان سے خارج ہیں) بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ۔ یعنی ایک دوسرے کی جنس کے ہیں صفت نفاق میں سب شریک و متحد اور مومنین کے دائرہ سے یکسر خارج۔ ای فی صفۃ النفاق کما یقول الانسان انت منی وانا منک ای امرنا واحد ولا مباینۃ فیہ (کبیر) وفیہ نفی ان یکونوا من المومنین (مدارک) اضاف بعضھم الی بعض باجتماعھم علی النفاق فھم متشاکلون متشابھون فی تعاضدھم علی النفاق (جصاص) يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ۔ یعنی فسق و کفر و عداوت اسلام کی طرف بلانے اور دعوت دینے میں سب شریک ہیں۔ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ۔ یعنی ایمان واتباع نبوی سے سب ایک دوسرے کو روکتے رہتے ہیں۔ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ روکے رہتے ہیں۔ نَسِيَهُمْ۔ اللہ کا انہیں بھلانا یہ ہے کہ اس نے اپنی رحمت خاصہ ان پر سے ہٹالی۔ قاعدۂ مشاکلت دیباچہ میں ملاحظہ ہو۔ ای فجازاھم بان صیّرھم بمنزلۃ المنسی من ثوابہ ورحمتہ (کبیر) قاعدۂ مشاکلت کے لئے ملاحظہ ہو اس تفسیر کا دیباچہ۔ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ یہ ترکیب فسق پر زور و تاکید کے لئے ہے یعنی بڑے ہی فاسق ہیں۔ ای ھم الکاملون فی الفسق الذی ھو التمرد فی الکفر والانسلاخ عن کل خیر (مدارک) ف۱۲۹ یعنی ایسا عذاب جو آکر جائے گا نہیں، قائم ہو کر اور جم کر رہ جائے گا۔ هِيَ حَسْبُهُمْ۔ یعنی اس آتش دوزخ سے بڑھ کر کوئی سزا متصور ہی نہیں، اور وہی ان کے لئے ہوگی۔ فیہ دلالۃ علی عظم عذابھا وانہ بحیث لایزاد علیہ (مدارک) والمعنی ان تلک العقوبۃ کافیۃ لھم ولا شیء ابلغ منھا ولا یمکن الزیادۃ علیھا (کبیر) لَعَنَهُمُ اللّٰهُ۔ اللہ کی لعنت کے معنی جیسا کہ کئی بار اوپر آچکا ہے، اللہ کی رحمت خاصہ سے دور کر دینے کے ہیں۔ ف۱۳۰ یعنی جیسا پرانی جاہلی مشرک قوموں کو اپنے جاہ وثروت اور دنیوی ترقیوں پر ناز اور ناز بے جا رہ چکا ہے اسی طرح تم بھی آج ظاہری دلفریبیوں اور مادی چمک دمک پر مٹے ہوئے ہو۔ خطاب منافقین ہی سے چل رہا ہے۔ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ یہ تمثیل جس طرح کفر مشترک میں ہے اسی طرح جزائے کفر مشترک میں بھی ہے۔ ف۱۳۱ (کہ دونوں جہانوں میں مسرت وراحت سے محروم ہو گئے) مطلب یہ ہوا کہ جب حبط اعمال اور سزائے شدید اُخروی سے وہ قدیم قومیں بہ ایں جاہ وشوکت نہ بچ سکیں تو تم ان سے کہیں کم ہو، تم کیسے بچ سکتے ہو۔ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا۔ خوض کے معنی گھسے یا در آنے کے ہیں، اور اس کا استعمال موقع ذم پر ہوتا ہے۔ الخوض الدخول فی الباطل واللھو (مدارک) ظاہری ٹیم ٹام کے ساتھ بری عادتوں اور ناپاک خصلتوں میں گھسنے، اور در آنے کی مثالیں دیکھنا ہوں تو آج بھی "مہذب" قوموں کے شفاخانوں، محتاج خانوں، ڈاک خانوں، درسگاہوں، کے پہلو بہ پہلو ان کے نشاط خانے، شراب خانے، قمار خانے، ناچ گھر، ان کے تھیٹر اور ان کے سنیما دیکھ لئے جائیں۔ ف۱۳۲ (سوانہی قدیم قوموں کی طرح یہ معاصر معاندین بھی اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں) نَبَاُ الَّذِيْنَ۔ ان لوگوں کی خبر، یعنی ان لوگوں کی ہلاکت و بربادی کی خبر۔ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ۔ مراد قوم شعیب ہے۔ اَلْمُؤْتَفِكٰتِ۔ الٹی ہوئی بستیاں، یعنی قوم لوط کے اُجڑے ہوئے، برباد شدہ شہر۔ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ۔ یعنی ان قوموں کے پیمبر تو کھلے کھلے نشانات لے کر آتے رہے۔ پر ان لوگوں کی طرف سے انکار بھی اسی شدت سے جاری رہا۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ۔ خدائے اسلام دوسری قوموں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح ظالم نہیں وہ حکیم بھی ہے اور عادل بھی۔ بلاوجہ وسبب کسی پر سختی کرنا اس کی شان عدل وحکمت دونوں کے منافی ہے لانہ حکیم لا یعاقبھم بغیر جرم (مدارک)۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً

(تمہاری حالت) ان لوگوں کی سی ہے جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں، وہ شدت قوت میں

وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ

اور مال واولاد کی کثرت میں تم سے بڑھے ہوئے تھے سو انہوں نے اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا

فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ

اور تم نے بھی اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا جیسا کہ ان لوگوں نے اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا جو تم سے

قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ

قبل ہو چکے ہیں ف۱۳۰ اور تم لوگ بھی گھسے، جیسا وہ لوگ گھسے تھے،

اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو کر رہے

وَ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۶۹ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ

اور یہی لوگ بڑے نقصان اٹھانے والے ہیں ف۱۳۱ کیا انہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو

مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ڏ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ

ان سے قبل ہو چکے ہیں (مثلاً) قوم نوح اور عاد وثمود کی، اور قوم ابراہیم

وَ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

و اہل مدین کی اور الٹی ہوئی بستیوں کی، ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلے ہوئے

بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا

نشانات لے کر آئے، سو اللہ تو ان پر (کوئی) ظلم کرنے والا ہے ہی نہیں البتہ وہ خود

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۷۰ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ

اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ف۱۳۲ اور ایمان والے اور ایمان والیاں

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں نیک باتوں کا (آپس میں) حکم دیتے ہیں

وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ

اور بری باتوں سے روکتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں، اور زکوۃ دیتے

الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ

رہتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر ضرور

اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ

رحمت کرے گا و۱۳۳ بے شک اللہ بڑا اختیار والا ہے، بڑا حکمت والا ہے و۱۳۴ اللہ نے ایمان والوں اور

وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ایمان والیوں سے وعدہ کر رکھا ہے، باغوں کا کہ ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ

یہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور (وعدہ کر رکھا ہے) پاکیزہ مکانوں کا ہمیشگی کے باغوں میں

وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾ ع

اور اللہ کی رضامندی سب (نعمتوں) سے بڑھ کر ہے، بڑی کامیابی یہی تو ہے و۱۳۵

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ

اے نبی کافروں اور منافقوں پر جہاد کیجیے و۱۳۶ اور ان پر سختی

عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٣﴾

کیجیے و۱۳۷ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور (وہ) بری جگہ ہے

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ

یہ لوگ اللہ کی قسم کھا جاتے ہیں کہ انہوں نے فلاں بات نہیں کہی حالانکہ یقیناً انہوں نے کفر کی بات کہی تھی

و۱۳۳ ابھی اوپر ذکر آچکا ہے کہ منافقین اور منافقات سب ایک گروہ ہیں۔ المنافقون والمنافقات بعضهم من بعض اب اس کے بالمقابل ارشاد ہو رہا ہے کہ مومنین و مومنات بھی سب ایک گروہ ہیں ایک دوسرے کے دوست، رفیق، ہوا خواہ اور اس گروہ مومن کے صفات و خصوصیات ٹھیک اس کے برعکس بیان ہو رہے ہیں جو ابھی گروہ منافق کے بیان ہوئے تھے۔ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ رسول کی اطاعت آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی شریعت کی اطاعت ہے۔ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ۔ س یہاں وعدہ کی تاکید کے لئے ہے۔ السين مفيدة وجود الرحمة لا محالة فهي تاكد الموعد (کشاف) لا محالة فان السين موكدة للوقوع (بیضاوی) والسين على ماقال الزمخشري وتبعه غير واحد لتاكيد الوعد (روح) فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت کی رو سے ایک مستقل گروہ کافروں اور منافقوں کا قرار پا گیا اور دوسرا مستقل طبقہ اہل ایمان کا۔ اس لئے جو سلوک و محبت باہمی مومنین کے لئے ثابت و لازم ہے وہ کفار و منافقین سے نہ رکھنی چاہیے اور جو تشدد اور غلظت کفار کے مقابلہ میں مقتضائے دین ہے وہ مسلمان کے حق میں جائز نہیں، اور یہیں سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ کسی مومن کے لئے جائز نہیں کہ کسی دوسرے مسلمان کو قول یا عمل یا مجرد قصد سے بھی ضرر پہنچائے۔ يطيعون سے صوفیہ عارفین نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ جب اطاعت ایمان کی علامت ہے تو عدم اطاعت یا معصیت سلب ایمان کی طرف لے جانے والی ہوگی، بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ منافقین و منافقات کے ذکر میں یہی مضمون بعضهم من بعض سے ادا ہوا ہے اور مومنین و مومنات کے ذکر میں بجائے من بعض کے اولياء بعض سے، تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کفر و نفاق ایک دوسرے کا اتباع محض تقلید جامد اور مناسبت طبعی کی راہ سے کرتے ہیں۔ بہ خلاف اس کے اہل ایمان میں جو اشتراک پایا جاتا ہے وہ استدلال عقلی و توفیق الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ و۱۳۴ یعنی ہر جزا و صلہ پر قادر اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال جزا و صلہ دینے والا۔ اے غالب على كل شيء قادر عليه وواضع كلا موضعه (مدارک) و۱۳۵ (اور یہ اہل جنت کو تمام تر نصیب رہے گی) رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ یعنی رضائے الٰہی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہے اور وہ تعمیل احکام سے ہر ایک کو حاصل ہو سکتی ہے۔ صوفیہ عارفین نے لکھا ہے کہ جنت میں دیدار الٰہی گو ایک عظیم الشان نعمت ہے، لیکن یہ لذت تو صرف عاشقوں اور دیدار کرنے والوں کے نقطہ خیال سے ہے، عاشق کے لئے بیشک دیدار محبوب سے بڑھ کر لذیذ نعمت اور کیا ہو سکتی ہے لیکن محبوب کی رضا تو اس سے بھی بڑھ کر لطیف و لذیذ ہے اور محبوب حقیقی کی رضا صرف تعمیل احکام اور ادائے فرائض میں ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خود جنت میں جانے اور ہر قسم کی نعمت پانے کا سبب بھی تو یہی رضائے الٰہی ہے اور عاشقوں کا منتہائے مقصود بھی یہی رضا ہے۔ و۱۳۶ (ہر ایک کے حسب حال) لفظ جہاد، قتال کے مرادف نہیں، قتال اُس کی صرف ایک فرد ہے۔ محققین نے تصریح کر دی ہے کہ کافروں سے جہاد کی شکل ایک ہوگی اور منافقوں سے جہاد کی شکل دوسری۔ جَاهِدِ الْكُفَّارَ۔ کافروں کے مقابلہ میں جہاد جنگ و قتال سے ہوگا۔ امر بالجهاد مع الكفار بالسيف (قرطبی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) دلت الدلائل المنفصلة على ان المجاهدة مع الكفار يجب ان تكون بالسيف (کبیر) وَالْمُنٰفِقِيْنَ۔ منافقوں کے مقابلہ میں جہاد قول و لفظ اور عملی برتاؤ سے ہوگا۔ امر بالجهاد مع المنافقين باللسان وشدة الزجر والتغليظ (قرطبی۔ عن ابن عباس) باقامة الحدود عليهم و باللسان (قرطبی عن الحسن وقتادة) باظهار الحجة تارةً و بترك الرفق ثانيًا و بالانتهار ثالثا (کبیر) و۱۳۷ (جس کے وہ مستحق ہیں) غِلْظَة کا حکم کافروں اور منافقوں دونوں کے حق میں مشترک ہے۔ اور غلظ لغت میں رافت یا نرمی کی ضد ہے، مراد یہ ہے کہ اُن کے مقابلہ میں نرم نہ پڑیے مضبوطی سے قائم رہیے۔ الغلظ نقيض الرافة وهي شدة القلب (قرطبی) آج کے دور دجل و تلبیس میں لفظ ''رواداری'' جس معنی میں چلا ہوا ہے، اسلام اس کا ہرگز قائل نہیں۔ دوستان حق سے وہ اُس برتاؤ کا حکم دیتا ہے جس کے وہ مستحق ہیں اسی طرح دشمنان حق سے بھی اسی سلوک کا جس کے وہ لائق ہیں انسان مرغیوں اور بکریوں کو اپنے پاس سے کھلا کھلا کر پالتا ہے اور محنت اُٹھا اُٹھا کر انہیں زندہ رکھتا اور بڑھاتا ہے اور سانپوں، بچھوؤں کو بلا تامل مار ڈالتا ہے، عقل کی تعلیم یہ ہرگز ہرگز نہیں کہ جانور جانور سب برابر ہیں اور یکساں ''رواداری'' سے سب کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جس کسی کے متعلق فساد عقیدہ کی اطلاع مل جائے اُس پر جہاد دلائل سے کیا جائے گا اور اُس کے مقابلہ میں سختی بھی حسب طاقت و ضرورت استعمال کی جائے گی۔ كل من وقف منه على فساد في العقيدة فهذا الحكم ثابت فيه يجاهد بالحجة وتستعمل معه الغلظة ما امكن منها (مدارک)۔

وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ

اور اپنے (ظاہری) اسلام کے بعد کافر ہو گئے اور ایسی بات کا بھی ارادہ کیا جو انہیں حاصل نہ ہو سکی ف۱۳۸

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ

اور انہوں نے بدلہ صرف اس بات کا دیا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے

فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا

مال دار کر دیا تھا ف۱۳۹ سو اگر یہ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہو، اور اگر روگردانی کریں

يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ

تو اللہ انہیں ایک دردناک سزا دنیا اور آخرت میں دے گا

وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ وَمِنْهُمْ

اور ان کا (روئے) زمین پر نہ کوئی یار ہے اور نہ مددگار ف۱۴۰ اور ان میں وہ بھی ہیں

مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ

جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہمیں (مال) عطا کر دے تو ہم خوب (اس میں سے) تصدق کریں گے

وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ

اور ہم خوب نیک نیک کام کیا کریں ف۱۴۱ پھر جب اللہ نے ان کو اپنے فضل

فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

سے (مال) دیدیا تو لگے وہ اس میں بخل کرنے اور روگردانی کرنے اور منہ پھیرے ہوئے تو وہ تھے ہی، ف۱۴۲

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ

سو (اللہ نے) ان کی سزا میں ان کے قلوب میں نفاق قائم کر دیا جو اس کے پاس جانے کے دن تک رہے گا اس سبب سے

اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

کہ انہوں نے اللہ سے اور اس کے خلاف کیا جو کچھ اس سے وعدہ کر چکے تھے اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے، ف۱۴۳

ف۱۳۸ تبوک سے واپسی کے موقع پر چند منافقوں نے حضور اکرم ﷺ سے متعلق سازش کی کہ فلاں گھاٹی سے آپ شب میں گزریں گے سب مل کر آپ پر ہاتھ چلائیں اور ہو سکے تو زندگی ہی کا خاتمہ کر دیں چنانچہ راستہ میں ایک جگہ چھپ کر اور اپنے چہروں کو چھپا کر بیٹھ گئے آپ کے ہمراہ صحابیوں میں سے حضرت حذیفہ ؓ اور حضرت عمار ؓ تھے عمار ؓ کو تو ان لوگوں نے گھیر لیا، لیکن حذیفہ ؓ کی شجاعت کام آئی اور یہ بزدل منتشر ہو گئے۔ رات کے اندھیرے اور چہرے کے چھپے ہونے کے باعث پہچانے نہ گئے۔ حذیفہ ؓ نے جب رسول اللہ ﷺ تک خبر پہنچائی تو آپ نے فرمایا کہ وہ بارہ آدمی فلاں اور فلاں تھے۔ ان لوگوں سے جب سوال کیا گیا تو وہ حلف کے ساتھ انکار کر گئے۔ آیت میں انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ۔ سے فقہاء مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ اسلام ایمان کے مرادف ہے، اس لئے کہ ٹھیک کفر کے مقابلہ میں آیا ہے۔ فيه دلالة على ان الايمان والاسلام واحد لانه قال وكفروا بعد اسلامهم (مدارک) كَلِمَةَ الْكُفْرِ۔ ہر وہ بات ہے جس میں اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہو، یا پائی جائے۔ وكلمة الكفر كل كلمة فيها جحد لنعمة الله وبلغت منزلتها في العظم (جصاص) ف۱۳۹ یہ ایک طنز لطیف ان منافقوں کی کمینہ فطرتی پر ہے، منافقین مدینہ عموماً غریب تھے، اسلام ہی کی بدولت انہیں مالِ غنیمت میں کچھ حصہ ملنے لگا تھا اور اسی سے اُن میں کچھ خوشحالی آ گئی تھی۔ پھر سازشیوں کا ایک خاص سرغنہ جلاس (جو بعد کو بحمد اللہ پختہ مسلمان ہو گیا تھا) تو خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کا ممنون کرم تھا کہ آپ نے ایک بار اُس کا ایک بڑا قرضہ اتار دیا تھا۔ ایسے طنزیہ محاورہ ہر زبان میں ہیں۔ اردو میں بھی تو کہتے ہیں کہ "جی ہاں مجھ سے یہ خطا تو ضرور ہوئی تھی کہ وقت پر اُس شخص کے کام آ گیا تھا" ف۱۴۰ (کہ انہیں اس سزائے دردناک سے بچالے اور جب دنیا ہی میں انہیں کوئی یار مددگار نہیں ملتا تو آخرت میں تو بدرجہ اولیٰ منفی ہو گا) فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ۔ یعنی اگر اپنے نفاق سے توبہ کر لیں تو دنیا و آخرت دونوں کی سزاؤں سے بچ جائیں گے، بلکہ دارین میں نفع ہی میں رہیں گے۔ فقہاء نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ اظہار ایمان کرنے والے اور باطناً کفر میں پڑے رہنے والے زندیق کی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ في ما قص الله علينا من شان المنافقين دلالة على قبول توبة الزنديق المسر للكفر والمظهر للايمان (جصاص) يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ۔ اس بہتری کا تعلق دنیا و آخرت دونوں سے ہے۔ ف۱۴۱ (اسی مال و دولت کے ذریعہ سے) شانِ نزول کی روایتوں میں یہاں ایک، خاص شخص ثعلبہ بن حاطب کا نام لیا گیا ہے لیکن روایات شان نزول کا حاصل صرف اس قدر ہوتا ہے کہ آیت کا سبب نزول وہ مخصوص واقعہ تھا یہ مقصود ہرگز نہیں ہوتا کہ آیت کا حکم یا آیت صرف اُس شخص یا واقعہ تک محدود ہے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نذر ماننے والے پر اُس کا ادا کرنا واجب ہے۔ فيه الدلالة على ان من نذر نذرًا فيه قربة لزمه الوفاء به (جصاص) ف۱۴۲ (یعنی ایمان اُن کے دلوں سے مفقود تو پیشتر ہی سے تھا۔ فکر، پروا اعمال ایمانی کی پہلے بھی نہ تھی۔ اب عمل بھی ترک کر دیا۔ اے وهم قوم عادتهم الاعراض عن الطاعات فلا ينكر منهم هذا (روح) ف۱۴۳ (شروع ہی سے) "یعنی نیت ایفاء کی اُس وقت بھی نہ تھی، پس نفاق تو اُس وقت بھی دل میں تھا جس کی فرع یہ کذب و اخلاف ہے۔ پھر اس کذب و اخلاف کے وقوع سے اور زیادہ مستحق غضب ہوئے اور اس زیادت غضب کا اثر یہ ہوا کہ وہ نفاق سابق اب دائم و غیر زائل ہو گیا کہ توبہ بھی نصیب نہ ہو گی۔ اُسی حالت پر مر کر ابدالآباد جہنم میں رہنا نصیب ہو گا" (تھانوی) فَاَعْقَبَهُمْ الخ۔ یعنی چونکہ انہوں نے اپنے ارادہ سے گمراہی اختیار کر لی، اللہ بھی ان کے ارادہ کے خلاف ان کی گمراہی کو ہدایت سے نہ بدلے گا، اور انہیں بدستور اُسی حال میں پڑا رہنے دے گا۔ قال الزجاج ان معناه انهم لما ضلوا في الماضي فهو تعالى اضلهم عن الدين في المستقبل (کبیر) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس طرح طاعتوں سے ایمان کی نورانیت بڑھتی ہے اسی طرح سے معصیتوں سے کفر کی ظلمت بھی بڑھتی ہے۔

أَلَمْ يَعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَأَنَّ

کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ کو ان کے (دل کے) راز کا اور ان کی سرگوشی کا (سب کا) علم ہے اور یہ کہ

اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿٧٨﴾ اَلَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ

اللہ چھپی باتوں سے خوب واقف ہے، ف۱۴۴ یہ ایسے ہیں جو صدقات کے باب میں نفل صدقہ دینے والے

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ

مسلمانوں پر اعتراض کیا کرتے ہیں اور (خصوصاً) ان لوگوں پر جنہیں بجز ان کی محنت مزدوری کے

إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ ۙ سَخِرَ اللّٰهُ

کچھ نہیں ملتا سو ان سے یہ تمسخر کرتے ہیں اللہ ان سے تمسخر کرتا

مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا

ہے ف۱۴۵ اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے ف۱۴۶ آپ ان کے لئے استغفار کریں خواہ ان کے لئے

تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ

استغفار نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر بار (بھی) استغفار کریں گے جب بھی اللہ

يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ ۭ

انہیں نہیں بخشے گا ف۱۴۷ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا،

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ ﴿٨٠﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ

اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا ف۱۴۸ (یہ) پیچھے رہ جانے والے رسول اللہ

بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُولِ اللّٰهِ وَكَرِهُوٓا أَنْ يُّجَاهِدُوا

کے (جانے کے) بعد اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہو گئے ف۱۴۹ اور ان کو گراں گزرا کہ یہ اپنے مال

بِأَمْوٰلِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا

اور اپنی جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور یہ کہنے لگے کہ (ایسی تیز) گرمی میں

ع ۱۰ / ۱۶

ف۱۴۴ (تو ان کا ظاہری اسلام اور نقلی اظہار اطاعت ان کے کیا کام آسکتا ہے؟) روایات میں آتا ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد ثعلبہ بن حاطب زکوٰۃ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا لیکن آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے۔ اُس نے بہت ہائے واویلا کی مگر آپؐ نے قبول نہ فرمائی، اس کے بعد وہ حضرت ابوبکر حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم تینوں کی خلافت میں زکوٰۃ پیش کرتا رہا اور ہر دفعہ وہ رد ہوتی رہی یہاں تک کہ وہ مر گیا۔'' احقر کہتا ہے کہ اس کا زکوٰۃ لانا اور نہ لینے پر واویلا کرنا خلوص سے نہ تھا۔ بلکہ دفع عار و بدنامی کے لئے تھا۔ کیونکہ اعقبھم النح سے اُس کا دائما کافر رہنا معلوم ہو گیا پھر خلوص کا احتمال کب ہے اور شاید ممانعت قبول سے مراد حضور ﷺ کی یہی ہو، اس طرح کہ قبول صدقہ کے لئے ایمان شرط ہے اور شرط کا انتفاء مخصوص ہے پس مشروط بھی منفی عنہا ہو گا۔ اور ممکن ہے کہ مستقل وحی بھی اس میں نازل ہوئی ہو۔ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا قبول نہ کرنا آپ کے قبول نہ فرمانے کی وجہ سے تھا۔'' (تھانوی) اَلَمْ يَعْلَمُوٓا۔ ہمزہ یا تو انکار، توبیخ و تہدید کے موقع پر آتا ہے کہ اُن کی جرأتیں اتنی بڑھتی گئیں کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی اور یا پھر اس تنبیہ کے لئے کہ اللہ اس امر پر اُن سے مواخذہ شدید کرنے والا ہے والهمزة اما للانكار والتوبيخ والتهديد اى الم يعلموا ذلك حتى اجترءوا على ما اجترءوا عليه من العظائم اوللتقرير والتنبيه على ان الله سبحانه مؤاخذهم ومجازيهم بما علم من اعمالهم (روح) أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ۔ ان لوگوں کی سرگوشیاں اور ان کی رازداریاں چونکہ وقتی چیزیں اور حادث تھیں اس لئے یہاں علم کا ذکر صیغۂ فعل (مضارع) کے ساتھ فرمایا گیا۔ و فى ايراد العلم المتعلق بسرهم و نجوٰهم الحادثين شيئًا فشيئًا بصيغة الفعل الدال على الحدوث و التجدد (روح) أَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ۔ یہاں علم کا تعلق چونکہ بندوں سے نہیں بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہے، اس لئے صیغہ بھی اسم کا لایا گیا دوام کے ظاہر کرنے کو اور پھر اسم بھی صیغہ مبالغہ کا؟ والعلم المتعلق بالغيوب الكثيرة بصيغة الاسم الدال على الدوام والمبالغة من الفخامة والجزالة ما لا يخفى (روح) ف۱۴۵ (اور تمسخر کا درجہ مطلق طعن سے بڑھا ہوا ہے) اَلَّذِينَ۔ هم اللذين کے مرادف ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ منکرین اولیاء کا بھی یہی حال ہے، وہ بھی اُن کے ہر عمل اور ہر حال پر عیب گیری کرتے رہتے ہیں۔ ف۱۴۶ (خواہ دنیا خواہ آخرت میں) سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ۔ یعنی اُن کے تمسخر کی خوب سزا انہیں دے کر رہے گا۔ عربی میں بہ طریق مجازات و مشاکلت اسی لفظ کو اُلٹ دینے کا دستور عام ہے جیسا کہ دیباچہ میں ذکر آچکا ہے اور محاورۂ قرآنی میں بار بار یہ استعمال ہوا ہے۔ اى جازاهم جزاء السخرية (ابن قتیبہ) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمسخر سے دل چونکہ اور زیادہ دکھتا ہے اس لئے اس کا ذکر وقوع اور جزاء دونوں میں خصوصیت کے ساتھ کیا گیا۔ ف۱۴۷ (اس لئے کہ مغفرت کی بنیاد یعنی ایمان ہی سرے سے مفقود ہے اور منافقین کے حق میں دعا اور عدم دعا دونوں عدم نفع کے لحاظ سے یکساں ہیں) سَبْعِينَ مَرَّةً۔ ستر سے مراد یہاں عدد کامل یا کثرت استغفار ہے اور ستر تحدید کے لئے نہیں صرف تکثیر کے لئے آیا ہے جیسا کہ محاورۂ عرب میں اکثر آتا ہے۔ والسبعون جار مجرى المثل فى كلامهم للتكثير (کشاف) ذكر السبعين على وجه المبالغة فى الياس من المغفرة (جصاص) لان العرب فى اساليب كلامهم تذكر السبعين فى مبالغة كلامها ولا تريد التحديد بها (ابن کثیر) روایتوں میں آتا ہے کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول منافقین مدینہ کا رئیس و سردار تھا۔ اُس کا لڑکا مومن مخلص تھا۔ باپ کے مرنے پر آکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست جنازہ پڑھانے کی کی۔ آپ کھڑے ہو گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دامن پکڑا کہ آپ تو نماز سے منع کر دیئے گئے ہیں، آپؐ نے کہ مجسمہ رحمت و شفقت تھے اور منافقین و منکرین کی تالیف قلوب کی مصلحت بھی آپ کی نگاہ دور رس میں تھی، باوجود اہل زبان ہونے کے آیت میں تاویل فرمائی اور لفظی گنجائش نکال کر ارشاد فرمایا کہ مجھے تو اختیار دیا گیا ہے چاہوں استغفار کروں چاہوں نہ کروں ستر بار تک مغفرت نہ ہو گی میں اس سے زیادہ استغفار کروں گا، چنانچہ آپ نے نماز پڑھا دی۔ آیت ولا تصل على احد منهم مات ابدا اس کے بعد اتری۔ آیت پر سوال یہ ہوا ہے کہ آپؐ نے منافق کے کفر کے علم کے باوجود اس کے لئے استغفار کیسے کر دیا۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اُس کے کفر کا علم قطعی تو آپ کو اس آیت کے نزول کے بعد ہی ہوا نہ کہ اُس کے قبل سے تھا۔ محققین نے آیت اور اس کے شان نزول دونوں سے یہ مستنبط کیا ہے کہ مجتہد کو چاہیے کہ آیات عذاب میں تاویل اور وعدہ ہائے انعام میں توسیع کرتا رہے۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ آپ کا یہ استغفار اگر ہوتا تو فرط رحمت و شفقت کی بنا پر ہوتا۔ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ آپ کا یہ عدم استغفار اصل ضابطہ شریعت اور استغفار کی عدم نافعیت کی بنا پر ہوتا۔ کفر ایسی سخت چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے پیمبر برحق ﷺ تک کی سفارش بے اثر رہتی ہے اعاذنا الله منه۔ فيه اخبار بان استغفار النبى ﷺ لهم لا يوجب لهم المغفرة (جصاص) ف۱۴۸ چنانچہ یہ لوگ کفر ہی پر قائم رہے اور کفر ہی پر ختم رہے۔ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ۔ فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ کافر کے لئے استغفار اور اُس کی نماز جنازہ درست نہیں، آیت میں استغفار رسول ﷺ کی عدم نافعیت کی وجہ بیان کر دی کہ وہ کفر ہے اور اس مانع کا دفعیہ عدد استغفار کی کمی زیادتی سے نہیں ہو سکتا۔ بين ان العلة التى لاجلها لا ينفعهم استغفار الرسول وان بلغ سبعين مرة كفرهم وفسقهم وهذا المعنى قائم فى الزيادة على السبعين (کبیر) الْفٰسِقِينَ۔ یہ وہ نافرمان لوگ ہیں جو ایمان و حق کی طلب ہی نہیں کرتے محض گنہگار ہونا مراد نہیں، بلکہ ایمان سے خارج ہونا مراد ہے۔ اى الخارجين من الايمان (مدارک) ذٰلِكَ۔ یعنی یہ مغفرت کی طرف سے قطعی محرومی و مایوسی۔ اشارة الى

الياس من المغفرة (مدارک) و۱۴۹ (جب کہ آپ غزوۂ تبوک پر روانہ ہو چکے) حاشیہ اُوپر گزر چکا۔ اَلْمُخَلَّفُوْنَ۔ اس کے لفظی معنٰی ہیں "وہ جو پیچھے چھوڑ دیئے گئے" رہ جانے والے وہ منافقین ہیں جنہوں نے طرح طرح کے جھوٹے عذر تراش کر کے پیچھے رہ جانے کی اجازت حاصل کرلی تھی۔ خِلٰفَ۔ کے معنٰی بعد کے ہیں۔ اے خلفه (کشاف) بمعنٰی بعدوخلف (روح) قال الاخفش ان خلاف بمعنٰی خلف وان یونس رواه عن عیسٰی بن عمر ومعناه بعد رسول الله (کبیر) لیکن دوسرے معنٰی "مخالفت میں" کے بھی ہیں۔ قیل هو بمعنی المخالفة (کشاف وروح) یعنی مخالفة لرسول الله ﷺ (کبیر عن قطرب والزجاج) و۱۵۰ یہ منافقین آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے۔ غزوۂ تبوک کا زمانہ شدید گرمی کا موسم تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے مشابہ اُن اہلِ باطل کا حال ہے جو سلوک کے شدائد اور لذائذ دنیوی کے فوت ہونے کو بڑے شدومد سے بیان کر کے سالکین وطالبین کو راہ سلوک سے روکتے ہیں۔ و۱۵۱ (لیکن اس آگ سے نہ ڈرتے ہو نہ اُس سے بچنے کا کوئی سامان کرتے ہو) و۱۵۲ (اس دنیا میں جس کی عمر چند روزہ ہے) فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا۔ ہنسنے کا تعلق اسی دنیا سے ہے اور رونے کا عالم آخرت سے جس کی مدت ختم ہونے والی نہیں۔ فليضحكوا اور وليبكوا گو صورۃً امر ہیں لیکن مراد یہاں صیغۂ امر سے بھی محض خبر ہی ہے جو اپنے وقوع میں تمامتر یقینی ہے۔ والامر بالضحک والبكاء في معنى الخبر (بحر) اخرجه على صيغة الامر للدلالة على انه حتم واجب (بیضاوی) قَلِيْلًا وَّكَثِيْرًا۔ قلیل میں اشارہ اس دنیا کی عارضی حیثیت کی جانب ہے اور کثیر میں آخرت کے دوام کی جانب۔ قليلا اشارة الى مدة العمر في الدنيا وكثيرا اشارة الى تابيد الخلود (بحر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض لوگ وَلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا کو جو خبر بہ صورتِ انشاء اور آخرت سے متعلق ہے، صیغۂ امر سمجھ کر اپنے مرشدوں سے شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں رونا نہیں آتا حالانکہ گریہ اگر خشیت ومحبت سے ہے تو محمود ضرور ہے لیکن محمود ہونا کسی فعل کے واجب ہونے کو مستلزم نہیں۔ احکام تو صرف امور اختیاری میں ہیں اور گریہ امر غیر اختیاری ہے۔ و۱۵۳ (تمہارے دل کا خبث اللہ نے مجھ پر روشن کر دیا۔ اسی وحی الٰہی کے بھروسہ پر میں یہ وثوق سے کہہ رہا ہوں) فَاسْتَاْذَنُوْكَ۔ یہ اُن کا اجازت طلب کرنا خوشامد وتملق کی راہ سے ہوگا و۱۵۴ (اس لئے کہ دل میں عزم بھی تمہارے اب بھی یہی ہے) الخالفين۔ یعنی وہ کل لوگ جو کسی عذر حقیقی کی بنا پر پیچھے رہ گئے، مثلاً بیمار یا بوڑھے یا بچے یا عورتیں۔ اے المتخلفين لعدم لياقتهم كالنساء والصبيان والرجال العاجزين وجمع المذكر للتغلب (روح) وتفسير الخالف بالمتخلف هو الماثور عن اكثر المفسرين السلف (روح) و۱۵۵ (دفن وغیرہ کے واسطے تعظیماً) "قیام علی القبر سے مراد وہ ہے جو بہ طور اکرام کے ہو، خواہ غرض زیارت ہو یا بہ غرض دفن اور اگر عبرت اور تذکر موت کے لئے ہو، یا ضرورت کے لئے ہو تو اس طرح قیام علی القبر درست ہے لیکن اگر زیارت بہ غرض عبرت میں کوئی مفسدہ دینیہ ہو تو جائز نہیں۔" (تھانوی) وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ۔ مراد نماز جنازہ ہے۔ منافقین کی نماز جنازہ پڑھنا ممنوع ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قبر پر حاضر ہو کر دعا وغیرہ کرنے کا نفع اُس سے زاید ہے جتنا غیبت میں دعا کرنے سے ہوتا۔ آیت سے فقہاء نے کئی مسائل نکالے ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ ہر مسلمان کی میت پر نماز جنازہ ضروری ہے۔ اور کفار کی میت کے لئے اس کی ممانعت ہے فيه الدلالة على معانٍ احدها فعل الصلوٰة على موتى المسلمين وحظرها على موتى الكفار (جصاص) كان هذا يصنع من اكبر القربات في حق المومنين فشرع ذلك وفي فعله الاجر الجزيل كما ثبت في الصحاح وغيرها (کبیر) دوسری بات یہ کہ قبر مسلم پر اہتمام دفن کے لئے کھڑا ہو جائے۔ چنانچہ اس پر رسول اللہ (ﷺ) کا عمل بھی تھا۔ ويدل ايضاً على القيام على القبر الى ان يدفن وعلى ان النبي ﷺ قد كان يفعله (جصاص) عن عثمانؓ كان رسول الله ﷺ اذا فرغ من دفن الميت وقف عليه وقال استغفروا لاخيكم واسألوا له التثبيت فانه الآن يُسْئَل (ابوداؤد) و۱۵۶ فاسقون یہاں کافروں کے معنٰی میں ہے۔ اے متمردون في الكفر خارجون عن حدودهم (روح) فاسقون اے كافرون (جلالین) اور جو کافر مرے اُس کے لئے دعاء استغفار یا اُس کے کفن ودفن میں شرکت درست نہیں۔ وَهُمْ فٰسِقُوْنَ۔ یہ گویا ممانعت نماز جنازہ وغیرہ کی علت بیان کر دی گئی یعنی جب وہ ایمان سے خالی ہیں اُن میں اس کی اہلیت ہی نہیں کہ اُن پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ تعليل للنهي اے انهم ليسوا باهل للصلوٰة عليهم لانهم كفروا بالله ورسوله (مدارک) و۱۵۷ (کہ جب یہ مبغوض ومردود ہیں تو ان پر یہ نعمتیں کیسی؟) ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۰۲ بالا۔

فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا

(گھر سے) مت نکلو و۱۵۰ آپ کہہ دیجیے کہ جہنم کی گرمی (اس سے بھی) زائد تیز ہے، و۱۵۱ کاش وہ

يَفْقَهُوْنَ ﴿٨١﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ

سمجھتے ہوتے! سو تھوڑے دن ہنس لیں اور پھر (آخرت میں) بہت دن روتے رہیں

جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى

ان کاموں کے بدلہ میں جو وہ کرتے رہتے ہیں و۱۵۲ تو اگر اللہ آپ کو واپس لائے ان کے کسی

طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ

گروہ کی طرف اور یہ لوگ آپ سے (ساتھ) چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ کہہ دیجیے کہ تم کبھی بھی

تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ

میرے ساتھ نہ چلو گے، اور نہ میرے ہمراہ ہو کر کسی دشمن (دین) سے لڑو گے و۱۵۳ تم وہی ہو کہ

رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿٨٣﴾

پہلی بار بھی تم نے بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا سو پیچھے رہ جانے والے معذوروں کے ساتھ اب بھی بیٹھے رہو، و۱۵۴

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ

اور ان میں سے جو کوئی مر جائے اس پر کبھی بھی نماز نہ پڑھیے اور نہ اس کی قبر پر

عَلٰي قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ

کھڑے ہوجیے و۱۵۵ بیشک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ اس حال میں مرے ہیں کہ وہ

فٰسِقُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا

نافرمان تھے و۱۵۶ اور ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈال دے، و۱۵۷ اللہ کو تو

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ

یہی منظور ہے کہ انہیں ان کے ذریعہ سے دنیا میں بھی عذاب کرتا رہے اور ان کی جانیں

اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿٨٥﴾ وَ اِذَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ اَنۡ

اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں و۱۵۸ اور جب کوئی ٹکڑا (قرآن کا) اس مضمون کا نازل کیا جاتا ہے

اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوۡا مَعَ رَسُوۡلِهِ اسۡتَاۡذَنَكَ

کہ اللہ پر ایمان لاؤ و۱۵۹ اور اس کے رسول کے ہمراہ ہو کر جہاد کرو تو ان میں سے مقدرت والے

اُولُوا الطَّوۡلِ مِنۡهُمۡ وَقَالُوۡا ذَرۡنَا نَكُنۡ مَّعَ الۡقٰعِدِيۡنَ ﴿٨٦﴾

آپ سے رخصت مانگنے لگتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ ہم کو چھوڑ دیجیے کہ ہم یہاں ٹھیرنے والوں کے ساتھ رہ جائیں،

رَضُوۡا بِاَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى

وہ اس پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والوں کے ہمراہ رہ جائیں، اور ان کے دلوں

قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿٨٧﴾ لٰكِنِ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ

پر مہر لگ گئی سو وہ سمجھتے ہی نہیں و۱۶۰ البتہ رسول اور جو لوگ ان کی ہمراہی میں

اٰمَنُوۡا مَعَهٗ جٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ ؕ وَاُولٰٓئِكَ

ایمان لا چکے ہیں انہوں نے اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا اور انہی کے لئے

لَهُمُ الۡخَيۡرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿٨٨﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ

خوبیاں ہیں اور یہی لوگ (پورے) کامیاب ہیں و۱۶۱ اللہ نے ان کے لئے

لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ

باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ

فِيۡهَا ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿٨٩﴾ ع وَجَآءَ الۡمُعَذِّرُوۡنَ

رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے اور دیہاتیوں میں سے بہانہ باز

مِنَ الۡاَعۡرَابِ لِيُؤۡذَنَ لَهُمۡ وَقَعَدَ الَّذِيۡنَ كَذَبُوا

لوگ آئے کہ انہیں اجازت مل جائے و۱۶۲ اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول

ع ۱۱ / ۱۷

و۱۵۸ (جس سے آخرت میں بھی وہ مبتلائے عذاب ہی رہیں) يُرِيْدُ اللّٰهُ۔ اللہ کے اس ارادہ سے ظاہر ہے کہ اُس کی مشیت تکوینی ہی مراد ہے۔ آیت ابھی چند سطریں قبل اُوپر آچکی تھی۔ تکرار سے مقصود اور زور دینا ہے۔ التكرير للمبالغة والتاكيد (مدارک) و۱۵۹ (محض زبان سے نہیں، دل سے بھی) سورةٌ۔ سورت سے یہاں اصطلاحی سورت مراد نہیں، لفظی معنٰی مراد ہیں، یعنی قرآن مجید کا چھوٹا بڑا کوئی سا بھی ٹکڑا خواہ وہ پوری سورت ہو یا اُس کا کوئی جزء۔ يجوزان يراد سورة بتما مها اوان يراد بعضها (مدارک) اے طائفة من القران (جلالین) لفظ قرآن سے بھی تو اسی طرح پورا قرآن ہی مراد ہوتا ہے اور قرآن کا ہر حصہ بھی۔ اور لفظ الكتاب سے بھی اسی طرح کل کتاب بھی مراد ہوتی ہے اور ہر حصہ کتاب بھی۔ اُولُوا الطَّوْلِ۔ یعنی وسعت و مقدرت والے لوگ۔ اے اصحب الفضل والسعة (کشاف) اُولُوا الطَّوْلِ کے ذکر سے یہ مراد نہیں کہ صرف اہل مقدرت رخصت مانگتے تھے بلکہ اس سے غیر اہل مقدرت پر بھی روشنی پڑ گئی کہ جب مقدرت والوں کا یہ حال تھا تو غیر اہل مقدرت کا حال ضرور ہی یہ ہوتا۔ وَقَالُوْا۔ و یہاں عاطفہ نہیں، تفسیری ہے یعنی پچھلے فقرہ کے اسْتَاْذَنَكَ کی شرح اگلے فقرہ میں کر رہا ہے۔ عطف تفسيری (ابوالسعود) و۱۶۰ (اور اُن سے احساس ہی اپنی دون فطرتی کا رخصت ہو گیا ہے) اَلْخَوَالِفِ۔ سے مراد یہاں عورتیں ہیں۔ ابن عباس ﷺ صحابی اور متعدد تابعین سے یہی منقول ہے۔ عورتیں چونکہ گھر میں بیٹھی رہ جانے والیاں ہیں اسی لئے انہیں خوالف کہتے ہیں۔ الخوالف اے النساء (ابن جریر۔ عن ابن عباس وقتادہ ومجاہد والضحاک والحسن وابن زید) الخوالف النساء قاله الجمهور كابن عباس ومجاهدوقتادة وشمربن عطية وابن زيد والفراء (بحر) اے النساء اللاتی تخلفن فی البیوت (جلالین) رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ۔ شریعت اسلام نے جو مشاغل حیات مرد کے ساتھ مخصوص کر رکھے ہیں اور عورت کو اُن سے الگ کر رکھا ہے، اُن میں سے ایک شغل جہاد کا بھی ہے۔ آیت میں جہاد سے جی چرانے والوں پر طنز ہے کہ مرد ہو کر اچھے خاصہ عورت بنے جا رہے ہیں۔ تهجين لهم ومبالغة فى الذم والخوالف النساء قاله الجمهور...... وذلک ابلغ فى الذم لانهم نزلوا انفسهم منزلة النساء (بحر) طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ یعنی اُن کی مسلسل شرارتوں اور خباثتوں اور کفر و نفاق اختیاری کی بنا پر توفیق خیر ہی اُن سے سلب ہو گئی ہے۔ لاختيارهم الكفر والنفاق (مدارک) فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ۔ کے یہ معنٰی بھی کئے گئے ہیں کہ یہ مہر زدہ لوگ احکام جہاد کی مصلحتوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے اے لا يفهمون اسرار حكمة الله فى الامر بالجهاد (کبیر) و۱۶۱ (دنیا و آخرت دونوں میں) اَلْمُفْلِحُوْنَ۔ فلاح کی وسعت و عموم مفہوم پر حاشیہ شروع پارۂ اول میں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کے تحت میں گزر چکا۔ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ۔ محقق تھانوی ﷫ نے یہاں یہ نکتہ لکھا ہے کہ مومنین کے ساتھ یہاں ذکر رسول لے آنا مومنین کی ہمت افزائی و قدر افزائی کے لئے ہے کہ جہاد میں اُن کا اخلاص بھی کامل ہے جیسا کہ رسول کا اخلاص اکمل ہے۔ اَلْخَيْرٰتُ۔ یہ دنیوی و اخروی دونوں عالموں کی خوبیوں کا جامع ہے۔ وظاهر اللفظ عمومها هنا لمنافع الدارين كالنصر والغنيمة فى الدنيا والجنة ونعيمها فى الاخرىٰ (روح) تناول منافع الدارين لاطلاق اللفظ (مدارک) و۱۶۲ منافقین کا دائرہ شہری آبادیوں تک محدود نہ تھا، شہر مدینہ کے باہر بعض دیہاتی قبیلے بھی منافق تھے۔ اب ذکر ان کا آرہا ہے، اور ان کی بھی دو قسمیں بیان ہوں گی۔ اَلْاَعْرَابِ۔ عرب کہتے ہیں نسل حضرت اسمٰعیل ﷤ کو اور اعراب اسی کی جمع ہے لیکن اعراب کا اطلاق صرف دیہاتی آبادی کے لئے مخصوص رہ گیا ہے۔ صار ذلک اسمًا لسكان البادية خاصة (تاج) اَلْمُعَذِّرُوْنَ۔ مُعَذِّرْ ایسے عذر ظاہر کرنے والے کو کہتے ہیں جس کے پاس حقیقۃً کوئی عذر نہ ہو اور وہ محض بہانہ کر رہے ہوں۔ ازہری لغوی نے ابن عباس ﷺ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ معذرین وہ لوگ ہیں جو عذر نہ رکھتے ہوں اور عذر پیش کریں، المعذر هو المظهر للعذر اعتلالًا من غير حقيقة له فى العذر وهو لاعذر له...... والمعذرين الذين يعتذرون بلا عذر (لسان) هم الذين لا عذر لهم ولكن يتكلفون عذرًا (تاج) المعذر الذى يعتذر بلا عذر (کبیر) بلکہ معتذر و معذر کے درمیان فرق ہی یہ ہے کہ معتذر کا عذر ممکن ہے کہ صحیح ہو اور ممکن ہے غلط ہو۔ لیکن معذر کا عذر ہمیشہ غلط ہی ہوگا۔ المتعذر يكون محقًا ويكون غير محقٍ والمعذر الذى ليس بمحق يعتذر بلا عذر (لسان) قال الازهرى قد يكون المعذر غير محقٍ وهم الذين يعتذرون بلا عذر (تاج)۔

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

سے (بالکل ہی) جھوٹ بولا تھا وہ بیٹھے رہے ف۱۶۳ ان میں جو کافر رہیں گے وہ عذاب دردناک

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى

میں مبتلا ہوں گے ف۱۶۴ کوئی گناہ ناطاقتوں پر نہیں ہے اور نہ بیماروں پر

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا

اور نہ ان پر جو خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے جب کہ

نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ

اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ وہ خلوص رکھیں نیکوکاروں پر کوئی

سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ

الزام نہیں ف۱۶۵ اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۱۶۶ اور نہ ان لوگوں پر

اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ

(کوئی الزام ہے) کہ جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ انہیں سواری دے دیں اور آپ کہتے ہیں کہ

عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا

میرے پاس تو کچھ ہے نہیں جس پر تمہیں سوار کردوں، تو وہ واپس جاتے ہیں اس حال میں کہ ان کی آنکھوں سے

يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ؕ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ

آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ انہیں کچھ میسر نہیں جو وہ خرچ کریں ف۱۶۷ الزام تو بس ان لوگوں پر ہے

يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ

جو آپ سے اجازت مانگتے ہیں درآنحالیکہ وہ اہل مقدرت ہیں، یہ راضی ہوگئے اس پر کہ رہ جائیں خانہ نشین

الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

عورتوں کے ساتھ اور مہر کردی اللہ نے ان کے دلوں پر سو یہ جانتے ہی نہیں ف۱۶۸

ف۱۶۳ (اور ایسے بے باک نکلے کہ ظاہرداری بھی نہ برتی اور جھوٹا عذر کرنے بھی نہ آئے) كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ یہ کذب دعوی ایمان میں تھا۔ یعنی ان کا دعوی ایمان کذب خالص تھا۔ قَعَدَ الَّذِيْنَ۔ ذکر انہی دیہاتیوں کا چل رہا ہے۔

ف۱۶۴ (دنیا میں قتل سے اور آخرت میں دوزخ سے) اے فی الدنیا بالقتل وفی الاٰخرة بالنار (کبیر) مِنْهُمْ۔ من تبعیض کے لئے ہے۔ عالم الغیب کو علم تھا کہ بعض ان میں سے ایمان لے آئیں گے اور عذاب سے مخلصی حاصل کر لیں گے۔ انما قال منهم لانه تعالٰی کان عالمًا بان بعضهم یومن ویتخلص عن هٰذا العقاب (کبیر)

ف۱۶۵ (کہ یہ سب عذر واقعی رکھنے والے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ کے قاعدۂ کلیہ کے تحت میں آجاتے ہیں) اس آیت میں صفائی اُن اعراب کی طرف سے پیش ہوگئی جو کوئی حقیقی عذر رکھتے تھے۔ نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ یعنی دوسرے احکام میں اللہ اور رسول کے احکام کی اطاعت دل سے کرتے رہتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی عذر کی بنا پر کسی عمل سے قاصر ہو مگر نیت یہ رکھتا ہو کہ اگر مجھے قدرت حاصل ہوتی تو ضرور یہ عمل کرتا تو وہ اُس عمل کی برکتوں سے محروم نہیں رہتا۔

ف۱۶۶ کسی پر خواہ مخواہ گرفت اور سختی کا تو اس کے ہاں امکان ہی نہیں۔

ف۱۶۷ (سامان جہاد میں) آیت میں اُن مخلص، معذور دیہاتیوں کے مزید اخلاص پر گواہی مل رہی ہے۔ لِتَحْمِلَهُمْ۔ محاورہ میں اس کے معنی یہی ہیں کہ آپ اُن کے لئے سواری کا انتظام کردیں۔ احملنی اے اعطنی ظهرًا ارکبهٗ (تاج) اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ۔ یہ طرز ادا ابلغ تر ہے۔ یفیض دمعها سے، کہ اس میں آنکھ ہی کو بہتا ہوا آنسو بنا دیا گیا ہے۔ هو ابلغ من یفیض دمعها لان العین فعلت کان کلها دمع فائض (کشاف)

ف۱۶۸ (کہ گناہ و ثواب کیا ہے۔ اور حمیت و بے حمیتی کیا ہے) يَسْتَاْذِنُوْنَكَ۔ یعنی جہاد سے جی چرا کر گھر پر رہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ۔ اور طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۶۰ بالا

و۱۶۹ (اور ہمیں وحی الٰہی کے ذریعہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ تمہارا کوئی عذر بھی صحیح نہ تھا) يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ۔ خطاب میں اب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مومنین بھی شریک ہیں اور ذکر انہی منافقین مخلفین کا چل رہا ہے۔ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ۔ نزولِ آیت کا زمانہ سفرِ تبوک کا زمانہ ہے۔ یہ بات بہ طورِ پیشگوئی فرمائی جارہی ہے کہ جب لشکرِ اسلام مدینہ واپس پہنچے گا تو منافقین اپنے اپنے عذرات پیش کریں گے۔ قُلْ۔ یعنی اے رسول ﷺ آپ سب مومنین کی طرف سے کہہ دیجئے۔ لَا تَعْتَذِرُوْا۔ اعتذار یہاں بہانہ بنانے کے معنٰی میں ہے۔ یعنی انه لا عذر لهم والمعاذير يشوبها الكذب (لسان) لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ۔ فعل ایمان کا صلہ ل کے ساتھ آنے سے معنٰی یہ ہو گئے کہ ہم تمہاری تصدیق نہ کریں گے، تمہاری بات کو صحیح باور نہ کریں گے۔ اے لن نصدقكم (قرطبی) اَخْبَارِكُمْ۔ یعنی تمہاری وہ خبریں جنہیں تم چھپانا چاہتے تھے۔ اے اخبرنا بسرائركم (قرطبی) و۱۷۰ منافقوں کو جتلا دیا گیا ہے کہ تمہاری نیت کا کھوٹ اللہ پر تو سب روشن ہی ہے اور آخرت میں

يَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَيۡكُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ ؕ قُلۡ لَّا

یہ لوگ تمہارے (سب کے) سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے آپ کہہ دیجئے کہ

تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكُمۡ قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنۡ

بہانے نہ بناؤ ہم ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے۔ بیشک ہم کو اللہ تمہاری خبریں

اَخۡبَارِكُمۡ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ ثُمَّ

دے چکا ہے و۱۶۹ اور عنقریب اللہ اور اس کا رسول تمہارا عمل دیکھ لیں گے پھر

تُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ

تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے کے پاس واپس کیے جاؤ گے، تو وہ تمہیں جتلا دے گا

بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ اِذَا

کہ تم کیا کچھ کرتے رہے تھے و۱۷۰ عنقریب یہ لوگ تمہارے سامنے جب تم ان کے پاس

انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ فَاَعۡرِضُوۡا

واپس جاؤ گے اللہ کی قسم کھا جائیں گے تاکہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑے رہو و۱۷۱

عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ وَّمَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ

سو تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑے رہو، و۱۷۲ بیشک یہ گندے ہیں و۱۷۳ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے بدلہ میں

بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۹۵﴾ يَحۡلِفُوۡنَ لَكُمۡ لِتَرۡضَوۡا

اس کے جو کچھ وہ کرتے رہے یہ تمہارے سامنے قسمیں اس لئے کھائیں گے کہ تم ان سے راضی

عَنۡهُمۡ ۚ فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرۡضٰى عَنِ

ہو جاؤ، سو تم اگر اُن سے راضی ہو (بھی) جاؤ تو اللہ (تو) نافرمان لوگوں سے

الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۹۶﴾ اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا

راضی نہیں ہوتا و۱۷۴ دیہاتی (منافقین) کفرونفاق میں بہت ہی سخت ہیں و۱۷۵

تم سب پر بھی روشن ہو کر رہے گا لیکن اس کے علاوہ اس وقت دنیا میں بھی اللہ اپنی وحی خاص سے اپنے رسول ﷺ اور ان کے ذریعہ سے مومنوں کو تمہاری حرکتوں پر مطلع کیے دیتا ہے۔ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ۔ یعنی یہ معلوم ہی ہو کر رہے گا کہ تم اخلاص و اطاعت کے دعووں میں کہاں تک صادق ہو اور ہنوز نفاق پر قائم ہو، یا اب نادم ہو کر توبہ کر رہے ہو۔ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ۔ یہ لفظ لا کر ادھر اشارہ کر دیا کہ اُس حاکم مطلق سے تمہارا نہ کوئی اعتقاد مخفی ہے نہ کوئی عمل۔ نفاق و اخلاص دونوں کا اُمورِ غیب سے ہونا ظاہر ہے۔ و۱۷۱ (اور کسی قسم کی ملامت و مؤاخذہ ان سے نہ کرو) سَيَحْلِفُوْنَ۔ یہ حلف اس مضمون کا ہو گا کہ ہم کو فلاں فلاں مجبوریاں اور معذوریاں لاحق رہیں۔ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ۔ یعنی جب تم معرکۂ جہاد سے مدینہ واپس ہو گے۔ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ۔ اعراض یہاں عفو و درگزر اور چشم پوشی کے معنٰی میں ہے۔ اے لتصفحوا من لومهم (قرطبی) و۱۷۲ (اور اس دنیا میں اُن کی اصلاح کی امید نہ رکھو) یعنی اچھی بات ہے ان کی خواہش پوری کر دو اور ان کی طرف التفات بھی نہ کرو۔ تعرض سے مقصود تو اصلاح ہوتی ہے، سو اس کی کوئی توقع ہی ان کے خبث کی بنا پر نہیں۔ فَاَعْرِضُوْا۔ اعراض یہاں ردّ و ترک اور قطع تعلق کے مفہوم میں ہے۔ و۱۷۳ (اپنے عقاید کفر و نفاق کے اعتبار سے اور اس خبث کا علاج آتشِ جہنم ہی سے ہو سکے گا، تمہارا التفات ہی ان کی طرف بے کار ہے) اِنَّهُمْ رِجْسٌ۔ تقدیر کلام یہاں ذو رِجس کی سمجھی گئی ہے اور معنٰی یہ لیے گئے ہیں کہ ان کے عمل گندے ہیں۔ تعليل لترك معاتبتهم اے ان المعاتبة لا تنفع فيهم (مدارک) اے عملهم رجسٌ والتقدير انهم ذو رجس (قرطبی) فقہاء اُمت نے ان الفاظ سے کافروں سے ترکِ موالات و ترکِ مخالطت وغیرہ کا حکم مستنبط کیا ہے۔ هذا يدل علٰى وجوب مجانبة الكفار و ترك موالاتهم و مخالطتهم وايناسهم و تقويتهم (جصاص) المعنى ان خبث باطنهم رجس روحانى فكما يجب الاحتراز عن الارجاس الجسمانية فوجوب الاحتراز عن الارجاس الروحانية اولٰى خوفاً من سريانها الى الانسان (کبیر) و۱۷۴ (سو تمہاری رضامندی سے ان دشمنانِ دین کو نفع ہی کیا پہنچ سکتا ہے) منافقین کی ایک خاص شناخت یہ ہے کہ یہ اللہ کے بجائے اُس کے بندوں کی رضاجوئی میں لگے رہتے ہیں، قرآن مجید کی اس صراحت نے واضح کر دیا کہ مومنین کی رضامندی اللہ کی رضامندی کو مستلزم نہیں۔ انما قيل ذلك لئلا يتوهم ان رضا المؤمنين يقتضى رضا الله عنهم (مدارک) فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ حلف کے بعد قبول عذر لازمی نہیں۔ يدل علٰى ان الحلف على الاعتذار ممن كان متهما لا يوجب الرضا عنه و قبول عذره لان الأية قد اقتضت النهى عن الرضا عن هٰؤلآء مع ايمانهم (جصاص) لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ۔ یعنی تمہارے سامنے یہ جو قسمیں کھا کھا کر تمہیں راضی کر لینا چاہتے ہیں تو اس سے بھی اُن کی غرض صرف اس قدر ہے کہ یہ دنیا میں تمہارے ہاتھ سے گزند پہنچنے سے محفوظ رہیں۔ و۱۷۵ (اپنی سخت مزاجی اور تندخوئی کی بنا پر) ذکر اب دیہاتی عربوں کا شروع ہوا ہے ان میں سے جو منافق تھے وہ اپنی منافقت میں مدینہ کے شہری منافقوں سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ اَلْاَعْرَابُ۔ اعرابی کی جمع ہے۔ اُردو میں بھی انہیں اعرابی ہی کہتے ہیں۔ وجمع الاعرابى اعراب و اعاريب (قرطبی) يجمع الاعرابى على الاعراب والاعاريب (کبیر) اور اعراب کا اطلاق بدوی یا دیہاتی اہلِ عرب پر ہوتا ہے۔ الاعراب سكان البادية خاصة (قرطبی) صار ذلك اسما لسكان البادية (راغب) فمن استوطن القرى العربية فهم عرب و من نزل البادية فهم اعراب (کبیر) ان میں کثرت سے منافقین تھے۔ مراده الاعم الاكثر منهم (جصاص)

وَّ اَجۡدَرُ اَلَّا یَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰی
اور ایسے ہی ہیں کہ ان احکام کا علم نہ رکھیں (جو) اللہ نے اپنے رسول پر نازل
رَسُوۡلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۹۷﴾ وَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ
کئے ہیں ف۱۷۶ اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۱۷۷ اور دیہاتیوں میں
مَنۡ یَّتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّ یَتَرَبَّصُ بِکُمُ
کوئی کوئی ایسا بھی ہے کہ جو کچھ وہ خرچ کرتا ہے اسے جرمانہ سمجھتا ہے اور تمہارے لئے گردشوں کا منتظر
الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَیۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیۡعٌ
رہتا ہے ف۱۷۸ بری گردش خود انہی (منافقین) کے لئے ہے ف۱۷۹ اور اللہ خوب سننے والا ہے،
عَلِیۡمٌ ﴿۹۸﴾ وَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ
خوب جاننے والا ہے، ف۱۸۰ اور دیہاتیوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان
الۡاٰخِرِ وَ یَتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰهِ
رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں قرب کا ذریعہ اور رسولؐ کی
وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرۡبَةٌ لَّهُمۡ ؕ
دعائیں (لینے) کا ذریعہ بناتے ہیں سو بیشک یہ (خرچ کرنا) ان کے حق میں قرب ہی کا ذریعہ ہے،
سَیُدۡخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ
ضرور ان کو اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے گا، یقیناً اللہ بڑا مغفرت والا ہے
رَّحِیۡمٌ ﴿۹۹﴾ع وَ السّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِیۡنَ
بڑا رحمت والا ہے ف۱۸۱ اور (جو) مہاجرین و انصار میں سے سابق و مقدم
وَ الۡاَنۡصَارِ وَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ رَّضِیَ
(ہیں) ف۱۸۲ اور جتنے لوگوں نے نیک کرداری میں ان کی پیروی کی ف۱۸۳ اللہ ان (سب) سے

ع ۱۲ / ۱۰

ف۱۷۶ اور اسی جہل، بعد و بےگانگی کی بنا پر اسلام سے بعید تر ہیں۔ اَجۡدَرُ۔ یعنی اسی قابل، اسی لائق ہیں۔ اے اولی واحق (کبیر) اَجۡدَرُ الخ اعراب کا یہ جہل، صحبت علماء و عقلاء سے بُعد رکھنے کی بنا پر اشد تھا۔ ذٰلک لقلة سماعهم للقران ومجالستهم للنبی ﷺ فهم اجهل من المنافقین الذین کانوا بحضرة النبی ﷺ (جصاص) عارفوں نے کہا ہے کہ صحبت صالحین سے بعید ہونے سے طریق خیر کے ساتھ مناسبت میں کمی ہو جاتی ہے اور اسی لئے اہل طریق صحبت کا بڑا اہتمام رکھتے ہیں۔ حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ۔ حدود یہاں احکام کے معنی میں ہے۔ اے فرائض ما انزل الله (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اے حدود الدین وما انزل الله من الشرائع والاحکام (کشاف) اے فرائض الشرع (قرطبی) بعض فقہاء نے اعرابی کی امامت جو شہریوں کے لئے ناجائز قرار دی ہے اس کی بنا بھی یہی ہے کہ دیہاتیوں کو مجالست علماء اور سمع احکام کے مواقع کم تر ملتے ہیں۔ ولذٰلک کره اصحابنا امامة الاعرابی فی الصلاة (جصاص) ف۱۷۷ چنانچہ صفت علم کے تقاضہ سے وہ واقف بھی ان تمام امور خفی و جلی پر ہے اور صفت حکمت کے تقاضہ سے سب کو سزا بھی وقتِ مناسب ہی پر دے گا۔ ف۱۷۸ (کہ تمہیں مصائب ناگہانی سے دوچار ہونا پڑے) مَا یُنۡفِقُ۔ یعنی زکوٰۃ، جہاد وغیرہ امور خیر میں جو کچھ خرچ کرتا ہے۔ انفاق کے معنی تو مطلق خرچ کرنے کے ہیں خواہ وہ خرچ کسی نوعیت کا بھی ہو۔ لیکن قرآن مجید نے اسے عموماً موقع مدح ہی پر استعمال کیا ہے اور مطلق انفاق سے مراد کار خیر میں خرچ ہی لی ہے۔ جیسے مطلق قتال بول کر قرآن مجید نے عموماً مراد جہاد فی سبیل اللہ لی ہے۔ برے اور بے جا موقعوں پر خرچ کے لیے قرآن مجید نے عموماً لفظ "اسراف" کا استعمال کیا ہے۔ یَتَّخِذُ۔ مَغۡرَمًا۔ یعنی ایسے موقعوں پر یہ منافقین مسلمانوں کی شرما شرمی خرچ تو کر گزرتے ہیں، لیکن اسے جرمانہ ہی کی رقم کی طرح اپنے لیے گراں سمجھتے ہیں۔ یہ نمونہ ہے اُن کے بُخل کا، محققین نے لکھا ہے کہ مصارف شرعی کو تکلیف و جبر تصور کرنا علاماتِ نفاق میں سے ہے۔ یَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ۔ یعنی مسلمانوں کے حق میں منتظر یہی رہا کرتے ہیں کہ کب یہ زمانہ کی گردش کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ نمونہ ہے اُن کے حسد و عداوتِ اسلام کا، الدَّوَآئِرَ۔ دائرۃ وہ مصیبت ہے جس سے نجات نہ ہو سکے اور جو دائرہ کی طرح انسان کو گھیر لے۔ الدوائر هی المصائب التی لا مخلص منها تحیط به کما تحیط الدائرة (بحر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے کو روپیہ کا مالک سمجھے گا، اُسے خرچ کرنا یقیناً گراں گزرے گا اور جو کوئی مالک اللہ کو سمجھے گا اور اپنے کو محض امین یا متولی، اُسے تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بہت غنیمت معلوم ہوگا۔ ف۱۷۹ جیسا کہ قرآن مجید کا عام اسلوب بیان ہے اس نے منافقوں اور مجرموں والے الفاظ انہی پر الٹ دیئے اور عملاً یہ پیش گوئی لفظ بہ لفظ پوری ہو کر رہی۔ اسلام کی فتح مندیوں میں وسعت ہوتی گئی۔ منافقین کی حسرتیں دل ہی میں رہیں۔ ہر طرح ذلیل و خوار ہوئے۔ آیت سے یہ پہلو بھی نکلتا ہے کہ حاسد و بدبین خود ہی گرفتار بلا ہوتے ہیں۔ ف۱۸۰ چنانچہ وہ منافقین کی گفتگوئے نفاق بھی خوب سن رہا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی چالبازیوں، سازشوں اور منصوبوں سے بھی خوب واقف ہے۔ ف۱۸۱ (سو وہ کیوں نہ ان مومنین صادقین پر رحمت و مغفرت کی بارش کر دے گا) اعرابی سب کے سب منافق نہ تھے۔ بہت سے ان میں سے اچھے مخلص مسلمان بھی تھے، آیت میں ذکر ان کا ہو رہا ہے۔ یَتَّخِذُ مَا...... الرَّسُوۡلِ۔ یعنی ان کا یہ امور خیر میں خرچ نمائشی اور شرما شرمی میں نہیں ہوتا، اخلاص و حسن نیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اِنَّهَا۔ ضمیر ھا خرچ یا نفقہ کی طرف ہے۔ یعنی النفقة (ابن عباس رضی اللہ عنہما) یعنی نفقاتهم (قرطبی) قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰهِ۔ یہ یعنی رضائے الٰہی ان کا اصلی اور آخری مقصود ہو گیا ہے اور صَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ یعنی رسول کی دعائیں اس کا ذریعہ ہیں۔ لا نها غاية القصوٰی وصلوة الرسول من ذرائعها (روح) مَا یُنۡفِقُ۔ یعنی دین کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرۡبَةٌ لَّهُمۡ۔ اعرابی مومنین مخلصین کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ ان کا یہ خرچ کرنا بےکار نہ جائے گا۔ واقعی اس سے قرب الٰہی و مقبولیت حاصل ہو کر رہے گی۔ سَیُدۡخِلُهُمۡ۔ س تاکید و تحقیق وعدہ کے لئے ہے۔ وما فی السین من تحقیق الوعد (کشاف) السین للتحقیق والتاکید (روح) ف۱۸۲ (ساری امت سے، ایمان لانے کے لحاظ سے اور وہ سارے ہی کے سارے مہاجر و انصار ہیں) اَلسّٰبِقُوۡنَ۔ اور اَلۡاَوَّلُوۡنَ۔ دونوں میں ال استغراق و جنس کا ہے۔ اور مِن تبعیض کا نہیں، تبیین کے لئے ہے، اس لئے آیت میں جو مدح آئی ہے، اس کے مصداق سارے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں نہ کہ ان کا کوئی مخصوص طبقہ۔ اَلۡمُهٰجِرِیۡنَ۔ مہاجر وہ مسلمان کہلائے جو اپنا وطن مکہ چھوڑ کر رسول ﷺ کی اطاعت و متابعت کے لئے ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ اَلۡاَنۡصَارِ۔ انصار وہ مسلمان اہل مدینہ کہلائے جنہوں نے مہاجرین مکہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور رسول ﷺ اور دین اسلام کی ہر طرح خدمت و نصرت کی۔ ف۱۸۳ (اور اس میں امت کے سارے طبقات قیامت تک کے لئے آ گئے) اِتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ۔ باحسان کی قید بہت قابل غور ہے۔ مہاجرین ہوں یا انصار، صحابہ کرام کوئی سی بھی قسم ہو، بہرحال یہ حضرات معصوم نہ تھے۔ عصمت صرف خاصۂ نبوت ہے۔ اس لئے حکم ان حضرات کے اتباع مطلق کا نہیں۔ بلکہ قید یہ لگی ہوئی ہے کہ "نیک کرداری میں ان کا اتباع کیا جائے۔" باحسان اے ما یتبعون فیه من افعالهم واقوالهم لا فی ما صدر عنهم من الهفوات والزلات اذلم یکونوا معصومین (قرطبی) وهوان یقتدوا بهم فی الاعمال الحسنة ولا یقتدوا بهم فی غیر ذٰلک (کبیر۔ عن محمد بن کعب القرظی) محققین اہل سنت نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ اصحاب نبی ﷺ مقتدایان امت ہیں اور تمام صالحین ان کے تابع۔ انہی محققین نے ایک نکتہ اور بھی پیدا کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ باہمی مشاجرات صحابہ کی جو روایتیں ہم تک پہنچی ہیں۔ ان سے ہمارے لئے یہ روا نہیں ہو جاتا کہ ایک کے اتباع

کے زور میں ہم دوسرے کی عیب جوئی کرنے لگیں، پس امیر المومنین حضرت علی ؓ تو خیر اجل اصحاب نبی اور خلفائے راشدین میں ہیں، امیر معاویہ جو یہ مرتبہ نہیں رکھتے وہ بھی بہرحال صحابی ہیں۔ ان تک کے
میں زبانِ طعن کھولنا درست نہیں۔ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ۔ فقہاء نے اس سے یہ بھی نکالا ہے کہ سابق کو متاخر پر فضیلت ہے اس لئے کہ پہلا شخص نیکی کا داعی ہوتا ہے اور دوسرا اس کا تابع ومقلد، اور سابق کو دہرا اجر ملتا
ہے۔ فیہ الدلالۃ علی تفضیل السابق الی الخیر علی التالی لانہ داع الیہ بسبقہ والتالی تابع لہ فھو امامٌ لہ ولہ مثل اجرہ (جصاص) و۱۸۴ (اللہ کی طرف سے رضا تو یہ کہ اس نے ان
سب کا ایمان مقبول فرمایا اور سب کو صلہ وجزا سے سرفراز کیا اور بندوں کی طرف سے رضا یہ کہ انہوں نے دل سے طاعت واطاعت اختیار کی) رضا العبد عن اللہ ان لا یکرہ ما یجری بہ قضائہ ورضا اللہ
عن العبد ھو ان یراہ مؤتمرًا لامرہ ومنتھیًا عن نھیہ (راغب) بہرحال آیت نے مہاجرین سابقین اور ان کے تابعین سب کی مدح صاف صاف کردی بشرطیکہ اتباع نیک کرداری میں پورا پورا ہو بھی۔ یبین
ان منھم السابقین الی الھجرۃ وان منھم التابعین واثنی علیھم (قرطبی) دلت علی ان من اتبعھم انما یستحقون الرضوان والثواب بشرط کونھم متبعین لھم باحسان (کبیر)
رَضُوْا عَنْهُ۔ کے تحت میں عارفین ومشائخ طریق نے بندہ کی رضامندی کے تین طبقہ قرار دیئے ہیں:۔ (۱) دل مانے یا نہ مانے مگر اتباع احکام لازم ومقدم جانے۔ یہ مبتدی صاحب تقویٰ کا مقام ہے۔ (۲)
تقدیر الٰہی اور احکام حضرتِ حق ایسے بامزہ ومحبوب ہو جائیں کہ نفسانی خواہشوں کی طرف التفات ہی نہ ہو۔ یہ متوسطین کا طبقہ ہے جن کا مقام لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ ہوتا ہے۔ (۳) کمال توحید وعرفان میں ایسا مستغرق ہو کہ یہ تمام کائنات ذاتی وصفاتی عین فعل وامر حضرت حق ہی دکھائی دے اسباب کا حجاب اور وسائط ووسائل کا دخل ہی نہ رہ جائے۔ یہ مقام کاملین کا ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ امام غزالی علیہ رحمۃ اللہ کا قول ہے مقام رضا سے فائق وافضل کوئی مقام نہیں۔ و۱۸۵ خوب خیال رہے کہ قرآن مجید نے بار بار اور صریح الفاظ میں، تکرار اور تصریح دونوں کے ساتھ اصلی وحقیقی کامیابی اخروی ہی کامیابی کو قرار دیا ہے نہ کہ دنیا کے کسی انعام کو۔۔۔۔۔ مسلمان کا مطمحِ مقصود فلاحِ آخرت ہے نہ کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا اعزاز یا مرتبہ۔ و۱۸۶ (اور اسے حد کمال تک پہنچا دیا ہے) ای اقاموا علیہ ولم یتوبوا (ابن جریر۔ عن ابن زید) ای ثبتوا واستمروا فیہ ولم یتوبوا عنہ (کبیر) ای تمھروا فیہ (کشاف) وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ۔ "تمہارے گردوپیش" یعنی تمہارے شہر کے گردوپیش، یعنی حول بلدتکم وھی المدینۃ (کشاف۔ مدارک) و۱۸۷ لَا تَعْلَمُهُمْ۔ یعنی ان کا نفاق اس حد کمال کو پہنچا ہوا ہے، اس قدر مخفی ہے کہ آپ کو بھی، باایں فطانت وذکاوت وکمال باخبری، ان کے منافق ہونے کا علم نہیں۔ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کی صریح نفی موجود ہے۔ جس کا دعوی ہمارے زمانہ کے بعض عالم نما جاہلوں نے کیا ہے۔ ووردت الآیۃ فی نفی علم الغیب عن رسول اللہ ﷺ صریحاً (تھانوی) کشف کے مدعیوں کو بھی آیت سے سبق لینا چاہیے۔ لا ینبغی الاقدام علی دعوی الامور الخفیۃ من اعمال القلب ونحوھا (روح) یہ اور اسی قسم کی متعدد آیات قرآنی اس شخص کے خیال کی تردید میں ہیں جو صفائے قلب واشراقیت وغیرہ کی بنا پر کشف صدور واطلاع غیوب کا دعوی کرنے لگتا ہے اور یہ مرض علامہ محمود آلوسی تیرھویں صدی میں لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں سفہاء کے اندر شدت سے پھیلا ہوا ہے۔ وھذہ الأیات ونحوھا اقوی دلیل فی الرد علی من یزعم الکشف والاطلاع علی المغیبات بمجرد صفاء القلب وتجرد النفس عن الشواغل وبعضھم یتساھلون فی ھذا الباب جداً (روح) امام ابن جریر نے آیت کے ذیل میں قتادہ تابعی (۶۱ھ تا ۱۱۶ھ) کا طویل قول نقل کیا ہے کہ ہمارے زمانہ میں بعض لوگوں کی جسارتیں کیسی بڑھ گئی ہیں کہ فلاں کے جنتی اور فلاں کے جہنمی ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں حالانکہ غیب کی خبر انبیاء علیہم السلام بھی نہیں دے سکتے تھے۔ اور پھر کئی آیات قرآنی نقل کی ہیں۔ قتادہ بھی پہلی صدی کے آخر اور دوسری صدی کے اول کے آدمی تھے، علامہ ابن حیان غرناطی (۶۵۴ تا ۷۵۴ھ) ان کا یہ قول نقل کرکے کہتے ہیں کہ یہ حال اس زمانہ کا ہے جو عہد
صحابہ سے اس قدر متصل تھا اور کثرت خیر کے لئے ممتاز تھا لیکن شیاطین انس کے وجود سے وہ بھی خالی نہ رہا تو اب ہماری آٹھویں صدی ہجری کا کیا حال بیان کیا جائے جب بہت سے مدعیان تصوف کی زبان ایسے ہی
دعووں پر کھل گئی ہے، یہ لوگ نہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نہ سنت رسول ﷺ کی طرف اور غیب دانی کے خرافات پر اتنے دلیر ہیں! (بحر)۔۔۔۔۔۔ یہ حال جب آٹھویں صدی کا تھا تو چودھویں صدی ہجری کا
غریب رہنے والا اپنے وقت کا حال بیان کرنے کے لئے الفاظ کہاں سے لائے! اور یہیں سے اکابر علماء سنت نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی پر قطعی طور پر جنتی یا دوزخی ہونے کا حکم لگا دینا درست نہیں۔ ھذا یمنع ان یحکم
علی احد بجنۃ اونارٍ (قرطبی) نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔ یہیں سے ظاہر ہے کہ کسی انسان پر جنتی یا جہنمی ہونے کا قطعی حکم کوئی انسان نہیں لگا سکتا یہ صرف علم خداوندی کا خاصا ہے۔ وھٰذا یمنع ان یحکم علی احد
بجنۃ او نار (قرطبی) سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ۔ (یہ دوہری سزا قبل آخرت ہوگی۔ ایک سزا نفاق کی، دوسری سزا کمال نفاق کی) لعل تکریر عذابھم لما فیہ من الکفر المشفوع بالنفاق او النفاق المؤکد
بالتمرد فیہ (روح) ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ۔ یہ عذاب عظیم ظاہر ہے کہ عذاب آخرت ہے۔ دو عذاب اس کے قبل کے۔ جس پر لفظ ثُمَّ۔ دلالت کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ ان میں سے ایک سزا اسی دنیا کی ہو،
اور دوسرا عذاب قبر ہو۔ قبل آخرت کے عموم میں، دنیا اور برزخ دونوں داخل ہیں۔ احدھما فی الدنیا والأخری فی القبر (ابن جریر) ای عذاب الدنیا وعذاب القبر (قرطبی۔ عن الحسن۔ وقتادہ)

اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ
راضی ہوا اور وہ (سب) اس سے راضی ہوئے، و۱۸۴ اور اس نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں

تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ
کہ ان کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی ان میں یہ ہمیشہ رہیں گے یہی

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ
بڑی کامیابی ہے و۱۸۵ اور کچھ تمہارے گردوپیش والے دیہاتیوں میں سے

مُنٰفِقُوْنَ ڔ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ڀ مَرَدُوْا عَلَى
اور کچھ مدینہ والوں میں سے (ایسے) منافق ہیں (کہ) نفاق میں اڑ گئے ہیں و۱۸۶

النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ
آپ (بھی) انہیں نہیں جانتے، ہم ہی انہیں جانتے ہیں ہم انہیں

مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ج
دہری سزا دیں گے پھر وہ عذاب عظیم کی طرف بھیجے جائیں گے و۱۸۷

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا
اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا انہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے

صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ
(کچھ) بھلے اور کچھ و۱۸۸ برے، توقع ہے کہ اللہ ان پر توجہ

عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ
کرے بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے و۱۸۹ آپ ان کے

اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا
مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے، اس کے ذریعہ سے آپ انہیں پاک صاف کردیں گے و۱۹۰

اکثر الناس علی ان عذاب الثانی هو عذاب القبر (بحر) هما القتل وعذاب القبر اوالفضیحة وعذاب القبر (مدارک) و۱۸۸ غزوۂ تبوک میں ساتھ نہ جانے والوں میں علاوہ منافقین کے کچھ مومنین بھی تھے جو محض کاہلی کی بنا پر پیچھے رہ گئے تھے۔ اب یہاں سے بیان ان کا شروع ہو رہا ہے۔ ان میں بھی کچھ ایسے تھے جنہیں ندامت اس درجہ قوی تھی کہ انہوں نے جب آپ کی واپسی کی خبر سنی تو اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا کہ آپ کھولیں تو خیر ورنہ یوں ہی ختم ہو جائیں گے۔ پہلے ذکر اسی قسم کے نادمین تائبین کا شروع ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن میں گناہ کا ملکہ راسخ نہ تھا بلکہ نور استعداد پوری طرح باقی تھا۔ عَمَلًا صَالِحًا۔ مثلاً سابق کے غزوات میں شرکت یا خود اسی موقع پر یہ احساس ندامت۔ اٰخَرَ سَیِّئًا۔ جیسے بلا عذر معقول اسی غزوہ میں پیچھے رہ جانا۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاد عام حالت میں صرف فرض کفایہ ہے اس لئے اگر کچھ لوگ نہ شریک ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن جب امام المسلمین (چہ جائیکہ رسول اللہ) حکم عام دے دیں تو اب فرض عین ہو جائے گا اور یہی صورت یہاں تھی۔ وَاٰخَرَ۔ میں و علاوہ عطف وجمع کے بائے الصاق کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ قالوا وبمعنی الباء لان الواو للجمع والباء للالصاق (مدارک) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ لوگ تھے جو نفس لوامہ کے مرتبہ میں تھے۔ جو کبھی نفس مطمئنہ کا منقاد ہو کر اعمال صالح کرنے لگتا اور کبھی اس سے بھاگنے لگتا ہے۔ و۱۸۹ چنانچہ اسی شان غفر ورحمت کے تقاضہ سے ان لوگوں کا قصور معاف ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آ کر ان کے ہاتھ ستونوں سے کھول

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ

اور آپ ان کے لئے دعا کیجیے بلا شبہ آپ کی دعا ان کے حق میں (باعث) تسکین ہے، اور اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ

خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے و۱۹۱ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول

التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ

کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول کرتا ہے اور وہ

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ

بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحمت والا ہے و۱۹۲ اور آپ کہہ دیجیے کہ عمل کئے جاؤ، سو تمہارے عمل کو

عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى

اللہ اور اس کا رسول اور مومنین ابھی دیکھے لیتے ہیں اور تمہیں ضرور ہی غیب وشہادۃ کے

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

جاننے والے کے پاس واپس جانا ہے تو وہ تم کو بتلا دے گا کہ تم اب تک کیا کرتے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا

رہے ہو، و۱۹۳ اور کچھ اور لوگ (بھی) ہیں (ان کا معاملہ) اللہ کا حکم آنے تک ملتوی خواہ

يُعَذِّبُهُمْ وَ اِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ

وہ انہیں سزا دے اور خواہ وہ ان کی توبہ قبول کرے و۱۹۴ اور اللہ بڑا علم والا ہے

حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا

بڑا حکمت والا ہے و۱۹۵ اور ان میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے ایک مسجد ضرر پہنچانے کو بنائی ہے

وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا

اور کفر کی غرض سے اور مومنوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی غرض سے اور اسی غرض کے لئے جو اس

دیجے۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ۔ یعنی توجہ رحمت کے ساتھ کرے اور ان کی توبہ قبول کرے۔ عسیٰ جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے جب اللہ کی طرف سے آتا ہے تو شک کیلئے نہیں بلکہ یقین دلانے کے لئے آتا ہے۔ قال الحسن عسیٰ من اللہ واجب (جصاص) آیت سے محققین نے یہ نکالا ہے کہ گنہگار کے لئے توبہ سے یاس جائز ہی نہیں۔ اور امید قبول وعفو کی برابر اس وقت تک قائم ہے جب تک بندہ بدی کے ساتھ نیکی کی آمیزش بھی کچھ کئے جاتا ہے۔ فی هذه الاٰية دلالة علی ان المذنب لا یجوز له الیاس من التوبة وانما یعرض ما دام یعمل مع الشر خیر (جصاص) و۱۹۰ (ہر ظلمت وکدورت سے) "جب توبہ سے گناہ معاف ہو گیا تو صدقہ کے آلۂ تطہیر وتزکیہ کے کیا معنی۔ سو وجہ اس کی یہ ہے کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے لیکن گاہے اس کی ظلمت وکدورت کا اثر باقی رہ جاتا ہے اور گو اس پر مواخذہ نہیں لیکن اس سے آئندہ اور گناہوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ پس صدقہ سے خصوصاً بوجہ حدیث الصدقة تطفی غضب الرب اور دیگر اعمال صالحہ سے یہ ظلمت وکدورت عموماً مندفع ہو جاتی ہے۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) تُطَهِّرُ وَ تُزَكِّيْ۔ کو صدقہ کی صفت بھی سمجھا گیا ہے، اور حال بھی قرار دیا گیا ہے۔ لیکن بہترین ترکیب یہ ہے کہ ضمیرین مخاطب یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سمجھی جائیں۔ والاجود ان تکون المخاطبة للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ای فانک تطهر وتزکیهم بها (قرطبی۔ عن الزجاج) گناہوں سے صفائی تو تطہیر میں خود ہی آ گئی، اب اس کے بعد تزکیہ لانا معنی میں مزید ترقی کے لئے ہے۔ التزکیة مبالغة فی التطهیر وزیادة فیه (کشاف، مدارک) تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انفاق مال سے خواہشیں ضعیف ہوتی ہیں اور قوائے نفس منکسر ہوتے ہیں اور مادۂ شہوات کی اصلاح ہوتی ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً۔ یہ حضرات بندش سے رہائی پانے کے بعد فرط اخلاص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ مال لے کر آئے اور درخواست کی کہ اس کو اللہ کی راہ میں صرف کیا جائے۔ خُذْ۔ امر وجوبی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ امام کو قبول صدقات میں توقف وتردد جائز نہیں، صدقہ سے یہاں مراد زکوۃ فرض ہے یا کفارۂ گناہ والا صدقہ؟ قول دونوں ہی نقل ہوئے ہیں۔ لیکن ترجیح دوسرے قول کو ہے۔ لیس المراد الصدقة الواجبة و انما هی صدقة کفارة الذنب الذی صدر منهم (کبیر۔ عن الحسن) روی عن الحسن انها لیست بالزکوة المفروضة و انما هی کفارة الذنوب التی اصابوها (جصاص) خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً۔ صدقہ وصول کرنے کا یہ حکم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مل رہا ہے، اس سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ تقسیم صدقات امام مسلمین کا حق ہے، اس لئے کسی شخص کا بطور خود صدقہ ادا کر دینا جائز نہیں کہ اس سے حق امام کا اتلاف لازم آتا ہے۔ یدل علی ان اخذ الصدقات الی الامام وانه متی اداها من وجبت علیه الی المساکین لم یجزه لان حق الامام قائم فی اخذها فلا سبیل له الی اسقاطه (جصاص) و۱۹۱ سو اس نے ان کے توبہ واستغفار کو اور ان کے الفاظ اعتراف کو خوب سن بھی لیا اور ان کے احساس ندامت کو خوب جان بھی لیا۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ۔ علماء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ صدقہ جس کو دیا جائے وہ اور امام جس کی خدمت میں صدقہ تقسیم کے لئے پیش کیا جائے ان دونوں کے لئے صدقہ دینے والے کو دعا دینا مستحب ہے بلکہ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ امام جو اپنے لئے صدقہ نہیں لیتا بلکہ تقسیم صدقات کا صرف امین ومنتظم ہے جب وہ دعائے خیر پر مامور ہوا تو مسکین ومحتاج تو بدرجہ اولیٰ دعائے خیر وادائے شکر پر مامور ہوگا مشائخ صوفیہ نے اور ترقی کر کے بعد فراغ ضیافت صاحب ضیافت کے حق میں دعائے خیر وبرکت اختیار کی ہے اور مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت سے امداد ہمت اور افاضہ انوار صحبت کا حکم نکل رہا ہے۔ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ اس میں اثبات ہے ان اشخاص کے کمال اخلاص کا۔ فقہاء صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت سے بہ قاعدۂ عبارۃ النص ظاہر ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے تزکیۂ اخلاق وتصفیہ قلوب اور عطائے مقام تسکین ورضا پر مامور تھے اور بہ قاعدہ اشارۃ النص یہ کہ بزرگوں کی خدمت بہ غرض حصول دعائے خیر کرنی چاہیے۔ یہ بھی کہا ہے کہ رسول کی دعا امت کے حق میں، امام کی رعایا کے حق میں، مشائخ کی شاگردوں اور مریدوں کے حق میں اور بڑوں کی چھوٹوں کے

حق میں وعدۂ قبول رکھتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے متعدد مسائل صوفیہ کا اثبات ہوتا ہے، مثلاً اعتراف ذنوب کی فضیلت، معترف کا قبولِ عذر، بعض اعمال (مثلاً صدقہ) کی برکات، شیخ کی برکات (جیسا کہ تزکیہ کو آپ کی طرف منسوب کیا گیا) وقس علی ہذا۔ و۱۹۲ (چنانچہ اس تواب نے ان گنہگاروں کی توبہ قبول کرلی اور اس رحیم نے ان لوگوں کا مال قبول کرنے اور ان کے حق میں دعا کرنے کا حکم دے دیا) یَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ۔ اخذ یہاں لفظی معنی میں نہیں بلکہ قبول کرلینے کے مفہوم میں ہے۔ الاخذھنا استعارۃ للقبول (روح) اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ۔ یہاں پر زور دے کر بتایا ہے کہ توبہ قبول کرنے کا تعلق تو خدائے تواب رحیم سے ہے نہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ ای ان ذٰلک لیس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما اللہ ھو الذی یقبل التوبۃ (مدارک) ھذا نص صریح فی ان اللہ تعالیٰ ھو الاٰخذ لھا والمثیب علیھا وان الحق لہ عزوجل والنبی صلی اللہ علیہ وسلم واسطۃ (قرطبی) الفائدۃ الثانیۃ فی ھٰذا التخصیص ھو ان قبول التوبۃ لیس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما الی اللہ الذی ھو یقبل التوبۃ تارۃً ویردھا اخرٰی فاقصدوا اللہ بھا ووجھوھا الیہ (کبیر) عن عبادۃ۔ فعل قبول کا صلہ عن کے ساتھ آیا ہے تو تجاوز عن الذنوب کے مفہوم کے لئے۔ تعدیۃ بعن لتضمن معنی التجاوز (بیضاوی) ای یقبل ذٰلک متجاوزًا عن ذنوبھم التی تابوا عنھا (روح) و۱۹۳ نفاق قلب اور ضعف ایمان کا علاج اس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں کہ آخرت وجزائے اعمال کا استحضار پوری پوری طرح رہے اور قرآن مجید ہر ایسے موقع پر اسی علاج سے کام لیتا ہے۔ فَسَیَرَی اللّٰهُ عَمَلَكُمْ۔ س عنقریب یا ابھی کے معنی میں ہے۔ مراد یہ ہے کہ اسی دنیا میں تمہارے اعمال سے تمہارے اخلاص یا نفاق کا امتحان ہو جائے گا۔ اِعْمَلُوْا۔ اس صیغۂ جمع کے مخاطب کل لوگ ہیں۔ خطاب للجمیع (قرطبی) و۱۹۴ (شرائط قبول توبہ کے نہ موجود اور موجود ہونے کی بنا پر۔ عدم اخلاص واخلاص کی بنا پر) ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۸۸۔ اب بیان مومنین کے ایک دوسرے طبقے کا ہو رہا ہے۔ یہ لوگ بھی کاہلی اور سہل انگاری ہی کی بنا پر غزوۂ تبوک میں شرکت سے محروم رہ گئے تھے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پر نہ تو ایک طرف منافقین کی طرح کچھ عذرات تراشے، لیکن دوسری طرف تائبین صادقین کی طرح یہ بھی نہ کیا کہ اپنے کو ستون سے باندھ دیتے یا کوئی اور سزا اپنے کو دینے لگتے، انہوں نے خدمت اقدس میں حاضری دے کر محض سیدھی اور سچی بات عرض کر دی، انہیں جواب ملا کہ وحی الٰہی کا انتظار کرو، جیسا بھی حکم تمہارے باب میں نازل ہو۔ ان لوگوں کا اپنی کوتاہی پر نادم ہونا تو ظاہر ہی ہے، لیکن آیت سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ قبول توبہ کے لئے محض ندامت کافی نہیں جب تک کہ امکانی تدارک کا بھی سامان نہ ہو، ذٰلک یدل علی ان الندم وحدہٗ لا یکون کافیاً فی صحۃ التوبۃ (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرید کے معاملہ کو بعض اوقات خوف وامید کے درمیان معلق ہی چھوڑ دینا قرین مصلحت ہوتا ہے اس کے عذر کو نہ صریحاً قبول کیا جاتا ہے کہ اس سے نصیحت کا اثر ضعیف ہو جاتا ہے اور نہ صریحاً رد کیا جاتا ہے کہ اس سے پہلے توحش پھر مایوسی پھر بُعد پیدا ہو جاتا ہے اور یہ سب اس کے لئے مضر ہیں۔ کچھ روز تک معلق رہنے میں اسی کی بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ اِمَّا۔ کلمۂ تردد ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ تردد حق تعالیٰ کی طرف سے نہیں، وہاں تو ہر فیصلہ قطعی ہے، لفظ کا استعمال محاورۂ انسانی کے مطابق ہے اور بندوں کو یہ تعلیم ملی ہے کہ وہ صرف حالت امید میں رہیں۔ واللہ عالم بمصیر الاشیاء ولٰکن المخاطبۃ للعباد علی ما یعرفون ای لیکن امرھم عندکم علی الرجاء لانہ لیس للعباد اکثر من ھٰذا (قرطبی) و۱۹۵ چنانچہ وہ سب کے اخلاص، درجۂ اخلاص وعدم اخلاص سے بھی خوب واقف ہے اور جیسا بھی مقتضاء حکمت ہو، وہ بلا توبہ یا بعد توبہ معاف بھی کرتا رہتا ہے۔ و۱۹۶ مومنین کا تذکرہ یہاں روک کر اب ذکر پھر منافقین کا شروع ہو گیا۔ الذین کی تقدیر کلام ومنھم الذین ہے اور جملہ کا عطف جملۂ سابق پر ہے۔ ای ومنھم الذین اتخذوا (کبیر) ای ومنھم الذین (روح) عطف جملۃ علی جملۃ (قرطبی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو پہلے مضافات شہر کی آبادی محلۂ قبا میں قیام فرمایا۔ اور وہیں ایک جگہ نماز کے لئے مقرر کر لی۔ پھر جب آپ شہر میں آ گئے تو مومنین مخلصین نے محلۂ قبا میں آپ کی نماز پڑھنے کی جگہ پر ایک مسجد تعمیر کر لی۔ اور وہیں نماز باجماعت ہونے لگی۔ اب منافقین نے سازش کر کے ایک دوسری جگہ سوچی کہ یہاں مسجد کی شکل کی ایک عمارت تیار ہو جائے تو اس میں بیٹھ کر خوب اسلام کے خلاف کمیٹیاں، جلسہ اور منصوبہ بازیاں ہوا کریں۔ مسجد ضرار اس کا نام اسی لئے مشہور ہوا کہ اس کا مقصد ہی مسلمانوں کو ضرر پہنچانا تھا۔ ضِرَارًا۔ یعنی مقاصد اسلام ومسلمین کو ضرر پہنچانے کو۔ كُفْرًا۔ یعنی عداوتِ رسول کا چرچا کرنے کو۔ تَفْرِیْقًۢا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ جب ایک مسجد خاص شہر میں بن جاتی تو اہل شہر کی ایک جماعت تو شہر سے باہر جانے کے بجائے وہاں ضرور ہی آ جاتی۔ انما کان مرادھم التفریق بین المومنین وان یتحزبوا فیصلی حزب فی المسجد و حزب فی مسجد اٰخر لتختلف الکلمۃ و تبطل الالفۃ والحال الجامعۃ وارادوا بہ ایضاً لیکفروا فیہ بالطعن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والاسلام (جصاص) اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ اشارہ ہے ایک مسیحی راہب ابو عامر کی جانب۔ منافقین میں طے ہو گیا تھا کہ اب وہ جب مدینہ آیا کرے گا تو اس کو اسی میں ٹھیرایا کریں گے۔ یہ راہب اسلام کا شدید دشمن تھا۔ ہرقل مسیحی شہنشاہ روم سے دوستی کا مدعی تھا۔ کہتا تھا وہاں سے باقاعدہ فوج لا کر اسلام کو نیست ونابود کر دوں گا۔ قال ابن عباس ومجاھد ارادبہ اباعامر الفاسق وکان شدید العداوۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم عناداً وحسداً لذھاب ریاستہ التی کانت فی الاوس قبل ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ فقال للمنافقین سیاتی قیصر واٰتیکم بجند فاخرج بہ محمداً واصحابہ (جصاص) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے کمال

لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَیَحْلِفُنَّ

کے قبل اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکا ہے اسے ایک کمین گاہ مل جائے و۱۹۶ اور یہ لوگ قسم کھا جائیں گے

اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰی ؕ وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ

کہ ہماری غرض بجز بھلائی کے کچھ نہیں و۱۹۷ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ

(بالکل) جھوٹے ہیں، آپ اس میں کبھی بھی نہ کھڑے ہوں و۱۹۸ (البتہ جس) مسجد کی بنیاد

عَلَى التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ ؕ

تقویٰ پر اول روز سے پڑی ہے وہ (واقعی) اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں و۱۹۹

فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ

اس میں (ایسے) آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو

الْمُطَّهِّرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی تَقْوٰی

پسند کرتا ہے و۲۰۰ سو آیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقویٰ

مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ

اور رضا مندی پر رکھی وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد

عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ

کسی گھاٹی کے کنارہ پر رکھی جو گرنے ہی کو ہے و۲۰۱ پھر وہ (عمارت) اس کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑی

وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا یَزَالُ

اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا و۲۰۲ ہمیشہ ان کی

بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ

یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی سوا اس کے کہ

عت اس شخص کے فعل کی معلوم ہوئی جو دین کو اپنی غرض فاسد کا آلہ بنائے۔ فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ فعل پر حسن وقبح کا حکم ارادۂ فاعل کے لحاظ سے لگایا جائے گا۔ انه دلت هذه الأية على ترتيب
عل في الحسن او القبح بالارادة (جصاص) و۱۹۷ منافقین کا دعویٰ یہ تھا کہ ہمیں تو امت اسلامیہ کی عین آسائش اور اس کے لئے مزید گنجائش ہی مقصود ہے، بجائے ایک کے دو مسجدیں ہو گئیں، قریب
وں کو کتنی آسانی ہوگئی۔ وقس علی ہذا......آہ، کہ آج بھی کتنے الا الحسنى کہنے والے اسی طرح مسلمانوں کے ایمان پر چھاپے مار رہے ہیں! و۱۹۸ (نماز کے لیے) اے لا تقم فيه للصلاة (قرطبی) یہ مسجد
رار تو صرف صورۃً مسجد تھی ورنہ حقیقۃً تو عداوت اسلام کے لیے ایک کمین گاہ تھی جیسے کہ ابھی قرآن مجید تصریح کر چکا ہے۔ فقہاء نے اس سے یہ نکالا ہے کہ ہر ایسی مسجد جس کی بنیاد معصیت اور مخالفت مومنین پر ہو
رادینے کے قابل ہے۔ فيه الدلالة على ان المسجد المبنى لضرار المومنين والمعاصى لا يجوز القيام فيه و انه يجب هدمه (جصاص) بعض نے لا تقم سے مجاز مراد لی ہے۔ یعنی کسی قسم کا
فات و نصرت اس عمارت اور اس کے بانیوں کی جانب نہ کریں۔ اے لا تنصره و لا تلتفت اليه ولا تكن معهم (جصاص) محض نام یا نیت جبکہ حقیقت سے خالی ہو ہرگز کسی حکم شرعی پر مؤثر نہیں ہو سکتا،
انچہ نام اس عمارت کا بھی مسجد ہی تھا تاہم چونکہ حقیقت مسجدی سے بالکل خالی تھی اس لیے قابل توقیر و احترام تو کیا سمجھی جاتی اُلٹے گرادیئے جانے اور جلادیئے جانے کے قابل سمجھی گئی۔ چنانچہ احادیث میں یہ تصریح

تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع إِنَّ اللّٰهَ

ان کے دل ہی فنا ہو جائیں و۲۰۳ اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے و۲۰۴ بلاشبہ اللہ نے

اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ

مومنین سے خرید لیا ہے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس کے عوض میں کہ انہیں

لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ

جنت ملے گی یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں سو (کبھی) مار ڈالتے ہیں

وَ يُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ

اور (کبھی) وہ مار ڈالے جاتے ہیں و۲۰۵ اس پر (ہماری طرف سے) سچا وعدہ ہے توریت

وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ؕ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ

اور انجیل اور قرآن میں و۲۰۶ اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے عہد کا پورا کرنے

اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ

والا ہے؟ سو تم خوشی مناؤ اپنی بیع پر جس کا تم نے سودا کیا ہے

وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ

اور یہی بڑی کامیابی ہے و۲۰۷ (وہ مجاہدین) توبہ کرتے رہنے والے ہیں، عبادت کرتے رہنے والے ہیں،

الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ

حمد کرتے رہنے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں رکوع کرتے رہنے والے ہیں، سجدہ کرتے رہنے والے ہیں،

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

نیک باتوں کا حکم کرتے رہنے والے ہیں اور بری باتوں سے روکتے رہنے والے ہیں

وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے ہیں، اور مومنین کو خوشخبری سنا دیجیے و۲۰۸

تا ہے کہ آپ نے صحابہ کو بھیج کر اُسے منہدم کرادیا اور اس میں آگ لگوادی......اور
ں حکم ہر خلاف شریعت رسم کا ہے، خواہ اس کا انتساب اچھی کسی ولی یا کسی نبی کی جانب
۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں دلیل ہے کہ امر مکروہ شرعی کے لیے سبب
نے سے بھی تحرز ضروری ہے۔ و۱۹۹ (اور نماز پڑھا کریں) لَمَسْجِدٌ الخ یعنی
جد قبا۔ لام ابتداء کا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لِ قسم کا ہے۔ اللام لام الابتداء
عالم) و قيل لام القسم تقديره والله مسجد أسس (معالم) اَحَقُّ اَنْ
تَقُوْمَ فِيْهِ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسی عمارت سے جس کی بنیاد تقویٰ پر
صفائے وقت و طیب حال و ذوق وجدان کا اثر پیدا ہوتا ہے برخلاف اس کے
خلاف تقویٰ پر مبنی ہوگی اُس میں کدورت اور تفرقہ اور قبض کا اثر نفس میں پیدا ہوتا
ہے۔ "مسجد ضرار" کے لیے منافقین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ غزوۂ
وک سے واپسی پر آپ ایک بار یہاں نماز پڑھ لیں تو بڑی برکت حاصل ہو جائے
س کا جواب اُوپر مل چکا اور مسجد قبا کے لیے یہ مدح بلا درخواست ارشاد ہوگئی۔ فقہاء
نے آیت سے متعدد مسئلے نکالے ہیں۔ مثلاً یہ کہ بعض عمارتیں نماز کے لیے دوسری
ارتوں سے افضل ہوتی ہیں اور بعض میں نماز پڑھنا ممنوع ہوتا ہے هذا يدل على
ن بعض الاماكن قد يكون اولى بفعل الصلوٰة من بعض و ان الصلوٰة
د تكون منهية عنها في بعضها ويدل على فضيلة الصلوٰة في
مسجد بحسب ما بنى عليه في الاصل (جصاص) و۲۰۰ (پس مسجد قبا
لے تو عین مقام محبوبیت پر ٹھیرے) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اہل مسجد کی
ضیلت خود مسجد کی اور اُس میں نماز کی فضیلت کی دلیل ہے۔ فيه الدلالة على ان
ضيلة اهل المسجد فضيلة للمسجد و اللصلاة فيها (جصاص) بعض
دیثوں میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے تو یہ ارشاد
وی صلی اللہ علیہ وسلم اس تفسیر قرآنی کے منافی ذرا بھی نہیں۔ مسجد قبا کا مدلول ہونا تو بہ عبارت
ص ہے اور مسجد نبوی کا مدلول ہونا بدلالۃ النص ہے یعنی جب صحابۂ متقین کے بانی
ونے سے مسجد قبا، اتنی مقبول ٹھیری تو مسجد نبوی کے بانی امام المتقین خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم
رورِ عالم تھے وہ ظاہر ہے کہ اس کی مصداق بدرجۂ اولیٰ ہوگی۔ فقہاء مفسرین نے
یت کے عموم الفاظ سے یہ مطلب نکالا ہے کہ ہر وہ مسجد جو جائز طور پر بنائی جائے اور
ر وہ نمازی جو طہارت کو لازم و محبوب بنائے، اس خطاب کے تحت میں شامل ہیں اس
لیے کہ حکم وصف پر لگایا گیا ہے نہ کہ ذات پر......اور رجال سے بھی مرد ہی مخصوص
ہیں، مرد عورت سب اس حکم میں داخل ہیں۔ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ
يَّتَطَهَّرُوْا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اشارہ ہے کہ صالحین کی صحبت
کو بھی اثر عظیم ہے (جیسا کہ اس مسجد میں قیام کی ترجیح کی علت کے موقع میں اس کو
رمادیا گیا) غرض یہ کہ حصول جمعیت میں مکان اور اخوان کی رعایت ضروری ہے اور اہل طریق سے منقول ہے کہ اس کے ساتھ زمانہ کی رعایت کو بھی دخل ہے۔ و۲۰۱ مراد اس سے اغراض باطلہ کفریہ ہیں۔ تشبیہ
پائداری بے ثباتی، کمزوری میں دی گئی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ دو عمارتیں ہیں ایک کی بنیاد تقویٰ اور رضائے الٰہی پر ہے اور دوسری کی معصیت و کفر پر۔ پہلی معزز ہے اور باقی رکھنے کے قابل، دوسری ذلیل ہے
ور گرادیئے جانے کے قابل ہے۔ و حاصل الكلام ان احد البنائين قصد بانيه ببنائه تقوى الله و رضوانه و البناء الثاني قصد بانيه ببنائه المعصية والكفر فكان البناء الاول شريفاً
اجب الابقاء و كان الثاني خبيثاً واجب الهدم (كبير) و۲۰۲ یعنی ان کو جو نام دین کا لے کر طرح طرح کے مفسدہ دین ہی میں برپا کرتے رہتے ہیں۔ فانهار به۔ ضمیر بانی عمارت کی طرف ہے جو اس
ں رہا کرتا تھا۔ اے بالباني (معالم) اے المؤسس الباني (بحر) مفسرین کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ بعینہٖ حقیقت کا بیان ہے یعنی وہ مسجد ضرار واقعۃً اسی طرح دوزخ میں گرادی گئی۔ لیکن بہتوں نے
بھی کہا ہے کہ یہ بیان صرف مثال و تشبیہ کے طور پر ہے کہ ہر ایسے کام کا جس کی بنیاد اخلاص پر نہیں بلکہ کفر و نفاق پر ہوتی ہے، خاتمہ جہنم و ہلاکت ہی پر ہوتا ہے۔ قيل هذا ضرب مثل اے من اسس
بنيانه على الاسلام خير ام من اسس بنيانه على الشرك والنفاق و بين ان بناء الكافر كبناء على شفا جرف هار يتهور اهله في جهنم (بحر) واختار غير واحد ان معنى

الأیۃ افمن اسس بنیان دینہ علٰی قاعدۃ محکمۃ ھی التقوٰی و طلب الرضا بالطاعۃ خیر ام من اسس علٰی قاعدۃ ھی اضعف القواعد وارخاھا فادی بہ ذٰلک لخورہٖ و قلۃ استمساکم الی السقوط فی النار (روح) فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ جس کام کی ابتداء اللہ کی رضا جوئی اور اخلاص نیت سے کی جاتی ہے اُسے پائیداری نصیب ہوتی ہے۔ اور اس میں برکت ہوتی ہے۔ فی ھذہ الأیۃ دلیل علی ان کل شئ ابتدئ بنیۃ تقوی اللہ والقصد لوجھہ الکریم فھو الذی یبقی و یسعدبہ صاحبہ و یصعد الی اللہ و یرفع الیہ (قرطبی) ف۲۰۳ (تو البتہ ان دلوں کے فنا ہونے کے ساتھ ہی وہ دل کی حسرتیں بھی ختم ہو جائیں۔ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ یعنی ہمیشہ موجب حسرت وحرمان ہی رہے گی کہ جن اغراض سے بنائی تھی، وہ کوئی بھی پوری نہ ہوئیں اور رسوائی جو ہوئی وہ الگ۔ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ کنایہ ہے دوام حسرت سے۔ یہ مراد نہیں کہ موت وفنا کے بعد انہیں راحت نصیب ہو جائے گی۔ ھذا کنایۃ عن تمکن الریبۃ فی قلوبھم التی ھی محل الادراک و اضمار الشرک بحیث لا یزول منھا ما داموا احیاء (روح) والمقصود ان ھذہ الریبۃ باقیۃ فی قلوبھم ابدًا و یموتون علٰی ھذا النفاق (کبیر) ف۲۰۴ وہ سب کی ایک ایک حالت سے واقف ہے۔ اور ایک ایک سے اُسی کے حال کے مطابق ومناسب معاملہ کرے گا۔ ف۲۰۵ (اور وہ معاملۂ بیع دونوں صورتوں میں قائم رہتا ہے) اصل معاملۂ بیع صرف اس قدر ہے کہ مومنین اپنے جان ومال کو بلا شرط قید وحجت کے اللہ کے حضور میں نذر کر رہے ہیں اور ادھر سے اس نذرانہ کے عوض میں جنت مل رہی ہے۔ یخبر تعالٰی انہ عاوض من عبادہ المومنین عن انفسھم واموالھم اذ بذلوھا فی سبیلہ بالجنۃ (ابن کثیر) جہاد وقتال اسی اصل کی ایک اہم فرع ہے۔ اِشْتَرٰی۔ لفظ اشتراء کا اس موقع پر استعمال غایت شفقت وکرم ہی سے ہے ورنہ کسی بندہ کی جان اور مال اس کی اپنی ملک ہے کب؟ یہ ملک تو تمام تر اللہ تعالٰی ہی کی ہے۔ وہ جو چاہے بلا کسی معاوضہ یا انعام کا سوال درمیان لائے حکم دے دے...... اپنی ہی ملک کو دوسرے سے "خرید کر" لینا اور اس کی قیمت ادا کرنا بجز احسان بے غایت کے اور کیا ہے؟ وھذا من فضلہٖ وکرمہٖ واحسانہٖ فانہ قبل العوض عما یملکہ (ابن کثیر) وھو عوض عظیم لا یدانیہ المعوض ولا یقاس بہٖ فاجرٰی ذٰلک علٰی مجاز مایتعارفونہ فی البیع والشراء فسمی ھذا شراء (قرطبی) روایتوں میں آتا ہے کہ ۱۳ ق ھ ستر شرفاء مدینہ نے مکہ میں آکر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی (اور اس بیعت کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے) اور ان کے ایک لیڈر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ آپ اپنے اور اپنے رب کی طرف سے شرطیں بیان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے رب کی طرف سے تو یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو، اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور میری طرف سے شرط یہ ہے کہ جس طرح اپنے جان ومال کی حفاظت کرتے ہو، میری بھی حفاظت کرو۔ وہ بولے کہ اچھا تو پھر ہمیں کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا۔ "جنۃ"۔ وہ لوگ بول اٹھے ربح البیع لا نقیل ولا نستقیل یہ سودا تو بڑے نفع کا ہوا۔ ہم نہ اس بیع کو توڑیں نہ اس کے توڑنے کی درخواست کریں! تو غرض یہ کہ اصل بیع اسی بذل نفوس واموال کا تھا۔ قتال ومقاتلہ اسی کی فرع ہے۔ اللہ کا یہ وعدہ ظاہر ہے کہ اس خاص واقعہ کے بعد سے امت محمدیؐ کے ایک ایک مجاہد سے قیامت تک کے لئے ہے۔ ثم ھی بعد ذٰلک عامۃ فی کل مجاھدٍ فی سبیل اللہ من امۃ محمد ﷺ الٰی یوم القیامۃ (قرطبی) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ مالک اور غلام کے درمیان معاملت جائز ہے۔ ھذہ الایۃ۔ دلیل علٰی جواز معاملۃ السید مع عبدہ وان کان الکل للسید (قرطبی) فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ۔ اس ٹکڑے نے صاف کر دیا کہ وہ انعام بے بدل یعنی جنت، مقتول ہونے یا شہادت پانے ہی پر منحصر نہیں۔ محض اپنی طرف سے جان پیش کر دینے پر ہے۔ دنیا میں انجام اس کا خواہ کچھ بھی ہو۔ ولم یجعل المعقود علیہ کونھم مقتولین فقط بل کونھم قاتلین ایضاً لاعلاءِ کلمۃ اللہ تعالٰی ونصرۃ دینہ سبحانہ (روح) ف۲۰۶ قرآن تو اس مضمون کی تکرار سے بھرا پڑا ہے۔ اور قرآن کے ساتھ توریت وانجیل کے ناموں کا اضافہ تاکید بیان کے لئے ہے کہ یہ مضمون اتنا اہم ہے کہ سب ہی کتب آسمانی میں درج ہو چکا ہے۔ عَلَيْهِ۔ یعنی اسی بذل نفوس واموال پر، ایثار جان ومال پر۔ وَعْدًا۔ حَقًّا۔ سچا وعدہ جنت کا۔ فِي التَّوْرَاةِ۔ توریت جس کی تحریفات دوست دشمن سب کو مسلم ہیں، اب اس میں اگر کوئی مضمون اس قسم کا نہ ملے، جب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ بھی شاید قرآن ہی کا اعجاز ہے کہ اللہ کی محبت ورضا جوئی کی اہمیت کے مضمون سے موجودہ توریت بھی خالی نہیں:۔ "سن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا اکیلا خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے جی اور اپنے سارے زور سے خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ۔" (استثناء ۶:۴، ۵) اور خداوند تیرا خدا تیرے دل اور تیری نسل کے دل کا ختنہ کرے گا تا کہ تو خداوند اپنے خدا کو اپنے سارے دل اور سارے جی سے دوست رکھے۔" (استثناء ۳۰:۶) وَالْإِنْجِيلِ۔ انجیل تو توریت سے بھی محرف تر اور اس سے کہیں زیادہ مسخ شدہ ہے۔ تاہم یہ خدا کی رضا جوئی کی اہمیت کا مضمون اس سے بھی ابھی تک محو نہیں ہو سکا ہے:۔ "جس کسی نے گھروں، یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا۔" (متی ۱۹:۲۹) ف۲۰۷ یعنی یہی آخرت کا اطمینان اور جنت کا یقین۔ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ۔ استفہامی تاکید وتنبیہ کے طور پر یاد دلا دیا ہے کہ وعدہ کسی اور کا نہیں، جس میں احتمال بھی خلف وعدہ کا ہو۔ وعدہ اس کا ہے جس کے وعدہ میں اس کا امکان ہی نہیں۔ فَاسْتَبْشِرُوا اوپر سے صیغہ غائب چلا آ رہا تھا۔ اب معاً بہ قاعدہ صفت التفات صیغۂ مخاطب شروع ہو گیا۔ جو دلیل ہے مخاطبین کے کمال شرف واکرام کی۔ ہر مومن جب توحید ورسالت کا اقرار کرتا ہے، تو اس خاص بیع کا اقرار بھی ضمناً کسی درجہ میں کر ہی لیتا ہے۔ اور شاید اسی لئے حسن بصری نے قسم کے ساتھ کہا ہے کہ یہ بشارت امت محمدیؐ کے ایک ایک فرد کے لئے ہے۔ وقال الحسن واللہ ما علی الارض مومن الایدخل فی ھذہ البیعۃ (قرطبی) امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دس دس تاکیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں۔ مثلاً لفظ وعداً اور پھر علیہ اور پھر حقاً وغیرہا۔ ف۲۰۸ (اسی جنت کی) الْمُؤْمِنِينَ۔ مراد وہی مسلمان ہیں جن میں جہاد کرنے کے ساتھ ساتھ صفات بالا بھی موجود ہوں جن پر جنت کا وعدہ ہے۔ التَّائِبُونَ...... اللَّهِ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مجاہدین ایسے ہیں جو علاوہ جہاد کے ان صفاتِ کمال کے ساتھ بھی موصوف ہیں۔ یہ صفات اجر جہاد کی شرط نہیں، البتہ ان کے اجتماع پر ثواب وفضیلت میں کثرت وقوت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا مجاہدین کو ترغیب ہے کہ محض جہاد پر نہ بیٹھے رہیں بلکہ ان عبادات کو بھی ہمیشہ بجالاتے رہیں۔ السَّائِحُونَ۔ حدیث نبوی میں اس کی شرح الصائمون (روزہ داروں) سے آئی ہے اور صحابہ وتابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ الصائمون عن ابن مسعود و ابن عباس وغیرھما (قرطبی) رواہ ابوھریرۃ مرفوعاً عن النبی ﷺ انہ قال سیاحۃ امتی الصیام (قرطبی) عن ابن مسعودؓ وابی ھریرۃؓ ان النبی ﷺ سئل عن ذٰلک فاجاب بما ذکروا الیہ ذھب جلۃ من الصحابۃ والتابعین (روح) ایک معنی طلبہ علم کے بھی لئے گئے ہیں جو علم کی تلاش میں ایک شہر سے دوسرے شہر کی سیاحت کرتے رہتے ہیں۔ المراد طلاب العلم ینتقلون من بلد الی بلد فی طلب العلم (کبیر۔ عن عکرمۃ) قیل ھم الذین یسافرون لطلب الحدیث والعلم (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں جنتیوں کی جن صفات کا ذکر اس تصریح کے ساتھ ہے یہ صاف ان جاہل صوفیہ کے رد میں ہے جو شریعت کے خلاف چلنا اور احکام شریعت کو توڑنا کوئی دلیل کمال سمجھتے ہیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا
نبی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی
لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْۤا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا
دعا کریں اگرچہ وہ (مشرکین) رشتہ دار ہی ہوں جب ان پر یہ
تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَ مَا كَانَ
ظاہر ہو چکے کہ وہ (اموات) اہل دوزخ ہیں ف۲۰۹ اور ابراہیم کا
اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ
اپنے باپ کے حق میں دعائے مغفرت کرنا تو محض وعدہ کے سبب تھا جو انہوں نے
اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ
اس سے کرلیا تھا ف۲۱۰ پھر جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بے تعلق ہو گئے ف۲۱۱ بیشک
اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ
ابراہیم بڑے ہی نرم دل (اور) بردبار تھے ف۲۱۲ اور اللہ یہ نہیں کرتا کہ کسی قوم کو اس کے ہدایت
قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ
کئے پیچھے گمراہ کردے جب تک ان لوگوں کو صاف صاف نہ بتادے کہ وہ ان چیزوں سے بچتے رہیں ف۲۱۳
اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ
بیشک اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے ف۲۱۴ بیشک وہ اللہ ہی ہے جس کی حکومت
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ؕ وَ مَا لَكُمْ
آسمانوں اور زمین میں ہے (وہی) جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ کے سوا
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ
تمہارا کوئی بھی یار و مددگار نہیں ف۲۱۵ بیشک اللہ نے نبی پر

ف۲۰۹ (اور اس کے ظہور کی صورت یہی ہے کہ وہ لوگ حالت کفر میں مرے ہوں یعنی وقت نزع تک اقرار ایمان انہوں نے نہ کیا ہو) حکم اسی ظاہر پر لگایا جائے گا باقی اصل حال تو عالم الغیب ہی کو معلوم ہوتا ہے۔ ظاهر حال المرء عند الموت يحكم عليه بها فان مات على الايمان حكم له به وان مات على الكفر حكم له به وربك اعلم بباطن حاله (قرطبی) اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ۔ مرنے کے بعد اس کے حق میں دعائے مغفرت کرنا ایک بڑا حق ہے جو میت کا زندوں پر رہ جاتا ہے سورۂ بھر میں برابر کافروں سے ترک تعلقات کے احکام ہیں۔ اب حکم یہ مل رہا ہے کہ جہاں تک کافروں کا تعلق ہے۔ اس بڑے حق سے بھی دست بردار ہو جائیں۔ جرم شرک وکفران کے اس حق کو بالکل مٹا دیتا ہے۔ وَلَوْ كَانُوْۤا اُولِيْ قُرْبٰى۔ یہ قرابت کا تعلق خواہ مومنین کے ساتھ ہو یا خود نبی کے ساتھ۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی بزرگ کے ساتھ کوئی نسبت قائم ہو جانا (یہاں تک کہ نسبت نسبی بھی) نجات کے لئے بالکل کافی ہے۔ وہ ذرا سوچیں کہ جب رسول اللہ ﷺ تک سے مجرد نسبت (بلا ایمان) اس آیت کی رو سے کافی نہیں تو پھر کسی اور بزرگ کا ذکر ہی کیا۔ ف۲۱۰ (اس کی حالت حیات میں، جبکہ آپ کو یہ علم ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کی موت کفر پر ہوگی اور اس لئے وہ مثال اب کسی کے لئے حجت وسند نہیں) اس وعدہ کا ذکر سورۂ مریم کی اس آیت میں ہے۔ سأستغفر لك ربي انه كان بي حفيا۔ مَا كَانَ۔ قرآن مجید میں اس کا استعمال دو مختلف مفہوموں کے لئے ہوا ہے کہیں تو تکوینی حیثیت سے کسی واقعہ کی نفی مراد ہوتی ہے مثلاً اس آیت میں ما كان لنفس ان تموت الا باذن الله۔ اور کہیں تشریعی طور پر نہی یا ممانعت مثلاً اسی آیت میں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ شیخ جس فعل سے مرید کو منع کرے اور خود اس کو کسی عارض سے کرنا پڑ جائے تو چاہئے کہ مرید کے سامنے اسے کھول کر بیان کردے تاکہ وہ اس کی تقلید میں نہ مبتلا ہو جائے۔

ف۲۱۱ (اور اس کے حق میں دعائے مغفرت چھوڑ دی) جب موت کفر پر واقع ہو جائے جب تو مغفرت کا احتمال ہی نہیں، لیکن زندگی بھر تو یہ امید قوی یا ضعیف بہر حال لگی رہتی ہے کہ شاید اب اسے توفیق ہدایت ہو جائے اور مغفرت ہدایت سے لازم آجاتی ہے چنانچہ زندہ کافر والدین کے حق میں دعائے مغفرت مطلق ممنوع نہیں۔ وقد قال كثير من العلماء لا باس ان يدعوا الرجل لابويه الكافرين ويستغفر لهما ما داما حيين (قرطبی) بلکہ حضرات صحابہ کا عمل ہی یہی تھا۔ قال ابن عباس كانوا يستغفرون لموتاهم فنزلت فامسكوا عن الاستغفار ولم ينههم ان يستغفروا للاحياء حتى يموتوا (قرطبی)

ف۲۱۲ (چنانچہ باوجود اس کے کہ باپ نے کیسی کیسی سختیاں کیں آپ برابر حلم ہی سے کام لیتے گئے، یہاں تک کہ جوش شفقت سے طلب مغفرت کا وعدہ بھی کرلیا) مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ کسی کی زندگی میں اس کے لئے طلب مغفرت کرنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے حق میں طلب ہدایت کی جائے۔ اور یہ جو حدیث بخاری میں آیا ہے کہ آخرت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کو دوزخ میں دیکھ کر دعا کریں گے کہ مجھے حسب وعدہ رسوائی سے بچایا جائے اور اس پر آزر کی شکل انسان سے جانور میں تبدیل ہو جائے گی کہ کوئی دیکھ کر پہچان ہی نہ سکے، اس پر بہترین تقریر مفسر تھانویؒ کی بیان القرآن میں موجود ہے۔ اسی کو ملاحظہ فرمالیا جائے۔ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ۔ یعنی اللہ کے دین کا دشمن، اللہ کے قانون کا باغی، ورنہ براہ راست اللہ سے دشمنی کوئی بندہ کر ہی کیسے سکتا ہے۔ اَوَّاهٌ کہتے ہیں خشیت الٰہی سے مغلوب کو۔ يعبر بالاوّاه عمن يظهر خشية الله (راغب) حدیث نبوی ﷺ میں اس کی شرح الخاشع المتضرع سے آئی ہے۔ رواه عبد الله بن شداد بن الهاد عن النبی ﷺ (قرطبی)

ف۲۱۳ (پس اس قاعدہ کے مطابق جب تک تم کو استغفار مشرکین سے ممانعت کی نہیں کی گئی تھی اس استغفار کی یہ سزا تمہیں مل نہیں سکتی کہ تم میں گمراہی کا مادہ پیدا کر دیا جائے)'' ناجائز افعال کا خاصہ ہے کہ ان کے کرنے سے قلب میں ایک ظلمت پیدا ہو جاتی ہے جس سے گمراہی کا مادہ غریبہ پیدا ہو جاتا ہے...... اور اس پر نظر کر کے مومن خائف کو توہم ہو سکتا ہے کہ ہم کو اس استغفار ناجائز سے کہیں یہ ضرر مذکور نہ پہنچا ہو۔ اس کے متعلق تسلی فرماتے ہیں کہ یہ اثر کسی فعل میں اس کے ممنوع ہونے کے بعد ہے نہ کہ قبل ممنوع ہونے کے، کیونکہ عدم جواز بعد نہی کے حادث ہے۔'' (تھانوی) لِيُضِلَّ۔ حق تعالیٰ کی طرف یہ اضلال یا گمراہ کرنے کی نسبت محض تکوینی حیثیت سے مسبب الاسباب ہونے کی بنا پر ہے ورنہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ کسی کو کسی حال میں بھی گمراہی کی طرف نہیں لے جاتے، بلکہ آیت پر پورے غور کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندے کی ارادی نافرمانی ہی اُسے اضلال کی طرف لے جاتی ہے جب بندہ حکم مَا يَتَّقُوْنَ کی پروا نہیں کرتا اور اس کی ''تبیین'' ہو چکنے کے بعد بھی اس کی خلاف ورزی کیے جاتا ہے، جب جا کر اس کا عمل اضلال شروع ہوتا ہے۔ ففي هذا ادل دليل على ان المعاصي اذا ارتكبت وانتهك حجابها كانت سببًا الى الضلالة والردى وسُلّمًا الى ترك الرشاد والهدى (قرطبی)

ف۲۱۴ (چنانچہ اس کا بھی علم رکھتا ہے کہ بغیر اس کے بتائے ہوئے کوئی بھی ایسے احکام کو سمجھ نہیں سکتا اور اسی لئے قبل حکم ممانعت ان افعال سے مضرت نہیں پہنچنے دیتا، اور اس سے بھی خوب واقف ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور مستحق اضلال کون) ف۲۱۵ وہی قبل ممانعت ضرر سے بچاتا ہے اور وہی بعد ممانعت عدم تعمیل پر سزا بھی دینے والا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ ...... يُمِيْتُ۔ یہاں یہ بتلا دیا کہ ہر طرح کی قدرت، حکومت، اختیار اسی کا ہے، وہی جو چاہے حکم دے اور جس ضرر سے چاہے بچالے۔ کسی شے میں فی نفسہٖ کوئی خاصیت موجود نہیں، مضرت ومنفعت کی جو بھی خاصیت پیدا ہوتی ہے، اسی مسبب الاسباب اور فاعل حقیقی کی مشیت وارادہ سے پیدا ہوتی ہے۔

عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ

اور مہاجرین اور انصار پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی جنہوں نے

فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ

نبی کا ساتھ تنگی کے وقت میں دیا و۲۱۶ بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں

فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ

کچھ تزلزل ہو چلا تھا و۲۱۷ پھر (اللہ نے) ان لوگوں پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمادی و۲۱۸ بیشک وہ ان کے حق میں بڑا

رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ۙ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى

شفیق ہے بڑا رحمت والا ہے و۲۱۹ اور ان تینوں پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا و۲۲۰ یہاں

اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ

تک کہ جب زمین ان پر باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جانوں سے

عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ

تنگ آگئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز

اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

اسی کی طرف کے و۲۲۱ پھر اس نے ان پر رحمت سے توجہ فرمائی و۲۲۲ تاکہ وہ رجوع کرتے رہا کریں و۲۲۳ بیشک

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ؑ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے بڑا رحمت والا ہے، اے ایمان والو، اللہ سے ڈرتے رہو

ع ۱۴ ۸ ۲

وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ

اور راستبازوں کے ساتھ رہا کرو و۲۲۴ مدینہ والوں

وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ

اور ان کے اردگرد جو دیہاتی ہیں انہیں نہ چاہیے تھا کہ

و۲۱۶ ذکر اب پھر غزوۂ تبوک کا چلا جو اوپر بھی دور تک آچکا ہے۔ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ۔ نبی پر توجہ بہ رحمت یہ کہ آپ کو نبوت سے اور امامت جہاد سے اور تمام کمالات سے سرفراز فرمایا۔ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ ان انصار و مہاجرین پر توجہ بہ رحمت یہ کہ انہیں ایسے کلفت و مشقت کے جہاد میں ثابت قدم رکھا۔ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ۔ اس غزوہ کے خصوصیات جن کی بنا پر یہاں ساعة العسرة لایا گیا ہے، حسب ذیل تھے:۔ (۱) شدید گرمی کا موسم۔ (۲) باغات کی فصل تیار ہونے کا زمانہ۔ (۳) مسافت دور دراز کا سفر۔ (۴) مقابلہ میں منتشر و متفرق قبائل نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی تربیت یافتہ قواعد دان رومی شہنشاہی فوج ہر طرح کے سامانِ جنگ سے آراستہ۔ (۵) سواری کی اتنی کمی کہ ایک اونٹ دس دس آدمیوں کے حصہ میں آیا۔ (۶) سامانِ رسد کی اتنی کمی کہ ایک ایک خرما دو دو شخصوں میں تقسیم ہوا ہے اور آخر میں اتنا بھی نہ رہ گیا۔ ان مصائب کی تفصیل حدیث و سیر کی کتابوں میں ملے گی۔ لَقَدْ تَابَ...... الْاَنْصَارِ آیت مدح صحابہ کے باب میں بالکل شافی ووافی ہے۔ اور جن فرقوں نے اصحاب نبی ﷺ پر زبان طعن دراز کی ہے ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ فيه مدح لاصحاب النبى ﷺ الذين غزوا معه من المهاجرين والانصار واخبار بصحة بواطن ضمائرهم وطهارتهم لان الله تعالىٰ لا يخبر بانه قد تاب عليهم الا وقد رضى عنهم افعالهم (جصاص) و۲۱۷ (اور قریب تھا کہ وہ گروہ جہاد پر جانے سے ہمت ہار جائے) اى كادوا لا يثبتون علىٰ اتباع الرسول (کبیر) لفظ ما کاد "(قریب تھا)" خود اس پر دلیل ہے کہ یہ عمل وقوع میں آیا نہیں تھا صرف آنے کے قریب تھا۔ و۲۱۸ (کہ اس گروہ کو بھی سنبھال لیا، اور یہ لوگ ساتھ ہو لئے) و۲۱۹ (چنانچہ ہر ایک کے حال پر رحمت ہی کے ساتھ توجہ فرمائی) و۲۲۰ (اور جن کا ذکر آیت نمبر ۱۰۶ میں گزر چکا ہے) احادیث میں ان تین صحابیوں کے نام حسب ذیل ملتے ہیں۔ کعب بن مالک، مرارہ بن ربیعہ الانصاری، ہلال بن امیہ الواقفی رضی اللہ عنہم۔ خُلِّفُوْا۔ یعنی ان کا معاملہ چھوڑ رکھا گیا تھا، وحی الٰہی پر موقوف رکھا گیا تھا۔ اى خلفوا امرهم (بیضاوی) خود صاحب معاملہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہی تفسیر مروی ہے۔ ليس الذى ذكر الله مما خُلِّفْنَا تَخَلُّفَنَا عن الغزو وانما هو تخليفهٗ ايانا وارجاءهٗ امرنا عمن حلف له واعتذر اليه فقبل منه (قرطبی) و۲۲۱ قرآن مجید مبالغہ بیانی سے آشنا نہیں جو سختیاں ان تین صاحبوں کو پیش آرہی تھیں وہ حقیقۃً ناقابل برداشت ہو چلی تھیں۔ ساری اسلامی سوسائٹی نے ان کا کامل مقاطعہ کر رکھا تھا مدینہ کی اتنی بڑی آبادی میں اب نہ ان کا کوئی دوست آشنا تھا نہ کوئی عزیز و قریب۔ حد یہ ہے کہ ان کی بیویوں تک نے (جن کا کام ہی ہمدردی و غمگساری تھا) ان سے بولنا چھوڑ دیا تھا چنانچہ انہی میں سے ایک صاحب کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی زبان سے جو طویل روایت بخاری و مسلم وغیرہ میں نقل ہوئی ہے خود اس میں یہ الفاظ ہیں:۔ فاجتنبنا الناس وتغيروا لنا حتى تنكرت لى فى نفسى الارض فما هى بالارض التى كنت اعرف (لوگ ہم سے پرہیز کرنے لگے اور ہمارے حق میں اجنبی بن گئے، چنانچہ مجھے اپنا وطن وہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا جس سے میں واقف تھا (یعنی وطن پردیس بن گیا تھا) اور پھر آگے چل کر قرآن ہی کے لفظ اختیار کر لئے ہیں:۔ قد ضاقت علىّ نفسى وضاقت علىّ الارض بما رحبت (میں اپنی جان سے تنگ آگیا اور زمین باوجود اپنی فراخی کے میرے اوپر تنگ ہو گئی) اور پھر یہ خیال رہے کہ یہ مصیبت کوئی ایک دو دن کی نہ تھی۔ سات سات ہفتہ یا پورے ۵۰ دن قائم رہی! ان تین صحابیوں میں سے دو بدری تھے۔ (اور اصحاب بدر کا شرف کسی تعارف کا محتاج نہیں) اور تیسرے صاحب بھی بجز بدر کے اور غزوات میں برابر شریک رہ چکے تھے!...... یہ سزا ایسے ایسے اکابر کو مل رہی ہے! یہ معنی ہیں نظام اسلامی میں ڈسپلن یا اطاعت کے! انہیں سے فقہاء نے استنباط کیا ہے کہ دینی مجرم سے ترک سلام و کلام تین دن سے زیادہ نہ کرے تو اس سے وہ موقع مراد ہے جب کوئی دنیوی رنج ہو (تھانوی) و۲۲۲ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی عادت اپنے محبین کے ساتھ یہ جاری ہے کہ جب ان سے کوئی امر ان کے مقام کے منافی صادر ہو جاتا ہے تو ایک نوع کے حجاب سے ان کی تادیب کی جاتی ہے اور جب وہ اس کی تلخی چکھ چکتے ہیں تو پھر ان پر کرم کی بارش کی جاتی ہے یعنی انہیں توفیق نیک دی اور پھر ان کا قصور معاف کر دیا۔ اى وفقهم للتوبة (قرطبی) و۲۲۳ یعنی آیندہ بھی ہر موقع مصیبت و معصیت میں اسی طرح اللہ کی طرف رجوع کرتے رہیں اور اللہ کی رحمت و مغفرت سے مایوس نہ ہوں۔ قبل توبتهم من التخلف ليتوبوا فى المستقبل اذ صدرت منهم هفوةٌ ولا يقنطوا من كرمهٖ سبحانهٗ (روح) و۲۲۴ یعنی صادقوں کی راہ پر چلو۔ انہی کی طرح صدق اختیار کرو۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اجماع امت کے حجت شرعی ہونے پر یہ آیت ایک مستقل دلیل ہے۔ دل علىٰ قيام الحجة علينا باجماعهم (جصاص) والأية تدل علىٰ ان الاجماع حجة لانه امر بالكون مع الصادقين فلزم قبول قولهم (مدارک) يدل علىٰ ان اجماع الامة حجة (کبیر) عارفین نے شیوخ کاملین و ائمہ مجتہدین کی اقتداء و صحبت کا اشارہ بھی اس سے سمجھا ہے۔ الصّٰدِقِيْنَ۔ یعنی وہ لوگ جو دین میں نیت اور قول اور عمل کے لحاظ سے صادق ہیں۔ الذين صدقوا فى الدين نيةً وقولاً وعملاً (مدارک) مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ بعض نے معیت کی تفسیر قرب و قرین رہنے سے کی ہے۔ اس صورت میں صالحین کی ترغیب آیت سے نکلے گی۔

رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ

رسول اللہ کو چھوڑ کر پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو ان کی جان سے عزیز رکھیں و۲۲۵

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا

یہ (رفاقت ضروری) اس لئے تھی کہ ان (مجاہدین) کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی

مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا

اور جو بھوک لگی اور جو چلنا وہ چلے کافروں کو غیظ میں

يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ

لانے والا اور دشمن سے انہیں جو کچھ حاصل ہوا ان سب پر ان کے نام

لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ

(ایک ایک) نیک عمل لکھا گیا و۲۲۶ بیشک اللہ نیکوکاروں کا اجر

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَ لَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّ لَا

ضائع نہیں کرتا و۲۲۷ اور جو کچھ چھوٹا بڑا خرچ انہوں نے کیا

كَبِيْرَةً وَّ لَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ

اور جو میدان انہوں نے طے کئے سب ان کے نام لکھا گیا، تاکہ اللہ انہیں ان کے

اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَ مَا كَانَ

کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے و۲۲۸ اور مومنوں کو

الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ

نہ چاہیے کہ (آیندہ) سب کے سب نکل کھڑے ہوں و۲۲۹ یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے

فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ

ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے تاکہ (یہ باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں ف۲۳۰

و۲۲۵ یعنی یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ لوگ خود تو آرام سے گھر بیٹھے رہیں اور مشقتیں اور صعوبتیں رسول اللہ ﷺ جھیلتے رہیں۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ معیت و نصرت صرف عرب تک محدود یا شانِ رسالت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ نصرتِ دین مقصود ہے۔ اس لئے ہر مسلم پر ہر زمانہ میں واجب ہے کہ امام وقت کی اطاعت وحفاظت میں مستعد رہے۔ آیت کا صیغہ ظاہری خبر کا ہے۔ حالانکہ مراد نہی یا امر امتناعی ہے۔ یعنی مقصود کسی خبر یا واقعہ کا ذکر نہیں بلکہ اس امر کا اظہار ہے کہ ایسا ہرگز نہ ہونا تھا۔ و۲۲۶ (سو یہ لوگ بھی اگر اخلاص کے ساتھ رسول اللہ کے ساتھ جاتے تو ان کے لئے بھی اسی طرح بات بات پر اجر اور قدم قدم پر ثواب تھا) یہ مقتضائے مقبولیت و محبوبیت ہے کہ امور اضطراریہ بھی مثل اعمال اختیاریہ کے موجب ثواب قرار دیئے گئے (تھانوی) لیکن یہ اعمال و کیفیات اضطراری تو ہیں بھی نہیں، جہاد میں چلنا تو بہرحال تمام تر اختیاری تھا، تھکن جو کچھ حاصل ہوئی وہ اسی عمل اختیاری کا ایک لازمی نتیجہ تھا۔ یہ پیاس، بھوک وغیرہ کا ذکر محض بہ طور نظیر ہے، یہ مراد نہیں کہ اجر صرف انہی چند اعمال و کیفیات پر محدود ہے۔ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ۔ لا دونوں جگہ تاکید کلام کے لئے ہے۔ لا زائدة للتوكيد (قرطبی) لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا۔ غنیم سے مسلمانوں کو حاصل کیا ہو سکتا تھا؟ ظاہر ہے کہ دونوں قسم کی چیزیں۔ یعنی ایک طرف مال غنیمت اور دشمن کی ہزیمت۔ دوسری طرف زخم، قتل، گرفتاری وغیرہ مفسرین نے دونوں پہلو اختیار کئے ہیں۔ اے لا يصيبون من عدوهم قتلا او اسرًا او غنيمة او هزيمةً (معالم) اے قتلا او هزيمةً (قرطبی) وهو قتلهم او اخذ اموالهم او اخراجهم عن ديارهم هذا كله نيل منهم (جصاص) و۲۲۷ (سو اس کے وعدہ میں کسی تخلف کا احتمال ہی نہیں) و۲۲۸ یعنی ان میں ہی سے ہر عمل پر ان کے نام نیکی لکھ لی گئی۔ اللہ کی راہ میں ہر قدم اٹھانے کے لئے بے حساب اجر و انعام کا اگر استحضار رہے تو اس کے بعد پھر جہاد و قتال کی سخت سے سخت کلفتوں کے پتھر بھی پانی ہو جاتے ہیں۔ و۲۲۹ غزوۂ تبوک کی صورت خاص تھی اس کے بعد آیندہ کے لئے مستقل ہدایت ہو گئی کہ سارے مسلمان شہر خالی کر کے ہرگز اکبارگی نہ نکل کھڑے ہوں، بجز اس حال کے کہ امام ہی نفیر عام کا حکم دے دے، اور جہاد ہر فرد پر فرض عین ہو جائے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دینی مہم کا انتظام ایسا کرنا چاہیے کہ دوسری ضروریات جن میں امر معاش بھی داخل ہے مختل نہ ہونے پائیں۔ ف۲۳۰ (تعلیم و تعلم کے ذریعہ سے) مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ۔ یعنی شہر کی کل آبادی سے فرقة کا استعمال یہاں گروہ کثیر کے لئے ہوا ہے۔ كاهل بلدة او قبيلة عظيمة (روح) فرقة اے جماعة كثيرة (کشاف۔ مدارک) مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ۔ طَآئِفَةٌ کا لفظ یہاں چھوٹی جماعت کے لئے آیا ہے اور فرقة کے مقابل ہے۔ اے جماعة قليلة (کشاف۔ مدارک) فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ۔ یعنی انتظام یہ رہنا چاہیے کہ آبادی کا ایک حصہ جہاد کے لئے باہر جائے، جنگ اور دوسری فوجی ضروریات (ملٹری ڈیپارٹمنٹ) کے لئے اور دوسرا حصہ عام ملکی و شہری ضروریات (سول ڈیپارٹمنٹ) کے لئے شہر اور ملک ہی میں رہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اسلامی حکومت میں ہر قسم کا ساز و سامان تیار اور آدمی ہر قسم کی ہر ضرورت کے لئے مستعد رہنے چاہئیں تاکہ رفاہ خلق صحت نفوس نظم امت و شوکتِ اسلام میں کسی طرح کا فتور نہ پڑنے پائے، سپاہی، اہل قلم، اہل حرفہ، تاجر، کاشتکار وغیرہ سب ہی ملت اسلامی کے ضروری عناصر ہیں۔ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ۔ فقہاء مفسرین نے یہیں سے طلب علم دین کا وجوب نکالا ہے۔ هذه الأية اصل فى وجوب طلب العلم (قرطبی) و فى هذا ايجاب التفقه فى الكتاب والسنة (قرطبی) فقہاء نے لکھا ہے کہ تحصیل علم دین فرض کفایہ ہے، پس ہر شہر اور ہر گروہ میں سے ایک تعداد کا علم دین کی طلب میں لگے رہنا واجب ہے ورنہ سب عاصی ہوں گے۔ و فى هذه الأية دلالة على وجوب طلب العلم وانه مع ذلك فرض على الكفاية (جصاص) اذا قام به بعضهم سقط عن الباقين (جصاص) فقہاء صوفیہ نے لکھا ہے کہ طالب علم کی غرض و غایت تفقہ فی الدین اور امر بالمعروف رہنی چاہیے نہ کہ حصول جاہ جمع مال یا بحث و جدال۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جب جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں پر وعیدیں نازل ہونے لگیں تو اس خوف سے سارے کے سارے مسلمان جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے اس پر یہ احکام نازل ہوئے کہ ضروریات دین کی تعلیم و تعلم کے لئے بھی کچھ لوگوں کو ضرور لگے رہنا چاہیے۔ ایسا نہ ہونے پائے کہ ادھر سے غفلت ہو جائے۔ جہاد بالدلائل تو جہاد بالاسلحہ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ استبق المومنين عن اخرهم الى النفير و انقطعوا جميعا عن التفقه فى الدين فامروا ان ينفر من كل فرقة منهم طائفة الى الجهاد و يبقى سائرهم يتفقهون حتى لا ينقطعوا عن التفقه الذى هو الجهاد الاكبر اذ الجهاد بالحجاج اعظم اثرًا من الجهاد بالنصال (مدارک)

وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ

اور تاکہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس آ جائیں ڈراتے رہیں

يَحْذَرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ

عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں ف۲۳۱ اے ایمان والو ان کافروں سے جنگ کرو جو

يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ

تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیے ف۲۳۲

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٣﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ

اور جانے رہو کہ اللہ تو پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ف۲۳۳ اور جب کوئی ٹکڑا قرآن کا

سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ

نازل ہوتا ہے تو ان (منافقین) میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی؟

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ

سو جو لوگ ایمان والے ہیں اس نے ان کے ایمان میں ترقی دی اور وہ

يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

خوش ہو رہے ہیں ف۲۳۴ اور جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ

سو اس (سورت) نے ان کی گندگی میں ایک اور گندگی بڑھا دی ف۲۳۵ اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ

كٰفِرُوْنَ ﴿١٢٥﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ

کافر ہی تھے ف۲۳۶ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ ہر سال ایک بار یا دو بار

مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾

کسی آفت میں پھنستے ہی رہتے ہیں پھر بھی نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں ف۲۳۷

ف۲۳۱ (ہر بدی اور بدکاری سے۔ اور اس طرح ساری قوم میں نیک کرداری کا دور دورہ برابر قائم رہے) آج "مہذب" و "شائستہ" قوموں کی فوجیں ہر قسم کے اخلاق کی جن ناگفتہ بہ پستیوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ (اور یہی دستور شروع سے تمام جاہلی قوموں کی فوجوں کا رہا ہے) اس کا حال کس سے مخفی ہے؟ امت اسلامی کو اس قسم کے تمام خطرات سے مستقل نجات میں رکھنا دین کے مہمات امور میں سے ہے۔ قرآن مجید کی مستقل ہدایت ہے کہ مجاہدین وغیر مجاہدین کو برابر علما حقانی اور فقہا ربانی کی تربیت اور ٹریننگ ملتی رہنی چاہیے۔ ليتفقهوا. ولينذروا. دونوں میں ضمیر جمع غائب ان لوگوں کی طرف ہے، جنہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس ٹھیرا رہنا تھا الضمير للمقيمين مع النبى ﷺ قاله قتادة ومجاهد (قرطبی) ضمير يتفقهوا وينذروا عائد الى الفرقة الباقية المفهومة من الكلام (روح) اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ۔ یعنی یہ مجاہدین جب جہاد وقتال سے اپنے والوں کی طرف واپس آجائیں۔ وَلِيُنْذِرُوْا۔ یعنی احکام الٰہی سنا سنا کر اور بتا بتا کر انہیں ہر معصیت، بدکرداری، خدا فراموشی سے ڈراتے رہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس آبادی میں علما حقانی کا وجود نہ رہے یا وہ موجود تو ہوں لیکن ہدایت خلق کے کام سے غافل ہوں، وہ ساری آبادی گنہگار رہوگی۔ بدکرداری سے روکنا اور نیک کرداری کو پھیلانا فرض کفایہ ہے۔ علماء حق اس کے خصوصا ذمہ دار ہیں، گو حکم کے مخاطب سب مسلمان ہیں۔ ف۲۳۲ یعنی تم ہمیشہ اپنی جگہ پر مضبوط، آمادۂ جہاد، مستعد اور کیل کانٹے سے درست رہو کہ دشمن کی ہمت ہی تمہاری طرف نظر بد ڈالنے کی نہ پڑے...... گویا موجودہ جنگی اصطلاح میں ملت کو ایک مستقل لام بندی (Perpetual mobilisation) کی حالت میں رہنا چاہیے۔ غِلْظَةً۔ یہاں خشونت کے معنی اس قدر نہیں جس قدر شدت، مضبوطی اور پختگی کے معنی میں ہے۔ جس سے ان کا رعب ہم پر نہ پڑنے پائے بلکہ الٹا ہمارا رعب ان کے دلوں میں بیٹھ جائے۔ غلظة اى شدة وقوة وحمية (قرطبی) اذا كان ذلك يوقع المهابة لنا فى صدورهم والرعب فى قلوبهم (جصاص) شدة وحمية (معالم) قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ۔ یہ حکم جہاد میں خاص ترتیب کا مل رہا ہے اور اس کے مصالح بالکل ظاہر ہیں۔ چنانچہ سیرت نبوی کے مطالعہ سے واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نیز خلفاء راشدین نے بہ اختیار خود جتنے بھی جہاد کیے، یہی ترتیب ملحوظ رکھی۔ ولهذا بدأ رسول الله ﷺ بالعرب فلما فرغ قصد الروم وكانوا بالشام (قرطبی) اى ابدءوا بقتال الاقرب فالاقرب اليكم داراً دون الابعد فالابعد وكان الذين يلون المخاطبين بهذه الآية يومئذ الروم لانهم كانوا سكان الشام يومئذ والشام كانت اقرب الى المدينة من العراق (ابن جریر) محدث ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس پر بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ ترتیب یا تو قرب ملک کے لحاظ سے رکھنا چاہیے اور یا پھر شدت کفر کے لحاظ سے۔ مشرکین کے ہوتے ہوئے اہل کتاب کا رخ نہ کریں اور قریب کو چھوڑ کر بعید پر تاخت نہ کریں، بجز اس کے کہ کوئی مصلحت خاص اس کی مقتضی ہو۔ فقہاء مفسرین نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ جہاد واجب نفس کفار کے مقابلہ میں ہے، خواہ وہ کہیں کے بھی ہوں، البتہ جو قریب تر ہیں ان کے مقابلہ میں واجب تر ہے۔ القتال واجب مع جميع الكفرة قريبهم وبعيدهم ولكن الاقرب فالاقرب واجب (مدارک) فاوجب قتال جميع الكفار ولكنه خص بالذكر الذين يلوننا من الكفار اذا كان معلوماً انه لا يمكننا قتال جميع الكفار فى وقت واحد وان الممكن منه هو قتال طائفة فكان من قرب منهم اولى بالقتال ممن بعد (جصاص) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ سب سے پہلا مجاہدہ اپنے نفس سے کرنا چاہیے کہ یہی سب سے قریب تر ہے۔ نفس اگر کافر (لغوی معنی میں) ہے تو ان مجاہدات سے وہ مطیع اور مومن اور مطمئنہ ہو جائے گا۔

ف۲۳۳ (سو جہاد وقتال کی بنیاد بھی تقویٰ ہی پر رہنا چاہیے) یہاں اگر ایک طرف لفظ متقین لا کر جہاد وقتال میں اخلاص کامل کی تعلیم دے دی اور طمع مال اور حصول شہرت وغیرہ کے راستے بند کر دیے تو دوسری طرف ان لوگوں کا علاقہ معیت اللہ تعالیٰ سے جوڑ کر یہ بتلا دیا کہ تمہیں اب خوف و ہراس کی بات ہی کیا ہے، تمہاری نصرت کے لئے تو ہر قوی سے قوی تر ناصر وحافظ موجود ہے۔ اى ايقنوا عند قتالكم اياهم ان الله معكم وهو ناصركم عليهم (ابن جریر) فان الله ناصر من اتقاه ومعينه (ابن جریر) واعلموا ان الله معكم اذا اتقيتموه واطعتموه (ابن کثیر) ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جن مسلمان سلاطین نے یہ تقویٰ کی شرط پوری رکھی اور احکام شریعت پر عمل جاری رکھا۔ ان کے زمانہ میں فتوحات بھی برابر ہوتی رہیں۔ اور جوں جوں وہ شرائط تقویٰ سے ہٹتے گئے، فتح مندی بھی ان سے کنارہ کرتی گئی۔ ف۲۳۴ (اپنی اس ترقی ایمانی کے ادراک سے) مومن کا دل انوار تصدیق ویقین سے لبریز ہوتا ہے۔ ضرور تھا کہ ہر تازہ نزول قرآنی سے اس کے ایمان کی نورانیت، حلاوت وتازگی میں اضافہ ہو...... پہلے تو وہ اپنے ایمان میں ترقی محسوس کرے اور پھر اپنی اس ترقی ایمان وادراک سے خوش بھی ہو۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ...... اِيْمَانًا۔ منافقین یہ سوال عوام مومنین سے بہ طور طنز وتعریض کرتے تھے...... کہ بھلا بتاؤ تو اس نئی سورۃ کے نزول سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا؟...... جواب اس کا کھلا ہوا یہی چاہتے تھے کہ کسی کے نہیں۔ لیکن برعکس اس کے واقعۃً انہیں جواب مومنین کی زبان سے یہ ملتا تھا کہ "ہمارے ایمان میں!" ف۲۳۵ (کہ پہلے جتنے حصۂ قرآن سے انکار تھا، اب اس پر ایک اور حصہ کا اضافہ ہوا) منافق کا دل انکار ونفاق کی گندگی سے پہلے ہی لبریز ہوتا ہے، لازمی ہے کہ ہر نئے انکار سے اس گندگی میں اور اضافہ ہو۔ ف۲۳۶ یعنی ان میں سے جو مر چکے وہ کافر مرے اور جو اسی اصرار پر مریں گے وہ کافر مریں گے۔ ف۲۳۷ یعنی یہ کہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ آیت سے ضمناً حکمت ابتلاء پر بھی روشنی پڑ گئی۔ بلائیں اور

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں

هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ

کہ تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں، پھر چل دیتے ہیں ف۲۳۸ اللہ نے ان کا دل ہی

قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ

پھیر دیا ہے اس وجہ سے کہ یہ سمجھ سے کام نہ لینے والے لوگ ہیں ف۲۳۹ بیشک تمہارے پاس

رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

ایک پیغمبر آئے ہیں تمہاری ہی جنس میں سے جو چیز تمہیں مضرت پہنچاتی ہے انہیں بہت گراں گزرتی ہے

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

تمہاری (بھلائی) کے حریص ہیں ف۲۴۰ ایمان والوں کے حق میں تو بڑے ہی شفیق ہیں مہربان ہیں ف۲۴۱

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ

پھر اگر (وہ لوگ) روگردانی کرتے رہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ میرے لئے تو اللہ کافی ہے

تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ ع

اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میں نے بھروسہ کرلیا اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے ف۲۴۲

اٰیاتها ۱۰۹ — ۱۰ سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ ۵۱ — رکوعاتها ۱۱

اور اس میں ایک سو نو آیتیں — سورہ یونس مکی ہے — اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ

الٓرٰ یہ پر حکمت کتاب کی آیتیں ہیں ف۱ کیا لوگوں کو اس پر

ع ۵/۱۶ المنزل ۳

مصیبتیں تکوینی طور پر تازیانہ غیبی ہوتی ہیں جن کا کام انسان کو اللہ کی طرف لانا ہی ہوتا ہے۔و فی الاثر البلاء سوط من سیاط اللہ تعالٰی یسوق به عباده الیه (روح) مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ۔ کسی عدد متعین کا بیان مقصود نہیں۔ مراد صرف یہ ہے کہ ایسا بار بار ہوتا رہتا ہے۔والمراد من المرة والمرتین علی ما صرح به بعضهم مجرد التکثیر لا بیان الوقوع علی حسب العدد المزبور (روح) يُفْتَنُوْنَ۔ یعنی یہ منافق اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ہر سال انہیں منافقت کی بنا پر آفتوں ہی سے دوچار ہونا پڑتا ہے کبھی یہ کہ ان کی سازشیں کھل گئیں اور انہیں سزا مل کر رہی اور تفضیح جو ہوئی سو الگ کبھی یہ کہ اُن کے حلیف مشرکوں کو شکست ہوگئی اور اُن کے سارے سہارے ٹوٹ گئے۔اے یفضحون باظهار نفاقهم (بحر عن مقاتل) ف۲۳۸ (مجلس نبوی سے) منظر ایسے وقت کا ہے کہ منافقین بھی مجلس نبوی میں حاضر ہیں اور کسی سورت کا نزول رسول اللہ ﷺ پر ہوا۔ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ۔ یعنی اُٹھتے ہوئے یہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں کہ کوئی مومن تو ہمیں اُٹھتا ہوا نہیں دیکھ رہا ہے جو رسول اللہ ﷺ سے جا لگائے۔اُوپر ذکر منافقین کے تمسخر کا تھا جو وہ اپنی مجلسوں میں کرتے رہتے تھے، اب ذکر اُن کے اُس تنفر کا ہے جو انہیں مجلس نبوی سے تھا۔ ف۲۳۹ یعنی ایسے لوگ جو خود اپنے نفع سے بھاگتے ہیں اور جتنی سمجھ انہیں عطا ہوئی ہے، اس سے کام نہیں لیتے۔ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ۔ یعنی یہ لوگ مجلس نبوی سے کیا پھرے، ان کا دل ہی اللہ نے ایمان سے بلکہ ہر خیر و طاعت سے پھیر دیا۔ عن الایمان بسبب انصرافهم عن ذٰلک المجلس (روح) قال ابن عباس عن کل خیر و رشد و هدی (بحر) بِاَنَّهُمْ۔ میں باسببیہ ہے۔الباء للسببیة اے بسبب انهم (روح) ف۲۴۰ (یعنی تمہارے دُکھ سے یہ خود دُکھ محسوس کرتے ہیں اور تمہارے ہر نفع کے بڑے آرزومند رہتے ہیں!...... یہ تھی شفقت رسولِ خدا کی خلقِ خدا کے ساتھ! لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ سوال پیدا ہوا ہے کہ کُمْ کی ضمیر جمع مخاطب دونوں جگہ کس کی جانب ہے؟ یعنی رسول اللہ کس کے درمیان آئے ہیں؟ بعض نے کہا ہے کہ مخاطب عرب ہیں کہ آپ اہل عرب کے درمیان بھیجے گئے تھے۔ لیکن قول محقق یہ ہے کہ خطاب ساری نوع انسان سے ہے۔ آپ کی بعثت تنہا عرب کی جانب نہیں، سارے عالم کی جانب تھی۔قال الزجاج هی مخاطبة لجمیع العالم و المعنٰی لقد جاء کم رسول من البشر (قرطبی) یرید الله بشر مثلکم (کبیر) قیل الخطاب للبشر علی الاطلاق (روح) یحتمل ان یکون خطاباً لبنی ادم (بحر) مشرک قوموں اور مشرک مزاج گروہوں کی سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ منصب رسالت پر کوئی بشر کیسے مامور ہوسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بشریت پر بار بار زور دینا اسی عام گمراہی کے رد میں ہے۔ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ الخ۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہ صفات ہیں جناب رسول اللہ ﷺ کے۔ اور چونکہ شیخ مربی بھی رسول ہی کا نائب ہوتا ہے۔ اس لیے یہ صفات شفقت علی الخلق اُس میں بھی ہونے ضروری ہیں۔ ف۲۴۱ جب آپ کی شفقت ساری خلق اللہ کے لیے تھی اور آپ کے دل میں درد نوع انسانی کے لیے تھا تو خاص مومنین کے ساتھ آپ کے درجۂ رأفت و کرم اور شفقت و تعلق قلب کا کہنا ہی کیا! ف۲۴۲ (اور عرش عظیم موجودات میں سب سے اعظم ہے تو جو اس کا مالک ہے، اس کی تحت اور ملک کامل میں اور سارے موجودات عالم کا ہونا بالکل ظاہر ہے) فیدخل فیه مادونه اذا ذکره (قرطبی) خص العرش لانه اعظم المخلوقات (بحر) فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ یعنی یہ لوگ یہ سب کچھ جاننے، سمجھنے اور سننے کے بعد بھی اگر انکار پر قائم رہیں۔ حَسْبِيَ اللّٰهُ۔ یعنی میرا حافظ و ناصر تو وہی مولیٰ حقیقی ہے مجھے تمہارے اعراض و انکار سے ضرر کیا؟ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ۔ یعنی میرا تکیہ اُسی ذاتِ عظیم پر ہے نہ کہ اپنے نفس پر یا کسی اور ذات کے اُوپر۔ ف۱ (اور اس لیے ہر طرح واجب الاحترام ہیں) الٓرٰ۔ حروف مقطعات پر حاشیہ آغاز پارہ الٓمّٓ۔ میں گزر چکا۔ الٓرٰ۔ کو یہاں ابن عباس صحابی رضی اللہ عنہ اور ضحاک تابعی نے انا اللہ ازی کا مخفف قرار دیا ہے۔(ابن جریر) اَلْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ۔ یعنی ایسی کتاب جو پختہ اور پکی اپنے الفاظ و معانی، علوم و احکام، اخبار و قصص، ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے ہے اور ہر طرح کلام الٰہی مانے جانے کے قابل ہے۔ حکیم محکم کے معنی میں ہے جیسے الیم مؤلم کے معنی میں آتا ہے۔و معنی الحکیم فی هٰذا الموضع المُحکم صُرِفَ مُفْعِل الی فعیل کما قیل عذاب الیم بمعنی مُؤلم (ابن جریر) تلک یہاں هٰذا کے مرادف ہے اور ایات سے مراد آیاتِ قرآنی ہیں۔ذٰلک پر جو حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔و اولی التاویلین فی ذالک بالصواب تاویل من تاوّله هٰذه ایات القراٰن ووجه معنی تلک الی معنی هٰذه (ابن جریر) قال الضحاک وغیره ای هٰذه ایات القران المحکم المبین (ابن کثیر)

ف۲ دنیا،شرک پسند دنیا دیوی و دیوتاؤں کو تو مان لیتی ہے، اوتار اور مظہر ربانی کے عقیدہ کو بھی بہ آسانی قبول کر لیتی ہے لیکن بشر کا بشر رہ کر رسول ہو جانا یہ کسی طرح اس کی سمجھ میں نہیں آتا..... قرآن مجید کہتا ہے کہ ان کا اس عقیدہ پر حیرت کرنا یہ خود بڑی حیرت کی بات ہے۔ لِلنَّاسِ ۔ الناس سے مراد دنیا کی اکثریت ہے جو اوہام مشرکانہ میں گرفتار ہے۔ مفسرین نے کفار عرب مراد لی ہے۔ المراد بالناس کفار العرب (روح) اِلٰى رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ ۔ یعنی محمد ﷺ کے پاس..... محض ایک شخص کے پاس، ایک مرد کے پاس!..... جاہلی دماغ انسان کو خدا مان لے گا، خدا کا بیٹا مان لے گا، خدا کا اوتار مان لے گا لیکن نہ مانے گا تو انسان کو رسولِ خدا! اے الی بشر من جنسهم (روح) ان یعجبوا من ان یجعل الله بشرًا رسولًا (کبیر) اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا ۔ پیمبر کے اصلی فرائض یہی دو ہیں۔ ایک انذار دوسرے تبشیر۔ قَدَمَ صِدۡقٍ ۔ یعنی درجۂ عالی۔ قال الزجاج درجة عالية ومنزلة رفيعة (بحر) ف۳ مشرکین عرب اپنے قدیم تر جاہلی قوموں کی طرح اپنے پیمبر کے پیام کی اعجازی کیفیت و تاثیر کو بس سحر ہی پر محمول کر سکتے اور یہی کرتے۔ اور آج جاہلیت جدید کے علمبردار بڑے بڑے ''دانایان فرنگ'' بھی اس کے سوا کیا کر رہے ہیں۔ حیرت انگیز، محیر العقول محمدی ﷺ کامیابیوں اور فتح مندیوں سے تو انکار کر ہی نہیں سکتے بس تعبیر یہ کرنے لگتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) ساری اسکیمیں کسی بڑے ''چالاک دماغ'' کا نتیجہ تھیں۔ ف۴ (سورۂ یونس مکی ہے۔ اب تک سورتیں (زیادہ تر) مدنی تھیں، صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، صوم، جہاد، میراث، نکاح، طلاق وغیرہ احکام فقہی و تفصیلاتِ شریعت سے لبریز۔ اب اس سورۃ میں عام مکی سورتوں کی طرح بیان عقائد ہی کا شرح و تفصیل کے ساتھ ہوگا، توحید، رسالت، معاد وغیرہ، آیت میں متعدد صفات الٰہی کا اثبات کیا جا رہا ہے، مثلاً یہ کہ وہی خالق ہے، ساری کائنات کا وہی خالق ہے، وہی حاکم و آمر ہے، زمین و آسمان سب میں احکام اسی کے جاری و ساری ہیں۔ رَبَّكُمُ ۔ رب پر حاشیہ سورۂ فاتحہ رب العالمین کے تحت میں گذر چکا یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ سب کا حاکم و خالق ہی نہیں، سب کو تربیت دینے والا، سب کو پستی سے بلندی تک، ضعف سے کمال تک پہنچانے والا بھی وہی ہے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۔ اس میں دہرے دہرے مشرکانہ مغالطوں کی تردید ہے۔ پہلی بات تو یہ کہی کہ یہ آسمان و زمین خود آفریدہ نہیں، مخلوق ہیں، کسی کے پیدا کرنے سے وجود میں آئے ہیں، خود بخود نہیں آ گئے ہیں، دوسری بات یہ بتا دی کہ ان سب کا خالق اللہ ہی ہے۔ کوئی دیوی دیوتا نہیں۔ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۔ یوم پر حاشیہ سورۂ اعراف میں گزر چکا۔ یوم سے مراد ۲۴ گھنٹہ والا دن نہیں۔ ذکر وقت آفرینش عالم کا ہو رہا ہے۔ جب یہ ''دن'' ''رات'' اور ان کی تقسیم کا وجود ہی کہاں تھا۔ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ ۔ عرش اور استویٰ دونوں پر حاشیے گزر چکے ہیں۔ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ ۔ مراد یہ ہے کہ خالق کل ہونے کے ساتھ حاکم کل بھی وہی ہے۔ خلق کے بعد وہ معطل ہو کر نہیں بیٹھ رہا ہے (جیسا کہ بہت سی جاہلی قوموں کا اعتقاد ہے) بلکہ چھوٹے بڑے ہر کام کا انتظام بھی اسی کی مشیت کر رہی ہے۔ قال مجاهد يقضيه ويقدره وحده (قرطبی) ف۵ یعنی مستقل منصب شفاعت رکھنے والا (MEDIATOR) تو کوئی بھی نہیں۔ ہاں اللہ ہی اپنے جس کسی مقرب و مقبول بندہ کو جس حد تک اور جن حالات میں جس کے لئے چاہے اجازت شفاعت دے دے۔ تو اصل اور مقدم شے شفاعت نہیں۔ بلکہ اذن شفاعت ہوئی۔ اذن کے لفظ نے پورا یہ مفہوم ادا کر دیا کہ اصل حاکم متصرف و مختار تو بس وہی ہے۔ شفاعت ہونے دینا اور نہ ہونے دینا سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں جاہلی مشرک قوموں کا رد تو خیر ہے ہی، پوری تردید مسیحیت کی بھی آ گئی ہے کہ موجودہ مذہب مسیحی کا دار و مدار ہی عقیدہ شفاعت و کفارہ پر ہے۔ عربی شرک میں بھی دیوتاؤں کے شفیع ہونے کا عقیدہ بہت زیادہ گھسا ہوا تھا۔ ف۶ (اور اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کرو) اے وحدوه واخلصوا له العبادة (قرطبی) ف۷ (اور اب تک اپنی مشرکانہ گمراہیوں پر مصر ہو) ف۸ انصاف سے جزا دینے کے معنی یہ ہیں کہ جو اجر و انعام موعود ہے، اس میں کمی ذرا بھی نہ کرے اور اس سے زائد اپنے فضل و کرم سے جتنا چاہے عطا کر دے۔ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ۔ ابداء میں یہ بات بھی آ گئی کہ خلق کی پیدائش عدم محض سے ہوئی ہے، کسی مادہ وغیرہ سے نہیں، جیسا کہ بعض مشرک فرقے اب تک سمجھ رہے ہیں۔

عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ

حیرت ہے کہ ہم نے انہیں میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ لوگوں کو

النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ

ڈرایئے اور جو ایمان لے آئیں ان کو خوشخبری سنایئے کہ ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس

عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ

اونچا مرتبہ ہے ف۲ کافر کہتے ہیں کہ یہ (شخص) تو کھلا ہوا

مُّبِيۡنٌ ۞ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

جادوگر ہے ف۳ بے شک تمہارا پروردگار اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں

وَالۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ

اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش (حکومت) پر مستوی ہوا

يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ ؕ مَا مِنۡ شَفِيۡعٍ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اِذۡنِهٖ ؕ

(ہر) کام کی تدبیر (وہی) کرتا ہے ف۴ کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے مگر ہاں بعد اس کی اجازت کے ف۵

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ۞ اِلَيۡهِ

یہی تو اللہ ہے تمہارا پروردگار، سو اسی کی عبادت کرو ف۶ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے ف۷ تم سب کو

مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبۡدَؤُا

اسی کی طرف لوٹنا ہے اللہ نے سچا وعدہ کر رکھا ہے، بیشک اسی نے خلق

الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

کو پہلی بار پیدا کیا ہے پھر وہی اس کو دہرائے گا تا کہ انصاف کے ساتھ ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور جنہوں نے

الصّٰلِحٰتِ بِالۡقِسۡطِ ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَهُمۡ شَرَابٌ

نیک عمل کئے ف۸ اور جن لوگوں نے کفر (اختیار) کیا ان کے لئے پینے کو

مِّنْ حَمِیْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ۝۴ هُوَ

کھولتا پانی اور عذاب دردناک ہے بہ سبب اس کے کہ کفر کرتے رہتے تھے، وہ (اللہ)

الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ

وہی ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن ف۹ اور اس کے لئے منزلیں

مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا

مقرر کر دیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب جان لیا کرو ف۱۰ اللہ نے

خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ

یہ (چیزیں) بے مقصد نہیں پیدا کی ہیں وہ نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے، ان لوگوں کے لئے

یَّعْلَمُوْنَ ۝۵ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا

جو علم رکھتے ہیں ف۱۱ بیشک رات اور دن کے الٹ پلٹ میں اور اللہ نے

خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان (سب) میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو (اللہ سے)

یَّتَّقُوْنَ ۝۶ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا

ڈرتے رہتے ہیں ف۱۲ بیشک جن لوگوں کو ہماری ملاقات کا کھٹکا ہی نہیں ف۱۳ اور وہ

بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا

دنیوی زندگی پر راضی ف۱۴ ہو گئے اور اسی سے جی لگا بیٹھے ہیں ف۱۵ اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے

غٰفِلُوْنَ ۝۷ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝۸

(بالکل) بے پروا رہتے ہیں ف۱۶ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے بہ سبب اس کے جسے وہ کرتے دھرتے رہے،

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے ان کا پروردگار انہیں پہنچا

ف۹ یہاں یہ بتا دیا کہ آفتاب میں ضیاء اور چاند میں نور رکھنا سب اسی قادر مطلق حکیم علی الاطلاق کا کام ہے، نہ کہ کسی دیوی دیوتا کا، اور نہ خود ان اجرام فلکی نے اپنے آپ میں یہ صفات پیدا کر لی ہیں۔ شمس پرستی اور قمر پرستی دنیا میں بہت عام رہی ہے اور اب تک ہے۔ مزید تفصیل کے لئے تفسیر انگریزی کے حاشیے ملاحظہ ہوں۔ ضِیَآءً۔ وہ روشنی ہے جو اپنی ذاتی، مستقل حیثیت رکھتی ہو۔ نُوْر وہ روشنی ہے جو ضیاء سے مستعار ہو۔ اس کا انعکاس ہو۔ قرآن مجید نے (چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے عرب کے ایک امی ﷺ کے لائے ہوئے قرآن نے) دو لفظ الگ الگ لا کر جدید سائنس کے اس بیان پر مہر تصدیق لگا دی کہ چاند بذات خود بے نور ہے، اس میں چمک دمک جو کچھ ہے وہ سورج کے عکس سے ہے۔ ف۱۰ یہاں یہ حقیقت ظاہر کر دی کہ اللہ نے ان اجرام فلکی کو خود انسان کی خدمت وراحت ونفع رسانی کے لئے پیدا کیا ہے تو انسان کی یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ وہ الٹی انہی کی پوجا شروع کر دیتا ہے! قَدَّرَهٗ۔ ضمیر مذکر قمر کی جانب ہے۔ یعنی چاند کی چال کے لئے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ مَنَازِلَ۔ منزل سے مراد وہ مسافت ہے جو کوئی کوکب شب وروز میں قطع کرے۔ چاند کی منزلیں ۲۹ یا ۳۰ ہیں۔ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ۔ کو قدرہ سے متعلق رکھنے سے منشائے خداوندی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وقت وزمانہ کا حساب کتاب تقویم قمری ہی کے مطابق رکھا جائے۔ ف۱۱ (اور ہر چیز سے معرفت حاصل کرتے رہتے ہیں) اِلَّا بِالْحَقِّ۔ کل مقاصد ومصالح تو خدا معلوم کتنے ہوں۔ سب سے بڑا اور کھلا ہوا مقصد یہ ہے کہ انسان ان کے قوانین کی یک رنگی اور ان کے ضوابط کا نظام دیکھ کر توحید باری اور رد شرک پر استدلال کرے۔ اے ما اراد اللہ بخلق ذالک الا الحکمة والصواب واظهار الصنعة وحکمة ودلالة علی قدرته وعلمه (قرطبی) ف۱۲ (اور برائیوں سے بچتے رہتے ہیں) لَاٰیٰتٍ۔ اور سب سے بڑا نشان ہے مخلوقات کے عاجز، فانی اور محکوم ہونے پر اور اللہ کی صنعت، قدرت، تصرف وحکومت پر استدلال۔ لِقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ۔ یہ دلائل ہیں تو ساری ہی خلقت کے لئے۔ لیکن ان سے نفع یاب وہی ہوں گے جو اہل تقویٰ ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ آیت اگر آیت ماقبل کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے تو اس سے ہیئت، حساب اور دیگر علوم طبعیات کے سیکھنے کا جواز ثابت ہوگا۔ لیکن قید اتقاء نے ان تمام علوم کو اصلاح معاد ومعاش تک بہ شرط اتباع شریعت محدود کر دیا ہے۔ ف۱۳ یا "جن لوگوں کو ہماری ملاقات کی امید ہی نہیں۔" رجاء لغات اضداد میں سے ہے، اس کے معنیٰ "اندیشہ" اور "امید" دونوں کے ہیں۔ اور مطلق توقع کے بھی۔ الرجاء یطلق علیٰ توقع الخیر وعلی الخوف وتوقع الشر وعلیٰ مطلق التوقع (روح) بہرحال آخرت سے غفلت ہر صورت میں مشترک ہے، اور انسان کی گمراہی کا پہلا زینہ عموماً یہی آخرت سے غفلت ہی ہوتی ہے۔ ف۱۴ (اور اس لئے آخرت کی طلب ہی نہیں رکھتے، اسی دنیوی زندگی میں مگن ہیں) گمراہی کی یہ دوسری منزل ہوئی۔ ف۱۵ (اور مادی زندگی پر شاد وشادمان ہو کر آخرت کی طرف سے بالکل ہی بے پروا ہو بیٹھے ہیں) گمراہی کی یہ تیسری منزل ہوئی۔ پہلے تو یہ ہوتا ہے کہ نعمت آخرت کی تمنا وطلب دل سے مٹ جاتی ہے اور پھر یہ ہو جاتا ہے کہ اپنے انجام وفنا کی طرف بھی خیال نہیں جاتا۔ اسی دنیوی زندگی کی دلچسپیوں اور رنگینیوں میں ایسا انہماک ہو جاتا ہے۔ کہ "اوپر" کی کھٹک کبھی کبھی بھی نہیں پیدا ہوتی۔ ف۱۶ یعنی روزمرہ کی غفلت وبے حسی، بے پروائی کے علاوہ ایسی نشانیاں جو خاص طور پر چونکا دینے والی ہوتی ہیں۔ مثلاً قحط، زلزلہ، وبا، جنگ عمومی، ناگہانی مالی وجانی صدمات، یہ تک بھی انہیں بیدار نہیں کرتے۔ اور یہ بدستور فکر آخرت کی طرف سے بے پرواہی رہتے ہیں...... شامت زدہ انسان کی ضلالت کا یہ چوتھا اور بالکل آخری مرتبہ ہے! اور افسوس ہے کہ ذکر وفکر آخرت کی طرف سے یہی بے اعتنائی اور دنیوی ساز وسامان اور مادی علوم وفنون وصنائع کی طرف یہی انہماک اور شدت التفات تہذیب فرنگی کا جزء اعظم ہیں! "مہذب" اور "اعلیٰ" سوسائٹی میں دوزخ وجنت برزخ اور وقت نزع کا کسی کی زبان پر نام تک نہ آنے پائے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی)

رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ

دے گا (ان کی منزل تک) بوجہ ان کے ایمان کے ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی

جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ⑨ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ

عیش (ومسرت) کے باغوں میں و۱۷ اس میں ان کا قول ہوگا، پاک ہے تو اے اللہ و۱۸

وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ

اور اس میں ان کی (باہمی) دعا "سلام" ہوگی و۱۹ اور ان کی آخری بات ہوگی کہ ساری تعریف

لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑩ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ

اللہ پروردگار عالمین کے لئے ہے و۲۰ اور اگر اللہ لوگوں پر برائی واقع کر دیا کرتا،

اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ

جس طرح وہ بھلائی کی جلدی مچاتے ہیں تو ان کی میعاد (کبھی کی) پوری ہو چکی ہوتی و۲۱ لیکن ہم ان لوگوں کو

الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑪

جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑے رکھتے ہیں و۲۲

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا

اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے۔ لیٹے بھی اور بیٹھے بھی

اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ

اور کھڑے بھی و۲۳ پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا جو تکلیف اسے

اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا

پہنچی ہے اس کے لئے ہم کو پکارا ہی نہ تھا و۲۴ اسی طرح فضول کاروں کو ان کے اعمال خوشنما

يَعْمَلُوْنَ ⑫ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا

کر دکھائے جاتے ہیں و۲۵ اور بالیقین ہم تم سے قبل (بہت سی) نسلوں کو ہلاک کر چکے ہیں جبکہ

ع ۶

و۱۷ جنت تک اصلی رہنمائی کرنے والی شے ایمان ہے۔ نقطۂ آغاز یہی ہے۔ اعمال صالحہ اس میں صرف معین ہو جاتے ہیں اسی لیے يَهْدِيْهِمْ کے ساتھ ذکر صرف ایمان کا کیا گیا يَهْدِيْهِمْ۔ انہیں پہنچا دے گا ان کی منزل تک اور خود منزل سے مراد جنت ہے۔ یهدیهم بسبب ایمانهم الی ماواهم ومقصدهم وهی الجنة (روح) قال ابوروق یهدیهم ربهم بایمانهم الی الجنة (قرطبی) و۱۸ یہ نعرہ بے اختیار اس وقت زبانوں پر آئے گا جب وہ عجائبات جنت کا دفعۃً معائنہ کریں گے (حسب تفسیر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) و۱۹ یہ اس وقت جب وہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے، ملیں گے اور باہم مخاطب ہوں گے۔ (حسب تفسیر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ای یحیی بعضهم بعضاً بالسلام (معالم) و۲۰ یہ اس وقت جب وہ اطمینان سے وہاں بیٹھ لیں گے، اور دنیا کی فانی لذتوں کا مقابلہ وہاں کے دائمی عیش و سرور سے کریں گے۔ (حسب تفسیر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) دَعْوٰىهُمْ۔ دعوٰی یہاں دونوں موقعوں پر دعا، یا پکار کے معنٰی میں لیا گیا ہے۔ دعوٰهم ای دعائهم (قرطبی) آیت سے معلوم ہوا کہ خالق کی تسبیح اور خلق کے سلام سے مدارج بلند ہوتے ہیں۔ اور آخر میں منزل ادائے شکر کی آتی ہے۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت میں ذکر و عبادت بہ طور شعار و عادت ہوگا۔ تکلیف وجہد کا وجود نہیں۔ ورنہ صبر و مشقت کا ذکر بھی ضرور ہوتا۔ بعض صوفیۂ عارفین نے اٰخر دعوٰهم الخ سے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ عاشقان صادق کے لئے آخرت میں حجاب لذات بھی حائل نہ ہوگا۔ و۲۱ (اور یہ کبھی کے ختم ہو چکے ہوتے) لَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ۔ مشرکین مکہ نے کہا یہ نبی اگر سچے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر کیوں نہیں برسا دیتے۔ جواب ملتا ہے کہ اگر کہیں اللہ کا معاملہ ان کے ساتھ عذاب کے باب میں بھی اسی عجلت کا ہوتا جس کی توقع یہ باب رحمت میں رکھتے ہیں تو اب تک ان کا قلع قمع ہی ہو گیا ہوتا۔ قیل المعنی لو فعل الله مع الناس فی اجابته الی المکروه مثل ما یرید ان فعله معهم فی اجابته الی الخیر لا هلکهم (قرطبی) بِالْخَيْرِ۔ یعنی جس طرح کی عجلت وہ ثواب و رحمت کے موقع پر چاہتے ہیں یا جس طرح خیر و رحمت کے موقع دعا پر حق تعالیٰ کا دستور ہے۔ ای کما یحبون استعجالهم بالخیر (معالم) ای کما یستجیب لهم اذا دعوا لانفسهم ولاموالهم ولاولادهم بالخیر (ابن کثیر) و۲۲ (کہ فوراً عذاب لے آنا حکمت تکوینی کے منافی ہے) و۲۳ یعنی ہر حال میں اور ہر وضع کے ساتھ ہم کو پکارتا رہتا ہے۔ شدت اضطراب واضطرار میں ناشکرا انسان بھی توجہ الی اللہ میں لگ جاتا ہے۔ اَلْاِنْسَانَ۔ انسان سے یہاں مراد ناشکرا کافر انسان ہے۔ قیل المراد بالانسان هنا الکافر (قرطبی) و۲۴ یعنی ادھر مصیبتیں دور ہوئیں، ادھر غافل انسان پھر غفلتوں کا شکار ہو گیا۔ انما اراد جمیع حالاته (قرطبی) ای فی حال اضطجاعه وقعوده وقیامه وفی جمیع احواله (ابن کثیر) و۲۵ عارفین نے اسی لئے ہمیشہ بڑے تضرع و ابتہال کے ساتھ دعائیں مانگی ہیں کہ اے اللہ ہم کو حق ہمیشہ حق ہی کی صورت میں اور باطل ہمیشہ باطل ہی کی شکل میں دکھا۔

؎ آب خوش راصورتِ آتش مدہ!

ظَلَمُوْا ۙ وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ مَا كَانُوْا

انہوں نے ظلم کیا درآنحالیکہ ان کے پاس ان کے پیمبر کھلے دلائل کے ساتھ آتے رہے اور وہ ایسے تھے ہی نہیں

لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ

کہ ایمان لے آتے ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں مجرم لوگوں کو و۲۶ پھر

جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ

ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین پر نائب کیا تاکہ ہم دیکھیں

كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ

کہ تم کیسے عمل کرتے ہو و۲۷ اور جب انہیں ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں

قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ

تو جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کوئی کھٹکا نہیں ہے کہنے لگتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ

اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ

یا اسی میں ترمیم کر دو، و۲۸ آپ کہہ دیجیے میں یہ نہیں کر سکتا کہ اس میں اپنے جی سے ترمیم

نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ

کر دوں میں تو بس اسی کی پیروی کروں گا جو میرے پاس وحی سے پہنچتا ہے اگر میں اپنے

اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّوْ

پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں یوم عظیم کے عذاب سے ڈرتا ہوں و۲۹ آپ کہہ دیجیے کہ اگر

شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَ لَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۫ۖ فَقَدْ

اللہ کی مشیت (یہی) ہوتی تو میں نہ تم کو یہ (کلام) پڑھ کر سنا سکتا اور نہ (اللہ) تم کو اس کی اطلاع کرتا، اور پھر میں تو

لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

تمہارے درمیان اس کے قبل بھی اتنے حصہ عمر تک رہ چکا ہوں کیا تم عقل سے کام (ہی) نہیں لیتے، و۳۰

و۲۶ (بوجہ اپنی غایت قساوت قلب وعناد کے) مراد یہ ہے کہ جب بعثت رسل اور ان کافروں کی طرف سے ان کی تکذیب کے بعد حجت ان پر پوری طرح ثابت ہو چکی تھی تو اب مزید تاخیر وامہال سے کوئی نتیجہ ہی نہ تھا۔ لَمَّا ظَلَمُوْا۔ اس ظلم کے تحت میں کفر وشر کے جملہ اقسام آگئے۔ نیز حدود شرعی سے تجاوز اور بدنی ومالی حق تلفیاں۔ بِالْبَيِّنٰتِ۔ اس میں اللہ کی توحید اور پیمبروں کی صداقت پر ہر قسم کے دلائل اور معجزات وغیرہا آگئے۔ لِيُؤْمِنُوْا۔ میں ل تاکید نفی کے لئے ہے۔ واللام لتاكيد النفي (مدارک۔ بیضاوی) و۲۷ یعنی آیا ویسے ہی کفر وشرک میں لگے رہتے ہو یا ایمان لے آتے ہو۔ لِنَنْظُرَ۔ یعنی ظاہری طور پر بھی تمہاری جانچ کر لیں۔ و۲۸ (کہ ہمارے مسلک کے خلاف اس میں کوئی مضمون باقی نہ رہے) ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَا۔ مخاطب ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ آپ ہی کو جاہلیت عرب کے بڑے بڑے "روشن خیال" جاہلیت فرنگ کے "روشن خیالوں" کی طرح قرآن کا مصنف خیال کرتے تھے اور اس لئے قدرۃً فرمائش بھی آپ ہی سے کرتے تھے کہ یا تو اپنی کوئی دوسری تصنیف سنایئے یا کم از کم اسی تصنیف میں ہمارے نقطۂ نظر سے مناسب کانٹ چھانٹ کر دیجیے۔ و۲۹ یہ ایک بار پھر اس حقیقت کا تصریحی اعادہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف حامل شریعت ہیں، بانی شریعت نہیں۔ احکام الٰہی کا اتباع آپ پر بھی اسی درجہ میں ضروری تھا جتنا کسی اور فرد بشر پر۔ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ۔ یعنی تمہاری اس فرمائشی ترمیم پر عمل کرنا میری بساط سے باہر ہے۔ فقہا نے یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ بدعت حرام ہے۔ دین میں نئی بات پیدا کرنے کا حق جب پیمبر معصوم ﷺ تک کو حاصل نہ ہو سکا تو کسی غیر معصوم کو کب اس کا حوصلہ ہو سکتا ہے...... اور علماء حق نے یہ جو لکھا ہے کہ سنت بعض حالات میں قرآن کی ناسخ ہو جاتی ہے۔ سو "نسخ" سے ان کی مراد ترمیم وتبدیل ہرگز نہیں کہ یہ تو بالاتفاق حرام ہے۔ "نسخ" سے ان کی اصطلاح میں مراد صرف اس قدر ہے کہ قرآن میں جو حکم مجمل تھا۔ سنت نے اس کی تفصیل کر دی۔ اور جس باب میں اجمال تھا اس کی تصریح کر دی۔ یا یہ کہ جو حکم موقت تھا اور اس کا موقت ہونا ہم پر مخفی تھا، اسے واضح کر دیا۔ اور پھر جو سنت کسی معنی میں بھی قرآن کو "نسخ" کرتی ہے وہ بھی رسول ﷺ کی اپنی رائے وفہم کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ وہ بھی وحی الٰہی ہی ہوتی ہے۔ ان نسخ القران لا يجوز عندنا الا بسنة هي وحي من قبل الله قال الله وما ينطق عن الهوٰى ان هو الا وحي يوحٰى فنسخ حكم القران بالسنة انما هو نسخ بوحي الله لا من قبل النبي ﷺ (جصاص) فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ کسی حاکم یا قاضی کے لیے جائز نہیں کہ کسی کی رعایت سے یا نفع کی خاطر کسی شرعی حکم کو متروک اور مسکوت عنہ قرار دے دے۔ البتہ فتنہ اور خوف حاکم سے سکوت کی گنجائش نکالی ہے۔ پیر پرستی بلکہ پیرزادگی پرستی میں مبتلا حضرات غور کریں کہ معاذ اللہ رسول معصوم ﷺ تک امکان عذابِ آخرت سے خائف ہو رہے ہیں۔ ایسے حال میں کسی شیخ یا کسی شیخ کی اولاد کو بہر حال مامون ومحفوظ سمجھتے رہنا تعلیماتِ اسلام پر کیسا ظلم صریح ہے! و۳۰ "روشن خیالان" عرب کی اسی فرمائشی ترمیم کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کے جواب کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔ (۱) اپنی عمر کے ۴۰۔۴۵ سال تمہاری آنکھوں کے سامنے گزار چکا ہوں۔ میرے تدین، راستبازی، صداقت شعاری پر تم سب گواہ ہو کبھی کسی خفیف معاملہ میں بھی کذب و افتراء سے مجھے کام لیتے تم نے دیکھا یا سنا ہے؟ پھر جب یہ نہیں، تو اتنے بڑے افتراء کی کہ اپنے کلام کو خدا کا کلام کہہ کر پکاروں، آخر مجھے جرأت ہو ہی کیونکر سکتی ہے؟ تمہاری عقلیں اس احتمال ہی کو کیسے تسلیم کر رہی ہیں؟ (۲) تمہارے درمیان اپنی عمر کا اتنا بڑا حصہ میں گزار چکا۔ میری ایک ایک خو بو سے تم واقف ہو چکے۔ میری بولی، میرے انداز کلام کو تم خوب اچھی طرح جان چکے، پہچان چکے۔ تمہیں قرآن میں اور میرے کلام میں کوئی فرق نظر نہیں آتا؟ میں چاہوں بھی تو قرآن جیسے ممتنع النظیر کلام پر کب قادر ہو سکتا ہوں؟ اب تک میرا کوئی کلام اس ٹکر کا جب نہ ہوا، تو آج کیسے ہوا جا رہا ہے؟ قرآن کا یہ استدلال اپنے کلام الٰہی ہونے پر پورا وزن دار اُس وقت بھی تھا۔ پھر جس وقت سے احادیث رسول مدون ہو گئیں اُس وقت سے تو اس دلیل میں اور زیادہ جان پڑ گئی ہے حدیثوں کے چھوٹے بڑے مجموعہ ایک دو کی نہیں، بیسیوں کی تعداد میں آج سے نہیں صدیوں سے شائع چلے آرہے ہیں۔ کیا عقل کے اندھوں کو اتنا نظر نہیں آتا کہ جو زبان بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ کی ہے وہ قرآن کی ہے یا ہو سکتی ہے؟...... زبان، انداز بیان اسلوب کلام، نوعیت تراکیب کا اتنا نمایاں وواضح فرق بھی کیا شام، مصر، فلسطین، عراق وغیرہ کے اہل زبان یہود اور نصرانیوں کو نہیں بھائی دیتا؟ اَدْرٰىكُمْ۔ میں ضمیر فاعلی حق تعالیٰ کی جانب ہے۔ اے لا اعلمكم الله (قرطبی) بعض نے رسول کی طرف بھی سمجھی ہے۔ مقصد ومآل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ

اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی

بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ

نشانیوں کو جھٹلائے ، یقیناً مجرموں کو فلاح نہیں ہوتی، ف۳۱ یہ اللہ کے سوا (ایسی چیزوں کی)

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ

عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکیں اور نہ نفع پہنچا سکیں، اور کہتے ہیں کہ

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا

یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو

لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ

(اللہ کو) معلوم نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں ف۳۲ وہ پاک

وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ

اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے ف۳۳ اور انسان تو ایک ہی طریقہ پر

اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

تھے۔ پھر انہوں نے اختلاف کیا اور اگر تیرے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے نہ

مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

ٹھہر چکی ہوتی تو ان کے درمیان اس باب میں جس میں یہ اختلاف کررہے ہیں فیصلہ کر دیا گیا ہوتا ف۳۴

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا

اور یہ کہتے ہیں کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں نازل ہوتا ف۳۵ سو آپ کہہ دیجیے

الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع

کہ غیب (کی خبر) تو بس اللہ ہی کو ہے، سو انتظار کرو میں (بھی) تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ف۳۶

ع ۱۰/۷

ف۳۱ یہاں یہ بتایا کہ اپنے دل کی گڑھی ہوئی چیزوں کو وحی الٰہی قرار دے دینا اور آئی ہوئی وحی الٰہی کی تکذیب دونوں یکساں اور شدید ترین جرائم ہیں اور فلاح ایسے مجرموں کے نصیب میں نہیں۔ ف۳۲ اس آیت میں تمام مشرک قوموں کے معبودانِ باطل کی بے حقیقتی بیان کی ہے اور ان کا یہ جھوٹا عذر بھی کہ ہم ان دیویوں دیوتاؤں کو کچھ مستقلاً متصرف فی الکائنات اور خدا تھوڑے ہی مانتے ہیں ہم تو ان کی حیثیت مستقل شفیع کی مانتے ہیں۔ عرب کے مشرکین کی طرح یہی عقیدہ عیسائیوں کا بھی ہے۔ مسیح پرستی کے سلسلہ میں تو کھلا ہوا اور سب کا اور اولیاء پرستی کے سلسلہ میں اُن کے فرقہ کیتھولک کا۔ اولیاء کو وہ شفعاء ہی ٹھہراتے ہیں۔ ہمارے زمانہ کے اہل بدعات کا بھی کچھ ایسا ہی عقیدہ ہے کہ اگر قبور اکابر کی تعظیم مفرط کی جائے گی تو یہ اکابر صالحین اپنے پرستاروں کے حق میں شافع و شفیع بن جائیں گے۔ اور ہر طرح عذاب الٰہی سے اُن کے آڑے آ جائیں گے اور یہ بلا اس اُمت پر آج سے نہیں۔ کم از کم امام رازی علیہ الرحمۃ (متوفی ٦٠٦ ہجری) کے زمانہ سے تو ضرور مسلط ہے۔ و نظيرة فى هذا الزمان اشتغال كثير من الخلق بتعظيم قبور الاكابر علٰى اعتقاد انهم اذا عظموا قبورهم فانهم يكونون شفعاء لهم عندالله (کبیر) اور ظاہر ہے کہ جو چیز اللہ کے علم میں نہیں تو اس کا وجود ہی باطل ہے۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اللہ کے حدود علم سے خارج کون سی چیز ہے؟ آیا ان ''معبودوں'' کا شفیع ہونا یا ہر شفیع کے لیے مرتبہ معبودیت کا لزوم؟ جواب یہ ہے کہ دونوں۔ استدلال مشرکین کے صغریٰ اور کبریٰ دونوں ہی مہمل تھے ف۳۳ (اور ایک گروہ اُن میں کا شرک میں مبتلا ہو گیا) كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ یعنی ابتداءً سب کے سب موحد تھے۔ قرآن اِن کھلے ہوئے الفاظ میں دین میں ''ارتقاء'' کی قطعی تردید کر رہا ہے۔ ابتداءً صرف دین توحید ہی تھا۔ اس کے بعد ارتقاء کے نہیں، انحطاط کے اثر سے شرک اور بت پرستی کی مختلف صورتیں ظہور میں آنے لگیں۔ چنانچہ اب جدید ترین ماہرین علم الاصنام و ماہرین اثریات پروفیسر (Schmidt) (اشمٹ) پروفیسر (Langden) (لینگڈن) سر چارلس مارسٹن وغیرہ سب تسلیم کر رہے ہیں۔ اور ''ارتقاء عقیدۂ توحید'' کا وہ نظریہ جو انیسویں صدی کے آخر میں بہ طور فیشن کے چلا ہوا تھا علمی دنیا میں اب خود ہی متروک ہو گیا ہے۔ ف۳۴ یعنی عذاب موعود جو عملی فیصلہ ہے اسی دنیا میں نازل ہو گیا ہوتا۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ۔ کلمة سے مراد یہ وعدہ یا حکم ہے کہ پورے عذاب کے لیے انہیں مہلت آخرت تک کی ملے گی۔ اشارة الى القضاء والقدر اى لولا ما سبق فى حكمه (قرطبی) الكلمة هنا هوالقضاء و التقدير لبنى ادم بالاجال الموقتة (بحر) ف۳۵ (ہمارے فرمایشی نشانوں اور معجزات میں سے) پیمبر کی زندگی تو سرتاپا معجزہ ہی ہوتی ہے اُس کی ایک ایک بات سے خدائی روح ٹپکتی رہتی اور قدم قدم پر اُس کے اور عام مخلوق کے درمیان فرق نمایاں رہتا ہے۔ ع روئے و آواز پیمبر معجزہ ست لیکن یہ سب صرف اہل بصیرت کے لیے ہے۔ باقی معاندین، جہلاء ہر زمانہ میں مخصوص فرمایشیں کر کر کے فلاں فلاں متعین مادّی معجزات کی طلب کرتے رہے ہیں، فلاں پہاڑ سونے کا ہو جائے، فلاں فلاں کھانوں کا خوان آسمان سے نازل ہو جائے، آسمان کا ٹکڑا ٹوٹ کر زمین پر گر پڑے۔ وقس علیٰ ہذا۔ چنانچہ یہاں بھی اٰية سے مراد اسی قسم کے متعین فرمایشی معجزات ہیں۔ اى من الأيات التى اقترحوها (بیضاوی) يَقُوْلُوْنَ۔ یہ طلب ہی تحقیق حق کی راہ سے نہیں۔ عناد و تعریض کے طور پر تھی۔ ورنہ اگر دل میں ذرا بھی طلب صحیح ہوتی تو سیرت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ایک ایک جزئیہ معجزہ تھا، ہر دوسرے اور خارجی معجزہ سے مستغنی کر دینے والا۔ ولعمرى لو انصفو الاستغنوا من كل اٰية غيره عليه الصلٰوة والسلام فانه الأية الكبرٰى و من راه و سير احواله لم يكديشک فى انه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم (روح) ف۳۶ پیمبر اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت و عبدیت پر یہ کیسے کھلے کھلے نصوص موجود ہیں اور حیرت ہے کہ ایک گروہ ان تک کو پس پشت ڈالے رکھنے کی جرأت رکھتا ہے! پیمبر کو صاف صاف یہ کہنے کی ہدایت ہو رہی ہے کہ میرا دخل کسی معجزہ کے وقوع و عدم وقوع میں بالکل نہیں۔ ظہور معجزات تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پردۂ غیب سے جو کچھ بھی ظہور میں آئے۔ جہاں تم وہیں میں ہوں۔ انتظار کرنے میں ہم سب شریک۔

وے۳ منکرین کی مریض ذہنیت کا بیان ہے کہ وہ تسکین تو کسی معجزہ، کسی آیت سے بھی نہیں حاصل کرتے اور تسکین تو انہیں مقصود ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ اعجازی واقعہ کی کوئی نہ کوئی مادّی توجیہ وتاویل پیدا ہی کر لیتے ہیں۔ اور اس پر اعتراض کر۔ چٹ دوسرے معجزہ کی فرمائش شروع کر دیتے ہیں۔ مَكْرٌ فِيٓ اٰيَاتِنَا۔ یعنی آیاتِ الٰہی میں طرح طرح کی تاویلیں اور توجیہیں۔ سمی تکذیبھم بایات اللہ مکرًا لان المکر عبارۃ عن صرف الشئ عن وجھه الظاھر بطریق الحیلة (کبیر) الاحتیال فی دفعھا (روح) لیجعلوا لتلک الرحمة سببًا اٰخر (ابن قتیبة) النَّاسَ۔ سے مراد اس سیاق میں دنیا کی کافر آبادی ہے۔ الناس عام لجمیع الکفار (روح) رَحْمَةً۔ صحت وعافیت، جاہ وثروت یہ سب اسی رحمت کی فروعیں ہیں۔ و۳۸ (اور وقت معین پر انہیں پوری پوری سزائیں مل کر رہیں گی) رُسُلَنَا۔ رُسل یہاں فرشتوں کے لیے ہے۔ ای الرسل الحفظة (قرطبی) اَللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا۔ یعنی اللہ نہ ان کی کوئی تدبیر چلنے دے گا، نہ انہیں کوئی موقع بچاؤ کا دے گا اور جلد سے جلد ان کی چالوں کا توڑ کر دے گا۔ ای اعجل عقوبته علٰی جزاء مکرھم (قرطبی) عربی کے قاعدۂ مشاکلت کا ذکر دیباچۂ تفسیر میں آچکا ہے۔ مکر کا لفظ اللہ کے سلسلہ میں بہ قاعدۂ مشاکلت ہی آیا ہے۔ مکر پر حاشیہ واللہ خیر الماکرین کے تحت میں پ۳ سورۂ آل عمران میں گزر چکا۔ المراد به الجزاء والعقوبة علی المکر مجازًا مرسلًا او مشاکلةً (روح) و۳۹ (اور اب نجات پانے کی کوئی سبیل مادّی اسباب وذرائع سے ممکن نہیں)

وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ
اور جب ہم (ناشکر) لوگوں کو بعد اس کے کہ ان پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو، اپنی رحمت کا مزا چکھا
مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ
دیتے ہیں تو فوراً ہی وہ "لوگ" ہماری نشانیوں کے باب میں چالیں چلنے لگتے ہیں وے۳ آپ کہہ دیجیے اللہ چالوں میں
مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ
ان سے بھی بڑھا ہوا ہے یقیناً جو چالیں تم چل رہے ہو ہمارے قاصد انہیں لکھتے جا رہے ہیں، و۳۸ وہ
الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي
وہی (اللہ) ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں لئے لئے پھرتا ہے چنانچہ جب تم کشتی میں (سوار)
الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا
ہوتے ہو اور وہ (کشتیاں) لوگوں کو ہوائے موافق کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں
جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ
کہ (ناگہاں) ایک تھپیڑا ہوا کا آتا ہے اور ان کے اوپر ہر طرف سے موجیں اُٹھتی
مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ
چلی آتی ہیں اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ (بس اب) ہم گھر گئے و۳۹ (تو اس وقت) اللہ کو اس کے ساتھ
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ
اعتقاد کو (بالکل) خالص کر کے پکارتے ہیں (کہ) اگر تو نے ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دلا دی
لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ
تو ہم یقیناً بڑے شکر گزاروں میں ہوں گے و۴۰ پھر جب وہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو وہ فوراً ہی
يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا
زمین میں ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں و۴۱ اے لوگو یہ

هُوَ الَّذِيْ ...... الْبَحْرِ یعنی انہیں سفر بری وسیاحت بحری کے آلات واسباب بہم پہنچا دیتا ہے۔ زمین اور سمندر دونوں کے طے کرنے کے لئے سواریاں، گھوڑے، گدھے، ہاتھی، اونٹ سے لے کر ریل، موٹر، سائیکل، موٹر لانچ، آبدوز کشتی، آہن پوش جہاز وغیرہا تک جتنی بھی نکل چکی ہیں یا آیندہ نکل سکیں، یہ سب بالکل آخر میں جا کر کسی علت فاعلی پر ٹھیرتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ یا حق تعالیٰ کی بخشی ہوئی قوتوں پر۔ قرآن مجید درمیانی واسطوں کو چھوڑ کر علت حقیقی کی یاد دلا رہا ہے۔ جَرَيْنَ بِهِمْ صنعت التفات کے لئے ملاحظہ ہو دیباچہ تفسیر۔ حاضر سے معاً غیب کی طرف منتقل ہو جانے کا اسلوب بیان عربی ادب وانشاء میں عام ہے۔ خروج من الخطاب الی الغیبة وھو فی القراٰن واشعار العرب کثیر (قرطبی) یہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نکتہ رسی سے لکھا ہے کہ جس طرح صیغہ غائب سے حاضر کی طرف انتقال اظہار تقرب واکرام کے لئے ہوتا ہے، یہ حاضر سے غائب کی طرف انتقال اس کے برعکس بُعد وبیزاری کے اظہار کے لئے ہو۔ وھو الذی خطر بالبال فی الحال ان الانتقال فی الکلام من لفظ الغیبة الی لفظ الحضور یدل علٰی مزید التقرب والاکرام واما ضدہ وھو الانتقال من لفظ الحضور الٰی لفظ الغیبة فانه یدل علی المقت والتبعید (کبیر) بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ۔ یعنی ہوائے نرم۔ مراد ہے وہ ہوا جو جہاز کے موافق ہو۔ والمراد بطیبة حسبما یقتضیه المقام لینة الھبوب موافقه المقصد (روح) رِيْحٌ عَاصِفٌ۔ یعنی ہوائے تند وتیز، مراد ہے وہ ہوا جو جہاز کے مخالف ہو۔ العاصف الشدیدۃ (قرطبی) ومعنی عصفت الریح اذا اشتدت واصل العصف السرعة (کبیر) ظَنُّوْٓا۔ ظن کے معنی جس طرح گمان وقیاس کے ہیں۔ یقین یا خیال اغلب کے بھی ہیں۔ ای ایقنوا (قرطبی) بِهِمْ۔ میں ب تعدیہ کی ہے اور بریح اور بھا میں دونوں جگہ سببیت کی۔ و۴۰ (اور بڑا شکر یہی ہے کہ مومن مخلص بن جائیں گے) ایسے نازک موقعوں پر اسباب سے قطع نظر کر کے ساری توجہ مسبب الاسباب کی طرف کر دینا عین انسان کی فطرت سلیم کا مقتضا ہے۔ اور جو بدنصیب ایسے وقت بھی رجوع وانابت کی توفیق نہیں پاتے ان کے دل نور انسانیت کی آخری شعاع سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ یہ حالت اضطرار کا اخلاص ایمان کے قائم مقام اور نجات اخروی کے لئے کافی نہیں۔ والدعاء ان لم یکن عن ایمان بل عن الاضطرار لا ینفع (روح) البتہ کشائش دنیوی یعنی غرق سے بچانے میں مؤثر ہو سکتا ہے۔ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ اقرار مشروط مثلاً یہ کہ اگر میرا فلاں کام بن گیا تو میں دین توحید قبول کر لوں گا۔ شریعت میں معتبر نہیں۔ ظَنُّوْا ...... الشّٰكِرِيْنَ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ بغدادی صاحب تفسیر روح المعانی نے اس مقام پر کچھ دور تک اپنی ملت کے حال زار پر نوحہ وماتم کیا ہے کہ مشرکین تک ایسے موقع پر خدائے واحد وقدوس کو پکارنے لگتے ہیں لیکن ہم لوگوں میں کوئی فلاں بزرگ کو پکارتا ہے، کوئی فلاں شیخ کے نام کی دہائی دینے لگتا ہے سو خدا کے لئے فیصلہ کیجئے کہ ہم اس لحاظ سے مشرکوں سے بھی ابتر ہو چکے ہیں یا نہیں۔ فباللہ تعالٰی علیک قل لی ای الفریقین من ھذہ الحیثیة اھدٰی سبیلا وای الداعیین اقوم قیلا (روح) ہمارے ملک کے "یاغوث" اور "یاخواجہ" کی صدائیں لگانے والے اور "یاعلی مشکل کشا" کا نعرہ لگانے والے ذرا اپنے اپنے انجام پر غور کر لیں۔ منقول ہے کہ کسی نے حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ پروردگار عالم کی بابت کچھ مجھے ارشاد فرمایئے، آپ نے کہا کہ تم کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ تجارت، بحری میرا پیشہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا، تم اس کا کچھ حال بیان کرو، اس نے کہا کہ ایک بار میری کشتی عین دریا میں ٹوٹ گئی اور میں ایک تختہ پر بیٹھا ہوا بہا جا رہا تھا کہ ہوائے تند وتیز کا تھپیڑا آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ اس وقت تمہارے دل میں خشوع وشکستگی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی؟ اس نے کہا، بیشک، آپ نے فرمایا کہ جس کی طرف تمہاری تضرع وشکستگی نے رخ کیا تھا بس وہی تو پروردگار عالم ہے۔ (کبیر) و۴۱ (اور اپنے اس وعدہ واقرار کو بھول بھال کر پھر شرک وفساد میں لگ جاتے ہیں) بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ کی قید اس لئے ہے کہ ان لوگوں کی یہ زیادتی اور سرکشی خود ان کے ضمیر میں اور ان کے معیار سے بھی جرم تھی۔

بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا

تمہاری سرکشی تمہارے ہی اوپر (الٹ پڑنے والی) ہے (یہی) دنیوی زندگی کا چند روزہ نفع ہے پھر ہماری ہی طرف

مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اِنَّمَا مَثَلُ

تمہاری واپسی ہے پھر ہم تمہیں جتلا دیں گے جو کچھ تم کرتے رہے ہو ف۴۲ بس دنیا کی زندگی کا

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ

حال تو ایسا ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کی سبزی

بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ

گنجان ہو کر نکلی جس کو انسان اور چوپائے کھاتے ہیں

حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ

یہاں تک کہ جب زمین (پوری طرح) اپنی رونق پر پہنچ چکی، اور اس کی زیبائش ہو گئی

وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا

اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب وہ اس پر بالکل متصرف ہو چکے تو ہمارا حکم اس پر (اچانک)

لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ

رات کو یا دن کو آ پڑا، سو ہم نے اسے (ایسا) صاف کر دیا کہ گویا وہ کل موجود ہی

بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

نہ تھی ف۴۳ ہم اسی طرح آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے رہتے ہیں،

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا

راہ راست پر چلا دیتا ہے ف۴۴ جو لوگ نیکی کرتے رہے ان کے لئے

ف۴۲ یہاں اس حقیقت کا اعلان ہے کہ کفر و معصیت کے ساتھ دنیا میں جو عیش و کامرانی جمع ہو سکتی ہے وہ محض چند روزہ ہے اس کی دائمی سزا آخرت میں بھگتنا ہے۔ ف۴۳ (سو یہ دنیا اپنی ساری زیب وزینت کے ساتھ بس ایسی ہی ناپائدار اور سریع الزوال ہے) حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا۔ یعنی اس کی خوشنمائی اپنے کمال کو پہنچ گئی۔ اے استوفت واستکملت حسنها (روح) یہاں دنیا کی بے ثباتی کو مثال کی صورت میں یوں پیش کیا ہے کہ جیسے آسمان سے خوب زور شور کی بارش ہو، ہر قسم کے نباتات کی روئیدگی خوب ہو۔ آدمی کے کھانے کے قابل پھل پھلاری، میوہ، غلہ اور جانوروں کے کھانے کے قابل پتیاں، بھوسہ وغیرہ کی خوب پیداوار ہو، پھر جب ہر طرف سرسبزی وشادابی پھیل جائے، لہلہاتا کھیت، سرسبز درخت، شاداب باغ ہر طرف پورے زیب وزینت کے ساتھ نظر آنے لگیں اور انسان سمجھنے لگے کہ بس ہم ان تمام لذتوں اور نعمتوں سے لطف اٹھانے کے پوری طرح مالک ومختار ہیں کہ یک بیک حکم الٰہی سے کوئی ایسا آسمانی یا زمینی حادثہ پیش آجائے کہ سارا گل وگلزار تہس نہس ہو کر رہ جائے اور حالت یہ ہو جائے کہ گویا کل یہاں کچھ تھا ہی نہیں! یہ مرقع ہے انسانی زندگی کا کہ بڑے سے بڑے نامور وبا اقبال انسان کا بھی خاتمہ دفعۃً موت پر ہو کر رہ جاتا ہے! اور یہ حال ہے دنیا کا جس میں غافل انسان ہمہ تن مصروف رہتا ہے! وَازَّيَّنَتْ۔ یعنی سبزہ سے خوب خوشنما معلوم ہونے لگی۔ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا۔ امر سے مراد ہے کوئی تکوینی عذاب مثلاً پالا، پتھر، سیلاب وقس علیٰ ہذا۔ اے عذابنا (قرطبی) قال ابن عباس یرید عذابنا (کبیر) ظَنَّ اَهْلُهَا۔ ظن یہاں بھی یقین کے معنی میں ہے۔ اے ایقن (قرطبی) ف۴۴ اور یہی لوگ ہیں جنہیں اس سلامتی کے گھر تک پہنچ جانے کی توفیق ہو جاتی ہے۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا۔ اللہ اپنے بندوں کو بلاتا ہے اپنے انہیں احکام وہدایات کے ذریعہ سے۔ اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ۔ سلامتی کا گھر یعنی اس فانی وناپائدار دنیا کے برعکس ہمیشہ قائم اور سلامت رہنے والا گھر مراد جنت ہے۔ اے الی الجنة (قرطبی) قال قتادة و الحسن السلام هو الله وداره الجنة وسميت الجنة دار السلام لان من دخلها سلم من الأفات (قرطبی) لا شبهة ان المراد من دار السلام الجنة الا انهم اختلفوا فی سبب الذی لاجله حصل هذا الاسم (کبیر) عارفین نے لکھا ہے کہ آیت میں مومنین کے لئے تو عبرت ہے کہ شہنشاہ خود بلا رہا ہے اور غلام حاضری میں توقف کر رہے ہیں اور منکرین کے لئے سرزنش ہے کہ وہ کیسی دعوت ونعمت سے محروم رہے جا رہے ہیں اور دنیا پرستوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے کہ وہ کیسی پست وحقیر چیزوں کے پھیر میں پڑے ہوئے ہیں اور عاشقوں کے لئے بشارت ہے کہ ان کے حق میں اشارے خلوت خاص کے ہو رہے ہیں۔ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ۔ اللہ کی طرف سے یہ ہدایت ہمیشہ مشیت تکوینی اور بے شمار مصلحتوں اور حکمتوں کے ماتحت ہوتی ہے۔

اَلۡحُسۡنٰی وَ زِیَادَۃٌ ؕ وَ لَا یَرۡہَقُ وُجُوۡہَہُمۡ قَتَرٌ وَّ لَا

بھلائی ہے اور اس کے علاوہ بھی و۴۵ ان کے چہروں پر نہ کدورت چھائے گی اور نہ ذلت

ذِلَّۃٌ ؕ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۶﴾

ہو گی، اہل جنت یہی ہیں یہ اس میں ہمیشہ (ہمیش) رہیں گے و۴۶

وَ الَّذِیۡنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ جَزَآءُ سَیِّئَۃٍۭ بِمِثۡلِہَا ۙ

اور جن لوگوں نے بدیاں کمائی ہیں (سو) بدی کی سزا بھی ویسی ہی (بدی) ہے

وَ تَرۡہَقُہُمۡ ذِلَّۃٌ ؕ مَا لَہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ مِنۡ عَاصِمٍ ۚ

اور ایسے لوگوں کو ذلت چھالے گی اور کوئی انہیں اللہ (کے عذاب) سے نہ بچا سکے گا و۴۷

کَاَنَّمَاۤ اُغۡشِیَتۡ وُجُوۡہُہُمۡ قِطَعًا مِّنَ الَّیۡلِ مُظۡلِمًا ؕ

گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے ٹکڑے لپیٹ دیئے گئے ہیں

اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۷﴾ وَ یَوۡمَ

دوزخ والے یہی ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے و۴۸ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جس دن

نَحۡشُرُہُمۡ جَمِیۡعًا ثُمَّ نَقُوۡلُ لِلَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا

ہم ان سب کو جمع کریں گے و۴۹ پھر ہم شرک کرنے والوں سے کہیں گے کہ

مَکَانَکُمۡ اَنۡتُمۡ وَ شُرَکَآؤُکُمۡ ۚ فَزَیَّلۡنَا بَیۡنَہُمۡ وَ قَالَ

تم اور تمہارے شرکاء (خدائی) اپنی جگہ ٹھیرو و۵۰ پھر ہم ان میں باہم خوب پھوٹ ڈال دیں گے اور ان کے (وہ

شُرَکَآؤُہُمۡ مَّا کُنۡتُمۡ اِیَّانَا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۲۸﴾ فَکَفٰی بِاللّٰہِ

مزعومہ) شرکاء (ان سے) کہیں گے تم ہماری عبادت تو کرتے نہ تھے و۵۱ تو اللہ ہمارے

شَہِیۡدًۢا بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمۡ اِنۡ کُنَّا عَنۡ عِبَادَتِکُمۡ

تمہارے درمیان کافی گواہ ہے کہ ہم کو تو تمہاری عبادت کی خبر ہی

و۴۵ یعنی دیدار الٰہی جو ہر نعمت اور ہر لذت سے افضل تر ہے۔ زِیَادَۃٌ۔ کی یہ تفسیر خود حدیث میں آچکی ہے۔ عن النبی ﷺ فی ھذہ الاٰیۃ قال اذا دخل اھل الجنۃ الجنۃ فیکشف الحجاب فیتجلّٰی لھم فواللہ ما اعطاھم شیئًا احب الیھم من النظر الی اللہ (ابن جریر) قال رسول اللہ ﷺ الزیادۃ النظر الٰی وجہ اللہ الکریم (قرطبی عن انس رضی اللہ عنہ) یہی حدیث صحیح مسلم میں حضرت صہیب صحابی رضی اللہ عنہ کی روایت سے آئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین سب سے یہی تفسیر منقول ہے۔ الزیادۃ النظر الٰی وجہ اللہ تبارک وتعالٰی (ابن جریر عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ) زیادۃ النظر الی الرب (ابن جریر۔ عن الحسن رضی اللہ عنہ) الزیادۃ ھنا النظر الٰی وجہ الرحمٰن (ابن جریر۔ عن قتادہ) وھو قول ابی بکر الصدیقؓ وعلیؓ فی روایۃ وحذیفۃ وعبادۃ بن الصامت وکعب بن عجرۃ وابی موسٰی وصھیب وابن عباسؓ فی روایۃ وھو قول جماعۃ من التابعین (قرطبی) دیدار الٰہی کو لفظ زِیَادَۃٌ سے تعبیر کرنے میں بھی شاید یہی اشارہ ہے کہ وہ ایسی نعمت ہے جو ہر ممکن نعمت کے علاوہ اور اس کے مافوق ہے۔ اشارۃ الٰی انعام واحوال لا یمکن تصورھا فی الدنیا (راغب) اَحۡسَنُوۡا۔ نیک کام کئے، نیک کرداری کرتے رہے۔ اور سب سے بڑی نیکی خود ایمان لانا ہے۔ اَلۡحُسۡنٰی۔ یعنی اجر عمل۔ نیک کرداری کا صلہ۔ یا خود جنت۔ المنزلۃ الحسنٰی وھی الجنۃ (روح) آیت میں مومنین کو اطمینان دلایا ہے کہ نیک روی اور نیک کرداری کا پورا صلہ تو خیر ملے ہی گا لیکن اس کے علاوہ "کچھ اور بھی" ملے گا، یہ صرف عالم آخرت ہی کے ساتھ مخصوص ہے...... اس "کچھ اور" کی لذت کوئی اہل محبت کے دلوں سے پوچھے۔ و۴۶ یعنی مومنین کو دوام عیش تو حاصل رہے ہی گا۔ لیکن اس کے علاوہ کسی صدمہ اور غم والم سے بھی وہ کبھی دوچار نہ ہو سکیں گے۔ و۴۷ اور ان کے دیوی، دیوتا، اکابر واعاظم جن پر آج انہیں اتنا بھروسہ ہے، یہ سب اس روز بیکار ہی نظر آئیں گے۔ بِمِثۡلِہَا۔ یعنی بدی کی سزا بس بدی کے برابر ہی ملے گی۔ اس سے زاید نہیں۔ یہ لفظ جزاء بدی کے سلسلہ میں وزیادۃ کے مقابل آیا ہے جو نیکی کے سلسلہ میں آچکا ہے۔ یعنی نیکی کا صلہ تو اصل معاوضہ سے کہیں بڑھ چڑھ کر ملے گا لیکن بدی کا معاوضہ بس اسی درجہ کا ملے گا، اس سے زاید نہیں۔ والمقصود من ھذا القید التنبیہ علی الفرق بین الحسنات وبین السیّاٰت لانہ تعالٰی ذکر فی اعمال البرانہ یوصل الی المشتغلین بھا الثواب مع الزیادۃ واما فی عمل السیّئات فانہ تعالٰی ذکرانہ لا یجازی الا بالمثل (کبیر) تَرۡہَقُہُمۡ ذِلَّۃٌ۔ یعنی ہر طرح کی توہین ورسوائی بھی ان کے شامل حال رہے گی۔ یصیبھم ذلٌّ وخزیٌ وھوانٌ (فتح الخبیر) ای یغشاھم ھوانٌ وخزیٌ (قرطبی) مِنَ اللّٰہِ۔ یعنی عذاب الٰہی سے۔ اللہ کی گرفت سے۔ ای من عذاب اللہ (قرطبی) و۴۸ حشر جو حقائق کے ظہور وانکشاف کا وقت ہوگا، اس وقت اہل کفر کے دلوں کی سیاہیاں چہروں سے نمایاں ہو کر رہیں گی۔ کَاَنَّمَا...... مُظۡلِمًا۔ یہ حالت ان روسیاہ دوزخیوں کے چہروں کی ہوگی۔ حکماء اسلام نے کہا ہے کہ یہ سیاہی جہل وضلالت کی ہوگی۔ اعلم ان حکماء الاسلام قالوا المراد من ھذا السواد المذکور ھھنا مداد الجھل وظلمۃ الضلالۃ (کبیر) صاحب بحر المحیط علامہ ابوحیان غرناطی اندلسی نے اس موقع پر جوش میں آکر "حکماء اسلام" کو بہت ہی برا بھلا کہا ہے اور کہا ہے کہ ان "فلاسفہ" کو حقیقۃً جہلاء وسفہاء کہنا چاہیے، یہ اسلام کے حق میں یہود ونصاریٰ سے بھی بڑھ کر دشمن ہیں اور یہ انبیا علیہم السلام کے دشمن اور شریعت کے محرفین ہیں۔ ان کی کتابوں کا مطالعہ حرام ہونا چاہیے۔ وقس علیٰ ہذا۔ یعنی بحکماء الفلاسفۃ الذین خلقوا فی ھذہ الملۃ الاسلامیۃ ھم احق بان یسمّوا سفھاء جھلاء من ان یسمّوا حکماء اذھم اعداء الانبیاء والمحرّفون للشریعۃ وھم اضرّ علی المسلمین من الیھود والنصارٰی الخ لیکن ستم یہ کیا ہے کہ اپنی خفگی کی اس لپیٹ میں سید المفسرین امام رازی علیہ الرحمۃ کو بھی لے لیا اور ان کا ذکر صرف "ہذا الرجل" سے کیا ہے۔ امام رازی علیہ الرحمۃ کے سنہ وفات اور علامہ غرناطی کے سنہ وفات میں فرق کچھ کم ڈیڑھ سو سال کا ہوا ہے۔ و۴۹ (میدان حشر میں) نَحۡشُرُہُمۡ جَمِیۡعًا۔ یعنی سارے خلائق کو۔ و۵۰ (ذرا کی ذرا، تاکہ تم پر تمہارے عقیدہ کی حقیقت روشن ہو جائے) شُرَکَآؤُکُمۡ۔ یعنی وہ جنہیں تم اپنے زعم میں شریک خدائی سمجھتے رہے ہو۔ مَکَانَکُمۡ۔ یعنی اپنی جگہ ٹھیر جاؤ۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ امکثوا مکانکم۔ ای امکثوا مکانکم وقفوا فی موضعکم (ابن جریر) ای الزموا مکانکم (روح) و۵۱ (تو آج ہم تمہارے شرک کے وبال میں کیوں پھنسیں) زَیَّلۡنَا۔ زیلنا کے کھلے ہوئے معنی فرقنا کے ہیں۔ لیکن یہاں یہ صیغہ باب تفعیل سے لایا گیا ہے تاکہ معنی سے شدت وتکثیر کا اظہار ہو سکے وقال فزیلنا ارادۃ تکثیر الفعل وتکریرہ ولم یقل فزلنا بینھم (ابن جریر) التضعیف للتکثیر لا للتعدیۃ (روح) اہل شرک کے لئے سب تکلیفوں اور عذابوں سے بڑھ کر اس منظر کا بھی سامنا کرنا ہوگا کہ خود انہی کے معبود الٹے ان سے تبری وبیزاری کر رہے ہیں۔ ذٰلک یدل علی نہایۃ النکال والخزی فی حق ھٰٓؤلاء الکفار (کبیر)

لَغٰفِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّاۤ اَسْلَفَتْ

نہ تھی **ف۵۲** اس جگہ ہر شخص اس (عمل) کا امتحان کرے گا جو وہ پیشتر بھیج چکا ہے

وَ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا

اور یہ لوگ اللہ اپنے مالک حقیقی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ (معبود) انہوں نے گڑھ رکھے تھے

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ

وہ ان سے غائب ہو جائیں گے **ف۵۳** آپ کہیے کون تمہیں آسمان و زمین سے رزق

وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ مَنْ

پہنچاتا ہے؟ یا کون کان اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟ اور کون

يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

جاندار کو نکالتا ہے بے جان سے اور بے جان کو نکالتا ہے جاندار سے؟

وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا

اور کون ہر کام کا انتظام کرتا ہے **ف۵۴** (جواب میں) وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ، تو کہیے کہ پھر کیوں نہیں

تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ

بچتے ہو؟ **ف۵۵** یہی ہے اللہ تمہارا پروردگار حقیقی اور (امر) حق کے بعد

الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ

رہ کیا گیا بجز گمراہی کے تو کدھر پھرے چلے جاتے ہو؟ **ف۵۶** اسی طرح

حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْۤا اَنَّهُمْ

آپ کے پروردگار کی بات (تمام) سرکشی کرنے والوں کے حق میں پوری ہو چکی کہ وہ

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا

ایمان نہ لائیں گے **ف۵۷** آپ کہیے کیا تمہارے (تجویز کئے ہوئے) شرکاء میں کوئی ایسا بھی ہے جو پہلی بار

ف۵۲ (چہ جائیکہ ہم اس سے راضی ہوتے!) عجب نہیں یہ گفتگو پتھر کی مورتیاں اور ٹھاکردواروں کے بت اپنے پجاریوں سے کر رہے ہوں۔ **قیل الاصنام فینطقها الله تعالٰی فتکون بینهم هٰذه المحاورة** (قرطبی) **ف۵۳** یعنی کوئی کام نہ آئے گا، اس وقت سب گم ہو جائیں گے۔ هُنَالِكَ ...... اَسْلَفَتْ۔ یعنی ہر شخص عیاناً دیکھ لے گا جو اعمال اس نے کئے تھے، وہ واقع میں نافع تھے یا اس کے برعکس، یہ اجمالی علم تو انسان کو مرنے کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے حشر میں اس کا تحقق کامل اور مفصل طور ہوگا۔ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ۔ یعنی واقعی اور حقیقی مالک۔ کوئی گڑھا ہوا معبود نہیں۔ **ای المتحقق الصادق فی ربوبیته لا ما اتخذوه ربًا باطلًا** (روح) یہاں اللہ کو جو کافروں کا "مولیٰ" کہا گیا ہے تو یہ مالکیت بہ اعتبار اصل واقعہ کے ہے اور سورۂ محمد میں جہاں اس کی نفی آئی ہے۔ **ان الکافرین لا مولٰی لهم**۔ وہاں "مولیٰ" حامی، ناصر اور سہارے کے معنٰی میں ہے۔ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ۔ کے ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ وہ مالک جو حق وانصاف کے مطابق انہیں جزا دے گا۔ **قال ابن عباسؓ ای الذی یجازیهم بالحق** (قرطبی) هُنَالِكَ۔ اصلی معنی تو اس جگہ کے ہیں۔ مجازاً اس وقت بھی مراد ہو سکتی ہے۔ **معناه فی ذٰلک المقام وفی ذٰلک الموقف اویکون المراد فی ذٰلک الوقت علٰی استعارة اسم المکان للزمان** (کبیر) **ف۵۴** یہ سارے سوالات مشرکین سے بہ طور جرح ہو رہے ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ سوالات میں ایک خاص ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے۔ پہلا سوال رزق سے متعلق ہے جو سلسلۂ ربوبیت میں نمبر اول پر ہے۔ پھر انسان کے حواس ظاہری سے متعلق ہے جن کے بغیر بشر و جماد سب برابر ہیں پھر حیات و موت سے متعلق ہے اور آخری انتظام امور سے متعلق ہے۔ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی کون ہوائیں چلاتا ہے؟ کون پانی برساتا ہے؟ کون سورج کی روشنی اور گرمی پہنچاتا ہے؟ کون بارش کے وقت مناسب فصل اور مناسب مقدار کا فیصلہ کرتا ہے؟ اور پھر کون زمین کو گرماتا ہے اسے زرخیز بناتا ہے، اس سے نباتات اگاتا ہے؟...... غرض زمین و آسمان دونوں جگہ اس کی قدرت و حکمت کی مستقل کارفرمائیاں ہیں اور السماء اور الارض دونوں ناموں میں سے کوئی نام بیکار نہیں لایا گیا۔ مَنْ يُّخْرِجُ ...... الْحَيِّ۔ بے جان سے جاندار جیسے انڈے سے مرغی۔ جاندار سے بے جان جیسے مرغی سے انڈا۔ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ الامر میں ال استغراق کا ہے۔ یعنی چھوٹے بڑے ہر کام کا انتظام کون کرتا ہے۔ **ف۵۵** (شرک سے اور افعال شرکیہ سے) **ف۵۶** (حق کو چھوڑے ہوئے اور باطل کی طرف رخ کئے ہوئے) فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ۔ یعنی یہی اللہ جس کے صفات و افعال اوپر بیان ہو چکے اور جس کی ذات میں سارے کمالاتِ ربوبیت جمع ہیں۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ۔ مطلب یہ کہ امر حق کی جو ضد ہے اسی کا نام گمراہی ہے اور توحید کا حق ہونا ثابت ہو چکا پس شرک تو یقیناً گمراہی ہی ہوا قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے تحت میں شطرنج نرد وغیرہ کے جواز و عدم جواز پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اور اسی ضمن میں مسئلہ غناء پر بھی گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ غناء کو اکثر علما نے ایک ہیجان انگیز لہو قرار دیا ہے لیکن اس کی حرمت پر قرآن و سنت سے کوئی دلیل قائم نہیں۔ بلکہ ایک حدیث صحیح سے تو اس کی اباحت ہی نکلتی ہے لیکن جن الفاظ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گرفت کو رد کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں غناء کی مستقلاً تو کراہت ہے البتہ خاص حالات میں اجازت بھی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ فقیہ موصوف کا یہی فیصلہ عین حق و صواب اور افراط و تفریط کی راہوں سے الگ ہے۔ **واما الغناء فانه من اللهو المهیج للقلوب عند اکثر العلماء منهم مالک ابن انس ولیس فی القراٰن ولا فی السنة دلیل علٰی تحریمه اما ان فی الحدیث الصحیح اباحته وهو الحدیث الصحیح ان ابا بکر دخل علی عائشه عندها جاریتان حادیتان من حادیات الانصار تغنّیان بما تقاولت الانصار به یوم بعاث فقال ابو بکر امز مار الشیطان فی بیت رسول الله ﷺ فقال رسول الله دعهما یا ابا بکر فانه یوم عید فلو کان الغناء حراما ما کان فی بیت رسول الله ﷺ وقد انکرهٗ ابو بکر بظاهر الحال فاقره النبی ﷺ بفعل الرخصة والرفق بالخلیفة فی اجمام القلوب اذلیس جمیعها یحمل الجد دائما وتعلیل النبی ﷺ بانه یوم عید یدل علٰی کراهیة دوامه ورخصته فی الاسباب کالعید والعرس وقدوم الغائب ونحو ذٰلک وکل حدیث یروی فی التحریم اواٰیة تتلٰی فیه فانه باطل سندًا باطل معمتدًا خبرًا وتاویلًا وقد ثبت ان النبی ﷺ رخص فی الغناء فی العیدین** (ابن العربی) **ف۵۷** (تو پھر آپ ان کے ایمان نہ لانے پر اس قدر مغموم و محزون کیوں ہوں) كَذٰلِكَ۔ اس کا تعلق اوپر کے کلام سے ہے یعنی جس طرح اللہ کی وحدت و ربوبیت حق ہے۔ وضوح حق کے بعد ضلال کا اور قیام دلائل کے بعد انکار پر جمے رہنے کا حمق و عصیان ہونا بالکل ثابت و مسلم ہے اسی طرح کلمۂ رب یعنی تخویف عذاب نافرمانوں کے حق میں ثابت و حق ہے۔ الَّذِيْنَ فَسَقُوْۤا۔ یعنی وہ لوگ جو اپنی ضد اور ہٹ سے کفر پر قائم رہے۔ **ای تمردوا فی کفرهم وخرجوا الی الحد الاقصٰی فیه** (مدارک) اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ میں اَنَّهُمْ تعلیلیہ ہی مانا گیا ہے۔ لانهم کا مرادف۔ **تعلیل ای لانهم لا یؤمنون** (مدارک) اس ترکیب کو ماننے کے بعد معنٰی یہ ہوں گے کہ ان سرکش نافرمانوں پر عذاب الٰہی کا تحقق اس لئے ہو کر رہے گا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں۔

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

پیدا کرے پھر دوبارہ بھی کرے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ

بھی کرے گا پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟ و۵۸ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تمہارے (تجویز کئے ہوئے) شرکاء میں کوئی ایسا

يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ

ہے جو حق کے راستہ پر چلاتا ہو؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی حق کا راستہ بتلاتا ہے تو پھر جو کوئی

يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ

حق کا راستہ دکھاتا ہے وہ زیادہ مستحق ہے اس کا کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جس کو (خود ہی) راستہ نہ ملتا ہو،

اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا

بلکہ اسے راستہ بتایا جائے سو تم کو کیا ہو گیا ہے کیسا فیصلہ کرتے ہو؟ و۵۹ ان میں سے

يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ

اکثر تو صرف (اپنے) گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور یقیناً گمان تو حق (کے اثبات) میں ذرا بھی

الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا

مفید نہیں یقیناً اللہ خوب واقف ہے اس سے جو کچھ یہ کر رہے ہیں و۶۰ اور

كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

یہ قرآن ایسا ہے ہی نہیں کہ غیر اللہ کی طرف سے گھڑ لیا جائے و۶۱

وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ

بلکہ یہ تو تصدیق (کرنے والا) ہے اس (کلام) کی جو اس کے قبل سے ہے اور تفصیل (بیان کرنے والا ہے)

الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ ۟ اَمْ

احکام کی اور اس کے اندر کوئی شک (وشبہ کی بات) ہی نہیں، جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے، و۶۲ کیا

و۵۸ یعنی حق سے ضلال کی طرف۔ قرآن مجید کا ایک عام اسلوب بیان یہ ہے کہ اکثر ایسے موقعوں پر جواب میں ''اللہ'' بھی مشرکوں ہی کی زبان سے نقل کر دیتا ہے۔ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ۔ لیکن یہاں کوئی ایسا اقرار مشرکوں کی زبان سے نقل نہیں کیا ہے۔ بلکہ قُلِ اللّٰهُ خود اپنی طرف سے کہا ہے...... راز اس فرق کا یہ ہے کہ مخاطبین اول یعنی مشرکین عرب تو سرے سے عقیدۂ بعثت ومعاد کے قائل ہی نہ تھے۔ و۵۹ (کہ توحید جیسی سیدھی بات نہیں قبول کرتے ہو۔ اور شرک پر اڑے ہوئے ہو) مشرکوں سے سوال ہے کہ جو (خالق) راستہ دکھا اور بتا رہا ہے، وہ پیروی کئے جانے کا اہل ہے یا وہ (مخلوق) جسے خود ہی راستہ معلوم نہیں اور وہ اپنی راہ یابی میں دوسروں کا محتاج ہے؟ مَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ۔ یعنی حق پر چلاتا ہوا اپنی قدرت ونصرت سے۔ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى۔ اس عموم کے تحت میں ساری مخلوق آجاتی ہے...... باقی اگر شیاطین ہی مراد لئے جائیں تو وہ تو اور بھی گئے گزرے ہوئے ہیں انہیں تو بتانے اور بجھانے پر بھی راستہ نہیں سوجھتا۔ و۶۰ (اور وقت مناسب پر اپنے اسی علم کامل ومحیط کے مطابق جزا وسزا بھی دے گا) وَمَا...... ظَنًّا یہاں یہ صاف بتا دیا کہ مشرکین ومنکرین کے پاس نہ کوئی دلیل عقلی محکم ہے اور نہ کوئی استدلال نقلی مستحکم۔ یہ لوگ تو اندھیرے میں پڑے محض اٹکل کے تیر چلا رہے ہیں...... ہمارے زمانہ کے ایک فاضل یگانہ علامہ مناظر احسن گیلانی نے یہ بات بہت خوب کہی ہے کہ اثبات توحید کے دلائل قائم کرنے کے بجائے ہم کو تو مطالبہ اہل شرک سے کرنا چاہیے کہ وہ الٹی سیدھی کوئی دلیل تو تعدد آلہہ کے ثبوت میں لائیں! اِنَّ...... شَيْـًٔا یہاں سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ انسانی ظن وتخمین، وہم وخیال جن کا شاندار اور مرعوب کن نام ''حکمت وفلسفہ'' یا ''علوم عقلیہ'' رکھا گیا ہے، قرآن اور شریعت اسلامی میں مطلق ان کا کوئی درجہ نہیں۔ قرآن صرف حقائق کا قائل ہے، جو ہر روز بدلتے نہیں۔ ''علوم نظری'' ''اصول موضوعہ'' اور ''نظریات'' انہیں کو مبارک رہیں جن کی تحقیقات ہر صبح اور ہر شام بدلتی رہتی ہیں۔ یہیں سے یہ ہے کہ عقائد کے لئے دلائل ظنی کافی نہیں۔ وفی هذه الاٰية دليل علىٰ انه لا يكتفى بالظن فى العقائد (قرطبی) فقہاء نے بھی آیت سے خوب خوب مسائل مستنبط کئے ہیں مثلاً:۔ (۱) یقین شک سے زائل نہیں ہو سکتا۔ (۲) نص کے مقابلہ میں کوئی قیاس معتبر نہیں۔ (۳) اطلاق وعموم قرآنی کی تحدید وتقیید اخبار آحاد سے جائز نہیں۔ (۴) وہ دلائل جو ثبوت میں یا دلالت میں ظنی ہوں، قطعی ویقینی کے معارض ومقابل نہ ہو سکیں گے۔ (۵) ایمانیات اعتقادیات امر ثابت وحق سے متعلق ہیں۔ اس لئے ان میں دلائل ظنی کافی نہیں۔ (۶) جب کوئی دلیل قطعی نہ موجود ہو تو دلائل ظنی پر عمل ممنوع نہیں۔ اس لئے کہ ظن کی عدم کفایت بہ مقابل حق مذکور ہے نہ کہ مطلقاً۔ (۷) مسائل فقہی میں اختلاف اجتہاد معتبر ہے اس لئے کہ اجتہاد ظن ہے اور یہاں ظن مقید اور مسائل اعتقادی میں تاویل واختلاف ممنوع۔ اس لئے کہ ان کا مدار یقین پر ہے۔ پس فرق ضالہ دائرۂ اہل حق سے خارج ہیں۔ اِنَّ...... شَيْـًٔا مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس سے علماء رسوم بہت کم محفوظ ہیں۔ چنانچہ اکثر متکلمین اہل ظاہر کے دلائل (ذات وصفات حق کے بارہ میں) باہم متعارض پائے جاتے ہیں جو ظنیات کی شان ہوتی ہے۔ پس جو کوئی اس سے بچنا چاہے۔ چاہیے کہ وہ سلف صالح کے اتباع میں لگا رہے اور فلسفیات میں مشغول نہ ہو۔ جس سے بجز شک بڑھنے کے اور کچھ حاصل نہیں۔ و۶۱ کوئی غیر اللہ یعنی کوئی مخلوق، ایسے بے مثل وبے مثال کلام پر جو عبارت اور معنٰی دونوں کے اعتبار سے بے نظیر ہے، قادر ہی کب ہو سکتا ہے؟ ایسی تصنیف کو کسی انسان کی جانب منسوب ہی کیسے کیا جا سکتا ہے؟ و۶۲ یہاں قرآن مجید کے خصوصیات مختصراً گنا دیئے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ یہ سابق کتابوں اور کلاموں کی تصدیق کرتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس میں احکام مکتوبہ ومفروضہ کی تفصیل ہے۔ تیسری یہ کہ اس کے اندر کہیں شک وشبہ کا گزر نہیں۔ ہر چیز اس کی یقینی ہے اور چوتھی یہ کہ یہ کتاب سارے عالم کے پروردگار کی جانب سے ہے۔ اَلْكِتٰبِ۔ یہاں احکام مکتوبہ ومفروضہ کے معنٰی میں ہے۔ اراد بتفصيل الكتاب مابيّن فى القراٰن من الاحكام (قرطبی) اے ما كُتب واُثبت من الحقائق والشرائع (روح) اے ما كُتب وفُرض من الاحكام والشرائع (مدارک)

ف٦٣ (اپنے اس دعوٰی میں کہ قرآن ایک انسانی تصنیف ہے) جواب کا حاصل یہ ہے کہ قرآن اگر ایک انسانی دماغ تیار کر سکتا ہے تو کئی بلکہ سب انسانی دماغ مل کر تو اس سے کہیں چھوٹی چیز یعنی اس کی ایک سورۃ تو بہر حال تیار ہی کر سکتے ہیں۔ پھر ہمت ہو تو یہی کر دکھاؤ! اِفْتَرٰىهُ۔ افترٰی میں ضمیر فاعلی رسول اللہ ﷺ کی جانب ہے یعنی اس شخص محمد ﷺ نامی نے یہ کتاب اپنے ذہن سے گڑھ لی ہے۔ سُوْرَةٍ۔ پر حاشیہ شروع تفسیر میں گزر چکے۔ مِّثْلِهٖ۔ مثلیت لفظی و معنٰی ہر اعتبار سے مراد ہے۔ مثله فی البلاغة وحسن الارتباط وجزالة المعنٰی (روح) قرآن مجید کی معنوی حیثیت سے یہ مستقل تحدی تو سارے عالم کے لئے ہے۔ یعنی قرآن کی معنوی بلندی اور جامعیت کے لحاظ سے کوئی ایسی کتاب بھلا تیار تو کر دکھائے۔ لیکن جہاں تک اس چیلنج کے ظاہری جزو کا تعلق ہے۔ یعنی فصاحت و بلاغت اور ادب و انشاء کی خوبیوں کا اس کے مخاطب صرف اہل زبان عرب ہیں، خصوصاً نزول قرآن کے وقت کے عرب، جو ادبیت کے نشہ میں جھومتے رہتے تھے، اور جن کے نزدیک دنیا کا سب سے بڑا کمال ادبیت ہی کا کمال تھا۔ ف٦٤ یعنی بجائے اس کے کہ ٹھنڈے دل سے اس کی اعجازی خصوصیات پر غور کرتے اور پوری تحقیق سے کام لیتے، چٹ اس کی تکذیب پر مستعد ہو گئے۔ المراد انهم سارعوا الٰی تکذیبه من غیر ان یتدبروا ما فیه (روح) وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ۔ تاویل کے معنٰی اصل حقیقت کی طرف رجوع کے بھی ہیں اور مآل علمی و فعلی کے بھی۔ الرجوع الی الاصل (راغب) رد الشیء الی الغایة المرادة منه علمًا کان او فعلًا (راغب) ف٦٥ یہاں مراد مآل فعلی یا انجام سے لی گئی ہے۔ اور وہ عذاب الٰہی ہی ہے۔ ای ولم یاتهم حقیقة عاقبة التکذیب من نزول العذاب بهم (قرطبی) جوّز ان یراد بالتاویل وقوع مدلوله وهو عاقبته (روح) كَذٰلِكَ۔ یعنی ایسے ہی بے سوچے سمجھے تکذیب کرنے لگے تھے۔ ای مثل تکذیبهم من غیر تدبر وتامل (روح) كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ منکرین سابق نے اپنے اپنے زمانے کے انبیاء کی تکذیب اسی طرح کی تھی۔ ف٦٦ یعنی ان سے جو ایمان لانے والے نہیں۔ ای من یصرّ علٰی کفره (قرطبی) ای بالمعاندین او المصرّین (مدراک) ف٦٧ (تو جس طریقہ پر چاہو، قائم رہو) یہ آخری اور انقطاعی جواب ہے اس موقع کے لئے، جب سب دلائل پہلے پیش ہو چکے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل طریق اسی سنت پر عمل کرتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ مخاطب محض ضد اور ہٹ سے کام لے رہا ہے۔ برخلاف اہل ظواہر کے کہ وہ مناظرہ کے موقع پر کبھی ایسی بات نہیں کہتے بلکہ ایسا کہنے میں اپنی شکست اور کسر شان سمجھتے ہیں۔ ف٦٨ (یعنی ان کے دل ارادۂ ایمان و طلب حق سے بالکل خالی ہوں) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ۔ یعنی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کی بات سنیں گے اور سوچ سمجھ کر مان بھی لیں گے...... آج یہ تصویر بہت سے ”مستشرقین“ یورپ پر، سیرت نبوی ﷺ اور شریعت اسلامی پر قلم اٹھانے والوں پر صادق آتی ہے۔ ان کی کتاب کی تمہیدوں، مقدموں، دیباچوں کو پڑھیے تو اپنے کو ظاہر کریں گے کہ یہ کیسے بے تعصب، انصاف پسند، تحقیق دوست ہیں۔ اور جوں جوں آگے بڑھتے جائیے، زہر ہلاہل کے انبار در انبار انہی اوراق میں ملتے جائیں گے۔

يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا

یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو گڑھ لیا ہے؟ آپ کہیے کہ اچھا تم ایک ہی سورۃ مثل

مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

اس کے لے آؤ اور اللہ کے سوا تم جس کسی کو بلا سکو بلا لو اگر تم

صٰدِقِيْنَ ۝٣٨ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا

سچے ہو ف٦٣ نہیں بلکہ یہ لوگ ایسی چیز کو جھٹلانے لگے جسے اپنے علم سے نہ گھیر پائے ف٦٤ اور ابھی

يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

ان کے پاس انجام نہیں پہنچا ہے اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا جو ان سے قبل ہو چکے ہیں

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝٣٩ وَمِنْهُمْ مَّنْ

سو دیکھ لیجیے کیسا (برا) ظالموں کا انجام ہوا ہے ف٦٥ اور ان میں وہ بھی ہیں جو اس (کتاب)

يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ

پر ایمان لے آئیں گے اور ان میں وہ بھی ہیں جو اس (کتاب) پر ایمان نہ لائیں گے اور آپ کا پروردگار ہی

بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝٤٠ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ

مفسدوں سے خوب واقف ہے، ف٦٦ اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے رہیں تو کہہ دیجیے کہ میرا عمل میرے لئے

وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْۗـــــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ

اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے تم اس سے بری الذمہ ہو کہ جس پر میں عمل کر رہا ہوں اور میں اس سے بری الذمہ

مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝٤١ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ

ہوں کہ جس پر تم عمل کر رہے ہو ف٦٧ اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۝٤٢

تو کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے جبکہ وہ سمجھ سے بھی کام نہ لے رہے ہوں؟ ف٦٨

ع ٤

و۶۹ اندھے انہیں اسی لحاظ سے کہا گیا ہے کہ ان کے دل قصد ایمان اور حق طلبی سے خالی ہیں اور وہ دلائل حق کا مطالعہ ہی نہیں کرنا چاہتے۔ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّنۡظُرُ اِلَیۡكَ۔ یعنی ان کے دیکھنے سے بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کے کمالات، فضائل، معجزات کے مشاہدہ کے بعد ایمان لے آئیں گے۔ و۷۰ (کہ اپنی فطری صلاحیتوں کو ضائع کر دیتے ہیں اور ان سے کام نہیں لیتے) اِنَّ...... شَیۡئًا یعنی یہ کہ اللہ پہلے تو خود ہی انہیں صلاحیت ہدایت سے محروم رکھے اور پھر ان سے مؤاخذہ کرنے لگے۔ و۷۱ (اس دنیا میں) یعنی باوجود دنیا میں بڑی بڑی طویل عمریں پانے کے جب وہ حشر میں اٹھائے جائیں گے اور خواب برزخ وخواب ناسوت دونوں سے بیدار ہوں گے۔ تو اب انہیں اپنے اندازہ میں جو زمانِ حشر کے مطابق وماتحت ہوگا، ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے وہ دنیا میں کچھ رہے ہی نہیں۔ بہت رہے تو بس ایک گھڑی بھر۔ راوا انّ طول اعمارھم فی مقابلة الخلود کساعة (قرطبی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) یعنی تقلیل لبثھم وذٰلک لھول ما یعاینون من شدائد القیامة (بحر) یوم حشر چونکہ مدید بھی ہوگا اور شدید بھی، اس لئے دنیا اور برزخ کی مدت اور تکلیف سب بھول کر ایسا سمجھیں گے کہ وہ زمانہ بہت جلد گزر گیا (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) سَاعَةً۔ بعض نے کہا کہ کوئی متعین مقدار مدت نہیں، بلکہ صرف قلت مدت بتانا مقصود ہے اور گھڑی بھر سے کنایہ تقلیل مدت ہی کا ہوتا ہے۔ اے شیئًا قلیلاً منه فانها مثل فی غایة القلة (روح) الوقت القلیل من الزمان (راغب) آج بھی انسان حالت نوم میں خواب کیسے بڑے بڑے دیکھتا ہے اور ان خوابوں میں کیسی کیسی طویل مدتیں طے کرتا ہے لیکن جب بیداریٔ تام کے عالم میں آجاتا ہے تو احساس یہ ہوتا ہے کہ ابھی دم بھر ہی سویا تھا...... احساس زمان ہر عالم میں دوسرے عالم سے مختلف اور اپنے مخصوص ماحول کا تابع ہوتا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ایک مفصل کلام کر کے جو اصل تفسیر کبیر ہی میں قابل ملاحظہ ہے، آخر میں لکھا ہے۔ فنقول انه متی قوبلت الخیرات الحاصلة بسبب الحیاة العاجلة بالاٰفات الحاصلة للکافر وجدت اقل من اللذة بالنسبة الی جمیع العالم فقوله کان لم یلبثوا الاساعة من النھار اشارة الی ما ذکرناه من قلتھا وحقارتھا فی جنبه ما حصل من العذاب الشدید (کبیر) و۷۲ (اور اس پر بھی ایک دوسرے کے کام نہ آسکیں گے) وقت ہی ایسا نفسی نفسی کا ہوگا۔ آج بھی انتہائی کرب واذیت میں ابتلاء کے وقت نہ بھائی بھائی کو پوچھتا ہے نہ باپ بیٹے کے کام آتا ہے، ہر ایک کو بس اپنی ہی فکر پڑ جاتی ہے۔ اور اسی معنٰی میں قرآن مجید کی دوسری آیتیں ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ حشر میں کوئی ایک دوسرے کو پوچھے گا بھی نہیں۔ وہ آیتیں اس آیت کے معارض نہیں بلکہ اور اس کا تکملہ کرتی ہیں۔ و۷۳ (اور اسی لئے اپنی زندگی واشغال زندگی کے سارے پروگرام میں کوئی دفعہ یاد آخرت کی آنے ہی نہ دی) و۷۴ (اور اس لئے اگر انہیں دنیا میں پوری سزا نہ بھی ملی، جب بھی اس آخری موقع پر تو ضرور ہی مل کر رہے گی) وَاِمَّا...... نَعِدُهُمۡ یعنی خواہ آپ کی حیات ہی میں کچھ حصہ عذاب موعود کا ان منکرین ومکذبین پر آبھی جائے چنانچہ معرکۂ بدر، فتح مکہ وغیرہ متعدد واقعات آپ کی زندگی ہی میں ایسے پیش آکر رہے جن میں مکذبین منکرین کو ہر طرح ذلت، رسوائی، شکست نقصان جانی ومالی ہی نصیب رہا۔ اَوۡ نَتَوَفَّیَنَّكَ۔ یعنی اس نزول عذاب کے قبل ہی آپ کو اٹھا لیں اور اپنے وعدۂ فتح اسلام، ہزیمت کفار کی تکمیل آپ کے بعد کریں۔ چنانچہ خلفائے راشدین کے عہد میں یہ تکمیل ہو کر رہی۔ اعلم ان ھٰذا یدل علی انه تعالٰی یری رسوله انواعاً من ذل الکافرین وخزیھم فی الدنیا وسیزید علیه بعد وفاته ولا شک انه حصل الکثیر منه فی زمان حیاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحصل الکثیر ایضاً بعد وفاته (کبیر) و۷۵ پوری طرح تبلیغ احکام اور اتمام حجت کے بعد سرکشوں اور باغیوں پر اجراء سزا میں کوئی سوال ہی ظلم اور زیادتی کا باقی نہیں رہ جاتا۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ۔ امت سے مراد امت مکلف ہے تو معنٰی یہ ہوں گے کہ ہر وہ امت جسے ارادۂ الٰہی نے مکلف بنانا چاہا، اسے پہلے تبلیغ ضرور کی گئی۔ وقد یقال ان المراد من کل امة کل جماعة اراد اللہ تعالٰی تکلیفھا (روح) اس تشریح کے بعد یہ سوال خود بخود ختم ہو جاتا ہے کہ جو لوگ دور فترة میں (یعنی نبی کے وجود سے پیشتر) گزرے ہیں، ان کا کیا حشر ہوگا؟...... جواب بالکل ظاہر ہے کہ جب ان پر تبلیغ ہی نہیں ہوئی تو وہ لوگ مکلف ہی نہیں ٹھیرے۔ ان سے سوال صرف ان کی استعداد وفہم وبصیرت کے مطابق ہوگا۔ رَسُوۡلٌ۔ رسول یہاں اصطلاحی معنٰی میں نہیں لغوی معنٰی میں ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے پیام حق پہنچا دینے والا اور اس عموم کے تحت میں رسول اصطلاحی اور اس کے نائب، شاگرد وغیرہ سب آجاتے ہیں۔ محققین نے یہیں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جن ملکوں اور قوموں میں "رسول" (بہ معنٰی اصطلاحی) کے آنے کی کوئی تحقیق نہیں ہوئی ہے احتیاط اسی میں ہے کہ وہاں کے مشہور ہادیوں اور رہبروں کے باب میں سکوت اختیار کیا جائے۔ احتمال ہے کہ وہ لوگ رسول ہی ہوں یا ممکن ہے کہ نائب رسول ہوں۔ اخذ منه المحققون الاحتیاط بکف اللسان عن من لم یعلم حاله من القرون الاولٰی فی اقالیم لم یعرف بعث الرسل فیھا لاحتمال کونھم رسلاً الی اھل تلک الاقالیم (روح) قُضِیَ بَیۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ۔ اور وہ فیصلہ حق وانصاف کے مطابق یہی ہے کہ سرکشوں، باغیوں، طاغیوں کو مبتلائے عذاب کیا جائے۔ قُضِیَ بَیۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ۔ اور وَهُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ۔ دو دو فقروں کا لانا تاکید کلام کے لئے ہے۔ اور اس امر کے بالکل صاف کر دینے کو کہ خدائی عدالت میں ظلم ممکن ہی نہیں۔ فالتکریر لاجل التاکید والمبالغة فی نفی الظلم (کبیر)

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّنۡظُرُ اِلَیۡكَ ؕ اَفَاَنۡتَ تَهۡدِی الۡعُمۡیَ

اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں تو کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھا سکیں گے

وَ لَوۡ كَانُوۡا لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظۡلِمُ النَّاسَ

جبکہ وہ بصیرت سے کام بھی نہیں لے رہے ہیں و۶۹ یقیناً اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں

شَیۡـًٔا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَهُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۴۴﴾ وَ یَوۡمَ

کرتا، البتہ لوگ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں و۷۰ اور انہیں اس دن

یَحۡشُرُهُمۡ كَاَنۡ لَّمۡ یَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ

کی یاد دلایئے جب (اللہ) ان کو اس طرح حشر میں اکٹھا کرے گا کہ گویا وہ دن کی (کل) ایک گھڑی ہے، و۷۱

یَتَعَارَفُوۡنَ بَیۡنَهُمۡ ؕ قَدۡ خَسِرَ الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ

ایک دوسرے کو پہچانیں گے و۷۲ واقعی وہ لوگ گھاٹے میں آ گئے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو

اللّٰهِ وَ مَا كَانُوۡا مُهۡتَدِیۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ اِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعۡضَ

جھٹلایا و۷۳ اور وہ ہدایت پانے والے تھے (ہی) نہیں، اور اگر ہم آپ کو کچھ (حصہ اس عذاب کا) دکھلا بھی دیں

الَّذِیۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ

جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں سو ہمارے پاس تو ان کی واپسی (بہر حال) ہے ہی تو

اللّٰهُ شَهِیۡدٌ عَلٰی مَا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ

اللہ کو خوب اطلاع اس کی ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں، و۷۴ اور ہر امت کے لئے

رَّسُوۡلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوۡلُهُمۡ قُضِیَ بَیۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ

ایک پیام رساں ہوا ہے پھر جب ان کے ہاں پیام رساں آچکتا ہے تو ان کے درمیان فیصلہ انصاف کے ساتھ کر دیا جاتا

وَ هُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هٰذَا الۡوَعۡدُ

ہے اور ان پر ظلم (ذرا) نہیں کیا جاتا، و۷۵ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (عذاب) (آخر) کب پورا ہوگا

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا

اگر تم سچے ہو ‏و۷۶‏ آپ کہہ دیجیے کہ میں تو اپنی ذات کے لئے (بھی) ضرر

وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ

اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا بجز اس کے کہ جتنا اللہ چاہے، ‏و۷۷‏ ہر امت کے لئے ایک معین وقت ہے۔ جب ان کا

اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

وہ وقت معین آجاتا ہے تو وہ لوگ نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں ‏و۷۸‏

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا

آپ کہہ دیجیے کہ یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو آپڑے یا دن کو تو اس میں کون چیز ایسی ہے

يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ

جس کے لئے مجرمین جلدی مچا رہے ہیں ‏و۷۹‏ کیا پھر جب وہ آ ہی پڑے گا

اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ

جب اس کا یقین کرو گے؟ ‏و۸۰‏ ہاں اب! حالانکہ تم اسی کی تو جلدی مچایا کرتے تھے ‏و۸۱‏ پھر

قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ

جنھوں نے (اپنے اوپر) ظلم کیا ہے ان سے کہا جائے گا ہمیشہ کا عذاب چکھو تم کو بدلہ

تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ

اسی کا تو مل رہا ہے جو کچھ تم کر چکے ہو ‏و۸۲‏ اور یہ آپ سے دریافت کرتے ہیں

اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚؕ وَمَآ اَنْتُمْ

کہ کیا وہ (عذاب) برحق ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ ہاں میرے پروردگار کی قسم ہے کہ وہ برحق ہے، اور تم کسی

بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ۧ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي

طرح (اللہ کو) ہرا نہیں سکتے ہو ‏و۸۳‏ اور اگر ہر ہر ظالم کے پاس دنیا بھر کا (زرومال) ہوتو بھی اسے فدیہ میں

‏و۷۶‏ سوال بہ طور استفسار حال اور بہ غرض اظہار حقیقت نہیں بلکہ تعریض وتکذیب کی غرض سے ہے۔ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ سوال کے مخاطب تنہا رسول اللہ ﷺ نہیں، بلکہ جماعت مومنین بھی ہے۔ چنانچہ صیغۂ جمع اسی لئے ہے۔ ‏و۷۷‏ (اور بس اتنے ہی نفع ونقصان پر قادر ہوتا ہوں۔ تم پر عذاب لے آنا میرے اختیار میں کہاں) یہ بے اختیاری عین شان عبدیت کے مطابق، جب افضل البشر بلکہ افضل الرسل کی تھی تو مشائخ واولیاء امت کو اپنے اعتقاد میں مرتبۂ خدائی پر پہنچادینے والے حضرات ذرا اپنے انجام پر غور کرلیں۔ ‏و۷۸‏ (بلکہ وقت معین آجانے پر فوراً ہی عذاب واقع ہوجاتا ہے) لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ۔ یعنی نافرمان وسرکش ہر امت کے مٹنے اور برباد ہونے کا ایک معین ومقرر وقت علم الٰہی میں ہے۔ اُمَّةٍ۔ کے عام لفظ سے مراد وہی عذاب زدہ امتیں ہیں۔ ای من الامم الذین اصرّوا علی تکذیب رسلهم (روح) سَاعَةً۔ ساعت سے یہاں مراد کوئی متعین وقت ایک گھڑی یا گھنٹہ کا نہیں بلکہ زمانے کا مطلق چھوٹے سے چھوٹا وقت مراد ہے۔ ای شیئا قلیلا من الزمان (روح) الوقت القلیل من الزمان (راغب) ‏و۷۹‏ یعنی عذاب الٰہی تو بڑی سخت اور پناہ مانگنے کی چیز ہے یہ اس کے لئے جلدی مچانے کے کیا معنی؟ عارفین نے یہیں سے یہ اشارہ نکالا ہے کہ معصیت سے توبہ واستغفار میں اور عمل خیر کے اختیار میں توقف بلا ضرورت ایک دم کا بھی نہ کیا جائے اس لئے کہ وقوع عذاب کے لئے کوئی علامت اور مہلت شرط نہیں۔ معصیت کے صدور کے ساتھ ہی جس قدر جلد ممکن ہو توبہ وتدارک پر متوجہ ہوجائے۔ مِنْهُ۔ ضمیر عذاب کی طرف ہے والضمیر فی منه قیل یعود علی العذاب (قرطبی) ‏و۸۰‏ (اور اس وقت کی تصدیق اضطراری کچھ نفع نہ دے سکے گی۔ اس وقت تو اپنے کو تصدیق پر مضطر ومجبور پاؤ گے) ثُمَّ۔ کی ایک قراۃ ثَمَّ۔ (بالفتح) بھی آئی ہے۔ بہ معنی هنالک۔ ‏و۸۱‏ یعنی اب اتنا کیوں گھبرائے ہوئے ہو، اور بدحواس ہورہے ہو، تم تو خود اسی عذاب کی طنزاً فرمائشیں کیا کرتے تھے! شریعت کا یہ مسلم مسئلہ ہے کہ جب ملائکۂ عذاب نظر آنے لگیں اور عالم برزخ کا انکشاف شروع ہوجائے، توبہ وایمان مقبول نہیں۔ به تستعجلون علی سبیل السخریة والاستهزاء (کبیر) ‏و۸۲‏ یہ کہنے والے عذاب کے فرشتے ہوں گے۔ ای تقول لهم خزنة جهنم (قرطبی) اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ یعنی مشرکین سے۔ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ۔ یعنی تمہارے کفر وبے دینی کا بدلہ۔ ای جزاء کفرکم (قرطبی) ‏و۸۳‏ (کہ وہ تم کو عذاب کی گرفت میں لینا چاہے اور تم بچ جاؤ) يَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ۔ سوال اور اظہار حیرت واستعجاب سے مقصود دریافت حال نہیں بلکہ تکذیب وتعریض تھی۔ اِنَّهٗ۔ ضمیر عذاب کی طرف ہے۔ الضمیر عائد علی العذاب (بحر) ای العذاب الموعود (روح) اِیْ۔ موقع اثبات میں تاکید وتحقیق کے مفہوم میں آتا ہے جیسے اردو میں زور دینے کے موقع پر ہاں، ہاں (ہاں مکرر) آتا ہے۔ کلمة تحقیق وایجاب وتاکید بمعنی نعم (قرطبی)

الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا

دے دینا چاہے گا اور جب (اول اول) عذاب دیکھیں گے تو پشیمانی کو

رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا

چھپائیں گے اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم (ذرا) بھی نہ کیا

يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

جائے گا و۸۴ یاد رکھو کہ جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی

وَ الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

ملک ہے و۸۵ یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

نہیں جانتے و۸۶ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے و۸۷

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اور اے لوگو بالیقین تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کے پاس سے آگئی ہے

وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ۬ وَ هُدًى وَّرَحْمَةٌ

اور شفاء بھی (ان بیماریوں کے لئے) جو سینہ میں ہوتی ہیں اور ایمان والوں کے حق میں ہدایت

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ

اور رحمت و۸۸ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے، ہاں اس سے چاہیے

فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

کہ (لوگ) خوش ہوں وہ اس (دنیا) سے جس کو یہ جمع کر رہے ہیں کہیں بہتر ہے و۸۹ آپ کہیے کہ یہ تو بتاؤ کہ

مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا

اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل کیا تھا پھر تم نے اس میں سے (کچھ) حرام اور (کچھ) حلال

و۸۴ فیصلہ روز جزاء باوجود اپنی ساری ہولناکیوں کے بہرحال عادلانہ ہی ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ کسی کے حق میں سزا کی زیادتی ہو جائے جیسا کہ غضبناک دیوی، دیوتاؤں کے ہاں ہوتا رہتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّ...... یوم قیامت کے ہول وشدت کا بیان ہو رہا ہے کہ بالفرض سارے روئے زمین کا خزانہ بھی مشرکوں کے پاس ہو، تو اپنی جان بچانے کو اس سب کے دے ڈالنے پر وہ آمادہ ہو جائیں گے۔ كُلُّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ۔ یعنی ہر ہر مشرک۔ اے اشرکت وکفرت (قرطبی) اَسَرُّوا النَّدَامَةَ۔ یہ ندامت کا اخفاء مزید فضیحت ورسوائی کے خوف سے ہوگا۔ اور ندامة سے مراد ندامت کے آثار ظاہری ہیں، رونا دھونا، منہ پیٹنا وغیرہ۔ المراد اخفاء اثارها کالبکاء وعض الید (روح) لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ۔ محققین نے یہاں یہ قید لگا دی ہے کہ یہ اخفاء ندامت شروع شروع ہوگا۔ ورنہ بعد کو جب عذاب میں پڑ لیں گے تو اس پر بھی قادر نہ رہیں گے اور اس قید کے بعد اس آیت اور ان آیتوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا جن میں مشرکوں منکروں کے جزع وفزع کا بیان ہے۔ وهذا قبل الاحراق بالنار فاذا وقعوا فی النار الهتهم النار عن التصنع (قرطبی) قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ۔ مفسرین نے یہ مراد بھی لی ہے کہ کافروں کے بڑوں اور چھوٹوں کے درمیان سرداروں اور چیلوں کے درمیان فیصلہ حق وانصاف ہی سے ہوگا۔ اے بین الروساء والسفل بالعدل (قرطبی) و۸۵ (چنانچہ وہ اپنی جس مخلوق کے ساتھ جو تصرف اور جو سلوک چاہے کرے، اس کا ہر عمل عادلانہ ہی ہوگا، خواہ انسانی معیار سے غیر عادلانہ ہی نظر آئے) اَلَآ۔ حرف تنبیہ ہے۔ فقرہ کے شروع میں لایا جاتا ہے اور اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ آگے کوئی بہت اہم حقیقت بیان کی جا رہی ہے جسے خاص توجہ سے سننا چاہیے۔ كلمة تنبيه للسامع ترادفی اول الكلام اے انتبهوا لما اقول لكم (قرطبی) و۸۶ یعنی ایسے قطعی اور یقینی حقائق سے بھی غافل وبے خبر ہیں۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ سو قیامت اپنے وقت معین پر ضرور واقع ہو کر رہے گی۔ و۸۷ (نہ کہ مسیح ابن اللہ کی طرف، اگنی دیوتا کی طرف، یا کسی اور کی بھی طرف) کثرت سے جاہلی مذہبوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ موت کے بعد انسان کا مرجع کوئی اور ذات ہے، خالق کردگار کے علاوہ، یہاں اسی کی تردید ہو رہی ہے۔ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ۔ مشرکوں کی طرح یہاں یہ نہیں کہ خدا کی خدائی تین حصوں میں تقسیم ہو۔ ایک خدا پیدا کرنے والا ہو۔ ایک خدا قائم، سلامت رکھنے والا، اور ایک خدا موت وہلاکت لانے والا۔ یہاں پیدا کرنا، باقی رکھنا، فنا طاری کرنا سب ایک ہی خدائے واحد کا کام ہے۔ و۸۸ یہاں قرآن مجید کے چار اوصاف بیان ہوئے۔ مَوْعِظَةٌ۔ شِفَآءٌ۔ هُدًى۔ رَحْمَةٌ۔ یہ سب تنوین کے ساتھ صیغہ نکرہ میں ہیں یہ تنکیر ان کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ والتنكير هنا للتفخيم (روح) ان چار اوصاف کی تشریح میں صاحب روح نے بعض محققین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نفس انسانی کے لئے حصول کمال میں چار مرتبہ یا منزلیں ہیں اور ان میں سے ہر لفظ ایک ایک مرتبہ یا منزل کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔ (۱) پہلا مرتبہ، تہذیب ظاہر کا، یعنی معاصی سے اور اعمال بد سے بچنے کا ہے۔ موعظة اسی مقصد کے لئے ہوتا ہے۔ (۲) دوسرا مرتبہ تہذیب باطن کا، یعنی اخلاق ذمیمہ وعقائد فاسدہ سے بچنے کا ہے۔ اس کو شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۳) تیسرا مرتبہ عقائد حقہ واخلاق فاضلہ سے آراستہ ہونے کا ہے۔ یہ منزل هُدًى کی ہے۔ (۴) چوتھا مرتبہ انوار الٰہی سے جگمگا اٹھنے کا ہے اور یہ حاصل ہے مقام رحمة کا۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب کا عموم ملحوظ رہے۔ یا ایها العرب ارشاد نہیں ہو رہا ہے مخاطب ساری دنیا ہے، کوئی مخصوص قوم وملک نہیں۔ مَوْعِظَةٌ۔ یعنی ایسی کتاب جو برائیوں سے روکنے اور نیکیوں کی ترغیب کے لئے ایک مکمل نصیحت نامہ ہے، افراد واشخاص کے حق میں بھی اور اقوام وجماعات کے حق میں بھی۔ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ۔ یعنی ایسی کتاب کہ اگر اس کی ہدایتوں پر عمل ہو تو ہر قسم کے امراض قلب اور عوارض باطن کو، خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی شفاء ہو جائے۔ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ کی قید اس لئے کہ مومنین ہی تو اس کی ان صفات سے استفادہ کریں گے۔ و۸۹ دنیا کا نفع اول تو قلیل اور پھر فانی، قرآن کا نفع ایک تو کثیر اور پھر باقی۔ بِفَضْلِ...... فَلْيَفْرَحُوْا ذٰلک سے اشارہ اسی فضل ورحمة ہی کی جانب ہے۔ اور مقصود اس ترکیب کلام میں تاکید وزور ہے۔ ورنہ یہی مفہوم سادہ صورت میں فَبِذٰلِكَ۔ کے بغیر بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ فقرہ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کسی چیز پر اگر خوش ہونا ہی ہے تو وہ یہی ہے نہ کہ کچھ اور۔ ترکیب کلام نے معنی حصر کے پیدا کر دیئے۔ والاصل ان فرحوا بشیء فبذلک لیفرحوا لابشیء أخر (روح) قوله فبذالک فلیفرحوا یفید الحصر یعنی یجب ان لا یفرح الانسان الا بذلک (کبیر) بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ۔ فضل اور رحمة دونوں سے اشارہ یہاں قرآن مجید ہی کی جانب ہے اور اسی کے لئے حکم ہو رہا ہے کہ جب ایسی نعمت عظیم مل گئی تو اس پر خوش ہونا چاہیے۔ لفظ چونکہ دو ہیں، اس لئے یہ قول بھی اکابر ہی سے منقول ہے کہ ایک یعنی فضل سے مراد قرآن ہے اور دوسرے یعنی رحمة سے مراد اسلام ہے۔ قال ابو سعید الخدریؓ وابن عباسؓ فضل الله القران ورحمته الاسلام (قرطبی) فَلْيَفْرَحُوْا۔ فرح کی متعدد قسمیں ہیں، فرح حقیقی وکامل وہی کہی جائے گی جو اعلیٰ فرحت روحانی ہے۔ اور یہاں وہی مراد ہے۔ ثبت ان الفرح باللذات الجسمانية فرح باطل واما الفرح الكامل فهو الفرح بالروحانيات والجواهر المقدسة وعالم الجلال ونور الكبرياء (کبیر)

وَّ حَلٰلًا ؕ قُلۡ آٰللّٰہُ اَذِنَ لَکُمۡ اَمۡ عَلَی اللّٰہِ
قرار دے لیا آپ کہیے کہ کیا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے یا تم اللہ پر گھڑ ہی
تَفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۹﴾ وَ مَا ظَنُّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ
رہے ہو؟ و۹۰ اور کیا روز قیامت کی نسبت ان لوگوں کا خیال ہے جو اللہ پر
الۡکَذِبَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی
جھوٹ گھڑتے رہتے ہیں و۹۱ بیشک اللہ لوگوں پر بڑا فضل
النَّاسِ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ لَا یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۶۰﴾ وَ مَا تَکُوۡنُ
رکھنے والا ہے لیکن انہی میں سے اکثر ناشکرے ہیں و۹۲ اور آپ جس حال میں
فِیۡ شَاۡنٍ وَّ مَا تَتۡلُوۡا مِنۡہُ مِنۡ قُرۡاٰنٍ وَّ لَا تَعۡمَلُوۡنَ
بھی ہوں اور آپ اس (حال) میں قرآن (بھی) پڑھ رہے ہوں، اور تم لوگ بھی جو کوئی کام
مِنۡ عَمَلٍ اِلَّا کُنَّا عَلَیۡکُمۡ شُہُوۡدًا اِذۡ تُفِیۡضُوۡنَ
کر رہے ہو ہم تمہارے برابر گواہ رہتے ہیں جب تم اسے کرنے
فِیۡہِ ؕ وَ مَا یَعۡزُبُ عَنۡ رَّبِّکَ مِنۡ مِّثۡقَالِ ذَرَّۃٍ فِی
لگتے ہو و۹۳ اور آپ کے پروردگار سے ذرہ برابر (بھی کوئی چیز) غائب نہیں نہ
الۡاَرۡضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ وَ لَاۤ اَصۡغَرَ مِنۡ ذٰلِکَ وَ لَاۤ
زمین میں نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ
اَکۡبَرَ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۶۱﴾ اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا
بڑی مگر یہ کہ سب کتاب مبین میں ہیں و۹۴ سنو، سنو! اللہ کے دوستوں پر
خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۲﴾ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا
قطعاً نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے و۹۵ یہ وہ ہیں جو ایمان لائے

ع ۱۱

و۹۰ مشرک جاہلی قوموں نے ماکولات کے حرام وحلال کے باب میں بڑا گڑبڑ کیا ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے اس پر بار بار گرفت کی ہے۔ اور بار بار صراحت کی ہے کہ حرام تو بس وہی چیزیں ہیں جنہیں شریعت الٰہی حرام قرار دے، نہ کہ وہ جنہیں تم اپنے دل سے گڑھ کر حرام ٹھیرا رہے ہو۔ اتنی دوررس اور دقیقہ رس نگاہ جو غذاؤں کے قرب وبُعد، جلی وخفی، سارے فوائد ونقصانات پر محیط ہو، بجز شریعت الٰہی کے اور کہیں ممکن نہیں۔ بعض کج فہموں نے آیت کو نفی قیاس فقہی کے موقع پر پیش کیا ہے اور استنباط مسائل کو اس کی رُو سے ناجائز ٹھیرانا چاہا ہے۔ حالانکہ فقیہ کی اصل دلیل تو نصوص ہی ہوتے ہیں وہ صرف اپنے فہم وذکاء سے ان چیزوں کو باہر نکال لیتا ہے جو ان کے اندر مخفی ہوتی ہیں۔ بنیاد تو بہرحال کلام باری ہی رہتا ہے۔ استدل بھذہ الأیة من نفی القیاس وھذا بعید فان القیاس دلیل اللہ تعالٰی فیکون التحریم والتحلیل من اللہ تعالٰی (قرطبی) ربما احتج بعض من نفاة القیاس بھذہ الأیة فی ابطاله لانه زعم ان القائس یحرّم بقیاسه ویحل وھذا جھل من قائله لان القیاس دلیل اللہ تعالٰی کما ان حجة العقل دلیل اللہ تعالٰی وکالنصوص والسنن کل ھذہ دلائل فالقائس انما یتبع موضع الدلالة علی الحکم فیکون اللہ ھو المحرم والمحلل بنصبه الدلیل علیه (جصاص) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں ان غالی صوفیہ کا رد ہے، جو مباحات کو بر بناء تقشف وتزہد اپنے اوپر اعتقاداً یا عملاً حرام کرلیتے ہیں۔ ہاں بہ طور اپنے معالجہ کے کوئی شخص اپنے لئے کسی چیز کو ترک کردے تو وہ اس سے مستثنٰی ہے۔ و۹۱ (اور اس سے ڈرتے نہیں۔ تو کیا یہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ قیامت آئے ہی گی نہیں یا آئے گی مگر ان سے کچھ تعرض نہ کرے گی؟) و۹۲ (چنانچہ سب سے بڑی ناشکری یہی ہے کہ اپنی اصلاح کرنا الگ رہا، اس خبری پر نہیں یقین کرتے اور نہ اس پیش خبری کی کوئی قدر کرتے ہیں) اِنَّ ...... النَّاسِ چنانچہ اسی فضل کا مقتضاء یہ ہے کہ اس نے انہیں اتنے قبل سے وقوع قیامت کی اطلاع، اور منکرین کو توبہ واصلاح کی پوری مہلت دے دی۔ و۹۳ (تو ہم کو کسی کے بھی حال سے کسی حال میں غافل نہ سمجھنا) قرآن مجید کی متعدد آیتوں کی طرح یہ آیت بھی پوری طرح واضح اس وقت ہوتی ہے، جب اہل ضلال کے عقائد بھی پیش نظر ہوں۔ بعض جاہلی قوموں کا عقیدہ ہے کہ خدا تو ہے اور صفت علم سے متصف بھی ہے لیکن اس کا علم صرف قدیم ہے...... اس کی واضح تردید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ تعالٰی کو علم اس وقت بھی ہوتا رہتا ہے، جو کوئی فعل واقعۃً وعملاً وقوع میں آنے لگتا ہے۔ وَ مَا تَتۡلُوۡا مِنۡہُ مِنۡ قُرۡاٰنٍ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال تو سب ہی اعلٰی تھے لیکن قرآن مجید پڑھنا اور قرآن کے ذریعہ سے تبلیغ وہدایت کرنا ان میں بھی ایک درجہ امتیاز رکھتا تھا، اس لئے اس کا ذکر خاص طور پر فرمایا گیا۔ التلاوۃ اعظم شؤنه صلی اللہ علیہ وسلم ولذا خصت بالذکر (روح) مِنۡہُ ضمیر شان کی طرف ہے۔ جن مفسرین نے قُرۡاٰن کی بابت سمجھی ہے وہ مِنۡ قُرۡاٰنٍ کی تکرار سے تعظیم وتفخیم مراد لیتے ہیں۔ والضمیر للشان (کشاف) قال الفراء والزجاج الھاء فی منه تعود علی الشان (قرطبی) من قرأن اعاد تفخیمًا کقوله انی انا اللہ (قرطبی) وَ لَا تَعۡمَلُوۡنَ۔ خطاب ابھی صیغۂ واحد (مَا تَکُوۡنُ۔ مَا تَتۡلُوۡا) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب تھا۔ اب صیغہ جمع میں آپ کے ساتھ آپ کی ساری امت سے بھی ہو گیا۔ و۹۴ (شروع ہی سے مندرج) ایک گمراہی کا ابھی ابھی شُہُوۡدًا اِذۡ تُفِیۡضُوۡنَ فِیۡہِ سے سد باب ہو چکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ حق تعالٰی کا علم صرف قدیم ہی نہیں بلکہ عین حدوث واقعات کے وقت بھی ہوتا رہتا ہے۔ اب اس کے مقابل کی دوسری گمراہی کی تردید ہو رہی ہے اور فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ لا کر یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ حق تعالٰی کا علم صرف حدوث کے وقت نہیں ہوتا جیسا کہ اہل ضلال سمجھ رہے ہیں بلکہ روز ازل سے چھوٹی بڑی ہر شے لوح محفوظ میں ثبت ہے۔ یعنی اللوح المحفوظ مع علم اللہ تعالٰی به (قرطبی) وَ مَا یَعۡزُبُ ...... السَّمَآءِ یعنی چھوٹی بڑی، ہر مقدار اور ہر بساط کی شے علم الٰہی میں موجود ہے۔ کوئی شے بھی اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔ جاہلی قومیں کثرت سے ایسی ہوئی ہیں جنہوں نے خدا کو تو مانا ہے لیکن محدود العلم، ناقص العلم اور یونان ومصر کے فلسفیوں تک کو یہ تسلیم کرنے میں باک نہیں رہا ہے۔ آیت انہی گمراہیوں کی تردید کر رہی ہے۔ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ عرف عام میں اس سے مراد دائرۂ وجود وامکان ہوتا ہے۔ اور قرآن بھی انسانی ہی محاورہ میں نازل ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ کوئی چیز کہیں بھی ہو۔ ای فی دائرة الوجود والامکان والتعبیر عنھا بالارض والسماء لان العامة لا تعرف سواھما (ابوسعود) و۹۵ یعنی نہ آنے والے مہلکات وحوادث کا کوئی اندیشہ اور نہ چھوٹ جانے والی چیزوں کا کوئی غم۔ صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ حزن (غم) پیدا ہوتا ہے ناکامی مدعا سے اور عاشقانِ سوختہ جان کوئی آرزو ہی نہیں رکھتے جو نہیں نامرادی کا اندیشہ ہو سکے۔ اسی طرح خوف پیدا ہوتا ہے۔ امر مکروہ کے پیش آجانے سے۔ محبین عارفین تو بجز محبوب کے اور کسی کا وہم بھی نہیں رکھتے تو محبوب اور اس کے عشووں اور اداؤں سے خوف کے کیا معنی۔

وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور پرہیز گاری اختیار کئے رہے ۹۶ ان کے لئے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں بھی

وَ فِى الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ

اور آخرت میں بھی اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں، یہی تو

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾ وَ لَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ

بڑی کامیابی ہے ۹۷ اور آپ کو ان (کافروں) کی باتیں غم میں نہ ڈالیں، غلبہ

لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ

تمامتر اللہ ہی کے لئے ہے، وہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے، ۹۸ سنو، سنو اللہ ہی کی ملک تو ہیں جو بھی

فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ ؕ وَ مَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ

آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے ۹۹ اور وہ لوگ جو اللہ کے علاوہ شرکاء کو بھی

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا

پکارتے ہیں کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں؟ یہ اتباع کر رہے ہیں محض

الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ

خیال کا اور یہ محض اٹکل سے کام لے رہے ہیں ۱۰۰ وہ وہی (اللہ) تو ہے جس نے تمہارے لئے

لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِىْ

رات بنائی کہ تم اس میں چین پاؤ اور دن کو (بنایا) دکھلانے والا ان (سب) میں

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا

ان لوگوں کے لئے جو (غور وتدبر کے ساتھ) سنتے ہیں دلائل (موجود) ہیں، ۱۰۱ کہتے ہیں کہ اللہ نے ایک بیٹا بنا رکھا

سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِىُّ ؕ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى

ہے سبحان اللہ! بے نیاز ہے وہ اسی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں اور جو کچھ بھی ہے

وقف لازم

۹۶ (کفر ومعصیت سے) ابھی ابھی ذکر اولیاء اللہ کا آچکا ہے۔ اب ان کی پہچان بھی بتادی۔ وہ کیا ہے۔ وہ صرف ایمان اور تقویٰ۔ آیت کو مکرر پڑھ کر غور کرلیا جائے۔ ولایت کی علامتیں کیا ارشاد ہورہی ہیں۔ نہ عوام کو خوش کرنے والی کرامتیں، نہ عامۃ الناس کو حیرت میں ڈال دینے والے خوارق بلکہ صرف ایمان اور تقویٰ! اللہ کا ولی کون ہوتا ہے اور اللہ کس کا ولی ہوتا ہے۔ اس پر امام رازی علیہ الرحمۃ نے تفسیر کبیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ قابل ملاحظہ ہے۔ ۹۷ یعنی یہی مقبولیت یا دونوں جہانوں میں محفوظیت اور اس محفوظیت کا وعدہ۔ ای ما ذکران لھم البشرٰی فی الدارین (روح) اَلْبُشْرٰى۔ یہ خوشخبری اسی خوف وحزن سے محفوظ رہنے کی ہے۔ اور خوف وغم سے مراد دنیوی خوف وغم ہے۔ جس سے مومنین کاملین اس لئے محفوظ ہوجاتے ہیں کہ وہ ہر ناگوار سے ناگوار واقعہ میں بھی حکمت الٰہی ہی کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ۹۸ وہ منکرین کے طنز وتعریض اور آپ کی تبلیغ وموعظت سب سن رہا ہے۔ اور ان کی شرارت وعناد اور آپ کا تحمل اور دردِ اصلاح سب اس پر روشن ہے۔ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ۔ کفریات سے آپ کا مغموم ہونا بالکل ایک امر طبعی تھا۔ آپ کی اسی سے تسلی کی جارہی ہے۔ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔ اور وہی اپنی قدرت سے آپ کی اور اسلام کی نصرت وحمایت کرے گا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ کسی دوسرے میں جو عزت بہ ظاہر نظر آتی ہے وہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے اور وہ غیر اس کی عزت کا ایک مظہر ہے جیسے ضیاء درحقیقت آفتاب کی صفت ہے اور زمین پر ایک گونہ تعلق یا سبب اس کا ظہور ہوجاتا ہے۔ ۹۹ انسان، جنات، ملائکہ کوئی مخلوق کیسی ہی پر عظمت ہو بہرحال سب حق تعالیٰ ہی کے مملوک ہیں۔ اس کے وعدۂ حفاظت یا اس کے وعید مکافات کے درمیان کس کی مجال ہے جو حائل ہوسکے۔ ۱۰۰ حقایق کے حامل اور مالک تو صرف اہل ایمان ہیں۔ ایمانیوں کے علاوہ جو بھی ہیں، ان کے پاس بجز اوہام، ظنون، نظریات ومفروضات کے اور ہے کیا؟ فقہاء نے لکھا ہے کہ اٹکل یا اندازہ کا درجہ شریعت میں تو بس اس قدر ہے کہ بندوں کے معاملات کے چکانے میں اس سے کام لے لیا گیا، باقی اثباتِ حق واسقاطِ حق میں ظن وتخمین کا کچھ دخل نہیں۔ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ الخ۔ یعنی ان کے پاس دلیل یا بنیاد ہے کیا؟ قرآن مجید نے شرک پر یہ گرفت بار بار کی ہے۔ توحید پر تو ماشاء اللہ قوی سے قوی دلیلیں کثرت سے موجود ہیں۔ لیکن شرک پر آخر کونسی دلیل موجود ہے؟ ۱۰۱ (حق تعالیٰ کی توحید اور صفت اور قدرت کا) هُوَ الَّذِىْ...... مُبْصِرًا دن اور رات نہ کوئی دیوی دیوتا ہیں، نہ نور وظلمت کوئی دو خدا یا دو خداؤں کے مظہر یا دو خداؤں کی مخلوق ہیں۔ وقت کے یہ دونوں حصہ خدائے واحد کی اسی طرح مخلوق ہیں جس طرح اور سب مخلوقات ہیں اور دونوں کی خلقت کی غرض انسان ہی کے کام آنا ہے۔ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ۔ رات تو اسی کے لئے ہے کہ انسان اس میں آرام واستراحت کرے اور دن بھر کی مشقت کے بعد کسل دور کرکے دوسرے دن کے لئے تازہ دم ہوجائے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ صوفیۂ عارفین نے اس سے یہ اشارہ نکالا ہے کہ بجائے ساری رات جاگنے کے کچھ دیر سو رہنا بہتر ہے کہ اس میں مصلحت الٰہی اور ادب کی رعایت زیادہ ہے۔ مُبْصِرًا۔ یعنی جس کی روشنی میں انسان دیکھ بھال سکتا ہے۔ ای مضیئا لتھتدوا بہ فی حوائجکم۔ (قرطبی) فِىْ ذٰلِكَ۔ یعنی انہی حقائق میں جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔

۱۰۲ ساری موجودات بڑی ہو یا چھوٹی بشری ہو یا غیر بشری اللہ کے ساتھ نسبت صرف مخلوقیت اور مملوکیت کی رکھتی ہے نہ کہ معاذ اللہ کسی طرح کی قرابت اور عزیز داری کی...... دیوتاؤں کے ساتھ فوق البشر انسانوں کی قرابت عزیز داری مذاہب جاہلی کا بہت قدیم اور مشترک عقیدہ ہے قرآن بار بار مختلف طریقوں سے اس عقیدہ پر ضرب لگاتا رہتا ہے۔ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا۔ یہ کہنے والے اور عقیدہ رکھنے والے بت پرست مشرکین ہی تھے اور مسیح پرست مسیحیوں کے بعض فرقے بھی۔ اتخاذ ولد پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ پارہ اول آیت نمبر ۱۱۶ میں اسی قسم کی آیت پر گزر چکا ہے ضرور ملاحظہ فرما لیا جائے۔ سُبْحٰنَهٗ۔ حق تعالیٰ پاک و منزہ ہے مخلوقات کے ساتھ کسی قسم کی نسبت قرابت رکھنے سے! للکارا اور پھٹکارا ہے اہل باطل کو کہ کیسے جہل و سفاہت میں مبتلا ہو ایک طرف تو خدا کو خدا کہے جاتے ہو اس کی قدرت کا کلمہ بھی پڑھتے ہو اور پھر اسے اس کا محتاج سمجھتے ہو کہ وہ دنیا کے لاولد لوگوں اور لاولدی سے نقصان محسوس کرنے والے انسانوں کی طرح کسی کو گود لے کر اپنی لاولدی کی تلافی کرے! هُوَ الْغَنِيُّ۔ خدائے اسلام تو ہر ممکن احتیاج سے ماوراء ہے اسے اتخاذ ولد کی (بیٹا بنانے کی) ضرورت ہی بھلا کیا پیش آسکتی ہے! لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ اس کا تو سب ہی کچھ ہے اعلیٰ و ادنیٰ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کا مالک سب اس کے مملوک جس سے جو چاہے کام لے ملک کا تعلق تو فرزندی و تبنیت کے تعلق سے کہیں زیادہ قوی موجود ہے آخر ممکن ہی اس کے لئے کون سا ارمان ہے جس کے پورا کرنے کے لئے اسے کسی کو گود لینے یا متبنٰی بنانے کی ضرورت پیش آئے۔

الْاَرْضِ ۭ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ۭ
زمین میں ہے ۱۰۲ تمہارے پاس کوئی بھی دلیل اس (دعوے) کی نہیں

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ
تو کیا اللہ پر ایسی بات گھڑتے ہو جس کا (خود) علم نہیں رکھتے ہو ۱۰۳ آپ کہہ دیجیے کہ یقیناً جو لوگ

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِي
اللہ پر جھوٹ گھڑتے رہتے ہیں وہ فلاح نہیں پانے کے ۱۰۴ دنیا (ہی) میں

الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ
(بس) تھوڑا سا عیش ہے پھر ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہے پھر ہم انہیں سزائے سخت کا مزہ

الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ
چکھائیں گے اس کفر کے بدلہ میں جو یہ کرتے رہتے تھے ۱۰۵ آپ انہیں نوح کا قصہ پڑھ کر سنائیے

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ
جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا ۱۰۶ کہ اے میری قوم اگر تم پر میرا قیام (تمہارے درمیان)

وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا
اور میری وعظ گوئی اللہ کے احکام کے ذریعہ سے بہت ہی گراں گزر رہی ہے تو میں تو اللہ پر بھروسہ کر چکا تم اپنی تدبیر

اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً
پختہ کر لو مع اپنے شرکاء کے پھر (وہ) تمہاری تدبیر تمہارے حق میں پوشیدہ نہ رہے

ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا
پھر میرے ساتھ کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو ۱۰۷ اور اگر تم اعراض ہی کیے جاؤ سو

سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ
میں تم سے (کوئی) معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے

ع ۱۰ ۱۲

۱۰۳ (کسی دلیل سے بھی) قرآن مجید نے جہاں ایک طرف اثبات توحید پر بیسیوں دلائل قائم کئے ہیں وہاں اہل شرک سے بار بار مطالبہ کیا ہے کہ تم اپنی باطل پرستی پر آخر دلیل ہی کونسی رکھتے ہو؟ تم تو سراسر ایک دعویٰ بے دلیل کی پیروی میں مبتلا ہو۔ اِنْ عِنْدَكُمْ۔ میں اِنْ نافیہ ہے۔ مِنْ سُلْطٰنٍ۔ یعنی کوئی بھی دلیل۔ بِهٰذَا یعنی ایسے لغو و باطل دعویٰ کی۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ۔ قال کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی گڑھ لینے، جھوٹ جوڑ لینے کے ہو جاتے ہیں۔ قال علیه اے افتریٰ (تاج) ۱۰۴ فلاح۔ حقیقی فلاح کم از کم جس معنی میں عربی میں مستعمل ہے تو وہی ہے جو مستقل دیرپا اور دائمی ہو اور یہ کسی منکر مکذب مشرک کے نصیب میں نہیں...... عارضی چند روزہ دنیوی عیش و تنعم جس کا خاتمہ یقینی طور ذلت و مصیبت پر ہے اسے فلاح ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ ۱۰۵ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا۔ کہہ کر قرآن مجید نے منکر و مکذب قوموں کی بالکل تصویر کھینچ دی ہے۔ تفصیل کے لئے مطالعہ ہو روس اور امریکہ اور برطانیہ اور اور بڑی بڑی ''مہذب'' ''ترقی یافتہ'' اقبال مند قوموں کا حال...... ان کے آپس کے رشک و حسد کا حال، ان کی حرام کاریوں کا حال، ان کی شراب نوشیوں کا حال، ان کی سود خواریوں کا حال، ان کے جرائم کا حال، ان کے ہاں کے امراض خبیثہ کا حال، ان کے ہاں کی اسٹرائیکوں اور ہڑتالوں کا حال، ان کے ہاں کی کثرت طلاق اور کثرت فواحش کا حال، ان کے ہاں کی معاشی ابتری اور بیروزگاری کا حال، اور پھر فیصلہ کیجیے کہ متاع دنیا کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ رکھنے کے بعد بھی ان منکرین حق کو باوجود اپنی انتہائی ''ترقیوں'' کے فلاح کسی معنی میں بھی حاصل ہے؟ اور آج جو کج فہم ''ہمدردان قوم'' قوم و ملت کو انہی ''ترقی یافتہ قوموں'' کی روش پر چلانا چاہتے ہیں وہ ملت کو فلاح کی جنت کی طرف لئے جا رہے ہیں یا دنیا ہی میں دوزخ کے عذاب کی طرف؟...... قرآن مجید تو ہر جگہ اور بار بار یہی بتا رہا ہے۔ اور ہمارے مشاہدہ سے اس کی تصدیق کرا رہا ہے کہ جو قومیں ایمان صحیح اور تقویٰ سے عاری ہیں وہ عیش ابدی سے تو خیر محروم ہی ہیں دنیا میں بھی انکا تنعم محض ظاہری و سطحی ہوتا ہے۔ اندر سے بالکل کھوکھلا! متاعٌ۔ میں تنوین تقلیل کی ہے۔ والتنوین للتحقیر والتقلیل (روح) یعنی متاع دنیوی تو خود ہی قلیل ہے پھر منکرین کے حصہ میں اور بھی قلیل تر۔ ۱۰۶ (جس کا مذہب شرک و بت پرستی تھا) حضرت نوح علیہ السلام جن کا شمار قدیم ترین انبیاء میں ہے ان کی شخصیت ان کے زمانہ، ان کے ملک وغیرہ پر حاشیے پیشتر گزر چکے۔ ۱۰۷ حضرت نوح علیہ السلام جب مسلسل اور بہت طویل تبلیغ کے بعد اپنی قوم سے عاجز آگئے ہیں اور مایوس ہو چکے ہیں تو اب اس سے انتہائی گفتگو اس رنگ میں فرما رہے ہیں۔ مَقَامِيْ۔ بعض مفسرین نے لفظ مقام سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام تبلیغی وعظ اور خطبہ کھڑے ہو کر دیا کرتے تھے۔ وعظ و خطبہ کے وقت کھڑے رہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت منقول ہے۔ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ۔ تو اب میں تمہاری یا کسی کی بھی مخالفت سے کیوں ڈرنے لگا...... مخلوق سے خوف کا اصلی علاج یہی توکل علی اللہ ہے فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ۔ یعنی میرے ضرر پہنچانے کی جو جو تجویزیں اور تمہارے منصوبے تمہارے ذہن میں ہوں انہیں پختہ کر لو۔ اجماع کے معنی ہی کسی امر کے پختہ اور مضبوط کرنے کے ہیں۔ قال الفراء الاجماع العزم علی الامر والاحکام علیه (تاج) قال ابن عرفة اے اعزموا علیه (تاج) امر سے مراد کافروں کی سازش اور اسکیم کی پختگی ہے۔ والمعنی امرھم بالعزم والاجماع علی قصده والسعی فی اھلاکم (روح) وَشُرَكَآءَكُمْ۔ یعنی جن جن کو تم شریک خدائی سمجھتے ہو، اُن سب کو بھی اپنی سازشوں اور منصوبوں میں شریک کر لو۔ ان کی منتیں مان لو۔ ان سے فریاد کر دیکھو۔ قال اور شگون ان کے استھانوں سے حاصل کر لو۔ و یہاں مع کے مرادف ہے۔ قال ابو اسحق والواو بمعنی مع (تاج) والواو بمعنی مع (کشاف) قال ابو اسحاق الزجاج المعنی مع شرکائکم (قرطبی) لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً۔ یعنی جو کچھ کرنا ہے۔ آزادانہ کھلم کھلا کر گزرو۔ چرانے چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ یعنی ولا یکن قصدکم الی اھلاکی مستورًا علیکم ولکن مکشوفًا مشھورًا تجاھروننی به (کشاف) ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ۔ جو کچھ تمہیں میرے ساتھ کرنا ہے کر گزرو۔ المراد ان وجھوا کل تلک الشرور الی (کبیر) قصہ میں تسلی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہ انبیاء سابقین کو بھی ہجوم مخالفت سے کیسا کیسا دو

چارہ ہوناپڑا اور اس عالم میں بھی وہ کیسے صابر اور ثابت قدم رہے۔ وَلَا تُنْظِرُوْنِ۔ یعنی جو کچھ کرنا ہے۔ جلد سے جلد کر گزرو۔ مہلت مجھے اب ذرا سی بھی نہ دو۔ ای عجلوا ذلک باشد ما تقدرون علیه من غیر انظار (کبیر) اس قطعیت کے لب ولہجہ میں دشمنوں سے گفتگو وہی کر سکتا ہے۔ جس کا رشتہ اللہ سے تمام تر جڑا ہوا ہو اور جو خلق کی قوت ضرر رسانی وقوت نفع رسانی دونوں سے یکسر بے نیاز ہو چکا ہو۔ **ف۱۰۸** پیمبر قانون الٰہی کی پابندیوں سے مافوق وماوراء نہیں ہوتا، بلکہ ساری امت کی طرح وہ خود بھی اس کا پوری طرح پابند ہوتا ہے اس میں رَدّ ہے جاہلی قوموں کا جو اپنے دیوی دیوتاؤں کو ہر اخلاقی قانون سے ماورا سمجھتے ہیں۔ فَاِنْ...... اَجْرٍ سو تم مجھے تبلیغ سے روکنے کا حق ہی کیا رکھتے ہو؟ کیا میں تم سے اس کی کچھ فیس مانگتا رہتا ہوں جس کے رک جانے کا مجھے اب اندیشہ ہو، خوف خلق کی نفی اوپر کی آیت میں ہو چکی تھی۔ طمع خلق کی نفی اب ہو گئی...... پیمبر خلق کے خوف اور طمع دونوں سے یکسر بے نیاز رہتا ہے۔ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جو امر دین میں واجب ہے، اس پر اجرت جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ تبلیغ رسالت حضرات انبیاء پر واجب ہی ہوتی ہے۔ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ۔ میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور اس نے اپنے کرم سے اس کا وعدہ کر لیا ہے۔ سو اب مجھے غم وفکر ہی کیا؟ **ف۱۰۹** (روئے زمین پر) فَنَجَّيْنٰهُ...... الْفُلْكِ یعنی نوح علیہ السلام اور ہمراہیان نوح علیہ السلام کو عذاب طوفان وسیلاب سے نجات مل گئی۔ اس طوفان عظیم کے آثار قدیم ماہرین سائنس کو آج بھی ارض نوح علیہ السلام میں مل رہے ہیں۔ یہ طوفان ملک عراق میں دریائے دجلہ

وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ

اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں فرمان برداروں میں رہوں **ف۱۰۸** پر ایں ہم وہ لوگ نوحؑ کو جھٹلاتے رہے۔

فَنَجَّيْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ جَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ

پھر ہم نے نوحؑ کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور ہم نے انہیں آباد کیا **ف۱۰۹**

وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انہیں ہم نے غرق کر دیا **ف۱۱۰** سو دیکھ کہ

عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى

جو ڈرائے جا چکے تھے ان کا کیا انجام ہوا **ف۱۱۱** پھر ہم نے (نوحؑ) کے بعد (اور) پیمبروں کو ان کی قوم

قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا

کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس روشن دلائل لے کر آئے مگر یہ نہ ہوا کہ جس چیز کو

كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ

انہوں نے پہلے جھٹلا دیا تھا اس پر ایمان لے آتے **ف۱۱۲** ہم اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کے دلوں پر مہر کر دیا

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى

کرتے ہیں **ف۱۱۳** پھر ہم نے ان (پیمبروں) کے بعد موسیٰؑ اور

وَ هٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا

ہارونؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس، سو انہوں نے تکبر کیا،

وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ

اور وہ لوگ تھے ہی جرم کرتے رہنے والے **ف۱۱۴** سو جب ان کے پاس ہماری طرف سے

عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰى

حق پہنچا تو وہ بولے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے **ف۱۱۵** موسیٰؑ نے کہا

اور دریائے فرات کے درمیانی علاقہ میں آیا تھا۔ اس علاقہ کا رقبہ، موجودہ ماہرین اثریات کے تخمینہ کے مطابق ۴۰۰ میل طول میں اور ۱۰۰ میل عرض میں تھا۔ الْفُلْكِ۔ کشتی نوح علیہ السلام کا طول حسب تصریح توریت ۳۰۰ ہاتھ کا عرض ۵۰ ہاتھ کا اور بلندی ۳۰ ہاتھ کی تھی۔ گویا یہ کشتی اتنی ہی بڑی تھی جیسے آج کل کے برطانیہ اور امریکہ کے درمیان چلنے والے مسافروں کے جہاز یا (LINERS) عموماً ہوتے ہیں۔ غرقابی قوم نوح علیہ السلام کے بعد آپ کے مخلص رفیق پھر اسی علاقہ میں آباد ہوئے اور انہی سے سلسلۂ نسل آدم علیہ السلام چلا۔ نوع انسانی کی آبادی تاریخ کے اس ابتدائی دور میں صرف اسی سرزمین کے حدود تک محدود تھی۔ **ف۱۱۰** یہ بیان کہ خداوند تعالیٰ نے غصہ ہو کر ساری نسل انسانی کو ہلاک کر ڈالنا چاہا، قرآن کا نہیں، بائبل ہی میں یہ تصریحات ملتی ہیں کہ:۔ ”خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا۔ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا انسان کو اور حیوان کو بھی اور کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندوں تک۔ کیونکہ میں ان کے بنانے سے پچھتاتا ہوں۔“ (پیدائش ۶: ۵۔۷) اسلام میں تو یہ عقیدہ ہی سرے سے کفر ہے کہ حق تعالیٰ بھی اپنے کسی عمل سے پچھتاتا ہے اور غرقابی کو تو قرآن مجید صراحت کے ساتھ مکذبین حق (الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا) تک محدود رکھتا ہے...... یہ ایک الگ بات ہے کہ روئے زمین پر کوئی آبادی ہی اس وقت تک بجز قوم نوح علیہ السلام کے نہ تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ کو ابھی کل دس ہی پشتیں تو ہوئی تھیں۔ خاندان انسانی اتنے عرصہ میں کہاں تک پھیل جاتا؟ ایک ہی ملک کے اندر سمٹا سمٹایا ہوا تھا۔ غرقابی عام وعالمگیر رہی ہے یا اسی امت نوح علیہ السلام کے ساتھ مخصوص۔ یہ سوال متقدمین مفسرین کے سامنے بھی آ چکا ہے اور محققین کی اکثریت شق ثانی ہی کی طرف گئی ہے اور ظواہر قرآن وحدیث بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ هل عمّ جميع اهل الارض او كان لبعضهم وهم اهل دعوته المكذبين به كما هو ظاهر كثير من الأيات والاحاديث قال ابن عطية الراجح عند المحققين هو الثاني وكثير من اهل الارض كاهل الصّين وغيرهم ينكرون عموم الغرق (روح) **ف۱۱۱** یعنی وہ مکذبین منذرین عذاب الٰہی سے کس طرح مٹ کر اور ہلاک وبرباد ہو کر رہے! اَلْمُنْذَرِيْنَ۔ کی یہ تصریح پھر اسی حقیقت کا اعادہ کر رہی ہے کہ عذاب کی ہدف وہی سرکش ونافرمان قوم ہی تھی۔ فَانْظُرْ۔ یعنی دیکھ اور سوچ سمجھ اے مخاطب! دیکھنے سے مراد سیاق میں ظاہر ہے کہ ظاہری آنکھوں سے رؤیت کرنا نہیں۔ بلکہ دل کی آنکھوں سے سبق لینا اور عبرت حاصل کر لینا ہے۔ نظر کا لفظ عربی میں ظاہری بصارت اور باطنی بصیرت دونوں کے لئے عام ہے۔ النظر تقليب البصر والبصيرة لادراك الشيء ورؤيته (راغب) قرآن مجید میں غور وتامل تفحص وتدبر کے معنی میں اس کا استعمال بہ کثرت ہوا ہے اور اردو محاورہ میں بھی ”دیکھنا“ دونوں مفہوموں کے لئے آتا ہے۔ **ف۱۱۲** اہل ضلال کی یہ ذہنیت آج تک چلی آ رہی ہے۔ جہاں ایک بار بھی شروع میں بے سوچے سمجھے زبان سے ”نہیں“ نکل گئی۔ بس آخر تک وہی قائم رہے گی۔ چاہے ہزار شواہد ودلائل نظر سے گزر جائیں۔ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ۔ یہ سب قومی انبیاء تھے یعنی ان کے مخاطب انہی کے وطن قبیلہ یا قوم کے لوگ تھے۔ انسانیت اس وقت تک یوں ہی مستقل قوموں میں بٹی ہوئی تھی۔ اور رسائل ومواصلات کے موجودہ ذرائع اس وقت یکسر ناپید تھے۔ ایک عالمگیر پیام، ساری نوع انسانی کے نام کا وقت ابھی فطرت کی جنتری میں آیا نہ تھا۔ فيه اشارة الى ان عموم الرسالة الى البشر لم يثبت لاحد من اولئك الرسل عليهم الصلوٰة والسلام ظاهر كلامهم الاجماع على ان ذلك مخصوص بنبينا ﷺ ولم يثبت لاحد ممن ارسل بعد نوح (روح) **ف۱۱۳** مراد یہ ہے (جیسا کہ پیشتر بھی کئی بار عرض ہو چکا ہے) کہ چونکہ وہ اپنے قصد کو طلب حق میں نہیں، بلکہ اس کی مخالفت میں استعمال کرتے رہتے ہیں، اس لئے ان سے توفیق بھی قبولِ حق کی سلب ہو جاتی ہے۔ **ف۱۱۴** یعنی شرک ومخلوق پرستی اور حق دشمنی ونفس پرستی میں مبتلا۔ بِاٰيٰتِنَا۔ ”نشانیوں“ کا لفظ دلائل ومعجزات دونوں کے لئے عام ہے۔ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ۔ بائبل میں اس کی تصریح کہیں پر نہیں کہ ان دونوں پیمبران برحق نے اپنے پیام توحید کی تبلیغ میں مصریوں کو بھی مخاطب کیا تھا حالانکہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ جو اللہ کی توحید کا منادی ہو، وہ اصلاح عقائد کی کوشش سب سے پہلے ہی مرتبہ پر نہ کرے۔

اور کفر،شرک اور ضلالتوں کو اسی حال پر چھوڑے رکھے۔ یہیں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کا جو حصہ نسبۃً محفوظ ہے اس میں بھی کیسے کیسے تغیرات وتصرفات ہو چکے ہیں۔ اور قرآن کس طرح ضروری موقعوں پر اس کی فروگزاشتوں کی اصلاح کرتا جاتا ہے۔ فَاسْتَكْبَرُوْا۔ یعنی ان کی بڑائی انہیں اس سے مانع ہوئی کہ وہ پیمبروں کی تصدیق کرتے۔ فرعون لقب تھا مصر کے قبطی شہنشاہ کا، موسیٰ وہارون اسی نسل بنی اسرائیل سے تھے جو ہر طرح اُس کی محکوم اور رعایا تھی۔ اپنے محکوموں اور ''غلاموں'' کی زبان سے اتنے بڑے روحانی منصب کا دعویٰ سننا حاکم قوم کی رعونت گوارا کیسے کرسکتی تھی۔ **و۱۱۵** جاہلی قومیں فضائل اخلاقی وکمالات روحانی کی قدر تو بھلا کیا کرتیں۔ انبیاء کے خوارق حسی جب دیکھتیں تو انہیں سحر وکہانت پر محمول کرنے لگتیں ۔ فکر ہر کس بہ قدر ہمت اوست۔ اَلْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا۔ یعنی

اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَ لَا

کہ کیا تم حق کے بارہ میں یہ کہتے ہو جب وہ تمہیں پہنچ گیا؟ کیا یہ (واقعی) جادو ہے؟ درآنحالیکہ

يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا

جادوگر فلاح نہیں **و۱۱۶** پاتے۔ وہ بولے کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں ہٹادے اس (طریقہ) سے

وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي

جس پر ہم نے اپنے باپ (دادا) کو پایا تھا اور ملک میں بڑائی تم دونوں کے لئے

الْاَرْضِ ؕ وَ مَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَ قَالَ

ہو جائے تو ہم تو تم دونوں کو (بھی) ماننے والے نہیں **و۱۱۷** اور فرعون

فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ

بولا کہ لاؤ میرے پاس سارے ماہر جادوگروں کو **و۱۱۸** پھر جب

السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾

جادوگر آگئے تو موسیٰ نے ان سے کہا جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے ڈال چکو **و۱۱۹**

فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ

پھر جب انہوں نے (رسے) ڈال دیئے تو موسیٰ بولے جادو یہ ہے جو کچھ تم (بنا کر) لائے ہو یقیناً

اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ

اللہ اسے ابھی توڑ پھوڑ دے گا یقیناً اللہ فسادیوں کا کام بننے نہیں

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ

دیتا **و۱۲۰** اور اللہ حق کو سچ کر دکھاتا ہے اپنے وعدوں کے موافق خواہ مجرموں کو (کیسا ہی)

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ع فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ

ناگوار گزرے **و۱۲۱** پھر موسیٰ کی ہر بات کسی (اور) نے نہ مانی بجز اُن کی قوم کے تھوڑے سے

ع ۱۲/۱۳

دین حق کی تبلیغ، جس کے اندر احکام، دلائل، خوارق سب کچھ آگیا:۔ **و۱۱۶** فلاح۔ یعنی آخری اور مستقل کامیابی ساحروں، شعبدہ بازوں کے نصیب میں کہاں؟ ذرا دیر کے لئے وہ گرمیٔ محفل جیسی بھی پیدا کردیں، لیکن کمالات اخلاق سے وہ عاری اور تصرفات روحانی سے ان کا دامن خالی۔ دنیوی اعتبار سے بھی تو کوئی اعلیٰ مستقل کمال ان میں نہیں ہوتا۔ اَسِحْرٌ هٰذَا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کمال حیرت وحیرانی سے فرما رہے ہیں کہ تم نے یہ کیا کہا؟ ایسی کھلی ہوئی صداقتوں کے لئے تمہارے پاس لفظ ''سحر'' کا ہے؟ جو تمہارے نزدیک بھی ایک بے حقیقت سی شے ہے۔ **و۱۱۷** مصری مذہب کے ''ہزار دیوتا'' مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ ہندی مشرکوں کی طرح مصریوں میں حیوان پرستی بھی جاری تھی۔ بندر، کتا، بلی وغیرہ ان کے مقدس جانور تھے۔ اپنے بادشاہ کو خدا کا اوتار مانتے تھے۔ تناسخ ارواح کے قائل تھے۔ وقس علیٰ ہذا...... تبلیغ موسوی سے ان سارے عقائد پر ضرب کاری لگ رہی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام محض قومی لیڈر نہ تھے جو اپنی قوم اسرائیل کو ''سوراج'' دلانے کے لئے مصری گورنمنٹ سے نامہ وپیام کررہے تھے وہ سب سے پہلے توحید وعقیدۂ آخرت کے منادی تھے، اور پھر کچھ اور۔ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ۔ دنیا پرست مادی زاویۂ نظر رکھنے والا اپنے نفس پر قیاس کرکے دوسروں کو بھی اسی عینک سے دیکھتا ہے۔ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ۔ ایمان یہاں شرعی اصطلاحی معنی میں نہیں، مراد صرف بات کا ماننا یا تسلیم کرنا ہے۔ صلہ بھی اسی لئے ب کے بجائے ل کے ساتھ آیا ہے۔ **و۱۱۸** یہ بادشاہ نے اپنے اہل دربار وعمال سلطنت کو حکم دیا...... تشخیص چونکہ یہی ٹھیری تھی کہ یہ دونوں نئے مبلغ بڑے ماہر ساحر ہیں اس لئے ان کا زور توڑنے، ان سے مقابلہ کرنے، انہیں نیچا دکھانے کے لئے اجتماع بھی ماہرین فن ساحروں کا کیا جائے! **و۱۱۹** (اپنے جادو کے سامان میں سے) فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ۔ یعنی میدان مقابلہ طے پا گیا اور جادوگر وہاں جمع ہولئے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فراء نحوی ولغوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ پہلے فرعون اور فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیام کو سن کر کہا تھا ہذا سحر۔ اب موسیٰ علیہ السلام اس قول کے جواب میں کہہ رہے ہیں کہ سحر وہ تو نہیں تھا یہ البتہ ہے۔ مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ۔ اسی لئے سحر (نکرہ) کو یہاں الف لام کے ساتھ لاکر السحر (معرفہ) کردیا گیا۔ انما قال السحر بالالف واللام لانه جواب کلام سبق (کبیر) **و۱۲۰** (جبکہ وہ بنیادی معجزات انبیاء سے معارضہ کو کھڑے ہوتے ہیں) قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ۔ موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سحر میری وہ دعوت حق نہ تھی جسے فرعون اور فرعونی سحر سے موسوم کر رہے تھے۔ البتہ سحر تو یہ ہے جسے تم لے کر آئے ہو! اَلسِّحْرُ۔ یہاں ال کے ساتھ معرفہ کی صورت میں لانا اسی لئے ہے کہ وہ قول فرعون هٰذَا سِحْرٌ۔ (نکرہ) کے جواب میں ہے۔ قال الفراء انما قال السحر بالالف واللام لانه جواب کلام سبق (کبیر) قال الفراء وانما قال السحر بالالف واللام لان النكرة اذا اعيدت اعيدت بالالف واللام (بحر) قال ابن عطية والتعريف هنا فی السحر ارتب لانه قد تقدم منكرا فی قولهم ان هٰذَا لَسِحْرٌ فجاء هنا بلام العهد (بحر) **و۱۲۱** حق تعالیٰ کی مشیت تکوینی کو جو کچھ مدنظر ہے وہ بہرحال وصورت واقع ہوکر رہے گا، منکرین خواہ کچھ بھی کر ڈالیں۔ بِكَلِمٰتِهٖ۔ کلمات کے مفہوم میں کلام اور دلائل وشواہد سب داخل ہیں۔ اے بحجة التی جعلها الله تعالیٰ لكم عليهم سلطانا مبينا (راغب) اے بكلامه وحججه وبراهينه (قرطبی) یہاں مراد وعدہائے نصرت سے لی گئی ہے۔ اے بوعده النصر لمن جاء به (روح۔ عن الحسن)

قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهِمْ اَنْ
لوگوں کے، فرعون اور اپنے سرداروں کے خوف سے کہ کہیں وہ انہیں مصیبت میں
يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَ اِنَّهٗ
نہ ڈال دے اور واقعی فرعون ملک میں زور رکھتا تھا اور واقعی وہ
لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَ قَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ
زیادتی کرنے والوں میں سے تھا ف۱۲۲ اور موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم والو! اگر تم
اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾
اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو بھروسہ بھی اسی پر کرو اگر تم فرماں بردار ہو ف۱۲۳
فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ
وہ بولے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا اے ہمارے پروردگار ہم کو تختۂ مشق نہ بنا ظالم
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ ۙ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ
لوگوں کا اور ہم کو اپنی رحمت سے نجات دے
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِيْهِ اَنْ
کافر لوگوں سے ف۱۲۴ اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ
تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّ اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً
تم دونوں اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم لوگ اپنے گھروں ہی کو نماز گاہ قرار دے لو ف۱۲۵
وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَ قَالَ
اور نماز کی پابندی رکھو اور آپ ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجیے ف۱۲۶ اور موسیٰ نے عرض کی
مُوْسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً
کہ اے ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو (سامان) تجمل

ف۱۲۲ (اس لئے لوگوں کا اتنا ڈر بے جا تھا بھی نہیں) فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى۔ اٰمَنَ۔ امن کا صلہ یہاں بجائے ب کے ل (مکسور) کے ساتھ آرہا ہے۔ معنی یہ ہے کہ آپ کی بات کی تصدیق نہ کی۔ ذُرِّيَّةٌ یہاں قلتِ عدد کے اظہار کے لئے ہے۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ بس مٹھی بھر لوگ۔ ھٰھنا معناھا تقلیل العدد (کبیر) ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول منقول ہوا ہے کہ یہ لفظ جب کسی قوم پر بولا جاتا ہے تو مقصود اس کی تحقیر یا تصغیر ہوتی ہے۔ قال ابن عباس لفظ الذریة یعبر به عن القوم علیٰ وجه التحقیر والتصغیر (کبیر) اور چونکہ یہاں تحقیر کا کوئی قرینہ ہے نہیں، اس لئے مقصود تصغیر عددی ہی ہے۔ مِنْ قَوْمِهٖ کی ضمیر نے دو بالکل مختلف معنی پیدا کر دیئے ہیں۔ مراد قوم موسیٰ علیہ السلام بھی ہو سکتی ہے اور قوم فرعون بھی۔ پہلی صورت میں مراد یہ لی جائے گی کہ فرعون اور فرعونیوں کے ڈر سے شروع شروع اسرائیلیوں کی بھی بہت ہی تھوڑی تعداد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی۔ اور دوسری شق کو مان کر اشارہ ان چند فرعونی ساحروں کی طرف سمجھا جائے جو بعد مقابلہ حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے تھے۔ اس عاصی کا ذوق پہلی شق کو ترجیح دیتا ہے۔ سلف سے منقول دونوں قول ہیں۔ الھاء عائدة علیٰ موسیٰ (قرطبی) ای طائفة من ذراری بنی اسرائیل (کشاف) والضمیر لموسیٰ کما ھو احدی الروایتین عن ابن عباسؓ (روح) عَلٰى خَوْفٍ۔ خوف کی تنوین شدت خوف کے لئے ہے۔ التنوین للتعظیم ای کائنین مع خوفٍ عظیم (روح) ف۱۲۳ (اور خواہ مخواہ زیادہ حیران پریشان نہ ہو۔ وہی تمہاری مدد کرے گا) یہ آپ نے اس وقت فرمایا جب دیکھ لیا کہ حکومت فرعونی کے مظالم سے اسرائیلی بلبلائے اٹھتے ہیں ف۱۲۴ اسرائیلی مومنین جواب دیتے ہیں کہ بیشک ہمارا بھروسہ تو حق تعالیٰ ہی پر ہے۔ اور پھر معاً مناجات کرنے لگتے ہیں کہ یا الٰہی، جب تک ان کی حکومت مقدر ہے، وہ ہم پر ظلم نہ کرنے پائیں، اور پھر ان کی حکومت ہی کے دائرہ سے ہم کو نکال دے! ف۱۲۵ آیت میں قِبْلَةً۔ کا لفظ قرآن کا ایک دشوار ترین لفظ ہے۔ بہرحال قبلة کے ایک مشہور معنی اس مکان کے ہیں جس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے۔ فی المتعارف صار اسماً للمکان المقابل المتوجه الیه لِلصَّلٰوة (راغب) یہ معنی لے کر مراد یہ ہوگی کہ گو امت میں یک جہتی پیدا کرنے کے لئے کسی ایک متعین مکان کی طرف عبادت کا رخ ضروری ہے۔ لیکن تمہارے لئے حالات موجودہ میں یہی کافی ہے کہ اپنے گھروں میں انہی کی طرف رخ کر لیا کرو۔ لیکن یہاں معنی علی العموم "نماز کی جگہ" یا مصلی کے لئے گئے ہیں۔ ای مصلّی (بیضاوی۔ روح) اور مراد حکم سے یہ ہے کہ نمازیں اپنے اپنے گھروں ہی میں پڑھ لیا کرو۔ ای صلوا فی بیوتکم (کبیر) کانوا خائفین فامروا ان یصلوا فی بیوتھم (ابن کثیر) اور عجب نہیں جو مظالم فرعونی میں سے ایک چیز یہ بھی رہی ہو کہ بنی اسرئیل اپنی اپنی عبادت گاہوں تک نہ پہنچنے پائیں۔ ف۱۲۶ (اے موسیٰ کہ اب وقت مخلصی کا نزدیک آگیا) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ کہ اقامتِ نماز کی برکت سے اللہ تعالیٰ جلد تر اپنا فضل کرے گا اور تمہیں جلد سے جلد اس مصیبت سے نجات دلائے گا۔

وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ

اور (طرح طرح کے) مال دنیوی زندگی میں دیئے ہی تھے اس نتیجہ کے ساتھ کہ اے پروردگار وہ تیری راہ سے (لوگوں

سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ

کو) گمراہ کریں ف۱۲۷ اے ہمارے پروردگار ان کے مالوں کو نابود کر دے اور ان کے

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ

دلوں کو (اور زیادہ) سخت کر دے، سو یہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ عذاب دردناک کو

الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَ لَا

دیکھ لیں ف۱۲۸ (اللہ نے) فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہوگئی ف۱۲۹ سو تم دونوں (بدستور) قائم رہو، ان

تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ

لوگوں کی راہ نہ چلنے لگنا جو علم نہیں رکھتے ف۱۳۰ اور ہم نے بنی اسرائیل کو

اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا

سمندر کے پار کر دیا پھر فرعون اور اس کے لشکر نے ظلم وزیادتی (کے ارادہ) سے

وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ

ان کا پیچھا کیا ف۱۳۱ یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو بولا ف۱۳۲ میں ایمان لاتا ہوں کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ

کوئی خدا نہیں بجز اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں ف۱۳۳ اور میں مسلموں میں

الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ

(داخل ہوتا) ہوں ف۱۳۴ (یہ) اب! حالانکہ تو تو سرکشی ہی کرتا رہا قبل تک اور تو مفسدوں (ہی) میں

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ

شامل رہا ف۱۳۵ سو آج ہم تیرے جسم کو نجات دے دیں گے تاکہ تو

ف۱۲۷ لِيُضِلُّوْا۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی تیری ان بخششوں اور انعامات کا نتیجہ یہ ہوا۔ یہ مطلب نہیں کہ تیری بخشش وانعام سے مقصود ہی یہ تھا۔ اگرچہ یہ مفہوم بھی تکوینی اعتبار سے بالکل درست ہوسکتا ہے۔ واضح ما قيل فيها هو قول الخليل وسيبويه انها لام العاقبة والصيرورة (قرطبی) اللام لام العاقبة لما كانت عاقبة قوم فرعون هو الضلال وقد اعلمه الله تعالٰى لا جرم عبر عن هذا المعنٰى بهذا اللفظ (کبیر) ف۱۲۸ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ہدایت ان کے مقدر میں نہیں اور جو حکمت تھی وہ حاصل ہوچکی تو اب ان کے نفوس کو باقی ہی کیوں رکھا جائے یہ کفر میں ترقی ہی کرتے جائیں تا آنکہ عذاب الٰہی کے پوری طرح مستحق ہوکر اس سے ہلاک ہوجائیں۔ ایسے بدبختوں کی ہلاکت وبربادی کی تمنا کرنا ایسا ہی ہے جیسے موذی جانوروں، سانپ، بچھو وغیرہ کے ہلاک کی تمنا کرنا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو ان کا انجام منکشف ہی ہوچکا تھا، ان کے لئے دعائے ہلاکت میں اور بھی کوئی مضائقہ نہیں رہ گیا تھا، اپنی دعوت وتبلیغ اور کوشش واصلاح سو وہ آخر تک جاری رہی۔ ف۱۲۹ (اور اب یہ نافرمان ہلاک ہی ہوکر رہیں گے) اس جواب کے صیغہ تثنیہ سے معلوم ہوا کہ دعاء میں حضرت ہارون علیہ السلام بھی شریک تھے۔ بلاغت قرآنی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جو چیزیں سیاق سے ازخود روشن ہوجائیں قرآن ان کی صراحت غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ ف۱۳۰ (ہمارے دعوؤں کے برحق اور قطعی ہونے کا، گو ان کا ظہور بہ توقف وبتاخیر ہو) فَاسْتَقِيْمَا۔ یعنی اپنے فرض منصبی پر قائم رہو اور دعوت وتبلیغ میں بدستور لگے رہو۔ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی ہماری حکمت تاخیر ومصالح توقف سے بے خبر ہیں۔ لا يعلمون صدق الاجابة وحكمة الامهال (مدارک) ف۱۳۱ (کہ انہیں پکڑیں، سزا دیں، قتل کریں) بنی اسرائیل کے اس سفر بحری اور فرعون کی غرقابی پر مفصل حاشیے سورۂ بقرہ آلخ میں گزر چکے۔ بَغْيًا وَّعَدْوًا۔ یعنی جو سرتاسر ناحق پر تھا، کیا ازروئے قول اور کیا ازروئے عمل۔ بغی کا تعلق قول سے ہے، اور عدو کا عمل سے۔ قال المفسرون بغيًا طلبًا للاستعلاء بغير حق في القول وعدوًا في الفعل (قرطبی) قيل بغيًا في القول وعدوًا في الفعل (معالم) ف۱۳۲ (بدحواس وسراسیمہ ہوکر اور ملائکہ عذاب کو معاینہ کرنے کے بعد جیسا کہ ہر کافر ومنکر کو موت کے وقت فرشتگان عذاب کا معاینہ ہوتا رہتا ہے) حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ۔ اس میں بیان اس امر کا آگیا کہ عمل غرقابی شروع ہوچکا تھا اور ڈوبنے والے کو اب عالم برزخ کا مشاہدہ ہورہا تھا۔ فامن حيث لا ينفعه الايمان (ابن کثیر) تراكمت الامواج فوق فرعون وغشيته سكرات الموت فقال وهو كذالك (ابن کثیر) ف۱۳۳ (اور توحید کا اقرار کرتا ہوں، اور رسالتِ موسوی کی تصدیق کرتا ہوں) اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ۔ ''بنی اسرائیل کے خدا'' کی تصریح اس لئے کہ وہی تو ایک قوم توحید کی قائل تھی۔ دوسرا نکتہ یہ بھی کہ وہی قوم جو آج تک نظر میں اس قدر حقیر وذلیل تھی۔ آج تصدیق اسی کے برسرِحق ہونے کی کرنا پڑ رہی ہے! محض یہ کہنے میں کہ ''میں خدائے واحد پر ایمان لایا'' یہ بات کہاں تھی۔ خدائے واحد کی تصدیق میں بڑی رکاوٹ اب تک فرعون اور اس کے ہم قوموں کو یہی تھی، کہ ہم اعلیٰ برتر اور حاکم قوم کے افراد ایسے خدا کا اقرار کیونکر کرلیں جو ہمارے محکوموں اور ہماری رعایا کا خدا ہے۔ ف۱۳۴ (تو اب مجھے نجات ملے اس غرق سے بھی اور عذاب آخرت سے بھی) ف۱۳۵ (سو اب نہ ایمان مقبول، نہ نجات آخرت کی کوئی صورت) آٰلْئٰنَ۔ یہ اب! جبکہ انکشاف آخرت شروع ہوچکا اور قبول ایمان کا وقت نہیں رہا۔ اتؤمن بالساعة في وقت الاضطرار حين ادركك الغرق وايست من نفسك (مدارک) وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ۔ یعنی عین اس لمحہ سے قبل تک تیری ساری عمر تو ہماری مخالفت وسرکشی ونافرمانی میں گزری اور اب جب مشاہدہ ہمارے عذاب کا ہونے لگا تو اب اقرار تسلیم واطاعت کو چلا ہے۔ انما تؤمن عند نزول العذاب والايمان في هذا الوقت غير مقبول (کبیر) مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ۔ مفسد یہاں منکر اور باغی، گمراہ کرنے والے کے معنی میں ہے۔ اي الذين اضلّ الناس (ابن کثیر) حیرت ہے کہ قرآن کی ان تصریحات کے باوجود بھی صوفیہ غیر محققین کو فرعون کی نجات اور صحت ایمان پر اصرار ہے۔ ''اور بعض اکابر سے جو فرعون کے ایمان کی صحت منقول ہے وہ کسی شخص نے ان کی تصنیف میں الحاق کردیا ہے۔ چنانچہ الیواقیت والجواہر میں اس میں تفصیل موجود ہے۔'' (تھانوی رحمہ اللہ علیہ)

لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا

ایک نشان (عبرت) پیچھے آنے والوں کے لئے رہے ف١٣٦ اور بے شبہ بہت سے لوگ ہماری (ایسی) نشانیوں سے

لَغٰفِلُوْنَ ﴿٩٢﴾ ع وَ لَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ

غافل ہیں ف١٣٧ اور ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا

صِدْقٍ وَّ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا

دیا اور ہم نے انہیں نفیس چیزوں کا رزق عطا کیا ف١٣٨ سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا

حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ

یہاں تک کہ ان کے پاس علم (حق) آ گیا ف١٣٩ یقیناً آپ کا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان

الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ

ان امور میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے فیصلہ کر دے گا ف١٤٠ پھر اگر (بالفرض) آپ کو

شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ

شک ہو ان (مضامین) کے باب میں جو ہم نے آپ پر نازل کئے ہیں ف١٤١ تو آپ ان لوگوں سے پوچھ دیکھئے جو

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

آپ سے پہلے کی کتابوں کو پڑھتے رہتے ہیں ف١٤٢ بالیقین آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے سچی

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٩٤﴾ لا وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ

(کتاب) آ چکی ہے سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہوں ف١٤٣ اور آپ ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٥﴾ اِنَّ

جایئے جنہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا ورنہ آپ بھی تباہ کاروں میں (شامل) ہو جائیں گے ف١٤٤ بیشک

الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٩٦﴾ لا

جن لوگوں کے حق میں آپ کے پروردگار کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے

ف١٣٦ (اور تیرے لئے مزید رسوائی و تفضیح کا سامان بنا رہے) فرعون کا ایمان جس طرح عالم یاس میں تمامتر ظاہری وصوری تھا، معنیٰ وحقیقت سے خالی، اسی طرح اور اسی مناسبت سے اس کے جسم مردہ کی نجات بھی اس کے حق میں تمامتر بے سود رہی۔ اٰيَةً۔ یہاں عبرۃ کے مرادف ہے۔ای عبرۃ وعظۃ (معالم) عبرۃ (جلالین) عبرۃ ونکالا من الطغیان (روح) ایک غرق شدہ فرعون مصر کی نعش ماہرین اثریات کو مدت ہوئی قدیم مصری شہر تھیبس (THEBES) میں مل گئی تھی اور آج قاہرہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے اور مؤرخین وماہرین کا خیال ہے کہ یہ فرعون رعمیس ثانی تھا۔۔۔۔ رعمیس ثانی یا تو وہی قرآنی فرعون ہے۔ اور یا فرعون مغروق، اگر کوئی اور ہوا ہے تو ماہرین فن کو اس نعش کی شناخت میں دھوکا ہوا ہے یہ نعش اسی کی ہے نہ کہ رعمیس ثانی کی، ف١٣٧ (اور خود اپنی غفلتوں اور طغیانیوں میں مبتلا ان چیزوں سے ذرا بھی اثر نہ قبول کرنے والے۔ای لا یتعظون بھا ولا یعتبرون بھا (ابن کثیر) ف١٣٨ (اسی ملک اور وطن میں) مراد فلسطین وشام کے سرسبز وشاداب علاقے ہیں اور ذکر جب بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے بعد کا ہو رہا ہے۔ مُبَوَّاَ صِدْقٍ۔ کے لفظی معنیٰ منزل حسن اور مکان خوب ودلپسند کے ہیں۔ محاورۂ عرب میں صدق کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر اچھی چیز کو اسی صفت سے ظاہر کرتے ہیں۔ ای کانا محمودًا (کبیر) منزلًا صالحًا مَرْضیًا (کبیر) لان عادۃ العرب انھا اذا مدحت شیئًا اضافتہ الی الصدق تقول رجل صدق وقدم صدق (کبیر) وفی العباب کل ما نسب الی الصلاح والخیر اضیف الی الصدق (تاج) مراد شام وارض فلسطین سے قدیم مفسرین نے بھی لی ہے۔ھو الاردن والشام (بحر۔عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) المراد بہ الشام وبیت المقدس (بحر۔عن قتادہ وابن زید والضحاک) وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ۔ ملک شام اور اس کے ملحق علاقے اپنی سرسبزی، شادابی، خوش پیداواری کے لئے شروع سے آج تک مشہور چلے آ رہے ہیں۔ توریت موجودہ میں ہے:۔ ”میں نازل ہوا ہوں کہ انہیں مصریوں سے چھڑاؤں اور اس زمین سے نکال کے اچھی وسیع زمین جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے۔ کنعانیوں..... کی جگہ میں لاؤں۔ (خروج ٣: ٨) آج بھی جغرافیہ کی جن کتابوں اور جن سیاحت ناموں میں چاہیے یہی تفصیلات پڑھ لیجیے۔ ف١٣٩ (پہلے انہی کے پیمبروں کے ذریعہ سے اور پھر آخر میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے) فَمَا اخْتَلَفُوْا۔ یعنی راہ حق سے انحراف نہیں کیا۔ مطلب یہ ہوا کہ ان نعمتوں کا مقتضاء تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل ہمیشہ سپاس گزار رہ کر توحید ورسالت کے عقائد پر مضبوطی سے قائم رہتے۔ اس کے برعکس انہوں نے دین حق سے اختلاف وانحراف شروع کر دیا۔ اور وہ بھی پیاماتِ نبوت سننے کے بعد۔ ف١٤٠ اور وہ فیصلہ عملی، مشاہد ومرئی ہوگا۔ علمی، عقلی تحقیقی فیصلہ تو اب بھی ہو چکا ہے۔ ف١٤١ (اسرائیلیوں، فرعونیوں وغیرہ کی حکایات اور تاریخ سے متعلق) ذکر ابھی بالکل متصل اسرائیلی تاریخ کے بعض اجزاء اور فرعونیوں کی سرگزشت کا آیا ہے۔ اس لئے مما انزلنا الیک کا تعلق بھی انہی قصص وحکایات ہی سے متعلق معلوم ہوتا ہے اور مفسرین قدیم بھی یہی سمجھے ہیں۔ ای من القصص (بیضاوی) ای من القصص المنزلۃ الیک التی من جملتھا قصۃ فرعون وقومہ واخبار بنی اسرائیل (روح) لیکن اگر یہ محدود معنیٰ نہیں بلکہ وہ وسیع معنیٰ مراد لئے جائیں جو ظاہر الفاظ سے نکلتے معلوم ہوتے ہیں۔ یعنی کل مضامین کتاب میں شک جب کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ قرآن نے تو یہ بات محض بہ طور فرض واحتمال کے کہی ہے اور قرآن نے اس سے بڑھ بڑھ کر احتمالات، یعنی محال محض چیزوں کے امکانات، اسی ترکیب کلام کے ساتھ پیش کئے ہیں، مثلاً خدائے قدوس کا صاحب اولاد ہونا۔ ان کان للرحمن ولد۔ ان کنت فی شک۔ لازمی نہیں کہ یہ خطاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ سمجھا جائے۔ مخاطب اگر محض انسان سمجھا جائے تو اس کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اور بعض اہل علم نے تقدیر کلام یوں ہی فرض کی ہے۔ ای ان کنت ایھا الانسان فی شک مما انزلنا الیک من الھدی علی لسان رسولنا محمد (معالم) یہ تقدیر کلام بھی بڑے بڑے ائمۂ ادب ولغت سے منقول ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کافر سے کہیے کہ اگر تجھے شک ہو تو الخ۔ قال ابو عمر محمد بن عبد الواحد الزاھد سمعت الامامین ثعلبًا والمبرد یقولان ای قل یا محمد للکافر فان کنت فی شک الخ (قرطبی) ف١٤٢ (ان کی اصلی، غیر محرف صورتوں میں) مراد یہ ہے کہ قدیم آسمانی کتابوں کی اصل عبارتیں، انسانی تصرف وتحریف سے الگ کر کے اگر دیکھی جائیں تو وہ بیانات قرآنی کی تمام تر تصدیق وتائید ہی کریں گی۔ ف١٤٣ (اس کے کسی مضمون سے متعلق بھی) نزول قرآن کے زمانہ میں علم وتحقیق کی اجارہ داری گویا یہود ہی کی تھی اور نمبر دوم پر عیسائی تھے۔ یہ دونوں رسول صلی اللہ علیہ وسلم امی کی تکذیب وتضحیک پر بات بات پر تیار وآمادہ رہتے تھے۔ اور پر قرآن انہی اہل علم کے مذہب اور تاریخ سے متعلق پوست کندہ حالات اسی رسول صلی اللہ علیہ وسلم امی کی زبان سے دھڑلے سے ادا کرا رہا تھا۔ بشر کوئی سا بھی ہو، یہاں تک کہ سید البشر بھی، اس کا ایسے موقعوں پر رکنا، جھجکنا، بالکل ایک امر طبعی تھا خلق سے بالکل بے جھجک، بے دھڑک ہو کر حقائق کو بے تکان ادا کرنا یہ تو صرف حق تعالیٰ ہی کا خاصہ ہو سکتا تھا۔ اور اسی سے ملتی ہوئی وہ توجیہ ہے جو فخر المفسرین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت کی تفسیر میں الوجہ الثالث کے ماتحت کی ہے۔ ف١٤٤ (اے مخاطب!) خطاب یہاں عام انسان سے ہے۔ او الخطاب لکل سامع یجوز علیہ الشک (مدارک)

وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾

خواہ ان کے پاس نشانیاں ساری (کی ساری) آجائیں جب تک کہ وہ عذاب دردناک (نہ) دیکھ لیں گے ف۱۴۵

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ

چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ اس کا ایمان لانا اسے نفع پہنچاتا بجز قوم یونسؑ

يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي

کے ف۱۴۶ جب وہ (لوگ) ایمان لے آئے ہم نے ان پر سے رسوائی کے عذاب کو

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ وَلَوْ شَآءَ

دنیوی زندگی میں دور کر دیا اور ان کو ایک وقت (خاص) تک کے لئے خوش عیشی دی ف۱۴۷، اور اگر آپ کا پروردگار

رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ

چاہتا تو روئے زمین پر جتنے بھی لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے ف۱۴۸ سو کیا آپ

تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ

لوگوں پر جبر کر سکتے ہیں جس میں وہ ایمان لے ہی آئیں ف۱۴۹ اور کسی شخص کو

لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ

(یہ قدرت حاصل) نہیں کہ وہ ایمان لے آئے بجز اللہ کی مشیت کے ف۱۵۰ وہ گندگی (کفر کی)

الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا

واقع کراتا ہے انہی لوگوں پر جو عقل سے کام ہی نہیں لیتے ف۱۵۱ آپ کہہ دیجئے کہ تم دیکھو تو کیا کیا

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ

چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں ف۱۵۲ اور کوئی بھی نشانیاں اور ڈراوے

عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ

ان لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچاتے جو ایمان نہیں لاتے ف۱۵۳ سو وہ تو بس ان لوگوں کے لئے حوادث کا

ف۱۴۵ (اور اس وقت "معائنہ" عذاب کے بعد ایمان لانا بھی بے سود ہوگا) حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ۔ كلمة رب "پروردگار کی بات" سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم تکوینی ہے۔ اے وعيده انهم يصيرون الى العذاب (بحر) اے حكمه وقضاءه المفسر عند الاشاعرة بارادته تعالى (روح) كُلُّ اٰيَةٍ۔ یعنی توحید ورسالت کے کل شواہد ودلائل۔ ف۱۴۶ (کہ صرف وہی وقت کے وقت ایمان لے آئی اور عذاب دنیوی سے نجات پاگئی) فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ۔ ذکران بستیوں کا ہو رہا ہے جو تکذیب انبیاء کی بنا پر ہلاک وبرباد ہوئیں۔ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ۔ یعنی وقوع عذاب سے قبل وہ ایمان لے آتی اور تائب ہو جاتی۔ قَوْمَ يُوْنُسَ۔ یونس سے مراد پیغمبر برحق یونس علیہ السلام بن متی ہیں۔ توریت میں ان کا نام (JONAN) یایونا کر کے آیا ہے ان کا زمانہ آٹھویں صدی ق،م کے وسط کا ہے۔ ان کا معاصر اسرائیلی بادشاہ یربعام تھا۔ جس کا زمانہ ۷۸۱ ق،م تا ۷۴۱ ق،م ہے۔ باشندہ شہر نینوا کے تھے۔ جو اپنے زمانہ میں اسیریا کی پرقوت سلطنت کا پایہ تخت تھا۔ اور آج ملک عراق میں جہاں موصل ہے اس کے مقابل دریائے دجلہ کے بائیں کنارہ پر واقع ہے۔ اس وقت شہر کا رقبہ ۱۸۰۰ ایکڑ تھا۔ اس کی قدامت اس سے ظاہر ہے کہ اس کا ذکر حمورابی کے نوشتوں میں ملتا ہے۔ ۲۲۸۵ ق،م میں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۱۴۷ یعنی موت کے وقت تک دنیا میں بہ اطمینان وبہ فراغت رہنے دیا۔ لَمَّآ اٰمَنُوْا۔ یعنی وہ ایمان لے آئے ایسے وقت کہ ابھی نزول عذاب نہیں ہوا تھا۔ صرف نزول عذاب کی علامتیں دور سے نظر آتی تھیں۔ قال الزجاج انهم لم يقع بهم العذاب وانما رأوا العلامة التى تدل على العذاب ولو رأوا عين العذاب لما نفعهم الايمان وقلت قول الزجاج حسنٌ (قرطبی) اے عند ما رأوا امارات العذاب ولم يوفروا الى حلوله (روح) كَشَفْنَا...... الدُّنْيَا یہ نجات کی صراحت صرف عذاب دنیوی سے متعلق ہے۔ باقی ایمان کے بعد نجات اخروی کا مفہوم خود بخود متوقع ہو جاتا ہے۔ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ مرید پر کوئی ایسا فیضان ہو جس کی خبر شیخ کو نہ ہو گو وہ فیضان شیخ ہی کی برکت سے ہو۔ جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو اپنی امت کے ایمان کی اطلاع نہ ہوئی، حالانکہ خود وہ ایمان حضرت یونس نبی علیہ السلام ہی کی برکات سے تھا۔ ف۱۴۸ (لیکن بے شمار تکوینی مصلحتوں اور حکمتوں سے مشیت الٰہی نے اس عالم کو عالم ابتلاء ہی رکھا ہے اور کسی کو بھی ایمان لانے پر مضطر ومجبور نہیں کیا ہے) للاشاعرة لكونه مخالفاً للحكمة التى عليها بناء اساس التكوين والتشريع (روح) اے لا ضطرّهم اليه (قرطبی) كُلُّهُمْ۔ تاکید کے لئے ہے۔ بعض کے نزدیک من فى الارض کی تاکید کے لئے اور بعض کے نزدیک جَمِيْعًا کی تاکید کے لئے۔ ف۱۴۹ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین وتسلی دی گئی ہے کہ آپ سب کے ایمان نہ لانے سے مغموم ومحزون نہ ہوں۔ یہیں سے بعض علماء محققین نے یہ نکالا ہے کہ کافی تبلیغ کے بعد پھر نتائج کے درپے ہونے اور ثمرات تبلیغ کے انتظار کی ضرورت نہیں۔ ف۱۵۰ اذن آیت میں مشیت وتوفیق کے معنی میں ہے۔ اے بمشيته اوبقضائه اوبتوفيقه (مدارک) الابقضائه وقدره ومشيته وارادته (قرطبی) ف۱۵۱ یعنی اس کی مشیت صرف انہی لوگوں کے ایمان لانے سے غیر متعلق رہتی ہے، جو اپنی عقل وفہم خداداد سے کام نہیں لیتے، اور حق کے قبول واتباع کا قصد ہی نہیں کرتے۔ اس قسم کی آیتوں نے بار بار اسی حقیقت کو صاف کر دیا ہے کہ کسی کے ایمان وہدایت کی راہ میں اصلاً رکاوٹ حق تعالیٰ کی طرف سے ہرگز نہیں ہوتی صرف انسان کی اپنی کج نظری اور بدنفسی کی طرف سے ہوتی ہے۔ الرِّجْسَ۔ (یعنی کفر وبدعقیدگی کی گندگی) رجس یہاں ایمان کے مقابلہ میں آیا ہے اس لئے اس کے معنی کفر کے ہیں۔ الرجس الذى يقابل الايمان ليس الا الكفر (کبیر) ف۱۵۲ (حق تعالیٰ کی توحید اور قدرت اور صنعت پر دلالت کرنے والی)۔

انْظُرُوْا۔ یعنی چشم بصیرت سے دیکھو، سوچو اور غور کرو۔ دوسرے مذہبوں کے برعکس جہاں ایمان اور عقل کو ایک دوسرے کے منافی سمجھا گیا ہے، قرآن تو خود دعوت تکوینیات میں غور وفکر کرتے رہنے کی دیتا رہتا ہے۔ اے تفكروا (بیضاوی) امر بالنظر والا ستدلال فى الدلائل حتى لا يتوهم ان الحق هو الجبر المحض (کبیر) انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہاں سے معلوم ہوا کہ خلق پر حق کے لیے نظر کرنا نظر الی الحق کا منافی نہیں۔ ف۱۵۳ یعنی ایمان لانا چاہتے نہیں، مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ دلائل حق پر سرے سے غور ہی نہیں کرتے ان کے حق میں سارے ہی ترغیبی وترہیبی دلائل وشواہد لاحاصل ہیں۔ النُّذُرُ۔ نذر جمع نذیر کی ہے اور نذیر یہاں معہ مصدر انذار کے مرادف ہے۔ النذر الرسل المنذرون اوالانذارات (کبیر) والنذر جمع نذير بمعنى منذر اوبمعنى انذاراى الانذارات (روح) جمع کا صیغہ اس لئے لایا گیا کہ انواع واقسام کے ارادے اس میں شامل ہو جائیں۔ جمع لا رادة الانواع (روح) مِنْ قَبْلِهِمْ۔ خَلَوْا کے لفظ میں قبلیت کا مفہوم تو خود ہی شامل ہے۔ پھر جو مِنْ قَبْلِهِمْ۔ کا اضافہ آیا ہے اس سے مقصود ایک تو تاکید ہے دوسرے یہ اشارہ بھی کہ یہ موجودہ منکرین بھی ... متعلق بخلوا جئ به للتاكيد والايماء بانهم سيخلون كما خلوا (روح)

اَيَّامِ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ قُلۡ فَانۡتَظِرُوۡۤا اِنِّىۡ

جو ان کے قبل گزر چکے ہیں انتظار کر رہے ہیں ف۱۵۴ آپ کہہ دیجیے کہ اچھا تم انتظار کیے جاؤ میں

مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ ۝١٠٢ ثُمَّ نُنَجِّىۡ رُسُلَنَا وَالَّذِيۡنَ

بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ف۱۵۵ پھر ہم اپنے پیمبروں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان

اٰمَنُوۡا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيۡنَا نُنۡجِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝١٠٣ ع قُلۡ

والے تھے بچالیتے تھے، اسی طرح ہم (سب) مومنوں کو نجات دیا کرتے ہیں (یہ) ہمارے ذمہ ہے، ف۱۵۶ آپ کہہ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ شَكٍّ مِّنۡ دِيۡنِىۡ

دیجیے کہ اے لوگو اگر تم میرے دین کی طرف سے اشتباہ میں ہو ف۱۵۷

فَلَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِيۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلٰـكِنۡ

سو میں ان (معبودوں) کی عبادت نہیں کرتا، جن کی عبادت تم کرتے رہتے ہو اللہ کے سوا بلکہ میں (تو)

اَعۡبُدُ اللّٰهَ الَّذِىۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ ۖۚ وَاُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ

اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے ف۱۵۸ اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں بھی

مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝١٠٤ لا وَاَنۡ اَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ

ایمان لانے والوں میں ہوں اور یہ کہ اپنا رخ دین کی طرف

حَنِيۡفًا ۚ وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝١٠٥ وَلَا تَدۡعُ

خالص کر لینا اور کہیں مشرکوں میں نہ ہو جانا ف۱۵۹ اور اللہ کے

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنۡ

علاوہ کسی (اور) کو نہ پکارنا جو تجھے نہ نفع پہنچا سکے اور نہ نقصان پہنچا سکے پھر اگر

فَعَلۡتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝١٠٦ وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ

تونے (ایسا) کیا تو یقینا تو ظالموں میں ہو جائے گا ف۱۶۰ اور اگر اللہ تجھے کوئی

ف۱۵۴ یعنی ان موجودہ منکروں اور معاندوں کے وجود سے تو بس یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ لوگ سابق ہلاک شدہ قوموں کے وقت کا انتظار کر رہے ہیں! هَلۡ يَنۡتَظِرُوۡنَ۔ یعنی دلالت حال سے تو ایسا ہی ظاہر ہو رہا ہے۔ اَيَّامِ۔ محاورۂ عرب میں ایام کا اطلاق اہم ترین شدید ترین واقعات وحوادث پر ہوتا ہے۔ الايام هنا بمعنى الوقائع والحرب تسمى العذاب ايامًا والنعم ايامًا كل ما سفى لک من الخير او الشر فهو ايام (قرطبی) اى وقائع الله تعالٰى فيهم (کشاف) ومنها استعمال الايام فى الوقائع كقولهم ايام العرب وهو مجاز مشهور من التعبير بالزمان عما وقع فيه (روح) اَلَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ۔ یعنی وہ پر قوت وشوکت ونافرمان وسرکش قومیں جو ان سے قبل عذاب سے ہلاک وبرباد ہو چکی ہیں، ان میں سے بہتوں کا ذکر خود قرآن مجید میں موجود ہے، قوم عاد، قوم ثمود، قوم فرعون وغیرہا۔ المراد المشركون من الامم الماضية (روح) ف۱۵۵ (عنقریب یہ واضح ہو جائے گا کہ جھوٹا کون ہے اور سچا کون ہے)۔ ف۱۵۶ قرآن مجید نے اس حقیقت کو بار بار مختلف پیرایوں میں واضح کیا ہے کہ عذاب الٰہی جب آتا ہے صرف کافروں اور منکروں پر آتا ہے۔ اور مومنین اس سے بچالئے جاتے ہیں...... اور یہیں سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ تکوینی حادثے جن میں مومن وکافر سب بلا امتیاز وتفریق یکساں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قحط، سیلاب، وبا، یہ ہرگز صحیح معنی میں "عذاب الٰہی" نہیں، زیادہ سے زیادہ انہیں نمونۂ عذاب الٰہی کہا جا سکتا ہے۔ ثُمَّ۔ ربط کلام انہی پچھلی ہلاک شدہ قوموں سے ہے۔ نُنَجِّىۡ۔ یعنی اس عذاب سے نجات دے دیتے ہیں۔ ف۱۵۷ (اور تم پر یہ واضح نہیں ہوا ہے کہ جس دین کی دعوت میں دے رہا ہوں وہ اصلاً اور اپنی روح ومغز کے اعتبار سے ہے کیا) ف۱۵۸ یہاں داعیٔ اسلام کی زبان سے اصلی واساسی فرق دین اسلام ودین جاہلیت کے درمیان بیان کر دیا ہے۔ ارشاد یہ کرایا جا رہا ہے کہ اگر اب بھی ابہام واشتباہ باقی ہے تو سن لو کہ بنیادی فرق میری دعوت اور تمہارے دین جاہلیت کے درمیان یہ ہے کہ تم سب شرک میں مبتلا ہو اور کسی نہ کسی صورت میں غیر اللہ کو معبود بنائے بیٹھے ہو اور میری دعوت خالص توحید کی ہے۔ میں اس خدا کی عبادت کی طرف بلا رہا ہوں جو مطلق الاختیار ہے، تمہاری موت وزندگی دونوں پر حاکم ہے۔ اَللّٰهَ الَّذِىۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ۔ بہت سی مشرک جاہلی قوموں نے خالق کسی اور کو سمجھا ہے۔ اور موت وہلاکت کا دیوتا کسی اور کو، عجب نہیں کہ مشرکین عرب بھی کچھ اسی قسم کے عقائد میں مبتلا ہوں۔ اور یہ نہ ہو جب بھی يَتَوَفّٰٮكُمۡ۔ یہ پہلو نمایاں طور پر سامنے لا رہا ہے کہ موت تمام تر اسی خدائے برحق کے ہاتھ میں ہے۔ سابقہ اسی سے پڑنے والا ہے، ڈرنا اسی سے چاہیے۔ ف۱۵۹ اَنۡ اَكُوۡنَ۔ سے لے کر مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ۔ تک برابر اسی مضمون کا بیان رسول ﷺ کی زبان سے ہے کہ میری حیثیت واضع قانون کی نہیں صرف حامل قانون کی ہے، جو قانون حیات لیکر میں آیا ہوں خود بھی اس کے دائرۂ نفاذ سے مستثنٰی اور مافوق نہیں ہوں۔ بلکہ سب سے پہلے تو خود ہی اس کے آگے سر جھکانے والا ہوں۔ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ۔ سے بہ قاعدۂ اشارۃ النص علماء نے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ ایمان وہی معتبر ہے، جو معیت مومنین میں اتباع نبی سے حاصل ہو، نہ وہ جو محض استدلال نظری وفلسفی سے حاصل ہو جائے۔ ف۱۶۰ (اے مخاطب) خطاب یہاں عام ہے ہر ناظر قرآن سے۔ مَا لَا يَنۡفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ۔ اس کے تحت میں ساری مخلوقات آگئیں۔ نفع رسانی وضرر رسانی حقیقۃً غیر اللہ میں سے کسی کے ہاتھ میں بھی نہیں۔ اَلظّٰلِمِيۡنَ۔ یعنی اپنی جانوں پر آپ ظلم کرنے والے۔

اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ

تکلیف پہنچادے تو کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں بجز (خود) اسی کے اور اگر وہ تجھے کوئی راحت پہنچانا چاہے

فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ

تو کوئی اس کے فضل کا ہٹانے والا نہیں، وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے کردے،

وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ

اور وہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۱۶۱ آپ کہہ دیجیے اے لوگو،

جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا

تمہارے پاس حق تمہارے پروردگار کی طرف سے پہنچ چکا ف۱۶۲ سو (اب) جو کوئی راہ ہدایت پر آجائے گا سو وہ بس

يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ

اپنے ہی لئے ہدایت پائے گا اور جو کوئی بھٹکا رہے گا اس کے بھٹکنے کا (وبال) بھی اسی پر رہے گا

وَ مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ ﴿۱۰۸﴾ وَ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ

اور میں تمہارے اوپر ذمہ دار (بنا کر) نہیں (بھیجا گیا) ہوں ف۱۶۳ اور آپ اس کی پیروی کیے جایئے جو آپ پر وحی کیا جاتا

وَ اصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

ہے اور صبر کیے رہیے، یہاں تک کہ اللہ فیصلہ صادر کردے، اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ف۱۶۴

ع ۱۱ / ۱۶

ایاتها ۱۲۳ | ۱۱ سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ ۵۲ | رکوعاتها ۱۰

اس میں ایک سو تیئس آیتیں | سورہ ہود مکی ہے | اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحمت کرنے والے، بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے شروع (ہے)

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ

الف۔ لام۔ را، یہ ایک کتاب کہ اس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں پھر کھول کر بیان کی گئی ہیں ف۱ ایک

ف۱۶۱ اللہ کے یہ صفات کمال جو ہر مسلمان کے نزدیک ایک معلوم و معروف و مسلم حیثیت رکھتے ہیں، غیر مسلم ہمیشہ انہی صفات کے باب میں ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں۔ اور آج بھی خدا معلوم کتنے انہی چکروں میں پڑے ہوئے ہیں ف۱۶۲ (دلائل وشواہد کے ساتھ) اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی یہی پیام قرآنی اور وحی الٰہی۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب ایک بار پھر عام نسل انسانی سے ہے۔ پیام قرآنی کی عالمگیری پر ایک مزید دلیل۔ ف۱۶۳ شخصی ذمہ داری اور انفرادی جواب دہی کی ایک اور تاکید...... کفارہ، توسل وغیرہ جو دوسرے مذاہب کی عین جان ہیں، ان پر ایک اور ضرب ف۱۶۴ (دنیا اور آخرت دونوں میں) دنیا میں اس نے یہ فیصلہ آگے چل کر حکم جہاد وقتال کی صورت میں صادر کردیا۔ وَ اصْبِرْ۔ یعنی منکرین مکذبین کی اذیت رسانی پر صبر کرتے رہیے۔ ف۱ (اور متکلم کی حکمت اور باخبری کا ظہور کلام کے ایک ایک جزء سے بھی قدرۃً ہو رہا ہے) اُحْكِمَتْ۔ اس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں دلائل وشواہد کے ساتھ۔ ثُمَّ۔ کا مفہوم اس سیاق میں اردو میں پوری طرح "مزید برآں" یا "اور اس پر یہ کہ" سے واضح ہوگا۔ ثُمَّ۔ کا یہاں یہ مطلب نہیں کہ آیتیں پہلے مضبوط کی گئیں اور اس کے بعد ان کی تفصیل کی گئی بلکہ مراد یہ ہے کہ ان میں قوت و پختگی واستحکام کے علاوہ دوسرا وصف تفصیل ووضاحت کا ہے۔ ليس معنا ها التراخى فى الوقت ولكن فى الحال كما تقول هى محكمة احسن الاحكام ثم مفصلة احسن التفصيل (کشاف) ثم جاءت لترتيب الاخبار لا لترتيب الوقوع فى الزمان (بحر)

حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ① اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ

حکیم باخبر کی طرف سے ہے وٓ (اس مضمون کے ساتھ) کہ کسی کی عبادت نہ کرو بجز اللہ کے، میں تم کو

مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ② وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ

اس کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں، اور (یہ مضمون بھی ہے) کہ تم اپنے پروردگار سے مغفرت

تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ

چاہو، پھر اس کی طرف رجوع کئے رہو وہ تمہیں خوش عیشی دے گا ایک وقت مقرر تک وٓ

مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ

اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو اس کا زیادہ (اجر) دے گا وٓ اور اگر

تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ③

تم روگردانی کرتے رہے تو مجھے تمہارے لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے،

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

تم (سب) کی واپسی اللہ ہی کی طرف (ہونا) ہے اور وہ ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ④ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ

پوری قدرت رکھتا ہے وٓ سنو، سنو! وہ لوگ اپنے سینوں کو دہرا کئے دیتے ہیں

لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ

تاکہ (اپنی باتیں) اللہ سے چھپا سکیں سنو، سنو! وہ لوگ جس وقت اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں

يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ

(اس وقت بھی) وہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں، اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں بیشک وہ (ان کے) دلوں کے

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑤

اندر (کی باتوں) سے خوب واقف ہے، وٓ

وٓ یعنی اس کتاب حکیم وخبیر کا سب سے اہم ومقدم مضمون یہی ہے۔ وٓ یعنی مدت حیات تک۔ آیت سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ تقوی وطہارت کی زندگی اختیار کرنے سے دنیا کا عیش کچھ گھٹ نہیں
تا بلکہ یہ صالحانہ زندگی حصول راحت وسکون میں اور معین ہی ہوتی ہے۔ اَنِ
سْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ۔ یعنی کفر وشرک وغیرہ کے گناہوں سے معافی چاہو۔ اور
یمان صحیح اختیار کرو۔ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ۔ یہ رجوع اللہ کی طرف طاعت، عبادت،
مل صالح کے ذریعہ سے رہنا چاہیے۔ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔
س سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ نظام صالح کے ماتحت صالحانہ زندگی گذارنا
نیوی عیش وراحت کا بھی سبب بن جاتا ہے۔ وٓ (آخرت میں) یعنی جو عالی
ت طالبانِ حق ہیں، انہیں آخرت میں مرتبے بھی انہی کی جانکاہیوں کے مطابق
یں گے۔ اور جس طرح طاعت وتقوی کی کوئی حد معین نہیں، مراتب اخروی کی
ھی کوئی حد ونہایت نہیں اور فضل سے مراد موجبات فضل ہی لی گئی کہ موجباتِ
ضل بھی اللہ ہی عطا کرتا ہے۔ معناه ويؤت كل ذي فضل موجب فضله
معلوله (کبیر) ذِيْ فَضْلٍ۔ سے مراد عمل میں صاحب فضل ہے۔ ایے
ی فضل في العمل (جلالین) وٓ (تو پھر ایسے قدرت لامحدود والے کو
انے کے بعد تمہیں نظام آخرت اور سلسلۂ جزا کی کسی کڑی پر بھی حیرت کیوں
ہے؟) اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ۔ یعنی آخری واسطہ اسی ایک سے پڑتا ہے نہ کہ کسی
ورسے ترکیب کلام کلمۂ حصر کی ہے۔ فيه دقيقة وهي ان هٰذا اللفظ يفيد
لحصر يعني ان مرجعنا الى الله لا الى غيره فيدل هٰذا على انه لا
مدبر ولا متصرف هناك الا هو (کبیر) فخر المفسرین فخر رازی علیہ الرحمہ نے
آیت مذکور کے تحت میں جو نکتہ سنجی کی ہے، اس کے لئے اصل تفسیر کبیر ہی مطالعہ کر
لی جائے۔ وٓ منافق اور کافر اللہ کی اس صفت عالم الغیبی کو برابر بھولے رہتے
ہیں، ورنہ ان کی ہمت بھی سازشوں کی نہ پڑے۔ قرآن بار بار اسی کا استحضار چاہتا
ہے۔ اِنَّهُمْ...... مِنْهُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہر مزاج وطبیعت اور ہر ذہنیت
کے مخالفین سے سابقہ پڑا تھا۔ ایک گروہ ان "عقلمندوں" میں ایسا بھی تھا کہ جب
یہ لوگ آپس میں چپکے چپکے اسلام اور رسولِ اسلام کے خلاف سازشیں کرتے سوان
سرگوشیوں کے وقت افراط سعی اخفاء میں اس اس طرح سمٹ سمٹ کر رہتے کہ گویا
اپنے سینوں کو دہرا کئے ڈالتے ہیں۔ اور کپڑا اپنے اوپر الگ ڈالتے چلے جاتے!
...... قرآن مجید نے ان کی اسی ہیئت کذائی کو بے نقاب کردیا اور ان پر گرفت یہ کی
کہ کیا تمہاری یہ رازداری حق تعالیٰ عالم الغیب کے مقابلہ میں بھی چل جائے گی!
روی ان طائفة من المشركين قالوا اذا اغلقنا ابوابنا وارسلنا
ستورنا واستغشينا ثيابنا وثنينا صدورنا على عداوة محمد فيكف
يعلم بنا (کبیر) صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ انسان اگر اس آیت کا مراقبہ عادۃً
جاری رکھے۔ اور اپنی ہر خلوت ومجلس اور خطرۂ قلب وحدیث نفس میں اللہ تعالیٰ کو
حاضر وناظر یقین کرے اور یہ سمجھے رہے کہ وہ دیکھ رہا ہے تو گناہ کی جرات ہی شاید نہ ہوسکے...... تقوی کی اصل بنیاد یہی اللہ کی عالم الغیبی کا استحضار ہے:۔

وَ مَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُہَا

اور کوئی جاندار زمین پر ایسا نہیں کہ اللہ کے ذمہ اس کا رزق نہ ہو ف۷

وَ یَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّہَا وَ مُسۡتَوۡدَعَہَا ؕ کُلٌّ فِیۡ کِتٰبٍ

اور وہ ہر ایک کے زیادہ رہنے کی جگہ اور کم رہنے کی جگہ کو جانتا ہے، ہر چیز کتاب میں

مُّبِیۡنٍ ﴿۶﴾ وَ ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ

درج ہے ف۸ اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو

فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ وَّ کَانَ عَرۡشُہٗ عَلَی الۡمَآءِ لِیَبۡلُوَکُمۡ

چھ روز میں پیدا کر دیا اور اس کا عرش (حکومت) پانی پر تھا تاکہ تمہیں آزمائے

اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ لَئِنۡ قُلۡتَ اِنَّکُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ

کہ تم میں عمل کے لحاظ سے بہترین کون ہے ف۹ اور اگر آپ (ان سے) کہیں کہ یقیناً تم لوگ مرنے کے بعد

مِنۡۢ بَعۡدِ الۡمَوۡتِ لَیَقُوۡلَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ ہٰذَاۤ

اٹھائے جاؤ گے تو جو لوگ کافر ہیں ضرور کہہ اٹھیں گے کہ یہ

اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۷﴾ وَ لَئِنۡ اَخَّرۡنَا عَنۡہُمُ الۡعَذَابَ

تو کھلا ہوا جادو ہے ف۱۰ اور اگر ہم ان پر سے عذاب

اِلٰۤی اُمَّۃٍ مَّعۡدُوۡدَۃٍ لَّیَقُوۡلُنَّ مَا یَحۡبِسُہٗ ؕ اَلَا یَوۡمَ

ملتوی رکھیں کچھ مدت تک تو کہنے لگتے ہیں کہ (آخر) کیا چیز اسے روک رہی ہے سن رکھو جس دن

یَاۡتِیۡہِمۡ لَیۡسَ مَصۡرُوۡفًا عَنۡہُمۡ وَ حَاقَ بِہِمۡ مَّا کَانُوۡا

وہ ان پر آہی پڑے گا تو ان سے ٹل کر نہ رہے گا اور جس (عذاب) کے ساتھ یہ استہزاء کر رہے ہیں

بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۸﴾ ع وَ لَئِنۡ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا

وہ انہیں آہی گھیرے گا ف۱۱ اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ

ف۷ یعنی ادنیٰ سے ادنیٰ، حقیر سے حقیر کیڑے کے لئے بھی سامان رزق کی فراہمی کے اسباب وہی پیدا کرتا رہتا ہے۔ اس کی ربوبیت اور صفت علم کا احاطہ کون کر سکتا ہے۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اسباب رزق کی طرف سے غافل و بے فکر ہو جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ تکیہ اسباب پر نہ کرے، سبب کا مبدأ، مرجع و منتہا اللہ کو ہی سمجھے رہے۔ دَآبَّۃٍ۔ کے معنی مطلق جانور کے ہیں اور اس کا اطلاق ہر قسم کے حیوان پر ہوتا ہے۔ قال الزجاج الدابۃ اسم لکل حیوان واطلق علی کل حیوان ذی روح (کبیر) یہاں بھی اپنے اسی وسیع مفہوم میں ہے اور اس پر اکابر تفسیر کا اتفاق ہے۔ والمراد بھذا اللفظ فی ھذہ الآیۃ الموضوع الاصلی اللغوی فیدخل فیہ جمیع الحیوانات وھذا متفق علیہ بین المفسرین (کبیر) عَلَی اللّٰہِ۔ یعنی اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اسے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے۔ ای واجب علی اللہ بحسب الوعد والفضل والاحسان (کبیر) ورنہ حقیقۃً تو کوئی شے بھی حق تعالیٰ کو پابند نہیں بنا سکتی۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اسباب کو اگر اس اعتقاد کے ساتھ اختیار کیا جائے کہ مُسَبِّبْ۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ اعتقاد نہ رکھا جائے کہ بدون اسباب کے رزق حاصل ہی نہیں ہوتا تو یہ توکل کے منافی نہیں حاصل یہ کہ وثوق اور ربط قلب بس حق تعالیٰ ہی کے ساتھ ہونا چاہیے۔ ف۸ (اور اسی صحیفہ علم الٰہی کا دوسرا نام لوح محفوظ ہے) مُسۡتَقَرّ۔ اور مُسۡتَوۡدَع۔ کی تفسیریں متعدد نقل ہوئی ہیں لیکن ان میں سے ماثور کوئی بھی نہیں اور نہ ماہرین لغت ہی کا کسی ایک مفہوم پر اتفاق ہے۔ ترجیح اسی مفہوم کو ہے جو ترجمہ میں ظاہر کر دیا گیا۔

ف۹ یہاں یہ تصریح کے ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ دنیوی زندگی جو کل سلسلۂ حیات و کائنات کا ایک بہت مختصر و محدود حصہ ہے اس کی آفرینش کی غرض و غایت، ہی یہ ہے کہ انسانی اعمال کی جانچ کر کے نیکوں کو حشر میں انعام سے سرفراز کیا جائے۔ ایام عرش...... یوم اور عرش دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ جن میں دکھایا جا چکا ہے کہ اس قبل آفرینش والے یوم سے مراد یہ بعد آفرینش والا ۲۴ گھنٹے کا دن رات تو ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ اس سے مراد صرف چھ حالتیں یا چھ مختلف زمانے ہیں۔ علیٰ ہذا عرش سے مراد کوئی بچھا ہوا مادی تخت نہیں بلکہ تخت حکومت ہی مراد ہو سکتا ہے۔ گویا ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ یہ آسمان و زمین اور سارا نظام کائنات سب حادث و مخلوق ہیں ان کو قدیم اور معبود سمجھنے والے، انہیں دیوی دیوتا قرار دینے والے، ان کی پوجا پاٹ میں لگے رہنے والے سن لیں کہ یہ سب اسی قادر مطلق کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب یہ کچھ بھی نہ تھے۔ اس پر جاہلی دماغوں میں معاً یہ سوال پیدا ہوگا کہ مانا لیکن جب یہ کچھ عالم و مافی العالم تھا ہی نہیں تو پھر آخر خدا کی خدائی اور حکومت کہاں اور کس پر تھی؟ اسی سوال کی مناسبت سے معاً بعد ارشاد ہوتا ہے کہ بیشک اس کی حکومت قدیم ہے۔ وہ اس عالم سے قبل اُس عالم پر تھی جو اُس وقت موجود تھا یعنی عالم آب! کَانَ عَرۡشُہٗ عَلَی الۡمَآءِ۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو ایک دوسری جگہ یہ کہہ کر اور زیادہ صاف کر دیا ہے کہ اس کائنات کی جاندار مخلوق کا مادہ حیات پانی ہی ہے۔ وجعلنا من الماء کل شیء حی (سورۃ الانبیاء) لِیَبۡلُوَکُمۡ۔ کا نحوی تعلق خلق سے ہے یعنی آفرینش کی غرض و غایت یہی امتحان آزمائش اور جانچ ہے۔ اللام للتعلیل متعلقۃ بخلق (روح) ای خلقھن لحکمۃ بالغۃ وھی ان یجعلھا مساکن لعبادہ وینعم علیھم فیھا بفنون النعم ویکلفھم الطاعات واجتناب المعاصی فمن شکر و اطاع اثابہ ومن کفر وعصیٰ عاقبہ ولما اشبہ ذلک اختبار المختبر قال لیبلوکم یرید لیفعل بکم ما یفعل المبتلی لاحوالکم کیف تعملون (کشاف) ف۱۰ (جو موثر تو ضرور ہے لیکن حقیقت و صداقت سے خالی) اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا۔ یعنی جو لوگ عقیدۂ بعث و حشر کے منکر ہیں۔ منکر و مومن کے درمیان یہی تو بڑا فرق ہے کہ مومن اپنے ہر "آج" کا دامن "کل" سے وابستہ سمجھتا ہے۔ ھٰذَاۤ یعنی وہ کتاب جو اس عقیدۂ حشر کی تبلیغ کر رہی ہے یا خود یہ عقیدہ ہی۔ اشاروا بھذا الی القرآن لان القرآن ھو الناطق بالبعث (کشاف) والظاھر الاشارۃ بھذا الی القول (بحر) ای القول بہ او القرآن المتضمن لذکرہ (بیضاوی) سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ۔ یعنی یہ کلام ہے تو باطل ہی اور غیر خدائی لیکن بڑا موثر...... بجنسہٖ اسی خیال باطل کی ترجمانی "عقلاء فرنگ" فرماتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام اور عمل سے انقلاب تو عظیم الشان پیدا کر دیا ہے اصلاحیں بھی بہت کچھ کر دیں لیکن تھے وہ ایک خود ساختہ ہی نبی، زمانہ شناس، بڑے صاحب تدبیر! ف۱۱ جاہلی ذہنیت پر مزید روشنی ڈالی ہے کہ یہ بھی عجب الٹی سمجھ کے لوگ ہیں جس عذاب کے یہ ہر طرح مستحق ہیں، اسے ہم عارضی طور پر روکتے تو اپنی کسی حکمت و مصلحت سے ہیں اور یہ لگتے ہیں طنز و تعریض کے ساتھ مسلمانوں سے دریافت کرنے کہ آخر اس عذاب موعود میں دیر ہی کیا ہے ہم پر آ کیوں نہیں پڑتا؟ اَخَّرۡنَا عَنۡہُمُ الۡعَذَابَ۔ یہ ارادی تاخیر کسی نہ کسی مصلحت و حکمت تکوینی ہی کے ماتحت ہوتی ہے۔ لَیَقُوۡلُنَّ۔ ان کا یہ قول محض استفسار نہیں ہوتا انکار و استہزا ہی سے ناشی ہوتا ہے۔ اُمَّۃٍ مَّعۡدُوۡدَۃٍ۔ اُمَّۃٍ یہاں اپنے مجازی معنی میں یعنی حصہ وقت کے مرادف ہے۔ معناہ الی حین ووقت معلوم (بحر) ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے لے کر مشاہیر تابعین اور اکابر مفسرین سب نے یہی معنی لئے ہیں۔ الامۃ ھنا المدۃ من الزمان قالہ ابن عباس وقتادۃ ومجاھد والجمھور (بحر) یوم یاتیھم سے مراد اس عذاب کا وقت موعود ہے۔ حَاقَ۔ صیغۂ ماضی ہے حالانکہ ذکر عذاب مستقبل کا ہو رہا ہے تو ایسے موقع پر صیغۂ ماضی لانا کمال تاکید اور زور کے لئے ہے۔ اخبر عن احوال القیامۃ بلفظ الماضی مبالغۃً فی التاکید والتقریر (کبیر) وضع الماضی موضع المستقبل تحقیقاً ومبالغۃً فی التھدید (بیضاوی)

رَحۡمَةً ثُمَّ نَزَعۡنٰهَا مِنۡهُ‌ ۚ اِنَّهٗ لَيَـــُٔوۡسٌ كَفُوۡرٌ ﴿۹﴾

چکھاتے ہیں اور پھر اسے اس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ ناامید (و) ناشکر ہو جاتا ہے، ۱۲

وَلَٮِٕنۡ اَذَقۡنٰهُ نَعۡمَآءَ بَعۡدَ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَـقُوۡلَنَّ

اور اگر ہم اس کو بعد تکلیف کے جو اسے واقع ہو چکتی ہے کسی نعمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ کہنے لگتا ہے

ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّىۡ‌ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوۡرٌ ۙ‏ ﴿۱۰﴾

کہ میرا دکھ درد رخصت ہو گیا بیشک وہ بڑا اترانے والا ہے بڑا شیخی بگھارنے والا ہے ۱۳

اِلَّا الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰۤٮِٕكَ

بجز ان لوگوں کے جو صبر کرنے والے ہیں اور نیک کام کرتے رہتے ہیں یہی لوگ تو ہیں

لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ كَبِيۡرٌ ﴿۱۱﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعۡضَ

جن کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے ۱۴ سو (ان کو یہ امید لگی ہوئی ہے کہ) شاید آپ کچھ حصہ اس

مَا يُوۡحٰۤى اِلَيۡكَ وَضَآٮِٕقٌ ۢ بِهٖ صَدۡرُكَ اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا

میں سے چھوڑ دیں جو آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے، ۱۵ اور آپ کا دل اس سے تنگ ہو رہا ہے کہ وہ لوگ یہ

لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ كَنۡزٌ اَوۡ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ‌ ؕ اِنَّمَاۤ

کہتے ہیں کہ اس (شخص) پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا یا اس (شخص) کے ہمراہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا آپ

اَنۡتَ نَذِيۡرٌ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ وَّكِيۡلٌ ؕ‏ ﴿۱۲﴾ اَمۡ

تو بس ڈرانے والے ہی ہیں اور ہر چیز کا کارساز اللہ ہی ہے ۱۶ کیا یہ

يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَـرٰٮهُ‌ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ

کہتے ہیں کہ (آپ نے) اسے گڑھ لیا ہے آپ کہہ دیجیے کہ اچھا تو تم بھی دس سورتیں اسی کی مثل

مُفۡتَرَيٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

گڑھی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جن جن کو بھی تم (بلا) سکتے ہو بلا لو

و۱۲ (کہ گویا اسے اعادۂ رحمت کا احتمال ہی نہیں رہتا) عام فطرتِ بشری کا بیان ہے۔ و۱۳ (کہ گویا اب پھر وہ دکھ درد کبھی ہونے ہی کا نہیں) اب بیان اسی فطرتِ بشری کے دوسرے پہلو کا ہو رہا ہے...... واقعی ان گڑھ، تربیت سے محروم انسان بھی کیسا افراط وتفریط کے دونوں سروں کے درمیان جھولا کرتا ہے۔ و۱۴ عام فطرت بشری اور اس کے مقتضائے طبعی کا بیان اوپر ہو چکا۔ اب ذکر ان خوش نصیبوں کا ہے جنہیں ایمان وتقوٰی کی تربیت مل چکی ہے۔ یہ ایسے نہیں ہوتے۔ ہر زوالِ نعمت کے وقت صبر وتسلیم سے اور حصولِ نعمت کے وقت شکر وطاعت سے کام لیتے رہتے ہیں۔ و۱۵ (رسول معصوم سے اس کا وقوع ممکن کیونکر ہے) لَعَلَّ۔ کے عام معنی توقع وترجی کے ہیں۔ اس صورت میں بے تکلف توجیہ کلام یہ ہوگی کہ یہ کافر اور منکر آپ سے اس جزئی ترک تبلیغ کی لو لگائے بیٹھے ہیں۔ ای یظن بک الناس ذٰلک (راغب) ای انک بلغت من التھالک علٰی ایمانھم مبلغا یرجون ان تترک بعض ما یوحی الیک (ابو البقاء) اور یہ آپ کے لئے عصمت رسالت کی بنا پر ممتنع ہے۔ تو آپ کو چاہیے کہ آپ باب تبلیغ میں اور زیادہ مستعد وباہمت ہو جائیں۔ والمقصود من ذٰلک تحریضہ ﷺ وتھییج داعیتہ لاداء الرسالۃ (روح) باقی لعل کا استعمال محاورۂ عرب میں علاوہ ترجی کے موقع تبعید پر بھی ہوتا ہے۔ یعنی اظہار بُعد کے لئے اس صورت میں مفہوم صاف یہ ہوگا کہ آپ بھلا اسے کیسے ترک کر سکتے ہیں۔ آپ ہرگز اسے ترک نہ کیجیے گا۔ قیل اِنّ لعل ھنا لیست للترجی بل ھی للتبعید وقد تستعمل لذٰلک کما تقول العرب لعلک تفعل کذا لمن لا یقدر فالمعنی لا تترک (روح) المرادھنا الزجر و العرب تقول للرجل اذا ارادوا ابعادہ عن امرٍ لعلک تقدر ان تفعل کذا مع انہ لا شک فیہ (کبیر) و۱۶ (نہ کہ اس کا برگزیدہ بندہ اور رسول) آیت میں اہل جاہلیت کے جہل اور دنیا کی عام غلط فہمی کے رفع کرنے کو ایک بار پھر یہ صاف صاف بتایا کہ خدا اور فرستادۂ خدا کے حدود الگ الگ ہیں رسول کا کام تو محض پیام الٰہی صداقت ودیانت سے پہنچا دینا اور نافرمانوں کو متنبہ کر دینا ہے۔ باقی تکوینیات میں ہر شے کو بہم پہنچانا یہ اختیارات اللہ تعالٰی کے ہیں یہ امور کسی بڑے سے بڑے برگزیدہ رسول یا نبی کی بھی دسترس میں نہیں۔ لَوْلَآ...... مَلَكٌ۔ اہل جاہلیت نے رسول ﷺ کے اصل پیام اور تعلیمات پر غور کرنے کے بجائے ہمیشہ فرمائش ایسے ہی اعجوبوں اور خوارق کی کی ہے۔ ضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ۔ مصلح اعظم ﷺ کی طبع لطیف وفطرت سلیم کا ایسی بے جا فرمائشوں سے گرانی محسوس کرنا ایک بالکل امر طبعی تھا۔ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ۔ کلمہ اِنَّ کے حصر نے اسے خوب واضح کر دیا کہ رسول کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہوتا، وہ تو تمام تر ایک مبلغ ومناد ہوتا ہے۔ نعتیہ اشعار میں شاعرانہ مبالغہ آرائیوں سے کام لینے والے مشائخ وصوفیہ، کاش قرآن مجید کی ان تصریحات کو فضول اور بے معنی نہ سمجھیں۔ اِفْتَرٰىهُ۔ ضمیر ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی جانب ہے۔ مِثْلِهٖ۔ میں مثلیت زبان وحسن بیان، معنویت وخوبی مضامین ہر اعتبار ولحاظ سے ہے۔ بہ لحاظ معنویت چیلنج ساری دنیا کے لئے ہے اور بہ لحاظ ادب وانشاء اہل عرب کے لئے۔ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ۔ سورۂ ہود مکی ہے اس وقت تحدی دس سورتوں کی بابت رکھی گئی۔ سورۂ بقرہ جو اس سے بہت متاخر اور مدنی ہے۔ اس میں یہ مقدار دسویں حصہ تک گھٹا کر صرف ایک سورت تک لے آئی گئی ہے۔ فاتوا بسورۃ من مثلہ۔ گویا آخری چیلنج ایک ہی سورت کا ہے۔

اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا

اگر تم سچے ہو ۱۷ پھر اگر یہ تم لوگوں کا یہ کہنا نہ کر سکیں سو (ان سے کہو کہ) یقین کر لو

اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰہِ وَ اَنۡ لَّاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ فَہَلۡ

کہ یہ (قرآن) اللہ ہی کے علم (وقدرت) سے اترا ہے اور (یہ بھی یقین کر لو) کہ کوئی معبود نہیں بجز اس کے تو

اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۴﴾ مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا

اب بھی مسلمان ہوتے ہو؟ ۱۸ جو کوئی دنیا ہی کی زندگی اور

وَ زِیۡنَتَہَا نُوَفِّ اِلَیۡہِمۡ اَعۡمَالَہُمۡ فِیۡہَا وَ ہُمۡ فِیۡہَا

اس کی رونق کو مدنظر رکھتا ہے تو ہم ان لوگوں کو ان کے اعمال (کی جزا) اسی (دنیا) میں پوری طرح دے دیتے

لَا یُبۡخَسُوۡنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَیۡسَ لَہُمۡ فِی

ہیں اور ان کے لئے اس میں ذرا کمی نہیں ہوتی، ۱۹ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے

الۡاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ ۫ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوۡا فِیۡہَا وَ بٰطِلٌ

آخرت میں کچھ بھی نہیں بجز آگ کے اور جو کچھ انہوں نے کیا کرایا ہے سب آخرت میں

مَّا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنۡ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ

ناکارہ نکل جائے گا اور بے اثر ۲۰ (سو کیا طالب دنیا ایسے کی برابری کر سکتا ہے) جو اپنے پروردگار کی طرف سے

رَّبِّہٖ وَ یَتۡلُوۡہُ شَاہِدٌ مِّنۡہُ وَ مِنۡ قَبۡلِہٖ کِتٰبُ

(آئی ہوئی) کھلی دلیل پر قائم ہو، ۲۱ اور اس کے ساتھ ایک گواہ اسی میں ہے اور (ایک) اس

مُوۡسٰۤی اِمَامًا وَّ رَحۡمَۃً ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ ؕ

سے پہلے (یعنی) موسیٰ کی کتاب وہ امام ہے ۲۲ اور رحمت ہے، ایسے لوگ اس (قرآن) پر ایمان رکھتے ہیں

وَ مَنۡ یَّکۡفُرۡ بِہٖ مِنَ الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُہٗ ۚ

اور گروہوں سے جو کوئی اس سے انکار کرے گا سو اس کے لئے وعدہ گاہ دوزخ ہے ۲۳

وکا (اپنے اس پندار باطل میں کہ قرآن ایک انسانی تصنیف ہے۔) آج کے "روشن دماغ فرنگی محققین" ہی کی طرح عرب جاہلیت کے "روشن خیال" بھی اپنی اس تحقیق پر نازاں تھے کہ قرآن کلام محمدی ﷺ ہے ان کے اس خیال کے جواب میں ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ اچھا اگر محمد ﷺ ایسے کلام کے اتنے بڑے مجموعہ پر قادر ہو سکتے ہیں تو تم کیوں نہیں قادر ہو سکتے؟ تم میں سے ایک ایک نہ سہی تم سب مل ملا کر اپنے سارے حمایتیوں کو شریک کر کرا کے تو اس قرآن کا کوئی تھوڑا سا حصہ تو تیار کر ہی سکتے ہو۔ پھر آؤ اس میں دیر ہی کیا ہے؟ و۱۸ (یا ابھی کوئی اور انتظار باقی ہے؟) لَکُمۡ۔ یہ خطاب جمع عام مومنین سے ہے......تحدی جس طرح رسول اللہ ﷺ کر سکتے تھے ساری امت بھی کر سکتی ہے۔ جمع الضمير لان المؤمنين ايضا كانوا يتحدونهم (بیضاوی) فَاعۡلَمُوۡۤا۔ تقدیر کلام یہاں یوں مانی گئی ہے کہ اے مومنین! کفار سے کہو کہ یقین کر لو۔ فيه اضمار والتقدير فقولوا ايها المسلمون للكفار اعلموا (کبیر) اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰہِ۔ یعنی اللہ ہی کے علم وقدرت سے اترا ہے نہ کہ کسی اور کے۔ و۱۹ آیت میں ایک بڑی تلخ مگر گہری حقیقت کا اعلان ہے جو لوگ یا قومیں سرتا سر دنیا ہی کو اسی کی "ترقیوں" کو اپنا منتہائے نظر اور نصب العین بنائے ہوئے ہیں اور اپنی ساری سرگرمیوں کا مرکز اسی کو قرار دیئے ہوئے ہیں وہ گھبرائیں نہیں، انہیں مایوسی نہ ہوگی۔ انہیں اپنی ساری جدوجہد کا صلہ یہیں اور ابھی ملا جاتا ہے۔......وہ دولت چاہتے ہیں ان میں کا ایک ایک فرد قارونِ وقت ہو کر رہے گا۔ انہیں حکومت کی ہوس ہے دنیا کے سارے ملک انہی کے درمیان تقسیم ہو کر رہیں گے۔ انہیں عزت وناموری فتح مندی کی چاٹ ہے تو اچھا وہ دل کھول کر اپنے دل کے ارمان نکال کر رہیں۔ مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا وَ زِیۡنَتَہَا۔ حیات وزینتِ حیات سے الفت تو ایک امر طبعی ہے اور ہر انسان بڑے سے بڑا متقی انسان بھی کسی درجہ میں اس کا آرزومند ضرور رہتا ہے البتہ حیات دنیوی اور زینت دنیوی کو آخرت کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اپنا مقصود بنا لینا اور اپنے وقت وقوت کو اسی میں خرچ کئے چلے جانا یہ ایک بالکل دوسری چیز ہے اور یہاں ذکر اسی کا ہے جیسا کہ لفظ یرید سے ظاہر ہے۔ اى تكون ارادته مقصورة على حب الدنيا وزينتها ولم يكن طالبًا لسعادات الأخرة كان حكمه كذا وكذا (کبیر) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ جو اعمال محض دنیوی نفع اور حصول معاوضہ کے خیال سے انجام دیئے جاتے ہیں گو وہ ذکر وتلاوت ہی پر شامل ہوں، موجب ثواب وحسن آخرت نہ ہوں گے۔ هذا يدل على ان ما سبيله ان لا يفعل الا على وجه القربة لا يجوز اخذ الاجرة عليه لان الاجرة من حظوظ الدنيا فمتى اخذ عليه الاجرة فقد خرج من ان يكون قربة بمقتضى الكتاب والسنة (جصاص) و۲۰ ظاہر ہے کہ جب دوسری دنیا کا تخیل ہی سرے سے ان کے دماغوں میں نہیں اور اس کا کوئی ادنیٰ محرک عمل بھی رضائے الٰہی یا ثواب آخرت نہیں تو ظاہر ہے انہیں آخرت میں نمبر کس چیز کے ملیں گے نمبر سب کے سب کٹ ہی جائیں گے۔ مَا صَنَعُوۡا۔ اس عموم میں ان کے وہ اعمال بھی داخل ہیں جنہیں وہ کار خیر سمجھ کر کرتے رہے تھے۔ فِیۡہَا۔ اس کا تعلق حَبِطَ۔ سے ہے اور ضمیر ھا سے مراد الۡاٰخِرَۃ ہے۔ والظاهر انه عائد على الأخرة (بحر) بٰطِلٌ۔ نفس الامر اور ان لوگوں کے فسادنیت کے اعتبار سے تو ان اعمال کا کھوکھلا اور باطل ہونا اب بھی ظاہر ہے۔ آخرت میں اس کا مشاہدہ سب کو ہو جائے گا۔ و۲۱ (نہیں دونوں برابر ہرگز نہیں ہو سکتے) بَیِّنَۃٍ۔ سے مراد قرآن ہی سمجھی گئی ہے۔ البينة هو القرأن (کبیر) والمراد بها القرأن (روح) بَیِّنَۃٍ۔ تنوین اس دلیل کی عظمت واہمیت کے لئے ہے۔ التنوين فيها هنا للتعظيم اى بينة عظيم الشان (روح) تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ افمن كان على بينة من ربه كمن يريد الحيٰوة الدنيا (کبیر) و۲۲ امام تو اپنی تعلیمات واحکام کی عظیم الشان اہمیت تقدس کے لحاظ سے اور رحمت اس معنی میں کہ باعث رحمت ہے۔ وَ یَتۡلُوۡہُ شَاہِدٌ مِّنۡہُ۔ یتلوه کو یتبعه کے مرادف سمجھا گیا ہے اور مراد یہ لی گئی ہے کہ قرآن کا ایک گواہ تو خود قرآن کے اندر موجود ہے اور یہ داخلی گواہ قرآن کا معجز ہونا ہے۔ ومعنى كونه منه انه غير خارج منه (روح) وَ مِنۡ قَبۡلِہٖ کِتٰبُ مُوۡسٰۤی۔ یہ شہادت خارجی ہوئی کتاب توریت کی جو قرآن مجید سے مدتوں قبل نازل ہو چکی تھی اور کلام کا عطف شَاہِدٌ مِّنۡہُ۔ پر ہے۔ عطف على شاهد والضمير المجرور له اى يتلوه فى التصديق كتاب موسىٰ منزّلا من قبله (روح) اِمَامًا۔ یعنی دین کے لحاظ سے مقتدا ومتبوع۔ ومعنى كونه اماماً انه كان مقتدى العالمين واماماً لهم يرجعون اليه فى معرفة الدين والشرائع (کبیر) مؤتمًا به فى الدين ومقتدى (روح) رَحۡمَۃً۔ یعنی رحمت کا ذریعہ وسبب۔ لانه يهدى الى الحق فى الدنيا والدين وذلك سبب لحصول الرحمة والثواب فلما كان سبباً للرحمة اطلق اسم الرحمة عليه (کبیر) و۲۳ اُولٰٓئِکَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ۔ میں اُولٰٓئِکَ۔ سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا ذکر ابھی گزر چکا ہے یعنی اپنے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی دلیل پر قائم رہنے والے مِنَ الۡاَحۡزَابِ۔ احزاب سے مراد کفار ہی کے مختلف گروہ ہیں خواہ وہ کسی ملک کسی قوم کسی دین باطل سے تعلق رکھنے والے ہوں۔ الاحزاب جميع الملل قاله ابن جبير (بحر) عن قتادة ان الاحزاب الكفار مطلقًا لانهم تحزّبوا على الكفر (روح) آیت میں یہ بتا دیا گیا کہ قرآن کا منکر کوئی بھی ہو اور کفار کے کسی گروہ اور فرقہ سے بھی تعلق رکھنے والا ہو، انجام بہرحال سب کا دوزخ ہی ہے۔

فَلَا تَكُ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡهُ ۚ اِنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ

پس تو اس کی طرف سے شک میں نہ پڑنا بے شبہ وہ سچا (کلام) تیرے پروردگار کی طرف سے ہے

وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَمَنۡ اَظۡلَمُ

البتہ بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے و۲۴ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے

مِمَّنِ افۡتَـرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰۤـئِكَ يُعۡرَضُوۡنَ

جو اللہ پر جھوٹ گڑھے ایسے لوگ اپنے پروردگار کے سامنے

عَلٰى رَبِّهِمۡ وَيَقُوۡلُ الۡاَشۡهَادُ هٰٓؤُلَۤاءِ الَّذِيۡنَ كَذَبُوۡا

پیش کئے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی نسبت جھوٹ

عَلٰى رَبِّهِمۡ ۚ اَلَا لَـعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ۙ ﴿۱۸﴾ الَّذِيۡنَ

باتیں لگائی تھیں و۲۵ سنو سنو کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر جو

يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمۡ

اللہ کی راہ سے (دوسروں کو بھی) روکتے ہیں اور اس کے اندر کجی تلاش کرتے ہیں اور

بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰۤـئِكَ لَمۡ يَكُوۡنُوۡا

آخرت تک کے منکرہیں و۲۶ یہ لوگ زمین پر بھی (اللہ کو)

مُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ وَمَا كَانَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ

عاجز نہ کر سکے اور نہ اللہ کے مقابلہ میں ان کا

اللّٰهِ مِنۡ اَوۡلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الۡعَذَابُ ؕ مَا كَانُوۡا

کوئی بھی مددگار ہوا و۲۷ ان کے لئے عذاب دوگنا ہو گا یہ نہ

يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ السَّمۡعَ وَمَا كَانُوۡا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰﴾

سنتے ہی تھے اور نہ دیکھتے تھے و۲۸

و۲۴ (ان کھلے ہوئے دلائل وشواہد کے باوجود) تَكُ رَبِّكَ۔ خطاب اب عام مخاطب اور ناظر قرآن سے ہے و۲۵ ان مجرموں کی عدالت خداوندی میں حاضری اور فرشتوں کی گواہی یہ سب عالم آخرت کے واقعات ہیں۔ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَـرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ اللہ پر جھوٹ گڑھنا یہی ہے کہ اس کی توحید سے یا رسول ﷺ کی رسالت سے یا قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے انکار کر دیا جائے یا کسی کو اس کا شریک وہمسر قرار دے لیا جائے۔ يَقُوۡلُ الۡاَشۡهَادُ۔ ان گواہوں کے بیان سے مجرموں کی مزید تفضیح ورسوائی تو خیر ہو ہی گی لیکن سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ یہ گواہی دینے والے ہوں گے کون؟ مجاہد تابعی اور بعض اور اکابر سے منقول ہے کہ یہ گواہ کاتب اعمال فرشتے ہوں گے۔ هم الملئكة الذين كانوا يحفظون اعمالهم عليهم فی الدنیا (کبیر عن مجاہد) لیکن لفظ قرآن کا عموم، سفارش کرتا ہے کہ انبیاء اور مومنین اور خود ان کافروں کے اعضاء وجوارح بھی شامل کئے جائیں۔ قیل المراد بهم الملئكة والانبياء والمؤمنون (روح) من الملائكة والنبيين اومن جوارحهم (بیضاوی) و۲۶ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ۔ یہ ایک ہی اسم کے لئے ضمیر ھم کی تکرار تاکید اور زور دینے کے لئے ہے۔ تكريرهم لتاكيد كفرهم واختصاصهم به (بیضاوی) قال الزجاج كلمة هم كُرِّرَت على جهة التوكيد (کبیر) اس مفہوم تاکید کے ادا کرنے کے لئے اردو ترجمہ میں ''تک'' لایا گیا ہے۔ يَبۡغُوۡنَهَا۔ میں ضمیر ھا اسی سَبِيۡلِ اللّٰهِ کی جانب ہے۔ و۲۷ (کہ کوشش کر کے یا سفارش کر کے انہیں چھڑا دیتا، مِنۡ اَوۡلِيَآءَ۔ میں مِنۡ۔ زائدہ استغراق یا کلیت نفی کے لئے ہے۔ من زائدة لاستغراق النفی (روح) اردو ترجمہ میں ''بھی'' اس مفہوم کے اظہار کے لئے ہے۔ لَمۡ يَكُوۡنُوۡا مُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ۔ ان کا اللہ کو عاجز کرنا یہی تھا کہ یہ کہیں چھپ جاتے اور اللہ کے ہاتھ نہ آتے۔ اور اگر يَصُدُّوۡنَ کے معنی محض يُعۡرَضُوۡنَ کے لئے جائیں تو سزا کا دوگنا ہونا تعدد عمل کی بناء پر نہیں شدت عمل کی بنا پر ہوگا۔ و۲۸ یعنی نہ کلام حق کو غایت عناد سے سنتے تھے اور نہ راہ حق کو غایت عناد سے دیکھتے تھے، روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جس بات سے ضد اور نفرت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ اس کے نہ سننے کی تاب دل میں باقی رہ جاتی ہے نہ دیکھنے کی۔ يُضٰعَفُ لَهُمُ الۡعَذَابُ۔ دوگنی سزا یوں کہ ایک سزا خود کافر رہنے کی، اور دوسری دوسروں کو کافر بنانے کی۔ يُضٰعَفُ۔ کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ان پر سزا برابر بڑھتی رہے گی...... اور عجب نہیں جو صیغۂ مضارع اسی استمرار کی دلالت کے لئے ہو۔

وقف لازم

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ

یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے کو تباہ کر ڈالا اور (آج) ان سے غائب ہو گئے

مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ

(وہ سب معبود) جو انہوں نے گڑھ رکھے تھے ف۲۹ لازمی طور پر آخرت میں

هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا

یہی سب سے زیادہ گھاٹا اٹھانے والے ہوں گے ف۳۰ بیشک جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

نیک عمل کئے اور اپنے پروردگار کی طرف جھکے وہی لوگ

الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ

اہل جنت ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ف۳۱ دونوں فریقوں کی حالت ایسی ہے

كَالْاَعْمٰى وَ الْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَ السَّمِيْعِ ۭ هَلْ

جیسے ایک اندھا اور بہرا اور ایک دیکھنے والا اور سننے والا ہو، کیا (یہ)

يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا

دونوں حالت میں برابر ہیں تو کیا تم سمجھتے نہیں؟ ف۳۲ اور بالیقین ہم نے نوحؑ کو

نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ

ان کی قوم کی طرف بھیجا ف۳۳ میں تمہارے لئے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں (چاہیے) کہ

لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ

تم پرستش نہ کرو (کسی کی) بجز اللہ کے میں تمہارے حق میں دردناک دن کے

يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

عذاب سے ڈرتا ہوں ف۳۴ اس پر ان کی قوم میں جو سردار تھے وہ بولے کہ

ف۲۹ (اور کوئی بھی ان کے کام نہ آیا!) ف۳۰ لَا جَرَمَ۔ کا مفہوم عربی میں وہی ہے جو اردو میں ”لامحالہ“ یا ”ناگزیر ہے“ سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ معناه انه لا يقطع قاطع عنهم (کبیر) قال الفراء انها بمنزلة قولنا لابد ولا محالة (کبیر) اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ۔ جملہ کی ترتیب هُمْ کی تکرار اَنَّ اور لَا جَرَمَ۔ کا اضافہ سب کلام میں انتہائی زور اور تاکید پیدا کرنے کے لئے ہیں۔ ف۳۱ اَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ۔ یعنی اپنے پروردگار کا خشوع وانقیاد دل میں پیدا کر لیا۔ الاخبات هو الخشوع والخضوع (کبیر) اصحابِ جنت کے اوصاف کی ترتیب آیت میں خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ پہلا درجہ تو ایمان یا تصحیح عقائد کا ہوا۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ دوسرا مرتبہ عمل صالح کا یا اصلاح اعمال واخلاق کا ہوا۔ وَاَخْبَتُوْٓا۔ تیسرا مرتبہ تزکیۂ نفس کا ہوا۔ ف۳۲ یعنی دونوں کے درمیان اتنے موٹے اور بیّن فرق کو محسوس نہیں کرتے؟ فَرِيْقَيْنِ۔ سے مراد ظاہر ہے کہ ایک طرف مؤمن اور فرمانبردار ہیں اور دوسری طرف کافر ونافرمان جن کے انجام ومآل کا فرق ابھی اُوپر بیان ہو چکا ہے...... ایک ہدایت سے موصوف دوسرا ہدایت سے محروم۔ ف۳۳ (پیمبر بنا کر اور یہ پیام دے کر) نوح علیہ السلام اور قوم نوح علیہ السلام پر حاشیے پارہ نمبر ۱۱ میں سورہ یونس میں گزر چکے۔ ف۳۴ پیمبروں کا پیام شروع سے ایک ہی چلا آیا ہے۔ یعنی پیام توحید اور پھر اس دعوت سے انکار پر وعید عذاب...... کوئی قوم وحشی ہو یا کوئی قوم متمدن، پیمبر بہر حال سب سے پہلے اس کے عقائد ہی کی اصلاح کرتے ہیں اور عقائد میں راس المسائل یہی عقیدۂ توحید ہے۔ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ۔ میں صاف اشارہ اس طرف ہے کہ پیمبروں کی مخالفت قوم کے اکابر ہی کی طرف سے شروع ہوتی ہے۔

ع ۲ ۲

مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثۡلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ

ہم تو تم کو اپنا ہی جیسا ایک انسان دیکھتے ہیں ف۳۵ اور ہم تو بس یہی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو

اِلَّا الَّذِیۡنَ ہُمۡ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاۡیِ ۚ وَ مَا نَرٰی

وہی ہوئے ہیں جو ہم میں سے بالکل رذیل ہیں (اور وہ بھی) سرسری رائے سے، ف۳۶ اور ہم تم

لَکُمۡ عَلَیۡنَا مِنۡ فَضۡلٍۭ بَلۡ نَظُنُّکُمۡ کٰذِبِیۡنَ ﴿۲۷﴾

لوگوں میں کوئی بات (اپنے سے) زیادہ بھی نہیں مانتے، بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں ف۳۷

قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ

نوح نے کہا اے میری قوم والو یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر

رَّبِّیۡ وَ اٰتٰىنِیۡ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِہٖ فَعُمِّیَتۡ

قائم ہوں ف۳۸ اور اس نے مجھے رحمت اپنے پاس سے عطا کی ہے اور وہ تمہیں

عَلَیۡکُمۡ ؕ اَنُلۡزِمُکُمُوۡہَا وَ اَنۡتُمۡ لَہَا کٰرِہُوۡنَ ﴿۲۸﴾

نہ سوجھتی ہو تو کیا ہم اسے تمہارے سر چپکا دیں درانحالیکہ تم اس سے نفرت کئے چلے جاؤ، ف۳۹

وَ یٰقَوۡمِ لَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مَالًا ؕ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا

اور اے میری قوم والو، میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ مال تو نہیں مانگتا، میرا معاوضہ تو بس

عَلَی اللّٰہِ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ اِنَّہُمۡ

اللہ ہی کے ذمہ ہے، اور میں تو ان لوگوں کو جو ایمان لے آتے ہیں نکالنے والا نہیں ف۴۰

مُّلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ وَ لٰکِنِّیۡۤ اَرٰىکُمۡ قَوۡمًا تَجۡہَلُوۡنَ ﴿۲۹﴾

یہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس حاضر ہونے والے ہیں، البتہ میں تمہی لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جہالت کئے جارہے ہو، ف۴۱

وَ یٰقَوۡمِ مَنۡ یَّنۡصُرُنِیۡ مِنَ اللّٰہِ اِنۡ طَرَدۡتُّہُمۡ ؕ

اور اے میری قوم والو کون میری حمایت کرے گا اللہ کے مقابلہ میں، اگر میں انہیں نکال بھی دوں

ف۳۵ (اور کوئی بات تم میں بشریت سے مافوق پاتے نہیں پھر تمہیں مرد خدا کیسے مان لیں) مشرکوں اور مشرک صفتوں کی سمجھ میں کسی بشر کا خدا رسیدہ ہونا یا فرستادہ خدا ہونا نہ پہلے کبھی آیا نہ اب آ رہا ہے وہ بزرگی کے صرف اسی کے قائل ہوتے ہیں جو نہ کھاتا پیتا ہو، نہ سوتا ہو، نہ عورت کی خواہش رکھتا ہو، پانی پر چلتا ہو، آگ پر بے تکلف قدم رکھ دیتا ہو، ہوا پر اڑتا ہو، غرض طرح طرح کے خوارق اور کرشمے دکھا کر اپنے ''مافوق البشر'' ہونے کا اعلان کرتا رہتا ہو...... بشر کو دیوتا تسلیم کر لینا ان کے لئے اس سے کہیں آسان ہے کہ وہ بشر کو خدا کا بندہ مقرب ومقبول اور ایلچی تصور کریں۔ مِثۡلَنَا۔ بشریت کی تاکید کے لئے ہے۔ یعنی بشر بھی ایسے جو ہم سے ذرا ممتاز نہیں بس ہماری ہی طرح کھانے پینے، رہنے بسنے والے۔ ف۳۶ (سوان کا تمہیں نبی مان لینا کون سی سند اور افتخار کی بات ہے بلکہ ہم شرفاء ومعززین کو تو الٹا ننگ آتا ہے ان کی صف میں بیٹھنے سے۔ بڑے اور چھوٹے اونچ اور نیچ کا یہ نسبی ونسلی معیار جاہلی قوموں میں ہمیشہ مشترک رہا ہے...... دعوتِ توحید پر ایمان اس وقت تک صرف عوام لائے تھے یہ ان عوام پر طنز بڑے لوگوں کی طرف سے ہے۔ ف۳۷ (تمہارے اس دعوائے نبوت وزعم رسالت میں) مِنۡ فَضۡلٍ۔ سے مراد مال، جاہ، ثروت وریاست ہیں جو دنیوی ومادی اعتبار سے معیار فضیلت سمجھے گئے ہیں۔ علامہ زمخشری آیت کے تحت میں لکھتے ہیں کہ خیر وہ لوگ تو اہل جاہلیت میں سے تھے ہی، دنیا کے صرف ظاہری ومادی پہلوؤں کو دیکھنے والے لیکن غضب تو یہ ہے کہ اپنے کو مسلمان کہلانے والے بھی آج اسی مرض حُبِّ دنیا میں مبتلا ہیں اور عزت وتحقیر کا معیار اسی دولتِ دنیوی کی زیادتی اور کمی کو بنائے ہوئے ہیں۔ کانوا جهالًا ما کانوا یعلمون الاظاهرًا من الحیاة الدنیا فکان الاشراف عندهم من له جاه ومال کما تری اکثر المتسمین بالاسلام یعتقدون ذلک ویبنون علیه اکرامهم واهانتهم (کشاف) اور آگے بھی سطروں پر سطریں اسی رنگ میں لکھتے چلے گئے ہیں (اور صاحب مدارک نے بھی ان کی تقلید میں بعض انہی فقروں کو دہرا دیا ہے...... حُبِّ دنیا اس امت مرحومہ پر جب پانچویں اور چھٹی صدی میں اس قدر غالب آچکا تھا تو پھر اب چودھویں صدی ہجری کا ذکر ہی کیا! افسوس ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی حقیقی بزرگی کی طرف سے ان کے باطنی کمالات، ان کے اخلاقی فضائل کی طرف سے دنیا کی آنکھیں کل بھی بند رہیں اور آج بھی بند ہیں۔ ف۳۸ (اور اپنے کو صریح صاحب وحی پا رہا ہوں) ف۳۹ یعنی دلائل وشواہد پر جب تم غور کیا ہی نہ چاہو تو کیا اسے میں زبردستی تمہارے حلق میں اتار دوں؟ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اَنُلۡزِمُکُمُوۡہَا۔ الخ سے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ منکر کو اہل اللہ سے استفادہ نہیں ہو سکتا اور جب تک وہ منکر رہے گا ان سے نفع نہ حاصل کر سکے گا۔ ف۴۰ (جیسا کہ تم چاہتے ہو) اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ۔ یعنی میرا سہارا تو صرف رضاء الٰہی اور اجر اخروی ہے۔ لَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مَالًا۔ میں کیا اپنے موعظت ودعوت کی کوئی فیس تم سے طلب کر رہا ہوں جو تم اس کی گراں باری سے کھلے جاتے ہو۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ عبادت واجب پر معاوضہ لینا ناجائز ہے، وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا۔ محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ مسکینوں اور کم حیثیت والوں کو حضوری مجالس اور التفات خاص سے محروم نہ رکھنا عین سنت انبیاء ہے) ف۴۱ (کہ توحید جیسے عقیدہ سے جو سرتاسر فطرت سلیم کے عین مطابق ہے گریز کئے چلے جارہے ہو) اِنَّہُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ۔ یعنی یہ لوگ عزت ومقبولیت کے ساتھ اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہونے والے ہیں۔ سو ان کی اہانت میں کیسے کر سکتا ہوں۔ لانهم من اهل الزلفی المقربون الفائزون عند الله تعالیٰ (روح) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس حاضری کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ای مصدقون بلقاء ربهم یؤمنون به (کشاف)

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٣٠﴾ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ

کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے؟ ف۴۲ اور میں تم سے یہ تو کہتا نہیں کہ میرے پاس اللہ کے

اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا

خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ

أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَن يُؤْتِيَهُمُ

میں ان لوگوں کے لئے کہہ سکتا ہوں جو تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں کہ انہیں اللہ

اللَّهُ خَيْرًا ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنفُسِهِمْ ۖ إِنِّي

بھلائی دے ہی گا نہیں ف۴۳ اللہ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے ف۴۴ ورنہ میں ہی

إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٣١﴾ قَالُوا يَا نُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا

ظالم ٹھیروں گا ف۴۵ وہ بولے اے نوح تم ہم سے بحث کر چکے

فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ

پھر بحث بھی خوب کر چکے اب لے آؤ ہمارے سامنے وہ چیز جس سے تم ہم کو دھمکایا کرتے ہو اگر تم

الصَّادِقِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُم بِهِ اللَّهُ إِن شَاءَ

سچے ہو ف۴۶ (نوح نے) کہا اسے تو بس اللہ ہی تمہارے سامنے لائے گا اگر اس کی مشیت ہوگی

وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَنفَعُكُمْ نُصْحِي

اور تم (اسے) ہرا نہیں سکتے ف۴۷ اور میری خیر خواہی تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتی

إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ

گو میں تمہارے ساتھ (کیسی ہی) خیر خواہی کرنا چاہوں جبکہ اللہ ہی کو تمہارا

أَن يُغْوِيَكُمْ ۚ هُوَ رَبُّكُمْ ۚ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٣٤﴾ أَمْ

گمراہ کرنا منظور ہو ف۴۸ وہی تمہارا (مالک و) پروردگار ہے اور اسی کی طرف تم واپس جاؤ گے کیا یہ لوگ

ف۴۲ حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بالفرض میں تمہاری خوشی پوری کرنے کو انہیں اپنے پاس سے دھتکار بھی دوں تو خود ہی اللہ کی گرفت میں آ جاؤں گا۔ اس وقت مجھے کون بچائے گا؟ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ طَرَدْتُهُمْ کے تحت میں طالب کے حقوق شیخ پر آ گئے۔ آیت کے الفاظ میں اشارہ ادھر ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، اس سے اعراض نہ چاہیے کیونکہ اس کی طرف حق تعالیٰ کو بھی توجہ ہوتی ہے۔ ف۴۳ یہاں حضرت نوح علیہ السلام اپنے مخاطبین کے ایک ایک شبہ کا ازالہ فرما رہے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ میں نہ اللہ کے خزانوں کا خزانچی ہوں کہ دنیوی نعمتوں میں سے جو جس کو چاہوں اسے دلا دوں اور نہ کاہنوں کی طرح غیب دانی کا دعویٰ رکھتا ہوں، اور نہ دیوتا کی قسم سے ہوں اور نہ (ان) عوام ہی کی قسمت کا ذمہ لئے ہوں پیمبر کی اس تقریر میں وقت کی ایک ایک گمرہی کا رد موجود ہے۔ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ۔ جاہلی قومیں بس یہی چاہتی ہیں کہ جس کا دامن پکڑیں اس کے وسیلہ سے دنیوی فلاح و ترقی بھی ہر قسم کی حاصل ہو جائے۔ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ۔ جاہلی قوموں نے بزرگی کا ایک لازمہ غیب دانی کو بھی سمجھا ہے۔ إِنِّي مَلَكٌ۔ ملک کا ترجمہ جاہلی قوموں کے سیاق میں "دیوتا" یا "مافوق البشر" سے ہونا چاہیے۔ لَا أَقُولُ ...... خَيْرًا۔ جاہلی قوموں میں خواص کو بڑی فکر اس کی لگی رہتی ہے کہ عوام بھی کہیں ان کے برابر نہ آ جائیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صاحب ارشاد کا صاحب تصرف ہونا یا صاحب کشف ہونا، یا ضروریاتِ بشری میں عام انسانوں سے ممتاز ہونا ہرگز ضروری نہیں۔ صرف صاحب علم و عمل ہونا ضروری ہے۔ ف۴۴ (میں ان کی قسمت کی بھلائی سے انکار کرنے والا کون، اگر یہ مخلص و صادق ہیں تو خیر دارین ان کا حصہ ہے اور ان کے صدق و اخلاص کا جاننے والا اللہ ہے،) ف۴۵ یعنی اگر میں نے خواہ مخواہ تمہاری رائے کی موافقت میں اپنے ان پیرووں کو منافق ٹھہرا دیا۔ ف۴۶ اب منکرین کھلم کھلا پیمبر وقت کو چیلنج کر رہے ہیں کہ جس عذاب کی دھمکی دیتے چلے آئے ہو وہ اب لے آؤ نا! يَا نُوحُ ...... جَادَلْتَنَا۔ آیت سے یہ مضمون نکل رہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام عقائد حق کی تائید میں دلائل و شواہد ایک طویل مدت تک پیش کرتے رہے۔ ف۴۷ (کہ وہ عذاب واقع کرنا چاہے اور تم نہ ہونے دو) إِنَّمَا ...... شَاءَ۔ یعنی میں عذاب لانے والا کون میرا کام تو بس احکام اور پیام کا پہنچا دینا ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ ایسا ہی کہنا اہل حق کی شان ہے ورنہ اہل باطل کی زبان پر تو بڑے بڑے دعوے رہتے ہیں کہ جو میرا مخالف ہے اس کا حال یہ کر دوں گا اور وہ کر دوں گا۔ ف۴۸ (تمہارے عناد و استکبار کی بناء پر) إِن كَانَ اللَّهُ۔ اللہ کا ذکر یہاں بہ حیثیت تکوینی علت العلل یا مسبب الاسباب کے ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ جب اپنی بدقسمتی سے تم خود ہی اپنے لئے نفع حاصل کرنا اور نقصان سے بچنا نہ چاہو تو میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ ہدایت شیخ کے قبضہ میں نہیں۔

يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ

کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے (یعنی قرآن کو) گڑھ لیا ہے، آپ کہہ دیجیے اگر میں نے اسے گڑھ لیا ہے تو میرے ہی

وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ؑ﴿۳۵﴾ وَ اُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ

اوپر میرا یہ جرم رہے گا اور تم جو جرم کر رہے ہو میں اس سے بری رہوں گا ف۴۹ اور نوحؑ کے پاس وحی بھیجی گئی

اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ

ف۵۰ کہ تمہاری قوم میں سے (اب اور کوئی) ایمان نہیں لائے گا بجز ان کے جو (اب تک) ایمان لا چکے

فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۚ﴿۳۶﴾ وَ اصْنَعِ

سو جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں اس پر کچھ غم نہ کرو ف۵۱ اور تم کشتی ہماری نگرانی میں

الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي

اور ہمارے حکم سے تیار کرو ف۵۲ اور مجھ سے ان لوگوں کے باب میں گفتگو نہ کرنا

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ يَصْنَعُ

جنہوں نے ظلم کیا ہے وہ ڈوب کر رہیں گے ف۵۳ اور (نوحؑ) کشتی بنانے

الْفُلْكَ ۟ وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ

لگے ف۵۴ اور جب جب ان کی قوم کے سردار ان کے پاس سے گزرتے تھے

سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا

تو ان سے تمسخر کرتے ف۵۵ (نوحؑ) بولے اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو ہم بھی

نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ؕ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ

تم پر ہنستے ہیں جیسا کہ تم ہنستے ہو ف۵۶ سو ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ

کہ وہ کون ہے جس پر (ایسا) عذاب آنے کو ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور اس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے ف۵۷

ف۴۹ یہ آخری اور انتقامی جواب ہے کہ خیر تم کسی طرح نہیں سمجھتے تو نہ سمجھو اپنا جرم میں خود بھگت لوں گا تم خود اپنی خبر لو۔ منکرین کے اعتراض کا اصل جواب آیت نمبر ۱۳ کے ذیل میں آ چکا ہے کہ اگر میں قرآن تصنیف کر سکتا ہوں تو خیر تم سب مل ملا کر پورا قرآن نہ سہی اس کی دس ہی سورتیں تیار کر کے دکھا دو۔ اوپر سے حکایت حضرت نوح ؑ کی چل رہی تھی آگے بھی وہی ملے گی درمیان میں مناسبت مقام سے یہ آیت رسول اللہ ﷺ اور آپ کے معاند معاصرین سے متعلق آ گئی۔ عن مقاتل انها فی شان النبی ﷺ مع مشرکی مکة (روح) هذا کلام معترض فی وسط هذه القصة مؤکد لها مقرر لها بقوله تعالی لمحمد ﷺ ام یقول هؤلاء الکافرون الجاحدون افتری هذا وافتعله من عنده (ابن کثیر) لیکن دوسرے اقوال میں اسے حکایت نوح ؑ ہی سے متعلق قرار دیا ہے۔ مِمَّا تُجْرِمُوْنَ۔ یعنی یہ کہ افترائے وحی کا الزام مجھ پر رکھ رہے ہو۔ ای من اجرامکم فی اسناد الافتراء الیّ (کشاف۔ بیضاوی) عَلَيَّ اِجْرَامِيْ۔ یعنی میرے گناہ کا وبال میرے ہی اوپر رہے گا۔ تقدیر کلام فعلی عقاب اجرامی سمجھی گئی ہے۔ ای ان کنت افتریته فعلی عقاب جرمی و ان کنت صادقًا و کذبتمونی فعلیکم عقاب ذلک التکذیب (کبیر) ف۵۰ (جب دعوت و تبلیغ کو مدت مدید ہو چکی) توریت میں ہے:۔ اور نوح ؑ خدا کے ساتھ چلتا تھا۔ پر زمین خدا کے آگے بگڑی ہوئی تھی اور زمین ظلم سے بھری تھی اور خدا نے زمین پر نظر کی اور دیکھا کہ وہ بگڑ گئی۔ کیونکہ ہر ایک بشر نے اپنے اپنے طریقہ کو زمین پر بگاڑا تھا۔" (پیدائش ۶:۱۰۔۱۲) ف۵۱ (کیونکہ غم تو خلاف توقع سے ہوتا ہے اور اب ان سے کوئی توقع ہی بجز مخالفت کے نہیں) گویا حضرت نوح ؑ کو حکم مل گیا کہ اب نصیحت و انتظار بے سود ہے بددعا کیجیے سزا دی جائے۔ توریت میں ہے:۔ "اور خدا نے نوح سے کہا کہ سب بشر کی اجل میرے سامنے آ پہنچی ہے۔ اس لئے کہ ان کے سبب زمین ظلم سے بھر گئی اور دیکھ میں ان کو زمین کے ساتھ نابود کروں گا۔" (پیدائش ۶:۱۳) ف۵۲ (کہ اس کے ذریعہ سے تم اور مومنین طوفان سے محفوظ رکھے جاؤ گے) الْفُلْكَ۔ مسیحی علماء کی تحقیق کے مطابق یہ کشتی طول میں ۵۲۵ فٹ، عرض میں ۸۷ ½ فٹ اور بلندی میں ۵۲ ½ فٹ تھی، ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر القرآن انگریزی، نیز ملاحظہ ہوں پارہ ۱۱ میں سورہ یونس میں حواشی متعلقہ۔ توریت میں ہے:۔ "تو اپنے واسطے گوپھر کی لکڑی کی ایک کشتی بنا۔ اس کشتی میں کوٹھریاں تیار کر اور اس کے باہر اور بھیتر رال لگا اور اس کو ایسی بنا کہ اس کی لمبائی تین سو ہاتھ اور اس کی چوڑائی پچاس ہاتھ اور اس کی اونچائی تیس ہاتھ کی ہو اور اس کشتی میں ایک روشندان بنا۔ اوپر سے لے کے ہاتھ بھر میں اسے تمام کر اور کشتی کی ایک طرف دروازہ بنا اور نیچے کا طبقہ اور دوسرا اور تیسرا بھی بنا۔" (پیدائش ۶:۱۴۔۱۶) یہ کشتی کس ساخت اور پیمانہ کی تھی؟ اس کی جو تفصیلات بائبل میں ہیں، قرآن نے ان سے یکسر قطع نظر کر لی ہے اس لئے کہ ان تفصیلات سے حاصل کچھ بھی نہیں اور اسی لئے اس قسم کی تحقیقات کے زیادہ درپے ہو جانا کوئی مفید خدمت دین کی نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے کہ یہ ساری بحثیں بیکار ہیں۔ مومن کے لئے بس اس قدر جان لینا کافی ہے کہ کشتی میں اتنی گنجائش تھی کہ اس وقت کی مومن آبادی اور جانوروں کے جوڑے اس میں سما گئے تھے کہ قرآن میں مذکور اسی قدر ہے۔ (کبیر) اور صاحب روح المعانی نے بھی اسی قسم کی تقریر کی ہے۔ بِاَعْيُنِنَا۔ محاورہ میں اس سے کنایہ ہوتا ہے حفاظت و نگرانی سے۔ جعل العین کنایة عن الاحتیاط فلهذا قال المفسرون معناه بحفظنا ایاک (کبیر) قیل ان ملابسة العین کنایة عن الحفظ وملابسة الاعین لمکان الجمع کنایة عن کمال الحفظ والمبالغة فیه (روح) ذکر العین لتضمنها معنی الرعایة وقوله تعالی واصنع الفلک باعیننا ای برعایة منا وحفظ (ابو البقا) ف۵۳ (اور ان کے حق میں سفارش بیکار ہے) توریت میں ہے:۔ "اور دیکھ میں ہاں، میں ہی زمین پر طوفان کا پانی لاتا ہوں کہ ہر ایک جسم کو جس میں زندگی کا دم ہے، آسمان کے نیچے سے مٹا ڈالوں اور سب جو زمین پر ہیں مر جائیں گے۔ پر میں تجھ سے اپنا عہد قائم رکھوں گا۔ (پیدائش ۶:۱۷) ف۵۴ اس کا یہ مطلب لازمی طور پر نہیں کہ خود اپنے ہاتھ سے بنانے لگے۔ اپنی نگرانی میں کاریگروں سے بنوانا بھی اپنے ہی بنانے کے حکم میں داخل ہے۔ ف۵۵ (کہ یہ کیسے خبطی ہیں پانی کا نام نہ نشان اور یہ خواہ مخواہ اپنے کو اس زحمت میں ڈالے ہوئے ہیں) اور کوئی کوئی اس طرح کے فقرہ بھی کہہ گزرتا کہ واہ نبوت کرتے کرتے نجاری بھی کرنے لگے۔ یقولون له صرت نجارًا بعد ما کنت نبیًا (بیضاوی) جہاں یہ قوم آباد تھی وہ کوئی نشیبی علاقہ نہیں ایک بلند میدان تھا اور قریب ترین سمندر یعنی خلیج فارس سے صدہا میل کے فاصلہ پر اس لیے ان لوگوں کا اپنے نقطۂ نظر سے حیرت کرنا کچھ بیجا تھا بھی نہیں۔ ف۵۶ (کہ عذاب کا وقت موعود اتنا قریب آ لگا اور تم اسے ہنسی کھیل سمجھ رہے ہو ہمیں اس پر ہنسی آ رہی ہے) فانا نسخر منکم مما انتم فیه من الاعراض عن استدفاعه بالایمان والطاعة (روح) دوسرے معنی صیغۂ مستقبل میں بھی ہو سکتے ہیں کہ جس طرح تم آج ہم پر ہنس رہے ہو، ہم کل تم پر ہنسیں گے جب تم دنیا میں غرق اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہو رہے ہو گے۔ ان تسخروا منا فی هذه الساعة فانا نسخر منکم سخریة مثل سخریتکم اذا وقع علیکم الغرق فی الدنیا والخزی فی الآخرة (کبیر) یعنی فی المستقبل (کشاف) رہا یہ شبہ کہ تمسخر پیغمبری کی شان سے فروتر ہے بالکل ہی سطحی ہے جواب و مقابلہ کے موقع پر اس قسم کے الفاظ کا استعمال محاورۂ قرآنی میں عام ہے۔ جزاء سیئة سیئة مثلها۔ انهم یکیدون کیدًا واکید کیدًا۔ و

نے فرمایا کہ انتقام کے موقع پر جواب بالمثل سے کام لینا مکارم اخلاق کے منافی نہیں۔ **ف۵۷** عذاب مقیم کا تعلق بعد مرگ اور عالم آخرت سے ہے اور عذاب خزی کا تعلق اسی موجودہ زندگی سے۔ عذاب یخزیہ۔ یرید بالعذاب عذاب الدنیا وھو الغرق (مدارک) عذاب مقیم و ھو عذاب الاٰخرۃ (مدارک) **ف۵۸** (جو علامت تھی آغاز عذاب موعود کی) اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا۔ یعنی جب غرقابی کے ذریعہ ان پر عذابِ دنیوی کے نزول کا حکم آپہنچا۔ وَفَارَ التَّنُّوْرُ۔ فقرہ کے صحیح معنٰی صرف اس قدر ہیں کہ زمین سے پانی نے جوش مارنا شروع کیا۔ تنور کے معنٰی صرف سطح زمین یا بلند سطح زمین کے ہیں یا چشمہ پھوٹنے کی جگہ کے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور متعدد تابعین سے یہی معنٰی مروی ہیں۔ التنور وجہ الارض (ابن جریر عن ابن عباس) وجہ الارض (ابن جریر عن الضحاک وعکرمۃ) التنور وجہ الارض والعرب تسمیہ تنورا قالہ ابن عباس و عکرمۃ والزھری و ابن عیینۃ (بحر)...... وجہ الارض و کل مفجرماءٍ و محفل ماء الوادی (قاموس) التنور اشرف الارض وارفعھا (ابن جریر عن قتادۃ) اہل لغت نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لفظ اصلاً عربی نہیں بلکہ فارسی سے معرب ہوکر آیا ہے۔ فارسی معرب (لسان) لفظی مست مشترک میان فارسی و عربی و ترکی (برہان قاطع) تاج العروس میں ہے کہ دیباج، دینار، سندس، استبرق وغیرہ کی طرح اس باہر سے آئے ہوئے لفظ کو بھی عرب اپنا چکے ہیں۔ تنور کے اگر وہی معنٰی لیے جائیں جو اُردو میں متعارف ومتداول ہیں تو التنور سے مراد یا تو کوئی مخصوص ومتعین

مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا

(اس طرح کے مکالمات جاری رہے) یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور زمین میں سے پانی ابلنا شروع ہوا،

احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا

ف۵۸ ہم نے کہا کہ اس (کشتی) میں ہر قسم کے جوڑوں میں سے دو دو کو چڑھا لو **ف۵۹** اور اپنے گھر والوں کو

مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ

بھی بجز ان کے جن پر حکم نافذ ہو چکا ہے اور (ہاں دوسرے) ایمان والوں کو بھی اور ایمان

مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ

ان کے ساتھ بہت ہی کم لوگ لائے تھے **ف۶۰** اور (نوحؑ نے) کہا (آؤ) اس میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے

مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾

اس کا چلنا ہے اور اس کا ٹھیرنا، **ف۶۱** بیشک میرا پروردگار بڑا بخشنے والا ہے بڑا رحمت والا ہے،

وَ هِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۟ وَ نَادٰى

اور وہ (کشتی) انہیں لے کر چلنے لگی پہاڑ جیسی موجوں میں **ف۶۲** اور نوحؑ نے اپنے لڑکے کو

نُوْحُ ا۟بْنَهٗ وَ كَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا

پکارا اور وہ کنارے پر تھا **ف۶۳** کہ اے میرے (پیارے) بیٹے سوار ہو جا ہمارے ساتھ،

وَ لَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى

اور کافروں کے ساتھ مت رہ **ف۶۴** وہ بولا میں ابھی کسی

جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ

پہاڑ کی پناہ لئے لیتا ہوں وہ مجھے پانی سے بچالے گا **ف۶۵** (نوحؑ نے) کہا آج کے دن

الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَ حَالَ بَيْنَهُمَا

کوئی بچانے والا نہیں اللہ کے حکم (عذاب) سے البتہ وہی جس پر رحم کر دے، اور دونوں کے درمیان

تنور ہوگا اور یا جنس تنور۔ یحتمل ان تکون ال فیہ للعھد لتنور مخصوص و یحتمل ان تکون للجنس (بحر) قیل لیس المراد بہ تنورا معینا بل الجنس والمراد فار الماء من التنانیر (روح) بہرحال معنٰی جو بھی لے جائیں پانی کا یہ جوش مارنا بہ طور طوفان عظیم کی علامت کے ہوگا۔ **ف۵۹** (ای نوح) اس کُل سے مراد یقیناً آبی اور ہوائی اور زمینی جانوروں کے سارے انواع واقسام نہیں ہو سکتے بلکہ مراد صرف خشکی ہی کے جانور ہیں اور ان میں بھی صرف وہ جو عادۃً انسان کے کام آتے رہتے ہیں۔ ای من کل نوع من الحیوانات ینتفع بہ اللذین ینجون من الغرق (روح) لفظ کُل کے اس محدود معنٰی میں استعمال کی مثالیں قرآن مجید ہی میں بہ کثرت مل جاتی ہیں۔ یہ صراحت کہ اس چھوٹے سے جہاز میں پاک وناپاک پرندے اور چارپائے اور حشرات الارض ہر قسم کے جانور آگئے تھے صرف بائبل میں ملتی ہے۔ وہاں وعدۂ الٰہی بھی یہی ملتا ہے کہ سب وہ جاندار موجودات کو جنہیں میں نے بنایا زمین پر سے مٹاڈالوں گا۔" (پیدائش ۷:۴) اور عمل بھی اسی وعید کے مطابق ہوا چنانچہ "سب جاندار جو زمین پر چلتے تھے چرندے اور پرندے اور جنگلی جانور، اور کیڑے مکوڑے جو زمین پر رینگتے تھے اور سب انسان مر گئے۔ سب جن کے نتھنوں میں زندگی کا دم تھا اُن میں سے جو خشکی پر رہتے تھے مر گئے بلکہ سب موجودات جو روئے زمین پر جان رکھتی تھیں مٹ گئیں، انسان سے لے کے حیوان تک اور کیڑے مکوڑوں اور آسمان کے پرندوں تک وہ سب زمین سے مٹ گئیں۔" (پیدائش ۷:۲۱-۲۳) زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ۔ یعنی ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ۔ **ف۶۰** چنانچہ وہی بہت قلیل المقدار مومنین جہاز پر سوار کیے گئے۔ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ یعنی بجز ان کے جن پر اُن کے کفر کے پاداش میں غرق ہونے کا حکم صادر ہو چکا۔ باوجود نوح علیہ السلام کے رشتہ دار ہونے کے توریت میں اس مقام پر ہے:۔ "اور تو کشتی میں جائے گا، تو اور تیرے بیٹے اور تیری جورو اور تیرے بیٹوں کی جوروآں تیرے ساتھ اور سب جانوروں میں سے ہر ایک جنس کے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے کہ وہ بچ جائیں۔ چاہیے کہ وہ نر و مادہ ہوں"۔ (پیدائش ۶:۸-۹) **ف۶۱** (اس لئے اس پر سوار ہوکر غرق کا اندیشہ بھی نہ کرنا) قَالَ ارْكَبُوْا۔ ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اس قول کے مخاطب آپ کے عیال اور آپ کے متبعین ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ۔ سے مراد یہاں بامر اللہ یا باذن اللہ لی گئی ہے یعنی اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب اللہ ہی کی قدرت اور حکم سے ہے۔ ای بقدرتہ اوبامرہ او باذنہ (روح) کان فی معزل من الکفار وکانہ انفرد عنھم فظن نوح علیہ السلام ان ذلک انما کان لانہ احب مفارقتھم (کبیر) مَجْرٖىهَا۔ عربی تلفظ میں ی کی آواز صرف یا معروف کی ہے چنانچہ قرآن مجید کے قاری بھی ہر جگہ اسی قاعدہ کا لحاظ رکھتے ہیں۔ لیکن اس خاص موقع پر مجری کی ی کی آواز یائے مجہول کی نکلے گی اور اسے بجائے "مجری" کے "مجرے" ہی پڑھا جائے گا۔ **ف۶۲** اصل مقصود طوفان کی شدت کا اظہار ہے۔ المقصود منہ بیان شدۃ الھول والفزع (کبیر) یہ اور بات ہے کہ یہاں واقعی اونچی اونچی موجیں پہاڑوں پر چڑھ چڑھ گئی تھیں۔ توریت میں اس موقع پر ہے:۔ "اور سات دن کے بعد ایسا ہوا کہ طوفان کا پانی زمین پر آیا۔ جب نوح علیہ السلام کی عمر چھ سو برس کی ہوئی۔ دوسرے مہینے کی سترھویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے، اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی۔ (پیدائش ۷:۱۱-۱۲) **ف۶۳** (سفینۂ نوح و اہل نوح علیہ السلام دونوں سے الگ جسماً بھی اور عقیدۃً بھی") ابنہ یہ لڑکا کافر تھا اور اس کا نام کنعان آتا ہے۔ فِيْ مَعْزِلٍ۔ علیحدگی اور کنارہ کشی صوری ومعنوی دونوں قسم کی مراد ہو سکتی ہیں۔ والمراد بُعدہ عنھم اما جسماً او معنیً (روح) عزل فیہ نفسہ عن ابیہ اوعن دینہ (بیضاوی) **ف۶۴** (نہ معنوی واعتقادی حیثیت سے اور نہ صوری وجسمانی حیثیت سے) يٰبُنَيَّ۔ کلمہ محبت وشفقت کا ہے و نداؤہ بالتصغیر من باب التحنن والرافۃ (روح) التصغیر للشفقۃ (تھانوی) يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا۔ حضرت کا اپنے کافر بیٹے سے یہ فرمانا یقیناً اسی بنا پر ہوگا کہ آپ کو اس کے کفر کا علم نہ تھا...... یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ شرط معیت پوری کر کے یعنی اب ایمان لا کر ہمارے ساتھ آجا۔ انما ناداہ ظناً منہ انہ مؤمن او ظناً منہ انہ یؤمن ان کان کافرًا (بحر)

اَلْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَ قِيْلَ يٰۤاَرْضُ

موج حائل ہو گئی سو وہ ڈوبنے والوں میں ہو گیا ف۶۶ اور ارشاد ہوا کہ اے زمین

ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَ غِيْضَ الْمَآءُ

اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا ف۶۷ اور پانی گھٹ گیا

وَ قُضِیَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِیِّ وَ قِيْلَ

اور کام پورا ہو گیا اور (کشتی) آ ٹھہری جودی پر اور کہہ دیا گیا کہ (اپنے اوپر)

بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَ نَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ

ظلم کرنے والے لوگ (رحمت سے) دور ہو گئے ف۶۸ اور نوحؑ نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا

الربع

رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ

اے میرے پروردگار میرا بیٹا تو میرے گھر والوں ہی میں ہے اور تیرا وعدہ (بھی بالکل) سچا

وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ

اور تو تو ہر حاکم کے اوپر حاکم ہے ف۶۹ (اللہ نے) فرمایا اے نوحؑ یہ تمہارے گھر والوں ہی

مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ

میں سے نہیں ف۷۰ یہ ایک تباہ کار شخص ہے ف۷۱ سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست نہ کرو

مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ

جس کی تمہیں خبر نہ ہو میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم (آیندہ کہیں)

مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ

نادان نہ بن جاؤ ف۷۲ (نوحؑ) بولے اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں

اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ

کہ میں آیندہ تجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں جس کی مجھے خبر نہ ہو، اور اگر تو میری مغفرت نہ کرے

ف۶۵ (مجھے آپ کی کشتی تک آنے کی کیا ضرورت ہے آپ میرے لیے گھبرا کیوں رہے ہیں) بدنصیب کیا جانتا تھا کہ طوفان طبعی نہیں ہے قہر الٰہی جوش میں آیا ہوا ہے۔ بولا کہ مجھے سیلاب سے غرقابی کا اندیشہ ہے پیرنے میں مشاق ہوں ابھی پانی کا دھارا چیرتا ہوا کسی چوٹی تک پہنچ جاؤں گا اور پہاڑ تو ڈوبنے سے رہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اسباب مباح سے تمتع کرنا توکل کے منافی نہیں جیسے سفینۂ نوحؑ کے اندر آجانا البتہ اسباب غیر مباح کی طرف دوڑنا بالکل منافی توکل ہے۔ مثلاً کنعان کا پہاڑ کو وسیلۂ نجات سمجھنا۔ ف۶۶ اس سبق آموز قصۂ کنعان سے بائبل کے صفحات خالی ہیں۔ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے عذاب وقہر سے۔ ای من عذاب اللّٰہ (معالم۔ کبیر) لَا عَاصِمَ...... رَحِمَ۔ حقیقت میں پیمبرؑ اور شفیق باپ نے فرمایا کہ اے نا سمجھ یہ سیلاب وطوفان معمولی اور طبعی واقعہ نہیں قہر الٰہی ہے۔ اس سے پناہ دینے کی مجال کسی کو نہیں نہ پہاڑ کو نہ پہاڑ کی چوٹی کو، ہاں اللہ خود ہی جس کو بچالینا چاہے بچالے۔ بائبل میں اس شدت طوفان کے ذکر میں ہے:۔ ’’اور پانی بڑھ گیا اور کشتی کو اُوپر اُٹھا دیا سو کشتی زمین پر سے اُٹھ گئی اور پانی زمین پر بڑھا اور بہت زیادہ ہوا اور کشتی پانی کے اُوپر بہتی رہی، اور پانی زمین پر بے نہایت بڑھ گیا اور سب اُونچے پہاڑ جو آسمان کے نیچے تھے چھپ گئے پندرہ ہاتھ پانی اُن کے اُوپر بڑھا اور پہاڑ ڈوب گئے‘‘۔ (پیدائش ۷:۱۷۔۲۱) ف۶۷ (بارش اور طوفانی بارش سے) پہلے زمین اور آسمان کے مالک نے زمین کو حکم دیا تھا کہ پانی اُبلنا شروع کر دے اور آسمان کو کہ برسانا شروع کر دے۔ بے تکان دونوں نے تعمیل کر دکھائی۔ اب جب مقصد پورا ہو گیا تو زمین کو حکم ملتا ہے کہ اپنا پانی اپنے اندر جذب کرے اور آسمان کو کہ مزید بارش موقوف...... دیر ارشاد کی تھی تعمیل میں دیر ہو ہی کیا سکتی تھی۔ توریت میں ہے:۔ ’’اور خدا نے زمین پر ایک ہوا چلائی اور پانی ٹھہر گیا اور گہراؤ کے سوتے اور آسمان کی کھڑکیاں بند ہوئیں اور آسمان سے مینہ تھم گیا‘‘۔ (پیدائش ۸:۱۔۲) قِيْلَ یہ ارشاد اس وقت ہوا جب طوفان اپنا کام کر چکا اور منکروں کو ڈبو چکا تھا توریت میں اس طوفان کی مدت ایک جگہ چالیس دن درج ہے اور ایک جگہ ۵ مہینہ چالیس دن طوفان کی باڑھ زمین پر رہی‘‘۔ (پیدائش ۷:۱۷) ’’اور پانی کی باڑھ ڈیڑھ سو دن تک زمین پر رہی‘‘۔ (پیدائش ۷:۲۴) ف۶۸ اس آیت کی معجزانہ فصاحت وبلاغت کی داد منکرین اسلام نے بھی دی ہے۔ ابن مقفع نامی ایک ملحد طبع شخص گزرا ہے۔ اس نے بہ زعم خود قرآن کا جواب کہنا شروع کیا تھا جیسے ایک دوسرے کے جواب میں شاعر اپنا کلام پیش کرتے ہیں۔ جب اس آیت پر پہنچا، تو قلم جواب سے رُک گیا عاجز ہو کر بولا کہ اس کلام کا جواب بشری طاقت سے باہر ہے۔ (بحر) مستشرق اور لغوی لین (Lane) نے بھی اس کی داد دی ہے۔ الجودی کوہستان ارارط کی اس چوٹی کا نام ہے جو جبل وام (Vam) کے جنوب ومغرب میں واقع ہے اس جوار میں کُردوں کی زبان پر آج تک یہ روایت چلی آرہی ہے کہ کشتی نوحؑ یہیں آ کر رُکی تھی۔ توریت میں ذکر کسی چوٹی کا نہیں صرف سلسلۂ کوہستان ارارط کا ہے۔ (پیدائش ۸:۵) ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ ف۶۹ (تیری قدرت لاانتہاء تیرے اختیارات غیر محدود تیرے لیے کیا دشوار کہ اب بھی اسے مومن بنا کر اس کی نجات کا سامان کر دے) وَ نَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ۔ یہ مناجات حضرت نوحؑ نے اس وقت کی جب دیکھا کہ کنعان اب ڈوبنے ہی پر ہے۔ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ۔ وہ وعدۂ الٰہی یہی کہ تمہارے گھر والوں میں سے جو کوئی بھی ایمان لے آئے گا بچا دیا جائے گا۔ ف۷۰ (ہمارے علم ازلی میں) اہل سے مراد وہی اہل ایمان گھر والے ہیں جن کے لیے نجات کا وعدہ ہو چکا تھا اور یہیں سے علماء محققین نے یہ نکالا ہے کہ شریعت میں معتبر قرابت ایمانی ہے نہ کہ قرابت نسبی۔ ای لیس منهم اصلا لان مدار الاهلية هو القرابة الدينية (روح) هٰذه الأية يدل علىٰ ان العبرة بقرابة الدين لا بقرابة النسب لان فى هٰذه الصورة كانت قرابة النسب حاصلة من اقوى الوجوه ولكن لما انتفت قرابة الدين لاجرم نفاه الله تعالىٰ بابلغ الالفاظ (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شرف نسب کے ساتھ جب تک صلاح جمع نہ ہو وہ کالعدم ہے۔

ف۷۱ (جو ایمان کا قصد ہی نہیں کرتا) عمل سے مراد ذوعمل لی گئی ہے۔ مداومت عمل فاسد کی بنا پر۔ واصله انه ذوعمل فاسد فحذف ذوللمبالغة بجعله عين عمله لمداومته عليه (روح) اى انه ذوعمل باطل فحذف المضاف لدلالة الكلام عليه (کبیر) ف۷۲ (اور آئندہ پھر کبھی ایسی ہی درخواست پیش کرنے لگو) منشائے خداوندی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اے نوحؑ ہمارا وعدۂ نجات جو تمہارے گھر والوں کے لیے تھا وہ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ۔ کے ساتھ مقید تھا اور اس کے مصداق کو عمداً مبہم وغیر متعین رکھا گیا تھا سو تمہارا یہ فرزند اسی استثناء کے تحت میں آجاتا ہے ایسے مشتبہ اشخاص کے حق میں دعا کرنے سے احتیاط مناسب تھی۔ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ محققین نے لکھا ہے کہ جب مشتبہ الحال لوگوں کے حق میں دعا سے ممانعت آچکی ہے تو جن لوگوں کا فساد عقیدہ ظاہر ہو چکے ان کے حق میں تو اور زیادہ احتیاط واجب ہے۔ فيكون النهى وارد افى مشتبهة الحال و يفهم منه حال معلوم الفساد بالطريق الاولىٰ (روح) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں سے ہمارے زمانے کے مشائخ کی دعاؤں کا حال کھلا جاتا ہے کہ ان سے مقدمہ کی، عہدہ کی، جس چیز کی بھی دُعا کرائی جاتی ہے وہ بلالحاظ حرام وحلال اس کے لیے دعا کر دیتے ہیں۔

وَ تَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٤٧﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ

اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں آ جاؤں گا و۷۳ ارشاد ہوا کہ اے نوحؑ

اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَ عَلٰٓى اُمَمٍ

اترو ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں لے کر اپنے اوپر بھی اور ان جماعتوں پر بھی

مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ

جو تمہارے ساتھ ہیں و۷۴ اور جماعتیں تو ایسی بھی ہوں گی کہ ہم انہیں چند روزہ عیش دیں گے پھر ان پر ہماری

مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٤٨﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ

طرف سے عذاب دردناک ہو گا و۷۵ یہ (قصہ) اخبارِ غیب میں سے ہے ہم نے اسے وحی کے ذریعہ سے آپ تک

نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ

پہنچا دیا، اس کو اس (بتانے) سے قبل نہ آپ ہی جانتے تھے اور نہ

مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٩﴾ ع

آپ کی قوم و۷۶ سو صبر کیجیے یقیناً نیک انجامی پرہیزگاروں ہی کیلئے ہے و۷۷

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور (قوم) عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا و۷۸ انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿٥٠﴾

اسکے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں باقی (سب) تم محض افتراء کر رہے ہو و۷۹

يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا

اے میری قوم میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو بس

عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٥١﴾ وَ يٰقَوْمِ

اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے پھر کیا تم (اس کو) نہیں سمجھتے؟ و۸۰ اور اے میری قوم والو

۷۳ حضرات انبیاء کی شانِ عبدیت کا کیا کہنا! گویا ہر وقت مناجات وابتہال واستغفار کا بہانہ ہی ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ ادنیٰ سی لغزش محض اجتہادی لغزش نفس کی خرابی سے نہیں محض فہم وتعبیر کی پر ہوئی اور انہیں بس عرض حال کا موقع مل گیا۔ و۷۴ (بہ لحاظ ایمان واعتقاد) مِّمَّنْ مَّعَكَ۔ مِنْ ابتداء غایت کے لیے ہے۔ یعنی وہ نسل بھی جو اس وقت حضرت نوح علیہ السلام کے ہمراہ موجود ہی اور ان سے چلنے والی ایمانی نسلیں بھی گویا معیت ایمانی حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ اس وقت تک کے مومنین کو بھی حاصل ہے اور اس طرح سلامتی اور برکات کی بشارت میں ہر دور کے اہل ایمان شامل ہو گئے۔ المراد ممن معک نسلًا و تولدًا (کبیر) و من فی قولہ ممّن معک لابتداء الغایۃ والمعنی و علی امم ناشئۃ من الذین معک (کبیر) من لابتداء الغایۃ ای ناشئۃ من الذین معک و ہم الامم المؤمنون الی اٰخر الدھر (بحر) اِهْبِطْ۔ جہاز سے کوہ جودی پر اترنے کا حکم تو اوپر مل چکا تھا اب حکم ہو رہا ہے کہ پہاڑ سے زمین پر اترو۔ الھبوط النزول قیل من الجبل الی الارض (روح) قِيْلَ۔ یہ حکم اس وقت ہو رہا ہے جب طوفان پوری طرح ختم ہو چکا ہے اور زمین رہنے بسنے کے قابل ہو گئی ہے۔ بِسَلٰمٍ مِّنَّا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عارفین ہر نعمت کا مشاہدہ اسی حیثیت سے کرتے ہیں کہ وہ نعمت حق تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ آیت میں مِنَّا کا اضافہ حضرت نوح علیہ السلام کے مرتبہ عرفان وصدیقیت کے لحاظ سے ہے۔ و۷۵ (آخرت میں) ظاہر ہے کہ ان سے مراد بعد کی آنے والی کافر قومیں ہیں۔ اُمَمٌ۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ و امم منھم اور مفسرین محققین نے لکھا ہے کہ آیت کے دونوں ٹکڑوں میں ایک طرف مومنین قیامت تک کے لیے، اور دوسری طرف کفار قیامت تک کے لیے شامل ہو گئے ایک کے لیے سلامتی کا وعدہ اور دوسرے کے لیے عذاب کی وعید۔ قال المفسرون دخل فی تلک السلامۃ کل مؤمنٍ و کل مؤمنۃ الی یوم القیٰمۃ و دخل فی ذٰلک المتاع و فی ذٰلک العذاب کل کافر و کافرۃ الی یوم القیامۃ (کبیر) و۷۶ یعنی واقعات نوح علیہ السلام کا صحیح اور مستند و مفصل علم اہل تاریخ و اہل توریت کے ناقص اور غلط سلط بیانات سے قطع نظر اب آپ کو وحی الٰہی سے ہی یاد کرایا جا رہا ہے۔ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ۔ یہ غیب ظاہر ہے کہ علم بشری کے اعتبار سے ہو گا ورنہ علم الٰہی میں ظاہر ہے کہ غیب کے کوئی معنیٰ ہی نہیں۔ و۷۷ تو آپ اے رسول بددل وشکستہ خاطر نہ ہوں یہ ہٹ دھرم اور معاند کافر تو اب بھی آپ کو جھٹلائے جائیں گے لیکن آپ ان کی تکذیب پر صبر کیجیے اور حکایت نوح علیہ السلام سے تسکین حاصل کیجیے کہ جس طرح ان کے عہد میں آخری انجام مومنوں ہی کا اچھا اور کافروں کا برا ہوا، آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آ کر رہے گا۔ فَاصْبِرْ۔ میں ف جزا کی ہے یعنی اب جب یہ معلوم ہو چکا تو صبر لازم ہے۔ ای و اذقد اوحینا ھا الیک اوعلمتھا بذٰلک فاصبر علی مشاق تبلیغ الرسالۃ و اذیۃ قومک (روح) اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ آخری کامیابی وکامرانی صبر کا نتیجہ ہوتی ہے۔ فیہ تنبیہ علی ان الصبر عاقبتہ النصر والظفر والفرح والسرور کما کان لنوح علیہ السلام ولقومہ (کبیر) و۷۸ قوم عاد اور حضرت ہود نبی پر حاشیے سورۃ الاعراف کے رکوع ۹ میں گزر چکے۔ اِلٰى عَادٍ۔ عرب قدیم کی قوم عاد خلیج فارس کے کنارے کنارے عراق کی سرحد تک آباد تھی اس کا اصل مسکن یمن وحضر موت کا علاقہ تھا۔ مزار نبی ہود کے نام سے علاقہ حضر موت میں قسم کے مشرق میں ایک زیارت گاہ آج تک موجود ہے۔ و۷۹ یعنی اصل حقیقت تو صرف توحید ہے باقی سب تمہارے گڑھے ہوئے ڈھکوسلے ہیں۔ اُعْبُدُوا اللّٰهَ۔ یعنی صرف خدائے واحد کی پرستش کرو کسی اور کو اس میں شریک نہ کرو۔ معناہ لا تعبدوا غیر اللہ (کبیر) ای وحّدوا اللہ (معالم) امرًا لھم بعبادۃ اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ ناھیًا لھم عن الاوثان التی افتروھا (ابن کثیر) اللہ کے وجود اور اس کی عبادت سے منکر تو دنیا میں شاذ و نادر ہی کوئی قوم ہوئی ہے ورنہ انسانیت کا اصل مرض الحاد نہیں بلکہ شرک رہا ہے یعنی ایک خدائے اعظم کے اقرار کے ساتھ ساتھ دوسرے چھوٹے موٹے دیوی دیوتاؤں کی شرکت اور انتظاماتِ کائنات میں ان کا دخل وتصرف۔ فخر المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے تحت میں اپنی سیاحت ہند کا ذکر کیا ہے اور اپنا مشاہدہ درج کیا ہے کہ وجود باری کے منکر مشرکین ہند بھی نہ تھے۔ صرف اس کی توحید کے منکر تھے اور بت پرستی میں مبتلا...... یہی بیماری پہلے بھی تھی اور یہی آج بھی ہے۔ کاش کوئی صاحب ذرا تلاش کر کے اس کا پتہ لگاتے کہ امام موصوف ہندوستان میں کب آئے تھے کہاں کہاں کی سیاحت کی تھی کل کتنے دن رہے تھے۔ وقس علی ہذا۔ یہ خدمت اگر دین کی نہیں تو ایک بڑے خادمِ دین کی ضرور ہو جاتی۔ و۸۰ ضروری اور مناسب حاشیے سورۂ یونس میں گزر چکے۔

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ

اپنے پروردگار سے اپنے گناہ معاف کراؤ پھر اس کی طرف متوجہ رہو، ۸۱ وہ تم پر خوب بارشیں

عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَ لَا

برسائے گا اور تم کو (اور) قوت دے کر تمہاری قوت میں ترقی کر دے گا

تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا

اور مجرم ہو کر روگردانی مت کرتے رہو ۸۲ وہ بولے اے ہودؑ تم ہمارے سامنے کوئی سند لے کر

بِبَيِّنَةٍ وَّ مَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ

تو آئے نہیں اور ہم اپنے دیوتاؤں کو چھوڑ دینے والے نہیں تمہارے (محض) کہہ دینے سے

وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ

اور ہم کسی طرح تم پر یقین کرنے والے نہیں ۸۳ ہمارا قول تو یہ ہے کہ ہمارے کسی دیوتا ہی نے تم کو

بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ

شامت میں مبتلا کر رکھا ہے ۸۴ (ہودؑ نے) کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں

وَ اشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ

اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم شریک قرار دیتے رہتے ہو اللہ کے

دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّيْ

علاوہ تو تم سب میرے ساتھ داؤ گھات کر لو پھر مجھ کو ذرا مہلت نہ دو میں نے تو

تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ

اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے (جو) میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ جتنے بھی جاندار ہیں

اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ

سب کی پیشانی ہی پکڑے ہوئے ہے بیشک میرا پروردگار ہے صراط مستقیم

ف۸۱ یعنی استغفار تو کرو ماضی سے متعلق اور اب توبہ و رجوع اللہ کی جانب کرو مستقبل کے لیے۔ ف۸۲ آیت سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ طاعات کو راحت دنیوی میں بھی دخل ہے اور مشاہدہ بھی ہے کہ طاعت وحسن عمل کا ثمرہ کبھی کبھی برکتوں کی صورتوں میں ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ گو اصل دار الجزاء عالم آخرت ہی ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ قوم عاد تین سال سے خشک سالی میں مبتلا تھی۔ ف۸۳ بینہ یا سند سے مراد کوئی دلیل عقلی نہیں، دلائل عقلی تو توحید پر متعدد اور شروع سے موجود تھیں ان جاہلین کی مراد اس سے ان کے فرمائشی خوارق، معجزات و عجائب سے تھی۔ ف۸۴ یعنی تم نے جو ہمارے فلاں دیوتا کی شان میں گستاخی کی اس نے اپنی ماریوں ماری کہ تمہیں خبطی باؤلا کر دیا اور تم لگے بہکی بہکی باتیں کرنے ...... جاہلی ذہنیت کی کتنی صحیح ترجمانی!

مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ

پر و۸۵ لیکن اگر تم پھرے رہے تو میں نے تمہیں وہ (پیام) پہنچایا دیا جسے دے کر مجھے

بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ

تمہاری طرف بھیجا گیا تھا اور میرا پروردگار تمہاری جگہ تمہارے سوا کسی قوم کو آباد کر دے گا

وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

اور تم اس کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا رہے ہو، بیشک میرا پروردگار ہر شے پر

حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ

نگہبان ہے و۸۶ اور جب ہمارا حکم آ پہنچا ہم نے ہودؑ کو اور ان لوگوں کو جو

آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ

ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچا لیا و۸۷ اور ہم نے انہیں ایک بہت سخت

غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ

عذاب سے بچا لیا اور یہ قوم عاد تھی انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں سے انکار کیا

وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾

اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور یہ ظالموں سرکشوں کے حکم کی پیروی کرتے رہے و۸۸

وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا

اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگ گئی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی) خوب سن لو

إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ﴿٦٠﴾

کہ قوم عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا، خوب سن لو کہ ہودؑ کی قوم عاد کو دوری (نصیب) ہوئی و۸۹

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (ہم نے بھیجا) وہ بولے اے میری قوم اللہ ہی کی

ع ۵ ۱۱ — وقف لازم

و۸۵ یعنی وہی صراطِ مستقیم کی جانب رہنمائی کرتا ہے، اور وہ ملتا بھی صراط مستقیم پر چلنے سے ہے حضرت ہودؑ کی ساری تقریر توحید کے ایک مبلغ و داعی کے لیے ہمیشہ کے لیے نمونہ ہے۔ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا۔ یعنی سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں جیسے اُردو محاورہ میں کہتے ہیں کہ کوئی بے اُس کے حکم کے کان نہیں ہلاسکتا۔ ای ما من حیوان الا هو تحت قهره و قدرته و منقاد لقضائه و قدره (کبیر) و اعلم ان العرب اذا و صفوا انسانًا بالذلة والخضوع قالوا ما ناصية فلان الابيد فلانٍ ای انه مطيع له فخوطبوا فی القرآن بما يعرفون (کبیر) و۸۶ (اس سے نہ کوئی شے مخفی ہے نہ اس کی نظر کبھی کسی معاملہ میں بھی چوک سکتی ہے) فَاِنْ ...... اِلَيْكُمْ۔ یعنی میں تو اپنی تبلیغ کے بعد بری الذمہ ہوگیا اتنی صریح ہدایتوں کے بعد بھی تم نہیں مانتے تو آگے تم جانو اور تمہارا کام۔ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ۔ یعنی تم تو تباہ و ہلاک کردیے جاؤ گے باقی اللہ کو جو کام دنیا میں تم سے لینا تھا اس کے لیے وہ کسی دوسری قوم کو لا کھڑا کرے گا۔ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا۔ یعنی تمہاری ان بدبختانہ حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کو کیا ضرر...... ضرر تو سرتا سر تمہارا اپنا ہی ہے۔ و۸۷ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ جَآءَ اَمْرُنَا۔ یعنی اس قوم کی ہلاکت کا حکم آپہنچا۔ نَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ۔ عذابِ ہلاکت سے بچ جانے کا ذکر تو ابھی ابھی اس آیت کے اندر آچکا ہے۔ اس نجات عذاب غلیظ سے مراد آخرت کے عذابِ سخت سے نجات پانا۔ فالمراد من النجاة الاولٰی هی النجاة من عذاب الدنيا والنجاة الثانية من عذاب القيامة (کبیر) و۸۸ یعنی علاوہ شرک و بدعقیدگی کے طرح طرح کی اخلاقی لعنتوں میں بھی مبتلا رہے۔ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ۔ یعنی معبود حقیقی کے احکام اور اس کی توحید کے دلائل سب کی طرف سے منہ پھیرے رہے۔ کفر جحود اس انکار کو کہتے ہیں جو دل میں یقین آجانے کے بعد محض ضد وعناد سے کیا جائے۔ الجحود نفی ما فی القلب اثباته و اثبات ما فی القلب نفيه (راغب) عَصَوْا رُسُلَهٗ۔ رُسُل کے صیغۂ جمع سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو علاوہ حضرت ہودؑ کے اور بھی کوئی رسول مستقلاً یا بہ طور آپؑ کے نائب کے ہوں گے اور یا پھر اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ کسی ایک رسول کا انکار سلسلۂ انبیاء سے انکار ہے۔ و۸۹ (دونوں جہانوں میں اللہ کی رحمت سے) فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً۔ دنیا میں اُن کے پیچھے لعنت لگ گئی یعنی اُن پر ہلاکت کا عذاب نازل ہوا...... یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ اس دنیا کی مادّی زندگی بھی ان پر طرح طرح کی مصیبتوں سے تنگ کردی گئی جیسا کہ آج بھی تمام نافرمان قوموں سے متعلق مشاہدہ ہو رہا ہے۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ آخرت میں لعنت سے مراد اسی عذاب دائمی میں گرفتار ہوجانا ہے۔

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ

عبادت کرو اس کے سوا کوئی بھی تمہارا معبود نہیں ف۹۰ اسی نے تمہیں

الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ

زمین سے پیدا کیا اور تمہیں اس زمین میں آباد کر دیا ف۹۱ سو تم اسی سے گناہ معاف کراؤ اور

تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا

اسی کی طرف توجہ کرو بیشک میرا پروردگار قریب ہے اور قبول کرنے والا ف۹۲ وہ بولے

يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ

اے صالحؑ تم تو اس کے قبل ہم میں (بڑے) ہونہار تھے (تو) کیا تم ہمیں (اس سے) منع کرتے ہو کہ ہم ان کی

اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا

عبادت کریں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے اور ہم تو اس کی طرف سے بڑے شک میں ہیں تردد

تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ

میں پڑے ہوئے جس کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو، ف۹۳ (صالحؑ نے) کہا اے میری قوم والو بھلا یہ تو بتاؤ کہ

كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً

اگر میں اپنے پروردگار کی جانب سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت (خاص) عطا کی ہو، ف۹۴

فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۫ فَمَا

سو (یہ تو بتاؤ) مجھے کون بچا لے گا اللہ سے اگر میں اس کی نافرمانی کروں، سو تم تو

تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾ وَ يٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ

سراسر میرا نقصان ہی کر رہے ہو ف۹۵ اور اے میری قوم یہ اونٹنی

اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا

اللہ کی ہے، اور تمہارے حق میں ایک نشان، سو اسے چھوڑے رہو کہ اللہ کی زمین پر چرتی کھاتی پھرے اور اس کو

ف۹۰ ہر نبی کی تعلیم ہر دور میں اسی خالص توحید کی رہی ہے۔ مِنْ اِلٰهٍ۔ مِنْ جب نفی کے ساتھ آتا ہے تو نفی کو اور مؤکد و مکمل بنا دیتا ہے یعنی کوئی بھی نہیں۔ ثمود اور صالح پر حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے نیز ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ جس طرح قوم عاد عرب کے جنوبی مشرقی علاقہ یعنی اطراف یمن و عراق عرب میں آباد تھی، اسی طرح قوم ثمود کا تسلط عرب کے شمالی و مغربی علاقہ وادی القریٰ میں تھا اور نبی ہود علیہ السلام کی طرح نبی صالح علیہ السلام کا مزار بھی آج تک موجود ہے وادیٔ سیر میں۔ اَخَاهُمْ۔ اخ سے مراد وطنی اور نسبی بھائی ہیں۔ ف۹۱ یعنی پیدا بھی اسی نے کیا اور زندہ و قائم بھی وہی رکھے ہوئے ہے عجب نہیں جو قوم ثمود بھی ہندی مشرکوں کی طرح ایجاد اور ابقاء کے الگ الگ خداؤں (برہما اور وشنو) کی قائل تھی۔ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ زمین سے پیدا کیا، یعنی زمینی مادّہ سے پیدا کیا۔ نسبهم الى الارض لان اصلهم و هو اٰدم خُلِقَ من تراب الارض (بصاص) وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا۔ بعض فقہاء مفسرین نے یہیں سے اپنی دقت نظر سے زمین کی آبادکاری کا وجوب نکالا ہے خواہ یہ آبادی زراعت کی شکل میں ہو یا باغات کی یا تعمیرات کی۔ و فيه الدلالة على وجوب العمارة للزراعة والغراس والابنية (بصاص) ف۹۲ (اس عرض و معروض کا جو اس سے استغفار کے لیے کی جائے) تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ۔ یعنی اس کی طرف طاعت و عبادت کے ساتھ توجہ کرو۔ فَاسْتَغْفِرُوْهُ۔ میں اشارہ ماضی کی طرف ہے اور توبوا الیہ میں آئندہ کی اصلاح کی جانب۔ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ۔ یعنی جو اس کی طرف توجہ کرے تو خدائے اسلام اس سے دور اور اجنبی و بیگانہ نہیں اس کے قریب ہی ہے اور کوئی درخواست معافی اور ندامت اس کے سامنے نامسموع نہ رہے گی وہ ہر عرض کرنے والے کی سننے والا اور قبول کرنے والا بھی ہے۔ ف۹۳ یعنی تم جو ہمارے اور اپنے آباو اجداد کے طریقوں کے خلاف یہ نئی تعلیم دے رہے ہو سو یہ تو ہمارے دل میں اُترتی نہیں، اور نہ ہمارا دماغ اسے قبول کرنے پر آمادہ ہے۔ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا۔ یعنی ہمیں تو تم سے بڑی بڑی اُمیدیں تھیں اور ہم سمجھتے تھے کہ تم فخر قوم و نازش وطن ثابت ہوگے اب یہ تم نئی اور انوکھی باتیں کیسی کرنے لگے؟ ہر پیمبر میں دیانت و صداقت ذہن و ذکاء عقل و فہم حلم و رشد کے آثار شروع ہی سے نمایاں ہوتے ہیں۔ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا۔ سوال بہ طور استفہام انکاری اور استعجاب کے ہے۔ قوم حیرت کے ساتھ کہہ رہی ہے کہ کیا تم ایسا غضب کر رہے ہو کہ ہمیں اپنے اور ہمارے آبائی دین سے روک رہے ہو شرک میں ڈوبے ہوئے بڑے بڑے "عقلاء" کو آج بھی صدائے توحید ایسی ہی عجیب اور نامانوس نظر آتی ہے! ف۹۴ (اور دعوت توحید پر مجھے مامور کیا ہو) رَحْمَةً سے مراد نبوت لی گئی ہے۔ ای نبوة (بیضاوی) نبوة و حكمة (معالم) اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ۔ یعنی مجھ پر توحید کی حقیقت روشن ہو چکی ہو ف۹۵ (یہ فرمائش کر کے کہ میں دعوتِ توحید ترک کر دوں) اِنْ عَصَيْتُهٗ۔

تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿٦٤﴾

برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تم کو قریبی عذاب آ پکڑے گا ف۹۶

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ

پھر (ان لوگوں نے) اس کو مار ڈالا تب (صالح نے) کہا تم اپنے گھروں میں تین دن اور بسر کرلو یہ ایسا

وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا

وعدہ ہے جس میں ذرا جھوٹ نہیں ف۹۷ پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے

صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ مِنْ

صالح کو اور ان کو جو ان کے ساتھ ایمان لے آئے اپنی رحمت سے بچا لیا

خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾

اور اس دن کی رسوائی سے بھی بیشک تیرا پروردگار ہی بڑا قوت والا ہے بڑا غلبہ والا ہے ف۹۸

وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ

اور جو ظالم لوگ تھے انہیں ایک چیخ نے آ پکڑا سو وہ

دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ

اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ف۹۹ گویا ان (گھروں) میں کبھی بسے ہی نہ تھے، خوب سن لو

ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾ ع وَ لَقَدْ

کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا، خوب سن لو کہ قوم ثمود کو دوری ہوگئی ف۱۰۰ اور بالیقین

جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ

ہمارے فرستادے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے ف۱۰۱ (اور) بولے (آپ پر) سلام ہو (ابراہیم نے)

سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ

کہا (تم پر) سلام پھر دیر نہیں لگائی کہ ایک تلا ہوا بچھڑا لے آئے ف۱۰۲ پھر جب (ابراہیم) نے دیکھا کہ ان

ف۹۶ یعنی ایسا عذاب جس کے آنے میں دیر نہ لگے گی اور جو تم کو یہیں اسی مادّی دنیا میں محسوس ہو جائے گا۔ نَاقَةُ اللّٰهِ۔ اضافت تعظیم کے لیے ہے جیسے بیت اللہ، کعبۃ اللہ وغیرہ میں۔ الاضافة للتشریف (روح) اس اونٹنی اور اسکے متعلقات پر حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے۔ ف۹۷ (اس لیے کہ خدائی وعدہ ہے) تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ۔ اس تین دن کے بعد پھر تو عذاب آنا ہی ہے۔ ف۹۸ وہ جس کو چاہے مبتلائے عذاب بھی کرسکتا ہے اور جسے چاہے بچا بھی سکتا ہے وہ ہر صورت پر یکساں قادر ہے۔ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ۔ یعنی ایک نجات تو عذاب ہلاکت سے دی دوسری نجات ذلت و رسوائی سے۔ ف۹۹ (اور اسی حال میں سب کے سب فنا ہو گئے) اَلصَّيْحَةُ۔ یہاں صیحۃ وارد ہوا ہے جس کے معنی چیخ چنگھاڑ یا بلند آواز کے ہیں اور سورۂ اعراف میں اس موقع کے لیے رجفہ آیا ہے جس کے معنی زلزلہ کے ہیں لیکن زلزلہ اور بلند آواز کے درمیان منافات ذرا بھی نہیں جس کے لیے ضرورت تطبیق کی پڑے بلکہ تیز زلزلہ اور سخت گھڑگھڑاہٹ کا ساتھ تو مشاہدہ میں عموماً آچکا ہے۔ ف۱۰۰ (اپنے پروردگار کی رحمت سے) اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ۔ اس نے خوب واضح کردیا کہ قوم ثمود پر ہلاکت ناگہانی کا جو عذاب آیا وہ کفر ہی کی بنا پر آیا۔ ف۱۰۱ (آپ کے صاحبزادے اسحٰق کے تولد کی) رُسُلُنَا۔ یعنی فرشتے بشر کی شکل میں۔ توریت میں یہ تفصیل مزید درج ہے کہ یہ آنے والے تعداد میں تین تھے:۔ ”اور وہ دن کو گرمی کے وقت اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھا تھا اور اس نے اپنی آنکھیں اٹھا کر نظر کیا اور کیا دیکھا کہ تین مرد اس کے پاس کھڑے ہیں“ (پیدائش ۱۸:۱۔۲) ف۱۰۲ جگمگاتے ہوئے ہوٹلوں کے دَور سے بہت ہی پہلے اور سراؤں کے دَور سے بھی بہت پہلے مسافروں، راہگیروں، نوواردوں کی خاطر و مدارات اور مہمان نوازی اس وقت کا عام دستور اور دلیل شرافت تھا اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک تو شیخ القبیلہ اور پھر ذاتی حیثیت سے شریف ترین انسان! آپ کی مہمان نوازیاں تاریخ کا ایک مسلّم واقعہ ہیں ...... اللہ کے فرشتے بشری قالب میں تھے آپ انہیں معمولی مسافر سمجھ فوراً اُن کی خاطرداری میں لگ گئے۔ توریت میں اس ضیافت و مہمانی کی مزید تفصیلات درج ہیں:۔ ”اور ابراہام خیمہ میں سرہ کے پاس دوڑا گیا اور کہا کہ تین پیمانہ آٹا لے کے جلد گوندھ کے پھلکے پکا اور ابراہام گلے کی طرف دوڑا اور ایک موٹا تازہ بچھڑا لا کر ایک جوان کو دیا اور اس نے جلد اسے تیار کیا۔ پھر اُس نے گھی اور دُودھ اور اُس بچھڑے کو جو اس نے پکوایا تھا لے کے ان کے سامنے رکھا اور آپ ان کے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا اور انہوں نے کھایا۔“ (پیدائش ۱۸:۷۔۸) اس حکایت قرآنی سے یہ بھی نکل آیا کہ پیمبر برحق کے لیے (معاذ اللہ) عالم الغیب ہونا تو الگ رہا صاحب کشف ہونا بھی ضروری نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پیمبر بلکہ بہت سے پیمبروں کے سردار ہوئے ہیں لیکن اتنا بھی آپؑ شناخت نہ کرسکے کہ یہ نووارد انسان ہیں یا فرشتے۔ قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ۔ فقہاء مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ سلام فرشتوں کا طریقہ ہے اور اہل اسلام میں بھی ہر دَور میں رائج و شائع رہا ہے۔ فیه الدلالة علی ان السلام قد کان تحیة اهل الاسلام وانه تحیة الملئکة (جصاص)

اَيۡدِيَهُمۡ لَا تَصِلُ اِلَيۡهِ نَكِرَهُمۡ وَ اَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ

کے ہاتھ اس (کھانے) کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں تو ان سے متوحش ہوئے اور ان سے دل میں

خِيۡفَةً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰى قَوۡمِ

خوفزدہ ہوئے ف١٠٣ وہ بولے کہ ڈریئے نہیں ہم تو قوم لوطؑ کی طرف

لُوۡطٍؕ ﴿۷۰﴾ وَامۡرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتۡ فَبَشَّرۡنٰهَا

بھیجے گئے ہیں ف١٠٤ اور ان کی بیوی کھڑی تھیں پس وہ ہنسیں ف١٠٥ پھر ہم نے انہیں بشارت دی

بِاِسۡحٰقَ ۙ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتۡ

اسحٰقؑ کی اور اسحٰقؑ کے آگے یعقوبؑ کی ف١٠٦ بولیں

يٰوَيۡلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوۡزٌ وَّهٰذَا بَعۡلِىۡ شَيۡخًا ؕ اِنَّ

ہائے خاک پڑے (اب) میں بچہ جنوں گی درآنحالیکہ میں بوڑھی ہو چکی اور یہ میرے میاں (بھی بالکل) بوڑھے

هٰذَا لَشَىۡءٌ عَجِيۡبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوۡۤا اَتَعۡجَبِيۡنَ مِنۡ

یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے ف١٠٧ وہ بولے ارے تم تعجب کرتی ہو

اَمۡرِ اللّٰهِ رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ

اللہ کے کام میں ف١٠٨ اے خاندان والو تم پر تو اللہ کی (خاص) رحمت اور اس کی برکتیں

الۡبَيۡتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيۡدٌ مَّجِيۡدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنۡ

(نازل ہوتی رہتی) ہیں بیشک وہ تعریف کے لائق اور بڑا شان والا ہے ف١٠٩ پھر جب ابراہیمؑ سے خوف

اِبۡرٰهِيۡمَ الرَّوۡعُ وَجَآءَتۡهُ الۡبُشۡرٰى يُجَادِلُنَا فِىۡ قَوۡمِ

زائل ہو گیا اور ان کو خوشخبری مل گئی تو وہ لگے ہم سے قوم لوطؑ کے باب

لُوۡطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَحَلِيۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيۡبٌ ﴿۷۵﴾

میں بحث کرنے ف١١٠ بیشک ابراہیمؑ بڑے حلیم بڑے درد مند بڑے نرم دل تھے ف١١١

ف١٠٣ (کہ یہ کوئی مفسد دشمن یا کوئی ڈاکو تو نہیں ہیں) وقت کا دستور یہ تھا کہ جو دشمن یا کوئی ڈاکو کسی کو اپنا ہدف بنانا چاہتے تھے اس کے ہاں کھانے سے پرہیز کرتے تھے اور جس کے ہاں کھا لیتے پھر اس کو نہ ستاتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قدرۃً ایسے موقع پر یہی خیال گزرا اور اُن سے خوف وہراس بھی طبعی طور پر پیدا ہوا...... خوف وہراس اُمور طبعی ہیں (جس طرح بھوک اور پیاس) اور مرتبۂ ولایت کیا معنٰی مرتبۂ رسالت کے بھی ذرہ بھر منافی نہیں۔ اَيۡدِيَهُمۡ لَا تَصِلُ اِلَيۡهِ۔ توریت موجودہ میں یہ فقرہ کہ "انہوں نے کھایا" قطعاً ایک ایجاد بندہ ہے اور قرآن مجید کو اسی بیان کی تردید کے لیے یہ صراحت کرنی پڑی۔ ف١٠٤ (ایک خاص مقصد کے لیے اور ہم انسان نہیں فرشتے ہیں) مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آپ کا ان کو فرشتہ یقین کر لینا صرف اُن کے دعوٰی پر نہ تھا بلکہ قوت مدرکہ قدسیہ کے ذریعہ سے متوجہ ہو کر یقین کیا جس سے اولاً توجہ نہ فرمائی تھی جیسا بعض اوقات محسوسات میں بھی یہ قصہ پیش آتا ہے۔ ف١٠٥ خوشگوار حیرت کے وقت ہنسی کا آ جانا بالکل امر طبعی ہے اور خوشگوار حیرت کا موقع اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ گھر کے اندر جن آنے والوں کو انسان اور وہ بھی دشمن سمجھا جا رہا تھا وہ دوست اور دوست بھی کیسے اللہ کے فرشتے نکلے۔ اِمۡرَاَتُهٗ۔ مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجۂ اُولیٰ حضرت سارہؓ ہیں۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ظاہراً حضرت سارہؓ پہلے اس جگہ نہ تھیں شاید پردہ میں ہوں پھر جب معلوم ہو گیا کہ فرشتے ہیں ان سے کیا پردہ سامنے چلی آئیں۔ جیسا کہ ایک دوسری جگہ قرآن ہی کے لفظ فَاَقۡبَلَتۡ۔ سے معلوم ہوتا ہے۔ ف١٠٦ (بہ طور پوتے کے) اس میں ضمناً یہ بات بھی آ گئی کہ اسحٰقؑ زندہ رہیں گے اور صاحب اولاد ہوں گے۔ توریت میں ہے:۔ "پھر خداوند نے ابراہام سے کہا کہ سرہ کیوں ہنس کر بولی کہ کیا میں جو ایسی بوڑھیا ہو گئی ہوں سچ مچ جنوں گی کیا خداوند کے نزدیک کوئی بات مشکل ہے۔ (پیدائش ۱۸: ۱۳۔ ۱۴) ف١٠٧ (بہ اعتبار اسباب ظاہر کے) حضرت سارہ کا یہ خوشخبری سن کر اسباب ظاہری و مادّی کے لحاظ سے اس پر تعجب کرنا بالکل قدرتی تھا۔ و هو استعجاب من حيث العادة دون القدرة (بیضاوی) اور یہیں سے ہمارے محققین نے کہا ہے کسی واقعہ پر اسباب ظاہر کے لحاظ سے تعجب کرنا مسبب الاسباب پر یقین کامل رکھنے کے منافی نہیں۔ توریت میں اس موقع پر ہے:۔ ابراہام اور سرہ بوڑھے اور بہت دن کے تھے اور سرہ سے عورتوں کی معمولی، عادت موقوف ہو گئی تھی تب سرہ نے اپنے دل میں ہنس کر کہا کہ بعد اس کے کہ میں ضعیف ہو گئی اور میرا خاوند بھی بوڑھا ہوا کیا مجھ کو خوشی ہو گی؟" (پیدائش ۱۸: ۱۱۔ ۱۲) يٰوَيۡلَتٰٓى۔ عربی میں یہ اظہار حیرت و تعجب کے موقع پر بولتے ہیں۔ تقولها العرب عند التعجب من الشیء (ابن جریر) اُردو میں یہ ترجمہ یہاں کی زنانہ بول چال کے مطابق مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ کا کیا ہوا ہے۔ ف١٠٨ (حالانکہ پیمبر کے گھر میں رہ کر خوارق اور قدرت الٰہی کے عجائب تمہاری نظر سے برابر گزرتے ہی رہتے ہیں) زوج پیمبر حضرت سارہؓ کے اس اظہار حیرت پر اب خود فرشتے اظہار حیرت کر رہے ہیں۔ محققین نے اس مکالمہ سے یہ نکالا ہے کہ ملائکہ کی گفتگو غیر نبی کے ساتھ ناممکن نہیں۔ ف١٠٩ (کہ اس کے نزدیک کوئی بڑا سا بڑا کام بھی مشکل نہیں اور اسی کی ذات ہر تحمید ہر تمجید کی مستحق ہے۔ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ۔ اس آیت نے اسے صاف کر دیا کہ پیمبر علیہ السلام کے زوج پر "اہل بیت" کا اطلاق تو بہر حال ہوتا ہے بلکہ اہل بیت نبوی کا مفہوم اوّل تو ازواج نبی ہی ہوتے ہیں۔ يدل على ان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اهل بيته (صاص) ف١١٠ یعنی قوم لوط علیہ السلام کی سفارش میں اصرار بلیغ کرنے۔ اس کی ضروری تفصیلات سورۂ عنکبوت میں انشاءاللہ ملیں گی۔ فَلَمَّا ...... الۡبُشۡرٰى۔ جب آپ کو اطمینان ہو گیا کہ آئے ہوئے مہمان انسان نہیں فرشتہ ہیں، اور آپ کا قلب فرزند کی بشارت سے مزید مسرت حاصل کر چکا۔ آیت سے یہ سبق بھی ملا کہ پیمبر بھی اپنی طبعی زندگی میں عام بشری قوانین ہی کا پابند ہوتا ہے۔ توریت میں اس مقام پر ایک خاصہ طویل مکالمہ نقل ہوا ہے۔ (پیدائش ۱۸: ۲۳۔ ۳۳) ف١١١ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نرم دلی اور حلیم المزاجی پر حاشیے پہلے گزر چکے نیز ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ

اے ابراہیم اسے جانے دو قطعاً تمہارے پروردگار کا حکم آ چکا ہے اور

رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾ وَ لَمَّا

ان پر ضرور ایک نہ ہٹنے والا عذاب آنے والا ہے ف۱۱۲ اور جب

جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ

ہمارے فرستادے لوطؑ کے پاس پہنچے تو لوطؑ ان کی وجہ سے کڑھے اور ان کی وجہ سے

ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَ جَآءَهٗ

بہت تنگدل ہوئے اور بولے یہ آج کا دن بہت بھاری ہے ف۱۱۳ اور ان کے پاس ان کی

قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَ مِنْ قَبْلُ كَانُوْا

قوم (کے لوگ) دوڑے ہوئے آئے ف۱۱۴ اور وہ پہلے ہی سے

يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ

بدکاریاں کیا کرتے تھے ف۱۱۵ (لوطؑ) بولے اے میری قوم یہ میری بیٹیاں (بھی تو موجود) ہیں یہ

اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ

تمہارے حق میں پاکیزہ ہیں سو اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو

اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ

کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں ف۱۱۶ وہ بولے تم تو خوب جانتے ہو کہ

مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا

ہم کو تمہاری بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں اور تم وہ بھی خوب جانتے ہو جو کچھ

نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى

ہم ارادہ رکھتے ہیں ف۱۱۷ (لوطؑ) بولے کاش میرا تم پر کچھ زور دباؤ ہوتا یا میں کسی مضبوط پایہ

ف۱۱۲ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء وسفارش پر ارشاد ہوا کہ اپنی درخواست پر اصرار نہ کرو یہ لوگ ایمان لانے والے اور سدھرنے والے ہیں ہی نہیں۔ آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ مقبول سے مقبول بندہ کی بھی ہر دعا یا سفارش کا قبول ہو جانا لازمی نہیں۔ بندہ کی نگاہ بہرحال محدود ہی ہوتی ہے حکمت کاملہ کا احاطہ کہاں کر سکتی ہے۔ ف۱۱۳ (دیکھا چاہیے جو عزت وآبرو سے گزر جائے) لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا۔ یعنی جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے کمسن اور خوبرو لڑکوں کی شکل میں لوط علیہ السلام کے شہر سدوم میں (جو ملک شام میں بحر مردہ کے عین ساحل پر واقع تھا) پہنچے۔ لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے اور خود بھی پیمبر تھے آپ پر حاشیہ سورۂ اعراف میں گزر چکا۔ قوم لوط علیہ السلام کی غیر طبعی اور خلافِ وضع فطرت شہوانیت آج ضرب المثل کے درجہ تک پہنچ گئی ہے اور کسی مزید صراحت کی ضرورت نہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کو قدرۃً اپنے مہمانوں سے متعلق یہی اندیشہ پیدا ہوا کہ ان بیچاروں کی کیسی بے عزتی ان نابکاروں کے ہاتھ ہو گی۔ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا۔ عربی محاورہ میں اس موقع پر بولتے ہیں جیسے ہمارے ہاں کہتے ہیں کہ اس کا آنا جی کو کھل گیا۔ وضاقت نفسه غمًا (ابن جریر) ف۱۱۴ (اپنے اس ارادۂ بد کے ساتھ حسب معمول) قَوْمُهٗ۔ سے مراد ساری کی ساری قوم نہیں بلکہ مراد ہیں اُن کی قوم کے کچھ لوگ۔ ف۱۱۵ قوم لوط علیہ السلام والے علاوہ اس مخصوص فسق کے اور بھی طرح طرح کی شناعتوں میں مبتلا تھے اور اجنبیوں اور پردیسیوں کے ساتھ تو اُن کی بدسلوکی خاص طور پر بڑھی ہوئی تھی، ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حواشی۔ ف۱۱۶ بَنَاتِيْ۔ کے لفظ پر بڑی بحث ہوئی ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی صلبی بیٹیاں تو ہو ہی نہیں سکتیں وہ تو کل دو تھیں اور یہاں مجمع کا مجمع نشۂ فسق میں مست تھا۔ مراد اُمت کی عورتیں ہیں اُمت کی عورتیں پیمبر کے لیے بہ منزلہ بیٹیوں ہی کے ہوتی ہیں۔ آپ نے اپنے دروازہ پر مجمع فساق دیکھ کر فرمایا کہ آخر عورتیں بھی تو موجود ہیں ان کے ساتھ نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ المراد نساء امته (کبیر عن مجاهد وسعید بن جبیر) و هذا القول عندی هو المختار (کبیر) یعنی نساء امته فانکحوهن (ابن جریر عن ابن جریج) الاحسن ان تکون الاضافة مجازیة ای بنات قومی اذا النبی یتنزل منزلة الاب لقومه (بحر) اَطْهَرُ۔ یہاں طاہر کے معنیٰ میں ہے۔ جیسے اللہ اکبر میں، اکبر، کبیر کے معنیٰ میں ہے یہ مراد نہیں کہ عمل نکاح نسبۃً طاہر تر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ عمل نکاح فی نفسہ طاہر و پاکیزہ ہے (کبیر) و صیغة افعل فی ذلک مجاز (روح) توریت میں اس موقع پر ہے۔ ”شہر کے مردوں یعنی سدوم کے مردوں نے جوان سے لیکر بوڑھے تک سب لوگوں نے ہر طرف سے اس گھر کو گھیر لیا اور انہوں نے لوط علیہ السلام کو پکار کے اس سے کہا کہ وہ مرد جو آج کی رات تیرے ہاں آئے کہاں ہیں۔ انہیں ہمارے پاس باہر لا تاکہ ہم اُن سے صحبت کریں تب لوط علیہ السلام دروازہ سے ان کے پاس باہر گیا اور کواڑ اپنے پیچھے بند کیا اور کہا کہ اے بھائیو ایسا برا کام نہ کیجیو اب دیکھو میری دو بیٹیاں ہیں جو مرد سے واقف نہیں مرضی ہو تو اُن کو تمہارے پاس نکال لاؤں اور جو تمہاری نظر میں پسند ہو اُن سے کرو مگر اِن مردوں سے کچھ کام نہ رکھو کیونکہ وہ اسی واسطے میری چھت کے سائے میں آئے۔ (پیدائش ۱۹: ۴-۸) فَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ آپ کی اصلی اپیل تو یہی ہے آپ نے انہیں خوفِ خدا سے ڈرایا کہ وہی اصل بنیاد ہر معصیت سے رکنے کی ہے۔ وَ لَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ۔ آپ نے دوسری اپیل فہم مخاطبین کی رعایت سے یہ کی کہ انہیں عرفِ عام کا واسطہ دلایا۔ مہمانوں کے سامنے سبکی عرفاً بھی بہت معیوب تھی۔ ف۱۱۷ ہم کو عورتوں کی طرف رغبت والتفات ہے کب؟ ہم تو کسی اور ہی پھیر میں ہیں جو تم پر خوب روشن ہے۔ ای و انک یلوط لتعلم ان حاجتنا فی غیر بناتک (ابن جریر) والظاهر ان معنی من حق من نصیب ولا من غرض ولا من شهوة (بحر) من حق ای حاجة (جلالین) ای من حاجة (بیضاوی)

رُكۡنٍ شَدِيۡدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوۡا يٰلُوۡطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنۡ

کی پناہ لیتا ف۱۱۸ وہ (فرستادے) بولے اے لوطؑ ہم تو آپؑ کے پروردگار کے فرستادے ہیں

يَّصِلُوۡۤا اِلَيۡكَ فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ

ان کی رسائی آپ تک بھی نہ ہوسکے گی ف۱۱۹ آپ رات ہی کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جایئے

وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ اِلَّا امۡرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ

اور تم میں سے کوئی پیچھے پھر کر نہ دیکھے گا مگر ہاں آپؑ کی بیوی (دیکھے گی) ف۱۲۰ اسے بھی

مُصِيۡبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمۡ ؕ اِنَّ مَوۡعِدَهُمُ الصُّبۡحُ ؕ

وہی آفت آئے گی جو ان (سب) پر نازل ہوگی ان (پر عذاب) کے وعدہ کا وقت صبح کا ہے

اَلَيۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِيۡبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا

اور صبح میں اب دیر ہی کیا ہے؟ ف۱۲۱ سو جب ہمارا حکم آ پہنچا

جَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهَا حِجَارَةً

ہم نے اس (زمین) کے بلند کو اس کا پست بنا دیا اور ہم نے اس پر برسا دیئے پتھر

مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ۙ مَّنۡضُوۡدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنۡدَ رَبِّكَ ؕ

کھنگر کے تہ بہ تہ ف۱۲۲ خاص نشان کئے ہوئے آپ کے پروردگار کے پاس

وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ بِبَعِيۡدٍ ﴿۸۳﴾ وَاِلٰى مَدۡيَنَ

اور وہ (مقام) ان ظالموں سے کچھ دور بھی نہیں ف۱۲۳ اور مدین کی طرف ہم نے

اَخَاهُمۡ شُعَيۡبًا ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ

ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا ف۱۲۴ وہ بولے اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو تمہارے لئے

مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ وَلَا تَنۡقُصُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ

بجز اس کے کوئی بھی معبود نہیں اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو

ف۱۱۸ یعنی یا تو خود مجھ میں اتنی طاقت ہوتی کہ میں بہ زور حکومت تم کو تمہارے شر سے روک سکتا یا میرا کوئی زبردست جتھا، کنبہ، قبیلہ ہوتا! حضرت لوطؑ تو خود ہی پردیس میں مقیم تھے اس لیے
ذرۃً آپ کے ساتھ عزیزوں، قریبوں کی کوئی خاص جماعت نہ تھی۔ پریشان
کن حالات میں اسباب ظاہری سے تمسک کرنا ایک امر طبعی ہے اور شریعت
میں بالکل جائز ہے۔ ف۱۱۹ فرشتوں کو حضرت لوطؑ ابھی تک تو اپنے نوعمر
حسین مہمان سمجھے جا رہے تھے اب انہوں نے آپ کا اضطراب و اضطرار دیکھ
کر اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کیا اور اطمینان دلایا کہ ہم تو ہم ان فساق کی اتنی بھی
مجال نہیں کہ آپ تک بھی پہنچ سکیں۔ ف۱۲۰ یہ عورت دل سے کافرہ اور اُن
بدمعاشوں سے ملی ہوئی تھی فرشتوں نے کہا کہ اس کے حق میں کوئی نصیحت
کارگر نہ ہوگی اور نہ یہ ہماری ہدایت پر عمل کرے گی اس کا دل تو کافروں میں
اٹکا ہوا ہے عین نزولِ عذاب کے وقت یہ بہ کمال ہمدردی اُدھر مڑ کر دیکھے گی
ضرور۔ اور خود بھی عذاب کا شکار ہو کر رہے گی۔ توریت میں ہے:۔ ”مگر اس
کی جورو نے اس کے پیچھے سے پھر کے دیکھا اور وہ نمک کا کھمبا بن گئی“۔
(پیدائش ۱۹:۲۶)۔ ف۱۲۱ توریت میں ہے:۔ ”اور جس وقت لوطؑ
ضغر میں داخل ہوا سورج کی روشنی زمین پر پھیلی تب خداوند نے سدوم اور عمورہ
پر گندھک اور آگ خداوند کی طرف سے آسمان پر سے برسائی اور اس نے
ان شہروں کو اور اُس سارے میدان کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو
اور سب کچھ جو زمین سے اُگا تھا نیست کر دیا“ (پیدائش ۱۹:۲۳-۲۵)
ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۱۲۲ یعنی لگاتار گرنے اور برسنے لگے۔
جَآءَ اَمۡرُنَا۔ یعنی عذاب موعود کا وقت آ پہنچا۔ جَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا۔
یعنی ان بستیوں کا تختہ اُلٹ دیا۔ سِجِّيۡلٍ۔ سے مراد ہے سکھائی ہوئی مٹی کا
کنکر جسے ہمارے ہاں جھانواں کہتے ہیں۔ ف۱۲۳ یعنی اہل مکہ سے۔ قوم
لوطؑ کا مسکن دریائے یردن کی وادی میں تھا جہاں اب بحر مُردہ واقع
ہے اور لوطیوں کے بڑے شہر سدوم اور عمورہ بحر مُردہ کے ساحل پر واقع
تھے۔ اور قریش مکہ اپنے سفر شام میں برابر اسی راہ سے آتے جاتے تھے
اور ان آبادیوں کی آسمانی ہلاکت کا زمانۂ وقوع جدید تحقیق کے مطابق ۲۰۶۱
ق۔ م ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ مُسَوَّمَةً۔ یعنی
دوسرے پتھروں سے ممتاز۔ عِنۡدَ رَبِّكَ۔ یعنی عالم غیب میں۔
حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ۔ اس آتشیں پتھراؤ کی توجیہ کوہ آتش فشاں کی آتش
فشانیوں سے بھی کی گئی ہے جو کسی قرآنی بیان کے منافی نہیں عذاب الٰہی وہ
بہر صورت تھا۔ ف۱۲۴ مَدۡيَنَ اور شعیب دونوں پر حاشیے سورۂ اعراف
میں گزر چکے۔ اَخَاهُمۡ۔ بھائی سے مراد وہی وطنی یا نسلی بھائی ہیں قرآن
میں اس لفظ کے بار بار آنے سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے۔ نسبی
اور وطنی اشتراک کے باوجود کسی کے نصیب میں ہدایت آ جاتی ہے اور کوئی بدستور ظلمتوں اور ضلالتوں میں گرفتار رہتا ہے۔

ع ۱۵

إِنِّيٓ أَرٰىكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّيٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

میں تو تم کو فراغت کی حالت میں دیکھتا ہوں اور میں ڈرتا ہوں تمہارے لئے گھیر لینے والے دن کے

مُّحِيطٍ ﴿٨٤﴾ وَيٰقَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ

عذاب سے ف۱۲۵ اور اے میری قوم ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي

اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور زمین میں فساد

الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٨٥﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن

کرتے نہ پھرو ف۱۲۶ اللہ (کے دیئے میں سے) بچا ہوا کہیں بہتر ہے تمہارے حق میں اگر

كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَآ أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ﴿٨٦﴾ قَالُوا

تم ایمان والے ہو اور میں تم پر کوئی پاسبان تو ہوں نہیں ف۱۲۷ وہ بولے

يٰشُعَيْبُ أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ

اے شعیبؑ کیا یہ تمہاری نماز تمہیں تعلیم دیتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے بڑے کرتے

اٰبَآؤُنَآ أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِيٓ أَمْوٰلِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۖ إِنَّكَ لَأَنتَ

آئے ہیں یا اس کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے مال کے ساتھ جو چاہیں کریں واقعی تم ہی تو

الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ﴿٨٧﴾ قَالَ يٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلٰى

بڑے عقل مند بڑے دیندار ہو ف۱۲۸ (شعیبؑ) بولے اے میری قوم بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں

بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۖ وَمَآ

اپنے پروردگار کی جانب سے دلیل پر قائم ہوں اور اس نے مجھ کو اپنے پاس سے ایک عمدہ دولت دی ہو ف۱۲۹

أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلٰى مَآ أَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ

اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارے برخلاف ان کاموں کو کروں جن سے میں تمہیں روکتا ہوں ف۱۳۰ میں تو بس

ف۱۲۵ يَوْمٍ مُّحِيطٍ۔ یعنی وہ دن جو مجرم کو ہر طرف سے گھیر کر اُسے مجبور و بے بس کردے گا اور کوئی صورت اس کی مخلصی اور رہائی کی باقی نہ رکھے گا۔ يٰقَوْمِ ...... غَيْرُهٗ۔ ہر نبی کی پہلی اور بنیادی دعوت دعوتِ توحید ہی ہوتی ہے۔ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ۔ اہل مدین ایک مشہور تجارت پیشہ قوم تھی، اور اُن کے کاروباری اخلاق بھی سخت گندے اور پست تھے ...... قرآن مجید اعتقادی گمراہیوں کے ازالہ کے ساتھ ساتھ اخلاقی معاشری معاملات کی بھی برابر اصلاح کرتا جاتا ہے۔

ف۱۲۶ قرآن مجید نے یہاں صاف صاف بتا دیا کہ تجارتی خیانتوں اور مالی معاملات میں بددیانتی کا نتیجہ معاشرہ کی درہمی برہمی اور ملک و قوم کے حق میں عدم توازن کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ...... اور اس سب کے لیے قرآن مجید کی ایک جامع اصطلاح فساد فی الارض کی ہے۔ ف۱۲۷ اپنے ہر قول و عمل کی ذمہ داری تمہیں خود محسوس کرنی چاہیے) حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی تقریر سے ایک طرف تو مخاطبین میں ان کی ذمہ داری کا شعور پیدا کرنا چاہا دوسرے یہ بتایا کہ پاک مال اور جائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی آمدنی بہرحال بہرصورت گندے اور ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی آمدنی سے بہتر ہے۔ بَقِيَّتُ اللّٰهِ۔ یعنی وہ مال جو شریعت الٰہی نے تمہارے لیے جائز رکھا ہے اور جس کو ناجائز نہیں قرار دیا ہے۔ ای ما ابقاہ اللہ حلالا لکم و لم یحرمہ علیکم (بحر) ف۱۲۸ مخالفین کی یہ تقریر بہ طور طنز و تمسخر ہے۔ قال ابن عباس، و میمون بن مهران، و ابن جریج، و اسلم و ابن جریر یقولون ذٰلک اعداء اللہ علٰی سبیل الاستهزاء (ابن کثیر) قیل قالوا علٰی وجه الاستهزاء (معالم) وصفوه علیه السلام بهٰذین الوصفین الجلیلین علٰی طریقة الاستعارة التهکمیة فالمراد بهما ضد معناهما و هٰذا هو المروی عن ابن عباسؓ والیه ذهب قتادة والمبرد (روح) وہ بار بار اس پر اُلجھ رہے تھے کہ یہ کیسا دین اور کیسا نبی ہے جو ایک طرف تو ہمارے آبائی معتقدات، عبادات، رسوم و شعار کا تختہ اُلٹ دینا چاہتا ہے اور دُوسری طرف ہمیں ہمارے مال و جائداد تک کے بارے میں آزاد و خود مختار نہیں چھوڑتا بلکہ اُلٹے ہمارے آمد و خرچ پر بھی طرح طرح کی قیدیں لگاتا اور پابندیاں عائد کرتا رہتا ہے۔ أَنْ نَّفْعَلَ۔ کا عطف مَا يَعْبُدُ۔ پر ہے۔ ف۱۲۹ یعنی دولتِ نبوت۔ هو النبوة والحکمة (روح) اس کو کہیں رحمة سے بھی تعبیر کیا ہے جیسا کہ اسی سورت کی آیت نمبر ۶۳ میں حضرت صالح علیہ السلام کے سلسلہ میں اور جائز آمدنی بھی مراد لی گئی ہے۔ اشارة الٰی ما اتاه اللہ من المال الحلال (بیضاوی) إِنْ كُنتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي۔ یعنی اگر اللہ کی توحید وغیرہ کا علم مجھے صریحاً ہو چکا ہو۔ ف۱۳۰ یعنی یہ تو ہے نہیں، کہ میں تمہیں کوئی راہ بتا دوں اور خود کسی اور راہ پر چلوں

إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِيٓ إِلَّا

اصلاح ہی چاہتا ہوں جہاں تک میں کر سکوں اور مجھے جو کچھ توفیق ہوتی ہے

بِاللّٰهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿٨٨﴾ وَيٰقَوْمِ لَا

اللہ ہی کی طرف سے اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ف۱۳۱ اور اے میری قوم میری

يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيٓ أَنْ يُّصِيبَكُمْ مِّثْلُ مَآ أَصَابَ

ضد تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم پر بھی مصیبت آپڑے جیسی مصیبت آپڑی تھیں

قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۚ وَمَا قَوْمُ

قوم نوحؑ یا قوم ہودؑ یا قوم صالحؑ پر ف۱۳۲ اور قوم لوطؑ

لُوطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيدٍ ﴿٨٩﴾ وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ

تو تم سے زیادہ دور بھی نہیں ہوئی ف۱۳۳ اور اپنے پروردگار سے اپنے گناہ معاف کراؤ پھر

تُوبُوٓا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَّدُودٌ ﴿٩٠﴾ قَالُوا

اس کی طرف توجہ کرو بیشک میرا پروردگار بڑا رحمت والا ہے، بڑا محبت والا ہے، ف۱۳۴ وہ لوگ بولے

يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرٰىكَ

اے شعیبؑ تمہاری کہی ہوئی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تو تو اپنے (مجمع) میں

فِينَا ضَعِيفًا ۖ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۖ وَمَآ

کمزور ہی دیکھتے ہیں اور اگر تمہارے کنبہ کا ہم کو (لحاظ) نہ ہوتا تو ہم تم کو سنگسار کر چکے ہوتے اور تم

أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ﴿٩١﴾ قَالَ يٰقَوْمِ أَرَهْطِيٓ أَعَزُّ

ہم پر کچھ غالب تو ہو نہیں، ف۱۳۵ شعیبؑ نے کہا اے میری قوم کیا میرے کنبہ کا حق،

عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۖ وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۖ

تم پر اللہ سے غالب تر ہے؟ درآنحالیکہ اسی کو تم نے پس پشت ڈال دیا ہے

ف۱۳۱ یہ ہوتا ہے پیمبروں کا کمال عبدیت! ادھر دلسوزی اور اصلاح کی نسبت اپنی جانب زبان سے ذرا نکل گئی تھی معاً اسے بھی حق تعالیٰ ہی کی جانب منسوب کر دیا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ایک پیمبر اور دُنیا کے بڑے سے بڑے لیڈر کے حدود جدا ہو جاتے ہیں لیڈر کی نظر اپنے مجمع، جتھے، مادی طاقت مالی وسائل وغیرہ پر رہتی ہے۔ برخلاف اس کے پیمبر کی نظر اوّل بھی اور آخر بھی اللہ ہی پر رہا کرتی ہے۔ ف۱۳۲ ہر پیمبر اپنی اُمت کے حق میں رافت رحمت وشفقت کا مجسمہ ہوتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اسی جذبہ سے متاثر ہو کر اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ کہیں میری ضد میں آ کر تم ایسی حرکتوں کے مرتکب نہ ہو بیٹھنا کہ آخر انہی سزاؤں کے مستحق ٹھہر جاؤ جو تم سے پہلے مقہور ومخذول قوموں پر آ چکی ہیں۔ شِقَاقِیٓ۔ آیت سے جہاں انبیاء کرام کی کامل اور انتہائی درد مندی روشنی میں آ جاتی ہے وہیں سرکش و متمرد قوموں کی ضد وعناد کا درجہ بھی سامنے آ جاتا ہے۔ ف۱۳۳ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام کے شہر مدین کا فاصلہ حضرت لوط علیہ السلام کے مسکن (وادی دریائے یردن) سے کچھ زیادہ ہے بھی نہیں۔ بِبَعِيدٍ۔ مفسرین کے ایک بڑے گروہ نے اس بُعد وقرب زمانی پر محمول کر کے گویا ترجمہ یوں کیا ہے کہ "اُمت لوط علیہ السلام کا زمانہ تو تم سے ایسا بعید ابھی ہوا بھی نہیں ہے"۔ وذلک انھم کانوا حدیثی عھد بھلاک قوم لوط" (معالم) یہ قول بھی اگرچہ فی نفسہٖ بالکل صحیح ہے یعنی حضرت نوح حضرت ہود حضرت صالح علیہم السلام ان سب سے قریب تر زمانہ حضرت لوط ہی کا ہوا تھا لیکن ترجیح اس کو ہے کہ بعید کو بُعد مکانی ہی کے معنی میں لے کر مسکن اُمت لوط علیہ السلام اور مسکن اُمت شعیب علیہ السلام کے درمیان قرب مکانی کی طرف مشیر سمجھا جائے۔ ای ما دار قوم لوط منکم ببعید (ابن جریر) ذلک انھم کانوا جیران قوم لوط (معالم) بہرحال وہ قرب زمانی ہو یا قرب مکانی مقصود دونوں صورتوں میں امت لوط علیہ السلام کے انجام سے عبرت خصوصی دلانی تھی۔ قیل المراد فی الزمان و قیل فی المکان و یحتمل الامران (ابن کثیر) ف۱۳۴ چنانچہ وہ صفت رحمۃ کے تقاضہ سے گناہوں کو معاف کر دے گا اور صفت وِدّ کے تقاضہ سے طاعتوں کو قبول کرے گا۔ تُوبُوٓا إِلَيْهِ۔ یعنی اس کی طرح رجوع طاعت وعبادت کے ساتھ کرو۔ ف۱۳۵ جاہلی قومیں دباؤ صرف قوت کا مانتی تھیں چنانچہ اب سلسلۂ بحث واستدلال کو چھوڑ کر قوم شعیب علیہ السلام صاف صاف کہہ رہی ہے کہ تم ہم پر کچھ غالب وحاکم تو ہو نہیں قوت تو ہم ہی کو حاصل ہے ہم تو صرف تمہارے کنبہ وقبیلہ کا لحاظ کر رہے ہیں جو ہمارے ہم مذہب ہیں ورنہ ہم تو اب تک تم پر سزائے سنگساری جاری کر چکے ہوتے۔ رَهْطُكَ۔ رھط یہاں مضاف الیہ ہے اس کا مضاف مقدر ہے۔ ای مراعاۃ رھطک۔ والظاھران مرادھم لولا مراعاۃ جانب رھطک (روح) پرانی جاہلی قوموں میں کنبہ اور خاندان کا پاس ولحاظ بڑی اور تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ لَرَجَمْنٰكَ۔ پرانی قوموں کے ضابطۂ تعزیرات میں آخری اور انتہائی موقعوں کے لیے سزائے سنگساری عام طور پر رائج تھی۔

إِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٩٢﴾ وَ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

بیشک میرا پروردگار احاطہ میں اس سب کو لئے ہوئے ہے جو تم کر رہے ہو ف١٣٦ اور اے میری قوم والو تم اپنی

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ

حالت پر عمل کرتے رہو میں (اپنے طور پر) عمل کر رہا ہوں عنقریب تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے، کہ کس پر

يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْۤا

عذاب اس کا رسوا کرنے والا آیا اور کون جھوٹا ہے اور تم انتظار کرو

اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿٩٣﴾ وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا

تمہارے ساتھ میں بھی منتظر ہوں ف١٣٧ اور جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے بچا لیا

شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ

شعیبؑ کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت (خاص) سے اور ظلم کرنے والوں

الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ

کو ایک زور کے کڑاکے نے پکڑ لیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے گرے

جٰثِمِيْنَ ﴿٩٤﴾ ۙ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا

رہ گئے ف١٣٨ جیسے کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے! خوب سن لو

لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿٩٥﴾ ع وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا

مدین کو (رحمت سے) دوری ہوئی جیسی دوری ثمود کو ہو چکی تھی ف١٣٩ اور بالیقین ہم نے

مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٦﴾ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ

موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں اور ایک روشن دلیل کے ساتھ بھیجا فرعون

وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ مَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ

اور اس کے سرداروں کے پاس، وہ لوگ فرعون ہی کے حکم پر چلتے رہے اور فرعون کا حکم ذرا (بھی)

ف١٣٦ اور تمہارا چھوٹا بڑا ایک ایک عمل اس کے علم میں ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کی غیرت اور شعور دینی کو بیدار کر رہے ہیں کہ خدا کی عظمت وجلال کی بس اچھی قدر تم نے کی کہ قبیلہ اور کنبہ تک کی رعایت کرتے ہو لیکن ایک نہیں خیال کرتے تو بس خدائے تعالیٰ کے حقوق کا۔ ف١٣٧ اب عنقریب عذاب الٰہی خود ہی عملی فیصلہ کئے دیتا ہے کہ واقعی جھوٹا کون تھا اور سزائے ذلت کا کون مستحق تھا۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بالکل آخری اپیل ہے۔ آپؑ نے جب دیکھا کہ سارے دلائل بے اثر رہے اور کسی تبلیغ کا کچھ اثر ہی نہ ہوا تو آخر میں آپؑ فرماتے ہیں کہ اچھا اب تک تو تم مجھ کو جھوٹا سمجھتے ہی رہے اب عنقریب عذاب الٰہی خود ہی عملی شکل میں فیصلہ کیے دیتا ہے کہ واقعی جھوٹا کون تھا اور سزائے ذلت کا مستحق کون؟ ف١٣٨ (مردہ و بے جان ہو کر) اَمْرُنَا۔ یعنی ہمارا حکم عذاب۔ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا۔ پھر ایک بار اس حقیقت کی وضاحت کر دی گئی کہ نجات جس کسی کو بھی ملتی ہے مومنین بلکہ پیمبر تک کو بھی فضل خداوندی ہی سے ملتی ہے۔ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے یعنی منکرین توحید و معاندین نبوت۔ ف١٣٩ رحمت الٰہی سے محروم و بعید ہو جاتے ہیں تو اہل مدین کی مثال ہر پرانی مغضوب و مقہور قوم سے دی جا سکتی ہے۔ قوم ثمود کا نام خصوصیت کے ساتھ لینے میں شاید کہ یہ مناسبت ہو کہ قوم ثمود بھی اس سے قبل اسی نواح اور اسی علاقہ میں آباد رہ چکی تھی! اہل مدین نے اپنے ہی گرد و نواح کی تاریخ سے عبرت نہ حاصل کی! بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اہل مدین بھی قوم ثمود ہی کی طرح نسل عرب سے تھے۔ اور ان کی بے دینی اور بداعمالی بھی اُنہی کی سی تھی۔ کانوا جیرانھم قریبًا منھم فی الدار شبیھًا بھم فی الکفر و قطع الطریق و کانوا عربًا مثلھم (ابن کثیر)

ع ١٢ / ٨

بِرَشِيۡدٍ ﴿۹۷﴾ يَقۡدُمُ قَوۡمَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَاَوۡرَدَهُمُ

درست نہ تھا ف۱۴۰ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا پھر ان کو دوزخ میں

النَّارَ ؕ وَبِئۡسَ الۡوِرۡدُ الۡمَوۡرُوۡدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتۡبِعُوۡا فِىۡ

جا اتارے گا اور بری ہے وہ جگہ اترنے کی جہاں یہ اتارے جائیں گے ف۱۴۱ اس (دنیا) میں بھی لعنت ان

هٰذِهٖ لَعۡنَةً وَّيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ بِئۡسَ الرِّفۡدُ الۡمَرۡفُوۡدُ ﴿۹۹﴾

کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی) بری ہے وہ بخشش جو ان پر کی جائے گی ف۱۴۲

ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيۡكَ مِنۡهَا قَآئِمٌ

یہ ان بستیوں کی بعض خبریں تھیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں (بعض) ان میں سے قائم ہیں

وَّحَصِيۡدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰـكِنۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ

اور (بعض) ختم ہی ہوگئیں ف۱۴۳ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہی نے اپنے اوپر ظلم کیا

فَمَاۤ اَغۡنَتۡ عَنۡهُمۡ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِىۡ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ

سو ان کے وہ دیوتا ان کچھ بھی کام نہ آئے جنہیں وہ

دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمۡرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا

اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے جب کہ آپ کے پروردگار کا حکم (عذاب) آ پہنچا اور وہ (الٹے)

زَادُوۡهُمۡ غَيۡرَ تَتۡبِيۡبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَخۡذُ رَبِّكَ

ان کی ہلاکت ہی بڑھاتے رہے ف۱۴۴ اور آپ کے پروردگار کی پکڑ اسی طرح ہے

اِذَاۤ اَخَذَ الۡقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخۡذَهٗۤ

جب وہ بستی والوں کو پکڑتا ہے جو (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہتے ہیں بیشک اس کی پکڑ

اَلِيۡمٌ شَدِيۡدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنۡ خَافَ

بڑی تکلیف دہ ہے بڑی سخت ہے، ف۱۴۵ بیشک ان (واقعات) میں اس کے لئے نشانی ہے جو آخرت کے

ف۱۴۰ یعنی حکومت فرعون کی پالیسی ہر قسم کی صلاح وخیر سے خالی تھی۔ ای
س فیہ رشد و لا ھدٰی (ابن کثیر) موسٰی، فرعون، ملاء فرعون پر حاشیے
ر بار گزر چکے۔ ف۱۴۱ فرعون جس طرح دنیا میں بدی اور بدکاری کا لیڈر تھا
وزخ میں بھی اس کی یہ لیڈری قائم رہے گی اور یہ حکم فرعون کے ساتھ مخصوص
یں، محققین نے لکھا ہے کہ جو کوئی مفسدوں کا پیشوا ہوگا وہ اپنی ذریات کو
لے کر ہی داخل جہنم ہوگا۔ ورد اصلاً مصدر ہے یہاں بہ معنٰی جائے وُرُود و
رود گاہ۔ مراد دوزخ سے ہے۔ ف۱۴۲ آخرت میں ملعونیت کا ظہور تو کامل
رین صورت میں ہو ہی گا، دُنیا میں بھی قہر وغضب کے ساتھ غرق ہوتے
وئے سب نے دیکھ لیا۔ ف۱۴۳ یہاں یہ بتا دیا کہ مغضوب ومقہور بستیوں
یں سے قرآن مجید نے دونوں قسم کی بستیوں کا بیان کیا ہے ایک وہ جو سرے
ے ملیامیٹ ہوگئیں مثلاً اُمت لوط علیہ السلام کا مسکن اور دوسرے وہ جن کی صرف
آبادی ہلاک کر دی گئی باقی وہ زمین اور علاقہ بدستور قائم ہیں۔ مثلاً سرزمین
مصر کہ فرعونی ڈبو دیئے گئے۔ لیکن اصل ملک بدستور موجود ہے۔ ذٰلِكَ۔
شارہ اوپر بیان کیے قصص وحکایات کے مجموعہ کی طرف ہے۔ اشارۃ الی
اقص من انباء الامم و بعدهٗ باعتبار تقضیہ (روح) الۡقُرٰى۔ یعنی
سابق کی تباہ وہلاک شدہ بستیاں۔ ف۱۴۴ یعنی یہ جھوٹے دیوتا اور معبود اپنے
پجاریوں کی کوئی مدد تو کیا کرتے اُلٹے اُن کی ہلاکت کا سبب ہی بن گئے ......
نہ یہ ان کی پوجا کرتے نہ سزائے ہلاکت میں مبتلا ہوتے۔ ف۱۴۵ (اور وہ
نہی لوگوں کے لیے ہے جو سخت نافرمانی کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں)
لقُرٰی۔ قرٰی سے مراد اہل قرٰی ہیں۔

عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ

عذاب سے ڈرتا ہو ف۱۴۶ وہ ایسا دن ہو گا کہ اس میں (کل) انسان جمع کیے جائیں گے

وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَ مَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا

اور وہ دن ہے حاضری کا اور ہم اسے بس ایک گنی ہوئی ہی مدت کے لیے

لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا

ملتوی کیے ہوئے ہیں ف۱۴۷ جس وقت وہ آئے گا کوئی شخص بول نہ سکے گا بجز

بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

اللہ کی اجازت کے پھر بعض تو ان میں شقی ہوں گے اور بعض سعید ف۱۴۸ سو جو لوگ

شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾

شقی ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے اس میں ان کی چیخ پکار پڑی رہے گی ف۱۴۹

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ

اس میں پڑے رہیں گے (ہمیشہ ہمیش کو) جب تک کہ آسمان اور زمین قائم ہیں

اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾

ہاں بجز اس کے کہ آپ کا پروردگار ہی چاہے بیشک آپ کے پروردگار جو چاہے پورے طور پر کر سکتا ہے ف۱۵۰

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ

اور جو لوگ سعید ہیں وہ جنت میں ہوں گے اس میں رہیں گے (ہمیشہ ہمیش)

فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ

جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں بجز اس کے کہ آپ کا پروردگار

رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ

چاہے (یہ) عطیہ غیر منقطع ہے ف۱۵۱ سو (اے مخاطب) شک نہ کر اس چیز کے بارے میں

ف۱۴۶ یعنی نشانی عبرت و بصیرت کی۔ اس سے بڑھ کر عبرت کا موقع اور کیا ہو سکتا ہے کہ جب دُنیا ہی کا عذاب اس قدر سخت ہے، حالانکہ دُنیا مہلت گاہ ہے تو پھر آخرت تو دار الجزاء ہی ہے وہاں کے عذاب کی شدت کا کہنا ہی کیا! ف۱۴۷ یعنی وہ دن جو سب کی حاضری کا ہے اس کی آمد اور وقوع یقینی ہے اور اسے ملتوی تو صرف ایک قلیل مدت کے لیے رکھا گیا ہے۔ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ۔ مشهود کے معنی مشهود فيه کے لیے گئے ہیں۔ ای مشهود فيه (کشاف) والمراد بالمشهود الذی كثر مشاهدوه (کشاف) ف۱۴۸ شَقِيٌّ۔ یعنی بدبخت یا سزاوار نار۔ الذی وجبت له نار لاساءته (کشاف) سَعِيْدٌ۔ یعنی خوش نصیب یا قابل عفو و سزاوار جنت۔ الذی وجبت له الجنة لاحسانه (کشاف) لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ یہ بیان یوم قیامت کے ہول اور دہشت کا ہو رہا ہے۔ مِنْهُمْ۔ یعنی اہل محشر میں سے۔ ضمیر هم اہل موقف کے لیے ہے اور ایسے موقع کے لیے جو سیاق سے بہ خوبی سمجھ میں آ جائے عربی اسلوب بلاغت میں ضمیر کے قبل اسم لانا بالکل غیر ضروری ہے۔ الضمير لاهل الموقف و لم يذكر لان ذلك معلوم (کشاف) ف۱۴۹ زَفِيْرٌ۔ اور شَهِيْقٌ۔ دونوں گدھے کی آوازیں ہیں۔ زفیر اس کی شروع کی آواز شہیق اس کے آخر کی آواز۔ قال الضحاک ومقاتل والفراء الزفير اول نهيق الحمار والشهيق أخره (بحر) قال اهل اللغة من الكوفية والبصرية الزفير بمنزلة ابتداء صوت الحمار والشهيق بمنزلة اخر نهيقه (روح) مراد یہ ہے کہ اہل دوزخ طرح طرح کی بڑی بڑی دردناک آوازوں سے چیختے چلاتے رہیں گے۔

ف۱۵۰ اسلام نے جس خدا کو پیش کیا ہے اس کے اختیارات غیر محدود ہیں اس کا اقتدار اعلیٰ سب پر حاکم ہے اس کے ارادہ کو قید میں رکھنے والی نہ کوئی اور قوت ارادی ہے نہ کوئی اور بے جان ضابطہ، آیت میں رد آ گیا ان تمام ادیانِ باطل کا جنہوں نے خدا کا وجود تو مانا ہے لیکن محدود قویٰ اور اختیارات کے ساتھ یا یہ کہہ دیا کہ خدا صرف انصاف کر سکتا ہے عفو پر قادر نہیں۔ یا یہ تعلیم دی ہے کہ ”کرم“ (ہندی زبان میں قانون مجازات کا مرادف) خدا یا قانون ساز کی بھی قوت سے بالا دست ہے! اس طرح کا کوئی عجیب و غریب خدا ہرگز اسلام کی نظر میں خدا نہیں ...... وہ جس عاصی، خاطی، مجرم کو چاہے بغیر کسی سزا کے یا بہت خفیف سزا کے بعد بخش دینے پر قادر ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ محاورہ میں اس سے مراد ابدیت یا دوام سے ہوتی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ زمین و آسمان تو اس وقت فنا ہی ہو چکے ہوں گے اس لئے لفظی معنی مراد ہو ہی نہیں سکتے۔ عبارة عن تابيد ونفى الانقطاع (کشاف) العرب يعبرون عن الدوام والابد بقولهم ما دامت السموٰت والارض (کبیر) هذا عبارة عن التابيد ونفى الانقطاع على منهاج قول العرب (روح) التعبير عن التابيد والمبالغة بما كانت العرب يعبرون به عنه (بیضاوی) من عادة العرب اذا ارادت ان تصف الشيء بالدوام ابدًا قالت هذا دائم بدوام السموٰت والارض (ابن جریر) اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ۔ یہ استثناء الَّذِيْنَ شَقُوْا۔ سے ہے یعنی ہر شقی دوزخ میں جائے گا اور ہمیشہ اس میں پڑا رہے گا۔ عام قاعدہ و ضابطہ تو یہی ہے لیکن فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ۔ کی مشیت اس پر بھی غالب ہے وہ جس مجرم کو جس طرح اور جس حد تک چاہے بچا لے۔ جمہور علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ کافر کا عذاب دائمی ہو گا۔ جس سے اسے کبھی چھٹکارا نہ مل سکے گا۔ واما الجمهور الاعظم من الامة فقد اتفقوا على ان عذاب الكافر دائم (کبیر) كانه تعالىٰ يقول اظهرت القهر والقدرة ثم اظهرت المغفرة والرحمة لانى فعال لما اريد وليس لاحد على حكم البتة (کبیر) ف۱۵۱ یہ بخشش غیر منقطع ہوگی، ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی جنتی کچھ روز بعد جنت سے باہر کر دیا جائے۔ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ۔ استثناء الَّذِيْنَ سُعِدُوْا۔ سے ہے یعنی ہر مطیع و سعید بھی مشیتِ الٰہی و فضل خداوندی کے بعد ہی جنت میں داخل ہو سکے گا۔ معنى الاستثناء ههنا ان دوامهم فى ما هم فيه من النعيم ليس امرًا واجبًا بذاته بل هو موكول الى مشية الله تعالىٰ (ابن کثیر) مذہب اہل سنت کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ عاصی مسلم بہر حال خلودِ نار کا مستوجب نہیں۔ اگر بالکل معافی نہ ہوئی جب بھی کچھ سزا جھیلنے کے بعد جنت میں لے آیا جائے گا۔ احادیث میں یہ مضمون بہت صراحت کے ساتھ آیا ہے مفسر نسفی نے لکھا ہے کہ معتزلہ کو جب ان احادیث کی گرفت سے مفر نہ ملا تو خود ان احادیث ہی سے انکار کر بیٹھے۔ والمعتزلة لما لم يروا خروج العصاة من النار ردوا الاحاديث المروية

مِمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ

جس کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں یہ اسی طرح عبادت کر رہے ہیں جیسے ان کے باپ دادا

اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ

ان کے قبل پرستش کرتے رہے ہیں اور ہم یقیناً ان کا حصہ ان کو پورا پورا دینے والے ہیں

مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ ع وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ

بے کم وکاست و۱۵۲ اور بالیقین ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو اس میں (بھی) اختلاف

فِيْهِ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ

کیا گیا و۱۵۳ اور اگر ایک بات پہلے ہی سے آپ کے پروردگار کی طرف سے نہ ٹھہر چکی ہوتی تو

بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَ اِنَّ

ان کے درمیان فیصلہ ہو گیا ہوتا اور یہ لوگ اس کی طرف شک کرکے تردد میں پڑے ہوئے ہیں، و۱۵۴ بیشک

كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا

سب ہی ایسے ہیں کہ آپ کا پروردگار انہیں ان کے اعمال کا (عوض) پورا پورا دے گا بیشک جو کچھ

يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَ مَنْ

یہ کرتے ہیں اس کی وہ پوری خبر رکھتا ہے و۱۵۵ تو آپ مستقیم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم ہوا ہے (اور وہ لوگ بھی) جو

تَابَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾

تائب ہو کر آپ کے ہمراہ ہیں و۱۵۶ اور تم لوگ سرکشی نہ کرو بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اسکو وہ خوب دیکھ رہا ہے، و۱۵۷

وَ لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ

اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں (اپنے حق میں) و۱۵۸ ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ چھو جائے گی

وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ

اور (اس وقت) اللہ کے سوا کوئی تمہارا رفیق نہ ہو گا پھر

ع ۱۲/۹

و۱۵۲ (قیامت کے دن) فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ۔ یعنی مذہب شرک شک وتذبذب کا مستحق نہیں صاف صاف قطعی انکار کے قابل ہے۔ كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ۔ یعنی جیسے ان کے آباواجداد غیر اللہ کی پرستش میں بالکل بلا دلیل بلکہ خلافِ دلیل لگے رہتے تھے یہ بھی اسی طرح اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ نَصِيْبَهُمْ۔ یعنی ان کے عذاب وسزا کا حصہ۔ و۱۵۳ یعنی کچھ نے اسے مانا اور کچھ اس میں بھی طرح طرح کے شبہات اعتراضات بھی نکالتے رہے، حالانکہ کتاب توریت تو اسرائیلیوں کی اپنی ''قومی'' کتاب بھی تھی تو پھر قرآن کے باب میں تو جو کچھ بھی تردد وانکار ہو کوئی نئی بات نہ ہو گی۔ و۱۵۴ یعنی اس فیصلہ ہی کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور فیصلہ سے مراد عذاب موعود ہے۔ كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ۔ اور وہ ٹھہرائی ہوئی بات یہی کہ پورا عذاب آخرت ہی میں ہو گا۔ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ۔ یعنی اسی دنیا میں فیصلہ ہو گیا ہوتا، اور فیصلہ سے مراد عملی مشاہد فیصلہ ہے۔ بَيْنَهُمْ سے مراد اختلاف کرنے والوں کے درمیان ہے۔ و۱۵۵ اچھے برے مومن وکافر، صالح فاسق، بڑے چھوٹے سب ہی کی پوری پوری فرد عمل اس کے سامنے موجود ہے۔ اس کے ہاں جزائے اعمال میں کسی غلطی، سہو ونسیان کا امکان ہی نہیں۔ و۱۵۶ یعنی آپ راہِ دین پر پوری طرح قائم رہیے اور کفار ومنکرین کے انجام کی فکر میں نہ پڑیے۔ اور یہی حکم آپ کے متبع مومنین کے حق میں بھی ہے...... آپ کا درجۂ استقامت آپ کے مرتبہ کے لائق اور آپ کے ہمراہی مومنین کا ان کے مرتبہ کے لائق۔ محققین نے لکھا ہے کہ اعلیٰ استقامت یہی ہے کہ حقوق حق اور حقوق خلق دونوں پوری طرح ادا ہوتے رہیں۔ ای فی القیام بحقوق الحق والخلق (روح) وَمَنْ تَابَ مَعَكَ۔ اس عطف سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ پیمبر علیہ السلام کی استقامت اور مومنین کی استقامت ایک درجہ یا ایک مرتبہ کی چیز ہے اشتراک صرف نفس عمل میں ظاہر ہوتا ہے نہ کہ مراتب عمل میں۔ والعطف لا يقتضى اكثر من المشاركة فى مطلق الفعل (روح) تَابَ۔ توبہ کس چیز سے مراد ہے؟ کفر وضلالت سے توبہ۔ و۱۵۷ اس کا علم بھی کامل، محیط اور اس کو قدرت جزا بھی ہر طرح پر حاصل ہے۔ وَلَا تَطْغَوْا۔ طغیان سے مراد ہے عقائد وعبادات یا اخلاق ومعاملات کسی بات میں بھی افراط یا تفریط اختیار کرنا اور یہ استقامت کی ضد ہے جس کا حکم ابھی مل چکا ہے۔ و۱۵۸ (اے مسلمانو!) خطاب عام امت سے ہے۔ وَلَا تَرْكَنُوْٓا۔ یہ رُکون یا جھکنا بہ اعتبار دوستی اور محبت اور شرکت احوال واعمال کے ہے۔ اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ یعنی کافروں اور مشرکوں کی طرف

لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ

تمہاری مدد بھی کی نہ جائے گی ف۱۵۹ اور آپ نماز کی پابندی رکھیے دن کے دونوں سروں پر

وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ

اور رات کے کچھ حصوں میں ف۱۶۰ بیشک نیکیاں مٹا دیتی ہیں بدیوں کو ف۱۶۱

ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَ اصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ

یہ ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے ف۱۶۲ اور صبر کرتے رہئے بیشک اللہ

لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ

نیک کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ف۱۶۳ پس کاش تمہارے پیشتر کی

الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِیَّةٍ یَّنْهَوْنَ عَنِ

امتوں سے ایسے سمجھ دار لوگ ہوتے جو منع کرتے

الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا

ملک میں فساد (پھیلانے) سے بجز چند لوگوں کے جن کو ہم نے ان میں سے بچا

مِنْهُمْ ۚ وَ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِیْهِ

لیا تھا ف۱۶۴ اور جو لوگ (اپنی جانوں پر) ظلم کرنے والے تھے وہ جس ناز ونعمت میں تھے اسی کے پیچھے پڑے رہے

وَ كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ لِیُهْلِكَ

اور (عادی) مجرم ف۱۶۵ ہو گئے، اور آپ کا پروردگار ہرگز ایسا نہیں کہ بستیوں کو

الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَ لَوْ شَآءَ

ہلاک کر دے (ان کی) زیادتیوں کے باعث درآنحالیکہ ان کے رہنے والے اصلاح میں لگے ہوں ف۱۶۶ اور اگر

رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا یَزَالُوْنَ

آپ کے پروردگار کی مشیت ہوتی تو (سب) انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ اختلاف ہی کرنے والے

ف۱۵۹ یہ ساری وعیدیں رکون الی الکفار یعنی کافروں کی طرف محض مائل ہونے پر بیان ہو رہی ہیں۔ اللہ اللہ! کفر کس درجہ اللہ کی نظر میں مبغوض ہے! علماء محققین کے حسب تصریح بلا ضرورت کفار کی وضع اختیار کرنا باوجود قدرت ان پر نکیر نہ کرنا ان کی تعظیم وتوقیر کرنا بلا ضرورت شرعی ان کے ساتھ مصاحبت ومجالست اور ان کے ساتھ مداہنت یہ سب اسی نہی کے تحت میں آجاتا ہے اور یہ سب مثالیں رکون الی الکفار کی ہیں۔ فاقتضی ذلک النھی عن مجالسۃ الظالمین ومؤانستھم والانصات الیھم (جصاص) ف۱۶۰ اس میں بدرجۂ اجمال دن رات کی پانچوں فرض نمازیں آگئیں۔ طَرَفَیِ النَّهَارِ۔ یا دن کے دونوں سروں سے مراد ایک طلوع فجر ہے دوسرے بعد زوال ...... پھر بعد زوال بجائے خود ظہر وعصر کے دو حصوں پر شامل ہے اور زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ۔ کے اندر مغرب وعشاء کے اوقات آگئے قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی اوقات نماز کا ذکر ہے بدرجۂ اجمال ہی ہے تفصیلات صرف سنت رسول کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوں گی ہمارے زمانہ کے جن علماء مجددین نے محض قرآن مجید سے پوری تفصیلات نکالنی چاہی ہیں۔ انہوں نے عجب عجب مضحکہ خیز غلطیاں کی ہیں۔ ف۱۶۱ (اس لئے ہر نیکی کی کوشش کرتے رہو) یہ صحیفۂ اسلامی کی عجیب وغریب دفعہ ہے، جس کی نظیر مشکل ہی سے کسی دوسرے صحیفۂ دینی میں ملے گی ارشاد ہوتا ہے کہ ہر حسنہ بجائے خود تو خیر نیکی ہے ہی، ایک خاصہ اذہاب سیئہ (بدی کو مٹانے) کا بھی رکھتی ہے نیکیوں کی افزائش کی ترغیب کا اس سے بہتر نسخہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ اگر بندے اپنے باہمی معاملات میں اللہ کے اس قانون کو یاد رکھتے تو آج آپس کی رنجشوں اور شکایتوں کا دفتر کتنا مختصر ہو گیا ہوتا...... اللہ تو اپنے ہاں کا یہ قاعدہ رکھے کہ نیکیوں کے ہوتے ہوئے بدیوں پر نظر نہ کی جائے اور بندے اس کے برعکس یہ عمل جاری رکھیں کہ اپنے بھائیوں کی کمزوریوں، لغزشوں، خطاؤں کے آگے ان کی خوبیوں پر برابر خاک ہی ڈالے رہیں! مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ طاعت کے انوار سے معصیت کی ظلمتیں دور ہو جاتی ہیں اور ملکۂ طاعت کے غلبہ سے مادۂ معصیت مضمحل ہوتا جاتا ہے۔ ف۱۶۲ یعنی یہ قاعدہ کہ نیکیوں سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ایک بڑی جامع نصیحت ہے ان لوگوں کے حق میں جو اسے سننا اور اس سے نفع اٹھانا چاہیں کہ اس سے نیکیوں کی بڑی ترغیب ہوتی ہے۔ ف۱۶۳ (سو آپ کے اجر کا درجہ تو بہت بڑا ہے وہ کیسے ضائع ہو سکتا ہے) وَاصْبِرْ۔ صبر کرنے سے یہاں مراد کافروں اور منکروں کی اذیت رسانیوں پر صبر کرنا ہے۔ ف۱۶۴ یعنی اگلی امتوں میں اگر ایسے لوگ کثرت سے ہوتے جو دوسروں کو فساد فی الارض سے یا قانون الٰہی کی نافرمانیوں سے روکتے ٹوکتے رہتے تو ان قوموں پر عذاب ہی کیوں آتا وہ تو صرف معدودے چند لوگ تھے، جنہوں نے اپنا یہ فرض ادا کیا اور وہ عذاب کی گرفت سے محفوظ رکھے گئے۔ معناہ ولکن قلیلا ممن انجینا من القرون نھوا عن الفساد وسائرھم تارکون للنھی (کشاف) اُولُوْا بَقِیَّۃٍ۔ کے معنی اصحاب خیر اور اصحاب فضل کے بھی کیے گئے ہیں اور اصحاب فہم کے بھی۔ ای اولوا فضل وخیر (کشاف) ای ذو وخصلۃ باقیۃ من الرأی والعقل (روح) الفساد فی الارض۔ قرآن مجید کی اس جامع اصطلاح میں ہر قسم کی بے دینی اور بددینی آجاتی ہے۔ مِنْھُمْ۔ یعنی انہی قدیم قوموں اور امتوں میں سے۔ مِمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْھُمْ۔ یعنی جنہیں عذاب کی گرفت سے بچا لیا گیا یہ وہی لوگ تھے جو نہ صرف خود ہی کفر وشرک سے الگ رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے روکتے رہے۔ ف۱۶۵ (کہ اس سے باز ہی نہ آئے) یعنی منکرین بددین بدستور اپنی مادی عیش وعشرت میں پڑے رہے اور سب کے سب مجرم ہی رہے۔ ف۱۶۶ (بلکہ عذاب ہلاکت تو ان پر اس وقت واقع ہوتا ہے۔ جب نہ وہ خود فساد فی الارض سے رکتے ہیں نہ دوسروں کو روکتے ہیں) مُصْلِحُوْنَ۔ اصلاح سے یہاں مراد اپنی اور دوسروں دونوں کی اصلاح ہے۔

بِظُلْمٍ۔ ظلم سے یہاں مراد کفر لیا گیا ہے اور ظلم کا صیغۂ نکرہ ظلم کی عظمت ظاہر کرنے کو ہے۔ والتنکیر للتفخیم (روح) لیکن بعض اکابر مفسرین نے آیت کے بالکل دوسرے ہی معنی قرار دیے ہیں وہ ظلم کو شرک کا مرادف قرار دے کر کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کسی قوم کو محض اس کے شرک کی بنا پر ہلاک نہیں کر دیتا اس حال میں کہ وہ قوم آپس کے معاملات (بندوں کے معاملات) ٹھیک رکھے ہوئے ہو۔ المراد من الظلم ھٰھنا الشرک والمعنی انہ تعالیٰ لا یھلک اھل القری بمجرد کونھم مشرکین اذا کانوا مصلحین فی المعاملات فیما بینھم والحاصل ان عذاب الاستیصال لا ینزل لاجل کون القوم معتقدین للشرک والکفر بل انما ینزل ذلک العذاب اذا اساءوا فی المعاملات وسعوا فی الایذاء والظلم (کبیر) ای لا یھلک القری بسبب شرک اھلھا وھم مصلحون فی المعاملات فیما بینھم لا یضمون الی شرکھم فسادًا اخر (مدارک) اور امام رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ مذہب اہل سنت کے موافق آیت کی یہی تفسیر ہے۔ وھذا تاویل اھل السنۃ لھٰذہ الآیۃ (کبیر) فقہاء نے یہیں سے یہ بھی نکالا ہے کہ تزاحم حقوق کے وقت حقوق العباد مقدم ہیں۔ و من ذلک قدم الفقھاء عند تزاحم الحقوق حقوق العباد (بیضاوی) لِیُھْلِکَ۔ میں ل تاکید نفی کے لئے ہے۔ اللام لتاکید النفی (کشاف) واللام فیہ مثل ذلک زائدۃ لتاکید النفی عند الکوفیۃ (روح)

مُخْتَلِفِيْنَ ﴿١١٨﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَ لِذٰلِكَ

ہمیشہ رہیں گے ف۱۶۷ بجز اس کے جس پر آپ کے پروردگار کی رحمت ہو، اور اسی لئے اس نے

خَلَقَهُمْ ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ

انہیں پیدا کیا ہے اور آپ کے پروردگار کی یہ بات پوری ہو گئی کہ میں جہنم کو

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَ كُلًّا نَّقُصُّ

جنات اور انسانوں سب سے بھر دوں گا ف۱۶۸ اور پیمبروں کے قصوں میں سے ہم

عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ

یہ سب (قصے) آپ سے بیان کرتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں

وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى

اور ان (قصوں) کے اندر آپ کے پاس حق پہنچا ہے اور (ان میں) نصیحت اور یاد دہانی

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٢٠﴾ وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا

اہل ایمان کے لئے ہے ف۱۶۹ اور آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے جو ایمان نہیں لاتے کہ تم

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿١٢١﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا

اپنی حالت پر عمل کرتے رہو، ہم بھی (اپنے طور پر) عمل کررہے ہیں اور تم انتظار کرو ہم بھی

مُنْتَظِرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

منتظر ہیں ف۱۷۰ اور اللہ ہی کے لئے ہیں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں اور زمین کی

وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ

اور سارے امر اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں ف۱۷۱ سو آپ اسی کی عبادت کیجیے اور اسی پر بھروسہ

عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٣﴾ ع

رکھیے اور آپ کا پروردگار اس سے بے خبر نہیں جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو ف۱۷۲

ع ۱۴ ۱۰

ف۱۶۷ گویا انسان کی اب جو خلقت رکھی گئی ہے اس کے لحاظ سے یہ ضرور ہے کہ اہل حق کے مقابلہ میں کچھ اہل ضلال بھی برابر پیدا ہوتے رہیں اور جس طرح صفت رحم وکرم کے مظہر اہل حق واہل جنت ہیں اسی طرح صفت غضب کے مورد اہل باطل واہل جہنم ہوتے رہیں۔ وذلک لیکونوا مظاہر جمالہ وجلالہ ولطفہ وقہرہ (روح) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ۔ یعنی اگر مشیت تکوینی کا اقتضاء یہی ہوتا۔ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ یعنی سب کے سب اضطرارًا وجبلۃً حق پر جمع ہو جاتے اور دُنیا میں بس ایک ہی قوم اہل حق کی رہتی۔ قال قتادۃ یجعلہم مسلمین وذلک بالالجاء الی الایمان (جصاص) ف۱۶۸ (سوائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ طبقہ اہل ضلال کے وجود پر زیادہ غم وحیرت نہ کریں) لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ۔ یہاں یہ بتا دیا کہ انسان کی خلقت ہی ایسی رکھدی گئی ہے کہ اہل حق کے مقابلہ میں اہل ضلال برابر پیدا ہوتے رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھا دیا گیا کہ آپ اس پر زیادہ غم وحیرت نہ کریں۔ یہ بیان انسان کی غایت تکوینی کا ہوا اس لئے اس میں اور اس غایت تشریعی کے درمیان کوئی تناقض نہیں۔ جہاں یہ بیان ہوا ہے کہ انسان وجنات کی غایت آفرینش عبادت الٰہی ہے۔ بعض ائمہ تفسیر نے خلق کا تعلق رَحِمَ سے سمجھا ہے اور فقرہ کے معنٰی یہ لئے ہیں کہ "رحمت ہی کے غرض سے انہیں پیدا کیا ہے۔" روی عن ابن عباس ومجاہد وقتادۃ والضحاک خلقہم للرحمۃ (جصاص) اَجْمَعِيْنَ۔ سے ظاہر ہے کہ مراد یہ نہیں کہ کل جنات اور انسان دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ جتنوں کو دوزخ میں جانا ہے ان میں جن وانس سب ہی ہوں گے اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ۔ یعنی بجز ان لوگوں کے جنہیں اللہ اختلافِ باطل سے محفوظ رکھ لے۔ انما ہو استثناء من المختلفین بالباطل بالاطلاق فی الایمان المؤدی الی الثواب (جصاص) ف۱۶۹ مطلب یہ ہوا کہ ان قرآنی قصوں کے مضامین ومطالب ایک تو بجائے خود حق اور واقعی، پھر ایک تو برے کاموں سے رکنے کی نصیحت ان میں ملتی ہے دوسرے اچھے کاموں کی یاد دہانی ان سے ہوتی ہے اور ثباتِ قلب ان سے جو آپ کو حاصل ہوتا ہے وہ اس سب سے الگ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مقبولین کی سرگذشت میں ایک خاص اثر تثبیت قلب وتقویت قلب کا ہے اس لئے مشائخ نے اولیاء صالحین کی حکایات کے جمع کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے ف۱۷۰ ظاہر ہے کہ یہ تقریر آخری موقع کی ہے جب اثرات تبلیغ سے بالکل مایوسی ہو جاتی ہے وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ۔ انتظار سے مراد نتائج اعمال کے ظہور کا انتظار ہے۔ ف۱۷۱ علم اور ملک بھی اسی کا کامل اور اختیار وتصرف بھی اسی کا کامل۔ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ زمین وآسمان کی ہر چھپی ہوئی چیز اللہ ہی کے لئے بہ اعتبار علم بھی اور بہ اعتبار ملک بھی۔ ف۱۷۲ کوئی فعل کسی کا جیسا اور جس درجہ کا بھی ہو اس کے علم اور قدرت کی گرفت سے باہر نہیں۔ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ۔ یعنی اگر تبلیغ توحید میں اذیت کا احتمال ہو تو اسے خاطر میں نہ لایئے اور یقین یہی جمائے رکھیے کہ تصرفات تکوینی سب کے سب بس اسی کے اختیار میں ہیں۔

آیاتھا ۱۱۱ ۱۲ سُوْرَۃُ یُوْسُفَ مَکِّیَّۃٌ ۵۳ رکوعاتھا ۱۲

اس میں ۱۱۱ آیتیں سورہ یوسف مکی ہے اور ۱۲ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ ۫ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ

الف۔لام۔را یہ ایک کتاب واضح کی آیتیں ہیں ف۱ بیشک ہم نے اتارا ہے

قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ

قرآن فصیح تاکہ تم (اسے) سمجھو ف۲ ہم نے جو یہ

عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ

قرآن آپ کے پاس وحی سے بھیجا ہے تو ہم ہی اس کے ذریعہ سے آپ سے ایک بہترین

ھٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَ اِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ

قصہ بیان کرتے ہیں اور اس کے قبل آپ اس سے (محض)

الْغٰفِلِیْنَ ﴿۳﴾ اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْہِ یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ

بے خبر تھے ف۳ جب یوسفؑ نے اپنے والد سے کہا ف۴ کہ اے باپ میں نے

رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ

گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو (خواب میں) دیکھا،

رَاَیْتُھُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ﴿۴﴾ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ

دیکھتا کیا ہوں کہ وہ میرے آگے جھک رہے ہیں ف۵ وہ بولے اے میرے پیارے بیٹے اپنے (اس) خواب کو

رُءْیَاکَ عَلٰٓی اِخْوَتِکَ فَیَکِیْدُوْا لَکَ کَیْدًا ؕ

اپنے بھائیوں کے سامنے نہ بیان کرنا ف۶ ورنہ وہ تمہاری (ایذا) کے لئے کوئی چال چل کر رہیں گے وے

ف۱ یعنی ایسی کتاب کہ جس کی عملی تعلیمات میں کسی قسم کا خفاء وابہام نہیں عملی مسائل اس کے صاف سادہ اور متفق علیہ ہیں۔ الٓرٰ۔ ابن عباس صحابیؓ سے اس کے معنی انا اللہ اری منقول ہیں۔ یعنی میں اللہ دیکھتا ہوں۔ صرف حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے اور الٓرٰ۔ پر شروع سورہ یونس میں۔ ف۲ (اور سمجھ کر اس کی ہدایات پر عمل کرو) عَرَبِیًّا۔ خطاب سارے انسانوں کو ہے نہ کہ صرف اہل عرب کو قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا۔ کے معنی اگر "عربی زبان کا قرآن" کئے جائیں تو دائرہ خطاب سمٹ کر صرف اہل عرب تک محدود رہ جاتا ہے لیکن عربی کے معنی فصاحت سے بیان کرنے والے اور خود کلام فصیح وواضح کے ہیں اور یہاں یہ معنی لینے سے خطاب عامۃ الناس کی طرف رہتا ہے۔ العربی المفصح (راغب) العربی الفصیح البین من الکلام (راغب) التعریب التبیین والایضاح ویقال اعرب عنہ لسانہ وعرّب ای ابان وافصح (تاج) خود عرب کا نام عرب اس لئے پڑا کہ وہ زبان فصیح کے مالک تھے۔ واختلف فی سبب تسمیۃ العرب فقیل لاعراب لسانھم ای ایضاحہ وبیانہ لانہ اشرف الالسن واوضحھا واعربھا وقد مال الیہ جماعۃ ورجحوہ من وجوہ (تاج) اَنْزَلْنٰہُ۔ ضمیر کتاب کی طرف ہے۔ جس کے اندر قصہ یوسف علیہ السلام مذکور ہے۔ والتقدیر انا انزلنا الکتب الذی فیہ قصۃ یوسف فی حال کونہ قرانا عربیا (کبیر) ف۳ یعنی اس قصہ کے صحیح تفصیلات آپ کو نہ اپنے ذوق ووجدان سے معلوم تھے اور نہ کسی راوی یا مورخ کے ذریعہ سے۔ احسن القصص سورہ تقریباً ایک مسلسل قصہ پر شامل ہے۔ اسے بہترین قصہ کیوں فرمایا گیا ہے؟ قصہ سے بہترین اخلاقی سبقوں کا نکلنا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی مختلف اہل تفسیر نے اس کی مختلف توجیہیں اپنے اپنے مذاق کے لحاظ سے کی ہیں...... عجب نہیں جو بڑی وجہ یہ ہو کہ جو متعدد اور مختلف بصیرتیں مختلف قصوں سے مقصود تھیں وہ سب اس میں یکجا کردی گئی ہوں، اور یہ تو بہر حال واقعہ ہے کہ فطرت بشری کی کارفرمائیاں اور اس کے جتنے حقائق واسرار اس ایک سورت میں اکٹھے مل جاتے ہیں ان کے لحاظ سے تو یہ سورت بس اپنی نظیر آپ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ احسن القصص میں یہ پہلو بھی ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور برادران یوسف علیہ السلام کے درمیان جو واقعات پیش آئے وہ اس صورت حال کا نقشہ پیش کر رہے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے مابین پیش آنے والی تھی۔ نَحْنُ نَقُصُّ۔ عربی کے اس دوہرے صیغۂ متکلم سے مقصود زور دینا اور حصر کر دینا ہے کہ ہم ہی یہ صحیح مستند ومفصل واقعات آپ تک پہنچا رہے ہیں یہ کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ مِنْ قَبْلِہٖ۔ یعنی قبل اس کے کہ ہم یہ قرآن آپ کی جانب وحی کریں۔ ای قبل ایحائنا الیک ذلک (روح) ف۴ یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام پیمبر زادہ اور خود بھی پیمبر تھے شرف نبوت خاندان میں تین پشتوں سے چلا آرہا تھا زمانہ بقول اغلب ۱۹۱۰ء تا ۱۸۰۰ ق۔م مولد ومسکن ارض فلسطین میں وادی حبرون تھا جسے اب الخلیل بھی کہتے ہیں اور جو یروشلم سے ۱۸ میل جنوب ومغرب میں واقع ہے۔ ولادت حضرت یعقوب علیہ السلام کے محبوب ترین محل حضرت راحیل علیہا السلام کے بطن سے ہوئی خود بھی حسین وخوبرو اور والد ماجد کی نگاہ میں سب اولاد سے زیادہ محبوب تھے۔ آخر آگے چل کر پیمبر بھی ہونے والے تھے۔ آثار رشد بچپن ہی سے کیونکر نمایاں نہ ہوتے۔ توریت میں ہے:۔ "اسرائیل یوسف کو اپنے سب لڑکوں سے زیادہ پیار کرتا تھا اس لیے کہ وہ اس کے بڑھاپے کا بیٹا تھا اور اس نے اس کے لیے ایک بوقلموں قبا بنائی" (پیدائش ۳:۳۷) لِاَبِیْہِ۔ مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں آپ پر مفصل حاشیہ پارۂ اول کے رکوع ۱۶ میں گزر چکا۔ ف۵ سٰجِدِیْنَ۔ سجدہ سے یہاں اصطلاحی وشرعی سجدہ مراد نہیں جس کے معنی ایک متعین ومعروف ہیئت کے ساتھ زمین پر ماتھا ٹیکنے کے ہیں بلکہ سجدہ یہاں اپنے اصلی ولغوی مفہوم میں یعنی انقیاد، اطاعت وتذلل کے مرادف آیا ہے۔ اصل السجود التطامن و التذلل (راغب) ساجدین ای متواضعین (مدارک) اِنِّیْ رَاَیْتُ۔ یعنی خواب میں دیکھا۔ رایت رویتٌ سے بھی ہوسکتا ہے اور رؤیا سے بھی لیکن مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں رؤیا ہی سے ہے۔ رایت من الرؤیا لامن الرؤیۃ (کشاف) اور مفسرین کے اتفاق سے قطع نظر خود قرآن مجید کی تصریح اگلی ہی آیت میں آرہی ہے لَا تَقْصُصْ رُءْیَاکَ --- توریت میں بھی ذکر خوابوں ہی کا ہے۔ رَاَیْتُ...... سٰجِدِیْنَ۔ اجرام سماوی کے اس انحناء کی کیفیت کے تفصیلی ذکر سے قرآن مجید حدیث نبوی بلکہ توریت بھی خاموش ہے البتہ یہ خوب مستحضر رہے کہ یہ منظر بیداری کا نہیں بلکہ خواب کا تھا، جہاں ہر وہ چیز جو تصور یا تخیل میں آسکتی ہے جسم وتمثل کے ساتھ واقعہ بن کر بھی سامنے آجاتی ہے اس لیے اس پر وہ سوالات پیدا ہی نہیں ہوتے جو بیداری کے مشاہدہ پر عائد ہوسکتے تھے مثلاً یہ کہ سورج کے ساتھ چاند اور ستاروں کا اجتماع ممکن کیونکر ہوا؟ وقس علی ہذا۔ یہ بھی واضح رہے کہ قدیم اسرائیلیوں میں سجدہ کمال ادب سے سلام کرنے کا مرادف اور خاص علامت انقیاد تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام جس اہمیت اور سنجیدگی کے ساتھ اپنے خواب کو تعبیر کے لیے بیان کر رہے ہیں اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام جس طرح اس کی تعبیر دے رہے ہیں اس سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ خواب کوئی ایسی حقیر وناقابل التفات شے نہیں جیسی کہ آج کی "روشن خیالی" میں بغیر کسی دلیل کے فرض کرلی گئی ہے۔

ف۶ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ذہن میں خواب کی تعبیر فوراً آگئی...... آپ اپنے چہیتے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کو منع کرتے ہیں کہ کہیں اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے نہ دہرا دینا وہ بھائی بھی بہر حال خاندان نبوت ہی سے تھے اور تعبیر خواب سے مناسبت رکھتے تھے اور مناسبت نہ بھی رکھتے جب بھی خواب کا مضمون جذبات رشک وحسد کے برانگیختہ کر دینے کو بہر حال کافی تھا۔ اِخْوَتِکَ۔ آپ سے بڑے بھائی آپ کی دوسری ماؤں سے دس تھے گیارہویں بھائی بنیامین آپ ہی کی والدہ کے بطن سے اور آپ سے چھوٹے تھے۔ ان میں سے نبی کوئی بھی نہ تھا۔ یٰبُنَیَّ۔ بُنَیَّ صیغہ تصغیر کا ہے۔ مگر ایسی تصغیر جو

تحقیر پر نہیں بلکہ محبت وشفقت پر مبنی ہو۔ صغرہ للشفقة ویسمی النحاة مثل هذا التصغیر التحبیب (روح) وے ان بھائیوں کے تعلقات (جیسا کہ دنیا میں اکثر سوتیلے بھائیوں میں ہوتا ہے) آپ سے کشیدہ تھے اس کشیدگی کے صحیح اسباب کا علم تو اللہ ہی کو ہے البتہ توریت میں دو سبب لکھے ہوئے ہیں، ایک یہ کہ یوسف علیہ السلام بچپن ہی سے بہت ہی سلیم الطبع تھے نہ صرف یہ کہ خود شرارتوں سے الگ رہتے تھے بلکہ اپنے بھائیوں کی شرارتوں کی رپورٹ بھی اپنے والد ماجد سے کر دیتے تھے: "یوسف علیہ السلام ان کے باپ کے پاس اُن کے برے کاموں کی خبر لاتا تھا"۔ (پیدائش ۳۷: ۲) دوسری بات یہ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اُن کے ساتھ محبت غیر معمولی تھی یہ بات بجائے خود دوسروں کو ناگوار گزرتی:۔ "اس کے بھائیوں نے یہ دیکھ کے کہ اس کا باپ اس کے سب بھائیوں سے اسے زیادہ پیار کرتا ہے اس کا کینہ پیدا کیا اور اس سے محبت کی بات نہ کر سکتے تھے۔" (پیدائش ۳۷: ۴) لیکن ایک وجہ تو بالکل کھلی ہوئی ہے یعنی بچپن ہی سے آپ کا سعید و رشید ہونا۔ گیارہواں بھائی (جو سوتیلا نہیں حقیقی بھائی تھا) مخالف نہ تھا لیکن اس کی کمسنی کی بنا پر یہ ممکن تھا کہ بڑے بھائی اپنی سازشوں اور منصوبوں میں اس سے بھی فائدہ اٹھاتے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جس کسی سے حسد یا کینہ کا اندیشہ ہو۔ اُس سے اللہ کی نعمتوں کا اخفاء جائز ہے۔ و هو اصل فی جواز ترک فی اظهار النعمة و کتمانه عند من یخشی حسده و ان کان الله قد امر باظهاره (جصاص) وٓ۸ (اسے تمہارے بھائیوں کے دل میں وسوسہ ڈالتے کیا دیر لگتی ہے۔ حضرت

اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ۝۵ وَ کَذٰلِکَ

بیشک شیطان تو انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے وٓ۸ اور اسی طرح

یَجۡتَبِیۡکَ رَبُّکَ وَیُعَلِّمُکَ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ

تمہارا پروردگار تم کو منتخب کرے گا وٓ۹ اور تمہیں خوابوں کی تعبیر سکھائے گا وٓ۱۰

وَ یُتِمُّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ وَعَلٰۤی اٰلِ یَعۡقُوۡبَ کَمَاۤ

اور اپنا انعام تمہارے اوپر اور اولاد یعقوبؑ پر پورا کرے گا جیسا کہ

اَتَمَّہَا عَلٰۤی اَبَوَیۡکَ مِنۡ قَبۡلُ اِبۡرٰہِیۡمَ

وہ اسے اس کے قبل پورا کر چکا ہے تمہارے دادا پردادا ابراہیمؑ و اسحٰقؑ

وَ اِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ۝۶ؑ لَقَدۡ کَانَ

پر بیشک تمہارا پروردگار بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے وٓ۱۱ یقیناً

فِیۡ یُوۡسُفَ وَ اِخۡوَتِہٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیۡنَ ۝۷

یوسف اور ان کے بھائیوں (کے قصہ) میں نشانیاں (موجود) ہیں پوچھنے والوں کے لئے وٓ۱۲

اِذۡ قَالُوۡا لَیُوۡسُفُ وَ اَخُوۡہُ اَحَبُّ اِلٰۤی اَبِیۡنَا

(وہ وقت قابل ذکر ہے) جب وہ (سوتیلے) بھائی بولے کہ یوسفؑ اور ان کا (حقیقی) بھائی ہمارے باپ کو ہم سے

مِنَّا وَ نَحۡنُ عُصۡبَۃٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِیۡ ضَلٰلٍ

کہیں زیادہ پیارے ہیں وٓ۱۳ درآنحالیکہ ہم ایک (پوری) جماعت ہیں، وٓ۱۴ بیشک ہمارے باپ تو بالکل

مُّبِیۡنِۣ ۝۸ۚۖ اقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ اَوِ اطۡرَحُوۡہُ اَرۡضًا

بہک گئے ہیں وٓ۱۵ (لاؤ) یوسف کو قتل کر ڈالو یا انہیں کسی سرزمین پر ڈال آؤ

یَّخۡلُ لَکُمۡ وَجۡہُ اَبِیۡکُمۡ وَ تَکُوۡنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ

تو تمہارے لئے تمہارے باپ کا رخ (خالص) ہو جائے گا اور اس کے بعد تمہارے سب کام

یعقوب علیہ السلام کا یہ خیال ہی خیال نہ تھا۔ توریت میں ہے کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کا خواب سن کر زبان سے بھی اپنے غصہ کا اظہار کر ڈالا:۔ "تب اُس کے بھائیوں نے اُسے کہا کہ کیا تو سچ مچ ہمارا بادشاہ ہوگا یا تو ہمارا حاکم ہوگا۔ اور انہوں نے اس کے خوابوں اور اس کی باتوں سے اس کا زیادہ کینہ پیدا کیا"۔ (پیدائش ۳۷: ۸) توریت کی یہ روایت بھی اگرچہ حسب معمول تحریفات سے پر ہے، تاہم جا بجا اس سے قرآنی صداقتوں کی توثیق بھی ہوتی جاتی ہے۔ آیت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ شیطان کے اثر اور کینہ کے اخلاقی مرض سے محفوظ رکھنے کے لیے پیمبر زادگی ہرگز کافی نہیں۔ چہ جائیکہ مشائخ و صالحین کی اولاد میں سے ہونا! وٓ۹ (اے یوسف نبوت کے لیے) قال الحسن یجتبیک ربک بالنبوة (کبیر) کَذٰلِکَ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ جس طرح اس خواب کے ذریعہ سے تمہاری آئندہ عزت افزائی کی ایک جھلک تمہیں دکھا دی گئی ہے اور اشارہ کر دیا گیا ہے کہ تمہیں اپنے گیارہ بھائیوں اور ماں باپ پر سرداری حاصل ہوگی، اس طرح اور بھی عزتیں تمہارے لیے پردۂ غیب میں منتظر ہیں۔ وٓ۱۰ خوابوں کی صحیح تعبیر بھی اللہ کی ایک نعمت ہے اگرچہ اس نعمت میں زندگی رزق صحت، دولت وغیرہ دوسری نعمتوں کی طرح مسلم کے ساتھ غیر مسلم بھی شریک ہوں۔ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ۔ کے عام و متداول معنی تو تعبیر خواب ہی کے ہیں۔ قال مجاهد والسدی تاویل الاحادیث عبارة الرؤیا (بحر) و ذلک تعبیر الرؤیا (ابن جریر) لیکن احادیث کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے علم وحکمت وفہم مسائل وغیرہ سب اس میں داخل ہیں۔ قال الحسن عواقب الامور (بحر) قال ابن زید العلم والحکمة (بحر) و یجوزان یرادبتاویل الاحادیث معانی کتب الله و سنن الانبیاء و ما غمض و اشتبه علم الناس فی اغراضها و مقاصدها یفسرهالهم و یشرحها (کشاف) خواب کی بنا پر آئندہ کے واقعات تکوینی کے مکشوف ہو جانے کا نام غیب دانی نہیں۔ وٓ۱۱ وہ علیم کل ہر ایک کے ظرف واستعداد سے بھی خوب واقف ہے اور صفت حکمت کے تقاضے سے ہر ایک کے مناسب حال عطائے فیض کرنے والا بھی ہے۔ وَعَلٰۤی اٰلِ یَعۡقُوۡبَ۔ آل یعقوب بنی اسرائیل کا مرادف ہے اور آیت کے ان الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ برادرانِ یوسف علیہ السلام کو بھی نبوت ملی ہو۔ یُتِمُّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ۔ اتمامِ نعمت کے تحت میں ساری دنیوی و اُخروی نعمتیں آ گئیں۔ کَمَا...... اِسۡحٰقَ۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اتمام نعمت کے موقع پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنا ذکر تواضعاً نہیں فرمایا۔ اِبۡرٰہِیۡمَ۔ اِسۡحٰقَ۔ دونوں پر حاشیے پارۂ اوّل کے آخر میں گزر چکے۔ وٓ۱۲ یعنی عام طالبانِ حق اور جویندگانِ علم کے لیے عموماً اور اُن اہل کتاب کے لیے خصوصاً جنہوں نے امتحان کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں سوال کیا تھا۔ اٰیٰتٌ۔ یعنی حق تعالیٰ کے کمال قدرت وحکمت کی نشانیاں...... مطلب یہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے باہمی معاملات سے بڑے بڑے اخلاقی اور دینی سبق حاصل ہو سکتے ہیں اگر کوئی لینا چاہے۔ وٓ۱۳ یعنی یوسف علیہ السلام اصلاً اور ان کے بھائی بنیامین تبعاً۔ توریت میں ان کے بھائی کا نام بنیامین درج ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ کو جائز ہے کہ کسی مرید کے ساتھ دوسرے مریدوں سے زیادہ شفقت و اختصاص رکھے جبکہ اس میں آثار رشد دوسروں سے زائد پائے۔ وٓ۱۴ (پس تعداد و قوت دونوں کی بنا پر قدر ہماری ہونا چاہیے نہ کہ ان دو کمسن نادانوں کی جو باپ کے کسی کام بھی تو نہیں آسکتے) یہ گفتگو ان دسوں بھائیوں میں آپس میں ہوئی...... تمدن کی اس منزل میں اولاد کی تعداد اور قوتِ اہمیت کا جو درجہ رکھتی تھی وہ آج خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ وٓ۱۵ (کہ خود اپنے نفع و نقصان کا اندازہ نہیں کرتے) ضَلٰلٍ۔ سے مراد کوئی دینی اعتقادی یا اخلاقی گمراہی نہیں بلکہ محض دنیوی کم اندیشی و کم فہمی مراد ہے۔ المراد منه الضلال من رعایة المصالح فی الدنیا لا البعد عن طریق الرشد والصواب (کبیر) یعنون عن صواب الرائی (جصاص) اپنے حق میں کمال حسن ظن اور اپنے بزرگوں کی فہم سے سوء ظن رکھنا عام بشری کمزوری ہے اور یہ پیمبر زادے اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض اوقات مریدوں کو بھی شیخ پر خطائے اجتہادی کا ایسا ہی گمان ہوتا ہے جیسا ان بھائیوں کو حضرت یعقوب علیہ السلام پر ہوا تھا۔

ف۱۶ (اور یہ قضیہ نامرضیہ باقی ہی نہ رہ جائے گا) ای صالحین فی امر دنیاکم فانہ ینتظم لکم بعدہ (روح) انسان دشمنی کے عالم میں کتنی دور تک جا سکتا تھا اور بدخواہی کے کن حدود تک پہنچ سکتا ہے یہ ان تجویزوں سے بالکل ظاہر ہو رہا ہے۔ اُقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْہُ۔ جس طرح کمیٹی یا جلسہ شوریٰ میں مختلف تجویزیں اور مشورے پیش ہوتے رہتے ہیں یہاں بھی مختلف سمتوں سے یہ تجویزیں پیش ہو رہی تھیں۔ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ۔ کی دوسری تفسیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے بعد اپنی اس حرکت سے توبہ کر کے بھلے آدمی بن جانا...... اور اکثر مفسرین نے اسی پہلو کو اختیار کیا ہے۔ ای بالتوبۃ والتنصل الی اللہ تعالٰی عما جنتم بہ من الذنب والیہ ذھب الجمھور (روح) مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ یعنی یہ یوسف علیہ السلام کا قصہ پاک کرنے کے بعد۔ ای بعد یوسف علی معنی بعد الفراغ من امرہ (روح) ف۱۷ یعنی واقعی اگر کچھ کرنا ہے تو اس کی تدبیر یہی ہے کہ یوسف علیہ السلام کو یہاں سے یوں دفع کرو۔ مقصد بھی حاصل ہو جائے گا اور خون ناحق کے الزام سے بھی بچ جاؤ گے۔ اَلْقُوْهُ...... السَّيَّارَةِ۔ کنوئیں اس زمانہ اور اس سطح تمدن میں عموماً ایسے موقعوں پر ہوتے تھے جو عام رہگذر ہوں۔ قافلے جب ان کے پاس سے گذرتے تو ضرور پانی بھرتے اور یہ تاریخ کی ایک معلوم حقیقت ہے کہ فلسطین کے جنوبی مشرقی علاقہ میں تجارتی قافلوں کی آمد و رفت ایک طرف فلسطین اور مصر کے اور دوسری طرف عرب و مصر کے درمیان برابر رہا کرتی تھی۔ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ۔ سے بعض اہل تفسیر نے یہ استنباط کیا ہے کہ جس نے قتل کی رائے دی تھی وہ ان بھائیوں میں سے نہ تھا کوئی غیر تھا۔ ف۱۸ (اور کبھی انہیں ہمارے ساتھ سیر و شکار کے لئے نہیں بھیجتے) جب باہم مشورہ سے وہ خاص صورت طے پا گئی تو اب سب مل کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گفتگو شروع کی

قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا

بن جائیں گے ف۱۶ (اتنے میں) انہی میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل نہ

يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ

کرو بلکہ انہیں (ایسے) اندھیرے کنوئیں میں ڈال دو کہ انہیں کوئی راہگیر

بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ قَالُوْا

نکال لے جائے اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو ف۱۷ وہ بولے

يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا

اے ہمارے اباجان آپ کو یہ کیا ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے ف۱۸ درآنحالیکہ ہم تو

لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ

ان کے بڑے خیر خواہ ہیں، انہیں کل ہمارے ساتھ بھیج دیجیے کہ وہ ذرا، کھائیں کھیلیں،

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ

اور ہم ان کے محافظ تو ہیں ہی ف۱۹ (یعقوبؑ نے) کہا کہ (ایک تو) مجھے یہی رنج ہو گا کہ تم

تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ

اس کو لئے جاتے ہو اور (پھر) مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں اس کو بھیڑیا کھا جائے اور تم

عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ

اس کی طرف سے بے خبر رہو ف۲۰ وہ بولے اگر ان کو بھیڑیا کھا جائے اور ہم

عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ

ایک پوری جماعت موجود ہوں تو ہم بالکل گئے گذرے ہی ہوئے ف۲۱ سو جب وہ ان کو لے گئے

وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ

اور پختہ ارادہ کر لیا کہ انہیں اندھیرے کنوئیں میں ڈال دیں ف۲۲

توریت میں جہاں اور مسخ شدہ روایتیں ہیں اس روایت کو بھی بالکل خلط ملط کر کے درج کیا ہے۔ توریت کا بیان ہے کہ یوسف خود ہی اپنے باپ کے فرستادہ اپنے بھائیوں کے پاس جنگل میں پہنچے جہاں وہ اپنے گلے چرا رہے تھے اور ان کے قتل وغیرہ کے منصوبے وہیں ہوئے:۔ ”اور جونہی انہوں نے اسے دور سے دیکھا اس سے پہلے کہ وہ نزدیک پہنچے اس کے قتل کا منصوبہ باندھا اور ایک نے دوسرے سے کہا دیکھو یہ صاحب خواب آتا ہے سو آؤ اب ہم اسے مار ڈالیں اور کسی کنوئیں میں ڈال دیں اور کہیں کہ کوئی بڑا درندہ اسے کھا گیا اور دیکھیں کہ اس کے خوابوں کا انجام کیا ہو گا۔ تب روبن نے سن کر اس کو ان کے ہاتھوں سے بچایا اور بولا چاہیے کہ ہم اسے قتل نہ کریں اور ان سے کہا خونریزی نہ کرو بلکہ اسے اس کنوئیں میں جو بیابان میں ہے ڈال دو اور اس پر ہاتھ نہ ڈالو تاکہ وہ ان کے ہاتھوں سے بچا کے اس کے باپ تک پہنچا دے۔“ (پیدائش ۳۷:۱۸۔۲۲) ف۱۹ توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ گلے چرانے جنگل جایا کرتے تھے محافظت کا وعدہ اس لئے کیا کہ جنگل پُر خطر جانوروں سے بھرے ہوئے تھے اور یوسف علیہ السلام ابھی کم سن بھی تھے۔ دشمنی کی حالت میں باتیں دل سے گڑھ لینا سخن سازی کی مشق کر لینا بناوٹی زندگی اختیار کر لینا فطرت بشری کے لحاظ سے ذرا بھی مستبعد نہیں۔ يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ سیر و تفریح جائز کھیل ہیں۔ وفی الآیۃ دلالۃ علی ان اللعب الذی ذکروہ کان مباحا لولا ذلک لانکرہ یعقوب علیہ السلام (جصاص) المراد من اللعب الاقدام علی المباحات وھذا یوصف بہ الانسان (کبیر) مطلق کھیل اور تفریح اگر اس کے اندر کوئی جز معصیت کا نہ ہو بالکل جائز ہے اور ملاعبت کا جواز صریح تو حدیث نبوی میں موجود ہے۔ جاز ان یکون المراد من اللعب الاقدام علی المباحات لاجل انشراح الصدر کما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لجابر فھلا بکرًا تلاعبھا وتلاعبک (کبیر) ف۲۰ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک تو یوسف علیہ السلام کی جدائی ہی مجھے شاق ہے اور پھر یہ اندیشہ بھی لگا ہوا ہے کہ تم لوگ تو جا کر اپنے مشاغل میں لگ جاؤ گے ایسا نہ ہو کہ اسے اکیلا چھوڑ جاؤ اور کہیں کوئی بھیڑیا آ کر اٹھا لے جائے۔ ارض فلسطین کے جنگلوں میں بھیڑیئے اب تو خال خال رہ گئے ہیں لیکن قدیم زمانہ میں یہ وہاں کے جنگلوں میں خاص طور سے آباد تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۷ صفحہ ۱۲۰ طبع چہاردہم) حضرت یعقوب علیہ السلام تو بہرحال نبی تھے اتنی فراست ایمانی سے کام ایک عام مومن بھی لے سکتا ہے۔ لَيَحْزُنُنِيْٓ۔ اَخَافُ۔ آیت میں حزن اور خوف دونوں کا اثبات حضرت یعقوب علیہ السلام پیمبر کے حق میں ہے اس سے ظاہر ہے کہ ان کیفیات طبعی کا طاری ہونا کاملین کے لئے ان کے کمال کے منافی نہیں۔ ف۲۱ روایات یہود میں تصریح کے ساتھ آتا ہے کہ یہ برادرانِ یوسف علیہ السلام بڑے تنومند و قوی ہیکل تھے اپنی قوت و تعداد دونوں پر ان کا ناز کچھ بے جا نہ تھا۔ ف۲۲ (اور اس پر عمل بھی کر گزرے) توریت میں ہے:۔ ”اور یوں ہوا کہ یوسف جب اپنے بھائیوں کے پاس آیا تو انہوں نے اس کی قبا کو یعنی بوقلموں قبا کو جو وہ پہنے تھا اتار کے اسے ننگا کیا اور اسے لے کے کنوئیں میں ڈال دیا وہ کنواں اندھا تھا اس میں ایک بوند پانی نہ تھا۔“ (پیدائش ۳۷:۲۳۔۲۴) فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ۔ قیل و قال کے بعد بالآخر حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لے جانے کی اجازت ان کے چرب زبان بھائیوں کو دے دی تھی۔

و۲۳ رحمت الٰہی نے اس وقت بھی حضرت یوسف علیہ السلام کا ساتھ نہیں چھوڑا عین جس وقت کہ کنوئیں میں گر رہے تھے۔ غیب سے الہام ہوا کہ شکستہ دل وملول نہ ہو خوف نہ کرو ان کے کید سے تمہیں رہائی مل کر رہے گی اور ایک روز وہ آئے گا کہ تم ان کی حرکتیں انہیں یاد دلاؤ گے اور یہ تمہیں پہچانیں گے تک نہیں تم اس وقت ایسے ممتاز مرتبہ پر ہو گے۔ توریت کا قصہ قرآن کے ان بلند ٹکڑوں سے بالکل خالی ہے۔ وَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْہِ۔ اس وحی سے وحی اصطلاحی مراد نہیں جو حضرات انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے یہ وحی الہام کے معنٰی میں ہے جو غیر نبی کو یا نبی کو قبل نبوت ہوتا رہتا ہے وھو وحی الھام (بحر عن مجاہد)

وَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْہِ لَتُنَبِّئَنَّھُمْ بِاَمْرِھِمْ ھٰذَا وَ ھُمْ

اور ہم نے (یوسفؑ پر) وحی کی کہ تم (ایک روز) ان لوگوں کو ان کی یہ بات جتلاؤ گے اور (اس وقت)

لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَ جَآءُوْٓ اَبَاھُمْ عِشَآءً یَّبْکُوْنَ ﴿۱۶﴾

وہ جانتے بھی نہ ہوں گے و۲۳ اور یہ لوگ اپنے باپ کے پاس شروع رات میں روتے ہوئے پہنچے و۲۴

قَالُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَھَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَکْنَا یُوْسُفَ

بولے اے ہمارے باپ ہم سب تو آپس میں دوڑنے میں لگ گئے اور ہم نے یوسف کو اپنے

عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَکَلَہُ الذِّئْبُ ۚ وَ مَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ

سامان کے پاس چھوڑ دیا تو بھیڑیا انہیں کھا گیا اور آپ تو ہمارا یقین کریں گے

لَّنَا وَ لَوْ کُنَّا صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾ وَ جَآءُوْ عَلٰی قَمِیْصِہٖ

نہیں گو ہم (کیسے ہی) سچے ہوں و۲۵ اور ان کے کرتہ پر

بِدَمٍ کَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَکُمْ اَنْفُسُکُمْ اَمْرًا ؕ

جھوٹ موٹ کا خون (بھی) لگا لائے (اس پر یعقوبؑ) بولے ہاں (یہ کہو کہ) تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی

فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ وَ اللہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا

ہے و۲۶ سو صبر (ہی) اچھا ہے اور تم جو کچھ بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی

تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ جَآءَتْ سَیَّارَۃٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَھُمْ

مدد کرے و۲۷ اور ایک قافلہ آ نکلا و۲۸ سو ان لوگوں نے اپنا سقہ بھیجا

فَاَدْلٰی دَلْوَہٗ ؕ قَالَ یٰبُشْرٰی ھٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَ اَسَرُّوْہُ

اور اس نے اپنا ڈول ڈالا اور بول اٹھا ارے واہ واہ یہ تو ایک لڑکا نکل آیا و۲۹ اور انہوں نے اسے مال تجارت

بِضَاعَۃً ؕ وَ اللہُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ شَرَوْہُ

(قرار دے کر) چھپا لیا اور اللہ خوب واقف تھا جو کچھ وہ (سب) کر رہے تھے و۳۰ اور انہوں نے یوسف کو

و۲۴ (اپنا مصنوعی رنج والم ظاہر کرنے کو) یہ لوگ گھر روزانہ شام کو واپس آتے ہوں گے آج ذرا اور دیر کر کے آئے یہ ظاہر کرنے کو کہ اتنی دیر یوسف علیہ السلام کی تلاش کرنے میں لگی۔ ایک جرم کو نباہنے کے لئے دوسرے جرائم تک فطرتِ بشری مجرم کو ناگزیر طور پر لے جاتی ہے۔ و۲۵ حضرت یعقوب علیہ السلام کا اندیشہ صحیح نکلا۔ برادران یوسف علیہ السلام نے آ کر ایک گھڑی ہوئی کہانی گڑھ کے بیان کر دی۔ اِنَّا ذَھَبْنَا نَسْتَبِقُ۔ یہ نوجوان یا تو شکار کے پیچھے دوڑتے ہوئے نکل گئے ہوں گے یا محض آپس میں دوڑ کا کھیل کھیل رہے ہوں گے۔ یا یہ کچھ بھی سرے سے نہ ہوا ہو سب بناوٹ ہی بناوٹ ہو۔ و۲۶ توریت میں اس کے برعکس قصہ یوں درج ہے:۔ ”پھر انہوں نے یوسف علیہ السلام کی قبا کو لیا اور ایک بکری کا بچہ مارا اور اسے اس کے لہو میں تر کیا اور انہوں نے اس بوقلمون قبا کو بھیجا اور اپنے باپ کے پاس لے آئے اور کہا کہ ہم نے اسے پایا۔ آپ اسے پہچانئے کہ یہ آپ کے بیٹے کی قبا ہے کہ نہیں۔ اور اس نے اسے پہچانا اور کہا کہ یہ میرے بیٹے کی قبا ہے کوئی بڑا درندہ اسے کھا گیا۔ یوسف بے شک پھاڑا گیا۔“ (پیدائش ۳۷: ۳۱۔ ۳۳) گویا حسب بیان توریت پیمبر علیہ السلام نے ان فسوں سازوں کے دعوائے باطل کو بالکل تسلیم کر لیا تھا!...... قرآن مجید نے حسب معمول توریت کی اس غلط بیانی کی بھی تردید کر دی۔ و۲۷ (کہ مجھے توفیق صبر دے) فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ۔ فقرہ مبتداء بھی ہو سکتا ہے اور خبر بھی تقدیر کلام دونوں طرح جائز ہے۔ ای فامری صبر جمیل اور فصبر جمیل اجمل (بیضاوی) ای فامری صبر جمیل او فصبری صبر جمیل (روح) بڑی سی بڑی مصیبت کے وقت بھی اگر ذہن میں اس کا استحضار رہے کہ یہ ابتلاء حضرت حق کی طرف سے ہے جو ہر طرح حکیم بھی ہیں اور ہر طرح رحیم وشفیق بھی تو ظاہر ہے کہ انتہائی رنج طبعی کے ساتھ یہ تسکین عقلی بھی ضرور شامل رہے گی کہ بہر حال ہماری ہی ہر طرح کی مصلحتیں اس سے وابستہ ہیں صبر جمیل اسی کا نام ہے اور اس کے حقدار ایک پیمبر برحق نہ ہوتے تو اور کون ہوتا۔ اس صبر جمیل کے بجائے توریت میں ہے:۔ ”تب یعقوب علیہ السلام نے اپنے کپڑے پھاڑے اور ٹاٹ اپنے کولے پر ڈالا اور بہت دن تک اپنے بیٹے کے لئے غم کیا۔“ (پیدائش ۳۷: ۳۴) و۲۸ (اس کنوئیں کے پاس سے جہاں یوسف علیہ السلام مقید تھے اور وہ قافلہ یمن یا مصر کو جا رہا تھا) توریت میں یہ تصریح ہے کہ یہ قافلہ بنی اسمٰعیل کا تھا۔ اور ”وہ روٹی کھانے بیٹھے اور آنکھ اٹھائی اور دیکھا کہ اسمٰعیلیوں کا ایک قافلہ صنعاء سے گرم مصالح اور روغن بلسان اور مر اونٹوں پر لادے ہوئے آتا ہے کہ انہیں مصر کو لے جائیں۔“ (پیدائش ۳۷: ۲۵) و۲۹ اور سارے قافلہ والے قدرۃً بڑے خوش ہوئے۔ غُلٰمٌ۔ کی تنوین اگر تفخیم کے لئے سمجھی جائے تو ترجمہ ہوگا ”ایک بڑا اچھا لڑکا“۔ فَاَدْلٰی دَلْوَہٗ۔ حضرت یوسف علیہ السلام اسی کنوئیں میں تھے چنانچہ آپ رسی کو تھام کر باہر آ گئے۔ و۳۰ یعنی اس کی نظر سے نہ برادرانِ یوسف کی کارروائیاں پوشیدہ تھیں، نہ اہل قافلہ کی۔ بردہ فروشی کا رواج اس وقت عام تھا۔ یہ تجارتی قافلہ والے آخر کاروباری لوگ تھے دل میں بڑے خوش ہوئے کہ ایسے خوش جمال لڑکے کو خوب گراں قیمت پر فروخت کریں گے۔

بِثَمَنٍۭ بَخۡسٍ دَرَاهِمَ مَعۡدُوۡدَةٍ ۚ وَكَانُوۡا فِيۡهِ

بہت کم قیمت پر گنتی کے چند درہم کے عوض فروخت کر دیا ۳۱ اور وہ ان کے بارے میں

مِنَ الزّٰهِدِيۡنَ ۝ ۲۰ ع وَقَالَ الَّذِى اشۡتَرٰٮهُ مِنۡ

بیزار (سے) تھے ۳۲ اور جس نے انہیں مصر میں خریدا تھا

مِّصۡرَ لِامۡرَاَتِهٖۤ اَكۡرِمِىۡ مَثۡوٰٮهُ عَسٰٓى اَنۡ يَّنۡفَعَنَاۤ

اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے خاطر میں رکھنا کیا عجب کہ ہمارے کام آوے

اَوۡ نَـتَّخِذَهٗ وَلَدًا ‌ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوۡسُفَ

اور یا ہم اس کو بیٹا ہی بنا لیں ۳۳ اور اسی طرح ہم نے یوسف کو (اس) سرزمین میں

فِى الۡاَرۡضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنۡ تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ‌ ؕ

خوب تمکین دی تاکہ ہم انہیں خوابوں کی تعبیر کی تعلیم دیں ۳۴

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمۡرِهٖ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ

اور اللہ اپنے (ہر) کام پر غالب ہے لیکن اکثر انسان (اتنا بھی)

لَا يَعۡلَمُوۡنَ‏ ۝ ۲۱ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيۡنٰهُ حُكۡمًا

نہیں جانتے ۳۵ اور جب وہ اپنی پختگی کو پہنچے ہم نے انہیں حکومت اور علم

وَّعِلۡمًا‌ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ‏ ۝ ۲۲

عطا فرمایا اور اسی طرح ہم نیک کاروں کو عوض دیا کرتے ہیں ۳۶

وَرَاوَدَتۡهُ الَّتِىۡ هُوَ فِىۡ بَيۡتِهَا عَنۡ نَّـفۡسِهٖ

اور جس عورت کے گھر میں وہ تھے وہ انہیں اپنا مطلب حاصل کرنے کو پھسلانے لگی

وَغَلَّقَتِ الۡاَبۡوَابَ وَقَالَتۡ هَيۡتَ لَكَ‌ ؕ قَالَ

اور دروازے بند کر لئے اور بولی کہ بس آ جاؤ ۳۷ یوسف نے کہا

ف۳۱ برادرانِ یوسف کو اس اثناء میں اطلاع مل گئی تھی دوڑے ہوئے آئے اور قافلہ والوں سے کہا یہ تو ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ برادرانِ یوسف کو یوسف علیہ السلام کی جان سے کوئی دشمنی نہ تھی وہ تو صرف اپنے والد ماجد کے پاس سے ہٹا دینے کے درپے تھے کہ ان کے بعد خود ان کے منظورِ نظر ہو کر رہیں۔ دَرَاهِمَ مَعۡدُوۡدَةٍ۔ توریت کا بیان ہے کہ یہ رقم ۲۰ روپیہ تھی۔ (پیدائش ۳۷: ۲۸) دراھم میں اشارہ اس طرف ہو گیا کہ قیمت میں چاندی ہی کے کچھ سکے ملے نہ کہ سونے کے دینار۔ بعض علماء نے یہاں یہ لکھا ہے کہ جب برادرانِ یوسف نے آپؑ کو اپنا غلام بیان کیا ہے تو ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس پر خاموش رہے حالانکہ حر (آزاد) کی بیع شریعت اسلامی میں جائز نہیں اس سے مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ خوف ضرر سے امر منکر سے انکار نہ کرنا اس پر سکوت اختیار کرنا منافی کمال نہیں۔ توریت میں ہے:۔ ”تب یہوداہ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر ہم اپنے بھائی کو مار ڈالیں اور اس کا خون چھپا دیں تو کیا نفع ہوگا آؤ اسے اسمٰعیلیوں کے ہاتھ بیچیں اور اس پر اپنے ہاتھ نہ ڈالیں کہ وہ ہمارا بھائی اور گوشت ہے اور اس کے بھائی راضی ہوئے“ (پیدائش ۳۷: ۲۶۔ ۲۷) ف۳۲ یعنی انہیں کچھ تجارت تو مقصود تھی نہیں جو کچھ وہ دام بڑھاتے انہیں مقصود تو اپنے خیال کیمطابق اپنے پاس سے ایک بلا کا دور کرنا تھا اونے پونے جو کچھ بھی دام مل گئے اسے غنیمت سمجھے۔ كَانُوۡا۔ کی ضمیر اکثر نے بھائیوں کی جانب لی ہے اور یہی لگتی ہوئی بھی ہے۔ والضمیر فی و کانوا ان کان للاخوۃ فظاھر (روح) ف۳۳ یہ میاں بیوی لاولد تھے اور اولاد کی تمنا رکھتے تھے۔ یوسف علیہ السلام کی خاطر داریوں کا ذکر توریت میں بھی ہے:۔ ”اور خداوند یوسف کے ساتھ تھا اور وہ صاحب اقبال ہوا۔ سو وہ اپنے مصری آقا کے گھر میں رہا اور اس کے آقا نے دیکھا کہ خداوند اس کے ساتھ ہے اور یہ کہ خداوند نے اس کے سب کاموں میں اسے اقبال مند کیا چنانچہ یوسف علیہ السلام اس کی نظر میں مورد لطف ہوا اور اس نے اس کی خدمت کی، اور اس نے اسے اپنے گھر کا مختار کیا اور سب جو کچھ کہ اس کا تھا اس کے قبضہ میں کر دیا۔“ (پیدائش ۳۹: ۲۔ ۵) اَلَّذِى اشۡتَرٰٮهُ مِنۡ مِّصۡرَ۔ قافلہ والے یوسف علیہ السلام کو اپنے ہمراہ لائے اور ملک مصر میں بہ حیثیت غلام کے فروخت کیا یہاں جس نے اچھی قیمت دے کر ایسے ہونہار اور صاحب آثار رشد غلام کو خرید کیا وہ حکومت مصر کا ایک بڑا عہدہ دار تھا۔ توریت میں اس عہدہ دار کو فوطیفار کہا گیا ہے اور قرآن مجید نے آگے چل کر اسی کو عربی زبان میں عزیز سے تعبیر کیا ہے۔ توریت میں ہے:۔ ”اور مدیانیوں نے اسے مصر میں فوطیفار کے ہاتھ جو فرعون کا ایک امیر اور لشکر کا رئیس تھا بیچا۔“ (پیدائش ۳۷: ۳۶) ”یوسف کو مصر میں لائے اور فوطیفار مصری نے جو فرعونی امیر اور بادشاہ کے جلوداروں کا سردار تھا اسے اسماعیلیوں کے ہاتھ سے جو اسے وہاں لائے تھے مول لے لیا۔“ (پیدائش ۳۹: ۱) من مصر یہاں تو مضاف اھل مصر کے قبل محذوف ہے اور یا خود من کو فی کے معنی میں لے لیا جائے۔ لِامۡرَاَتِهٖۤ۔ عزیز کی اس بیوی کا نام توریت میں تو نہیں البتہ روایات یہود میں زلیخا آیا ہے اور وہیں سے مسلمانوں میں بھی چل پڑا ان کے لئے عام طور پر مشہور یہ ہے کہ یہ بعد کو حضرت یوسف علیہ السلام کے عقد نکاح میں آ گئی تھیں لیکن اس کی سند نہ قرآن مجید سے ملتی ہے نہ حدیث صحیح سے نہ توریت سے ف۳۴ (جو آگے چل کر ان کے کام آئے گی) مطلب یہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام کے نجات دینے سے ہماری غرض یہ تھی کہ ہم انہیں مادی و روحانی ہر انعام سے مالا مال کریں۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح ہم انہیں پہلے اندھیرے کنوؤں سے نجات دلا چکے تھے اسی طرح اب ایک بڑے سردار حکومت کے گھر میں جگہ دے کر۔ تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ۔ پر حاشیہ ابھی اوپر گذر چکا۔ الفاظ قرآن کی جامعیت اور عموم حضرت یوسف علیہ السلام کے ہر قسم کے انتظامی تجربہ اور واقفیت تدبیر منزل پر شامل ہے محض خوابوں کی تعبیر تک محدود نہیں۔ توریت میں ہے:۔ ”اور یوں ہوا کہ جس وقت سے اس نے اسے گھر پر اور اپنی سب چیزوں پر مختار کیا خداوند نے اس مصری کے گھر میں یوسف کے سبب سے برکت بخشی اور اس کی سب چیزوں میں جو گھر میں اور کھیت میں تھیں خداوند کی طرف سے برکت ہوئی اور اس نے اپنا سب کچھ یوسف علیہ السلام کے قبضہ میں کر دیا اور اس نے روٹی کے سوا جسے کھا لیتا تھا کسی چیز سے کام نہ رکھا اور یوسف خوبصورت اور نور پیکر تھا۔“ (پیدائش ۳۹: ۴۔ ۶) ف۳۵ دنیا کی مشرک اور جاہلی قومیں (اور اکثریت انہی کی ہے) اللہ کی اس صفت یعنی قدرت کاملہ سے متعلق طرح طرح کے غلط تصورات اور لغو عقاید میں مبتلا ہیں۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمۡرِهٖ۔ جو امور عقل انسان کو مستبعد معلوم ہوتے ہیں اللہ ان کا سامان بھی خفی اور لطیف طریقوں سے کر دیتا ہے۔ ف۳۶ قرآن مجید کا یہ ایک عام وحکیمانہ اسلوب بیان ہے کہ کسی جزئی اور مخصوص واقعہ کا ذکر کرتے کرتے معاً اس کا عام قانون بھی بیان کر دیتا ہے چنانچہ یہاں بھی یہ ارشاد ہو گیا کہ یہ دینی و دنیوی اکرام واعزاز یوسف علیہ السلام کے خواص ذاتی میں سے نہ تھا بلکہ جو کوئی بھی ایمان و حسن عمل کو اپنا شعار رکھے وہ انعامات سے سرفراز کیا جائے گا۔ اَشُدَّهٗۤ۔ اس پختگی عمر کی تعیین میں متعدد قول نقل ہوئے ہیں تاہم ۲۰ سال سے کم کا کوئی قول سلف سے منقول نہیں البتہ ابن جریر نے ۱۸ سال کو بھی اس کا ایک ممکن مصداق بتایا ہے۔ حُكۡمًا وَّعِلۡمًا۔ حکم سے مراد عام طور پر دنیوی قوت واقتدار اور علم سے مراد نبوت لی گئی ہے۔ ف۳۷ یہ عورت جو سن میں یقیناً یوسف علیہ السلام سے بڑی ہو گی جیسا کہ آیۂ کریمہ اونتخذہ ولداً سے اشارۃً ظاہر ہو رہا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہو گئی یہاں تک کہ ان سے تعلق ناجائز پیدا کرنے پر تل گئی...... حرامکاری آج تہذیب فرنگ میں عورت کے لئے کب عیب ہے جو اس کا عیب ہونا مصر جاہلی تہذیب میں فرض کر لیا جائے؟ الَّتِىۡ هُوَ فِىۡ بَيۡتِهَا۔ قرآن مجید صاف بیتھا (اس عورت کا گھر) فرما رہا ہے۔ بیتہ (عزیز کا گھر) نہیں کہتا...... مصری تمدن میں عورت بڑی حد تک ”آزاد“ وخود مختار تھی۔ رَاوَدَتۡهُ...... هَيۡتَ لَكَ۔

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ

اللہ کی پناہ ف۳۸ (اور پھر) وہ میرا مربی ہے ف۳۹ اس نے مجھے کیسی اچھی طرح رکھا ف۴۰ بیشک

لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ

ظالم فلاح نہیں پاتے ف۴۱ اور اس (عورت) کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی رہا تھا ف۴۲ اور انہیں بھی

بِهَا لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ

اس (عورت) کا خیال ہو چلا تھا ف۴۳ اگر اپنے پروردگار کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھ لیا ہوتا، ف۴۴ اسی طرح

عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا

(ہم نے انہیں بچا دیا) تاکہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو دور رکھیں، ف۴۵ وہ بیشک ہمارے برگزیدہ بندوں

الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اسْتَبَقَا الْبَابَ وَ قَدَّتْ قَمِیْصَهٗ

میں سے ف۴۶ تھے اور دونوں آگے پیچھے دروازہ کی طرف دوڑے ف۴۷ اور اس نے ان کا کرتہ

مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ

پیچھے سے پھاڑ ڈالا، ف۴۸ اور دونوں نے اس کے آقا (یعنی شوہر) کو دروازہ کے پاس (کھڑا ہوا) پایا وہ بول اٹھی

مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ

کیا سزا ہے اس کی جو تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے بجز اس کے کہ وہ قید میں

یُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ

ڈالا جائے یا (اور کوئی) عذاب دردناک (اسے ملے) ف۴۹ (یوسف) بولے کہ یہی (خود) تو مجھے اپنا مطلب

عَنْ نَّفْسِیْ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ

نکالنے کے لئے پھسلا رہی تھی، ف۵۰ اور اس (عورت) کے خاندان سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ

كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ

ان کا پیراہن اگر آگے سے پھٹا ہو تو وہ سچی ہے اور یہ

توریت میں ہے:۔ ’’اور اس کے بعد یوں ہوا کہ اس کے آقا کی جورو کی آنکھ یوسف پر لگی اور وہ بولی کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو۔‘‘ (پیدائش ۳۹:۷) ’’اور وہ ہر چند یوسف کو روز روز کہتی رہی، پر اس نے ایک نہ سنی کہ اس کے ساتھ سووے یا اس کے ساتھ رہے۔‘‘ (پیدائش ۳۹:۱۰) ف۳۸ (کہ میں اتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کروں) حضرت یوسف علیہ السلام کا اس فرمائش حرامکاری کے جواب میں پہلا اور اصلی جواب یہی ہے کہ یہ معصیت بہرحال پناہ مانگنے کے قابل ہے۔ وھذا اجتناب منه علیه السلام علی اتم الوجوه واشارة الی التعلیل بانه منکر هائل یجب ان یعاذ بالله (روح) ف۳۹ (اس کے ناموس میں خیانت کی جرات کس طرح کرسکتا ہوں) اِنَّهٗ میں ضمیر زلیخا کے شوہر عزیز مصر کی جانب ہے۔ رَبِّیْ۔ لفظ رب ظاہر ہے کہ یہاں خالق و پروردگار کے معنی میں نہیں دنیوی مالک اور آقائے مجازی کے معنی ہی میں ہے۔ کل من ملک شیئا فهو ربه (ابو البقاء) ولا یقال الرب مطلقا الا لله تعالی وبالاضافة یقال له ولغیره (راغب) حضرات انبیاء (قبل نبوت بھی) شاعر نہیں ہوتے ان کی زبان حقیقت سے خالی اور شاعرانہ نہیں ہوتی تمام تر حقائق کی ترجمان ہوتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت جس کی رعایا بلکہ غلام یا مملوک تھے اس کے لئے یہ کہتے ہوئے بھی آپ کو مطلق عار نہ تھا آج کل کے پرجوش خطیبوں کا سا انداز بیان ان کا نہیں ہوتا کہ سرتاسر محکوم اور رعیت ہو کر زبان سے بڑے بڑے شاندار الفاظ اس کے برعکس ادا کیا کریں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محسن اگرچہ کافر ہو جب بھی اس کی رعایت کرنا چاہیے اور اہل طریق اس باب میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا دوسرا اور تائیدی جواب ہوا اور فہم مخاطب کے لحاظ سے بہت اہم۔ آپ فرما رہے ہیں کہ حرامکاری ایک تو بجائے خود کیسی شدید معصیت اور پھر وہ بھی کس کے ساتھ؟ اپنے ہی آقا کے حرم کے ساتھ۔ بہت سے جاہلی مذہبوں میں زنا کاری بجائے خود کوئی جرم ہی نہیں ہے البتہ حقوقِ شوہری میں خیانت جرم ہے عجب نہیں جو اس وقت کے مصری مذہب میں بھی یہی ہو اور یہ ٹکڑا حضرت علیہ السلام نے زلیخا کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کرنے ہی کے لئے اضافہ کیا ہو؟ ...... جواب کے اس جزو کو جنہوں نے مرتبہ پیمبری سے فروتر قرار دیا ہے انہوں نے خود ہی بڑی سطحیت برتی ہے۔ یہ جواب تو حضرت علیہ السلام کی حکیمانہ عظمت کا ایک گہرا ثبوت ہے۔ ف۴۰ (ایسے محسن کا حق میں یوں ادا کروں!) یہ تیسرا جواب حضرت یوسف علیہ السلام کا ہوا فرماتے ہیں کہ ایک تو میں اپنے آقا کے ناموس میں خلل اندازی کروں اور پھر آقا بھی کیسا؟ ایسا محسن وشفیق! گویا کفرانِ نعمت کی حد ہوگئی! البتہ توریت نے اصل جواب اسی کو قرار دیا ہے اور اس سے توریت کی پستی بے شک قرآن کے مقابلہ میں ثابت ہوتی ہے۔ توریت میں ہے:۔ ’’لیکن اس نے نہ مانا اور اپنے آقا کی جورو سے کہا کہ دیکھ میرا آقا کسی چیز سے جو گھر میں میرے پاس ہے واقف نہیں ہے۔ اور اس نے اپنا سب کچھ میرے ہاتھ میں کر دیا۔ اس گھر میں مجھ سے زیادہ کوئی بڑا نہیں اور اس نے سوا تیرے کوئی چیز میرے اختیار سے باہر نہیں رکھی اور یہ اس لئے ہے کہ تو اس کی جورو ہے پھر میں ایسی بڑی بدذاتی کیوں کروں اور خدا کا گنہگار ہوں۔‘‘ (پیدائش ۳۹:۹) ف۴۱ بلکہ اکثر تو آخرت سے پہلے ہی اسی دنیا میں تباہ و پریشان و رسوا ہو کر رہتے ہیں) اَلظّٰلِمُوْنَ۔ ظالم یہاں اپنے وسیع مفہوم میں ہر فاسق و بدکار کے مرادف ہے۔ یہ گویا بہ طور تتمیم کلام کے حضرت علیہ السلام کا چوتھا جواب ہے یعنی آپ فرماتے ہیں کہ ایک اسی پر کیا موقوف ہے بدکار و فاسق کسی قسم کے بھی ہوں رسوا و نامراد ہی رہتے ہیں۔ ف۴۲ (درجۂ عزم و اقدام عمل میں) ای قصدت المخالطة وعزمت علیها عزمًا جازمًا (روح) بمعنی القصد الجازم والعقد الثابت کما هو المراد ههنا (روح) توریت میں ہے:۔ ’’اور یوں ہوا کہ ایک دن وہ اپنے کام کے لئے گھر کے اندر گیا اور گھر کے لوگوں میں سے وہاں کوئی نہ تھا تب اس نے اس کا پیراہن پکڑ کے کہا کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو۔‘‘ (پیدائش ۳۹:۱۱) ف۴۳ (امر طبعی کے درجہ میں) خلوت کی یکجائی میں جوان عمر تندرست مرد کا محض خیال اگر جوان حسین عورت کی طرف جائے خصوصاً جبکہ پیش قدمی اور تشویق عورت کی طرف سے ہو رہی ہو تو یہ عیب نہیں بلکہ دلیل ہے مرد کے صحیح و تندرست اور مرد ہونے کی۔ ای مال الی مخالطتها بمقتضی الطبیعة البشریة ومثل ذلک لا یکاد یدخل تحت التکلیف (روح) والمراد بهمّه علیه الصلوٰة والسلام میل الطبع ومنازعة الشهوة لا القصد الاختیاری (بیضاوی) قال الشیخ ابو منصور الماتریدیؒ

وھمّ بھا ھمّ خطرۃ ولا صنع للعبد فی ما یخطر بالقلب ولا مؤاخذۃ علیہ (مدارک) فعل ھَمَّ۔ کے دونوں معنیٰ آئے ہیں خیال قوی بدرجۂ عزم بھی اور خیال ضعیف بدرجۂ امر طبعی بھی زلیخا کے لئے ھَمَّ پہلے معنیٰ میں آیا ہے اور یوسف علیہ السلام کے لئے دوسرے معنیٰ میں۔ انما عبّر عنہ بالھم لمجرد وقوعہ فی صحبتہ ھمّھا فی الذکر بطریق المشاکلۃ لا لشبہہ بھا (روح) پیمبر اخلاقی خطاؤں اور لغزشوں سے معصوم اور محفوظ بلاشبہ ہوتے ہیں لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ ان کے احساسات بھی مردہ ہوجاتے ہیں (اور حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے تو یہ بھی مسلم نہیں کہ اس سن میں وہ نبی تھے بھی)...... پیمبر کے سامنے کوئی حرام غذا اگر لذیذ وخوشبودار بنا کر رکھ دی جائے تو اس کی ناک خوشبو تو بہرحال محسوس کرے گی گو اس حرام غذا کے کھانے کے لئے التفات دل میں ذرا بھی نہ پیدا ہوگا۔ ف۴۴ (لیکن وہ دلیل خداوندی تو ان کے علم ومشاہدہ میں تھی اس لئے وہ ادنیٰ خیال بھی نہیں پیدا ہونے پایا) بُرْھَانَ رَبِّہٖ۔ سے مراد ہے علم شریعت تقویٰ وطہارت والمراد برؤیتہ لھا کمال ایقانہ بھا ومشاھدتہ لھا ومشاھدۃ واصلۃ الی مرتبۃ عین الیقین (روح) فرق یہ کہ اگر آپ خیال کے ابتدائی درجوں میں مبتلا ہوجاتے جب بھی عصمت نبی پر حرف نہیں آسکتا تھا چہ جائیکہ آپ کے لئے تو یہ بھی نہیں ہوا۔ ف۴۵ (چنانچہ آپ فعل اور ارادۂ فعل دونوں سے بچ گئے) اَلسُّوْٓءَ۔ سے مراد گناہ صغیرہ ہے اور اَلْفَحْشَآءَ۔ سے مراد کبیرہ۔ السوء مقدمات الفحشاء وقیل ھو الامر السّیّئ مطلقًا (روح) ف۴۶ (چنانچہ ان سے صدور معصیت کیا معنیٰ ارادۂ معصیت بھی نہ ہونے پایا) ف۴۷ (آگے آگے آپ کہ بھاگ کر بچنا چاہتے تھے اور پیچھے پیچھے وہ عورت کہ دوڑ کر پکڑنا چاہتی تھی) آپ نے جب دیکھا کہ کوئی صورت مخلصی کی نہیں تو بے تحاشا باہر نکل بھاگنے کا قصد کرلیا باوجود اس کے کہ دروازے بند تھے۔ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ۔ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ کشاد قفل میں اشارہ اسی طرف ہے کہ جو دنیائے حرام سے بھاگنے کی ہمت کرتا ہے اس کے لئے نجات کی راہیں غیب سے کھل جاتی ہیں اور عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ اپنی مثنوی کے اس شعر میں اسی منزل کی جانب ہے۔ ؎

نیست رخنہ گرچہ در عالم پدید۔ ہمچو یوسف خیرہ سر باید دوید ف۴۸ (جیسا کہ اس موقع پر بالکل قدرتی ہوتا ہے جب کوئی آگے آگے بھاگ رہا ہو اور کوئی دوسرا اسے پیچھے سے پکڑنا چاہے) توریت میں ہے:۔ ”تب اس نے اس کا پیراہن پکڑ کے کہا کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا۔“ (پیدائش ۳۹:۱۲) صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ شیطان کا آخری حملہ غضب کا ہوتا ہے تاہم نیک بندے کسی طرح اس کے ہتھے نہیں چڑھتے۔ ف۴۹ زلیخا نے جب دیکھا کہ اب تو راز فاش ہوا ہی جاتا ہے تو جھٹ یوں بات بنائی اور الٹی اپنی مظلومیت کی داستان شوہر اور با اختیار شوہر کو سنانا شروع کردی توریت میں اس مقام پر بھی حسب معمول ایک بلاضرورت طویل عبارت ہے اور اس کے بعد ہے:۔ ”سو اس نے اس کا پیراہن اپنے پاس رکھا جب تک کہ اس کا آقا گھر میں آیا تب اس نے ایسی ہی باتیں اس سے کہیں کہ یہ عبری غلام جو تو نے ہم پاس لا رکھا گھس آیا کہ مجھ سے ٹھٹھا کرے اور جب میں نے آواز بلند کی اور چلا اٹھی تو وہ اپنا پیراہن مجھ پاس چھوڑ کر باہر نکل بھاگا۔“ (پیدائش ۳۹:۱۵۔۱۸) مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَھْلِكَ سُوْٓءًا۔ زلیخا کی اس فرد قرار داد جرم سے بھی اس قرینہ کی تائید ہوتی ہے کہ اس ملک اور وقت کے قانون میں اقدام زنا بجائے خود کوئی جرم نہ تھا بلکہ ناموس شوہری میں خیانت اصل جرم تھی۔ ف۵۰ (اور اب الٹا الزام میرے اوپر ڈالے دیتی ہے۔) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مخالف کی شرارت کا ایسے وقت میں اظہار جبکہ اخفاء میں اپنے ضرر کا احتمال ہو مکارم اخلاق کے منافی نہیں۔

و۵۱ جدید قانونی اصطلاح میں ایسی گواہی کو قرینہ کی گواہی (Circumstantial Evidence) کہتے ہیں یہاں شاہد اور شہادت اپنے اصطلاحی فقہی معنی میں نہیں جو گواہ کے عاقل ہونے بالغ ہونے وقوع واقعہ کے وقت موجود ہونے وغیرہ کی بحثیں پیدا ہوں یہ گواہ تو صرف اس معنی میں تھا کہ اس نے فریقین کے متضاد بیانات کے درمیان فیصلہ کا ایک عاقلانہ طریقہ سجھا دیا۔ تفسیروں میں ایک حدیث مرفوع کے حوالہ سے آتا ہے کہ یہ گواہ ایک شیر خوار بچہ تھا بہ طور خرق عادت کے حضرت یوسف علیہ السلام کی صفائی میں بول اٹھا۔ لیکن بہت سے ائمہ تفسیر نے اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ یہ شخص زلیخا کے چچیرے بھائی اور حاکم وقت تھے تقرب سلطانی رکھنے والے اور درباری مشوروں میں شریک ہونے والے۔ ما كان بصبي ولكن كان رجلًا حكيمًا (ابن جریر عن عکرمہ) كان من خاصة الملك (ابن جریر عن ابن عباس) كان رجلا حكيمًا من اهلها ذا رأيٍ يا خذ الملك برأيه ويستشيره (بحر عن قتادہ) كان لها ابن عم وكان رجلا حكيمًا وهٰذا قول طائفة عظيمة من المفسرين (کبیر) قال الحسن وعكرمة وقتادة ومجاهد لم يكن صبيًا ولٰكنه كان رجلًا حكيمًا ذا رأيٍ (معالم) عن ابن ابی مليكه عن ابن عباس كان من خاصة الملك وكذا قال مجاهد وعكرمة والحسن وقتادة والسدى ومحمد بن اسحق وغيرهم انه كان رجلًا (ابن کثیر)

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ

جھوٹے اور اگر ان کا پیراہن پیچھے سے پھٹا

دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا

ہو تو وہ جھوٹی اور یہ سچے و۵۱ سو جب (عزیز نے)

رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ

ان کا پیراہن پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو بول اٹھا بیشک یہ (سب) تم عورتوں کا چرتر ہے،

اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ

بیشک تم عورتوں کا چرتر غضب کا ہوتا ہے و۵۲ اے یوسفؑ (اب) تم اسے جانے

هٰذَا ٚ وَ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ

دو و۵۳ اور تو اے عورت تو اپنے قصور پر معافی مانگ بیشک تو ہی (سرتاسر)

الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ؑ وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ

ع ۹ ۱۳

خطا وار ہے و۵۴ اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی

الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا

بیوی اپنے غلام کو اس سے اپنا مطلب نکالنے کو پھسلاتی ہے (اس کے) عشق میں دیوانی

حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا

ہوگئی ہے ہم تو اسے کھلی حماقت میں (مبتلا) پاتے ہیں و۵۵ جب

سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ

اس (عورت) نے ان عورتوں کی زبان درازی سنی تو انہیں بلا بھیجا و۵۶ اور ان کے واسطے

لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا

مسندیں لگا دیں اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں چھری دے دی

فقہاء نے اس آیت کے ذیل میں ایک بڑی بحث اس کی اٹھائی ہے کہ پڑی ہوئی گمشدہ چیز جب مل جائے تو آیا محض اس کی علامات بتا دینے سے اس چیز کی ملک کا ثبوت ہو جاتا ہے یا نہیں اور جصاص کی احکام القرآن میں اسی باب میں مختلف فقہاء کے مذاہب نقل ہوئے ہیں۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے قیاس شرعی کے جواز اور عرف وعادت قوم سے استدلال کے جواز کا بھی استنباط کیا ہے۔ وفي الأية دليل على القياس والاعتبار والعمل بالعرف والعادة (قرطبی) و۵۲ ہندی میں اسی کید کو تریا چرتر کہتے ہیں اور ہندی ادبیات اس طرح کے قصوں سے بھرے پڑے ہیں۔ عورت میں جو ایک خاص مادہ نازوانداز کا ہوتا ہے اور مرد کے دل میں عورت کے لئے جو طبعی کشش رکھ دی گئی ہے قدرۃً اس نے عورت کے ہاتھ میں اثر اندازی کا ایک زبردست حربہ دے دیا ہے۔ یہاں یہ قول اگرچہ عزیز مصر کی زبان سے نقل ہوا ہے اس کے اپنے تجربہ کچھ اسی قسم کے ہوں گے لیکن قرآن نے بھی اسے بلانکیر نقل کر دیا ہے۔ عزیز کے مقولہ کی تائید میں فرنگی اور ہندی حکماء نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ علماء نے ایک سوال یہاں پیش کیا ہے کہ قرآن ہی نے شیطان کے کید کو ضعیف بتایا ہے۔ ان كيد الشيطن كان ضعيفًا اور یہاں عورتوں کے کید کو عظیم ٹھہرایا ہے تو کیا عورتوں کا کید شیطان سے بھی بڑھا ہوا ہے؟ اور پھر اس کا جواب یہ دیا ہے کہ شیطان کا کید جو یہاں ضعیف قرار دیا گیا ہے وہ خدا کی تدبیر کے مقابلہ میں ہے اور نسائی کید جو عظیم بتایا گیا وہ بہ مقابلہ مردوں کے ہے۔ فلا يضر كون ضعف كيد الشيطان انما هو فى مقابلة كيد الله تعالٰى وعظم كيد هن انما هو بالنسبة الى كيد الرجال (روح) و۵۳ انکشاف حقیقت کے بعد عزیز پہلے تو عورتوں کی چالبازی پر نفرت کرتا ہے پھر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو کر نیم معذرت کے انداز میں کہتا ہے جو ہونا تھا ہو چکا اب تم بھی اس پر خاک ڈالو نہ اس کا چرچا دوسروں سے کرو نہ اس کا غبار اپنے دل میں رکھو۔ و۵۴ (کہ اول تو خود اتنی بڑی جرأت کر گزری اور پھر خواہ مخواہ ایک بیگناہ کو پھانس دینا چاہا) وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ۔ پھر سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ قصور کی معافی کس سے مانگی جائے؟ ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ خدا سے۔ دوسرا جواب یہ منقول ہے کہ اپنے شوہر سے۔ مصریوں کے مشرکانہ عقائد پر نظر کرتے ہوئے پہلا قول ضعیف اور دوسرا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ و۵۵ (کہ گری بھی تو کس پر؟ اپنے ہی خادم اور غلام پر اور وہ بھی اپنا ہم وطن وہم نسب نہیں پردیسی اور کنعانی!) قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ۔ واقعہ کے چرچے سوسائٹی میں شروع ہو گئے اور سوسائٹی کی عورتوں نے حسب معمول اس میں خوب دلچسپی لی اور برابر کی وزیر زادیوں اور امیر زادیوں نے یہ طعنہ زنی شروع کر دی۔ نسوة جمع تکسیر ہے جو قلت عدد پر دلالت کرتی ہے گویا یہ لفظ لا کر قرآن مجید نے ادھر بھی اشارہ کر دیا کہ ایسی بیویوں کی تعداد کچھ بہت بڑی نہ تھی صرف گنتی کی چند تھیں جو ہر طرح بیگم وزیر کی ہمسر وہم چشم تھیں۔ شَغَفَهَا۔ شعف دل کی وہ بیماری ہے جو دل کے اندر تک پہنچ جائے۔ داء يصل الى القلب فينفذ الى القلب (بحر) و۵۶ خواتین مصر کے طبقہ امراء میں اس وقت اونچی اونچی مسندوں پر بیٹھنے اور مہمانوں کے بٹھانے کا رواج عام تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ۔ زلیخا کو بھی آخر ان لوگوں کی زبان درازیوں کی خبر پہنچی اور انہیں نیچا دکھانے کی نئی تدبیر سوجھی سب کو دعوت میں اپنے ہاں بلا بھیجا۔ مکر یہاں لعن طعن طنز وتعریض کے معنی میں ہے۔ هو اغتيابهن اياها وسوء مقالتهن (بحر)

ف۵۷ یوسف علیہ السلام بہر حال خادم تو اب تک تھے انہیں گھر کی مالکہ نے آواز دی کہ سامنے آجاؤ...... آگئے۔ نظریں نیچی کئے ہوئے چہرہ نورِ عصمت سے جگمگایا ہوا اور شہر کی ایک سے ایک بڑھ کر حسین وجمیل وزیر زادیوں امیر زادیوں کا مجمع۔ سِكِّينًا۔ یہ چھریاں کھانے کے لئے دی گئی تھیں۔ مصری تمدن کھانے کے لئے چھری چمچوں سے بیگانہ نہ تھا۔ ف۵۸ (کہ یہ حسن وجمال کا پتلا کیسا نوجوان ہے کہ ایسی زہد شکن فضا میں آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا) ای اعظمنه ودهش برؤية جماله الفائق (روح) ف۵۹ ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی معجزۂ یوسفی ہو جیسا کہ بعض کا قول نقل ہوا ہے لیکن حالات طبعی کا تقاضہ بھی تو کچھ ایسا ہی تھا اور اس کے لئے مجلس کا نقشہ ذرا وضاحت کے ساتھ پیش نظر کر لیجیے۔ دعوت اور ضیافت کا اہتمام شاہی پیمانہ پر ہے۔ میزبان وزیر سلطنت کی بانوئے محترم ہیں۔ عشوہ وناز سے لبریز وزیر زادیاں امیر زادیاں جمع ہیں۔ میووں پھلوں سے شغل ہو رہا ہے۔ چھری کانٹے کے رواج سے یوں بھی مصری تمدن نا آشنا نہ تھا اور اس وقت تو دور ہی میووں اور پھلوں کا چل رہا ہے۔ ہاتھوں میں چھریاں ہیں گپ شپ ہو رہی ہے یک بیک ایک ڈرامائی انداز سے ایک نور پیکر سامنے لے آیا جاتا ہے۔ نظریں نیچی، آنکھوں پر حیا کے پردے، چہرے پر عصمت کے سہرے، جن کے چہرے اس وقت تک خود ہی سب کو دعوت نظارہ دینے کے عادی تھے وہ آپ اس وقت تماشائی بنی ہوئی اس حسن وجمال عصمت وعفاف کے پتلے کے نظارے میں محو! اور وہ نہ کسی کی طرف نظر اٹھاتا ہے نہ کسی سے دلچسپی لیتا ہے ایسے میں عجب کیا جو ٹکٹکی لگ گئی ہو اور پلک جھپکانا تک بار ہو رہا ہو...... اور چھریاں بجائے پھلوں کے ہاتھوں کی جلد پر چل گئی ہوں! پھر آیت کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہاتھ سب ہی کے کٹے ہوئے ہوں چند کا بھی زخمی ہو جانا صیغۂ جمع لانے کے لئے کافی ہے۔ اور قطع سے یہ مراد نہیں کہ ہاتھ کاٹ ہی ڈالے محض زخمی کر لینا خراش آ جانا بھی کافی ہے۔ ای جرحتها (کشاف) ای جرحتها بما فی ایدیهن (روح) ف۶۰ یوسف علیہ السلام حسن وجمال میں ممتاز تو تھے ہی، توریت میں ہے:۔ ''اور یوسف علیہ السلام خوبصورت اور نور پیکر تھا۔'' (پیدائش ۶:۳۹) تقویٰ وعفاف میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ جاہلی متمدن قوم کی عورتیں تقویٰ وعفاف کے اس معیار سے بھلا کیا واقف دنگ ہو گئیں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور اپنی زبان میں بول اٹھیں کہ یہ نوجوان انسان کا ہے کو ہے یہ تو کوئی دیوی دیوتا ہیں۔ آکاش سے اترے چلے آ رہے ہیں...... جاہلی قوموں نے فرشتوں ہی کو اپنی زبان میں دیوتا کہا ہے۔ مَلَكٌ كَرِيْمٌ۔ یعنی شرافت وتقدس کا پتلا۔ ای شریف کثیر المحاسن (روح) حَاشَ لِلّٰهِ۔ عربی محاورہ میں کلمہ تعجب ہے جو مصری فیشن ایبل لیڈیاں حسین کنعانی نوجوان کے کمال عفت وتقویٰ پر دنگ ومتحیر ہو کر زبان پر لا رہی ہیں۔ فالتعجب عن قدرته علی خلق عفیف مثله (بحر) ف۶۱ (تو اب تو قائل ہوئیں اور جسے معمولی کنعانی غلام سمجھ رہی تھیں وہ کیسا حسین وجمیل جوان رعنا نکلا!) ف۶۲ یوسف صدیق علیہ السلام کی پاک دامانی پر یہ مزید بلیغ شہادت زلیخا کی زبان سے ہے۔ فَاسْتَعْصَمَ۔ استعصام۔ نام ہے کمال پاکبازی اور شدت احتیاط کا۔ الاستعصام بناء مبالغة یدل علی الاعتناء البلیغ والتحفظ الشدید (کشاف) ف۶۳ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دھمکانے اور ستانے کو کہا اور دوسری حسین وجمیل خاتونیں امیر زادیاں اور وزیر زادیاں بھی عجب نہیں جو یوسف علیہ السلام کو سمجھانے بجھانے لگی ہوں کہ یہ کیسی حماقت ہے جو ایسی حسین وناز نین مالکہ کو اپنے سے ناخوش کر رہے ہو۔ لَيُسْجَنَنَّ۔ تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ مصری حکومتوں میں جیل خانہ کا رواج ہو چکا تھا۔ ف۶۴ زلیخا نے ابھی ابھی قید کی دھمکی دی تھی اس پر یوسف علیہ السلام دعا میں عرض کرتے ہیں کہ پروردگارا مجھے جیل کی سختیاں گوارا ہیں اور ان لوگوں کے نفسانی مشوروں پر عمل گوارا نہیں۔ اللہ اکبر کیا مقام تھا عصمت یوسفی کا...... خوب خیال رہے حضرت یوسف علیہ السلام جیل جانے کی دعا نہیں کر رہے ہیں۔ جیل جانا اپنا مقصود نہیں قرار دے رہے ہیں صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ معصیت کا صدور تو مجھے جیل کی سختیوں سے بھی ناگوار تر ہے۔ بعض عارفوں نے لکھا ہے کہ معصیت کو معصیت پر اختیار کرنا صدیقین کا شیوہ ہے اور اپنے تقویٰ وتحمل پر بھروسہ نہ رکھنا بلکہ معصیت کے دواعی واسباب سے بھاگتے رہنا سعادت مندوں کا شعار ہے۔ ف۶۵ کمال عبدیت وشکستگی یہ ہے کہ کمال تقویٰ پر بھی ناز واعتماد اپنی ذات پر نہیں ہوتا دعا بس اللہ تعالیٰ ہی سے ہے کہ آپ ہی مجھے سنبھالے رکھیے، جیسا کہ اب تک سنبھالے رکھا ہے ورنہ مجھ بشر کی کیا بساط ہے کہ ان ترغیبات کے سامنے ثابت قدم رہ سکوں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں کیا خوب فرمایا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی یہ دعا ذرا بھی منافی عصمت کے نہیں کیونکہ یہ عصمت بھی تو بدولت حفاظت خداوندی ہی کے ہے، انبیاء علیہم السلام کی نظر اصل موثر کی طرف ہوتی ہے اس لئے ان کو اپنی عصمت پر اعتماد وناز ذرا نہیں ہوتا۔ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ۔ کے کھلے ہوئے معنی اصرف عنی ہے جیسا کہ اگلی ہی آیت میں فَصَرَفَ عَنْهُ۔ سے ظاہر ہوا جاتا ہے۔ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ۔ یہاں گویا یہ بتا دیا کہ تقویٰ کے برعکس راہ اختیار کرنا شعار اہل جاہلیت کا ہے لفظ جاہلیت کا تعلق تمامتر کردار وسیرت سے ہے خواندگی اور تعلیم ظاہری کے فقدان سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ عارفوں نے کہا ہے کہ اپنے نفس کو خاطی اور عاجز جاننا اور ہر توفیق خیر منجانب اللہ جاننا اور خبث اپنے نفس کی جانب منسوب کرتے رہنا صالحین ومتقین کی روش ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ یہ مقام کمال صدیقیت ہے جوان حسین امیر زادی اپنی طرف بلا رہی ہے اور آپ بھی نوجوان ہیں حسین ہیں اس پر بھی خوف خدا اس درجہ غالب ہے کہ ان لذتوں کو چھوڑ کر جیل جانا گوارا کر لیتے ہیں۔ وهذا فی غاية مقامات الکمال انه مع شبابه وجماله وکماله تدعوه سیدته وهی امراة عزیز مصر وهی مع

وَ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ

اور بولی کہ (اے یوسف) ذرا ان کے سامنے تو آجاؤ ف۵۷ اب جب ان لوگوں نے (یوسف کو) دیکھا اس

وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا

پر حیران رہ گئیں ف۵۸ اور اپنے ہی ہاتھ زخمی کر لئے ف۵۹ اور بولیں حاشا للہ یہ

بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ

آدمی نہیں یہ تو کوئی فرشتہ ہے نورانی ف۶۰ وہ بولی

فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ

یہی وہ شخص ہے جس کے باب میں تم مجھے ملامت کر رہی تھیں ف۶۱ بیشک میں نے اس سے اپنا مطلب

عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَ لَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ

نکالنا چاہا تھا لیکن یہ پاک صاف رہا ف۶۲ اور اگر (آئندہ) اس نے وہ نہ کیا جو میں اس سے

اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَ لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

کہہ رہی ہوں تو یہ ضرور قید میں ڈالا جائے گا اور بے عزت بھی ہو گا ف۶۳

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ

(یوسف نے) عرض کی کہ اے میرے پروردگار قید خانہ مجھے گوارا تر ہے بہ مقابلہ اس (کام) کے جس کی طرف

اِلَيْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ

مجھے یہ لوگ بلا رہی ہیں، ف۶۴ اور اگر تو ان کے چرتر کو مجھ سے دفع نہ کر دے گا تو میں انہی کی (صلاح کی)

اِلَيْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ

طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانوں میں شامل ہو جاؤں گا ف۶۵ پس ان کے پروردگار نے ان کی دعا

رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

قبول کر لی اور ان سے ان عورتوں کے چرتر کو دور رکھا ف۶۶ بیشک وہ تو ہے ہی بڑا سننے والا

الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ

خوب جاننے والا ہے ف۶۷ پھر ان لوگوں کو بعد اس کے کہ وہ ثبوت دیکھ چکے تھے یہی مصلحت معلوم ہوئی

لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ ع وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ

کہ (یوسف کو) ایک مدت کے لئے قید میں رکھیں ف۶۸ اور (یوسف کے) ساتھ جیل خانہ میں دو (اور)

فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ

جوان داخل ہوئے ف۶۹ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اپنے کو (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ میں (انگور

وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ

کا) شیرہ نچوڑ رہا ہوں ف۷۰ اور دوسرے نے کہا کہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر (خوان میں) روٹیاں

خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا

اٹھائے ہوئے ہوں اس میں سے پرندے (نوچ نوچ کر) کھا رہے ہیں ف۷۱ آپ ہم کو اس کی تعبیر بتایئے

نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ

بیشک ہم تو آپ کو بزرگوں میں پاتے ہیں ف۷۲ وہ بولے جو کھانا تم دونوں کے کھانے کے لئے آتا ہے وہ ابھی

تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ

آنے نہ پائے گا کہ میں اس کی تعبیر تم سے بیان کردوں گا قبل اس کے کہ (کھانا) تم دونوں کے پاس

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ

آئے، ف۷۳ یہ اس میں سے ہے، جس کی میرے پروردگار نے مجھے تعلیم دی ہے ف۷۴ میں تو ان لوگوں کا مذہب (پہلے

لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

ہی سے) چھوڑے ہوئے ہوں جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے وہ (بالکل) منکر ہیں ف۷۵

وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ

اور میں نے تو اپنے بزرگوں ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا مذہب اختیار کر

ھذا فی غایۃ الجمال والمال والریاسۃ ویمتنع من ذلک ویختار السجن علی ذلک خوفا من اللہ ورجاء ثوابہ (ابن کثیر) ف۶۶ (یعنی آپ کو عصمت وعفاف کے مقام بلند سے ذرا بھی ہٹنے نہ دیا) فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ۔ آپ کی دعا وہ کون سی تھی جو قبول ہوئی؟ وہ دعا بھی ثباتِ عصمت کی تھی کہ ایسے تقویٰ شکن حالات میں بھی میرے قدم ثبات کو ذرا بھی لغزش نہ ہو۔ ف۶۷ بڑا سننے والا دعاؤں اور ظاہر الفاظ کا اور خوب جاننے والا دلوں کے احوال واسرار کا۔ قرآن مجید پیمبر پرستی کے امکان پر بار بار ضرب لگاتا جاتا ہے۔ ہر اصلی بڑائی کو اللہ ہی کی جانب منسوب کرتا رہتا ہے۔ ف۶۸ (اور یہ غالبًا رفع بدنامی کے خیال سے) ایک عبرانی غلام کے ہاتھوں ایک مصری امیرزادی کی کتنی بدنامی ہو چکی تھی اس کے لئے انتظامًا یہ ضروری معلوم ہوا کہ ایک مدت تک کے لئے خود اس غلام کو عام نگاہوں اور چرچوں سے دور کہیں محبوس کردیا جائے۔ لَهُمْ۔ یعنی خود عزیز اور اس کے مشیروں کو۔ یعنی للعزیز واصحابہ فی الرائ (معالم) ای للعزیز واصحابہ المتصدین للحل والعقد (روح) مِنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ۔ یعنی بعد اس کے کہ انہیں شہادتیں یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی اور بے قصوری کی مل چکی تھیں اور وہ خود بھی اس پر یقین کر چکے تھے۔ ہندوستان کی سرزمین پر بھی رامائن میں قصہ اسی طرح کا مذکور ہے کہ رامچندر جی کو اگرچہ بذات خود اپنی بیوی سیتا کی عصمت ووفاداری پر پورا اعتماد تھا تاہم پبلک کی بدظنی رفع کرنے کے خیال سے انہیں گھر سے نکال دیا۔ لَيَسْجُنُنَّهٗ۔ یہ جیل خانہ عام اور معمولی نہ تھا۔ سخت قسم کا اور خطرناک مجرموں کے لئے مخصوص تھا۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ توریت میں اس مقام پر ہے۔ ”اور یوسف کے آقا نے اس کو پکڑا اور ایک جگہ جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے قید میں ڈالا“ (پیدائش ۳۹:۲) الْاٰيٰتِ۔ سے مراد یوسف کی بیگناہی اور عصمت کی شہادتیں ہیں۔ ای الشواھد الدالۃ علی براءتہ علیہ السلام وطھارتہ (روح) حَتّٰى حِيْنٍ۔ اکثر قدیم قوانین میں ایک دستور تھا کہ بادشاہ مجرم کو سزا کسی مخصوص ومتعین میعاد کے لئے نہیں دیتا تھا، بلکہ جب تک اپنی مرضی ہوا سے قید رکھتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی سزایابی بھی عجب نہیں کہ اسی قسم کی ہو ہماری تفسیروں میں اس میعاد قید کے متعلق متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ کسی میعاد معین کا حکم نہ لگایا جائے بلکہ محض ایک طویل مدت مراد لی جائے۔ والاولی ان لا یجزم بمقدار وانما یجزم بالمدۃ الطویلۃ (روح) والصحیح ان ھذہ المقادیر غیر معلومۃ وانما القدر المعلوم انہ بقی محبوسًا مدۃ طویلۃ (کبیر) ف۶۹ ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا دوسرا شاہی نان پز۔ الزام دونوں پر یہ تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دینا چاہا تھا۔ تحقیقات اسی جرم کی ہو رہی تھی اور یہ لوگ جیل کی حوالات میں بند کردیئے گئے۔ توریت میں ہے:۔ ”بعد ان باتوں کے یوں ہوا کہ شاہ مصر کا ساقی اور نان پز اپنے خداوند شاہ مصر کے مجرم ہوئے اور فرعون اپنے دو سرداروں پر جن میں ایک ساقیوں کا دوسرا نان پزوں کا داروغہ تھا غصے ہوا اور اس نے ان کو نگہبانی کے لئے جلوداروں کے سردار کے گھر میں اسی جگہ جہاں یوسف بند تھا قید خانہ میں ڈالا۔“ (پیدائش ۴۰:۱۔۳) مَعَهٗ۔ یعنی اسی زمانہ میں۔ یہ لازم نہیں کہ یہ دونوں حضرت علیہ السلام کے ساتھ ہی ساتھ داخل ہوئے ہوں۔ ف۷۰ (انگور سے) متقی کہیں بھی ہو کسی فضا وماحول میں بھی ہو آثار تقویٰ بے ظاہر ہوئے رہ نہیں سکتے۔ چند ہی روز میں ان قیدیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام میں بزرگی کے آثار پالئے تھے اور ان کے سامنے اپنے اپنے خواب عرض کئے، پہلا خواب شاہی ساقی کا ہے۔ توریت میں ہے:۔ ”وہ بولے ہم نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر کرنے والا کوئی نہیں، یوسف علیہ السلام نے انہیں کہا کیا تعبیر کی قدرت خدا کو نہیں؟ مجھ سے بیان کیجیے تب سردار ساقی نے اپنا خواب یوسف سے بیان کیا اور اس نے کہا دیکھ میرے خواب میں ایک تاک میرے سامنے تھی اس تاک میں تین ڈالیاں تھیں ان میں کلیاں نکلیں اور ان میں پھول آئے اور اس کے سب گچھوں میں انگور پکے اور فرعون کا پیالہ میرے ہاتھ میں تھا سو میں نے ان انگوروں کو لے کے فرعون کے جام میں نچوڑا اور وہ جام میں نے فرعون کے ہاتھ میں دیا۔“ (پیدائش ۴۰:۸۔۱۱) اَعْصِرُ خَمْرًا۔ سے شراب وشربت دونوں کے پہلو نکل سکتے ہیں۔ یہ بادشاہ انگور کا شربت پیا کرتا تھا۔ ف۷۱ یہ خواب بادشاہی نان پز کا تھا۔ توریت میں اس کی زبان سے ہے:۔ ”میں بھی خواب میں تھا اور دیکھا کہ سر پر تین ٹوکریاں روٹی کی تھیں اور اوپر کی ٹوکری میں فرعون کے لئے سب قسم کا پکا ہوا مال تھا اور پرندے میرے سر پر اس ٹوکری میں سے کھاتے تھے۔“ (پیدائش ۴۰:۱۶، ۱۷) ف۷۲ حسن وجمال کی طرح فضل وکمال بھی چھپنے والی چیز نہیں۔ اور اس کا اثر کافر تک محسوس کرلیتے ہیں۔ توریت میں ہے:۔ ”وہ وہاں قید خانہ میں رہا کرتا تھا لیکن خداوند یوسف کے ساتھ تھا۔“ (پیدائش ۳۹:۲۰، ۲۱) قتادہ تابعی کے قول میں ہے کہ آپ مریضوں کا علاج کرتے تھے غمگینوں کو تسلی دیتے تھے اور عبادت میں منہمک رہتے تھے اور دوسرے اقوال بھی ایسے ہی نقل ہوئے ہیں۔ قال قتادۃ کان یداوی مریضھم ویعزی حزینھم ویجتھد فی عبادۃ ربہ (جصاص) وقیل کان یعین المظلوم وینصر الضعیف ویعود المریض (جصاص) معناہ انا نراک تؤثر الاحسان وتاتی بمکارم الاخلاق وجمیع الافعال الحمیدۃ (کبیر) اور توریت میں ہے:۔ ”قید خانہ کے داروغہ نے سب قیدیوں کو جو قید میں تھے یوسف کے ہاتھ میں سونپا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اس کے حکم سے کرتے تھے اور قید خانہ کا داروغہ سب کاموں کی طرف سے جو اس کے ہاتھ میں تھے بےفکر تھا۔“ (پیدائش ۳۹:۲۲، ۲۳) بِتَاْوِيْلِهٖ۔ میں ضمیر دونوں خوابوں کے ماجرے کی طرف ہے۔ والضمیر للرؤیتین بتاویل ما ذکر او ماروی (روح)

ف۷۳ آپؑ نے فرمایا کہ ابھی تمہارا کھانا آنے بھی نہ پائے گا کہ میں خواب کی تعبیر بتادوں گا بس ایک ذرا دم لو۔ اور اس درمیان میں آپ کو موقع تبلیغ کا ہاتھ آگیا۔ بِتَاْوِيْلِهٖ۔ میں ضمیر ان بیان شدہ خوابوں کے مجموعہ کی طرف ہے۔ ای بتاویل ما قصصتما علیّ (بیضاوی) ف۷۴ (نہ کہ علم جوتش نجوم کہانت وغیرہ کا کوئی شعبہ جس کا مصر جاہلی میں اتنا زور تھا) آپؑ نے پہلے تو مصری سائلوں کے اس ممکن خیال کو مٹایا کہ آپؑ کا ملکہ تعبیر بھی جوتشیوں وغیرہ کے عملیات کے قسم کا ہے اور پھر آپ اپنے ذاتی کمال کی نفی کر کے اپنے علم کو تمامتر افضال الٰہی کا ثمرہ قرار دے رہے ہیں...... اور یوں دین حق کی تبلیغ معاً شروع کر دی۔ ذٰلِكُمَا۔ یعنی یہ علم تعبیر رؤیا۔ ای ذٰلک التاویل (بیضاوی) ذٰلِكَ۔ کا اشارہ بعید اس علم کے شرف و منزلت کے اظہار کے لئے ہے۔ ومعنی البعد فی ذٰلک الاشارۃ الی بعد منزلۃ وعلو درجتہ (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کوئی عالم دین اگر اپنے کمالات و اوصاف اس نیت سے بیان کرے کہ لوگ ان سے نفع اٹھائیں تو جائز ہے۔ ف۷۵ مصری مذہب مسئلہ توحید اور وقوع آخرت دونوں کا منکر تھا۔ تَرَكْتُ۔ کا یہ مطلب نہیں کہ آپ پہلے دین شرک پر تھے اور اب اسے چھوڑا ہے ترک کے معنی عدم اختیار کے ہیں اور یہ ضروری ہرگز نہیں کہ انسان پہلے اس عادت میں پڑ چکا ہو۔ الترک عبارۃ عن عدم التعرض للشیء ولیس من شرطہ ان یکون قد کان خائضا فیہ (کبیر)

وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ

رکھا ہے ف۷۶ ہم کو کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ کے ساتھ ہم کسی شیء کو بھی شریک

مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا

قرار دیں ف۷۷ یہ اللہ کا ایک فضل ہے ہمارے اوپر

وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾

اور (کل) لوگوں کے اوپر لیکن اکثر لوگ (اس نعمت کا) شکر نہیں ادا کرتے ف۷۸

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ

اے یاران مجلس جدا جدا معبود اچھے

اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ؕ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ

یا اللہ اکیلا سب پر غالب ف۷۹ تم لوگ تو اسے چھوڑ کر بس (چند) ناموں کی

دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

عبادت کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں ف۸۰

مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا

اللہ نے کوئی بھی دلیل اس پر نہیں اتاری ہے ف۸۱ حکم (اور حکومت) صرف اللہ ہی کا

لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ

حق ہے ف۸۲ اسی نے حکم دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی پرستش نہ کرو یہی دین

الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾

مستقیم ہے ف۸۳ لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے ف۸۴

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ

اے یاران مجلس تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب

والمراد بالترک الامتناع (روح) یہ مراد بھی لی گئی ہے کہ اب تک مصری آپؑ کو اپنا ہم مذہب سمجھ رہے تھے اور آپؑ نے کھل کر کبھی اپنے عقائد کا اظہار کیا نہ تھا آج پہلی بار آپؑ علانیہ توحید کی تبلیغ کر رہے ہیں اور اپنے مخاطبین کے خیال کے مطابق اپنے دین سابق سے نکل رہے ہیں۔ هُمْ۔ کی تکرار تاکید معنی کے لئے ہے وقوع آخرت کے اہل مصر خصوصیت سے منکر تھے۔ کرر ھٰذا اللفظ للتاکید (کبیر) توریت حسب معمول ان مطالب عالیہ سے بالکل خالی ہے ف۷۶ اپنی عالی نسبی کا ذکر ایسے موقع پر بالکل جائز ہے مقصد اس سے سامعین کے دل میں جذبۂ شوق و توجہ کو ترقی دینا تھا۔ یوسف علیہ السلام خود تو اس وقت تک اپنے مخاطبین کی نظر میں ایک معمولی اور گمنام شخص تھے بخلاف اس کے ان کے ان آباواجداد کا نام اس وقت بھی بہ حیثیت موحد و داعی دین توحید کے مشہور ہو چکا تھا اور ان کی شہرت حدود کنعان سے باہر اچھی خاصی پھیل چکی تھی۔ ف۷۷ (خواہ کسی حیثیت سے ہو) اس میں شرک کی ہمہ جہتی نفی آگئی اور شرک کی ہر قسم سے انکار آگیا۔ بت پرستی، ستارہ پرستی، آتش پرستی، نیچر پرستی وغیرہ سب سے مِنْ شَيْءٍ۔ اسی نفی کامل کے لئے ہے۔ لَنَا۔ سے مراد گروہ انبیاء بھی لی گئی ہے اور اولاد ابراہیم علیہ السلام بھی۔ لیکن ایک مراد نوع انسانی بھی ہو سکتی ہے یعنی شرک کسی انسان کو بھی زیبا نہیں۔ ف۷۸ یعنی نہ اس نعمت کی قدر کرتے ہیں نہ اس کا حق ادا کرتے ہیں۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی عقیدۂ توحید و دین حق۔ ای التوحید (بیضاوی) ھو ترک الاشراک (کبیر) علینا وعلی الناس یعنی ہمارے اوپر براہ راست اور ساری خلقت پر ہمارے واسطے سے۔ ف۷۹ مخاطبہ مشرکوں سے تھا جنہوں نے ہر ہر شعبہ زندگی میں اپنے لئے الگ الگ دیوی دیوتا مقرر کر رکھے تھے...... حضرت علیہ السلام ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ اس تعدد و تفرق پر بھی کبھی غور کیا ہے؟ بندگی ایک خدائے واحد و زبردست کی بھلی یا اتنے ایک دیویوں اور دیوتاؤں کی؟ الْقَهَّارُ۔ یعنی وہ جو سب پر غالب اور کوئی اس پر غالب نہ ہو۔ ای الغالب الذی لا یغالبہ احد (روح) ف۸۰ یعنی تمہارے ان گڑھے ہوئے معبودوں کی حقیقت ہی کیا؟ ان کا وجود خارجی بہ حیثیت معبود ہے کہاں؟ یہ تو صرف چند گڑھے ہوئے نام ہیں حقیقت سے بالکل خالی۔ نام جو اور جتنے چاہو گڑھ لو کوئی ثبوت ادنیٰ سا بھی تو ان کی خدائی کا لاؤ۔ وَاٰبَآؤُكُمْ۔ میں اشارہ ہے کہ دین شرک محض اندھی تقلید کے بل پر چل رہا ہے۔ ف۸۱ (نہ عقلی نہ نقلی) یعنی شرک پر دلیل کوئی سی بھی قائم نہیں۔ تم دلیل توحید پر مانگتے ہو حالانکہ کوئی معمولی سی دلیل شرک پر تو لاؤ۔ بِهَا۔ میں ضمیر غیر اللہ کی معبودیت کی طرف ہے۔ ای بعبادتھا (جلالین) ف۸۲ حکم تکوینی صرف اسی کا چل رہا ہے کائنات کا کون سا شعبہ ہوا، پانی، آگ، بادل موت، زندگی، بیماری، صحت آخر کون سی چیز تمہارے کسی دیوی دیوتا کے حکم و اختیار سے چل رہی ہے؟ اس کا کوئی ادنیٰ ہی ثبوت پیش کرو۔ اور اس حکم تکوینی کے ساتھ حکم تشریعی بھی صرف اسی کا حق ہے ان مسائل میں کہ جن میں اس نے خدائی تشریع کی ضرورت سمجھی اور باقی مسائل اس نے عقل و بصیرت دے کر بندوں ہی کے اوپر چھوڑ دیئے ہیں۔ حکم تشریعی بھی کسی دیوی دیوتا کا نہیں چل سکتا۔ آیت کی اس صحیح تفسیر کے بعد خوارج قدیم و جدید کو کوئی موقع اپنے دعوی کے اثبات کا نہ رہا۔ ف۸۳ (جو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے) قرآن مجید نے اس حقیقت کا اعلان دعوے کے ساتھ بار بار کیا ہے کہ دین فطرت اور انسان کا دین قدیم یہی مسلک توحید ہے اور شرک کی آمیزش بعد کو ہوئی ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کے ”روشن خیال“ مدتوں اس منزل میں بھی بھٹکتے رہے اور یہی کہے گئے کہ انسان تو رفتہ رفتہ ارتقاء کے ذریعہ سے شرک سے توحید تک پہنچا ہے یہاں تک کہ اب بیسویں صدی میں بڑے بڑے اہل سائنس کو بھی قائل ہونا پڑا ہے کہ انسان کا قدیم ترین دین توحید ہی تھا۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ف۸۴ یعنی ایسی صاف اور سیدھی بات پر بھی اکثر لوگ جمود رسم پرستی یا عناد کی بنا پر غور نہیں کرتے اور اس سے انکار ہی کرتے رہتے ہیں۔

و۸۵ (جیسا کہ پہلے پلاتا رہتا تھا) یہ خطاب ساقی سے ہے...... خواب کی تعبیر اب جا کر شروع ہوتی ہے۔ اتنی مفصل اور حکیمانہ دعوت توحید کے بعد، توریت میں ایک لفظ بھی اس وعظ کا نہیں۔ توریت میں ہے:۔ ''تب یوسف بولا اس کی تعبیر یہ ہے کہ یہ تین ڈالیاں تین دن ہیں اور فرعون اب سے تین دن میں تیری روبکاری کرے گا اور تجھے تیرا منصب پھیر دے گا اور تو آگے کی طرح جب تو فرعون کا ساقی تھا اس کے ہاتھ میں پھر جام دے گا۔'' (پیدائش ۴۰: ۱۳) رَبَّهٗ۔ رب سے مراد ظاہر ہے کہ اس ساقی کا آقا یا بادشاہ مصر ہے اور قرآن مجید میں رب آقائے مجازی کے معنیٰ میں کثرت سے آیا ہے۔
و۸۶ یہ تعبیر نان پز کے خواب کی تھی۔ توریت میں ہے:۔ ''یوسف نے جواب دیا اور کہا اس کی تعبیر یہ ہے کہ تین ٹوکریاں تین دن ہیں فرعون اب سے تین دن میں تیرا سر تیرے تن سے جدا کرے گا اور ایک درخت پر تجھے لٹکائے گا اور پرندے تیرا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے۔'' (پیدائش ۴۰: ۱۸۔۱۹) و۸۷ جس جزم و وثوق کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تعبیر وحی الٰہی کے ماتحت تھی۔ و۸۸ (کہ ایک شخص ایسا اور ایسا بے قصور جیل میں بند ہے) حضرت علیہ السلام کی پاکبازی تو ان قیدیوں کے خود مشاہدہ میں آچکی تھی اور وہ کہہ چکے تھے اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ حضرت علیہ السلام نے اس سے کوئی اور نئی بات نہیں چاہی صرف اتنا چاہا کہ جو بات اس کے علم و تجربہ میں آچکی ہے بس اس کا تذکرہ بادشاہ کے کان تک پہنچا دیا جائے۔ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا۔

رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ

پلایا کرے گا و۸۵ اور رہا وہ دوسرا سو اسے سولی دی جائے گی پھر اس کے سر کو

الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ

پرندے (نوچ نوچ کر) کھائیں گے و۸۶ وہ امر (اسی طرح) مقدر ہو چکا ہے جس کی بابت تم دونوں

تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ وَ قَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا

پوچھ رہے ہو و۸۷ اور دونوں میں سے جس شخص کے متعلق رہائی کا یقین تھا اس سے (یوسفؑ نے) کہا کہ

اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ

میرا بھی ذکر اپنے آقا کے سامنے کر دینا، و۸۸ لیکن اسے اپنے آقا سے ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا

فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَ قَالَ الْمَلِكُ

تو وہ جیل خانہ میں کئی سال تک رہے و۸۹ اور بادشاہ نے کہا

اِنِّيْۤ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

کہ میں (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں انہیں کھائے جاتی ہیں سات

عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ

دبلی (گائیں) اور سات بالیاں سبز ہیں اور (سات ہی) خشک و۹۰

يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ

اے سردارو! میرے (اس) خواب کا حکم مجھے بتاؤ اگر تم

لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَ مَا

خواب کی تعبیر دے لیتے ہو و۹۱ وہ بولے کہ (یہ تو) پریشان خوابیاں ہیں اور ہم

نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ

پریشان خوابیوں کی تعبیر کے ماہر نہیں و۹۲ اور دو (قیدیوں) میں جس کو

ع ۱۵

یعنی اس ساقی سے۔ توریت میں ہے:۔ ''لیکن جب تو خوشحال ہو تو مجھے یاد کیجیو اور مجھ پر مہربانی کیجیو اور فرعون سے میرا ذکر کیجیو اور مجھے اس گھر سے مخلصی دلوائیو کہ وہ عبرانیوں کی ولایت سے مجھے پکڑ لائے اور یہاں بھی میں نے ایسا کام نہیں کیا کہ وہ مجھے قید خانہ میں رکھیں۔'' (پیدائش ۴۰: ۱۴۔۱۵) عِنْدَ رَبِّكَ۔ یعنی اپنے آقا بادشاہ ملک سے...... بعض جدید اہل قلم نے بادشاہ کے لئے ایک پیمبر کی زبان سے لفظ رب کے ادا ہونے پر بڑی حیرت کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ جب لفظ کے کھلے ہوئے معنیٰ علاوہ خالق پروردگار کے آقا و مالک کے بھی موجود ہیں تو اس کے استعمال پر یہ اظہار حیرت خود حیرت انگیز ہے۔ پیمبر علیہ السلام حقائق کے ترجمان ہوتے ہیں ان کی زبان آجکل کے اخبار نویسوں پر جوش خطیبوں اور سیاسی لیڈروں کی زبان نہیں ہوتی۔ مالک و آقا کی تعبیر لفظ رب سے کرنا زبان عرب میں عام ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳۹ صفحہ ۵۱۸ ذلک معروف فی اللغة ان یقال للسید رب (قرطبی) الرب المالک والسید والمصلح والمعبود (ابو البقاء) محققین نے لکھا ہے کہ اسباب عادی سے کام لینا بالکل جائز ہے اس لئے اس باب میں حضرت یوسف علیہ السلام پر کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اور یہ حقیر کہتا ہے کہ یہاں تو جس سے استعانت کی جا رہی ہے وہ تو سرے سے مومن ہی نہ تھا کافر ہی تھا۔ اور استعانت کرنے والے ایک نبی برحق ہیں!...... یہاں سے ان تقوای میں غلو کرنے والے متشددین کی بے حقیقتی بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ جنہوں نے مخلوق سے ہر استعانت کو ناجائز بلکہ حرام قرار دیا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ازالۂ شدت و محن کے لئے کسی مخلوق سے استعانت کرنے میں مطلق مضائقہ نہیں خصوصاً اس سے جس پر احسان کیا ہو احسان سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور محبت سے یہ استعانت گوارا ہو جاتی ہے۔ و۸۹ اس ''چند سال'' کی مدت کی تعیین کہیں سے نہ ہو سکی البتہ یہ واضح ہے کہ یہ میعاد نو سال کے اندر ہی تھی۔ عربی میں بضع کا اطلاق ۳ سے ۹ کے عدد تک ہوتا ہے۔ اور آیت کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کی مدتِ قیام جیل میں ان دونوں کے چھوٹنے کے بعد بھی کئی سال کی رہی۔ ہو سکتا ہے کہ بِضْعَ سِنِيْنَ۔ سے مراد آپؑ کی کل مدت جیل کے اندر بسر کرنے کی ہو۔ یہ آپ کے جیل خانہ میں پڑے رہنے کا ذکر بہ طور عتاب کے نہیں ہے بلکہ اسے محض نسیان پر مرتب کرنے سے مقصود صرف اس امر کا اظہار ہے کہ وہ شخص جو درمیانی واسطہ تھا چونکہ بھول گیا اس لئے کوئی سامان آپ کے نکلنے کا نہ ہو سکا...... اپنی دنیوی راحت کے جائز حصول کی فکر کرنا اور اس کے لئے اسباب عادیہ کو کام میں لانا مثلاً یہیں جیل سے رہائی پانے کے لئے ایک کافر خیر خواہ کو واسطہ بنانا اس کے ذریعہ سے ایک کافر بادشاہ تک بات پہنچانا جب مرتبۂ نبوت و کمال تقوای کے منافی نہیں تو عام دنیا داروں کے لئے تو مباح بدرجۂ اولیٰ ہے۔ توریت میں ہے:۔ ''اور تیسرے دن جو فرعون کی سالگرہ کا دن تھا اس نے اپنے سب نوکروں کی مہمانی کی اور اس نے سردار ساقی اور نان پز کی اپنے نوکروں سے روبکاری کی اور اس نے سردار ساقی کو اس کی خدمت پر پھر قائم کیا اور اس نے فرعون کے ہاتھ میں جام دیا...... پر سردار ساقی نے یوسف علیہ السلام کو یاد نہ کیا بلکہ اسے بھول گیا۔'' (پیدائش ۴۰: ۲۰۔۲۳) و۹۰ اب تذکرہ ایک عرصہ بعد کا شروع ہوتا ہے بادشاہ مصر نے بھی ایک خواب دیکھا اور اپنے ارکان دولت سے بیان کیا...... یہ واضح رہے کہ ملک مصر اس وقت سات صوبوں میں تقسیم تھا اور زراعت کی دیوی گائے کی صورت میں تھی۔ (ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے) توریت میں اس خواب کو بھی حسب معمول بڑی طوالت سے بیان کیا ہے (پیدائش ۴۱: ۱۔۷) و۹۱ اب آج کوئی بادشاہ ایسا خواب دیکھے تو شاید پروا بھی نہ کرے لیکن اس وقت مصر میں سحر۔ نجوم و کہانت کے علوم کے ساتھ ساتھ خوابوں کی بھی بڑی اہمیت تھی۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ توریت میں ہے:۔ ''اور فرعون جاگا اور دیکھا کہ وہ خواب تھا اور یوں ہوا کہ صبح کو اس کا جی گھبرایا تب اس نے مصر کے سارے جادوگروں اور اس کے سب دانشمندوں کو بلا بھیجا اور فرعون نے اپنا خواب ان سے کہا پر ان میں سے کوئی فرعون کے خواب کی تعبیر نہ کر سکا۔'' (پیدائش ۴۱: ۸) و۹۲ درباریوں نے کہا کہ یہ کوئی باقاعدہ مربوط تعبیر طلب خواب تھوڑے ہی ہے

الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَ ادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ

رہائی مل گئی تھی وہ بولا اور ایک مدت کے بعد اسے یاد پڑا (اور بولا) کہ میں (ابھی) اس کی تعبیر

بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ

لائے دیتا ہوں ذرا مجھے جانے دیجیے ف۹۳ اے یوسف اے صدقِ مجسم

اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

ہم لوگوں کو حکم تو بتایئے (اس خواب کا) کہ سات گائیں موٹی ہیں انہیں سات (گائیں)

عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ

دبلی کھائے جاتی ہیں اور سات بالیاں سبز ہیں اور (سات ہی) اور خشک

لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

تاکہ میں لوگوں کے پاس جاؤں کہ ان کو (بھی) معلوم ہو جائے ف۹۴

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ

(یوسف نے) کہا تم سات سال متواتر کاشتکاری کئے جاؤ پھر جو فصل کاٹو

فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾

اسے اس کی بالی ہی میں لگا رہنے دو بجز تھوڑی مقدار کے کہ اسی کو کھاؤ ف۹۵

ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ

پھر اس کے بعد سات سال سخت آئیں گے کہ اس (ذخیرہ) کو کھا جائیں گے

مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ

جو تم نے فراہم کر رکھا ہے بجز اس تھوڑی مقدار کے جو تم (بیج کے واسطے) رکھ چھوڑو گے

یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ

ف۹۶ پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگوں کے لئے (خوب) بارش ہو گی

یہ تو پریشان خیالیوں کی طرح پریشان خوابیاں ہیں ان کی تعبیر کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ ف۹۳ (جیل خانہ میں یوسف علیہ السلام صدیق تک) اَلَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا۔ ظاہر ہے کہ وہی ساقی مراد ہے جو عرصہ ہوا جیل کی حوالات سے چھوٹ آیا تھا۔ وَ ادَّكَرَ۔ یعنی اسے حضرت یوسف کا ماجرا بادشاہ سے کہنا یاد آ گیا۔ بَعْدَ اُمَّةٍ۔ امۃ مدت طویل کے معنی میں ہے۔ ای بعد مدة طویلة (کشاف۔ بحر) توریت کے طول طویل بیان کے لئے ملاحظہ ہو (پیدائش ۴۱:۹۔۱۳) ف۹۴ ساقی آپ کی بزرگی کا پوری طرح معتقد ہے جیسا کہ اس کے خطاب اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ۔ سے بالکل ظاہر ہے۔ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ۔ یعنی ان لوگوں کے پاس واپس پہنچوں جنہوں نے مجھے یہ تعبیر دریافت کرنے بھیجا ہے اور جو میری واپسی کے منتظر ہوں گے۔ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ۔ انہیں علم پہلے تو تعبیر خواب کا ہو جائے اور پھر ضمناً آپ کی بزرگی اور پاکبازی بھی ان پر روشن ہو جائے۔ ف۹۵ یہ واضح رہے کہ مصر تمامتر ایک زرعی ملک تھا۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ ف۹۶ حضرت یوسف علیہ السلام آخر نبی ہی تھے یا اس وقت ہونے والے نبی تھے آپ کے اخلاق کی بلندی کا کیا کہنا ساقی سے اس کی مجرمانہ غفلت پر کسی قسم کے شکوہ وشکایت کے بجائے پوری خوش دلی کے ساتھ اسے تعبیر بتا دیتے ہیں۔ اور تعبیر ہی پر اکتفا نہیں کرتے ساتھ ہی ساتھ اور بلا سوال و درخواست انتظام قحط کی تدبیر بھی بتائے جاتے ہیں! توریت کے طول طویل بیان کے لئے ملاحظہ ہو (پیدائش ۴۱:۲۵۔۲۶)

وک۹ تعبیر وتدبیر کے بعد اب آپ بشارت بھی غالباً وحی الٰہی کے ماتحت سنا رہے ہیں۔ یہ قحط جو اس قوت پڑا دنیا کے سخت ترین قحطوں میں سے ہوا ہے اور عالم کی تاریخ قحط میں ایک اہم مقام رکھتا ہے آگے چل کر یہ حدودِ مصر تک محدود نہ رہا بلکہ حجاز فلسطین شام تمام ممالک ملحقہ میں اس کی شدت محسوس ہوئی، بلکہ توریت میں تو یہاں تک درج ہے کہ یہ قحط عالمگیر تھا اور ساری دنیا اس مصیبت سے بلبلا اٹھی:۔ "اور سب زمین میں گرانی ہوئی۔" (پیدائش ۴۱: ۵۴) "اور تمام روئے زمین پر کال تھا۔" (پیدائش ۴۱: ۵۶) "سارے ملک مصر میں یوسف کنے مول لینے آئے کیونکہ سب ملکوں میں سخت کال تھا۔" (پیدائش ۴۱: ۵۷) ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فِيهِ يَعْصِرُونَ۔ حضرت کا مخاطب براہ راست یاد کر لیجئے کہ شاہی ساقی ہے جس کا تعلق ہی شیرہ اور شراب سے ہے اس سے گفتگو میں اسی کے کام کی چیز لانا کس درجہ بلیغ اور برمحل ہے يُغَاثُ۔ مصدر غیث کا صیغہ ہے جس کے معنی بارش کے ہیں ابن عباس ﷠ صحابی اور مجاہد تابعی وغیرہ سے یہی منقول ہے اور جمہور نے اسی قول کو اختیار کیا ہے لیکن دوسرا قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ یہ مصدر غوث کا صیغہ ہے جس کے معنی کشائش ہو جانے، فریاد رسی ہونے کے ہیں۔ اویغاثون من الغوث (بیضاوی) قیل ھو الغوث ای الفرج (روح) یحتمل ان یکون من الغوث وھو الفرج (بحر) من الغوث ای یجاب مستغیثھم (مدارک)

وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٤٩﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ

اور اس میں وہ شیرہ بھی نچوڑیں گے وک۹ اور بادشاہ نے کہا میرے پاس تو لاؤ و۹۸

فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ

پھر جب قاصد ان کے پاس پہنچا تو (یوسفؑ نے) کہا کہ اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے دریافت کر کہ

مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ

ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے تھے و۹۹ بے شک

رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ

میرا پروردگار عورتوں کے چرتر سے خوب واقف ہے و۱۰۰ (بادشاہ نے) کہا کہ (اے عورتو) تمہارا کیا واقعہ ہے

إِذْ رَاوَدْتُنَّ يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ

جب تم نے یوسفؑ سے اپنا مطلب نکالنے کی خواہش کی تھی؟ و۱۰۱ وہ بولیں حاشا اللہ

لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ

ہم کو تو ان میں کوئی بھی بات برائی کی نہ معلوم ہوئی و۱۰۲ عزیز کی بیوی

الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدْتُهُ

بولی کہ اب تو سچی بات سب پر ظاہر ہو ہی چکی ہے، ان سے اپنا مطلب نکالنے کی

عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٥١﴾ ذَٰلِكَ

کوشش تو میں نے کی تھی اور وہی بیشک سچے ہیں و۱۰۳ یہ (سب) اس لئے تھا

لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ

کہ (عزیز کو اور زیادہ) علم ہو جائے کہ میں نے ان کے پیچھے بھی ان کی خیانت نہیں کی ہے اور یہ کہ اللہ

لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ﴿٥٢﴾

خیانت کرنے والوں کی چال کو چلنے نہیں دیتا و۱۰۴

یغاث۔ یعصرون۔ اوپر سے حضرت یوسف ؑ کا تخاطب اہل مصر سے چلا آ رہا ہے اور ہر جگہ صیغہ جمع مخاطب استعمال ہو رہا ہے اور اس سارے کلام کا تعلق انتظامات قحط سے ہے یہاں پہنچ کر یک بیک صیغہ بدل جاتا ہے اور بجائے مخاطب کے غائب کا ہو جاتا ہے یعنی "لوگوں کے لئے" بارش یا فریاد رسی ہوگی اور "لوگ" شیرہ نچوڑیں گے گویا صاف اشارہ اس امر کی طرف کر دیا کہ رفع قحط کا تعلق تنہا مصر سے نہیں باہر کے ملکوں سے بھی ہے اور بارش دنیا کے مختلف علاقوں میں ہوگی...... قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان کہ ضمناً بھی کہاں کہاں باتیں بتا جاتا ہے اگر بجائے خود اعجاز نہیں تو اور کیا ہے۔ عَامٌ۔ کے معنی بھی سنة کی طرح سال ہی کے ہیں لیکن استعمال میں فرق یہ ہے کہ خشکی اور تنگی کے موقع پر سنة لایا جاتا ہے اور شادابی وخوشحالی کے موقع پر عام بولا جاتا ہے۔ العام کالسنة لکن کثیراً ماتستعمل السنة فی الحول الذی یکون فیہ الشدة والجدب والعام فی ما فیہ الرخاء والخصب (راغب) و۹۸ ساقی آ کر مفصل رپورٹ بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے بادشاہ اتنی مفصل اور دلنشین تعبیر سن کر یوسف ؑ کا غائبانہ معتقد ہو جاتا ہے اور قدرۃً مشتاقِ زیارت بھی۔ و۹۹ (کبھی انہیں بلا کر میرے حال کی بھی تحقیق کی؟) اِلٰى رَبِّكَ۔ رب کا لفظ اس سورۃ میں بار بار آقائے مجازی وظاہری کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔ ملاحظہ ہو ان کو میرے پاس و۱۰۰ یعنی اللہ پر تو میری بے گناہی اور عورتوں کے جوڑ توڑ روشن ہی ہیں میں چاہتا ہوں کہ میرے جیل سے باہر آنے سے قبل خلق پر بھی میری بے گناہی روشن ہو جائے۔ كَيْدِهِنَّ۔ میں ضمیر بعض نے کہا کہ انہی مخصوص عورتوں کی جانب ہے اور بعض نے کہا کہ نہیں عام جنس نسوان کی جانب ہے۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا ہے کہ آپؑ نے چاہا کہ تہمت کا ازالہ ہو جائے اور مقتدا کو یہی مناسب ہے تاکہ اس کی دعوت الی الحق پر نفع مرتب ہو۔ و۱۰۱ (یعنی آیا تم نے ان میں اپنی جانب رغبت والتفات پایا تھا؟ ھل وجدتن فیہ میلاً (کشاف) اب وہ "لیڈیاں" دربار میں بلائی گئی ہیں اور ان سے تحقیقات شروع ہوئی ہے۔ و۱۰۲ (اور ہماری شہادت ہے کہ وہ بالکل پاک وصاف ہیں) حَاشَ لِلَّهِ۔ کلمۂ تعجب یوسف ؑ کے کمال عصمت وپاکبازی کے اظہار کے لئے ہے۔ قلن حاشا للہ تعجباً من عفتہ و ذھابہ بنفسہ عن شئ من الریبة ومن نزاھتہ عنھا (کشاف) مِنْ سُوءٍ۔ یعنی کسی قسم کی بھی برائی، کوئی شائبہ بھی برائی کا ان میں نہ پایا۔ و۱۰۳ زلیخا نے جب دیکھا کہ بڑی چھوٹی سب شہادتیں اس کے خلاف ہی گزر گئیں تو اب صاف لفظوں میں اقرار کر لیا کہ قصور سرتاسر میرا ہے دامن یوسفی ہر لوث ہر داغ سے پاک ہے وہ شروع ہی سے متقی وپاکباز رہے۔ و۱۰۴ جیسا کہ اس سارے قصہ سے ظاہر ہے کہ کسی کی چالاکی دیر تک چلنے نہیں پاتی آخر میں سب کی اصلیت ظاہر ہی ہو کر رہی...... یہ سارا قول یوسف ؑ کا ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہ اہتمام برأت ورفع تہمت۔ ای ذلک التثبیت والتشھیر لظھور البراءۃ (کشاف) ای ذلک التثبیت (بیضاوی) لِيَعْلَمَ۔ ضمیر عزیز کی طرف ہے۔ لیعلم العزیز (معالم) لیعلم العزیز (کشاف۔ بیضاوی) عزیز کو یوسف کی پارسائی اور بے گناہی کا علم تو پہلے ہی ہو چکا تھا مقصود یہ ہے کہ اب یقین اور زاید ہو جائے۔ اَنِّي لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ۔ عزیز کی خیانت اس کے غیب میں یہی تھی کہ اس کی بیوی کے ناموس کو داغدار کیا جائے — حضرت یوسف ؑ ملک میں اس جرم کی اہمیت کو دیکھ کر اس سے اپنی تبری کا خاص اہتمام فرماتے ہیں۔ اور یہیں سے ان مفسرین کی صحت تفسیر کی ایک اور شہادت ملتی ہے جنہوں نے انہ ربی احسن مثوای میں رب سے مراد عزیز ہی سے لی ہے۔ سطور ماسبق میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ مصری تہذیب وتمدن میں زنا بجائے خود کوئی اتنا بڑا جرم نہ تھا جتنا ایک شادی شدہ عورت کا اپنے شوہر کے حقوق خصوصی میں خیانت:۔

وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ

اور میں اپنے نفس کو بھی بری نہیں بتلاتا بیشک نفس تو بری ہی بات کا بتلانے والا ہے

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾

بجز اس (نفس) کے جس پر میرا پروردگار رحم کر دے ف۱۰۵ بیشک میرا پروردگار بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے، ف۱۰۶

وَ قَالَ الۡمَلِکُ ائۡتُوۡنِیۡ بِہٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡہُ لِنَفۡسِیۡ ۚ

اور بادشاہ نے کہا ان کو میرے پاس لاؤ میں ان کو خاص اپنے (کام کے) لئے رکھوں گا ف۱۰۷

فَلَمَّا کَلَّمَہٗ قَالَ اِنَّکَ الۡیَوۡمَ لَدَیۡنَا مَکِیۡنٌ اَمِیۡنٌ ﴿۵۴﴾

پھر جب ان سے گفتگو کی ف۱۰۸ تو ان سے کہا کہ تم آج سے ہمارے ہاں (ہر طرح) معزز ہو معتبر ہو ف۱۰۹

قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ

(یوسفؑ نے) کہا مجھے ملک کے پیداواروں پر مامور کر دیجئے میں دیانت (بھی) رکھتا ہوں، علم (بھی) رکھتا ہوں

عَلِیۡمٌ ﴿۵۵﴾ وَ کَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوۡسُفَ فِی الۡاَرۡضِ ۚ

ف۱۱۰ اور ہم نے اسی طرح یوسفؑ کو ملک میں با اختیار بنا دیا

یَتَبَوَّاُ مِنۡہَا حَیۡثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیۡبُ بِرَحۡمَتِنَا مَنۡ

کہ اس میں جہاں چاہیں رہیں سہیں ف۱۱۱ ہم جس پر چاہیں، اپنی رحمت

نَّشَآءُ وَ لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۶﴾ وَ لَاَجۡرُ

نازل کریں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ف۱۱۲ اور آخرت کا

الۡاٰخِرَۃِ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿۵۷﴾ ع

اجر کہیں بڑھ کر ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کئے رہتے ہیں ف۱۱۳

وَ جَآءَ اِخۡوَۃُ یُوۡسُفَ فَدَخَلُوۡا عَلَیۡہِ فَعَرَفَہُمۡ

اور یوسفؑ کے بھائی بھی آئے، پھر ان کے پاس پہنچے ف۱۱۴ سو (یوسفؑ نے) ان کو پہچان لیا

ف۱۰۵ (جیسا کہ وہ ہر نبی کے نفس کو اس آلائش سے پاک کر دیتا ہی ہے) نبی برحق حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت اب سب پر روشن ہو چکی ہے۔ اور آپ خود بھی ابھی ابھی اپنی زبان سے اس کا اظہار فرما چکے ہیں۔ ذلک لیعلم انی الخ اس کے معاً بعد آپ یہ کلیہ بیان فرماتے ہیں کہ نفس بشری تو برائیوں کی جانب رجحان رکھتا ہی ہے۔ اور خود میرا نفس بھی بذات خود اس سے مستثنیٰ نہیں، جیسا ملکہ بدی سب انسانوں کے نفس میں ہے، میرے نفس میں بھی ہے، لیکن حکیم مطلق جسے نبی بناتا ہے اسے نفس بشری کے ساتھ ایک نفس پیمبری بھی دے دیتا ہے، ان آلائشوں سے پاک صاف جس کا تعلق اپنے مالک ومولیٰ سے ہر وقت جڑا رہتا ہے اور یہی ہمہ وقتی تعلق اسے ہر معصیت سے ہر اخلاقی لغزش سے روکے اور سنبھالے رہتا ہے۔ پس میں اگر معصوم رہوں تو اس میں میرا کوئی ذاتی کمال ذرا سا بھی نہیں۔ یہ تو تمام تر میرے مالک ومولیٰ کے فضل خاصہ کا نتیجہ ہے۔ وَمَآ اُبَرِّئُ...... اَلسُّوْٓءِ۔ انسان اپنے نفس کی اطاعت کرے یا نہ کرے، یہ الگ سوال ہے، نفس تو بہرحال بدی کی ترغیب دیتا اور بدی کی راہوں کی طرف لے جاتا ہی رہتا ہے تو بھلا نفس کا تبریہ کیونکر ممکن ہے۔ یعنی ان النفس کثیرۃ النزاع الی السوء فلایبری نفسہ وان کان لا یطاوعھا (صاص) اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ۔ حضرات انبیاء کے مرتبۂ تواضع کا کیا کہنا۔ اپنی خوبی کے حصہ کو منسوب اپنی جانب کرنے کے بجائے اسے نتیجہ تمام تر فضل خداوندی کا قرار دیا جا رہا ہے۔ ف۱۰۶ چنانچہ شان غفر کا تقاضہ یہ ہے کہ نفس امارہ کو بھی توبہ وانابت کے بعد لوامہ بنا کر مغفرت اس پر مرتب کر دیتا ہے اور شان رحیمی کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنی موہبت خاص سے انبیاء کو نفس مطمئنہ عطا کر دیتا ہے۔ ف۱۰۷ کہ یہ تو اپنی سیرت خاص اور کردار اعلیٰ اور انتظامی اہلیت کے لحاظ سے سرکاری وشاہی مناصب کے لائق ہیں۔ یہ اب تک نج کی ملازمت میں کیسے پڑے رہ گئے) توریت میں ہے:۔ ”یہ تعبیر فرعون کی نگاہ میں اور اس کے سب نوکروں کی نظر میں اچھی معلوم ہوئی۔ فرعون نے اپنے نوکروں کو کہا کیا ہم ایسا جیسا یہ مرد ہے کہ جس میں خدا کی روح ہے، پا سکتے ہیں؟“ (پیدائش ۴۱:۳۸) ف۱۰۸ (اور اس گفتگو سے بادشاہ پر آپ کے مزید کمالات وفضائل منکشف ہوئے) ف۱۰۹ (ان اونچے اور بھروسہ کے عہدہ ومنصب کے لائق) توریت میں ہے:۔ ”اور فرعون نے یوسف علیہ السلام سے کہا از بس کہ خدا نے اس سب میں تجھے بینائی دی ہے۔ سو کوئی تجھ سا عاقل ودانشور نہیں ہے۔ تو میرے گھر کا مختار ہو اور اپنا حکم میری سب رعیت پر جاری کر۔ فقط تخت نشینی میں میں تجھ سے بزرگ تر رہوں گا۔“ (پیدائش ۴۱:۳۹-۴۰) ف۱۱۰ یعنی ایسے بڑے اور ذمہ دارانہ عہدہ کے لئے ضرورت دو چیزوں کی ہوتی ہے۔ ایک دیانت وامانت، دوسرے اس کام سے واقفیت۔ سو مجھ میں یہ دونوں وصف موجود ہیں۔ حضرت یوسف کا عہدہ گویا آج کل کی اصطلاح میں وزیر مال (ریونیو منسٹر) اور وزیر خزانہ (فنانس منسٹر) کا جامع تھا۔ اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ۔ یہ عہدہ آج کل کی اصطلاح میں ریونیو منسٹر (وزیر محاصل ومالگذاری) اور فنانس منسٹر (وزیر مال وخزانہ) کا جامع معلوم ہوتا ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جب مقصود نفع رسانی ہو نہ کہ نفس پروری، تو اپنے کو عہدہ ومنصب کے لئے پیش کر دینا ناجائز نہیں، یہاں تک کہ غیر مسلم نظام حکومت کے ماتحت بھی عہدہ ومنصب قبول کر لینا مطلق صورت میں حرام نہیں۔ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی کو واقف کرنے کے لئے اپنے فضل وکمال کو بیان کر دینا بالکل جائز ہے اور فلا تزکوا انفسکم کے تحت میں نہیں آتا۔ فوصف نفسہ بالعلم والحفظ وفی ھذا دلالۃ علی انہ جائز للانسان ان یصف نفسہ بالفضل عند من لا یعرفہ وانہ لیس من المحظور من تزکیہ النفس (صاص) دلت الأیۃ علی انہ یجوز للانسان ان یصف نفسہ بما فیہ من علم وفضل (قرطبی) دلت الأیۃ علی جواز ان یخطب الانسان عملاً یکون لہ اھلاً (قرطبی) توریت میں ہے۔ ”پھر فرعون نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ دیکھ میں نے تجھے ساری زمین مصر پر حکومت بخشی، اور فرعون نے اپنی انگشتری اپنے ہاتھ سے نکال کر یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں پہنا دی۔ تب اس کے آگے منادی کی گئی، سب ادب سے رہو۔ اور اس نے اسے مصر کی ساری مملکت پر حاکم کیا اور یوسف کو کہا، میں فرعون ہوں اور تیرے بغیر مصر کی ساری زمین میں کوئی انسان اپنا ہاتھ یا پاؤں نہ اٹھائے گا“۔ (پیدائش ۴۱:۴۴) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت ہے کہ منصب وحکومت کی درخواست جبکہ اس میں مخلوق کا نفع ہو اور خود اپنا یہ ضرر نہ ہو کہ غیر اللہ میں مشغول ہو جائے، قادح کمال نہیں۔ ف۱۱۱ (اور عملاً انہی کو ملک کے سیاہ وسفید کا مالک بنا دیا) کَذٰلِکَ مَکَّنَّا۔ یعنی اس عجیب وغریب طریقہ سے، ایسے معجزانہ انداز سے...... کہاں تو وہ کنوئیں کی گہرائیوں اور جیل کی چاردیواری کے اندر وہ بے بسی اور بے کسی تھی اور کہاں یہ اقتدار مطلق العنانی کی حد تک حاصل ہو گیا، اس وقت کی متمدن ترین سلطنت میں! توریت میں ہے:۔ ”اور فرعون نے یوسف کا خطاب جہاں پناہ رکھا...... اور یوسف مصر کی زمین میں پھرا...... اور یوسف فرعون کے حضور سے نکل کر مصر کی ساری زمین میں پھرا“۔ (پیدائش ۴۱:۴۴) مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ۔ خوب خیال کر لیا جائے، ایک کافر بادشاہ کی بخشی ہوئی اس عزت کو قرآن مجید تمکین فی الارض سے تعبیر کرتا اور موقع مدح واحسان پر اس کا اظہار کرتا ہے۔ ف۱۱۲ یعنی نیک کاروں، نیک کرداروں کا اجر ومعاوضہ تو موعود ہی ہے، باقی رحمت وفضل کا ذکر کوئی ضابطہ متعین نہیں۔ جس پر وہ چاہے بلا حق واستحقاق کر دے۔ ف۱۱۳ یعنی اہل ایمان وتقویٰ کے لیے آخرت میں جو انعام ہے، وہ دنیا کی ہر دولت ونعمت سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا اقتدار بھی نیکوکاری کا اصلی صلہ نہیں۔ ف۱۱۴ یہ ذکر اس وقت کا ہے جب قحط شدید نہ صرف مصر میں پڑ چکا ہے بلکہ اس کے اثرات فلسطین وغیرہ دوسرے ملکوں تک محیط ہو چکے ہیں اور یہ ذکر یوسف علیہ السلام کے ان دس سوتیلے بھائیوں کا ہو رہا ہے،

جو آپ کے سر مصیبت لائے تھے۔ یہ عظیم الشان اور تاریخی قحط تو مصر کے تمام ملحقہ ممالک میں تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ دوسری اور جگہوں میں قحط ہی قحط تھا۔ اور یہاں یوسف علیہ السلام کے حسن تدبیر سے قحط کا انتظام بھی تھا۔ ایسا کہ نہ صرف مصریوں کو غلہ پہنچتا رہا بلکہ باہر والوں کے ہاتھ بھی ایک نرخ مقرر پر فروخت ہوتا رہا...... "راشننگ" اور "کنٹرول" کی یہ بہترین تاریخی نظیر بھی ایک پیمبر ہی کے روئداد زندگی کا جزو ہے۔ توریت میں ہے:۔ "اور سب زمین میں گرانی ہوئی پر ہنوز مصر کی ساری زمین میں روٹی تھی۔ پر جب ساری زمین مصر بھوک سے ہلاک ہونے لگی تو خلق روٹی کے لیے فرعون کے لیے آگے چلائی...... اور تمام روئے زمین پر کال تھا...... اور سارے ملک مصر میں یوسف کنے مول لینے آئے، کیونکہ سب ملکوں میں سخت کال تھا"۔ (پیدائش ۴۱: ۵۴۔۵۷) "سو یوسف کے دس بھائی غلہ مول لینے کو مصر میں آئے"۔ (پیدائش ۴۲: ۳) آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ملکی معاملات میں حسن انتظام وتدبر اعلیٰ، کمالات نبوت تک کے منافی نہیں، چہ جائیکہ اسے کسی اور مقبول وبرگزیدہ بندہ کے کمالات روحانی کے منافی سمجھا جائے۔ وَ جَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ۔ یعنی برادران یوسف مصر میں غلہ لینے کے لیے آئے۔ ف۱۱۵ اب حضرت یوسف علیہ السلام کا عالم ہی ظاہر ہے کہ دوسرا تھا۔ وہ غریب بھلا اس عالم میں آپ کو کیا پہچانتے، اُن کا تو ذہن بھی ادھر نہیں جا سکتا تھا کہ جس "ذلیل غلام" کو وہ قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ آئے ہیں وہ کہیں اتنی بڑی سلطنت کا وزیر اعظم یا مدار المہام ہو سکتا ہے! اور کہاں لڑکپن کے چہرہ کا نقشہ اور کہاں اب پختہ سن وسال کا چہرہ مہرہ! توریت میں ہے:۔ "سو یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے اور اپنے کو زمین کی طرف جھکائے ہوئے اُس کے حضور خم ہوئے۔ یوسف نے اپنے بھائیوں کو دیکھا اور انہیں پہچان گیا...... یوسف نے تو اپنے بھائیوں کو پہچانا، پر انہوں نے اُسے نہ پہچانا"۔ (پیدائش ۴۲: ۷۔۹) ف۱۱۶ یعنی اب تو تمہیں خود ہی مشاہدہ ہو گیا کہ میں ہر شخص کا حصہ دیتا رہتا ہوں۔ کسی کا حصہ کاٹتا نہیں۔ گیارہ آدمی آؤ گے تو پورے گیارہ حصے ملیں گے۔ توریت میں ہے:۔ "اور تم کال کے لیے اپنے گھر میں غلہ لے جاؤ لیکن اپنے چھوٹے بھائی کو مجھ پاس لے آئیو۔ تمہاری باتیں یوں ثابت ہوں گی اور تم نہ مرو گے"۔ (پیدائش ۴۲: ۱۹۔۲۰) ائْتُوْنِیْ...... اَبِیْكُمْ۔ ان دس بھائیوں کو جب اُن کے حصہ کا پورا غلہ مل گیا تو انہوں نے عرض کیا کہ علاوہ ہمارے بوڑھے باپ کے ہمارا ایک علاتی بھائی بھی ہے۔ اس کا حصہ بھی عطا ہو۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے ضابطہ کا جواب دیا کہ اُس کو لا کر حاضر ہو۔ جب تمہارا دعویٰ ثابت ہو۔ اور جب ہی اُس کا حصہ بھی ملے۔ اَنِّیْۤ اُوْفِی الْكَیْلَ۔ یعنی فی نفر پورا پورا حساب کر کے دیتا ہوں۔ اسی طریقہ کو آج کی اصطلاح میں راشننگ یا راتب بندی کہتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ سے معلوم ہوا کہ اپنی خوش معاملگی کا اظہار اگر مقصود اس سے اپنی مدح نہ ہو بلکہ کوئی اور مصلحت ہو تو تواضع کے منافی نہیں۔ ف۱۱۷ (کہ اس صورت میں میں تمہیں کاذب سمجھوں گا۔ اور یہی نتیجہ نکالنا ہوگا کہ تم نے مجھے دھوکا دے کر ایک زائد حصہ وصول کرنا چاہا تھا، غلہ ایک ایک کو ایک مقدار معین میں ملتا تھا اور اس میں غائبوں کا کوئی حصہ نہ تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ ہر شخص فرضی تعداد غائبوں کی بتا کر جتنا چاہتا خود حاصل کر لیتا اور دوسروں کا حصہ کٹ جاتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی بس یہی فرمایا کہ اپنے دعویٰ کا ثبوت لا حاضر کرو، ورنہ تمہارا دعویٰ سرے سے باطل سمجھا جائے گا...... نفع اندوزی (پرافیٹرنگ) اور چور بازاری (بلیک مارکٹنگ) جس طرح آج گرانی اور کمیابی اشیاء کے زمانہ میں ایک سخت قانونی جرم ہے۔ عجب کیا ہے جو اس وقت کے مصری قانون میں بھی ہو۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے اس طریق عمل نے ثابت کر دیا کہ خشک سالی کے زمانہ میں جب ہلاکت نفوس کا اندیشہ ہونے لگے، ہمیشہ حکام کے لیے جائز ہے کہ ہر فرد کے لیے اس کی ضرورت کے مطابق راتب بندی کر دی جائے۔ و فی ما قص الله تعالیٰ علینا من قصة یوسف و حفظه للاطعمة فی سنی الجدب و قسمتهٗ علی الناس بقدر الحاجة دلالة علیٰ ان الائمة فی کل عصران یفعلوا مثل ذٰلک اذا خافوا هلاک الناس من القحط (جصاص) ف۱۱۸ یعنی باپ سے کہہ سن کے اُس بھائی کے لانے کی کوشش اپنی والی تو ضرور ہی کر ڈالیں گے۔ ف۱۱۹ یعنی جب اپنے وطن پہنچ کر یہ قیمت بھی واپس شدہ پائیں گے تو اس احسان وکرم سے متاثر ہو کر پھر تو ضرور ہی آئیں گے۔ توریت میں ہے:۔ "تب یوسف علیہ السلام نے حکم کیا کہ اُن کے بورے غلہ سے بھریں اور ہر شخص کی نقدی اُس کے بورے میں رکھ کر پھیر دیں اور انہیں سفر کی خورش بھی دے دیویں۔ اُن سے یوں سلوک کیا گیا"۔ (پیدائش۔ ۴۲: ۲۵) ف۱۲۰ (آپ ان کو ہمارے ہمراہ کرنے میں ان کے متعلق کسی پس وپیش کو دخل نہ دیں، ہم ان کی بہ حفاظت واپسی کا پورا ذمہ لیتے ہیں) فرزندان یعقوب علیہ السلام نے آ کر اپنے والد ماجد سے عرض کیا کہ ہمیں اپنے گیارہویں بھائی کا حصہ تو ملا نہیں بلکہ آئندہ کے لیے ہمیں یہ فرمان ہوا ہے کہ ہم لوگ اگر اُسے نہ لے گئے تو یہ سمجھا جائے گا کہ ہم لوگ دغا سے گیارہواں حصہ وصول کرنا چاہتے تھے اور غلہ کا حصہ ہم میں سے کسی ایک کو بھی نہ ملے گا۔ تو اب اس کا علاج صرف یہ ہے کہ اب کی بنیامین کو بھی ہمارے ہمراہ کر دیجیے۔ توریت میں ہے:۔ "آخر وہ زمین کنعان میں اپنے باپ یعقوب کے پاس پہنچے، اور اپنا سب حال جو اُن پر گزرا تھا اُس سے کہا اور بولے کہ وہ شخص جو اُس ملک کا مالک ہے ہم سے سختی سے بولا اور ہمیں زمین کے جاسوس ٹھہرایا۔ ہم نے اُسے کہا ہم سچے آدمی ہیں۔ ہم جاسوس نہیں ہیں۔ ہم بارہ بھائی ایک باپ کے بیٹے ہیں۔ ہم میں سے ایک نہیں ملتا۔ اور سب سے جو چھوٹا ہے، آج اپنے باپ کے پاس زمین کنعان میں ہے۔ تب اُس شخص نے جو ملک کا مالک ہے،

وَ هُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ

درآنحالیکہ وہ لوگ ان سے نا آشنا رہے ف۱۱۵ اور جب (یوسفؑ) ان کا سامان تیار کر چکے

قَالَ ائْتُوْنِیْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِیْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْۤ

(تو) ان سے کہا کہ (اب کی) اپنے علاتی بھائی کو بھی لانا کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں

اُوْفِی الْكَیْلَ وَ اَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ

پوری پوری ناپ کر دیتا ہوں اور میں مہمان نوازی خوب کرتا ہوں ف۱۱۶ لیکن اگر تم اسے میرے پاس نہ

بِهٖ فَلَا كَیْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَ لَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا

لائے تو نہ تمہارے پیمانہ (کا غلہ) میرے پاس ہوگا اور نہ تم خود میرے پاس آنا ف۱۱۷ وہ بولے

سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَ اِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَ قَالَ لِفِتْیٰنِهِ

ہم اس کے باپ سے ضرور اس کو طلب کریں گے، اور (ایسا) ہم ضرور کریں گے ف۱۱۸ اور (یوسفؑ) نے اپنے

اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِیْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ یَعْرِفُوْنَهَاۤ

خادموں سے کہا کہ ان کی نقدی انہی کے سامان میں رکھ دو کہ جب اپنے لوگوں کے پاس واپس پہنچیں

اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾

تو اسے پہچانیں اس سے شاید کہ وہ پھر آئیں ف۱۱۹

فَلَمَّا رَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَبِیْهِمْ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا

غرض جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس پہنچے تو بولے اے ہمارے باپ! ہمارے لیے

الْكَیْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكْتَلْ وَ اِنَّا لَهٗ

غلہ بند کر دیا گیا ہے سو آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجیے تو ہم غلہ لا سکیں، اور ہم ان کے

لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَیْهِ اِلَّا كَمَاۤ

پورے محافظ ہیں ف۱۲۰ انہوں نے کہا کیا اس کے بارہ میں بھی تمہارا ویسا ہی اعتبار کر لوں جیسا (اس سے) قبل

ہم کو کہا میں اب تمہیں جانچوں گا کہ سچے ہو کہ نہیں۔ اپنا ایک بھائی مجھ پاس چھوڑو اور اپنے گھرانے کے لیے کال کی خورش لو اور جاؤ اور اپنے چھوٹے بھائی کو میرے پاس لے آؤ۔ تب میں جانوں گا کہ تم جاسوس نہیں بلکہ سچے ہو۔ پھر میں تمہارے بھائی کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔ اور تم ملک میں سوداگری کیجیو۔'' (پیدائش ۴۲: ۲۹۔ ۳۴) ف۱۲۱ (سو میری نگہبانی اور میری شفقت سے ہوتا کیا ہے) حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اپنی ذمہ داری اور ضمانت کس منہ سے پیش کر رہے ہو؟ تم وہی تو ہو جو یوسف کو بھی انہی ضمانتوں اور وعدوں کے ساتھ لے گئے لیکن تم کہتے ہو کہ غلہ بغیر بنیامین کے ساتھ کیے ہوئے ملے گا نہیں تو خیر اگر لے ہی جانا ہے تو اسے اللہ کے سپرد کیا۔ حفاظت و ذمہ داری بھی اُسی کی سب سے بڑھی ہوئی اور شفقت و عنایت بھی اُسی کی سب سے بڑھی ہوئی۔ ف۱۲۲ (لیجیے ہم تو سرتاسر نفع ہی میں رہے، اپنے اندازہ اور توقع سے بڑھ بڑھ کر اور اب تو بنیامین کو ساتھ لے کر دوسرا سفر بہت ہی ضروری ہو گیا ہے) اے اعطانا الطعام ثم نرد علینا ثمن الطعام علی احسن الوجوہ فای شیء نبغی وراء ذلک (کبیر) وَلَمَّا ...... اِلَیۡهِمۡ۔ توریت میں ہے:۔ ''اور یوں ہوا کہ جب انہوں نے اپنے بورے خالی کیے تو دیکھا کہ ہر شخص کی نقدی بندھی ہوئی اُس کے بورے میں تھی۔'' (پیدائش ۴۲: ۳۵) ف۱۲۳ یعنی یہ غلہ جواب کی بار ہم لائے ہیں یہ کب تک چلے گا۔ تھوڑے ہی دن میں تو پھر ضرورت پڑ جائے گی۔ اے ذلک مکیل قلیل لا یکفینا (کشاف) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ''یہ تو بڑی آسانی سے مل جانے والا غلہ ہے''۔ یعنی محض بنیامین کے ساتھ ہونے سے ایک اُونٹ غلہ اور ملا جاتا ہے۔ یہ سودا تو بڑے مزہ کا ہے۔ وَنَزۡدَادُ کَیۡلَ بَعِیۡرٍ۔ (تو آپ اُسے ساتھ لے جانے کی ہمیں اجازت دے ہی دیجئے) اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فی کس ایک ایک اُونٹ بھر غلہ ملتا تھا۔ ف۱۲۴ (تو البتہ مجبوری کی بات ہے) زمانہ قدیم کے سفر ہر طرح کی بدامنی اور خطرات کے شکار رہتے تھے اور پھر یہ سفر تو کنعان سے مصر تک کا اُس وقت کے معیار سے بہت دُور دراز کا تھا۔ مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ۔ قول و قرار کا قسم سے مؤکد کرنا ظاہر ہے کہ مزید احتیاط اور مضبوطی کے لیے تھا۔ اِلَّاۤ اَنۡ یُّحَاطَ بِکُمۡ۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ استثناء دلیل ہے شفقت پدری کی۔ توریت میں اس مقام پر یوں ہے:۔ ''اور اُن کے باپ یعقوب علیہ السلام نے انہیں کہا تم نے مجھے بے اولاد کیا۔ یوسف نہیں ہے اور شمعون بھی نہیں۔ بنیامین کو بھی لے جاؤ گے۔ یہ سب باتیں میرے مخالف ہیں۔ تب روبن نے اپنے باپ سے خطاب کر کے کہا کہ اگر میں اُس کو تجھ پاس نہ لاؤں تو میرے دونوں بیٹوں کو قتل کیجیو۔ اسے میرے ہاتھ میں سونپ دے کہ میں اسے پھر تجھ پاس پہنچا دوں گا'' (پیدائش ۴۲: ۳۶، ۳۷) ف۱۲۵ (کہ وہی تمہارے قول و قرار کا گواہ بھی ہے اور وہی اُسے پورا کرانے پر بھی قادر ہے) گویا اس ایک فقرہ میں تشریعی تاکید اور تکوینی توکل دونوں کے پہلو آ گئے۔ توریت میں ہے:۔ ''تب یہوداہ نے اپنے باپ اسرائیل کو کہا کہ اس جوان کو میرے ساتھ بھیج کہ ہم اُٹھیں اور جاویں تا کہ ہم اور تو اور ہمارے بچے جیویں اور مر نہ جاویں۔ اور میں اس کا ضامن ہوتا ہوں تو میرے ہی ہاتھ سے اس کو طلب کیجیو۔ اگر میں اسے تیرے پاس نہ لاؤں اور تیرے سامنے نہ بٹھاؤں تو تو یہ گناہ ابد تک میری گردن پر رکھیو۔'' (پیدائش ۴۳: ۸، ۹) ف۱۲۶ (جب ملک مصر کے پائے تخت میں شہر پناہ سے داخل ہونا) یہ ایک تدبیر تھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے خیال میں مختلف مکروہات مثلاً شبۂ جاسوسی اور نظر بد وغیرہ سے بچنے کی۔ قیل نہاھم خشیۃ ان یستراب بھم لقول یوسف انتم جواسیس (بحر) مِنۡ اَبۡوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ۔ زمانہ قدیم میں ہر بڑے شہر کے گردا گرد شہر کے اندر داخلہ کے متعدد پھاٹک ہوتے تھے۔ نظر بد کا اعتقاد قدیم شریعتوں میں عام تھا۔ اس لیے اگر اس سے تحفظ حضرت یعقوب علیہ السلام کی غرض مانی جائے جب بھی کوئی مضائقہ نہیں لیکن ایک دوسرے معنی بھی ممکن ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام گویا یہ فرما رہے ہیں کہ اب مصر کے لوگ تمہیں جان پہچان گئے ہیں اور عزیز کی نظر عنایت تم پر معلوم و معروف ہو چکی ہے۔ اب شہر پناہ کے ایک ہی دروازے سے داخل ہو گے تو تم ٹھہرے پردیسی۔ تمہاری وجاہت، تمہاری جمعیت، خواہ مخواہ اہل مصر کی نظر میں کھٹکے گی اور اُن کے جذباتِ حسد کو حرکت میں لائے گی اس سے بہتر یہ ہے کہ تم لوگ بجائے ایک ساتھ رہنے کے الگ الگ متفرق پھاٹکوں سے داخل ہو۔ تو ممکن ہے لوگوں کی نظر نہ پڑے، اور تم ہدفِ حسد ہونے سے بچ جاؤ۔

اَمِنۡتُکُمۡ عَلٰۤی اَخِیۡهِ مِنۡ قَبۡلُ ؕ فَاللّٰهُ خَیۡرٌ

اس کے بھائی کے بارہ میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں سو اللہ ہی سب سے بڑھ کر

حٰفِظًا ۪ وَّ هُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۶۴﴾ وَ لَمَّا فَتَحُوۡا

نگہبان ہے اور وہ ہی سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے ف۱۲۱ اور پھر جب انہوں نے

مَتَاعَهُمۡ وَجَدُوۡا بِضَاعَتَهُمۡ رُدَّتۡ اِلَیۡهِمۡ ؕ

اپنا سامان کھولا تو انہیں اپنی نقدی بھی ملی کہ انہی کی طرف واپس کر دی گئی تھی

قَالُوۡا یٰۤاَبَانَا مَا نَبۡغِیۡ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتۡ اِلَیۡنَا ۚ

وہ بولے اے ہمارے باپ اور ہم کو کیا چاہیے یہ ہماری نقدی بھی تو ہم ہی کو لوٹا دی گئی ہے ف۱۲۲

وَ نَمِیۡرُ اَهۡلَنَا وَ نَحۡفَظُ اَخَانَا وَ نَزۡدَادُ کَیۡلَ بَعِیۡرٍ ؕ

اپنے گھر والوں کے واسطے رسد لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت رکھیں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ غلہ اور لائیں گے

ذٰلِکَ کَیۡلٌ یَّسِیۡرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنۡ اُرۡسِلَهٗ مَعَکُمۡ حَتّٰی

یہ غلہ تو تھوڑا سا ہے ف۱۲۳ (یعقوبؑ نے) کہا میں تو اسے تمہارے ساتھ ہرگز بھیجنے کا نہیں، جب تک

تُؤۡتُوۡنِ مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاۡتُنَّنِیۡ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ

تم اللہ کی قسم کھا کر مجھے قول نہ دے دو گے کہ تم اسے (واپس) لے ہی آؤ گے، ہاں بجز اس کے کہ تم (خود) ہی (کہیں)

یُّحَاطَ بِکُمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوۡهُ مَوۡثِقَهُمۡ قَالَ اللّٰهُ عَلٰی

گھر جاؤ ف۱۲۴ پھر جب وہ انہیں قسم کھا کر اپنا قول دے چکے تو (یعقوبؑ) بولے ہم لوگ جو کچھ بات چیت کر رہے

مَا نَقُوۡلُ وَکِیۡلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدۡخُلُوۡا مِنۡۢ

ہیں اللہ کے حوالے ف۱۲۵ اور فرمایا کہ اے میرے بیٹو! ایک ہی دروازہ

بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ ادۡخُلُوۡا مِنۡ اَبۡوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَ مَاۤ

سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا ف۱۲۶ اور میں

أُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ

کے مقابلہ میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتا اختیار تو بس

اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

اللہ ہی کا ہے اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے بھی

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَ لَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ

بھروسہ رکھنے والوں کو ف١٢٧ اور جب وہ داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے انہیں حکم

اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ

دیا تھا اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی ان کے کام نہ

شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ

آسکا ہاں وہ تو ایک ارمان تھا یعقوبؑ کے دل میں جو انہوں نے پورا کر لیا ف١٢٨

وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

اور بیشک وہ (بڑے) صاحب علم تھے اس لئے کہ ہم نے ان کو علم دیا تھا ف١٢٩ لیکن اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾ ع وَ لَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى

(اس حقیقت کا) علم نہیں رکھتے ف١٣٠ اور جب یہ لوگ یوسفؑ کے پاس پہنچے تو (یوسفؑ نے) اپنے (حقیقی) بھائی کو

اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا

اپنے پاس جگہ دی ف١٣١ (اور) کہا کہ میں تو تمہارا بھائی (یوسفؑ) ہوں سو جو کچھ یہ لوگ

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ

کرتے رہے ہیں۔ اس پر (اب) نہ کڑھو ف١٣٢ پھر جب ان کا سامان تیار کر دیا تو پانی کا گلاس

السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا

اپنے (حقیقی) بھائی کے شلیتہ میں رکھ دیا ف١٣٣ اس کے بعد ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا اے

ف١٢٧ (سوتم بھی اصل بھروسہ اُسی پر رکھنا۔ اپنی تدبیروں پر نظر نہ رکھنا) وَمَآ اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ۔ یعنی میں کیا اور میری تدبیر ہی کیا! میں کوئی تقدیر الٰہی تھوڑے ہی تم پر سے ٹال سکتا ہوں ...... کیا شانِ عبدیت ہر پیمبر میں ہوتی ہے! آیت سے معلوم ہوا کہ نفس تدبیر ہرگز منافی توکل نہیں، البتہ اُس تدبیر پر پورا اعتماد کر بیٹھنا اور اُسی کو مؤثر حقیقی سمجھنے لگنا منافی توکل ہے۔ مِنْ شَیْءٍ۔ میں نفی کامل کا بیان ہے۔ یعنی میری تدبیریں کسی خفیف وادنیٰ درجہ میں بھی مشیت الٰہی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ سارے اختیارات تکوینی وتقدیری اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، کسی مخلوق کو مشیت الٰہی میں ذرا بھی دخل نہیں۔ عَلَیْہِ ...... الْمُتَوَکِّلُوْنَ۔ کلامِ یعقوبی کا اصل مقصد اسی مسئلہ توکل پر زور دینا معلوم ہوتا ہے۔ ف١٢٨ (کچھ اس ظاہری تدبیر سے خدانخواستہ انہیں تقدیر الٰہی سے معارضہ تھوڑے ہی مقصود تھا) آیت میں بڑا سبق تسکین وتسلی کا عام اُمتیوں کے لیے ہے۔ درجۂ تدبیر وتدبیر جائز میں خدا معلوم کتنے اُمور ہیں جو دل میں آتے رہتے ہیں۔ ان سب کے لیے یہ بڑی سند ایک پیمبر کے عمل سے ہاتھ آگئی۔ ف١٢٩ (اور وہ علم مرضیاتِ الٰہی کا تھا، جیسا کہ ہر نبی کو ہم دیتے رہتے ہیں) حضرت یعقوب علیہ السلام اس علم صحیح کے ہوتے ہوئے ظاہر ہے کہ تدبیر کو مؤثر حقیقی کب سمجھ سکتے تھے۔ انہوں نے تو صرف درجۂ تدبیر میں ایک احتیاط برتی تھی، اور ایسی احتیاطیں نامشروع نامحمود نہیں بلکہ عین مشروع ومحمود ہیں۔ ف١٣٠ (بلکہ اپنے جہل سے تدبیر کو مؤثر حقیقی سمجھنے لگتے اور معتوب ہوتے ہیں) مومن صادق اور عارف اس کے برعکس تدبیر کو بھی ایک ذریعہ تعمیل ارشاد کا بنا لیتا اور مستحق اجر وثواب ہو جاتا ہے۔ ف١٣١ (شفقت وعزت کے ساتھ) خاطر داریوں اور مہمان نوازیوں کی تفصیلات توریت میں بھی درج ہیں۔ لیکن دوسرے بھائیوں کے شمول میں ...... ہمارے مفسرین نے مخصوص بنیامین کی خاطر داریوں کا ذکر کیا ہے۔ اور یہی سیاق قرآنی کے زیادہ مطابق ہے اور عقل بھی اسی کو قبول کرتی ہے۔ ف١٣٢ (کہ اب تو اللہ نے ہم بچھڑے ہوؤں کو ملا دیا) ملنے کے بعد یقیناً بھائی بھائی میں خوب باتیں ہوئی ہوں گی۔ اور یہ تجویز یقیناً زیر بحث آئی ہوگی کہ آئندہ کے لیے ان ظالم بھائیوں سے بچ کر بنیامین کی یوسف علیہ السلام ہی کے پاس رہنے کے لیے کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ اور بالآخر ایک صورت طے پا گئی جس کا ذکر ابھی بعد کی آیتوں میں آتا ہے۔ قَالَ اِنِّیْٓ اَنَا اَخُوْکَ۔ یہ مکالمت ظاہر ہے کہ آپؑ نے کہیں تخلیہ میں اُن سے کی ہوگی۔ ف١٣٣ (اس مصلحت کے ساتھ کہ جب یہ لوگ رخصت ہو جائیں گے تو آپ ہی اس جامِ شاہی کی تلاش شروع ہو گی، اور شبہ خواہ مخواہ انہی قافلہ والوں پر ہوگا) یہ منصوبہ بنیامین کے مشورہ ہی سے تیار ہوا تھا، اس لیے وہ قدرۃً بےفکر اور مطمئن تھے اور ان کے کسی دھوکے یا غلط فہمی میں پڑنے کا امکان نہ تھا۔ السقایۃ غلہ ناپنے کا پیمانہ بھی یہی تھا۔ اور توریت میں ہے کہ یہ گلاس چاندی کا تھا۔ ہمارے یہاں کی بھی بعض روایتیں چاندی ہی سے متعلق ہیں۔ توریت میں ہے:۔ ”اور اُس نے اپنے گھر کے داروغہ کو یہ حکم کیا کہ ان آدمیوں کے بوروں کو غلہ سے جتنا کہ وہ لے جاسکیں بھر اور ہر شخص کی نقدی اس کے بورے کے اندر ڈال دے اور میرا پیالہ روپے کا پیالہ چھوٹے کے بورے میں اوپر وار اس کے غلہ کی قیمت سمیت رکھ دے چنانچہ اس نے یوسف علیہ السلام کے فرمانے کے موافق عمل کیا“۔ (پیدائش ٤٤: ١، ٢)

الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَ اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ

قافلہ والو ضرور تم ہی چور ہو ف۱۳۴ وہ بولے اور ان کی طرف متوجہ ہوئے

مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ

کہ تمہاری کیا چیز گم ہوئی ہے ف۱۳۵ وہ بولے ہم سے شاہی پیمانہ گم ہوا ہے

وَ لِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾

اور جو کوئی اسے لے آئے گا اس کے لئے ایک بار شتر (غلہ) ہے اور میں اس کا ذمہ دار ہوں ف۱۳۶

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ

وہ بولے بخدا! تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم لوگ ملک میں فساد پھیلانے نہیں آئے ہیں

وَ مَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ

اور نہ ہم چور ہیں ف۱۳۷ وہ بولے اس (چور) کی کیا سزا اگر

كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ

تم جھوٹے نکلے؟ ف۱۳۸ وہ بولے کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کسی کے شلیتہ میں

رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

وہ (پیمانہ) مل جائے تو وہی شخص اپنی سزا ہے ہم لوگ مجرموں کو یونہی سزا دیا کرتے ہیں ف۱۳۹

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا

پھر (یوسفؑ) نے اپنے (حقیقی) بھائی کے تھیلے سے قبل دوسروں کے تھیلوں سے (تلاش کی) ابتداء کی، پھر اس

مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ

(پیمانہ) کو اپنے (حقیقی) بھائی کے تھیلہ سے برآمد کرلیا اس طرح کی تدبیر ہم نے یوسفؑ کی خاطر کردی ف۱۴۰

مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ

(یوسفؑ) اپنے بھائی کو بادشاہ (مصر) کے قانون کے لحاظ سے نہیں لے سکتے تھے ف۱۴۱ مگر یہ ہے کہ

ف۱۳۴ یہ ندا کرنے والا یقیناً مہمان خانہ کا کوئی افسر ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ اُس نے یہ بہ طور خود کیا یا حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے؟ قرینہ تو یہی کہتا ہے کہ از خود کیا ہوگا۔ وزیر تک اس صاف اور سیدھی کارروائی کو لے جانے کی ضرورت کیا تھی۔ اور نہ قرآن مجید ہی میں اس کی طرف کوئی اشارہ ہے۔ صرف بعض مفسرین کی یہ رائے ہے اور اگر اسے تسلیم کرلیا جائے تو زیادہ سے زیادہ صورت توریہ کی لازم آتی ہے یعنی سرقہ سے حقیقۃً مراد وہ سرقہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام سے غائب کردیا تھا۔ لیکن سامعین معنیٰ قریب یعنی پیمانہ کا سرقہ سمجھے۔ لیکن اگر یوسف علیہ السلام کا اذن وحکم نہ فرض کیا جائے تو اس توجیہ وتاویل کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اور اس صورت میں بات بالکل صاف ہو رہتی ہے کہ مہمان خانہ کے اہل کاروں اور عملہ والوں نے از خود ہی یہ قیاس کرکے یہ صدا لگائی) اکابر اہل تفسیر ادھر ہی گئے ہیں۔ ليس في القران انهم نادوا بذلك النداء عن امر يوسف عليه السلام والا قرب الى ظاهر الحال انهم فعلوا ذلك من انفسهم (کبیر) قال قائل من الموكلين بالصيحان وقد فقدوه ولم يدروا من اخذه ايتها العير انكم لسارقون على ظن منهم انهم كذلك ولم يامرهم يوسف بذلك (جصاص) قيل قالوه من غير امر يوسف (معالم) وهو من قبل المؤذن بناء على زعمه (روح) حضرت یوسف علیہ السلام کو ملزم قرار دینے کی اصل ذمہ داری توریت پر ہے۔ چنانچہ اس میں ہے:۔ ”جوں ہی صبح کی روشنی ہوئی وہ سب اپنے گدھے لے کے چل نکلے جب وہ شہر سے تھوڑی دور باہر گئے یوسف نے اپنے گھر کے داروغہ کو کہا کہ اٹھ اور ان لوگوں کا پیچھا کر اور جب تو انہیں پاوے تو انہیں کہہ کہ تم نے کس لئے نیکی کے عوض یہ بدی کی۔“ (پیدائش ۴۴:۴،۵) ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ۔ یعنی جب قافلہ کچھ دور نکل گیا اور شاہی مہمان خانہ کے اہل کاروں کو وہ پیمانہ غائب نظر آیا تو قدرۃً انہیں شبہ اسی قافلہ والوں پر گزرا اور ان میں سے کسی نے لپک کر یہ آواز دی۔ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ظن غالب کی بناء پر اگر کسی کو چور کہہ دیا جائے تو اس پر کذب کا اطلاق نہیں ہوگا۔ فلم يكن قول هذا القائل كذبا اذ كان مرجعه الى غالب ظنه (جصاص) ف۱۳۵ (کہ جس سے ہم پر شبہ چوری کا کر رہے ہو) برادرانِ یوسف علیہ السلام نے یہ صدا سن کر پیچھے مڑ کر دیکھا اور حیران ہو کر کہا کہ آخر وہ ہے کیا چیز جس کے غائب ہو جانے سے آپ ہم لوگوں کو چور سمجھنے لگے! عَلَيْهِمْ۔ کے صیغہ جمع سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاش میں تعاقب کرنے والا کوئی فرد واحد نہ تھا بلکہ متعدد سلطانی اہلکار تھے۔ ف۱۳۶ یہ انعام خزانہ سرکار کی طرف سے مقرر ہوا تھا اور قحط وخشک سالی کے زمانہ میں غلہ کا راشن اتنی بڑی مقدار میں ایک بہت بڑا انعام تھا۔ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ۔ یہ کہنے والا کون تھا اور انا کی ضمیر کس کی طرف ہے! لازمی نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام ہی سے مراد لی جائے۔ سرکاری اہلکار متعلقہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور اکثر اکابر سلف اسی طرف گئے ہیں۔ الزعيم هو المؤذن (ابن جریر عن مجاہد) يقول المؤذن (مدارک ومعالم) وهو قول المؤذن (روح) ف۱۳۷ برادرانِ یوسف علیہ السلام نے اپنے اوپر یہ عجیب وغریب اور توہین آمیز الزام سن کر ان اہلکارانِ سرکاری سے کہا کہ ہم اپنے ملک وقوم کے اعیان واشراف میں ہیں، چوری سے ہمیں واسطہ کیا۔ اور پھر ہم تو آپ کے مہمان ایک بار قبل بھی رہ چکے ہیں اور ہمارے اطوار وخصائل آپ پر واضح ہو چکے ہیں آپ کو یہ خیال ہی کیسے گزرا کہ ہم آپ کے ملک میں کوئی جرم کرنے یا قانون شکنی کرنے آئے ہیں۔ تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ۔ خطاب یہاں عہدہ دارانِ سرکاری سے ہے اور تائے قسم اور لقد کی دہری تہری تاکید سے اپنے دعویٰ پر انتہائی زور دینا مقصود ہے جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ یہ خیال ہی آپ کو کیسے پیدا ہوا۔ تَاللّٰهِ۔ ت قسم کی ہے۔ اور یہ تائے قسم عربی میں صرف لفظ اللہ پر داخل ہوتی ہے۔ اس کے کسی مرادف رحمن۔ رب وغیرہ پر نہیں آتی۔ ف۱۳۸ (اور چور ثابت ہو گئے) ان افسروں نے کہا اگر تلاش کے بعد سامان تمہارے ہی پاس نکل آیا اور تمہاری صفائی جھوٹی ثابت ہوئی تو تم ہی اپنے ملک وقوم کے آئین کے لحاظ سے بتاؤ کہ تمہاری کیا سزا؟ ف۱۳۹ یعنی ہماری شریعت اسرائیلی میں چور کی سزا یہی ہے...... توریت میں جو سزائیں درج ہیں، خیال رہے کہ وہ شریعت موسوی کی ہیں، شریعت اسرائیلی سے کئی سال بعد کی۔ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ۔ یعنی چوری کی سزا میں صاحب مال چور کو اپنا غلام بنا لے۔ والمعنى ان استعباده هو جزاء ذلك الجرم (کبیر) ف۱۴۰ (بنیامین کو پاس رکھ لینے کی) كِدْنَا۔ صیغۂ متکلم لا کر گویا یہ صاف کر دیا کہ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی مخفی کارروائیاں تھیں سب ہمارے ایماء سے ہوئیں، یوسف علیہ السلام کسی منزل پر بھی قابل الزام نہیں۔ فَبَدَاَ۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تلاشی یوسف علیہ السلام نے اپنے ہاتھ ہی سے لی ہو۔ ان کے کسی نائب کا فعل بھی انہی کا سمجھا جائے گا۔ کید۔ مکر کے قسم کے الفاظ جب حق تعالیٰ کی جانب منسوب ہوتے ہیں تو ان سے مراد محض مخفی تدبیر ہوتی ہے نہ کہ اردو محاورہ کے مطابق دغا فریب وغیرہ۔ الكيد من الخلق الحيلة ومن الله التدبير بالحق (معالم) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس قسم کے الفاظ جب حق تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتے ہیں تو ان سے مراد ان اعمال کی منتہائے مقصود اور حاصل غرض ہوتی ہے نہ کہ ان اعمال کے ابتدائی مدارج۔ انا ذكرنا قانونا معتبرا في هذا الباب وهوان امثال هذه الالفاظ تحمل على نهايات الاغراض لا على بدايات الاغراض (کبیر) كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ استدلال کیا ہے کہ مقصد مباح کے حاصل کرنے کے لئے حیلہ کرنا جائز ہے۔ دلالة على اجازة الحيلة في التوصل الى المباح (جصاص) ف۱۴۱ مصری قانون میں چوری کی سزا غلامی نہیں، جرمانہ وتازیانہ تھی۔ لِيَاْخُذَ۔ اخذ کے یہاں معنی، پکڑ لینے کے نہیں، گرفتار تو بنیامین ہو ہی گئے تھے، یہاں اس سے مراد یوسف علیہ السلام کا انہیں اپنے پاس رکھ لینا ہے جیسا کہ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے

مصری قانون کے لحاظ سے یہ بات حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے ممکن نہ تھی۔ اے لم یکن لہٗ اخذہ فی حکم ملک مصر قال الضحاک وغیرہ (ابن کثیر) یعنی ان یوسف لم یکن یتمکن من حبس اخیہ فی حکم الملک (معالم) والمعنی انہ کان حکم الملک فی السارق ان یضرب ویغرم ضعفی ما سرق فما کان یوسف قادرًا علی حبس اخیہ عند نفسہ بناء علی دین الملک وحکمہ (کبیر) اور ظاہر ہے کہ یہ باہر کے آئے ہوئے لوگ اصولاً اسی ملک کے قانون کے ماتحت تھے، جس میں اس وقت مقیم تھے۔ جیسا کہ آج تک بین الاقوامی قانون کا دستور چلا آتا ہے۔ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ۔ یوسف علیہ السلام کو نور نبوت سے معلوم ہو چکا تھا کہ آئندہ کو نظام حکومت انہی کے ہاتھ میں آنے والا ہے۔ اس لیے آپ سر دست مصری آئین سے کوئی تعرض نہ فرماتے تھے۔ و۱۴۲ (یس کوئی بھی اپنے علم پر نازاں نہ ہو، جہاں سب کا علم ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بھی اوپر اس ہستی کا علم ذاتی اور علم محیط ہے۔ جس کا نام عالم الغیب والشہادۃ ہے) اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ۔ چنانچہ خود انہی لوگوں کی زبان سے یہ نکلا کہ ہم میں جس کی بھی چوری ثابت ہو اسے اپنا غلام بنالو...... یعنی عام قاعدہ کے لحاظ سے تو یوسف علیہ السلام کو کوئی اختیار تھا ہی نہیں کہ بنیامین کو اپنے پاس روک رکھیں، یہ تو محض اللہ نے اپنی مشیت تکوینی سے یہ بات عہدہ داروں کے دل میں ڈال دی جو انہوں نے خود اسرائیلیوں سے ان کے قانون کی بابت سوال کر لیا۔ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ۔ سیاق چاہتا ہے کہ یہاں درجات علم مراد ہوں۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کا مرتبہ علم میں اتنا بڑھ کر رہا۔ اے بالعلم کما رفعنا درجۃ یوسف علی اخوتہ (معالم) و۱۴۳ (اس لئے اس کی چوری پر کچھ ایسا تعجب نہیں) برادران یوسف علیہ السلام کی سیرت جو شروع سے نمودار ہو رہی ہے اب اس میں ایک اور عنوان کا اضافہ ہوا ایک الزام یوسف علیہ السلام پر اور دھر دیا کہ انہوں نے اپنے بچپنے میں اپنے نانا کے ہاں ایک سونے کی مورتی اٹھا کر غائب کر دی تھی اس خیال سے کہ اب بت پرستی سے باز رہیں گے۔ کان جدۃ ابو امہٖ کافرا یعبد الاوثان فامرتہ امہٗ بان یسرق تلک الاوثان ویکسرھا فلعلہ یترک عبادۃ الاوثان ففعل ذٰلک فھٰذا ھو السرقۃ (کبیر عن سعید بن جبیر) و۱۴۴ یوسف علیہ السلام کو اپنے برادران نامہربان کا یہ قول سن کر غصہ تو قدرۃً آیا لیکن آپ نے اسے ظاہر نہ فرمایا۔ ھا کی ضمیر دونوں جگہ اس فقرہ کی طرف ہے جو آگے آرہا ہے۔ فاسر الجملۃ واما الکلمۃ التی ھی قولہ انتم شر مکانًا (کبیر عن الزجاج) یعنی الکلمۃ التی بعدھا (ابن کثیر) یعنی بھا الکلمۃ (معالم) دوسرے مرجع بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ مثلاً اجابۃ کہ یوسف علیہ السلام نے اس وقت جواب نہ دیا۔ یا مقالۃ کہ یوسف علیہ السلام نے سرقہ کی اصل حقیقت ان پر نہ کھول دی۔ اے فاسر یوسف اجابتھم فی نفسہٖ فی ذٰلک الوقت (کبیر) ویجوز ایضا ان یکون اضمارًا للمقالۃ والمعنی اسرّ یوسف مقالتھم، یعنی اسرّ یوسف فی نفسہٖ کیفیۃ تلک السرقۃ ولم یبین لھم انھا کیف وقعت (کبیر) اسرھا اے جواب ھٰذہ الکلمۃ (ابن عباسؓ) لم یبدھا اے جوابھا (ابن عباسؓ) و۱۴۵ یعنی تم جو ہم دونوں کو چور بنا رہے ہو اس کی حقیقت اللہ ہی پر خوب روشن ہے۔ قَالَ۔ یوسف علیہ السلام نے یہ سب کچھ اپنے دل میں کہا۔ اے فی نفسہٖ (ابن عباسؓ) اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا۔ کہ دوسرے تو مال ہی چراتے ہیں اور تم نے تو انسان کو چرا لیا! اور وہ بھی اپنے باپ سے اس کے محبوب ترین بیٹے کو! و۱۴۶ برادران یوسف نے جب دیکھا کہ اب تو برے پھنسے اور ضابطہ سے اب کوئی صورت بنیامین کی عزیز مصر کے قید سے چھوٹنے کی نظر نہیں آتی اور باپ کو جو زبردست اور حلفیہ قول وقرار دے آئے تھے وہ سب یاد آئے تو اب لگے خوشامد کی راہ سے کہنے کہ حضور والا اس لڑکے کے چاہنے والے باپ بہت بوڑھے ہیں۔ ان کے قلب کو بہت سخت صدمہ ہوگا اس لئے آپ یہ کیجیے کہ اس لڑکے کے بجائے ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے اور اسے جانے دیجیے اور حضور جیسے رحیم المزاج حاکم ہماری درخواست ضرور ہی منظور کر لیں گے ہمیں بڑی آس لگی ہوئی ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام مدار المہامی پر فائز ہو چکے ہیں۔ و۱۴۷ آپ نے فرمایا کہ تم نے بھی غضب کر دیا! مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ مال کسی کے پاس نکلے اور سزا کسی کو ملے، حاشا مجھ سے تو یہ ناانصافی نہیں ہو سکتی۔ شریعت اسلامی میں بھی سزائے بدنی میں مبادلہ جائز نہیں۔ زید اگر اپنی خوشی سے اپنے کو عمرو کے عوض رجم یا قتل یا قطع عضو کے لئے پیش کر دے تو قاضی یا مدعی کو اس کے قبول کر لینے کا اختیار نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کمال احتیاط سے بنیامین کو اپنی زبان سے چور نہیں کہتے بلکہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ مال تو تمہارے سامنے جس کی تلاشی میں نکلا، سزا تم اس کے سوا کسی اور کو دلانا چاہتے ہو! و۱۴۸ (کہ اب کیا کرنا چاہیے، نہ بنیامین کو چھوڑ کر واپس جاتے بنتا ہے نہ یہاں ٹھیرتے) منہ۔ ضمیر یوسف علیہ السلام کی طرف بھی جا سکتی ہے اور بنیامین کی طرف بھی...... پہلی صورت میں ”جب ان لوگوں کو یوسف علیہ السلام کی طرف سے یوسف علیہ السلام کے جواب سے مایوسی ہوگئی“، دوسری صورت میں ”جب ان لوگوں کو بنیامین کی طرف سے بنیامین کے متعلق مایوسی ہوگئی۔

يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۭ وَ فَوْقَ

اللہ ہی کو منظور تھا ہم جس کے مرتبہ چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں اور ہر

كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٦﴾ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ

صاحب علم سے بڑھ کر ایک عالم ہے و۱۴۲ (برادران یوسفؑ) بولے کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو

سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ

اس کا (عینی) بھائی بھی اس کے پیشتر چوری کر چکا ہے و۱۴۳ پس یوسفؑ نے اسے اپنے دل میں

فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ

پوشیدہ رکھا اور اسے ان پر ظاہر نہ ہونے دیا و۱۴۴ کہا کہ تم تو (اور بھی) بدتر

مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿٧٧﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا

ہو اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے و۱۴۵ وہ بولے اے

الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا

عزیز! اس کا باپ بہت ہی بوڑھا ہے سو آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو

مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٧٨﴾ قَالَ مَعَاذَ

لے لیجیے ہم تو آپ کو بہت نیک مزاج پاتے ہیں و۱۴۶ (یوسفؑ نے) کہا اللہ اس سے

اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ

پناہ میں رکھے کہ ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا (کسی اور کو) ہم پکڑ رکھیں

اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿٧٩﴾ ع فَلَمَّا اسْتَيْــَٔسُوْا مِنْهُ

اس حالت میں تو ہم ہی بڑے ناانصاف ٹھیریں گے و۱۴۷ پھر جب وہ ان کی طرف سے مایوس ہوگئے

خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ

تو علیحدہ باہم مشورہ کرنے لگے و۱۴۸ ان میں سے سب سے بڑے نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ

ع

و۱۴۹ (وہی ایک پرانی شرمندگی کیا کم ہے، کہ یہ نئی شرمندگی لے کر ان کے پاس جاؤں) قَالَ كَبِيْرُهُمْ. توریت میں اس موقع پر نام یہودا کا درج ہے جو اپنے بھائیوں میں چوتھے نمبر پر تھا۔ قرآن نے اس تاریخی غلطی کی تصحیح کردی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کبیر سے مراد لازمی طور پر سن کی بڑائی نہ ہو۔ عقل وغیرہ کی بڑائی بھی مراد لئے جانے کی گنجائش ہے۔ قیل کبیرھم فی العقل وھو یھودا وھو الذی نھاھم عن قتل یوسف (کبیر) ای اعقلھم (ابن قتیبہ) یعنی فی العلم والعقل لا فی السن قال ابن عباسؓ والکلبی ھو یھوذا وھو اعقلھم (معالم) اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا...... اللّٰهِ۔ یعنی ہم تو حلف مؤکد کے ساتھ بنیامین کی حفاظت کا وعدہ کر چکے ہیں اور ایسی مجبوری ابھی تک لاحق ہوئی نہیں ہے کہ ہم کوئی تدبیر کسی درجہ میں بھی نہ کر سکیں۔ و۱۵۰ یعنی یا تو والد ماجد ان حالاتِ خصوصی کو سن کر خود ہی مجھے یہاں سے ہٹنے اور وطن آنے کی اجازت دے دیں اور یا اللہ تعالیٰ بنیامین کی رہائی کی کوئی سبیل نکال دے اور ہم سب اسے ساتھ لے کر چلیں۔ و۱۵۱ یعنی ہمیں کیا خبر تھی کہ بنیامین یہ حرکت کرے گا ورنہ ہم بھی قول وقرار نہ کرتے۔ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا۔ یعنی قول وقرار دیتے وقت تو ہم نے صرف اتنی ہی ذمہ داری لی تھی جتنی ہمارے ظاہر علم میں آسکتی تھی۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ ظاہر علم پر بھی بغیر حقیقت علم کے شمول کے اسم علم کا اطلاق جائز ہے۔ ھذا یدل علی جواز اطلاق اسم العلم من طریق الظاھر وان لم یعلم حقیقتہ (جصاص) و۱۵۲ یعنی اگر آپ ہماری بات کا یقین نہیں کرتے تو اپنے کسی معتبر آدمی کو بھیج کر مصر سے تصدیق کرا لیجیے یا ہمارے ساتھ جو اور اہل قافلہ تھے انہی سے دریافت کر لیجیے سب ہمارے ہی بیان کی تصدیق کریں گے۔ وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا۔ اس وقت سفر کا عام طریقہ یہی تھا کہ بہت سے لوگ مل کر اور قافلہ بنا کر سفر کرتے تھے اور پھر قحط وگرانی کی مصیبت تو آس پاس کے ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی، آلِ یعقوب علیہ السلام کے علاوہ اور بھی خدا معلوم کتنے اس طرح قافلہ بنا کر مصر پہنچ رہے تھے۔ و۱۵۳ (جیسا کہ واقعہ یوسف علیہ السلام میں پہلے ہی تم کر چکے ہو) شدتِ غم وحزن میں انسان ایسے ہی کلمات پر طبعاً مضطر ہے اور پیمبر بھی انسان ہی ہوتے ہیں، سارے انسانی جذبات کے ساتھ یہ گفتگو اب اس موقع کی ہے کہ بڑے بھائی اور بنیامین کو مصر میں چھوڑ اور سب بھائی کنعان میں اپنے والد ماجد کی خدمت میں پہنچے ہیں اور روئداد مصائب سنائی ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جو متہم ومشتبہ ہو، اس کو یقین کے ساتھ نہیں، لیکن حدود ظن تک متہم ومشتبہ سمجھنا موجب معصیت نہیں کہ اس پر انسان طبعاً مضطر ہی ہے۔ و۱۵۴ (اور میرے یوسف کے خواب کی تعبیر بھی نکل آئے) بِهِمْ جَمِيْعًا۔ بھم۔ صیغہ جمع کا ہے، تثنیہ کا نہیں۔ مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنے تینوں بچھڑے ہوئے بیٹوں سے تھی۔ یوسف علیہ السلام وبنیامین کی محبوبیت تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن معلوم ہوا کہ تعلق خاطر اس تیسری اولاد سے بھی پوری طرح تھا۔ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ۔ فقرہ کی ترکیب مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔ سب سے صاف اور بے تکلف وہ ہے جس کے مطابق ترجمہ متن میں درج کیا گیا ہے۔

قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا

تم سے اللہ کی قسم کھلاکر قول لے چکے ہیں اور اس کے قبل

فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى

یوسفؑ کے بارہ میں تو تقصیر کر ہی چکے ہو و۱۴۹ سو میں تو (اس) سرزمین سے ٹلتا نہیں جب تک

يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ

میرے باپ مجھ کو اجازت نہ دیں یا اللہ ہی میرے حق میں فیصلہ کر دے اور وہی بہترین

الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ

فیصلہ کرنے والا ہے و۱۵۰ تم لوگ اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور ان سے کہو کہ اے ابا

اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا

آپ کے بیٹے نے چوری کی اور ہم تو شاہد اتنے ہی کے تھے جتنا ہم جانتے تھے اور ہم

كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا

غیب کے تو جاننے والے تھے نہیں و۱۵۱ آپ اس بستی والوں سے دریافت کر لیجیے جہاں

فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

ہم تھے اور اس قافلہ والوں سے (بھی) جس میں ہم آئے ہیں اور بیشک ہم ہی سچے ہیں و۱۵۲

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ

(یعقوبؑ نے) کہا (جی نہیں) بلکہ تمہارے لئے تمہارے دل نے ایک بات گڑھ لی ہے و۱۵۳ میں صبر ہی کروں گا

جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ

بلا آمیزش شکایت، کیا عجب کہ اللہ ان سب کو مجھ تک پہنچا دے و۱۵۴ بیشک

هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ

وہی بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے و۱۵۵ اور ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے

جمیل سے مراد ایسا صبر ہے، جو بلا آمیزش شکوہ وشکایت ہو۔ و۱۵۵ اسی کو خوب خبر ہے کہ ان میں سے کون کون، کس حال میں، کہاں کہاں ہے۔ اور وہی جب ملانا چاہے گا تو اپنی حکمت سے اسباب اور تدبیریں بھی ایسی پیدا کرے گا۔ میرا حالِ زار بھی اس پر خوب روشن ہے اور مجھے جو اس ابتلاء میں اسی نے ڈالا ہے وہ بھی کسی حکمت ومصلحت ہی سے ہے۔

وف۱۵۶ جسے فطرت بشری سے ذرا بھی واقفیت ہے وہ جانتا ہے کہ نئی چوٹ سے پرانی چوٹ تازہ ہوجاتی ہے اور تازہ غم سے پرانا غم ہرا ہوجاتا ہے۔ یہ امر انسان کے لئے طبعی ہے۔ چنانچہ اسی کے اقتضاء سے

يَاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ
ہائے یوسف! اور غم سے (روتے روتے) ان کی آنکھیں

الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ
سفید پڑگئیں اور وہ گھٹ گھٹ کر رہتے تھے وف۱۵۶ (بیٹے) بولے تم تو واللہ یوسف ہی کی یاد میں سدا

يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ
لگے رہو گے یہاں تک کہ جاں بلب ہو جاؤ گے یا دم ہی

الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى
نکل جائے گا وف۱۵۷ (یعقوبؑ نے) فرمایا میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت بس (اپنے) اللہ ہی سے

اللّٰهِ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا
کر رہا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے وف۱۵۸ اے میرے بیٹو جاؤ

فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ وَ لَا تَايْـَٔسُوْا
اور یوسف اور اس کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے

مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا
مایوس نہ ہو اللہ کی رحمت سے مایوس تو بس

الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا
کافر ہی لوگ ہوتے ہیں وف۱۵۹ پھر جب وہ لوگ (عزیز) کے پاس پہنچے تو بولے اے

الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ
عزیز ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو (بڑی) تکلیف پہنچ رہی ہے وف۱۶۰ اور ہم یہ نکمی پونجی لے کر

مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
آئے ہیں سو آپ ہمیں ہمارے لئے غلہ پوری ناپ سے دیجئے اور ہمارے ساتھ رعایت کیجئے، بیشک اللہ

آپ بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو ازسر نو شدت کے ساتھ یاد کرنے لگے...... پیمبر اپنے جذبات واحساسات کے لحاظ سے بالکل بشر ہوتا ہے، مافوق البشر نہیں ہوتا ہے۔ یہ سبق قصہ یوسفی کے ایک ایک جزئیہ سے بار بار دہرایا جارہا ہے۔ تَوَلّٰی عَنْهُمْ۔ یہ منہ پھیر لینا انقباضِ طبعی کے اثر سے تھا۔ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ۔ یہ اشک افشانی کمالاتِ نبوت کے ذرا بھی منافی نہیں (جیسا کہ آج کل کے بعض نافہموں نے لکھ دیا ہے) بلکہ اور زیادہ شفقت اور رقت قلب کی علامت ہے۔ يجوز للنبی علیه السلام ان يبلغ الجزع ذلک المبلغ لان الانسان مجبولٌ علٰی ان لا یملک نفسه عند الحزن (مدار) اور حضرت یوسف علیہ السلام تو خیر نوجوان تھے ہمارے حضور انور تو اپنے فرزند ابراہیم علیہ السلام کی وفات پر آنسوؤں کے ساتھ روئے ہیں جو ابھی شیر خوار ہی تھے۔ فَهُوَ كَظِيْمٌ۔ یعنی دل پر اور آنکھوں پر تو اختیار نہ تھا باقی زبان پر کوئی کلمہ بے صبری یا جزع فزع کا نہیں آنے پاتا تھا۔ یہ فقرہ اس لیے بڑھا دیا گیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شدتِ غم کے ساتھ ساتھ آپ کی شدتِ ضبط بھی نمایاں ہوجائے، مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محبت طبعی محبت حق کے منافی نہیں۔ اس کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے، بلکہ کاملین میں اس کا غلبہ انہیں رضائے حق سے غافل نہیں کر دیتا بلکہ اس تعلق کو اور مضبوط کر دیتا ہے۔ وف۱۵۷ لڑکوں نے یہ جھنجھلا کر اور جز بز ہو کر کہا ہے...... بوڑھوں کی ضد پر یہ جوانوں کا جھنجھلاہٹ فطرتِ بشری کی کتنی صحیح تصویر ہے۔ تَاللّٰهِ۔ خدا کی قسم جس میں ناگواری اور حیرت کے جذبات بھی شامل ہیں۔ وف۱۵۸ نہ تمہیں اس کے الطاف بیکراں کا وہ علم ہے جو مجھے ہے اور نہ تمہیں وہ اسرار و علوم مرحمت ہوئے ہیں جو مجھے ہوئے ہیں۔ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ یعنی میں جو کچھ بھی عرض و معروض شکوہ و شکایت کر رہا ہوں اپنے اللہ سے کر رہا ہوں، تمہیں اس سے کیا سروکار اور تم اس میں خواہ مخواہ ہی دخل دے رہے ہو۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے صبر جمیل کے منافی اگر ہے تو شکایت الی الخلق نہ کہ شکایت الی الخالق جو عین دعاء والتجاء مطلوب ہے۔ وف۱۵۹ کیا ٹھکانہ ہے اس اعتماد علی اللہ کا! یہ ہے شانِ نبوت! اظہار درد و غم اپنے مالک و مولیٰ کے حضور میں کر کے اب آپ ظاہری تدبیروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی تلاش پر ان کے انہی بھائیوں کو پھر لگاتے ہیں:۔ وف۱۶۰ (غلہ کی ناداری سے) دَخَلُوْا عَلَيْهِ۔ ضمیر عزیز کی جانب ہے اور یوسف علیہ السلام ہی اب عزیز تھے۔ یہ تیسرا سفر بھی ان بھائیوں نے مصر ہی کا اختیار کیا ایک تو "راشن" کی حاجت شدید اور یہ حاجت وہیں سے پوری ہوسکتی تھی۔ دوسرے بنیامین کی رہائی کی کوئی تدبیر اگر ممکن تھی تو وہیں جانے سے بن پڑسکتی تھی۔ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ۔ اب کی لہجہ میں اضطرار اور عاجزی قدرۃً زاید ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ حاجت کے وقت یہ طریق اظہار جائز ہے اور اس سے حق تعالیٰ کی شکایت کا پہلو نہیں پیدا ہوتا۔ دل ذلک علٰی جواز اظہار مثل ذلک عند الحاجة اليه وانه لا يجری مجری الشکوی من الله تعالٰی (جصاص)

يَجۡزِى الۡمُتَصَدِّقِيۡنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا فَعَلۡتُمۡ

رعایت کرنے والوں کو جزائے خیر دیتا ہے و۱۶۱ (یوسفؑ) بولے وہ بھی تمہیں یاد ہے، جو تم نے یوسف اور اس کے

بِيُوۡسُفَ وَاَخِيۡهِ اِذۡ اَنۡتُمۡ جٰهِلُوۡنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوۡۤا ءَاِنَّكَ

بھائی سے (برتاؤ) کیا تھا جبکہ تم نادان تھے و۱۶۲ وہ بول پڑے ارے تو کیا

لَاَنۡتَ يُوۡسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوۡسُفُ وَهٰذَاۤ اَخِىۡ ۫ قَدۡ

تم یوسف ہی ہو؟ و۱۶۳ فرمایا (ہاں) میں یوسف ہی ہوں اور یہ ہے میرا بھائی واقعی

مَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡنَا ؕ اِنَّهٗ مَنۡ يَّتَّقِ وَيَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ

ہم پر اللہ نے (بڑا ہی) احسان کیا و۱۶۴ واقعی جو شخص بھی تقویٰ اور صبر اختیار کرتا ہے سو اللہ

لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوۡا تَاللّٰهِ لَقَدۡ

نیک کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے و۱۶۵ وہ بولے قسم ہے اللہ کی کہ اللہ نے

اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيۡنَا وَاِنۡ كُنَّا لَخٰطِـئِيۡنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا

تم کو ہم پر فضیلت دے رکھی ہے اور بیشک ہم ہی خطاوار رہے ہیں و۱۶۶ (یوسفؑ نے) کہا کہ (نہیں

تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ ؕ يَغۡفِرُ اللّٰهُ لَكُمۡ ۫ وَهُوَ

آج تم پر کوئی الزام نہیں اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ

اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ ﴿۹۲﴾ اِذۡهَبُوۡا بِقَمِيۡصِىۡ هٰذَا فَاَلۡقُوۡهُ

سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے و۱۶۷ (اب تم) میرے اس پیراہن کو لئے جاؤ اور اس کو میرے والد کے

عَلٰى وَجۡهِ اَبِىۡ يَاۡتِ بَصِيۡرًا ۚ وَاۡتُوۡنِىۡ بِاَهۡلِكُمۡ

چہرہ پر ڈال دو (ان کی) آنکھیں روشن ہو جائیں گی و۱۶۸ اور اپنے گھر والوں کو (بھی) سب کو

اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۹۳﴾ ع وَلَمَّا فَصَلَتِ الۡعِيۡرُ قَالَ اَبُوۡهُمۡ اِنِّىۡ

میرے پاس لے آؤ و۱۶۹ اور جب (ادھر سے) قافلہ چلا ہے و۱۷۰ تو ان کے باپ بولے کہ اگر تم مجھے بالکل سٹھیایا ہوا نہ

و۱۶۱ اپنی پیش کردہ رقم کو حقیر و ناقص کہہ کر پیش کرنا عزیز پر اور زیادہ اپنی مسکنت و احتیاج کا اظہار کرنا تھا، یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کے مزاج کی تمکنت سے خوب واقف تھے۔ اب جوان کا لہجہ گدایانہ اور سائلانہ دیکھا۔ نہ رہا گیا، دل پگھل گیا، شفقت پیمبری تو غیروں تک کا دکھ دیکھ نہیں سکتی چہ جائیکہ یہ تو اپنے بھائی ہی تھے۔ تصدق۔ المتصدقین۔ تصدق اور صدقہ سے یہاں اصطلاحی معنی مراد نہیں کسی کے ساتھ معاملت میں بہت زیادہ رعایت برتنا مجازاً صدقہ ہی کے حکم میں داخل ہے۔ قال سعید بن جبیر انما سالوا التفضل بالنقصان فی السعر ولم یسئلوا الصدقة (جصاص) ای تفضل علینا بالمسامحة والاغماض عن رداءة البضاعة اوزد علیٰ حقنا (مدارک) ای تفضل علیناولا تنقصنا، هٰذا قول اکثر المفسرین (معالم) سموا ما هو فضل وزیادة لا یلزمه صدقة (کشاف) فَاَوۡفِ لَنَا الۡكَيۡلَ۔ یعنی ہماری راشننگ میں کہیں کمی نہ کر دیجئے گا۔ ہماری ضرورتوں کا لحاظ کر کے اللہ ہم پر رحم کیجئے۔

و۱۶۲ (اور اپنے افعال کے انجام سے بے خبر) اس طرز خطاب میں خود ایک حد تک ان مجرموں کی دلدہی آ گئی۔ جٰهِلُوۡنَ۔ اکابر سلف نے کہا ہے کہ ہر معصیت جہالت ہی سے سرزد ہوتی ہے۔ قال بعض السلف کل من عصی الله فهو جاهل (ابن کثیر) لما لم یفعلوا مایقتضیه العلم ولا یقدم علیه الاجاهل سماهم جاهلین (کشاف) و۱۶۳ عزیز کی زبان سے یہ سوال ادا ہوتے ہی ان بھائیوں کے سامنے پچھلے واقعات کی یاد بجلی کی تیزی کے ساتھ آ گئی، اور وہ اپنے رشک کے جذبات اور یوسف علیہ السلام کے خواب سے ان خیالات میں ترقی اور یوسف علیہ السلام و بنیامین کے ساتھ عداوت وہ گھر سے جنگل میں لے جانا اور کنوئیں میں گرانا وہ وہاں انہیں غلام کہہ کر قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالنا اور اپنی بدسلوکیاں ایک ایک کر کے یاد آ گئیں اور ساتھ ہی یہ خیال تازہ ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام کا خواب جھوٹا نہیں ہو سکتا تھا عجب نہیں کہ یہی اس کی تعبیر ہو رہی ہو، لَاَنۡتَ۔ استفہام حیرت و حیرانی کا ہے۔ الاستفهام یدل علی الاستعظام ای انهم تعجبوا من ذٰلک (ابن کثیر) قَالُوۡا۔ وہ لوگ یہ سن کر فرط حیرت سے بول پڑے۔ و۱۶۴ (کہ پہلے ہمیں توفیق صبر و تقویٰ عطا کی اور پھر اس کی برکت سے یہ دنیوی نعمتیں عطا کیں!) و۱۶۵ (بلکہ پورا پورا ادا کر دیتا ہے) قرآن مجید تو دوسروں کی زبان سے بھی جزئیات کے ساتھ ساتھ اصول وکلیات ادا کرا دیتا ہے پھر یوسف علیہ السلام تو نبی ہی تھے۔ ان کی زبان سے ایک گہری اصولی حقیقت بیان کر دی۔ يَّتَّقِ وَيَصۡبِرۡ۔ تقویٰ سے مراد گناہوں سے بچنا اور صبر سے مراد بلاء و مصیبت پر صبر کرنا ہے، و۱۶۶ (تمہارے اور بنیامین دونوں کے ساتھ اپنے معاملات میں) بڑے بھائیوں اور وہ بھی ایسے خیرہ سر بڑے بھائیوں کا، چھوٹے بھائی سے عجز و نیاز کے ساتھ معافی مانگنا، اللہ اکبر، کیسا مؤثر سماں ہو گا! تاللہ سے الخاطئین تک پڑھ جایئے تو لب و لہجہ میں حسرت، ندامت، معذرت سب کچھ ملیں گی۔ لَقَدۡ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيۡنَا۔ بے شک اللہ نے تمہیں بزرگی دے رکھی ہے اور تم بزرگی کے اہل بھی ہو۔ و۱۶۷ (تو جب میں نے تمہیں معاف کر دیا، اور دل سے وہ باتیں بھلا دیں، تو میرا خدا کیوں نہ معاف کرے گا۔ وہ تو تائبین کی خطائیں معاف کرتا ہی رہتا ہے) لَا تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ۔ میری طرف سے تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں، میں نے تمہیں معاف کر دیا، میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہو گیا۔ یہی آیت وہ تھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت اپنے جانی اور شدید دشمنوں کے مقابلہ میں پڑھ کر یوسف علیہ السلام سے بھی بڑھ کر اپنی فراخ دلی کا ثبوت دیا تھا۔ و۱۶۸ واقعہ اعجازی رنگ کا ہے، اور قصۂ یوسفی سے جہاں اور بہت سے سبق براہ راست قدرت خداوندی کے مل رہے ہیں، انہی میں سے ایک یہ بھی ہے۔

و۱۶۹ (والد ماجد تو بغیر یہاں آئے رہ ہی نہیں سکتے۔ وہ تو بہر حال تشریف لائیں گے لیکن ان کے ساتھ تم سب اور گھر بار کو بھی لیتے آنا) بِاَهۡلِكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ۔ اس وقت تک حضرت یعقوب علیہ السلام کا کنبہ اچھا خاصہ وسیع ہو چکا تھا بیٹے، بہوئیں، پوتے، پوتیاں سب ملا کر ستر نفوس تھے۔ توریت میں ہے:۔ ”اور یعقوب اپنی سب نسل سمیت مصر میں آیا، وہ اپنے بیٹوں اور بیٹوں کے بیٹوں کو جو اس کے ساتھ تھے اور اپنی بیٹیوں اور اپنی بیٹیوں کی بیٹیوں کو اور اپنی سب نسل کو مصر میں لایا۔“ (پیدائش ۴۶: ۶، ۷) سو وہ سب جو یعقوب کے گھرانے کے تھے اور مصر میں آئے، ستر جانیں تھیں (پیدائش ۴۶: ۲۷)

و۱۷۰ یعنی جب برادران یوسف کا قافلہ مصر سے کنعان کے لئے روانہ ہوا۔

۱۷۱ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بات اپنے آس پاس کے لوگوں سے فرمائی اور چونکہ جانتے تھے کہ لوگ آسانی سے باور نہ کریں گے، پیرایۂ بیان بھی اسی قسم کا اختیار فرمایا لولا ان تفندون حضرات انبیاء کی لطافت احساس اور قوت ادراک کا کیا کہنا! مصر سے کنعان صدہا میل کے فاصلہ پر، ادھر قافلہ کو حرکت ہوئی اور ادھر اتنی دور آپ کو پیراہن یوسفی کی خوشبو محسوس ہوگئی، لیکن یہ حیرت انگیز ذکاوت حس بھی ان حضرات کی اپنی اختیاری چیز نہیں ہوتی اور اسی لئے ہر وقت قائم نہیں رہتی، محض فیضان الٰہی کے تابع ہے اور اسی کو معجزہ کہتے ہیں...... قصۂ یوسف اعجازی رنگ کے واقعات سے بھرا ہوا ہے۔ تُفَنِّدُوْنِ۔ فند وہی شئی ہے جسے اردو میں سٹھیا جانا کہتے ہیں یعنی کبرسنی کی بنا پر عقل وحواس میں فتور آجانا۔ التفنید النسبة الی الفند وهو الخرف وانکار العقل من هرم (کشاف) ای تنسبونی الی الفند والکبر (ابن کثیر) قال الحسن تهرمون (ابن کثیر) قال الضحاک تهرمونی فتقولون شیخ کبیر قد خرف و ذهب عقله (معالم) مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ چونکہ ملاقات کا وقت موعود قریب آ گیا تھا، یہ خوشبو اتنے فاصلہ سے مدرک ہوگئی، اور جب وہ کنوئیں میں نسبۃً بہت قریب تھے چونکہ وقت نہ آیا تھا یہ خوشبو مدرک نہ ہوئی اور یہی معاملہ حضرات اولیاء کے مکاشفات کا ہے۔

لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا

مجھ کو تو مجھے تو یوسفؑ کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے ۱۷۱ (لوگوں نے) کہا

تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ

بخدا! آپ تو اپنے اسی قدیم وہم میں (مبتلا) ہیں ۱۷۲ پھر جب خوشخبری لانے والا

الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ

آپہنچا تو اس نے وہ پیراہن آپ کے منہ پر ڈال دیا تو آپ کی آنکھیں ۱۷۳ روشن ہوگئیں، (یعقوبؑ نے) فرمایا

اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۙۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم لوگ نہیں رکھتے ۱۷۴

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾

(بیٹے) بولے اے ہمارے باپ ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت کی دعا کیجئے، بیشک ہم ہی خطاوار رہے ہیں، ۱۷۵

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ

فرمایا (اچھا) میں عنقریب تمہارے لئے اپنے پروردگار سے دعائے مغفرت کروں گا۔ بیشک وہ بڑا مغفرت والا ہے

الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰي يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ

بڑا رحمت والا ہے ۱۷۶ پھر جب (سب) یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والدین کو

اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ۭ

اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں چلئے (اور) انشاء اللہ (وہاں) امن چین سے (رہیے گا) ۱۷۷

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَي الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ

اور اپنے والدین کو انہوں نے تخت پر بٹھایا اور سب (یوسف) کے سامنے جھک گئے ۱۷۸

وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ

اور (یوسف نے) کہا اے میرے باپ یہ ہے میرے قبل والے خواب کی تعبیر،

ع ۶

؎ گہے بر طارم اعلیٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم **۱۷۲** وہی ہوا جو آپ کا خیال تھا۔ لوگوں نے آپ کے کہے کا یقین نہ کیا اور آپ کو سچا اور نیک سمجھنے کے باوجود آپ کے اس ''وہم'' کو غلوئے محبت یوسفی پر محمول کرنے لگے۔ **۱۷۳** خوشبو اور خوشی کے اثر سے ضعف بصر کے دور ہو جانے اور نور نظر کے عود کر آنے میں کوئی بات ''خلافِ عقل'' اور ''خلافِ فطرت'' نہیں۔ البتہ یہ واقعہ ہی چونکہ معمول عام کے خلاف ہے یہاں اعجازی ہی حیثیت سے بیان ہوا ہے۔ توریت میں اس موقع پر ہے:۔ ''جب اس نے گاڑیاں جو یوسف نے اس کے لانے کو بھیجی تھیں دیکھیں تو ان کے باپ یعقوب کی زندگی دوبارہ ہوئی اور اسرائیل بولا یہ بس ہے کہ میرا بیٹا یوسف اب تک جیتا ہے میں جاؤں گا اور پیشتر اس سے کہ میں مروں اسے دیکھوں گا۔ (پیدائش ۴۵: ۲۷، ۲۸) اَلْبَشِيْرُ۔ بشیر جو خبر دینے کو قافلہ کے آگے آگے چلے۔ یہاں مراد یہودا ابن یعقوب علیہ السلام سے لی گئی ہے۔ قال ابن مسعودؓ جاء البشیر بین یدی العیر قال ابن عباسؓ هو یهودا (معالم) **۱۷۴** (چنانچہ اب تو تم کو اپنی رائے کی غلطی اور میرے علم خداداد کی صحت کا مشاہدہ ہوگیا) قافلہ اب مصر سے کنعان پہنچ چکا ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا نور بصارت عود کر آیا ہے۔ اس موقعہ کی گفتگو، **۱۷۵** (کہ اپنی نالائقی سے آپ کو کیسی کیسی تکلیفیں پہنچائیں۔ اب آپ خود بھی معاف فرما دیں اور حق تعالیٰ سے بھی ہمارے حق میں دعا فرما دیں) برادران یوسف علیہ السلام آخر نبی زادے تھے اور اسحاق علیہ السلام نبی کے پوتے اور ابراہیم علیہ السلام خلیل کے پرپوتے اتنی اعلیٰ خاندانی شرافت اور پھر صالح ترین ماحول اپنا اثر آخر کب تک نہ دکھاتے۔ **۱۷۶** چنانچہ پچھلی تقصیریں بھی معاف کر دیتا ہے اور آیندہ ترقی ومراتب کے رستے برابر کھلے رکھتا ہے۔ سَوْفَ۔ یعنی عنقریب ہی قبول دعاء کے موزوں ترین وقت پر:۔ **۱۷۷** حضرت یوسف علیہ السلام نے اس مبارک قافلے کا استقبال پایۂ تخت سے نکل کر سرحد مصر پر کیا تھا اور اب خاص شہر میں چلنے اور رہنے کا التماس کر رہے ہیں۔ توریت میں ہے:۔ ''اور یوسف نے اپنی گاڑی تیار کی اور اپنے باپ کے استقبال کے لئے جشن کو چلا اور اپنے تئیں اس پاس حاضر کیا اور اس کے گلے لپٹا اور دیر تک رویا۔'' (پیدائش ۴۶: ۲۸، ۲۹) اٰوٰٓى اِلَيْهِ۔ یعنی اپنے پاس تعظیم واکرام کے ساتھ بٹھایا اور ہر طرح خاطر مدارات بزرگداشت کی، اَبَوَيْهِ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کا تو انتقال ہو چکا تھا، پرورش سوتیلی ماں اور حقیقی خالہ نے کی تھی، یہاں مجازاً انہی کو والدہ کہا گیا۔ عَلَى الْعَرْشِ۔ عرش کا لفظ عام ہے ہر بلند تخت، اور چبوترہ (پلیٹ فارم) مراد ہو سکتا ہے، اور اگر تخت شاہی ہی مراد لی جائے تو ممکن ہے حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت تک مرتبۂ شاہی تک پہنچ گئے ہوں۔ قال اهل اللغة العرش السریر الرفیع والمراد بالعرش ههنا السریر الذی کان یجلس علیه یوسف (کبیر) **۱۷۸** (جیسا کہ عبرانی آداب وتہذیب میں داخل تھا) سُجَّدًا۔ سجدہ سے جیسا کہ اوپر بھی کئی موقعوں پر آ چکا ہے مراد ہر جگہ یہی اصطلاحی سجدہ نہیں ہوتا جو کسی مخلوق کے لئے اب حرام ہے، بلکہ یہاں مراد محض زمین بوس ہونا ہے جو اکثر قوموں میں ایک متعارف طریقہ اظہار تعظیم کا ہے اور شریعت اسلامی میں یہ بھی ناپسندیدہ ہے۔ قد یسمی التواضع سجودًا وکان المراد ههنا التواضع (کبیر) وکان تحیة الناس یومئذ السجود ولم یرد بالسجود وضع الجباه علی الارض انما هو الانحناء والتواضع (معالم) سجود انحناء لا وضع جبهة وکان تحیتهم فی ذٰلک الزمان (جلالین) قبل ما کانت الا انحناء ولا تعفیر الجباه (مدارک) خَرُّوْا لَهٗ۔ میں ل کے معنی لاجل کے بھی لئے گئے ہیں۔ یعنی گویا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پا کر اس خوشی میں ان سب نے اللہ کا سجدہ شکر ادا کیا وهو قول ابن عباسؓ فی روایة عطاء وان المراد بهٰذه الاٰیة انهم خروا له ای لاجل وجدانه سجد الله تعالیٰ (کبیر)

قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ

اسے میرے پروردگار نے سچ کر دکھایا ف١٧٩ اور اس نے میرے ساتھ (کیسا) احسان اس وقت کیا جب

اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَاۗءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ

مجھے قید خانہ سے نکالا ف١٨٠ اور آپ (سب) کو صحرا سے لے آیا

مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ

بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوادیا تھا ف١٨١

اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿١٠٠﴾

بیشک میرا پروردگار جو چاہتا ہے اس کی تدبیر لطیف کر دیتا ہے، بیشک وہی ہے علم والا، حکمت والا ف١٨٢

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ

اے پروردگار تو نے مجھے حکومت (بھی) دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بھی

الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۣ اَنْتَ

دیا ف١٨٣ اے آسمانوں اور زمین کے خالق تو ہی

وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا

میرا کارساز دنیا اور آخرت میں ہے مجھے دنیا سے (اپنا) فرماں بردار اٹھا

وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠١﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ

اور مجھے صالحین میں جا ملا ف١٨٤ یہ (قصہ) غیب کی خبروں میں سے ہے

نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا

جس کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں ف١٨٥ اور آپ ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جب انہوں نے اپنا ارادہ

اَمْرَهُمْ وَ هُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَ مَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ

پختہ کر لیا تھا اور وہ چالیں چل رہے تھے ف١٨٦ اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں گو آپ کا کیسا ہی

ف١٧٩ یعنی وہی خواب جو میں نے شروع میں دیکھا تھا اور آپ سے عرض کیا تھا کہ چاند اور سورج اور گیارہ ستارے میرے آگے تعظیم سے جھکے ہیں۔ ف١٨٠ (اور اس مرتبہ سلطنت تک پہنچادیا) ابدی نعمتیں اور راحتیں بھی اللہ کے قانون وشریعت میں حقیر وناقابل التفات نہیں جیسا کہ متشددین نے اور اہل غلو نے سمجھ رکھا ہے۔ ف١٨١ (جس کا ظاہری اقتضا تو یہ تھا کہ اب میرے اور ان کے درمیان صفائی اور یکجائی تمام عمر نہ ہوسکتی) نبی کی کریم النفسی ملاحظہ ہو کہ الزام ایسے شدید دشمن بھائیوں پر ذرا نہ آنے دیا بلکہ ذمہ داری شیطان کی قرار دے کر اپنی اور اپنے بھائیوں کی حیثیت ایک ہی رکھی۔ مِنَ الْبَدْوِ۔ یعنی اس دیہات یا ویرانے سے نکال کر اس شہر اور مرکز تمدن میں لے آیا۔ بدو، حضر کے مقابلہ کا لفظ ہے۔ البد و خلاف الحضر (راغب) ای من البادیة وقال الواحدی البد و بسیط من الارض یظهر فیه الشخص من بعید (کبیر) کنعان اس وقت مصر کے مقابلہ میں جو مرکز تہذیب وتمدن تھا ایک دیہات ہی کی حیثیت رکھتا تھا۔ کان یعقوب و والده بارض کنعان اهل مواشٍ وبریة (کبیر) ف١٨٢ اس کے لئے مستقبل کا کوئی راز راز نہیں اور وہ بڑے اور چھوٹے سارے ہی واقعات کو کسی حکمت ومصلحت کے ماتحت ہی واقع ہونے دیتا ہے۔ لَطِيْفٌ۔ یعنی ہر امر کی تدبیر لطیف کر دینے والا مخلوق کی نظروں سے مخفی اور فہم سے باہر تدبیریں کر دینے والا۔ ای لطیف التدبیر له (روح) فاذا اراد حصول شیءٍ سهل اسبابه فحصل وان کان فی غایة البعد عن الحصول (کبیر) ساری سورۃ کے واقعات اسی اسم لطیف کی تجلیات کے نمونوں سے لبریز ہیں۔ ف١٨٣ (اور علم بھی کیسا ظنی، اور تخمینی نہیں، یقینی...... اور یقینیات تک رسائی تو وحی کے بعد ہی ہوسکتی ہے) مِنَ الْمُلْكِ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی باقاعدہ بادشاہت وفرمانروائی اگر تاریخ سے ثابت نہیں تو عملاً تو آپ اس مرتبہ پر بہرحال پہنچ چکے تھے۔ توریت میں ہے:۔ ”اور اس نے مصر کی ساری مملکت پر حاکم کیا اور فرعون نے یوسف کو کہا کہ میں فرعون ہوں، اور بغیر تیرے مصر کی ساری زمین میں کوئی انسان اپنا ہاتھ پاؤں نہ اٹھائے گا اور فرعون نے یوسف علیہ السلام کا خطاب ”جہاں پناہ“ رکھا۔ (پیدائش ٤١: ٤٣، ٤٤) اور بعض نے مِنْ کو تبعیضیہ قرار دے کر اس سے یہ نکالا ہے کہ آپ ملک کے تمامتر فرمانروا تھے بلکہ بہرحال ایک بادشاہ کے ماتحت ہی تھے۔ قال الاصم انما قال من الملک لانه کان دون ملک فوقه (کبیر) مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ۔ یہاں بھی مِنْ کے تبعیضیہ ہونے سے یہ نکتہ نکالا گیا ہے کہ بشر بڑے سے بڑا عالم ہو جب بھی بہرحال اس کا علم محدود ومتناہی ہوگا۔ ای بعضًا من ابعاض العلم فلهذا السبب ذکر فیه کلمة من لانها دالة علی التبعیض (کبیر) تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ سے مراد خوابوں کی تعبیر کا علم تو ظاہر ہی ہے باقی اور علوم الٰہیہ بھی اس میں شامل ہیں۔ المراد بتاویل الاحادیث اما تعلیم تعبیر الرؤیاء وهو الظاهر واما تفهیم غوامض اسرار الکتب الالهیة ودقائق سنن الانبیاءِ (روح) ف١٨٤ (اور جس طرح دنیا میں میرے سارے کام بنا دیئے آخرت میں بھی میرے سارے کام بنا دے۔ یہاں کی کارسازی کا پورا جلوہ وہاں بھی دکھا دے) تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا۔ سے آرزوئے موت کا اثبات نہیں ہوتا بلکہ صرف اس کا اثبات ہوتا ہے کہ موت جب بھی آئے دین اسلام پر آئے۔ قال ابن عباسؓ فی روایة عطاء یرید اذا توفیتنی فتوفنی علی دین الاسلام فهذا طلب لان یجعل الله وفاته علی الاسلام ولیس فیه ما یدل علی انه طلب الوفاة (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا الخ سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں ایک باوجود عصمت اور امتناع کفر کے انبیاء علیہم السلام کا خوف کرتے رہنا، دوسرے شوق لقاء میں موت کی آرزو کرنا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے تحت میں لذائذ دنیوی کی بے حاصلی اور زود فنائی وغیرہ کو تفصیل سے بیان کر کے لکھا ہے کہ میرے لئے یہ کیفیتیں حال بن گئی ہیں اور میں مکروہاتِ دنیوی سے عاجز آکر اکثر اس دعائے یوسفی کا ورد کرتا رہتا ہوں۔ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔ اس پر شبہ یہ کیا گیا ہے کہ صالحین تو عامہ مومنین میں ہوتے رہتے ہیں، اور حضرت یوسف علیہ السلام خود ایک نبی جلیل القدر تھے۔ پھر آپ نے محض درجہ صالحین کی تمنا کیسے کی؟ جواب یہ ہے کہ صالحین کا مفہوم اضافی ہے اس کا معیار ہر ایک کے درجہ ومرتبہ کے مطابق الگ الگ ہوتا ہے، حضرت علیہ السلام جس مرتبہ صالحین کی تمنا کر رہے تھے آپ کے پیش نظر حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مرتبے وعظمت کے ”صالحین“ تھے۔ ف١٨٥ (اے رسول!) یہاں پر زور دے کر ارشاد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا قصہ محض وحی کے ذریعہ معلوم ہوا ہے ورنہ یوں ساری دنیا کی طرح آپ کے لئے بھی یہ قصہ غیب ہی میں داخل تھا۔ ف١٨٦ (یوسف علیہ السلام کے کنوئیں میں ڈالنے کا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آکر باتیں بنا رہے تھے) لَدَيْهِمْ۔ یعنی برادران یوسف علیہ السلام کے پاس۔ یرید اخوة یوسف (روح) مطلب یہ ہوا کہ نہ آپ خود ان واقعات کے وقت موجود تھے اور نہ آپ کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ معلومات صحیح کا بجز وحی الٰہی کے ہے کوئی دوسرا آپ کا رہنما نہیں۔

حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ مَا تَسۡـَٔلُهُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ

جی چاہے و۱۸۷ اور آپ ان سے اس (تبلیغ) پر کچھ معاوضہ تو مانگتے

اَجۡرٍ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۴﴾ ع وَكَاَيِّنۡ

نہیں یہ (قرآن) تو بس ایک نصیحت ہے دنیا جہان کے لئے و۱۸۸ اور کتنی ہی

مِّنۡ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ يَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهَا

نشانیاں آسمانوں اور زمین میں ہیں کہ ان پر سے (یہ لوگ) گزرتے ہیں

وَهُمۡ عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤۡمِنُ اَكۡثَرُهُمۡ

اور ان کی طرف سے منہ پھیرے رہتے ہیں و۱۸۹ اور ان میں سے اکثر لوگ

بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمۡ مُّشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوۡۤا اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ

اللہ پر ایمان بھی لاتے ہیں اور پھر شرک بھی کئے جاتے ہیں و۱۹۰ سو کیا یہ اس کی طرف سے بے فکر ہیں کہ انہیں

غَاشِيَةٌ مِّنۡ عَذَابِ اللّٰهِ اَوۡ تَاۡتِيَهُمُ السَّاعَةُ

اللہ کا کوئی عذاب چھالے یا ان پر اچانک قیامت

بَغۡتَةً وَّ هُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ

آ جائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو و۱۹۱ آپ کہہ دیجئے کہ میرا طریق یہی ہے

اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ ؕ

میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں و۱۹۲ دلیل پر قائم ہوں میں (بھی) اور میرے پیرو بھی و۱۹۳

وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَاۤ

اور پاک ہے اللہ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں و۱۹۴ اور

اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ

ہم نے بستیوں والوں میں سے آپ سے قبل بس مردوں ہی کو بھیجا کہ ہم نے ان کی طرف

و۱۸۷ (اس لئے آپ توقع ہی نہ رکھیے کہ ان تمام تر صحیح اخبار بالغیب کے بعد بھی یہ لوگ ایمان لے آویں گے) مراد یہ ہے کہ یہود وغیرہ تو آپ کے امتحان کے لئے آپ سے اس قصہ کی فرمائش کر رہے تھے اب آپ نے بغیر کسی ظاہری و مادی ماخذ کے جو صحیح و مستند قصہ اول سے آخر تک انہیں سنا دیا! تو چاہیے تو یہ تھا کہ یہ فوراً آپ کے صاحب وحی ہونے پر ایمان لے آتے اور آپ کے دل سے لگی ہوئی بھی تھی، لیکن اس کی توقع نہ رکھیے ان میں سے اکثر اس کا قصد ہی نہ کریں گے۔ ولو حَرَصۡتَ۔ حرص کے لئے اردو محاورہ میں دل سے لگی ہونا ہی آئے گا۔ معنی الحرص طلب الشیء باقصی ما یمکن من الاجتهاد (کبیر) و۱۸۸ یعنی اس کے اندر تو دنیا بھر کی نفع کی چیزیں جمع ہیں کوئی ذرا طلب کر کے دیکھے تو۔ و۱۸۹ یعنی نہ ان پر یہ توجہ کرتے ہیں۔ اور نہ ان سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ ای لا یعتبرون بها (کشاف) ولا یلتفتوا الیها (کشاف) یَمُرُّوۡنَ۔ ھم کی ضمیریں کافروں اور منکروں کے لئے ہیں۔ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ اٰيَةٍ۔ نشانیوں سے مراد توحید و قدرت الٰہی پر دلالت کرنے والے واقعات و حوادث کائنات ہیں۔ يَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهَا۔ یعنی وہ واقعات و حوادث ان منکرین آخرت کے علم و مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ ای یشاهد و نها (روح) و۱۹۰ (جس سے ان کا دعوائے ایمان باللہ ہی باطل ہوا جاتا ہے) مطلب یہ ہوا کہ آخرت کے منکر تو کثرت سے ہیں ہی، باقی جو لوگ انکار خدا نہیں بلکہ اقرار خدا کے مدعی ہیں ان کا بھی عموماً حال یہ ہے کہ ایک طرف تو خدا کو بھی مانے جاتے ہیں، اور دوسری طرف اس کے شریک دیوی اور دیوتا بھی، قرار دیئے چلے جاتے ہیں، جو صفات الوہیت کے منافی ہے۔ مشرکوں اور جاہل مشرکوں کا جو انجام ہوتا ہے اسے چھوڑیئے۔ خود ہماری قوم کے "اہل قبور" ٹھنڈے دل سے غور کریں، کہ مزارات و مقابر" سے بالکل تعبد کا معاملہ رکھنا ان پر چادریں چڑھانا ان پر نذریں ماننا، نفع نقصان انہیں سے وابستہ جاننا یہ سب کہیں ان کو اس آیت کی زد میں تو نہیں لے آتا۔ ومن اولٰئک عبدة القبور الناذرون لها المعتقدون للنفع و الضر من الله تعالٰی اعلم بحاله فیها دائم الیوم اکثر من الدود (روح) و۱۹۱ مطلب یہ ہے کہ ہر کفر فی نفسہٖ سزا و عقوبت کا مستحق و مستوجب ہے، خواہ فوراً خواہ بتاخیر لیکن یہ شامت زدہ وا آخرت فراموش نفس سزا ہی کی طرف سے غافل اور بے فکر پڑے ہوئے ہیں۔ و۱۹۲ اتنے سے فقرہ میں توحید و رسالت دونوں کا اثبات ہو گیا۔ هٰذِهٖ۔ یعنی یہی اثبات توحید و رسالت و یوم آخرت جن کا ذکر اوپر آ چکا۔ یعنی الدعوة الی التوحید والاعداء للمعاد (بیضاوی) ھذه الدعوة التی ادعوا الیها والطریقة التی انا علیها (کبیر) و۱۹۳ یعنی میں تو اصالۃً اور بالذات اور میرے پیرو میرے واسطہ سے اور میرے طفیل میں۔ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ۔ سے اشارہ ہو گیا کہ اسلام کورانہ تقلید کا نام نہیں بلکہ دین حق ایک ثابت شدہ مدلل حقیقت ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ آیت اس پر ناطق ہے کہ علم کلام اور علم اصول خاص پیمبرانہ علم ہیں اور ان حضرات کی بعثت خلق کی جانب انہی علوم سے کام لینے کے لئے ہوتی ہے۔ وھذه الاٰية تدل علٰی ان حرفة الکلام وعلم الاصول حرفة الانبیآءِ علیهم الصلوٰة والسلام وان الله ما بعثهم الی الخلق الّا لاجلها (کبیر) و۱۹۴ (میرے اور دین شرک کے درمیان اشتراک ہی کیا میں اس کے ایک ایک جزئیہ سے علیحدہ و بیزار) سُبۡحٰنَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ تعالٰی ہر قسم کی آلائش شرک سے پاک اور بالاتر ہے، جو اس کی ذات یا صفات سے متعلق مشرکوں نے روا رکھا ہے۔

ف١٩٥ یعنی پیمبر بنا کر تو ہمیشہ بشر ہی کو بھیجا گیا ہے، بشریت پیمبری کے منافی ہونا کیا معنی عین اس کا جزء لازم ہے اتنی موٹی حقیقت بھی دیوتا پرست، اوتار پرست مشرکوں کے ذہن میں نہیں آتی۔ فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ آیت سے بہ اشارۃ النص دو اور مسئلہ بھی روشنی میں آجاتے ہیں:۔(۱) ایک یہ کہ پیمبر ہمیشہ آبادی والی بستیوں میں سے ہوئے ہیں نہ کہ بے تعلق خانہ بدوش جرگوں قبیلوں میں سے۔ من اهل القرٰی لم یبعث رسولاً من اهل البادیة (کبیر) یعنی من اهل الامصار دون اهل البداوی (ابن جریر) (۲) دوسرے یہ کہ پیمبری ہمیشہ مردوں ہی میں رہی ہے کوئی عورت کبھی اس مرتبہ پر فائز نہیں کی گئی۔ اِلَّا رِجَالًا۔ والآية تدل علی ان الله تعالٰی ما بعث رسولاً الی الخلق من النسوان (کبیر) یخبر تعالٰی انه انما ارسل رسوله من الرجال لامن النساءِ وهٰذا قول جمهور العلماء (ابن کثیر) الذی علیه السنة والجماعة وهو الذی نقله الشیخ ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری عنهم انه لیس فی النساء نبیة (ابن کثیر) یعنی رجالًا لا نساءً (بحر عن ابن عباسؓ) فالرسول لا یکون امراةً (بحر) قیل معناه نفی استنباء النساء (بیضاوی) ف١٩٦ (کفار ومنکرین میں سے) یعنی پچھلی سرکش ونافرمان قوموں کے کھنڈروں پر گزرنے سے عبرت کا سبق یہ لوگ حاصل کرسکتے ہیں اور یہی مقصد کسی درجہ میں اب تاریخوں کے مطالعہ سے بھی حاصل ہوسکتا ہے اور مقصود اگر عبرت وتذکر ہو تو سیاحت عالم اور علم آثارِ قدیمہ سے اشتغال بھی ایک عبادت ہے۔ ف١٩٧ (کہ باقی کے مقابلہ میں فانی کی ہستی اور بساط ہی کیا ہے!) ف١٩٨ موجودہ کافروں کو تاخیر عذاب سے خوش ومطمئن نہ ہوجانا چاہیے، پچھلی بدکار اور نافرمان قوموں پر آمد عذابِ موعود میں بعض دفعہ دوسری مصلحتوں سے اتنی تاخیر ہوئی ہے کہ خود پیمبروں کو با ایں ہمہ استقامت وصبر وسلامتِ فکر، یہ خیال گزرنے لگا کہ کہیں ہم ہی سے تو وعدۂ نزولِ عذاب کے بھیجنے اور تعیین مدت عذاب میں غلطی نہیں ہوئی ہے۔ آیت کی تفسیر اور بھی متعدد طریقوں سے منقول ہے مگر سب سے زیادہ صاف بے تکلف اور بے غبار مفسر تھانوی علیہ رحمۃ اللہ کی اختیار کی ہوئی تفسیر ہے۔ ف١٩٩ اور نصرتِ غیبی یہی کفار پر عذاب موعود تھی۔ ف٢٠٠ یعنی عذاب موعود اپنے وقت مقرر پر آکر رہا اور کفار منکرین معاندین بہر حال اپنے کیفر کردار کو پہنچے، عام قانونِ الٰہی ہمیشہ سے یہی چلا آرہا ہے۔ فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ۔ اور ظاہر ہے کہ بچا لینے کی مشیت الٰہی ہمیشہ مومنین ہی سے متعلق رہی ہے۔ وهم الرسل والمومنون لهم (روح) مطلب یہ ہوا کہ عذاب عمومی جب بھی آیا تو اہل ایمان کو بچالیا گیا۔ ف٢٠١ (اور وہ اہل فہم فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ طاعت کا انجام کیا ہوتا ہے اور نافرمانی کا انجام کیا) قَصَصِهِمْ۔ ضمیر انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کی طرف ہے۔ ای قصص الانبیاء وامهم (بیضاوی) ف٢٠٢ جب ہی اسی کے ذریعہ سے اہل ایمان دنیا میں ہدایت حاصل کرتے ہیں اور آخرت میں رحمت۔ تَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ۔ یعنی ہر ایسی چیز کی تفصیل جس کا تعلق ہدایت سے ہے۔ چنانچہ اصل دین کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو براہِ راست یا بالواسطہ قرآن مجید میں نہ نکل آئے۔ کل شیءٍ یحتاج الیه فی الدین اذ ما من امر دینی الا وله سندٌ من القراٰن بوسط او بغیر وسط (بیضاوی)

أَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا

وحی کی ف١٩٥ تو کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں ورنہ دیکھ لیتے کہ ف١٩٦

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ

ان لوگوں کا کیسا (برا) انجام ہوا جو ان کے قبل تھے اور عالم آخرت

الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٩﴾

ہی ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو تقویٰ (اختیار) کیے ہوئے ہیں، سو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے؟ ف١٩٧

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ

(پہلے بھی مہلتیں دی جا چکی ہیں) یہاں تک کہ پیمبر مایوس ہی ہوگئے ہیں اور گمان کرنے لگے کہ ان سے

كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّىَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ

غلطی ہوئی ف١٩٨ (کہ اتنے میں) انہیں ہماری مدد آپہنچی ف١٩٩ سو ہم نے جس کے لئے چاہا وہ بچالیا گیا اور ہمارا

بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١١٠﴾ لَقَدْ كَانَ فِىْ

عذاب مجرم لوگوں سے ہٹتا نہیں ف٢٠٠ ان کے قصوں میں

قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا

اہل فہم کے لئے (بڑی) عبرت ہے ف٢٠١ (قرآن) کوئی گھڑی ہوئی بات تو

يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ

ہے نہیں یہ تو تصدیق (کرنے والا) ہے اس کا جو اس کے قبل (نازل) ہو چکا ہے

وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً

اور تفصیل (کرنے والا) ہے ہر چیز کا اور ایمان والوں کے حق میں

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١١١﴾ ع

ہدایت و رحمت ہے ف٢٠٢

مستند الی القراٰن بذات او بوسط (روح) تذییل۔ سورۂ یوسف میں جسے قرآن مجید خود احسن القصص قرار دے رہا ہے برادرانِ یوسف علیہ السلام کا بھی ذکر تفصیل کے ساتھ آیا ہے اسی مشابہت سے یہ نامہ سیاہ عرض پرداز ہے کہ وہ بھی اسی خانوادۂ بزرگ کا ایک ادنیٰ وحقیر وننگ خاندان نام لیوا ہے سلسلۂ نسب جہاں تک خاندانی شجروں سے پتہ چل سکا ہے اٹھاونویں پشت میں لاوی بن یعقوب علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

رکوعاتها ۶	۱۳ سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ ۹۶	ایاتها ۴۳

اس میں ۴۳ آیتیں — سورہ رعد مدنی ہے — اور ۶ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ

الف۔لام۔میم۔را۔ یہ کتاب (عظیم) کی آیتیں ہیں اور جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے

مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾

نازل کیا جاتا ہے وہ (بالکل) حق ہے لیکن اکثر انسان ایمان نہیں لاتے ف۱

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا

اللہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں کو بلند کر رکھا ہے بغیر ستون کے (جیسا کہ) تم اسے دیکھ رہے ہو ف۲

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ

پھر قائم ہوا عرش (سلطنت) پر اور آفتاب و ماہتاب کو مطیع

وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ

کیا ف۳ ہر ایک ایک وقت معین میں چلتا رہتا ہے ف۴ (اللہ) ہر امر کا انتظام کرتا رہتا ہے،

یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ﴿۲﴾

نشانیوں کو کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم اپنے پروردگار کی ملاقات کا یقین کر لو ف۵

وَ هُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ

اور وہ وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا

وَ اَنْهٰرًا ؕ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا

رکھ دیئے اور اس میں ہر پھل کی دو دو قسمیں

سورۂ رعد۔ ف۱ (حالانکہ اس کلام کی حقانیت وصداقت کا مقتضاء یہ تھا کہ سب کے سب اس پر ایمان لے آتے) الٓمّٓرٰ۔ حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ یہاں ان حروف کو فقرہ انا الله اعلم وارٰی ما تعملون کا بھی مخفف سمجھا گیا ہے اور فقرہ انا الله الملک الرحمٰن کا بھی انا الله اعلم وارٰی ما تعملون (ابن عباسؓ) انا الله الملک الرحمن (کبیر عن عطاء) ف۲ زمین سے آسمان کا اتنا بلند نظر آنا اور اتنی بلند چیز بغیر کسی ظاہری مادی سہارے کے...... یہ بجائے خود ایک دلیل خالق فطرت کی اعلیٰ صناعی وقدرت کی ہے۔ جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں نفی عمد کی کی گئی ہے۔ آیت میں ان یونانی ومصری حکماء وفلاسفہ کا رد آ گیا۔ جو آسمان کو قائم بالذات صاحب عقل وارادہ دیوتا تسلیم کرتے تھے۔ تَرَوْنَهَا۔ کے ترجمہ میں ضمیر مونث السماوات کی طرف لی گئی ہے لیکن جائز ہے کہ عمد کی طرف بھی لی جائے اس صورت میں نفی عمد کی نہیں بلکہ رویت عمد کی رہے گی یعنی آسمانوں کے لئے ایسے ستون ہیں جو تمہارے لئے غیر مرئی وغیر مشاہد ہیں۔ قیل ضمیر النصب فی ترونها عائد علی عمد ای بغیر عمد مرئیة (بحر) یحتمل وجهین احدهما انها لها عمدٌ ولا ترٰی تلک العمد وهٰذا ذهب الیه مجاهد وقتادة (بحر) وقال ابن عباسؓ وما یدریک انها بعمد لا ترٰی (بحر) اس صورت میں قانون کشش وغیرہ جس نام سے بھی سائنس توجیہات پیش کرے۔ سب آیت کے ماتحت غیر مرئی کے عموم میں داخل ہو جائیں گی۔ اور سب سے بہتر اس باب میں وہ تشریح ہے جو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی ہے۔ امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آسمان کو قائم رکھنے والے اصلی ستون حق تعالیٰ کی قوت حفظ وتدبیر ہیں اور یہ تمہارے لئے غیر مرئی ہیں۔ وقد دللنا علی ان هٰذه الاجسام انما بقیت واقفة فی الجو العالی بقدرة الله تعالٰی وحینئذٍ یکون عمدها هو قدرة الله تعالٰی (کبیر) ف۳ (اپنے احکام تکوینی کا اور انہیں کام میں لگا دیا) سورج اور چاند دیوی دیوتا ہونا تو خیر بڑی چیز ہے خود مختار اور آزاد بھی نہیں...... مشیت الٰہی کے آگے تمام تر مسخر ومجبور ہیں ان کے خالق نے انہیں جس کام میں چاہا لگا دیا۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔ یعنی قوانین جہانبانی کا نفاذ شروع کر دیا۔ استواء اور عرش دونوں پر مفصل حاشیہ پہلے گزر چکے ہیں۔ ف۴ (اپنے اپنے مدار پر حسب قانون خداوندی) كُلٌّ۔ یعنی سورج اور چاند دونوں میں سے ہر ایک۔ ف۵ مطلب یہ ہوا کہ جو قادر مطلق ایسی ایسی عظیم الشان مخلوقات کی خلق اور ایجاد پر قادر ہے اس کے لئے انسان کا دوبارہ پیدا کر دینا کچھ دشوار ہے؟ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ ہر امر کا انتظام حکمت ومصلحت کے ساتھ کرتا رہتا ہے یعنی وہ محض صانع وخالق ہی نہیں جو ایک مرتبہ تخلیق کے بعد معطل ہو کر بیٹھ گیا (جیسا کہ بہت سے گمراہ فرقوں نے فرض کر رکھا ہے) بلکہ حاکم ومتصرف بھی ہے۔ اَلْاٰیٰتِ۔ اس کے اندر تکوینی نشانات اور تشریعی دلائل دونوں آ گئے۔

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ

رکھ دیں ف٦ وہ رات سے دن کو چھپا دیتا ہے بیشک

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③ وَ فِي الْاَرْضِ

ان (سب) میں سوچنے والوں کے واسطے نشان موجود ہیں ف٧ اور زمین میں

قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ

پاس پاس قطعے ہیں اور انگوروں کے باغ اور کھیتیاں ہیں

وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى

اور کھجوریں گنجان (بھی) اور چھترے (بھی) ایک ہی پانی سے

بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۟ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ

سیراب کئے جانے والے اور (پھر بھی) ہم ان میں سے پھلوں میں ایک کو دوسرے پر

فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ④

فضیلت دیتے ہیں بیشک ان (سب) میں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں دلائل (موجود) ہیں ف٨

وَ اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا

اور اگر آپ تعجب کریں تو تعجب کے قابل (خود) ان کا (یہ) قول ہے کہ جب ہم خاک ہو گئے

ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ۬ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

تو پھر کیا ہم نئے سرے سے پیدا ہوں گے؟ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار سے

بِرَبِّهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ

کفر کیا ف٩ اور انہی لوگوں کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑤ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ

اہل دوزخ ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ف١٠ اور یہ لوگ آپ سے جلدی کرتے ہیں

ف٦ ایک دوسرے کے مقابل مثلاً بڑے اور چھوٹے یا ترش اور شیریں وقس علیٰ ہذا۔ سائنسی تحقیقات سے آج یا آگے چل کر جس جس قسم کا بھی تعلق زوجیت پھلوں کے درمیان منکشف ہو سب آیت کے تحت میں آجائے گا۔ رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا۔ یعنی نہ کوئی پہاڑ (نہ گوری شنکر نہ بندھیا چل نہ نگا پربت) اور نہ کوئی دریا (نہ گنگا نہ زبدا نہ سرسوتی) معبود یا نیم معبود یا کسی دیوی دیوتا کا مسکن جیسا کہ ہندوستان کے اندر اور ہندوستان کے باہر بھی بہت سی جاہل قوموں کا عقیدہ ہے اور رہ چکا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ مَدَّ الْاَرْضَ۔ یعنی یہ زمین بھی نہ کوئی دیوی ہے نہ کوئی مائی جی۔ محض اللہ کا پھیلایا ہوا ایک فرش ہے جس پر اس کی مخلوق آزادی سے چلے پھرے، دوڑے دھوپے۔ مدو امتداد سے زمین کی کرویت کا انکار ہرگز لازم نہیں آتا اصلی شکل جو کچھ بھی ہو، قرآن مجید کو اس سے مطلق بحث نہیں۔ بشری آنکھ کو تو بہرحال پھیلی ہوئی اور مسطح ہی نظر آتی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر تو ساتویں صدی ہجری کی بالکل ابتداء کی تصنیف ہے زمین کی کرویت اس وقت بھی مسلم ہو چکی تھی۔ ثبت بالدلائل ان الارض کرۃ فکیف یمکن المکابرۃ فیہ (کبیر) لیکن چونکہ یہ کرہ ہے نہایت ہی عظیم جسامت رکھنے والا اس لئے بشری آنکھ کے سامنے اس کا جتنا ٹکڑا آتا ہے مسطح ہی نظر آتا ہے اور اس کی کرویت غیر مشاہد رہتی ہے۔ امام موصوف ہی کے الفاظ ہیں:۔ والکرۃ اذا کانت فی غایۃ الکبر کان کل قطعۃ منھا تشاھد کالسطح (کبیر) ف٧ یعنی تردید شرک وتعدد الٰہ کے اور اللہ کی توحید اور صنعت گری کے دلائل۔ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ۔ یعنی رات کی تاریکی دن کی روشنی کو چھپا دیتی ہے۔ دنیا میں ایسی مشرک قومیں بھی گزری ہیں جنہوں نے "رات" اور "دن" کو مستقل دیوتا مان کر ان کی پوجا کی ہے۔ پارۂ سیقول کے حاشیوں میں اس کا ذکر آچکا ہے:۔ ف٨ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ۔ یعنی زمین کے یہ قطعے ہوتے تو پاس ہی پاس ہیں لیکن اثرات کے لحاظ سے مختلف۔ حاصل ان سب مثالوں کا یہ ہے کہ مؤثرات مادی ایک ہی ہوتے ہیں، اور پھر بھی اثرات مختلف ہوتے ہیں طبیعت ایک اور حکم مختلف یہ سب اس لئے کہ فاعل حقیقی کوئی اور ہی ہے، اس میں رد آگیا ان "نیچری" مذاہب کا جو کائنات کو محض قوانین طبعی کا (بغیر کسی قانون گر و قانون ساز کے) مقید و محکوم سمجھتے ہیں۔ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ ان سب واقعات میں جو روزانہ مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں رد شرک اور اثبات توحید کے پورے پورے دلائل موجود ہیں۔ ف٩ (آخرت سے انکار کرکے) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ نادان و نافہم جو بڑے استعجاب کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ یہ ممکن کیسے ہے کہ ہم جب ایک بار خاک ہو گئے تو دوبارہ پھر مجسم ومتشکل ہو کر برآمد ہوں تو دراصل حیرت واستعجاب کے قابل تو خود ان کا یہ انکار ہے، یہ نافہم اتنا نہیں سوچتے کہ جب خود انہی کے اقرار کے مطابق خدائے قادر وتوانا کیسی کیسی عجیب اور عظیم الشان مخلوقات عدم محض سے پیدا کر چکا اور برابر پیدا کرتا رہتا ہے تو اس کے لئے ان کا اعادہ انہیں دوبارہ شکل دے دینا مشکل ہی کیا ہے؟...... مضحکہ کے قابل عقیدۂ آخرت ذرا بھی نہیں بلکہ تمامتر قابل مضحکہ انکار آخرت ہے۔ ف١٠ (اور کبھی نجات نہ پا سکیں گے) یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ منکرین آخرت بھی ویسے ہی کافر اور ویسے ہی معذب رہیں گے جیسے دوسرے منکرین توحید و منکرین رسالت۔

ف۱۱ یعنی یہ منکرین وقوعِ عذاب کو اس قدر مستبعد سمجھ رہے ہیں کہ قبل اس کے کہ ان کی میعاد و مہلت ختم ہو لئے آپ سے نزولِ عذاب کا تقاضا کر رہے ہیں! حالانکہ تاریخ کی شہادت انہیں خود مل سکتی ہے کہ مکذب و آخرت فراموش قوموں کی کیسی کیسی حسرتناک بربادیاں اسی دنیا میں واقع ہو چکیں مَثُلٰتُ۔ مثلہ کی جمع ہے۔ یہاں مراد واقعاتِ عذاب و عقوبت سے ہے۔ ای عقوبات امثالھم من المکذبین (جلالین) السیئۃ سے مراد عذاب اور الحسنۃ سے مقصود عافیت ہے۔ قال ابن عباسؓ السیئۃ العذاب والحسنۃ العافیۃ (بحر) ف۱۲ یعنی حق تعالیٰ میں دونوں صفات موجود ہیں، جن کا ظہور اپنے اپنے موقع پر ہوتا ہے۔ صفتِ عذاب کا ظہور اگر ابھی ان کافروں پر نہیں ہوا ہے تو یہ احمق آخر غافل و بےفکر کس برتے پر ہوئے جا رہے ہیں؟ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ۔

بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ

مصیبت کی قبل عافیت کے درآنحالیکہ ان کے قبل واقعات عقوبت

الْمَثُلٰتُ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى

گزر چکے ہیں ف۱۱ اور بیشک آپ کا پروردگار لوگوں کے حق میں باوجود ان کی زیادتیوں کے

ظُلْمِهِمْ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۶ وَ يَقُوْلُ

صاحب مغفرت ہے اور بیشک آپ کا پروردگار سخت سزا دینے والا بھی ہے ف۱۲ اور کافر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ

کہتے ہیں کہ ان پر (فلاں) معجزہ ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اترا

اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷ؑ اَللّٰهُ يَعْلَمُ

بیشک آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہیں ف۱۳ اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے ف۱۴ اللہ کو علم رہتا ہے

مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ

اس کا جو کچھ کسی عورت کے حمل میں ہوتا ہے اور جو کچھ (عورتوں کے) رحم میں کمی بیشی

وَ مَا تَزْدَادُ ؕ وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝۸

ہوتی رہتی ہے اور ہر شے اس کے نزدیک ایک متعین اندازہ ہی سے ہے ف۱۵

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝۹ سَوَآءٌ

(وہ) پوشیدہ اور کھلی چیزوں (سب) کا جاننے والا ہے بڑائی والا ہے عالی شان ہے ف۱۶ (اس کے علم میں)

مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ

برابر ہے تم میں سے جو کوئی بات چھپائے اور جو کوئی اسے ظاہر کرے اور جو کوئی

مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝۱۰ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ

رات میں چھپ جائے اور (جو کوئی) دن میں چلے پھرے ف۱۷ ہر ایک کے لئے

ع

حضرت ابن عباسؓ صحابی سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں سب سے بڑھ کر پرامید و پرتسلی یہی آیت ہے۔ قال ابن عباسؓ لیس فی القراٰن اٰیۃ ارجٰی من ھٰذہ (بحر) متکلمین اہل سنت نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ صاحب کبائر کی مغفرت توبہ کے قبل بھی ہو سکتی ہے۔ فاعلم ان اصحابنا تمسکوا بھٰذہ الاٰیۃ علی انہ تعالیٰ قد یعفوا عن صاحب الکبیرۃ قبل التوبۃ (کبیر) ف۱۳ (اور آپ کا اصل کام سرکشوں کو ڈرانا اور انہیں راہ بتانا ہے نہ کہ ہر فرمائشی معجزہ کی تعمیل کرتے رہنا) قرآن مجید نے پورا پورا جواب ذرا سے فقرہ میں اعجوبہ پرستوں کو دے دیا کہ یہ نادان رسول ﷺ کی صداقت کا معیار فرمائشی خوارق و معجزات کو سمجھ رہے ہیں، یہ کس قدر جہل ہے؟ کہ پیمبر کے اصلی فرائض سے اسے اصلاً تعلق نہیں۔ انجیل میں حالانکہ صاحب انجیل اپنے خوارق و معجزات ہی کے لئے سب سے زیادہ مشہور ہیں معجزات کی فرمائش کرنے والوں پر یوں لتاڑ آئی ہے:۔ ”اے استاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں، اس نے جواب دے کر ان سے کہا کہ اس زمانہ کے برے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں۔“ (متی۔ ۱۲: ۳۹) ”جب بڑی بھیڑ جمع ہوتی جاتی تھی تو وہ کہنے لگا کہ اس زمانہ کے لوگ برے ہیں وہ نشان طلب کرتے ہیں۔“ (لوقا ۱۱: ۲۹) ”پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اسے آزمانے کے لئے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا۔ اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا۔ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں؟ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔“ (مرقس، ۸: ۱۱۔ ۱۳) ف۱۴ (اور اس قوم کے لئے ہادیٔ اعظم آپ ہیں) ھَادٍ۔ لفظ ہادی عام و وسیع ہے، پیمبر کا مرادف نہیں ہے۔ اس کے تحت میں نبی اور نائبانِ نبی سب ہی آ جاتے ہیں۔ اس لئے آیت سے جن لوگوں نے ہندوستان میں کسی نبی کا آنا لازمی قرار دیا ہے ان کا استدلال قوی نہیں، البتہ درجۂ احتمال میں اس کا مان لینا ضروری ہے، اور اسی لئے مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں زیادہ بحث و مباحثہ غیر ضروری ہے۔ عن ابن عباسؓ الھادی الداعی الی الحق (جصاص) اعنی بہ ولکل قوم قائد (ابن جریر) عن ابی صالح قال لکل قوم قادۃ (ابن جریر) ف۱۵ یعنی قدرت کے سارے انتظامات ایک خاص نظام کے ماتحت ہی انجام پاتے ہیں، اٹکل پچو نہیں، اور نہ اس میں کسی سہو یا غلطی کا امکان ہے۔ اَللّٰهُ ...... تَزْدَادُ۔ خدائے اسلام کا علم کامل بھی ہے اور محیط بھی۔ ہر ہر جزئیہ اور سارے مخفیات و مغیبات پر شامل۔ یہ جاہلی مذہبوں پر ضرب کاری ہے، جن میں خدا کا علم ناقص یا صرف کلیات کا مانا گیا ہے۔ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى۔ مثلاً یہی کہ حمل میں لڑکی ہے یا لڑکا۔ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ۔ مثلاً یہ کہ کسی کی مدت حمل بڑھ گئی اور کسی کی گھٹ گئی، یا یہ کہ کسی کے حمل میں ایک بچہ ہے، اور کسی کے زائد۔ ف۱۶ اسی کی قدرت سب پر بالا اور سب پر حاکم کوئی اس کا بالادست نہیں، اور اس کا علم محیط و کامل...... وہی ہمہ داں، ہمہ بیں، اور وہی ہمہ تواں۔ مذاہب شرکیہ اور ادیانِ جاہلی کو سب سے زیادہ ٹھوکر حق تعالیٰ کی صفاتِ علم و قدرت ہی کے سمجھنے میں لگی ہے اسی لئے قرآن مجید ان عقاید کو بار بار صاف کرتا جاتا ہے اور ان کی غلطیوں کی بار بار اصلاح کرتا جاتا ہے۔ ف۱۷ یعنی یہ سر و جہر، یہ پوشیدگی و ظہور، یہ تاریکی و روشنی، سب تمہاری نسبت سے ہے۔ اس کے علم کے اعتبار سے سب یکساں ہے...... مشرک قوموں نے اپنے دیوی، دیوتاؤں کو بھی اپنے ہی محدود اور ناقص حواس اور قوتوں پر قیاس کیا ہے۔ اس کی اصلاح ضروری تھی۔

مِّنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَ مِنۡ خَلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ

باری باری آنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی وہ اللہ کے حکم سے

اَمۡرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا

اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں ف۱۸ بیشک اللہ کسی قوم کی (اچھی) حالت بدل نہیں دیتا جب تک وہ لوگ خود اپنے میں

مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ

تبدیلی نہیں کر لیتے ف۱۹ اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت ڈالنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو کوئی صورت ہی اس کے ٹلنے کی نہیں

وَ مَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ ﴿۱۱﴾ هُوَ الَّذِىۡ يُرِيۡكُمُ

اور نہ کوئی اللہ کے مقابلہ میں ان کا مددگار رہتا ہے ف۲۰ وہ وہی (خدا) ہے جو تمہیں بجلی (کی چمک)

الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنۡشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ ۚ

دکھلاتا ہے ذریعۂ خوف بھی بنا کر اور ذریعۂ امید بھی بنا کر اور بوجھل بادلوں کو بلند کرتا ہے ف۲۱

وَ يُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِهٖ وَ الۡمَلٰٓئِكَةُ مِنۡ خِيۡفَتِهٖ ۚ

اور رعد اس کی پاکی بیان کرتا ہے اس کی حمد کے ساتھ اور (دوسرے) فرشتے بھی اس کے رعب وجلال سے (یہی کرتے ہیں)

وَ يُرۡسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيۡبُ بِهَا مَنۡ يَّشَآءُ

ف۲۲ اور وہ (اللہ) بجلیاں بھیجتا ہے پھر گرا دیتا ہے اُسے جس پر چاہتا ہے ف۲۳

وَ هُمۡ يُجَادِلُوۡنَ فِى اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ شَدِيۡدُ الۡمِحَالِ ﴿۱۳﴾ ؕ

اور یہ لوگ اللہ کے باب میں جھگڑ رہے ہیں حالانکہ وہ بڑا ہی زبردست قوت والا ہے ف۲۴

لَهٗ دَعۡوَةُ الۡحَقِّ ؕ وَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ

اسی کے لئے (خاص) ہے سچا پکارنا ف۲۵ اور جن کو (یہ لوگ) اس کے سوا پکارتے ہیں

لَا يَسۡتَجِيۡبُوۡنَ لَهُمۡ بِشَىۡءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيۡهِ اِلَى الۡمَآءِ

وہ ان کا جواب اس سے زیادہ نہیں دے سکتے جتنا پانی (اسے جواب دے سکتا ہے) جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے

ف۱۸ خالق کا تعلق مخلوق سے بے اعتنائی اور بے التفاتی کا نہیں، وہ غایت شفقت وکرم سے سب کی حفاظت کی فکر واہتمام رکھتا ہے۔ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ۔ توحید کی تاکید واہتمام مزید کے لئے ہے، فرشتہ تک بھی متصرف بالذات نہیں، جو کچھ بھی کرتے ہیں، اطاعت سرشت بندوں کی طرح، اپنے خالق کے حکم ہی سے کرتے ہیں، اللہ اللہ! توحید خالص پر اس کتاب برحق نے کن کن طریقوں سے زور دیا ہے۔ مُعَقِّبٰتٌ۔ مراد فرشتے ہی ہیں، خدائی حکومت میں فرشتوں کی ڈیوٹی لگی رہتی ہے، پہرہ اپنے اپنے وقت پر بدلتا رہتا ہے، ف۱۹ (مسلسل نافرمانیاں کر کے) یہاں یہ قانون بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ تو عدل مطلق ہے، اس کی طرف سے کسی ظلم وزیادتی کا امکان ہی نہیں، وہ تو جب بھی کسی قوم کو گرفت میں لے گا، تو اس قوم کی مسلسل نافرمانیوں کی پاداش ہی میں لے گا۔ يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ۔ اس تغیر کی نسبت فاعلی قوم کی طرف کر کے اس کا اظہار کر دیا ہے کہ یہ تبدیلیاں قوم کے اپنے قصد، عمد واختیار سے، ہوتی ہیں، باقی اگر کوئی تبدیلی کسی قوم میں، کسی مجبوری یا اضطرار یا لاعلمی کے نتیجہ کے طور پر ہو جائے تو اس پر یہ گرفت نہیں۔ مَا بِقَوۡمٍ۔ مراد اچھی حالتوں سے ہے۔ اے من النعمة والعافية (روح) ف۲۰ (ان میں سے جن کی امداد کا بڑا بھروسہ اور زعم ان نافرمانوں کو رہا کرتا ہے) اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا۔ اور یہ ارادۂ الٰہی ہمیشہ اسی نافرمان قوم کے اعمال کی پاداش میں ہوتا ہے۔ مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ۔ یہاں تک کہ جو فرشتے انسان کی حفاظت پر مامور رہتے ہیں وہ بھی اب بہ حکم خدا اس کی حفاظت سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ ف۲۱ (جو پانی سے لدے ہوئے ہوتے ہیں) مدعا یہ کہ بجلی اور بادل نہ خود کوئی دیوی دیوتا ہیں، نہ کسی اور دیوی دیوتا کے محکوم وماتحت ہیں محض اللہ کی ایک مخلوق اور دوسری بیجان مخلوق کی طرح تابع فرمان ہیں، اندر دیوتا یا کوئی اور دیوتا بجلی اور بارش کے خدا نہیں۔ خَوۡفًا۔ یعنی یہ کہ کہیں گر کر سامان ہلاکت نہ بن جائے۔۔۔۔ ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ برق میں ایک صفت ناری موجود ہے۔ طَمَعًا۔ یعنی یہ کہ اب تیز بارش ہوگی اور اس سے سرسبزی، شادابی، خوشحالی پھیلے گی۔۔۔۔۔۔ ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ برق میں ایک صفت نوری موجود ہے ف۲۲ (اپنے اپنے مرتبۂ وجود کی مناسبت سے، اور کوئی بھی اللہ کی عبدیت ومحکومیت سے باہر نہیں) اَلرَّعۡدُ۔ رعد کے لفظی معنی بادل کی گرج کے ہیں۔ صوت السحاب (راغب) اصطلاح شریعت میں اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو ناظم ابرو سحابیات ہے۔ ملک من الملائكة موكل بالسحاب (جامع ترمذی۔ ابواب تفسیر القرآن۔ عن ابن عباسؓ) انه ملك يسوق السحاب (راغب) الرعد هو الملك موكل بالسحاب (کبیر) مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ گرج یا بادل کا کوئی مستقل اور متصرف بالذات دیوتا نہیں، جیسا کہ مشرق ومغرب کی جاہل قومیں ہزار ہا سال تک سمجھتی رہیں بلکہ یہ کام تو ایک محکوم ومطیع ایک حمد وتسبیح کرتے رہنے والے فرشتہ کے سپرد ہے، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مِنۡ خِيۡفَتِهٖ۔ حق تعالیٰ کا رعب وجلال بڑی سی بڑی مقتدر ومعصوم مخلوق پر بھی غالب اور مسلط ہے، وَ الۡمَلٰٓئِكَةُ۔ ملائکہ کے اس عطف سے یہ شبہ پیدا نہ ہو کہ رعد بھی اگر کوئی فرشتہ ہی ہے تو ملٰئکۃ ہی پر اس کا عطف کیسا؟ عربی میں عطف ہمیشہ مغائرت جنس ہی کے موقع پر نہیں، بلکہ ہم جنسی کے باوجود تعظیم وتکریم کے لئے بھی آتا ہے، جس کی نظیریں خود قرآن مجید ہی میں موجود ہیں۔ لا يبعد ان يكون من جنس الملائكة وانما حسن افراده بالذكر على سبيل التشريف كما فى قوله وملائكته ورسله وجبريل وميكال وفى قوله واذ اخذنا من النبيين ميثاقهم ومنك ومن نوح (کبیر) ف۲۳ یہ فضائے ارضی کی طرف بجلیاں بھیجتے رہنا اور پھر اسے حسب مصلحت ومشیت تکوینی جس پر اور جہاں چاہنا گراتے رہنا یہ سب کام اسی قادر مطلق حکیم کل کا ہے۔ کسی اور کا نہیں۔ یونانی سمجھتے تھے کہ بجلی زی اس دیوتا کا حربہ ہے اور رومی عقیدہ رکھتے تھے کہ جوپیٹر (عطارد) دیوتا کا، اور ہندیوں کے خیال میں اندر دیوتا کا، دوسری مشرک قومیں بھی ایسی ہی خوش خیالیوں میں مصروف تھیں۔ قرآن مجید نے ایک چند لفظی فقرے سے ان ساری وہم پرستیوں پر ضرب کاری لگا دی۔ (ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن) ف۲۴ (اپنی قدرت خلاقی اور قوتِ صناعی کے لحاظ سے بھی اور اپنی طاقت وگرفت وسزا دہی کے لحاظ سے بھی) مطلب یہ ہوا کہ ایسا خدا جس کے نظام کائنات کی کارفرمائیاں اتنی عجیب وعظیم ہوں اور جس کا اختیار واقتدار اتنا ہمہ گیر اور کامل، یہ نادان اسی خدا کے مقابلہ میں دوسروں کو لاتے ہیں اور اس کی ذات وصفات میں اوروں کو شریک کرنا چاہتے ہیں۔ ف۲۵ یعنی حقیقی دعا صرف اسی کے حضور میں ہو سکتی ہے۔ سننے کی قوت، قبول کرنے کی قوت اسی اکیلے میں تو ہے، اس کے علاوہ کسی اور سے دعا مانگنا حماقت محض اور سفاہت خالص نہیں تو اور کیا ہے؟ کسی اور میں کوئی اختیار ہی کب ہے؟

لِيَبْلُغَ فَاهُ وَ مَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ

ہوئے ہو کہ وہ (پانی) اس کے منہ تک پہنچ جائے، درآنحالیکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں ف٢٦ اور کافروں کی پکار تو

اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿١٤﴾ وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

محض بے اثر ہی ہے ف٢٧ اور اللہ ہی کے آگے جھکے رہتے ہیں (سب) جتنے آسمانوں میں ہیں اور (جتنے) زمین میں

وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ

ہیں ف٢٨ (کوئی) ارادۃً (تو) اور (کوئی) جبراً (تو) ف٢٩ اور ان کے سائے بھی صبح وشام

وَ الْاٰصَالِ ﴿١٥﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ

کے وقت ف٣٠ آپ پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ

اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ

اللہ (پھر) کہیے کہ تو کیا تم نے (پھر بھی) اس کے سوا (اور) کارساز قرار دے لئے ہیں جو اپنی ہی ذات کے لئے

لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى

بھی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے ف٣١ آپ کہیے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا

وَ الْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَ النُّوْرُ ۚ اَمْ

برابر ہو سکتا ہے یا یہ کہ کہیں تاریکی اور روشنی برابر ہوئی ہے ف٣٢ یا یہ کہ

جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ

انہوں نے اللہ کے شریک ایسے ٹھیرا رکھے ہیں کہ جنہوں نے اس کی خلق کی طرح کسی کو خلق کیا ہے، جس سے ان کو

الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ

خلق میں اشتباہ ہو گیا ف٣٣ آپ کہہ دیجیے اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿١٦﴾ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ

واحد ہے، غالب ہے ف٣٤ (اسی نے) آسمان سے پانی اتارا جس سے نالے اپنی مقدار

السجدۃ ٣

ف٢٦ یہ غیر خدا کے آگے عرض نیاز کرنے، دعا مانگنے کی مثال دی ہے کہ جیسے کوئی احمق پیاسا پانی جیسی بے جان، بے ارادہ، لاعقل چیز کی طرف اسی امید پر ہاتھ پھیلائے رہے کہ پانی ازخود اس کے منہ تک پہنچ کر اس کی پیاس بجھائے گا تو اس سے بڑھ کر حماقت اور کیا ہوگی، اسی طرح یہ احمق دعا کے ذریعہ سے فریادرسی اسی سے چاہتے ہیں جو سرے سے قادر ہی فریادرسی پر نہیں! ف٢٧ (اس لئے کہ وہ تو غیر اللہ کے سامنے رہتی ہے) کافروں کی جو دعائیں بظاہر مقبول معلوم ہوتی ہیں ان واقعات کا تعلق دعاء سے بالکل نہیں ہوتا، ان کی وہ آرزوئیں یوں ہی بغیر دعاء کے پوری ہو جاتی ہیں، تکوینی اسباب ومصالح سے عام نظام ربوبیت کے ماتحت۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کافروں کی غیر مقبول دعاؤں سے مراد ان کی آخرت سے متعلق دعائیں ہیں، نہ کہ دنیا سے متعلق۔ المراد دعاؤهم الله تعالٰى بما يتعلق بالأخرة (روح) ف٢٨ یعنی ساری کی ساری مخلوقات اللہ ہی کی قانون تکوینی کی مطیع ومنقاد ہے۔ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ۔ اس ترکیب کے اقتضاء سے معنی یہ پیدا ہوئے کہ اللہ ہی کی مطیع ومنقاد ہے نہ کسی اور کی۔ اے لله وحده يخضع وينقاد ولا بشيء غيره (روح) مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مراد جمیع مخلوق سے ہے۔ المراد ما يشمل اولٰئک وغيرهم والتعبير بمن للتغليب (روح) يَسْجُدُ۔ سجدہ یہاں باصطلاح شرعی نہیں بلکہ اپنے اصلی ولغوی معنی میں ہے یعنی سب کے سب اللہ کے آگے جھکے ہوئے اور اس کی مشیت کے مطیع ومنقاد ہیں۔ السجود اصله التطامن والتذلل ...... وذٰلک ضربان سجود باختيار وليس ذٰلک الا للانسان وسجود تسخير وهو للانسان والحيوانات والنبات وعلى ذٰلک قوله ولله يسجد من فى السمٰوٰت والارض (راغب) السجود عبارة عن الانقياد والخضوع و عدم الامتناع و كل من فى السمٰوٰت والارض ساجدٌ لله بهٰذه المعنى لان قدرته و مشيئتهٗ نافذة فى الكل (كبير) اے ينقاد لاحداث ما ارادهٗ فيهم من افعاله (كشاف) ف٢٩ یعنی افعال اختیاری میں تو قصد واختیار سے اور اُمورِ غیر اختیاری میں اضطراراً۔ ف٣٠ یعنی علی الدوام ہر حال میں، ہر وقت۔ ب یہاں فی کے مرادف ہے۔ والمراد بها الدوام (بیضاوی) الباء بمعنى فى (روح) وَظِلٰلُهُمْ۔ سایہ ایک عدمی اور سلبی شے ہے جس کا اطلاق اس حال پر ہوتا ہے جب روشنی کسی جسم کثیف کے توسط سے دُور ہو جائے...... جیسے رات کا اطلاق دن کے عدم پر ہوتا ہے، یہاں پر اگر یہ لفظی معنی لیے جائیں جب بھی کوئی اشکال نہیں۔ مراد یہ ہوگی کہ اشیاء موجود فی الخارج اور ان کے اظلال سب ہی قادر مطلق کے مطیع ومنقاد ہیں۔ وحشی قوموں میں "سایہ" کو عالم بالا کی کوئی چیز سمجھ کر اس سے بہت ڈرا گیا ہے قرآن مجید نے بتایا کہ ہر موجود شے کی طرح اس کا سایہ بھی محض مخلوق اور منقاد مشیت الٰہی ہے، لیکن محققین ہی سے ایک قول اور بھی منقول ہے، وہ یہ کہ اظلال سے مراد آثار و توابع ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ ہر موجود بذات خود بھی مطیع ومسجود ہے اور اس کے آثار وخواص وافعال بھی۔ ف٣١ (چہ جائیکہ اپنے پرستاروں کی سن سکیں، یا ان کی کچھ مدد کر سکیں) مطلب یہ ہوا کہ ان مشرکین عرب سے بھی اگر یہ سوال کر دیجئے کہ اس سارے نظام کائنات کا خالق وموجد حافظ ومتقی مدبر و حاکم کون ہے تو یہ باوجود اپنے شرک کے اس کے قائل نکلیں گے کہ وہ تو ایک ہی خدائے قادر وتوانا ہے جسے عرب کی بولی میں اللہ کہتے ہیں، پس اس پر ان کی گرفت کیجئے، اور ان سے یہ کہیے کہ اس صحیح بنیادی عقیدہ کے باوجود پھر یہ تم پر کیا شامت سوار ہے، کہ تم تعدد الٰہ کی لعنت میں گرفتار ہو اور چھوٹے چھوٹے خداؤں دیوی دیوتاؤں کے چکر میں پھنسے ہوئے ہو؟...... جب ایک خدا کو مان لیا تو پھر اب دوسرے بے چاروں کے پاس کسی قسم کا اختیار وتصرف سرے سے باقی ہی کہاں رہ جاتا ہے؟ ف٣٢ (اور جب یہ نہیں اور بداہۃً نہیں تو پھر موحد ومشرک یعنی صاحب ایمان اور محروم الایمان اور شرک اور توحید یا کفر وایمان کیسے ایک سطح پر آسکتے ہیں؟) آیت میں رد آ گیا آج کے اُن "روشن خیالوں" کا جو دنیا کے ہر مذہب کو یکساں سمجھتے ہیں اور اُن "آزاد خیالوں" کا جو فلاح دنیوی کے لیے ایمان کی شرط غیر ضروری جانتے ہیں۔ ف٣٣ (اور یہ دھوکے میں پڑ کر اس خالق اعظم کی طرح دوسرے خالقوں کو بھی خدا سمجھ بیٹھے!) مطلب یہ ہوا صفت خالقیت میں انہوں نے اپنے کسی گڑھے ہوئے خدا کو خدائے حقیقی کا شریک اپنے تجربہ ومشاہدہ میں پایا ہے؟ اور جب کسی کو بھی نہیں تو پھر آخر کیا یہ خدا کی مار ہے کہ ان دوسروں کو معبودیت میں شریک کیے جاتے ہیں؟ ف٣٤ یہاں مختصراً تین صفات بیان کر کے بہت سی پھیلی ہوئی گمراہیوں اور کثیر التعداد مذاہب شرک کی جڑ کاٹ دی۔ پہلی صفت یہ کہ اللہ ہی چھوٹی بڑی ہر چیز کا جو ہر وعرض، ایجاب وسلب، خوشگوار وناخوشگوار، سب کا خالق ہے۔ دوسری صفت یہ کہ وہ عدداً بھی ایک ہی ہے اپنی ذات کے لحاظ سے بھی اور اپنی صفاتِ کمالیہ کے لحاظ سے بھی، یہ نہیں کہ اس کی "شخصیت" تو ایک ہو لیکن اس کے "بروز" اور اس کے "اقنوم" کئی کئی ہوں۔ تیسری صفت یہ ہے کہ وہ اپنی ساری مخلوقات پر غالب و حاکم ہے خود اس کے اُوپر کوئی ہستی یا کوئی قانون حاکم ومتصرف نہیں۔

اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ
کے موافق چلنے لگے ف۳۵ پھر وہ سیلاب جھاگ کو اوپر لے آیا

وَ مِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ
اور جن چیزوں کو آگ کے اندر تپاتے ہیں زیور یا (اور)

مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ
اسباب بنانے کی غرض سے اس میں ایسا ہی جھاگ ہے ف۳۶ اسی طرح حق وباطل کی اللہ مثال بیان

وَالْبَاطِلَ ۬ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا
کرتا ہے ف۳۷ سو جھاگ تو نکما ہو کر جاتا رہتا ہے اور جو چیز

مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ
لوگوں کے لئے کار آمد ہے سو وہ زمین پر رہ جاتی ہے، اللہ اسی طرح

يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ﴿۱۷﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ
مثالیں بیان کیا کرتا ہے ف۳۸ جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا کہنا مان لیا ان کے لئے

الْحُسْنٰى ؕ وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ
نیک (بدلہ) ہے ف۳۹ اور جن لوگوں نے اس کا کہنا نہ مانا ان کے پاس اگر

مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا
دنیا بھر کی چیزیں بھی ہوں اور اسی کے ساتھ اتنی ہی اور بھی تو وہ سب اپنی طرف سے بہ طور فدیہ

بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ۬ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ
دے ڈالیں ف۴۰ سخت حساب ان لوگوں کا ہوگا اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے

وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ ع اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ
اور وہ کیسی بری قرارگاہ ہے ف۴۱ کیا جو شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ آپ پر جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے

ف۳۵ (یعنی چھوٹے نالے کم پانی کے ساتھ اور بڑے نالے زیادہ پانی کے ساتھ سب اپنی اپنی بساط وحیثیت کے مطابق) ف۳۶ (اور وہ بھی اُوپر آجاتا ہے) زَبَدٌ سے یہاں مراد ہے میل کچیل، خس وخاشاک، کوڑا کرکٹ۔ ف۳۷ یعنی ایک طرف توحید وایمان اور دوسری طرف کفر وشرک کی، ف۳۸ (اپنے کلام میں ہر مضمون کے لیے) فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ۔ یعنی اپنی نفع رسانی کے ساتھ باقی رہ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح جھاگ کچھ دیر کے لیے اصل چیز کے اُوپر نظر آتا ہے لیکن آخرکار وہ ناکارہ سمجھ کر پھینک ہی دیا جاتا ہے، اور اصل چیز باقی رہ جاتی ہے، اسی طرح گو باطل چند روز کے لیے حق پر غالب آجائے لیکن انجام کار باطل مغلوب ہی ہو کر رہتا ہے، اور حق باقی وثابت رہتا ہے۔ ف۳۹ یعنی جنت اِسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ۔ اور اپنے رب کا کہنا مان لینا یہی ہے کہ توحید وطاعت کی راہ اختیار کرلی۔ ف۴۰ (قیامت کے دن اس اُمید پر کہ کسی طرح جان تو بچے اور عذاب سے رہائی ملے) لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ۔ یعنی بدستور راہ معصیت وکفر پر قائم رہے۔ ف۴۱ یعنی قیامت میں ساری کائنات اور اس سے بڑھ کر بھی تصدیق کرنا ان منکروں اور بے دینوں کو ذرا بھی نفع نہ پہنچا سکے گا۔ اور یہ بدستور گرفتارِ عذاب رہیں گے۔

ف۴۲ (اور جو لوگ فہم خداداد سے کام ہی نہیں لیتے وہ محروم رہتے ہیں) اَفَمَنْ يَّعْلَمُ...... الْحَقُّ یعنی مومن ومسلم۔ مَنْ هُوَ اَعْمٰى۔ یعنی کافر ومنکر۔ يَعْلَمُ۔ علم یہاں یقین واعتقاد کے معنی میں ہے۔ اُنْزِلَ اِلَيْكَ۔ اس سے قرآن مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے باقی رسول اللہ ﷺ نے وحی خفی کی بناء پر قرآن سے باہر جو احکام دیئے ہیں وہ بھی اس کے عموم میں شامل ہیں۔ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ یہ اولوالالباب یا صاحبان فہم خالص وہی لوگ ہوتے ہیں، جو اپنی عقل پر تعصبات یا جذبات عناد وغیرہ کو غالب نہیں آنے دیتے اور یہی فرق ہے لُب اور مطلق عقل کے درمیان۔ اللب العقل الخالص من الشوائب (راغب) وقیل هو ما زکی من العقل فکل لُبّ عقل و لیس کل عقل لُبًّا (راغب) واللُّبُّ اخص من العقل و هو الذی ذهب الیه الراغب (روح) فقہاء نے یہیں سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ عقل معتبر عقل معاد ہی ہے وہی جو تذکر کرتی ہے اور ایسا ہی شخص عاقل کہنے کے قابل ہے اگرچہ اُمورِ دنیوی میں وہ ناواقف ہو۔ ف۴۳ (جو اللہ سے یوم الست میں کر چکے ہیں) اہل فہم کی پہلی شناخت یہ ارشاد ہوئی کہ یہ لوگ اپنے عہد الٰہی کے ایفاء کرنے والے ہیں — عَهْدِ اللّٰهِ۔ سے مراد وہ عہد اطاعت ہے جو انسان روزِ اوّل اللہ سے کر چکا ہے۔ ای ما عقدوا علی انفسهم من الاعتراف بربوبیته حین قالوا بلٰی (بیضاوی) وسعت دے کر اس کے تحت میں وہ سب مسائل داخل کر لیے گئے ہیں جو دلائل شرعی سے پیدا ہوتے ہیں۔ ای کل ما قام الدلیل علیه (کبیر) یدخل فیه الاتیان بجمیع المامورات والانتهاء عن کل المنهیات (کبیر) ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ لفظ حقوق اللہ کے مرادف ہے۔ اور اس کی ادائی کا درجۂ اقل یہ ہے کہ معاصی کبیرہ سے اجتناب رہے۔ و اقلهٗ درجة اجتناب الکبائر (ابن العربی) ف۴۴ (اور کبھی اپنی طاعت واطاعت پر نازاں ہو کر مطمئن و بے فکر نہیں ہو جاتے) يَصِلُوْنَ۔ یوصل یہ انہی اہل فہم کی دوسری شناخت ارشاد ہوئی۔ پہلی آیت میں جس طرح سے حقوق اللہ کی ادائی کی تاکید تھی، اس میں حقوق العباد کا اہتمام آ گیا۔ رعایة جمیع الحقوق الواجبة للعباد (کبیر) حاصل الکلام ان قوله الذین یوفون بعهد الله اشارة الی التسلیم لامر الله (قوله والذین یصلون ما امر الله به ان یوصل) اشارة الی الشفقة علی خلق الله (کبیر) يَخْشَوْنَ...... الْحِسَابِ یعنی ان کے اس حسن کردار کی بنیاد ان کی خشیت الٰہی پر ہوتی ہے۔ ف۴۵ حق تعالیٰ کی رضا، یہی لوگ حاصل کریں گے اور یہی لوگ رضاء الٰہی کے محل ومقام میں ہوں گے...... یہ سب شناختیں انہیں صاحبانِ فہم کی بیان ہوئیں۔ الَّذِيْنَ ...... رَبِّهِمْ۔ یعنی دین حق پر ہر طرح کی جسمانی صعوبتوں اور دماغی پریشانیوں کے باوجود قائم رہتے ہیں۔ اس صبر کے عموم میں ہر قسم کے احکام تشریعی اور مصائب تکوینی پر صبر شامل ہے۔ یدخل فی الصبر علی فعل العبادات والصبر علی ثقل الامراض والمضار و الغموم والاحزان والصبر علی ترک المشتهیات و بالجملة الصبر علی ترک المعاصی و علی اداۤءِ الطاعات (کبیر) سِرًّا وَّعَلَانِيَةً۔ یعنی حسب موقع ومصلحت کبھی اس خرچ کا اظہار بھی کر دیتے ہیں، اور کبھی اسے مخفی بھی رکھتے ہیں، مثلاً جو رقم سلطنت اسلامی میں واجب الادا ہوا سے علانیہ سرکاری بیت المال میں داخل کرتے ہیں، اور جہاں اپنے تنگ دست عزیزوں، پڑوسیوں، مسافروں وغیرہ کی امداد ضروری دکھائی دیتی ہے وہاں اسے بالکل مخفی طور پر کرتے رہتے ہیں۔ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ۔ اس کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اپنی خطاؤں اور لغزشوں کو نیکیاں کر کر کے مٹاتے رہتے ہیں۔ ای یتبعون السیئة الحسنة فتمحوها (بیضاوی) عن ابن عباسؓ انه قال یدفعون بالصالح من العمل السّیء من العمل و هو معنی قوله ان الحسنات یذهبن السیئات (معالم) مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ۔ یعنی اپنی جائز وحلال کمائی سے۔ حرام آمدنی کا انتساب اللہ تعالیٰ کی جانب ہو ہی نہیں سکتا۔ قالت المعتزلة ذلک یدل علی انهٗ لا رزق الا الحلال و لو کان الحرام رزقًا لکان قد رغب فی انفاق الحرام و انه لا یجوز (کبیر) ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ۔ یعنی ان کے صبر وثابت قدمی سے مقصود دنیوی ناموری یا اور کچھ نہیں ہوتا، بلکہ محض اجر ورضاء الٰہی ہی مقصود رہتا ہے۔ معناه انه صبر لمجرد ثوابه و طلب رضا الله تعالیٰ (کبیر) لا غیره من اغراض الدنیا (جلالین) عُقْبَى الدَّارِ۔ یعنی جنت جو اس دُنیا کے بعد کی اور آخری چیز ہے۔ ای عاقبة الدنیا و هی الجنة (مدارک) ف۴۶ یعنی یہ نیک کردار اور اولوالالباب جنت میں خود تو خیر داخل ہوں گے، ان کے ساتھ ہی ان کے بڑے اور چھوٹے اور برابر والے عزیزوں کو بھی جنت میں پہنچا دیا جائے گا، بشرطیکہ ان میں صلاحیت بھی کسی درجہ کی جنت میں جانے کی ہوئی۔ مَنْ صَلَحَ۔ اس قید نے صاف کر دیا کہ اہل جنت سے مطلق قرابت کا تعلق مغفوریت کے لیے کافی نہیں مغفرت تو ایمان ہی پر مرتب ہو گی البتہ ترقی درجات ومراتب کی گنجائش اعزہ واقربا کی شفاعت کی بناء پر ہے۔ قال ابن عباسؓ یرید من صدق بما صدقوا به و ان لم یعمل مثل اعمالهم (کبیر) قال الواحدی والصحیح ما قال ابن عباسؓ (کبیر) والمعنی انه یلحق بهم من صلح من اهلیهم و ان لم یبلغ مبلغ فضلهم تبعًا لهم تعظیمًا لشانهم (بیضاوی) و هو دلیل علی ان الدرجة تعلوا بالشفاعة (بیضاوی) و فی التقیید بالصلاح دلالة علی ان مجرد الانساب لا تنفع (بیضاوی) و ان لم یعملوا بعملهم یکونون فی درجاتهم تکرمة لهم (جلالین) ای یجمع بینهم و بین احبابهم فیها من الاباء والاهلین و الابناء بمن هو صالحٌ لدخول الجنة من المومنین لتقرا اعینهم بهم (ابن کثیر) اٰبَآئِهِمْ۔ اس کے تحت میں عجب نہیں جو کل بزرگان خاندان آ جائیں، باپ اور ماں دونوں کی طرف سے۔ اَزْوَاجِهِمْ۔ زوج میں میاں بیوی مذکر ومؤنث دونوں آ گئے۔

مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ

نازل ہوا ہے حق ہی ہے وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھا ہے؟ نصیحت تو بس اہل فہم ہی

اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿١٩﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ

قبول کرتے ہیں ف۴۲ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے رہتے ہیں

وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ

اور (اس) پیمان کو توڑتے نہیں ہیں ف۴۳ اور جس کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے

اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ

حکم دیا ہے جوڑے رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اور سخت حساب کا

سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿٢١﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ

اندیشہ رکھتے ہیں ف۴۴ اور جو لوگ اپنے پروردگار کی رضامندی کی تلاش میں مضبوط

رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

خفیہ بھی اور ظاہر طور پر بھی اور بدسلوکی کو حسن سلوک سے ٹالتے رہتے ہیں

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٢﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا

انہی کے حق میں نیک انجام ہے ف۴۵ (یعنی) ہمیشگی کے باغ جن میں وہ (خود بھی) داخل ہوں گے

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ

اور (وہ بھی) جو جنت کے لائق ہوں گے ان کے ماں باپوں میں سے اور ان کے میاں بیویوں میں سے اور ان کی اولاد میں

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾

سے ف۴۶ اور فرشتے ان کے پاس ہر دروازہ سے داخل ہوتے ہوں گے

ذُرِّيّٰتِهِمْ۔ ذریت کے تحت میں عجب نہیں کہ فروع وتوابع سب آجائیں لڑکے، لڑکی، پوتے، نواسے اور پھر شاگرد مسترشدین وغیرہ۔ ف۴۷ حالت سرور، فرحت ونشاط میں انسان گفتگو بھی اسی قسم کی

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾

(یہ کہتے ہوئے کہ) سلامتی ہو تم پر اس کے صلہ میں کہ تم صبر کرتے رہے، سو (تمہارا) اس جہان میں بہت ہی اچھا انجام ہے ف۴۷

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ

اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑتے رہتے ہیں

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ

اور اسے کاٹتے رہتے ہیں جس کیلئے اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے اور زمین پر فساد

فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ

کرتے رہتے ہیں ایسوں پر لعنت ہو گی اور ان کے لئے اس جہان میں خرابی

الدَّارِ ﴿٢٥﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ

(ہی) ہے ف۴۸ اللہ جس پر چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور (جس پر چاہے) تنگ کر دیتا ہے ف۴۹

وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اور یہ لوگ دنیوی زندگی پر اتراتے ہیں حالانکہ دنیوی زندگی آخرت کے

فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿٢٦﴾ ع وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ

مقابلہ میں بس ایک حقیر ہی سودا ہے ف۵۰ اور جو کافر ہیں کہتے ہیں کہ ان پر

لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ

ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ (ہمارا فرمائشی) کیوں نہیں اترا ف۵۱ آپ کہہ دیجئے کہ واقعی اللہ گمراہ رکھتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿٢٧﴾ ښ اَلَّذِيْنَ

جسے چاہتا ہے اور راہ دکھادیتا ہے اسے جو (اس کی طرف) رجوع کرے ف۵۲ (یعنی) وہ لوگ

اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ

جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے انہیں اطمینان ہو گیا ف۵۳ خوب سن لو کہ

ع ۸ / ۹

سننا چاہتا ہے جو اس کے لیے اور زیادہ کیف آور ونشاط انگیز ہو، چنانچہ فرشتے بھی ہر طرف سے آ آ کر ایسے ہی پیام پہنچائیں گے۔ مِنْ كُلِّ بَابٍ۔ "ہر ہر دروازے سے" کے ایک معنٰی تو ظاہر ہی ہیں، جنت کے ہر محل میں دروازے متعدد ہوں گے اور یہ پیامِ مسرت لانے والے ہر ہر طرف سے داخل ہوں گے، دوسرے معنٰی یہ لیے گئے ہیں کہ مومن نے دُنیا میں جتنے قسم کی طاعتیں کی ہیں، مثلاً نماز، روزہ، حسن معاملت، سچائی وغیرہ اس میں سے ہر ہر قسم کے لیے ایک ایک دروازہ قائم ہو جائے گا اور فرشتے اس میں سے داخل ہوں گے۔ قال ابو بکر الاصم من کل باب من ابواب البر (کبیر) ف۴۸ اب اولوا الالباب کے مقابلہ میں نافہم، کج فہم بدبختوں کا ذکر ہو رہا ہے ان کی علامتیں بھی اس دُنیا میں ان سے بالکل مختلف رہتی ہیں، اور ان کا انجام بھی قدرۃً ان سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ...... يُّوْصَلَ یعنی حقوق اللہ وحقوق العباد سب میں یہ شریعت الٰہی کی خلاف ورزی ہی کرتے رہتے ہیں۔ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ۔ عقاید شرکیہ اور اعمال شرک وفسق سے ملک میں ہر طرح کی ابتری ہی ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے۔ و ذٰلک الفساد هو الدعاء الٰی غیر دین اللہ و قد یکون بالظلم فی النفوس والاموال و تخریب البلاد (کبیر) ف۴۹ (اس انتظام تکوینی کو مقبولیت وعدم مقبولیت سے کوئی تعلق نہیں) بعض گم کردہ راہ قوموں اور فرقوں نے حق وباطل کا معیار معیشت کی خوشحالی وفارغ البالی اور تنگ دستی اور بدحالی کو سمجھا ہے، یہاں اس کی پوری تردید ہو رہی ہے، اور ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کا تعلق تمامتر مشیت تکوینی سے ہے۔ يَقْدِرُ۔ کے معنٰی یہاں تنگ کر دینے کے لیے گئے ہیں، جیسا کہ سیاق سے بالکل ظاہر ہے، قال المفسرون معنی یقدر ههنا یضیق (کبیر) ف۵۰ ان منکرین آخرت کی تنگ دماغی کا یہ حال ہے کہ یہ اسی محدود اور چند سالہ مختصر زندگی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں، اور اُس بے انتہا وسیع عالم کو جو اس کے معاً بعد شروع ہونے والا ہے نذرِ بے خبری کیے ہوئے ہیں...... جیسے یہ سارا کارخانۂ حیات کسی صاحب شعور وصاحب ارادہ کا برپا کیا ہوا ہی نہیں۔ مَتَاعٌ۔ میں تنوین تحقیر کی ہے۔ ف۵۱ یعنی یہ کافر ازراہِ طعن وعناد کہتے ہیں، کہ یہ صاحب جو مدعی نبوت پیدا ہوئے ہیں، آخر اپنے خدا کے ہاں سے کوئی معجزہ ہماری پسند اور ہمارے معیار کے لائق لے کر کیوں نہیں آئے ہیں۔ ف۵۲ (اور یہ رجوع وانابت بندہ کا فعل اختیاری ہے) اس فعل اختیاری کے اختیار پر اللہ کی طرف سے ترتّبِ ہدایت کا وعدہ ہے۔ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی جسے اپنی حکمت تکوینی کے ماتحت اسے گمراہ رکھنا ہی منظور ہوتا ہے...... گمرہی کی بابت کئی

بار اوپر آچکا ہے کہ یہ اُنھی کے نصیب میں آتی ہے جو اپنی فہم خداداد سے کام نہیں لیتے۔ ف۵۳ (اور اس اطمینان کی بڑی اور اصلی علامت یہ کہ ان کا ایمان اللہ کے کلام پر قائم ہو گیا)

اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو ہی جاتا ہے ف۵۴ جو لوگ ایمان لائے اور نیک

الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ

عمل کئے ان کے لئے خوشحالی اور خوش انجامی ہے ف۵۵ اسی طرح

اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ

ہم نے آپ کو ایک امت میں بھیجا ہے جس کے قبل بھی امتیں گزر چکی ہیں

لِّتَتْلُوَاۡ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ هُمْ

تاکہ آپ ان کو وہ (کتاب) پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ پر وحی کی ہے (مگر) وہ لوگ

يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

رحمن کے ساتھ کفر ہی کر رہے ہیں ف۵۶ آپ کہہ دیجیے وہی میرا پروردگار ہے کہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا،

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَ لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا

اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف (مجھے) واپس جانا ہے ف۵۷ اور اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا

سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ

جس کے ذریعہ سے پہاڑ ہٹا دیے جاتے یا اس کے ذریعہ سے زمین (جلدی جلدی) طے ہو جاتی یا اس کے ذریعہ سے

بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ

مردے بولنے لگتے (جب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے) ف۵۸ ہے یہ کہ سارا اختیار اللہ ہی کو ہے کیا پھر

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ

بھی ایمان والوں کو یکسوئی نہیں ہوئی کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے انسانوں کو ہدایت

جَمِيْعًا ؕ وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا

دے دیتا ف۵۹ اور (یہ) کافر تو ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے کہ (کوئی نہ کوئی) حادثہ ان پر

ف۵۴ یعنی ذکر الٰہی میں خاصیت ہی یہ ہے کہ یہ انسان کے قلب کو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے اُلجھاؤ سے بچاتا ہے، اور شرک سے جو انتشار ذہنی پیدا ہوتا ہے یقین توحید اس کے لیے سپر ہو جاتا ہے...... البتہ اس اطمینان کے بھی مختلف درجے و مرتبے ہوتے ہیں، جس درجہ کا ذکر الٰہی ہوتا ہے اُسی نسبت سے اطمینانِ قلب بھی حاصل ہوتا ہے۔ ذکرِ الٰہی کے آثار میں سے ایک اثر خوف و خشیت کا ہے۔ اذا ذکر اللہ و جلت قلوبھم لیکن یہ ماسوا کی طرف سے اطمینان و فراغت خوفِ خدا کے منافی ذرا بھی نہیں، بلکہ یہ دونوں کیفیتیں تو عین ایک دوسرے کی متمم و مکمل ہیں۔ ف۵۵ خوشحالی اس دنیا میں اور خوش انجامی آخرت میں...... خوشحالی سے مراد مالی یا معاشی خوشحالی نہیں، بلکہ فراغ خاطری مقصود ہے۔ ف۵۶ (اور ایسے رحمت والے آقا کے کلام پر ایمان لانے کے بجائے اُلٹے اس کی ناشکری اور ناقدری ہی کر رہے ہیں) كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح ہم اور اُمتوں میں رسول بھیج چکے ہیں۔ اے کما ارسلنا الانبیاء قبلک (کبیر، عن ابن عباسؓ والحسن وقتادة) ف۵۷ (نہ کہ کسی اور کی طرف) عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے جو میری ہر حفاظت و کفالت کے لیے کافی ہے اور آخری جزاء وصلہ کی توقع بھی بس اسی ایک سے ہے۔ ف۵۸ لَوْ۔ کلمۂ شرط ہے اس کی جزاء محذوف ہے جو متن ترجمہ میں قوسین میں ظاہر کر دی گئی اور اسلوبِ بلاغت خصوصاً قرآن مجید میں اس قسم کے محذوفات عام ہیں۔ حرف بَلْ خود اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ فقرۂ ماقبل میں جو چیزیں بیان ہوئی ہیں وہ موثر حقیقی نہیں۔ منکروں نے یہود کی تعلیم و ترغیب سے فرمائشیں اس قسم کی کی تھیں کہ پیمبر کا دعویٰ ہے تو داؤد پیمبر علیہ السلام کی طرح پہاڑوں کی تسخیر کا تماشا کیوں نہیں دکھا دیتے یا سلیمان علیہ السلام رسول کی طرح سفر کیوں نہیں طے کرا دیتے، یا عیسیٰ نبی علیہ السلام کی طرح مُردے کیوں نہیں جلا دکھاتے، آیت انہی بیہودہ فرمائشوں کے جواب میں ہے۔ ف۵۹ یعنی بالفرض اس قرآن میں یہ سب موثرات خارجی جمع کر دیے جاتے جب بھی موثر حقیقی یہ خوارق بالکل نہیں۔ توفیق ہدایت تو تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور عادۃ اللہ یہ ہے کہ طالب کو توفیق مل جاتی ہے اور معاند محروم رہتا ہے۔ بہت سے سادہ دل مسلمان اب بھی اپنی سادہ دلی سے یہ تمنا کیے ہوئے تھے کہ ان خوارق کا ظہور کسی طرح ہو جاتا تو کفار شاید ایمان لے ہی آتے۔ ان کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ تم اب بھی ان کے تعصب وعناد کے اتنے مشاہدات کے بعد بھی یہ اُمید لگائے بیٹھے ہو! فاطر کائنات اور ناظم فطرت کی مشیت اگر کہیں یہ ہوتی کہ ہر انسان کو اس کی طرف سے کسی طلب اور اس میں کسی صلاحیت کے وجود کے بغیر از خود ہدایت ہو جائے تو ان سب کو بھی اضطراراً ہدایت نصیب ہو ہی جاتی لیکن جب اس نے اس عالم کو عالم ابتلا بنا رکھا ہے اور ہر مکلف کے لیے طلب ہدایت لازمی رکھ دی ہے۔ تو اب ان معاندین کے ایمان کی توقع ہی عبث ہے،

صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى

ان کے کرتوتوں کے باعث پڑتا ہی رہتا ہے یا ان کی بستی کے قریب ہی نازل ہوتا رہتا ہے ف٦٠ یہاں تک

يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿٣١﴾ ع

کہ اللہ کا (وقت) موعود آ جائے گا یقیناً اللہ (اپنے) وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ف٦١

وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ

اور بالیقین رسولوں کے ساتھ آپ کے قبل بھی استہزاء ہو چکا ہے لیکن میں

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٣٢﴾

کافروں کو مہلت دیتا رہا پھر میں نے انہیں پکڑ لیا سو میری سزا کیسی (سخت) تھی! ف٦٢

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ

پھر کیا وہ جو ہر شخص کے اوپر مطلع ہے کہ اس نے کیا کیا (وہ دوسروں کے برابر ہے؟) ف٦٣

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ

ان لوگوں نے اللہ کے لئے شریک ٹھہرائے ہیں، آپ کہیے ان کے صفات تو بتاؤ ف٦٤ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر

بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ

دے رہے ہو جسے وہ زمین میں جانتا ہی نہیں یا یہ ہے کہ (وہ شخص) ظاہری لفظ کے اعتبار سے (معبود ہیں)؟ ف٦٥

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ صُدُّوْا

بلکہ بات یہ ہے کہ (ان) کافروں کی نظر میں ان کا مکر خوشنما کر دکھایا گیا ہے اور یہ لوگ

عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ

راہ (حق) سے محروم رہ گئے ہیں ف٦٦ اور جسے اللہ گمراہ رکھے اسے کوئی راہ پر لانے والا

هَادٍ ﴿٣٣﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ لَعَذَابُ

نہیں ف٦٧ ان (کافروں) کے لئے دنیوی زندگی میں بھی عذاب ہے اور عذاب آخرت (اس سے)

ف٦٠ (جس سے انہیں خوف ہوتا ہے کہ کہیں ہم پر یہ بلا آ پڑے) وَلَا يَزَالُ۔ یعنی یہ صورت حال تو مستقل ہو گئی ہے۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ مراد وہی کافر و معاند ہیں جو ازراہ عناد خوارق کی فرمائش کرتے رہتے ہیں۔ قَارِعَةٌ۔ مثلاً جنگ میں شکست یا قید، یا قتل۔ ف٦١ (اور ان کفار معاندین سے وعدہ عذاب کا ہے) وَعْدُ اللّٰهِ۔ وقت موعود یعنی موت یا قیامت۔ الموت او القيامة (بیضاوی) مطلب یہ ہوا کہ یہ معاندین اپنی ان حالتوں میں مبتلا رہیں گے۔ یہاں تک کہ موت آ پہنچے گی اور عذاب برزخی و اُخروی کا مشاہدہ شروع ہو جائے گا ف٦٢ اور سرکش اور نافرمان قوموں کی عبرتناک تباہی و ہلاکت کی داستان تاریخ کے صفحات، اثری کتبات اور عمارتوں کے کھنڈروں پر یکساں ثبت ہے۔ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یعنی ان تمسخر کرنے والوں پر بھی گرفت معاً نہیں ہو گئی انہیں ایک مدت تک برابر مہلت ملتی رہی، جس سے ان کا تمرد و عصیان اور بڑھتا ہی گیا، تا آنکہ کوئی گنجائش ہی عذر و ترحم کی نہ رہ گئی۔ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ۔ سو ان مثالوں سے چاہیے تھا کہ موجودہ کفار و معاندین بھی اپنے انجام سے غافل نہ ہوں، ایک زمانہ آئے گا جب مہلتیں ختم ہوں گی اور سزا اپنے وقت موعود پر عمل کر رہے گی، ف٦٣ یعنی کہیں ایسا علیم کل، ہمہ بین، ہمہ دان، معبود برحق اور تمہارے خود ساختہ، بے خبر معبودانِ باطل برابر ہو سکتے ہیں؟ قَآئِمٌ ...... كَسَبَتْ یعنی ہمہ دان، ہمہ تواں قادرِ مطلق و علیم کل۔ اے قادر علٰی کل الممكنات عالم بجميع المعلوماتِ (کبیر) اے رقیب و مهيمن (روح) ف٦٤ جن سے ان کی معبودیت پر کچھ تو روشنی پڑے) سَمُّوْهُمْ۔ اسم۔ پر حاشیہ سورۂ بقرہ رکوع ۴ علم ادم الاسماء كلها کے تحت میں گزر چکا ہے۔ مراد یہاں صفات سے ہے جیسے اُردو فقرہ میں کہیں کہ ذرا تعریف تو کیجئے۔ یہ مراد نہیں کہ ان کے نام گنانا شروع کر دو۔ قيل صفوهم ثم انظروا هل هي اهل لان تعبد (معالم) والمعنى صفوهم فانظروا هل لهم ما يستحقون به العبادة (بیضاوی) و ليس المراد ان يذكروا اساميها نحو اللات والعزّٰى و انما المعنى اظهار تحقيق ما تدعونهٗ الها و انه هل يوجد معاني تلك الاسماء فيها (راغب) جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ۔ شریک ٹھہرانا یہی ہے کہ کسی صفتِ خداوندی میں بھی کسی مخلوق کو شریک کر لیا جائے۔ ف٦٥ (اور لفظ کے عقب میں حقیقت کچھ بھی نہیں) تو اگر یہ شق قبول ہے، تو خود ہی اعتراف ان نام کے معبودوں کے معبود نہ ہونے کا ہے، اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ ...... الْاَرْضِ حق تعالیٰ تو اُنہی چیزوں کو موجود جانے گا جو موجود ہیں، اور جو سرے سے موجود ہی نہیں بلکہ معدوم ہیں، انہیں موجود سمجھ لینا، یہ تو علم نہ ہوا جہل و کذب ہوا، تو اب یہ تمہارے نام نہاد معبود بہ حیثیت معبود خارج میں وجود رکھتے ہی کہاں ہیں، جو حق تعالیٰ کو ان کے وجود کا علم ہو، ان کا وجود تو جو کچھ بھی ہے بس وہ تمہارے وہم ہی میں تو ہے۔ ف٦٦ (اپنے عناد و تعصبِ اختیاری کی بنا پر) مَكْرُهُمْ۔ یعنی ان کی مغالطہ پرور تقریریں، ان کے جھوٹے عذرات۔ ان کی طرح طرح کی چالیں عداوت اسلام و مسلمین میں۔ ف٦٧ حق تعالیٰ کی جانب نسبت اضلال پر حاشیے بار بار آ چکے ہیں۔

الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾

بدرجہا سخت ہے ؀۶۸ اور انہیں اللہ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا نہیں ؀۶۹

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ

جنت جس کا وعدہ متقیوں سے ہوا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس کے نیچے سے نہریں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ

جاری ہوں گی اس کا پھل اور اس کا سایہ دائمی ہو گا یہ

عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

انجام ہو گا اہل تقوے کا اور کافروں کا انجام آتش (دوزخ) ہے ؀۷۰

وَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ

اور جن لوگوں کو کتاب ہم نے دی تھی وہ خوش ہو رہے ہیں اس (کتاب) سے جو آپ پر نازل ہوئی ہے ؀۷۱

وَ مِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ یُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ

اور انہی کے گروہ میں ایسے بھی ہیں جو اس کے بعض (حصوں) کا انکار کرتے ہیں ؀۷۲ آپ کہیے کہ مجھے تو بس

اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَاۤ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَیْهِ

اس کا حکم ملا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کا شریک کسی کو نہ کروں، اسی کی طرف میں

اَدْعُوْا وَ اِلَیْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا

بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے (واپس) جانا ہے ؀۷۳ اور اسی طرح ہم نے اس (کتاب) کو نازل کیا بطور ایک

عَرَبِیًّا ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ

صاف حکم کے، ؀۷۴ اور اگر آپ کہیں ان کی خواہشوں پر چلنے لگیں بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم (صحیح)

مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع ۵

پہنچ چکا ہے تو آپ کا نہ کوئی مددگار ہو گا اور نہ کوئی بچانے والا ؀۷۵

؀۶۸ (بہ لحاظ شدت بھی اور بہ لحاظ مدت بھی) عَذَابٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ قتل وہلاکت، اسیری وہزیمت، مرض وقحط، بہت سی صورتیں عذاب دنیوی کی ہوسکتی ہیں۔ ؀۶۹ (نہ دنیا میں نہ آخرت میں) ؀۷۰ آیت میں صاف صاف دونوں راستوں کفر وضلالت اور ایمان وہدایت کا انجام بتادیا ہے، ایک کا نتیجہ دائمی سکھ ہے اور دوسرے کا مستقل دُکھ۔ کسی کو اس باب میں اشتباہ رہنا ہی نہ چاہیے۔ اَلْمُتَّقُوْنَ۔ تقویٰ کی اوّلین شرط کفر وشرک سے احتیاط ہے۔ اُكُلُهَا دَآئِمٌ۔ جنت کی نہ تو کوئی نعمت فنا ہوگی اور نہ کوئی راحت زائل۔

؀۷۱ (چنانچہ وہ اس پر ایمان لے آئے اور آپ کی تصدیق کی) لانهم امنوا به و صدقوه (کبیر عن ابن عباس) اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ۔ یہ ذکر ان لوگوں کا ہے جو سچے اہل کتاب تھے صحیح معنی میں اپنے اپنے دین وشریعت کے پیرو تھے، یہ رسول اللہ ﷺ پر بھی بلا تامل ایمان لے آئے، هم الذين امنوا بالرسول من اهل الكتاب (کبیر عن ابن عباسؓ) ؀۷۲ یعنی ایسے حصوں سے انکار جو اُن کی مرضی وخواہش کے خلاف ہوتے ہیں۔ اَلْاَحْزَابِ۔ یعنی کافروں و منکروں کے وہ جھے جنھوں نے رسولِ اسلام کی مخالفت پر جتھے بنا بنا لیے اور اس میں مشرکین عام اہل کتاب سب آگئے۔ والاحزاب بقية اهل الكتاب و سائر المشركين (کبیر عن ابن عباسؓ) یعنی كفرتهم الذين تحزبوا على رسول الله ﷺ بالعداوة (بیضاوی) ؀۷۳ ذرا اسے غور کر کے دیکھا جائے تو اتنے سے فقرہ میں توحید، رسالت، معاد، تینوں بنیادی عقیدے آ گئے۔ هذا الكلام جامع لكل ما ورد التكليف به (کبیر) اذا تامل الانسان فی هذه الالفاظ القليلة ووقف عليها عرف انها محتوية على جميع المطالب المعتبرة فی الدين (کبیر) اُمِرْتُ۔ یعنی میرے پاس وحی سے حکم بھیجا ہے، اثباتِ رسالت۔ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَاۤ اُشْرِكَ بِهٖ۔ اثباتِ توحید، اِلَیْهِ اَدْعُوْا۔ اثباتِ رسالت۔ اِلَیْهِ مَاٰبِ۔ اثباتِ معاد۔ ؀۷۴ (جس کے اصل مسائل واحکام میں کسی قسم کا خفا نہیں ہے) كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح انبیاء سابقین پر وحی وکتاب نازل کی تھی، عَرَبِیًّا۔ صاف واضح، عربی پر حاشیہ پارہ ۱۲ سورۂ یوسف آیت ۲ کے ذیل میں گذر چکا۔ ؀۷۵ اللہ اکبر! دائرۂ عبدیت سے ذرہ بھر قدم باہر نکالنے کی گنجائش، سید البشر بلکہ سرور انبیاء تک کو نہیں دی گئی ہے! اَهْوَآءَهُمْ۔ ضمیر اہل کتاب کی جانب سمجھی گئی ہے اور ان کی اهواء (خواہشوں) کے اندر ان کی تحریفات بھی آگئیں۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ

اور بالیقین آپ سے قبل ہم نے پیمبر بھیجے اور اُن کے لئے بیویاں

اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ

اور بچے بھی رکھے و۷۶ اور کسی رسول کے بس میں یہ نہیں کہ ایک آیت بھی بغیر

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ

اللہ کے حکم کے لاسکے و۷۷ ہر زمانہ کے لئے ایک کتاب ہوتی ہے و۷۸ اللہ جس (حکم) کو چاہتا ہے

مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا

مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) باقی رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے، و۷۹ اور جس چیز کا

نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ

ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اس میں کا کچھ حصہ خواہ ہم آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو وفات دے دیں

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَ لَمْ

تو آپ کے ذمہ تو صرف (احکام کا) پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے و۸۰ کیا یہ اسے نہیں

يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ

دیکھ رہے ہیں کہ ہم زمین کو اس کی ہر طرف سے کم کرتے چلے آتے ہیں و۸۱

وَ اللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَ هُوَ سَرِيْعُ

اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو ہٹانے والا نہیں اور وہ بہت جلد حساب

الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ

لینے والا ہے و۸۲ اور ان کے قبل والے بھی (بڑی بڑی) چالیں چل چکے ہیں حالانکہ تدبیر

الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ

تمام تر اللہ ہی کی ہے و۸۳ وہی جانتا ہے کہ ہر شخص کیا کچھ کرتا رہتا ہے

و۷۶ (اور یہ عیالداری کمالات نبوت کے ذرا بھی منافی نہیں تو پھر بعض احمقوں کو آپ کے صاحب ازواج واولاد ہونے پر کیا اعتراض ہو رہا ہے؟) آیت میں یہ بتایا ہے کہ سلسلہ رسالت تو بہت قدیم ہے اور آپ کا دعوٰے رسالت دنیا کی تاریخ میں کوئی انوکھا واقعہ نہیں، نوح علیہ السلام اور ابراہیم خلیل، اسحاق واسماعیل، یعقوب وموسیٰ کلیم، داؤد وسلیمان علیہم السلام آخر ان سب کے حالات تاریخ میں محفوظ ہیں، یہ سب حضرات عیالداری ہوئے ہیں، پھر آخر آپ کی عیالداری پر اعتراض کیوں ہے؟ آیت میں تردید ہے، بودھ مت اور مروجہ مسیحیت اور دوسرے مذاہب جاہلی کی جہاں خانہ داری اور عیالداری کی زندگی کو تقرب الٰہی وخدارسی کے منافی سمجھا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ آیت میں بڑی عبرت وبصیرت کا سبق ہمارے زمانہ کے ”مجرد“ اور ”تارک الدنیا“ مشائخ اور اہل خانقاہ کے لئے ہے، جنھوں نے شادی بیاہ، بیوی اور اولاد کو کمالات ولایت وروحانیت کے منافی قرار دے لیا ہے! و۷۷ (خواہ وہ آیت مکتوبی تنزیلی ہو یا آیت تکوینی ہو معجزہ وخارق) اٰیَۃٌ۔ کے دو مختلف معنٰی ہیں ایک تو آیت قرآنی یا حکم الٰہی، دوسرے نشانی یا معجزہ۔ یہاں مراد دونوں ہو سکتے ہیں، یعنی کوئی رسول نہ اپنی طرف سے کوئی تنزیل الٰہی لاسکتا ہے اور نہ کوئی معجزہ۔ اکابر تفسیر سے منقول بھی دونوں معنٰی ہیں۔ لیکن آگے جو مضمون آرہا ہے اس سے مناسب تر معنٰی آیت مکتوبی وتنزیلی ہی کے ٹھیرتے ہیں۔ قد یراد بالاٰیة اٰیة الکتابیة النازلة بالحکم علی وفق مراد المرسل الیھم وھو اوفق بما بعد (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے مطالبہ خوارق کی ممانعت نکلتی ہے اور جب اس کی ممانعت پیمبروں سے ہے، جن کا صاحب خوارق ہونا ضروری ہے تو اولیاء سے تو اس کی ممانعت بدرجۂ اولیٰ ٹھیرتی ہے، جن کا صاحب خوارق ہونا ضروری ہے ہی نہیں، و۷۸ (اس زمانہ اور اس ماحول کے مطابق ومناسب احکام لانے والی یہاں تک کہ یہ آخری کتاب ایسی آگئی کہ جس کے احکام ومسائل کسی زمانہ اور کسی ماحول کے بھی غیر مطابق نہ ہوں گے)۔ لِكُلِّ اَجَلٍ۔ معنٰی ہر دور کے لئے۔ ہر مدت معین کے لئے۔ كِتَابٌ۔ کتاب کے معنٰی حکم کے بھی ہو سکتے ہیں اور حدیث میں بکتاب اللہ بحکم اللہ کے معنٰی میں آیا بھی ہے۔ بکتاب اللہ ای بحکم اللہ الذی انزل فی کتابه وکتبه علی عباده (تاج) ای حکم معین یکتب علی العباد حسب ما تقتضیه الحکمة (روح) و۷۹ چھوٹی بڑی ہر شے اسی کی مشیت اور قدرت کے ماتحت ہے۔ اُمُّ الْكِتٰبِ۔ سے عموماً مراد لوح محفوظ لی گئی ہے۔ ای عنده اصل الکتب وجملته (ابن جریر) اصل کل کتاب وھو اللوح المحفوظ (کشاف) ھو الذی یکون اصلا بجمیع الکتب (کبیر) و۸۰ قبل اس کے کہ وہ عذاب موعود آئے۔ خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں خواہ دونوں جگہ) ضمناً وتبعاً اتنے جزء سے دو اور مسئلے بھی روشنی میں آگئے۔ (۱) ایک یہ کہ آپ کی وفات واقع ہوگی آپ غیر فانی بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ جن وعدوں اور دعووں کا اظہار آپ کی زبان سے کرایا گیا۔ ان میں سے بعض کا وقوع آپ کے بعد ہی ہوگا، الَّذِيْ نَعِدُهُمْ۔ یعنی عذاب الٰہی خصوصاً اسی دنیا میں۔ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ۔ یعنی آپ کی زندگی ہی میں عذاب ان پر لے آئیں۔ یہ سب کافروں کے اس مطالبہ کے جواب میں کہا جارہا ہے کہ آخر عذاب ہم پر آکیوں نہیں جاتا ہے؟ صوفیہ محققین نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ طالب سالک پر اطاعت وامتثال بہر صورت لازم ہے۔ دنیا میں کشود واثر سے اور آخرت میں صلہ واکرام سے اسے بحث نہ ہونا چاہیے۔ الغرض عذاب جلد آئے یا بدیر، بہر صورت آپ زیادہ فکر وتشویش میں نہ پڑیں عذاب اپنے وقت معین پر آئے گا ضرور) آیت نے ایک بار پھر اس واضح حقیقت کو واضح تر کر دیا کہ رسالت اور الوہیت کے حدود بالکل جداگانہ ہیں خلط کی کوئی گنجائش ہی نہیں رسول، مقرب ترین رسول کا کام صرف تبلیغ احکام اور تبلیغ دین ہے باقی اس پر سزا وجزا سوال وباز پرس کا تعلق صرف فاطر کائنات سے ہے۔ و۸۱ (ان کے حق میں) یعنی یہ مغرور اور سرکش اتنی موٹی بات بھی نہیں دیکھتے کہ ہم برابر ہر جنگ میں کچھ نہ کچھ ملک اور حصۂ زمین ان کے ہاتھ سے نکال نکال کر اسے اہل ایمان کے قبضے میں دیتے جاتے ہیں، عذاب دنیوی یہ اگر نہیں تو اور کیا ہے؟...... ایک ایسا انسان جو بظاہر تمام تر تائیدی اسباب سے محروم ومعرا تھا، اس کا رفتہ رفتہ اتنا غالب آجانا اگر تائید غیبی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ سورۃ مکی ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ خاص آیت مدنی ہو۔ مکی سورتوں کے اندر ملی جلی مدنی آیتوں کی مثالیں قرآن مجید میں کثرت سے مل جاتی ہیں، لیکن آیت اگر مکی ہی ہو جب بھی اشکال وارد نہیں ہوتا اسلام پھیل تو برابر رہا تھا اور مسلمانوں کی آبادی، مغلوبیت ومظلومیت کے باوجود بہر حال بڑھتی ہی جاتی تھی۔ و۸۲ پہلی آیت میں یہ بتایا کہ حساب کی ذمہ داری اللہ پر ہے، اب یہ بیان ہوا کہ حساب کتاب میں دیر نہ لگے گی۔ اللہ بہت ہی جلد سب کا حساب چکا دینے والا ہے۔ اور کوئی قوت اس کی مشیت وارادہ کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی (جیسا کہ احمق مشرکین سمجھ رہے ہیں) و۸۳ (اپنے اپنے رسول وقت کے مقابلہ میں اور بری طرح ناکام بھی رہ رہ چکے ہیں) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو قدیم مثالوں کے ذریعہ سے سمجھایا ہے کہ ان کے معاصر کافروں کی بھی ناکامی یقینی ہے۔

ف۸۴ سَيَعْلَمُ۔ ابھی علم ہوا جاتا ہے۔ یعنی اپنی موت کے وقت۔ س دلالت قرب کے لئے ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ س تاکید کا ہے۔ یعنی ایسا یقیناً واقع ہو کر رہے گا۔ قیل السین لتاکید وقوع ذلک وعلمه به (روح) فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا۔ چنانچہ وہی ان کافروں کی چالبازیوں کو چلنے نہیں دیتا۔ مکر کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب ہوتا ہے تو بہ طریق مشاکلت آتا ہے اور معنٰی جواب مکر کے ہوتے ہیں۔ اس پر حاشیہ کئی بار گزر چکا۔ محاورۂ اردو میں مکر صرف برائی کے موقع پر ہے۔ عربی زبان میں اس کا استعمال عام ہے اچھائی اور برائی ہر موقع کے لئے۔ ف۸۵ وَمَنْ عِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ۔ یعنی محققین اہل کتاب۔ هم اهل الکتاب من الیهود والنصارٰی (ابن جریر۔ عن ابن عباس) اناس من اهل الکتاب۔ کانوا یشهدون بالحق ویقرون به (ابن جریر عن قتادہ) اللہ کی گواہی تو وہ ہوئی جو آپ کی امانت سے، دیانت سے، صداقت سے، پاکبازی و پارسائی سے، غرض آپ کی عملی زندگی کے گوشہ گوشہ سے ظاہر ہو رہی تھی، اور اہل کتاب کی گواہی سے اشارہ ہے ان پیشگوئیوں اور بشارتوں کی طرف جو آپ کے متعلق کتب سابق میں موجود تھیں۔ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یہ کہنے والے اہل کتاب ہی تھے۔ قیل قاله رؤساء الیهود (روح) قرآن مجید کا انداز بیان خود کہے دے رہا ہے کہ اہل کتاب ہی مراد ہیں، وہی کہتے تھے کہ سلسلۂ نبوت برحق، ایک پیغمبر آخر الزمان کا آنا درست لیکن لَسْتَ مُرْسَلًا۔ تم وہ پیمبر مرسل نہیں ہو، تمہارا دعوائے نبوت صحیح نہیں...... ورنہ محض مشرکوں کے جواب میں اہل کتاب کی شہادت پیش ہونا لاحاصل تھی:۔

وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ

اور کافروں کو ابھی علم ہوا جاتا ہے کہ آخرت کی خوش انجامی کس کے لئے ہے ف۸۴ اور

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ

کافر کہتے ہیں کہ آپ بھیجے ہوئے نہیں ہیں آپ کہہ دیجیے کہ میرے اور تمہارے درمیان

شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ ع

اللہ اور وہ جس کے پاس کتاب (آسمانی) کا علم ہے، بہ طور گواہ کے کافی ہیں ف۸۵

اٰیاتها ۵۲ | ۱۴ سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ ۷۲ | رکوعاتها ۷

اس میں ۵۲ آیتیں | سورہ ابراہیم مکی ہے | اور ۷ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ

الف۔ لام۔ را۔ (یہ) کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ

تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائیں ان کے پروردگار کے حکم سے یعنی (خدائے) غالب وستودہ صفات

الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

کی راہ کی طرف ف۱ وہی اللہ کہ اس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ

اور جو کچھ زمین میں ہے ف۲ اور بڑی خرابی ہے عذاب شدید سے

عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ

کافروں کے لئے جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر

سورۃ ابراہیم علیہ السلام :۔ ف۱ یعنی اس کتاب مقدس کی تنزیل کی غرض وغایت تمامتر یہ ہے کہ آپ اس کے واسطے سے لوگوں کو جو اب تک تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں، توحید وہدایت کی روشنی میں لے آئیں۔ الٓرٰ۔ یہاں مخفف سمجھا گیا ہے انا اللہ ارٰی کا۔ میں اللہ ہوں دیکھنے والا۔ حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ لِتُخْرِجَ۔ اس نکال لانے کا حکم مرتبۂ تبلیغ میں ہے۔ یہ مراد نہیں کہ آپ سب کو نکال لائیں ہی گے۔ مراد یہ ہے کہ آپ تبلیغ اسی کی اور اسی غرض سے کرتے رہیں۔ النَّاسَ۔ ال استغراق کا کلیت کو چاہتا ہے۔ یعنی جمیع نسل انسانی۔ یہ ایک مزید دلیل ہے اس کی کہ آپ کی بعثت کسی مخصوص قوم کی جانب نہیں، بلکہ عام اور کافۂ انام کی جانب تھی۔ والناس عام اذهو مبعوث الی الخلق کلهم (بحر) والمراد من الناس جمیعهم (روح) كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ۔ یعنی اس کتاب کے ذریعہ سے آپ لوگوں کو راہ ہدایت دکھائیں۔ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ ظلمت کا صیغہ جمع اور نور کا صیغہ واحد اس کی دلیل ہیں کہ گمراہیاں اور اقسام کفر کثرت سے ہیں بہ خلاف اس کے راہ ہدایت ایک ہی ہے۔...... وہی فرق جو ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک خطوط منحنی اور خط مستقیم میں ہوتا ہے۔ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ۔ یہ جو کچھ بھی ہوگا، خدائے قادر وتوانا ہی کی قدرت ومشیت سے ہوگا۔ پیغمبر متصرف وحاکم اس حد تک بھی نہیں۔ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۔ غلبہ وقوت بھی اسی کو حاصل ہے۔ اور مدح وتحسین کی حقدار بھی اسی کی ذات ہے۔...... وہی ایک صفات کمال وجمال دونوں کا مالک ہے۔ ف۲ مالک حقیقی وہی چھوٹی بڑی ہر چیز کا ہے کوئی دوسری ہستی اس کی مالکیت کے کسی ادنیٰ جزء میں بھی شریک نہیں۔

الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

ترجیح دیتے ہیں اور اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکتے

اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ۝۳

ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے رہتے ہیں یہ لوگ بڑی دور کی گمراہی میں (پڑے) ہیں ؏۳

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ

اور ہم نے ہر رسول کواس کی قوم کی طرف بھیجا اسی کی زبان میں کہ وہ

لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ

ان لوگوں پر (احکام وتعلیمات کو) کھول کر بیان کریں ؏۴ پھراللہ ہی جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

چاہتا ہے راہ دکھا دیتا ہے ؏۵ اور وہی غالب ہے حکمت والا ہے ؏۶ اور بالیقین ہم نے

مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ

موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو نکال لاؤ

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ۬ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ

تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور انہیں اللہ کے معاملات یاد دلاؤ ؏۷ بیشک

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵ وَ اِذْ

ان میں (بڑی) نشانیاں ہیں ہر صابر ہر شاکر کے لئے ؏۸ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

موسیٰ نے اپنی قوم والوں سے کہا کہ اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو

اِذْ اَنْجٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ

جب کہ اس نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی جو تمہیں سخت تکلیف

؏۳ (اصل حقیقت سے، بہت ہی دور) اَلَّذِیْنَ ...... الْاٰخِرَةِ۔ گمراہی، بے دینی، کفر کی اصلی بنیاد بھی آخرت پر اسی دنیا کو ترجیح دینا ہے۔ محبت دنیا مطلق صورت میں ممنوع نہیں (جیسا کہ بعض اہل غلو نے ٹھیرالیا ہے) بلکہ وہ تو ایک امر طبعی وجبلی ہے۔ البتہ آجل پر عاجل کو ترجیح دینا "آج" کے پیچھے "کل" کو بھلا دینا، یہ جرم اور جرم عظیم ہے۔ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا۔ یعنی اس میں شبہ نکال نکال کر دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ ؏۴ تو گویا اصل مقصود پیغمبر کی زبان اور اس کی امت کی زبان کے توافق سے یہ ہے کہ احکام وتعلیمات کی خوب تبیین وتشریح ہو جائے جس سے امت کو عمل میں کوئی دشواری نہ رہ جائے۔ بِلِسَانِ قَوْمِهٖ۔ یعنی اس قوم کی زبان جو اس پیغمبر کی مخاطب اول وبراہ راست ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ اور تمام پیغمبروں سے ممتاز، دوہری حیثیت رکھتے تھے ایک حیثیت تو آپ کے رہبر عالم ہونے کی تھی جس کی توضیح قرآن مجید کی ایک آیت میں نہیں متعدد آیتوں میں ہے۔ للناس۔ کافة للناس وغیرہ الفاظ کے ذریعہ سے۔ دوسری حیثیت پیغمبر عرب ہونے کی تھی اور یہاں اسی کا ذکر ہے۔ ؏۵ (چنانچہ وہ احکام کو قبول کر لیتا ہے) فَيُضِلُّ اللّٰهُ۔ یعنی جسے حق تعالیٰ گمراہی میں چھوڑے رکھتا ہے وہ احکام شریعت کو قبول نہیں کرتا ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی یہ اضلال وہدایت کی جتنی بھی کارروائیاں ہوتی ہیں، سب مشیت ومصلحت تکوینی کے ماتحت ہی ہوتی ہیں۔ ؏۶ یہ صفات یہاں لاکر یہ یاد دلا دیا کہ اس کی قدرت میں ہر ایک کو ہدایت دینا ہے، لیکن، وہ ہدایت انہی کو دیتا ہے جن کی ہدایت مصالح تکوینی کے عین موافق ہوتی ہے:۔ ؏۷ (رحمت وعذاب دونوں کے اہم معاملات جو جزو تاریخ بن چکے ہیں) قَوْمَكَ۔ یعنی قوم بنی اسرائیل کو۔ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ یعنی معاصی سے طاعت کی طرف۔ فقہاء نے یہاں سے یہ پہلو نکالا ہے، کہ وعظ وتذکیر میں واقعات اثر انگیز رقت انگیز کا لانا جائز ہے۔ فی ھذا دلیل علی جواز الوعظ المرقق للقلوب المقوی للیقین (ابن العربی) اَیّٰىمِ اللّٰهِ۔ یعنی جو بڑی بڑی نعمتیں قدرت کی طرف سے مختلف قوموں کو عطا ہوتی رہیں مثلاً حکومت واقتدار یا جو بڑی بڑی مصیبتیں مختلف قوموں کو قدرت کی طرف سے پیش آتی رہیں۔ مثلاً وبا وقحط، محکومی وغلامی۔ غرض یہ کہ ایام اللہ کے تحت میں ہر قسم کے اہم تاریخی واقعات آجاتے ہیں۔ عن ابن عباسؓ والربیع ومقاتل وابن زید المراد بایام اللہ وقائعه سبحانه ونعمائه فی الامم الخالیة (روح) وانذرهم بوقائع التی وقعت علی الامم قبلهم (کشاف) یعبر بالایام من الوقائع العظیمة التی وقعت فیها یقال فلان عالم بایام العرب ویرید وقائعها (کبیر) ایام کی اضافت اللہ کی جانب ان واقعات کی اہمیت پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔ اضافة الایام الی اللہ تعالیٰ تشریف لامرها لما افاض اللہ علیهم من نعمة فیها (راغب) اَنْ اَخْرِجْ۔ میں ان امر کے معنی میں ہے اس لئے کہ ارسلنا میں قلنا کے معنی بھی شامل ہیں۔ بمعنی ای اخرج لان الارسال فیه معنی القول کانه قیل ارسلنا وقلنا له اخرج (کشاف) ؏۸ (صابر کے لئے یہ کہ وہ مصیبت پر صبر کرنا سیکھے اور شاکر کے لئے یوں کہ وہ نعمت پر شکر ادا کرنا سیکھے) فِيْ ذٰلِكَ۔ یعنی انہی ایام اللہ میں قوم کے ساتھ اللہ کے انہی تاریخی معاملات میں۔ یا ان کی تذکیر میں۔ ای فی التذکیر بایام اللہ تعالیٰ اوفی الایام (روح)

سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ

پہنچاتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ہلاک کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو

نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۟ ع

زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش تھی ف۹

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَىِٕنْ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے پروردگار نے تمہیں اطلاع دے دی تھی ف۱۰ کہ اگر شکر کرو گے تو تمہیں

كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۟ وَ قَالَ مُوْسٰۤى

ضرور زیادہ دوں گا، اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بیشک میرا عذاب بڑا سخت ہے ف۱۱ اور موسیٰ نے کہا

اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ

کہ اگر تم اور روئے زمین کے سارے لوگ بھی ناشکری کریں

فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۟ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ

تو اللہ بالکل بے احتیاج ہے ستودہ صفات ہے ف۱۲ کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی

مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۛؕ وَ الَّذِيْنَ

جو تم سے قبل ہو چکے ہیں (یعنی) قوم نوح اور عاد و ثمود اور جو لوگ

مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ

ان کے بعد ہوئے ہیں انہیں اور کوئی نہیں جانتا ہے بجز اللہ کے ف۱۳ ان کے پیمبر ان کے پاس

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِيْۤ اَفْوَاهِهِمْ

کھلے ہوئے نشان لے کر آئے مگر انہوں نے اپنے ہاتھ ان کے منہ میں دے دیے

وَ قَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِيْ شَكٍّ

اور بولے ہم منکر ہیں اس (حکم) کے جسے لے کر تم بھیجے گئے ہو ف۱۴ اور جس امر کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو

ف۹ آیت تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ پارۂ اول سورۂ بقرہ رکوع ۶ میں آچکی ہے۔ اور وہیں مفصل حاشیے بھی گزر چکے ہیں۔ ف۱۰ (میرے ذریعہ سے) گفتگو ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کی چل رہی ہے۔ ف۱۱ (دنیا اور آخرت دونوں میں) لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ زیادتی اور افزونی کس چیز میں ہوگی؟ خود اسی نعمت میں ہونا تو ظاہر ہی ہے باقی اگر توفیق شکر وغیرہ بھی مراد لی جائے تو عموم لفظ سے یہ سب بھی بخوبی نکل سکتا ہے۔ بائبل کے حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ۔ شکر کی تعریف امام رازی علیہ الرحمۃ نے یہ کی ہے کہ منعم کی نعمت کا اعتراف کیا جائے، اس کی تعظیم کی جائے اور طبیعت کو اس طریقہ کا عادی کیا جائے۔ اما الشكر فهو عبارة عن الاعتراف بنعمة المنعم مع تعظيمه وتوطين النفس على هٰذه الطريقة (کبیر) بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ امور ناگوار طبع پر عمل اور ثبات اور ترک شکایت کا نام صبر ہے اور امور موافق طبع کی قدر کرنا اور اس پر مدح و ثناء کرنا یہ شکر ہے، اور یہ دونوں حالات رفیع ہیں لیکن ان حجاباتِ لطیف سے بھی گزر کر ہر حال میں نظر اپنے رب رؤف و رحیم پر رکھنا، اسی کو فاعل حقیقی سمجھنا اور حال طاری کی تلخی و شیرینی دونوں سے غیر متاثر رہ کر فعل محبوب ہی سے لذت و مسرت حاصل کرتے رہنا اور اسی کے آگے بہ کمال ادب سر جھکائے رکھنا رضاء و تسلیم ہے اور اس کا مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے:۔ ف۱۲ (نہ اسے کسی کی ناشکری سے مطلق ضرر پہنچ سکتا ہے اور نہ اس کے استکمال بالغیر کا گزر ہے۔ ضمناً ان مشرک قوموں کی تردید بھی آگئی جن کے دیوتا خود اپنے پجاریوں کے چڑھاوے وغیرہ کے محتاج رہتے ہیں۔ من نہ گردم پاک از تسبیح شاں ف۱۳ بہت سی قومیں ایسی بھی گزری ہیں جن کا کوئی تفصیلی علم نہ تاریخ کو ہے نہ ان کے آثار ہی کسی تفصیل کے ساتھ اثریات کی کھدائی کرنے والوں کو ہاتھ لگ سکے ہیں۔ قوم نوح علیہ السلام، قوم عاد، قوم ثمود سب پر مفصل حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ ف۱۴ (اپنے زعم و دعوے کے مطابق) بِالْبَيِّنٰتِ۔ بینات میں دلائل و معجزات دونوں آگئے۔ فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِيْۤ اَفْوَاهِهِمْ۔ ان کافروں کی شدتِ عناد کا یہ عالم تھا کہ اپنے پیمبروں کی بات تو کیا مانتے کوشش یہ رہتی تھی کہ انہیں بولنے تک نہ دیا جائے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کفر و انکار کے علاوہ پیمبروں کے ساتھ سوء ادب ایک مستقل جرم ہے۔

مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ⑨ قَالَتْ رُسُلُهُمْ

اس کی طرف سے ہم بڑے شبہ میں ہیں (جو ہم کو) تردد میں ڈالے ہوئے ہے۔ ف۱۵ ان کے پیمبر بولے

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ

تو کیا (تم کو) شک اللہ کے بارے میں ہے (جو) پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا ف۱۶

يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرَكُمْ

وہ تمہیں (توحید کی طرف) بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہ معاف کردے اور تمہیں ایک مدت معین تک

اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ

حیات دے ف۱۷ (اس پر وہ) کہنے لگے تم اور کچھ بھی نہیں بجز اس کے کہ ہمارے ہی جیسے بشر ہو ف۱۸

تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا

تم بس یہ چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا جس چیز کی عبادت کرتے آئے ہیں اس سے ہم کو روک دو،

فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ⑩ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ

سو لاؤ ہمارے پاس کھلا ہوا معجزہ ف۱۹ ان سے ان کے پیمبروں نے کہا

اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى

(بیشک) ہم تمہارے ہی جیسے بشر ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ

چاہے احسان فرما دے ف۲۰ اور یہ ہمارے بس میں نہیں کہ

نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ

ہم تمہارے پاس کوئی معجزہ بجز حکم الٰہی کے لے آئیں ف۲۱ اور ایمان والوں کو تو چاہیے

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ وَ مَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى

کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں ف۲۲ اور ہم اللہ پر بھروسہ کیسے

ف۱۵ (کہ تم یسی عجیب عجیب سمجھ میں نہ آنے والی باتیں کہہ رہے ہو) مِمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ۔ یعنی عقیدہ توحید و قانونِ شریعت۔ فِيْ شَكٍّ۔ کے بعد مریب کا اضافہ تاکید اور زور دینے کے لئے ہے۔ یعنی شک ایسا نہیں جو نکل جائے بلکہ شبہات اور زیادہ بڑھتے ہی جاتے ہیں۔ ھو صفة توکیدیة (روح) ف۱۶ پیمبر یہ سن کر غایت حیرت واستعجاب سے بول اٹھے۔ ارے تو کیا تمہیں شک وشبہ ایسی کھلی ہوئی حقیقت کے بارہ میں ہے۔ ف۱۷ (اس دنیا میں خیر وخوبی کے ساتھ)۔ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ۔ یعنی تمہارا پچھلا کفر وانکار اور پھر جتنے گناہ اس سے پیدا ہوئے:۔ ف۱۸ (اور بشر کسی فوق البشر روحانی مرتبہ پر کیسے پہنچ سکتا ہے؟) مشرک اور مشرک مزاج قوموں کا یہ وصف ان صفحات میں بار بار بیان ہو چکا ہے کہ رسالت کا مسئلہ کسی طرح ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ کہتے ہیں کہ دیوتاؤں کا وجود تو خیر ایک بات ہے۔ اوتار یعنی خدا کا کسی انسانی یا حیوانی قالب میں تجسم یہ بھی ہماری سمجھ میں آجاتا ہے لیکن یہ کہ انسان انسان بھی رہے، انسانوں ہی کی طرح رہے سہے، چلے پھرے، سوئے جاگے، اور پھر دعوی کرے کہ میرا تعلق خصوصی خالق کائنات سے جڑا ہوا ہے۔ میں اس کی مرضیات کا علم رکھتا ہوں اور دوسروں کو وہی راہ بتاتا ہوں یہ چیز ہماری سمجھ سے بالکل باہر ہے! آہ! کہ آج مسلمان بھی کس کثرت اور شدت سے اسی مرض میں مبتلا ہے۔ سید الانبیاء تو خیر بڑی چیز ہیں، ان کے ایک ایک خادم وچاکر کو جس سے بھی عقیدت پیدا ہو جائے، اسے فوق البشر بنائے بغیر "دیوتا" کے مرتبہ پر پہنچائے بغیر نہیں چھوڑتے۔ ف۱۹ (جس کے بعد انکار وتردد کی گنجائش ہی نہ رہے) معجزہ کوئی نہ کوئی تو ہر پیمبر کے پاس ہوتا ہی تھا، یہ احمق معاندین جب دلیل میں مغلوب ہو جاتے تو کہنے لگتے کہ اچھا کوئی ایسا معجزہ ہمیں دکھاؤ جس میں چون وچرا کی گنجائش ہی سرے سے نہ رہ جائے!...... احمق اتنا بھی نہ سوچتے کہ یہ صورت تو جبر واضطرار کی ہوگئی اور جب انسان ایمان پر مضطر اور مجبور ہو گیا تو اس ایمان کے کوئی معنی ہی نہیں اور نہ ایسا ایمان سرے سے مطلوب ہی ہے۔ تُرِيْدُوْنَ...... اٰبَآؤُنَا۔ کفر وانکار کے سلاح خانہ میں ایک بڑا موثر وقوی حربہ یہی ہے۔ جب گفتگو میں عاجز ولاجواب ہو جاتے تو کہنے لگتے کہ یہ پیغمبر وغیرہ (نعوذ باللہ) ایک ڈھکوسلا ہے۔ تمہارا اصل مقصود بس یہی ہے کہ ہمارے آبائی دین وآئین میں رخنہ ڈال دو اور ہمیں ہمارے بزرگوں سے چھڑا دو! ف۲۰ اور بندوں پر اس کا عظیم ترین ممکن احسان یہی منصب رسالت سے سرفرازی ہے) منکروں کے استدلال کا ایک مقدمہ (صغریٰ) تو تمامتر صحیح تھا، یعنی پیمبر بھی محض بشر ہی ہوتے ہیں لیکن جب اس پر مقدمہ اول (کبریٰ) ان پر لگا کر کہ جو بشر ہے وہ رسول نہیں ہو سکتا، نتیجہ یہ نکالنا چاہتے تھے کہ "اس لئے" "تم رسول ہو ہی نہیں سکتے" تو ان کا استدلال تمامتر فاسد ہو جاتا تھا۔ اس لئے کہ ان کا یہ مفروضہ کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا، خود تمامتر باطل تھا۔ حضرات انبیا کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ "ہم کب اپنی بشریت کے منکر ہیں۔ یقیناً ہم بشر ہی ہیں لیکن بشریت ہی کے سب سے اعلیٰ، اشرف، اکمل وافضل مرتبہ کا نام نبوت ورسالت ہے اور یہ انہی کو عطا ہوتا ہے جن کو حق تعالیٰ اپنے فضل خاص سے نواز دے۔" بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ یہ مثلیت جو حضرات انبیاء اور کافروں، منکروں کے درمیان ثابت ہے، اصل انسانیت اور عجز عبودیت کے لحاظ سے ہے نہ کہ مراتب فضل اور اعمال کے اعتبار سے۔ ف۲۱ یہ حضرات انبیاء کے اسی جواب کا تتمہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم تو اپنی طرف سے معجزہ دکھلانے کے مدعی ہی نہیں، وہ تو سب اللہ ہی کے حکم اور اس کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے تو کوئی امر دکھلا دیا جاتا ہے جو تمہیں خارقِ عادت معلوم ہوتا ہے۔ ف۲۲ (چہ جائیکہ پیمبر جو مومنین میں افضل واکمل ہوتے ہیں ان کا تو بھروسہ ہی اللہ پر اسی درجہ ومرتبہ کا ہونا چاہیے) آیت سے ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ بندہ کا منتہائے کمال وقوت اس کے اندر عبدیت کا احساس اور توکل ورجوع الی اللہ ہے نہ کہ حصولِ اقتدار یا اس کا احساس۔

اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ

نہ رکھیں درآنحالیکہ اس نے ہمیں ہمارے راستے دکھا دیئے وٓ۲۳ اور تم نے جو ہمیں ایذا پہنچائی اس پر ہم

اٰذَیْتُمُوْنَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾

صبر ہی کریں گے، اور بھروسہ رکھنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے وٓ۲۴

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ

اور کافروں نے اپنے پیمبروں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال کر

مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى اِلَیْهِمْ

رہیں گے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آ و وٓ۲۵ پھر ان (رسولوں) پر ان کے پروردگار نے

رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۳﴾ ۙ وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ

وحی نازل فرمائی کہ ہم ضرور (ان) ظالموں کو ہلاک کر کے رہیں گے وٓ۲۶ اور ان کے بعد تم کو زمین پر آباد

مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَ خَافَ

کردیں گے یہ (وعدہ) ہر اس شخص کے لئے ہے جو میرے روبرو کھڑے ہونے سے ڈر رکھے اور میری وعید سے

وَعِیْدِ ﴿۱۴﴾ وَ اسْتَفْتَحُوْا وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ

ڈر رکھے وٓ۲۷ اور انہوں نے فیصلہ چاہا اور ہر سرکش ضدی

عَنِیْدٍ ﴿۱۵﴾ ۙ مِّنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَ یُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ

نامراد ہوا وٓ۲۸ اس کے آگے دوزخ ہے اور اسے پیپ لہو پانی پلایا

صَدِیْدٍ ﴿۱۶﴾ ۙ یَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا یَكَادُ یُسِیْغُهٗ وَ یَاْتِیْهِ

جائے گا وہ اسے گھونٹ گھونٹ پیے گا جیسے وہ حلق سے نہ اترے گا وٓ۲۹ اور ہر طرف سے اس پر

الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَیِّتٍ ؕ وَ مِنْ

موت آئے گی اور وہ (کسی طرح) مر نہ چکے گا اور اسے ایک (اور)

ع ۱۲/۱۴

وٓ۲۳ (تو ایسے شفیق محسن پر تو کامل بھروسہ کرنا اور ضروری ہوگیا) سُبُلَنَا۔ یعنی ہمارے نفع دارین کے راستے۔ وٓ۲۴ (نہ کہ کسی اور پر، یا اپنی تدبیروں پر) توکل شریعت اسلامی میں ہرگز ترک تدبیر کے مرادف نہیں۔ حضرات انبیاء اور ان کے اصحاب ورفقاء تدبیر امور سے کبھی بھی غافل نہ ہوئے۔ بلکہ اس بات میں نہایت مستعد رہے۔ البتہ مؤثر ان تدبیروں ہی کو کبھی نہ سمجھے۔ بلکہ انجام وتاثیر میں ہمیشہ اللہ ہی کے فضل وکرم کے امیدوار رہے۔ وَلَنَصْبِرَنَّ۔ یہ صبر بھی ایک فرد اسی توکل علی اللہ کی ہے۔ عَلٰی مَاۤ اٰذَیْتُمُوْنَا۔ اس ایذاء کے تحت میں دماغی، جسمانی ہر قسم اور ہر درجہ کی اذیتیں آگئیں جو مخالفین معاندین کے ہاتھوں حضرات انبیاء کو برابر پہنچتی رہیں:۔

وٓ۲۵ حضرات انبیاء کی گفتگو سے بجائے اس کے کہ منکروں کے دل کچھ نرم پڑتے۔ الٹے انہوں نے یہ معاندانہ تقریر شروع کردی۔ لَتَعُوْدُنَّ۔ سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ پیمبر بھی کبھی کفر وشرک میں مبتلا رہ چکے ہوتے ہیں۔ مراد صرف یہ ہے کہ قبل بعثت حضرات انبیاء جو حکومت اور مذہب رائج سے بے تعلقی رکھتے تھے اس کی تاویل بھی اہل کفر یہی کرلیا کرتے تھے کہ یہ بہرحال ہیں ہمارے ہی مذہب پر۔ اور عود کے معنی اگر بجائے پلٹ آنے یا واپس آنے کے محض آجانے کے لئے جائیں جیسا کہ لغت عرب میں ہیں تو کوئی سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اور متعدد ائمۂ تفسیر ولغت اسی طرف گئے ہیں۔ العود بمعنی الصيرورة وهو كثير فی كلام العرب كثرة فاشية (کشاف) عاد قد تستعمل بمعنی صار فلا تستدعی الرجوع الی حالة سابقة (ابو البقاء) والمراد من العود الصيرورة و الانتقال من حال الی اخری وهو كثير الاستعمال بهذا المعنی (روح) وٓ۲۶ (تو یہ بے چارے تمہیں کیا نکال سکیں گے) قوم کی قوم جب مخالفت پر تل جائے اور اس کے پاس سامان قوت واقتدار بھی ہر طرح کا موجود ہو تو اس کی دھمکیوں سے کسی حد تک متاثر ہونا ایک امر طبعی ہے۔ پیمبروں کو ایسے ہی موقع پر وحی الٰہی سے تسکین دی جاتی ہے کہ ان ظالموں کی اتنی کیا مجال ہے، یہ تو خود عذاب سے ہلاک ہونے والے ہیں۔

وٓ۲۷ ابھی ابھی فتح ونصرت کا وعدہ حضرات انبیاء سے تھا کہ تمہارے مخالفین تمہارے سامنے نیست ونابود کئے جائیں گے اور سرفرازی وسربلندی تو تم کو نصیب ہوگی۔ معاً بعد اس وعدہ کا دائرہ وسیع کرکے اسے ہر مومن کے لئے عام کردیا جاتا ہے۔ اور مومن کی علامت ہی یہ ہے کہ وہ موقف حشر کی حاضری اور اللہ کی وعیدوں کا ڈر اپنے دل میں رکھتا ہو۔ وٓ۲۸ یعنی اس عملی فیصلہ کے وقت عذاب سے ہلاک ہوکر رہا۔ وَاسْتَفْتَحُوْا۔ کا فاعل کون ہے؟ یعنی فیصلہ کس نے چاہا؟ اکثر کی رائے ہے کہ یہ فیصلہ کا مطالبہ کرنے والے کافر تھے اے استنصروا يعنی الامم (معالم۔ عن ابن عباسؓ ومقاتل) الضمير للكفار (روح۔ عن ابن زید) ضمیر بجائے کفار کے حضرات انبیاء کی طرف بھی جاسکتی ہے۔ والضمير للانبياء عليهم السلام (بیضاوی) وٓ۲۹ (شدت حرارت یا غایت کراہت سے) مِنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ۔ وراء لغات اضداد میں سے ہے۔ اور اس کے معنی جس طرح ”پیچھے“ کے ہیں، ”آگے“ کے بھی آتے ہیں۔ ائمۂ لغت سے یوں ہی منقول ہے۔ قال ابو عبيده وابن السكيت الوراء من الاضداد يقع علی الخلف والقدام (کبیر) اے من بين يديه (کشاف) يقال لمن خلفه ويقال لمن قدامه (راغب)

وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿١٧﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

عذاب سخت کا سامنا کرنا ہو گا ف۳۰ جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے

بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ

رہتے ہیں ان کے اعمال کی حالت یہ ہے کہ جیسے راکھ جسے تیز آندھی کے دن ہوا تیزی سے

يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى

اڑا لے جائے ف۳۱ انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہو گا جو کچھ انہوں نے کیا دھرا

شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿١٨﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ

تھا (اس سے) بڑے دور دراز کی گمراہی یہی تو ہے ف۳۲ کیا تو نہیں دیکھا کہ

اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے ف۳۳ وہ اگر چاہے تو

يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿١٩﴾ لا وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى

تم (سب) کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق لے آئے ف۳۴ اور یہ اللہ کو (کچھ بھی)

اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿٢٠﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا

مشکل نہیں اور اللہ کے سامنے سب (ہی) پیش ہوں گے ف۳۵ پھر کمزور لوگ ان سے کہیں گے

لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ

جنہوں نے بڑائی کی تھی کہ ہم تو تمہارے تابع تھے ف۳۶ سو کیا تم ہم سے

مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا

اللہ کے عذاب کا کچھ جزء ہی ہٹا سکتے ہو؟ ف۳۷ تو وہ کہیں گے

لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ

اگر اللہ نے ہم ہی کو راہ (بچنے کی) بتائی ہوتی تو ہم تمہیں بھی راہ بتا دیتے (اور اب تو) ہم دونوں کے لئے برابر ہے

ف۳۰ یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ دوزخی کے لئے بس یہی ایک عذاب ہوگا۔ سلسلۂ عذاب تو بے نہایت ہے۔ برابر اس میں اضافہ وترقی ہی ہوتی جائے گی۔ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ۔ اور وہ کسی طرح مرنہ چکے گا، بلکہ اسی طرح پڑا سسکتا رہے گا۔ عذاب دوزخ کی شدت اور ہولنا کی کا جو منظر حق تعالیٰ نے خود کھینچ دیا ہے کسی شارح یا مفسر کی قدرت میں ہے کہ اس پر کچھ اضافہ کر سکے۔ اللّٰھم احفظنا ف۳۱ (اور اس کا نام ونشان بھی باقی نہ رہ جائے) مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ مثال کافروں کے ان اعمال کی جو بہ ظاہر اعمال حسنہ ہیں، ان کی بے اثری ولاحاصلی کے لحاظ سے دی جارہی ہے۔ ف۳۲ محرومی اور بدنصیبی اس سے بڑھ کر اور کیا ممکن ہے کہ اپنے جن اعمال پر انسان کو بھروسہ اور ناز ہو، عین وقت پر وہی بالکل ہیچ اور ناکارہ نکلیں۔ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ۔ یعنی نفع اور اثر کے قسم سے انہیں کچھ بھی نہ حاصل ہوگا۔ ف۳۳ یعنی یونہی اور بے مقصد نہیں، بلکہ یہ سارا کارخانۂ کائنات ایک غرض صحیح اور مقصد متعین کے ساتھ مخصوص منافع ومصالح کو لئے ہوئے برپا کیا گیا ہے۔ بہت سی مشرک قوموں کا عقیدہ یہ رہا کہ کائنات کا وجود خالق کی محض شوقیہ تفریح کا نتیجہ ہے۔ یہ اس کا رد ہو رہا ہے۔ اَلَمْ تَرَ۔ یعنی اے مخاطب تو نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا۔ ف۳۴ (تم سے بہتر طور پر اس مقصد کو پورا کرنے والی) ضمناً یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ عالم فناپذیر اور قائم بالغیر ہے۔ ف۳۵ ذکر قیامت کا ہو رہا ہے۔ کوئی ایسا نہیں جس کی پیشی وہاں نہ ہو، اور کوئی ایسا نہیں کہ بجائے اللہ کے پیشی اُس کے سامنے ہو۔ ف۳۶ (چنانچہ ہم تمہاری ہی پیروی میں گمراہ ہوئے) قَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا۔ یعنی جو لوگ اس دنیا میں عوام واصاغر سمجھے جاتے تھے وہ قیامت میں اسی دنیا کے خواص واکابر سے یوں گفتگو کریں گے۔ ف۳۷ (کہ شدید ترین مصیبت کے وقت اس کا کسی قدر ہلکا ہو جانا بھی بہت غنیمت معلوم ہوتا ہے) مِنْ شَيْءٍ۔ یعنی کل عذاب تو بہر حال نہیں ہٹ سکتا، اس کا کچھ بھی جزء ہٹ جائے تو ہم اسی کو غنیمت سمجھیں۔ وہ جو دنیا میں خواص واکابر سمجھے جاتے تھے وہ تمامتر اپنی بےبسی اور بےکسی کا اعتراف کریں گے۔

اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ وَ قَالَ الشَّيْطٰنُ

خواہ ہم چیخیں چلائیں خواہ ہم صبر کریں، (بہر حال) ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ ف۳۸ اور جب

لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ

(سب) فیصلہ ہو چکے گا شیطان کہے گا ف۳۹ کہ اللہ نے تم سے (جو) وعدہ کیا تھا (وہ) سچا وعدہ (تھا)

وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ

اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا، سو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی، ف۴۰ اور میرا تم پر کچھ زور تو

مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ

تھا نہیں البتہ میں نے تمہیں بلایا اور تم نے میرا کہنا مان لیا

لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا

سو تم ملامت مجھ پر نہ کرو ملامت اپنے آپ کو کرو ف۴۱ (آج) نہ میں

بِمُصْرِخِكُمْ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ

تمہارا فریادرس اور نہ تم میرے فریادرس ف۴۲ میں خود بیزار ہوں اس سے

بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ

کہ تم اس کے قبل مجھے شریک (خدائی) قرار دیتے تھے یقیناً ظالموں کے حق میں

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَ اُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

دردناک عذاب ہے ف۴۳ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

کئے وہ ایسے باغوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی،

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا

ان میں وہ اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے ان کے اندر ان کی دعا (آپس میں)

ع ۱۵

ف۳۸ یہ سب دنیا کے خواص واکابر جہنم میں یہاں کے عوام اصاغر سے ان کے گلے شکووں اور طعن وتشنیع کے جواب میں کہیں گے:۔ ف۳۹ (اہل دوزخ سے ان کے گلے شکووں کے جواب میں) قُضِيَ الْاَمْرُ۔ فیصلہ سے مراد یہ کہ مطیع جنت میں اور نافرمان دوزخ میں پہنچ چکیں گے۔ ف۴۰ اللہ کا وعدہ یہ کہ ایک روز جزاوسزا کا آنے والا ہے۔ اہل ایمان کو اس روز نجات نصیب ہوگی اور اہل کفر کو ہلاکت...... دنیا میں اس عقیدہ پر دلائل قوی قائم ہیں اور آخرت میں اسی کے صدق کا ظہور ہوگا۔ شیطان کا وعدہ یہ کہ کفر پر ایمان کو کوئی ترجیح نہیں اور کوئی جزا وسزا آخرت میں نہیں ہونا ہے...... دنیا میں اس عقیدہ کے ابطال پر دلائل قوی قائم ہیں اور آخرت میں اسی ابطال کا ظہور ہوگا۔ ف۴۱ (کہ عذاب کا اصل باعث خود تمہارا ہی فعل ہوا ہے۔ میرا اس میں کیا دخل) مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ۔ میرا تم پر کچھ زور اور دباؤ تو تھا نہیں کہ میں تمہیں مجبور کر دیتا۔ یہ عقیدہ اسلام میں بالکل صاف ہے کہ شیطان کو کسی کو گمراہی پر مجبور کرنے کی قوت بالکل نہیں دی گئی ہے۔ باقی دوسرے جنات وغیرہ کی طرح جو دوسری قوتیں انسان کو ستانے یا نقصان پہنچانے کی دی گئی ہیں۔ ان سے یہاں کوئی تعرض نہیں۔ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ۔ یعنی میں نے تو صرف اتنا کیا کہ تمہیں سبز باغ دکھا کر اپنی راہ کی طرف بلایا۔ ترغیب وتشویق پیدا کی اور تم نے اپنے ارادہ واختیار سے بہ سلامتی حواس وصحت عقل، میری دعوت کو قبول کر لیا، تو اصلی ذمہ دار تم ہوئے نہ کہ میں۔ یہاں سے یہ حقیقت صاف ہوگئی ہے کہ ہر کفر ومعصیت کی اصلی ذمہ داری خود انسان پر ہے۔ شیطان کی حیثیت محض شریک جرم یا معین جرم کی ہے۔ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ۔ مجھے ذمہ دار کیسے ٹھیرا رہے ہو کہ میرا فعل تو درحقیقت صرف ایک سبب بعید وغیر مستلزم تھا۔ ف۴۲ (آخرت میں کفار ومشرکین الگ رہے۔ شیطان تک کو اپنی اور ہر مخلوق کے عجز کامل اور بے بسی کا انکشاف کامل ہو جائے گا۔ ف۴۳ (سو تم اپنے کئے ہوئے ظلم بھگتو اور میں اپنے کئے ہوئے بھگتوں گا۔ مجھ سے کسی قسم کی امید نہ رکھو) اِنِّيْ...... مِنْ قَبْلُ۔ میں تو خود تمہارے طریق کو غلط سمجھ رہا اور اس سے بری وبیزار ہوں۔ اَشْرَكْتُمُوْنِ۔ شیطان کی ہر امر میں اطاعت کئے جانا ہی عملاً اس کو شریک خدائی بنا لینا ہے۔

سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً

سلام ہو گی ف۴۴ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسی (اچھی) تمثیل کلمۂ طیبہ

طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا

کی بیان فرمائی کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے، جس کی جڑ (خوب) مضبوط ہے اور اس کی شاخیں (خوب) اونچائی میں

فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ

جا رہی ہیں، ف۴۵ وہ اپنا پھل ہر فصل میں اپنے پروردگار کے حکم سے

رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

دیتا رہتا ہے، ف۴۶ اور اللہ لوگوں کے لئے تمثیلات اس لئے بیان کرتا ہے تاکہ وہ

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ

خوب سمجھ لیں ف۴۷ اور گندہ کلمہ کی تمثیل ایسی ہے جیسے ایک گندہ

خَبِيْثَةِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ

درخت ہو کہ وہ زمین کے اوپر ہی اوپر اکھاڑ لیا جائے (اور) اسے کچھ بھی ثبات

قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ

نہ ہو ف۴۸ اللہ ایمان والوں کو اس پکی بات (کی برکت) سے مضبوط رکھتا ہے

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ

دنیوی زندگی میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) ف۴۹ اور اللہ ظالموں کو بچلائے

الظّٰلِمِيْنَ ڐ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى

رکھتا ہے ف۵۰ اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ف۵۱ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا

الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ

جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کے معاوضہ میں کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی

ع ۱۶

ف۴۴ یعنی اہل جنت جب آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے یا فرشتے انہیں سلام کریں گے تو سلامتی ہی کی دعا سے ایک دوسرے کو مخاطب کریں گے۔ ف۴۵ کلمہ توحید کی شاخیں وہ اعمالِ حسنہ ہیں جو ایمان پر مرتب ہوتے ہیں اور بارگاہِ قبولیت میں آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں...... کلمہ حق کا بول بالا دنیا میں بھی رہتا ہے اور آخرت میں بھی۔ فِي السَّمَآءِ۔ سے مراد صرف بلندی کی سمت ہے۔ اے في جهة العلو (روح) ومعنى في السمآء جهة العلو (بحر) كَلِمَةً طَيِّبَةً۔ یعنی کلمۂ ایمان وتوحید۔ اَصْلُهَا ثَابِتٌ۔ یعنی اس کی جڑ زمین میں خوب مضبوط ہے۔ کلمۂ توحید وایمان کی بھی اسی طرح ایک جڑ ہوتی ہے یعنی عقیدۂ صحیح جو قلب مومن میں راسخ رہتا ہے۔ ف۴۶ (اور اس کا کوئی پھل کسی فصل میں بھی ضائع نہیں جاتا) ایمان اور اعمالِ صالحہ پر رضائے الٰہی کا ثمرہ اسی طرح دائماً مرتب ہوتا رہتا ہے اس کے کبھی ضائع جانے کا احتمال نہیں۔ اسی سے ملتی ہوئی ایک تمثیل عہد نامہ عتیق میں بھی ملتی ہے:۔ ”مبارک وہ آدمی ہے جو شریروں کی صلاح پر نہیں چلتا...... سو وہ اس درخت کے مانند ہوگا جو پانی کی نہروں کے کنارے پر لگایا جائے اور اپنے وقت پر میوے لائے۔ جس کے پتے مرجھاتے نہیں اور اپنے ہر ایک کام میں پھلتا پھولتا رہے گا۔ شریر ایسے نہیں بلکہ بھوسے کی مانند ہیں جسے ہوا اڑا لے جاتی ہے۔“ (زبور۔ ۱: ۴) ف۴۷ (معنی ومقصود کو اور پھر اسی پر عمل کرتے رہیں) تمثیلات کی غرض وغایت بھی توضیح مطالب ومقاصد ہے۔ ف۴۸ (زمین میں) تو ظاہر ہے کہ جب اس کی جڑ ہی جمی ہوئی نہیں، تو اس کی شاخیں کہاں سے بلند ہوں گی اور اس میں پھل کہاں سے آئیں گے؟ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ۔ یعنی کلمۂ کفر وشرک۔ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ۔ راہِ ایمان وتوحید کے سوا جتنی بھی راہیں ہیں، خواہ انہیں مذہب کا لقب دیا جائے یا فلسفہ کہہ کر پکارا جائے یا اور کوئی شاندار نام رکھ دیا جائے بہر حال وہ سب بالکل سطحی ہوں گی۔ عمق ان میں نام کو نہ ہوگا...... ایسا درخت جسے زمین کے اوپر ہی اوپر اکھاڑ لیا جائے۔ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۔ غیر اسلامی جتنے فلسفے، جتنے نظریے، جتنے مذاہب ہیں، وہ عقلاً ہی کب ثابت ہیں؟...... قرآنی فقرہ سے مقصود ان کی بے حقیقتی کی تاکید ہے۔ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ۔ مزہ کے لحاظ سے گندہ، رنگ کے لحاظ سے گندہ، بو کے لحاظ سے گندہ، طبع سلیم ہرگز اس کی طالب نہ ہو۔ ف۴۹ یعنی دنیا کے ہر امتحان میں بھی اور آخرت کے امتحان میں بھی...... اسی دنیا کی زندگی میں ہر فرد بشر کو کیسی کیسی مشکلات کا سامنا ہوتا رہتا ہے۔ یہی ایمان ہی کی صراط مستقیم ایسی ہے جو اسے ہر امتحان میں ثابت قدم رکھتی اور ہر تاریکی میں روشنی دکھلاتی رہتی ہے اور پھر برزخ اور محشر میں ایک سے بڑھ کر ایک ہولناک منظر کے وقت بھی آڑے آنے والی چیز یہی کلمۂ توحید وایمان ہے...... نجات کی راہ دنیا اور آخرت دونوں میں بجز دین توحید کے اور کوئی نہیں۔ ف۵۰ (دنیا وآخرت دونوں میں) بے دین حقیقی چین اور آرام سے دنیا میں بھی محروم رہتا ہے اور آخرت میں اس کی حرمان نصیبی تو ظاہر ہی ہے۔ الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی راہِ توحید وایمان کو چھوڑ کر جاہلی اور مشرکانہ نظریوں اور فلسفوں کو ماننے والے اور ان پر چلنے والے، والمراد بهم الكفرة (روح) ف۵۱ (اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق) نہ اس کی مشیت پر کوئی غالب نہ اس کی قدرت پر کوئی غالب نہ اس کی قدرت پر کوئی حاکم، نہ اس کی راہ میں کوئی حائل یا مانع...... مشرک قومیں وجود باری کی قائل ہونے کے باوجود ارادۂ الٰہی کو بھی کسی نہ کسی چیز سے مغلوب ومحدود سمجھتی رہی ہیں، قرآن مجید ان تمام باطل عقیدوں پر ضرب بار بار لگاتا ہے۔

دَارَ الْبَوَارِ ﴿٢٨﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۖ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٢٩﴾

جہنم میں لا اتارا جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ (کیسا) برا ٹھکانا ہے ۵۲

وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۗ قُلْ

اور ان لوگوں نے اللہ کے ساجھی قرار دیئے تھے تا کہ اس کی راہ سے (اپنے کو اور دوسروں کو) گمراہ کریں، آپ کہہ دیجیے

تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ ﴿٣٠﴾ قُلْ لِعِبَادِيَ

چندے عیش کرلو پھر تمہارا (آخری) انجام تو دوزخ ہی ہے ۵۳ آپ میرے ان بندوں سے کہہ دیجیے

الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

جو ایمان رکھتے ہیں کہ نماز کی پابندی رکھیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے

سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ

پوشیدہ وعلانیہ خرچ کرتے رہیں پیشتر اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید وفروخت ہو گی

وَلَا خِلَالٌ ﴿٣١﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

اور نہ دوستی (ہی) ۵۴ اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا

وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ

اور آسمانوں سے پانی اتارا پھر اس (پانی) سے (مختلف) پھل تمہارے لئے بہ طور رزق

رِزْقًا لَكُمْ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ

پیدا کئے اور تمہارے (نفع کے) لئے کشتی کو (اپنی قدرت کا) مسخر کردیا تا کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں

بِأَمْرِهِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ﴿٣٢﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ

چلے اور تمہارے (نفع کے) لئے دریاؤں کو (اپنی قدرت کا) مسخر کردیا ۵۵ اور تمہارے (نفع کے) لئے سورج اور چاند

وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿٣٣﴾

کو (اپنی قدرت کا) مسخر کردیا جو دوام رکھنے والے ہیں اور تمہارے (نفع کے) لئے رات اور دن کو (اپنی قدرت کا)

۵۲ یہ ذکر سردارانِ کفر وپیشوایانِ ضلالت کا ہو رہا ہے چھوٹے چھوٹے مذہبوں اور فلسفوں کے بانیوں کا اور اہل باطل کے رئیسانِ نامدار کا، بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا۔ یعنی طرح طرح کی نعمتوں سے مستفید ہونے کے بعد بجائے اس کے کہ شکر مزید ادا کرتے اور الٹے ناشکری اور کوشش ابطالِ حق میں مصروف ہوگئے، نعمة الله میں نعمة بہ طور اسم جنس کے ہے ایک مفرد نعمت مراد نہیں۔ ہر طرح کی نعمتیں مراد ہیں، بِئْسَ الْقَرَارُ۔ قرار کے لفظ سے یہ بھی نکل آیا کہ جہنم میں داخلہ بطور گزرگاہ کے نہ ہوگا بلکہ قیام ودوام کے لئے ہوگا۔ اے المقرّ (کبیر) **۵۳** دنیا کو مشیت حق نے دار العمل بنا رکھا ہے، دار الجزاء بنایا ہی نہیں، اس لئے کسی سخت کافر کو بھی دنیا میں سزا ملنا ہرگز ضروری نہیں، جَعَلُوْا۔ جعل کے معنی یہاں ٹھیرا لینے، قرار دے لینے، سمجھ لینے کے ہیں۔ والمراد من هذا الجعل الحكم والاعتقاد (کبیر) جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا۔ شرک کی مختلف صورتیں اور عجیب عجیب قسمیں مسلمانوں، موحدوں کے خیال میں بھی آنی مشکل ہیں...... ایک شرک ستارہ پرستی کا ہے کہ زحل، مشتری، زہرہ وغیرہ مستقل دیویاں ہیں، ایک شرک آفتاب پرستی وماہتاب پرستی کا ہے کہ آفتاب اور ماہتاب بھی بڑے بڑے دیوتا اور اس نظام کائنات میں دخیل ومتصرف ہیں ایک شرک اوتار پرستی کا ہے کہ خدا فلاں انسان یا فلاں حیوان کا قالب اختیار کرکے اس دنیا میں آگیا اور اتنی مدت تک زمین پر چلتا پھرتا، کھاتا پیتا رہا، لِيُضِلُّوْا۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی ان کے اس ساجھی ٹھیرا لینے کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا تھا کہ یہ خود اور دوسرے راہ حق سے بھٹک کر رہیں۔ اللام لام العاقبة لان عبادة الاوثان سبب يؤدي الى الضلال (کبیر) **۵۴** (بلکہ خالص اور کامل انصاف ہی کا سکہ چلے گا) لِعِبَادِيَ۔ عبادی میں مومن بندوں کی اضافت حق تعالیٰ کا اپنی ذات پاک کی طرف کرنا ان کے غایت اکرام وشرف کے لئے ہے خصهم بالاضافة تنويها لهم (بیضاوی) وَيُنْفِقُوْا۔ یعنی نیک اور مطابق شریعت کاموں میں خرچ کرتے رہیں...... حکم انفاق قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آیا ہے ظاہر ہے کہ مراد مطلق خرچ کرنا نہیں، بلکہ امور خیر میں خرچ کرنا ہے، مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ۔ رزق کو حق تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب کرکے اوپر بھی اشارہ کردیا کہ رزق حلال ہونی چاہیے، حرام کمائی کا گزر ہی نہ ہو۔ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً۔ پوشیدہ وعلانیہ جہاں جیسی بھی مصلحت شرعی نظر آئے۔ لَا بَيْعٌ فِيْهِ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ اس وقت کچھ قیمت دے دلا کر نجات حاصل کی جاسکے — بعض جاہلی عقاید پر ضرب۔ وَلَا خِلٰلٌ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ کسی کی دوستی اور مروت اور رو رعایت سے کام نکل جائے...... یہود وغیرہ کا عقیدہ تھا کہ پیمبروں اور مقبولانِ الٰہی کی عزیز داری کام آجائے گی، جس دوستی اور تعلق سے نفع کی نفی مطلق بیان کی گئی ہے وہ وہ دوستی اور تعلق ہے جو بغیر ایمان کے ہو، **۵۵** (آیت نے شرک کی بہت سی قسموں کی جڑ کاٹ دی، زمین وآسمان کوئی دیوی دیوتا نہیں، سب اللہ ہی کی مخلوق ہیں۔ آسمان سے پانی اور کوئی نہیں برساتا، ہوا اور بارش کا کوئی دیوتا نہیں یہ سب وہی کرتا ہے۔ پھر زمین سے طرح طرح کے پھل اور میوے اگانا بھی تمام تر اسی کا کام ہے، زراعت، باغبانی وغیرہ کے لئے کوئی الگ دیوی دیوتا نہیں، علیٰ ہذا سمندر اور دریاؤں کو پیدا کرنا اور انہیں انسانی ضروریات کے لئے مسخر کردینا بھی سو فیصدی اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ۔ یہ سب اسی حقیقت کو واضح اور موکد کر رہے ہیں، کہ اس کارخانہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے سب انسان ہی کی خدمت کے لئے ہے نہ یہ کہ الٹا انسان، زمین، آسمان، شجر وحجر، دریا، سمندر کی پرستش شروع کردے...... اور یہی معنی ہیں انسان کے خلیفة الله ہونے کے۔ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ۔ تا کہ یہ جہاز اور کشتیاں سمندر میں چلیں اور تم ان کے ذریعہ سے تجارت، سفر وغیرہ کے نفع حاصل کرو۔ اسلام مسلمانوں کو راہب، بادیہ نشین نہیں بنا دینا چاہتا، بحری تاجر بنانے کی ترغیب دیتا ہے لیکن ملحد وخدا فراموش نہیں، بلکہ مومن ومسلم "بحری تاجر۔" سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ۔ یعنی تا کہ تم دریاؤں کے پانی کو اپنی ہر انفرادی واجتماعی تمدنی ضرورت کے کام میں لاؤ، کشتیاں چلاؤ، آبپاشی کرو، ان سے نہریں کاٹو، پن چکیاں چلاؤ، بجلی پیدا کرو، وقس علیٰ ہذا۔ غرض اپنی جائز تمدنی ترقی کے کام میں لاؤ، بس شرط صرف اتنی ہے کہ خود مسلمان اور صاحب ایمان بنے رہو۔

و۵۶ (کہ اس سارے عظیم الشان اور حیرت انگیز طور پر وسیع کارخانہ قدرت سے اپنے لئے ہر جائز شخصی اور تمدنی نفع حاصل کرتے رہو) اَلشَّمْسَ وَالْقَمَرَ۔ اَلَّیْلَ وَالنَّهَارَ۔ آفتاب اور ماہتاب اور رات اور دن تو سب خلیفۃ اللہ بشر کی خدمت کے لئے ہیں۔ پھر یہ کیسا شدید جاہلانہ ظلم ہے کہ الٹا انہی کو معبود سمجھ لیا جائے!۔ دَآىِٕبَيْنِ۔ یعنی اپنی عادت جاریہ پر ثبات ودوام رکھنے والے اپنی روشنی واپنی گرمی، اپنی شرح رفتار اور اپنی دوسری طبعی خصوصیات سے ہمیشہ فائدہ پہنچاتے رہنے والے۔ معنی الدواب فی اللغة مرور الشیء فی العمل علی عادة مطردة (کبیر) اَلدَّبُ والدبیب مشی خفیف (راغب) قال المفسرون معناه یدأ بان فی سیرهما وافادتهما وتاثیرهما (کبیر) و۵۷ (اور اس کا دینا بھی تمہارے حق میں قرین مصلحت ہوا) مِنْ كُلِّ۔ یعنی تمہاری ہر طلب کی ہوئی شے میں سے تمہیں کچھ دیا:۔ و۵۸ (کہ نعمتوں کی قدر اور شکر نہیں کرتا بلکہ اور الٹا کفر ومعصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے) لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ۔ امام رازی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ یہاں اللہ نے انسان کے یہ دو وصف بیان کئے ہیں، اور سورہ نحل میں اپنے دو وصف ذکر کئے ہیں۔ ان اللہ لغفور رحیم گویا وہ آیت اس آیت کے ٹھیک مقابل ہے اور انسان کی ناانصافی کے مقابلہ میں اللہ کی مغفرت اور انسان کے کفران نعمت کے مقابلہ میں اللہ کی رحمت ہے۔ والمقصود کانه یقول ان کنت ظلوما فانا غفور وان کنت کفارًا فانا رحیمٌ (کبیر) نِعْمَتَ اللّٰهِ۔ نعمت بطور جنس کے ہے اس لئے ترجمہ صیغۂ جمع کیا گیا۔ اہل لطائف نے لکھا ہے کہ حق تعالٰے کے احسان سے تو اہل نار تک خالی نہیں کہ اللہ تعالیٰ بہرحال اس سے بھی سخت تر سزا پر قادر تھا...... اور یہ مضمون حدیث میں بھی آیا ہے۔ لَا تُحْصُوْهَا۔ احاطہ میں نہ لے پاؤ گے کہ وہ تو ہیں ہی بے پایاں...... انسان کہاں سے اتنی فرصت اور اتنی ہمت لائے گا! اَلْاِنْسَانَ۔ انسان سے یہاں مراد ہر فرد انسانی نہیں بلکہ جنس انسانی ہے عام اس سے کہ اس ظلم اور کفران کا تحقق چند میں پایا جائے یا زائد میں۔ والمراد من الانسان ههنا الجنس یعنی ان عادة هذا الجنس هو هذا (کبیر) و۵۹ (جیسا کہ اب تک بچائے رکھا ہے) آیت میں صاف دلالت اس امر پر ہے کہ حضرات انبیاء تک امکان کفر وشرک سے ماورا نہیں ہو جاتے بلکہ برابر اس سے ڈرتے ہی رہتے ہیں، کہنا چاہیے کہ اسی خوف لغزش ہی نے تو انہیں معصوم رکھا ہے تو بھلا ہم دنیا داروں کا کیا ذکر جو ہر وقت نفس اور شیطان کی کمند میں پھنسے ہوئے ہیں۔ هٰذَا الْبَلَدَ۔ یعنی شہر مکہ۔ اٰمِنًا۔ یعنی اسے حرم مقرر کر دے جس کے رہنے بسنے والے مستحق امن ہوتے ہیں۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ۔ یہ وقت وہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام شہر مکہ میں خانہ کعبہ کے قریب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو لا کر چھوڑ گئے ہیں۔ و۶۰ یعنی یہ بت ان کی گمراہی کا سبب اور ذریعہ بن گئے ہیں، یہ مراد نہیں کہ ان بے جان مورتیوں نے عمداً اور قصداً کسی کو گمراہ کیا ہے۔ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ۔ اس میں دنیا میں بت پرستوں کی کثرت تعداد کی جانب اشارہ ہے جو مشاہد ہے۔ و۶۱ (اور اس کے لئے تیرا وعدۂ مغفرت موجود ہی ہے) و۶۲ (تو تیرے لئے کیا مشکل ہے کہ تو اب انہیں ہدایت دے کر ان کی مغفرت ورحمت کا سامان کر دے) وَمَنْ عَصَانِيْ۔ یعنی جو لوگ دین حق کے پیرو نہ بنے، و۶۳ یعنی خانہ کعبہ سے متصل، کعبہ اگرچہ اس وقت منہدم حالت میں تھا تاہم اس کی جگہ تو خوب جانی پہچانی ہوئی اور نگاہوں میں محترم ومتبرک تھی۔ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ۔ ذریت سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کا سلسلۂ اولاد ہے۔ من تبعیضیہ ہے یعنی اپنی اولاد میں سے کچھ مِنْ بمعنی بعض ای اسکنت بعض ذریتی (روح) ای بعض ذریتی اور ذریة من ذریتی (بیضاوی) غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ۔ شہر مکہ جو ملک عرب کے صوبہ حجاز میں بحر احمر سے ۴۸ میل پر سمت مشرق میں واقع ہے اپنی زمین کی خشکی کے لئے مشہور ہے اور زمین کے کہیں تو پتھریلی اور کہیں ریتلی ہونے کے باعث حضرات ابراہیم علیہ السلام ہی کے زمانہ میں نہیں بلکہ اس وقت تک بھی ناقابل کاشت ہے...... اور اگر کہیں آیندہ مصنوعی ذرائع وتدابیر سے اسے کسی حد تک قابل کاشت بنا لیا جائے تو یہ اس قرآنی بیان کے ذرا بھی منافی نہ ہوگا۔ ملاحظہ ہوں، انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ بعض فقہاء نے یہاں تصریح کر دی ہے کہ ایک بے آب وگیاہ ملک میں لا کر اپنے بیوی بچوں کو ڈال دینا اور اس امر کو اسوۂ ابراہیمی کا اتباع سمجھنا اب جائز نہیں۔ لا یجوز لاحد ان یتعلق به فی طرح عیاله وولده بارض مضیعة اتکالاً علی العزیز الرحیم واقتداءً بفعل ابراهیمؑ (ابن العربی) و۶۴ (اور نماز کے تحت میں یہاں طواف وغیرہ کل عبادات داخل ہیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود گزارش یہ ہے کہ یہ آبادی خداپرستی کے لئے ہے اور کعبہ خداپرستوں کا مقام ہے۔ لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کعبہ کے گرد بسانے کی غرض خدمت کعبہ بتا کر یہود ونصاری کے اس خیال کی تردید کر دی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وہاں وادیٔ مکہ میں چھوڑنا محض حضرت سارہؑ کو خوش کرنے کے لئے تھا۔ لِيُقِيْمُوا کے ل کا نحوی تعلق اَسْكَنْتُ سے ہے یعنی میں نے اپنی اولاد کی نو آبادی جو یہاں قائم کی ہے اس کی غرض وغایت ہی یہ ہے کہ اقامت صلوٰۃ کا اہتمام رکھا جائے۔ اللام متعلقة باسکنت ای ما اسکنتهم بهذا الوادی البلقع الا لیقیموا الصلوٰة (مدارک) و۶۵ (اور تیری ہی عبادت میں لگے رہیں) فَاجْعَلْ...... اِلَيْهِمْ۔ ابراہیم خلیل علیہ السلام عرض کر رہے ہیں کہ اے پروردگار میں نے جو اپنی اولاد کو یہاں لا بسایا ہے تو اول تو اس سرزمین میں کوئی مادی کشش ہی نہیں کوئی یہاں آنے کیوں لگا، تو ہی اپنی قدرت سے خلقت کے دل میں یہاں کی حاضری کی تمنا وآرزو ڈال دے! کہ خود بخود کھنچے ہوئے چلے آئیں، اور پھر اس خشک اور بے آب وگیاہ سرزمین میں پھل پھلاری کہاں؟ تو انہیں اپنی قدرت سے یہ بھی نصیب کر دے!...... یہ دعا ابراہیمی پوری ہوئی اور کس معجزانہ حد تک پوری ہوئی اس کا کچھ اندازہ سفر حج کے بعد ہی ہو سکتا ہے، وہ ہزارہا اور لکھوکھا انسانوں کا چین سے اور روس سے، جاپان سے اور جاوا سے، مصر سے

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ

مسخر کر دیا و۵۶ اور تم کو ہر اس چیز میں سے دیا جو تم نے مانگی و۵۷ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو

اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

تو انہیں شمار نہ کر پاؤ گے بیشک انسان بڑا ہی نا انصاف ہے، بڑا ہی ناشکرا ہے و۵۸

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دے

وَّاجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ

اور مجھ کو اور میرے فرزندوں کو اس سے بچائے رکھ کہ ہم لوگ مورتی پوجا کرنے لگیں و۵۹ اے میرے پروردگار ان

اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ

(مورتیوں) نے بہتیرے آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے و۶۰ سو جو کوئی میری راہ پر چلے گا وہ تو میرا ہی ہے و۶۱

وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ

اور جو کوئی میری نافرمانی کرے تو تو بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے و۶۲ اے ہمارے پروردگار میں نے

اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ

اپنی کچھ اولاد کو ایک بے زراعت میدان میں آباد کر دیا ہے تیرے

بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ

معظم گھر کے قریب و۶۳ (یہ اس لئے) اے ہمارے پروردگار کہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں، و۶۴ سو تو کچھ

اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ

لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں کھانے کو

الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا

پھل دے جس سے یہ شکر گزار رہیں و۶۵ اے ہمارے پروردگار تو سب کچھ جانتا ہے جو کچھ

نُخْفِیْ وَ مَا نُعْلِنُ ؕ وَ مَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْ
ہم چھپائیں اور جو کچھ ہم ظاہر کریں اور اللہ سے کوئی بھی چیز نہیں چھپی
شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
رہتی ہے (نہ) زمین میں اور نہ آسمان میں ف۶۶ ساری حمد ہے اللہ کے لئے
الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ ؕ
جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل و اسحٰق (دو بیٹے) دیئے
اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ
بیشک میرا پروردگار دعاؤں کا بڑا سننے والا ہے ف۶۷ اے میرے پروردگار مجھ کو بھی نماز کا
الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖۗ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾
پابند رکھیے اور میری نسل میں سے بھی (کچھ کو) اے ہمارے پروردگار ہماری دعا قبول کر ف۶۸
رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ
اے ہمارے پروردگار میری مغفرت کردے اور میرے والدین کی اور ایمان والوں کی، جس روز حساب وکتاب
الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ
قائم ہو ف۶۹ اور اللہ کو اس سے بے خبر ہرگز مت سمجھ، جو کچھ (یہ) ظالم لوگ
الظّٰلِمُوْنَ ؕ۬ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ
کر رہے ہیں ف۷۰ انہیں تو بس اس روز تک وہ مہلت دیئے ہوئے ہے جس میں نگاہیں
الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ لَا یَرْتَدُّ
پھٹی رہ جائیں گی وہ دوڑ رہے ہوں گے اپنے سر اٹھا رکھے ہوں گے ان کی نظر
اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَ اَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ وَ اَنْذِرِ النَّاسَ
ان کی طرف واپس نہ آئے گی اور ان کے دل بدحواس ہوں گے ف۷۱ اور آپ ڈرائیے لوگوں کو

اور ایران سے، افغانستان سے اور شام سے، پاکستان سے اور ہندوستان سے، مراقش سے اور برما سے اس وادیٔ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ میں جمع ہوجاتا اگر اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ کی عملی تفسیر نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی طرح مکہ کی منڈیوں کا اور منیٰ کے بازاروں کا تر و تازہ سیب و انار و انگور اور سنترے اور ہر ہر طرح کے شاداب میووں اور رسیلے پھلوں سے پٹے پڑے رہنا اگر وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ کا حیرت انگیز عملی ظہور نہیں تو اور کیا ہے؟ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ۔ تقدیر کلام یوں ہے افئدة من افئدة الناس مِنَ النَّاسِ۔ مِنْ تبعیض کے لئے ہے۔ من للتبعیض (مدارک) فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً الخ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مال وجاہ کا بقدر ضرورت اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے طلب کرنا مذموم نہیں خصوصاً جبکہ اعانت علی الدین کے لئے ہو جیسا کہ لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ اور لَعَلَّهُمْ یَشْکُرُوْنَ سے ظاہر ہو رہا ہے:۔ ف۶۶ (چنانچہ ان دعاؤں سے بھی یہ ہرگز مقصود نہیں کہ تو اب تک ہماری ان حاجتوں اور تمناؤں سے بے خبر تھا تیرے لئے تو ہر پوشیدہ اور علانیہ یکساں ہے بلکہ یہ دعائیں تو تمام تر ہماری عبودیت اور افتقار سے پیدا ہوئی ہیں) آیت سے تردید ان تمام مشرک قوموں اور جاہلی فلسفیوں کی ہوگئی، جنہوں نے خدا کے علم کو ناقص، محدود یا صرف کلیات پر مشتمل قرار دیا ہے، ہندوستان، مصر، یونان سب کے بڑے بڑے ''حکماء'' اور ''عقلاء'' اس جہل میں شریک رہے۔ رَبَّنَا۔ ندا کی تکرار تضرع وخشوع طلب کی دلیل ہے۔ النداء المکرر دلیل التضرع واللجا الی اللہ۔ (مدارک) مِنْ شَیْءٍ۔ مِنْ استغراق کے لئے ہے۔ من لاستغراق (مدارک) ترجمہ اسی لئے ''کوئی بھی چیز'' سے کیا گیا ہے۔ ف۶۷ (چنانچہ اس نے جس طرح میری پچھلی دعائیں سن لیں اور قبول کرلیں اس کی ذات سے یقین ہے کہ آئندہ بھی ایسا ہی کرتا رہے گا) لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ۔ یعنی بڑا قبول کرنے والا۔ ای مجیب الدعاء (مدارک) ای انه یستجیب ممن دعاه (ابن کثیر) فالسمع بمعنی القبول والاجابة مجاز کما فی سمع اللہ تعالٰی لمن حمده (روح) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الخ۔ اولاد خصوصاً کبرسنی کی اولاد، اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے، مسرت وشکر کے قابل نہ کہ کوئی عیب جسے چھپایا جائے یا اس سے شرمایا جائے۔ عَلَی الْکِبَرِ۔ توریت میں ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۴ سال کی تھی، (پیدائش ۱۶:۱۶) اور حضرت اسحاق کی ولادت کے وقت ۱۰۰ سال کی (پیدائش ۵:۲۱) اس وقت کے اوسط عمر کے لحاظ سے باپ بننے کا یہ سن اگرچہ ایسا غیر معمولی نہیں، پھر بھی بہرحال ضعیفی ہی کا تھا، علی الکبر میں علی مع کے مرادف ہے اور مراد حالت کبرسنی سے ہے۔ علی الکبر بمعنی مع وھو فی موضع الحال ومعناه وھب لی فی حال الکبر (کبیر) ف۶۸ دعاء کے آداب اور طریقے کوئی حضرات انبیاء ہی سے سیکھے، عبودیت کے کن کن پہلوؤں سے کیسے کیسے لجاجت کے انداز سے اپنے محبوب مالک کو پکارتے رہتے ہیں۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ۔ نماز کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ ایک نبی جلیل القدر اپنے حق میں اس کے واسطے دعائے خصوصی کرتے ہیں۔ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ۔ محققین نے لکھا ہے کہ حضرت علیہ السلام کو وحی سے علم ہوگیا تھا کہ حضرت کی نسل میں سب مومن ہی نہ ہوں گے کچھ غیر مومن بھی ہوں گے اس لئے دعاء سب کے حق میں نہ فرمائی، ای بعض ذریتی...... انما بعض لانه علم باعلام اللہ انه یکون فی ذریته کفار (مدارک) ف۶۹ حضرت علیہ السلام کا اپنے لئے اور مومنین کے حق میں دعاء مغفرت کرنا تو ایک صاف اور سیدھی سی بات ہے البتہ شبہ اس میں پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے کافر والد کے حق میں دعائے مغفرت کیسے کردی؟ سو اگر یہ دعاء آپ نے ان کی زندگی ہی میں کی تھی جب تو آپ کی مراد یہی ہوگی کہ انہیں توفیق ہدایت دے کر ان کی مغفرت کا سامان کردیا جائے۔ اور اگر بعد وفات یہ دعا کی تھی تو یہ دعاء ان کی ایمان کے ساتھ (علم الٰہی میں) مشروط ہوگی، یعنی اے پروردگار اگر تیرے علم میں ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے تو ان کی مغفرت کردے۔ اِغْفِرْلِیْ۔ غفر کے معنی ہیں رحمت الٰہی کا ڈھانپ لینا، اور اس کی حاجت جس طرح عاصی کو رہتی ہے، معصوم کو بھی رہتی ہے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے حق میں طلب مغفرت کرنے سے ان کا غیر معصوم ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔ ف۷۰ (اے مخاطب!) الخطاب لغیر الرسول علیه السلام (مدارک) خطاب لکل من توھم غفلته تعالٰی (روح) اَلظّٰلِمُوْنَ۔ سے یہاں مراد کافر ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ان معاند کافروں کو جو فوراً سزا انہیں مل رہی ہے تو یہ اس لئے ہرگز نہیں کہ حق تعالیٰ ان کی طرف سے غافل ہے۔ اس کا تو احتمال بھی نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مصالح تکوینی سے جزاء وسزا کو ایک وقت مقرر کے لئے اٹھا رکھا ہے۔ ف۷۱ (شدت ہول وہراس سے) سارا منظر یوم حشر کی ہولناکی اور دہشت انگیزی کا ہے۔ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ۔ یعنی کافروں کی نگاہیں فرط حیرت وہیبت سے پھٹی رہ جائیں گی۔ مُهْطِعِیْنَ۔ یعنی موقف حساب کی طرف دوڑ رہے ہوں گے۔ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ۔ یعنی فرط حیرت سے کسی اور طرف نہ نظر جائے گی نہ خیال۔ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ۔ یعنی آنکھ جھپکے گی تک نہیں۔ بس ٹکٹکی بندھ کر رہ جائے گی:۔

و۴۲ حشر میں جب انکشاف حقائق درجۂ تام میں ہو جائے گا اور غفلت کے پردے ہر طرح چاک ہو جائیں گے، بدنصیب کافرعرض کریں گے کہ اب ہم نے خوب مزہ چکھ لیا اب ایک بار پھر ہمیں مہلت حیات عطا ہو کہ ہم دنیا میں جا کر از سر نو زندگی بسر کریں اور اب کی اپنی پوری فرماں برداری اور اطاعت شعاری کا ثبوت دیں۔ اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا۔ مراد کفار ہیں۔ اے الکفار (مدارک) و۴۳ (اس دنیا میں) ان کے جواب میں ارشاد ہوگا کہ دنیا میں رہنے کی تمہیں مہلت قلیل تو نہیں مدت طویل ملی تھی، پھر تم نے اس سے کیا فائدہ اٹھایا بلکہ تم تو الٹے قسمیں کھا کھا کر بڑے زور اور دعوٰی کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ یہ حشر ونشر کا قصہ سب ڈھکوسلا ہے وجود جو کچھ ہے صرف اسی مادی دنیا اور اسی مادی زندگی سے، اس کے آگے کچھ بھی نہیں، ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں نے اپنی زبان سے یہ سب تقریر نہ کی ہو، جب بھی زبانِ حال سے تو وہ بھی یہی کہتے رہے تھے۔ لعلهم اقسموا بطرًا وغرورًا اودل عليه حالهم (بیضاوی) اوبألسنة الحال ودلالة الافعال (روح) مِنْ زَوَالٍ۔ میں مِنْ تاکید نفی کے لئے ہے۔ ومن صلته لتاكيد النفى (روح) و۴۴ یہ خطاب زمانہ مابعد کی نسلوں سے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تم تو بعد کو آئے پھر نہ اپنے پیش رو کفار معاندین ومنکرین آخرت کے عبرتناک انجام اور تباہی وبربادی سے کوئی عبرت ونصیحت تم نے حاصل کی اور نہ کتب سابقہ کی ہدایتوں فہمائشوں سے تم ذرا بھی بیدار ہوئے۔ تمہارے لئے تو انکار کے نہیں، منع انکار کے اتنے زبردست اسباب اکٹھے تھے، پھر بھی تم اپنی شامت سے راستہ وہی ہلاکت وبدانجامی ہی کا اختیار کئے رہے۔ وَسَكَنْتُمْ...... اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی تم روئے زمین کے انہی خطوں، قطعوں، علاقوں میں تو آباد ہو جہاں تم سے پیشتر اور منکرین ومعاندین رہ چکے تھے۔ تَبَيَّنَ...... بِهِمْ۔ یعنی تمہیں تاریخ سے، روایات وحکایات سے، پوری طرح ان منکروں کی سزایابی، ہلاکت وبربادی کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ ضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ۔ یہ اشارہ سابقہ کتب آسمانی کی جانب ہے، انہی کے ذریعہ سے بار بار تنبیہیں ہو چکی تھیں۔ و۴۵ (لیکن حق پھر بھی غالب رہا، اور ان کی ساری چالیں خود انہی پر الٹ گئیں) وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ۔ دین حق کو مٹا دینے کے لئے وہ بھی بھی زبردست چالیں چلتے رہے۔ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ۔ اللہ سے یہ چالیں کچھ مخفی تو رہ نہیں سکتی تھیں، سب اس کے علم میں تھیں۔ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ۔ "پہاڑوں کے ٹل جانے" کا استعارہ عربی اسلوب بیان میں کسی شے کی انتہائی قوت کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ وليس المقصود من هذا الكلام الاخبار عن وقوعه بل التعظيم والتهويل (کبیر) اے وان كان مكرهم فى غاية الشدة والمهانة وعبر عن ذلک بکونه معدى لازالة الجبال عن مقارها لكونه مثلاً فى ذلک (روح) والذى يظهران زوال الجبال مجاز ضرب مثلاً لمكر قريش وعظمه والجبال لا تزول وهذا من باب الغلو والايغال والمبالغة فى ذم مكرهم (بحر) لیکن بجائے استعارہ کے اگر اسے لفظی ہی معنی میں لیا جائے جب بھی اب تو اس میں کوئی امر محال رہا نہیں۔ پہاڑوں کے توڑنے اور اڑا دینے کی تدبیریں "جدید ومہذب" انسان نے نکال ہی لی ہیں۔ و۴۶ (اس تاخیر عذاب سے شبہ میں پڑ کر اے مخاطب!) و۴۷ اس کی قوت بھی کامل، جزا وسزا پر قدرت بھی اسے پوری حاصل۔ پھر وعدہ خلافی کی اس کے ہاں گنجائش وامکان ہی کیا! و۴۸ یعنی قیامت کے دن جب یہ آسمان وزمین سب بدلے ہوئے ہوں گے، اور جس آسمان وزمین سے ہم واقف ہیں ان کے بجائے دوسرے ہی موجود ہوں گے۔ وهى هذه على غير الصفة المالوفة كما جاء فى الصحيحين (ابن کثیر) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ تبدیلی ذات وصفات دونوں کے لحاظ سے صحیح ہو سکتی ہے اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض تبدیلیوں کے وقت اہل حشر زمین پر نہ ہوں گے بلکہ پل صراط پر ہوں گے۔ والتبديل قد يكون فى الذات وقد يكون فى الصفات والأية الكريمة ليست بنص فى احد الوجهين (روح)

يَوْمَ يَأْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ

اس دن سے جس میں ان پر عذاب آ پڑے گا پھر (یہ) ظالم کہیں گے اے ہمارے پروردگار

اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ

ہم کو (اور) مہلت دے دے ایک مدت قلیل تک، ہم تیری دعوت قبول کر لیں گے اور پیمبروں کا اتباع

الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا

کریں گے و۴۲ کیا تم نے اس کے قبل قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تمہیں (کہیں بھی) جانا

لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ

نہیں ہے و۴۳ حالانکہ تم انہی لوگوں کے مسکنوں میں آباد تھے

ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ

جو اپنے اوپر ظلم کر چکے تھے اور تمہارے اوپر روشن ہو چکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیونکر معاملہ کیا تھا

وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ

اور ہم نے (بھی) تم سے مثالیں بیان کی تھیں، و۴۴ اور انہوں نے اپنی بھی (بڑی بڑی) چالیں چلیں

وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ

اور اللہ کے سامنے ان کی یہ چالیں تھیں اور واقعی ان کی یہ چالیں ایسی تھیں

لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ

کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جائیں و۴۵ سو اللہ کو اپنے پیمبروں سے وعدہ خلافی کرنے والا ہرگز

وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ؕ﴿۴۷﴾

نہ سمجھ لینا، و۴۶ بیشک اللہ زبردست ہے پورا بدلہ لینے والا ہے و۴۷

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ

(اور یہ اس روز ہوگا) جس روز کہ زمین بدل کر دوسری زمین کر دی جائے گی اور آسمان بھی و۴۸

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ

اور (سب) اللہ واحد (اور) زبردست کے روبرو پیش ہوں گے، ف۷۹ اور اس روز تو مجرموں کو

يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ

ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھے گا ف۸۰ ان کے کرتے

مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾

قطران کے ہوں گے اور آگ ان کے چہروں پر چھائی ہوئی ہو گی ف۸۱

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تاکہ اللہ ہر جہنمی شخص کو اس کے کرتوت کا بدلہ دے بیشک اللہ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا

حساب بڑی جلدی ہی کر لینے والا ہے ف۸۲ یہ (قرآن) لوگوں کے لئے ایک پیام ہے اور تاکہ اس کے ذریعہ سے

بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ

ڈرائے جائیں اور تاکہ یقین کر لیں کہ وہی ایک خدا ہے اور تاکہ اہل فہم

اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

نصیحت حاصل کریں ف۸۳

ع ۱۱ / ۱۹

ایاتها ۹۹ | ۱۵ سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ ۵۴ | رکوعاتها ۶

اس میں ۹۹ آیتیں | سورۂ حجر مکی ہے | اور ۶ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾

الف۔ لام۔ را۔ یہ کتاب (کامل) کی اور قرآن واضح کی آیتیں ہیں ف۱

ف۷۹ یعنی اس خدائے قدوس کے حضور میں جو سب پر برتر، سب پر غالب ہے، کوئی اس پر حاکم ومتصرف نہیں، اور وہ عدد، ذات، صفات ہر لحاظ سے واحد لاشریک لہ ہے، توحید خالص کی اس پُر اجلال وپاکیزہ تعلیم کی پوری قدر اس وقت ہوگی جب اس کے مقابل انجیل کا یہ بیان پیش نظر رکھا جائے:۔ "جب ابن آدم علیہ السلام اپنے جلال میں آوے گا، اور سب فرشتہ اس کے ساتھ آویں گے تو اس وقت وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا اور سب قومیں اس کے ساتھ جمع کی جائیں گی اور وہ ایک کو دوسرے سے جدا کرے گا۔" (متی۔ ۲۵:۳۱۔۳۲) یہ حال جب "اہل کتاب" مدعیانِ توحید کی کتاب کا ہے تو مشرک غریبوں کا تو ذکر ہی نہیں۔ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ وہی ایک اکیلا، جو سب پر غالب ہے، اور جس کے سب ہی تابع ومحکوم ہیں۔ ای الذی قهر کل شیء و غلبه و دانت له الرقاب و خضعت له الالباب (ابن کثیر) الذی یفعل مایشاء و یحکم ما یرید (معالم) ف۸۰ (اے مخاطب!) الْمُجْرِمِيْنَ۔ یعنی کفار ومنکرین کو۔ مُقَرَّنِيْنَ۔ یعنی ایک جرم کے مجرمین ایک ساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے، کفر وانکار کی ہر نوعیت کے مجرمین کی ٹولی الگ الگ ہوگی۔ ضم کل لمشارکه فی کفره و عمله (روح) والمراد ان تلک النفوس الشقیة والارواح المکدرة الظلمانیة لکونها متجانسة متشاکلة ینضم بعضها الی بعض و تنادی ظلمة کل واحدة منها الی الاخری (کبیر) ف۸۱ قَطِرَانٍ کے مشہور معنی تو گندھک کے ہیں، دوسرے معنی پگھلے ہوئے تانبے کے کیے گئے ہیں، بہرحال دوزخیوں کے جسم پر لباس ایسا ہوگا جو آگ کو خوب اور زیادہ تیزی کے ساتھ قبول کرلے۔ ف۸۲ (تو اس کے لیے تنہا مجرموں کا فیصلہ آناً فاناً کر ڈالنا کیا مشکل ہے) لِيَجْزِيَ۔ میں لِ تعلیل کا ہے یعنی یہ سب کچھ اس غرض سے ہوگا کہ ہر مجرم اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ جائے۔ ف۸۳ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ پر حاشیہ صفحہ ۵۴۶ نمبر ۴۲ میں گزر چکا۔ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ۔ یہ قرآن لوگوں کے لیے ایک پیام ہے کہ وہ پیام اور پیامبر دونوں کی تصدیق کریں۔ بَلٰغٌ۔ میں تنوین تعظیم کی ہے۔ یعنی یہ پیامِ معظم لوگوں کی ہدایت کے لیے بالکل کافی ہے۔ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ۔ یعنی تاکہ اس کے ذریعہ اور واسطہ سے وہ عذابِ الٰہی سے ڈرائے جائیں۔ لِلنَّاسِ۔ میں ناس کا عموم لائق لحاظ ہے یعنی یہ پیام ہدایت ساری نوع انسانی کے لیے، کسی مخصوص قوم یا ملک کے لیے نہیں۔ وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ آیت سے ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ انسان کو درجۂ شرف وفضیلت جو کچھ بھی حاصل ہے وہ عقل اور اس کے صحیح استعمال ہی سے ہے۔ هذه الاٰیة دالة علی انه لا فضیلة للانسان ولا منقبة الا بسبب عقله لانه تعالٰی بین انه انما انزل هذه الکتاب و انما بعث الرسول لتذکیر اولی الالباب (کبیر)

ف۱ دونوں صفتیں ایک ہی موصوف کی بیان ہوئی ہیں یعنی وہ کتاب کامل بھی ہے اور قرآن واضح بھی۔ قُرْاٰنٍ۔ میں تنوین تعظیم کی ہے۔ و تنکیره للتفخیم (بیضاوی) والتنکیر للتفخیم (مدارک) و تنکیر القراٰن للتفخیم (کشاف) الٓرٰ۔ انا اللہ اری کا مخفف سمجھا گیا ہے حروفِ مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۲﴾

کافر بار بار تمنا کریں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے ف۲

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ

آپ انہیں (ان کے حال پر) چھوڑے رہیے یہ کھا (پی) لیں اور مزے اڑا لیں اور انہیں غفلت میں

يَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ وَ مَاۤ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَ لَهَا كِتَابٌ

ڈالے رہے، عنقریب انہیں معلوم ہوا جاتا ہے۔ ف۳ اور ہم نے جو بھی بستی ہلاک کی ہے اس کے لئے معین

مَّعْلُوْمٌ ﴿۴﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا

وقت کا نوشتہ تھا کوئی قوم اپنی میعاد مقرر سے نہ آگے نکل سکتی ہے اور نہ پیچھے

يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۵﴾ وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ

رہ سکتی ہے ف۴ اور (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر (بہ قول اس کے) نصیحت نامہ

الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۶﴾ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ

اترا ہے تو تو مجنون ہے ف۵ ہمارے پاس فرشتوں کو لے آ،

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷﴾ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ

اگر تو (اپنے دعوی میں) سچا ہے ف۶ ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے

اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ﴿۸﴾ اِنَّا نَحْنُ

مگر (فیصلہ) حق کے لئے اور اس وقت اُن کو مہلت بھی نہ دی جاتی ف۷ (اس) نصیحت نامہ کو ہم نے ہاں ہم

نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا

ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں ف۸ اور بے شک ہم آپ کے قبل بھی

مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ

(پیمبر) بھیج چکے ہیں اگلوں کے گروہوں میں ف۹ اور کوئی رسول ان کے پاس ایسا

ف۲ (اور ان شدید ترین اور ناقابل برداشت عذابوں سے محفوظ رہتے!) یہ کلمات حسرت و تأسف کافروں کی زبان پر آخرت میں جاری ہوں گے، جب اپنا حشر ان پر منکشف ہو چکے گا۔ اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونے لگیں گے۔ رُبَمَا۔ یہ کلماتِ حسرت کی تکرار شاید اس لئے کہ جب جب کوئی نئی شدت واقع ہوگی، اور ساتھ ہی محسوس ہوگا کہ اس کی علت کفر ہی ہے، تو یہ حسرت ہر دفعہ تازہ ہو جائے گی۔ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ اس میں ہر نوع کے کافر شامل ہیں، جن میں قدر مشترک صفت کفر ہے۔ لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ۔ آیت میں صرف مسلمین ہے، متقین۔ خاشعین وغیرہ نہیں۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت انس، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابوسعید الخدری ﷺ وغیرہ متعدد صحابیوں سے متعدد تابعین کے واسطہ سے روایتیں اسی مضمون کی ملتی ہیں کہ جہنم میں کافروں کے ساتھ گنہگار مسلمان بھی ملے جلے ہوئے ہوں گے۔ اس پر کافر ان سے طنز سے کہیں گے کہ تمہارا کلمۂ شہادت کچھ بھی کام نہ آیا۔ معاً اس سے غیرت الٰہی حرکت میں آئے گی، اور کل اہل قبلہ آگ سے آزاد کر کے جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ اس وقت کافروں کی زبان سے یہ پر حسرت کلمات نکلیں گے۔ (ابن جریر، ابن کثیر، معالم، کبیر وغیرہ) مفسرین کی اکثریت نے بھی یہی پہلو اختیار کیا ہے۔ وعلٰی ھٰذا القول اکثر المفسرین (کبیر) روی ذٰلک عن کثیر من السلف الصالح (روح) آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مراتب طاعت وتقوٰی کا تو ذکر ہی نہیں، مجرد اسلام اور اقرار شہادتین بھی کتنی بڑی رحمت اور نعمت عظیم ہے۔ ف۳ یعنی عنقریب ہی انہیں کافرانہ زندگی کے انجام کا مشاہدہ اور ذاتی تجربہ ہوا چاہتا ہے۔ سَوْفَ۔ یعنی مرنے کے ساتھ ہی۔ ذَرْهُمْ۔ یعنی آپ ان کے کفر پر زیادہ غم وحزن نہ کیجئے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان پر تبلیغ ترک کر دیجئے۔ يَاْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ۔ کھانے پینے کی لذتوں میں پڑے رہنا، فوری اور وقتی مقصدوں کی الٹ پھیر میں لگے رہنا، مدت عمر کو دُور و دراز کی خیالی آرزوؤں اور منصوبوں میں گزارتے رہنا، یہ سب خصوصیات آخرت سے غافل اور خدا فراموش قوموں کی ہیں۔ اور جس طرح گزشتہ مشرک اور جاہلی قوموں کے حق میں صادق تھیں، آج بھی فرنگستان کی "مہذب" و "روشن خیال" قوموں پر کیسی صادق آ رہی ہیں!۔ يَتَمَتَّعُوْا۔ تمتع سے مراد انہی مشغلوں میں انہماک ہے، جن کا نفع تمامتر عاجل وفوری ہے۔ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ۔ سے صاف اشارہ اسی طرف ہو گیا کہ طول امل میں پڑے رہنا ہرگز مومن کے شایانِ شان نہیں۔ ف۴ (چنانچہ ان کافروں پر بھی فی الفور جو گرفت نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہی ہے کہ ابھی ان کا وقت موعود نہیں آیا ہے) ف۵ (جو پیمبری اور وحی کے دعوے کرتا ہے) الذِّكْرُ۔ ذکر کے لفظی معنی تو نصیحت کے ہیں، مگر الذکر اصطلاح قرآنی میں قرآن ہی کا ایک نام مقرر ہو چکا ہے۔ اے القرآن (روح) ف۶ ان کافروں نے فرط عناد سے بیخود ہو کر قرآن کے اصل دعوی ودلیل یعنی اس کے مضامین کی صداقت، اس کی تعلیمات کے معجز ہونے پر غور ہی نہیں کیا بلکہ لغو مطالبہ ہی پیش کر دیا کہ سچے پیمبر ہو تو بطور خارقِ عادت فرشتوں کو اپنے ساتھ لا کر ہمیں دکھا دو۔ ف۷ مطلب یہ ہوا کہ جس طریقہ پر یہ کافر فرمائش کر رہے ہیں، اس طرح فرمائشی نزول تو فرشتوں کا ہوتا ہی نہیں۔ فرشتے تو نافرمان قوموں پر اتمامِ حجت کے بعد عذاب ہی لے کر ان کی ہلاکت کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ اور ان پر اگر فرشتے نازل ہوتے، تو یہ لوگ تو معاً ہلاک ہی کر دیئے جاتے۔ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ یعنی کسی حکیمانہ مقصود کے ساتھ اور وہ مقصود آخر کار ان نافرمانوں کے حق میں عذاب ہی ہوتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں ان لوگوں پر رد ہے، جو ایسے شخص سے خوارق کے طالب رہتے ہیں، جس کی حقانیت پر دلائل صحیح قائم ہو چکے ہیں۔ ف۸ (کہ نہ آج مخالفین کے ہجوم شدید سے اسے مٹنے دیں گے، نہ قیامت تک اس کے کسی لفظ، کسی حرف کو کم ہونے دیں گے) قرآن کی جامعیت، اکملیت، ابلغیت وغیرہ سے قطع نظر اس کی محفوظیت کامل، اور پھر شروع ہی سے دھڑلے سے اس کا اعلان بجائے خود ایک معجز دلیل اس کے کلام الٰہی ہونے کی ہے۔ دنیا کے کتب خانے کسی دوسری کتاب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں، جو ساڑھے تیرہ سو سال سے، اپنے الفاظ، حروف نقوش سب کے لحاظ سے جوں کی توں چلی آ رہی ہو۔ میور، پامر، آرنلڈ وغیرہ مشاہیر فرنگ کی رائیں کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ حفاظ وغیرہ انسانی مدد سے قرآن کا محفوظ رہ جانا، یہ وعدہ حفاظت الٰہی کے منافی نہیں، عین اسی کا ذریعہ ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا۔ زور اور تاکید کے موقع پر متکلم کی تین تین ضمیریں اکٹھی لے آنا عربی اسلوب بلاغت کے عین مطابق ہے۔ اُردو میں اس مفہوم کو ادا کرنے کی وہی صورت ہے جو ترجمہ میں اختیار کی گئی۔ ثبوت ودلیل کا مرتبہ تو بعد کا ہے، مجرد یہ دعوٰی کہ یہ لفظ بہ لفظ کلام الٰہی ہے، آج روئے زمین میں کسی بھی دوسری کتاب کا نہیں۔ یہاں تک کہ توریت اور انجیل کا بھی نہیں۔ قرآن اس دعوٰی میں بالکل منفرد ہے۔ دوسری کتابوں سے متعلق دعوٰی زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ان کے اندر مغز و روح خدائی تعلیم کی آگئی ہے، باقی وہ مرتب کی ہوئی تمامتر انسانوں کی ہیں، اور ان کی عبارتیں صرف خاصانِ خدا کی لکھی ہوئی ہیں۔ ف۹ (اور اُن کی بھی برابر تکذیب ہی ہوتی رہی۔ سو آپ کی تکذیب پیمبروں کی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں)۔

رَسُولٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑪ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ

نہیں آیا کہ اس کے ساتھ انہوں نے تمسخر نہ کیا ہو اسی طرح یہ (استہزا) ہم (ان) مجرموں کے

فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ⑫ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ قَدْ

دلوں میں ڈالے دیتے ہیں (چنانچہ) یہ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لاتے (یہ) دستور

خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ⑬ وَ لَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا

پہلوں سے چلا آتا ہے ف۱۰ اگر ہم ان کے لئے کوئی دروازہ آسمان میں

مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ⑭ لَقَالُوْۤا اِنَّمَا

کھول دیں پھر یہ دن کے وقت اس میں سے چڑھ جائیں ف۱۱ تب بھی یہ بس یہی کہیں

سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ⑮ ع۱

کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی بلکہ ہم لوگوں پر تو (بالکل) جادو ہی کر دیا گیا ہے ف۱۲

وَ لَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا

اور بالیقین ہم نے آسمان میں بڑے ستارے بنائے اور اسے دیکھنے والوں کے لئے ان سے

لِلنّٰظِرِيْنَ ⑯ وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ

آراستہ کر دیا ف۱۳ اور ہم نے اسے ہر شیطان مردود سے محفوظ

رَّجِيْمٍ ⑰ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ

کر دیا ف۱۴ ہاں مگر کوئی بات چوری چھپے سن بھاگے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ

مُّبِيْنٌ ⑱ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ

ہو لیتا ہے ف۱۵ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اس میں بھاری پہاڑ ڈال دیئے

وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ⑲ وَجَعَلْنَا

اور اس میں ہر قسم کی چیز ایک معین مقدار سے اگائی ف۱۶ اور ہم نے اس میں

ف۱۰ ایک مخلص وہوا خواہ قوم مصلح جب اپنی شدید مخالفت ومزاحمت اُسی قوم کی طرف سے دیکھتا ہے جس کی ہوا خواہی میں وہ گھلا جاتا ہے تو طبعاً وہ دنگ اور حیران رہ جاتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ مصلح اعظم جو دنیا کے سارے مصلحوں سے بڑھ کر مخلص اور پیکر اخلاص وشفقت ہوا ہے! آپ کے دل پر اس وقت کیا کچھ گزر رہی ہوگی! قرآن کریم اسی لئے بار بار آپ کی تسکین وتشفی کے لئے تاریخی نظیروں پر توجہ دلاتا ہے۔ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ۔ یہ مجرموں کے دل میں استہزاء کا القاء بالکل اُسی طرح کا ہے، جیسے ہر معصیت، ہر فسق، ہر کفر کا القاء، نظام تکوینی میں مسبب الاسباب ہی کی طرف سے ہوتا رہتا ہے۔ نعوذ باللہ یہ مراد نہیں کہ یہ استہزا کسی درجہ میں بھی مطلوب ومقصود خداوندی ہے۔ ف۱۱ (آسمان پر) ظَلُّوْا کے معنی ہیں کہ کسی فعل کو روز روشن میں کیا۔ یعنی یہ خارق عادت عمل میں آئے، اور ہوش و بیداری کے عالم میں پوری روشنی میں عمل میں آئے نیند کی بیہوشی اور تاریکی وغیرہ سے شبہات کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ لا تقول العرب ظل یظل الا لکل عملٍ عمل بالنهار (کبیر) یعبر به عما یفعل بالنهار (راغب) مطلب یہ ہوا کہ یہ کافر معاند اگر اپنے فرمائشی معجزہ یعنی کافروں کے نزول زمینی سے کہیں بڑھے ہوئے خارق عادت یعنی اسرار وعجائب آسمانی کو بہ چشم خود جا کر دیکھ لیں۔ لَوْ فَتَحْنَا الخ۔ یہ سب باتیں بہ طور فرض کے کہی گئی ہیں، اور مخاطبین اول کے عام انسانی خیالات اور علمی تحقیقات کے مطابق کہی گئی ہیں۔ اس سے اس پر استدلال ہو سکتا ہے کہ آسمان واقعۃً بھی کوئی ٹھوس مادی جسم ہے، جس کے دروازے کھل سکتے ہیں، درست نہیں۔ ف۱۲ تو غرض یہ کہ ایک اسی فرمائشی معجزہ یعنی ملائکہ کے نزول آسمانی پر کیا موقوف ہے، کوئی سا بھی خارقِ عادت اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر بھی انہیں دکھا دیا جائے تو ان معاندوں کی زبانیں خاموش نہیں ہو سکتیں، یہ اس میں بھی کوئی نہ کوئی بات اعتراض وانکار کی اپنی کٹ حجتی سے پیدا کر لیں گے۔ ف۱۳ (کہ ان ستاروں کے باعث آسمان دیکھنے والوں کو خوشنما نظر آتا ہے) آیت میں اس کی تعلیم بھی مل گئی کہ یہ بڑے بڑے روشن اور چمک دار ستارے نہ کوئی دیوی دیوتا ہیں نہ خود آفریدہ ہیں۔ بلکہ تمام تر اللہ ہی کی مخلوق ہیں اور ان کے وجود سے مقصود تو آسمان کو ناظرین کی نظر میں خوشنما بنانا ہے۔ ف۱۴ (ان ستاروں کے ذریعہ سے کہ وہ شیاطین کی رسائی وہاں تک نہیں ہونے دیتے) ف۱۵ (اور اس کے اثر سے وہ شیطان ہلاک یا بدحواس ہو جاتا ہے) اہل سائنس کا یہ قول کہ فضا میں بڑے وزنی پتھر چکر کھایا کرتے ہیں، اور وہ ہوا سے رگڑ کھا کر روشن ہو جاتے ہیں، اور کہیں زمین پر ٹوٹ کر گر پڑتے ہیں، قرآن کی بتائی ہوئی حکمت کے ذرا بھی منافی نہیں۔ قرآن کو ان کی ترکیب، ساخت وغیرہ سے مطلق بحث نہیں۔ وہ تو اپنے موضوع کے اندر رہ کر صرف اتنا بیان کرتا ہے کہ ان سے کام شیطان کے بھگانے کا بھی لیا جاتا ہے:۔ ف۱۶ زمین کا بنانا، پھیلانا اس پر پہاڑوں کا قائم کرنا، زمین سے ہر نباتات ایک مقدار معین کے مطابق اگانا، یہ سب کام اسی خدائے واحد، قادر وحکیم کے ہیں۔ نہ یہ چیزیں خود بخود ہو گئی ہیں، نہ انہیں کسی دیوی دیوتا نے کیا ہے۔ وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ۔ یہ پہاڑ اس لئے قائم کر دیئے گئے ہیں کہ زمین ڈانواں ڈول نہ ہونے پائے، جیسا کہ ایک دوسری جگہ ہے رواسی ان تمید بکم۔ گویا پہاڑ حکمت تکوینی میں زمین کا لنگر بٹھائے رہنے کے لئے، اس کا توازن درست رکھنے کے لئے ہیں۔ قرآن صرف اسی قدر کہتا ہے۔ اس کے آگے زمین کی گردش سالانہ اس کی حرکت محوری وغیرہ دوسرے مسائل سے قرآن مجید کو نفیاً واثباتاً کوئی تعلق نہیں۔ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ اشارہ جنس نباتات کی جانب ہے۔

لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾

معاش کے سامان تمہارے لئے بھی بنائے اور ان کے لئے (بھی) جنہیں تم روزی نہیں دیتے و۱۷

وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَ مَا

اور جو چیز بھی ہے ہمارے پاس اس کے (خزانے کے) خزانے ہیں اور ہم اسے

نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَ اَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ

ایک مقدار معین ہی سے اتارتے رہتے ہیں و۱۸ اور ہم ہی پانی سے لدی ہوئی ہواؤں کو

لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ

بھیجتے ہیں پھر ہم ہی آسمانوں سے پانی برساتے ہیں پھر وہی (پانی) ہم تم کو پلاتے ہیں

وَ مَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ

اور تم اس کے جمع کر لینے والے نہ تھے و۱۹ اور ہم ہی، ہاں ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں

وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ

اور ہم ہی وارث رہیں گے و۲۰ اور بالیقین ہم تم میں سے اگلوں کو بھی خوب جانتے ہیں

مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ

اور بالیقین ہم پچھلوں کو بھی خوب جانتے ہیں و۲۱ اور بے شک آپ کا پروردگار ہی تو

هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا

انہیں (سب کو) جمع کرے گا، بے شک وہ حکمت والا ہے، علم والا ہے و۲۲ اور بالیقین ہم نے انسان کو

ع ۲/۲

الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ ۚ

لس دار گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا و۲۳

وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَ اِذْ

اور جن کو ہم اس کے قبل گرم آگ سے پیدا کر چکے تھے و۲۴ اور (یاد کرو وہ وقت) جب

و۱۷ یعنی زمین کے ذریعہ سے انسان کے علاوہ ان مخلوقات کو بھی سامانِ زیست بہم پہنچا دیا گیا، جو ظاہر میں بھی انسان کے واسطہ سے پرورش نہیں پاتیں۔ یہ سب قانونِ الوہیت کی ہمہ گیری کا بیان ہو رہا ہے۔ مَعَايِشَ کے تحت میں ماکولات، مشروبات، ملبوسات سب آ گئے، و۱۸ (حسب حکمت و مصلحت) اللہ کے ہاں کمی کس چیز کی ہو سکتی ہے؟ ہر چیز کا ظہور اپنی کیفیت وکمیت کے لحاظ سے بس قانونِ حکمت کے ماتحت ہی ہوتا رہتا ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ سے اشارہ مخلوق کی طرف سے ترکِ التفات کا ہو گیا۔ و۱۹ یعنی تم ایسے تو بنائے نہیں گئے ہو کہ پانی کے ذخیروں کو محفوظ کر کے ہمیشہ کے لیے بارش سے مستغنی ہو جاؤ۔ نہ تمہیں یہ قدرت کہ جب اور جہاں چاہو آسمان سے پانی برسا لو، نہ یہ اختیار کہ اگر کنوؤں اور چشموں کا پانی خشک کر دیا جائے، تو تم اپنے زور بازو سے نکال لو۔ اَرْسَلْنَا، اَنْزَلْنَا، اَنْبَتْنَا، سب میں اشارہ یہ ہے کہ یہ ہوا، بارش وغیرہ کے جتنے بھی کاروبار ہیں، سب ہماری اور محض ہماری ذات سے قائم ہیں۔ کسی دیوی دیوتا کے دخل کا کوئی شائبہ بھی نہیں۔ و۲۰ (سب کے فنا ہو جانے کے بعد) یہ نہیں کہ مخلوقات کی فنا کے ساتھ ہم بھی فنا ہو جائیں گے۔ بلکہ اور سب فنا ہو جائیں گے، اور صرف ہماری ذات بابرکات باقی رہ جائے گی۔ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ۔ یہاں یہ تاکید کے ساتھ تصریح کی ہے کہ ہوا، بارش وغیرہ کے انتظامات کے علاوہ زندگی اور موت بھی تمام تر ہمارے ہی ہاتھ میں ہے۔ نہ کوئی وشنو جی ہیں زندگی بخشنے والے اور قائم رکھنے والے، اور نہ کوئی شیو جی ہیں، ہلاک کرنے اور عمل فنا طاری کرنے والے۔ و۲۱ یعنی ہمارے علم کامل ومحیط میں کسی غلطی، نقص، خطا کا امکان ہی نہیں، نہ ماضی میں نہ مستقبل میں — پہلے صفت قدرت کاملہ کا اثبات ہو چکا، اب صفت علم کامل کا اثبات ہو رہا ہے۔ مشرک اور جاہلی قوموں کو صفاتِ باری میں ٹھوکریں سب سے زیادہ انہی دو صفات کے باب میں لگی ہیں۔ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ سے مراد وہ نسلیں ہیں جو گزر چکیں اور الْمُسْتَاْخِرِيْنَ سے مراد بعد کو آنے والی نسلیں ہیں۔ ای من مات ومن بقی (ابن جریر عن عکرمہ ومجاہد) ای من استقدم ولادۃ وموتا ومن تاخر من الاولین والاٰخرین (کشاف) بعض نے مستقدمین سے مراد نیکیوں میں سبقت کرنے والے اور مستاخرین سے مراد نیکیوں میں پیچھے رہ جانے والے لئے ہیں۔ من تقدم فی الاسلام وسبق الی الطاعۃ ومن تاخر (کشاف) و۲۲ چنانچہ وہ ہر شخص سے واقفیت بھی پوری اور جزئی وتفصیلی رکھتا ہے، اور سب سے معاملہ بھی بہ تقاضائے حکمت، عین انہی کے مناسب حال کرے گا۔ هُوَ يَحْشُرُهُمْ۔ یعنی قیامت کے دن سب کا حشر اللہ ہی کرے گا۔ یہ نہ ہوگا کہ اس دن فیصلہ کسی دیوتا، کسی اوتار، کسی ابن اللہ کے ہاتھ میں آ جائے! و۲۳ یعنی انسان اول کا پتلا اسی خشک مٹی سے بنایا، جو چٹکی مارنے سے کھن کھن آواز دیتی ہے، اور پھر اسی ابو البشر سے ساری نسل انسانی نکالی ہے۔ و۲۴ یعنی اسی آگ سے جو اجزاء دخانیہ وکثیفہ سے خالی ہیں اور اس لئے غایت لطافت سے مثل ہوا کے غیر مرئی تھے۔ الْجَآنَّ۔ جنات بھی بالکل انسانوں جیسے بے بس مخلوق ہیں۔ کوئی وصف ذرہ بھر بھی ان میں معبودیت کا موجود نہیں۔ فرق صرف مادہ کا ہے۔ انسان کی ترکیب مٹی سے ہوئی اور ان کی آگ یا ہوائی آگ سے۔ ان کی مخلوقیت اور عجز کو دکھانے ہی کے لئے قرآن مجید نے ان کا ذکر تخلیق انسانی کے ساتھ ساتھ کیا ہے۔ توریت میں اس موقع پر زمین پر ”خدا کے بیٹوں“ کے موجود ہونے کا ذکر ہے۔ نیز ایک اور مخلوق کا، جس کے لئے انگریزی ترجموں میں لفظ (GIANTS) کا آیا ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ ”جبار“ سے کیا گیا ہے۔ (پیدائش ۶: ۲، ۴) شستہ وبامحاورہ اردو میں انہیں دیوزاد، ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ”دلائل مختلفہ سے جنات کے متعلق یہ امور معلوم ہوتے ہیں آگ[۱] سے پیدا ہونا۔ توالد[۲] وتناسل ہونا۔ عادۃً[۳] ان کا نظر نہ آنا۔ مختلف[۴] اشکال میں ان کا متشکل ہو سکنا۔ مگر جن اشکال[۵] میں متشکل ہونے سے کوئی التباس مضر دین ہوتا ہو اس پر بہ حکمت الٰہی قادر نہ ہونا، اور جس[۶] میں التباس مضر دنیا ہوتا ہو اس پر کم قادر ہونا۔“ (تھانوی علیہ الرحمۃ)

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ
آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں پیدا کرنے والا ہوں بشر
صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ
لس دار گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے ف۲۵ سو جب میں اسے پورا بنا چکوں
وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾
اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا ف۲۶
فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِیْسَ
چنانچہ سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا (ہاں) مگر ابلیس نے (نہ کیا)
اَبٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ
اس نے انکار کیا اس سے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو، (اللہ نے) کہا اے ابلیس
مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ
تیرے لئے کیا باعث ہے اس کا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں ف۲۷ بولا میں وہ نہیں کہ
لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ
بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے لس دار گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے
مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۳۴﴾
پیدا کیا ہے ف۲۸ (اللہ نے) فرمایا تو تُو نکل اس (آسمان) سے، بے شک تو مردود ہو گیا ف۲۹
وَّ اِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ
اور بے شک تیرے اوپر روز قیامت تک لعنت رہے گی ف۳۰ بولا اے میرے پروردگار
فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ
تو پھر مجھے مہلت دے حشر کے دن تک ف۳۱ (اللہ نے) فرمایا اچھا تو تجھے

ف۲۵ یہ خطاب جب ملائکہ نوری سے ہوا، جو اعلیٰ مخلوق تھے، تو اس کے مخاطب جنات آتشیں تو بدرجۂ اولیٰ ہوئے، جو پست تر مخلوق تھے۔ سورۂ بقرہ رکوع ۴ کے حاشیے ملاحظہ کر لئے جائیں۔
ف۲۶ (اس کی تعظیم وتکریم کے لئے) سَوَّیْتُهٗ میں ضمیر مذکر واحد غائب بشر کے اسی خاکی پتلے کی طرف ہے۔ مِنْ رُّوْحِیْ۔ اللہ کا روح انسانی کی اضافت اپنی جانب کرنا، اس کے اظہار قدر ومنزلت کے لئے ہے۔ انما اضاف اللہ سبحانہٗ روح آدم الٰی نفسه تشریفًا له وتکریما (کبیر) اور اسی نفخ روح کا شاید نتیجہ ہے کہ روح انسانی میں خلافت الٰہی کی استعداد پیدا ہو گئی ہے۔ نَفَخْتُ۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ روح انسانی اگر جسم لطیف ہو، جیسا کہ عموماً متکلمین کا قول ہے، جب تو نفخ کے حقیقی ہی معنٰی مراد ہوں گے۔ یعنی جسم کے جن حصوں میں خلا ہو ان میں ہوا بھرنا۔ لیکن اسے غیر مادی جوہر مجرد تسلیم کیا جائے، تو نفخ سے استعارہ مطلق تعلق کا ہوگا۔ رُوْحِیْ۔ روح کو ہمارے محققین میں سے اکثر نے جسم ہی تسلیم کیا ہے، گویا جسم لطیف ہے۔ الروح جسم لطیف یحیٰ به الانسان (معالم) جمهور اهل السنة علٰی انها جسم لطیف یخالف الاجسام بالماهیة والصفة متصرف فی البدن حال فیه حلول الزیت فی الزیتون والٰی ذٰلک ذهب امام الحرمین (روح) لیکن بعض کی تحقیق میں (اور انہی میں حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ بھی ہیں) روح ایک جوہر مجرد ہے جو نہ جسم میں داخل ہے نہ اس سے خارج، نہ اس کے متصل نہ اس سے منفصل۔ هٰذا الروح عنده وکذا عند جماعة من المحققین لیس بجسم یحل البدن حلول الماء فی الاناء دخلًا ولا هو عرض یحل القلب او الدماغ حلول السود فی الاسود والعلم فی العالم بل هو جوهر مجرد لیس داخل البدن ولا خارجه ولا متصلًا به ولا منفصلاً عنه ولهم علٰی ذٰلک عدة ادلّة (روح) ف۲۷ یہ ابلیس جو بعد کو شیطان کے لقب سے مشہور ہو گیا، فرشتہ نوری نہیں، جن ناری تھا، جیسا کہ سورۂ کہف میں نص موجود ہے۔ وَكَانَ مِنَ الْجِنِّ۔ باقی عام قصہ آدم علیہ السلام وابلیس پر مفصل حاشیے سورۃ بقرہ رکوع ۴ میں گزر چکے:۔ ف۲۸ یعنی ایسے حقیر وذلیل مادہ سے بنی ہوئی مخلوق کو اور میں سجدہ کروں، جو نورانی مادہ آتش سے بنا ہوا ہوں! آتشی کہیں خاکی کے آگے، نورانی کہیں ظلماتی کے آگے جھک سکتا ہے؟— گویا مادۂ لطیف مادۂ کثیف سے افضل وبہتر ہر جہت واعتبار سے ہوتا ہے، اور افضل کو غیر افضل کے آگے کبھی اور کسی اعتبار سے بھی جھکنا غلط ہے! ابلیس کی ان باطل آرائیوں کی تردید سورۃ الاعراف کے حواشی میں پوری طرح ہو چکی ہے۔ لِاَسْجُدَ میں ل تاکید نفی ہے، یعنی ایسا کرنا ہرگز میرے لیے ممکن نہیں۔ اللام لتاکید النفی و معناه لا یصح منی و ینافی حالی و یستحیل ان اسجد لبشر (کشاف) ف۲۹ (اپنی اس ضد و نافرمانی کی بنا پر) ف۳۰ اور تو نہ راہِ راست پر آئے گا، نہ تجھے توفیق توبہ ہوگی) لعنت کے معنٰی اُوپر گزر چکے ہیں کہ رحمت سے مجبوری کے ہیں۔ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ 'قیامت تک' سے محاورہ میں مراد دوام ہوتی ہے۔ یہ مراد نہیں کہ قیام قیامت کے بعد ابلیس کی ملعونیت جاتی رہے گی۔ المراد منه التابید و ذکر القیامة ابعد غایة یذکرها الناس فی کلامهم (کبیر) اور محاورۂ زبان سے قطع نظر تو بھی ظاہر ہے کہ جو محل رحمت قیامت تک نہ ہو اُس کے لیے بعد قیامت محل رحمت ہونے کی گنجائش کیا ہے؟— دار الجزاء میں دار العمل کا صرف تکملہ ہی ہوتا ہے، نہ کہ اُس سے قطع نظر کر کے کسی جدید شے کی پیدائش۔ ف۳۱ (کہ اس درمیان میں جی بھر کر بدلہ آدم علیہ السلام اور اولادِ آدم سے لوں) یہ مہلت ابلیس نے موت اور عذاب سے مانگی تھی۔

الْمُنْظَرِيْنَ ۝٣٧ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝٣٨ قَالَ رَبِّ
مہلت ہے وقت معلوم کے دن تک ف۳۲ وہ بولا اے میرے پروردگار
بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ
چونکہ تونے مجھے بہکایا ہے میں بھی یقیناً ان کی نظر میں دنیا میں (معاصی کو) خوش نما بنا کر اور ان سب کو بہکا کر
اَجْمَعِيْنَ ۝٣٩ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝٤٠
کے رہوں گا بجز ان میں سے تیرے ان بندوں کے جو منتخب کر لئے گئے ہیں ف۳۳
قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۝٤١ اِنَّ عِبَادِيْ
(اللہ نے) فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے مجھ تک (پہنچنے والا) ف۳۴ بے شک میرے بندوں پر
لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ
تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا مگر ہاں بہکے ہوؤں میں سے جو بھی تیری پیروی
الْغٰوِيْنَ ۝٤٢ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٤٣
کرنے لگیں ف۳۵ اور بے شک جہنم ان سب کی وعدہ گاہ ہے ف۳۶
لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ
اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازہ کے لئے ان میں سے (وہاں کے) الگ الگ
مَّقْسُوْمٌ ۝٤٤ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝٤٥
حصے ہیں ف۳۷ بے شک پرہیزگار باغوں اور چشموں میں (بستے) ہوں گے
اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝٤٦ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ
تم داخل ہو ان میں سلامتی (اور) امن کے ساتھ ف۳۸ اور جو کچھ ان کے دلوں میں
صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ
کینہ ہوگا اسے ہم دور کر دیں گے ف۳۹ (سب) بھائی بھائی کی طرح رہیں گے آمنے سامنے

ف۳۲ یعنی جب تک اس عالم ناسوت کی عمر قائم ہے، تجھ پر گرفت نہ ہوگی ــ ابلیس کی ہستی یا قوت اگر باقی نہ رہے، تو اس عالم ابتلاء کی مصلحتیں ہی فوت ہو جائیں۔ لیکن یہ بھی خوب واضح رہے کہ ابلیس کے ہاتھ میں کوئی قوت جبر و استیلاء کی نہیں، صرف بہلانے، پھسلانے، سبز باغ دکھانے کی ہے۔ ف۳۳ (اور تو انہیں میرے اثر سے محفوظ رکھے گا، تو وہ تو بے شک میرے بہکانے میں نہ آئیں گے) آیت سے یہ مراد نہیں کہ شیطان نیک بندوں کو پھانسنے کی کوشش نہ کرے گا۔ جال تو وہ سب ہی پر پھینکتا ہے۔ البتہ مخلص بندوں کے باب میں زیادہ کامیاب نہیں ہو پاتا۔ لَهُمْ۔ یعنی آدم و حوا علیہما السلام اور اُن کی نسل کی نظر میں۔ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ اغوا اور اضلال کا یہ انتساب ذاتِ حق کی جانب جس حد تک بھی صحیح ہے، صرف تکوینی حیثیت سے یا علت العلل کے معنی میں ہے۔ بِمَا میں بائے سببیہ ہے۔ اے بسبب اغوائک ایای (روح) ف۳۴ وہ سیدھا راستہ ایمان و اطاعت و اعمال صالحہ کا ہے کہ اسی پر چل کر بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ آیت سے یہ بھی نکلتا ہے کہ جو کوئی راہ ہدایت پر چلنے کا واقعی قصد کرے، اُسے وہ راہ مل ضرور جاتی ہے۔ حق علیّ ان اراعیہ (بیضاوی) ف۳۵ سو کوئی شخص گناہ پر مجبور و مضطر ہرگز نہیں۔ توفیق الٰہی ساتھ جب ہی چھوڑتی ہے، جب انسان خود شیطان کی جانب میل قوی رکھنے لگتا ہے۔ شیطان کا منتہائے قوت بس یہ ہے کہ دم دلاسا خوب دلا لیتا ہے، انسان کو فوری لذتوں کی چاٹ خوب دلا دیتا ہے، بس اس کے آگے کچھ بھی نہیں۔ فان منتھی تزیینہ التحریض والتدلیس (بیضاوی) ابلیس کے قول میں ابھی گزرا تھا کہ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ حق تعالیٰ کے قول میں اب ارشاد ہو رہا ہے اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۔ مفسرین نے کلام کی اس ترتیب سے یہ نکتہ خوب نکالا ہے کہ جس کو جس چیز کا اہتمام ہوتا ہے وہ اسی کو مقدم رکھتا ہے چنانچہ ابلیس نے اغواء کو مقدم رکھا اور حق تعالیٰ نے مخلصین کی حفاظت کو۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ شیطان نے اوپر جو دعویٰ کر دیا ہے کہ میں لوگوں کو گمراہ کروں گا اور سبز باغ دکھاؤں گا تو اس سے یہ گمان پیدا ہو سکتا تھا کہ شیطان کو بھی کچھ قوت و اقتدار حاصل ہے۔ آیت میں اسی غلط عقیدہ کی تردید ہے اور اعلان ہے کہ شیطان کا زور کسی بندہ پر بھی نہیں، خواہ وہ برگزیدہ ہو یا غیر برگزیدہ۔ ہاں البتہ جو بندہ خود ہی شیطان کی راہ چلنے لگے تو اسے اختیار ہے۔ غرض اس آیت سے حق تعالیٰ نے خود شیطان کی بھی ممکن غلط فہمی دُور کر دی ہے الحاصل فی ھذا القول ان ابلیس اوھم ان لہ علٰی بعض عباد اللہ سلطانًا فَبَيَّنَ تعالٰی کذبہ فیہ و ذکر انہ لیس لہ علٰی احدٍ منھم سلطان ولا قدرۃ اصلًا (کبیر) ف۳۶ یعنی خود شیطان، اس کی ذریات اور اس کے پیروؤں کی وعدہ گاہ۔ قال ابن عباس یرید ابلیس و اشیاعہ ومن اتبعہ من الغاوین (کبیر) ف۳۷ (کہ کوئی کسی دروازہ سے جائے گا کوئی کسی سے) دروازوں کی یہ تعداد ممکن ہے کہ استحقاق عذاب کے لحاظ سے سات طبقوں کے اظہار کے لئے ہو۔ لان اھلھا سبع فرق (بیضاوی) اے سبعۃ اطباق (ابن جریر۔ عن عکرمہ) اے سبع طبقات ینزلونھا بحسب مراتبھم فی الغوایۃ والمتابعۃ (روح) یہ بھی ممکن ہے کہ محض خلود مراد ہو، اور اس سے مقصود دوزخ میں داخل ہونے والوں کی کثرتِ تعداد کا اظہار ہو۔ قیل المرادان لھا سبعۃ ابواب یدخلونھا لکثرتھم والاسراع بتعذیبھم (روح) یدخلون منھا لکثرتھم (بیضاوی) ف۳۸ یعنی اہل ایمان سے ارشاد ہوگا کہ تمہیں اس وقت بھی ہر مکروہ سے سلامتی ہے اور آئندہ بھی کسی شر کا اندیشہ نہیں۔ متقین۔ متقی سے یہاں مراد وہ لوگ نہیں، جو جمیع معاصی صغیر و کبیر سے بچ رہے ہوں (جیسا کہ معتزلہ نے سمجھا ہے) بلکہ صرف شرک و کفر سے بچنے والے مقصود ہیں۔ وھو قول جمھور الصحابۃ والتابعین وھو المنقول عن ابن عباس ان المراد الذین اتقوا الشرک باللہ تعالٰی والکفر بہ واقول ھذا القول ھو الحق الصحیح (کبیر) یتناول جمیع القائلین بلا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ قولًا واعتقادًا سواء کانوا من اھل الطاعۃ او من اھل المعصیۃ (کبیر) ف۳۹ یعنی دنیا میں خود ان متقین میں باہم جو کچھ کینہ و کدورت طبعی اسباب سے ہوگی، اسے بھی قدرت الٰہی آخرت میں یک قلم محو کر دے گی، جس سے سب اہل جنت ایک دوسرے کی طرف سے بالکل صاف ہو کر آپس میں شیر و شکر ہو کر رہیں گے۔ اہل حق کے درمیان اگر طبعی اسباب سے ایک دوسرے کے خلاف بدگمانیاں، غلط فہمیاں اور ناگواریاں پیدا ہو جائیں۔ تو یہ تقویٰ کے ذرا بھی منافی نہیں۔ جیسا کہ بعض اہل غلو نے سمجھ رکھا ہے۔

مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ

تختوں پر ف۴۰ اس کے اندر ان کو کوئی تکلیف چھوئے گی ہی نہیں، اور نہ وہ اس میں سے

مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا

(کبھی) نکالے جائیں گے ف۴۱ میرے بندوں کو خبر کر دیجیے کہ میں یقیناً

الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ لا وَ اَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ

بڑا مغفرت والا ہوں، بڑا رحمت والا ہوں اور یہ کہ میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب

الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ وَ نَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ

ہے ف۴۲ اور انہیں ابراہیمؑ کے مہمانوں (کے قصہ) کی خبر کر دیجیے ف۴۳ جب کہ

دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ط قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ

وہ ان کے پاس آئے اور کہا (تم پر) سلام ہو (ابراہیمؑ) بولے ہم کو تم سے

وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ

ڈر لگ رہا ہے ف۴۴ (فرشتے) بولے کہ آپ ڈریے نہیں ہم آپ کو بشارت ایک صاحب علم فرزند کی

عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ

دیتے ہیں، ف۴۵ (ابراہیمؑ نے) کہا کیا تم مجھے بشارت اس حال میں دیتے ہو کہ مجھ پر بڑھاپا آچکا سو

تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ

بشارت کس چیز کی دیتے ہو ف۴۶ وہ بولے ہم آپ کو امر واقعی کی بشارت دیتے ہیں سو آپ

الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَ مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا

ناامید نہ ہوں ف۴۷ (ابراہیمؑ نے) کہا کہ اپنے پروردگار کی رحمت سے ناامید ہوتا ہی کون ہے

الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾

بجز گمراہوں کے ف۴۸ (پھر ابراہیمؑ نے) کہا اب تم کو کیا مہم درپیش ہے اے (اللہ کے) فرستادو! ف۴۹

وقف لازم

ف۴۰ یعنی آپس میں مجالست ومخالطت غایت الفت ومحبت کے ساتھ رکھیں گے۔ ف۴۱ اس میں یہ بتایا کہ جنت کی نعمتیں صرف کامل واکمل ہی نہ ہوں گی بلکہ دائم وقائم بھی ——اس عالم ناسوت میں مداومت عیش کا ایک ضمیمہ تعب یا خستگی بھی ہے۔عیش جنت کے لئے تصریح سے بتا دیا گیا کہ وہاں دوام کے باوجود تکان مطلق نہ ہوگا۔ ف۴۲ مومن کی شان جو حدیث میں بتائی گئی ہے کہ اس کا قلب ہمیشہ بیم ورجا، خوف وامید کے درمیان رہتا ہے، اس کی بنیاد انہی صفاتِ الٰہی پر ہے—بندہ جب خدائے آمرزگار کی رحمت بیکراں اور مغفرتِ بے پایاں پر نظر کرتا ہے، تو اسے ہر طرف امید ہی امید نظر آتی ہے۔ لیکن جب نظر اپنی کوتاہیوں، لغزشوں، خطاؤں کی طرف جاتی ہے، تو قلب کا خشیت الٰہی سے تھرا جانا بھی بالکل قدرتی اور صحیح ہے۔عبادی میں بندوں کی اضافت اللہ کی طرف ان کی انتہائی قدرومنزلت کے لئے ہے۔ اضاف العباد الٰی نفسہ ھٰذا تشریف عظیم (کبیر) اس عموم بشارت کے تحت میں مومن متقی کے ساتھ مومن عاصی بھی آ جاتا ہے۔ نَبِّئْ کل من کان معترفا بعبودیتی وھٰذا کما یدخل فیہ المؤمن المطیع فکذٰلک یدخل فیہ المومن العاصی (کبیر) اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ رحمت ومغفرت پر زور وتاکید کے یہاں تین تین طریقے جمع کر دیئے ہیں۔ایک اَنِّيْٓ دوسرے انا تیسرے ال غفور ورحیم پر۔ لمّا ذکر الرحمۃ والمغفرۃ بالغ فی التاکید بالفاظ ثلاثۃ اولھا قولہ انی وثانیھا قولہ انا وثالثھا ادخال حرف الالف واللام علٰی قولہ الغفور الرحیم (کبیر) ف۴۳ سورۂ ہود (پ ۱۲) میں اس قصہ پر حاشیے گزر چکے۔ ف۴۴ (کہ تم جو میرا پیش کیا ہوا ماحضر قبول نہیں کرتے ہو، تو کہیں دشمنی کے ارادہ سے تو نہیں آئے ہو) عرب، عراق وشام کی قدیم تہذیب ومعاشرت میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ ڈاکو، چور یا غارتگر جب کسی کی مہمانی قبول کر لیتے تھے تو پھر اس کے بعد اسے نقصان نہیں پہنچاتے تھے۔ اور اجنبیوں اور مسافروں کے لباس میں اکثر یہی غارتگر ہی چھپے ہوتے تھے۔اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ان نوواردوں کی مہمانی کرنی چاہی، اور انہوں نے اس کے قبول کرنے میں تامل کیا، تو قدرۃً آپؑ کا ذہن اس طرف منتقل ہوا، کہ کہیں یہ کوئی جرائم پیشہ تو نہیں —— حضرت علیہ السلام ان انسانی قالب میں آنے والے فرشتوں کو اب تک انسان ہی سمجھ رہے تھے —— پیمبری کا کوئی جزو غیب دانی ہرگز نہیں۔ حاشیے پہلے بھی گزر چکے ہیں۔ ف۴۵ مراد حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں، آپ نبی تھے اور اس لئے ظاہر ہے کہ بڑے صاحب علم بھی تھے۔ لَا تَوْجَلْ یعنی ہم سے پریشان نہ ہوجیے۔ ہم انسان نہیں فرشتے ہیں۔ ف۴۶ آپؑ کا مطلب تھا کہ یہ امر آثار وعلامات ظاہری اور اسباب عادی کے لحاظ سے تو مستبعد ہے۔ یہ مطلب نہ تھا کہ اللہ کی قدرت سے بعید ہے۔ ف۴۷ یعنی اسباب عادی وظاہری پر نظر نہ کیجیے، ہم تو خالق کائنات کی طرف سے آپ کو خوشخبری سنا رہے ہیں۔ ف۴۸ قرآن مجید کی تعلیم رجائیت سے بھری پڑی ہے اور یاس وناامیدی کی جڑ کاٹ رہی ہے۔ اسلام کی اس بنیادی حقیقت کا راز دان ابراہیم خلیل علیہ السلام سے بڑھ کر اور ہو کون سکتا تھا چنانچہ آپ نے اسی کا یہاں اظہار کیا ہے۔ ف۴۹ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ان آنے والوں کے فرشتے ہونے کا علم ہو گیا تو آپؑ فراست نبوت سے یہ بھی سمجھے کہ ضرور ان کی تعیناتی محض اتنی بشارت کے لیے نہیں بلکہ کسی اور اہم مقصد کے لئے ہوئی ہے۔ خطب کہتے ہیں مقصد اہم کو "مشن" کو۔ الخطب الامر العظیم الذی یکثر فیہ التخاطب (راغب)

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ

وہ بولے ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں بجز

لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ

خاندان لوطؑ کے کہ ہم ان سب کو بچالیں گے ف۵۰ بجز ان کی بیوی کے کہ اس کی نسبت ہم نے

قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ

تجویز کررکھا ہے کہ وہ ضرور پیچھے رہ جانے والوں میں رہے گی، ف۵۱ پھر جب وہ فرستادے لوطؑ کے گھرانے

الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا

میں آئے تو (لوطؑ نے) کہا کہ تم تو اجنبی قوم کے لوگ (معلوم ہوتے) ہو ف۵۲ وہ بولے

بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَ اَتَيْنٰكَ

نہیں، بلکہ ہم تو آپ کے پاس وہ لے کر آئے ہیں جس کے باب میں یہ شک کیا کرتے تھے ف۵۳ اور ہم آپ

بِالْحَقِّ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ

کے پاس یقینی ہونے والی چیز لے کر آئے ہیں، اور بے شک ہم بالکل سچے ہیں سو آپ رات کے کسی حصہ میں

مِّنَ الَّيْلِ وَ اتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ

اپنے گھر والوں کو لے کر چلے جایئے اور آپ اُن کے پیچھے پیچھے چلیے اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے

وَّ امْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ

اور جہاں کا حکم تمہیں ملا ہے (سب) اسی طرف چلے جاؤ ف۵۴ اور ہم نے لوط کے پاس (اپنا) یہ فیصلہ

ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾

بھیج دیا کہ صبح ہوتے ان لوگوں کی جڑ ہی (بالکل) کٹ جائے گی ف۵۵

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ

اور شہر کے لوگ خوشیاں کرتے ہوئے آئے ف۵۶ (لوطؑ نے) کہا

ع ۱۲ / ۴

ف۵۰ (عذاب وہلاکت سے، اور انہیں سزا پانے والے مجرموں سے الگ کر دیں گے) قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ۔ یعنی لوط پیمبر علیہ السلام کی امت۔ حاشیے اوپر گزر چکے ہیں۔ ف۵۱ (اس قوم معذب کے ساتھ۔ اور انہی لوگوں کے ساتھ ہلاک ہو گی) حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ تھی، اور یہ ضرور نہیں کہ آپؑ کو اس کا علم بھی ہو۔ قَدَّرْنَا۔ اس تجویز کے عمل کو فرشتوں نے منسوب اپنی جانب کیا، حالانکہ یہ فعل براہ راست حق تعالیٰ کا تھا — یہ نسبت مجازی عجب نہیں جو فرشتوں کے مرتبۂ قرب واختصاص کے اظہار کے لئے ہو:۔ ف۵۲ (اور ہمارے ملک کا دستور ہے کہ بیرونیوں اور پردیسیوں سے ہر طرح کی شرارت وبدسلوکی کرتے رہتے ہیں) ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ف۵۳ یعنی عذاب وہلاکت بل میں یہ سارا مضمون آگیا کہ ہم انسان ہیں ہی نہیں، بلکہ فرشتے ہیں۔ ف۵۴ یعنی ملک شام ہی کے کسی دوسرے شہر کی طرف۔ توریت میں اس شہر کا نام ضُغر بتایا گیا ہے (پیدائش ۱۹: ۲۲)۔ موجودہ جغرافیہ میں تو کوئی شہر اس نام کا نہیں ملتا۔ لیکن بائبل کے علماء کا خیال ہے کہ یہ شہر بحر مردہ کے جنوبی ساحل پر واقع تھا۔ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ۔ یعنی اپنے گھر والوں کو راتی رات نکال لے جایئے، ایسا کہ کوئی رہ نہ جائے۔ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ۔ یعنی بس سیدھے ان کا پیچھا لئے رہیے۔ یہ نہ ہو کہ کوئی راستہ سے پلٹ آئے۔ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ۔ یعنی یہ بھی نہ ہو کہ آپ لوگوں میں سے کوئی پیچھے پھر پھر کر دیکھے۔ ف۵۵ یعنی صبح تڑکے سے ان بدبختوں پر عذاب ہلاکت نازل ہونا شروع ہو جائے گا۔ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ۔ یہ فیصلۂ خداوندی حضرت علیہ السلام کے پاس انہی فرشتوں کے ذریعہ سے پہنچا۔ امام رازی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ آیت میں پہلے اس فیصلہ کو مبہم رکھنا، اور پھر خود ہی اس کی تفصیل کر دینا اس فیصلہ کی اہمیت وعظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ **وفی ابهامه اولاً وتفسيره ثانياً تفخيم للامر وتعظيم له** (کبیر) ف۵۶ (یہ سمجھ کر کہ آج خوب شکار ہاتھ آیا) اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ۔ یعنی شہر سدوم والے۔ يَسْتَبْشِرُوْنَ۔ مسرت حیوانی وشیطانی اس کی تھی کہ اپنی گندہ مذاقی کی تسکین جی بھر کر ہو سکے گی۔

هٰٓؤُلَآءِ ضَيۡفِيۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ ﴿۶۸﴾ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا

یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھے (عام لوگوں میں) فضیحت تو مت کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھے (مہمانوں کی نظر

تُخۡزُوۡنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ نَنۡهَكَ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ

میں) رسوا مت کرو، وے۵ وہ بولے کیا ہم نے تم کو دنیا بھر کے لوگوں سے منع نہیں کر دیا تھا؟ وہ۵۸ (لوطؑ نے)

هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيۡۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِيۡ

کہا یہ میری بیٹیاں بھی تو موجود ہیں اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے و۵۹ آپ کی جان کی قسم وہ اپنی

سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ

مدہوشی میں (بالکل) بہکے ہوئے تھے و۶۰ پس سورج نکلتے نکلتے انہیں ایک سخت آواز نے

مُشۡرِقِيۡنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمۡطَرۡنَا

پکڑ لیا و۶۱ چنانچہ ہم نے اس (بستی) کا اوپر کا تختہ نیچے کر دیا اور ان لوگوں پر

عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

کھنگر کے پتھر برسا دیئے و۶۲ بے شک اس (واقعہ) میں اہل بصیرت کے لئے

لِّلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ ﴿۷۵﴾ وَ اِنَّهَا لَبِسَبِيۡلٍ مُّقِيۡمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيۡ

نشانیاں ہیں و۶۳ اور وہ (بستی) تو ایک آباد راستہ پر (ملتی) ہے و۶۴ بیشک اس (واقعہ)

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۷۷﴾ وَاِنۡ كَانَ اَصۡحٰبُ

کے اندر ایمان والوں کے لئے نشانی ہے و۶۵ اور بے شک بن والے بھی

الۡاَيۡكَةِ لَظٰلِمِيۡنَ ﴿۷۸﴾ فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ ۘ وَ اِنَّهُمَا

(بڑے) ظالم تھے و۶۶ سو ہم نے انہیں بھی ٹھیک کر دیا، اور دونوں بستیاں

لَبِاِمَامٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۷۹﴾ وَ لَقَدۡ كَذَّبَ اَصۡحٰبُ الۡحِجۡرِ

شاہراہ پر (واقع) ہیں و۶۷ اور بالیقین حجر والوں نے (بھی ہمارے) فرستادوں کو

وقف لازم — ع ۵ / ۱۹

و۵۷ حضرت لوطؑ ہر ہر طرح اپنی قوم والوں کو سمجھا رہے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ نووارد تو میرے مہمان ہیں، ان کی تم نے بے عزتی کی تو پہلے میری ہی عزت اتار لی۔ میں تو تمہاری بستی کا ہوں، میری ہی طرف دیکھو، کبھی فرماتے کہ ذرا اپنے دل میں خوف خدا لاؤ اور سوچو تو سہی کہ کیسی گندہ حرکتوں میں مبتلا ہو، اور کبھی ارشاد فرماتے، کہ اپنے والوں کا خیال نہیں ہے تو نہ سہی، کم سے کم میرے مہمانوں کی نظر میں تو مجھے حقیر ورسوا نہ ٹھیراؤ۔ و۵۸ (کہ اجنبیوں اور پردیسیوں کے ٹھیرانے کے ہم روادار نہیں۔ سو تم نے خود ہی ہماری اس مخالفت کی پروا نہ کر کے اور مہمانوں کو ٹھہرا کر اپنے ہاتھوں اپنی رسوائی کرائی!) کسی پہلے حاشیہ میں آچکا ہے کہ قوم لوط والے باہر والوں کو اپنے ہاں آنے ہی نہیں دینا چاہتے تھے اور اگر وہ آجاتے تو ان سے ہر طرح کی بیہودگی کے ساتھ پیش آتے — جو اس وقت کی شریفانہ تہذیب ومعاشرت اور آئین مہمانی کے قطعاً منافی تھا:۔ و۵۹ بنات (بیٹیوں) پر حاشیہ سورۂ ہود (پ ۱۲) میں گزر چکا۔ اہل اُمت کی بیٹیاں خود رسول اُمت کے لئے بہ منزلہ بیٹیوں ہی کے ہوتی ہیں۔ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ۔ یعنی اگر تم میری بات ماننے پر، عقل وشرافت کے مقتضا پر عمل کرنے کو تیار ہو — قدرۃً آپ کو بہت شک تھا کہ وہ آبرو باختہ لوگ آپ کی نصیحت پر عمل کریں گے بھی؟۔ و۶۰ (اور جذباتِ سفلی کی بدمستی میں کوئی بات عقل وفہم کی کیوں سننے لگے تھے) لَعَمۡرُكَ۔ عمر اور عُمر عربی میں ہم معنی ہیں۔ لیکن قسم کھانے کے موقع پر عمر ہی آتا ہے۔ العَمر والعُمر واحد لكن خص القسم بالعَمردون العُمر (راغب) العمر بالضم والفتح البقاء الا ان الفتح غلب في القسم ولا يجوز فيه الضم (ابوالبقاء) ل قسم کا ہے۔ عربی اسلوبِ بلاغت میں قسم ایک ادبی صنعت وفنکاری ہے۔ اور بہترین ادیب وشاعر اس سے حسب موقع آزادی سے کام لیتا رہتا ہے — یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی قسمیں مذاقِ عرب پر بالکل گراں نہیں گزریں۔ اور جو اہل زبان مخالفت میں غرق اور اعتراض ونکتہ چینی کے لئے تلے ہوئے بیٹھے رہتے تھے ان میں سے بھی کسی نے یہ نہ پوچھا کہ خدا کے کلام میں یہ مخلوقات کی قسمیں کیسی؟ اور قسموں کے فلسفہ یا ان کی توجیہاتِ عقلی پر توجہ صرف عجمی اور ہندی اہل علم نے شروع کی۔ اس بحث پر تفصیلی نظر کے لئے سورۂ ہذا کا ضمیمہ "قرآنی قسمیں" ملاحظہ ہو۔ باقی یہاں رسول اسلام ﷺ کی زندگی کی صداقت اور پاکیزگی کو جو کافروں کو بھی مسلم تھی، بہ طور گواہ پیش کیا جا رہا ہے، اور یہی مقصد قسم کا ہوتا ہے۔ اصل قصہ کے درمیان یہ اتنا جزو براہ راست رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے، اور یہ طریقہ عین خطبات عرب کے موافق ہے۔ و۶۱ گویا جو کام فجر کے وقت شروع ہوا تھا، جیسا کہ آیت ۶۶ میں لفظ مصبحین سے واضح ہے، وہ وقت اشراق تک اپنی تکمیل کو پہنچ گیا۔ توریت میں ہے:۔ "جس وقت لوط ضغر میں داخل ہوا سورج کی روشنی زمین پر پھیلی" (پیدائش ۱۹: ۲۳) و۶۲ اور تاریخ آج تک ان کی اس ہلاکت وبربادی پر گواہ ہے۔ توریت میں ہے:۔ "تب خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ خداوند کی طرف سے آسمان پر سے برسائی اور اس نے ان شہروں کو اور اس سارے میدان کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اگا تھا نیست کیا۔" (پیدائش ۱۹: ۲۴، ۲۵)۔ و۶۳ (اللہ کی قدرت وحاکمیت کی، اور بدی کی مکافات کی) لِلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ۔ وسم وتوسّم کے معنی فراست وفہم کے ہیں۔ وهذا التوسّم هو الذى سماه قوم الزكانة وقوم الفراسة وقوم الفطنة (راغب) اور متوسمین وہ لوگ ہیں جو نصیحت قبول کریں اور اہل عبرت وعرفان میں سے ہوں۔ اے للمعتبرين العارفين المتعظين (راغب) اے للمتفرسين المتاملين (کشاف) و۶۴ یعنی عرب وشام کے درمیان خوب چلتے ہوئے راستہ پر — سدوم وعمورہ کے برباد شدہ شہر، بحر لوط یا بحر مردہ کے کنارے عین اسی راستہ پر واقع تھے، جس پر حجاز وشام کے درمیان قافلے برابر آتے جاتے رہتے تھے، اور جس سے قرآن مجید کے مخاطبین اولِ، اہل عرب خوب واقف ومانوس تھے۔ مُقِيۡمٍ وہ راستہ ہے جو خوب چلتا ہوا ہو۔ ثابت يسلكه الناس (کشاف) وَ اِنَّهَا۔ ضمیر ھا شہر قوم لوطؑ کی جانب ہے۔ الضمير عائد الى مدينة قوم لوط (کبیر) و۶۵ (کہ وہ اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ اور اسے بخت واتفاق یا اسباب طبعی پر محمول نہیں کرتے) و۶۶ (جو مدین سے متصل رہتے تھے اور حضرت شعیبؑ ہی کی امت میں تھے) اَصۡحٰبُ الۡاَيۡكَةِ۔ نولڈیکی وغیرہ اہل فرنگ نے اصحاب ایکہ کو اصحاب مدین ہی قرار دیا ہے۔ ہمارے ائمہ تفسیر کے ہاں یہ دو قومیں الگ الگ تھیں گو متقارب، لیکن بعض اقوال ہمارے ہاں بھی ایسے ملتے ہیں کہ ان دو ناموں کی قومیں دو تھیں۔ ایک ہی نہیں۔ وهم قوم شعيب عليه السلام (مدارک) اِنَّ اور ل دونوں تاکید کے لئے ہیں۔ و۶۷ (جن سے اہل عرب کے قافلہ اکثر گزرتے رہتے ہیں) اِنَّهُمَا۔ دونوں بستیاں، یعنی قوم لوط اور اصحب الایکہ کی بستیاں۔ یعنی قرى قوم لوط والايكة (کشاف) لَبِاِمَامٍ مُّبِيۡنٍ۔ امام کہتے ہیں وسیع راستہ یا شاہراہ کو۔ اور طریق کو امام عجب نہیں کہ اس لیے کہا گیا ہو کہ اس کا اتباع کیا جاتا ہے۔ الامام الطريق الواسع (تاج) قال الفراء جعل الطريق اماماً لانه يؤمّ و يتبع (تاج) الامام اسم لما يؤتم به فسمي به الطريق (کشاف)

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا

جھٹلایا ف۶۸ اور ہم نے ان کو اپنی (طرف سے) نشانیاں دیں، پر وہ ان سے روگردانی ہی

مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ

کرتے رہے ف۶۹ اور وہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے

بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ

کہ (ان میں) امن چین سے رہیں ف۷۰ سو ان کو صبح کے وقت آواز سخت نے

مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

آ پکڑا ف۷۱ سو جو کچھ انہوں نے حاصل کر رکھا تھا

يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

ان کے کچھ کام نہ آیا ف۷۲ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے

وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ

درمیان ہے بے مقصد نہیں پیدا کر دیا ہے اور قیامت ضرور آنے والی ہے،

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿٨٥﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

پس آپ خوبی کے ساتھ درگزر کیجیے ف۷۳ بے شک آپ کا پروردگار تو

الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٦﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ

خالق اعظم ہے، بڑا علم والا ہے ف۷۴ اور بالیقین ہم نے آپ کو (وہ) سات (آیتیں) دیں (جو) مکرر (پڑھی

وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿٨٧﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا

جاتی ہیں) اور قرآن عظیم (دیا) ہے ف۷۵ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی ان چیزوں کو نہ دیکھیے جو ہم نے

مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ

ان (کافروں کی) مختلف قسموں کو دے رکھی ہیں ف۷۶ اور نہ ان لوگوں پر غم کیجیے

ف۶۸ الحجر۔ شمالی عرب اور شام کے درمیان کا علاقہ کہلاتا ہے۔ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی امت قوم ثمود کا مسکن تھا۔ شام سے مدینہ کو آنے لگئے تو سب سے پہلے ارض لوط علیہ السلام پڑے گی، پھر سر زمین شعیب علیہ السلام (مدین) ملے گی اور سب سے آخر میں علاقہ حجر یا مسکن قوم ثمود۔ تینوں عبرت انگیز خطے باہم متصل ہیں۔ اور شاید اسی مناسبت سے تینوں کا ذکر بھی یہاں ایک ساتھ ہے۔ الْمُرْسَلِيْنَ کے صیغۂ جمع سے متعلق امام رازی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے یہ قوم ہندی برہموں کی طرح کل سلسلۂ رسالت ہی کی منکر ہو۔ لعل القوم کانوا براهمة منکرین لکل الرسل (کبیر) ف۶۹ یعنی ہمارے رسولوں نے معجزات ودلائل ہر طرح کے پیش کر کر کے انہیں راہِ راست پر لانا چاہا، لیکن وہ برابر ہٹ اور انکار ہی پر قائم رہے:۔ ف۷۰ (ہر قسم کی سختیوں اور تکلیفوں سے محفوظ ہو کر) قوم ثمود بڑی صناع قوم تھی۔ ہر قسم کے انجینئر اور ماہرین ریاضیات وتعمیرات ان میں موجود تھے۔ قوم ثمود پر حاشیے سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔ ف۷۱ (اور ساری قوم زلزلہ سے ہلاک ہو کر رہ گئی) ف۷۲ یعنی ان کے دنیوی علوم وفنون، ان کی ہنرمندی اور صناعیاں، ان کی ہندسہ دانی اور انجینئری، کوئی چیز بھی انہیں خدائی قانون کی گرفت سے پناہ نہ دے سکی۔ ف۷۳ (ان کی شرارتوں سے۔ اور ان کا فیصلہ ہمارے اوپر حشر میں چھوڑے رہیے) اب خطاب درمیان میں پھر براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہو گیا ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا ...... بِالْحَقِّ۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ یہ عقلوں کو دنگ کر دینے والا اور دماغوں کو چکر میں لے آنے والا عظیم الشان نظام کائنات، آسمان وزمین، سورج اور چاند، یوں ہی بے مقصد اور خود بخود نہیں، یہ سب ایک حکیمانہ نظم کے ماتحت ایک متعین مقصود کی طرف لے جانے والا ہے۔ اور وہ منزل آخرت کی ہے جب سب کا حساب کتاب، امتحان یقینی ہے۔ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ۔ یعنی ان سب کے آخری فیصلہ کا دن آ رہا ہے، آپ ان کے عناد ومخالفت سے زیادہ غم میں نہ پڑیے۔ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ۔ صفح (درگزر) یہ کہ غم وتردد میں نہ پڑا جائے۔ اور اس کی خوبی (الصفح الجمیل) یہ کہ شکوہ وشکایت بھی نہ کیا جائے۔ ف۷۴ (جس کے احاطہ علم سے نہ آپ کا صبر وتحمل باہر رہ سکتا ہے نہ ان معاندین کی شقاوتیں اور شرارتیں) الْخَلّٰقُ۔ جزو وکل، صغیر وکبیر، جوہر وعرض، سب ہی کا خالق۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی وجود ہو اور وہ وجود اپنی تخلیق میں اس سے بے نیاز ہو۔ اس قسم کے تمام صفات کے اثبات سے ایک مقصود اہل شرک کے شرک فی الصفات کی تردید ہوتی ہے ف۷۵ (تو جب اتنی بڑی نعمت آپ کو مل چکی ہے، تو بس ہمارے ہی لطف وعنایت پر نظر رکھیے، اور کافروں کا جو معاملہ آپ کے ساتھ ہے اسے خیال میں بھی نہ لائیے) سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ۔ یعنی وہ سات آیتیں جو بار بار نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ مراد سورۃ الفاتحہ ہے۔ جو حقیقۃً اپنی عظمت واہمیت خصوصی کے لحاظ سے مستحق اسی کی تھی کہ اس کا ذکر مستقلاً بھی کیا جائے۔ سبع المثانی کی تفسیر سورۃ الفاتحہ سے حدیث صحیح میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید الخدری کی روایتوں سے اور عینی کی عمدۃ القاری میں یہی قول صحابیوں میں حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اور تابعین میں حسن بصری اور مجاہد اور قتادہ اور ربیع اور کلبی کا نقل ہوا ہے۔ ائمہ تفسیر بھی کثرت سے اسی طرف گئے ہیں۔ وھو قول اکثر المفسرین انه فاتحة الکتٰب وھو قول عمر وعلی وابن مسعود و ابی ھریرة والحسن وابی العالیة ومجاھد والضحاک وسعید بن جبیر و قتادة وروی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ الفاتحة وقال ھی السبع المثانی رواه ابوھریرة (کبیر) مِّنَ الْمَثَانِيْ۔ من تبعیض کے لئے بھی ہو سکتا ہے، اور محض بہ طور صلہ کے بھی کام دے سکتا ہے۔ قال الزجاج فیھا وجھان احدھما ان تکون للتبعیض من القرآن و یجوزان تکون من صلة والمعنی اتیناک سبعا ھی المثانی (کبیر) ف۷۶ (اور عنقریب اُن سے جدا کرلی جائیں گی) یہ چندروزہ عیش (اور وہ بھی تلخیوں سے ملا ہوا) چیز ہی کونسی ایسی ہے، جسے ایک دولت عظیم سمجھا جائے؟ مَتَّعْنَا بِهٖ۔ صاف اشارہ اِدھر ہو گیا کہ یہ کافر ان نعمتوں کے کہیں مالک تھوڑے ہی کر دیئے گئے ہیں۔ یہ تو سرتاسر عارضی اور فانی چیزیں انہیں مستعار عنایت ہوئی ہیں۔ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ کافروں کی مختلف قسمیں۔ یہود، نصرانی، مجوس، مشرکین وغیرہا۔ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ظاہری نعمتوں پر شوق والتفات کی نظریں تو ڈال سکتے ہی نہ تھے۔ البتہ یہ ہو سکتا تھا کہ آپ بغض فی اللہ کے ماتحت غصہ سے نظر فرماتے کہ یہ دشمنانِ خدا اور ایسی نعمتوں سے لذت یاب ہوں! دوسری صورت رنج وتاسف کے نقطۂ نظر سے ممکن تھی کہ کہیں یہی چیزیں تو انہیں ایمان سے مانع نہیں ہو رہی ہیں، یہ ان کے پاس سے ہٹ جائیں تو ممکن تھا کہ یہ ایمان لے آتے! — آیت میں آپ کو غیظ وغم کی ان دونوں صورتوں سے نظر کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔

وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلۡ اِنِّىۡۤ اَنَا

اور ایمان والوں کے لئے اپنے بازو جھکائے رکھیے و۷۷ اور کہیے کہ میں تو

النَّذِيۡرُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۸۹﴾ كَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَى الۡمُقۡتَسِمِيۡنَ ﴿۹۰﴾

صاف صاف (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں و۷۸ جیسا ہم نے (وہ عذاب) نازل کر رکھا ہے قسماقسمی کر

الَّذِيۡنَ جَعَلُوا الۡقُرۡاٰنَ عِضِيۡنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ

لینے والوں پر جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھے تھے و۷۹ سو آپ کے پروردگار کی قسم

لَنَسۡـئَلَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۳﴾

کہ ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے ان اعمال کی بابت جنہیں وہ کرتے رہے ہیں و۸۰

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۹۴﴾

غرض آپ کو جس امر کا حکم دیا گیا ہے اسے صاف سنا دیجیے اور مشرکوں کی پروانہ کیجیے و۸۱

اِنَّا كَفَيۡنٰكَ الۡمُسۡتَهۡزِءِيۡنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيۡنَ يَجۡعَلُوۡنَ

ہم آپ کے لیے تمسخر کرنے والوں کے مقابلہ میں کافی ہیں و۸۲ وہ (تمسخر کرنے والے) جو اللہ کے ساتھ

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ‌ ۚ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدۡ

دوسرا معبود بھی قرار دیتے ہیں سو ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے و۸۳ اور بالیقین

نَعۡلَمُ اَنَّكَ يَضِيۡقُ صَدۡرُكَ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ ﴿۹۷﴾

ہم کو معلوم ہے کہ (یہ لوگ) جو کچھ کہتے رہتے ہیں اس سے آپ کا دل تنگ ہوتا رہتا ہے و۸۴

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۹۸﴾

سو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد کرتے رہیے اور سجدہ کرنے والوں میں رہیے و۸۵

وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ ﴿۹۹﴾ ع ۶

اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیے، یہاں تک کہ آپ کو امر یقین پیش آ جائے و۸۶

و۷۷ (کہ آپ کی شفقت اور فکر مصلحت کے محل صحیح یہی اہل ایمان ہیں اور یہی نفع بھی حاصل کریں گے) وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ ان پر غم و تاسف نہ کیجیے کہ یہ کافر و معاند سرے سے آپ کی شفقت و فکر مصلحت کے محل ہی نہیں۔ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ۔ خفض جناح کے لفظی معنی بازو جھکانے کے ہیں۔ محاورہ میں اس سے مراد ہوتی ہے، شفقت و نرم خوئی سے پیش آنے کے۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ اپنی شفقت کو تمامتر مومنین پر متوجہ رکھیے۔ و خفض الجناح کناية عن اللينة والرفق والتواضع والمقصود انه تعالٰی لمانهاه عن الالتفات الى اولٓئک الاغنياء من الكفار امره بالتواضع لفقراء المسلمين (کبیر) کناية عن التواضع لهم والرفق بهم (روح) و۷۸ (تم منکروں کو) ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ آپ معاند کافروں کے ساتھ اپنا فرضِ تبلیغی بس ادا کر دیجیے، باقی اُن کا دل پھیر دینا تو آپ کے ہاتھ میں ذرا سا بھی نہیں۔ آگے انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیجیے۔ و۷۹ (اور بعض ٹکڑوں کو جو اپنی مرضی کے مطابق ہوتے تھے، لے لیتے تھے، اور جن حصوں کو اپنے لیے ناخوشگوار پاتے تھے، ان سے انکار کر دیتے تھے) یہ حال شروع شروع میں سب ہی منکرین قرآن کا تھا۔ اس کی صداقت کے وہ سو فیصدی منکر نہ تھے۔ جن حصوں کو چاہتے مان لیتے اور جسے نہ چاہتے نہ مانتے۔ یہاں اُنھی کا ذکر ہے کہ بالآخر وہ کیسے پارہ پارہ اور معذب ہو کر رہے — آیت اگر مدنی ہے جب تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ صاف منکرین تباہ شدہ و ہلاک شدہ کے انجام کی جانب اشارہ ہے۔ لیکن اگر مکی ہے تو مستقبل کا جو واقعہ یقینی طور پر قطعی ہوتا ہے، اُس کے لیے عربی اسلوبِ بیان میں ماضی کا صیغہ لانا عام ہے اور قرآن مجید میں اس کی مثالیں ایک آدھ نہیں، بہ کثرت موجود ہیں۔ اَنۡزَلۡنَا۔ مراد حسب سیاق ”نازل کر چکے ہیں“ (بہ صیغۂ ماضی) بھی ہو سکتی ہے، اور ”نازل کر کے رہیں گے“ (بہ صیغۂ مستقبل) بھی ہو سکتی ہے۔ اَلۡمُقۡتَسِمِيۡنَ۔ قسم سے مشتق ہے، اور اس کے معنی حلف اٹھانے والوں کے ہیں۔ یعنی وہ دشمنانِ اسلام جنہوں نے مکہ معظمہ میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں باہم سازش کر کے حلف اُٹھائے تھے۔ اے الذين تقاسموا شعب مكة و قيل الذين تحالفوا على كيده عليه السلام (راغب) قال ابن عرفة هم الذين تقاسموا و تحالفوا على كيد الرسول ﷺ (تاج) اے الذين حلفوا (بخاری کتاب التفسیر) قال مجاهد تقاسموا و تحالفوا (بخاری) قوم تحالفوا على عضه النبى ﷺ و ان تذيعوا ذلک بكل طريق (ابن قتیبہ) عِضِيۡنَ۔ یعنی متفرق۔ پارہ پارہ۔ تعضیہ کے معنی حصوں کے الگ الگ کرنے کے ہیں۔ اے مفترقاً و العضية تجزية الاعضاء (راغب) و۸۰ (اور انھی اعمال کے مطابق انہیں سزائیں دیں گے) یہ سوال قیامت میں بہ طور عتاب و مواخذہ ہوگا نہ بہ طور استفسار۔ و۸۱ (یہ نہ مانیں گے اور مخالفت میں طرح طرح کی شرارتیں کرتے رہیں گے) فَاصۡدَعۡ۔ صدع کے معنی تفصیل سے بیان کر دینے کے ہیں۔ صدع الامر اے فصله (راغب) و۸۲ کی زندگی میں جہاں رسول اللہ ﷺ کو ایک طرف ہر طرح کی جسمانی و رُوحانی اذیتیں برداشت کرنا پڑتی تھیں وہاں دوسری طرف طنز و تمسخر و استہزاء کا بھی ایک بے پناہ طوفان برپا تھا۔ بعض مفسرین ان جزئیات کی طرف چلے گئے ہیں کہ مستہزئین کون کون تھے، اور اُن کا طریق استہزاء کیا کیا تھا۔ لیکن جیسا کہ امام المفسرین علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے، مفسر کو اس کا زیادہ کھوج لگانے کی ضرورت نہیں۔ بس اتنا جان لینا کافی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک پورا طبقہ صاحب اثر و وجاہت مستہزئین کا تھا۔ ولا حاجة الى شئ منها والقدر المعلوم انهم طبقة لهم قوة و شوكة و رياسة (کبیر) و۸۳ (کہ تمسخر و شرک کا کیا انجام ہوتا ہے) سَوۡفَ۔ یعنی فردائے قیامت میں۔ و۸۴ اور یہ دل کی تنگی ایک بالکل امر طبعی ہے۔ بلکہ اگر بغض فی اللہ سے عقلاً پیدا ہو، تو عین عبادت ہے۔ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ۔ یعنی وہی کفر و شرک انکار و استکبار، طنز و تمسخر کی باتیں۔ اے بما يقول هٰؤلآء المشركون من قومک من تكذيبهم اياک و استهزاء هم بک و بما جئتهم به (ابن جریر) و۸۵ (کہ ان مشاغل ذکر و عبادت میں انہماک ضیق صدر سے بھی نجات دلا دے گا) امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ ان مشاغل ذکر و عبادت میں لگ جانے سے عالم قدس کے انوار کا فیضان شروع ہو جاتا ہے، اور اس سے دنیا بالکل حقیر و ہیچ نظر آنے لگتی ہے۔ اور اسی لیے غم و الم کی طرف سے بھی طبیعت ہلکی اور بے فکر ہو جاتی ہے۔ السّٰجِدِيۡنَ۔ یعنی نماز پڑھنے والے۔ اے من المصلّين (بیضاوی) والمراد والله اعلم من المصلّين فكنّى بالسجود عن الصلاة (بحر) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں غم و ضیق صدر کا علاج بتا دیا گیا ہے، اور وہ ذکر و توجہ الی الحق ہے۔ و۸۶ اسی حالت ذکر و عبادت میں) گویا ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ منکرین سے خفگی و بیزاری، جو بغض فی اللہ کا نتیجہ ہے، گو خود بھی ایک عبادت ہے لیکن ذکر و تسبیح الٰہی کی مداومت اس سے بھی افضل ہے۔ وقت وفات آئے تو اسی نام جاں بخش پر آئے۔ اَلۡيَقِيۡنُ۔ یقین یہاں بمعنی موت ہے۔ اے حتى ياتيک الموت (لسان) اليقين الموت لا نه تيقن لحاقه لكل مخلوق حى (تاج) اکثر ائمۂ لغت کے نزدیک، موت اس لفظ کے حقیقی معنی ہیں اور بعض کے نزدیک مجازی۔ مال كثيرون الى انه حقيقى و صوّب بعضهم الى انه مجازى (تاج) خود قرآن مجید میں ایک جگہ اور بھی یقین موت ہی کے معنی میں آیا ہے۔ و كنا نكذب بيوم الدين حتى اتٰنا اليقين (مدثر) اور حدیث میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون صحابی کی شہادت کے سلسلہ میں لفظ یقین اسی معنی میں آیا ہے۔ اما هو فقد جاء ه اليقين و انى لارجواله الخير (صحیح البخاری کتاب الجنائز) حضرت عبداللہ بن عمر صحابی رضی اللہ عنہ اور تابعین میں مجاہد، معالم، حسن بصری، ابن زید، قتادۃ وغیرہ سب اسی طرف گئے ہیں۔ اے الموت كماروى عن ابن عمرو الحسن و قتادة و ابن زيد (روح) اور جمہور مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے۔ والجمهور على ان المراد باليقين الموت (بحر) انما المراد باليقين ههنا الموت (ابن کثیر) محققین نے لکھا ہے کہ یہ رد میں اُن مدعیان

آیاتها ۱۲۸ ۱۶ سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ ۷۰ رکوعاتها ۱۶

اس میں ۱۲۸ آیتیں سورۂ نحل مکی ہے اور ۱۶ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا

اللہ کا حکم آ پہنچا تو اب اس میں جلدی نہ مچاؤ و۱ پاک اور برتر ہے وہ (اللہ) شرک سے جو

یُشْرِكُوْنَ ۝۱ یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى

یہ (لوگ) کرتے رہتے ہیں و۲ فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے نازل کرتا رہتا ہے اپنے بندوں میں

مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ

جس پر وہ چاہے و۳ (اس حکم کے ساتھ) کہ (لوگوں کو) خبردار کر دو، کہ کوئی معبود بجز میرے

اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ

نہیں ہے۔ سو مجھی سے ڈرتے رہو و۴ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے حکمت کے ساتھ،

تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝۳ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ

وہ برتر ہے ہر شرک سے، جو یہ (لوگ) کرتے رہتے ہیں و۵ اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا

فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ۝۴ وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ

مگر وہ تو کھلم کھلا مقابلہ پر آ گیا و۶ اور چوپائے بھی اسی نے بنائے، ان میں

فِیْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵ وَ لَكُمْ

تمہارے لئے گرم لباس بھی ہے، اور (اور بھی) فائدے ہیں، اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہوۓ اور ان کی

فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَ حِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶

وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جب کہ (ان کو) شام کے وقت (گھر) لاتے ہو اور جب کہ (انہیں) صبح کے وقت

باطل کے ہے جو کہتے ہیں کہ سلوک میں کوئی مرتبہ ایسا آتا ہے، جس میں تکلیفات شرعی ساقط ہو جاتی ہیں، اور یہ اعتقاد الحاد محض ہے۔ و یستدل بها على تخطئة من ذهب من الملاحدة الى ان المراد باليقين المعرفة فمتى وصل احدهم الى المعرفة سقط عنه التكليف عندهم و هذا كفر و ضلال و جهل (ابن کثیر)

سورۂ نحل۔ و۱ (اے منکرو!) منکرین بار بار شرارت وطعن کی راہ سے کہا کرتے تھے کہ عذابِ الٰہی اگر فی الواقع کوئی چیز ہے، تو آ کیوں نہیں جاتا۔ اُس میں آخر اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے؟ جواب اسی کا ارشاد ہو رہا ہے۔ اَمْرُ اللّٰهِ یعنی سزائے کفر و شرک کا حکم الٰہی..... مراد عذابِ دنیوی بھی ہو سکتا ہے اور عذابِ قیامت بھی۔ قریب تو دونوں ہی عذاب آ چکے۔ ذلک وعيد من الله لاهل الشرك به اخبرهم ان الساعة قد قربت و ان عذابهم قد حضر اجله فدنا (ابن جریر) هو تهديد من الله اهل الكفر به و برسوله و اعلام منه لهم قريب العذاب منهم والهلاك (ابن جریر) فالمراد به على قول الجمهور يوم القيامة (روح) و عن ابن جريج تفسير بنزول العذاب فقط فقال المراد بالامر هنا ما وعدالله تعالىٰ نبيه ﷺ من النصر والظفر على الاعداء والانتقام منهم بالقتل والسبى و نهب الاموال والاستيلاء على المنازل والديار (روح) و۲ اس کی ذات بھی منزہ اور اس کی صفات بھی ارفع ان تمام نالائق اُمور سے جو اہل شرک و جاہلیت اُس کی جانب منسوب کرتے رہتے ہیں۔ و۳ یعنی انبیاء و مرسلین پر۔ مَنْ یَّشَآءُ نے ظاہر کر دیا کہ نبوت عطیہ الٰہی ہے، امر استحقاقی نہیں۔ بِالرُّوْحِ۔ روح سے مراد یہاں وحی الٰہی ہے۔ بالروح اى بالوحى (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) المراد من الروح الوحى و هو كلام الله (کبیر) مِنْ اَمْرِهٖ میں اس کی تاکید ہے کہ یہ نزول ملائکہ و نزول وحی اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے، کوئی اور اس میں دخیل نہیں۔ يعنى ان ذلك التنزيل والنزول لا يكون الا بامر الله تعالىٰ (کبیر) فرشتوں کا قرآن مجید میں جہاں جہاں ذکر ہے، وہاں برابر اسی طرح کی قیدیں لگا دی ہیں۔ مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ فرشتے اپنی طرف سے کسی امر میں سبقت کی مجال نہیں رکھتے، پابند ہیں تمام تر حکم الٰہی کے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کی متعدد آیات نقل کر کے لکھتے ہیں:۔ كل هذه الأيات دالة على انهم لا يقدمون على عمل من الاعمال الا بامر الله تعالىٰ و اذنه (کبیر) دیوتا پرستی ملائکہ پرستی ہی کا دوسرا نام ہے۔ قرآن مجید کا اس لیے اس باب میں اس قدر اہتمام و احتیاط بالکل قدرتی ہے۔ الْمَلٰٓئِكَةَ صیغۂ جمع میں یہ معنی جنس ملائکہ ہے، خواہ مراد اس سے صرف حضرت جبرئیل ہی ہوں۔ لیکن جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، رسول اللہ ﷺ پر نزول تنہا جبرئیل علیہ السلام کا تھا ہی کب۔ کبھی غزوات میں فرشتوں کی پوری پوری فوجیں اتاری جاتیں، کہیں ملک الجبال آپ کی خدمت میں پہنچ جاتے، کبھی ملک البحار، کبھی کوئی اور۔ الله سبحانه و تعالىٰ ما انزل على محمد ﷺ جبرئيل وحده بل فى اكثر الاحوال كان ينزل مع جبريل افواجًا من الملئكة (کبیر) المراد بالملئكة عندالجمهور جبريل عليه السلام و يسمى الواحد بالجمع كما قال الواحدى اذا كان رئيسا و عند بعض هو عليه السلام و من معه من حفظة الوحى (روح) مِنْ کو بعض نے بیانیہ و تفسیر یہ لیا ہے، اور مِنْ اَمْرِهٖ سے وحی ہی مراد رکھی ہے۔ من امره بيان للروح المراد به الوحى (روح) ترجمہ اس صورت میں یوں ہوگا:۔ ”نازل کرتا ہے فرشتوں کو وحی یعنی اپنے حکم کے ساتھ“۔ اس میں اشارہ ادھر بھی ہے کہ پیمبر پر وحی جو آتی ہے ملائکۂ امین و صادق کے ذریعہ سے آتی ہے، کسی شیطان فاسق کے ذریعہ سے نہیں۔ نیز آیت سے اس کی تعلیم بھی مل جاتی ہے کہ پیمبر صاحب وحی ہو جانے کے بعد بھی بندہ رہتا ہے، اور فرشتے بھی بہ ایں کمال تقرب و منزلت حد عبودیت سے نہیں آگے بڑھنے پاتے۔ و۴ (اور میرے مقابلہ میں کسی کو خاطر میں نہ لاؤ) انذار ایسا اعلان ہے جس کے ساتھ خوف بھی ملا جلا ہو۔ الانذار هو الاعلام مع التخويف (کبیر) و۵ آیت سے کئی تعلیمات حاصل ہوئیں، مثلاً یہ کہ (۱) آسمان و زمین خودساختہ نہیں، مخلوق ہیں۔ (۲) مخلوق اللہ کی ہے نہ کہ کسی اور کی۔ (۳) ان سب کی خلقت بلا کسی غرض و مقصد کے، سیر و تفریح، کھیل و تماشہ کی طرح نہیں، گہرے حکیمانہ مقصد ہی سے ہوئی ہے۔ و۶ اور اپنے رب کی ذات و صفات کے باب میں کیسے کیسے مناقشے برپا کر دیے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ یہاں یہ یاد دلا دیا کہ انسان جو استکبار و انانیت سے لبریز ہو جاتا ہے، حقیقۃً اُس کی اصل مادّی ہے کتنی حقیر و پست! و۷ مطلب یہ ہوا کہ چوپایوں میں کوئی شانِ ربوبیت و الوہیت اصلاً نہیں۔ سب کے سب اللہ کے مخلوق و مربوب ہیں، انسان ہی کے نفع و خدمت کے لیے۔ نہ کہ اُلٹے انسان کے مخدوم اور دیوتا بننے کے قابل — یہ تردید ہو رہی ہے اُن مشرک و جاہل قوموں کی جنہوں نے گائے اور بیل اور بھینس وغیرہ کی پرستش کی ہے۔ دِفْءٌ لفظی معنی سرمائی پوشش کے ہیں۔ الدفئ غلاف البرد (راغب) اس عموم میں دوشالے، شال، پوستین، دستے، خیمے، ڈیرے وغیرہ سب آ گئے۔ وَ مَنَافِعُ چنانچہ کوئی چوپایہ ہل چلانے کے کام میں آتا ہے، کوئی سواری کے، کوئی بار برداری کے، اور کسی کی جلد سے جوتے اور بکس اور دوسرے قسم کا چرمی سامان بنتا ہے، وقس علیٰ ہذا فقہاء نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ چوپایوں کی کھال، اُون وغیرہ سے نفع حاصل کرنا، زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں جائز ہے۔
ذلك يقتضى جواز الانتفاع باصوافها و او بارها فى سائر الاحوال من حياة او موت (جصاص)

وَ تَحۡمِلُ اَثۡقَالَكُمۡ اِلٰى بَلَدٍ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا بٰلِغِيۡهِ اِلَّا

(چرنے) چھوڑ دیتے ہو، ف۸ اور وہ تمہارے بوجھ بھی ایسے شہر کو لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر نفس کی سخت مشقت

بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۙ ﴿۷﴾

کے پہنچ نہیں سکتے ف۹ تمہارا پروردگار بے شک بڑا شفقت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے، ف۱۰

وَّالۡخَيۡلَ وَ الۡبِغَالَ وَ الۡحَمِيۡرَ لِتَرۡكَبُوۡهَا وَ زِيۡنَةً ؕ

اور (اسی نے پیدا کئے) گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت کے لئے بھی،

وَ يَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸﴾ وَ عَلَى اللّٰهِ قَصۡدُ السَّبِيۡلِ

اور وہ پیدا کرتا رہتا ہے ایسی چیزیں جن کی تم کو خبر نہیں ف۱۱ اور اللہ ہی پر ہے راستہ (کا دکھانا) ف۱۲

وَ مِنۡهَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوۡ شَآءَ لَهَدٰٮكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۹﴾ هُوَ

اور بعض اس میں سے ٹیڑھے بھی ہیں ف۱۳ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب ہی کو راہ یاب کر دیتا ف۱۴ وہ (اللہ)

الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّـكُمۡ مِّنۡهُ شَرَابٌ

وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا جس سے تمہیں پینے کو ملتا ہے

وَّمِنۡهُ شَجَرٌ فِيۡهِ تُسِيۡمُوۡنَ ﴿۱۰﴾ يُنۡۢبِتُ لَـكُمۡ بِهِ

اور اسی سے سبزہ زار پیدا ہوتے ہیں جن میں تم مویشی چراتے ہو، ف۱۵ اور اسی سے تمہارے لئے کھیتی

الزَّرۡعَ وَ الزَّيۡتُوۡنَ وَ النَّخِيۡلَ وَ الۡاَعۡنَابَ وَ مِنۡ كُلِّ

اگاتے ہیں نیز زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے

الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۱۱﴾

پھل بے شک اس میں (بڑی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سوچتے رہتے ہیں ف۱۶

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ

اور اسی نے تمہارے (فائدہ کے) لئے (اپنا) مسخر کیا ہے رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو،

ع ۹

ف۸ محققین نے لکھا ہے کہ منافع ضروری کے بعد جمال کا ذکر لانا اس کی دلیل ہے کہ زینت، جمال وغیرہ مصالح زاید کا قصد بھی مضر نہیں، جبکہ مانع شرعی (مثلاً فخر و تکبر) سے خالی ہو، اور کوئی امر مباح مقصود ہو، مثلاً دفع مذلت یا حصول مسرت۔ ف۹ یعنی دُور دراز مقامات کی مسافت طے کرنے اور سامان منتقل کرنے میں کیسی مدد اور سہولت، اونٹ، گھوڑے، بیل وغیرہ سے میسر آجاتی ہے۔ ف۱۰ (چنانچہ تمہارے نفع اور آسائش کے لیے کیسے کیسے سامان اُس نے بہم پہنچا دیئے!) ف۱۱ اس عموم کے تحت میں جانوروں کے علاوہ تمام انسان کی ایجاد کی ہوئی سواریاں بھی قیامت تک کے لیے آگئیں۔ انسانی صنعت وصناعت کی مدد سے جو جو طریقے حمل ونقل کے نکلے ہیں، وہ آخر اللہ ہی کے خلق میں داخل ہیں۔ وَ الۡخَيۡلَ وَ الۡبِغَالَ وَ الۡحَمِيۡرَ مشرک قوموں نے گھوڑے کی بھی پرستش کی ہے اور گدھے کی بھی۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ عرب میں ان تینوں جانوروں کی بڑی اہمیت تھی۔ چنانچہ ہٹی نے اپنی ''تاریخ عرب'' میں لکھا ہے کہ نجد کے گھوڑے اور حسا کے گدھے اور عمان کے خچر ساری دنیا میں مشہور ہیں (صفحہ ۲۲) وَ زِيۡنَةً یعنی طرح طرح کے نفیس سامانِ آرایش وزینت انھی جانوروں سے حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ اور خود یہ جانور بھی تجمل وتزئین انسانی کا ذریعہ ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۸۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ جن فقہاء نے گھوڑے اور خچر اور گدھے کے گوشت کو ناجائز قرار دیا ہے، اُن کا ایک استدلال اس آیت سے بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اِدھر جہاں اَنعام (مویشیوں) کا ذکر آیا، وہاں حق تعالیٰ نے وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ کی بھی تصریح کر دی۔ اور یہاں صرف لِتَرۡكَبُوۡهَا وَ زِيۡنَةً ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جانور صرف سواری اور آرائش کے کام کے ہیں، کھانے کے لیے نہیں۔ ف۱۲ (طالبانِ حق کے لیے) عَلَى اللّٰهِ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے طالبانِ حق کو راہِ راست دکھا ہی دیتا ہے۔ یہ مراد نہیں (جیسا کہ معتزلہ نے سمجھ لیا ہے) کہ اللہ پر راہ راست دکھانا واجب ہے۔ والمراد علی اللہ بحسبه الفضل و الکرم ان یبین دین الحق والمذھب الصحیح (کبیر) اے اقامة السبیل و تعدیلھا رحمةً و فضلًا (بیضاوی) و لیس ذٰلک للوجوب اذلا یجب علی اللہ شیئًا ولکن یفعل ذٰلک تفضلًا (مدارک) قَصۡدُ السَّبِيۡلِ۔ قصد یہاں صورۃً مصدر ہے، لیکن معنیٰ فاعل یعنی راہ قاصد یا مستقیم۔ الطریق الموصل الی الحق (کشاف) مصدر بمعنی الفاعل وھو القاصد یقال سبیل قصد وقاصد اے مستقیم (کشاف) السَّبِيۡلِ۔ صورۃً مفرد ہے لیکن مراد جنس سبیل ہے۔ المراد بالسبیل الجنس ولذٰلک اضاف الیھا القصد (کشاف) ف۱۳ یعنی ایسے راستے جو دینِ حق کے خلاف ہیں، اور حق تعالیٰ تک نہیں پہنچاتے۔ اور ان پر چلنے سے بچنے کا حکم ہے۔ مراد اس سے کفر وضلالت کے مختلف طریقے ہیں۔ یعنی من السبیل ما ھو جائر غیر قاصد للحق وھو انواع الکفر والضلال (کبیر) مِنۡهَا ضمیر سبیل کی طرف ہے، جو لغت حجاز میں مؤنث ہے۔ تعود علی السبیل وھی مؤنثة فی لغة الحجاز (کبیر) جَآئِرٌ۔ جور کے معنیٰ حق سے انحراف یا کجی کے ہیں۔ اے عادل مائل ومعنی الجور فی اللغة المیل عن الحق (کبیر) ف۱۴ (لیکن اس کی مشیت تکوینی میں ہدایت عام وعالمگیر واضطراری نہیں رکھی گئی، بلکہ صرف انھی افراد کے لئے رکھی گئی، جو اپنے ارادہ سے حق کی تلاش کریں) ف۱۵ یہاں یہ بتایا کہ کھانے پینے کی ساری لذتوں اور نعمتوں کا آخری سرا اسی قادرِ مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ شجر کے عموم میں پودے، درخت، جھاڑیاں، گھاس سب داخل ہیں۔ قال الزجاج کل ما تنبت علی الارض فھو شجر (کبیر) اے نبات مطلقًا سواء کان له ساق ام لا کما نقل عن الزجاج (روح) یہاں مراد چراگاہیں ہیں۔ یعنی الشجر الذی ترعاہ المواشی (کشاف) ف۱۶ یعنی اس سارے محکم نظام وانتظام نباتی میں اہل فکر وتدبر کے لئے اللہ کی ربوبیت، قدرت، حکمت وتوحید کی بڑی بڑی نشانیاں موجود ہیں۔ الزَّيۡتُوۡنَ وَ النَّخِيۡلَ وَ الۡاَعۡنَابَ۔ زیتون کھجور، انگور کے طبی فوائد نیز اہل عرب کے لئے ان کی اہمیت خصوصی پر ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ يُنۡۢبِتُ لَـكُمۡ سے یہ مسئلہ ایک بار پھر روشنی میں آگیا کہ یہ سارا انتظام نباتی انسان ہی کے لئے ہے۔

وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

اور ستارے بھی اس کے حکم سے مسخر (قدرت) ہیں بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیں

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۱۲ وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ

جو عقل سے کام لیتے رہتے ہیں، و۱۷ اور (ان چیزوں کو بھی مسخر بنایا) جنہیں زمین پر تمہارے لئے پھیلایا،

مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ

ان کے اقسام مختلف ہیں، بے شک اس میں بھی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے

يَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳ وَ هُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا

جو نصیحت حاصل کرتے رہتے ہیں و۱۸ اور وہ وہی (اللہ) ہے جس نے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ تم اس میں

مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً

سے تازہ گوشت کھاؤ و۱۹ اور تاکہ تم اس میں سے زیور نکالو جسے تم

تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا

پہنتے ہو و۲۰ اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ اس میں پانی چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اللہ کے

مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۴ وَ اَلْقٰى فِي

فضل سے تلاش کرتے رہو، اور تاکہ تم (اس کا) شکر ادا کرتے رہو و۲۱ اور اس نے زمین میں

الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا

پہاڑ رکھ دیئے ہیں تاکہ وہ تم کو لے کر ڈگمگانے نہ لگے و۲۲ اور دریا اور راستے (بنا دیئے)

لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵ وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ

تاکہ تم راہ پاتے رہو اور علامتیں بھی (بنائیں) و۲۳ اور ستاروں سے بھی (لوگ)

يَهْتَدُوْنَ ۝۱۶ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا

راہ پاتے رہتے ہیں و۲۴ اچھا تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اسی جیسا ہو جائے گا جو پیدا نہیں کر سکتا؟ تو کیا تم

و۱۷ یعنی اس سارے نظام فلکی کے جزئیات وتفصیلات پر اگر عقل وتدبر سے کام لو، تو تم خود بول اٹھو گے کہ بیشک جس نے ایسے کامل ومستحکم انتظامات کر رکھے ہیں وہی ذات واحد قادر مطلق وحکیم کل اور سب کی پروردگار ہے۔ سَخَّرَ لَكُمُ...... بِاَمْرِهٖ۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ سارے مخلوقات جو اپنے فرائض تکوینی انجام دیتے رہتے ہیں، ان سے مقصود خلیفۃ اللہ، نوع بشری کی خدمت ہے، تو یہ کیسی الٹی سمجھ اور کس درجہ حماقت وسخافت ہے کہ خود انہی خادموں کو دیوی، دیوتا کے مرتبہ تک پہنچا دیا جائے! مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ۔ سارے اجرام فلکی بہ ایں عظمت وبے نہایتی اللہ کے قوانین طبعی ہی کے پابند ہیں، اور ان سے بال بھر ادھر ادھر نہیں ہٹ سکتے۔ مشرک قوموں کی دیومالا اٹھا کر دیکھئے چندر ماں برہسپت دیوتا سے لڑتے نظر آئیں گے۔ اور زہرہ وعطارد کے درمیان جنگ ہوتی ملے گی۔ و۱۸ ایک ہی سطح زمین پر، ایک ہی آفتاب کی روشنی میں، ایک ہی فضائے ہوائی میں، ایک ہی بارش سے اور بعض اوقات تو فضا میں ایک دوسرے سے بالکل متصل ہی، مختلف شکل وصورت کے، مختلف جسامت کے، مختلف مزہ اور بو باس کے، مختلف رنگوں کے، مختلف خاصیتوں کے پھول، پھل، میوے، غلے پیدا کرتے رہنا جس قدر حکیمانہ انتظام قدرت پر دلالت کرسکتا ہے، کسی صاحب نظر واہل بصیرت سے مخفی نہیں۔ اَلْوَانُهٗ۔ لون کے اصلی معنی تو رنگ کے ہیں لیکن الوان سے انواع واقسام بھی مراد ہوتی ہیں۔ ويعبر بالالوان عن الاجناس والانواع (راغب) و۱۹ (حلال دریائی جانوروں کا) اَلْبَحْرَ۔ بحر کا مفہوم عربی میں وسیع ہے۔ سمندر اور دریا دونوں اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ البحر يشمل الملح والعذب (بحر) اصل البحر كل مكانٍ واسع جامع للماء الكثير (راغب) سَخَّرَ الْبَحْرَ۔ یعنی دریا وسمندر بھی اسی کے قانون تکوینی کے محکوم ومسخر ہیں۔ نہ خود آفریدہ ہیں نہ خود مختار — مصر میں دریائے نیل کی پرستش کا نظارہ اسی طرح عام رہ چکا ہے، جس طرح آج ہندوستان میں گنگا مائی اور جمنا مائی، اور سرجو مائی اور نربدا مائی اور تاپتی مائی اور بھاگیرتی مائی، اور اور بے شمار دریاؤں کی پرستش کا ہے۔ و۲۰ جیسے موتی یا مونگے۔ صوفیۂ محققین نے کہا ہے کہ پر زینت لباس جبکہ حاجب عن الحق نہ ہو، خلاف طریق نہیں۔ و۲۱ یہ ابتغاء فضل اور توقع شکر اس کی صاف دلیل ہیں کہ بڑی سی بڑی بحری تجارتیں کرنا، اور ان سے نفع اٹھانا ذرا بھی منافیٔ تقوی نہیں۔ تَرَى الْفُلْكَ۔ خطاب عام ناظرین سے ہے۔ فِيْهِ۔ یعنی دریا میں، سمندر میں۔ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ۔ یعنی ان بحری سواریوں سے تجارت کرو۔ ابتغاء فضل سے مراد تجارت ہے۔ ابتغاء الفضل اے التجارة (کشاف) و۲۲ (اور یہ پہاڑ سطح زمین کا توازن قائم رکھیں) اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ سے جس حرکت ارض کی نفی مقصود ہے وہ زمین کی دولابی یا اضطرابی حرکت ہے، جیسے ہلکا جسم ہوا سے ہلنے لگتا ہے۔ مطلق حرکت ارض کے مسئلہ کو، جو تمامتر ایک سائنسی بحث ہے، قرآن مجید کی کم از کم اس آیت سے نفیاً واثباتاً کوئی تعلق نہیں۔ و۲۳ (انہی راستوں کی شناخت کے لئے) ٹیلے، پہاڑیاں، درخت، چشمے وغیرہ سب علاماتِ راہ کا کام دیتے ہیں۔ و۲۴ ستاروں کی قدر وقیمت اس حیثیت سے کوئی سمندر کے ملاحوں، جہازرانوں کشتی بانوں اور صحرا اور ریگستان کے مسافروں سے پوچھے! اس دور ترقی میں بھی بڑے بڑے دخانی جہازوں کے کپتانوں کا سہارا ابھی "قطب نما" ہی رہتا ہے! یعنی وہ آلہ جو قطب "ستارہ" کی سمت متعین کرتا رہتا ہے۔ بِالنَّجْمِ۔ نجم بہ طور اسم جنس کے آیا ہے۔ صرف صورۃً مفرد ہے نہ کہ معنًی والمراد بالنجم الجنس (کبیر)

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ

(اتنا بھی) غور نہیں کرتے ف۲۵ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو ان کا احاطہ نہ کر پاؤ گے ف۲۶

اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ

بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۲۷ اور اللہ جانتا ہے اس کو بھی جو تم چھپاتے ہو

وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور اس کو بھی جو تم ظاہر کرتے ہو ف۲۸ اور جن کو یہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں

لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ ؕ اَمْوَاتٌ غَيْرُ

وہ کسی کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود بھی مخلوق ہیں ف۲۹ اور وہ مردے ہیں نہ کہ

اَحْيَآءٍ ۚ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع اِلٰهُكُمْ

زندہ اور ان کو اتنی بھی خبر نہیں کہ (مردے) کب اٹھائے جائیں گے ف۳۰ تمہارا خدا

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ

ایک ہی خدا ہے البتہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل منکر

مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ

ہو رہے ہیں اور وہ تکبر کر رہے ہیں ف۳۱ اللہ ضرور جانتا ہے اس کو بھی کہ

يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور اس کو بھی جو کچھ کہ وہ ظاہر کرتے ہیں بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو

الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ

پسند نہیں کرتا ف۳۲ اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی

قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ ۙ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ

تو کہتے ہیں کہ (وہی) اگلوں کے بے سند قصے ف۳۳ نتیجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ اپنے (گناہوں کا بھی)

ف۲۵ خطاب مشرکوں سے ہے کہ تم اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے، اور اتنا واضح اور بیّن فرق بھی تمہیں محسوس نہیں ہوتا۔ ف۲۶ یعنی یہ چند نعمتیں تو محض نمونہ کے طور پر بیان ہوئیں، ورنہ اللہ کی بے
نعمتوں کا حصر بھلا کس کے امکان میں ہے؟ نِعْمَةَ اللّٰهِ۔ نعمة صورۃً مفرد
ے۔ معنیٰ بہ طور اسم جنس آیا ہے۔ تمام اقسام نعمت کو شامل۔ ف۲۷ چنانچہ
ت غُفر کے تقاضہ سے وہ مشرکین وملحدین تک کی توبہ قبول کر کے انہیں
ں دیتا ہے۔ اور صفت رحم کے تقاضہ سے وہ مشرکوں اور کافروں کو ان کی
رگی میں دنیوی نعمتوں سے یکسر محروم نہیں کرتا۔ ف۲۸ یعنی یہ حاضر وغائب
تفریق تو ہمارے معیار سے ہے۔ اللہ کے لئے ہر شے یکساں، اور اس پر
ب عیاں ہے۔ اس کا علم کامل بھی ہے، محیط بھی۔ ف۲۹ یعنی ان مشرکین کی
سی حماقت ہے کہ دیوی دیوتا انہیں بنائے ہوئے ہیں، جو ایک گھاس کے
لے تک کی تخلیق پر قادر نہیں، بلکہ خود اپنے وجود تک کے لئے بھی خالق
نات کے محتاج ہیں۔ ف۳۰ چنانچہ بعض کو تو سرے سے بعث کا علم
حساس ہی نہیں۔ بعض جن کو اتنا علم ہے، انہیں بھی وقت معین کا علم نہیں۔
سے بے خبروں کو، ایسے ناقص علم والوں کو معبود تسلیم کر لینا جہل وسفاہت کی
تہاء ہے! اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ۔ یہ صفت کسی نہ کسی معنیٰ میں سارے
عبودانِ باطل میں مشترک پائی جاتی ہے...... مورتیوں کا بے جان ہونا تو ظاہر
ی ہے۔ باقی جن "بزرگوں" کی پرستش کی جاتی ہے، وہ بھی یا تو وفات پائے
ئے ہوتے ہیں، اور یا عنقریب وفات پانے والے ہیں:۔ ف۳۱ (قبولِ
ق سے) اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ خطاب ساری نسل انسانی سے ہے۔ سب کو
یا ہے کہ حق تعالیٰ لاثانی اور لاشریک لہٗ ہے۔ یعنی حق کے اتنے وضوح کے
عد بھی ایمان نہیں لاتے۔ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ۔ یعنی ان کے قلب ایسے ناکارہ
ر فاسد ہو چکے ہیں کہ وہ ہر معقول بات سے انکار ہی پر تلے ہوئے ہیں۔ ان
ے دلوں میں نہ حق کی طلب وتلاش ہے، اور نہ کوئی فکر عاقبت ہے۔ ف۳۲
چنانچہ ہر مستکبر کو سزا بھی وقت مقرر پر دے گا) خوب غور کر کے دیکھا
ائے، تو معلوم ہوگا کہ دین حق قبول کر لینے کے بعد بہر حال نفس کو قانونِ
ی کی اطاعت میں دینا پڑتا ہے، اور یہ اکثر طبائع کو بھی سخت گراں گزرتا
ہے۔ ان کے انکار والحاد کی بنیاد عموماً خودسری، خود بینی وخود رائی ہی پر ہوئی
ہے۔ ف۳۳ یہ گہر افشانی قرآن مجید جیسی محقق کتاب سے متعلق!!......
شرکین مکہ تو خیر اپنی بے خبری، تاریک خیالی اور جہالت کے لئے ضرب المثل
یں ہیں، کمال یہ ہے کہ آج فرنگستان کے بڑے بڑے "روشن خیال" مدعیان
لم ودانش بہک بہک کر بس یہی کہتے ہیں کہ "قرآن" میں ہے کیا، یہود
صاریٰ کی کتابوں سے کچھ قصے لے لے کر انہیں مسخ وتحریف کے بعد جمع کر
یا گیا ہے۔" لَهُمْ سے مراد مشرکین قریش ہیں۔ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ۔ یعنی
ب ان سے باہر کا کوئی شخص سوال کرتا ہے۔ یا خود آپس میں یہ ایک دوسرے سے پوچھ پاچھ کرتے ہیں۔

كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ

پورا بوجھ اٹھائیں گے اور ان لوگوں کے بھی (گناہوں کا) بوجھ جنہیں یہ بغیر علم سے کام لئے

بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ

گمراہ کر رہے ہیں دیکھو جی! (کیسا) برا ہے (یہ بوجھ) جو اپنے اوپر لاد رہے ہیں و۳۴ بڑی بری چالیں وہ

مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ

لوگ چلے جو ان کے قبل تھے سو اللہ نے ان کی (ساری) عمارت جڑ بنیاد سے اکھیڑ دی پھر ان کے اوپر سے

عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ اَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ

ان پر چھت آ پڑی اور ان پر عذاب اس طرف سے آیا جدھر سے

حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ

ان کو خیال بھی نہ تھا و۳۵ پھر قیامت کے دن (اللہ) انہیں رسوا کرے گا

وَ يَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ

اور کہے گا میرے وہ "شریک" کہاں ہیں جن کے باب میں تم لڑا جھگڑا

فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ

کرتے تھے و۳۶ علم والے (اس وقت) بول اٹھیں گے کہ آج (پوری) رسوائی

وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ ۙ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ

اور سختی کافروں پر ہے و۳۷ جن کی جانیں فرشتوں نے

الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا

اس حال میں قبض کی تھیں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے و۳۸ تب وہ صلح کا پیغام ڈال چلیں گے

نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ

کہ ہم تو کوئی برائی نہیں کرتے رہے و۳۹ ضرور (کر رہے تھے) بے شک اللہ خوب جانتا ہے اس کو جو کچھ

و۳۴ وعید ان لوگوں کے حق میں ارشاد ہو رہی ہے، جو دوسروں سے قرآن کا تعارف اسے اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ کہہ کر کراتے تھے۔ آخرت میں یہ اپنے انکار کا ثمرہ بھی چکھیں گے، اور دوسروں کے گمراہ کرنے کا بھی۔ لِيَحْمِلُوْٓا میں ل عاقبت کا ہے۔ اللام لام العاقبة (کبیر) بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ یعنی قرآن مجید کے متعلق ایسی بے سروپا رائے یہ خود ہی بلا تحقیق، بلاسند، بلاثبوت دے بیٹھتے ہیں۔ و۳۵ واقعاتِ تاریخی کو یہاں تمثیلی رنگ انشاء میں پیش کیا گیا ہے۔ یعنی جن پر قوت وشوکت منکرین سابقین نے انبیاء کرام کے خلاف خوب خوب منصوبے گانٹھے تھے، بڑی بڑی زبردست چالیں سوچی تھیں، حق تعالیٰ نے ان کی ایک نہ چلنے دی۔ ان کی ساری خیالی عمارتیں مسمار ہو کر رہیں، اور وہ اس طرح برباد ونابود ہوئے کہ جیسے سب چھت کے نیچے دب کر رہ گئے۔ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ شامت زدہ قوموں پر تباہی عموماً ایسے ہی راستوں اور طریقوں سے آتی ہے، جدھر ان کا خیال وگمان بھی نہیں ہوتا:۔ و۳۶ (اہل ایمان سے) یعنی آخرت میں منکرین پوری اور انتہائی طور پر ذلت ورسوائی کے شکار ہوں گے، اور انہیں اور زیادہ جلانے، کڑھانے کے لیے اُن سے سوال ہوگا، کہ اب بتلاؤ، وہ تمہارے معبود کدھر گئے، جنہیں تم شریک الوہیت سمجھا کرتے تھے، اور جن کی خاطر تم اہل ایمان سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ شُرَكَآءِيَ یعنی میرے شریک تمہارے زعم و پندار کے مطابق۔ ای شركاءی فی زعمكم و اعتقادكم (کبیر عن الزجاج) علی الاضافة الی نفسه حكاية لاضافتهم (کشاف) الذين كنتم تزعمون فی الدنيا انهم شركاءی (ابن جریر) و۳۷ وہ منکرین مردود ومخذول تو کیا جواب دیں گے، البتہ اہل حق پکار اُٹھیں گے کہ آج کے دن (جیسا کہ ہم دنیا میں کہا کرتے اور سمجھتے رہتے تھے) پوری ذلت و رسوائی اور ساری سختی ومصیبت منکرین حق ہی کے لیے ہے! فرقۂ مرجۂ نے یہیں سے یہ استدلال کیا ہے کہ عذابِ آخرت کافروں ہی کے ساتھ مخصوص، محدود ہے، مومنین عاصی کو اس سے تعلق نہ ہوگا، اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ یعنی انبیاء مرسلین اور اُن کے متبعین صادقین، و هم الانبياء عليهم السلام المؤمنون الذين اوتوا علمًا بدلائل التوحيد (روح) قال يحيى بن سلام هم المؤمنون (بحر) و۳۸ یعنی موت کے وقت تک کفروشرک میں مبتلا رہے تھے۔ ای حال كونهم مستمرين علی الشرك (روح) و۳۹ اس پر ہیبت وہولناک منظر سے دوچار ہو کر منکرین حق اب خوشامدانہ لہجہ میں عرض کرنا شروع کریں گے کہ بھلا ہماری کیا مجال تھی، جو ہم شرک میں مبتلا ہوتے!— کہاں تو دنیا میں اتنا اکڑے ہوئے رہتے تھے، اور کہاں اب خوشامد پر اُتر آئیں گے۔ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ یعنی اپنے خیال وعقیدہ میں تو ہم کوئی بری بات نہیں کر رہے تھے۔ المراد ماكنا عاملين السوء فی اعتقادنا ای كان اعتقادنا ان علمنا غيرسیء (روح)

ف۴۰ (تو اب تمہارے اقرار وانکار سے ہوتا کیا ہے۔ تمہارا حال تو عالم الغیب پر خود ہی سب روشن ہے) ف۴۱ یعنی ان لوگوں کا جو رعونت نفس کی بنا پر قبولِ حق سے انکار کرتے رہتے ہیں۔ فَلَبِئْسَ میں ل تاکید کا ہے۔ واللام فی فلبئس لام التاکید (بحر) مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ان الفاظ سے گویا یہ ظاہر کر دیا کہ تکبر کی قدرتی جزاء دوزخ ہی ہے۔ ووصف التكبر دليل على استحقاق صاحبه النار (بحر) فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ یعنی اپنی اپنی منزل وطبقہ کے مطابق جہنم کے مختلف دروازوں سے اس کے مختلف درجوں میں داخل ہو۔ خطاب لكل صنف منهم ان يدخل بابًا من ابواب جهنم (روح) خٰلِدِيْنَ فِيْهَا یہاں تمام اہل جہنم کو سنا دیا، کہ درجاتِ عذاب گونسبۃً کم اور زائد ہوں، لیکن خلود ودوام بہرحال سب کے لیے ہے۔ رہائی، مخلصی کی صورت کسی کے لیے نہیں۔ ف۴۲ یعنی ایسا کلام جو سرتاسر خیر وبرکت ہی ہے۔ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا یعنی وہ لوگ جو کفر وشرک سے بچے رہتے ہیں۔ قال اصحابنا يريد الذين اتقوا الشرك وايقنوا انه لا اله الا الله محمد رسول الله (کبیر) یعنی المومنین (بیضاوی) آیت نمبر ۲۴ میں ابھی مکذبین قرآن کا ذکر آچکا ہے کہ جب اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا چیز اُتری ہے تو وہ

تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

تم کرتے رہے تھے ف۴۰ تو اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو، اس میں ہمیشہ رہنے والے (ہو کر)

فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ

غرض کیا برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا ف۴۱ اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں ان سے

اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ

پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے؟ تو وہ کہتے ہیں بڑی خیر نازل فرمائی ہے ف۴۲ جن

اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ

لوگوں نے نیکی کی، ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور عالم آخرت تو

خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ

اور (زیادہ) بہتر ہے ف۴۳ اور اہل تقویٰ کا وہ گھر واقعی اچھا ہے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں

يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا

جن میں یہ داخل ہوں گے، ان (باغوں) کے نیچے ندیاں بہ رہی ہوں گی، انہیں ہر چیز (مل جائے گی) جو کچھ

يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِيْنَ

وہ چاہیں گے اسی طرح کا عوض اللہ اہل تقویٰ کو دیتا ہے ف۴۴ (یعنی وہ لوگ)

تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ

جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ پاک ہوتے ہیں ف۴۵ (فرشتے) کہتے جاتے ہیں تم پر

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ

سلام ہو تم جنت میں داخل ہو جاؤ اپنے اعمال کے سبب سے ف۴۶ یہ (منکرین) تو بس اسی کے منتظر ہیں

اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ

کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا آپ کے پروردگار کا فیصلہ آجائے ف۴۷

کہتے ہیں کہ 'اساطیر الاولین'۔ اب ٹھیک اُن کے مقابل گروہ مومنین کا ذکر ہے، کہ جب اُن سے قرآن کی بابت سوال کیا جاتا ہے، تو وہ جواب میں اُسے سرتاسر خیر وبرکت بتاتے ہیں۔ ف۴۳ اس دُنیا کی بھلائی سے تو مراد یہاں کی کل نعمتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً فتح ومالِ غنیمت، نیک نامی، فارغ البالی، اطمینانِ قلب وغیرہ، اور پھر سب سے بڑھ کر اجر آخرت کا وعدہ وبشارت۔ اور عالم آخرت اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر بہتر اس لحاظ سے ہوگا کہ اول تو وعدۂ اجر کے تحقق وظہور کا مقام وہی ہوگا، اور پھر وہاں کی نعمتیں کیا بہ لحاظ تعداد، کیا بہ لحاظ مقدار اور کیا بہ لحاظ دوام وقیام، اور کیا بہ لحاظ کیفیت ونوعیت، دنیا کی نعمتوں سے کوئی نسبت ہی نہ رکھتی ہوں گی، اَلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ یعنی اہل ایمان، و هؤلاء مومنون (ابن جریر، عن قتادۃ) ف۴۴ الْمُتَّقِيْنَ یہ وہی ہیں جن کا ذکر ایک آیت قبل الذین اتقوا سے آچکا ہے۔ یعنی اہل ایمان۔ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ایک بڑی گہری اور اصولی حقیقت ان دو مختصر لفظوں کے اندر آگئی ہے۔ جنت میں جو ہوا بھی چلے گی، سب اہل جنت کی مرضی کے مطابق ہوگی۔ جو کچھ بھی جس کسی کا جی چاہے گا، سب پورا ہو کر رہے گا۔ ہر تمنا نکل کر، ہر آرزو حاصل ہو کر رہے گی۔ ایک ایک نعمت اور اس کے جزئیات وتفصیلات کہاں تک بیان کیے جا سکتے ہیں۔ بس ایک جامع جواب ہر مذاق اور ہر درجہ کے سائلین کے لیے آگیا۔ ف۴۵ (ہر کفر وشرک کی آلودگی سے) معناه على ماروى عن ابى معاذ طاهرين من دنس الشرك و هو المناسب لجعله فى مقابلة ظالمى انفسهم (روح) قال ابو معاذ طاهرين من الشرك بالكلمة الطيبة (بحر) طاهرين من ظلم انفسهم بالكفر (مدارک) یعنی یہ وہ لوگ ہوتے ہیں، جو آخر وقت تک توحید وایمان پر قائم رہتے ہیں — یہاں ٹھیک اُن طبقات کا مقابلہ ہو رہا ہے، جن کا ذکر آیت نمبر ۲۸ میں آچکا ہے کہ فرشتے اُن کی جانیں سختی اور عذاب سے نکال رہے ہوں گے۔ طَيِّبِيْنَ جو لوگ کفر وشرک، فسق وفجور کی آلودگیوں سے پاک ہیں، اُن کی روحیں صحیح معرفت ومحبت الٰہی سے معمور رہتی ہیں اور یہ قدرۃً اپنی جانیں بڑے سرور وشوق کے ساتھ جاں آفرین کو سپرد کرتے ہیں۔ ف۴۶ فرشتوں کا زبان سے یہ کہتے جانا ظاہر ہے کہ مومنین کی تعظیم واکرام کے لیے ہوگا۔ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ محققین کا بیان ہے کہ منامی، رؤیائی یا روحانی حیثیت سے تو مومن وفات پاتے ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (خود برزخ جس عالم کا نام ہے، وہ آخرت ہی کی ایک ہلکی منامی، رؤیائی شکل ہے) البتہ پوری طرح مادّی اور جسمانی طور پر قیامت کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔ و هو وقت قبض ارواحهم قاله ابن مسعود و محمد بن كعب و مجاهد والاكثرون جعلوا التبشير بالجنة دخولاً مجازًا (بحر) بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یعنی جنت میں یہ آپ کی باریابی آپ ہی آپ یا کسی کے طفیل میں یا کسی کے احسان سے نہیں ہو رہی ہے، بلکہ خود آپ ہی کے حسنِ عمل وشیوۂ طاعت کا ثمرہ ہے — یہ کہہ کہہ کر مومنین اہل جنت کے دل کو اور زیادہ مسرور کیا جائے گا۔ اس تصریح اور اُن نصوص کے درمیان، جن میں یہ کہا گیا ہے کہ جنت تو صرف افضال الٰہی سے ملے گی، کوئی تعارض وتناقض نہیں۔ سبب حقیقی تو بے شک وہی رحمت الٰہی ہی ہے، لیکن سبب قریب وسبب عادی ان لوگوں کا حسن عمل ہے۔ ف۴۷ (جس کے بعد قبولِ ایمان کی گنجائش ہی نہ باقی رہ جائے) ذکر اُن منکرین معاندین کا ہے جو وضوحِ حق کے بعد بھی اپنی ضد اور ہٹ پر قائم ہیں۔ هل نفی کے معنی میں ما کا مرادف ہے۔ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ یعنی موت یا عذاب کے فرشتے آجائیں جس کے بعد ایمان مقبول نہیں ہوتا۔ لقبض ارواحهم (روح۔ عن مجاہد وقتادۃ) لقبض ارواحهم (ابن جریر) يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ یعنی قیامت برپا ہو جائے، یا عذاب دنیوی نازل ہو جائے۔ اى العذاب المستاصل او القيامة (کشاف۔ مدارک) اى القيامة (روح۔ عن مجاہد وقتادۃ) قال بعضهم المراد بالعذاب الدنيوى (روح)

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ

ایسا ہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان کے قبل تھے ان پر اللہ نے ظلم (ذرا بھی)

اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ

نہیں کیا تھا، بلکہ وہ آپ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ف۴۸ آخر انہیں

سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

ان کے اعمال کی سزائیں ملیں، ف۴۹ اور انہیں اسی (عذاب) نے گھیر لیا جس پر وہ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ ع وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ

تمسخر کرتے تھے اور شرک کرنے والے کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو

مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا وَلَا

ہم اس کے سوا کسی کی بھی پرستش نہ کرتے (نہ) ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ

حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ

ہم اس کے بدون (حکم) کسی چیز کو حرام کر سکتے ف۵۰ ایسی ہی (حرکت) وہ لوگ بھی کر چکے ہیں

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَي الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ

جو ان کے قبل ہوئے ہیں ف۵۱ سو پیمبروں کے ذمہ تو صرف صاف صاف

الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ

پہنچا دینا ہے ف۵۲ اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک پیامبر بھیجا ہے کہ

اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ

اللہ کی عبادت کرو اور شیطان (کی راہ) سے بچو ف۵۳ سو ان میں وہ بھی ہوئے جنہیں

هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ

اللہ نے ہدایت دی اور وہ بھی جن پر گمراہی ثابت ہو کر رہی

ف۴۸ یعنی کفر، شرک وفسق، غرض سزا کے سارے کام جان جان کر کرتے تھے۔ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی انہوں نے بھی کفر وعناد پر اصرار کیا تھا، اور انہیں بھی سزا ملی تھی۔ ف۴۹ (خواہ اسی زندگی میں، خواہ بعد موت، خواہ دونوں جگہ)۔ ف۵۰ مشرکین کہتے تھے کہ خدا کو اگر ہمارے طریقے ناپسند ہیں تو وہ ہمیں روک ہی کیوں نہیں دیتا، اُس نے ہمیں ان چیزوں پر قدرت ہی کیوں دی؟ —— یہ احمق حق تعالیٰ کی مشیت تکوینی (یا بندوں کی قوتِ اختیار وآزادیٔ عمل) اور اُس کی رضا وحکم کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں کرتے تھے! ف۵۱ یعنی یہی ضابطہ زمانہ ماضی کے گمراہوں کو بھی پیش آچکا ہے۔ حالانکہ اگر ذرا بھی سوچیں، تو یہی سوال اُلٹ کر خود ان پر بھی عائد ہوتا ہے —— آخر اُن کے عقائد کی رُو سے بھی تو خدا کو کچھ چیزیں پسند ہیں اور کچھ ناپسند۔ تو وہ اپنی ناپسندیدہ چیزوں کو واقع ہی کیوں ہونے دیتا ہے؟ ف۵۲ (اور اس فریضہ سے وہ ہر دور اور زمانہ میں پوری طرح ادا ہو چکے) ھل یہاں بھی نفی کے مفہوم میں اور ما کے مرادف ہے الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ پوری تبلیغ یہ کہ جو دعوے ہوں وہ واضح ہوں، اُن میں کوئی گنجلک یا خفا باقی نہ رہ جائے۔ اور ہر دعویٰ پر دلیلیں صحیح، روشن اور عام فہم قائم ہو جائیں۔ ف۵۳ (سو یہ توحید اور دین حق کی تعلیم کوئی نئی تعلیم نہیں۔ شروع سے چلی آرہی ہے) رَسُوْلًا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر ملک وقوم میں، مستقلاً کوئی رسول ہی (اصطلاحی معنیٰ میں) آیا ہو۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ہر قوم تک پیمبر کی تعلیم پہنچ گئی ہو، خواہ اس کے کسی نائب ہی کے ذریعہ سے۔ ہندوستان میں کوئی پیمبر ہوئے یا نہیں؟ یہ سوال ایک مدت سے چھڑا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں پیمبر کی بعثت کا امکان تو بہر حال ہے، لیکن جزم ویقین کے ساتھ کسی صاحب کو پیمبر قرار دے لینا، جب تک کہ اُن کی پیمبری پر کوئی مستقل دلیل نہ مل جائے، زیادتی ہے۔ الطَّاغُوْتَ یہ منجملہ اُن الفاظ کے ہے، جن کا ترجمہ اُردو میں ایک لفظ سے ہونا دشوار ہے۔ اس لفظ پر حاشیہ سورۂ آل عمران پ۳) وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ کے ذیل میں گزر چکا۔

وڪ٥٤ (اور تاریخ وعلم الآثار سے مدد لے کر دیکھو کہ وہ سرکش وخود فراموش قوموں کا کیا انجام بیان کر رہی ہیں) فَسِيْرُوْا خطاب مشرکوں سے ہے۔ ایھا المشرکون المکذبون (روح) فَمِنْهُمْ ...... الضَّلٰلَةُ پیغمبر ﷺ کو تسکین دی ہے کہ آپ زیادہ غم وتردّد نہ کیجئے، ضلالت وہدایت کے یہ معاملات تو قدیم سے چلے آرہے ہیں۔ وڪ٥٥ (سو آپ صبر سے کام لیجئے) اب پھر خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ آپ کی افراط شفقت علی الخلق کی بنا پر آپ کو اس حقیقت پر توجہ دلائی جارہی ہے کہ جو لوگ خود اپنی ہدایت کی پروا نہیں رکھتے، ان کے لئے قانون تکوینی بدلا نہیں جائے گا، وہ بدستوریوں ہی گمراہی میں پڑے رہیں گے۔ وڪ٥٦ (اور یہ حشر ونشر، جزا وسزا سب ڈھکوسلے ہیں) جاہلیت عرب کے ''روشن خیال'' آج بھی کل کے ''روشن خیالوں'' کی طرح آپس میں بڑے زور وشور اور دعوے کے ساتھ کہا کرتے رہتے تھے کہ کیسا حشر ونشر؟ یہ کچھ بھی ہونا ہوانا نہیں، محض خوش اعتقادیاں ہیں۔ وڪ٥٧ ان ''آزاد خیالوں'' کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ تمہاری لغو ولایعنی تردید سے ہوتا کیا ہے، یہ عقیدہ جزاء وسزا تو دین حق کے بنیادی عقائد میں ہے، اور عقیدۂ توحید کا ایک لازمی تتمہ ہے۔ بَلٰی نفی کے جواب میں ہے۔ یعنی کیوں نہ کرے گا، ضرور کرے گا۔ لایجاب النفی ای بلی یبعث (روح) وڪ٥٨ (اور انبیاء ومومنین ہی سچے تھے) ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ وقوع معاد تو عین حکمت ہے۔ وہیں تو ان کافروں پر پوری طرح ظاہر ہو کر رہے گا کہ اس دارِ ابتلاء میں جن جن مسائل کے باب میں وہ اہل حق سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، ان میں وہ کس قدر ناحق پر تھے۔ اور وہیں ان پر شہودًا وعیانًا یہ روشن ہو کر رہے گا، کہ وہ خود سرتا سر باطل پر، اور انبیاء ومومنین حق پر تھے۔ لِيُبَيِّنَ۔ میں ل کا تعلق فعل مقدر نبعثهم سے ہے۔ لَهُمْ کی ضمیر جمع غائب ہر مرنے والے کافر ومومن پر شامل ہے۔ ای من یموت وھو شامل للمومنین والکفار (بحر) وڪ٥٩ (سو ایسے قادر مطلق کو مردہ اجسام میں دوبارہ جان ڈال دینا کیا مشکل ہے؟ اور اس میں شبہ عقلی ہو ہی کیا سکتا ہے؟) قولنا اور نقول سے یہ لازم نہیں آتا کہ حق تعالیٰ اس کلمۂ کن کا (جو خود ایک دوحرفی حادث لفظ ہے) تلفظ بھی کرتا ہو مراد صرف اس قدر ہے کہ چھوٹی بڑی کوئی سی بھی چیز ہو، اس کی تکوین کے لئے، اس کے وجود میں آجانے کے لئے حق تعالیٰ کا محض ارادہ کافی ہے۔ اِدھر ارادۂ الٰہی اس سے متعلق ہوا، اور اُدھر معًا اور فی الفور وہ شے عدم سے وجود میں آگئی۔ لشیئ اور لہٗ دونوں میں ل تبلیغ کا ہے۔ والظاھر ان اللام فی لشیء وفی له للتبلیغ (بحر) وڪ٦٠ (مشرکین معاندین کی طرف سے) مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا۔ ہجرت یعنی اپنے وطن کی سرزمین کو معہ وہاں کے دوستوں، عزیزوں وغیرہ بے شمار مرغوبات ومالوفات کے چھوڑ دینا ہمیشہ ہی نفس پر شاق گزرتا ہے۔ شدید مظلومیت وبیچارگی کے بعد تو نفس پر یہ دشواری کئی گنی اور بڑھ جاتی ہے۔ فِی اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے واسطے یا اللہ کی راہ میں۔ لاقامة دینه (جلالین) فی حقه ولوجهه (مدارک۔ بیضاوی) وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا۔ یہاں ذکر ان مومنین سابقین وصادقین کا ہے، جنہوں نے کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آکر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے، نہ صرف شہر مکہ بلکہ ملک حجاز اور سارے علاقۂ عرب کو چھوڑ کر، ایک دور دراز ملک حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی۔ هؤلآء اصحاب محمدٍ ظلمهم اهل مكة فاخرجوهم من ديارهم حتى لحق طوائف منهم بالحبشة (ابن جریر۔ عن قتادہ) هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ۔ اس قید سے فقہاء مفسرین نے یہ بھی نکالا ہے کہ ہجرت شریعت میں معتبر وہی ہے جو دین الٰہی کے خاطر ہو، ورنہ نفس ہجرت تو محض انتقالِ وطن کے مرادف وہم سطح ہے۔ و دلّ

فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

تو زمین پر چلو پھرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا (برا)

الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٦﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا

انجام ہوا وڪ٥٤ اگر آپ کو ان کے راہ راست پر آنے کی تمنا ہے تو اللہ ایسے کو

يَهْدِىْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٣٧﴾

راہ نہیں دکھاتا جسے وہ (اس کے عناد کے باعث) گمراہ کر چکا ہے، اور نہ ان کا کوئی حمایتی ہوگا وڪ٥٥

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ

اور یہ بڑے زور وشور سے خدا کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے خدا اسے دوبارہ نہیں

يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

اٹھائے گا وڪ٥٦ کیوں نہیں (کرے گا) اس وعدہ کو اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے لیکن اکثر لوگ (اتنا بھی) علم

يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾ ۙ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِىْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ

نہیں رکھتے وڪ٥٧ (اور یہ دوبارہ اٹھانا اس لئے ہوگا) کہ جس امر کے باب میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے اس

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّمَا

کا ان کے روبرو اظہار کر دے اور تاکہ اہل کفر یقین کر لیں کہ وہ (واقعی) جھوٹے ہی تھے وڪ٥٨ ہم جب

قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ

کسی چیز (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کر لیتے ہیں تو بس اس سے ہمارا اتنا ہی کہنا ہوتا ہے کہ ہو جا،

فَيَكُوْنُ ﴿٤٠﴾ ع وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِى اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا

بس وہ ہو جاتی ہے، وڪ٥٩ اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے ہجرت کی بعد اس کے کہ ان پر

ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ

ظلم ہو چکا تھا وڪ٦٠ ہم ان کو دنیا میں (بھی) بہت اچھا ٹھکانا دیں گے اور اجرِ آخرت تو

ع ٥ / ١١

الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا

(کہیں) بڑھ کر ہے کاش انہیں خبر ہوتی و۶۱ (وہ مہاجرین ایسے ہیں) جو صبر کرتے ہیں

وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں و۶۲ اور ہم نے آپ کے قبل مرد ہی رسول بنا کر

اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ

(دلائل اور کتابوں کے ساتھ) بھیجے ہیں، و۶۳ جن پر ہم وحی بھیجا کرتے ہیں،

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ

سو اگر تم لوگوں کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ دیکھو و۶۴ اور ہم نے آپ پر بھی یہ نصیحت نامہ اتارا ہے

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

تاکہ آپ لوگوں پر ظاہر کردیں جو کچھ ان کے پاس بھیجا گیا ہے اور تاکہ وہ غور وفکر سے کام لیا کریں و۶۵

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ

کیا وہ لوگ جو بڑے بڑے منصوبے باندھتے رہتے ہیں اس امر سے بے فکر ہوگئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں

بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا

دھنسا دے یا ان پر عذاب ایسے موقع سے آ پڑے کہ انہیں

يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ

گمان بھی نہ ہو و۶۶ یا انہیں ان کے چلتے پھرتے پکڑ لے، سو یہ لوگ (اللہ کو)

بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ

عاجز نہیں کر سکتے و۶۷ یا انہیں گھٹاتے گھٹاتے پکڑ لے لیکن

رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ

تمہارا پروردگار بڑا شفیق ہے، بڑا رحمت والا ہے و۶۸ کیا انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں کو

و۶۱ یعنی کاش ان بے خبر کافروں کا آخرت کے اجر بے نہایت اور راحت دائمی کا کچھ اندازہ ہوتا! كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ میں ضمیر غائب کافروں کی جانب ہے۔ الضمير للكفار (کشاف) عائد الى الكفار (کبیر) فی الدُّنْيَا حَسَنَةً۔ چنانچہ مہاجرین مکہ کو بھی مدینہ پہنچ کر بالآخر ہر طرح کی حکومت وعزت حاصل ہوگئی۔ اور ریاست مکہ ہی نہیں، سارا صوبہ حجاز، کل ملک عرب، بلکہ اطراف مشرق ومغرب بھی ان کے زیر نگیں آگئے۔ هى الغلبة على اهل مكة الذين ظلموهم وعلى العرب قاطبةً وعلى اهل المشرق والمغرب (کبیر) و۶۲ (چنانچہ وطن چھوڑتے وقت یہ بھی نہیں خیال کرتے کہ کیا کھائیں گے، کہاں سے پائیں گے) خیال رہے کہ یہ سفر ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں خشکی اور تری دونوں سے مکہ سے سینکڑوں میل دور حبشہ کا تھا۔ بیسویں صدی عیسوی کی پرتکلف ریل گاڑیوں اور پرتعیش جہازوں میں نہ تھا۔ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا۔ یعنی ہر طرح کی تکلیفوں اور ناخوشگوار واقعات پر صبر سے کام لیتے رہتے ہیں۔ و۶۳ (نہ کسی فرشتہ، جن، یا فوق البشر، کو رسول بنا کر) مشرکین عرب دیوتا، اوتار وغیرہ کے تخیل سے تو خوب آشنا تھے۔ لیکن نفس رسالت، کسی بشر محض کا پیمبری سے سرفراز ہوجانا ان کی سمجھ سے باہر تھا، اسی میں وہ بار بار الجھتے تھے، اور ذات مصطفوی پر اپنے نزدیک بڑا اصولی اور گہرا اعتراض یہی کرتے تھے کہ یہ کھاتے پیتے، چلتے پھرتے بشر ہوکر پیمبر کیسے ہوگئے؟ یہ انہی منکرین کو سنا کر آنحضرت ﷺ سے ارشاد ہورہا ہے کہ انسانوں کے لئے سلسلۂ نبوت تو ازل سے برابر بشر ہی کے ذریعہ سے قائم ہے۔ رِجَالًا کے لفظ سے، یہ استدلال اور بالکل صحیح استدلال کیا گیا ہے کہ مرتبہ نبوت مردوں ہی کے لئے محدود ومحصور ہے، اور کسی عورت کے لئے اس منصب کی گنجائش ہی نہیں۔ دلت الأية على انه تعالىٰ ما ارسل احدًا من النساء (کبیر) سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۱۰۹ میں بھی ایسے ہی الفاظ آئے ہیں۔ وہاں کا حاشیہ بھی ملاحظہ کرلیا جائے۔ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا، اور بہت صحیح فرمایا کہ ان دو مختصر لفظوں کے اندر سارا خلاصۂ رسالت آگیا --- البینت کے اندر سارے معجزات وشواہد صدق پیمبر۔ اور الزُّبُر کے اندر اصل احکام وہدایات۔ الزبر لفظة جامعة لكل ما تكامل به الرسالة لان مدار امرها على المعجزات الدالة على صدق من يدعى الرسالة وهى البينات وعلى التكاليف التى يبلغها الرسول من الله تعالىٰ الى العباد وهى الزبر (کبیر) الاولىٰ للدلالة على الصدق والثانية لبيان الشرائع والتكاليف (روح) بِالْبَيِّنٰتِ۔ البینت کے معنی دلائل وشواہد بھی بالکل درست ہیں۔ اى بالحجج والدلائل (ابن کثیر) و۶۴ خطاب مشرکین عرب سے ہے۔ اور ان سے ارشاد یہ ہورہا ہے کہ جنہیں تم بھی اہل علم سمجھتے ہو، یعنی اہل کتاب یہود ونصاریٰ۔ ذرا انہی سے اس مسئلہ کے متعلق پوچھ گچھ کر کے اپنا اطمینان کرلو۔ مسئلہ رسالت میں، اور بشر ہی کے رسول ہونے میں تو وہ بھی مسلمانوں ہی کے ہم زبان ہیں۔ اَهْلَ الذِّكْرِ کے معنی اہل کتاب کے، صحابہ، تابعین، ائمہ لغت واکابر مفسرین سب سے منقول ہیں۔ اى اهل الكتاب من اليهود والنصارىٰ (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما والحسن والسدی) واهل الذكر اهل الكتاب وقيل للكتب الذكر لانه موعظة وتنبيه للغافلين (کشاف) الذكر الكتاب فيه تفصيل الدين ووضع الملل (قاموس) وكل كتاب من الانبياء ذكر (تاج) الذكر الكتب المتقدمة (راغب) و۶۵ (ان مضامین قرآنی کے اندر) الذِّكْرَ سے مراد یہاں قرآن مجید ہی ہے۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ۔ یعنی تاکہ آپ ان مضامین کو اپنی تشریح وتوضیح کے ساتھ خلق سے روشناس کردیں --- یہ آیت قرآنی اس باب میں نص ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت محض حامل وحی یا "خط رساں" کی نہیں، بلکہ شارح اور بیان کرنے والے کی بھی ہے۔ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ قرآن مجید کی اصل مخاطب، رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ وواسطہ سے، ساری نوع انسانی ہے۔ و۶۶ چنانچہ معرکۂ بدر میں ہوا بھی یہی، کہ سرداران قریش کو اس کا گمان تک نہ تھا کہ ہم لوگ باایں ساز وسامان اور باایں کثرت تعداد، تھوڑے سے اور وہ بھی بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں سے ایسی بری طرح شکست کھا جائیں گے۔ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ۔ یعنی وہ لوگ جو اسلام اور رسول اسلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ والا قرب ان المراد سعيهم فى ايذاء رسول الله ﷺ واصحابه على سبيل الخفية (کبیر) يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ۔ مطلب یہ ہے کہ ان پر کوئی بھی ناگہانی مصیبت زمینی آپڑے۔ و۶۷ متمرد وسرکش انسان اپنی پوری کوشش اور ساری قوتیں صرف کر کے ایڑی، چوٹی کا زور لگا کر دیکھ لے، حق تعالیٰ کا کسی معاملہ میں ذرا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا، آخرکار خود ہی ہار کر، تھک کر، مجبور ہوکر، بیٹھ جانا پڑے گا۔ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ۔ یعنی نزول عذاب کے لئے اسے کسی خاص اہتمام کی ضرورت تھوڑے ہی ہے، وہ ان کے جس حال میں چاہے انہیں گرفتار کرلے۔ و۶۸ (چنانچہ فوراً عذاب کی گرفت میں نہیں لے لیتا، بلکہ رجوع وتوبہ کے لئے بار بار مہلت دیتا ہے) والمعنى انه يمهل فى اكثر الامر لانه رؤف رحيم فلا يعاجل بالعذاب (کبیر) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر طرح انسان کی ہلاکت وبربادی پر قادر ہے، چاہے اس کا ظاہر ذریعہ کوئی طبعی سبب مثل زلزلہ وغیرہ کے ہو، چاہے وہ کسی قوی وزبردست دشمن کو مسلط کردے، چاہے وہ یونہی چلتے پھرتے ہلاک کردے، اور چاہے پہلے سے جتا کر، بتلا کر، متنبہ کر کے کوئی سامان ہلاکت کا پیدا کردے۔ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ۔ یعنی بار بار بلائیں لا کر، تدریجاً لوگوں کو ہلاک کردے۔ اى ياخذهم على ان ينتقصهم شيئًا بعد شىء فى انفسهم واموالهم حتى يهلكوا (کشاف) تنقص شيئًا فشيئًا حتى يهلك الجميع (جلالین) تَخَوُّفٍ کے اصلی معنی انسان میں ظہور خوف کے ہیں۔ التخوف ظهور الخوف من الانسان (راغب) اور اسی معنی سے جو فعل متعدی آتا ہے اس کے معنی اثر خوف سے گھٹانے کے ہیں۔ وتخوفناهم اى تنقصناهم تنقصا اقتضاء الخوف (راغب)

اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ
نہیں دیکھا جن کے سائے داہنی طرف اور بائیں طرف
وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ لِلّٰهِ
جھکتے ہیں تابع ہیں وہ اللہ کے، اور (اللہ کے روبرو) عاجز ہیں و۶۹ اور اللہ ہی کی
يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ
مطیع ہیں و۷۰ جتنی چلنے والی چیزیں آسمان میں ہیں اور جتنی زمین میں ہیں
وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ
اور فرشتے بھی اور وہ (اپنی) بڑائی نہیں کرتے و۷۱ وہ ڈرتے رہتے ہیں اپنے پروردگار سے
مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَ قَالَ اللّٰهُ
جو ان پر بالادست ہے، اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا رہتا ہے و۷۲ اور اللہ نے کہہ رکھا ہے
لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ
کہ دو معبود نہ قرار دینا و۷۳ خدا تو بس وہی ایک ہے،
فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ
سو تم لوگ صرف مجھی سے ڈرتے رہو و۷۴ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے
وَ لَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ مَا بِكُمْ
اور اسی کا دین واجب الاطاعت ہے، و۷۵ تو کیا (پھر بھی) غیر اللہ سے ڈرتے ہو؟ و۷۶ اور تمہارے پاس
مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ
جو بھی کوئی نعمت ہے، وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی (اللہ) سے
تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ
فریاد کرتے ہو و۷۷ پھر جب وہ تم سے تکلیف کو ہٹا دیتا ہے تو تم میں کا ایک گروہ اپنے پروردگار کے ساتھ

ع ۱۰/۱۲

و۶۹ یعنی کیا یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ تکوینی طور پر اس کائنات کی ایک ایک چیز، یہاں تک کہ سایہ دار چیزوں کے سائے بھی، حکم الٰہی کے مطیع و منقاد ہیں ۔۔۔ مشرک جاہلی قوموں میں سایہ کے متعلق بھی عجیب عجیب توہمات گڑھ رکھے ہیں۔ قرآن مجید ان سب کا قلع قمع کر کے بتاتا ہے کہ سارے سائے اور سایہ دار چیزیں قانون الٰہی ہی کی محکوم ہیں۔ ظِلٰلُهٗ۔ مفسرین قدیم نے لکھا ہے کہ سایہ کے موجبات و مسببات، حرکت سایہ کے اسباب، پھر سایہ کے خواص یہ سب حکم الٰہی ہی سے ہیں۔ سُجَّدًا لِّلّٰهِ۔ سُجَّدًا یہاں اپنے اصلی معنی میں ہے، یعنی فرمانبردار، جیسا کہ ہر مخلوق کو اپنے خالق اور فاعل حکیم کے روبرو ہونا ہی چاہیے۔ هٰذا سجود تسخير وهو الدلالة الصامتة الناطقة المنبهة على كونها مخلوقة وانها خلق فاعل حكيم (راغب) المراد بهٰذا السجود الانقياد والتواضع (کبیر) وَ هُمْ دٰخِرُوْنَ۔ یعنی یہ سایہ دار چیزیں سب اسی کی مطیع و فرمانبردار ہیں۔ داخرون اے اذلاء (راغب) و۷۰ (تکوینی طور پر) يَسْجُدُ۔ سجود یہاں اپنے اصل مفہوم، انقیاد و استسلام کے معنی میں ہے ۔۔۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ مخلوق چھوٹی یا بڑی کوئی سی بھی ہو، اور عالم ارواح یا عالم اجسام میں کہیں بھی ہو، سب کی سب عظمتِ الٰہی کی مسخر و منقاد ہیں۔ اے کل ما سوی اللہ سواء کان من عالم الارواح او من عالم الاجسام فهو منقاد خاضع لجلال اللہ تعالٰی و کبریائه (کبیر) و۷۱ یعنی اللہ کی مطیع و منقاد جب تکوینی طور پر، زمین و آسمان کی ساری ہی زندہ و متحرک مخلوق ہے، اور سب سے بڑھ کر خود فرشتے جو ایک لحاظ سے اعظم مخلوقات ہیں اور مشرکوں نے انہی کو دیوی دیوتا قرار دیا اور خدا کا مد مقابل سمجھا ہے، وہ تو خاص طور پر مطیع و منقاد ہیں، تو ان مشرکوں بیچاروں کی بساط ہی کیا ہے۔ يَسْتَكْبِرُوْنَ کے باب استفعال سے بعض نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ ملائکہ کے دل میں اپنی بڑائی کی طلب تک نہیں پیدا ہوتی، چہ جائیکہ خود بڑائی کرنے لگیں۔ لا يطلبون ذٰلک فضلًا عن فعله والاتصاف به (روح) مِنْ دَآبَّةٍ۔ دابة کے معنی یہاں جاندار کے بھی کئے گئے ہیں، اور متحرک کے بھی۔ اور سجدۂ انقیاد کے ایک سرے پر دابة اور دوسرے سرے پر ملائکہ کو لا کر گویا یہ بتا دیا کہ ادنٰی سے لے کر اعلٰی تک ہر ذی حیات زنجیر انقیاد میں یکساں جکڑا ہوا ہے۔ بين بهٰذه الأية ان الحيوانات باسرها منقادة لله تعالٰى لان اخسّها الدواب واشرفها الملٰئكة (کبیر) و۷۲ یہ سب دیوتا پرستی اور ملائکہ پرستی کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے۔ مِنْ فَوْقِهِمْ۔ فوق سے یہاں کھلی ہوئی مراد فوقیت معنوی یا غلبہ ہے۔ ورنہ محض سمت یا جہت کے فوق سے تو خوف پیدا ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ المراد بالفوقية الفوقية بالقهر والقدرة لانها هى الموجبة للخوف (کبیر) اے عاليًا عليهم بالقهر (جلالین) راغب نے فوق کے استعمال کے چھ موقع بتائے ہیں۔ مکان، زمان، جسم، عدد، منزلت اور انہی میں سے ایک معنی فوقیت بہ اعتبار قہر و غلبہ کے رکھے ہیں۔ توریت موجودہ میں بعض فرشتوں کو عاصی و نافرمان فرشتہ کہہ کر پیش کیا گیا ہے۔ قرآن مجید اس تخیل کی جڑ ہی کاٹے دیتا ہے ۔۔۔ قرآن فرشتوں کو بار بار تمام تر معصوم ہستی کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ وهى دلالة قاهرة قاطعة على عصمة الملائكة عن جميع الذنوب (کبیر) يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ۔ سوال یہ ہوا ہے کہ ملائکہ سے جب معصیت کا امکان ہی نہیں، تو وہ پروردگار سے ڈرتے کیوں رہتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ خوف وہ نہیں، جو اپنی معصیت سرشتی سے پیدا ہوتا ہے، بلکہ یہ وہ خوف ہے جو محض عظمت الٰہی کے احساس اور حق تعالٰی کی ہیبت و اجلال سے پیدا ہوتا ہے ۔۔۔ اس قسم کا خوف جو عوام سے کہیں زیادہ خواص و اہل معرفت کے دلوں میں اور سب سے بڑھ کر حضرات انبیاء کے سینوں میں موجزن رہا کرتا ہے۔ امام المفسرین رازی علیہ رحمۃ اللہ نے بہت خوب فرمایا ہے۔ ذٰلک الخوف خوف الاجلال هكذا روى عن ابن عباسؓ والدليل على صحته قوله تعالٰى انما يخشى الله من عباده العلماء وهٰذا يدل على انه كلما كانت معرفة الله اتم كان الخوف عنه اعظم وهٰذا الخوف لايكون الا خوف الاجلال والكبرياء (کبیر) اور جب عصمت ملائکہ کی یہ ایک اصل سمجھ میں آ گئی، تو اس سے خود بخود بہت سے بے سند اور غلط لیکن زبان زد عوام قصوں کی جڑ کٹ جاتی ہے، جن میں فرشتوں کو کبائر کے مرتکب کی حیثیت پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً ہاروت و ماروت کی بدنامی زہرہ کے ساتھ، یا خود ابلیس کا زمرۂ ملائکہ میں سے سمجھا جانا ہے۔

و۷۳ (جیسا کہ مجوس نے اور بعض اور بددین فرقوں نے قرار دے رکھا ہے) قرآن مجید جس طرح شرک کی اور ہر صورت کو مٹا رہا ہے، اسی طرح ثنویت کو بھی۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وَ قَالَ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ نے اپنی مخلوق کو پیمبروں کے ذریعہ سے یہ حکم دے رکھا ہے۔ و۷۴ (کہ میں ہی ہر طرح کے انعام اور عتاب پر قادر ہوں) هُوَ (صیغۂ غائب) کے معاً بعد اِيَّايَ (صیغۂ متکلم) کی طرف انتقال صنعت التفات کہلاتا ہے، اور عربی اسلوب بلاغت میں ایک اعلٰی صفت ہے ۔۔۔ اور اتنی بات تو اردو خوانوں کی سمجھ میں بھی آ سکتی ہے کہ تخویف و ترہیب کے موقع پر صیغۂ غائب سے کہیں زیادہ زور و اثر صیغۂ متکلم میں پیدا ہو جاتا ہے۔ وهو من طريقة الالتفات وهو ابلغ فى الترهيب من قوله واياه فارهبوه (کشاف) و۷۵ (پھر اس میں کسی دوسرے دین کی شرکت کے کیا معنی) واصب کے معنی واجب و ثابت کے ہیں۔ الواصب الواجب الثابت (کشاف) اور دین واصب سے جزائے دائمی بھی مراد لی گئی ہے یعنی عذاب و ثواب۔ وله الجزاء ثابتة دائمًا سرمدًا لا يزال يعنى والثواب والعقاب (کشاف) اے له تعالٰى الجزاء دائمًا لا ينقطع ثوابه للمطيع وعقابه للعاصى (روح) و۷۶ شرک کی اصل و بنیاد عمومًا اسی غیر اللہ کے خوف پر ہوتی ہے۔ مشرک انسان سمجھتا یہ ہے کہ فلاں فلاں طاقتیں ایسی ہیں جو مجھے نقصان پہنچا سکتی ہیں سو انہیں راضی رکھنے کے لئے ان کے آگے یوں نذر ماننی چاہیے، یوں بھینٹ چڑھانا چاہیے۔ وقس علی ہذا۔ (ملاحظہ ہو حاشیۂ انگریزی تفسیر القرآن) قرآن نے اسی پر ضرب لگائی ہے:۔

مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ

شرک کرنے لگتا ہے حاصل یہ کہ وہ اس کی ناشکری کرتے ہیں، جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے، و۸۰

فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ يَجْعَلُوْنَ لِمَا

سو (خیر) چندروزہ عیش کرلو، پھر تو عنقریب تمہیں معلوم ہی ہوا جاتا ہے و۷۹ اور یہ جن کے بارہ میں انہیں کوئی

لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ

علم نہیں ان کا حصہ لگاتے ہیں ان چیزوں میں جو ہم نے انہیں دے رکھی ہیں، و۸۰ قسم ہے اللہ کی کہ تم جو کچھ

عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ

گڑھتے رہتے ہو اس پر ضرور تم سے باز پرس ہوگی و۸۱ اور اللہ کے لئے انہوں نے بیٹیاں قرار دے رکھی ہیں،

سُبْحٰنَهٗ ۙ وَ لَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ

سبحان اللہ! اور اپنے لئے وہ (رکھا ہے) جس کے لئے ان کا جی چاہتا ہے، و۸۲ اور جب ان میں سے کسی کو

اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ

بیٹی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے، اور وہ (دل میں)

كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ

گھٹتا رہتا ہے و۸۳ اس بری خبر پر وہ لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے

اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ

آیا اس (مولود) کو ذلت کی حالت میں لئے رہے یا اسے مٹی میں گاڑ دے؟ و۸۴ ہائے، کیسی بری تجویز

مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ

یہ کرتے رہتے ہیں و۸۵ بری حالت ہے ان لوگوں کی جو آخرت پر ایمان

السَّوْءِ ۚ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ

نہیں رکھتے، اور اللہ کے لئے اعلیٰ صفات ثابت ہیں و۸۶ اور وہ بڑا زبردست ہے،

و۷۷ (اس کے رفع کرنے کو) یہاں اس حقیقت کو یاد دلا دیا ہے کہ جو اور جس قسم کی بھی نعمت انسان کو حاصل ہے، اس کا سرچشمہ ذاتِ خداوندی ہی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ انسان کو خود بھی اس کا احساس ہے، چنانچہ جب اس پر مصیبت پڑتی ہے، تو وہ بے ساختہ خدا ہی کو یاد کرنے لگتا ہے۔ فخر المفسرین رازی رحمۃ اللہ علیہ آیت کے تحت میں لکھتے ہیں کہ آج یکم محرم ۶۰۲ ہجری کو جب میں اس آیت کی تفسیر لکھ رہا ہوں، صبح کے وقت شدید زلزلہ آیا، اور لوگ دعا وتضرع میں مصروف ہوگئے، لیکن جب زلزلہ ختم ہوگیا، تو اسے بھول بھال کر پھر غفلت میں پڑ گئے، اور اپنے کام کاج میں لگ گئے۔ تَجْـَٔرُوْنَ۔ یعنی گڑگڑاتے ہو، دہائی دیتے ہو، فریاد کرتے ہو۔ جؤارٌ کے لفظی معنی جنگلی جانوروں کے چلانے کے ہیں۔ای ترفعون اصواتكم بالاستغاثة وتتضرعون اليه بالدعاء (کبیر) والجؤار فى الاصل صياح الوحش واستعمل فى رفع الصوت بالدعاء والاستغاثة (روح) و۷۸ (اپنی نعمتوں میں سے) — اور رفع تکلیف تو خود ہی ایک بڑی نعمت ہے۔ لِيَكْفُرُوْا۔ میں ل عاقبت کا ہے۔ اللام لام العاقبة (روح) و۷۹ (کہ اس کفر وشرک کا انجام کیا ہوتا ہے) سوف۔ عنقریب یعنی مرتے ہی۔ و۸۰ یعنی یہ مشرکین ہماری ان نعمتوں میں جو ہم نے انہیں دے رکھی ہیں، ان معبودوں کا بھی حصہ لگاتے ہیں، جن کے معبود ہونے ہی پر کوئی دلیل ان کے پاس نہیں — ذکر مشرکین عرب کا ہو رہا ہے۔ ان کی ان خصوصیات کا ذکر سورۃ الانعام (پارہ نمبر ۸) میں آچکا ہے۔ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ۔ وہ جن کی بابت ان کے پاس نہ کوئی علم ہے نہ ثبوت ہے نہ تحقیق ہے۔ بس بلا دلیل وحجت اندھا دھند انہیں اپنا دیوتا مانے جاتے ہیں۔ و۸۱ (اے مشرکو!) موقع تہدید پر صیغہ ایک طرف تو غائب سے مخاطب ہوا اور دوسری طرف متکلم سے غائب کا ہو گیا۔ تَاللّٰهِ۔ زور وتاکید کے موقع پر قسم کا لانا عربی اسلوب بیان کی ایک صناعت ہے۔ تَاللّٰهِ حرف قسم کات کے ساتھ لانا لفظ اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ لَتُسْـَٔلُنَّ۔ باز پرس سے مؤاخذہ حشر مراد ہے۔ و۸۲ یعنی اولاد نرینہ — مطلب یہ ہوا کہ ایک تو حق تعالیٰ کی جانب اولاد کا انتساب خود ہی کیسی جہالت وسفاہت ہے، اور پھر اولاد میں بھی حق تعالیٰ کے لئے وہ صنف، جسے اپنے نزدیک حقیر وذلیل جانتے ہو یعنی لڑکے کے بجائے لڑکیاں! اور بیٹوں کو اپنے لئے مخصوص رکھتے ہو! وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ بلا قریش کے قبائل بنی خزاعہ اور بنی کنانہ میں زائد تھی۔ وہی ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ هم خزاعة وكنانة (روح) و۸۳ (کہ کیسی عار وننگ کی چیز خاندان میں آئی) لڑکی سے عار آنے کی بلا قبائل قریش کے علاوہ، یوں بھی دنیائے شرک میں عام رہی ہے۔ و۸۴ (یہ سوال مشرک باپ کے دل میں برابر گردش کرتا رہتا ہے) عرب میں قبیلہ تمیم اس بلا میں خاص طور پر مبتلا تھا۔ لیکن دنیا کی تاریخ میں مشرک قوموں نے بہ کثرت اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر کر دیا ہے۔ ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے:۔ ”دختر نوزاد کو زندہ دفن کردینے کا دستور بہت عام رہا ہے۔“ (جلد ۸۔ صفحہ ۸) ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ دختر کشی کے اسباب ومحرکات دوگانہ تھے۔ کبھی تو لڑکی کا وجود باعث عار سمجھتے تھے، اور شرم وحیا کے مارے اسے مار ڈالتے تھے، اور کبھی اس کے بار مصارف کے خیال سے۔ وهم كانوا يفعلون ذٰلک تارةً للغيرة والحمية وتارةً خوفًا من الفقر والفاقة ولزوم النفقة (کبیر) اور یہ آخری محرک یورپ کی جدید تحریک ”برتھ کنٹرول“ کا بالکل نقش اول تھا۔ و۸۵ (کہ اول تو خدا کو صاحب اولاد ٹھیرایا اور پھر اس میں بھی اس کے لئے بیٹی تجویز کی!) یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ لڑکی کے نام سے اتنی چڑھ، اور اس کے ساتھ یہ شقاوت کا برتاؤ، سب ان کی عقل کی کیسی بدترین تجویزیں ہیں:۔ و۸۶ یعنی تمام صفات کمال وجمال، خصوصاً قدرت کاملہ اور نزاہت۔ مَثَلُ السَّوْءِ۔ دنیا میں بری حالت یہ کہ ایسے شدید جہل وحمق میں مبتلا رہے، اور آخرت میں یہ کہ ہر طرح کی عقوبت وذلت کے شکار ہوں گے۔

الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ ع وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا

بڑا حکمت والا ہے و۸۷ اور اگر اللہ لوگوں پر ان کی زیادتی کے سبب (فوراً) دارو گیر کرتا رہتا تو زمین پر

تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ

کوئی حرکت کرنے والا جاندار نہ چھوڑتا و۸۸ لیکن وہ انہیں میعاد معین تک مہلت

مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً

دیئے ہوئے ہے پھر جب ان کی وہ میعاد آجائے گی تو اس سے وہ نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے

وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ

اور نہ آگے بڑھ سکیں گے، و۸۹ اور اللہ کے لئے وہ چیزیں قرار دیتے ہیں جنہیں خود (اپنے لئے) ناپسند

وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا

کرتے ہیں، اور ان کی زبانیں جھوٹ کہتی جاتی ہیں کہ ان کے لئے بھلائی (ہی) ہے و۹۰ لازمی ہے

جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ

کہ ان کے لئے دوزخ ہو اور بے شک یہ لوگ سب سے پہلے بھیجے جائیں گے و۹۱ اللہ کی قسم ہم (رسولوں کو)

اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

آپ کے قبل کی بھی امتوں کی طرف بھیج چکے ہیں لیکن شیطان نے ان کے اعمال انہیں خوش نما

اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

کر دکھائے، و۹۲ سو وہ آج بھی ان کا رفیق ہے اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے و۹۳

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى

اور ہم نے آپ پر کتاب بس اسی لئے نازل کی ہے کہ جس امر میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں

اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾

آپ اس کو ان پر واضح کر دیں نیز ایمان والے لوگوں کی ہدایت و رحمت کی غرض سے و۹۴

و۸۷ چنانچہ اسم عزیز کے تقاضہ سے ہر وقت سزا دینے پر قادر، لیکن اسم حکیم کے تقاضہ سے سزائے شرک کو موت کے وقت تک ملتوی کر دیا ہے۔ و۸۸ یعنی بدکار تو بہرحال اپنی بدی کے پاداش میں ہلاک کر ہی دیے جاتے، اور جب وہ باقی ہی نہ رہ جاتے، تو نیک کاروں کا وجود بھی بے معنی رہ جاتا ــــ اگر دنیا میں ظلم اور ظالم کا وجود نہ باقی رہے تو کوئی انصاف کس کے مقابلہ میں کرے گا؟ دنیا میں کوئی مفلس نہ باقی رہے، تو صفت فیاضی کے ظہور کی کیا صورت باقی رہے گی؟ مصیبت زدوں کے وجود سے دنیا خالی ہو جائے، تو کوئی ہمدردی اور شفقت کے لئے کس کو تلاش کرے گا؟ ــــ غرض انسانی آبادی تو ساری کی ساری یوں ختم ہو جاتی۔ اور جب کوئی انسان نہ زندہ رہتا، تو پھر حیوانات کی بھی ضرورت نہ رہ جاتی جو تمام تر انسان ہی کی خدمت کے لئے ہیں۔ دَآبَّةٍ کے معنی انسان کے لئے بھی لئے گئے ہیں۔ لیکن مفہوم کا عموم ہی بہتر سمجھا گیا ہے، جس میں ہر جاندار آ جائے۔ قال ابو عبيدة عنى انسان خاصة والاولى اجراؤها على العموم (راغب) عَلَيْهَا۔ ضمیر ھا زمین کی جانب ہے۔ اے على الارض (بیضاوی) الكناية فى قوله عليها عائدة الى الارض (کبیر) بِظُلْمِهِمْ۔ ظلم یہاں ہر قسم کے کفر و معصیت کو شامل ہے۔ اے بسبب كفرهم ومعاصيهم (روح) بكفرهم ومعاصيهم (بیضاوی) و۸۹ (بلکہ ٹھیک ٹھیک قدرتی پروگرام کے مطابق ہی ہلاک ہو کر رہیں گے) و۹۰ کسی اخروی زندگی کے اول تو یہ قائل ہی نہیں اور جو قائل ہیں بھی تو وہاں اپنے لئے چین ہی چین سمجھ رہے ہیں۔ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ۔ مشرکانہ مذہبوں پر نظر ہو، تو اندازہ ہو کہ ان لوگوں نے کیسی کیسی پست بلکہ سرتا سر گندی باتیں اپنے دیوی دیوتاؤں بلکہ خود معبود اعظم کے حق میں گڑھ رکھی ہیں! و۹۱ (دوزخ میں) یعنی یہ لوگ تو دوسرے اہل جہنم کے لئے بہ طور مقدمۃ الجیش کے ہوں گے۔ مُفْرَطُوْنَ۔ فرط اسے کہتے ہیں جو اپنے ساتھیوں سے آگے دوڑ کر انہیں پانی تک پہنچا دے۔ مفرطون اے معجلون قال الواحدى وهو الاختيار ووجهه ما قال ابو زيد وغيره فرط الرجل اصحابه يفرطهم فرطًا وفروطًا اذا تقدمهم الى الماء ليصلح الدلاء (کبیر) و۹۲ (اس لئے وہ لوگ پیمبروں کی تعلیمات سے غیر متاثر رہ کر اپنے کفریات ہی کو پسند کرتے رہے) زَيَّنَ...... اَعْمَالَهُمْ۔ شیطانی تحریک اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ ایسی چیزوں کو جو واقعی حسن و زیبائی سے خالی ہیں، ظاہری اور عارضی خوشنمائی دے دیتی ہے۔ چنانچہ جتنے بھی شیطانی اعمال ہیں، ان کا جائزہ لے ڈالیے، سب میں یہی چیز مشترک ملے گی۔ شرابی کو فوری اور عارضی لذت شراب میں محسوس ہوتی ہے، سینما باز کو سینما میں، جواری کو جوئے میں۔ وقس علی ہذا۔ اس سے بچنے کا آسان اور موثر طریقہ صرف اپنی عقل اور قوت فکر کا صحیح استعمال ہے۔ جہاں انسان نے غور و تامل سے کام لیا، اور اشیاء کا اصلی حسن و قبح اس کی نظر میں ظاہر ہونے لگا، شیطانی ترغیبات کی کشش بھی اس کے لئے از خود مفقود ہو جاتی ہے:۔ و۹۳ (اور یہ پچھلے بھی انہی اگلوں کی طرح کفر کر رہے ہیں۔ تو یہ سزا بھی لامحالہ انہی کی سی پائیں گے۔ آپ ان کے لئے غم و تردد میں نہ پڑیے) المراد منه كفار مكة (کبیر) اَلْيَوْمَ۔ آج یعنی اسی دنیا میں۔ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ۔ یعنی شیطان ان کا رفیق رہ کر انہیں طرح طرح کی پٹی پڑھاتا رہتا ہے۔ و۹۴ یعنی یہ کتاب الٰہی مومنین کے حق میں سراسر ہدایت و رحمت ہے۔ اور آپ پر یہ اس لئے نازل ہوئی، کہ آپ ان اہل باطل اور اہل حق کے درمیان جو معتقدات نزاعی ہیں مثلاً توحید یا معاد، اس باب میں مسلک حق کی خوب توضیح و تشریح کر دیں۔ لِتُبَيِّنَ نے ایک بار پھر اس حقیقت کو صاف کر دیا کہ پیمبر کا منصب محض من و عن، پیام پہنچا دینے کا نہیں، بلکہ اس کی شرح و ترجمانی کر دینے کا بھی ہے۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ

اور اللہ نے اوپر سے پانی اتارا پھر اس سے زمین کو اس کے خشک ہونے کے بعد

مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَ اِنَّ

جلا دیا بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے (بڑی) نشانی ہے جو سنتے ہیں و۹۵ اور بے شک

لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ

تمہارے لئے مویشیوں میں بھی بڑا سبق ہے و۹۶ ان کے پیٹ میں جو کچھ ہوتا ہے گوبر اور خون (کے قسم) سے

بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾

اس کے درمیان سے صاف اور پینے والوں کے لئے خوشگوار دودھ ہم تمہیں پینے کو دیتے ہیں و۹۷

وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ

اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں (بھی تمہارے لئے سبق ہے) تم ان سے

سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ

نشہ کی چیزیں اور کھانے کی عمدہ چیزیں بناتے ہو بے شک اس میں (بڑی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے

يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ

جو عقل سے کام لیتے ہیں و۹۸ اور آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں القاء کیا کہ تو

مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا

گھر بنا لے پہاڑوں میں (بھی) اور درختوں میں (بھی) اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں

يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ

ان میں (بھی) و۹۹ پھر ہر (قسم کے) پھلوں سے (رس) چوستی پھر، پھر اپنے پروردگار کے

سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ

راستوں میں چل جو تیرے لئے آسان ہیں و۱۰۰ اس کے پیٹ کے اندر سے ایک مشروب نکلتا ہے

ع ۸ / ۱۴

و۹۵ (ان باتوں کو گوش ہوش سے) وَاللّٰہُ...... الْاَرْضَ۔ اُوپر سے پانی برسانا اور اس سے زمین خشک ومردہ کو ازسرنو سرسبز کر دینا، جو روزمرہ کا مشاہدہ ہے، یہ کام سب حق تعالیٰ ہی کا ہے، کسی دیوی دیوتا کا نہیں، اور نہ انسان کے اپنے بس کا۔ لَاٰیَۃً۔ یعنی اللہ کی قدرت، ربوبیت، صناعی کی بڑی دلیل ہے۔ نباتات کی حیاتِ تازہ ونو سے حشر وبعث اجساد کی طرف ہر فطرت سلیم والے کا ذہن آسانی سے منتقل ہو سکتا ہے۔ و۹۶ ان گھریلو جانوروں کی ساخت وترکیب اور ان کے اعضاء کے افعال میں جو صدہا عجائب ہیں، ان کی تفصیلات بیالوجی (حیاتیات) اور زوآلوجی (حیوانیات) کے ہر ماہر پر روشن ہیں۔ یہ سب صناعیاں اور حکمتیں پتہ کس چیز کا دیتی ہیں؟ ایک صناع اعظم کا، ایک حکیم مطلق کا۔ لَعِبْرَۃً۔ عبرۃ کہتے ہیں معلوم سے مجہول اور مشاہد سے غیر مشاہد تک پہنچنے کو۔ والعبرة مختصة بالحالة التي يتوصل بها من معرفة المشاهد الى ما ليس بمشاهَدٍ (راغب) و۹۷ جہاں سے گوبر اور خون وغیرہ گندی چیزیں اور فضلے پیدا ہوتے ہیں، وہیں سے دودھ جیسی نفیس پاکیزہ نعمت انسان کے لیے تیار کر دینا، جس کے آگے بڑے سے بڑے کیمیا دان اور کیمیا ساز مع اپنی ساری تجربی کار گاہوں کے دنگ رہ جائیں، اگر ایک کھلی ہوئی دلیل ایک صناع اعظم کے وجود پر نہیں، تو اور کیا ہے؟ بُطُوْنِہٖ میں ضمیر واحد مذکر غائب اس چیز کے لئے ہے، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، اور یہ معنیٰ لے کر انعام کے لئے بجائے مؤنث کے ضمیر مذکر واحد جائز ہے۔ کسائی اور مبرد نے یہی کہا ہے، اور قرآن مجید ہی سے اس کی سندیں پیش کی ہیں۔ اے في بطون ما ذكرنا وهذا جواب الكسائي قال المبرد هذا شائع في القرآن (کبیر) سَآئِغًا۔ سائغ وہ مشروب ہے جو لذت یا آسانی کے ساتھ حلق سے اترے۔ معناه جاريًا في حلوقهم لذيذًا هنيئًا (کبیر) سهل المرور في الحلق (کشاف) و۹۸ (کہ ایک ہی مادہ سے کہاں ایک طرف مسکرات جیسی گندی چیزیں تیار کر دیں اور کہاں دوسری طرف لطیف وپاکیزہ مشروبات وماکولات، عرق، شربت، مربے وغیرہ) سَکَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا۔ گویا ایک ہی مادہ میں سم وتریاق دونوں کی خاصیتیں رکھ دیں۔ اَلنَّخِیْلِ وَ الْاَعْنَابِ۔ انگور اور کھجور دونوں کی شرابیں مشہور شرابیں ہیں۔ عرب میں بھی مشہور تھیں، اور آج یورپ میں بھی مشہور ہیں۔ سَکَرًا۔ سکر کے لفظ پر سوال پیدا ہوا ہے کہ نشہ کا ذکر محل مدح پر قرآن مجید نے کیسے کر دیا؟ — جواب یہ ہے کہ اول تو یہاں مقصود مدح نہیں، بلکہ ذکر صرف اس کا ہے کہ خرمے اور انگور سے فلاں فلاں کام لئے جا سکتے ہیں، اور مخاطب صرف مومنین نہیں، بلکہ کافر بھی شامل ہیں، اور وہ برابر ان پھلوں سے نشہ کا کام لیتے رہتے ہیں، اس لئے اس ذکر میں مطلق مضائقہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ آیت مکی ہے، اور نشہ کی حرمت اس وقت تک ہوئی نہیں تھی۔ اس پر بھی قرآن مجید نے سکر کو رزق حسن سے علیحدہ وممتاز کر کے ظاہر کر دیا، کہ یہ دو بالکل مختلف قسم کے کام انہیں پھلوں سے لئے جا سکتے ہیں۔ و۹۹ چنانچہ شہد کی مکھیاں اپنا چھتا انہی مقامات پر لگاتی ہیں۔ ان مکھیوں کا چھتا بھی صنعت وکاریگری کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مہندس یا انجینئر نے اسے تیار کیا ہے۔ اَوْحٰی۔ وحی یہاں اصطلاحی مفہوم میں نہیں، جو وحی نبوت کے مرادف ہے۔ بلکہ اپنے عام ووسیع معنیٰ میں ہے۔ دل میں بات ڈال دینے کے مرادف ہے۔ واصل الوحي الاشارة السريعة (راغب) اے الله تعالى قرر في انفسها هذه الاعمال العجيبة (کبیر) ماہرین نفسیات انگریزی میں جس شے کو (جبلت) سے تعبیر کرتے ہیں، وہ وحی حیوانی ہی کا دوسرا نام ہے۔ اور علامہ راغبؒ نے اسی مفہوم کو ”تسخیر“ سے ادا کیا ہے۔ النَّحْلِ۔ شہد کی مکھی اپنی فراست، دانائی، عقلی توانائی کے لحاظ سے ساری حیوانی دنیا میں مشہور وممتاز ہے۔ فرنگی ماہرین فن نے کتابوں پر کتابیں ان مکھیوں کی فراست ودانائی اور حسن انتظام وتدبر پر لکھ ڈالی ہیں — حق تھا کہ اس ننھی سی مخلوق کی ذہانت خاصہ کو وحی الٰہی اپنی جانب منسوب کرتی۔ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ سے مراد عمارتیں بھی ہو سکتی ہیں، اور انگور وخرما کی ٹہنیاں بھی۔ مِنَ الْجِبَالِ، مِنَ الشَّجَرِ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ۔ من ہر جگہ تبعیضیہ ہے۔ یعنی یہ مراد نہیں کہ مکھی اپنا چھتا ہر پہاڑ، ہر درخت، ہر اونچی عمارت پر لگاتی ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ ان چیزوں میں سے جو بھی اسے مناسب معلوم ہوتی ہیں، ان پر لگاتی ہے۔ و۱۰۰ ان مکھیوں کا ایک ایک پھل پھول پر رس چوسنے کے لئے بیٹھتے رہنا اور میلوں کا سفر طے کر کے، بغیر راستہ بھولے بھٹکے، اپنے چھتے کی طرف واپس آجانا ایک مشہور عالم واقعہ ہے۔ سُبُلَ رَبِّكِ۔ راستوں کا انتساب حق تعالیٰ نے اپنی جانب کیا ہے۔ شہد کی مکھیوں کے آنے جانے کے راستہ اس حکمت سے بنانا صرف اسی ذات کا کام ہے، جسے اپنی ہر مخلوق سے رشتۂ ربوبیت حاصل ہے۔ ذُلُلًا۔ بے روک ٹوک، جیسے اور راستے خاص اس مکھی کے لئے مسخر ومنقاد ہیں۔

مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

کہ اس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں ف۱۰۱ اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے ف۱۰۲ اس کے اندر (بڑی)

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۶۹ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ

نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں ف۱۰۳ اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا، پھر

يَتَوَفّٰىكُمْ ؕ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ

وہ تمہیں موت دیتا ہے اور تم میں سے کوئی لوٹا دیا جاتا ہے ناکارہ عمر کی طرف جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۷۰

باخبری کے بعد چیزوں سے بے خبر ہو جاتا ہے ف۱۰۴ بے شک اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا قدرت والا ہے ف۱۰۵

وَ اللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا

اور اللہ نے تم میں سے کسی کو کسی پر رزق کے معاملہ میں فضیلت دے رکھی ہے ف۱۰۶

الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ

سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو بھی اس طرح

اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ

دینے والے نہیں کہ وہ سب اس باب میں برابر ہو جائیں ف۱۰۷ تو کیا پھر بھی اللہ کی نعمت سے یہ لوگ

يَجْحَدُوْنَ ۝۷۱ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

انکار کرتے ہیں ف۱۰۸ اور اللہ نے تمہی میں سے تمہارے لئے بیویاں بنائیں

اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً

اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے پیدا کئے ف۱۰۹ اور تمہیں

وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ

نفیس چیزیں کھانے کو دیں ف۱۱۰ تو کیا پھر بھی یہ لوگ باطل پر ایمان رکھیں گے

ف۱۰۱ کوئی آٹھ نو قسم کے شہد تو اکیلے ملک عرب ہی میں ہوتے ہیں۔ شَرَابٌ کہ اسی شیریں مشروب کو شہد کہتے ہیں۔ ف۱۰۲ (بہت سی بیماریوں سے) شہد کے منافع وفضائل طب یونانی (عربی)، طب ہندی (ویدک) طب افرنگی (ڈاکٹری) سب کو مسلّم ہیں۔ اور یہاں اگر اس کے فوائد نقل کئے جائیں، تو خود ایک مستقل مقالہ ہو جائے۔ ف۱۰۳ (اور یہ خیال میں لاتے ہیں کہ قدرت حق نے ایک زہریلے نیش زن جانور سے کیسی حیرت انگیز، شفا بخش چیز پیدا کر دی) لَاٰيَةً۔ نشانی حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بے انتہا کی۔ ف۱۰۴ (جیسا کہ بہت زیادہ پیرانہ سالی کے وقت اکثر مشاہدہ میں آتا رہتا ہے) یہ پیدا کرنے کا، موت دینے کا، بعض کو پیر فرتوت بنا دینے کا، سارا کام صرف حق تعالیٰ ہی کا ہے، کوئی اس میں اس کا شریک وسہیم نہیں — یہ نہیں کہ پیدائش کا دیوتا کوئی اور ہے، موت کا کوئی اور، اور زندہ رکھنے کا کوئی اور۔ اَرْذَلِ الْعُمُرِ۔ یعنی عمر کی وہ منزل کہ جب نہ قوتِ جسمانی ہی برقرار رہے، اور نہ قوت دماغی۔ لِكَيْ میں ل عاقبت یا نتیجہ کا ہے۔ ف۱۰۵ وہ اپنی صفت علم کے اقتضاء سے ہر شخص کی ضرورت ومصلحت کا علم رکھتا ہے، اور صفت قدرت کے اقتضاء سے ویسا ہی اس کا انتظام بھی کر دیتا ہے۔ ف۱۰۶ (تکوینی مصلحتوں سے) آیت سے اس حقیقت پر پوری طرح روشنی پڑ گئی کہ مال ودولت میں عدم مساوات فطری وطبعی ہے، اور تقسیم دولت میں مساوات کا دعویٰ بجائے خود بے بنیاد اور خلافِ فطرت ہے۔ فقہاء اور فقہاء مفسرین نے آیت سے مالک اور غلام کے درمیان نفیِ مساوات صراحت کے ساتھ نکالی ہے۔ قال ابو بکر قد تضمنت الأية انتفاء المساوات بين المولىٰ وبين عبده في الملك (جصاص) ف۱۰۷ (بلکہ ایسی تقسیم تو فطرتِ بشری پر ایک بار ہے) آیت جڑ کاٹ رہی ہے اہل باطل کے اس نظام معاشی کی، جس کا پرانا نام مزدکیت تھا، اور جدید نام سوشلزم یا (انتہائی صورتوں میں) کمیونزم ہے۔ ف۱۰۸ شرک پر اصرار کئے جانا عین نعمت الٰہی سے انکار کرنا ہے۔ ف۱۰۹ (اور اس طرح تمہاری بقائے نوعی کا سامان کر دیا) مِنْ اَنْفُسِكُمْ۔ یعنی تمہاری ہی جنس ونوع سے۔ حَفَدَةً۔ حافد کے عام معنی پوتے کے ہیں۔ المراد بالحفدة على ماروى عن الحسن والازهرى وجاء في رواية عن ابن عباس واختاره ابن العربى اولاد الاولاد (روح) لیکن ایک معنی خادم، مددگار وغیرہ کے بھی لئے گئے ہیں۔ روى عن ابن عباس ان الحفدة الخدم والا عوان وقال الحسن اعانك فقد حفدك وقال مجاهد وقتادة وطاؤس الحفدة الخدم (جصاص) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد معانی ومفہومات بیان کر کے لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ لفظ کے عموم میں ان سارے مفہوموں کی وسعت کو شامل رکھا جائے۔ والاولى دخول الكل فيه لما بينا ان اللفظ محتمل للكل بحسب المعنى المشترك الذى ذكرناه (کبیر) ف۱۱۰ (اور اس طرح تمہاری بقائے شخصی کا سامان کر دیا) اَلطَّيِّبٰتِ۔ یہاں اپنے لغوی معنی میں ہے، یعنی نفیس ولذیذ کے مرادف ہے۔ اے اللذائذ (روح) اے اللذائذ وهو معناها اللغوى (بیضاوی) مِنَ الطَّيِّبٰتِ۔ میں مِن تبعیض کا ہے۔ من للتبعيض (بیضاوی۔ روح)

وَ بِنِعۡمَتِ اللّٰهِ هُمۡ يَكۡفُرُوۡنَ ۙ﴿۷۲﴾ وَ يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ

اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے رہیں گے و۱۱۱ اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی

اللّٰهِ مَا لَا يَمۡلِكُ لَهُمۡ رِزۡقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ

پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ آسمان سے رزق پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں اور نہ زمین ہی سے

شَيۡـًٔا وَّ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ۚ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰهِ الۡاَمۡثَالَ ؕ

کسی چیز کا، اور نہ ایسا کر ہی سکتے ہیں و۱۱۲ سو تم اللہ کے لئے مثالیں نہ گڑھو

اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا

بے شک اللہ ہی علم رکھتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے و۱۱۳ اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے

عَبۡدًا مَّمۡلُوۡكًا لَّا يَقۡدِرُ عَلٰى شَيۡءٍ وَّ مَنۡ رَّزَقۡنٰهُ

کہ ایک تو غلام مملوک ہے کہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا و۱۱۴ اور ایک وہ ہے، جسے ہم نے اپنے پاس سے

مِنَّا رِزۡقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنۡفِقُ مِنۡهُ سِرًّا وَّ جَهۡرًا ؕ هَلۡ

خوب روزی دے رکھی ہے تو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے و۱۱۵ کیا (ایسے لوگ

يَسۡتَوٗنَ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾

باہم) برابر ہو سکتے ہیں؟ و۱۱۶ ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، و۱۱۷ لیکن اکثر ان (مشرکین) میں سے علم

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيۡنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبۡكَمُ لَا

ہی نہیں رکھتے، و۱۱۸ اور اللہ (ایک اور) مثال بیان کرتا ہے، کہ دو شخص ہیں ایک ان میں سے گونگا ہے

يَقۡدِرُ عَلٰى شَيۡءٍ وَّ هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوۡلٰٮهُ ۙ اَيۡنَمَا

کسی چیز پر قادر نہیں اور وہ اپنے مالک پر وبال جان ہے اور وہ جہاں

يُوَجِّهۡهُّ لَا يَاۡتِ بِخَيۡرٍ ؕ هَلۡ يَسۡتَوِىۡ هُوَ ۙ وَ مَنۡ

اسے بھیجتا ہے وہ کوئی کام درست کر کے نہیں لاتا و۱۱۹ کیا یہ شخص اور ایسا شخص باہم برابر ہو سکتے ہیں، جو

و۱۱۱ (اس کے سچے دین کے منکر رہ کر) اَفَبِالۡبَاطِلِ۔ ف سے مراد ہے پھر بھی، یعنی اللہ کی توحید و ربوبیت کے سارے دلائل و شواہد سننے اور جاننے کے بعد۔ بِالۡبَاطِلِ يُؤۡمِنُوۡنَ۔ یعنی بے بنیاد وہمی چیزوں پر، مثلاً بتوں کی معبودیت پر ایمان لاتے ہیں۔ و۱۱۲ یعنی نہ صرف یہ کہ بالفعل اختیار نہیں رکھتے، بلکہ سرے سے اس کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ اگر چاہیں جب بھی یہ اختیار نہیں حاصل کر سکتے۔ رِزۡقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ۔ آسمان سے رزق مثلاً بارش۔ و۱۱۳ صحیح مثال اپنے متعلق وہی بیان کر سکتا، اور صحیح صفات اپنی وہی بتا سکتا ہے۔ تم جب اپنی ناقہمی سے کوشش کرو گے، ایسی ہی الٹی پلٹی باتیں کرو گے۔ مشرکین کا ایک مایۂ ناز استدلال اس وقت یہی تھا، اور اب بھی ہے کہ آخر دنیا کے بادشاہوں کی خدمت میں براہِ راست عرض معروض کون کر سکتا ہے۔ درمیانی واسطوں کی، عرض بیگیوں کی، امیروں وزیروں کی ضرورت پڑتی ہی ہے۔ پھر جو سب سلاطین کا سلطان اور شہنشاہ اعظم ہے، اس سے براہ راست اور بلا واسطہ تعلق پیدا کرنا کیونکر ممکن ہے؟ اور ہم جو ان مورتیوں کی اور ان ستاروں کی پرستش کرتے ہیں، تو وہ بھی اسی لئے کہ وہ رب الارباب کے خادم اور اس کے ہاں مقرب ہیں۔ استدلال کی خرافت بالکل ظاہر ہے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی آخر انسان ہی ہوتا ہے، بشر ہی کے سے محدود و ناقص قویٰ رکھتا ہے۔ وہ تو اس پر مجبور ہے کہ دوسروں کی اعانت حاصل کرے۔ اس کے برخلاف کہاں رب العالمین، جو ہر قید سے ماوراء، ہر اعتبار سے غیر محدود، ہر حد و نہایت سے برتر ہے۔ دونوں کا کوئی مقابلہ ہے؟ دونوں کے درمیان کوئی نسبت ہے؟ اس بے نیاز ہستی کو محتاج ہستیوں پر کس طرح قیاس کیا جا سکتا ہے؟ مغالطہ قیاس مع الفارق کی اس سے زیادہ کھلی ہوئی مثال اور کیا ہوگی؟ — آیت کی یہ توضیح امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے مذاق کے مطابق تھی۔ عام مفسرین نے امثال کو مثل کی جمع قرار دے کر معنی یہ کئے ہیں کہ مخلوقات میں سے کسی شے کو اس کے مثل نہ بتاؤ۔ قال المفسرون یعنی لا تشبھوہ بخلقه (کبیر) و۱۱۴ (کہ کسی مال میں تصرف کر سکے، بجز اپنے مالک کی اجازت کے) غلام کے لئے تو خیر مالک سے اجازت کے بعد امکان تصرف باقی ہے، معبودانِ باطل میں تو مالک کی اجازت سے بھی مالکیت میں دخل پانے کا امکان نہیں۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا۔ مثال سے مقصود بطلانِ شرک کا اظہار ہے:۔ و۱۱۵ (جب اور جس طرح چاہے، کوئی اس کی روک ٹوک کرنے والا نہیں) و۱۱۶ ظاہر ہے کہ نہیں۔ تو جب مالک مجازی و مملوک مجازی مساوی نہیں ہو سکتے، جو اپنی اصل و خلقت کے لحاظ سے بالکل ایک ہیں، اور باہم فرق محض اعتباری و اضافی رکھتے ہیں، تو مالک حقیقی و مملوک حقیقی کیونکر یکساں و مساوی ہو سکتے ہیں۔ جن کے درمیان کوئی شے بطور قدر مشترک ہی نہیں۔ هَلۡ يَسۡتَوٗنَ۔ ذکر ایک ہی صفات کے لوگوں کا ہو رہا ہے۔ مقصود یہاں دو فرد نہیں، بلکہ ان متضاد صفات کے کل اشخاص ہیں۔ ایک ایک طرف، دوسرے دوسری طرف — صیغہ بھی اسی لئے بجائے تثنیہ کے جمع کا آیا ہے، و۱۱۷ (نہ کہ اصنام اور معبودانِ باطل کے لئے) کامل الذات والصفات اور مستحق عبادت وہی ایک ہے۔ اور نعمتوں کے دینے میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ ای ھو المستحق للحمد دون ما یعبدون من دونه اذلا نعمة للاصنام علیھم فتحمد علیھا (بحر) و۱۱۸ (اور شرک سے باز نہیں آتے) اَكۡثَرُهُمۡ۔ ضمیر جمع مذکر غائب مشرکین کی جانب ہے۔ ان لوگوں کا عدم علم حقیقت چونکہ عدم تدبر اور عدم توجہ کا نتیجہ ہے، اس لئے ایسے لوگ معذور بھی نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ و۱۱۹ گویا اس درجہ خرف ولایعقل ہے کہ خود تو کیا کرتا، مالک کی تعلیم کے باوجود بھی کوئی کام درست نہیں کر پاتا۔ اَحَدُهُمَاۤ اَبۡكَمُ۔ یعنی علاوہ غلام ہونے اور ہر طرح معذور ہونے کے گونگا بھی ہے، اور تکلم پر غیر قادر۔ جو نہ اپنی کہہ سکے نہ دوسرے کی سن سکے۔ اَبۡكَمُ کے ایک معنی اہل لغت سے، لایعقل اور سماعت وبصارت سے محروم ہونے کے بھی منقول ہیں۔ عن ابن الاعرابی الابکم الذی لا یعقل (کبیر) قال الزجاج الابکم المطبق الذی لا یسمع ولا یبصر (کبیر) الابکم الذی ولد اخرس فلا یفھم ولا یفھم (کشاف) پیدائشی گونگا بہرا بھی ہوتا ہے۔ جو نہ کسی کی سنتا ہے اور نہ اپنی کسی کو سنا سکتا ہے۔ الابکم الخرس المقارن للخلقة ویلزمه الصم (روح) فکانه قیل احدھما اخرس اصم ولایفھم (روح) لَا يَقۡدِرُ عَلٰى شَيۡءٍ۔ نہ اپنے متعلق قدرت، نہ اپنے سے غیر کے متعلق قدرت۔ لا یقدر علی شیء من الاشیاء المتعلقة بنفسه اوغیرہ بحدس اوفراسة لسوء فھمه وادراکه (روح) تمثیل سے مقصود مشرک کی تمام تر بے بسی کو ظاہر کرنا ہے۔

يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَ هُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ ع

اچھی باتوں کی تعلیم دیتا ہو اور وہ خود سیدھے راستہ پر ہے ف۱۲۰

وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ

اور اللہ ہی کے لئے (خاص) ہیں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں ف۱۲۱ اور قیامت کا معاملہ

السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

بھی ایسا ہو گا جیسے آنکھ کا جھپکنا، بلکہ اس سے بھی جلد تر بے شک اللہ

عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾ وَ اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ

ہر چیز پر قادر ہے ف۱۲۲ اور اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے

بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ

پیٹ سے نکالا اس حال میں کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور تمہارے لئے

السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

سماعت اور بینائی اور دل پیدا کئے تاکہ تم شکرگزار بنو ف۱۲۳

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا

کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضاء میں (قدرت کے) مسخر ہیں، انہیں

يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

کسی (اور) نے نہیں تھام رکھا ہے بجز اللہ کے ف۱۲۴ بے شک اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا

ایمان والوں کے لئے ف۱۲۵ اور اللہ ہی نے تمہارے لئے تمہارے گھر وجہ سکون بنائے

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا

اور تمہارے لئے جانوروں کے کھال کے گھر بنائے جنہیں تم اپنے کوچ کے دن

ف۱۲۰ یعنی ناطق ہے، عاقل ہے، فاعل مختار ہے، قوتِ علمی وعملی کا جامع ہے۔ ف۱۲۱ (جو ایک فرع ہے حق تعالیٰ کے علم کامل ومحیط کی) لِلّٰهِ کی ترکیب ہی سے اشارہ ہو گیا کہ یہ علم غیب خاصہ صرف حق تعالیٰ کا ہے، جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ لله تعالىٰ خاصة لا لاحد غيره استقلا لًا ولا اشتراكًا (روح) يفيد الحصر معناه ان العلم بهٰذه الغيوب ليس الا لله (کبیر) ف۱۲۲ آیت کے شروع میں بیان حق تعالیٰ کے کمال علم کا ہے، اور آخر آیت میں بیان کمال قدرت کا۔ دونوں کے درمیان ذکر قیامت کا ہے۔ جو قبل وقوع دیکھئے تو ایک مثال ہے کمال علم کی، اور بعد وقوع کے لحاظ سے نظر کیجئے تو ایک مثال ہے کمال قدرت کی! اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ۔ یعنی ایسا ہی آنا فانا۔ عام محاورۂ انسانی میں کسی شے کے فی الفور واقع ہو جانے کے لئے طریق تعبیر یہی ہے۔ الغرض من التشبيه بيان سرعته لا بيان مقدار زمان وقوعه وتحديده (روح) والمراد منه تقرير كمال القدرة (کبیر) اَوْ هُوَ اَقْرَبُ۔ او یہاں بل کا مرادف ہے۔ اظہار شک وتردد کے لئے نہیں۔ او قال الفراء بمعنى بل (روح) قيل بمعنى بل (بیضاوی) لا شبهة فی انه ليس المراد طريقة الشک بل المراد بل هو اقرب (کبیر) اَمْرُ السَّاعَةِ سے مراد ہے مردوں میں جان پڑ جانے کا ماجرا۔ ف۱۲۳ (یہ خیال کر کے کہ اس نے ان آلات کے ذریعہ سے تمہاری بے علمی علم سے بدل دی) جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ۔ سماعت اس لئے دی کہ حق تعالیٰ کے احکام سنو۔ آنکھیں اس لئے دیں، کہ حق تعالیٰ کی قدرت وحکمت کے نمونے مشاہدہ کرو۔ اور دل اس لئے کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا احساس، اور اس پر غور وتدبر کرو۔ جعل لكم السمع لتسمعوا مواعظ الله والابصار لتبصروا دلائل الله والافئدة لتعقلوا عظمة الله (کبیر) السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ۔ سماعت اور بصارت کی تخصیص شاید اس لئے کہ آلات علم وذرائع معرفت میں اہم ترین یہی دو ہیں۔ اور دل کی تخصیص اس لئے کہ حواس ظاہری وباطنی سب اسی کے تابع ہیں۔ وَجَعَلَ لَكُمُ الخ۔ و ہمیشہ ترتیب زمانی ہی کے لئے نہیں آتا۔ اس لئے یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ جعل لكم السمع والابصار کو اخرجكم من بطون امهٰتكم کے بعد کیوں لایا گیا ہے۔ ف۱۲۴ یعنی اس صانع مطلق ہی نے ان کا جسم اس سبک وضع کا بنایا ہے کہ باوجود ثقل کے، ہوائے لطیف ورقیق میں دوڑتے پھرتے ہیں۔ آیت میں ضمناً پرند پرستی کی بھی تردید آ گئی۔ یعنی یہ پرند غریب معبود ہونے کی صلاحیت تو کیا رکھتے، اپنے کو ہوا میں سنبھال بھی نہیں سکتے بغیر اذن خداوندی کے — مشرک قوموں نے پرندوں تک کو بھی بغیر معبود بنائے نہیں چھوڑا ہے۔ باز، شکرا، الو، مور بہت سے پرندوں کی پرستش ہو چکی ہے، اور نیل کنٹھ وغیرہ کا تقدس تو آج بھی ہندوستان میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ف۱۲۵ (حق تعالیٰ کی حکمت، قدرت اور ربوبیت کی)

يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ مِنْ اَصْوَافِهَا

اور اپنے مقام کے دن ہلکا پاتے ہو و۱۲۶ اور ان کے اون اور ان کے روئیں اور

وَاَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾

ان کے بالوں سے (تمہارے) گھر کا سامان اور ایک مدت تک چلنے والی فائدے کی چیزیں بنائیں، و۱۲۷

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ

اور اللہ نے تمہارے لئے اپنی بعض مخلوقات کے سائے بنائے اور تمہارے لئے

الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ

پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں و۱۲۸ اور تمہارے لئے (وہ) پیراہن بنائے جو تمہاری حفاظت گرمی سے کرتے ہیں

وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ

اور (وہ) پیراہن جو تمہاری حفاظت (تمہاری آپس کی جنگ میں) کرتے ہیں، و۱۲۹ (اللہ) اسی طرح اپنی

عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ

نعمتیں تم پر پوری کرتا ہے تاکہ تم فرمانبردار رہو و۱۳۰ لیکن اگر یہ روگردانی کئے رہیں تو آپ کے ذمہ تو

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا

صاف صاف پہنچا دینے کے سوا اور کچھ بھی نہیں و۱۳۱ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں اور پھر ان سے انجان

وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع وَ يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ

ہو جاتے ہیں اور اکثر تو ان میں کے کافر ہیں و۱۳۲ اور جس دن ہم اٹھائیں گے ہر امت میں سے

شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ لَا هُمْ

ایک گواہ پھر کافروں کو نہ اجازت دی جائے گی و۱۳۳ اور نہ ان سے (اللہ کو)

يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا

راضی کرنے کی فرمائش کی جائے گی و۱۳۴ اور جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ نہ

ع ۱۷

و۱۲۶ (اور اس لئے سفر میں ان کا لادنا، اکھاڑنا، نصب کرنا سب سہل معلوم ہوتا ہے) جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا۔ یہ حالت حضر کا ذکر ہے، اور اس کے معا بعد خیموں کی سفری زندگی کا بیان ہے — گویا انسانی معاشرت کی دونوں حالتوں کی مکمل تصویر آ گئی۔ مِنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا۔ یہ اینٹ اور پتھر اور مٹی، اور چونے اور لکڑی کے گھر، بیشتر انسانی آبادی کے مسکن، انسان کے لئے راحت قلب وسکونِ خاطر کا کتنا بڑا ذریعہ اور سبب ہیں، اس کی قدر کوئی اس غریب سے پوچھے، جو بیچارہ بے گھرا ہو، اور اپنا چھوٹا بڑا کوئی مکان بھی نہ رکھتا ہو! — جس طرح ہم بچپن سے کپڑے پہنے رہنے کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ ہمیں ان کا وزن تک نہیں محسوس ہوتا، اسی طرح مکان بھی چونکہ چھوٹا بڑا، کوئی نہ کوئی، اپنی حیثیت وبساط کے لائق ہم میں سے ہر شخص رکھتا ہے، اس لئے اس کا پورا اندازہ ہی نہیں ہونے پاتا کہ مکان ہے کتنی بڑی نعمت — یہ قرآن مجید ہی کا کام تھا جو اسے وجہ سکون ومایۂ تسکین پکار کر کہہ دے۔ مِنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا۔ یہ سفری مکان یا خیمے ڈیرے عموماً چرمی اور پوستینی ہوا کئے ہیں۔ تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ۔ یہ خیمے ڈیرے محض تعیش کا سامان نہیں اور صرف شکار وغیرہ تکلفات ہی کے کام میں نہیں آتے، بلکہ دنیا کی ایک خاصی بڑی آبادی کا مستقل مسکن بھی ہیں — عرب اہل بادیہ نے جس طرح نسلوں پر نسلیں خیموں ڈیروں ہی میں گزار دیں، کسی پر مخفی نہیں۔ یہود کی بھی قدیم عبری نسل مدتوں خیمہ بدوش رہی۔ آج بھی دنیا کی نیم وحشی "خانہ بدوش" قوموں سے اکثر کا، اور بڑی سی بڑی متمدن قوموں کے ایک خاصے حصہ کا گزر خیموں ہی پر رہا کرتا ہے — ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ توریت میں بھی خیموں ڈیروں کے حوالے کثرت سے آئے ہیں۔ و۱۲۷ اس کے اندر کمل، دُھسے، شال، دوشالے، کملیاں، جوتے، کوڑے، موزے، تھیلے، تھیلیاں، مشکیزے، بکس بیگ، پیٹیاں، گھوڑے کی کاٹھیاں اور ساز، اور ہر قسم کا چرمی اور ریشمی سامان آ گیا۔ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا۔ متاع کا مفہوم اثاث سے وسیع تر ہے، اور سامانِ تجارت، اسباب آرائش وزینت وغیرہ سب پر شامل ہے۔ اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اثاث تو وہ ہے جو انسان کی پوشش اور دوسری ضروریات میں کام آتا ہے، اور متاع وہ سامان ہے جن سے مکانوں میں فرش اور زینت کا کام لیا جاتا ہے۔ الاثاث ما یکتسی به المرء و یستعمله فی الغطاء و الوطاء والمتاع ما یفرش فی المنازل ویزین به (کبیر) آیت سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ بال، کھال وغیرہ کا انتفاع مردہ جانوروں سے بھی جائز ہے۔ فیه الادلالة علی جواز الانتفاع بما یؤخذ منها من ذلک بعد الموت اذلم یفرق بین اخذها بعد الموت و قبله (جصاص) و۱۲۸ (مثلاً غار کہ سردی گرمی سے، بارش سے، جنگلی جانوروں سے، سب سے پناہ کا کام دیتے ہیں) مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا درختوں کے، عمارتوں کے، ٹیلوں اور پہاڑوں کے سایہ سے انسان کی آسائش اُٹھانا بالکل ظاہر ہے۔ و۱۲۹ یہ سب اللہ کی مختلف نعمتوں ہی کی تفصیل ہو رہی ہے۔ سَرَابِيْلَ۔ سربال کا لفظ عام ہے ہر قسم کے پیراہن کے لیے۔ القمیص من ای جنس (راغب) یہاں اس قمیص یا بالائی جسم کی پوشش کی دو خاص قسمیں ارشاد ہو رہی ہیں۔ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ ایک وہ پوشش جو موسم کی سختیوں سے جسم کو محفوظ رکھے — سردی کو چھوڑ کر یہاں صرف گرمی کی تخصیص کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ سردی سے حفاظت کا ذکر کچھ ہی اُوپر آ چکا ہے لکم فیها دفء اور دوسری بات یہ ہے کہ مخاطبین اوّل عرب تھے۔ اور عرب میں لباس کی اصلی ضرورت، ظاہر ہے کہ بادِ سموم کی تند لپٹ اور آفتاب گرم کی کڑی کرنوں ہی سے بچنے کے لیے ہے۔ قال عطاء الخراسانی المخاطبون بهذا الکلام هم العرب و بلادهم حارّة فکانت حاجتهم الی ما یدفع الحرّفوق حاجتهم الی ما یدفع البرد (کبیر) سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ پوشش کی دوسری قسم سے مراد ہیں جنگی پیراہن، زرہ، جوشن وغیرہ۔ و۱۳۰ (کم سے کم ان نعمتوں ہی کے اعتراف میں) ان نعمتوں میں سے بعض تو کھلی ہوئی، بالکل قدرتی اور فطری ہیں، اور دوسری جو انسانی صناعی اور دستکاری کی رہینِ منت ہیں، اُن کا بھی مادہ تو اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا، اور اُن کے بارہ میں انسان کو جو سلیقۂ ترتیب وترکیب ملا، وہ بھی تو عطیۂ الٰہی ہی ہے۔ و۱۳۱ (تو آپ اِن کے لیے غم وتردد میں ہرگز نہ پڑیں) فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ ف سے اشارہ ادھر ہو گیا، کہ وضوحِ دلائل کے بعد بھی اگر یہ توحید وایمان سے برگشتہ رہیں۔ صیغۂ مخاطب سے غائب کی طرف انتقال صنعت التفات میں سے ہے، جس کا ذکر کئی بار آ چکا ہے۔ و۱۳۲ (جو زبانی بھی اقرار توحید نہیں کرتے، بلکہ سرے سے منکرِ حق ہیں) ای الجاحدون غیر معترفین (کشاف) يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ یہ معذور بھی نہیں، کہ سرے سے اللہ کی ان نعمتوں کو پہچان ہی نہ سکے ہوں۔ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا یعنی اپنی عملی زندگی میں اللہ منعم حقیقی کی طرف سے انجان بن کر غیر اللہ کے ساتھ معاملہ اللہ کا سا کرنے لگتے ہیں۔ و۱۳۳ (کہ اب کچھ عذر ومعذرت پیش کر سکیں) مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا یہ گواہ اُسی امت کا رسول ہوگا۔ یہ گواہ شہادت دے گا کہ میں نے تمام احکام کی تبلیغ پوری پوری کر دی تھی، اس پر بھی اُمت منکر وباغی رہی۔ اُمَّةٍ۔ اُمة سے مراد ظاہر ہے کہ اُمت دعوت ہے۔ یہ یعنی وہ قوم جو نبی کے پیام کی مخاطب رہی۔ یہ مراد نہیں کہ جنہوں نے اُس پیام کو قبول بھی کیا۔ و۱۳۴ اور وجہ بالکل ظاہر ہے۔ آخرت صرف دار الجزاء ہے، دار العمل نہیں۔

يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ

ان سے ہلکا کیا جائے گا، اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ف۱۳۵ اور جب مشرکین اپنے "شریکوں" کو

اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا

دیکھیں گے تو بول اٹھیں گے اے ہمارے پروردگار یہی ہیں ہمارے وہ "شرکاء"

الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ

جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارتے رہتے تھے پھر وہ (شرکاء) ان کی طرف مخاطب ہو کر کہیں گے کہ

اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ ۚ وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِالسَّلَمَ

تم (بڑے) جھوٹے ہو ف۱۳۶ اور (مشرکین) اس روز اللہ سے صلح (واطاعت) کی طرح ڈال چلیں گے،

وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور جو کچھ وہ افتراء پردازیاں کرتے رہتے تھے وہ سب ان سے غائب ہو جائیں گی ف۱۳۷ جو لوگ کفر کرتے رہے

وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ

اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکتے رہے ان کے لئے ہم ایک سزا پر دوسری سزا

الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَ يَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ

بڑھا دیں گے بہ عوض ان کے فساد کے ف۱۳۸ اور (وہ دن بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جس دن ہم

اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ

ہر امت سے ایک ایک گواہ انہی میں سے اٹھائیں گے اور ان (سب) لوگوں کے

شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا

مقابلہ میں آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے ف۱۳۹ اور ہم نے آپ پر کتاب اتاری ہے، ہر بات کو کھول

لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ ع

دینے والی اور مسلموں کے حق میں ہدایت اور رحمت اور بشارت ف۱۴۰

ع ۱۲ / ۱۸

ف۱۳۵ (کہ عذاب شروع ہی کچھ دیر بعد کیا جائے، یا یہ کہ وہ لوگ اس درمیان میں کچھ سعی و تدبیر کرلیں) اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ظالم سے مراد کافر ہیں یعنی اپنے حق میں ظلم کرنے والے۔ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ یعنی جب وہ عذاب اُن پر آپڑے گا۔ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ ذرا بھی کمی نہ کی جائے گی، چاہے وہ کتنا ہی روئیں، چیخیں، چلائیں۔ ف۱۳۶ (تم حقیقۃً تو پرستار صرف اپنے نفس اور اپنی ہوا و ہوس کے تھے، اور اپنی پرستاری کو منسوب ہماری جانب کر دیتے تھے) شُرَكَآءَهُمْ۔ شُرَكَآؤُنَا شریکوں، سے مراد اُن کے وہی دیوی دیوتا، ٹھاکر وغیرہ ہیں، جنہیں یہ شریک خدائی سمجھا کرتے تھے۔ ف۱۳۷ (اور جتنے سہارے اپنے عقاید باطلہ کی بنا پر قائم کر رکھے تھے اُن میں سے کوئی بھی اُن کے کام نہ آئے گا) وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِالسَّلَمَ یہ اطاعت اور خوشامد کی راہ اس وقت اختیار کریں گے، جب اپنے کو ہر طرح مجبور و مضطر پالیں گے — آخرت میں اُن کا یہ طریق استلام واطاعت دنیا کے ٹھیک طریق استکبار و اعراض کے مقابل ہوگا۔ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ افتراء پردازی یہی، کہ ہمارے یہ معبود ہمیں بچالیں گے، ہمارے کام آجائیں گے۔ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ یہی چیزیں تو سب اُن سے بالکل گم ہو جائیں گی۔ ان خیالات و اوہام کی واقعیت کا کہیں شائبہ بھی نہ ملے گا۔ اے بطل ما كانوا يأملون منه ان الهتهم تشفع لهم عندالله تعالىٰ (کبیر) ف۱۳۸ پہلی سزا ابتلائے کفر رہنے پر ہوگی، اور دوسری سزا دوسروں کے ابتلائے کفر کرنے پر ملے گی۔ اے زادوا علىٰ كفرهم صدغيرهم عن الايمان فهم فى الحقيقة ازدادوا كفرًا علىٰ كفرٍ فلا جرم يزيدهم الله تعالىٰ عذابًا علىٰ عذابٍ (کبیر) فَوْقَ الْعَذَابِ یہ عذاب تو وہی کفر والا ہے۔ المستحق بكفرهم (بیضاوی) زِدْنٰهُمْ عَذَابًا …… بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ یہ زاید عذاب سزائے اضلال و اغواء ہوگی۔ بكونهم مفسدين بصدهم (بیضاوی) ف۱۳۹ یعنی آپ کی شہادت عالمگیر ہوگی، سب کے مقابلہ میں حجت ہوگی — شہادت تو ظاہر ہے کہ آپ بھی اپنی ہی اُمت کے متعلق دیں گے لیکن آپ کی اُمت دعوت تو ساری انسانی آبادی ہے، اس لیے قدرۃً آپ کی شہادت بھی عالمگیر ہی ہوگی۔ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۳۳۔ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ لفظ عام ہے۔ یہ گواہ یا پیمبر علیہ السلام اُن اُمتوں کے خواہ ہم نسب ہوں، یا ہم وطن ہوں۔ وَ جِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ۔ هٰؤُلَاءِ سے عام طور پر مراد اُمت محمدی سے لی گئی ہے۔ امتك (بیضاوی۔ مدارک) اے اللذين بعثت اليهم (معالم) بعض نے هٰؤُلاء سے مراد انبیاء سابقین کو بھی لیا ہے۔ یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن سب انبیاء علیہم السلام پر گواہ ہیں۔ لیکن محققین نے اس قول کو ضعیف ہی قرار دیا ہے۔ و اما حمل هٰؤلاء الشهداء على الانبياء فبعيد (کبیر) فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ۔ امة سے مراد ہر دور (قرن) یا جماعت ہے۔ واعلم ان الامة عبارة عن القرن والجماعة (کبیر)۔ ف۱۴۰ یعنی اس کتاب اعظم سے نفع دنیوی واخروی، مادی و روحانی، تو بس وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو اس کے ماننے والے ہوں گے، جو پہلے اس کی تصدیق تو کریں۔ نہ ماننے والوں کے لئے اس کا وجود اس کے عدم کے برابر ہے …… پیدائشی نابینا کے لئے آفتاب عالمتاب کا عدم و وجود یکساں ہے۔ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ كل شئ۔ سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں، جن کا تعلق اعتقاد اور عمل سے ہے۔ یعنی دین و شریعت کے سارے اجزاء اجمالاً یا تفصیلاً اس کے اندر آگئے۔ يعنى به بيان كل شىءٍ من امور الدين بالنص والدلالة (جصاص) بيانًا بليغًا لكل شىءٍ من امور الدين على التفصيل اوالاجمال بالاحالة الى السنة اوالقياس (بیضاوی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دقائق احکام کی تشریح کی ہے، وہ سب کتاب اللہ ہی سے ماخوذ ہے، اور اسی لئے نبی کا حکم بھی خدا ہی کا حکم سمجھا گیا ہے۔ فما من حادثةٍ جليلةٍ ولا دقيقةٍ الاولله فيها حكم قد بيّنه فى الكتاب نصًا اودليلًا فما بيّنه النبى صلی اللہ علیہ وسلم فانما صدر عن الكتاب (جصاص) اور فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اجماع اور اجتہاد و قیاس فقہاء سے جو احکام و مسائل ثابت ہیں، وہ بھی سب اسی تبیان کتاب اللہ کے تحت میں داخل ہیں۔ وما حصل عليه الاجماع فمصدره ايضًا من الكتاب لان الكتاب قددلّ علىٰ صحة حجة الاجماع وما اوجبه القياس واجتهاد الراى وسائر ضروب الاستدلال من الاستحسان وقبول خبر الواحد جميع ذٰلك من تبيان الكتاب (جصاص) واما الفقهاء فانهم قالوا القراٰن انما كان تبيانًا لكل شىء لانه يدل علىٰ ان الاجماع وخبر الواحد والقياس حجةٌ فاذا ثبت حكم من الاحكام باحد هٰذه الاصول كان ذٰلك الحكم ثابتًا بالقراٰن (کبیر) اما فى الاحكام المنصوصة فظاهر وكذا فى ما ثبت بالسنة او بالاجماع اوبقول الصحابة او بالقياس لان مرجع الكل الى الكتاب (مدارک)

ف۱۴۱ یہ آیت تعریف جہاں تک کہ تعلیمات اسلام کا تعلق ہے، قرآن مجید کی اہم ترین اور کلیدی آیات میں ہے۔ ایک معجزانہ ایجاز وجامعیت کے ساتھ اس کے اندر دین وشریعت کے اہم ترین احکام منواہی دونوں آ گئے۔..... احکام ایجابی بھی اور احکام سلبی بھی۔ کتاب اللہ کا وصف تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ابھی ابھی بیان ہوا تھا۔ یہ آیت خود اسی تبیانیت" کی بہترین مثال ونمونہ ہے۔ امام فخر الدین رازی علیہ رحمۃ اللہ نے عبد اللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ اور قتادہ تابعی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے ہر خیر اور شر کے بیان کو اس آیت کے اندر اکٹھا کر دیا ہے۔ اور کوئی عقیدہ خُلق، نیت، عمل، معاملہ، اچھا یا برا ایسا نہیں، جو امرًا یا نہیًا ایجابًا یا سلبًا اس کے اندر نہ آ گیا ہو۔ اور خود بھی آیت کو ہر طرح جامع احکام قرار دیا ہے۔ جمع فی هٰذه الأية ما يتصل بالتكليف فرضًا ونفلا وما يتصل بالاخلاق والأداب عمومًا وخصوصًا (کبیر) وعن ابن مسعودؓ اجمع اية فی القراٰن لخيرٍ وشرٍ هٰذه الأية وعن قتادة ليس من خلق حسن كان فی الجاهلية يعمل ويستحب الا امر الله تعالٰی به فی هٰذه الأية وليس من خلق سیء الّا نهی الله تعالٰی فی هٰذه الأية (کبیر) حضرات تابعین کے بھی خیال میں سارے دستورِ حیات کا ایک جامع ومکمل خاکہ اس آیت کے اندر آ گیا ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ رحمۃ اللہ کے وقت سے یہ آیت اہل سنت کے خطباتِ جمعہ میں داخل ہوگئی، تا کہ ہر ہفتہ متواتر امت کے کان اس صدائے حق سے آشنا ہوتے رہیں۔ اور اس وقت سے آج تک یہ

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي

بے شک اللہ عدل کا اور حسن سلوک کا اور اہل قرابت کو دیتے رہنے کا

الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ

حکم دیتا ہے، اور کھلی برائی سے اور مطلق برائی سے اور ظلم (وسرکشی) سے ممانعت کرتا ہے

يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا

وہ تمہیں (یہ) پند دیتا ہے اس لئے کہ تم نصیحت قبول کرو ف۱۴۱ اور پورا کرو اللہ کے عہد کو جب

عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ

تم عہد کر چکے ہو ف۱۴۲ اور قسموں کو بعد ان کے استحکام کے مت توڑو درآنحالیکہ

جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا

تم اللہ کو گواہ بنا چکے ہو ف۱۴۳ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ

تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن

تم کرتے ہو ف۱۴۴ اور تم اس (عورت) کی طرح نہ ہو جانا جس نے اپنا سوت کاتے پیچھے

بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا ۚ تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ

اسے تار تار نوچ ڈالا ف۱۴۵ کہ تم بھی اپنی قسموں کو باہمی فساد کا ذریعہ بنانے لگو

أَن تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ

اس غرض سے کہ ایک دوسرے سے گروہ بڑھ جائے ف۱۴۶ اللہ اسی سے

اللَّهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنتُمْ فِيهِ

تو تمہاری آزمائش کرتا رہتا ہے، اور (ان کی حقیقت) تمہارے اوپر ظاہر کردے گا قیامت کے دن، جن چیزوں

تَخْتَلِفُونَ ﴿٩٢﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً

میں تم اختلاف کرتے رہے ف۱۴۷ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا

آیت امت کے خطباتِ جمعہ کا جزو بنی ہوئی چلی آ رہی ہے۔ بِالْعَدْلِ۔ عدل سے مراد ہے قوائے علمی وعملی میں اعتدال وتوسط۔ عقائد واعمال، اخلاق ومعاملات کے سارے شخصی مامورات اس کے اندر آ گئے۔ ای بالتوسط فی الامور اعتقادًا وعملًا وخلقًا (بیضاوی) وَالْإِحْسَانِ۔ احسان سے مراد وہ نیکیاں ہیں جن کا نفع دوسروں تک متعدی ہے۔ اس خصوصیت کے لحاظ سے ان کا ذکر الگ کر کے کیا گیا۔ اور اسی میں اپنے اعمال وطاعات کو بہترین انداز سے ادا کرنا بھی آ گیا۔ ای احسان الطاعات وهو ما بحسب الكمية اوبحسب الكيفية (بیضاوی) ای احسان الاعمال والعبادة ای الاتيان بها علی الوجه اللائق وهو اِمّا بحسب الكيفية اوبحسب الكمية (روح) وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ۔ یہ اسی احسان کی اہم ترین وافضل ترین شکل ہے ای اعطاء الاقارب ما يحتاجون اليه (بیضاوی) ان تین مامورات کے مقابل منہیات بھی تین ہی ہیں:۔ عَنِ الْفَحْشَاءِ۔ فحشاء۔ ایسی برائی ہے جو کھلی ہوئی اور صریح ہے، یعنی علانیہ، پبلک میں کی جاتی ہے، اس کے تحت میں وہ سب برائیاں آ گئیں، جو قوتِ شہویہ کی افراط سے پیدا ہوتی ہیں۔ عن الفحشاء ای عن الافراط فی متابعة القوة الشهوانية (بیضاوی) ای الافراط فی متابعة القوة الشهوية (روح) وَالْمُنكَرِ۔ منکر عام ہے ہر ایسے امر کو جو شعائر اسلامی سے باہر ہو۔ اس کے تحت میں وہ سب معاصی آ گئے جو قوتِ غضبیہ کے افراط سے پیدا ہوتے ہیں۔ ما ينكر علی متعاطية فی اشارة القوة الغضبية (بیضاوی) ما ينكر علی متعاطية من الافراط فی اظهار القوة الغضبية (روح) وَالْبَغْيِ۔ بغی وہ ظلم وسرکشی ہے جس کا ضرر دوسروں تک پہنچے۔ اس کے ماتحت وہ سب حرکتیں آ گئیں، جو قوتِ وہمیہ کے غلبہ وافراط سے ظاہر ہوتی ہیں۔ الاستعلاء والاستيلاء علی الناس والتجبّر عليهم (بیضاوی) ای الاستعلاء والا ستيلاء علی الناس والتجبر عليهم وهو من اٰثار القوة الوهمية (روح) لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۔ اس وعظ سے مقصود یہ ہے کہ تم اپنے میں تذکر وتنبہ پیدا کرو۔ معناه ان المقصود من هٰذا الوعظ ان يقدموا علی تحصيل ذٰلك التذكير (کبیر) طلبًا لان تعظوا بذٰلك وتنبهوا (روح) ف۱۴۲ (خواہ صراحۃً خواہ دلالۃً والتزامًا) بِعَهْدِ اللَّهِ۔ اس کے عموم میں ہر وہ عہد آ گیا، جو شریعت کے موافق ہو، خواہ حقوق اللہ سے متعلق ہو، خواہ حقوق العباد سے متعلق ہو۔ اس کے اطلاق سے باہر صرف وہ عہد رہ جاتے ہیں، جو خلافِ شریعت ہیں۔ المراد منه كل عهد يلتزمه الانسان باختياره (کبیر) قال القاضی العهد يتناول كل امر يجب الوفاء بمقتضاه (کبیر) ف۱۴۳ (ان معاہدات کا، انہی قسموں کے ذریعہ سے) بَعْدَ تَوْكِيدِهَا۔ اللہ کا واسطہ درمیان میں لا کر معاہدہ اور مؤکد ومستحکم ہو جاتا ہے۔ ای بعد توثيقها بذكر الله (بیضاوی) ف۱۴۴ (اور معاوضہ بھی ہر صورت میں اسی کے مطابق دے گا) والمراد فيجازيكم علی ما تفعلون (کبیر) وفاء عہد کے کرنے اور نقض عہد سے بچنے کی پوری تاکید اس تنبیہ میں آ گئی۔ ف۱۴۵ (کہ کہیں تم بھی اس کی طرح اپنی قسموں کو، ان کی پختگی کے بعد توڑ ڈالنے لگو) روایتوں میں آتا ہے کہ مکہ میں ایک دیوانی عورت تھی۔ دن بھر مشقت سے سوت کاتتی، اور پھر بیدردی سے اپنے ہاتھ سے تکا بوٹی کر ڈالتی۔ اولین مخاطبین قرآن اس سے خوب واقف تھے۔ اس کی مثال دے کر فرمایا ہے کہ کہیں تم اپنا حال اس کا سا نہ کر لینا۔ ف۱۴۶ (کثرت یا ثروت میں یا اور کسی اعتبار سے) أَرْبَىٰ کے معنی ہیں کہ عدد یا مال میں بڑھ جائے۔ هی ازيد عددًا واوفر مالًا (کشاف) وهٰذه الزيادة قد تكون فی العدد وفی القوة وفی الشرف (کبیر) یعنی مثلًا کافروں کے دو گروہوں میں باہم مخالفت ہوئی، اور تمہاری ایک فریق سے صلح ہے۔ لیکن تم نے پلّا دوسری طرف جھکتا ہوا دیکھا، تو تمہیں بھی خیال آیا کہ اس پہلے گروہ سے ٹوٹ کر اسی دوسرے کے ساتھ ہو لیا جائے۔۔۔ یہ صورت شریعت کی نظر میں ممنوع اور سخت ناپسندیدہ ہے۔ تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ۔ کہ اس عہد شکنی اور حلف کی خلاف ورزی سے دوستوں میں بے اعتباری بڑھے گی اور دشمنوں میں ناگواری۔ دَخَلًا۔ دخل کے معنی دغل کی طرح فساد اور چھپی ہوئی عداوت کے ہیں۔

الدخل کنایة عن الفساد والعداوة المستبطة کالدغل (راغب) اے مفسدة ودغلاً (کشاف) بَعْدِ قُوَّةٍ۔ یعنی اس سوت کو خوب مضبوطی سے بٹ چکنے کے بعد۔ اے بعد ان قتلته فتلاً شدیدًا الان العرب تسمی شدة الفتل قوة (جصاص) من بعد ابرام واحکام (بیضاوی) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ کسی عہد یا عبادت کو اپنے اوپر لازم کر لینے کے بعد پھر اسے پورا نہ کرنا، سوت کات چکنے کے بعد اسے نوچ ڈالنا ہی ہے۔ فمن عقد علٰی نفسه عقدًا اواوجب قربة اودخل فیها ان لا یتمها فیکون بمنزلة التی نقضت غزلها بعد قوة (جصاص) فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ نفلی عبادت بھی شروع کر چکنے کے بعد اسے اتمام تک پہنچانا واجب ہو جاتا ہے۔ وھذا یوجب ان کل من دخل فی صلٰوة تطوّع اوصوم نفل اوغیر ذٰلک من القرب ان لا یجوز له الخروج منه قبل اتمامه (جصاص) فرنگی قوموں نے قرآن مجید کی صرف اسی ہدایت پر عمل کر لیا ہوتا، تو آج دنیا کا نقشہ کتنا مختلف اور کتنا زیادہ پر امن ہوتا، نہ یہ روز روز کے نئے نئے معاہدے ہوتے، کہ آج پُر قوت فلاں قوم ہے، تو ساتھ اس کا دے دیا گیا، اور قدیم معاہد قوم سے عہد توڑ لیا گیا، اور نہ اس کے نتیجہ میں یہ روز روز کی جنگ اور بدامنی دنیا پر مسلط رہتی! ف۱۴۷ (اور مختلف راہیں اختیار کرتے رہے تھے) يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ۔ بِہٖ میں ضمیر یا تو فقرہ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ الخ کی طرف ہے۔ یعنی ایک گروہ کی افزائش قوت وثروت سے آزماتا ہے۔ اور یا یہ مراد ہو کہ اللہ اپنے اس امر ونہی سے تمہیں

وَّ لٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ دکھا دیتا ہے ف۱۴۸
وَ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا
اور جو کچھ تم کر رہے ہو ضرور اس کے باب میں تم سے سوال ہو کر رہے گا ف۱۴۹ اور اپنی قسموں کو
اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا
باہمی فساد کا ذریعہ نہ بناؤ، کہیں (کسی اور کا) قدم اس کے جمنے کے بعد نہ پھسل جائے ف۱۵۰
وَ تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ لَكُمْ
اور تم کو تکلیف بھگتنا پڑے بہ سبب اس کے کہ تم (دوسروں کے) مانع ہوئے اللہ کی راہ سے، اور تمہیں
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ
بڑا عذاب ہوگا ف۱۵۱ اور اللہ کے عہد کو (دنیا کے) تھوڑے نفع کے عوض میں نہ بیچ ڈالو ف۱۵۲
اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا
بے شک اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے، اگر تم علم (صحیح) رکھتے ہو ف۱۵۳ جو کچھ
عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَ لَنَجْزِيَنَّ
تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے ف۱۵۴ اور جو لوگ
الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا
ثابت قدم رہے ہم ان کا اجر انہیں ضرور دے کر رہیں گے جو کچھ وہ اچھے کام کرتے رہے ہیں اس کے
يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى
عوض میں ف۱۵۵ نیک عمل جو کوئی بھی کرے گا مرد ہو یا عورت
وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ
بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے ف۱۵۶ اور ہم انہیں ان کے

آزماتا ہے۔ الضمیر لقوله ان تکون امة (کشاف) اے بها بامرکم وبنهاکم (کبیر) يَبْلُوْكُمْ۔ یعنی یہی آزمائش کہ دیکھیں کہ اب بھی پاس وفا کون رکھتا ہے، اور پلا جھکتے دیکھ کر کون دوسری طرف خود ہی جھک جاتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ عہد کے بعد نقض عہد اگر آسان اور مفید نظر آئے، جب بھی وفائے عہد لازم ہے۔ لَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ قیامت کے دن کا فیصلہ عملاً وعیاناً ہو گا، ورنہ دلائل کے لحاظ سے تو آج بھی ہو چکا ہے۔ ف۱۴۸ یعنی اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوتی، کہ کوئی گمراہ ہونے ہی نہ پائے، تو سب کو ایک ہی طریقہ پر لازمی طور پر چلا دیتا، اور مذہب وملت کا کوئی اختلاف پیدا ہی نہ ہونے دیتا۔ لیکن اس کی حکمت بالغہ کو یہ تو منظور ہی نہیں۔ اس نے تو ہدایت وضلالت کا قانون ہی دوسرا رکھا ہے۔ ف۱۴۹ (سو تم کہیں جبریت کے فریب میں نہ آ جانا، اور اپنے کو مجبور محض نہ سمجھ بیٹھنا۔ تم فاعل مختار اور اپنے افعال کے ذمہ دار بنا کر بھیجے گئے ہو۔ تمہیں عقل، شعور، ارادہ واختیار سے سرفراز کیا گیا ہے، تم سے ایک ایک عمل کے بابت سوال ہوگا) ف۱۵۰ (اور وہ دوسرے عہد شکنی میں تمہاری تقلید کرنے لگیں) وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ۔ وہ اس طرح کہ اپنے عہدوں اور قسموں کو توڑنا شروع کر دو ف۱۵۱ ایک تو خود اپنی معصیت کے سبب سے، اور دوسرے اس لئے کہ دوسرے لوگ تمہاری ہی مثال دیکھ کر نقض عہد کے مرتکب ہوئے...... اس عذاب سے، عذاب آخرت مراد ہے۔ وَ تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ۔ السُّوْٓءَ سے اس سیاق میں مراد دنیوی مصیبتیں، قتل، اسیری، جلاوطنی وغیرہ ہیں۔ والمراد من السوء العذاب الدنیوی من القتل والاسرو النهب والجلاء وغیر ذٰلک (روح) السُّوْٓءَ۔ لفظاً صیغۂ واحد ہے۔ مراد مجموعۂ مصائب ہے۔ مراعاة للمجموع اوللفظ الجمع علی الوجه الکثیر (روح) ف۱۵۲ اجر آخرت کے مقابلہ میں دنیا کا کثیر ترین نفع بھی قلیل ہی ہے۔ یہ مراد نہیں کہ دنیا کا نفع اگر کثیر ہو رہا ہو تو احکام کی خلاف ورزی جائز ہے، مراد یہ ہے کہ اجر آخرت کو دنیا کے کسی معاوضہ پر بھی ہرگز فروخت نہ کر دینا۔ بِعَهْدِ اللّٰهِ۔ عهد الله سے مراد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت ایمانی ہے، جس کے اندر سارے ہی احکام شریعت آ گئے۔ المراد به عند کثیر بیعة رسول الله ﷺ علی الایمان (روح) ف۱۵۳ (کہ اجر آخرت کیا قدر وقیمت رکھتا ہے) مَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی اجر آخرت۔ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ دنیا کی ہر لذت، ہر نعمت سے کہیں بڑھ چڑھ کر۔ ف۱۵۴ یعنی دنیا کا سارا ذخیرہ اولاً تو وہ ہے ہی کتنا، اور پھر جتنا ہے، سریع الزوال کیسا ہے، آناً فاناً ختم ہو جانے والا۔ اور اجر آخرت اول تو بے حساب و بے نہایت، اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ دائم، لازوال، غیر منقطع۔ موجودہ "مہذب" دنیا عقاید میں جس شے کو سب سے زیادہ اور یکسر بھولی ہوئی ہے وہ یہی آخرت کی نعمتیں اور ان کی اہمیت ہے۔ فسق ومعصیت کی طرف لے جانے والی، اور تقویٰ وطاعت کی طرف سے بے پروا کر دینے والی سب سے بڑھ کر یہی آخرت فراموشی ہے۔ اور اسی لئے قرآن مجید صدہا مختلف پیرایوں سے اسی کی یاد دلاتا رہتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ آیت صریح ہے آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کے باب میں۔ ف۱۵۵ ترہیب وتخویف کے ساتھ ساتھ قرآن مجید ترغیب وتشویق سے بھی کیسا کام لیتا رہتا اور ہر نیک کار کو جنت کا مشتاق کس کس طرح بناتا رہتا ہے۔ الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا۔ یعنی جو لوگ احکام دین پر قائم وثابت قدم رہے اور اس کے لئے ہر کڑی جھیل لے گئے۔ صیغۂ مخاطب سے یہ صیغۂ غائب کی طرف دفعۃً انتقال عربی کے مشہور ومعلوم اسلوب بلاغت، طریق التفات کے مطابق ہے۔ لَنَجْزِيَنَّ۔ ن ثقیلہ تاکید کلام کے لئے ہے۔ نون العظمة (روح) ف۱۵۶ (اسی دنیا میں، جیسا کہ انبیاء ومومنین، متقین کی پاکیزہ زندگیاں خود اس پر گواہ ہیں) مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى۔ اس تصریح نے اس حقیقت کو ایک بار پھر روشن کر دیا کہ اجر اعمال کے لحاظ سے عورت اسلام کی نظر میں مرد سے کم نہیں، اس کے مساوی ہے۔ اور مشرک قوموں نے عورت کو حق تعالیٰ کی نظر میں جو ایک پست وحقیر مخلوق ٹھہرایا ہے، اس کی پوری تردید ہو گئی ۔۔ یہ تو ماضی کا قصہ تھا۔ لیکن کیا عجب ہے کہ جاہلیت جدید کسی دنیا کو اس عقیدہ کی جانب بھی لے جائے کہ نظام فطرت میں عورت نہیں بلکہ مرد پست وحقیر ہے، تو قرآن مجید کی یہ آیت اس وہم کی

اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ

اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر دیں گے ف۱۵۷ تو جب آپ قرآن

الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ

پڑھنے لگیں تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے ف۱۵۸

لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ

اس کا کچھ بھی قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان لے آئے اور اپنے پروردگار پر

يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ

بھروسہ رکھتے ہیں ف۱۵۹ اس کا قابو تو بس انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اسے دوست بنائے رکھتے ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ

اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے رہتے ہیں ف۱۶۰ اور جب ہم کسی آیت کو دوسری آیت کی جگہ

اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ

بھیج دیتے ہیں اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ وہ بھیجتا رہتا ہے، تو یہ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ تم تو نرے گڑھ لینے والے ہو

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ

ف۱۶۱ نہیں بلکہ ان میں سے زیادہ تر بے علم ہیں ف۱۶۲ آپ کہہ دیجیے کہ اسے روح القدس نے آپ کے

مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى

پروردگار کے پاس سے حکمت کے موافق اتارا ہے، تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے حق میں

وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا

ہدایت و بشارت بن جائے ف۱۶۳ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ

يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ

انہیں تو ایک آدمی سکھلا جاتا ہے ف۱۶۴ (حالانکہ) جس شخص کی جانب اس کی ناحق نسبت کرتے ہیں اس کی

ع ۱۳ / ۱۱ / ۱۹

تردید کے لیے بھی کافی ہوگی۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ یہ ایمان تو پہلی اور بنیادی شرط ہے عمل صالح کی۔ بغیر اس کے کوئی عمل صالح، حقیقۃً صالح ہی نہیں، بصرف صورۃً صالح کہا جاسکتا ہے۔ اہل سنت نے یہیں سے معتزلہ کے برخلاف یہ دلیل حاصل کی ہے، کہ عمل اور چیز ہے اور ایمان اور۔ وهو يدل على ان العمل ليس من الايمان (مدارک) حَيٰوةً طَيِّبَةً۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس بشارت سے یہ مراد نہیں کہ مومن صالح کو کبھی فقر یا مرض طاری نہ ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اطاعت کی برکت سے اس کے قلب میں ایسا نور پیدا ہوگا جس سے وہ ہر حال میں صابر وشاکر اور تسلیم ورضا سے رہے گا اور سکون وجمعیت خاطر کی اصل یہی رضا ہے۔ ف۱۵۷ (آخرت میں) گویا ایمان وعمل صالح یا مومنانہ زندگی کا ایک معاوضہ تو جس کا نام حیاتِ طیبہ ہے، نقد اسی دنیا میں مل جائے گا۔ اور پھر دوسرا اور اس سے کہیں بڑا معاوضہ آخرت میں نصیب میں آئے گا۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۵۵ و۱۵۸ (دل سے تو ضرور، اور بہتر یہ ہے کہ زبان سے بھی) فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ استعاذہ کی حقیقت ہے دل سے حق تعالیٰ پر نظر رکھنا۔ اور اس کا یہ درجہ شریعت میں واجب ہے۔ اور زبان سے بھی کلمات استعاذہ کا دہرانا مسنون ہے۔ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ قرأت قرآن کے وقت شیطان کا دخل وتصرف یوں ہی بہت کم ہوتا ہے (بلکہ بعض آیتوں اور سورتوں سے تو شیطان کے فرار کی تاثیر منقول ہے) تو جب ایسے خاص الخاص عمل میں استعاذہ ضروری ہوا، تو دوسرے اعمالِ صالحہ میں اس کی ضرورت جس درجہ کی ہوگی ظاہر ہی ہے۔ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ الخ۔ مراد یہ ہے کہ جب قرآن پڑھنے کا ارادہ ہو تو پہلے استعاذہ کرلے۔ یہ مراد نہیں کہ جب قرآن پڑھ چکے تو اس کے بعد استعاذہ کرے۔ معناه اذا قرأت فقدّم الاستعاذة قبل القرأن وحقيقة معناه اذا اردت القرأن فاستعذ (جصاص) اي اذا اردت قراءة القرأن فعبّر عن ارادة الفعل بلفظ الفعل لانها سبب له (مدارک) اور محاورۂ قرآنی میں یہ اسلوب بیان عام ہے۔ مثلاً ان آیتوں میں:۔ واذا قلتم فاعدلوا۔ واذا سالتموهن متاعًا فاسئلوهن من وراء حجاب۔ اذا ناجيتم الرسول فقدموا بين يدى نجواكم صدقة۔ وغیرھا۔ ان سب موقعوں پر ارادۂ فعل کو فعل کے قائم مقام کی حیثیت دی گئی ہے۔ ف۱۵۹ یہ نص صریح ہے اس باب میں کہ اہل ایمان واہل توکل پر شیطان کا وسوسہ مؤثر نہیں ہوتا۔ شیطان میں ہرگز قدرت اس کی نہیں کہ وہ بہ جبر کسی سے گناہ کرا سکے۔ یہ صاف اعلانِ الٰہی ہے کہ جب تک تم خود ہی شیطان کے دوست نہ بن جاؤ، اور اس کے وسوسوں کو دل میں جگہ نہ دینے لگو، وہ تم پر قابو پا نہیں سکتا۔ اور اس کے حملوں سے بچنے کا نسخہ ایمان کامل اور توکل راسخ ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو نقل کر کے کہ مومن جب شیطان پر غالب آنا چاہے تو شیطان اس کے مقابلہ میں ایک چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور نکلتا ہے، لکھا ہے کہ اس کا مشاہدہ جب جی چاہے، کرلیا جائے۔ ف۱۶۰ (کہ ان لوگوں کا طریق عمل ٹھیک ان مومنین، متوکلین کے مقابل ہوتا ہے) وہ مومن یہ مشرک، ان کی شان میں عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ یہ الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ کے مصداق۔ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ میں ضمیر واحد مذکر غائب حق تعالیٰ کی جانب ہے۔ فيه قولان الاول انه راجع الى ربهم (کبیر) جوّزان يكون الضمير للرب تعالٰى شانه وروى ذٰلك عن مجاهد (روح) بعض نے ابلیس کی جانب بھی لی ہے۔ اور بِهٖ کو من اجله کا مرادف قرار دیا ہے۔ یعنی اس کے سبب سے۔ انما ارادهم من اجله مشركون بالله وهٰذا كما يقال صار فلان بك عالمًا اي من اجلك (ابن قتیبہ) والقول الثانى انه راجع الى الشيطان والمعنى بسببه (کبیر) اي بسبب الشيطان واغوائه اياهم (روح) ف۱۶۱ (اے مدعیٔ نبوت ورسالت) وَاِذَا...... اٰيَةٍ۔ مثلاً کسی آیت کے حکم کی تعیم میں تخصیص پیدا کر دیتے ہیں، یا اس کے برعکس تخصیص میں تعیم۔ نسخ آیات پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ (پ۱) میں ما ننسخ من اية او ننسها کے تحت میں گزر چکا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ۔ یعنی یہ تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ مکلفین ومخاطبین کے اعتبار سے، کون سا حکم، کس وقت مناسب وپر مصلحت ہے۔ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ۔ یہ بکواس معاندین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوتی تھی۔ جب کبھی بھی وہ کوئی ایسا حکم سنتے جو ان کے خیال میں کسی سابق حکم کے معارض ہوتا، تو چٹ یہی کہنے لگتے، کہ یہ کیا؟ یہ تو تم اپنے قصد وارادہ سے، اور اپنی مصلحت وقت دیکھ کر احکام میں ادل بدل کرتے رہتے ہو — گویا تبدیلی کا انتساب ایک انسان کی جانب تو ہوسکتا تھا، لیکن حق تعالیٰ کی طرف سے اس کے ہونے کا کوئی امکان ہی نہ تھا! اتنی موٹی سی بات جس طرح ان جاہلین قدیم کی سمجھ میں نہیں آئی تھی، بہت سے جاہلین جدید کی بھی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ اور یہ لوگ بھی محض ان "ترمیمات" کے وقوع سے نتیجہ یہ نکال رہے ہیں کہ قرآن خدا کا نہیں، انسان کا کلام ہے! ف۱۶۲ (کہ اپنے غایت جہل وناسمجھی سے احکام کے ارتقاء وترتیب کو دلیل سمجھ رہے تھے افترا کی!) یہ "ارتقاء" مخاطبین، مکلفین کے فہم واستعداد کی نسبت سے کہا گیا۔ ف۱۶۳ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم مل رہا ہے کہ آپ حقیقت حال بیان کر دیجیے کہ یہ کلام جسے تم میرا فرض کر رہے ہو، حق تعالیٰ کا کلام ہے، جسے فرشتہ مقرب جبریل امین، حکمتِ الٰہی کے مطابق میرے پاس لا رہے ہیں، اور اس ترتیب وتدریج میں ایک مصلحت یہی ہے کہ اہل ایمان کے قدم توحید پر اور زیادہ جمتے رہیں۔ اور ان کی تربیت ایک خاص آئین حکمت کے مطابق ہوتی رہے۔ رُوْحُ الْقُدُسِ۔ یعنی فرشتہ جبریل۔ حاشیہ گزر چکا۔ بِالْحَقِّ۔ یعنی آئین حکمت کے ماتحت ومطابق۔ اي ملتبسًا بالحكمة (مدارک۔ بیضاوی) ف۱۶۴ یہ ایک نومسلم رومی نصرانی غلام تھا، انجیل وغیرہ سے واقف۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو شروع ہی سے توجہ ودلچسپی کے ساتھ سنتا تھا، تو آپ بھی کبھی

کبھی اس کے پاس جا بیٹھتے تھے، تو بس اتنی سی بات پر عقل کے دشمنوں کو ایک شگوفہ ہاتھ آگیا۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہ دو غلام تھے، جو مکہ میں شمشیر سازی کا کام کرتے تھے، اور توریت وانجیل بھی پڑھا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ادھر سے گزرتے، تو وہاں رک جاتے۔ بعض نافہموں نے ایک دن خود انہی سے پوچھ دیا کہ ”کیا تمہی انہیں قرآن سکھاتے ہو؟“ وہ بولے ”ہم بھلا انہیں سکھا سکتے ہیں۔ ہم تو خود ہی ان سے سیکھتے ہیں۔“ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ۔ عجب کج فہم لوگ تھے۔ قرآن کے حیرت انگیز اثر، اس کے اعلیٰ مطالب، اس کی حکیمانہ تعلیمات، اس کی معجزانہ بلاغت کو دیکھتے، تو یہ کہہ اٹھتے کہ یہ ان صاحب کا کلام نہیں ہوسکتا، کوئی نہ کوئی انہیں سکھاتا ضرور ہے۔ اور اب ان کا احمق اس ”کوئی نہ کوئی“ کی تلاش کرنے لگتا۔ اور اس بدحواسی میں کبھی اس کا نام لے دیتے کبھی اس کا! ہر طرف ٹھوکریں کھاتے رہتے، اور یہ نہ ہوتا کہ کبھی خود حق تعالیٰ ہی کا نام فرض کرلیتے! ۔۔۔ ٹھیک وہی بھول بھلیاں جس میں آج بڑے بڑے ”روشن خیال“ مستشرقین بھٹکتے رہتے ہیں۔ و۱۶۵ عرب کے اہل زبان سے خطاب ہے کہ قرآن مجید کی معنوی بلندیوں تک تمہارا ذہن اگر نہیں پہنچتا تو خیر، لیکن یہ کیا قیامت ہے کہ اس کی معجزانہ فصاحت وحسن انشاء کا بھی تم کچھ لحاظ نہیں کرتے، اور اس بے انتہا بلیغ کلام کو منسوب ایسے شخص کی جانب کر رہے ہو، جو سرے سے اہل زبان تک نہیں! اَعْجَمِيٌّ وہ ہے جو صاف گفتگو اور اظہار مافی الضمیر پر قادر نہ ہو، خواہ نسلاً عرب ہی ہو۔ قال ابو الفتح الموصلی ترکیب ع ج م وضع فی کلام العرب للابھام والاخفاء وضد البیان والایضاح (کبیر) قال الفراء واحمد بن یحیٰی الاعجم الذی فی لسانہ عجمة وان کان من العرب (کبیر) وقال ابو علی الفارسی الاعجم الذی لا یفصح سواء کان من العرب اومن العجم (کبیر) الاعجم من فی لسانہ عجمة عربیًا کان اوغیر عربی (راغب) يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ۔ الحاد کے معنی راہِ حق وصواب سے ہٹ جانے کے ہیں، اور ملحد کو اسی لئے ملحد کہتے ہیں کہ وہ راہِ حق اور تمام ادیان سے ہٹا ہوا ہوتا ہے۔ یقول لحد والحد اذا مال عن القصد ویقال للعادل عن الحق ملحد (کبیر) ومنہ الملحد لانہ امال ملھبہٗ عن الادیان کلھا (کبیر) هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ۔ یعنی یہ کلام تو معجزانہ حد تک فصیح ہے۔ جسے ہر اہل زبان، مومن ہو یا منکر یقین طور پر دیکھ سکتا ہے۔ و۱۶۶ (آخرت میں) اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آیاتِ الٰہی سے دیدہ ودانستہ منہ پھیرے رہتے ہیں۔ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ ایسے لوگوں کے سر توفیق ہدایت زبردستی نہیں چپک دیتا:۔ و۱۶۷ (کہ جو صادق اور سرتاسر صدق ہے، اسے کاذب ومفتری بتا رہے ہیں، اور خالق کے کلام کو مخلوق کا کلام ٹھیرا رہے ہیں) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۔ یعنی پکے جھوٹے، اول نمبر کے لپاڑیے۔ الکاملون فی الکذب (کشاف) بعض محققین نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ کذب ایک بدترین کبیرہ ہے۔ اِنَّمَا کے کلمہ حصر کے ساتھ کذب کا ذکر آنا گویا یہ معنی رکھتا ہے کہ کذب کا ارتکاب تو بس انہی لوگوں سے ممکن ہے جو سرے سے آیاتِ الٰہی پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ فی ھٰذہ الاٰیة دلالة قویة علی ان الکذب من اکبر الکبائر والفحش الفواحش والدلیل علیہ ان کلمة انما للحصر والمعنی ان الکذب والفریة لا یقدم علیھما الامن کان غیر مومن بایات اللہ تعالٰی والا من کان کافرًا وھٰذا تھدید فی النھایة (کبیر) و۱۶۸ ایمان کے بعد ارتداد کی سزا شریعت میں بہت ہی سخت ہے، اور بہت ہی سخت ہونا چاہیے بھی ...... بغاوت سے بڑھ کر دنیا کے سارے قانون تعزیرات میں اور سنگین جرم ممکن کون ہے؟ اور بغاوت بھی وفاداری کے عہد وپیمان مؤکد کے بعد! مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ۔ رسالت سے انکار، قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے انکار، عقیدۂ حشر سے انکار، یہ سب بھی کفر باللہ میں آگیا۔ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ۔ یعنی اسے ڈرا دھمکا کر یا جتائے عذاب کرکے اسے زبان سے انکار پر مجبور کردیا گیا ہو ــــ ایسا شخص وعید سے مستثنیٰ ہے۔ اکراہ کے شرائط وغیرہ کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی، باب الاکراہ میں۔ فقہاء نے کہا ہے کہ جو شخص قدرت رکھتا ہو وہ اگر قتل یا قطع عضو کی دھمکی دے، تو کلمۂ کفر کا زبان سے تلفظ جائز ہوجائے گا، لیکن جبکہ ڈرانے والا اس پر قادر نہ ہو، یا خوف صرف مار پیٹ کا دلایا جائے، تو یہ عذر کافی نہ ہوگا۔ الاکراہ المبیح لذٰلک ھو ان یخاف علی نفسہ او بعض اعضائہ التلف ان لم یفعل ما امرہ بہ فابیح لہ فی ھٰذہ الحال ان یظھر کلمة الکفر (جصاص) وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ۔ دل ایمان پر مطمئن ہو، یعنی عقیدہ میں فتور نہ آنے پائے، اور دل سے اس قول یا فعل کافرانہ کو برا سمجھے جائے۔ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا۔ یعنی وہ مذہب کفر ہی کو صحیح اور مستحسن سمجھنے لگے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چونکہ وسوسہ میں یہ شرح صدر نہیں ہوتا ہے، اور نہ اپنے اوپر اختیار ہی ہوتا ہے۔ اس لئے وسوسہ میں کوئی پہلو ذم کا نہیں و۱۶۹ یعنی اللہ کفر اختیار کرنے والوں پر زبردستی توفیق ہدایت نہیں چپک دیا کرتا۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی اللہ کا غضب وعذاب۔ اِسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ۔ اِسْتَحَبُّوا کے لفظ میں عزم وقصد شامل ہے۔ بس اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا کو عمدًا وشعورًا آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دنیا کی جس قدر محبت درجہ طبعی میں ہے، اور عین مقتضائے بشریت ہے، وہ اس حکم میں شامل نہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ آیت حب دنیا کے مذموم ہونے کے باب میں نص صریح ہے، جس طرح کہ اس باب میں کہ یہ حب دنیا مذموم وہ ہے، جس میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دی گئی ہو۔

وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٣﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

زبان تو عجمی ہے اور یہ (کلام) تو فصیح عربی زبان (میں) ہے و۱۶۵ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٠٤﴾

نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت (بھی) نہیں کرتا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے و۱۶۶

اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ

جھوٹ افترا کرنے والے تو بس یہی لوگ تو ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٥﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

اور یہی لوگ (پورے پورے) جھوٹے ہیں و۱۶۷ جو کوئی اللہ سے اپنے ایمان (لانے) کے بعد

اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ

کفر کرے بجز اس صورت کے کہ اس پر زبردستی کی جائے درآنحالیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو

وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ

(تو وہ تو مستثنیٰ ہے) لیکن جس کا سینہ کفر ہی سے کھل جائے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب

مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠٦﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ

ہو گا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہو گا و۱۶۸ یہ اس سبب سے ہو گا کہ

اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا

انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی تھی، اور اللہ کفر اختیار کرنے والے

يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠٧﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ

لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا و۱۶۹ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

اور جن کی سماعت پر اور ان کی بینائی پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور یہی لوگ تو

ف۱۷۰ اپنے اختیاری حُبِّ دنیا اور آخرت فراموشی کی بنا پر) طَبَعَ...... اَبْصَارِهِمْ۔ دل اور کان اور آنکھ پر مہر لگنے پر حاشیہ سورۂ بقرہ (پارۂ اول) کے پہلے رکوع کے خاتمہ پر آچکا ہے۔ یہ مہر لگنے کا عمل حق تعالیٰ کی طرف سے بہ طور تکوینی علت العلل کے ہوتا ہے، بندہ کے اختیاری کفر کے نتیجہ کے طور پر۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔ یعنی پلے سرے کے غافل، غفلت میں حد سے گزر جانے والے۔ اے الكاملون فى الغفلة الذين لا اغفل منهم (کشاف)

الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ

(اپنے انجام سے بالکل) غافل ہیں ف۱۷۰ لازمی بات ہے کہ آخرت میں یہ لوگ بالکل ہی نقصان اٹھانے والوں

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ

میں رہیں گے ف۱۷۱ پھر بے شک آپ کا پروردگار ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے بعد اس کے

بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ

کہ (سخت) آزمائش میں پڑ چکے تھے ہجرت کی پھر جہاد کیا اور ثابت قدم رہے تو آپ کا پروردگار بے شک

بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱۰﴾ یَوْمَ تَاْتِیْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ

ان اعمال کے بعد بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے، ف۱۷۲ (یہ جزا وسزا اس روز ہوگی) جس روز ہر شخص

عَنْ نَّفْسِهَا وَ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ هُمْ لَا

اپنی ہی طرف داری میں گفتگو کرے گا اور ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر ظلم (ذرا)

یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْیَةً كَانَتْ اٰمِنَةً

نہ کیا جائے گا ف۱۷۳ اور اللہ ایک بستی والوں کی مثال بیان کرتا ہے کہ وہ امن و اطمینان میں

مُّطْمَىٕنَّةً یَّاْتِیْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ

رہتے تھے ان کے کھانے کا سامان بہ فراغت ان کے پاس ہر طرف سے آتا رہتا لیکن

فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ

انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اس پر اللہ نے انہیں ایک محیط قحط اور خوف کا

وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ

مزہ چکھایا بہ سبب ان کے کرتوتوں کے ف۱۷۴ اور ان کے پاس ایک رسول بھی

رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَ هُمْ

انہی میں سے آیا تھا سو اس کو انہوں نے جھٹلایا، پس انہیں عذاب نے آپکڑا اس حال میں کہ وہ (اپنے حق میں)

ع ۱۴ / ۲۰

ف۱۷۱ جس نے بیج سرے سے ڈالا ہی نہیں، وہ کھیت کاٹے گا کیا؟ آخرت تو صرف دار الجزاء کا نام ہے، جب دار العمل میں کوئی عمل سرے سے ہوا ہی نہیں تو جزائے عمل کیسی ف۱۷۲ (جو مغفرت ورحمت تو نفس ایمان ہی پر مرتب کر دیتا ہے، پھر ان اعمال شاقہ کے امتحان سے گزرنے پر مغفرت ورحمت کے درجات عالیہ وکاملہ کیوں نہ عنایت کر دے گا) لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا۔ ہجرت سے مراد ہجرت مدینہ تو ظاہر ہی ہے، لیکن ہجرت حبشہ بھی سمجھی جاسکتی ہے۔ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا۔ آزمائشوں سے کھلا ہوا اشارہ آغاز ظہور اسلام کے شدائد شاقہ کی جانب ہے،...... نفس ابتلاء کفر بھی مراد ہو سکتا ہے۔ جٰهَدُوْا۔ جہاد اپنے لغوی معنٰی میں ہر جہاد نفس پر شامل ہے۔ قتال اصطلاحی ہی کا مرادف نہیں۔ مِنْۢ بَعْدِهَا۔ ضمیر اعمال سابقہ مذکورہ یعنی آزمائش میں پڑنے اور ہجرت اور جہاد اور ثابت قدمی کی طرف ہے۔ اے المذكورات من الفتنة والهجرة والجهاد والصبر (روح) سوال یہ اٹھایا گیا ہے، کہ سورۃ تو مکی ہے، پھر اس میں، ہجرت وجہاد کا ذکر کیسا؟...... لیکن اول تو ابن عطیہ کی روایت میں ہے کہ آیت مدنی ہے (اور مکی سورتوں میں مدنی آیتوں کی آمیزش کی مثالیں قرآن میں کثرت سے ہیں) اور ہجرت سے مراد، ہجرت حبشہ تو بہ آسانی ہو سکتی ہے، اور جہاد اپنے لغوی معنٰی (جدوجہد) میں۔ پھر ان سب کے علاوہ، صیغۂ ماضی سے اخبار مستقبل کی مثالیں بھی قرآن میں شاذ نہیں۔ ف۱۷۳ وہ وقت انصاف کامل کا ہوگا۔ دنیا کی طرح وہاں خیر وشر کو مخلوط اور حق وباطل کو باہم ملتبس رکھنے کی قطعاً حاجت نہ ہوگی۔ یَوْمَ...... نَفْسِهَا۔ وہ گھڑی ایسی نفسی نفسی کی ہوگی کہ کسی کو کسی دوسری طرف توجہ کرنے کی مہلت ہی کب ہوگی۔ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔ یعنی نیکی کے بدلہ میں کمی نہ ہوگی، گو زیادتی ہو جائے اور بدی کے بدلہ میں زیادتی نہ ہوگی۔ گو کمی ہو جائے۔" (تھانوی) عَنْ نَّفْسِهَا۔ اس دوسرے نفس کے معنٰی عین یا ذات کے ہیں۔ اور پہلا نفس شخص کے مرادف ہے۔ يقال لعين الشىء وذاته نفسه (کشاف) والنفس الجملة كما هى فالنفس الاولى هى الجملة والثانية عينها وذاتها (کشاف) تُجَادِلُ۔ مجادلہ یہاں عذر معذرت اور صفائی پیش کرنے کے معنٰی میں ہے۔ ومعنى المجادلة عنها الاعتذار منها (کشاف) ف۱۷۴ مثال سے مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ کفر وانکار کے نتائج اس دنیا میں بھی کیسے سخت اور ہولناک ہو سکتے ہیں۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا۔ مثال سے مقصود نتائج کفر پر متنبہ کرنا ہے۔ اٰمِنَةً...... بِاَنْعُمِ اللّٰهِ۔ آیت سے ظاہر ہو گیا کہ دنیا میں امن وفراغت سے رہنا سہنا اور کافی سامان معیشت بہم پہنچتے رہنا حق تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے، تحقیر کے نہیں شکریہ کے قابل۔ فَاَذَاقَهَا...... یَصْنَعُوْنَ۔ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دنیوی نعمتوں کی ناشکری بھی عذاب کا مستحق بنا دیتی ہے۔ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ۔ یہ ناشکری انہوں نے عقاید کفر وشرک کو اختیار کر کے کی۔

ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا

ظالم تھے ف۱۷۵ سو جو چیزیں تمہیں اللہ نے جائز اور ستھری دے رکھی ہیں ان میں سے کھاؤ

وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم (واقع میں) خاص اسی کی پرستش کرتے ہو ف۱۷۶

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ

اس نے تو تم پر صرف مردار اور خون اور سؤر کا گوشت

وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ

اور جس چیز کو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو، حرام کیا ہے لیکن جو کوئی بے قرار ہو جائے نہ یہ کہ طالب لذت

وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا

ہو، اور نہ یہ کہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو، تو بے شک اللہ مغفرت والا ہے، رحمت والا ہے۔ ف۱۷۷ اور اپنی

لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ

زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے یہ مت کہہ دیا کرو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں حرام

لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ

جس کا حاصل یہ ہو گا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگا دو گے ف۱۷۸ بے شک جو لوگ اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ؕ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ

جھوٹی تہمتیں لگاتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے، (سو) عیش چند روزہ ہے

وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا

اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ف۱۷۹ اور جو لوگ دین یہود اختیار کئے ہوئے ہیں ان پر ہم نے وہ چیزیں

مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ

حرام کر دی تھیں جن کا بیان ہم آپ سے اس کے قبل کر چکے ہیں، اور ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی،

ف۱۷۵ (سوائے اہل مکہ ڈرو، کہ کہیں تمہارا بھی یہی حال نہ ہو جائے) تاریخ کا بیان ہے کہ یہ انجام واقع ہو کر رہا۔ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ کی بات اہل مکہ کے حق میں، ان کے انکار رسول ﷺ کے پاداش میں، پوری ہو کر رہی۔ لِبَاسَ الْجُوْعِ۔ مکہ میں قحط شدید پڑا جانور مرنے لگے، آدمی جان سے گزرنے لگے۔ وَالْخَوْفِ۔ مکہ بالآخر مسلمانوں ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کا سرنگوں ہوا۔ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ عذاب الٰہی نے ان کی گرفت عین اس حال میں کی، کہ وہ ارتکاب کفر و تکذیب میں مبتلا تھے۔ ای حال التباسهم بالظلم وهو الكفران والتكذيب (روح) مِنْهُمْ۔ یعنی خود انہی کی جنس و قوم میں سے، جس کے ایک ایک حال سے یہ خوب واقف تھے۔ ای من جنسهم يعرفونه باصله ونسبه (روح) ف۱۷۶ یعنی اگر خدا پرست اور توحید کے قائل ہو، تو مشرکوں کی طرح اپنے دل سے فلاں فلاں چیز کو ناجائز و حرام مت ٹھیرالو۔ بلکہ جو چیزیں اللہ کی شریعت نے حلال کی ہیں، انہیں جائز ہی سمجھتے رہو انہیں اللہ کی نعمتیں سمجھ کر انہیں برتو، اور حق تعالیٰ کا شکر زبان سے اور عمل سے ادا کرتے رہو۔ ف۱۷۷ (خود اس نے اپنی انہی صفات غفر و رحمت کے تقاضہ سے اس اضطرار کی حالت میں حرام غذاؤں کو بھی بہ قدر ضرورت جائز کر دیا ہے) اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الخ۔ یہاں ذکر انہی چیزوں کا ہے، جن کی حلت و حرمت مشرکین مکہ میں زیر بحث تھی۔ حدیث نبوی ﷺ سے جو دوسری چیزیں حرام ثابت ہوئی ہیں، وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اِنَّمَا کا حصر محض اضافی ہے۔ یعنی حرام وہ چیزیں نہیں جنہیں تم نے اپنے دل سے حرام ٹھیرا لیا ہے۔ بلکہ حرام تو بس یہ چیزیں ہیں باقی جو چیزیں کسی دوسری دلیل شرعی سے حرام ٹھیرائی گئی ہیں، ان سے یہاں کوئی تعرض ہی نہیں۔ والحصر اضافي على ما قال غير واحد ای انما حرم اكل هٰذه الاشياء دون ما تزعمون من البحائر والسوائب ونحوها (روح) وَالْمَيْتَةَ۔ وَالدَّمَ۔ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ۔ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ۔ ان سب پر حاشیے ۵ سورۃ الانعام میں گزر چکے۔ فَمَنِ اضْطُرَّ۔ یعنی جو شخص بھوک اور فاقہ کی شدت سے نڈھال ہو جائے۔ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ۔ حاشیہ ۵، سورۃ الانعام میں گزر چکا۔ ف۱۷۸ یعنی جب خدائی شریعت میں وہ مضمون ہے ہی نہیں جو تم بتا رہے ہو، تو تمہارا اس کو خدائی شریعت کی جانب منسوب کرنا، اسے خدا پر گڑھنا ہی تو ہوا۔ لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ۔ یعنی اس پر کوئی دلیل صحیح تو قائم ہے نہیں۔ محض تمہارے زبانی دعوے ہی ہیں۔ لِّتَفْتَرُوْا میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی تمہارے اس قول کا حاصل یہی افتراء علی اللہ ہے۔ واللام من التعليل الذی لا يتضمن معنی الغرض (کشاف) واظن ان هٰذا اللام ليس لام الغرض بل كان لام العاقبة (کبیر) اللام لام العاقبة والصيرورة (روح) وَلَا تَقُوْلُوْا...... حَرَامٌ۔ ترجمۂ متن میں جو ترکیب اختیار کی گئی ہے، وہ کسائی لغوی اور زجاج نحوی کے قول کے مطابق ہے، اور بہت سے مفسرین کی اختیار کردہ۔ ای لا تقولوا هٰذا حلال وهٰذا حرام لاجل وصف السنتكم الكذب والی هٰذا ذهب الكسائي والزجاج (روح) ف۱۷۹ ایسے مجرموں کو حقیقۃً فلاح و عافیت کہاں نصیب؟ یہ عیش جو انہیں بظاہر نصیب ہو رہا ہے، تمامتر عارضی و فانی ہے، پلک جھپکتے آنکھ کھل جائے گی، اس وقت حقیقت معلوم ہو گی:۔

ف۱۸۰ یعنی جو ماکولات یہود پر بہ طور سزا حرام کردیئے گئے، ان کے باب میں بھی حقیقۃً سارا قصور انہی کا تھا۔ زیادتی ہماری طرف سے ذرا بھی نہیں ہوئی، یہاں تک کہ صورۃً بھی۔ مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الانعام، آیت وعلى الذين هادوا حرمنا كل ذى ظفر کے حاشیے۔ ف۱۸۱ (چنانچہ ان نادانوں نافرمانوں کے بھی قصوروں سے درگزر کردے گا) ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا۔ یعنی حسب احکام قواعد شرعی، ماضی سے متعلق توبہ اور حال سے متعلق اصلاح کرلے۔ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا......وَ اَصْلَحُوْا۔ ملاحظہ ہوں سورۃ النساء رکوع ۳ کے حاشیے۔ السُّوْٓءَ۔ اس کے تحت میں چھوٹی بڑی ہر قسم کی برائی، معصیت آگئی، یہاں تک کہ کفر و شرک بھی۔ هو مايسئ صاحبه من كفر او معصية ويدخل فيه الافتراء على الله وعن ابن عباس انه الشرك والتعميم اولى (روح) مِنْ بَعْدِهَا۔ ضمیر توبہ واصلاح کی جانب ہے۔ اے التوبة كما قال غير واحد ولعل الاصلاح مندرج فى التوبة (روح) ثُمَّ تَابُوْا میں ثم تاکید اور زور دینے کے لئے ہے۔ للتوكيد والمبالغة (روح) بِجَهَالَةٍ۔ ہر معصیت و نافرمانی کی آخری بنیاد اسی نافہمی و نادانی ہی پر تو ہوتی ہے۔ التقييد بالجهالة لبيان الواقع لان كل من يعمل السوء لا يعمله الا بجهالة (روح) ف۱۸۲ (تو تم کس منہ سے ان کی پیروی اور ان کی نسل میں ہونے کا دعوی کررہے ہو، اے مشرکین عرب!) تم تو ہر معاملہ میں ان کی بالکل ضد ہو۔ وہ قانت و فرمانبردار تھے، تم نافرمان۔ وہ مومن حنیف، اللہ کی طرف یکسوئی سے لگے

وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ

بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر زیادتی کرتے رہے ف۱۸۰ پھر آپ کا پروردگار

لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ

ان لوگوں کے حق میں جو نادانی سے (کوئی) برا کام کر گزرے، پھر اس کے بعد توبہ

ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ

کرلے اور اپنی حالت درست کرلے تو آپ کا پروردگار اس (توبہ) کے بعد بڑا مغفرت والا ہے،

رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ

بڑا رحمت والا ہے، ف۱۸۱ بے شک ابراہیم بڑے مقتدا اللہ کے فرمانبردار (اور اس کی طرف) یک رخ

ع ۱۵ ۹ ۲۱

حَنِيْفًا ۭ وَ لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ۙ شَاكِرًا

رہنے والے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ف۱۸۲ (اللہ کی) نعمتوں کے

لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَ هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾

بڑے شکر گزار (اللہ نے) ان کو چن لیا تھا اور انہیں سیدھی راہ پر ڈال دیا تھا ف۱۸۳

وَ اٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ

اور ہم نے دنیا میں بھی انہیں بھلائی دی تھی اور آخرت میں تو وہ

لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ۭ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ

صالحین میں ہیں ہی ف۱۸۴ پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ

مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

ابراہیم کے طریقہ پر چلیے جو بالکل ایک رخ کے تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ف۱۸۵

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ

سبت (کا احترام) تو بس انہی لوگوں پر عائد کیا گیا تھا جنہوں نے اس کے باب میں اختلاف کیا تھا ف۱۸۶

ہوئے اور ایک رخ تھے، اور تم ادھر سے منہ موڑے ہوئے، دنیا طلبی پر گرے ہوئے۔ وہ موحد تھے، تم مشرک۔ تمہارے ان کے درمیان رشتہ اشتراک ہی کیا؟ اِبْرٰهِيْمَ۔ حضرت ابراہیم پر حاشیہ سورۂ بقرہ، پ۱، رکوع ۱۵ میں گزر چکا۔ اُمَّةً۔ یعنی اللہ کی عبادت و فرمانبرداری اور طاعات و حسنات میں پوری ایک جماعت کے قائم مقام اور برابر۔ اے قائماً مقام جماعة فى عبادة الله (راغب) اے كان وحده امة من الامم لكماله فى جميع صفات الخير (كشاف) عن ابن عباسؓ اے كان عنده من الخير ما كان عند امة وهى الجماعة الكثيرة (روح) دوسرے معنی امام یا مقتداء کے ہیں، جو امور خیر میں بہ طور نمونہ کے کام دے۔ ابوعبیدہ لغوی نے یہی معنی لئے ہیں۔ اور مشہور صحابی عبد اللہ بن مسعودؓ اور فراء لغوی سے معلم خیر کے معنی منقول ہیں۔ الامة الامام وبه فسر ابو عبيده (تاج) وقال الفرّاء كان امة اے معلمًا للخير وبه فسر ابن مسعود ايضًا (تاج) امة بمعنى ماموم اے يؤمه الناس لياخذوا منه الخير (كشاف) فهو الامام الذى يقتدى به (ابن كثير) حَنِيْفًا۔ ہر مذہب باطل سے ہٹ کر دین حق کی طرف جھکے ہوئے اور اس پر ثابت و قائم۔ مائلاً عن كل دين باطل الى الدين الحق غير زائل عنه (روح) ف۱۸۳ (چنانچہ انہی کے نقش قدم پر چلنے اور انہی کی ملت حنیف اختیار کرنے میں آج بھی فلاح و نجات ہے) اِجْتَبٰىهُ۔ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام دنیا کے تین مشہور و زبردست مذہبوں کے آج بھی مسلم مقتدا و پیشوا ہیں ــ اسلام کے، یہودیت کے، نصرانیت کے۔ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ۔ کہاں وہ اتنے شکر گزار بندہ تھے، اور کہاں تم ایسے ناشکرے نکلے۔ انعم۔ پر سوال یہ ہوا ہے کہ یہ تو جمع قلت ہے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تو بڑی کثرت سے نعمتیں نازل ہوئی تھیں، پھر ان کے لئے یہ جمع قلت کیسے آئی؟ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کے جواب میں کہا ہے کہ اس جمع قلت کا تعلق تو (شاکرا) آپ کی شکر گزاری سے ہے۔ تو جب آپ قلیل نعمتوں تک کے شکر گزار تھے، تو پھر بڑی اور کثیر نعمتوں کی شکر گزاری کا پوچھنا ہی کیا: المراد انه كان شاكرًا لجميع نعم الله ان كانت قليلة فكيف الكثيرة (كبير) ف۱۸۴ آیت منجملہ دوسری آیات کے، اس باب میں نص قاطع ہے کہ دنیوی نعمتوں سے سرفرازی، مراتب اخروی کے ذرا بھی منافی نہیں۔ وهذا لدفع توهم ان ما اوتيه فى الدنيا ينقص مقامه فى العقبى (روح) فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً۔ دنیا میں جتنی بھی نعمتیں ہوسکتی ہیں، سب حضرت علیہ السلام کی ذات میں جمع ہوگئی تھیں۔ مفسرین ہی نہیں، مورخین کا بیان بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ اور صالح بھی کیسے؟ صالحیت کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز۔ صالحین کے سرور و سردار۔ ف۱۸۵ (تو پھر اے مشرکو، تم اپنے کو طریق ابراہیمی کا پیرو کس منہ سے کہتے ہو؟) ثُمَّ اَوْحَيْنَا الخ۔ ثم یہاں اظہار فضیلت کے لیے ہے۔ یعنی علاوہ اُن فضائل کے، سب سے بڑی فضیلت انہیں ہم نے یہ دی کہ خود محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے طریقہ پر چلنے کا حکم دیا۔ فى ثم هذه ما فيها من تعظيم منزلة رسول الله صلى الله عليه وسلم واجلال محله والايذان بان اشرف ما اوتى خليل الله ابراهيم من الكرامة و اجل ما اولى من النعمة اتباع رسول الله صلى الله عليه وسلم ملته (كشاف) اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا اور وہ طریقۂ ابراہیم علیہ السلام حنیف توحید کامل کا تھا ــ چنانچہ اب وہ طریقۂ ابراہیمی طریقۂ محمدی میں منحصر اور اسی کے مرادف ہوکر رہ گیا ہے۔ والمراد من ملة ابراهيم التوحيد و نفى الشرك (روح) حَنِيْفًا سب سے یکسو، یک رُخ یعنی غیر اللہ سے رشتہ بالکل توڑے ہوئے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۸۲ مِلَّةَ۔ اِبْرٰهِيْمَ۔ حَنِيْفًا۔ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ سب پر حاشیے سورۃ بقرہ، پ۱، رکوع ۱۵ میں گزر چکے ہیں۔ سورۃ الانعام میں بھی اسی سے ملتی ہوئی ایک آیت آچکی ہے۔ یہاں چونکہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیمی ہی کی تجدید کا حکم مل رہا ہے، اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس خصوصیت کو پھر دُہرا دیا ہے، کہ آپ کی ملت بس توحید اور نفی شرک ہی کی تو تھی۔ ف۱۸۶ (اپنے پیمبروں کی ہدایات و احکام سے) جُعِلَ السَّبْتُ یعنی ان لوگوں پر اس روز کا تعطل تو بہ طور سزا عاید کیا گیا تھا۔ اصل دین ابراہیمی میں نہ تھا۔ السَّبْتُ۔ ہفتہ کا ساتواں دن، سنیچر یا شنبہ، جو شریعت یہود میں ایک مقدس دن تھا، جس میں ہر دنیوی مشغولیت سے احتراز واجب تھا۔ اس پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ فِيْهِ۔ یعنی احکام حرمت سبت کے بارہ میں۔

ف١٨٧ یہ اختلافات خواہ آپس کے ہوں یا اپنے پیمبروں اور ہادیوں کی ہدایات سے۔ لَيَحْكُمُ اس فیصلہ سے فیصلۂ عملی ومشاہد یعنی ترتب اجر وعذاب مراد ہے۔ ورنہ دلائل وشواہد کے لحاظ سے تو فیصلہ آج بھی موجود ہے۔ والمعنی ان الله تعالی لیحکم یوم القیمة للمحقین بالثواب وللمبطلین بالعقاب (کبیر) ف١٨٨ (جس میں شدت وخشونت نہ ہو) بِالْحِكْمَةِ یعنی دلائل علمی کے ساتھ۔ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ یعنی ترغیب وترہیب سے ان کے جذبات اعلٰی اُبھار کے۔ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ یعنی جب بحث آہی پڑے تو شائستہ عنوان سے گفتگو کیجئے۔ ف١٨٩ (سو کس نے مانا اور کس نے نہ مانا، اس کا فیصلہ اللہ ہی پر چھوڑ دیجئے۔ آپ اس تحقیق میں نہ پڑیئے) ف١٩٠ (اور ان حدود سے آگے نہ بڑھو) انتقام کا وقت بھی نازک ہوتا ہے۔ مظلوم کا نفس جوشِ انتقام میں عموماً حد سے آگے بڑھ جاتا اور اب خود ظالم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید نے اس اشتعال کے وقت جذبات پر قابو رکھنے کی بار بار تاکید کی ہے، اور انتقام کو حدود کے اندر رکھنے کا خاص اہتمام فرمایا ہے۔ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ خطاب اب محض رسول اللہ ﷺ سے نہیں، عام اُمت سے ہے۔ شریعت میں عام فطرت بشری کا لحاظ کر کے انتقام لینا بالکل جائز رکھا گیا ہے...... اور اس مقام کا نام اصطلاحِ سلوک میں مقام رخصت ہے۔ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ یہاں عقاب محض بہ طریق مشاکلت استعمال ہوا ہے۔ ورنہ عقاب کے عام لغوی معنٰی تو کسی جرم سابق پر سزا دینے کے ہیں۔ ای بمثل ما فعل بکم...... علی نهج المشاکلة (روح) وَ

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا

اور بے شک آپ کا پروردگار ان کے درمیان اس بارہ میں قیامت کے دن فیصلہ کردے گا، جس بارہ میں

فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ

یہ اختلاف کرتے رہے ہیں ف١٨٧ آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلایئے حکمت سے

وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ

اور اچھی نصیحت سے اور ان کے ساتھ بحث کیجیے پسندیدہ

اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ

طریقہ سے ف١٨٨ بے شک آپ کا پروردگار (ہی) خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا

سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٢٥﴾ وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ

ہوا ہے اور وہی ہدایت پائے ہوؤں کو (بھی) خوب جانتا ہے ف١٨٩ اور اگر تم لوگ بدلہ لینا چاہو

فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ

تو انہیں اتنا ہی دکھ پہنچاؤ جتنا دکھ انہوں نے تمہیں پہنچایا ہے، ف١٩٠ اور اگر تم صبر کرو

لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿١٢٦﴾ وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ

تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھا ہے ف١٩١ آپ صبر کیے رہیے اور آپ کا صبر تو

اِلَّا بِاللّٰهِ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ

بس اللہ ہی کی توفیق سے ہے ف١٩٢ اور آپ ان پر غم نہ کیجیے اور ان چالوں سے جو یہ لوگ چلتے رہتے ہیں،

مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

تنگ دل نہ ہوجیے ف١٩٣ بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ (رہتا) ہے جو تقوٰی اختیار کیے رہتے ہیں

وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿١٢٨﴾ ع

اور جو لوگ کہ حسن سلوک کرتے رہتے ہیں ف١٩٤

ع ١٦ ٢٢

اِنْ عَاقَبْتُمْ الخ ترکیب کلام خود کہہ رہی ہے کہ بہتر اور افضل تو انتقام نہ لینا ہی ہے۔ لیکن اگر اس پر نہ قدرت ہو اور مجرم کو سزا دینے پر ہی تل جاؤ، تو اتنی احتیاط تو بہرحال ضروری ہے کہ سزا بس جرم ہی کے متناسب ہو۔ اس سے زاید ہرگز نہ ہونے پائے۔۔۔ جیسے مریض سے طبیب کہتا ہے کہ بدپرہیزی اگر کرنا ہی ہے تو فلاں مقدار سے زاید نہ کرنا۔ یعنی ان رغبتهم فی استیفاء القصاص فاقنعوا بالمثل ولا تزیدوا علیه (کبیر) دلیل علی ان الاولی له ان لا یفعل (کبیر) ف١٩١ (کہ اس سے خوب مراتب قربت بڑھتے ہیں) اس مقام کا نام اصطلاحِ سلوک میں عزیمت ہے۔۔۔ اسلام نے بالکل صحیح طور پر فطرت بشری کے مطابق اجازت تو انتقام لے لینے کی بھی دی ہے، لیکن مقام بلند صبر وتحمل اور عفو ودرگزر ہی کا ہے۔ متعدد مفسرین نے یہاں یہ لکھ دیا ہے۔ کہ یہ آیت آیت قتال سے منسوخ ہے۔ لیکن جیسا کہ فخر المفسرین رازی علیہ رحمہ اللہ نے فرمایا، اور بالکل صحیح فرمایا، اس کو جہاد وقتال کے مسئلہ سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ اس میں تو ایک اخلاقی تعلیم حسنِ ادب کی، اور لوگوں کے ساتھ زیادتی نہ کرنے کی دی گئی ہے، اور وہ اپنی جگہ قائم ہے۔ وهذا فی غایة البعد لان المقصود من هذه الاٰیة تعلیم حسن الادب فی کیفیة الدعوة الی الله تعالٰی و ترک التعدی و طلب الزیادة ولا تعلق لهذه الاشیاء باٰیة السیف (کبیر) فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ قصاص لینے سے بڑھ کر مرتبہ عفو کر دینے کا ہے۔ و قد دلّت علی ان العفو عن القاتل و الجانی افضل من استیفاء القصاص (جصاص) ف١٩٢ (جیسا کہ ہر شخص کا بھی صبر توفیق الٰہی ہی سے ہوتا ہے) مفسر تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بدون توفیق الٰہی کوئی شخص نہ صبر کر سکتا ہے نہ اور کوئی طاعت یا حسنہ۔ لیکن توفیق کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں، گو نفس توفیق مشترک رہتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ توفیق الٰہی خاص اور زاید ہوتی ہے۔ اور اُن کے اعمال میں مؤثر رہتی ہے۔ وَاصْبِرْ یعنی آپ صبر کیے رہیے، جیسا کہ اب تک بھی کیے رہے ہیں۔ اور آپ کیوں نہ کرتے، آپ تو عزیمت کے بلند ترین مقام پر سرفراز تھے۔ بِاللّٰهِ یعنی اللہ کے لطف وتوفیق سے۔ ای بعون الله و توفیقه (عکبری) و قال غیر واحد ای الابتوفیقه و معونته (روح) ف١٩٣ (اور یقین رکھیے کہ ان کی یہ بڑی سی بڑی چالیں بھی آپ کو ضرر نہ پہنچا سکیں گی) وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ یعنی ان کے حال پر زیادہ غم وتأسف نہ کیجیے۔ ف١٩٤ (پھر آپ تو تقوٰی واحسان دونوں کے اعلٰی ترین مرتبہ پر ہیں۔ آپ کو تو اللہ کی معیت سب سے بڑھ کر حاصل رہے گی) مَعَ الَّذِيْنَ الخ حق تعالٰی کی یہ معیت متقین کے ساتھ اس معنٰی میں ہوتی ہے کہ وہ انہیں گناہوں سے بچاتا رہتا اور طاعتوں کی توفیق دیتا رہتا ہے۔ اور اپنی رحمت وفضل سے انہیں گھیرے رہتا ہے۔ و معیة نصرته فی المامور و عصمة فی المحظور (مدارک) ای بالعون والنصرة (معالم) معیةً بالرحمة والفضل والمرتبة (کبیر) والمراد بالمعیة الولایة الدائمة (روح) اَلَّذِيْنَ اتَّقَوْا یہ وہ لوگ ہیں جو احکام الٰہی کی پوری پوری تعمیل کرتے رہتے ہیں۔ اس میں تعمیل احکام کی فضیلت کی جانب اشارہ ہو گیا۔ اشارة الی التعظیم لامر الله تعالٰی (کبیر) اَلَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ یہ وہ لوگ ہیں، جو خلق کے ساتھ بہترین سلوک سے پیش آتے رہتے ہیں۔ اس میں مخلوق الٰہی کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت کی جانب اشارہ ہو گیا۔ اشارة الی الشفقة علی خلق الله (کبیر) محققین عارفین نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ فن سلوک کا خلاصہ یہی دو چیزیں ہیں۔ ایک امر الٰہی کی تعظیم، دوسرے خلق الٰہی کے ساتھ شفقت۔ ذٰلک یدل علی ان کمال السعادة للانسان فی هذین الامرین اعنی التعظیم لامر الله تعالٰی والشفقة علی خلق الله۔ اور بعض صوفیہ نے اپنی زبان میں یوں کہا ہے کہ حضرت حق کے ساتھ معاملہ صدق اور خلق کے ساتھ معاملہ خُلق بس یہی طریقت کی معراج ہے۔ و عبر عنه بعض المشائخ فقال کمال الطریق صدق مع الحق و خُلق مع الخلق (کبیر)

آیاتها ۱۱۱ ۱۷ سُوْرَةُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مَکِّیَّةٌ ۵۰ رکوعاتها ۱۲

اس میں ایک سو گیارہ آیتیں سورۂ بنی اسرائیل مکی ہے اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ

پاک ذات ہے وہ جو اپنے بندہ کو راتی رات مسجد حرام

الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ

سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا ف۱ جس کے ارد گرد کو ہم نے بابرکت بنا رکھا ہے

لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۱﴾

تاکہ اس (بندہ) کو ہم بعض اپنے عجائب (قدرت) دکھائیں ف۲ بے شک سمیع بصیر ف۳ وہی (اللہ) ہے

وَ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور ہم نے اس (کتاب) کو بنی اسرائیل کے لئے

اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ﴿۲﴾ؕ ذُرِّیَّةَ

(ذریعہ) ہدایت بنایا تھا کہ کہیں میرے سوا کسی (اور) کو کارساز مت قرار دے لینا ف۴ اے ان لوگوں کی نسل

مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا ﴿۳﴾

جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا ف۵ وہ بے شک بڑے شکر گزار بندہ تھے ف۶

وَ قَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْکِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ جتلا دیا تھا کہ تم ملک میں

فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا کَبِیْرًا ﴿۴﴾ فَاِذَا

دو بار بڑی خرابی پیدا کرو گے اور بڑا زور چلانے لگو گے ف۷ پھر جب

منزل ۴ الجزء ۱۵

ف۱ (اور اپنے اس برگزیدہ بندہ کو اس عجیب اور انوکھی سرفرازی سے نواز دیا) سُبْحٰنَ وہ ذات ہر نقص اور کمی سے پاک، ہر عجز سے منزہ، ہر قید اور حد بندی سے بالاتر ہے۔ تسبیح کا لفظ لایا ہی ایسے موقع پر جاتا ہے جہاں کسی امر اہم وعظیم الشان کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے فالتسبیح انما یکون عندالامور العظام (ابن کثیر) لَیْلًا یعنی رات کے ایک حصہ میں۔ ایک ہی رات کے تھوڑے سے وقت میں۔ اَسْرٰی کے معنی میں تو خود ہی رات کا سفر داخل ہے السرٰی سیر اللیل (راغب) لفظ لَیْلًا بہ صیغۂ نکرہ کے اضافہ سے یہ تاکید وتصریح مقصود ہے کہ اتنا بڑا سفر جو عادۃً کئی کئی ہفتہ میں یا ۴۰ دن کی مدت میں ممکن تھا فوق العادۃ طور پر رات کی چند گھڑیوں ہی میں انجام پا گیا اراد بقول لیلا بلفظ التنکیر تقلیل مدۃ الاسراء وانه اسری به فی بعض اللیل من مکة الی الشام مسیرة اربعین لیلة (کشاف) وفائدته الدلالة بتنکیره علی تقلیل مدة الاسراء (بیضاوی) بِعَبْدِهٖ عبد سے مراد عبد کامل یعنی رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک ہے۔ محل تخصیص پر قرآن مجید میں آپ کو اکثر عبد ہی سے موسوم کیا گیا ہے۔ مثلاً انزل الفرقان علی عبده یا وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا۔ وغیرہ لفظ عبد سے اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ بہ ایں شرف وکرامت وبہ ایں کمالات معجزانہ محمد مصطفےٰ ﷺ عبد محض ہی رہے، یہ نہیں ہوا کہ کچھ شرکت الوہیت وربوبیت میں ہو گئی ہو۔ نصرانیوں کی عبرت انگیز مثال سب کے سامنے ہے۔ وقیل حکمة اخرٰی ان فی التعبیر به ههنا دون حبیبه مثلاً سد الباب الغلو فیه ﷺ کما وقع للنصارٰی فی نبیهم (روح) اور مقام عبدیت میں پستی تو صرف عوام وجہلا کو نظر آتی ہے۔ محققین عارفین کے نزدیک یہ تو عین اشرفیت اور کمال افضلیت کا مظہر ہے۔ والعبودیة علی ما نص علیه العارفون اشرف الاوصاف واعلی المراتب (روح) یہ واقعۂ معراج پیش کب آیا تھا؟ ہجرت سے قبل قیام مکہ کے زمانہ میں تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن ہجرت سے کتنا قبل ہے اس میں بھی کچھ زیادہ اختلاف نہیں۔ سال سوا سال قبل پر اتفاق ہے۔ بعض تابعین کی روایت پورے ایک سال کی ہے، اور بعض کی ۱۶ مہینہ کی۔ عن الزهری کان الاسراء قبل الهجرة بسنته وکذا قال عروة وقال السدی بستة عشر شهرا (ابن کثیر) اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ سے یہ حقیقت بھی صاف ہو گئی کہ اس سفر کا کرانے والا، اس عجیب ومعجز واقعہ کو تکمیل تک پہنچانے والا، حق تعالیٰ تھا۔ رسول ﷺ خود نہ تھے۔ جس حیرت انگیز شبانہ سفر نبوی کا یہاں ذکر ہے اس کا اصطلاحی نام معراج ہے۔ ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ معراج ایک نہیں متعدد واقع ہوئی ہیں لیکن محققین کا ارشاد ہے کہ یہ احتمال بہت بعید ہے اور علماء سلف میں سے کوئی اس طرف نہیں گیا ہے۔ هذا بعید جدًا ولم ینقل هذا عن احدٍ من السلف (ابن کثیر) معراج سے متعلق اور بھی بڑی بڑی بحثیں پیدا ہو گئی ہیں مثلاً یہ کہ معراج جسمانی تھی یا روحانی، بیداری میں ہوئی یا حالت خواب میں، مختلف جوابات مختلف فریقوں کی طرف سے دیئے گئے ہیں اور ہر فریق کچھ نہ کچھ دلائل بھی اپنی تائید میں رکھتا ہے لیکن آیت قرآنی کی تفسیر ان میں سے کسی پہلو کے بھی اختیار کرنے پر موقوف ومعلق نہیں۔ واقعۂ معراج جس صورت اور جس کیفیت کے ساتھ پیش آیا ہو بہر حال ایک حیرت انگیز معجزہ اور عام بشری تجربہ سے مافوق واقعہ ہوا ہے اور اس کے نفس وقوع پر ایمان رکھنا واجب ہے ـــ پیمبران کو جو جو تجربے کرائے گئے ہیں (اکیلے سید الانبیاء ہی کو نہیں ابراہیم خلیل علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کو بھی) ان کی پوری تفصیلات عام انسانوں کے ذہن کی گرفت میں آ ہی کب سکتی ہیں؟ بقول عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

محدث سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرۃ ابن ہشام کی شرح الروض الانف میں ایک مستقل عنوان یہ قائم کیا ہے هل کان الاسراء فی یقظة بجسده او کان فی نومه بروحه۔ (آپ کی معراج بیداری میں جسم کے ساتھ ہوئی تھی یا حالت خواب میں محض روحانی؟) اور خود سیرۃ ابن ہشام میں محدث اور مشہور صاحب السیرۃ ابن اسحٰق کے حوالہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل بیدار رہتا ہے چنانچہ اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ آپ کو عجائب الٰہی میں سے یہ جو کچھ دکھلایا گیا یہ خواب یا بیداری کس حالت میں دکھایا گیا بہر حال جو بھی حالت ہو وہ عین حق وصدق ہے۔ قال ابن اسحٰق وکان رسول اللہ ﷺ یقول فی ما بلغنی تنام عینی وقلبی یقظان اللہ اعلم وهی ذٰلک کان قد جاءه وعاین فیه ما عاین من امر علی ای حالیه کان نائما او یقظان کل ذٰلک حق وصدق۔ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی خانہ کعبہ کی مسجد سے اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا یعنی قبلہ اول بیت المقدس کی مسجد تک اَقْصٰی یعنی شہر مکہ سے بہت دور۔ ف۲ واقعۂ اسراء ایک تو بجائے خود عجیب وغریب، مکہ معظمہ سے یروشلیم کی صدہا میل کی مسافت کا گویا آناً فاناً طے ہو جانا اور پھر حسب تصریح احادیث بیت المقدس میں انبیاء سابقین سے ملاقات کا ہونا اور پھر ملکوتی اور آسمانی مشاہدات عجیب ترین۔ الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ یعنی ملک شام ہر کنا کے تحت میں مادی وروحانی ہر قسم کی برکتیں آ گئیں، ملک کی سرسبزی وشادابی، سرزمین سے (بہ زبان توریت) دودھ اور شہد کی نہروں کا ابلنا برکت مادی کی مثال ہوئی، اور انبیاء کرام کا کثرت سے اس سرزمین سے اٹھنا اور اسی کی خاک میں مدفون ہونا روحانی برکتوں کو واضح کر رہا ہے۔ برکات الدین والدنیا (بیضاوی) مِنْ اٰیٰتِنَا یہ عجائبات جو کچھ بھی تھے ان کی حیثیت محض آیاتِ الٰہی ہی کی تھی جن سے معرفت وحکمت کے بڑے بڑے سبق ملتے ہیں، تفریح اور تماشہ کی نہ تھی۔ اوپر سے بیان صیغۂ غائب چلا آ رہا تھا، یہاں معاً صیغۂ متکلم میں منتقل ہو گیا۔ یہ انتقال ان برکات وآیات کے اظہار عظمت وتکریم کے لئے ہے وصرف الکلام من الغیبة الی التکلم لتعظیم تلک البرکات والاٰیات (بیضاوی) ف۳ (رسول ﷺ کے ان مراتب قرب وکمال

قرب سے کہیں یہ نہ سمجھنے لگنا کہ آپ بھی ان صفات باری میں کچھ شریک ہو گئے تھے معاذ اللہ سمیع وبصیر تو بلا شرکت غیرے وہی حق تعالیٰ ہی ہے) یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ حق تعالیٰ پر سب کچھ روشن ہے، اس نے رسول ﷺ کے اقوال سن کر اور احوال کو دیکھ کر آپ کو اس درجہ کا قرب عطا کیا۔ وٗ۴ توریت موجودہ میں اب تک متعدد آیتیں تعلیم توحید کی مل رہی ہیں مثلاً "خداوند تیرا خدا جو تجھے زمین مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں، میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے سے مت بنا۔ تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں" (خروج۔ ۲:۲) اَلْكِتٰبَ توریت کا مراد ہونا ظاہر ہے۔ یہود برائے نام تو ہمیشہ توحید کے قائل رہے ہیں، البتہ دنیا پرستی میں مبتلا ہو کر عملاً اس راہ سے بار بار ہٹ جاتے تھے یہ وعید اسی پر ہو رہی ہے۔ وٗ۵ (اور اسی طرح ہلاکت عام سے بچا لیا تھا) سوائے اسرائیلیو اس لو کہ یہ خطاب تمہیں سے ہے۔ ہم ہی نے اس ہلاکت عام کے وقت تمہارے مورثوں کو بچا لیا تھا اور تم انہیں بچے ہوؤں کی نسل میں ہو۔ تم پر تو شکر گذاری اور زیادہ واجب ہے۔ مَعَ نُوْحٍ۔ نوح علیہ السلام، ان کی کشتی اور طوفان سب پر حاشیہ پہلے گذر چکے۔ ذُرِّيَّةَ۔ صیغہ ندا کا ہے "اے ذریت" کے معنی میں قال مجاهد هذا نداء يعنى يا ذرية من حملنا (معالم) وٗ۶ (اور شکر گذاری ہی کی ایک بڑی فرد عقیدۂ توحید ہے) وٗ۷ (خلق پر ظلم کر کر کے اور خالق کے قانون سے بغاوت اختیار کر کر کے) فساد فی الارض اور علو دونوں سے مراد حقوق اللہ وحقوق العباد دونوں کا اتلاف ہے اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ۔ وَقَضَيْنَآ...... الكتٰب یہ خبر بنی اسرائیل کو ان کے مختلف پیغمبروں کے ذریعہ سے سنا دی گئی تھی — خود توریت ہی کے بعض مقامات انذاری پیش گوئیوں سے بھرے ہوئے ہیں مثلاً احبار باب ۲۶۔ یا استثناء باب ۲۸۔ پھر اس کے علاوہ یرمیاہ نبی کی ہولناک پیش گوئیاں موجود ہیں اور حضرت یحییٰ نبی اور حضرت عیسیٰ نبی کی انذاری پیش گوئیاں، سب انہیں اسرائیلی صحیفوں میں، مَرَّتَيْنِ یوں تو قوم اسرائیل کی تاریخ تباہیوں اور بربادیوں ہی کی ایک مسلسل سرگزشت ہے، تاہم دو مرتبہ کی قیامت خیز ہلاکتیں تاریخ کے صفحات پر بہت گہرے الفاظ میں نقش ہیں۔ ایک بار ۵۸۶ ق،م میں بخت نصر تاجدار بابل ونینوا کے ہاتھوں اور دوبارہ ۷۰ء میں رومی شہنشاہ طیطاوس (TITUES) کے زمانہ میں۔ وٗ۸ (اور تمہارے جرائم تمہیں عقوبت شدید کا مستحق بنا دیں گے) یرمیاہ نبی کی کتاب جو آج بھی صحائف عہد عتیق کا ایک جزو ہے، دیکھی جاسکتی ہے۔ یہود کی شرارتوں، بدکاریوں کی داستان سے لبریز ہے۔ احبار اور ربیون کے نزدیک بھی انتقام الٰہی کی محرک یہود کی تباہ کاریاں ہی ہوئی تھیں — ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وٗ۹ (اور تمہیں کہیں پناہ نہ مل سکے گی) بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ، اس عالم اسباب میں سزا اور غضب الٰہی کا نفاذ ہمیشہ کسی نہ کسی مخلوق ہی کے ذریعہ اور واسطہ سے ہوگا۔ بعثت سے یہاں مراد بعثت تشریعی نہیں، محض بعثت تکوینی ہے اور عباد سے مراد وہ انسان جو عذاب الٰہی کے کارندوں کی حیثیت سے ان پر مسلط کئے گئے تھے اور ان کے لئے یہ ہرگز ضروری نہ تھا کہ وہ خود بھی مومنین صالحین میں سے ہوں۔ اس لئے عِبَادًا لَّنَآ پر یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ بخت نصر تو ایک کافر تاجدار تھا پھر قرآن نے اس کے لشکر کا انتساب اپنی جانب کیسے کر لیا۔ یہی مضمون یہود کے مقدس صحیفہ یرمیاہ میں بھی ہے اور اس میں بخت نصر کو خدا کا خدمت گذار کہا گیا ہے:۔ "رب الافواج یوں کہتا ہے۔ اس لئے کہ تم نے میری باتیں نہ سنیں، دیکھ میں اُتر کے سارے گھرانوں کو اور اپنے خدمت گزار شاہ بابل بنوکد نصر کو بلا بھیجوں گا" (یرمیاہ۔ ۲۵:۸،۹) اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ بابل والے عموماً بڑے جنگجو اور نبرد پیشہ تھے، اور بخت نصر کی خون آشامی کے ذکرے سے تو تاریخ کے صفحات رنگین ہیں۔ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ بخت نصر کے لشکر نے جس جس طرح سرزمین شام کو تاخت وتاراج کیا، ہیکل سلیمانی کو شہید کیا، شہر میں آگ لگائی، ایک ایک گھر میں گھس گھس کر جان، مال، عزت سب کو برباد کیا، یہ سب اسی مختصر جامع فقرۂ قرآنی کی تفصیلات ہیں۔ وٗ۱۰ یرمیاہ نبی کے صحیفہ میں خود یہ وعید اور پھر اس کے ظہور محل دونوں کی تفصیلات درج ہیں۔ "میں ایسا کروں گا کہ ان کے درمیان خوشی کی آواز اور خرمی کی آواز، دلہے کی آواز، دلہن کی آواز، چکی کی آواز اور چراغ کی روشنی باقی نہ رہے اور یہ ساری سرزمین ویرانہ اور حیرانی کا باعث ہو جائے گی اور یہ قومیں ستر برس تک بابل کے بادشاہ کی غلامی کریں گی اور ایسا ہوگا خداوند کہتا ہے کہ جب ستر برس پورے ہوں گے، میں بابل کے بادشاہ کو اور اس کی قوم کو اور کسدیوں کی سرزمین کو ان کی بدکاری کے سبب سزا دوں گا اور میں اسے ایسا اجاڑوں گا کہ ہمیشہ تک ویرانہ رہے" (یرمیاہ۔ ۲۵:۹۔۱۲) "خداوند نے صیہون کی بیٹی کو اپنے قہر کے ابر تلے چھپا دیا۔ اس نے اسرائیل کے جمال کو آسمان سے زمین پر پٹک دیا اور اپنے قہر کے دن اپنے پاؤں رکھنے کی کرسی کو نہ یاد کیا۔ خداوند نے یعقوب کے سارے مکانوں کو غارت کیا اور رحم نہ کیا۔ اس نے اپنے قہر میں یہوداہ کی بیٹی کے قلعوں کو ڈھا دیا، اس نے انہیں خاک کے برابر کر دیا اس نے بادشاہت اور امیروں کو ناپاک کیا اس نے اپنے قہر شدید میں اسرائیل کا ایک سینگ بالکل کاٹ ڈالا" (یرمیاہ کا نوحہ۔ ۲:۱۔۳) وٗ۱۱ (کسی ایسی حکومت کے ذریعہ سے جو تمہاری ہمدرد وہوا خواہ ہوگی اور یہ اس وقت جب تم اپنی حرکتوں پر پشیمان ہو لو گے) دارائے اول سائرس یا سورس شاہ ایران نے کلدانیوں کو شکست دے کر اور خود ان کے ملک پر قابض ہو کر ۵۳۹ ق،م میں یہود کو جلاوطنی سے نجات دے کر وطن جانے اور اسے دوبارہ آباد کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ قرآن مجید کا یہ اشارہ اسی تاریخی واقعہ کی جانب ہے۔ وٗ۱۲ یعنی تمہاری جو جائدادیں چھن گئی تھیں وہ تمہیں واپس مل جائیں گی اور تمہارے افراد جو قید ہو گئے تھے

جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ

دو بار میں سے پہلی کی میعاد آئے گی وٗ۸ تو ہم تمہارے اوپر اپنے (ایسے) بندوں کو مسلط کر دیں گے

بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا

جو بڑے جنگجو ہوں گے سو وہ گھروں میں گھس پڑیں گے وٗ۹ اور یہ وعدہ ہے جو

مَّفْعُوْلًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ

پورا ہو کر رہے گا وٗ۱۰ پھر ایک بار پھر ہم تمہارا ان پر غلبہ کر دیں گے وٗ۱۱ اور مال اور بیٹوں سے

بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ

تمہاری مدد کریں گے اور تمہیں ایک بڑی جماعت بنا دیں گے وٗ۱۲ اگر

اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ

اچھے کام کرو گے اپنے ہی لئے اچھائی کرو گے اور اگر برائی کرو گے تو بھی اپنے ہی حق میں وٗ۱۳

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ

پھر جب پچھلی بار میعاد آئے گی (ہم دوسروں کو مسلط کر دیں گے) تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں

وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ

اور تاکہ (تمہاری) عبادت گاہ میں گھس پڑیں جیسا کہ اس میں (اگلے لوگ) اگلی بار گھس آئے تھے

وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ

اور تاکہ یہ جس چیز پر بھی ان کا زور چلے اسے تہس نہس کر ڈالیں وٗ۱۴ عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تم پر

يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ

مہربانی کرے وٗ۱۵ اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے اور جہنم کو تو ہم نے

لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ

کافروں کا قید خانہ بنا ہی رکھا ہے وٗ۱۶ بے شک یہ قرآن ایسے (طریقہ) کی ہدایت کرتا ہے

لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ

جو بالکل سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے رہتے ہیں

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا ۙ﴿۹﴾ وَّ اَنَّ الَّذِیْنَ لَا

خوش خبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا بھاری اجر ہے و۱۷ اور یہ بھی (بتاتا ہے) کہ جو لوگ

یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۰﴾ ع

آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے و۱۸

وَ یَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَیْرِ ؕ وَ كَانَ

اور انسان برائی کی درخواست بھی (اسی تقاضہ سے) کرتا ہے (جس طرح) بھلائی کی درخواست اور

الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿۱۱﴾ وَ جَعَلْنَا الَّیْلَ وَ النَّهَارَ اٰیَتَیْنِ

انسان ہے ہی جلد باز و۱۹ اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنا رکھا ہے و۲۰

فَمَحَوْنَاۤ اٰیَةَ الَّیْلِ وَ جَعَلْنَاۤ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً

سو ہم نے رات والی نشانی کو تو دھندلا بنایا اور ہم نے دن والی نشانی کو روشن کر دیا

لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ

تاکہ اپنے پروردگار کی روزی تلاش کرو اور تاکہ برسوں کا شمار اور (دوسرے)

وَ الْحِسَابَ ؕ وَ كُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا ﴿۱۲﴾ وَ كُلَّ

حساب معلوم کرلیا کرو اور ہر (ضروری) شے کو ہم نے خوب تفصیل سے بیان کردیا ہے و۲۱ اور ہر انسان

اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ

کا عمل ہم نے اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے و۲۲ اور اس کے واسطے قیامت کے دن ہم (اس کا)

الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى

نامۂ اعمال نکال کر سامنے کردیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھ لے گا و۲۳ (لے) اپنا نامۂ اعمال پڑھ۔ آج

چھوٹ کر اپنے وطن آجائیں گے اور تمہاری آبادی اچھی خاصی ترقی کر جائے گی۔ جلاوطنی کے بعد اسرائیلیوں کو جو مال واپس ملا تھا، اس کا تذکرہ عہد عتیق میں ہے۔ و۱۳ (اور خود ہی سزا بھگتو گے) یہ سب کچھ اسرائیلیوں سے اسی وقت ان کے پیمبروں کی وساطت سے کہہ دیا گیا تھا۔ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اس کے تحت میں ساری ہی نیکیاں اور طاعتیں آجاتی ہیں، لیکن خاص اشارہ اور پر معلوم ہوتا ہے کہ اگر تم نے انبیاء کا اتباع شروع کر دیا --- یہود کا اصل اور بنیادی جرم ہی اپنے انبیاء سے بار بار سرکشی اور نافرمانی تھی، توحید کے تو وہ بہر حال کسی نہ کسی صورت میں قائل ہی تھے۔ و۱۴ یعنی جس طرح چھ صدیوں قبل کلدانی اور بابلی سپاہیوں نے تمہیں ہلاک وتباہ کر ڈالا تھا اور تمہاری عبادتگاہ میں آگ لگادی تھی۔ اب کی بار رومی سپاہی عذاب الٰہی کے مؤکل بن کر تم پر نازل ہوں گے --- ان پیش خبریوں کا عملاً جس طرح ظہور ہوا، اس کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ یعنی جن دو بار کا ابھی اوپر ذکر آچکا ہے، ان میں سے دوسری بار --- ۷۰ ء میں ٹائیٹس رومی کے عہد میں۔ پہلی سزا شریعت موسوی کے ترک وتحریف پر ملی تھی۔ اب یہ دوسری سزا رسالت عیسوی کی مخالفت وانکار پر دی جارہی ہے۔ لِیَسُوْٓءٗا - لِیَدْخُلُوا - لِیُتَبِّرُوْا - ان تینوں افعال میں ل۔ لام تعلیل ہے، مراد اس سے مقصود الٰہی تکوینی کا ظاہر کرنا ہے نہ کہ مقصود الٰہی تشریعی کا --- مظہر ارادۂ الٰہی کا ہے نہ کہ رضائے الٰہی کا۔ و۱۵ (اور تم کو مزید ذلت وادبار سے بچالے) اب خطاب ان اسرائیلیوں سے ہے جو قرآن کے معاصر اور براہ راست مخاطب تھے۔ ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ پچھلی تباہیاں جو آنا تھیں آچکیں۔ اب بھی کچھ نہیں گیا ہے خاتم النبیین ﷺ پر، شریعت موسوی وعیسوی کے جامع پر اگر آج ایمان لے آؤ اور شریعت اسلامی کو قبول کرلو، تو اب بھی یہ ادبار ٹل سکتا ہے۔ و۱۶ یہ آخرت کی سزا دنیوی سزا کے علاوہ ہے۔ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا۔ یعنی تم نے بھی اگر اپنی وہی پچھلی حرکتیں، وہی مخالفت حق، وہی انانیت واستکبار جاری رکھا تو پھر وہی سزائیں قتل، اسیری، جلاوطنی، خانماں بربادی وغیرہ اب بھی تمہارے لئے موجود ہیں --- بدنصیب یہود عرب نے اس آخری تنبیہ کو نہ سنا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے سارے پرقوت قبیلے بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی قینقاع وغیرہ ایک ایک کرکے ایک قلیل ہی مدت کے اندر مٹ گئے۔ حَصِیْرًا۔ یہ عالم آخرت کا وہ حلقۂ عذاب ہوگا جس سے کافر کبھی مخلصی حاصل نہ کرسکیں گے۔ لهؤلاء والاقوام لهم من عذاب الدنیا ما وصفناه ویکون لهم بعد ذلک من عذاب الأخرة ما یکون محیطا بهم من جمیع الجهات ولا یتخلصون منه ابدًا (کبیر) و۱۷ صلاح وفلاح دارین، دنیوی واخروی فوز وکامرانی کی راہیں اسی کتاب حقیقت ترجمان سے وابستہ ہیں۔ ذرا اس پر عمل کرکے دیکھو تو۔ اَقْوَمُ۔ سے ادھر اشارہ ہوگیا کہ سابق کتب آسمانی کی بتائی ہوئی راہیں بھی اپنی اپنی جگہ سیدھی ہیں لیکن یہ قرآن والی شاہراہ سب سے بڑھ کر اور سب کی جامع ہے۔ اے اقوم الطرق واسدها (روح) هٰذَا الْقُرْاٰنَ۔ اشارۂ هٰذا تعظیم قرآن کے لئے ہے۔ وفی الاشارة بهذا تعظیم لما جاء به النبی ﷺ (روح) یَهْدِیْ۔ اس کا مفعول عام ہے۔ یعنی یہ ہدایت سب ہی کو کرتا ہے۔ کسی مخصوص فرقہ کو نہیں۔ اے الناس کافة لا فرقة مخصوصة (روح) لِلَّتِیْ۔ یہاں الطریقة محذوف ہے۔ اے للطریقة التی (روح) اے الطریقة التی هی اقوم الملل والشرائع والطرق ومثل هذه الکنایة کثیرة الاستعمال فی القرآن (کبیر) و۱۸ آخرت سے انکار اپنے وسیع معنی میں یعنی صحیح تفصیلات کے ساتھ یوم الجزاء سے انکار تو ہر کافر کے لئے عام ہے لیکن یہود کے سلسلہ میں اس کا ذکر خصوصیت کے ساتھ برمحل ہے۔ اس لئے کہ یہود باوجود دعویٰ توحید کے سب سے زیادہ اسی عقیدۂ آخرت ہی کو بھولے ہوئے تھے۔ دنیا پرستی جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو یہی صورت پیدا کردیتی ہے --- موجودہ توریت محرف میں سب سے کم ذکر یوم آخرت اور وہاں کی جزا سزا کا ہے۔ سارا زور اسی دنیا کے انعامات کا ہے و۱۹ (اور اپنے انجام پر غور نہ کرنے والا) یَدْعُ الْاِنْسَانُ۔ یہاں الانسان سے مراد ایک خاص قسم کا انسان یعنی کافر انسان ہے۔ والمراد بالانسان الجنس اسند الیه حال بعض افراده وهو الکافر والیه یشیر کلام ابن عباسؓ (روح) یَدْعُ ...... بِالْخَیْرِ۔ جن چیزوں کا لازمی نتیجہ عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا ہے ان کی تمنا کرتے رہنا، اپنے کو عذاب یا برائی کی دعوت ہی دینا ہے۔ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا۔ اس کے ماتحت وہ انسان نہیں آتے جنہوں نے اپنے کو اتباع شریعت سے مہذب ومزین کرلیا ہے۔ اس ذرا سے فقرہ میں گمراہ وباطل پرست انسان کی ساری ذہنیت کی تشریح آگئی۔ ہر معصیت، ہر فسق، ہر کفر کی طرف لے جانے والی چیز انسان کی یہی عجلت پسندی اور فوری لذت کی تمنا ہوتی ہے۔ اگر ذرا وہ سوچ سمجھ سے کام لے لیا کرے تو کبھی ان نتائج کی نوبت ہی نہ آئے۔ و۲۰ (اپنی قدرت، صنعت وحکمت کی) حکمت وعرفان کی نظر سے دیکھا جائے تو رات اور دن کے طلوع وغروب میں ان کی مسلسل پابندیوں میں حکمتوں اور صنعتوں کی ایک دنیا پوشیدہ نظر آئے گی۔ بدبخت قوموں نے الٹا انہیں بھی دیوی دیوتا، مان کر ان کی پرستش شروع کردی۔ و۲۱ (اس کتاب عزیز وحکیم کے اندر) محونا۔ جعلنا۔ دن جیسا کہ وہ ہے اور رات جیسی کہ وہ ہے، ان کی ترتیب، ترکیب سب کچھ اللہ ہی کی کاریگری کا ثمرہ ہے۔ یہ نہیں کہ یہ محض بخت واتفاق سے خود بخود وجود میں آگئے ہوں یا کسی دیوی دیوتا نے انہیں خلعت وجود سے مشرف کیا ہو۔ لِتَبْتَغُوْا۔ وَلِتَعْلَمُوْا۔ سورج ہو کہ چاند، دن ہو کہ رات، سب کی خلقت کی غایت انسان کی خدمت ہے۔ نہ یہ کہ انسان ہی الٹی ان کی پرستش میں لگ جائے۔ كُلَّ شَیْءٍ۔ کو اگر بالکل اپنے لفظی معنی میں لیا جائے اور اس کے اندر چھوٹی بڑی ہر قسم کی چیز سمجھ لی جائے تو

بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا ؕ﴿۱۴﴾ مَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا

تو خود ہی اپنے حق میں حساب کرنے کے لئے کافی ہے ۔ف۲۴ جو کوئی راہ پر چلتا ہے سو وہ اپنے ہی نفع کے لئے

يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا ؕ وَلَا

راہ پر چلتا ہے اور جو کوئی بے راہی کرتا ہے وہ بھی اپنے ہی لئے بے راہ ہوتا ہے اور کوئی

تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى

کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا ف۲۵ اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک

نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ﴿۱۵﴾ وَاِذَاۤ اَرَدۡنَاۤ اَنۡ نُّهۡلِكَ قَرۡيَةً

کسی رسول کو ہم بھیج نہیں لیتے ف۲۶ اور جب ہم ارادہ کر لیتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں گے

اَمَرۡنَا مُتۡرَفِيۡهَا فَفَسَقُوۡا فِيۡهَا فَحَقَّ عَلَيۡهَا الۡقَوۡلُ

تو اس (بستی) کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں تو ان پر حجت تمام ہو جاتی

فَدَمَّرۡنٰهَا تَدۡمِيۡرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنَ الۡقُرُوۡنِ

ہے پھر اس (بستی) کو تباہ و غارت کر ڈالتے ہیں ف۲۷ اور ہم نے کتنی ہی امتوں کو

مِنۡۢ بَعۡدِ نُوۡحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوۡبِ عِبَادِهٖ

نوحؑ کے بعد سے ہلاک کر ڈالا ہے اور آپ کا پروردگار ہی اپنے بندوں کے گناہوں کی

خَبِيۡرًاۢ بَصِيۡرًا ﴿۱۷﴾ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا

خبر رکھنے والے، دیکھتے رہنے والے کی حیثیت سے کافی ہے ف۲۸ جو کوئی دنیا کی نیت رکھے گا ہم اس کو

لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِيۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ

دنیا میں سے جتنا چاہیں گے جس کے واسطے چاہیں گے فوراً ہی دے دیں گے پھر ہم اس کے لئے جہنم رکھیں گے

يَصۡلٰٮهَا مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَةَ

اس میں وہ بد حال اور راندہ ہو کر داخل ہوگا ف۲۹ اور جو کوئی آخرت کی نیت رکھے گا

مراد بجائے قرآن کے لوح محفوظ ہوگی۔ لِتَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ۔ یعنی تلاش معاش میں مشغول رہو جس کی صورتیں بے شمار ہیں اور ان سب کے لئے دن کی روشنی اور اجالے کا انتظام حق تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ایک معمولی مظہر ہے۔ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِيۡنَ وَالۡحِسَابَ۔ دنیا اور دین کے سارے کاروبار اسی وقت و زمان ہی کے حساب و کتاب پر معلق رہتے ہیں۔ ف۲۲ یعنی ہر شخص کا عمل نیک ہو یا بد، ہر حال میں ہم نے اس کے ساتھ بطور جزء غیر منفک کے لازم کر دیا ہے۔ طٰٓئِرَهٗ۔ ہر مکلف انسان کے افعال اختیاری مراد ہیں۔ ای عمله الصادر منه باختياره (روح) سمّى الخير والشر بالطائر تسمية للشيء باسم لازمه (کبیر) اَلۡزَمۡنٰهُ فِىۡ عُنُقِهٖ۔ محاورہ عرب میں شدت لزوم اور کمال ربط کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ تصور لشدة اللزوم وكمال الارتباط (روح) انما اراد به عمله من خير اوشر على عادة العرب (جصاص) اخبر انه فى عنقه كالطوق الذى يحيط به ويلازمه مبالغة فى الوعظ والتحذير (جصاص) كناية عن اللزوم (کبیر) ف۲۳ یہ نامۂ اعمال جو اس وقت تک عالم غیب میں فرشتوں کے ہاتھ میں محفوظ ہوگا، حشر میں کھول کر ہر بندہ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ ف۲۴ (کسی اور کو ضرورت ہی نہیں کہ تجھے تیرے اعمال گنا دے) اِقۡرَاۡ كِتٰبَكَ۔ یہ بندہ سے کہا جائے گا۔ نامہ اعمال کے اس تھرا دینے والے ذکر پر اس نامۂ سیاہ کو اپنے نامۂ اعمال کی سیاہیاں یاد آ گئیں لیکن ساتھ ہی بندہ نواز مولیٰ کی بے انداز شفقتوں اور بے حد حساب بندہ پروری کا بھی خیال آ گیا! اللہ ٹھنڈی رکھے اقبال علیہ الرحمۃ کی تربت کو کیا لاجواب مضمون باندھ گیا ہے۔ گو پیرایہ ادا ذرا خلاف ادب ہے ؎

روز حساب جب میرا پیش ہو دفتر عمل آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر

ف۲۵ مشرک قوموں کا تو ذکر ہی نہیں، خود اہل کتاب و یہود و نصاریٰ کے ہاں انفرادی ذمہ داری مٹ مٹا کر سارا زور مسئلہ "شفاعت" و "کفارہ" وغیرہ پر رہ گیا تھا۔ قرآن مجید میں اسی لئے ان عقاید کی پر زور تردید بار بار مختلف عنوانات سے ہوتی رہتی ہے اور یہاں بھی مقصود شخصی ذمہ داری و مسئولیت کا اثبات ہے۔ ف۲۶ یہاں یہ عام قاعدہ بیان کر دیا کہ تبلیغ دین، رسول یا اس کے کسی نائب کے ذریعہ سے ہو جانا ضروری ہے۔ بغیر اس کے کسی قوم پر عذاب نہیں آتا۔ اور محققین نے اس سے استنباط کر کے لکھا ہے کہ جن قوموں تک رسول کی اصلاً خبر نہیں پہنچی وہ کفر و معاصی پر معذب نہ ہوں گے۔ اور یہیں سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ کوئی کافر حربی اگر اسلام لے آئے اور اسے نماز زکوٰۃ وغیرہ کے احکام کی خبر نہ پہنچے تو جب تک اطلاع نہ پہنچ لے اس پر ان واجبات و فرائض کی قضا نہیں ہے۔ هذا يدل على من اسلم من اهل الحرب ولم يسمع بالصلاة والزكوة ونحوها من الشرائع السمعية انه لا يلزمه قضاء شىء منها (جصاص) فيه دليل على ان ما وجب وجب بالسمع لا بالعقل (معالم) اور یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ جب تک رسول ہی کے پیامات کی مخالفت نہ ہو لے محض عقلی واجبات و فرائض کی مخالفت سے عذاب ہلاکت نازل نہیں ہوتا۔ انه لا يعذب عذاب الاستيصال الابعد قيام حجة السمع بالرسول ان مخالفة موجبات احكام العقول قبل ورود السمع من جهة الرسول لا توجب فى حكم الله عذاب الاستيصال (جصاص) ف۲۷ یہاں اسی عام ضابطہ کا بیان ہے کہ جب کسی قوم کی شدت کفر و طغیان کی بنا پر حکمت الٰہی کو اس کا فنا کر دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے تو پہلے کسی رسول کے ذریعہ سے اسے ایمان و اطاعت احکام کا حکم پہنچایا جاتا ہے اور جب وہ برابر عدول حکمی کرتے رہتے ہیں تو ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے اور بستی تہس نہس کر ڈالی جاتی ہے۔ وَاِذَاۤ اَرَدۡنَاۤ۔ یہ ارادۂ الٰہی ہمیشہ مصالح تکوینی اور آئین حکمت کے ماتحت ہوتا ہے رضائے الٰہی ایک بالکل دوسری چیز ہے۔ اَنۡ نُّهۡلِكَ قَرۡيَةً۔ یہ کسی بستی کی ہلاکت بطریق عذاب اس کی مسلسل نافرمانیوں کا نتیجہ ہوتی ہے خود بخود نہیں واقع ہو جاتی۔ اَمَرۡنَا مُتۡرَفِيۡهَا۔ اطاعت احکام الٰہی کا یہ حکم رسول کے ذریعہ سے ملتا تو امت کے عوام و خواص سب ہی کو ہے لیکن خواص کی حیثیت لیڈر، پیشوا یا مقتدا کی ہوتی ہے۔ اس لئے ان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا۔ عوام تو بس انہی کے پیرو ہو جاتے ہیں۔ فَفَسَقُوۡا فِيۡهَا فَحَقَّ عَلَيۡهَا الۡقَوۡلُ۔ یہ الفاظ اس باب میں صریح ہیں کہ گرفت دفعۃً اور بلا اطلاع نہیں ہو جاتی پوری طرح موقع دینے اور ہر طرح کے اتمام حجت کے بعد ہی ہوتی ہے۔ ف۲۸ (اسے کسی اور کی اعانت کی ذرا بھی حاجت نہیں) صفات خبیر و بصیر لا کر یہ یاد دلا دیا کہ حق تعالیٰ سب کے ظاہر و باطن سے پوری طرح خبردار ہے اور بصیرت میں کامل ہے۔ اس کے ہاں اس اندھیر کا امکان ہی نہیں کہ کسی کو بلا قصور سزا مل جائے عام مشرک قوموں کے دیوی دیوتاؤں کے ہاں انسانوں کے ساتھ برتاؤ کا کوئی قانون و قاعدہ ہی نہیں گا ہے بسلامے برنجند گا ہے بدشنامے خلعت دہند کا معاملہ رہتا ہے۔ وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنَ الۡقُرُوۡنِ۔ یہ انہیں قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہے جو اپنے کفر و طغیان کے پاداش میں ہلاک ہوئیں۔ مِنۡۢ بَعۡدِ نُوۡحٍ۔ یعنی جب سے تاریخ کا آغاز ہوا ہے --- دنیا از سر نو طوفان نوح کے بعد ہی آباد ہوئی اور تاریخ عالم کا آغاز کہنا چاہیے کہ اسی وقت سے ہوتا ہے۔ ف۲۹ آیت کے اندر بڑی عبرت کا مضمون بیان ہوا ہے آج دنیا میں کثرت سے ایسے لوگ ہیں کہ اپنے کو مختلف منصوبوں میں کامیاب پا کر اپنے کو برسر حق اور مقبول سمجھنے لگتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ضمیر کی خلش محسوس کریں اپنی ہر کامیابی کے ساتھ اور زیادہ غافل مطمئن اور بے فکر ہو جاتے ہیں۔ کوئی رشوت لے لے کر اپنی حرص پوری کر رہا ہے کوئی سود لے لے کر اپنا خزانہ جمع کر رہا ہے اور چونکہ دولت گھٹا کھٹ چلی آ رہی ہے اپنے حال پر اور زیادہ نازاں ہوتا جاتا ہے۔ اور اپنے عمل پر احتساب و نظر ثانی کی ضرورت ہی سرے سے نہیں سمجھتا۔ آیت میں بتایا ہے کہ یہ فوری کامیابی مطلق صورت میں ہرگز خوش

ہونے والی چیز نہیں دیکھنا تو یہ چاہیے کہ غایت عمل کیا ہے اور مقصود سعی کیا ہے۔ اگر محض دنیا ہے تو انجام تمامتر خراب ہی ہونا ہے۔ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعَاجِلَةَ۔ یعنی جو اپنا مطمح نظر اسی عارضی وفانی دنیا کو بنائے رکھے اور اپنے عمل سے مقصود اسی کو رکھے۔ مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِيۡدُ۔ دونوں قیدیں اہم ہیں یہ وعدہ مطلق صورت میں نہیں کہ ہر طالب دنیا کو اس کی خاطر خواہ دنیا مل ہی جائے گی بلکہ صرف اسی کو اور اتنی ہی مقدار میں ملے گی، جس کے لئے اور جس حد تک مشیت الٰہی مصالح تکوینی کے مطابق ہوگی۔ ف۳۰ (اللہ کے ہاں اور ایسوں کو اجر پورا مل کر رہے گا) یہ خلاف آیت ماقبل کے یہاں وعدہ مطلق اور قطعی صورت میں ہے طالب عقبیٰ کو (جو حقیقۃً طالب مولیٰ ہی ہوتا ہے) اسے ایمان اور سعی حسن عمل کے بعد جزائے کامل یقیناً ملے گی۔ مَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَةَ۔ یعنی جو اپنا مطمح نظر اس مکمل و پایدار زندگی کو بنائے رکھے اور اپنے عمل سے مقصود اسی کو رکھے — گویا قبول کی پہلی شرط تصحیح نیت ہوئی۔ وَسَعٰى لَهَا سَعۡيَهَا۔ محض تمنا ہرگز کافی نہیں۔ جب انسان نیکی حاصل کرنا چاہے تو لازم ہے کہ عملاً بھی اس کی طرف قدم بڑھائے۔ محض آرزو و تمنا کا درجہ قطعاً ناکافی ہے۔ اور عمل بھی اپنے ظن وتخمین سے نہیں یا اپنی ہوائے نفس کے ماتحت نہیں بلکہ قانون شریعت کے مطابق ہو — گویا دوسری شرط تصحیح عمل ہوئی۔ حسب ضابطۂ شریعت۔ اعمال وطاعات کا شریعت کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہونا بہت ہی ضروری ہے۔ اپنے دل سے گڑھی ہوئی ریاضتیں اور مجاہدات کیسے ہی شدید ہوں ہرگز نافع نہ ہوسکیں گے اگر معیار شریعت سے ہٹے ہوئے رہے۔ وَ

وَ سَعٰى لَهَا سَعۡيَهَا وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ

اور اس کے لئے کوشش بھی اس کے لائق کرے گا درآنحالیکہ وہ مومن بھی ہو سو ایسے لوگوں کی

سَعۡيُهُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ

کوشش مقبول ہو گی ف۳۰ ہم ہر ایک کی امداد کرتے ہیں ان میں سے بھی

مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ

اور ان میں سے بھی آپ کے پروردگار کی بخشش میں سے اور آپ کے پروردگار کی بخشش

مَحۡظُوۡرًا ﴿۲۰﴾ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى

(کسی پر) بند نہیں ف۳۱ تو دیکھ ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت

بَعۡضٍ ؕ وَ لَلۡاٰخِرَةُ اَكۡبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكۡبَرُ

دے رکھی ہے اور آخرت یقیناً بہت بڑی ہے درجات کے اعتبار سے بھی اور بہت بڑی ہے

تَفۡضِيۡلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقۡعُدَ

فضیلت کے اعتبار سے بھی ف۳۲ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا ورنہ تو بیٹھ رہے گا

مَذۡمُوۡمًا مَّخۡذُوۡلًا ﴿۲۲﴾ ع وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا

بدحال بے یار ومددگار ہو کر ف۳۳ اور تیرے پروردگار نے حکم دے رکھا ہے کہ بجز اسی (ایک رب) کے

اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا يَبۡلُغَنَّ

اور کسی کی پرستش نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک رکھنا ف۳۴ اگر وہ تیرے سامنے

عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ

بڑھاپے کو پہنچ جائیں ان دونوں میں سے ایک یا وہ دونوں تو تو ان سے ہوں بھی

اُفٍّ وَّ لَا تَنۡهَرۡهُمَا وَ قُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا ﴿۲۳﴾

نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب کے ساتھ بات چیت کرنا ف۳۵

ع ۱۲/۲

هُوَ مُؤۡمِنٌ۔ تیسری اور سب سے زبردست شرط یہ تصحیح عقیدہ کی ہوئی۔ منکر قانون الٰہی کا عمل کوئی سا بھی مقبول نہیں۔ ف۳۱ یہاں یہ قانون بیان ہوا ہے کہ نیک وبد، سعید وشقی، مقبول ومردود تکوینی طور پر خزانہ غیب سے سب ہی مدد پاتے رہتے ہیں چنانچہ یہ تو روز کا مشاہدہ ہے کہ ہوا اور پانی اور سورج کی گرمی اور چاند کی ٹھنڈک اور روشنی اور حیوانی ونباتی موجودات سے جس طرح مومن نفع اٹھا سکتے ہیں اسی طرح شدید منکرین بھی نفع اٹھا رہے ہیں۔ كُلًّا۔ یعنی ہر دو فریق۔ اے كل واحد من الفريقين (مدارک) ف۳۲ (سو اصل اہتمام اور پورا اہتمام اسی آخرت کا چاہیے) وَلَلۡاٰخِرَةُ اَكۡبَرُ دَرَجٰتٍ۔ جس آخرت میں یہ مرتبہ عطا ہوں گے، وہ مخصوص ہے مومنین مقبولین کے لئے — آیت میں اشارہ اسی جانب ہے کہ دنیا میں جو فرق مراتب ومدارج تمہارے لئے محسوس ومشاہد ہے وہ تو اس قدر ہے تو آخرت میں باہمی فرق درجات تو اس سے ہزاروں گنا نمایاں ہوگا! فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ۔ یہ ایک پر دوسرے کی فضیلت انعامات دنیوی کے لحاظ سے ہے۔ مال، جاہ، کمالات وغیرہ۔ اُنۡظُرۡ۔ سبق لینے کی نیت سے دیکھو۔ انظر بعين الاعتبار (مدارک) ف۳۳ شرک کی ایک نمایاں قباحت اس دنیا میں تو یہ نظر آتی ہے کہ انسان توحید سے کٹ کر بالکل بے سہارے اور بے یار ومددگار رہ جاتا ہے — اور آخرت میں بھی بے کسی اور بے بسی متشکل ہو کر خود مشرک کے سامنے آجاتی ہے۔ فَتَقۡعُدَ۔ قعود سے یہاں مراد جسم کی وہ وضع وہیئت نہیں جو کھڑے ہونے یا لیٹنے سے متمایز ہے بلکہ جیسے اردو محاورہ میں "بیٹھ رہنے سے" مراد صرف ناخوشگوار حالت میں پڑے رہ جانے سے ہوتی ہے جیسے ان فقروں میں "صدمہ تو بہت ہوا لیکن کرتے کیا رو پیٹ کر بیٹھ رہے" "تھک کر بیٹھ رہے۔" اسی طرح عربی محاورہ میں بھی قعود کسی بری حالت کے مستقر ہو جانے کے موقع پر آتا ہے۔ معناه المكث اے فتمكث فى الناس مذموما مخذولا هذه اللفظة مستعملة فى لسان العرب والفرس فى هذا المعنى (کبیر) معناه المكث سواء كان قائمًا او جالسًا (کبیر) ف۳۴ ماں باپ کی خدمت کرتے رہنا شریعت اسلامی کے اہم ترین واجبات میں سے ہے۔ تہذیب فرنگ کی طرح شریعت اسلامی کا یہ فتویٰ نہیں کہ لڑکا جب عاقل وبالغ اور صاحب اختیار ہو جائے تو بیوی کے ساتھ اپنا الگ گھر بار کرلے اور بوڑھے ماں باپ سے تعلق اگر رکھے بھی تو محض دور کا اور ضابطہ کا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا۔ یہ فقرہ جس میں خدمت والدین کا حکم ہے اس کا عطف اس فقرہ پر جس میں توحید اور منع شرک کا حکم ہے خود اس امر پر ایک دلیل ہے کہ شریعت میں خدمت والدین کا درجہ کتنا اہم وبلند ہے۔ بين الله تعالى بهذه الأية تاكيد حق الابوين فقرن الامر بالاحسان اليهما الى الامر بالتوحيد (جصاص) آیت میں کوئی نسخ وتخصیص نہیں، والدین اگر مشرک ہیں تو ان کے حق میں دعائے ہدایت جاری رہنا چاہیے اور اگر مومن ہیں تو دعائے رحمت، لا نسخ ولا تخصيص لان الوالدين اذا كانا كافرين فله ان يدعوا لهما بالهداية والارشاد و ان يطلب الرحمة لهما بعد حصول الايمان (کبیر) فقہاء نے لکھا ہے کہ والدین اگر مشرک ہوں جب بھی ان کے ساتھ حسن معاشرت واجب ہے بجز اس کے کہ باب شرک میں ان کی اطاعت نہ کی جائے۔ فامر بمصاحبة الوالدين المشركين بالمعروف مع النهى عن طاعتهما فى الشرک (جصاص) ف۳۵ دنیا میں اس سطح ارض پر ایسی ایسی مہذب وشائستہ قومیں بھی گزری ہیں جن کے ہاں دستور یہ تھا کہ جب والدین بوڑھے ہو کر قوم کے لئے بیکار بلکہ اس پر ایک بار ہو جاتے تھے تو سعادتمند صاحبزادے انہیں لے جا کر کسی سنسان پہاڑی وغیرہ پر چھوڑ آتے تھے کہ وہیں پڑے پڑے مرجائیں یا کسی جنگلی جانور کی غذا بن جائیں۔ اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ۔ بڑھاپے کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ اسی سن میں والدین معذور ہو کر دوسروں کی خدمت کے محتاج ہو جاتے ہیں اور اسی سن میں ان کی خدمت طبیعت کو گراں گزرنے لگتی ہے۔ ایک حدیث نبوی میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ بڑا بدقسمت ہے وہ شخص جو اپنے والدین کا بڑھاپا پائے اور پھر انہیں خوش کر کے ان کی دعاؤں سے اپنے کو جنت کا مستحق نہ بنالے۔ فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ۔ جب ان کے سامنے ہوں کرنے کی بھی ممانعت ہوگئی تو ظاہر ہے کہ جو چیز اس سے بڑھ کر ان کے مقابلہ

وَ اخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَ قُلۡ

اور ان کے سامنے محبت سے انکسار کے ساتھ جھکے رہنا اور کہتے رہنا کہ

رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيۡ صَغِيۡرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ

اے میرے پروردگار ان پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا، پرورش کیا ۳۶ تمہارا پروردگار خوب

بِمَا فِيۡ نُفُوۡسِكُمۡ ؕ اِنۡ تَكُوۡنُوۡا صٰلِحِيۡنَ فَاِنَّهٗ كَانَ

جانتا ہے اس کو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، ۳۷ اگر تم (دل سے) سعادت مند ہو تو وہ بھی

لِلۡاَوَّابِيۡنَ غَفُوۡرًا ﴿۲۵﴾ وَ اٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰى حَقَّهٗ

توبہ کرنے والوں کے حق میں بڑا مغفرت کرنے والا ہے ۳۸ اور تو قرابت دار کو (بھی) اس کا حق ادا کر

وَ الۡمِسۡكِيۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِيۡلِ وَ لَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِيۡرًا ﴿۲۶﴾

اور محتاج اور مسافر کو (بھی ان کا حق) اور مال کو فضولیات میں نہ اڑا ۳۹

اِنَّ الۡمُبَذِّرِيۡنَ كَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّيٰطِيۡنِ ؕ وَ كَانَ

بے شک فضولیات میں اڑا دینے والے شیطانوں کے بھائی بند ہوتے ہیں اور

الشَّيۡطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوۡرًا ﴿۲۷﴾ وَ اِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ

شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے ۴۰ اور اگر تجھے ان سے پہلو تہی کرنا پڑے

ابۡتِغَآءَ رَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ تَرۡجُوۡهَا فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلًا

اس انتظار میں کہ تیرے پروردگار کی طرف سے وہ کشائش آئے جس کی تجھے امید ہو تو ان سے نرمی کی بات

مَّيۡسُوۡرًا ﴿۲۸﴾ وَ لَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰى عُنُقِكَ

کہہ دے ۴۱ اور تو نہ اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لے

وَ لَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا

اور نہ اسے بالکل کھول ہی دے ورنہ تو ملامت زدہ، تہی دست ہو کر

میں گستاخانہ یا ان کے حق میں تکلیف دہ ہیں۔ ان کی ممانعت تو کہیں زائد ہولی۔ حکم قرآنی سے مراد صرف یہ ہے کہ والدین کو قولاً فعلاً بڑی چھوٹی کسی قسم کی بھی اذیت پہنچانا جائز نہیں صرف لفظ ''اف'' کے تلفظ سے روکنا ہرگز مقصود نہیں۔ ثم انهم توسعوا فذكروا هذه اللفظة عند كل مكروه يصل اليهم (کبیر) لا تقل لفلان اف مثل يضرب للمنع من كل مكروه واذية وان خف وقل (کبیر) المقصود من هذا الكلام المبالغة في تعظيم الوالدين (کبیر) و بالوالدين احساناً سے اگر والدین کے ساتھ عمل میں لطف ونرمی کا حکم نکلا تو فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما سے قول میں ان کے ساتھ ادب اور تمیزداری کی تاکید نکلی اور وَ قُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا سے مخاطبت وگفتگو میں ان کے ادب وعظمت کے لحاظ رکھنے کا حکم نکل آیا۔ ف۳۶ خدمت والدین کے سلسلہ میں محض سلبی ہدایات یا نواہی کافی نہیں۔ ایجابی اوامر بھی مل رہے ہیں۔ قُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا تو ابھی آ ہی چکا ہے۔ اب دو ہدایتیں اور ملیں۔ واخفض لهما جناح الذل۔ محاورۂ زبان کے اعتبار سے اس فقرہ سے والدین کے ساتھ انتہائی فروتنی اختیار کرنے کی تاکید نکل آئی۔ هو مجاز لان الذل ليس له جناح ولا يوصف بذلك ولكنه اراد المبالغة في التذلل والتواضع (جصاص) مبالغة في التذلل والتواضع لهما (کشاف) والمقصود منه المبالغة في التواضع (کبیر) قُلۡ...... صَغِيۡرًا۔ یہاں کس حکمت کے ساتھ جوان تندرست وتنومند اولاد کو خود اس کے بچپن کی بے کسی وبے بسی یاد دلا دی گئی — قدرۃً یہاں پہنچ کر ہر انسان کو یہ خیال آئے گا کہ ایک دن مجھے بھی اسی طرح ضعیف ومعذور ہو کر خود اپنی اولاد کا محتاج ودست نگر ہونا ہے۔ قُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا۔ والدین کے حق میں دعائے رحمت کرتے رہنے سے خود اپنے دل میں بھی ان کے متعلق جذبات محبت وکشش بیدار ہو جائیں گے یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے جب جس کا جی چاہے اس کا تجربہ کر کے دیکھ لے — اور پھر یہ دعا کرنا کہ ''اے پروردگار ان پر رحمت فرما'' گویا یہ دعا کرنا ہے کہ ''اے پروردگار انہیں دنیا وآخرت کی ہر قسم کی بھلائی سے بہرہ ور کر، کہ لفظ رحمۃ عرب میں جامعیت ہی ایسی رکھتا ہے۔ ولفظ الرحمة جامع لكل الخيرات في الدين والدنيا (کبیر عن القفال) كَمَا رَبَّيٰنِيۡ صَغِيۡرًا۔ اس سے ضمناً یہ بات بھی نکل آئی کہ معاشرت اسلامی میں بچوں کی پرورش والدین ہی کا حق ہے (اور ہر صالح تمدن میں یہی ہوتا بھی ہے) نہ کہ حکومت کا یا کسی اور ادارہ کا — ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ف۳۷ (اس لئے محض ظاہری اور لفظی تعظیم پر اکتفا نہ کرنا بلکہ دل سے بھی ان کی توقیر وتعظیم اور ادب ولحاظ میں لگے رہنا) اللہ اللہ خدمت والدین واطاعت والدین کے باب میں قرآن مجید کو کس درجہ اہتمام منظور ہے۔ ف۳۸ (اس لئے اگر اتفاقی طور سے کبھی کوئی بات تم سے ان کے مرتبہ کے منافی صادر ہو جائے تو معاً نادم ہو کر اس کی تلافی کرو) صٰلِحِيۡنَ۔ یعنی نیکی اور حسن سلوک کا ارادہ رکھنے والے، ہماری زبان میں سعادت مند ایسے ہی موقع کے لئے ہے۔ اى قاصدين الصلاح والبر دون العقوق والفساد (روح) قاصدين الصلاح والبر (کشاف) اَوَّابِيۡنَ۔ یعنی وہ لوگ جو غلطی یا لغزش صادر ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ کی طرف توبہ واستغفار کے ساتھ رجوع کریں۔ اى الراجعين اليه تعالى التائبين عما فرط منهم مما لا يكاد يخلو منه البشر (روح) ف۳۹ اسلام نفس جمع مال وکسب مال کا مانع نہیں۔ البتہ پہلے تو وہ کسب مال کے لئے شرائط جائز وحلال کی قید لگاتا ہے اور پھر صرف مال کے قاعدے مقرر کرتا ہے کہ مال ودولت پر تو عزیزوں کے، مسکینوں کے، نادار مسافروں، پردیسیوں کے حق قائم ہیں یہ انہیں کے کام میں آنے کی چیزیں ہیں۔ حَقَّهٗ۔ حق کا لفظ مالی وغیر مالی ہر قسم کے حقوق پر شامل ہے لیکن یہاں ذکر حقوق مالی ہی کا ہو رہا ہے۔ حق کے لفظ نے یہ بھی بتا دیا کہ عزیزوں، مسکینوں وغیرہ کی اعانت واجب ہے۔ ان کا حق ہے کہ وہ مالداروں سے اعانت طلب کریں اور مالداروں پر لازمی ہے کہ ان پر احسان رکھ کر نہیں اپنا فرض سمجھ کر ان کی اعانت کریں — یہ معنی ہیں صحیح سوشلزم (اشتراکیت) کے۔ نہ یہ کہ ایک طرف ناداروں کو سرمایہ داروں کے خلاف بھڑکا دیا جائے اور غصہ دلا دیا جائے۔ اور دوسری طرف نظام سرمایہ داری مالداروں کے قلب میں قساوت پیدا کر دے۔ خدمت والدین کا حکم ابھی ابھی مل چکا ہے۔ اس کے معاً بعد یہ ہدایت لانا گویا یہ کہنا ہے کہ حقوق خدمت صرف والدین تک محدود نہ رہیں، والدین کے بعد ہی دوسرے عزیزوں کا نمبر ہے اور پھر درجہ بدرجہ ہر تعلق اور سابقہ رکھنے والے کا۔ وَ لَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِيۡرًا۔ اسلام مالدار کو یہ حکم نہیں دیتا کہ وہ اپنے نفس کی آسائش پر سرے سے کچھ خرچ ہی نہ کرے۔ جائز حدود کے اندر اس نے اس کی بھی پوری اجازت دی ہے۔ البتہ وہ اندھا دھند اسراف سے قطعاً روکتا ہے جس سے جائداد کچھ روز میں تباہ ہو کر رہ جائے۔ تبذیر کہتے ہیں مال کے بے موقع یعنی محل معصیت میں خرچ کرنے کو اور اس کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) ایک معصیت بالذات مثلاً زنا، شراب، قمار بازی وغیرہ۔ اس میں کچھ بھی صرف کرنا ہر حال میں حرام ہے۔ (۲) دوسرے معصیت بالغیر یعنی عمل تو بجائے خود جائز ہو، لیکن اس میں شرکت سے مقصود شہرت وتفاخر وغیرہ ہو۔ التبذير انفاق المال في غير حقه (جصاص۔ عن ابن عباس وعبد الله بن مسعود وقتادة رضی اللہ عنہم) التبذير تفريق المال في غير الحل والمحل (مدارک) ف۴۰ (کہ حق تعالیٰ نے اس کو دولت عقل کی دی تھی مگر اس نے اسے خدا تعالیٰ کی نافرمانی میں لٹا دیا) اِخۡوَانَ الشَّيٰطِيۡنِ۔ یعنی ناشکری اور کفران نعمت میں شیطان کے مشابہ وہم سطح ہوتے ہیں۔ والمراد من هذه الاخوة التشبه بهم في هذا الفعل القبيح (کبیر) اِخۡوَانَ۔ اخ کا

مَحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

بیٹھ جائے گا ۴۲ بے شک تیرا پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے رزق بڑھا دیتا ہے اور (وہی) تنگی (بھی)

وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ ع وَلَا

کر دیتا ہے، بے شک وہی اپنے بندوں کی خوب خبر رکھنے والا ہے (انہیں) خوب دیکھتے رہنے والا ہے ۴۳ اور

تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ

اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل مت کر دیا کرو ۴۴ ہم ہی ان کو بھی رزق دیتے ہیں

وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا

اور تم کو بھی ۴۵ بے شک ان کا قتل کرنا بہت بڑا جرم ہے اور زنا کے پاس بھی مت

الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا

جاؤ یقیناً وہ بڑی بے حیائی ہے اور بری راہ ہے ۴۶ اور

تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ

جس شخص (کی جان) کو اللہ نے محفوظ قرار دیا ہے اسے قتل مت کرو ہاں مگر حق پر ۴۷ اور جو کوئی

قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا

ناحق قتل کیا جائے گا سو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دے دیا ہے ۴۸ سو (اسے چاہیے کہ)

يُسْرِفْ فِّى الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا

قتل کے باب میں حد سے آگے نہ بڑھے ۴۹ بے شک وہ شخص قابل طرف داری کے ہے ۵۰ اور یتیم کے

مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ

مال کے پاس بھی نہ جاؤ بجز اس طریق کے جو مستحسن ہے ۵۱ یہاں تک کہ وہ اپنے

اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾

سن پختگی کو پہنچ جائے ۵۲ اور عہد کی پابندی رکھو بے شک عہد کی بازپرس ہو گی ۵۳

۱۷ : ۲۹ منزل۴ ۱۷ : ۳۴

اطلاق عربی میں بہت وسیع اور ہر قسم کے اشتراک ومشابہت کے لئے عام ہے۔ يستعار فى كل مشارك لغيره فى القبيلة اوفى الدين اوفى صنعة اوفى معاملة اوفى غير ذلك من المناسبات (راغب) العرب يسمون الملازم للشىء اخاله فيقولون فلانٌ اخو الكرم والجود واخو السفر اذا كان مواظبًا على هذه الاعمال (کبیر) انسان کی مذمت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ اسے شیطان سے تشبیہ دیدی جائے جو سرچشمہ ساری برائیوں کا ہے۔ وهى غاية المذمة لانه لا اشر من الشيطان (کشاف) ۴۱ یعنی نرم زبانی اور ان کی دلجوئی ملحوظ رکھ کر ان سے آئندہ کے لئے وعدہ کر لینا، کوئی کڑا اور دل شکن جواب انہیں ہرگز نہ دینا۔ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ۔ یعنی جب وہ لوگ تم سے طالب اعانت ہوں اور عارضی طور پر تم خود اس وقت تہی دست ہو۔ عَنْهُمُ سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا حقدار ہونا ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ ۴۲ (جیسا کہ بے تحاشا اسراف کا نتیجہ لازمی طور پر نکلتا ہے) خرچ کے معاملہ میں اسلام کی تعلیم اعتدال، اقتصادی ومیانہ روی کی ہے — نہ اپنی حالت اور قدرت سے بڑھ کر خرچ اور نہ بالکل کنجوسی ہی نہ صَرف بے محل، خلاف موقع، نہ موقع ومحل پر صَرف سے گریز۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ ۔ عربی محاورہ میں کنایہ ہے غایت بخل سے۔ اے لا تجعل يدك فى عنقها منها كا المغلولة الممنوعة عن الانبساط (کبیر) وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ۔ عربی محاورہ میں کنایہ ہے انتہائے اسراف سے۔ اے ولا تتوسع فى الانفاق توسعًا مفرطًا بحيث لا يبقى فى يدك شىء (کبیر) فتقعد۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳۳ ۴۳ مخلوقات کی ضرورتوں سے، مصلحتوں سے حق تعالیٰ سے بڑھ کر باخبر وواقف کار اور کون ہوسکتا ہے؟ کیا انفراداً اور کیا اجتماعاً اس کو سب کے ظاہر وباطن دونوں کی خبر ہے۔ اس نے تقسیم دولت جملہ مقتضیات حکمت کے ساتھ کی ہے۔ کسی احمق، تنگ نظر، سطح بین کو اس پر زبان طعن دراز کرنے کا کوئی حق ہی نہیں۔ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ۔ یعنی اس کی مشیت تکوینی جس کسی کے مناسب حال وسعت رزق سمجھتی ہے اس کے ذرائع رزق وسیع کر دیتی ہے اور جس کے لئے اس کے برعکس سمجھتی ہے ذرائع رزق تنگ ومحدود کر دیتی ہے۔ غرض جو کچھ بھی ہو رہا ہے یوں ہی اندھا دھند اور بغیر کسی مقصد ومصلحت کے نہیں ہو رہا ہے۔ سب آئین حکمت اور نقشۂ مصلحت کے ماتحت ومطابق ہو رہا ہے۔ فالتفاوت فى ارزاق العباد ليس لاجل البخل بل لاجل رعاية المصالح (کبیر) ۴۴ قتل اولاد کی حمایت میں ایک بڑی دلیل جاہلی قوموں کے ہاتھ میں والدین کی مفلسی رہی ہے اور اسی دلیل سے کام لے کر آج بیسویں صدی میں بڑے طمطراق کے ساتھ "منع حمل" کی تحریک کو اٹھایا گیا ہے۔ قرآن مجید اس نظریہ باطل کی قطعی تردید کرتا ہے۔ سورۂ انعام، پ۸ میں اس پر حاشیہ گذر چکا۔ متعدد جاہلی قوموں کا نظریہ یہ رہا ہے کہ افراد کا سبب چونکہ عورتوں میں نہیں، صرف مردوں ہی میں پیدا ہوتے ہیں، اس لئے عورت کو قومی دولت میں شرکت کا اور اس لئے زندہ رہنے کا بھی کوئی حق نہیں۔ عرب جاہلی میں بھی یہی نظریہ عام تھا۔ العرب كانوا يقتلون البنات لعجز البنات عن الكسب وقدرة البنين عليه بسبب اقدامهم على النهب والغارة (کبیر) ۴۵ (اور ہماری ربوبیت ورزاقیت کے قوانین ان اصول سے بالکل الگ ہیں جو تم نے اپنی محدود نظر کے موافق معاشیات واقتصادیات کے گڑھ رکھے ہیں) اسی طرح کی ایک آیت، ایسے ہی موقع پر سورۃ الانعام (رکوع ۱۹) میں بھی آئی ہے۔ مگر وہاں الفاظ ہیں نرزقكم واياهم یہاں اس کے برعکس صیغۂ غائب پہلے اور صیغۂ مخاطب بعد کو، یہ فرق کیوں؟ اصل یہ ہے کہ دو مسئلہ الگ الگ ہیں ایک چیز تو ہے نفسِ افلاس یا اس کا وقوع۔ یعنی والدین واقعۃً اور فی الحال افلاس میں مبتلا ہیں اور اس لئے بچوں کی زندگی ختم کئے دیتے ہیں۔ اور دوسری چیز ہے خوف افلاس، یعنی والدین فی الحال تو افلاس میں مبتلا نہیں لیکن اندیشہ یہ کر رہے ہیں کہ اولاد اگر پیدا ہونی شروع ہو گئی تو موجودہ آمدنی کفایت نہ کرے گی — قرآن مجید نے ان دونوں قسموں کے درمیان فرق ملحوظ رکھا ہے۔ اول الذکر کے موقع پر محض من املاق آیا ہے اور آخر الذکر کے موقع پر من خشية املاق لایا گیا ہے۔ اور حرام اگرچہ دونوں صورتوں میں قتل اولاد کو ٹھہرایا ہے لیکن جہاں من املاق ہے یعنی افلاس کا تحقق پایا جا چکا ہے وہاں خطاب براہ راست ہے۔ نرزقكم واياهم یعنی اے گروہ والدین تمہیں تو بہر حال ہم رزق پہنچا ہی رہے ہیں اسی طرح اولاد کو پہنچاتے رہیں گے اور جہاں خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ یعنی تحقق افلاس فی الحال نہیں ہے بلکہ صرف اس کا اندیشہ لگا ہوا ہے وہاں ترتیب خطاب میں ایک ذرا سا لطیف ونازک فرق کر دیا ہے نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ہم انہیں بھی رزق پہنچاتے رہیں گے جیسا کہ تمہیں اب تک پہنچاتے رہے ہیں۔ ۴۶ یعنی زنا بجائے خود بھی قبیح ہے اور بلحاظ دوسرے مفاسد کے بھی۔ افراد کی روحانی پاکیزگی اور اخلاقی طہارت کے بھی منافی اور صالح تمدن ومعاشرہ کی اجتماعی صالحیت کے بھی۔ روحانیت اور عبودیت کے چہرہ پر بھی ایک داغ اور جسمانی، معاشرتی، معاشی مضرتوں اور خطروں کے اعتبار ولحاظ سے بھی قابل نفرت۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى۔ الفاظ قرآنی پر غور ہو۔ لا تزنوا ارشاد نہیں ہو رہا ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے لا تقربوا الزنٰى۔ زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ اس کے مبادی ودواعی مقدمات تک سے بچو۔ يقول تعالىٰ ناهياً عن الزنى وعن مقاربته ومخالطة اسبابه ودواعيه (ابن کثیر) وهو نهى عن دواعى الزنا ولو اريد بالنهى عن نفس الزنا لقال ولا تزنوا (مدارک) گویا اس حکم امتناعی کے تحت میں بے حیائی وبے حجابی کے سارے قولی، فعلی، تقریری، تحریری، تصویری، لباسی مظاہرے آگئے

وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ

اور جب ناپو تو ناپ پوری پوری رکھا کرو اور وزن بھی صحیح ترازو سے

الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (۳۵) وَ لَا

کیا کرو یہی اچھا ہے اور (یہی) انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہے ف۵۴ اور

تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ

اس چیز کے پیچھے مت ہو لیا کر جس کی بابت تجھے علم (صحیح) نہ ہو بے شک کان اور آنکھ

وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا (۳۶) وَ لَا تَمْشِ

اور دل ان کی پوچھ ہر شخص سے ہو گی ف۵۵ اور زمین پر

فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ

اترا کر نہ چلا کر تو نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ

تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (۳۷) كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ

پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے ف۵۶ یہ سارے برے کام تیرے

رَبِّكَ مَكْرُوْهًا (۳۸) ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ

پروردگار کے نزدیک بالکل ناپسند ہیں ف۵۷ یہ باتیں اس حکمت میں سے ہیں جو آپ کے پروردگار نے

مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى

آپ پر وحی کی ہے اور اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا نہ ٹھہرا ورنہ تو جہنم میں

فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا (۳۹) اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ

ملامت زدہ (اور) راندہ کر کے جھونک دیا جائے گا ف۵۸ تو کیا تمہارے پروردگار نے تمہیں تو

بِالْبَنِيْنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ

مخصوص کر لیا لڑکوں کے ساتھ اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا؟ بے شک تم

—ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ یہ شریعت اسلامی ہی ہے جس نے ہر غیر نکاحی ازدواجی تعلق کو ہر حال اور ہر صورت میں حرام قرار دے دیا ہے۔ ورنہ اکثر قدیم وجدید جاہلی تہذیبوں اور قانونوں میں زنا بجائے خود تو کوئی جرم ہی نہیں جب تک کہ جبر کی آمیزش یا حقوق شوہری میں دست اندازی وغیرہ اس میں شامل نہ ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بابل، مصر، ایران، ہند قدیم وغیرہ کے متعدد جاہلی مذہبوں نے تو خاص خاص حالات میں ایک عبادت یا عمل مقدس مان رکھا ہے!— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ ف۴۷ یعنی جب تک کوئی شرعی سبب وجوب قتل یا جواز قتل کا نہ پیدا ہو جائے اس وقت تک قتل ہرگز جائز نہ ہوگا۔ وَلَا تَقْتُلُوا۔ قتل یہاں اپنے وسیع لغوی معنیٰ ہلاک کے مرادف ہے۔ محدود اصطلاحی فقہی معنیٰ میں نہیں۔ جان لے لینے کی ہر صورت پر شامل ہے۔ یہ مراد نہیں کہ صرف دھاردار آہنی آلہ سے جان نہ لو۔ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ۔ اور جان تو ہر انسان کی محفوظ ہی ہے۔ تا آنکہ کوئی خاص سبب حسب قواعد شرعی اس کے واجب القتل یا مباح الدم ہونے کا نہ پیدا ہو جائے ف۴۸ (قصاص طلب کرنے کا) تسلطا على القاتل فى الاقتصاص (مدارک) اى فى استيفاء القصاص من القاتل (کبیر) وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا۔ اس قتل ناحق کے تحت میں ہر وہ قتل آ گیا جو بغیر وجہ شرعی کے ہو۔ مظلوم کے لفظ نے یہ بھی صاف کر دیا کہ یہ قتل قتل عمد ہوگا۔ قتل خطا کو ظلم نہیں کہتے۔ اى غير مستوجب للقتل (بیضاوی) يدل على ان القتل عمد عدوان فان الخطأ لا يسمى ظلما (بیضاوی) وَلِيِّهٖ۔ اسی "وارث" کے تحت میں حقیقی اور حکمی دونوں قسم کے وارث آ گئے۔ سُلْطٰنًا۔ سلطان کے معنیٰ یہاں حجة کے لئے گئے ہیں۔ یعنی ولی کو حق قصاص حاصل ہوگا۔ سلطانا اى حجة (جصاص)۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما وسعید بن جبیر ومجاہد) ف۴۹ یعنی یہ نہ کرے کہ جوش انتقام میں قاتل کے ساتھ غیر قاتل کو بھی قتل کر ڈالے یا اور کسی طرح زیادتیاں کرنے لگے— کہاں ایک طرف شریعت اسلامی کی یہ معتدل ومتوازن تعلیم، اور کہاں بڑی بڑی مہذب فرنگی حکومتوں کا یہ عمل متواتر کہ اگر اپنا ایک آدمی یا چند آدمی بھی مار دیئے گئے تو اس کے معاوضہ میں پوری پوری آبادیوں کو آگ لگا کر پھونک دیا یا بم کے گولے برسا کر ہلاک کر ڈالا! ف۵۰ قانون شریعت تو خود ہی اس کی حمایت، نصرت اور پشت پناہی پر آمادہ ہے اور حکومت اسلام خود ہی مقتول مظلوم کے معاملہ میں مدعی بنی جاتی ہے پھر ایسے شخص کے وارثوں پر یہ شامت کیوں سوار ہو کہ وہ خواہ مخواہ حدود شرع سے تجاوز کریں اور دوسروں پر ظلم زیادتی کرتے پھریں۔ اِنَّهٗ۔ ضمیر ولی کی جانب لی جائے یا خود مقتول کی، حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ منقول دونوں ہیں۔ قال قتادة هو عائد الولى۔ وقال مجاهد على المقتول (جصاص) ف۵۱ (شریعت کی نگاہ میں) یعنی یتیم کی جائداد میں کسی قسم کی دست اندازی روا نہ رکھو بجز ان صورتوں کے کہ جنہیں خود شریعت نے روا رکھا ہے۔ یتیموں کی جائداد کے تحفظ کے باب میں قرآن مجید کو جو اہتمام ہے اس کا اندازہ کچھ ان حاشیوں سے بھی ہو سکے گا جو پ۴ وپ۸ میں اسی مسئلہ پر گزر چکے ہیں۔ اَلَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کے تحت میں صرف مال یتیم کے وہ سارے طریقے آ گئے جن سے خود یتیم کا نفع متصور ہو، خواہ تجارت ہو یا کچھ اور۔ الاحسن ما كان فيه حفظ ماله وتثميره (جصاص) وقد دلت الأية على جواز اجارة مال اليتيم والعمل به مضاربة (جصاص) ف۵۲ اور اپنے نفع ونقصان کو خوب پہچاننے لگے اور اس وقت اس کی جائداد اس کے حوالہ کر دی جائے گی— یعنی یتیم کی کم سنی بھر تو اس کی جائداد اولیاء کی نگرانی وانتظام میں رہے اور اولیاء ہمیشہ اسی کی مصلحتوں کو مصارف کے وقت ملحوظ رکھیں پھر جب وہ یتیم پوری طرح سن شعور کو پہنچ جائے تو اس کی جائداد اس کے حوالہ کر کے خود سبکدوش ہو جائیں۔ بلوغ اشد کا معیار کیا ہے؟ مختلف فقہاء نے اس کے جواب میں مختلف عمریں تجویز کی ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ یہ سب محض تخمینے اور اندازے ہیں مختلف قوموں اور ملکوں میں بلکہ ایک ہی برادری کے افراد میں قوائے جسمانی وذہنی کی پختگی کا کوئی ایک سن متعین ہی نہیں اور اسی لئے قرآن مجید نے بھی قصداً اسے مبہم ہی رکھا ہے فقیہ ابوبکر الرازی مختلف عمروں کا حوالہ دینے کے بعد لکھتے ہیں:۔ واذا كان كذالك فالاشد ليس له مقدار معلوم فى العادة لا يزيد عليه ولا ينقص منه وقد يختلف احوال الناس فيه فيبلغ بعضهم الاشد فى مدة لا يبلغه غيره فى مثلها (جصاص) امام رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بلوغ عقل بھی اس سن کو کہیں گے جب قوائے عقلی وحسی وحرکی اپنے کمال کو پہنچ جائیں۔ وبلوغ العقل هو ان يكمل عقله وقواه الحسية والحركية (کبیر) ف۵۳ اَلْعَهْدَ کے تحت میں ہر قسم کے جائز وعدے اور معاہدے آ گئے بلکہ اگر اسے ذرا زیادہ وسیع معنیٰ میں لیا جائے تو حقوق اللہ اور حقوق العباد سب اس کے اندر آ جاتے ہیں۔ اعلم ان كل عقد تقدم لاجل توثيق الامر وتوكيده فهو عهد (کبیر) وحاصل القول فيه ان مقتضى هذه الأية ان كل عقد وعهد جرى بين انسانين فانهما يجب عليهما الوفاء (کبیر) ف۵۴ یعنی یہی احکام دین جو ابھی بتائے گئے ہیں بجائے خود بھی فطرت سلیم کے مطابق ہیں اور نتائج بھی دنیا وآخرت دونوں میں انہیں سے بہتر نکلتے ہیں۔ وَاَوْفُوا...... الْمُسْتَقِيْمِ۔ غرض یہ کہ تجارتی، معاشرتی، قانونی زندگی کے ہر شعبہ اور معاملاتِ باہمی کی ہر شاخ میں پوری طرح دیانت، امانت، وصداقت کے اصول پر کاربند رہو —اسلام کچھ ریت رسم یا پوجا پاٹ کے قسم کے اعمال کا نام نہیں۔ سارے نظام زندگی کو قانونِ الٰہی کے سانچہ میں ڈھال لینے کے مرادف ہے۔ ف۵۵ (قیامت کے دن) یعنی ہر ہر شخص سے سوال اس کا ہوگا

کہ کان سے سننے کا، آنکھ سے دیکھنے کا، دل سے سوچنے سمجھنے یقین کرنے کا کام جائز اور صحیح موقعوں پر کتنا لیا۔ اور ناجائز اور غلط موقعوں پر کتنا!— احساس ذمہ داری کی تعلیم ہر ہر فرد کو اس سے بہتر اور کہاں ملے گی؟ اس پر آج عمل ہونے لگے تو شخصی اور قومی، انفرادی واجتماعی دونوں قسم کے کتنے جھگڑے قصے آج دنیا سے مٹ جائیں! — وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ یعنی بلا تحقیق ہر سنی سنائی بات کے پیچھے نہ ہولیا کرو البتہ مختلف مسائل کی تحقیق کے درجہ مختلف ہوتے ہیں اور ہر مسئلہ کے متناسب فقہاء واصولیین نے کہا ہے کہ قطعیات میں دلائل بھی قطعی ہونے چاہئیں اور ظنیات میں ظنی۔ فقہاء نے اسی آیت کے ذیل میں یہ بھی کہا ہے کہ احکام شرعی محض اٹکل سے بتا دینا یا کسی پر بغیر تحقیق کوئی الزام لگا دینا دونوں اس آیت سے ناجائز ٹھہرتے ہیں۔ وقد اقتضی ذلک نهی الانسان عن ان يقول فی احكام الله ما لا علم به علی جهة الظن والحسيات وان لا يقول فی الناس من السوء مالا يعلم صحتهٗ (جصاص) و۵۶ (تو جب متکبرین کی وضع وہیئت اس قدر ممنوع ومذموم ہے تو نفس تکبر کس درجہ کا ممنوع ومذموم ہوگا!) مقصود ہر طرح کے فخر وتکبر کی روک تھام ہے۔ و۵۷ (اور ان کی ممانعت صراحۃً یا دلالۃً اوپر مذکور ہو چکی) مَكْرُوْهًا۔ مکروہ کے معنی فعل ممنوع کے ہیں۔ المراد من المكروه المنهی عنه (کبیر) و۵۸ (اے مشرک!) قرآن مجید میں خطاب بار بار اور جلد جلد بدلتا ہے۔ اب خطاب مشرکین سے ہے۔ و۵۹ یعنی ایک تو اللہ کا صاحب اولاد ہونا ہی کیا کم ہے اور پھر اس پر اولاد بھی اس کی محض لڑکیوں کو قرار دیتے ہو۔ جن کا انتساب خود اپنی جانب باعث ننگ وتحقیر سمجھتے ہو! خطاب مشرکین عرب سے ہے۔ جو ملائکہ کو دیویاں اور خدا کی بیٹیاں مانتے تھے۔ اس عقیدہ پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ و۶۰ قرآن مجید کا اصلی، مرکزی، بنیادی موضوع تو توحید ہی ہے۔ مذمت شرک ومدح توحید کی تکرار اور تصریحات سے قرآن مجید اسی لئے لبریز ہے کہ یہ خوب دلوں میں گھر کر جائے۔ لیکن مشرکین کی ضد اور کج فہمی کا یہ عالم ہے کہ انہیں اور الٹی توحید سے نفرت وبیزاری ہی بڑھتی جاتی ہے! و۶۱ (اور نوبت مقابلہ ومقاتلہ کی آگئی ہوتی، جس سے نظام عالم کب کا درہم برہم ہو چکا ہوتا! آیت میں رد ان مذاہب جاہلی کا ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ایک خدائے اعظم ہے جو عرش پر سریر آرا ہے۔ اور باقی اور دیوتا بھی بہت سے ہیں۔ ان کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ جب کوئی اور بھی خدا ہے تو خدا ہونے کی حیثیت سے اس کے لئے بھی مستقلاً صاحب قوت، صاحب ارادہ، خود مختار ہونا لازم ٹھہرا تو جب دو یا زاید خدا ہوئے تو ان میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں قوت واختیار کا استعمال اور باہمی جدال وقتال لازم ٹھہرا (جیسا کہ جاہلی مذہبوں کی روایتوں میں کثرت سے آیا بھی ہے) پھر اس جدال وقتال کے بعد یہ نظم کائنات کیونکر برقرار رہ سکتا تھا؟ و۶۲ اس کی شان ربوبیت، اس کی شان الوہیت، اس کی شان حاکمیت اعلیٰ میں کسی دیوی دیوتا کی شرکت کا گزر نہیں۔ وہ ہر ایسے انتساب سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے! و۶۳ (اے مشرکو!) وَمَنْ فِيْهِنَّ۔ انسان، جنات، حیوان، فرشتہ وغیرہ ساری ہی مخلوق اس میں آگئی۔ تُسَبِّحُ۔ يُسَبِّحُ ہر ایک مخلوق اپنے خالق کی قدوسیت کا اعلان اپنے مرتبۂ وجود کے متناسب ومطابق برابر کرتی رہتی ہے، خواہ زبان سے ہو یا زبان حال سے۔ موجودات عالم کا ذرہ ذرہ اپنے حدوث وامکان کی بنا پر صانع مطلق کے نہ صرف وجوب وجود کی بلکہ یکتائی، صناعی قدرت کی بھی شہادت علانیہ دے رہا ہے۔ محققین عارفین نے تصریح کی ہے (اور یہی بات دل کو بھی لگتی ہے) کہ آیت میں لفظ تسبیح اپنے عموم کے ساتھ تسبیح قالی اور حقیقی اور تسبیح حالی اور حکمی دونوں پر شامل ہے مطیعین کی تسبیح حقیقی وقالی ہوتی ہے غیر مطیعین کی صرف حالی۔ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔ مشرکوں سے خطاب ہے کہ تم نے جو اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور اپنی عقل کو اندھا کر لیا ہے تو تمہاری سمجھ میں یہ دلالت حالی بھی نہیں آتی جو ہر مخلوق ہر وقت اپنے خالق وصناع عالم کی قدوسیت وتوحید کے ثبوت میں پیش کر رہی ہے! ان الكفار ما كانوا يفكرون فی انواع الدلائل (کبیر) و۶۴ (اس لئے اگر اب بھی توبہ کر لو تو اس کی صفت غفر اب بھی سارے قصور معاف کر دے گی) اس کی اسی صفت حلم کا اثر ہے کہ مشرکانہ عقاید واعمال پر فوراً گرفت نہیں ہوتی بلکہ برابر مہلت ملتی رہتی ہے۔ و۶۵ (اور وہ باریک پردہ عدم فہم وعدم ارادہ فہم کا ہے) مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ آخرت کے منکر یا آخرت فراموش ہیں، یہ جب قرآن مجید سنتے ہیں تو بجائے اس سے متاثر ہونے کے یہ اپنے اور اس کے درمیان ایک حجاب حاجز سا محسوس کرتے ہیں۔ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ۔ یعنی جب آپ انہیں قرآن بغرض تبلیغ سناتے ہیں۔ جَعَلْنَا الخ۔ یہ ضمیر متکلم لاکر حق تعالیٰ کا اس فعل کا انتساب اپنی جانب کرنا تمام تر تکوینی حیثیت سے، اور بطور مسبب الاسباب کے ہے۔ جس سے اس کی رضا کو قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مَسْتُوْرًا۔ ایسا جو عام طور پر نظر نہ آتا ہو۔ ذلک الحجاب شیء لا يراه احدٌ (کبیر)

ع ۴

قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

(بڑی) سخت بات کہہ رہے ہو و۵۹ اور ہم نے اس قرآن میں (مضمون توحید کو) طرح طرح بیان کیا ہے

لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَ مَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ

تاکہ اچھی طرح سمجھ لیں لیکن انہیں نفرت ہی بڑھتی جاتی ہے و۶۰ آپ کہہ دیجیے کہ اگر اس (معبود برحق)

مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ

کے ساتھ اور بھی خدا ہوتے جیسا کہ یہ (مشرکین) کہتے ہیں تو اس وقت تک انہوں نے عرش والے تک

سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا

راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا و۶۱ پاک ہے، وہ (اللہ) اور کہیں برتر ہے اس سے کہ جو یہ لوگ

كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ

کہتے ہیں و۶۲ اسی کی پاکی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین

وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ

اور جو کوئی بھی ان میں موجود ہیں اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو حمد کے ساتھ اس کی پاکی نہ بیان کرتی ہو

وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا

البتہ تم ہی ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو و۶۳ بے شک وہ بڑا حلم والا ہے

غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ

بڑا مغفرت والا ہے و۶۴ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾

درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا پردہ حائل کر دیتے ہیں و۶۵

وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْۤ

یعنی ہم ان کے دلوں پر اس طرح سے حجاب ڈال دیتے ہیں کہ وہ اس (قرآن) کو سمجھیں اور ان کے

اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ

کانوں میں ڈاٹ دے دیتے ہیں ف۶۶ اور جب آپ قرآن میں تنہا اپنے پروردگار کا ذکر کرتے ہیں

وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا

تو وہ لوگ اپنی پیٹھ پھیر کر نفرت کرتے ہوئے چل دیتے ہیں ف۶۷ ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے

يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى

یہ لوگ اسے سنتے ہیں جب یہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں ف۶۸ اور جس وقت یہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں

اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا

جب کہ (یہ) ظالم یہ کہتے ہیں کہ تم تو بس ایک سحرزدہ مرد کی راہ پر

مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ

چل رہے ہو ف۶۹ آپ دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسے کیسے القاب تجویز کرتے ہیں

فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا

سو یہ گمراہ ہو گئے تو اب رستہ نہیں پا سکتے ف۷۰ اور کہتے ہیں کہ کیا جب ہم ہڈیاں

كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا

اور چورا ہو جائیں گے تو ہم ازسر نو پیدا اور جمع

جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا

کئے جائیں گے ف۷۱ آپ کہہ دیجیے کہ تم پتھر یا لوہا ہو جاؤ یا کوئی اور

مِّمَّا يَكْبُرُ فِىْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ

چیز جو تمہارے خیال میں بہت ہی بعید ہو ف۷۲ پھر وہ کہیں گے کہ ہم کو کون دوبارہ جلائے گا؟

قُلِ الَّذِىْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ

آپ کہیے کہ وہ وہی ہے جس نے تم کو اول بار پیدا کیا تھا ف۷۳ پھر وہ آپ کے آگے

ف۶۶ حق تعالیٰ کے ضمیر متکلم لانے پر حاشیہ ابھی ابھی گزر چکا۔ اَنْ یَّفْقَهُوْهُ۔ ان یہاں نفی کے معنی دے رہا ہے۔ اے کراھة ان یفقھوہ (کشاف) ف۶۷ (کہ انہیں دلچسپی تو خدا سے نہیں، بلکہ اس کے شریکوں دیویوں دیوتاؤں سے ہے) مشرک قومیں زبان سے تو خدا کا بھی اقرار کرتی جاتی ہیں لیکن حقیقۃً وعملاً ان کے قلب کا سارا تعلق جھوٹے خداؤں یعنی دیویوں دیوتاؤں سے رہتا ہے — اور سخت افسوس ہے کہ یہی حال مشرک صفت، مبتلائے بدعات کلمہ گوؤں کا بھی ہو گیا ہے۔ جس بزرگ سے جس کسی کو اعتقاد ہو گیا ہے بس ساری توجہ وعقیدت کا مرکز اسی کی ذات رہتی ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق برائے نام ہی رہ جاتا ہے۔ ف۶۸ (اور وہ غرض بھی عیب جوئی، اعتراض وطعن ہوتی ہے) بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖ۔ بہ مترادف لاجلہ بہ کے ہے۔ اے بسببہ ولاجلہ (بیضاوی) آج بڑے بڑے نامور ''مستشرقین'' کی بھی غرض قرآن پڑھنے یا اس کا ترجمہ کرنے سے بجز اپنے اسی معاندانہ شوق کے پورا کرنے کے اور کیا ہوتی ہے؟ الا ماشاء اللہ ف۶۹ (جو خبط یا مالیخولیا میں مبتلا ہے) وَاِذْ هُمْ نَجْوٰى۔ یعنی جب یہ قرآن سننے کے بعد آپس میں آپ کے متعلق سرگوشیاں کرتے ہیں۔ ف۷۰ (حق وصواب کا) یعنی قرآن کے ساتھ اور رسول کے ساتھ استہزاء کر کے انہوں نے اپنی استعداد اور صلاحیتوں کو بالکل ہی ضائع کر دیا ہے۔ اور اب انہیں راہِ ہدایت بھلا کیا ملے گی!۔ فَضَلُّوْا۔ یعنی اب بالکل ہی گمراہ ہو گئے ہیں۔ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ۔ چنانچہ ان ''عقلاء'' قوم میں سے کوئی تو آپ کے لئے یہ رائے قائم کرتا کہ آپ شاعر ہیں اور کوئی یہ کہتا کہ آپ ساحر ہیں۔ کوئی روشن خیال صاحب یہ فرماتے کہ آپ ''مجنون'' ہیں اور کوئی یہ کُلّا لگاتے کہ ہو نہ ہو آپ کاہن ہیں — بیسویں صدی کے ''روشن خیال'' بھی تو کچھ ایسی ہی طبع آزمائیاں فرماتے رہتے ہیں۔ ف۷۱ آج کے ''روشن خیالوں'' کی طرح جاہلیت عرب میں ''روشن خیالوں'' اور مادیین کا گروہ موجود تھا۔ جو امکان بعث وحشر کے منکر تھے۔ یہ قول انہیں کا نقل ہو رہا ہے۔ قَالُوْٓا۔ یہ وہ بر سبیل انکار واستہزاء کہہ رہے ہیں۔ ف۷۲ (قبولِ حیات سے پھر بھی دوبار زندہ کئے ہی جاؤ گے۔) یعنی اوخلقا مما یکبر عندکم عن قبول الحیٰوۃ ویعظم فی زعمکم علی الخالق احدًا فانہ یحییہ (کشاف) اے فافرضوا شیئًا اٰخر بعد عن قبول الحیٰوۃ من الحجر والحدید (کبیر) یعنی تم ہڈیوں ہی کی حیاتِ ثانی پر تعجب کر رہے ہو۔ اس سے بھی بڑھ کر کوئی چیز قبولِ حیات سے بعید تر تصور کر لو، پھر بھی بہر حال تم میں دوبارہ جان ڈالی ہی جائے گی۔ ف۷۳ (جب کہ تم معدوم محض تھے) یہ وہ گروہ تھا جو وجود باری کا نہیں، صرف امکانِ بعث وحشر کا منکر تھا۔ اسی سے جرح ہو رہی ہے کہ تم جب اسے تسلیم کر رہے ہو کہ صانع حقیقی کی قدرت تمہیں عدم محض سے وجود میں لے آئی، تو اب کیا اس کی قدرت اس سے سلب ہو گئی ہے جواب وہ اس سے آسان تر چیز یعنی ایجاد معدوم کے بجائے اعادۂ معدوم پر بھی قادر نہیں رہا ہے؟

و۷۴ مطلب یہ ہوا کہ جب یہ امکان قیامت کے مسئلہ پر لاجواب ہو جائیں گے تو اب بحث یہ نکالیں گے کہ اچھا قیامت آئے گی کب؟ فَسَیُنۡغِضُوۡنَ اِلَیۡکَ رُءُوۡسَهُمۡ۔ سر کی یہ حرکت بہ طور اعراض وانکار ہوگی۔ ای یحرکون رءوسهم تکذیبًا واستهزاءً (ابن جریر۔ عن قتادة) فسیحرکونها تحرک تعجبًا واستهزاءً (کشاف) نغض کے لفظی معنی اوپر نیچے یا نیچے اوپر

رُءُوْسَهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ

سر ہلائیں گے اور کہیں گے کہ یہ (زندہ ہونا) ہوگا کب؟ آپ کہہ دیجیے کہ عجب نہیں یہ (وقت) قریب ہی

قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ

آپہنچا ہو و۷۴ یہ اس روز ہوگا جب (اللہ) تمہیں پکارے گا سو تم اس کی حمد کرتے ہوئے حکم کی تعمیل کرو گے

وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع وَ قُلْ لِّعِبَادِيْ

اور تم یہ خیال کرو گے کہ تم بہت ہی کم رہے تھے و۷۵ اور آپ کہیے میرے بندوں سے

يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ

کہ ایسی بات کہا کریں جو بہتر ہو و۷۶ بے شک شیطان لوگوں میں فساد

بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾

ڈلواتا ہے بے شک شیطان تو انسان کا صریح دشمن ہے ہی و۷۷

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ

تمہارا پروردگار تم سب کا حال خوب جانتا ہے۔ وہ اگر چاہے تم پر فضل کر دے اور وہی اگر چاہے

يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾ وَ رَبُّكَ

تو تم کو عذاب دینے لگے اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے و۷۸ اور آپ کا پروردگار

اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا

خوب جانتا ہے ان کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور ہم نے بعض نبیوں کو

بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ

بعض (دوسرے) نبیوں پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی و۷۹ آپ کہیے

ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ

تم جن کو اللہ کے سوا (معبود) قرار دے رہے ہو ذرا ان کو پکارو تو سہی سو وہ نہ تم سے

حرکت دینے کے ہیں۔ النغض فی کلام العرب انما هو حركة بارتفاع ثم انخفاض او انخفاض ثم ارتفاع (ابن جریر) و۷۵ (اس دنیا میں اور قبر کے برزخ میں) احساس کا یہ فرق اس روز کی ہیبت وہول سے پیدا ہوگا۔ مراد یہی ہو سکتی ہے کہ منکروں نے چونکہ یہاں سارا وقت سرکشی ونافرمانی میں صرف کیا، وہاں انکشاف حقائق کی گھڑی، یہ سارا وقت تمام تر ضائع شدہ اور معدوم معلوم ہوگا۔ یَوۡمَ یَدۡعُوۡکُمۡ۔ یہ پکار فرشتہ کے ذریعہ سے میدان حشر میں جمع ہونے کی ہوگی۔ فَتَسۡتَجِیۡبُوۡنَ بِحَمۡدِهٖ۔ یعنی تعمیل ارشاد اور حمد الٰہی پر اپنے کو مجبور ومضطر پاؤ گے۔ و۷۶ (حسن اخلاق وشائستگی کے اعتبار سے) ای ولا یخانوا المشرکین (بیضاوی) لِعِبَادِیۡ۔ عباد سے یہاں مراد مسلم ومطیع بندے ہیں۔ المراد به المؤمنون (کبیر) آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ غیروں سے مناظرہ ومجادلہ میں حتی الامکان سب وشتم اور خشونت سے احتراز چاہیے۔ — کاش ہمارے مولوی صاحبان اور لیڈر صاحبان کی اکثریت اس تعلیم پر غور کرتی! و۷۷ (اس کا تو کام ہی لوگوں کو قبول حق سے دور کرنا اور باز رکھنا ہے) اِنَّ الشَّیۡطٰنَ یَنۡزَغُ بَیۡنَهُمۡ۔ شیطان تو مؤمنین مطیعین کی زبان سے ایسے پرخشونت الفاظ نکلوانے کی پوری کوشش کرے گا جو دلوں کو قبول حق سے اور دور کر دیں اور غیروں میں عداوت اور قساوت اور زیادہ پیدا کر دیں۔ و۷۸ (پھر آپ کو ان کے لئے اتنا زیادہ فکرمند رہنا کیا ضرور ہے) رَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِکُمۡ۔ وہی سب سے خوب واقف ہے کہ کون کس قابل ہے۔ اِنۡ یَّشَاۡ یَرۡحَمۡکُمۡ۔ اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوگی تو تمہیں توفیق ہدایت دے دے گا اور یہی تمہارے حق میں اس کا بڑا فضل ہے۔ اِنۡ یَّشَاۡ یُعَذِّبۡکُمۡ۔ اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوگی تو تم سے توفیق ہدایت سلب ہو جائے گی۔ اور یہی تمہارے حق میں اس کا بڑا عذاب ہے۔ آیت میں ان اہل حق کے لئے تسکین کا بڑا سامان موجود ہے جو اہل باطل سے مناظرہ ومذاکرہ میں مشغول رہتے ہیں اور طبعًا اس پر جھنجھلا اٹھتے ہیں کہ اہل باطل کیسا حق صریح کو چھوڑے ہوئے ہیں — کسی کے راہ ہدایت پر آنے نہ آنے کی ذمہ داری جب رسول تک پر نہیں، تو آپ کے کسی بڑے یا چھوٹے نائب پر کیوں ہونے لگی! و۷۹ (اور یہ فضیلت انہیں بہت سے دوسرے انبیاء سے ممتاز کرتی ہے) وَرَبُّکَ...... الۡاَرۡضِ۔ چنانچہ اس نے ہر ایک کے حسب استعداد اور اپنے حسب مصلحت سب کو ایک ایک مقام اور درجہ پر رکھا۔ وَلَقَدۡ...... بَعۡضٍ۔ پھر اگر ایک نبی سارے انبیاء کے کمالات کا جامع پیدا ہو گیا تو اس میں اچنبھے کی کون سی بات ہے۔ وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا۔ داؤد پیمبر

پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ زبور (تنکیر تنوین کے ساتھ) ہر کتاب عظیم کے لئے عام ہے۔ وکل کتاب غلیظ الکتابة یقال له زبور (راغب) فکان معناه الکتب (کبیر) الزبور (بہ طور علم کے) وہ کتاب ہے جو حضرت داؤد نبی پر نازل ہوئی تھی۔ وخص الزبور بالکتب المنزل علی داؤد علیه السلام (راغب) بعض نے زبور کی تنکیر سے اس کی تعظیم اور کاملیت کے معنی پیدا کیے ہیں۔ التنکیر هٰهنا یدل علی تعظیم حاله (کبیر) کان معنی التنکیر انه کامل فی کونه کتابًا (کبیر)

ف۸۰ یعنی تمہارے دیوی دیوتا جن پر تم اتنا سہارا لگائے بیٹھے ہو، یہ اتنا بھی تو نہیں کر سکتے کہ تم سے کسی تکلیف کو دفع کر دیں یا یہ کہ اس کی شدت میں خفت ہی پیدا کر دیں! **ف۸۱** یعنی خود ہی طاعت وعبادت کے ذریعہ سے اللہ کا قرب اور قرب مزید ڈھونڈ رہے ہیں۔ مراد یہاں ملائکہ وجنات اور بعض انبیاء لیے گئے ہیں جنہیں مشرکوں اور جتلائے شرک اہل کتاب نے درجۂ الوہیت دے رکھا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ بندگان صالح تو اپنے کمال عبدیت وعبودیت کی بناء پر خود ہی ہر طرح تلاش قرب وقرب مزید میں لگے رہتے ہیں۔ اَلْوَسِیْلَةَ۔ وسیلة کے معنٰی قرب کے ہیں اور یہی یہاں بھی صحابہ، تابعین اور اکابر مفسرین سے مروی ہیں۔ الوسیلة القربة (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) القربة والزلفی (ابن جریر۔ عن قتادة) القربة والزلفة (ابن جریر) **ف۸۲** مطلب یہ ہوا کہ یہ تمام گڑھے ہوئے خدا خود ہی ہر طرح محتاج ہیں اور معبودیت کی صلاحیت سے بالکل عاری۔ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ۔ یعنی نافرمانی کی صورت میں اس کے عذاب سے بھی ڈرتے رہتے ہیں۔ **ف۸۳** (قیامت کے دن) یعنی کوئی کافر اگر یہاں بچ بھی گیا تو قیامت کے دن تو بہر حال عذاب شدید سے نہیں بچ سکتا۔ وَاِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ۔ بستیوں سے کافروں اور معاندین حق کی آبادیاں مراد ہیں۔ قیل المراد قری الکفار (کبیر) اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا۔ اهلاک سے یہاں مراد اہلاک بالعذاب ہے ورنہ نفس موت وہلاکت تو طبعی اسباب سے مومن وکافر سب کی ہوتی رہتی ہے:۔ **ف۸۴** یعنی ہر کافر کے معذب ہونے کی (وہ دنیا میں ہو یا آخرت میں) صراحت لوح محفوظ میں پہلے ہی سے درج ہے۔ الْكِتٰبِ۔ سے مراد علم الٰہی کی کتاب ہے یعنی لوح محفوظ۔ اے الکتاب الذی کتب فیه کل ما هو کائن وهو اللوح المحفوظ (ابن جریر) **ف۸۵** یعنی یہ موجودہ منکرین جو فلاں فلاں مخصوص ومتعین معجزوں کی فرمائش کر رہے ہیں ان معجزات کے نزول سے امر مانع بس یہ ہوا ہے کہ ایسے ہی فرمائشی معجزات پہلے، ایسے ہی منکرین کے اصرار پر نازل کئے جا چکے ہیں، لیکن وہ سب بے اثر رہے۔ بِالْاٰیٰتِ۔ اٰیٰت سے مراد منکرین کے طلب کئے ہوئے، فرمائش کئے ہوئے معجزات ہیں۔ الأیات التی اقترحها قریش (بیضاوی) **ف۸۶** یعنی اس سے بصیرت تو کچھ نہ حاصل کی بلکہ اور الٹا ظلم کر کے اسے مار ہی ڈالا۔ مُبْصِرَةً۔ کے معنٰی ایک تو خود روشن چیز کے ہیں اور دوسرے اس چیز کو بھی کہتے ہیں جس سے دوسری چیزوں پر روشنی پڑے۔ اے ذات بصیرة یبصرها الغیر ویبصر بها (روح) فَظَلَمُوْا بِهَا۔ کے معنٰی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اس کے ساتھ کفر کیا اور یہ بھی کہ اس کے باعث اپنے اوپر بڑا ظلم کیا۔ اے فکفروا بها اوفظلموا انفسهم بسبب عقرها (بیضاوی) **ف۸۷** (اور جب قوم ان پر بھی ایمان نہیں لاتی، تو بس معاً عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جاتی ہے) بِالْاٰیٰتِ۔ اٰیٰت سے مراد وہی فرمائشی معجزات ہیں۔ اے بالاٰیٰت المقترحة (بیضاوی) **ف۸۸** (اپنے احاطۂ علم سے) حق تعالیٰ کی احاطت علمی اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ ہے۔ خدائے اسلام مشرکوں کے خدا کی طرح محدود علم والا نہیں۔ اسے بندوں کے سارے حالات کا علم ہے ان کے حال کا بھی، استقبال کا بھی۔ اے علماً کما رواہ غیر واحد عن ابن عباسؓ (روح)

كَشَفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

تکلیف دور ہی کر سکتے ہیں اور نہ (اسے) بدل سکتے ہیں ف۸۰ یہ لوگ جن کو یہ (مشرکین)

يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ

پکار رہے ہیں (خود ہی) اپنے پروردگار کا قرب ڈھونڈ رہے ہیں کہ (دیکھیں) ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے ف۸۱

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ

اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک آپ کے

رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ

پروردگار کا عذاب ہے بھی ڈرنے ہی کے قابل ف۸۲ اور کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم

مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا

روز قیامت سے قبل (یا) ہلاک نہ کر دیں یا اس کے رہنے والوں کو عذاب

شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَمَا

شدید نہ دیں ف۸۳ یہ کتاب میں لکھا ہوا (موجود) ہے ف۸۴ اور ہم کو

مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا

معجزات (خاص) کے بھیجنے سے بس یہی امر مانع ہوا کہ پہلے لوگ ان کی تکذیب

الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ

کر چکے ہیں ف۸۵ اور ہم نے (قوم) ثمود کو اونٹنی دی تھی بصیرت کے ذریعہ کے طور پر لیکن انہوں نے (بڑا) ظلم اس کے

وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ

ساتھ کیا ف۸۶ اور ہم (ایسے) معجزات کو ڈرانے ہی کے موقع بھیجا کرتے ہیں ف۸۷ اور (وہ وقت یاد کیجیے) جب ہم

اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا

نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کے پروردگار نے تمام لوگوں کو گھیر کر رکھا ہے ف۸۸ اور ہم نے جو منظر آپ کو

الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ

دکھلایا تھا اسے ہم نے لوگوں کی آزمائش کا سبب بنا دیا ف٨٩ اور اس درخت کو بھی جس پر قرآن میں

فِی الْقُرْاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا

لعنت آئی ہے ف٩٠ اور ہم لوگوں کو ڈراتے تو رہتے ہیں لیکن ان کی بڑی سرکشی بڑھتی ہی

كَبِیْرًا ۧ (٦٠) وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا

چلی جاتی ہے ف٩١ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کے آگے جھکو سو وہ (سب)

اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا ۚ (٦١)

جھکے ہاں ابلیس نہ جھکا وہ بولا کہ کیا میں اس کے آگے جھکوں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے؟ ف٩٢

قَالَ اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ۫ لَىِٕنْ

(اور) وہ بولا بھلا دیکھ تو یہ شخص جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دے رکھی ہے اگر تو نے

اَخَّرْتَنِ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا

مجھے مہلت دے دی روز قیامت تک تو میں اس کی (ساری) اولاد کو اپنے بس میں کر لوں گا بجز

قَلِیْلًا (٦٢) قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ

ایک قدرے قلیل (گروہ کے) ف٩٣ ارشاد ہوا چل نکل، جو کوئی بھی ان میں سے تیری راہ پر چلے گا سو بے شک

جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا (٦٣) وَ اسْتَفْزِزْ

تم (سب) کے لئے سزائے جہنم سزا ہے پوری ف٩٤ اور ان میں سے جس جس پر

مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَیْهِمْ

تیرا قابو چلے تو اپنی پکار سے اس کا قدم اکھاڑ دیکھ اور ان پر اپنے

بِخَیْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ

سوار اور پیادے چڑھا لا اور ان سے اپنا ساجھا کر لے مال اور اولاد میں

ف٨٩ اشارہ اس واقعہ اسراء یا معراج کی جانب ہے، جس کا ذکر سورۃ کے بالکل شروع میں آچکا ہے۔ یعنی وہ عجائب قدرت جو ہم نے آپ کو شباشب کے سفر بیت المقدس میں دکھا دیئے تھے۔ وهی ما رائ فی لیلة الاسراء من العجائب (بحر) المراد بها ما اراہ اللہ تعالٰی لیلة الاسراء وهو قول اکثر المفسرین (کبیر) المراد بالرؤیا ما عاینه ﷺ لیلة اسری به من العجائب السماویة والارضیة کما اخرجه البخاری والترمذی والنسائی وجماعة عن ابن عباسؓ (روح) الرُّءْیَا۔ رؤیا کے عام معنی تو خواب ہی کے ہیں۔ الرؤیا ما یری فی المنام (راغب) والمشهور اختصاصها لغة بالمنامیة وبذٰلک تمسک من زعم ان الاسراء کان مناماً (روح) الرویا ما رایته فی منامک (قاموس۔لسان) لیکن رویت مطلق بھی اس سے مراد ہو سکتی ہے۔ جس کے تحت میں چشم بیداری کے منظر بھی آجاتے ہیں اور جمہور کے خیال میں وہی یہاں مراد ہیں۔ وهی عند کثیر بمعنی الرویة مطلقاً (روح) قال الجمهور هی رؤیا عین ویقظة (بحر) فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ یعنی کسی نے تصدیق کیا۔ اور کسی نے خارق عادت جان کر تکذیب کی۔ ف٩٠ یعنی شجر زقوم جو دوزخ میں ہوگا۔ قرآن میں اس کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔ ان شجرة الزقوم طعام الاثیم. طلعها کانه رءوس الشیاطین۔ روی عن ابن عباس والحسن والسدی وابراهیم وسعید بن جبیر ومجاهد وقتادة والضحاک انه اراد شجرة الزقوم (جصاص) والمراد بها کما روی البخاری وخلق کثیر عن ابن عباس شجرة الزقوم (روح) الْمَلْعُوْنَةَ۔ لعنت سے مراد ہے مذمت۔ العرب تقول لکل طعام مکروہ ضار انه ملعون (کبیر) یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملعون سے مراد اس کا ثمر ملعون ہے یا وہ ملعون کافر ہیں جو اس پھل کو کھائیں گے۔ فاراد انه ملعون اکلها (جصاص) المراد لعن الکفار الذین یاکلونها (کبیر) والمراد یلعنها لعن طاعمها من الکفرة (روح) ف٩١ چنانچہ ١ھ محمدی کی پہلی صدی کے بڑے روشن خیال ابوجہل نے (ٹھیک آج کے "روشن خیالوں" کے انداز میں) شجر زقوم کا ذکر سن کر تمسخر واستہزا کے لہجہ میں کہا تھا کہ آگ کے شعلوں کے درمیان کوئی درخت رہ کیسے سکتا ہے؟ — گویا عالم آخرت اور جہنم کے قوانین طبعی بھی بالکل عالم ناسوت کے قوانین کی نقل ہوں گے! وَ نُخَوِّفُهُمْ۔ یعنی انہیں آیات واحکام قرآنی کے ذریعہ سے ہم ڈراتے رہتے ہیں۔ ف٩٢ (درآنحالیکہ مٹی کا بنا ہوا مخلوق مجھ جیسے آتشیں مخلوق سے کہیں پست ہوتا ہے) اس ابلیسی منطق کی پردہ دری ان تفسیری حاشیوں میں بیشتر کی جاچکی ہے۔ اس کے استدلال منطقیانہ کے صغریٰ کبریٰ دونوں غلط ہیں۔ نہ تو یہی ثابت ہے کہ مٹی ہر حال میں آگ سے پست تر ہے اور نہ یہ مسلّم ہے کہ افضل ہے کسی حال میں بھی غیر افضل کے آگے نہ جھکے! اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ۔ ملائکہ جو افضل ترین مخلوق اس وقت تک تھے ان کے ضمن میں دوسری مخلوق کا بھی آجانا۔ اسْجُدُوْا۔ سجدہ سے یہاں لغوی نہ کہ اصطلاحی معنی کا مراد لیا جانا۔ لِاٰدَمَ۔ آدم کا کعبۃ اللہ کی طرح صرف سمت سجدہ ہونا نہ کہ مسجود ہونا۔ اِبْلِیْسَ۔ ابلیس کا مخلوق ناری وجنی ہونا۔ ان سب پر مفصل حاشیے سورۃ البقرۃ وسورۃ الاعراف میں گزر چکے۔ ف٩٣ (اور وہ گروہ مومنین مخلصین کا ہے) یہ ساری گفتگو اس وقت کی ہے، جب ابلیس نافرمانی کی پاداش میں مردود ومطرود ہو چکا ہے۔ اسی لئے اس کے آغاز میں یہ جتانے کو کہ یہ مستقل کلام ہے لفظ قَالَ الگ آیا ہے۔ حالانکہ اوپر سے بھی قول ابلیس ہی کا چلا آرہا ہے۔ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔ ابلیس اس کی درخواست کر چکا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ درخواست منظور ہو جائے گی۔ لَاَحْتَنِكَنَّ...... قَلِیْلًا۔ انسان کی جسمانی ساخت اور دماغی ترکیب پر نظر کر کے شیطان اپنی فراست سے ابتدا ہی میں سمجھ گیا تھا کہ میں اپنی کوشش اغوا واضلال میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ لَاَحْتَنِكَنَّ۔ حنک کے معنی پوری طرح چھا جانے اور چھاپ بیٹھنے کے ہیں۔ عبارة عن الاخذ بالکلیة (کبیر) تفسیر احتواء، استیلاء یعنی اپنے ڈھب میں کر لینے ان کے اوپر چھا جانے سے آتی ہے۔ اور اہلاک واستیصال سے بھی نقل ہوئی ہے۔ ای لاستولین (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای لاحتوینهم (ابن جریر۔ عن مجاہد) لا ستاصلنهم بالاغواء (کبیر) ف٩٤ (تو چاہیے کہ اس سزا کو سن کر اب تو اہل باطل اپنے دلوں میں ڈریں) جَزَآؤُكُمْ۔ کم کے صیغۂ جمع میں شیطان خود اور اس کے سارے پیرو آگئے۔ ای جزاءک وجزاءهم (روح) فاذهب۔ ذهاب سے یہاں مراد پیروں سے جانا ("آنے" کے مقابل) نہیں۔ بلکہ محاورہ میں مراد یہ ہے کہ جا، جو کچھ تیرے بس میں ہے کر دیکھ۔ وهٰذا لیس من الذهاب الذی هو نقیض المجیء وانما معناه امض لشانک الذی اخترته والمقصود التخلیة وتفویض الامر الیه (کبیر) لیس المراد به حقیقة الامر بالذهاب ضد المجیء بل المراد تخلیة، وما سوّلتهٗ نفسه اهانة له کما تقول لمن یخالفک افعل ما ترید (روح)

وَعِدۡهُمۡ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ

اور ان سے وعدہ کر لے (خوب جھوٹے جھوٹے) اور شیطان تو ان سے بس جھوٹے ہی وعدے کرتا ہے و۹۵ بے شک

عِبَادِىۡ لَـيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ

جو میرے (خاص) بندے ہیں ان پر تیرا ذرا قابو نہ چلے گا اور آپ کا پروردگار ہی

وَكِيۡلًا ﴿۶۵﴾ رَبُّكُمُ الَّذِىۡ يُزۡجِىۡ لَـكُمُ الۡـفُلۡكَ فِى الۡبَحۡرِ

کافی کارساز ہے و۹۶ تمہارا پروردگار تو وہی ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتی چلاتا ہے

لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمۡ رَحِيۡمًا ﴿۶۶﴾ وَاِذَا

تاکہ تم اس کے فضل کی تلاش کرو بے شک وہ تمہارے حق میں بڑی رحمت والا ہے و۹۷ اور جب

مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الۡبَحۡرِ ضَلَّ مَنۡ تَدۡعُوۡنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ

تمہیں سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے تو جنہیں تم پکارا کرتے ہو سب غائب ہو جاتے ہیں بجز اللہ کے

فَلَمَّا نَجّٰٮكُمۡ اِلَى الۡبَـرِّ اَعۡرَضۡتُمۡ ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ

پھر جب وہ تم کو خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو تم (پھر) پھر جاتے ہو اور انسان

كَفُوۡرًا ﴿۶۷﴾ اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ يَّخۡسِفَ بِكُمۡ جَانِبَ الۡبَـرِّ اَوۡ

بڑا ہی ناشکرا ہے و۹۸ کیا تم اس سے بے فکر ہو گئے ہو کہ وہ تم کو خشکی کی طرف لا کر زمین میں دھنسا دے یا

يُرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَـكُمۡ وَكِيۡلًا ۙ ﴿۶۸﴾

تم پر کوئی تند ہوا بھیج دے تو تم کسی کو (بھی) اپنا کارساز نہ پاؤ و۹۹

اَمۡ اَمِنۡتُمۡ اَنۡ يُّعِيۡدَكُمۡ فِيۡهِ تَارَةً اُخۡرٰى فَيُرۡسِلَ

کیا تم اس سے بے کھٹکے ہو گئے کہ وہ تمہیں ایک بار پھر اسی (یعنی سمندر کی) طرف لے جائے اور تم پر ہوا کا

عَلَيۡكُمۡ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيۡحِ فَيُغۡرِقَكُمۡ بِمَا كَفَرۡتُمۡ ۙ ثُمَّ

سخت طوفان بھیج دے پھر تمہیں تمہارے کفر کے باعث غرق کر دے اور

و۹۵ (تو چاہیے کہ انسان اب اس کے ہتھکنڈوں کو سمجھ کر اس کے دام میں پھنسنے سے باز رہے) بِصَوۡتِكَ۔ یعنی اپنے اغواء اور وسوسہ اندازی سے اپنے مخفی پروپیگنڈے سے۔ صوت کا خاص تعلق گانے اور کھیل تماشہ کی آوازوں سے بھی سمجھا گیا ہے۔ روی عن مجاهد انه الغناء واللهو (جصاص) قیل اراد بصوتک الغناء واللهو واللعب (کبیر) یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو آواز بھی معصیت وفسق کی جانب لائے یا بلائے وہ سب شیطان ہی کی آواز ہے۔ قال ابن عباسؓ هو الصوت الذی یدعوا به الٰی معصیة الله و کل صوت دعی به الی النساء فهو من صوت الشیطان (جصاص) وصوته دعاءه الٰی معصیة الله تعالٰی (کبیر) وَاَجۡلِبۡ عَلَيۡهِمۡ بِخَيۡلِكَ وَرَجِلِكَ۔ یعنی ان پر تو اپنا حملہ ہر طرح کر دیکھ۔ خیل اور رجل کے لفظی معنٰی مقصود نہیں بلکہ محاورہ میں ان سے مراد مطلق لشکر سے ہوتی ہے۔ المراد منه ضرب المثل کما تقول للرجل المجد فی الامر جئتنا بخیلک ورجلک وهٰذا الوجه اقرب (کبیر) گو اگر کوئی یہی سمجھے کہ شیطان سوار ہو کر بھی آتا ہے تو اس کے انتفاء پر بھی کوئی دلیل نہیں۔ یہ تفسیر بھی صحابہ وتابعین سے منقول ہے کہ دنیا میں جو سوار اور جو پیادے بھی معصیت کی راہ میں چلتے ہوئے ملیں، یہ سب شیطان ہی کے سوار اور پیادے ہیں۔ روی عن ابن عباس ومجاهد وقتادة کل راجل اوماش الٰی معصیة الله من الانس والجن فهو من رجل الشیطان وخیله (جصاص) فعلٰی هٰذا التقدیر خیله ورجله کل من شارکه فی الدعاء الی المعصیة (کبیر) وَشَارِكۡهُمۡ فِى الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَوۡلَادِ۔ یعنی ان کے مال اور اولاد کو بھی ذریعۂ گمراہی بنا دیکھ۔ وَعِدۡهُمۡ۔ یعنی ان کو جھوٹے وعدوں کے خوب سبز باغ دکھا۔ مثلاً یہی کہ فلاں فلاں بات سے کوئی گناہ نہ ہو گا یا یہ کہ ابھی گناہ کرتے ہو تو بے کھٹکے کرتے رہو، بس مرتے وقت توبہ کر لینا ــــ پروپیگنڈے کے فن کا تو شیطان استاد اعظم ہے۔ و۹۶ (تو ابلیس کو فکر وتردد ہی کیا۔ بس وہ اپنا تعلق عبدیت ہمارے ساتھ جوڑے رکھیں، ہم خود ہی ان کی ہر حفاظت شیطان کے حملوں سے کرتے رہیں گے اس مردود میں قوت ہی کتنی ہے) آیت سے ضمناً ان مذاہب کی بھی تردید ہو گئی جنہوں نے شیطان کو بھی خدا ہی کی طرح قوت وطاقت کا مستقل مالک سمجھا، اور اہرمن نام دے کر اسے بدی کا خدا مانا ہے۔ اِنَّ ...... سُلۡطٰنٌ۔ مومنین مخلصین کی تسکین وتسلی کے لئے ایک بار پھر اس حقیقت کی وضاحت کر دی گئی کہ ڈرنے کے قابل تو صرف خالق ومالک کی نافرمانی ہے۔ شیطان مردود میں قوت ہی کتنی ہے۔ عِبَادِىۡ۔ یعنی وہ بندے جو اپنے تعلق عبدیت کو اللہ کے ساتھ جوڑے ہوئے ہیں۔ المراد اهل العقل والعلم والایمان (کبیر) عباد کی اضافت جو ضمیر متکلم حق تعالٰی کی جانب ہے۔ بندوں کی عزت افزائی کے لئے ہے۔ الاضافة للتعظیم (روح) و۹۷ (چنانچہ یہ سامان بھی تمہارے نفع وآسائش کے لئے کر دیا ہے) لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ۔ یعنی تجارت بحری سے نفع حاصل کرو۔ بحری تجارت کا اگر وجوب نہیں تو استحسان تو اس آیت سے صاف نکل رہا ہے ــــ بحری تجارت کا تعلق ذاتی ثروت اور ملی خوشحالی دونوں سے بالکل ظاہر ہے۔ و۹۸ (کہ ایسی جلدی منعم کا انعام واحسان اور اپنا عجز والحاح سب بھول جاتا ہے) ضَلَّ مَنۡ تَدۡعُوۡنَ۔ یعنی وہ دیوی دیوتا جن پر تمہیں اتنا بھروسہ ہوتا ہے۔ اور جنہیں مدد کے لیے پکارتے رہتے ہو، سب گئے گزرے ہوتے ہیں۔ کوئی بھی کام نہیں آتا۔ و۹۹ یعنی ایسا جو اللہ کے مقابلہ میں تمہاری حمایت ونصرت کچھ اور کسی درجہ میں بھی کر سکے۔ اَوۡ يُرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ حَاصِبًا۔ ایسی تند ہوا یا طوفانی آندھی چلا دے یا تم پر کنکر پتھر برسا دے۔ اَفَاَمِنۡتُمۡ ...... حَاصِبًا۔ یعنی یہ تمہاری کیسی غفلت ونادانی ہے کہ تم خدا کو شاید صرف سمندر ہی پر قادر سمجھتے ہو، یہ خیال نہیں کرتے کہ عذاب الٰہی کا خشکی میں بھی تو ہر وقت آ جانا ممکن ہے، خواہ نیچے سے یا اوپر سے۔

لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ

تم کو اس بات پر ہمارا کوئی پیچھا کرنے والا نہ ملے ف۱۰۰ اور ہم نے بنی آدم کو عزت

اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ

دی ہے ف۱۰۱ اور ہم نے انہیں خشکی اور دریا (دونوں) میں سوار کیا اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں

الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا

عطا کیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت

تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾ ع يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ج

دی ہے ف۱۰۲ (یاد رکھو) وہ دن جب ہم تمام انسانوں کو ان کے نامۂ اعمال سمیت بلائیں گے ف۱۰۳

فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ

سو جس کسی کو اس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا سو ایسے لوگ اپنا نامۂ اعمال

كِتٰبَهُمْ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ

پڑھنے لگیں گے اور ان کا نقصان ذرہ بھر بھی نہ کیا جائے گا ف۱۰۴ اور جو کوئی اس (دنیا) میں

اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾

اندھا رہے گا سو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور راہ سے بالکل بھٹکا ہوا ف۱۰۵

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

اور یہ (کافر) آپ کو اس سے بچلایا ہی چاہتے تھے جو ہم آپ پر وحی کر چکے ہیں تاکہ آپ

لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾

اس (حکم وحی) کے سوا ہم پر کوئی بات گڑھ لیں اور وہ اس حالت میں آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے ف۱۰۶

وَ لَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ

اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ قریب تھا کہ ان کی طرف قدرے

ف۱۰۰ یعنی تمہارے اس غرقابی پر ہم سے نہ بدلہ لے سکے نہ کوئی باز پرس کر سکے۔ ف۱۰۱ (اور اسے ایک معزز مخلوق بنایا ہے) بعض ادیان باطل خصوصاً یہودیت ونصرانیت کی طرح اسلام کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ انسان ایک ذلیل ترین مخلوق ہے، جسے پیدا کر کے اس کا خالق خود پچھتایا! ملاحظہ ہو توریت:۔ ''اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اس کے دل کے تصور اور خیال روز بروز صرف بد ہی ہوتے ہیں۔ تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا۔ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔ انسان کو بھی اور حیوان کو بھی اور کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندوں تک۔ کیونکہ میں ان کے بنانے سے پچھتاتا ہوں'' (پیدائش۔ ۶:۶) آیت نے یہ بات صاف کر دی کہ خلقۃً و فطرۃً ہر انسان معزز ومکرم ہی بنا کر دنیا میں بھیجا جاتا ہے اور اب یہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ کفر ومعصیت کی راہ اختیار کر کے اپنے کو انتہائی پستیوں میں ڈال دے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہیں سے یہ استدلال کیا ہے کہ آدمی موت سے نجس نہیں ہو جاتا۔ **ولذا استدل الامام الشافعی بالأية علی عدم نجاسة الأدمی بالموت** (روح) ف۱۰۲ انسان بجائے خود ایک معزز ومکرم ہستی ہے، اور بیشتر مخلوقات سے افضل، یہ تو نص قرآنی ہی سے ثابت ہو گیا۔ لیکن بعض نے کثیر کو کل کے معنی میں لے کر انسان کو حق تعالیٰ کی افضل ترین مخلوق ہونے پر بھی استدلال کیا ہے۔ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ۔ یعنی جانوروں پر اور کشتیوں پر دونوں پر سوار کرایا اور جاندار و بے جان دونوں طرح کی سواریاں اسے عنایت کیں --- الفاظ قرآنی کا عموم جاندار اور بے جان، ہر قسم کی سواری، ہر قسم کے مشینی آلۂ نقل وحرکت موٹر، لاری، ریل، موٹر کشتی، دخانی جہاز وغیرہ سب کو شامل ہے۔ ف۱۰۳ (میدان حشر میں حساب کتاب کے لیے) امام کی تشریح یہاں عام طور پر یہی سمجھی گئی ہے۔ **الامام ما عمل و املی فکتب علیه** (ابن جریر۔ عن ابن عباس) **ای بکتابھم الذی فیه اعمالھم** (ابن جریر۔ عن الحسن) **قال ابن عباس و الحسن والضحاک امامه کتاب عمله** (جصاص) لیکن دوسرے معنی یہ بھی اکابر ہی سے مروی ہیں کہ انسان گروہ در گروہ اپنے پیشواؤں اور لیڈروں یا اپنے زمانہ کے انبیاء کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ **قال مجاھد و قتادة امامه نبیه** (جصاص) **قال ابوعبیدة بمن کانوا یاتمون به فی الدنیا** (جصاص) اور امام ابن جریر نے ترجیح اسی دوسرے مفہوم کو دی ہے۔ **فان الاغلب من استعمال العرب الامام فی ما ائتم و اقتدی به** (ابن جریر) ف۱۰۴ یعنی ان کے ایمان واعمال کے اجر میں کمی ذرا بھی نہ کی جائے گی۔ چاہے زیادتی جتنی بھی کر دی جائے۔ فَمَنْ...... كِتٰبَهُمْ۔ حدیث میں تفصیل یہ بیان ہوئی ہے کہ میدان حشر میں لوگوں کے نامۂ اعمال ان کے ہاتھوں میں اڑ اڑ کر پہنچیں گے۔ جنتی کے داہنے ہاتھ میں اور جہنمی کے بائیں ہاتھ میں --- تو داہنے ہاتھ میں پانے والے جلدی جلدی انہیں پڑھنے ہی لگیں گے خوش ہو کر کہ اب پروانۂ مغفرت تو مل ہی گیا۔ ف۱۰۵ یہاں ایک بار اور اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ حشر میں جو کچھ بھی ہوگا، اسی دنیا ہی کے اعمال کا پورا ظہور اور صرف نتائج وثمرات کا تحقق ہوگا۔ کوئی اور نئی بات نہ ہوگی --- آخرت ناسوت ہی کے تکملہ کا نام ہے۔ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى۔ یعنی جو کوئی اس دار العمل میں اپنی آنکھیں راہِ نجات کی طرف سے اندھی رکھے گا۔ فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ سو ایسا شخص دار الجزاء میں جمال حق کی دید سے اور جنت کے نظاروں سے محروم رہے گا۔ ف۱۰۶ (گو اس صورت میں آپ حمایت الٰہی ونصرت الٰہی کے دامن سے نکل جاتے) روایتیں اپنی تفصیلات میں مختلف ہیں، لیکن اتنا جزء سب میں مشترک ہے کہ قبیلہ بنی ثقیف یا کہیں اور کے کچھ کافروں نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ اگر آپ فلاں فلاں احکام میں ہمارے لیے تخفیف کر دیں تو ہم ابھی مسلمان ہوئے جاتے ہیں۔ آپ کو ان کے ایمان کی طمع سے خیال کچھ ایسا ہی پیدا ہو چلا تھا کہ اتنے میں نزول وحی نے فیصلہ ان کے برخلاف صادر کر دیا۔

ف۱۰۷ (اس لیے کہ وہ طمع ایمان لانے کی دلا رہے تھے۔ اور آپ اس کے حریص ہیں) لَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ۔ خطاب نبی معصوم سے ہو رہا ہے کہ اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا — لیکن ثابت قدم کیسے نہ رکھا ہوتا۔ یہ ثابت قدمی تو فرع ہے معصومیت کی، اور معصومیت لازمۂ نبوت ہے۔ لَقَدْ كِدْتَّ...... قَلِيْلًا۔ بعض نے آیت کو کسی درجہ میں قادح عصمت سمجھا ہے۔ حالانکہ آیت کے الفاظ اس کے عکس پر دلالت کر رہے ہیں۔ آپ کا رکون (جھکاؤ) اول تو ہوا ہی نہیں، صرف قرب رکون (كِدْتَّ تَرْكَنُ) مذکور ہے اور وہ بھی صرف مرتبۂ اولین (شَيْئًا قَلِيْلًا) کے لحاظ سے — گویا رکون ہی نہیں صرف دسوسۂ رکون! اور پھر وہ بھی ہونے کہاں پایا؟ لَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ کی زنجیر عصمت نے اتنا بھی ملنے کا موقع کب دیا؟ غرض یہ کہ یہ ارشاد الٰہی بطور الزام نہیں بلکہ یہ تو آپ کی صرف کمال حرص ایمانی کا مظہر ہے، اور یہ قول مفسر تھانوی علیہ الرحمہ۔ ''یہ ارشاد عتاب نہیں بلکہ اظہار محبوبیت ہے کہ آپ ایسے محبوب ہیں کہ ہم نے رکون قلیل کے قرب سے بھی آپ کو بچا لیا'' فقہاء نے آیت سے متعدد مسئلوں کا استنباط کیا ہے، مثلاً یہ کہ (۱) شر ذریعۂ خیر نہیں بن سکتا خیر کے ذرائع و وسائل کو بھی خیر ہی ہونا چاہیے۔ (۲) احکام شریعت کسی قیمت پر بھی نرم نہیں کیے جا سکتے ورنہ شریعت خداوندی کا مصلحت انسانی کے تابع ہو جانا لازم آتا ہے۔ (۳) ارتکاب شر بشر ہی کی شامت سے ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا تم جھکنے کے قریب تھے لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ (۴) توفیق خیر حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا، ہم نے ثابت قدم رکھا۔ ثَبَّتْنٰكَ۔ (۵) انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کا محافظ رہتا ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آیت اس باب میں نص ہے کہ حضرات انبیاء کا بھی محافظ حق تعالیٰ ہی ہے۔ محض ان کی قوت قدسیہ کافی نہیں تو دوسروں کو اپنی محفوظیت اور اپنی نسبت باطن کی قوت پر کب اعتماد ہو سکتا ہے، جب کہ ان کی خود نسبت ہی کے وجود میں گفتگو کی گنجائش ہے۔

ف۱۰۸ (مگر آپ چونکہ معصوم ہیں اور ثابت قدم رہے اس لیے قرب میلان بھی نہیں ہوا۔ اور ان وعیدوں سے بھی بالکل بچ گئے) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ علماء و خواص پر جاہل عوام سے سخت تر گرفت ہوگی۔ مباح ان کی شان سے بعید اور مکروہ ان کے حق میں سزا وار وعید ہو جاتا ہے۔ اِذًا یعنی اگر اس میلان و رجحان کا ترتب و تحقق ہو جاتا جو کہ نہیں ہوا — وہ صورت حال اگر ہو جاتی جس کی ابھی نفی کی جا چکی ہے۔ اردو مصرعہ ''جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے'' اور فارسی مقولہ ''نزدیکاں را بیش بود حیرانی'' ان ہی مقامات کے ترجمان ہیں۔ رسول کا مرتبہ جتنا اونچا ہوتا ہے، اسی نسبت سے گرفت بھی سخت تر رکھی گئی ہے۔ والسبب فی تضعیف ھذا العذاب ان اقسام نعم اللہ تعالٰی فی حق الانبیاء علیھم السلام اکثر فکانت ذنوبھم اعظم فکانت العقوبۃ المستحقۃ علیھا اکثر (کبیر) **ف۱۰۹** یعنی انہیں بھی مہلت نہ ملنے پاتی، اور یہ بھی زمانہ قریب میں عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جاتے۔ وَ اِنْ...... مِنَ الْاَرْضِ۔ ملک عرب میں آپ کے قدم اکھیڑ دینا خواہ جبر سے ہوتا یا مکر سے — بعض نے یہاں کافروں سے مراد یہود سے لی ہے۔ انہوں نے آپ سے کہنا شروع کیا تھا کہ انبیاء کی سرزمین تو شام ہے، یہ آپ حجاز میں کیسے پڑے ہوئے ہیں۔ وہیں چلے جائیے۔ اور بعض نے مراد قریش سے لی ہے کہ وہی مکہ معظمہ سے آپ کے اخراج کے درپے تھے۔ بہرحال وہ مخالفین معاندین میں سے خواہ مشرکین خواہ یہود، دیکھا تو یہ گیا، اور یہ کوئی بہت بڑی مدت کے بعد نہیں، چند ہی سال کے اندر، کہ سارے جزیرۃ العرب میں اس سرے سے اس سرے تک نہ کوئی مشرک رہ گیا نہ یہودی۔ سب کے سب اُمی محمد کی رسالت کے کلمہ پڑھنے والے رہ گئے۔ اِذًا یعنی اگر ایسا کافروں کے حسب خواہش واقع ہو گیا ہوتا، جو نہیں ہوا۔ خِلٰفَكَ۔ خلاف یہاں بَعْد کے معنی میں ہے۔ اے بعدک (روح) زعم الاخفش ان خلفک فی معنی خَلْفک (کبیر)

ف۱۱۰ یعنی جب ان کی قوم نے ان پیغمبران برحق کو اپنے اور ان کے وطن سے نکال دیا، تو خود ان منکروں کو بھی چین سے رہنا نصیب نہ ہوا۔ سُنَّةَ۔ جملہ کی ترکیب مقدر یوں سمجھی گئی ہے۔ سَنَّ اللہ ذٰلک سُنَّةً اور سُنَّةَ کا نصب مصدر تاکیدی کا نصب مانا گیا ہے۔ نصبت نصب المصدر المؤکد اے سَنَّ اللہ ذٰلک سنۃ (کشاف) **ف۱۱۱** یعنی صابرین مطیعین کی مدد و نصرت اور منکرین کی مغلوبی و پامالی تو ہمارا قطعی قانون ہے۔ آپ اس باب میں کوئی شک و تردد لائیں ہی نہیں۔ لِسُنَّتِنَا۔ یہ سنت ہے سنت الٰہی ہی، جیسا کہ اس جزء میں بالکل صاف ارشاد ہوا ہے اور اس کے قبل جو سُنَّةَ کی اضافت رُسُلِنَا کے ساتھ آئی ہے تو اس سے مراد صرف یہ ہے کہ یہ سنت الٰہی رسولوں کے باب میں ہے۔ فالسنۃ للہ عزوجل و اضیفت للرسل علیھم السلام لانھا سنۃ لاجلھم (روح) **ف۱۱۲** وقت کی قدرتی تقسیم حرکت آفتاب کے تابع ہے، اور قرآن مجید نے اس کو اوقات عبادت کے لیے معیار قرار دیا ہے — قرآن کا ''اسٹینڈرڈ ٹائم'' یہی ہے، ہر ''گرینچ ٹائم'' و ''مدراس ٹائم'' سے بے نیاز۔ اَلصَّلٰوةَ سے مراد ظاہر ہے کہ نماز مفروضہ ہے اور اسی نماز فرض کے اوقات کا بیان ہو رہا ہے۔ دُلُوْك کے مطلق معنی جھکاؤ یا میلان کے ہیں۔ معنی الدلوک فی کلام العرب ھو المیل (ابن جریر) عن ابن عباسؓ و ابی برزۃ الاسلمی و جابر و ابن عمر دلوک الشمس میلھا و کذٰلک روی عن جماعۃ من التابعین قال ابو بکر ھؤلآء الصحابۃ قالوا ان الدلوک المیل و قولھم مقبول فیہ لانھم من اھل اللغۃ (جصاص) و قال ابن عباسؓ و ابن عمر و جابر ھو زوال الشمس و ھو قول عطاء و قتادۃ و مجاھد والحسن و اکثر التابعین (معالم) دلوک

شَيْئًا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ

قلیل جھک چلتے ف۱۰۷ اس حالت میں ہم آپ کو دوگنا عذاب چکھاتے زندگی میں بھی

وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

اور (بعد) موت بھی پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کسی کو بھی مددگار نہ پاتے ف۱۰۸

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ

اور قریب تھا کہ یہ (کافر) اس سرزمین سے آپ کے قدم اکھیڑ دیں تاکہ آپ کو اس سے نکال

مِنْهَا وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ

دیں اور اس حالت میں یہ بھی آپ کے بعد بہت کم ٹھہرنے پاتے ف۱۰۹ (جیسا کہ ہمارا) دستور

مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا

ان کے باب میں رہا ہے جنہیں آپ کے قبل ہم نے اپنا رسول بنا کر بھیجا تھا ف۱۱۰ اور آپ ہمارے (اس) دستور میں

تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ

کوئی تبدیلی نہ پائیں گے ف۱۱۱ نماز ادا کیا کیجیے آفتاب ڈھلنے (کے بعد) سے رات کے اندھیرے ہونے تک ف۱۱۲

الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ

اور صبح کی نماز بھی ف۱۱۳ بے شک صبح کی نماز حضوری کا

مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ

وقت ہے ف۱۱۴ اور رات کے کچھ حصہ میں بھی۔ سو اس میں تہجد پڑھ لیا کیجیے (جو) آپ کے حق میں زائد چیز ہے ف۱۱۵

عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَ قُلْ

عجب کیا کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود میں جگہ دے ف۱۱۶ اور آپ کہتے رہیے کہ

رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِيْ

اے میرے پروردگار مجھے پہنچائیو پہنچانے کے وقت خوبی کے ساتھ ف۱۱۷ اور مجھے نکالتے وقت

ع ۸

الشمس ہو زوالها من كبد و ہو اختيار الاكثرين من الصحابة و التابعين (کبیر) دُلُوْكِ الشَّمْسِ۔ آفتاب ڈھلنے کے دو درجہ ہوتے ہیں۔ ایک تو اس کا عروج نصف النہار سے پستی کی طرف مائل ہونا۔ جسے عام بول چال میں دوپہر کہتے ہیں۔ دوسرے اس کا بالکل ڈھل کر افق پر نظر کے مقابل آجانا جسے عام بول چال میں سہ پہر کہتے ہیں۔ اوقات کی اسی قدرتی تقسیم کی مناسبت سے دو نمازیں ظہر وعصر کی تجویز ہوئیں۔ غَسَقِ الَّيْلِ۔ ٹھیک اسی طرح شب کے اندھیرے کے بھی دو درجے ہیں۔ ایک یہ کہ سورج افق سے غائب ہو جائے۔ خواہ روشنی باقی ہو۔ دوسرے یہ کہ تاریکی خوب اچھی طرح پھیل جائے۔ انہیں دو قدرتی وقتوں کی مناسبت سے رات کی نمازیں بھی دو یعنی مغرب وعشاء کی قرار پائیں۔ غسق الليل ہو اقباله و دنوه بظلامه (ابن جریر) لِدُلُوْكِ میں ل سببیت کا ہے بعض نے بعد کے معنی میں بھی لیا ہے۔ قال الواحدی اللام لام الاجل والسبب (کبیر) واللام فی لدلوک قالوا بمعنی بعد (بحر) لِدُلُوْكِ...... الَّيْلِ۔ چاروں نمازوں کے وقت کی ابتداء اور انتہاء، آغاز و ختم دونوں کا بیان اس میں آگیا۔ بیان لمبدأ الوقت و منتهاه (بیضاوی) كانت الأية جامعة لمواقيت الصلاة كلها فدلوك الشمس يتناول صلاة الظهر والعصر والى غسق الليل يتناول المغرب والعشاء و قرأن الفجر ہو صلاة الصبح (معالم) ف۱۱۳ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ۔ قرأن یہاں نماز کے معنی میں ہے۔ یا قرأت قرآن کے معنی میں۔ اور اس سے بھی مراد نماز ہی ہے۔ یعنی صلاة الصبح (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اے صلاة الصبح (ابن جریر۔ عن مجاہد) صلاة الفجر سمّيت قرأنا (مدارک) اجمعوا على ان المراد منه صلاة الصبح (کبیر) تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ اقم قرأن الفجر۔ وانتصابه بالعطف على الصلاة والتقدير اقم الصلاة و اقم قرأن الفجر (کبیر) ف۱۱۴ (فرشتوں کی) یہ تفسیر تو دو حدیث میں آگئی ہے کہ یہ وہ نماز ہے کہ اس کے وقت رات کے فرشتوں اور دن کے فرشتوں دونوں کی حاضری ہوتی ہے۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تشهده ملائكة الليل وملائكة النهار (ابن جریر۔ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ) ف۱۱۵ یعنی یہ ان پانچ نمازوں کے علاوہ۔ فرض یہ نہیں، ہے زائد ہی لیکن آپ اسے بھی پڑھتے رہیے۔ نَافِلَةً لَّكَ۔ قال قتادة تطوعا وفضيلة (جصاص) قال مجاهد وانما كانت نافلة للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لانه قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تاخر فكانت طاعاته نافلة اے زيادة فى الثواب ولغيره كفارة لذنوبه (جصاص) فَتَهَجَّدْ۔ تہجد وہ نماز ہے جو شب میں سوتے سوتے اٹھ کر پڑھی جائے۔ التهجد فى اللغة السهر للصلاة اولذكر الله وقيل التهجد التيقظ بما ينفى النوم (جصاص) التهجد التيقظ والسهر بعد نومة من الليل (ابن جریر) مِنَ الَّيْلِ۔ من تبعیضیہ ہے۔ یعنی رات کے کچھ حصہ میں۔ اے بعض الليل (کشاف) نماز تہجد کا پر مشقت ہونا ظاہر ہی ہے لیکن اجر وصلہ بھی اسی درجہ کا ہے۔ احادیث اس کی فضیلتوں سے لبریز ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو اس حکم کے بعد یہ نماز تہجد لازمی ہوگئی تھی۔ خواہ بہ طور فرض زائد کے، خواہ بطور نفل کے والمعنى ان التهجد زيدلک على الصلوات المفروضة غنيمةلك اوفريضة عليك خاصة دون غيرك لانه تطوع لهم (مدارک) بِهٖ۔ ضمیرہ القرآن کی جانب ہے۔ الهاء فى به كناية عن قرأن الفجر (جصاص) والتقدير فتهجد بالقرأن فى الصلٰوة (بحر) ف۱۱۶ احادیث میں آتا ہے کہ یہ مقام شفاعت کبریٰ کا ہے۔ مقام الشفاعة (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اے مقام الشفاعة يوم القيامة (ابن جریر۔ عن الحسن) وہو مقام الشفاعة عند الجمهور (مدارک) وعن ابى هريرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال هو المقام الذى اشفع لامتى فيه (ابن کثیر عن الامام احمد) عَسٰی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے تو اس کے معنی میں شک نہیں تیقن پیدا ہو جاتا ہے۔ عسى من الله تعالىٰ واجب (معالم) ف۱۱۷ یعنی جب ہجرت کا وقت آئے تو مجھے اس دار الہجرت میں خیر وراحت کے ساتھ اتاریو۔ اَدْخِلْنِيْ۔ وَاَخْرِجْنِيْ کی تفسیر حدیث ترمذی میں ہجرت ہی کے ساتھ آئی ہے۔ مُدْخَلَ صِدْقٍ۔ سے مراد مدینہ منورہ لی گئی ہے۔ اے المدينة حين هاجر اليها (ابن جریر۔ عن ابن زید) ف۱۱۸ (سرزمین مکہ سے) یعنی ہجرت کے وقت یہاں سے خیر وخوبی کے ساتھ نکالیو۔ مُخْرَجَ صِدْقٍ۔ یعنی مکہ معظمہ۔ اے مكة حين خرج منها (ابن جریر) مفہوم میں توسیع پیدا کر کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ ہمیں قبر میں داخل کیجیو ایمان وصدق کے ساتھ اور خیر سے باہر نکالیو قیامت کے دن ایمان وصدق کے ساتھ۔ اے ادخلنى فى القبر مدخل صدق واخرجنى من القبر يوم القيمة مخرج صدق (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۱۱۹ (کہ وہی غلبہ حقیقی اور پائدار ہوتا ہے ورنہ عارضی اور ظاہری غلبہ تو کسی مصلحت تکوینی سے کافروں کو بھی ہو جاتا ہے) ف۱۲۰ آیت کے آخری ٹکڑے نے یہ حقیقت صاف کر دی کہ پائداری اور قیام باطل کے نصیب میں نہیں۔ اَلْحَقُّ۔ الْبَاطِلُ۔ حق سے مراد ہے دین توحید اور باطل اس کی ضد ہے اور ہر قسم کے کفر اور غیر پرستی پر شامل ہے۔ حدیث وسیر کی روایتوں میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد جب خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے اندر کے بتوں اور مورتیوں کو توڑتے جاتے تھے اور زبان سے یہ آیت تلاوت فرماتے جاتے۔ محققین صوفیہ نے الفاظ آیت کے عموم سے فائدہ اٹھا کر حق کے تحت میں نور باطن اور حب الٰہی کو بھی داخل کیا اور باطل کے تحت میں ظلمت اور حب خلق کو۔ ف۱۲۱ یعنی جو لوگ قرآن کے باب میں ظالم ہیں اس کے حقائق کو بہ نظر انصاف نہیں دیکھتے ان کے کام

مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا
خوبی سے نکالیو ف۱۱۸ اور مجھے اپنے پاس سے غلبہ دیجیو (اپنی) نصرت کے ساتھ
نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ
ملا ہوا ف۱۱۹ اور آپ کہہ دیجیے کہ حق (بس اب) آ ہی گیا اور باطل مٹ گیا بے شک
الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ
باطل تھا ہی مٹنے والا ف۱۲۰ اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو
شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ
ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہیں اور ظالموں کا اس سے اور نقصان ہی
اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ
بڑھتا ہے ف۱۲۱ اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے
وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ
اور اپنی کروٹ پھیر لیتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ناامید ہو جاتا ہے ف۱۲۲ آپ کہہ دیجیے
كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ
کہ ہر شخص اپنے طریقہ پر کام کرتا ہے تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ کون
اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ ع ۹ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ
صحیح تر راستہ پر ہے ف۱۲۳ اور آپ سے یہ روح کی بابت پوچھتے ہیں ف۱۲۴ آپ کہہ دیجیے
الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا
کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے (ہی) ہے ف۱۲۵ اور تمہیں علم تو بس تھوڑا ہی
قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ وَ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ
دیا گیا ہے ف۱۲۶ اور اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے وہ سلب

اِلَيۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيۡنَا وَكِيۡلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحۡمَةً

کرلیں پھر اس کے لئے آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی بھی نہ ملے و۱۲۷ مگر یہ (آپ پر) رحمت ہی ہے

مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَيۡكَ كَبِيۡرًا ﴿۸۷﴾ قُلْ

آپ کے پروردگار کی و۱۲۸ بے شک اس کا آپ پر بہت بڑا فضل ہے و۱۲۹ آپ کہہ دیجیے کہ

لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰٓى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ

اگر (کل) انسان و جنات اس بات کے لئے جمع ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن

هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ

لے آئیں (جب بھی) اس جیسا نہ لا سکیں گے اور خواہ ایک دوسرے کے

لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِىۡ هٰذَا

مددگار بھی بن جائیں و۱۳۰ اور بالیقین ہم نے لوگوں کے لئے اس

الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰٓى اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا

قرآن میں ہر قسم کا اعلیٰ مضمون طرح طرح سے بیان کیا ہے لیکن اکثر لوگ بے انکار کئے

كُفُوۡرًا ﴿۸۹﴾ وَقَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفۡجُرَ لَنَا

نہ رہے و۱۳۱ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے لئے

مِنَ الۡاَرۡضِ يَنۡۢبُوۡعًا ۙ ﴿۹۰﴾ اَوۡ تَكُوۡنَ لَكَ جَنَّةٌ

زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کر دو گے و۱۳۲ یا خود تمہارے لئے ایک باغ

مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الۡاَنۡهٰرَ خِلٰلَهَا

کھجوروں اور انگوروں کا (پیدا) ہو جائے پھر اس کے بیچ بیچ میں جگہ جگہ

تَفۡجِيۡرًا ۙ ﴿۹۱﴾ اَوۡ تُسۡقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمۡتَ عَلَيۡنَا

نہریں جاری کر دو یا تم ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دو جیسا کہ تم دعویٰ

اشاعت قرآنی کے عموم سے اور بگڑتے ہی جاتے ہیں۔ شِفَآءٌ۔ یعنی عقاید فاسد اور اعمال فاسد سے نجات۔ رَحۡمَةٌ۔ یعنی احکام الٰہی پر عمل خود رحمت الٰہی کا جاذب ہو جائے گا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اصطلاح سلوک میں شِفَآءٌ سے اشارہ ہے تخلیہ کی طرف اور رَحۡمَةٌ سے اشارہ ہے تجلیہ کی جانب۔ و۱۲۲ (اپنی کامیابی اور ہماری رحمت وفضل کی طرف سے) الۡاِنۡسَانِ۔ سے مراد یہاں کافر اور ناشکر گزار انسان ہے۔ یعنی الکفر من کثرۃ مالہ ومعیشتہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اَعۡرَضَ وَنَاٰ۔ یہ منہ موڑ لینا اور کروٹ پھیر لینا اللہ اور احکام الٰہی کی جانب سے ہوتا ہے۔ اِذَآ اَنۡعَمۡنَا۔ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ۔ اول الذکر سے مراد انعامات تکوینی، صحت، عافیت، مال واولاد وغیرہ ہیں اور آخر الذکر سے مراد انہیں سے محرومی۔ یہ اعراض و یاس دونوں نتیجہ ہوتی ہیں حق تعالیٰ سے بے تعلقی رکھنے کا۔ اَعۡرَضَ کے بعد نَاٰبِجَانِبِهٖ کا اضافہ تاکید اور زور کے لئے ہے۔ تاکید للاعراض (کشاف) و۱۲۳ (اور وہی سب کو ان کے موافق حال جزا دے گا) آیت میں یہ بتایا کہ کسی کو حق نہیں کہ یونہی بلا دلیل شرعی اپنے کو راہ حق پر سمجھ لے۔ قُلۡ كُلٌّ يَّعۡمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ۔ یعنی ہر شخص کی ایک خاص افتاد طبیعت ہوتی ہے۔ اور وہ اسی کے مطابق عمل کرتا ہے خواہ وہ عمل نیک ہو یا بد مقتضا ہو علم صحیح کا یا جہل قبیح کا۔ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ۔ یعنی اپنی افتاد طبیعت کے مطابق۔ ای علی مذھبہ وطریقتہ التی تشاکل کل مالہ فی الھدی والضلالۃ (کشاف) ای علی نیتہ وامرہ ھو علیہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) قال مجاھد علی طبیعتہ وقیل علی عادتہ التی الفھا (جصاص) الشاکلۃ الطریقۃ والمذھب الذی قیل علیہ قالہ الفراء (بحر) و۱۲۴ (کہ اس کی حقیقت وماہیت کیا ہے) یہ سوال کرنے والے یا تو مشرکین قریش تھے (جیسا کہ نسائی وترمذی کی روایتوں میں آیا ہے) اور یا یہود مدینہ تھے (جیسا کہ بخاری ومسلم کی روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے) بہر صورت سائل جو بھی ہوں سوال سے مقصود استفادہ اور اپنے جہل کا دور کرنا نہ تھا بلکہ مقصود امتحان تھا۔ و۱۲۵ (اور اس لئے تمام دوسری مخلوقات کی طرح حادث وفانی ہے) قرآن کی اس مختصر وحکیمانہ، جامع ولفظی جواب نے ان تمام لاطائل بحثوں کی بے حاصلی ظاہر کر دی جو صدیوں سے جاہلی فلاسفہ کے درمیان چلی آ رہی تھیں۔ مثلاً یہ کہ روح مجرد ہے یا مادی؟ بسیط ہے یا مرکب؟ جوہر ہے یا عرض؟ وغیرہا۔ روح کی حقیقت بھی منجملہ ان مسائل کے ہے جن کے باب میں اکثر مذاہب باطلہ کو ٹھوکر لگی ہے اور روح کا قدیم وغیر فانی ہونا تو بہت مشرکانہ مذاہب میں مسلم رہا ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں آریہ سماجیوں کے نام سے جو فرقہ انیسویں صدی مسیحی کی پیداوار ہے اور جو بت پرستی کا دشمن اور عقیدۂ توحید کا مدعی ہے وہ بھی روح کی قدامت ہی کا قائل ہے۔ وہ خدا کی طرح پرش (روح) اور ہرکرتی (مادہ) کو بھی قدیم مانتا ہے۔ قرآن کا اصل مقصود اسی عقیدۂ روح پرستی پر ضرب لگاتا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ و۱۲۶ (اور حقیقت روح کا علم نہ تمہارے حدود فہم کے اندر ہے اور نہ تمہاری ضروریات دینی وعلمی میں داخل ہے۔ اس لئے تمہیں عطا بھی نہیں ہوا) و۱۲۷ اس میں رد ہے اس خیال کا کہ آپ قرآن اپنے اختیار وارادہ سے تصنیف کر لیتے یا کر سکتے تھے۔ یہ حق تعالیٰ کی کمالِ عظمت کا بیان ہے کہ وہ رسول سے اس کا کمالِ وحی بھی سلب کر سکتا ہے۔ و۱۲۸ (کہ اس نے ایسا نہیں کیا اور وہ رحمت آپ پر قائم ہی رہنے والی ہے) و۱۲۹ (سو وہ آئندہ بھی اس کی نوبت ہی کیوں آنے دے گا۔ آپ اللہ کے اس فضل ورحمت کو یاد کر کے خوش رہیے اور کسی کی مخالفت وغیرہ کا غم نہ کیجیے) و۱۳۰ یہ دنیا کے سامنے کس زور وقوت کے ساتھ تحدی ہے کہ سارے کے سارے انسان ہر دور اور ہر ملک کے، بڑے بڑے باکمال اور فضلا ومحققین سب مل کر بھی اور اپنے ساتھ ایک دوسری صنف مخلوق (جنات) کو ملا کر بھی (جو بعض قوتوں کے لحاظ سے انسان سے افضل ہے) اگر پورا زور لگا دیں جب بھی دوسرا قرآن نہیں تیار کر سکتے۔ بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَبِمِثۡلِهٖ۔ اس ”مثلیت“ میں مضامین کی جامعیت، مطالب کی کاملیت، حسن ادا، حسن انشاء کے سارے پہلو آ گئے۔ ویستدل علی ذلک تجدید فی ھذہ الاٰیۃ العرب والعجم والجن والانس ومعلوم ان العجم لا یتحدون من طریق النظم فوجب ان یکون التحدی لھم من جھۃ المعانی (جصاص) و۱۳۱ (جو دلیل ہے ان کے ناشکرے پن کے کمال کی) صَرَّفۡنَا۔ یعنی ایک ایک مضمون بار بار مختلف طریقوں سے سہولت تفہیم کے لئے کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ لِلنَّاسِ۔ یعنی لوگوں کے سمجھانے کے لئے، ان کی نصیحت کے لئے۔ مَثَلٍ۔ کے معنی ہیں ہر وہ مضمون جو ندرت یا حسن رکھتا ہو یا کلمہ پر تاثیر ہو۔ من کل وجہ من العبر والاحکام والوعد والوعید وغیرھا (معالم) ای بینّا لھم الحجج والبراھین القاطعۃ ووضعنا لھم الحق وشرحناہ وبسطناہ (ابن کثیر) و۱۳۲ یہ کہنے والے مشرکین مکہ تھے اعجاز قرآنی کے اس کھلے ہوئے ثبوت کو چھوڑ کر الٹا آپ سے مطالبہ متعین حسی خوارق اور مادی معجزات کا کیا کرتے تھے۔ — لیکن پیغمبروں کی تاریخ میں یہ کوئی انوکھا مطالبہ نہیں بلکہ مشرکانہ مذاق کے عین مطابق ہے۔ اور قدیم قومیں بھی اپنے اپنے وقت کے داعیان حق سے برابر ایسے ہی فرمائشی معجزات چاہتی رہی ہیں۔

كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ

رکھتے ہو ف۱۳۳ یا تم اللہ اور فرشتوں ہی کو (ہمارے) سامنے لا کھڑا کرو یا پھر

لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ

تمہارے لئے کوئی گھر ہی سونے کا ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تو تمہارے (آسمان پر)

وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ

چڑھ جانے پر بھی ایمان نہیں لانے کے جب تک کہ تم (وہاں سے) ہمارے لئے ایک نوشتہ نہ اتار لاؤ جسے ہم پڑھ لیں

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع

آپ کہہ دیجیے کہ پاک ہے اللہ میں بجز ایک آدمی (اور) رسول کے اور کیا ہوں ف۱۳۴

ع ۱۰ / ۹

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى

اور جب (ان) لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکی تو اُن کو ایمان لانے سے اور کوئی چیز مانع نہیں ہوئی

اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ

بجز اس کے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے رسول بنا کر کیا بشر کو بھیجا ہے؟ ف۱۳۵ آپ کہہ دیجیے

كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ

کہ اگر زمین پر فرشتہ ہوتے کہ چلتے بستے ف۱۳۶ تو

لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ

البتہ ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتہ کو بہ طور رسول کے اتارتے ف۱۳۷ آپ کہہ دیجیے کہ

كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ

اللہ بہ طور گواہ کے میرے اور تمہارے درمیان کافی ہے، بے شک وہی اپنے بندوں کو

خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ

خوب جانتا ہے خوب دیکھتا ہے ف۱۳۸ اور جسے اللہ راہ پر لاتا ہے وہی راہ پاتا ہے

ف۱۳۳ خلاصہ ان تمام فرمائشوں کا یہ کہ ہم تو تمہارے دعوائے رسالت ونبوت میں تمہیں سچا اس وقت سمجھیں گے جب ایسے عجیب وغریب حسی ومادی خوارق سے ہمیں دو چار کر دو۔۔ نبوت ورسالت کی کل کائنات ان "عقلاء" کے ذہن میں یہ تھی کہ نبی ورسول کو (نعوذ باللہ) اعلیٰ درجہ کا بازیگر یا شعبدہ باز ہونا چاہیے! جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ۔ کھجور اور انگور کے باغ اہل عرب کے نزدیک بہت ہی بڑی نعمت تھے۔ فَتُفَجِّرَ...... تَفْجِيْرًا۔ پھر ان باغوں میں نہروں ندیوں کا چلنا اہل عرب کے نزدیک خوشحالی اور راحت کی آخری معراج تھی۔ تُسْقِطَ السَّمَآءَ۔ یہ آسمان کے ٹکڑوں کا گرانا اہل عرب کے نزدیک انتہائی قدرت کی دلیل تھی۔ تَاْتِيَ...... قَبِيْلًا۔ یعنی آسمان اور فرشتوں کو رو در رو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو۔ يَكُوْنَ...... زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ یہ سونے کا مکان ہونا یا آسمان پر چڑھ جانا سائلین کی نظر میں آخری اور انتہائی عجائب وخوارق تھے۔ ف۱۳۴ (اور ہر بشر کی طرح میں بھی خوارق ومعجزات پیش کرنے سے معذور ہوں) جواب ان خرافی مطالبات کا رسول برحق کی زبان سے یہ ادا کر دیا گیا کہ معاذ اللہ میں تو محض بشر ہوں۔ میرے اختیار میں یہ عجائب نمائی کہاں ہے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ بشر ہونے کے ساتھ رسول بھی ہوں۔ لیکن رسول کے کام تو امانت ودیانت، صداقت کے ساتھ، حق تعالیٰ کا پیام اور شریعت کے احکام کا پہنچا دینا ہے اور بس! میری صداقت کا دار ومدار معجزات پر ہرگز نہیں۔ سُبْحَانَ رَبِّيْ۔ مشرکین کی درخواست کی تہ میں یہ شے تھی کہ جیسے کوئی آپ بھی نیم دیوتا سے تھے اور قوت وقدرت میں حق تعالیٰ کے کسی درجہ میں شریک! سُبْحَانَ رَبِّيْ میں یہی اشارہ ہے، کہ اس ذات پاک کی توحید مطلق ہر قسم اور ہر درجہ کی شرک کی آلودگی سے پاک ہے! محققین نے یہیں سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ مقبولین کو یہ قدرت حاصل نہیں ہوتی کہ ان سے جو درخواست کی جائے وہ اسے پورا کر دیں یا کرا دیں۔ ف۱۳۵ مشرکین اپنی بدعقلی اور کج فہمی سے بشریت اور رسالت میں تنافی سمجھ رہے تھے اور بے یقینی کے لہجہ میں پوچھ رہے تھے کہ کیا اتنا بڑا منصب ایک بشر محض کے سپرد ہوا ہے؟ — جو دیوتاؤں کی پرستش کے لئے بآسانی آمادہ ہو جاتے ہیں، انہیں ایک انسان کی تصدیق رسالت کرتے ایسی ہی دشواری نظر آتی ہے! اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى۔ هدٰی سے مراد اس سیاق میں قرآن اور حقانیت قرآن کے دلائل ہیں۔ قَالُوْٓا۔ ان کا یہ کہنا بہ طور استفہام واستفسار کے نہیں، تعجب وانکار کے لہجہ میں تھا۔ ف۱۳۶ یعنی اس زمین کے باشندے ہوتے جیسے کہ انسان ہیں — فرشتہ موجود تو زمین پر آج بھی ہیں۔ مقصود کلام یہ ہے کہ انسانوں کے بجائے اگر دنیا انہیں ہی سے اسی طور پر آباد ہوتی اور انہیں بھی ہدایت کے لئے کسی پیمبر کی ضرورت ہوتی۔ ف۱۳۷ (کہ وہ اپنے ہم جنسوں میں تبلیغ کرتا) یہیں سے یہ ایک اہم اصل ہاتھ آتی ہے کہ ہدایت کے لئے مناسبت باہمی شرط ہے، اور مناسبت کا سبب قوی مجانست ہے — ایک جنس کی مخلوق دوسری جنس والی سے بآسانی نہیں سیکھ سکتی۔ ف۱۳۸ (سو وہی تمہارے مفاد کو بھی خوب جان رہا ہے اور تمہاری ہٹ دھرمی کو بھی خوب دیکھ رہا ہے کہ باوجود وضوح دلائل اپنی بات پر اڑے ہوئے ہو) شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ۔ اللہ کی گواہی سے اس سیاق میں مراد یہ ہے کہ وہ خوب دیکھ رہا ہے کہ اثبات نبوت محمدی وحقانیت قرآن پر کتنے دلائل واضح جمع ہیں۔ لیکن اہل فساد اپنی ضد وجہل سے انکار کیے چلے جا رہے ہیں۔ اور اللہ کی شہادت عقلی یہ تھی کہ ہر طرح کی بے سروسامانی کے باوجود نصرت الٰہی علانیہ داعیٔ اسلام علیہ السلام ہی کا ساتھ دے رہی تھی۔

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ

اور جسے وہ بے راہ کر دے تو آپ ایسوں کا مددگار کسی کو بھی اللہ کے سوا نہ پائیں گے ف۱۳۹

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا

اور ہم قیامت کے دن انہیں ان کے منہ کے بل چلائیں گے اندھا اور گونگا

وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ

اور بہرا کر کے ف۱۴۰ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جب وہ (آگ) ذرا بھی دھیمی ہونے لگے گی ہم اسے اور بھڑکا

سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا

دیں گے ف۱۴۱ یہ سزا ہے ان کی اس سبب سے کہ انہوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا تھا

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ

اور کہا تھا کہ جب ہم ہڈیاں اور بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو بھلا کیا اس وقت ہم از سر نو

خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ

پیدا کئے جائیں گے ف۱۴۲ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ

زمین کو پیدا کر رکھا ہے وہ اس پر (بھی) قادر ہے کہ ایسوں کو (پھر) پیدا کر دے ف۱۴۳

وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ

اور اس نے ان کے لئے ایک میعاد معین کر رکھی ہے کہ اس میں ذرا شک نہیں اس پر بھی ظالم لوگ بے انکار کئے

اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ

نہ رہے ف۱۴۴ آپ کہہ دیجیے کہ اگر (کہیں) تم میرے پروردگار کی رحمت کے خزانوں کے

رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ

مالک ہوتے تو اس وقت ضرور تم (اس کے) خرچ ہو جانے کے اندیشہ سے (ہاتھ) روک لیتے۔

ف۱۳۹ یعنی مدد اگر ممکن تھی تو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ممکن تھی لیکن اس کی مدد سے تو ان کا کفر انہیں محروم ہی رکھے گا۔ پھر ان کے مدد پانے کی اور کیا صورت ہے؟ کوئی نہیں! وَمَنْ يُّضْلِلْ...... دُوْنِهٖ۔ تکوینی حیثیت سے ہدایت وضلالت دونوں کے اسباب کا آخری سرا بس اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وَمَنْ يُّضْلِلْ۔ یعنی جو کوئی اپنے عناد وتعنت کی راہ سے اپنے کو گمراہ ہی رکھتا ہے۔ ف۱۴۰ (جیسا کہ یہاں دنیا میں انہوں نے اپنے کو حق کی طرف سے اندھا اور گونگا اور بہرا کر لیا تھا) ف۱۴۱ یعنی یہ نہ ہوگا کہ آگ ایک مرتبہ جلنے کے بعد رفتہ رفتہ سرد پڑ جائے گی، بلکہ دوزخ کی آگ ایسی ہوگی کہ اس کی تیزی برابر بڑھتی ہی رہے گی — عذاب نار کے ابدی اور غیر منقطع ہونے پر ایک اور دلیل۔ ف۱۴۲ مذہب مادیت کوئی آج کی نو پیدائش نہیں۔ یونان قدیم میں بڑے بڑے "روشن خیال" "عقل پرست" پیدا ہو چکے تھے اور اس کی صدائے بازگشت عرب میں بھی پہنچ چکی تھی — عرب ظہور اسلام سے قبل جس طرح یہودیت، نصرانیت، مجوسیت، صابیت، بت پرستی ہر مذہب وملت کا نمائندہ تھا، مذہب، مادیت، روشن خیالی وعقلیت کا نمائندہ بھی تھا — تو اس قسم کی کج بحثیاں اسی فریق کے لوگ کیا کرتے تھے اور اپنے زعم میں عقلیت کی کوڑی بہت دور سے لا کر کہتے تھے۔ کہ یہ ممکن کیونکر ہے کہ جب ہڈیاں تک چور چور اور ریزہ ریزہ ہو چکیں گی اور سارے جسم سڑ گل چکیں گے اس کے بعد از سر نو پیدا کئے جائیں گے! ف۱۴۳ یعنی اتنی موٹی اور سیدھی سی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ جس قادر علی الاطلاق نے زمین وآسمان جیسی عظیم الشان ہستیوں کو بلا کسی سابق مادہ کے نیست سے ہست کر دیا، اس کے لئے انسان جیسی نسبۃً حقیر مخلوق کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرنا کیا مشکل ہے! اَوَلَمْ يَرَوْا۔ کیا یہ لوگ اتنی بات پر غور نہیں کرتے؟ ف۱۴۴ (باوجود حشر وبعث پر دلائل قوی کے قیام کے) وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا۔ کائنات انسانی کے حشر وبعث کے لئے تو ایک وقت معین وموعود ہے، اس لئے یہ سوال ہی بے معنی ہے کہ حشر وبعث اب تک کیوں نہیں ہوا؟ فِيْهِ۔ یعنی اس میعاد مقرر کے آ جانے پر بعث ثانی نہیں۔

النصف

وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿١٠٠﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى

انسان ہے ہی بڑا تنگ دل ف١٤٥ اور ہم نے موسٰی کو

تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ

نو کھلی ہوئی نشانیاں دی تھیں جب کہ وہ بنی اسرائیل کے پاس آئے تھے سو آپ ان سے

جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى

پوچھ دیکھئے ف١٤٦ پھر فرعون نے ان سے کہا میں تو تمہیں اے موسٰی سحر زدہ

مَسْحُوْرًا ﴿١٠١﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ

سمجھتا ہوں ف١٤٧ انہوں نے کہا تو خوب جانتا ہے کہ یہ عجائب بس

اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ

آسمانوں اور زمین کے پروردگار ہی نے بھیجے ہیں اور میں تجھے

يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿١٠٢﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ

اے فرعون ہلاکت زدہ سمجھتا ہوں ف١٤٨ سو اس نے چاہا کہ ان کا قدم (اس) سرزمین سے

مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿١٠٣﴾ لا وَّقُلْنَا

اکھاڑ دے سو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا ف١٤٩ اور ہم نے

مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا

اس کے (غرق ہونے کے) بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ روئے زمین پر رہو بسو پھر جب

جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿١٠٤﴾ ط وَبِالْحَقِّ

آخرت کا وعدہ آجائے گا ہم تم (سب) کو سمیٹ لائیں گے ف١٥٠ اور ہم نے اس (کلام) کو حق کے ساتھ

اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا

نازل کیا اور وہ حق کے ساتھ نازل ہو گیا اور ہم نے آپ کو صرف بشارت دینے والا

ف١٤٥ (چنانچہ اس موقع پر بھی انسان بخل وتنگ دلی ہی سے کام لیتا) لَوْ اَنْتُمْ ...... رَبِّيْٓ۔ یعنی پروردگار عالم کی رحمتوں کے ذخیرہ کا جو غیر محدود ہے، مالک انسان ہوتا اور ان کی تقسیم اس کے اختیار میں ہوتی۔ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ۔ لفظ عام ہے، ہر قسم کے کمالات اور جملہ اقسام نعمت پر شامل، لیکن خصوصیت کے ساتھ اشارہ نعمت نبوت کی جانب ہے۔ آیت میں فطرت بشری کا بیان ہے کہ انسان تو حرص وبخل کا پتلا ہے، یہاں تک کہ یہ نعمتیں غیر محدود ہیں ان کی بھی تقسیم میں اسے ڈر لگا رہتا ہے کہ یہ کہیں ختم نہ ہو جائیں۔ ف١٤٦ ان کے متدین اہل علم سے اس کی تصدیق وتحقیق کر لیجئے۔ تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ۔ ملاحظہ ہو پارہ ٩۔ رکوع کی آیت اول۔ ف١٤٧ (اور اس لئے عقل وہوش سے عاری) سحر مصری کا ذکر پیشتر آچکا ہے۔ ف١٤٨ یعنی تیری ہلاکت کا وقت آ پہنچا۔ اب اس میں زیادہ دیر نہیں۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کا یہ جواب قول فرعون اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا کے عین مقابل ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جواب ترکی بہ ترکی، جب کہ تسامح ورعایت میں کوئی مصلحت نہ ہو، کرم اور کمال اخلاق کے منافی نہیں۔ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ۔ یعنی اے فرعون تیرا یہ انکار دانستہ اور عمداً ہے۔ تو کسی غلط فہمی کا شکار نہیں۔ دل میں تو خوب میری صداقت کو سمجھ گیا ہے۔ انکار زبان ہی کئے چلی جا رہی ہے ــــ بائبل کے بیانات سے بھی قرآن ہی کی تائید ہوتی ہے۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ حق تعالٰی کا نام فرعون کے سامنے اسی حیثیت سے لینے میں ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ مصر میں اصلی حکومت جن دو بڑے دیوی دیوتاؤں کی تھی، ان میں سے ایک آسمان تھا دوسری زمین ــــ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ بَصَآئِرَ۔ یعنی وہ چیزیں جو نبوت موسوی کی تصدیق کر رہی تھیں۔ ای علامة لنبوتی (ابن عباس رضی اللہ عنہما) مَآ اَنْزَلَ...... بَصَآئِرَ۔ یعنی یہ بات تو تجھ پر بھی خوب منکشف ہو چکی ہے کہ یہ عجائب وخوارق نہ میرے اپنے پیدا کئے ہوئے ہیں نہ کسی سحر کا نتیجہ ہیں نہ کسی دیوی دیوتا کی قوت کے نتائج ہیں۔ بلکہ تمام تر حق تعالٰی ہی کے نازل کئے ہوئے معجزات میری نبوت کی تائید میں ہیں۔ ف١٤٩ یعنی قبل اس کے کہ وہ خدا پرستوں کو مٹا سکے وہ خود ہی ملیامیٹ کر دیا گیا۔ فرعون کی غرقابی پر مفصل حاشیے پارہ اول میں گزر چکے۔ يَّسْتَفِزَّهُمْ۔ ضمیر بنی اسرائیل کی جانب ہے۔ آیت میں اشارہ فرعون کی اس کوشش کی جانب ہے کہ بنی اسرائیل کو مصر سے ملک بدر کر دے۔ ف١٥٠ (جس میں مومن ومنکر، مطیع وفاسق سب ہی ملے جلے ہوں گے) والمعنی جئنا بکم من قبورکم الی المحشر اخلاطًا یعنی جمیع الخلق المسلم والکافر والبر والفاجر (کبیر) اسْكُنُوا الْاَرْضَ۔ یعنی اب تم فرعون مصر کی محکومی وغلامی سے آزاد ہو، جہاں چاہو رہو بسو۔ مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ یعنی غرقابی فرعون کے بعد۔ ای من بعد فرعون علٰی معنی من بعد اغراقه (روح)

و۱۵۱ (اس لئے آپ پر کسی کے ایمان لانے نہ لانے کی کوئی ذمہ داری نہیں اور نہ آپ کو کسی کے ایمان نہ لانے پر زیادہ غم وتردد کی کوئی وجہ ہے) وَبِالْحَقِّ۔ یعنی بلاتحریف وترمیم وتصرف بعینہ اپنی اصلی حالت میں۔ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ۔ یعنی یہ کلام جس طرح اپنے مرسل کے پاس سے چلا تھا اسی طرح بلاتغیر وتصرف مرسل الیہ تک پہنچ بھی گیا۔ فهٰذا الكتاب كتاب تكفل الله بحفظه عن تحريف الزائغين وتبديل الجاهلين فكان هٰذا الكتاب حقًّا من كل الوجوه (کبیر) اَنْزَلْنٰهُ۔ ضمیر قرآن کی طرف ہے۔ ضمير الغائب للقراٰن (روح) محققین نے کہا ہے کہ اس آیت کا ربط آیت نمبر (۸۸) لئن اجتمعت الانس والجن الخ سے ہے۔ فهو مرتبط بقوله تعالىٰ لئن اجتمعت الانس والجن۔ اہل عرب کے ادب وانشاء میں یہ طریقہ عام تھا کہ ایک ذکر میں دوسرا اور پھر تیسرا اور پھر چوتھا ذکر نکالتے چلے آتے، اور پھر اسی پہلے ذکر کی طرف رجوع کرتے۔ وهٰكذا طريقة العرب فى كلامها تاخذ فى شىء وتستطرد منه الى اخر ثم الى اخر ثم الى اخر تعود الى ما ذكرته اوّلًا (روح) و۱۵۲ (تاکہ اس کے حفظ اور فہم دونوں میں سہولت رہے) فَرَقْنٰهُ۔ یعنی اسے سورتوں، آیتوں وغیرہ کے ذریعہ سے الگ الگ رکھا گیا ہے۔ اے انزلناه مفرقًا (راغب) اے جعلنا نزوله مفرقًا منجمًا (کشاف) اس کی دوسری تفسیر بیّنّاہ سے بھی آگئی ہے۔ یعنی ہم نے اسے کھول کر صاف صاف بیان کیا ہے۔ یا یہ کہ اس میں حق کو باطل سے ممتاز کر دیا ہے۔

وَّنَذِيْرًا ﴿١٠٥﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى

اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے و۱۵۱ اور قرآن! تو ہم نے اسے جدا جدا رکھا ہے تاکہ آپ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر

مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿١٠٦﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ

ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے اتارا بھی تدریج سے ہے و۱۵۲ آپ کہہ دیجیے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ

(بہر صورت) جن لوگوں کو اس سے قبل علم دیا جا چکا ہے جب یہ ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے

يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿١٠٧﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ

وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں و۱۵۳ اور کہتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا پروردگار

اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿١٠٨﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ

بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے و۱۵۴ اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں

يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۩ ﴿١٠٩﴾ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ

روتے ہوئے اور یہ (قرآن) ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے و۱۵۵ آپ کہیے اللہ (کہہ کر) پکار دیا

ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ

رحمٰن (کہہ کر) پکارو جس نام سے بھی پکارو اس کے اچھے ہی اچھے

الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا

نام ہیں و۱۵۶ اور آپ (جہری) نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھیے اور نہ (بالکل) چپکے ہی چپکے پڑھیے

وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿١١٠﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ

اور ان دونوں کے درمیان ایک (متوسط) طریقہ اختیار کیجیے و۱۵۷ اور آپ کہیے کہ ساری حمد اسی اللہ کے لئے ہے جو

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ

نہ اولاد رکھتا ہے و۱۵۸ اور نہ حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے و۱۵۹

وقف لازم

السجدة ۴

اے بینا فیه الاحكام وفصلناه (راغب) یعنی فرقناه بالبیان عن الحق من الباطل (جصاص) لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ۔ یعنی تاکہ آپ کے اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے سے لوگ بہ آسانی فہم مطالب واستخراج مسائل کر سکیں۔ یعنی على تثبت وتوقف ليفهموه بالتامل ويعلموا ما فيه بالتفكر ويتفقهوا باستخراج ما تضمن من الحكم والعلوم الشريفة (جصاص) فانهٗ ايسر للحفظ واعون فى الفهم (بیضاوی) و۱۵۳ (بہ طور ادائے شکر واعتراف حقیقت کے) مطلب یہ ہوا کہ جو اہل علم قبل نزول سے موجود تھے وہ تو اس کتاب اور آخری نبی کے منتظر ہی تھے وہ اس کلام کو سن کر اپنی اگلی کتابوں کی پیشگوئیوں اور پیش خبریوں کی تصدیق پاتے ہیں اور قرآن کو پا کر سجدۂ شکر ادا کرتے ہیں۔ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ۔ سجدہ کی اصل ہیئت کو محاورہ عرب کے مطابق ''ٹھوڑیوں کے بل سجدہ'' سے ادا کیا ہے۔ عن ابن عباسؓ قال للوجوه (جصاص) عن قتادة قال للوجوه (جصاص) الخرور للذقن اے السقوط على الوجه (کشاف) العرب تقول اذاخرّ الرجل فوقع على وجهه خر للذقن (کبیر) الَّذِيْنَ...... قَبْلِهٖ۔ یعنی حق پسر علماء اهل کتاب۔ قال مجاهدهم ناس من اهل کتاب (کبیر) هم العلماء الذين قروٗا الكتب السابقة (بیضاوی) قَبْلِهٖ۔ ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ اے من قبل نزول القراٰن (کبیر) اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا۔ مشرکین کی جانب اس میں اشارہ حقارت ہے۔ یعنی تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ اس سے ہوتا کیا ہے۔ و۱۵۴ (سو جس کتاب کے نازل کرنے کا وعدہ اس نے جس نبی پر کیا تھا، اس کو پورا کر دیا) سُبْحٰنَ رَبِّنَا۔ یعنی ہر عیب سے پاک ہے۔ وعدہ خلافی کا اس کے ہاں گزر نہیں۔ يَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا۔ قرآن مجید نے اس تسبیح سجودی کو محل مدح میں بیان کیا ہے اور یہیں سے فقہاء نے یہ استدلال کر لیا ہے کہ سجدہ میں ذکر مسنون تسبیح ہی کا ہے۔ فهم بهٰذا القول عند السجود فدل على ان المسنون فى السجود من الذكر هو التسبيح (جصاص) و۱۵۵ خشیت حق سے گریہ طاری ہو جانا بہت سے لوگوں کے لئے ایک امر طبعی ہے اس کا محل فضیلت میں بیان ہونا بجائے خود ایک دلیل اس کے محمود ومطلوب ہونے پر ہے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نماز میں خوف خدا سے گریہ طاری ہونے سے نماز ٹوٹتی نہیں۔ فيه الدلالة على ان البكاء فى الصلوٰة من خوف الله لا يقطع الصلوٰة لان الله تعالىٰ قدمدحهم بالبكاء فى السجود ولم يفرق بين سجود الصلاة وسجود التلاوة وسجدة الشكر (جصاص) حضرت عمرؓ ایک بار صبح کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے۔ جب آیۂ کریمہ انما اشكوا بثى وحزنى الى الله پر پہنچے تو شدت گریہ سے سسکیاں لینے لگے۔ یہاں تک کہ آخری صف میں آواز پہنچی۔ نمازیوں میں صحابہ تھے، کسی نے انکار نہ کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ فضیلت گریہ اجماعی ہے۔ عن عبد الله بن شداد قال سمعت تشيج عمرؓ وانى لفى اخر الصفوف وقرأ فى صلاة الصبح سورة يوسف حتى اذا بلغ انما اشكوا بثى وحزنى الى الله تشج ولم ينكر عليه احد من الصحابة وقد كانوا خلفه فصار اجماعًا (جصاص) يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا۔ یعنی یہ قرآن کا سننا ان میں اور خشوع بڑھا دیتا ہے یا یہ مراد ہو کہ ان کا حالت سجدہ میں یہ گریہ وبکا ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے اور اسی سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ خوف خدا سے گریہ کا طاری ہونا عین طاعت واخلاص کی دلیل ہے۔ یعنی به ان بكاءهم فى حال السجود يزيد هم خشوعًا الى خشوعهم وفيه الدلالة على ان مخافتهم لله تعالىٰ حتى تودبهم الى البكاء داعية الى طاعة الله واخلاص العبادة (جصاص) اور احادیث نبوی تو فضائل گریہ خشیت الٰہی سے لبریز ہیں۔ وقد جاء فى مدح البكاء من خشيته تعالىٰ اخبار كثيرة (روح) و۱۵۶ (تو اسے جس پاکیزہ نام سے بھی پکارو، مقصود ومطلوب وہی رہے گا) عرب میں حق تعالیٰ کے لئے اللہ کا لفظ بطور اسم ذات کے شروع سے چلا آ رہا تھا۔ یہود کے ہاں اسم الرحمٰن کا استعمال جاری تھا۔ اسلام نے دونوں الفاظ استعمال کرنے شروع کیے تو بعض ''دانش مند'' مشرکین نے کہنا شروع کیا کہ توحید کامل کے دعوے کے ساتھ یہ دو دو خدا کیسے؟ — جواب ملا کہ دو خدا

کیسے! یہ تو صرف دو نام ہیں، ہستی اور ذات تو ایک ہی ہے اور نام اس کے پاک وپاکیزہ دو کیا معنٰی اور بھی بہت سے ہیں۔ ف۱۵۷ جس سے نہ کوئی ضروری منفعت فوت ہونے پائے اور نہ کوئی لازمی مضرت مرتب ہونے پائے) شروع شروع میں نماز جہری میں قرآن مجید کی قرأت بلند سے مشرکین معاندین چڑتے تھے اور طرح طرح کے خرافات بکنے لگتے تھے جس سے نمازیوں کے قلب میں بھی تشویش پیدا ہو جاتی تھی۔ اس لئے آپ کو ہدایت کی گئی کہ نماز میں جہر صرف اس حد تک رکھیے کہ بس نمازیوں کے کان تک آواز پہنچ جائے اور ان کی تعلیم میں کمی نہ رہ جائے۔ باقی اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ ف۱۵۸ (جیسا کہ مسیحیوں نے اور بہت سے مشرکوں نے سمجھ رکھا ہے) ف۱۵۹ (نہ کوئی دیوی نہ دیوتا، جیسا کہ جاہلی مذہبوں نے قرار دے رکھا ہے) ف۱۶۰ (جیسا کہ بعض جاہل قوموں نے فرض کر رکھا ہے) غرض یہ کہ حق تعالیٰ کی نہ کوئی اولاد ہے، نہ کوئی اس کا شریک، سہیم ومساوی ہے اور نہ کوئی اس کا حافظ وناصر ہے۔۔۔ شرک کی ہر ممکن صورت اس سے منتفی ہے۔ ف۱۶۱ اسی کے دین توحید کو پھیلایئے، اسی کی ذات وصفات کی تبلیغ کرتے رہیے۔ محققین نے کہا ہے کہ عربی زبان میں مفہوم تعظیم واجلال کے لئے لفظ تکبیر سے بڑھ کر اور جامع تر کوئی لفظ نہیں اور

وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝۱۱۱ ع

اور نہ کوئی اس کا مددگار ہے کمزوری کی وجہ سے ف۱۶۰ اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیجیے ف۱۶۱

ع ۱۲ ۱۱ ۱۲

ایاتها ۱۱۰ ۱۸ سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ ۶۹ رکوعاتها ۱۲

اس کی ایک سو دس آیتیں سورۂ کہف مکی ہے اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَ لَمْ

ساری خوبی اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے بندۂ (خاص) پر کتاب نازل کی اور اس میں

يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝۱ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا

(ذرا) کجی نہیں رکھی ف۱ قائم ومستقیم تاکہ عذاب سخت سے ڈرائے (جو)

مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

اللہ کے پاس سے ہو گا اور ایمان والوں کو جو نیک کام کرتے رہتے ہیں خوش خبری

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝۲ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ

سنا دے کہ ان کے لئے (بڑا) اچھا اجر ہے ف۲ جس میں وہ ہمیشہ

اَبَدًا ۝۳ وَّ يُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝۴ مَا

رہیں گے ف۳ اور ان لوگوں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بیٹا بنایا ہے ف۴ اس (دعویٰ) پر کوئی دلیل

لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّ لَا لِاٰبَآىِٕهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ

نہ ان کے پاس ہے اور نہ ان کے باپ دادوں کے پاس تھی بڑی بھاری بات ہے جو ان کے

مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝۵ فَلَعَلَّكَ

منہ سے نکلتی ہے یہ لوگ بالکل ہی جھوٹ بکتے ہیں ف۵ سو شاید آپ ان کے (اعراض کئے) پیچھے

جب اس فعل کا امر مصدر اور پھر صیغۂ نکرہ کے ساتھ مؤکد ہو کر آئے تو زور اور وسعت کی انتہا ہی نہیں رہ جاتی۔ والتکبیر ابلغ بلفظة للعرب فی معنی التعظیم والاجلال وفی الامر بذٰلک بعد ما تقدم مؤکدا بالمصدر المنکر من غیر تعیین اشارة الٰی انه مما لا تسعه العبارة ولا تفی به قوة البشرية (روح)

ف۱ (نہ لفظی نہ معنوی) لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔ اس میں ہر قسم اور ہر درجہ کے عیب سے نفی آگئی۔ یعنی ایسی کتاب جو ہر پہلو اور ہر جہت سے کامل وجامع، پاکیزہ واجمل ہے۔ نہ کہیں مبالغۂ شاعرانہ، نہ عبارت میں کہیں سے تناقض، نہ عقائد میں کوئی پہلو رمزیت اور پراسرار ہونے کا۔ ہر بیان مدلل، ہر حکم واضح۔ اس حقیقت پر اپنوں ہی کی نہیں غیروں کی شہادتیں موجود ہیں کہ دین اسلام کے اندر کسی قسم کا اینچ پینچ، کوئی کجی اور انحراف اور افراط وتفریط نہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ عَبْدِهٖ۔ بندۂ خاص سے مراد رسول اللہ ﷺ کا ہونا اور الْكِتٰبَ سے قرآن کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهٖ۔ سے محققین صوفیہ نے یہ نکالا ہے کہ مقام عبدیت کے مثل کوئی مقام نہیں اور رسول اللہ ﷺ اس پر فائز ہیں۔ ف۲ یعنی دوسروں کی زندگیوں کو قائم ومستقیم رکھنے والی) قَيِّمًا۔ دین قیم یا کتاب قیم کے سیاق میں اس کے معنی ہیں وہ چیز جو نہ صرف خود قائم ہو بلکہ مسائل معاش ومعاد کا بھی پورا حل اپنے اندر رکھتی ہو اور بجائے خود ہی کامل ومکمل نہ ہو بلکہ دوسروں کو بھی تکمیل کرا دینے والی ہو۔ قيمًا ای ثابتا مقوّيًا لامور معاشهم ومعادهم (راغب) قيمًا بمصالح العباد فيكون وصفًا له بالتكميل بعد وصفه بالكمال (بیضاوی) لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا۔ یعنی اس غرض سے کہ یہ کتاب کافروں منکروں کو عذاب شدید سے ڈرائے۔ "ڈرائے" کا فاعل کتاب ہے اور مفعول "کفار ومنکرین"۔ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ۔ یہاں ایک بحث یہ چھڑ گئی ہے کہ کون کون سے نیک کام مقصود ہیں؟ اور مختلف حضرات نے اپنے اپنے مذاق وبصیرت کے مطابق ان کی فہرستیں بھی الگ الگ دی ہیں۔ لیکن سب سے بہتر یہ ہے کہ ہر وہ عمل مراد لی جائے جس سے مقصود حق تعالیٰ کی رضا ہو اور جو قواعد شرعی کے مطابق وماتحت ہو۔ ف۳ انعام بڑا اور بہت بڑا، وہم وگمان سے بھی بڑا تو بہر حال ہو ہی گا ساتھ ہی اس کے دائمی، ابدی، غیر منقطع بھی ہو گا۔ فِيْهِ۔ یعنی اس مقام اجر یا جنت میں۔ ف۴ یعنی مسیحیوں کو۔ جو رسول کو خدا کا بیٹا مانے ہوئے ہیں۔ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا۔ اتخاذ ولد پر حاشیہ سورۃ البقرۃ (پ۱) میں گزر چکا۔ وَّ يُنْذِرَ الَّذِيْنَ۔ قرآن مجید کی عام انذاری حیثیت کا ذکر تو ابھی ابھی لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا میں آچکا ہے۔ اب اس پر اس يُنْذِرَ الَّذِيْنَ الخ، کے عطف کے معنٰی یہ ہوئے کہ پہلی تہدید وتنبیہ تو عام تھی سارے منکروں اور ہر قسم کے کافروں کے لئے اور یہ جدید تہدید وتنبیہ خصوصیت کے ساتھ ہے اسی عقیدۂ ولدیت والے کافروں یعنی مسیحیوں کے لئے۔ ف۵ (اور ایسا مہمل اور خرافی عقیدہ رکھے ہوئے ہیں جو واقعہ کے خلاف تو ہے ہی، خود عقل کے بھی خلاف ہے اور جس کے صدق کا امکان ہی نہیں۔ بلکہ وہ عقلاً ممتنع ہے) عقائد شرکیہ مہمل تو سب کے سب ہی ہیں۔ لیکن حق تعالیٰ کے لئے بیٹا فرض کرنا اور بھی گستاخانہ اور سب سے بڑھ کر یہ مکروہ ہے جیسا کہ قرآن مجید کے اس زجر تاکیدی سے ظاہر ہو رہا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ۔ یعنی کسی قسم کی بھی دلیل عقلی اور کوئی بھی سند نقلی تو ان لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ علم یہاں سند اور دلیل کے معنٰی میں ہے۔ مِنْ عِلْمٍ۔ مِنْ زائد، تاکید نفی کے لئے ہے۔ لِاٰبَآىِٕهِمْ۔ یعنی ان کے احمق اسلاف جو اس قدر لغو، مہمل اور گستاخانہ عقیدہ کے موجد ہوئے ہیں۔ لفظ اٰباء سے عجب نہیں جو ایک لطیف اشارہ مسیحی پادریوں کے لقب کی جانب ہو۔ كَبُرَتْ...... اَفْوَاهِهِمْ۔ ان کی زبانیں کیسے شدید گستاخانہ عقیدہ کا تلفظ کر رہی ہیں!

بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا
غم سے اپنی جان دے دیں گے اگر یہ لوگ اس مضمون (قرآنی) پر

الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝۶ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ
ایمان نہ لائے ف۶ ہم نے (اس) زمین پر جو کچھ ہے

زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۷ وَ اِنَّا
اسے اس کے لئے باعث رونق بنایا تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں کون بہتر ہے عمل کے لحاظ سے ف۷ اور ہم

لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝۸ اَمْ حَسِبْتَ
اس پر کی تمام چیزوں کو ایک صاف میدان کر دیں گے ف۸ کیا آپ خیال کرتے ہیں

اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا
کہ غار والے اور کتبہ والے ہماری نشانیوں میں کچھ تعجب کی چیز

عَجَبًا ۝۹ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا
تھے؟ ف۹ (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب ان نوجوانوں نے غار میں جا کر پناہ لی۔ ف۱۰ پھر بولے

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ
اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے پاس سے رحمت (وفضل) عطا کر اور ہمارے لئے (اس) کام میں

اَمْرِنَا رَشَدًا ۝۱۰ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ
درستی کا سامان کر دے ف۱۱ سو ہم نے غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک (نیند کا) پردہ

سِنِيْنَ عَدَدًا ۝۱۱ ۙ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ
ڈالے رکھا ف۱۲ پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ ہم معلوم کریں کہ (ان) دونوں گروہوں میں کون گروہ

اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝۱۲ ع نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ
(اس حالت میں) رہنے کی مدت سے زیادہ واقف ہے، ف۱۳ ہم ہی ان کا قصہ آپ سے ٹھیک ٹھیک

ع ۱۲/۱۳

ف۶ (جیسا کہ آپ کے شدت حزن اور افراط فکر اصلاح سے ظاہر ہو رہا ہے) اس میں آنحضور ﷺ کو ممانعت ہو رہی ہے کہ افراط شفقت سے اتنا غم ان نالائقوں کی خاطر نہ اٹھائیے کہ خود قریب بہ ہلاکت پہنچ جائیے۔ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ۔ یعنی ان کے اعراض و انکار کے بعد۔ اذا ولوا عن الایمان (بیضاوی) ف۷ (اور کون ناقص وقاصر ٹھہرتا ہے) یہ گویا آیت سابق ہی کے مضمون کا تکملہ ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ تو عالم ابتلاء ہے اس میں تو تکوینا لازمی ہے کہ کوئی جتلائے کفر ہو اور کوئی مشرف بہ ایمان اس لیے آپ کا غم مفرط بیکار ہے۔ مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا۔ اس روئے زمین پر زینت و آرائش کی جتنی بھی چیزیں ہیں، بجائے خود ان میں سے کوئی بھی حرام نہیں۔ صرف ان کا غلط طریقہ استعمال انہیں ناجائز بنا دیتا ہے۔ صحیح طریقہ استعمال وہی ہے جو شریعت کے ماتحت و مطابق ہو۔ ف۸ (اور اپنی صنعت ایجاد کے بعد حکمت اعدام کا بھی نمونہ دکھا دیں گے) یعنی یہی آباد و سرسبز، شاداب و گلزار، بارونق و پر بہار زمین ایک روز چٹیل میدان ہو جائے گی۔ اور اس کائنات کی ساری رعنائیوں اور دلفریبیوں پر فنا طاری ہو کر اور قیامت آ کر رہے گی۔ اور اس حشر کے بعد سب کی جزا و سزا ہر ایک کے مناسب حال واقع ہو گی۔ ف۹ قریش نے یہود کے اشارہ سے آنحضور سے جو چند سوالات کیے تھے، ان میں سے ایک یہ تھا کہ اصحاب کہف کون اور کیا تھے؟ قرآن مجید اس کے جواب میں ان کا صحیح قصہ بیان کرتا ہے۔ الْكَهْفِ۔ کہف کے لفظی معنی وسیع پہاڑی غار کے ہیں۔ الکہف الغار الواسع فی الجبل (کبیر) اَصْحٰبَ الْكَهْفِ۔ کے کھلے ہوئے معنی ہیں غار والے۔ عام اس سے کہ وہ غار کہیں کا ہو۔ الرَّقِيْمِ۔ رقیم سے مراد کتبہ یا لوح مزار ہے۔ اصحاب کہف کے مزار پر ایک برنجی تختی لگا دی گئی تھی۔ جس پر ان کے نام، نسب اور مختصر حکایت درج تھی اور اسی مناسبت سے یہ اصحاب الرقیم بھی کہلائے۔ لوح رصاص نقش فیه نسبهم و اسمائهم و قصصهم و دینهم لامم هربوا و نقل ذٰلک عن الفراء و نقله السهیلی ایضًا والجوهری (تاج) دوسرے معنی اس مقام یا پہاڑ یا وادی کے کیے گئے ہیں جہاں وہ غار واقع تھا، یا اس شہر کے جہاں سے اصحاب کہف ہجرت کر کے گئے تھے۔ هی قریة اصحب الکهف التی خرجوا منها و فی تفسیر الزجاج کانوا فیها او جبلهم الذی کان فیه الکهف اوالوادی الذی فیه الکهف (تاج) لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور تابعین سے وہی پہلے معنی منقول ہیں۔ الرقیم هو اللوح من رصاص فیه اسماء الفتیة و قصتهم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) عن سعید بن جبیر قال لوح من حجارة کتبوا فیه قصص اصحاب الکهف ثم وضعوه علی باب الکهف (ابن جریر) لوح او حجر او شئ کتب فیه کتاب و قد قال اهل الاخبار ان ذٰلک لوح کتب فیه اسماء اصحاب الکهف (ابن جریر) شہر افسوس (بہ کسرۂ اول) جس کے کھنڈر پر موجودہ شہر ایا سلوک قائم ہے۔ سمرنا سے ۳۶ میل اور سمندر سے کل ۶ میل کے فاصلہ پر ایشیائے کوچک میں واقع تھا اور اسی کی نواح غالباً یہاں مراد ہے۔ مسیحی ادبیات میں اس کا ذکر کثرت سے آتا ہے۔ ہمارے قدیم جغرافیہ نویسوں نے بھی اس کا ذکر اسی حیثیت سے کیا ہے۔ "شہر ہے ثغور طرسوس میں، اس کو شہر اصحاب کہف کہتے ہیں" (مراصد الاطلاع یاقوت حموی ترجمہ اردو) ف۱۰ یہ لوگ کون اور کس زمانہ کے تھے؟ قرآن مجید کو بحث و سروکار چونکہ صرف بصیرتوں و عبرتوں اور اخلاقی اسباق و نتائج سے رہتی ہے اس لیے وہ تاریخی و جغرافی تفصیلات کو اکثر نظر انداز کر دیتا ہے اور اس باب میں احادیث صحیح بھی تفصیل سے خاموش ہیں۔ مفسرین قدیم وجدید کی اکثریت نے اسے مسیحی دور کی حکایت قرار دیا ہے۔ رومی شہنشاہ ڈی سیس یا دقیانوس (متوفی۔ ۲۵۱ء) اپنے مذہب بت پرستی میں غلو رکھتا تھا۔ مسیحی مذہب نیا نیا اسی کے زمانہ میں سلطنت روم میں پھیل رہا تھا۔ اس نے عیسائی موحدین پر سختی شروع کی۔ اس سے تنگ آ کر چند شریف نوجوان شہر سے نکل کھڑے ہوئے اور قریب کے ایک پہاڑی غار میں جا کر پناہ لی۔ وہاں ان پر ایک غیر طبعی، بلکہ خارق عادت نیند مسلط ہو گئی اور وہ کچھ اوپر تین سو سال تک سوتے رہے اور جب ایک اعجازی انداز سے جاگے تو خود رومی حکومت کا مذہب اسی درمیان میں شرک سے مسیحیت میں تبدیل ہو چکا تھا۔ لیکن حافظ ابن کثیر نے اپنا خیال غالب یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ قصہ ظہور مسیح علیہ السلام سے قبل دور یہودیت کا ہے۔ ورنہ یہود اتنا اس کے کھوج میں نہ رہتے اور اس قدر اعتنا والتفات اس کی جانب نہ کرتے۔ و قد ذکر انهم کانوا علی دین المسیح عیسی ابن مریم فالله اعلم۔ والظاهر انهم کانوا قبل ملة النصرانیة بالکلیة فانهم لو کانوا علی دین النصرانیة لما اعتنی احبار الیهود بحفظ خبرهم (ابن کثیر) ہمارے زمانہ کے بھی بعض مصنفین نے حکایات اسرائیل سے یہ اخذ کیا ہے کہ یہ قصہ ۱۶۱ ق م کا ہے۔ جب ملک شام کے ظالم بادشاہ (انطیوکیس) چہارم نے بیت المقدس کو مسمار کر کے اس کی جگہ زمیس دیوتا کے مندر کی بنا ڈالی تھی اور مکابی خاندان کے پانچ یا سات بہادر نوجوان پہاڑ کے غار میں پناہ گزین ہو کر راہ حق میں شہید ہو گئے تھے۔ حق یہ ہے کہ جس قصہ کو حق تعالیٰ نے خود ہی مجمل رکھا ہو اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی تفصیل پر اعتنا کرنا ضروری نہ سمجھا ہو، اس کی تعیین جزم و وثوق کے ساتھ کرنا بے بھی مشکل۔ اور پھر احکام دین میں سے کسی کا دار و مدار اس تفصیل و تعیین پر ہے بھی نہیں۔ فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ خوف فتنہ کے وقت انسان پر لازم ہے کہ اپنا دین سلامت لے کر اس مقام سے چلا جائے اور کلمہ کفر کے تلفظ سے تقیۃً بھی احتراز رکھے۔ فیها الدلالة علی ان علی الانسان ان یهرب بدینه اذا خاف الفتنة فیه وان علیه ان لا یعرض لا ظهار کلمة الکفر و ان کان علی وجه التقیة (جصاص)

و ١١ یعنی ہمیں مقصد میں بھی کامیاب کر، اور ہمارے لیے ذرائع اور سامان بھی اپنی مرضیات کے مطابق مہیا کردے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ جب انسان اپنے دین کے لیے خوف فتنہ سے ترکِ وطن کرے تو اسی طرح کی دعا حق تعالیٰ سے کرے کہ حق تعالیٰ نے اس دعا کو موقع مدح واستحسان میں پیش کیا ہے۔ یدل علی انه اذا ارادالهرب بدینه خوف الفتنة ان یدعوا بالدعاء الذی حکاه الله عنهم لان الله قدرضی ذلک من فعلهم و اجاب دعاء هم و حکاه لنا علی جهة الاستحسان (جصاص) و ١٢ یعنی ایسے غافل ہو کر سوئے کہ کوئی آواز

نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ

بیان کرتے ہیں و ١۴ یہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے انہیں ہدایت میں ترقی

هُدًى ۝١٣ وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا

دی تھی و ١۵ اور ہم نے ان کے دل مضبوط کردیئے تھے جب وہ لوگ (پختہ اور) مستعد ہوگئے و ١٦ تو بولے

رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ

ہمارا پروردگار وہی تو ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے ہم تو اس کے علاوہ کسی

دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ۝١۴ هٰۤؤُلَآءِ

معبود کو نہ پکاریں گے ورنہ پھر تو ہم بڑی ہی بیجا بات کے مرتکب ہوں گے و ١٧ ان لوگوں (یعنی)

قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْ لَا يَاْتُوْنَ

ہماری قوم والوں نے اللہ کے علاوہ اور معبود قرار دے رکھے ہیں یہ لوگ ان معبودوں کے وجود پر

عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے؟ سو اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ ۝١۵ وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ

جھوٹ تہمت لگائے؟ و ١٨ پھر جب تم انہیں بھی چھوڑ چکے اور ان معبودان غیر اللہ

اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ

کو بھی، تو اب (فلاں) غار میں چل کر پناہ لو تم پر تمہارا پروردگار اپنی رحمت پھیلا

رَّحْمَتِهٖ وَ يُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝١٦ وَ تَرَى

دے گا اور تمہارے کام میں تمہاری کامیابی کا سامان درست کردے گا و ١٩ اور جب

الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ

دھوپ نکلتی ہے تو تو اسے دیکھے گا کہ وہ ان کے غار سے داہنی جانب کو بچی رہتی ہے

بھی ان کے کان میں نہ پہنچتی تھی۔ اے انمناهم انامة لا تنبههم فیها الاصوات (بیضاوی) ضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ۔ ضرب اذان سے عربی محاورہ میں کنایہ ہوتا ہے۔ سِنِيْنَ عَدَدًا۔ عدد کا اضافہ یا تو تاکید کے لیے ہے اور یا کثرت عدد کے اظہار کے لیے ہے۔ ذکر الله علی سبیل التاکید و قیل ذکرہ یدل علی الکثرة (معالم) و ١٣ جب وہ لوگ اس خارق عادت نیند سے جاگے تو ان میں آپس میں یہ بحث شروع ہوگئی کہ ہمیں سوتے ہوئے کتنی مدت گزری۔ بَعَثْنٰهُمْ۔ اس گہری طویل نیند سے انہیں بیدار کیا۔ لِنَعْلَمَ۔ یعنی تاکہ ہم اپنے اس علم کو خلق کے روبرو ہی مشاہدۃً وعیاناً لے آئیں۔ اے لنظهر لهم ما علمناه من امرهم (بحر) الْحِزْبَيْنِ۔ دوگروہوں سے مراد یا تو وہی اصحاب کہف کے اندر کے دو گروہ ہیں۔ یا ایک طرف وہ جاگنے والے اصحاب کہف اور دوسری طرف ان کے معاصر اہل شہر، اور جمہور اسی طرف گئے ہیں۔ و قال ابن عطیة والظاهر ان الحزب الواحد هم الفتیة اے ظنوا بعثهم قلیلا والحزب الثانی هم اهل المدینة الذین بعث الفتیة علی عهدهم و هذا قول الجمهور من المفسرین (بحر) و ١۴ (اس افراط وتفریط، مبالغہ بیانی، وحاشیہ آرائی سب سے الگ کر کے جو عام طور سے اس قصہ سے متعلق شائع ہو چکی تھی) و ١۵ (کہ وہ تثلیث کے بجائے حسب تعلیم مسیح علیہ السلام توحید ہی پر قائم رہے) اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ۔ یعنی اپنے وقت کی باطل پرستیوں کو چھوڑ انہوں نے دین توحید اختیار کیا۔ و ١٦ (اور دین حق سے انہیں نہ کوئی ترغیب اور طمع پھیر سکی اور نہ کوئی دھمکی اور تخویف بھی) ڈی سیس (دقیانوس) رول کے زمانہ میں موحد مسیحیوں پر (جو پولوس کی مشرکانہ تعلیم سے متاثر نہیں ہوئے تھے) جو جو مظالم اور جبر وستم ہوئے تھے، وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں — ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وَ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ یعنی ہم نے ہمت، صبر، ثبات واستقلال دیکر ان کے دل مضبوط کردیئے تھے۔ و ١٧ ان سب اقوال سے جو بار بار اصحاب کہف کی زبان سے نقل ہوئے ہیں یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ہر طرح کے شرک سے بیزار اور توحید میں کامل وراسخ تھے۔ وہ مسیحی اگر تھے بھی تو صحیح معنی میں۔ حضرت عیسیٰ نبی کے لائے ہوئے دین کے متبع تھے، نہ کہ پولوسی و تثلیثی نام نہاد ”مسیحیت“ کے! لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا۔ اس انکار وتردید سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ان سے فرمائش شرک وبت پرستی کی کی جارہی تھی۔ رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ قدیم رومی مذہب میں زمین وآسمان کے مستقل دیوتا الگ الگ تھے — یہاں اسی کی تردید میں توحید کا اثبات ہو رہا ہے۔ و ١٨ یعنی اس کی ذات وصفات میں کسی شرکت کا گزر سمجھے۔ لَوْ لَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ۔ یہاں دلیل کا مطالبہ مشرکوں سے کیا ہے کہ تم اپنے دھرم کی حقانیت کے اگر قائل ہو تو لاؤ کوئی دلیل پیش کر کے تو دکھاؤ۔ و ١٩ یہ سب گفتگو اہل توحید کے آپس میں بہ طور مشورہ ہو رہی ہے۔ اِعْتَزَلْتُمُوْهُمْ۔ میں ضمیر هُمْ۔ انھیں مشرک قوموں کی جانب ہے۔ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ۔ فلاں غار میں چل کر پناہ لو، کہ وہاں حکومت کے جور وستم سے بھی امن ملے گا اور اپنے طور پر ذکر وعبادت بھی بہ اطمینان وفراغت ہو سکے گی۔ يَنْشُرْ...... مِرْفَقًا۔ مخلص اہل توحید کا تکیہ واعتماد اپنے پروردگار کی رحمت وربوبیت پر اسی طرح ہوتا ہے۔

و۲۰ (اس لئے نہ ہوا سے محروم تھے نہ روشنی سے) کوہستانی غار اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ اندر ہی اندر بہت دور تک چلے جاتے ہیں۔ کہیں تنگ اور کہیں کشادہ۔ یہ جگہ جہاں یہ اصحاب کہف اہل توحید مقیم تھے تنگ نہ تھی۔ خوب کشادہ تھی۔ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ۔ یعنی اے مخاطب تو آفتاب کو اس کے طلوع کے وقت وہاں یوں دیکھتا۔ شہر افسوس کا عرض البلد درجہ ۳۰ شمال ہے۔ ایسے مقام پر جو غار شمال رویہ ہوگا۔ اس کے اندر سورج کی شعاعیں قدرۃً داخل نہ ہوسکیں گی۔ اور اس کے اندر کے رہنے والے اگر شمال ہی کی طرف رخ رکھیں گے تو دھوپ کی تیزی سے برابر امن میں رہیں

وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ فِيْ

اور جب وہ چھپتی ہے تو وہ ان سے کترا جاتی ہے بائیں جانب اور وہ اس (غار) کے

فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ

ایک کشادہ موقع میں تھے و۲۰ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے و۲۱ جسے اللہ ہدایت دیتا ہے

فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا

وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ بے راہ کر دیتا ہے تو آپ اس کے لئے نہ پائیں گے کوئی مددگار

مُّرْشِدًا ۟ع وَ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ ۖۗ

راہ بتانے والا و۲۲ اور (تو ان کو دیکھتا تو) تو ان کو جاگتا ہوا خیال کرتا درانحالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے و۲۳

وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ۖۗ وَ كَلْبُهُمْ

ہم ہی انہیں کروٹ دلاتے رہتے ہیں داہنی طرف بھی اور بائیں طرف بھی۔ اور ان کا کتا

بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ

دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے (بیٹھا) تھا و۲۴ اگر تو انہیں جھانک کر دیکھتا

لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۟

تو تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا اور تیرے اندر ان کا رعب سما جاتا و۲۵

وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ

اور اسی طرح ہم نے انہیں جگا دیا جس سے کہ وہ آپس میں پوچھ پاچھ کریں و۲۶ (چنانچہ) ایک کہنے والے نے

مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ

ان میں سے کہا کہ تم کتنی دیر ٹھہرے ہو گے؟ (بعض ان میں سے) بولے کہ ہم دن بھر ٹھہرے ہوں گے یا دن بھر

قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ

سے کم (بعض اور) بولے کہ جتنی دیر تم ٹھہرے یہ تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے۔ تو اب اپنے میں سے کسی کو

گے ــــ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ تَّزٰوَرُ ــــ الشِّمَالِ۔ یعنی دھوپ نہ ان پر چڑھتے وقت پڑتی تھی، اور نہ ڈھلتے وقت۔ غار کی وضع وہیئت ہی ایسی تھی کہ غار نشین دھوپ کی اذیت سے امن میں رہتے۔ ذَاتَ الْيَمِيْنِ۔ ذَاتَ الشِّمَالِ۔ مفسر تھانوی ؒ نے کہا ہے کہ یہ غار کی داہنی اور بائیں جانب یا تو اس میں داخل ہونے کے اعتبار سے ہے یا اس سے خارج ہونے کے۔ تقدیر اول پر وہ غار شمال رویہ ہوگا۔ اور تقدیر ثانی پر جنوب رویہ۔ ورنہ شرق رویہ یا غرب رویہ ہونے کی صورت میں یا تو ان پر طلوع کے وقت دھوپ پڑتی اور یا غروب کے وقت۔ و۲۱ یعنی یہ قصہ جو اوپر مع اپنے جزئیات وتفصیلات کے بیان ہوا، یہ حق تعالیٰ کی قدرت، حکمت وربوبیت کی نشانیوں میں سے ہے۔ و۲۲ یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ اس طرح کے نشانوں کو دیکھ کر سب ہی توحید کے قائل ہو جاتے لیکن ہدایت وہی پاتا ہے جس کے شامل حال توفیق الٰہی ہوتی ہے اور جسے وہ ان کے پاداش عمل میں اپنے قانون تکوینی کے ماتحت گمراہ ہی رکھنا چاہتا ہے۔ ان کی ہدایت یابی کی بھی کوئی صورت نہیں۔ و۲۳ یعنی اے مخاطب جس وقت وہ غار میں تھے، اور ہم نے اعجازی رنگ میں ان پر نیند مسلط کر رکھی تھی تُو اگر انہیں کہیں دیکھ پاتا تو ان کے نورانی چہروں کی رونق وتازگی دیکھ کر انہیں جاگتا ہوا ہی سمجھتا ــــ نوم ثقیل وغریق کی کوئی ظاہری علامت ان میں نمایاں نہ تھی۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ اسی طرح ذاکر بیدار دل حالت خواب میں بھی ایسا بے خبر نہیں ہو جاتا گو سوتے ہوئے کی طرح بے حس نظر آئے۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جن کے جسم خلق کے ساتھ مشغول ہیں اور قلب حق تعالیٰ کے ساتھ۔ و۲۴ (جیسا کہ اس جانور کی عام عادت ہے) کتا وہ جانور ہے جو فقہی حیثیت سے نجس ہونے کے باوجود اپنی وفاداری، آقا پرستی، حفاظت کرنے اور پہرہ دینے کے لئے مشہور ہے۔ ان بزرگوں کے پاس کسی ضرورت سے ہوگا، اور انہیں کے ساتھ خود بھی غار نشین ہوگیا۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جنت میں دو جانور بھی ہوں گے۔ ایک بلعم باعور کا گدھا، دوسرا اصحاب کہف کا کتا۔ اس روایت کے صحیح وغیر صحیح ہونے سے قطع نظر صوفیہ محققین نے کہا ہے کہ صحبت عجب اثر رکھتی ہے اور شیران خدا کی برکتیں سگ دنیا کو بھی بشرط صحبت ورفاقت شامل ہو جاتی ہیں اور بعض سالکین نے یہ نکتہ لکھا ہے کہ صالحین کی مجالست وقرب بھی بہت غنیمت ہے، گو مجانست نہ بھی ہو۔ و۲۵ ہیبت حق تو ہر اہل حق کا حصہ ہوتی ہے ان سوتے ہوئے حضرات کہف پر عجب نہیں جو اس مصلحت سے اور زیادہ طاری کر دی گئی ہو کہ ہر شخص کی ہمت ان کے قریب جانے کی نہ پڑے اور اس طرح ان کے جسم ہر طرح محفوظ رہیں۔ و۲۶ (اور اس میں ان پر حق تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور زیادہ منکشف ہو) وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ۔ یعنی جس عجب اعجازی رنگ میں ہم نے ان پر نیند مسلط کر دی تھی، اسی اعجازی انداز میں انہیں اس سے جگا بھی دیا۔ لِيَتَسَآءَلُوْا۔ میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی اس بیداری کا نتیجہ یہ ہوا، یہ مراد نہیں کہ وہ بیدار ہی اس غرض سے کئے گئے تھے۔ واللام فیه لام العاقبة لانهم لم یبعثوا للسئوال (معالم)

ف ۲۷ (کہ خوراک وغیرہ ضرورت کی چیزیں لائے) قَالَ...... يَمًا لَبِثْتُمْ۔ نینداتنی غفلت کی اور ایسی بیہوشی کی تھی کہ ان لوگوں کو اس کی مدت کا بھی مطلق ادراک نہ ہوا، اور جب چیتے تو آپس میں پوچھ پاچھ کرنے لگے کہ ہم لوگ کتنی دیر سوئے ہوں گے۔ کسی نے کچھ اندازہ کیا کسی نے کچھ۔ آخر کسی نے کہا کہ اس تعیین وقت کی بحث کو تو اللہ کے حوالہ کرو اور اب کام کی بات کرو۔ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کنایہ محض وقت قلیل سے ہو۔ فقہاء نے ان کے اس قول سے، جس پر قرآن نے کوئی گرفت نہیں کی، یہ نکالا ہے کہ ظن غالب کی بنا پر اگر اپنے اجتہاد سے کوئی بات کہہ دی جائے تو اگرچہ واقعہ کے خلاف ہو لیکن اس پر کذب کا اطلاق نہ ہوگا۔ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ۔ روپیہ سے یقیناً وہی سکہ مراد ہے جو دقیانوس رومی کے زمانہ میں چل رہا تھا اور اس سکہ پر رومی شہنشاہ کی تصویر کندہ رہتی تھی اسی وقت کے کچھ سکہ ان کی جیبوں میں پڑے ہوئے تھے۔ قال المفسرون كانت معهم دراهم عليها صورة الملك الذى كان فى زمانهم (کبیر) محققین نے یہیں سے یہ استدلال کیا ہے کہ سفر ہجرت میں زادراہ ہمراہ لے کر چلنا توکل کے منافی نہیں وحملهم الورق عند فرارهم دليل على ان حمل النفقة وما يصلح للمسافر هو رأى المتوكلين على الله دون المتكلين على الاتفاقات (مدارک) وحملهم له دليل على ان التزود راى المتوكلين (بیضاوی) وهٰذه الأية تدل على ان السعى فى امساك الزاد امرمهم مشروع وانه لا يبطل التوكل (کبیر) فقہاء نے آیت سے اس صورت کا جواز نکالا ہے کہ کئی انسان (مثلاً سفر میں) اپنے مشترک سرمایہ سے خریدیں اور سب اس میں سے کھائیں خواہ ایک کے کھانے کی مقدار دوسرے سے زیادہ ہو۔ يدل على جواز خلط دارهم الجماعة والشرٰى بها والاكل من الطعام الذى بينهم بالشركة وان كان بعضهم قد ياكل اكثر مما ياكل غيره وهٰذا الذى يسميه الناس المنابذة ويفعلونه فى الاسفار (جصاص)

ف ۲۸ اہل توحید کو ہمیشہ غذاؤں میں حلت وحرمت کا خیال رہا ہے اور بتوں کے چڑھاوے وغیرہ سے محترز رہے ہیں۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جس طرح اصحاب کہف نے بجائے کسی سے سوال کرنے کے کھانا قیمۃً خرید ناپسند کیا، طالبوں اور سالکوں کو بھی چاہیے کہ ہمت بلند رکھیں اور خلق سے سوال ترک کر دیں۔ اَزْكٰى طَعَامًا۔ بعض نے اس کی تفسیر لذیذ ونفیس کھانے سے بھی کی ہے۔ قيل انها اطيب والذّ (کبیر) اور یہیں سے ہے کہ بعض صوفیہ نے بعض دینی مصلحتوں سے لذیذ ونفیس کھانوں ہی کو پسند کیا ہے۔ ف ۲۹ (ورنہ حکومت کی طرف سے گرفتاری، تلاشی اور سزایابی یقینی ہے) وَلْيَتَلَطَّفْ۔ یعنی ایسی خوش تدبیری سے کام لے کہ کسی کو اس پر حکومت کے مجرم یا باغی ہونے کا شبہ نہ ہونے پائے۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ سالکین کو معاملت میں ہر ایک کے ساتھ لطف ورفق برتنا چاہیے۔ ف ۳۰ (اور تم شرک وارتداد کی ملعونیت ونحوست کے چکر میں پڑے رہو گے) اِنَّهُمْ۔ یعنی مشرک اہل شہر یا مشرک اہل حکومت۔ يَرْجُمُوْكُمْ۔ سزائے سنگساری دنیا کی قدیم ترین سزاؤں میں سے ہے اور اس پر تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ شہنشاہ ڈی سیس (دقیانوس) کے زمانہ میں جو مشرک مسیحیت اختیار کر لیتے تھے وہ مرتد سمجھے جاتے اور شدید ترین عقوبت کے مستحق قرار پاتے۔ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ۔ یعنی یہ بت پرست حکومت ترغیب سے یا ترہیب سے، طمع یا خوف کے پھندے لگا کر تمہیں پھر دین توحید سے بچلا کر دین شرک میں واپس لے لیں گے۔ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا۔ یعنی جب ملت کفر میں شریک وشامل ہو گئے تو پھر تو فلاح دنیا وآخرت سے محرومی ہی رہے گی۔ اے ان رجعتم الى دينهم لن تسعدوا فى الدنيا ولا فى الأخرة (کبیر)

ف ۳۱ اصحاب کہف کی غارنشینی کو کوئی تین سو سال کی مدت ہوئی تھی کہ دنیائے مسیحیت میں یہ سوال زور شور سے چھڑ گیا کہ عقیدہ نشر وجزائے جسمانی آیا صحیح ہے بھی؟ وقت کا ایک مشہور پادری تھیوڈر حشر اجساد کا صاف منکر تھا۔ بحث ومباحثہ کے عین شباب کے زمانہ میں اصحاب کہف اپنی نوم طویل سے جاگے۔ اور ان کے عجیب معاملہ کا علم عوام وخواص سب کو ہوا ــــ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ۔ یعنی جس طرح ہم نے اپنی خاص قدرت وحکمت سے ان اصحاب کہف کو سلایا اور جگایا تھا۔ اسی طرح اپنی خصوصی حکمت وقدرت سے عام خلقت کو ان کے حال پر مطلع بھی کر دیا۔ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ یعنی تا کہ ان کے معاصرین کو بھی یقین آ جائے کہ حق تعالیٰ کا وعدہ حشر ونشر کے باب میں سچا ہے ــــ ایک بڑا مانع عقیدہ حشر ونشر کے قبول میں عام ذہنوں میں اس کا استبعاد رہتا ہے۔ واقعہ اصحاب کہف یعنی ان کی طویل نیند اور بیداری سے اہل مادیت کو واقعہ بعث وحشر کی ایک سند ونظیر ہاتھ آ جاتی ہے۔ اور ذہن سے استبعاد دور ہو جاتا ہے۔ وہ صاحب جو روپیہ لیکر کھانا خریدنے چلے تھے۔ جب بازار پہنچے تو چونکہ قرنہا قرن کی مدت گذر چکی تھی۔ شہریوں کے وضع، لباس، زبان، مکانات، سب ہی کی ہیئت بالکل بدل چکی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حکومت کا تختہ الٹ چکا تھا۔ اور بادشاہت اب بجائے دشمنان مسیحیت کے خود مسیحیوں کی قائم تھی۔ وہ صاحب اپنے صدیوں قبل کے لباس ووضع کے باعث یوں ہی تماشہ بنے ہوئے تھے اور جب انہوں نے جیب سے نسلوں قبل کا سکہ نکالا، جب تو لوگوں کی حیرت اور بدگمانی بدرجہا بڑھ گئی۔ سب نے انہیں گھیر لیا اور انہیں حیران وپریشان ہو کر مجبوراً اپنا پتہ بتانا اور اپنی سرگذشت دہرانی پڑی اور کچھ لوگ ان کے بیان کی تصدیق کے لئے آخر ان کے ساتھ غار کے دہانہ تک آئے۔ ف ۳۲ (کہ اس حیرت انگیز وعظیم الشان واقعہ کی یادگار قائم ہو جائے) اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ۔ یعنی جب لوگوں میں اس امر پر گفتگو ہو رہی تھی کہ ان بزرگوں کی نعشوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ ہوا یہ کہ جب لوگ ان کی زیارت کو جوق در جوق آ نے

بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى

یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو ف ۲۷ سو وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا

طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا

پاکیزہ ہے ف ۲۸ پھر اس میں سے کچھ کھانا تمہارے پاس لے آئے اور خوش تدبیری (سے کام) کرے اور کسی کو

يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ

تمہاری خبر نہ ہونے دے ف ۲۹ کہ اگر وہ تمہاری خبر پا لیں گے تو تمہیں سنگسار

يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا

کر ڈالیں گے یا تمہیں اپنے طریقہ میں پھر کر لیں گے اور اگر ایسا ہوا تو پھر کبھی

اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا

تمہیں فلاح نہ ہوگی ف ۳۰ اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کر دیا تا کہ وہ جان لیں

اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا

کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں ف ۳۱ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے)

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ

جب (اس زمانہ کے لوگ) ان کے معاملہ میں باہم جھگڑ رہے تھے سو ان لوگوں نے کہا کہ ان کے پاس کوئی عمارت

بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى

بنوا دو ف ۳۲ ان کا پروردگار ہی (ان کے احوال کو) خوب جانتا تھا۔ جو لوگ اپنے کام پر

اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ سَيَقُوْلُوْنَ

غالب (وقادر) تھے انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک معبد بنا دیں گے ف ۳۳ عنقریب بعض لوگ کہیں گے

ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ

کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے کہ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا

نصف القرآن باعتبار عدد الحروف بان التاء بعد اللام من النصف الاول و اللام الثانية من النصف الآخر ۱۲

لگے، اور غار کے دروازہ پر میلہ سا لگنے لگا تو ان حضرات کو وفات دے دی گئی۔ اور اب گفتگو یہ ہونے لگی کہ ان مقدس جسموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ اَبْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا۔ عَلَيْهِمْ سے ان کے غار کے اوپر۔ ان کے غار کے دروازہ پر۔ ای علی باب کھفھم (مدارک) ۳۳ (تاکہ اس امر کی علامت قائم رہے کہ یہ لوگ عابد و اہل توحید تھے۔ کوئی انہیں معبود نہ بنا لے) جو غار اصحاب کہف کی جانب منسوب ہے اس کے دہانہ پر ایک مسیحی خانقاہ اب بھی موجود ہے — ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ۔ یعنی حکام وقت۔ قال قتادة هم الولاة (بحر) قيل المراد به الملك المسلم وقيل رؤساء البلد (کبیر) عَلَيْهِمْ۔ یعنی اس غار کے اوپر۔ غار کے دہانہ پر۔ ای علی باب الکھف (مدارک) مَّسْجِدًا۔ مسجد یہاں معبد یا پرستش گاہ کے عام معنی میں ہے۔ اسلامی مسجد کے اصطلاحی معنی میں نہیں۔ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر کسی زمانہ میں مسجد کے بنانے سے بجائے مصالح کے مفاسد کا ظہور ہونے لگے تو مسجد بنانا جائز نہ رہے گا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مسجد سے وہ قصد نہ تھا، جو جاہلوں کا قبور کے پاس مسجد بنانے سے ہوتا ہے۔ اس لئے قبر پرستوں کو کوئی حجت و نظیر اس سے نہیں مل سکتی۔ ۳۴ یعنی بغیر کسی علم صحیح کے، محض ظن و تخمین سے۔ رَجْمًا بِالْغَيْبِ کے لفظی معنی بغیر دیکھے بھالے تیر پھینکنے کے ہیں۔ محاورۂ عرب میں اس سے مراد وہی ہوتی ہے جو اردو میں "انکل کے تکے چلانے" سے۔ اور یہ شرعاً ممنوع بھی ہے — محض انکل اور ظن وگمان سے بغیر کسی سند عقلی یا شرعی کے کام لینا اور چیز ہے اور دلیل شرعی سے حسب قواعد استخراج نتائج کرنا بالکل اور چیز۔ اول الذکر لغو وممنوع، ثانی الذکر جائز ہی نہیں، محمود ومستحسن۔ بلکہ بعض اوقات ضروری اور واجب۔ سَيَقُوْلُوْنَ۔ یعنی آپ جس وقت یہ صحیح قصہ بیان کریں گے۔ ان کے معاصرین یہ رائے زنی شروع کر دیں گے۔ سَيَقُوْلُوْنَ میں س مستقبل کا ہے۔ الضمير فيه كما اختاره ابن عطيه، بعض المحققين لليهود المعاصرين له صلی اللہ علیہ وسلم الخائضين في قصة اصحب الكهف (روح) ۳۵ (اور اس نے قرآن سے اس کا کوئی فیصلہ کیا نہیں ہے) لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ اسی آخری عدد کے قائل ہوئے ہیں اور مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ آیت سے بھی اشارۃً اس کی صحت مفہوم ہوتی ہے کیونکہ اس اخیر قول کو نقل کر کے اسے رد نہیں فرمایا گیا۔ واللہ اعلم۔ قال اكثر المفسرين هذا الاخير هو الحق ويدل عليه وجوه (کبیر) ۳۶ (کیونکہ ضروری کی تعلیم تو وحی سے ہوگئی۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے غیر ضروری ہے) فَلَا تُمَارِ...... ظَاهِرًا۔ یعنی آپ وحی کے مطابق نفس قصہ تو بیان کر دیجیے۔ باقی اس کے آگے بحث ومباحثہ میں نہ پڑیے۔ مَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ۔ اور انہیں قلیل اشخاص میں ایک عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صحابی وترجمان القرآن ہیں۔ وكان ابن عباس يقول انا من اولئك العدد والقليل (کبیر) ۳۷ یعنی آپ سے جب کوئی شخص کوئی بات جواب طلب دریافت کرلے۔ اور آپ اس سے آئندہ جواب کا وعدہ کریں تو لفظ ان شاء اللہ تعالیٰ یا کوئی اور لفظ اس کے مرادف ضرور کہہ دیا کریں اور ایک وعدہ ہی کی تخصیص نہیں، اس کا لحاظ ہر امر میں رکھیں۔ آیت کی شان نزول یا آج کل کی اصطلاح میں پس منظر یہ ہے کہ ایک بار منکرین نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوالات بطور امتحان دریافت کیے۔ ایک یہ کہ ماہیت روح کیا ہے؟ دوسرے یہ کہ اصحاب کہف کون تھے؟ تیسرے یہ کہ ذوالقرنین کا کیا قصہ ہے؟ آپ نے وحی الٰہی کے بھروسہ پر وعدہ کر لیا کہ کل جواب دوں گا۔ اتفاق سے وحی پندرہ دن تک نہ آئی۔ آپ کو قدرۃً غم وصدمہ رہا۔ اس کے بعد وحی سے سوالات کے جوابات بھی ملے اور یہ حکم بھی۔ لِشَايْءٍ۔ شیء تنوین کے ساتھ نکرہ ہے۔ مفہوم عموم واستغراق کے لیے۔ گویا یہ بتا دیا کہ اپنے چھوٹے بڑے ہر ارادہ کو ارادۂ الٰہی پر معلق اور اس سے وابستہ رکھیے۔ اس چھوٹی سی تعلیم سے ایک طرف تو رد نکل آیا معتزلہ کا جو بندہ کو بعض افعال کا خالق وموجد قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف جبریہ کا جو بندہ کو جماد ومجبور محض مانتے ہیں۔ صحیح مسلک اہل سنت کا یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال پر قادر تو ہے لیکن مشیت الٰہی کے بعد اور اس کے ماتحت۔ غَدًا۔ غد سے مراد مطلق زمانہ مستقبل ہے، نہ کہ متعین ومخصوص (کل) ہی کا دن۔ اى فى ما يستقبل من الزمان ولم يرد الغد خاصة (کشاف) اى فى ما يستقبل من الزمان مطلقا (روح) اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ اِلَّا حرف استثناء ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے الا ان تقول ان شاء الله۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ یہاں قول کے لیے زبانی تلفظ شرط نہیں۔ اس لیے کہ مسئلہ اعتقادیات سے متعلق ہے اور اعتقادیات میں محض تصدیق قلبی کافی ہے۔ ۳۸ یعنی میری نبوت پر دلیل بننے کے اعتبار سے کوئی بات اس سے بھی بڑھ کر بتلائیے۔ منکروں نے یہ قصہ اصحاب کہف سے متعلق سوال کر کے اپنے نزدیک کوئی بہت بڑا امتحان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لے ڈالا تھا۔ آپ کو یہ کہنے کی ہدایت ہو رہی ہے کہ میں تو اپنی نبوت پر دلائل خدا کے فضل سے اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر رکھتا ہوں۔ معناه لعل الله يؤتيني من البينات والدلائل على صحة انى نبى ما هو اعظم فى الدلالة واقرب رشدًا من نبأ اصحاب الكهف (کبیر) اى اظهر دلالة على انى نبى من نبأ اصحاب الكهف (بیضاوی) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ۔ یعنی جیسے ہی خیال آ جائے اور تنبیہ ہو جائے، مشیت الٰہی کا استحضار کر لیا کیجیے۔ واذكر ربك اى مشية ربك (مدارک) ۳۹ یعنی حساب شمسی مسیحی رکھو تو پورے تین سو سال اور حساب قمری اسلامی رکھو تو ۳۰۹ سال تین سال کا فرق ہر صدی میں سنہ قمری اور سنہ شمسی کے درمیان ہو جایا کرتا ہے۔ اکابر سلف سے بھی یہی نقل تفسیر

كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ

کتا تھا انکل کے تکے ۳۴ اور (بعض) کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا

كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا

کتا تھا آپ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار ہی ان کا شمار خوب جانتا ہے ۳۵ ان (کے شمار) کو کوئی نہیں جانتا بجز

قَلِيْلٌ ڛ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا

قلیل کے۔ پس آپ ان کے باب میں (زیادہ) بحث نہ کیجیے بجز سرسری بحث کے اور آپ

تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ وَلَا تَقُوْلَنَّ

ان کے باب میں ان لوگوں سے کسی سے بھی نہ پوچھیے ۳۶ اور آپ کسی چیز کی نسبت یہ نہ

لِشَايْءٍ اِنِّىْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۡ

کہا کیجیے کہ میں اسے کل کر دوں گا سوا اس (صورت) کے کہ اللہ بھی چاہے ۳۷

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓي اَنْ يَّهْدِيَنِ

اور اپنے پروردگار کو یاد کر لیا کیجیے جب آپ بھول جائیے اور آپ کہہ دیجیے کہ عجب نہیں جو میرا پروردگار مجھے

رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ

باعتبار راہنمائی کے اس سے بھی قریب تر (بات) بتائے ۳۸ اور وہ (لوگ) اپنے غار میں

كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾

تین سو برس تک رہے اور نو برس اور رہے ۳۹

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ

آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی اس کو خوب جانتا ہے کہ وہ کتنا رہے تھے۔ اسی کے لئے (علم) غیب آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

زمین کا ہے ۴۰ وہ کیا کچھ دیکھنے والا ہے اور کیا کچھ سننے والا! ان کا اللہ کے سوا کوئی بھی

ع ۳ ۱۵

مروی ہے۔ بلکہ ایک روایت میں تو خود حضرت علی ﷺ سے ہے۔ حکی النقاش انها ثلث مائة شمسية ولما كان الخطاب للعرب زيدت التسع اذ حساب العربية هو بالقمر لاتفاق الحسابين (بحر) وروی عن علیؓ انه قال عند اهل الكتاب انهم لبثوا ثلثمأة شمسية والله تعالى ذكر ثلثمائة قمرية (معالم) كان مقداره ثلثمائة سنة تزيد تسع سنين بالهلالية وهی ثلثمائة سنة بالشمسية فان تفاوت ما بين كل مائة سنة بالقمرية الى الشمسية ثلاث سنين (ابن کثیر) فالثلا ثمائة الشمسية ثلاثمائة وتسع قمرية (جلالین) قيل هو الاشارة الى انها ثلاثمائة بحساب اهل الكتاب واعتبار السنة الشمسية وثلثمائة وتسع بحساب العرب واعتبار السنة القمرية وقد نقله بعضهم عن علیؓ (روح) قدیم مسیحی روایتوں اور نوشتوں میں یہ مدت ۳۰۷ سال درج ہے اور بعض نسخوں میں ۳۵۳ سال --- ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ غارنشینی کا زمانہ اگر (قول اکثر کے مطابق) ۲۴۹ء فرض کیا جائے تو اس پر ۳۰۰ سال شمسی اضافہ کرنے سے ۵۴۹ء برآمد ہوتے ہیں یعنی میلاد رسول ﷺ (۵۷۰ء) سے ۲۱ سال اور ہجرت نبوی (۶۲۲ء) سے تقریباً ۷۲ سال قبل۔ لَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ۔ فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ ظالموں سے فرار کر جانا جائز ہے بلکہ اولیاء و انبیاء کے معمولات میں سے ہے۔ فيه جواز الفرار من الظالم وهی سنة الانبياء والاولياء (ابن العربی) ف۴۰ یعنی مخلوق کے اعتبار سے

مِنْ وَّلِیٍّ ۫ وَّ لَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَ اتْلُ

کارساز نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔ ف۴۱ اور آپ پڑھ دیا کیجیے

مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ؕ لَا مُبَدِّلَ

جو کچھ وحی آپ پر آپ کے پروردگار کی کتاب کے ذریعہ سے آئی ہے۔ کوئی بدل اس کی

لِكَلِمٰتِهٖ ۚ۫ وَ لَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

باتوں کا نہیں ہو سکتا اور نہ آپ اس کے سوا کوئی پناہ ہی پائیں گے ف۴۲

وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ

اور آپ اپنے کو مقید رکھا کیجیے ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں

بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰكَ

صبح و شام محض اس کی رضاجوئی کے لیے ف۴۳ اور اپنی آنکھوں کو ان سے

عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ لَا تُطِعْ

نہ ہٹائیے دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے اور اس شخص کا کہنا نہ مانئے

مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ

جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے

وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ

اور اس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے ف۴۴ اور آپ کہہ دیجیے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے آچکا ہے سو جس

شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ ۙ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا

کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے ف۴۵ ہم نے ظالموں کے لیے آگ

لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَ اِنْ

تیار کر رکھی ہے اس کی قناتیں ان کے گھیرے ہوں گی اور اگر

جو کچھ بھی غیب ہے، سب کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے --- ایک اسی واقعہ مدت خواب اصحاب کہف پر کیا موقوف ہے اس پر تو چھوٹا بڑا ہر واقعہ روشن ہے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ صحیح علم اللہ ہی کو ہے اور جب اس نے یہ مدت قطعی طور سے بتا دی، تو اب کسی چون و چرا کی گنجائش ہی نہیں۔ ف۴۱ (کہ وہ شریک مشورہ ہی ہو کر کسی کی نفع رسانی یا ضرر رسانی کی رائے دے سکے) خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ کا نہ کوئی مزاحم ہو سکتا ہے نہ کوئی شریک کار --- شرک کی جڑ ہر طرح کٹ کر رہتی ہے۔ اَبْصِرْ بِهٖ۔ وَ اَسْمِعْ کلمۂ حیرت ہے۔ یعنی وہ کیسا کچھ ان لوگوں اور ان کے حالات کا دیکھنے والا، جاننے والا ہے؟ ما ابصره واعلمه بهم وشانهم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) هذه كلمة تذكر فی التعجب والمعنى ما ابصره وما اسمعه (کبیر) مَا لَهُمْ میں ضمیر هم۔ اهل السموٰت والارض کی جانب ہے۔ ای لاهل السموٰت والارض المدلول عليه بذكرهما (روح) ف۴۲ (اگر بفرض محال مخالفین کی آپ نے ایسی دلجوئی کرنا چاہی کہ احکام الٰہی ہی ترک ہو گئے) حاصل یہ کہ روسا کفار کی طرف سے آپ پورا استغناء برتئے۔ وَ اتْلُ...... رَبِّكَ۔ یعنی وحی الٰہی کی تبلیغ تو آپ پر فرض ہے لیکن اس سے آگے بڑھ کر اسی فکر اور وہم میں نہ پڑیے کہ مخالفین کی دلجوئی اگر نہ کی گئی تو دین کی اشاعت و ترقی کیونکر ہوگی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ معنی قرار دیے ہیں کہ آپ وحی کی تعلیم اور اس پر عمل میں لگے رہیے اور منکروں معاندوں کے طنز و تشنیع کی طرف التفات ہی نہ کیجیے جعل الاصل فی هذا الباب شيئا واحدا وهو ان يواظب على تلاوة الكتاب الذی اوحاه الله اليه والعمل به وان لا يلتفت الى اقتراح المقترحين وتعنت المتعنتين (کبیر) لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ۔ اور اسی لئے کسی مخالف معاند کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ اللہ نے جو وعدے کر رکھے ہیں انہیں وہ پورے ہونے سے روک دے۔ کلمات کے تحت میں اللہ کے وعدے شامل ہیں۔ مُلْتَحَدًا کے معنی جائے پناہ کے ہیں۔ اتفقوا على ان الملتحد هو الملجا (کبیر) ف۴۳ (نہ کہ کسی دنیوی غرض باطل سے) وصف ان مومنین کے اخلاص کامل کا بیان ہو رہا ہے۔ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ۔ یعنی علی الدوام۔ دو وقتوں میں حصر مقصود نہیں۔ المراد كونهم مواظبين على هذا العمل فی كل الاوقات (کبیر) شاع استعمال مثل هذه العبارة للدوام (روح) ف۴۴ (خواہش نفس کی پیروی میں) وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ۔ محاورہ میں اس سے مراد بے توجہی، بے اعتنائی کرنے سے ہے۔ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ رسول اللہ ﷺ کو جوش و انہماک تبلیغ میں قدرۃً اس کی فکر زیادہ رہا کرتی تھی کہ روسا قریش میں سے کوئی ایمان لے آئے تو امت کے جمال و کمال میں نمایاں اضافہ ہو جائے۔ آیت میں اشارہ اس جانب ہے کہ امت کا جمال و کمال اس ظاہری ساز و سامان دنیوی اور مال و جاہ مادی سے نہیں، بلکہ وہ اخلاص و اطاعت کاملہ سے ہے۔ خواہ ان کے وجود کا تحقق فقراء و غرباء و عوام الناس ہی میں ہو۔ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا۔ عناد ارادی کا وبال یہ پڑتا ہے کہ حق کے لئے قلب میں کوئی طلب باقی نہیں رہ جاتی۔ اور اسی سزا کو تکوینی طور پر اپنی جانب بحیثیت مسبب الاسباب کے منسوب کر دیا گیا ہے۔ وَ لَا تُطِعْ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ یہ نہی تحریمی ہے۔ اس لئے اتباع فساق حرام ہے۔ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اغنیاء کی طرف ایسا میل و تواضع جس کی بنیاد ان کا غنا ہو آیت اس کی مذمت میں ہے۔ آیت آج کل کے بہت سے "مصلحین" کے لئے قابل غور ہے۔ آج ہر "اصلاح" پر زور (خواہ وہ عقاید سے متعلق ہو یا اعمال سے) سب سے زیادہ اسی پہلو سے دیا جاتا ہے کہ اس سے مسلمانوں کی مالی و معاشی حیثیت چمک جائے گی یا اس سے مسلمان سیاسی اقتدار حاصل کر لیں گے و قس علی ہذا۔ غرض مقصود و مطلوب ہر "اصلاح" سے کسی نہ کسی پہلو اور اعتبار سے یہی دنیا اور اس کی سربلندیاں ہی رکھی جاتی ہیں --- تعلیم قرآنی اس ذوق فاسد سے کس درجہ ابا کرتی ہے! ف۴۵ بندہ ہی کے اختیار میں ہدایت بھی ہے اور کفر کی ذمہ داری بھی بندہ ہی پر ہے۔ حق تعالیٰ مجبور کسی کو بھی نہیں کر رہا ہے۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی حق تو اپنی ساری تابانی و وضاحت کے ساتھ حق

تعالیٰ کی طرف سے آ ہی چکا ہے اور راہ ہدایت خوب اچھی طرح روشن ہو چکی ہے۔ فَمَنْ شَآءَ۔ وَمَنْ شَآءَ ان صیغوں سے تخییر مراد نہیں۔ تہدید و وعید مراد ہے۔ نقل عن علی بن ابی طالب انه

وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ ط

وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا۔ چہروں کو بھون

بِئْسَ الشَّرَابُ ط وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ

ڈالے گا۔ کیسا برا ہوگا وہ پانی اور کیسی بری ہوگی وہ جگہ ف۴۶ بے شک جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ

ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے سو ہم اس کے اجر کو ضائع نہیں کرتے جو

أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ ج أُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِي

عمل اچھے طور پر کرے ف۴۷ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے لئے ہیشگی کے باغ ہیں

مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ

ان کے نیچے ندیاں بہ رہی ہوں گی ان کو اس میں سونے کے کنگن

ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ

پہنائے جائیں گے اور وہ سبز رنگ کے کپڑے باریک اور دبیز

وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَآئِكِ ط نِعْمَ

پہنیں گے اس میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے کیسا اچھا

الثَّوَابُ ط وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع وَاضْرِبْ لَهُمْ

صلہ ہے اور کیسی بہتر جگہ ہے ف۴۸ اور ان سے دو شخصوں کا

مَثَلًا رَجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ

حال بیان کیجیے ف۴۹ جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ انگور کے

أَعْنَابٍ وَحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا

دے رکھے تھے اور انہیں کھجور (کے درختوں) سے گھیر رکھا تھا اور ہم نے ان دونوں کے درمیان کھیتی بھی

ع ۹ / ۱۶

قال هٰذه الصيغة تهديد ووعيد وليس بتخيير (کبیر) ف۴۶ حق کی تمام وکمال وضاحتوں کے بعد بھی جو ایمان نہ لائے گا وہ خود ہی اپنا خرابہ بلائے گا، اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا۔ یعنی خود وہ قناتیں بھی آگ ہی کی ہوں گی۔ وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا۔ یہ فریاد شدت تشنگی سے ہوگی۔ بِمَآءٍ کَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ۔ کَالْمُهْلِ میں اس پانی کی صورت کی کراہت کا اور یَشْوِی الْوُجُوْهَ میں اس کے مزہ کی تیزی اور گرمی کا بیان آ گیا۔ ف۴۷ ہر انذاری اور تخویفی ذکر کے بعد ہی تبشیر اور تسلی کا بیان معمولاتِ قرآنی میں سے ہے۔ اٰمَنُوْا اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے درمیان واو عطف آنے سے استدلال یہ کیا گیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ يدل على ان العمل الصالح مغاير للايمان لان العطف يوجب المغايرة (کبیر) اِنَّا ...... عَمَلًا۔ مسلک اہل سنت میں یہ اللہ کی طرف سے وعدہ جزائے حسن عمل کا ہے۔ عند اصحابنا ذٰلک الاستیجاب حصل بحکم الوعد (کبیر) ف۴۸ اہل دوزخ کی سختیوں اور ہولناکیوں کے مقابلہ میں یہ اہل جنت کی عیش سامانیوں کا بیان ہو رہا ہے اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ۔ جنت میں جو دار العمل نہیں تمام تر دار الجزاء ہے نہی شرعی اٹھ جانے کے بعد بہت سے دوسرے ممنوعات کی طرح زیور پوشی بھی رجال جنت کے لئے جائز ہو جائے گی۔ بالکل اس کا شمار اسباب زینت میں سے ہونے لگے گا اور یہ زیور دیکھنے میں بہت بھلے معلوم ہوں گے۔ جیسا کہ آج بھی ان کا شمار اسباب زینت میں ہے جہاں جہاں یہ عرفاً رائج ہیں۔ ثِيَابًا خُضْرًا۔ یہ رنگ لباس کی سبزی یہاں بہ طور مثال بیان فرمائی گئی ہے، حصر مقصود نہیں، چنانچہ قرآن ہی میں مطلق صورت میں بھی تو وعدہ موجود ہے کہ اہل جنت جو کچھ چاہیں گے، پالیں گے۔ والظاهر ان لباسهم غير منحصر في ما ذكر اذلهم فيها ما تشتهي الانفس وتلذ الاعين (روح) يُحَلَّوْنَ۔ يَلْبَسُوْنَ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ سوال پیدا کیا ہے کہ ایک ہی آیت کے اندر یحلون صیغۂ مجہول میں اور یلبسون صیغۂ معروف میں کیوں ہے اور جواب یہ دیا ہے کہ یلبسون میں اشارہ اہل جنت کے اجر واجب کی طرف ہے اور یحلون اس اجر واجب سے زاید یعنی اللہ کے فضل محض کو بتا رہا ہے۔ يحتمل ان يكون اللبس اشارةً الى ما استوجبوه بعملهم وان يكون الحلى اشارة الى ما تفضل الله عليهم ابتداءً من زوايد الكرم (کبیر) ف۴۹ (دنیا کی بے ثباتی اور بے حقیقتی اور آخرت کی مقصودیت ظاہر کرنے کو) رَجُلَيْنِ۔ ان دو شخصوں میں سے ایک ملحد و بے دین تھا، اور دوسرا موحد و دیندار، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ

لگا رکھی تھی ف۵۰ دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور کسی کی پیداوار میں ذرا

مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّ فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ ۙ وَّكَانَ لَهٗ

کمی نہ رہتی اور ہم نے ان دونوں کے درمیان ایک ندی جاری کر رکھی تھی اور اس (شخص) کے پاس

ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ

(اور بھی) تمول تھا ف۵۱ سو اس نے اپنے (اس) ساتھی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں تجھ سے مال میں

مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ

بھی زیادہ ہوں اور مجمع میں بھی غالب ف۵۲ اور وہ اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں

لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ ۙ

داخل ہوا ف۵۳ اور بولا کہ میرا تو یہ خیال نہیں کہ یہ (باغ) کبھی بھی برباد ہو ف۵۴

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى

اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت (بھی) آئے گی اور اگر میں اپنے پروردگار کے پاس

رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ قَالَ لَهٗ

پہنچایا گیا (بھی) تو یقیناً اس (باغ) سے (بھی) بہتر جگہ پاؤں گا ف۵۵ (اس پر) اس کا وہ ساتھی بولا

صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ

اس سے گفتگو کرتے ہوئے کہ ارے! کیا تو کفر اس (ذات) کے ساتھ کرتا ہے ف۵۶ جس نے تجھے (پہلے) مٹی

مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ ۭ

سے پیدا کیا پھر نطفہ سے (تجھ کو بنایا) پھر تجھے صحیح وسالم آدمی بنایا ف۵۷

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْ

لیکن (میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ) وہی اللہ میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور تو

ف۵۰ (لیکن یہ شخص تھا بدعقیدہ وبددین) انگور کا باغ ایک تو بجائے خود قیمتی، پھر ایک ہی نہیں، دو دو۔ اور پھر ان کے گرداگرد خرموں کی باڑ لگی ہوئی۔ اس سب پر مستزاد یہ کہ باغوں کے درمیان کی جگہ بے کار اور خالی پڑی ہوئی نہیں، بلکہ سرسبز وشاداب کھیتی سے لدی ہوئی — عرب کے نقطۂ نظر سے آسودگی مرفہ حالی کا کامل ومکمل مرقع! ف۵۱ باغ بھی ایسے کہ پوری پوری فصل دینے والے۔ کسی میں کوئی نقصان اور کمی نہیں اور پڑوس میں دریا۔ کھیتی کی سرسبزی اور باغ کی شادابی کے سامان ہر طرح کے بہ افراط اور عام دولتمندی اس پر مستزاد۔ مادی فراغت وخوش نصیبی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی۔ ثَمَرٌ۔ ثمر کے معنی علاوہ اپنے مشہور معنی کے، دولت کے بھی ہیں۔ ویکنی به عن المال المستفاد (راغب) ومن المخاز الثمر انواع المال (تاج) اور یونہی معنی یہاں مراد ہیں۔ اے انواع من المال من ثمر اذا کثر (کشاف) عن مجاهد الذهب والفضة اے کان له مع الجنتین اشیاءٌ من المنقود (کبیر۔ عن مجاہد) یراد بهما الذهب والفضة خاصة (بحر۔ عن مجاہد) ف۵۲ (درآنحالیکہ تو توحید کا قائل ہے اور اپنے کو اہل حق سے قرار دیتا ہے) کہنے والے کا مطلب یہ ہے کہ میرا طریقہ اگر خلاف حق اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہوتا تو آج میں اس مرفہ حالی میں کیوں ہوتا؟ بلکہ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ میرا مسلک صحیح اور تیرا مذہب غلط ہے۔ نَفَرًا۔ یعنی جتھے اور مجمع کے لحاظ سے بھی۔ یعنی انصارًا وحشمًا وقیل اولادًا ذکورًا (کشاف) لِصَاحِبِهٖ۔ اس ملحد کا یہ رفیق موحد ودیندار تھا۔ ف۵۳ (مع اپنے اسی دیندار ساتھی کے) وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ۔ یعنی اپنے اوپر جرم کفر قائم کرتا ہوا۔ ف۵۴ غیر خداپرست مادہ پرست کی نظر بس قریب کے اسباب طبعی ومادی ہی تک محدود رہتی ہے۔ بقا، نشوونما، ترقی کے انہیں مادی وقریبی اسباب پر نظر کر کے بولا کہ اس جائداد کے اجڑنے اور ویران ہونے کے تو قطعًا کوئی آثار نہیں۔ بہ قول ایک فاضل محقق کے ”اس شخص نے توحید کے مسئلہ میں کلام کیا کہ تو جو صانع عالم کا اور اس کی قدرت وغیرہ کا قائل ہے سو میں تو نہیں سمجھتا کہ اسباب طبعیہ کو کوئی معطل کر سکے اور اس باغ وغیرہ کا کارخانہ جس کی آبادی کے سارے اسباب جمع ہیں کہ نہر بھی ہے، کارکن بھی ہیں، خرچ کرنے کو مال بھی، اس مال کی حفاظت کا سامان بھی ہے، کس طرح محتمل ویرانی کا ہو“ تَبِيْدَ۔ بید کے معنی ہلاک ہونے کے ہیں۔ البید ...... الهلاک (بحر) ف۵۵ یعنی اول تو میں قائل ہی قیامت کا نہیں، یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ لیکن بالفرض اگر تیرے عقیدہ کے مطابق حشر ونشر برحق نکلا تو میں جس عیش وعشرت کی زندگی یہاں بسر کر رہا ہوں، اس سے زیادہ چین وآرام میں وہاں رہوں گا۔ ف۵۶ (جیسا کہ تیری تقریر عقیدۂ توحید وقیامت کا انکار ظاہر کر رہی ہے) صَاحِبُهٗ۔ یعنی اس کا وہی دیندار موحد رفیق۔

ف۵۷ یعنی تیرے سب اعضا اور قویٰ درست کئے اور تجھے ترکیب صحیح کے ساتھ انسان بنا کر نمودار کیا۔ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ۔ ہر انسان کا مادۂ بعید مٹی ہی ہے، بہ واسطۂ آدم علیہ السلام۔ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ۔ ہر انسان کا مادۂ قریب نطفۂ پدری ہے، بواسطہ رحم مادر۔

لَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ

جو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ اللہ جو چاہتا ہے (وہی ہوتا ہے) اور (کسی میں) کوئی قوت نہیں

اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿۳۹﴾ ۚ

بجز اللہ (کی مدد) کے۔ ف۵۸ (اور) اگر تو مجھے مال و اولاد میں کمتر دیکھتا ہے

فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ

تو عجب نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تیرے باغ سے بہتر دے دے ف۵۹

وَ يُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ

اور اس پر آسمان سے کوئی تقدیری مصیبت اتارے جس سے (باغ) ایک چٹیل میدان

صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ ۙ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ

ہو کر رہ جائے ف۶۰ یا اس سے اس کا پانی بالکل اندر اتر جائے پھر تو

تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَ اُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ

اس کی کوشش بھی نہ کر سکے ف۶۱ اور اس (بددین) کی دولت کو (آفت نے) گھیر لیا پس وہ

يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى

اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا اس پر کہ جو کچھ اس نے اس (باغ) پر خرچ کیا تھا اور وہ (باغ) اپنی ٹٹیوں پر

عُرُوْشِهَا وَ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾

گرا ہوا پڑا تھا اور وہ (بددین) کہنے لگا کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراتا ف۶۲

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ مَا كَانَ

اور کوئی جتھا اس کے ساتھ نہ ہوا کہ اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتا اور نہ وہ (ہم سے)

مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ ؕ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ

بدلہ لے سکا ف۶۳ ایسے موقع پر کارسازی اللہ برحق ہی کا کام ہے۔ اسی کا ثواب سب سے بہتر اور (اسی

ف۵۸ (کہ جس کسی مخلوق میں کچھ بھی قوت ہے، اسی کے سہارے ہے) بِاللّٰهِ۔ ب باء الاستعانۃ ہے۔ ای لا قوۃ لاحد علی امر من الامور الا باعانۃ اللّٰہ (کبیر) موحد کی تقریر کا پہلا حصہ نفس توحید پر تھا اور اب اس کلیہ کی ایک فرع پر گفتگو ہے۔ وَلَوْ...... شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی تیرے یا میرے یا کسی کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ ہی جب تک چاہے گا یہ باغ بھی قائم رہے گا اور جب وہی چاہے گا تو یہ ویران ہو جائے گا۔ اسباب طبعی سب اس کی مشیت کے ماتحت ہیں، نہ کہ اس سے آزاد و مستغنی۔ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ چنانچہ یہ باغ بھی اسی کی قوت سے تیار ہوا ہے نہ کہ کسی اور کی قوت سے۔ ای ھٰذا بقوۃ اللّٰہ لا بقوتی (ابن عباس رضی اللہ عنہما) متکلمین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ نے جو کچھ چاہا، وہ واقع ہو گیا اور جو کچھ اس نے نہ چاہا وہ واقع نہ ہوا۔ واحتج اصحابنا بھٰذا علٰی ان کل ما ارادہ اللّٰہ وقع وکل مالم یردہ لم یقع (کبیر) ف۵۹ (خواہ اسی دنیا میں خواہ آخرت میں) خَيْرًا۔ خیر کے اندر ہر قسم کا سامان عیش وراحت آ گیا۔ اِنْ...... وَلَدًا۔ یہ ملحد کی جس تقریر کے جواب میں ہے، وہ دو آیتیں قبل ابھی اوپر گزر چکی۔ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا۔ ف۶۰ یعنی بالکل اجڑ جائے۔ عَلَيْهَا۔ یعنی تیرے اسی باغ پر۔ حُسْبَانًا۔ حسبان یعنی ایسی مصیبت جو حکم غیبی سے بلا توسط اسباب طبعی ہو۔ مصیبت تقدیری۔ بمعنی الحساب ای مقدراً قدرہ اللّٰہ (کشاف) (کبیر) اور مقصود اس سے جزائے افعال و پاداش اعمال ہو۔ وانما ھو فی الحقیقۃ ما یحاسب علیہ فیجازی بحسبہ (راغب) وذٰلک الحسبان حساب ما کسبت یداک (جمل۔ عن الزجاج) ف۶۱ (چہ جائیکہ اسے حاصل کر سکے) یعنی پڑوس کی جس نہر پر تجھے بڑا ناز ہے، خود اسی کا پانی بالکل خشک ہو جائے، اور باغ وکاشت سب کا ستیاناس ہو جائے۔ ف۶۲ یہ قول ندامت ضرر کی بناء پر تھا، اس سے عقیدۂ کفر پر ندامت لازم نہیں آتی۔ اس حسرت وندامت سے بھی مقصود تمامتر دنیا ہی تھی، اس لئے یہ قول نجات کے لئے کافی نہ ہوا۔ انما رغب فی التوحید والردعن الشرک لاجل طلب الدنیا فلھٰذا السبب ما صار توحیدہ مقبولاً عند اللّٰہ (کبیر) يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ۔ محاورہ میں تقلیب کفین سے مراد حسرت وندامت ہوتی ہے۔ و تقلیب الکفین کنایۃ عن الندم والتحسر (کشاف) و ھو کنایۃ عن الندم والحسرۃ (کبیر) ف۶۳ اپنے جس مجمع اور جتھے پر اسے ناز تھا اور وہ فخر کے ساتھ کہتا تھا۔ انا اعزمنک مالاً واکثر نفراً اس کی حقیقت وبساط اس نے یہیں اسی دنیا میں دیکھ لی! يَنْصُرُوْنَهٗ...... مُنْتَصِرًا۔ منتصر کے معنی بچا لینے والے کے بھی ہیں اور يَنْصُرُوْنَهٗ سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اسے بچا لے۔ ینصرونہ ای ینجونہ من عذاب اللّٰہ وما کان منتصرًا ای ممتنعا من عذاب اللّٰہ (ابن جریر۔ عن قتادۃ) مطلب یہ ہوا کہ بجز اللہ کے کوئی بھی نصرت پر قادر نہیں۔ نصرت صرف اسی کی ہے۔ ای ھو اللّٰہ تعالٰی وحدہ القادر علی نصرتہ ولا یقدر احد غیرہ ان ینصرہ (کبیر)

ع ۵/۱۷

ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ

کا) نتیجہ سب سے بہتر ہے وٓ۶۴ اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت بیان

الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ

کیجیے کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات

الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

خوب گنجان ہو گئی ہے وٓ۶۵ پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے کہ ہوا اسے اڑائے اڑائے پھرے اور اللہ

عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ

ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے وٓ۶۶ مال اور اولاد دنیوی زندگی کی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ

ایک رونق ہیں اور باقی رہ جانے والے اعمال صالحہ آپ کے پروردگار کے ہاں

رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿٤٦﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ

ثواب کے اعتبار سے بھی کہیں بہتر ہے اور امید کے اعتبار سے بھی کہیں بہتر وٓ۶۷ اور وہ دن (یاد رکھنے کے قابل

وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ

ہے) جب ہم پہاڑوں کو ہٹا دیں گے اور تو زمین کو دیکھے گا کہ کھلا میدان ہے وٓ۶۸ اور ہم ان (سب) کو جمع کر دیں

مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿٤٧﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ

گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے وٓ۶۹ اور وہ تیرے پروردگار کے روبرو برابر کھڑے کر کے پیش کئے

جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ

جائیں گے۔ آخر تم ہمارے ہی پاس آئے جیسا کہ ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔ لیکن تم تو یہ خیال کرتے

نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى

رہے کہ ہم تمہارے لئے وقت موعود نہ لائیں گے وٓ۷۰ اور نامۂ عمل رکھ دیا جائے گا سو تو مجرموں کو

وٓ۶۴ یعنی اللہ ہی کی مدد دنیا و عقبیٰ دونوں جگہ کام آتی ہے اور اس کے مقبولوں کا کوئی ظاہری نقصان ہوتا بھی ہے تو اس کا ثمرہ نیک مل کر رہتا ہے۔ اَلْوَلَايَةُ۔ ولایۃ (بالفتح) کے معنی کارسازی وانصرام امور کے ہیں اور وِلایۃ (بالکسر) کے معنی مدد و نصرت کے۔ الوِلایة النصرة والوَلایة تولی الامر (راغب) اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں کارسازی کے معنی میں مرادف ہیں۔ قیل الوَلایة والوِلایة واحدة وحقیقة تولی الامر (راغب) ابن جریر نے لکھا ہے کہ بصرہ اور کوفہ و مدینہ کے بعض قاریوں کی زبان پر ولایۃ (بالفتح) ہے، جس کے معنی دوستی یا مدد کے ہیں۔ اور کوفہ کے عام قاریوں کی قرأۃ ولایۃ (بالکسر) ہے۔ جس کے معنی حکومت و غلبہ کے ہیں۔ وٓ۶۵ (اور خوب سرسبز و شاداب) دنیا کے مال و جاہ کے حقیر، فانی اور بے حقیقت ہونے پر ایک تمثیل ابھی اوپر گذر چکی، مذاق و فہم عرب کے خاص طور پر موافق۔ اور دوسری تمثیل اب بیان ہو رہی ہے۔ كَمَآءٍ۔ ک حرف تشبیہ ہے۔ اس کا تعلق محض لفظ ماء سے نہیں، بلکہ آگے کی پوری عبارت سے ہے۔ وٓ۶۶ ایجاد و اعدام، ابقاء و افناء سب پر یکساں قادر، جب اور جیسے چاہے، ہست سے نیست کر دے اور نیستی سے ہستی میں لے آئے۔ كَمَآءٍ...... الرِّيٰحُ۔ سو یہی حال دنیا کا بھی ہے، ابھی ہری بھری نظر آ رہی ہے، اور عنقریب ہلاک و برباد ہو کر رہے گی۔ وٓ۶۷ نفس اعمال تو ظاہر ہے کہ آنی و فانی بلکہ سریع الفناء چیزیں ہیں۔ لیکن ہر عمل خیر و شر سے جو اثر انسان پر مرتب ہوتا ہے اس کا نام ثواب و عذاب ہے اور وہ ایک دائمی اور ثابت و قائم رہ جانے والی حقیقت ہے اور چونکہ ثواب و عذاب کا رشتہ اعمال کے ساتھ غیر منفک ہے اس لئے مجازاً اعمالِ صالحہ ہی کو باقیات ارشاد فرما دیا گیا۔ لما كانت الاعمال اسبابًا فى الثواب و العقاب كان الثواب و العقاب دائمين لا ينقطعان و باقيين لا يفنيان و صفت الاعمال بالبقاء عملًا مجازيًا عليها (ابن العربی) اَلْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ۔ محققین نے کہا ہے کہ ہر وہ عمل یا قول جو معرفت الٰہی یا محبت الٰہی یا طاعت الٰہی کی طرف لے جانے والا ہو وہ اسی باقیات صالحات کی فہرست میں داخل ہے۔ كل عمل وقول دعاك الى الاشتغال بمعرفة الله وبمحبته وخدمته فهو الباقيات الصالحات (کبیر) عن قتادة هو كل ما اريد به وجه الله (بحر) زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ یعنی مال و اولاد اسی دنیوی زندگی کی ایک بہار اور اس کا ایک ضمیمہ ہیں۔ تو جب خود دنیا ہی کو ثبات نہیں تو اس کے تابع و ضمیمہ کی بے ثباتی تو اور بھی بڑھ کر ہوگی۔ یہ مال و اولاد کو تحقیراً محض زینت حیات دنیوی کہنا خود ان کے مال، اولاد ہونے کے اعتبار سے ہے لیکن اگر انہی کو خدا پرستی اور دین طلبی کا ذریعہ بنا لیا جائے، اور ان سے طاعت الٰہی و خدمت دین کا کام لیا جانے لگے تو یہی مال و اولاد مقصود و مطلوب بن جاتے ہیں اور ان کا شمار بھی عین باقیات صالحات میں ہونے لگتا ہے۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ چونکہ خود باقی اور قائم اور لایزال ہیں، ان کی رضا و طاعت کے لئے جو کام بھی کیا جاتا ہے وہ خود بھی حیات ابدی حاصل کر لیتا ہے اور مخلوق چونکہ خود فانی ہے اس لئے رضائے مخلوق والے سارے کام خود ہی زود فنا ہوتے ہیں۔ وٓ۶۸ یعنی پہاڑ، دریا، ٹیلے، عمارتیں، درخت سب ناپید ہو چکے ہوں گے۔ وٓ۶۹ یعنی سارے کے سارے انسان بلا استثناء قبروں سے اٹھا اٹھا کر میدان حشر میں۔ وٓ۷۰ (اور تم باوجود اپنے خلق اول کے علم و یقین کے اپنی خلق ثانی کے معتقد و قائل نہ ہوئے) یہ سب کچھ منکروں، ملحدوں سے خطاب کر کے ارشاد ہوگا۔ والخطاب لكفار المنكرين البعث على سبيل تقريعهم وتوبيخهم (بحر) لَقَدْ...... مَرَّةٍ۔ یعنی آئے بھی تو مال، جاہ، اولاد اور اپنی ہر اس چیز سے خالی ہاتھ ہو کر جس پر دنیا میں فخر و ناز کیا کرتے تھے۔ بَلْ کا ترجمہ 'بلکہ' اور 'لیکن' دونوں سے ہو سکتا ہے۔ بل للاضراب بمعنى الانتقال من خبر الى خبر (بحر)

الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا

دیکھے گا کہ جو کچھ اس میں (لکھا) ہے اس سے ڈر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہائے ہماری کم بختی

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّآ

اس نامۂ عمل کی تو عجیب حالت ہے کہ اس نے (کوئی گناہ) نہ چھوٹا چھوڑا نہ بڑا بغیر

اَحْصٰىهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَ لَا

اس کو قلمبند کئے ہوئے ف۱ اور انہوں نے جو کچھ بھی کیا تھا اسے وہ (لکھا ہوا) موجود پائیں گے اور

يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿٤٩﴾ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا

تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا ف۲ اور (وہ دن یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا

لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ

کہ آدم کے روبرو جھکو، سو وہ جھکے البتہ ابلیس (نہ جھکا) ف۳ وہ جنات میں سے تھا

فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ

سو اپنے پروردگار کے حکم سے نافرمانی کر بیٹھا ف۴ سو کیا تم اسے اور اس کی نسل کو

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ

میرے مقابلہ میں دوست بناتے ہو درآنحالیکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ف۵ ظالموں کے لئے بہت برا

بَدَلًا ﴿٥٠﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

بدل ہے ف۶ میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت بلایا

وَ لَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَ مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ

اور نہ انہیں کی پیدائش کے وقت اور میں گمراہ کرنے والوں کو (اپنا) دست و بازو بنانے والا

عَضُدًا ﴿٥١﴾ وَ يَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ

ہی نہ تھا ف۷ اور (یاد رکھو) وہ دن جب (اللہ) فرمائے گا (اب) پکارو میرے شریکوں کو جنہیں

ع ٦ / ٥ / ١٨

ف۱ منکروں کے حق میں منظر حشر کی یہ کس درجہ موثر و پرحسرت تصویر ہے! صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً۔ یعنی کوئی بھی معصیت چھوٹی سی چھوٹی یا بڑی سی بڑی ایسی نہیں جو اس میں درج نہ ہو۔ ای لا یترک شیئاً من المعاصی سواء کانت صغیرۃ او کبیرۃ الا وھی مذکورۃ فی ھذا الکتاب (کبیر) ف۲ (کہ کسی کی ادنیٰ سی نیکی بھی لکھنے سے رہ جائے یا حقیر سی بدی بھی کسی کے نامۂ اعمال میں بڑھا دی جائے۔) وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا۔ بعض اہل کشف نے لکھا ہے کہ یہ اعمال لکھی ہوئی صورت میں نہیں، بلکہ اپنی اصلی صورت میں پیش ہوں گے۔ یعنی ہر عامل اپنے کو بعینہٖ وہی عمل کرتا ہوا پائے گا جو اس نے دنیا میں کیا تھا۔ ف۳ لِلْمَلٰٓئِكَةِ۔ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ۔ اِبْلِيْسَ۔ اور سارے واقعۂ آدم، ابلیس پر حاشیے سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف دونوں میں گزر چکے۔ ف۴ (جیسا کہ ایک جنی سے مستبعد بھی نہیں) كَانَ مِنَ الْجِنِّ۔ اس میں صراحت کے ساتھ تردید ہے اس یہودی اور نصرانی عقیدہ کی کہ ابلیس کا شمار فرشتوں میں تھا — اور حیرت ہے کہ قرآن مجید کی اتنی واضح تصریح کے بعد بھی ہزاروں پڑھے لکھے مسلمان اب تک ابلیس کو فرشتہ ہی سمجھے جا رہے ہیں! فیہ بیان انہ لیس من الملٰئکۃ لانہ اخبر انہ من الجن فھو جنس غیر جنس الملائکۃ (جصاص) والظاھر من ھذہ الأیۃ انہ لیس من الملائکۃ وانما ھو من الجن (بحر) ابلیس کے جنی ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ایک ناری مخلوق تھا اس لئے سرکشی تو اس کے عنصر غالب کا عین مقتضا تھا۔ لیکن اگر وہ اپنی قوت ارادہ و اختیار سے صحیح کام لیتا تو اپنے اس مقتضائے طبعی کو بہ آسانی روک سکتا تھا اس لئے اسے معذور سمجھنا قطعاً غلط ہے۔ فَفَسَقَ میں ف فاء سببیہ ہے یعنی جن ہونے ہی کی بنا پر تو اس نے سرکشی کی۔ فرشتہ ہوتا تو اس سے عصیان ممکن ہی کیونکر تھا۔ والفاء للسبب وفیہ دلیل علیٰ ان الملک لا یعصی البتۃ وانما عصیٰ ابلیس لانہ کان جنیاً فی اصلہ (بیضاوی) والفاء للسبب ایضاً جعل کونہ من الجن سبباً فی فسقہ یعنی انہ لو کان ملکاً کسائر من سجد لادم لم یفسق عن امر اللہ لان الملائکۃ معصومون البتۃ (بحر) فسق اب جس معنی میں چل گیا ہے۔ یعنی سرکشی اور طاعت حق سے نافرمانی۔ یہ زبان عرب میں تمامتر قرآن مجید کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ نزول قرآن سے قبل یہ معنی شائع و رائج نہ تھے۔ وقال ابو عبیدۃ لم تسمع ذٰلک فی شیء من اشعار الجاھلیۃ ولا احادیثھا وانما تکلم بہ العرب بعد نزول القرآن ووافقہ المبرد علیٰ ذٰلک (روح) قال ابن العربی لم یسمع الناس فی وصف الانسان فی کلام العرب (راغب) ف۵ (جن کا کام ہی تمہیں بھڑکانا، ضرر پہنچانا ہے) اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ۔ یعنی میرے مقابلہ پر، شیطان اور شیطان زادوں کو اپنا دوست اور کارساز و چارہ ساز سمجھتے ہو۔ ذُرِّيَّتَهٗ۔ ذریت کے معنی نسل یا اولاد کے ہیں۔ اور سلسلہ نسل جس طرح انسانوں میں چل رہا ہے۔ جنات میں بھی قائم ہے۔ ابلیس کے فرشتہ نہ ہونے پر محققین نے اس لفظ ذریت سے استشہاد مزید کیا ہے کہ سلسلہ نسل تو جنات ہی میں قائم ہے نہ کہ فرشتوں میں۔ واستدل نافی ملکیتہ بظاھر الأیۃ حیث افادت انہ لہ ذریۃ والملائکۃ لیس لھم ذٰلک (روح) اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ میں حرف ہمزہ انکار و حیرت کے لئے ہے جیسے اردو میں کہیں ارے یہ غضب کرتے ہو! الھمزہ للانکار والتعجب (بیضاوی) الھمزہ للتوبیخ والانکار والتعجب (بحر) ف۶ بَدَلًا۔ بدل کے معنی اگر عوض کے لئے جائیں جب تو ظاہر ہی ہے کہ ظالموں یعنی کافروں اور منکروں کو معاوضے کیسے برے برے ملیں گے۔ لیکن فقرہ کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ظالم خدا ناشناس کیسے احمق ہیں کہ دوست اور کارساز سمجھنا تو چاہیے حق تعالیٰ کو اور یہ بجائے اس کے دوست و کارساز ابلیس و ذریاتِ ابلیس کو بنائے ہوئے ہیں۔ لِلظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی مشرکین جو شیطانوں کے ساتھ تعلق کتنا غلط اور بے جا قائم کئے ہوئے ہیں۔ صیغۂ مخاطب سے آیت میں دفعۃً صیغۂ غائب کی طرف التفات میں اشارہ کمال ناگواری کی جانب ہے۔ ف۷ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ حق تعالیٰ ان گمراہ کن شیطانوں کو کسی معاملہ میں کسی حد تک بھی اپنا معین یا مشیر بناتا۔ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی آفرینش کائنات کے وقت ان کا وجود ہی سرے سے کہاں تھا؟ یہ تو بہت بعد کی مخلوق ہیں۔ پھر اس کارخانۂ ایجاد و تکوین کے کسی شعبہ میں بھی ان کی شرکت، مشورہ کی حد تک بھی کیونکر ممکن تھی۔ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ۔ یعنی جن "معبودوں" کو تم شریک خدائی ٹھہرا رہے ہو، یہ کسی اور معاملہ میں مشیر و شریک تو کیا ہوتے، خود اپنے ہی وجود کے باب میں یہ کب کوئی سا بھی مشورہ دے سکتے تھے؟ وَمَا كُنْتُ ...... عَضُدًا۔ بعض فقہاء مفسرین نے اس جزء سے یہ نکالا ہے کہ کافروں سے امور دین میں مدد لینا جائز ہے۔ واستدل بھا علیٰ انہ لا ینبغی الاستعانۃ بالکافر وھو فی امور الدین کجھاد الکفار وقتال اھل البغی واما الاستعانۃ بھم فی امور الدنیا فالذی یظھر انہ لا باس بھا (روح)

زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا

تم مانا کرتے تھے و۷۸ بس وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں جواب ہی نہ دیں گے اور ہم ان کے

بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ

درمیان ایک آڑ کر دیں گے و۷۹ اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے اور یقین کریں گے کہ وہ

مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا

اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے کوئی راہ بچنے کی نہ پائیں گے و۸۰ اور ہم نے

فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ

اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے (عمدہ) مضمون طرح طرح سے بیان کئے ہیں اور

الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ

انسان جھگڑنے میں سب سے بڑھ کر ہے و۸۱ اور لوگوں کو بعد اس کے کہ

يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ

ان کو ہدایت پہنچ چکی تھی ایمان لانے سے اور اپنے پروردگار سے مغفرت مانگنے سے کوئی امر مانع نہیں رہا تھا بجز

اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ

اس کے کہ (ان کو اس کا انتظار ہو کہ) انہیں بھی اگلوں کا سا معاملہ پیش آئے یا یہ کہ عذاب درعذاب ان پر

قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ

نازل ہو و۸۲ اور ہم رسولوں کو تو صرف خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر)

وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ

بھیجا کرتے ہیں و۸۳ اور کافر لوگ ناحق جھگڑے نکالتے ہیں

لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا

تاکہ اس کے ذریعہ سے حق کو بچلا دیں اور انہوں نے میری نشانیوں کو اور اس کو جس سے انہیں ڈرایا گیا ہے

ع ۷ ۱۹

و۷۸ یعنی اپنی امداد واعانت کے لئے بلاؤ۔ شُرَكَآءِيَ۔ یعنی وہ تمہارے پندار کے مطابق میرے شریک خدائی تھے۔ و۷۹ (جس سے بالکل ہی مایوسی ہو جائے گی) بَيْنَهُمْ۔ یعنی مشرک انسانوں اور ان کے معبود شیطانوں کے درمیان و۸۰ اور اس وقت کی شدت یاس! معاذ! اللہ! فَظَنُّوْا۔ ظن یہاں یقین کے معنی میں ہے۔ اے ایقنوا (بیضاوی) قال ابن عطیة اطلق الناس ان الظن ھنا بمعنی التیقن (بحر) و۸۱ یعنی ہر ایسی مخلوق سے بڑھ کر جو ذمہ داری کا احساس رکھتی ہے۔ یعنی ان جدل الناس اکثر من جدل کل شیء (بحر) الْاِنْسَانُ۔ یعنی سرکش، نافرمان انسان۔ محاورۂ قرآنی میں الانسان اکثر موقع ذم ہی پر آیا ہے۔ وکثیرا ما یذکر الانسان فی معرض الذم (بحر) و۸۲ مطلب یہ ہے کہ جب صاف ہدایت آ چکی اور تبلیغ کے سارے مراتب پورے ہو چکے تو اب بھی جو یہ کافر ایمان نہیں لاتے تو کیا یہ اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ یہ بھی وہی اگلوں کی طرح ہلاک کئے جائیں یا یہ کہ یہ زندہ تو رہیں لیکن عذاب درعذاب کے چکر میں ڈال دیئے جائیں۔ الْهُدٰى۔ یعنی رسول اور قرآن مع دلائل وشواہد کے وھو الرسول الداعی والقرآن المبین (بیضاوی) سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ۔ جو کچھ اگلی قوموں کو مسلسل نافرمانی کی پاداش میں پیش آ چکا تھا۔ یعنی عذاب ہلاکت واستیصال، وھو عذاب الاستیصال (کبیر) قُبُلًا۔ جمع ہے قبیل کی اور اس کے معنے جھنڈ جھنڈ کے یا متواتر ومسلسل انواع عذاب کے ہیں۔ قال مجاھد جماعة جماعة فیکون جمع قبیل (راغب) وھو جمع قبیل بمعنی ضروب من العذاب تتواصل مع کونھم احیاء (کبیر) و۸۳ (اور جتنے دلائل وشواہد اس منصب کے لئے ضروری ہوتے ہیں وہ انہیں دے دیتے ہیں) آیت سے دو مسئلوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک یہ کہ ہر پیمبر کی حیثیت محض مبشر ومنذر کی ہوتی ہے اس کا کام محض تبشیر وانذار ہے۔ نتائج کی ذمہ داری اس پر ذرا سی بھی نہیں۔ دوسرے یہ کہ پیمبر سے خواہ مخواہ معجزات وخوارق کی فرمائشیں کرتے رہنا ایک امر لغو ہے۔

هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ

دل لگی بنا رکھا ہے و۸۴ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اس کے پروردگار کی نشانیوں کے ذریعہ سے نصیحت کی

فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ نَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا

جائے سو وہ اس سے روگردانی کرے اور جو کچھ اپنے ہاتھوں سمیٹ رہا ہے اسے بھلا دے و۸۵ ہم نے ان کے

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ

دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اس کے سمجھنے سے اور اس کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے و۸۶

وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

اور اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں تو یہ ایسی حالت میں ہرگز راہ پر نہ آئیں و۸۷

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا

اور آپ کا پروردگار بڑا مغفرت کرنے والا بڑا رحمت والا ہے و۸۸ وہ اگر ان پر داروگیر

كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ

ان کے اعمال کی بنا پر کرنے لگتا تو ان پر عذاب فوراً ہی واقع کر دیتا لیکن اس نے ان کے واسطے

يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ

ایک متعین وقت ٹھہرا رکھا ہے۔ اس کے ادھر یہ کوئی پناہ گاہ نہیں پاسکتے و۸۹ اور یہ بستیاں وہ ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر

لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ع وَ اِذْ قَالَ

ڈالا جب انہوں نے ظلم کیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے ایک وقت معین کیا تھا و۹۰ اور (وہ وقت یاد کرو) جب

مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ

موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں برابر چلتا رہوں گا تا آنکہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں و۹۱

اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا

یا (یوں ہی) سالہا سال تک چلا کروں و۹۲ پھر جب دونوں دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو اپنی مچھلی کو

ع ۸ / ۲۰

و۸۴ یعنی تذکیر عذاب کا مقتضا تو یہ تھا کہ ان کے قلوب لرز جاتے لیکن اس کے برعکس سنگدل منکروں نے الٹا اسی کو ہدف تمسخر بنالیا! کیا حد ہے ان کی ذہنیت کی مسخ شدہ کیفیت کی! وَمَآ اُنْذِرُوْا۔ یعنی میرے عذاب کو۔ وَيُجَادِلُ...... الْحَقَّ۔ یعنی طرح طرح کی کٹ حجتی کر کے چاہتے ہیں کہ حق کو ڈگمگا دیں۔ یجادل کے باب مفاعلۃ سے ایک فرع یہ نکالی گئی ہے کہ حضرات انبیاء بھی ان سے بحث ومباحثہ کرتے رہتے تھے۔ وھذا یدل علی ان الانبیاء کانوا یجادلونھم لما بیّنا ان المجادلۃ انما تحصل من الجانبین (کبیر) و۸۵ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ۔ یعنی اپنی عصیان کاری کو۔ نَسِيَ۔ نسیان سے یہاں غیر ارادی سہو مراد نہیں۔ بلکہ ارادی تغافل مراد ہے۔ والمراد من النسیان التشاغل والتغافل عن کفرہ المتقدم (کبیر) و۸۶ (اس کے سننے سے) يَفْقَهُوْهُ میں ضمیرہُ الحق کی طرف ہے جو ایک آیت قبل لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ میں گزر چکا۔ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً۔ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا۔ دلوں پر پردہ پڑنے اور کانوں میں ڈاٹ دے رکھنے پر حاشیے کئی بار پہلے گزر چکے۔ بندہ جب اپنے قصد واختیار سے کام لے کر حق کی مخالفت عرصہ تک کرتا رہتا ہے کہ نتیجہ کے طور پر اس سے توفیق ہی حق کے سمجھنے اور سننے کی سلب ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے یہ فعل ابتداءً نہیں ہوتا۔ قلوب اور اٰذان دونوں کے غیر متاثر رہنے کے معنٰی یہ ہوئے کہ یہ ایمان نہ تحقیق کی راہ سے لائیں گے اور نہ تقلید ہی کی راہ سے۔ و۸۷ (سو آپ کا ان پر زیادہ غم کرنا بھی بے فائدہ ہی ہے) اِذًا یعنی جب کہ ان کے دل اور ان کے کان، ان کی ارادی بے توجہی اور عناد کی بنا پر قبول حق کی استعداد بھی ضائع کر چکے ہیں۔ و۸۸ چنانچہ اس صفت غفر کے تقاضہ سے اب بھی باوجود اس ہجوم عصیان وکفر کے اگر راہ راست پر آجائیں تو توبہ قبول ہوسکتی اور مغفرت حاصل ہوسکتی ہے۔ اور صفت رحمۃ کے تقاضہ سے اس نے انہیں اتنی مہلت دے رکھی ہے۔ و۸۹ اس حقیقت کو ایک بار پھر دہرا دیا گیا ہے کہ عذاب الٰہی فوراً نہیں آتا بلکہ بڑے سے بڑے مجرموں کو بھی مہلت ضرور ملتی رہتی ہے۔ مِنْ دُوْنِهٖ۔ ضمیر موعد کی طرف ہے۔ یعنی اس یوم موعود کے ادھر یا قبل یہ کوئی پناہ گاہ نہیں پاسکتے کہ پیشتر ہی سے اس میں چھپ چھپا کر اپنے کو محفوظ کر لیں۔ والضمیر المجرور عائد علی الوعد کما ھو الظاھر (روح) یہ بھی جائز ہے کہ رب کی طرف سمجھی جائے۔ قیل یعود علی اللہ تعالیٰ وھو مخالف للظاھر (روح) و۹۰ (چنانچہ وہ اپنے اسی وقت معین ومقرر پر ہلاک ہوئیں) تِلْكَ الْقُرٰى یعنی ان بستیوں کے باشندے۔ والکلام علی تقدیر مضاف ای اھل القرٰی (روح) اشارہ ان سرکش ونافرمان پرقوت قوموں کی جانب ہے جن کی ہلاکت کا بیان قرآن مجید میں بار بار آچکا ہے، اور جو ہر قرآن خوان کے لئے معلوم ومعروف ہیں۔ ای قری عاد وثمود وقوم لوط واشباھھم (روح) و۹۱ (جہاں کا پتہ مجھے ایک برگزیدہ بندۂ حق سے ملاقات کا بتایا گیا ہے) توریت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس سفر کا کوئی ذکر نہیں ــــ اور اسی سے ظاہر ہے کہ توریت موجودہ ومروجہ بہ حیثیت تاریخ وتذکرہ کے بھی ناتکمل وناقص ہے۔ لِفَتٰىهُ۔ فتی کے لفظی معنٰی نوجوان کے ہیں اور مجازی معنٰی غلام یا خادم کے۔ الفتی الطری من الشباب والانثی فتاۃ ویکنی بھما عن العبد والامۃ (راغب) والعرب تسمّی الخادم فتی لان الخدم اکثر ما یکونون فی سِنّ الفتوۃ (روح) قیل للخادم فتی علی جھۃ حسن الادب (بحر) مراد حضرت یشوع بن نون سے ہے۔ حدیث بخاری میں یہ تصریح موجود ہے اور مفسرین بھی تقریباً سب اس پر متفق ہیں۔ حضرت یشوع حضرت موسیٰ کے عزیز خاص وخادم خاص تھے ــــ بعد کو خود بھی نبوت سے مشرف ہوئے۔ وانطلق معہ بفتاۃ یوشع بن نون (بخاری۔ کتاب التفسیر) توریت میں ان کا ذکر متعدد مقامات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم کی حیثیت سے ملتا ہے۔ ''موسیٰ کے خادم نون کے بیٹے یشوع نے جو اس کے برگزیدوں میں سے تھا، موسیٰ سے کہا'' (گنتی۔ ۱۱:۲۸) ''اور موسیٰ علیہ السلام اور اس کے خادم یشوع آئے (خروج۔ ۱۳:۲۴) ''اور وہ لشکر گاہ کو پھرا۔ پر اس کا خادم نوجوان یشوع بن نون خیمہ میں سے نہ نکلا'' (۱۱:۳۳) حسب روایت توریت ۱۱۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ''اور ایسا ہوا کہ بعد ان باتوں کے نون کا بیٹا یشوع خداوند کا بندہ جو ایک سو دس برس کا بوڑھا تھا رحلت کر گیا'' (یشوع۔ ۲۴:۲۹) مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ۔ اس مقام کی تعیین جزم کے ساتھ مشکل ہے۔ یہ سفر اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دوران قیام مصر میں پیش آیا تھا تو دریائے نیل کی دونوں شاخوں کے ملنے کی جگہ مراد ہوسکتی ہے اور اگر جیسا کہ اغلب ہے، سفر جزیرہ نمائے سینا کے دوران قیام میں پیش آیا تو عجب نہیں کہ جو بحر قلزم کے شمالی دو شاخہ کے اتصال کی جگہ مراد ہو۔ یعنی خلیج عقبہ یا خلیج سویز۔ مشائخ صوفیہ نے آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مریدوں یا شاگردوں سے کام لینا اور انہیں سفر میں رفیق رکھنا سنت انبیاء میں سے ہے۔ و۹۲ (تا آنکہ منزل مقصود تک پہنچ جاؤں اور مقصد سفر حاصل ہو جائے) محققین نے لکھا ہے کہ اس سے طلب علم میں ہر قسم کے صعوبات برداشت کرنے کی فضیلت نکلتی ہے۔ ذٰلک تنبیہ علی ان المتعلم لو سافر من المشرق الی المغرب لطلب مسئلۃ واحدۃ لـ ـہ ذٰلک (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ کامل کی طلب میں سعی بلیغ چاہیے جب تک کہ اس سے کوئی واجب نہ فوت ہونے لگے۔

حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا

دونوں بھول گئے ف۹۳ سو اس نے سرنگ بناتی ہوئی دریا میں اپنی راہ پکڑی ف۹۴ پھر جب دونوں آگے بڑھ گئے

جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا

تو اپنے خادم سے بولے کہ ہمارا ناشتہ تو لانا ہمیں اس (آج کے) سفر سے بڑی تکلیف پہنچی ہے ف۹۵ وہ

هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ

بولا کہ لیجیے ہم لوگ جب اس چٹان کے قریب ٹھہرے تھے تو میں اس مچھلی کو

فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۫ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ

بھول ہی گیا اور مجھے بس شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کا ذکر کرتا اور

اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ

اس نے تو دریا میں عجب طرح اپنی راہ لی ف۹۶ (موسیٰ نے) کہا وہی تو وہ (مقام) تھا جس کی

ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾

ہم کو تلاش تھی ف۹۷ پھر دونوں اپنے قدموں کے نشان پر الٹے چلے تو انہوں نے ہمارے

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ

بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جس کو ہم نے اپنا ایک خاص فضل مرحمت کیا تھا اور ہم نے اسے اپنے

عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى

پاس سے ایک (خاص) علم سکھلایا تھا ف۹۸ موسیٰ نے ان سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾

رہ سکتا ہوں کہ جو علم (مفید) آپ کو سکھلایا گیا ہے اس میں سے آپ مجھے بھی سکھا دیں ف۹۹ انہوں نے کہا

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ

آپ سے میرے ساتھ نباہ نہ ہو سکے گا ف۱۰۰ اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں

ف۹۳ یعنی اس مچھلی کو جو بطور ناشتہ ان کے ساتھ ناشتہ دان میں رکھی ہوئی تھی۔ فاخذ حوتا فجعله فی مکتل ثم انطلق (بخاری۔ کتاب التفسیر) نَسِيَا حُوْتَهُمَا۔ یعنی اس مچھلی کا انہیں خیال ہی نہ آیا۔ جس برگزیدہ بندہ سے ملنے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نکلے تھے۔ اس کے ملنے کی جگہ کا پتہ یہ بتایا گیا تھا کہ طویل سنگم پر جس مقام پر وہ ساتھ والی مچھلی پھر سے پانی میں چلی جائے گی وہی جگہ ان بزرگ کی ہے۔ نَسِيَا حُوْتَهُمَا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زادراہ کا جو کہ اسباب میں سے ہے سفر میں ساتھ رکھنا توکل کے منافی نہیں۔ ف۹۴ روایتوں میں آتا ہے کہ وہ مچھلی تلی ہوئی تھی۔ اور بطور خارق عادت زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی تھی۔ سَرَبًا یعنی سرنگ کی طرح راستہ بنالیا۔ السرب الذهاب فی حدوب (راغب) یا محض راستہ پکڑ لیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ معنی مروی ہیں۔ سربا اے مذهبا۔ یسرب اے یسلک۔ ف۹۵ یعنی آج خوب تھک گئے ہیں — ممکن ہے اس منزل میں چلنا زیادہ پڑ گیا ہو۔ مفسرین نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ اپنی تکلیفوں کا ذکر بالکل جائز ہے بلکہ منافی کمال بھی نہیں۔ البتہ بے صبری و شکوہ و شکایت ممنوع ہے۔ یدل علی اباحة اظهار مثل هذا القول عند ما یلحق الانسان نصب اوتعب فی قربة وان ذلک لیس بشکایة مکروهة (جصاص) آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ پیمبر بھوکے بھی ہوتے ہیں۔ زادراہ بھی ساتھ رکھتے ہیں، تھکن بھی محسوس کرتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی شے کمال ولایت کیا معنی، کمال نبوت کے بھی منافی نہیں — آیت میں بڑا سبق ہے ان ''خوش عقیدہ'' مریدوں اور معتقدوں کے لئے جو ''بزرگوں'' کی جانب بھوک، پیاس یا اور بشری ضرورتوں کا انتساب تمام تر بے ادبی سمجھتے ہیں۔ فَلَمَّا جَاوَزَا۔ یعنی جس مقام کی نشان دہی انہیں کی گئی تھی، اس سے دور نکل آئے۔ ف۹۶ ''عجب طرح'' یوں کہ زندہ ہو کر خشکی سے دریا تک راہ پاگئی۔ اَرَءَيْتَ کلمہ تعجب ہے اور محاورہ میں ایسے موقع پر بولتے ہیں ''ارے!'' یا ''یہ لیجیے'' یا ''یہ ملاحظہ ہو!'' نَسِيْتُ الْحُوْتَ۔ یعنی مچھلی کے عجیب قصہ کا ذکر کرنا بھی بھول گیا۔ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ۔ مذہب کی زبان میں ہر بری بات کا انتساب شیطان ہی کی جانب کیا جاتا ہے جس کی ذات مرکز ساری برائیوں کی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت ہے اس امر پر کہ شیطان کے اثر سے وسوسہ و نسیان کا پیش آجانا ولایت بلکہ نبوت کے بھی منافی نہیں۔ ف۹۷ یعنی وہی مقام تو ہماری منزل مقصود تھا۔ وہیں کا پتہ تو ہمیں بتایا گیا تھا۔ ف۹۸ حدیث بخاری اور دیگر احادیث میں ان عبد مقرب و مقبول کا نام خضر آیا ہے۔ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا۔ اس خصوصی رَحْمَة سے مراد مقبولیت کا ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ البتہ یہ لازمی نہیں کہ نبوت ہی کی شکل میں ہو۔ چنانچہ حضرت خضر کی نبوت ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ فالجمهور علی انه علیه السلام نبی ولیس برسول وقیل هو رسول وقیل هو ولی وعلیه القشیری وجماعة (روح) ولم یکن الخضر نبیا عند اکثر اهل العلم (معالم) عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ یہ علم بلا واسطہ اسباب و اکتساب و تعلم براہ راست حضرت حق سے عطا ہوا تھا۔ اور یہ علم اسرار کونیہ کا تھا۔ محققین نے کہا ہے کہ جس علم پر قرب الٰہی مرتب ہوتا ہے وہ علم اسرار کونیہ نہیں، علم اسرار الٰہیہ یا شرعیہ ہے۔ اس پر بھی اظہار حیرت کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو خود ایک پیمبر جلیل القدر اور اس لئے لازمی طور پر اپنے وقت کے اعلم الناس تھے، انہیں کسی اور کے پاس کیسے تعلم کے لئے بھیجا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے، یہ بہ آسانی ممکن ہے کہ ایک شخص بہت سے علوم میں عالم ترین ہو پھر بھی بعض علوم سے ناواقف ہو۔ اور اس کے سیکھنے کے لئے وہ کہیں اور بھیج دیا جائے۔ لا یبعد ان العالم الکامل فی اکثر العلوم یجهل بعض الاشیاء فیحتاج فی تعلمها الی من دونه وهذا امر متعارف معلوم (کبیر) عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا۔ وہ بزرگ بایں مرتبہ کمال بہر حال اللہ کے ایک بندہ ہی تھے۔ ''بندہ'' سے ذرہ بھر بھی زائد نہ تھے اور بندہ بھی کیسے؟ حق تعالیٰ کے بہت سے بندوں میں سے ایک! — اللہ اللہ! قرآن مجید کو کس درجہ اہتمام تحفظ توحید کا اور شائبہ شرک سے احتراز و احتیاط کا ہے! مِّنْ عِبَادِنَا حق تعالیٰ کا ایسے بندہ کی اضافت اپنی جانب کرنا اس کے اکرام و تخصیص کے لئے ہے۔ هذه اضافة تشریف واختصاص (بحر) ف۹۹ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہ ایں جلالت مرتبہ و درجہ نبوت ان بزرگ سے درخواست کر رہے ہیں کہ اجازت ہو تو آپ کے ساتھ رہوں اور آپ کے علم خصوصی سے کچھ میں بھی کسب و اکتساب کروں؟ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر کے ساتھ اپنی گفتگو میں کس قدر تواضع اور ادب و لطف کی رعایتیں جمع کر رہے ہیں۔ ف۱۰۰ (بلکہ آپ میرے بعض افعال کو ظاہر شریعت کے خلاف پاکر ان پر روک ٹوک ضرور کریں گے) حضرت خضر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے پیمبر جلیل القدر کے جوش ایمانی کا پورا اندازہ رکھتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ آپ احکام شریعت کی خلاف ورزی پر (خواہ وہ محض ظاہری ہی ہو) ہرگز تحمل نہ کر سکیں گے۔

عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ

ایسے امر پر جو آپ کے احاطۂ واقفیت میں نہیں ہے ف۱۰۱ (موسیٰ نے) کہا آپ انشاءاللہ

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ

مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے حکم کے خلاف نہ کروں گا ف۱۰۲ (خضر) بولے کہ اچھا

فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى

اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کی نسبت پوچھ گچھ نہ کیجیے گا جب تک کہ میں خود ہی

اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ ع فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا

اس کے ذکر کی ابتدا نہ کر دوں ف۱۰۳ پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب دونوں

فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ

کشتی میں سوار ہوئے تو ف۱۰۴ (خضر نے) اس میں سوراخ کر دیا (موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے اس لئے سوراخ کر

اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ

دیا کہ نتیجہ یہ ہو کہ آپ اس پر بیٹھنے والوں کو غرق کر دیں یقیناً آپ نے بہت بری بات کر ڈالی ف۱۰۵ (خضر نے) کہا

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ

میں نے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ نباہ نہ کر سکیں گے ف۱۰۶ (موسیٰ نے) کہا میری بھول چوک پر

بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾

گرفت نہ کیجیے اور میرے (اس) معاملہ میں مجھ پر تنگی نہ ڈالیے ف۱۰۷

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ

(اس کے بعد) پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک لڑکے سے ملے تو (خضر نے) اسے مار ڈالا۔ حضرت موسیٰ

نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

نے کہا آپ نے ایک بے گناہ جان کو مار ڈالا بغیر کسی جان (کے بدلہ) کے یقیناً آپ نے بڑی بے جا حرکت کی ف۱۰۸

ع ۹ ۱۱ ۲۱

ف۱۰۱ یعنی وہ افعال بظاہر خلاف شریعت ہوں گے، اور آپ کو جب ان کے منشاء صحیح کی اطلاع نہیں تو آپ ان منکرات پر بغیر روک ٹوک کئے کیسے رہ سکتے ہیں!۔۔ یہ صاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے عذر خواہی بھی خود ہی کر دی ہے اور آپ کو دارو گیر پر معذور قرار دے دیا ہے۔ ف۱۰۲ یعنی نہ آپ کی نافرمانی کروں گا اور نہ آپ کی اجازت کے بغیر آپ پر کوئی روک ٹوک کروں گا۔ صَابِرًا کا مفہوم یہاں ہے ضبط کر جانے والا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ایسے مقبول بزرگ کوئی حرکت خلاف شریعت کریں گے۔ اسی لئے انہوں نے مطیع رہنے کی حامی بھر لی گویا حالانکہ ان کا وعدہ یہ تھا کہ امور مباح میں آپ کا ساتھ دیتا رہوں گا اس پر بھی اتنی احتیاط رکھی کہ لفظ انشاءاللہ ملائی جس سے اقرار عہد و پیمان پیدا نہیں ہونے پایا اور اس لئے ان دونوں باتوں کی بناء پر آیندہ نقض عہد کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ آیت سے استنباط کیا گیا ہے کہ متعلم کے لئے پہلی چیز یہ ہے کہ استاذ کے احکام کی اطاعت اور اس پر ترک اعتراض و مخالفت کی عادت اختیار کرے اور اپنی طرف سے انتہائی فروتنی اور تذلل برتے۔ هٰذا يدل على ان المتعلم يجب عليه في اول الامر التسليم وترک المنازعة والاعتراض (کبیر) وقول موسٰی له تواضع شديد واظهار للتحمل التام والتواضع الشديد وكل ذٰلک يدل على ان الواجب على المتعلم اظهار التواضع باقصى الغايات (کبیر) ف۱۰۳ یہ شرط حضرت خضر علیہ السلام کی طرف سے زائد ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وعدہ اس حد تک کے لئے نہ تھا۔ نہ آپ کی زبان سے اب بھی اس کا اقرار منقول ہے۔ ف۱۰۴ کوئی ایسا مقام سفر میں آ گیا تھا جس کے آگے کشتی کی ضرورت پڑ جاتی تھی اور اب سفر بحری شروع ہوا۔ سمندر یا دریا کے کنارے کنارے تو یوں بھی چل رہے تھے۔ ف۱۰۵ (جس پر سکوت کرنا میرے حد عہد سے خارج ہے) اِمْرًا کہتے ہیں امر منکر و معیوب کو۔ لِتُغْرِقَ میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی ایسا فعل جس کا نتیجہ بھی مرتب ہو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے دو امر ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ اکابر سے بھی ایسے امور صادر ہو سکتے ہیں جن کا ظاہر خلاف شریعت ہو۔ (گو حقیقت یہ نہ ہو) دوسرے یہ کہ اولیاء میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو باذن حق تکوینیات میں تصرف کرتے رہتے ہیں۔ صوفیہ کی زبان میں انہیں کو قطب التکوین یا صاحب خدمت کہتے ہیں۔ ف۱۰۶ (سو دیکھئے وہی بات آگے آئی) اس نباہ نہ کر سکنے سے جس کا مبنیٰ و منشاء تمامتر غیرت دینی و جوش ایمانی تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منقصت نہیں اور مدح و منقبت ہی نکلتی ہے۔ ف۱۰۷ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے عمل کو دیکھ کر جو ظاہرًا یکسر معصیت تھے قدرۃً اتنا متاثر ہوئے کہ حضرت خضر کی ہدایت کا بھی پاس و لحاظ نہ رہا۔ ذہن سے ان کی ہدایت نکل گئی اور آپ ٹوک بیٹھے۔ عدم مخالفت کا وعدہ بھی آپ نے وفور شوق ہی میں کیا تھا لیکن اب جن افعال کو خلاف رضائے محبوب (کہ اسی کا دوسرا نام حکم شریعت ہے) پاتے تھے، بلاتامل اور بے دھڑک ٹوک بیٹھتے تھے۔ سکوت محض کا اول تو آپ کی طرف سے وعدہ ہی نہ تھا، وعدہ صرف عدم مخالفت کا تھا۔ اور بالفرض ہوتا بھی تو خلاف شریعت معاہدہ کی پابندی ہی روا نہیں۔ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ۔ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ سہو و نسیان پر مؤاخذہ نہیں۔ ذكر ان النسيان لا يقتضي المؤاخذة وهٰذا يدل على ما قدمناه من انه لا يدخل تحت التكليف (ابن العربی) ف۱۰۸ نُكْرًا کے معنی ہیں امر عظیم کے۔ ایسا امر جس سے سب کانوں پر ہاتھ رکھیں۔ نکرًا ای واهية (بخاری) قال ابو عبيده نكرًا اى عظيمًا (فتح الباری) النكر الدهاء والامر الصعب الذی لا يعرف (راغب) قال الليث الدهاء والنكر لغت للامر الشديد (تاج) نُکر کا درجہ قبح میں اِمر سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ النكر اعظم من الامر في القبح (کبیر) وقيل النكر ما انكرته العقول ونفرت منه النفوس وهو ابلغ في تقبيح الشيء من الامر (کبیر) حضرت موسیٰ علیہ السلام تو مامور ہی تھے امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر۔ اب کی آپ کے ٹوکنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ آپ کی پہلی ہی حرکت کیا کم تھی کہ اب کی تو آپ اس سے بھی کہیں بڑھ کر بے جا حرکت کر گزرے۔ کشتی کے نقصان کا تدارک تو بہر حال ممکن بھی تھا یہ تو جان کا معاملہ ہے اس کی تلافی کی تو کوئی صورت ہی نہیں۔ اى انكر من الاول لان ذٰلک كان غرقًا يمكن تداركه بالسد وهٰذا لا سبيل الى تداركه (کشاف) اَقَتَلْتَ...... نَفْسٍ۔ یعنی ایک تو وہ لڑکا یوں ہی نابالغ۔ قابل قصاص نہیں۔ چہ جائے کہ بالکل بے قصور قتل ہو!

بحمد اللہ آج سہ شنبہ ۲۹ اپریل ۱۹۴۷ء مطابق ۶ جمادی الثانیہ کو بعد نماز ظہر اس پارۂ پانزدہم کی تفسیر پر نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ

(خضرؑ نے) کہا میں نے آپ سے کہہ دیا تھا نا کہ آپ سے میرے ساتھ نباہ نہ ہو

صَبْرًا ﴿٧٥﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا

سکے گا ١٠٩ (موسیٰؑ نے) کہا (اچھا اب) اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے متعلق پوچھوں

فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ﴿٧٦﴾

تو آپ مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھئے بے شک آپ میرے بارہ میں حد عذر کو پہنچ چکے ١١٠

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَاۤ

پھر دونوں چلے ١١١ یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں پر گزر ہوا تو وہاں والوں سے کھانے کو

اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا

مانگا ١١٢ سو انہوں نے ان کی مہمانی سے انکار کر دیا ١١٣ پھر دونوں کو اس (بستی) میں ایک دیوار ملی

يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ

جو گرا چاہتی تھی سو (خضرؑ) نے اسے سیدھا کر دیا (موسیٰؑ نے) کہا اگر آپ چاہتے تو اس (کام) پر اجرت ہی

عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿٧٧﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِیْ وَ بَيْنِكَ ۚ

لے لیتے ١١٤ (خضرؑ) بولے (بس) یہ (وقت) میری آپ کی علیحدگی کا ہے ١١٥

سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾

اب میں ان چیزوں کی حقیقت پر آپ کو مطلع کئے دیتا ہوں جن کے بارہ میں آپ ضبط نہ کر سکے ١١٦

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ

وہ جو کشتی تھی سو وہ (چند) غریبوں کی تھی کہ وہ دریا میں کام کرتے تھے ١١٧

فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ

سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب پیدا کر دوں اور ان کے آگے کی طرف ایک بادشاہ تھا ١١٨

ف ١٠٩ (اور اب اس کا ظہور پوری طرح ہونے لگا ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلا سوال تو غالباً بے خیالی سے کرگزرے تھے جیسا کہ ان کے عذر لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ سے متبادر ہو رہا ہے۔ لیکن یہ دوسرا سوال عمداً تھا چنانچہ اب کی وہ اپنے سہو ونسیان کا عذر بالکل نہیں پیش کرتے۔ احکام شریعت کی خلاف ورزی پر تحمل جب عام صالحین سے نہیں ہو سکتا تو موسیٰ علیہ السلام تو ظاہر ہے کہ پیغمبر برحق تھے۔ اور آپ کا کام ہی ہر قسم کی بدی کو روکنا اور نیکی کو پھیلانا تھا۔ "موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کر کے پھر جو اعتراض فرمایا تو وجہ یہ کہ وہ وعدہ معنیً مقید تھا عدم مخالفت شریعت کے ساتھ گو صورۃً مطلق تھا۔ پس اس کو خلف لازم نہیں آتا" تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ف ١١٠ حضرت موسیٰ علیہ السلام گویا یہ فرما رہے ہیں کہ اچھا اب کی اور درگزر سے کام لیجئے۔ لیکن آپ بھی شرائط کی خلاف ورزی کو کہاں تک برداشت کر سکتے ہیں۔ آپ اپنے عذر کی حد کو پہنچ گئے۔ اب اگر میں آپ سے کوئی اور سوال کروں تو آپ بیشک معذور ہیں اور مجھے فوراً اپنے ساتھ سے الگ کر سکتے ہیں۔ "بعض کو اس قصہ سے یہ دھوکا ہو گیا ہے کہ پیر اگر کوئی خلاف شرع کام کرے اس پر انکار نہ کرے۔ چنانچہ اسی قصہ میں حدیث میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اگر صبر کرتے تو خوب ہوتا۔ جواب یہ ہے کہ خضر علیہ السلام کا کمال نص سے معلوم تھا۔ اس لئے سکوت جائز تھا۔ دوسرے کا ان پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) عَنْ شَیْءٍ۔ یعنی ان چیزوں سے متعلق جو آپ سے بہ سلسلہ عجائب وخوارق سرزد ہوتی ہیں۔ ای عن شیء تفعله من الاعاجیب (روح) ف ١١١ (اور حضرت خضر علیہ السلام نے وہ بات رفت وگزشت ہو جانے دی) ف ١١٢ (کہ ہم اس اجنبی شہر میں مہمان ہیں) قدیم زمانہ میں جب کہ نہ قدم قدم پر مہمان سراؤں کا رواج تھا، نہ ہوٹلوں اور کھانے پینے کی دوکانوں کا۔ مسافر اور نووارد اپنا حق سمجھتے تھے کہ بستی والوں سے کھانا پانی طلب کریں اور بستی والے ان کی مہمانداری اپنا فرض سمجھتے تھے اور عموماً اسے بڑی خوش دلی سے بجالاتے تھے۔ قرآن مجید سے اشارۃً یہ بات بھی نکل آئی کہ میزبانی اور مہمانی کا یہی جذبہ صحیح تھا۔ ف ١١٣ (جو اس قدیم تہذیب میں ایک بہت ہی قبیح جرم تھا) ف ١١٤ (کہ ہم لوگوں کا کام بھی چل جاتا اور ان لوگوں کی تادیب بھی کسی قدر ہو جاتی) يُرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ۔ ارادة یہاں مجازی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی قرب وقوع کو ارادہ وقوع سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ والمراد من ارادة السقوط قربة من ذلک علی سبیل المجاز المرسل (روح) استعیرت الارادة للمداناة والمشارفة (کشاف) زمخشری صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ عربی میں متعدد افعال ارادی کا انتساب مجازاً جمادات لایعقل کے ساتھ ہوتا رہتا ہے مثلاً ہم، عزم، قول، نطق، صدق، کذب، سکوت، تمرد وغیرہا اور کلام عرب سے ان کی سندیں بھی پیش کی ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسب معیشت اور اس کے اسباب کا اختیار کرنا منافی کمال نہیں۔ ف ١١٥ (جیسا کہ آپ خود ہی طے کر چکے ہیں) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے استنباط کیا کہ جب مرید سے خلاف ونزاع بار بار ظاہر ہونے لگے اور مرشد کو امید اس سے مناسبت وموافقت کی نہ باقی رہ جائے تو اسے جدا کر دینا درست ہے۔ ف ١١٦ اس قصہ سے بعض کو دھوکا ہو گیا ہے کہ علم باطن علم شریعت سے افضل ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ علم باطن کے دو شعبہ ہیں۔ علم مرضیات الٰہی جو متعلق بالنفس ہیں اور علم اسرار کونیہ۔ پہلا تو شریعت کا ایک جزء ہے اور جزء کبھی کل سے افضل نہیں ہو سکتا اور دوسرا چونکہ قرب الٰہی میں کچھ دخل نہیں رکھتا اس لئے افضلیت کا احتمال بھی نہیں۔ دوسرا دھوکا یہ ہے کہ خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ جواب یہ ہے کہ خضر علیہ السلام کو علم باطن کا دوسرا شعبہ حاصل ہونا اس قصہ سے ثابت ہے اور ابھی سن لیا ہے کہ وہ علم شریعت سے جو کہ موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا افضل نہیں ہے۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) بِتَاْوِيْلِ۔ تاویل سے یہاں مراد غایت ومصلحت یا مصلحت تکوینی ہے۔ التاویل رد الشیء الی ماله والمراد به هنا المال والعاقبة (روح) ف ١١٧ (اس کے ذریعہ سے محنت مزدوری کر کے کچھ کما لیتے تھے) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ آلات حرفہ وتجارت پر زکوۃ نہیں۔ چنانچہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان ملاحوں کو باوجود کشتی کے مالک ہونے کے مسکین ہی کہا۔ فقہاء مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ مسکین کا اطلاق ہر اس شخص پر جائز ہے جو اگرچہ مال رکھتا ہو مگر وہ اس کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہو۔ وهو دلیل علی ان المسکین یطلق علی من یملک شیئًا اذالم یکفه (بیضاوی) وفیه دلیل علی ان المسکین وان کان یملک شیئًا فلا یزول عنه اسم المسکنة اذالم یعم ما یملک بکفایته (معالم) ف ١١٨ وَرَآءَ یہاں بہ معنیٰ امام (سامنے) کے ہے۔ اور وَرَآءَ کے امام کے مترادف ہونے میں کسی لغوی کو اختلاف بھی نہیں۔ قاله قتادة امامهم (ابن جریر) وهو قول قتادة وابی عبید وابن السکیت والزجاج (روح) ولا خلاف عند اهل اللغة فی مجیء وراء بمعنی امام (روح) بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تو قرأت ہی بجائے وَرَآءَهُمْ کے امامهم کی ہے۔ وکان ابن عباس یقرأ وکان امامهم ذلک (فتح القدیر) مراد یہ ہے کہ وہ کشتی جدھر جا رہی تھی، اسی طرف آگے بڑھ کر ایک ایسے ظالم وغاصب بادشاہ کی عملداری شروع ہونے والی تھی۔

وف ۱۱۹ (سو اگر میں اس کشتی میں سوراخ نہ کر دیتا تو وہ بادشاہ اسے بھی پکڑ لیتا اور ان غریبوں کے ہاتھ سے ذریعہ معاش جاتا رہتا۔ اب یہ ہے کہ اس کی مرمت وہ لوگ تھوڑے میں کرا لیں گے اور اس نقصان عظیم سے بچ جائیں گے) وف ۱۲۰ (اور مجھ کو کشف تکوینی سے یہ علم ہوا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر کافر ہوگا) یہ علم مکاشفہ وہی ہے، جس کا ذکر اوپر عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا کے تحت میں موقع مدح پر آ چکا ہے۔ ملاحظہ ہو آیت نمبر ۶۵ اور حاشیہ نمبر ۹۸ پارہ ۱۵۔ وف ۱۲۱ (اور وہ دونوں اپنی طبعی محبت سے اس کا ساتھ بے دینی میں دینے لگیں گے) خشینا۔ خشیت یہاں خوف واندیشہ کے معنی میں نہیں۔ علم ویقین کے معنی میں ہے۔ والخشية والخوف توجههما العرب الى معنى الظن وتوجه هذه الحروف الى معنى العلم بالشىء الذى يدرك من غير جهة الحس والعيان (ابن جریر) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خشیت اپنے اصلی معنی پر رہے اور حق تعالیٰ نے جب خضر علیہ السلام کو پوری اطلاع اس لڑکے کی آیندہ صلاحیتوں سے متعلق دیدی تو آپ نے خود ہی آیندہ کے اندیشوں سے اسے قتل کر دیا ہو۔ وانما خشى الخضر منه ذلك لان الله تعالىٰ اعلمه بحاله واطلعه على من امره وامره اياه بقتله (کشاف) فقہاء نے یہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اولاد کے گناہ میں والدین بھی تغافل ورضاء عدم منع کی صورت میں ماخوذ ہوں گے۔ وف ۱۲۲ (اور اس لڑکے کا ہم کام ہی تمام کر دیں) زَكٰوةً۔ پاکیزگی میں یعنی دین واخلاق میں۔ اى طهارة من الذنوب والاخلاق الردية (بیضاوی) رُحْمًا محبت کرنے میں، یعنی ماں باپ سے محبت کرنے میں۔ رُحْمًا رحم سے ہے اور معنی میں زور وقوت رحمت سے زیادہ رکھتا ہے۔ رحما من الرحمة وهى اشد مبالغة من الرحمة (بخاری) ابو عبیدہ لغوی کا قول ہے کہ رُحم رَحِم سے ہے، جس کے معنی قرابت کے ہیں اور رحمت سے زیادہ زوردار ہے۔ جس کے معنی محض رقت قلب کے ہیں وحاصل كلامه ان رحمًا من الرحم التى هى القرابة وهى ابلغ من الرحمة التى هى رقة القلب (فتح القدیر) اقرب رحما اى ابرّ لوالديه (ابن جریر عن قتادة) خَشِيْنَا۔ اَرَدْنَآ۔ بعض محققین نے یہاں یہ نکتہ بھی کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نکیر چونکہ اسی واقعہ قتل سے متعلق بہت شدید تھی اس لئے جواب میں حضرت خضر علیہ السلام نے بھی اپنے ارادہ کی قوت ظاہر کرنے کو صیغۂ جمع متکلم تعظیمی استعمال کیا۔ وف ۱۲۳ (جو ان کے باپ سے ان کو میراث میں پہنچا ہے) كَنْزٌ۔ یہاں اصطلاح فقہی کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنے عام لغوی معنی میں خزانہ یا مالِ عظیم کے مرادف ہے۔ الْمَدِيْنَةِ۔ وہی شہر ہے، جس کا ذکر ابھی قریہ کے نام سے اوپر آ چکا۔ گویا قرآن مجید نے دونوں لفظ کو مرادف قرار دیا ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ پہلا ذکر موقع ہجو ومذمت پر تھا (بہ سلسلہ بخل اہل قریہ) اس لئے لفظ بھی ہلکا لایا گیا اور یہاں محل مدح وتحسین کا ہے (بہ سلسلہ صالحیت یتیمین) اس لئے لفظ بھی اونچا لایا گیا۔ وف ۱۲۴ (سو اس کی برکت سے اللہ نے اس کے مال کو اس کی اولاد کے لئے محفوظ رکھنا چاہا) صَالِحًا یہاں محل تعلیل میں وارد ہوا ہے یعنی مال کے غیبی تحفظ میں دخل والدین کی صالحیت کو بھی تھا۔ اس سے علماء محققین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ والدین کی صالحیت اولاد کو فائدہ پہنچاتی ہے بشرطیکہ اولاد خود بھی صالح ہو اور پسر نوح علیہ السلام کی سی نہ ہو۔ فيه دلالة على ان الله يحفظ الاولاد لصلاح الأباء (جصاص) فيه دليل على ان الرجل الصالح يحفظ فى ذريته وتشمل بركة عبادته لهم فى الدنيا والأخرة (ابن کثیر) يدل على ان صلاح الأباء يفيد العناية باحوال الابناء (کبیر) وف ۱۲۵ (تو میں نے دیوار کو درست کر کے دفینہ کو محفوظ کر دیا ورنہ دیوار گر جانے سے لوگ اس مال کو لوٹ کر لے جاتے) كَنْزٌ کی متعدد تفسیریں مروی ہوئی ہیں لیکن عکرمہ وقتادہ نے اس کے وہی معنی لئے ہیں جو لغت میں عام ہیں یعنی مال مکنوز (ابن جریر) بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ دیوار کی بلا اجرت درستی پر چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض بہت ہلکا تھا اس لئے حضرت خضر علیہ السلام نے جواب بھی بہت ہلکے انداز میں دیا اور ارادہ عمل میں اپنے نفس کی آمیزش بالکل نہیں آنے دی۔ وف ۱۲۶ (بلکہ سارے کام بالہام الٰہی سرانجام دیئے) مطلب یہ کہ ان افعال خلاف شریعت ظاہر میں سے کوئی سا عمل بھی میری ذاتی رائے یا اجتہاد کا نتیجہ نہیں۔ سب الہامات الٰہی ہی کے تابع ہوئے ہیں۔ وف ۱۲۷ ما فعلت ما رأيت عن اجتهادى ورائى وانما فعلته بامر الله (کشاف) نتیجہ یہ نکلا کہ بڑے سے بڑا صاحب باطن بھی احکام شریعت ظاہری کے خلاف نہیں جا سکتا تا آنکہ الہام صریح اپنی تائید میں نہ رکھتا ہو۔ لیکن خود الہام صریح ہی پر اب بعد ختم نبوت کیا دلیل قائم ہو سکتی ہے؟ بعض کو یہاں یہ دھوکا ہوا ہے کہ الہام پر خلاف شرع عمل جائز ہے۔ جواب یہ ہے کہ یا تو وہ نبی ہوں گے اور یا یہ کہ شریعت سابقہ ہوگی۔ مگر اس شرع میں یہ جائز نہیں" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) مشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ جس طرح انبیاء امر نبوت میں اپنے دل سے کچھ نہیں کرتے۔ اولیاء اہل خدمت بھی مدارج خدمت میں تابع حکم رہتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے ان لوگوں کا احتجاج ساقط ہو گیا جو کاملین کے لئے امور خلاف شرع فی الواقع کا صدور جائز رکھتے ہیں، وجہ سقوط ظاہر ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے یہ سب افعال بالکل ماموربہ من اللہ تھے اور یہی مامور بہ شرع ہے۔ اگر وہ نبی تھے تب تو یہ افعال شرع جزئی کی طرف مستند ہیں اور اگر نبی نہیں تھے تو شرع کلی کی طرف کسی اصل غامض کے ذریعہ استنباط ہے۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام کو اس لئے اطلاع نہیں ہوئی کہ ان پر وہ مصالح خاصہ منکشف نہیں ہوئے اس لئے وہ استنباط نہ کر سکے۔ وف ۱۲۸ عجب نہیں کہ ان اسرار کا بتلانا اسی درخواست کا پورا کرنا بھی ہو جو موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی۔ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ کو نمونہ ہی کے طور پر سہی۔ اور زیادہ ساتھ رہنے میں وہ غالبًا مناسب موقع پر خود ہی بتلاتے اور ہر واقعہ پر بتلاتے تو یہ علم زیادہ حاصل ہوتا۔ اور گو یہ علم موسوی کے برابر مفید عام نہ ہو کیونکہ قابل اتباع نہیں۔ تاہم اس معنی کو مفید خاص کر ضرور ہے کہ بعض حکمتیں مفصلاً منکشف ہوتی ہیں۔ گو اجمالی عقیدہ کہ ہر واقعہ مشتمل حکمتوں پر ہوتا ہے قرب کے لئے کافی ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں یہ نہ کہا کہ تم خلاف شرع کرتے ہو۔

كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ

جو ہر (بے عیب) کشتی کو زبردستی پکڑ لیتا تھا ۱۱۹ اور وہ جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ

مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ﴿٨٠﴾

ایمان والے تھے ۱۲۰ سو ہم کو معلوم ہوا کہ وہ ان دونوں پر بھی سرکشی اور کفر کا اثر ڈال دے گا ۱۲۱

فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً

سو ہم نے یہ چاہا کہ اس کے عوض میں ان کا پروردگار انہیں ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر

وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ

اور محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو ۱۲۲ اور رہی وہ دیوار سو وہ شہر کے

يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ

دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس (دیوار) کے نیچے ان کا دفینہ تھا ۱۲۳ اور ان کا

اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا

باپ ایک مرد صالح تھا ۱۲۴ سو آپ کے پروردگار نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی پختگی کو پہنچ جائیں

وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا

اور اپنا دفینہ نکال لیں ۱۲۵ (یہ سب) آپ کے پروردگار کی مہربانی سے ہوا اور یہ

فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ

(کوئی کام) میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا ۱۲۶ یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ سے

عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ

صبر نہ ہو سکا ۱۲۷ اور آپ سے (لوگ) ذوالقرنین کے باب میں سوال کرتے ہیں ۱۲۸ آپ کہہ دیجیے

سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ

کہ ان کا ذکر میں ابھی تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں ۱۲۹ ہم نے انہیں

ع

فِی الْاَرْضِ وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾ فَاَتْبَعَ

زمین پر حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر طرح کا سامان دیا تھا ف۱۳۰ پھر وہ ایک راہ

سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا

پر ہو لئے ف۱۳۱ یہاں تک کہ جب وہ غروب آفتاب کے موقع پر پہنچے تو اسے ایک

تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا۬ؕ

سیاہ چشمہ میں ڈوبتا ہوا محسوس کیا ف۱۳۲ اور اس کے قریب ایک قوم کو (بھی) پایا ف۱۳۳

قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ

ہم نے کہا اے ذوالقرنین (تمہیں اختیار ہے) خواہ انہیں سزا دو خواہ

تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ

ان کے ساتھ نرمی اختیار کرو ف۱۳۴ (ذوالقرنین نے) کہا کہ اچھا۔ مگر جو کافر رہے گا سو ہم اسے عنقریب

نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾

سزا دیں گے پھر وہ اپنے پروردگار کے پاس پہنچایا جائے گا تو وہ اسے بڑا ہی سخت عذاب دے گا ف۱۳۵

وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ

اور جو ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا سو اس کے لئے اچھا

اِۨلْحُسْنٰی ۚ وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا ﴿۸۸﴾ؕ ثُمَّ

معاوضہ ہے اور ہم بھی اپنے برتاؤ میں اس کے ساتھ نرم بات کہیں گے ف۱۳۶ پھر وہ

اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ

ایک (اور) راہ پر ہو لئے ف۱۳۷ یہاں تک کہ جب طلوع آفتاب کے موقع پر پہنچے ف۱۳۸

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ

تو اسے ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جن کے لئے ہم نے اس کے ادھر

وجہ یہ کہ بعد غصہ فرو ہوجانے کے اجمالاً سمجھ گئے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس بھیجا ہے تو ان کا فعل موافق ہوگا'' (تھانوی) سارے قصہ سے ظاہر ہے کہ پیمبر کے لئے شرط علوم متعلقہ نبوت سے اطلاع ہے نہ کہ تمام علوم سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس علم سے، جس کے لئے اتنا بڑا سفر کیا تھا اور جس کے سیکھنے کے لئے اس شوق سے آئے تھے دست برداری گوارا کرلی مگر یہ گوارا نہ کیا کہ خلاف منصب نبوت ایسے منکر افعال پر (ان کا منشائے باطن کچھ بھی سہی) سکوت گوارا کرلیں۔ اسی لئے محققین کا بالاتفاق فیصلہ ہے کہ کوئی شغل، کوئی کسب اپنے آثار روحانی ولطائف نورانی کے لحاظ سے کیسا ہی مزکی نفس ومجلی قلب ہو اگر احکام شریعت ظاہری کے خلاف ہوگا۔ ہرگز جائز وحلال نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے مغیبات پر مطلع ہوجانا یا ان کا منکشف ہوجانا مقاصد میں سے نہیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام باوجود اس کے کہ قطعی نبی اور اولوالعزم اور صاحب شریعت مستقلہ ہونے کے خضر علیہ السلام سے اکمل ہیں۔ پھر بھی ان واقعات سے متعجب رہے۔ ف۱۲۹ یہ سوال کرنے والے قریش تھے بہ مشورہ یہود۔ بعض روایتوں میں صرف مشرکین کا ذکر ہے، اور بعض میں صرف اہل کتاب کا۔ لیکن قول مشہور ومحقق یہی ہے۔ السائلون فی المشھور قریش بتلقین الیھود (روح) ذُوالْقَرْنَيْنِ۔ طرز سوال سے یہ خود ہی نکل آیا کہ ذوالقرنین قرآن کا دیا ہوا نام نہیں بلکہ یہ کوئی ایسی شخصیت تھی جس سے یہود خوب واقف تھے، اور عرب میں یہ نام چلا ہوا تھا چنانچہ مفردات القرآن راغب میں اتنا ہی لکھ کر چھوڑ دیا ہے کہ ذوالقرنین معروف۔ قرن کے معنی سینگ یا شاخ کے ہیں۔ اس لئے ذوالقرنین کے لفظی معنی ہوئے ''دو سینگوں والا'' اور ایک معنی قوت کے بھی لئے گئے ہیں۔ قیل القرن القوۃ (حنا بہ لسان) قرآنی تصریحات سے اتنا تو بہرحال معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی دیندار اور بڑے فاتح کشور کشا تھے مگر اس سے زیادہ تعیین قرآن میں نہیں۔ آگے شارحین و مفسرین کے قیاسات ہیں غالب خیال یہ ہے کہ مراد مشہور تاریخی فاتح سکندر یونانی (متوفی ۳۲۳ ق۔م) سے ہے۔ والمشھور انہ الاسکندر (بحر) یعنی اسکندر الرومی (بیضاوی) الاسکندر الذی ملک الدنیا (مدارک) اسمہ سکندر (جلالین) وجب القطع بان المراد بذی القرنین الاسکندر بن فیلقوس الیونانی (کبیر) اور اہل لغت نے یہ تشریح بطور ایک مسلمہ کے نقل کردی ہے۔ و ذوالقرنین المذکور فی التنزیل ھو اسکندر الرومی (قاموس۔ تاج) وذوالقرنین الموصوف فی التنزیل لقب لاسکندر الرومی (لسان) اس قول کے تسلیم کرنے میں دقت یہ پڑتی ہے کہ سکندر کے موحد ومومن ہونے کا کوئی ثبوت تاریخ میں موجود نہیں۔ یہود، عبادت یہود اور معبد یہود کے ساتھ اس کے ہمدردانہ برتاؤ سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اسے دین توحید سے کوئی عناد وتنفر نہ تھا جیسا کہ عموماً مشرک بادشاہوں کو رہا کیا ہے۔ دوسرے اقوال جو ایران کے بادشاہ عظیم سائرس یا فورس یا کیخسرو (متوفی ۵۲۹ ق۔م) وغیرہ سے متعلق ہیں۔ ان کے ماننے میں تاریخی دقتیں کچھ کم حائل نہیں۔ قرن یا سینگ توریت کی اصطلاح میں شوکت واقتدار کے معنی میں آیا ہے۔ اور روایات یہود میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے توریت لیکر واپس ہوئے ہیں تو آپ کے سر پر بھی یہی دو سینگ نمودار تھے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ سے متعلق متعدد قول اور روایتیں منقول ہیں۔ ایک مشہور مرفوع روایت یہ ہے کہ مشرق سے مغرب تک سیر کی تھی اس لئے ذوالقرنین مشہور ہوئے۔ انہ طاف قرنی الدنیا ای شرقھا وغربھا وروی ذلک مرفوعاً (روح) سمی بذلک لانہ ملک الشرق والغرب (بنایہ) ف۱۳۰ (حسب وحی الٰہی) منہ میں مضاف خبر محذوف ہے۔ منہ ای من خبرہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۱۳۱ (جس سے وہ اپنے شاہی ارادوں اور منصوبوں کی تکمیل کرسکیں) ای من اسباب کل شیء ارادہ من اغراضہ ومقاصدہ فی ملکہ (کشاف) مطلب یہ ہوا کہ وہ ایک بڑے بادشاہ اور جلیل القدر فرمانروا تھے۔ سَبَبًا سبب کے معنی ذریعہ، واسطہ سامان کے ہیں۔ جس سے مقصد پورا ہوسکے۔ کل ما یتوسل بھا الی شیء (راغب) ما یتوسل بہ الی المقصود من علم اوقدرۃ اوآلۃ (کشاف) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مال کا حاصل ہونا یہاں تک کہ خزائن اور جاہ کا حاصل ہونا یہاں تک کہ سلطنت کمال کے منافی نہیں۔ ف۱۳۲ (جانب مغرب، بارادہ فتوحات) سبب کے معنی جس طرح ساز وسامان کے ہیں اسی طرح راہ، منزل، طریق کے بھی ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔ یعنی بالسبب المنزل (ابن جریر۔ عن ابن عباس) سببًا ای منزلًا و طریقًا (ابن جریر۔ عن مجاہد) ای منازل الارض و معالمھا (ابن جریر عن قتادۃ) سکندر اعظم کی ابتدائی فوجی مہمات شمال اور مغرب ہی کی جانب تھیں۔ ف۱۳۳ (جیسا کہ سمندر کے کنارہ کھڑے ہوئے ہر شخص کو سورج سمندر ہی میں ڈوبتا دکھائی دیتا ہے) مَغْرِبَ الشَّمْسِ۔ یعنی جہت مغرب میں منتہائے آبادی پر۔ الغرب، والمغرب دونوں سے مراد پچھم کی سمت ہی ہوتی ہے۔ ای منتھی الارض من جھۃ المغرب (روح) وَجَدَهَا۔ وجد کے دو مختلف مفہوم لغت عرب میں ہیں۔ ایک معنی تو ہیں ''پایا'' ''معلوم کیا'' ''دریافت کیا''۔ گویا اس معنی میں واقعیت یا واقعہ کے ساتھ مطابقت کا پہلو بھی شامل ہے اور دوسرے معنی ہیں ''محسوس کیا'' ''مشاہدہ کیا'' گویا اس کا تعلق محض وجدان وادراک سے ہے واقعہ سے مطابقت ہرگز ضروری نہیں۔ اور یہاں یہی آخری معنی مراد ہیں۔ المراد وجدھا فی نظر العین (روح) عَیْنٍ حَمِئَةٍ۔ یعنی گندے سیاہ کیچڑ میں۔ ای فی طین اسود (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ذات حماۃ (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) الحمئۃ الحما السوداء (ابن جریر۔ عن قتادۃ) اب تاریخ وجغرافیہ کی شہادت یہ ہے کہ سکندر کی ابتدائی فتوحات کی سمت (یعنی سمت مغرب) میں ایک بڑی جھیل آکریڈا (OCHRIDA) کے نام سے جنوبی سرویا (موجودہ یوگوسلیا) میں واقع ہے۔ مناستر سے کوئی ۵۰ میل جانب مغرب۔ اس کا پانی جن زمین اور چشموں سے آتا ہے وہ بڑے گندلے یا سیاہی مائل ہیں یہاں تک کہ جو دریا اس جھیل سے نکلا ہے اس کا نام ہی دریائے سیاہ (Black River) ہے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۱۳۴ (جو کافر تھی، جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے) قوما کفارا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) یہاں وجد اپنے پہلے معنی میں ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۳۳ یعنی اس گندے

چشمہ کے کنارے ایک قوم آباد تھی۔ و۱۳۵ سزادو تو ان کے کفر سابق کی بنا پر وہ بھی ٹھیک ہے اور انہیں نرمی سے دعوت ایمان دو تو وہ بھی ان کی توقع ایمان کی بنا پر مناسب ہے۔ اس کا فیصلہ ذوالقرنین ہی پر چھوڑ دیا گیا جیسا کہ ہر ایسے موقع پر امام مسلمین یا امیر المومنین پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ هذا التخيير على معنى الاجتهاد فى اصلح الامرين (کبیر) قُلْنَا۔ یہ ارشاد خداوندی خواہ براہ راست الہاماً ہوا ہو خواہ بالواسطہ نبی وقت کے ذریعہ سے۔ و۱۳۶ (آخرت میں) ذوالقرنین نے کہا کہ اچھا تو میں وہی نرمی کا طریقہ اختیار کرتا ہوں اور پہلے ان لوگوں کو دعوت ایمان ہی دیتا ہوں۔ مَنْ ظَلَمَ۔ ظلم یہاں کفر کے اور ظالم کافر کے معنی میں ہے۔ ظلم اى كفر بالله (ابن عباس رضی اللہ عنہما) الظلم العظيم الذى هو الشرک (روح) یعنی آپ نے فرمایا کہ جو میری دعوت ایمان کے بعد بھی کافر رہے گا۔ اى استمر على كفره واشركه بربه (ابن کثیر) نُعَذِّبُهٗ۔ اس عذاب کے تحت میں قتل وغیرہ سب کچھ آ گیا۔ نُكْرًا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۰۸، پ۱۵۔ و۱۳۷ یعنی فعلی سختی تو کیا قولی سختی بھی مومنین کے ساتھ روا نہ رکھی جائے گی۔ فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى۔ یعنی آخرت میں اس کے لئے عیش ہی عیش ہے۔ و۱۳۸ یعنی سمت مشرق میں۔ سکندر کی فوجی مہمات بعد کو مشرق ہی کی سمت ہوئیں۔ و۱۳۹ یعنی وہ وحشی اور غالباً خانہ بدوش قوم مکان ولباس وغیرہ کی صنعتوں سے ناآشنا تھی۔ دھوپ سے بچنے کو نہ مکان تھا نہ کپڑا۔ مَطْلِعَ الشَّمْسِ۔ یعنی سمت مشرق میں منتہائے آبادی پر۔ اى غاية الارض المعمورة من جهة المشرق (روح) وَجَدَهَا۔ وجد کے معنی یہاں بھی وہی معلوم ہونے، محسوس کرنے کے ہیں۔ سِتْرًا۔ ستر کے لفظی معنی ہیں وہ چیز جو ڈھانکے۔ هو ما يستر به (تاج) یہاں مراد ہر ایسی چیز سے لی گئی ہے جو دھوپ سے بچانے اور محفوظ رکھنے کا کام دے سکے اور اس میں مکان اور لباس دونوں آ گئے۔ لم يبنوا فيها بناء قط ولم يبن عليهم فيها بناء قط (ابن جریر۔ عن قتادہ) الستر الذى جعلنا لكم من الجبال والحصون والابنية والاكنان من كل جنس والثياب من كل صنف (کشاف) المراد لا شىء لهم يسترهم من اللباس والبناء (روح) معناه انه لا ثياب لهم ويكونون كسائر الحيوانات عراة ابدا (کبیر)

دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَ قَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ

کوئی آڑ نہیں رکھی تھی ۔ و۱۳۹ یہ اسی طرح ہے اور جو کچھ ان کے پاس تھا اس کی ہم کو

خُبْرًا ﴿٩١﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ

پوری خبر ہے ۔ و۱۴۰ پھر وہ ایک (اور) راہ پر ہولئے و۱۴۱ یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے

السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ

درمیان پہنچے تو ان کے ادھر ایک قوم کو پایا جو گویا کوئی بات

يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ

ہی نہیں سمجھتے تھے ۔ و۱۴۲ ان لوگوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین (قوم) یاجوج

وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ

و ماجوج (اس) سر زمین میں بڑا فساد مچاتے ہیں تو کیا ہم آپ کے لیے کچھ سرمایہ

خَرْجًا عَلٰٓي اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾

جمع کر دیں جس سے آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی روک بنا دیں و۱۴۳

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ

(ذوالقرنین نے) کہا کہ میرے پروردگار نے مجھے جو کچھ دے رکھا ہے وہ بہت کچھ ہے، سو تم میری مدد محنت سے کرو و۱۴۴

اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ

تو میں تمہارے اور ان کے درمیان خوب مضبوط دیوار بنا دوں و۱۴۵ تم لوگ میرے پاس لوہے کی

الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ

چادریں لاؤ و۱۴۶ یہاں تک کہ جب ان دونوں پہاڑوں کے سروں کے درمیان کو برابر کر دیا تو کہا

انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ

کہ دھونکو یہاں تک کہ جب اسے آگ بنا دیا تو کہا کہ (اب) میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ

و۱۴۰ كَذٰلِكَ۔ تحقیق وتاکید کے لئے آتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ ہم بیان کر رہے ہیں یہی اصل حقیقت اور واقعہ ہے اور ہم کو ذوالقرنین اور اس کے ساز وسامان کی پوری اطلاع ہے۔ و۱۴۱ (اور اب کی بھی سمت مشرق ہی میں) قرآن مجید میں اس سمت کی بابت کوئی اشارہ نہیں۔ قدیم مفسرین نے اپنے وقت کی جغرافیائی معلومات پر اعتماد کر کے لکھ دیا ہے کہ سمت شمال مراد ہے۔ لیکن اس پر کوئی دلیل نقلی یا عقلی قائم نہیں کی ہے۔ ان کے قیاس کی بنیاد تمام تر یہ ہے کہ قدیم جغرافیہ میں انسانی آبادی عموماً شمال ہی کے سمت میں دکھائی گئی ہے۔ اغلب یہ ہے کہ اس تیسرے جنگی سفر کی سمت بھی مشرق ہی تھی۔ اور چونکہ سمت مشرق کا ذکر ابھی اوپر آ چکا ہے۔ اس لئے اب کسی مزید تصریح وتعیین کی ضرورت نہ تھی۔ و۱۴۲ یعنی ذوالقرنین اور اس کے لشکریوں کی زبان ان کے لئے بالکل اجنبی تھی۔ ما كانوا يفهمون اللسان الذى يتكلم به ذوالقرنين (کبیر) عجب نہیں جو یہ ترکستانی قبائل ہوں، جن کی زبان، تلفظ، لب ولہجہ سب یونانیوں کے لئے اجنبی تھا۔ بَيْنَ السَّدَّيْنِ۔ سد کے اصلی معنی دو چیزوں کے درمیان اوٹ یا رکاوٹ کے ہیں۔ الحاجزين الشيئين (ابن جریر) اور اس کے عموم میں پہاڑ درہ وغیرہ سب شامل ہیں، یہاں مراد پہاڑ لی گئی ہے۔ السدين الجبلين (ابن عباس رضی اللہ عنہما) يعنى بين جبلين (ابن جریر۔ عن ضحاک) وهما جبلان (ابن جریر۔ عن قتادہ) و۱۴۳ (تا کہ وہ پھر ہمارے ملک میں نہ آنے پائیں) يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ بظاہر یہ دو منگولی قبیلے معلوم ہوتے ہیں، جو پہاڑوں کی دوسری طرف آباد تھے، اور کبھی کبھی موقع پا کر یلغار کرتے ہوئے ترکوں کے درمیان گھس آتے تھے۔ یاجوج اور ماجوج کا اشتقاق اہل لغت نے مادہ اج سے کیا ہے۔ جس کے معنی آگ کے شعلہ مارنے اور پانی کے تموج وتلاطم کے ہیں۔ ان کے یہ نام ان کی شدت شورش کی بنا پر پڑے۔ شبهوا بالنار المضطربة والمياه المضمرجة لكثرة اضطرابهم (راغب) بعض نے انہیں اسماء عجمی بھی کہا ہے اسمان اعجميان بدليل منع الصرف (کشاف) بائبل کی کتاب حزقی ایل کے باب ۳۸، ۳۹ میں یاجوج وماجوج کا ذکر بار بار آیا ہے۔ اور پیشگوئیاں بھی درج ہیں۔ لیکن کچھ تفصیلات بیان نہیں ہوئی ہیں۔ بائبل کے شارحین بھی آج تک ان کی تعیین میں مضطرب ہیں۔ کوئی یاجوج وماجوج کو دو قوم قرار دیتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ ماجوج قوم کا نہیں مقام کا نام ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ماجوج یافث بن نوح کی نسل سے ہے۔ عام طور پر ان لوگوں کی سکونت ایشیائے کوچک اور آرمینیا میں سمجھی گئی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ وہی قومیں ہیں جو (سیتھین Saythians) کہلاتی ہیں۔ بہرحال بائبل اور اس کی شروح سے قرآنی یاجوج وماجوج پر کچھ زیادہ روشنی نہیں پڑتی۔ قرآنی اشاروں سے تو بس اتنا پتہ چلتا ہے کہ کوئی شورہ پشت وشورش پسند پہاڑی قبیلے تھے اور جو آبادیاں ان کی تاخت کی زد میں تھیں انہوں نے ذوالقرنین سے عرض کی کہ ہم ان سے سخت پریشان ہیں۔ کہیے تو ہم چندہ فراہم کر دیں اور آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایسی حد فاصل قرار دیدیں جسے توڑ کر یہ حملہ آور نہ ہو سکیں۔ سَدًّا۔ یعنی روک۔ اى حاجزا يمنعهم من الوصول الينا (روح) و۱۴۴ ذوالقرنین نے ان لوگوں کی درخواست کے جواب میں کہا کہ مال وخزانہ تو میرے پاس خدا کا دیا ہوا خود ہی بہت کافی ہے۔ مجھے تمہاری مالی مدد کی ضرورت نہیں البتہ تم ہاتھ پیر سے میری مدد کرو۔ مجھے ضرورت مزدوروں اور کاریگروں کی ہے۔ ما جعلنى فيه مكينا من المال والملک خير مما تبذلون لى من الخراج ولا حاجة لى اليه (بیضاوی) اى ما بسط الله لى من القدرة والملک خير من خرجكم (بحر) فقہاء نے یہاں دو مسئلے مستنبط کئے ہیں۔ ایک یہ کہ بادشاہ کو جائز ہے کہ رعایا کی

عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَ مَا

تو میں اس پر ڈال دوں ف۱۴۷ سو وہ (قوم یاجوج و ماجوج) نہ اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ

اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿٩٧﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ

اس میں نقب ہی لگا سکتے تھے ف۱۴۸ (تو ذوالقرنین نے) کہا کہ یہ (بھی) میرے پروردگار کی ایک رحمت ہی ہے ف۱۴۹

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ج وَ كَانَ وَعْدُ

پھر جب میرے پروردگار کا وعدہ آپہنچے گا تو وہ اسے ڈھا کر برابر کردے گا اور میرے پروردگار کا ہر وعدہ

رَبِّيْ حَقًّا ﴿٩٨﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ يَّمُوْجُ فِيْ

برحق ہے ف۱۵۰ اور ہم اس روز انہیں ایک دوسرے سے گڈ مڈ

بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾

کردیں گے ف۱۵۱ اور صور پھونکا جائے گا پھر ہم سب کو جمع کرلیں گے ف۱۵۲

وَّ عَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾

اور اس روز ہم دوزخ کو کافروں کے سامنے پیش کردیں گے

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا

جن کی آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

سن بھی نہیں سکتے تھے ف۱۵۳ کیا پھر بھی کافروں کا خیال ہے

اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ط اِنَّآ

کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو (اپنا) کارساز قرار دے لیں؟ ف۱۵۴ بے شک ہم نے

اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ

دوزخ کو کافروں کی مہمانی کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیا ہم تمہیں ان لوگوں (کا پتہ) بتائیں

ع ۱۱ / ۹ / ۲

کہ کام تم کرو دیوار میں بنوائے دیتا ہوں۔ اس میں معاوضہ کی صورت کام سے بھی آگئی اور مال سے بھی۔ ف۱۴۵ (جس سے وہ پھر آہی نہ سکیں) رَدْمًا۔ ردم کہتے ہیں بہت پختہ اور سنگین اور مضبوط قسم کے حجاب کو۔ سد الثلمة بالحجر (راغب) حاجزًا حصینًا موثقًا (کشاف) اور محاورہ میں ردم سد سے کہیں بڑے حجاب کو کہتے ہیں۔ والردم اکبر من السد (کشاف) ف۱۴۶ (اور سب سامان جمع کرو) چنانچہ سامان جمع ہوگیا اور کام شروع ہوگیا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بنیادیں وغیرہ تو پتھر سے بھری گئی ہوں گی اور اوپر سے اس درہ کو لوہے کی چادروں کے دروازہ سے بند کیا گیا ہوگا۔ صدیوں بعد سیاحوں کے مشاہدہ میں ایک آہنی دیوار مقام دربند میں نظر آئی اور اس کا نام سد سکندری ہی مشہور تھا اور وہ پھاٹک باب الحدید ہی کہلاتا تھا۔ یہ دربند وہ نہیں جو بحر قزوین کے مشرقی ساحل پر علاقہ قفقاز میں واقع ہے، جیسا کہ بعض مفسرین جدید کو دھوکا ہوا ہے۔ بلکہ یہ وہ دربند ہے جو علاقہ وسط ایشیا کے مشرقی حصہ میں ضلع حصار میں واقع ہے۔ بخارا سے کوئی ۱۵۰ میل جنوب مشرق میں۔ ۳۸ درجہ شمال عرض البلد اور ۶۷ درجہ مشرق طول البلد ہے۔ اس کا ذکر مشہور یورپین سیاح مارکو پولو نے اپنے سفرنامہ میں بھی کیا ہے۔ نیز انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم جلد ۱۳ میں صفحہ ۵۲۶ پر ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ و تفسیر انگریزی۔ ف۱۴۷ (مزید استحکام کے لئے) ظاہر ہے کہ یہ سارے کام آلات جرثقیل وغیرہ اعلیٰ درجہ کی مشینوں کی مدد سے انجام پائے ہوں گے اور ذوالقرنین کے تحت میں بڑے بڑے ماہرین فن انجینئر اور مہندس ہوں گے۔ سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ۔ یعنی جو خلا دونوں پہاڑوں کے سروں کے درمیان رہ گیا، اسے پہاڑوں کے برابر کردیا۔ الصدفان ای جانبا الجبلین (کشاف) جَعَلَهٗ نَارًا۔ یعنی خوب لال انگارہ کردیا جیسے کہ لوہا تپنے کے بعد ہوجاتا ہے۔ ف۱۴۸ (اور اس دیوار کی بلندی و استحکام کے باعث ان وحشی و جنگجو قوموں کی تاخت و تاراج سے امن ہوگیا۔) اَنْ يَّظْهَرُوْهُ کے لفظی معنی یہ ہیں کہ اس پر غالب نہ آسکے، اور اس پر غالب آنے سے مراد یہاں اس پر چڑھ سکنا ہے۔ ان یظھروہ ای ان یعلوہ (کشاف) ف۱۴۹ (کہ میرے ہاتھوں سے ایسا مہتم بالشان کام انجام دلا دیا) ذوالقرنین نے یہ بات بہ طور شکر و تحدیث نعمت کے کی جو شیوہ ہے اہل حق کا۔ هٰذَا میں اشارہ اس سد کی تعمیر کی جانب ہے یا اس تعمیر پر اقتدار و قوت کی جانب۔ اشارة الی السد اوھذا الاقتدار والتمکین من تسویته (کشاف) ف۱۵۰ (جو بہر نوع و بہر صورت پورا ہو کر ہی رہتا ہے) ذوالقرنین کے قول کا مطلب یہ ہے کہ سردست تو میں نے ان موذیوں کے شر سے تم کو محفوظ کردیا ہے۔ باقی جب اس کے فنا کا وقت آئے گا تو یہ دیوار سنگ و آہن بھی باوجود اس استحکام کے زمین دوز ہو کر نیست و نابود ہو جائے گی۔ اور جس طرح ہر شے فانی ہے یہ بھی اپنے وقت پر فنا ہو کر رہے گی۔ وَعْدُ رَبِّيْ۔ "پروردگار کا وعدہ" یعنی اس وعدہ کے پورا ہونے کا وقت۔ ای وقت وعدہ تعالیٰ (روح) ف۱۵۱ یہ کس روز؟ يَوْمَىِٕذٍ سے کس روز کی طرف اشارہ ہے؟ ظاہراً مراد اس دیوار کے عدم کے دن سے ہے یا اس وقت کے قرب سے ہے۔ الاقرب ان المراد الوقت الذی جعل اللہ ذلک السد دکاء (کبیر) ای یوم اذا جاء الوعد بمجیء بعض مبادیه (روح) ای یوم یدک ھذا السد (ابن کثیر) قیل ھذا عند فتح السد (معالم) لیکن بعض نے اس سے یوم قیامت مراد لی ہے۔ اور یہ مفہوم بھی سیاق قرآنی سے کچھ زیادہ بعید نہیں۔ اس صورت میں بَعْضَهُمْ میں ضمیر ھم بجائے یاجوج، ماجوج کے خلق کی جانب ہو جائے گی۔ بعضھم ای بعض الخلق (کشاف) يَوْمَىِٕذٍ کی جو دونوں تعبیریں نقل ہوئیں۔ ان میں باہم کوئی منافات نہیں۔ ہدم دیوار کا وقوع عین قرب قیامت ہی میں تو ہوگا۔ تَرَكْنَا یہاں جعلنا کے مرادف ہے۔ (کشاف۔ بیضاوی) ف۱۵۲ اب بیان قیامت کا شروع ہوگیا...... ہر اہم دنیوی واقعہ و حادثہ میں آخرت کی یاد دلا دینا عین دستور قرآنی کے مطابق ہے۔ ف۱۵۳ (اس بغض و عناد کی بنا پر جو انہیں اسلام و رسول اسلام سے تھا) یہ ذکر دنیا کا ہے کہ جب کافر دنیا میں تھے تو نہ دین حق کو دیکھتے تھے نہ دعوت حق کو سنتے تھے۔ ذِكْرِيْ کے لفظی معنی تو "میری یاد" کے ہیں مراد اللہ کی توحید اور اللہ کی کتاب سے لی گئی ہے۔ ای عن توحیدی و کتابی (ابن عباس رضی اللہ عنہما) یعنی عن الایمان والقراٰن وقیل عن رؤیة الدلائل (معالم) كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا۔ اس عدم استطاعت سے مراد کوئی اضطرار یا معذوری نہیں۔ بلکہ کافروں کے عناد ارادی ہی کی جانب اشارہ ہے۔ قال القاضی المراد منه نفرتھم عن سماع ذلک الکلام واشتغالھم ایاہ (کبیر) ای سمع القبول والایمان لغلبة الشقاوة علیھم (معالم) ف۱۵۴ (اور جو ہر طرح میرے مملوک و محکوم ہیں، انہیں معبود و حاجت روا سمجھنے لگیں) عبادی ای الذین ھم تحت ملکی وسلطانی (روح) ا۔ف۔ یعنی جب کفر اتنی شدید وعید کا مستحق بنا دیتا ہے۔ استفہام بطور زجر و ملامت کے ہے وھو استفھام علی سبیل التوبیخ (کبیر) اَوْلِيَآءَ کا لفظ بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ اور اسی کے اظہار کے لئے یہاں آلہہ کے بجائے اولیاء لایا گیا ہے۔ تجارت میں، زراعت میں، بیماری سے صحت دینے میں، اولاد بخشنے میں، مقدمات میں کامیاب کرنے میں، غرض زندگی کے کسی شعبہ میں بھی جب اصلی تکیہ بندوں پر اور بندوں کی بنائی ہوئی تدبیروں پر کیا جانے لگے تو یہ سب غیر اللہ کو کارساز ہی ٹھہرا لینا ہے۔

و۱۵۵ (جوان کی مستقل فلاح کے لئے کافی ہو جائیں گے) اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ یعنی ایسے لوگ جن کی ساری جدوجہد، تگ ودو، کاوش وکوشش کا مدعا، اولاً بھی اور آخراً بھی یہی دنیا اور اس کے محظوظات رہتے ہیں!...... بینک کے بڑے بڑے کھاتے، اونچے اونچے عہدہ اور خطابات، اونچی اونچی کوٹھیاں، نام ونمود، شہرت واعزاز، "علمی ترقیاں"، معاشی فلاح یا بیان...... رضائے الٰہی وفلاح آخرت کا خیال بھی کبھی نہیں آتا! ضَلَّ کا لفظ بہت قابل غور ہے۔ ایسے لوگوں کی ساری کوششیں بس اسی دنیا کے پیچھے ختم ہو جاتی، غارت جاتی ہیں! یَحْسَبُوْنَ۔ یعنی محض اپنے پندار باطل اور ہوائے نفس کے موافق، بغیر کسی دلیل شرعی کے، اپنے مسلک اور روش کو بہتر سمجھے بیٹھے ہیں! پورا رکوع اگر ذرا بھی خیال کر کے پڑھا جائے تو مومن کے دل کو تھرا دینے اور لرزا دینے کے لئے کافی ہے۔ آہ، کہ آج ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جن کی صبح وشام، رات اور دوپہر، سب اسی دنیا کے ادھیڑ بن میں، رضائے مولیٰ سے بالکل منہ موڑے ہوئے گزر رہی ہے، اور اپنے زعم وپندار میں اپنے کو محقق ومصلح، شاعر وادیب، رومانس نگار اور آرٹسٹ، اور خدا معلوم روشن خیالی کے ایجاد کیے ہوئے کیسے کیسے خوشنما القاب سے اپنے کو آراستہ سمجھتے رہتے ہیں، تا آنکہ جب موت آجاتی ہے، اس وقت آنکھیں کھلتی ہیں کہ ارے ہم کس دھوکے میں پڑے رہے۔ یہاں تو پرسش ان "علوم" و "فنون" و "صنائع" میں سے کسی کی بھی نہیں! اللّٰھم احفظنا۔ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ۔ متعدد صحابیوں اور تابعین کا خیال ہے کہ الفاظ سے اشارہ خصوصی اہل کتاب کی جانب ہے۔ المراد بهم اهل

بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي

جو اعمال کے لحاظ سے بالکل ہی گھاٹے میں ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی (ساری) کوشش دنیا ہی کی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ

زندگی میں (صرف و) غارت ہو کر رہی اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ کوئی بڑے اچھے کام

صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ

کررہے ہیں و۱۵۵ یہ تو وہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی نشانیوں اور اس کی ملاقات کی طرف سے کفر کیے ہوئے ہیں

فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

سو ان کے (سارے) کام غارت گئے سو ہم قیامت کے دن ان (کے اعمال) کا ذرا بھی وزن نہ قائم

وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا

رکھیں گے و۱۵۶ ان کی سزا وہی ہے یعنی دوزخ اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور میری نشانیوں

اٰيٰتِيْ وَ رُسُلِيْ هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اور میرے پیمبروں کی ہنسی اڑائی تھی و۱۵۷ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾

عمل بھی کیے ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغ ہوں گے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ

ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے (اور) نہ وہ ان سے کہیں اور نکلنا چاہیں گے و۱۵۸ آپ کہہ دیجیے کہ اگر سمندر (سارے

الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ

کے سارے) روشنائی ہو جائیں میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لئے تو سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے پروردگار

تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾ قُلْ

کی باتیں ختم نہ ہوسکیں گی اور اگرچہ ہم ایسا ہی جیسا (اور سمندر) اس کی مدد کے لئے لے آئیں و۱۵۹ آپ کہہ دیجیے

الکتابین وروی ذلک عن ابن عباسؓ و سعد ابن ابی وقاصؓ و مجاهد (روح) اور بعض اقوال میں تصریح اہل صومعہ یعنی مسیحیوں کی آگئی ہے۔ یقال اصحاب الصوامع (ابن عباس ؓ) و۱۵۶ بعض اعراض جو اس عالم ناسوت میں مجردات سے منفک ہیں، آخرت کے بدلے ہوئے ماحول میں مشکل ومرئی ہو جائیں گے اعمال خود وہاں مادی پیکر اختیار کرلیں گے۔ اور اعمال کے ساتھ، علاوہ دوسرے اعراض وصفات کے ان کا وزن بھی مادی ہو کر نظر آنے لگے گا لیکن جو عمل فی نفسہ کوئی وزن رکھتا ہی نہیں، وہ وہاں کے ماحول میں جو سرتاسر آئینہ حقیقت ہوگا، تمامتر بے وزن نظر آئے گا۔ اُولٰٓئِكَ...... لِقَآئِهٖ۔ بدبختی کی اصلی اور قطعی علامتیں یہی ہیں کہ حق تعالیٰ کی شریعت، اس کے انبیاء، اور وقوع آخرت سے انکار کر دیا جائے۔ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ۔ یعنی حق تعالیٰ کے احکام، اس کے انبیاء، اس کی کتابوں سے۔ لِقَآئِهٖ۔ یعنی یوم آخرت کے وقوع سے۔ اَعْمَالُهُمْ۔ یعنی وہ اعمال جو اپنے نزدیک وہ بہت نیک سمجھتے تھے اور جن پر انہیں ناز تھا۔ و۱۵۷ کفر وطغیان میں جب ترقی ہو جاتی ہے تو انسان محض انکار ہی پر بس نہیں کرتا بلکہ تکذیب کے ساتھ ساتھ تمسخر بھی حق تعالیٰ کی کتابوں، پیمبروں اور احکام کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ و۱۵۸ یعنی جنت کی ان لازوال اور نت نئی نعمتوں میں رہنے والوں کو نہ کوئی بے دخل کر سکے گا اور نہ وہ از خود کبھی وہاں سے نکلنے کی خواہش کریں گے۔ نُزُلًا۔ نزلاً کے لفظ نے ادھر اشارہ کر دیا کہ مومنین کا یہ اعزاز واکرام بہ طور ان کے استحقاق کے ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے اہل کفر کا حق جہنم پر ہوگا۔ الْفِرْدَوْسِ۔ فردوس جنت کے وسط میں واقع ہے۔ اور اس کی بہترین وبلند ترین منزل کا نام ہے، اور وہیں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ فانه اعلی الجنة و اوسط الجنة و منه تفجر انهار الجنة (صحیح بخاری، صحیح مسلم) لفظ کے اخذ واشتقاق میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عربی الاصل ہے اور بعض کا قول ہے کہ رومی زبان یا سریانی زبان سے آیا ہے۔ واختلف فی لفظة الفردوس فقیل عربیة و هو قول الفراء او رومیة نقلت الی العربیة نقله الزجاج و ابن سیده او سریانیة نقله الزجاج ایضًا (تاج) بہر حال اب عربی میں اس کے معنی چمن وگلشن کے ہیں۔ قال الزجاج حقیقة الفردوس انه البستان الذی یجمع کل ما یکون فی البساتین قال و کذلک هو عند کل اهل لغة (تاج) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یعنی ان کا علم بھی صحیح ہوگا، اور اسی کے مقتضا سے عمل بھی صحیح۔ لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا۔ جنت اپنی ان گنت نعمتوں، راحتوں، لذتوں کے ساتھ ان کے لیے ہر لمحہ اور ہر آن ایک نئی کشش رکھے گی، اس لیے اہل جنت اپنی تبدیلی چاہیں گے بھی تو آخر کیوں؟

ہر لحظہ جمال خود تنوع دگر آرائی ۔ شور دگر انگیزی شوقِ دگر افزائی

و۱۵۹ مطلب یہ ہے کہ ساری مخلوق مل کر بھی کلمات الٰہی کا احاطہ کرنا چاہے تو بھی ممکن نہیں۔ سارا سامان تحریر وتسوید ختم ہو جائے گا اور نامتناہی کسی طرح متناہیوں کی گرفت میں نہ آسکے گا۔ سمندر لاکھ وسیع ہو بہر حال محدود ہی ہے۔ صفات نامتناہی وغیر محدود کو کوئی محدود ومتناہی ہستی اپنی گرفت میں لا ہی کیونکر سکتی ہے؟ اَلْبَحْرُ۔ مراد کوئی متعین سمندر نہیں۔ جنس بحر یا سارے سمندر مراد ہیں۔ والمراد بالبحر الجنس (کشاف) ای جنس البحر (روح) فاضل محقق علامہ مناظر احسن گیلانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں: "مطلب یہ ہے کہ فردوسی زندگی سے لوگ منتقل اسی لیے نہیں ہونا چاہیں گے کہ اس زندگی میں لامحدود کمالات رکھنے والی ذات اپنے انہیں لامحدود کمالات کو لامحدود کلمات کے ذریعہ سے ظاہر کرتی رہے گی۔ انسانی احساسات اپنے اردگرد، پس وپیش، اندر وباہر، ہر لمحہ، ہر لحظہ ایسے نت نئے تجلیات کو مسلسل بغیر کسی انقطاع کے چاہتے چلے جائیں گے جن کی نہ کوئی حد ہوگی نہ انتہاء اور یوں لامحدود مطالبات والی فطرت کو لامحدود مطلوبات سے متمتع اور لذت گیر ہونے کا موقع ابدالآباد تک ملتا جائے گا۔ اس وقت تک جس کی کوئی انتہاء نہیں۔ اور جس کا کوئی اختتامی نقطہ نہیں ہے"۔ (اسلامی معاشیات صفحہ ۱۴۱) قَبْلَ سے یہ مراد نہیں کہ کوئی امکان مزید امداد پہنچ جانے کے بعد کلمات رب کے پورے لکھ لیے جانے کا ہے۔ قَبْلَ کا ایک مفہوم غیر یا دون کا بھی ہے اور وہی یہاں مراد ہیں۔ ای من غیر ان تنفد (ابوسعود) قبل هنا بمعنی غیر او بمعنی دون (جمل)

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ

کہ میں تو بس تمہارا ہی جیسا بشر ہوں میرے پاس تو بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ

ایک ہی معبود ہے ف۱۶۰ سو جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے، تو اسے چاہیے

عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

کہ نیک کام کرتا رہے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے ف۱۶۱

ایاتھا ۹۸ — ۱۹ سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ ۴۴ — رکوعاتھا ۶

اس میں اٹھانوے آیتیں — سورۂ مریم مکی ہے — اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾

کاف۔ ہا۔ یا۔ عین۔ صاد ف۱ (یہ) تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کی رحمت (فرمانے) کا اپنے بندہ زکریا پر ف۲ (قابل

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ

ذکر ہے) وہ وقت جب انہوں نے اپنے پروردگار کو خفیہ طور پر پکارا ف۳ کہا اے میرے پروردگار میری ہڈیاں

الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ

کمزور ہو گئی ہیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل پڑی ہے اور تجھ کو پکار کر

بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ

اے میرے پروردگار میں (کبھی) نامراد نہیں رہا ہوں ف۴ اور میں اپنے بعد (اپنے) رشتہ داروں کی طرف سے

وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ

اندیشہ رکھتا ہوں ف۵ اور میری بیوی بانجھ ہے۔ سو تو ہی مجھے (خاص) اپنے پاس سے

ف۱۶۰ یعنی امتیازی چیز میرے پاس صرف یہ ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے جو دوسروں کے پاس نہیں آتی، میں صرف وصف رسالت میں دوسروں سے ممتاز ہوں۔ اِنَّمَا۔ اول تو خود ہی کلمہ حصر ہے۔ پھر مِّثْلُكُمْ میں اس کی مزید تصریح کہ میں بشر ہی نہیں ہوں بلکہ تم ہی جیسا بشر ہوں۔ صفات بشری میں تم سے ذرا الگ نہیں ہوں۔ اِنَّمَا...... وَّاحِدٌ۔ میرا پیام تو پیام توحید ہی ہے۔ ف۱۶۱ اور شرک کے اندر شرک جلی اور شرک خفی دونوں آگئے۔ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا۔ عمل صالح کا معیار یہ ہے کہ عمل شریعت اسلامی کے مطابق ہو۔ وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ یعنی علم کا نقطہ آغاز تو کم از کم صحیح ہو۔ ایمانیات کا جو اقل قلیل مطالبہ ہے، وہ تو بہر حال موجود ہو۔ ف۱ حروف مقطعات پر حاشیہ پارۂ اول کے بالکل شروع میں گزر چکا۔ یہاں كٓهٰيٰعٓصٓ کی ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہ فقرہ کافٍ هادٍ عالمٍ صادقٍ کا مخفف ہے۔ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ ک مخفف کریم کا ہے، ہ مخفف ھاد کا، ی مخفف حکیم کا ع مخفف علیم کا اور ص مخفف صادق کا (روح) کلبی تابعی سے یہ معنی مروی ہیں۔ کاف لخلقه هاد لعباده يده فوق ايديهم عالم ببريته صادق فى وعده (معالم) دارمی، ابن ماجہ، ابن جریر میں فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل ہوئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی دعاؤں میں يا كهيعص اغفرلی کہا کرتے تھے (روح) جس سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے۔ خود ایک روایت بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی مضمون کی مروی ہے۔ قال ابن عباس هو اسم من اسماء الله تعالىٰ (ابن کثیر) ف۲ زَكَرِيَّا پر حاشیہ سورۂ آل عمران پارہ ۳ میں گزر چکا۔ آپ کی رسالت کا اثبات صرف قرآن مجید کرتا ہے یہود اور نصرانی دونوں ان کی رسالت کے منکر ہیں۔ نصرانیوں کے ہاں ان کی حیثیت ہیکل بیت المقدس کے ایک بزرگ مجاور و خادم کی ہے۔ عَبْدَهٗ یعنی اس کا مقبول و معزز بندہ۔ اضافت اضافت تشریفی ہے۔۔ جب بندہ کا تعلق اللہ کے ساتھ خاص تقرب و شرف کا دکھانا ہوتا ہے تو محاورۂ قرآنی میں عموماً ایسے موقع پر ذکر عَبْدُ اللّٰهِ یا عبدنا یا عَبْدَهٗ کر کے لیا جاتا ہے۔ ف۳ اولاد کے لیے دعا یوں ہی عام طور پر چپکے ہی چپکے کی جاتی ہے اور پھر یہاں تو غالباً دوسروں سے اخفاء مقصود بھی تھا۔ اسروه و اخفوه من قومه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اناجیل موجودہ میں ذکر اس دعا کا نہیں۔ صرف جواب دعا و قبول دعا کا ہے۔ فقہاء نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ دعا میں اخفاء کو افضلیت حاصل ہے۔ مدحه باخفاء الدعاء و فيه الدليل على ان اخفائه افضل من الجهر به (جصاص) ف۴ (تو پھر تیرے اس لطف مستقل و فضل مستمر پر نظر کر کے بعید سے بعید مقصود کے لیے بھی تجھ سے دعا کیوں نہ کروں) شَقِيًّا۔ شقی یہاں محروم و ناکام کے معنی میں ہے۔ شقيًا اے خائبًا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) رَبِّ اِنِّيْ ...... شَيْبًا یعنی گویا اسباب ظاہری کے لحاظ سے اب اولاد کا ہونا بہت مستبعد ہے اور میرا اس کے لیے دعا کرنا بھی بظاہر بے محل ہے۔ انجیل میں حضرت زکریا علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ الیشبع کا ذکر کر کے ہے:۔ ”اور ان کے اولاد نہ تھی، کیونکہ الیشبع بانجھ تھی، اور دونوں عمر رسیدہ تھے“ (لوقا۔ ۱:۷) آیت میں اس کی بھی تعلیم ملتی ہے کہ کبر سنی کے طبعی اثرات سے حضرات انبیاء کو مفر نہیں۔۔ ہم سب ناتوانوں، کم ہمتوں، کمزوروں کے لیے پیرانہ سالی کے آلام و عوارض میں اس سے بڑی تسکین و تسلی کا سبق ملتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دعا میں الحاح و لجاجت کی افضلیت آیت سے نکلتی ہے۔ بعض بزرگوں نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ ضعف پیری اور موئے سفید بھی قول سابق کی طرح کشش ترحم میں معین ہیں۔ ف۵ (کہ وہ میرے بعد اس مرکز توحید کی خدمات دینی اور علوم عالی کو سنبھال نہ سکیں گے) الْمَوَالِيَ۔ مراد وہ عزیز ہیں جو اولاد نہ ہونے کی صورت میں وارث و جانشین ہوتے۔ الموالى يعنى الورثة (ابن عباس رضی اللہ عنہما) آپ کو ان کی طرف سے یہی اندیشہ تھا کہ یہ بد مذہب، بد عمل لوگ ہیں، ہیکل کی خدمت میں قاصر رہیں گے۔ فافهم على الدين انهم كانوا اشرار بنى اسرائيل (جصاص) مِنْ وَّرَآءِيْ یعنی میری موت کے بعد۔ اے من بعد موتى (معالم۔ کشاف)

لَدُنْكَ وَلِيًّا ۙ﴿۵﴾ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ

وارث دے جو میرا بھی وارث بنے اور اولاد یعقوب کا بھی وارث بنے ف٦

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿۶﴾ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ

اور اے پروردگار تو اسے پسندیدہ بنا دے اے زکریا ہم تم کو بشارت دیتے ہیں ایک لڑکے کی

اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿۷﴾ قَالَ

اس کا نام یحییٰ ہوگا ف٧ ہم نے اس کے قبل کسی کو (اس کا) ہم نام نہیں بنایا ف٨ (زکریا) بولے

رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا

اے میرے پروردگار میرے لڑکا کیسے ہوگا درآنحالیکہ میری بیوی بانجھ ہے

وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿۸﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ

اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچا ہوا ہوں ف٩ (اللہ نے) فرمایا (نہیں بلکہ)

رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ

اسی طرح ف١٠ (اے زکریا) تمہارے پروردگار کا قول ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے اور میں نے ہی تو تم کو پیدا کیا درآنحالیکہ

تَكُ شَيْـًٔا ﴿۹﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ

تم کچھ نہ تھے ف١١ (زکریا نے) کہا اے میرے پروردگار میرے لئے کوئی نشان مقرر کردیجیے ف١٢ (اللہ نے) فرمایا

اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿۱۰﴾ فَخَرَجَ عَلٰى

تمہارے لئے نشان یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین راتیں نہ بول سکو گے درآنحالیکہ تم تندرست ہوگے ف١٣ پھر وہ اپنی قوم

قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا

کے روبرو حجرہ میں سے برآمد ہوئے ف١٤ اور ان سے اشارہ کیا کہ (اللہ کی) پاکی

بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۱۱﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ

صبح و شام بیان کیا کرو ف١٥ اے یحییٰ کتاب کو مضبوط پکڑو ف١٦ اور ہم نے ان کو لڑکپن

ف٦ (علوم نبوت و معارف ولایت میں اپنے اجداد اسرائیلی کی طرح) يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ۔ (وراثت سے یہاں مراد مال و دولت کی وراثت نہیں۔ حقائق عالیہ اور اخلاقِ فاضلہ کی میراث ہے اور انبیاء سے مال و جائداد کی وراثت تو چلتی بھی نہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد بھی ہو چکا ہے:۔ صحابیوں، تابعین، اکابر مفسرین، سب سے ارث کی تفسیر علوم نبوت و شریعت منقول ہے۔ اور لفظ ارث کا اطلاق نبوت پر بالکل جائز ہے۔ قال ابن عباسؓ و یرث من ال یعقوب النبوة فقد اجاز اطلاق اسم المیراث علی النبوة فکذلک یجوزان یعنی بقوله یرثنی یرث علمی (جصاص) انما ارادارث النبوة و علیها خاف ان تخرج من عقبه (ابن العربی) یرثنی العلم و یرث من ال یعقوب النبوة و هو مروی عن مجاهد (کبیر) المراد بالارث ارث الشرع والعلم لان الانبیاء ولا تورث (کشاف) وَلِيًّا۔ ولی یہاں سب کا اتفاق ہے کہ ولد صلبی کے مفہوم میں ہے۔ مِنْ لَّدُنْكَ۔ یعنی بلا اسباب عادی و ظاہری کے نعمتیں جو بھی آتی ہیں، سب ہی اللہ ہی کے پاس سے آتی ہیں۔ یہاں من لدنک کی تصریح لانے سے مراد یہی ہے کہ بلا واسطہ اسباب عادی محض اپنی قدرت سے عطا کر۔ اعطنی من محض فضلک الواسع و قدرتک الباهرة بطریق الاختراع (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سے دو نکتہ اخذ کیے ہیں، ایک یہ کہ اولاد صالح کی طلب رکھنا زہد کے منافی نہیں۔ دوسرے یہ کہ کسی ایسی چیز کا طلب کرنا جو اسباب بعید ہی سے پیدا ہو سکے ادب دعا کے منافی نہیں۔ ف٧ (اپنی نظر میں) یعنی وہ لڑکا علوم کا حامل بھی ہو اور ان پر عامل بھی۔ ای مرضیًا عندک قولًا و فعلًا (روح) بعض عارفوں نے یہاں سے یہ نکتے پیدا کیے ہیں کہ طلب اولاد مستحب ہے اور اولاد کے حق میں دعائے خیر و صلاح سنت انبیاء ہے۔ ف٨ (تمہاری ذات برادری میں) یہ جواب ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت زکریا کو فرشتوں کے واسطہ سے ملا۔ انجیل میں حضرت یحییٰ کی ولادت اور نام رکھے جانے کا ذکر ذرا تفصیل سے ہے:۔ ”اور الیشبع کے جننے کا وقت آ پہنچا اور وہ بیٹا جنی اور اس کے پڑوسیوں اور رشتہ داروں نے یہ سن کر کہ خداوند نے اس پر بڑی رحمت کی، اس کے ساتھ خوشی منائی اور آٹھویں دن ایسا ہوا کہ وہ لڑکے کا ختنہ کرنے آئے۔ اور اس کا نام اس کے باپ کے نام پر زکریا رکھنے لگے۔ مگر اس کی ماں نے کہا کہ نہیں بلکہ اس کا نام یوحنا رکھا جائے۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تیرے کنبہ میں کسی کا یہ نام نہیں اور انہوں نے اس کے باپ کو اشارہ کیا کہ تو اس کا کیا نام رکھنا چاہتا ہے۔ اس نے تختی منگا کے یہ لکھا کہ اس کا نام یوحنا ہے“ (لوقا۔ ١: ٥٧۔ ٦٢) بِغُلٰمٍ۔ غلام کے معنی لڑکے کے علاوہ فرزند کے بھی ہیں اور یہی یہاں مراد ہیں۔ الغلام الولد الذکر (روح) بغلام ای بولد (ابن عباس رضی اللہ عنہما) سَمِيًّا۔ سمی کے ایک معنی تو یہی ہم نام کے ہیں۔ چنانچہ ائمہ تفسیر نے یہاں بھی یہی مراد لی ہے۔ لم یسم احد بیحیٰی قبله (کشاف، بیضاوی) و قال ابن عباسؓ و قتادة والسدی و ابن اسلم لم تسم قبله احدًا بیحیٰی (بحر) و هو قول ابن عباسؓ والحسن و سعید بن جبیر و عکرمة و قتادة (کبیر) ای شریکًا له فی الاسم (روح) اور انجیل کی روایت بھی اسی کے موافق ہے۔ لیکن لغت ہی میں ایک دوسرے معنی، ”ہم صفت“، یا مثل، شبیہ و نظیر کا بھی پتہ چلتا ہے اور بعض اکابر لغت و اکابر تفسیر کے نزدیک وہی معنی یہاں ثابت ہیں۔ قال مجاهد و غیرهٗ سمیًّا ای مثلًا و نظیرًا (بحر) المراد بالسمی النظیر کما فی قوله هل تعلم له سمیًّا (کبیر) عن مجاهد ان سمیًّا بمعنی شبیهًا و روی عن عطاء و ابن جبیر مثله ای لم نجعل لهٗ شبیهًا (روح) ف٩ حضرت زکریا کا یہ سوال بہ طور اعتراض نہیں، محض تفصیلی استفسار حال کے لیے ہے۔ یعنی اسباب عادی جب سرتاسر ناموافق ہیں، تو اب صورت حال ہوگی کیا؟ آیا ہم لوگ از سر نو جوان کیے جائیں گے؟ یا میں دوسرا نکاح کروں گا؟ یا اور کچھ ہوگا؟ اَنّٰى کے لفظی معنی متعدد ہیں۔ لیکن یہاں بالاتفاق کیف کے مرادف ہے۔ عِتِيًّا۔ عتی کے معنی ہیں بہت ہی بوڑھا۔ بوڑھا پھوس۔ والعتی المبالغة فی الکبر (بحر) ف١٠ جواب ملا کہ نہیں۔ کوئی سی بھی اور نئی بات نہ ہوگی۔ موجودہ حالات بدستور رہیں گے پھر بھی اولاد ہوگی۔ ای علی هذه الحال (ابن جریر) هذا کما قلت لک (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف١١ یعنی خود اپنی پیدائش پر غور کرو۔ تم خود آخر کیا تھے؟ معدوم محض تھے۔ عدم محض کو موجود کر دینا کب اسباب عادی کے تحت، اور کس مشاہدہ و تجربہ کے موافق ہے؟ محض ہماری قدرت و کارسازی کا کرشمہ ہے۔ یہ تخلیق تو تمامتر بلا واسطہ اسباب ہوتی رہتی ہے۔ تو بڑھاپے میں اولاد دینا، یعنی باوجود سبب ضعیف کے نتیجہ برآمد کر دینا تو اس سے کہیں کم مستبعد اور اس سے کہیں آسان تر ہے۔ یہ سب ارشاد آپ کی امید کو اور قوی کر دینے کے لیے تھا نہ کہ کسی رفع شبہ کے لیے۔ اس لیے کہ زکریا علیہ السلام کو کوئی شبہ تھا ہی نہیں۔ هُوَ۔ یعنی یہ عمل تخلیق خواہ باسباب ہو یا بلا اسباب۔ زجاج لغوی کا اس سیاق میں قول ایۃ کی تفسیر میں نقل ہوا ہے۔ ای علامة اعلم بها و قوع ما بشرت به (لسان) ف١٢ (جس سے میں سمجھ جاؤں کہ اب ظہور وعدہ کا وقت قریب آ پہنچا اور میں بالکل مطمئن ہو جاؤں کہ تیرے فرشتہ نے مجھے جو بشارت پہنچائی ہے وہ تیری ہی طرف سے ہے) گویا آپ یہ عرض کر رہے ہیں کہ نفس بشارت تو مل چکی، لیکن یہ بھی مجھے کسی غیبی اشارہ سے معلوم ہو جاتا تو اچھا تھا کہ اب حمل قرار پا چکا اور بشارت کا تحقق ایک درجہ میں ہو چکا۔ رب اجعل لی علمًا و دلیلًا علی ما بشرتنی به ملائکتک من هذا الغلام عن امرک و رسالتک لیطمئن الی ذلک قلبی (ابن جریر) ای علامة تدلنی علی تحقق المسئول و وقوع الخیر (روح) علامة اذا حملت امراتی (ابن عباس رضی اللہ عنہما) لتستقر نفسی و یطمئن قلبی بما وعدتنی کما قال ابراهیم علیه السلام رب ارنی کیف الخ (ابن کثیر) یہ مفہوم بھی لیا جانا ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی

الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ

ہی میں سمجھ دے دی تھی۔ اور خاص اپنے پاس سے رقت قلب اور پاکیزگی ف١٧ اور وہ بڑے

تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾

پرہیز گار تھے اور نیکی کرنے والے تھے اپنے والدین کے ساتھ اور سرکش و نافرمان نہ تھے ف١٨

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ

اور انہیں سلام (پہنچے) جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ وفات پائیں گے

حَيًّا ﴿١٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ

اور جس دن کہ وہ زندہ اٹھائے جائیں گے ف١٩ اور (اس) کتاب میں مریم کا ذکر کیجیے جب وہ اپنے گھر والوں سے

اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ

الگ ہو کر ایک شرقی مکان میں گئیں ف٢٠ پھر ان لوگوں کے سامنے سے انہوں نے

حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا

پردہ کر لیا ف٢١ پھر ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتہ خاص کو بھیجا وہ ان کے سامنے بھلا چنگا انسان بن کر

سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ

ظاہر ہوا ف٢٢ وہ بولیں میں تجھ سے (خدائے) رحمن کی پناہ مانگتی ہوں اگر

كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ

تو خدا ترس ہے ف٢٣ (فرشتہ نے) کہا میں تو بس تمہارے پروردگار کا ایک ایلچی ہوں ف٢٤ تاکہ تمہیں

لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ

ایک پاکیزہ لڑکا دوں ف٢٥ وہ بولیں میرے لڑکا کیسے ہو جائے گا درآنحالیکہ نہ

يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ

مجھے کسی بشر نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ میں بدچلن ہی ہوں ف٢٦ (فرشتہ نے) کہا (یہ) یوں ہی ہوگا ف٢٧ تمہارے پروردگار

طرح حضرت زکریا علیہ السلام بھی اپنے مزید اطمینان قلب کے لیے کوئی خاص غیبی نشان طلب کر رہے ہیں۔ چنانچہ ایک قول اسی مضمون کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جانب منسوب ملتا بھی ہے۔ لیکن محققین متاخرین نے اس روایت کی صحت ہی کو تسلیم نہیں کیا ہے، اور صراحت کر دی ہے کہ سوال کا تعلق صرف تعیین وقت و زمانہ سے ہے۔ (روح) ف١٣ سَوِيًّا کے معنی ہیں سالم، صحیح، غیر ناقص کے۔ یعنی آپ جو تین دن ان لوگوں سے گفتگو پر قادر نہ ہوں گے۔ یہ آپ کے حسب درخواست محض علامت غیبی ہوگی۔ ظہور فرزند کی، اور گویا بالواسطہ آپ کی مقبولیت کی شہادت۔ نہ یہ کہ کوئی مرض یا عذاب ہوگا۔ رجلٌ سویٌ کہتے ہیں اس مرد کو جو اپنی خلقت میں ہر عیب، نقص، افراط، تفریط سے پاک ہو۔ رجل سوی استوت اخلاقه و خلقته عن الافراط و التفریط (راغب) اور آیت میں یہی معنی اہل لغت اور ائمہ تفسیر دونوں نے لیے ہیں۔ زجاج نے کہا ہے۔ اے تمنع الکلام و انت سویٌ لا اخرس فتعلم بذٰلک ان اللہ قد وھب لک الولد (لسان) اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ قال اعتقل لسانه من غیر مرض (ابن جریر) اور دوسرا قول بھی انہی صحابی سے منقول ہے۔ صحیحًا بلا خرس و لا مرض (ابن عباس رضی اللہ عنہما) یقول من غیر خرس (ابن جریر) اور مجاہد تابعی کا قول ہے۔ قال صحیحًا لا یمنعک من الکلام مرض (ابن جریر) اور ایسے ہی اقوال عکرمہ اور قتادہ اور ابن زید اور وہب بن منبہ اور سدی سے بھی منقول ہیں۔ اور خود مفسر اعظم ابن جریر لکھتے ہیں یقول جل ثناءہ علامتک لذٰلک و دلیلک علیه ان لا تکلم الناس ثلاث لیال و انت سوی صحیح لا علة بک من خرس و لا مرض یمنعک من الکلام۔ اور یہی مسلک جمہور کا ہے۔ ھٰذا ما علیه الجمھور (روح) اس لفظ کے اضافہ سے قرآن مجید کا مقصود انجیل کی اس غلط بیانی کا ازالہ ہے کہ (نعوذ باللہ) آپ بطور عتاب عارضی طور پر گونگے کر دیئے گئے تھے، ملاحظہ ہو پارہ ٣ سورۂ آل عمران۔ لیکن آیت کی ایک دوسری ترکیب بھی صحیح ہو سکتی ہے۔ اور بعض بزرگ اسی طرف گئے ہیں۔ یعنی سَوِيًّا کو بجائے ضمیر مخاطب سے متعلق کرنے کے تین راتوں کی صفت قرار دیا جائے اور اس صورت میں سَوِيًّا مرادف ہوگا متتابعات کے۔ یعنی ”تم لوگوں سے بول نہ سکو گے تین راتیں متواتر (یا برابر)“ چنانچہ ابن جریر ہی میں ایک قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس معنی میں بھی منقول ہے۔ ف١٤ (جہاں وہ عبادت کرتے رہتے تھے) محراب پر حاشیہ سورۂ آل عمران آیت ٣٦ کے تحت میں گزر چکا۔ مراد حجرۂ عبادت ہے۔ و محرابه موضع مصلاه (بحر) قیل ان المحراب الغرفة (جصاص) ف١٥ صبح و شام سے مراد یا تو دوام عبادت ہے کہ دن رات برابر عبادت میں لگے رہو۔ کسی وقت غافل نہ ہو۔ اور یا ان کی شریعت میں یہی دو خاص وقت نماز کے ہوں گے ان کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ اَوْحٰى۔ وحی کے عام لغوی معنی تو اشارہ کے ہیں۔ لیکن بعض نے یہاں اسے امر کے مرادف قرار دیا ہے۔ اور اَوْحٰى اِلَيْهِمْ کی تفسیر امرھم سے کی ہے۔ چنانچہ ابن زید سے یہی منقول ہے۔ اور ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ آپ نے انہیں یہ لکھ کر دے دیا اور یہ معنی مجاہد، سدی کی جانب منسوب ہیں۔ وحی کے ایک معنی تحریر کے بھی آتے ہیں۔ والوحی فی کلام العرب الکتابة (بحر) ف١٦ الْكِتٰبَ سے یہاں مراد اس زمانہ کی کتاب شریعت الٰہی ہے۔ یہ ارشاد حضرت یحییٰ علیہ السلام سے اس وقت ہوا جب آپ سن تمیز کو پہنچ چکے تھے۔ ف١٧ ملاحظہ ہوں حواشی سورۂ آل عمران۔ زیر آیت ٣٨۔ حکم کے معنی نبوت بھی ہو سکتے ہیں اور حکمت، شریعت، عقل و فہم بھی۔ الحکم النبوة او حکم الکتاب او الحکمة او اللبّ و ھو العقل (بحر) اعلم ان فی الحکم اقوالًا الاول انه الحکمة والثانی انه عقل والثالث انه النبوة (کبیر) الحکم الفھم والعلم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) الحکمة و ھو فھم التوراة والفقه فی الدین (مدارک) بہرحال حکم کے تحت میں علمی و ذہنی کمالات آ گئے اور حَنَانًا وَّزَكٰوةً کے تحت میں عملی و اخلاقی۔ گویا آپ کی ذات جامع تھی علمی و عملی، ذہنی و اخلاقی کمالات و اوصاف کی۔ زَكٰوةً سے مراد اصطلاح فقہ والی زکوٰۃ مال نہیں بلکہ عام حسن عمل و پاکیزگی ہے۔ اے عملًا صالحًا زکیًا (کبیر۔ عن ابن عباس وقتادة والضحاک و ابن جریر) الحکم۔ فقیہ جلیل ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ حکم کے یہاں تین معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک وحی، دوسرے نبوت، تیسرے اس کی معرفت اور اس پر عمل اور یہ تینوں معنی درست ہو سکتے ہیں، صغرسنی میں نزول وحی اور مکاشفہ ملائکہ جائز ہیں (احکام القرآن) وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ اصل اور دلیل ہے اس قول کی جو اکثر لوگوں کی زبان پر جاری رہتا ہے کہ فلاں شخص مادرزاد ولی ہے۔ ف١٨ (جیسا کہ ہیرود کے زمانہ میں یہود نے آپ پر تہمت لگائی، اور انہیں باغی و سرکش اور شورش پسند مشہور کرنا چاہا تھا) تَقِيًّا میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ حقوق اللہ کے ادا کرنے والے تھے اور بَرًّا بِوَالِدَيْهِ میں یہ کہ وہ حقوق العباد کے پورے ادا کرنے والے تھے۔ جَبَّارًا کا تعلق خلق سے ہے۔ یعنی وہ مخلوقات کے ساتھ سختی اور سرکشی سے پیش آنے والے نہ تھے۔ اور عَصِيًّا کا تعلق حق تعالیٰ سے ہے۔ یعنی وہ اللہ کے قانون کو توڑنا چاہتے ہی نہ تھے۔ ف١٩ سَلٰمٌ یہاں اپنے وسیع معنی میں امن و حفظ کے مرادف ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے ان پر سلامتی ان کی پیدائش کے وقت بھی رہی، اور ان کی موت اور بعث کے وقت بھی رہے گی۔ ف٢٠ (غسل کے لیے یا بعض روایات کے بموجب نماز کے لیے) حضرت مریم علیہا السلام پر حاشیہ پارۂ سوم سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دونوں قصوں کے مجموعہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سوال و طلب سے بھی دیتا ہے جیسے زکریا علیہ السلام کو دیا۔ اور بلا سوال و طلب بھی دیتا ہے جیسے حضرت مریم کو دیا۔ اور اس سے یہ بات نکلی کہ اللہ کا ہر معاملہ ہر شخص کے ساتھ جدا جدا ہے۔

رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَ لِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ

نے کہا ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے ف۲۸ اور (یہ اس لئے بھی) تاکہ ہم اسے لوگوں کے لئے ایک نشان بنادیں ف۲۹

وَ رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ

اور اپنی طرف سے سبب رحمت ف۳۰ اور یہ ایک بات طے شدہ ہے ف۳۱ پھر ان کے حمل قرار پا گیا

فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ

پھر وہ اسے لئے ہوئے کہیں ایک دور جگہ چلی گئیں ف۳۲ سو انہیں دردزہ ایک کھجور کے

اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا

درخت کی طرف لے گیا ف۳۳ (اور) وہ بولیں کاش میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی۔

وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا

اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی ف۳۴ پھر (فرشتہ نے) انہیں ان کے پائیں سے پکارا کہ

تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَ هُزِّيْٓ

رنج مت کرو ف۳۵ تمہارے پروردگار نے تو تمہارے پائیں ہی میں ایک نہر پیدا کر دی ہے، اور اس

اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾

کھجور کے تنہ کو اپنی طرف ہلاؤ اس سے تم پر تر و تازہ خرمے گریں گے ف۳۶

فَكُلِيْ وَ اشْرَبِيْ وَ قَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ

اور کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو ف۳۷ اور اگر کسی

الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا

بشر کو دیکھنا تو کہہ دینا ف۳۸ کہ میں نے تو خدائے رحمٰن کے لئے روزہ کی نذر مان رکھی ہے

فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ ۚ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ

سو میں تو آج کسی انسان سے بولوں گی نہیں ف۳۹ پھر وہ انہیں (گود میں) اٹھائے ہوئے اپنی قوم والوں کے پاس آئیں

ف۲۱ (کہ ان کی نگاہوں سے آڑ میں ہو جائیں) دُوْنِهِمْ۔ ھم ضمیر جمع سے مراد آپ کے گھر والے ہیں جن کا ذکر اھلھا میں موجود ہے۔ ف۲۲ یعنی ایک فرشتہ خاص کو اس خلوت میں ان کے پاس انسان کی شکل میں بھیجا۔ رُوْحَنَا۔ قرآن مجید نے ملائکہ مقربین وخواص کو روح ہی سے تعبیر کیا ہے۔ و سمی اشراف الملئکة ارواحا (راغب) اور فراء لغوی نے کہا ہے کہ یہاں روح کی اضافت اللہ کی طرف ایسی ہی ہے جیسی اللہ کی زمین اور اللہ کا آسمان بولا جاتا ہے۔ اضاف الروح المرسل الی مریم الی نفسه کما تقول ارض الله و سمائه (لسان) بہرحال یہاں مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں قال الاکثرون انه جبرئیل علیه السلام (کبیر) انجیل میں بھی انہیں کے نام کی تصریح ہے۔ ”چھٹے مہینے جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا، ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا۔ اور اس کنواری کا نام مریم تھا“۔ (لوقا۔ ۱:۲۶) سَوِيًّا یعنی بھلا چنگا، پورا پورا، صحیح وسالم۔ تَمَثَّلَ۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تمثل سے حقیقت ملکیہ کا معدوم ہو جانا لازم نہیں آتا۔ یہ اشباح اس حقیقت کے اعتبار سے ایسے ہی ہیں جیسے ہمارے اعتبار سے مختلف لباس، ف۲۳ یعنی اگر تو کچھ بھی خوف خدا رکھتا ہے تو میں تجھے خدا ہی کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ تیرا یہاں کیا کام۔ یہ آپ نے اس طرح گھبرا کر فرمایا، جیسے ہر شریف خاتون کسی اجنبی مرد کو اپنے خلوت میں آتے ہوئے دیکھ کر قدرةً کہے گی۔ ف۲۴ یعنی مجھ سے ڈریئے اور گھبرائیے نہیں، میں تو انسان نہیں ہوں، اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں۔ ف۲۵ (اللہ کی طرف سے واسطہ بن کر) یعنی تم پر دم کر دوں اور اس سے باذن حق تعالیٰ تمہارے حمل رہ جائے۔ ای لاکون سببا فی هبته بالنفخ فی الدرع (روح) اس معنی میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ایک دوسری تشریح یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ قول بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ہو اور یہاں حکایۃً نقل ہوا ہو۔ تقدیر کلام اس صورت میں یوں ہوگی۔ ربک الذی قال ارسلت هذا الملک لاهب لک (روح) اور ایک قراۃ میں بجائے لِاَهَبَ کے لیهب آیا بھی ہے۔ چنانچہ خیر الامت ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی قراۃ کو اختیار کیا ہے اور تفسیر میں تقدیر کلام یہ رکھی ہے۔ لکی یهب الله لک۔ اس سے بات اور زیادہ صاف وواضح ہوگئی۔ ف۲۶ غرض یہ کہ مرد کی مقاربت سے جو حمل کے لیے شرط عادی ہے، میں جائز وناجائز ہر طرح سے دور ہوں۔ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ۔ یعنی بطریق نکاح حاشیہ پارہ ۳ سورۃ آل عمران میں گزر چکا۔ حضرت مریم کو جب یقین ہو گیا کہ ان کا مخاطب انسان نہیں، فرشتہ ہے تو اب ان کا یہ قول بہ طور انکار نہیں بلکہ محض اظہار تعجب کے لئے ہے۔ لَمْ اَكُ بَغِيًّا۔ اس فقرہ سے تردید بھی مقصود ہے یہود مردود کی۔ جو آپ کو متہم کر رہے تھے۔ ف۲۷ (بلا مس بشر) انجیل میں یہ قصہ یوں درج ہے:۔ ”اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ پس اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا، چپکے سے اس کے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا اے یوسف ابن داؤد، اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر، کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے، وہ بیٹا جنے گی اور تو اس کا نام یسوع رکھنا“ (متی۔ ۱:۱۸۔۲۱) قرآن مجید کی توحید خالص اور انجیل کے شرک آمیز انداز بیان کا فرق اسی سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں اس واقعہ کو ہر جگہ قدرت پروردگار ہی کا کرشمہ قرار دیا ہے بہ خلاف اس کے انجیل میں ایک نہیں دو دو جگہ اسے ”روح القدس کی قدرت“ کی جانب منسوب کیا ہے۔ ف۲۸ خدائے تعالیٰ تو کہتے ہی اس ہستی کو ہیں جو سارے اسباب سے بالاتر اور مسبب الاسباب ہے۔ سلسلہ اسباب کا خالق وفاطر، اسباب اس کے پابند ومحکوم، وہ اسباب کا پابند ومحکوم نہیں۔ اور اگر کسی برتر ہستی کو محکوم وپابند ہی تسلیم کرتا ہے تو وہ اور جو کچھ بھی ہو بہرحال خدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کسی خدا پرست کی زبان کا کسی خدائی فعل سے متعلق اس بنا پر انکار پر کھلنا کہ وہ خارق عادت ہے دلیل عقل کی نہیں، بے عقلی وحمق کی ہے۔۔۔۔۔۔ اب رہا خدا کا منکر تو اس سے گفتگو اصولاً نفس وجود باری پر کی جائے گی نہ کہ ان جزئیات پر۔ هُوَ۔ یعنی یہ تخلیق بلا اسباب عادیہ۔ ف۲۹ (اپنی قوت وقدرت کا، اور یہ دکھادیں کہ ہم تخلیق کائنات پر ہر طرح قادر ہیں، بہ توسط اسباب عادیہ بھی اور بلا توسط اسباب عادیہ بھی) ای علامة لبنی اسرائیل ولد بلا اب (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۳۰ ان کے حق میں جو ہمارے اس نشان قدرت پر ایمان لائیں، اور اس سے ہدایت حاصل کریں) ف۳۱ (جو پوری ہو کر رہے گی) یہ سارا زور اور ساری تاکیدیں کس امر کی دلیل ہیں؟ اس امر کی کہ کوئی بات، معمول عام کے خلاف واقع ہونے کو جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔ اور وہ یہی ولادت بلا واسطۂ والد تھی۔ ورنہ اگر محض عام وطبعی ولادت کا ذکر مقصود تھا تو اس شد ومد اور اتنے اہتمام کی کیا ضرورت تھی؟ جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید مسیح علیہ السلام کی بن باپ کی ولادت کا قائل نہیں وہ ذرا قرآن کے بین السطور پر بھی غور فرما لیں۔ ف۳۲ حضرت مریم علیہا السلام قصبہ ناصرہ (علاقہ گلیل ملک شام) میں رہا کرتی تھیں، مگر زمانہ حمل میں آپ اپنے منگیتر سمیت اب مقام بیت لحم کو آ گئیں، جو ناصرہ سے ۷۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ انجیل میں ہے:۔ ”ان دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر اوگستس کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا کہ ساری دنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں۔ یہ پہلی اسم نویسی سوریا کے حاکم کورنیس کے عہد میں ہوئی اور سب لوگ نام لکھوانے کے لئے اپنے اپنے شہر کو گئے۔ پس یوسف بھی گلیل کے شہر ناصرہ سے داؤد کے شہر بیت لحم کو گیا جو یہودیہ میں ہے۔ اس لئے کہ وہ داؤد کے گھرانے اور اولاد سے تھا تاکہ اپنی منگیتر مریم کے ساتھ جو حاملہ تھی نام لکھوائے۔ جب وہ وہاں تھے تو ایسا ہوا کہ اس کے جننے کا وقت آ پہنچا“۔

قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ

ف٤٠ وہ لوگ بولے اے مریم تو نے تو بڑے غضب کی حرکت کی ف٤١ اے ہارون کی بہن!

مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾

نہ تمہارے والد ہی برے آدمی تھے اور نہ تمہاری ماں ہی بدکار تھیں ف٤٢

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي

اس پر مریم نے اس (بچہ) کی طرف اشارہ کیا ف٤٣ وہ بولے ہم اس سے کیسے بات چیت کریں جو ابھی گہوارہ میں

الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ

(پڑا ہوا) بچہ ہی ہے ف٤٤ (وہ بچہ) بول اٹھا میں اللہ کا بندہ ہوں ف٤٥ اس نے مجھے کتاب دی

وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ

اور اس نے مجھے نبی بنایا ف٤٦ اور (اسی نے) مجھے بابرکت بنایا، میں جہاں کہیں بھی ہوں ف٤٧

وَ اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾

اور (اسی نے) نے مجھے نماز اور زکوۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں ف٤٨

وَّ بَرًّاۢ بِوَالِدَتِيْ ؗ وَ لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾

اور مجھے میری والدہ سے نیکی کرنے والا (بنایا) ف٤٩ اور مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایا ف٥٠

وَ السَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَ يَوْمَ اَمُوْتُ وَ يَوْمَ

اور میرے اوپر سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس روز

اُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ

میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا ف٥١ یہ ہیں عیسیٰ بن مریم (یہ ہے وہ) سچی بات

الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٣٤﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ

جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں ف٥٢ اور اللہ کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے

(لوقا۔ ۲:۱۔۶) بعض مسیحی علماء نے حضرت مسیح علیہ السلام کا مولد ایک دوسرے بیت لحم کو تسلیم کیا ہے جو ناصرہ سے شمال و مغرب میں واقع ہے۔ ف٣٣ (کہ اسی کے سہارے اٹھیں بیٹھیں) طلبًا لسهولة الولادة للتثبت بها (کبیر) کھجور شام و فلسطین میں اب بھی پیدا ہوتا ہے لیکن قدیم زمانہ میں تو بڑی کثرت سے ہوتا تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ درخت اسی وقت بطور خارق عادت اگا دیا گیا تھا، لیکن اس قول پر کوئی دلیل نہیں۔ اور غالب احتمال یہی ہے کہ پہلے سے موجود ہوگا۔ والظاهر ان النخلة كانت موجودة قبل مجيء مريم اليها (بحر) دوسرے احتمالات بھی ممکن ہیں۔ يحتمل للتقوية والاستناد اليها (کبیر) ويحتمل للتستر بها (کبیر) ف٣٤ یعنی کسی کو میری یہ بدنامی یاد بھی نہ رہ گئی ہوتی کہ فلاں بے شوہری عورت کے اولاد ہوئی تھی۔ یہ کلمات آپ کی زبان پر فرط غیرت سے اور بدنامی کے خوف سے بے ساختہ آ گئے تھے...... محققین نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ موت کی تمنا کسی دینی محرک و داعیہ کے باعث جائز ہے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ تمنائے موت اگر غم دنیا سے تھی، جب تو غلبۂ حال کو اس کا عذر قرار دیا جائے گا جس میں انسان من کل الوجوہ مکلف نہیں رہتا اور اگر غم دین سے تھا کہ لوگ بدنام کریں گے اور میں شائد صبر نہ کر سکوں اور بے صبری کی معصیت میں مبتلا ہو جاؤں، موت آ جاتی تو اس معصیت سے حفاظت رہتی تو ایسی تمنا ممنوع نہیں ہے۔ ف٣٥ (اپنی بدنامی یا اپنی بے سروسامانی کے خیال سے) یہ پکار کر کہنے والے جبریل علیہ السلام ہی تھے۔ قال ابن عباس وقتادة والضحاك والسدى جبريل عليه السلام (جصاص) مِنْ تَحْتِهَا۔ یعنی جہاں وہ تھیں اسی مقام کے پائیں سے۔ من اسفل الوادى (ابن کثیر) ف٣٦ یہ تر و تازہ خرموں کا گرنا اگر بہ طریق اعجاز خرق عادت نہ تھا تو ظاہر ہے کہ مریم علیہا السلام کا وضع حمل ایسے ہی موسم میں ہوا ہوگا جو ملک شام میں کھجوروں کے تیار ہونے کا زمانہ ہوتا ہے...... ولادت مسیح علیہ السلام کا زمانہ، تقریبی و تخمینی طور پر تو اس سے بآسانی متعین ہو سکتا ہے۔ یونانی اطبا نے تازہ خرموں کو زچہ خانہ کے لئے بہترین غذا تسلیم کیا ہے۔ سَرِيًّا۔ بہتی ہوئی نہر۔ ای نهرًا يسرى (راغب) اتفق المفسرون الا الحسن وعبد الرحمن ابن زيد ان السرى هو النهر (کبیر) عن ابن عباس السرى النهر وبه قال عمرو بن ميمون نهر تشرب منه (ابن کثیر) وقال السدى هو النهر واختار هذا القول ابن جرير وقد ورد فى ذلك حديث مرفوع (ابن کثیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں اشارہ اس طرف ہے کہ تحصیل رزق میں بھی فی الجملہ سعی کرنا مطلوب ہے اور توکل کے منافی نہیں۔ ف٣٧ یعنی یہ مفید و پر تغذیہ طبعی پھل جو ملا ہے، اسے کھاؤ اور اس چشمہ کا پانی پیو اور بچہ کو دیکھ کر قلب کی راحت حاصل کرو۔ "اکل و شرب کا حکم بہ ظاہر اباحت کے لئے معلوم ہوتا ہے۔" (تھانوی) ف٣٨ (اشارہ سے) آنے والا جو آئے گا وہ اغلب احوال میں بچہ کی پیدائش کو حیرت و اعتراض ہی کی نظر سے دیکھے گا۔ اس موقع کے لئے حضرت مریم کو ہدایت ہوتی ہے کہ تم سوال و جواب میں نہ پڑنا، بلکہ یہ کہہ کر کہ میں تو آج صوم سکوت نذر مانے ہوئے ہوں چپ ہو جانا۔ فَقُوْلِيْۤ کے تحت میں بعض مفسرین نے بڑھایا کہ یہ بات بھی اشارہ سے کہنا ورنہ صوم سکوت سے تناقض لازم آتا ہے۔ لیکن اتنا تکلف غیر ضروری ہے۔ بہ آسانی ممکن ہے کہ یہ اطلاعی فقرہ کہہ کر وہ چپ ہو گئی ہوں۔ وقالت فرقة معنى فقولى اى بالاشارة لا بالكلام والافكان تناقض منافى قولها انتهى ولا تناقض لان المعنى فلن اكلم اليوم انسيا بعد قولى هذا (بحر) ف٣٩ گویا حکم یہ ملا کہ تم روزہ کی نذر مان لو۔ اور جب کوئی تم پر اعتراض کرنے لگے تو تم اس پر بھی ظاہر کر دینا، اور خود سوال و جواب میں نہ پڑنا۔ فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا۔ روزہ بہت سی اگلی شریعتوں میں سکوت کے ساتھ ہوتا تھا۔ شریعت اسلامی میں صوم سکوت جائز نہیں۔ ایک شریف خاتون کے لئے جب خود اسی کی عصمت زیر بحث آنے لگے، اپنی بریت و صفائی میں بھی تقریر کرنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ ہر صاحب فہم اور ہر صاحب تجربہ رکھتا ہے۔ قرآن مجید نے حضرت مریم کی نزاکت جذبات کا لحاظ فرما کر کتنا اچھا نسخہ نہیں بتا دیا کہ تم اس سوال و جواب ہی میں نہ پڑنا، بلکہ جواب اپنے اس بچہ ہی سے دلوانا (جیسا آگے آ رہا ہے) ہم اسے بطور خارق عادت تمہاری صفائی میں گویا کر دیں گے۔ ف٤٠ اب وہ وقت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہو چکی ہے اور آپ انہیں گود میں لئے ہوئے شہر کو آئی ہیں۔ ف٤١ یعنی (نعوذ باللہ) یہ بدکاری کا ثمر لے کر آئیں۔ یہ اس لئے کہا کہ حضرت مریم کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ یہود، بجز معصیت شدید کی بدگمانی کے اور کوئی دوسرا قیاس قائم نہ کر سکے۔ "حمل و تولد بلا توسط مرد کے خارق عادت ہے۔ اور خوارق میں کتنا ہی استبعاد ہو مضائقہ نہیں۔ لیکن اس میں اس وجہ سے زیادہ استبعاد بھی نہیں کہ حسب تصریح کتب طب، عورت کی منی میں قوت منعقدہ کے ساتھ قوت عاقدہ بھی ہے۔ اسی لئے مرض رجا میں کچھ ناتمام صورت بھی بن جاتی ہے۔ کما صرح فی القانون۔ بس اگر یہی قوت عاقدہ اور زیادہ بڑھ جائے تو زیادہ مستبعد نہیں ہے" (تھانوی) جِئْتِ۔ یہاں یہ معنی فعلت ہے (روح) فَرِيًّا۔ فری کہتے ہیں گری پڑی چیز کو۔ چنانچہ افترا بھی اسی مادہ سے ہے۔ یہاں تفسیر عظیم، اور عجیب، اور مصنوعی چیز سے کی گئی ہے۔ قيل معناه عظيمًا وقيل عجيبًا وقيل مصنوعًا (راغب) اشيئا عظيمًا منكرًا (کبیر) قال مجاهد والسدى الفرى العظيم الشنيع (بحر) ف٤٢ (تو یہ بھی تو نہیں کہا جا سکتا کہ والدین کی برائی کا اثر تم میں آ گیا۔ ایسے نیک اور خوش چلن، شریف خاندان میں ہو کر اور یہ حرکت! کتنی شرم کی بات ہے) غیرت دلانے کا اس سے زیادہ مؤثر اور زور دار طریق اور ہو کیا سکتا تھا۔ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ۔ اخت صیغۂ مؤنث اخ کا ہے۔ اور جس

مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ

وہ بالکل پاک ہے ف۵۳ وہ تو جب کسی امر کا تہیہ کر لیتا ہے تو بس اس سے صرف اتنا کہہ

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ

دیتا ہے کہ ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے ف۵۴ اور بے شک اللہ میرا بھی پروردگار ہے

فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ

اور تمہارا بھی پروردگار ہے سو اسی کی عبادت کرو یہی (دین کا) سیدھا راستہ ہے ف۵۵ پھر (مختلف) گروہوں نے

الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

باہم اختلاف ڈال لیا ف۵۶ سو کافروں کے حق میں بڑی آفت (آنے والی) ہے

مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ ۙ يَوْمَ

(اس) بڑے دن کی آمد پر ف۵۷ یہ کیسے کچھ سننے والے اور دیکھنے والے ہو جائیں گے جس روز

يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾

ہمارے پاس آئیں گے لیکن آج تو یہ ظالم کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہیں ف۵۸

وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ

اور آپ انہیں اس حسرت کے دن سے ڈرایئے جب کہ اخیر فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہ لوگ

فِيْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ

بے پروائی میں (پڑے ہیں) اور ایمان نہیں لاتے ف۵۹ ہم ہی زمین کے

الْاَرْضَ وَ مَنْ عَلَيْهَا وَ اِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَ اذْكُرْ

اور اس پر رہنے والوں کے وارث رہ جائیں گے اور ہماری ہی طرف (سب) لوٹائے جائیں گے ف۶۰ اور آپ (اس)

فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾

کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجیے ف۶۱ وہ بڑے راستی والے تھے نبی تھے ف۶۲ (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے)

وقف لازم — ع ۲ / ۲۵ / ۵

طرح اخ کا مفہوم نہایت وسیع ہے اور وطنی، دینی، صناعتی ہر قسم کے اشتراک وتشابہ پر حاوی۔ اسی طرح اخت کا اطلاق بھی نسب پر محدود نہیں، بلکہ ہر قسم کے اشتراک کے لئے عام ہے۔ یہاں بھی مفہوم اسی مثلیت کا ہے۔ گویا وہ لوگ کہہ یہ رہے ہیں کہ اے ہارون جیسی خاتون، اے تقویٰ و پاکیزگی میں ہارون کی ہم سطح خاتون۔ نسبت الیه بمعنی التشبیه لا بمعنی النسبة (کبیر) والمراد بالاخت انها واحدة منهم کما یقال العرب اخا العرب وهو المروی عن السدی (روح) شبهوها به علی معنی اِنَّا ظَنَنَّا اِنَّکِ مثله فی الصلاح ولیس المراد منه الاخوة فی النسب (معالم) خود قرآن میں بھی اخت مشابہ کے معنی میں آیا ہے۔ وما نریهم من ایة الاهی اکبر من اختها (زخرف۔ ع ۴) هٰرُوْنَ۔ یہ ہارون کون تھے؟ اغلب تو یہی ہے کہ وہی ہارون علیہ السلام نبی مراد ہوں۔ جو اپنے تقویٰ و پاکیزگی کے لئے اسرائیلیوں میں ضرب المثل تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی اور ہارون مریمؑ کے معاصر ہوں، جن کا تقویٰ اس عہد کے لوگوں میں معروف ومسلم ہو۔ اور یہ اگر کوئی صالح شخص حضرت مریمؑ کے بھائی ہی ہوں تو اس میں بھی کوئی تاریخی استبعاد نہیں۔ جب کہ والدین مریمؑ کی اولاد کی تفصیل کہیں محفوظ نہیں۔ ف۴۳ (کہ جو کچھ کہنا سننا ہے اسی بچہ سے کہو سنو) ف۴۴ یہود اسے حضرت مریم کی زبان سے طنز و تمسخر سمجھ کر اور زیادہ جھنجھلائے، اور بولے کہ کیا باتیں کرتی ہو؟ ہم مخاطب اس ناسمجھ، بے زبان بچہ سے ہوں جو ابھی گہوارہ میں پڑا ہوا ہے۔ الما اشارت الیه غضبوا غضبًا شدیدًا (کبیر۔ عن السدی) كَانَ۔ ابوعبیدہ لغوی کا قول ہے کہ یہاں زائدہ ہے (بحر) اور یہ تو بہرحال لازمی نہیں کہ اس کے معنی ماضی کے لئے جائیں، یعنی اس زمانہ کے جو مکالمہ کے وقت منقطع ہو چکا ہے۔ اور خود قرآن مجید میں متعدد نظیریں كَانَ کے اس استعمال کی ہیں۔ مثلاً وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً کے یہ معنی آج تک کوئی نہیں سمجھا ہے کہ زنا کسی زمانہ گذشتہ میں فعل بد تھا۔ چنانچہ یہاں بھی محققین نے تصریح کر دی ہے کہ كان سے مراد کوئی ایسا زمانہ نہیں جو اس وقت منقطع ہو چکا ہے۔ لا یدل ذلک علی الانقطاع (بحر) ف۴۵ (اور بندہ بھی خاص ومقرب) اس ذرا سے فقرہ میں تردید آگئی آپؑ کے متعلق ہر قسم کے غلو کی...... ایک طرف نصاریٰ کی افراط کی بھی اور دوسری طرف یہود کی تفریط کی بھی۔ اور آپ کی صحیح وحقیقی حیثیت واضح ومتعین ہوگئی۔ قَالَ۔ یہود کی مخاطبت کا انتظار کئے بغیر آپؑ باذن الٰہی خود ہی بول اٹھے۔ اس خرق عادت کا ظہور، خود یہود کے مسلمات کے لحاظ سے، آپ کی اعلیٰ مقبولیت کا ثبوت تھا۔ اور فساد نسب اس مقبولیت عظمیٰ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس سن میں آپ کا تکلم یہود کی بدگمانی رفع کے لئے بجائے خود کافی ہو جانا چاہیے تھا۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے اس پہلو کی جانب اشارہ کیا ہے۔ ف۴۶ مستقبل کے واقعات کو، جب کہ ان کا وقوع بالکل یقینی اور غیر مشتبہ ہو، بہ صیغہ ماضی بیان کرنا عادت قرآنی کے عین مطابق ہے۔ المراد بان حکم و قضی بانه یعطنی من بعد (کبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) بعض اقوال یہ بھی نقل ہوئے ہیں کہ حضرت کا یہ قول اس وقت کا نہیں، بہت بعد کا ہے۔ پہلا قول عَبْدُ اللّٰهِ پر ختم ہو گیا۔ ف۴۷ یعنی خلق کو میرے ذریعہ سے دین کا نفع پہنچے گا۔ مبارک کے معنی معلم خیر کے بھی کیے گئے ہیں۔ قال مجاهد معلمًا للخیر. قال غیره جعلنی نفاعًا (جصاص) ف۴۸ یعنی مجھے احکام شریعت دے کر بھیجا گیا ہے اور میرے اوپر بھی زندگی بھر عبادتیں اور احکام شریعت کی پیروی فرض ہیں۔ انجیل برنابا میں، جو حضرت مسیح کے ایک حواری کی جانب منسوب ہے، اور جسے مسیحی اپنے اعراض وعقائد کے مخالف پا کر جعلی قرار دیتے ہیں، اس میں اس مفہوم کی آیت موجود ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) ف۴۹ اس میں تردید ہے انجیل مروجہ کی پیدا کی ہوئی اس غلط فہمی کی کہ آپ کا برتاؤ اپنی والدہ کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ اور آپ ان سے بے رخی، بے التفاتی، بے اعتنائی برت جاتے۔ (ملاحظہ ہو متی ۱۲:۴۶۔۵۰ مرقس ۳:۳۱۔۳۵ لوقا ۸:۱۹۔۲۱) اس حسن سلوک کے موقع پر بجائے والدین کے صرف والدہ کا نام لانا خود اس امر کا قرینہ ہے کہ آپ کی پیدائش والد کے توسط کے بغیر ہوئی تھی۔ ف۵۰ (کہ میں خلق یا خالق کسی کے بھی ادائے حقوق میں کمی کروں یا اعمال کے ترک سے بدبختی خریدوں) انجیل میں آپ کی زبان سے ہے:۔ ''میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن'' (متی ۱۱:۲۹) نیز ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ انسان کا اپنی زبان سے اپنے اوصاف کمالی کا ظاہر کرنا بالکل جائز ہے، بشرطیکہ مقصود تعارف ہو، ناز وافتخار نہ ہو۔ یدل علی انه یجوز للانسان ان یصف نفسه بصفات الحمد والخیر اذا اراد تعریفها الی غیره لا علی جهة الافتخار (جصاص) ف۵۱ سلام یہاں وسیع معنی میں ہے، یعنی اللہ کے حفظ وامن کے مرادف۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۹۔ ف۵۲ یہ ہے ان کی صحیح کیفیت۔ یہ ہے ان کے نبی اور بندہ مقبول ومقرب ہونے کا صحیح اور سچا بیان۔ نہ وہ خدا، نہ فرزند خدا، نہ مظہر خدا، جیسا کہ عیسائیوں نے گڑھ رکھا ہے۔ نہ وہ بندہ نامقبول ومردود، جیسا کہ یہود نے طرح طرح انہیں متہم کر رکھا ہے۔ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ۔ ان کے باب میں جھگڑا کرنے والے بھی افراط وتفریط میں مبتلا اور غلو کرنے والے فرقہ ہیں۔ ذٰلِكَ۔ اشارہ اوپر کے قول اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ الخ کی جانب ہے یعنی عیسیٰ بن مریم وہی ہیں جو ان صفات سے موصوف ہیں۔ الاشارة الی ماتقدم وهو قوله انی عبد الله اتانی الکتاب ای ذلک الموصوف بهذه الصفات هو عیسی بن مریم (کبیر) قَوْلَ الْحَقِّ۔ یعنی اصل حقیقت یہ ہے، نہ کہ وہ داستانیں جو اہل باطل نے گڑھ گڑھ لی ہیں۔ علی معنی انه ثابت لا یجوز ان یبطل (کبیر) ف۵۳ اس کی جانب اولاد کا انتساب معمولی اور فرعی غلطی نہیں۔ بنیادی، مرکزی اور ایک اہم ترین ضلالت ہے۔ اتخاذ ولد پر حاشیہ سورۂ بقرہ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ کے تحت میں گزر چکا۔ مِنْ وَّلَدٍ۔ من تاکید نفی

اِذۡ قَالَ لِاَبِیۡهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا یَسۡمَعُ وَ لَا یُبۡصِرُ

جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ اے میرے باپ آپ کیوں ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جو نہ سنے نہ دیکھے

وَ لَا یُغۡنِیۡ عَنۡكَ شَیۡـًٔا ﴿۴۲﴾ یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ قَدۡ جَآءَنِیۡ

اور نہ آپ کے کچھ بھی کام آ سکے ۶۳ اے میرے باپ میرے پاس وہ علم

مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَمۡ یَاۡتِكَ فَاتَّبِعۡنِیۡۤ اَهۡدِكَ صِرَاطًا

آ چکا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا سو آپ میری پیروی کیجیے میں آپ کو سیدھا راستہ

سَوِیًّا ﴿۴۳﴾ یٰۤاَبَتِ لَا تَعۡبُدِ الشَّیۡطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ

بتا دوں گا ۶۴ اے میرے باپ آپ شیطان کی پرستش نہ کیجیے شیطان بے شک

كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ عَصِیًّا ﴿۴۴﴾ یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ

خدائے رحمٰن کا نافرمان ہے ۶۵ اے میرے باپ میں اندیشہ کرتا ہوں کہ

یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ فَتَكُوۡنَ لِلشَّیۡطٰنِ

آپ پر خدائے رحمٰن کی طرف سے عذاب آ پڑے تو آپ شیطان کے ساتھی

وَلِیًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِهَتِیۡ یٰۤاِبۡرٰهِیۡمُ ۚ

بن جائیں ۶۶ (آزر نے) کہا تو کیا اے ابراہیم تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے

لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ لَاَرۡجُمَنَّكَ وَ اهۡجُرۡنِیۡ مَلِیًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ

ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر ڈالوں گا ۶۷ اور مجھے تو ایک مدت کے لئے چھوڑ ہی دو ۶۸ (ابراہیم) بولے

سَلٰمٌ عَلَیۡكَ ۚ سَاَسۡتَغۡفِرُ لَكَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیۡ

آپ میرا سلام لیں ۶۹ اب میں آپ کے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت کی درخواست کروں گا ۷۰ بے شک وہ مجھ

حَفِیًّا ﴿۴۷﴾ وَ اَعۡتَزِلُكُمۡ وَ مَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

پر بہت مہربان ہے، ۷۱ اور میں کنارہ کرتا ہوں تم لوگوں سے اور ان سے بھی جنہیں تم لوگ خدا کے سوا پکارتے ہو ۷۲

کے لئے ہے۔ جیء من لتاکید النفی (مدارک) مَا کَانَ لِلّٰہِ۔ یہ اسی طرح کا فقرہ ہے۔ جیسے دوسری جگہ قرآن میں ہے۔ ما کان اللہ ان یظلم۔ اے لا یلیق ذٰلک بحکمتہ و کمال الھیتہ (کبیر) **ف۵۴** (ایسے قوت واقتدار مطلق رکھنے والے کو اولاد کی حاجت کیا، اور ایسے کمال والے کے لئے اولاد کا ثابت کرنا عقلاً کمال کا نہیں نقص کا اثبات کرنا ہے) کُنۡ فَیَکُوۡنُ پر حاشیہ پہلے گزر چکا۔ لَهٗ یعنی اسی امر سے، جو اپنے وقوع میں آنے سے پیشتر ہی حکم الٰہی میں موجود رہتا ہے۔ **ف۵۵** اِنَّ اللّٰهَ الخ یہ رسول اللہ ﷺ کو حکم مل رہا ہے کہ آپ اپنی طرف سے کہہ دیجئے۔ التقدیر فقل یا محمد ان اللہ ربی وربکم الخ (کبیر) هٰذَا۔ مراد ان امور سے ہے، جن کا ذکر ابھی اوپر آ چکا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی توحید اور شرک سے تبری کامل۔ اے ما ذکر من التوحید (روح) **ف۵۶** یہاں اختلاف سے مراد وہ اختلاف نہیں، جو حضرت مسیح علیہ السلام کے باب میں اہل حق اور اہل باطل کے درمیان ہے بلکہ وہ اختلاف مراد ہے جو خود اہل باطل یا غالی مسیحیوں ہی کے مختلف فرقوں کے درمیان ہے، جن کے جھگڑوں سے تاریخ کلیسا بھری پڑی ہے۔ اَلۡاَحۡزَابُ۔ مراد وہ فرقے ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے باب میں مسیحیوں کے درمیان، بہت بڑی تعداد میں پیدا ہو چکے ہیں۔ اور یہود کے فرقے ان پر مستزاد۔ **ف۵۷** یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ سے مراد ظاہر ہے کہ روز قیامت ہے، جو باعتبار امتداد بھی بہت بڑا ہوگا اور باعتبار اشتداد بھی۔ مَشۡهَدِ سے مراد نفس شہود بھی ہو سکتا ہے اور مکان شہود بھی اور زمان شہود بھی۔ یحتمل ان یکون المراد من المشھد نفس شھود ھم و ھو الحساب والجزاء فی القیامۃ او مکان الشھود فیہ او وقت الشھود (کبیر) اَلَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا۔ کا اطلاق ہر کافر گروہ کے لیے عام ہے، لیکن یہاں اشارہ خاص انہیں قوموں کی جانب ہے جو حضرت عیسیٰ سے متعلق گمراہ ہوئی ہیں۔ یہود و نصاریٰ مع اپنے تمام ذیلی و ضمنی فرقوں کے۔ اے تحزبوا فی عیسٰی (ابن عباس رضی اللہ عنہما) **ف۵۸** یعنی حشر میں تو انکشاف حقائق ان کافروں کو بھی کامل ہو کر رہے گا، لیکن آج دنیا میں تو یہ سرتاسر ظلمتِ ضلالت میں غرق ہیں۔ اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَ اَبۡصِرۡ۔ محاورہ میں کمال تعجب کے موقع پر آتا ہے۔ یعنی آج تو یوں اندھے بہرے ہیں، کل قیامت میں سب کمال حیرت سے دیکھیں گے کہ آنکھیں خوب روشن اور کان خوب تیز ہو گئے ہیں! الجمھور علی ان لفظہ امر و معناہ التعجب (مدارک) **ف۵۹** (اور چونکہ حقائق ایمانی پر پوری توجہ بھی کبھی صرف نہیں کرتے، اس لیے ان کی یہ غفلت یا بے پروائی بھی اختیاری ہی ہے، اور یہ اس میں معذور ذرا بھی نہیں) یَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ۔ حسرتیں تو کافروں کے نصیب ہی میں ہیں، یوم حشر میں ان حسرتوں کا شمار وعدد، اور کیفیت وکمیت کے ہر اعتبار سے شدید ترین وقوی ترین ہونا ظاہر ہی ہے۔ اِذۡ قُضِیَ الۡاَمۡرُ۔ یعنی جنت و دوزخ دونوں ہی کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور اہل جنت واہل جہنم دونوں کو خلود کا حکم سنا کر موت کو ان کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا۔ حدیث میں یہی تفسیر آئی ہے۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر) **ف۶۰** ذات حق جس طرح سب کا مبدء ہے، سب کا مرجع بھی ہے، یہ نہیں کہ مخلوق میں سے کسی ایک کی بھی واپسی کسی اور کی جانب ہو۔ نَرِثُ الۡاَرۡضَ۔ یعنی جب زمین کی ساری جاندار مخلوق فنا ہو جائے گی تو بس ہم ہی اس کے وارث یا مالک رہ جائیں گے۔ صدیق صیغہ مبالغہ ہے صدق کا۔ اصطلاح میں بعد نبی کے سب سے اونچا مرتبہ اسی کا ہے۔ اور لفظی معنی ہیں "بہت بڑے سچے" اے ملازم الصدق لم یکذب قط (روح) توریت میں دو مرتبہ کذب کو حضرت ابراہیم خلیل سے منسوب کیا ہے۔ (پیدائش ۱۲: ۱۳ اور ۲۰: ۲) لفظ صدیق لانے سے ممکن ہے اس کی بھی تردید مد نظر ہو۔ **ف۶۱** (اے ہمارے پیغمبر) یعنی آپ اس کتاب سے ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ پڑھ کر اپنی قوم کو سنائیے۔ ورنہ کتاب میں ذکر کرنے والا تو ظاہر ہے کہ خود حق تعالیٰ ہی ہے۔ والمراد اتل علیھم نبأ ابراھیم و ذاکرہ و موردہ فی التنزیل ھو اللہ تعالیٰ (بحر) اے اتل علی الناس قصتہ (روح) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۲۱۶۰ تا ۱۹۸۵ ق.م) پر حاشیہ سورۂ بقرہ (پ ۱) رکوع ۱۵ میں گزر چکا۔ **ف۶۲** صدیق، صدوق کا صیغہ مبالغہ ہے اور لفظی معنی بہت بڑے سچے کے ہیں۔ اصطلاح میں ولی کامل کے مرادف ہے، اور بعد نبی کے سب سے اونچا مرتبہ صدیق ہی کا ہوتا ہے۔ الصدیقون ھم قوم و دین الانبیاء فی الفضیلۃ (راغب) الصدیق من کثر منہ الصدق و قیل بل یقال لمن لا یکذب قط (راغب) ھو الذی یکون عادتہ الصدق (کبیر) المراد فرط صدقہ و کثرۃ ما صدق بہ من غیوب اللہ (مدارک) الصدیق الکثیر الصدق القائم علیہ (معالم) **ف۶۳** (عقل سے سوچے تو بت پرستی کی لاحاصلی آپ پر بالکل روشن ہو جائے) لِمَ تَعۡبُدُ الخ ظاہر ہے کہ مراد بتوں اور مورتیوں کی پرستش سے ہے۔ عراق قدیم یا کلدانیہ کا شرک، بدترین قسم کا شرک تھا۔ دیوی دیوتاؤں کے نام ۵ ہزار کی تعداد میں اب تک کتبوں میں مل چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ مَا لَا یَسۡمَعُ...... شَیۡـًٔا۔ مطلب یہ کہ جو ہستی واجب الوجود نہیں، وہ لائق عبادت تو کسی حال میں بھی نہیں۔ چہ جائیکہ ایسی ہستیاں جو سماعت، بصارت وغیرہ سے بھی عاری ہوں! مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے طریق دعوت وتبلیغ میں حسن خلق وادب کو ملحوظ رکھا تا کہ مخاطب فساد و مکابرہ پر آمادہ نہ ہو جائے۔ **ف۶۴** (جو توحید، ایمان اور نجات کا راستہ ہے) الۡعِلۡمِ۔ یعنی علم بالوحی جس میں غلطی کا احتمال ہی نہیں۔ فقہاء نے یہاں سے مسائل ذیل کا استنباط کیا ہے:۔ (۱) بے علموں پر علماء کی اتباع واقتداء لازم ہے۔ (۲) باپ کو بیٹے سے استفادہ وتلمذ جائز ہے۔ (۳) فضل نسب فضل علم وکمال کا ہم سطح نہیں۔ **ف۶۵** شیطان کے کہے میں آ کر بت پرستی اور شرک میں مبتلا ہو جانا خود شیطان پرستی ہے۔ اے لا تطعہ فی عبادتک ھذہ الاصنام فانہ ھو الداعی الی ذٰلک والراضی بہ (ابن کثیر) المراد الطاعۃ لانھم ما کانوا یعبدون الشیطان فوجب حملہ علی الطاعۃ (کبیر) لِلرَّحۡمٰنِ عَصِیًّا۔ صفت رحمانیت کو نمایاں کرنے سے مقصود مخاطب کو اور زیادہ غیرت دلانا ہے کہ شیطان کی یہ کفر اور

وَ اَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ

اور میں تو اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم

شَقِيًّا ﴿٤٨﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

نہ رہوں گا و۷۳ پھر جب وہ کنارہ کش ہوگئے ان لوگوں سے اور ان سے بھی جن کی وہ لوگ اللہ کے سوا عبادت

اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ۭ وَ كُلًّا جَعَلْنَا

کرتے تھے تو ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب کو عطا کیا و۷۴ اور ہم نے ہر ایک کو

نَبِيًّا ﴿٤٩﴾ وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَ جَعَلْنَا لَهُمْ

نبی بنایا اور ہم نے ان سب کو اپنی رحمت عطا کی و۷۵ اور ہم نے ان سب کا

لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾ ع وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ

نام نیک اور بلند کیا و۷۶ اور آپ (اس) کتاب میں موسیٰ کا (بھی) ذکر کیجیے و۷۷

اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾ وَ نَادَيْنٰهُ

بیشک وہ (اللہ کے) خاص کئے ہوئے (بندے) تھے اور وہ رسول تھے۔ نبی تھے۔ و۷۸ اور ہم نے انہیں طور کی

مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾ وَ وَهَبْنَا

داہنی جانب سے آواز دی اور ہم نے ان کو مقرب بنایا راز کی گفتگو کے لئے و۷۹ اور ہم نے اپنی

لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾ وَ اذْكُرْ فِي

رحمت سے انہیں ان کے بھائی ہارون کو نبی کی حیثیت سے عطا کیا و۸۰ اور آپ (اس) کتاب میں

الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ

اسمٰعیل کا (بھی) ذکر کیجیے و۸۱ بے شک وہ وعدہ کے (بڑے ہی) سچے تھے اور

رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥٤﴾ ج وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ ۠

رسول تھے، نبی تھے و۸۲ اور وہ اپنے والوں گھر کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے رہتے تھے

ناسپاسی بھی کیسے مالک کے مقابلہ میں ہے؟ ایسے کہ جو سرتاسر رحمت ہے۔ يٰٓاَبَتِ۔ یا ابت کی تکرار بار بار کرنا اور اسی طرح آیت ماقبل میں ہدایت کا انتساب بجائے حق تعالیٰ کے اپنی جانب کرنا یہ سب اس لیے ہے کہ مخاطب کو بجائے وحشت کے انس پیدا ہو۔ و۶۶ (دوزخ اور عذاب آخرت میں) عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ۔ یہاں یہ جتلادیا کہ گو وہ رحمٰن ہے مگر سزا دینے میں اس کو مانع نہ عدم قدرت ہو سکتی ہے نہ عدم ارادہ۔ و۶۷ سنگساری کی سزا قدیم قوموں میں عام تھی۔ اور کلدانیہ کے قانون میں تو لڑکا عمر بھر باپ کا غلام ہی سمجھا جاتا تھا۔ باپ کی زندگی بھر اسے خود مختاری کسی طرح کی حاصل ہی نہیں ہوتی تھی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ۔ یعنی اگر اپنے اس انوکھے عقیدہ اور تعلیم سے باز نہ آئے۔ و۶۸ یعنی میرا سامنا کرنا تو بہرحال چھوڑ ہی دو۔ مَلِيًّا۔ ملی کے معنی زمانہ طویل کے ہیں، اور یہی یہاں بھی اکابر سے منقول ہیں۔ قیل للمدة الطویلة (راغب) زماناً طویلاً (ابن جریر۔ عن الحسن) حیناً طویلاً و دهرًا (ابن جریر) روی عن الحسن و مجاهد و سعید بن جبیر والسدی قالوا دهرًا طویلاً (جصاص) و۶۹ (اور میری اور آپ کی راہیں آج سے جدا ہیں) حضرت نے جب دیکھا کہ تبلیغ و نصیحت کا اثر الٹا ہو رہا ہے تو کہا، بہتر ہے میرا آخری سلام قبول ہو۔ میں اب رخصت ہوتا ہوں۔ یہ سلام وداع اور رخصتی کا ہے کہ میری راہ الگ ہے، آپ کی راہ الگ۔ اس سے اس فقہی مسئلہ کو کہ کافر کو سلام جائز ہے یا نہیں، نفیاً یا اثباتاً کوئی تعلق ہی نہیں۔ توادع و متارکة (کبیر) قال الجمهور هذا بمعنی المسالمة لا بمعنی التحیة (بحر) هذا السلام للمتارکة بقرینة المقام فلامس بمسئلة السلام علی الکافر جوازًا و منعًا بهذا المقام (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) لیکن بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ سلام رفق و آشتی و مسالمت کا ہے اور اس میں اس کی تعلیم ہے کہ سفیہ کو حلیم کی زبان سے ایسا ہی جواب ملنا چاہیے اور اس میں حق ابوت کا احترام بھی ہے۔ قیل سلام برولطف و هو جواب الحلیم للسفیه (معالم) یعنی امالنا فلانیالک منی مکروه ولا اذیٰ و ذٰلک محرمة الابوة (ابن کثیر) مقابلة للسیئة بالحسنة ای لا اصیبک بمکروه (بیضاوی) و۷۰ (اس طرح کہ آپ کو جیتے جی ہدایت نصیب ہو جائے کہ اسی پر مغفرت مرتب ہوتی ہے) معناه سأسال الله تعالیٰ لک توبة تنال بها المغفرة (معالم) انما استغفر لابیه لانه کان یرجوا منه الایمان (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ سند ہے کافر کے لیے دعائے ہدایت کے جواز کی۔ و۷۱ (اس لیے مجھے امید ہے کہ وہ میری دعا قبول بھی کرے گا، بشرطیکہ وہ کسی حکمت تکوینی کے معارض نہ ہوئی) و۷۲ یعنی قلباً و اعتقاداً تو میں پہلے ہی سے علیحدہ تھا۔ اب سکونت بھی یہاں کی چھوڑے دیتا ہوں --- چنانچہ اس کے بعد آپ ملک شام کو ہجرت فرما گئے تو ان کے مخاطبین اول، مشرکین عرب کے لیے اس قصہ ابراہیمی میں خصوصیت کے ساتھ سبق ہدایت موجود ہے۔ وہ بھی نسل ابراہیمی سے تھے اور اپنے کو پیرو بھی انہیں کے دین کا ظاہر کرتے تھے۔ وَ اَعْتَزِلُكُمْ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں معاند سے یکسو ہو جانے کی تعلیم ہے۔ و۷۳ (بہ خلاف مشرکوں کے، جو اپنے معبودوں کو پکار کر محروم ہی رہتے ہیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام پیمبر ہیں، اور پیمبر بھی کیسے جلیل القدر۔ اللہ کے خلیل۔ اس پر بھی دعویٰ کے ساتھ یہ نہیں کہتے کہ میری دعا قبول ہی ہو جائے گی۔ بلکہ عبدیت کی پوری شان تواضع کے ساتھ اس کی صرف امید ظاہر کرتے ہیں۔ و۷۴ یعنی جب آپ اپنے شہر حران (ملک کلدانیہ) سے ہجرت کر کے ملک شام میں آ بسے، تو اس ترک وطن و اہل وطن سے آپ دنیوی و مادی اعتبار سے بھی گھاٹے میں نہ رہے۔ دوسرا وطن آپ کو مل گیا۔ صاحب اولاد آپ ہوئے، اولاد در اولاد تک پیمبر ہوئی، ساری خوشیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں آپ کی اس ہجرت اور ترک وطن کا ذکر توریت موجودہ میں ان الفاظ میں ہے:۔ ”اور خداوند نے ابرام کو کہا تھا کہ تو اپنے ملک اور اپنے قرابتیوں کے درمیان سے اور اپنے باپ کے گھر سے اس ملک میں جو میں تجھے دکھاؤں گا نکل چل، اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا۔ اور تو ایک برکت ہوگا“۔ (پیدائش ١٢:١ و ٢) ”سو وہ ملک کنعان میں آئے...... اور ابرام رفتہ رفتہ دکھن کی طرف گیا“ (پیدائش۔ ١٢:٩) اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ۔ اسحٰق بہ طور بیٹے کے اور یعقوب بہ طور پوتے کے۔ دونوں کی پیدائش حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ہی میں ہوئی۔ و۷۵ (اور انہیں ہر طرح کی دنیوی نعمتوں اور روحانی کمالات سے سرفراز کیا) حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب علیہم السلام، ایک طرف انبیاء مرسلین اور خاصان خدا میں سے تھے اور دوسری طرف ہر طرح کی دنیوی نعمتوں مثلاً قبیلہ کی سرداری، کثرت اولاد وغیرہ سے بھی بہرہ ور تھے۔ قال الکلبی المال والولد و هو قول الاکثرین (معالم) و۷۶ (آئندہ نسلوں میں) چنانچہ آج تک ان تینوں کا نام دنیا کی تین بڑی قومیں مسلمان، مسیحی، یہودی، تعظیم تکریم و عقیدت ہی کے ساتھ لیتے ہیں اور ان حضرات کے حق میں جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا کی تفسیر اس سے بڑھ کر روشن اور جلی اور کیا ہوگی، کہ مسلمان کی کوئی نماز تک مکمل نہیں ہو پاتی جب تک ابراہیم اور آل ابراہیم علیہ السلام کا نام لے کر ان پر درود و سلام نہ بھیج لیا جائے۔ و۷۷ یعنی آپ لوگوں کو اس کتاب میں سے پڑھ کر سنائیے ورنہ ذکر کرنے والا تو حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ٦١۔ مُوْسٰى پر حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول میں گزر چکے۔ و۷۸ رسول اور نبی کی تفسیر میں اقوال متعدد ہیں۔ تتبع آیات مختلفہ سے جو بات احقر کے نزدیک محقق ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں کے مفہوم میں عموم و خصوص من وجہ ہے۔ رسول شریعت جدیدہ۔ خواہ وہ شریعت اس رسول کے اعتبار سے بھی جدید ہو جیسے توریت وغیرہ یا صرف مرسل الیہم کے اعتبار سے جدید ہو جیسے اسمٰعیل علیہ السلام کی شریعت۔ وہی شریعت ابراہیمیہ تھی۔ لیکن قوم جرہم کو اس کا علم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی سے حاصل ہوا۔ اور خواہ

وہ رسول نبی ہو یا نہ ہو جیسے ملائکہ کہ ان پر رسل کا اطلاق کیا گیا ہے اور وہ انبیاء نہیں ہیں، یا جیسے انبیاء کے فرستادے اصحاب جیسا سورۂ یٰسین میں ہے اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ اور نبی وہ ہے جو صاحب وحی ہو خواہ شریعت جدیدہ کی تبلیغ کرے یا شریعت قدیمہ کی۔ جیسے اکثر انبیاء بنی اسرائیل کہ شریعت موسویہ کی تبلیغ کرتے تھے۔ یعنی من وجہ وہ عام ہے، من وجہ یہ عام ہے۔ پس جن آیتوں میں دونوں مجتمع ہیں اس میں تو کوئی اشکال نہیں کہ خاص و عام کا جمع ہونا صحیح ہے اور جس موقع پر دونوں میں تقابل ہوا ہے جیسے مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ الخ چونکہ عام و خاص مقابل نہیں ہوتے اس لیے اس نبی کو عام نہ لیں گے بلکہ خاص کر لیں گے مبلغ شریعت سابقہ کے ساتھ۔ بس معنی یہ ہوں گے مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ صاحب شرع جدید ولا صاحب غیر شرع جدید۔ لیکن چونکہ اب متبادر لفظ رسول سے صاحب نبوت ہوتا ہے اس لیے غیر نبی پر اطلاق اس کا بہ وجہ ابہام کے درست نہیں جیسے اس وقت بعض اہل زیغ اپنے لیے وحی اور رسالت بلکہ نبوت کے اطلاق کو جائز رکھتے ہیں اور تفسیر بھی ان الفاظ کی بدل ڈالی ہے۔ نعوذ باللّٰہ'' (تھانوی رحمۃ اللّٰہ علیہ) مُخْلَصًا۔ **مخلص** وہ ہے جسے اللّٰہ نے اپنا خاص کر لیا، اور اعتقاد و عمل کی ہر طرح کی غلطی سے محفوظ کر لیا ہو۔ **اے معصومًا من الکفر والشرک والفواحش** (ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما) **حقیقۃ الاخلاص البشری عن کل ما دون اللّٰہ تعالیٰ** (راغب) **و۷۹** یہ گفتگو راز کی یا سرگوشی کی اس معنی میں تھی کہ اس مکالمت کے وقت اس کے سننے میں کوئی اور شریک نہ تھا۔ الطُّوْرِ۔ طور پر حاشیہ سورۂ بقرہ پارۂ اول میں گزر چکا۔ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ۔ داہنے جانب سے مراد حضرت موسیٰ کی داہنی جانب ہے۔ **والمراد بہ یمین موسیٰ علیہ السلام** (روح) **و۸۰** یعنی حضرت ہارون علیہ السلام کو، جو عمر میں بڑے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اعانت و تقویت کے لیے ان کے منصب نبوت میں شریک کر دینا سرتاسر ہمارا فضل و کرم ہی تھا۔ **و۸۱** یعنی اسمٰعیل علیہ السلام (۲۰۰۷ تا ۱۹۳۳ ق۔م) بن ابراہیم علیہ السلام جو اپنے والد ماجد کی چھوٹی بیوی صاحبہ حضرت ہاجرہ شہزادی مصر کے بطن سے تھے۔ مصر اس وقت مرکز تمدن تھا۔ وہاں کی شہزادی قدرۃً تہذیب و تمدن کے لوازم سے آراستہ تھیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ **و۸۲** آپ قوم جرہم کی جانب نبی مرسل تھے۔ جو اصلاً و ابتداءً یمن کے باشندے تھے، مگر اب وادیٔ مکہ میں آباد ہو گئے تھے، اور خالص عرب تھے۔ صَادِقَ الْوَعْدِ یعنی یہ صفت علاوہ دوسری صفات حسنہ کے آپ پر خصوصیت سے غالب تھی۔ رَسُوْلًا نَّبِيًّا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۷۸۔ یہ خیال رہے کہ قرآن مجید نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو رسول اور نبی دونوں یہاں کہا ہے۔ برخلاف اس کے حضرت اسحٰق علیہ السلام کے لیے صرف نبی کا لفظ آیا ہے۔ **و۸۳** یعنی آپ اللّٰہ کے مقبول و برگزیدہ بندہ تھے، نہ کہ خدانخواستہ مردود و غیر مقبول، جیسا کہ یہود اور نصرانیوں نے گڑھ لیا ہے۔ اللّٰہ کے ہاں پسندیدہ تو وہی ہو سکتا ہے، جو ادائے طاعات و عبادات میں درجہ کمال پر ہو۔ **و ھو فی نہایۃ المدح لان المرضی عند اللّٰہ ھو الفائز فی کل طاعاتہ باعلی الدرجات** (کبیر) اَهْلَهٗ۔ آپ کی بیوی صاحبہ بھی مصر ہی کی ایک خاتون تھیں۔ توریت میں ہے:۔ ''اور وہ فاران کے بیابان میں رہا، اور اس کی ماں نے ملک مصر سے ایک عورت اس کے بیاہنے کو لی۔'' (پیدائش۔ ۲۱:۲۱) اہل سے مراد محض گھر والے بھی ہو سکتے ہیں:۔ جیسا کہ امام رازی اور صاحب کشاف و صاحب بیضاوی نے لیا ہے۔ اور تمام امت بھی مراد ہو سکتی ہے، جیسا کہ صاحب معالم و صاحب جلالین کا خیال ہے۔ اور حسن بصری تابعی سے بھی منقول ہے۔۔۔ اگر گھر والے بھی مراد لیے جائیں تو معنی یہ ہوں گے کہ آپ نے تبلیغ شروع ہی انہیں لوگوں سے کی۔ **قیل کان یبدا باھلہ فی الامر بالصلاح و العبادۃ لیجعلھم قدوۃ لمن سواھم** (کبیر) يَاْمُرُ...... الزَّكٰوةِ۔ یہ وصف ایک پیمبر کے سلسلۂ فضائل میں بیان ہو رہا ہے اس سے ظاہر ہے کہ اپنے اعزہ، اقارب و احباب کو عبادات بدنی و مالی کی ترغیب دلاتے رہنا کتنی بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ **و۸۴** صدیق کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۶۰ و ۶۲۔ اِدْرِيْسَ۔ اغلب یہ ہے کہ یہ وہی نبی ہیں، جن کا نام توریت میں حنوک آیا ہے، یہ قابیل کے فرزند اکبر تھے۔ (پیدائش۔ ۱۷:۴) یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے پوتے۔ توریت سے ان کے مزید حالات یہ ملتے ہیں:۔ ''اور حنوک ۶۵ برس کا ہوا کہ اس سے متوسلح پیدا ہوا۔ اور متوسلح کی پیدائش کے بعد حنوک ۳۰۰ برس خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا، اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں اور حنوک کی ساری عمر ۳۶۵ برس کی ہوئی۔ اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا (پیدائش ۵: ۲۱۔ ۲۳) بعض مورخین نے ان کا زمانہ ۳۲۸۴ تا ۳۰۱۷ ق۔م۔ متعین کیا ہے واللّٰہ اعلم۔ **و۸۵** (کمالات و مراتب روحانی کے لحاظ سے) یہودی و مسیحی عقیدہ کے لحاظ سے حضرت ادریس یا حنوک آسمان پر زندہ اٹھا لیے گئے ہیں۔ چنانچہ توریت میں ہے:۔ ''اور حنوک کی ساری عمر ۳۶۵ برس کی ہوئی اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور غائب ہو گیا اس لیے کہ خدا نے اسے لے لیا۔'' (پیدائش ۵: ۲۴) اور انجیل میں ہے:۔ ''ایمان سے حنوک اٹھا لیا گیا تا کہ موت کو نہ دیکھے اور چونکہ خدا نے اسے اٹھا لیا تھا، اس لیے اس کا پتہ نہ ملا'' (عبرانیون ۱۱: ۵) قرآن مجید اس باب میں کوئی تصریح نہیں کرتا اور نہ کوئی حدیث صحیح ہی آپ کے رفع جسمانی کے باب میں وارد ہوئی ہے۔ بعض مفسرین نے اسرائیلیات سے اسی قصہ رفع جسمانی کو نقل کیا ہے۔ لیکن محققین کا قول یہی ہے کہ یہ رفعت اور مکان اور علو سب معنوی ہیں۔ ان سے مراد محض شرف نبوت اور تقرب عند اللّٰہ ہے، جو ہر نبی کو حاصل ہے، جسمانی علو و رفعت اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ اور روایت جو اس باب میں نقل ہوئی ہے، خود اس کے اندر کمزوری موجود ہے۔ **المکان العلی الشرف النبوۃ و الزلفی عند اللّٰہ** (کشاف) یعنی **شرف النبوۃ والزلفی عند اللّٰہ** (بیضاوی) **ھذا من اخبار کعب الاحبار الاسرائیلیات و فی بعضہ**

وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ

اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے و۸۳ آپ (اس) کتاب میں اور ادریس کا بھی

اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ

ذکر کیجیے بے شک وہ بڑی راستی والے تھے نبی تھے و۸۴ اور ہم نے انہیں

مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ

بلند مرتبہ تک پہنچایا و۸۵ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللّٰہ نے انعام فرمایا ہے منجملہ

النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَ مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ

(دیگر) انبیاء کے (جو) نسل آدم سے (تھے) و۸۶ اور بعض ان کی (نسل) سے تھے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں)

وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا

سوار کیا تھا اور بعض ابراہیم و۸۷ و یعقوب کی نسل میں سے ہیں۔ اور (یہ سب) ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے

وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا

ہدایت دی اور ہم نے ان کو مقبول بنایا اور جب ان کے سامنے خدائے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں

سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا

تو (زمین پر) گر پڑتے تھے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے و۸۸ پھر ان کے بعد (بعض ایسے) ناخلف جانشین ہوئے

الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾

جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور خواہشات کی پیروی کی سو وہ عنقریب خرابی سے دو چار ہوں گے و۸۹

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

البتہ جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا سو یہ لوگ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ

جنت میں داخل ہوں گے و۹۰ اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا و۹۱ وہ (جنت)

السجدۃ

نکارة واللہ اعلم (ابن کثیر) و هذا الرفع لاقتضائه علو الشان و رفعة القدر (روح) رفعت اور مکان اور علوسب معنوی ہیں اور جو قصہ علوحسی کا مشہور ہے اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی تفسیر کا موقوف علیہ بنانے کی ضرورت نہیں" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ای رفعنا قدره و شرفناه بالمناجاة (کبیر) و٨٦ یعنی یہ سب کے سب آدمی ہی تھے۔ کوئی ان میں سے فوق البشر یا اولاد آدم سے باہر نہ تھا۔ نہ کوئی جن تھا، نہ فرشتہ، نہ کوئی دیوی دیوتا۔ اُولٰٓئِکَ۔ یعنی یہ سارے لوگ جن کا ذکر زکریا علیہ السلام سے لے کر ادریس علیہ السلام تک اب تک اس سورۃ میں آچکا ہے۔ و٨٧ مثلاً حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ کہ یہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام دونوں کی اولاد میں تھے اور حضرت اسحٰق اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام اور خود حضرت اسرائیل علیہ السلام کہ تنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔ و٨٨ (اپنی اطاعت وعبودیت کے اظہار کے لیے) اللہ کے ہاں مقبولیت، کمال عبدیت عبودیت سے الگ نہیں، اسی کا دوسرا نام ہے۔ آیت میں انبیاء کے دو قسم کے اوصاف بیان ہوئے ایک ان کا مقبول وصاحب کمال ہونا، دوسرا ان کا خشوع وخشیت باکمال عبدیت۔ و٨٩ (آخرت میں) خَلْفٌ (بہ سکون لام) کے معنی ہیں بری اولاد، جسے ہمارے محاورہ میں ناخلف بھی کہتے ہیں یعبر عن الردی بخلفٍ (راغب) یقال فی عقب الخیر خلف بالفتح و قیل فی عقب السوء خلف بالسکون (کشاف) اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ۔ اضاعت عام ہے، خواہ اعتقادی بھی ہو، خواہ محض عملی۔ الشَّھَوٰتِ۔ خواہشوں سے نفسانی ناجائز

عَدْنٍ الَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَہٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّہٗ

ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کا وعدہ غائبانہ خدائے رحمٰن نے اپنے بندوں سے کر رکھا ہے۔ بے شک اس کا وعدہ

کَانَ وَعْدُہٗ مَاْتِیًّا ﴿٦١﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا اِلَّا

پورا ہو کر رہنے والا ہے و٩٢ اس (جنت) میں وہ کوئی فضول بات نہ سنیں گے۔ ہاں البتہ

سَلٰمًا ؕ وَ لَھُمْ رِزْقُھُمْ فِیْھَا بُکْرَۃً وَّ عَشِیًّا ﴿٦٢﴾ تِلْکَ

سلام (کی آوازیں سنیں گے) اور انہیں اس میں ان کا کھانا صبح و شام (ملتا رہے گا) و٩٣ یہ

الْجَنَّۃُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ کَانَ تَقِیًّا ﴿٦٣﴾

جنت ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں اس کا وارث اس کو بنادیں گے جو (اللہ سے) ڈرنے والا ہو و٩٤

وَ مَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ ۚ لَہٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا

اور ہم (یعنی فرشتہ) نازل نہیں ہوتے بجز آپ کے پروردگار کے حکم کے و٩٥ اسی کی (ملک) ہے جو کچھ ہمارے آگے

وَ مَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِکَ ۚ وَ مَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا ﴿٦٤﴾

ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں و٩٦

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَھُمَا فَاعْبُدْہُ

وہ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا ہے اور اس سب کا جو دونوں کے درمیان ہے سو تو

وَ اصْطَبِرْ لِعِبَادَتِہٖ ؕ ھَلْ تَعْلَمُ لَہٗ سَمِیًّا ﴿٦٥﴾ ع وَ یَقُوْلُ

اس کی عبادت کیا کر اور اس کی عبادت پر قائم رہ و٩٧ بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے؟ و٩٨ اور انسان

الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا ﴿٦٦﴾ اَوَلَا

کہتا ہے کہ کیا جب میں مر جاؤں گا تو بھلا پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ و٩٩ کیا

یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰہُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَکُ

انسان کو یہ یاد نہیں کہ ہم ہی اس کو اس سے قبل خلق کر چکے ہیں درانحالیکہ وہ

خواہشیں مراد ہیں ضروری طاعتوں سے غافل کرنے والی۔ غَیًّا۔ غی ہر بڑی خرابی پر محیط اور حاوی ہے۔ کل شر عندالعرب غیٌّ (کشاف) الغیّ عند العرب کل شر (بحر) و٩٠ (بے غل وغش۔ بغیر اس خرابی سے دوچار ہوئے) مَنْ تَابَ۔ یعنی کفر ومعصیت سے توبہ کرے۔ و٩١ یعنی یہ نہ ہوگا کہ ان کا کوئی عمل لکھنے سے رہ جائے، یا ان کے توبہ واصلاح کے بعد ان کے کفر سابق کے جرم ان پر برابر عائد ہوتے رہیں۔ و٩٢ آیت میں خاص طور پر قابل لحاظ لفظ بِالْغَیْبِ ہے۔ ان صالحین ومومنین نے حق تعالیٰ کی آواز کو براہ راست تو سنا ہے نہیں، ان تک وعدۂ الٰہی صرف واسطہ در واسطہ، فرشتوں اور پیمبروں کی دوہری منزلیں طے کرتا ہوا پہنچا ہے۔ وہ اسی پر اعتماد کامل کیے ہوئے ہیں۔ اور یہ اعتقاد وایمان کا درجۂ اعلیٰ ہے۔ جنت اور نعمائے جنت سب اسی ایمان بالغیب کا صلہ ہیں۔ عَدْنٍ۔ عدن کے معنی اقامۃ کے ہیں۔ بہشت کا اصلی وصف یہ ہوگا کہ وہ فانی نہیں، باقی اور قائم رہنے والا باغ ہے، جس کا دنیا کے فانی باغوں سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ و٩٣ یعنی برابر اور علی الدوام۔ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا اہل جنت کے کانوں میں کوئی بات بے تکی یا لغو پڑنے ہی نہ پائے گی۔ جتنی آوازیں بھی آئیں گی، سب خوشگوار اور دل پسند ہی ہوں گی۔ خواہ یہ آوازیں فرشتوں کی ہوں یا دوسرے جنتیوں کی۔ ای لا یسمعون فیها الاقولا یسلمون فیه من العیب والنقیصة (مدارک) بُکْرَۃً وَّ عَشِیًّا اردو محاورہ میں بھی صبح وشام سے ایک مراد دوام ہوتی ہے، نہ کہ طلوع وغروب آفتاب کے دو متعین وقت۔ ع چسکا پڑا ہے جام کا، شغل ہے صبح وشام کا عربی محاورہ میں بھی مراد یہی ہے۔ بلکہ اس سیاق میں تو اس کے سوا کوئی اور مراد ہو ہی نہیں سکتی۔ جنت میں ظلمت ہی سرے سے کہاں ہوگی، جس سے یہ متعارف صبح وشام پیدا ہوتے ہیں۔ قیل اراد دوام الرزق و وروده کما تقول انا عند فلان صباحا و مساءً و بکرة و عشیًا ترید الدیمومة ولا تعقد الوقتین المعلومین (کشاف) و٩٤ (کہ خوفِ خدا ہی ایمان اور عمل صالح کا منبع اور منبع ہے) تقیًا من الکفر والشرک (ابن عباس رضی اللہ عنہما) نُوْرِثُ۔ اہل لطائف نے لکھا ہے کہ کلمہ میراث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جنت انعام وتفضل محض ہے، نہ کہ صلۂ عمل۔ جس طرح میراث کے لیے محض صحت نسب کافی ہے۔ وراثت جنت کے لیے صحت ایمانی کافی ہے۔۔۔ حسن بصری تابعی سے ایسے ہی معنی منقول ہیں۔ و٩٥ (ہم کوئی خود مختار تو ہیں نہیں جو اپنے ارادہ سے آتے جاتے رہیں، ہم تو تمام تر امر الٰہی کے تابع ومحکوم ہیں) یہ قول حضرت جبرئیل کی زبان سے ادا کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر محبوب حقیقی کے پیامات کا جو اشتیاق غالب رہتا تھا اس کے تقاضا سے ایک روز آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ اور زیادہ کیوں نہیں آتے ہو۔ اس کا جواب یہاں جبرئیل علیہ السلام کی زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ حدیث صحیح میں یہی تفسیر آئی ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لجبریل ما یمنعک ان تزورنا اکثر مما تزورنا فنزلت و ما نتنزل الا الخ (بخاری۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ کتاب التفسیر) بِاَمْرِ۔ امر کے معنی آیت میں اذن کے بھی لیے گئے ہیں اور حکم کے بھی۔ اور لفظ وہ دونوں کے لیے عام ہے۔ معناه الاذن بدلیل سبب النزول المذکور و یحتمل الحکم و یحتمل ان یکون المراد ما هو اعم من ذلک (فتح) و٩٦ (جیسا کہ بعض جاہلی مشرک قوموں نے قرار دے رکھا ہے) لَہٗ۔۔۔۔ ذٰلِکَ۔ مالکیت اسی کے لیے مخصوص ہے ہر مخلوق کی، زماناً بھی اور مکاناً بھی۔ ہمارا ارادہ تو تمام تر ارادۂ الٰہی کا مسخر ومحکوم ہے۔ وہی جب اور جہاں چاہے ہمیں بھیجے۔ الغرض ان امرنا موکول الی اللہ تعالیٰ یتصرف فینا بحسب مشیته و ارادته و حکمته (کبیر) لا ننتقل من مکانٍ الی زمانٍ ولا ننتزل فی زمانٍ دون زمانٍ الا بامره و مشیته (بیضاوی) وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا۔ اس کے لیے اس کا احتمال ہی نہیں کہ کہیں ہمارا بھیجنا مصلحت ہو اور وہ بھول جائے۔ و٩٧ (اگرچہ اس راہ میں مشکلات بھی پیش آئیں) یہاں خطاب عام ہے۔ محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب نہیں۔ بعض نے خطاب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص سمجھا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ آپ تاخیر وحی سے

آیت میں مجاہدات طریق کی طرف اشارہ ہے اور ان پر صبر و ثبات کی تعلیم ہے۔ و۹۸ یعنی ذات کی طرح صفات باری میں بھی کوئی شریک نہیں۔ سَمِیًّا سمی کے معنی ہم نام کے بھی ہیں، ہم صفات کے بھی ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔ ای نظیرًا له یستحق اسمه و موصوفًا یستحق صفته علی التحقیق (راغب) ای هل تعلم للرب مثلًا اوشبهًا (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قال مجاهد و ابن جبیر و قتادة سمیًا مثلًا و شبهًا و روی ذٰلک عن ابن عباس ایضًا (بحر) و۹۹ 'انسان' سے مراد منکر آخرت انسان، یا آج کا ''روشن خیال'' دہری العقیدہ انسان ہے۔ یقول استفسار استفہام کے طور پر نہیں۔ بلکہ اعتراض و استہزاء کے لہجہ میں کہتا ہے۔ و۱۰۰ (تو جب عدم محض سے وجود میں لا چکے ہیں تو حیات ثانی تو اس سے کہیں آسان تر ہے) وَلَمْ یَکُ شَیْـًٔا اس میں رد ان فلاسفہ جاہلین اور معقولین نا معقولین کا بھی آ گیا جو خلقت انسانی سے قبل ہیولی وغیرہ کا وجود فرض کیے ہوئے ہیں۔ و۱۰۱ (فرط ہیبت سے) الشَّیٰطِیْنَ یعنی ان لوگوں کو بہکانے والے، گمراہ کرنے والے۔ الذین کانوا یغوونهم (روح) الذین اغووهم (مدارک) و۱۰۲ یعنی ہر فرقہ، ہر گروہ سے اس کے شریر ترین، سرکش ترین افراد چن کر الگ کر لیے جائیں گے۔ مِنْ کُلِّ شِیْعَةٍ یعنی جس جس گمراہ گروہ کی طرف وہ اپنے کو منسوب کرتے رہے ہیں۔ المراد بالشیعة الطائفة التی شاعت ای تبعت نادیًا من الغواة (کبیر) و۱۰۳ (سو پہلے وہی سرغنہ اور سردار ہی جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ اور عذاب کی شدت اور اشدیت وغیرہ کی ترتیب وہاں بھی ملحوظ رہے گی) و۱۰۴ (اے نوع انسان!) خطاب عام نوع انسانی سے ہے۔ ایها الناس (ابن جریر) و اولی الاقوال فی ذٰلک بالصواب قول من قال یردها الجمیع (ابن جریر) التفات الی الانسان (بیضاوی) قال الاکثرون انه عام فی کل مومن و کافر (کبیر) یعنی دوزخ سے گزر تو بہر حال سب ہی کا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ مومنین کو اس سے ضرر ذرا بھی نہ پہنچے۔ جس طرح خود ملائکہ دوزخ کو دوزخ سے تکلیف مطلق نہ ہوگی۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ یہ خطاب صرف اہل طغیان سے ہے جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ بمعنی الکفار لا یردها مومن (ابن جریر۔ عن ابن عباس) قال عکرمة الایة فی الکفار (معالم) قال بعضهم المراد من تقدم ذکرہ من الکفار (کبیر) وَارِدُهَا۔ ورود سے یہاں مراد داخلہ نہیں بلکہ محض پہنچنا یا گزر ہونا ہے۔ قال قوم لیس المراد من الورود الدخول والمراد الحضور والرویة (معالم) قال عبدالرحمن بن زید بن اسلم ورود المسلمین المرور علی الجسر بین ظهرانیها و ورود المشرکین ان یدخلوها (ابن کثیر) قال بعضهم الورود الدنو من جهنم و ان یصیروا حولها (کبیر) خود قرآن مجید میں بھی فعل ورد دوسرے مقامات پر اس معنی میں آیا ہے۔ مثلاً فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ (یوسف) وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْیَنَ (قصص) کَانَ ...... مَقْضِیًّا اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب کوئی بھی شے نہیں۔ اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ حق تعالیٰ کے حق میں وجوب بہ معنی اضطرار و لزوم مواخذہ ممتنع ہو (خدا کا فعل بھی اگر اضطراری یا کوئی قابل مواخذہ ٹھہر گیا تو ظاہر ہے کہ وہ خدا کہاں باقی رہا؟) لیکن یہ وجوب و لزوم اگر تیقن وقوع کے معنی میں لیا جائے تو ممنوع نہیں اور یہاں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی اللہ کے ارادہ و اختیار سے یہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ یہ لزوم و وجوب اختیاری ہے اور جو ممنوع ہے، وہ غیر اختیاری و اضطراری ہے۔ و۱۰۵ (اور ان ظالموں سے مراد کافر ہی ہیں) الَّذِیْنَ اتَّقَوْا۔ اللہ سے ڈرتے تھے اور اس لیے مومن بھی تھے۔ درجہ ضروری میں متقی تو ہر مومن ہوتا ہے۔ اس لیے الَّذِیْنَ اتَّقَوْا سے مراد مومنین ہی لیے گئے ہیں۔ ای اتقوا الشرک و هم المومنون (معالم) قال ابن عباس المتقی هو الذی اتقی الشرک یقول لا اله الا الله واعلم ان الذی قاله ابن عباس هو الحق الذی یشهد الدلیل بصحته (کبیر) جو مومن کامل ہیں انہیں تو کسی تکلیف کی ہوا بھی نہ لگنے پائے گی بلکہ دوزخ کی حالت کا معاینہ اور پھر اس سے اپنی محفوظیت کا تقابل تو اور زیادہ ان میں فرح و سرور کی کیفیت پیدا کرے گا۔ اذا شاهدوا ذٰلک العذاب صار ذٰلک سببًا لمزید التذاذهم بنعیم الجنة (کبیر) البتہ جو مومنین ناقص ہیں انہیں کچھ تکلیف اٹھانے کے بعد ہی نجات ملے گی۔ آیت میں جو لوگ مخاطبت صرف نافرمانوں سے سمجھتے ہیں، انہوں نے الَّذِیْنَ اتَّقَوْا سے مراد یہ لی ہے، کہ ان کے اندر باوجود معاصی حقیقت ایمان موجود تھی۔ وہ بعد چندے نجات پا جائیں گے اور جو بالکل ظالم ہیں کافر ہی ہیں، وہ اس میں پڑے سڑا کریں گے۔ و۱۰۶ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مومنین کے لیے طرح طرح کی نعمتوں اور راحتوں کے وعدے ہیں اور منکرین کے لیے طرح طرح کی وعیدیں۔ و۱۰۷ (اور اسی سے ظاہر ہے کہ ہم دونوں میں سے حق پر کون ہے؟) یہ جاہلی استدلال آج جس زور و شور سے پیش کیا جا رہا ہے، پیشتر شاید کبھی نہ ہوا ہو۔ صرف اہل باطل ہی نہیں، بلکہ ان سے مرعوب، بہت سے مسلمان بھی مسیحی قوموں، مشرک قوموں، لامذہب قوموں کی مثالیں پیش کر کر کے پکار پکار کر مسلمانوں سے کہہ رہے ہیں کہ ان کی ترقیاں دیکھو۔ ان کی دولت، حکومت، عظمت، جاہ و ثروت دیکھو، ان کی اقبال مندی پر نظر کرو اور تم اگر اپنی ترقی اور رفاہ چاہتے ہو تو انہیں کے طریقہ اختیار کرو، انہیں کی روش پر چلو اور وہی کرو جو یہ ''ترقی یافتہ'' ''اقبال مند'' قومیں کر رہی ہیں۔— ''ترقی'' و ''فلاح'' نام ہی انہیں دنیا پرست قوموں کی تقلید کا ہے! لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا میں ل مخاطبت و تبلیغ کا ہے لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ لام اجل کا ہے یعنی مومنین کے حق میں کہتے ہیں۔ ای قالوا لاجلهم و فی حقهم (روح) مَقَامًا وَّ نَدِیًّا مقام سے مراد مکان و منزل لی گئی ہے

شَیْـًٔا ﴿۶۷﴾ فَوَرَبِّکَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّیٰطِیْنَ ثُمَّ

کچھ بھی نہ تھا و۱۰۰ تو قسم ہے آپ کے پروردگار کی ہم ان کو (بھی) جمع کریں گے اور شیاطین کو (بھی) پھر

لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِیًّا ﴿۶۸﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ

ان (سب) کو دوزخ کے گرد لا حاضر کریں گے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے و۱۰۱ پھر ہم ہر گروہ میں سے ان کو

مِنْ کُلِّ شِیْعَةٍ اَیُّهُمْ اَشَدُّ عَلَی الرَّحْمٰنِ عِتِیًّا ﴿۶۹﴾

جدا کر لیں گے جو خدائے رحمن سے سرکشی میں سب سے بڑھے ہوئے تھے و۱۰۲

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِیْنَ هُمْ اَوْلٰی بِهَا صِلِیًّا ﴿۷۰﴾

پھر ہم ہی انہیں بھی خوب جانتے ہیں جو اس میں جانے کے زیادہ مستحق ہیں و۱۰۳

وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتْمًا

اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا گزر اس تک نہ ہو یہ آپ کے پروردگار پر لازم ہے جو پورا

مَّقْضِیًّا ﴿۷۱﴾ ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ

ہو کر رہے گا و۱۰۴ پھر انہیں ہم نجات دے دیں گے جو (اللہ سے) ڈرتے تھے اور ظالموں کو اسی میں پڑا رہنے دیں

فِیْهَا جِثِیًّا ﴿۷۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ

گے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے و۱۰۵ اور جب انہیں ہماری کھلی ہوئی نشانیاں سنائی جاتی ہیں و۱۰۶ تو جو

الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ

لوگ کافر ہیں وہ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ (ہم) دونوں فریقوں میں مکان کس کا

مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا ﴿۷۳﴾ وَکَمْ اَهْلَکْنَا قَبْلَهُمْ

بہتر ہے اور مجلس کس کی بہتر ہے و۱۰۷ حالانکہ ہم ان سے قبل کتنے ہی گروہ

مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْیًا ﴿۷۴﴾ قُلْ مَنْ

ہلاک کر چکے ہیں جو (ان سے بھی) بڑھ چڑھ کر تھے سامان و تمول میں و۱۰۸ آپ کہہ دیجیے کہ جو لوگ

كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰىٓ اِذَا

گمراہی میں پڑے ہیں خدائے رحمٰن انہیں خوب ڈھیل دیتا جاتا ہے ف١٠٩ یہاں تک کہ

رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَةَ ؕ

جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے جب وہ اس کو دیکھ لیں گے خواہ وہ عذاب ہو خواہ قیامت ہو

فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا ﴿٧٥﴾

ابھی انہیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ مکان برا کس کا ہے اور حمایتی کمزور کس کے ہیں ف١١٠

وَ يَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَ الْبٰقِيٰتُ

اور اللہ ہدایت والوں کی ہدایت بڑھاتا ہے اور جو نیک کام

الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾

باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے پروردگار کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور انجام میں بھی بہتر ف١١١

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا

بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جو ہماری نشانیوں سے کفر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے تو مال و اولاد مل کر

وَّ وَلَدًا ؕ ﴿٧٧﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ

رہیں گے ف١١٢ تو کیا یہ غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا اس نے خدائے رحمٰن سے کوئی عہد

عَهْدًا ۙ ﴿٧٨﴾ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهٗ مِنَ

لے لیا ہے؟ ہرگز نہیں (البتہ) ہم اس کا کہا ہوا ابھی لکھے لیتے ہیں اور اس کے لئے عذاب

الْعَذَابِ مَدًّا ۙ ﴿٧٩﴾ وَّ نَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَ يَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾

بڑھاتے ہی چلے جائیں گے اور اس کی کہی ہوئی کے ہم ہی مالک رہ جائیں گے ف١١٣ اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۙ ﴿٨١﴾

ف١١٤ اور (ان لوگوں نے) اللہ کے علاوہ معبود قرار دے رکھے ہیں تا کہ ان کے لئے وہ باعث قوت ہوں ف١١٥

اور ندی سے مراد مجلس و مجمع۔ مقامًا ای مکانًا و منزلًا (روح) ندیًا ای مجلسًا و مجتمعًا (روح) خیر مقامًا ای احسن منازل و ارفع دورًا (ابن کثیر) احسن ندیًا ھو مجتمع الرجال (ابن کثیر) قال ابن عباس المقام المنزل والندی المجلس (ابن کثیر) ف١٠٨ جواب ملتا ہے کہ یہ ظاہری ساز و سامان، یہ دولت و حکومت، یہ زرق برق لباس تہذیب و تمدن ہی اگر دلیل حقانیت و ثبوت صداقت ہوتا تو آخر بڑی بڑی پرشوکت، پرقوت، پرثروت نافرمان قومیں کیوں غارت ہو گئیں؟ بابل و کلدانیہ کا تمدن کیا ہو گیا؟ اہرام مصر والی عمارتیں کیوں زمین کے برابر ہو گئیں؟ شاہانِ عجم کا کروفر دہ کیا ہوا؟ یونانیوں کا دم خم کہاں چلا گیا؟ قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت کیوں تاراج ہو کر رہے؟ — اور آج آنکھوں کے سامنے دیکھتے دیکھتے زار روس کی حکومت قاہرہ کا تختہ کیسا الٹ کر رہا۔ قیصر ولیم اور اس کے آہنی ارادے کیوں گمنامی کی نذر ہو گئے؟ ہٹلر مع اپنے سارے سامان چنگیزی اور اتنے دم داعیہ کے کیوں فنا کے گھاٹ اتر گیا؟ ف١٠٩ یہ اصل قانون تکوینی کا بیان ہے۔ یعنی کوئی قوم حکومت الٰہی سے متعلق کیسے ہی غلط سلط نظریے قائم کرے، دنیا میں اسے مہلت تو بہرحال ملتی ہی رہتی ہے اور گرفت اسی پر فوراً نہیں ہوتی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت کے عموم میں اہل باطل کے احوال کا بقاء بھی داخل ہے، پس احوال پر (جب وہ اعمال سے خالی ہوں) مغرور نہ ہونا چاہیے۔ ف١١٠ یعنی آج جنہیں اپنی مجلسی قوت پر فخر اور اپنے تمدن پر ناز ہے، اور اسی کو وہ دلیل اپنی صداقت و حقانیت کی بنائے ہوئے، بکل کشف حقائق کے وقت انہیں خود نظر آ جائے گا کہ ان کے حمایتی اور ان کے جتھے والے بودے اور بے بس ہیں! مکان اور جند اس آیت میں آیت نمبر ٧٣ کے مقام اور ندی کے ہیں۔ جُنْدًا۔ جند کا اطلاق ہر بشری مجمع پر ہوتا ہے۔ یقال لکل مجتمع جند (راغب) یہاں مراد حمایتیوں کا گروہ یا جتھا ہے۔ الجند ھم الراعون والانصار (کشاف) اَضْعَفُ جُنْدًا سے یہ مراد نہیں کہ قیامت میں ان کے حمایتیوں کا گروہ ہو گا تو سہی لیکن کمزور۔ جند وہاں والوں کو نہیں بلکہ یہ تو دنیا کے اہل مجلس کو کہا گیا ہے، جن کی حمایت و نصرت پر اہل دنیا کو ناز وغرہ رہا کرتا ہے۔ الْعَذَابَ۔ عذاب سے مراد یہاں اسی دنیا کا عذاب لیا گیا ہے۔ ف١١١ یعنی ایک تو وہ نعمتیں خود ہی اعلیٰ درجہ کی، اور پھر باقی اور پائدار اور غیر منقطع۔ گویا آخری حالت اہل ایمان ہی کی بہتر ہوگی، بلحاظ کیفیت بھی بلحاظ کمیت بھی۔ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى۔ تو مومن کا اصل سرمایہ تو یہی ہدایت خداداد ہے، اور اس پر اس کو مسرور و مطمئن ہونا چاہیے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس پر کوئی حد مقرر نہ ہونے سے مفہوم یہ ہوا کہ باطنی و معنوی ترقی کی کوئی حد نہیں۔ دوسرے عارفین نے کہا ہے کہ ایمان کے لیے مراتب متفاوت ہیں، جس جس طرح اصل مقصود غیر منتہی ہے، قصد و منزل بھی غیر منتہی ہیں اور ہر سالک کے لیے ہادی کی ضرورت باقی ہے۔ الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ سے مراد علاوہ ایمان کے کل اعمالِ صالحہ ہیں جن کا ثواب دائمی اور اجر غیر منقطع ہے نہ کہ کوئی مخصوص و متعین عبادت۔ قال المحققون انھا الایمان والاعمال الصالحۃ لان نفعھا یدوم ولایبطل (کبیر) ف١١٢ (آخرت میں) اس کا یہ قول بہ طریق تمسخر و استہزاء تھا۔ صحاح کی حدیثوں میں یہ روایت آتی ہے کہ ایک صحابی کا قرضہ ایک مشرک کے ذمہ باقی تھا (اور یہ معلوم ہے کہ مشرکین مکہ آخرت کے منکر تھے) جب انہوں نے اس سے تقاضا زائد کیا تو اس نے کہا کہ تم جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت سے انکار نہ کرو گے میں قرضہ نہ چکاؤں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو ہونے کا نہیں، چاہے تو مر کر بھی زندہ ہو جائے۔ وہ منکر از راہ تمسخر و تمرد بولا کہ اچھا جب یہ بات ہے کہ میں مر کر دوبارہ بھی آ سکتا ہوں تو بس جبھی آنا اور اپنا قرضہ چکانا۔ میں تو اس وقت بھی صاحب مال و اولاد ہوں گا۔ ف١١٣ یعنی وہ منکر تو دنیا سے گزر جائے گا، اور اس کا اختیار نہ مال پر رہ جائے گا نہ اولاد پر۔ ہم ہی سب چیزوں کے مالک رہیں گے۔ ف١١٤ یعنی مال و اولاد سب سے معرّیٰ، بے ساز و سامان، بے یار و مددگار۔ ف١١٥ (دنیا میں اس طرح کہ ان کی حاجتیں اور مرادیں پوری کریں، اور آخرت میں اس طرح کہ ان کی شفاعت کریں) مشرکین کا ایک طبقہ بعث بعد الموت کا اور اپنے دیوتاؤں کی شفاعت کا قائل تھا، باقی اگر عِزًّا کا مفہوم صرف دنیوی مدد و نصرت تک محدود رکھا جائے تو آیت کا مضمون سارے ہی مشرکین پر صادق آئے گا۔ بڑی غرض اس پوجا پاٹ سے ہر قوم کے مشرکوں کی یہی ہوتی ہے کہ ہم بیماری سے اچھے ہو جائیں، مقدمہ میں کامیاب ہو جائیں، جنگ جیت جائیں، روپیہ خوب ملنے لگے وقس علیٰ ہذا۔

كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ

ہرگز نہیں۔ (بلکہ) وہ تو عنقریب خود ہی ان کی عبادت کا انکار کر بیٹھیں گے اور ان کے مخالف

ضِدًّا ﴿۸۲﴾ ع اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ

ہو جائیں گے ف۱۱۶ کیا آپ کو علم نہیں کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے

تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ لا فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ

جو ان کو خوب ابھارتے رہتے ہیں ف۱۱۷ تو آپ ان کے حق میں جلدی نہ کیجیے ف۱۱۸ ہم خود ان کی (حرکتیں) شمار

عَدًّا ﴿۸۴﴾ ج يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ لا

کر رہے ہیں ف۱۱۹ (سزا اسی روز واقع ہوگی) جس روز ہم پرہیز گاروں کو خدائے رحمٰن کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے

وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ م لَا يَمْلِكُوْنَ

اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے ف۱۲۰ شفاعت کا اختیار

الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ م

کوئی بھی نہ رکھے گا بجز اس کے کہ جس نے خدائے رحمٰن سے اجازت لے رکھی ہے ف۱۲۱

وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ ط لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا

اور (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے اولاد اختیار کر رکھی ہے ف۱۲۲ تم نے یہ حرکت ایسی سخت

اِدًّا ﴿۸۹﴾ لا تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ

کی ہے ف۱۲۳ کہ کچھ بعید نہیں جو اس کے باعث آسمان ٹوٹ پڑیں اور زمین پھٹ جائے

وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ لا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ ج

اور پہاڑ کانپ کر گر پڑیں اس بات سے کہ یہ لوگ خدائے رحمٰن کی طرف بیٹے کی نسبت کرتے ہیں ف۱۲۴

وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ ط اِنْ كُلُّ

اور خدائے رحمٰن کے لائق یہ (کسی طرح) نہیں کہ وہ بیٹا اختیار کرے ف۱۲۵ جتنے جو کوئی بھی

ف۱۱۶ (قالًا بھی حالًا بھی) قالًا اس طرح کہ کھل کر ان کی عبادت سے انکار کریں گے۔ اور حالًا اس طرح کہ بجائے ان کی عزت و نصرت کے اور ان کی ذلت و مقہوریت کا سبب بن جائیں گے۔ ای اعداء لهم و كانوا اولياء هم فى الدنيا (معالم) ف۱۱۷ (اور یہ بدبخت اپنی قوت ارادی سے کام نہ لے کر اس شیطانی اثر کو قبول کرتے رہتے ہیں) اَرْسَلْنَا۔ ارسال یہاں بھیجنے کے معنی میں نہیں، مسلط کر دینے کے معنی میں ہے اور یہ ارسال تمام تر تکوینی حیثیت سے ہوتا ہے۔ ارسلنا ای سلّطنا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) تَؤُزُّهُمْ اَزًّا۔ از کے معنی حیلہ یا تدبیر و تزویر سے اکسانے، بھڑکانے و ابھارنے کے ہیں۔ ای تغرّيهم على المعاصى و تهيجهم لها بالوساوس و التسويلات (کشاف) وقال الضحاک تغریهم اغراء (تاج) گویا ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شیطان کو قوت صرف ترغیب، تدبیر و تزویر سے آمادہ کر دینے کی حاصل ہے، مجبور کر دینے کی نہیں۔ یہ ان کافروں کا بالکل اختیاری فعل ہے کہ اپنی قوتِ تمیز اور عقل سلیم سے کام نہ لے کر اپنے بدخواہ ازلی کے کہے میں آ جاتے ہیں۔ ف۱۱۸ (کہ ان پر عذاب کسی طرح آ جائے تا کہ آئندہ کے لیے مخلوق ان کے فتنہ و شر سے محفوظ ہو جائے) معنى تستريح انت و المسلمون من شرورهم و تطهر الارض بقطع دابرهم (کشاف) "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جلد ہی عذاب چاہنا بعد مایوسی ان کے ایمان لانے کے شاید اس وجہ سے ہو کہ ان کا ضرر کفر دوسروں تک متعدی نہ ہو جائے، بس ایسا استعجال منافی شانِ رحمت کے نہیں" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۱۱۹ (اور وقت مناسب پر سزا دے لیں گے، تعجیل سزا میں حکمت ابتلاء ہی فوت ہوئی جاتی ہے) اعمال یہاں مقدر ہے۔ نعدانفاسهم واعمالهم (کبیر) قيل نعد اعمالهم لنجازيهم (بحر) اور اسی کا ترجمہ اردو محاورہ کے لحاظ سے "حرکتیں" کیا گیا ہے۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ "ہم ان کے مہلت کے دن خوب گنے جا رہے ہیں"۔ نعدلهم ايام اجالهم (بیضاوی) قيل ايامهم التى سبق قضاءنا ان تمهلهم اليها (بحر) ف۱۲۰ مجرمین سے ظاہر ہے کہ یہاں مراد مطلقاً کفار ہیں۔ اس کے مقابلہ پر متقین سے مراد ظاہر ہے کہ مومنین ہی ہوں گے۔ ف۱۲۱ (اور وہ اجازت بھی خاص ہے اہل ایمان کے ساتھ۔ اہل کفر اس اجازت سے بھی نفع نہیں اٹھا سکتے) یہ اجازت ملائکہ، انبیاء اور صلحاء مومنین کو ملے گی۔ عَهْدًا۔ عهد سے مراد یہاں اذن لی گئی ہے۔ و قيل عهدالله اذنه لمن شاء فى الشفاعة (بحر) و قيل المراد بالعهد الامر و الاذن (روح) دوسری مراد عہد سے عہد توحید و نبوت یا کلمہ شہادت و ایمان ہی ہو سکتا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی منقول ہے۔ ف۱۲۲ مشرکوں کے عقیدہ میں تو خدا کے لیے اولاد کا اثبات ایک معمولی بات تھی ہی، مسیحیوں کے ہاں بھی ظہور اسلام کے قبل ہی مسیح کی ولدیت الٰہی کا عقیدہ ایک مسلم حقیقت بن چکا تھا۔ حد یہ ہے کہ یہودی جیسی موحد قوم بھی یونان اور روما کے مشرک حکیموں، فلسفیوں کے اثر کے ماتحت اس عقیدہ سے بالکل بیگانہ و نامانوس نہیں رہے تھے۔ یہاں اشارہ غالب مسیحیوں کے جانب ہے وہی اپنے خدا کی صفت رحمانیت کے سب سے بڑے مدعی رہتے تھے۔ ف۱۲۳ یعنی یہی اللہ کے فرزند قرار دینے کا قول۔ اِدًّا۔ ای امرًا منكرًا (راغب) قال ابن خالويه الاد العجب و قيل العظيم المنكر والادة الشدة (کشاف) الاد فى كلام العرب من اعظم الدواهى (معالم) ف۱۲۴ مطلب یہ ہے کہ تمہارے اس نہایت درجہ بیہودہ قول کا جو اثر معنوی ہے وہ اگر کہیں محسوس و مادی شکل اختیار کر لیتا تو اس کے آثار خارجی یہ اور یہ ہو کر رہتے۔ یہاں یہ حقیقت خوب ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ابنیت الٰہی اور چیز ہے اور ولدیت الٰہی اور۔ ہیں دونوں ہی عقیدے سرتاسر باطل و نامعقول۔ لیکن یہ دوسرا عقیدہ اپنی بیہودگی میں پہلے سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ پہلے کو تو پھر بھی مجازی معنی میں لیا جا سکتا اور تاویل کی جا سکتی ہے کہ ابنیت سے مراد محض محبوبیت اور تعلق تخصیصی ہے۔ لیکن یہ دوسرا عقیدہ تو کھلا ہوا گستاخانہ ہے اور خدا کی خدائی ہی کو باطل کر دینے والا۔ دَعَوْا کا مرادف یہاں نسبوا بھی رکھا گیا ہے۔ اور جعلوا بھی اور سموا بھی۔ (بحر) اور ماحصل سب کا ایک ہی ہے۔ ف۱۲۵ خدا کو خدا مان کر یوں بھی تو کسی صورت میں اس کا صاحب اولاد تسلیم نہیں کیا جا سکتا، پھر جب اس کی صفت رحمانیت کو اس کی تمام صفات پر غالب و مقدم تسلیم کر لیا جائے (جیسا کہ مسیحیت میں ہے) جب تو اور بھی اس عقیدہ کی مہملیت اور مضحکہ خیزی کہیں زیادہ نظر آنے لگتی ہے کہ اسی رحمت مطلق کو معاصی خلائق کے کفارہ کے لئے اپنے بیٹے کی ضرورت پڑے!

ف۱۲۶ اللہ اور اس کی ساری مخلوق کے درمیان بس علاقہ صرف ایک ہی ممکن ہے۔ اور وہ رشتہ عبد و معبود کا ہے۔ مقبول سے مقبول، مقرب سے مقرب بندہ کے لئے بھی بلند ترین مقام عبدیت ہی کا ہے۔ ولدیت الٰہی وغیرہ کا تخیل ہی سرے سے مہمل اور گستاخانہ ہے۔ كُلُّ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ کے عموم میں انبیاء ملائکہ وغیرہ سب ہی آگئے۔ ف۱۲۷ احاطہ میں لے رکھا ہے اپنی قدرت سے، اور خوب شمار کر رکھا ہے اپنے علم سے، خوب شمار کر رکھنے میں مخلوقات کی ذات وصفات، عمل و کردار، سب کی جانچ، سب کی گنتی آگئی۔ ف۱۲۸ (خدا ہی کا محتاج اور محکوم مال واولاد، اعزہ واحباب، افسری وسرداری، جاہ ومنصب کے تمام عوارض خارجی سے معری ہو کر) ف۱۲۹ (خلائق کے قلوب میں بلا اسباب ظاہری کے) مشاہدہ ہے کہ بے غرض، متدین، مخلص، خادم خلق وعبادت گذار سے لوگوں کو محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ متقیوں کے علاوہ دوسروں کو جہاں کہیں محبوبیت حاصل ہوتی ہے، وہاں کوئی نہ کوئی قریبی سبب ظاہری موجود ہوتا ہے۔ مثلاً عزیز داری، ذاتی دوستی، ہم وطنی، ہمسائگی وغیرہا۔ **یحبھم ویحببھم الی المومنین** (ابن عباس رضی اللہ عنہ) **سیحدث لھم فی القلوب مودۃ** (کشاف) "یہ تفسیر حدیث میں آئی ہے اور اس کا نعمت ہونا بلکہ اعظم نعمت ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ مغز نعمت کا راحت اور امن ہے۔ اور ظاہر ہے کہ محبوبیت اس کے اعظم اسباب سے ہے۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے کسی کو بغض نہ ہوگا۔ بلکہ مقصود قرآن وحدیث کا یہ ہے کہ عام خلائق جن کا نہ کوئی نفع اس مومن سے وابستہ ہے نہ کوئی ضرر، وہ اس سے محبت کرتے ہیں چنانچہ مشاہدہ ہے۔

مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحۡمٰنِ

آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدائے رحمٰن کے روبرو عبد کی حیثیت سے

عَبۡدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدۡ اَحۡصٰهُمۡ وَعَدَّهُمۡ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَ كُلُّهُمۡ

حاضر ہوتے ہیں ف۱۲۶ اس نے ان کو احاطہ میں لے رکھا ہے اور انہیں خوب شمار کر رکھا ہے ف۱۲۷ اور قیامت

اٰتِيۡهِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَرۡدًا ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا

کے دن ان میں سے ہر ایک اس کے پاس تنہا تنہا حاضر ہوگا ف۱۲۸ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ سَيَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا

نیک کام بھی کئے خدائے رحمٰن ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا ف۱۲۹ سو ہم نے

يَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الۡمُتَّقِيۡنَ وَ تُنۡذِرَ بِهٖ

اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں اس لئے آسان کر دیا کہ آپ اس کے ذریعہ سے پرہیزگاروں کو خوش خبری سنائیں

قَوۡمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ ؕ هَلۡ

اور اس کے ذریعہ سے آپ جھگڑالو لوگوں کو ڈرائیں ف۱۳۰ اور ہم نے اس کے قبل کتنے ہی گروہوں کو ہلاک کر دیا

تُحِسُّ مِنۡهُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَوۡ تَسۡمَعُ لَهُمۡ رِكۡزًا ﴿۹۸﴾ ع

ف۱۳۱ سو آپ ان میں سے کسی کو بھی دیکھتے ہیں؟ یا ان کی آہستہ آواز بھی سنتے ہیں؟ ف۱۳۲

اٰياتها ۱۳۵ ۔ ۲۰ سُوۡرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ ۴۵ ۔ رکوعاتها ۸

اس میں ۱۳۵ آیتیں ۔ سورۂ طٰہٰ مکی ہے ۔ اور ۸ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰهٰ ﴿۱﴾ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤى ﴿۲﴾

طا۔ ہا ف۱ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں ف۲

اور اہل انتفاع کا محبت کرنا جیسا کہ نفع رساں کفار سے بھی لوگوں کو محبت ہوتی ہے یا اہل تضرر کا بغض کرنا جیسا کہ ظالموں کو مسلمانوں سے ہوتا ہے قابل اعتبار نہیں، کیونکہ درحقیقت وہ محبت اور بغض اپنے نفع اور ضرر سے ہے۔ اگر دونوں سے قطع نظر کی جائے اس وقت مومن کی صفات میں یہ اثر ہے کہ اس سے عام قلوب کا انجذاب ہوتا ہے۔" (تھانوی) ایک معنی یہ بھی منقول ہیں کہ وُدًّا بہ معنی محبوب ہے، یعنی اللہ ایسے لوگوں کے لئے وہ چیز مہیا کر دیتا ہے جسے وہ محبوب رکھتے ہیں۔ **اے یھب لھم ما یحبون** (کبیر۔ عن ابی مسلم) ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ خدائے رحمٰن ان کے دلوں میں اپنی محبت یعنی طاعت میں لذت وحلاوت ڈال دیتا ہے۔ **اے سیجعل لھم لذۃ وحلاوۃ فی الطاعۃ** (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ قلوب خلائق سے مراد وہ قلوب ہیں جن میں حق تعالیٰ کی محبت موجود ہو۔ ورنہ جو دل محبت الٰہی سے خالی ہوتے ہیں، ان میں تو مومنین وصالحین کے خلاف بغض ہی بھرا ہوتا ہے۔ ف۱۳۰ آیت سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ قرآن کی آسانی صاحب قرآن پر اسی غرض سے ہے کہ وہ ان کی فہم عالی میں مع اپنے جلی اور خفی پہلوؤں کے پوری طرح آ جائے۔ تا کہ وہ اس کے مطالب کو سمجھ کر ان سے بشارت اور انذار دونوں کا کام لیں۔ اور اسی سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ جس پر قرآن آسان ہو جائے یعنی علماء وماہرین فن۔ ان پر واجب ہے کہ قرآن کی تعلیم وتذکیر کرتے رہیں۔ الۡمُتَّقِيۡنَ۔ مراد مومنین ہیں کہ شرک وکفر سے متقی ہر مومن ہوتا ہی ہے۔ **المتقین المومنین** (مدارک) قَوۡمًا لُّدًّا۔ بڑی جھگڑالو قوم سے مراد کون سی قوم ہے؟ ظاہر ہے کہ کل وہ منکر اسلام قومیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخاطب اول تھیں لیکن جس تفصیل اور شدت کے ساتھ اس سورت میں عقیدۂ ولدیت الٰہی کا رد کیا گیا ہے اس سے اشارہ یہ نکلتا ہے کہ خصوصیت کے ساتھ مراد مسیحی اقوام ہیں اور تاریخ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس ساڑھے تیرہ سو برس کے عرصہ میں مسلمانوں کو مقابلہ بھی سب سے زیادہ مسیحیوں ہی کا کرنا پڑا ہے۔ سورت میں خود لفظ رحمٰن کا بار بار آنا اور مادہ رحمت کا تو اس سے بھی زیادہ کثرت کے ساتھ آنا، اس امر پر گواہ ہے کہ سورت کا مقصود سب سے زیادہ خدائے تعالیٰ کی صفت رحم پر زور دینا اور اس کی رحمت کو مطلق اور بلا بدل ومعاوضہ صورت میں پیش کرنا ہے۔ مسیحیوں کو سب سے بڑا دھوکا اللہ کی صفت رحمت ہی سے لگا ہے۔ اور اسی ایک صفت کے نہ سمجھنے سے وہ مسیح پرستی کے شرک میں جا پڑے ہیں۔ مسیحیت کا سارا فلسفہ دو لفظوں میں یہ ہے کہ بندوں کی گنہگاری دیکھ کر خدا ان سے روٹھ گیا اور اس کی صفت عدل کا تقاضا یہ ہوا کہ سب کو جہنم میں جھونک دینا چاہیے۔ لیکن اس کا رحم وکرم اس پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کی تدبیر اس نے یہ کی کہ وہ خود ایک انسان کے قالب میں ظاہر ہو کر دنیا میں آئے یا اپنے ایک اقنوم کو اپنا بیٹا بنا کر بھیجے اور ساری مخلوق کے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر لے کر سب کی طرف سے کفارہ کو تیار ہو جائے، یعنی خود صلیب پر موت پا کر ایک مختصر مدت (تین دن) کے لئے دوزخ میں چلا جائے۔ اور سب کی طرف سے معاوضہ بن کر اور سب کو نجات دلا دے۔ گویا خدا بلا معاوضہ، بلا کفارہ، بلا بدل رحم ومغفرت سے کام لے ہی نہیں سکتا! مسیحیت کے اس سارے بنیادی فلسفہ کی تردید کے لئے قرآن کا ایک لفظ رحمٰن کافی ہے۔ یعنی اسلام کا خدا ایسا خدا ہے جو مطلقاً رحم پر قادر ہے۔ اپنی صفت رحمت کے ظہور کے لئے بے بسی اور مجبوری کے ساتھ کفارہ ومعاوضہ کا انتظار نہیں کیا کرتا۔ ف۱۳۱ ابھی ابھی انذار، ڈرانے کا حکم آ چکا ہے۔ اب ایک انذاری مضمون کے بیان میں تاریخ سے استشہاد ہو رہا ہے کہ نافرمان قومیں کیسی کیسی پرقوت وپرشوکت، اپنی نافرمانیوں ہی کے پاداش میں روئے زمین سے کس طرح مٹائی جا چکی ہیں۔ اور اثریات (آرکیالوجی) ان کے ایک ایک کھنڈر کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اور کھود کھود کر نکال رہا ہے! ف۱۳۲ مطلب یہ ہے کہ دیکھو وہ کیسے بے نام ونشان ہو کر تہس نہس ہو کر رہ گئے! آج نہ خود ان کی کوئی دھیمی سی آواز ہی کسی کو آ رہی ہے، نہ ان کے متعلق کوئی بھنک کسی کے کان میں پڑ جاتی ہے۔ **والحاصل اھلکنھم فلا یمن ولا خبر** (روح) رکز کہتے ہیں آواز خفی کو۔ **الرکز۔ الصوت الخفی** (کشاف) جب نفی آواز خفی کی ہو گئی تو بلند آواز کی تو بدرجہ اولیٰ ہو گئی۔ نہ وہ خود باقی رہ گئے نہ کوئی ان کا نام لینے والا۔ **اھلکنا ھم بالکلیۃ بحیث لا تزی منھم احدًا ولا تسمع من یخبر عنھم**

ویذکرھم بصوتٍ خفی (روح) ف۱ حروف مقطعات میں سے ہے اصل معنٰی تو اللہ ہی کو معلوم۔ ملاحظہ ہو سورۂ بقر کے شروع کا حاشیہ۔ البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور متعدد تابعی حضرات سے اس کے معنٰی یا رجل (اے شخص!) کے مختلف زبانوں کے لحاظ سے مروی ہیں۔ معناہ یا رجل وھو مروی عن ابن عباسؓ والحسن ومجاھد وسعید بن جبیر و قتادۃ وعکرمہ والکلبی (کبیر) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آتا ہے کہ کافروں نے یہ کہنا شروع بھی کیا تھا کہ یہ شخص مصیبت میں پڑ گیا۔ فان قومہ قالوا لقد شقی ھذا الرجل (ابن جریر) اس لئے یہ معنٰی سیاق پر زیادہ چسپاں ہیں۔ سعید بن جبیر سے یہ قول بھی مروی ہے کہ یہ اسم الطیب الطاھر الھادی کا مخفف ہے (کبیر) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ہے کہ یہ اسماء الٰہی میں سے ایک اسم ہے (ابن جریر) لیکن امام ابن جریر نے ترجیح یا رجل کے معنٰی کو دی ہے اس لئے کہ یہی معنٰی صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین میں معروف تھے۔ ف۲ قرآن مجید سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعب و مشقت اٹھانے کی خاص صورتیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کافروں کے رد و انکار پر غم و حزن بہت زیادہ کرتے تھے، دوسرے یہ کہ شب میں آپ قراءت قرآن کے وقت قیام بہت زائد طویل فرماتے تھے وقس علی ہذا۔ آیت دونوں صورتوں کی نفی کر رہی ہے۔ اور آپ کو گویا یہ تعلیم ہو رہی ہے کہ آپ کا کام تو صرف تذکیر و تبلیغ ہے جسے ماننا ہو گا مانے گا، نہ ماننا ہو گا نہ مانے گا۔ آپ اتنے فکرمند نہ رہئے۔ علیٰ ہذا رات کی نماز میں بھی اس درجہ مشقت نہ اٹھایئے جس قدر بآسانی تحمل ہو سکے بس اسی قدر پڑھیے۔ اہل اشارات کہتے ہیں کہ اگر تفسیر اول قبول کی جائے تو آیت اصل ٹھہرتی ہے۔ اہل دل پر نزول سکینت کی۔ اور تفسیر ثانی مراد لی جائے تو اصل ٹھہرتی ہے مجاہدہ میں تعدیل کی۔ بعض نے کہا ہے کہ مقصود خطاب امت سے کرنا ہے اور شقی خاب کے مرادف ہے۔ اس صورت میں مراد یہ ہو گی کہ اے مومنو۔ قرآن کے نزول کی یہ غرض و غایت نہیں کہ تم حالت محرومی و مغلوبی میں رہو۔ ف۳ قرآن کی غرض و غایت تو بھلائی اور خیر خواہی، اصلاح اور سدھار ہے، لیکن اس سے مستفید صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کے قلب میں خوفِ خدا موجود ہے۔ ف۴ اَلرَّحْمٰنُ میں یہ اشارہ آ گیا کہ وہ وہ خدا ہے جس کی رحمت و رحمانیت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اسْتَوٰی۔ استواء کے معنٰی استیلاء کے ہیں اور خود استیلاء سے مراد اقتدار و اختیار ہے اور جو شبہات عام طور پر آیت پر وارد ہوتے ہیں، اس مفہوم کے لینے سے سب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ انا اذا فسرنا الاستیلاء بالاقتدار زالت ھذہ المطاعن کلھا (کبیر) عرش اور استوی دونوں پر حاشیے سورۂ اعراف پارہ ۸ میں گزر چکے۔ خَلَقَ..... الْعُلٰی۔ زمین و آسمان نہ کوئی خود آفریدہ مخلوق ہیں اور نہ خالق۔ بلکہ تمامتر اللہ ہی کے محتاج اپنے وجود و بقا میں ہیں۔ سمٰوٰت میں خود ہی بلندی کا مفہوم شامل ہے۔ صفت عُلا لا کر اور اس کی تاکید اور ذہن کی اس طرف تنبیہ مقصود ہے۔ ف۵ یعنی ساری کائنات میں مکانی حیثیت سے جہاں کہیں بھی کوئی شے ہے سب اس کی مملوک ہے۔ تَحْتَ الثَّرٰی۔ ثریٰ تو وہ گیلی مٹی ہے جو خود ہی سطح زمین کے نیچے ہے۔ الثری فی اللغۃ التراب الندی (کبیر) تَحْتَ الثَّرٰی اس سے بھی نیچی ہوئی۔ مقصود اللہ کی قدرت اور وسعت سلطنت کو بیان کرنا ہے۔ مشرک جاہلی قوموں نے (اور انہیں میں بعض قدیم مہذب و متمدن قومیں بھی شامل ہیں) زمین کے نیچے کے الگ دیوی دیوتا مانے ہیں۔ ہمہ دان و ہمہ بین خالق کا کلام اس شرک کی بھی تردید کو پیش نظر رکھے ہوئے ہے۔ ف۶ وہ ہمہ بین و ہمہ دان تو مخفی اور مخفی در مخفی چیزوں کا بھی علم رکھتا ہے۔ سو پکار کر کہی ہوئی چیزوں کا علم اسے کیسے نہ ہو گا۔ گویا اصل کلام یوں ہو گا۔ و ان یجھر بالقول فاعلم ان اللہ تعالٰی یعلمہ فانہ یعلم السر و اخفی فضلاً عنہ (روح) السِّرَّ وَ اَخْفٰی۔ سر تو وہ ہے جسے انسان اپنے دل میں چھپائے رکھے اور اخفی وہ ہے، جس کا علم خود اس کو بھی نہ ہو۔ السر ما اسررت فی نفسک و اخفی من ذٰلک ما لم تحدث بہ نفسک (ابن جریر۔ عن سعید بن جبیر) السر ما حدث بہ العبد غیرہٗ فی خفی و اخفی منہ ما اضمرہ فی نفسہ مما لم یحدث بہ غیرہٗ (جصاص عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اوپر بیان اس کی قدرت کا تھا۔ اب بیان علم کا ہو رہا ہے کہ وہ بھی اسی طرح کامل و ہمہ گیر ہے۔ ف۷ (اعلیٰ سے اعلیٰ صفات و کمالات پر دلالت کرنے والے) بعض محققین کے نزدیک خود لفظ اسماء مرادف ہے صفات کے۔ جاء الاسم بمعنی الصفۃ (روح) خود قرآن مجید ہی میں ایک دوسری جگہ اسم صفت کے معنی میں آیا ہے۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ قُلْ سَمُّوْھُمْ (رعد۔ ۳۳) ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ پ۱ میں وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا پر حاشیہ۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنی ذات سے بالکل منفرد ہے گو اس کے اسماء صفاتی بکثرت ہوں۔ ای ھو واحد بذاتہ و ان افترقت عبارات صفاتہ (مدارک) ف۸ یعنی قصہ موسیٰ بھی سننے کے قابل ہے جو حکم و معارف اور علوم توحید و نبوت سے پُر ہے۔ ف۹ (اس وقت جب وہ مدین سے اپنی زوجۂ محترمہ کو رخصت کرا کے مصر لا رہے تھے، موسم سردی کا تھا، اور رات اندھیری تھی) نَارًا۔ مشرقی ممالک میں رات کو سفر کرنے کا یہی دستور عام ہے۔ اور یہ دستور بھی عام ہے کہ سردی میں رات کو باہر آگ کے بڑے بڑے الاؤ جلا کر بیٹھتے ہیں۔ اندھیرے میں ان کی روشنی بڑی دور سے نظر آتی ہے۔ رَاٰ نَارًا جو روشنی آپ نے دیکھی وہ آپ کو آگ ہی کی معلوم ہوئی۔ یہ ضرور نہیں کہ فی الواقع وہ آگ ہی رہی ہو۔ اہل لطائف کہتے ہیں کہ اس آیت میں اصل ہے صوفیہ کے مسئلہ تمثیل کی۔ موسیٰ کے سامنے نور قدیم، نار حادث کی شکل میں متمثل ہوا۔ ف۱۰ یعنی میرے پیچھے نہ آؤ میں اکیلا جاتا ہوں۔ امْکُثُوْا۔ صیغۂ جمع ہے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ محض تفخیم کے لیے ہو۔ اور مقصود اس سے اظہار عزت و تکریم ہو۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ فقد یخاطب الواحد بلفظ الجماعۃ

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۳﴾ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ

بلکہ یہ تو نصیحت ہے اس کے لئے جو ڈرتا ہو ف۳ نازل اس کی طرف سے ہوا ہے، جس نے پیدا کیا

الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿۴﴾ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ

زمین اور بلند آسمانوں کو وہ خدائے رحمٰن عرش (حکومت) پر

اسْتَوٰى ﴿۵﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا

قائم ہے ف۴ اسی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں اور

بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿۶﴾ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ

ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے بھی نیچے ہے ف۵ اور اگر تو پکار کر بات کہے

فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴿۷﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ

تو وہ تو چھپے سے کہی ہوئی بات اور اس سے زیادہ چھپی ہوئی کو جانتا ہے ف۶ (وہ) اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں

الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴿۸﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۹﴾

اچھے اچھے نام اسی کے ہیں ف۷ اور آپ کو موسیٰ کی بھی خبر پہنچی ہے؟ ف۸ (وہ وقت قابل ذکر ہے)

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا

جب انہوں نے آگ دیکھی ف۹ سو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا تم یہیں ٹھہرو ف۱۰ میں نے آگ دیکھی ہے

لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ

کیا عجب میں اس میں سے کوئی شعلہ لے آؤں یا آگ کے پاس راستہ (کا پتہ)

هُدًى ﴿۱۰﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّيْٓ اَنَا

پا جاؤں ف۱۱ پھر جب وہ اس کے پاس پہنچے انہیں آواز آئی کہ اے موسیٰ ف۱۲ میں تمہارا

رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ

پروردگار ہوں سو تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو ف۱۳ بے شک تم ایک پاک میدان میں یعنی

طُوًى ﴿١٢﴾ وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿١٣﴾

طویٰ میں ہو ف۱۴ اور میں نے تمہیں منتخب کر لیا ہے ف۱۵ سو سنو جو کچھ وحی کیا جا رہا ہے

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ

بے شک میں ہی اللہ ہوں کوئی معبود نہیں میرے سوا۔ سو میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کی نماز

لِذِكْرِيْ ﴿١٤﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى

پڑھا کرو ف۱۶ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴿١٥﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا

اس کی کوشش کا بدلہ مل جائے ف۱۷ سو تمہیں اس کی طرف سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پائے جو

يُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿١٦﴾ وَ مَا تِلْكَ

اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش (نفسانی) کی پیروی کرتا ہے ورنہ تم بھی تباہ ہو کر رہو گے ف۱۸ اور یہ

بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿١٧﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا

تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ؟ وہ بولے یہ میرا عصا ہے میں اس پر ٹیک

عَلَيْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَ لِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ

لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے میرے اور بھی

اُخْرٰى ﴿١٨﴾ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿١٩﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ

کام (نکلتے) ہیں ف۱۹ (اللہ نے) فرمایا اسے ڈال دو اے موسیٰ پس انہوں نے اسے ڈال دیا سو وہ

حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ ۫ سَنُعِيْدُهَا

ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا ف۲۰ (اللہ نے) فرمایا اسے پکڑ لو اور ڈرو نہیں ہم اسے ابھی اس کی

سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ

پہلی حالت پر کئے دیتے ہیں ف۲۱ اور تم اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دے لو

تفخیمًا (کبیر) لیکن اغلب یہ ہے کہ علاوہ زوجۂ محترمہ کے کوئی چھوٹا سا قافلہ ساتھ ہو۔ جیسا کہ ابن حیان وغیرہ کی رائے ہے اور صیغۂ جمع کا اطلاق حقیقت ہی پر ہو، وخاطب امرأته وولديه والخادم (بحر) والخطاب للمراة والولد والخادم (روح) روایت توریت سے بھی اسی آخری خیال کی تائید ہوتی ہے۔ آپ جب چلے ہیں تو آپ کے ساتھ بکریوں کا گلہ بھی تھا۔ اور جب گلہ تھا تو کچھ گلہ بان بھی ضرور ہمراہ ہوں گے۔ ”تب اس نے گلے کو بیابان کے ایک طرف ہانک دیا اور خود پہاڑ حرب کے نزدیک آیا“۔ (خروج۔ ۳:۱) ف۱۱ اندھیرے میں آپ لوگ راستہ بھی بھولے ہوئے تھے۔ خیال ہوا کہ الاؤ پر جانے سے راستہ کا بھی پتہ چل جائے گا۔ اور عجب نہیں کہ آگ بھی ہاتھ آجائے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے صاحب کشف خود اپنے کشف کی حقیقت سے بے خبر ہو۔ حضرت موسیٰ کو ایک آگ کی سی روشنی مکشوف ہوئی اور وہ اسے متعارف آگ ہی سمجھے۔ ف۱۲ (من جانب اللہ) اس آواز کی کیفیت وصفت سے متعلق بڑی بڑی بحثیں چھڑ گئی ہیں، لیکن قول حق مفسر تھانوی مدظلہ کا ہے:۔ ”اس نداء کی کیفیت و صفت نہ کہیں منصوص ہے نہ قیاس سے ادراک کی جاسکتی ہے۔ اس لیے تعیین بالتخمین رجم بالغیب ہے۔ البتہ یہ امر یقینی ہے کہ حضرت موسیٰ کو یقین کے ساتھ یہ امر معلوم ہوگیا تھا کہ یہ نداء من جانب اللہ ہے۔ خواہ یہ یقین علم ضروری سے حاصل ہوا ہو یا کسی علم استدلالی سے۔ واللہ اعلم“ توریت کی مسخ شدہ روایت یوں ہے:۔ ”اس وقت خداوند کا فرشتہ ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلہ میں اس پر ظاہر ہوا۔ اس نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بوٹا آگ میں روشن ہے اور وہ جل نہیں جاتا۔ تب موسیٰ نے کہا میں اب نزدیک جاؤں اور اس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ بوٹا کیوں نہیں جل جاتا۔ جب خداوند نے دیکھا کہ وہ دیکھنے کو نزدیک آیا تو خدا نے اسے بوٹے کے اندر سے پکارا اور کہا کہ اے موسیٰ اے موسیٰ وہ بولا میں یہاں ہوں“۔ (خروج۔ ۳:۲۔۴) ف۱۳ ”خلع نعلین یا تو بوجہ ان کے غیر طاہر ہونے کے تھا یا اس لیے کہ مقام کا ادب ہو۔ یا اس لیے کہ مقام متبرک سے قدم بھی مس کرے کہ اس کی برکت زائد پہنچے۔ اور اِنَّكَ بِالْوَادِ الخ ہر حال میں علت ہوسکتا ہے“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) توریت میں تصریح ہے کہ یہ حکم مقام کے تقدس واحترام کی رعایت سے تھا۔ ”تب اس نے کہا یہاں نزدیک مت آ۔ اپنے پاؤں سے جوتا اتار۔ کیونکہ یہ جگہ جہاں تو کھڑا ہے مقدس زمین ہے“۔ (خروج۔ ۳:۵) ہمارے ہاں کے بھی اکثر اکابر اسی طرف گئے ہیں۔ امره بذلک لان القوة تواضع و ادب (بیضاوی) قیل انما امره بخلع نعليه تعظيمًا للبقعة (ابن کثیر) قال الاصم لان القوة ادخل فی التواضع و حسن الادب (روح) یحمل ذلک علی تعظیم البقعة من ان یطأها الاحافيًا ليكون معظمًالها و خاضعًا عند سماع کلام ربه (کبیر) لان القوة تواضع لله (مدارک) اسرائیلی تہذیب میں جوتہ اتار دینا تعظیم وتکریم کا ایک معروف ومتعارف طریقہ تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۱۴ (اور تقاضائے ادب یہی ہے کہ برہنہ پا داخل ہو) طُوًی۔ نام ہے اس میدان کا جو جزیرہ نمائے سینا میں کوہ سینا کے عین دامن میں واقع ہے۔ بیان لسبب ورد الامر بذلک من شرف البقعة و قدسها (روح) صوفیہ کہتے ہیں، آیت میں اصل ہے مقامات مقدسہ کے ادب وتعظیم کی۔ ف۱۵ (اپنی نبوت ورسالت کے لیے) اہل لطائف کہتے ہیں کہ تمہیدی مکالمہ کے بعد جب قلب موسوی قابل ومتحمل ہوگیا براہ راست تجلیات خداوندی کا، تو اب اس پر رسالت کے بار عظیم کی تفویض ہوئی۔ ف۱۶ اس میں نماز کی غایت بیان کردی کہ اس سے اصل مقصود یاد الٰہی کو دل میں تازہ رکھنا ہے۔ معناه اقم الصلوٰة لتذکرنی فیها (ابن جریر) لتذکرنی (کشاف) اور یہی معنی مجاہد تابعی سے بھی منقول ہیں۔ (روح) اور واقعہ بھی یہی ہے کہ کسی کے دل پر اگر حاکم اعلیٰ، ہمہ بین و ہمہ دان حاکم کی ہمہ وقتی معیت وحاکمیت کا خیال اگر پوری طرح مستولی ہوجائے تو اس سے کوئی قصور سرزد ہی کیوں ہونے پائے۔ آیت کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ میری یاد آنے پر نماز پڑھ لیا کرو — چنانچہ یہیں سے بعض فقہاء نے قضاء صلوٰۃ فائتہ کا استنباط کیا ہے۔ ف۱۷ توحید ورسالت ان دو عقائد کی تعلیم پچھلی آیت میں آچکی تھی۔ اب عقیدۂ معاد کا ذکر ہو رہا ہے اور یہی تینوں اصلی اور مرکزی عقائد ہیں دین الٰہی وشریعت خداوندی کے۔ آیت میں بیان قیامت کی غایت کا آگیا۔ وہ اسی ناسوتی زندگی کی تکمیل کے لیے ہے۔ نتائج کا ظہور پوری طرح اس محدود ومختصر دنیوی زندگی میں ہو نہیں پاتا۔ ظہور کامل کے لیے ایک یوم موعود کا پیش آنا بالکل مطابق عقل اور عین تقاضائے عدل ہے۔ جو لوگ عقیدۂ حشر کے منکر ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ ان کے سطحی دماغ اس موجودہ زندگی کی محدودیت پر قانع کیسے ہوجاتے ہیں۔ لِتُجْزٰی کا تعلق اٰتِيَةٌ سے ہے۔ اَكَادُ اُخْفِيْهَا کا فقرہ درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے آگیا ہے ف۱۸ یعنی کہیں تم کسی دشمن دین کی صحبت سے متاثر ہو کر فکر آخرت اور خیال عاقبت سے غافل نہ ہوجانا۔ موسیٰ علیہ السلام مقرب خاص ہیں اور اب پیمبر بھی بن چکے ہیں، یہ ارشاد ان تک سے ہو رہا ہے کہ کہیں تم دشمنانِ دین کی صحبت کا اثر نہ قبول کرلینا ورنہ خدائی قانون میں سزا تمہارے لیے بھی رکھی ہوئی ہے! ہم دنیاداروں کے لیے تو رونگٹے کھڑے ہوجانے کا مقام ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ آیت میں اباحت کا ابطال ہے۔ نیز اس حقیقت کا اثبات کہ تکلیفات شرعیہ ہستی کامل سے بھی ساقط نہیں ہوتیں۔ ف۱۹ سوال سے عجب نہیں جو یہ مقصد ہو کہ عصا کا عصا ہونا، اور اس کے مخصوص فوائد وخصائص حضرت موسیٰ کے ذہن میں از سر نو تازہ ہوجائیں تاکہ پھر اس میں جو انقلاب امر الٰہی سے دیکھیں اس کا خارق ہونا اور زیادہ نمایاں ہو جائے فن تعلیم کے ماہر جو استاد ہوتے ہیں وہ بھی طلبہ سے اکثر سوال اسی غرض سے کرتے ہیں۔ اہل اشارات نے اس سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ کاملین بھی اسباب کے ساتھ تمسک کرتے رہتے ہیں۔

تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ

وہ بلا کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا (یہ) دوسری نشانی ہوئی ف۲۲ تاکہ ہم تمہیں اپنی

مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ

بڑی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں ف۲۳ (اب) تم فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ بڑا سرکش

طَغٰى ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿٢٥﴾ وَ يَسِّرْ لِيْٓ

ہوگیا ہے ف۲۴ (موسیٰ نے) کہا اے میرے پروردگار میرا حوصلہ اور فراخ کر دے ف۲۵ اور میرا کام مجھ پر آسان

اَمْرِيْ ﴿٢٦﴾ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوْا

کر دے ف۲۶ اور میری زبان سے بستگی دور کر دے ف۲۷ تاکہ (لوگ) میری بات

قَوْلِيْ ﴿٢٨﴾ وَ اجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿٢٩﴾ هٰرُوْنَ

(خوب) سمجھ سکیں اور میرے گھر والوں میں سے میرا ایک معاون مقرر کر دیجیے (یعنی) ہارون کو

اَخِي ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿٣١﴾ وَ اَشْرِكْهُ فِيْٓ

کہ میرے بھائی ہیں میری قوت کو ان کے ذریعہ سے مضبوط کر دیجیے اور ان کو میرے (اس) کام میں شریک

اَمْرِيْ ﴿٣٢﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٣﴾ وَّ نَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٤﴾

کر دیجیے ف۲۸ تاکہ ہم لوگ خوب کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور تیرا ذکر خوب کثرت سے کریں ف۲۹

اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿٣٥﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ

بے شک آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں ف۳۰ (اللہ نے) فرمایا تمہاری درخواست منظور کی گئی

يٰمُوْسٰى ﴿٣٦﴾ وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ﴿٣٧﴾ اِذْ

اے موسیٰ اور ہم تو ایک دفعہ اور بھی تمہارے اوپر احسان کر چکے ہیں ف۳۱ جب کہ

اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿٣٨﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي

ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات الہام کی جو الہام ہی کئے جانے کے قابل تھی ف۳۲ (یعنی) یہ کہ (موسیٰ) کو

ف۲۰ عصائے موسوی کا معجزہ توریت میں بھی درج ہے:۔ ”تب خدا نے موسیٰ کو کہا کہ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ وہ بولا عصا۔ پھر اس نے کہا اسے زمین پر پھینک دے، اس نے زمین پر پھینک دیا اور وہ سانپ بن گیا“۔ (خروج ۴: ۲۔ ۴) یہ واضح رہے کہ مصر میں جہاں موسیٰ کو تبلیغ کرنا تھی، سانپ کی حیثیت ایک دیوتا کی تھی، اور اس کی پوجا ہوا کرتی تھی۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۲۱ یعنی یہ پھر سے عصا بنا جاتا ہے۔ اور تمہیں کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ ص۔ ”ابھی“ یعنی تمہارے اسے پکڑتے ہی — ایسے خوارق عادات انبیاء کی تاریخ میں کچھ نئے یا انوکھے نہیں۔ معجزہ میں پیغمبر کے کسی ذاتی کمال یا کوشش کو دخل نہیں ہوتا، بلکہ وہ تمام تر ایک فعل خداوندی ہی ہوتا ہے۔ براہ راست اور بلا توسط اسباب عادیہ۔ اس حقیقت کی خاص نظیر یہ عصا والا واقعہ بھی ہے۔ معجزہ حضرت موسیٰ کا، اور آپ خود ہی اس سے ڈرے بھی! ”موسیٰ علیہ السلام کا ڈر جانا بعض نے کہا ہے کہ طبعی ہے جو کسی طرح جلالت شان کے منافی نہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جو حادثہ مخلوق کی جانب سے ہو اس میں تو نہ ڈرنا کمال ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام آتش نمرود سے نہیں ڈرے اور جو امر خالق کی طرف سے ہو اس میں ڈرنا ہی کمال ہے کہ وہ فی الواقع حق تعالیٰ سے ڈرنا ہے۔ جیسے ہوا تیز ہونے کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھبرا جانا حدیثوں میں آیا ہے۔ سو چونکہ اس تبدل میں مخلوق کا واسطہ نہ تھا اس سے ڈر گئے کہ یہ کوئی قہر الٰہی نہ ہو اور دوسری آیت میں انک من الآمنین سے تسلی دینا اسی طرف مشیر ہے“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اور یہ تو قول بہرحال ثابت و روشن ہے کہ امور طبعی کاملین میں بھی باقی رہتے ہیں۔ توریت میں یہ صورت واقعہ یوں درج ہے:۔ ”اور موسیٰ اس کے آگے سے بھاگا، تب خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھا، اور دُم پکڑ لے۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور اسے پکڑ لیا۔ وہ اس کے ہاتھ میں عصا ہو گیا“۔ (خروج۔ ۴: ۴) ف۲۲ (ہماری قدرت اور تمہاری نبوت کی) حضرت موسیٰ کو جو متعدد معجزات عطا ہوئے تھے، ان میں سے یہ دو معجزے شروع ہی سے عنایت ہو گئے تھے اور ان کا ذکر بھی خاص اہتمام سے کیا گیا ”ید بیضا“ جو ہمارے ہاں زبان زد ہے یہی مشہور معجزہ ہے۔ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ مراد یہ ہے کہ یہ ہاتھ کی سفیدی کوئی مرض وغیرہ کی صورت نہیں۔ قرآن کو تصریح کے ساتھ یہ ٹکڑا اس لیے کہنا پڑا کہ توریت والوں نے صورت واقعہ کو مسخ کر کے حضرت موسیٰ کو برص کا مریض ہی بنا دیا! خود توریت کے الفاظ ہیں:۔ ”پھر خداوند نے اسے کہا کہ تو اپنا ہاتھ اپنی چھاتی پر چھپا کے رکھ۔ چنانچہ اس نے اپنا ہاتھ اپنی چھاتی پر چھپا کے رکھا۔ اور جب اس نے اسے نکالا تو دیکھا کہ اس کا ہاتھ برف کے مانند سفید ”مبروص“ تھا“ (خروج۔ ۴: ۶) اور بعد کے لوگوں نے اس پر اور اور روایات بھی اضافہ کر دیں۔ اٰيَةً اُخْرٰى پہلا نشان وہ عصا کے سانپ بن جانے کا تھا۔ دوسرا نشان یہ ہوا۔ ف۲۳ وہ ”بڑی نشانیاں“ کیا تھیں؟ عام طور سے مراد دوسرے اور عظیم تر معجزات سے لی گئی ہے، جو آپ کو بعد میں عطا ہوئے۔ ف۲۴ فرعون یعنی بادشاہ مصر۔ اس پر توریت اور ساری تاریخوں کا اتفاق ہے کہ جو فرعون حضرت موسیٰ کا معاصر تھا، وہ متکبر، جابر و فاسق تھا۔ اور خدا کا اوتار تو بہرحال ہر فرعون مصر سمجھا ہی جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۲۵ (کہ تبلیغ میں انقباض اور مخالفت و تکذیب سے دل تنگی نہ ہو اور میں سفارت خداوندی اور رسالت کے بار عظیم کا تحمل پوری طرح کر سکوں) صَدْرِيْ۔ صدر کے لفظی معنی سینہ کے ہیں لیکن راغب نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں لفظ قلب یا صدر آیا ہے، وہاں مراد عضو جسمانی نہیں، بلکہ علم و عقل اور انسان کے سارے قوائے باطنی ہیں۔ اور اس آیت کی شرح میں لکھا ہے کہ مراد اس سے اپنے قوائے باطن کی اصلاح کی دعا کرنا ہے۔ ابن زید تابعی سے معنی جرأت و ہمت کے منقول ہیں (ابن جریر) اور اور بھی سب نے یہاں صدر کے معنی مجازی ہی لیے ہیں۔ یعنی تحمل شدائد کا حوصلہ۔ اشرح الصدر بسطه من راني و مسكنة من جهة الله تعالىٰ منه (روح) اس دعا سے ظاہر ہے کہ دعا اور توکل کامل میں کوئی منافات نہیں۔ بلکہ کاملین تو اور زیادہ دعا کی طرف رجوع کرتے رہتے ہیں۔ ف۲۶ (کہ اسباب کامیابی جمع اور اسباب ناکامی رفع ہوتے جائیں) ف۲۷ اس لکنت زبان کے اسباب مختلف روایت ہوئے ہیں۔ بہرحال سبب طبعی کچھ بھی رہا ہو، لکنت زبان میں موجود تھی۔ توریت میں ہے:۔ ”تب موسیٰ نے خداوند سے کہا کہ اے میرے خداوند میں فصاحت نہیں رکھتا نہ تو آگے سے اور نہ جب سے کہ تو نے اپنے بندے سے کلام کیا اور میری زبان اور باتوں میں لکنت ہے“۔ (خروج۔ ۴: ۱۰)
ف۲۸ توریت میں بھی یہ واقعات درج ہیں مگر محرف و مسخ شدہ شکل میں۔ حضرت موسیٰ کی زبان سے حضرت ہارون علیہ السلام کو شریک کار کرنے کی درخواست کا کوئی ذکر توریت میں نہیں۔ حضرت ہارون کا ذکر جہاں ہے بھی، بہ طور شریک نبوت نہیں بلکہ بحیثیت ترجمان اور نائب کے۔ ”تب خداوند کا غصہ موسیٰ پر بھڑکا اور اس نے کہا کیا نہیں ہے لاویوں میں سے ہارون تیرا بھائی؟ میں جانتا ہوں کہ وہ فصیح ہے۔ اور دیکھ کہ وہ بھی تیری ملاقات کو آتا ہے اور تجھے دیکھ کے دل میں خوش ہوگا۔ اور تو اسے کہے گا اور اسے باتیں بتائے گا..... اور وہ تیرے عوض لوگوں سے باتیں کرے گا۔ اور وہ وہاں وہی تیری زبان کی جگہ ہوگا اور تو اس کے لیے خدا کی جگہ ہوگا“۔ (خروج۔ ۴: ۱۴۔ ۱۶) حضرت ہارون علیہ السلام کی فصاحت اور طلاقت لسانی مشہور و مسلم ہے۔ توریت کے اقتباس میں تو ابھی گزر ہی چکا کہ ”وہ فصیح ہے“۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں بھی ذکر ان کے فصیح البیان ہونے کا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا الخ سے بھی کاملین کا تمسک اسباب کے ساتھ کرنا ثابت ہوتا ہے۔ ”معاون مانگنے میں اہل کی تخصیص شاید اس لیے ہو کہ ان کو طبعی الفت بھی زائد ہوگی۔ ان سے زیادہ معاونت ہو سکتی ہے“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۲۹ دو آدمی مل کر تبلیغ و دعوت کا کام قدرۃً زیادہ قوت سے اور تسبیح و تذکیر کا کام بہتر

التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ

ایک صندوق میں رکھ پھر اسے دریا میں ڈال دو پھر دریا انہیں کنارہ لے آئے گا

يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً

(تو) انہیں وہ پکڑ لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور ان کا بھی دشمن ہے اور میں نے تمہارے اوپر اپنی طرف سے محبت کا

مِّنِّيْ ۚ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ

اثر ڈال دیا تھا و۳۳ اور تاکہ تم کو میری خاص نگرانی میں پرورش کیا جائے و۳۴ (یہ اس وقت ہوا) جب کہ تمہاری بہن

فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ

چلتی ہوئی آئیں پھر بولیں کہ میں تمہیں ایسے کا پتہ دوں جو اس کو (خوب اچھی طرح) پالے؟ تو ہم نے تم کو تمہاری ماں کے

اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ ۬ؕ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا

پاس پھر پہنچا دیا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کریں و۳۵ اور تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا و۳۶

فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۬ۚ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ

تو ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی و۳۷ اور ہم نے تمہیں خوب خوب آزمائشوں میں ڈالا و۳۸ پھر تم مدین والوں کے

فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ۬ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾

درمیان (کئی) سال رہے۔ پھر تم اپنے وقت معین پر (یہاں) آ گئے اے موسیٰ و۳۹

وَ اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ

اور میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کر لیا و۴۰ (سو اب) تم اور تمہارے بھائی میری نشانیوں کے

بِاٰيٰتِيْ وَ لَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۲﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ

ساتھ جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا و۴۱ فرعون کے پاس تم دونوں جاؤ بے شک وہ حد سے تجاوز

طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾

کر گیا ہے و۴۲ پھر اس سے گفتگو نرم کرنا و۴۳ شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر ہی جائے و۴۴

وقف لازم

طریق پر کر سکتے ہیں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ دونوں آیتوں میں دلالت ہے اس پر کہ اسباب سے بھی اکابر کا قصد دین اور استعانت فی الدین ہی ہوتا ہے۔ و۳۰ (اور ہماری احتیاج سے خوب واقف ہیں) و۳۱ یعنی اب کی تمہاری درخواست پر کیوں نہ تمہارے ساتھ لطف و نوازش کا معاملہ ہوگا۔ تمہارے ساتھ تو ہمارا یہ معاملہ بلا تمہاری خواہش و درخواست کے ایک بار بہت پہلے ہو چکا ہے۔ و۳۲ (اپنی اہمیت کی بنا پر) یہ وحی، وحی نبوت نہ تھی، وحی الہام تھی۔ اور الہام غیر انبیاء کے لیے بھی جائز و ثابت ہے۔ بعض مسیحی فاضلوں نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کے والد ماجد عمران کا گھر لب دریا تھا۔ نیل اسی طرف سے بہتا ہوا فرعون کے محل کے نیچے سے گزرتا تھا۔ اور ایک وقت مقررہ پر دختر فرعون (قرآن نے اس کی تصحیح کر کے بتایا کہ نہیں بلکہ آسیہ زوجہ فرعون) سیر دریا کے لیے آتی تھی۔ والدۂ موسیٰ نے سوچا کہ بچہ کی جان بچنے کی اور کوئی صورت تو ظالم حکومت کے کارندوں سے ہے نہیں۔ ایک لگتی ہوئی صورت یہ البتہ ہو سکتی ہے کہ بچہ از خود دختر فرعون (صحیح یہ کہ زوجہ فرعون) کے حضور تک پہنچ جائے۔ عورتیں یوں بھی نرم دل اور ترس کھانے والی ہوتی ہیں پھر یہ بچہ تو ہے بھی اس قدر پیاری اور موہنی صورت والا۔ عجب کیا جو اس محترم خاتون کو اس پر رحم آ جائے، اور خود فرعون پر بھی اگر اثر کسی کے کہنے سننے کا ہو سکتا ہے تو اسی خاتون محترم کا۔ بس یہی سوچ سمجھ مادر مہربان نے صورتحال کا صحیح اندازہ کر کے موسیٰ کو بجرے پر بٹھا، پہاڑ کے رخ چھوڑ دیا۔ اور نتیجہ بالآخر بالکل حسب مراد نکلا۔ یہ بیانات تاریخ پر نہیں بلکہ تمام تر ظن و تخمین پر مبنی ہیں۔ لیکن بالفرض صحیح ہوں جب بھی نفس واقعہ کے اعجازی پہلو پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ الہام الٰہی بہرحال الہام الٰہی ہی ہے خواہ بالکل مجمل اور براہ راست ہوا ہو یا تفصیلاً یہ درمیانی زینے سب عقل کو سمجھا دیئے گئے ہوں۔ و۳۳ (اے موسیٰ! اور تمہیں محبوب بنا دیا) حضرت موسیٰ قدیم تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ بڑے حسین و جمیل تھے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ توریت و انجیل دونوں میں یہی مذکور ہے:۔ ”اس نے اسے خوبصورت دیکھ کے تین مہینے تک چھپا رکھا“۔ (خروج۔ ۲:۲) ”انہوں نے دیکھا کہ بچہ خوبصورت ہے“ (عبرانیون۔ ۱۱:۲۳) ”موسیٰ پیدا ہوا جو نہایت خوبصورت تھا“ (اعمال۔ ۷:۲۰) عَدُوٌّ لِّيْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ فرعون کا مراد ہونا بالکل ظاہر ہے جو حق تعالیٰ کا بھی دشمن تھا اور موسیٰ کا بھی۔ و۳۴ سحر، نجوم، کہانت کے فنون اس زمانہ کے مہذب و متمدن ملکوں میں اسی طرح پھیلے ہوئے تھے، جیسے آج مادی علوم و فنون ہیں۔ اور مصر تو ان قدیم فنون کا ایک مرکز خاص تھا۔ فرعون کو منجموں اور کاہنوں کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ عنقریب اسرائیلی قوم میں ایک لڑکا ایسا پیدا ہوگا، جو فرعون اور حکومت فرعون کے زوال اقتدار کا سبب بنے گا۔ فرعون نے اسی وقت سے یہ حکم جاری کر رکھا تھا کہ اسرائیلیوں میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اسی وقت ختم کر دیا جائے۔ جب ولادت حضرت موسیٰ کی ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ قدرتاً بہت پریشان ہوئیں۔ اس وقت آپ کو الہاماً یہ تدبیر سمجھائی گئی کہ ایک صندوق لے کر اس میں بچے کو لٹا صندوق دریائے نیل میں بہا دیا جائے۔ نیل شاہی محل کے نیچے سے گزرتا تھا اور دریا کا بہاؤ حضرت موسیٰ کے مکان سے اسی رخ پر تھا۔ جب صندوق بہتا بہتا محل کے نیچے پہنچے گا، روک کر بچہ اس میں سے نکال لیا جائے گا اور بچہ کی صورت اتنی محبوب ہے کہ جو اسرائیل کش اور اپنے قصد و نیت کے لحاظ سے موسیٰ کش ہے، خود اسی سے موسیٰ کی پرورش کرائی جائے گی۔ اور اسی کو سبب و ذریعہ موسیٰ کی حیات و بقا کا بنایا جائے گا۔ توریت میں یہ واقعات ہیں، مگر حسب معمول محرف و مسخ شدہ شکل میں:۔ ”وہ عورت حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی اور اس نے اسے خوبصورت دیکھ کے تین مہینے تک چھپا رکھا۔ اور جب آگے کو چھپا نہ سکی تو اس نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرا بنایا اور اس پر لاسا اور رال لگایا اور لڑکے کو اس میں رکھا اور اس نے اسے دریا کے کنارے پر جھاؤ میں رکھ دیا ...... تب فرعون کی بیٹی غسل کرنے کو دریا پر اتری اور اس کی سہیلیاں دریا کے کنارے پھرنے لگیں اس نے جھاؤ میں ٹوکرا دیکھ کر سہیلی کو بھیجا کہ اسے اٹھا لائے جب اس نے اسے کھولا تو لڑکے کو دیکھا اور دیکھا وہ روتا ہے۔ اسے اس پر رحم آیا۔ اور بولی یہ کسی عبرانی کا لڑکا ہے“۔ (خروج۔ ۲:۲۔۶) عَيْنِيْ میں اضافت تشریف و اختصاص کے لیے ہے ورنہ اپنے عام معنی میں تو دنیا کی ساری ہی موجودات پروردگار عالم کی نگرانی میں رہتی ہے۔ هٰذا الاختصاص للتشريف كا ختصاص عيسٰى عليه السلام بكلمة الله تعالٰى والكعبة بيت الله (روح) و۳۵ صندوق دریا میں بہا دینے کے بعد حضرت موسیٰ کی بہن بھی اجنبی اور انجان بن کر شاہی محل کی طرف چلیں کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ محل میں پہنچیں اور جب دیکھا کہ بچہ مچلا ہوا ہے تو خوش تدبیری کے ساتھ اپنی اور ان کی ماں ہی کو رضاعت کے لیے بلوایا۔ توریت میں ہے:۔ ”تب اس کی بہن نے فرعون کی بیٹی کو کہا کہ کہئے تو میں جا کے عبرانی عورتوں میں سے ایک دائی تجھ پاس لے آؤں تا کہ وہ تیرے لیے اس لڑکے کو دودھ پلائے فرعون کی بیٹی نے اسے کہا کہ جا وہ چھوکری گئی۔ اور لڑکے کی ماں کو بلایا فرعون کی بیٹی نے اسے کہا کہ اس لڑکے کو لے اور میرے لیے دودھ پلا۔ میں تجھے درماہہ دوں گی۔ اس عورت نے لڑکے کو لیا اور دودھ پلایا“۔ (خروج۔ ۲:۷۔۹) توریت میں ہے کہ ان صاحبزادی کا اسم مبارک مریم تھا۔ بہ قول بعض شارحین توریت کے یہ حضرت موسیٰ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ و۳۶ (قبطیوں یا فرعونیوں میں سے اتفاقیہ و بلا قصد) مفصل قصہ سورۂ قصص میں آئے گا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت ہے کاملین سے لغزش صادر ہونے پر اور اس پر بھی کہ اس کی ایک نئی شان ہوتی ہے۔ و۳۷ حضرت موسیٰ کو اس واقعہ قتل غیر عمد کے بعد فکر و تردد دو طرح کا لاحق ہوا۔ ایک تو خوف عقاب الٰہی سو وہ خوف تو اس طرح دور ہوا کہ استغفار کی توفیق ہوئی اور اسے قبول کیا گیا۔ دوسرے خوف انتقام حکومت تو اس سے نجات یوں حاصل ہوئی کہ مصر سے مدین پہنچا دیا گیا۔

مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اکابر کی لغزش اگرچہ موجب عتاب ومواخذہ نہیں ہوتی مگر اس کے باوجود بھی ان پر ندامت غالب ہوتی ہے۔ ف۳۸ اس درمیان میں جو کچھ بھی آفتیں، مصیبتیں پیش آئی ہوں سب آزمائشوں کے حکم میں داخل ہیں۔ ان تکلیفوں سے نجات دینا تو خیر لطف وعنایت ہے ہی باقی خود آزمائش بھی جواز دیاد مدارج کا سبب بن جائے بجائے خود ایک رحمت ونوازش ہے۔ ف۳۹ یعنی اس وقت پر جو تمہاری نبوت کے لیے متعین ومقدر ہو چکا تھا تم مدین سے پھر مصر لائے گئے۔ اے علی وفق الوقت الذی قدرته و عينته لتكليمك و استنبائك بلا تقديم ولا تاخير عنه (روح) يٰمُوْسٰى مکالمہ خداوندی میں بار بار یا موسیٰ ' کا آنا رحمت واکرام کے لیے ہے۔ ف۴۰ "اپنے لئے" یعنی اپنا نبی بنانے کے لیے۔ اے لوحيي و رسالتي (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اختر تک لا قامة حجتي (روح۔عن الزجاج) الاصطناع الاخلاص بالا لطاف و معنى لنفسي لنصرف على ارادتي و حجتي (جصاص) ف۴۱ اہل حق کا اصلی مشغلہ وفریضہ یہی یاد الٰہی ہے جس کی تاکید سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ پیمبر بھیجے ہی جاتے ہیں تذکر وتذکیر کے لیے دنیوی نظام حکومت قائم کرنے کی حیثیت ثانوی اور ضمنی ہوتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تعلیم میں برکت جب ہی پیدا ہوتی ہے جب معلم خود بھی ذکر میں مشغول ہو۔ اٰيٰتِيْ سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کو عطا ہو چکے تھے۔ ف۴۲ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۴۔ ف۴۳ (کہ یہ مؤثر ترین طریق تبلیغ ہے اور شروع میں خشونت ودرشتی کو باوجود اشتعال طبع اپنے قریب نہ آنے دینا) فقہاء نے اس سے مسئلہ یہ نکالا ہے کہ قوت ونصرت کے یقین کے باوجود بھی (جیسا کہ یہاں حضرت موسیٰ کو نصرت غیبی کا پورا یقین تھا) مبلغ کے لیے پوری طرح جائز ہے کہ انداز تبلیغ نرم رکھے۔ فی هذا جواز الامر بالمعروف والنهي عن المنكر باللين لمن معه القوة و ضمنت له العصمة (ابن العربی) محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت کے اندر اخلاق کا بہت بڑا سبق موجود ہے کہ باوجود اس کے کہ فرعون کے طغیان وتمرد کا ذکر ابھی ابھی ہو چکا ہے۔ اس پر بھی حضرت موسیٰ جیسے مقبول وبرگزیدہ بندہ کو حکم اسی کا ملتا ہے کہ اس سے لطف وملائمت ہی سے پیش آئیں۔ هذه الأية فيها عبرة عظيمةٌ و هوان فرعون في غاية العتو والاستكبار و موسٰى صفوة الله من خلقه اذذاک و مع هذا امران لايخاطب فرعون الا بالملاطفة واللين (ابن کثیر) ف۴۴ مقصود تو بہرحال ایمان لانا اور سچی تعلیم کو سچ تسلیم کر لینا ہے۔ خواہ یہ صورت بہ طوع ورغبت، ذوق وشوق سے حاصل ہو۔ خواہ خوف خدا سے یا خوف عاقبت سے۔ آیت پر یہ اعتراض بالکل مہمل ہے کہ جب علم الٰہی میں فرعون کا ایمان نہ لانا ہی تھا تو یہاں یہ کیوں کہا گیا۔ یہاں تو مقصود صرف ان بندوں کو یہ ہدایت دینا ہے کہ تم اپنی تبلیغی کوششیں اسی امید پر جاری رکھو۔ علم الٰہی وقضائے الٰہی کی صورت بالکل الگ ہے۔ اس کو بندوں کی کوشش سے کیا واسطہ۔ معناه اذهبا على رجاءٍ منكما و طمع و قضاء الله وراء امر كما (معالم) ف۴۵ (کہ اول الذکر صورت میں ہماری تبلیغ دھری کی دھری رہ جائے، وہ ہمیں اس کا موقع ہی نہ دے، اور آخری صورت میں کہیں اس کا جرم اور بڑھ نہ جائے) ف۴۶ کسی کانسٹیبل سے اگر وائسرائے کہہ دیں کہ "فلاں ڈاکو سے مقابلہ کرنے میں تم اندیشہ نہ کرو، ہم خود مع اپنی ساری قوت کے تمہارے ساتھ ہوں گے"۔ تو وہ کیسا باغ باغ ہو جائے گا، اور اسے کیسا زبردست سہارا ہاتھ آ جائے گا۔ پھر یہاں تو بندہ کو خدا کا سہارا ہاتھ آ رہا تھا! تسکین تشفی وتقویت قلب کی اس سے بڑھ کر صورت خیال میں بھی نہیں آ سکتی۔ مَعَكُمَآ۔ معیت سے مراد کمال حفظ ونصرت الٰہی ہے۔ معكما بالحفظ والنصر (بیضاوی) والمراد بمعيته سبحانه كمال الحفظ والنصرة (روح) توریت میں اس موقع پر ہے:۔ "وہ بولا یقیناً میں تیرے ساتھ ہوں گا" (خروج۔ ۳:۱۲) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اَسْمَعُ وَاَرٰى اگر اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ کی تفسیر ہے تو دلیل ہے قرب صفاتی پر اور اگر مستقل ہے تو اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ دلیل ہے قرب ذاتی پر۔ ف۴۷ (بے قصور وبے خطا جب تک وہ تیرے ملک میں مقیم ہیں) فرعون کے مظالم اب حد سے بڑھ گئے تھے۔ اور بنی اسرائیل کی طرف سے مطالبہ یہ تھا کہ ہمیں ہمارے وطن

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ

دونوں بولے اے ہمارے پروردگار ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے یا یہ کہ

يَّطْغٰى ۝٤٥ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ

زیادہ سرکشی نہ کرنے لگے ف۴۵ اللہ نے کہا تم ڈرو نہیں تم دونوں کے ساتھ تو میں ہوں میں (سب) سنتا

وَ اَرٰى ۝٤٦ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ

اور دیکھتا ہوں ف۴۶ تم اس کے پاس جاؤ پھر اس سے کہو، ہم دونوں تیرے پروردگار کے قاصد ہیں سو تو ہمارے ساتھ

مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَ لَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ

بنی اسرائیل کو جانے دے اور انہیں دکھ نہ دے ف۴۷ ہم تیرے پاس تیرے پروردگار کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَ السَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝٤٧ اِنَّا قَدْ

نشان لے کر آئے ہیں اور سلامتی ہے اس کے لئے جو سیدھی راہ پر چلے ف۴۸ ہمارے پاس تو

اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ۝٤٨

وحی یہ آ چکی ہے کہ عذاب (قہری) اسی کے لئے ہے جو جھٹلائے اور روگردانی کرے ف۴۹

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝٤٩ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى

(فرعون نے) کہا تو پھر اے موسیٰ تم دونوں کا پروردگار ہے کون؟ ف۵۰ (موسیٰ نے) کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر

كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝٥٠ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ

چیز کو اس کی بناوٹ عطا کی پھر (اس کی) رہنمائی کی ف۵۱ (فرعون نے) کہا، اچھا تو پہلی نسلوں کا کیا حال

الْاُوْلٰى ۝٥١ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ

ہوا ہے؟ ف۵۲ (موسیٰ نے) کہا ان کا علم میرے پروردگار کے پاس دفتر میں (محفوظ) ہے میرا پروردگار نہ

رَبِّيْ وَ لَا يَنْسَى ۝٥٢ اِلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا

بھٹک سکتا ہے نہ بھول سکتا ہے ف۵۳ وہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا ف۵۴

کنعان (صوبہ شام) واپس چلے جانے کی اجازت دے دی جائے۔ فرعونی حکومت ان لوگوں سے بیگار کا اور ادنیٰ قسم کی مزدوری کا کام لیتی رہتی تھی۔ اس لیے اس مطالبہ کو بھی نہیں مان رہی تھی۔ آج ہمارے ہاں کا بھی کون ظالم زمیندار یہ گوارا کرتا ہے کہ اس کی ادنیٰ رعایا بھی اس کی زمین سے نکل جائے۔ توریت میں ہے:۔ "بعد اس کے موسیٰ اور ہارون آئے اور فرعون کو کہا کہ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ بیابان میں میرے لیے عید کریں"۔ (خروج۔ ۵:۱) رَسُوْلَا رَبِّكَ پروردگار کے قاصد یا رسول مرسل۔ ف۴۸ یعنی جو کوئی دین حنیف کو اختیار کرے اور سیدھی راہ چلنے لگے، اسے تھوڑے ہی قہر وعذاب کا ڈر رہ سکتا ہے؟ اسے کھٹکا نہ دنیا میں نہ آخرت میں! اے السلامة من العذاب في الدارين لمن اتبع ذلک بتصديق ايت الله (روح) یہاں اسلام کی ایک عام خصوصیت بیان کر دی گئی کہ اس کا قانون اس کا آئین، اس کا نظام دنیا اور آخرت دونوں کے لیے بہترین دستور حیات ہے فرد کے لیے بھی، جماعت کے لیے بھی۔ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ایت بہ معنی نشان یا معجزہ۔ یعنی جس سے تجھے بھی ہماری صداقت کا یقین آ جائے۔ اٰيَةٍ کی تنوین سے مراد جنس معجزہ ہے نہ کہ کوئی مفرد معجزہ۔ ف۴۹ (حق سے) توریت میں یہ واقعات تو خیر تھوڑے، بہت درج ہیں، لیکن قرآن مجید بیچ بیچ میں اخلاق وعقائد سے متعلق جو تعلیمات دینا چاہتا ہے ان سے توریت کے صفحات یکسر خالی ہیں! حضرت موسیٰ کو وہ جو حکم "قول لیّن" (نرم بولی) کا ملا تھا یہ اسی کی تعمیل ہو رہی ہے کہ آپ نے براہ راست یہ نہ

وَّ سَلَكَ لَكُمۡ فِيۡهَا سُبُلًا وَّ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ

اور تمہارے لئے اس میں راستے بنا دیئے اور آسمان سے پانی اتارا

فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوۡا

پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف قسم کے طرح طرح کے نباتات پیدا کئے ف۵۵ کھاؤ

وَارۡعَوۡا اَنۡعَامَكُمۡ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿۵۴﴾ ع

اور اپنے مویشیوں کو چراؤ بے شک اس (سارے نظام) میں دلیلیں موجود ہیں اہل عقل کے لئے ف۵۶

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً

اسی (زمین) میں سے ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا اور اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی میں سے تمہیں دوبارہ

اُخۡرٰى ﴿۵۵﴾ وَلَقَدۡ اَرَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾

پھر نکالیں گے ف۵۷ اور ہم نے اسے ساری ہی نشانیاں دکھلا دیں ف۵۸ لیکن وہ جھٹلایا ہی کیا اور انکار ہی کرتا رہا

قَالَ اَجِئۡتَنَا لِتُخۡرِجَنَا مِنۡ اَرۡضِنَا بِسِحۡرِكَ

(فرعون نے) کہا تو (شاید) تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں ہماری سرزمین سے اپنے سحر (کے زور) سے نکال

يٰمُوۡسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاۡتِيَنَّكَ بِسِحۡرٍ مِّثۡلِهٖ فَاجۡعَلۡ بَيۡنَنَا

دو اے موسٰی ف۵۹ سو تو خیر اب ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ویسا ہی سحر لاتے ہیں تو اب ہمارے اور اپنے

وَبَيۡنَكَ مَوۡعِدًا لَّا نُخۡلِفُهٗ نَحۡنُ وَلَاۤ اَنۡتَ مَكَانًا

درمیان ایک وعدہ گاہ بدلو جس کے نہ ہم خلاف کریں اور نہ تم ایک ہموار میدان

سُوًى ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوۡعِدُكُمۡ يَوۡمُ الزِّيۡنَةِ وَاَنۡ يُّحۡشَرَ

میں ف۶۰ (موسٰی نے) کہا تم سے وعدہ میلہ کے دن کا رہا اور (ہاں یہ بھی) کہ لوگ

النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى فِرۡعَوۡنُ فَجَمَعَ كَيۡدَهٗ ثُمَّ

دن چڑھے جمع ہو جائیں ف۶۱ غرض فرعون واپس ہو گیا پھر اپنے مکر کا سامان جمع کرنا شروع کیا اور پھر

فرمادیا کہ عذاب تیرے اوپر ہوگا، بلکہ اسے ایک کلیہ اور قانون کی صورت میں پیش کیا۔ ف۵۰ یہ دونوں حضرات فرعون کے دربار تک پہنچ چکے ہیں اور یہ گفتگو وہیں ہو رہی ہے۔ مصر میں فرعون سب سے بڑے دیوتا یعنی سورج دیوتا کا اوتار سمجھا جاتا تھا، اور عملاً تمام اختیارات خدائی کا مظہر۔ اب تک وہ اپنے ہی کو سب سے بڑے یعنی سورج دیوتا کے مظہر یا اوتار سنتے رہنے یا سمجھتے رہنے کا عادی رہا تھا۔ اب جو یہ نئی اور نامانوس آواز اس کے کان میں پڑی تو حیرت سے پوچھتا ہے کہ اچھا یہ بتاؤ تو سہی آخر تمہارا ترا شا ہوا رب کون سا ہے؟ توریت میں اسی مقام پر ہے:۔ "فرعون نے کہا کہ خداوند کون ہے کہ میں اس کی آواز کو سنوں کہ بنی اسرائیل کو جانے دوں؟ میں خداوند کو نہیں جانتا اور نہ میں بنی اسرائیل کو جانے دوں گا"۔ (خروج۔ ۵:۲) ف۵۱ (ان کی اسی خلقت کی جانب) حضرت موسٰی اپنے رب کا تعارف کرا رہے ہیں۔ ارے، تو اس کو نہیں جانتا۔ وہ تو وہ ذات ہے، جس نے ساری مخلوقات کو شرف وجود سے مشرف کیا ہے، پھر جیسی جس کی فطرت و ساخت رکھی، اور جو کام اس سے لینا چاہا، اس کے مطابق اس کے آلات و قوای، ہیئت و ترکیب بھی رکھی گویا تخلیق اور ترتیب دونوں کا مبداء وہ ہی تو ہے۔ اَعۡطٰى كُلَّ شَىۡءٍ خَلۡقَهٗ سے مراد ہے کہ ہر ہستی کی ساخت و خلقت موزون و مناسب رکھی، اور هَدٰى سے مراد ہے کہ جس مقصد و غرض کے لئے اس ہستی کو مخلوق کیا، اسی طرف اسے لگا بھی دیا۔ خیال رہے کہ گفتگو مسئلہ ربوبیت پر چل رہی ہے نہ کہ الوہیت پر۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت موسٰی کے اس جواب سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ معرفت بالکنہ ممتنع ہے اور بالصفات والا فعال جائز ہے۔ ف۵۲ (جن کا دین تمہارے دین توحید سے یقیناً مختلف تھا) یعنی اب وہ کس حال کس عالم میں ہیں؟ مصریوں کے اس بارہ میں عجیب عجیب نظریات تھے۔ ہندی مشرکوں کے عقائد سے ملتے ہوئے۔ ایک خیال یہ تھا کہ ہر روح جزئی قید ہستی سے چھوٹنے کے بعد، روح کلی سے جا ملتی ہے۔ ف۵۳ (بہ خلاف تمہارے معبودوں کے جن کے لئے غلطیاں کر جانا، سہو و نسیان کا شکار ہو جانا سب ہی کچھ ممکن ہے) حضرت موسٰی علیہ السلام کا جواب بہت بلیغ ہے۔ آپ نے فرمایا، مجھے پچھلوں کے حشر کی کیا خبر؟ البتہ اتنا یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ بہر حال ان کے ساتھ انصاف ہی ہوا ہوگا، اور میرے علیم و خبیر، ہمہ بین و ہمہ دان خدا نے ان کے ساتھ معاملہ وہی کیا ہوگا جس کے مستحق وہ اپنے عمل اور نامۂ اعمال کے لحاظ سے ہوں گے۔ وہاں غلطی یا بھول چوک کا کیا امکان! ف۵۴ (جس پر تم آرام و استراحت کرتے ہو) خطاب اب موسٰی و فرعون کے مکالمہ سے الگ، براہ راست رب العالمین کا نوع انسان سے ہے۔ اور یہ طرز بلاغت قرآنی کے خصوصیات میں سے ہے۔ ف۵۵ (جن پر تم چلو پھرو) یعنی زمین پر تمہیں پیدا ہی نہیں کیا بلکہ تمہارے لئے ہر قسم کے سامان آسائش بھی مہیا کر دیئے۔ ف۵۶ (اس کے کمال ربوبیت کی) مصریوں میں چوپانی، گلہ بانی کا خاص رواج تھا، اور مصری تمدن میں مویشیوں کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی، اس لئے ان سے مخاطبت کرنے میں اَنۡعَام کا نام لینا عین مقتضائے مقام ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اَخۡرَجۡنَا میں اشارہ ہے اس جانب کہ مؤثر حقیقی حق تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن بِهٖ سے اثبات توسط اسباب کا بھی ہو رہا ہے۔ ف۵۷ (بعد موت) انسان کی آفرینش اجزائے ارضی ہی سے ہوگئی ہے، اور موت کے بعد بہر صورت وہ اجزائے ارضی ہی میں ملایا جاتا ہے، اور قیامت کے دن اس کی آفرینش ثانی بھی انہیں اجزاء ارضیہ ہی سے ہوگی۔ بائبل میں ایک آیت اسی سے ملتی جلتی موجود ہے۔ "تو خاک ہے اور پھر خاک بن جائے گا۔" (پیدائش۔ ۳:۱۹) لیکن حشر و بعثت کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔ حدیث رسول کی تعمیل میں مسلمان اپنی میت کو قبر میں اتارتے ہوئے اس آیت کو پڑھتے جاتے ہیں۔ ف۵۸ (جو حضرت موسٰی کو عطا ہوئی تھیں) ایٰت کے مفہوم میں معجزات و دلائل دونوں شامل ہیں۔ توریت کتاب خروج میں ان معجزات کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ ف۵۹ سب کچھ دیکھنے اور سننے کے بعد، آخر میں فرعون بولا تو یہ بولا! کیا خوب زور کی اس نے ساحری کی! انسان اپنے ہی پر دوسرے کا بھی قیاس کرتا ہے۔ بیچارہ خود سحر و کہانت میں مبتلا، ان اعمال سفلیہ کا ماہر، اس بدبخت کی سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ کوئی درجہ علوم عالیہ کا، مراتب روحانیہ کا، ان سفلیات سے بلند تر بھی ہے...... یہ تشخیص بھی کس قدر مشابہ ہے اس رائے کے جو آج بڑے بڑے فرنگی "حکماء" و فرنگیت زدہ "محققین" سیرت نبوی پڑھ کر، کمالات و کرامات محمدی سے بہ قدر اپنے ظرف کے واقف ہو کر آخر میں گردن کی جنبش کے ساتھ فرماتے ہیں کہ "بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم بڑے خوش تدبیر، بڑے خوش فکر، بڑے خوش انتظام، مصلح و مدبر گزرے ہیں"! ف۶۰ یعنی کھلے ہوئے مقام میں، جہاں ساری پبلک جمع ہو کر ہماری تمہاری ساحری کا مقابلہ و تماشا دیکھ سکے۔ سُوًى کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ وہ میدان، ہم دونوں فریقوں سے نصف نصف مسافت پر واقع ہو۔ اے منصفًا بيننا وبينك (روح۔ عن مجاهد وقتادة) فرعون کے سحر پر ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ف۶۱ مصر میں قومی تہوار یا جشن سال میں دو بار بڑے پیمانہ پر منائے جاتے تھے۔ ایک بار ماہ مارچ میں، دوسری بار ماہ اگست میں۔ اور تیسرا جشن ان دونوں سے بھی بڑھ چڑھ کر ہوتا تھا۔ انہیں میں سے کوئی جشن یہاں مراد ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

اَتٰی ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰی وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ

آیا و٦٢ موسیٰ نے ان لوگوں سے کہا اے کم بختی مارو خدا پر جھوٹ افترا

كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَ قَدْ خَابَ مَنِ

نہ کرو ورنہ وہ تمہیں عذاب سے نیست و نابود کر دے گا اور جو کوئی جھوٹ باندھتا ہے وہ ناکام ہی

افْتَرٰى ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَ اَسَرُّوا

رہتا ہے و٦٣ پھر وہ لوگ اپنی رائے میں آپس میں اختلاف کرنے لگے اور خفیہ

النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ

مشورہ کرنے لگے و٦٤ (پھر) بولے کہ بے شک یہ دونوں بھی جادوگر ہی ہیں، (اور) یہ چاہتے ہیں کہ

يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا

تمہیں تمہاری سرزمین سے اپنے جادو (کے زور) سے نکال دیں اور تمہارا بہتر (و اعلیٰ)

بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا

طور وطریق ہی مٹا دیں و٦٥ سو اب سب مل کر اپنے فن کا انتظام کرو و٦٦ اور صف بہ صف

صَفًّا ۚ وَ قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا

آ جاؤ کہ آج فلاح اسی کی ہے جو غالب آئے و٦٧ (پھر) بولے

يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ

کہ اے موسیٰ (پہلے) آپ (اپنا عصا) ڈالیں گے یا ہمیں پہلے ڈالنے والے

اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ

بنیں؟ و٦٨ (موسیٰ نے) کہا نہیں تم ہی ڈال چلو و٦٩ پس یکایک ان کی رسیاں اور ان کی

يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ

لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ان کے جادو کے زور سے ایسی نظر آنے لگیں کہ گویا وہ دوڑ پھر رہی ہیں و٧٠ اس سے موسیٰ

و٦٢ (یوم و وقت مقررہ پر میدان جشن میں) "واپس ہو گیا" سے مراد ہے کہ دربار سے اپنے محل کو واپس گیا۔ مکر کے سامان، سے مراد ساحر اور ان کے آلات سحر ہیں۔ قرآن حسب معمول درمیان کی ساری غیر ضروری تفصیلات کو چھوڑ کر توجہ قصہ کے صرف ضروری اجزاء پر رکھتا ہے۔ و٦٣ (انجام کار میں) توریت میں بھی اس معرکہ کا ذکر ہے لیکن بالکل مختصر اور پھیکا۔ جس سے نہ کوئی اخلاقی سبق ملتا ہے اور نہ پوری تفصیل ہی واقعہ کی معلوم ہوتی ہے۔ قَالَ لَهُمْ۔ ضمیر جمع غائب اب ساحروں کی طرف ہے۔ اب سب حسب قرارداد میدان میں اکٹھے ہو گئے ہیں، اور موسیٰ پیمبر آخری بار بطور اتمام حجت کے ساحروں سے تبلیغی گفتگو کر رہے ہیں۔ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس لب ولہجہ میں کلام فرعون سے نہ فرمایا گیا۔ اس میں تعلیم ہے حفظ مراتب کی۔ و٦٤ جیسا کہ اکثر ایسے موقع پر ہوتا ہے، ساحروں کی جماعت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان سے مقابلہ کے معاملہ میں خود مختلف الرائے ہو گئی۔ ساحروں کی جماعت میں تردد و انتشار بہت ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موثر تبلیغی تقریر کا نتیجہ ہو۔ و٦٥ یعنی آپس میں سرگوشی اور مشورت کے بعد یہ ٹھہری کہ یہ دونوں کہیں باہر سے یہ فن سیکھ سکھا کر آئے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ہم پر غالب آ کر ہمارے اس وطنی فن بلکہ ہماری ساری قومی تہذیب و تمدن ہی کو مٹا بھی ڈالیں، اور خود ایک نظام نو کی بنیاد ڈالیں۔ مُثْلٰى۔ صیغۂ مؤنث ہے امثل کا اور امثل کے معنی ہیں خوب روشن و خوب واضح کے۔ الامثل الاظهر والاوضح (کبیر) یعنی ہمارا یہ نظام جس سے ہم خوب روشناس ہیں۔ غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کے باب میں جو سرکاری تشخیص، فرعون اور اس کی گورنمنٹ کی جانب سے پہلے ہی ہو چکی تھی، ساحروں نے بھی اسی سے اتفاق کیا۔ و٦٦ (اور کوئی بات اٹھا نہ رکھو) یعنی لا تدعوا شيئا الا جئتم به (کبیر) اَجْمِعُوْا سے ایک مراد تو وہی ہے جو اردو میں جمع ہو کر، مل کر سب کے اکٹھے ہونے سے ہوتی ہے، اور یہی معنی زجاج لغوی نے لئے ہیں۔ لیکن عزمکم کلکم کالید مجمعا علیه لا تختلفوا (کبیر۔ عن الزجاج) اور دوسرے معنی یہ کہ خوب مضبوط ہو کر نکلو، اور یہ معنی فراء لغوی سے منقول ہیں الاجماع الاحکام والعزيمة على الشيء (کبیر۔ عن الفراء) و٦٧ (آج ہی تو ہماری قوم اور ہمارے دین و تہذیب کی موت و زیست کا مسئلہ طے ہونا ہے) صف بہ صف، یعنی سب مل کر۔ آپس میں ایک دوسرے کو غیرت دلائی کہ آج تو ہمارے فن پر حملہ ہے، فن کی عزت کا سوال ہے، اس کا تحفظ ہم سب پر واجب ہے۔ دوسرا پہلو صفًا میں بھی یہی ہے کہ خوب شان و شوکت کے ساتھ آج اس جدید مدعی و حریف پر حملہ کرو۔ و٦٨ ساحر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کر رہے ہیں (جیسا کہ آج بھی کھلاڑی مقابلہ کے وقت دریافت کرتے ہیں) کہ کہیے پہلی بازی کس کی رہے گی؟ یا دوسری اصطلاح میں پہلا وار کس کا ہو گا؟ ظاہر ہے کہ ساحر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے القاء سحر کی اجازت نہیں طلب کر رہے ہیں۔ اجازت دینے کے قابل وہ انہیں سمجھتے ہی کیا تھے۔ القاء سحر پر تو وہ کمر بستہ تھے ہی۔ دریافت صرف اتنا کر رہے ہیں کہ پہلی بازی کس کی ہو گی۔ و٦٩ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے نیازی سے جواب دیتے ہیں کہ تمہیں پہلا وار کر دیکھو۔ پہل کر دیکھو۔ اپنے حوصلے پہلے ہی نکال لو۔ ظاہر ہے کہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اجازت یا حکم کا کوئی موقع ہی نہیں۔ سوال تو صرف تخییر کا تھا۔ اور آپ نے دونوں پہلوؤں میں سے وہ شق اختیار کر لی، جو حق کے واضح کرنے میں زیادہ معین ہونے والی تھی اور بالفرض اگر آپ القاء سحر کی اجازت ہی دے دیتے، جب بھی مقصود تو آپ کا احقاق حق ہی تھا۔ اور یہ القاء سحر اس کا ایک مقدمہ تھا۔ ایسی صورت میں اگر آپ اپنی طرف سے اس کا امر بھی کر دیتے جب بھی مطلق کوئی مضائقہ نہ تھا...... یہاں سے یہ سبق بھی حاصل ہوا کہ احقاق حق کی غرض و مقصد سے اگر کچھ دیر کے لئے باطل کے ظہور و شیوع کو انگیز بھی کرنا پڑے تو جائز ہی نہیں بلکہ ایک خدمت دین بھی ہے۔ اہل باطل سے مناظرہ میں یہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ و٧٠ (سانپ کی طرح) توریت میں ہے:۔ "ہارون نے اپنا عصا فرعون اور اس کے خادموں کے آگے پھینکا، اور وہ سانپ ہو گیا۔ تب فرعون نے بھی داناؤں اور جادوگروں کو طلب کیا۔ چنانچہ مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادوؤں سے ایسا ہی کیا کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا عصا پھینکا اور وہ سانپ ہو گیا۔" (خروج۔ ٧: ١٠۔ ١١) اس سے قطع نظر کہ توریت میں عصا بجائے موسیٰ علیہ السلام کے ہارون علیہ السلام کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔ توریت و قرآن مجید کے بیان میں بڑا فرق یہ ہے کہ توریت میں سحر کے اثر سے رسیوں اور لاٹھیوں کا سانپ بن جانا مذکور ہے، بہ خلاف اس کے قرآن میں صرف اتنا ہے کہ ساحروں کی نظر بندی کے اثر سے حضرت موسیٰ کو (یا اور دیکھنے والوں کو بھی) وہ رسیاں اور لاٹھیاں دوڑتی پھرتی نظر آئیں۔ ان کے واقعۃً سانپ بن جانے کا قرآن مدعی نہیں۔

فِىْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ

نے اپنے دل میں کچھ اندیشہ محسوس کیا ف۷۱ ہم نے کہا ڈرو نہیں، غالب تو یقینا

اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَ اَلْقِ مَا فِىْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا

تم ہی رہو گے ف۷۲ یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں جو (عصا) ہے اسے ڈال دو اس (سوانگ) کو وہ بالکل نگل جائے گا جو

صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا يُفْلِحُ

انہوں نے بنا کھڑا کیا ہے یہ انہوں نے تو بس جادو کا سوانگ بنا کھڑا کیا ہے اور جادوگر کہیں جائے

السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا

کامیاب نہیں ہوتا ف۷۳ پھر تو جادوگر سجدہ میں گر گئے ف۷۴ (اور) بول اٹھے

اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى ﴿۷۰﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ

ہم تو ایمان لے آئے ہارون اور موسیٰ کے پروردگار پر (فرعون نے) کہا تم اس پر ایمان لے آئے قبل اس کے

اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ بے شک وہ تمہارا بھی بڑا (اور استاد) ہے، جس نے تمہیں بھی جادو سکھایا ہے،

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

سو (اب) میں تمہارے ہاتھ پیر کٹواتا ہوں الٹی طرف سے ف۷۵

وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِىْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ؗ وَ لَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَاۤ

اور تمہیں کھجور کے درختوں پر سولی چڑھاتا ہوں ف۷۶ اور یہ بھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ ہم دونوں میں کس کا

اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا

عذاب زیادہ سخت اور دیر پا ہے ف۷۷ (جادوگر) بولے کہ ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہ دیں گے ان شواہد کے

جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ

مقابلہ میں جو ہم کو مل چکے ہیں اور اس ہستی کے جس نے ہمیں پیدا کیا۔ تو کر ڈال جو کچھ تجھے

ف۷۱ (کہ یہ بات ہی کیا ہوئی۔ جب انہوں نے بھی سانپ بنالئے اور میرا عصا بھی سانپ ہی بہرحال بنے گا، تو دیکھنے والے معاملہ اور مقابلہ برابر سمجھیں گے، حق کا غلبہ کیسے ثابت ہوگا) خِيْفَةً کا نکرہ ہونا دلیل ہے اس کی کہ یہ اندیشہ کچھ بہت زیادہ نہیں، تھوڑا ہی سا پیدا ہوا تھا۔ التنکیر للتقلیل (تھانوی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اثبات ہے اس کا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے کمال کے مدعی نہ تھے۔ مدعی کمال کو خوف نہیں ہوتا۔ ف۷۲ معاً تسکین غیب سے دی گئی کہ نہیں، تم کچھ پروا نہ کرو، فتح تمہاری اور حق ہی کی ہوگی۔ اور تسکین بھی کس تاکید اور قطعیت کے ساتھ۔ ایک تو حرف اِنَّ خود تاکید کا، پھر ضمیر مخاطب کی تکرار، پھر اعلیٰ پر لام معرفہ کا۔ اور پھر خود لفظ اعلیٰ کہ علو غلبہ نمایاں ہی کو ظاہر کرنے والا ہے (کبیر) ف۷۳ (معجزہ کے مقابلہ میں) ارشاد ہوا کہ تمہارے مقابل جو کچھ ہے، دھوکے کی ٹٹی ہے، نمائش ہے، گڑھا ہوا سوانگ ہے۔ اس کی بساط ہی کیا حق کی ٹھوس چٹان کے مقابلہ میں یہ کہیں ٹھہر سکتا ہے۔ والمعنى ان الذى معك يا موسٰى معجزه الٰهية والذى معهم تمويهات باطلة فكيف يحصل التعارض (کبیر) صَنَعُوْا۔ یہاں بنا کھڑا کرنے کے معنی میں ہے۔ صنعوا اى زوّروا (بیضاوی) ساحر اور السّٰحِرُ دونوں سے آیت میں مراد عدد نہیں، جنس ساحر ہے۔ اسی لئے لفظ قصداً صیغۂ مفرد میں لایا گیا۔ انما وحد ساحر ولم يجمع لان القصد فى هٰذا الكلام الى معنى الجنسية لا الى معنى العدد فلو جمع لخيل ان المقصود هو العدد (کشاف۔ مدارک) كَيْدُ سٰحِرٍ کے ساتھ ساحر نکرہ آیا ہے، مراد وہ خاص سحر ہے جس سے ان فرعونی ساحروں نے کام لیا تھا۔ اور لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ میں السّٰحِرُ معرفہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ جنس سحر یا جمیع اقسام سحر بے حاصل ہیں۔ (کبیر) ف۷۴ (جب انہوں نے دیکھ لیا کہ ان کا سارا سوانگ اکارت ہی گیا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اژدہا ان کے سارے سانپوں کو نگل گیا، اور سمجھ گئے کہ یہ کرامت و اعجاز مافوق السحر ہے) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے یہ نکالا کہ عمل اختیاری موقوف ہے توفیق الٰہی پر۔ اور اس میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ حق تعالیٰ کے الطاف جس بندہ کو چاہیں غایت کفر و عناد سے نہایت ایمان تک پہنچا دیں۔ ف۷۵ یعنی ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں۔ حاشیہ سورۂ اعراف (پ ۹) میں گزر چکا۔ قَبْلَ سے یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ اجازت مانگنے کے بعد وہ اجازت ایمان لانے کی دے دیتا۔ معنی صرف "بدون" یا "بغیر" کے ہیں۔ جیسے سورۂ کہف کی آیت قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ الخ کا یہ مفہوم نہیں کہ کلمات رب کبھی ختم بھی ہو چکیں گے، بلکہ وہاں بھی "قبل" کے معنی بدون یا بغیر ہی کے ہیں۔ ف۷۶ (تاکہ دوسرے بھی عبرت حاصل کریں) سولی کی سزا دنیا کی قدیم ترین سزاؤں میں سے ہے۔ اور یہ ہاتھ پیر الٹے طرف سے کاٹنے کی سزا گو آج "وحشیانہ" معلوم ہو، لیکن قدیم قوموں کا معمول عام رہی ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ اعراف، پ ۹ کے حاشیے۔ ف۷۷ یعنی ایک طرف میری حکومت کا عذاب اور دوسری طرف موسیٰ، ان کی جماعت اور ان کے خدا کا عذاب۔

قَاضٍ ۖ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ ﴿۷۲﴾ اِنَّاۤ اٰمَنَّا

کرنا ہے تو تو بس اس دنیا ہی کی زندگی میں (جو کچھ کرنا ہے) کر سکتا ہے و۷۸ ہم تو اپنے پروردگار پر

بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ

ایمان لے آئے تاکہ وہ ہمارے گناہ معاف کرے اور جو زور تو نے ہم پر جادو کے باب میں

السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ

ڈالا (اس کو بھی) و۷۹ اور اللہ ہی بہتر ہے اور پائندہ ہے و۸۰ ہے یہ کہ جو کوئی بھی اپنے پروردگار کے پاس مجرم

مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا

ہو کر حاضر ہو گا تو اس کے لئے دوزخ ہے اس میں وہ نہ مرے گا اور نہ

يَحْيٰى ﴿۷۴﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ

جئے گا و۸۱ اور جو کوئی اس کے پاس مومن ہو کر حاضر ہو گا جس نے نیک کام بھی کئے ہوں،

فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ

سو ایسوں کے لئے بڑے اونچے درجے ہیں و۸۲ (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغ

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ

جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی ہے

جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى ۙ اَنْ

انعام اس کا جو پاک ہوا و۸۳ اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ

اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ

میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ و۸۴ پھر ان کے لئے سمندر میں (عصا مار کر) خشک راستہ بنا لینا

لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ

تم کو نہ پالئے جانے کا اندیشہ ہوگا اور نہ تم کو (اور کوئی) خوف ہوگا و۸۵ پھر فرعون نے اپنے لشکروں سمیت

و۷۸ (جو بہر حال آنی وفانی ہے) ساحر اتنے ہی دیر میں ایمان کی برکتوں سے پوری طرح مشرف اور عزم وارادہ کے پختہ ہو چکے ہیں۔ ایمان کی حلاوت ان کے رگ وپے میں نفوذ وسرایت کر چکی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ استعداد کا کامل ہونا مبتدی کو منتہی کے مقام پر پہنچا دیتا ہے، چنانچہ یہ جواب ساحروں کے منتہی ہونے پر دال ہے۔ و۷۹ وہ ساحر ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ پر از خود اور اپنی مرضی سے نہیں آئے تھے، سرکار کی دعوت پر آئے تھے، گویا سرکار کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ و۸۰ (اور تجھ میں نہ بذات خود خیر وخوبی، اور نہ تیری سزا وانعام کو بقاء) اللہ بہتر ہے اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے، اور پائندہ ہے عذاب وثواب دینے کے لحاظ سے۔ و۸۱ نہ جیے گا، یعنی شدتِ عذاب وفرط آلام سے اس دوزخ کی زندگی پر زندگی کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا۔ مُجْرِمًا۔ مجرم یہاں مومن کے مقابلہ میں آیا ہے۔ یعنی جرم بغاوت کا مجرم یا کافر۔ مجرمًا اے کافرًا (مدارک) اے کافرًا (جلالین) اے مشرکًا (معالم) و۸۲ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ یہ درجات عالیہ (الدرجت العلیٰ) تو انہیں لوگوں کے لیے ہیں جو مومن کامل اور اعمالِ صالحہ میں راسخ ہیں۔ باقی ان درجات عالیہ سے اتر کر جو مرتبہ محض نجات وعفو کا ہے، وہ ان کلمہ گویوں کو حاصل ہوگا جو اتنے اونچے معیار پر پورے نہیں اترتے۔ بلکہ صاحب کبائر ہیں۔ و فی الأية تنبيهٌ علی حصول العفو لاصحب الكبائر لانه تعالیٰ جعل الدرجات العلیٰ من الجنة لمن اتی ربه بالايمان والاعمال الصالحة فسائر الدرجات التی هی غير عالية لابدوان تكون لغير هم وما هم الا العصاة من اهل الايمان (کبیر) و۸۳ (چنانچہ ہم نے بھی اسی قانونِ الٰہی کے ماتحت کفر کو چھوڑ کر ایمان اختیار کیا) تَزَكّٰى یعنی کفر ومعصیت سے پاک ہوا۔ و۸۴ (مصر سے باہر شام و فلسطین کے لیے) اب یہ اس وقت کا ذکر ہے جب گزشتہ واقعات، ساحروں کے مقابلہ وغیرہ کو ایک عرصہ ہو چکا ہے۔ اور فرعون اور حکومت فرعون پر حضرت موسیٰ و ہارون کی ساری تبلیغی کوششیں بے اثر رہ چکی ہیں۔ بِعِبَادِیْ 'میرے بندوں' سے سیاق عبارت میں مراد ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل ہیں۔ و۸۵ یعنی پانی پر عصا مارنا۔ بہ طور اعجاز اس میں خشک راستہ تمہاری قوم کے عبور کے قابل بن جائے گا۔ الْبَحْرِ سمندر سے مراد بحر احمر کا شمالی خلیج ہے۔ مفصل حواشی اس پر سورۂ بقرہ پ۱ رکوع ۶ کے تحت میں گزر چکے۔

و۸۶ (اور ساحل بحر پر اس وقت پہنچا، جب بنی اسرائیل حسب وعدۂ الٰہی پار ہو چکے تھے، اور راستے ہنوز اسی حالت میں تھے) تفصیلات توریت میں درج ہیں۔ (خروج۔ ۱۴: ۶، ۷، ۸، ۲۳) و۸۷ یعنی دریا کا رُکا ہوا اور بیٹھا ہوا پانی ہر طرف سے سمٹ کر آ گیا اور سارے فرعونی غرق ہو کر رہ گئے۔ تفصیل توریت میں درج ہے۔ (خروج۔ ۱۴: ۲۸) نیز ملاحظہ ہوں سورۂ بقرہ پ۱ رکوع ۶ کے حاشیے۔
و۸۸ (سو ایسے باغی طاغی کا ڈوب مرنا ہی خوب ہوا) فرعون کی رہنمائی دینی حیثیت سے جس قدر غلط تھی وہ تو تھی ہی، دنیوی حیثیت سے بھی اس کا انجام سب نے دیکھ لیا کہ آخر ہلاکت ہی پر ہوا۔

بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَ اَضَلَّ

ان کا پیچھا کیا و۸۶ تو دریا جیسا ان پر آ ملنے کو تھا آ ملا و۸۷ اور فرعون نے تو

فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَ مَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ

اپنی قوم کو گمراہ ہی کیا تھا اور سیدھی راہ پر نہ لایا و۸۸ اے بنی اسرائیل (دیکھو) ہم نے

اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ

تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے وعدہ کیا طور کی

الْاَيْمَنَ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا

داہنی جانب سے متعلق اور تمہارے اوپر من و سلوٰی اتارا و۸۹ ان نفیس

مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ

چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اس باب میں حد سے مت گزر جاؤ و۹۰ ورنہ تم پر

عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَ مَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ

میرا غضب واقع ہو جائے گا اور جس پر میرا غضب واقع ہوا، وہ یقیناً

هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَ اِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ

گر کر رہا و۹۱ اور میں تو بڑا بخشنے والا ہوں اس کا جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل

صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ وَ مَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ

کرنے لگے اور پھر راہ پر قائم (بھی) رہے و۹۲ اور اے موسیٰ آپ کو اپنی قوم سے آگے جلدی آنے کا

يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَ عَجِلْتُ

کیا سبب ہوا؟ و۹۳ (موسیٰ نے) عرض کیا، کہ وہ لوگ تو یہ کیا میرے پیچھے (پیچھے آ رہے) ہیں و۹۴ اور میں تو تیرے

اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ

پاس اے میرے پروردگار اس لئے جلدی چلا آیا کہ تو خوش ہو جائے گا و۹۵ (اللہ نے) کہا کہ تمہاری قوم کو تو ہم نے

و۸۹ (دشت تیہ میں) من و سلوٰی پر حاشیے سورۂ بقرہ پ۱ رکوع ۶ میں گزر چکے، اور طور پر سورۂ بقرہ کے رکوع ۸ میں۔ اور الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ پر سورۂ مریم کا حاشیہ نمبر ۷۹۔ وٰعَدْنَا۔ وعدہ یہ کہ تمہارے پیمبر اور تمہارے اکابر یہاں آئیں، اور تمہارے لیے احکام و ہدایات یہاں سے لے جائیں۔ و۹۰ حد سے مراد حد شرعی ہے۔ اور اس سے گزرنے کی ایک صورت تو یہی ہے کہ حرام چیزیں استعمال میں لائی جائیں۔ دوسری یہ کہ اللہ کی نعمتیں کھا کھا کر اس کی معصیت کی جائے۔ الطَّيِّبٰتِ سے مراد وہ کل چیزیں ہیں جو شرعاً حلال ہیں اور طبعاً لذیذ ہیں۔ كُلُوْا یہاں بطور حکم نہیں، بطور اجازت ہے۔ ليس امر ايجاب بل امر اباحة (کبیر) و۹۱ یعنی بالکل گیا گزرا ہوا۔ هَوٰى کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ پہاڑ سے گرا اور ہلاک ہو گیا۔ اصله ان يسقط من جبل فيهلك (کشاف) یہاں مراد ہلاک و برباد ہو جانے سے ہے۔ اے تردّی و هلك (بیضاوی) و۹۲ توبہ اور ایمان اور عمل صالح تو اس کے متعلق ہو سکتے ہیں جو پہلے ہدایت پا چکا اس لیے ثُمَّ اهْتَدٰى سے مراد ہدایت پانا نہیں، بلکہ ہدایت پر قائم رہنا ہے اور اهتداء کے ایک معنی یہ بھی ہیں۔ الاهتداء هو الاستقامة والثبات على الهدٰى (کشاف) اے يعني مستعينا بالله في ادامة ذٰلك من غير تقصير (کبیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ تحریر فرمایا ہے کہ جس طرح بندہ کے لیے اس کی کثرت ذنوب کی بناء پر تین درجے ہو سکتے ہیں، ایک ظالم، دوسرے ظلوم، تیسرے ظلام۔ حق تعالیٰ نے بھی اس کے مقابل اپنے تین نام رکھے ہیں۔ ایک غافر، دوسرے غفور۔ تیسرے غفار۔ ههنا نكتة هي ان العبد له اسماء ثلثة الظالم والظلوم والظلام و لله في مقابلة كل واحد من هٰذا الاسماء اسم فكانه تعالٰى يقول ان كنت ظالمًا فانا غافر و ان كنت ظلومًا فانا غفور و ان كنت ظلّامًا فانا غفّارٌ (کبیر) و۹۳ اس مکالمہ کا وقت وہ ہے جب حضرت موسیٰ کو مع منتخب سرداران اسرائیلی طور پر حاضری کا حکم ملا ہے۔ آپ خود تو فرط اشتیاق سے پہلے پہنچ گئے ہیں اور وہ لوگ پیچھے رہ گئے ہیں۔ قوم سے یہاں مراد وہی ستر نقباء قوم ہیں۔ المراد بالقوم النقباء (کشاف) توریت میں ان ستر منتخب سرداروں کا قصہ موجود ہے (خروج۔ ۲۴: ۹، ۱۳، ۱۴) اہل اشارات نے کہا ہے کہ اس میں اشارہ ہے حضرت کلیم علیہ السلام کے وفور شوق و اضطراب کی جانب۔ و۹۴ (اور کچھ دور نہیں ہیں) یہ حضرت موسیٰ نے اپنے رفیقوں کی گویا سفارش میں اور ان کا جرم ہلکا کرنے کو کہا۔ و۹۵ (اور زیادہ) حضرت موسیٰ نے اپنے اجتہاد سے یہ خیال کیا کہ وعدہ گاہ پر حاضری میں پیش قدمی کرنا اور زیادہ خوشنودی کا سبب ہوگا۔ اللہ اللہ! اہل اللہ رضائے الٰہی کی دولت کے سمیٹنے اور جمع کرنے میں کتنے حریص ہوتے ہیں! اِلَيْكَ (تیرے پاس) سے مراد ہے تجھ سے مکالمت و مخاطبت کے وعدہ کی جگہ۔ فقہاء نے آیت میں جواز اجتہاد کا استنباط کیا ہے۔ و هٰذا دليل على جواز الاجتهاد (مدارک)

بَعۡدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوۡسٰۤى اِلٰى

تمہارے بعد ایک آزمائش میں ڈال دیا ہے و۹۶ انہیں سامری نے گمراہ کر دیا ہے و۹۷ غرض موسیٰ اپنی قوم کے پاس

قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَمۡ يَعِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ

آئے غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے و۹۸ (اور) بولے اے میری قوم والو کیا تم سے تمہارے پروردگار نے ایک اچھا

وَعۡدًا حَسَنًا ۬ؕ اَفَطَالَ عَلَيۡكُمُ الۡعَهۡدُ اَمۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ

وعدہ نہیں کیا؟ و۹۹ سو کیا تم پر (وعدہ سے) زیادہ زمانہ گزر گیا تھا یا تم نے یہ چاہا کہ

يَّحِلَّ عَلَيۡكُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاَخۡلَفۡتُمۡ

تم پر تمہارے پروردگار کا غضب واقع ہو کر رہے اس لئے تم نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا

مَّوۡعِدِىۡ ﴿۸۶﴾ قَالُوۡا مَاۤ اَخۡلَفۡنَا مَوۡعِدَكَ بِمَلۡكِنَا وَلٰـكِنَّا

اسی کی خلاف ورزی کرنے لگے۔ و۱۰۰ وہ بولے ہم نے آپ سے جو وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی اپنی خوشی سے نہیں

حُمِّلۡنَاۤ اَوۡزَارًا مِّنۡ زِيۡنَةِ الۡقَوۡمِ فَقَذَفۡنٰهَا فَكَذٰلِكَ

کی البتہ ہوا یہ کہ ہم پر قوم (قبط) کے زیوروں سے بوجھ لد رہا تھا سو ہم نے اسے ڈال دیا و۱۰۱ پھر اسی طرح سامری

اَلۡقَى السَّامِرِيُّ ۙ ﴿۸۷﴾ فَاَخۡرَجَ لَهُمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ

نے بھی ڈال دیا و۱۰۲ پھر (سامری نے) ان لوگوں کے لئے ایک گوسالہ ظاہر کر دیا کہ وہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی

خُوَارٌ فَقَالُوۡا هٰذَاۤ اِلٰهُكُمۡ وَاِلٰهُ مُوۡسٰى ۙ فَنَسِىَ ﴿۸۸﴾

سو وہ لوگ (آپس میں) کہنے لگے کہ یہی تو ہے تمہارا (بھی) دیوتا اور موسیٰ کا (بھی) سو وہ تو (اسے) بھول گئے و۱۰۳

اَفَلَا يَرَوۡنَ اَلَّا يَرۡجِعُ اِلَيۡهِمۡ قَوۡلًا ۙ وَّلَا يَمۡلِكُ لَهُمۡ

کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے کہ وہ نہ تو ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان

ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا ﴿۸۹﴾ وَلَقَدۡ قَالَ لَهُمۡ هٰرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلُ

یا نفع پر قدرت رکھتا ہے و۱۰۴ اور ان لوگوں سے ہارون نے قبل ہی کہا تھا کہ

ع ۱۳ ۱۲

و۹۶ (بہ طور مسبب الاسباب کے، بطور فاعل تکوینی کے) اس آزمائش میں ڈالنے کو مرضی حق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بالکل اسی طرح اور اسی معنی میں صحیح ہے۔ جس طرح اور جس معنی میں اللہ ہر بیماری، ہر دکھ، ہر زہر کا بھی خالق ہے۔ یعنی محض اسباب تکوینی کا محرک اول ہے۔ توریت میں ہے:۔ "تب خداوند نے موسیٰ کو کہا کہ اتر جا۔ کیونکہ تیرے لوگ جنہیں تو مصر کے ملک سے چھڑا لایا خراب ہو گئے ہیں۔ وہ اس راہ سے جو میں نے فرمائی جلد پھر گئے ہیں انہوں نے اپنا ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور اسے پوجا اور اس کے لیے قربانی ذبح کر کے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے چھڑا لایا"۔ (خروج۔ ۳۲: ۷، ۸) و۹۷ (نہ کہ معاذ اللہ ہارون نبی علیہ السلام نے) سامری شخص کا نام نہیں لقب ہے۔ منسوب ہے ہمارے قدیم مفسرین کی تحقیق کے بہ موجب قریہ سامرہ کی طرف، یعنی وہاں کا باشندہ۔ ممکن ہے کہ اس کا باپ دادا سامرہ سے آ کر بنی اسرائیل میں آبسا ہو اور بعد الحاق انہیں میں شمار کیا جاتا ہو"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) بعض جدید محققین کا خیال ہے کہ قدیم مصری زبان میں سمر کہتے ہیں، پردیسی، غیر ملکی، بیرونی کو۔ سامری سے مراد ہے کوئی شخص جو غیر اسرائیلی تھا اور مصر سے اسرائیلیوں کے ساتھ ہو گیا تھا۔ یہود ہاں کے ایک مستقل فرقہ کا نام بھی سامریہ (Samaritans) ہے، ان کی توریت اور سارے مذہبی صحیفے یہود کی مسلم و متعارف توریت اور دوسرے صحیفوں سے کسی قدر مختلف ہے اور انہیں ناز اپنی توحید خالص پر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قرآن کے السامری اور اس فرقہ کے درمیان بھی کوئی علاقہ ہو، لیکن یہ فرقہ جہاں تک تاریخ یہود سے پتہ چلتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاصر نہیں، بہت بعد کے زمانہ کی پیداوار ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) قرآن مجید کو سامری کی تصریح کی ضرورت اس لیے بھی پڑی کہ اہل توریت نے خواہ مخواہ اس واقعہ اضلال کی ساری ذمہ داری حضرت ہارون پر ڈال دی اور اللہ کے اس نبی محترم کو (نعوذ باللہ) اتنے بڑے جرم شرک اور صنم پرستی کا مجرم بنا دیا! الفاظ توریت ملاحظہ ہوں:۔ "اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ پہاڑ سے اترنے میں دیری کرتا ہے تو وہ ہارون کے پاس جمع ہوئے اور اسے کہا کہ اٹھ ہمارے لیے معبود بنا کہ ہمارے آگے چلیں کیونکہ یہ مرد موسیٰ جو ہمیں مصر کے ملک سے نکال لایا ہم نہیں جانتے کہ اسے کیا ہوا۔ ہارون نے انہیں کہا کہ زیور سونے کے جو تمہاری جوروؤں اور تمہاری بیٹیوں کے اور تمہارے بیٹوں کے کانوں میں تھے توڑ توڑ کے مجھ پاس لاؤ۔ چنانچہ سب لوگ سونے کے زیور جو ان کے کانوں میں تھے توڑ توڑ کے ہارون کے پاس لائے اور اس نے ان کے ہاتھوں سے لے لیا اور ایک بچھڑا ڈھال کر اس کی صورت کو حکاکی کے ہتھیار سے درست کیا اور انہوں نے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے نکال لایا اور جب ہارون نے یہ دیکھا تو اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور ہارون نے یہ کہہ کے منادی کی کہ کل خداوند کے لیے عید ہے اور وہ صبح کو اٹھے اور سوختنی قربانیاں چڑھائیں اور سلامتی کی قربانیاں گزرانیں"۔ (خروج۔ ۳۲: ۱۔ ۶) لیکن اکابر یہود کی روایتوں میں بھی پایا جاتا ہے کہ اس گوسالہ پرستی کی طرف لانے والا شخص حضرت ہارون علیہ السلام کیا معنی کوئی بھی اسرائیلی نہ تھا۔ بلکہ ایک مصری شخص تھا، جو اسرائیلیوں کے ساتھ مصر سے باہر نکل آیا تھا۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) و۹۸ (جیسا کہ غیرت دینی سے ہونا ہی چاہیے تھا) توریت میں ہے:۔ "اور یوں ہوا کہ جب وہ لشکر گاہ کے پاس آیا اور بچھڑا اور ناچ رنگ دیکھا تب موسیٰ کا غضب بھڑکا"۔ (خروج۔ ۳۲: ۱۹) و۹۹ (جو یقیناً پورا ہونے والا تھا) وہ وعدہ نزول شریعت کا تھا، جس کے لیے حضرت موسیٰ کو وہ طور پر طلب ہوئے تھے۔ و۱۰۰ وہ وعدہ بھی دین توحید پر قائم رہنے کا تھا۔ حضرت موسیٰ ناگواری اور حیرانی کے لہجہ میں اپنی قوم سے خطاب کر رہے ہیں کہ آخر یہ حرکت کیا تھی؟ تمہیں سوجھی کیا؟ کیا مجھے گئے ہوئے اتنا زمانہ گزر گیا تھا کہ تم میری واپسی سے بالکل مایوس ہو گئے تھے؟ یا یوں ہی بلا کسی وجہ کے، تم پر خود ہی شامت سوار ہوئی کہ عتاب الٰہی کو دعوت دے کر اپنے ہاں بلا وا دیا۔ و۱۰۱ (آگ میں۔ سامری کے کہنے کے مطابق) یہ زیور وہی تھے جو بنی اسرائیل مصر سے نکلتے وقت اہل مصر سے مانگ کر لائے تھے۔ توریت میں ہے:۔ "اور انہوں نے مصریوں سے روپے کے برتن اور سونے کے برتن اور کپڑے عاریت لیے اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ انہوں نے انہیں عاریت دی"۔ (خروج۔ ۱۲: ۳۵) و۱۰۲ (اپنے پاس کا زیور) فرعون اور فرعونیوں کی غرقابی کے بعد شریعت اسرائیلی کی رو سے یقیناً بنی اسرائیل ان زیوروں کے مالک ہو گئے ہوں گے۔ و۱۰۳ (کہ اسے چھوڑ چھاڑ کر طور پر خواہ مخواہ توریت لینے چلے گئے) اہل زیغ اپنی گمراہی کو حضرت موسیٰ تک کے سر چپکنے سے نہیں چوکتے۔ اور کہتے ہیں کہ غلط فہمی کچھ انہیں کو ہو گئی، ورنہ ہمارا دین اور طریقہ تو یہی ہے او المعنی ان هذا الهكم واله موسٰى فنسى موسٰى ان هذا هو الاله فذهب يطلبه فی موضع اخرو هو قول اكثرين (کبیر) و۱۰۴ اس گوسالہ پر حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول میں گزر چکے۔

يٰقَوۡمِ اِنَّمَا فُتِنۡتُمۡ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحۡمٰنُ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ

اے میری قوم والو تم اس کے باعث گمراہی میں پھنس گئے ہو اور بے شک تمہارا پروردگار خدائے رحمٰن ہے سو تم میری پیروی

وَاَطِيۡعُوۡۤا اَمۡرِىۡ ﴿۹۰﴾ قَالُوۡا لَنۡ نَّبۡرَحَ عَلَيۡهِ عٰكِفِيۡنَ

کرو اور میرا حکم مانو ف۱۰۵ وہ لوگ بولے ہم تو اسی (کی عبادت) پر جمے رہیں گے

حَتّٰى يَرۡجِعَ اِلَيۡنَا مُوۡسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰهٰرُوۡنُ

تاآنکہ موسیٰ ہمارے پاس لوٹ آئیں ف۱۰۶ (موسیٰ نے) کہا اے ہارون ف۱۰۷

مَا مَنَعَكَ اِذۡ رَاَيۡتَهُمۡ ضَلُّوۡۤا ۙ ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ

تمہیں کون سا امر مانع ہوا اس سے کہ میرے پاس چلے آتے جب تم نے دیکھ لیا تھا کہ یہ بھٹک گئے ہیں؟

اَفَعَصَيۡتَ اَمۡرِىۡ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبۡنَؤُمَّ لَا تَاۡخُذۡ بِلِحۡيَتِىۡ

تو کیا تم نے بھی میرے کہے کے خلاف کیا؟ ف۱۰۸ (ہارون نے) کہا اے میرے ماں جائے (بھائی) میری داڑھی

وَلَا بِرَاۡسِىۡ ۚ اِنِّىۡ خَشِيۡتُ اَنۡ تَقُوۡلَ فَرَّقۡتَ بَيۡنَ

اور میرا سر نہ پکڑیے ف۱۰۹ مجھے تو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان

بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ وَلَمۡ تَرۡقُبۡ قَوۡلِىۡ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا

تفریق ڈال دی اور میری بات کا انتظار نہ کیا؟ ف۱۱۰ (موسیٰ نے) کہا اے سامری

خَطۡبُكَ يٰسَامِرِىُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرۡتُ بِمَا لَمۡ يَبۡصُرُوۡا

تیرا کیا معاملہ ہے؟ ف۱۱۱ وہ بولا مجھے ایسی چیز نظر آئی جو اوروں کو نظر نہ آئی تھی سو میں نے

بِهٖ فَقَبَضۡتُ قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُهَا

(اس) فرستادہ (خداوندی) کے نقش قدم سے ایک مٹھی (خاک) اٹھالی تھی میں نے وہ (مٹی اسی قالب کے اندر) ڈال دی تھی

وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتۡ لِىۡ نَفۡسِىۡ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذۡهَبۡ فَاِنَّ

ف۱۱۲ اور میرے جی کو تو یہی بات بھائی تھی ف۱۱۳ (موسیٰ نے) کہا تو بس تو جا

ف۱۰۵ توریت موجودہ کے اتہامات کے مقابلہ میں قرآن مجید کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف سے ایسی کھلی ہوئی تبری اور صفائی پیش کی جائے۔ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحۡمٰنُ۔ تمہارا
ردگار تو وہ خدائے رحمٰن ہے نہ کہ یہ گوسالہ۔ تمہیں اس خرافات پرستی سے کیا واسطہ۔ ف۱۰۶ (اس وقت دیکھا جائے گا کہ وہ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں) ف۱۰۷ پہاڑ سے واپس آتے ہی پہلے تو
ضرت موسیٰ علیہ السلام حالت اشتعال میں اپنی گمراہ قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور اب حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو رہے ہیں، جنہیں وہ ذمہ دار اور اپنا نائب و جانشین چھوڑ کر طور پر گئے تھے۔ ف۱۰۸
کہ ایسے سخت مجرموں سے پورا قطع نہ کرلیا) اَلَّا تَتَّبِعَنِ میں لا زائد ہے۔ ولا مزيدة (بیضاوی) تَتَّبِعَنِ کے لفظی معنی ہیں کہ "میری پیروی کرتے"۔ مطلب یہ کہ میری راہ اختیار کرتے۔ جو میں
رتا وہی تم کرتے۔ بعض نے مراد مقاتلہ لیا ہے۔ ان تتبعنی فی الغضب لله
المقاتلة مع من كفر به (بیضاوی) اَلَّا تَتَّبِعَنِ یعنی رجوع کرتے اور
رے پاس طور پر چلے آتے۔ ما منعک من ان تلحقنی الی جبل
طور (بحر) ان تاتی عقبی و تلحقنی (بیضاوی) ف۱۰۹ (بلکہ میرا عذر تو
ن لیجیے) بِرَاۡسِىۡ سے مراد ہے سر کے بال پکڑ کر گھسیٹنا۔ جیسا کہ شدید اشتعال
ضبناکی کی حالت میں انسان اضطراراً کر گزرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ غصہ
تر غیرت دین سے تھا، اس لیے مباح ہی نہیں، داخل عبادت تھا۔ ملاحظہ ہو
رۃ الاعراف، پ۹ کا حاشیہ۔ يَبۡنَؤُمَّ حضرت ہارون علیہ السلام کا یا ابن ام کہہ کر
ضرت موسیٰ کو مخاطب کرنا جلب شفقت و رأفت کے لیے ہے۔ اسرائیلیوں میں
ستور بھی اسی طرز تخاطب کا تھا۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) ف۱۱۰ (بلکہ
سدین کی آزادی عمل کے لیے میدان خالی چھوڑ دیا)" حاصل مقام کا یہ ہے کہ
اں دو اجتہاد ہیں ایک یہ کہ ترک مساکنت زیادہ نافع تھی دوسرا یہ کہ ترک
ساکنت زیادہ مضر تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کا ذہن اجتہاد اول کی طرف گیا اور ہارون علیہ السلام
کا ذہن دوسرے اجتہاد کی طرف گیا"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) آیت سے یہ بھی نکل
ا ہے کہ تفریق امت بدترین معاصی ہے حضرت ہارون علیہ السلام صریح کفر و شرک
پنے سامنے دیکھ رہے ہیں، لیکن تفریق امت کے ڈر سے عارضی طور پر اسے بھی
داشت کیے ہوئے ہیں۔ فقہاء نے یہاں سے دو مسئلہ اور بھی نکالے ہیں۔ ایک
کہ خطاء اجتہادی قابل گرفت نہیں۔ چنانچہ حضرت ہارون اپنے اجتہاد کو اپنی
ات کی دلیل بتا رہے ہیں۔ دوسرا یہ کہ مامور و نائب کو اختیار حاصل ہے کہ حسب
صلحت اپنے فرائض منصبی کے انجام آخر میں امیر کے حکم کا انتظام کرے۔
ف۱۱۱ (تو نے یہ کیا حرکت کر ڈالی، تجھے یہ سوجھی کیا؟) حضرت موسیٰ ہارون علیہ السلام
ی صفائی سے مطمئن ہو کر اب اصل مجرم سامری کی طرف مخاطب ہوتے ہیں۔
علیک له (کشاف) ف۱۱۲ (جس کے اثر سے اس بچھڑے کے بے جان
لب سے وہ بے معنی آواز نکلنے لگی) مِنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ سے مراد من اثر فرس
رسول ہے اور مضاف محذوف ہے۔ کما علیه اکثر المفسرین (روح)
رسول سے مراد باتفاق مفسرین حضرت جبرئیل ہیں، اور یہی تفسیر تابعین و
حابہ سے بھی مروی ہے۔ هو الماثور عند الصحابة والتابعين رضی الله
عالی عنهم و یتبعهم جل اجلة المفسرین (روح) اختلاف صرف ایک
مسلم اصفہانی سے منقول ہے، ان کے اقوال تفسیر کبیر میں درج ملیں گے۔ بعض
ل باطل بھی بڑے مرتاض ہوتے ہیں۔ اور ریاضتوں سے کشف حاصل ہو جاتا
ہے اسی طرح کا یہ شخص سامری معلوم ہوتا ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اس نے
ضرت جبرئیل کو گھوڑے پر سوار دیکھ لیا تھا کہ جہاں ان کے گھوڑے کا سم پڑتا ہے گھاس تر و تازہ ہو جاتی ہے اپنی فراست سے کام لے کر اس نے نتیجہ یہ نکالا تھا کہ ان کی سواری کے نقش قدم کی مٹی میں تازہ
یات بخشی کی تاثیر ہے۔ محققین صوفیہ کہتے ہیں کہ کشف و تصرف پر ناز کرنے کی کیسی ممانعت اس آیت سے نکل رہی ہے۔ ف۱۱۳ یعنی میرے پاس اپنے اس فعل کے لیے کوئی دلیل عقلی یا شرعی نہیں، میں
نے سب اپنی خواہش نفس سے کیا۔ کشف و اشراقیت برابر اور بے تکلف عقائد باطلہ اور کفر و شرک کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ اس وقت بھی اس کا مشاہدہ ہندو جوگیوں، سنیاسیوں اور فرنگی طرز کے اسپرٹسٹ
(Spiritists) گروہ اور مسمریزم، ہپناٹزم اور کلیر وائنس والوں میں بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَ اِنَّ لَكَ

تیرے لئے (اس) زندگی میں (یہ سزا) ہے کہ تو یہ کہتا پھرے کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے ف١١٤ اور تیرے لئے

مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ

ایک (اور) وعید ہے جو تجھ سے ٹلنے والی نہیں ف١١٥ اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ جس پر تو

عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾

جما ہوا بیٹھا ہے ہم ابھی اسے جلائے ڈالتے ہیں پھر اس (کی راکھ) کو دریا میں بہائے دیتے ہیں ف١١٦

اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ

تمہارا معبود تو بس وہی (ایک) اللہ ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے ہر شے کو

شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ

(اپنے) علم سے گھیر رکھا ہے ف١١٧ اس طرح ہم آپ سے اور گزرے ہوئے (واقعات) کی خبریں

سَبَقَ ۚ وَ قَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ ۖ مَنْ اَعْرَضَ

بیان کرتے ہیں، اور ہم نے اپنے پاس سے آپ کو ایک نصیحت نامہ دیا ہے ف١١٨ جو کوئی اس سے

عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ ۙ خٰلِدِيْنَ

روگردانی کرے گا وہ قیامت کے دن (بڑا) بوجھ اٹھائے ہو گا۔ وہ لوگ اس میں ہمیشہ

فِيْهِ ؕ وَ سَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ ۙ يَّوْمَ يُنْفَخُ

رہیں گے اور یہ قیامت کے دن ان کے لئے بڑا بوجھ ہو گا ف١١٩ جس روز صور

فِي الصُّوْرِ وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ ۖ

پھونکا جائے گا اور مجرموں کو ہم اسی روز یوں جمع کریں گے کہ وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے ف١٢٠

يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ

آپس میں چپکے چپکے باتیں کررہے ہوں گے کہ تم لوگ تو بس دس (ہی دن) رہے ہوگے ف١٢١ ہم ہی خوب جانتے ہیں

ف١١٤ گویا اسے دنیا میں یہ سزا ملی کہ اسے حکماً ''اچھوت'' قرار دے دیا گیا اور ہمارے ہندوستان میں یہ جو چھوت چھات کا ملعون دستور چل پڑا ہے یہ قول فاضل گرامی مولنا مناظر احسن صاحب گیلانی زاد مجدہ عجب نہیں کہ اس کی اصل بھی اسی سامری کی ''لامساسیت'' سے نکلے فقہاء نے یہاں سے دو مسئلہ اخذ کیے ہیں ایک یہ کہ مجرم کے لیے سزائے حبس دوام جائز ہے (لامساس کا مضمون جس میں آچکا) دوسرے یہ کہ مجرم سے اختلاط وملاقات کا منع کر دینا جائز ہے۔ اہل اشارات نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ جو خطائیں بدون خبث وعدم بغاوت صادر ہو جاتی ہیں ان سے توبہ کی توفیق بھی اکثر نصیب ہو جاتی ہے جیسے یہاں سامری کو پوری سزا ملی اور عام اسرائیلیوں کی خطا توبہ کے بعد معاف ہو گئی۔ ف١١٥ (آخرت میں) ایک سزا تو دنیا میں مل گئی دوسرے عذاب کے لیے ارشاد ہوا کہ اس کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ ف١١٦ (کہ اس کا کہیں نام ونشان تک نہ باقی رہ جائے) فقہاء نے لکھا ہے کہ آثار کفر وشرک کو مٹانا اور ان کی توہین مستحب ہے اور کسی نسبت باطل یا ادائے فاسد کی رعایت ہرگز ضروری نہیں۔ جس طرح گوسالہ میں اثر رسول کی اور مسجد ضرار میں اسم مسجد کی کچھ رعایت نہ کی گئی۔۔۔ تعزیہ وضریح والے اور عرس میلے والے کاش ان حقائق پر بھی غور کریں! ف١١٧ (اور وہی اپنے بندوں میں سے جس کو جتنا چاہے علم عطا فرمادے) گوسالہ کی عبودیت کی تردید کرتے کرتے حضرت موسٰی نے اپنی تقریر کو خاص سے عام کر دیا ہے۔ گویا آپ یہ فرما رہے ہیں کہ اس بے جان گوسالہ کی تو کیا بساط ہے، دنیا کی کوئی چیز بھی معبود بننے کے قابل نہیں اور صفات قدرت وغیرہ الگ رہیں۔ ایک علم ہی کو لو، اس صفت میں بھی تو کوئی اس کا ہمسر نہیں، کامل علم تو صرف اسی کا ہے۔ ف١١٨ (جس میں علاوہ اخلاقی ہدایات وقانونی دفعات، معاشری آداب کے وہ خبریں بھی درج ہیں) كَذٰلِكَ یعنی اسی طرح جس طرح ابھی حضرت موسٰی علیہ السلام اور سامری کا قصہ بیان ہو چکا۔ نَقُصُّ۔۔۔۔۔ سَبَقَ۔ یعنی ہم ماضی کے ان واقعات وحالات پر آپ کو اس لیے مطلع کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی نبوت ورسالت وصداقت پر دلیلیں اور بڑھتی جائیں۔ ف١١٩ اور یہ بڑا بوجھ ظاہر ہے کہ عذاب الٰہی کا ہو گا۔ فِيْهِ یعنی اسی عذاب الٰہی کے بوجھ کے اندر۔ ف١٢٠ (فرط دہشت وخوف سے) قرآن کے مخاطبین اول قوم عرب میں نیلی آنکھ خاص طور پر مبغوض ومکروہ سمجھی جاتی تھی اس لیے کہ ان کے دشمن بنی احمر یا اہل روم (یورپ والے) نیلی آنکھیں رکھتے تھے۔ اور اسی سے ''ازرق العین'' ان کے ہاں دشمن کا عام لقب ہی پڑ گیا تھا (کشاف) زرق کے دوسرے معنی (عمیا) اندھے کے بھی کیے گئے ہیں (راغب، کشاف، ابن جریر) اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حشر کی کسی منزل میں اہل کفر کی آنکھیں نہ ہوں گی۔ الْمُجْرِمِيْنَ مجرمین سے مراد اہل کفر ہیں۔ المجرمین اے المشرکین (معالم) اهل الكفر بالله (ابن جریر) الذين اتخذوا مع الله الٰها اٰخر (کبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف١٢١ (قبر میں) المراد منه اللبث فى القبر (کبیر) ما لبثتم فى القبور (روح) مطلب یہ کہ کافر اس روز فرط ہیبت ووحشت سے آہستہ آہستہ یہ آپس میں کہہ رہے ہوں گے کہ ہمارا اندازہ تو یہ تھا کہ مرنے کے بعد زندہ ہی نہ ہوں گے۔ خیر وہ خیال تو تمامتر باطل تھا ہی، زندہ بھی ہوئے تو اس طرح کہ قبر میں بھی دیر تک نہ رہنے پائے۔ بس رہے ہوں گے بھی کوئی دس دن۔ اس مدت کا یہ مختصر معلوم ہونا یوم قیامت کے شدائد اور ہولناکیوں کی بناء پر ہوگا۔ اور دوسرے معنی مدت قیام دنیا کے بھی کیے گئے ہیں۔ اے مالبثتم فى الدنيا (معالم) اے فى الدار الدنیا (ابن کثیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ما لبثتم فى الدنيا (ابن جریر) قوم اراد به اللبث فى الدنيا (کبیر عن الحسن والقتادة والضحاک) عَشْرًا کے مطلق عدد سے مراد دنوں کی تعداد لی گئی ہے۔ لاکثرون علٰى ان قوله عشرًا اے عشرة ايام (کبیر)

بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ

(اس مدت کو) جس کی نسبت وہ باتیں کررہے ہیں جب کہ ان میں کا سب سے زیادہ صائب الرائے یہ کہتا ہوگا کہ تم تو بس

اِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا

ایک دن رہے! و۱۲۲ اور آپ سے پہاڑوں کی بابت پوچھتے ہیں و۱۲۳ آپ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار

رَبِّيْ نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرٰى

بالکل ان کو اڑا دے گا پھر زمین کو چٹیل میدان چھوڑے رکھے گا کہ اس میں تو

فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا

نہ کوئی ناہمواری دیکھے گا اور نہ کوئی بلندی و۱۲۴ اس روز (سب) بلانے والے کے پیچھے ہولیں گے کہ اس کے سامنے کوئی

عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ

کجی نہ رہے گی و۱۲۵ اور (ساری) آوازیں خدائے رحمٰن کے سامنے دب جائیں گی سو تو بجز پیر کی چاپ کے اور کچھ

اِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ

نہ سنے گا و۱۲۶ اس روز شفاعت (کسی کو) نفع نہ دے گی مگر اس شخص کو

اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

جس کے حق میں خدائے رحمٰن نے اجازت دے دی ہو اور اس کے حق میں بولنا اس نے پسند کرلیا ہو و۱۲۷ وہ جانتا ہے سب

اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿١١٠﴾

کے اگلے اور پچھلے حالات کو اور (لوگ) اس کا (اپنے) علم سے احاطہ نہیں کرسکتے و۱۲۸

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ

اور چہرے جھکے ہوئے ہوں گے حی و قیوم کے سامنے و۱۲۹ اور قطعی ناکام رہے گا وہ جو ظلم لے

ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا

کر آئے گا و۱۳۰ اور جس کسی نے نیک کام کیے ہوں گے اور وہ ایمان والا بھی ہوگا سو اسے

ع ۱۵/۱۴

و۱۲۲ اس کو صائب الرائے اس لیے فرمایا کہ اس یوم کے طول اور ہول کے اعتبار سے یہی نسبت اقرب ہے۔بس اس شخص کو حقیقت شدت کا زیادہ ادراک ہوا اس لیے اس کی رائے پہلے شخص کے اعتبار سے اصوب ہے اور یہ مقصود نہیں کہ یہ شخص مدت کی مقدار کی تحدید کرنے میں مصیب ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ دونوں مقداریں تحدیدًا صحیح نہیں۔اور نہ ان قائلین کا یہ مقصود تھا"۔(تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) و۱۲۳ (کہ قیامت کے وقت ان کا کیا حشر ہوتا ہے؟) و۱۲۴ (مثل ٹیلہ، پہاڑ وغیرہ کے) خطاب اب یہاں عام ہے صرف رسول اللہ ﷺ سے نہیں۔ يَنْسِفُهَا...... نَسْفًا یعنی انہیں ریزہ ریزہ کرکے اڑا دے گا۔و۱۲۵ یعنی کسی کا ٹیڑھا پن اس کے سامنے نہ چل سکے گا۔کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اس کے حکم میں توقف کرے۔ای لا یعوج له مدعوّ بل یستوُون الیه من غیر انحرافٍ متبعین لصوته (کشاف) الداعی سے مراد ہے خدائی بلانے والا، یعنی صور پھونکنے والا فرشتہ۔سب مردے اپنی قبروں سے نکل نکل اس کے پیچھے ہولیں گے۔و۱۲۶ (فرط ہیبت سے) کمال ہیبت وخوف کے موقعہ پر جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں کہ مارے ڈر کے گھگی بندھ گئی، عربی محاورہ میں اسی کنایہ سے ادا کرتے ہیں۔ هَمْسًا۔همس کے لغوی معنی ہیں پست اور گھس پھس والی آواز کے۔الهمس و هوالركز الخفی (کشاف) یہاں مراد پیر کی چاپ ہے۔ای لا تسمع الاخفق الاقدام و نقلها الی المحشر (کشاف) و۱۲۷ مشرک قوموں نے اپنے دیوی دیوتاؤں اور اپنے آباؤ اجداد کو اپنا شافع گڑھ رکھا ہی تھا، خود مسیحیت کا سارا دارومدار ہی عقیدۂ شفاعت و کفارہ پر ہے۔قرآن نے ہر جگہ اسی مشرکانہ عقیدۂ شفاعت مطلقہ پر ضرب لگائی ہے اور کسی مستقل مطلق شافع کے وجود سے بار بار انکار کیا ہے۔ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ اسلام جس شفاعت کا قائل ہے، اس کی پہلی اور سب سے بڑی شرط خود حق تعالیٰ کی اجازت ہے۔شفاعت کوئی اپنے ارادہ واختیار سے کر ہی نہیں سکتا، صرف وہی کرسکے گا جس کو خود حق تعالیٰ ایما فرمائیں گے۔گویا یہ شفاعت ہی صرف ظاہری ورسمی ہوگی، ورنہ حقیقۃً تو اللہ ہی کا حکم ہوگا۔ رَضِيَ لَهٗ قَوْلًا۔ یعنی کسی شافع کا بولنا اس شخص کے حق میں جو منظور کرلیا گیا ہو یعنی اس شخص کے حق میں کلمہ خیر کہنے کی گنجائش ہو اور گنجائش ظاہر ہے کہ مومن ہی کے لیے نکل سکتی ہے۔یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس کے کسی قول کو پسند کرلیا ہو—اور یہیں سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے شفاعت کی گنجائش فساق امت کے حق میں بڑے زور سے نکالی ہے کہ بڑے سے بڑا فاسق کلمہ گو بھی کلمہ شہادت کی حد تک قول پسندیدہ و مقبول کہہ ہی لیتا ہے۔واعلم ان هٰذه الاٰية من اقوى الدلائل علٰى ثبوت الشفاعة فی حق الفساق لان قوله و رضی له قولًا يكفی فی صدقه ان يكون الله تعالٰی قد رضی له قولًا واحدًا من اقواله والفاسق قد ارتضى الله تعالٰی قولًا واحدًا من اقواله و هو شهادة ان لااله الا الله فوجب ان تكون الشفاعة نافعة له (کبیر) و۱۲۸ "اس کا احاطہ نہیں کرسکتے" یعنی اس کے علوم ومعلومات کا احاطہ نہیں کرسکتے۔مضاف یعنی معلومات یہاں محذوف ہے۔ ای ولا يحيطون بمعلوماته علمًا (بحر) یعنی ایسا تو کوئی امر نہیں جو خلق کو معلوم ہو اور اللہ تعالیٰ کو معلوم نہ ہو۔اور ایسے بہت سے امور ہیں جو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں اور خلق کو معلوم نہیں۔پس مخلوقات کے وہ سب احوال بھی اس کو معلوم ہیں جن پر شفاعت کی قابلیت یا عدم قابلیت مرتب ہے۔سو جو اس کا اہل ہوگا اس کے واسطے سفارش کرنے کی شافعین کو اجازت ہوگی اور جو اہل نہ ہوگا اس کے لیے اجازت نہ ہوگی"۔(تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) و۱۲۹ ذکر روز حشر کا چل رہا ہے کہ اس روز بڑے بڑے متکبرین اور سرکش منکرین کا غرور وانکار ختم ہوچکے گا، اور کسی کو ہمت سر اٹھانے کی نہ ہوگی۔و۱۳۰ ظلم کے عام ووسیع معنی بھی مراد ہوسکتے ہیں لیکن یہاں بمعنی شرک آیا ہے۔ای حمل شركًا (ابن جریر۔عن قتادة) الظلم هٰهنا الشرک (ابن جریر۔عن ابن زید) والظلم هو الشرک (معالم۔عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) الظلم الشرک (روح)

يَخٰفُ ظُلۡمًا وَّ لَا هَضۡمًا ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا

اندیشہ نہ زیادتی کا ہو گا نہ کمی کا ف۱۳۱ اور اسی طرح اسے (قرآن) واضح کر کے

عَرَبِيًّا وَّ صَرَّفۡنَا فِيۡهِ مِنَ الۡوَعِيۡدِ لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ

نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے ہر طرح کی وعید بیان کی ہے ف۱۳۲ تاکہ (لوگ) ڈریں

اَوۡ يُحۡدِثُ لَهُمۡ ذِكۡرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الۡمَلِكُ الۡحَقُّ ۚ

یا یہ کہ یہ (قرآن) ان کے لئے سمجھ پیدا کرے ف۱۳۳ سو بڑا عالی شان ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے ف۱۳۴

وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يُّقۡضٰۤى اِلَيۡكَ

اور آپ قرآن (کے پڑھنے میں) جلدی نہ کیا کیجیے قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل

وَحۡيُهٗ ۫ وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِىۡ عِلۡمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدۡ عَهِدۡنَاۤ

ہوچکے ف۱۳۵ اور آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار بڑھادے میرے علم کو ف۱۳۶ اور (بہت زمانہ) قبل ہم آدم کو ایک

اِلٰۤى اٰدَمَ مِنۡ قَبۡلُ فَنَسِىَ وَلَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا ﴿۱۱۵﴾ ع

حکم دے چکے تھے سو ان سے غفلت ہو گئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی ف۱۳۷

وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰۤـئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے روبرو سجدہ کرو سو (سب نے) سجدہ کیا، مگر

اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلۡنَا يٰۤـاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ

ابلیس نے نہ کیا ف۱۳۸ وہ انکار کر گیا پھر ہم نے کہا کہ اے آدم یقیناً یہ تمہارا

وَلِزَوۡجِكَ فَلَا يُخۡرِجَنَّكُمَا مِنَ الۡجَنَّةِ فَتَشۡقٰى ﴿۱۱۷﴾

اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے ف۱۳۹ سو کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ ف۱۴۰

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوۡعَ فِيۡهَا وَلَا تَعۡرٰى ﴿۱۱۸﴾ لا وَاَنَّكَ لَا

(یہاں اس) جنت میں تو یہ ہے کہ تم نہ کبھی بھوکے ہوگے اور نہ ننگے اور یہ بھی ہے کہ نہ اس میں

ع ۱۱/۱۵

ف۱۳۰ یعنی مومن صالح کو ثواب کامل ملے گا۔ یہ نہ ہوگا کہ کوئی نیکی لکھنے سے رہ جائے، یا کوئی بدی خواہ مخواہ لکھ لی جائے۔ غیر مومن ظاہر ہے کہ اس طبقہ ہی سے سرے سے خارج ہیں۔ قید و شرط وَهُوَ مُؤْمِنٌ کی لگی ہوئی ہے۔ ف۱۳۲ (قیامت کی، عذاب کی جہنم کی) كَذٰلِكَ یعنی اس طرح جس طرح اوپر کے مضامین صاف صاف ارشاد ہوئے ہیں۔ اَنْزَلْنٰهُ ضمیر مذکر غائب سارے قرآن کی جانب ہے۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا یعنی قرآن واضح، قرآن مفصح، عَرَبِيًّا پر حاشیہ سورۂ یوسف کے شروع میں گزر چکا۔ ف۱۳۳ راہ حق قبول کرنے کے دو ہی واسطے ہیں، یا بہ واسطہ جذبات یا بہ واسطۂ تعقل۔ دونوں آیت کے اس ٹکڑے میں جمع ہو گئے۔ یا یہ مراد ہو کہ بدیوں سے بچنے لگیں اور نیکیوں کی طرف بڑھنے لگیں۔ لاجل ان يصيروا متقين اي محترزين مما لا ينبغي و هو يدعوهم الى الطاعات و فعل ما ينبغي (کبیر) یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ منکر تخویف و ترہیب سے ایمان لائے اور جو مومن ہے اس کا مرتبہ فہم و تذکر قرآن سے اور دوبالا ہو جائے۔ ف۱۳۴ (اور جس نے ایسا جامع، ایسا نافع، ایسا بلیغ دستور حیات اپنے بندوں کے ہاتھ میں دے دیا ہے)۔ ف۱۳۵ (کہ ایسی صورت میں آپ پر قرآن سننے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے پڑھنے کا بار خواہ مخواہ پڑتا ہے) بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے قبل نزول وحی بعض مسائل میں حکم صادر فرما دیا تھا، آیت اس پر نازل ہوئی اس صورت میں مراد ہو گی کہ ”آپ قبل نزول وحی (احکام میں) تعجیل نہ کیا کیجئے۔ ف۱۳۶ اس میں یہ ارشاد ہوا کہ بجائے فی الفور سعی حفظ تدبیر کے، اس تدبیر دعا کو اختیار کیجئے۔ اور اس میں علم قرآن کی تحصیل، حفظ، فہم سب ہی کچھ آ گیا۔ ”اس میں علم حاصل کے یاد رہنے کی اور غیر حاصل کے حصول کی اور جو حاصل ہونے والا نہیں اس میں عدم حصول کے خیر سمجھنے کی اور سب علوم میں خوش فہمی کی، یہ سب دعائیں داخل ہیں“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) بعض اہل لطائف نے کہا ہے کہ علم بھی انہیں نعمتوں میں سے ہے جن کا حصول محض فضل پر موقوف ہے، اس لیے کہ قرآن میں جو دعائیں ہیں وہ ایسے ہی امور سے متعلق ہیں جو کسبی و اختیاری نہ ہوں جیسے ہدایت، مغفرت وغیرہ۔ ف۱۳۷ یہ پختگی نہ ہونا، اور عدم ثبات و عزم دانستہ نافرمانی اور ارادی سرکشی سے بالکل مختلف ہے۔ بعض اہل لطائف نے یہ معنی بھی کہے ہیں کہ ”ہم نے ان میں ارادہ ہی نہ پایا“ یعنی گناہ کا قصد انہوں نے کیا ہی نہیں محض ایک بدخیالی اور بد احتیاطی ان سے سرزد ہو کر رہی۔ يحتمل ولم نجد له عزمًا على المقام على المعصية (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں دلالت ہے اس پر کہ ضعف طبعی اور کمال میں منافات نہیں۔ ف۱۳۸ اس سجدہ کے حکم اور ابلیس کے انکار وغیرہ پر حاشیہ سورۂ بقرہ میں گزر چکے پ۱، رکوع ۴۔ ف۱۳۹ (کہ تمہیں دونوں کے معاملہ میں اسے مردود ہونا پڑا تھا) ف۱۴۰ یعنی ایسا نہ ہو کہ اس کے کہے میں آ کر کوئی ایسا کام کر بیٹھو کہ جنت سے ہاتھ دھونا پڑے۔

تَظۡمَؤُا فِيۡهَا وَ لَا تَضۡحٰى ﴿١١٩﴾ فَوَسۡوَسَ اِلَيۡهِ الشَّيۡطٰنُ

پیاسے ہو گے اور نہ دھوپ میں تپو گے ف١٤١ پھر شیطان نے انہیں وسوسہ دلایا کہا کہ

قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلۡ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الۡخُلۡدِ وَمُلۡكٍ لَّا

اے آدم میں تمہیں بتلا نہ دوں ہمیشگی کا درخت اور بادشاہی جس میں کبھی ضعف

يَبۡلٰى ﴿١٢٠﴾ فَاَكَلَا مِنۡهَا فَبَدَتۡ لَهُمَا سَوۡاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا

نہ آوے ف١٤٢ سو دونوں نے اس (درخت) سے کھا لیا سوان پر ان کے پردہ کے مقامات ظاہر ہوگئے اور ف١٤٣

يَخۡصِفٰنِ عَلَيۡهِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّةِ ۫ وَ عَصٰۤى اٰدَمُ

دونوں لگے اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے ف١٤٤ اور آدم سے اپنے پروردگار کا

رَبَّهٗ فَغَوٰى ۖ﴿١٢١﴾ ثُمَّ اجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيۡهِ

قصور ہو گیا، سو وہ غلطی میں پڑ گئے ف١٤٥ پھر انہیں ان کے پروردگار نے مقبول بنالیا چنانچہ ان کی توبہ قبول کرلی

وَهَدٰى ﴿١٢٢﴾ قَالَ اهۡبِطَا مِنۡهَا جَمِيۡعًۢا بَعۡضُكُمۡ

اور ہدایت دکھا دی ف١٤٦ (اللہ نے) کہا تم سب (اب) جنت سے اترو ف١٤٧ ایک کے دشمن

لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ

ایک ہو کر ف١٤٨ پھر اگر تم کو میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے ف١٤٩ تو جو کوئی میری ہدایت کی

هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشۡقٰى ﴿١٢٣﴾ وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ

پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا اور نہ محروم رہے گا ف١٥٠ اور جو کوئی میری نصیحت سے

ذِكۡرِىۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا وَّنَحۡشُرُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ

اعراض رکھے گا سو اس کے لئے تنگی کا جینا ہو گا ف١٥١ اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں

اَعۡمٰى ﴿١٢٤﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرۡتَنِىۡۤ اَعۡمٰى وَ قَدۡ كُنۡتُ

گے ف١٥٢ وہ کہے گا اے میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا درآنحالیکہ میں

ف١٤١ (اور جنت سے باہر ان سب مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس لیے ان امور کو پیش نظر رکھ کر اپنے اس موذی دشمن کی طرف سے خوب ہوشیار اور خبردار رہنا) ف١٤٢ شیطان کا دام فریب یہی تھا اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے قسم کھا کر کہا کہ میں آپ کو ایسے درخت کا پتہ بتائے دیتا ہوں جس کے پھل پتی میں یہ تاثیر ہے کہ آپ غیر فانی ہو جائیں گے، اور ہمیشہ یہیں جنت میں مقیم رہیں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے بڑھ کر مقام قرب حق میں قیام کا حریص اور کون ہو سکتا تھا اور اس کا تو آپ تصور ہی نہیں فرما سکتے ہیں کہ جھوٹی قسم کھا کر کوئی اللہ کے نام کی بے وقعتی بھی کر سکتا ہے۔ جھٹ آپ اس کے کہے میں آگئے اور اس کے مشورہ کو رضاء حق ہی کی راہ کا ایک مشورہ سمجھے۔ (ملاحظہ ہو ضمیمہ سورۃ الاعراف) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک نکتہ بہت خوب پیدا کیا ہے۔ فرمایا کہ آیت میں مذکور ہے ثمرات غیر مقصودہ کی طلب کا سالک کے حق میں مضر ہونا۔ کیونکہ یہ خلد جس کی تحصیل کا حکم نہیں کیا گیا تھا نیز ملکیت ایسی ہی غیر مطلوب تھی۔ ف١٤٣ یہ درخت وہی تھا جس کے قریب جانے کی بھی ممانعت ہو چکی تھی اور اس کے پھل ہی کھا لینے کا یہ طبعی اثر تھا جو فوراً ظاہر ہو کر رہا۔ ف١٤٤ اس سے ظاہر ہے کہ ستر پوشی امر طبعی اور داخل فطرت بشری ہے اور جو قومیں برہنہ یا نیم برہنہ رہنے میں کوئی عیب نہیں سمجھتیں ان کی فطرت مسخ ہو چکی ہے۔ ف١٤٥ (تحصیل مقصود خلود کے باب میں) اے ضل عن مطلوبه الذى هو الخلود و عن الرشد حيث اغتر بقول العدو (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں ذکر ہے خطاء اجتہادی کے صدور کا کاملین سے، نیز اس پر مواخذہ کا، برخلاف عوام کے کہ انہیں اس پر احیاناً اجر ملجاتا ہے۔ ف١٤٦ (جس پر وہ ہمیشہ قائم رہے) اجلب بالعفو و المغفرة و هداه لرشده حتى رجع الى الندم والاستغفار (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اجتہاد جذب ہے اور ہدایت سلوک ہے۔ اس لیے آیت میں تقدیم ہے جذب کی سلوک پر۔ ف١٤٧ (اور زمین پر جاؤ) حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش تو معاف ہی ہو چکی تھی، تاہم طبعی اثرات اس ممنوع غذا کے استعمال سے مرتب ہو رہے تھے وہ جنتی ماحول کے بالکل منافی تھے۔ ف١٤٨ اس عالم عنصری کا تقاضائے طبعی ہی یہ ہے کہ آپس میں کشمکش اور پھر دشمنی پیدا ہو۔ اس زہر کا تریاق جہاں سے ممکن ہے اسی کا نام وحی الہی ہے۔ بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ میں خطاب ذریت آدم سے ہے۔ والمراد الذرية (کبیر) ف١٤٩ (رسول یا کتاب کے ذریعہ سے) هُدًى کے معنی کسی نے رسول کے لیے ہیں کسی نے آیات کے، کسی نے دلائل کے، کسی نے قرآن کے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ ہے کہ هُدًى یہاں مرادف ہے دلالة کے اور اس کے مفہوم میں یہ سب چیزیں شامل ہیں۔ والتحقيق الى الهدى عبارة من الدلالة فيه كل ذلك (کبیر) ف١٥٠ نہ بھٹکے گا دنیا میں اور نہ محروم اجر رہے گا آخرت میں۔ بلکہ اپنی مدت حیات کے بعد سیدھا اپنے وطن اصلی جنت میں پہنچ جائے گا۔ ف١٥١ (اسی دنیا میں) قال به جمع من المفسرين (کبیر) آخرت کی طرف سے بے خبر اور بے فکر اور عالم حکومت الہیہ سے منکر قناعت و توکل کے مفہوم سے ناآشنا رہنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان ساری عمر مال کی طلب میں، جاہ کی حرص میں، ''ترقی'' کی فکر و ہوس میں، نقصان اور کمی کے غم و اندیشہ میں گھل گھل کر گزارے۔ اور اس لیے آیت میں تنگی کا تعلق قلب سے ہے۔ بڑے بڑے دولتمندوں، خوشحالوں کی خودکشی کر لینے کی خبریں جو آئے دن اخباروں میں چھپتی رہتی ہیں، سب اسی تنگی قلب کے شواہد ہیں۔ ذکر سے مراد قرآن ہی لیا گیا ہے (معالم) لیکن بہتر یہی ہے کہ اس کو عام و وسیع معنی میں رکھا جائے اور مادی کسب و ہدایات آسمانی اس کے مفہوم میں شامل رکھا جائے (روح) ف١٥٢ یہ جسمانی بے بصری عکس ہوگی اس کی روحانی بے بصری کی، جو دنیا میں اس نے اپنے اوپر طاری رکھی تھی۔

بَصِيْرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ

آنکھوں والا تھا ف١٥٣ (اللہ) کہے گا اسی طرح تیرے پاس ہماری نشانیاں پہنچی تھیں سو تو نے ان کا خیال نہ کیا اسی طرح

وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿١٢٦﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ

آج تیرا خیال نہ کیا جائے گا ف١٥٤ اور اسی طرح ہم ہر اس شخص کو سزا دیں گے جو

اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

حد سے نکل جائے اور اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان نہ لائے اور واقعی آخرت کا عذاب ہے

اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿١٢٧﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ

بڑا سخت اور بڑا دیرپا ف١٥٥ کیا ان کو اس سے بھی ہدایت نہ ہوئی کہ ہم (اب تک) ان کے پیش رو کتنے گروہوں کو

مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

ہلاک کر چکے ہیں جن کے مسکنوں میں (اب) یہ لوگ چل پھر رہے ہیں ف١٥٦ بے شک اس امر میں

لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿١٢٨﴾ ع وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ

اہل فہم کے لئے نشانیاں موجود ہیں ف١٥٧ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے

رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ ۭ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا

نہ ہو چکی ہوتی اور ایک میعاد معین نہ ہوتی تو (ان پر عذاب) لازمی طور پر آجاتا ف١٥٨ سو آپ صبر کیجیے

يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

ان کی باتوں پر ف١٥٩ اور اپنے پروردگار کی تسبیح کرتے رہیے حمد کے ساتھ آفتاب کے طلوع سے قبل

وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَاۗئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ

اور اس کے غروب سے قبل اور اوقات شب میں بھی تسبیح کیجیے اور دن کے بھی اول و آخر میں

النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا

تاکہ آپ خوش رہیں ف١٦٠ اور ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیے ان چیزوں کی طرف

ع ١٣ / ١٦

ف١٥٣ (دنیا میں) ”یعنی دنیا میں تو میں بڑا زبان آور تھا یہاں بالکل گنگ و لال ہو گیا کوئی بات نہ سوجھتی ہے اور نہ بولا جاتا ہے“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اے لا حجة لی و قد کنت عالمًا بحجتی بصیرًا بها (بحر۔ عن مجاہد) اعمٰی عن حجته لا حجة له یهتدی بها (بحر عن ابن عباسؓ) اقبل اعمٰی عن کل شیء الا جهنم (بحر) ف١٥٤ (اور تجھے عذاب میں پڑا رہنے دیا جائے گا) نسیتها۔ تنسی۔ نسیان۔ یہاں بھول اور ذہول کے معنی میں نہیں، ارادی ترک توجہ و اغماض کے معنی میں ہے۔ النسیان هنا بمعنی الترک لا بمعنی الذهول (بحر) یعنی تیرے پاس ہمارے احکام انبیاء و علماء کے ذریعہ سے پہنچے تھے مع سارے واضح و روشن دلائل کے، اور تو باوجود بصیرت و بصارت ان کی طرف سے اندھا بنا رہا، اس لیے آج تیرا ارادی اندھا پن نمایاں کر دیا گیا۔ رحمت الٰہی جسے پھٹکارے، جس کی طرف سے اپنے کو غافل کرے اس سے بڑھ کر محرومی کسی کی ممکن ہی کیا ہے؟ اللّٰھم احفظنا۔ كَذٰلِكَ۔ جملہ کے شروع میں لا کر گویا عام قانون بتا دیا گیا کہ جیسا جرم ہوتا ہے اسی کے متناسب و مناسب حال سزا بھی ملتی ہے۔ و مثل ذلک الجزاء الموافق للجنایة (روح) ف١٥٥ سخت اس قدر کہ اس کے آگے سختی کا کوئی درجہ انسان کے لیے متصور ہی نہیں، اور دیرپا ایسا کہ کبھی ختم ہی نہ ہوگا! اَسْرَفَ سے مراد ہے کہ حد عبودیت سے نکل گیا۔ یا اپنے مرتبہ عبویت کو دوسرے محل میں صرف کرنے لگا۔ ف١٥٦ اب روئے سخن ہر قرآن کے معاصر منکروں اور کافروں کی جانب ہے کہ ان کی آنکھیں اب بھی نہیں کھلتیں۔ تاریخ کی زبان سے یہ کتنی گردن کش قوموں کی تباہی و بربادی و ہلاکت کے قصے سن چکے ہیں۔ آج انہیں مردود، مغضوب قوموں کے وطن میں خود آباد ہیں، ان کے کھنڈروں پر سے سفر میں آتے جاتے رہتے ہیں، پھر انہیں کے انجام سے عبرت حاصل نہیں کرتے! ف١٥٧ نشانیاں یعنی مذہبی و ایمانی زندگی کے برحق ہونے اور شرک و بے دینی کی زندگی کے ناحق ہونے کے دلائل و شواہد۔ فِيْ ذٰلِكَ۔ ”اس امر میں“ یعنی اس مضمون میں جو ابھی بیان کیا گیا ہے۔ ذلک اشارة الی مضمون قوله تعالٰی کم اهلکنا قبلهم الخ (روح) ف١٥٨ یعنی ان کے کفر، شرک، بے دینی کا اقتضاء تو یہی ہے کہ ان پر عذاب فی الفور آ جائے لیکن دوسری حکمتوں اور مصلحتوں سے اس کے لیے ایک خاص وقت مقرر ہو چکا ہے، اس لیے اس وقت موعود کے قبل نہ آئے گا۔ لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ۔ اور وہ خدا کی بات یہی کہ تکوینی مصلحتوں کی بناء پر انہیں مہلت ملتی رہے گی۔ ف١٥٩ (یہ یقیناً ہر دیندار کے لیے اشتعال انگیز اور صبر آزما ہیں) ف١٦٠ (کہ دنیا کے آلام و افکار سے بچنے کا راستہ یہی عبادت میں مشغولیت کا ہے) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ۔ حمد و تسبیح سے مراد یہاں نماز لی گئی ہے۔ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ میں فجر کی نماز آ گئی اور قبل غروب میں ظہر و عصر کی نمازیں۔ اور اٰنَاۗئِ الَّيْلِ میں مغرب و عشاء کی نمازیں۔ اَطْرَافَ النَّهَارِ سے نماز فجر و مغرب کی مکرر تاکید ہو گئی۔ تکریر لصلاتی الصبح والمغرب ارادة الاختصاص (بیضاوی) بعض نے اس سے مراد نماز ظہر و عصر لی ہے اور بعض نے محض ظہر۔ امر بصلاة الظهر فانه نهایة النصف الاول من النهار و بدایة النصف الاٰخر وجمعه باعتبار النصفین (بیضاوی)

۱۶۱ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ سے مراد کافروں کی مختلف قسمیں ہیں۔ مثلاً یہود، نصاریٰ، مشرکین وغیرہا۔ ای اصنافا من الکفرۃ (کشاف) تقدیر کلام یوں ہے متعنا بہ بعضا منھم ازواجا۔ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ۔ آزمائش سے مراد یہی ہے کہ کون ان نعمتوں کے حقوق ادا کرتا ہے اور کون ان کی ناقدری کرتا ہے۔ ف۱۶۲ آیت کے اس مختصر سے ٹکڑے میں اس مادی دنیا، اس کی آرائشوں، زینتوں، تکلفات کی

مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ

جن سے ہم نے ان کے گروہوں کو متمتع کر رکھا ہے ان کی آزمائش کے لئے ف۱۶۱ کہ وہ محض دنیوی زندگی

لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ

کی رونق ہے اور آپ کے پروردگار کا عطیہ کہیں بہتر اور دیرپا ہے ف۱۶۲ اور اپنے گھر والوں

اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْــَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ

کو نماز کا حکم دیتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہیے ف۱۶۳ ہم آپ سے معاش نہیں چاہتے،

نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا

معاش تو ہم خود آپ کو دیں گے ف۱۶۴ اور بہتر انجام پرہیزگاری ہی کا ہے ف۱۶۵ اور (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ یہ ہمارے پاس

يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي

کوئی نشان اپنے پروردگار کے پاس سے کیوں نہیں لاتے کیا ان کے پاس اس کا ظہور نہیں پہنچا جو کچھ

الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ

اگلے صحیفوں میں ہے ف۱۶۶ اور اگر ہم انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے اس (قرآن) کے

مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا

قبل ہی تو (یہ لوگ) کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں

رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾

نہ بھیجا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرنے لگتے بجائے اس کے کہ ہم بے قدر اور رسوا ہوں ف۱۶۷

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ

آپ کہہ دیجیے کہ سب ہی انتظار کر رہے ہیں سو تم بھی انتظار کرلو اب عنقریب ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا

مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ ع

کہ کون راہ راست والے ہیں اور کون (منزل) مقصود تک پہنچ ہوئے ہیں ف۱۶۸

ع ۸ ۱۷

ل کائنات بیان کردی کہ پورے تسلسل حیات سے جو یہاں سے لے کر آخرت
ک ہے قطع نظر کر کے صرف اس مادی زندگی پر قناعت کر لینا کس درجہ حمق اور
ام خیالی ہے — مال و دولت صرف وہی قابل قدر ہے جو آئندہ دور کی زندگی
ں بھی کام آنے والا ہے۔ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ زہرہ کے معنی لغت میں
زگی اور شادابی کے ہیں۔ حدیث کی کتابیں ابواب الزہد وغیرہ کے ماتحت اس
م کے مضامین سے بھری پڑی ہیں۔ بخاری کی مشہور حدیث ہے کن فی الدنیا
انک غریب او عابر سبیل۔ دنیا میں اس طرح رہ، کہ گویا تو غریب الوطن
ہے یا مسافر راہ رو۔ ف۱۶۳ (کہ اصل توجہ کے قابل تو یہ امور ہیں) اَهْلَكَ۔
ل کے لفظ میں خاندان اور عام مؤمنین دونوں کا مفہوم شامل ہے۔ فقہاء نے
یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ امر بالمعروف خصوصاً تاکید نماز اپنے متعلقین پر
جب ہے۔ آج جو لوگ ظہر کی نماز کے لیے دفتروں، کچہریوں وغیرہ کی
شغولیت کو اور عصر و مغرب و عشاء وغیرہ کے لیے دوسری مشغولیتوں کو عذر بنا کر
ش کرتے ہیں آیت میں ان سب کا رد آ گیا۔ ف۱۶۴ یعنی مقصود اصلی اکتساب
یں بلکہ دین اور طاعت ہیں۔ اکتساب کی اس حالت میں اجازت یا امر ہے کہ
روری طاعت میں وہ مخل نہ ہوں"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۔ عاقبۃ
سے مراد ہے حسن عاقبت، اور تقویٰ سے مراد اہل تقویٰ ہیں۔ ای العاقبۃ
لمحمودۃ و للذوی التقوٰی (بیضاوی) فالمراد العاقبۃ الجمیلۃ
اھل التقوٰی (کبیر) ف۱۶۵ (اور تقویٰ ہی قابل التفات ہے) ف۱۶۶ یعنی
ود قرآن جو ظہور ہے اگلی پیشینگوئیوں کا، اس سے نمایاں تر معجزہ اور کیا چاہیے؟
بَيِّنَةُ سے مراد قرآن بھی ہو سکتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک بھی
صل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ وَقَالُوْا یہ کہنے والے کفار و معاندین تھے۔
ف۱۶۷ یعنی آج جب قرآن اور رسول آچکے ہیں، جب تو یہ ان کا یوں انکار کر
ہے ہیں، اور اگر کہیں قرآن اور رسول نہ آئے ہوتے تو قیامت کے روز یہ عذر
ش کر دیتے کہ ہمارے پاس رسول ہی کہاں آیا وہ آتا تو ہم اس کے مطیع ہو نہ
اتے؟ مِنْ قَبْلِ۔ عربی محاورہ میں یہ نفی کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی بجائے اس
ے کہ ہم حقیر و رسوا ہوتے یا ہم حقیر و رسوا نہ ہونے پاتے اور ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی
یروی کر لیتے۔ نَذِلَّ۔ یعنی بے قدر خود اپنی نظر میں ہوں۔ نَخْزٰى یعنی رسوا
وسروں کی نگاہ میں ہوں (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) الذل الھوان والخزی الافتضاح
بحر) مِنْ قَبْلِهٖ میں ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی لی گئی اور بینہ و تذکیر (بہ
عنی برہان) کی طرف بھی اور قرآن کی طرف بھی۔ الضمیر الراجع الی
بینۃ ھنا فی معنی البرھان (کشاف) والظاھر عودہ علی الرسول

بحر) ف۱۶۸ آیت کا انداز بیان ایک بلیغ انداز میں مضمون کے زور و تاکید کے لیے ہے۔ یہ مراد نہیں کہ متکلم یا قائل کو اس میں کچھ ضعف یا تردد ہے۔ و لیس ھو بمعنی الشک والتردید بل ھو
لی سبیل التھدید والزجر للکفار (کبیر) فَسَتَعْلَمُوْنَ میں اس معنی عنقریب ہے، یعنی موت یا حشر میں۔

اٰیاتہا ١١٢ ۔ ٢١ سُوْرَۃُ الْاَنْۢبِیَآءِ مَکِّیَّۃٌ ٧٣ ۔ رکوعاتہا ٧

اس میں ایک سوبارہ آیتیں ۔ سورۂ انبیاء مکی ہے ۔ اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمْ وَ ھُمْ فِیْ غَفْلَۃٍ

قریب آ لگا لوگوں سے ان کے حساب (کا وقت) اور وہ غفلت ہی میں پڑے ہیں

مُّعْرِضُوْنَ ① مَا یَاْتِیْھِمْ مِّنْ ذِکْرٍ مِّنْ رَّبِّھِمْ

اعراض کئے ہوئے ف١ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس جو بھی تازہ نصیحت

مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْہُ وَھُمْ یَلْعَبُوْنَ ② لَاھِیَۃً

آتی ہے اسے یہ اس حال میں سنتے ہیں کہ ہنسی کرتے ہوتے ہیں۔ ان کے دل (اس کی طرف سے)

قُلُوْبُھُمْ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّجْوَی ۖ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۖ ھَلْ

بے توجہ۔ اور یہ لوگ یعنی ظلم کار اور اپنی سرگوشیوں کو چھپاتے رہتے ہیں ف٢ کہ یہ تو

ھٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ

محض تم جیسے ایک آدمی ہیں تو کیا تم جادو (کی بات) سننے کو جاؤ گے درآنحالیکہ تم

تُبْصِرُوْنَ ③ قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ

سوجھ بوجھ رکھتے ہو ف٣ (پیغمبر نے) فرمایا کہ میرا پروردگار (ہر) بات کو جانتا ہے آسمان

وَالْاَرْضِ ۫ وَ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ④ بَلْ قَالُوْٓا

اور زمین میں اور وہی خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ف٤ نہیں بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں

اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىہُ بَلْ ھُوَ شَاعِرٌ ۚۖ

کہ (یہ قرآن) پریشان خیالات ہیں ف٥ نہیں بلکہ یہ کہ انہوں نے اسے گڑھ لیا ہے۔ ف٦ نہیں بلکہ وہ تو ایک شاعر

ف١ یعنی وقت قیامت ہے کہ ہر روز ان سے قریب تر ہوتا جاتا ہے، اور یہ لوگ ہیں کہ اس کے لیے تیاریاں تو کیا کرتے، اس خبر ہی کا نہیں یقین کر رہے ہیں۔ النّاس۔ آیت میں اس سے مراد منکرین قیامت عموماً ہیں اور مشرکین عرب خصوصاً۔ قال ابن عباس المراد بالناس المشرکون وھذا من اطلاق اسم الجنس علی بعضه للدلیل القائم (کبیر) آج یورپ اور یورپ زدہ مشرق کی ساری آبادی کا بھی نقشہ غفلت واعراض کے لحاظ سے یہی ہے۔ حِسَابُھُمْ۔ مراد ہے وقت حساب یعنی روز قیامت۔ المعنی اقترب للناس وقت حسابھم (کبیر) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ غفلت مذموم وہ ہے جو اعراض کے ساتھ ملی جلی ہو، ورنہ مطلق غفلت سے تو عادۃً کوئی بھی خالی نہیں۔ ف٢ اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا سے مراد اسلام کے خلاف سازش کرنے والے منکرین ہیں۔ ابو جھل واصحابه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اور آج بھی جو لوگ عداوت اسلام ورسول اسلام میں اسی ابو جہلی روش پر چلیں اسی میں شامل ہیں۔ سازش کے لئے اخفاء لازمی ہے، اس لئے یہ لوگ اپنی کمیٹیوں، کانفرنسوں، مشورت کے جلسوں کو چھپا چھپا کر کرتے تھے۔ مَا یَاْتِیْھِمْ ...... یَلْعَبُوْنَ۔ ہر تازہ نشان کو، بجائے عنوان عبرت وتذکیر کے سرمایہ تفریح وتمسخر بنا لینا منکرین کا عام دستور اگلوں پچھلوں سب میں مشترک ہے۔ لَاھِیَۃً قُلُوْبُھُمْ۔ یعنی موعظ ونصیحت کو اس کان سننا اور اس کان اڑا دینا یہ آخرت فراموشی ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح جاہلیت قدیم میں عام تھا، آج جاہلیت جدید میں بھی رائج ہے۔ ان کے علوم وفنون میں، سائنس میں، آرٹ میں، التزام اس کا رہتا ہے کہ کوئی شے بھی آخرت کی یاد دلانے والی نہ آجانے پائے۔ اور یہ آخرت فراموش نظام جو کہنا چاہیے کہ ساری مہذب ونیم مہذب دنیا پر مسلط ومستولی ہو چکا ہے۔ اس نے لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمانوں کو بھی آہستہ آہستہ دین فراموش وآخرت فراموش بنا دیا۔ ذکر رسول تو محفل میلاد وغیرہ کے نام سے بعض طبقوں میں خواہ رسماً سہی، پھر بھی قائم ہے، آخرت کی ذمہ داری اور یوم الحساب کا تذکرہ، اتنا بھی کہیں نہ سنائی دے گا۔ لَاھِیَۃً قُلُوْبُھُمْ دین کے معاملات میں غیر ذمہ داری کی ہوا ہر سر میں سمائی ہوئی ہے۔ اَسَرُّوا النَّجْوَی۔ نجوٰی میں تو خود ہی پہلو اخفاء کا شامل ہے۔ اَسَرُّوا کے لفظ نے اس میں مزید تاکید اور زور پیدا کر دیا۔ معناہ بالغوا فی اخفائھا وجعلوھا بحیث لا یفطن احد لتناجیھم (کبیر) ف٣ منکرین ومشرکین عرب اپنے میں سے کسی کو کمزور ومذبذب پا کر اس سے کہتے تھے کہ یہ جو رسالت کے مدعی ہیں، ان میں بات ہی کونسی نئی اور ہم سب سے انوکھی ہے۔ یہ نہ کوئی دیوتا ہیں، نہ کوئی اوتار، نہ کسی اور طرح پر فوق البشر، جیسے انسان ہم تم سب ویسے ہی انسان یہ بھی۔ ان میں بشریت کے علاوہ اور بشریت سے زیادہ ہے کیا، جو ہم ان کا دین اختیار کریں اور ان کی راہ پر چلنے لگیں۔ اور ان کے کلام قرآن میں جو اثر تم پاتے ہو وہ تو تمامتر ثمرہ ان کے سحر ساحری کا ہے۔ سو کیا تم سوجھ بوجھ رکھ کر ہوش وحواس رکھتے ہوئے بھی ادھر ادھر جاؤ گے؟ ...... یہ سب توضیح انہی سرگوشیوں کی ہے جن کا ذکر ابھی اوپر آچکا ہے۔ ف٤ (چنانچہ وہ تمہارے بھی ان اقوال کفریہ سے خوب باخبر اور تمہاری سازشوں پر پوری طرح مطلع ہے) اسلام کا خدا جاہلی مذہبوں کے دیوتاؤں کی طرح ناقص العلم نہیں۔ حاضر وغائب، جلی وخفی اس پر سب یکساں روشن ہے۔ خفیہ سے خفیہ سازش بھلا اس سے کون مخفی رہ سکتی ہے؟ ف٥ مشرکین مکہ کے اسی گروہ کی نمائندگی آج یورپ اور یورپ زدہ طبقہ کر رہا ہے۔ ٹامس کارلائل (برطانوی) اور وں کے دیکھتے ہوئے اسلام کا بہت ہمدرد ہے اور قرآن کی خوبیوں کا معترف ہے وہ تک یہ لکھ گیا ہے کہ قرآن کیسی غیر مربوط، پریشان کتاب ہے تو دوسروں کا ذکر ہی کیا۔ ف٦ یہ پہلی تشخیص پر ترقی ہے۔ اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ میں تو پھر ایک شان بے اختیاری اور مجذوبیت کی تھی۔ ایک گروہ نے کھلم کھلا کہنا شروع کیا کہ نہیں یہ کلام تو انہوں نے دیدہ ودانستہ اپنے دل سے تراش رکھا ہے۔

فَلْيَأْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝٥ مَآ اٰمَنَتْ

ہیں وے ورنہ وہ لے آئیں ہمارے پاس کوئی (بڑا) نشان جیسا کہ پہلے لوگ رسول بنائے گئے ہیں و۸ ان لوگوں کے

قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝٦

قبل بھی کوئی بستی والے جنہیں ہم نے ہلاک کیا ہے ایمان تو لائے نہیں تھے۔ سو کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے؟ و۹

وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ

اور ہم نے آپ سے قبل مردوں ہی کو (پیمبر بنا کر) بھیجا ہے جن پر ہم وحی کرتے رہے ہیں و۱۰

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٧ وَ مَا

سو تم اہل کتاب سے پوچھ دیکھو اگر تم علم نہیں رکھتے و۱۱ اور نہ

جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ مَا كَانُوْا

ہم نے ان (رسولوں) کے جسم ایسے بنائے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ غیر فانی

خٰلِدِيْنَ ۝٨ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ

ہوئے ہیں و۱۲ پھر ہم نے ان سے (کئے ہوئے) وعدہ کو سچا کر دیا و۱۳ پھر ہم نے نجات دے دی ان کو

وَ مَنْ نَّشَآءُ وَ اَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝٩ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ

اور جن کو ہم نے چاہا، نجات دے دی و۱۴ اور ہم نے حد سے گزرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ یقیناً ہم تمہاری طرف

اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝١٠ وَ كَمْ

(ایسی) کتاب اتار چکے جس میں تمہارے لئے نصیحت موجود ہے تم کیا پھر بھی نہیں سمجھتے و۱۵ اور ہم نے کتنی ہی

قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا

بستیاں غارت کر ڈالیں (جن کے رہنے والے) ظالم تھے اور ان کے بعد دوسری قوم

قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝١١ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ

پیدا کر دی و۱۶ سو جب انہوں نے ہمارا عذاب (آتا ہوا) دیکھا تو لگے

ع ۱

و۷ یہ اور اس دوسری تشخیص پر بھی ترقی ہے۔ منکرین کہتے ہیں کہ ان کی زندگی ہی شاعر کی طرح تراشیدہ اور خیالی ہے۔ اور ان کا یہ کلام (قرآن) تو بس شروع سے آخر تک اعلیٰ شاعرانہ اور خیالی مضامین کا مجموعہ ہے۔ و۸ (اور وہ اپنے ساتھ بڑے بڑے عجائب وخوارق لائے تھے) اٰیۃ سے مراد یہاں کسی معجزہ عظیم خارق عادت سے ہے۔ و۹ اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ ان بڑے بڑے، معجزات، خوارق عادت سے حاصل کیا؟ پرانے انبیاء کے وقت میں تو بارہا اس کا تجربہ ہو چکا۔ انہوں نے سب کچھ دکھا ڈالا، پھر بھی ان کے زمانہ کے منکرین ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ذہنی کیفیت، نفسیت (سائکالوجی) ان جدید منکرین کی بھی وہی ہے جو ان قدیم منکرین کی تھی۔ پھر آج ان کے ایمان لے آنے کی کیا امید ہے؟ و۱۰ یعنی سلسلۂ نبوت تو ہمیشہ انسانوں ہی کی معرفت جاری رکھا گیا ہے۔ نبی تو ہر دور میں، ہر ملک میں، آدمی ہی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ کوئی جن، کوئی فرشتہ، کوئی فوق البشر انسانی آبادی کے لئے پیمبر بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے۔ اِلَّا رِجَالًا۔ بشر کے بجائے رجل کے لفظ کے استعمال میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ نبوت ہمیشہ مردوں ہی کو ملی ہے نہ کہ عورتوں کو۔ عارف تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں فرمایا کہ اسی اصل کی بناء پر اہل طریق بھی خلافت مردوں ہی کو دیتے ہیں۔ و۱۱ (کہ تم تو سرے سے سلسلۂ نبوت وطریق وحی ہی کے منکر ہو) مشرکین تو تمامتر بروز، حلول وغیرہ کے چکر میں پھنسے رہتے ہیں۔ نبوت، رسالت نزول وحی کے اصول ومبادیات ہی سے منکر وبیگانہ۔ اَهْلَ الذِّكْرِ سے مراد اہل کتاب ہیں۔ ای اھل التوٰرۃ والانجیل (ابن عباس رضی اللہ عنہ) ای اھل الکتاب (روح۔ عن الحسن وقتادۃ وغیرہا) وھم اھل الکتاب (کبیر) و۱۲ مشرکین کے تہ بہ تہ جہل کا شافی جواب ہے۔ رسول نہ بشری ضروریات غذا وغیرہ سے برتر ہوتا ہے اور نہ وہ غیر فانی ہو کر دنیا میں آتا ہے اس کی ترکیب جسمانی اور اس کی طبعی ضروریات سب وہی ہوتی ہیں جو گوشت پوست کے بنے ہوئے ہر بشر کی ہوتی ہیں۔ اس کا اصل مشن تو بس محض صحیح خدائی تعلیم کو دنیا میں پھیلانا ہوتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کھانا نہ کھانا کمالات اور علامات مقبولیت میں سے نہیں، جیسا کہ بہت سے عوام اور بعض خواص بھی خیال کرتے ہیں۔ و۱۳ وعدہ یہی تھا کہ ایمان لانے والے اور تصدیق کرنے والے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ اور انبیاء بھی باوجود اپنی ہر طرح کی ظاہری بے سروسامانی اور منکرین کی شوکت وقوت کے بالآخر مظفر ومنصور رہیں گے۔ و۱۴ ان نجات پانے والوں میں مومنین تو یقیناً داخل ہیں، باقی بعض منکرین بھی ممکن ہے کسی مصلحت تکوینی سے بچا دیئے گئے ہوں۔ و۱۵ خطاب قرآن کے معاصر منکرین سے ہے۔ ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ نہ قرآن کی بلیغ موعظت تم پر اثر کرتی ہے، اور نہ تم گزشتہ منکرین کے انجام سے سبق حاصل کرتے ہو۔ الذکر بمعنی التذکیر والمعنی فیہ موعظتکم (روح) و۱۶ (اور اللہ کی زمین ویران اور غیر آباد نہ رہی) قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً سے مراد وہ قومیں ہیں جو اپنے حق میں ظلم کرتی رہیں۔

مِّنْهَا يَرْكُضُونَ ﴿۱۲﴾ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا

اس بستی سے بھاگنے۔ بھاگو مت و۱۷ اور واپس چلو اپنے

أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ ﴿۱۳﴾ قَالُوا

سامانِ عیش اور اپنے مکانوں کی طرف شائد کہ تم سے کوئی پوچھ پاچھ ہی ہو و۱۸ وہ لوگ کہنے لگے

يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَت تِّلْكَ دَعْوَاهُمْ

ہائے ہماری شامت، بے شک ہم ہی ظالم تھے و۱۹ ان کی یہی پکار جاری رہی

حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَامِدِينَ ﴿۱۵﴾ وَمَا خَلَقْنَا

کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی کھیتی، بجھی ہوئی آگ بنا دیا و۲۰ اور ہم نے

السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ ﴿۱۶﴾ لَوْ أَرَدْنَا أَن

آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کو (اس طرح) نہیں بنایا کہ ہم کھیل کر رہے ہوں و۲۱ اگر ہم کو یہی

نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنَاهُ مِن لَّدُنَّا إِن كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿۱۷﴾

منظور ہوتا کہ ہم کھیل کے طور پر کریں تو ہم اپنے ہی پاس (کی چیز) کو (کھیل) بنالیتے اگر ہم کو (یہ) کرنا ہی تھا و۲۲

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا

ہم تو حق کو باطل کے اوپر پھینک مارتے ہیں سو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے تو وہ

هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴿۱۸﴾ وَلَهُ مَن

دفعۃً مٹ جاتا ہے اور تمہاری (بڑی) کم بختی آئے گی اس سے کہ جو تم گڑھتے رہتے ہو و۲۳

فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ عِندَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ

اور اسی کی ملک ہے، جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو اس کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے

عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ

عار نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے ہیں و۲۴ رات اور دن تسبیح کرتے

و۱۷ یہ گویا ندائے غیبی ان کے کان میں آئی۔ ”انہوں نے“ یعنی انہیں ظالم، کافر و فاسق، عذاب زدہ لوگوں نے۔ و۱۸ (از راہِ ہمدردی کہ کیا گزری) ”مقصود اس سے تعریض ہے کہ نہ وہ سامان رہا نہ مکان رہا، نہ کسی ہمدرد کا نام ونشان رہا“ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) و۱۹ یعنی نزول عذاب کے وقت بدکار وفسق پیشہ قومیں پچھتاتی ہیں، اپنے جرائم کا اعتراف کرتی ہیں، اور ہر طرح واویلا مچاتی ہیں۔ و۲۰ یعنی آخر وقت میں ان کی آہ و فریاد کچھ ان کے کام نہ آئی اور وہ نیست ونابود اس طرح ہو گئے جیسے کٹی ہوئی کھیتی یا بجھی ہوئی آگ۔ ؎

اب نہ خود ہیں نہ ہے مکاں باقی — نام کو بھی نہیں نشاں باقی

و۲۱ (بلکہ ان کی تخلیق سے بے شمار حکمتیں اور اور مخلوق کی بے حساب مصلحتیں وابستہ ہیں) اس میں رد ہے ان مشرک قوموں کا جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ کائنات محض ”ایشور کی لیلا“ یا خدا کی تماشا گاہ ہے اور حق تعالیٰ کا مقصود اس سے کچھ نہیں، بجز تماشہ دیکھنے اور دکھانے کے۔ و۲۲ یعنی بالفرض ہمیں تفریح وتماشہ ہی مقصود ہوتا تو ہم بلاواسطۂ مخلوقات اپنے ہی یا براہ راست تعلق رکھنے والی کسی چیز کو اختیار کر لیتے مثلاً اپنی صفات کمال کے مشاہدہ کو۔ ذی شعور مخلوق کو اس چکر میں کیوں ڈالتے۔ آیت سے معلوم ہوا کہ تخلیق کائنات خود مخلوق ہی کے نفع ومصلحت کے لئے ہے۔ عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ ؎

من نہ کردم امر تا سودے کنم — بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

و۲۳ (یعنی تمہارے شرک سے) یہ کائنات تماشا گاہ، تفریح گاہ نہیں۔ حق وباطل، صدق وکذب، نور وظلمت کی جنگ گاہ، معرکہ گاہ ہے۔ و۲۴ مراد فرشتہ ہیں۔ هم الملائكة باجماع الامة (کبیر) يعنى الملائكة المنزلين (بیضاوی) یہ خصوصیات انہیں کے بیان ہو رہے ہیں کہ وہ عبادت الٰہی سے کسی قسم کا عار محسوس کرنا الگ رہا، اس میں ہر وقت لگے رہنے کے باوجود اس سے تھکتے تک نہیں۔ مَنْ عِنْدَهٗ۔ یہ نزدیکی شرف ومنزلت کے لحاظ سے ہے نہ بہ اعتبار مقام ومکان۔ لا يراد بها ظرف المكان لانه تعالىٰ منزة عن المكان بل المعنى شرف المكانة وعلو المنزلة (بحر) والمراد بالعندية عندية الشرف لا عندية المكان (روح) هذه العندية عندية الشرف والرتبة لا عندية المكان والجهة (کبیر)

وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ

رہتے ہیں موقوف نہیں کرتے ف٢٥ کیا انہوں نے زمین سے (ایسے) معبود اختیار

الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿٢١﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا

کر رکھے ہیں جو (کسی کو) زندہ کرتے ہوں؟ ف٢٦ اگر ان دونوں (جگہوں) میں علاوہ اللہ کے کوئی معبود ہوتا تو یہ دونوں

اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا

درہم برہم ہو گئے ہوتے ف٢٧ اللہ مالک عرش، پاک ہے ان امور سے جو یہ لوگ

يَصِفُوْنَ ﴿٢٢﴾ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿٢٣﴾ اَمِ

بیان کر رہے ہیں ف٢٨ اور جو کچھ بھی کرے اس سے کچھ باز پرس نہیں کی جاسکتی، اور اوروں سے باز پرس کی جاتی ہے ف٢٩

اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا

کیا انہوں نے اللہ کے سوا معبود اختیار کر رکھے ہیں؟ آپ کہیے تم اپنی دلیل پیش تو کرو ف٣٠ یہ میرے

ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا

ساتھ والوں کی کتاب اور مجھ سے قبل والوں کی کتاب (موجود) ہے لیکن اس پر بھی اکثر لوگ حق کا

يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنَا

یقین نہیں رکھتے پس اس سے اعراض کر رہے ہیں ف٣١ اور ہم نے آپ سے قبل

مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ

کوئی (ایسا) رسول نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے (یہ) وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا

اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿٢٥﴾ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ

کوئی معبود نہیں سو عبادت میری ہی کرو ف٣٢ اور یہ کہتے ہیں کہ خدائے رحمن نے

وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ

اولاد بنا رکھی ہے وہ پاک ہے (اس سے) البتہ وہ (فرشتے) بندے ہیں معزز ف٣٣ وہ اس سے آگے بڑھ کر بات

ف٢٥ ذکر فرشتوں کا چل رہا ہے۔ جاہلی مذہب والے انہیں تو اپنے جہل سے دیوی دیوتا قرار دے لیتے ہیں۔ آگے ذکر زمینی معبودوں کا آرہا ہے۔ سیاق خود چاہتا ہے کہ یہاں ذکر آسمانی دیوتاؤں کا ہو۔ ف٢٦ سوال مشرکین کی حماقت محض سے ہے کہ آخر کیا سمجھ، کیا دیکھ کر انہوں نے مخلوق کو جو خود بے قدرت ہے اپنا معبود تسلیم کرلیا ہے؟ زمینی معبودوں اور دیوتاؤں کی مثالوں کے لئے ہندوستانیوں کو دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ارد گرد، حیوانات ونباتات، جمادات سب میں کثرت سے موجود ہیں گئو ماتا، گنگا مائی، سرجو مائی، بندھیا چل، گوری شنکر، ناگ (سانپ) ہنومان (بندر) پیپل، تلسی وغیرہا ف٢٧ یعنی نظام عالم میں ابتری پڑ جاتی، خدا کے تصور وتعریف ہی میں یہ امر داخل ہے کہ وہ مطلق الارادہ ومطلق الاختیار اور مالک کل ہو۔ اگر اس کے اختیارات یا اس کی ملک محدود ومقید ہوئی تو وہ خدا

ہی کیوں کہلائے گا۔ اس تعریف کو پیش نظر رکھنے کے بعد غور کیجئے کہ دو (یا زائد) خداؤں کے وجود کے معنی ہی کیا ہو سکتے؟ ایک خدا کی ملک سے کوئی بھی جزو موجودات اگر باہر رہا، یا اسے اپنا ارادہ کسی مصلحت سے مغلوب کرنا پڑا، یا اپنے ختیارات پر کسی ضرورت سے پابندی عائد کرنی پڑی تو اس کے خدا باقی رہنے کا مکان ہی کیا رہ گیا؟ تصادم وتزاحم بہرحال دو خداؤں کے درمیان ناگزیر ہے۔ ور کائنات کی تنظیم وترتیب کا مشاہدہ خود اس تصادم وتزاحم کی تکذیب کر رہا ہے سو س نظام کائنات کا وجود جس کے آگے بشری صناعوں کی بڑی بڑی صناعیاں گرد یں، دلیل قاطع ہے توحید صانع عالم پر، جس دلیل کو قرآن کریم نے اس قدر سادہ طور پر ادا کر دیا، اسی کو متکلمین نے حسن صنعت ونظم کائنات سے توحید صانع ر استدلال کا لقب دے کر اس سے بڑے بڑے کام لئے ہیں اور اسے شرح بسط سے اور اپنی اصطلاحات کے ساتھ لکھا ہے اور اس کو برہان تمانع کا لقب دیا ہے۔ فِيْهِمَا سے مراد ظاہر ہے کہ آسمان اور زمین ہیں۔ لَفَسَدَتَا۔ قیامت یں جو دور فنا وہلاکت کا آئے گا، وہ ایک نظم کے ماتحت اور ایک ضابطہ معین کے موافق ہوگا۔ (جیسا کہ آج بھی افراد اپنے وقت معین پر ہلاک ہوتے رہتے یں) اس پر اطلاق ''فساد'' کا کسی طرح نہیں ہوسکتا۔ ف٢٨ عرش مخلوقات میں ود بھی سب سے اعظم واشرف ہے، پھر جو اس کا بھی مالک ورب ہو، اس کی ظمت کا کیا ٹھکانا ہے! اللہ کی صفت یہاں رَبِّ الْعَرْشِ لا کر اس کی بے انتہا ظمت اور شرک کی بے عقلی کو اور زیادہ نمایاں کر دیا۔ ف٢٩ اس میں ان مشرک وموں کا رد آگیا جو خدا کو بھی محدود الاختیار، محدود القویٰ مانتے ہیں۔ یونان کے شرک فلاسفہ کا یہی مذہب ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ہندوستان یں عقیدہ ''کرم'' کے ماننے والوں کا بھی یہی خیال ہے۔ ف٣٠ یعنی توحید پر و بہت سی دلیلیں قائم ہیں عقلی بھی، نقلی بھی۔ تم شرک پر بھی کوئی دلیل پیش کر کے کھاؤ...... افسوس ہے کہ ہمارے ہاں کے متکلمین نے اس پہلو پر اب تک بہت کم وجہ کی ہے۔ عموماً اب تک بجائے عقیدۂ شرک پر مطالبۂ دلیل کے دلائل توحید ہی ر قائم کئے جاتے رہے ہیں۔ ف٣١ یعنی چونکہ حق سے اعراض کئے ہوئے ہیں، س کی طلب اور تڑپ اپنے دل میں رکھتے ہی نہیں، اس لئے ایمان ویقین کی ولت سے بھی محروم ہیں۔ المعنی فهم معرضون ولذلک لا یعلمون (بحر) هٰذَا...... قَبْلِيْ۔ مطلق ذِكْر سے یہاں مراد کتب الٰہی ہے۔ فالذكر هنا راد به الكتب الالهية (بحر) قيل المراد بالذكر الكتاب۔ ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ سے مراد قرآن ہے اور ذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ سے صحف قدیم ہیں۔ گویا ارشاد یہ ہو ہا ہے کہ ان کتابوں میں دیکھ لو، تعلیم کس عقیدہ کی موجود ہے۔ توحید کی یا شرک کی؟...... دلیل عقلی اثبات توحید پر ابھی اوپر پیش ہو چکی تھی۔ اب دلیل نقلی پیش ہو رہی ہے۔ ف٣٢ (اور اس میں کسی کو شریک نہ کرو) اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا۔ یہ عقیدہ ہوا توحید کا فَاعْبُدُوْنِ یہ عمل ہوا توحید کا۔ یہ دین توحید جس کا دوسرا نام دین اسلام ہے، دنیا کا قدیم ترین دین ہے۔ اور انبیاء کے ذریعہ سے ہمیشہ تبلیغ اسی دین کی ہوتی رہی ہے۔ دین شرک تمامتر ذہن انسانی کی اختراع ہے، اور بہت بعد کی پیداوار ہے۔ ف٣٣ ذکر ان مشرکوں کا ہے، جو فرشتوں کو خدا کی اولاد سمجھتے تھے۔ نزلت فی خزاعة حیث قالوا الملئكة بنات الله (کشاف) ان کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ توبہ توبہ خدائے برتر وقدوس کو اولاد سے کیا واسطہ، جن ہستیوں کو تم اس کی اولاد قرار دے رہے ہو، یہ سب تمامتر اس کے بندے ہیں، البتہ معزز وذی رتبہ بندے۔

بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

نہیں کر سکتے و۳۴ اور وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں و۳۵ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے

اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ

آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے و۳۶ اور وہ شفاعت بھی نہیں کر سکتے (کسی کی) بجز اس کے کہ

ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَ مَنْ

جس کے لئے (اللہ کی) مرضی ہو اور وہ (سب) اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں و۳۷ اور جو کوئی

يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ

ان میں سے یہ کہہ بھی دے کہ میں (بھی) معبود ہوں اللہ کے سوا سو ہم اسے جہنم کی

جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ع اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ

سزا دیں گے، ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں و۳۸ کیا جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں انہیں

كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ

علم نہیں کہ آسمان اور زمین بند تھے و۳۹ پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا و۴۰

وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور ہم نے پانی سے ہر جان دار چیز کو بنایا ہے کیا پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے؟ و۴۱

وَ جَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۪

اور ہم نے زمین میں پہاڑ اس لئے رکھ دیئے کہ وہ لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے و۴۲

وَ جَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنا دیئے تاکہ لوگ راستہ پاتے رہیں

وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّ هُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا

اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا و۴۳ اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے منہ پھیرے

و۳۴ (بلکہ اسی کے حکم کے منتظر رہتے ہیں) یہ کیفیت ہے ان مقرب بندوں کے ادب، خشوع وتعبد کی۔ و۳۵ اس میں رد آ گیا یہود ونصاریٰ کی گمراہی کا جو "نافرمان" فرشتوں کے وجود کے قائل ہیں۔ یہاں ان کی صحیح کیفیت بیان کر دی ہے کہ ان سے نہ قولی مسابقت ہی ہوتی ہے اور نہ فعلی مخالفت۔ والمعنی انهم یتبعونه فی قوله ولا یقولون شیئا حتی یقوله وکما ان قولهم تابع قوله فعملهم ایضاً کذٰلک مبنی علی امره (کبیر) و۳۶ فرشتوں کو یہ بھی یقین ہے کہ اللہ سب کے اگلے پچھلے احوال خوب جانتا ہے، اس لئے اس کا جو اور جب حکم ہوگا حکمت کے موافق ہی ہوگا، اس لئے چون وچرا کی گنجائش ہی نہیں۔ و۳۷ یہ نقشہ ہے ان کے ادب واطاعت گزاری، اور ان کی مغلوبیت ومحکومیت کا۔ فرشتوں والا شرک دنیا میں بہت پھیلا رہا ہے، اسی لئے اس کی تردید کی مفصل اور بار بار ضرورت ہوئی۔ ہندوستان میں دیوتا پرستی کے نام سے جو شرک چلا ہوا ہے وہ حقیقۃً یہی ملائکہ پرستی ہی ہے۔ و۳۸ یعنی جس طرح اور مخلوقات تمامتر خدا کے قابو اور اختیار میں ہے، فرشتے بھی ہیں۔ ان کا یہ قول کہ ہم بھی معبود ہیں، ظاہر ہے کہ بطور فرض محال نقل ہوا ہے۔ ومن یقل منهم علی سبیل الفرض (روح) اور قرآن مجید میں ایسے مفروضات واحتمالات کا استعمال بار بار ہوا ہے۔ و۳۹ چنانچہ نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین سے پیداوار۔ آسمان اور زمین جامد محض ہیں۔ کوئی دیوی دیوتا یا صاحب اختیار مخلوق ہی سرے سے نہیں کہ خود بخود اپنے ارادہ ومرضی سے کسی کے کام آنے لگیں اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا سے مراد یہ ہے کہ یہ مشرکین جو توحید کے منکر ہیں، کیا طبعیات ومادیات کے ان حقائق پر بھی غور نہیں کرتے؟ آسمان اور زمین جیسے قوی الجثہ مخلوقات تک میں یہ قدرت کب تھی کہ اپنے ارادہ واختیار سے وہ کچھ کرنے لگیں؟ رؤیت سے مراد رؤیت عینی نہیں، رؤیت عقلی یا علم ہے۔ المراد من الرؤیة هو العلم (کبیر) کَانَتَا۔ سمٰوٰت صیغۂ جمع ہے۔ مراد یہاں مجموعۂ سمٰوٰت یا طبقۂ سمٰوٰت ہے۔ اسی لئے اسے بہ طور منفرد لا کر اس کے اور ارض کے لئے ضمیر تثنیہ کی لائی گئی۔ و۴۰ چنانچہ آسمان سے بارش ہونے لگی اور زمین سے نباتات پیدا ہونے لگی۔ و۴۱ (اور توحید کے قائل نہیں ہو جاتے) پانی سے مراد یہاں اگر بارش ہے تو بارش کے پانی سے براہ راست یا بالواسطہ ہر جاندار کا مستفید ہونا ظاہر ہی ہے۔ ای خلقنا من الماء کل حیوانٍ (کشاف) اور اگر مراد نطفۂ حیوانی لی جائے تو اس سے بھی ہر جاندار کا وجود میں آنا مشاہد ہے۔ قال قطرب وجماعة المراد بالماء النطفة (روح) جدید ماہرین علم الحیات کی تحقیق ہے کہ ہر جاندار کی ترکیب میں عنصر اصلی پروٹو پلازم (نخرمایہ) کا ہوتا ہے۔ اگر اسی کو مانا جائے تو اس جوہر میں بھی حصہ غالب پانی ہی کا ہوتا ہے! ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ کُلٌّ۔ لفظ کل محاورہ میں تقریباً کل یا بہت بڑی اکثریت کے مرادف مستعمل ہے۔ اس لئے اگر کسی جاندار کی پیدائش کا استثناء اس قاعدہ سے ثابت ہو جائے تو یہ عموم قانون کے منافی نہیں۔ و۴۲ مراد یہاں ڈانواڈول حرکت سے ہے۔ نفی یہاں مطلق حرکت ارض کی نہیں بلکہ اس کی اضطرابی حرکت کی ہو رہی ہے۔ یہ پہاڑ جو ہیں گویا زمین کا توازن برابر رکھنے کا کام دے رہے ہیں کہ ایسا نہ ہو وہ ایک طرف کو جھک جائے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۹۹ الحجر پارہ ۱۴۔ و۴۳ یعنی ہر طرح کی شکست ریخت، نقصان سے محفوظ۔ آسمان کے چھت ہونے یا عمارت پر حاشیہ سورۂ بقرہ پ۱ رکوع ۳ میں گزر چکا۔ عدیم المثال بلندی اور عدیم المثال احاطت دونوں کے لحاظ سے آسمان کا جو بہترین صفاتی نام دیا جا سکتا ہے وہ چھت ہی کا ہو سکتا ہے۔ ہیئت وفلکیات کی ہر علمی اصطلاح سے کہیں بہتر اور کہیں واضح تر۔

مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ

ہوئے ہیں و۴۴ اور وہ وہی تو ہے جس نے رات کو اور دن کو

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا

اور سورج کو اور چاند کو پیدا کر دیا ہے، سب (اپنے اپنے) دائرہ میں تیر رہے ہیں و۴۵ اور ہم نے

جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ

آپ سے قبل بھی کسی بشر کو ہمیشگی کے لئے نہیں بنایا تھا و۴۶ سو کیا اگر آپ کی وفات ہو جائے تو یہ

الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ

ہمیشہ رہیں گے؟ و۴۷ ہر جان دار موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور ہم تم کو آزماتے ہیں

بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَا رَاٰكَ

برائی سے اور بھلائی سے خوب طرح اور ہماری ہی طرف تم لوٹ کر آؤ گے و۴۸ اور یہ کافر لوگ جب آپ کو

الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا

دیکھتے ہیں تو آپ سے بس تمسخر کرنے لگتے ہیں و۴۹ کیا یہی وہ (حضرت) ہیں

الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ

جو تمہارے معبودوں کا ذکر (برائی سے) کیا کرتے ہیں درآنحالیکہ یہ لوگ خدائے رحمٰن کے ذکر پر

كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیْكُمْ

کفر کرتے رہتے ہیں و۵۰ انسان کی خلقت ہی جلدی (کے خمیر) سے ہوئی ہے و۵۱ ہم عنقریب تم کو اپنی نشانیاں

اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ

دکھا دیں گے سو تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ و۵۲ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کس وقت پورا ہوگا

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا حِیْنَ

اگر تم سچے ہو و۵۳ کاش ان کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی

و۴۴ مقصود ان سارے مادی وطبعی حقائق کی طرف اشارہ کرنے سے یہ ہے کہ یہ سب اللہ کی توحید اور کمال صناعی ہی پر دلالت کر رہی ہیں۔ كُلٌّ۔ تنوین حذف مضاف کے ظاہر کرنے کو ہے۔ تقدیر کلام کلهم ہے۔ التنوین فیه عوض من المضاف الیه ای کلهم (کشاف) و۴۵ (اور جو قاعدہ قانون ان کے لئے بنا دیا گیا ہے، اس سے باہر نہیں جا سکتے) اور یہ ضمیر هُمْ جنس طوالع کی جانب ہے۔ الضمیر للشمس والقمر والمراد بهما جنس الطوالع (کشاف) الغرض الدلالة علی الجنس (کشاف) و۴۶ (سو آپ بھی غیر فانی بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں اور نہ کوئی اور انسان مدارج قرب میں ترقی کرتے کرتے غیر فانی دیوتا بن سکا ہے) آیت میں تردید ہے یونان، ہندوستان وغیرہ کے اس مشرکانہ عقیدہ کی کہ فلاں فلاں انسان ترقی کرتے کرتے دیوتا بن گیا اور غیر فانیوں (HEROES) کی صف میں شامل ہو گیا۔ و۴۷ (سو یہ کافر معاند آپ کی وفات کا خیال کر کر کے خوش کیوں ہو رہے ہیں؟) و۴۸ یہاں انسان کے لئے تین قانون بیان کر دیئے۔ (۱) ایک یہ کہ ہر ذی حیات کے لئے موت لازمی ہے، خواہ جلد خواہ طویل ترین مدت کے بعد۔ (۲) انسان جب تک زندہ رہے گا اس کا امتحان برابر ہوتا رہے گا۔ کہ کن کن حالات میں وہ ایمان وطاعت کی طرف مائل رہتا ہے اور کن کن حالات میں کفر ومعصیت کی طرف جھک جاتا ہے۔ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ۔ شر سے مراد انسان کے مخالف طبع حالات ہیں مثلاً مرض، افلاس وغیرہ۔ خیر سے مراد انسان کے موافق طبع حالات ہیں۔ صحت، خوشحالی وغیرہ۔ ای بالمكروه والمحبوب وتفسیر الشر والخیر مما ذکر مروی عن ابن زید وروی عن ابن عباس انها الشدة والرخاء و قال الضحاک الفقر والمرض والغنی والصحة والتعمیم اولی (روح) (۳) ہر انسان کو اللہ ہی کے حضور میں واپس جا کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہے۔ فِتْنَةً۔ مصدر فِتْنَةً فعل نَبْلُوْكُمْ کی تاکید کے لئے ہے۔ اور تاکید کے موقع پر کبھی تو اسی فعل کا مصدر دہرا دیا جاتا ہے اور کبھی کوئی اس کا مرادف۔ مصدر موکد لنبلوکم من غیر لفظه (کشاف) و۴۹ (آپس میں) کافروں کی اخلاقی پستی کا نقشہ ہے۔ آج بھی کتنے ہی بدنفس کافر ایسے موجود ہیں جو شریعت اسلامی کے احکام ومسائل کو کبھی سنجیدگی سے سنتے ہی نہیں۔ سرے سے تمسخر ہی کرتے رہتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل اللہ کی بے قدری اس تشنیع کے عموم میں آ جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ و۵۰ تو تمسخر واستہزاء کے مستحق اگر ہیں تو خود یہ لوگ ہیں جو دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے اہم حقیقت کو یوں ٹھکرائے ہوئے، یوں بھلائے ہوئے ہیں۔ یَذْكُرُ سے مراد ہے کہ برائی سے ذکر کرتے ہیں۔ ای بسوء وانما اطلقه بدلالة الحال (بیضاوی) و۵۱ انسان سے مراد کافر قسم کا انسان ہے جس کا ذکر ہو رہا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس قسم کا انسان کچھ ایسا جلد باز ہوتا ہے کہ گویا عجلت پسندی اس کے اجزاء عنصری اور ہیئت ترکیبی میں شامل ہے۔ آج کل کے دہریے اپنے کو سوشلسٹ، کیمونسٹ وغیرہ کے مختلف ناموں سے سے یاد کرنے والے نیم دہریے جن کا حق تعالیٰ کے وجود پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ کیسا قادر مطلق ومنصف مزاج خدا ہے جو ظالم کی گرفت اس کے ظلم پر فی الفور کیوں نہیں کرتا اور قاتل کو معاً مقتول کے وارثوں کی گرفت میں کیوں نہیں دے دیتا۔ ان کی ذہنیت بھی ٹھیک اس کلیہ کے ماتحت ہو جاتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ طریق تصوف میں اکثر تشویشات اسی عجلت پسندی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ و۵۲ قدرت کا، قہر کا ہر نشان اپنے وقت پر قانون حکمت کے ماتحت ظاہر ہو کر رہے گا۔ خود کسی عذاب کی فوری آمد کا مطالبہ کرتے رہنا حماقت محض ہے۔ و۵۳ وعدہ سے مراد وعدہ قہر عذاب ہے۔ مشرکین معاندین یہ سوال مسلمانوں سے تمسخر اور بے یقینی کے لہجہ میں کیا کرتے۔

لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَ لَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ

جب یہ آگ کو نہ روک سکیں گے نہ اپنے چہروں سے اور نہ اپنی پشتوں سے

وَ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٣٩﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ

اور نہ انہیں مدد پہنچ سکے گی ف۵۴ بلکہ وہ (آگ تو) انہیں یک بیک آلے گی سو انہیں بدحواس کردے گی

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٤٠﴾ وَ لَقَدِ

پھر نہ انہیں اس کے دور کرنے کی مہلت ہوگی اور نہ انہیں مہلت ہی دی جائے گی ف۵۵ اور یقینا

اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا

آپ سے پہلے بھی جو پیمبروں کے ساتھ تمسخر کیا جا چکا ہے، پھر جن لوگوں نے ہنسی اڑائی تھی ان کے اوپر

مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٤١﴾ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ

وہی (عذاب) آ واقع ہوا جس پر وہ تمسخر کر رہے تھے ف۵۶ آپ کہیے وہ کون ہے جو تمہاری حفاظت کرتا

بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ

رہتا ہے رات اور دن میں خدائے رحمٰن سے؟ لیکن نہیں وہ اپنے پروردگار کے ذکر کی طرف سے

مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا

روگرداں ہی ہیں ف۵۷ کیا ان کے پاس ہمارے سوا (کوئی اور) معبود ہیں جو ان کی حفاظت کرلیتے ہوں؟ وہ تو

يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿٤٣﴾

خود اپنی نصرت کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہمارے مقابلہ میں ان کا ساتھ ہی دیا جا سکتا ہے

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ

لیکن نہیں ہم نے تو انہیں اور ان کے باپ (دادوں) کو خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا ف۵۸

اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ

سو کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم (ان کی) زمین کو (برابر) اس کی ہر طرف سے گھٹاتے ہی چلے آتے ہیں ف۵۹

ع ۲ ۲

ف۵۴ یعنی کاش ان منکروں کو اس وقت کا استحضار ہوتا جب آتش دوزخ ان پر ہر طرف سے بے پناہ حملے کرے گی اور انہیں بچاؤ کا، یا مدد کا، کسی طرف سے کوئی ادنیٰ بھی سہارا نہ ملے گا۔ تو آج یہ اس طرح کی بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بناتے۔ ف۵۵ وہ عذاب شدید اگر ان کے معلوم و متعین وقت پر آتا، جب بھی کچھ غنیمت تھا، وہ تو بالکل دفعۃً نازل ہوگا کہ یہ بالکل ہکا بکا رہ جائیں گے اور کچھ ان کے بنائے بن بھی نہ پڑے گی۔ ف۵۶ ساری تاریخ انبیاء مکذب، منکر، معاند قوموں کی تباہی و بربادی سے بھری پڑی ہے۔ اور ہر دنیوی و مادی عذاب تو محض ایک ہلکا سا نمونہ ہے آخرت کے اشد العذاب کا۔ ف۵۷ (اس لئے دلائل توحید پر غور ہی نہیں کرتے) مِنَ ...... الرَّحْمٰنِ۔ یعنی اگر خدائے رحمٰن تمہیں گرفت میں لینا ہی چاہے تو دن رات میں کون اتنی مجال رکھتا ہے جو تمہارے بچاؤ میں کام دے سکے؟ یعنی عارفین نے لکھا ہے کہ اپنے نفس کی حفاظت کی طرف سے بے اختیاری میں تو مومن و کافر سب برابر ہیں البتہ فرق یہ ہے کہ مومن کی تائید، حفاظت و نصرت من اللہ و مع اللہ ہوتی رہتی ہے۔ اور کافر کی آس ادھر سے ٹوٹی رہتی ہے۔ ف۵۸ (اور انہوں نے اپنے عیش و عشرت میں کوئی خلل پڑتے نہ دیکھا) سو ان کے اصرار علی الکفر اور جمود کی اصل بنیاد ان کی طویل غفلت ہے۔ ف۵۹ (فتوح اسلامیہ کے ذریعہ سے) سو ان کی بیداری اور تنبیہ کے لئے اور انہیں غفلت کی نوم طویل سے چونکانے کے لئے تو یہی امر کافی ہو جانا چاہیے۔ ''ابتدا میں اسلام کا مغلوب ہونا اس کی اشاعت میں مخل تھا اور اس کی تبلیغ و اشاعت کافی ہو چکی جو اصل مقصود تھی۔ اب مغلوب ہونے سے وہ مفقود نہیں ہو سکتا چنانچہ مشاہد ہے۔'' (تھانوی علیہ الرحمۃ)

أَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ إِنَّمَآ أُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَ لَا

بھلا یہ لوگ غالب آنے والے ہیں؟ آپ کہہ دیجیے کہ میں تو وحی کے ذریعہ سے تمہیں صرف ڈراتا ہوں ف۶۰

يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ إِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَئِنْ

اور بہرے تو پکار سنتے ہی نہیں جب ڈرائے جاتے ہیں ف۶۱ اور اگر

مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ

ان کو آپ کے پروردگار کے عذاب کا ایک جھونکا بھی چھو جائے تو یوں کہنے لگیں ہائے ہماری کم بختی،

إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ

بے شک ہم ہی خطاوار تھے ف۶۲ اور ہم قیامت کے دن میزان عدل

الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَ إِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ

قائم کریں گے ف۶۳ سو کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہو گا۔ اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی

مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ لَقَدْ

(کسی کا کوئی) عمل ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے اور حساب لینے والے ہم ہی کافی ہیں ف۶۴ اور بالیقین

اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِيَآءً وَّ ذِكْرًا

ہم موسیٰ و ہارون کو عطا کر چکے ہیں ایک چیز فیصلہ کی اور روشنی کی اور نصیحت کی

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَ هُمْ

پرہیزگاروں کے لئے ف۶۵ جو اپنے پروردگار سے بن دیکھے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ

مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ

قیامت سے بھی ڈرتے رہتے ہیں ف۶۶ اور یہ (قرآن) ایک برکت والی (کتاب) نصیحت ہے

أَنْزَلْنٰهُ ؕ أَفَأَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَآ إِبْرٰهِيْمَ

کہ ہم نے اس کو اتارا ہے سو کیا تم اس کے منکر ہو؟ ف۶۷ اور بالیقین ہم (اس سے بھی) پہلے ابراہیم کو خوش فہمی

ع ۴

ف۶۰ (باقی عذاب لانا نہ لانا میرے اختیار میں بالکل نہیں) ف۶۱ (سو یہ بہرے جنہوں نے ہر دعوت حق کی طرف سے اپنے کان بہرے کر رکھے ہیں، ان پر بھلا میری تنبیہ کا کیا اثر ہو گا؟) ف۶۲ یعنی پورا عذاب تو الگ رہا، اس کا ایک شمہ بھی اگر ان پر نازل ہو جائے تو ان کی آنکھیں کھل جائیں، ہوش درست ہو جائیں، اور ساری غفلت اور تعلی رفو چکر ہو جائے۔ ف۶۳ (اور اعمال کا وزن کریں گے) وزن اعمال پر حاشیہ سورۂ اعراف رکوع اول کے تحت گزر چکا۔ الْمَوَازِيْنَ۔ "موازین کا جمع لانا یا تو اس وجہ سے ہے کہ ہر شخص کے لئے جدا میزان عمل ہو، یا چونکہ ایک میزان میں بہت سے لوگوں کے اعمال کا وزن ہو گا اس لئے وہ ایک قائم مقام متعدد کے ہوگی۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) موازین کے صیغۂ جمع کے ظاہری اقتضاء سے بعض نے یہ کہا ہے کہ قیامت میں میزانیں متعدد ہوں گی، مثلاً ہر امت کے لئے الگ الگ، ہر مکلف کے لئے الگ الگ۔ وجمع الموازین ظاهر فی تعدد المیزان حقیقة (روح) لیکن قول معتبر یہ ہے کہ یہ تعدد حقیقی نہیں مجازی ہے، اور صیغۂ جمع محض اظہار عظمت کے لئے ہے۔ و الاصح الاشهر انه میزان واحد لجمیع الامم ولجمیع الاعمال والتعدد اعتباری و قد یعبرعن الواحد بما یدل علی الجمع للتعظیم (روح) انما جمع الموازین لکثرة من توزن اعمالهم وهو جمع تفخیم (کبیر) الاکثر علی انه انما هو میزان واحد وانما جمع باعتبار تعدد الاعمال الموزونة فیه (ابن کثیر) ف۶۴ (بغیر میزان وغیرہ کی مدد کے بھی) مطلب یہ ہے کہ یہ سارے انتظامات تو تمہارے مزید اطمینان کے لئے ہوں گے، ورنہ رتی رتی کے حساب کے لئے تو ہم خود ہی بلا ان آلات و وسائط کی مدد کے کافی ہیں۔ بعض مشرک قوموں (مثلاً اہل مصر) نے ایک الگ "دیوتا" دنیا کے حساب کتاب کے لئے بھی گڑھ رکھا تھا۔ آیت میں ضمناً ان مشرکانہ توہمات کی بھی تردید آ گئی۔ ف۶۵ الْفُرْقَانَ سے مراد کتاب توریت ہے۔ اس کا نزول حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اصالتاً ہوا۔ حضرت ہارون علیہ السلام پر بطور ان کے نائب و شریک کے۔ ضِيَآءً وَّ ذِكْرًا بھی اسی کی صفات ہیں۔ الفرقان یعنی به الکتاب یفرق بین الحق والباطل (ابن جریر) هو التوراة فکان فرقانًا اذ کان یفرق بین الحق والباطل وکان ضیاءً اذ کان لغایة وضوحه یتوصل به الی طرق الهدی وکان ذکرٰی ای موعظة (کبیر) والمراد بالفرقان التوراة و کذا بالضیاء والذکر (روح) ف۶۶ متقین کے دو وصف خصوصی بیان ہوئے ہیں۔ ایک ان کی خشیت رب، دوسرے یوم حشر سے ان کا خوف — کاش ہمارے بے قید اور "آزاد" صوفیہ و مشائخ اس پر غور کرتے۔ نصیحت سے نفع یاب ہونے کا راز اسی دل کی کھٹک میں ہے۔ ف۶۷ یعنی تم ایسی کتاب کے منکر ہو جس کا نصیحت نامہ ہونا توریت سے بھی روشن تر ہے! مُبٰرَكٌ یعنی جس کا نفع بہت کثیر ہو۔

رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

عطا کر چکے تھے ف۶۸ اور ہم ان کو خوب جانتے تھے ف۶۹ (وہ وقت یاد کرو) جب انہوں نے اپنے باپ سے

وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور اپنی قوم والوں سے کہا یہ کیا (واہیات، خرافات) مورتیں ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو ف۷۰

قَالُوْا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ

وہ بولے ہم نے تو اپنے باپ (دادوں) کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے ف۷۱ (ابراہیمؑ نے) کہا یقیناً

اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا

صریح گمراہی میں مبتلا رہے تم (بھی) اور تمہارے باپ (دادا) بھی ف۷۲ وہ بولے کیا تم سنجیدگی سے

بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ

ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو یا دل لگی ہی کر رہے ہو ف۷۳ (ابراہیمؑ نے) کہا ارے (دل لگی کیسی) تمہارا پروردگار

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ

تو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے ان (سب) کو پیدا کیا اور میں اس پر

مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ

گواہوں میں سے ہوں ف۷۴ اور بخدا میں تمہارے بتوں کی گت بنا ڈالوں گا

بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا

جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے ف۷۵ چنانچہ آپ نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر بھی ڈالا بجز

كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ

ان کے بڑے (بت) کے تاکہ وہ لوگ اسی کی طرف رجوع کریں ف۷۶ وہ لوگ (آ کر) بولے یہ (حرکت) کس نے

فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا

ہمارے ٹھاکروں کے ساتھ کی ہے؟ بے شک اس نے تو بڑا ہی غضب کر دیا ف۷۷ (بعض ان میں سے) بولے کہ ہم

ف۶۸ (ان کے مرتبہ وحیثیت کے لائق ومناسب) رشد سے مراد ہدایت بھی ہے اور مرتبہ نبوت بھی۔ فی الرشد قولان الاول انه النبوة والثانی انه الاهتداء لوجوه الصلاح فی الدین وفيه قول ثالث وهو ان تدخل النبوة والاهتداء تحت الرشد (کبیر) مِنْ قَبْلُ۔ کھلا ہوا تعلق دور موسوی سے قبل کا ہے۔ ای من قبل موسٰی وھرون (ابن جریر۔ کشاف) بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کا دور قبل بلوغ یا قبل ولادت مراد لیا ہے۔ ای هداه صغيرا (ابن جریر۔ عن مجاہد) وقيل من قبل ان یولد (روح) ف۶۹ (کہ وہ کیسی سعادتیں اور صلاحیتیں اور کیسے کمالات علمی وعملی رکھنے والے ہیں) خدا کی بخششیں اندھا دھند اور انکل پچو نہیں ہوتیں۔ تمامتر ظرف ومحل کی حکیمانہ رعایتوں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اشیاء جو اپنے کمالات کے ساتھ مرتبہ علم الٰہی میں متصف رہتی ہیں۔ ان کا نام اصطلاح صوفیہ میں اعیان ثابتہ ہے۔ ف۷۰ ملک بابل (موجودہ عراق) کی قدیم قوم شرک وبت پرستی میں مبتلا تھی۔ مظاہر پرستی، کواکب پرستی وغیرہ کے علاوہ مورتی پوجا کا بھی رواج ان میں پھیلا ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی قوم کے درمیان پیدا ہوئے۔ آپؑ کے والد تارح (عربی تلفظ میں آزر) ایک بڑے صناع بت تراش وبت فروش تھے۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ شیخ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے صوفیہ کے تصور شیخ کے ناجائز ہونے پر استدلال فرمایا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے جو تصور شیخ غالی صوفیوں میں چلا ہوا ہے وہ تو بیشک ممنوع ہے لیکن اگر تصور شیخ ایسا ہو کہ نہ وہ بالاستقلال مقصود ہو اور نہ اس پر عکوف ہو، بلکہ محض غلبۂ محبت سے مثل دوسرے محبوبات کے وہ بھی ذہن کے سامنے آ جائے اور جب وہ ذہن سے غائب ہونے لگے تو اہتمام اس کے باقی رکھنے کا بھی نہ کیا جائے تو ایسے تصور شیخ میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ف۷۱ (تو اصلی اور قدیم دین اور اس لئے صحیح دین تو ہمارا ہی ہے تم البتہ خواہ مخواہ ایک نئی بات لے کر اٹھے ہو) جاہلی مذہبوں کا بڑا سہارا ہمیشہ یہی رہا ہے۔ ف۷۲ یعنی مجرد تقلید آباؤ واجداد بھی بھلا کوئی دلیل ہے؟ آیت میں رد ہے جاہل مریدین ومقلدین کا جو اکابر کی تقلید واتباع میں غلو رکھتے ہیں اور دلیل صحیح مل جانے پر بھی انہیں کے قول یا عمل کو حجت بنائے رکھتے ہیں۔ ف۷۳ مشرک قوم توحید سے اس درجہ ناآشنا بیگانہ ہو چکی تھی کہ اسے یہ آواز بھی بالکل عجیب وغریب اور افسانہ نما معلوم ہوئی، اور وہ لوگ یہی سمجھے کہ معلوم ہوتا ہے یہ ہمارے ساتھ ہنسی دل لگی کر رہے ہیں، ورنہ سنجیدگی سے تو کوئی ایسا انوکھا پیام پیش ہی نہیں کر سکتا۔ بالحق ای بجد (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای بالجد (روح) ف۷۴ یعنی میں اس عقیدۂ توحید پر دلیل بھی رکھتا ہوں۔ ف۷۵ یہ ضرور نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فقرہ مجمع عام کو مخاطب کر کے اور پکار کر کہا ہو۔ اغلب ہے کہ زیر لب کہا ہو اور صرف آس پاس کے دو ایک شخصوں نے سن لیا ہو۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ دشمن کو مغالطہ دینا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس سے نقض عہد وتائید باطل لازم نہ آ جائے۔ ف۷۶ (اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان پر تشنیع وتعریض اور گرفت کا پورا موقع ہاتھ آ جائے) اِلَيْهِ میں ضمیر کا مرجع اکثر نے اس بڑے بت ہی کو لیا ہے۔ ای الی کبیرهم (کشاف) والضمير اليه عند الجمهور عائد علی ابرٰهيم عليه السلام (روح) ای الی الكبير (جلالین) لیکن اگر اس کا مرجع خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانا جائے جب بھی نتیجہ وہی رہے گا کہ جب میری طرف تحقیق حال کی طرف رجوع کریں گے اس وقت خوب موقع مجھے قائل کرنے کا مل جائے گا۔ يحتمل رجوعهم الى ابراهيم عليه السلام ويحتمل رجوعهم الى الكبير (کبیر) ف۷۷ حضرت ابراہیم علیہ السلام ادھر اپنے ارادہ کو قوت سے فعل میں لا چکے ہیں اور اب منظر یہ ہے کہ مندر میں پوجا پاٹ کرنے والے جب پوجا کے لئے جمع ہوئے ہیں تو انہوں نے اپنی مورتیوں کی یہ گت بنی دیکھی۔ سناٹے میں آ گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ایسی شدید گستاخی کی جرأت آخر [illegible]

فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ

نے تو ایک نوجوان کو جسے ابراہیم کہا جاتا ہے ان کا ذکر برائی سے کرتے سنا تھا وکے (وہ لوگ) بولے تو پھر اس کو

عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ

سب لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ دیکھیں و۷۹ وہ بولے ارے تم ہی وہ ہو

فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ

جس نے ہمارے ٹھاکروں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم؟ (آپ نے) کہا کہیں اس نے نہ کی ہو

كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾

ان کے اسی بڑے نے سو انہیں سے پوچھ دیکھو اگر یہ بولتے ہوں و۸۰

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

اس پر وہ لوگ اپنے جی میں سوچنے لگے پھر بول اٹھے بے شک تم ہی (سرتاسر) ناحق پر ہو و۸۱

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ

پھر اپنے سروں کو جھکا لیا و۸۲ (اے ابراہیم) تمہیں تو خوب معلوم ہے کہ یہ (ٹھاکر)

يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا

کچھ بولتے نہیں و۸۳ (آپ نے) کہا تو کیا تم اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہو جو

لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا

نہ تمہیں نفع پہنچا سکیں اور نہ تمہیں نقصان ہی پہنچا سکیں تف ہے تم پر بھی اور ان پر بھی

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا

جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو و۸۴ تو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے؟ (وہ لوگ) بولے

حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾

انہیں جلا دو اور اپنے ٹھاکروں کا بدلہ لے لو اگر تمہیں (کچھ) کرنا ہے و۸۵

و۷۸ یہ اکا دکا کہنے والے وہی تھے جنہوں نے اس روز حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ فقرہ سن لیا تھا۔ يَذْكُرُهُمْ کے معنی ہی ہیں بتوں کا ذکر برائی سے کرنا۔ يذكرهم بالكسر ويعيبهم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) و۷۹ (اور گواہی دیں) يَشْهَدُوْنَ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہی کہ سب لوگ مشاہدہ کریں۔ یعنی یہ آ کر دیکھیں کہ ہم ایسے مجرم کو کیسی سخت سزا دیتے ہیں۔ يحضرون عقوبتنا (کشاف) اور دوسرے یہ کہ لوگ اس مجرم کے اقرار جرم کو سن کر اس کے گواہ بن جائیں۔ يشهدون عليه بما سمع منه (کشاف) و۸۰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طنزیہ انداز گفتگو شروع ہی سے ظاہر ہے۔ اسی لب ولہجہ میں آپ نے اس وقت بھی فرمایا کہ "جی اور کیا۔ اور کہیں ان سے بڑے ٹھاکر جی ہی نے یہ حرکت نہ کی ہو۔ آپ انہیں سے کیوں نہیں دریافت کر لیتے؟" حدیث صحیح میں ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کے اس قول کو کذب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس سے منکرین حدیث کو بخاری، مسلم، ترمذی کے خلاف ایک طومار کذب باندھنے کا موقع مل گیا ہے۔ حالانکہ بالکل صاف ظاہر ہے کہ یہ کذب صرف صورۃً تھا۔ نہ حضرت علیہ السلام کی نیت کسی غلط بات کہنے کی تھی نہ اس کلام سے اس بڑے مجمع میں کسی ایک شخص کو بھی دھوکا یا مغالطہ ہوا۔ مقصود تمام تر مشرکین پر حجت الزامی قائم کرنا تھی، اور اس کے لئے آپ اعلان پیشتر سے کر بھی چکے تھے۔ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ۔ یہ تو صرف ایک بلیغ، مؤثر، خطیبانہ پیرایہ گفتگو تھا موقع کے مناسب حال، ایسا کذب (اور کذب عربی میں ہرگز اردو کے جھوٹ کے مترادف نہیں بلکہ اس سے کہیں وسیع معنی رکھتا ہے) ہرگز عصمت انبیاء کے منافی نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک توجیہ یہ بھی نقل کی ہے کہ فاعل كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کو نہ مانا جائے بلکہ بجائے اس کے تقدیر کلام یوں مانی جائے۔ فعله من فعله یعنی یہ حرکت تو کی جس نے کی اور كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کا تعلق صرف عبادت اللہ سے جوڑا جائے۔ انه كناية عن غير مذكور اى فعله من فعله (کبیر) اور کسائی نحوی سے منقول ہے کہ وہ بَلْ فَعَلَهٗ پر پورا وقف کر لیتے تھے اور كَبِيْرُهُمْ هٰذَا سے نیا فقرہ شروع کرتے تھے۔ يروى عن الكسائى انه كان يقف عند قوله بل فعله ثم يبتدئ كبيرهم هذا (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی مصلحت دینی کے سبب سے بعض بزرگوں سے جو کلام بطور توریہ منقول ہے۔ اس کی اصل یہی آیت ہے۔ و۸۱ یعنی سوچنے کے بعد جی میں تو قائل ہی ہو گئے کہ بیشک غلطی ہماری ہی ہے اور آپس میں کہنے بھی لگے۔ اے تفكروا وتدبروا وتذكروا (روح) و۸۲ (جیسا کہ شرمندگی کے وقت انسان سر جھکا ہی لیتا ہے) لفرط اطراقهم خجلا وانكسارا (کشاف) و۸۳ (سو ان سے پوچھنا ہی کیا) یہ جواب ظاہر ہے کہ بالکل مغلوبانہ لہجہ میں تھا۔ و۸۴ تف ہے تمہاری مورتیوں کی بے بسی اور بیچارگی پر اور تف ہے تمہاری عقل و دانش پر کہ ایسوں کو اپنا خدا مانے ہوئے اور بنائے ہوئے ہو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مبغوضین فی اللہ کے ساتھ سختی سے پیش آنے کی جو عادت بعض بزرگوں کی ہوتی ہے اس کا ماخذ یہی آیت ہے۔ و۸۵ مجرمین کو آگ میں ڈال کر جلا دینے کی سزا اس وقت مختلف قوموں کے قانون میں عام تھی۔ روایات یہود میں آتا ہے کہ بادشاہ بابل نے ایک خاص بھٹی اس کے لئے تیار کرائی، پانچ پانچ گز کے دور میں لکڑی کا ڈھیر لگا کر اس میں آگ لگائی گئی اور ابراہیم علیہ السلام کو اس میں پھینکا گیا۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝۶۹ وَ اَرَادُوْا

ہم نے حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیم کے حق میں ف۸۶ اور (لوگوں نے) ان کے ساتھ

بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝۷۰ وَ نَجَّيْنٰهُ

برائی کرنا چاہی تھی سو ہم نے انہیں (لوگوں) کو ناکام کر دیا ف۸۷ اور ہم نے ان کو

وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝۷۱

اور لوط کو ایسی سرزمین کی طرف بھیج کر بچا لیا جس کو ہم نے دنیا جہان والوں کے واسطے بابرکت بنایا ہے ف۸۸

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا

اور ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب "پوتا" عطا کیا اور ہر ایک کو ہم نے

صٰلِحِيْنَ ۝۷۲ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا

صالح بنایا ف۸۹ اور ہم نے ان (سب) کو پیشوا بنایا، ہدایت کرتے تھے ہمارے حکم سے ف۹۰

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ

اور ہم نے ان کے پاس وحی سے حکم بھیجا نیک کاموں کے کرنے کا اور نماز کی پابندی کا

وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝۷۳ وَ لُوْطًا اٰتَيْنٰهُ

اور ادائے زکوٰۃ کا اور وہ ہماری ہی عبادت کرنے والے تھے ف۹۱ اور لوط کو ہم نے

حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ

حکمت اور علم عطا کیا ف۹۲ اور ہم نے انہیں اس بستی سے نجات دی جس کے

تَّعْمَلُ الْخَبٰۗىِٕثَ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۝۷۴

رہنے والے گندے کام کرتے رہتے تھے بے شک وہ لوگ بڑے ہی بدکار تھے ف۹۳

وَاَدْخَلْنٰهُ فِىْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۷۵

اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا بے شک وہ بڑے نیک کاروں میں تھے ف۹۴

ع ۵

ف۸۶ جو خدا آگ کو جلانے کا حکم دیتا رہتا ہے، وہ اس پر بھی اسی آسانی سے قادر ہے کہ اسے نہ جلانے کا بھی حکم دے دے، یہ کہنا کہ آگ تو جماد ولا یعقل و بے شعور ہے، اس سے خطاب کیونکر ہوا ہو گا۔ عجیب احمقانہ اعتراض ہے۔ آگ کی جمادیت، بے شعوری وغیرہ اگر ہے تو ہماری نسبت سے ہے یا خود خالق کائنات کی نسبت سے بھی؟ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ کی قید سے قرینہ اس کا نکلتا ہے کہ آگ کی تبدیل ماہیت نہ ہوئی ہو، وہ وہی بدستور آگ ہی ہو البتہ موذی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں نہ رہی ہو یا اس کے علاوہ بھی کوئی صورت فرض کی جائے۔ واقعہ خارق عادت تو بہرحال و بہر صورت تھا۔ سَلٰمًا حذف مضاف کے ساتھ ہے یعنی سلامتی والی والمعنى ذات برد وسلامة (کشاف) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض اولیاء امت سے جو اسی قسم کی کراتیں منقول ہیں وہ اسی قصہ کی نظیر ہیں۔ ف۸۷ (کہ ان کا مقصود یعنی ہلاکت ابراہیم علیہ السلام تو حاصل نہ ہوا، بلکہ الٹی حقانیت ابراہیم اور زیادہ روشن ہو گئی) ف۸۸ مراد ہے سرزمین شام جو دینی و دنیوی برکتوں اور رحمتوں کی جامع ہے۔ دینی برکتیں یہ کہ حضرات انبیاء کثرت سے اس سرزمین پر آئے اور دنیا کے پھیلے ہوئے شرک کے مقابلہ میں یہاں توحید کی اشاعت خوب ہوئی۔ اور دنیوی برکتوں سے اس ملک کی خوشگوار و صحت بخش آب و ہوا اور اس سرزمین کی سرسبزی و شادابی ہے۔ توریت میں بھی شام کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ وَلُوْطًا۔ حضرت لوط آپ کے بھتیجے تھے، اور آپ پر ایمان لا چکے تھے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فریق مخالف کے ملک کو چھوڑ کر ہجرت کر جانا توکل کے منافی نہیں، بلکہ سنت انبیاء کے موافق ہے۔ ف۸۹ یعنی صالحیت کے درجۂ کمال پر تھے۔ اس تصریح کی ضرورت اس لئے پڑی کہ اہل کتاب نے اپنی کتاب میں عجیب عجیب گندے الزامات ان مقدس حضرات پر لگا رکھے ہیں۔ قرآن ان سب سے ان حضرات کی تبری کرتا ہے۔ نَافِلَةً کے معنی علاوہ، زیادہ اور عطیہ کے پوتے کے بھی آئے ہیں۔ الولد الولد (کشاف) وهو ولد الولد (راغب) ف۹۰ (خلق کو) صٰلِحِيْنَ میں ابھی یہ بیان آچکا ہے کہ یہ حضرات تکمیل نفس کے مدارج طے کئے ہوئے تھے۔ اب بیان اس کا ہو رہا ہے کہ دوسروں کی بھی تکمیل کر دیتے تھے۔ گویا اعلیٰ درجہ کے صالح ہی نہ تھے۔ اعلیٰ درجہ کے مصلح بھی تھے۔ ف۹۱ عٰبِدِيْنَ کی تقدیم لَنَا پر تاکید و تخصیص کی مقتضی ہے، یعنی وہ بس ہماری ہی عبادت کرتے تھے۔ صٰلِحِيْنَ میں کمالِ نبوت کی طرف اور اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ میں کمالِ علم کی طرف اور كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ میں کمالِ عمل کی طرف اور اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ میں تکمیل للغیر کی طرف اشارہ ہے۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) توریت موجودہ میں انبیاء کرام کو عموماً بس اس حیثیت سے پیش کیا گیا ہے کہ وہ ایک قسم کے کاہن یا پیشگوئیاں کرنے والے تھے۔ قرآن مجید کو اس کی تردید میں بار بار یہ وضاحت کرنی پڑی کہ پیمبروں کا اصلی کام ہدایت خلق ہے اور اپنے تزکیۂ نفس کی تکمیل کے بعد دوسروں کے تزکیۂ نفس کی تکمیل ہے۔ ف۹۲ (ان کے مرتبہ و شان کے متناسب) حُكْمًا وَّ عِلْمًا۔ دونوں پر تنوین مرتبہ، حکمت و علم کی تعظیم و شان کے لئے ہے۔ اعلم ان ادخال التنوين عليهما يدل على علو شان ذلك العلم وذلك الحكم (کبیر) ف۹۳ لوط علیہ السلام پر اور ان کی امت کی بدکاریوں پر حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے۔ ان کی اصلی اور سب سے بڑی بدکاری کا شارح تو خود لفظ لواطت ہے۔ باقی وہ قوم اور بھی اخلاقی پستیوں میں پڑی ہوئی تھی۔ روایات یہود میں آتا ہے کہ خیر و خیرات کرنا غریبوں کو کھلانا پلانا ان کی سوسائٹی میں ایک شدید جرم تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ قَرْيَة سے مراد اہل قریہ ہیں (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۹۴ (جیسا کہ ایک پیمبر کو ہونا ہی تھا، نہ کہ معاذ اللہ حرامکار و شہوت پرست، جیسا کہ یہود نے ان کے متعلق اپنی روایات میں گڑھ رکھا ہے، اور توریت تک میں ان کی زندگی کو شرمناک جرائم سے داغدار کر کے دکھایا ہے) ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ رحمة سے مراد لی گئی ہے اہل رحمت۔ فی رحمتنا اے فی اهل رحمتنا (کشاف)

وَ نُوۡحًا اِذۡ نَادٰی مِنۡ قَبۡلُ فَاسۡتَجَبۡنَا لَہٗ فَنَجَّیۡنٰہُ

اور نوح (کا تذکرہ کیجیے) جب کہ (اس سے) قبل وف۹۵ جب کہ انہوں نے (ہم کو) پکارا تھا سو ہم نے ان کی سن لی

وَ اَہۡلَہٗ مِنَ الۡکَرۡبِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۷۶﴾ وَ نَصَرۡنٰہُ مِنَ

اور انہیں اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑے غم سے نجات دی وف۹۶ اور ہم نے ان کا بدلہ لے لیا

الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ

ایسے لوگوں سے جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا بے شک وہ لوگ بہت ہی برے تھے

فَاَغۡرَقۡنٰہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۷۷﴾ وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیۡمٰنَ اِذۡ یَحۡکُمٰنِ

سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا وف۹۷ اور داؤد وسلیمان (کا بھی ذکر کیجیے) جب وہ کھیت کے بارہ میں

فِی الۡحَرۡثِ اِذۡ نَفَشَتۡ فِیۡہِ غَنَمُ الۡقَوۡمِ ۚ وَ کُنَّا

فیصلہ کر رہے تھے جب کہ اس میں لوگوں کی بکریاں رات کو جا پڑی تھیں وف۹۸ اور ہم

لِحُکۡمِہِمۡ شٰہِدِیۡنَ ﴿۷۸﴾ فَفَہَّمۡنٰہَا سُلَیۡمٰنَ ۚ وَ کُلًّا اٰتَیۡنَا

ان لوگوں سے متعلق فیصلہ کو دیکھ رہے تھے وف۹۹ سو ہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو دے دی وف۱۰۰ اور حکمت وعلم تو

حُکۡمًا وَّ عِلۡمًا ۫ وَّ سَخَّرۡنَا مَعَ دَاوٗدَ الۡجِبَالَ یُسَبِّحۡنَ

ہم نے ہر ایک کو دیا تھا وف۱۰۱ اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو کہ وہ اور پرندے

وَ الطَّیۡرَ ؕ وَ کُنَّا فٰعِلِیۡنَ ﴿۷۹﴾ وَ عَلَّمۡنٰہُ صَنۡعَۃَ لَبُوۡسٍ لَّکُمۡ

تسبیح کیا کرتے تھے اور (یہ) کرنے والے ہم تھے وف۱۰۲ اور ہم نے انہیں زرہ کی صنعت تمہارے (نفع کے) لیے سکھلا

لِتُحۡصِنَکُمۡ مِّنۡۢ بَاۡسِکُمۡ ۚ فَہَلۡ اَنۡتُمۡ شٰکِرُوۡنَ ﴿۸۰﴾

دی تھی تاکہ وہ تم کو تمہاری لڑائی میں بچائے وف۱۰۳ سو کیا تم شکر ادا کرو گے؟ وف۱۰۴

وَ لِسُلَیۡمٰنَ الرِّیۡحَ عَاصِفَۃً تَجۡرِیۡ بِاَمۡرِہٖۤ اِلَی

اور ہم نے سلیمان (کے تابع) زور دار ہوا کو (بنا دیا تھا) کہ وہ ان کے حکم سے چلتی

وف۹۵ یعنی زمانہ ابراہیم، لوط سے بھی قبل۔ وف۹۶ (جس میں وہ کافروں کی تکذیب وایذاء سے مبتلا تھے) کرب عظیم سے مراد طوفان وغرقابی بھی ہوسکتی ہے۔ وهو الطوفان او اذية قومه (روح) اهل سے مراد نوح کے خاندان والے نہیں، دین والے ہیں۔ فالمراد بالاهل هٰهنا اهل دينه (کبیر) وف۹۷ (ان کی بدکاری کی بناء پر) اٰیات سے مراد احکام بھی ہوسکتے ہیں۔ مِنَ الْقَوْمِ یہاں مرادف ہے على القوم کے (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اور مِنْ یہاں علی کے معنی میں ہے۔ زمخشری نے لکھا ہے کہ میں نے ایک ہذیلی کو علی کے موقع پر من بولتے سنا ہے۔ وہ چور کو بددعا دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا اللّٰهم انصرهم منه اى اجعلهم منتصرين منه (کشاف) اور یہی قول ابوعبیدہ لغوی کا ہے۔ قال ابو عبيده من بمعنى على (کبیر) وف۹۸ (اور کھیت کو چر گئی تھیں) حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں پر مفصل حاشیے گزر چکے ہیں۔ یہ دونوں حضرات پیمبر ہونے کے ساتھ ہی حاکم وفرمانروا بھی تھے اور قدرتی طور پر مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ نَفَشَتْ۔ نفش رات میں جا پڑنے اور حملہ کرنے کو کہتے ہیں۔ قال الزهرى النفش لا يكون الا بالليل (جصاص) آیت سے صاف ظاہر ہے کہ فرماں روا اور حکمراں ہونا نبوت تک کے منافی نہیں چہ جائیکہ ولایت کے۔ وف۹۹ حکمهم میں ضمیر جمع قوم کی جانب ہے یا اس کے مفہوم مقدر پر اهل الحرث واهل الغنم کی جانب۔ یا پھر داؤد وسلیمان علیہما السلام اور قوم تینوں کی جانب۔ اى لحكم داوٗد وسليمٰن والقوم الذين حكما بينهم (ابن جریر) وف۱۰۰ یہاں یہ ارشاد نہیں کہ صحیح فیصلہ بذریعہ وحی حضرت سلیمان علیہ السلام پر القاء کیا گیا تھا۔ متبادر یہ ہوتا ہے کہ اصابت رائے وصحت فہم کی قوت حضرت سلیمان علیہ السلام کو زائد عطا ہوئی تھی اور اس میں کیا شک کہ سلیمان علیہ السلام کی حکمت ودانائی، خوش فہمی اور قوت فیصلہ آج تک یہود ومسیحی اقوام میں بہ طور ضرب المثل کے چلی آتی ہے۔ عارفین نے یہاں سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ صحت نظر وجودت قیاس بھی محض فضل ربانی ہے۔ چنانچہ اسے اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا کہ ہم نے سمجھا دیا، سمجھا دیا۔ ”صورت مقدمہ کی یہ تھی کہ جس قدر کھیت کا نقصان ہوا تھا اس کی لاگت بکریوں کی قیمت کے برابر تھی۔ داؤد علیہ السلام نے ضمان میں کھیت والے کو وہ بکریاں دلوا دیں اور اصل قانون شرعی کا یہی مقتضا تھا۔ جس میں مدعی یا مدعا علیہ کی رضا بھی شرط نہیں۔ مگر چونکہ اس میں بکری والوں کا بالکل ہی نقصان تھا اس لیے سلیمان علیہ السلام نے بہ طور مصالحت کے جو کہ موقوف تھی تراضی طرفین پر۔ یہ صورت جس میں دونوں کی سہولت اور رعایت تھی تجویز فرمائی کہ چند روز کے لیے بکریاں تو کھیت والے کو دی جائیں کہ دودھ وغیرہ سے اپنا گزر کرے اور بکری والوں کو وہ کھیت سپرد کیا جائے کہ اس کی خدمت آبپاشی وغیرہ سے کریں۔ جب کھیت پہلی حالت پر آ جائے تو کھیت اور بکریاں اپنے اپنے مالکوں کو دے دی جائیں۔ پس اس سے معلوم ہو گیا کہ دونوں فیصلوں میں کوئی تعارض نہیں کہ ایک کی صحت دوسرے کی عدم صحت کو مقتضی ہو۔ اس لیے كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا بڑھا دیا گیا“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) وف۱۰۱ (دونوں میں سے) اس سے ظاہر ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی غلط یا علم وحکمت سے خالی نہ تھا البتہ فیصلۂ سلیمانی اس سے بہتر تھا۔ فقہاء نے اس سے متعدد مسائل مستنبط کیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ (۱) اظہار حق میں شرم وادب نہ چاہیے۔ ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کبھی اپنے والد بزرگوار کے فیصلہ کے خلاف زبان نہ ہلاتے (۲) اظہار حق بہ مصلحت شرعی کبھی واجب ہو جاتا ہے اور کبھی مستحب (۳) ایک قاضی کا فیصلہ دوسرے قاضی کے فیصلہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔ (۴) ایک مجتہد کو چاہیے کہ اپنے فیصلہ سے رجوع کر لے جب اسے دوسرا فیصلہ اپنے فیصلہ سے ارجح نظر آئے۔ وف۱۰۲ (ان خوارق کے، نہ کہ کوئی اور۔ تو پھر ان کے واقع ہونے میں کوئی تعجب کیوں کرے!) سَخَّرْنَا۔ ”تسخیر جبال“ کے یہ معنی کرنا کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب پہاڑوں میں تسبیح میں مشغول ہوتے تھے تو پہاڑ ان کی آواز سے گونجنے لگتے تھے، قرآن کی تفسیر نہیں قرآن کی تحریف ہے۔ اول تو یہ کہیں سے نہیں ثابت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح وتہلیل کے وقت اپنے قصر وایوان ومسجد کو چھوڑ کر پہاڑوں کے اوپر یا پہاڑ کی کسی کھوہ میں تشریف لے جاتے تھے، دوسرے پہاڑ پر آواز گونجتی ہی کیوں لگی۔ اس کے لیے تو لازمی تھا کہ آپ تسبیح باآواز بلند کرتے۔ تیسرے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ قرآن کی کہنے والی ہی کون سی بات ہے خصوصاً محل مدح واظہار نعمت میں۔ بلند آواز کی گونج تو پہاڑوں میں نبی غیر نبی، مومن وکافر ہر انسان بلکہ ہر جانور کی بھی ہوتی ہی رہتی ہے۔ مَعَ۔ ”تسخیر سے مراد محض جمعیت واقتداء فی التسبیح ہے نہ یہ کہ ان کے فرمانے سے تسبیح کرتے تھے۔ گو ممکن یہ بھی ہے مگر محتاج دلیل ہے“ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) توریت کی کتاب زبور میں داؤد علیہ السلام کی زبان سے ہے:۔ ”پہاڑ اور سارے ٹیلے میوہ دار درخت اور سارے دیودار، جنگلی جانور اور سارے مواشی اور کیڑے مکوڑے اور پرندے...... وہ خداوند کے نام کی پرستش کریں۔ کہ اس کا نام اکیلا عالی شان ہے۔ اسی کا جلال زمین اور آسمان کے اوپر پھیلا ہے۔“ (زبور ۱۴۸: ۹۔ ۱۳) وف۱۰۳ (ایک دوسرے کی زد سے) قرآن کے اس بیان سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ کے موجد بھی ہوں اور یہ صنعت آپ سے قبل نامعلوم ہو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے دو مسئلہ ثابت ہوتے ہیں۔ ایک دستکاری سے معاش حاصل کرنا۔ دوسرے اسباب عادیہ کا استعمال توکل کے منافی نہ ہونا۔ وف۱۰۴ (اس نعمت کا) صنعت زرہ سازی کو قرآن نے خاص محل نعمت میں بیان کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فنون وصنائع حرب مطلق صورت میں حرام نہیں، بلکہ انہیں حرام ولغو مقاصد کے لئے نہ استعمال کیا جائے تو مستحسن [illegible]

الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ

اس سرزمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھ دی ہے ف۱۰۵ اور ہم تو ہر ایک چیز کا

عٰلِمِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَ مِنَ الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَهٗ

علم رکھتے ہیں ف۱۰۶ اور شیطانوں میں ایسے بھی ہوئے ہیں جو ان کے (یعنی سلیمان کے) لیے غوطہ لگاتے تھے ف۱۰۷

وَ یَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِیْنَ ﴿۸۲﴾

اور وہ (اور) کام بھی اس کے علاوہ کرتے رہتے تھے ف۱۰۸ اور ہم ہی ان کے سنبھالنے والے تھے ف۱۰۹

وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ

اور ایوب (کا تذکرہ کیجیے) ف۱۱۰ جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھ کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور تو سب

الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ

مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے ف۱۱۱ سو ہم نے ان کی (دعا) قبول کر لی اور انہیں جو تکلیف تھی اس کو دور کر دیا

وَّ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا

اور ہم نے انہیں ان کا کنبہ عطا کر دیا اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت خاص کے باعث

وَ ذِكْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِدْرِیْسَ

اور تاکہ یادگار رہے اہل عبادت کے لئے ف۱۱۲ اور اسمٰعیل اور ادریس

وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۸۵﴾ۚ وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ

اور ذوالکفل کا (تذکرہ کیجیے) (یہ) سب ثابت قدم رہنے والوں میں تھے ف۱۱۳ اور ہم نے ان (سب) کو اپنی رحمت

رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ

(خاص) میں داخل کر لیا تھا بے شک وہ (سب) صالح لوگوں میں سے تھے ف۱۱۴ اور مچھلی والے (پیغمبر کا بھی ذکر کیجیے)

ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ فَنَادٰی فِی

جب کہ وہ خفا ہو کر چلے گئے ف۱۱۵ اور یہ سمجھے کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں گے ف۱۱۶ پھر انہوں نے اندھیروں میں سے

ف۱۰۵ یعنی ملک شام کی طرف کہ وہ جب کبھی باہر جاتے تو واپس ہوا کے ذریعہ سے آتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے معجزۂ تسخیر جبال کا ذکر ابھی گزر چکا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزۂ تسخیر ہوا کا ذکر اب آیا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لطیفہ خوب لکھا ہے کہ باپ کا مسخر کثیف ترین جسم کیا گیا یعنی پتھر اور چٹان اور بیٹے کا مسخر لطیف ترین جسم کیا گیا یعنی ہوا۔ ف۱۰۶ (سو ہم جانتے تھے کہ سلیمان علیہ السلام کو یہ قوت دینا کس قدر مفید اور موافق مصالح ہوگا) ف۱۰۷ (سمندر اور دریا میں کہ موتی نکال نکال کر لائیں) فیخرجون من البحر الجواهر (ابن عباس رضی اللہ عنہما) شیطان سے مراد یہاں جن ہیں۔ الشَّیٰطِیْنِ۔ مراد جن ہیں جو اغلباً کافر تھے۔ شیطان کے لفظی مفہوم میں تو انسان، حیوان، جن ہر وہ مخلوق شامل ہے جو سرکش وخبیث ہو۔ ابو عبیدہ لغوی کا قول نقل ہوا ہے۔ الشیطان اسم لکل طارم من الجن والانس والحیوانات (راغب) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اصل ہے اس قول کی کہ ؎ ہر کہ ترسید از حق وتقویٰ گزید　ترسد ازوے جن وانس وہر کہ دید　اور اگر اس کے خلاف کہیں واقع ہو تو وہ کسی عارض کی بنا پر ہوگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تسخیر جنات وشیاطین کا ذکر روایات یہود میں بھی ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی ف۱۰۸ مثلاً یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تعمیری خدمات انجام دیں جیسا کہ کلام مجید ہی میں تصریح ہے یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ (سبا) ف۱۰۹ ایک تو جن، اور پھر سرکش شیطانی قسم کے۔ ارشاد فرمایا کہ ان کے سنبھالنے والے، انہیں قابو میں رکھنے والے، سلیمان علیہ السلام تا مے انسان نہیں بلکہ ہم خود تھے...... اللہ اللہ! توحید کی تاکید وحفاظت کا کس درجہ اہتمام قرآن مجید کو رہتا ہے! ف۱۱۰ ایوب علیہ السلام اسرائیلی تو نہ تھے، اسحاقی وابراہیمی تھے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پانچویں پشت میں حضرت اسحٰق کے بڑے صاحبزادہ اور حضرت یعقوب کے بڑے بھائی عیص کی اولاد میں تھے۔ توریت میں ہے کہ "عوض کی سرزمین کے رہنے والے تھے۔ اور عوض سے متعلق علماء فرنگ کی تحقیق ہے کہ یہ عرب کے شمال ومغرب میں فلسطین کی مشرقی سرحد کے قریب کا ملک تھا۔ زمانہ آپ کا متعین نہ ہو سکا۔ علماء یہود کا بیان ہے کہ آپ کی عمر ۲۱۰ سال کی ہوئی۔ اور آپ فرزندان یعقوب کے ہمعصر ہیں۔ پیغمبر ہونے کے ساتھ ہی آپ امیر کبیر بھی تھے اور کثیر الاولاد بھی۔ توریت میں ہے:۔ "عوض کی سرزمین میں ایوب نامے ایک شخص تھا۔ اور وہ شخص کامل اور صادق تھا۔ اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا تھا۔ اس کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ اس کے مال میں سات ہزار بھیڑیں اور تین ہزار اونٹ اور پانچ سو جوڑے بیل اور پانچ سو گدھیاں تھیں۔ اور اس کے نوکر چاکر بہت تھے۔ ایسا کہ اہل مشرق میں ایسا مالدار کوئی نہ تھا۔" (ایوب۔ ۱:۱۔ ۳) ف۱۱۱ (سو تو میری تکلیف کو بھی دور کر دے) توریت میں آتا ہے کہ شیطان نے ایک روز دربار خداوندی میں عرض کیا کہ ایوب کے جس صبر وشکر کی اتنی دھوم مچی ہوئی ہے وہ تو بس اسی بناء پر ہے کہ تو نے اسے ہر طرح کی نعمتوں سے نواز رکھا ہے۔ ذرا یہ نعمتیں چھن جائیں تو حال معلوم ہو جائے۔ حکم ہوا، اچھا تجھے اختیار ہے۔ جا اور جس طرح چاہے ان کی آزمائش کر دیکھ۔ چنانچہ شیطان نے آ کر ان پر طرح طرح کی مصیبتوں کے پہاڑ توڑنے شروع کئے۔ کہاں آج امیر کبیر تھے۔ کہاں دفعۃً مفلس قلاش ہو گئے۔ ساری کھیتیاں جل گئیں۔ سارے گلے مر گئے، سارے نوکروں چاکروں کو دشمنوں نے مار ڈالا۔ ساری اولاد اکبارگی مکان میں دب کر مر گئی۔ ان ناقابل یقین مصائب کے بھی یک بیک ٹوٹ پڑنے پر ایوب علیہ السلام نے کہا تو صرف اتنا کہا کہ "اٹھ کے اپنا پیراہن چاک کیا اور سر منڈایا اور زمین پر جھک پڑا اور سجدہ کیا اور کہا، اپنی ماں کے پیٹ سے میں ننگا نکل آیا اور پھر ننگا وہاں جاؤں گا، خداوند نے دیا اور خداوند نے لیا خداوند کا نام مبارک ہے۔ اس سارے مقدمہ میں ایوب نے گناہ نہ کیا اور نہ خدا پر بے وقوفی کا عیب لگایا۔" (ایوب۔ ۱:۲۱، ۲۲) اس کے بعد شیطان نے ان پر پھوڑوں کی گندی بیماری مسلط کی اور سر سے پیر تک پھوڑوں میں لد گئے۔ توریت میں ہے:۔ ایسا کہ تلوے سے لے کے چاندی تک اسے جلتے پھوڑے ہوئے اور وہ ایک ٹھیکرا لے کے اپنے تئیں کھجلانے لگا اور راکھ پر بیٹھ گیا۔" (ایوب۔ ۲:۷، ۸) ف۱۱۲ یعنی تاکہ اہل تقویٰ وعبادت یاد رکھیں کہ صابروں کو کیسے صلے ملتے ہیں۔ رَحْمَةً وَّ ذِكْرٰی۔ رحمت اور ذکرٰی دونوں بطور سبب بیان ہوئے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ رحمت کی حیثیت علت فاعلی مؤثر کی ہے۔ اور وہ زمانا متقدم ہے۔ اور ذِكْرٰی کی حیثیت علت غائی مؤخر کی ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ماجرا رحمت تھا خود حضرت ایوب کے حق میں اور یادگار ان کے بعد والوں کے لئے کہ وہ بھی انکے نقش قدم پر چل کر ان کے سے مرتبے حاصل کریں۔ یعنی رحمة لایوب وتذكرة لغيره من العابدين ليصبروا كصبره (مدارک) توریت میں ہے:۔ "اور خداوند نے ایوب کی طرف توجہ کی...... اور خداوند نے ایوب کو آگے کی نسبت سے دونی دولت عنایت کی۔ اور اس کے سب بھائی اور سب بہن اور اس کے اگلے سب جان پہچان اس کے پاس آئے اور اس کے گھر میں انہوں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا...... اور خداوند نے ایوب کے آخر عمر میں ابتدا کی نسبت سے بہت برکت عطا کی، اور وہ چودہ ہزار بھیڑوں اور چھ ہزار اونٹوں اور ایک ہزار جوڑے بیل اور ایک ہزار گدھوں کا مالک ہوا۔" (ایوب۔ ۴۲:۱۰۔ ۱۳) آیت سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ دعا صبر کے منافی نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے دو مسئلے نکلتے ہیں ایک یہ کہ دعا منافی توکل نہیں، دوسرے احساس حاجت مندی سے (جو غلبۂ عبدیت سے پیدا ہوتی ہے) اللہ سے شکوہ کرنا رضا کے منافی نہیں۔ ف۱۱۳ (احکام تشریعی پر بھی اور تکوینی پر بھی) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر تو بار بار آ چکا ہے اور حضرت ادریس پر بھی حاشیے پ۱۶ سورۂ مریم میں گزر چکے۔ حضرت ذوالکفل سے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ ترجیحی قول یہ ہے کہ آپ انبیاء بنی اسرائیل میں سے تھے اور توریت میں آپ کا نام حزقیل نبی آیا ہے۔ "اور تیسویں برس کے چوتھے مہینہ کی پانچویں تاریخ

میں ایسا ہوا کہ جب میں نہر کبار کے کنارہ پر اسیروں کے درمیان تھا تو آسمان کھل گیا اور میں نے خدا کی رویتیں دیکھیں اور اس مہینہ کے پانچویں دن یہی سویوعین بادشاہ کی اسیری کے پانچویں برس میں ایسا ہوا کہ خداوند کا کلام بوزی کاہن کے بیٹے حزقی ایل کو جو کسوبون کے ملک میں نہر کبار کے کنارہ پر تھا پہنچا اور وہاں خداوند کا ہاتھ اس پر تھا۔" (حزقی ایل۔ ۱:۱۔ ۳) بخت نصر تاجدار اسیریا جب یروشلم پر حملہ شدید کر کے ہزار ہا اسرائیلیوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ ۵۹۷ ق،م میں تو ان میں سے ایک آپ بھی تھے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۱۱۴ مسلمان کے لئے تو یہ عقیدہ کافی ہے کہ یہ حضرات جب نبی تھے تو صالح بدرجۂ اولیٰ ہوں گے۔ لیکن اسے کیا کیجئے کہ بائبل والوں نے اپنے پیمبروں کو بری طرح گناہوں میں مبتلا دکھایا ہے۔ نبوت ان کے ہاں گویا محض ایک قسم کی کہانت یا اشراقیت تھی اور اس کا تعلق اخبار بالغیب سے تو تھا لیکن تزکیۂ نفس یا تطہیر اخلاق سے بالکل نہیں۔ و۱۱۵ (اپنی قوم سے جب کہ وہ لوگ ایمان نہ لائے) مغاضبا لقومه (بیضاوی) اے غضبان علی قومه (روح) بعض صحابہ وتابعین سے جو تفسیر مغاضبا لربه منقول ہے سو یہ تفسیر خود تشریح طلب ہے۔ لربه کے معنی یہاں کئے جاویں گے لاجل ربه وحمية لدينه یعنی اپنے پروردگار کی خاطر، اور اپنی غیرت دینی کے باعث اور کلمہ ل کو موصولہ نہیں بلکہ لام علت کے معنی میں لیں گے۔ لم یفعله الا غضبا لله وانفة لدینه وبغضا للکفر (کشاف) و۱۱۶ (ان کے بلا انتظار وحی چلے جانے پر) حضرت یونس علیہ السلام اپنے اجتہاد سے یہ سمجھے کہ جب قوم

الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ

پکارا و۱۱۷ کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی (سب نقائص سے) پاک ہے بے شک میں ہی

مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ

قصوروار ہوں و۱۱۸ سو ہم نے ان کی (پکار) سن لی اور انہیں غم سے نجات دے دی

وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۸﴾ وَزَكَرِیَّاۤ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ

اور ہم ایمان والوں کو ایسی ہی نجات دیا کرتے ہیں و۱۱۹ اور زکریا (کا ذکر کیجیے) و۱۲۰ جب کہ انہوں نے اپنے

رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۸۹﴾

پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار مجھے لاوارث مت رکھ اور بہترین وارث تو تُو (خود ہی) ہے و۱۲۱

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَ وَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَاَصْلَحْنَا لَهٗ

سو ہم نے ان کی (پکار) سن لی اور ہم نے انہیں یحییٰ کو عطا کیا و۱۲۲ اور ان کی خاطر ہم نے ان کی بیوی کو

زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا

صحیح کر دیا و۱۲۳ بے شک یہ (سب) نیک کاموں میں دوڑنے والے تھے اور ہم کو پکارتے رہتے تھے

رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ﴿۹۰﴾ وَالَّتِیْۤ

شوق اور خوف کے ساتھ، اور ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے و۱۲۴ اور ان بیوی کا بھی (ذکر کیجیے)

اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا

جنہوں نے اپنے ناموس کو بچا لیا و۱۲۵ پھر ہم نے ان میں اپنی روح پھونک دی و۱۲۶

وَجَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ

اور ہم نے ان کو اور ان کے فرزند کو دنیا جہان والوں کے لئے ایک نشان بنا دیا۔ و۱۲۷ بے شک یہی ہے تمہارا طریقہ،

اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْۤا

طریقہ واحد و۱۲۸ اور میں تمہارا پروردگار ہوں سو تم میری ہی پرستش کرو لیکن لوگوں نے آپس میں

پرے عذاب ٹل گیا تو اب یہاں ٹھہرنا ضروری نہیں اور نہ میرے چلے جانے میں کوئی ہرج ہے۔ اس لئے بلا انتظار نص ووحی وہاں سے چلے گئے۔ حالانکہ مرتبہ نبوت کے شایان شان یہی تھا کہ انتظار وحی کیا جاتا۔ لَنْ نَّقْدِرَ۔ قدر بمعنی استطاعت وقابو نہیں، ضیق وتنگی کے مفہوم میں ہے۔ قدرت سے نہیں تقدیر سے ہے۔ فسرت بالتضنيق عليه (کشاف) اے ان لن نضيق عليه (کبیر) ذوالنون حضرت یونس علیہ السلام ہی کا لقب ہے اور حضرت یونس علیہ السلام پر حاشیے پارہ ۱۱ سورۂ یونس میں گزر چکے۔ و۱۱۷ پارہ ۲۳ میں یہ قصہ ذرا تفصیل سے آئے گا۔ مختصر یہ کہ آپ جس جہاز پر تھے اس کے جہاز رانوں نے آپ کو مجرم سمجھ کر طوفان کے وقت سمندر میں پھینک دیا۔ کوئی ایک مچھلی شارک یا وہیل کے قسم کی آپ کو نگل گئی۔ یہ مناجات آپ شکم ماہی سے فرما رہے ہیں۔ ظُلُمٰت صیغۂ جمع ہے دریا کے نیچے کا اندھیرا، مچھلی کے پیٹ کے اندر کا اندھیرا۔ صیغۂ جمع سے متعدد تاریکیاں مراد ہیں۔ و۱۱۸ (کہ میرے منصب کے مناسب وحی الٰہی کا انتظار کرنا تھا، میں بغیر اس انتظار کے نکل کھڑا ہوا) آپ کا اپنے کو ظالم کہنا اسی معنی میں ہے کہ میں ترک عزیمت وافضلیت کا مرتکب ہوا، ہر نعمت ایک خاص مقام عبودیت کو مقتضی ہوتی ہے اور ایک خاص درجہ ادائے حقوق کا چاہتی ہے۔ اس درجہ ومرتبہ کے ادائے حقوق میں کمی یا کوتاہی رہ جانا ظلم ہے۔ آپ ظلم کا اطلاق اپنے حق میں اسی معنی میں کر رہے ہیں۔ و۱۱۹ یعنی ایک یونس ہی پر کیا موقوف ہے جو مومن بھی ہم سے دعا کرے اسے غم سے نجات دے دی جاتی ہے۔ بشرطیکہ اسے غم میں رکھنا ہی مصلحت نہ ہو۔ و۱۲۰ حضرت زکریا پر حاشیے سورۂ آل عمران پارہ سوم میں گزر چکے۔ و۱۲۱ یعنی حقیقی وارث تو اللہ ہی ہے جسے کبھی فنا نہیں لیکن میں جو ظاہری اور مادی وارث کو مانگ رہا ہوں وہ اس لئے جو خدمت دین کی کر رہا ہوں ان کا سلسلہ اس کے ذریعہ سے چلتا رہے اور میرے بعد ہی بند نہ ہو جائے۔ و۱۲۲ (بطور فرزند صالح اور وارث کے) یحییٰ علیہ السلام پر بھی حاشیے گزر چکے۔ و۱۲۳ (کہ وہ عاقر تھیں اب انہیں قابل اولاد بنا دیا) اے اصلحها للولادة (کبیر) بان جعلها ولودا (ابن جریر) سعید ابن جبیر قتادۃ وغیرہ تابعین سے مروی ہے کہ بیوی صاحبہ کا شباب لوٹا دیا گیا تھا۔ ہرد شبابها اليها وجعلها ولودا كما روى عن ابن جبير وقتادة (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس تفسیر سے یہ نکلتا ہے کہ استجابت دعا کے وقت اکثر عادت الٰہی یہ ہے کہ جو چیزیں عموماً وعادۃً جن اسباب سے پیدا ہوتی ہیں اکثر ان کے لئے وجود میں لانے کے لئے وہی اسباب مہیا کر دیئے جاتے ہیں گو وہ قادر مطلق بلا اسباب ہی تکوین پر قادر ہے۔ و۱۲۴ (کہ اس سے ان کی کمال عبدیت وعبودیت اور ہماری کمال عظمت ومعبودیت ثابت ہوتی ہے) اہل خشوع واہل تواضع کی مدح سے توریت وانجیل بھی لبریز ہیں۔ مثلاً "خداوند انہیں جو ٹھہرا گئے ہیں۔ سیدھا کھڑا کرتا ہے۔" (زبور۔ ۱۴۶: ۸) "خداوند حلیموں کو سنبھالتا ہے۔ پر شریروں کو زمین پر پٹک دیتا ہے۔" (زبور۔ ۱۴۷: ۶) "خداوند اپنے لوگوں سے خوش ہوتا ہے۔ وہ حلیموں کو نجات کی زینت بخشتا ہے۔" (زبور۔ ۱۴۹: ۴) "مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ وہی زمین کے وارث ہوں گے۔" (متی۔ ۵:۵) لانهم سے مراد وہ سب لوگ ہیں جن کا ذکر اسی سورت میں آ چکا ہے۔ رَغَبًا وَّرَهَبًا۔ یعنی عبادت کمال امید وبیم کے ساتھ کرتے رہتے ہیں جو عین علامت ہے ایمان کامل کی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ سابق نعمتوں کی علت کے موقع پر آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ طاعت نعمت دنیوی کا بھی سبب بن جاتی ہے۔ و۱۲۵ (مردوں سے تمام تر یعنی نکاح سے بھی اور ناجائز صورتوں سے بھی) مراد مریم بنت عمران علیہا السلام ہیں۔ حاشیے سورۂ آل عمران پ۳ میں گزر چکے۔ یہود جو گندے الزامات آپ پر لگا چکے تھے اور جو آج تک ان کی کتابوں میں منقول چلے آتے ہیں ان کے پیش نظر ایسی ہی وضاحت وتصریح سے آپ کی صفائی پیش ہونے کی ضرورت تھی۔ و۱۲۶ (بہ واسطہ جبرئیل، اور اس سے ان کو بے شوہر حمل رہ گیا) نَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا۔ نفخ روح تو ہر انسان کے لئے ہوتا رہتا ہے، یہ نفخ روح ایک خاص طریقہ پر، معمول عام سے الگ، بہ واسطہ جبرئیل کیا گیا۔ اس کی تفصیلی کیفیت نہ معلوم ہو سکتی ہے، نہ معلوم کرنے کی ضرورت۔ یہاں تفہیم قرآنی کے سلسلہ میں

صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ نفخ روح کی اضافت حق تعالیٰ کی طرف صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اظہار عظمت کے لئے ہے۔ والا ضافة اليه تعالى لتشريف عيسى عليه السلام (مدارک) ف۱۲۷ (اپنی کمال قدرت کا کہ ہم ہر چیز کی تکوین پر قادر ہیں، اسباب عادیہ کے واسطہ سے بھی اور بلا واسطہ بھی،) ابنھا۔ فرزند مریم سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں...... عقیدۂ ابن اللہ کی تردید میں ابن مریم کی تصریح بار بار ضروری تھی۔ ف۱۲۸ (جس میں کسی نبی اور کسی شریعت کا اختلاف نہیں اور جس پر قائم رہنا تمہیں واجب ہے) ای ان ملة التوحيد التي يجب ان تكونوا عليها فكونوا عليها (بیضاوی) ای يجب ان تكونوا عليها (جلالین) طریقہ سے مراد عقیدۂ توحید۔ البتہ گفتگو اس میں ہے کہ یہاں خطاب کس سے ہے ایک جماعت کا خیال ہے کہ مسلمانوں سے اور هٰذِهٖ سے مراد امت مسلمہ ہے۔ والظاهر ان خطاب لمعاصرى الرسل ﷺ وهذه اشارة الى ملة الاسلام (بحر) دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ خطاب عام ہے ساری نسل انسانی کے لئے۔ اور طریقہ سے مراد ہے طریق انبیاء جن کا ذکر اوپر ہوتا چلا آتا ہے۔ ويحتمل ان تكون هذه اشارة الى الطريقة التى كان عليها الانبياء المذكورون من توحيد الله تعالى (بحر) اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ یعنی وہ طریقہ جس کے اندر کسی شریعت کا اختلاف نہیں۔ غير مختلفة فيما بين الانبياء عليهم الصلاة والسلام (بیضاوی) ف۱۲۹ (اور آ کر دین اصلی سے اپنے انحراف کا نتیجہ دیکھ لیں گے) آیت عام ہے تمام اہل زیغ وضلال کے لئے جو توحید کی صراط مستقیم سے الگ ہٹ ہٹ گئے ہیں۔ ف۱۳۰ (سوا ایک ذرہ بھی مومن کے عمل کا ضائع نہ جائے گا اور بلا اجر نہ رہے گا) وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ ایمان ہر حسنِ عمل کے لئے بنیادی شرط ہے۔ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ۔ فرشتوں کی کتابت اعمال کے فعل کو یہاں اپنی جانب منسوب کر کے فرمایا ہے۔ ف۱۳۱ (اس دنیا میں، حساب کتاب کے لئے) قَرْيَةٍ۔ قَرْيَةٍ بہ معنی اهل قريه ہے۔ یعنی جو مر چکے ہیں، ان کے لئے اب قیامت تک واپسی ممکن نہیں۔ لا يرجعون الى الدنيا (کبیر۔ عن قتادة ومقاتل) لا يرجعون الى الدنيا قبل يوم القيمة (ابن کثیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما وابو جعفر الباقر، وقتادة وغیر واحد) آیت کی ایک تفسیر یہ بھی آئی ہے کہ جن قوموں کے لئے ہلاکت علم الٰہی میں مقدر ہو چکی ہے وہ تو ہدایت کی جانب کسی طرح بھی رجوع نہ کریں گے۔ لا يرجعون عن الشرك ولا يتولون عنه (کبیر۔ عن الحسن ومجاہد) اَهْلَكْنٰهَا۔ اس دوسری تفسیر کی صورت میں اهلاک سے مراد صرف عزم اہلاک ہوگا اور يَرْجِعُوْنَ میں رجوع سے مراد کفر سے ایمان کی طرف رجوع ہوگا۔ ومعنى اهلكنا عزمنا على اهلاكها اوقدرنا اهلا كها ومعنى الرجوع الرجوع من الكفر الى الاسلام (کشاف) ف۱۳۲ یعنی ہلاک شدہ قوموں کا عدم رجوع ایک خاص وقت تک کے لئے ممنوع وممتنع ہے۔ البتہ قیامت کے وقت سب از سر نو زندہ ہو کر سامنے آئیں گے اور اس وقت موعود کے قرب کی ایک خاص علامت یہ ہوگی کہ یاجوج وماجوج سد ذوالقرنین سے رہائی پا جائیں۔ چھوٹ کر نکلیں اور ہر بلند مقام سے دندناتے ہوئے ابل پڑیں۔ انجیل کی عبارت ابھی آگے آرہی ہے کہ "ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا۔" يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ۔ یاجوج ماجوج پر حاشیے سورۃ الکہف پ۱۶ میں گزر چکے۔ یاجوج وماجوج کا خروج انجیل میں بھی قرب قیامت کی علامت بتایا گیا ہے۔ چنانچہ مکاشفۂ یوحنا میں ہے:۔ "اور جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا، اور ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی یعنی یاجوج وماجوج کو گمراہ کر کے لڑائی کے لئے جمع کرنے کو نکلے گا، ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا۔ اور وہ تمام

ع ۶ ۱۸ ۲

أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۖ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ﴿٩٣﴾ فَمَنْ يَعْمَلْ

اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔ سب ہمارے پاس واپس آنے والے ہیں ف۱۲۹ سو جو کوئی نیک کام

مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ ۖ وَإِنَّا

کرتا ہو گا اور وہ ایمان والا بھی ہو گا سو اس کی کوشش اکارت نہ جائے گی اور ہم تو

لَهُ كَاتِبُونَ ﴿٩٤﴾ وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا

اس کے لئے لکھ (بھی) لیتے ہیں ف۱۳۰ اور ہم جس بستی کو ہلاک کر دیتے ہیں ناممکن ہے کہ وہ لوگ

يَرْجِعُونَ ﴿٩٥﴾ حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ

پھر لوٹ کر آئیں ف۱۳۱ یہاں تک کہ یاجوج و ماجوج کھول دیئے جائیں

وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ﴿٩٦﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ

اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں ف۱۳۲ اور سچا وعدہ قریب

الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ

آ لگے تو بس یک بیک کافروں کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی

يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَٰذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٩٧﴾

ہائے ہماری کم بختی ہم اس کی طرف سے غفلت میں پڑے تھے، نہیں بلکہ ہم ہی قصور وار تھے ف۱۳۳

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ

بے شک تم (خود) اور جو کچھ تم اللہ کے سوا پوجتے رہے ہو (سب) جہنم کے کندے ہیں

أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَا وَرَدُوهَا ۖ

اس میں تم (سب) کو داخل ہونا ہو گا ف۱۳۴ اگر یہ لوگ (واقعی) خدا ہوتے تو اس میں کیوں جاتے

وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٩٩﴾ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا

(لیکن اب تو) سب کو اس میں ہمیشہ کے لئے رہنا ہو گا اس میں ان کا شور ہو گا اور وہ اس میں (کوئی اور بات)

زمین پر پھیل جائے گی اور مقدسوں کی لشکر گاہ اور عزیز شہر کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی۔ اور آسمان پر سے آگ نازل ہو کر انہیں کھا جائے گی اور ان کا گمراہ کرنے والا ابلیس آگ اور گندھک کی اس جھیل میں ڈالا جائے گا جہاں وہ حیوان اور جھوٹا نبی بھی ہوگا اور وہ رات دن ابدالآباد عذاب میں رہیں گے۔" (۲۰: ۸) ف۱۳۳ جب وہ وقت موعود کافروں کے خیال کے مطابق بے شان وگمان اور اچانک آ پڑے گا۔ تو ان کی آنکھیں فرط دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ اور یہ پکار اٹھیں گے کہ ہائے ہماری کیسی شامت تھی کہ ہم اس گھڑی کی طرف سے غفلت میں پڑے رہے۔ اور غفلت کیسی، غفلت تو جب ہوتی جب کسی نے ہم کو آگاہ نہ کیا ہوتا۔ سچی بات یہ ہے کہ قصور سرتاسر ہمارا ہے۔ ہم تنبیہ کرنے والوں کے باوجود بھی بیدار نہ ہوئے! ف۱۳۴ یہ اس وقت مشرکین سے کہا جائے گا۔ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے عموم سے وہ ہستیاں ظاہر ہے کہ مستثنیٰ رہیں گی جو بجائے خود مقبول ہیں اور جن کی رضا کو ان کی معبودیت میں اصلاً دخل نہیں۔ مثلاً ملائکہ وانبیاء معبودوں کا اپنے پرستاروں کے ساتھ داخل جہنم ہونا پرستاروں کے لئے اور زیادہ تکلیف وحسرت کا باعث ہوگا۔

يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ

سنیں گے (بھی) نہیں ف١٣٥ بے شک جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے

اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ

وہ اس سے (بالکل) دور رکھے جائیں گے اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے ف١٣٦

وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٢﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ

اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے ف١٣٧ انہیں (یہ) بڑی

الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ

گھبراہٹ (ذرا بھی) غم میں نہ ڈالے گی، اور ان کا تو استقبال فرشتے کریں گے یہ ہے آپ کا وہ دن جس کا

الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ

آپ سے وعدہ کیا جاتا تھا ف١٣٨ وہ دن (یاد رکھنے کے قابل ہے) جس روز ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جس

السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا

طرح طومار کاغذات لپیٹ لیا جاتا ہے، جس طرح ہم نے اول بار پیدا کرنے کے وقت ابتدا کی تھی اسی طرح اسے دوبارہ کر

عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ

دیں گے یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے ہم ضرور اسے کر کے رہیں گے ف١٣٩ اور ہم نے کتب آسمانی میں لکھ رکھا ہے ف١٤٠ لوح

بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿١٠٥﴾

محفوظ (میں لکھنے) کے بعد ف١٤١ کہ زمین (جنت) کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے ف١٤٢

اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿١٠٦﴾ ؕ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ

بے شک اس (قرآن) میں (بڑی) تبلیغ ہے بندگی کرنے والے لوگوں کے لئے اور ہم نے آپ کو (اے پیمبر)

اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ

دنیا جہان پر (اپنی) رحمت ہی کے لئے بھیجا ہے ف١٤٣ آپ کہہ دیجیے کہ میرے پاس تو صرف یہ ف١٤٤ وحی آئی ہے کہ

ف١٣٥ (اپنے ہی شور وغل، چیخ پکار میں) دوزخیوں کی خود ہی چیخ پکار اتنی ہوگی کہ کسی دوسرے کی کان پڑی آواز نہ سنائی دے گی۔ اہل دوزخ کو دوزخ میں رہنا ہی نہیں ہمیشگی کے لئے رہنا ہوگا۔ ف١٣٦ (اس لئے کہ وہ جنت میں ہوں گے اور جنت دوزخ سے بالکل الگ اور فاصلہ پر ہوگی) اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى سے معنی بعض صوفیہ نے یہ لئے ہیں کہ سبقت محبتنا ایاہ فی الازل یعنی ہماری محبت ان کے ساتھ ازل میں سابق ہوئی۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہی وہ استعداد سابق ہے، جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ محبت کی ابتداء محبوب کی جانب سے ہوتی ہے۔ ف١٣٧ جنت کی ایک خاص اور امتیازی خصوصیت یہاں بہ کمال بلاغت ایک مختصر فقرہ میں بیان کردی گئی۔ یعنی وہ جگہ ایسی ہوگی جہاں سب کچھ انسان کی اپنی مرضی کے مطابق ہوگا۔ جو ہوا بھی چلے گی اس کی مرضی کے موافق، جو موسم بھی وہ چاہے گا وہی پیدا ہو جائے گا، جو غذا وہ چاہے گا وہی حاضر ہوگی، جو مشغلہ اسے پسند ہو گا وہی اس کے لیے موجود ہوگا، جو پڑھنا وہ چاہے گا وہی کتابیں اس کے لیے فراہم ہو جائیں گی۔ وقس علیٰ ہذا۔ دنیا کی مختصر سی زندگی میں اپنے کو قوانین الٰہی کے ماتحت کر دینے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جنت میں سارے قوانین تکوینی خود اسی کے ماتحت ومحکوم ہوں گے اور پھر یہ کیفیت عارضی نہیں، وقتی نہیں، دائمی، لازوال، غیر منقطع ہوگی! — کوئی انسانی دماغ پورا تصور بھی ان راحتوں اور مسرتوں کا نہیں کر سکتا ف١٣٨ یہ وہی استقبال کرنے والے فرشتے مؤمنین سے کہیں گے۔ دہشت اور ہول کا وہ انتہائی وقت یقیناً ہوگا لیکن اہل ایمان کو دہشت کیوں ہونے لگی۔ انہیں تو خوابِ موت سے جاگتے ہی تسکین، تشفی، دلدہی کے لیے فرشتے مل جائیں گے، جو اعزاز واکرام سے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہاں سے تائید ہوتی ہے اس مقولہ کی کہ اہل اللہ کو فرح دائم میسر رہتا ہے اور عظمت کبریا سے جو خوف ان کے دلوں پر طاری رہتا ہے وہ اس کے منافی نہیں بلکہ وہ تو عین مقتضا عبدیت کا ہے۔ ف١٣٩ قرآن مجید وقوعِ قیامت اور اس روز کی ہولناکیوں اور بشارتوں دونوں کا ذکر اسی کثرت اور اسی قطعیت کے ساتھ اسی لیے کرتا ہے کہ مخاطبین کے دل میں عقیدۂ آخرت راسخ ہو جائے۔ ساری نیکیوں کی جڑ اور بنیاد یہی ہے کہ عقیدۂ آخرت محض ایک نظریہ یا وہم و گمان کی طرح نہ رہے بلکہ جزم کامل ووثوق کے ساتھ دل کی گہرائیوں میں اتر جائے اور قال حال بن جائے۔ ف١٤٠ زبور کہتے ہیں ہر لکھی ہوئی کتاب کو اور الزبور اسم جنس ہے ہر کتاب آسمانی کے لیے۔ لغت کے حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو پ٦ حاشیہ نمبر ٣٥ یہاں بھی محققین نے مراد الزَّبُوْرِ سے کل کتب آسمانی بہ طور اسم جنس لی ہیں۔ عنی بالزبور کتب ا نبیاء کلھا التی انزلھا علیھم (ابن جریر) مجاہد نے کہا ہے کہ الزَّبُوْرِ کتاب ہے۔ الزبور الکتاب (ابن جریر۔ عن مجاہد) ابن زید تابعی سے منقول ہے کہ الزَّبُوْرِ کتب آسمانی ہیں۔ الزبور الکتب التی انزلت علی الانبیاء (ابن جریر۔ عن ابن زید) ف١٤١ ذکر کے معنی حدیث صحیح میں لوح محفوظ کے آچکے ہیں۔ ایک حدیث کے درمیان آتا ہے کان اللہ و لم یکن شیٔ قبلہ و کان عرشہ علی الماء و کتب فی الذکر کل شیٔ و خلق السمٰوٰت والارض (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق) یہی حدیث خفیف تغیر کے ساتھ کتاب التوحید میں بھی نقل ہوئی ہے۔ جہاں ذکر کے صریح معنی لوح محفوظ کے ہیں۔ ای فی محل الذکر ای فی اللوح المحفوظ (فتح الباری) ای اللوح المحفوظ (عینی) ای فی اللوح المحفوظ (مجمع البحار) آیت میں بھی مراد اس نوشتہ سے لی گئی ہے جو آسمان پر ہے یعنی وہی لوح محفوظ۔ عنی بالذکر ام الکتاب التی عندہ فی السماء (ابن جریر) ابن زید تابعی مجاہد تابعی اور سعید بن جبیر تابعی سے بھی یہی معنی منقول ہے۔ الذکر الذی فی السماء (ابن جریر۔ عن سعید) الذکر ام الکتب الذی تکتب فیہ الاشیاء قبل ذٰلک (ابن جریر۔ عن ابن زید) الذکر ام الکتب عند اللہ (ابن جریر۔ عن مجاہد) خود امام جریر نے بھی ترجیح اسی معنی کو دی ہے۔ و اولی ھذہ الاقوال عندی بالصواب فی ذٰلک ما قالہ سعید بن جبیر و مجاھد۔ اور ثوری نے صراحت کے ساتھ اس کے معنی لوح محفوظ کے بتائے ہیں۔ ھو اللوح المحفوظ (ابن کثیر۔ عن الثوری) ف١٤٢ قرآن میں الارض کا اطلاق ارض جنت پر بھی ہوا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ (الزمر) چنانچہ یہاں بھی یہی معنی محققین سے منقول ہیں اور اس طبقہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لے کر اکابر تابعین تک سب ہی شامل ہیں۔ قال ابن عباس ارض الجنۃ و کذا قال ابو العالیۃ و مجاھد و سعید بن جبیر والشعبی و قتادۃ والسدی و ابو صالح و الربیع بن انس والثوری (ابن کثیر) یعنی بذٰلک ان ارض الجنۃ یرثھا عبادی العاملون بطاعتہ (ابن جریر) الفاظ کی اس تشریح کے بعد مطلب بالکل صاف ہے۔ یعنی لوح محفوظ میں لکھ دینے کے بعد ہم نے کتب آسمانی میں بھی یہ قاعدہ لکھ دیا ہے کہ زمین بہشت کے مالک تو بندگان صالح شریعت پر چلنے والے ہی ہوں گے۔ گویا آیت تمامتر مومنین کے حق میں ایک بڑی بشارت اخروی ہے۔ لیکن یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ "ہم نے کتاب زبور (صحیفۂ داؤد علیہ السلام نبی) میں لکھ رکھا ہے بعد نصیحت کے کہ زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے"۔ چنانچہ بہت سے اہل تفسیر ادھر بھی گئے ہیں۔ اس صورت میں یہ آیت مومنین کے حق میں ایک بشارت دنیوی نعمت یعنی زمینی بادشاہت کی ہوگی۔ اور اگر الارض سے مراد ارض موعود لی جائے، یعنی ملک شام (جیسا کہ بہت سے اہل تفسیر نے مراد بھی ہے) جب تو یہ پیشگوئی عہد صحابہ میں پوری طرح پوری ہو کر رہی۔ صحیفۂ زبور میں بھی یہ الفاظ ملتے ہیں:۔ "صادق زمین کے وارث ہوں گے" (٣٧ : ٢٩) ف١٤٣ اور وہ رحمت ومہربانی یہی ہے کہ قرآن

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا

تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے سو اب بھی تم مانتے ہو؟ پھر بھی اگر یہ لوگ سرتابی کریں

فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ

تو آپ کہہ دیجیے کہ میں تم کو نہایت صاف اطلاع کر چکا و۱۴۵ اور میں نہیں خبر رکھتا کہ کہ تم سے جو وعدہ کیا گیا ہے آیا

بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ

وہ قریب آ گیا ہے یا وہ دور و دراز ہے و۱۴۶ بے شک اللہ پکار کر کہی ہوئی بات کو بھی جانتا ہے

وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ

اور اسے بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور میں خبر نہیں رکھتا و۱۴۷ شاید کہ وہ تمہارے لئے امتحان ہی ہو

وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا

اور ایک (خاص) وقت تک کے لئے تمتع و۱۴۸ (پیغمبر نے) کہا و۱۴۹ کہ اے میرے پروردگار تو فیصلہ کر دے حق کے موافق

الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

و۱۵۰ اور ہمارا پروردگار بڑا رحمت والا ہے، جس سے مدد چاہی جاتی ہے ان باتوں کے مقابلہ میں جو تم بتایا کرتے ہو و۱۵۱

ایاتها ۷۸ — ۲۲ سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۳ — رکوعاتها ۱۰

اس میں ۷۸ آیتیں — سورۂ حج مدنی ہے — اور ۱۰ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ

اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو (کیونکہ) قیامت (کے دن) کا زلزلہ بڑی بھاری

شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿۱﴾ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ

چیز ہے و۱ جس روز تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے (بچہ) کو بھول

کے مخاطبین رسول کے پیام ہدایت کو قبول کریں اور اپنی زندگی کو انہی کے لائے ہوئے نظام کے سانچہ میں ڈھالیں۔ فلاح کونین وسعادت دارین صرف رسول کے اتباع میں ہے۔ یہاں تک کہ رسول کا غزا وقتال بھی دنیا کے حق میں سرتاسر رحمت ہی ہوتا ہے۔ اقبال نے کتنا سچ کہا ہے ؎

لطف و قہر او سراپا رحمتے   آں بہ یاراں ایں بہ اعدا رحمتے

مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت سے ایک نکتہ یہ بھی استنباط کیا ہے کہ مقبولین کی برکات ان کے قصد کے بغیر بھی عالم کو پہنچتی رہتی ہیں۔ جیسے آفتاب کی شعاعیں کہ بلا اس کے قصد وعلم کے سب کو پہنچتی رہتی ہیں۔ و۱۴۴ (اہل توحید و اہل شرک کے اختلافات کے باب میں) و۱۴۵ (احکام الٰہی کی بھی، اور ان احکام کی عدم تعمیل کے نتائج کی بھی، اس کے بعد اب نہ میرے اوپر کوئی ذمہ داری باقی رہی، نہ تمہارے پاس کوئی عذر معذرت) عَلٰى سَوَآءٍ سے مراد ہے خوب مفصل و مدلل۔ و۱۴۶ پیمبر کو قطعی علم صرف وقوع عذاب اور وقوع آخرت کا رہتا ہے۔ وقت وزمانہ کی تعیین کا علم اسے نہیں دیا جاتا۔ علم کامل کی نفی جب پیمبر اور پیمبر بھی کون؟ اشرف الانبیاء سے کی جا رہی ہے تو کسی مرشد یا ولی کے لیے علم غیب کا اعتقاد رکھنا ظاہر ہے کہ کیسی کھلی ہوئی نادانی وجہالت ہے۔ و۱۴۷ یعنی تاخیر عذاب۔ و۱۴۸ امتحان اس لحاظ سے کہ شاید اب یہ ایمان لے آئیں۔ یہ ظہور رحمت ہے۔ عارضی مہلت اس اعتبار سے کہ غفلت اور بڑھتی جائے، اور تحقق عذاب کے اسباب اور بڑھ لیں۔ یہ ظہور قہر ہے۔ پیمبر کی زبان سے یہ کہلایا جا رہا ہے کہ مجھے ان مصالح تکوینی کا علم نہیں۔ امتحان الٰہی سے مراد ہمیشہ دنیا کی نظروں میں امتحان ہوگا۔ ورنہ علم الٰہی میں تو ظاہر ہے کہ سب ہی کچھ موجود ہے۔ و۱۴۹ یہ اس وقت کہا، جب تبلیغ کے سارے مرتبے ختم ہو چکے اور اصلاح خاطر خواہ نہ ہوئی۔ و۱۵۰ فیصلہ سے مراد عملی فیصلہ جو اندھوں کو بھی نظر آ جائے۔ یعنی کافروں کی شکست وتباہی باوجود ہر ساز وسامان کے۔ و۱۵۱ (مثلاً یہی کہ ہم عنقریب مسلمانوں کا نام ونشان مٹا کر رکھ دیں گے، یا اور کلمات کفر والحاد)

ع ۷ ۹

سورۂ حج و۱ وہ ایسی چیز نہیں جسے کوئی صحیح الحواس انسان بھولا ہوا رہے یا جسے معمولی بات سمجھتا رہے۔ رو مرنے کا مقام ہے کہ جس چیز سے قرآن مجید نے انتہائی تخویف کا کام لیا ہے، اسی واقعہ کے ذکر کو آج غیروں نے نہیں خود "مسلمانوں" نے ایک موضوع تفریح وتفنن کا بنا لیا ہے۔ بدنصیب شاعروں کے ہاں تو روز ہجر وشب فراق، روز قیامت سے بڑھی ہوئی مدت دراز سے چلی آ رہی تھی، اب نثر نویسوں نے قدم اس سے بھی آگے بڑھایا ہے اور قیامت کے دن پر تفریحی ڈرامے لکھنے شروع کر دیئے ہیں۔

عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا

جائے گی اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی

وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ

اور لوگ تجھے نشہ میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے، بلکہ

عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝۲ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي

اللہ کا عذاب ہے ہی سخت (چیز) ف۲ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے باب میں بغیر علم (ودلیل) کے

اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝۳ كُتِبَ

جھگڑا کیا کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کے پیچھے ہولیتے ہیں ف۳ اس (مردود) کی نسبت

عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَ يَهْدِيْهِ اِلٰى

تو یہ لکھا جاچکا ہے کہ جو کوئی بھی اسے دوست رکھے گا تو اسے وہ گمراہ ہی کر کے رہے گا اور اس کو (خدا اپنی مشیت تکوینی سے)

عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۴ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ

عذاب دوزخ کی راہ دکھا دے گا ف۴ اے لوگو اگر تم (دوبارہ) جی اٹھنے کی طرف سے شک

مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

میں ہو تو (اس میں غور کر لو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ف۵ پھر نطفہ سے

ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ

پھر خون کے لوتھڑے سے پھر بوٹی سے (کہ بعض) پوری (ہوتی ہیں) اور (بعض)

مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ

ادھوری تاکہ ہم تمہارے سامنے (اپنی قدرت) ظاہر کر دیں ف۶ اور ہم رحم میں جس کو چاہتے ہیں ٹھہرائے رکھتے ہیں

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا

ایک مدت مقرر تک ف۷ پھر ہم تمہیں بچہ (بنا کر پیٹ سے) باہر لاتے ہیں تاکہ تم اپنی بھری جوانی تک

ف۲ اور اسی گھبراہٹ وبوکھلاہٹ کی شدید حالت لوگوں کی متوالوں کی سی معلوم ہوگی۔ یہ نقشہ سب اس وقت کا کھینچا ہے جب صور پہلی بار پھنکے گا، اور قیامت شروع ہوگی۔ اور یہ سب چیزیں محض بہ طور
ال اندازہ کے لیے بتائی گئی ہیں۔ ''مقصود یہ نہیں کہ بس اس زلزلہ کی ہیبت اتنی ہی ہوگی، بلکہ مخاطبین کے اذہان میں چونکہ یہ ہیبت بھی عظیم ہے جس پر آثار مذکورہ مرتب ہوں، اس لیے اس کو ذکر کر دیا
ں زائد کی نفی نہیں ہے''۔ (تھانوی علیہ رحمۃ اللہ) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ
اں جو غیر سکر کو تشبیہاً سکر فرمادیا گیا، اس سے صوفیہ کی اس اصطلاح کی اصل
ل آئی کہ بعض حالات باطنی کو بھی اسی مشابہت ومماثلت کی بنا پر سکر کہہ دیا جاتا
ہے۔ ف۳ شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ آیت نضر بن حارث ایک
شہور معاصر کافر کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ یا پھر ابوجہل یا ابی بن خلف کے
ت میں۔ لیکن آج تو اس آیت کے مصداق ایک دو نہیں صدہا، ہزارہا ''پڑھے
لکھے'' نظر آئیں گے۔ کہیں نثر میں مضامین، ڈرامے اور افسانے لکھے جارہے
ں کہ خدا مزدوروں مفلسوں کو مصیبت میں دیکھتا ہے اور اسے ذرا رحم نہیں آتا۔
ہیں نظم میں طبع آزمائی ہو رہی ہے کہ خدا سرمایہ داروں کے ظلم کو روکتا نہیں۔
ران کی اعانت کر رہا ہے وقس علیٰ ہذا گویا ان بے مغز بیہودہ نگاروں کے حسب
شورہ اگر کسی دنیا کی تخلیق ہوتی تو اس میں نہ کوئی چھوٹا ہوتا نہ بڑا، نہ کوئی امیر نہ
وئی مطاع، نہ کوئی دولتمند نہ کوئی مفلس، نہ کوئی بیمار نہ کوئی مجرم۔ گویا اس دنیا میں
اطاعت کے کوئی معنی ہوتے نہ سخاوت کے، نہ دادرسی کے نہ حذاقت کے نہ
ردی کے! اس لیے کہ یہ چیزیں تو اپنے ظہور کے لیے خود محتاج ہیں حاجت کی،
بت کی، بیماری کی، مظلومیت کی! ــــ ایسی عجیب وغریب مساواتی دنیا کا تصور
ی جن دماغوں میں آسکتا ہے، ان سب کی ذہنیت بس ایسی ہی ہوتی ہے کہ ہر
یطان کی دسترس اس پر بآسانی ہو جاتی ہے۔ اور وہ ہر باتونی شیطان کی
مراہیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ف۴ یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ شیطان اسے
مراہ کر کے عذاب دوزخ تک پہنچا دے گا۔ كُتِبَ عَلَيْهِ۔ یعنی اس کی بابت
مقدر ہو چکا ہے۔ طے ہو چکا ہے۔ ف۵ یعنی نوع انسانی کی ترکیب میں عنصر
لب مٹی کا ہے۔ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ۔ تقدیر کلام یوں ہے کہ میں تمہیں تمہاری
لقت سے متعلق یہ خبر دیتا ہوں یا یہ کہ تم اپنے آغاز خلقت کو سوچو۔ اے
نظروا فی بدء خلقکم (بیضاوی) قیل التقدیر فاخبرکم واعلمکم
ا خلقنکم (روح) ف۶ وجود انسانی کی اس ساخت، ترکیب وترتیب کی
یک طرف یکسانی وہمرنگی، دوسری طرف باہمی تفاوت واختلاف دونوں چیزیں
س طرح قدرت، حکمت وصنعت پر شاہد ہیں اسی طرح اس پر بھی کہ جو پہلے
س طرح عدم مطلق سے وجود میں لاچکا ہے، اسے اب اجزائے منتشرہ کو جوڑ
وڑ کر درست کر دینا کیا مشکل ہے۔ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ۔ نوعی ترکیب کے بعد،
تخلیق انفرادی کا یہ پہلا قدم ہے۔ نطفہ غذائے انسانی کا خلاصہ در خلاصہ ہوتا
ہے۔ عَلَقَةٍ۔ اس حالت کا نام ہے جب نطفہ میں سرخی اور غلظت پیدا ہو
جائے۔ مُضْغَةٍ۔ اس حالت کا نام ہے جب علقہ مرتب اور سخت ہو جائے۔
مُخَلَّقَةٍ۔ یعنی وہ حالت جب کہ پورے اعضا ترکیب پا جائیں۔ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ۔ یعنی وہ حالت جب کہ بعض اعضا ناقص رہ جائیں۔ ف۷ (یعنی وضع حمل کے عام اور معمولی وقت تک) اور جس کو
ٹھہرانا ہی نہیں منظور ہوتا اس کا اسقاط واخراج قبل ہی کر دیتے ہیں۔

اَشُدَّكُمْ ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ

پہنچ جاؤ اور تم میں وہ بھی ہیں جو مر جاتے ہیں ف۸ اور تم میں وہ بھی ہیں جنہیں نکمی عمر تک

اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ

پہنچا دیا جاتا ہے جس سے وہ ایک چیز سے باخبر ہو کر بے خبر ہو جاتے ہیں ف۹

وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ

اور تو زمین کو دیکھتا ہے ف۱۰ کہ خشک ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں

اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ۝۵

تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوش نما نباتات اگاتی ہے

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ

یہ (سب) اس سبب سے کہ اللہ ہی (کی ہستی) حق ہے ف۱۱ اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ ۙ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ

اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اور (اس سبب سے بھی کہ) قیامت آنے والی ہے

لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۷

اس میں ذرا شبہ نہیں اور اللہ (دوبارہ) اٹھائے گا انہیں جو قبر میں ہیں ف۱۲

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ لَا

اور انسانوں میں کوئی کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کے باب میں حجت کرتا رہتا ہے بغیر علم کے اور بدون

هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۸ ۙ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ

دلیل کے بدون کسی روشن کتاب کے۔ تکبر و گردن کشی کرتے ہوئے تاکہ (دوسروں کو بھی)

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ نُذِيْقُهٗ

اللہ کی راہ سے بے راہ کر دے ف۱۳ ایسے شخص کے لئے دنیا میں (بھی) رسوائی ہے اور قیامت کے

ف۸ (جوانی تک پہنچنے سے قبل ہی) انسان کی دو قسمیں بہ لحاظ ان کی عمر کے بیان ہوئیں۔ ایک وہ جو اپنی پختگی کو پہنچائے جاتے ہیں، دوسرے وہ جو اس سے قبل ہی اٹھا لیے جاتے ہیں۔ حکمت تکوینی دونوں ہی صورتوں میں عامل و مؤثر رہتی ہے۔ ف۹ یہ تیسری قسم کے لوگ ہوئے۔ شدت ضعیفی میں قوت حافظہ کا ضعف اور عام قوائے دماغی میں انحطاط روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ ف۱۰ (اے مخاطب!) پہلے استدلال کا خلاصہ یہ تھا کہ انسان کی خلقت پر غور کرو۔ تدریج و آہستگی کے ساتھ اس کو کتنی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور ہر ہر منزل کس حکیمانہ نظم و انتظام کے ساتھ گزاری جاتی ہے۔ پھر عمر کے لحاظ سے بھی ایک خاص ترتیب نظر آتی ہے۔ مصالح تکوینی کے ماتحت کسی کو تو عمر ہی مار دیا جاتا ہے۔ کسی کو اچھے سن و سال تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اور کسی کو اتنی عمر تک کہ قوت ضعف میں اور اختیار و اقتدار انحطاط و بے کسی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ آدمی ان کی تفصیلات پر جتنا زیادہ غور کرتا جائے گا، یہ حقیقت اور زیادہ روشن ہوتی جائے گی کہ یہ نظام کائنات بخت و اتفاق کے ماتحت نہیں چل رہا ہے، بلکہ اس پر کوئی عاقل ترین، قادر ترین، کامل ترین ہستی ہی حکمران ہے۔ آیت میں صنعت و حکمت الٰہی پر دوسرا استدلال نظام فضائی و کائنات قہری سے پیش ہو رہا ہے۔ زمین کا ایک خاص حالت میں ہونا، موسم میں ایک متعین کیفیت کا پیدا ہو جانا، آفتاب میں ایک خاص درجہ کی گرمی، سمندر کا اس سے ایک خاص درجہ پر تاثر، بخارات کا صعود، ہوا میں ایک خاص قسم کی حرکت اور ایک خاص درجہ کی برودت، پانی کا ایک معین مقدار میں اور ایک خاص صورت میں یعنی قطرہ قطرہ ہو کر نزول، زمین میں بارش کا جذب ہونا، نباتات کا اس سے اپنی غذا کا کام لینا، ان میں نشوونما کا ہونا وغیرہا علوم طبعی، کیمیاوی، ارضیاتی کے صدہا مسائل کو عملاً اس نظم و تدبیر کے ساتھ حل کرتے رہنا، کام یقیناً حکیم مطلق ہی کا ہو سکتا ہے۔ ف۱۱ (اور وہی یہ سب تغیرات ہر لمحہ و ہر آن کرتی رہتی ہے) مشاہدات کائنات سے قرآن مجید کا مقصود ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے، یعنی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات۔ چنانچہ یہاں بھی مقصود ارشاد یہی ہے کہ یہ سارے واقعات دلیل ہیں اللہ کی قدرت، حکمت، صنعت، وحدانیت کے، اور انسان (فاعل بالارادہ مخلوق) کی مسئولیت کے۔ ف۱۲ مذاہب شرک تو بہت سے ایسے ہیں جو عقیدۂ جزا و سزا، حشر و نشر کے منکر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے معاصر جو اہل کتاب تھے یعنی یہود و نصاریٰ، ان میں بھی یہ عقیدہ بہت ضعیف ہو چلا تھا اور ان کے بعض بعض فرقے تو سرے سے منکر ہی ہو گئے تھے۔ ف۱۳ یعنی بجز بے عقلی اور بے علمی کی راہ سے ضلالت پھیلاتے رہنے کے یہ شخص نہ کوئی عقلی دلیل اپنے پاس رکھتا ہے اور نہ نقلی۔ هُدًى سے مراد ہے دلیل عقلی۔ اور كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ سے وحی الٰہی۔ اے لا سندله من استدلال او وحي (بیضاوی) ثَانِيَ عِطْفِهٖ۔ لفظی معنی ہیں اپنا شانہ پھیر لینے والا۔ مراد ہے تکبر کرنے والا، زعم و پندار میں مبتلا رہ کر اکڑنے والا۔ ثني العطف عبارة عن الكبر والخيلاء (کشاف) شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ آیت میں اشارہ خصوصی ابوجہل سے متعلق ہے۔ آج "روشن خیال" و "تجدد نواز" طبقات بھی اسی ذہنیت کو لئے ہوئے ابھرے ہیں۔ صفات الٰہی پر بڑی بلند آہنگی سے گفتگو کے لئے نکلے ہیں۔ اور حال یہ ہے کہ جس طرح عقل و منطق سے تہی دامن ہیں، اسی طرح

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۹﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ

دن ہم اسے جلتی آگ کا عذاب چکھائیں گے ف۱۴ کہ یہ تیرے ہی ہاتھ کے کرتوتوں

يَدٰكَ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۰﴾ وَمِنَ

کا بدلہ ہے، اور یہ (ثابت ہی ہے) کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ف۱۵ اور

النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ

انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کی پرستش کنارہ پر (کھڑا ہو کر) کرتا ہے پھر اگر اسے کوئی نفع

خَيْرُ اِۨطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِۨنْقَلَبَ

پہنچ گیا (تو) وہ اس پر جما رہا اور اگر (کہیں) اس پر کوئی آزمائش آ پڑی تو وہ منہ اٹھا کر

عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ

واپس چل دیا ف۱۶ (یعنی) دنیا و آخرت (دونوں) کو کھو بیٹھا یہی

الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا

انتہائی محرومی ہے وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے کو پکار رہا ہے جو نہ اسے

يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾

نقصان پہنچا سکے اور نہ اسے فائدہ پہنچا سکے، یہی تو ہے انتہائی گمراہی ف۱۷

يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى

وہ ایسے کو پکارتا ہے، جس کا ضرر (واقعی) قریب تر ہے اس کے نفع (موہوم) سے۔ کیا ہی برا ہے (ایسا) کارساز

وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور کیا ہی برا ہے (ایسا) رفیق ف۱۸ بے شک اللہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

اور نیک عمل بھی کئے داخل کرے گا ایسے باغوں میں جن کے نیچے ندیاں بہ رہی ہوں گی

ع ۸

ف۱۴ دنیا میں رسوائی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ ایسا شخص گفتگو ومناظرہ میں اہل حق کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ ف۱۵ یہ مجرمین سے فرشتے قیامت میں پکار پکار کر کہیں گے۔ ف۱۶ (کفر کی طرف) مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک مذہب کی صداقت وحقانیت بجائے خود کوئی معنی ہی نہیں رکھتی۔ اگر مسلمان رہنے سے انہیں کوئی دنیوی منافع حاصل ہو رہے ہیں تو یہ بھی اپنے کو مسلمان کہیں گے اور مسلمان سمجھیں گے۔ لیکن اگر دقتوں اور دشواریوں کا سامنا ہوا تو بس یہ جھٹ سے الگ ہو گئے۔ اور کھلم کھلا بھی اپنی بے دینی کا اظہار کرنے لگے۔ آج دنیا کے ۴۰ کروڑ مسلمانوں کے اندر بھی یہ مرض کس کثرت سے پھیلتا جا رہا ہے کہ اسلام کی قدر گویا صرف منافع دنیوی کے لحاظ سے، اور اس کی قیمت صرف مصالح مادی کے تناسب سے ہے۔ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ۔ یعنی اسلام اس نے قبول تو کر لیا ہے لیکن ایسی بے دلی کے ساتھ اور ایسے اوپری دل سے کہ جیسے کوئی شخص کسی چیز کے کنارے کھڑا ہو اور جیسے موقع پاتے ہی اسے چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہو۔ ذکر منافقین کا ہو رہا ہے۔ ف۱۷ توحید کی کھلی ہوئی شاہراہ کو چھوڑ کر انسان کا یہی حال ہوتا ہے۔ وہ کیسے کیسے معبودان باطل کو پکارنے لگتا ہے!...... یورپ کی ”روشن خیال“ ”عقل نواز“ قوموں نے توحید وخدا پرستی کی راہ چھوڑ کر بے شمار مخلوقات کو اپنا معبود بنا لیا ہے اور عملاً ان کے ساتھ وہی معاملہ شروع کر دیا ہے جو معبود کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یعنی انہیں کو نافع اور ضار سمجھنے لگے ہیں۔ ف۱۸ یعنی نہ بڑے کی حیثیت سے کچھ کام آ رہا ہے، نہ برابر والے کی حیثیت سے کچھ نفع پہنچا رہا ہے۔ مِنْ ضَرِّهٖ۔ جس کا ضرر یعنی جس کا موجب ضرر ہونا۔ محاورۂ عرب میں بے اصل اور غیر موجود شے پر بھی اطلاق بعید کا ہوتا ہے، بس نفع کا ابعد ہونا بہ معنی اس کے معدوم ہونے کے ہے۔ هذا على عادة العرب فانهم يقولون لما لا يكون اصلا بعيدا من نفسه كقوله ذلك رجع بعيد اى لا رجع اصلا (معالم) كان نفع الصنم بعيدا على معنى انه لا نفع فيه اصلا (معالم)

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ

بے شک اللہ کر ڈالتا ہے جو کچھ ارادہ کر لیتا ہے ف۱۹ جو شخص یہ خیال رکھتا ہے کہ

يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ

اللہ اپنے رسول کی مدد دنیا اور آخرت میں نہ کرے گا تو اسے چاہیے کہ ایک رسی

اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ

آسمان تک تان لے پھر سلسلہ وحی کو کاٹ دے، تو غور کرنا چاہیے کہ آیا اس کی تدبیر اس کی ناگواری کی چیز کو موقوف

مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّ اَنَّ

کرا سکتی ہے؟ ف۲۰ اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے کھلی ہوئی نشانیاں (بنا کر) اور بات یہ ہے

اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ

کہ اللہ جس کے لئے ارادہ کرتا ہے اسے ہدایت کر ہی دیتا ہے ف۲۱ بے شک ایمان والے اور جو لوگ

هَادُوْا وَ الصّٰبِـِٕيْنَ وَ النَّصٰرٰى وَ الْمَجُوْسَ وَ الَّذِيْنَ

یہود ہوئے ہیں اور صابی اور نصاریٰ اور مجوس اور جو

اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ

مشرک ہیں اللہ ان (سب) کے درمیان فیصلہ کر دے گا قیامت کے دن بے شک

اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ

اللہ ہر شے سے واقف ہے ف۲۲ کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کو

يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ

سجدہ (تسلیم) کرتے ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے

وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ

اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت

ف۱۹ (اور اس نے اس جزا اور سزا کا ارادہ کر لیا ہے) خدا ہی قادر مطلق ہے۔ اسی کا ارادہ سب پر غالب ہے۔ وہ خود ہی قانون ساز ہے۔ کوئی قانون اس کے اوپر حاکم نہیں۔ اس میں رد آ گیا بہت سی مشرک قوموں اور مشرک فلسفیوں کا جنھوں نے خدا کو محدود الاختیار مانا ہے اور قادر کے اوپر بھی کسی "قانون قدرت" کو حاکم و نافذ سمجھا ہے۔ ف۲۰ (اور ظاہر ہے کہ نہیں کر سکتی) مَا يَغِيْظُ۔ ناگواری کی چیز سے مراد ہے نصرِ وحی الٰہی۔ غاظهم الله به من نصرة النبی ﷺ ما ينزل عليه (ابن جریر۔ عن ابن زید) اے الذی يغيظه من نصر الله (بیضاوی) يَنْصُرَهُ میں ضمیر رسول کی طرف ہے۔ اے لن ينصره الله بنبيه (ابن جریر۔ عن قتادۃ) اے لن ينصره الله بنبيه (ابن جریر۔ عن ابن زید) اے لن ينصر الله محمدًا ﷺ (ابن کثیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) صحابہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما، تابعین میں کلبی، مقاتل، ضحاک، قتادہ، ابن زید، سدی اور اہل لغت و نحو میں فراء و زجاج سے یہی تفسیر منقول ہے۔ لْيَقْطَعْ میں مفعول 'وحی' مقدر ہے۔ اے ليقطع عن النبی ﷺ الوحی (ابن جریر۔ عن ابن زید) اے ليقطع الوحی ان ينزل عليه (کشاف) "حاصل یہ ہوا کہ نصرتِ الٰہیہ آپ کے ساتھ بوجہ وحی و نبوت کے ہے، سو آپ کی ناکامی کی سعی کرنا اس وقت مفید ہو سکتی ہے کہ جب اس نبوت اور وحی کے قصہ کو پاک کر دیا جائے سو یہ ہونے کا نہیں۔ پس رہنما کے خلاف میں سعی کرنا موقوف ہے ظن عدم نصرت الٰہیہ للنبی پر۔ اور اس میں کامیابی کا سامان مجتمع کرنا موقوف ہے قدرت علیٰ قطع النبوۃ پر۔ پس کلام میں اصل شرط اور جزا دونوں امر موقوف ہیں اور عبارت میں دونوں امر موقوف علیہ کو ان کے قائم مقام کر دیا گیا۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) وهو احسن التفاسير وابدعها عندی (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ابن جریر نے بھی ترجیح اسی تفسیر کو دی ہے۔ دوسرے اقوال جو نقل ہوئے ہیں مقصود و ماحصل ان کا بھی یہی ہے۔ واعلم ان المقصد علی كل هذه الوجوه معلوم فانهٗ زجر للكفار عن الغيظ فی ما لا فائدة فيه (کبیر) بعض عارفین نے کہا ہے کہ آیت سے رضاء بہ قضاء کی ترغیب نکلتی ہے اور کراہت قضاء الٰہی کی مذمت۔ ف۲۱ (اور ہدایت الٰہی ہی کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ جو بندہ اس کے لئے سعی و طلب کرتا ہے، اس کے حق میں اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کر ہی لیتا ہے) كَذٰلِكَ۔ یعنی اس میں بھی صرف ہمارے ہی ارادہ و قدرت کو دخل ہے۔ ف۲۲ (چنانچہ ان سب کے کفر و ایمان سے بھی خوب واقف ہے، اسے صحیح فیصلہ کرتے دیر ہی کیا لگ سکتی ہے) اِنَّ اللّٰهَ...... الْقِيٰمَةِ۔ اس فیصلہ سے مراد عملی فیصلہ کا ظہور ہے۔ یعنی یہ کہ قیامت میں مسلمان جنت میں داخل ہو جائیں گے اور کافر دوزخ میں۔ الْمَجُوْسَ۔ مجوس وہ اہل عجم ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ ہم ایک نبی زرتشت نامے کی امت ہیں۔ لیکن اب وہ عملاً توحید کے بجائے ثنویت کے معتقد ہیں۔ یعنی ایک کے بجائے دو خدا قرار دے لئے ہیں۔ ایک یزدان یعنی خدائے نور و خدائے خیر۔ دوسرا اہرمن یعنی خدائے ظلمت و خدائے شر۔ اور کہتے ہیں کہ یہ کائنات انہیں دونوں کی کشمکش کی رزمگاہ ہے۔ فقہاء امت نے انہیں بھی اہل کتاب کے حکم میں رکھا ہے۔ چنانچہ اہل کتاب کی طرح یہ بھی جزیہ دے کر اور ذمی بن کر رہ سکتے ہیں۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، الَّذِيْنَ هَادُوْا، الصّٰبِـِٕيْنَ، النَّصٰرٰى، الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا۔ ان سب پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ ایک آیت اسی سے کچھ ملتی ہوئی سورۂ بقرہ پارۂ اول میں گزر چکی ہے۔

وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ

اور چوپائے اور کثرت سے انسان بھی و۲۳ اور بہتوں پر عذاب (بھی) ثابت

الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ

ہو گیا ہے و۲۴ اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کا کوئی عزت دینے والا نہیں بے شک

اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۸﴾ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا

اللہ جو چاہے کرے و۲۵ یہ دو فریق ہیں و۲۶ جنہوں نے اپنے پروردگار

فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ

کے باب میں اختلاف کیا سو جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے

نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ

جائیں گے ان کے سروں کے اوپر سے گرم پانی چھوڑا جائے گا اس سے گل جائیں گی

بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ ؕ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ

ان کے پیٹ کی چیزیں و۲۷ اور کھالیں اور ان کے (مارنے کے) لئے گرز ہوں گے

حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ

لوہے کے وہ لوگ جب کبھی گھٹے گھٹے اس سے باہر نکلنا چاہیں گے

اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ ع اِنَّ اللّٰهَ

اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے (اب) جلنے کا عذاب چکھتے رہو و۲۸ بے شک اللہ

يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ

ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے باغوں میں داخل کرے گا

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ

کہ ان کے نیچے ندیاں بہ رہی ہوں گی وہاں ان کو کنگن سونے کے

السجدۃ ۲

ع ۹/۱۲

و۲۳ سجدہ سے مراد یہاں سجدہ شرعی نہیں، بلکہ لفظی معنی مراد ہیں۔ یعنی امور
وینی میں انقیاد واطاعت اور اسی اعتبار سے اپنے اپنے درجہ ومرتبہ کے لحاظ
سے ساری غیر مکلف مخلوق مطیع ومنقاد ہے۔ لیکن انسان چونکہ عقل کی بنا پر مکلف
لوق ہے، اس سے اس کے درجہ ومرتبہ کے متناسب، علاوہ انقیاد وتسخیر ہی کے
تیاد تشریعی بھی مقصود ومطلوب ہے اور وہ ساری نوع انسان میں نہیں پایا جاتا۔
س لیے انسان کے مطیع ومنقاد ہونے کو بہ طور کلیہ کے نہیں۔ بلکہ محض بطور
کثریت کے ارشاد فرمایا گیا،" دیگر مخلوقات مذکورہ آیت چونکہ مکلف نہیں ہیں
س لیے ان کے مناسب صرف انقیاد تکوینی وتسخیری ہے اور وہ ان سب میں متحقق
ہے۔ اور انسان مکلف ہے۔ اس لیے اسی کے مناسب علاوہ انقیاد تسخیری وتکوینی
کے انقیاد تشریعی واختیاری ہی ہے۔ پس 'یَسْجُدُ' میں 'مناسب' کی قید لگا دینے
سے سجدہ کا تحقق دیگر مخلوقات کے لئے عام ہو گیا۔ اور انسان کے لئے صرف
بعض افراد کے اعتبار سے ہوا۔" (تھانوی علیہ الرحمۃ) "اور سجدہ کے معنی حقیقی کے
لئے جبہہ کا وجود ضروری ہے اور جبہہ ہر مخلوق میں معین ہے۔" (تھانوی علیہ الرحمۃ)
سجدہ کے لغوی معنی پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ و۲۴ (اسی لئے کہ وہ غیر
ساجد یعنی غیر منقاد ہیں) الْعَذَابُ۔ عذاب سے مراد استحقاق عذاب ہے۔
و۲۵ وہ حکیم مطلق بھی ہے اور قادر مطلق بھی۔ وہ جسے چاہے اپنی قدرت سے
ہدایت دیدے اور جسے چاہے اقتضائے حکمت سے توفیق نہ نصیب کرے۔ وَ
مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ۔ اللہ کا کسی کو ذلیل کرنا یہی ہے کہ اسے توفیق ہدایت نہ رہے۔
و۲۶ یعنی ایک طرف مومن، دوسری طرف کا فرمع اپنے تمام اقسام کے۔
و۲۷ توریت کا تو خیر ذکر ہی نہیں۔ انجیل جو عام طور پر تمام تر رحم وکرم، شفقت
ورحمانیت ہی کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس میں بھی دوزخ کے ہولناک مناظر بار
بار پیش کئے گئے ہیں۔ حوالے پیشتر گزر چکے۔ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ۔ یعنی انتڑیاں
وغیرہ۔ و۲۸ (ہمیشہ کے لئے اور تمہیں کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا) یہ فرشتے اہل
دوزخ سے کہیں گے۔

مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ؕ وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾

اور موتی پہنائے جائیں گے وہاں ان کی ریشم کی پوشاک ہو گی و۲۹

وَ هُدُوْۤا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَ هُدُوْۤا اِلٰى

اور ان کو ہدایت ہوگئی تھی کلمۂ طیبہ کی طرف اور ان کو ہدایت ہوگئی تھی (خدائے) لائق حمد کے

صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ يَصُدُّوْنَ

راستہ کی جانب و۳۰ بے شک جو لوگ کافر ہیں اور (لوگوں کو) روکتے ہیں

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ

اللہ کی راہ سے و۳۱ اور مسجد حرام سے و۳۲ جس کو ہم نے مقرر کیا ہے

لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَ الْبَادِ ؕ وَ مَنْ يُّرِدْ فِيْهِ

لوگوں کے واسطے کہ اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا (سب) برابر ہیں و۳۳ اور جو کوئی بھی اس کے اندر

بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ وَ اِذْ بَوَّاْنَا

کسی بے دینی کا ارادہ ظلم سے کرے گا ہم اسے عذاب دردناک چکھائیں گے و۳۴ اور (وہ وقت یاد دلایئے) جب ہم

ع ۳ / ۱۰

لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا

نے ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ بتا دی و۳۵ (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا و۳۶

وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْقَآئِمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ

اور میرے گھر کو پاک رکھنا طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود

السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا

کرنے والوں کے لئے و۳۷ اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو لوگ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے

وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾

اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی و۳۸

و۲۹ زیور اور ریشم اس دار العمل میں مردوں کے لئے ناجائز ہیں۔ جنت میں جو صرف دار الجزاء ہے اور جس کے قانون اور ضابطے دار العمل سے بالکل مختلف ہوں گے وہاں بالکل جائز ہو جائیں گے۔ و۳۰ (اسی دنیا میں اور یہ جنت کا انعام واکرام سب اسی ہدایت کا نتیجہ ہے) الطَّيِّبِ۔ طیب کا اطلاق ہر پاکیزہ نافع چیز پر ہوسکتا ہے۔ یہاں مراد ہے کلمہ طیبہ توحید۔ بعض نے مراد قرآن وغیرہ لی ہے۔ ماحصل ہر تفسیر کا ایک ہی ہے۔ و۳۱ یعنی دین کے کام سے۔ یہاں مراد عمرہ ہے۔ ۶ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت کثیر کے ساتھ مدینہ سے عمرہ کا قصد کیا تھا تو مشرکین مکہ نے آپ کو مقام حدیبیہ پر آکر آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ اشارہ اسی طرف ہے۔ مفصل ذکر پ۲۶ سورۂ فتح کے ذیل میں آئے گا۔ و۳۲ یعنی حرم مکہ ہے۔ شریعت کی مخالفت تو سب ہی جگہ موجب عذاب ہے۔ حرم کے اندر اور زیادہ موجب عذاب ہے۔ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ مسجد حرام سے مراد یہاں پورا رقبہ حرم ہے۔ والمراد بالمسجد الحرام مكة وعبّربه عنها (روح) فيه قولان...... الثانى انهٗ اراد به الحرم كله (ابن العربی) و۳۳ (اس کے مامن ومرجع ہونے کی حیثیت سے) حرم محترم کے دروازہ ہر مومن موحد کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ کسی کے واسطے اسے کوئی خصوصیت نہیں۔ پردیسی اور وطنی، ملکی وآفاقی دونوں اس پر یکساں حق رکھتے ہیں۔ فقہاء حنفیہ نے اسی آیت سے اخذ کر کے لکھا ہے کہ حرم کی سرزمین مثل وقف کے ہے۔ کسی کو اس میں ملک کا دعویٰ کرنا یا کسی کو ان حدود میں انتفاع سے روکنا جائز نہیں، نہ یہاں اراضی کا کرایہ لینا درست ہے۔ مکہ کے مکانات کی بیع کی کراہت پر خود تابعین اور صحابہ کی روایات موجود ہیں، اور یہ بجائے خود دلیل ہے اس امر کی کہ ان کے نزدیک بھی مسجد حرام سے یہاں مراد سارا حرم مکہ ہے نہ کہ محض مسجد حرام روى عن الصحابة والتابعين ما وصفنا من كراهة بيع بيوت مكة وان الناس كلهم فيها سواءٌ وهٰذا يدل على ان تاويلهم لقوله تعالٰى والمسجد الحرام للحرم كله (جصاص) و۳۴ جو کوئی ایسے خلاف دین کام کا ارادہ کرے گا اور پھر ظلم کے ساتھ، اسے یقیناً عذاب شدید بھی بھگتنا ہے۔ مَنْ...... بِظُلْمٍ۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ من يرد فيه الحادًا بظلم (ابن جریر) بِظُلْمٍ۔ ظلم سے مراد شرک بھی لی گئی ہے۔ اے بشرک (ابن عباس رضی اللہ عنہما) هو ان يعبد فيه غير الله (ابن جریر۔ عن مجاہد) وكذا قال قتادة وغير واحد (ابن کثیر) بالحاد میں ب زائد ہے۔ و۳۵ الْبَيْتِ۔ بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ۔ بَوَّاْنَا یعنی خانہ کعبہ کی عمارت اس وقت موجود نہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہدایت غیبی پا کر خود وہاں تعمیر شروع کی۔ یہ سارا بیان حرم محترم کی عظمت مزید ظاہر کرنے کو اور مجرموں کی مزید تہدید کے لئے ہو رہا ہے۔ و۳۶ (جیسا کہ اب تک بھی نہیں کیا ہے) ذکر بیت کے ساتھ ہی ممانعت شرک کا ذکر اس لئے نہایت ہی مناسب ہوا کہ کسی نافہم کو تعظیم بیت سے پرستش بیت کا اور اس کے معبد ہونے سے اس کے معبود ہونے کا وہم نہ پیدا ہو جائے۔ ان مفسرہ ہے اور قائلین له یہاں مقدر مانا گیا ہے۔ ان هى المفسره للقول المقدر اے قائلين لهٗ (مدارک) و۳۷ اس حکم تطہیر میں نجاستیں مادی ومعنوی دونوں قسموں کی آ گئیں۔ الفاظ آیت سے بعض عارفوں نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ بعض اوقات طالب کی بھی بعض خدمتیں شیخ کے ذمہ واجب ہو جاتی ہیں۔ و۳۸ مقصود یہ ہے کہ جو آنے والے ہیں ہر حال میں آئیں گے۔ خواہ سواری نصیب نہ ہو، پیدل ہی آنا پڑے۔ سواری کے جانور ملیں مگر مشقت سفر سے وہ ہلکان ہو ہو جائیں۔ یا مسافت بہت دور دراز کی طے کرنا پڑے (ملاحظہ ہو ضمیمہ سورۃ ہذا) ابراہیم علیہ السلام کو اس اعلان کا حکم اس وقت ملا تھا جب دنیا نہ تار سے واقف تھی نہ ٹیلیفون سے نہ مائیکروفون سے نہ لاؤڈ اسپیکر سے۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام نے خدا معلوم کس لاہوتی اسٹیشن سے اور کس ملکوتی میٹر پر اس پیام کو نشر کیا کہ روئے زمین کے ہر براعظم کے ایک ایک گوشہ میں سمندر کے ایک ایک جزیرہ میں یہ آواز پہنچ گئی اور ہزاروں برس گزر چکے کہ خلقت آج تک اس بے آب وگیاہ سرزمین کی طرف کھنچی چلی آتی ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب یہ حکم ملا ہے تو حضرت ابراہیم نے عرض کیا کہ اے پروردگار میری آواز کون سب کے کانوں تک پہنچائے گا؟ جواب ملا کہ ہم! — اتنا بلیغ، مؤثر، سچا جواب مخلوق کی زبان سے نکل ہی نہیں سکتا تھا، خالق ہی کے لیے ممکن تھا۔ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ۔ مطلب یہ ہوا کہ سفر حج پیدل بھی اور سواری پر بھی دونوں طرح جائز ہے۔ يقتضى اباحة الحج ماشيا وراكبا و لادلالة فيه على الا فضل منها (جصاص)

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ

تاکہ اپنے فوائد کے لئے آ موجود ہوں ف٣٩ اور تاکہ ایام معلوم میں اللہ

مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ

کا نام لیں ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو عطا کئے ہیں ف٤٠

فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا

پس تم بھی اس میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ ف٤١ پھر لوگوں کو چاہئے

تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ

کہ اپنا میل کچیل دور کریں ف٤٢ اور اپنے واجبات کو پورا کریں ف٤٣ اور چاہیے کہ (اس) قدیم گھر کا

الْعَتِيْقِ ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ ۗ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ

طواف کریں ف٤٤ یہ بات ہو چکی اور جو کوئی بھی اللہ کے محترم احکام کا ادب کرے گا سو یہ

خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا

اس کے حق میں اس کے پروردگار کے پاس بہتر ہوگا ف٤٥ اور اللہ نے حلال کر دیئے ہیں تمہارے لئے چوپائے بجز

يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ

ان کے کہ جو تم کو پڑھ کر سنا دیئے گئے ف٤٦ سو تم بچے رہو بتوں کی گندگی سے

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿٣٠﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ

اور بچے رہو جھوٹی بات سے ف٤٧ جھکے رہو اللہ کی طرف اس کے ساتھ کسی کو شریک

بِهٖ ؕ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ

نہ کر کے اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو جیسے وہ گر پڑا آسمان سے

فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ

پھر پرندوں نے اسے نوچ ڈالا یا اس کو ہوا نے کسی دور دراز جگہ

ف٣٩ فوائد سے مراد اصلاً تو منافع اخروی ہیں مثلاً حج، عمرہ رضاءِ حق۔ اور ضمناً دنیوی بھی مثلاً تجارت، البتہ منافع دنیوی کو مستقل مقصود بنا لینا ممنوع ہے۔ ظاهره یوجب ان یکون قدارید به منافع الدین و ان کانت التجارة جائزة ان تراد (جصاص) و یدخل فیها منافع الدنیا علی وجه التبع و الرخصة دون ان تکون هی المقصودة بالحج (جصاص) اسلام کے ہر رکن اور ہر عبادت کی طرح حج کے فوائد ومصالح بھی بے شمار ہیں۔ انفرادی وشخصی بھی اور ملی واجتماعی بھی، اور مادی وروحانی بھی۔ احکام الٰہی کی تعمیل بجائے خود ایک سب سے بڑی روحانی لذت ہے۔ پھر اسلام کے مولد، سردار اسلام کے وطن اور ان تمام مقامات کی زیارت جن سے اسلام وسردار اسلام دونوں کی اولین تاریخ وابستہ ہے کس درجہ سبق آموز، ولولہ انگیز وموثر ہو سکتی ہے۔ دنیوی وملی حیثیت کو لیجئے تو مسلمانانِ عالم کے درمیان تبادلہ خیالات اور یک جہتی پیدا کرنے کے لیے، نیز بین الاقوامی تجارت وسیاست کے لیے اس سالانہ عالمگیر اجتماع سے بہتر ذریعہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور افراد کو جو تجربے لمبے اور اکثر بحری سفر کے ہو جاتے ہیں وہ اس سب کے علاوہ۔ (ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی) ف٤٠ چوپایوں سے مراد قربانی کے جانور، اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری ہیں۔ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ میں معلوم سے مراد قربانی کی تاریخ ١٠، ١١، ١٢ ذی الحجہ ہیں۔ هی عشر ذی الحجة عند ابی حنیفة و اٰخرها یوم النحر و هو قول ابن عباس رضی اللہ عنہما و اکثر المفسرین (مدارک) روی عن علیؓ و ابن عمر ان المعلومات یوم النحر و یومان بعده (جصاص) قربانی کا منکر سطحی دماغ والا گروہ حال میں پیدا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن میں کہیں قربانی کا ذکر نہیں ملتا۔ کاش وہ قرآن ہی پر غور کرنا سیکھے اور اس آیت سے قربانی کی اہمیت کا سبق لے۔ ف٤١ فقہاء مفسرین نے تصریح کی ہے کہ صیغۂ امر یہاں استحبابی ہے۔ فرضیت کے مفہوم میں نہیں۔ الامر للاباحة (مدارک) ظاهرهٗ یقتضی ایجاب الاکل الا ان السلف متفقون علیٰ ان الاکل منها لیس علی الوجوب (جصاص) و لا خلاف من السلف و من بعدهم من الفقهاء ان قوله فکلوا منها لیس علی الوجوب (جصاص) ف٤٢ یعنی احرام (حج کی وردی) اتار دیں، حجامت بنوائیں، غسل کریں و قس علی هذا۔ احرام ولبیک کے ساتھ ہی حاجی پر ایک عاشقانہ و مستانہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ہزارہا انسانوں اور جانوروں کے ہجوم میں دھکم دھکا، گرد وغبار، جسم اور جامۂ احرام گرد آلود۔ اجازت نہ خط بنوانے کی نہ ناخن کٹانے کی نہ تیل لگانے کی۔ اب حکم ہوتا ہے کہ وہ ممانعت کا زمانہ ختم ہوا۔ اب آزادی سے نہائیں دھوئیں، کپڑے بدلیں، تیل لگائیں، خط بنوائیں وغیرہا۔ ف٤٣ نذر کے تحت میں ہر وہ چیز داخل ہے جو اپنے اوپر واجب کر لی گئی ہو۔ یہاں وہ تمام اعمال مراد ہیں جو خود عمل حج کے ضمن وذیل میں لازم ہوں، مثلاً منٰی میں تین نشانوں پر کنکریاں پھینکنا یا جو قربانیاں وغیرہ از خود اپنے اوپر لازم کر لی گئی ہوں۔ وَلْيُوْفُوْا۔ صیغہ امر وجوب کے معنٰی میں ہے۔ والامر علی الوجوب (جصاص) نذر جس مراد کے لیے بھی مانی جائے، چاہیے کہ ہمیشہ اللہ ہی کے نام کی ہو۔ کسی اور کے نام کی نذر حرام ہے۔ ف٤٤ یہ طواف فرض ہے اور اصطلاح فقہ میں طواف الزيارة یا طواف الافاضه کہلاتا ہے۔ وَلْيَطَّوَّفُوْا۔ یہاں بھی صیغۂ امر وجوب ہی کے لیے ہے۔ ظاهره یقتضی الوجوب لانهٗ امر والا وامر علی الوجوب (جصاص) الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ کے ایک معنی تو خانۂ قدیم کے ہیں۔ قیل للقدیم العتیق (راغب) العتیق القدیم (ابن جریر۔ عن ابن زید) العتیق القدیم قالهٗ الحسن و ابن زید (بحر) سمی به لانهٗ قدیم (معالم۔ عن الحسن وابن زید یعنی وہ گھر جو شروع ہی سے معبد الٰہی ہے۔ خانۂ کعبہ کی تاریخ اتنی پرانی ہو چکی ہے کہ خود تاریخ کو بھی اب یاد نہیں رہی ہے۔ اب اس کی قدامت کی شہادت خود مخالفین بھی دے رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ دوسرے معنٰی خانۂ محفوظ کے ہیں۔ یعنی وہ گھر جو امن کی جگہ بنا دیا گیا ہے اور جباروں کی گرفت سے آزاد رہا ہے۔ المقتضی من الجبابرة قاله ابن الزبیر و ابن ابی بخیح و قتادة (بحر) ف٤٥ یعنی احکام مخصوص کا بیان تو ہو چکا۔ اب عام کلیہ یہ بیان ہوتا ہے کہ جو بھی احکام الٰہی سنے، جو کوئی ان کا ادب ولحاظ رکھے گا علماً اس طرح کہ انہیں حاصل کرے اور عملاً اس طرح کہ ان کی خلاف ورزی نہ کرے۔ سو یہ احکام الٰہی کا ادب واحترام اسی کے کام آئے گا۔ اور سبب بن جائے گا بلندیٔ درجات کا، عفو سیئات کا، حصول خیر وبرکات کا۔ حُرُمٰتِ اللّٰهِ۔ جو چیزیں بھی محبت وتقرب سے اللہ کی جانب منسوب ہیں وہ سب اس میں داخل ہو گئیں مثلاً احکامِ الٰہی، کتب دین، مکانات مقدس، اوقاتِ متبرک، بندگانِ مقرب (ملائکہ، انبیاء، صالحین) آثار کاملین وغیرہا۔ لهٗ میں ل تخصیص کا ہے۔ یعنی فائدہ خود اسی کا ہے۔ کسی اور کا نہیں۔ ف٤٦ یعنی بجز ان چوپایوں کے جن کی حرمت قرآن ہی کی دوسری آیتوں میں مذکور ہے اور سب چوپائے تمہارے لیے حلال ہیں۔ حدود حرم کے اندر ممانعت شکار کی ہے نہ کہ ذبح کی۔ ف٤٧ (خصوصاً شرک جیسے کذب اعظم سے) قَوْلَ الزُّوْرِ۔ جھوٹی بات کے تحت میں ہر جھوٹ آ جاتا ہے۔ لیکن دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ کلمہ توحید کے برخلاف کلمۂ شرک کا اقرار ہے۔ الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ۔ گندگی یہی کہ بتوں کو معبودیت میں شریک کر لیا جائے۔

سَحِيْقٍ ﴿٣١﴾ ذٰلِكَ ۖ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا

جا پھینکا ف۴۸ یہ بات ہو چکی۔ اور جو کوئی (دین) خدا کی یادگاروں کا ادب رکھے گا سو یہ (ادب) دلوں کی

مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿٣٢﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ

پرہیزگاری میں سے ہے ف۴۹ تمہارے لئے ان سے فوائد حاصل کرنا (جائز ہیں) ایک

مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٣٣﴾ ع وَ لِكُلِّ

مدت معین تک ف۵۰ پھر اس (کے ذبح) کا موقع بیت عتیق کے قریب ہے ف۵۱ اور ہم نے ہر ایک

اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا

امت کے لئے قربانی رکھ دی تھی ف۵۲ تاکہ وہ لوگ اللہ کا نام ان چوپایوں پر لیں جو

رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

اس نے انہیں عطا کر رکھے ہیں ف۵۳ سو تمہارا خدا تو خدائے واحد ہی ہے ف۵۴

فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۗ وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿٣٤﴾ لا الَّذِيْنَ اِذَا

تم اسی کے آگے جھکو ف۵۵ اور آپ خوش خبری سنا دیجیے گردن جھکا دینے والوں کو ف۵۶ جن کے دل ڈر جاتے ہیں جب

ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ

اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے ف۵۷ اور جو مصیبتیں ان پر پڑتی ہیں ان پر

اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

صبر کرنے والوں کو اور نماز کی پابندی کرنے والوں کو اور (ان کو) جو خرچ کرتے رہتے ہیں اس میں سے جو ہم نے

يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ

انہیں دے رکھا ہے ف۵۸ اور قربانی کے جانوروں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ (کے دین) کی یادگاریں بنا دیا ہے، ف۵۹

لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ

تمہارے حق میں ان ہی کے اندر بھلائی (رکھ دی گئی) ہے سو تم انہیں کھڑے کر کے ان پر اللہ کا نام لیا کرو ف۶۰

ف۴۸ غرض یہ کہ بری طرح ہلاک ہی ہوا۔ تو جس طرح وہ بدنصیب منزل مقصود سے بہ مراحل دور پڑ گیا، اسی طرح یہ بدنصیب مشرک بھی راہ حق بالکل کھو بیٹھا۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ تشبیہ میں شکاری پرندوں سے مراد نفس کے اوہام اور وسوسے ہیں اور ہوا کے جھکڑ سے مراد شیطان کا حملہ ہے۔ ف۴۹ شَعَآئِرَ اللّٰهِ سے یہاں خاص طور پر قربانیاں مراد ہیں۔ مطلب یہ کہ احکام الٰہی کی عام تعظیم و احترام کا کلیہ تو بیان ہو چکا۔ اب تاکیدی حکم قربانیوں کے باب میں دیا جارہا ہے۔ اوپر شرک کی مذمت بار بار ہو چکی تھی۔ اس آیت نے اسے کھول دیا کہ شرک بری چیز ہے لیکن غیر اللہ کی تعظیم بری نہیں۔ بلکہ جو چیزیں اللہ کی جانب منسوب و منتسب ہیں ان کی تعظیم و تکریم تو عین جزو دین ہیں۔ فقہاء نے کہا کہ تعظیم غیر اللہ مستقلاً ممنوع و ناجائز ہے۔ لیکن بہ لحاظ نسبت و تقرب ذات الوہیت جائز و مشروع ہے۔ بعض عارفوں نے یہاں سے دو مسئلہ نکالے ہیں۔ ایک یہ کہ تقویٰ کا اصل محل قلب ہے۔ دوسرے یہ کہ شعائر دین کی (جن کے اندر انبیاء و اولیا کے آثار بھی شامل ہیں) تعظیم حدود شرعی کے اندر خود مشروع ہے۔ ف۵۰ یعنی جب تک وہ جانور، بہ قاعدۂ شرعی ''ہدی'' نہ بنا دیا جائے، اس جانور سے اور کام لینا، مثلاً اس پر سواری، بار برداری، دودھ وغیرہ سب جائز ہیں۔ ف۵۱ یہاں بیت العتیق سے مراد کل حرم ہے۔ یعنی ذبح کی جگہ حدود حرم کے اندر ہے، اس سے باہر نہیں۔ اَلْبَيْتِ الْعَتِيْقِ کے لفظی معنٰی کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ ۴۴۔ ف۵۲ قربانی کا حکم کسی نہ کسی صورت میں ہر پچھلی شریعت میں موجود رہا ہے۔ یہ شریعت اسلامی کا کوئی نیا اور انوکھا حکم نہیں اور اہل کتاب کے مذہب (یعنی مذہب بنی اسرائیل) میں تو قربانی مذہب کا ایک اہم رکن ہے۔ حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ آج منکرین کا جو گروہ کہہ رہا ہے کہ قربانی کا حکم قرآن میں کہیں مذکور نہیں۔ کاش وہ آیت نمبر ۲۹ کی طرح اس آیت پر بھی غور کرنا سیکھے! لِيَذْكُرُوا...... الْاَنْعَامِ۔ یعنی مقصود اصلی تو بس اللہ کے نام کی تعظیم اور اللہ کے نام سے حصول تقرب رہا ہے، مذبوح اور مذبح کی حیثیت صرف آلہ اور ظرف کی ہے۔ بعض اہل علم صوفیہ نے مفہوم آیت کے عموم و اطلاق سے اہل باطن کے مسلکوں میں اختلاف کے باوجود اتحاد مقصود کا نکتہ بھی نکالا ہے۔ ف۵۳ مقصود اصلی بس اسی کی تعظیم ہے۔ حرم، ہدی وغیرہ کے آداب و احکام سب اسی غایت کے لیے ہیں۔ ف۵۴ (سو نہ تو کسی غیر اللہ کے آگے بھینٹ چڑھاؤ اور نہ کسی مکان وغیرہ کو معظم بالذات سمجھ کر ہرگز اپنے اندر شائبہ شرک پیدا ہونے دو) ف۵۵ (جنت و رضاء الٰہی کی) اَلْمُخْبِتِيْنَ۔ یعنی احکام شریعت کے آگے گردن جھکا دینے والوں کو۔ ف۵۶ یعنی اس کی ذات کا، صفات کا، احکام کا، وعدہ وعید کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ف۵۷ گویا توحید خالص چیز ہی ایسی بابرکت ہے کہ اس سے یہ تمام کمالات اخلاقی و روحانی پیدا ہو جاتے ہیں۔ ف۵۸ (اور اس کی عظمت توحید کو اور زیادہ ظاہر کرنے والے۔ چنانچہ یہی حکم کہ اللہ کی جانب منسوب و نامزد ہو جانے کے بعد پھر اس جانور پر حکم اس کے مالک کا نہیں چل پاتا۔ مالک مجازی کی عبدیت اور مالک حقیقی کی معبودیت ظاہر کرنے کو بالکل کافی ہے۔ سو کہیں تم ان قربانی کے جانوروں ہی کو معظم بالذات نہ سمجھ بیٹھنا) اَلْبُدْنَ۔ بُدن جمع ہے بُدنہ کی۔ اصل معنٰی ہیں موٹے تازہ تیار اونٹ کے۔ الابل العظام الاجسام الضخام (ابن جریر) لیکن اہل عربیت نے اس سے گائے اور اونٹ دونوں مراد لیے ہیں اور یہی مذہب فقہاء حنفیہ کا ہے۔ البقرة والبعير (ابن جریر۔ عن عطاء) هی من الابل والبقر كالا ضحية من الغنم (قاموس) و هو مذهب الحنفية و هو قول عطاء و سعيد بن المسيب (روح) قربانی کے دوسرے جانور یعنی بھیڑ اور بکری بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔ ف۵۹ اصل بھلائی تو یہی ہے کہ ان کے ذریعہ سے حصول اجر و رضاء الٰہی کا موقع ملتا ہے۔ اور ضمناً دنیوی فوائد بھی ہیں۔ مثلاً ان کا گوشت کھانا کھلانا۔ اے نفع فی الدنيا و اجر فی الأخرة (روح۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما والسدی) اے اجر و منافع (ابن جریر۔ عن مجاہد) ف۶۰ یہ خاص ذکر اونٹ کی قربانی کا ہے۔ اسی کو اس طریقہ پر ذبح کیا جاتا ہے۔ بدنۃ کا اصل اطلاق بھی اسی پر ہوتا ہے اور اسی کی قربانی افضل بھی ہے۔ لفظ صَوَآفَّ سے بعض صوفیہ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ حق تعالیٰ عبادات میں صف بندی کو پسند کرتا ہے۔ مثلاً نماز میں، جہاد میں، قربانی میں۔ اس لیے صوفیہ مشائخ کے حلقۂ ذکر بھی جو در حقیقت غیر اللہ کے مقابلہ کے لیے میدان جہاد اور خودی کے حق میں قربان گاہ ہیں اسی اصل کی ایک فرع ہیں۔

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ

پھر جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں ف۶۱ تو خود بھی ان میں سے کھاؤ اور بے سوال

وَ الْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور سوالی کو بھی کھلاؤ ف۶۲ ہم نے اسی طرح ان (جانوروں) کو تمہارے زیر حکم کر دیا تا کہ تم شکر ادا کرو ف۶۳

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ

اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون ف۶۴ البتہ اس کے پاس تمہارا

التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ

تقویٰ پہنچتا ہے ف۶۵ اسی طرح اللہ نے انہیں تمہارے زیر حکم کر دیا ہے تا کہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ

عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ

اس نے تمہیں ہدایت دی ف۶۶ اور آپ اخلاص والوں کو خوش خبری سنا دیجیے ف۶۷ بے شک اللہ

يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ

ایمان والوں سے دور کر دے گا (مشرکوں کے غلبہ و اقتدار کو) ف۶۸ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا کسی

خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ ع اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ

دغاباز کفر والے کو ف۶۹ (اب لڑنے کی) اجازت دی جاتی ہے انہیں جن سے لڑائی کی جاتی ہے ف۷۰ اس لیے کہ ان پر

ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۨ ﴿۳۹﴾ الَّذِيْنَ

(بہت) ظلم ہو چکا ف۷۱ اور بے شک اللہ ان کی نصرت پر (ہر طرح) قادر ہے ف۷۲ جو

اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا

اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اس بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ

رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ

ہمارا پروردگار اللہ ہے ف۷۳ اور اگر اللہ لوگوں کا زور ایک دوسرے سے

ع ۵/۱۲ النصف

ف۶۱ (اور گر کر ٹھنڈے ہو جائیں) وہی اونٹ کے طریق ذبح کا بیان ہو رہا ہے۔ ف۶۲ (کہ یہ دو قسمیں ہیں اہل حاجت کی) قانع وہ ہے جو صبر کیے بیٹھا ہے، جو کچھ بھی مل جائے، اسے قبول کر لیتا ہے۔ معتر وہ ہے جو بے قرار ہو کر مانگتا رہتا ہے۔ آیت میں امر دو آتے ہیں اور دونوں امر وجوب کے لیے نہیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ پہلا امر (یعنی كُلُوْا) اباحت و جواز کے لیے ہے۔ اور دوسرا امر (اَطْعِمُوْا) ندب واستحباب کے لیے ہے۔ لیکن بعض عارفین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قربانی کا گوشت اہتمام کے ساتھ تناول فرماتے تھے جو دلیل ہے اس کے مندوب ہونے کی، راز اس کا یہ ہے کہ جو چیز بھی اللہ کی جانب منسوب ہو جائے وہ بے ہی اس قابل کہ اس سے رغبت کی جائے۔ اور اس بنا پر مباحات سے اس نیت کے ساتھ متنفع ہونا مطلوب ٹھہرا۔ ف۶۳ (اس نعمت تسخیر پر) اونٹ اور گائے بیل کا انسان سے قوی تر ہونا ظاہر ہے۔ انسان کا باوجود اپنے ضعف کے ان پر قادر ہو جانا ایک مخصوص نعمت الٰہی ہے۔ قربانی دوسرے مذاہب میں ایک مشرکانہ رسم ہے۔ اسلام میں محض ایک توحیدی عبادت ہے۔ خدائے واحد کی طرف سے دھیان ہٹانے والی نہیں، عین اس کی طرف توجہ جمانے والی، رشتہ عبودیت کو اور محکم کرنے والی ف۶۴ (جیسا کہ مشرک قوموں کا عقیدہ بھینٹ چڑھا کر اپنے دیوتاؤں خداؤں سے متعلق ہے) اہل کتاب تک قربانی یعنی جانوروں کے خون بہانے کو ایک ذریعہ کفارہ کا سمجھتے تھے۔ عہد عتیق میں ہے:۔ "بدن کی حیات لہو میں ہے۔ سو میں نے مذبح پر وہ تم کو دیا ہے کہ اس سے تمہاری جانوں کے لیے کفارہ ہو، کیونکہ وہ جس سے کسی جان کا کفارہ ہوتا ہے سو لہو ہے"۔ (احبار۔ ۱۷:۱۱) اور عہد جدید میں ہے:۔ "تقریباً ساری چیزیں شریعت کے مطابق خون سے پاک کی جاتی ہیں اور بغیر خون بہائے معافی نہیں ہوتی"۔ (عبرانیون ۹:۲۲) اور مشرک قوموں کا تو ذکر ہی کیا۔ اہل بابل کا عقیدہ تھا کہ دیوتاؤں کی دعوت آسمان پر ہوتی ہے۔ ان کے نام پر جو بھینٹ چڑھائی جاتی ہے وہ اس کی خوشبو محسوس کرتے ہیں، اسے کھاتے ہیں۔ وقس علی ہٰذا ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ نفس ذبح کی نیت جو ایک فعل قلب ہے، باری تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص رہنا چاہیے اور غیر اللہ کی رضا و تقرب کی خاطر جانور ذبح کرنا ایک صورت شرک کی ہے۔ البتہ گوشت کھانے کھلانے یا اسی قسم کے اور فوائد حاصل کرنے کے لیے ذبح بالکل جائز ہے کہ لحم و دم وغیرہ سے وہ ذات بالکل بے نیاز و بری ہے۔ ف۶۵ یعنی اجر تو تمہارے اخلاص و نیت تقرب پر ملتا ہے آیت نے قربانی کے سلسلہ میں ایک بڑی اہم اصل کا بیان کر دیا"۔ ف۶۶ (اور راہ حق پر قائم رکھا، ورنہ تم بھی مسیحیوں کی طرح کفارہ وغیرہ کے عقائد باطلہ و شرکیہ میں مبتلا ہو کر راہ حق سے بھٹک گئے ہوتے۔ ف۶۷ (اے ہمارے پیغمبر!) احسان یہاں اخلاص کے معنی میں ہے۔ المحسنين اے المخلصين (بیضاوی) ف۶۸ (مستقبل قریب میں چنانچہ مشرکین مکہ کو اس پر قدرت نہ باقی رہے گی کہ وہ مسلمانوں کو ادائے حج و عمرہ وغیرہ سے روک سکیں) آیت کا زمانہ نزول وہ ہے جب مکہ کی مشرک ریاست ہر طرح غالب و چیرہ دست تھی۔ اور مسلمان اس کے مقابلہ میں ہر طرح کمزور و بے بس۔ ف۶۹ (سو وہ نصرت ان کی نہیں اہل ایمان کی کرے گا) کافروں، منکروں، بے دینوں کو جو مہلت مل جاتی ہے وہ اول تو عارضی ہوتی ہے، دوسرے کسی مصلحت تکوینی کے ماتحت۔ ورنہ نصرت الٰہی کے اصل اور مستقل مستحق تو اہل ایمان ہی ہیں۔ ف۷۰ (خواہ مخواہ اور چھیڑ چھیڑ کر کافروں کی طرف سے) یعنی مسلمانوں کو اب تک مقابلہ اور لڑائی کی اجازت نہ تھی۔ ان پر ہر طرح کے ظلم و ستم ہوتے رہے۔ اور وہ یعنی خدائی فوج والے، خدائی ڈسپلن کے ماتحت ان مظالم اور چیرہ دستیوں کو صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ اب پہلی بار انہیں بھی جواب دینے کی اجازت مل رہی ہے۔ یہ آیت احکام قتال و جہاد میں اولین آیت ہے۔ اور مکی اسلام کے آخری زمانہ میں ہجرت نبوی سے کچھ ہی قبل نازل ہوئی۔ ف۷۱ (اور یہی مظلومیت چاہے بالفعل ہو یا بالقوی، حالی ہو یا امکانی، علت ہے مشروعیت جہاد کی) 'بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا' کی علت ہونے سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جو کفار ظالم نہ ہوں مگر اسلام کے زیر فرمان بھی نہ ہوں وہ محل قتال نہیں ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اس علت میں انحصار کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ یکون الدین للہ کو غایت قرار دینے سے دوسری علت یہ بھی معلوم ہوئی"۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۷۲ (چنانچہ عنقریب وہ انہیں باوجود ان کی ظاہری بے سر و سامانی کے غالب کر کے رہے گا) ف۷۳ ذکر مسلمانانِ مکہ کا ہے۔ ان سے مشرکوں کو کوئی یہ شکایت تھوڑے ہی تھی کہ یہ لوگ شورش پسند ہیں یا چوریاں کرتے ہیں یا ڈاکے ڈالتے ہیں۔ الزام تھا تو صرف یہی کہ یہ ہمارے آبائی دھرم اور باپ دادا کے وقت کے دیویوں دیوتاؤں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کے ہو رہے ہیں! بس اسی قصور پر بیچاروں کو وطن چھوڑنا پڑا۔ اور ہجرت پہلے حبشہ کی جانب اور پھر مدینہ کو کرنی پڑی۔

بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ

نہ گھٹاتا رہتا تو نصاریٰ کی خانقاہیں اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے

وَّمَسٰجِدُ يُذۡكَرُ فِيۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ؕ وَلَيَنۡصُرَنَّ

اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے (سب) منہدم ہو گئے ہوتے ف۷۴ اور اللہ ضرور

اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ﴿۴۰﴾ اَلَّذِيۡنَ

اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرے ف۷۵ بے شک اللہ قوت والا ہے غلبہ والا ہے ف۷۶ (یہ لوگ ایسے ہیں کہ)

اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ

اگر ہم انہیں زمین میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں

وَ اَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ نَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ

اور (دوسروں کو بھی) نیک کام کا حکم دیں اور برے کام سے منع کریں ف۷۷ اور انجام (سب) کاموں کا

عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ ﴿۴۱﴾ وَ اِنۡ يُّكَذِّبُوۡكَ فَقَدۡ كَذَّبَتۡ

اللہ ہی (کے ہاتھ) میں ہے ف۷۸ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو (کیا ہوا) ان سے

قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّ عَادٌ وَّثَمُوۡدُ ﴿۴۲﴾ وَ قَوۡمُ اِبۡرٰهِيۡمَ

قبل قوم نوح و عاد و ثمود اور قوم ابراہیم

وَقَوۡمُ لُوۡطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصۡحٰبُ مَدۡيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوۡسٰى

و قوم لوط اور اہل مدین بھی (تو اپنے اپنے پیغمبروں کو) جھٹلا چکے ہیں اور موسیٰ بھی جھٹلائے جا چکے ہیں ف۷۹

فَاَمۡلَيۡتُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ثُمَّ اَخَذۡتُهُمۡ ۚ فَكَيۡفَ كَانَ

سو (پہلے تو) میں نے کافروں کو مہلت دی پھر میں نے انہیں پکڑ لیا سو (دیکھو) میرا عذاب

نَكِيۡرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا وَ هِىَ ظَالِمَةٌ

کیسا ہوا ف۸۰ غرض کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر ڈالا جو نافرمان تھیں

ف۷۱ یعنی اگر یہ سنت اللہ ہمیشہ سے نہ چلی آئی ہوتی کہ ظالموں، سرکشوں، زبردستوں کا زور انسانوں ہی کے بعض گروہوں کے ہاتھ سے تڑوایا جاتا رہتا تو اب تک جو جو عمارتیں توحید کی مرکز رہی ہیں، مسجدیں جواب بھی اسی غرض کے لیے ہیں، اور اہل کتاب کی مذہبی عمارتیں جو اپنے اپنے زمانہ میں یہ کام انجام دے چکی ہیں، سب ختم ہو گئی ہوتیں۔ گویا جہاد کی مشروعیت و مطلوبیت اقامتِ توحید کی خاطر ہے۔ خوب خیال رہے کہ پرانی عبادتگاہوں کے سلسلہ میں بھی ذکر مندروں، شوالوں، ٹھاکر دواروں کا نہیں بلکہ صرف انہیں مذاہب کا آنے پایا ہے۔ جو بعد کو عملاً جیسے کچھ بھی ہو گئے ہیں، لیکن اصلاً بہرحال توحیدی ہی مذہب تھے۔ ”کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ گاہ گاہ اہل حق بھی تو مغلوب ہوتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اتنا غلبہ جس میں حق محو نہ ہو جائے، مقصود بالحکمت ہے۔ سو یہ حاصل رہا ہے“۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۷۵ یعنی بہ شرط ثبات انجام میں غلبہ اہل حق ہی کو ہوتا ہے۔ ”اور اعتبار ہر کام میں انجام ہی کا ہوتا ہے، جیسا دوران علاج میں مریض کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں مگر انجام اگر صحت ہے تو علاج کو نافع کہیں گے“۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) يَنۡصُرُهٗ میں اللہ کی مدد سے مراد، اللہ کے دین کی مدد ہے۔ ينصرهٗ اے ينصر دينه (بیضاوی) انما المراد من نصرة الله نصرة دينه (کبیر) ف۷۶ قوت و غلبہ کی آخری باگ اسی کے ہاتھ میں ہے اور اس کا ارادہ ہر مادی سامان اور ہر ظاہری تدبیر سے بالاتر ہے۔ ف۷۷ یہ ہے اصلی اور سچی تصویر اسلامی طرز حکومت کی۔ گورنمنٹ اگر مسلمانوں، سچے مسلمانوں کی قائم ہو جائے تو مسجدیں آباد و پر رونق ہو جائیں۔ ہر طرف سے صدائیں تکبیر و تہلیل کی گونجا کریں۔ بیت المال کے بعد کوئی ننگا بھوکا نہ رہ جانے پائے۔ عدالتوں میں انصاف بکنے کے بجائے ملنے لگے۔ رشوت، جعلسازی، دروغ حلفی کا بازار سرد پڑ جائے۔ امیر کو کوئی حق، کوئی موقع، غریب کی تحقیر کا، ایذا کا نہ باقی رہ جائے۔ غیبتیں، بدکاریاں، چوریاں، ڈاکے، خواب و خیال ہو جائیں۔ آبکاری کے محکمہ کو کوئی پانی دینے والا بھی نہ رہے۔ مہاجنی کوٹھیوں، سود خوار ساہوکاروں، بینکوں کے ٹاٹ الٹ جائیں۔ گویے نچنیے اگر تائب نہ ہوں، شہر بدر کر دیئے جائیں۔ سینما، تھیٹر، تمام شہوانی تماشاگاہوں کے پردوں کو آگ لگا دی جائے۔ گندہ، فحش، افسانہ و شاعری کی جگہ صالح و پاکیزہ ادبیات لے لیں۔ غرض یہ کہ دنیا، دنیا رہ کر بھی نمونہ جنت بن جائے۔ مَكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ کی مناسبت سے بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت میں اشارہ ہے اہل تمکین کے مقام کی طرف ان کے ہاں شطحیات نہیں ہوتے اور ان کے کلمات سے کوئی گمراہ نہیں ہوتا۔ محققین نے آیت سے خلفاء اربعہ کی صحت امارت و امامت پر بھی استدلال کیا ہے کہ ان چاروں مہاجرین (یعنی الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق کے مصداقوں) کے دور حکومت میں ان اوصاف کا تحقق پوری طرح پایا گیا۔ و ھو صفة الخلفاء الراشدين الذين مكنهم فى الارض هم ابو بكر و عمر و عثمان و على رضى الله عنهم و فيه الدلالة الواضحة على صحة امامتهم لاخبار الله تعالىٰ بانهم اذا مكنوا فى الارض قاموا بفروض الله عليهم (جصاص) ف۷۸ (سو عارضی ناکامی و مغلوبیت سے اہل حق کو ہراساں و دل شکستہ نہ ہونا چاہیے) ف۷۹ یعنی آپ کی قوم جو آپ کے پیام کی اور آپ کی پیامبری کی تکذیب کر رہی ہے۔ یہ کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں۔ سارے پیمبروں کو یہی معاملہ اپنی قوم کی طرف سے پیش آتا رہا ہے، اور یہ تو محض تاریخ اپنا اعادہ کر رہی ہے۔ نُوۡح، عَاد، ثَمُوۡد، اِبۡرٰهِيۡم، لُوۡط، مَدۡيَن، مُوۡسٰى ان سب پر حاشیے گزر چکے ہیں۔ ف۸۰ (یعنی وہ بڑی بڑی مہذب و متمدن، پرقوت و پرشوکت، دولت و تمول والی قومیں تباہ و بے نشان ہی ہو کر رہیں۔ اور ان کے علوم و فنون، ان کی صناعی اور انجینئری، ان کی سپاہ اور ان کی خوش تدبیریاں کوئی بھی ہلاکت سے آڑے نہ آسکیں) فَاَمۡلَيۡتُ۔ عام سنت اللہ ہے یہی کہ معاندوں، منکروں پر گرفت فی الفور نہیں ہوتی، بلکہ پہلے انہیں مہلت دی جاتی ہے۔

فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ
سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے ہی بے کار کنوئیں اور بہت سے قلعی چونے

مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ
کے محل! ف۸۱ سو کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل

قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا
ایسے ہو جاتے جن سے یہ سمجھنے لگتے یا کان ایسے ہو جاتے جن سے یہ سننے لگتے ف۸۲ اصل یہ ہے

تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي
کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے

الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَ لَنْ
ہو جایا کرتے ہیں ف۸۳ اور آپ سے یہ لوگ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں درآنحالیکہ

يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ
اللہ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا اور آپ کے پروردگار کے پاس کا ایک دن

كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ
مثل ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے شمار کے مطابق ف۸۴ اور کتنی ہی بستیاں ہیں

اَمْلَيْتُ لَهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَ اِلَيَّ
جنہیں میں نے مہلت دی تھی اور وہ نافرمان تھیں پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف

الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ ع قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ
(سب کی) واپسی ہے ف۸۵ آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو میں تو تمہارے لئے صرف ایک صاف صاف

مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ ج فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ
ڈرانے والا ہوں ف۸۶ سو جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک کام کرنے لگے ان کے لئے

ع ۱۰ / ۱۳

ف۸۱ یعنی ان کے ٹوٹے ہوئے قلعہ اور محل اور ان کے اُجڑے ہوئے کنوئیں اب تک ان کے گزشتہ تمدن کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ بِئۡرٍ مُّعَطَّلَةٍ۔ کنوؤں کو قدیم تمدن و معاشرت میں مرکزی اہمیت حاصل تھی۔ اب بھی جہاں پانی کے نلوں اور پمپوں کا رواج نہیں، کنواں آبادی و بستی کے اندر بڑی اہم چیز ہوتا ہے۔ ف۸۲ جغرافیہ، تاریخ، اثریات (آرکیالوجی) کا علم اگر محض علم و فن کی حیثیت سے نہیں بلکہ عبرت پذیری کی غرض سے پڑھا جائے تو داخل عبادت ہے۔ ف۸۳ سبق عبرت و موعظت حاصل کرنے کی جگہ دل ہے۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ ان نہ سمجھنے والوں کے دل ہی اندھے ہو گئے ہیں۔ ظاہری آنکھوں سے دیکھتے سب کچھ ہیں۔ گزشتہ برباد شدہ قوموں کے حالات، اور ان کی تہذیب و تمدن بھی۔ لیکن سبق ان سے کچھ نہیں حاصل کرتے۔ ف۸۴ (بہ لحاظ امتداد و بہ لحاظ اشتداد) مراد یہاں روز قیامت ہے۔ مقدار الحساب یوم القیٰمة الف سنة (ابن جریر۔ عن ابن عباس) اے من الایام الأخرة (ابن جریر۔ عن مجاہد) ھذہ ایام الأخرة (ابن جریر۔ عن مجاہد) عالم ناسوت کے ہزار سال کا عنداللہ ایک دن کے برابر ہونے کا محاورہ قدیم صحیفوں میں بھی آیا ہے:۔ "ہزار برس تیرے آگے ایسے ہیں جیسے کل کا دن جو گزر گیا"۔ (زبور۔ ۹۰: ۴) اور انجیل میں ہے:۔ "اے عزیزو، یہ خاص بات تم پر پوشیدہ نہ رہے کہ خداوند کے نزدیک ایک دن ہزار برس کے برابر ہے، اور ہزار برس ایک دن کے برابر"۔ (۲۔ پطرس۔ ۳: ۸) مِمَّا تَعُدُّوْنَ۔ یعنی تم اہل ناسوت کے حساب کے مطابق۔ مطلب یہ ہوا کہ کسی کی جلدی کرنے یا تقاضا کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ عذاب موعود تو اپنے وقت پر آ کر رہے ہی گا۔ اللہ کے احکام میں کسی تغیر و تبدل کا امکان کچھ تھوڑے ہی ہے۔ ف۸۵ اس مہلت سے انہوں نے فائدہ یہ اٹھایا تھا کہ بجائے اپنی حالت کی اصلاح کے الٹے اسی استہزاء و استعجال میں لگی رہیں۔ ف۸۶ (اور اس سے زیادہ میرا کوئی اختیار نہیں۔ سو اگر تمہاری حسب فرمائش میں عذاب نہ لا سکوں تو اس سے نفس وقوع عذاب کی تکذیب کیسے ہو گی؟)

مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾ وَ الَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا

مغفرت ہے اور عزت کی روزی اور جو لوگ کوشش کرتے رہتے ہیں ہماری نشانیوں کے باب میں

مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا

ہرانے کے لئے و۸۷ وہی لوگ دوزخی ہیں اور ہم نے آپ سے قبل

مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى

کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا مگر یہ کہ جب اس نے کچھ پڑھا ہو و۸۸ تو شیطان نے

الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي

اس کے پڑھنے کے باب میں شبہ ڈالا و۸۹ سو اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہ کو مٹا

الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾

دیتا ہے و۹۰ پھر اللہ اپنی آیات کو (اور زیادہ) مضبوط کردیتا ہے و۹۱ اور اللہ خوب علم والا ہے خوب حکمت والا ہے و۹۲

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

(اور یہ سب اس لئے ہوتا ہے) تاکہ اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے (شبہات) کو آزمائش بنادے ان کے حق میں جن

مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ

کے دلوں میں روگ ہے و۹۳ اور ان کے دل بالکل سخت ہیں اور بے شک ظالم لوگ بڑی دور کی مخالفت میں

شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ

(پڑے ہوئے) ہیں و۹۴ اور (یہ سب اس لئے بھی) تاکہ جن لوگوں کو فہم عطا ہوا ہے وہ یقین کرلیں کہ یہ آپ کے

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۗ

پروردگار کی طرف سے حق ہے سو اس کے ایمان پر (اور زیادہ) قائم ہوجائیں و۹۵ پھر اس کی طرف ان کے دل (اور بھی)

وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾

جھک جائیں اور بے شک اللہ ایمان والوں کو راہ راست دکھا کر رہتا ہے و۹۶

و۸۷ یعنی نبی کو اور اہل ایمان کو ہرانے کے لیے۔ اہل باطل کی کوششیں حق و اہل حق کی مخالفت میں خواہ وہ فلسفہ یا سائنس کے نام سے ہوں یا ادب و شاعری کے یا حکومت و سیاست کے پردہ میں۔ غرض جس نام سے بھی ہوں سب اسی آیت کے تحت میں آجاتی ہیں۔ و۸۸ (احکام الٰہی سے) اِذَا تَمَنّٰی۔ منی کے معنی جس طرح تمنا کرنے کے ہیں، پڑھنے کے بھی ہیں۔ وقال رواۃ اللغۃ الامنیۃ القراۃ (کبیر) فی امنیتہ ای فی تلاوتہ (راغب) ای قرء و تلا (لسان) تمنّی الکتاب قراہٗ و کتبہ (لسان) چنانچہ شاعر اسلام حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا یہ شعر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مرثیہ کا اور ایک دوسرا شعر بھی بہ کثرت نقل ہوا ہے۔ لسان العرب کے الفاظ یہ ہیں:۔ تمنّی کتاب اللہ اخر لیلہ و اٰخرہ لاقی حمام المقادر + والتمنی التلاوۃ و تمنّی اذا تلا القراٰن و قال اٰخر + تمنّی کتاب اللہ اخر لیلہ تمنّی داؤد الزبور علی رسل + ان تینوں موقعوں پر تَمَنّٰی صاف تلاوت و قراءت کے معنی میں ہے۔ اور یہاں یہی مراد ہے۔ یعنی بالتمنی التلاوۃ والقراۃ (ابن جریر۔ عن الضحاک) ھذا القول اشبہ بتاویل الکلام (ابن جریر) و اکثر المفسرین قالوا معنی قولہ تمنّی یعنی تلا و قرأ کتاب اللہ تعالٰی (معالم) رسول و نبی کے درمیان جو واو عطف آیا ہے بعض نے اسے تفسیری قرار دے کر دونوں کا مفہوم متحد قرار دیا ہے لیکن محقق قول اس بارہ میں یہ ہے کہ نزول وحی نبی و رسول دونوں میں مشترک ہوتا ہے۔ باقی رسول وہ نبی ہوتا ہے جو شریعت کے ساتھ بغرض تبلیغ احکام بھیجا جاتا ہے۔ والفرق بینھما ان الرسول من جمع الی معجزۃ الکتب المنزل علیہ والنبی من لم ینزل علیہ کتاب و انما امران یدعوا الی شریعۃ من قبلہ و قیل الرسول واضع شرع والنبی حافظ شرع غیرہ (مدارک) و۸۹ (منکرین و مذبذبین کے قلب میں اور اہل باطل نے اسی شیطانی حربہ سے کام لے لے کر مجادلہ و مقابلہ کیا، اپنے اپنے عہد کے رسل و انبیاء سے۔ سو آپ کے معاصر منکرین کا بھی آپ سے اسی القاء شیطانی سے مجادلہ و مقابلہ کرنا کوئی انوکھی مثال تاریخ انبیاء میں نہیں) والمعنی و ما ارسلنا من قبلک رسولًا و لانبیًا الاوحالہ انہ اذا قرأ شیئًا من الاٰیات القی الشیطان الشبہ والتخیلات فی ما یقرأہٗ علی اولیائہ لیجادلوہ بالباطل و یردوا ما جاء بہ (روح) الشَّیْطٰنُ۔ شیطان سے یہاں مراد جنس شیطان لی گئی ہے۔ جو سارے شیاطین جن و انس کو شامل ہے۔ و قیل ان الشیطان ھنا ھو جنس یراد بہ شیاطین الانس (بحر) سمی الذی القی ذٰلک فی حال تلاوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیطانًا لانہٗ کان من شیاطین الانس (جصاص) یعنی وہ سارے انسان صورت شیطان بھی جو دوسروں کو قرآن و اسلام اور حق کے خلاف بھڑکاتے، اکساتے رہتے ہیں۔ اس موقع پر بعض سادہ دل حضرات کی بے خیالی سے ایک لغو قصہ بھی نقل ہوگیا ہے۔ لیکن محققین نے اس کی پوری تردید کردی ہے اور وہ قصہ نہ روایۃً قابل قبول ہے نہ درایۃً چنانچہ مشہور و قدیم ترین سیرت نگار رسول ابن اسحٰق کا قول ہے کہ یہ قصہ زندیقوں کا گڑھا ہوا ہے۔ قال ھذا وضع من الزنادقۃ (کبیر) اور انہوں نے اس کے رد میں ایک پوری کتاب لکھ دی ہے۔ و صنف فی ذٰلک کتابا (کبیر) اور مشہور محدث امام بیہقی نے کہا ہے کہ یہ قصہ روایۃً بے اصل ہے۔ اس کے راوی مطعون ہیں اور یہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں نقل نہیں ہوا ہے (بحر) ھو مردود عند المحققین (بیضاوی) اما اھل التحقیق فقد قالوا ھذہ الروایۃ باطلۃ موضوعۃ واحتجوا علیہ بالقراٰن والسنۃ والمعقول (کبیر) روایت جتنے طریقوں سے بھی آئی ہے کوئی سی بھی ان میں سے سند متصل کے ساتھ نہیں ہے۔ کلھا مرسلات و منقطعات (ابن کثیر) و۹۰ (جوابات قاطعہ سے، براہین ساطعہ سے، دلائل قاہرہ سے) عارفین صوفیہ کہتے ہیں کہ شیطان کے پیدا کیے ہوئے وسوسے، اسی سنت الٰہی کے مطابق خود بخود مضمحل و نابود ہوجاتے ہیں اور محققین اہل تربیت اسی لیے ان کے لیے کسی خاص مستقل تدبیر کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ و۹۱ یعنی ان کی قوت کو اور زیادہ واضح و روشن کردیتا ہے۔ و۹۲ اس کے علم و حکمت کے سامنے ان خرافاتی اعتراضات کی حقیقت ہی کیا ہے۔ و۹۳ (شک یا تذبذب یا کھلے ہوئے انکار کا) یہ مصلحت تکوینی بیان ہو رہی ہے شیطان کے اختیار و وسوسہ اندازی کی۔ و۹۴ (کہ حق کو باوجود اس کے وضوح کے قبول نہیں کرتے) و۹۵ یعنی یہ شیطان کو جو حق تصرف شبہات ڈالنے کا دیا گیا ہے، یہ ایک طرف تو منکرین و مذبذبین کے حق میں آزمائش کا طریقہ ہے، دوسری طرف اہل حق کے لیے ان کے ایمان میں اضافہ اور نور ہدایت میں ترقی کا باعث ہے۔ و۹۶ راہ راست پر تو ایمان والے شروع ہی سے ہوتے ہیں، یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ اس زیادت یقین کی برکت سے انہیں راہ راست کے انتہائی مقامات تک پہنچا کر رہتا ہے۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ

اور جو کافر ہیں وہ تو ہمیشہ اس کی طرف سے شک ہی میں پڑے رہتے ہیں و۹۷

السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ

یہاں تک کہ ان پر قیامت یک بیک آپہنچے یا ان پر بے برکت دن کا عذاب آپہنچے و۹۸ حکومت

يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اس روز اللہ ہی کی ہوگی و۹۹ وہ ان (سب) کے درمیان فیصلہ کردے گا سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

عمل بھی کئے وہ عیش کے باغوں میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ ع

اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو ان کے لئے تو عذاب ذلت والا ہوگا

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑا پھر وہ مارے گئے یا مرگئے

لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ

اللہ انہیں یقیناً ایک بہترین رزق دے کر رہے گا و۱۰۰ اور اللہ ہی سب رزق دینے والوں سے

الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ

بہتر (اور بڑھ کر) ہے وہ انہیں ایسی جگہ داخل کرے گا جسے وہ (بہت ہی) پسند کریں گے اور بے شک

اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا

اللہ بڑا علم والا ہے و۱۰۱ بڑا حلم والا ہے و۱۰۲ یہ (بات تو ہو چکی) اور جو شخص اسی قدر تکلیف پہنچائے جتنی

عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تکلیف اسے پہنچائی گئی، اور پھر اس پر زیادتی کی جائے و۱۰۳ تو اللہ اس کی ضرور مدد کرے گا و۱۰۴ بے شک اللہ

ع ۹ / ۱۴

و۹۷ "شک" یعنی وہی شکوک وشبہات جو شیطان نے احکام الٰہی سے متعلق ان کے دلوں میں ڈال دیئے تھے۔ جس طرح ایمان کی برکت سے قلب کی نورانیت روز بروز کامل تر ہوتی جاتی ہے، اسی طرح کفر کی نحوست وشامت سے ظلمانیت بھی برابر بڑھتی اور ترقی ہی کرتی جاتی ہے۔ منه میں ضمیر "اس" سے مراد وہ پڑھا ہوا حکم بھی ہو سکتا ہے جس سے متعلق شیطان نے وسوسہ اندازی کی ہے اور خود قرآن یا رسول اللہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ منه ای من القراٰن اوالرسول او مما القی الشیطان فی امنیته (بیضاوی)

و۹۸ یعنی قیامت کا محض آپہنچنا ہی اپنی ہولناکیوں کے لحاظ سے کیا کم تھا، چہ جائیکہ اس کا عذاب بھی ان پر واقع ہو جائے۔ قیامت کا بالکل دفعۃً برپا ہونا انجیل میں بھی مذکور ہے:۔ "خداوند کا دن چور کی طرح آجائے گا، اس دن آسمان بڑے شور وغل کے ساتھ برباد ہو جائیں گے"۔ (۲۔ پطرس۔ ۳:۱۰) و۹۹ (براہ راست و بلا وسائط) حکومت تو اللہ کی آج بھی ہے، مگر آج اس پر صدہا پردے درمیانی وسائط کے پڑے ہوئے ہیں، اس روز یہ حجابات دور ہو جائیں گے اور ہر کس و ناکس کو مشاہدہ حکومت حق کا براہ راست ہونے لگے گا۔

و۱۰۰ (جنت میں) یعنی لوگ راہ دین میں ترک وطن کے بعد یا شہید ہو گئے یا اپنی طبعی موت سے مرگئے۔ غرض کسی سبب سے بھی اہل کفر پر غلبہ وفتحمندی کے ثمرات سے اس دنیا میں محروم رہ گئے، وہ اطمینان کامل رکھیں کہ وہ جنت میں ضرور اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں سے مستفید ومحظوظ ہوں گے۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ "اللہ کی راہ" سے مراد اللہ کے دین کی راہ میں۔ رزق کا مفہوم بہت وسیع ہے صرف کھانا پینا ہی مراد نہیں۔ نعمتیں، راحتیں اور آسائشیں دنیوی واخروی ہر قسم کی اس میں آگئیں۔ الرزق هو يقال للعطاء الجاری دنیویا کان او دینیا (ابو البقاء) و۱۰۱ ہر واقعہ کی حکمت ومصلحت اس پر خوب روشن رہتی ہے۔ اہل ایمان کو دنیا میں اگر ناکامی بھی ہو تو اس سے مایوس وبددل ہرگز نہ ہونا چاہیے۔

و۱۰۲ چنانچہ بڑے سے بڑے مجرموں، غداروں، باغیوں کو بھی ہمیشہ فوری ہی سزا نہیں دیتا۔ و۱۰۳ یعنی ایک شخص پر اس کے دشمن نے ظلم کیا اور اس نے اپنا انتقام لے لیا، اور معاملہ برابر سرابر ہو گیا۔ لیکن اس پر بھی اس مظلوم پر از سر نو زیادتی شروع ہوئی۔ و۱۰۴ (دنیا میں نصرت شرعی ہے، آخرت میں نصرت معنوی ہے) "اور یہ جو اوپر قید لگائی گئی، بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ الخ سو اس مماثلت کی مراعاۃ مظلوم کے اجتہاد پر ہے جس میں اس نے اپنی وسعت حتی الامکان مبذول کی ہو اور اس پر بھی اگر مماثلت سے قدرے بیشی ہو جائے جو بوجہ غایت غموض وخفاء کے ضبط میں نہ آسکے تو وہ موجب مؤاخذہ ومخل وعدۂ نصرت نہیں"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) "یہ رعایت مماثلت کا وجوب معاملات معاشرت میں ہے نہ کہ جہاد میں، چنانچہ ادلۂ شرعیہ سے یہ امر ظاہر ومشہور ہے۔ اور نیز جو افعال ہر حال میں معصیت ہیں وہ اس عموم سے مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً کوئی کسی کے والدین کو برا کہے تو عوض میں اس کے والدین کو برا کہنا جائز نہ ہوگا"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ ﴿٦٠﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوۡلِجُ الَّيۡلَ فِى النَّهَارِ

بڑا معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا ہے ف۱۰۵ یہ (یعنی مومنین کی نصرت وغلبہ) اسی سبب سے ہے کہ اللہ رات کو

وَ يُوۡلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيۡلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ ۢ بَصِيۡرٌ ﴿٦١﴾

داخل کر دیتا ہے دن میں اور دن کو داخل کر دیتا ہے رات میں ف۱۰۶ اور اس سبب سے کہ اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَـقُّ وَاَنَّ مَا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ

دیکھنے والا ہے ف۱۰۷ یہ (نصرت) اس لئے بھی (ہوگی) کہ اللہ ہی تو بس حق ہے اور اس کے سوا یہ جس کو بھی پکار

هُوَ الۡبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡعَلِىُّ الۡكَبِيۡرُ ﴿٦٢﴾ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ

رہے ہیں وہ (بالکل) باطل ہے ف۱۰۸ اور اللہ ہی تو عالی شان ہے سب سے بڑا ہے ف۱۰۹ کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ

اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصۡبِحُ الۡاَرۡضُ

اللہ ہی آسمان سے پانی برساتا ہے سو زمین

مُخۡضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيۡفٌ خَبِيۡرٌ ۚ‏ ﴿٦٣﴾ لَهٗ مَا فِى

سرسبز ہو جاتی ہے بے شک اللہ بڑا مہربان ہے بڑا خبر رکھنے والا ہے ف۱۱۰ اسی کا ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الۡغَنِىُّ

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہی بے نیاز ہے اور

الۡحَمِيۡدُ ﴿٦٤﴾ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَـكُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ

ہر تعریف کا سزاوار ف۱۱۱ کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے تمہارے واسطے کام میں لگا رکھا ہے اس کو بھی جو کچھ

وَالۡـفُلۡكَ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِهٖ ؕ وَيُمۡسِكُ السَّمَآءَ

زمین پر ہے اور کشتی کو بھی کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے اور وہی آسمان کو اس سے روکے ہوئے ہے

اَنۡ تَقَعَ عَلَى الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ

کہ وہ زمین پر گر پڑے مگر ہاں کہ اسی کا حکم (ہو جائے) ف۱۱۲ بے شک اللہ انسانوں پر

ع ۸ / ۱۵

ف۱۰۵ (سو وہ خفی و نازک دقائق پر گرفت نہیں کرتا) ف۱۰۶ (سو جس کی قدرت اس قدر کامل، اور جس کا انتظام اس قدر مستحکم ہو اس کے لیے نصرتِ مومنین میں تعجب کی کونسی بات ہے) رات جیسی مہیب، سنسان، کامل تاریکی والی ہستی کو روز روشن میں، اور دن جیسی چہل پہل، ہنگامہ وحرکت اور روشنی کامل والی ہستی کو شب تاریک میں تبدیل کرنا، قدرت کا کوئی معمولی نہیں، نہایت درجہ غیر معمولی کرشمہ ہے۔ بے حسی اس کی طرف سے ہم میں صرف اس سبب سے پیدا ہو گئی ہے کہ اس دائمی معجزہ کو دن رات آنکھوں کے سامنے دیکھتے رہتے ہیں۔ ف۱۰۷ وہ ظالموں کے اقوال کو سن رہا ہے، ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے، اسی طرح مظلوم کی مظلومیت قولی وفعلی سب اس پر روشن ہے۔ ف۱۰۸ ابھی ابھی قبل والی آیت میں مضمون یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ کی اطلاع بھی کامل، قدرت بھی کامل۔ اب بیان یہ ہو رہا ہے کہ وہی تو ایک کامل موجود ہستی ہے، واجب الوجود۔ اس کے مقابلہ میں جن معبودوں کی حمایت ونصرت پر بھروسہ کیے یہ اہل شرک بیٹھے ہیں، وہ تو خود ہیچ محض ہیں، وہ کسی کی نصرت وحمایت کیا کریں گے۔ ف۱۰۹ قدرت اسی کی کامل، نصرت اسی کی حقیقی، اختیارات اسی کے اصلی۔ ف۱۱۰ وہی اپنے بندوں کی ساری ضرورتوں سے خواہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، قومی ہوں یا ذاتی، جسمانی ہوں یا روحانی، مادی ہوں یا اخلاقی، ذرہ ذرہ واقف ہے۔ اور انہیں کی مناسبت سے بہ کمال مہربانی بڑے بڑے باریک طریقوں سے انتظام کرتا رہتا ہے۔ جاہل ومشرک قوموں ہی نے نہیں، بعض جاہلی فلاسفہ نے بھی خدا کی قدرت وعلم کو محدود وناقص تسلیم کیا ہے اس قسم کی آیتیں ایسے ہی عقائد کی تردید میں ہیں۔ ف۱۱۱ یعنی وہی سب کا مالک بھی ہے اور وہی ہر ضرورت سے، ہر حاجت سے پاک وبالاتر ہے۔ اور ہر ایک کی عبادت سے اور اعانت سے بے نیاز، اور وہی سرتاسر محمود ستودہ صفات ہے، جامع کمالات ہے۔ ف۱۱۲ یعنی اس سارے کارخانۂ حیات کو انسان کے کام میں لگا دینے والا، بحری قوتوں کو انسان کا مسخر کر دینے والا، زمین آسمان کو ان کی موجودہ ہیئتوں کے ساتھ موجودہ حالتوں پر قائم وبرقرار رکھنے والا، سب وہی اکیلا ہے، کوئی اور دیوی دیوتا ان کاموں میں شریک نہیں جیسا کہ بہت سی مشرک قوموں کا مفروضہ ہے۔ اصل مقصود توحید ہی پر استدلال ہے۔ باقی سماء سے مراد بارش اور ابر دونوں بھی ہو سکتے ہیں وسمى المطر سماء لخروجه منها (راغب) السماء السحاب والسماء المطر (لسان) قيل للسحاب السماء لانها عالية (لسان) سمى السحاب سماء لعلوها (عن الزجاج) و سمى المطر سماء لخروجه من السماء (تاج)

لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ

بڑا شفقت والا ہے بڑا رحمت والا ہے وف۱۱۳ وہ وہی تو ہے جس نے تم کو زندگی دی پھر تمہیں موت دے گا

ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ اُمَّةٍ

پھر تم کو جلائے گا بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے وف۱۱۴ ہم نے ہر امت کے واسطے

جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ

ایک طریقہ (ذبح وعبادت کا) مقرر کر رکھا ہے کہ وہ اس پر چلنے والے ہیں سو انہیں نہ چاہئے کہ آپ سے جھگڑا کریں

وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾

(اس) امر میں وف۱۱۵ اور آپ ان کو اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہیے بیشک آپ ہی سیدھے راستے پر ہیں وف۱۱۶

وَ اِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰهُ

اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑے نکالتے رہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو وف۱۱۷ اللہ

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾

تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کردے گا اس باب میں جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو وف۱۱۸

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ

کیا تمہیں علم نہیں کہ اللہ واقف ہے ہر اس چیز سے جو آسمان اور زمین میں ہے

اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾

یہ سب نامۂ اعمال میں (بھی درج) ہے بے شک یہ (یعنی فیصلہ) اللہ کے نزدیک آسان ہی ہے وف۱۱۹

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ مَا

اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسوں کی عبادت کرتے ہیں جن (کے جواز عبادت) پر اللہ نے کوئی حجت نہیں اتاری ہے اور نہ

لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَ اِذَا

ان کے پاس اس کے لئے دلیل ہے اور نہ ان ظالموں کا کوئی مددگار ہوگا وف۱۲۰ اور جب

وف۱۱۳ اس کی صفات رافت ورحمت کی تجلیاں ہیں جو انسان کو کارگاہ حیات میں اس منزل ومرتبہ پر قائم رکھے ہوئے ہیں۔ وف۱۱۴ (کہ اس یکتا وقابل پرستش معبود کی توحید کی ناقدری کرکے کفر وشرک کی طرف ڈھل جاتا ہے۔ هُوَ...... يُحْيِيْكُمْ یہاں اس عقیدہ کا اثبات ہے کہ پیدا کرنے، مارنے اور پھر جلا اٹھنے کی ساری قوتیں ایک ہی معبود یکتا کی ذات بے ہمتا میں جمع ہیں۔ اور سارے تصرفات کی مرکز اسی کی ذات ہے۔ اور اس میں ہندی مشرکوں کے اس عقیدہ کا رد آگیا کہ پیدا کرنے والا کوئی اور ہے، اور باقی رکھنے والا کوئی اور، ہلاک کرنے والا اس کے بھی علاوہ کوئی اور۔ وف۱۱۵ یعنی یہ منکرین تو تقلید محض کے پجاری ہیں، انہیں اصلاً کیا حق آپ پر اعتراض وگرفت کا ہے۔ مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ۔ منسک سے مراد خصوصی اگرچہ موضع ذبح ہے لیکن لفظ جملہ عبادات کے لیے عام ہے۔ قال عكرمة ذبائح هم ذابحوه (جصاص) وليس يمنع ان يكون المراد جميع العبادات و يكون الذبح احد ما اريد بالأية (جصاص) محققین نے کہا ہے کہ منسک یہاں شریعت کے مرادف ہے۔ قال ابن عباس يعنى شريعة هم عاملون بها (معالم) فِي الْاَمْرِ۔ یعنی مسئلہ جواز ذبیحہ میں۔ يعنى فى امر الذبائح (معالم) شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ بعض مشرکوں نے مسلمانوں سے یہ عجیب کٹھ حجتی شروع کی تھی کہ تم لوگ اپنے مارے ہوئے (ذبح کئے ہوئے) کو جائز اور اللہ کے مارے ہوئے (مردار) کو ناجائز سمجھتے ہو۔ وف۱۱۶ انہیں آپ کو ٹوکنے کا کوئی حق نہیں۔ البتہ آپ کو حق انہیں ٹوکنے کا ہے کہ آپ تو راہ صحیح پر ہیں۔ آنکھوں والے پر فرض ہے کہ وہ اندھوں کو راستہ بتلائے۔ اندھوں کو یہ حق آنکھوں والوں کے مقابلہ میں نہیں پہنچتا۔ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ۔ یعنی اپنے پروردگار کے دین کی طرف بلائیے۔ اے الى الايمان بربك (معالم) وف۱۱۷ (اور آپ خود زیادہ رد وقدح میں نہ پڑیے) صوفیہ عارفین نے منکر معاند سے جو طالب حق نہ ہو، ترک جدال کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کا مبنیٰ ومآخذ منجملہ اور آیتوں کے یہ آیت بھی ہے۔ وف۱۱۸ فیصلہ سے مراد عملی مشاہد فیصلہ ہے۔ ورنہ دلائل وشواہد کے لحاظ سے تو فیصلہ دنیا ہی میں ہو چکا ہے۔ وف۱۱۹ یعنی جب حکومت کے ساتھ ساتھ علم بھی اللہ کا کامل ہے تو اسے فیصلہ صادر کرنے میں دیر ہی کیا لگ سکتی ہے۔ کتاب سے مراد لوح محفوظ بھی ہو سکتی ہے۔ يعنى اللوح المحفوظ (معالم) اس وقت ذلک سے مراد معلومات الٰہی لی جائیں گی۔ وف۱۲۰ یعنی جن کو یہ خدا کا شریک ٹھہرائے ہوئے ہیں، ان کی معبودیت پر نہ کوئی دلیل اللہ نے اپنی کتابوں، صحیفوں کے ذریعہ سے نازل کی ہے۔ نہ اس پر کوئی دلیل علمی وعقلی قائم ہے اور ان معبودوں کی بے کسی اس سے ظاہر ہے کہ قیامت کے دن ان کی ذرا بھی مدد نہ کرسکیں گے۔

تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ

ان پر ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو آپ کافروں کے چہروں پر

كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ

برے آثار دیکھتے ہیں و۱۲۱ گویا یہ لوگ ان پر حملہ کر بیٹھیں گے جو انہیں

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ

ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں و۱۲۲ آپ کہہ دیجیے کہ کیا میں تمہیں اس سے بڑھ کر ناگوار چیز بتاؤں؟ و۱۲۳ (وہ) دوزخ

وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ ع

ہے اللہ نے اس کا کافروں سے وعدہ کر رکھا ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ

اے لوگو ایک بڑی بات بیان کی جاتی ہے و۱۲۴ سو

الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا

اسے سنو جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی (تک تو) پیدا

وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا

کرنہیں سکتے چاہے سب ہی اس غرض کے لئے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان کے سامنے سے کچھ چھین لے جائے تو

يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾

وہ اس سے چھڑا تک نہیں سکتے و۱۲۵ لچر ہے (ایسا) طالب (بھی) اور (ایسا) مطلوب (بھی)!

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾

ان لوگوں نے تعظیم نہ کی اللہ کی جو اس کی تعظیم کا حق ہے و۱۲۶ بے شک اللہ بڑا قوت والا ہے، غالب ہے و۱۲۷

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰۤئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ

اللہ انتخاب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے پیام پہنچانے والے اور آدمیوں میں سے بھی و۱۲۸

ع ۸ / ۱۶

و۱۲۱ (ان کی ناگواری اور غصہ کو ظاہر کرنے والے، مثلاً ان کے تیور پر بل پڑ جانا) قرآن مجید کے واضح احکام وہدایات سے تسلی حاصل کرنے کے بجائے منکرین شدت عناد سے الٹے غصہ سے بھر بھر جاتے تھے۔ اور ان کے دلی بغض کے آثار ان کے چہرے بشرے سے ظاہر ہو ہو کر رہتے تھے — آج بھی بہت سے دشمنانِ دین اور بعض "روشن خیالوں" کے چہروں کا انقباض سے کیا حال ہو جاتا ہے جب ان پر احکام الٰہی کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ و۱۲۲ يَكَادُوْنَ کے لفظی معنٰی کسی فعل یا عمل کے قریب ہو جانے کے ہیں۔ منکرین معاندین جب قرآن کی آیتیں سنتے تو غصہ سے بھر جاتے۔ معلوم ایسا ہونے لگتا کہ بس اپنے سنانے والوں پر حملہ کر ہی بیٹھیں گے۔ اور کبھی کبھی حملہ کر بیٹھتے بھی۔ و۱۲۳ "ناگوار تر تمہارے نقطۂ خیال سے" یعنی تم پر اس قرآن سے بڑھ کر گراں گزرنے والی، قرآن سے جو ناخوشی پیدا ہوتی ہے، اس کا تو خیر کچھ تدارک کر ہی لیتے ہو۔ دوزخ کے بے پناہ عذاب کے مقابلہ میں کیا کرو گے۔ ای اکرہ لکم من ھٰذا القراٰن الذی تستمعون (معالم) و۱۲۴ جو بالکل واضح ہے اور ہر ایک کی سمجھ میں آ جانے والی ہے۔ و۱۲۵ تو ایسی عاجز، درماندہ مخلوق کو معبود ٹھہرا لینا کس درجہ حماقت وسفاہت ہے۔ یہ ساری مورتیاں مل ملا کر ایک مکھی جیسی حقیر و بے حقیقت مخلوق کو پیدا بھی تو نہیں کر سکتیں اور پیدا کرنا تو پھر بڑی چیز ہے، ان کے آگے نذر اور چڑھاوے کے جو ڈھیر لگے رہتے ہیں ان میں سے اگر وہ کچھ اٹھایا چاہے تو ان میں اتنی سکت بھی تو نہیں کہ اسی کو اس سے واپس لے لیں۔ و۱۲۶ یعنی اس کی وہ عظمت جو اس سے رشتہ عبدیت و تعلق عبودیت پیدا کرنے کے لیے کافی ہے۔ انسان اسی کا مکلف ہے اور اسی درجہ کی عظمت نہ محسوس کرنے کا کافروں پر الزام ہے۔ باقی اللہ کی شایانِ شان، اور سزاوار الوہیت عظمت کا اندازہ، تو وہ کون کر سکتا ہے۔ اور نہ اس کا کوئی بشر یا کوئی مخلوق مکلف ہے۔ آیت کے مخاطب تمام منکرین توحید ہیں۔ خواہ مجوسیہ ہوں یا اہل تثلیث ہوں یا مشرکین ہوں۔ و۱۲۷ معبودیت والوہیت کا حق صرف اسی کو پہنچتا ہے نہ کہ بے قدرت، بے بس مخلوقات میں سے کسی کو۔ و۱۲۸ مِنَ الْمَلٰۤئِكَةِ رُسُلًا۔ فرشتے اللہ کا پیغام انبیاء تک لانے والے اور انہیں اور احکام پہنچانے والے۔ وَمِنَ النَّاسِ۔ اور نوع انسان میں سے اللہ کا پیغام نوعِ انسانی کو پہنچانے والے، اور اسے اس کے احکام سنانے والے (اصطلاحی نام انہیں کا رسل و انبیاء ہے) اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ۔ ان دونوں قسم کے پیغمبروں کا انتخاب تمامتر دست خداوندی میں ہے وہ جس کا بھی چاہے انتخاب کرے۔ ملائکہ میں سفیر اعلیٰ حضرت جبرئیل ہیں، قرآن مجید تمامتر انہیں کا لایا ہوا ہے۔ باقی نفس سفارت کچھ انہیں پر منحصر و موقوف نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ

بے شک اللہ خوب سننے والا ہے خوب دیکھنے والا ہے ف۱۲۹ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے

وَ مَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ يٰۤاَيُّهَا

اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے ف۱۳۰ اور اللہ ہی پر (تمام) کاموں کا مدار ہے۔ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا

ایمان والو رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اور (اور) نیکی

الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ

کرتے رہو، تاکہ کچھ فلاح پاجاؤ ف۱۳۱ اور اللہ (کے کام) میں کوشش کرتے رہو جو اس کی

جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ

کوشش کا حق ہے ف۱۳۲ اس نے تمہیں برگزیدہ کیا ف۱۳۳ اور اس نے تم پر دین کے بارہ میں

مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ

کوئی تنگی نہیں کی ف۱۳۴ تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت (پر قائم رہو) ف۱۳۵ اسی نے تمہیں

الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ

مسلم قرار دیا پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی ف۱۳۶ تاکہ رسول

شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖ

تمہارے اوپر گواہ ہوں ف۱۳۷ اور تم (سب) لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ٹھہرو ف۱۳۸

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ

سو تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو ف۱۳۹ اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو

هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾

وہی تمہارا کارساز ہے سو کیسا اچھا کارساز ہے ف۱۴۰ اور کیسا اچھا مددگار! ف۱۴۱

ف۱۲۹ وہی سب کی ظاہری و باطنی صلاحیتوں سے خوب واقف ہے۔ اور اس کے انتخاب میں کسی غلطی کا امکان نہیں۔ ف۱۳۰ اس پر سب کا مستقبل و ماضی مثل حال کے عیاں و روشن ہے۔ ف۱۳۱ یعنی یہ سب اعمال اصل ایمان کی شاخیں ہیں۔ قبول اسلام کے بعد نماز اور اور سب عبادتوں کو بجالاتے رہو۔ اور دوسری نیکیوں میں بھی لگے رہو۔ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ۔ ہر فعل مباح، نیت عبادت کر لینے کے بعد خود عبادت بن جاتا ہے۔ لَعَلَّ سے متعلق شروع تفسیر میں تصریح کی جاچکی ہے کہ جب حق تعالیٰ کی زبان سے ادا ہوگا تو معنی صرف امید کے نہیں یقین کے دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ کا مفہوم پیدا کر دے گا۔ ف۱۳۲ مطلب یہ ہے کہ دین کے کاموں میں سستی اور بے دلی کو دخل نہ دو، بلکہ ہر کام اللہ کا کام سمجھ کر پوری مستعدی، توجہ و استحضار قلب اور اخلاص نیت کے ساتھ ہو۔ قال الضحاک یعنی اعملوا بالحق لله عزوجل (جصاص) قال اکثر المفسرین حق الجهاد ان تکون بنیة خالصة صادقة لله عزوجل (معالم) اے جهادًا فیه حقًا خالصًا لوجهه (بیضاوی) فِى اللّٰهِ کو یہاں لِلّٰهِ کے بھی مرادف لیا گیا ہے۔ اے لله من اجله (بیضاوی) حَقَّ جِهَادِهٖ۔ کی ترکیب معکوس سمجھی گئی ہے اور حق کی اضافت جهاد کی طرف تاکید اور زور کلام کے لیے خیال کی گئی ہے۔ عکس واضیف الحق الی الجهاد مبالغة (بیضاوی) صوفیہ عارفین نے لکھا ہے کہ یہ آیت ہر قسم کے مجاہدات پر شامل ہے۔ مثلاً مجاہدۂ نفس، مجاہدۂ قلب، مجاہدۂ روح، مفسرین بھی اسی طرف گئے ہیں جاهدوا اعداء و منه الظاهرة کاهل الزیغ والباطنة کالهوٰی والنفس (بیضاوی) قال عبدالله بن المبارک حق جهادہٖ مجاهدة النفس والهوٰی والاولٰی ان یحمل ذٰلک علٰی کل التکالیف فکل ما امر به و نهی عنه فالمحافظة علیه جهاد (کبیر) ف۱۳۳ (دوسری امتوں اور قوموں کے مقابلہ میں، اور تمہیں عالمگیر دعوتِ توحید کا حامل بنایا) اور ساری دینی دعوتیں جغرافی یا نسلی قیود سے محدود رہیں، صرف اسلام ہی کی دعوت ان قیود و حدود سے بالاتر، صحیح معنی میں عالمگیر دعوت ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں مدح صحابہ اور ان کی تطہیر ثابت ہوتی ہے۔ و فی ذٰلک مدح للصحابة المخاطبین بذٰلک و دلیل علٰی طهارتهم (جصاص) ف۱۳۴ یعنی اسے دوسرے ادیانِ مروج کی طرح محدود و مقید نہیں رکھا۔ دنیا جن مذہبوں کو جانتی پہچانتی ہے، ان میں کثرت سے تو مذاہب شرکیہ ہی ہیں۔ مثلاً ہندو مذہب، بودھ مذہب، مجوسی مذہب، عیسائی مذہب، اور شرک نام خود محدودیت و تنگ نظری کا ہے۔ مشرک کے مطمح نظر میں ہمہ گیر وسعت پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ مذاہب توحید لے دے کے صرف دو ہیں۔ ایک یہودیت دوسرے اسلام۔ یہودیت کا غیر تبلیغی ہونا اور نسل اسرائیل تک محدود رہنا بالکل ظاہر ہے۔ اس کے بعد صرف اسلام ہی ایسا دین باقی رہ جاتا ہے جس کی دعوت کسی ملک، قوم، نسل و قبیلہ کے ساتھ محدود نہیں۔ اس کا خطاب دنیا کے ہر فرد بشر سے ہے۔ اس کی تعلیم چھوٹے بڑے ہر انسان کے لیے ہے۔ پھر اس عالمگیری کے ساتھ ہمہ گیری تعلیم اسلام کی ہے۔ یعنی زندگی کا ہر شعبہ چھوٹے سے چھوٹا بھی اس کے دائرہ سے باہر نہیں بعض صوفیہ نے اس نفی حرج سے استدلال کیا ہے تربیت میں سالکین کی سہولت پر۔ ف۱۳۵ اسلام دوسرا نام ہے ملت ابراہیمی کا۔ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ۔ قرآن کے مخاطبین اول یعنی اہل عرب تو نسل ابراہیم علیہ السلام سے تھے ہی اور ان کے لیے یہ استشہاد دلا دینے سے ایک خاص پہلو تشویق و ترغیب کا بھی نکل رہا ہے۔ یعنی یہ مذہب کوئی انوکھا اور بیرونی نہیں، یہ تو عین تمہارے جد محترم ہی کا ہے۔ اور اگر مخاطب عامۂ مسلمین سمجھے جائیں تو اس لفظ کے لانے سے خاص تعلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعظیم و احترام کی مل رہی ہے۔ قیل خاطب به جمیع المسلمین و ابراهیم اَبٌ لهم علٰی معنٰی وجوب احترامه و حفظ حقه کما یجب احترام الاب (معالم) روی عن الحسن انه ارادان حرمة ابراهیم علی المسلمین کحرمة الوالد علی (جصاص) پہلے حکم ہوا تھا ایمان لانے کا اب حکم مل رہا ہے اس دین پر قائم رہنے کا۔ محققین نے شروع فقرہ میں کوئی فعل مثلاً اتبعوا یا الزموا محذوف مانا ہے۔ ف۱۳۶ هُوَ سَمّٰىكُمُ ضمیر هُوَ سے مراد اللہ تعالیٰ ہے، ابراہیم علیہ السلام مراد نہیں۔ خود سیاق کلام بھی اسی کا مقتضی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور متعدد تابعین سے منقول بھی یہی ہے۔ اے الله تعالٰی کما روی عن ابن عباس و مجاهد والضحاک و قتادة و سفیان و یدل علیه ماسیأتی بعد فی الأیة (روح) مِنْ قَبْلُ۔ یعنی قرآن مجید سے پہلے۔ وَفِىْ هٰذَا یعنی قرآن مجید میں۔ قال مجاهد من قبل القرأن و فی القرأن (جصاص) یعنی من قبل نزول القرأن فی الکتب المتقدمة و فی هٰذا الکتاب هٰذا قول اکثر المفسرین (معالم) ف۱۳۷ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک و پاکیزہ سیرت، مکمل زندگی بطور معیار کے کام دے گی۔ حشر میں تمہیں اسی معیار سے جانچا جائے گا کہ تم نے اپنی زندگیوں کو کہاں تک اس نمونہ پر ڈھالا۔ ف۱۳۸ یعنی دوسری امتوں اور قوموں کے مقابلہ میں۔ مسلمانوں کو دین حق کی تبلیغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔ اور مسلمانوں کے واسطہ سے دین حق ساری نسل انسانی کو پہنچا ہے۔ ف۱۳۹ اس میں خلاصہ اور لب لباب آگیا تمام بدنی اور مالی عبادتوں کا۔ ف۱۴۰ عزم و ہمت کو قائم رکھنے والی اور کشاکش حیات میں ہر مصلحت نفس پر غالب رکھنے والی چیز یہی عقیدۂ توحید ہے۔ جس قدر یہ اعتماد علی اللہ قوی ہوگا، اسی درجہ میں انسان مراتب معرفت و قرب میں ترقی کرتا جائے گا اور ہر غیر الٰہی قوت کے مقابلہ میں دلیر تر ہوتا جائے گا۔ ف۱۴۱ انسان کو ضمیر کی پابندی سے ہٹانے والی چیز ہمیشہ یہی خوف ہوتا ہے کہ اگر فلاں کو میں نے خوش نہ رکھا تو وہ مجھے نقصان پہنچا دے گا۔ قرآن نے بار بار ضرب کاری اسی گمان فاسد پر لگائی ہے، اور بار بار اعلان کیا ہے کہ کام بنانے والا اور ہر طرح کی نصرت و اعانت کرنے والا تو صرف

ف۱ فلاح کے مفہوم کی وسعت اور جامعیت پر حاشیہ سورۃ البقرہ کے رکوع اول میں المفلحون کے تحت میں گزر چکا۔ فلاح کی پہلی شرط مومن ہونا ہے۔ بغیر ایمان یا صحت اعتقاد کے کوئی سا بھی عمل مقبول نہیں۔ ف۲ (اور نماز خواہ فرض ہو یا غیر فرض) نماز کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اعمال میں سب سے پہلے جگہ اسی کو ملی۔ خٰشِعُوْنَ "خشوع کی حقیقت ہے سکون۔ یعنی قلب کا بھی کہ خیالات غیر کو قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے۔ اور جوارح کا بھی کہ عبث حرکتیں نہ کرے۔ اور اس کی فرضیت میں کلام ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ صحت صلوٰۃ کا تو موقوف علیہ نہیں، اور اس مرتبہ میں فرض نہیں، اور قبول صلوٰۃ کا موقوف علیہ ہے اور اس مرتبہ میں فرض ہے" (تھانوی علیہ الرحمۃ) روی عن ابراھیم ومجاھد والزھری الخشوع السکون (جصاص) ف۳ (خواہ وہ لغویت فعلی ہو یا قولی) اللَّغْوِ۔ لغو کہتے ہیں ہر اس حرکت کو جو عبث، بے حاصل، لایعنی ہو، آخرت یا صرف دنیا کے اعتبار سے بھی۔ اللغو ما لا یغنیک من قولٍ اوفعلٍ (کشاف) اللغو ھو الفعل الذی لا فائدہ فیه (جصاص) زندگی بڑی ہی قیمتی شے اور بڑی سنجیدہ و اہم حقیقت ہے۔ مسلمان کی شان یہ نہیں کہ ایک لمحہ بھی کسی غیر مفید بات کی طرف توجہ کرے۔ سیر و تفریح، مشاغل نشاط، جس حد تک صحت جسم اور انبساط قلب کے لئے ضروری ہیں۔ ظاہر ہے کہ انکا شمار لغو میں نہیں۔ "لغو کا ادنیٰ درجہ مباح ہے مگر ترک اس کا اولیٰ و موجب مدح ہے۔ لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت ہے اور اس کا ترک واجب۔" (تھانوی علیہ الرحمۃ) امام رازی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ ہر لغویات سے بچنے کا ذکر جو خشوع صلوٰۃ کے معاً بعد اور حکم زکوٰۃ سے قبل ہی لے آیا گیا ہے اس کا راز یہ ہے کہ لغویات سے اجتناب صلوٰۃ کی عین تکمیل کرنے والا ہے۔ الاعراض عن اللغو من متممات الصلوٰۃ (کبیر) ف۴ (اعمال میں، اخلاق میں) الزکوٰۃ یہاں اصطلاحی معنیٰ میں نہیں لغوی معنیٰ میں ہے۔ ابومسلم سے یہی معنیٰ منقول ہیں۔ ان فعل الزکوٰۃ یقع علیٰ کل فعل محمود مرضی (کبیر) الظاھر ان المراد بالزکوٰۃ المعنی المصدری اعنی التزکیة (روح) لِلزَّكٰوةِ ل یہاں غایت کے لئے ہے۔ اللام فیه للعلة والقصد (راغب) یعنی ان کا مقصود اعمال و افعال سے یہی ہوتا ہے کہ اپنے کو پاک و صاف کریں۔ یفعلون ما یفعلون من العبادة لیزکیھم اللّٰہ تعالیٰ اولیزکوا انفسھم (راغب) قال صاحب الکشاف عنی عن الأیة الذین ھم لاجل الطھارة وتزکیة النفس عاملون الخیر (روح) قیل الزکوٰۃ ھنا النماء والزیادة واللام لام العلة ومعمول فاعلون محذوف التقدیر والذین ھم لاجل تحصیل النماء والزیادة فاعلون الخیر (بحر) الزکوٰۃ کے اگر اصطلاحی فقہی معنیٰ لئے جائیں جب بھی کوئی مضائقہ نہیں اور بہت سے حضرات اسی طرف گئے ہیں۔ ف۵ (اور بڑے سخت نافرمان) آیت کا مطلب یہ ہے کہ تقاضائے شہوت بجائے خود ہرگز محل الزام نہیں اور جس طرح بھوک، پیاس، نیند وغیرہ کی ضرورتیں فطری ہیں یہ خواہش بھی طبعی ہے۔ قابل الزام صرف اس کا بے محل استعمال ہے۔ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ۔ باندیوں سے مراد ظاہر ہے کہ صرف شرعی باندیاں ہیں نہ کہ عرفی۔ حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔ بیویوں اور باندیوں کے حلال ہونے سے مراد ان کی جنس کا حلال ہونا ہے۔ نہ یہ کہ بیوی اور باندی سے صحبت ہر صورت اور حال میں جائز ہے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ میں علیٰ مرادف ہے مِنْ کے۔ فراء نحوی و ابن مالک نحوی وغیرہ سے یہی قول منقول ہے (بحر) وَرَآءَ ذٰلِكَ۔ فقہائے اہل سنت نے ان الفاظ سے متعہ کے حرام ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اس لیے کہ متعہ والی عورت نہ ازواج کے حکم میں ہوتی ہے نہ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ کے تحت میں۔ یقتضی تحریم نکاح المتعة اذلیست بزوجة ولا مملوکة یمینٍ (جصاص) زناکاری اور شہوت رانی کی جتنی بھی غیر فطری صورتیں رائج ہوگئیں ہیں سب اسی کے حکم میں آجائیں گی۔ ولا یخفی ان کل ما یدخل فی العموم تفید الأیة حرمة متعة علیٰ ابلغ وجهٍ (روح) یعنی ان ساری حرکتوں کے کرنے والے نافرمان مجرم ہیں۔ الْعٰدُوْنَ یعنی بڑے شدید نافرمان۔ الکاملون فی العدوان والمتناھون فیه (روح) ف۶ "اپنی امانتوں" سے مراد اپنی سپردگی میں لی ہوئی امانتیں ہیں۔ عَهْدِهِمْ۔ عہد کے تحت میں حقوق اللہ حقوق العباد ہر قسم سے متعلق عہد آ گیا۔ معاملات و عبادات کے سارے عہد اس میں شامل ہیں۔ ف۷ ابھی مومنین و مفلحین کی صفات حسنہ کا آغاز خشوع نماز کے ذکر سے کیا تھا۔ اختتام بھی نماز ہی کی محافظت و مداومت پر کیا — مقام عبرت ہے کہ جس امت کو انفرادی و اجتماعی ہر حیثیت سے فلاح کے لیے نماز کی اس قدر تاکید ہو رہی ہے وہ نماز ہی کی طرف سے اس غفلت میں پڑ جائے!

الجزء ۱۸

آیاتہا ۱۱۸ ۲۳ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ ۷۴ رکوعاتہا ۶

اس کی ۱۱۸ آیتیں سورۂ مومنون مکی ہے اور ۶ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ

یقیناً (وہ) مومنین فلاح پا گئے ف۱ جو اپنی نماز میں

خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾

خشوع رکھنے والے ہیں ف۲ اور جو لغو (بات) سے برکنار رہنے والے ہیں ف۳

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ

اور جو (اپنا) تزکیہ کرنے والے ہیں ف۴ اور جو

لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ

اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھنے والے ہیں۔ ہاں البتہ اپنی بیویوں

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾

اور باندیوں سے نہیں کہ (اس صورت میں) ان پر کوئی الزام نہیں

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾

ہاں جو کوئی اس کے علاوہ کا طلب گار ہوگا، سو ایسے ہی لوگ تو حد سے نکل جانے والے ہیں ف۵

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھنے والے ہیں ف۶

وقف لازم

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ

اور جو اپنی نمازوں کی پابندی رکھنے والے ہیں ف۷ (بس) یہی لوگ

هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ⑩ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ

وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے اور اس میں

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑪ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ

(ہمیشہ ہمیش) رہیں گے و۸ اور بالیقین ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے

مِّنْ طِيْنٍ ⑫ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ⑬

پیدا کیا و۹ پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا ایک محفوظ مقام میں

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً

پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر ہم نے خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنا دیا

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ

پھر ہم نے بوٹی کو ہڈی بنا دیا پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا و۱۰

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ

پھر ہم نے اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا و۱۱ کیسی شان والا ہے اللہ تمام صناعوں

الْخٰلِقِيْنَ ⑭ ؕ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ⑮ ؕ ثُمَّ

سے بڑھ کر و۱۲ پھر تم اس (سب) کے بعد ضرور ہی مر کر رہو گے پھر

اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ⑯ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ

تم قیامت کے دن از سر نو اٹھائے جاؤ گے و۱۳ اور ہم نے تمہارے اوپر

سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ⑰

سات آسمان بنائے اور ہم مخلوق کے باب میں بے خبر نہ تھے و۱۴

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي

اور ہم نے آسمان سے اندازہ کے ساتھ پانی برسایا پھر ہم نے اسے زمین میں

و۸ وارث ہونے کے معنی ہیں کہ جنت پر قابض و متصرف ہوں گے اور گویا اس کے مالک ہو جائیں گے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ جو حصر ہے وہ باعتبار استحقاق فردوس کے ہے جو بحسب احادیث جنت کا اعلیٰ درجہ ہے۔ ورنہ نفس جنت مطلق مومنین کے لیے عام ہوگی گو صفات مذکورہ میں کمی ہو"۔ و۹ مٹی کا خلاصہ یعنی غذا۔ غذائے نباتی کا مٹی سے اگنا اور پیدا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اور غذائے حیوانی کا آخری ماخذ بھی جا کر نباتات کے واسطہ سے مٹی ہی ٹھہرتی ہے۔ و۱۰ (جس سے وہ ہڈیاں ڈھک گئیں اور ڈھانچہ پر جلد چڑھ گئی) فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ یعنی رحم مادر میں۔ رحم کی مضبوطی اور محفوظیت پر تشریح الابدان کی کتابیں گواہ ہیں۔ فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا۔ یعنی بوٹی کے بعض اجزاء کو ہڈیوں میں تبدیل کر دیا۔ خلقت انسانی کے ان مراتب کی تفصیل طب قدیم و جدید کی کتابوں میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ و۱۱ (روح انسانی ڈال کر اور حالات سابق سے بالکل ممتاز بنا کر) جمادیت و نباتیت کا ذکر نہیں، حیوانیت بلکہ حیوانیت اعلیٰ سے بھی انسان جس قدر ممتاز و بلند ہے اس کی شرح کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ کچھ مختصر حوالے انگریزی تفسیر القرآن میں ملیں گے۔ یہ خَلْقًا اٰخَرَ ہی وہ چیز ہے جہاں تک ڈارون غریب اور اس کے پیروؤں کی نظر نہ پہنچ سکی اور یہ لوگ انسان کو ایک ترقی یافتہ حیوان ہی سمجھتے رہے۔ خَلْقًا اٰخَرَ کی تفسیر صحابہ اور تابعین کے کلام میں روح سے آئی ہے۔ قال ابن عباس والشعبی و ابو العالیة والضحاک و ابن زید هو نفخ الروح فیه (بحر) و۱۲ (جس کی قدرت اور صناعی تک کسی بڑے سے بڑے بھی صناع کی رسائی ممکن نہیں) دوسرے صناعوں کی قدرت صرف ترکیب و تحلیل تک محدود ہے۔ آفرینش جس چیز کا نام ہے یہ خاص اللہ ہی کا حصہ ہے۔ خلق عربی میں ایک تو ایجاد و ابداع یعنی نیست سے ہست کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اور اس معنی میں یہ اللہ کا وصف خصوصی ہے اور اسی معنی میں قرآن میں آیا ہے افمن یخلق کمن لا یخلق۔ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے؟ خالقین یہاں صانعین کے معنی میں ہے۔ اے احسن الصانعین (ابن جریر عن مجاہد) اور عربی میں ہر صانع کو خالق بھی کہا جاتا ہے۔ العرب تسمّی کل صانعٍ خالقًا (ابن جریر) اور آگے سند میں زہیر کا کلام پیش کیا ہے۔ و۱۳ یہاں ایجاد یا ابداع اور افناء یا اہلاک اور احیاء تینوں مراتب کا بیان آ گیا۔ و۱۴ (کہ اناڑیوں کی طرح مخلوق کی ضرورتوں اور حکمتوں مصلحتوں کو نظر انداز کر جائیں) طَرَآئِقَ۔ طریقة کے لفظی معنی راستہ کے ہیں۔ مجازاً مراد یہاں آسمانوں سے لی گئی ہے۔ یعنی السمٰوٰت السبع (ابن کثیر عن مجاہد) الطرائق السمٰوٰت (ابن جریر عن ابن زید) اور بعض نے براہ راست ہی اس کے معنی آسمانوں کے لئے ہیں اور کہا ہے کہ جو چیز کسی چیز کے اوپر ہوتی ہے وہ بھی عربی میں طریقة ہی کہلاتی ہے۔ الطرائق السمٰوٰت لانه طوارق والعرب تسمّی کل شیءٍ فوق شیءٍ طریقة (ابن جریر) یا آسمانوں کو طرائق سے یہاں اس لئے تعبیر کیا گیا کہ ان میں فرشتوں کی آمد و رفت اور ستاروں کی گردش کے لئے راہیں اور راستے ہیں۔ بعضها فوق بعض (کشاف) اولانها طرق الملائکة وقیل الافلاک لانها طرائق الکواکب فیها مسیرها (کشاف)

الْاَرْضِ ۖ وَ اِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ۚ فَاَنْشَاْنَا

ٹھہرایا اور ہم اس کے معدوم کرنے پر بھی قادر ہیں و۱۵ پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے

لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِیْهَا

تمہارے لئے کھجوروں کے اور انگوروں کے باغ اگائے ان میں تمہارے لئے

فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ۙ وَ شَجَرَةً

بہت سے میوے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو و۱۶ اور ایک اور درخت بھی (پیدا کیا)

تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ

جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے وہ اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے

لِّلْاٰكِلِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ

سالن لئے ہوئے و۱۷ اور تمہارے لئے غور کا موقع مویشیوں میں ہے ہم تمہیں پینے کو دیتے ہیں

مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا

ان کے جوف میں کی چیز کو اور تمہارے لئے ان میں بہت سے فائدے ہیں و۱۸ اور ان میں سے (بعض کو)

تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ۙ وَ عَلَیْهَا وَ عَلَی الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ۧ وَ لَقَدْ

تم کھاتے بھی ہو اور ان پر اور کشتی پر سوار پھرتے ہو و۱۹ اور بے شک

اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

ہم نے نوحؑ کو بھیجا ان کی قوم کی طرف سو انہوں نے کہا اے میری قوم والو اللہ ہی کی عبادت کرو

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا

اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں تو کیا تم ڈرتے نہیں؟ و۲۰ تو ان کی قوم میں

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ

جو کافر رئیس تھے وہ کہنے لگے و۲۱ کہ یہ (شخص) اور ہے کیا بجز اس کے کہ تمہارا ہی جیسا انسان ہے و۲۲

وقف لازم

ع ۲

و۱۵ ان سب افعال تکوینی کی خالق تنہا وہی ذات واحد ہے۔ اندر دیوتا یا کوئی اور دیوی دیوتا اس کے شریک نہیں۔ بِقَدَرٍ یعنی مقدار معین ومناسب میں اور وقت مناسب پر۔ و۱۶ (بعض کو خشک کر کے بطور غذا کے) فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ۔ بہت سے پھل تر وتازہ کھائے جاتے ہیں۔ یہاں یہ بتایا کہ یہ عمل تکوینی بھی تمامتر حق تعالیٰ ہی کا ہے۔ کھیت پات رزق کا دیوتا کوئی الگ نہیں۔ نَخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ۔ کھجور کی اہمیت اور اس لئے اس کے ذکر کی تخصیص اہل عرب کے لئے بالکل ظاہر ہے۔ انگور بھی عرب کے بعض حصوں کا خاص میوہ ہے۔ ملاحظہ ہو بقرہ (پ۳) آیت ۲۶۶ کا حاشیہ۔ و۱۷ یہاں کسی درخت کے نام کی تصریح نہیں لیکن سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد زیتون ہے۔ والمراد به هنا الزيت (روح) زیتون خاص پیداوار ہے ملک فلسطین اور اس سے ملحق جزیرہ نما سیناء کی۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۱۸ روغن زیتون کے فوائد غذائی بھی اور خارجی استعمال میں بھی طب قدیم وجدید دونوں کو مسلم ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ زیتون کا ذکر توریت وانجیل دونوں میں بھی بار بار آیا ہے۔ مثلاً استثناء ۸:۸۔ قاضیون ۹:۸۔ متی ۶:۷۔ اور ۲۵:۳۔ لوقا ۱۰:۳۴۔ و۱۹ جمادات ونباتات کی طرح چوپائے جانور اور مویشی بھی انسان کی خدمت ہی کے لئے ہیں۔ انہیں اپنا معبود یا مخدوم سمجھ لینا انسان کی انتہائی پستی اور ناسمجھی ہے۔ الْاَنْعَامِ پر حاشیے سورۂ انعام پ۸ اور سورۂ النحل پ۱۴ میں گزر چکے۔ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا۔ مراد دودھ کا ہونا ظاہر ہی ہے۔ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ كَثِیْرَةٌ۔ علاوہ غذائی مصرف کے۔ گائے بیل کی کھال۔ بھیڑی کی اون، بعض جانوروں کے سینگ وغیرہ یہ سب انسانوں کے کام کی چیزیں ہیں اور جانوروں کی تجارت ایک بڑی نفع بخش تجارت۔ وَ عَلَی الْفُلْكِ۔ بحری سواریاں جتنی بھی ایجاد ہوں سب فُلک کے تحت میں آجائیں گی۔ و۲۰ (دوسروں کو شریک خدائی بنانے سے) حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے قوم کے معاملات پر حواشی سورۃ الاعراف پ۸ میں گزر چکے۔ و۲۱ (اپنی قوم کی عام پبلک سے) و۲۲ (اور جب خالی خولی انسان ہی ہے تو پھر خدا کا اوتار یا دیوتا وغیرہ کیسے ہوسکتا ہے) مشرک قوموں کی بنیادی غلطی بھی عقیدۂ رسالت میں گمراہی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انسان کی ہدایت کے لئے جب کوئی آئے گا وہ یا تو خود خدا ہوگا بہ شکل انسان، اور یا کوئی دیوتا۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے اس بنیادی گمراہی پر ضرب لگائی اور بار بار اعلان کیا کہ رسول تو محض بشر ہی ہوتا ہے مع تائید وحی کے۔ بجز دولت وحی کے کوئی شے بھی اس میں عام انسانوں سے زائد نہیں ہوتی۔ اہل توحید کو اور مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والوں کو یہ بات بالکل موٹی سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن مشرکوں کی سمجھ میں اتنی بات بھی نہیں آتی۔

يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ

چاہتا ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے اور اگر خدا (یہی) چاہتا تو وہ فرشتوں کو

مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۚ ﴿۲۴﴾ اِنْ

بھیجتا ہم نے یہ بات اپنے پہلے بڑوں سے تو سنی ہی نہیں ف۲۳ بس

هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾

یہ ایک آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے سو ایک خاص وقت تک انتظار کرو ف۲۴

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ

(نوح نے) عرض کیا اے میرے پروردگار میرا بدلہ لے کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا ف۲۵ پس ہم نے ان کے پاس حکم بھیجا

اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ

کہ کشتی ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے تیار کرو پھر جب ہمارا حکم (عذاب)

اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ

آ پہنچے گا۔ اور زمین سے پانی ابلنا شروع ہو جائے تو ہر قسم کے (جانوروں میں سے)

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ

دو دو عدد اس میں رکھ لو اور اپنے گھر والوں کو بھی اس میں (سوار کر لو) بجز اس کے جس پر ان میں سے حکم (غرق) نازل

مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ

ہو چکا ہے ف۲۶ اور مجھ سے ظالموں (کی نجات) کے بارہ میں کچھ نہ کہنا بے شک وہ سب

مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ

غرق ہو کر رہیں گے ف۲۷ پھر جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی پر

عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ

بیٹھ چکیں تو کہنا کہ (ساری) حمد ہے اللہ کے لئے جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے

ف۲۳ یعنی کیسی انوکھی اس شخص کی دعوت ہے۔ دیوی دیوتا جنہیں ہم اور ہمارے
باپ دادا ہمیشہ سے مانتے چلے آئے ہیں۔ ان کا یہ شخص منکر ہے۔ اور سب سے
نرالی بات یہ کہہ رہا ہے کہ معبود بس خالی ایک ہی ہے!۔۔۔ منکرین دعوت پیغمبر ہر
دور میں اپنے زمانہ کے نہایت جمود پسند (کنسرویٹو) قسم کے لوگ ہوا کئے ہیں۔
یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْکُمْ۔ برتری سے مراد دنیوی یعنی جاہ وریاست کی برتری
مراد ہے۔۔۔ بد بخت منکروں نے ہمیشہ اپنے ظرف وطینت پر قیاس کر کے
پیمبروں کی نیت سے بدگمانی کی ہے اور انہیں اپنا ہی جیسا طالب دنیا فرض کیا
ہے۔ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً یعنی خدا کو ہماری اصلاح وہدایت ہی اگر منظور
ہوتی تو اس غرض کے لئے کوئی فوق البشر ہستی نازل کی جاتی۔ کوئی دیوی دیوتا
آتے، کوئی اوتار ظاہر ہوتے۔ ف۲۴ (جب یہ خود ہی ایک وقت پر پہنچ کر ختم ہو
جائے گا) بِهٖ جِنَّةٌ۔ یعنی اسے جنون ہو گیا ہے۔ یا یہ آسیب زدہ ہے۔ ف۲۵
پیغمبروں کا صبر بھی آخر غیر محدود نہیں ہوتا۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے پیام حق
کی برابر تکذیب ہی ہو رہی ہے تو ایک مدت مدید کے بعد آخر ان کا پیمانہ صبر بھی
لبریز ہو جاتا ہے۔ اور وہ نصرت الٰہی کے اسی دنیا میں عملی ظہور کی دعا کرنے لگتے
ہیں۔ ف۲۶ (اس کے کفر کے پاداش میں) کافر نافرمان کے لئے کوئی گنجائش
نجات ومغفرت کی نہیں۔ خواہ وہ نبی کا عزیز قریب ہی ہو۔ مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ
اثْنَيْنِ یعنی ایسے جانوروں میں سے جو کام آنے والے ہوں دو دو عدد۔ نوح۔
فلک۔ تنور وغیرہ پر حاشیے سورۂ ہود (پ۱۲) میں گزر چکے۔ ف۲۷ (ان کے حق
میں سعی سفارش سب لاحاصل ہے) الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا۔ اپنے حق میں ظلم کرنے
والے یعنی کافر۔ محاورۂ قرآنی میں یہ استعمال عام ہے۔ ای فی الذین کفروا
(ابن جریر)

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۲۸ وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا

نجات دی ف۲۸ اور کہنا کہ اے میرے پروردگار مجھے برکت کا اتارنا

مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝۲۹ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

اتاریو اور تو سب اتارنے والوں سے اچھا ہے ف۲۹ اس (سارے واقعہ) میں (بہت سی) نشانیاں ہیں

وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۝۳۰ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ

اور ہم آزماتے ہی رہتے ہیں ف۳۰ پھر ہم نے دوسرا گروہ ان کے

قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۳۱ ج فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

بعد پیدا کیا پھر ہم نے ان کی طرف ایک پیغمبر کو انہیں میں سے بھیجا (یہ پیام دے کر)

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط اَفَلَا

کہ اللہ ہی کی پرستش کرو تمہارا کوئی معبود اس کے سوا نہیں سو کیا تم

تَتَّقُوْنَ ۝۳۲ ع وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ڈرتے نہیں ہو! ف۳۱ ان کی قوم میں جو سردار تھے اور جو کافر

وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لا

اور آخرت کے آنے کے جھٹلانے والے تھے اور ہم نے انہیں دنیا کی زندگی میں عیش بھی دے رکھا تھا ف۳۲

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لا يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ

وہ بولے کہ یہ تو بس تمہارے ہی طرح کے ایک آدمی ہیں وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو

وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝۳۳ صلے وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ

اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو ف۳۳ اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے بشر کی راہ قبول کر لی

اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝۳۴ لا اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ

تو تم تو نرے گھاٹے ہی میں رہے ف۳۴ یہ (شخص) تم سے یہی کہتا ہے نا کہ جب تم مر جاؤ گے

ع ۲

ف۲۸ انبیاء و مومنین کو ایک ایک ادب کی تعلیم اللہ کی طرف سے ہوتی رہتی ہے۔ اور ہر نعمت کو اسی کی جانب منسوب کرنا سکھایا جاتا ہے۔ ف۲۹ یہ تعلیم دعا اس وقت کے لئے ہے جب کشتی خشکی پر ٹھہرنے کے قریب ہو۔ ف۳۰ (اپنے بندوں کو ایسے ایسے حوادث تکوینی کے ذریعہ سے) لَاٰيٰتٍ۔ اس سارے واقعہ کے اندر بہت سی نشانیاں حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی ہیں۔ ف۳۱ (شرک اور انجام شرک سے) مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔ یعنی قوم نوح علیہ السلام کے بعد جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ۔ یہ قوم کون سی تھی؟ عام رجحان یہ ہے کہ یہ قوم عاد یا قوم ثمود کی جانب اشارہ ہے۔ بہر حال کوئی نہ کوئی مشرک ہی قوم تھی۔ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔ سنت الٰہی یہی ہے کہ جس قوم کی ہدایت مقصود ہوتی ہے۔ اس کے لئے ہادی خود اسی قوم میں سے بھیجا جاتا ہے۔ اَنِ...... تَتَّقُوْنَ دعوت ہر نبی مرسل کی ہر زمانہ اور ہر ملک میں توحید ہی کی رہی ہے۔ ف۳۲ یہ آیت (دوسری متعدد آیات کی طرح) اس باب میں نص ہے کہ دولت و خوشحالی کفر و شرک کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے...... آج جو خامکار مصلحین اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ دنیوی اور مادی ترقیاں اسلام صحیح ہی سے پیدا ہو سکتی ہیں۔ وہ اس آیت کو اور ایسے ہی بہت سے دوسرے نصوص کو کیا کریں گے؟ ف۳۳ منکرین و مکذبین کی سب سے بڑی دلیل پہلے بھی یہی رہی ہے اور اب بھی یہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب مادی حیثیت سے ہم اور نبی یکساں ہیں۔ طبعی حاجتوں کے لحاظ سے ہم میں اس میں کوئی فرق ہی نہیں وہ ہماری ہی طرح کھاتا پیتا، چلتا پھرتا، سوتا جاگتا، لیٹتا بیٹھتا ہے تو اسے ہم نبی کیسے مان لیں؟ ”خدا کا اوتار تو وہ ہو سکتا ہے جو عجیب و غریب کرشمہ دکھائے، ہوا پر اڑے، جانوروں سے باتیں کرے، بھوک پیاس وغیرہ کی طلب سے آزاد ہو۔ غرض ہر مادی اعتبار سے انسان نہ ہو بلکہ کم از کم فوق البشر تو ضرور ہو! ف۳۴ (عقلی اور عملی نتائج کے لحاظ سے) یعنی اپنی رائے اور اپنے آزاد مشرب کو چھوڑ کر اگر تم ایک اپنے ہی جیسے انسان کی بتائی ہوئی راہ پر پڑ لیے تو اس سے بڑھ کر بیوقوفی اور کیا ہو گی؟ یہ تو بڑا نقصان عقل ہوا۔ اور پھر یہ تمہیں خدا معلوم کیسی مادی مضرتوں میں مبتلا کر دے!

وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ

اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم (پھر سے) نکالے جاؤ گے؟ بہت ہی بعید

هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

بہت ہی بعید ہے جو بات تم سے کہی جاتی ہے بس زندگی تو ہماری (یہی) دنیوی زندگی ہے

نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ

کہ ہم میں کوئی مرتا ہے اور کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم ہرگز (دوبارہ) اٹھائے جانے والے نہیں وف۳۵ یہ تو بس

اِلَّا رَجُلُ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّ مَا نَحْنُ لَهٗ

ایک انسان ہے جس نے خدا پر جھوٹ گڑھ لیا ہے اور ہم تو ہرگز اس کو

بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ

ماننے والے نہیں وف۳۶ (پیغمبر نے) کہا اے میرے پروردگار میرا بدلہ لے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا (اللہ نے) فرمایا

عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ

عنقریب یہ لوگ پچھتا کر رہیں گے چنانچہ پھر انہیں ایک سخت آواز نے

الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ

موافق وعدہ برحق کے آ پکڑا تو ہم نے ان کو خس و خاشاک بنا دیا وف۳۷ سو خدا کی مار

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا

ظالم لوگوں پر وف۳۸ پھر ہم نے ان کے بعد دوسرے گروہوں کو

اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا

پیدا کیا وف۳۹ کوئی امت اپنے مقرر وقت سے نہ پیش دستی کر سکتی ہے اور نہ وہ لوگ

يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا كُلَّمَا جَآءَ

پیچھے ہٹ سکتے ہیں وف۴۰ پھر ہم نے اپنے پیغمبروں کو متواتر بھیجا۔ جب بھی کسی امت

وف۳۵ مادیت ودہریت کا پورا فلسفہ ان سطروں میں آگیا۔ دین صحیح کے داعی کا اصلی کام انہیں خیالات وعقائد پر ضرب کاری لگانا ہے اور یہی خیالات وعقائد نام اور اصطلاحیں بدل بدل کر ہر زمانہ اور ہر ملک میں منکرین ومکذبین کی زبان سے ظاہر ہوا کئے ہیں۔ وف۳۶ خدا پر افتراء یہی کہ مثلاً خدا اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے۔ خدا اکیلا بغیر کسی شریک، سہیم ومصاحب کے ہے اس مادی زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی بھی پیش آنی ہے۔ وغیرہا۔ ملحد ومشرک قومیں ان عقائد کو تمامتر بے بنیاد سمجھتی رہتی ہیں۔ وف۳۷ یعنی ان قوموں کو ہلاک وبرباد کرنے کے بعد ان کے مسکنوں تک کو ویران کر دیا۔ بِالْحَقِّ سے مراد ہے اس صحیح وعدہ کے مطابق جو رسول سے ہو چکا تھا۔ ای بالوعد الصدق الذی وعدہ الرسول (روح) الصَّيْحَةُ سے مراد تند آندھی بھی ہو سکتی ہے، زلزلہ بھی۔ غرض عذاب کی ہر صورت۔ عَمَّا میں عن مرادف ہے بعد کا۔ عن بمعنی بعدهنا (روح) قَلِيْلٍ کو زمان قلیل کے معنی میں لیا گیا ہے۔ ای عن زمان قليل (بیضاوی) وف۳۸ ظالم سے مراد کافر ومنکر ہیں۔ بُعْدًا۔ عربی محاورہ میں یہ اسی موقع پر آتا ہے جیسے اردو میں "خدا کی مار" وف۳۹ (اور یہ مختلف امتیں بھی تکذیب انبیاء کی پاداش میں اپنے اپنے وقت پر ہلاک ہوتی رہیں) وف۴۰ (وقت ہلاکت کے لحاظ سے) یعنی جس قوم کو جس وقت ہلاک ہونا ہی تھا وہ عین وقت معین پر ہلاک ہوئی۔ نہ اس سے ذرا پہلے نہ اس سے ذرا پیچھے۔

اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا

کے پاس اس کا پیمبر آیا انہوں نے اُسے جھٹلایا سو ہم نے بھی انہیں ایک کے پیچھے ایک کو لگا دیا ف۴۱

وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور ہم نے انہیں کہانیاں بنا دیا سو خدا کی مار ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے تھے ف۴۲

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ

پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو بھیجا اپنے احکام اور کھلی دلیل

مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۠ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا

کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس سو ان لوگوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ

قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ ۚ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا

تھے ہی متکبر ف۴۳ چنانچہ وہ بولے کیا ہم اپنے ہی جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں

وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ ۚ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ

درآنحالیکہ ان کی قوم (بھی) ہمارے زیرِ حکم ہے ف۴۴ غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے سو وہ

الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ

ہلاک ہو کر رہے اور بالیقین ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تاکہ وہ لوگ

يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗٓ اٰيَةً

ہدایت پائیں ف۴۵ اور ہم نے ابن مریم اور ان کی والدہ کو ایک بڑا نشان بنایا ف۴۶

وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ ع يٰٓاَيُّهَا

اور ہم نے ان دونوں کو بلند زمین پر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل اور شاداب تھی ف۴۷ اے

الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ

پیغمبرو نفیس چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو ف۴۸ میں

ع ۱۸/۳

ف۴۱ (ہلاک ہونے میں) یعنی جوں جوں جو قوم اپنے رسول کی تکذیب کی مجرم ہوتی رہی اسی نسبت وترتیب سے وہ ہلاک وبرباد کی جاتی رہی۔ ف۴۲ یعنی وہ ایسے نیست ونابود ہوئے کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔ بس محض ان کے تذکرے اور قصے رہ گئے کہ لوگ سنیں اور عبرت حاصل کریں۔ اے صاروا یتحدث بهم وبحالهم فی الاهلاک علی سبیل التعجب والاعتبار وضرب المثل بهم (بحر) احادیث جمع ہے احدوثة کی۔ ف۴۳ قبول حق واتباع ہدایت کی راہ میں بڑا مانع یہی جذبہ خود بینی واستکبار رہا ہے۔ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۔ یعنی احکام اور معجزۂ صریح کے ساتھ۔ ف۴۴ یعنی ایک تو یہ دونوں یوں ہی محض بشر ہیں ہمارے ہی جیسے۔ کوئی فوق البشر نہیں، کوئی دیوتا نہیں اور پھر بشر بھی کیسے ایسے پست وحقیر کہ ان کی قوم کی قوم ہماری محکوم وغلام ہے۔ اسے تو آزاد کرا سکے نہیں اور چلے ہیں ہمارے سامنے پیمبری کا دعوی کرنے! شامت زدہ قوموں کی ہمیشہ یہ شامت رہی ہے کہ اصل مسئلہ پر خلوئے ذہن کے ساتھ غور ہی نہیں کرتے۔ صحیح تنقیح کو سامنے لاتے ہی نہیں، غیر متعلق اور دوسرے مسائل میں الجھ جاتے ہیں۔ وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ۔ حکمران ظاہر ہے کہ فرعون تھا نہ کہ اس کی ساری قوم۔ لیکن وہی نفسیت بشری جو آج پھیلی ہوئی ہے اس وقت بھی تھی، یعنی حکمران قوم کا ایک ایک فرد اپنے کو بھی بجائے خود حکمران سمجھ رہا تھا اور پھر یہاں تو فرعون کے ارکان دربار کا ذکر ہے۔ یہ تو بہر حال اپنے کو حاکم سمجھتے ہی۔ اور اپنی "محکوم رعایا" کے ایک ایک فرد کو ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھتے ہی۔ ف۴۵ الْكِتٰبَ سے مراد ظاہر ہے کہ توریت ہے اور ذکر اب فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد اسرائیلیوں کا ہو رہا ہے۔ لَعَلَّهُمْ۔ ضمیر جمع غائب اسرائیلیوں یا قوم موسیٰ کی جانب ہے، نہ کہ قوم فرعون کی۔ ولا یجوز عود الضمیر الی فرعون وقومه (بیضاوی) ف۴۶ (اپنی قدرت وصنعت کا، مثلاً یہی کہ عیسیٰ مسیح کو باپ کے بلا توسط پیدا کر دیا) اٰيَةً۔ کی تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے۔ اور بڑا نشان محاورۂ قرآنی میں وہ ہے جو معمولات عام سے ہٹ کر ہو۔ امام رازی علیہ الرحمہ سے فرمایا کہ مریم وابن مریم دو ہستیوں کا ذکر لا کر قیاس یہ چاہتا تھا کہ اٰيَةً (واحد) کے بجائے صیغۂ تثنیہ ایتین استعمال ہوتا۔ لیکن قرآن مجید نے صیغۂ واحد لا کر ادھر اشارہ کر دیا کہ حضرت عیسیٰ کے معجزات مراد نہیں، بلکہ کسی ایک ایسے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جس میں حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ دونوں شریک ہیں اور ایسا عجیب وغریب واقعہ بجز ان کی بے باپ کی ولادت کے اور کوئی نہیں۔ سلسلۂ اسرائیلی کے انبیاء کا ذکر یہاں صرف دو بڑے پیغمبروں پر ختم کر دیا۔ ایک وہ جو اس امت کے لئے کتاب احکام ودستور شریعت لیکر آیا۔ دوسرا جو اس سلسلہ کا خاتم ہوا۔ ف۴۷ یہ مقام کون سا تھا؟ اور واقعہ کب کا ہے؟ بعض اہل تفسیر ادھر گئے ہیں کہ یہ ذکر حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وقت کا ہے۔ اس وقت حضرت مریم علیہا السلام کسی بلند ٹیلہ پر مقیم تھیں۔ اور نیچے چشمہ بہ رہا تھا جیسا کہ سورۂ مریم میں ہے۔ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا۔ ابن کثیر نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ لیکن اکثر محققین کی رائے میں اس سے مراد ملک مصر ہے اور آیت کا تعلق ایک دوسرے قصہ سے ہے حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے زمانہ میں ملک شام کا حاکم ہیرودیس (HEROD) تھا۔ اور وہ نجوم وکہانت کے عروج کا زمانہ تھا۔ انجیل کی روایت ہے کہ اسے نجومیوں سے یہ پتہ چلا کہ اسرائیلیوں کا آیندہ بادشاہ ایک گھر میں تولد ہو گیا ہے۔ اور وہ گھر حضرت مریم کے شوہر یوسف نجار کا تھا۔ اس نے چاہا کہ اس بچہ کو پکڑ کر قتل کر ڈالے اور آیندہ کے لئے اندیشہ ہی باقی نہ رہے۔ یوسف اس کے قبل ہی غیبی اطلاع پا کر مع حضرت مریم وعیسیٰ علیہما السلام کے وطن چھوڑ کر مصر کے لئے روانہ ہو گئے۔ "خداوند کے فرشتہ نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ اٹھ بچہ اور اس کی ماں کو ساتھ لیکر مصر کو بھاگ جا۔ اور جب تک میں تجھ سے نہ کہوں وہیں رہنا۔ کیونکہ ہیرودیس اس بچہ کو تلاش کرنے کو ہے تاکہ اسے ہلاک کر دے پس وہ اٹھا اور رات کے وقت بچہ اور اس کی ماں کو ساتھ لیکر مصر کو روانہ ہو گیا۔ اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا۔" (متی ۲: ۱۳، ۱۴) اٰوَيْنٰهُمَا سے بھی اشارہ یہی نکلتا ہے کہ موقع کوئی خطرہ کا تھا جس سے مریم کو بچایا گیا۔ اور مفسرین کا بھی ایک بڑا گروہ اسی طرف گیا ہے۔ لیس الربی الا بمصر (ابن کثیر۔ عن ابن زید) وروی عن وهب بن منبه نحو هذا (ابن کثیر) قال الکلبی وابن زید هی بمصر (کبیر) رَبْوَةٍ کے لفظی معنی ٹیلہ یا بلند زمین کے ہیں۔ هی الارض المرتفعة (کشاف) هی ما ارتفع من الجبل دون الارض (روح) دوسرے مقامات مثلاً دمشق، رملہ، ایلیاء، بیت المقدس وغیرہ کے نام بھی نقل ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ف۴۸ اور پیمبروں ہی کے ضمن میں حکم ان کی امتوں کا بھی آ گیا۔ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ۔ میں ذکر تکوینی نعمت کا ہے۔ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا میں حکم تشریعی ہے۔ نفیس ولذیذ چیزوں سے مراد ظاہر ہے کہ صرف حلال غذائیں ہیں۔ حرام غذا میں اگر لذت ہے بھی تو محض عارضی وفوری، جس پر حقیقۃً لذت کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت میں رہبانیت کا بھی ابطال ہے جس میں بعض غالی مبتلا ہیں۔

بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۵۱﴾ وَإِنَّ هٰذِهٖٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً

خوب جانتا ہوں تمہارے کئے ہوئے کاموں کو اور یہی تمہارا طریقہ ہے کہ وہ ایک ہی

وَّاحِدَةً وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوٓا أَمْرَهُمْ

طریقہ ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں سو مجھی سے ڈرتے رہو ف۴۹ پر ان (کی امتوں) نے دین میں اپنا طریقہ الگ الگ

بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۗ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿۵۳﴾

پیدا کر لیا ہر گروہ کے پاس جو (دین) ہے وہ اسی میں مگن ہے ف۵۰

فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِينٍ ﴿۵۴﴾ أَيَحْسَبُونَ

سو آپ ان کو ان کی غفلت میں ایک خاص وقت تک پڑا رہنے دیجیے ف۵۱ کیا یہ لوگ یہ گمان کر رہے ہیں

أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِينَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ

کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی

فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُونَ ﴿۵۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ هُمْ

فائدے پہنچا رہے ہیں نہیں بلکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں ف۵۲ بے شبہ جو لوگ

مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِينَ هُمْ

اپنے پروردگار کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے پروردگار کی

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا

نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک

يُشْرِكُونَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوبُهُمْ

نہیں کرتے اور جو لوگ دیتے رہتے ہیں جو کچھ دیتے رہتے ہیں اور ان کے دل

وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُونَ ﴿۶۰﴾ أُولٰٓئِكَ

اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ انہیں پروردگار کے پاس واپس جانا ہے ف۵۳ یہ لوگ

ف۴۹ (اور میرے احکام کی مخالفت نہ کرو) اللہ سے ڈرنے کے معنی بس اسی قدر ہیں کہ اس کے احکام کی مخالفت پر جرات اقدام باقی نہ رہے۔ یہ معنی ہرگز نہیں کہ (نعوذ باللہ) اسے ہوّا بنا کر اس طرح ڈرا جائے، جس طرح کسی جابر حاکم یا موذی دشمن سے ڈرا جاتا ہے۔ اللہ تو محبت ومحبوبیت کی چیز ہے، دہشت ووحشت کی نہیں۔ اس کا خوف، صرف خوفِ عقلی رہنا چاہیے نہ کہ خوفِ طبعی۔ اُمَّۃً سے یہاں مراد دین یا مسلک سے ہے۔ امتکم اے ملتکم وشریعتکم (روح) امۃ واحدۃ اے بالملۃ والدین (ابن جریر۔ عن ابن جریج) دین اللہ کی طرف سے ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ ف۵۰ (اور باوجود وضوح حق کے اپنے ہی دین وطریقہ سے چمٹا ہوا ہے) ف۵۱ (اے ہمارے پیغمبر۔ اور ان کی ضد اور اصرار علی الباطل پر زیادہ غم نہ کیجئے) یہ ذکر رسول اللہ ﷺ کے معاصر کفار کا ہے۔ حَتّٰی حِیْنٍ۔ مراد وقت موت تک ہے۔ ف۵۲ یہ دھوکا عام وعالمگیر ہے۔ آج تک ہزاروں لاکھوں مذہب اسی میں مبتلا ہیں۔ تکوینی عیش وراحت کو اپنی حقانیت ومقبولیت کی دلیل سمجھ رہے ہیں! حالانکہ نظام تکوینی میں قانونِ ربوبیت کے ماتحت تو سانپوں، بچھوؤں سب ہی کی پرورش وکفالت ہوتی رہتی ہے۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ جس طرح ظاہری نعمتوں سے دھوکا نہ کھانا چاہیے اسی طرح باطنی نعمتوں (احوال ومواجید وغیرہا) پر مطمئن ومغرور نہ ہو جانا چاہیے۔ ف۵۳ (تو دیکھئے کہ ہمارے اعمال خیر قبول بھی ٹھہرتے ہیں یا نہیں) اَلَّذِیْنَ...... مُّشْفِقُوْنَ۔ خدائے نادیدہ سے ڈرتے رہتے ہیں، اور اس لئے اس کی معصیت ونافرمانی سے بھی بچتے رہتے ہیں۔ خوفِ الٰہی پر حاشیہ ابھی گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۴۹۔ اَلَّذِیْنَ...... یُشْرِکُوْنَ۔ مشرکین عرب کا اصلی مرض یہی تھا کہ اقرار الوہیت کے ساتھ ساتھ شرک بھی کیے جاتے تھے...... تنہا وجود باری کا اقرار شریعت میں اسی لئے مستند اور کافی نہیں۔ جب تک کہ نفی شرک بھی ساتھ ہی ساتھ نہ ہو۔ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا۔ ان کی یہ عطا وبخشش دین کی راہ میں، احکام الٰہی کے ماتحت ہوتی رہتی ہے۔ عارفین نے کہا ہے کہ سالک کو اپنے اعمال اور اپنے نفس پر کبھی مطمئن نہ ہونا چاہیے۔

يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَا

(البتہ) فائدے جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور وہی ان کی طرف دوڑ رہے ہیں ف۵۴ اور ہم

نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ

کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بار نہیں ڈالتے ف۵۵ اور ہمارے پاس ایک رجسٹر ہے جو ٹھیک ٹھیک بتا دے گا

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ

اور لوگوں پر ظلم ذرا نہ ہوگا ف۵۶ لیکن ان (کافروں) کے قلوب اس (دین) کی طرف سے غفلت (وجہالت) میں

هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا

پڑے ہیں اور اس کے علاوہ بھی ان کے (برے) عمل ہیں جو یہ کرتے

عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ

رہتے ہیں ف۵۷ یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیں گے

اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا

تو یہ فوراً چلا اٹھیں گے ف۵۸ اب چلاؤ مت ہماری طرف سے تمہاری مطلق

تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ

مدد نہ ہوگی ف۵۹ میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو تم

عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا

الٹے پاؤں بھاگتے تھے تکبر کرتے ہوئے قرآن کا مشغلہ بناتے ہوئے

تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ

بیہودہ بکتے ہوئے ف۶۰ کیا ان لوگوں نے (اس) کلام میں غور نہیں کیا یا (یہ بات ہے کہ) ان کے پاس وہ بات آئی جو ان

يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ

کے اگلے بڑوں کے پاس (کبھی) نہیں آئی تھی؟ ف۶۱ یا یہ لوگ اپنے رسول کو پہچان نہ سکے

ف۵۴ یعنی یہ اہل ایمان واہل تقویٰ ہی نفع حاصل کرتے ہیں، نہ کہ وہ کافر بے دین جو اپنی دنیوی کامیابیوں اور کامرانیوں پر مغرور ہو کر اپنے کو برسرِ حق سمجھ رہے ہیں۔ نسارع لھم فی الخیرات کا گمان رکھنے والوں کی تردید میں الفاظ بھی انہی کے الٹ کر لے آئے گئے ہیں۔ اَلْخَيْرٰتِ یہاں طاعات کے معنی میں ہے، اور ان کی طرف اہل ایمان ہی سبقت کرتے ہیں۔ الخیرات ھنا الطاعات یسارع الیھا اھل الایمان باللہ ویجتھدون فی السبق الیھا رغبۃً فیھا وعلماً بمالھم بھا من حسن الجزاء (جصاص) ف۵۵ (چنانچہ ایمان وتقویٰ کے جو کام ادھر بتائے گئے وہ بالکل وسعت بشری کے حدود کے اندر ہیں) ف۵۶ (بلکہ ہر ایک کی سعی پوری طرح مشکور ہوگی، اور ذرہ ذرہ ہر عمل خیر پر ثواب ملے گا) یہاں یہ بتا دیا کہ جس طرح اعمال خیر سہل ہیں، اسی طرح ان کا ثمرہ بھی یقینی اور غیر مشتبہ ہے۔ اس لئے سعی کے قابل تو بس یہی ایمانی زندگی ہے۔ كِتٰبٌ سے مراد نامۂ اعمال ہے۔ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ۔ یعنی اس میں غلطی اور سہو کا احتمال ہی نہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہی ٹھیک درج ہوگا۔ ف۵۷ جس طرح مومنین کا سرمایہ، علاوہ ان کے ایمان کے اعمال حسنہ وصالحہ ہوں گے، اسی طرح کافر علاوہ کفر کے طرح طرح کے اعمال بد میں بھی مبتلا رہا کرتے ہیں۔ ف۵۸ (اور اپنا کبر واستکبار بھول بھال، بے اختیار فریاد برپا کرنے لگیں گے اور عاجزی کے ساتھ رحم کی درخواست کرنے لگیں گے) مُتْرَفِيْهِمْ۔ یعنی ان کے بڑے بڑے لیڈر، سردار اور پیشوا جو اس وقت ہر طرح کا سامان جاہ وحشم رکھتے ہیں۔ بِالْعَذَابِ۔ عذاب سے یہاں مراد عذاب بعد الموت ہے۔ ف۵۹ یہ دار العمل نہیں دار الجزاء ہے۔ یہاں چلانا عاجزی کرنا لاحاصل ہے۔ ف۶۰ جو دار العمل تھا اس میں تو تمہاری یہ حالت تھی۔ شانِ نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ یہ فخر وناز کرنے والے قریش تھے۔ جنہیں فخر تولیت وخدمت کعبہ پر تھا۔ مشائخ محققین نے اس سے اخذ کر کے کہا ہے کہ اپنی کسی نسبت یا فضیلت اضافی پر، مثلاً یہ کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں، فلاں فلاں برکات کے حامل ہیں فخر کرنا مذموم ہے۔ ف۶۱ (یعنی کیا تکذیب کی بنیاد یہ ہے کہ وحی ورسالت کا تخیل ہی ان کے لئے نامانوس ہے۔ اور یہ آواز پہلی بار ان کے کان میں پڑ رہی ہے؟) اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ۔ یعنی اگر یہ لوگ اس کلام پر غور کرتے تو اس کے اعجاز کے قائل ہو جاتے اور تکذیب سے باز آجاتے ۔۔۔ یہاں تکذیب کا اصل باعث بے التفاتی کو ٹھہرایا ہے۔

فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ

اور اس لئے ان کے منکر رہے؟ ف۶۲ یا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہیں جنون ہے ف۶۳ نہیں بلکہ

جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ

یہ (رسول) ان کے پاس حق لے کر آئے اور ان میں سے اکثر حق (ہی) سے نفرت رکھتے ہیں ف۶۴ اور اگر

اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

(دین) حق کہیں ان لوگوں کی خواہشوں کا تابع ہو جاتا تو آسمان و زمین اور جو ان میں (آباد) ہیں

وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ

(سب) تباہ ہو جاتے ف۶۵ بلکہ ہم نے تو ان کے پاس ان کی نصیحت (ہی کی بات) بھیجی سو یہ لوگ

ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ

اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں ف۶۶ کیا آپ ان سے کچھ معاش طلب کرتے ہیں ف۶۷ سو معاش آپ کے

رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ

پروردگار کی (دی ہوئی) سب سے بہتر ہے اور وہی سب روزی دینے والوں سے بہتر ہے ف۶۸ اور یقیناً آپ تو

لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ

ان کو سیدھے راستہ کی طرف بلا رہے ہیں ف۶۹ اور یقیناً جو لوگ

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾

آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ راہ سے بھٹکنے والے ہیں ف۷۰

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ

اور اگر ہم ان پر مہربانی کر دیں اور انہیں جو تکلیف ہے اسے دور بھی کر دیں تو بھی یہ لوگ اپنی گمراہی میں

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا

بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے رہیں ف۷۱ اور بالیقین ہم نے انہیں عذاب میں بھی پکڑا لیکن

ف۶۲ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ۔ یعنی رسول کے صدق سے، دیانت سے امانت سے ناواقف تھے؟ مطلب یہ ہے کہ ان کفار معاصرین کے انکار کی ممکن وجہ یہ ہے کہ یہ آپ کی سیرت سے، آپ کے اخلاق فاضلہ سے ناواقف ہیں! ظاہر ہے کہ یہ وجہ بھی نہیں ہو سکتی۔ وہ تو آپ کی پاکیزہ سیرت کے پورے گواہ تھے۔ ف۶۳ نہیں بلکہ اس کے برعکس لوگ تو آپ کی اصابت رائے کے فہم و ذکاوت کے پوری طرح قائل تھے۔ سو اس وجہ کا بھی باطل ہونا بالکل ظاہر ہے۔ حیرت اور حیرت سے زیادہ عبرت کا مقام ہے کہ عرب کے ان جاہلین کے بالکل قدم بقدم آج یورپ کے جاہلین جدید بھی، ایک طرف آپ کے کمال حکمت و دانائی کے قائل ہیں یہاں تک کہ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی حکمت و خوش تدبیری سے قرآن نامے ایک جامع کتاب گڑھ لی، سارے ملک عرب کی بیسیوں ٹکڑیوں اور ٹولیوں کو متحد کر لیا۔ سب کو ایک دین کا پابند بنا لیا۔ بڑے بڑے پرقوت دشمنوں، مشرکین و یہود وغیرہ پر غالب آ گئے وقس علٰی ہٰذا۔ ایک طرف تو آپ کی دانائی، فرزانگی، خوش تدبیری کا اعتراف اس زور شور سے ہے اور دوسری طرف آپ کو (نعوذ باللہ) نیم مجنون و صرع زدہ بتانے پر بھی اصرار جاری ہے! ف۶۴ سو اصل وجہ ان فرض کی ہوئی وجوہ میں سے کوئی نہیں، بلکہ یہ ہے کہ انہیں حق ہی سے بیزاری ہے اور طلب حق تو ان میں کیا ہوتی، الٹی اس سے نفرت ہے۔ ف۶۵ اگر دنیا سے نظام حق ناپید ہو جائے تو پہلے تشریعی حیثیت سے اور پھر اس کے نتیجہ کے طور پر تکوینی حیثیت سے نظام عالم ہی درہم و برہم ہو جائے۔ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ۔ یہ ان منکرین کی خواہش کی طرف اشارہ ہے — ان لوگوں کا مذاق اس قدر فاسد ہو چکا تھا کہ اتباع حق کرنا الگ رہا الٹا وہ دین حق کو اپنی ترمیمات کا تختہ مشق بنانے کی فکر میں تھے۔ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ اسی طرح اہل طریق بھی مریدین کی خواہشوں کا اتباع نہیں کرتے، بلکہ صرف حکمت و مصلحت کا اتباع کرتے ہیں۔ ف۶۶ (اور اپنے نفع نقصان کی طرف سے اتنے اندھے ہو چکے ہیں) ف۶۷ (جیسا کہ اکثر جاہلی مذہبوں کے پروہت اور پجاری اپنے ماننے والوں سے طلب کیا کرتے ہیں) سوال کا مطلب یہ ہے کہ ایسے بے بنیاد وہم سے بھی تو یہ اپنی تکذیب کے لیے سہارا نہیں پا سکتے۔ ف۶۸ (تو آپ اس حقیقت سے آشنا ہو کر تو کبھی اس خیال کی طرف رخ بھی نہیں کر سکتے) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ علماء اور واعظین کو اجرت طلب کرنا ناجائز ہے۔ محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ جس کی اصلاح کی جائے اس سے مال طلب کرنا مذموم ہے اور مقصود میں مخل ہوتا ہے۔ ف۶۹ (علم، یقین و ایمان کی پوری مستحکم قوت کے ساتھ) ف۷۰ (وہ تو ہر سیدھی بات کو ٹیڑھی بنا لیں گے) ہدایت کی طلب دل میں جبھی پیدا ہوتی ہے۔ جب پہلے آخرت کا یعنی اس ''آج'' کے بعد ایک ''کل'' کے ظہور کا یقین ہو لے۔ ف۷۱ اس حد تک ان کی فطرت مسخ ہو چکی ہے اور کفر و انکار پر اتنا جمود انہیں ہو چکا ہے۔

اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰٓى إِذَا

ان لوگوں نے نہ اپنے پروردگار کے سامنے فروتنی کی اور نہ عاجزی کی ف۷۲ یہاں تک کہ جب

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ

ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت یہ بالکل

فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿۷۷﴾ ع وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ

حسرت زدہ رہ جائیں گے ف۷۳ اور وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے کان

وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ط قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ

اور آنکھیں اور دل بنائے (لیکن) تم لوگ بہت ہی کم شکریہ ادا کرتے ہو ف۷۴ اور وہ (اللہ) وہی تو ہے

الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۷۹﴾

جس نے تم کو زمین پر پھیلا رکھا ہے اور تم (سب) اسی کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے ف۷۵

وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ

اور وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے بس میں ہے رات اور دن

وَالنَّهَارِ ط أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ

کا الٹ پھیر سو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ف۷۶ نہیں بلکہ یہ لوگ ویسی ہی بات کہتے ہیں جیسے اگلے (کافر)

الْأَوَّلُونَ ﴿۸۱﴾ قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا

کہتے آئے ہیں کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے

أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هٰذَا

تو کیا ہم پھر سے اٹھائے جائیں گے؟ یہ وعدہ تو ہم سے اور ہمارے بڑوں سے پہلے ہی

مِنْ قَبْلُ إِنْ هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۸۳﴾ قُلْ

سے ہوتا آیا ہے یہ کچھ بھی نہیں ہے بجز اگلوں کی بے سند باتوں کے ف۷۷ آپ کہہ دیجیے

ف۷۲ اشارہ خصوصی معاصر معاندین رسول ﷺ کے سلسلہ میں قحط مکہ کی جانب ہے جو ۸ نبوی میں ہوا تھا۔ فَمَا اسْتَكَانُوا وَمَا يَتَضَرَّعُونَ۔ استکانت اور تضرع مرادف نہیں اول کا تعلق ظاہر سے اور ثانی کا قلب سے ہے۔ ف۷۳ (کہ یہ کیا ہو گیا اور اس وقت سارے حواس درست ہو جائیں گے) عَذَابٍ شَدِيدٍ۔ یہ عذاب شدید آخرت میں تو یقیناً ہو گا اور احتمال اس دنیا میں بھی ہے۔ ف۷۴ یعنی اتنا بھی تو نہیں کہ کم از کم ایسے قادر و منعم پر ایمان ہی لے آتے۔ ف۷۵ (قیامت میں) اس میں اشارہ ادھر آ گیا کہ اس وقت اس کفران نعمت کی حقیقت معلوم ہو گی۔ ف۷۶ (اور اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے؟) مطلب یہ ہے کہ ان ساری قوتوں کا مرجع و منبع تو وہی ایک ذات ہے یہ سب دلائل و شواہد اس کی توحید کے ہیں۔ پھر تم پر کیا حماقت سوار ہے کہ تم متفرق و متعدد دیویوں، دیوتاؤں کے قائل ہوا یُحْیِی۔ یُمِیْتُ۔ ...... لَهُ ...... وَالنَّهَارِ۔ زندہ کرنے اور رکھنے، ہلاک کرنے اور سارے تصرفات تکوینی سب اسی مالک واحد و خود مختار کے ہاتھ میں ہیں۔ ف۷۷ جزاء و سزا، حشر و نشر سے انکار کوئی بیسویں صدی کی نئی روشن خیالی نہیں یہ قدیم گمراہی تو اتنی بوڑھی ہے کہ خود ابلیس کی ہم سن ہے۔

لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٤﴾

کہ (اچھا) زمین اور اس پر جو (رہتے بستے) ہیں کس کے ہیں اگر تم جانتے ہو؟

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَنْ

یہ ضرور یہ کہیں گے کہ اللہ کے ہیں تو کہیے کہ پھر کیوں نہیں غور کرتے ہو و۷۸ آپ کہیے

رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٨٦﴾

کہ (اچھا) سات آسمانوں کا مالک اور عالی شان عرش کا مالک کون ہے؟

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٨٧﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ

تو ضرور وہ یہی جواب دیں گے کہ (یہ سب) اللہ کا ہے آپ کہیے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ و۷۹ آپ کہیے وہ کون ہے جس

مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ

کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور کوئی اس کے مقابلہ میں پناہ نہیں دے سکتا

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٨﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى

اگر تم جانتے ہو؟ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب (صفت) اللہ ہی کی ہے۔ آپ کہیے کہ پھر تمہیں کیسا

تُسْحَرُوْنَ ﴿٨٩﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٩٠﴾

خبط ہورہا ہے؟ و۸۰ اصل بات یہ ہے کہ ہم نے انہیں حق بات پہنچادی ہے اور یقیناً یہ لوگ جھوٹے ہیں

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا

اللہ نے کسی کو بھی بیٹا نہیں قرار دیا ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے اگر ایسا ہوتا تو

لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى

ہر خدا اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور (پھر) ایک دوسرے پر

بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٩١﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ

چڑھائی کرتا اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں و۸۱ وہ جاننے والا ہے پوشیدہ

و۷۸ (اور کیوں نہیں یہ شرک سے دستبردار ہو جاتے ہیں) اللہ یعنی ایک رب الارباب کے وجود سے انکار کر کے چند خداؤں کا ماننا دنیا میں شاذ و نادر ہی رہا ہے۔ ورنہ عموماً شرک کے معنی تو بس یہ رہے ہیں کہ ایک طرف اقرار ایک رب الارباب کا بھی جاری ہے اور دوسری طرف کائنات کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کر کے ایک ایک شعبہ کا ایک ایک مستقل خدا یا دیوتا مانا جاتا رہا ہے۔ زمین کا دیوتا الگ۔ آسمان کا الگ۔ ہوا کا دیوتا الگ۔ پانی کا دیوتا الگ۔ وقس علیٰ ہذا۔ قرآن گرفت اسی عام و عالمگیر مشرکانہ ذہنیت پر کر رہا ہے۔ و۷۹ (اور اس کی قدرت کامل اور توحید کا انکار کیے جاتے ہو!) جاہلی مذہبوں میں ایک بڑی جہالت یہ پھیلی رہی ہے کہ توحید کے اجمالی اقرار و اعتراف کے بعد بھی مقتضیات توحید و مطالبات توحید پر ذرا سا بھی غور و توجہ کیے بغیر شرک بھی ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے۔ و۸۰ (کہ مقدمات توحید تو تمہیں سب تسلیم ہیں اور اس کے قدرتی اور پھر لازمی نتیجہ سے نکلے جاتے ہو!) وَهُوَ يُجِيْرُ۔ یعنی وہ جسے چاہتا ہے اپنی پناہ میں لے آتا ہے۔ و۸۱ مشرک قوموں کی خرافی روایات (میتھالوجی) ان قصوں سے بھری پڑی ہیں کہ فلاں دیوتا اور فلاں دیوتا میں یوں جنگ ہوئی۔ اُس نے اس پر یوں چڑھائی کی۔ وہ اس پر یوں غالب آیا۔ قرآن نے ایک مختصر سے بلیغ فقرہ میں ان لوگوں کی دیومالا کا گویا ست کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ۔ اللہ کے نہ کوئی بیٹا ہے۔ جیسا کہ بدنصیب مسیحیوں نے سمجھ رکھا ہے۔ اور نہ اس کے کوئی بیٹی ہے جیسا کہ بدبخت مشرکوں نے گڑھ لیا ہے۔ وَ مَا كَانَ...... بَعْضٍ۔ استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر معبودوں میں تعدد ہوتا تو یہ نظام عالم پارہ پارہ ہو کر رہ جاتا۔ لیکن ایسا نہ ہونا بدیہی ہے اس لیے اس مفروضہ پر جمے رہنا گویا بداہت کا انکار کیے جانا ہے۔

وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ قُلْ رَّبِّ اِمَّا

اور ظاہر کا غرض ان لوگوں کے شرک سے بالاتر ہے آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار اگر آپ

تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ

مجھے وہ (عذاب) دکھادیں جس کا وعدہ ان سے کیا جارہا ہے تو اے میرے پروردگار مجھے ان ظالم لوگوں میں

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَ اِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ

شامل نہ کیجیو و۸۲ اور ہم بے شک اس پر قادر ہیں کہ ہم جو وعدہ ان سے کر رہے ہیں

لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ

وہ آپ کو بھی دکھادیں و۸۳ (ان کی) بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کیجیے جو بہت ہی اچھا ہو و۸۴

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ

ہم خوب جانتے ہیں جو یہ (آپ کی نسبت) کہا کرتے ہیں و۸۵ اور آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں

مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ

شیطانوں کے وسوسوں سے و۸۶ اور اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ (یعنی شیطان) میرے پاس

يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ

بھی آئیں و۸۷ (یہ کافر اپنی بکواس سے باز نہیں آتے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آ کھڑی ہوتی ہے و۸۸ (اس

رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ

وقت) کہتا ہے کہ میرے پروردگار مجھے پھر واپس بھیج دیجئے تاکہ جس (دنیا) کو چھوڑ کر آیا ہوں اس میں (پھر جا کر) نیک کام کروں۔

كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ

ہرگز نہیں یہ ایک بات ہی ہے جسے وہ کہے جا رہا ہے و۸۹ اور ان کے آگے ایک آڑ ہے

اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ

(ان کے) دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک و۹۰ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اس روز نہ ان کے درمیان

و۸۲ یہ تعلیم ہے دعاو آداب دعا کی۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مومن کو اللہ سے یہی دعا کرتے رہنا چاہیے کہ ”ارد گرد کی پھیلی ہوئی برائیوں سے جب عذاب نازل ہونے لگے تو مجھے محفوظ و مستثنیٰ کر دیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں میں بھی اسی لپیٹ میں آ جاؤں۔“ اور یہ مقام ہے کمال عبدیت کا۔ پیمبر یہاں محض واسطہ ہیں۔ مقصود امت کو تعلیم دینا ہے۔ ظاہر ہے کہ پیمبر کے لیے محل عذاب ہونے کا تو احتمال بھی نہیں۔ ”دعا اس وجہ سے نہیں ہے کہ (نعوذ باللہ) ایسا امر محتمل ہے بلکہ اظہار ہے تہویل عذاب کا کہ جو محل اس کا محتمل ہی نہیں ہے، جب وہاں امر ہے استعاذہ کا۔ تو جو مستحق ہیں ان کو تو بہت ہی ڈرنا چاہیے۔ اور صحت سوال موقوف نہیں احتمال وقوع پر، بلکہ مقدوریت بھی کافی ہے“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) و۸۳ یعنی اللہ تو اس پر بھی قادر ہے کہ آپ کی زندگی ہی میں عذاب ان پر لے آئے۔ و۸۴ (اور ان کی شرارتوں، خباثتوں کا انتقام اپنی طرف سے نہ لیجیے کیا عجب کہ دعوت و اصلاح کے حق میں آپ کی یہی بے نفسی مفید ہو جائے) انتقام اپنے نفس کے لیے بھی لینا بالکل جائز ہے۔ لیکن پیمبر کا مقام رخصت کا نہیں عزیمت کا ہوتا ہے اسے تعلیم اسی بلند مقام پر رہنے کی دی گئی ہے۔ یہ حکم اس وقت تک کے لیے ہے جب تک عذاب موعود نہ آئے۔ جہاد و قتال کا حکم، حقوق دین کے تحفظ کے لیے ہے اور یہ نرمی کی تعلیم حقوق نفس کے سلسلہ میں ہے۔ دونوں کا فرق خوب ملحوظ رہے۔ و۸۵ (بس اس کا استحضار رہے۔ تو آپ کو انتقام لینے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے ہم خود ہی ہر سزا کے لیے کافی ہیں) و۸۶ (کہ میں ان کافروں سے خلاف مصلحت مقابلہ پر آمادہ ہو جاؤں) پیمبر کے لیے اس کا تو احتمال ہی نہیں کہ شیطان انہیں کسی معصیت پر لا سکتا ہے۔ بس یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی ترغیبات سے کسی امر خلاف مصلحت پر آمادہ کر دے۔ یہاں اس سے بھی پناہ مانگنے کی دعا ارشاد ہوگئی ہے۔ عارفین نے کہا ہے کہ وسوسوں کا امکان جب منتہیوں کے لیے ہے تو مبتدی کہاں بچ سکتے ہیں۔ و۸۷ وسوسہ ڈالنا الگ رہا شیطان تو پیغمبر کے پاس بھی نہیں پھٹکنے پاتے۔ اور یہی حاصل ہے اس دعاء استعاذہ کا۔ و۸۸ حَتّٰٓى۔ اظہار غایت کے لیے ہے۔ یہاں اس کا تعلق يَصِفُوْنَ سے ہے۔ درمیانی آیت بہ طور جملہ معترضہ کے ہے۔ يتعلق بيصفون اے لايزالون على سوء الذكر الى هذا الوقت والأية فاصلة بينهما على وجه الاعتراض والتاكيد للاغضاء منهم (کشاف) و۸۹ اس بدبخت کی یہ تمنا ہرگز پوری نہ ہوگی اور نہ اسے پورا ہونا چاہیے تھا۔ دنیا میں اس پر شامت اسی بنا پر سوار رہی کہ وہ غیب کو بھول گیا۔ یہی غیبیت جب پھر اس پر طاری ہوگی تو پھر وہ آخرت و احکام آخرت کو اسی طرح بھول جائے گا۔ ارْجِعُوْنِ۔ صیغہ جمع کا ہے۔ واحد کے لیے یہ جمع تعظیمی ہے۔ خطاب الله بلفظ الجمع للتعظيم (کشاف) و۹۰ موت کے بعد روح انسانی ایک درمیانی عالم میں رہتی ہے۔ اور وقت حشر تک رہے گی۔ اسی کا اصطلاحی نام عالم برزخ ہے۔

بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ

رشتے ناطے رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا ف۹۱ البتہ جس کسی کا پلہ

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَ مَنْ خَفَّتْ

بھاری ہو گا تو ایسے ہی لوگ تو کامیاب ہوں گے ف۹۲ اور جس کسی کا پلہ

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ

ہلکا ہو گا سو یہ لوگ وہ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا اور

جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَ هُمْ

جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے ان کے چہروں کو آگ جھلستی ہو گی اور اس میں ان کے منہ

فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

بگڑے ہوئے ہوں گے کیوں کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں

فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٠٥﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا

جنہیں جھٹلایا کرتے تھے؟ ف۹۳ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہماری بدبختی نے ہم

شِقْوَتُنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

کو گھیر لیا تھا اور ہم گمراہ لوگ تھے اے ہمارے پروردگار ہم کو اس (جہنم) سے

مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا

نکال دے اب اگر ہم پھر ایسا کریں تو بے شک ہم (پورے) قصوروار ہوں گے ف۹۴ ارشاد ہو گا دھتکارے ہوئے اسی میں

وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿١٠٨﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ

پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو ایک گروہ ایسا بھی تو میرے بندوں میں سے تھا

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَ اَنْتَ

جو (ہم سے) کہا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو تو

ف۹۱ جب قیامت واقع ہوگی تو اس کا ہول اور عذاب اور بھی شدید تر ہوگا۔ اس
روز دنیا کے رشتے ناطے، دوستی، تعارف کچھ کام نہ آئے گا۔ بعض محققین صوفیہ نے
ہا ہے کہ یہ وعید کافروں کے حق میں ہے اور وعید سے متعلق یہ قاعدہ مقرر ہو چکا
ہے کہ مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے۔ اس لیے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اہلِ ایمان کو نسبت
نے اپنے بزرگوں کے ساتھ نافع ہوگی۔ انشاء اللہ۔ ف۹۲ اس روز کام آنے
لی چیز صرف ایمان ہوگی۔ اور اہلِ ایمان کی شناخت یہ ہوگی کہ ان کے عقائد و
مال کا پلہ میزانِ عدل میں بھاری ہوگا۔ ف۹۳ یہ ان دوزخیوں سے اللہ تعالیٰ
واسطہ یا بہ واسطہ ارشاد کرے گا۔ ف۹۴ (اس وقت ہمیں سزا دے لیتا۔ لیکن
ب تو چھوڑ ہی دے) وہاں پہنچ کر بڑے سے بڑا منکر اور مکذب بھی اقرار و
عتراف وندامت وحسرت پر اپنے کو مجبور پائے گا۔

خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى

سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر ہے تو تم نے انہیں تمسخر پر رکھ لیا تھا یہاں تک کہ

اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿١١٠﴾ اِنِّيْ

(اس مشغلہ نے) تم کو ہماری یاد بھی بھلا دی اور تم ان سے ہنسی کرتے رہے ؈٩٥ میں نے

جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿١١١﴾

آج ان کو ان کے صبر کا بدلہ یہ دیا کہ وہی (پوری طرح) کامیاب نکلے ؈٩٦

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ قَالُوْا

ارشاد ہوگا کہ (اچھا) تم برسوں کے حساب سے کتنی مدت زمین پر رہے؟ وہ کہیں گے

لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿١١٣﴾ قٰلَ

ہم ایک دن رہے ہوں گے یا دن کا بھی کچھ حصہ سو تو گننے والوں سے پوچھ لے ؈٩٧ ارشاد ہوگا کہ

اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١١٤﴾

بے شک تم (دنیا میں) تھوڑی ہی مدت رہے کاش تم (اسے) سمجھے رہے ہوتے! ؈٩٨

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا

ہاں تو کیا تمہارا خیال تھا کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بلا مقصد پیدا کر دیا ہے اور تم ہمارے پاس لوٹا کر لائے

تُرْجَعُوْنَ ﴿١١٥﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

نہ جاؤ گے؟ ؈٩٩ سو اللہ (بڑا) عالی شان ہے بادشاہ حقیقی ہے! اس کے سوا کوئی بھی

هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿١١٦﴾ وَ مَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ

معبود نہیں عرش بزرگ کا مالک ہے ؈١٠٠ اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور

اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ

خدا کو بھی پکارے حالانکہ اس کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں، سو اس کا حساب اس کے پروردگار کے ہاں

؈٩٥ کتنی صحیح، موثر و عبرتناک تصویر ہے! آج کتنے ہی منکرو کافر ہی نہیں، نام کے مسلمان بھی اپنی "روشن خیالی" کے زعم میں اسی طرح کا مضحکہ بیچارے سیدھے سادھے دیندار مسلمانوں سے برابر کرتے رہتے ہیں! اِنَّہٗ کلمہ تعلیل کا ہے۔ اس سے محققین صوفیہ نے یہ نکالا ہے کہ اولیاء اللہ کی بڑی شان ہوتی ہے۔ اور مقبولین سے گستاخی و تمسخر کا انجام نار ہے۔ اخْسَئُوْا فِیْهَا۔ اخساء کا ترجمہ اردو کے کسی ایک لفظ سے دشوار ہے۔ عربی میں یہ لفظ کتے کے دھتکارنے کے موقع پر آتا ہے۔ ای ابعدوا فیها کما یقال للکلب اذا طرد اخساء (معالم) ؈٩٦ (اور تم اپنی روشن خیالی پر گھمنڈ رکھنے والے اس ناکامی کے عذاب میں گرفتار نکلے۔ ان غریبوں کا کیا بگڑا جو تمہارے تختۂ مشق تھے۔ چند روزہ کلفت کو صبر کے ساتھ برداشت کر لے گئے۔ مصیبت تو تمہارے ہی حصہ میں آئی)" مطلب جواب کا یہ ہوا کہ تمہارا قصور اس قابل نہیں کہ سزا کے وقت اقرار کرنے سے معاف کر دیا جائے۔ کیونکہ تم نے ایسا معاملہ کیا جس سے ہمارے حقوق کا بھی اتلاف ہوا اور حقوق العباد کا بھی۔ اور عباد بھی کیسے، ہمارے مقبول و محبوب، جو ہم سے خصوصیت خاصہ رکھتے تھے۔ کیونکہ ان کو تمسخر بنانے میں ان کی ایذاء کہ اضاعۃ حق العبد ہے اور تکذیب حق جو منشا تمسخر کا ہے کہ اضاعۃ حق اللہ ہے دونوں لازم آئے۔ بس اس کی سزا کے لیے دوام اور اتمام مناسب ہے۔ اور مومنین کو جزائے فوز دینا منجملہ تمام سزا ہے کفار کے لیے۔ کیونکہ اعداء کی کامیابی سے روحانی تاذی ہوتی ہے"۔ (تھانوی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ) ؈٩٧ (ہمیں اب کچھ یاد و اد نہیں) یہ جواب ان کی زبان سے شدت سراسیمگی اور حواس کی گمشدگی میں ادا ہوگا۔ الْعَآدِّیْنَ۔ گننے والوں سے مراد فرشتے لیے گئے ہیں، کہ ان کے پاس بندوں کی ہر چیز کا حساب و کتاب رہتا ہے۔ الملئکة الذین یحفظون اعمال بنی ادم و یحصونها علیهم (ابن کثیر) ؈٩٨ ارشاد ہوگا کہ یہاں کے طول و دوام کے مقابلہ میں تم دنیا میں بیشک بہت ہی قلیل مدت کے لیے رہے، لیکن کاش تم نے دنیا ہی میں دنیا کے بے ثبات اور زود فنا ہونے کا احساس کر لیا ہوتا۔ ؈٩٩ تمہاری کیسی شدید حماقت تھی کہ تم اپنی تخلیق ہی کا مقصد نہ سمجھے اور اسی کے دلائل کو جھٹلاتے رہے! گویا جس طرح شمع یا چراغ گل ہو جاتا ہے، ایسے ہی انسانی روح بھی معدوم محض ہو جاتی ہے۔ قرآن اسی خیال باطل کی تردید کرتا ہے۔ اور انسان کی حیات دنیوی کا انجام پیش گاہ الٰہی میں حاضری بتاتا ہے—— اسی میں رد آگیا ان باطل مذہبوں کا جو انسان کا انجام فنائے محض سمجھے ہوئے ہیں —— ؈١٠٠ عرش جو مخلوقات میں سب سے بڑی چیز ہے، یاد رہے کہ اللہ اس کا بھی مالک ہے، پروردگار ہے۔ نعوذ باللہ وہ خود کسی آسمان کے ساتھ متحد یا اس کا مترادف نہیں۔ جیسا کہ بعض "دانشمندوں" نے سمجھ رکھا ہے!

ف۱۰۱ (بلکہ وہ ابدالآباد تک عذاب میں مبتلا رہیں گے) فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۔ یہاں غافل انسان کے احساس ذمہ داری کو ایک بار پھر بیدار کیا ہے۔ اور یاد دلایا ہے کہ غیر اللہ سے لولگانا کچھ بھی کام نہ آئے گا، پوری جوابدہی کرنی پڑے گی۔ ف۱۰۲ اس الحاح ولجاجت کے ساتھ دعا کرنے کی تعلیم افضل البشر کو مل رہی ہے۔ تو دوسروں کا ذکر! اللہ اللہ، کتنا زور عبدیت پر، اور کتنی تاکید توحید کی ہے! رَبِّ اغْفِرْ ہر شخص کی مغفرت اس کے درجہ ومرتبہ کے متناسب ہوتی ہے۔ پیمبر کی مغفرت ظاہر ہے کہ اعلیٰ ترین مرتبہ کی ہوگی۔ وَارْحَمْ۔ یہ طلب رحمت کی درخواست ہر حال اور ہر مقام کے لیے ہے۔ معاش میں رحمت، درجہ طاعات میں رحمت، مراتب نجات میں رحمت۔ وقس علیٰ ہذا۔ غفر و رحمة کے درمیان یہ فرق بھی کیا گیا ہے کہ غفر تو گناہوں کو مٹا دیتا، اور خلق کی نگاہ سے انہیں اوجھل کر دیتا ہے، اور رحمت اقوال واعمال میں توفیق خیر دیتا ہے۔ الغفر اذا اطلق معناه محو الذنوب و ستره عن الناس والرحمة معناها ان يسدده و يوفقه فى الاقوال والافعال (ابن کثیر)

ف۱ (اور ان احکام پر عمل کرو) اَنْزَلْنٰهَا۔ یعنی اس کے الفاظ کو نازل کیا ہے۔ فَرَضْنٰهَا۔ یعنی اس کے مضامین ومطالب ہم نے مقرر کیے ہیں۔ مراد احکام سے ہے۔ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ۔ یعنی ان احکام پر کھلی ہوئی دلالت کرنے والی آیتیں۔ قرآن مجید تو ظاہر ہے کہ سارے کا سارا حق تعالیٰ ہی کا نازل کیا ہوا اور اس کے احکام اسی کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ پھر یہاں خصوصیت کے ساتھ ان چیزوں کو اپنی جانب منسوب کرنے کے معنی بجز اس کے اور کیا ہوسکتے ہیں کہ اس سورت اور اس کے مندرج احکام کی اہمیت خاص طور پر ذہن نشین کرائی جائے۔۔۔ حدیث صحیح میں بھی حکم آیا ہے کہ اپنی عورتوں کو سورۃ النور کی تعلیم دو۔ سورت کے مرکزی مطالب عورت کی عفت سے متعلق ہیں۔ عورت کی عفت و ناموس ہی خانگی زندگی کی جان ہے، اور یہ بنیادی نکتہ یاد رہے کہ اسلام نے معاشرہ کی بنیاد خاندان ہی کو قرار دیا ہے۔ اگر خاندان کا نظام صحیح اصول پر قائم ہوگیا تو اصلاح سارے معاشرہ کی ہورہے گی۔ سورۃ کی اہمیت اس پہلو سے بھی ظاہر وروشن ہے۔ سورۂ ماقبل کے آخری اجزاء اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا الخ سے مفہوم یہ پیدا ہوا تھا کہ خلق انسانی کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسان کو اس عالم میں احکام کا مکلف کیا جائے، اور انہیں کی اطاعت ومخالفت پر اس عالم میں جزا وسزا کا اجرا ہو۔ سورۃ موجودہ میں انہیں احکام میں سے بعض اہم اجزاء کی تفصیل ہے۔ ف۲ (اور اس جرم کو کوئی معمولی اور ہلکی بات ہرگز نہ خیال کرو) اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ۔ زنا لغت میں ہر اس ہمبستری کے لیے عام ہے جو قید نکاح سے باہر ہو۔ لیکن سنت رسول نے اس عموم کو یہاں سیاق میں مخصوص ومقید کر دیا ہے۔ جیسا کہ اور بہت سے موقعوں پر کیا ہے۔ یہاں مراد وہ زانی اور زانیہ ہیں جو آزاد ہوں، عاقل ہوں، بالغ ہوں لیکن ہنوز ان کا نکاح نہ ہوا ہو۔ یا نکاح تو ہو چکا ہو۔ لیکن ہمبستری کی نوبت ابھی نہ آئی ہو۔ مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ یہ سو تازیانوں کی سزا ایسوں ہی کے لیے ہے۔ باقی جو آزاد نہیں ان کی سزا اس کی نصف ہے۔ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ (پ۵ سورہ النساء) اور جو عاقل وبالغ نہیں وہ مکلف ہی نہیں۔ جس مسلمان میں پوری صفتیں جمع ہوں، یعنی وہ آزاد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو۔ نکاح وہمبستری کر چکا ہو۔ اس کے لیے شریعت میں اصطلاح محصن یا محصنہ کی ہے۔ اس کے لیے سزائے زنا رجم یا سنگساری ہے، تا آنکہ وہ مرجائے۔ یہ سزا سنت رسول سے، تعامل صحابہ سے، مجتہدین امت کے اجماع سے، متفقہ طور پر ثابت ہے۔ اختلاف کسی سے منقول نہیں بجز خوارج، اور بعض خوارج جدید کے۔ و يكفينا فى تعيين الناسخ القطع بامره ﷺ بالرجم و فعل فى زمانه عليه الصلوٰة والسلام مرات فيكون من نسخ الكتب بالسنة القطعية و قد اجمع الصحابة و من تقدم من السلف و علماء الامة وائمة المسلمين على ان المحصن يرجم بالحجارة حتى يموت و انكار الخوارج ذٰلك باطل (روح) والظاهر انه ليس على الزانية والزانى حد غير الجلد فقط و هو مذهب الخوارج و قد ثبت الرجم بالسنة المستيقنة و عمل به بعد الرسول خلفاء الاسلام ابو بكر و عمر و على و من الصحابة جابر و ابو هريرة و بريدة الاسلمى و زيد بن خالد (بحر) فَاجْلِدُوْا۔ اس حکم کے مخاطب امراء اسلام ہیں۔ یعنی امیر المومنین یا ان کے مقرر کیے ہوئے قاضی وحاکم۔ اور اجراء حدود کا محل دار الاسلام ہے دار الحرب نہیں۔ الخطاب للائمة لان اقامة الحد من الدين (مدارک) لا حد على من زنى فى دار الحرب (روح) لا خلاف ان المخاطب هٰذا الامر بالجلد الامام و من ناب عنه (ابن العربی) والامر للامام و نوابه بالجلد (نہر) فَاجْلِدُوْا میں ف سببیہ ہے (روح) حدّ۔ اصطلاح شریعت میں اس سزا کا نام ہے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہو۔ اور اس کی مقدار شارع کی معین کی ہوئی ہو۔ اس کا نفاذ حکم امیر اسلام کے بغیر جائز نہیں۔ اور اس میں تخفیف ورحم کا حق امیر کو بھی حاصل نہیں۔ البتہ قبل ثبوت ابتداءً اس کی جانب سے اعراض وچشم پوشی اولیٰ ہے۔ انہیں حدود میں سے ایک حد زنا ہے۔ جو یہاں مذکور ہوئی۔ تجربہ شاہد ہے کہ آج بھی جن ملکوں مثلاً نجد، حجاز، یمن وغیرہ میں حد شرعی جاری ہے، وہاں جرم زنا آج بھی گویا عنقاء ہے۔ اجراء حد زنا کی شرط یہ ہے کہ چار کی تعداد میں مسلم، عاقل، بالغ وعادل گواہ۔ چشم دید تفصیلی شہادت دیں یا مجرم خود بار بار اقرار کرے۔ شبہ سے حد ساقط ہو جائے گی۔ عورت اگر مجنون، مجبور، بیہوش یا نیند سے معذور ہو تو سزا سے معاف رہے گی۔ اسی طرح مرد مجبور بھی ماخوذ نہ ہوگا۔ ف۳ مطلب یہ ہے کہ یہ حکم مؤکد ہے اور تمہارے ایمان کی پختگی کی آزمائش کا ذریعہ۔ پرانی امتیں انہی موقعوں پر بے جا مروت اور بے محل نرمی برتنے سے تباہ ہوگئی ہیں، یہود علی الخصوص۔ ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ اور غور کیجیے کہ یہ سزائے سخت بھی مجرموں کے حق میں سرتا سر رحمت ہی ہے۔ یہاں سزا بھگت لینے کے بعد انشاء اللہ وہاں پاک وصاف ہو کر اٹھیں گے۔ اور اس وقت قدر ہوگی کہ کیسے سستے چھوٹ کر رہے۔ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ۔

رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ

ہوگا یقیناً کافروں کو فلاح نہیں ہونے کی ف۱۰۱ اور آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار میری مغفرت کر

وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع

اور میرے اوپر رحم کر اور تو تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر ہے ف۱۰۲

ع ۶ / ۶

اٰياتها ۶۴ ۲۴ سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۲ رکوعاتها ۹

اس میں ۶۴ آیتیں سورہ نور مدنی ہے اور ۹ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ

(یہ ایک) سورت ہے کہ ہم (ہی) نے اس کو نازل کیا ہے اور ہم (ہی) نے اس کو مقرر کیا ہے اور ہم ہی نے اس میں کھلی ہوئی

بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱﴾ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ

آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو ف۱ زنا کار عورت اور زنا کار مرد

فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا

سو (دونوں کا حکم یہ ہے کہ) ان میں سے ہر ایک کے سو سو درے مارو ف۲ اور تم لوگوں کو

تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنے پائے اگر تم

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا

اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو ف۳ اور چاہیے کہ دونوں کی سزا کے وقت

طَاۗىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً

مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہے ف۴ زناکار مرد نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زناکار عورت

یعنی شریعتِ الٰہی کے نفاذ کے معاملہ میں۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی مروت اور بیجا نرمی تمہیں اجراء حد سے باز نہ رکھے۔ یہ مراد نہیں کہ سزا پانے والے کے ساتھ تم طبعی ہمدردی بھی نہ محسوس کرو۔ **ف۴** (تاکہ ایسے مجرموں کی تشہیر و تفضیح بھی ساتھ ہی ساتھ ہوتی جائے۔ اور دوسروں کو عبرت بھی پوری طور پر حاصل ہوتی رہے) چپ چپاتی سزائے جسمانی۔ چاہے وہ بجائے خود بھی کیسی ہی سخت ہو۔ بدرجہا زائد موثر ہوجاتی ہے اگر یہ تشہیر و تفضیح والا عنصر بھی اس کے ساتھ لگا رہے۔ **ف۵** مُشْرِكَةً۔ زَانِيَةً۔ مشرکہ سے مراد وہ مشرک عورت ہے جو حالت شرک میں ہو نہ کہ وہ جو کسی زمانہ میں مشرک رہ چکی ہو، اور اب تائب ہوکر مسلمان ہوچکی ہو۔ ایسی کے ساتھ نکاح بالکل درست ہے۔ اسی طرح زانیہ بھی وہ ہے جو فی الحال زنا میں مبتلا ہو نہ کہ وہ جس سے کسی زمانہ میں یہ معصیت صادر ہوئی اور اب وہ تائب ہوکر پاکبازی کی زندگی بسر کررہی ہو۔ تائبہ سے نکاح کے عدم جواز کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہاں ممانعت تو صرف ان سے نکاح کی ہورہی ہے جو فی الحال مشرکہ یا زانیہ ہیں۔ اس ایک حقیقت کو مستحضر رکھنے سے آیت پر عاید ہونے والے اعتراضات از خود ختم ہوتے جاتے ہیں۔ **ف۶** بہت سی جاہلی قوموں میں یہ دستور بھی رہا ہے کہ عورت ایک طرف کسی کے نکاح میں بھی ہے اور دوسری طرف شوہر کے علم میں بلکہ اس کی اجازت سے زناکاری میں بھی مبتلا ہے۔ اور یہ دستور عرب میں بھی موجود تھا۔ آیت قرآنی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایسی بے عصمت عورت کی طرف کوئی رغبت کر بھی کیسے سکتا ہے۔ جب تک کہ وہ خود بھی ایسی ہی مسخ شدہ ذہنیت کا شکار نہ ہو۔ **ف۷** یعنی مشرکہ اور زانیہ دونوں سے نکاح معصیت ہے۔ مشرکہ سے جواز نکاح کی تو کوئی صورت ہی نہیں زانیہ سے نکاح قانونی حیثیت سے نافذ ہوجائے گا لیکن عنداللہ معصیت تو بہرحال رہے گا۔ **ف۸** (زنا کی) یعنی وہ لوگ جو پارسا بیویوں کو حرامکاری کی تہمت لگائیں۔ وَالْمُحْصَنٰتِ۔ محصنہ کی تعریف اس سیاق میں یہ ہے کہ آزاد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، کوئی علامت زنا کی اس میں ظاہر نہ ہو۔ وَالَّذِيْنَ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ تہمت کی یہ سزا صرف مردوں تک محدود ہے۔ جو عورت کسی دوسری عورت یا مرد پر تہمت لگائے وہ بھی اسی حکم میں آتی ہے۔ **ف۹** اللہ اللہ! اللہ کو مسلمان مرد و مسلمان عورت کی عزت کے تحفظ کا کس درجہ اہتمام ہے! گواہ ایک نہیں دو بھی نہیں۔ اکٹھے چار چار گواہ وہ بھی چشم دید ہونا چاہیے۔ اگر اس تعداد میں ایک کی بھی کمی رہ جائے گی تو حد جاری نہ ہوسکے گی۔ اور جب چار چشم دید گواہ موجود نہیں اس لیے اجراء حد بھی نہ ہوسکے گا۔ جو بلاضرورت ایسی بات زبان سے نکالتا ایک مسلمان کی خواہ مخواہ آبروریزی کرتا ہے۔ وہ شریعت اسلام اور خدائے اسلام کی نظر میں نہایت ناپسندیدہ ہے۔ یہ چاروں گواہ مرد ہونے چاہئیں۔ اس حد کو اصطلاح میں قذف کہتے ہیں۔ اس کا اجراء مقذوف کے مطالبہ ہی پر ہوسکے گا۔ یہ ساقط بھی ہوسکتی ہے اگر مقذوف معاف کردے۔ غلام و باندی پر تہمت کی سزا نصف یعنی چالیس درے ہیں۔ فَاجْلِدُوْا کے مخاطب یہاں بھی امراء اسلام اور ان کے نائب ہیں۔ عفو و تخفیف ان کے اختیار میں بھی نہیں۔ البتہ اجراء حد کے لیے یہ ضروری ہے کہ تہمت کھلے الفاظ میں لگائی گئی ہو۔ **ف۱۰** (معاملات میں) یعنی بندوں کے باہمی مقدمات میں ایسے لوگوں کی شہادت بعد توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ البتہ جن امور کا تعلق دیانت محض سے ہے۔ مثلاً رویت ہلال رمضان، روایت حدیث وغیرہ ان میں توبہ کے بعد شہادت مقبول ہوجائے گی۔ **ف۱۱** جنہیں ایک عفیف یا عفیفہ کلمہ گو کی جانب ایسے بدترین جرم کو منسوب کرتے باک نہیں ہوتا) جب زناکاری خود ایک شدید گناہ ٹھہرا تو اس کی تہمت بھی کسی کلمہ گو کے حق میں اس کی شدید توہین کے مرادف ہوئی اور سزا بھی اس کے لیے ایسی ہی سخت لازم آئی۔ آج دنیا کے کسی دوسرے قانون میں معاشرہ کی پاکیزگی و صفائی کا اس درجہ اہتمام ولحاظ ہے؟ خود مسلمان آج ان احکام پر عمل کرنے لگیں تو باہمی رنجشوں، کدورتوں کا کیسا سدباب ہوکر رہے! **ف۱۲** (وہ آخرت میں اس پر رحم کرے گا، اور فسق کو جو سبب تھا استحقاق عذاب کا اس سے دور کردے گا) تَابُوْا یعنی اللہ کے حضور میں توبہ کرلیں۔ وَاَصْلَحُوْا یعنی جس پر تہمت لگائی تھی اس سے اپنا قصور معاف کرالیں۔ فقہاء نے کہا ہے کہ اجراء حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوجاتی۔ **ف۱۳** اس بیان حلفی کا نام اصطلاح شریعت میں لعان ہے۔ اور اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں درج ہے۔ الزام بدکاری کے عام ثبوت کا تو قاعدہ وہی ہے "چار گواہوں کی چشم دید شہادت۔ لیکن شوہر جب بیوی سے متعلق یہ دعوٰی کرے اور چار چشم دید گواہ نہ پیش کرسکے تو خود اس کی یہ پانچ بار کی حلفی شہادت قائم مقام چار گواہوں کے سمجھی جائے گی اور بیوی پر حد زنا جاری کردی جائے گی۔

اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ

یا مشرکہ عورت کے **ف۵** اور زناکار عورت کے ساتھ بھی کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا

مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳ وَ الَّذِيْنَ

مشرک کے **ف۶** اور اہل ایمان پر یہ حرام کر دیا گیا ہے **ف۷** اور جو لوگ

يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ

تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو **ف۸** اور پھر چار گواہ نہ لا سکیں

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً

تو انہیں اسّی درے لگاؤ **ف۹** اور کبھی ان کی کوئی گواہی نہ قبول

اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

کرو **ف۱۰** یہی لوگ تو فاسق ہیں **ف۱۱** ہاں البتہ جو لوگ اس کے بعد

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

توبہ کرلیں اور (اپنی) اصلاح کرلیں سو اللہ بڑا مغفرت والا ہے

رَّحِيْمٌ ۝۵ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ

بڑا رحم کرنے والا ہے **ف۱۲** اور جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں اور ان کے پاس

لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّاۤ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ

بجز اپنے (اور) کوئی گواہ نہ ہو تو ان کی شہادت یہ ہے کہ وہ (مرد) چار بار

شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۶ وَالْخَامِسَةُ

اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے

اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۷

کہ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں **ف۱۳**

ف۱۴ یعنی عورت بھی اگر اسی طرح پانچ بار حلفی شہادت مرد کی تکذیب میں دے تو حد زنا سے تو بچ جائے گی۔ البتہ اس مرد پر حرام ہو جائے گی۔ قاضی ان کے درمیان تفریق کرا دے گا۔ اور پھر تجدید نکاح بھی نہ ہو سکے گی۔ جب تک دونوں میں سے ایک اپنی خطا کا قائل اور دوسرے کا مصدق نہ ہو جائے۔ ف۱۵ خطاب یہاں ساری امت کو ہے، مردوں عورتوں سب کو۔ مطلب یہ ہے کہ امت کے ہاتھ میں کیسا جامع، کیسا پر حکمت قانون دے دیا گیا ہے۔ زبردستوں، زیردستوں، عاصیوں، مظلوموں سب کی مصلحتوں کی رعایت کرنے والا۔ اتنا مکمل قانون صرف خدائی ہی قانون ہو سکتا ہے۔ ف۱۶ ۶ھ ہجری کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ بنی مصطلق سے مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمراہ تھیں، آپ کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا۔ اس پر ہودج تھا۔ آپ ہودج میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ جمّال ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر باندھ دیتے۔ آپ ہلکی پھلکی کم سن تھیں۔ ایک روز اتفاق سے ایک منزل پر آپ کو ہودج سے باہر ویرانہ کی طرف جانے کی ضرورت پیش آئی۔ واپس آئیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ ہودج پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ جمّالوں کا خیال بھی ادھر نہ گیا، کہ آپ موجود نہیں ہیں۔ اب جب آپ آئیں تو سخت متاسف ہوئیں۔ لیکن آپ نے خیال کیا کہ آگے چل کر جب میری تلاش ہوگی اور میں نہ ملوں گی تو کوئی ڈھونڈنے بہرحال یہاں ضرور ہی آئے گا۔ رات کا وقت چادر لپیٹ کر آپ وہیں بیٹھ گئیں۔ اور آپ کو نیند آ گئی۔ ایک صحابی حضرت صفوان رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی ڈیوٹی یہ تھی کہ قافلہ سے کچھ فاصلہ پر پیچھے پیچھے چلا کریں۔ گری پڑی چیز کی، بھولے بھٹکے کی خبر گیری کے لیے۔ وہ جب صبح سویرے یہاں پہنچے تو دیکھا کوئی انسان سو رہا ہے۔ قریب پہنچے تو پہچانا اور بے اختیار پکار اٹھے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ آواز سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل گئی۔ منہ ڈھانپ لیا۔ انہوں نے اپنا اونٹ قریب لا کر بٹھا دیا۔ ام المومنین پردہ کے ساتھ سوار ہو گئیں۔ انہوں نے اونٹ کی نکیل تھامے قافلہ میں جا کر ملا دیا۔ بات کچھ بھی نہ تھی لیکن مدینہ منافقوں کا گھر تھا۔ ان کے سردار عبداللہ بن ابی کو ایک شگوفہ ہاتھ آ گیا۔ اپنی خباثت سے خوب خوب حاشیہ آرائی کی۔ اور گنتی کے تین مسلمان بھی سنی سنائی اس کی باتوں کو دہرانے لگے۔ تمام پاکیزہ خصلت، پاکیزہ مزاج مسلمانوں کو اس گندے تذکرہ سے جیسی کلفت ہوئی ہوگی ظاہر ہی ہے۔ خصوصاً جناب صدیقہ رضی اللہ عنہا اور خود حضرت رسول اللہ ﷺ کو۔ یہاں تک کہ ایک مہینہ کے بعد برأت کی یہ آیتیں خود قرآن مجید میں نازل ہو کر رہیں۔ نبی کی [illegible] ایک [illegible] امت کے حق میں رحمت ہے، برکت ہے۔ امت کی کتنی [illegible] سب بیچاریوں کو اس [illegible] ف۱۷ یعنی ایک تو وہی منافقوں کا [illegible] تین مسلمان۔ [illegible] مرد حسان بن ثابت اور [illegible]۔ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ سے اصل مراد تو [illegible] منافقوں کو بھی ان کے دعوی اسلام [illegible] کی مثال قرآن مجید میں بار بار ملے گی۔ "گروہ قلیل" [illegible] حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے [illegible] ف۱۸ خطاب [illegible] امت اسلامیہ سے ہے جیسے قدرۃً اس موقع پر غم بھی تھا [illegible] اور جن پر خود تہمت لگی تھی وہ تو بدرجہ اولی اس کے مخاطب ٹھہرے۔ ف۱۹ تہمت زدہ اشخاص کو بدنامی و رسوائی کا رنج ہونا ایک امر طبعی تھا۔ قرآن مجید انہیں تسلی دے رہا ہے کہ اول تو بدنامی ہی کیا۔ تہمت کا مخترع ایک مسلّم منافق (اور وہ بھی تعداد میں کل ایک) اور اس کے پھیلانے والے اور اس میں شریک ہونے والے اسلامی آبادی کے کل تین بھولے بھالے فرد! پھر خیر تھوڑی بہت جو کچھ بھی یہ بدنامی و رسوائی ہوئی اس پر اجر بھی تو سوچو کتنا عظیم الشان ملے گا! اس کے سامنے اس دار آنی و فانی کی بدنامی کی حقیقت ہی کیا! اور سب سے بڑی نعمت یہ کہ خود قرآن مجید تمہاری صفائی پیش کر رہا ہے! ایسی نعمت کس کے نصیب میں آتی ہے۔ اتنا ہی نہیں! تمہارے ہی واقعہ سے ایک عام ضابطہ و قانون بھی تو امت کو ہمیشہ کے لیے مل رہا ہے۔ صوفیہ محققین نے کہا ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ مشائخ کو اس بات پر غمگین نہ ہونا چاہیے کہ منکرین ان سے تشنیع و انکار سے پیش آتے ہیں۔ اس سے تو اور ان کے مرتبہ میں ترقی ہوتی ہے۔ ف۲۰ (اس کے درجۂ معصیت کے مطابق) مثلاً ایک تو وہ ہے جس نے اس فتنہ کا اختراع کیا۔ دوسرے وہ لوگ جنہوں نے اپنی زبان سے اسے دہرایا۔ تیسرے وہ جنہوں نے سن کر سکوت اختیار کیا۔ سو ضرر تو انہیں لوگوں کے حق میں ہوا۔ مسلمانوں کو تو بجائے ضرر کے نفع ہی ہوا۔ ف۲۱ (اور وہ عذاب ہے دوزخ کا۔ اس کا مستحق تو اپنے کفر و عداوتِ رسول کی بنا پر وہ پہلے ہی سے تھا اب اور زیادہ مستحق عقوبت کا ہو گیا) مراد اس سے وہی مخترع افک، عبد اللہ بن ابی رئیس المنافقین ہے۔ ف۲۲ یعنی ایک صحابی رسول ﷺ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ اور ایک زوج رسول ﷺ کے حق میں۔ اَنْفُسِهِمْ کا لفظ اس موقع پر لا کر قرآن مجید نے ایک تازہ سبق امت کو احساس وحدت کا دے دیا۔ امت کے ہر فرد کو دوسرے فرد کی بدنامی اسی طرح محسوس ہونی چاہیے جیسی خود اپنی رسوائی۔ الله جعل المؤمنين كالنفس الواحدة في ما يجرى عليها من الامور فاذا جرى على احدٍ مكروه فكانه جرى على جميعهم (کبیر) اَلْمُؤْمِنُوْنَ۔ مثلاً حسان و مسطح رضی اللہ عنہما۔ اَلْمُؤْمِنٰتُ۔ مثلاً حمنہ رضی اللہ عنہا۔ ف۲۳ قرآن نے یہاں اس ضابطہ کی تعلیم دے دی کہ پہلے مسلمان سے متعلق ہر روایت کے وقت حسن ظن ہی سے کام لیتے رہنا چاہیے۔ تا آنکہ اس کے خلاف کوئی قطعی شہادت اور کافی ثبوت نہ مل جائے۔ نفی الزام کے لیے صرف عدم ثبوت و عدم شہادت کافی ہے۔ ثبوت عدم، شہادت عدم کی ضرورت ہرگز نہیں۔ یہ تو عام مسئلہ ہوا۔ باقی خود حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صفائی میں تو اب شہادت قرآنی مہیا ہو گئی۔ جس سے اونچی کوئی اور شہادت ممکن ہی نہیں۔ اب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت میں شک کرنا قرآن میں شک کرنے کے مرادف ہوگا۔" مطلب یہ کہ اصل امر نزاہت ہے۔

وَ يَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ

اور عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ اللہ کی قسم چار بار

بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۸﴾ وَ الْخَامِسَةَ اَنَّ

کھا کر کہے کہ بے شک مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ

غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۹﴾ وَ لَوْ

مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر مرد سچا ہے ف۱۴ اور اگر

لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ

اللہ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے

حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ

بڑا حکمت والا ہے (تو تم بڑی مصیبتوں میں پڑ جاتے) ف۱۵ بے شک جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے ف۱۶ وہ تم میں سے

مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ

ایک (چھوٹا سا) گروہ ہے ف۱۷ تم اس کو برا نہ سمجھو اپنے حق میں ف۱۸ بلکہ تمہارے حق میں بہتر ہی ہے ف۱۹

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَ الَّذِيْ

ان میں سے ہر شخص کو جس نے جتنا کچھ کیا تھا گناہ ہوا ف۲۰ اور جس نے

تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾ لَوْ لَاۤ اِذْ

ان میں سے سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لئے سزا بھی (سب سے بڑھ کر) سخت ہے ف۲۱ جب تم لوگوں نے

سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ

یہ (افواہ) سنی تھی تو کیوں نہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں کے حق میں نیک

خَيْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْ لَا جَآءُوْ

گمان کیا ف۲۲ اور (یہ کیوں نہ) کہہ دیا کہ یہ تو صریح طوفان بندی ہے ف۲۳ یہ لوگ اپنے قول پر

جب تک اس کا یقین رافع نہ ہو اسی کا یقین شرعاً واجب ہے۔ لان الیقین لایزول بالشک الابیقین مثلہ۔ بس اسی بنا پر نزاہت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یقین اور قذف کے مقابلہ میں اسی یقین کا اظہار واجب تھا۔ اور یہی یقین ہے جس کا ایسے امور میں عبد مکلف بنایا گیا ہے۔ بس محل افک میں قبل نزول آیات کے صرف عدم ثبوت بالدلیل تھا اور بعد آیات کے البتہ ثبوت عدم بالدلیل متحقق ہو گیا...... اس وقت یقین اصطلاحی کا مکلف نہیں فرمایا تھا۔ البتہ اب بعد نزول آیات چونکہ اس یقین اصطلاحی کا مبنی کہ ثبوت عدم بالدلیل ہے۔ پایا گیا، اب اس کا بھی مکلف ہے۔ اور اس کا ترک یعنی احتمال مرجوح بھی

عَلَیۡہِ بِاَرۡبَعَۃِ شُہَدَآءَ ۚ فَاِذۡ لَمۡ یَاۡتُوۡا بِالشُّہَدَآءِ

چار گواہ کیوں نہ لائے سو جب یہ لوگ گواہ نہیں لائے

فَاُولٰٓئِکَ عِنۡدَ اللّٰہِ ہُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَوۡ لَا فَضۡلُ

تو بس یہ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہی ہیں و۲۴ اور اگر تم پر

اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ رَحۡمَتُہٗ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ لَمَسَّکُمۡ

اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا دنیا میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) تو جس شغل میں تم

فِیۡ مَاۤ اَفَضۡتُمۡ فِیۡہِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۴﴾ اِذۡ تَلَقَّوۡنَہٗ

پڑے تھے اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا و۲۵ (عذاب عظیم کے مستحق تو اس وقت ہوتے) جب تم اپنی زبانوں سے

بِاَلۡسِنَتِکُمۡ وَ تَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاہِکُمۡ مَّا لَیۡسَ لَکُمۡ بِہٖ عِلۡمٌ

اسے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے وہ کچھ کہہ رہے تھے جس کی تمہیں کوئی تحقیق نہ تھی

وَّ تَحۡسَبُوۡنَہٗ ہَیِّنًا ٭ۖ وَّ ہُوَ عِنۡدَ اللّٰہِ عَظِیۡمٌ ﴿۱۵﴾ وَ لَوۡ لَاۤ

اور تم اسے ہلکا سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی و۲۶ اور تم نے جب

اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡہُ قُلۡتُمۡ مَّا یَکُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَکَلَّمَ بِہٰذَا ٭

اسے سنا تھا تو کیوں نہ کہہ دیا تھا کہ ہم کیسے ایسی بات منہ سے نکالیں

سُبۡحٰنَکَ ہٰذَا بُہۡتَانٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۶﴾ یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنۡ

توبہ یہ تو سخت بہتان ہے و۲۷ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ

تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِہٖۤ اَبَدًا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۷﴾ وَ یُبَیِّنُ

پھر اس قسم کی حرکت کبھی نہ کرنا اگر تم ایمان والے ہو و۲۸ اور اللہ تم سے

اللّٰہُ لَکُمُ الۡاٰیٰتِ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ

صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے و۲۹ یقیناً جو لوگ

کفر ہے۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) فقہاء نے کہا ہے کہ گو یہاں صیغہ امر نہیں لیکن کلمۂ تمنا امر سے بھی زیادہ مؤکد ہے۔ بس مومن پر لازم ہے کہ جب کسی کی برائی سنے اور شہادت اس پر کافی نہ ہو تو اسے باور نہ کرے اور اپنے بھائی کو بری ہی قرار دیتا رہے۔ صوفیہ محققین نے کہا کہ اس میں صریح تاکید ہے کہ خبروں میں سخت احتیاط و تحقیق سے کام لینا چاہیے۔ چنانچہ اہل اللہ کی عادت ہے کہ بعید سے بعید احتمال سے کام لے کر حسن ظن ہی قائم رکھتے ہیں۔ و۲۴ اثبات زنا کے لیے شرط چار گواہوں کی چشم دید شہادت ہے۔ عدم ثبوت خود ہی مرادف ہے قانون شریعت میں، عدم صدق یعنی کذب کے۔ پھر یہاں تو قانون کذب کے علاوہ واقعی کذب بھی موجود تھا۔ اہل افک کا دعویٰ نہ صرف غیر ثابت شدہ تھا بلکہ سرے سے واقعیت کے بھی خلاف تھا۔ عِنۡدَ اللّٰہِ۔ اللہ کے نزدیک سے مراد ہے شریعتِ الٰہی میں یا اللہ کے قانون میں۔ ورنہ اصل علم الٰہی کو ظاہر ہے کہ کسی بندہ کی شہادت وغیرہ کی کیا حاجت ہے۔ معنی عنداللہ یرید فی حکمہ لا فی علمہ (ابن العربی) عنداللہ ای فی حکمہ (کبیر) ای فی حکمہ و شریعتہ (مدارک) ای فیم محکومون بکذبھم عنداللہ فی ایجاب الحد علیھم (جصاص) فیقتضی ذٰلک الامر بالحکم بکذبھم فان کان جائزًا الا یکونوا صادقین فی الغیب عنداللہ (جصاص) شریعت کے احکام ظاہری کی ناقدری کرنے والے کاش دیکھیں کہ اس آیت میں احکام ظاہری کی بھی کس درجہ اہمیت کا سبق موجود ہے! و۲۵ (جیسا کہ عبداللہ بن ابی کو بسبب عدم توبہ کے ہوگا) فَضۡلُ اللّٰہِ وَ رَحۡمَتُہٗ۔ فضل و کرم کا ہونا دنیا میں یہ کہ توبہ کی مہلت عطا ہوئی اور آخرت میں یہ کہ توبہ کی توفیق ملی اور توبہ قبول بھی ہوئی۔ فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ صحابہ مقبول التوبہ اور پاک ہو کر آخرت میں مرحوم ہیں۔ و۲۶ یعنی ایک تو کسی پاک دامن مومنہ کا قذف بجائے خود ہی سخت معصیت ہے۔ پھر مومنہ بھی کون؟ ایک عالی مرتبت زوج رسول۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو جو اذیت پہنچی وہ مستزاد۔ ھَیِّنًا۔ ہلکا، یعنی غیر موجب گناہ۔ عِنۡدَ اللّٰہِ عَظِیۡمٌ۔ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات۔ یعنی موجب گناہ عظیم۔ و۲۷ یعنی تامل و تذبذب الگ رہا، تحقیق ہی کی کیا ضرورت تھی۔ تمہیں سنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھ کر انکار کر دینا تھا۔ سر ولیم میور کا شمار اسلام و شارع اسلام کے دوستوں میں نہیں، مخالفوں میں ہے۔ باوجود اس کے اقرار ہے: "عائشہ کی سیرت سے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں...... ان کی زندگی واقعہ سے قبل بھی اور بعد بھی اس پر گواہ ہے کہ ہم انہیں اس الزام سے بالکل بری یقین کریں۔" (لائف آف محمد صفحہ ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴) بعض صحابہ کی جانب منقول بھی ایسا ہی قول ہے۔ انہوں نے جوں ہی یہ افواہ سنی تھی، فوراً ہی وہ یہ کہہ اٹھے تھے۔ و فی بعض الاخبار ان ام ایوب قالت لابی ایوب الانصاری اما بلغک ما یقول الناس فی عائشۃ قال ابو ایوب، سبحانک ھذا بھتان عظیم (معالم) یہاں تعلیم اس کی مل رہی ہے کہ سب کو یہی کہنا چاہیے تھا۔ و۲۸ یعنی یہ تو عین تقاضائے ایمان ہے کہ ایسی باتیں زبان سے نکالنا تو کجا بندہ سنی بھی نہ جائیں۔ و۲۹ چنانچہ تمہارے دلوں کا حال بھی اس پر خوب روشن ہے۔ اور تمہاری مجلسی و معاشرتی پاکیزگی کی مصلحتیں بھی اس پر عیاں ہیں۔ وہ جو بھی احکام دیتا ہے وہ اس کے علم کامل پر ہی ہوتے ہیں۔ اور اس کی حکمت مطلقہ پر بھی۔ اَلۡاٰیٰتِ۔ ان احکام کے تحت میں احکام اخلاقی (ملامت، نصیحت وغیرہ) اور احکام قانونی (حد قذف وغیرہ) سب آ گئے۔

يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ

چاہتے ہیں کہ مومنین کے درمیان بے حیائی کا چرچا رہے ف۳۰ ان کے لئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ

سزائے دردناک ہے دنیا میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) اللہ علم رکھتا ہے

وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اور تم علم نہیں رکھتے ف۳۱ اور اگر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا

وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا شفیق بڑا رحیم ہے (تو تم بھی نہ بچتے) ف۳۲ اے ایمان والو

اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّبِعْ

تم شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو اور جو کوئی شیطان کے

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ

قدم بہ قدم چلتا ہے تو وہ تو بے حیائی اور بیہودگی ہی کا حکم دیتا ہے ف۳۳

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ

اور اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی

مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ

کبھی بھی پاک وصاف نہ ہوتا ف۳۴ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے پاک وصاف کر دیتا ہے اور اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَ لَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ

بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے ف۳۵ اور جو لوگ تم میں بزرگی

وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ

اور وسعت والے ہیں وہ قرابت والوں کو اور مسکینوں کو

ف۳۰ یعنی جو لوگ ان آیتوں کی اور اس خدائی براءت کے نزول کے بعد بھی چاہتے ہیں کہ اس گندگی کے تذکرے قائم رہیں اور مقدسین سے متعلق تہمتیں پھیلی رہیں۔ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ آیت کا سبب خاص تو ظاہر ہے کہ وہی واقعۂ افک عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے۔ یعنی اشارہ قریب انہی لوگوں کی طرف ہے جو اس مخصوص تہمت کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ یا آج بھی زندہ رکھنا چاہ رہے ہیں۔ لیکن آیت کے مفہوم میں عموم بھی ہے۔ اور وہ سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں جو مسلمانوں کے کسی معاشرہ میں بھی گندی روایتوں کا چرچا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ ف۳۱ انفرادی واجتماعی مصلحتیں، جن پر یہ احکام اور یہ سزائیں مرتب ہیں وہ تو سب علم الٰہی ہی میں ہیں۔ محدود علم ونظر والے بندوں کو ان کا کیا علم۔ فِي الدُّنْيَا۔ دنیا کی سزا وہی حد قذف ہے۔ یعنی اسّی درّے۔ ف۳۲ (اس وعید سے) خطاب عام مسلمانوں کو ہے۔ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ توفیق توبہ کی اللہ کے اسی فضل وکرم سے ہوئی اور مقبولیت توبہ اسی شفقت ورحمت کے اثر سے ہوئی۔ امت اسلامیہ کے ساتھ بار بار اس تعلق شفقت ورحمت کا ذکر کر کے ان کے ساتھ اپنی تخصیص کو تازہ کرنا، ان کے دلوں کو گرمانا اور ان میں طاعت واطاعت کا مزید شوق پیدا کرنا ہے۔ ف۳۳ چنانچہ آج بھی مشاہدہ ہے کہ شیطان جدید عورت کے کان میں کیسے کیسے افسون "آزادی" و "مساوات کامل" کے نام سے پھونک پھونک کر اسے انتہائی اخلاقی پستیوں کی منزل کی طرف لیے جارہا ہے۔۔۔ "مخلوط تعلیم"، تھیٹر، سینما ہال روم ڈانس اور ہر شعبہ زندگی میں مرد وزن کا آزادانہ بے تکلف اختلاط! ف۳۴ یہ توفیق توبہ جو اہل ایمان کو ہو جاتی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم ہی سے ہوتی ہے۔ کوئی بندہ اسے اپنے ذاتی استحقاق کا نتیجہ نہ سمجھے۔ صوفیہ محققین کہتے ہیں کہ مدار کار فضل ورحمت ہے نہ کہ سعی ومجاہدہ۔ ف۳۵ (چنانچہ تمہاری بھی توبہ سن لی اور دلی ندامت جان لی) اصل خطاب تو اس وقت کے خاطی مسلمانوں سے ہے۔ لیکن ساتھ ہی عام قاعدہ بھی ہمیشہ کے لیے بیان ہو گیا۔

ع ۱۰ / ۸ النصف

وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا

اور ہجرت فی سبیل اللہ کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں ف۳۶ چاہے کہ معاف کرتے رہیں

وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

اور درگزر کرتے رہیں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرتا رہے ف۳۷ بے شک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ

بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۳۸ جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان (بیویوں) کو جو پاک دامن ہیں

الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪

بے خبر ہیں ایمان والیاں ہیں ف۳۹ ان پر لعنت ہے دنیا اور آخرت میں ف۴۰

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ ۙ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ

اور ان کے لئے سخت عذاب (رکھا ہوا) ہے اس دن (جس دن) ان کے خلاف گواہی دیں گی

اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پیر ان کاموں کی جو یہ کیا کرتے تھے ف۴۱

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ

اس روز اللہ ان کو ان کا واجبی بدلہ پورا پورا دے گا اور یہ جان جائیں گے کہ

اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ

اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے بات کو کھول دینے والا ہے ف۴۲ گندی عورتیں گندے مردوں ہی کے لائق ہوتی ہیں

وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ

اور گندے مرد گندی عورتوں کے اور بہتر عورتیں بہتر مردوں کے لائق ہوتی ہیں

وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا

اور بہتر ہی مرد بہتر عورتوں کے ف۴۳ یہ لوگ اس بات سے پاک ہیں جو یہ (منافق)

ف۳۶ (بلکہ اپنے حسن سلوک وامداد کو جاری رکھیں) حضرت مسطح ایک صحابی تھے پورے مومن، مسکین بھی، مہاجر بھی، اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے عزیز بھی، محض اپنی سادہ دلی سے اس طوفان میں شریک ہوگئے۔ جب صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں آیات قرآنی نازل ہوئیں اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عفت مآبی اتنی روشن ہوگئی، جتنی بجز حضرت مریمؑ کے دنیا میں شاید کسی پاک دامن خاتون کی بھی نہ ہوئی ہو تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی اس قابل فخر بیٹی کی نصرت وحمایت میں غصہ آنا بالکل طبعی تھا۔ آپ مسطح رضی اللہ عنہ کی ناداری پر ترس کھا کر مدد بھی فرماتے رہتے اس غیظ کی حالت میں قسم کھا بیٹھے کہ بس آج سے امداد موقوف۔ یہ بات مرتبہ صدیقیت کے شایاں نہ تھی۔ ارشاد ہوا کہ امداد جاری رکھو اور قسم کے مقتضا پر عمل نہ کرو۔ مسطح کی اس خدمت دینی، یعنی ہجرت فی سبیل اللہ کو یاد دلا کر یہاں گویا یہ بتادیا کہ اس نئے جرم سے انکا پچھلا عمل خیر باطل نہیں ہوگیا۔ صوفیہ محققین نے آیت سے اشارہ یہ نکالا ہے کہ بزرگوں کو مناسب یہی ہے کہ مریدوں کی لغزشوں پر اپنے فیض کو بند نہ کردیں۔ ف۳۷ (سو اس کا طریقہ یہی ہے کہ تم دوسروں کے قصور معاف کرتے رہو) ترغیب عفو کا پیرایہ اس سے مؤثر تر اور کیا ہوگا! وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا۔ عفو ودرگزر کا یہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں، بندہ کو اس کے حق کے ترک پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ف۳۸ (سو تمہیں چاہیے کہ تم بھی اللہ ہی کے رنگ میں رنگ جاؤ) ف۳۹ عمل کرنا کیسا ان بیچاریوں کو تو خبر تک بھی نہیں ایسی گندہ باتوں کی۔ الْغٰفِلٰتِ۔ اردو محاورہ میں ایسے موقع پر بھولی بھالی، سیدھی سادی کہتے ہیں۔ اسلام نے شریف پاکدامن خاتونوں کا وصف یہ بیان کیا ہے — کھیلی کھائی ہوئی، چاروں کھونٹ گھومی گھامی ہوئی، اپنے حقوق کے لیے مرنے مارنے والیاں، اور کسی معاشرہ میں جو درجہ بھی رکھتی ہوں، اسلام میں تو یقیناً کوئی بلند مقام نہیں رکھتیں۔ ف۴۰ (بہ سبب ان کے کفر ونفاق کے) ان وعیدوں کے نزول کے بعد مومنات کے حق میں ایسی جرأتیں کرنے والے کافر ومنافق ہی ہوسکتے ہیں۔ اور ان کا دنیا وآخرت میں اللہ کی رحمت خاص سے مردود ومہجور ہونا بالکل ظاہر ہے اور یہی حاصل ہے لعنت کا۔ ف۴۱ مثلاً زبان یوں کہے گی کہ اس نے میرے ذریعہ سے فلاں فلاں کفر قولی صادر کیے۔ ہاتھ پیر یہ کہیں گے کہ اس نے فلاں فلاں کفر عملی میں ہم سے مدد لی۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جو مرتبہ حق تعالیٰ کے ہاں سے ہے اسی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ جس تفصیل واہتمام کے ساتھ ان کی صفائی قرآن میں پیش کی گئی ہے، کسی اور کی نہیں ہوئی ہے۔ ف۴۲ (اور یہ اس علم عینی کے بعد اپنی نجات سے بالکل مایوس ہو جائیں گے) ف۴۳ لِلْخَبِيْثِيْنَ، لِلطَّيِّبِيْنَ وغیرہ میں لِ لیاقت کا ہے۔ یعنی اہلیت وموزونیت کو ظاہر کرنے والا۔

و۴۴ اُولٰٓئِکَ یعنی جو لوگ یہ سلسلۂ افک عائشہ رضی اللہ عنہا متہم ہوئے۔ و۴۵ یعنی پہلے ان گھروں میں رہنے والوں کو سلام کرکے ان سے اجازت لو، کہ ہم اندر آئیں؟ "یہ مسئلہ استیذان کا مردانہ اور زنانہ سب گھروں کے لیے ہے۔......استیذان واجب ہے اور تقدیم سلام سنت ہے۔ اور اپنے جس گھر میں یقیناً بجز منکوحہ یا مملوکہ شرعی کے کوئی نہ ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ ورنہ وہ بیوت بھی حکم میں غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ

یَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ يٰۤاَيُّهَا

بکتے پھرتے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی و۴۴ اے

ع ۳

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى

ایمان والو تم اپنے (خاص) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ

تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

اجازت حاصل نہ کرلو و۴۵ اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا

تاکہ تم خیال رکھو و۴۶ پھر اگر ان میں تمہیں کوئی (آدمی) نہ معلوم ہو

فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ

تو بھی ان میں نہ داخل ہو جب تک تم کو اجازت نہ مل جائے و۴۷ اور اگر تم سے

لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو و۴۸ یہی تمہارے حق میں پاکیزہ تر ہے اور اللہ تمہارے

تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا

اعمال کو خوب جانتا ہے و۴۹ تم پر کوئی گناہ اس میں نہیں ہے کہ تم ان مکانات میں داخل ہو جاؤ

بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

(جن میں) کوئی رہتا نہ ہو (اور) ان میں تمہارا کچھ مال ہو و۵۰ اور اللہ جانتا ہے

مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا

جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں

مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى

نیچی رکھیں و۵۱ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے حق میں زیادہ صفائی کی

کے ہو جائیں گے، لا شتراک العلۃ۔ اور وہ مکان مردانہ بھی اس سے مستثنیٰ ہے جہاں آدمی اس غرض سے بیٹھا ہو کہ جس کا دل چاہے ملنے کو آئے للاذن دلالۃ۔ اور جو مکان خلوت وآرام کے لیے مخصوص ہو۔ گو مردانہ ہی ہو۔ یا مکان ملاقات کا خلوت خانہ میں جانا کسی وقت قرائن سے معلوم ہو جائے وہاں استیذان کی حاجت ہوگی۔ اور ہر چند کہ یہاں خطاب مردوں کو ہے مگر عورتوں کا حکم بھی یہی ہے اور مردانہ میں بھی اور زنانہ میں بھی۔" (تھانوی علیہ الرحمۃ) ایک صورت تو اذن صریح کی ہے، باقی اذن کبھی ضمنی بھی ہوتا ہے۔ مثلاً مشائخ کے ہمراہ خادموں وامراء کے ہاں ملازموں کے لیے۔ اور کبھی اذن حکمی بھی ہوتا ہے۔ مثلاً کسی حکم یا عرف یا قاعدہ سے معلوم ہو جائے کہ یہ وقت عام ملاقات کا ہے۔ یا میرے لیے مخصوص ہے ایسے موقعوں پر دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک گھر کے اندر جب کئی درجہ ہوں تو ہر درجہ جس میں کوئی مستقل رہتا ہو۔ ایک مستقل گھر کے حکم میں ہے۔ اور اس میں جانے کے لیے اذن شرط ہے۔ تَسْتَاْنِسُوْا محض اجازت طلب کرنے کے لیے لفظ تستاذنوا کافی تھا۔ بجائے اس کے تَسْتَاْنِسُوْا لانے سے (جو انس سے ہے) مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسے اپنا نام و پتہ پوری طرح بتا دو تاکہ اسے وحشت نہ رہے۔ و۴۶ یعنی اس اجازت لینے میں ہرگز اپنے لیے کوئی ذلت نہ سمجھو۔ یہ تو ذریعہ ہے بہت سے مفاسد کی جڑ کاٹ دینے کا۔ اور ہر طرح مفید ہی ہے۔ ذٰلِکُمْ۔ یعنی یہی اجازت طلبی اور سلام۔ ای الاستیذان والتسلیم (مدارک) و۴۷ (کسی ایسے شخص کی طرف سے جو اجازت دینے کا اختیار رکھتا ہے) و۴۸ (نہ یہ کہ اسے ناگوار محسوس کرکے وہاں لڑنا جھگڑنا شروع کردو) و۴۹ (بس اگر خلاف حکم کروگے سزا کے مستحق ہوگے) اَزْکٰی سے مراد ہے کہ بلاتکدر واپسی میں صفائی وطہارت زائد ہے۔ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ۔ مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اس نے بربنائے تکبر وتحقر اجازت نہیں دی تو بھی ہم ہی جانتے ہیں، اور اگر واقعی کوئی عذر تھا تو اس سے بھی ہم واقف ہیں۔ ھُوَ۔ یعنی یہی واپس چلا آنا۔ ای الرجوع (مدارک) و۵۰ یہ حکم ان مکانات کا ہے، جس میں کسی شخص خاص کا سکونت نہ رکھنا متیقن ہو۔ اور دلالۃً وہاں جانے کی عام اجازت ہو۔ مثلاً دکان، مدرسہ، حمام، کارخانہ، خانقاہ وغیرہ، ایسی عمارتوں میں جانے کے لیے اجازت خاص کی ضرورت نہیں۔ لیکن جن کو اجازت نہ ہو ان کو ایسی عمارتوں میں بھی جانا جائز نہ ہوگا۔ مَتَاعٌ لَّکُمْ۔ متاع سے مراد کاروبار اور نفع کا سامان ہے۔ و۵۱ چنانچہ جسم کے جن حصوں پر نظر کرنا سرے سے ناجائز ہے انہیں تو دیکھیں ہی نہ اور جنہیں دیکھنا جائز ہے انہیں بھی خواہش نفس کے ساتھ نہ دیکھیں) مِنْ اَبْصَارِھِمْ۔ مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی ہر نظر حرام نہیں۔ صرف بعض نظریں حرام ہیں اور وہ حرام نظریں، نظر اجنبی و نظر شہوت ہیں۔ من للتبعیض والمراد غض البصر عما یحرم والاقتصار بہ علی ما یحل (مدارک) ذٰلِکَ۔ یعنی یہی نظروں کا نیچا رکھنا اور حفظ ناموس۔ ای غض البصر و حفظ الفروج (مدارک)

لَھُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ قُلْ

بات ہے بے شک اللہ کو سب کچھ خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں ف۵۲ اور آپ کہہ دیجیے

لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَ یَحْفَظْنَ

ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی

فُرُوْجَھُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا

حفاظت رکھیں ف۵۳ اور اپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں ف۵۴ مگر ہاں جو اس میں سے کھلا ہی رہتا ہے ف۵۵

وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ ۖ وَلَا یُبْدِیْنَ

اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں ف۵۶ اور اپنی زینت

زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِھِنَّ اَوْ اٰبَآئِھِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِھِنَّ

ظاہر نہ ہونے دیں ف۵۷ مگر ہاں اپنے شوہر پر اور اپنے باپ پر

اَوْ اَبْنَآئِھِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِھِنَّ اَوْ اِخْوَانِھِنَّ اَوْ

اور اپنے شوہر کے باپ پر اور اپنے بیٹوں پر اور اپنے شوہر کے بیٹوں پر اور اپنے بھائیوں پر اور

بَنِیْٓ اِخْوَانِھِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِھِنَّ اَوْ نِسَآئِھِنَّ

اپنے بھائیوں کے لڑکوں پر یا اپنی بہنوں کے لڑکوں پر ف۵۸ اور اپنی (ہم مذہب) عورتوں پر ف۵۹

اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی

اور اپنی باندیوں پر ف۶۰ اور ان مردوں پر جو طفیلی ہوں (اور عورت کی طرف) انہیں

الْاِرْبَۃِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْھَرُوْا

ذرا توجہ نہ ہو ف۶۱ اور ان لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی

عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِھِنَّ

پردہ کی بات سے واقف نہیں ہوئے ہیں ف۶۲ اور عورتیں اپنے پیر زور سے نہ رکھیں

ف۵۲ بدکاری وبدنظری وغیرہ کے ارتکاب میں انسان خاص طور پر اہتمام ستر واخفاء کا رکھتا ہے۔ اس لیے یہاں یاد دلا دیا کہ تم چھپانے کی کتنی ہی کوشش کر ڈالو۔ بہر حال اس حاضر وناظر، ہمہ بین وہمہ دان سے تو نہیں چھپا سکتے ہو۔ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ میں صاف اشارہ اس طرف ہے کہ افعال غیر مرضیہ کے مقدمات کا بھی انسداد واجب ہے۔ اور اس اصل سے فقہاء وصوفیہ امت دونوں نے اپنے اپنے فن میں بڑا کام لیا ہے۔ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔ حکم کے عموم میں علاوہ زنا کاری کے اور بھی سارے طریقے ناجائز شہوت رانی کے اور ان کے مقدمات ومبادی بھی آ گئے۔ لفظ حفظ نظر ولمس وغیرہ سب کے لیے عام ہے۔ الذی تقتضیه الظاهر ان یکون المعنی حفظها عن سائر ما حرم علیه من الزنا واللمس والنظر (جصاص) عاشقانہ افسانے اور ڈرامے، بے حیائی کے منظر دکھانے والے تھیٹر اور سینما، شہوت انگیز تصویریں وغیرہ سب اس کے تحت میں آ جاتی ہیں۔ ف۵۳ غض بصر اور حفظ فروج دونوں پر حاشیے ابھی ابھی گزر چکے۔ اتنا جز مؤمنین ومؤمنات، مسلمان مردوں ومسلمان عورتوں دونوں میں مشترک ہے۔ عورت کے لیے حجاب کے جو احکام خصوصی ہیں وہ اب آگے آ رہے ہیں۔ ف۵۴ (خواہ وہ جسم کا ہو یا متعلقات جسم کا) لفظ زینت عام ہے۔ الزینة ما زینت به المراة (مدارک) قیل المراد بالزینة ما یعم المحاسن الخلقیة والزینیة (بیضاوی) اس کے تحت میں ہر وہ چیز آ جاتی ہے جو مرد کے لیے باعث شوق ورغبت ہو سکے۔ خواہ خلقی ہو مثلاً حسن اعضاء۔ حسن صورت، خوش خرامی وغیرہا۔ خواہ کسبی ہو مثلاً لباس، خوشبو، زیور، پوڈر، غازہ وغیرہ۔ ف۵۵ (عموماً وعادۃً) یعنی جسم کے وہ حصے مستثنیٰ ہیں جو اگرچہ زینت کے موقع ہیں، لیکن ان کے چھپائے رکھنے میں عموماً سخت ہرج وزحمت ہے مثلاً چہرہ کی ٹکیا اور ہتھیلیاں اور پیر۔ مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ کی تفسیر چہرہ وکف دست سے خود حدیث میں آ چکی ہے۔ الکفان والقدمان (مدارک) اور حنفیہ میں یہی تفسیر مقبول ہے۔ قال اصحابنا المراد الوجه والکفان (جصاص) ای الآماجرت العادة والجبلة علی ظهوره و هذا الوجه والکفان والقدمان (مدارک) اور اسی لیے حنفی فقہاء ومفسرین کے ہاں چہرہ اور کف دست اور پیروں کے دیکھنے کی اجازت ملتی ہے۔ یجوزالنظر الی وجه الاجنبية و کفها و قدمیها (مدارک) لیکن متاخرین فقہاء نے خوف فتنہ سے اب چہرہ کا کھلا رکھنا بھی ممنوع قرار دے دیا ہے۔ و اما فی زماننا منع (درمختار) ناف سے گھٹنے تک کا ستر مذہب اہل سنت میں سب پر واجب ہے۔ عورت کا عورت سے بھی، مرد کا مرد سے بھی، ف۵۶ (کہ سر اور سینہ دو مقام خاص طور پر زینت کے ہیں ان کے ڈھانپنے کا اور زیادہ اہتمام رکھیں) جاہلیت فرنگ ہی سے ملتا جلتا دستور جاہلیت عرب میں بھی یہ تھا کہ عورتیں لباس اس طرح کا پہنتیں کہ پشت کا حصہ تو خیر ڈھکا رہتا۔ باقی سامنے سے سینہ کا حصہ عریاں رہتا۔ کانت جیوبهن واسعة تبدوا منها صدورهن و ما حوالیها و کن یسدلن الخمر من ورائهن فتبقی مکشوفة (مدارک) نفسیات بشری کی محقق، راز داں اور بدکاری کے مبادی ومقدمات کی بیخ کنی کرنے والی شریعت اسلامی نے ٹھیک اس کے برعکس یہ فیشن چلایا کہ سینہ کا کوئی حصہ عریاں رہ جانا کیا معنی وہ تو خاص طور پر ڈھکا رہے۔ و فی ذلک دلیل علی ان صدر المراة و خمرها عورة لا یجوز لاجنبی النظر الیها منهما (جصاص) کانت جیوبهن واسعة تبدواهنا صدورهن و ما حوالیها و کن جیوبهن الخمر من ورائهن فیبقی مکشوفة (مدارک) ف۵۷ (کسی شخص پر بھی) زینة کی تشریح ابھی اوپر گزر چکی ہے کہ قدرتی یا مصنوعی ہر وہ شے ہے جو عورت کی جانب رغبت والتفات بڑھا دے۔ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ۔ پہلے موقع پر یہ فقرہ بہ لحاظ اعضاء وجسم تھا۔ یہاں بہ اعتبار اشخاص کے ہے۔ پہلے استثناء میں فلاں فلاں عضو شامل تھے اب استثناء میں فلاں فلاں اشخاص کی نشاندہی ہو رہی ہے۔ ف۵۸ یہ سب عزیز اصطلاح میں محرم کہلاتے ہیں۔ فقہاء نے محرموں کی بھی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک وہ جو محرم ابدی ہیں مثلاً باپ، چچا، بیٹا، پوتا وغیرہ۔ دوسرے وہ جو بعد زوال وصف اجنبی ہو جائیں۔ مثلاً شوہر طلاق کے بعد، مملوک آزاد ہونے کے بعد، بچہ جوان ہو جانے کے بعد۔ اِخْوَانِهِنَّ۔ بھائی جو محرم ہیں ان سے سگے بھائی یا ایک باپ کی اولاد یا ایک ماں کی اولاد یا دودھ شریکے مراد ہیں۔ اور کسی قسم کے بھائی چچیرے، خلیرے وغیرہ جو عرفاً ورواجاً ہندوستان میں محرم سمجھ لیے گئے ہیں، مراد نہیں ہے۔ اَخَوٰتِهِنَّ۔ علیٰ ہذا بہنوں سے بھی مراد سگی بہنیں یا ایک ماں یا ایک باپ کی اولاد یا دودھ شریکی بہنیں ہیں۔ عرفی بہنیں مثلاً چچیری، خلیری وغیرہ کے مراد نہیں۔ اٰبَآئِهِنَّ۔ دادا، نانا وغیرہ بھی اس کے باپ ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ و یدخل فیهم الاجداد (مدارک) اَبْنَآئِهِنَّ۔ اولاد ہی میں اولاد در اولاد پوتے نواسے وغیرہ شامل ہیں۔ و یدخل فیهم النوافل (مدارک) ان رشتوں کے علاوہ عورت کے چچا اور ماموں بھی اس کے محرم ہوتے ہیں۔ "غرض مدار محرمیت پر ہے اور محرم وہ رشتہ دار ہے جس سے ابداً نکاح حرام ہو خواہ نسب سے ہو یا مصاہرۃ سے یا رضاع سے۔ البتہ بعض فقہاء نے زمانہ کے فتن کو دیکھ کر مصاہرت اور رضاع سے خلوت میں رہنے بیٹھنے کو منع کیا ہے"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اَوْ۔ اس آیت بھر میں اور (واو عاطفہ) کے معنی میں ہے۔ تردید وتخییر کے لیے نہیں۔ مشائخ صوفیہ کہتے ہیں کہ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ میں اشارہ اس طرف ہے کہ زینت اسرار کو نامحرم یعنی نااہل سے پوشیدہ رکھنا چاہیے۔ ف۵۹ نِسَآئِهِنَّ سے مراد مومن عورتیں ہیں۔ یعنی المومنات (بیضاوی) اراد نساء المومنات (جصاص) کافر عورت شریعت اسلام میں اجنبی مرد کے حکم میں ہے۔ پردہ اس سے بھی اسی طرح واجب ہے۔ صحابہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور تابعین میں مجاہد وغیرہ کا یہی مذہب منقول ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مکتوب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے نام کا نقل ہوا ہے کہ کتابیہ (یعنی مسیحی، یہودی عورتیں) مومن عورتوں کے ساتھ حمام میں نہ جانے

پائیں۔ اللہ اللہ کہاں تاکید اس احتیاط کی تھی، کہاں اس امت کو فرنگیوں سے ارتباط و اختلاط پر فخر رہنے لگا! فقہاء نے لکھا ہے کہ فاحشہ عورت اگرچہ مسلمان ہو، پاکدامنوں میں نہ آنے پائے۔ ایک تو نِسَآئِهِنَّ پر قیاس کر کے دوسرے بہ خوف اغوا و فتنہ۔ ف٦٠ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ کا لفظ عام ہے لیکن حنفیہ کے ہاں صرف باندیاں مراد ہیں غلام مراد نہیں۔ غلام اجنبی مردوں کے حکم میں ہیں۔ ای اماثهن و لا یحل لعبد ها ان ینظر الی هذه المواقع (مدارک) مَا۔ یہاں اپنے عموم پر نہیں۔ ف٦١ (بوجہ ان کے سلب حواس کے) التّٰبِعِيْنَ۔ تابعی یا طفیلی وہ ہے جو محض کھانے پینے کے واسطے پڑا رہتا ہو۔ الذی یتبعک لیصیب من طعامک (جصاص۔ عن ابن عباس و قتادة و مجاهد) ان کا ذکر اس لئے کیا کہ ایسے لوگ اس وقت موجود تھے۔ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ۔ هو الاحمق الذی لا ارب لهٗ فی النساء (جصاص) ''مدار حکم سلب حواس پر ہے نہ کہ تابع ہونے پر۔ اس وقت وہ تابع ایسے ہی تھے۔'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) خواجہ سرا وغیرہ کی آمد و رفت عورتوں میں فقہاء نے ممنوع لکھی ہے۔ عورت کو اجنبی مردوں سے ایسے کام لینا۔ جن میں جسم کو مس کرنا پڑے جائز نہیں۔ اسی طرح مرد کو اجنبی عورتوں سے اس قسم کے کام لینا یا خادمہ کو خلوت میں بلانا یا اس پر نظر کرنا جائز نہیں۔ ف٦٢ مراد اس سن کے بچے ہیں جو ابھی شہوانیت کے معنٰی ہی سے واقف نہیں۔ یہ معنٰی نہیں کہ ابھی باقاعدہ بالغ نہیں ہوئے ہیں۔ قال مجاهد هم الذین لا یدرون ما هن من الصغر (جصاص) ای لا یمیزون من عورات النساء و الرجال بصغرهم و قلة معرفتهم بذٰلک (جصاص) طفل یہاں بطور اسم جنس ہے اس لئے مابعد صیغہ جمع آگیا ہے۔

لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ

کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے۔ ف٦٣ اور تم سب اللہ کے سامنے

جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣١﴾ وَ اَنْكِحُوا

توبہ کرو اے ایمان والو تاکہ تم فلاح پاؤ ف٦٤ اور تم اپنے بے نکاحوں کا

الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ؕ

نکاح کرو ف٦٥ اور تمہارے غلام اور باندیوں میں جو اس کے (یعنی نکاح کے) لائق ہوں ان کا بھی ف٦٦

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ

اگر یہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا ف٦٧ اور اللہ

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٢﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ

بڑا وسعت والا ہے بڑا جاننے والا ہے ف٦٨ اور جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہیں انہیں چاہیے کہ

نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ الَّذِيْنَ

ضبط سے کام لیں، یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے ف٦٩ اور تمہارے

يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ

مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو انہیں مکاتب بنا دیا کرو

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ

اگر ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ ف٧٠ اور اللہ کے اس مال میں سے بھی انہیں دو

الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ

جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے ف٧١ اور اپنی باندیوں کو مت مجبور کرو زنا پر

اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ

جب کہ وہ پاک دامن رہنا چاہیں ف٧٢ محض اس لئے کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ

ف٦٣ فقہاء نے اس سے استنباط اور بالکل صحیح استنباط کیا ہے کہ ہر وہ آواز جو رغبت اور دلکشی کا باعث ہو، اسی پر محمول اور اسی لئے ممنوع ہوگی۔ اللہ، اللہ۔ عفت و طہارت کا کس درجہ اہتمام ہماری پاک شریعت میں ہے، اور فتنہ کے کیسے کیسے دروازوں اور چھپے ہوئے سوراخوں کو ہماری شریعت نے بند کیا ہے۔ ایک طرف یہ احتیاطیں و پابندیاں ہیں۔ دوسری طرف گانے اور طرح طرح کے سریلے باجوں کے ساتھ گانے ہی کی نہیں بلکہ ناچ اور مرد و عورت کے مشترک ناچ کی آزادیاں ہیں!...... دونوں زندگیوں کے نتائج بالکل ظاہر ہیں۔ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ۔ زیور سے یہاں مراد وہ زیور ہیں جو از خود نہیں بجتے بلکہ کسی چیز کی رگڑ سے بج اٹھتے ہیں۔ مثلاً چھڑے، کڑے۔ قرآن نے انہیں کے بارہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان کی پہننے والیاں پیر زمین پر زور سے نہ رکھیں۔ گویا ان کا پہننا فی نفسہ درست ہے۔ لیکن ان کی آواز یا جھنکار بہ اندیشہ فتنہ درست نہیں۔ ''اس سے یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ جب زیور کی صوت کے اخفاء کا اتنا اہتمام ہے تو صاحب زیور کی صوت کا کہ اکثر مورث فتنہ و میلان ہو جاتی ہے اخفاء کیوں نہ قابل اہتمام ہوگا۔ نیز یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ جب صوت ایسی قابل اخفاء ہے تو صورت تو کیوں نہ قابل اخفاء ہوگی کہ اصل مبداء فتنہ ہے۔'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) قال ابو بکر قد عقل من معنی اللفظ النهی عن ابداء الزینة و اظهارها بورد النص فی النهی عن سماع صوتها اذ کان اظهار الزینة اولٰی بالنهی مما یعلم به الزینة فاذا لم یجز اخفی الوجهین لم یجز ما ظهر هما (جصاص) اسی طرح وہ زیور جن میں از خود آواز پیدا ہوتی ہو، مثلاً گھنگرو، ان کا پہننا ہی سرے سے ناجائز ہے۔ حدیث میں جرس سے ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ف٦٤ (اور ان احکام میں جو کوتاہیاں ہو گئی ہوں وہ معاف ہوں) فلاح سے مراد یہاں فلاح کامل ہے۔ معصیتوں کا صدور نقصان فلاح کا باعث ہوتا ہے۔ آیت سے اہل سنت نے استدلال کیا ہے۔ کہ عصیان کا وجود ایمان کے منافی نہیں۔ ظاهر الاٰية یدله علی ان العصیان لا ینا فی الایمان (مدارک) ف٦٥ ایم کے معنٰی ہیں عورت بلا شوہر، یا شوہر بلا عورت۔ عام ہے ہر مرد و عورت کے لئے جس کا نکاح یا تو سرے سے ہوا ہی نہ ہو۔ یا ہوا ہو اور بہ سبب وفات و طلاق کے تجرد ہو گیا ہو۔ الایم من النساء من لا زوج او بکرًا او ثیبًا و من الرجال من لا امراة له (تاج) اسم الایامٰی ینتظم الرجال و النساء (جصاص) وَ اَنْكِحُوا۔ حکم وجوبی نہیں استحبابی ہے۔ قد قامت الدلالة من اجماع السلف و فقهاء الامصار علی انه لم یرد بها الایجاب۔ و انما استحباب (جصاص) شریعت اسلام میں نکاح بجائے خود ایک فضیلت کی چیز ہے۔ مسیحیت کی طرح نکاح ایک ناگزیر برائی کا نام نہیں۔ ملاحظہ ہوں حواشی انگریزی۔ ف٦٦ صَالِحِيْنَ۔ یعنی حقوق زوجیت ادا کرنے کے لائق ہوں۔ اَنْكِحُوا۔ ''عام ہے معاونت و توسط و تمکین سب کو جیسا جہاں موقع ہو، اور اس میں خطاب عام ہے اولیاء یعنی اقارب و سادات یعنی آقاؤں کو'' (تھانوی) ف٦٧ (اپنی حسب مشیت) یعنی اگر غلاموں میں صلاحیت کسب معیشت کی موجود ہے، تو ان کے فقر و افلاس بالفعل کو مانع نکاح نہ قرار دو۔ فقر و نکاح میں کوئی منافات نہیں۔ جو سردست فقیر ہے کیا عجب کہ حسب مشیت صاحب معاش ہو جائے۔ نکاح اس مشیت تکوینی میں مانع نہیں۔ ''پس نہ عدم غنا کو مانع نکاح سمجھیں اور نہ نکاح کو مانع غنا، اس کا دارومدار مشیت پر ہے۔ اگر فقر کے ساتھ مشیت متعلق ہو جائے تو باوجود نکاح نہ ہونے کے بھی ہوگا۔ پس ایسے ارتباطات وہمیہ و باطلہ پر کیوں نظر کی جائے۔'' (تھانوی) آیت میں کوئی وعدہ مراد نہیں کہ اہل فقر کو نکاح کے بعد خواہ مخواہ غنا حاصل ہی ہو جائے گا۔ اور اس طرح گویا نکاح بجائے خود ایک مستقل وسیلہ معاش ہے! بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ جب دوسرے حالات موافق جمع ہوں تو محض فقر کو مانع نہ قرار دو۔ فقر و غنا کو نکاح و عدم نکاح سے کوئی تعلق نہیں۔ الاصح ان هٰذا لیس وعدًا عن الله تعالٰی اغناء من یتزوج بل المعنی لا تنظروا الی فقر من یخطب الیکم (کبیر) ف٦٨ (جسے چاہے غنی کر سکتا ہے۔ خوشحالی سے نواز سکتا ہے، اس کے ہاں کوئی تنگی، کمی تو ہے نہیں اور پھر ہر ایک کی اہلیت و صلاحیت، ظرف و بساط سے خوب واقف جسے کفر کا اہل دیکھے گا اسے کافر ہی رکھے گا) معاشیات کو مسائل معاش کو ربوبیت الٰہی کے عام قانون سے عملاً خارج سمجھ لینا، عصر حاضر کی سب سے بڑی گمراہیوں میں سے ہے۔ قرآن نے بار بار اس گمراہی پر ضرب لگائی ہے۔ اور بار بار اعلان کیا ہے کہ جسمانیات و روحانیات کے سارے دوسرے مسائل کی طرح معاشیات بھی اسی کی مشیت کے محکوم و تابع ہیں۔ ف٦٩ (اور پھر نکاح کر

الدُّنْيَا ؕ وَ مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ

تمہیں حاصل ہو جائے ف۷۳ اور جو کوئی انہیں مجبور کرے گا سو اللہ ان کے مجبور کئے جانے

اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ

کے بعد بخشنے والا ہے مہربان ہے ف۷۴ اور ہم نے تمہارے پاس کھلے احکام

مُّبَيِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ

بھیجے ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی حکایتیں

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ

اور خدا سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت (کی باتیں بھی بھیجی ہیں) ف۷۵ اللہ (ہی) آسمانوں

وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ

اور زمین کا نور ہے ف۷۶ اس کے نور (ہدایت) کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے

اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ

چراغ قندیل میں ہے قندیل گویا ایک چمک دار

دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ

ستارہ ہے چراغ روشن کیا جاتا ہے ایک نہایت مفید درخت (یعنی) زیتون سے جو نہ پورب رخ ہے

وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ

اور نہ پچھم رخ ہے ف۷۷ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا اگرچہ آگ اسے نہ بھی

نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ

چھوئے ف۷۸ نور ہی نور ہے ف۷۹ اللہ اپنے اسی نور تک جس کو چاہتا ہے

يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ

ہدایت دیتا ہے ف۸۰ اور اللہ لوگوں کے لئے (یہ) مثالیں بیان کرتا ہے ف۸۱ اور اللہ ہر چیز کا

ع ۸/۱۰

لیں) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی نکاح کے سامان سے محروم ومعزی ہوتو اس کے لئے ہدایت یہی ہے کہ وہ صبر وعفت سے کام لئے بیٹھا رہے یہ اجازت ہرگز نہیں کہ کسی ناجائز طریقہ پر شہوت رانی کرنے لگے۔ جیسا کہ شدید بھوک کے موقع پر حرام کھالینے کی اجازت ہے۔ شہوت جنسی کا ضبط بھوک پیاس کی طرح کچھ بہت دشوار نہیں۔ نسبتہً بہت آسان ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ استعفاف۔ یعنی پارسائی سے مراد ہے زنا اور اس کے مقدمات دونوں سے بچنا اور اپنی حفظ عفت کے لئے خاص اہتمام رکھنا۔ ولیجتھد فی العفة (کبیر) غنی سے مراد وہ شوہر ہے جو ادائے مہر ونفقہ پر قادر ہو۔ ف۷۰ مکاتبت اصطلاح شریعت میں غلام وآقا کے درمیان معاہدہ کا نام ہے۔ غلام آقا سے یہ کہے کہ میں کما کر اتنا مال تجھے دیدوں تو آزاد ہو جاؤں اور مالک اسے منظور کرلے اور یہ مکاتب اگرچہ ابھی غلام رہے گا، لیکن پیشہ یا تجارت اختیار کرنے کے باب میں خود مختار ہو جائے گا۔ پھر اگر شرط پوری ہوگئی تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ نہ پوری ہو سکنے کی صورت میں غلام یا تو خود ہی مکاتبت کو فسخ کرالے۔ ورنہ قاضی فسخ کرادے گا۔ خَیْرًا۔ خیر یعنی بہتری کے آثار سے مراد ہے کمانے کا سلیقہ، فضول خرچی سے بچنا آزاد ہو کر دوسروں کو تکلیف نہ دینا۔ قال ابن عمر قوة علی الکسب وھو قول مالک وثوری (معالم) قال الشافعی واظھر معانی الخیر فی العبد الاکتساب مع الامانة (معالم) الاظھر انه اراد الصلاح فینتظم ذلک الوفاء والصدق والامانة (جصاص) اگر یہ آثار نہ معلوم ہوتے تو خود مصیبت ومعصیت میں پڑتے، اور دوسروں کے لئے بھی باعثِ آزار بنتے سے تو یہی بہتر ہے کہ وہ بجائے خود مختاری کے قید وغلامی میں رہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ عقد مکاتبت جائز، بغیر خیر ہی ہے۔ عَلِمْتُمْ۔ علم سے مراد ظن غالب ہے۔ ف۷۱ (تاکہ وہ جلد آزادی حاصل کرسکیں) مَالِ اللّٰهِ۔ مال کی اضافت اللہ کی طرف کرکے یہ حقیقت تازہ کردی کہ یہ مال تمہارا اپنا ہے کب۔ جو کچھ بھی خرچ کروگے اللہ ہی کا تو مال ہوگا! اٰتُوْهُمْ۔ صیغۂ امر کے مخاطب عام مسلمین ہیں۔ امت کو حکم ہو رہا ہے کہ زکوٰۃ دے کر مکاتبین کی امداد کرو۔ اعانت مکاتبین مصارفِ زکوٰۃ میں سے ایک مصرف ہے۔ ف۷۲ (جیسا کہ جاہلیت عرب میں رواج تھا) بِغَآءِ کے معنی حرامکاری کے ہیں البغاء الزنا (مجاہد) البغاء ھو الزنا (ابن جریر) فَتَیٰت کے لفظی معنی ہیں جوان عورتیں، یہاں مراد ہیں مطلق باندیاں خواہ کسی عمر کی ہوں۔ فتیاتکم ای اماءکم (راغب) یہ مراد نہیں کہ اگر وہ ابھی جوانی کو نہ پہنچی ہوں یا جوانی سے اتر چکی ہوں تو ان کے لئے یہ جائز ہوگا۔ ف۷۳ یہ دونوں قیدیں بہ طور قید واقعی ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے ہمعصر اہل جاہلیت واقعۃً اپنی باندیوں کو ان کی خواہش کے خلاف عصمت فروشی پر مجبور کرتے رہتے تھے۔ اور مقصود اس سے محض نفع مالی تھا۔ وکذٰلک کانوا یفعلون فی الجاھلیة یؤاجرون اماءھم (معالم) یہ مراد نہیں کہ اگر باندیاں از خود آمادہ ہوں یا ان کے مالک ان سے فیس نہ وصول کرتے رہیں تو عصمت فروشی ان کے حق میں جائز ہو جائے گی۔ ف۷۴ (ان مجبوریوں کے حق میں) ای مکروھات مع الزناء (ابن جریر۔ عن مجاہد) عن ترکھن ما اکرھن علیه (ابن جریر عن الزہری) لھن غفور رحیم (جصاص۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ”جس اکراہ سے مکرہات پر مواخذہ نہیں وہ وہ ہے جس میں اتلافِ نفس یا اتلافِ عضو کا خوف ہو۔“ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) فقہاء نے لکھا ہے کہ مجبور پر نہ حد جاری ہوگی نہ اس کے عمل کا شمار عصیان میں ہوگا۔ قال ابو بکر اخبر تعالٰی ان المکرھة علی الزنا مغفور لھا ما فعلته علی وجه الاکراہ (جصاص) سورت میں شروع سے بے عصمتی کی تقبیح اور عصمت کی تاکید چلی آرہی ہیں۔ غلاموں، کنیزوں کے نکاح کی تاکید، کنیزوں کی عصمت کا تحفظ سب اسی سلسلہ کی چیزیں ہیں۔ ف۷۵ (اس قرآن بلکہ اس سورت کے ذریعہ سے) وحی خفی جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتی ہیں۔ وہ بھی آیت کا مدلول بن سکتی ہیں۔ ف۷۶ یعنی اللہ ہی نور ہدایت بخشنے والا ہے اہل آسمان کو بھی، اہل زمین کو بھی، یعنی جملہ مخلوقات کو۔ ای ھادی من فی السمٰوٰت والارض فھم بنورہ الی الحق یھتدون بھداہ من جرة الضلالة یعتصمون (ابن جریر) یقول اللہ سبحانه ھادی اھل السموات والارض (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ھادی اھل السمٰوٰت والارض (جصاص عن انس) ای مثل نور اللہ تعالٰی فی قلب المؤمن ھو النور الذی یھتدی به (معالم) انجیل میں بھی خدا کو نور کہا گیا ہے۔ یوحنا کے پہلے عام خط میں ہے:۔ ”خدا نور ہے اور اس میں ذرا بھی تاریکی نہیں“ (۱۔۵) اصل انجیل یوحنا باب اول کے شروع میں بھی اس قسم کی کچھ عبارتیں ہیں۔ نُوْر۔ اپنے لغوی معنی میں وہ روشنی ہے جس کا ادراک آنکھ سے ہوسکے۔ تو حق تعالیٰ پر اس کا اطلاق جب بھی ہوگا مجازی ہی معنی میں ہوگا۔ النور فی کلام العرب الضوء المدرک بالبصر فاسنادہ الی اللہ تعالٰی مجاز (بحر) یا یوں کہا جائے کہ اس کی صفت نورانیت کے اظہار عظمت کے لئے ہے۔ وتسمیته تعالٰی بذٰلک لمبالغة فعله (راغب) ف۷۷ یعنی نہ اس کے جانب شرقی میں کوئی آڑ ہے نہ جانب غربی میں۔ اس کا فیض شرق وغرب کے ساتھ مخصوص نہیں کوئی جانب اس سے خالی نہیں، وہ مقید کسی جہت کے ساتھ نہیں۔ زَیْتُوْنَةٍ۔ روغن زیتون اپنی لطافت وصفائی وروشنی کے لئے مشہور ہے۔ عرب میں مشہور تر تھا۔ مَثَلُ۔ اہل تحقیق نے بہ طور عبارۃ النص یہاں لکھا ہے کہ اللہ کی صفات کی مثال بیان کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ خلاف آداب حضرت نہ ہو۔ اور نفی لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ میں جس چیز کی کی گئی ہے، وہ وجود مثل ونظیر کی ہے۔ ف۷۸ یعنی وہ روغن اپنی غایت تنویر سے از خود روشن ہو جانے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خود ایمان غایت وضوح سے کسی ایضاح خارجی کا محتاج نہیں۔ ف۷۹ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کا یہ ترجمہ اردو محاورہ کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک تو اس میں خود قابلیت نور کی اعلیٰ درجہ کی تھی پھر ادھر سے فاعل یعنی نار کے ساتھ اجتماع ہوگیا۔ اور پھر اجتماع بھی ان کیفیات کے ساتھ کہ چراغ قندیل میں رکھا ہو۔ جس سے بالمشاہدہ چمک بڑھ جاتی ہے۔ اور

پھر وہ ایسے طاق میں رکھا ہو جو ایک طرف سے بند ہے۔ ایسے موقع پر شعاعیں ایک جگہ تیز ہو کر بہت تیز روشنی ہوتی ہے۔ اور پھر تیل بھی زیتون کا جو مزید اشراق وقلت دخان میں مشہور ہے۔ تو اس قدر روشنی ہو گئی کہ جیسے بہت سی روشنیاں جمع ہو گئی ہوں۔ اس کو نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ فرمایا۔ یہاں مثال ختم ہو گئی۔ بس اسی طرح مومن کے قلب میں اللہ تعالیٰ جب نور ہدایت ڈالتا ہے تو روز بروز اس کا انشراح قبول حق کے لیے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور ہر وقت احکام پر عمل کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ اور جب اس کو علم حاصل ہو جاتا ہے تو نور عمل یعنی عزم علی العمل کے ساتھ جو کہ ایک حال رفیع ہے، نور علم بھی منظم ہو جاتا ہے جسے وہ فوراً ہی قبول کر لیتا ہے، بس علم وعمل جمع ہو کر نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ پر صادق آ جاتا ہے"۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۸۰ (اور انہیں اپنے قانون تکوینی کے ماتحت منزل تک پہنچا دیتا ہے) اس نعمت پر اہل ایمان کو خوش ہونا چاہیے۔ ف۸۱ (تاکہ معقولات، مجردات، محسوسات کی مثالوں کے ذریعہ سے آسان اور قریب الفہم ہو جائیں، اور اس سے خوب ہدایت حاصل ہو)" یہ ہدایت جو ضرب امثال پر مرتب ہے عامہ ہے۔ اور یَهْدِی اللّٰهُ میں ہدایت خاصہ ہے، اس لیے وہاں مَنْ يَّشَآءُ کے ساتھ متعلق ہے اور یہاں جمیع ناس کے لیے۔ پس باہم تعارض نہیں"۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۸۲ ہدایت کے طریقے بھی اس نے کافی بلکہ وافی اختیار کیے ہیں اور ہر ایک شخص کی صلاحیت ہدایت کا بھی صحیح علم اسی کو ہے۔ ف۸۳ یعنی یہی ہدایت پائے ہوئے اشخاص۔ ف۸۴ مراد مسجدوں کا ہونا ظاہر ہے۔ اکثر المفسرین قالوا المراد المساجد (کبیر) قال ابن عباس رضی اللہ عنہما ھذہ البیوت ھی المساجد و کذٰلک قال الحسن و مجاھد (جصاص) تُرْفَعَ۔ رفع کے لفظی معنٰی بلند کرنے کے ہیں۔ لیکن بلندی ہمیشہ مادی ہی نہیں ہوتی، معنوی بھی ہوتی ہے۔ الرفع قال تارۃ فی الاجسام الموضوعۃ ...... وتارۃ فی المنزلۃ اذا شرّفھا (راغب) ترفع ای تشرف (راغب) اور معنوی بلندی یہی ہے کہ مسجدوں کی تعظیم وتطہیر کا اہتمام رکھا جائے۔ ای تعظم و تطھر عن الانجاس و عن اللغو من الاقوال (کبیر۔ عن الزجاج) ای تعظم بذکرہٖ (کبیر۔ عن مجاہد) فقہاء نے یہیں سے مسجد کی تعظیم وادب اور اس کے اندر بیٹھ کر دنیوی امور میں مشغولیت کی ممانعت نکالی ہے۔ ھٰذا یدل علی انه یجب تنزیھھا من القعود فیھا لامور الدنیا مثل البیع والشراء و عمل الصناعات و لغو الحدیث الذی لا فائدۃ فیه والسعۃ وما جری مجری ذٰلک (جصاص) ف۸۵ صبح و شام سے محاورہ میں مراد دوام سے ہوتی ہے۔ اس سے قطع نظر اصیل کا وقت دن ڈھلنے کے بعد سے پوری رات تک رہتا ہے۔ گویا نماز فجر اگر غدو میں آ گئی تو ظہر سے لے کر عشاء تک کی نمازیں اصال میں۔ ف۸۶ احکام فرعی میں سے یہ دو نہایت اہم ہیں۔ انہیں بطور نمونہ کے بیان کر دیا گیا۔ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ اللہ کی یاد سے مراد اس کے احکام کی بجا آوری ہے۔ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ۔ خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے۔ اس خاص فضیلت کے موقع پر ذکر کس کا فرمایا گیا۔ گوشہ نشین، تارک دنیا زاہدوں راہبوں کا نہیں۔ بلکہ ان کا جو دنیا کے معاملات میں پوری طرح پڑے ہوئے ہیں۔ بیع وتجارت میں لگے ہوئے ہیں۔ پھر بھی دل ان کے کہیں اور ہی اٹکے ہوئے ہیں۔ فرائض میں غفلت نہیں کرتے۔ ادائے حقوق میں سستی نہیں برتتے۔ روی عن الحسن فی ھٰذہ الاٰیۃ واللہ لقد کانوا یتبایعون فی الاسواق فاذا حضر حق من حقوق اللہ بدءوا بحق اللہ حتٰی یقضوہ ثم عادوا الی تجارتھم (جصاص) صوفیہ کے مسئلہ خلوت در انجمن کی اصل یہیں سے نکلتی ہے۔ ف۸۷ یہ بیان ان کے کمال خشیت وتقوٰی کا ہے کہ باوجود پابندی احکام کے ہر وقت روز جزا سے ڈرتے رہتے ہیں۔ ف۸۸ مفصل ومستقل ومتعین وعدہ، اہل ایمان سے جس جزا کا ہے وہ تو جنت ہے۔ اس کے علاوہ محض اپنے فضل وکرم سے اللہ جس کو جتنا نواز دینا چاہے اس کے لیے کوئی حد وحساب ہی نہیں ـــ اسلام کا خدا بعض دوسرے مذہبوں کی طرح کرم وعطا میں کنجوس نہیں۔ ف۸۹ یعنی تڑپ کر پیاس سے مر گیا۔ یہ مثال ان کافروں، منکروں کی ہے جو اپنے اپنے باطل مذہب پر قائم، اپنے زعم میں عمر بھر اعمال صالحہ میں لگے رہے، اور جزائے آخرت کے امیدوار۔ ان بدنصیبوں کی آخری مایوسی کی شدت کا کیا ٹھکانا ہے کہ جب حقیقت کا انکشاف ہو گا تو ان کی دل خوش کن امیدیں کچھ بھی کام نہ دیں گی۔ اور غایت تحسر کے ساتھ انہیں قعر ہلاکت میں گرنا ہو گا۔ ف۹۰ یعنی عمر کا خاتمہ کر دیا۔

شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۳۵﴾ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ

خوب جاننے والا ہے ف۸۲ (وہ) ف۸۳ ایسے گھروں میں ہیں جن کے لئے اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے

وَ یُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ۙ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ

اور ان میں اس کا نام لیا جائے ف۸۴ ان میں وہ لوگ صبح و شام اللہ کی پاکی

وَ الْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ

بیان کرتے ہیں ف۸۵ ایسے لوگ جنہیں نہ تجارت غفلت میں ڈال دیتی ہے نہ (خرید و) فروخت

عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ

اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوۃ دینے سے ف۸۶

یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾

وہ ڈرتے رہتے ہیں ایسے دن سے جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی ف۸۷

لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ یَزِیْدَهُمْ

انجام یہ ہو گا کہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا اور ان کو

مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ

اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا اور اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار دے دیتا ہے ف۸۸

حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ

اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال مثل سراب کے ہیں

بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ

چٹیل میدان میں کہ پیاسا اس کو پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا

یَجِدْهُ شَیْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ

تو اسے کچھ بھی نہ پایا اور اس کے پاس (قضاء) الٰہی کو پایا ف۸۹ سو اللہ نے اس کا حساب پورا چکا دیا ف۹۰

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ

اور اللہ بہت ہی جلد حساب کر دیتا ہے یا (وہ اعمال) ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے

يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ

کہ اس کو ایک (بڑی) موج نے ڈھانپ لیا ہو پھر اس (موج) کے اوپر (ایک اور) موج ہو (پھر) اس کے اوپر بادل ہو

ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ

(غرض) اوپر تلے اندھیرے ہیں اگر کوئی اپنا ہاتھ نکالے تو اس کے

يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ

دیکھنے کا احتمال تک نہیں ۹۱ اور جس کو اللہ ہی نور (ہدایت) نہ دے اس کے لئے (کہیں سے)

نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

نور نہیں ۹۲ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ

زمین میں ہیں اور پرند بھی جو پر پھیلائے ہوئے ہیں ۹۳ ہر ایک کو معلوم ہے اپنی اپنی دعا

وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ

اور اپنی تسبیح ۹۴ اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ لوگ کرتے رہتے ہیں ۹۵ اور اللہ ہی کی

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

ملک ہیں آسمان اور زمین اور اللہ ہی کی طرف واپسی ہے ۹۶

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ

کیا تجھے یہ علم نہیں کہ اللہ ایک بادل کو چلاتا رہتا ہے پھر اس کو باہم ملا دیتا ہے پھر

يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ

اس کو تہ بتہ کر دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے بارش کو کہ وہ اس کے بیچ میں نکل کر آتی ہے

ع ۱۱

ف ۹۱ یہ مثال ان کافروں کی ہے، جو سرے سے ملحد یا لامذہب ہیں اور جنہیں کوئی دھمی سہارا بھی آخرت کا حاصل نہیں۔ ان کی غایت ظلمانیت کا کیا کہنا۔ ایک تو قعر سمندر کی تاریکیاں خود ہی معاذ اللہ کیا کم ہیں، اور پھر سطح سمندر کے اوپر موج در موج اور اس پر چھائی ہوئی گھٹائیں۔ غرض کیسا کچھ اندھیرا گھپ! ف ۹۲ چنانچہ یہ بھی اپنے اعراض کے باعث ایسی تاریکیوں میں گھرے اور پڑے رہ گئے ہیں کہ اب ان کا کوئی سہارا نہیں! ـــ انہیں چاہیے تھا کہ اتباع احکام الٰہی کا قصد اپنی طرف سے کرتے۔ حق تعالیٰ اپنی عادت کے موافق ان کے عزم پر فعل کو بھی ضرور مرتب کر دیتا۔ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا۔ اور اللہ کی طرف سے ہدایت سے محروم وہی رہتے ہیں جو خود ہی حصول ہدایت کا قصد نہیں کرتے۔ صوفیہ نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جس میں استعداد نہیں اس میں عقل بھی نہیں۔ ف ۹۳ (اور بہ ظاہر زمین و آسمان کی درمیانی فضا میں معلق) اَلَمْ تَرَ۔ خطاب عام سننے والے سے ہے۔ یعنی کیا تجھ پر دلالت عقل و مشاہدات سے یہ بات واضح نہیں ہوتی؟ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہ تسبیح خواہ قالاً ہو یا حالاً ہر صنف موجودات کے اپنے اپنے مرتبۂ وجود کے مطابق ہوتی ہے۔ وَالطَّيْرُ۔ پرند پرستی جاہلی قوموں میں سب سے زیادہ پھیلی رہی ہے۔ باز، عقاب، طوطا، نیل کنٹھ، ہنس، شکرہ اور خدا معلوم کتنے اور پرندے پج چکے ہیں۔ مخلوقیت و عبدیت کے موقع پر پرندوں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ، عجب نہیں کہ اسی مصلحت سے ہو۔ ف ۹۴ (بہ طریق الہام) كُلٌّ۔ یہاں مراد پرند (الطیر) بھی ہو سکتی ہے۔ جو بالکل قریب ہے۔ اور ہر موجود و مخلوق بھی مراد ہو سکتی ہے۔ ف ۹۵ (اور وہ ان کو وقت مناسب پر سزا دے کر رہے گا) اشارہ ہے ان لوگوں کی جانب جو دلالتوں کے باوجود توحید و ایمان سے اعراض و انکار کرتے رہتے ہیں۔ ف ۹۶ اس وقت ملکیت و حاکمیت سب کے مشاہدہ میں آ کر رہے گی۔

وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْۢ بَرَدٍ

اور اسی بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے

فَيُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ

پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور اسے ہٹا دیتا ہے جس سے وہ چاہتا ہے

يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ

اس (بادل) کے بجلی کی چمک گویا اب بینائی جایا ہی چاہتی ہے ف۹۷ اللہ رات اور دن کو

الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

الٹتا پلٹتا رہتا ہے اس میں اہل بینش کے لئے (بڑا) سبق ہے ف۹۸

وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ

اور اللہ ہی نے ہر چلنے والے جانور کو پانی سے پیدا کیا ہے سو ان میں وہ بھی ہیں جو پیٹ کے بل

عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ

چلتے ہیں اور ان میں وہ بھی ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا

اور ان میں وہ بھی ہیں جو چار پیروں پر چلتے ہیں اللہ جو چاہتا ہے

يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ

پیدا کرتا ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ف۹۹ بے شک

اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ

ہم نے کھلے ہوئے نشان نازل کیے ہیں اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ کی طرف

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

ہدایت کر دیتا ہے ف۱۰۰ اور یہ لوگ کہتے (تو) ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر

ف۹۷ غرض اپنی مشیت تکوینی کے یہ عجائب وغرائب ہر لحظہ و ہر آن دکھاتا رہتا ہے۔ دیکھنے کے لیے صرف چشم بینا ہونا چاہیے — ایک مناسب وقت پر مناسب موسم میں، ابر کو پیدا کرنا، ایک مناسب بلندی پر لے جانا، ہوا میں مناسب حال تغیرات پیدا کرنا، ابر کے منتشر ٹکڑوں کو تلے اوپر جمع کر کے انہیں گھنگھور گھٹا کی شکل میں تبدیل کر دینا، پھر ایک مناسب مقدار میں مناسب مدت تک بارش کرتے رہنا یہ سب کام اسی صانع مطلق و حکیم برحق کے ہیں۔ مِنَ السَّمَآءِ۔ سمآء کے لغوی معنی پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ ہر بلند سائبان اور چھت پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ یہاں مراد ابر ہے۔ مِنْ جِبَالٍ۔ عربی محاورہ میں کثرت وعظمت کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ مثلاً کثرتِ علم کے موقع پر عندهٗ جبال من العلم۔ کثرت زر کے موقع پر فلان يملك جبالًا من ذهب (بحر) اردو محاورہ میں بھی بولتے ہیں، ''اس کے پاس تو سونے کے پہاڑ ہیں''۔ زجاج لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ مِنْ جِبَالٍ یہاں کجبال کے معنی میں ہے۔ حرف تشبیہ ک محذوف ہے۔ (بحر) سحاباً۔ لفظ واحد ہے۔ لیکن بہ طور اسم جنس جمع کے معنی میں ہے۔ المعنى يسوق سحابةً الى سحابةٍ (بحر) بَيْنَهٗ کو بین اجزائه کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اے یؤلف بين اجزائه (بحر) فَيُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ جسے چاہتا ہے اپنی مشیت تکوینی کے مطابق مال اور جان کا نقصان پہنچا دیتا ہے۔ يَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ۔ جس کو چاہے اپنی مشیت تکوینی کے مطابق محفوظ کر دیتا ہے۔ مِنَ السَّمَآءِ میں من ابتداء غایت کا ہے۔ اور مِنْ جِبَالٍ میں مِنْ تبعیض کا ہے اور مِنْ بَرَدٍ میں مِنْ تبیینِ جنس کا ہے۔ (بصاص) ف۹۸ (اللہ کی توحید ربوبیت کا، اس کی صنعت کاملہ و قدرت مطلقہ کا) یہ ساری صناعیاں اسی صانع مطلق کی ہیں۔ کوئی دیوی دیوتا اس میں اس کا شریک نہیں۔ ف۹۹ (اسے کچھ بھی مشکل نہیں۔ وہ جو جانور جس قسم کا بھی چاہے پیدا کر دے) يَمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ پیٹ کے بل چلنے والوں میں کل رینگنے والے جانور، حشرات الارض آگئے۔ مثل سانپ کے اور تیرنے والے جانور بھی مثل مچھلی کے۔ يَمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ۔ دو پایہ جانوروں کی مثال خود انسان ہے۔ نیز پرندے جب وہ زمین پر چل رہے ہوں۔ يَمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ۔ چوپایہ جانوروں کی مثالیں بالکل ظاہر ہیں۔ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ۔ حاشیہ ف۴۵ سورۃ الانبیاء میں گزر چکا۔ ف۱۰۰ یہ احسان خاص ہے ہدایت یافتوں کے لیے۔ یہ ظہور ہے رحمت خاصہ کا۔ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ۔ یعنی دلائل حق سب کی ہدایت کے لیے نازل کیے ہیں۔ یہ ظہور ہے رحمتِ عامہ کا۔

وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ
ایمان لے آئے اور ان کا حکم مانا پھر ان میں کا ایک گروہ اس کے بعد سرتابی
بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اِذَا دُعُوْۤا
کر جاتا ہے اور یہ لوگ (ہرگز) ایمان والے نہیں ف۱۰۱ اور جب یہ
اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
اللہ اوراس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کردیں تو ان میں کا ایک گروہ
مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ
پہلو تہی کرتا ہے ف۱۰۲ اور اگر ان کا حق (نکلتا ہوتا) ہے تو (رسول) کی طرف سر تسلیم خم
مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ ؕ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ
آ جاتے ہیں ف۱۰۳ آیا ان کے دلوں میں مرض ہے یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں یا
يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ
ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگیں (نہیں) بلکہ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ
یہ لوگ تو خود ہی ظالم ہیں ف۱۰۴ ایمان والوں کا قول تو یہ ہے،
اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا
جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ اوراس کے رسول کی طرف کہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کردیں تو وہ کہہ اٹھتے ہیں
سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَ مَنْ
کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا ف۱۰۵ تو ایسے ہی لوگ تو فلاح یاب ہیں اور جو کوئی بھی
يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ
کہا مانے گا اللہ اوراس کے رسول کا اور اللہ سے ڈرے گا اور اس (کی نافرمانی) سے بچے گا تو بس ایسے ہی لوگ

ع ۱۲

ف۱۰۱ ان لوگوں کے ایمان کامل کی نفی بیان کی جارہی ہے۔ یعنی دل میں ایمان تو کسی منافق کے بھی نہیں۔ لیکن ان کھلم کھلا عدول حکمی کرجانے والوں نے تو اس ایمان کا ظاہری پردہ بھی ہٹادیا۔ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ۔ یعنی جب اس زبانی دعوی کے عملی ظہور کا وقت آتا ہے۔ ذکر منافقین کا ہے۔ زبان سے تو یہ لوگ بڑے دعوے ایمان واطاعت کے کیا کرتے ہیں۔ مگر جب وقت اس دعوی کے ثبوت کا آتا ہے تو ان میں کا زیادہ شریر حصہ صاف نکل جاتا ہے۔ ف۱۰۲ (رسول کی خدمت میں حاضری دینے سے) یہ آیت اوپر کی آیت کی تفصیل کررہی ہے۔ یعنی اپنے قضیوں، جھگڑوں کے فیصلہ کے واسطے جب یہ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں طلب کیے جاتے ہیں تو یہ لوگ یہ سمجھ کر کہ وہاں تو فیصلہ تمام ترحق وانصاف ہی کے مطابق ہوگا، اور کوئی خیانت، چالاکی چلنے نہ پائے گی۔ ٹال مٹول کرجاتے ہیں۔ دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی طلبی صرف بارگاہ رسول ہی میں ہوتی تھی مگر چونکہ رسول کے فیصلے عین خدائی ہی فیصلے کے نافذ کرنے والے ہوتے تھے اس لیے دعوا کے ساتھ اِلَى اللّٰهِ بڑھادیا گیا۔ دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ میں دعوت حکم اللہ کی طرف ہے۔ دوربین فقہاء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ حاکم اسلام جب کسی مقدمہ کے تصفیہ کے لیے بلائیں تو حاضری لازمی ہے۔ معناه الى حكم الله هذا يدل على من ادعى الى غيره حقا و دعاه الى الحاكم فعليه اجابته والمصير معه اليه (جصاص) ف۱۰۳ یعنی جب ان کا حق کسی اور کے ذمہ نکلتا ہوتا ہے اور یہ خود مظلوم ہوتے ہیں تو پھر بے تکلف چلے آتے ہیں اس اطمینان پر کہ وہاں تو حق رسی ہوہی گی، ف۱۰۴ (اور چونکہ خود برسر ظلم ہوتے ہیں) اس لیے ان مقدمات کو حضور نبوی میں لانے سے پہلو بچاتے ہیں کہ وہاں تو قلعی کھل کررہے گی) اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔ مرض سے مراد کفر قطعی ہے۔ یعنی آیا یہ انکار نبوت پر جرم میں مبتلا ہیں۔ اَمِ ارْتَابُوْۤا۔ یعنی آیا یہ نبوت ورسالت کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ف۱۰۵ (اور پھر فوراً حضور نبوی میں حاضر بھی ہوجاتے ہیں) یعنی اہل ایمان کے قول پر ان کا عمل گواہ رہتا ہے۔ اِلَى اللّٰهِ کے معنی کیے گئے ہیں کہ حکم الٰہی کی طرف۔ معناه الى حكم الله (جصاص) اور فقہاء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حاکم شریعت جب طلب کرے حاضری ضروری ہوجاتی ہے۔ هذا الأية دليل على وجوب اجابة الدعوى الى الحاكم لان الله تعالى ذم من دعى الى رسول الله ليحكم بينه و بين خصمه فلم يجب باقبح الملمة (ابن العربی) تاكيد لما تقدم ذكره من وجوب الاجابة الى الحاكم اذا دعوا اليه وجعل ذلک من صفات المؤمنين (جصاص) اور فقہاء نے اسی معنی میں یہ حدیث نبوی بھی نقل کی ہے۔ من دعى الى سلطان فلم يجب فهو ظالم لا حق لهٗ (جصاص)

هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ

بامراد ہوں گے اور یہ لوگ بڑے زور سے اللہ کی قسم کھاتے رہتے ہیں

لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ

کہ اگر آپ ہمیں حکم دیں تو ہم نکل پڑیں ف۱۰۶ آپ کہیے کہ (بس) قسمیں نہ کھاؤ فرمانبرداری

مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا

معلوم ہے اللہ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے ف۱۰۷ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی

اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ

اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر روگردانی کروگے تو (سمجھ لوکہ) رسول کے ذمہ اسی قدر ہے جس کا

مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ

بار ان پر رکھا گیا ہے اور تمہارے اوپر اسی قدر جس کا بار تم پر رکھا گیا ہے ف۱۰۸ اور اگر تم نے ان کی اطاعت کرلی ف۱۰۹

تَهْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

تو راہ سے جا لگو گے اور رسول کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے ف۱۱۰

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ وعدہ کرتا ہے کہ

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ

انہیں زمین میں حکومت عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت

مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى

دے چکا ہے ف۱۱۱ اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے واسطے قوت

لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ

دے گا ف۱۱۲ اور ان کے خوف کے بعد اس کو امن میں تبدیل کر دے گا

ف۱۰۶ (گھربار سب چھوڑ چھاڑ) اب ذکر انہیں منافقین کا ہے۔ ف۱۰۷ (اور اس نے مجھے بتادیا ہے) مطلب یہ ہے کہ زبانی ونمائشی دعووں سے کچھ بھی نہیں ہونے کا، ضرورت صرف مخلصانہ عمل کی ہے۔ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ۔ یعنی تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت خوب معلوم ہو چکی! ف۱۰۸ یعنی رسول کے ذمہ تو تبلیغ تھی۔ وہ اسے پوری طرح ادا کر چکے۔ اب آگے اس پر عمل تمہارا کام تھا۔ تم وہ نہیں کرتے سو خود ہی بھگتو گے، رسول کا اس سے کیا ضرر؟ ف۱۰۹ (جوعین اطاعت ہے اللہ کی) بندوں کے پاس اور کوئی ذریعہ ہی احکام الٰہی ومرضیات الٰہی کے علم کا نہیں بجز وساطت رسول کے۔ صوفیہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی سے کشف حقائق ہوتا ہے اور وہی حاصل ہے اجتداء کا۔ ف۱۱۰ (نہ کہ کسی کو ہدایت پر مجبور کردینا) یہ بات بھی بار بار صاف کرنے کی تھی۔ دنیا کو کثرت سے اس باب میں ٹھوکر لگی ہے۔ تَهْتَدُوْا۔ یعنی ہدایت پاکر خود ہی فائدہ میں رہو گے۔ ف۱۱۱ (مثلاً قوم طالوت کو جالوت اور زبردست فلسطینیوں کے مقابلہ میں، یا یوشع بن نون کے زمانہ میں بنی اسرائیل کو زبردست قوم عمالقہ کے مقابلہ میں) مِنْكُمْ خطاب نوع انسانی سے ہے۔ یعنی تم انسانوں میں سے جو طبقہ بھی ایمان و مقتضیاتِ ایمان پر عمل کرے گا۔ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ۔ یہ استخلاف یا حکومت ارض اسی ایمان وعمل صالح کی برکت سے حاصل ہوگی۔ آیت کی پوری قدر اس وقت ہو گی۔ جب اس کا زمانہ نزول بھی ذہن میں رہے۔ نازل اس وقت ہوئی ہے جب مسلمان تمامتر حالت مغلوبیت میں تھے اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب ہو رہی تھی۔ اس وقت اس دھڑلے سے پیش گوئی کر دینا بجز حق تعالیٰ کے اور کسی کا کام ہو نہیں سکتا تھا۔ فقہاء نے کہا ہے کہ یہ گویا نص ہے خلفاء اربعہ کے برسر حق ہونے کی۔ ان کی ذات میں اللہ کا وعدہ استخلاف فی الارض تمکین دین پوری طرح پورا ہو کر رہا۔ البتہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس زمرہ میں شامل نہیں، کہ وہ نزول آیت کے وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ اور نص میں ان کی جانب اشارہ نہیں۔ و فيه الدلالة على صحة امامة الخلفاء الاربعة ايضاً لان الله استخلفهم فى الارض و مكن لهم كما جاء الوعد ولايدخل فيهم معاوية لانه لم يكن مؤمنا فى ذلك الوقت (جصاص) الأية اوضح على صحة خلافة الخلفاء الراشدين رضى الله عنهم اجمعين لان المستخلفين الذين اٰمنوا و عملوا الصالحات هم هم (مدارک) قال بعض السلف خلافة ابى بكر و عمر رضى الله عنهما حق فى كتاب الله ثم تلا هذه الأية (ابن کثیر) ف۱۱۲ یہ گویا اس حکومت سے مقصود ہوگا۔ یعنی حکومت دنیوی مقصود بالذات نہ ہوگی، بلکہ ذریعہ اور واسطہ ہوگی اللہ کے پسند کیے ہوئے دینِ اسلام کی تقویت کا۔

يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ

(بشرطیکہ) میری عبادت کرتے رہیں کسی کو میرا شریک نہ بنائیں ف١١٣ اور جو کوئی اس کے بعد بھی کفر

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

کرے گا سو ایسے ہی لوگ تو نافرمان ہیں ف١١٤ اور نماز کی پابندی رکھو

وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٥٦﴾

اور زکوٰۃ دیتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو تاکہ تم پر رحمت (کامل) کی جائے ف١١٥

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ

جو لوگ کافر ہیں ان کی نسبت یہ خیال نہ کرنا کہ وہ زمین میں (ہمیں) ہرا دیں گے

وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ لَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٥٧﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے ف١١٦ اے

اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَ الَّذِيْنَ

ایمان والو تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو (لڑکے)

لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ

حد بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں ان کو تم سے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے ف١١٧

الْفَجْرِ وَ حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَ مِنْۢ

(ایک) نماز صبح سے پہلے (دوسرے) جب دوپہر کو اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو

بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۫ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ

اور (تیسرے) بعد نماز عشا (یہ) تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں ف١١٨ ان (اوقات) کے سوا

عَلَيْكُمْ وَ لَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ

نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر ف١١٩ وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں

ف١١٣ یعنی توحید و مقتضیات توحید پر قائم رہیں۔ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ...... اَمْنًا۔ یہ قوت دشمن کی طرف سے خوف ایذاء طبعی ہوتا ہے جو ایمان کامل کے منافی نہیں۔ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ کسی کو بھی میرا شریک نہ بنائیں۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ کسی طرح کا بھی شرک میرے ساتھ نہ روا رکھا جائے۔ ف١١٤ (اور ان سے کوئی وعدہ استخلاف ارض کا نہیں) بَعْدَ ذٰلِكَ سے مراد ہے اس وعدہ کے صدق کے ظہور کے بعد۔ اے بعد الوعد (مدارک) گویا اب کفر و فسق اور اشد ہے۔ اے هم الكاملون فى فسقهم (مدارک) ف١١٥ (دنیا و آخرت دونوں میں) یعنی طاعات بدنی و مالی میں تمام تر مشغول رہو، اور رسول برحق کے جملہ احکام و ہدایات کی پابندی کرتے رہو — یہ تاکید ہے انہیں ارشادات کی جو اوپر گزر چکے۔ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ حکم ابھی اوپر بھی آچکا تھا۔ یہ تکرار ظاہر کر رہی ہے کہ حکم اکد و اشد ہے۔ كررت طاعة الرسول تاكيدًا لوجوبها (مدارک) ف١١٦ یعنی آخرت میں تو ان کے لیے عذاب جہنم ہے ہی۔ دنیا میں بھی خیال نہ گزرے کہ ان کی چالیں خدائی تدبیروں پر غالب آسکتی ہیں۔ اور معاندین منکرین ہمارے قہر کی گرفت سے بچ کر کہیں نکل جا سکتے ہیں۔ خطاب یہاں عام ہے ہر پڑھنے والے سے۔ فِي الْاَرْضِ۔ یعنی زمین کے کسی حصہ میں بھی۔ ف١١٧ عام آنے جانے والوں، عاقلوں، بالغوں، آزادوں کے واسطے حکم اوپر گزر چکا ہے کہ گھروں میں جب آئیں اجازت لے کر آئیں۔ اب حکم مل رہا ہے مملوکوں کے لیے، غلاموں اور کنیزوں کے لیے، جنہیں گھروں میں بار بار آنے جانے کی ضرورت رہتی ہے نیز نابالغ بچوں کے لیے جو بلا ضرورت بھی گھر کے اندر چکر لگاتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے اس عام حکم کی پابندیاں دشوار تھیں۔ اب ان کے باب میں حکم الگ نازل ہو رہا ہے — اللہ اللہ! مسلمان کے گھر کی اندرونی راحت کا اہتمام کس درجہ مد نظر ہے۔ کیسے کیسے جزئیات تک کے احکام اس غرض کے لیے صادر ہو رہے ہیں! اَلَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے ف١١٨ (کہ یہ تین وقت عام طور پر تخلیہ و استراحت کے ہوتے ہیں) "یعنی یہ اوقات چونکہ عادۃً اور غالباً تخلیہ اور استراحت کے ہیں۔ ان میں اکثر آدمی بے تکلفی سے رہتے ہیں۔ اس لیے اپنے مملوکین اور نابالغ بچوں کو سمجھا دو کہ بے اطلاع اور اجازت لیے ہوئے تمہارے پاس نہ آیا کریں"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ کچھ تخصیص انہیں تین وقتوں کی نہیں۔ جہاں جیسی ضرورت ہو جو علت پر مدار ہے حکم معلول کا۔ اوقات خواب و تخلیہ تابع نص کے نہیں۔ بلکہ یہاں خود نص میں رعایت عرف عام کی ہے۔ ف١١٩ ان پر الزام بلا اجازت چلے آنے میں نہیں اور تم پر الزام انہیں منع نہ کرنے میں نہیں۔

بَعۡضُكُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

کوئی کسی کے پاس ف١٢٠ اسی طرح اللہ تم سے احکام کھول کر بیان

الۡاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الۡاَطۡفَالُ

کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ف١٢١ اور جب تم میں کے لڑکے بلوغ کو

مِنۡكُمُ الۡحُلُمَ فَلۡيَسۡتَاۡذِنُوۡا كَمَا اسۡتَاۡذَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ

پہنچ جائیں ف١٢٢ تو انہیں بھی اجازت لینا چاہیے جیسا کہ ان کے اگلے لوگ اجازت

قَبۡلِهِمۡ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ

لے چکے ہیں اسی طرح اللہ تم سے اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے

حَكِيۡمٌ ﴿۵۹﴾ وَالۡقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِىۡ لَا يَرۡجُوۡنَ

اور بڑا حکمت والا ہے ف١٢٣ اور بڑی بوڑھیاں جنہیں نکاح کی امید

نِكَاحًا فَلَيۡسَ عَلَيۡهِنَّ جُنَاحٌ اَنۡ يَّضَعۡنَ ثِيَابَهُنَّ غَيۡرَ

نہ رہی ہو ف١٢٤ ان کو کوئی گناہ نہیں (اس بات میں) کہ وہ اپنے زائد کپڑے اتار رکھیں ف١٢٥ (بشرطیکہ) زینت

مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيۡنَةٍ ؕ وَاَنۡ يَّسۡتَعۡفِفۡنَ خَيۡرٌ لَّهُنَّ ؕ

کو دکھلانے والیاں نہ ہوں ف١٢٦ اور اگر (اس سے بھی) احتیاط رکھیں تو ان کے حق میں اور بہتر ہے ف١٢٧

وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۶۰﴾ لَيۡسَ عَلَى الۡاَعۡمٰى حَرَجٌ وَّلَا

اور اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے ف١٢٨ نہ اندھے (آدمی) پر الزام ہے نہ

عَلَى الۡاَعۡرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الۡمَرِيۡضِ حَرَجٌ وَّلَا

لنگڑے (آدمی) پر الزام ہے اور نہ بیمار (آدمی) پر الزام ہے اور نہ

عَلٰۤى اَنۡفُسِكُمۡ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا مِنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ

خود تم پر اس بات میں کہ تم اپنے گھروں میں سے کھانا کھا لو ف١٢٩ یا اپنے باپ کے

ف١٢٠ (اس کا مطلب موافق مذہب حنفیہ کے یہ ہے کہ غلام تو تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں نہ کہ عورتوں کے پاس کیونکہ غلام کا حکم غیر محرم مرد کا سا ہے۔ اور لونڈیاں عورتوں کے پاس بھی۔ اور اسی طرح نابالغ بچے سب جگہ آتے ہیں۔ پس ہر وقت اجازت لینے میں دقت ہے۔ اور چونکہ یہ وقت پردہ کے نہیں، اس لیے ان میں اعضائے مستورہ کو چھپائے رکھنا کچھ مشکل نہیں۔ پس مرد تو غلام کے سامنے ناف سے زانو تک چھپائے رکھے اور عورت کافر لونڈی سے بجز مواقع زینت کے باقی سب چھپائے رکھے۔ اور مرد کو لونڈی سے اگر وہ اس کے لیے حلال ہے کسی بدن کا چھپانا ضروری نہیں اور اگر حرام ہے تو ناف سے زانو تک چھپائے رکھے اور عورت مسلمان لونڈی سے صرف ناف سے زانو تک چھپائے رکھے سو اس استتار میں کوئی دشواری نہیں۔ لہٰذا بے اذن آنا جائز ہوا۔ اور نابالغ بچہ کے روبرو مرد صرف زانو سے ناف اور عورت بہ استثناء مواقع زینت کے سب چھپائے رکھے۔ یہ بھی دشوار نہیں، اور ہر وقت اجازت لینے میں تنگی ہے۔ کیونکہ اس کی آمدرفت بھی بہت ہے"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) یعنی ان بكم و بهم حاجة الى المخالطة والمداخلة يطوفون عليكم للخدمة و تطوفون عليهم لاستخدام (مدارک) استيناف ببيان القدر المرخص فى ترک الاستيذان (بیضاوی) يشق عليهم الاستيذان فى كل وقت لكثرة دخولهم و خروجهم و هو معنى طوافون عليكم بعضكم على بعض (جصاص) فقہاء مفسرین نے یہاں سے یہ بھی نکالا ہے کہ احکام مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں و فيه دليل على تعليل الاحكام (بیضاوی) ف١٢١ (سو اس کی نظر انفرادی و اجتماعی ساری حکمتوں اور مصلحتوں پر ہے اس کے احکام میں سب ہی پہلوؤں کی رعایت ہوتی ہے) ف١٢٢ یعنی بالغ یا تقریباً بالغ ہو جائیں۔ خطاب یہاں احرار مسلمین سے ہے۔ ممالیک کا ذکر تو ابھی اوپر آچکا۔ ف١٢٣ (اس کے احکام کو خفیف اور اس کی ہدایات کو حقیر نہ سمجھو) یہ تاکید و تکرار اس امر کی صاف دلیل ہے کہ یہ احکام جو بظاہر محض ادنیٰ جزئیات معلوم ہوتے ہیں اللہ کے قانون میں حد درجہ اہمیت رکھتے اور حد درجہ اہتمام کے مستحق ہیں۔ فَلۡيَسۡتَاۡذِنُوۡا...... مِنۡ قَبۡلِهِمۡ۔ یعنی جب بچے سیانے ہونے لگیں تو جس طرح ان کے بڑوں پر اندر آنے کے لیے ہر وقت اجازت کی ضرورت تھی، ان پر بھی اجازت لینا انھیں تین اوقات میں نہیں، بلکہ ہر وقت واجب ہوگی۔ اے فى جميع الاوقات كما استاذن الذين بلغوا الحلم من قبلهم و هم الرجال (مدارک) ف١٢٤ یعنی وہ اس سن کو پہنچ گئی ہوں کہ اب اصلاً محل رغبت نہ رہیں۔ اور ان کی بے پردگی سے احتمال فتنہ کا نہ باقی رہے۔ الۡقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ کے لفظی معنی ہیں خانہ نشین عورتیں۔ ف١٢٥ یعنی نامحرم کے روبرو اس ہیئت سے آجائیں کہ ان کے جسم پر چادر وغیرہ لپٹی نہ ہو۔ يعنى به الرداء والمقنعة التى فوق الخمار و هو قول ابن مسعود (ابن العربی) ف١٢٦ یہ قید یہاں بھی لگی ہوتی ہے۔ قدرتی یا مصنوعی سنگار کے موقعوں کو نامحرموں کے سامنے بے پردہ لانا اس سن کی بوڑھیوں کے لیے بھی جائز نہیں، جو حد نکاح سے گزر چکی ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جوان جہان عورتوں کو اپنے جسم کے اخفاء کے باب میں کتنا اہتمام چاہیے۔ یہاں تک کہ چہرہ اور ہتھیلیاں جو بالذات داخل ستر نہیں، بہ قول فقہاء کے احتمال فتنہ سے وہ بھی داخل ستر ہو جاتی ہیں۔ ف١٢٧ خوب خیال کر لیا جائے۔ حجاب و ستر کی جو پابندیاں بوڑھیوں پر واجب نہیں، بہتر وہ بھی ان کے حق میں ہیں۔ ف١٢٨ (تمہارا ظاہر و باطن، تمہارے رمز و کنائے، تمہارے ارادے اور نیتیں سب ہی اس پر روشن ہیں) ف١٢٩ عرب جاہلیت میں کھانے پینے کے باب میں ایک ہلکی سی شکل کمیونزم (اشتمالیت) کی جاری تھی۔ دستور یہ تھا کہ جو جس کے ہاں پہنچ جاتا بے تکلفی سے اس کے ہاں کی چیزیں کھانا پینا شروع کر دیتا۔ یہ بے تکلفی بجائے خود تو اچھی چیز تھی۔ لیکن افراط اس میں اس قدر ہو گئی تھی کہ مستحقین پر نوبت ظلم کی پہنچ گئی تھی اور گھر والے اکثر گھاٹے میں رہنے لگے تھے۔ جب آیت لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ نازل ہوئی تو متقی مسلمان فرط خشیت سے بہت ہی زائد احتیاط کرنے لگے۔ اور وہاں بھی کھانے پینے سے پرہیز کرنے لگے جہاں رضا یقینی طور پر معلوم تھی۔ اور اپنے ساتھ میں اندھوں، لنگڑوں، بیماروں، معذوروں کا لے جانا تو بالکل ہی رک گیا۔ اس شدت احتیاط کو توڑنے اور اعتدال قائم کرنے کے لیے آیت بالا نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ جن گھروں کی تفصیل بیان کی جارہی ہے، یہاں خود کھا لینے یا اپنے ساتھ معذورین کو کھلا دینے میں جب کہ صاحب خانہ کی رضا کا یقین ہو، کوئی مضائقہ نہیں۔ مِنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ۔ اپنے گھروں میں بیوی اور اولاد کے گھر بھی داخل ہیں۔ عَلٰى یہاں فى کے معنی میں لیا گیا ہے۔ یعنی اندھوں، لنگڑوں وغیرہ کے باب میں نہ تم پر کوئی الزام ہے نہ ان پر۔

اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ

گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا

بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں

عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا

سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے

مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ

یا (ان گھروں سے) جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہوں یا اپنے دوستوں (کے گھروں) سے ف۱۳۰ تم پر کچھ

جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ

الزام نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ ف۱۳۱ پھر جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں

بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

کو سلام کر لیا کرو ف۱۳۲ (جو) دعا کے طور پر اللہ کی طرف سے (مقرر) ہے

مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

بابرکت (اور) عمدہ (چیز) اللہ اسی طرح تم سے کھول کر احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم

تَعْقِلُوْنَ ع ﴿٦١﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ

سمجھو ف۱۳۳ بس مومنین تو وہی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ

ع ۸ / ۱۴

وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ

اور اس کے رسول پر اور جب رسول کے پاس (کسی ایسے) کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے تو جب تک

يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ

آپ سے اجازت نہیں لے لیتے جاتے نہیں ف۱۳۴ بے شک جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں

ف۱۳۰ (کہ عادتاً اور اغلباً ان جگہوں میں رضا مل ہی جاتی ہے) اگر کہیں عدم رضا ہو تو فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ اس موقع پر یہ حکم ثابت نہ رہے گا۔ اسی طرح اگر ان گھروں کے علاوہ بھی یہ رضا مل جائے تو وہاں یہ حکم ثابت ہو جائے گا۔ غرض یہ کہ مدار اس حکم کا صاحب خانہ کی رضا پر ہے۔ مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ کسی کے گھر کا کھانا بغیر اس کی اجازت کے جائز نہیں۔ البتہ اجازت کے لیے ضروری نہیں کہ ہمیشہ صریحی ہی ہو۔ ضمنی، حکمی، عرفی اجازت بھی اجازت ہی ہے۔ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ سے مراد وہ گھر ہیں جن کا یہ مخاطب امین، نگران وغیرہ ہو۔ بعض لوگ جہاں لڑکی بیاہی ہو یعنی اپنے سمدھیانہ میں کھانا پینا باعث عار سمجھتے ہیں۔ یہ تمامتر مشرکین ہند کی صحبت کا اثر ہے۔ ف۱۳۱ فرط تقویٰ سے بعض صحابہ کو اپنے اپنے متعلق خیال یہ پیدا ہو گیا تھا کہ ساتھ کھانے میں کہیں ایسا نہ ہو کہ میں زیادہ کھا جاؤں اور ساتھیوں کے حصہ کی حق تلفی ہو کر رہے۔ آیت میں بتایا گیا کہ اتنے دقیق احتمالات قابل اعتناء نہیں۔ ”دو تنگیاں تو اوپر رفع کی جاچکیں، تیسری تنگی جو ساتھ کھانے کے متعلق تھی وہ اب رفع کی جاتی ہے۔ یعنی ایسے ضعیف وسوسے کہ شاید میں زیادہ کھاؤں تو پرایا حق کھا لیا اور دوسرا کم کھائے تو اس کا حق رہ گیا۔ شریعت کو مطمح نظر نہیں ہیں۔ مخالطت میں ایسے دقائق کی تکلیف نہیں۔ البتہ اگر کسی کے کھانے پر گھر والے کی رضا نہ صراحۃً قال سے معلوم ہو نہ دلالت حال سے اس وقت جائز نہیں۔ اسی طرح جس مواکلت پر شریک بااختیار راضی نہ ہو اس کی تقسیم ضروری ہے۔ اور اگر شریک بااختیار نہیں ہے جیسے یتیم باعتبار اپنے وصی و قیم کے کہ اس کی رضا و عدم رضا بہ وجہ عدم بلوغ نامعتبر ہے وہاں بلا رضا بھی مخالطت درست ہے بشرط رعایت اس کے مصالح کے“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کھانے میں چھوت چھات کا دخل ہونا، اونچی ذاتوں کا نیچی ذاتوں کے ساتھ ایک کھانے پر نہ جمع ہونا، یہ دستور بہت سی مشرک قوموں کا رہا ہے۔ ہندوستان میں تو یہ دستور آج تک زندہ ہے۔ مصر قدیم میں بھی رہ چکا ہے۔ آیت میں اس عقیدۂ باطل کی بھی تردید کی طرف اشارہ ہے۔ ف۱۳۲ یعنی جو مسلمان وہاں موجود ہوں انہیں سلام کر لیا کرو۔ سعید بن جبیر، حسن بصری، قتادہ، زہری حضرات تابعین سے یہی معنی مروی ہیں (ابن کثیر) ف۱۳۳ ایک بار پھر اس کی تاکید کہ معاشرتی و خانگی زندگی کے یہ جزئی احکام حد درجہ اہم اور واجب الاعتناء ہیں۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ۔ ان احکام کے سلسلہ میں یہ فقرہ مکرر ہی نہیں، تیسری بار لایا گیا ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ ان احکام کا کس قدر اہتمام مقصود ہے۔ **کررہ ثلاثا لمزید التاکید و تفخیم الاحکام المختتمة به** (بیضاوی) مُبٰرَكَةً۔ بابرکت اس اعتبار سے کہ سلام پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔ طَيِّبَةً۔ عمدہ اس اعتبار سے کہ مخاطبین کا دل اس سے خوش ہو جاتا ہے۔ ف۱۳۴ منافقین پر تو رسول اللہ ﷺ کی مجلس مبارک ہی میں حاضری بار تھی۔ پھر عبادت (مثلاً خطبہ جمعہ) میں حاضری تو اور زیادہ۔ جب موقع پاتے تو چپکے سے کھسک جاتے۔ ان کے مقابلہ میں یہاں مدح مومنین کی ہو رہی ہے کہ ان کی شان تو یہ ہے کہ اگر اتفاقاً انہیں کوئی ضرورت مجلس مبارک سے چلے جانے کی پیش آ جاتی ہے، تو بھی جب تک آپ سے اجازت لے نہ لیں اور آپ دے نہ دیں اپنی جگہ سے ہلتے نہیں۔ اَمْرٍ جَامِعٍ کے معنی اہم مشورت کے بھی ہیں۔ جس میں ضرورت اہتمام و اجتماع کی پڑتی ہے۔ **هو الامر الموجب للاجتماع** (کبیر) یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ جس معاملہ میں خطاب عام (پبلک اسپیچ) کی ضرورت پڑے۔ **کل شیء تکون فیه الخطبة** (کبیر عن الضحاک)

ف۱۳۵ یعنی جس طرح منافق اجازت نہیں لیتا اور مومن بغیر اجازت کے جاتا نہیں۔ اسی طرح جو اجازت لیتا ہے وہ مومن ہی ہوتا ہے، منافق نہیں ہوتا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الخ کا حاصل تو یہ ہے کہ ایمان بدون استیذان کے نہیں پایا جاتا، کیونکہ ہر مومن اجازت لیتا تھا۔ اور اِنَّ الَّذِیْنَ الخ کا حاصل یہ ہے کہ استیذان بغیر ایمان کے نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ کوئی منافق اجازت نہیں لیتا تھا"۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ ...... یَسْتَاْذِنُوْهُ کا حاصل یہ ہے کہ ایمان بدون استیذان کے نہیں پایا جاتا ــــ ہر مومن اجازت ضرور لیتا تھا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ ...... رَسُوْلِهٖ کا حاصل یہ نکلا کہ استیذان بغیر ایمان کے نہیں پایا جاتا ــــ کوئی غیر مومن (یعنی منافق) اجازت نہیں لیتا تھا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا

وہ تو وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں ف۱۳۵ پھر جب

اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ

یہ لوگ آپ سے اجازت طلب کریں اپنے کسی کام کے لئے تو آپ ان میں سے جس کے لئے چاہیں

مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اجازت دے دیں ف۱۳۶ اور آپ ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا بھی کیجیے بے شک اللہ بخشنے والا ہے

رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ

مہربان ہے ف۱۳۷ تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک

بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ

دوسرے کو بلا لیتا ہے ف۱۳۸ اللہ خوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو تم میں سے آڑ میں ہو کر

مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ

کھسک جاتے ہیں ف۱۳۹ ان لوگوں کو جو اللہ کے حکم کی مخالفت کر رہے ہیں ڈرنا چاہیے

اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَآ

کہ کہیں ان پر (دنیا میں ہی) کوئی آفت نازل ہو جائے یا انہیں کوئی دردناک عذاب آ پکڑے ف۱۴۰ یاد رکھو

اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ

اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے ف۱۴۱ وہ اس کو بھی جانتا ہے جس

اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَ يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا

(حالت) پر تم اب ہو ف۱۴۲ اور اس دن کو بھی جب (سب) اس کے پاس لوٹائے جائیں گے پھر وہ انہیں جتلا دے گا جو کچھ

عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾

انہوں نے کیا تھا اور اللہ سب ہی کچھ جانتا ہے ف۱۴۳

ع ۱۵

ف۱۳۶ یعنی آپ ان میں سے جن کے لیے مناسب سمجھیں اجازت دے دیں، اور جن کے لیے مناسب نہ سمجھیں نہ دیں، ضرورت کے اہم و غیر اہم ہونے کا فیصلہ تمامتر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں رہا۔ اور یہی اختیار امام المسلمین کو حاصل ہے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ بعض احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی رائے پر چھوڑ دیئے گئے تھے۔ تفویض للامر الی رای رسول الله صلی الله علیه وسلم واستدل به علی ان بعض الاحکام مفوضة الی رایه (بیضاوی) ف۱۳۷ (وہ تو گنہگاروں تک کو معاف کر دیتا ہے تو یہاں تو معصیت سے کم کا معاملہ ہے) استغفار کے ذکر سے یہ نکلا کہ گو اجازت لے کر چلا جانا جائز ہے، لیکن بہر حال کچھ بہتر نہیں بلکہ ایک صورت نقص ہی کی ہے۔ اور استغفار جس طرح تلافی معصیت کے لیے ہے تلافی نقص کے لیے بھی ہوتا ہے۔ وذکر الاستغفار للمستاذنین دلیل علی ان الافضل ان لا یستاذن (مدارک) ف۱۳۸ (کہ جی چاہا آئے نہ جی چاہا نہ آئے۔ بلکہ رسول کا بلانا ایک حاکمانہ حیثیت رکھتا ہے اجابت واجب ہے اور بلا اجازت چلا آنا حرام) ای لا تقیسوا دعاءه علیه الصلوٰة والسلام ایاکم علی دعاء بعضکم بعضاً فی حال من الاحوال (روح) قیل هٰذا هم عن الابطاء والتاخیر اذا دعاهم واختاره المبرد و القفال وهذا القول موافق لمساق الاٰیة و نظمها (بحر) فقہاء نے کہا ہے کہ یہی حکم امام کے لیے بھی ہے، امام المسلمین اگر اب بھی بلائے تو جانا واجب ہوگا اور بلا اجازت چلے آنا ناجائز۔ جو امور مباحات میں داخل نہیں امام کے حکم کے بعد واجب ہو جاتے ہیں۔ اور امت کا کسی جگہ جمع ہونا اور مجتمع رہنا، جب امام کے حکم سے ہوں، واجب ہو جائیں گے البتہ جب کسی جتماع میں یہ معلوم ہو جائے کہ اب جمع رہنا امام کی طرف سے مامور نہیں تو بلا جازت اُٹھ آنے میں بھی مضائقہ نہیں۔ دُعَآءَ الرَّسُوْلِ کی اس تفسیر میں مصدر کی ضافت فاعل کی جانب ہے۔ لیکن یہ بھی جائز ہے کہ مصدر کی اضافت مفعول کی جانب کی جائے۔ اس کے اعتبار سے معنٰی یہ ہوں گے کہ "اے لوگو رسول کو اس طرح نہ پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے رہتے ہو"۔ مثلاً محض یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر ــــ منقول یہ تفسیر بھی ہے، لیکن سیاق سے بہت بعید ہے۔ قال مجاهد و قتادة ادعوه بالخضوع والتعظیم نحو یا رسول الله یا نبی الله ولا تقولوا یا محمد (جصاص) لا تجعلوا تسمیته و نداءه بینکم کما یسمّی بعضکم بعضاً (کشاف) ذٰلک نہی من الله ان یدعوا رسول الله صلی الله علیه وسلم بغلظٍ و جفاءٍ و امرلهم ان یدعوه بلینٍ و تواضعٍ (ابن جریر) و تعقبه ابن عطیة بان لفظ الاٰیة یدفع هٰذا المعنٰی (روح) ف۱۳۹ اشارہ انہیں چپکے سے کھسک جانے والے منافقین کی طرف ہے ف۱۴۰ اس وعید سے ظاہر ہو گیا کہ امر سے امر ایجابی مراد ہے الاٰیة تدل علی ان الامر للایجاب (مدارک) الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ۔ مراد وہی منافقین ہیں۔ ای الذین یصدون عن امره دون المؤمنین و هم المنافقون (مدارک) عَنْ اَمْرِهٖ۔ یعنی ان کے دین سے یا ان کی طاعت سے۔ ای عن طاعته و دینه (مدارک) ف۱۴۱ (اور اختیار و اقتدار اسی کا کامل ہے) ف۱۴۲ (تو کیا بعید ہے کہ یہیں دنیا میں گرفت ہو جائے) ف۱۴۳ (اس کا علم جب دارین کے ساتھ متعلق ہے تو وہ سزا جب اور جہاں چاہے دے سکتا ہے)

آیاتھا ۷۷ ‏ ‏ ٢٥ سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ ۴۲ ‏ ‏ رکوعاتھا ٦

اس کی ۷۷ آیتیں ‏ ‏ سورۂ فرقان مکی ہے ‏ ‏ اور ٦ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ

بڑی عالی ذات ہے وہ جس نے یہ فیصلہ (کی کتاب) اپنے بندۂ (خاص) پر اتاری تا کہ وہ (بندہ)

لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ﴿١﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

سارے دنیا جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو وہی ہے کہ آسمان اور زمین

وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ

اسی کی ملک ہیں اور اس نے کسی کو اپنی اولاد نہیں قرار دیا اور نہ اس کا کوئی حکومت میں

فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿٢﴾

شریک ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا ف١

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ

اور (مشرکوں نے) اللہ کے علاوہ (اور ایسے) خدا قرار دے رکھے ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں اور خود ہی

يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا

مخلوق ہیں اور خود اپنے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع کا

وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿٣﴾

اور نہ (کسی کی) موت کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ (کسی کی) زندگی کا اور نہ (کسی کے) دوبارہ اٹھانے کا ف٢

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ

اور جو لوگ کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) بس نرا جھوٹ ہے جس کو اس شخص نے گڑھ لیا ہے

ف١ (اور کوئی شے نہ اس کے دائرۂ تخلیق سے باہر ہے نہ دائرۂ تقدیر سے
الْفُرْقَانَ۔ فرقان کے معنی پر حاشیہ سورۂ بقرہ پ١ میں گزر چکا۔ یہاں الْفُرْقَانَ
سے مراد قرآن کے ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ ولا نزاع ان الفرقان ھو
القراٰن (کبیر) عَبْدِهٖ۔ مراد رسول اللہ ﷺ کا ہونا ظاہر ہے۔ عبد پر حاشیہ
سورۂ بقرہ پ١ آیت وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا الخ پر گزر چکا۔ لِلْعٰلَمِيْنَ
عالمین کے لفظ نے ایک بار پھر واضح کر دیا کہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے کوئی نسلی
قومی یا وطنی مذہب نہیں۔ قرآن کی مخاطب ساری دنیا ہے، کوئی مخصوص قوم نہیں۔
عموم الرسالة من خصائصه عليه الصلوٰة والسلام (مدارک)
يَتَّخِذْ...... الْمُلْكِ۔ مسیحی شرک کے مظہر خصوصی بھی دو ہیں۔ جن کی تردید یہاں ک
دی گئی۔ ملاحظہ ہو پ١٥ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت۔ خَلَقَ...... تَقْدِيْرًا
یونان کے مشرک فلسفی تقدیر الٰہی کے منکر ہوئے ہیں، اور انہیں کی پیروی میں ال
کی "حکمت" سے مرعوب ہو کر یہود کا بھی ایک فرقہ تقدیر الٰہی کا منکر ہو گیا تھا۔
آیت کے اس جزو کا اشارہ اسی گمراہی کی جانب ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر
انگریزی۔ عقیدہ جس طرح جبر محض کا غلط ہے اسی طرح اختیار محض کا بھی، کائنات
میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے سب مشیت الٰہی تکوینی کے مطابق ہی ہو رہا ہے اور بند
کے اعمال اختیاری میں ارادۂ عبد اس کا منافی نہیں۔ ف٢ مشرکین کے جہل
غباوت کا بیان ہو رہا ہے کہ ایسے قادر مطلق ہمہ بین و ہمہ تواں، خدا کا شریک
بس مخلوق کو بھی بنائے جاتے ہیں، ان گڑھے ہوئے معبودوں کا اختیار اتنا بھی
نہیں کہ کوئی نقصان اپنے سے دور کر سکیں، کوئی نفع اپنے لیے حاصل کر سکیں۔ کسی
کی جان نکال سکیں، کسی میں جان ڈال سکیں، حشر میں دوبارہ کسی کو اٹھا سکیں۔
يَمْلِكُوْنَ...... نُشُوْرًا۔ مراتب وجود یہی تین، یعنی حیات و موت و نشور ہی ممکن
ہیں۔ اور ان سب پر قدرت کی یہاں نفی کی جا رہی ہے۔

وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا
اور دوسروں نے اس میں اس کی مدد کی ہے ف۳ یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے

وَّ زُوْرًا ۚ﴿۴﴾ وَ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ
مرتکب ہوئے ف۴ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) تو اگلوں کی بے سند باتیں ہیں جن کو اس شخص نے

تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۵﴾ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ
لکھوالیا ہے پھر وہی اس (شخص) کو صبح وشام پڑھ کر سنایا جاتا ہے ف۵ آپ کہہ دیجیے کہ اس کو اس ذات نے اتارا ہے

السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا
جسے آسمانوں اور زمین کے ہر راز کی خبر ہے ف۶ بے شک وہ بڑا مغفرت والا ہے

رَّحِيْمًا ﴿۶﴾ وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ
بڑا رحمت والا ہے ف۷ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیسا ہے یہ رسول جو کھانا کھاتا ہے

وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ
اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا

فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ﴿۷﴾ اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ
کہ وہ اس کے ساتھ ڈراتا یا اس کے پاس کوئی خزانہ غیب سے آ پڑتا یا اس کے پاس

لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ
کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا (پیتا) ف۸ اور (یہ) ظالم کہتے ہیں کہ تم لوگ تو بس

اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ
ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو ف۹ دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب

الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۠﴿۹﴾ تَبٰرَكَ
باتیں بیان کرتے ہیں سو وہ (بالکل) گمراہ ہو گئے پھر وہ (بالکل) راہ نہ پا سکے ف۱۰ وہ ذات بڑی عالی شان ہے

ربع ۱ ‏ ع ۱ ‏ ۱۶

ف۳ بعینہٖ یہی جاہلانہ، بیدردانہ الزام آج بھی سینکڑوں یہودی، مسیحی، ملحد مستشرقین اپنی کتابوں میں دہرا رہے ہیں۔ اور اس جہل کو سند اپنی "روشن خیالی" کی سمجھ رہے ہیں!۔۔۔ فرماتے ہیں اور کس قدر مضحکہ انگیز نمائش علم وفضل کے ساتھ فرماتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) محمد تھے بڑے ذہین، زیرک وچالاک، ایک اثر انگیز کتاب اپنی طرف سے گڑھ کر اسے خدا کی جانب منسوب کر دیا! ف۴ (کہ حقیقت اور اصلیت سے اس قدر بعید، ثبوت وتحقیق سے اس قدر معرا، دعویٰ کر بیٹھے ثبوت کوئی ادنیٰ سا بھی پیش نہیں کر سکتے۔ ف۵ ملاحظہ ہو پ۱۴ سورۃ النحل آیت لقد نعلم انهم يقولون انما يعلمه بشر کا حاشیہ۔ ف۶ (اور جس طرح اس کا علم کامل ہے جس سے مخلوقات کا علم کوئی نسبت نہیں رکھتا، اسی طرح اس کا کلام بھی بے شمار وجوہ اعجاز کا جامع ہے) ف۷ (اسی لیے وہ ایسا بیہودہ بکنے والوں پر فوراً گرفت نہیں کرتا، بلکہ انہیں مہلت دیتا جاتا ہے۔ اور اگر وہ تائب ہو جائیں تو انہیں معاف بھی کر دے گا) ف۸ (اور اس کو فکر معاش سے غیبی طور پر فارغ البالی حاصل رہتی) جاہلی قوموں کے اصولی اعتراضات نقل ہو رہے ہیں۔ وحی و نبوت کا مسئلہ اصلاً ہی ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ وہی دیوی دیوتا والا، اوتار والا عقیدہ دلوں میں جما ہوا تھا۔ خدا خود تو دنیا میں آ سکتا ہے۔ کسی انسان بلکہ حیوان کے قالب میں آ سکتا ہے۔ لیکن کسی بشر کو اپنا نائب، اپنا سفیر، اپنا پیامبر بنانا کیا معنی؟۔۔۔ وہی بنیادی گمراہی جو جاہلی قوموں میں آج تک چلی آ رہی ہے۔ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ۔ یعنی کھانے پینے، چلنے پھرنے، خرید وفروخت کی ضرورتیں پوری کرنے میں یہ تو بالکل عام انسانوں کی طرح ہیں۔ انہیں پیمبر کیسے مان لیا جائے؟۔۔۔ گویا پیمبری عام بشری ضرورتوں کے منافی تھی!۔۔۔ اسلام کی بنیاد خوارق پر نہیں بلکہ اصل تعلیمات پر ہے۔ برخلاف اس کے مسیحیوں خصوصاً فرقۂ کیتھولک کے ہاں تو مذہب کی روح یا جان ہی خوارق ہیں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آیت سے مشی فی الاسواق کا غیر مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور حدیث میں جو اس کی کراہت آئی ہے تو وہاں بلا ضرورت بازاروں میں گھومنا پھرنا مراد ہے۔ بلکہ اگر عدم مشی فی الاسواق از راہ تکبر ہے تو مذموم عدم مشی قرار پائے گی اور محمود مشی ٹھیرے گی۔ جاہل مسلمانوں نے بھی آج انہیں جاہلی قوموں کے اثر سے یہی توقعات اولیاء امت سے متعلق قائم کر لی ہیں۔ بجائے ان کی زندگی کی صالحیت اور پاکیزگی پر نظر کر کے تلاش ہر وقت عجائب وخوارق کی کی جاتی ہے، اور عوام کے خیال میں اب بزرگی اور مقبولیت کا اصل معیار کرامتیں ہی رہ گئی ہیں! ف۹ یہ وہ مسلمانوں کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ جب ان میں خدائی یا ملکوتی قوت کچھ بھی موجود نہیں اور پھر بھی یہ دعویٰ مامور من اللہ ہونے کا کیے جاتے ہیں تو لامحالہ ان کی عقل میں فتور ہے اور یہ سحر زدہ یا مجنون ہی ہیں۔ ف۱۰ قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ ذرا دیکھئے کہ یہ لوگ آپ کے دعویٰ نبوت کا انکار کر کر کے کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور ایک نبوت کو نہ مان کر کیسی کیسی عجیب اور بے سر وپا باتوں کے ماننے پر مجبور ہو گئے! ان کی عقلوں پر یہ کیسے مار پڑ کر رہی! یہی حال آج یورپ کے بڑے بڑے نامور مستشرقین کا ہے۔ سیدھے سادہ دعویٰ نبوت سے انکار کے بعد انہیں کیسے کیسے بے سر وپا نظریات ماننے اور فرض کرنے پڑتے ہیں!

الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ

کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو اس سے بھی بہتر چیز دے دے (یعنی بہت سے) باغات

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾

کہ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور آپ کو (بہت سے) محل دے دے ف۱۱

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ

اصل یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کے منکر ہیں ف۱۲ اور ہم نے اس کے لئے جو قیامت کو جھٹلائے دوزخ تیار

سَعِیْرًا ﴿۱۱﴾ ۚ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا

کر رکھی ہے وہ ان کو دور سے دیکھے گی تو یہ اس کا

تَغَیُّظًا وَّ زَفِیْرًا ﴿۱۲﴾ وَ اِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا

جوش و خروش سنیں گے ف۱۳ اور جب وہ اس میں کسی تنگ جگہ ہاتھ پاؤں جکڑ کر

مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ ؕ لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا

ڈال دیے جائیں گے تو وہاں موت کو پکاریں گے

وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ اَمْ

آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بہت سی موتوں کو پکارو ف۱۴ آپ کہیے کہ آیا یہ (مصیبت) اچھی ہے

جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً

یا وہ ہمیشگی کی جنت جس کا وعدہ متقیوں سے کیا جا چکا ہے ف۱۵ وہ ان کے لئے صلہ ہے

وَّ مَصِیْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ خٰلِدِیْنَ ؕ كَانَ

اور آخری ٹھکانا انہیں وہاں جو کچھ وہ چاہیں گے ملے گا وہ ہمیشہ رہیں گے (یہ) وعدہ ہے

عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾ وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ وَ مَا

ان کے پروردگار کے ذمہ (اور) قابل درخواست ف۱۶ اور جس روز (اللہ) جمع کرے گا انہیں اور ان لوگوں کو

ف۱۱ (اسی دنیا میں) یعنی یہ کافر تو صرف ایک باغ غیبی کی فرمائش آپ کے لیے کر رہے ہیں۔ ہماری مشیت تکوینی اگر ہوتی، تو ہم تو اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر چیزیں آپ کو یہیں اور ابھی دے دیتے۔ باغ ایک نہیں کئی ایک، قصر و محل متعدد وغیرہا۔ ف۱۲ یعنی یہ لوگ جو ایسے واہی تباہی مطالبات پیش کر رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ انہیں حق کی تلاش و طلب شروع ہوئی اور دوران تحقیق میں کچھ شبہات پیش آ گئے، بلکہ دلوں میں انکار جزاء اعمال شروع سے بسا ہوا ہے۔ اس لیے سنجیدگی و ذمہ داری سے یہ مسائل دین پر غور و فکر کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے۔ اور ایسی بے سروپا باتیں زبان سے نکال ڈالتے ہیں۔ ف۱۳ یعنی دوزخ ان بدبختوں کو دیکھ کر اس قدر غضبناک ہوگی کہ یہ دور ہی سے اس کا جوش خروش سن لیں گے۔ رَاَتْهُمْ سے استدلال کیا گیا ہے کہ دوزخ بھی صاحب شعور و ادراک ہے۔ سَعِیْرًا۔ سعیر مذکر ہے، یہاں نار کے معنٰی میں ہے اور معنٰی کی مناسبت سے مؤنث لایا گیا ہے۔ لھا کی ضمیر مؤنث بھی اسی جانب ہے۔ انما جاء مؤنثًا علٰی معنی النار (کبیر) ف۱۴ وہ بدبخت دوزخی جو دوزخ ہی کی ناقابل برداشت ہولناکیوں سے گھبرا کر چیخ اٹھیں گے کہ کاش ہمیں موت آ جاتی! انہیں جواب ملے گا کہ ایک ہی موت کیسی، اب تو تمہاری قسمت میں موتوں ہی موتوں کی تکلیفیں ہیں! ف۱۵ اب بھی سوچنے سمجھنے کی مہلت ہے۔ یہ لوگ خود غور کر کے یہ فیصلہ کریں کہ ایک طرف دوزخ کی یہ ناقابل برداشت مصیبتیں ہیں جو ثمرہ ہیں کفر و انکار کا، اور دوسری طرف جنت کی بے شمار راحتیں ہیں، جو موعود ہے ایمان و طاعت پر۔ ف۱۶ یعنی اللہ نے اپنے فضل و عنایت سے یہ اجرا اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ اور یہ اس قابل ہے کہ اس کی درخواست کی جائے۔ مَسْـُٔوْلًا۔ یہاں قابل درخواست کے معنٰی میں ہے ای من حقہ ان یکون مسئولا (کبیر) حقیقًا بان یسال و یطلب (بیضاوی) لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ۔ اہل جنت کا پہلا وصف یہاں یہ بیان ہوا کہ جنت میں انہیں کی مرضی کارفرما ہوگی ——— وہ جو کچھ بھی چاہیں گے جو بھی نعمتیں، راحتیں، لذتیں، مادی، روحانی جس قسم کی بھی انہیں مرغوب ہوں گی، بس وہ انہیں مہیا و حاضر مل جائیں گے ——— آج اپنی خواہشوں کو مرضئ الٰہی کے تابع کر دینے کا یہی نتیجہ کل نکلنا بھی چاہیے تھا۔ خٰلِدِیْنَ۔ دوسرا وصف یہ بیان ہوا کہ یہ نعمتیں ساری کی ساری دائمی، سرمدی اور غیر منقطع ہوں گی۔ ہرگز کسی تلف و نقصان و ختم و فنا کا اندیشہ نہ ہوگا ——— عجب کیا ہے جو اس عالم میں وقت کی رفتار ہی روک دی جائے۔ اور ہم جس حرکت فرمائی کے خوگر و مانوس ہیں سرے سے وہی باقی نہ رہے۔ یہ دو وصف ایسے جامع و مانع بیان ہو گئے کہ اب ان پر کسی اضافہ کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش ہی۔

يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَيَقُوۡلُ ءَاَنۡتُمۡ اَضۡلَلۡتُمۡ

جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے پھر ان سے کہے گا کہ کیا تمہیں نے میرے ان بندوں کو

عِبَادِىۡ هٰٓؤُلَۤاءِ اَمۡ هُمۡ ضَلُّوا السَّبِيۡلَ ۞ قَالُوۡا

گمراہ کیا تھا ف۱۷ یا یہ (خود ہی) راہ سے بھٹک گئے تھے؟ وہ کہیں گے

سُبۡحٰنَكَ مَا كَانَ يَنۡۢبَغِىۡ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَّخِذَ مِنۡ دُوۡنِكَ

سبحان اللہ ہماری مجال نہ تھی کہ ہم تیرے سوا اور کارسازوں کو

مِنۡ اَوۡلِيَآءَ وَلٰكِنۡ مَّتَّعۡتَهُمۡ وَاٰبَآءَهُمۡ حَتّٰى نَسُوا

تجویز کریں ہاں تو نے ان کو اور ان کے بڑوں کو خوب آسودہ کیا، یہاں تک کہ یہ (تیری) یاد ہی کو

الذِّكۡرَ ۚ وَكَانُوۡا قَوۡمًۢا بُوۡرًا ۞ فَقَدۡ كَذَّبُوۡكُمۡ بِمَا

بھلا بیٹھے اور یہ لوگ برباد ہو کر رہے ف۱۸ سو (تمہارے معبودوں ہی نے) تمہاری باتوں کو

تَقُوۡلُوۡنَ ۙ فَمَا تَسۡتَطِيۡعُوۡنَ صَرۡفًا وَّلَا نَصۡرًا ۚ وَمَنۡ

جھٹلا دیا سو (اب) تم نہ (تو خود) ٹال سکتے ہو اور نہ (تمہیں) مدد ہی پہنچ سکتی ہے۔ اور جو تم

يَّظۡلِمۡ مِّنۡكُمۡ نُذِقۡهُ عَذَابًا كَبِيۡرًا ۞ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا

میں سے ظلم کرے گا (اپنے اوپر) اسے ہم بڑا عذاب چکھائیں گے ف۱۹ اور ہم نے آپ سے

قَبۡلَكَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمۡ لَيَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ

پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں سب کھانا بھی کھاتے تھے

وَيَمۡشُوۡنَ فِى الۡاَسۡوَاقِ ؕ وَجَعَلۡنَا بَعۡضَكُمۡ لِبَعۡضٍ

اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے ف۲۰ اور ہم نے تم میں ایک کو دوسرے کے لئے

فِتۡنَةً ؕ اَتَصۡبِرُوۡنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيۡرًا ۞ ع

آزمائش بنایا ہے ف۲۱ تو اب بھی صبر کرو گے؟ اور آپ کا پروردگار بڑا دیکھنے والا ہے ف۲۲

ع ۲ / ۱۷

ف۱۷ یہ سوال مشرکوں کو اور زیادہ قائل اور نادم کرنے کے لیے انبیاء، ملائکہ، اولیاء سے ہوگا۔ جنہیں مشرکین ان بیچاروں کے شائبہ رضا کے بغیر الوہیت و صفاتِ الوہیت میں شریک رکھتے تھے۔ ف۱۸ یعنی تو نے تو ان کے لیے اسباب شکر فراہم کر دیئے تھے، جن کا مقتضا یہ تھا کہ منعم کی معرفت اور اس کے شکر و اطاعت میں خوب لگ جاتے۔ لیکن انہوں نے اس کے برعکس راستہ اختیار کر کے انہیں کو اسبابِ کفر بنا لیا۔ ف۱۹ (قیامت میں) وَمَنۡ يَّظۡلِمۡ مِّنۡكُمۡ۔ ظلم سے مراد کفر و شرک ہے۔ ابن عباس صحابی اور تابعین سے یہی مروی ہے۔ اے یشرک باللہ (ابن کثیر) یشرک بہ (معالم) الظلم ھنا الشرک قال ابن عباس والحسن و ابن جریج (بحر) ف۲۰ مشرکین کا اعتراض رسول اللہ ﷺ کی صفات بشری پر، اوپر نقل ہو چکا ہے۔ یہاں اسی کا جواب ہے کہ بشریت اور رسالت میں ذرا بھی منافات نہیں۔ سلسلۂ نبوت کے جتنے حامل گزرے ہیں یہ صفات بشری تو سب ہی کے ساتھ لگے ہوئے رہے ہیں۔ ف۲۱ (اے انسانو! چنانچہ انبیاء کو بھی ایسے حالات میں رکھا جن سے امت کی پوری آزمائش ہو جائے گی۔ کہ کون ان کے صفات بشری پر نظر کر کے تکذیب کرتا ہے، اور کون ان کے کمالاتِ نبوت پر نظر کر کے تصدیق) ف۲۲ (چنانچہ ان کے حالات بھی خوب دیکھ رہا ہے، اور وقتِ موعود پر انہیں سزا دے کر رہے گا)۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا

وہ لوگ جو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں رکھتے ۲۳ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں

الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

آتے یا ہم اپنے پروردگار کو دیکھ ہی لیتے و۲۴ یقیناً انہوں نے اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ لیا ہے

وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى

اور حد سے بہت ہی دور نکل گئے ہیں و۲۵ جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اس روز مجرموں کے لئے

يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَ يَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾

کوئی خوشی کی بات نہ ہو گی اور یہ کہیں گے کہ پناہ پناہ! و۲۶

وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً

اور ہم ان کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے جو یہ کر چکے ہیں سو ان کو ایسا کر دیں گے جیسے پریشان

مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا

غبار اہل جنت اس روز قیام گاہ میں بھی اچھے رہیں گے

وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ

اور آرام گاہ میں بھی خوب اچھے و۲۷ اور جس روز آسمان پھٹ جائے گا ایک بدلی پر سے

وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ

اور فرشتے بکثرت اتارے جائیں گے و۲۸ اس روز حکومت حقیقی (خدائے)

لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَ كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾

رحمٰن ہی کی ہو گی و۲۹ اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہو گا

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ

اور جس روز ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا کہے گا کہ کاش میں

و۲۳ یعنی یوم حشر کے منکرین، ساتھ ہی شرک اور اوہام پرستی میں مبتلا— مشرکین عرب میں یہ دونوں باتیں موجود تھیں۔ و۲۴ مشرکین عرب دیوتاؤں کے قائل تھے، اور انہیں کو فرشتہ کہتے تھے۔ دعویٰ رسالت سے انکار کے وقت کہتے تھے کہ یہ ''رسول'' اگر اپنے دعوٰی میں سچے ہیں تو آسمانی دیوتا مجسم اور متشکل ہو کر ان کے ساتھ کیوں نہیں جو ان کے دعوٰی کی تصدیق کرتے رہیں، یا خود خدا ہی کو ہمیں کیوں نہیں دکھا دیا جاتا جو ہم براہ راست اسی کی زبان سے ان کے دعووں کی تصدیق سن لیں۔ و۲۵ یعنی کافروں میں خود کفر و عدم ایمان ہی کی بناء پر، صلاحیت نہ رؤیت باری کی رہ گئی ہے اور نہ ملائکہ رحمت سے دوچار ہونے کی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو سلوک میں احوال باطنی غیر اختیاری کا منتظر رہتا ہے، اس کے انتظار کا منشاء یہی تکبر ہوتا ہے، گویا وہ اپنے اعمال و مجاہدات کو استحقاق کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ و۲۶ کافروں کا سامنا فرشتوں سے جب بھی ہوگا عذاب ہی کے فرشتوں سے ہوگا، اور وہ وقت کافروں کی مسرت کا نہیں، انتہائی مصیبت کا ہوگا۔ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ایک محاورہ ہے عہد جاہلیت میں جب کسی کو کوئی بلا پیش آتی یا کوئی اپنے دشمن کو دیکھ پاتا اور خیال یہ ہوتا کہ وہ اس پر حملہ کرے گا تو یہی لفظ پکار کر کہتا۔ جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں دور، دور! **هذه كلمة كانوا يتكلمون بها عند لقاء عدو موفور او هجوم نازلة او نحو ذلک يصنعونها موقع الاستعاذة (كشاف) كان الرجل اذا لقى من يخاف يقول ذلک (راغب)** مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلوک میں حالات محمود غیر اختیاری کا پیش آ جانا بعض طالبین کے حق میں مضر ہوتا ہے اور اس کی فہم مشائخ اہل تربیت رکھتے ہیں۔ و۲۷ ماجرا قیامت کا بیان ہو رہا ہے۔ کافروں کو اپنے اپنے جن جن اعمال پر غرہ ہوگا کہ ہم نے دنیا میں فلاں فلاں اعمال خیر بھی تو کیے ہیں، چونکہ وہ ایمان سے خالی ہوں گے قیامت کے دن انہیں غبار پریشان کی طرح بالکل بے مصرف کر کے دکھا دیا جائے گا۔ مُسْتَقَرًّا...... وَمَقِيْلًا۔ مستقر جائے قیام اور مقیل جائے آرام دونوں سے مراد جنت ہے۔ اور جنت کا ہر حیثیت سے بہترین ہونا ظاہر ہے۔ صوفیہ نے وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا الخ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ بدون باطن کے محض ظاہری عمل ہرگز معتبر نہیں۔ و۲۸ (زمین پر) یہ وقت وہ ہوگا، جب صور کے نفخ ثانی کے بعد زمین و آسمان سب از سر نو درست ہو جائیں گے۔ حساب کتاب شروع ہو رہا ہوگا حق تعالیٰ کی ایک تجلی خاص حساب و کتاب کی غرض سے ہوگی۔ ملائکہ اردگرد کثرت سے ہوں گے۔ سورۂ بقرہ کی آیت هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ الخ میں بھی اسی موقع کا ذکر ہے۔ بِالْغَمَامِ میں ب یا تو مرادف عن کے ہے یا سببیہ ہے بہ **معنی بسبب الغمام یا بسبب طلوعه منها**۔ اور یا حالیہ ہے یعنی **ملتبسة بالغمام** (جمل) تَشَقَّقُ السَّمَآءُ۔ آسمان کا یہ پھٹنا بطور کھلنے کے ہوگا۔ جو پھٹنا بہ طور تخریب و افناء کے ہوگا وہ نفخ اول کے وقت ہو چکا ہوگا۔ و۲۹ (عیاناً و شہوداً ہی اور کسی کو ظاہراً گنجائش بھی کسی دخل و تصرف کی نہ ہوگی، جیسا کہ دنیا میں رہتی ہے)

مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا

رسول کے ساتھ راہ پر لگ لیتا! ۳۰ ہائے میری شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست

خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ؕ

نہ بنایا ہوتا! یقیناً اس نے نصیحت آئے پیچھے مجھے اس سے بہکا دیا

وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ

اور شیطان تو انسان کو امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے ۳۱ اور رسول کہیں گے

يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

کہ اے میرے پروردگار میری (اس) قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا ۳۲

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ

اور ہم اسی طرح ہر نبی کے دشمن مجرم لوگوں میں سے بناتے رہتے ہیں ۳۳

وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور آپ کا پروردگار ہی کافی ہادی اور مددگار ہے ۳۴ اور کافر یہ کہتے ہیں کہ

لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ

اس شخص پر قرآن اکبارگی (پورا) کیوں نہیں نازل کر دیا گیا؟ ۳۵ اس طرح

لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ

اس لیے کہ ہم اس کے ذریعہ سے آپ کے دل کو قوی رکھیں اور ہم نے اسے ٹھہرا ٹھہرا کر اتارا ہے ۳۶ اور یہ لوگ جیسا

بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ ؕ

بھی عجیب سوال آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں ہم اس کا جواب ٹھیک اور وضاحت میں بڑھا ہوا آپ کو بتاتے ہیں ۳۷

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ لا

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے

ع

ف۳۰ یہ ہاتھوں کا کاٹنا فرطِ حسرت سے ہوگا۔ عض الیدین والافاصل کنایۃ عن الغیظ والحسرۃ (کشاف) من فرط الحسرۃ (بیضاوی) الظَّالِمُ۔ ظالم سے مراد اردو کا ظالم نہیں بلکہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا، یعنی کافر یا منکر دین مراد ہے۔ ف۳۱ (چنانچہ قیامت میں زبانی ہمدردی تک کے بھی کام نہ آئے گا) يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ الخ۔ بڑا عبرت کا مضمون اپنے اندر رکھتا ہے۔ دنیا میں جتنی بھی گمراہیاں آتی ہیں کسی نہ کسی انسانی ہی ذریعہ سے آتی ہیں اور شیطان جب آتا ہے، کسی دوست و آشنا راز دان ہی کے قالب میں آتا ہے۔ فقہاء نے اس آیت سے بہ طور اشارۃ النص نکالا ہے کہ صحبت بد کا ترک واجب ہے۔ خصوصاً اس شخص کا جو اغوا کرتا رہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں صحبت اشرار سے بچنے کی تعلیم ہے اور شریر کی تفسیر یہ ہے کہ جو کوئی ذکر الٰہی سے بعید ہونے کا سبب بن جائے۔ لَقَدْ ...... جَآءَنِىْ۔ آیت میں صاف اشارہ اس طرف موجود ہے کہ جن کافروں پر مؤاخذہ کا ذکر ہے، یہ وہی ہیں جنھوں نے تبلیغ کے بعد اور تبلیغ کے باوجود کفر اختیار کیا۔ ف۳۲ ذکر وہی قیامت کا چل رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جناب باری میں بہ طور شکایت عرض کریں گے کہ جو قوم میری مخاطب دعوت تھی اس نے قرآن کو ماننا اور اس پر عمل کرنا الگ رہا، اسے قابل التفات ہی نہ سمجھا۔ قَوْمِى۔ قوم سے مراد صرف قوم قریش ہے یا امت دعوت۔ قریشًا (مدارک وبیضاوی) مَهْجُوْرًا۔ هجر کے ایک معنی تو اعراض کرنے کے ہیں، جیسا کہ متن ترجمہ میں درج ہوئے، اور دوسرے معنی ہذیان بکنے کے ہیں۔ منقول یہ دونوں معنی ہیں۔ یعنی متروکًا فاعرضوا عنه و لم یؤمنوا به (معالم) من الایمان به مبعدًا مقصیًا من الهجر (بحر۔ عن النخعی ومجاہد واتباعہ) جعله بمنزلة الهجر و هو الهذیان (معالم عن النخعی ومجاہد) ای ترکوا ولم یؤمنوا به من الهجران (مدارک) بہر حال اس شکایت کا تعلق منکرین قرآن سے ہے نہ کہ ضعیف العمل مسلمانوں سے۔ قرآن مجید سے تعلق واجب کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اسے کلام الٰہی اور واجب العمل مانا جائے۔ اور یہ تعلق بھی اگر ٹوٹ گیا تو یہ کفر ہے۔ اعلیٰ درجہ تعلق کا یہ ہے کہ قرآن کو قولاً وفعلاً تمامتر اپنے اوپر حاوی کر لیا جائے۔ اور اگر یہ درجہ نہیں قائم ہے۔ تو یا تو معصیت ہے، اور یا بعض صورتوں میں صرف حجاب۔ مہجوریت کا تعلق بالفرض مسلمانوں ہی سے سمجھا جائے، تو مراد اعلیٰ اور اوسط درجہ کے تعلق کا ترک ہوگا۔ — اس سے زیادہ ترک تعلق کا اشارا مسلمانوں کی جانب سمجھنا اہل سنت کا مذہب نہیں مسلک خوارج میں جو کچھ بھی ہو۔ ف۳۳ (اپنی مشیت تکوینی کے ماتحت) مطلب یہ ہے کہ ناحق شناس لوگ تو ہر زمانہ میں اپنے وقت کے پیمبر کے دشمن رہے ہیں، سو آپ کے بھی کفر پسند معاصرین آپ سے عداوت ٹھانے ہوئے ہیں آپ اس پر اتنا غم نہ کیجیے۔ عارفین کہتے ہیں چونکہ ہر ولی نبی ہی کے قدم پر ہوتا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ولی کا بھی ایک عدو ہوتا ہے۔ ف۳۴ (چنانچہ جن کے لیے ہدایت منظور ہے انھیں ہدایت ہوتی رہے گی، اور مجرموں، سرکشوں سے مقابلہ کی جب ضرورت ہوگی، آپ کی مدد بھی ہوتی رہے گی) "یعنی غم کے دو سبب ہو سکتے ہیں۔ ایک ان کا گمراہ رہنا، اور دوسرا ان کا درپے ایذا ہونا۔ سو اللہ تعالیٰ ہدایت کے لیے بھی کافی ہے اور اگر حکمت مقتضی ہوگی تو ہدایت کی توفیق دے دے گا۔ جب ہدایت نہیں ہوتی تو اسی میں حکمت ہے۔ اور ایذا کے دفع کرنے کے لیے بھی اللہ کافی ہے۔ اگر چندے دفع نہ کرے تو اسی میں حکمت ہوگی۔ غرض نہ اس سے غم کیجیے نہ اُس سے"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۳۵ یعنی اگر خدا کا کلام ہوتا تو رفتہ رفتہ کیوں نازل ہوتا۔ یہ تو (نعوذ باللہ) انھیں کا کلام ہے، سوچ سوچ کر حسب موقع تھوڑا تھوڑا تصنیف کرتے رہتے ہیں۔ ف۳۶ یعنی ایک بڑی مصلحت اس تدریجی نزولِ قرآن میں تو رسول کی تقویت قلب ہے۔ مشائخ نے کہا ہے کہ ثمرات ومقامات میں جو تاخیر وتدریج ہوتی ہے اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ ثبات ورسوخ حاصل ہوتا جائے۔ جو چیز جلدی آتی ہے، وہ جلدی نکل بھی جاتی ہے — سالک کو دیر ہونے سے تنگ نہ ہونا چاہیے، بلکہ صبر کرنا چاہیے۔ علماء کے ہاں تعلیم کا سبقًا سبقًا ہونا اور مشائخ کے ہاں افادہ وافاضہ میں تدریج اسی آیت سراپا حکمت کی ماتحتی میں ہے۔ نیت کا مستحکم ہونا، قلب کا تحمل پر قادر ہونا، ملکۂ علمی کا راسخ ہونا، سب اسی کے برکات ہیں۔ ف۳۷ یعنی ایسا جواب جو قطعی بھی ہوتا ہے اور قریب الفہم بھی۔ "جواب کی دو خوبیاں ہیں۔ ایک ذاتی کہ فی نفسہٖ قاطع مادہ شبہ ہو اور دوسری اضافی کہ اپنی وضاحت کے سبب قریب الفہم ہو۔ الحق میں خوبی اول اور احسن تفسیرا میں خوبی دوم کی طرف اشارہ ہے"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

أُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا

یہ لوگ جگہ کے لحاظ سے بدترین اور طریقہ میں بہت گمراہ ہیں وف۳۸ اور بہ تحقیق ہم نے

مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾

موسیٰ کو کتاب دی تھی اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو ان کا معین بنا دیا

فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ

اور پھر ہم نے کہا کہ دونوں آدمی ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ہے سو ہم نے انہیں بالکل ہی

تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ وَ قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ

ہلاک کر دیا وف۳۹ اور ہم نے قوم نوح کو بھی (ہلاک کیا) جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا وف۴۰ ہم نے انہیں غرق کر دیا

وَ جَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا

اور ہم نے انہیں ایک نشان (عبرت) بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لئے ایک دردناک عذاب تیار

اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ وَّ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ قُرُوْنًۢا بَيْنَ

کر رکھا ہے وف۴۱ اور ہم نے (اسی طرح ہلاک کیا) عاد اور ثمود اور اصحاب رس کو اور ان کے درمیان میں

ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَ كُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ؗ وَ كُلًّا تَبَّرْنَا

بہت سی امتوں کو وف۴۲ اور ہم نے ہر ایک کے لئے عجیب عجیب مضامین بیان کئے اور ہر ایک کو ہم نے بالکل ہی

تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَ لَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ

برباد کر دیا وف۴۳ اور (یہ لوگ) اس بستی پر سے گذر رہے ہیں جس پر پتھر بری طرح برسائے

السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ

گئے تھے وف۴۴ سو کیا یہ لوگ اس کو دیکھتے نہیں رہتے؟ وف۴۵ بات یہ ہے کہ یہ لوگ مر کر جی اٹھنے کا خیال ہی نہیں

نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا

رکھتے وف۴۶ اور آپ کو جب یہ دیکھ لیتے ہیں تو بس آپ کے حق میں تمسخر ہی کرنے لگتے ہیں کیا یہی وہ (حضرت) ہیں

وف۳۸ جگہ سے مراد دوزخ اور طریقہ سے مراد مسلک اور مذہب۔ اور یہ سزا متناسب اس لیے ہے کہ اعتراضات نگونساریٔ عقل سے تھے سزا نگونساریٔ بدن سے ہوئی"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اشارۃ النص سے یہ بات بھی صاف ہوئی کہ قادر مطلق اس پر پوری طرح قادر ہے کہ جس عضو جس قوت سے جو کام جس وقت چاہے لے لے۔ خواہ اس کی عام عادت و معمول کے موافق خواہ اس کے مخالف۔ اور ان فطرت پرستوں کی سطحیت اور بے مغزی بالکل آشکارا ہو جاتی ہے جو ہمہ تو ان خدا کی قدرت کو "نیچر کے قوانین" کا تابع و محکوم سمجھتے ہیں۔ وف۳۹ (چنانچہ قوم فرعون کی غرقابی مشہور واقعہ ہے۔ قرآن میں بھی بار بار اس کا ذکر آ چکا ہے) کلمہ ف ہمیشہ تاخر زمانی ہی کے لیے نہیں آتا۔ چنانچہ یہاں بھی معلوم ہے کہ نزول کتاب (توراۃ) کا واقعہ مخاطبہ قوم فرعون سے قبل کا نہیں بہت بعد کا ہے۔ اذْهَبَا کا عطف قبل والی آیت کے جَعَلْنَا پر ہے اور جعل اور قول دونوں کے ماتحت واقعات کا وقوع ایتاء کتاب کے قبل کا ہے۔ فقولہٗ فقلنا اذهبا معطوف علی جعلنا و کل من الجعل و القول کان قبل ایتاء الکتب (جمل) اَلْكِتٰبَ سے مراد توریت کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ بِاٰيٰتِنَا۔ اٰيٰتنا میں دلائل سے مراد یا تو دلائل عقلیہ ہیں اور ظاہر ہے کہ بعد سمجھ جانے ان دلائل کے توحید کا انکار ضرور قابل زجر ہے۔ اور یا مراد دلائل نقلیہ ہیں جو انبیاء سابقین سے منقول ہوتے ہوئے ان لوگوں تک پہنچے ہوں گے۔ ان کے انکار کا مذموم ہونا ظاہر ہی ہے"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) یہ بھی ممکن ہے کہ ایک طرف احکام و شرائع مراد ہوں اور دوسری طرف خوارق و معجزات۔ وَزِيْرًا۔ یہیں سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ وزارت نبوت کے منافی نہیں۔ والوزارة لا تنافی النبوة فقد کان فی الزمان الواحد انبیاء یوزر بعضهم بعضاً (بحر) فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا۔ تدمیر اہلاک کی شدید ترین شکل کا نام ہے۔ یعنی انہیں بالکل چور چور ریزہ ریزہ ہی کر ڈالا۔ والتدمیر اشد الاهلاک و اصله کسر الشیء علی وجه لا یمکن اصلاحه (بحر) وف۴۰ شرک و جاہلیت میں مبتلا قوم نوح کا انکار محض شخصی رسالتِ نوح کا انکار نہ تھا، سارے سلسلۂ انبیاء کا اور نفس مسئلہ نبوت کا انکار تھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ (اور ان کے اتباع میں بعض دوسرے مفسرین) کی بھی نظر اس نکتہ تک پہنچ گئی تھی کہ ممکن ہے یہ لوگ براہمۂ ہند کی طرح سلسلہ نبوت ہی کے منکر ہوں۔ اما کانوا من البراهمة المنکرین بکل الرسل (کبیر) او کذبوا بعثة الرسل مطلقا کالبراهمة (بیضاوی) او لم یروا بعثة الرسل کالبراهمة (بحر) وف۴۱ (آخرت میں، جیسا کہ دنیا میں سزا غرقابی کی ملی) لِلظّٰلِمِيْنَ۔ ظالمون سے یہاں بھی مراد کافر ہی ہیں، جیسا کہ قرآن میں اکثر مقامات پر ہے۔ وف۴۲ (ان کے انکار، تکذیب و نافرمانی کی بنا پر) اَصْحٰبَ الرَّسِّ۔ اصحاب رس سے متعلق مختلف قول نقل ہوئے ہیں۔ رس محققین کے قول کے مطابق ایک شہر علاقہ یمامہ میں تھا۔ یہاں قوم ثمود کا کوئی قبیلہ آباد تھا۔ الرس قریة بفلج الیمامة و هم بقیة ثمود (کبیر) هم اهل قریة من قری ثمود (ابن کثیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) موجودہ نقشوں میں یہ مقام وادیٔ رُمّہ کے علاقہ میں ملتا ہے۔ طول البلد مشرقی ۴۳۔ عرض البلد شمالی ۲۶۔ وف۴۳ یعنی ان میں سے ہر امت کو تبلیغ ہر اعتبار سے مؤثر و بلیغ ہوتی رہی، اس کے بعد بھی جب یہ لوگ ایمان نہ لائے تو عذاب سے ہلاک کر دیئے گئے۔ وف۴۴ (اور جہاں ہو کر یہ منکرین اپنی آمد و رفتِ شام میں گزرتے رہتے ہیں) مراد ہیں سدوم وغیرہ قوم لوط کے علاقے۔ وف۴۵ (اور پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے؟) مطلب یہ ہے کہ خدائی قانون سے بغاوت و سرکشی کرنے والی قوموں کی عبرتناک سزائیں اور بربادیاں خوب ان کے علم میں ہیں۔ ان کے کھنڈر اور مٹے ہوئے آثار ان کے مشاہدہ میں آ چکے ہیں۔ وف۴۶ یعنی یہ اس کا یقین ہی نہیں رکھتے کہ عمل کی جزا و سزا کا ایک ضابطہ اور دستور و نظام ہے۔ اور ہر عمل پر ایک ثمرہ دنیا و آخرت میں مرتب ہوتا ہے۔ اس لیے یہ کفر کو موجب سزا و ہلاکت ہی نہیں تصور کرتے۔

الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا

جنہیں خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ ف۴۷ اس (شخص) نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا

لَوْ لَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا ؕ وَ سَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ

اگر ہم ان پر قائم نہ رہتے ف۴۸ اور عنقریب یہ جان لیں گے جب عذاب

الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ

دیکھ لیں گے کہ کون (شخص) راہ سے ہٹا ہوا تھا؟ آپ نے اس کی بھی حالت دیکھی ہے جس نے اپنی

اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ

خواہشوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے؟ کیا آپ اس کے ذمہ دار رہ سکتے ہیں ف۴۹ یا

تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ

آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں یہ تو محض

اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۴﴾ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ

چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں ف۵۰ کیا تو نے اپنے پروردگار پر نظر نہیں کی

كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا

کہ اس نے سایہ کو کیوں کر پھیلا دیا ہے ف۵۱ اور اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرایا ہوا رکھتا پھر ہم نے

الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا

آفتاب کو اس پر ایک علامت مقرر کر دیا ف۵۲ پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ

یَّسِیْرًا ﴿۴۶﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ

سمیٹ لیا ف۵۳ اور وہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ کی چیز اور نیند کو

سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ

آرام کی چیز اور دن کو (گویا) جی اٹھنے کا وقت بنا دیا ف۵۴ اور وہ وہی ہے جو اپنی بارش رحمت سے پہلے

ف۴۷ اور وہ یہ فقرہ طنز و استہزاء کے طور پر کہتے تھے۔ یعنی اگر رسالت کوئی چیز
ہے تو رسول کسی بڑے رئیس کو ہونا چاہیے تھا۔ نہ کہ ایک عامی معمولی شخص کو۔۔۔
شرکین عرب کے خیال میں منصب رسالت اگر واقعی کسی کو ملنا تھا ہی تو کسی سردار
قریش کو ملتا نہ کہ ایک معمولی تاجر کو۔ ھٰذَا۔ یہاں تحقیر کے لیے ہے۔ ف۴۸ یعنی
وہ تو کہو خیر ہوگئی کہ ہم اپنی استقامت سے اپنے طریق قدیم پر قائم رہے، ورنہ اس
شخص میں قوت تسخیر و جادو بیانی اس غضب کی ہے کہ اس نے ہمیں اکھاڑ ہی دیا
ہوتا۔ ف۴۹ یعنی آپ ان پر مسلط کر کے تو بھیجے نہیں گئے ہیں، پھر آپ ان کی بے
راہی پر غم کیوں کیجئے۔ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ سے یہ صاف ہو گیا کہ ان کی
گمراہی کی بنیاد میں کوئی شبہ عقلی و اجتہادی نہیں، بلکہ محض اتباع ہوائے نفس ہے۔
جاہلیت عرب کے لوگ آج ہی کل کی فرنگی قوموں کی طرح ایک نیم دہری قسم کے
الحاد پسند لوگ تھے۔ ان کی طبیعت ذکر و فکر آخرت کی طرف آمادہ ہی نہیں ہوتی
تھی۔ اور بت پرستی سے بھی بڑھ کر ہوا پرستی اور دنیوی لذات میں مبتلا رہتے تھے۔
ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ف۵۰ (کہ وہ مکلف نہیں اور یہ مکلف ہو کر بھی نہ حق
بات سنتے ہیں نہ فہم سے کام لیتے ہیں) كَالْاَنْعَامِ چوپایوں سے تشبیہ ان کی بے حسی
اور عدم تاثر میں ہے ف۵۱ (اے مخاطب!) یہاں مسئلہ یہ بیان ہوا ہے کہ چیزوں
کے سایہ کا طلوع آفتاب کے بعد، صبح کے وقت بڑھنا اور آفتاب کے بلند ہونے پر
خصوصاً دوپہر کے وقت بالکل گھٹ جانا اور پھر بڑھتے بڑھتے شام کو معدوم ہو جانا،
یہ سب یہ تخلیق باری تعالیٰ ہے۔ ارادۂ حق کا محتاج اور اس کے ماتحت ہے۔ محض
مقتضائے طبیعت سے خود بخود نہیں ہو رہا ہے۔ الظِّلَّ۔ صوفیہ کی اصطلاح میں
ممکنات کو واجب الوجود کا ظل (سایہ) کہا گیا ہے۔ ف۵۲ یعنی آفتاب کے طلوع
و بلندی کو ایک ظاہری علامت سایہ کی درازی و کوتاہی پر بنا دیا۔ اہل اشارات نے
یہاں یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ سارے عالم کی تخلیق و ربوبیت دفعاً حق تعالیٰ کے آفتاب
قدرت سے وہی نسبت رکھتی ہے جو سایہ کو نور آفتاب سے ہے۔ ف۵۳ یعنی وہ
سایہ جو اس کے نزدیک معدوم ہو جاتا ہے۔ لیکن علم الٰہی سے غائب نہیں ہو جاتا۔
ف۵۴ بیان توحید و یکتائی ذات حق کا ہو رہا ہے۔ دن و رات اس نے بنائے۔ اپنی
قدرت سے بلا کسی کی شرکت کے اور اپنی حکمت سے کسی خاص مقصد و مصلحت
کے لئے۔ ایسے مضامین کی پوری قدر اسی وقت ہوتی ہے جب مشرک قوموں کے
عقیدے بھی پیش نظر ہوں۔ جنہوں نے خود دن اور رات کو دیوتا قرار دیا ہے۔
انہیں کسی دیوی یا دیوتا کا پیدا کیا ہوا مانا ہے۔ وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا۔ نیند کا باعث تفریح
و تازگی ہونا ایک طبی حقیقت ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ

ہواؤں کو بھیج دیتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں اور ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں

مَآءً طَهُوْرًا ﴿٤٨﴾ لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّ نُسْقِيَهٗ مِمَّا

خوب پاک وصاف (کرنے والا) ف۵۵ تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے مردہ بستی میں جان ڈال دیں اور اپنے پیدا کیے ہوؤں

خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِيْرًا ﴿٤٩﴾ وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ

میں سے بکثرت مویشیوں اور انسانوں کو سیراب کردیں اور ہم اس پانی کو ان کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں

لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٥٠﴾ وَ لَوْ شِئْنَا

تاکہ وہ غور کریں ف۵۶ تاہم اکثر لوگ ناشکر گزار ہوئے بغیر نہیں رہتے ف۵۷ اور اگر ہم چاہتے تو

لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿٥١﴾ۖ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ

ایک ایک بستی میں ہم ایک ڈرانے والا بھیج دیتے ف۵۸ سو آپ کافروں کا کہنا نہ مانئے

وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿٥٢﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ مَرَجَ

اور قرآن کے ذریعہ سے ان کا مقابلہ زور شور سے کیجیے ف۵۹ اور وہی (اللہ) ہے جس نے دو دریاؤں کو

الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ

ملایا ایک شیریں تسکین بخش ہے اور ایک کھاری اور تلخ ہے

وَ جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٥٣﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ

اور دونوں کے درمیان ایک حجاب اور ایک مانع قوی رکھ دیا ف۶۰ اور وہ وہی ہے جس نے

خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ

انسان کو پانی سے پیدا کیا ف۶۱ پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنایا اور آپ کا

رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿٥٤﴾ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ

پروردگار بڑا قدرت والا ہے ف۶۲ اور یہ (مشرک لوگ) اللہ کے مقابلہ میں ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں نفع پہنچا

ف۵۵ ہوا، بارش وغیرہ سب کا خالق وہی ایک ہے۔ اندر دیوتا یا اور کوئی دیوی دیوتا وجود نہیں رکھتے۔ طَهُوْر فعول کے وزن پر طاہر کا صیغۂ مبالغہ ہے، اور امام ابوحنیفہ علیہ نے اسے طاہر ہی کے معنی میں لیا ہے۔ دوسرے بعض فقہاء نے اسے مطہر کے معنی میں بھی لیا ہے۔ واختلف الناس فی معنی و صفه بانه طهور علی قولین احدهما انه مطهر لغیره و به قال مالک و الشافعی و خلق کثیر سوا هما والثانی انه بمعنی طاهر و به قال ابو حنیفة (ابن العربی) فقہاء مفسرین نے آیت کے تحت میں طہارت آب کے متعلق طویل بحثیں چھیڑ دی ہیں جن کا تعلق تفسیر قرآنی سے نہیں، فقہیات سے ہے۔ یہاں صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ پانی کے اس وصفِ مخصوص سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ حکمی نجاستوں کے ازالہ اور طہارت کا کام صرف آبِ خالص ہی دے سکتا ہے۔ آبِ غیر خالص مثلاً عرق کیوڑہ، عرق گلاب، شربت انار گو کیسے ہی لطیف ہوں۔ صرف طاہر ہیں مطہر نہیں۔ ف۵۶ (اور اس نتیجہ تک پہنچیں کہ یہ سارے طبعی تصرفات اور پھر انسانوں کے درمیان پانی کی حسب مصلحت تقسیم کسی بڑے قادر و حکیم ہی کے ہو سکتے ہیں) صَرَّفْنٰهُ میں ضمیر پانی کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے۔ اور قول کی جانب بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی ہم نے یہ حقیقت ان پرانی امتوں کے سامنے بار بار دہرائی ہے۔ بَلْدَةً مَّيْتًا سے مراد خشک زمین ہے۔ ف۵۷ (اور سب سے بڑی ناشکری کفر و شرک ہے) ف۵۸ (اور تنہا آپ پر اتنا بار نہ ڈالتے، لیکن ہماری مشیت تکوینی اس کی مقتضی نہیں ہم تو دنیا کی اصلاح کا کام آپ ہی کے ذریعہ سے لینا چاہتے ہیں) ف۵۹ (جیسا کہ اب تک یہی کرتے رہے ہیں) یعنی کافر تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ ان کی آزادی میں فرق نہ پڑنے پائے۔ اور آپ تبلیغ کے کام میں سست پڑ جائیں۔ سو آپ کہیں ان کے کہے میں نہ آ جایئے گا۔ آپ قرآن کے قائم کیے ہوئے دلائل حق کے ساتھ اپنی تبلیغ عام و تام دونوں جاری رکھیے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ اعلاء کلمۃ الحق اور ترک دعوت کے باب میں کافروں کی رعایت و اطاعت حرام ہے، اور اعلان قرآن و تبلیغ بالقرآن میں غایت سعی و جہاد واجب ہے۔ بِهٖ میں ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ ای بالقرآن (ابن جریر۔ عن ابن عباس) ف۶۰ (جو خود تو مخفی اور غیر محسوس ہے لیکن اس کا اثر یعنی امتیاز دونوں پانیوں کے درمیان محسوس ہے) مراد ان دو دریاؤں سے وہ مواقع ہیں جہاں شیریں ندیاں اور نہریں بہتے بہتے سمندر میں آ کر گرتی ہیں، وہاں باوجود اس کے کہ اوپر سے دونوں کی سطح ایک معلوم ہوتی ہے لیکن قدرتِ الٰہیہ سے ان میں ایک ایسی حدِ فاصل ہے کہ ملتقی کے ایک جانب سے پانی لیا جائے تو شیریں ہے اور دوسری جانب سے جو کہ جانب اول کے بالکل قریب ہے پانی لیا جائے تو تلخ (تھانوی علیہ) ہندوستان میں دو دریاؤں کے درمیان اس قسم کے اختلاط صوری اور افتراق معنوی کا مشاہدہ متعدد مقامات پر ہو سکتا ہے۔ مثلاً مشرقی سرحد پر، اراکان (علاقہ برھما) اور چاٹگام کے درمیان اسی طرح ضلع باریسال (مشرقی بنگالہ) میں بھی دو ندیاں ایک دوسرے سے متصل اسی قسم کی بیان کی گئی ہیں۔ مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو فاضل جلیل مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا حاشیہ ترجمۃ القرآن (مدینہ پریس، بجنور، یوپی) یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ دنیا میں پانی کے دو عظیم الشان ذخیرہ ہیں۔ ایک سمندری پانی جو کھاری اور پیاس بڑھانے والا ہوتا ہے۔ دوسرا پانی جو دریا، جھیل، تالاب، پہاڑی چشموں وغیرہ میں ملتا ہے اور شیریں اور مسکن ہوتا ہے۔ المراد من البحر العذب هذه الاودیة و من الاجاج البحار الکبار (کبیر) یہ دونوں پانی باہمی تعامل و تاثر کے باوجود اپنے الگ الگ خصوصیات پر قائم رہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ الْبَحْرَيْنِ۔ صوفیہ نے اس نظیر سے فائدہ اٹھا کر معنوی حیثیت سے بھی دو بحر قرار دیے ہیں۔ ایک بحرِ روح، موصوف بصفات حمیدہ۔ دوسرا بحرِ نفس، موصوف بصفات ذمیمہ۔ اور کہا ہے کہ سطحی طور پر دونوں ایک دوسرے سے ملتبس و مختلط معلوم ہوتے ہیں، مگر واقع میں دونوں میں امتیاز ہے، جسے مبصر معلوم کر لیتا ہے۔ ف۶۱ یہاں پانی سے مراد نطفۂ بشری لیا گیا ہے۔ یجوز ان یرید به النطفة التی خلق بها ولد ادم (جصاص) یجوز ان یراد بالماء النطفة (روح) اگر مطلق پانی بھی مراد لیا جائے تو اس پر حاشیہ سورۃ الانبیاء پ۱۷ میں آیت وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ کے تحت میں گزر چکا۔ ف۶۲ (کہ کیسی بہ ظاہر بے حقیقت چیز سے کتنے عظیم الشان اور دور دراز کے تعلقات قائم کر دیے) فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا۔ اسلام نے سارے انسانی معاشرہ کی بنیاد خاندان ہی پر رکھی ہے اور سسرال کو بھی خاندان ہی کا ایک جزو ٹھہرایا ہے۔ عقد مناکحت کی پوری اہمیت جبھی ذہن نشین ہو گی جب پہلے خاندان کی اہمیت اجتماعی زندگی میں ذہن نشین کر لی جائے۔

وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿٥٥﴾ وَمَآ

سکیں اور نہ انہیں نقصان پہنچا سکیں اور کافر تو اپنے پروردگار کا مخالف ہی ہے و٦٣ اور ہم نے

اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٥٦﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ

تو آپ کو بس اس لئے بھیجا ہے کہ خوش خبری سنائیں اور ڈرائیں و٦۴ آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے کوئی معاوضہ تو

مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿٥٧﴾

مانگتا نہیں و٦٥ ہاں (یہ البتہ چاہتا ہوں کہ) جو کوئی چاہے اپنے پروردگار تک راستہ اختیار کرلے

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۗ

اور آپ بھروسہ اسی زندہ پر رکھیے جسے کبھی موت نہیں اور اسی کی حمد میں تسبیح کرتے رہیے

وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿٥٨﴾ الَّذِيْ خَلَقَ

اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے (خوب) خبردار ہے و٦٦ (وہ) وہی ہے جس نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

آسمان و زمین اور جو کچھ دونوں کے درمیان ہے اسے پیدا کردیا چھ دنوں میں پھر وہ

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿٥٩﴾

تخت پر قائم ہوگیا و٦٧ (وہی ہے خدائے) رحمٰن سو اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھا چاہیے و٦٨

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ق

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (خدائے) رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن ہے کیا چیز؟ و٦٩

اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿٦٠﴾ تَبٰرَكَ الَّذِيْ

کیا ہم اسے سجدہ کرنے لگیں گے جس کے لئے تم ہمیں حکم دو گے اور انہیں اور زیادہ نفرت ہوگئی ہے و٧٠ بہت عالی شان

جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا

ہے وہ جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اس میں ایک چراغ اور نورانی

و٦٣ (سو مخالف کی فکر و غم ہی میں آپ کیوں پڑیے اور اس کے ایمان و ہدایت کی کیوں اتنی پروا کیجیے) اَلْكَافِرُ۔ صورۃً مفرد ہے۔ بہ طور اسم جنس آیا ہے۔ والمراد بالكافر الجنس (بیضاوی) یرید بالكافر الجنس (کشاف) و٦٤ (اس تبشیر و انذار سے بڑھ کر کوئی ذمہ داری آپ پر ہرگز نہیں) و٦٥ (اور میری کوئی غرض، جاہی و مالی اس تبلیغ حق کے سلسلہ میں متعلق نہیں) پیمبر کے "تبلیغی لکچروں" کو گراں قدر فیسوں سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ پیمبر ایک پیکر بے غرضی و بے نفسی کا ہوتا ہے۔ و٦٦ (وہ خود ہی جب مناسب سمجھے گا انہیں پوری سزا دے لے گا) اسم باری حی الذی لا یموت ہم مسلمانوں کو ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے اور چونکہ کان شروع ہی سے اس کے عادی ہیں، حیرت اس پر ہوتی ہے کہ اس کے خلاف کوئی عقیدہ ممکن کیونکر ہے؟ یہ ہو کیسے سکتا ہے کہ کوئی خدا بھی ہو اور ساتھ ہی فانی بھی! لیکن دنیا کی دوسری قوموں میں خدائی کے تصور کے ساتھ یہ بقا و عدم فنا کا لزوم ہرگز قائم نہیں۔ مشرک قومیں کثرت سے اپنے دیوتاؤں کی مستقل یا عارضی وفات کی قائل ہیں اور صلیب پر ابن اللہ کی وفات (گو تین ہی دن کے لیے سہی) تو مسیحیت کا بنیادی و مرکزی عقیدہ ہے۔ و٦٧ تحت یعنی تخت حکومت۔ سِتَّةِ اَيَّامٍ، اِسْتَوٰى، عرش سب پر مفصل حاشیے سورۂ اعراف رکوع ۷ میں گزر چکے۔ و٦٨ (کافروں و مشرکوں، منکروں کو کیا خبر اور کیا قدر؟) مشرک جاہلی قومیں اپنے دیوی دیوتاؤں کو ہوا بنائے ہوئے ان سے محض ڈرنا، سہمنا، خوف کرنا جانتی ہیں۔ صفت رحمانیت کا مظہر کامل ہونا ان کی سمجھ میں ہی نہیں آتا — خود مسیحیوں کو بھی اسی صفت باری کے سمجھنے میں ٹھوکر لگی، اور اسی سے انہیں کفارہ وغیرہ کے عقاید تراشنے کی ضرورت پڑی۔ بِهٖ میں ب عن کے معنی میں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سوال کا صلہ جس طرح عن آتا ہے ب بھی آتا ہے۔ اہل نحو سے دونوں قول منقول ہیں۔ والباء فی به صلة سئل كما تكون عن صلته (کشاف) والسوال كما يعدى بعن لتضمنه معنى التفتيش يعدى بالباء لتضمنه معنى الاعتناء (بیضاوی) قال الزجاج معناه عنه (کبیر) و٦٩ یہ سوال مشرکین عرب کی طرف سے پیش ہوتا تھا۔ وہ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ اللہ تک تو خیر اسے تو معبود اعظم کی حیثیت سے ہم بھی جانتے ہیں، لیکن یہ دوسرا نام الرَّحْمٰن تم کیا لیا کرتے ہو۔ یہ کیا کوئی دوسرا خدا ہے۔ اس کی ماہیت اور صفات تو بیان کرو — مشرکین حق تعالیٰ کی صفت رحمانیت سے بہت ہی دور اور بیگانہ تھے۔ و٧٠ (اور بجائے اس کے کہ اسلام سے قریب ہوتے اور زیادہ دور ہوگئے)

٥ ع

السجدة ٧ ع ١٦/٥ ٢

مُنِيْرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ

چاند بنادیا ف۷۱ اور وہ وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنادیا اس شخص کے لئے

اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ

جو سمجھنا چاہے یا شکر ادا کرنا چاہے ف۷۲ اور (خدائے) رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں

الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ

جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں ف۷۳ اور جب ان سے جہالت والے لوگ

الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ

بات چیت کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں خیر ف۷۴ اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے

سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ

سجدہ قیام میں لگے رہتے ہیں ف۷۵ اور وہ جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم

عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ اِنَّهَا

کے عذاب کو دور رکھیو کہ بے شک اس کا عذاب پوری تباہی ہے اور بے شک

سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا

وہ (جہنم) برا ٹھکانا ہے اور (برا) مقام ہے ف۷۶ اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگتے ہیں

لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور اس کے درمیان (ان کا خرچ) اعتدال پر رہتا ہے ف۷۷

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ

اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے ف۷۸ اور جس (انسان کی) جان کو اللہ نے محفوظ

النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ

قرار دے دیا ہے اسے قتل نہیں کرتے مگر ہاں حق پر ف۷۹ اور نہ زنا کرتے ہیں ف۸۰ اور جو کوئی

ف۷۱ سِرٰجًا۔ سراج سے مراد یہاں آفتاب ہے۔ یعنی الشمس (راغب) ویعبر به عن کل مضیء (راغب) وھی الشمس المنیرة التی ھی کالسراج فی الوجود (ابن کثیر) بُرُوْجًا۔ بروج کے معنی بڑے بڑے ستاروں کے ہیں۔ البروج ھی الکواکب العظام (کبیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ھی الکواکب العظام (ابن کثیر، عن مجاہد وسعید بن جبیر وابی صالح والحسن و قتادة) فِیْهَا سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اجرام فلکی، فلک کے اندر ہی ہوں۔ ف۷۲ مطلب یہ ہے کہ یہ مہیب و عظیم الشان نورانی اجسام تو ایسے ہیں کہ مشرک قومیں انہیں کو دیوتا اور صاحب اختیار و تصرف خدا سمجھ بیٹھی ہیں۔ ان سب کا ایک نظام کے ماتحت ہونا، ایک آئین میں جکڑا ہونا، ان کے خالق و صانع کی قدرت، حکمت، صفت سب کے کمال، اور صفت یکتائی پر ایک دلیل قوی ہے۔ لِمَنْ...... شُکُوْرًا۔ یہ سب "سمجھنے والے کی نظر میں استدلالات ہیں اور شکر گزاری کرنے والے کی نظر میں انعامات ہیں۔" ف۷۳ یعنی بجائے فخر و غرور و تمکنت کے جو جاہلیت اور جاہلی قوموں کا شعار خاص ہے ان کے مزاج میں نرمی و تواضع غالب آگئی ہے۔ یہاں تک کہ چال میں اس کا اثر ظاہر ہونے لگا ہے۔ — مقصود یہاں رفتار کی کوئی مخصوص ہیئت نہیں بلکہ محض تواضع و انکسار کا بیان ہے۔ المراد مدجسم بالسکینة والوقار فیه (روح) رکوع میں اللہ کے بندگان خاص کے جو اوصاف بیان ہو رہے ہیں، گو عمومی رنگ میں ہیں تاہم براہ راست اس کے مصداق خود رسول کے معاصر مومنین یعنی صحابہ کرام ہیں جو ابھی ابھی شرک کے دین اور جہالت کے آئین کو چھوڑ کر داخل اسلام ہوئے ہیں رسول کی صحبت سے ان کی قلب ماہیت ہو چکی ہے۔ رکوع کی تفسیر مزید کے لیے ملاحظہ ہو راقم آثم کا ایک مقالہ "مردوں کی مسیحائی" کے عنوان سے بہ طور ضمیمہ کے سورت کے خاتمہ پر۔ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ میں بندوں کی اضافت رحمٰن کی جانب ان کے اظہار خصوصیت و فضیلت کے لیے ہے۔ ورنہ تکوینی طور پر تو سارے انسان رحمٰن ہی کے بندے ہیں۔ ھذه الاضافة للتخصیص و التفضیل والّا فالخلق کلھما عباد اللّٰه (معالم) ف۷۴ (اور اپنے نفس کے لیے انتقام قولی و فعلی کے درپے نہیں ہو جاتے) سَلٰمًا۔ "خیر" اردو محاورہ میں ایسے ہی موقع پر آتا ہے۔ جہاں بات کو ختم کر دینا اور پی جانا منظور ہوتا ہے۔ یہ سلام "تسلیم" سے نہیں، "تسلّم" سے ہے جو علیحدگی و برأت کے موقع پر آتا ہے۔ لیس سلامًا من التسلیم انما ھو من التسلّم۔ تقول العرب سلامًا ای تسلّما منک ای براءة منک (قرطبی) یعنی یہ لوگ نہ صرف اپنے معاملات میں متواضع و منکسر ہیں بلکہ دوسروں کے مقابلہ کے وقت بھی ضبط و تحمل کے پیکر بنے رہتے ہیں اور از خود کسی پر زیادتی کرنا الگ رہا، جب دوسرے ان پر زیادتی کرنے لگتے ہیں، جب بھی اشتعال قبول کر کے آمادۂ جنگ نہیں ہو جاتے۔ غرض حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں کی ادائی میں سرگرم رہتے ہیں۔ "جو خشونت، تادیب و اصلاح و سیاست شرعیہ یا اعلاء کلمة اللہ کے لیے ہو، اس کی نفی مقصود نہیں۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) الْجٰهِلُوْنَ۔ جہالت والوں سے مراد ہر وہ شخص ہوتا ہے جو بات جہالت کی کرے۔ مگر جس طرح جاہلیت کا اطلاق خاص طور پر شرک قبل الاسلام پر ہوتا ہے، الْجٰهِلُوْنَ سے بھی مراد خصوصیت کے ساتھ وہی دور قبل اسلام کے مشرکین ہیں۔ ف۷۵ یہ لوگ راتیں شراب خانوں میں، نشاط خانوں میں، ناچ گھروں میں نہیں گزارتے۔ سینما، تھیٹر وغیرہ میں مارے مارے نہیں پھرتے۔ جائز استراحت میں توغل سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ الٹے نماز و عبادت میں پوری پوری راتیں گزار دیتے ہیں۔ ف۷۶ باوجود طاعت و عبادت میں اس اہتمام تام کے ان کی خشیت قلب کی کیفیت یہ رہتی ہے۔ ف۷۷ یعنی مالی معاملات میں ان کا طریقہ عین اعتدال و میانہ روی کا رہتا ہے۔ نہ وہ افراط کہ معصیت کی راہ میں خرچ کرنے لگیں۔ نہ یہ تفریط کہ طاعت و عبادت کے موقع پر بھی پیسہ اٹھانے سے بخل کریں۔ — مختصر آیت کے اندر صحیح معاشیات ملی و انفرادی کا اصل اصول بیان کر دیا ہے۔ ف۷۸ اور اپنے عقیدہ میں کوئی شائبہ شرک کا نہیں آنے دیتے) ف۷۹ یعنی بجز اس صورت کے کہ کسی کے قتل کے وجوب یا جواز پر کوئی شرعی سند ہی مل جائے، ان کا دامن قتل و خون سے تمام تر پاک رہتا ہے۔ اس کی پوری قدر اس وقت ہو گی جب یہ پیش نظر رہے کہ اہل عرب اسلام سے معاً قبل بھی قتل و خونریزی میں کس قدر غرق تھے۔ بات بات پر تلواریں نکل آتیں اور گردنیں کٹ جاتی تھیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۸۰ حالانکہ چند ہی سال قبل ان کی سوسائٹی میں حرامکاری بالکل معیوب نہ تھی۔ بلکہ ٹھیک آج کل کی جاہلی فرنگی قوموں کی طرح اس جاہلی تہذیب میں بھی تھوڑی بہت حرامکاری اور "خوش وقتی" عین فیشن میں داخل تھی۔

يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۟ۙ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ

ایسا کرے گا اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا قیامت کے دن اس کا عذاب

الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۟ۖ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ

بڑھتا جائے گا وہ اس میں (ہمیشہ) ذلیل ہوکر پڑا رہے گا و۸۱ مگر ہاں جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے

وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ

اور نیک کام کرتا رہے سو ایسے لوگوں کو اللہ ان کی بدیوں کی جگہ نیکیاں

حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۟ وَ مَنْ تَابَ

عنایت کرے گا و۸۲ اور اللہ تو ہی ہے بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا و۸۳ اور جو کوئی توبہ کرتا ہے

وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۟ وَ الَّذِيْنَ

اور نیک کام کرتا ہے تو وہ بھی اللہ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے و۸۴ اور وہ لوگ

لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۟

ایسے ہیں کہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور جب وہ لغو مشغلوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گزر

وَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا

جاتے ہیں و۸۵ اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے پروردگار کی آیات کے ذریعہ سے تو یہ ان پر

وَّ عُمْيَانًا ۟ وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ

اندھے بہرے ہوکر نہیں گرتے و۸۶ اور یہ وہ لوگ ہیں جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری

اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ

بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا

اِمَامًا ۟ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ يُلَقَّوْنَ

سردار بنا دے و۸۷ ایسے لوگوں کو بالا خانے ملیں گے بوجہ ان کی ثابت قدمی کے اور ان کو

و۸۱ ذٰلِكَ میں اشارہ ان تمام اعمال کی طرف آگیا جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یعنی شرک، قتل، زنا۔ عذاب کے ساتھ زیادتی عذاب، دوام عذاب اور اہانت کی قیدوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود یہاں کفار و مشرکین ہی ہیں۔ عاصی مومن پر عذاب اگر ہوگا بھی تو محض اصلاح و تطہیر کی غرض سے۔ و۸۲ یعنی جو شخص اپنے کفر کو اسلام سے بدل دے اور اپنے فسق کو طاعت سے اس کے گزشتہ یعنی زمانہ کفر کے گناہ تو اسلام کی برکت سے محو ہو ہی جائیں گے، اور اب التزام طاعت سے آئندہ نیکیاں ہی اس کے لیے لکھی جائیں گی۔ و۸۳ چنانچہ بہ اقتضائے مغفرت وہ گناہوں کو محو کر دیتا ہے، اور بہ اقتضائے رحمیت حسنات کو ثبت فرماتا رہتا ہے۔ و۸۴ یہاں ذکر مومن عاصی کا ہے جو معصیتوں سے تائب ہو رہا ہے اور آئندہ نیکیاں کرتا ہے۔ یعنی ان معصیتوں کا اعادہ نہیں ہونے دیتا۔ مَتَابًا۔ متاب مصدر ہے جو فعل کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ یعنی مومن عاصی توبہ نصوح کر رہا ہے، اللہ کیوں نہ اسے قبول کرے گا۔ ای تاب حق التوبه و هی النصوح ولذا اکد بالمصدر۔ فمتابا مصدر معناه التاکید کقوله کلّم الله موسٰی تکلیما ای فانه یتوب الی الله حقًا فیقبل الله توبته حقًا (قرطبی) و۸۵ یعنی نظریں نیچی کیے ہوئے سلامت روی کے ساتھ ان بیہودگیوں سے گزر جاتے ہیں نہ ان لایعنی مشاغل کی طرف مشغول ہوتے ہیں، نہ عاصیوں کی تحقیر کر کے اپنا کبر ظاہر کرتے ہیں۔ الزُّوْرَ۔ زور کے معنی کذب اور میل عن الحق کے ہیں (راغب) یشهدون الزور سے مراد لی گئی ہے ناجائز مجمع میں حاضری۔ ای حضور مواضع الکذب (کبیر) و یحتمل کل موضع یجری فیه مالا ینبغی (کبیر) اور اس کے تحت میں مشرکوں کے جشن اور فاسقوں کے جلسے سب داخل ہیں۔ یدخل فیه اعیاد المشرکین و مجامع الفساق (کبیر) عن عکرمة لعبٌ کان فی الجاهلیة یسمّٰی بالزور (قرطبی) ہمارے زمانہ کے میلے ٹھیلے، مختلف "بازیوں" کے جمگھٹے، ناچ رنگ کی محفلیں، تھیٹر، سینما وغیرہ سب اس کے تحت میں داخل ہیں۔ دوسرے معنی جھوٹی گواہی دینے کے بھی کیے گئے ہیں۔ الزور یحتمل ان منه الشهادة الباطلة (کبیر) ای انهم لایشهدون شهادة الزور (کبیر) اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مراد مجالس زور ہیں، جن میں اللہ و رسول سے متعلق باتیں گڑھ گڑھ کر بیان کی جاتی ہیں۔ المراد مجالس الزور التی یقولون فیها الزور علی الله تعالٰی و رسوله (کبیر) اور کوئی جھوٹی گواہی اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی کہ شرک کی گواہی دی جائے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سب معانی بیان کر کے لکھا ہے کہ درست یہ سب ہو سکتے ہیں۔ البتہ زُور کا استعمال کذب کے معنی میں اکثر ہوتا ہے۔ کل هذه الوجوه محتملة و لکن استعماله فی الکذب اکثر (کبیر) وَاِذَا مَرُّوْا۔ یعنی جب کبھی اتفاقی طور پر ادھر ان کا گزر ہوتا ہے۔ بِاللَّغْوِ۔ لغو عملی یا زبانی ہر وہ لایعنی مسئلہ ہے جو بچنے کے قابل ہوتا ہے۔ گانے، تماشے خاص طور پر اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ ای بما ینبغی ان یلقی و یطرح ممالا خیر فیه (روح) و هو کل مسقط من قول او فعل فیدخل فیه الغناء واللهو و غیر ذٰلک مما قاربه (قرطبی) لغو کے لیے ملاحظہ ہو پ۱۸ حاشیہ نمبر ۳ و۸۶ یعنی قرآن کے حقائق و معارف کی طرف سے اندھے بہرے نہیں ہو جاتے بلکہ عقل و فہم کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوتے اور تعمیل احکام میں لگ جاتے ہیں۔ یہ انہیں بگوش قبول سنتے اور بچشم عبرت دیکھتے ہیں۔ ایات سے مراد احکام الٰہی بھی ہو سکتے ہیں اور اللہ کی نشانیاں بھی۔ و۸۷ یعنی ہمارے گھر والے، ہمارے بیوی بچے، سب ایسے دیندار و پابند شریعت ہوں کہ ہم انہیں دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہو جایا کریں۔ اور ہم کو تقویٰ میں کمال بھی اس درجہ کا عطا کر کہ دوسرے اہل تقویٰ ہم سے ہدایت پائیں — انسان کا بجائے خود دیندار رہنا کافی نہیں، اپنے گھر والوں کی بھی دینداری کی دیکھ بھال اس پر لازم ہے۔ ضمناً یہ بات بھی نکل آئی کہ صاحب اہل و عیال ہونا، ایمان کیا معنی کمال ایمان و تقویٰ کے بھی منافی نہیں۔ اور اس میں رد ہے مسیحیوں اور بعض ان مشرک قوموں کا جنہوں نے تجرد و انقطاع و رہبانیت کو دلیل کمال سمجھا ہے۔

فِيهَا تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا ﴿٧٥﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ

وہاں دعا و سلام ملے گا و٨٨ اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے کیسا اچھا ہے

مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٧٦﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْ لَا

وہ ٹھکانا اور مقام! آپ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار تمہاری پرواہ ذرا بھی نہ کرے گا اگر تم

دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾

عبادت نہ کرو گے سو تم خوب جھٹلا چکے سو عنقریب یہ (تکذیب) وبال بن کر رہے گی و٨٩

ع ٦ | ٤

ایاتہا ٢٢٧ | ٢٦ سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ ٤٧ | رکوعاتہا ١١

اس میں دو سو ستائیس آیتیں | سورۂ شعرا مکی ہے | اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰسۗمّۗ ﴿١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ لَعَلَّكَ

طا۔ سیم۔ میم و١ یہ کتاب واضح کی آیتیں ہیں۔ شاید کہ آپ

بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٣﴾ اِنْ نَّشَاْ

ان کے ایمان نہ لانے پر جان دے دیں گے و٢ ہم اگر چاہیں

نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا

تو ان پر آسمان سے کوئی (ایسا) نشان اتار دیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے

خٰضِعِيْنَ ﴿٤﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ

بالکل جھک جائیں و٣ اور ان کے پاس کوئی بھی تازہ فہمائش (خدائے) رحمٰن کی طرف سے

مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ﴿٥﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا

ایسی نہیں آتی کہ یہ اس سے بے رخی نہ کرتے ہوں چنانچہ یہ جھٹلا کر رہے و٤

منزل ٥

و٨٨ (فرشتوں کی طرف سے بہ طور جنتیوں کی تعظیم واکرام کے) بِمَا صَبَرُوْا۔ ثابت قدمی سے مراد ہے دین پر ثابت قدمی۔ ہجوم مشکلات میں صبر واستقامت۔ و٨٩ (خواہ دنیا میں، خواہ آخرت میں، خواہ دونوں ہی جگہ) قُلْ...... دُعَاۗؤُكُمْ۔ اس میں رد آگیا ان جاہل صوفیوں کا جو محض تبرکات یا کسی صالح کے ساتھ انتساب کو مقبولیت کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ حقیقۃً دربار خداوندی میں بندوں کی جو بھی قدر ہے ایمان وطاعت ہی کی بنا پر ہے۔

و١ کہا گیا ہے کہ ط سے اشارہ ہے طرب قلوب عارفین کی طرف اور س سے سرور محبین کی طرف اور م سے مناجات مریدین کی طرف الطاء اشارة الی طرب قلوب العارفین والسین سرور المحبین والمیم مناجات المریدین (کبیر) دوسرا قول یہ ہے کہ ط "ذی الطول" کا مخفف ہے اور س قدوس کا اور م رحمٰن کا۔ عن محمد ابن کعب الله قال فی هٰذا الطاء من ذی الطول والسین من القدوس والمیم من الرحمٰن (روح) تِلْكَ۔ اشارۂ بعید ہے۔ لیکن یہاں مقصود علو منزلت کا اظہار ہے۔ اشارة الی السورة ما فی ذٰلک من معنی البعد للتنبیه علی بعد منزلة المشار الیه فی الفخامة (روح) و٢ یعنی آپ کے غم وتاسف سے معلوم کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ ایک نقشہ ہے رسول اللہ ﷺ کی غمخواری اور دلسوزی کا شدید منکروں اور کٹر کافروں تک کے لیے! قرآن کریم نے آپ کو سمجھایا ہے کہ اس قدر غم وتاسف بے کار ہے۔ ہمارا کام تو اثبات حق کے ساتھ صرف دلائل صحیح وواضح کا نازل کر دینا ہے۔ باقی ایمان لانا نہ لانا یہ خود لوگوں کے اختیار کی چیز ہے۔ صاحب روح المعانی نے آیت سے دو امر اخذ کیے ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت پر کمال شفقت رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ کافر کے ایمان پر حرص حکم ازلی کے منافی نہیں۔ اور عارف تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے ذیل میں فرمایا ہے کہ (١) شیخ کو شفقت میں اعتدال مناسب ہے، جو ہدایت نہ پائے اس پر حزن نہ کیا جائے۔ (٢) کسی کی اصلاح شیخ کے اختیار وقدرت و تصرف میں نہیں۔ و٣ (اور انہیں چار و ناچار ایمان لاتے ہی بنے) اِنْ نَّشَاْ۔ یعنی اگر مشیت یہ ہوتی کہ سب کے سب ایمان لے ہی آئیں، تو غیب سے کوئی نہ کوئی ایسا کھلا ہوا نشان دکھا دیا جاتا، جس کے بعد تردد وتامل، رد وانکار کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی اور سب کے سب ایمان لانے پر مجبور ومضطر ہو جاتے۔ لیکن پھر یہ عالم ابتلاء باقی نہ رہتا یہاں تو مقصود ہی ان کی قوت اختیار کا امتحان ہے۔ اور یہی دیکھنا ہے کہ کون کس حد تک اپنے ارادہ کو صحیح مصرف میں لاتا ہے۔ محقق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ خوب بیان کیا ہے کہ تصرف باطنی میں بھی ایک شان جبر وزبردستی کی ہے۔ اس لئے مشائخ محققین سلوک وارشاد میں اسے پسند نہیں کرتے۔ و٤ (پیام حق، اور پیامبر برحق دونوں کو) یہ تکذیب انتہائی درجہ ہے اس ابتدائی اعراض یا بے اعتنائی کا۔ پھر تکذیب بھی جب استہزاء کے ساتھ ملی جلی ہو! جرم کے یہاں تینوں مرتبے بیان کر دیے گئے ہیں۔ پہلے اعراض پھر تکذیب اور پھر استہزاء۔ مُحْدَثٍ۔ ذکر رحمانی کے لیے یہاں جو صفت محدث کی آئی ہے یہ حدوث ذات باری وصفات باری کے اعتبار سے، کہ وہ قدیم ہیں ممتنع ہے، اور وہ یہاں مراد بھی نہیں۔ البتہ باعتبار مخلوق بالکل جائز ہے، اور وہی یہاں مراد ہے اور یہیں سے معتزلہ کے قول کی کمزوری معلوم ہوگئی، جنھوں نے مُحْدَثٍ کو ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ سے متعلق کر کے اس کے اتیان کو قرآن کے مخلوق وحادث ہونے کے ثبوت میں پیش کرنا چاہا ہے۔ من ذکر من زائدہ تاکید عموم اور نفی کو زوردار بنانے کے لیے ہے۔ من مزيدة لتاكيد العموم (روح)

فَسَيَأْتِيهِمْ أَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦﴾ اَوَلَمْ

پس عنقریب ان کو اس کی حقیقت معلوم ہوجائے گی جس کے ساتھ یہ استہزا کرتے رہے ہیں ف۵ کیا انہوں نے

يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿٧﴾

زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کس قدر بوٹیاں عمدہ عمدہ قسم کی اگائی ہیں!

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾

بے شک اس کے اندر ایک (بڑی) نشانی ہے ف٦ لیکن ان میں کے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٩﴾ ع وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ

اور بے شک آپ کا پروردگار (بڑا) غالب ہے (بڑا) رحیم ہے ف۷ اور (انہیں اس وقت کا قصہ یاد دلائیے) جب آپ

مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠﴾ لا قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ

کے پروردگار نے موسیٰ کو پکارا کہ تم ان ظالم لوگوں یعنی قوم فرعون کے پاس جاؤ ف۸

اَلَا يَتَّقُوْنَ ﴿١١﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿١٢﴾ ۭ

کیا یہ لوگ نہیں ڈرتے؟ وہ بولے کہ اے میرے پروردگار مجھے بس اسی کا اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے ف۹

وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى

اور میرا سینہ تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان (خوب) نہیں چلتی ہے ف۱۰ سو تو ہارون کے پاس

هٰرُوْنَ ﴿١٣﴾ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿١٤﴾ ج

(بھی وحی) بھیج دے ف۱۱ اور میرے ذمہ ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے سو مجھے اندیشہ ہے کہ مجھے قتل ہی کر ڈالیں گے ف۱۲

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿١٥﴾

ارشاد ہوا کہ ہرگز نہیں ف۱۳ تم دونوں جاؤ ہمارے احکام کے ساتھ۔ ہم خود تمہارے ساتھ سنتے رہیں گے ف۱۴

فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ لا اَنْ

سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم پروردگار عالم کے رسول ہیں ف۱۵ کہ

ف۵ یعنی موت اور حیات کے وقت انہیں ایک ایک حقیقت کا انکشاف ہو کر رہے گا۔ ف٦ (ہمارے کمال قدرت اور توحید کی) فن نباتات میں اگر گہری نظر ہو اور نباتاتی حکمتیں اور صناعیاں پیش نظر ہوں، تو ممکن نہیں کہ دل صناع مطلق کی یکتائی پر گواہی نہ دے اٹھے۔ لَاٰيَةً۔ اٰية (پر تنوین) سے مراد عظیم الشان نشان ہے، جس کے بعد ایمان واجب ہوجاتا ہے۔ اٰية عظيمة دالة على ما يجب عليهم الايمان به (روح) ف۷ (اور اس کی رحمت عام دنیا میں کافروں سے بھی متعلق ہے۔ اس لیے باوجود کمال قدرت انتقام اس نے انہیں مہلت دے رکھی ہے) الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ۔ صفت عزیز کا تقاضا یہ تھا کہ سب اس کے بس میں ہیں، وہ سب پر غالب ہے، ان مجرموں کو معًا ہلاک کر ڈالتا۔ لیکن ساتھ ہی وہ رحیم بھی ہے۔ اے هو الغالب القاهر و مع ذلك فانه رحيم بعباده (کبیر) ف۸ (عبرت وموعظت کے لیے) اِذْ نَادٰى۔ اکابر اہل سنت کے درمیان اس پر بحث ہوئی ہے کہ یہ ندا جو حضرت موسیٰ کے کان میں آئی کون سی تھی، آیا حق تعالیٰ کا کلام قدیم غیر مخلوق، جیسا کہ امام ابوالحسن اشعری کا خیال ہے۔ یا حروف واصوات سے مرکب آواز، جیسا کہ امام ابو منصور ماتریدی کا مسلک ہے۔ تفسیر کبیر میں دونوں قول نقل ہوئے ہیں۔ ف۹ (قبل اس کے کہ میں پوری تبلیغ کرسکوں) حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ مجھے تعمیل ارشاد میں عذر ہی کیا ہوسکتا ہے۔ البتہ یہ خیال ضرور ہوتا ہے کہ وہ لوگ میری تبلیغ کے تمام ہونے سے قبل ہی میری تکذیب شروع کردیں گے۔ حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ اس کے قبل بھی کئی بار آچکا ہے۔ ف۱۰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کچھ زیادہ خوش تقریر نہ تھے۔ روایات یہود میں آتا ہے کہ بچپن میں کوئی تین چار برس کے سن میں ایک جلتا ہوا انگارہ آپ نے اپنی زبان پر رکھ لیا تھا اس سے زبان میں لکنت یا ہکلاہٹ پیدا ہوگئی تھی۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی ہمارے ہاں روایات اس معنی میں نقل ہوئی ہیں۔ توریت میں ہے:۔ ”تب موسیٰ نے خداوند سے کہا کہ اے میرے خداوند میں فصاحت نہیں رکھتا نہ تو آگے سے اور نہ جب سے کہ تو نے اپنے بندے سے کلام کیا اور میری زبان اور باتوں میں لکنت ہے۔“ (خروج ۴:۱۰) آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بعض نقصانات طبعی اور کمال روحانی کے درمیان کوئی منافاۃ نہیں۔ ف۱۱ (اور انہیں شریک نبوت کر دیجیے) حضرت ہارون، حضرت موسیٰ علیہما السلام سے زیادہ خوش تقریر تھے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اور پھر ان پر کسی قبطی کے قتل وغیرہ کا کوئی الزام بھی نہ تھا۔ ف۱۲ (قبل اس کے کہ میں فرائض تبلیغ ادا کرسکوں) جرم سے مراد ایک قبطی کا قتل ہے، جو حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے قبل نبوت اتفاقی طور پر ہوگیا تھا۔ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ سے یہ مراد نہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے اس کا جرم ہونا تسلیم بھی کرلیا تھا۔ آپ کا مقصود صرف یہ تھا کہ ”ان کے خیال میں میں ان کا مجرم بھی ہوں“ المراد لهم على ذنب في زعمهم (کبیر) و تسمیتهٗ ذنبا بحسب زعمهم بما ينبئ عنه قوله تعالى لهم (روح) ف۱۳ یعنی ان کی اتنی مجال نہیں کہ وہ تمہیں قتل کرسکیں۔ معناه ارتدع يا موسى عما تظن (کبیر) ف۱۴ تسکین، تشفی، دلدہی کا یہ اعلیٰ مقام ہے۔ بندہ کو خود پروردگار عالم کی معیت کا یقین تازہ ہوجائے تو اس سے بڑھ کر اطمینان اور ہو کیا سکتا ہے؟ بِاٰيٰتِنَآ۔ ایات سے مراد احکام بھی ہوسکتے ہیں اور خوارق بھی۔ مَعَكُمْ۔ یہ معیت عامہ نہیں ہے جو حق تعالیٰ کی ہر بندہ کے ساتھ رہتی ہے۔ بلکہ معیت خاصہ مراد ہے جو معیت رافت ونصرت ہوتی ہے ف۱۵ رسول، رب العالمین کے، سارے جہان کے پروردگار کی طرف سے، نہ کہ ”بنی اسرائیل کے خداوند خدا“ یا ”عبرانیوں کے خدا“ یا تمہارے باپ دادوں کے خدا“ کی طرف سے، جس سے توریت بھری پڑی ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب خروج، باب ۳) قرآن اور توریت کے بیانات میں یہی تو وہ نازک فرق ہیں جو ایک کا مرتبہ دوسرے سے کہیں ممتاز کر رہے ہیں۔ موسیٰ کے اس مختصر سے فقرہ میں سب سے پہلے تبلیغ توحید ورسالت دونوں کی آگئی۔ گویا یہی نقطۂ آغاز ہے ان کی تبلیغ کا! اور یہ خصوصیت ہے ہر پیغمبرانہ دعوت کی۔

اَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿ؕ۱۷﴾ قَالَ اَلَمۡ نُرَبِّکَ فِیۡنَا

تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے ف۱۶ (فرعون) بولا کیا ہم نے تمہیں بچپن میں

وَلِیۡدًا وَّ لَبِثۡتَ فِیۡنَا مِنۡ عُمُرِکَ سِنِیۡنَ ﴿ۙ۱۸﴾ وَ فَعَلۡتَ

پرورش نہیں کیا تھا اور تم ہم لوگوں میں اپنی اس عمر میں برسوں رہا کیے ف۱۷ اور تم نے وہ حرکت بھی تو کی

فَعۡلَتَکَ الَّتِیۡ فَعَلۡتَ وَ اَنۡتَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ

جو کی تھی اور تم بڑے نا شکرے ہو ف۱۸ (موسیٰ نے) کہا

فَعَلۡتُہَاۤ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّیۡنَ ﴿ؕ۲۰﴾ فَفَرَرۡتُ مِنۡکُمۡ لَمَّا

(واقعی) میں وہ حرکت کر بیٹھا تھا اور مجھ سے (نادانستہ) غلطی ہو گئی تھی ف۱۹ پھر جب مجھے

خِفۡتُکُمۡ فَوَہَبَ لِیۡ رَبِّیۡ حُکۡمًا وَّ جَعَلَنِیۡ مِنَ

ڈر لگا تو میں تمہارے ہاں سے مفرور ہو گیا، پھر میرے پروردگار نے مجھے حکمت عطا کی اور مجھے پیمبروں میں

الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۲۱﴾ وَ تِلۡکَ نِعۡمَۃٌ تَمُنُّہَا عَلَیَّ اَنۡ عَبَّدۡتَّ

شامل کر دیا ف۲۰ اور یہی وہ احسان ہے جس کا تو بار مجھ پر رکھ رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو

بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿ؕ۲۲﴾ قَالَ فِرۡعَوۡنُ وَ مَا رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ؕ۲۳﴾

سخت غلامی میں ڈال رکھا ہے ف۲۱ فرعون نے کہا کہ اچھا پروردگار عالم کیا چیز ہے؟ ف۲۲

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَہُمَا ؕ اِنۡ کُنۡتُمۡ

(موسیٰ نے) کہا کہ وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس (سب) کا، اگر تم کو

مُّوۡقِنِیۡنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنۡ حَوۡلَہٗۤ اَلَا تَسۡتَمِعُوۡنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ

یقین حاصل کرنا ہو ف۲۳ (فرعون نے) اپنے اردگرد والوں سے کہا کہ تم لوگ (کچھ) سنتے ہو؟ ف۲۴ (موسیٰ نے) کہا

رَبُّکُمۡ وَ رَبُّ اٰبَآئِکُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوۡلَکُمُ

وہ پروردگار ہے تمہارا اور پروردگار ہے تمہارے اگلے بزرگوں کا ف۲۵ (فرعون) بولا کہ یہ تمہارا رسول

ف۱۶ (ان کے وطن ملک شام کو۔ اور اپنے بیگار اور ظلم سے انہیں رہائی دے) توریت میں ہے: ”اب دیکھ بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی، اور میں نے وہ ظلم جو مصری ان پر کرتے ہیں دیکھا ہے۔ بس اب تو جا۔ میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں۔ میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں مصر سے نکال“۔ (خروج ۳: ۹، ۱۰) مجموعۂ دعوت کا حاصل، دعوتِ توحید و رسالت اور پھر مخلوق میں ترک تعدی ہے۔ انۡ یہاں مفسرہ ہے۔ ان مفسرة لتضمن الارسال المفهوم من الرسول (روح) ف۱۷ (اے موسیٰ) موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم و تربیت سب شاہی ظلِ عاطفت میں ہوئی تھی۔ اور آپ قصرِ فرعونی میں سالہا سال تک رہے۔ قیام کی مدت روایات یہود میں مختلف آئی ہے۔ کوئی کہتا ہے ۱۸ سال کی عمر تک اور کوئی کہتا ہے ۲۰ سال کی عمر تک اور کسی کسی کی روایات ہے کہ چالیس برس کی عمر تک۔ وَلِیۡدًا۔ ولید وہ لڑکا ہے جس کی پیدائش کا ابھی تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے۔ الولید یقال لمن قرب عهده بالولادة (راغب) ف۱۸ اشارہ ہے اس نادانستہ قتل کی جانب۔ مفصل ذکر سورۂ قصص میں آئے گا۔ معناه و انت ممن عادتهٗ كفران النعم (کبیر) فرعون غصہ اور طنز کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ تم جو یہ سرکاری دھرم (State, Religion) قومی دین (National, Religion) کے مقابلہ میں نیا دین گڑھ کر لائے ہو، تو اس میں نئی بات کون سی ہے، تم تو شروع ہی سے اپنے محسنوں سے غداری کرتے آئے ہو۔ ف۱۹ (سو حقیقۃً قصوروار تو میں اس وقت بھی نہ تھا) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جرم قتل عمد سے تبری ضالین میں آ جاتی ہے۔ ضال کے معنی ہی ہیں انجان کوئی حرکت کر بیٹھنے والا۔ تنبیه ان ذلک منه سهو (راغب) المراد بذلک الذاهلين من معرفة مايؤول اليه من القتل (کبیر) المراد انی فعلت ذلک الفعل و انا ذاهل من كونه مهلكًا و كان منی فی حكم السهو (کبیر) عن قتادة انه فعل ذلک جاهلًا به غير متعمد اياه (روح) ضلال کا لفظ ارادی و غیر ارادی، بڑی اور چھوٹی ہر غلطی کے لیے عام ہے۔ يقال الضلال بكل عدول عن المنهج عمدًا كان او سهوًا يسيرًا كان او كثيرًا (راغب) اور اسی لیے اس کا اطلاق ضلال انبیاء و ضلال کفار دونوں پر ہوتا ہے حالانکہ اس ضلال اور اس ضلال کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے صح ان يستعمل لفظ الضلال ممن يكون منه خطأ ما ولذلک نسب الضلال الى الانبياء والى الكفار و ان كان بين الضلالين بون بعيد (راغب) ف۲۰ (چنانچہ اب میں خدا ہی کے حکم سے اس کے پیمبر کی حیثیت سے آیا ہوں) پیمبری کی استعداد خطاء عمد کے منافی ہے، نہ کہ اتفاقی غلطی، بھول چوک کے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ گفتگو فرعون کے سامنے بہت ہی سبق آموز ہے قتل، ظاہر میں دنیا کی نگاہ میں ایک کھلا ہوا دینی جرم ہے اور فرار ایک اخلاقی جرم۔ آپ ان دونوں ظاہری جرموں کا اقرار کھلے لفظوں میں اپنے کھلے ہوئے دشمن سے کر رہے ہیں۔ حالانکہ دنیا اس قسم کی کمزوریوں کو شدت سے چھپاتی ہے — مخلصین صادقین کے اخلاق ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ف۲۱ یہ حضرت موسیٰ کی طرف سے فرعون کے احسان جتلانے کا جواب ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے پرورش کا جو احسان تو جتلاتا ہے خود اس کی بھی تو حقیقت یہ ہے کہ تیرے ہی ظلم کے باعث مجھے دریا میں بہا دیا گیا۔ تیرے گھر والوں نے لاوارث سمجھ کر نکال لیا اور پرورش کی۔ نہ یہ تیرا شدید ظلم اسرائیل کے بچوں پر ہوتا اور نہ مجھے یوں دریا میں ڈالا جاتا۔ محققین نے یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ کافر کا مجرد کفر اس کے احسان کو باطل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اعلم ان فی الأية دلالة علىٰ ان كفر الكافر لا يبطل نعمته علىٰ من يحسن اليه ولا يبطل منته (کبیر) ف۲۲ سوال فرعون کی طرف سے ہو رہا ہے۔ جو مجسمۂ شرک تھا، عقیدہ توحید سے تمامتر نا آشنا۔ مصری عقیدہ میں سورج دیوتا سب سے بڑا دیوتا تھا اور خود فرعون اس کا اوتار یا مظہر۔ اسے بڑی حیرت ہوئی کہ موسیٰ یہ انوکھا لفظ رب العالمین کیا بول رہے ہیں؟ عالمگیر ربوبیت کا تخیل ہی مشرکانہ دماغ کی گرفت سے باہر رہتا ہے۔ جاہلی دماغ الگ الگ اصناف موجودات کے دیوی دیوتا تو سمجھ لیتا ہے، لیکن اس حقیقت کے قبول کرنے میں وہ اپنے کو تنگ پاتا ہے کہ کوئی ایک پروردگار ساری کائنات کا ہے۔ توریت میں ہے ”فرعون نے کہا کہ خداوند کون ہے کہ میں اس کی آواز کو سنوں کہ بنی اسرائیل کو جانے دوں؟ میں خداوند کو نہیں جانتا اور نہ میں بنی اسرائیل کو جانے دوں گا۔“ (خروج ۵: ۳) ف۲۳ موسیٰ علیہ السلام اپنے جواب میں سب سے زیادہ زور پروردگار عالم کی صفت ہمہ گیری پر دے رہے تھے۔ یعنی دائرۂ امکان میں کوئی شے بھی اس کی خالقیت، مالکیت، اور ربوبیت سے باہر نہیں۔ مصریوں کے ہاں آسمان، زمین اور فضائے درمیانی تینوں کے خدا الگ الگ تھے۔ قرآن مجید نے حضرت موسیٰ کے جواب کے الفاظ سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا۔ قَالَ...... وَمَا بَیۡنَہُمَا۔ اس سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ صورت و جسم سے پاک ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ موقع تھا کہ حضرت موسیٰ حضرت باری کی شکل و صورت کو بیان کر چلتے۔ الأية تدل علىٰ ان الله تعالىٰ ليس بجسم (کبیر) ف۲۴ (کہ یہ شخص کیسی عجیب و غریب باتیں بے پر کی اڑا رہا ہے!) لِمَنۡ حَوۡلَہٗ سے مراد اہلِ دربار ہیں۔ ای اشراف قومه (کشاف) التفت فرعون الى من حوله من ملائه ورؤساء دولته (ابن کثیر) سب کے سب عقیدۂ توحید سے یکسر نا آشنا و نامانوس تھے۔ ف۲۵ یعنی وہی ایک خدا ساری کائنات خارجی کا بھی ہے اور ساری نوع انسانی کا بھی۔ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ مصری مذہب انسانی آبادی کو مختلف بستیوں اور جغرافی ٹکڑوں میں تقسیم کیے ہوئے تھا اور سب کے دیوی دیوتا الگ الگ تھے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ مصریوں کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ خود مردہ اسلاف ہی معبودیت کے درجہ کو پہنچ جاتے تھے۔ حضرات انبیاء سب سے زیادہ حریص تبلیغ توحید ہی کے ہوتے ہیں۔ اپنے بیان میں اسی کو سب پر مقدم رکھتے ہیں۔

ف۲۶ (جب ہی تو ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے کہ تعددِ آلہہ ہی سے انکار کر رہا ہے!) آج بھی دنیا کی مشرک قوموں کی سمجھ ہی میں یہ نہیں آتا کہ توحید خالص بھی کوئی صحیح مسلک ہوسکتا ہے۔ ف۲۷ مصری شرک کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ سورج دیوتا کی پوجا کرنے والوں کے مقابلہ میں اللہ کو مشرق و مغرب کے خدائے واحد اور مالک کی حیثیت سے پیش کرنا بہت ہی بلیغ ہے۔ ف۲۸

الَّذِیۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ

جو تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے یہ تو مجنون ہے ف۲۶ (موسیٰ نے) کہا وہ پروردگار ہے مشرق و مغرب

وَ الْمَغْرِبِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَىِٕنِ

کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس سب کا، اگر تم عقل سے کام لو ف۲۷ (فرعون) بولا اگر تم نے

اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ ﴿۲۹﴾

میرے سوا اور کوئی معبود تجویز کیا تو میں تمہیں قید میں ڈال دوں گا ف۲۸

قَالَ اَوَ لَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ

(موسیٰ نے) کہا اور جو میں کوئی کھلی ہوئی بات پیش کر دوں تو؟ ف۲۹ (فرعون) بولا، اچھا تو وہ لاؤ اگر

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ

تم سچے ہو پھر (موسیٰ نے) اپنی لاٹھی ڈال دی، سو وہ یک بیک ایک نمایاں

مُّبِیْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّ نَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۳۳﴾

اژدہا بن گیا ف۳۰ اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) باہر نکالا تو وہ یک بیک دیکھنے والوں کی نظر میں بہت ہی چمک دار ہو گیا

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾ یُّرِیْدُ اَنْ

ف۳۱ (فرعون نے) اپنے اہل دربار سے جو اس کے آس پاس تھے کہا کہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے چاہتا یہ ہے کہ

یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖۗ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

تمہیں تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال دے ف۳۲ سو اب کیا کہتے ہو؟

قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ ابْعَثْ فِی الْمَدَآىِٕنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۳۶﴾

(درباریوں نے) کہا کہ آپ اسے اور اس کے بھائی کو کچھ مہلت دیجیے اور شہروں میں ہرکاروں کو بھیج دیجیے

یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِیْقَاتِ

کہ وہ جمع کر کے ماہر فن جادوگروں کو آپ کے پاس لے آئیں ف۳۳ چنانچہ جادوگر ایک معین دن کے خاص

ع ۲

ہندوستان میں سورج بنسی خاندان کی طرح مصر میں بھی ایک نسل رب الارباب یعنی سورج دیوتا کی نسل سے تھی۔ بادشاہِ وقت یا فرعون، اسی نسل کا سب سے بڑا نمائندہ اور سورج دیوتا کا مظہر یا اوتار ہوتا تھا۔ اس کی پرستش عین سورج دیوتا کی پرستش تھی۔ آج کے زمانہ (یعنی ۱۹۴۵ء) میں اس کی قریب ترین مثال ڈھونڈنا ہو تو ملک جاپان کے فرمانروا میکاڈو کو پیش نظر رکھا جائے۔ جاپانی میکاڈو کو محض بادشاہ نہیں، خدا یا بڑا دیوتا سمجھتے ہیں۔ اور سب معاملات اس کے ساتھ وہی برتتے ہیں جو سب سے بڑے دیوتا کے ساتھ برتنے چاہئیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ۔ فرعون کے زمانہ کے جیل اپنے شدائد کے لیے مشہور تھے۔ فرعون کی اس دھمکی میں یہ مضمون بھی شامل ہے کہ ان قیدیوں کا حال زار دیکھ لو یہی نوبت تمہاری بھی آنا ہے۔ ف۲۹ فرعون اور فرعونی سحر وغیرہ کے خرافات میں غرق تھے۔ جب حضرت موسیٰ نے دیکھا کہ نفس مسائل و حقائق ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے، تو فرمایا کہ تم جو خرق عادت ہی کو دلیل صداقت اور معیارِ حقانیت قرار دیتے ہو تو کہو، میں بھی کوئی خارقِ عادت ہی پیش کروں۔ ف۳۰ نمایاں یعنی ایسا جسے سب نے دیکھا۔ حاشیے سورۂ اعراف پ۹ میں گزر چکے۔ ثُعْبَانٌ۔ ثعبان اور حیۃ میں فرق یہ ہے کہ ثعبان میں پہلو سانپ کے حجم اور قد و قامت کی بڑائی کا زیادہ ہے یعنی خوب موٹا تازہ سانپ۔ اور حیۃ میں اس کی تیز رفتاری کا۔ یعنی بڑی تیزی سے دوڑنے والا سانپ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حیۃ ہر قسم کے سانپ کے لیے عام ہے۔ ثعبان اسے اس کی بڑائی کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔ اور جان اسے اس کے ہلکے پھلکے ہونے اور تیز رفتاری کی بناء پر۔ اما الحیة فھی اسم الجنس ثم انھا لکبرھا صارت ثعبانًا و شبھھا بالجانّ لخفتھا و سرعتھا (کبیر) ف۳۱ "بہت ہی چمکدار" یعنی اس کو بھی سب نے نظر حسی سے دیکھا۔ توریت میں یہ معجزات حضرت ہارون کی جانب منسوب ہیں۔ قرآن نے حسب معمول اس موقع پر بھی توریت کی تصحیح کر کے بتایا کہ یہ معجزات حضرت موسیٰ کے تھے ف۳۲ (اور خود مع اپنی قوم کے حکومت کرے) انسان اپنے ہی نفس پر دوسروں کو قیاس کرتا ہے، اور اپنے ہی ظرف کے پیمانہ سے سب کو ناپتا ہے۔ خارق عادت کی کوئی توجیہ ان مشرکوں کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتی تھی بجز سحر و ساحری کے۔ اور تبلیغ دین حق کا کوئی محرک ان کے خیال میں اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا بجز ہوس ملک گیری و اقتدار دنیوی کے۔ ف۳۳ (اور پھر وہ جادوگر مقابلہ کر کے اس نئے ساحر کا زور توڑیں) سَحَّار صیغۂ مبالغہ ہے ساحر کا۔ یعنی بڑے ماہر فن ساحر۔ علیم اسی صفت کو اور بڑھا رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سرکاری ماہرین فن بڑے بڑے باکمال تھے۔ سحر مصری تمدن میں آج کل کی طرح کوئی حقیر و بے حقیقت چیز نہ تھی۔ سائنس کی اعلیٰ شاخوں کی طرح اس کا شمار علوم عالیہ میں تھا۔ اور ساحر کا مرتبہ وہ تھا جو آج سائنس کے کسی اکسپرٹ کا ہوتا ہے۔ حٰشِرِیْنَ۔ یعنی وہ جو جمع کر کے لائیں۔

يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٣٨﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿٣٩﴾

وقت پر جمع کر لئے گئے لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ جمع ہو جاؤ

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا

تاکہ جادوگر اگر غالب ہو جائیں تو ہم انہیں کی راہ پر رہیں ف۳۴ پھر جب

جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ

جادوگر آئے تو فرعون سے بولے کہ ہم کو کوئی (بھاری) انعام ملے گا نا؟ اگر

كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ

ہم غالب رہے ف۳۵ (فرعون نے) کہا ضرور اور تم اس صورت میں ہمارے مقربوں میں

الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ

داخل ہو جاؤ گے ف۳۶ موسیٰ نے ان لوگوں سے کہا، ڈال چلو جو کچھ تمہیں

مُّلْقُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَ قَالُوْا بِعِزَّةِ

ڈالنا ہو سو انہوں نے ڈالیں اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں ف۳۷ اور کہنے لگے کہ فرعون کے

فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ

اقبال کی قسم ف۳۸ غالب یقیناً ہم ہی رہیں گے پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا

فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿٤٥﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ

سو وہ لگا نگلنے ان کے بنائے ہوئے گورکھ دھندے کو ف۳۹ سو جادوگر سجدہ میں

سٰجِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ

گر پڑے ف۴۰ بولے کہ ہم ایمان لے آئے پروردگار عالم پر موسیٰ و ہارون کے

مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿٤٨﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ

پروردگار پر ف۴۱ (فرعون نے) کہا تم اس پر ایمان لے آئے بغیر اس کے کہ میں تمہیں

ف۳۴ جادوگر دارالسلطنت میں آکر اکٹھے ہوئے۔ مقابلہ کا وقت ومقام طے پاگیا۔ اور عام منادی سرکار کی طرف سے کردی گئی کہ سب لوگ آکر غلبۂ حق (یعنی سرکاری مذہب کے غلبہ) کا تماشا دیکھیں۔

نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ ساحروں کی راہ کے اتباع پر حیرت نہ ہو یہی ساحر دین مصری کے اعیان واساطین تھے۔ ساحر مصری تمدن میں باکمال ماہرین سائنس اور محققین مذہب دونوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ اِنْ...... الْغٰلِبِيْنَ۔ فرعون کو تو یقین تھا کہ ہمارے ہی جادوگروں کی پارٹی کامیاب رہے گی۔ اور اسی کو صداقت وحقانیت کا معیار قرار دے کر اس نے پکار کرا دی تھی کہ آؤ سب لوگ اپنے ملکی اور سرکاری ماہرین فن کے کمالات کا مشاہدہ کرو اور مشاہدہ کے بعد اپنے اسی دین فرعونی کی صداقت پر اور زیادہ جم جاؤ۔ ف۳۵ طالبانِ دنیا کی نظر مہارت وکمالِ فن کے باوجود عموماً نفع عاجل ہی پر رہتی ہے — برطانوی حکومت کے زمانہ میں ہندوستانیوں سے جب کوئی بڑا کارنمایاں انجام پا جاتا تھا، تو یہ برابر توقع خان بہادری کی، رائے بہادری کی، اور نائٹ ہڈ کی، اور دوسرے خطابات کی رکھتے تھے۔ ف۳۶ فرعون نے کہا کہ انعام محض مالی ہی نہ رہے گا، بلکہ "اسٹیٹ" تمہاری اور بھی ہر طرح سرپرستی کرے گی۔ مال وجان دونوں سے تمہاری حوصلہ افزائی ہوگی۔ ف۳۷ (اور وہ سحر کے اثر سے سب کو سانپ دکھائی دینے لگیں) مصری عقائد میں سانپ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ قَالَ...... اَلْقُوْا۔ موسیٰ علیہ السلام کے قول سے کیا یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ سحر کی اجازت دے رہے تھے؟ سحر ایسی معصیت ہے جو محض فسق ہی نہیں، بلکہ اس کے ڈانڈے کفر سے ملے ہوئے ہیں۔ تو کیا پیمبر اپنی رضاء کفر یا تقریباً کفر کو دے رہے تھے؟ صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ اس میں بظاہر امر ہے سحر کرنے کا، لیکن درحقیقت آپ نے انہیں اس عمل کا حکم دیا، جو آپ کو الہام یا فراست یا قرائن سے معلوم ہوگیا تھا کہ وہ کر کے رہیں گے۔ مقصود آپ کا رد تھا اس سحر کا اور خود وہ رد موقوف تھا سحر کے اظہار پر۔ بالکل ایسی ہی بات۔ جیسے زندیق سے کہا جائے کہ اپنے دعوئ باطل پر دلیل قائم کر، اور مقصود اس دلیل کا ابطال ہو۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ شبہ کے مٹانے کے لیے جب یہی صورت تھی تو یہ امر جائز ہوگیا تھا۔ لما تعین ذٰلک طریقًا الی کشف الشبهة صار جائزًا (کبیر) عارف تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سے یہ مسئلہ پیدا کیا ہے کہ بعض مشائخ سے جو کھلے ہوئے منکرات پر چشم پوشی منقول ہے۔ اس کی تہ میں کوئی مصلحت دینی ہی ہوتی ہے جو اس وقت خفی ہوتی ہے۔ اور بعد کو واضح ہو جاتی ہے ف۳۸ بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ ایسا ہی فقرہ ہے جیسا آج میلوں ٹھیلوں، کانگرسوں وغیرہ کے موقع پر "بھارت ماتا کی جے" "سری رامچندر کی جے" وغیرہ کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ ف۳۹ (یعنی جادو کے ان مصنوعی سانپوں کو) ف۴۰ (موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے متاثر اور اس کے سامنے لاجواب اور بے بس ہو کر) ف۴۱ یعنی شرک چھوڑ کر توحید پر ایمان لے آئے۔ "پروردگار عالم" کے تخیل ہی سے یہ اب تک ناآشنا تھے، اور اس کا نام بھی انہوں نے انہیں دونوں پیمبروں کی زبان سے سنا تھا۔

لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ

اجازت دوں ضرور یہی تمہارا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے اچھا تو تمہیں ابھی

تَعْلَمُوْنَ ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے میں تمہارے ہاتھ کاٹوں گا ایک طرف کے اور تمہارے پاؤں دوسری طرف کے

وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۚ﴿٤٩﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّاۤ اِلٰى

اور سولی پر تم سب کو چڑھاؤں گا ف۴۲ (جادوگر) بولے کچھ ہرج نہیں ہم اپنے پروردگار

رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۚ﴿٥٠﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ

کے پاس جا پہنچیں گے ف۴۳ ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کرے

اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ﴿٥١﴾ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ

اس لئے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لے آئے ف۴۴ اور ہم نے موسٰی کو وحی بھیجی کہ شبا شب

اَسْرِ بِعِبَادِيْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٥٢﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ

میرے (ان) بندوں کو لے کر نکل جاؤ، تم لوگوں کا پیچھا (بھی) کیا جائے گا ف۴۵ فرعون نے

فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۚ﴿٥٣﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ

شہروں میں ہرکارے بھیجے کہ یہ لوگ ایک چھوٹی سی

قَلِيْلُوْنَ ۙ﴿٥٤﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ۙ﴿٥٥﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ

جماعت ہیں اور انہوں نے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے اور ہم سب کو ان سے

حٰذِرُوْنَ ؕ﴿٥٦﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ﴿٥٧﴾

خطرہ ہے ف۴۶ پھر ہم نے انہیں نکال باہر کیا باغوں اور چشموں

وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ﴿٥٨﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْۤ

اور خزانوں اور عمدہ مکانات سے ف۴۷ یوں ہی ہوا اور ہم نے ان کے بعد ان کا مالک بنی اسرائیل کو

ع ٣ / ١٨

ف۴۲ سولی پر چڑھانے اور اعضاء کے قطع کر دینے کی سزائیں مصری حکومت میں رائج تھیں۔ مفصل حاشیہ کے لیے ملاحظہ ہوں سورۂ اعراف پ۹ کے حاشیے۔ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ۔ قبل کے معنٰی یہاں پیشتر کے نہیں، اور نہ یہ مراد ہے کہ اگر فرعون سے اجازت لے لی جاتی تو وہ اس کی اجازت دے دیتا۔ بلکہ معنٰی بغیر یا بدون کے ہیں اور قبل کے اس مفہوم نفی پر حاشیہ اس سے قبل گزر چکا ہے۔ ف۴۳ (جو حقیقی امن و عافیت اور دائمی راحت کا ٹھکانا ہے)۔ اللہ اللہ توحید کا عقیدہ بھی سکون خاطر بہم پہنچا دینے میں کس درجہ مؤثر ہوتا ہے! ف۴۴ ”سب سے پہلے“ یعنی مخالفین و منکرین کے اس مجمع میں سب سے پہلے۔ یا قوم فرعون میں سب سے پہلے۔ فالمراد لان کنا اول المومنین من الجماعة الذین حضروا ذٰلک الموقف (کبیر) ای من اهل زماننا (معالم) اَنْ یہاں لان کے مرادف ہے یعنی ”اس لیے کہ“ یا ”اس بنا پر کہ“ معناه لان کنا (کشاف) ای بسبب انا بادرنا قومنا من القبط الی الایمان (ابن کثیر) ف۴۵ اب یہ قصہ بعد کا ہے۔ جب حضرت موسٰی کو تبلیغ کرتے ایک عرصہ گزر گیا۔ اور فرعون کی طرف سے اسرائیلیوں پر سلسلۂ آزار جاری رہا تو اب حضرت موسٰی کو حکم الٰہی یہ ملا کہ ایک روز راتی رات اپنی قوم کو لے کر نکل جاؤ اگرچہ فرعون تمہارا تعاقب زبردست کرے گا۔ ف۴۶ (امن عامہ کی خاطر ان کا قلع قمع فوراً کر دینا چاہیے) آج بھی قاہر اور چنگیزی حکومتیں اسی قسم کے اعلان شائع کرتی رہتی ہیں کہ بس ایک مٹھی بھر لوگ ہمارے خلاف شورش پھیلا رہے ہیں اور طرح طرح کی حرکتیں امن سوزی اور قانون شکنی کی کر رہے ہیں۔ اس لیے امن عامہ کی خاطر انہیں دبا ہی دینا چاہیے۔ قَلِيْلُوْنَ سے اشارہ علاوہ قلت تعداد کے، ان لوگوں کی بے وقعتی اور کم حیثیتی کا بھی نکلتا ہے۔ یجوز ان یرید بالقلة الذلة لا قلة العدد والمعنی انهم بقلتهم لا یبالی بهم ولا یتوقع غلبهم و علوهم (کبیر) ف۴۷ یعنی ظالم فرعونیوں کی حکومت، ثروت، اقبال مندی سب مٹ کر رہی۔

وف۴۸ "ھا" کی ضمیر مطلق باغوں اور چشموں اور علامات امارت وغیرہ کی جانب ہے، خاص مصر ہی کے باغ اور چشمے مراد نہیں چنانچہ اسرائیلیوں کو ایک عرصہ کے بعد فلسطین میں حکومت مل گئی۔ اور داؤد و سلیمان علیہما السلام کی زبردست بادشاہتیں قائم ہوگئیں۔ اور اگر مصر ہی کے باغ اور چشمے مراد لیے جائیں، جب بھی حضرت سلیمان کے زمانہ میں مصر کے علاقے دار السلطنت میں شامل ہوگئے تھے۔ اور یرمیاہ نبی کے زمانہ میں تو مصر یہود کا وطن از سر نو بن گیا تھا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ وف۴۹ درمیان میں ایک جملہ معترضہ آ گیا تھا اب پھر اس قصہ کا تسلسل شروع ہوا۔ توریت میں ہے: "اور جب شاہ مصر کو خبر دی گئی کہ وہ لوگ بھاگ گئے ...... تب اس نے اپنی گاڑیاں جوتیں اور اپنے لوگ ساتھ لیے۔ اور اس نے چھ سو چنی ہوئی گاڑیاں ساتھ لیں اور مصر کی سب گاڑیاں اور ان سب پر سردار بٹھائے۔ اور

اِسْرَآءِيْلَ ﴿٥٩﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ

بنا دیا وف۴۸ غرض سورج نکلتے پر انہوں نے ان کو پیچھے سے جالیا وف۴۹ پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو

الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ

دیکھا تو موسیٰ کے ہمراہی (گھبرا کر) بول اٹھے کہ ہم تو بس پکڑے گئے وف۵۰ (موسیٰ نے) فرمایا کہ

كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَيَهْدِيْنِ ﴿٦٢﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى

ہرگز نہیں کیونکہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے وہ مجھے ابھی راہ بتا دے گا وف۵۱ پھر ہم نے موسیٰ کی طرف

مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ

وحی بھیجی کہ اپنے عصا کو دریا پر مارو چنانچہ وہ دریا پھٹ گیا اور ہر حصہ

كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿٦٣﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٤﴾

اتنا بڑا تھا جیسے بڑی پہاڑی اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس مقام کے قریب پہنچا دیا

وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا

اور ہم نے موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں سب کو بچا لیا پھر دوسرے فریق کو

الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٦﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

غرق کر دیا وف۵۲ بے شک اس واقعہ میں ایک بڑا نشان ہے وف۵۳ اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٦٨﴾

نہ تھے وف۵۴ اور آپ کا پروردگار بڑا قوت والا ہے بڑا رحمت والا ہے وف۵۵

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ

اور آپ ان لوگوں کے سامنے ابراہیم کا قصہ بیان کیجیے (اس وقت کا) جب کہ انہوں نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا

مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا

تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ وہ بولے ہم تو بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ہم انہیں پر

خداوند نے شاہ مصر فرعون کے دل کو سخت کر دیا اور بنی اسرائیل کے پیچھے چڑھ دوڑا"۔ (خروج ۱۴: ۵-۸) وف۵۰ توریت میں ہے: "اور جب فرعون نزدیک ہوا اور بنی اسرائیل نے آنکھیں اٹھائیں۔ اور مصریوں کو اپنے پیچھے آتے ہوئے دیکھا اور وہ شدت سے ڈرے۔ تب بنی اسرائیل نے خداوند سے فریاد کی۔ اور موسیٰ سے کہا کہ کیا مصر میں قبروں کی جگہ نہ تھی کہ تو ہم کو وہاں سے بیابان میں مرنے کے لیے لایا"۔ (خروج ۱۴: ۱۰ و ۱۱) وف۵۱ ان لوگوں کا اپنے مقابلہ میں شاہی باقاعدہ فوج کو دیکھ کر گھبرا جانا ایک حد تک امر طبعی تھا۔ لیکن حضرت موسیٰ کو وعدۂ نصرت الٰہی پر بھروسہ تھا۔ آپ نے پیمبرانہ وقار و سکنیت کے ساتھ فرمایا کہ گھبراؤ نہیں ایسا ہرگز نہ ہونے پائے گا۔ میرے پروردگار نے میرا ساتھ کہیں چھوڑ تھوڑے ہی دیا ہے۔ وہ مخلصی کی راہیں ابھی ابھی مجھے دکھا کر رہے گا۔ توریت میں ہے: "تب موسیٰ نے لوگوں کو کہا، خوف نہ کرو، کھڑے رہو، اور خداوند کی نجات دیکھو، جو آج کے دن وہ تمہیں دیوے گا۔ کیونکہ ان مصریوں کو جنہیں تم آج دیکھتے ہو، تم انہیں پھر تا ابد نہ دیکھو گے۔ خداوند تمہارے لیے جنگ کرے گا، اور تم چپ چاپ رہو گے"۔ (خروج ۱۴: ۱۳ و ۱۴) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "ان دس آیتوں کے مجموعہ میں مسئلۂ تدبیر و ترک تدبیر کے درمیان اعتدال و توسط کی تعلیم ہے۔ تدبیر تو یہ بتائی گئی کہ بنی اسرائیل کو لے کر شب شب چلے جاؤ۔ پھر جب انہوں نے پکڑے جانے کا اندیشہ ظاہر کیا، جس سے مقصود یہ تھا کہ کچھ اور تدبیر کی جائے، تو موسیٰ نے ان کو اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ فرما کر یہ بتلایا کہ حق تعالیٰ کی تدبیر کے ہوتے ہوئے ہماری کسی تدبیر کی ضرورت نہیں اور عارف کی بھی شان ہے کہ وہ تمسک کرتا ہے اسباب سے۔ مگر توسط کے ساتھ اور اس میں مبالغہ نہیں کرتا۔" وف۵۲ بحر قلزم کے کنارے فرعونیوں کے غرق ہونے پر مفصل حاشیے سورۂ بقرہ پ۱ میں گزر چکے۔ کالطود العظیم۔ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہ صحابیوں، اور متعدد تابعین سے معنی یہی بڑی پہاڑی کے منقول ہیں۔ اے کالجبل الکبیر قالہ ابن مسعود و ابن عباس و محمد بن کعب و قتادۃ والضحاک و غیرھم (ابن کثیر) ثَمَّ۔ یعنی وہیں۔ اسی مقام تک۔ اے ھنالک قال ابن عباس و عطاء الخراسانی و قتادۃ والسدی (ابن کثیر) الْاٰخَرِیْنَ۔ یعنی فرعون اور فرعونیوں کو۔ یعنی قوم فرعون (معالم) فرعون و جنودہ (ابن کثیر) فَاَوْحَیْنَاۤ الخ۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ تو بغیر عصائے موسیٰ کی ضرب کے بھی سمندر میں راستہ بنا دینے پر قادر تھا، لیکن اس واسطہ کے اختیار کرنے سے موسیٰ کلیم اللہ کی بھی عظمت کا اظہار ہو گیا۔ اور مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے ساتھ

خوارق کے ظاہر کرنے کی یہی حکمت ہوتی ہے اور اسی لیے اسے کہتے بھی کرامات ہی ہیں۔ وف۵۳ (اللہ کی قدرت و حکمت کا اور مخالفین حق کی سزایابی کا) اے فی ھٰذہ القصۃ و ما فیھا من العجائب والنصر و التائید لعباد اللہ المؤمنین لدلالۃ و حجۃ قاطعۃ و حکمۃ بالغۃ (ابن کثیر) وف۵۴ یعنی قوم فرعون و اہل مصر میں سے۔ اے من اھل مصر (معالم) اے اکثر قوم فرعون و ھم القبط (بحر) بعض نے رسول اللہ کے معاصر کفار اہل عرب بھی مراد لیے ہیں۔ وف۵۵ چنانچہ صفت عزیز کے تقاضہ سے وہ جب اور جسے چاہے سزا دے دے۔ لیکن صفت رحیم کے تقاضہ سے فوراً گرفت نہیں کرتا بلکہ بہت موقع دیتا رہتا ہے۔

عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ

جمے رہتے ہیں و۵۶ (ابراہیم نے) کہا اچھا تو یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ یا یہ تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں یا

يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا

ضرر پہنچا سکتے ہیں؟ و۵۷ وہ بولے (نہیں یہ کچھ نہیں) البتہ ہم نے اپنے بڑوں کو

كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ

اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہے و۵۸ (ابراہیم نے) کہا بھلا تم نے ان کی (اصل حالت کو) دیکھا بھی ہے جن کی

تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاِنَّهُمْ

تم عبادت کرتے ہو تم خود اور تمہارے پرانے بڑے بھی؟ یہ تو

عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ

میری نظر میں دشمن ہیں و۵۹ مگر ہاں پروردگار عالم (وہ ہے) جس نے مجھ کو پیدا کیا، پھر وہی

يَهْدِيْنِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ ﴿٧٩﴾ وَاِذَا

میری رہنمائی کرتا ہے اور وہی جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب

مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿٨٠﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ

میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے و۶۰ اور وہی مجھے موت دے گا پھر

يُحْيِيْنِ ﴿٨١﴾ وَ الَّذِيْۤ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ

مجھے زندہ کرے گا اور وہی جس سے میں آس لگائے ہوں کہ وہ میری غلط کاری کو قیامت کے دن

يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٨٢﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ

معاف کر دے گا و۶۱ اے میرے پروردگار مجھے حکمت عطا کر اور مجھے نیک لوگوں

بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي

کے ساتھ شامل کر اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں

و۵۶ آزر اور قوم ابراہیم کے مذہب شرک پر مفصل حاشیے اوپر گزر چکے۔ سورۃ الانعام، سورۃ ہود، سورۃ الانبیاء وغیرہ میں۔ و۵۷ یہ جرحیں بڑی وسعت واطلاق رکھتی ہیں۔ دنیا میں کسی بت پرست کے پاس انکا کوئی جواب نہیں۔ و۵۸ (اور اسی لیے ہم بھی یہی کر رہے ہیں) گویا اثبات شرک وبت پرستی پر نہ کوئی دلیل عقلی اور نہ کوئی دلیل نقلی بلکہ صرف اندھی تقلید۔ و۵۹ یعنی یہ معبود اور میرا اسہارا تو کیا ہوتے، یہ تو اور دشمن ہیں، انہیں کے ذریعہ سے گمراہی پھیل رہی ہے۔ یہ تو واسطۂ شرک اور باعث تباہی و بربادی ہیں۔ عدو کا لفظ صدیق کی طرح واحد و جمع دونوں موقعوں پر آجاتا ہے۔ یہاں جمع کے معنی میں ہے۔ **والعدو والصدیق یجیئان فی معنی الوحدۃ والجماعۃ** (کشاف) و۶۰ یعنی اس خدائے واحد کی ذات تمام صفات کمال کی جامع ہے — وہی خالق ہے اور وہی ہادی ومدبر بھی۔ یہ نہیں کہ خلق کا کام کوئی اور دیوتا کرے اور انتظام وہدایت کا دیوتا کوئی اور ہو — کھانا اور پانی دونوں وہی خدائے واحد دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک دیوتا زراعت ونباتات کا ہو اور کوئی اور دیوتا بارش کا — صحت وشفا بھی وہی خدائے واحد دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ بیماری سے صحت بخشنے کے لیے کوئی الگ دیوی یا دیوتا ہو۔ مشرک جاہلی قوموں نے انہی صفات کے لیے برابر الگ الگ دیویوں، دیوتاؤں کے وجود کو تسلیم کیا ہے۔ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یہ استثناء اس لیے کہ مشرکین دوسرے دیویوں اور دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ کی بھی پرستش جاری رکھے ہوئے تھے۔ **انھم کانوا یعبدون الاصنام مع اللہ فقال ابراھیم کل من تعبدون اعدائی الارب العلمین** (معالم) فَهُوَ يَهْدِيْنِ۔ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ۔ فَهُوَ يَشْفِيْنِ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان فقروں کے اندر پوری تعلیم عبدیت اور ادب کی موجود ہے جاہل مدعیان زہد دنیوی نعمتوں کی تحقیر کرتے اور ان سے اپنا استغناء ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ یہاں ایک پیمبر کی زبان سے یہ کہلایا جا رہا ہے کہ اسے تمنا جس طرح ہدایت کی ہے۔ اسی طرح کھانے اور پینے اور بیماری سے تندرست ہونے کی بھی ہے۔ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ۔ آیت کے الفاظ پر غور ہو۔ حضرت یہ نہیں کہتے کہ وہی مجھے بیمار ڈالتا ہے اور وہی شفا دیتا ہے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ بیمار جب میں پڑتا ہوں، تو شفا وہی دیتا ہے۔ گویا بیماری یا نقص کا انتساب تمامتر اپنی جانب اور شفا بخشی یا کمال کا تمامتر حق تعالیٰ کی جانب — اسی کا نام رعایت ادب اور ادائے حق عبدیت ہے۔ و۶۱ وہی الٰہ المعاد بھی وہی الٰہ المعاش بھی۔ وہی موت وفنا طاری کرنے والا بھی اور وہی جزا وسزا کے لیے دوبارہ جلانے والا بھی۔ یہ نہیں کہ افنا واہلاک کا دیوتا کوئی الگ ہو، اور حشر میں داوری کے وقت سامنا کسی اور کا کرنا پڑے۔ جیسا کہ عموماً مشرک ونیم مشرک قوموں نے فرض کیا ہے — اور پھر مغفرت کی امیدیں بھی تمامتر اسی خدائے واحد کی ذات سے ہیں۔ نہ کہ کسی اور سے۔ مشرک اور جاہلی قوموں کو شرک کی ٹھوکریں جب جب لگی ہیں، انہیں صفات ہی سے متعلق لگی ہیں۔ اَطْمَعُ...... الدِّيْنِ الفاظ آیت کے اندر رعایت ادب کس درجہ موجود ہے! اول تو پیمبر صاف صاف اپنے لیے خطیئۃ کا وجود تسلیم کرتے ہیں، محض اجتہادی غلطی کہہ کر نہیں گزر جاتے اور پھر اپنی مغفوریت کو بھی جزم کے ساتھ نہیں بیان کرتے، اس کی صرف امید یا آس لگاتے ہیں — کہاں پیمبر جلیل حضرت خلیل علیہ السلام کا یہ ادب و درجۂ تواضع۔ اور کہاں بعض صوفیہ خامکار کے یہ دعوے کہ ہم اپنے مریدوں میں سے جس کو چاہیں گے چھڑا لیں گے!

ف۶۲ (تاکہ وہ لوگ میرے طریق پر چلیں اور میرے لیے اضافۂ ثواب وحسنات کا باعث ہوں) بِالصّٰلِحِیْنَ۔ صالحین سے یہاں مراد ان کی اعلیٰ فرد یعنی انبیاء عالی شان ہیں۔ هَبْ لِیْ حُكْمًا۔ نفس حکمت تو حضرت کو دعا کے وقت بھی حاصل تھی، دعا سے مقصود جامعیت علم وعقل میں مزید حصول کمال معلوم ہوتا ہے۔ رَبِّ هَبْ لِیْ۔ ابراہیم علیہ السلام خلیل ابھی تک برابر صیغۂ غائب استعمال کررہے تھے، هُوَ یَهْدِیْنِ، هُوَ یُطْعِمُنِیْ وغیرہ، صفات کمال بیان کرتے کرتے غلبۂ حضور سے براہ راست مناجات شروع کردیتے ہیں۔ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ۔ فقہاء محققین نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ انسان کا اپنے ذکر خیر کو محبوب رکھنا اور اس کی تمنا کرنا مطلق صورت میں معیوب ومذموم نہیں۔ بلکہ یہ آیت تو عین محل ترغیب پر ہے۔ عن اشهب عن مالک قال لاباس ان یحب الرجل ان یثنی علیه صالحًا ویرٰی فی عمل الصالحین اذا قصد به وجه الله تعالٰی (قرطبی) قال المحققون من شیوخ الزهد فی هذا دلیل علی الترغیب فی العمل الصالح الذی یکسب الثناء الحسن (قرطبی) مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بعض بزرگوں سے جو اپنے سلسلہ کے بقاء وقیام کی تمنا ودعا منقول ہے، اس کی اصل اس آیت میں مل گئی۔ ف۶۳ (سو تو اس کے لیے مغفوریت کے اسباب، یعنی ایمان اور اس کے برکات میسر کردے) دعا آزر کی زندگی ہی کے آخر زمانہ کی معلوم ہوتی ہے۔ وَاجْعَلْنِیْ...... النَّعِیْمِ۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس سے ان لوگوں کا رد نکل آیا جو جنت سے مستغنی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ف۶۴ (تو اسے البتہ کوئی کھٹکا نہ ہوگا) بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔ یعنی ایسا دل جو کفر وشرک کی آلائش سے پاک ہو۔ یعنی من الشرک (ابن کثیر) ای خالص من الشرک والشک (معالم) ای القلب السلیم عن مرض الکفر و النفاق هو الماثور عن ابن عباس و مجاهد و قتادة و ابن سیرین و غیرهم (روح) یہ مراد نہیں کہ قلب گناہوں سے خالی ہو، کہ ایسا قلب کون سا ہوسکتا ہے۔ فاما الذنوب فلیس یسلم منها احد هذا قول اکثر المفسرین (معالم) قاله قتادة و ابن زید و اکثر المفسرین (قرطبی) ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ وہ ایسا قلب ہو جو بدعت سے خالی اور سنت پر مطمئن ہو۔ قال ابو اسحاق النیشا بوری هو القلب الخالی من البدعة والمطمئن علی السنة (معالم) یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ۔ جاہلی قومیں جس ادھوری، مبہم، ناقص حد تک حشر کی قائل بھی تھیں، تو آخرت کو دنیا پر قیاس کرکے یہ فرض کیے رہتی تھیں کہ جس طرح دنیا میں کام آنے والی چیزیں مال واولاد ہیں آخرت میں بھی یہی کام آجائیں گی۔ ہندوستان کی بھی بعض مشرک قومیں اس کی قائل تھیں کہ ان کی اولاد نرینہ ان کے بعد اگر ان کے نام پر ایک خاص طریق پر کھانا پانی تصدق کرے تو اس سے ان کی نجات ہوجائے گی۔ وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ۔ اللہ اللہ! ابراہیم علیہ السلام پیمبر جلیل اور اپنے رب کے خلیل ہیں، اس پر بھی دعا ومناجات یہی کررہے ہیں، کہ اے پروردگار قیامت کی رسوائی سے مجھے محفوظ رکھنا! ف۶۵ (تاکہ وہ اسے دیکھیں اور اس میں عنقریب داخلہ کی بشارت سے خوش ہوں) اللہ اکبر! مومنین ومتقین کے مرتبہ واکرام کا کیا کہنا بجائے اس کے کہ ان کا کوچ جنت کی طرف کرایا جائے۔ الٹی جنت ہی خود ان کی طرف بڑھ آئے گی ف۶۶ (تاکہ وہ اسے دیکھیں اور اس میں عنقریب داخلہ کی خبر سے اور زیادہ افسردہ ومایوس ہوں) بُرِّزَتِ۔ دوزخ تو شروع ہی سے ان خبیثوں کو گھیرے ہوئے تھی، آخرت میں فرق یہ ہوگا کہ وہ ان پر نمایاں اور ظاہر ہوکر ہی رہے گی۔ ف۶۷ معبودان باطل کی غایت بے بسی وبیچارگی کا بیان ہے۔ کہ وہ دوسروں کو کیا چھڑائیں گے، خود اپنے کو بچانے پر بھی قادر نہیں۔ قِیْلَ...... تَعْبُدُوْنَ۔ یہ سوال ظاہر ہے کہ اہل دوزخ سے انہیں اور زیادہ جلانے کے لیے کیا جائے گا۔ ف۶۸ یہ کہنے والے وہی مشرکین اور دیوی دیوتاؤں کے پجاری ہوں گے۔ اور ان سے کہیں گے جنہیں دنیا میں وہ دیوتا دیوی، ٹھاکر، اوتار وغیرہ مانتے رہے تھے۔ وَهُمْ فِیْهَا یَخْتَصِمُوْنَ۔ اہل دوزخ، عابد ومعبود، برابر باہم لڑتے جھگڑتے رہیں گے۔

الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾

جاری رکھ ف۶۲ اور مجھے جنت نعیم کے مستحقوں میں سے کردے

وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِیْ

اور میرے باپ کی مغفرت کر کہ وہ گمراہوں میں سے ہے ف۶۳ اور مجھے رسوا نہ کرنا

یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا

اس دن جب سب اٹھائے جائیں گے جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد مگر ہاں

مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ

جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئے ف۶۴ اور جنت متقیوں کے نزدیک

لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِیْلَ

کردی جائے گی ف۶۵ اور گمراہوں کے سامنے دوزخ ظاہر کردی جائے گی ف۶۶ اور ان سے کہا

لَهُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ

جائے گا کہ (اب) وہ کہاں گئے جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے اللہ کے سوا کیا

یَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِیْهَا هُمْ

وہ تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں یا وہ اپنا ہی بچاؤ کرسکتے ہیں؟ ف۶۷ پھر وہ اور گمراہ لوگ اور

وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِیْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ

ابلیس کا لشکر سب کے سب اس میں اوندھے منہ ڈال دیے جائیں گے۔ وہ اس

فِیْهَا یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۹۷﴾

(دوزخ) میں باہم جھگڑتے ہوئے کہیں گے ف۶۸ کہ بخدا بے شک ہم صریح گمراہی میں تھے

اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا

جب کہ تم کو پروردگار عالم کے برابر کرتے تھے اور ہم کو تو بس ان (بڑے)

الْمُجْرِمُونَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِن شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيقٍ

مجرموں نے گمراہ کیا سو اب کوئی ہمارا سفارشی نہیں اور نہ کوئی مخلص دوست

حَمِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٢﴾

ہی ہے ف٦٩ سو کاش ہمیں (دنیا میں) پھر جانا ملتا تو ہم مومن ہو جاتے

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾

بے شک اس ماجرے میں ایک نشان ہے ف٧٠ اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ

اور بے شک آپ کا پروردگار بڑا قدرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے نوح کی قوم نے

نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا

پیمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کیا تم

تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

ڈرتے نہیں؟ میں ہوں تمہارا راست باز پیمبر ف٧١ سو اللہ سے ڈرو

وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ

اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا

أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے سو تم اللہ سے ڈرو

وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾ قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ

اور میرا کہا مانو ف٧٢ وہ بولے، تو کیا ہم تمہیں ماننے لگیں درآنحالیکہ تمہارے پیرو تو بس

الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾

رذیل ہی ہیں ف٧٣ (نوح نے) کہا ان کے کام سے مجھے کیا بحث

ف٦٩ (جو رہائی دلانا تو خیر دور رہا، کم از کم ایسا ہی ہوتا کہ خالی ہمدردی و دلسوزی ہی کی بات کر لے) ان الفاظ میں اہلِ دوزخ کی بے بسی کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔

ف٧٠ (ہماری توحید و قدرت کا) ''اس ماجرا میں'' یعنی یہی جو اوپر مذکور ہوا۔ حضرت ابراہیم کا قصہ اور قیامت کے دن کا نقشہ۔ ف٧١ (سو مجھ پر اور میرے لائے ہوئے پیام پر اعتماد کرو) نُوْح اور قوم نوح دونوں پر حاشیے گزر چکے ہیں۔ اَمِيْنٌ یعنی متدین۔ دیانت و احتیاط کے ساتھ پیام الٰہی پہنچانے والا۔ الْمُرْسَلِيْنَ صیغۂ جمع شاید اس لیے لایا گیا کہ ایک پیمبر کی تکذیب سارے سلسلۂ نبوت کی تکذیب کو مستلزم ہے۔ اور جاہلی قوموں کا مقصود اصلی کسی پیمبر کی شخصی تکذیب ہوتی ہی نہیں۔ بلکہ وہ لوگ سرے سے اس تخیل رسالت ہی کے منکر ہوتے ہیں۔ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ۔ یعنی حضرت نوح جو انہیں لوگوں کے ہم قوم، ہم وطن و ہم نسل تھے۔ ف٧٢ یعنی توحید اور عقائد حقہ کے قائل ہو جاؤ۔ وَمَا ...... الْعٰلَمِيْنَ یہ مضمون کئی بار پیشتر بھی بیان ہو چکا ہے۔ پیمبر اپنی تبلیغ کی کوئی فیس نہیں طلب کیا کرتے، نہ نقد میں نہ جنس میں، نہ مال سے نہ جاہ سے، انہیں رضائے الٰہی کی دولت ہر دنیوی فیس اور معاوضہ سے مستغنی کر دینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

ف٧٣ پیمبروں، داعیانِ حق اور مصلحوں پر شروع شروع میں ایمان لانے والے اور ان کی دعوت کو قبول کرنے والے زیادہ تر غریب غربا عوام الناس ہی ہوتے ہیں۔ کہ ان پر حُبِّ جاہ و حُبِّ ریاست کی تہیں بہت ہلکی چڑھی ہوتی ہیں۔ حضرت مسیح پر ابتدائی ایمان لانے والے تو تاریخ کی شہادت ہے کہ غریب مچھیرے (ماہی گیر) ہی تھے۔ اور خود ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ابتدائی لبیک کہنے والوں میں رؤسا و امراء سے کہیں زیادہ عوام و غرباء تھے الْاَرْذَلُوْنَ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی آبادی کے ایک حصہ کو نیچ اور اچھوت قرار دینے کا مرض مشرک جاہلی قوموں میں شروع سے چلا آرہا ہے! مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض اہل اللہ سے جو لوگ استفادہ اس بناء پر نہیں کرتے کہ ان کی حیثیت ظاہری پست ہے وہ ایسی ہی ذہنیت میں مبتلا ہیں۔ محققین نے تنبیہ کی ہے کہ مسلمان مسلمان سب برابر و ہم سطح ہیں۔ اور فقہاء نے جو کفاءت کا باب باندھا ہے تو اس کا تعلق محض عرف عام اور دنیا کی انتظامی مصلحتوں سے ہے۔ نہ کہ قبولیت عنداللہ سے۔ و ما ذكره الفقهاء في باب الكفاءة مبني على عرف العامة لانتظام امر المعاش و نحوه على انه روى عن الامام مالك عدم اعتبار شيء من ذلك اصلا و ان المسلمين كيفما كانوا اكفاء بعضهم لبعض (روح)

اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿١١٣﴾ وَمَآ

ان سے حساب لینا تو بس میرے پروردگار ہی کا کام ہے کاش تم اسے سمجھتے! اور میں

اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٤﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٥﴾

ایمان والوں کو (اپنے پاس سے) دور کرنے والا نہیں میں تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں ف٧٤

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿١١٦﴾

وہ بولے کہ اگر اے نوح تم باز نہ آئے تو ضرور ہی سنگسار کردیئے جاؤ گے ف٧٥ (نوح نے) دعا کی

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ

کہ اے میرے پروردگار میری قوم مجھے جھٹلا رہی ہے سو آپ ہی میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا ہوا فیصلہ

فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ

کردیجیے اور مجھے اور میرے ساتھ جو ایمان والے ہیں انہیں نجات دیجیے چنانچہ ہم نے انہیں اور جو

وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ

ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں تھے (سب) کو نجات دی پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو

الْبٰقِيْنَ ﴿١٢٠﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۚ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

غرق کردیا اس ماجرے میں (بھی بڑا) نشان ہے ف٧٦ اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٢١﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٢٢﴾

نہ تھے اور بے شک آپ کا پروردگار بڑا قوت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ

قوم عاد نے بھی پیمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا ف٧٧

اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ میں تمہارا متدین پیمبر ہوں سو اللہ سے ڈرو

النصف

ع ٨/١٠

ف٧٤ حضرت نوح نے جواب میں فرمایا کہ مجھے ان کے پیشوں، حرفوں، صناعتوں کے اعلیٰ وادنیٰ ہونے سے کیا بحث، اور اگر ان کا ایمان دل سے نہیں، صرف زبان سے ہے، جب بھی میرے اوپر کیا ذمہ داری۔ وہ جانے ان کا خدا جانے۔ میں بہرحال انہیں اپنے پاس سے تمہارے خوش کرنے کو کیسے ہٹا سکتا ہوں۔ میرا فرض تبلیغ پر ختم ہوجاتا ہے، دلوں کی ٹٹول اور احتساب میرا کام نہیں۔

ف٧٥ سنگساری، یاد رہے کہ دنیا کی قدیم ترین سزاؤں میں سے ہے۔ اور معاصرین نوح علیہ السلام انہیں اپنا قومی مجرم سمجھ کر اسی سزا دینے پر آمادہ تھے۔

ف٧٦ (ہماری قوت اور قدرت انتقام کا) قوم نوح کی غرقابی پر مفصل حاشیے سورۂ ہود وغیرہ میں گزر چکے۔ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص دین کو ضرر پہنچا رہا ہو اس کے لیے بددعا کرنا کمال صبر و حلم کے منافی نہیں۔

ف٧٧ ہود۔ قوم عاد وغیرہ پر حاشیے سورۂ اعراف پ٨ میں گزر چکے۔ كَذَّبَتْ عَادٌ۔ لفظ عاد کے لیے فعل مؤنث قبیلۂ عاد یا جماعت عاد کی رعایت سے لایا گیا ہے۔ التانیث بمعنی القبیلة والجماعة (قرطبی) اَخُوْهُمْ۔ بھائی، ہم وطنی یا ہم نسلی کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔

وَاَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ

اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا میرا

اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبۡنُوۡنَ بِکُلِّ

صلہ تو بس پروردگار عالم ہی کے ذمہ ہے تو کیا تم ایک محض فضول یادگار

رِیۡعٍ اٰیَۃً تَعۡبَثُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمۡ

ہر اونچے مقام پر بناتے ہو اور بڑے بڑے محل بناتے ہو جیسے تمہیں

تَخۡلُدُوۡنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشۡتُمۡ بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِیۡنَ ﴿۱۳۰﴾

ہمیشہ ہی رہنا ہے و۷۸ اور جب تم کسی پر دارو گیر کرتے ہو تو بالکل جابر بن کر دارو گیر کرتے ہو و۷۹

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِیۡۤ اَمَدَّکُمۡ بِمَا

سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری مدد ان چیزوں سے کی جنہیں

تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّکُمۡ بِاَنۡعَامٍ وَّبَنِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ

تم جانتے ہو تمہاری مدد کی مویشیوں اور بیٹوں اور باغوں

وَّعُیُوۡنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ

اور چشموں سے و۸۰ مجھے تمہارے لئے اندیشہ ہے بڑے سخت دن کے

عَظِیۡمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡنَاۤ اَوَعَظۡتَ اَمۡ لَمۡ تَکُنۡ

عذاب کا وہ لوگ بولے ہمارے لئے برابر ہے خواہ

مِّنَ الۡوٰعِظِیۡنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۳۷﴾

تم نصیحت کرو خواہ ناصح نہ بنو یہ تو بس اگلے لوگوں کی ایک رسم ہے

وَمَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِیۡنَ ﴿۱۳۸﴾ فَکَذَّبُوۡهُ فَاَهۡلَکۡنٰهُمۡ ؕ اِنَّ

اور ہم کو (ہرگز) عذاب نہیں ہونے کا و۸۱ غرض ان لوگوں نے (ہود کو) جھٹلایا سو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا و۸۲ بے شک

و۷۸ یہ قدیم شائستہ ومتمدن قوم بڑی صناع وکاریگر تھی۔ خصوصاً انجینئری اور فن تعمیرات کی ماہر۔ ملاحظہ ہوں پ۸ سورۃ الاعراف کے حاشیے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خوب لکھا ہے کہ اس سورہ میں مختلف انبیاء کی دعوت میں بار بار انہی فقروں کی تکرار اس لیے ہے کہ ایک ہی طرز تبلیغ سب کا تھا۔ تَعۡبَثُوۡنَ سے ظاہر ہے کہ یہ شوق تعمیر کسی ضرورت کی بنا پر نہ تھا۔ محض جذباتِ فخر ونمائش کی تسکین کے لیے تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تعبثون سے عبث (محض فضول) کی مذمت صریح نکلتی ہے، خواہ وہ عبث بہ لحاظ قول ہو یا فعل۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ عقیدۃً یہ لوگ ان تعمیرات کے ذریعہ سے خلود کے قائل نہ تھے، مگر ان کا طرز عمل گویا اس قسم کے عقیدہ پر مبنی تھا اس لیے ان کو اسی عقیدہ کا معتقد فرمایا گیا۔ یہیں سے حضرات صوفیہ کے اس تعامل کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کافروں کے سے کام کرنے والوں کو کافر کہہ دیا جاتا ہے۔ اور حدیث میں بھی اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ بلاضرورت بڑی بڑی عمارتیں نام کے لیے تعمیر کرانا سرتاسر داخل اسراف ہے۔ و۷۹ غفلت وسرمستی کی افراط کے ساتھ قوم عاد کی دوسری خصوصیت ان کا ظلم وتشدد تھا۔ قرآن مجید نے پچھلی مشرک ومعذب قوموں کا جہاں جہاں بیان کیا ہے، ان کے شرک وجہالت کے ساتھ، کہ وہ سب میں مشترک ہے، ذکر ان کے مخصوص قومی جرائم کا بھی کرتا گیا ہے۔ کوئی قوم تجارتی بددیانتی، خیانت وغبن فاحش میں خاص طور پر آلودہ گزری ہے کوئی ظلم وشقاوت وسنگدلی میں، کوئی بدچلنی وشہوت پرستی میں، وغیرہا۔ صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ اس سے مراد ایسی گرفت ہے جس میں نہ رحم ہو، نہ اس سے تادیب کا قصد ہو، اور نہ اس میں انجام پر نظر رہے۔ اور مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس گرفت میں یہ امور ملحوظ رہیں وہ اصلاح ہے اور منافیٔ طریق نہیں۔ و۸۰ مطلب یہ ہے کہ تم کو جو ناز اپنی کثرت تعداد پر ہے نیز اپنے ملک کے باغ وسبزہ زار پر، اور اپنے ہاں کے نہر ودریا پر ہے یہ سب آخر انعاماتِ الٰہی ہی تو ہیں۔ یہ عطیے کسی دیوی دیوتا کے نہیں اور نہ تمہارے اپنے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ اسی معبود واحد ہی کے تو ہیں۔ توحید کا تو تمہیں اور زائد قائل ہونا چاہیے۔ قرآن مجید نے توحید پر استدلال جس طرح انسان کی غربت وافلاس سے کیا ہے اسی طرح اس کی خوشحالی وامارت سے بھی کیا ہے۔ جَنّٰتٍ وَّعُیُوۡنٍ قوم عاد، خیال رہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے شاداب وزرخیز ترین علاقہ میں آباد تھی یعنی یمن، حضر موت میں، خلیج فارس کے ساحل پر، اور عراق عرب کی سرحد تک۔ و۸۱ یعنی اس قسم کا وعظ وپند تو پرانے زمانہ کے لوگ ہمیشہ کرتے آئے ہیں، اس کے اندر حقیقت کبھی نہ دیکھی۔ هٰذَا۔ یعنی جو کچھ تم ہمیں سنا رہے ہو۔ ای هذا الذی جئتنا به (روح) و۸۲ (زبردست اور تند آندھیوں سے) قوم عاد کی ہلاکت کے لیے ملاحظہ ہوں پ۸، سورۃ الاعراف کے حاشیے۔

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

اس میں ایک (بڑا) نشان ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ

اور آپ کا پروردگار بے شک بڑا قوت والا ہے بڑا رحمت والا ہے قوم ثمود نے بھی

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا

پیمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کہ تم لوگ

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک متدین پیمبر ہوں سو اللہ سے ڈرو

وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ

اور میرا کہا مانو اور میں تم سے کوئی صلہ اس پر نہیں مانگتا

اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا

میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے و۸۳ کیا تم کو انہیں چیزوں میں

هٰهُنَاۤ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّ زُرُوْعٍ

بے فکری سے رہنے دیا جائے گا باغوں اور چشموں اور کھیتوں

وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ

اور خوب گندھے ہوئے گپھے والے کھجوروں میں؟ اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر

بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَ لَا تُطِيْعُوْۤا

اتراتے ہوئے مکان بناتے ہو و۸۴ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور حدود سے نکل جانے والوں کا

اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ

کہا نہ مانو جو ملک میں فساد کرتے رہتے ہیں

ع ۸/۱۱

و۸۳ قوم ثمود اور حضرت صالح دونوں پر حاشیے سورۃ الاعراف پ۸ میں گزر چکے۔ اَخُوْهُمْ۔ "بھائی" سے مراد وہی وطنی یا نسلی برادری ہے نہ کہ دینی یا اعتقادی۔ باقی آیتیں اس سلسلہ کی بار بار آچکی ہیں، اور اوپر ان کے حاشیے گزر چکے۔

و۸۴ قوم ثمود کی تہذیب و تمدن اور فنونِ سنگ تراشی وغیرہ پر حاشیے پ۸ سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ۔ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ۔ قوم ثمود عرب کے شمالی و مغربی علاقہ میں جو خوب سرسبز و شاداب تھا آباد تھی۔

وَ لَا یُصۡلِحُوۡنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِیۡنَ ﴿۱۵۳﴾

اور اصلاح نہیں کرتے و۸۵ وہ لوگ بولے کہ تم پر تو کسی نے سخت جادو کر دیا ہے

مَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۚۖ فَاۡتِ بِاٰیَۃٍ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ

تم بس ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو سو کوئی نشان پیش کرو اگر تم

الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ ہٰذِہٖ نَاقَۃٌ لَّہَا شِرۡبٌ وَّ لَکُمۡ

سچے ہو و۸۶ (صالح نے) کہا یہ ایک اونٹنی ہے پانی پینے کے لئے ایک باری اس کی ہے اور ایک

شِرۡبُ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَ لَا تَمَسُّوۡہَا بِسُوۡٓءٍ فَیَاۡخُذَکُمۡ

مقرر دن میں ایک باری تمہاری و۸۷ اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تمہیں ایک

عَذَابُ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوۡہَا فَاَصۡبَحُوۡا نٰدِمِیۡنَ ﴿۱۵۷﴾

بڑے سخت دن کا عذاب آ پکڑے گا مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر (اس پر) پچھتائے و۸۸

فَاَخَذَہُمُ الۡعَذَابُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَ مَا

پھر ان کو عذاب نے آ لیا بے شک اس ماجرے میں ایک (بڑا) نشان ہے اور ان

کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۵۸﴾ وَ اِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ

میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے اور بے شک آپ کا پروردگار بڑا قوت والا ہے،

الرَّحِیۡمُ ﴿۱۵۹﴾ کَذَّبَتۡ قَوۡمُ لُوۡطِ ۣالۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذۡ قَالَ

بڑا رحمت والا ہے قوم لوط نے بھی پیمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے

لَہُمۡ اَخُوۡہُمۡ لُوۡطٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ

ان کے بھائی لوط نے کہا کیا تم لوگ ڈرتے نہیں ہو و۸۹ میں تمہارے لئے ایک متدین

اَمِیۡنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۶۳﴾ وَ مَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ

پیمبر ہوں سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو! اور میں تم سے

ع ۸ / ۱۹ / ۱۲

و۸۵ خداوندی قانون کو نہ ماننے اور اس پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ دنیا میں ہمیشہ خرابیوں ہی کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ شراب نوشی و زناکاری، سود خواری، رشوت و خیانت، رشک و حسد سے ہمیشہ جسمانی اور اخلاقی بیماریاں ہی بڑھی ہیں۔ اور معاشری ابتری ہر قسم کی پیدا ہوتی رہی ہے۔ قرآن نے ان سارے انفرادی و اجتماعی امراض کے لیے ایک جامع لفظ فساد فی الارض کا استعمال کر دیا ہے۔ الۡمُسۡرِفِیۡنَ۔ قوت عقلی ہو یا فعلی یا اعتقادی ان کا بے جا صرف کرنا سب داخلِ اسراف ہے۔ و۸۶ نشان یعنی خارقِ عادت۔ انبیاء کی دعوت کا اصل جوہر خود ان کی تعلیمات رہی ہیں۔ جاہلی قوموں نے بجائے ان تعلیمات کی قدر کرنے کے ہمیشہ مطالبہ خوارق و معجزات کا کیا ہے۔ اور پیمبروں کی بشریت ہی کو ان کی رسالت کا مانع اور اس کے منافی قرار دیا ہے۔ مظہرِ خدا، فرزندِ خدا، زوجِ خدا یہ سب کچھ تو وہ سمجھ سکتے تھے لیکن رسولِ خدا کا تصور ہی گویا ان کی دماغی گرفت سے باہر تھا۔ آج اولیاء اللہ کو بھی، بہت سے جاہل ان کے لوازم طبعی اور حوائج بشری کی بناء پر کم وقعت و حقیر سمجھتے ہیں۔ و۸۷ یعنی ایک باری میں وہ اونٹنی پانی پیا کرے اور دوسری باری میں تمہارے جانور۔ مفصل حاشیے اس سارے ماجرے پر سورۃ الاعراف پ۸ میں گزر چکے۔ و۸۸ (جب عذاب کی آمد دیکھ لی) یہ پچھتاوا ایک تو یوں بھی بیکار تھا اس لیے کہ ایک محض طبعی کیفیت تھی۔ تلافی و تدارک اور تجدید ایمان کا کوئی جزو اس کے ساتھ نہ تھا۔ اور پھر یہ بھی اس وقت جب آثار عذاب نمایاں ہو چکے تھے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ یہ ندامت اس لیے لاحاصل رہی کہ انہوں نے اپنے فعل کی تلافی ایمان سے نہ کی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توبہ کے لیے ندامت طبعی کافی نہیں ندامت عقلی ہونا چاہیے۔ و۸۹ حضرت لوط اور قوم لوط پر حاشیے سورۃ الاعراف پ۸ میں گزر چکے۔ الۡمُرۡسَلِیۡنَ کے صیغہ جمع پر حاشیہ اوپر گزر چکا۔ اَخُوۡہُمۡ۔ اخ انہیں یہاں اس لحاظ سے کہا گیا کہ حضرت لوط عراق سے آ کر انہیں کے ملک شرق یردن میں بس گئے تھے۔

عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ

اس پر کچھ صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو بس پروردگار عالم

الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ‏ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاۡتُوۡنَ الذُّكۡرَانَ مِنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ‏ ﴿۱۶۵﴾

کے ذمہ ہے تمام دُنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) مردوں سے فعل کرتے ہو

وَتَذَرُوۡنَ مَا خَلَقَ لَـكُمۡ رَبُّكُمۡ مِّنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ ؕ بَلۡ

اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے بیویاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑے رہتے ہو بات یہ ہے کہ

اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ عٰدُوۡنَ‏ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ يٰلُوۡطُ لَتَكُوۡنَنَّ

تم حد سے گزر جانے والے ہی لوگ ہو ف۹۰ وہ لوگ بولے کہ اے لوط اگر تم باز نہ آئے تو تم ضرور

مِنَ الۡمُخۡرَجِيۡنَ‏ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّىۡ لِعَمَلِكُمۡ مِّنَ الۡقَالِيۡنَؕ‏ ﴿۱۶۸﴾

نکال دیئے جاؤ گے (لوط نے) کہا کہ میں تمہارے (اس) عمل سے سخت نفرت رکھتا ہوں ف۹۱

رَبِّ نَجِّنِىۡ وَاَهۡلِىۡ مِمَّا يَعۡمَلُوۡنَ‏ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ

اے میرے پروردگار مجھے اور میرے گھر والوں کو نجات دے اس کام (کے وبال سے) جو یہ کرتے رہتے ہیں سو ہم نے

اَجۡمَعِيۡنَۙ‏ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوۡزًا فِى الۡغٰبِرِيۡنَ‌ۚ‏ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرۡنَا

انہیں اور ان کے گھر والوں سب کو نجات دی البتہ ایک بڑھیا کہ وہ رہ جانے والوں میں رہ گئی ف۹۲ پھر ہم نے اور سب کو

الۡاٰخَرِيۡنَ‌ۚ‏ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّطَرًا‌ ۚ فَسَآءَ مَطَرُ

ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا مینہ برسایا سو کیسا برا مینہ تھا

الۡمُنۡذَرِيۡنَ‏ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً‌ ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ

جو ڈرائے ہوؤں پر برسا ف۹۳ بے شک اس (ماجرے) میں ایک (بڑا) نشان ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان

مُّؤۡمِنِيۡنَ‏ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ‏ ﴿۱۷۵﴾

لانے والے نہ تھے اور آپ کا پروردگار بے شک بڑا قوت والا ہے بڑا رحمت والا ہے

ع ۱۲ / ۱۲

ف۹۰ ذکر قوم لوط کی اس غیر طبعی شہوت پرستی کا ہے۔ جس میں وہ لوگ آج کل کی بھی بعض "مہذب ومتمدن" قوموں کی طرح شدت سے مبتلا تھے۔ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ عٰدُوۡنَ۔ یعنی ان بدفعلیوں کی محرک کوئی طبعی جنسی خواہش کسی درجہ میں بھی نہ تھی۔ یہ محض نفس کا خبث اور طبیعت کا شیطانی میلان تھا جو انہیں اغلام ولواطت کی طرف لے آیا تھا۔ "حد سے گزر جانے والے" یعنی حدود انسانیت سے گزر جانے والے یا جرائم پیشہ یا مجرمانہ فطرت کے لوگ۔ ف۹۱ (اور میں تمہاری ان دھمکیوں میں آ کر اپنے وعظ وپند وتبلیغ سے رک نہ جاؤں گا) الۡقَالِيۡنَ۔ قلی بغضِ شدید کو کہتے ہیں۔ القلی البغض الشدید (کشاف) القلی شدة البغض (راغب) پیمبر جیسے صالح الفطرت کی تو خود فطرت ایسے گندے جرم سے اِباء کرنے لگتی ہے۔ انہیں تو جتنی بھی بیزاری ایسے جرم سے ہو کم ہے۔ ف۹۲ مراد زوجۂ لوط ہے تفصیلی قصہ سورۂ ہود پ۱۲ میں گزر چکا ہے۔ مِمَّا يَعۡمَلُوۡنَ میں مضاف مقدر ہے۔ اے من عقوبة عملهم (کشاف) اے من شوم عملهم (روح) ف۹۳ ملاحظہ ہوں سورۃ الاعراف پ۸ اور سورۂ ہود پ۱۲ کے حاشیے

كَذَّبَ اَصۡحٰبُ لۡئَيۡكَةِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝۱۷۶ اِذۡ قَالَ لَهُمۡ

اصحاب ایکہ نے بھی پیمبروں کو جھٹلایا ف۹۴ جب کہ ان سے

شُعَيۡبٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝۱۷۷ اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ۝۱۷۸ فَاتَّقُوا

شعیب نے کہا کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک متدین پیمبر ہوں سو اللہ

اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۝۱۷۹ وَمَاۤ اَسۡـئَـلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ ۚ اِنۡ

سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ تو مانگتا نہیں

اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۱۸۰ اَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَلَا

میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے تم لوگ پورا ناپا کرو اور

تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُخۡسِرِيۡنَ‌ ۝۱۸۱ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ

نقصان پہنچانے والے نہ بنو اور صحیح ترازو سے

الۡمُسۡتَقِيۡمِ‌ ۝۱۸۲ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا

تولا کرو ف۹۵ اور لوگوں کا نقصان ان کی چیزوں میں نہ کیا کرو اور ملک میں

تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ‌ ۝۱۸۳ وَاتَّقُوا الَّذِىۡ

فساد مت مچایا کرو ف۹۶ اور اس (خدا) سے ڈرو جس نے

خَلَقَكُمۡ وَالۡجِـبِلَّةَ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۱۸۴ قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ

تمہیں اور (ساری) اگلی مخلوقات کو پیدا کیا ف۹۷ وہ لوگ بولے کہ تم تو بس

الۡمُسَحَّرِيۡنَۙ ۝۱۸۵ وَمَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا وَاِنۡ نَّظُنُّكَ

سخت سحر زدہ ہو اور تم ہی کیا ہو بجز ہمارے ہی جیسے ایک آدمی کے اور ہم تو تم کو

لَمِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ‌ ۝۱۸۶ فَاَسۡقِطۡ عَلَيۡنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنۡ

جھوٹوں ہی میں سمجھتے ہیں اچھا تو تم ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا لا گراؤ اگر

ف۹۴ اَصۡحٰبُ لۡئَيۡكَةِ پر حاشیہ سورۃ الحجر پ۱۴ میں گزر چکا۔ ف۹۵ (یعنی نہ ڈنڈی
ماراکرو، نہ تولنے کے باٹنوں میں گڑبڑ کیا کرو) ہدایاتِ قرآنی کی مخاطب یہ کوئی
زراعت پیشہ، تجارت پیشہ قوم تھی۔ کاروباری بداخلاقی، بددیانتی، خیانت میں
مبتلا۔ تعلیم انہیں تجارتی اخلاق وشائستگی کی دی جارہی ہے۔ حاشیے سورۃ الاعراف
پ۸ وسورۃ الحجر پ۱۴ وسورۂ ہود پ۱۲ میں گزر چکے۔ ف۹۶ کاروباری بداخلاقی،
بددیانتی کا انجام آخرکار اجتماعی فساد پر ہوتا ہے۔ ف۹۷ خطاب، ہوسکتا ہے کہ
یہاں عام نوعِ انسانی سے ہو۔ اور الۡاَوَّلِيۡنَ سے مراد اس صورت میں ان مخلوقات
سے ہوگی جو انسان سے قبل خلعتِ وجود سے مشرف ہو چکی تھی، فرشتہ وجنات
وغیرہا۔

ف۹۸ نبی کے سحرزدہ ہونے اور اس کی بشریت و رسالت کے درمیان حسب تخیل مشرکین تنافی پر حاشیے کئی بار اوپر گزر چکے۔ فَاَسْقِطْ...... السَّمَآءِ۔ شعیب کے قوم والے کہتے ہیں کہ اگر دعوائے نبوت میں برحق ہو تو کوئی ایسا نمایاں خارق عادت پیش کرو، جیسے یہی کہ آسمان کا کوئی ٹکڑا ٹوٹ کر ہم پر گر پڑے۔ اِنْ...... الصّٰدِقِيْنَ۔ گویا وبال نازل نہ ہونا ان جاہلوں کے خیال میں دلیل تھی ان کے انکار کے قبیح تر نہ ہونے کی۔ اور یہی ذہنیت آج بھی بہت سے جاہلیوں اور جاہلوں کی ہے۔ کسی بزرگ سے انکار پر وبال نازل نہ ہونے کو اس انکار کے قبیح نہ ہونے کی دلیل قرار دے دیتے ہیں۔ ف۹۹ (سو تمہارے عمل کا جو مقتضا ہے یعنی عذاب کیا ہو اور کب ہو، اسے بھی وہی خوب جانتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ خوارق اہل اللہ کے بس میں نہیں۔ ف۱۰۰ عذاب کے وقت پہلے ایک ابر نمودار ہوا تھا، گرمی پہلے سے مسلط تھی۔ لوگ ٹھنڈی ہوا کے شوق میں اس کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس میں سے آگ برسنا شروع ہوئی اور سب جل گئے۔ وہ ابر سائبان سا تھا۔ اسی بنا پر اسے عذاب سائبان سے تعبیر کیا گیا۔ ف۱۰۱ یہاں قرآن مجید سے متعلق سب سے پہلی بات یہ ارشاد ہوئی کہ وہ کسی مخلوق کا نہیں، خود پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے، اور دوسری بات یہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک تک جبرئیل امین جیسے زبردست محافظ نے پہنچایا ہے۔ جن کے لائے ہوئے پیام پر کسی غلطی و تحریف کا امکان نہیں۔ نَزَلَ بِهٖ نزل صلہ ب کے بعد انزل کے معنی میں ہے۔ اے انزل علی ان الباء للتعدیة (روح) رُوْحُ الْاَمِيْنُ۔ یعنی امانت دار فرشتہ مراد حضرت جبرئیل ہیں۔ اور ملت کا اس پر اتفاق ہے۔ و هو جبرئيل علیہ السلام قال غير واحد من السلف۔ ابن عباس و محمد بن كعب و قتادة و عطية العوفي والسدي والضحاک والزهري و ابن جريج و هذا مما لا نزاع فيه (ابن کثیر) ان کے وصف امانت کو یہاں نمایاں کرنے کے یہی معنی ہیں کہ انکا لایا ہوا پیام قطعاً اور تمام تر محفوظ ہے۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک یہ کہ آپ نبی عالم تھے۔ دوسرے یہ کہ آپ نبی عرب تھے۔ یہاں بھی آخری حیثیت مراد ہے اسی لیے زبان عرب کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ قرآن کے عربی زبان میں ہونے پر یہاں اور دوسرے مقامات پر جو زور دیا گیا ہے، اس سے بعض فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ غیر عربی قرآن پر یعنی کسی ترجمۂ قرآن پر حکم قرآن کا نہیں لگایا جا سکتا۔ عَلٰى قَلْبِكَ۔ وحی کا مخاطب اصلی قلب ہی ہوتا ہے۔ اور باقی دوسرے اعضاء قلب کے ماتحت ہوتے ہیں۔ القلب هو المخاطب فى الحقيقة لانهٗ موقع التميز والاختيار و اما سائر الاعضاء فمسخرة لهٗ والدليل عليه القرأن والحديث والمعقول (کبیر) محققین سے منقول ہے کہ نبی کے پاس قبول وحی کے لیے ایک قلب بھی مخصوص ہوتا ہے اور ایک مخصوص سامعہ و باصرہ بھی۔ ف۱۰۲ اِنَّهٗ میں مضاف مقدر ہے۔ عربی محاورہ میں عام طور سے آتا ہے۔ فلان فى دفتر الامير۔ اور فلاں سے مراد فلاں کے نام یا ذکر سے ہوتی ہے۔ اے اسمهٗ و ذكرهٗ فى دفتر الامير یہاں بھی تقدیر کلام کچھ یوں ہی معلوم ہوتی ہے۔ ان ذكرهٗ فى زبر الاولين۔ يعنى ذكرهٗ (کشاف) اے ذکر انزال القرأن قالهٗ اكثر المفسرين (معالم) اے ذكر هٰذا القرأن والتنويه به (ابن کثیر) يعنى ذكرهٗ ثبت فى سائر كتب السماوية (مدارک) لیکن بہرحال الفاظ قرآنی سے یہ بھی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ "قرآن" کا "زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ" میں ہونا ارشاد ہو گیا ہے، حالانکہ قرآن ان اگلی کتابوں میں بجنسہٖ عربی زبان میں نہیں اس لیے قرآن کا اطلاق غیر عربی کے قرآن پر بھی صحیح و صادق آتا ہے۔ هٰذا مما يحتج به فى ان نقله فى لغة اخرٰى لا يخرجه من ان يكون قرأنا لاطلاق اللفظ بانهٗ فى زبر الاولين مع كونه فيها بغير اللغة العربية (جصاص) واحتج صاحب الكشاف والمدارک والهداية على ان القرأن قرأن و ان ترجم بغير العربية فيكون دليلا على جواز قراء ة القرأن با لفارسية فى الصلٰوة لانه لم يكن فى زبر الاولين الابغير العربية (احمدی) فيه دليل على ان القرأن قرأن اذا ترجم بغير العربية فيكون دليلاً على جواز قراء ة القرأن با لفارسية فى الصلٰوة (مدارک) اور یہیں سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز میں فارسی ترجمہ قرآن خود قرآن کا قائم مقام قرار دیا ہے۔ واشتهر من الامام ابى حنيفة انه جوز قراء ة القرأن با لفارسية والتركية والهندية و غير ذٰلک من اللغات مطلقاً استدلالاً بهٰذه الأية و فى رواية تخصيص الجواز بالفارسية (روح) لیکن محققین کا بیان ہے کہ بعد کو امام نے اپنی رائے سے رجوع بھی کر لیا تھا۔ اور اپنے استدلال کی خامی انہیں خود نظر آ گئی۔ و قد صحح رجوعهٗ عن القول بجواز القراء ة بغير العربية مطلقاً جمع من الثقات المحققين (روح) و كان رجوع الامام عليه الرحمة عما اشتهر عنه لضعف الاستدلال بهٰذه الأية عليه (روح) و قد صح رجوعه عن قوله و عليه الاعتماد (احمدی) ف۱۰۳ (اور کبھی اس کا اعتراف بھی کر لیتے ہیں) يَّعْلَمَهٗ میں ضمیر قرآن مجید کی جانب ہے۔ لَّهُمْ میں ضمیر قریش کی جانب ہے، جو علماء بنی اسرائیل کے علم و فضل کے خود بھی قائل و معتقد تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ امر تو ان کے نزدیک خود ایک دلیل معتبر ہونا چاہیے، کہ علماء بنی اسرائیل اپنے مقدس صحیفوں میں قرآن مجید کا ذکر اور اخبار پاتے ہیں۔ اے اولیس يكفيهم من الشاهد الصادق على ذٰلک ان العلماء من بنى اسرائيل يجدون ذكر هٰذا القرأن فى كتبهم التى يدرسونها (ابن کثیر)

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٨٧﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا

تم سچے ہو ف۹۸ (شعیب نے) کہا میرا پروردگار ہی خوب جانتا ہے جو کچھ

تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٨﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ

تم کرتے رہتے ہو ف۹۹ پھر ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا سو انہیں عذاب سائبان نے آ لیا

اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٨٩﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا

بے شک وہ بڑے سخت عذاب کا دن تھا ف۱۰۰ یقیناً اس (ماجرے) میں ایک (بڑا) نشان ہے اور

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٠﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے اور آپ کا پروردگار بڑا قوت والا ہے،

الرَّحِيْمُ ﴿١٩١﴾ ؏ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٩٢﴾ ؕ نَزَلَ

بڑا رحم والا ہے اور بے شک یہ (قرآن) پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے اسے روح الامین نے

بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ

آپ کے قلب پر اتارا ہے تاکہ آپ ڈرانے والوں

الْمُنْذِرِيْنَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿١٩٥﴾ ؕ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ

میں سے ہوں ف۱۰۱ صاف عربی زبان میں اور بے شک اس (کا ذکر) پہلی امتوں کی

الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٩٦﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ

کتابوں میں ہے ف۱۰۲ کیا ان لوگوں کے لئے یہ (کافی) دلیل نہیں کہ اسے علمائے بنی اسرائیل

اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٩٧﴾ ؕ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿١٩٨﴾

جانتے ہیں؟ ف۱۰۳ اور اگر ہم اس کو کسی عجمی پر نازل کرتے

فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٩﴾ ؕ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ

پھر وہ ان کے سامنے اسے پڑھ بھی دیتا جب بھی یہ لوگ اسے نہ مانتے ف۱۰۴ ہم نے اسی طرح اس (ایمان نہ لانے) کو

ع ١٠ / ١١ / ١٢

فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا

ان نافرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے ف۱۰۵ یہ لوگ اس پر ایمان نہ لائیں گے جب تک

الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

عذاب دردناک کو نہ دیکھ لیں گے جو اچانک ان کے سامنے آ کھڑا ہوگا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی

فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا

پھر (اس وقت) کہیں گے کیا (اب) ہمیں مہلت مل سکتی ہے؟ ف۱۰۶ یہ لوگ ہمارے عذاب (کون کراس) کی

يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ

کیا جلدی چاہتے ہیں ف۱۰۷ ذرا بتلا اگر ہم انہیں چند سال تک عیش میں رہنے دیں، پھر

جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا

جس (عذاب) کا ان سے وعدہ ہے وہ ان پر آجائے تو وہ ان کا عیش ان کے

كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا

کیا کام آ سکتا ہے ف۱۰۸ اور ہم نے جتنی بھی بستیاں ہلاک کیں سب میں

مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا

ڈرانے والے آ چکے نصیحت کے واسطے ف۱۰۹ اور ہم کچھ ظلم کرنے والے تو تھے نہیں اور

تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا

اس (قرآن) کو شیطان لے کر نہیں آئے اور نہ وہ اس قابل اور نہ یہ

يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا

ان کے بس کی بات ف۱۱۰ وہ تو (وحی کے) سننے سے محروم کئے جا چکے ہیں ف۱۱۱ آپ

تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾

اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکاریے، ورنہ آپ کو بھی سزا ہونے لگے گی ف۱۱۲

ہے کہ ایمان یہ اس صورت میں بھی نہ لاتے اور خدائی کلام اسے جب بھی نہ تسلیم کرتے۔ قال تعالٰی مخبرًا عن شدة كفر قريش و عنادهم لهٰذا القرآن انه لو نزل علٰى رجل من الاعاجم ممن لايدرى من العربية كلمة و انزل عليه هٰذا الكتاب ببيانه و فصاحته لايؤمنون به (ابن کثیر) والمراد بيان فرط عنادهم و شدة شكيمتهم فى المكابرة كانه قيل و لونزلنا بهٰذا النظم الرائق المعجز علٰى من لا يقدر على التكلم بالعربية فقرأه عليهم قراءة صحيحة خارقة للعادة (روح) اے لو نزلناه علٰى بعض الاعاجم لايحسن العربية فضلا عن ان يقدر علٰى نظم مثله فقرءه عليهم هكذا معجزًا لكفروا به (مدارک) مَا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ۔ منکرین، معاندین کے ایمان کی طرف سے اتنی یاس دلانا غالبًا رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لیے ہے۔ ف۱۰۵ اور وہ لوگ اپنے انکار پر ہٹ کی شدت کے ساتھ قائم ہیں۔ اَعجمی اور عجمی کے درمیان یہی فرق ہے کہ عجمی غیر عرب کے لیے آتا ہے اور اعجمی غیر فصیح کے لیے خواہ وہ عرب ہی ہو۔ العجم خلاف العرب و العجمى منسوب اليهم والاعجم من فى لسانه عجمة عربيا كان او غير عربى (راغب) يقال رجل اعجمى و اعجم اذا كان غير فصيح و ان كان عربيا و رجل عجمى و ان كان فصيحاً ينسب الٰى اصله (قرطبی) سَلَكْنٰهُ میں ضمیر کفر و عدم ایمان کی طرف ہے، جو شامل ہے مَا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ میں۔ اے التكذيب و الكفر والجحود والعناد (ابن کثیر) قال ابن عباس و مجاهد ادخلنا الشرك والتكذيب (معالم) اے ادخلنا التكذيب او الكفر و هو مدلول قوله ما كانوا به مومنين (مدارک) یہ دلوں میں کفر و تکذیب کا ڈال رکھنا ظاہر ہے کہ حق تعالٰی کی طرف سے محض تکوینی حیثیت سے ہے۔ اور آیت اس پر دلیل ہے کہ امور تکوینی جتنے بھی ہیں، سب اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔ يدل علٰى ان الكل بقضاء الله و خلقه (کبیر) اور آیت سے اہل سنت نے معتزلہ کے مقابلہ میں استدلال کیا ہے کہ ہر فعل خیر و شر کا خالق اللہ تعالٰی ہی ہے۔ و هو حجتنا على المعتزلة فى خلق افعال العباد خيرها و شرها (مدارک) ف۱۰۶ (حالانکہ وہ وقت نہ مہلت ملنے کا ہوگا نہ قبولِ ایمان کا) ف۱۰۷ (بہ راہِ انکار) کفار معاندین عذاب کی وعید سن کر کہتے ہیں، کہ اگر یہ خبر سچ ہے، تو عذاب آخر آ کیوں نہیں جاتا؟ ف۱۰۸ تو اگر انہیں مہلت مل بھی جائے تو اس سے حاصل کیا؟ جب عذاب ان پر آنا ہی ہے، اور انہیں ایمان نہ لانا ہی ہے، تو جیسے آج ویسے چند سال بعد، عارضی مہلت و التوا سے کچھ جان تو ان کی بچ نہ جائے گی۔ ف۱۰۹ اور جب ان لوگوں نے پیمبر کی کچھ نہ سنی بلکہ الٹے اسی کے رد و مضحکہ میں لگ گئے، جب کہیں جا کر عذاب نازل ہوا۔ ف۱۱۰ (جو اس کے مضامین میں کسی خلط کا احتمال ہو، یا اسے غیر خدائی وضع و تحریف کا نتیجہ سمجھا جائے)۔ ف۱۱۱ (چنانچہ متعدد عرب کاہنوں اور مشرکوں سے ان کے جنات نے اس ناکامی کا خود اعتراف کیا، اور انہوں نے اس کی خبر دوسروں کو بھی دی) عرب، کاہنوں اور ساحروں کے خوگر، قرآن مجید کے اعجاز سے قائل و لاجواب ہو کر یہی سمجھنے لگتے تھے کہ ہو نہ ہو یہ "نبی" کوئی کاہن ہیں، ان کے پاس یہ کلام ان کے مؤکل شیاطین لے کر آئے ہیں۔ قرآن اس کے جواب میں کہتا ہے، کہ تم لوگ بھی کس درجہ بدعقل ہو، شیاطین تو تمام تر ظلمت و ضلالت ہیں، اور قرآن سرتاسر نور و ہدایت، قرآن کے مضامین عالیہ و علوم کو بھلا شیطانی ہفوات سے مناسبت کیا؟ اور پھر شیطانوں میں اتنی قوت و قدرت ہی کہاں، کہ وحی الٰہی کو گڑھ سکیں، یا اس میں اپنی طرف سے کوئی جزو ہی شامل کر سکیں! ف۱۱۲ یہ صیغۂ حاضر کمال تخویف اور انتہائی اہمیت کے اظہار کے لئے ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ پیمبر کو شرک سے مناسبت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس آیت سے ظاہر ہے کہ ولی سے کسی حال میں بھی تکلیف شرعی ساقط نہیں ہو سکتی۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿٢١٤﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ

آپ اپنے کنبہ کے عزیزوں کو ڈراتے رہیے ۱۱۳ اور جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلے

لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢١٥﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ

تو آپ اس کے ساتھ (مشفقانہ) فروتنی سے پیش آیئے ۱۱۴ لیکن اگر یہ آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ دیجیے

اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢١٦﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ

کہ میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں ۱۱۵ اور آپ بھروسہ رکھیے بڑے قوت والے

الرَّحِيْمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿٢١٨﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي

بڑے رحم والے (خدا) پر جو آپ کو جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست برخاست کو

السّٰجِدِيْنَ ﴿٢١٩﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٢٢٠﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ

دیکھتا رہتا ہے ۱۱۶ بے شک وہ بڑا ہی سننے والا بڑا جاننے والا ہے ۱۱۷ اچھا تو میں تم کو بتاؤں کہ

عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ

شیطان کس پر اترا کرتے ہیں ۱۱۸ ایسوں پر اترا کرتے ہیں جو (جھوٹے) لپاٹیے ہوں

اَثِيْمٍ ﴿٢٢٢﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿٢٢٣﴾

بدکردار ہوں اور جو (ان کی طرف) کان لگائے رکھتے ہوں۔ اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہی ہوتے ہیں

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿٢٢٤﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ

۱۱۹ اور رہے شاعر تو ان کی پیروی بدراہ لوگ کرتے ہیں ۱۲۰ کیا تجھے خبر نہیں کہ وہ (شاعر) ہر میدان میں

وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿٢٢٥﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٢٢٦﴾ اِلَّا

حیران پھرا کرتے ہیں ۱۲۱ اور وہ کہتے وہ ہیں جو وہ کرتے نہیں ۱۲۲ البتہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کیا

۱۱۳ چنانچہ آپ نے اس کی تعمیل میں اپنے عزیزوں کو بلا کر جمع کیا، اور ان پر تبلیغ کی۔ صحیح بخاری وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔.....قریبی عزیزوں کے ذکر کی تخصیص اس لئے ہے تاکہ انہیں بھی معلوم ہو جائے کہ نجات بغیر پیمبر کے اتباع کے نہیں اور آپ سے محض رشتہ داری ہرگز کافی نہیں۔ **خصهم ليعلموا انه لا يغني عنهم من الله شيئا وان النجاة في اتباعه دون قربه (مدارک)** عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ وعظ فرض کفایہ ہے۔ شروع اپنے عزیزوں قریبوں سے کرے، اور پھر جہاں تک ہو سکے پھیلاتا جائے۔ ۱۱۴ کہاں پیمبر اور کہاں امتی، شرف ومنزلت کے اعتبار سے دونوں کا مقابلہ ہی کیا۔ لیکن یہاں صراحت کے ساتھ حکم مخدوم وآقا کو مل رہا ہے کہ وہ اپنے متبعین کے ساتھ فروتنی سے پیش آئیں۔ یہ تعلیم اسلام کے سوا کہاں ملے گی؟ محققین نے کہا ہے کہ فروتنی کا حکم جب سردار ومخدوم کو اپنے خادموں کے مقابلہ میں مل رہا ہے تو خود خادموں، مریدوں، شاگردوں کو تو اپنے بزرگوں، مرشدوں، استادوں کے حضور میں کہیں زیادہ فروتنی کے ساتھ رہنا چاہیے!— وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ خفض جناح کی صورتیں دو ہیں۔ ایک تو وہ جو اطاعت سے پیدا ہوتی ہے جیسے اولاد کی فروتنی والدین کے مقابلہ میں، دوسری وہ جو شفقت سے پیدا ہوتی ہے، وہی یہاں مقصود ہے ۱۱۵ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ میں تعلیم ابھی ابھی حب فی اللہ کی تھی اب فَاِنْ عَصَوْكَ میں تعلیم بغض فی اللہ کی مل رہی ہے۔ ۱۱۶ (اور وہی ہر ضرر سے آپ کی حفاظت کے لئے کافی ہے) مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آپ ضرر حقیقی سے ہمیشہ محفوظ رہے۔ اور متوکل کو جو ضرر پہنچتا ہے، وہ صرف ضرر صوری ہوتا ہے، جس کے اندر ہزاروں نفع ہوتے ہیں، جن کا ظہور خواہ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں۔ اور مقام توکل صوفیہ کے ہاں ایک معروف ومسلم مقام ہے۔ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ۔ یعنی حالت نماز میں **اي تقوم الى صلاتك من اكثر المفسرين (معالم)** اللہ دیکھتا تو بہرحال اور ہر وقت ہی رہتا ہے، یہاں حالت نماز سے متعلق تخصیص ہے۔ يَرٰىكَ کہنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ عنایت خاص کی نظر سے دیکھتا رہتا ہے۔ تقلب کے لفظی معنی گھومنے پھرنے الٹ پلٹ کے ہیں۔ **التقلب التصرف (راغب)** مراد یہاں نشست وبرخاست سے لی گئی ہے۔ السّٰجِدِيْنَ کے لفظی معنی سجدہ کرنے والے کے ہیں۔ مراد نمازی ہیں، خود سجود کے مجازی معنی نماز کے ہیں۔ **و قد يعبر به عن الصلوٰة (راغب) في الشجدين اي في المصلين (ابن جریر عن قتادة) الساجدين المصلين (ابن جریر۔ عن ابن زید) والمراد بالساجدين المصلين (کشاف)** ۱۱۷ آپ کی دعاؤں کا خوب سننے والا، آپ کے پاکیزہ حالات کا خوب جاننے والا ہے۔ آپ کے دشمنوں کی کھلی اور چھپی ہوئی دشمنی اس پر عیاں ہے۔ ۱۱۸ (اور تمہارے اس فریب ذہنی کو بھی دور کردوں؟) مشرکین مکہ کا ایک وسوسہ یہ بھی تھا کہ رسالت (نعوذ باللہ) ایک شعبہ کہانت کا ہے۔ اور کاہنوں کو غیب کی خبریں موکل شیطانوں کے ذریعہ سے مل جایا کرتی ہیں۔ قرآن مجید یہاں جواب ان کے اسی شبہ کا دے رہا ہے۔ ۱۱۹ (اپنے دعوائے کہانت وغیب دانی میں) قرآن مجید خود مشرکوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ بات بک ڈالنے سے پیشتر یہ بھی تو سوچ لیا کرو، کہ کچھ لگتی ہوئی بھی ہے۔ شاگرد واستاد میں کچھ تو مناسبت ہونا چاہیے۔ شیطان سے تعلق رکھنے والے کون لوگ ہوتے ہیں؟ شیطان سے فیض پانے والے کس سیرت کس اخلاق کے ہوتے ہیں؟ شیطان کے تربیت یافتہ تو وہی ہوتے ہیں جو جھوٹے، لپاٹیے، بدکردار، گناہوں کی گندگی میں آلودہ ہوتے ہیں— یعنی ٹھیک ان پاکیزہ خو، فرشتہ صفت اصحاب نبوی کے برعکس، جن کے اوصاف ابھی سورۃ الفرقان میں بیان ہو چکے ہیں۔ ایسے متقیوں پاکبازوں کے سردار کو بھلا شیطان کے سایہ سے بھی کوئی مناسبت ہو سکتی ہے؟ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ میں اکثر سے مراد کل لی گئی ہے۔ یعنی یہ سب کے سب جھوٹے ہیں۔ **وقد فسر الاكثر بالكل (بیضاوی)** دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ یہ لوگ کثرت سے جھوٹ بولنے والے ہیں۔ گویا کثرت کا تعلق تعداد سے نہیں، ان کے اقوال سے ہے۔ **والاظهر ان الاكثرية باعتبار اقوالهم (بیضاوی)** سب سے زیادہ دل نشین معنی وہ ہیں جو زمخشری نے کیے ہیں۔ یعنی ان میں سے اکثر خود دعویٰ کہانت ہی میں جھوٹے ہیں۔ شیاطین سے جو خبریں پانا بیان کرتے ہیں۔ خود اس دعوے میں یہ سچے نہیں۔ **واكثر الافاكين كاذبون يفترون على الشيطين مالم يوحوا اليهم (کشاف) كاذبون في مايقولون و يخبرون (ابن جریر)** مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت میں یہ بڑا اشارہ ہے کہ شیطان طالب صادق ومتقی کے اندر ایسا تصرف نہیں کر سکتا، جس سے اس کے دین کو ضرر پہنچے۔ ۱۲۰ دوسرا بڑا شبہ مشرکین ومنکرین کا آپ سے متعلق شاعر ہونے کا تھا۔ شاعر سے مراد ناظم نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں، جو خیالی فضا اور رنگین عبارت کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہیں۔ عرب جاہلی کی تہذیب وتمدن میں شعراء کا ایک خاص اور بڑا امتیاز مرتبہ تھا۔ عیب کو ہنر، ہنر کو عیب بنا دینا ان کا معمولی کرتب تھا— شاعروں کی ذریت تو انہیں لوگوں پر شامل رہتی ہے جو خود بھٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ الْغَاوٗنَ کے تحت میں وہ سب لوگ آ گئے، جن کے ایمان اور جن کے اخلاق کمزور ہیں۔ **اي السفهاء او الرادون او الشياطين او المشركون (مدارک)** ۱۲۱ (خیالی مضامین کی تلاش میں ٹکریں مارتے، ٹھوکریں کھاتے) یعنی شاعروں کو واقعیت وحقیقت سے واسطہ کیا ہوتا ہے؟ یہ تو تمام تر تخیل پرستی میں مبتلا رہتے ہیں۔ قرآن جو سرتاسر دفتر حقائق ہے وہ تو شعر وشاعری کی بالکل ضد ہے۔ ۱۲۲ شاعر کو عمل کی زندگی سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا۔ وہ مضامین شجاعت ومردانگی کے باندھے گا لیکن خود بھاگنے والوں میں سب سے آگے ہو

وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ

اور بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا (اس کا) بدلہ لیا (تو وہ اس حکم میں داخل نہیں) ف۱۲۳ اور عنقریب

ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع

ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا جنھوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے ف۱۲۴

آیاتھا ۹۳ | ۲۷ سُوْرَۃُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ ۴۸ | رکوعاتھا ۷

اور اس میں ترانوے آیتیں | سورۂ نمل مکی ہے | اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾ لا هُدًى

طا۔ سین یہ آیتیں ہیں قرآن اور ایک واضح کتاب کی (موجب) ہدایت

وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ لا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

و بشارت ایمان والوں کے لئے ف۱ جو نماز کی پابندی کرتے رہتے ہیں

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ

اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں ف۲ جو

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ

لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال ان کی نظر میں خوش نما بنا رکھے ہیں سو وہ

يَعْمَهُوْنَ ﴿۴﴾ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ

بھٹکتے پھرتے ہیں ف۳ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے سخت عذاب ہے ف۴ اور

فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۵﴾ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ

آخرت میں تو وہ بڑا سخت نقصان اٹھانے والے ہیں ہی اور آپ کو یقیناً قرآن دیا جا رہا ہے

گا، وہ قصیدہ خوانی عفت وعصمت کی کرے گا، اور خود انتہا درجہ کا بدچلن اور سیاہ کار رہوگا۔ عام دستور ہر ملک وقوم کے شاعروں کا یہی ہے۔ قوم کی قوت عملی کو وہ اور کمزور کرتے رہتے ہیں۔ تاریخوں میں آتا ہے کہ دورِ اُموی کے مشہور عرب شاعر فرزدق نے جب اپنا وہ شعر جس میں اپنی حرامکاری کو مزے لے لے کر بیان کیا ہے خلیفۂ وقت سلیمان بن عبدالملک کو سنایا تو خلیفہ نے برجستہ کہا، کہ اس اقبالِ جرم کے بعد تم پر حد شرعی واجب آ گئی، شاعر نے فوراً یہی آیت قرآنی اپنی صفائی میں پڑھ کر اپنی جان بچائی۔۔۔ یعنی اس نے گویا یہ ظاہر کر دیا کہ ہم شاعر لوگ ہیں، ہمارے کلام سے ہمارے عمل کا بھلا کیا پتہ چل سکتا ہے۔ ف۱۲۳ اسلام اکثر "فنون لطیفہ" کی طرح عموماً شاعری کا بھی ہرگز قدرداں نہیں، اور نہ شاعروں کی ہمت افزائی کرنا چاہتا ہے۔ اسلام کے دربار میں کوئی کرسی ہرگز شاعروں کے لیے نہیں۔ اس لیے کہ عام شاعری میں بجز خیال آرائی اور مبالغہ پروری کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اعلم ان الأيات الدالة علٰى تقبيح الشعر اكثر من ان يحصٰى (احمدی) لیکن اس عام بے راہ روی کی شاعری کے حکم سے وہ شاعری یقیناً مستثنیٰ ہے، جو حقائق اور صداقتوں کی جامع ہے، جو نصرت وحمایتِ حق میں کی جائے۔ جس سے کام دین کے غلبہ کا لیا جائے۔ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا۔ اسلامی نظمیں، جوشِ دینی پیدا کرنے والی، عصبیتِ اسلامی کو بیدار کرنے والی، سب ذکر الٰہی ہی کی فرد ہیں۔ شاعرِ دربارِ نبوت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے لے کر مولنا روم علیہ الرحمۃ اور پھر اقبال و جوہر و اکبر کی شاعری اسی طبقہ میں آتی ہے۔ ف۱۲۴ یعنی جہنم میں۔ اَيَّ مُنْقَلَبٍ کیسی جگہ سے مراد کیسی تکلیف ومصیبت کی اور بری جگہ ہے۔ یہ ان منکرین سے متعلق وعید ہے جو اب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہی پہنچاتے رہے۔ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے، رسول کے، بندوں کے حقوق تلف کرتے رہے۔

ف۱ گویا آیتوں سے متعلق یہاں چار باتیں بیان ہوئیں۔ ایک یہ کہ یہ آیتیں جس کتاب کی ہیں وہ قرآن ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کتاب روشن وواضح ہے، تیسرے اور چوتھے یہ کہ آیات انھیں اہل ایمان کے لیے سبب ہدایت بھی ہیں اور ذریعہ بشارت بھی۔ تِلْكَ کا اشارۂ بعید قرآن کے شرف ومنزلت کے اظہار کے لیے ہے۔ لاداة البُعد للاشارة الٰى بُعد المنزلة فى الفضل والشرف (روح) كِتَابٍ۔ کتاب کی تنوین وتنکیر اظہارِ عظمت کے لیے ہے۔ و تنوينهٗ للتفخيم (روح) ف۲ یعنی عقائد واعمال دونوں کے باب میں بڑے پختہ ہیں۔ يُقِيْمُوْنَ...... الزَّكٰوةَ نماز گویا خلاصہ ہے طاعات بدنی کا اور زکوۃ طاعات مالی کا۔ وكنٰى باقامة الصلٰوة و ايتاء الزكٰوة عن عمل الصالحات مطلقًا (روح) وَهُمْ يُوْقِنُوْنَ۔ عقائد کے باب میں عقیدۂ آخرت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ انسان کو اپنی ذمہ داری، مسئولیت کا پورا احساس بغیر اس کے ہو نہیں سکتا۔ مشرکین کے ہاں تو یہ عقیدہ پہلے ہی سے مسخ شدہ تھا۔ یہود بھی آخرت کی سزا وجزا کو بھلا کر اسی دنیا پر قانع ہو گئے تھے۔ چنانچہ ان کی توریت اور دوسرے صحائف عالم آخرت سے خاموش ہی ہیں۔ ف۳ یہ مشاہدہ ہے کہ جن قوموں کے دل سے آخرت کا خیال مٹ جاتا ہے وہ اپنا سارا وقت، ساری قوت اسی دنیا کی دوڑ دھوپ، اسی کی ترقیوں کے لیے وقف رکھتے ہیں۔ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ۔ جو لوگ مذہب کا دامن چھوڑے ہوئے ہیں، قرآن مجید نے کتنی صحیح تشخیص ان کے بارے میں کر دی۔ اپنی اس مادی حسی دنیا کے سامان اور یہیں کی ترقیوں پر وہ پھولے اور اتراتے ہوئے۔ کس کس طرح ایک ایک نظریہ، ایک ایک فلسفہ کی آڑ ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور اس درسے اس در تک منڈلاتے ہی رہتے ہیں! ف۴ (اس دنیا میں بھی) موت کے وقت تو اس عذاب شدید کا نزول مشاہد اور قطعی ہے۔ باقی موت سے پہلے بھری پری زندگی ہی میں غور کر کے دیکھا جائے، تو آخرت فراموش قوم میں کتنی ذہنی اذیتوں میں مبتلا بسر کرتی رہتی ہیں۔ برطانیہ، فرانس، امریکا، روس وغیرہ پر ان کی ساری ظاہری خوشحالیوں کے باوجود آج جو کچھ گزر رہی ہے، وہ کس کی نظر سے مخفی ہے؟

مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝٦ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ

ایک بڑے حکمت والے بڑے علم والے کی طرف سے ۔ و۵ (یاد کیجیے وہ وقت) جب موسٰی نے اپنے گھر والوں سے کہا میں نے

اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ

آگ دیکھی ہے میں ابھی وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں یا تمہارے پاس آگ کا شعلہ لکڑی وغیرہ میں لگا ہوا

قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝٧ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ

لاتا ہوں تاکہ تم تاپ سکو و۶ پھر جب وہ اس (آگ) کے پاس پہنچے تو انہیں آواز دی گئی

بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ

کہ برکت ہو ان پر جو اس آگ کے اندر ہیں و۷ اور اس پر بھی جو اس کے پاس ہے و۸ اور پاک ہے اللہ

الْعٰلَمِیْنَ ۝٨ یٰمُوْسٰۤی اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝٩

پروردگار عالم! و۹ اے موسٰی یہ تو میں ہوں اللہ بڑا غلبہ والا، بڑا حکمت والا و۱۰

وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا

اور تم اپنا عصا ڈال دو پھر جب انہوں نے اسے دیکھا کہ وہ حرکت کر رہا ہے جیسے سانپ (کرتا ہے)

وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ ۫ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ

تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا و۱۱ اے موسٰی خوف نہ کرو ہمارے حضور میں پیمبر خوف

الْمُرْسَلُوْنَ ۝١٠ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ

نہیں کرتے و۱۲ ہاں البتہ جس سے کوئی قصور ہو جائے پھر برائی کے بعد بجائے اس کے

سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝١١ وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ

نیک کام کرے تو میں بڑا مغفرت والا ہوں بڑا رحمت والا ہوں و۱۳ اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر لے جاؤ

تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی

تو وہ بلا کسی عیب کے بالکل سفید ہو کر نکلے گا (یہ) نو معجزات میں سے ہیں فرعون

و۵ (اور اس لیے وہ قرآن ہی ہر انسانی ضرورت کا ایک جامع نسخہ ہے) و۶ ذکر حضرت موسٰی کے مدین سے واپسی کے وقت کوہ طور سے قریب ہو کر گزرنے کا ہے۔ آپ مصر کی راہ بھول گئے تھے۔ سردی کا موسم اور اندھیری رات تھی۔ حاشیے سورۂ طٰہٰ پ۱۶ میں گزر چکے۔ لِاَهْلِهٖ۔ اھل پر بھی حاشیہ وہیں گزر چکا ہے۔ اگلی سورۃ القصص میں بھی یہی قصہ خفیف لفظی تغیرات کے ساتھ آرہا ہے۔ فقہاء مفسرین نے اس لفظی اختلاف و معنوی اتحاد سے استدلال یہ کیا ہے کہ حدیث نبوی کی روایت بالمعنٰی جائز ہے۔ واختلاف الالفاظ فی هاتین السورتین والقصة واحدة دلیل علٰی جواز نقل الحدیث بالمعنٰی (مدارک) و۷ یعنی ملائکہ۔ اے من فی مکان النار و هم الملائكة (مدارک) اَن۔ ان یہاں مفسرہ ہے اور تقدیر کلام یوں بھی سمجھی گئی ہے۔ نودی بانهٗ بورک۔ ان هی المفسرة لان النداء فیه معنی القول والمعنٰی قیل لهٗ بورک (کشاف و کبیر) نودی بانهٗ بورک (مدارک) و۸ یعنی حضرت موسٰی۔ ومن حول مكانها اے موسٰی (مدارک) بہت سے مفسروں سے اس کے بالعکس بھی منقول ہے یعنی مَنْ فِی النَّارِ کو قرب نار کے معنٰی میں لے کر مراد اس سے حضرت موسٰی لی ہے، اور مَنْ حَوْلَهَا سے فرشتہ۔ و۹ (جہت، رنگ، مقدار، وزن وغیرہ تمام تعینات سے) یہ تنبیہ معاً اس لیے کر دی گئی ہے کہ کوئی اس تجلی کو جو بشکل نار محدود و مقید تھی کہیں عین ذات واجب الوجود نہ سمجھ بیٹھے! معاذ اللہ۔ کہیں رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی سی ناقابل پیمائش وسعتیں رکھنے والی ذات بے ہمتا آگ کے چند شعلوں کے اندر حلول کر سکتی ہے! اے الذی یفعل مایشاء ولا یشبهٗ شیءٌ من مخلوقاته ولا یحیط به شیء من مصنوعاته و هو العلی العظیم المباین بجمیع المخلوقات ولا یکتنفه الارض والسمٰوٰت بل هو الاحد الصمد المنزه عن مماثلة المحدثات (ابن کثیر) ”موسٰی علیہ السلام اگر اس مسئلہ سے خالی الذہن تھے تو یہ اس کی تعلیم ہے، اور اگر آپ کو دلائل عقلیہ اور فطرت صالحہ سے پہلے سے معلوم تھا تو زیادت تفہیم ہے“ (تھانوی) و۱۰ (اور کوئی مادی مخلوق نہیں جو تم سے ہمکلام ہو رہا ہے) و۱۱ خوف طبعی مرتبۂ نبوت کے بالکل منافی نہیں۔ اور پھر اگر یہ خوف عقلی تھا، جب بھی بسبب اس کے کہ اس میں کسی مخلوق کا واسطہ نہ تھا اس میں کوئی امر منافی شانِ نبوت نہیں (تھانوی) جانّ اور ثعبان اور حیہ سب پر حاشیے گزر چکے۔ و۱۲ فقرہ صورۃً خبر ہے اور معنًی انشاء، یعنی ہدایت ہو رہی ہے کہ خوف نہ کرنا چاہیے۔ یہ خوف اگر طبعی تھا تو لَا تَخَفْ الخ سے جواز الہ خوف کیا گیا ہے، اس کی تقریر یہ ہو گی کہ ایک کیفیت طبعیہ پر جب دوسری کیفیت طبعیہ غالب آجاتی ہے تو پہلی کیفیت زائل و مضمحل ہو جاتی ہے۔ بس تم یہ سمجھو کہ ہم نے تم کو نبوت دی ہے۔ اس عنایت متجددہ کا سرور طبعاً ایسا غالب ہو گا کہ اس خوف کا اثر نہ رہے گا۔ اور اگر خوف عقلی تھا تو تقریر یہ ہو گی کہ ہر چند کہ حوادث انبیاء پر بھی آتے ہیں، مگر ہم اپنی عادت سے اطلاع دیتے ہیں کہ خود معجزات سے اور بالخصوص عطائے نبوت کے وقت ابتلاء و تضرر نہیں ہوا کرتا بس اب خوف عقلی نہ رہے گا (تھانوی) و۱۳ تو عام قاعدہ غفر و رحمت جب حقیقۃً عاصیوں اور خاطئوں کے حق میں ہے، تو حضرت موسٰی تو حقیقۃً عاصی و خاطی تھے بھی نہیں۔ قتل قبطی میں ان کا ”ظلم“ محض صورۃً تھا نہ کہ معنًی و حقیقۃً۔

فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا

اور اس کی قوم کے مقابل بے شک وہ لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں وﷺ۱۴ غرض جب

جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۳﴾

ان کے پاس ہمارے معجزات نہایت واضح پہنچے تو وہ بولے یہ تو کھلا ہوا جادو ہے

وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ؕ

ان (معجزات) سے بالکل منکر ظلم وتکبر کی راہ سے ہوگئے درآنحالیکہ ان کے دلوں نے اس کا یقین کرلیا تھا

فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴﴾ ع وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ

سو دیکھئے کیسا انجام ان مفسدوں کا ہوا و۱۵ اور ہم نے داؤد

وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی

اور سلیمان کو (ایک خاص) علم عطا فرمایا و۱۶ اور وہ دونوں کہنے لگے (ساری) تعریف اللہ ہی کے لئے ہے، جس نے ہمیں

كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾ وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ

اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی و۱۷ اور داؤد کے جانشین سلیمان ہوئے و۱۸

وَ قَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَ اُوْتِیْنَا مِنْ

اور انہوں نے کہا اے لوگو ہم کو پرندوں کی بولی کی تعلیم دی گئی ہے اور ہم کو ہر قسم کی چیزیں

كُلِّ شَیْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾ وَ حُشِرَ

عطا ہوئی ہیں و۱۹ بے شک یہ تو کھلا ہوا فضل ہے اور سلیمان کے لئے

لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّیْرِ فَهُمْ

ان کا لشکر جمع کیا گیا جن بھی اور انسان بھی اور پرندے بھی اور انہیں (صف بندی کے لئے)

یُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ

روکا جاتا تھا و۲۰ یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے و۲۱ ایک چیونٹی

و۱۴ غَیْرِ سُوْٓءٍ۔ ید بیضاء پر اور تسع اٰیٰت۔ تو معجزات موسوی پر حاشیے سورۃ الاعراف پ۹ اور سورۂ طٰہٰ پ۱۶ میں گزر چکے۔ و۱۵ (کہ دنیا میں غرقابی نصیب ہوئی، اور آخرت میں عذاب شدید) جَآءَتْهُمْ ...... مُبِیْنٌ۔ یعنی وہ معجزات وخوارق تو ایسے صریح تھے کہ ان کے وقوع سے انکار ممکن ہی نہ تھا۔ ان کے نفس مشاہدہ کے بعد اب ان منکروں نے توجیہ وتاویل شروع کی، کہ ان کو حقانیت وللّٰہیت سے کیا واسطہ، یہ تو عین سحر کی کارفرمائیاں ہیں۔ وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ۔ یعنی وہ شواہد نبوت اندر ہی اندر تو اپنا کام کرتے گئے، اور ان لوگوں کے دلوں میں اتر گئے، پھر بھی یہ لوگ محض اپنی ضد، اکڑ اور نفسانیت سے انکار پر قائم رہے۔ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا۔ دونوں کے درمیان فرق یہ کیا گیا ہے کہ ظلم ان آیات وشواہد کو ان کے مرتبہ سے گھٹانا تھا اور علو اپنے کو اپنے درجہ سے بڑھانا تھا۔ و۱۶ یعنی علم نبوت وملک داری۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ نیز اسی تفسیر کے حاشیے سورۃ الانبیاء پ۱۷ میں۔ و۱۷ (اور ہم اس پر ادائے شکر اور تحدیث نعمت کرتے ہیں) فَضَّلَنَا اظہار افضلیت مطلق صورت میں مذموم وممنوع نہیں، ممنوع صرف راہ کبر وتفاخر سے ہے۔ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ افضلیت کل مومنین پر نہیں، صرف اکثر مومنین پر ہے، دعویٰ بس یہیں تک محدود ہے۔ دوسرے انبیاء آخر ان سے افضل بھی تو ہوئے ہیں۔ ضمناً اس میں رد آگیا توریت کا، جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو نعوذ باللہ ایک بد دین انسان کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غلبہ فنا کے آثار کا دائم ومستمر رہنا کاملین کے لیے بھی لازم نہیں۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات اگرچہ فنا کے اعلیٰ مقام پر تھے تاہم اپنے کمالات کی طرف بھی التفات رہا۔ و۱۸ (ملک وسلطنت میں) وَرِثَ سے مراد میراث اصطلاحی نہیں، بلکہ معنیٰ مطلق کسی متقدم کے کمالات کے مالک ہو جانے کے ہیں۔ و۱۹ (حکومت وسلطنت سے متعلق) مِنْ كُلِّ شَیْءٍ۔ مراد کثرت وافراط ہے، اور یہ عام محاورۂ زبان ہے۔ اے كثرة ما اوتی كما تقول فلان يقصده كل احد تريد كثرة قصاده (کشاف) المراد به كثرة ما اوتی (مدارک) اردو محاورہ میں بھی ایسے موقع پر بولتے ہیں ”اس کو اللہ نے سب ہی کچھ دے رکھا ہے“۔ اُوْتِیْنَا۔ عُلِّمْنَا۔ جمع کے صیغے اظہار عظمت کے لیے ہیں۔ جیسا کہ شاہی محاورہ ہے۔ اَیُّهَا النَّاسُ۔ اس طریق خطاب سے اشارۃً یہ نکل رہا ہے کہ آپ کو اس انعام الٰہی کی اشاعت خاص ہی منظور تھی۔ فالمقصود منه تشهير نعمة الله تعالىٰ والتنويه بها ودعاء الناس الى التصديق بذكر المعجزة (کبیر) اس جاہ وحشم کا بیان توریت میں ان الفاظ میں ہے:۔ ”اور سلیمان بادشاہ کے پینے کے سب باسن سونے کے تھے...... سو سلیمان بادشاہ، دولت اور حکمت کی نسبت زمین کے سب بادشاہوں سے سبقت لے گیا۔ اور سارے جہان نے سلیمان کی طرف توجہ کی تاکہ اس کی حکمت کو جو خدا نے اس کے دل میں ڈالی تھی سنے۔ اور ان میں سے ہر ایک آدمی اپنا ہدیہ روپے کے باسن اور سونے کے برتن اور پوشاکیں اور سلاح اور خوشبوئیاں اور گھوڑے اور خچر جتنے ہر ایک سال کے لیے ٹھہرائے ہوئے تھے۔ اس کے آگے گزرانتے تھے۔ اور سلیمان نے گاڑیاں اور سوار بہت سے جمع کیے۔ اس کی ایک ہزار چار سو گاڑیاں تھیں اور بارہ ہزار سوار“ (۱۔ سلاطین۔ ۱۰۔ ۲۱۔ ۲۶) نیز ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔

و۲۰ (ان کی کثرت تعداد کی بناپر) مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّیْرِ۔ انسانوں کی سپاہ تو خیر ہوتی ہی ہے، جنات وطیور بھی جو عموماً وعادۃً کسی سلطان وملک کے تابع نہیں ہوتے، لشکر سلیمانی میں داخل تھے۔ و۲۱ چیونٹیوں کا میدان اس لیے کہا گیا کہ وہاں جھنڈ کے جھنڈ چیونٹیاں جمع تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت سلیمان کا لشکر خشکی میں کسی سرزمین سے گزر رہا تھا کہ راہ میں ایسا قطعہ پڑا جہاں چیونٹیاں بکثرت آباد تھیں۔ اور وہیں یہ ماجرا پیش آیا۔

نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ

نے کہا کہ اے چیونٹیو اپنے سوراخوں میں جا گھسو کہیں سلیمان اور ان کا لشکر

سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑱ فَتَبَسَّمَ

تمہیں روند نہ ڈالیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو و۲۲ (سلیمان) اس بات پر

ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ

مسکرا کر ہنس پڑے و۲۳ اور کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھے اس پر مداومت دے کہ

نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ

میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کیا کروں، جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا کی ہیں، اور اس پر بھی کہ میں نیک کام

صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ

کیا کروں جس سے تو راضی ہو و۲۴ اور مجھے اپنی رحمت سے داخل رکھ اپنے نیک

الصّٰلِحِيْنَ ⑲ وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَاۤ اَرَى

بندوں میں و۲۵ اور انہوں نے پرندوں کی حاضری لی تو بولے کہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد

الْهُدْهُدَ ۖؗ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ⑳ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا

کو نہیں دیکھتا کیا وہ غیر حاضر ہے؟ و۲۶ میں اسے سخت سزا دے کر

شَدِيْدًا اَوْ لَاۡاَذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ㉑

رہوں گا یا اسے ذبح کر ڈالوں گا یا پھر وہ صاف عذر میرے سامنے پیش کرے و۲۷

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ

سو تھوڑی دیر میں وہ آ گیا اور کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں و۲۸

وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ㉒ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً

اور میں آپ کے پاس (ملک) سبا کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں و۲۹ میں نے ایک عورت کو دیکھا وہ ان پر

و۲۲ چیونٹی نہایت ذہین جانور ہوتی ہے۔ جیسا کہ ماہرفن کا بیان ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ نیز پارۂ ہذا کے صفحہ ۷۸۵ پر ضمیمہ — حیوانات سے عقل کی بالکلیہ نفی کرنا قول بلا دلیل ہے اور چیونٹی کے متعلق تو یہ خیال خلاف دلیل بھی ہے۔ چیونٹی کے باب میں تو ماہرین فن کا بیان ہے کہ "تنظیم و تقسیم کار کے لحاظ سے ہو یا ذہانت و ذکاوت کی بنا پر چیونٹی کی زندگی ہر طرح مربوط و مکمل ہوتی ہے" منطق الطیر کا علم تو حضرت سلیمان کو حسب تصریح قرآنی تھا ہی، اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پرندوں کے علاوہ بھی حیوانات کی بولیوں کا علم آپ رکھتے تھے۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ سلیمان نبی معصوم تھے۔ ارادی ظلم آپ سے ممکن ہی نہ تھا۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ اسی دفع دخل کے لیے ہے۔ یعنی یہ زیادتی بے خبری اور لاعلمی کی حالت میں ان کے لشکریوں سے نہ سرزد ہو جائے۔ ضمناً یہ بھی آیت سے نکل آیا کہ علم غیب ہرگز کوئی جزو نبوت نہیں (چہ جائیکہ جزو ولایت!) اس قصہ کے حوالے اسرائیلی مذہبی نوشتوں میں بھی آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ و۲۳ (کہ اللہ رے احتیاط و دور اندیشی!) ضَاحِكًا۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ اس سے ثبوت ضحک کا انبیاء علیہم السلام سے ملتا ہے، اور حدیث نبوی میں جو اس کی نفی آئی ہے مراد اس سے نفی عادت ضحک کی ہے نہ کہ نفی بالکلیہ۔ تَبَسَّمَ ضَاحِكًا۔ ترکیب سے بعض اہل تفسیر نے بات یہ پیدا کی ہے کہ تبسم تو آپ نے اپنی عادت و معمول کے مطابق کیا، پھر وہ تبسم اضطراراً ضحک کے درجہ تک پہنچ گیا۔ و۲۴ یعنی عمل مقبول عنایت ہو۔ نِعْمَتَكَ...... وَالِدَيَّ۔ نعمتوں سے مراد نعمت ایمان و نعمت علم ہیں۔ اور جہاں تک حضرت سلیمان علیہ السلام و حضرت داؤد علیہ السلام کا تعلق ہے نعمت نبوت بھی۔ جانوروں کی گفتگو سمجھ لینا ایک معجزہ اور نعمت عظیم ہے۔ حضرات انبیاء اپنے ان کمالات پر اتراتے نہیں جاتے بلکہ انہیں ایک نعمت سے دوسری نعمتوں کا استحضار ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا۔ قرآن مجید کی یہ ساری صراحتیں توریت موجودہ کے ان بیانات کی تردید کر رہی ہیں، جن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایمان اور اخلاق کو مجروح کیا گیا ہے۔ و۲۵ (اور کبھی بھی اس نعمت قرب کو بعد سے تبدیل نہ کر) رَحْمَتِكَ۔ رحمت سے مراد رحمت خاصہ ہے اور الصّٰلِحِيْنَ سے مراد اعلیٰ درجہ کے نیک بندے یعنی انبیاء ہیں۔ و۲۶ ہدہد ایک معروف پرند ہے، سر پر کلغی لئے ہوئے، جو ہندوستان کے ان اطراف میں موسم برسات میں اکثر دکھائی دیتا ہے۔ ملک فلسطین میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ جاڑوں میں مصر اور مضافات مصر کو چلا جاتا ہے اور مارچ کے مہینہ سے پھر فلسطین میں آ جاتا ہے۔ اڑان کی بڑی زبردست قوت رکھتا ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ و۲۷ یعنی وہ اپنی غیر حاضری کا کوئی معقول عذر میرے سامنے پیش کر دے تو البتہ سزا سے بچ سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سپرد بھی کچھ خدمات تھیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حاضری محض انضباط و انتظام کے لئے لی گئی ہو۔ اور فوج سے غیر حاضری خود ایک جرم ہے۔ لَاُعَذِّبَنَّهٗ...... مُّبِيْنٍ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام یہاں صرف اپنا ارادہ مشروط ظاہر کر رہے ہیں کہ اگر ملزم کوئی عذر ہی نہ پیش کر سکا، یا پیش بھی کیا تو بہت ضعیف تو وہ قابل تعزیر ہوگا۔ کوئی حکم شرعی نافذ نہیں کر رہے ہیں۔ اس لئے یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ فقہ اسلامی میں تو غائب پر قضا جائز نہیں، پھر یہ نبی کیسے غائب پر قضا جاری کر رہے ہیں۔ لَاُعَذِّبَنَّهٗ سے مفسر تھانوی علیہ الرحمہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ حیوانات کو تعلیم کے لئے تادیب جائز ہے، اور دفع اذی کے لئے قتل بھی جائز ہے، لیکن وہیں جہاں تادیب و دفع اذی مرتب ہو ورنہ نہیں۔ چنانچہ ہدہد ہی ہے کہ اب نہ وہ قابل تادیب ہے اور نہ اس سے کوئی ایذا پہنچتی ہے۔ و۲۸ یہ بات ایک نبی سے ایک امتی ہی نہیں، حیوان کہہ رہا ہے، اور قرآن مجید اس دعوے کو بلا شائبہ تردید دہرا رہا ہے۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ ہدہد کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ میری غیر حاضری کسی نافرمانی کی بناء پر نہیں، بلکہ کار سرکاری سے تھی۔ و۲۹ ملک سبا، عرب کے مغربی جنوبی علاقہ کو کہتے ہیں۔ تقریباً وہی ملک جہاں آج یمن، حضرموت، عسیر واقع ہیں۔ اپنے زمانہ میں بڑا زرخیز و متمول ملک رہ چکا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

ف۳۰ اس ملکہ کا نام بلقیس تھا۔ اس کی دولت و امارت، ساز و سامان کے لئے انگریزی تفسیر القرآن ملاحظہ ہو۔ عَظِیۡمٌ۔ عظیم جو تخت کی صفت آئی ہے اس سے مراد گرانقدر اور بیش بہا بھی ہو سکتا ہے اور

تَمۡلِكُهُمۡ وَأُوتِيَتۡ مِن كُلِّ شَيۡءٖ وَلَهَا عَرۡشٌ عَظِيمٞ ﴿٢٣﴾

حکومت کر رہی ہے اور اسے ہر سامان میسر ہے اور اس کے پاس ایک بڑا تخت ہے ف۳۰

وَجَدتُّهَا وَقَوۡمَهَا يَسۡجُدُونَ لِلشَّمۡسِ مِن دُونِ ٱللَّهِ

میں نے اسے اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر آفتاب کی پوجا کرتے ہیں ف۳۱

وَزَيَّنَ لَهُمُ ٱلشَّيۡطَٰنُ أَعۡمَٰلَهُمۡ فَصَدَّهُمۡ عَنِ ٱلسَّبِيلِ

اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نظر میں خوش نما کر رکھے ہیں سو انہیں راستہ سے ہٹا دیا ہے

فَهُمۡ لَا يَهۡتَدُونَ ﴿٢٤﴾ أَلَّا يَسۡجُدُواْ لِلَّهِ ٱلَّذِي يُخۡرِجُ

چنانچہ وہ (راہ) ہدایت پر نہیں چلتے ف۳۲ یعنی اللہ کی عبادت نہیں کرتے جو باہر لاتا ہے

ٱلۡخَبۡءَ فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ وَيَعۡلَمُ مَا تُخۡفُونَ وَمَا

آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو

تُعۡلِنُونَ ﴿٢٥﴾ ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ ٱلۡعَرۡشِ ٱلۡعَظِيمِ ۩ ﴿٢٦﴾

سب کو جانتا ہے ف۳۳ اللہ (وہ ہے کہ) سوا اس کے کوئی معبود نہیں، مالک ہے عرش عظیم کا ف۳۴

قَالَ سَنَنظُرُ أَصَدَقۡتَ أَمۡ كُنتَ مِنَ ٱلۡكَٰذِبِينَ ﴿٢٧﴾

(سلیمان نے) کہا ہم ابھی دیکھے لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔

ٱذۡهَب بِّكِتَٰبِي هَٰذَا فَأَلۡقِهۡ إِلَيۡهِمۡ ثُمَّ تَوَلَّ عَنۡهُمۡ

(اچھا تو) یہ میرا خط لے جانا اور اسے اس کے پاس ڈال دینا پھر ان کے پاس سے (ذرا) ہٹ جانا

فَٱنظُرۡ مَاذَا يَرۡجِعُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَتۡ يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡمَلَؤُاْ إِنِّيٓ

پھر دیکھنا آپس میں کیا سوال جواب کرتے ہیں ف۳۵ (بلقیس) نے کہا اے اہل دربار میرے پاس ایک

أُلۡقِيَ إِلَيَّ كِتَٰبٞ كَرِيمٌ ﴿٢٩﴾ إِنَّهُۥ مِن سُلَيۡمَٰنَ وَإِنَّهُۥ

معزز خط ڈالا گیا ہے ف۳۶ وہ سلیمان کی طرف سے ہے، اور وہ یہ ہے

السجدة ۸

جسامت کے اعتبار سے بے حد بڑا بھی۔ اِمۡرَاَةً تَمۡلِکُهُمۡ۔ بجائے بادشاہ کے ملکہ کی فرمانروائی دنیا میں کوئی نو پیدا شے نہیں۔ جاہلی قوموں میں بہت قدیم زمانہ سے یہ ہوتا آیا ہے۔ اُوۡتِیَتۡ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ۔ کُلِّ شَیۡءٍ سے یہاں بھی مراد انہیں چیزوں کی کثرت و افراط ہے، جو ملکہ کو اپنے جاہ و حشم کے لئے ضروری تھیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۹ اِمۡرَاَةً تَمۡلِکُهُمۡ۔ عورتوں کے ہاتھ میں عہدہ اور منصب دے دینا یہاں تک کہ انہیں پورے ملک کی ملکہ یا فرمانروا بنا دینا، یورپ کی ایجاد نہیں۔ مشرک قوموں کے ہاں یہ دستور ہر زمانہ میں رہا ہے اور مصر، کلدانیہ، ایران کی جاہلی حکومتوں کے ہاں عورت کو اتنی آزادی ہمیشہ حاصل رہی ہے۔ یہ تو اسلام تھا جس نے آ کر بریک لگایا، اور اس دستور کو ناجائز قرار دیا۔ صحیح بخاری کی صاف حدیث آئی ہے لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ (بخاری۔ کتاب الفتن) وہ قوم فلاح یاب نہ ہو گی جو اپنی حکومت عورت کے سپرد کئے ہوئے ہے۔ ف۳۱ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس ملک میں سو سے اوپر دیوتا پجتے تھے۔ معبود اعظم سورج دیوتا تھا۔ جو دنیا کی بہت سی قوموں کا معبود اعظم رہ چکا ہے۔ ف۳۲ (اور راہِ ہدایت پانے کی کوشش درجۂ ضروری میں بھی نہیں کرتے) زَیَّنَ...... اَعۡمَالَهُمۡ۔ جیسا کہ ہر جاہلی اور خدا فراموش و آخرت فراموش قوم اپنی دنیوی، مادی ترقیوں میں مست اور مگن رہا کرتی ہے، یہ "متمدن قوم" بھی تھی۔ فقہاء و صوفیہ نے چونکہ یہ سارا قول ہدہد پرندہ ہی کا قرار دیا ہے۔ اس لئے اس سے نتیجہ بھی یہ نکالا ہے کہ بقدر ضرورت علم و معرفت حیوانات میں بھی موجود ہوتا ہے۔ ف۳۳ (اے انسانو!) اَلَّذِیۡ یُخۡرِجُ...... وَالۡاَرۡضِ۔ یَعۡلَمُ...... تُعۡلِنُوۡنَ۔ یعنی اس کی قدرت بھی کامل اور اس کا علم بھی ہمہ گیر...... جاہلی مشرک قوموں کو مغالطہ عموماً انہیں دو صفات باری کے باب میں پیش آتا رہا ہے۔ اس لئے یہاں کھل کر دونوں کا اثبات کیا گیا۔ یُخۡرِجُ الۡخَبۡءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔ پوشیدہ چیزوں کو آسمان، زمین سے نکالتا رہتا ہے، مثلاً پانی کو آسمان سے اور نباتات کو زمین سے۔ اَلَّا یَسۡجُدُوۡا۔ اس ترکیب سے مفہوم وجوب سجدہ کا لیا گیا ہے قال اھل التحقیق قولہ الا یسجدوا یجب ان یکون بمعنی الامر (کبیر) ف۳۴ (جس کے آگے تخت ملکۂ سبا کی حقیقت ہی کیا ہے) امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ملکۂ سبا کے تخت کو جو عظیم کہا گیا تھا وہ باعتبار معاصر ملوک و سلاطین کے تھا۔ اور یہاں جو عرش الٰہی کو عظیم کہا جا رہا ہے، یہ جملہ مخلوقات کے مقابلہ میں ہے۔ ف۳۵ حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں اچھا ابھی امتحان ہوا جاتا ہے، یہ خط لے کر جا، بس حقیقتِ حال معلوم ہوئی جاتی ہے کہ تیرا بیان صحیح ہے یا غلط...... پرندوں کے ذریعہ سے خطوط رسانی کا طریقہ دنیائے قدیم میں عام رہا ہے۔ اور کبوتروں سے تو یہ خدمت یورپ میں آج تک لی جا رہی ہے۔ ثُمَّ تَوَلَّ عَنۡهُمۡ۔ ہٹ جانے کا حکم جو ہدہد کو دیا گیا، اس میں تعلیم ہے تہذیب و ادب مجلسِ ملوک کی (تھانوی) لیکن یہ مقصود بھی ہو سکتا ہے کہ غیر ملک کے سفیر کے بالکل سامنے وہ لوگ آزادی سے بات چیت نہ کر سکیں گے۔ ف۳۶ کَرِیۡمٌ۔ مکتوب کو معزز یا تو اس کے مضمون کی عظمت کے لحاظ سے کہا گیا ہے، اور یا اس لحاظ سے کہ اس کا بھیجنے والا معزز تھا۔ بکرم مضمونہ او مرسلہ (بیضاوی) حسن مضمونہ وما فیہ او لانہ من عند ملک کریم (مدارک)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝٣٠ اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَىَّ وَاۡتُوۡنِىۡ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تم لوگ میرے مقابلہ میں بڑائی مت کرو اور میرے پاس

مُسۡلِمِيۡنَ ۝٣١ قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اَفۡتُوۡنِىۡ فِىۡۤ اَمۡرِىۡ ۚ مَا

مطیع ہو کر چلے آؤ ف۳۷ (پھر) بولی اے اہل دربار مجھ کو میرے معاملہ میں رائے دو میں کبھی کسی معاملہ کا

كُنۡتُ قَاطِعَةً اَمۡرًا حَتّٰى تَشۡهَدُوۡنِ ۝٣٢ قَالُوۡا نَحۡنُ اُولُوۡا

فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم (میرے پاس) موجود نہ ہو ف۳۸ وہ لوگ بولے ہم بڑے طاقتور

قُوَّةٍ وَّاُولُوۡا بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ ۙ وَّالۡاَمۡرُ اِلَيۡكِ فَانْظُرِىۡ مَاذَا

اور بڑے لڑنے والے ہیں لیکن اختیار آپ ہی کو ہے آپ ہی دیکھ لیجیے آپ کو

تَاۡمُرِيۡنَ ۝٣٣ قَالَتۡ اِنَّ الۡمُلُوۡكَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡيَةً

کیا حکم دینا ہے ف۳۹ وہ بولی کہ بادشاہ جب کسی بستی میں (فاتحانہ) داخل ہوتے ہیں

اَفۡسَدُوۡهَا وَجَعَلُوۡۤا اَعِزَّةَ اَهۡلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ

تو اسے تہ وبالا کردیتے ہیں اور وہاں والوں میں جو عزت دار ہوتے ہیں انہیں وہ ذلیل کردیتے ہیں اور اسی طرح

يَفۡعَلُوۡنَ ۝٣٤ وَاِنِّىۡ مُرۡسِلَةٌ اِلَيۡهِمۡ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ

(یہ لوگ) کریں گے ف۴۰ اور میں ان لوگوں کے پاس ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی

بِمَ يَرۡجِعُ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ۝٣٥ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيۡمٰنَ قَالَ

کہ ایلچی کیا (جواب) لے کر آتے ہیں ف۴۱ سو جب وہ (ایلچی) سلیمان کے پاس پہنچا تو آپ نے کہا

اَتُمِدُّوۡنَنِ بِمَالٍ فَمَاۤ اٰتٰٮنِۦَ اللّٰهُ خَيۡرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰٮكُمۡ ۚ بَلۡ اَنۡتُمۡ

کیا تم لوگ میری مدد مال سے کرنا چاہتے ہو؟ سو اللہ نے مجھ کو جو کچھ دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس

بِهَدِيَّتِكُمۡ تَفۡرَحُوۡنَ ۝٣٦ اِرۡجِعۡ اِلَيۡهِمۡ فَلَنَاۡتِيَنَّهُمۡ

نے تم کو دیا ہے البتہ تم ہی اپنے ہدیہ پر اتراتے ہوگے! تو لوٹ جا ان لوگوں کے پاس ہم ان پر ایسی فوجیں

ف۳۷ خط کے مخاطب ملکہ کے علاوہ اعیانِ سلطنت بھی ہیں۔ اور تبعاً جملہ اہلِ سبا۔ اسی لئے صیغہ جمع مخاطب کا ہے۔ اْتُوۡنِىۡ مُسۡلِمِيۡنَ سے مراد جسمانی حاضری نہیں۔ محض دعوت اسلام واطاعت مقصود ہے المراد من المسلم اما المنقاد او المؤمن (کبیر) ای مومنین او منقادین (بیضاوی) یہ ضرور نہیں کہ خط کی عبارت بجنسہٖ یہی ہو۔ قرینہ روایت بالمعنیٰ کا ہے۔ یہود کے مقدس نوشتہ تالمود میں جو عبارت مکتوب دی ہوئی ہے، اس کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مضمون مکتوب کے اس ایجاز سے امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ کلام انبیاء میں طوالت نہیں ہوتی۔ بلکہ نفس مطلب پر اکتفا ہوتا ہے۔ الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام لا یطیلون بل یقتصرون علی المقصود و ھذا الکتاب مشتمل علی تمام المقصود (کبیر)

ف۳۸ (اور اس معاملہ میں شریک نہ ہو لو) آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ سبا کا آئینِ حکومت جمہوری یا شورائی طرز کا تھا۔ ف۳۹ یعنی ہم تو صلح و جنگ ہر صورت میں آپ کی اطاعت کے لیے تیار ہی ہیں، جو راہ چاہے اختیار کیجئے۔ باقی جنگی اعتبار سے آپ کمزور نہیں۔ ف۴۰ (اس لیے سردست جنگ تو مناسب نہیں) ملکہ، ہر جنگ عظیم کے نتائج، کشت وخون، تباہی و بربادی سے خوب واقف ہے، اس لیے جنگ سے بچنا چاہتی ہے۔ صاحب خلاصۃ التفاسیر (متوفی غالباً ۱۹۰۵ء) اپنے استاد عالی مقام، فخر المتاخرین مولنا عبدالحی فرنگی محلی علیہ رحمۃ اللہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں، کہ انہوں نے اس آیت کے سبق میں فرمایا کہ "مناسب نہیں کہ آدمی انقلاب کا خواہاں رہے، بلکہ یوں دعا کرے کہ اے اللہ بادشاہِ وقت کو ایسی ایسی توفیق دے، یہ ہدایت کر، اور یہ نہ کہے کہ یہ بادشاہ معزول اور فلاں فرمانروا ہو۔ اس لیے کہ اس میں ہزارہا بے جرم وخطا ارباب شرف وذکا پس جاتے ہیں"۔ ف۴۱ ملکہ نے کہا کہ سردست تو میں اپنی طرف سے صلح ودوستی کی طرح ڈالتی ہوں، تحفہ تحائف دے کر کسی کو بھیجتی ہوں اس کا جواب آنے پر مکرر غور ہوگا۔ روایاتِ یہود میں ہے کہ ملکہ بلقیس نے یہ سفارت بحری راستہ سے روانہ کی۔ جس کے ساتھ علاوہ زر و جواہر کے چھ ہزار لڑکے اور لڑکیاں، ہم عمر، ہم قامت، ہم لباس بھی بطور غلاموں اور کنیزوں کے تھیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ

بھیجتے ہیں کہ ان لوگوں سے ان کا (ذرا بھی) مقابلہ نہ ہو سکے گا اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کرکے نکال دیں گے اور وہ

صٰغِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا

ماتحت ہو جائیں گے و۴۲ (سلیمان نے) کہا اے دربار یو تم میں کون ایسا ہے جو اس (بلقیس) کا تخت میرے پاس لے

قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣٨﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ

آئے قبل اس کے کہ وہ لوگ مطیع ہو کر حاضر ہوں و۴۳ ایک شریر جن بولا

الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ

میں اسے آپ کی خدمت میں لے آؤں گا قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں اور میں

عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿٣٩﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ

اس (کے لانے) پر قدرت رکھتا ہوں امانت دار ہوں و۴۴ (اور) اس نے کہا جسے علم کتاب

الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا

حاصل تھا و۴۵ کہ میں اسے تیرے پاس لے آؤں گا قبل اس کے کہ تیری پلک جھپکے پھر جب (سلیمان نے)

رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ

اسے اپنے پاس رکھا دیکھا تو بولے یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے

لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ

تاکہ میری آزمائش کرے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے نفع ہی کے لئے

لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿٤٠﴾ قَالَ

شکر کرتا ہے اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار غنی ہے کریم ہے و۴۶ (پھر سلیمان نے) کہا

نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ

اس کے لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو ہم دیکھیں کہ اسے اس کا پتہ لگ

و۴۲ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے دعوت تو اطاعت و اسلام کی دی تھی، یہ بلا اطاعت وقبولِ دعوت محض اظہار دوستی کیسا؟ یہ تو ایک صورت رشوت کی ہوئی۔ مال وقوت دونوں کے لحاظ سے تو میری سلطنت اللہ کے فضل وکرم سے بلقیس کے ملک سے کہیں بڑھی ہوئی ہے، میں ان ہدایا وتحائف کو واپس کرتا ہوں اور عنقریب فوج کشی کرکے ان بے دینوں کو کچل ڈالوں گا۔ فقہاء نے کہا ہے کہ کافروں کے ہدیہ کو رد کر دینا، جب اپنی مصلحت اسی میں ہو مستحب ہے۔ لَا قِبَلَ لَهُمْ۔ قبل کے معنی طاقت، طاقت مقابلہ کے ہیں۔ اے لا يقدرون ان يقابلوهم (کبیر) اے لا طاقة و حقيقة القبل المقاومة و المقابلة (کبیر) اے لا طاقة لهم على استقبالها و دفاعها (راغب) يقال لا قبل لی هكذا اے لا يمكننی ان اقابله (راغب) اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ ذلت، یہ کہ جو کچھ شوکت وحکومت ہے وہ سب یہیں چھن چھنا جائے گی اور صغار، یہ کہ غلامی واسیری میں بسر کرنا ہوگی۔ و۴۳ وہ قاصد اب واپس پہنچتا ہے، اور حالات دربار سلیمان بیان کرتا ہے۔ بلقیس یہ سن کر حاضری کا قصد کرتی ہے۔ اس کی اطلاع حضرت سلیمان کو وحیِ الٰہی یا کسی اور ذریعہ سے آجاتی ہے۔ اس وقت وہ یہ گفتگو اپنے اہل دربار سے کرتے ہیں۔ عجب نہیں کہ اس خارقِ عادت کے ذریعہ سے مقصود حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنے کمالات باطنی کے ساتھ اپنی قوتِ اعجازی کا اظہار ہو۔ اس کے اعجازی پہلو کو سمجھنے کے لیے ملک یمن اور فلسطین کا درمیانی فاصلہ نظر میں رہے۔ بحری راستہ سے پہنچنے میں اس وقت مہینوں کا ذکر نہیں، دو دو تین تین سال لگ جاتے تھے! و۴۴ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ۔ قوی اس لیے کہ وہ تخت لاکھ وزنی سہی، لیکن اس پر بھی میں اسے لے آؤں گا۔ امین یوں کہ وہ ہزار قیمتی سہی، مرصع سہی، میں کسی طرح کی خیانت نہ کروں گا۔ عِفْرِيْتٌ۔ کے معنی شریر وسرکش قسم کے جن کے ہیں۔ هو العارم والخبيث (راغب) مَقَامِكَ یعنی اپنے اجلاس سے۔ لفظی معنی مکانِ قیام کے ہیں، اور مقامِ جلوس کے بھی۔ المقام مقام القيام و زمانه (راغب) قال الاخفش ان المقام المقعد (راغب) حضرت سلیمان روزانہ صبح سے دوپہر تک عدالت کیا کرتے تھے۔ و۴۵ قَالَ ...... الْكِتٰبِ۔ یہ کہنے والا کون تھا؟ اس باب میں اقوال مختلف ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ یہ کہنے والے جبرئیل یا اور کوئی فرشتہ تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ وزیر سلطنت حضرت آصف تھے اور یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جانب منسوب ہے اور جمہور نے بھی یہی اختیار کیا ہے۔ قاله الجمهور (بحر) و هو الاصح و عليه الجمهور (مدارک) قال اكثر المفسرين هو اصف بن برخيا (معالم) و هو المشهور من قول ابن عباسؓ (کبیر) تیسرا قول ہے کہ وہ خود حضرت سلیمان ہی تھے (کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے قرائن قوی قائم کرکے ترجیح اسی آخری قول کو دی ہے لیکن مفسر ابن حیان نے اس قول کی تضعیف کی ہے۔ و من اغرب الاقوال انه سليمان عليه السلام (بحر) الْكِتٰبِ سے مراد توریت بھی ہو سکتی ہے، اور کوئی دوسری کتاب بھی جس میں اسماء الٰہی کی تاثیرات درج ہوں ــــ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنس کتب الٰہی مراد ہے یا خود لوح محفوظ۔ المراد بالكتب جنس الكتب المنزلة او اللوح (بیضاوی) و۴۶ (اسے نہ کسی کی شکر گزاری سے نفع، نہ کسی کی ناشکری سے نقصان، جود وکرم تو بہر صورت اس کا شیوہ ہے) ملکہ کا تخت خواہ حضرت کی دعا سے، خواہ کسی اور خارق عادت طریق پر، سینکڑوں میل سے فی الفور اٹھ آیا ہے۔ اس موقع پر آپ کی فطرت پیغمبرانہ جوش شکر گزاری سے لبریز ہو کر یہ الفاظ زبان پر لاتی ہے۔

الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا

جاتا ہے یا وہ انہیں لوگوں میں ہے جنہیں پتہ نہیں لگتا ف۴۷ غرض جب وہ آئی تو اس سے کہا گیا کہ کیا تمہارا تخت

عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا

ایسا ہی ہے؟ وہ بولی کہ ہاں یہ تو گویا وہی ہے ف۴۸ اور ہم کو علم (ایمانی) اس کے پیشتر ہی (حاصل) ہو چکا ہے

وَ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ

اور ہم مطیع ہو چکے ہیں ف۴۹ اور اس کو غیر اللہ کی عبادت نے

دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾ قِيْلَ لَهَا

روک رکھا تھا اور وہ کافر قوم کی تھی ف۵۰ اس سے کہا گیا

ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ

کہ محل میں داخل ہو تو جب اس نے اس کو دیکھا اسے پانی خیال کیا ف۵۱ اور اپنی دونوں پنڈلیاں

عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ

کھول دیں ف۵۲ (سلیمان نے) کہا یہ تو ایک محل ہے شیشوں سے بنایا ہوا ف۵۳

قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ

وہ بولی اے میرے پروردگار میں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا اور (اب) میں سلیمان کے ساتھ (ہوکر)

سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ

اللہ پروردگار عالم پر ایمان لے آئی ف۵۴ اور ہم نے قوم ثمود کے پاس

اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ

ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو ف۵۵ سو ان میں دو فریق ہو گئے

يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ

باہم جھگڑنے والے ف۵۶ (صالح نے) کہا اے میری قوم والو تم لوگ نیکی کے بجائے عذاب کو کیوں جلدی

ع ۳ / ۱۴ / ۱۸

ف۴۷ (تاکہ اس سے خود ملکہ کے عاقل وذہین ہونے نہ ہونے کا فیصلہ ہوجائے) ف۴۸ ملکہ نے جواب بڑی فہم ودانش سے دیا۔ نہ سرے سے انکار ہی کردیا، اور کہہ دیا کہ نہیں وہ نہیں ہے۔ اور نہ جھٹ اقرار کرلیا کہ ہاں یہ تو وہی ہے۔ بلکہ جواب بین بین دیا۔ کہ ہاں یہ ہے تو اسی کی مثل، اسی جیسا۔ گویا اس کے اصل مادہ اور موجودہ بدلی ہوئی ہیئت، دونوں کی رعایتیں ملحوظ رکھ لیں۔ توریت میں بھی دربار سلیمانی میں ملکہ بلقیس کی حاضری کا ذکر ہے (ا۔ سلاطین ۱۰: ۱۔ ۱۳) مگر قرآن مجید سے ایک بالکل مختلف صورت میں۔ ف۴۹ ملکہ کہتی ہے کہ ہم لوگ اس معجزہ کے صدور سے پہلے ہی ایمان لا چکے ہیں، اور دل سے آپ کے فرمانبردار ہو چکے ہیں۔ اَلْعِلْمَ۔ علم یہاں علم توحید و نبوت کے معنی میں ہے۔ العلم باللہ و بصحة نبوة سلیمان قبل ھذہ المعجزة (کبیر) ف۵۰ قرآن کہتا ہے کہ ایسی عاقل وصاحب فہم خاتون جو چند روز تک ایمان نہیں لائی، سوا ئے بت پرستی، خدا پرستی سے روکے رہی تھی، غیر اللہ کی عبادت کی عادت روکے رہی تھی، اور عادت اس لیے پڑی تھی کہ آنکھ کھول کر اس نے اردگرد کفر ہی کفر دیکھا تھا۔ ف۵۱ ''اس کو دیکھا''، یعنی محل کے صحن کو دیکھا۔ عبارت میں مضاف مقدر ہے۔ یہ صحن شفاف شیشہ سے بنا ہوا تھا، دیکھنے میں پانی کی طرح جھلجھلا رہا تھا۔ ف۵۲ (جیسا کہ عموماً دامن اٹھانے اور پائنچے سمیٹتے وقت ہو جاتا ہے) یہ پائنچہ اٹھانے اور دامن سمیٹنے کا ذکر تالمود اور روایات یہود میں بتصریح مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ بغرض نکاح عورت پر نظر کرنے کی اجازت کی احادیث میں تو صراحت ہے ہی۔ فقہاء نے استنباط قرآن کے اس مقام سے بھی کیا ہے۔ ف۵۳ (اور اس کا صحن تک شفاف شیشوں سے پٹا ہوا ہے۔ دامن اٹھانے کی ضرورت نہیں) قصر سلیمانی کے تجمل وتزئین کا نقشہ، جوزیفس قدیم یہودی مورخ کے حوالہ سے، انگریزی تفسیر میں درج ہو چکا ہے۔ ف۵۴ ملکہ، حضرت سلیمان کی روحانی عظمت ونبوت کی قائل تو پہلے ہی ہو چکی تھی، اب جب یہ مشاہدہ کرلیا کہ دنیوی سلطنت ولباس وحشم میں بھی سلیمان علیہ السلام کا مرتبہ مجھ سے کہیں بڑھا ہوا ہے، اور ایسے کی محافظت دوسرے خطرات سے پناہ دینے میں کافی ہو جائے گی، تو اب کھلم کھلا ایمان لے آئی۔ مَعَ سُلَيْمٰنَ۔ یعنی سلیمان علیہ السلام کے طریق پر۔ اَسْلَمْتُ۔ ''كُنَّا مُسْلِمِيْنَ میں بھی اقرار ایمان کا ہے۔ مگر اس سے مقصود اخبار ہے اور ایمان مطلوب یعنی انشاء وہ اسی صیغہ سے حاصل ہوا ہے'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) بلقیس کے ایمان لانے کا ذکر توریت میں بھی موجود ہے۔ (ا۔ سلاطین۔ ۱۰: ۶۔ ۹) نیز ۲۔ تواریخ۔ ۹: ۸۔ روایاتِ یہود میں ہے کہ اس کے بعد ملکہ، بلقیس حضرت سلیمان کے عقد میں آ گئیں۔ اور روایاتِ اسلامی بھی اس باب میں کچھ ایسی ہی ہیں۔ اگرچہ قرآن مجید وحدیث صحیح اس باب میں خاموش ہیں۔ والاظھر فی کلام الناس اللہ تزوجھا، و لیس لذلک ذکر فی الکتب ولا فی خبر مقطوع بصحتہ (کبیر)

ف۵۵ (شرک وکفر چھوڑ کر) قوم ثمود وحضرت صالح دونوں پر حاشیے سورۃ الاعراف (پ۸) میں گزر چکے۔ ف۵۶ (دین کے باب میں) یعنی بجائے اس کے کہ سب کے سب دعوت توحید پر متفق ہو جاتے، صرف ایک فریق ایمان لایا۔ باقی لوگ ان سے جھگڑنے لگے۔

قَبۡلَ الۡحَسَنَةِ ۚ لَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرُوۡنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ

مانگ رہے ہو؟ ف۵۷ تم لوگ اللہ سے مغفرت ہی کیوں نہیں طلب کرتے جس سے

تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرۡنَا بِكَ وَ بِمَنۡ مَّعَكَ ؕ قَالَ

تمہارے اوپر رحمت ہو وہ بولے ہم تو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو منحوس سمجھ رہے ہیں ف۵۸ (صالح نے) کہا

طٰٓئِرُكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ تُفۡتَنُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَ كَانَ

تمہاری نحوست تو اللہ کے علم میں ہے البتہ تم ہی وہ لوگ ہو کہ عذاب میں پڑو گے ف۵۹ اور

فِى الۡمَدِيۡنَةِ تِسۡعَةُ رَهۡطٍ يُّفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ

شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد کیا کرتے تھے

وَ لَا يُصۡلِحُوۡنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوۡا تَقَاسَمُوۡا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ

اور اصلاح نہ کرتے تھے ف۶۰ وہ بولے آپس میں خدا کی قسم کھاؤ کہ ہم شب کے وقت صالح

وَ اَهۡلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوۡلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدۡنَا مَهۡلِكَ اَهۡلِهٖ

اور ان کے متعلقین کو جا ماریں گے، پھر ان کے وارث سے کہہ دیں گے ف۶۱ کہ ہم ان کے متعلقین کے مارے

وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾ وَ مَكَرُوۡا مَكۡرًا وَّمَكَرۡنَا مَكۡرًا

جانے کے وقت موجود بھی نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں اور ایک چال وہ چلے اور ایک چال ہم چلے

وَّ هُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۰﴾ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اور (ہماری چال کی) انہیں خبر بھی نہ ہوئی۔ ف۶۲ سو دیکھئے ان کی چال کا کیا

مَكۡرِهِمۡ ۙ اَنَّا دَمَّرۡنٰهُمۡ وَ قَوۡمَهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلۡكَ

انجام ہوا ہم نے ان کو اور ان کی قوم سب کو ہلاک کر ڈالا سو یہ ان کے

بُيُوۡتُهُمۡ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوۡا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں ان کے کفر کے باعث بے شک اس (واقعہ) میں بڑا نشان ہے ف۶۳

ف۵۷ اَلۡحَسَنَةِ یعنی توبہ وایمان یا عافیت ورحمت۔ المراد بالحسنة الثواب
(کبیر) العافیة والرحمة (معالم) السَّيِّئَةِ۔ یعنی عذاب۔ المراد بالسیئة
العقاب (کبیر) البلاء والعقوبة (معالم) حسب دستور یہ کافر قوم بھی بجائے
ایمان لانے کے یہی کہنے لگی کہ عذاب ہے کہاں؟ لاکر دکھاؤ عذاب، اگر سچے
پیمبر ہو! قبل یہاں بھی پیشتر کے بجائے "بجائے" کے معنی میں ہے۔ ف۵۸
(کہ جب سے تم نے یہ نیا مذہب کھڑا کیا ہے قوم میں انتشار پیدا ہوگیا ہے)
ف۵۹ (اپنے اسی کفر کی بدولت) طٰٓئِرُكُمۡ۔ نحوست یعنی اسباب نحوست۔ حضرت
نے فرمایا کہ تمہارے اعمال کفریہ اللہ کو خوب معلوم ہیں اور موجودہ مسائل انہی
اعمال کفریہ کا ثمرہ ہیں — سوا بھی کیا ہوا ہے، ابھی تو تمہیں اس کفر کی بدولت
عذاب میں مبتلا ہونا ہے۔ طائر کم اے السبب الذی منه یجیء خیر کم
و شر کم عند اللہ (کبیر) ف۶۰ یعنی وہ سرتاسر مفسد ہی مفسد تھے۔ صالحیت کی
صلاحیت بھی گویا ان میں نہ تھی۔ ف۶۱ (جو خون کا دعویٰ کرے گا) یہ ولی یا قریب
ترین وارث، تو مومن ہی ہوگا، اور یا پھر محض غیرت قرابت سے طالب قصاص ہو
گا۔ المراد به طالب ثارة من ذی قرابته اذا قتل (روح) ف۶۲
لَنَقُوۡلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدۡنَا، اِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ، وَمَكَرُوۡا مَكۡرًا۔ سرکش جاہلی قومیں
جس طرح دولت ایمان وتوحید سے معرّیٰ ہوئی ہیں، عموماً اسی طرح راستی ودیانت
و اخلاق سے بھی کوری رہی ہیں۔ ف۶۳ (اللہ کی قدرت وحکمت اور انبیاء کی
صداقت کا) مدائن صالح کے کھنڈر ملک شام جاتے ہوئے تجارت پیشہ اہل مکہ
کے قافلوں کی راہ میں برابر پڑتے رہتے تھے۔

ضمیمہ پ١٩ بہ سلسلہ حاشیہ نمبر ٢٢

چیونٹی

(روزنامہ رہبر دکن حیدرآباد کے سائنسی کالموں سے)

چیونٹی بظاہر بڑی حقیر اور بڑی غیر اہم معلوم ہوتی ہے لیکن محنت اور ذہانت کے لحاظ سے ایک ایسا نادر نمونہ ہے جس کی مثال ملنی دشوار ہے۔ یہ کبھی نہ نچلی بیٹھتی ہے نہ کبھی بیکار، ہر وقت مصروف، ہر وقت مشغول، اس کی زندگی کے مختلف ادوار اور اس کے رہنے سہنے کے طریقوں کا حال سنایا جائے تو آپ ششدر رہ جائیں۔ تنظیم اور تقسیم کار کے لحاظ سے ہو یا ذہانت اور ذکاوت کی بنا پر چیونٹی کی زندگی ہر طرح مکمل اور مربوط ہوتی ہے! حقیقت افسانہ سے زیادہ تعجب خیز ہوتی ہے۔ چیونٹی کسی طرح اشرف المخلوقات حضرت انسان سے کمتر نہیں ہے۔ یہ جانور پالتی ہے۔ ان کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتی ہے۔ فوج رکھتی ہے۔ دشمن پر حملہ کرتی ہے، اسے کھیتی باڑی کا سلیقہ بھی آتا ہے!!—— کھیتوں میں ناگر چلاتی ہے، بیج بوتی ہے۔ کاشت تیار ہوتی ہے تو اسے دور کرتی اور احتیاط کے ساتھ تہ خانوں میں محفوظ اور منتقل کر دیتی ہے۔ مدارج کے فرق البتہ اس میں بھی پائے جاتے ہیں—— اس قوم میں بھی حیدرآباد کا نظام جاگیرداری موجود ہے۔ ان کے جاگیردار ہمارے جاگیرداروں کی طرح مطلبی، آرام پسند، قومی فرائض سے غافل، خود پسند اور تن آسان ہوتے ہیں۔ ان کو کسی کام سے کوئی غرض نہیں ہوتی، دن بھر کھاتے اور پڑے اینڈا کرتے ہیں!

اب تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنی نوع سے ہٹ کر دوسری نوع کے جانوروں کو پالنا، ان سے فائدہ اٹھانا صرف اشرف المخلوقات کا حصہ ہے لیکن تجربات نے اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچادی ہے کہ چیونٹی جیسی حقیر خلقت بھی اس خصوص میں انسان کی رقیب ہے، چیونٹی کی گائے، بھینس ایک قسم کے کیڑے ہوتے ہیں جن کو (Aphieds) افائیڈس کہا جاتا ہے۔ ان کے شکم میں شہد بھرا رہتا ہے۔ چیونٹیاں اپنے چھوٹے چھوٹے ڈنکوں کی مدد سے ان کیڑوں سے شہد حاصل کر لیتی ہیں۔ بعض مرتبہ چیونٹیاں ان دودھیلے جانوروں کو اپنے چھتوں میں اٹھالاتی ہیں اور ان کے انڈے، بچوں کی بڑی سخت نگہداشت کی جاتی ہے۔

چیونٹی کی ایک قسم وہ بھی ہوتی ہے جو خود دودھ دیتی ہے۔ یہ میکسیکو اور آسٹریلیا کے بعض حصوں میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد اپنے دیگر ہم قوموں کو آرام اور غذا پہنچانا ہوتا ہے۔ ابتداء میں قومی مزدور اور رضا کار ان کو گائے بھینسوں کی طرح اچھی اچھی غذا مہیا کرتے ہیں۔ یعنی خوب چارہ ڈال کر ان کو دودھ حاصل کرنے کی غرض سے پالا اور پرورش کیا جاتا ہے جس طرح کبوتر اپنے بچوں کو غذا بھراتا ہے۔

رضا کار چیونٹیاں ان گائے بھینسوں کو شہد بھرایا کرتی ہیں۔ جوں جوں یہ عمل جاری رہے گائے بھینسوں کا جثہ بڑھتا جاتا ہے...... یہاں تک کہ ان کے لیے چلنا پھرنا حتّٰی کہ سرکنا بھی دو بھر ہو جاتا ہے۔ یوں بھی ان کو چلنے پھرنے کی ضرورت نہیں رہتی اور یہ اپنے لیے بنے ہوئے مخصوص خانوں کی دیواروں سے چمٹ جاتی ہیں۔ یہ خاص کمرہ تقریباً تین انچ لمبا اور ایک انچ چوڑا ہوتا ہے۔ اس کی شکل کروی یعنی گول ہوتی ہے—— یہ کمرے دراصل چوپال کا کام دیتے ہیں جہاں گائے بھینس باندھی جاتی ہیں!! ان کی دیواروں سے شہد بھری چیونٹیاں اس طرح لٹکی رہتی ہیں جیسے انگور کے خوشے لٹک رہے ہوں۔ مزدوروں اور رضا کاروں کو جب بھی بھوک ستائے وہ ان زندہ مرتبانوں کے پاس آکر اپنی غذا لیتے اور پھر کام میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یوں تو عموماً چیونٹیوں کی یہ گائیں چل پھر سکنے سے معذور ہوتی ہیں لیکن اگر ان کے شکم میں بھرا ہوا شہد کم ہو جائے تو ان کو چلتے پھرتے بھی دیکھا گیا ہے۔ آیئے اب چیونٹیوں کے جاگیرداروں اور نوابین کا حال سن لیجئے۔ یہ دراصل مفت خورے ہوتے ہیں اور اپنی زندگی میں ایک آدھ مرتبہ مزدوروں رضا کاروں کے محلوں پر دھاوا بول کر ان کے انڈے اپنے پاس اٹھالاتے ہیں اور جب ان سے بچے نکلتے ہیں تو ان سے ملازمین کا سا کام لیتے ہیں۔ گھر بار کی نگہداشت، صفائی، تعمیر و ترمیم، بچوں کی نگرانی، غذا کی فراہمی یہ سب ان ہی رضا کاروں کے ذمہ ہوتی ہے۔ مشہور فرانسیسی سائنس داں ہیوبر نے اس خصوص میں ایک بڑا دلچسپ تجربہ دہرایا ہے۔ اس نے تقریباً (٣٠) ''جاگیردار چیونٹیوں'' کو ان کے رضا کاروں سے علیحدہ کر کے ایک ڈبہ میں علیحدہ بند کر دیا۔ ہاتھ پیر ہلانے کی توفیق تو خدا نے ان کو دی نہ تھی دو دن کے اندر نصف سے زیادہ جاگیردار دوسری دنیا کو سدھار چکے تھے اور جو باقی تھے، وہ بھی لبِ گور، سکت جواب دے چکی تھی۔ چہرے زرد، موت آنکھوں کے سامنے کھیل رہی تھی۔—— ہیوبر کو ان کی حالت پر رحم آگیا۔ اس نے صندوق میں ایک رضا کار کو بھی منتقل کر دیا۔ اس رضا کار نے تن تنہا بغیر کسی دوسرے کی مدد کے سب کے رہنے کے لیے زمین میں ایک گھر بنالیا سب کو اس میں منتقل کیا، غذا مہیا کی، بیماروں کی تیمارداری کی، ان کو بھلا چنگا بنایا، اور دیکھتے دیکھتے اس چھوٹی سی جگہ میں زندگی کی ہماہمی پھر سے پیدا ہوگئی!!

شہد کی مکھیوں کی طرح چیونٹیوں کی بھی تین گروہوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ نر اور مادہ اور غیر نمو یافتہ مادہ یا رضا کار—— یہ امر تو ہمیں بہت قدیم سے معلوم ہے کہ چیونٹیاں کفایت شعار اور گرہستی بھی ہوتی ہیں۔ غذائی دانے محفوظ کر لینا ان کا ایک عام وطیرہ ہے۔ لیکن یہ حالیہ انکشاف بے حد تعجب خیز ہے کہ چیونٹیوں کی بعض انواع نہ صرف یہ کہ آئندہ کے استعمال کے لیے اپنی غذا محفوظ کرتی ہیں بلکہ ان کو باضابطہ طریقوں سے اور خوش سلیقگی سے کاشت کرنا بھی آتا ہے!

ان کسان چیونٹیوں کا رنگ بھورا ہوتا ہے۔ یہ جسامت میں بھی دوسری چیونٹیوں کے مقابلہ میں بڑی ہوتی ہیں اور مناسب موسم آنے پر بالکل کسانوں کی طرح بیج بونے کی تیاریاں شروع کر دیتی ہیں۔ کھیت کے لیے زمین کے انتخاب کے بعد وہ ایک مٹی کا پشتہ بنا لیتی ہیں یہ چار تا چھ انچ اونچا ہوتا ہے پوری چوڑائی تین تا چار فیٹ ہوتی ہے۔ اس چھتہ کے اطراف تین چار فیٹ تک کی زمین بالکل صاف کر دی جاتی ہے—— جیسے کسی پائیں باغ کی تیاری ہو! اس صاف شدہ اراضی پر کسی قسم کی نباتات اگنے نہیں دی جاتی ہے البتہ صرف ایک خاص قسم کی گھاس اگتی ہے جو بیج دار ہوتی ہے۔ یہی چیونٹیوں کا کھیت ہے، اگر دوسری قسم کی گھاس اس میں اگنے لگے تو بیکار گھاس کو چیونٹیاں فوراً علیحدہ کر دیتی ہیں۔ یہ بیج دار گھاس جو اہتمام سے اگائی جاتی ہے چاول سے بہت کچھ ملتی ہوتی ہے۔ فصل کے تیار ہونے پر چیونٹیاں بڑی احتیاط سے اس کو گودام میں منتقل کر دیتی ہیں۔ گودام میں منتقل کرنے کے بعد ان کی صفائی کی جاتی ہے اور بھوسہ دوبارہ باہر پھینک دیا جاتا ہے!!

اگر گودام میں غلہ نمی اور رطوبت کی وجہ سے خراب ہونے لگے تو کبھی کبھی باہر نکال کر دھوپ کھلا لیا جاتا ہے! یہ تمام تحقیق سب سے پہلے ڈاکٹر لنکم نے کی تھی اور پھر میک گک نے ١٨٧٧ء میں اس کی تصدیق کی۔ اس کے بعد متواتر تجربات نے رہے سہے شبہ کو بھی بالکل دور کر دیا—— یہ لوگ کہتے ہیں کہ سائنس اور مذہب میں بڑا اختلاف ہے۔ لیکن کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ سائنس دراصل اپنے ان تجربات اور معلومات سے ایک اَن دیکھے خدا کی عظمت اور قدرت کے تصور میں غیر معمولی اضافہ کر دیتا ہے۔

لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا

ان لوگوں کے لئے جو صاحب علم ہیں اور ہم نے ایمان و تقوی والوں کو

يَتَّقُوْنَ ﴿٥٣﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ

نجات دے دی و٦٤ اور لوط (کو بھی ہم نے پیمبر بنا کر بھیجا تھا) جب کہ انہوں نے اپنی قوم والوں سے کہا، کہ ارے

وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿٥٤﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً

کیا تم یہ بے حیائی کا کام کرتے ہو، درآنحالیکہ سمجھ رکھتے ہو و٦٥ ارے اتم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو

مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿٥٥﴾ فَمَا

عورتوں کو چھوڑ کر! مگر ہاں تم لوگ ہی ہو جاہلیت میں (مبتلا) و٦٦ سو

كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ

ان کی قوم کوئی جواب نہ دے سکی بجز اس کے کہ آپس میں یہ کہنے لگے کہ لوط والوں کو اپنی بستی

لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٥٦﴾

سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں سو ہم نے لوط اور ان کے متعلقین کو نجات دے دی

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ؗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ

بجز لوط کی بیوی کے۔ انہیں ہم نے رہ جانے والوں میں

الْغٰبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ

تجویز کر لیا تھا اور ہم نے ان کے اوپر ایک نئی طرح کا مینہ برسا دیا سو جو لوگ ڈرائے جا چکے تھے سو ان کے لئے مینہ

الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٥٨﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ

کیسا برا ہوا! و٦٧ آپ کہہ دیجیے کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو

الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٩﴾

جنہیں اس نے منتخب کیا۔ آیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ (اس کا) شریک کرتے ہیں و٦٨

٦٤ نجات اپنے عذاب سے بھی، اور نجات کفار کی سازش قتل سے بھی۔
٦٥ یعنی یہ تو بہت موٹی اور معمولی سمجھ بوجھ کی بات ہے۔ اس حرکت کے بیہودہ ہونے میں کسی قسم کا خفاء یا غموض نہیں۔ وَلُوْطًا میں عامل مقدر ہے۔ یعنی و ارسلنا لوطًا قصۂ لوط و قوم لوط پر حاشیے سورۃ الاعراف (پ ۸) میں گزر چکے۔
٦٦ دینِ فطرت کی طرح دینِ جاہلیت کا بھی ایک مستقل نظام ہے، زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی، جاہلی عقائد، جاہلی عبادات جاہلی اخلاق، جاہلی معاملات وغیرہا۔ اسی جاہلی اخلاق و معاشرت کا ایک مظہر غیر طبعی بہیمانہ شہوت رانیاں بھی ہیں۔ جن سے ہر سلیم الفطرت انسان ہی کو نہیں، حیوانات تک کو گھن آتی ہے۔ آج جاہلیت فرنگ میں پھر یہی بدکاریاں نئے نئے خوشنما ناموں کے ساتھ دنیا کے سامنے لوٹ کر آ رہی ہیں۔ اَتَاْتُوْنَ اور اَئِنَّكُمْ دونوں میں ہمزہ استفہام کمال استعجاب کے لیے ہے۔ ترجمہ میں ”ارے“ دونوں جگہ اسی مفہوم کے لیے ہے۔
٦٧ (اور یہ اس لیے کہ یہ بدنصیب اس پر ذرا ملتفت نہیں ہوئے تھے) اَمْرَاَتَهٗ لُوْطٍ اور عذاب قوم لوط وغیرہ پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ و٦٨ آگے ایک مستقل خطبہ توحید پر آ رہا ہے، یہ ایک آیت اس کے مقدمہ یا تمہید کے طور پر ہے۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ خیال رہے کہ حمد الٰہی زبان پر لانے کا یہ حکم عین ہلاکت کفار کے موقع پر مل رہا ہے۔ جیسا کہ صاحب روح المعانی نے توجہ دلائی ہے۔ اور مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے اس سے مزید استنباط یہ کیا ہے کہ معاندین کی ہلاکت پر مسرور ہونا جب کہ اس کا باعث دنیا نہ ہو، اخلاقِ فاضلہ کے ذرا بھی منافی نہیں۔ بحمد اللہ جمعہ ۱۱ شوال ۱۳۶۶ھ بمطابق ۲۹ اگست ۱۹۴۷ء کو قبل نماز جمعہ اس انیسویں پارہ کی نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔ اور نظر ثالث سے آج سہ شنبہ ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۹ھ مطابق ۷ مارچ ۱۹۵۰ء کو قبل نماز ظہر۔

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ

(آیا یہ بت بہتر ہیں) یا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور تمہارے لئے آسمان سے

السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ

پانی اتارا اور اس کے ذریعہ سے بارونق باغ اگائے

مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ

(ورنہ) تم سے تو ممکن نہ تھا کہ ان کے درختوں کو اگاؤ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟

بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا

مگر ہاں یہ لوگ ہیں ہی حق سے عدول کرنے والے ۶۹ (یہ بت بہتر ہیں) یا وہ ذات جس نے زمین کو قرارگاہ بنایا

وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ

اور اس کے درمیان درمیان ندیاں بنائیں اور زمین کی خاطر پہاڑ بوجھل بنائے اور دو دریاؤں کے

بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ

درمیان حدِ فاصل بنائی کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟ مگر ہاں ان میں سے اکثر تو

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ

سمجھتے ہی نہیں ۷۰ (یہ بت بہتر ہیں) یا وہ جو بے قرار کی (فریاد) سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے

وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ

اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ

مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ

کوئی (اور بھی) خدا ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم غور کرتے ہو ۷۱ (یہ بت بہتر ہیں) یا وہ جو تمہیں راستہ سمجھاتا ہے

فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا

خشکی اور تری کی تاریکیوں میں اور جو ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتا ہے

۶۹ (چنانچہ اس معاملہ میں بھی توحید کی سیدھی راہ چھوڑ بیٹھے) آیت ماقبل سے لے کر کئی آیتوں تک مسلسل مضمون توحید کا چلا گیا ہے۔ اور شرک کی تمام صورتوں کی تردید ہوتی گئی ہے۔ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ۔ آسمان، زمین سب کا پیدا کرنے والا، پانی برسانے والا، نباتات اگانے والا، وہ ایک اور یکتا خدا ہی ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی میگھ دیوتا یا بارش کا خدا ہے، نہ ہوا، زراعت وغیرہ کے لئے کوئی دیوی دیوتا اور نہ زمین و آسمان کی خالقیت میں کوئی شریک۔ مَا كَانَ ...... شَجَرَهَا۔ انسان خوب غور کر کے دیکھ لے، کاشتکاری ہو یا باغبانی۔ اس عظیم الشان نظام کے کسی جزء پر بھی اسے قدرت حاصل ہے؟ کیا زمین میں صلاحیت قبول رکھنا اس کا کام ہے؟ کیا خاک میں قوتِ نمو رکھ دینا اس کے بس کی بات ہے؟ کیا وقت مناسب پر اور مقام مناسب پر بارش لانا اس کے اختیار میں ہے؟ کیا بارش کے قطروں میں یہ اثر رکھ دینا کہ وہ نباتات اگائیں اس کے دخل و تصرف کی چیز ہے؟ درختوں، پودوں، سبزیوں کو آفتاب کی گرمی ایک خاص درجہ میں پہنچانا کیا اس کے اختیار کی چیز ہے؟ غرض کھاد، سورج، پانی وغیرہ میں پیداواری کی صلاحیتیں اور تاثیرات رکھ دینا اور ان ساری استعدادوں کو ایک متعین درجہ میں اور مناسب حد تک قوت سے فعل میں لانا، ان میں سے کوئی بھی شے انسان غریب کے دخل و تصرف میں ہے؟ مَا كَانَ ...... شَجَرَهَا میں جب اس کی نفی ہو گئی کہ اس نظامِ نباتی کی کوئی سی کڑی بھی انسان کے اختیار کی ہے تو اب معاجرح یہ کی ہے کہ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ اچھا تمہارے اپنے بس کی نہ سہی تو پھر کیا کوئی اور غیر اللہ خدائی میں شریک ہے؟ يَعْدِلُوْنَ۔ عدول سے ہے، جس کے معنی حق سے انحراف اور کجی کے ہیں۔ من العدول بمعنى الانحراف اى بل هم قوم عادتهم العدول عن طريق الحق بالكلية فلذالک يفعلون ما يفعلون (روح) عن الحق الذى هو التوحيد (بيضاوى) ان آیات میں (اور اسی طرح اور بھی قرآن کے بے شمار مقامات میں) مسلسل دعوت دی گئی ہے، کائنات اور اس کے اجزاء وعناصر پر نظر کرنے کی۔ یہیں سے عارفین صوفیہ نے لکھا ہے کہ خلائق پر نظر مطلق صورت میں ممنوع نہیں۔ توحید کے منافی صرف وہ نظر ہے جو خود مقصود ہو۔ اور خلائق پر نظر کرنا جب کہ وصول الی الحق کے لئے ہو تو عین مطلوب ہے، اور توحید کے ذرا بھی منافی نہیں۔ ۷۰ چنانچہ اتنی موٹی سی بات کو نہ کلدانیہ والے سمجھے نہ مصر والے۔ نہ ہندوستان والے نہ ایران والے۔ نہ یونان والے نہ رومہ والے سب نے اپنے "کمال تہذیب" و "عروج تمدن" کے زمانہ میں پرستش دوسروں کی کی ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ الْبَحْرَيْنِ۔ ملاحظہ ہو سورۃ الفرقان آیت هُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ الخ کا حاشیہ۔ لَهَا یعنی زمین کی خاطر۔ زمینی مصلحتوں کے لحاظ سے۔ اى لصلاح امرها (روح) ۷۱ اوپر کی آیتوں میں حق تعالیٰ کی صفاتِ خالقیت، ناظمیت و ربوبیت پر توجہ دلائی جا چکی۔ اس آیت میں اس کی صفاتِ فریادرسی اور تصرف تکوینی یاد دلائی گئی ہیں۔ اور پہلی آیتوں میں خطاب خاص اگر عام مشرکوں سے تھا تو اس میں مخاطبت خصوصی مسیح پرستوں، مریم پرستوں اور ہر قسم کے روح پرستوں اور پیر پرستوں سے ہے۔ يُجِيْبُ اور يَكْشِفُ سے یہ مطلب نہیں کہ اللہ ہمیشہ بندہ کے حسب مرضی فریاد قبول ہی کر لیتا ہے اور ہمیشہ مصیبت کو دور ہی کر دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب کبھی بھی فریاد سنی جاتی اور دعا قبول ہوتی ہے تو یہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے کسی اور کی طرف سے نہیں ہوتی۔ مَا تَذَكَّرُوْنَ۔ ما زائد قلت کو مؤکد کرنے کے لئے ہے۔ ما مزيدة لتاكيد معنى القلة التى اريد بها العدم (روح)

بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا

(دلوں کو) خوش کر دینے کے لئے کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟ اللہ برتر ہے ان لوگوں کے

يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ؕ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ

شرک سے ف۷۲ (یہ بت بہتر ہیں) یا وہ جو مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور جو

يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ

تمہیں رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ لَّا

آپ کہیے تم اپنے (دعوے پر) دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو ف۷۳ آپ کہہ دیجیے کہ

يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ

آسمانوں اور زمین میں جتنی (مخلوق) موجود ہے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ کے

وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ ادّٰرَكَ

اور نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ کب (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے ف۷۴ بات یہ ہے کہ آخرت کے باب میں

عِلْمُهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ قف بَلْ هُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْهَا ز بَلْ

ان کا علم نیست ہو چکا بلکہ یہ اس کی طرف سے شک میں ہیں بلکہ

هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ع وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا

یہ اس کی طرف سے اندھے بنے ہوئے ہیں ف۷۵ اور یہ کافر کہتے ہیں کہ کیا ہم جب

تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا

خاک ہو گئے اور (اسی طرح) ہمارے باپ (دادا بھی) تو کیا ہم (قبر سے) نکالے جائیں گے اس کا تو وعدہ

نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ

ہم سے اور ہمارے باپ داداؤں سے پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے یہ تو بس اگلوں کی بے سند

ع ۵/۸

ف۷۲ آیت میں ربوبیت تکوینی ہی کے بعض اور پہلوؤں کو نمایاں کر کے توحید پر استدلال کیا گیا ہے۔ رَحْمَتِهٖ۔ رَحْمَةٌ یہاں بارش کے معنی میں ہے۔ یعنی المطر (بیضاوی) ف۷۳ یعنی حق تعالیٰ کی صفاتِ خالقیت، حاکمیت ورزاقیت تو ظاہر ہی ہیں تم اگر ان کا انتساب کسی اور کی جانب بھی کرتے ہو تو اپنے دعوئے شرک پر کوئی دلیل بھی تو پیش کرو اگر کر سکتے ہو۔ ف۷۴ (چنانچہ یہ وقتِ قیامت کا تعین بھی انہیں مسائلِ غیب میں سے ہے) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کو تو بے بتائے سب کچھ معلوم ہے اور کسی دوسرے کو بے بتائے کچھ بھی معلوم نہیں۔ عقیدۂ آخرت اہم ترین عقائد میں سے ہے اس لئے اس کا ذکر خاص طور پر کیا گیا۔ ف۷۵ منکرین آخرت کے کئی طبقہ ہیں۔ قرآن نے ان کی نفسیات کی الگ الگ پوری تشریح کر دی۔ ایک طبقہ تو وہ ہے جس کا ظاہری، سطحی، مادی وحسی علم آخرت کے باب میں جواب دے جاتا ہے اور وہ طبقہ اپنے عدم علم پر قانع ومطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ یہ لوگ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ کے مصداق ہیں۔ دوسرا طبقہ، عدم علم سے آگے قدم بڑھا کر اس عقیدہ پر جرح وقدح شروع کرتا ہے اور اس باب میں تشکیک وارتیاب میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ گروہ بَلْ هُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْهَا کے تحت میں آیا۔ تیسرا طبقہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنی آنکھیں دلائل وشواہد کی طرف سے بند کر لیتا ہے اور اس کے برسرِ راہ آنے کی طرف سے قطعی مایوسی ہو جاتی ہے۔ ایسوں کے لئے کھلی ہوئی وعید بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ کی ہے۔

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

باتیں ہیں ف۷۶ آپ کہئے کہ تم زمین پر چلو (پھرو) پھر دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَ لَا تَحْزَنْ

کہ مجرموں کا کیا انجام ہوا ہے! ف۷۷ اور آپ ان پر غم

عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

نہ کیجیے اور جو کچھ یہ چالیں چل رہے ہیں اس سے تنگ نہ ہو جیے ف۷۸

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور یہ پوچھتے ہیں کہ ف۷۹ یہ وعدہ (آخر) کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو؟

قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ

آپ کہہ دیجیے کہ جس (عذاب) کی تم جلدی مچا رہے ہو، عجب نہیں کہ اس کا کچھ حصہ تمہارے پاس ہی

تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى

آ لگا ہو ف۸۰ اور آپ کا پروردگار لوگوں پر بڑا فضل

النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَ اِنَّ

رکھنے والا ہے ف۸۱ لیکن اکثر انسان ہی شکر نہیں ادا کرتے اور بے شک

رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾

آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینہ چھپائے ہوئے (اس کو)

وَ مَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِلَّا فِيْ

اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں (اس کو) اور کوئی چیز مخفی آسمان اور زمین میں ایسی نہیں جو کتاب مبین میں

كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى

درج نہ ہو ف۸۲ بے شک یہ قرآن نبی اسرائیل پر بہت سی ان

ف۷۶ (جو نہ آج تک واقع ہو کر رہی ہیں، نہ آیندہ ہو کر رہیں گی) اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ پر حاشیہ سورۃ الانعام پ۷ میں گزر چکا۔ ءَاِذَا كُنَّا۔ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ۔ ہمزۂ استفہام کی تکرار انکار میں تاکید ومبالغہ کے لیے ہے۔ و تکریر الهمزة للمبالغة فی الانکار (بیضاوی) ف۷۷ (اسی دنیا میں) مطلب یہ کہ جو قومیں خدا کی باغی یعنی توحید وآخرت کی منکر ہوئی ہیں، وہ باوجود اپنی ساری ظاہری شوکت وعظمت کے بالآخر اسی دنیا میں کیسی تباہ و برباد ہو کر رہی ہیں۔ ان کے قلعوں، ان کی عمارتوں، ان کے محلوں کے گرے پڑے، ٹوٹے پھوٹے کھنڈر، ان کے آثار قدیمہ عبرت کے لیے کافی ہیں۔ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ۔ سیر فی الارض اگر تذکرو عبرت پذیری کی راہ سے یا اور کسی دینی غرض سے ہو تو خود ایک عبادت بن جاتی ہے۔ لیکن بغیر اس قسم کی کسی غرض ومقصود کے اگر محض تفریح اور تماشہ کے مد میں یا جغرافی معلومات کی فراہمی کے لیے ہے تو عبادت نہیں۔ ف۷۸ (بلکہ اسے مستحضر رکھئے کہ دوسرے انبیاء کے ساتھ بھی برابر یہی معاملہ ہوتا رہا ہے) مشرکین معاندین کی مسلسل وشدید مخالفتوں کے دو ہی اثرات رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر پڑ سکتے ہیں۔ ایک آپ کا فرط شفقت سے ان کے حق میں غم کھانا اس کی تردید وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ میں آگئی۔ دوسرے آپ کے دل کا اس خیال سے کڑھنا کہ کہیں ترقی اسلام کی رفتار میں اس سے رکاوٹ نہ پیدا ہو جائے سو اس کی پوری تردید لَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ سے کر دی گئی۔ اکبر الہ آبادی (اللہ ان کی تربت کو ٹھنڈا رکھے) نے اپنے ایک شعر میں آیۂ کریمہ کے اس ٹکڑے کی خوب تضمین کی ہے۔

آگ ان کی خود ہی دے گی ان کو بھون لَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ

ف۷۹ (طنز واستہزاء کے لہجہ میں) ف۸۰ چنانچہ قحط، قتل، ہزیمت وغیرہ کے تجربے تو اسی دنیا میں ہو کر رہے۔ رَدِفَ لَكُمْ پر نحوی حیثیت سے خاصی بحث ہوئی ہے۔ عام استعمال زبان میں بلا صلۂ لام کے ہے۔ ردفه امرء اردفة كما يقال تبعه واتبعه بعض اہل نحو نے کہا ہے لام اس وقت داخل کیا جاتا ہے جب اضافت کسی فعل کی جانب مقصود ہوتی ہے جیسے تعبرون و یرهبون میں للرءیا تعبرون ولربهم یرهبون (ابن جریر) اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے معنٰی میں زور پیدا ہو گیا ہے اور معنٰی "قریب آلگا" کے ہو گئے ہیں۔ ادخل اللام فی ذلک المعنى لان معناه دنالهم۔ ابن جریر نے یہ سب نقل کر کے ترجیح اسی آخری قول کو دی ہے۔ و هذا القول الثانی هو اولهما عندی بالصواب (ابن جریر) سب سے بے تکلف اور بے غبار قول زمخشری کا ہے کہ ل یہاں تاکید کے لیے ہے۔ جیسا کہ کہیں کہیں ب بھی تاکید کے لیے آئی ہے۔ زیدت اللام للتاكيد كالباء فی ولا تلقوا بایدیکم (کشاف) اللام مزيدة للتاكيد (بیضاوی) ف۸۱ (اور وہ عذاب کو بہت ٹالتا رہتا، اور مہلت بہت دیتا رہتا ہے)۔ اور کثرت سے منکروں پر، کافروں پر تو اس دنیا میں اس کی نعمتوں کی بارش آخر وقت تک جاری رہتی ہے۔ ہوا، بارش، روشنی، کھانا، پانی، کسی پر ایک دن کے لیے بھی بند نہیں ہوتا۔ ف۸۲ یعنی حق تعالیٰ کو براہ راست علم تو ہے ہی۔ باقی باضابطہ اور ظاہری طور پر بھی ہر چیز خداوندی رجسٹر میں درج ہے۔ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ سے مراد لوح محفوظ ہے جس میں ہر چیز چھوٹی بڑی، اگلی پچھلی لکھی ہوئی موجود ہے۔ وهوام الكتاب الذی اثبت ربه كل ما هو كائن من لدن ابتداء خلق خلقه الى يوم القيامة (ابن جریر) ای فی اللوح المحفوظ (معالم)

بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَکۡثَرَ الَّذِیۡ هُمۡ فِیۡهِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۷۶﴾

باتوں کو ظاہر کرتا ہے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں و۸۳

وَ اِنَّهٗ لَهُدًی وَّ رَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ

اور بے شک وہ ایمان والوں کے حق میں ہدایت و رحمت ہے و۸۴ بے شک آپ کا پروردگار

یَقۡضِیۡ بَیۡنَهُمۡ بِحُكۡمِهٖ ۚ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۷۸﴾

ان کے درمیان فیصلہ اپنے حکم سے کر دے گا اور وہ غلبہ والا ہے علم والا ہے و۸۵

فَتَوَكَّلۡ عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَی الۡحَقِّ الۡمُبِیۡنِ ﴿۷۹﴾

سو آپ اللہ پر توکل رکھیے بے شک آپ صریح حق پر ہیں و۸۶

اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی وَ لَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ

آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے و۸۷ اور نہ بہروں کو (اپنی) پکار سنا سکتے ہیں

اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِیۡنَ ﴿۸۰﴾ وَ مَاۤ اَنۡتَ بِهٰدِی الۡعُمۡیِ عَنۡ

جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں و۸۸ اور آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راستہ

ضَلٰلَتِهِمۡ ؕ اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمۡ

دکھانے والے نہیں آپ تو بس انہیں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں پھر وہ (انہیں)

مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَ اِذَا وَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَیۡهِمۡ اَخۡرَجۡنَا

مانتے ہیں و۸۹ اور جب وعدہ ان لوگوں پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم ان کے لئے زمین سے

لَهُمۡ دَآبَّةً مِّنَ الۡاَرۡضِ تُكَلِّمُهُمۡ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوۡا

ایسا جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا کہ لوگ ہماری

بِاٰیٰتِنَا لَا یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۸۲﴾ ع وَ یَوۡمَ نَحۡشُرُ مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ

آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے و۹۰ اور جس دن ہم ہر امت سے ایک ایک گروہ ان لوگوں کا

و۸۳ یعنی بنی اسرائیل پر بہت سے وہ حقائق روشن کر دیئے جن کے باب میں وہ غلط فہمیوں میں مبتلا تھے۔ اور جن صداقتوں کو وہ بھلا چکے تھے انہیں پھر سے روشن کر دیا۔ یہود اپنے صحائف میں دانستہ و نادانستہ بہت کچھ تحریف و تصرف کر چکے تھے۔ قرآن نے جچے تلے فیصلے ان امور میں صادر فرما دیئے۔ اَكۡثَرَ یہاں کثیر کے معنی میں ہے۔ و۸۴ یعنی ہدایت خاص و رحمت بالاختصاص۔ ورنہ عموماً ہدایت و رحمت تو ساری دنیا کے لیے ہے۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے کہا کہ ہدایت باعتبار طاعات کے اور رحمت بلحاظ ثمرات کے۔ و۸۵ (اسے اپنے فیصلہ کے صادر کرنے اور نافذ کرنے میں دیر ہی کیا لگ سکتی ہے) یہاں فیصلہ سے مراد قیامت کے دن کا عملی فیصلہ ہے۔ ورنہ شرعی و عقلی فیصلہ تو آج بھی اسی دنیا میں موجود ہے۔ و۸۶ (اس لیے آپ معاندین منکرین کے مکر و کید کی مطلق پروانہ کیجئے اس عالم الغیب پر ان کی ایک ایک چال روشن ہے۔ امداد و نصرت اس قوت والے کی طرف سے ان کی نہیں، آپ کی ہوگی) و۸۷ (کوئی ایسی آواز و کلام جواب ان کے حق میں نافع ہو) مطلب یہ ہے کہ یہ معاندین تو مُردوں کی طرح ہیں، ان سے توقع ہی فہم و ہدایت کی بیکار ہے انما شبهوا بالموتى لعدم انتفاعهم باستماع ما يتلى عليهم كما شبهوا بالصم (بیضاوی) بعض علماء نے آیت سے یہ مستنبط کیا ہے کہ مردے مطلقاً کلام نہیں سن سکتے۔ حالانکہ یہاں مقصود صرف تشبیہ ہے۔ اور اس کی بناء عرف و ظاہر پر ہے۔ کوئی مسئلہ فقہی بیان نہیں ہو رہا ہے اور پھر کافروں سے سمع و بصر کی نفی تو اور بھی متعدد مقامات پر قرآن میں آئی ہے۔ جس طرح وہاں مراد معرفت و ادراک لی گئی ہے یہاں بھی نفی سمع نفی قبول ہی پر محمول ہوگی۔ اس کے علاوہ موتٰی کا اطلاق تو جسدِ مردہ پر ہوتا ہے۔ روح کے سننے کی نفی تو اس سے بھی نہیں ہوتی۔ اور بعض محققین نے یہ نکتہ بھی لکھا ہے کہ تُسۡمِعُ باب افعال سے ہے۔ یعنی تم ان میں قوت سماع نہیں پیدا کر سکتے اور سماعِ عادی جو نام ہے تصادمِ صوت و سامعہ کا وہ ظاہر ہے کہ مُردوں میں مفقود ہے۔ و۸۸ (اور سننا ہی نہ چاہیں) مقصود اس تشبیہ سے بھی اس کا اظہار ہے کہ جب کوئی نفع حاصل کرنے کا ارادہ ہی نہ کرے، بلکہ اس کے برعکس کا ارادہ کرلے تو کوئی اسے نفع پہنچا سکتا ہی نہیں فان اسماعهم فى هذه الحالة ابعد (بیضاوی) یہ سنانے اور نفع پہنچانے کی نفی جب حضرات انبیاء سے کی جارہی ہے تو کسی شیخ یا مرشد غریب کے اختیار میں کب ہدایت کا دل میں اتار دینا ہے! و۸۹ یعنی آپ کی تبلیغ سے فائدہ اٹھانے والے صرف وہی ہو سکتے ہیں۔ و۹۰ قربِ قیامت کی علامتیں بہت سی حدیث صحیح میں وارد ہوئی ہیں۔ بہت سی عجیب و غریب چیزوں کا اس وقت ظہور ہوگا، اور عجیب چیزوں کا یہ خاصہ ہے کہ اپنے ظہور سے قبل سمجھ میں نہیں آتیں۔ ریل، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، وائرلیس وغیرہ تمام مادی ایجادیں ایسی ہیں جو پہلے سمجھ ہی میں نہیں آتی تھیں۔ جب ظہور میں آگئیں، جب ہی سمجھ میں آئیں۔ جس قسم کے جانور کا یہاں ذکر ہے روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ظہور بالکل آخر میں ہوگا اور خود الفاظِ قرآنی بھی یہی معنی چاہ رہے ہیں۔ یہ آخر ترین علامت اگر عجیب ترین بھی ہو، تو اس میں عجب کیا ہے۔ حدیث میں اس عجیب ترین حیوان کا نام جساسہ آیا ہے۔ کافر اس وقت بالاضطرار اس خارق عظیم کی تصدیق کریں گے لیکن اضطراری تصدیق ظاہر ہے کہ مقبول نہ ہوگی۔ اَلۡقَوۡلُ۔ قول یہاں عذاب و قیامت موعود کے معنی میں ہے۔ وهو ما وعدوا به من البعث والعذاب (بیضاوی) مِنَ الۡاَرۡضِ۔ آیت میں مِنَ الۡاَرۡضِ کا لفظ بہت قابل غور ہے اس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ اس حیوان کی پیدائش عام حیوانات کی طرح بہ طریق توالد و تناسل نہ ہوگی بلکہ یہ از خود پیدا ہو جائے گا۔ وفى تفسير اخراجها بقوله من الارض نوع اشارة الى ما قيل ان خلقها ليس بطريق التوالد بل هو بطريق التولد (روح) دَآبَّةً۔ یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ دَآبَّةً یہاں بطور اسم جنس کے آیا ہے۔ گویا یہ ایک جانور نہ ہوگا بلکہ ایسے بہت سے جانور ہوں گے۔ ہر ہر شہر سے ایک ایک جانور۔ روى انه يخرج فى كل بلد دابة مما هو مبثوث نوعها فى الارض وليست واحدة فيكون قوله دابة اسم جنس (بحر) حكى ابو حيان فى البحر والدميرى فى حياة الحيوان رواية انه يخرج فى كل بلد دابة مما هو مبثوث نوعها فى الارض فليست دابة واحدة وعليه يراد بدابة الجنس الصادق بالمتعدد (روح) روى انها تخرج فى كل بلد دابة مما هو مبثوث نوعها فى الارض وليست واحدة فيكون قوله دابة اسم جنس (نہر) دَآبَّةً کے بارہ میں روایتیں نقلی بہت سی ہوئی ہیں لیکن بقول امام رازی علیہ الرحمۃ کتاب الٰہی اس باب میں ہر صراحت سے خاموش ہے۔ اب اگر کوئی بات قول رسول سے ثابت ہو جائے، وہ تو خیر مان لی جائے گی۔ باقی اور کوئی شے قابل التفات نہیں۔ اعلم انه لا دلالة فى الكتب على شىء من هذه الامور فان اصح الخبر فيه عن الرسول ﷺ قبل والا لم يلتفت اليه (کبیر)

فَوۡجًا مِّمَّنۡ یُّكَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمۡ یُوۡزَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾

جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے سو وہ صف بستہ کھڑے کر دیئے جائیں گے ف۹۱

حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡ قَالَ اَكَذَّبۡتُمۡ بِاٰیٰتِیۡ وَ لَمۡ تُحِیۡطُوۡا

یہاں تک کہ جب (سب) حاضر ہو جائیں گے تو (اللہ ان سے) کہے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور آنحالیکہ

بِهَا عِلۡمًا اَمَّا ذَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۴﴾ وَ وَقَعَ الۡقَوۡلُ

تم انہیں اپنے احاطۂ علمی میں بھی نہیں لائے تھے، بلکہ اور ہی کیا کیا کرتے رہے تھے ف۹۲ اور (اب) ان پر وعدہ

عَلَیۡهِمۡ بِمَا ظَلَمُوۡا فَهُمۡ لَا یَنۡطِقُوۡنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا

پورا ہوگا بسبب اس کے کہ انہوں نے (بڑی) زیادتیاں کی تھیں سو وہ لوگ بات بھی نہ کر سکیں گے ف۹۳ کیا انہوں نے اس پر

جَعَلۡنَا الَّیۡلَ لِیَسۡكُنُوۡا فِیۡهِ وَ النَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ

نظر نہیں کی کہ ہم نے رات بنائی تاکہ اس میں لوگ آرام کریں اور دن بنایا جس میں دیکھیں بھالیں بے شک

فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۶﴾ وَ یَوۡمَ یُنۡفَخُ

اس میں (بڑی) دلیلیں ہیں ف۹۴ ایمان والوں کے لئے ف۹۵ اور جس دن صور

فِی الصُّوۡرِ فَفَزِعَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنۡ فِی

پھونکا جائے گا سو جتنے آسمان و زمین میں ہیں (سب) گھبرا

الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ كُلٌّ اَتَوۡهُ دٰخِرِیۡنَ ﴿۸۷﴾

جائیں گے بجز اس کے جس کے لئے اللہ کی مشیت ہو ف۹۶ اور سب اس کے آگے دبے جھکے حاضر ہوں گے۔

وَ تَرَی الۡجِبَالَ تَحۡسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِیَ تَمُرُّ مَرَّ

اور تو پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے اور ان کے لئے خیال کر رہا ہے کہ وہ جنبش نہ کریں گے ف۹۷ درآنحالیکہ وہ بادلوں کی طرح

السَّحَابِ ؕ صُنۡعَ اللّٰهِ الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ كُلَّ شَیۡءٍ ؕ

اڑے پھریں گے ف۹۸ یہ کاریگری اللہ ہی کی ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے ف۹۹

ف۹۱ یُوۡزَعُوۡنَ کا مفہوم یہ ہے کہ اگلوں کو چلنے میں پچھلوں کے آملنے کے واسطے روکا جائے گا۔ یہ کنایہ کثرتِ انبوہ سے ہے۔ کہ کثرت انبوہ کے وقت ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ میں من تبعیض کا ہے۔ مِمَّنۡ یُّكَذِّبُ میں من تبیین کا ہے۔ ف۹۲ مثلاً یہی کہ انبیاء و اہلِ ایمان کو ناحق ستایا، جو نفسِ تکذیب سے بھی بڑھا ہوا جرم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے جمع ہونے پر ان پر فردِ جرم لگ جائے گی اور الزام یہ قائم ہوگا کہ تم نے سنتے ہی بلا تدبر و تفکر تکذیب شروع کر دی اور تکذیب ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ اور بھی بہت کچھ کر گزرے۔ اَمَّا میں ام منقطعہ ہے۔ یعنی بل کے معنی میں۔ وام هنا منقطعة ينبغي ان تعدى ببل (بحر) ف۹۳ یعنی ثبوتِ جرم اتنا قوی، قطعی اور یقینی ہوگا کہ جواب دہی کرنا چاہیں گے بھی تو کچھ نہ بن پڑے گی۔ اللہ وہ وقت نہ اس نامۂ سیاہ خادمِ قرآن پر ڈالے نہ کسی اقرار شہادتین کرنے والے پر! بِمَا ظَلَمُوۡا سے مراد کفر و شرک کی حرکتیں ہیں یا جامع لفظ میں یوں کہیے کہ تکذیب آیاتِ الٰہی۔ هو التكذيب بايات الله (بیضاوی) ف۹۴ (امکان بعث و قیامت پر) شب کا آرام مشابہ ہے موت کے اور دن کی بیداری مشابہ ہے اخروی زندگی کے۔ امکان بعث یوں بھی ایک صریح و واضح حقیقت ہے۔ یہ روزمرہ کی نظیر اس امکان کو کہیں زیادہ قوی کر دیتی ہے۔ ''موت کی حقیقت ہے زوال تعلق روح عن الجسد اور حیاتِ ثانیہ کی حقیقت ہے عود اس تعلق کا۔ اور نوم بھی من وجہ زوال ہے اس تعلق کا کیونکہ ضعف بھی اس شے کے مراتب وجود میں سے کسی مرتبہ کا زوال ہوتا ہے اور یقظہ عود ہے اس تعلق زائل کا۔ پس دونوں میں تشابہ تام ہوا، اور ایک نظیر کے ساتھ قدرت کا تعلق مشاہد ہے اور یہ تعلق معلل کسی علت سے ہے نہیں بلکہ ذاتِ واجب اس کو مقتضی ہے اور محلِ قدرت کا امتناع کسی دلیل سے ثابت نہیں اور امکان اولاً بدیہی ہے۔ پھر اس کی نظیر کا امکان اس بداہت کو اور قوی کرتا ہے پھر اس کے ساتھ تعلق قدرت میں کیا کلام ہے۔'' (تھانوی علیہ الرحمۃ) لَاٰیٰتٍ۔ ایات بصیغہ جمع فرمایا ہے حالانکہ بظاہر دلیل واحد ہے یا تو اس وجہ سے کہ مدلول متعدد ہے مثلاً امکان شب و صدق آیات شب تو ہر مدلول کے اعتبار سے گویا ایک ایک دلیل ہے اور یا بوجہ عظیم ہونے کے ایک دلیل بجائے کئی دلیل کے ہے۔'' (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۹۵ یعنی یہ دلائل عقل و مشاہدہ پر مبنی عام تو ہیں سب ہی کے لئے لیکن نفع اس سے صرف اہلِ ایمان ہی اٹھاتے ہیں کہ وہی ان واقعات پر فکر و تدبر سے کام لیتے ہیں۔ ف۹۶ یعنی عام ضابطہ تو یہی ہے کہ آوازِ صور سے ساری مخلوق کیا زمینی اور کیا آسمانی گھبرا اٹھے گی لیکن اللہ کی مشیت معطل نہیں ہو جائے گی وہ جس سے متعلق بھی ہوگی وہ اس ہول شدید سے محفوظ رہے گا۔ ف۹۷ (اور بیشک ظاہری نظر میں وہ ہیں بھی ایسے ہی بھاری بھر کم) ف۹۸ یعنی نفخ صور جس طرح جانداروں پر اس قدر مؤثر ہوگا، بے جان چیزوں کو بھی متاثر اور درہم برہم کیے بغیر نہ رہے گا ان کے اجزاء تحلیل ہو جائیں گے، اور ان میں تخلخل واقع ہو کر رہے گا یہاں تک کہ اڑے اڑے پھرنے لگیں گے۔ حال کے ایک ہندی مفسر قرآن نے تَمُرُّ کے صیغۂ مضارع کو بجائے مستقبل کے صرف حال کے معنی میں لے کر آیت سے حرکت ارض پر استدلال کیا ہے، اور آیت کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ پہاڑ جو بظاہر بالکل جمے ہوئے نظر آتے ہیں، وہ دراصل بادل کی سی تیزی کے ساتھ رواں ہیں ـــ یہ معنی اگرچہ سیاق قرآنی سے بہت دور ہیں تاہم تفسیر بالرائے نہیں کہے جا سکتے اور جواز کی گنجائش کسی نہ کسی حد تک رکھتے ہیں۔ ف۹۹ ہر شے کی مضبوطی اس کے مناسب حال ہی ہونا چاہیے جس وقت تک ان پہاڑوں کا قیام و بقا منظور ہے اپنی جگہ پر وہ کیسے جمے ہوئے رہتے ہیں اور جب حکمتِ کاملہ کو ان کا انہدام ہی منظور ہو جاتا ہے تو اب کاریگری کا عین تقاضا یہی ہے کہ ان کے اجزا میں انتہائی نرمی اور ڈھیلا پن پیدا ہو جائے۔ اتقن امی احكم خلقه و سوّاه علٰی ما ينبغي (بیضاوی) صُنۡعَ اللّٰهِ میں صُنۡعَ مصدر مؤکد ہے جیسے وعد اللہ اور صبغۃ اللہ میں اس مؤکدہ محذوف ہے۔ (کشاف)

اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ

بے شک اسے تمہارے افعال کی پوری طرح خبر ہے ف١٠٠ جو کوئی نیکی (یعنی ایمان) لے کر آئے گا

فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿٨٩﴾

سو اس کو اس سے بہتر اجر ملے گا اور ف١٠١ وہ لوگ اس روز کی (بڑی) گھبراہٹ سے محفوظ رہیں گے ف١٠٢

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ

اور جو شخص بدی (یعنی کفر) لے کر آئے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈال دیئے جائیں گے

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٠﴾ اِنَّمَآ اُمِرْتُ

تم کو سزا اسی کرتوت کی مل رہی ہے جو (دنیا میں) تمہارے تھے (آپ کہہ دیجیے) مجھے تو یہی حکم ملا ہے

اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ

کہ میں عبادت کروں اس شہر کے مالک (حقیقی) کی جس نے اسے محترم بنایا ہے اور سب چیزیں

كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٩١﴾

اسی کی ملک ہیں اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں فرمانبردار رہوں ف١٠٣

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ

اور یہ بھی کہ میں قرآن پڑھ کر سناؤں سو جو کوئی راہ پر آئے گا وہ اپنے ہی لئے راہ پر

لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ

آئے گا۔ اور جو کوئی گمراہ رہے گا تو آپ کہہ دیجیے کہ میں تو بس ڈرانے والوں میں سے

الْمُنْذِرِيْنَ ﴿٩٢﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

ہوں ف١٠٤ اور آپ کہہ دیجیے کہ ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے ف١٠٥ وہ تم کو اپنی نشانیاں عنقریب دکھائے گا،

فَتَعْرِفُوْنَهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾

سو تم انہیں پہچانو گے ف١٠٦ اور آپ کا پروردگار ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم (سب) کر رہے ہو ف١٠٧

ع ١١ / ٢

ف١٠٠ اور مجازاۃ ومکافاۃ کی شرط اول یہی علم محیط وکامل ہے) ف١٠١ یعنی جس اجر کا وہ مستحق ہے اس سے بھی کہیں بڑھ کر اسے اجر ملے گا۔ اَلْحَسَنَةِ کی تفسیر کلمۂ توحید ہے اور اگلی آیت میں اَلسَّيِّئَةِ کی تفسیر شرک ہے۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ صحابی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور بہ کثرت تابعین سے یہی منقول ہے۔ واراد بالحسنة على ماروى عن ابن عباس و ابن مسعود و مجاهد و الحسن والنخعى و ابى صالح و سعيد بن جبير و عطاء و قتادة شهادة ان لااله الاالله (روح) بلکہ بعض صحابیوں سے تو اس معنی کی سند خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ عن ابى هريرة و عن كعب بن عجرة ان النبى صلى الله عليه وسلم فسرها بذلك (روح) اور اقرار توحید سے مراد اقرار مقبول ہے۔ والمراد بهذه الشهادة التوحيد المقبول (روح) ف١٠٢ یہ فزع صور کے نفخۂ ثانی کے بعد ہوگا۔ فزع اولی مراد نہیں، وہ پہلا فزع طبعی ہوگا۔ اور اس دوسرے فزع کا تعلق مراتبِ ایمان سے ہے۔ سورۂ انبیاء کی آیت لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ میں بھی ذکر اسی دوسرے فزع کا ہے۔ ف١٠٣ (جیسا کہ اب تک بھی رہا ہوں عقائد واعمال دونوں میں) عبادت وتعمیل احکام سے جب سرورِ انبیاء مستثنیٰ نہیں تو ظاہر ہے کسی ولی، کسی بزرگ کا کیا ذکر ہے۔ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ یعنی شہر مکہ۔ اللہ مالک تو سب ہی شہروں، ملکوں کا ہے۔ مکہ کی تخصیص سے مقصود مکہ کے مرتبہ کا شرف واعزاز ہے۔ وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ یعنی ہر چیز جب اسی کی ملک ہے، تو وہ جس چیز کو بھی چاہے محترم ومتبرک ٹھہرا دے۔ ف١٠٤ یعنی میرا کام تو صرف حکم پہنچا دینا، تبلیغ احکام کر دینا ہے۔ باقی جو کوئی مانے گا وہ خود اپنے اجر وثواب ونجات کے لیے اور جو نہ مانے گا وہ بھی خود ہی بھگتے گا، میرا نہ اس سے کوئی نفع نہ اس سے کوئی ضرر۔ ف١٠٥ (اور قدرت، ملک، علم، حکمت، سارے صفات کمال اسی کے لیے ثابت ہیں، سو اس کے علم کے موافق جب حکمت کا مقتضا ہوگا وہ اپنی قدرت سے اپنی مخلوق میں قیامت واقع کر دے گا) اہلِ اشارات نے کہا کہ سورہ کے خاتمہ پر اَلْحَمْدُ لانے میں تعلیم یہ ہے کہ مسلمان کو بھی اپنے سارے احوال وامور کا خاتمہ اللہ کی حمد وثنا ہی پر کرنا چاہیے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واجب ہے کہ قبول کو منسوب اللہ تعالیٰ کی جانب کرے، اپنے مجاہدہ وعمل کی جانب نہ کرے۔ ف١٠٦ (اور اب انکار کر رہے ہو) اٰيٰتِهٖ سے مراد واقعات واہوالِ قیامت ہیں۔ بعض نے مراد فتوحاتِ بدر وغیرہ بھی لی ہیں۔ اٰياته القاهرة فى الدنيا او فى الأخرة (بیضاوی) قال الحسن و ذلك فى الأخرة و قال الكلبى فى الدنيا (بحر) مقصود بہر صورت یہ ہے کہ جب عذابِ الٰہی مشاہدہ کر لو گے جب تو میری بات کا یقین کرو گے اور جب میری نصیحتوں کی قدر ہوگی۔ يريكم ربكم ايات عذابه و سخطه فتعرفون بهاحقيقة نصحى كان لكم و يتبين صدق ما دعوتكم اليه من الرشاد (ابن جریر) ف١٠٧ (سو سب کو جزا وسزا بھی اس کے مطابق ملے گی) عاصیوں نافرمانوں کے حق میں اس کا تنبیہ ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن اربابِ باطن نے اس میں اہلِ ذوق کے لیے بھی بڑی بشارت سمجھی ہے کہ اہلِ سوز کی آہ وزاری محبوبِ حقیقی سے ذرا بھی مخفی نہیں۔ بلکہ ان کی ساری بےقراری اس پر آئینہ ہے۔

آیاتها ۸۸ ۲۸ سُوْرَۃُ الْقَصَصِ مَکِّیَّۃٌ ۴۹ رکوعاتها ۹

اس میں اٹھاسی آیتیں سورۂ قصص کی ہے اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ﴿۲﴾ نَتْلُوْا

طا۔ سیم۔ میم یہ کتاب واضح کی آیتیں ہیں ہم آپ کو

عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰی وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ

موسٰی و فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں ان لوگوں کے لئے

یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ

جو ایمان رکھتے ہیں ف۱ بے شک فرعون ملک میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا، اور اس نے وہاں کے

اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآىِٕفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ

باشندوں کو طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا، ان میں سے ایک جماعت کا زور گھٹا رکھا تھا، ان کے بیٹوں کو ذبح

اَبْنَآءَهُمْ وَ یَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ

کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا واقعی وہ (بڑے) مفسدوں میں سے

الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۴﴾ وَ نُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ

تھا ف۲ اور ہم کو یہ منظور ہوا کہ جن لوگوں کا زور

اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ

ملک میں گھٹایا جا رہا ہے ہم ان پر احسان کریں اور انہیں پیشوا بنائیں، اور انہیں (زمین کا)

الْوٰرِثِیْنَ ﴿۵﴾ۙ وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَ نُرِیَ فِرْعَوْنَ

مالک بنائیں ف۳ اور ہم انہیں زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین

ف۱ یعنی نفع اس سے وہی اٹھائیں گے، سبق اس سے وہی حاصل کریں گے جو صاحبِ ایمان ہیں خواہ حقیقۃً، یا حکماً، یعنی ایمان کا ارادہ رکھتے ہوں۔ مِنْ نَّبَاِ میں مِنْ تبعیضیہ ہے "کچھ" کے معنٰی میں۔ جیسا کہ ظاہر ہے، قصہ پورا نہیں بلکہ اس کا کچھ حصہ یہاں بیان ہو رہا ہے۔ بِالْحَقِّ بالکل صحیح و معتبر۔ توریت وغیرہ کے ذریعہ سے ناقص اور محرف قصہ پہلے سے مشہور تھا۔ ف۲ ملک سے مراد ملک مصر ہے۔ الْاَرْض کا اطلاق جس طرح سارے روئے زمین پر ہوتا ہے اسی طرح اس کے ہر ٹکڑے پر۔ طَآىِٕفَةً مِّنْهُمْ یعنی بنی اسرائیل یہ فرعون کونسا تھا، کس زمانہ میں تھا۔ اس کے مظالم کی کیا نوعیت تھی۔ اسی قسم کے سارے سوالات کے جوابات تفسیر کے ابتدائی حصوں میں آچکے ہیں۔ ف۳ یعنی ہماری مشیت میں یہ تھا کہ ہم انہیں دنیوی و دینی عروج دے کر رہیں۔ نَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً اس ارادۂ الٰہی کا ظہور دینی پیشوائی میں یوں ہوا کہ موسٰی علیہ السلام پر صحیفۂ آسمانی نازل ہوا۔ شریعت الٰہی اسی قوم پر اتری۔ انبیاء اس میں برابر پیدا ہوتے رہے۔ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ اس مشیت کا ظہور یوں ہوا کہ فرعون کی غلامی سے آزادی نصیب ہوئی اور آگے چل کر شام و فلسطین کی حکومت بھی مل گئی۔ نُمَكِّنَ...... الْاَرْض۔ بعض عارفوں نے اس سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ کمزور و مظلوم ہونا خود موجبِ التفات و نصرتِ الٰہی ہے۔

ف۴ (اور اپنی قضا و قدر کے سامنے ان کی ایک تدبیر بھی نہ چلنے دیں) هَامٰنَ۔ ھامان کا نام یہاں پہلی بار قرآن میں آیا ہے۔ یہ کون شخص تھا؟ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ مصر میں کوئی شخص اس نام کا تھا ہی نہیں۔ البتہ ایران میں ایک شخص اس نام کا گزرا ہے۔ اور (نعوذ باللہ) قرآن نے دونوں میں خلط کر دیا۔ لیکن ہامان کو شخصی نام فرض ہی کیوں کیا جائے؟ جس طرح اس کا عطف ''فرعون'' کے ساتھ یہاں اور آگے چل کر بھی آیا ہے اس سے تو قیاس یہی ہوتا ہے کہ جس طرح فرعون شخصی نام نہیں بلکہ شاہی لقب تھا اسی طرح ہامان بھی کوئی سرکاری لقب ہی تھا۔ تاریخ سے اتنا تو بہر حال ثابت ہے کہ مصر کے ایک بہت بڑے دیوتا کا نام آمن (AMON) تھا۔ اس کے بڑے پجاری کے اختیارات بادشاہ سے بس کچھ ہی کم ہوتے تھے۔ عجب کیا کہ اس بڑے پجاری کا سرکاری لقب عربی تلفظ میں ہامان ہی ہو۔ (ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی) مَا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ۔ یعنی زوالِ سلطنت اور ہلاکت۔ اسی کا انہیں

وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴿٦﴾

کو ان میں سے وہ کچھ دکھلائیں جس سے وہ بچنا چاہتے تھے ف۴

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا

اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم انہیں دودھ پلاؤ، پھر جب

خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ

تم کو ان کی نسبت اندیشہ ہو ف۵ تو تم انہیں دریا میں ڈال دو اور نہ اندیشہ کرو اور نہ غم کرو

اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧﴾

ہم ضرور ان کو تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور انہیں پیمبر بنا دیں گے ف۶

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۗ

چنانچہ فرعون کے لوگوں نے موسیٰ کو اٹھا لیا تا کہ وہ ان کے لئے دشمن اور غم (کا باعث) بنیں ف۷

اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ﴿٨﴾

بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین (بڑے) خطا کار تھے ف۸

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۗ

اور فرعون کی بیوی بولیں کہ یہ (بچہ) میری اور تیری آنکھ کی ٹھنڈک ہے

لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا

اسے قتل مت کرنا عجب کیا کہ یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنا لیں

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩﴾ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى

اور انہیں کچھ خبر نہ تھی (انجام کی) ف۹ اور والدہ موسیٰ کا دل

فٰرِغًا ۗ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى

بے قرار ہوا (ایسا کہ) قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا حال ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے

اندیشہ تھا اور یہی واقع ہو کر رہا۔ فِي الْاَرْضِ۔ یہ لازمی نہیں کہ اسرائیلیوں کو یہ تمکین و تمکن اسی ملک مصر ہی میں حاصل ہوا ہو۔ روئے زمین کے کسی حصہ میں بھی ہو جانا، وعدۂ الٰہی کے تحقق کے لیے کافی تھا۔ ف۵ بنی اسرائیل کی اولاد ذکور تو چن چن کر قتل کی ہی جا رہی تھی۔ حضرت موسیٰ کی والدہ ماجدہ کو بھی قدرۃً یہ فکر پیدا ہوئی کہ اب ان کی بھی تلاش ہو گی۔ اس وقت ان کے دل میں بات غیب سے ڈال دی گئی۔ اَوْحَيْنَآ۔ وحی یہاں الہام یا القاء کے معنٰی میں ہے۔ اے القينا فى قلبها (ابن قتیبہ) الوحى كل ما دللت عليه من كلام او كتاب او اشارة او رسالة (ابن قتیبہ) اس اصطلاحی معنٰی میں نہیں جو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے، اس وحی کا ذکر سورۂ طٰہٰ پ۱۶ میں گزر چکا ہے۔ بہر حال نہ یہ وحی، وحی رسالت تھی اور نہ والدۂ حضرت موسیٰ نبی یا رسول تھیں۔ و ليس هذا وحى رسالة ولا تكون هى رسولا (مدارک) توریت میں ہے:۔ ''وہ عورت حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی اور اس نے اسے خوبصورت دیکھ کے تین مہینے تک چھپا رکھا اور جب آگے کو نہ چھپا سکی تو اس نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرا بنایا اور اس پر لاسا اور رال لگایا اور لڑکے کو اس میں رکھا اور اس نے اسے دریا کے کنارہ پر جھاڑ میں رکھ دیا۔'' (خروج۔ ۲:۱۔۳) ف۶ یعنی سردست تو یہ کرو کہ ان کی رضاعت بدستور کرتی رہو۔ پھر جب دیکھو کہ افشاء راز ہوا جاتا ہے تو ایک صندوق میں انہیں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دو۔ نہ ان کے ڈوب جانے کا اندیشہ کرو نہ ان کی مفارقت کا غم کرو، ہم ایسا انتظام کیے دیتے ہیں کہ عنقریب ہی یہ پھر تمہارے پاس پہنچ جائیں اور پھر ایک خاص وقت پر انہیں پیمبری عنایت کر دیں گے۔ لَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ۔ جس خوف و حزن سے یہاں ممانعت ہے وہ عقلی و اختیاری تھا، اس خوف و حزن کے علاوہ جو طبعی اور غیر اختیاری ہوتا ہے۔ فِي الْيَمِّ۔ یم سے یہاں مراد مصر کا مشہور اور لمبا چوڑا دریائے نیل ہے۔ جو اسرائیلیوں کے محلہ سے ہوتا ہوا عین شاہی محل کے دامن سے گزرتا تھا۔ ف۷ حضرت موصوفہ نے ان ہدایتوں پر عمل کیا۔ دریائے نیل فرعون کے شاہی محل کے نیچے ہو کر بہتا تھا۔ صندوق بہتے بہتے وہاں پہنچا۔ فرعونیوں کی نظر پڑی جھپٹ کر نکالا۔ اس کے اندر سے ایک پیارا بچہ نکلا۔ اس کی پرورش کی گئی۔ اور اس طرح اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت اور مصیبت کا سبب بن گئے۔ اٰلُ فِرْعَوْنَ۔ یعنی فرعون کے لوگ۔ لِيَكُوْنَ میں ل عاقبت کا ہے یعنی ان کے اس بچہ کو اٹھا لینے کا نتیجہ یہی ہونا تھا۔ تعليل لالتقاطهم اياه بما هو عاقبته (بیضاوی) و هذه اللام تسمى لام العاقبة ولام الصيرورة لانهم لم يلتقطوه ليكون لهم عدوًا و حزنًا ولكن صار عاقبة امرهم الى ذلك (معالم) اے ليصير الامر الى ذلك لانهم اخذوه لهذا كذا قاله الزجاج و عن هذا قال المفسرون ان هذه لام العاقبة والصيرورة (مدارک) ف۸ (اور ایسے ظالموں فاجروں کو سزا ملنی ہی تھی) جمہور مفسرین کا یہی مذہب ہے۔ و اما جمهور المفسرين فقالوا معناه كانوا خاطئين فى ما كانوا عليه من الكفر والظلم (کبیر) كانوا خاطئين سے دوسری مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اپنے اس عمل میں بڑے خطا کار، بڑے لغزش کرنے والے، بڑے چوکنے والے ثابت ہوئے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

سے یہی معنٰی مروی ہے۔قال الحسن معنٰی کانوا خاطئین لیس معنی الخطیئۃ بل المعنی ھم لایشعرون انہ الذی یذھب بملکھم (کبیر) یہ پہلو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے اور کیا گیا ہے کہ خطا شعاری تو ان میں رچی ہوئی تھی ہی۔سو اگر اس معاملہ میں بھی غلطی کر بیٹھے تو ان کے لیے کوئی انوکھی چیز نہ ہوئی۔ای کانوا خاطئین فی کل شیء فلیس خطؤھم فی تربیۃ علوھم ببدع منھم (مدارک) وَ ۹ (کہ اسی بچہ کے ہاتھوں فرعون کی سلطنت غارت ہوگی) ای لا یشعرون ان ھلاکھم بسببہ و علی یدہٖ و ھٰذا قول مجاھد و قتادۃ والضحاک و مقاتل (کبیر) اِمۡرَاَتُ فِرۡعَوۡنَ سے مراد حضرت آسیہ ہیں۔توریت محرف میں انہیں فرعون کی لڑکی بتایا گیا ہے۔قرآن نے اس پرانی تاریخی غلطی کی اصلاح کر کے بتایا کہ وہ خاتون بیٹی نہیں بیوی تھیں۔البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اصلاً بیٹی ہی ہو جس کے ساتھ بعد کو فرعون نے شادی کرلی ہو۔اس پر حیرت نہ کی جائے۔متعدد جاہلی شاہی خاندانوں میں عام رواج محرمات ہی سے شادی کرنے کا رہا ہے۔اور مصر کے شاہی (فرعونی) خاندان میں بادشاہ کا اپنی ہمشیر سے نکاح کرنے کا دستور تو عام تھا۔بیٹی سے شادی کر کے اسے ملکہ بنا لینے کا تاریخی ثبوت تو موجود نہیں، لیکن ہمشیر کے نکاح پر قیاس کر کے اس کا امکان تو بہر حال موجود ہے۔ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔توریت میں ہے:۔"تب فرعون کی بیٹی غسل کرنے کو دریا پر اتری اور اس کی سہیلیاں دریا کے کنارہ پر پھرنے لگیں۔اس نے جھاڑ میں ٹوکرا دیکھ کر اپنی سہیلی کو بھیجا کہ اسے اٹھا لے جب اس نے اسے کھولا تو لڑکے کو دیکھا، اور دیکھا کہ وہ روتا ہے۔اسے اس پر رحم آیا۔اور بولی یہ کسی عبرانی کا لڑکا ہے"۔(خروج۔۲:۵و۶) عارفین نے کہا کہ اہل اللہ سے محبت رائیگاں نہیں جاتی چنانچہ موسٰی علیہ السلام سے محبت کا نتیجہ حضرت آسیہ نے مشاہدہ کرلیا کہ مشرف بایمان ہی نہیں ہوئیں بلکہ افضلِ نساء عالمین قرار پائیں۔مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس قول کا سبب محض حُبِّ طبعی تھا لیکن اہل اللہ کے ساتھ حُبِّ طبعی بھی، بشرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو، ایمان و ہدایت میں نافع ہو جاتی ہے۔

قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ

دل کو اسی لئے مضبوط نہ کیے رہتے کہ وہ یقین کیے رہیں و۱۰ اور انہوں نے موسیٰ کی بہن سے کہا

قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا

کہ موسیٰ کا سراغ تو لگانا، سو انہوں نے موسیٰ کو دور سے دیکھا اور وہ لوگ (یعنی فرعون والے)

يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ

بے خبر تھے و۱۱ اور ہم نے موسیٰ پر دائیوں کی بندش پہلے ہی کر رکھی تھی و۱۲

فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ

سو وہ کہنے لگیں کیا میں تم لوگوں کو ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش

لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ

کریں اور ساتھ ہی اس کے خیر خواہ بھی ہوں و۱۳ غرض ہم نے موسیٰ کو ان کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا تا کہ

تَقَرَّ عَيْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تا کہ غم میں نہ رہیں اور تا کہ اس بات کو جان لیں و۱۴ کہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے،

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ

البتہ اکثر لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے و۱۵ پھر جب وہ اپنی پختگی کو پہنچ گئے

وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي

اور درست ہو گئے ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا کیا و۱۶ اور ہم نیک کاروں کو ایسا ہی صلہ

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ

دیا کرتے ہیں و۱۷ اور وہ شہر میں ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے باشندے بے خبر تھے

مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫

تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے پایا

ع ۱۴/۲

و۱۰ یعنی ادھر انہوں نے اپنے نور نظر کو سپرد دریا کیا اور ادھر ان کے قلب پر غم وصدمہ نے اتنا ہجوم کیا کہ قریب تھا کہ مضطر ہو کر وہ سب ہی راز ظاہر کر دیں لیکن ہم نے ان کے دل کو مضبوط رکھا تا کہ وہ ہمارے وعدہ پر یقین کیے بیٹھی رہیں۔ گویا طبعی تقاضا تو شدت غم وحزن میں اس راز کے افشاء ہی کا تھا لیکن تائید ایزدی ان کے شامل حال رہی اور انہوں نے طبیعت کے مقتضا پر عمل نہ کیا، عارفین نے لکھا ہے کہ کاملین بھی امور طبعیہ کے اثرات سے بالکل محفوظ نہیں ہو جاتے چنانچہ حضرت موصوفہ کو باوجود وعدۂ الٰہی کے تردد قلبی شدت کے ساتھ محسوس ہوا لیکن آپ نے بفضل الٰہی اس کے مقتضا پر عمل نہ کیا اور یہ شیوہ کاملین کا ہوتا ہے۔ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا سے مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ تکمیل اخلاق میں قوتِ بشری تنہا کافی نہیں، تائید الٰہی کا شامل ہونا ضروری ہے۔ و۱۱ (اس امر سے کہ وہ ان کی بہن ہیں اور اسی سراغ رسی میں آئی ہیں) وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ سے مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ افادہ کیا ہے کہ درجۂ اعتدال میں تدبیر اختیار کرنا مرتبۂ توکل کے منافی نہیں۔ توریت میں ان کا نام مریم آیا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ "نبیہ" تھیں (خروج۔ ۱۰: ۲۰) اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ کوئی عورت نبی نہیں ہوئی ہے۔ اسرائیلی اصطلاح دوسری تھی۔ وہاں "نبیہ" کے معنی صرف پیشین گوئی کرنے والی یا تقریباً کاہنہ کے ہیں۔ توریت میں یہ بھی ہے:۔ "اور اس کی بہن دور سے کھڑی دیکھتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے"۔ (خروج۔ ۲: ۴) و۱۲ (چنانچہ آپ کسی کا دودھ نہ لیتے تھے) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی و۱۳ محل والے پریشان تو ہو ہی رہے تھے کہ بچہ کسی دایہ کی دایہ گری نہیں قبول کر رہا ہے۔ خواہر موسیٰ نے اجنبی اور انجان بن کر ان سے کہا کہ میں تمہیں ایسے گھرانے کا پتہ بتا سکتی ہوں جو بچہ کی پرورش کا کام ہی نہ کر دیں بلکہ پوری دلسوزی سے اسے انجام دیں۔ وہ لوگ تو دل سے یہی چاہتے تھے فوراً راضی ہو گئے۔ والدۂ موسیٰ ایک اجنبی دایہ کی حیثیت سے بلائی گئیں۔ رضاعت شروع کی۔ کبھی اپنے گھر لاتیں، کبھی محل میں جا رکھتیں۔ روایاتِ یہود کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ و۱۴ (مشاہدہ ومعائنہ کے مرتبہ میں) فَرَدَدْنٰهُ یعنی واپس پہنچا دیا، اپنے وعدہ کے مطابق۔ تَقَرَّ عَيْنُهَا یعنی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اپنی اولاد کو دیکھ کر۔ اور یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ والدۂ موسیٰ نے اس ارضاع کی اجرت بھی لی تھی تو اپنے کو اجنبی اور انجان ظاہر کرنے کے بعد بھی بالکل قرین قیاس یہی ہے۔ رہا اس پر یہ فقہی شبہ کہ واجب پر تو اجرت جائز ہی نہیں۔ سو اس کے متعدد جوابات ممکن ہیں۔ اول تو یہ کیا ضرور ہے کہ فقہ اسرائیلی میں بھی یہ جزئیہ موجود ہو۔ اور پھر حربی کا مال اس کی رضامندی سے لینا، خواہ کسی طریق سے بھی ہو، ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔ ان کے علاوہ یہاں ضرورت ومصلحت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ و۱۵ تعریض ہے کافروں پر کہ ان بدبختوں کو وعدۂ الٰہی پر بھی اطمینان نہیں ہوتا۔ ذرا سی دیر لگی، یا درمیان میں کوئی پیچ پڑا اور یہ بدعقیدہ ہو جاتے ہیں۔ و۱۶ یعنی فہم سلیم وعقل مستقیم بطور مقدمۂ نبوت کے۔ حضرت موسیٰ ابھی تک نبی نہ تھے، لیکن آثار نبوت سب بیدار ہو چکے تھے۔ اسْتَوٰی یعنی قوائے جسمانی وعقلی پورے بلوغ کو پہنچ لیے۔

و۱۷ یعنی عمل صالح سے فیضان علمی میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ نَجْزِی سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم سے مراد یہاں نبوت نہیں۔ کیونکہ نبوت جزاء اعمال واحسان نہیں، محض خدائے رحمٰن کا فضل خاص ہے (کبیر)

هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ

ایک تو ان کی برادری کا تھا اور ایک ان کے مخالفین میں تھا وف۱۸ سو وہ جو ان کی برادری

الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ

کا تھا اس نے ان سے دادخواہی کی اس کے مقابلہ میں جو ان کے مخالفین میں تھا، سو موسیٰ نے اس کو

مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ

گھونسا مارا پس اس کا کام تمام کر دیا وف۱۹ (موسیٰ) بولے یہ تو شیطانی حرکت

الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ

ہوگئی بے شک شیطان کھلا ہوا دشمن بہکا دینے والا ہے وف۲۰ عرض کیا اے میرے پروردگار

اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

مجھ سے قصور ہوگیا وف۲۱ سو تو بخش دے، پھر (اللہ نے) انہیں بخش دیا، بیشک وہ تو ہی ہے

الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ

بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا (موسیٰ نے) عرض کی اے میرے پروردگار تو نے مجھ پر (بڑے بڑے) انعامات کیے ہیں،

فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ فَاَصْبَحَ فِي

سو میں بھی مجرموں کی مدد نہ کروں گا وف۲۲ پھر (موسیٰ کو) شہر میں

الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ

صبح ہوئی خوف و اندیشہ کی حالت میں کہ اتنے میں وہی جس نے کل ان سے مدد چاہی تھی وف۲۳

بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ

(آج پھر) اسے پکار رہا ہے (موسیٰ نے) اس سے کہا تو بھی

لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ

بڑا ہی بد راہ ہے وف۲۴ پھر جب (موسیٰ نے) اس پر ہاتھ بڑھایا جو

وف۱۸ یعنی ایک اسرائیلی (سبطی) تھا اور ایک مصری (قبطی) الْمَدِيْنَةَ شہر سے مراد مصر کا قدیم شہر ممفس ہے اور توریت میں یہ نام موف کر کے آتا ہے اور ہمارے ہاں کی قدیم روایات میں منف کر کے۔ موجودہ دارالسلطنت شہر قاہرہ سے کوئی ۱۲ میل جنوب میں واقع تھا۔ اور اپنے زمانہ کا بڑا نام آور شہر تھا۔ اب موقع مطراینہ اسی جگہ پر ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا۔ یعنی لوگ بے خبر پڑے سو رہے تھے۔ وقت غالباً دوپہر کا تھا۔ وف۱۹ حضرت موسیٰ نے پایا کہ مصری ظالم تھا اور اسرائیلی مظلوم آپ نے گھونسا محض رفع ظلم کے لیے تادیباً مارا۔ اور یہ محض اتفاق تھا کہ اس سے وہ مصری مر گیا۔ توریت میں یہ حکایت یوں درج ہے:۔ ''جب موسیٰ بڑا ہوا تو اپنے بھائیوں کے پاس باہر گیا اور ان کی مشقتوں کو دیکھا اور دیکھا کہ ایک مصری ایک عبرانی کو جو اس کے بھائیوں میں سے ایک تھا مار رہا ہے۔ پھر اس نے اِدھر اُدھر ہر طرف نظر کیا اور دیکھا کہ کوئی نہیں، تب اس مصری کو مار ڈالا۔ اور ریت میں چھپا دیا'' (خروج۔ ۲: ۱۱ و ۱۲) یہ قتل نہ عمداً تھا نہ ظلماً محض خطأ تھا اور قتل خطا تو معصیت یوں ہی نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ جب مقصود اس سے اصلاح و خیر اور ایک مظلوم کی نصرت و رہائی ہو۔ یہ قتل ایسا ہی ہے جیسا ہماری شریعت میں کسی مجرم پر حد یا تعزیر جاری ہو اور وہ اتفاقاً اسی میں مر جائے تو نہ قاضی پر گناہ ہوگا نہ جلاد پر۔ وف۲۰ یعنی شیطان کا کام ہی انسان کو بہکانا، غلطیوں میں مبتلا کرنا ہے۔ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ۔ اس فرعونی کا قتل اس کے حربی ہونے کی بنا پر تو یوں ہی مباح تھا اور حق العبد نہ تھا۔ پھر قتل عمد نہیں قتل خطا تھا اور مقصود اس سے تادیب تھی۔ لیکن موسیٰ پیمبر تھے کمالِ خشیت سے خلافِ اولیٰ کو بھی گناہ قرار دیا (تھانوی علیہ الرحمہ) هٰذَا یعنی یہ قتل جو بالکل بے ارادہ عمل میں آ گیا۔ اشارة الى القتل الحاصل بغير قصد (مدارک) وف۲۱ (اور جو نتیجہ میں نہیں چاہتا تھا وہ نکل آیا) ظَلَمْتُ نَفْسِيْ۔ حضرت کا اپنی زبان سے یہ ادا کرنا ہرگز اثباتِ جرم کے مرادف نہیں۔ یہ تو کاملین کی عام عادت ہی ہوتی ہے کہ اپنی خفیف سی بے احتیاطی کو بھی گویا خطا و لغزش کا ایک پہاڑ بنا کر پیش کرتے ہیں انما عدهٗ من عمل الشيطان و سماه ظلما و استغفر منه على عادتهم فى استعظام محقرات فرطت منهم (بیضاوی) مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ نے تو محض رفع ظلم چاہا تھا، قتل بلا قصد واقع ہوگیا۔ آپ کو بعد تامل معلوم ہوا کہ رفع ظلم دوسرے طریق سے بھی ممکن تھا جو قصد کے وقت سمجھ میں نہ آیا بس اس لیے آپ نے استغفار فرمایا۔ اس سے چند مسئلے ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ کاملین سے بھی بعض طبعیات مثلاً غضب کا صدور ہوتا رہتا ہے۔ دوسرے حسنات الابرار سیئات المقربین اور یہاں وہ حسنہ دفع ظلم تھا تیسرے یہ کہ کاملین کو خشیت دوسروں سے کہیں زائد ہوتی ہے۔ وف۲۲ ''یہاں مجرمین سے مراد وہ ہیں جو دوسروں سے گناہ کا کام کرانا چاہیں کیونکہ گناہ کسی سے کرانا یہ بھی جرم ہے۔ بس اس میں شیطان بھی داخل ہوگیا کہ وہ گناہ کراتا ہے اور گناہ کرنے والا اس کی مدد کرتا ہے خواہ عمداً یا خطأً'' (تھانوی علیہ الرحمہ) حضرت موسیٰ کو اس مغفرت و مغفوریت کا حال بطریق الہام معلوم ہوگیا تھا۔ جیسا کہ ہر ولی اللہ کو مکشوف ہوسکتا ہے۔ وف۲۳ (اور اس وقت کسی اور سے الجھ رہا تھا) يَتَرَقَّبُ یعنی آپ کو برابر یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں مصری پولیس گرفتار کرنے نہ آ رہی ہو۔ حضرت موسیٰ اس وقت تک نبی نہیں ہوئے تھے لیکن اگر ہوتے بھی تو طبعی خوف و اندیشہ کسی بھی مرتبۂ کمال کے منافی نہیں۔ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جو لوگ مطلقاً غیر اللہ کے خوف کو ناجائز بتاتے ہیں۔ یہ آیت ان کے خیال کی بالکل تردید کر رہی ہے۔ فيه دليل على انه لا باس بالخوف من دون الله بخلاف ما يقوله بعض الناس انه لا يسوغ الخوف من دون الله (مدارک) وف۲۴ (کہ روز ہی لوگوں سے الجھتا رہتا ہے) حضرت موسیٰ کو کل کی بات یاد آ گئی۔ اسی پر آپ کو ناخوشی پیدا ہوئی۔ توریت میں ہے:۔ ''اور جب وہ دوسرے دن باہر گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ دو عبرانی آپس میں جھگڑ رہے ہیں، تب اس نے اس کو جو ناحق پر تھا کہا کہ تو اپنے یار کو کیوں مارتا ہے؟'' (خروج۔ ۲: ۱۳)

هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ
ان دونوں کا مخالف تھا ف۲۵ تو وہ (اسرائیلی) بول اٹھا کہ اے موسٰی کیا اب مجھے قتل کرنا چاہتے ہو
كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ
جیسا کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو بس تم دنیا میں
تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ
اپنا زور بٹھانا چاہتے ہو اور (صلح و) اصلاح
الْمُصْلِحِيْنَ ۝ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ
نہیں چاہتے ف۲۶ اور ایک شخص شہر کے کنارہ سے ف۲۷ دوڑتا ہوا
يَسْعٰى ۡ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ
آیا کہنے لگا اے موسٰی اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں
لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝
کہ آپ کو قتل کر دیں ف۲۸ سو آپ چلے جائیے میں آپ کا بڑا خیر خواہ ہوں،
فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ
سو موسٰی وہاں سے نکل کھڑے ہوئے خوف و اندیشہ کے ساتھ ف۲۹ بولے اے میرے پروردگار مجھے
مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ
ظالم لوگوں سے بچا لیجیے ف۳۰ اور جب (موسٰی) مدین کی طرف ہو لئے
قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝
تو بولے کہ امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھی راہ پر چلا دے ف۳۱
وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ
اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو اس پر آدمیوں کا ایک مجمع

ف۲۵ (کہ اس کو ظلم و زیادتی سے روک دیں) مراد فرعونی ہے جو حضرت موسٰی اور اس اسرائیلی فریادی دونوں کا مخالف تھا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ کاملین جس طرح دشمن پر سیاست کرتے ہیں دوست پر بھی کرتے ہیں۔ جیسا جس کے حال کا مقتضا ہوا۔ چنانچہ یہاں آپ نے قول سے سیاست سبطی کی فرمائی اور ارادہ بطش سے قبطی کی۔ غرض ان میں عدل کامل ہوتا ہے۔ عصبیت قومی نہیں ہوتی۔ ف۲۶ وہ اسرائیلی جس پر ابھی ڈانٹ پڑ چکی تھی قدرۃً یہ سمجھا کہ اب کہ وار مجھ پر ہو گا۔ یہ سمجھ کر چلا اٹھا۔ بس اسی سے شہر میں خبر پھوٹ گئی۔ توریت میں ہے:۔ ”وہ بولا کہ کس نے تجھے ہم پر حاکم یا منصف مقرر کیا ہے آیا تو چاہتا ہے کہ جس طرح تو نے اس مصری کو مار ڈالا، مجھے بھی مار ڈالے۔ (خروج۔ ۲:۱۴) ف۲۷ یعنی بڑے فاصلہ پر اس مقام سے جہاں شاہی کمیٹیاں منعقد ہوتی رہتی تھیں۔ رَجُلٌ یہ شخص حضرت موسٰی کا مومن مخلص تھا۔ ف۲۸ یعنی سرکاری کمیٹی میں گفتگو اس موضوع پر ہو رہی ہے کہ آپ کو اس مصری کے قتل کے جرم میں قتل کیوں نہ کر دیا جائے۔ توریت میں ہے:۔ جب فرعون نے یہ سنا تو چاہا کہ موسٰی کو قتل کرے۔“ (خروج۔ ۲:۱۵) ف۲۹ توریت میں ہے:۔ ”تب موسٰی ڈرا اور کہا کہ یقیناً یہ بھید فاش ہوا“۔ (خروج۔ ۲:۱۴) کاملین یہاں تک کہ انبیاء کے لیے بھی یہ ہرگز ضروری نہیں کہ امور طبعیہ میں وہ عام انسانوں سے الگ ہوں۔ فَخَرَجَ مِنْهَا ظاہر ہے کہ اب حضرت موسٰی کے لیے مملکت مصر میں کہیں بھی ٹھہرنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ جائے امن اب آپ کے لیے حدود مصر سے باہر ہی ہو سکتی تھی۔ مِنْهَا یعنی اس شہر سے۔ اے من المدينة (بیضاوی) ف۳۰ (اور امن کی جگہ پہنچا دیجئے) انبیاء اپنا تعلق ہر حال میں اللہ سے جوڑے رکھتے ہیں۔ ہجرت اس ملک سے خود کر رہے ہیں لیکن دعا حق تعالیٰ سے کرتے جاتے ہیں۔ ف۳۱ (چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ مدین پہنچ گئے) مدین پر حواشی پہلے گزر چکے۔ سورۃ الاعراف (پ۸) وغیرہ میں — ملزم کی تلاش میں سڑکوں کی ناکہ بندی ہو چکی تھی۔ اس لیے آپ جنگل بیڑ ہوتے ہوئے چلے۔

النَّاسِ یَسْقُوْنَ ۠ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَیْنِ
دیکھا پانی پلاتے اور ان لوگوں سے ایک طرف دو عورتیں دیکھیں

تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِیْ حَتّٰى
کہ وہ (اپنے جانور) روکے کھڑی ہیں و۳۲ پوچھا تمہارا کیا مقصود ہے؟ دونوں بولیں ہم پانی نہیں پلاتے جب تک

یُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَ اَبُوْنَا شَیْخٌ كَبِیْرٌ (۲۳) فَسَقٰى لَهُمَا
(یہ) چرواہے (اپنے جانوروں کو) ہٹا کر نہیں لے جاتے، اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں، و۳۳ پس (موسیٰ نے) ان

ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ
کے لئے پانی پلا دیا پھر ہٹ کر سایہ میں آگئے اور عرض کی کہ اے میرے پروردگار تو جو نعمت بھی مجھے دے دے

مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (۲۴) فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى
میں اس کا حاجت مند ہوں و۳۴ پھر ان دو میں سے ایک لڑکی موسیٰ کے پاس آئی کہ شرماتی ہوئی

اسْتِحْیَآءٍ ٘ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ
چلتی تھی بولی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تاکہ تم کو اس کا

اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَیْهِ
صلہ دیں جو تم نے ہماری خاطر پانی پلا دیا تھا و۳۵ پھر جب ان کے پاس پہنچے اور ان سے حالات

الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٙ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ
بیان کئے تو انہوں نے کہا خوف مت کرو (اب) تم ظالم لوگوں سے

الظّٰلِمِیْنَ (۲۵) قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ٞ اِنَّ
بچ آئے و۳۶ (پھر) ان دو میں سے ایک لڑکی بولی اے ابا ان کو نوکر رکھ لیجیے کیونکہ

خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ (۲۶) قَالَ اِنِّیْۤ
اچھا نوکر وہی ہے جو قوت دار ہو، امانت دار ہو و۳۷ وہ بولے میں

۳۲ (وہ مردوں کے مجمع میں گھسی نہیں پڑتیں) مَآءَ مَدْیَنَ سے مراد شہر مدین کا کنواں ہے۔ قدیم تہذیب و تمدن میں کنوؤں کو بڑی اہمیت اور مرکزیت حاصل تھی۔ جس کا کچھ نمونہ آج بھی دیہات میں نظر آجاتا ہے۔ یہ دونوں نوجوان لڑکیاں شہر کے رئیس و چودھری اور اللہ کے پیمبر حضرت شعیب علیہ السلام کی تھیں۔ توریت میں ان کا نام رعوایل آیا ہے۔ اور اس موقع پر توریت کا بیان حسب ذیل ہے۔ ''موسیٰ فرعون کے حضور سے بھاگا۔ اور مدیان کی زمین میں گیا اور ایک کنوئیں کے نزدیک بیٹھا اور مدیان کے کاہن کی سات بیٹیاں تھیں وہ آئیں اور پانی نکالنے لگیں اور کٹھروں کو بھراتا کہ اپنے باپ کے گلے کو پانی پلاویں''۔ (خروج۔ ۲:۱۶) قدیم تمدن میں اونچی اونچی شریف زادیوں کا بھی کنوئیں پر جا کر پانی بھرنا یا جانوروں کا پانی پلانا خلاف دستور نہ تھا۔ باہر نکلنا تو ہماری شریعت میں بھی جائز ہے، بشرطیکہ حیاء و پردہ داری کے ساتھ ہو۔ تَذُوْدٰنِ اس میں خود اس طرف اشارہ ہو گیا کہ دونوں صاحبزادیاں الگ حیاء و تہذیب کے ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔ مردوں کے مجمع میں گھسی نہیں پڑتی تھیں۔ و۳۳ (سو وہ خود تو آنے سے معذور ہیں اور یہ کام ہمیں کو کرنا پڑتا ہے لیکن ہم اپنی طرف سے اتنی احتیاط رکھتے ہیں کہ اپنے جانوروں کو مردوں کے مجمع سے الگ کیے کھڑے رہتے ہیں۔ جب مردوں کا مجمع رخصت ہو لیتا ہے جب جا کر ہم اپنے جانوروں کو پانی پلاتے ہیں) شریف زادیوں کی یہ غیرت و حیاداری کتنی سبق آموز ہے۔

و۳۴ حضرت موسیٰ کا طویل سفر کے بعد بھوکا پیاسا، تھکا ماندہ ہونا بالکل قدرتی تھا۔ آپ سایہ میں آکر بیٹھ گئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے رزق کے لیے دعا کی۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے حاجت صرف بقدر ایک کفِ دست کے بیان فرمائی تھی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر اس پر دلالت کرتی ہے کہ کاملین کی شان اپنی ہر حاجت قلیل و کثیر کا حق تعالیٰ کے سامنے ظاہر کرنا ہے۔ بخلاف مدعیان زہد کے جو حق تعالیٰ کی نعمتوں سے استغناء بلکہ نفرت ظاہر کیا کرتے ہیں۔ فَسَقٰى لَهُمَا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے ان عورتوں کی خاطر ان کے جانوروں کو پانی بھر کر پلا دیا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں دلالت ہے اس پر کہ کاملین کو خدمت خلق سے عار نہیں ہوتی۔ توریت میں ہے:۔ وہ آئیں اور پانی نکالنے لگیں اور کٹھروں کو بھراتا کہ اپنے باپ کے گلے کو پانی پلا دیں۔ تب گڈریوں نے آکے انہیں ہانکا۔ لیکن موسیٰ نے کھڑے ہو کر ان لڑکیوں کی مدد کی اور ان کے گلے کو پانی پلایا''۔ (خروج۔ ۲:۱۶،۱۷) تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ یہاں یہ جتا دیا کہ حضرت موسیٰ دھوپ کے وقت سایہ کے بھی محتاج تھے۔ — کمال یہ ہرگز نہیں کہ کوئی بشر لوازمِ بشریت مثلاً بھوک، پیاس، گرمی، سردی کے احساس سے بے نیاز ہو جائے۔ رَبِّ...... فَقِیْرٌ کامل سے کامل بندے یہاں تک کہ انبیاء اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے مستغنی نہیں ہوتے۔ بھوک کے وقت للک کر اس کے لیے دعائیں، آرزوئیں کرتے ہیں۔ و۳۵ ادھر حضرت موسیٰ نے کھانے پینے کے لیے خدا سے دعا کی، ادھر یہ ہوا کہ لڑکیاں جو آج خلافِ معمول سویرے واپس آگئیں تو حضرت شعیب نے سبب دریافت کیا۔ لڑکیوں نے اصل ماجرا سنا دیا۔ حضرت کی شرافت کب اسے گوارا کر سکتی تھی کہ ایسے محسن کو یوں ہی بالا بالا چلا جانے دیتے لڑکی کو بھیج اپنے گھر بلوایا کہ کچھ تو حق میزبانی کا ادا کریں۔ توریت میں ہے:۔ ''اور جب وہ اپنے باپ رعوایل کے پاس آئیں اس نے پوچھا کہ آج تم کیونکر سویرے پھریں؟ وہ بولیں ایک مصری نے ہمیں گڈریوں کے ہاتھ سے بچایا اور ہمارے لیے جتنا کافی تھا پانی بھرا۔ اور گلے کو پلایا۔ اس نے اپنی بیٹیوں سے کہا کہ وہ مرد کہاں ہے؟ تم اسے کیوں چھوڑ آئیں؟ اسے بلاؤ کہ روٹی کھاوے''۔ (خروج۔ ۲:۱۸۔۲۰) تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ میں صاف دلالت اس امر پر ہے کہ شریف زادیوں کے لیے چنک منک، تیزی طراری نہیں، بلکہ غیرت و حیاء لجانا اور شرمانا امر طبعی ہے۔ تَذُوْدٰنِ۔ لَا نَسْقِیْ حَتّٰى یُصْدِرَ الرِّعَآءُ۔ اور پھر اب تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ عورت کے لیے اگر غیرت و حیاداری اس درجہ میں مطلوب و مقصود نہیں تو آخر قرآن کو بار بار ان تصریحات کی ضرورت کیا تھی۔ اِحْدٰىهُمَا۔ ان صاحبزادی کا نام بی بی صفورہ تھا۔ روایاتِ اسلامی میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ جب روانہ ہوئے تو ان سے کہا کہ تم میرے پیچھے ہو جاؤ۔ میں پسند نہیں کرتا کہ نامحرم پر بلا ضرورت نظر بلا قصد بھی پڑے۔ و۳۶ (یہاں فرعون مصر کا حکم نہیں چلتا) مدین حدودِ مصر سے باہر تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان صاحبزادی کی زبان سے لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا سن کر چلا آنا اس پر دال ہے کہ اگر عمل بقصدِ عوض نہ ہو پھر بعد عمل کچھ عوض قبول کر لیا جائے تو یہ منافی اخلاص نہیں۔ و۳۷ یعنی جس کے قوائے جسمانی بھی اچھے ہوں، محنت سے اپنے کام انجام دے سکے اور اخلاقی صفات سے بھی متصف ہو۔ خدمت کی بجا آوری میں خیانت و بددیانتی سے کام نہ لے۔ بی بی صاحبہ کو حضرت

أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَٰتَيْنِ عَلَىٰ أَن

چاہتا ہوں کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک تمہارے نکاح میں دے دوں اس شرط پر کہ

تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ ۖ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ

تم آٹھ سال میری نوکری کرو ف۳۸ اور اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے

عِندِكَ ۖ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۚ سَتَجِدُنِي

(احسان) ہے اور میں تم پر کوئی سختی نہیں چاہتا تم انشاءاللہ

إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾ قَالَ ذَٰلِكَ بَيْنِي

مجھ کو خوش معاملہ پاؤ گے ف۳۹ (موسیٰ نے) کہا تو یہ بات میرے

وَبَيْنَكَ ۖ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ

اور آپ کے درمیان ہو گئی، میں ان دونوں میں سے جو مدت بھی پوری کر دوں مجھ پر کوئی جبر

عَلَيَّ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٢٨﴾ فَلَمَّا قَضَىٰ

نہ ہو گا، اور ہم جو کچھ کہہ (سن) رہے ہیں اللہ اس کا گواہ ہے ف۴۰ پھر جب موسیٰ اس مدت کو

مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِن جَانِبِ

پورا کر چکے اور اپنے گھر والوں کو لے کر روانہ ہوئے ف۴۱ تو انہوں نے طور کی طرف

الطُّورِ نَارًا ۖ قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا

ایک آگ دیکھی ف۴۲ اپنے گھر والوں سے بولے کہ تم (یہیں) ٹھہرو میں نے تو آگ دیکھ لی ہے۔

لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ

شاید میں وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا آگ کا (کوئی) انگارا ہی لیتا آؤں

لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٢٩﴾ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِن

تاکہ تم سینک کر لو ف۴۳ سو جب وہ اس آگ کے پاس پہنچے تو انہیں آواز آئی،

ع ۳

ف۳۸ (اور اس نوکری کا بدل وہی نکاح ہے) یعنی آٹھ سال کی خدمت اس نکاح کا مہر قرار پایا۔ کسی مدت معینہ تک مویشیوں کی چرائی کا مہر مقرر ہو جانا فقہ اسلامی میں بھی جائز ہے۔ ''یہ بکریاں اگر ان صاحبزادی کی تھیں تب تو ان کا مہر ادا کیا جانا ظاہر ہے۔ اور اگر باپ کی تھیں تو بالغہ کی رضا سے ایسا معاملہ اس شریعت میں بھی جائز ہے''۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۳۹ حضرت شعیب نے فرمایا کہ تمہاری خوشی ہو تو تم دس برس رہ جانا، اس میں میری طرف سے کوئی جبر یا اصرار نہیں۔ میں تو کام کی تعداد، وقت کی پابندی وغیرہ ہر معاملہ میں تمہاری سہولت کو مدنظر رکھوں گا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ نوکری یا مزدوری یا دوسرے اسباب معاش منافیٔ توکل نہیں۔ ف۴۰ حضرت موسیٰ نے کہا تو اچھا یہ معاملہ میرے آپ کے درمیان پختہ ہو گیا۔ خدائے حاضر و ناظر اس معاہدہ کا گواہ ہے۔ ف۴۱ (مصر کی طرف) اپنی مدت مقرر بسر کر کے حضرت موسیٰ مع اہل و عیال اب اپنے وطن مصر کو روانہ ہوئے ہیں۔ بِأَهْلِهِ توریت میں تصریح ہے کہ ساتھ میں آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت صفورہ تھیں اور ان کے دونوں بچے تھے۔ (خروج۔ ۴: ۲۰) نیز ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ف۴۲ یعنی ایسی روشنی جسے وہ آگ سمجھے اور آگ ہی وہ معلوم ہوتی بھی تھی۔ ف۴۳ رات اندھیری تھی اور سردی کا موسم۔ راستہ بھی یہ چھوٹا سا قافلہ بھول گیا تھا۔ آگ کی روشنی آبادی کی علامت تھی۔ مفصل حاشیے سورۂ طٰہٰ پ۱۶ میں گزر چکے، نیز سورۃ النمل پ۱۹ میں۔

شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ

اس میدان کے داہنی جانب سے اس مبارک مقام میں ایک درخت

الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾

سے کہ اے موسیٰ یہ تو میں ہوں اللہ پروردگار عالم۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ

اور یہ بھی کہ تم اپنا عصا ڈال دو پھر جب انہوں نے اسے لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا (تیز) سانپ

وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ

تو وہ پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا (حکم ہوا) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت۔

اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ

تم (ہر طرح) امن میں ہو ف۴۴ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو

تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ

وہ روشن ہو کر نکلے گا بغیر کسی مرض کے اور خوف (رفع کرنے) کے واسطے

جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ

اپنا بازو پھر اپنے سے ملا لینا ف۴۵ سو یہ دو سندیں ہیں تمہارے

رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا

پروردگار کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس (جانے کے لئے) بے شک وہ بڑے نافرمان

فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا

لوگ ہیں، (موسیٰ نے) عرض کیا اے میرے پروردگار میں نے ان میں سے ایک شخص کا خون کر دیا تھا

فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ

سو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے ف۴۶ اور میرے بھائی ہارون کہ وہ مجھ سے زیادہ

ف۴۴ (اور یہ تو تمہارا معجزہ ہے) الْوَادِ الْاَيْمَنِ۔ میدان کی داہنی جانب۔ حضرت موسیٰ کی بھی داہنی جانب تھی۔ سارے واقعہ پر مفصل حاشیے سورۂ طٰہٰ پ۱۶ میں گزر چکے، نیز سورۃ النمل پ۱۹، سورۃ الاعراف پ۹ میں۔ اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ کے ساتھ صفت رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کا اضافہ اس حقیقت کو اور مؤکد و مصرح کر رہا ہے کہ جو سارے عالم کا مالک و حاکم ہے وہ کسی محدود جگہ کے اندر گھر کیونکر سکتا ہے؟ وَلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ۔ سانپ، شیر وغیرہ زہریلے اور خطرناک جانوروں سے ڈرنا بالکل ایک امر طبعی ہے، اور بڑے سے بڑے کمالات ولایت، یہاں تک کہ نبوت کے بھی منافی نہیں۔ اور حضرت کلیم اللہ کا یہ خوف تمامتر خوف طبعی ہی تھا۔ آیت سے ضمناً اس حقیقت پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے کہ معجزہ تمامتر ایک فعل خداوندی ہوتا ہے، پیمبر اس کا صرف واسطہ ہوتا ہے پیمبر کو اس معجزہ کی تکوین میں مطلق دخل نہیں ہوتا۔ ورنہ کم از کم اپنے معجزہ سے تو حضرت کلیم اللہ خوف نہ کھاتے۔ ف۴۵ (جس سے ہاتھ اپنے اصلی رنگ پر لوٹ آئے گا اور یہ تمہارا طبعی خوف بھی جاتا رہے گا)۔ وَاضْمُمْ اِلَيْكَ الخ کی تعبیر و تقریر میں ائمہ مفسرین کو اشکالات پیش آئے ہیں یہاں ترجمہ و تقریر میں مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی کی گئی ہے جو بالکل بے تکلف و بے غبار ہے۔ عصا کے بعد یہ ذکر دوسرے معجزۂ ید بیضا کا ہے۔ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ۔ یہ تصریح توریت مروجہ کی تغلیط کے لیے ہے، جس کا بیان ہے کہ نعوذ باللہ آپ کو برص کا مرض تھا۔ (حاشیے سورۂ طٰہٰ وغیرہ میں گزر چکے) بُرْهَانٰنِ۔ یعنی سندیں اور دلیلیں جو مشرکوں کے بھی سمجھ میں آجائیں۔ ف۴۶ (اسی خون کے عوض میں، اور آگے کچھ میری سنیں ہی نہیں) فرعون کے سلسلہ میں یہ خوب ذہن نشین رہے کہ وہ ایک خود مختار، مطلق العنان جابر بادشاہ تھا۔ اس کے فیصلے کے خلاف اپیل کی کہیں گنجائش نہیں تھی۔ وہ اپنے اختیارات سے سب کچھ کر سکتا تھا۔ یہ مضمون بھی اوپر کئی بار آچکا ہے۔

مِنِّىۡ لِسَانًا فَاَرۡسِلۡهُ مَعِىَ رِدۡاً يُّصَدِّقُنِىۡٓ ۡ اِنِّىۡۤ

خوش بیان ہیں انہیں بھی میرے ساتھ رسالت دے دیجیے مددگار بنا کر کہ وہ میری تصدیق کرتے رہیں، ف۴۷ مجھے

اَخَافُ اَنۡ يُّكَذِّبُوۡنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ

اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب بھی کریں گے (اللہ نے) فرمایا ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہاری قوتِ بازو

بِاَخِيۡكَ وَ نَجۡعَلُ لَـكُمَا سُلۡطٰنًا فَلَا يَصِلُوۡنَ

بنائے دیتے ہیں اور ہم تم دونوں کو ایک شوکت (خاص) عطا کرتے ہیں، سو انہیں تم دونوں

اِلَيۡكُمَا ۛۚ بِاٰيٰتِنَآ ۛۚ اَنۡتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۳۵﴾

پر دسترس نہ ہوگی، ہمارے نشان لے کر جاؤ تم دونوں اور جو تمہارے پیرو ہوں گے غالب رہیں گے

فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مُّوۡسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوۡا مَا هٰذَآ

پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہمارے کھلے ہوئے نشان لے کر آئے ف۴۸ تو وہ بولے کہ یہ تو ایک

اِلَّا سِحۡرٌ مُّفۡتَـرًى وَّمَا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِىۡۤ اٰبَآئِنَا

بس گڑھا ہوا جادو ہے اور ہم نے ایسی بات اپنے اگلوں باپ دادوں کے وقت تو

الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۳۶﴾ وَ قَالَ مُوۡسٰى رَبِّىۡۤ اَعۡلَمُ بِمَنۡ جَآءَ

سنی نہیں ف۴۹ اور موسیٰ نے کہا کہ میرا پروردگار خوب جانتا ہے اس کو جو

بِالۡهُدٰى مِنۡ عِنۡدِهٖ وَمَنۡ تَكُوۡنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ‌ ؕ

(دین) ہدایت لے کر اس کے پاس سے آیا ہے اور جس کو آخرت کا گھر ملنے والا ہے

اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۳۷﴾ وَ قَالَ فِرۡعَوۡنُ يٰۤاَيُّهَا

بے شک ظالم (کبھی) فلاح نہ پائیں گے ف۵۰ اور فرعون نے کہا اے

الۡمَلَاُ مَا عَلِمۡتُ لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرِىۡ‌ ۚ فَاَوۡقِدۡ لِىۡ

سردارو، مجھ کو تو اپنے سوا کوئی تمہارا معبود معلوم نہیں ف۵۱

معانقة ۱۱

ف۴۷ (اور گفتگو ومناظرہ کے لیے روانیٔ زبان وفصاحتِ بیان کی ضرورت بہت پڑا کرے گی) هُرُوۡنُ اور هُوَ اَفۡصَحُ مِنِّىۡ پر بھی حاشیے سورۂ طٰہٰ پ۱۶ میں گزر چکے۔ رِدۡاً۔ ردء وہ چیز ہے جس کا سہارا لیا جائے۔ یہاں مراد مددگار ہے۔ معينا و هوفى الاصل اسم مايعان به (بیضاوی) الردء الذى يتبع غيرهٗ معينا لهٗ (راغب) ف۴۸ معجزات ودلائل وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔ نَجۡعَلُ لَكُمَا سُلۡطٰنًا۔ یہ یاد کر لیجیے کہ موسیٰ وہارون علیہما السلام دونوں محکوم قوم اور رعایا کے فرد تھے اور ان کا مقابلہ ایسے بادشاہ خود مختار سے ہو رہا تھا جس کی زبان خود ہی قانون تھی۔ اور جو ملک میں مطاعِ مطلق ہی کی حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ ملک کی اکثریت کے عقیدہ میں معبود واِلٰہ (سب سے بڑے دیوتا کا اوتار) بھی تھا! اس استحضارِ حقیقت کے بعد اس رعبِ نبوت کی پوری قدر ہوگی۔ فرعون تو فرعون، اس کے درباری اور ارکانِ حکومت تک موسیٰ اسرائیلی وہارون اسرائیلی کی حقیقت کیا سمجھتے تھے اور اپنے کو ان کے پیس ڈالنے کے لیے کافی سمجھ رہے تھے۔ فَلَا يَصِلُوۡنَ اِلَيۡكُمَا اسی رعبِ خداداد کا یہ نتیجہ تھا کہ بڑے بڑے ہیکڑوں میں سے کوئی آپ دونوں پر دسترس نہ پاسکا۔ بِاٰيٰتِنَا۔ تقدیرِ کلام یوں ہے۔ اِذۡهَبَا بِاٰيٰتِنَا۔ ف۴۹ مصری قوم شرک در شرک میں مبتلا، عقیدۂ توحید ونبوت سے سرے سے نا آشنا تھی۔ پیامِ موسوی سن کر اور دلائل سے واقف ہو کر اور معجزات کے مشاہدہ ہونے کے بعد بولی کہ یہ تو محض ایک ساحرانہ کارروائی ہے اور اسے دل سے گڑھ کر خدا کی جانب منسوب کیا جا رہا ہے۔ ف۵۰ حضرت موسیٰ نے منکروں کی ہٹ دھرمی دیکھ کر آخر میں عاجز آ کر کہا کہ خیر آج میری نہیں سنتے ہو تو نہ سنو اللہ کو تو خوب معلوم ہے کہ راہِ ہدایت پر کون ہے اور ظالم کون؟ عاقبت بخیر کس کی ہونا ہے اور محرومِ الفلاح کون؟ عَاقِبَةُ الدَّارِ۔ تقدیرِ کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ العاقبة المحمودة فى الدار الأخرة (جلالین) ف۵۱ میں ہی تمہارا اصلی اور قدیمی دیوتا ہوں۔ میری ہی پوجا تمہارے باپ دادا ہمیشہ سے کرتے چلے آتے ہیں تو اب یہ نیا نام کس خدا کا سننے میں آ رہا ہے۔ فراعنۂ مصر کی نسل مصریوں کے عقیدہ میں خدائی اوتار تھی اور بادشاہ سب سے بڑے دیوتا سورج کا زندہ نمائندہ ہوتا تھا۔ ملاحظہ ہو سورۃ الشعراء (پ۱۹) میں آیہ لَئِنِ اتَّخَذۡتَ اِلٰهًا غَيۡرِىۡ پر حاشیہ۔ اور انگریزی تفسیر القرآن۔

يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ

تو اے ہامان و۵۲ میرے لئے مٹی کو آگ میں پکا پھر

اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ

میرے واسطے ایک بلند عمارت بناؤ تاکہ میں موسیٰ کے خدا کو دیکھوں اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی

الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ

سمجھتا ہوں و۵۳ اور فرعون اور اس کے تابعین نے ناحق ملک میں اپنا سر

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾

اٹھا رکھا تھا اور یہ سمجھ رکھا تھا کہ انہیں ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں ہے و۵۴

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ

سو ہم نے اس کو اور اس کے تابعین کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا سو دیکھیے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً

ظالموں کا کیا انجام ہوا و۵۵ اور ہم نے انہیں (ایسا) پیشوا بنا دیا تھا

يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

جو (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے رہے، اور قیامت کے دن کوئی ان کا ساتھ نہ دے گا و۵۶

وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور دنیا میں بھی ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی و۵۷ اور قیامت کے دن بھی

هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

وہ بدحال لوگوں میں ہوں گے اور بالیقین ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی

مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَاۤىِٕرَ لِلنَّاسِ

اگلی امتوں کے ہلاک کیے پیچھے جو لوگوں کے لئے ذریعہ تھی

و۵۲ حامان پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا نمبر ۴۴ یہاں بھی سیاقِ کلام سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ ہامان کسی اعلیٰ ترین عہدہ دار کا سرکاری لقب ہے۔ و۵۳ حق تعالیٰ گویا یہاں اور اور کہیں بھی نہیں ہے۔ بلکہ مجسم ہو کر آسمان پر بیٹھا ہوا ہے، اور اس تک رسائی کسی بڑی اونچی سیڑھی سے چڑھ کر یا فضا میں اڑ کر ممکن ہے۔ یہ عقیدہ آج بھی بہت سی قوموں کے عوام ہی میں نہیں، خواص میں بھی شائع ہے۔ چنانچہ ابھی چند ہی سال ہوئے سوویٹ روس سے اطلاع آئی تھی کہ دو ملحد ہوابازوں نے اپنا بیان شائع کیا ہے کہ ہم اتنا اونچا اڑ آئے، ہمیں تو کہیں خدا نظر نہیں آیا۔ مصری خاص طور پر اسی قسم کے شرک میں مبتلا تھے۔ فرعون نے انہیں عقائد و خیالات کے ماتحت ایک ان دیکھے خدا کے وجود کو باطل ثابت کرنے بلکہ اس کا مضحکہ کرنے کو یہ اپج کر لی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ اوْقِدْ لِيْ...... عَلَى الطِّيْنِ۔ قرآن یہاں فرعون کی زبان سے یہ بھی کہلا سکتا تھا کہ "ہامان، میرے لیے پتھر کی عمارت تیار کر"۔ یا اینٹ پتھر وغیرہ کسی چیز کی تصریح ہی نہ کرتا۔ لیکن نہیں۔ قرآن کو تو علم صحیح کی بے شمار مثالوں میں سے ایک اور مثال پیش کرنی اور اپنے دعوائے اعجاز پر ایک اور دلیل قائم کرنی تھی۔۔۔ مصری قوم اینٹوں ہی کے کام کے لیے مشہور تھی یہاں تک کہ اس کی مشہور شاہی عمارتیں بھی پتھر کی نہیں، اینٹ ہی کی ہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ و۵۴ یہ فرعونیوں کے عام فسق اعمال و فساد عقائد کا بیان ہے۔۔۔ یوں بھی روز جزا کا اعتقاد اور پرسش اعمال کا یقین ان کے مذہب میں داخل نہ تھا۔ و۵۵ اس واقعہ غرقابی کی تفصیل (سورۃ البقرۃ پ۱) کے علاوہ کئی جگہ گزر چکی۔ و۵۶ اس زندگی میں تو ضلالت کے لیڈر رہے، اور بے شمار مخلوق ان کے اشاروں پر حرکت کرتی رہی۔ قیامت کے روز ایسے بے کس رہ جائیں گے کہ کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔ جَعَلْنٰهُمْ میں حق تعالیٰ کا انتساب فعل اپنی جانب کرنا اپنی تمامتر تکوینی حیثیت سے بطور مسبب الاسباب کے ہے۔ نہ کہ اظہار رضامندی کے لیے۔ و۵۷ چنانچہ آج انہیں اچھا کہنے والا کوئی بھی نہیں، سب کی زبان سے برائی ہی نکلتی ہے۔ لَعْنَةً کے معنیٰ رحمت خداوندی سے مجبوری اور محرومی کے پیشتر بیان ہو چکے ہیں۔۔۔ ان شامت زدوں کا دنیا ہی میں فضلِ خداوندی سے مجبور و محروم ہو جانا ایک مشاہدہ واقعہ ہے۔

وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ

دانش مندیوں اور ہدایت اور رحمت کی، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ف۵۸ اور آپ (پہاڑ کے)

بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا

مغربی جانب موجود نہ تھے ف۵۹ جب ہم نے موسیٰ کو احکام دیئے تھے اور نہ آپ

كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَ لٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا

ان لوگوں میں سے تھے جو (اس وقت) موجود تھے ف۶۰ لیکن ہم نے (بہت سی) نسلیں پیدا کیں،

فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَ مَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْۤ اَهْلِ

پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا ف۶۱ اور نہ آپ اہل مدین میں قیام پذیر

مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَ لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾

تھے کہ ہماری آیتیں ان لوگوں کو پڑھ کر سنا رہے ہوں، لیکن ہم آپ ہی کو رسول بنانے والے تھے ف۶۲

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً

اور نہ آپ طور کے پہلو میں اس وقت موجود تھے، جب ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی تھی لیکن آپ اپنے

مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ

پروردگار کی رحمت سے (نبی بنائے گئے) تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا

مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ لَوْ لَاۤ اَنْ

نہیں آیا، تاکہ وہ لوگ نصیحت قبول کریں ف۶۳ اور (ہم رسول نہ بھی بھیجتے) اگر

تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا

یہ بات نہ ہوتی کہ ان (بدبختوں) پر ان کے کرتوتوں کے سبب کوئی مصیبت نازل ہو جاتی تو یہ کہنے لگتے کہ

رَبَّنَا لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ

اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیج دیا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرتے

ف۵۸ "دانشمندیوں اور ہدایت اور رحمت کا ذریعہ" ہونا یہ سب صفت بیان ہوئی کتاب موسیٰ یعنی توریت کی۔ بَصَآئِرَ۔ هُدًى۔ رَحْمَةً۔ "طالب حق کی اول فہم درست ہوتی ہے۔ یہ **بصیرت** ہے۔ پھر احکام قبول کرتا ہے، یہ **ہدایت** ہے۔ پھر ہدایت کا ثمرہ یعنی قرب و قبول عنایت ہوتا ہے۔ یہ **رحمت** ہے"۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى۔ اگلی امتوں سے مراد اگلے پیمبروں کی نافرمان امتیں ہیں۔ قوم نوح، قوم لوط، قوم ہود، قوم صالح علیہم السلام وغیرہا۔

ف۵۹ جس چوٹی کا نام طور ہے وہ کوہستان سینا کی جانب مغرب میں واقع ہے۔— مطلب یہ ہوا کہ موسیٰ پر نزولِ وحی و کتاب کے وقت اے رسول آپ وہاں موجود نہ تھے۔ ف۶۰ یعنی یہ امور آپ کو مشاہدہ سے تو معلوم ہی نہیں ہو سکتے تھے۔ ہماری وحی ہی سے معلوم ہو رہے ہیں۔ نہ آپ کو جسماً وہاں حضوری حاصل۔ نہ یہ چیزیں آپ کے مشاہدہ میں آئیں۔ پھر آپ جو انہیں اتنا صاف و صحیح بتا رہے ہیں تو بجز وحی کے اور کیا ذریعہ ہے؟ ف۶۱ (اور دنیا پھر نئے سرے سے ہدایت کی محتاج ہو گئی) اور خاتم الکتب قرآن کے نزول سے قبل ہر دور میں کچھ کچھ وقفہ کے بعد یہی ہوا بھی کرتا تھا۔ ف۶۲ (اس لیے آپ کو یہ سب صحیح صحیح خبریں وحی سے بتا دیں) مُرْسِلِيْنَ۔ جمع تعظیمی ہے۔— یا تقدیر کلام یوں رکھی ہے۔ مرسلین فی کل زمانٍ رسولاً (بحر وغیرہ) ف۶۳ (اور آپ کے اس دعویٰ نبوت پر دلیل قائم کرنے کو آپ کو یہ تمام علوم صحیح عطا کر دیئے گئے ہیں) قَوْمًا ...... قَبْلِكَ۔ مراد مشرکین عرب ہیں جن کے پاس پشتہا پشت سے کوئی نبی نہیں آیا تھا گو توحید کی تعلیم ان کو بھی بالواسطہ پہنچ چکی تھی۔ "ان آیات میں اولاً نفی کی گئی حضور عند عطاء التوراۃ کی جس کا وقوع سب کے بعد ہوا۔ پھر نفی کی گئی حضور وقتِ قیام مدین کی جو سب سے پہلے واقع ہوا پھر نفی کی گئی حضور وقت النداء کی جو درمیان میں واقع ہوئی۔ اس ترتیب بدلنے میں یہ نکتہ ہے کہ ہر موقع میں آپ کا تشریف نہ رکھنا مستقل دلیل ہو صاحب وحی ہونے، ورنہ اگر وقوع کے موافق ذکر میں ترتیب ہوتی تو مجموعہ دلیل واحد سمجھا جاتا۔ اور گو نفی ثانی و ثالث میں ترتیب وقوعی کے موافق ترتیب ذکری ہے مگر نفی اول و ثانی میں ترتیب بدلنے سے اشارہ ہو گیا تعددِ دلائل کے قصد کی طرف"۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ)

وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ

اور ایمان والوں میں ہوتے ف۶۴ سو جب ان لوگوں کے پاس ہماری طرف سے

مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ

امر حق پہنچا تو یہ کہنے لگے اس رسول کو وہ کیوں نہ ملا جیسا موسیٰ کو ملا تھا

اَوَ لَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا

کیا جو موسیٰ کو ملا تھا اس کے قبل یہ لوگ اس کے منکر نہ ہوئے ف۶۵ یہ لوگ تو کہتے ہیں

سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۚ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ

کہ دونوں جادو ہیں ایک دوسرے کے مددگار، اور کہتے ہیں کہ ہم تو ہر ایک کے منکر ہیں ف۶۶ آپ کہیے

فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ

کہ اچھا تو کوئی کتاب اللہ کے پاس سے ایسی لے آؤ جو ہدایت میں ان دونوں سے بہتر ہو

اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ

میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا، اگر تم سچے ہو ف۶۷ پھر اگر یہ لوگ آپ کا یہ کہنا نہ کر سکیں

فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ

تو آپ سمجھ لیجیے کہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں ف۶۸ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا

اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

جو شخص محض اپنی نفسانی خواہش پر چلے بغیر اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے، بے شک اللہ

يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ ع وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ

ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا ف۶۹ اور ہم نے (اس) کلام کو ان لوگوں کے لئے یکے بعد دیگرے بھیجا

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ ؕ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ

تاکہ یہ لوگ نصیحت مانیں ف۷۰ جن لوگوں کو ہم نے کتاب اس (قرآن) کے قبل دے

ع ۵ ۸

ف۶۴ مطلب یہ ہے کہ یہ تو ان کے حق میں رحمت مزید وعنایت خاص ہوئی کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک رسول بھی آگیا ورنہ گرفت کے وقت (اور گرفت تو اس لیے ہوتی کہ ان کے کرتوت عقلاً بھی قبیح ہیں) انہیں یہ حسرت بھی رہ جاتی کہ کوئی پیمبر ہمارے پاس کیوں نہ آگئے، آجاتے تو ہم ضرور ان کے متبع ہوجاتے۔ لَوۡلَا کا جواب محذوف ہے جو قوسین میں بڑھا دیا گیا ہے۔ والمعنی لو لا قولهم ...... ما ارسلنک (بیضاوی) ای انما ارسلنک قطعا لعذرهم والزاما للحجة علیهم (بیضاوی) عربی اسلوب بیان میں ایسے موقع پر حذف وتقدیر کلام عیب نہیں، عین حسن اور داخل فصاحت ہے۔ ف۶۵ مَآ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی کے تحت میں کتاب توریت اور معجزات سب آگئے۔ معجزات مادی وحسی آپ کو بہت نہیں ملے تھے اور کتاب بھی آپ کو یکجائی نہیں ملی تھی۔ من الکتب جملة والید والعصا و غیرها (بیضاوی) من الکتاب المنزل جملة واحدة و من سائر المعجزات (کبیر) یہ موجودہ منکرین کہتے ہیں کہ یہ جو ہمارے زمانہ میں رسول بن کر آئے ہیں، ان کے پاس نہ تو موسیٰ کی طرح عصا اور ید بیضا کی طرح کھلے ہوئے مادی معجزے ہیں اور نہ اکبارگی لکھی لکھائی ہوئی تیار کتاب۔ قَالُوۡا یہ کہنے والے رسول ﷺ کے معاصر مشرکین مکہ تھے۔ ای اولٰئک القوم والمراد بهم هنا اهل مکة الموجودین عندالبعثة (روح) اَوَلَمۡ...... قَبۡلُ جواب یہ ملتا ہے کہ اچھا موسیٰ کو یہ کچھ ملا تو نتیجہ کیا ہوا؟ آخر ان کی قوم نے بھی تو ان چیزوں کے باوجود انکار و نافرمانی کی۔ وہ چیزیں کہیں نافرمانی سے روک تھوڑے ہی بن گئیں۔ ف۶۶ یہ مقولہ مشرکین کا تھا جو قرآن وتوریت دونوں کے بلکہ سارے ہی سلسلۂ وحی کے یکساں منکر تھے۔ ف۶۷ گویا کتاب الٰہی کا اہم ترین جوہر اس کا ہادی ہونا، اس کے مضامین کا پُر ہدایت ہونا اور اس کے قانون کا دنیا کے حق میں بہترین ہونا ہے۔ ف۶۸ یعنی اگر آپ کا یہ چیلنج یہ لوگ نہ قبول کر سکیں، اور یقیناً نہ کر سکیں گے تو آپ یقین کر لیجیے کہ ان کے انکار کا منشا کوئی اشتباہِ عقلی کوئی نادانستہ غلط فہمی نہیں بلکہ محض ان کی خواہشِ نفس ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے بس انکار ہی کیے جانا چاہیے۔ ف۶۹ ظالم لوگوں کو یعنی ایسے لوگوں کو جو اپنی ضلالت پر مصر ہیں اور قصد ہی ہدایت پانے کا نہیں کرتے۔ ف۷۰ یعنی بار بار تازہ بتازہ سننے سے امید اُن کے قبولیت ایمان کی زیادہ بڑھتی ہے اور اس لیے یہ کلام تھوڑا تھوڑا کر کے وقتاً فوقتاً نازل کیا گیا لیکن یہ بدبخت خود اپنی مصلحت کی بھی قدر نہیں کرتے اور الٹا اسی کو بنائے اعتراض قرار دے رہے ہیں۔ وَصَّلۡنَا لَهُمُ الۡقَوۡلَ۔ توصیل قول کے معنی ہیں بات کو بار بار اور مسلسل بیان کرتے رہنا و توصیل القول هواتیان بیان بعد بیان (کبیر) وصلنا لهم القول ای اکثرنا لهم القول موصولاً بعضه ببعض (راغب) یہاں مراد یہ ہے کہ ہم قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے مسلسل نازل کرتے رہے اور اس کے نظم کو نہایت مرتبط رکھا۔ ای اتبعنا بعضه بعضاً فی الانزال لیتصل التذکیر او فی النظم لتتقرر الدعوة بالحجة والمواعظ بالمواعید والنصائح بالعبر (بیضاوی) المراد منه انا انزلنا القرآن منجماً مفرقا یتصل بعضه ببعض لیکون ذٰلک اقرب الی التذکیر والتنبیه (کبیر) اور ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ ہمارا سلسلۂ وحی برابر شروع سے چلا آرہا ہے۔ ایک کے بعد دوسرا پیمبر آتا رہا۔

قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْۤا

رکھی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں واے اور جب یہ ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں

اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ

ہم اس پر ایمان لائے بے شک یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے اور ہم تو اس سے پہلے بھی (اسے)

مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا

مانتے تھے و۲ے ان لوگوں کو ان کا اجر دہرا ملے گا اس لئے کہ

صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

یہ پختہ رہے اور یہ لوگ بدی کا دفعیہ نیکی کے ساتھ کرتے رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دے رکھا ہے اس میں سے

يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا

(اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں، اور جب کوئی لغوبات سنتے ہیں تو اسے ٹال جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں

لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ز لَا نَبْتَغِى

کہ ہمارے عمل ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے تم پر سلام ہو ہم

الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ

بے سمجھ لوگوں سے (تعلقات) نہیں چاہتے و۳ے جس کو آپ چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے البتہ

اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ج وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

اللہ ہدایت دیتا ہے اسے جس کے لئے اس کی مشیت ہوتی ہے، اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے و۴ے

وَ قَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت پر چلنے لگیں تو اپنی سرزمین سے مار

اَرْضِنَا ط اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ

کر نکال دیے جائیں و۵ے کیا ہم نے ان کو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل

القصص

واے یعنی وہ جوان میں سے منصف مزاج اوراپنے دین صحیح پر قائم ہیں۔ نزلت فی اناس من اھل الکتب کانوا علی شریعة حقة متمسکون بھا (کبیر) مفسرین نے مختلف طبقات وافراد کے
ام گنائے ہیں لیکن بقول صاحب بحر کے یہ سب نمونے اور مثالیں ہیں ان کل
ہلِ کتاب کی جو بالآخر قرآن پر ایمان لائے۔ الظاھر انھا امثلة لمن اٰمن
منھم (بحر) والضمیر فی بہ عائد علی القول و ھو القراٰن (بحر) اور
مام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ کسی خصوصی سبب نزول سے کیا ہوتا ہے اعتبار تو عموم
عبارت کا کیا جائے گا بس جس کسی میں بھی یہ صفات پائے جائیں گے وہ آیت
کے حکم میں داخل ہوگا۔ و قد عرفت ان العبرة بعموم اللفظ لا
بخصوص السبب فکل من حصل فی حقه تلک الصفة کان
داخلاً فی الاٰية (کبیر) و۲ے (اپنی کتابوں کی بشارتوں کی بناپر۔ اوراب بعد
نزول اپنے اس ایمان کی تجدید کرتے ہیں) مُسْلِمِيْنَ کے لفظ پر حیرت نہ کی
جائے ہروہ شخص جو توحید وسلسلۂ وحی کا قائل ہو، مسلم کہا جاسکتا ہے۔ الاسلام
صفة کل موحد مصدق بالوحی (بحر) و۳ے (ہمیں ایسی صحبتوں سے تو
معاف ہی رکھو) ای لا نطلب مخالطتکم (بحر) لَنَا ...... الْجٰهِلِيْنَ۔ اس
پورے فقرہ سے مقصود ان کی سلامت روی کا اظہار ہے۔ یہ مقصود نہیں کہ یہ اپنے
مخالفین کو سلام کرتے رہتے ہیں۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ۔ سلام متارکت وعلیحدگی مقصود
ہے۔ سلام متعارف مراد نہیں۔ قال الزجاج سلام متارکة لا سلام تحية
(بحر) قال ابو بکر ھذا سلام متارکة و لیس بتحية (جصاص) و من
الناس من یظن ان ھذا یجوز علی جواز ابتداء الکافر بالسلام و
لیس کذلک لما وضعنا عن ان السلام ینصرف علی معنیین
احدھما المسالمة التی ھی المتارکة والثانی التحیة التی ھی دعاء
بالسلامة والامن (جصاص) اللَّغْوَ سے مراد ہے ایسا قول جس کے سننے سے
نہیں تکلیف ہوتی ہو قال مجاھد الاذی والسب (بحر) يَدْرَءُوْنَ ......
يُنْفِقُوْنَ۔ مفسر تھانوی نے لکھا ہے کہ یدرءون میں حُبِّ جاہ سے اور مِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ میں حُبِّ مال سے ان کے خالی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ و۴ے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عزیزوں قریبوں کے ایمان نہ لانے پر رنج قدرۃً اور
زیادہ تھا اور شوق واہتمام بھی انہیں کے ایمان لانے کا طبعاً زیادہ تھا۔ یہ آیت
آپ کی تسلی کے لیے ہے کہ ہدایت کا تعلق تو مشیت تکوینی سے ہے اس میں آپ
کی مرضی اور پسند کو دخل نہیں۔ لَا تَهْدِىْ۔ ہدایت کے ایک معنٰی تو راہ دکھانے،
راہ طریق کے ہوتے ہیں۔ یہاں اس کی نفی پیمبر کی ذات سے نہیں ہو رہی
ہے۔ وہ تو پیمبر کے عین فرائض میں داخل ہے۔ دوسرے معنٰی ہدایت کے منزلِ
مقصود تک پہنچا دینا۔ اور ایصال الی المقصود ہے، یہاں نفی اسی کی جارہی ہے کہ
یہ رسول کے بس کی چیز نہیں تمام تر مشیتِ تکوینی کے تابع ہے۔ و۵ے (جیسے اور
بہت سے مسلمان مارے نکالے جاچکے ہیں) آپ کے بعض کمزور معاصرین کا ایک عذر اپنے ایمان نہ لانے سے متعلق یہ تھا۔

ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

کھنچے چلے آتے ہیں ہمارے پاس سے بطور کھانے کے لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اتنی بات بھی)

یَعْلَمُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍۭ بَطِرَتْ

نہیں جانتے و٧٦ اور ہم کتنی ہی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جنہیں اپنی خوش عیشی پر

مَعِیْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ

ناز تھا یہ ان کے گھر (اجڑے ہوئے پڑے) ہیں کہ ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے

اِلَّا قَلِیْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿٥٨﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ

مگر تھوڑی دیر کے لئے اور ہم ہی مالک رہے و٧٧ آپ کا پروردگار

مُهْلِكَ الْقُرٰی حَتّٰی یَبْعَثَ فِیْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا یَّتْلُوْا

بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ ان کے صدر مقام میں کسی پیمبر کو نہ بھیج لے جو انہیں ہماری آیتیں

عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِی الْقُرٰٓی اِلَّا وَاَهْلُهَا

پڑھ کر سنا دے اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے بجز اس حال کے کہ وہاں کے باشندے

ظٰلِمُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ

شرارت کرنے لگیں و٧٨ اور تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کو برتنے

الدُّنْیَا وَزِیْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ؕ اَفَلَا

کے لئے ہے اور اس کی زینت ہے اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائیدار تر بھی، سو کیا

تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِیْهِ

تم لوگ نہیں سمجھتے؟ و٧٩ بھلا وہ شخص جس سے ہم نے پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے اور وہ اسے پالینے والا ہے

كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ هُوَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

اس جیسا ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کا چندروزہ فائدہ دے رکھا ہے اور وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں ہوگا

و٧٦ یعنی اس پر غور نہیں کرتے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ ہماری قدرت اور
رزاقی پر غور نہیں کرتے کہ کہاں تو انہیں ایسے ویران اور بے برگ سرزمین پر پیدا کیا اور
پھر ایک دن کے لیے بھوکا نہ رکھا، رزق کی ہر قسم کی افراط بھی رکھی اور ان کے وطن
کو حرم قرار دے کر کشت و خون تک سے اسے محفوظ کر دیا۔ ایسے قادر و رزاق مطلق
کے لیے مشکل کیا ہے جو اپنے ایمان والے بندوں، اپنے اطاعت شعار غلاموں کو
اپنے افضالِ خاص سے مستفید اور تنگی و فلاکت سے برابر محفوظ رکھے؟ و٧٧
(اور کوئی ان کا ظاہری وارث بھی نہ رہا) اس میں ڈرایا ہے مکہ والوں کو کہ اپنی خوش
عیشی و خوشحالی پر نازاں نہ ہوں۔ مکہ والوں کی خوشحالی آج بہت سے لوگوں کو ایک
عجیب سی بات معلوم ہوگی۔ دماغ انہیں غربت زدہ، مفلوک الحال و نیم فاقہ کش
سمجھتے رہنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ تصویر واقعہ کے بالکل خلاف
ہے۔ مکہ کی منڈی اپنے زمانہ کی یوں بھی بہت بڑی تجارتی منڈی تھی، اس پر
اضافہ تاجران مکہ کے شمالی اور جنوبی تجارتی سفر، ایک موسم میں شام اور دوسرے
میں یمن کی جانب۔ اس صورت حال نے مل ملا کر اہل جاہلیت کے تاجروں کو امیر
کبیر بلکہ کہنا چاہیے کہ لکھ پتی بنا دیا تھا۔ اور چونکہ تجارت میں شرکت اور حصہ داری
کا طریقہ بھی جاری تھا اس لیے دولت کی تقسیم بھی عام تھی۔ شاید ہی کوئی گھرانہ اس
تجارتی منافع سے محروم رہتا ہو۔ اور منافع کا اوسط اصل رقم پر ۴ یا ۵ فیصدی نہیں،
اکثر ۵۰، ۵۰ فیصدی ہوتا رہتا۔ ایسی خوشحال آبادی کے سامنے عبرت و تخویف
کے لیے مثال بھی قدرۃً کسی متمول و خوشحال ہی قوم کی پیش کرنی مناسب تھی۔
ایک طرف ہندوستان، ایران و عراق کے مال کی اور دوسری طرف مصر شام اور
رومی ملکوں کی ساری تجارت اس وقت کہنا چاہیے کہ عربوں ہی کے ہاتھ میں تھی۔
ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ و٧٨ یہ قہر الٰہی کا ایک عام قانون بیان ہو رہا
ہے۔ یعنی اول تو کسی آبادی پر عذاب آتا نہیں جب تک پہلے اس کے صدر مقام
میں خوب تبلیغ نہ ہو لے۔ اور پھر وہاں کے باشندے ایک مدتِ مدید تک مسلسل
نافرمانیاں نہ کر لیں۔ و٧٩ یعنی اس دنیا کی لذتوں اور آخرت کی راحتوں کا
مقابلہ ہی کیا؟ اس دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی محض عارضی و چندروزہ۔
بخلاف عیش آخرت کے کہ وہ بلحاظِ نوعیت و کیفیت بھی کہیں اعلیٰ اور بلحاظِ بقا تو
دائم و قائم ہے۔

ع ٦

مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۶۱﴾ وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ

جو گرفتار کر کے لائے جائیں گے ف۸۰ اور وہ دن (بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب (اللہ) ان سے پکار کر کہے گا کہ

شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالَ الَّذِیْنَ

کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کے باب میں تمہارا زعم (ہی) تھا، (اس پر) وہ لوگ کہیں گے

حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَغْوَیْنَا ۚ

جن پر (اللہ کا) فرمودہ ثابت ہو چکا ہوگا، ف۸۱ اے ہمارے پروردگار یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہمیں بہکایا تھا

اَغْوَیْنٰهُمْ كَمَا غَوَیْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَیْكَ ؗ مَا كَانُوْٓا اِیَّانَا

ہم نے انہیں (بے شک) بہکایا تھا، جیسا کہ ہم خود بہکے تھے ف۸۲ ہم تیری پیشی میں دستبردار ہوتے ہیں ف۸۳ (اور) یہ

یَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقِیْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ

لوگ کچھ ہم کو تو پوجتے نہ تھے ف۸۴ اور کہا جائے گا کہ اپنے (ان) شریکوں کو بلاؤ، چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے سو وہ

یَسْتَجِیْبُوْا لَهُمْ وَ رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا

انہیں جواب بھی نہ دیں گے اور یہ لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے ف۸۵ کاش یہ لوگ (دنیا میں)

یَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ

راہ راست پر رہے ہوتے، اور جس دن (اللہ) ان سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے کیا جواب پیمبروں کو

الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِیَتْ عَلَیْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ یَوْمَئِذٍ فَهُمْ

دیا تھا؟ ف۸۶ اس روز ان (کے دل) سے (سارے) مضامین گم ہو جائیں گے اور آپس میں

لَا یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ

پوچھ پاچھ بھی نہ کر سکیں گے ف۸۷ البتہ جو کوئی توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک

صَالِحًا فَعَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ ﴿۶۷﴾

عمل کرے تو عجب نہیں کہ (ایسے لوگ) فلاح پانے والوں میں ہوں

ف۸۰ یعنی وہ متاعِ دنیوی میں بھولا رہنے والا کافر جو مجرم کی طرح قیامت میں پکڑ کر لایا جائے گا اور وہ مومن جس سے جنت کا وعدہ اور قطعی ایفا ہو کر رہنے والا وعدہ ہے، یہ دونوں کہیں برابر ہو سکتے ہیں؟ ف۸۱ یعنی فرمودۂ عذاب۔ ای حق علیه مقتضاه (کبیر) و هو قوله تعالٰی لاملئن جهنم من الجنة والناس اجمعین وغیره من اٰیات الوعید (بیضاوی) شُرَكَآءِیَ...... تَزْعُمُوْنَ۔ مراد ان شرکاء مستحقِ عذاب سے شیاطین ہیں۔ ف۸۲ یعنی جس طرح ہم پر کسی نے جبر نہیں کیا تھا ہم اپنے ہی ارادہ سے بہکے، ہم نے بھی ان لوگوں پر جبر نہیں کیا، یہ لوگ بھی اپنے ہی ارادہ سے بہکے ہیں۔ ف۸۳ (اپنے ان کے تعلقات سے) مقصود یہ ہے کہ آج جن کی شفاعت پر مشرکوں کو بھروسہ ہے، کل وہ خود ہی کانوں پر ہاتھ رکھ کر علیحدہ ہو جائیں گے۔ ف۸۴ (بلکہ اپنے نفس وخواہش کے اشاروں پر چل رہے تھے) ف۸۵ (اس وقت اپنی آنکھ سے) منکرین کے سامنے ان کے حشر کی یہ تفصیلات لے آنے سے مقصود ان کے دلوں میں ان کے انجام کی ہیبت اور ہول کا اتارنا ہے۔ ف۸۶ سوال کے اندر خود متعدد علامتیں پوشیدہ ہیں کہ تبلیغ تو تم پر ہو چکی، رسول تو تمہارے پاس آ چکے، اپنی بے خبری کا عذر تو پیش کر سکتے ہی نہیں ہو۔ اب یہ بتاؤ کہ تم نے تبلیغ سے اثر کیا قبول کیا؟ ف۸۷ اپنے انجام کو سامنے دیکھ کر مارے ہول کے ان کی عقلیں معطل ہو جائیں گی۔ دماغ جواب دے دیں گے اور کچھ بنائے نہ بن پڑے گی۔ نہ خود ہی جواب سوجھے گا نہ دوسروں سے صلاح ومشورہ کر سکیں گے۔

وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ

اور آپ کا پروردگار پیدا کرتا ہے جس چیز کو بھی اس کی مشیت ہوتی ہے اور جو (حکم بھی) وہ پسند کرے ان لوگوں کو تجویز کا

الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾

کوئی حق نہیں، ف۸۸ اللہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے ف۸۹

وَ رَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور آپ کا پروردگار سب کی خبر رکھتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے رہتے ہیں ف۹۰

وَ هُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى

اور اللہ وہی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں (سب) تعریف اسی کی ہے دنیا میں (بھی)

وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ

اور آخرت میں (بھی) اور حکومت بھی اسی کی ہے اور اسی کے پاس تم (سب) لوٹ کر جاؤ گے ف۹۱

اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى

آپ کہئے بھلا یہ بتاؤ اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ

رات ہی رہنے دے تو اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی کر دے؟

اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ

تو کیا تم سنتے نہیں؟ آپ کہیے بھلا یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تم پر

النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ

ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن ہی رہنے دے تو اللہ کے علاوہ کون معبود ہے جو

يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

تمہارے لئے رات کو لے آئے جس میں تم آرام پاؤ؟ تو کیا تم دیکھتے نہیں؟

ف۸۸ سارے تکوینی وتشریعی اختیارات اس کو اور صرف اس کو حاصل ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنے ارادہ و اختیار کے غیر مستقل ہونے کا علماً وعملاً استحضار رکھنا جبریتِ محمود ہے۔ ف۸۹ (بلحاظ ذات بھی، بلحاظ صفات بھی) یونان کے "حکماء" بھی اکثر مشرک ہوئے ہیں۔ خدا کا وجود تسلیم کرنے کے بعد بھی عجیب عجیب قیود سے اسے مقید مانا ہے۔ آیت توحید کامل کی شارح ان سب شرکوں کی جڑ کاٹ رہی ہے۔ ف۹۰ کھلا ہوا کفر اور چھپا ہوا نفاق سب اس پر روشن و آشکار ہے۔ ف۹۱ تاکید ہے اُس کے اکیلے ہونے کی۔ اور دوسرے خداؤں کی نفی قطعی کی۔ یہ نہیں کہ منجملہ اور معبودوں کے ایک وہ بھی ہو۔ اتنا تو مشرکین بھی مانتے تھے۔ حکومت آج بھی حقیقۃً اسی کی ہے۔ آخرت میں چونکہ بالکل بلا وسائط ہوگی، عیاں وظاہر اور ہر ایک پر منکشف ہو کر رہے گی۔ محققین نے لَهُ الْحَمْدُ الخ سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل بالآخر خیر محض ہی ہے۔ ورنہ ہر حال میں حمد اس کے لیے ثابت نہ ہوتی۔

وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا

اور یہ اس کی رحمت ہی تو ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن بنا دیئے کہ تم اس میں آرام (بھی)

فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

کرو اور تا کہ اس کی روزی (بھی) تلاش کرتے رہو، اور تا کہ تم شکر کرتے رہو ف۹۲

وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ

اور جس روز اللہ انہیں پکار کر کہے گا کہ کہاں ہیں (اب) وہ جنہیں تم

كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَ نَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا

میرا شریک قرار دیتے تھے؟   اور ہم ہر ہر امت سے ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے ف۹۳

فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْۤا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَ ضَلَّ

پھر ہم کہیں گے کہ کوئی دلیل اپنی پیش کرو سو (اس وقت) وہ (بالیقین) جان لیں گے کہ سچی بات اللہ کی تھی ف۹۴ اور

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ ع اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ

جو کچھ گڑھا کرتے تھے وہ سب ان سے کنارہ کر جائے گا ف۹۵   قارون موسیٰ کی قوم میں سے

قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ

تھا ف۹۶ سو اس نے ان کے مقابلہ میں گھمنڈ اختیار کیا ف۹۷ اور ہم نے اسے کتنے خزانے دے رکھے تھے

مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ

کہ اس کی کنجیاں زور آوروں کی ایک جماعت کو گرانبار کر دیتی تھیں ف۹۸   جب کہ اس کی قوم نے

لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾

اس سے کہا کہ اترا مت بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا ف۹۹

وَ ابْتَغِ فِيْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ

اور جو کچھ تجھے اللہ نے دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کر اور دنیا سے (بھی)

ف۹۲ (اس کی دونوں قسموں کا) رات ہمیشہ ہوتا اس طور پر کہ کسی کواکب سے طلوع نہ ہونے دے یا اس کا نور سلب کر لے اور دن کا ہمیشہ ہونا کہ کسی کو غروب نہ ہونے دے یا بلا کسی ایسا نور پیدا کر دے (تھانوی) وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ روزی کمانے کے دھندے کو مِنْ رَّحْمَتِهٖ رحمتِ الٰہی کے تحت میں لانا صاف اس امر پر دلیل ہے کہ معاشی مشغلے اسلام میں کتنی فضیلت کا درجہ رکھتے ہیں۔ حقیر و ذلیل نہیں معزز و مکرم ہیں۔ و فیہا اشارۃ الی مدح السعی فی طلب الرزق و قد ورد الکاسب حبیب اللہ و ھو لاینا فی التوکل (روح) مِنْ رَّحْمَتِهٖ میں من سببیہ قرار دیا گیا ہے۔ من ھھنا للسبب ای و بسبب رحمتہ ایاکم (بحر) ف۹۳ مراد انبیاء علیہم السلام ہیں جو اپنی اپنی امت کے کفر پر گواہی دیں گے۔ حجت تو کافروں پر خود انہیں کے قول سے پوری ہو جائے گی۔ اہتمام مزید کے طور پر بیرونی شہادتیں بھی مہیا کر دی جائیں گی۔ ف۹۴ (جو انبیاء کے ذریعہ سے ان تک پہنچ چکی تھی مگر پھر بھی اپنی حماقت سے اسے جھٹلاتے رہے تھے) کافروں سے کہا جائے گا کہ کوئی عذر، کوئی جواب رکھتے ہو تو اب پیش کرو نا۔ انکشاف کامل ہو چکے گا، سب خاموش و لاجواب رہ جائیں گے۔ ف۹۵ جتنے سہارے انہوں نے گڑھ رکھے تھے کوئی ان میں سے ذرا بھی کام نہ آئے گا ف۹۶ یعنی اسرائیلی تھا، قبطی نہ تھا۔ اور صرف اسرائیلی ہی نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم جد اور عزیز قریب بھی تھا۔ توریت میں نام قرح کر کے آیا ہے اور نسب نامہ یوں درج ہے۔ قرح بن اظہار بن قہات بن لادی بن اسرائیل۔ ہمارے ہاں کے نسب ناموں میں املاء یوں آیا ہے۔ قارون بن یصہر بن قاہث بن لادی بن یعقوب، تاہث پر جا کر موسیٰ بن عمران کا بھی نسب نامہ مل جاتا ہے۔ اور تاہث بن لادی جس طرح حضرت موسیٰ کے جد امجد تھے اسی طرح قارون کے بھی تھے۔ اس رشتہ سے قارون آپ کے سگے چچا کا لڑکا ٹھہرتا ہے۔ ف۹۷ (اپنی دولت و تمول کی بناء پر) یعنی اس نے جماعت اسرائیل کے مقابلہ میں شیوۂ تمرد و طغیان اختیار کیا اپنی دولت پر نازاں ہو کر۔ بکثرۃ مالہ (ابن جریر۔ عن قتادۃ) بغی علیہ کے ایک معنٰی حسد کرنے کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ یہاں یہ معنٰی بھی لیے گئے ہیں۔ توریت میں ہے کہ اس کو اصلی حسد و عناد حضرت ہارون و حضرت موسیٰ سے تھا۔ اور اسرائیلیوں کی ایک چھوٹی سی ٹکڑی، کوئی ۲۵۰ افراد کی اس کے ساتھ بھی تھی، اور وہ اور بنی اسرائیل میں سے بعض لوگ یعنی اڑھائی سو شخص جو سر گروہ اور نامی اور جماعت کے مشہور تھے، موسیٰ کے مقابلہ میں اٹھے اور وہ موسیٰ اور ہارون کی مخالفت پر جمع ہوئے (گنتی۔ ۱۶: ۲ و ۳) ف۹۸ یعنی وہ اتنا بڑا سرمایہ دار اور مہاجن تھا کہ ایک مستقل عملہ اس کے ہاں کنجی برداروں ہی کا تھا۔ مختلف تہ خانوں، چور دروازوں، کمروں، الماریوں، ان کے مختلف خانوں، تجوریوں، صندوقچیوں کی کنجیوں کی تعداد اگر پچاسوں بلکہ سینکڑوں کی تعداد میں ہو تو اس میں استبعاد ذرا سا بھی نہیں آج بھی ہر کروڑ پتی سیٹھ ساہوکار کے ہاں منشیوں، خزانچیوں، سیاہہ نویسوں، محاسبوں اور ان کے نائبوں، مددگاروں، چپراسیوں، پہرہ داروں کا کتنا بڑا عملہ کام کرتا رہتا ہے۔ کنجیاں ظاہر ہے کہ مختلف اہل کار مزدوروں کی طرح سر پر رکھ کر تو چلتے نہ ہوں گے، جیبوں ہی میں رکھتے یا کمر میں باندھتے ہوں گے۔ پھر اگر سو دو سو کنجیاں دس بیس آدمیوں کے عملہ پر تقسیم ہوں تو اس میں استبعاد کا شائبہ ہی کیا ہے؟ روایاتِ یہود میں آتا ہے کہ یہ کنجیاں تین سو خچروں پر لد کر چلتی تھیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ مَفَاتِح کے اصلی معنٰی تو کنجی ہی کے ہیں۔ جمع مفتح و ھو ما یفتح بہ (بیضاوی) و ھو الذی یفتح بہ الابواب (ابن جریر) لیکن بعض نے اس سے مراد خزانہ بھی لی ہے۔ و قال بعضھم عنی بالمفاتح فی ھذا الموضع الخزائن لتثقل العصبۃ (ابن جریر) قیل بل عنی بالمفاتح الخزائن انفسھا (راغب) مَفَاتِح کے اگر یہ مجازی معنٰی لیے جائیں تو مراد یہ ہوگی کہ اس کے خزانہ کے حسابات، حفاظت و انتظام کے ماہرین (اولوا القوۃ) کا ایک بڑا عملہ موجود تھا۔ ف۹۹ اتراہٹ یہی ہے کہ گھمنڈ کے نشہ میں انسان خدا اور بندوں کے حقوقِ واجب کی ادائی میں غافل ہو جائے اور یہاں تو اس کی کم ظرفی اسے پیمبر برحق سے سرکشی پر ابھار لائی تھی۔

نَصِيۡبَكَ مِنَ الدُّنۡيَا وَ اَحۡسِنۡ كَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰهُ

اپنا حصہ فراموش مت کر ف١٠٠ اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ حسن سلوک کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) حسن

اِلَيۡكَ وَ لَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

سلوک سے پیش آ، اور روئے زمین پر فساد مت پھیلا بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو

يُحِبُّ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۷۷﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوۡتِيۡتُهٗ عَلٰى عِلۡمٍ

پسند نہیں کرتا ف١٠١ اس نے کہا مجھ کو تو یہ سب میری ہنر مندی سے

عِنۡدِىۡ ؕ اَوَلَمۡ يَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ قَدۡ اَهۡلَكَ مِنۡ قَبۡلِهٖ

ملا ہے ف١٠٢ کیا اسے یہ خبر نہ تھی کہ اللہ اس کے قبل کی امتوں میں ایسوں کو ہلاک

مِنَ الۡقُرُوۡنِ مَنۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُ قُوَّةً وَّ اَكۡثَرُ جَمۡعًا ؕ

کر چکا ہے جو قوت میں بھی اس سے بڑھے ہوئے تھے اور مجمع بھی (ان کا) زیادہ تھا ف١٠٣

وَلَا يُسۡـئَلُ عَنۡ ذُنُوۡبِهِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى

اور مجرموں سے ان کے گناہوں کی بابت سوال نہیں کرنا پڑتا ف١٠٤ پھر وہ اپنے قوم والوں

قَوۡمِهٖ فِىۡ زِيۡنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ الۡحَيٰوةَ

کے سامنے اپنے (تجمل و) آرائش کے ساتھ نکلا، جو لوگ دنیوی زندگی کے طالب

الدُّنۡيَا يٰلَيۡتَ لَنَا مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ قَارُوۡنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوۡ

تھے ف١٠٥ بولے کاش ہم کو بھی ویسا ہی (سازوسامان) ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے بے شک وہ بڑا

حَظٍّ عَظِيۡمٍ ﴿۷۹﴾ وَ قَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَيۡلَكُمۡ

خوش نصیب ہے ف١٠٦ اور جن لوگوں کو (دین کی) فہم عطا ہوئی تھی وہ بولے تمہارے اوپر

ثَوَابُ اللّٰهِ خَيۡرٌ لِّمَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا

نیکی پڑے اللہ (کے ہاں) کا ثواب کہیں بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اور وہ تو

ف١٠٠ یعنی یہ کوئی نہیں کہتا کہ تو ساری کی ساری دولت بندگانِ خدا کو دے ڈال۔ فراغت سے کھا، پی، عیش کر، لیکن اپنے حدود کے اندر رہ۔ حقوقِ واجب کی ادائی پر توجہ کر کے اسی سرمایہ کو توشۂ آخرت بھی بنا لے۔ ولا تنس نصیبک من الدنیا و ھو ان تحصل بھا اٰخرتک و تاخذ منھا ما یکفیک (بیضاوی) ای لاباس بالتمتع بالوجوہ المباحۃ (کبیر) ای ما احل اللہ لک منھا (ابن جریر۔ عن الحسن) معنی ذٰلک لا تترک ان تطلب فیھا حظک من الرزق (ابن جریر) ف١٠١ راہِ کفر و معصیت کے ساتھ ساتھ بار بار فساد فی الارض کو لا کر قرآن نے بتا اور جتلا دیا ہے کہ غیر اسلامی طریقے اس دنیا کے بھی امن و نظام کے برہم زن ہیں۔ وَلَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِى الۡاَرۡضِ۔ معاشیات کا ہر طالب علم آج یہ جانتا ہے کہ ہر سرمایہ پرست معاشی توازن کو بگاڑ کر دنیا میں کتنی تباہی و بربادی کا باعث ہو سکتا ہے۔ ف١٠٢ (اس میں کسی کے احسان کی کیا بات اور اس میں کسی کا استحقاق کیسا؟) ”روشن خیال“ قارون نے جواب دیا کہ یہ کیا دقیانوسیوں کی سی باتیں ہیں۔ میں مالیات و معاشیات کا ماہر ہوں۔ مجھے جو کچھ بھی ملا ہے، یہ میں نے اپنی قوتِ بازو سے، اپنے علم و ہنر کے زور سے کمایا ہے۔ نہ میرے اوپر کوئی احسانِ غیبی، نہ میری کمائی میں دوسرں کا حق۔ علی علم، قیل علم التجارۃ و الامتعۃ و سائر المکاسب (بیضاوی) عارفین نے کہا ہے کہ علم و فضل، فن و ہنر کو اپنی جانب منسوب کرنا، اپنا ذاتی کمال سمجھنا اور اسے اللہ کا عطیہ نہ جاننا بھی اصل جڑ ہے مغضوبیت و مخذولیت کی۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اسی طرح طریقت میں بھی ثمرات کو بجائے فضل و انعامِ خداوندی کے اپنی سعی و مجاہدہ کی جانب منسوب کرنا مذموم ہے۔ ف١٠٣ قارون کی حماقت و کج فہمی کا بیان ہو رہا ہے۔ اس کے اتنی عقل نہ آئی کہ اگر دولتمندی، ہنر مندی اور فن دانی ہی کا نتیجہ ہوتی تو پرانے بڑے بڑے سرمایہ دار اور ساہوکار اپنے کو تباہ ہی کیوں ہونے دیتے۔ اپنے کو ہمیشہ بربادی سے بچائے ہی کیوں نہ رکھتے؟ ف١٠٤ یعنی ان جرائم کی تحقیقات سے متعلق کہ وہ تو خدا کو معلوم ہی رہتے ہیں۔ کسی پوچھ پاچھ کی ضرورت نہیں۔ ہاں اس کی رسوائی و تفضیح کے لئے اور اس پر مزید حجت قائم کرنے کی غرض سے سوالات کئے جائیں تو اور بات ہے۔ ف١٠٥ یعنی ان کے اوپر محبت اسی دنیا اور اس کی مادی زیب و زینت کی غالب تھی۔ يُرِيۡدُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا۔ یعنی اسی زندگی کے زیب و زینت کو اپنا مقصد وجود بنائے ہوئے اور اپنا اصلی مطمح نظر قرار دیئے ہوئے تھے۔ ف١٠٦ دوسروں کے ظاہری ساز و سامان یا ٹیپ ٹاپ پر پھسل پڑنا فطرتِ بشری میں ہمیشہ سے داخل رہا ہے۔ یہاں اہلِ ایمان بنی اسرائیل کی زبان پر اس کلمۂ رشک کا آنا۔ اسی فطرت بشری کا ظہور تھا۔ يٰلَيۡتَ ...... قَارُوۡنُ۔ ”یہ تمنا حرص کی بنا پر تھی۔ اس سے کافر ہونا لازم نہیں آتا۔ جیسا اب بھی بعضے آدمی باوجود مسلمان ہونے کے شب و روز دوسری قوموں کی ترقیاں دیکھ کر للچاتے ہیں اور اس کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔“ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) توریت میں آتا ہے کہ اسرائیلیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت قارون کے ساتھ ہو گئی تھی۔ اور روایات یہود میں مریدین کی ایک بڑی جماعت کا ذکر ہے۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ وَقَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ کے مقابلہ میں یہ وَقَالَ الَّذِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا اس پر دال ہے کہ علم معتبر وہ ہے جس سے دنیا مقصود نہ ہو۔

يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ

صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملتا ہے ف ۱۰۷ پھر ہم نے اس (قارون) کو مع اس کے مکان کے زمین میں

الْاَرْضَ ۚ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ

دھنسا دیا، سو کوئی جماعت اس کے لئے ایسی نہ ہوئی جو اسے اللہ کے مقابلہ میں

اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ اَصْبَحَ

بچا لیتی اور نہ وہ خود ہی اپنے کو بچا سکا ف ۱۰۸ اور کل جو لوگ

الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ

اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ (اب) کہنے لگے بس تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ ۚ

اپنے بندوں میں سے جس کو اس کی مشیت ہوتی ہے خوب روزی دے دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے)

لَوْ لَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ

تنگی سے دیتا ہے، اگر ہم پر اللہ نے (اپنا) کرم نہ کیا ہوتا تو ہم کو بھی دھنسا دیتا بس تو

لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ

معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی ف ۱۰۹ یہ عالم آخرت تو ہم

نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ

انہیں لوگوں کے لئے خاص کر دیتے ہیں جو زمین پر نہ بڑا بننا چاہتے ہیں

وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ

نہ فساد کرنا اور انجام (نیک) تو متقیوں ہی کا (حصہ) ہے، ف ۱۱۰ جو کوئی نیکی لے کر

بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ

آئے گا اس کو اس سے بہتر (بدلہ) ملے گا اور جو کوئی بدی لے کر آئے گا

ف ۱۰۷ اسرائیلیوں میں جو صاحب فہم وتقوٰی تھے انہوں نے اپنی قوم والوں کو سمجھایا کہ اس دنیوی ٹیپ ٹاپ میں کیا رکھا ہے، اصل شے تو خدا کے ہاں کا اجر ہے اور وہ مشروط ہے ایمان وطاعت کے ساتھ اور اجر میں بھی درجۂ کامل کا مستحق وہی ہوتا ہے جو اپنے نفس کو دنیوی حرص وطمع سے روکے رہے۔ وَيْلَكُمْ سے مقصود یہاں بددعا نہیں۔ عربی محاورہ میں ترحم یا تنبیہ کے موقع پر بھی آتا ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ دال ہے مطلوبیت مجاہدہ پر۔ ف ۱۰۸ یعنی نہ اس کی اپنی ہی ہنرمندی اور کاروانی کام آئی، جس پر اسے ناز رہتا تھا۔ اور نہ ہمدردوں کا وہ جتھا ہی کام آسکا جو اس نے پیدا کر لیا تھا اور جس پر اسے گھمنڈ تھا۔ زمین میں دھنسنے کا ماجرا توریت میں ان الفاظ میں ہے:۔ ”تب خداوند کا جلال اس سارے گروہ کے سامنے ظاہر ہوا اور خداوند نے موسٰی اور ہارون کو خطاب کر کے فرمایا تم آپ کو اس گروہ سے جدا کرو تا کہ میں انہیں ایک پل میں ہلاک کروں...... تب خداوند نے موسٰی کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو جماعت کو کہہ تم فرح اور داتن اور ابرام کے خیمہ کے گرداگرد سے دور ہو...... تب موسٰی نے کہا تم اس سے جانیو کہ خداوند نے مجھے بھیجا ہے کہ یہ سب کام کروں اور کہ میں نے کچھ اپنی خواہش سے نہیں کہا۔ اگر یہ آدمی اسی موت سے مریں جس موت سے سب مرتے ہیں یا ان پر کوئی حادثہ ایسا نہ ہووے جو سب پر ہوتا ہے تو میں خداوند کا بھیجا ہوا نہیں۔ پر اگر خداوند کوئی نئی بات پیدا کرے اور زمین اپنا منہ پھیلائے اور ان کو اس سب سمیت جو ان کا ہے نگل جائے اور وہ جیتے جی گور میں جائیں تو تم جانیو کہ ان لوگوں نے خدا کی اہانت کی ہے اور یوں ہوا کہ جوں ہی موسٰی یہ سب باتیں کہہ چکا تو زمین جو ان کے نیچے تھی فوراً پھٹی اور زمین نے اپنا منہ کھولا۔ اور انہیں اور ان کے گھروں اور ان سب آدمیوں کو جو فرح کے تھے اور ان سب کے مال کو نگل گئی سو وہ اور سب جو ان کے تھے جیتے جی گور میں گئے۔ اور زمین نے انہیں چھپا لیا۔ اور جماعت کے درمیان سے فنا ہو گئے (گنتی۔ ۱۶: ۲۰۔ ۳۳) مکانوں اور عمارتوں بلکہ پوری پوری آبادیوں کا زلزلہ وغیرہ کے اثر سے زمین میں دھنس جانا دنیا کی تاریخ میں نامعلوم نہیں اور پھر خدا اور بندوں کے ایسے مجرم کے لئے اس سزا سے دوچار ہونا تو کچھ ایسا غیر قدرتی بھی نہیں۔ ف ۱۰۹ اب سب کے سب گھبرائے اور جو ابھی کل تک رشک کر رہے تھے یہ منظر دیکھ کر بولے کہ بیشک یہ ہماری حماقت تھی جو ہم دولت کی کمی بیشی کو بدنصیبی وخوش نصیبی سے تعبیر کر رہے تھے۔ یہ تقسیم تو سرتاسر حکمتِ تکوینی کے ماتحت ہے۔ حرصِ دنیا تو ہم پر بھی مسلط ہو چکی تھی۔ یہ کہو اللہ نے ہمیں بچا دیا ورنہ آج یہی حشر ہمارا بھی ہونا تھا۔ توریت میں ہے:۔ ”اور سارے بنی اسرائیل جو ان کے آس پاس تھے ان کا چلانا سن کر بھاگے کہ انہوں نے کہا، نہ ہو کہ زمین ہم کو بھی نگل جائے پھر خداوند کے حضور سے ایک آگ نکلی اور ان اڑھائی سو کو جنہوں نے بخور گزرانا تھا، کھا گئی“۔ (گنتی ۱۶: ۳۴و۳۵) وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ آخری اور اختتامی فلاح بیشک کافر کے نصیب میں نہیں۔ ف ۱۱۰ عُلُوًّا۔ علو سے مراد معصیتِ نفسانی لی گئی ہے۔ اور فساد سے گناہِ متعدی اور دوسرے معانی بھی منقول ہیں۔ علو ای بغیًا (ابن جریر) و ظلمًا (الضحاک) و کبیرًا (مدارک) فسادًا ای عملًا بالمعاصی (مدارک) ”یہ علو اور فساد اگر حد کفر تک ہے تو مطلقاً مانع حصولِ ثوابِ آخرت ہے اور اگر حد کفر تک نہیں تو مانع حصولِ کمالِ ثوابِ آخرت ہے اور يُرِيْدُوْنَ کے لانے میں اشارہ ہے کہ عزم معصیت بھی معصیت ہے گو معصیت پر دسترس نہ ہو“ (تھانوی علیہ الرحمۃ) آیت قرآن کی ان آیات میں سے ہے جن میں چند مختصر الفاظ کے اندر گہرے اصول اور پورے پورے قانون بیان کر دیئے گئے ہیں اور اس قابل ہے کہ ہر پڑھا لکھا شخص اپنے اپنے کمرہ میں اس کا کتبہ لگا کر ٹانگ دے کہ ہر وقت پیش نظر رہے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اموی جنہیں پانچواں خلیفۂ راشد سمجھا گیا ہے۔ ان کی بابت تاریخوں میں درج ہے کہ نزع کے وقت یہی آیت زبان پر تھی۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آخرت سے جس طرح عمل بالمعاصی مانع ہے اور فساد سے یہی مراد ہے اسی طرح کبیر بھی اس سے مانع ہے اور علو سے یہی مراد ہے۔ اسی لیے اہلِ طریق ترکِ معاصی ہی کا سا اہتمام ازالۂ تکبر کا بھی کرتے ہیں۔ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ جس طرح کافر کی قسمت میں فلاحِ حقیقی سے محرومی ہے اسی طرح حسنِ عاقبت متقین کے نصیب کے ساتھ مخصوص ہے۔

فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا

سو ایسے لوگوں کو جو بدی کے کام کرتے ہیں بدلہ بس اتنا ہی ملے گا جتنا

يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ

وہ کرتے تھے ف۱۱۱ جس (خدا) نے آپ پر قرآن کو فرض کیا ہے، وہ آپ کو آپ کے وطن میں

لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّيْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ

پھر پہنچا کر رہے گا ف۱۱۲ آپ کہہ دیجیے، میرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون سچا دین

بِالْهُدٰى وَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۵﴾ وَ مَا كُنْتَ

لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں مبتلا ہے ف۱۱۳ اور آپ کچھ (اس کا)

تَرْجُوْۤا اَنْ يُّلْقٰۤى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ

آسرا لگائے ہوئے نہ تھے کہ آپ پر (یہ) کتاب نازل کی جائے گی، مگر آپ کے پروردگار کی

رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ لَا يَصُدُّنَّكَ

رحمت سے (نازل ہوئی) سو آپ (ان) کافروں کی ذرا بھی تائید نہ کیجیے گا ف۱۱۴ اور جب اللہ کے احکام

عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَ ادْعُ اِلٰى

آپ پر نازل ہوں تو ایسا نہ ہونے پائے کہ یہ ان سے آپ کو روک دیں اور آپ اپنے پروردگار کی طرف

رَبِّكَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَ لَا تَدْعُ

(لوگوں کو) بلاتے رہیے اور (ان) مشرکوں میں شامل نہ ہو جائیے ف۱۱۵ اور اللہ کے ساتھ

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَيْءٍ

کسی اور معبود کو نہ پکاریے، کوئی معبود نہیں اس کے سوا ہر شے فنا ہونے

هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

والی ہے بجز اس کی ذات کے ف۱۱۶ حکومت اسی (ایک) کی ہے اور اسی کی طرف تم (سب) لوٹائے جاؤ گے

ف۱۱۱ یعنی عالم آخرت کا قانون یہ ہے کہ بدی کا معاوضہ تو صرف اسی قدر ملے گا جتنا اس عملِ بد کا مقتضا ہے اور نیکی کا معاوضہ اس کے اصل مقتضا سے کہیں زیادہ ملا کرے گا جس کا اقل درجہ حدیثِ نبوی کے مطابق دس گنا ہے ـــــ قرآن کا خدا بندوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا کریم ورحیم، تواب وغفار ہے مشین کی طرح بیجان، بے ارادہ خدا نہیں۔ ف۱۱۲ (اور اس وقت آپ آزاد اور غالب اور صاحبِ حکومت ہوں گے) یہ آپ کی تسلی میں اس وقت ارشاد ہوا جب ہجرت کے بعد مفارقتِ وطن سے آپ کو طبعی صدمہ ہو رہا تھا۔ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ۔ یعنی قرآن کو بہ طور حکم کے آپ پر اتارا ہے۔ اس پر عمل آپ پر واجب کیا ہے۔ اے اوجب عليك العمل به (راغب) ف۱۱۳ مطلب یہ ہے کہ میرے حق ہونے اور تمہارے باطل ہونے پر تو دلائل قطعی موجود ہیں۔ ادنیٰ سے غور میں سمجھ میں آسکتے ہیں۔ جب ان سے کام ہی نہیں لیتے ہو تو خیر۔ اخیر جواب یہ ہے کہ اللہ ہی بتلا دے گا۔ ف۱۱۴ (جیسا کہ اب تک بھی ان سے الگ تھلگ ہی رہے ہیں۔) آیت میں تردید ان لوگوں کی ہے جو کہتے تھے کہ اپنی محنت وکوشش کے بعد آپ نے دعوٰی مرتبۂ نبوت کا کر دیا ہے۔ ف۱۱۵ (بلکہ جیسا اب تک شرک سے معصوم رہے ہیں، آئندہ بھی رہیے)'' ان آیتوں میں کفار ومشرکین کو ان کی درخواستوں سے ناامید کرنا ہے اور روئے سخن انہیں کی طرف ہے کہ تم جو حضور ﷺ سے دین میں موافق ہونے کی درخواست کرتے ہو اس میں کامیابی کا کبھی احتمال نہیں، مگر عادت ہے کہ جس شخص پر زیادہ غصہ ہوتا ہے اس سے بات نہیں کیا کرتے۔ اپنے محبوب سے باتیں کر کے اسی شخص کو سنایا کرتے ہیں'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) مفسرین نے کہا کہ لفظاً یہاں خطاب آپ سے ہے لیکن مراد آپ کی امت والے ہیں۔ الخطاب فى الظاهر للنبى ﷺ۔ المراد به اهل دينه (معالم۔ عن ابن عیاض) لعل الخطاب معه و لكن المراد غيره (کبیر) و هذه المناهى كلها ظاهرها انها للرسول و هى فى الحقيقة لاتباعه (بحر) ف۱۱۶ اس میں رد آگیا ان ساری مشرک قوموں کا جنہوں نے صانع مطلق کے ساتھ ساتھ روح یا مادہ یا کسی اور چیز کو بھی ازلی وابدی تسلیم کیا ہے۔ وحدۃ الوجود کے ماننے والوں نے اس آیت سے اپنے عقیدہ پر بھی استدلال کیا ہے ان کی تقریر یہ ہے کہ آیت میں هَالِكٌ بصیغۂ اسم فاعل ہے، نہ کہ يهلك بصیغۂ مضارع بمعنٰی مستقبل، گویا مراد یہ نہیں کہ عملی فنا آئندہ کسی زمانہ میں طاری ہوگا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ عملی فنا ہر موجود پر مستقلاً طاری ہوتا ہی رہتا ہے۔ اور اس کا تحقق اسی صورت میں ممکن ہے جب ہالک کو کالہالک اور معدوم کو کالمعدوم کے معنٰی میں لیا جائے اور مراد یہ سمجھی جائے کہ موجودات کا وجود ذاتی نہ ہونے کے سبب سے ہر وقت قابل عدم ہے اور وجود مثل لا وجود کے ہے۔ وَجْهَهٗ سے مراد ذات باری ہے۔ اے الا ذاته (بیضاوی) الوجه هو الوجود و الحقيقة (کبیر) والمراد كل شىء هالك الاهو (کبیر) اے الاایاه (ابن کثیر) الا اياه قاله الزجاج (بحر) فالوجه يعبر به عن الذات (مدارک)

وقف لازم

ع ۹ / ۱۲

ایاتھا ۶۹ ۲۹ سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْتِ مَکِّیَّۃٌ ۸۵ رکوعاتھا ۷

اس کی انہتر آیتیں سورۂ عنکبوت مکی ہے اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا

الف۔ لام۔ میم۔ کیا لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ محض یہ کہنے سے

اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ

کہ ہم ایمان لے آئے چھوٹ جائیں گے اور وہ آزمائے نہ جائیں گے ف۱ اور ہم تو انہیں بھی آزما چکے ہیں جو ان

قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ

سے قبل گذرے ہیں سو اللہ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر

الْکٰذِبِیْنَ ﴿۳﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ

رہے گا ف۲ ہاں تو کیا جو لوگ برے برے کام کر رہے ہیں وہ یہ بھی خیال کر رہے ہیں

اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ﴿۴﴾ مَنْ کَانَ یَرْجُوْا

کہ ہم سے نکل بھاگیں گے کیسی بیہودہ ان کی (یہ) تجویز ہے! جو کوئی اللہ سے

لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ؕ وَ ھُوَ السَّمِیْعُ

ملنے کی امید رکھتا ہو سو اللہ کا وہ معین وقت تو ضرور ہی آنے والا ہے ف۳ اور وہ بڑا سننے والا ہے،

الْعَلِیْمُ ﴿۵﴾ وَ مَنْ جَاھَدَ فَاِنَّمَا یُجَاھِدُ لِنَفْسِہٖ ؕ اِنَّ

بڑا جاننے والا ہے ف۴ اور جو کوئی محنت کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے محنت کرتا ہے ف۵ بے شک

اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا

اللہ سارے عالم سے بے نیاز ہے ف۶ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل

ف۱ (طرح طرح کے مصائب سے) یعنی ایسے امتحانات ضرور پیش آئیں گے۔ اشارہ ہے ان مومنین کی طرف جو کفار کی ایذاء سے گھبرا گئے تھے۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیت اس امر پر دال ہے کہ مجاہدہ وصول الی المقصود کے شرائط عادیہ میں سے ہے۔ اگرچہ اضطراری ہی ہو۔ ف۲ یعنی جس طرح سابق امتوں کے مومنوں کی آزمائشیں ہو چکی ہیں، ان لوگوں کے ساتھ بھی یہ معاملات پیش آ کر رہیں گے، جو اپنے دعوے میں سچے ہوتے ہیں وہ امتحان سے اور پختہ ہو جاتے ہیں اور جن کے دعوے محض زبانی ہوتے ہیں وہ نکل بھاگتے ہیں۔ لَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ ”اللہ جان کر رہے گا“ یعنی علم ظاہری سے، خلقت کی نظر میں، ورنہ حقیقۃً تو اللہ کو علم شروع ہی سے ہے۔ ف۳ (سوایسوں کو تو ان واقعات سے پریشانی کی مطلق کوئی وجہ نہیں۔ وقت موعود پر ان کے سارے غم غلط ہو کر رہیں گے) اَمْ...... یَحْکُمُوْنَ۔ مشرک جاہلی قوموں کا اپنے دیوی دیوتاؤں پر قیاس کر کے خود حق تعالیٰ کے متعلق بھی یہ سمجھے رہنا کہ اس کی گرفت سے نکل جانا بالکل ممکن ہوگا، ذرا بھی تعجب انگیز نہ تھا۔ ف۴ ہر طاعت قولی سے واقف۔ ہر طاعت فعلی پر مطلع۔ اس کی راہ میں آج جتنی بھی کلفتیں انہیں اٹھانا پڑ رہی ہیں سب کی جزائے خیر ایک ایک کر کے انہیں مل کر رہے گی۔ خدائے اسلام جاہلی قوموں کے دیوتاؤں کی طرح نہیں کہ اس کا علم ناقص ہو، اس کے حواس محدود ہوں وغیرہا۔ ف۵ (نہ یہ کہ اس سے اس کے معبود کو کوئی نفع پہنچے) لِنَفْسِہٖ۔ یعنی اپنے ہی نفع وراحت کے لیے ــــ اپنے نفع کا علم ہو جانے کے بعد قدرۃً ہر مشقت آسان ہو جاتی ہے۔ مشرک جاہلی قوموں کا فلسفہ یہ تھا کہ بندے، جس طرح خدا کے محتاج ہیں، خدا بھی اسی طرح ان کا محتاج ہے اور جس طرح وہ ان کی نگرانی کرتا رہتا ہے یہ بھی تو برابر اس کی خدمت میں لگے رہتے ہیں! ف۶ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ”بے نیاز“ یہاں اردو کے ”بے پروا“ کے معنی میں نہیں، غیر محتاج کے معنی میں ہے۔ یعنی تم جو خدا کو بھی کسی معنی میں اپنا محتاج و دست نگر سمجھ رہے ہو یہ تمام تر جہل ہے، وہ تو مخلوق میں سے کسی کا، کسی معنی میں بھی دست نگر نہیں۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں مجاہدہ کے بعد عجب اور دعویٰ استحقاق پیدا ہونے کی جڑ کاٹ دی گئی ہے۔

الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ

بھی کئے ہم ان کے گناہ ان سے دور کر کے رہیں گے وے اور ہم ان کو ان کے اعمال کا

اَحْسَنَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۷﴾ وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ

زیادہ اچھا بدلہ دے کر رہیں گے و۸ اور ہم نے حکم دیا ہے انسان کو

بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا ؕ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا

اپنے والدین کے ساتھ سلوک نیک کا لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو کسی چیز کو میرا شریک بنا

لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ

جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں تو تُو ان کا کہنا نہ ماننا تم سب کو میرے ہی پاس آنا ہے

فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا

میں تمہیں جتلا دوں گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہتے تھے و۹ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک

الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ ﴿۹﴾ وَ مِنَ النَّاسِ

عمل کئے انہیں ہم نیک بندوں میں داخل کر کے رہیں گے اور بعضے آدمی ایسے ہیں

مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ

جو (زبان سے) کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے، پھر جب اللہ (کی راہ) میں تکلیف پہنچائی

فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَ لَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ

جاتی ہے تو لوگوں کی اذیت رسانی کو مثل عذاب الٰہی کے سمجھنے لگتے ہیں، و۱۰ اور اگر کوئی مدد آپ کے

رَّبِّكَ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَ لَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ

پروردگار کی طرف سے آپہنچتی ہے، و۱۱ تو کہنے لگتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ تھے ہی و۱۲ کیا اللہ کو

بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰﴾ وَ لَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ

دنیا جہان والوں کے دلوں کی باتیں خوب معلوم نہیں؟ و۱۳ اور اللہ ایمان والوں کو بھی

و۷ چنانچہ مؤمنین صالحین کے بعض گناہ محض توبہ سے کہ وہ بھی ایک فرد ہے عمل صالح کی معاف ہو جائیں گے اور بعض دوسرے حسنات سے اور بعض محض فضلِ خداوندی سے۔ و۸ یعنی ان کے اعمال حسنہ کی جزا ان کے اصل استحقاق سے کہیں بڑھ کر۔ و۹ والدین کی اطاعت کا حکم تو قرآن میں عام ہے، بار بار آیا ہے۔ اس خاص آیت سے متعلق واقعہ نزول صحیح مسلم و جامع ترمذی دونوں میں یہ منقول ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص جب ایمان لے آئے تو ان کی مشرک والدہ بہت ہی ناخوش ہوئیں اور قسم کھا کر کہا کہ میں کھانا چھوڑتی ہوں اور چھوڑے رہوں گی جب تک تو اسلام ترک نہ کرے گا۔۔۔ یہ گویا تاریخ میں پہلی مثال بھوک ہڑتال (بلکہ بھوک اور پیاس ہڑتال) کی تھی۔۔۔ اس پر آیت نازل ہوئی اور ارشاد ہوا کہ ایسی باتوں میں والدین کی اطاعت نہیں۔ لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ علم سے مراد دلیل، شہادت یا ثبوت ہے۔ و۱۰ (اور اس بشری گزند رسانی کے خوف سے نہ صرف زبان سے باطل کا کلمہ پڑھنے لگتے ہیں بلکہ دل تک کو انہیں عقائد باطلہ کے موافق بنا لیتے ہیں) فِی اللّٰهِ۔ فی سببیہ ہے۔ یعنی اللہ کی خاطر۔ اللہ کے سبب سے۔ یا اللہ کی راہ میں۔ ای لاجله عز و جل علی ان فی للسببية او المراد فی سبيل الله (روح) و۱۱ مثلاً جہاد ہوا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور یہ لوگ بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئے۔ و۱۲ (دین و عقیدہ میں دل سے) یعنی جب مسلمانوں کے بس میں آجاتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ ہم تو مسلمان شروع ہی سے تھے۔ کافروں کے ساتھ محض مجبوریوں اور مصلحتوں سے ہو گئے تھے۔ و۱۳ اللہ تعالیٰ ان کے قول کو رد کر کے فرماتا ہے کہ عالم الغیوب والسرائر سے بھی یہ چالاکی! تم مسلمان تھے ہی کب؟ ”ہر چند کہ اکراہ میں تلفظ بکلمۂ کفر کی اجازت ہے مگر ملامت اس پر ہے کہ دل سے کیوں کفر کیا تھا، جیسا صدور کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے“۔ (تھانوی رحمہ اللہ علیہ)

اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

معلوم کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا اور کافر

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ

ایمان والوں سے کہتے ہیں ہماری راہ چلو اور تمہارے گناہ ہمارے ذمہ

وَ مَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ

حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں لے سکتے

اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا

یہ بالکل جھوٹے ہیں اور یہ لوگ اپنے گناہ اپنے اوپر لادے ہوں گے اور اپنے گناہوں کے ساتھ

مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَ لَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا

کچھ اور گناہ بھی ف۱۴ اور ان سے قیامت کے دن باز پرس ہو کر رہے گی جیسی جیسی باتیں

يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ

یہ گڑھتے رہتے تھے، اور بالیقین ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف (پیمبر بنا کر) بھیجا تو وہ ان کے درمیان

فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ

پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے پھر ان کو طوفان نے

الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ

آ دبایا اور وہ (بڑے) ظالم لوگ تھے پھر ہم نے ان کو اور کشتی والوں کو

السَّفِيْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَ اِبْرٰهِيْمَ اِذْ

بچا لیا، اور ہم نے اس (واقعہ) کو دنیا جہان والوں کے لئے ایک نشان بنا دیا ف۱۵ اور ابراہیم کو (بھی ہم نے

قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

پیمبر بنا کر بھیجا) جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی پرستش کرو اور اس سے ڈرو، یہ بہتر ہوگا تمہارے حق میں

ع ۱۳/۱

ف۱۴ یہ دوسرے گناہ وہ ہوں گے جن کے یہ لوگ سبب و باعث بنے تھے گو اس سے سبکدوشی ان اصلی گنہگاروں کی بھی نہ ہو جائے گی۔ مِنْ خَطٰيٰهُمْ میں مِنْ بیانیہ ہے۔ مِنْ شَيْءٍ میں مِنْ زائد تاکید استغراق یا تاکید نفی کے لیے ہے۔ یعنی ''کچھ بھی'' یا ''ذرا بھی''۔ من مزیدة لتاکید الاستغراق (روح)

ف۱۵ حضرت نوح اور طوفانِ نوح وغیرہ پر حاشیے سورۃ الاعراف (پ۸) اور سورۃ ہود (پ۱۲) میں گزر چکے۔ فَلَبِثَ ...... عَامًا۔ حضرت نوح کی عمر سے متعلق توریت میں ہے:۔ ''اور طوفان کے بعد نوح ساڑھے تین سو برس جیتا رہا اور نوح کی ساری عمر ساڑھے نو سو برس کی تھی۔ تب وہ مر گیا'' (پیدائش۔ ۹:۲۹) حضرت آدم سے اس وقت تک حسب تصریح توریت کل دس پشتیں گزری تھیں اور اوسط عمر بھی اس وقت کا آج کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تھا۔ اس لیے آپ کی اتنی عمر چنداں مستبعد بھی نہیں۔ خود آپ کے والد کی عمر ۷۷۳ سال کی ہوئی تھی اور آپ کے دادا کی عمر تو آپ سے بھی کچھ زائد ۹۶۹ سال کی ہوئی تھی۔ نو سو سال سے اوپر عمروں کا ہونا تو اس وقت سے ذرا پہلے معمول عام ہی تھا۔ اس لیے ان کی اس قدر عمر غیر محال بلکہ مستبعد تو کیا ہوتی اس وقت کے معیار کے لحاظ سے کچھ ایسی طویل بھی نہیں کہی جا سکتی۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ وَ جَعَلْنٰهَا۔ ھا کی ضمیر مؤنث عقوبة کی طرف سمجھی گئی ہے۔ اور جائز ہے کہ سفینة کی جانب لی جائے۔ اور سب سے بہتر ہے کہ نجات کی طرف سمجھی جائے۔ الهاء والالف فی جعلنا ها للسفینة او للعقوبة او للنجاة (قرطبی)

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو تم تو اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پوج

اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ

رہے ہو اور جھوٹ تراشتے ہو جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر

دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ

پوج رہے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے ہیں ف۱۶ سو تم لوگ رزق اللہ کے ہاں سے

الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو ف۱۷ اسی کے پاس تم سب کو لوٹ کر جانا ہے ف۱۸

وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَ مَا

اور اگر تم لوگ (مجھے) جھٹلا رہے ہو، تو تم سے پہلے بھی امتیں (اپنے پیمبروں کو) جھٹلا چکی ہیں، اور

عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾ اَوَ لَمْ يَرَوْا كَيْفَ

پیمبر کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہوتا ہے ف۱۹ کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ

يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

اللہ کس طرح مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا، یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی

يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ

آسان بات ہے، آپ کہیے تم لوگ زمین میں چلو پھرو، پھر اس پر نظر کرو اللہ نے کس طرح

الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

مخلوق کو اول بار پیدا کیا، پھر اللہ پچھلی بار بھی پیدا کرے گا بے شک اللہ ہر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ ج يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْحَمُ مَنْ

چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ف۲۰ عذاب دے گا جس کی بابت اس کی مشیت ہوگی اور رحم کرے گا اس پر جسے

ف۱۶ نہ وہ ہوائیں چلانے پر قادر، نہ وہ برساتی بخارات اٹھانے پر قادر، نہ وہ فضا میں بادل کے پھیلانے پر قادر، نہ وہ پانی کو بوندوں کی شکل میں اتارنے پر قادر، نہ وہ زمین کے آفتاب سے تپانے پر قادر، نہ وہ زمین میں قوتِ نمو پیدا کرنے پر قادر، زراعت، فلاحت، تجارت، صنعت و حرفت غرض معاش کی کسی ایک صفت کے بھی اسباب مؤثر ان کے بس میں ذرا سے بھی نہیں۔ رِزْقًا کی تنوین و تنکیر رزق کی تقلیل و تحقیر کے لیے ہے یعنی کوئی ادنیٰ سا بھی رزق ان معبودانِ باطل کے بس میں نہیں۔ اِبْرٰهِيْمَ اور قوم ابراہیم پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ ف۱۷ (کہ وہی ہر قسم کے نفع کا مالک ہے۔ تمہارے ہر نفع کا منبع بھی وہی ہے) فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ۔ اللہ سے تمہارا تعلق محض بحیثیت الٰہ المعاد کے نہیں، الٰہ معاش بھی وہی تو تمہارا ہے۔ سارے معاشی واسطے اور وسیلے اسی سے نکلتے ہیں۔ اسی پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ الرِّزْقَ۔ رزق کا صیغہ معرفہ میں آنا اس کی کلیت و استغراق کے لیے ہے۔ یعنی سارے کا سارا رزق۔ اے کله علی ان تعریف الرزق للاستغراق (روح) وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ۔ ہر قسم کے حقوق اسی کے مقرر کیے ہوئے ادا کرتے رہو۔ ف۱۸ جس طرح ہر نفع کا مالک وہی ہے، ہر ضرر کا بھی مالک وہی ہے۔ حساب کتاب اسی کو دینا ہوگا۔ آخری واسطہ اور سابقہ صرف اسی سے ٹھہرے گا۔ ف۱۹ (جس کے بعد اس کے اوپر امت کے کسی قول و فعل کی ذمہ داری نہیں) ف۲۰ (خلق اول پر بھی اور اعادۂ خلق پر بھی) اَوَلَمْ يَرَوْا۔ دعوتِ استدلال غور و فکر سے ہے ــــ انسان اگر صرف اپنی ذات ہی میں، اپنے نیست سے ہست ہو جانے ہی پر غور کرے تو یہ حق تعالیٰ کی قوتِ ایجاد و ابداع پر اعتقاد پیدا کر دینے کے لیے کافی ہے۔ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ۔ دعوتِ استدلال مشاہداتِ مادی سے ہے ــــ انسان اگر دوسری مخلوقات کے عجائبات پر نظر کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کی ہر قدرت کا کلمہ پڑھ اٹھے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ان اہل طریق کا مستدل ہے جنہوں نے راہِ سیاحی اختیار کی ہے۔ یہ گھوم پھر کر احوالِ خلق سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور اس میں ان کی اور بھی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ مخلوق سے تعلقات میں کمی ہو اور زندگی، گمنامی، کسمپرسی، بے نشانی میں بسر ہو اور معصیتوں کے اسباب ہی پر دسترس کم سے کم ہو جائے۔

يَشَآءُ ۚ وَاِلَيۡهِ تُقۡلَبُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ فِى

وہ چاہے گا اور اسی کے پاس تم سب لوٹ کر جاؤ گے و۲۱ اور تم نہ زمین میں ہرا

الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

سکتے ہو اور نہ آسمان میں ۔ اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا

مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۲۲﴾ ع وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

نہ کارساز ہے نہ مددگار و۲۲ اور جو لوگ اللہ کی نشانیوں اور سامنے جانے کے

وَلِقَآئِهٖۤ اُولٰۤئِكَ يَئِسُوۡا مِنۡ رَّحۡمَتِىۡ وَاُولٰۤئِكَ لَهُمۡ

منکر ہیں وہی تو ہیں جو میری رحمت سے مایوس ہوں گے و۲۳ اور وہی تو ہیں جنہیں

عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا

عذاب دردناک ہوگا سو ان (ابراہیم) کی قوم کا (آخری) جواب بس یہی تھا کہ کہنے لگے

اقۡتُلُوۡهُ اَوۡ حَرِّقُوۡهُ فَاَنۡجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ

انہیں قتل کر ڈالو یا انہیں جلا ڈالو، سو اللہ نے ان کو (اس) آگ سے بچا لیا و۲۴ بے شک (اس واقعہ) میں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ

نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں و۲۵ اور (ابراہیم نے یہ بھی) کہا کہ تم نے تو بس

دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيۡنِكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ ثُمَّ

اپنے باہمی تعلقاتِ دنیا کی بناء پر اللہ کو چھوڑ کر بت تجویز کر رکھے ہیں پھر

يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكۡفُرُ بَعۡضُكُمۡ بِبَعۡضٍ وَّيَلۡعَنُ بَعۡضُكُمۡ

قیامت میں تم سے ایک دوسرے کا منکر ہو جائے گا اور ایک دوسرے پر لعنت

بَعۡضًا ۫ وَّمَاۡوٰٮكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۲۵﴾

کرے گا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا و۲۶

ع ۲ / ۱۴

و۲۱ اس ذرا سے فقرہ میں دو اہم حقیقتوں کا اثبات آ گیا۔ ایک یہ کہ سب کا حشر حق تعالیٰ ہی کے حضور میں ہوگا نہ کہ کسی اور کے — مسیحیوں اور دوسرے اہلِ باطل کی تردید۔ يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَرۡحَمُ مَنۡ يَّشَآءُ۔ یہ مشیت عذاب ہمیشہ اسی کے متعلق ہوگی جو مستحق عذاب ہوگا اور مشیت رحم اسی کے متعلق ہوگی جو رحمت کا اہل ہوگا۔ و۲۲ یعنی اس کی تعذیب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ نہ اپنی کسی تدبیر سے بچ سکتے ہو نہ کسی دوسرے کی حمایت و نصرت سے۔ فِى الۡاَرۡضِ۔ یعنی تکوینی قوتیں تو ساری کی ساری اسی کی محکوم و تابع تھیں۔ وَلَا فِى السَّمَآءِ۔ نہ آسمان پر کوئی دیوی دیوتا تمہاری مدد کو موجود ہے۔ اسی سے ملتا جلتا ایک مضمون عہدِ عتیق میں ہے:۔ ”تیری روح سے میں کدھر جاؤں اور تیری حضوری سے میں کہاں بھاگوں؟ اگر میں آسمان کے اوپر چڑھ جاؤں تو تو وہاں ہے اگر میں پاتال میں اپنا بستر بچھاؤں تو دیکھ تو وہاں بھی ہے۔ اگر صبح کے پنکھ لے کے میں سمندر کی انتہا میں جا رہوں تو وہاں بھی تیرا ہاتھ مجھے لے چلے گا“۔ (زبور، ۱۳۹: ۷۔۹) و۲۳ (قیامت کے دن) یعنی جب انکشافِ حقائق کا وقت ہوگا تو انہیں خود مشاہدہ ہو جائے گا کہ ہم تو محل رحمت ہی نہیں! يَئِسُوۡا۔ صیغۂ ماضی ہے لیکن یہاں مضارع کے معنی کھلے ہوئے ہیں۔ اور جس مستقبل کا تحقق یقینی ہے اس کے لیے ماضی کا صیغہ لے آنے کا دستور عربی فن بلاغت میں عام ہے۔ رَحۡمَتِىۡ۔ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عذاب کو یوں بھی مطلق چھوڑ دینا اور رحمت کا انتساب اپنی جانب صیغۂ واحد متکلم کے ساتھ کرنا، یہ خود غلبہ رحمت الٰہی کے آثار میں سے ہے۔ و۲۴ ذکر وہی حضرت ابراہیم اور ان کی قوم کا چل رہا ہے۔ ان واقعات پر حاشیے سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکے۔ و۲۵ (نشانیاں اللہ کے قادرِ مطلق ہونے کی پیمبرانِ برحق کے منصور ہونے کی اور کفر و شرک کے باطل ہونے کی) و۲۶ مشرک جاہلی قوموں میں عموماً ہر ہر قبیلہ کے بت جداگانہ رہتے تھے اور قوم وار اور قبیلہ وار دیوی دیوتاؤں کی پرستش کا راز یہ بتایا جاتا ہے کہ اس سے قوم یا قبیلہ میں نظم یا جتھا قائم رہے گا۔ قیامت کے دن جب منکشف ہو جائے گا کہ یہ سیاسی یا معاشری مصلحتیں کس درجہ بے حقیقت تھیں تو احمق پجاری ایک دوسرے کے خلاف خوب دل کھول کر بخار نکالیں گے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو اتحاد و اتفاق سبب بن جائے فسادِ دین کا، اس کا ترک واجب ہے۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ

پھر لوط نے ان کی تصدیق کی ف۲۷ اور (ابراہیم) بولے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف ترک وطن کرکے چلا جاؤں گا

وقف لازم

هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ

بے شک وہی بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۲۸ اور ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب عطا کیا ف۲۹

وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْکِتٰبَ وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ

اور ہم نے ان کی نسل میں نبوت اور کتاب کو قائم رکھا ف۳۰ اور ہم نے ان کو ان کا صلہ

فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾ وَلُوْطًا

دنیا میں (بھی) دیا اور آخرت میں یقیناً وہ (بڑے) نیک کاروں میں ہوں گے ف۳۱ اور لوط کو (بھی ہم نے پیمبر بنا کر

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَکُمْ

بھیجا) جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک تم تو ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے

بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ

دنیا جہان والوں میں کسی نے نہیں کیا ف۳۲ ارے! تم تو مردوں سے

الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْکُمُ

فعل کرتے ہو اور تم رہزنی کرتے ہو اور تم بھری مجلس میں ممنوعات کا

الْمُنْکَرَ ؕ فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا

ارتکاب کرتے ہو ف۳۳ سو ان کی قوم کا (آخری) جواب بس یہی تھا کہ ہم پر عذاب

بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ

لے آؤ اگر تم سچے ہو (لوط نے) دعا کی کہ اے میرے پروردگار

انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ

مجھے (ان) مفسد لوگوں پر غالب کر دے ف۳۴ اور جب ہمارے قاصد

ف۲۷ لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور آگے چل کر خود بھی نبوت سے مشرف ہوئے۔ مفصل حاشیے پچھلی سورتوں میں گزر چکے۔ ف۲۸ وہ میری حفاظت پر بھی ہر طرح قادر ہے اور میری رہنمائی پر بھی۔ اِلٰی رَبِّیْ۔ یعنی اس مقام کی طرف جو میرے پروردگار کا بتایا ہوا ہے۔ ای الی حیث امرنی بالتوجه الیه (کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے کہ قرآنی فقرہ اِلٰی رَبِّیْ تفسیری فقرہ الی حیث امرنی ربی سے کہیں زیادہ بلند و بلیغ ہے۔ یہ کہ اس میں توجہ تمامتر پروردگار ہی کی طرف ظاہر ہو رہی ہے نہ کہ کسی جہت و مقام کی طرف۔ اِلٰی رَبِّیْ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اسی طرح طریقت میں اپنے رب کی طرف فنا و محو ہونا ہے اپنی خواہش و اختیار و ہستی کو ترک کرکے۔ ف۲۹ (بطور بیٹے اور پوتے کے) ان سب پر حاشیے اپنے اپنے مقام پر گزر چکے۔ ف۳۰ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ آپ کے بعد بھی مسلک توحید و رسالت کی دعوت آپ ہی کی اولاد اور اولاد در اولاد کے ذریعہ سے ہوتی رہی۔ قرآن مجید میں یہ کہیں بصیغۂ حصر تو وارد نہیں ہوا ہے لیکن جا بجا جہاں بھی اس نعمت کا ذکر آیا ہے سب کے سیاق پر غور کرنے سے معلوم یہی ہوتا ہے کہ منصب نبوت اور عقیدۂ توحید دنیا میں نسل ابراہیمی ہی کے ساتھ مخصوص رہا ہے، جس کی دو بڑی شاخیں اسرائیلی اور اسمٰعیلی ہیں۔ الْکِتٰبَ۔ کتاب سے مراد جنس کتاب ہے۔ قصد به جنس الکتاب (کشاف) ف۳۱ دنیا میں مال، جاہ، عزت، خوش اقبالی نے آپ کا ساتھ دیا اور آخرت میں آپ مراتب قبول و قرب سے نوازے گئے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دنیوی نعمتوں سے سرافرازی جیسا کہ بعض اہل اللہ کو ہوتی رہتی ہے آخرت میں ان کے مرتبہ کو گھٹا نہیں دیتی۔ ف۳۲ حضرت لوط اور ان کی قوم سے متعلق حواشی سورۃ الاعراف پ۸ میں گزر چکے۔ مَا سَبَقَکُمْ بِهَا سے معلوم ہوا کہ ایک زمانہ دنیا پر ایسا بھی گزرا ہے جب انسان بدکاری کی اس خاص صورت سے واقف بھی نہ تھا اور یہیں سے بعض فقہاء نے استدلال کیا ہے اس حرکت کے خلاف وضع فطرت ہونے پر۔ وہ کہتے ہیں کہ امر خلقی و طبعی محتاج کسب و تعلیم نہیں ہوتا۔ اور جب انسان اس فعل سے ہزار ہا سال تک واقف نہ ہوا تو یہ خواہش اس کی فطرت و طبیعت میں داخل نہیں ہو سکتی، اس گندی حرکت کے تاریخی پہلو پر بھی حاشیہ سورۃ الاعراف ہی کے ذیل میں آچکا ہے۔ ف۳۳ قوم لوط علاوہ اس مخصوص گندگی کے اور بھی طرح طرح کے جرائم میں مبتلا تھی، حاشیے سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔ فقہاء نے کہا ہے۔ ناچ رنگ اور عام منکرات کی محفلیں اسی حکم کے تحت میں آجاتی ہیں — اور جب یہ حال ان مجلسوں کا تھا تو آج تھیٹر اور سینما اور میوزک ہال اور آپیرا ہاؤس اور پکچر گیلری وقس علیٰ ہذا کے جو احکام ہیں، وہ بالکل ظاہر ہیں۔ ف۳۴ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے اعداء دین پر بددعا کرنے کا جواز ثابت ہے۔ نیز یہ کہ ایسی بددعا حلم و کرم وغیرہ کمالاتِ اخلاق کے منافی نہیں۔

رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ

ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے ۳۵ تو کہنے لگے ہم اس بستی والوں کو

هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۳۱ قَالَ اِنَّ

ہلاک کرنے والے ہیں بے شک اس کے باشندے بڑے بدکار ہیں ۳۶ (ابراہیم نے) کہا (مگر)

فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ

وہاں تو لوط (بھی) ہیں (فرشتے) بولے ہم کو خوب معلوم ہے وہاں کون کون رہتا ہے ہم لوط اور ان کے گھر والوں کو

وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڭ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۳۲ وَلَمَّآ

بچا دیں گے بجز ان کی بیوی کے کہ وہ (عذاب میں) رہ جانے والوں میں ہو گی ۳۷ اور پھر جب

اَنْ جَاۗءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْۗءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ

ہمارے (وہ) قاصد لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان (کے آنے) سے مغموم ہو گئے اور ان کے سبب سے

ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۣ اِنَّا مُنَجُّوْكَ

بہت کڑھے ۳۸ (اس پر ان فرستادوں نے) کہا آپ اندیشہ نہ کریں اور مغموم نہ ہوں ہم بچالیں گے آپ کو

وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۳۳ اِنَّا

اور آپ کے گھر والوں کو بجز آپ کی بیوی کے کہ وہ (عذاب میں) رہ جانے والوں میں ہو گی ہم

مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓي اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ

اس بستی کے باشندوں پر ایک عذاب آسمانی ان کی بدکاریوں کی پاداش میں

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۳۴ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً

نازل کرنے والے ہیں اور ہم نے اس بستی کے کچھ نشان رہنے دیئے ہیں

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۳۵ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ

ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں ۳۹ اور مدین (والوں) کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی شعیب کو (پیمبر بنا کر

۳۵ یہ قاصد انسانی شکل میں اللہ کے فرشتہ تھے۔ جو حضرت ابراہیم کے پاس ان کے صاحبزادہ اسحٰق کی ولادت کی بشارت لے کر آئے تھے۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الاعراف (پ۸) اور سورۂ ہود (پ۱۲) کے حاشیے۔ رُسُلُنَا ۔ رَسُوْلُ یہاں پیمبر کے اصطلاحی معنٰی میں نہیں۔ قاصد کے عام لغوی معنٰی میں ہے۔ اَلْبُشْرٰی۔ بشارت سے حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت مراد ہے۔ ۳۶ مراد وہ بستیاں ہیں جن میں قوم لوط آباد تھی، یعنی شہر سدوم اور اس کے مضافات۔ ۳۷ حضرات انبیاء شفقتِ مجسم ہوتے ہیں اور حضرت ابراہیم تو شاید شفقت میں اور زیادہ بڑھے چڑھے ہوئے تھے۔ فرشتوں سے سفارش ایک لطیف انداز میں کی۔ حضرت لوط کی بیوی اور ان کے انجام کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ سورۃ الاعراف (پ۸) سورۂ ہود (پ۱۲)۔ لَنُنَجِّیَنَّهٗ ۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے آیت سے استنباط فرمایا کہ کسی مجمع میں اہل اللہ کا ہونا اس پر نزولِ عقوبت سے مانع ہو جاتا ہے اور اس سے اہل اللہ کا جدا ہو جانا تو اس مانع کا ارتفاع ہے۔ اِلَّا امْرَاَتَهٗ یہ بھی فرمایا کہ مقربین کے ساتھ محض قرابت کا تعلق بدون ایمان کے نافع نہیں۔ ۳۸ (اپنی نالائق قوم کی حرکتوں کا خیال کر کے کہ وہ ضرور انہیں چھیڑیں گے) سِیْٓءَ...... ذَرْعًا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے یہاں سے مستنبط فرمایا کہ طبعی غم اور حزن، کمال کے منافی نہیں جب کہ ان کے مقتضائے غیر مشروع پر عمل نہ کیا جائے۔ یہ فرشتے حسین نوجوان لڑکوں کی شکل میں تھے۔ اور سدوم والے یوں بھی پردیسیوں کے دشمن تھے۔ انہیں طرح طرح ستایا کرتے تھے۔ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا۔ عربی محاورہ میں یہ ایسے موقع پر بولتے ہیں جب شدتِ ناگواری برداشت سے باہر ہوئی جا رہی ہو۔ اور انسان عاجز آیا جا رہا ہو۔ و قد جعلت العرب ضیق الذراع والذرع عبارة عن فقد الطاقة (کشاف) اے عجز منهم (راغب) ۳۹ سدوم والوں کی تہ و بالا شدہ آبادیوں کے کھنڈر اب تک نگاہِ عبرت کے لیے شرقِ یردن میں بحرِ مردہ (DEAD. SEA) کے مشرق میں موجود ہیں۔ اور بحرِ مردہ خود ایک عبرت گاہ ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ

بھیجا) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم والو اللہ کی عبادت کرو اور روز قیامت سے ڈرو

وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ

اور ملک میں فساد مت پھیلاؤ سو ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

بس انہیں زلزلہ نے آ پکڑا وہ اپنے گھروں میں اوندھے گر کر رہ گئے ف۴۰

وَ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ

اور عاد وثمود کو (بھی ہم نے ہلاک کیا) اور یہ تم پر ان کے مسکنوں سے ظاہر ہو چکا ہے ف۴۱

وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ

اور شیطان نے ان کے اعمال (بد) کو ان کی نظر میں خوش نما کر دکھایا تھا اور ان کو راہ (حق) سے روک

السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ

رکھا تھا اور وہ لوگ (ویسے) ہوشیار تھے ف۴۲ اور قارون اور فرعون اور

وَهَامٰنَ ۗ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ

ہامان کو (بھی ہم نے ہلاک کیا) اور موسیٰ یقیناً ان لوگوں کے پاس کھلے نشان لے کر آ چکے تھے،

فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ مَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

لیکن انہوں نے زمین پر سرکشی کی اور بھاگ نہ سکے ف۴۳

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ

سو ہم نے (ان میں سے) ہر ایک کو اس کے گناہ کی پاداش میں پکڑ لیا، سو ان میں سے کسی پر تو ہم نے تند ہوا

حَاصِبًا ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ

بھیجی اور ان میں سے کسی کو ہولناک آواز نے آ دبایا ف۴۴

ف۴۰ شعیب علیہ السلام۔ مدین وغیرہ سب پر حاشیے اپنے اپنے مقام پر گزر چکے۔ ف۴۱ یعنی ان کی آبادی کے نشان ان کے موجودہ کھنڈروں اور آثار قدیمہ سے ظاہر ہیں۔ عاد، ثمود دونوں پر مفصل حاشیے سورۃ الاعراف (پ۸) میں گزر چکے ہیں۔ عرب تجارتی قافلے اپنے شام اور یمن کے سفروں میں اکثر ان مقامات سے گزرتے بھی رہتے تھے۔ ف۴۲ ان شامت زدہ قوموں میں لوگ ایسے نہ تھے جو عام طور سے احمق، بیوقوف، وحشی، لایعقل سمجھے جاتے۔ اچھے خاصے مہذب، شائستہ، متمدن لوگ تھے۔ دنیا کے اور سارے معاملات میں بڑے سوجھ بوجھ والے، بڑے بڑے تاجر، بڑے بڑے صناع، بڑے بڑے جہازراں، بس ایک دین ہی کے معاملہ میں غفلت کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ گویا ہو بہو نقشہ آج کی مہذب و متمدن قوموں کا! ف۴۳ (اور اپنی کسی حکمت و تدبیر، کسی صنعت و تزویر، کسی زور وقوت، کسی دولت و حشمت سے اپنے کو بچا نہ سکے) فِرْعَوْنَ پر تو بار بار اور قَارُوْنَ وهَامٰنَ پر قریب میں حاشیے گزر چکے۔ ف۴۴ (غرض کسی نہ کسی طریق پر وہ عذاب الٰہی کی گرفت ہی میں آ کر رہے) مَنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا۔ مثلاً قوم عاد پر۔ مَنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ۔ مثلاً قوم ثمود کو۔ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ۔ مثلاً قارون و بیت قارون کو۔ مَنْ اَغْرَقْنَا۔ مثلاً فرعون اور اس کے لشکر کو۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۖۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے کسی کو ہم نے غرق کر دیا اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا البتہ یہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے و۴۵ جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی مثال ہے اس نے ایک گھر بنایا اور مکڑی کا گھر سب گھروں سے زیادہ بودا ہوتا ہے و۴۶ کاش انہیں اس حقیقت کا علم ہوتا و۴۷ بے شک اللہ کے سوا جس کسی کو بھی پکارتے رہتے ہیں و۴۸ اللہ ان سب کو جانتا ہے اور وہ بڑا زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے، و۴۹ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انہیں بس علم والے ہی سمجھتے ہیں و۵۰ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے (بالکل) ٹھیک طور پر، اس میں (بھی بڑی) دلیل ہے ایمان والوں کے لیے و۵۱

وقف لازم

ع ۴/۱۶

و۴۵ یعنی یہ خود ہی اپنے کو مستحق عذاب بناتے اور عذاب الٰہی کی گرفت میں لاتے رہے۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے تو ان پر صورۃً بھی ظلم نہیں کیا یعنی یہ کہ انہیں بلا وجہ ظاہری سزا دے دیتا، واقعۃً وحقیقۃً تو حق تعالیٰ سے ''ظلم'' کا صدور کسی حال میں بھی ممکن نہیں۔ و۴۶ یعنی جس طرح وہ مکڑی کا گھر اپنے غایت ضعف کی بناء پر کالعدم ہوتا ہے ان کے یہ معبودانِ باطل بھی جن کی کارسازی پر انہیں بھروسہ ہے ان کے لیے لاشئے محض ثابت ہوں گے آسرے کے غایت ضعف کے موقع پر مثال اس مکڑی کے جالے کی قدیم صحیفوں میں بھی ملتی ہے۔ ''ان کی جو خدا کو بھول جاتے ہیں یہ راہیں ہیں اور ریاکار کی امید توڑی جاتی ہے۔ ان کی امید کی جڑ کٹ جاتی اور ان کی آس مکڑی کا جالا سا ہے'' (ایوب۔ ۸:۱۴) ''وہ ناگ کے انڈے سیتے ہیں اور مکڑی کی طرح جالا بنتے ہیں ــــ ان کے جالے کی اشاک بن نہیں سکتی، وہ اپنی بناوٹ یا آپ کو ڈھانپ نہیں سکتے''۔ (یسعیاہ۔ ۵۹:۶۰) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ و۴۷ (کہ شرک کس درجہ لچر، مہمل اور بیہودہ چیز ہے!) و۴۸ (درحقیقت یہی ان پر خوب روشن ہے کہ وہ سہارے کیسے بودے اور پھسپھسے ہیں) و۴۹ یعنی قوتِ عملی میں بھی کامل، اور قوتِ علمی میں بھی کامل ــــ وہ جب اور جو۔ جس سے چاہے ہر انتقام پر قادر ہے۔ پھر بھی جو فوراً نہیں لیتا ہے تو اپنے کمالِ حکمت سے کسی دوسرے وقت کے لیے اٹھائے ہوئے ہے۔ و۵۰ یعنی وہ لوگ جو حقائق کا علم رکھتے ہیں یا علم وحق کے طالب ہیں۔ ان احقائق کو اپنی گرفت میں وہی لاتے ہیں جو درجۂ ضروری میں اپنے عقل وعلم سے کام لیتے رہتے ہیں۔ و۵۱ (ایسے خالق وصانع کے معبود واحد ہونے کی) بِالْحَقِّ۔ اس خلق کائنات سے بھی اسے مقصود احقاقِ حق ہی رہا ہے۔ اور لوگوں کو اپنی ذات وصفاتِ کمال کی طرف توجہ دلانا۔ ای محقا غیر قاصد به باطلا فان المقصود بالذات من خلقها افادة الخير والدلالة على ذاته و صفاته (بیضاوی) ای محقاً مراعیاً للحکم والمصالح (روح)

ف۵۲ اُتْلُ ...... اَقِمِ الصَّلٰوۃَ یعنی تشریع قولی اور تشریع فعلی، دین کے دونوں کاموں میں برابر لگے رہیے۔ اُتْلُ میں خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے اور اَقِمِ میں رسول وامت دونوں سے۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ۔ اقامت صلوٰۃ کے تحت میں نماز کے وقت کی پابندی اور اس کے ارکان وشرائط کی رعایت آگئی۔ اقامۃ الصلوٰۃ اداؤھا فی وقتھا بقراء تھا و رکوعھا و سجودھا و قعودھا و تشھدھا و جمیع شروطھا (قرطبی) اُتْلُ یعنی قرآن کی تلاوت خود بھی کیجیے اور دوسروں کو بھی سنائیے۔ علم عمل پر مقدم ہوتا ہے۔ اس ترتیب کے مطابق یہاں تلاوت قرآن کو اقامۃ الصلوٰۃ پر مقدم رکھا ہے۔ مِنَ الْکِتٰبِ میں من بیانیہ ہے۔ ف۵۳ یعنی نماز میں خاصہ طبعی یہی ہے کہ وہ عظمت الٰہی کا استحضار بار بار کرا کے ہر گناہ ومعصیت سے روک دیتی ہے۔ اب اگر نماز کے شرائط ہی پوری طرح نہ ادا کئے جائیں تو اسی نسبت سے ادائے نماز ناقص رہے گی۔ اور پھر اسی مناسبت سے اس کی یہ طبعی خاصیت بھی ضعیف ومضمحل رہے گی۔ یہاں تک کہ جو نماز

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ

جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے اسے پڑھا کیجیے اور نماز کی پابندی رکھیے ف۵۲ بے شک

الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ؕ وَ لَذِکْرُ اللّٰہِ

نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی رہتی ہے ف۵۳ اور اللہ کی یاد بہت

اَکْبَرُ ؕ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ

بڑی چیز ہے، اور اللہ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے ف۵۴ اور تم اہل کتاب سے مباحثہ

الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ٭ۖ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا

مت کرو بجز مہذب طریقہ کے سوا ان میں سے ان لوگوں کے

مِنْھُمْ وَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ

جو زیادتی کریں، ف۵۵ اور کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اس (کتاب) پر بھی جو ہم پر نازل ہوئی اور ان (کتابوں)

وَ اِلٰھُنَا وَ اِلٰھُکُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں، اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود تو ایک ہی ہے اور ہم تو اسی کے فرمانبردار ہیں ف۵۶

وَ کَذٰلِکَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ

اور اسی طرح ہم نے آپ پر کتاب نازل کی، سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب

الْکِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ۚ وَ مِنْ ھٰٓؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِہٖ ؕ

دی ہے وہ اس پر ایمان بھی لے آتے ہیں ف۵۷ اور ان لوگوں میں سے بھی بعض اس پر ایمان لے آئے ہیں

وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الْکٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ مَا کُنْتَ

اور ہماری آیتوں سے بجز (کٹے) کافروں کے اور کوئی منکر نہیں ہوتا ف۵۸ اور آپ تو

تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِہٖ مِنْ کِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیْنِکَ

اس (قرآن) سے قبل نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ اسے (یعنی کوئی کتاب) اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے

بالکل سطحی اور اوپری ہوگی اور روح نماز سے خالی، اس میں وہ برائیوں کے روک تھام والی قوت بھی گویا معدوم ہوگی۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ نماز جو یادِ الٰہی اور اس کی عظمت کے استحضار کی ایک اعلیٰ ومکمل شکل ہے اس کا اقتضاء یہی ہے کہ وہ ہر برائی سے روک دے۔ اس کا اثر ہونا بھی چاہیے، عام اس سے کہ کسی پر ہو یا نہ ہو۔ اَلصَّلٰوۃَ میں ال عہد کا ہے یعنی وہ نماز جو ظاہری وباطنی شرائط معین کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔ اَلْفَحْشَآءِ بے حیائی کے تصریحی ذکر میں نکتہ یہ ہے کہ اکثر دوسری قوموں اور مذہبوں میں بے حیائی صرف جائز ہی نہیں بلکہ ایک لازمی جزو عبادت ونماز کا ہے۔ اور مغربی فاضلوں کی تحقیق یہ ہے کہ بیسوائی کی ابتداء ہی مندروں اور مشرکانہ معبدوں کے سایہ میں پڑی ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ گویا یہاں یہ ارشاد ہوا کہ فحش دوسرے مذہبوں میں جزوِ عبادت ہو تو ہو، اسلامی عبادت تو اس کے جواز کی بھی روادار نہیں عین اسے توڑنے اور کاٹنے والی ہے۔ ف۵۴ اللہ کے یہی عالم کل ہونے کا مراقبہ ہی ہر مجاہدہ کو آسان بنا دینے اور قلب میں خشیت پیدا کر دینے کو کافی ہے۔ ذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ذکر الٰہی ہی کی افضل ترین و مکمل ترین فرد نماز ہے۔ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بڑائی تو بس اسی کے ذکر کی ہے نہ کہ کسی اور کے ذکر کی۔ ای لہ الکبر لا لغیرہٖ (کبیر) اور ایک اور معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ جو تمہیں یاد کرے گا اس کا مرتبہ اس یاد سے بھی بڑھا ہوا ہے جو تم اس کی کرتے رہتے ہو۔ ای ذکر اللہ ایاکم افضل من ذکرکم ایاہ (معالم) ای ذکر اللہ لکم بالثواب والثناء علیکم اکبر من ذکرکم لہ فی عبادتکم و صلواتکم (قرطبی) ابن عباس، ابن مسعود ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ متعدد صحابیوں اور مجاہد وعکرمہ وسعید بن جبیر تابعین سے یہی معنی مروی ہیں۔ بلکہ ایک روایت میں تو خود رسول اللہ ﷺ سے۔ یروٰی ذٰلک عن ابن عباس و ھو قول مجاھد و عکرمۃ و سعید بن جبیر و یروٰی ذٰلک مرفوعًا عن ابن عمر عن النبی ﷺ (معالم) و قد روی ھٰذا من غیر وجہٍ عن ابن عباس و روی ایضاً عن ابن مسعودٍ و ابی الدرداء و سلمان الفارسی و غیرھم (ابن کثیر) امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ترجیح اسی توجیہ کو دی ہے۔ واشبہ ھٰذہ الاقوال بما دل علیہ ظاھر التنزیل قول من قال لذکر اللہ ایاکم افضل من ذکرکم ایاہ (ابن جریر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں اعمال سلوک کے اصول سب جمع ہو گئے یعنی تلاوت اور نماز اور ذکر اور مراقبہ۔ باقی جتنے اعمال و اشغال ہیں سب انہیں کے تابع ہیں۔ ف۵۵ (تو انہیں البتہ جواب ترکی بہ ترکی دینے میں مضائقہ نہیں) مسلمانوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ تبلیغ کے سلسلہ میں موقعے مباحثہ ومناظرہ کے بھی آئیں گے۔ کتابی مذہب والوں یعنی جو توحید وسلسلۂ نبوت کے قائل ہیں ان سے مباحثہ کے وقت ہمیشہ نرمی، تہذیب اور ان کی دلجوئی سے کام لیتے رہو کہ اس سے انہیں ترغیب اسلام میں داخل ہونے کی ہوتی رہے گی۔ ہاں البتہ ان میں جو بدزبان ہوں انہیں حسب مصلحت ان کے رنگ میں بھی جواب دیا جا سکتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اس میں دلالت ہے کہ مخالف کے ساتھ اول نرمی برتے اور جب عناد ظاہر ہو تو خشونت کی اجازت ہے۔ چنانچہ یہی طریقہ ہے اہل اللہ کا مخالفین کے ساتھ۔ البتہ طالبین کے ساتھ طرز دوسرا ہے۔ یعنی ان کے ساتھ نرمی کی جائے جب تک عذر جہل باقی ہے۔ اور جب یہ عذر نہ رہے تو پھر سختی کی جائے۔ اور یہی معاملہ تھا رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کے ساتھ۔ ف۵۶ یعنی اہل کتاب کو سمجھاؤ کہ جب ہم تم میں اتنا اشتراک ہے کہ ہماری

طرح تم بھی توحید کے قائل ہو، اور بجائے ملکی یا قومی یا قبائلی خدا کے، ایک خدائے پروردگار عالم کے قائل ہو، ہماری طرح سلسلۂ وحی ونبوت کو مانتے ہو اور ہم تمہاری الہامی کتابوں کو مانتے ہیں، تو اب بات ہی کیا رہ جاتی ہے، جو تم ہمارے صحیفۂ آسمانی سے انکار کیے جاتے ہو؟ اٰمَنَّا...... اِلَیۡکُمۡ۔ مسلمان اپنے رسول کریم ﷺ کی وحی ونبوت کو دنیا سے بالکل الگ ومنفرد نہیں مانتا۔ وہ تو تسلسل وحی کا قائل ہے، وہ تو اس کا معتقد ہے کہ ہمارے نبی کے پاس وہی وحی آخر میں بطور خاتم الانبیاء واعظم الانبیاء ہونے کے آئی ہے، جو اَب سے قبل ابراہیم اور اسماعیل اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام اور بیسیوں دوسرے پیمبران جلیل القدر پر آچکی تھی۔ وَ اِلٰـهُنَا وَ اِلٰـهُكُمۡ وَاحِدٌ۔ ہمارے تمہارے درمیان یہ جھگڑا بھی تو نہیں کہ ہم فلاں فلاں دیویوں کے ماننے والے ہیں اور تم فلاں فلاں دیوتا کے پجاری۔ پروردگار عالم کی توحید اور اس کی عبادت تو ہم تم میں مشترک ہے ــ اسلام کا یہ ایک امتیازی نشان تمام غیر کتابی مذہبوں کے مقابلہ میں خوب سمجھے رہنا چاہیے کہ اسلام ہی نے پروردگار عالم کا، الٰہ الکائنات کا تخیل دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ورنہ دنیا میں اب تک تو ہر ہر علاقہ، یا ہر ہر قوم کے الگ الگ دیوتا ہوتے تھے۔ **ف۵۷** چنانچہ ان لوگوں کا ذی فہم اور منصف مزاج طبقہ بالآخر اسلام لے ہی آیا۔ یعنی مومنی اهل الکتب (معالم) ای الـذین اخذوه فتلوه حق تلاوته من احبارهم العلماء الاذکیاء (ابن کثیر) اَلۡكِتٰبَ سے یہاں مراد جنس کتاب ہے۔ بِهٖ۔ یعنی قرآن پر۔ اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ۔ کی ایک تفسیر امام رازی علیہ الرحمۃ نے یہ بھی نقل کی ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب نہیں بلکہ خود انبیاء کرام ہیں کہ کتابیں براہ راست و در حقیقت تو انہیں کو عطا ہوئی تھیں۔ **ف۵۸** (جو ہر طرح کے وضوح دلائل کے بعد بھی انکار پر اڑے ہوئے ہیں) مِنۡ هٰٓؤُلَاۤءِ۔ یعنی مشرکین مکہ میں سے۔ یعنی اهل مكة (معالم) یعنی العرب من قریش و غیرهم (ابن کثیر) بِهٖ۔ یعنی قرآن پر۔ اِلَّا الۡكٰفِرُوۡنَ۔ یعنی بجز ضدی اور ہٹ دھرم کافروں کے۔ الا المتوغلون فی الکفر فان جزمهم به یمنعهم عن التامل (بیضاوی) امام رازی علیہ الرحمۃ نے ایک تفسیر یہ نقل کی ہے کہ مِنۡ هٰٓؤُلَاۤءِ سے مراد بعض مشرکین مکہ نہیں بلکہ بعض اہل کتاب ہی ہیں۔ اور اسی تفسیر کو عقل ونقل سے قریب تر قرار دیا ہے۔ اولی و اقرب الی العقل والنقل و اقرب الی الاحسن من الجدال المامور به (کبیر)

اِذًا لَّارۡتَابَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۴۸﴾ بَلۡ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِىۡ

ورنہ (یہ) ناحق شناس لوگ شبہ نکالنے لگتے و۵۹ بات یہ ہے کہ یہ (کتاب خود ہی بہت سی)

صُدُوۡرِ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ ؕ وَمَا يَجۡحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا

کھلی ہوئی نشانیاں ہے ان لوگوں کے ذہن میں جنہیں علم عطا ہوا ہے، و۶۰ اور ہماری آیتوں سے تو بس ضدی ہی لوگ

الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ

انکار کرتے ہیں، و۶۱ اور کہتے ہیں کہ ان (پیمبر) پر کوئی نشان ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اترے و۶۲

قُلۡ اِنَّمَا الۡاٰيٰتُ عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۵۰﴾

آپ کہہ دیجیے کہ نشان تو بس اللہ کے قبضہ میں ہیں و۶۳ اور میں تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں و۶۴

اَوَلَمۡ يَكۡفِهِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ ؕ

کیا ان لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ کے اوپر کتاب نازل کی ہے جو ان کو سنائی جاتی رہتی ہے و۶۵

اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَرَحۡمَةً وَّذِكۡرٰى لِقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾ ع

بے شبہ اس (کتاب) میں بڑی رحمت اور نصیحت ہے ایمان والے لوگوں کے لئے و۶۶

قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ شَهِيۡدًا ۚ يَعۡلَمُ مَا فِى

آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان بطور گواہ کے اسے ہر چیز کی خبر ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡبَاطِلِ وَكَفَرُوۡا

آسمانوں اور زمین میں ہے و۶۷ اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے ہیں اور اللہ کے

بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ

منکر ہیں وہی تو ہیں بڑے گھاٹے میں پڑے ہوئے و۶۸ اور یہ لوگ آپ سے جلدی کر رہے ہیں

بِالۡعَذَابِ ؕ وَلَوۡلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الۡعَذَابُ ؕ

عذاب کی و۶۹ اور اگر ایک میعاد متعین نہ ہوتی تو ان پر عذاب آ چکا ہوتا

و۵۹ یعنی اُس وقت کچھ تو منشاء اشتباہ ان لوگوں کے پاس ہوتا۔ اور یہ لوگ آپ کی بابت یہ کہنے لگتے کہ آدمی پڑھے لکھے ہیں کسی دوسری آسمانی کتاب سے مضامین چرا لیے ہیں حالانکہ قرآن کے وجوہ اعجاز اتنے کھلے ہوئے ہیں کہ اُس وقت بھی دعوے کو چلنے نہ دیتے۔ لیکن بہرحال کچھ تو گنجائش ہوتی۔ اور اب تو اتنی بھی نہیں۔ رسول کریم ﷺ کی اُمیت اور ناخواندہ ہونے پر اس سے بڑھ کر صریح شہادت اور کیا ہوگی۔ اس پر بھی ناحق شناسوں کا ایک گروہ (خصوصاً مسیحی پادریوں کا) آج تک اس پر مصر چلا آ رہا ہے کہ آپ ضرور پڑھے لکھے تھے۔ اور اس پر رسالے اور کتابیں چھپتا چلا جاتا ہے!— باطل پرستی کی بھی کوئی انتہاء ہے! و۶۰ یعنی اس کے وجوہ اعجاز اتنے کھلے ہوئے اور متعدد ہیں، کہ یہ ایک کتاب بجائے خود بہت سے نشانوں کے قائم مقام ہے۔ اَلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ سے مراد مومنین ہیں۔ صُدُوۡرِ کے معنی اگر لفظی یعنی سینہ کے لیے جائیں تو مراد ہوگی کہ یہ کتاب بطور نشان واضح کے سینہ بہ سینہ محفوظ چلی آتی ہے ہر امکان تحریف سے ماوراء۔ و۶۱ (ورنہ منصف مزاج کو تو ذرا شک نہیں رہ سکتا)۔ يَجۡحَدُ۔ جحد کے معنی پہلے بیان ہو چکے ہیں کہ دل کو یقین تو کسی بات کا آ جائے۔ پھر بھی ضد و جہل سے زبان انکار پر اڑی رہے۔ اَلظّٰلِمُوۡنَ۔ یعنی ضدی۔ ہٹ دھرم۔ اے المتوغلون فی الظلم بالمکابرة بعد وضوح دلائل اعجازها (بیضاوی) و۶۲ (ہماری خواہش و فرمائش کے مطابق) نشان سے مراد خارقِ عادت ہے۔ مشرک اور مشرک مزاج قوموں کو ہمیشہ گرویدگی عجائب و خوارق ہی سے رہی ہے۔ اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور پیام کو بالکل نظر انداز کر کے فرمائشیں بار بار ہوتی تھیں کہ فلاں اور فلاں معجزہ دکھاؤ!— گویا پیغمبر بھی ایک طرح کا بازیگر ہوتا ہے! و۶۳ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے قرآن میں یہ بار بار کہلایا گیا ہے کہ واقعات و حوادث تکوینی تمامتر اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ چنانچہ خوارق و معجزات بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ میں جس طرح کسی واقعہ مطابق عادت کی تکوین میں بے بس محض ہوں اسی طرح واقعات خارق عادت میں بھی— اِنَّمَا کلمۂ حصر ہے۔ یعنی میرا کسی عمل تکوینی سے قطعاً کوئی بھی تعلق نہیں۔ و۶۴ یعنی میری صداقت کی جانچ کرنا ہو تو میری تعلیمات کو دیکھو، پرکھو اور جو دین میں لایا ہوں، اس کی تحقیق کرو۔ و۶۵ جو ہر قسم کی معنوی گہرائیوں ادبی لطافتوں، مطالب کی ہمہ گیری، مضامین کی جامعیت و کاملیت سے معمور ہے۔ و۶۶ رَحۡمَةً۔ تعلیم احکام کے پہلو سے۔ ذِكۡرٰى۔ نصیحت و ترغیب و ترہیب کے اعتبار سے۔ و۶۷ (میرے دل میں ذرہ بھر بھی کھوٹ ہوگا تو اس سے نہیں چھپ سکتا) مطلب یہ ہے کہ کسی کے ماننے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ میری رسالت تو عنداللہ ثابت ہے— ایک حقیقی مذہبی شخص کے پاس اس سے بڑا واسطہ اور ہے ہی کیا کہ وہ خدا کو درمیان ڈال کر کسی بات کا اقرار کرے۔ و۶۸ جنہوں نے اللہ اور اس کی شریعت سے کفر کر کے باطل کو اپنا سہارا قرار دے لیا، تو انہوں نے تو ایک تمامتر غلط نقشہ زندگی ہی تیار کر لیا۔ اب انہیں فوز و فلاح نصیب ہی کہاں سے ہو سکتا ہے؟ و۶۹ (کہ اچھا اگر تم سچے ہو اور ہم نافرمان اہل باطل، تو ہم پر عذاب فوراً کیوں نہیں لے آتے ہو؟)

وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ

اور (وہ عذاب) ان پر اچانک آپڑے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی ف۷۰ آپ سے جلدی کر رہے ہیں

بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ

عذاب کی اور یقیناً دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے ف۷۱ جس دن

يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ

کہ عذاب ان پر چھا جائے گا ان کے اوپر سے بھی اور ان کے پیروں کے نیچے سے بھی

وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ

اور (اللہ) کہے گا (اب) مزہ چکھو اس کا جو کچھ کہ تم کرتے رہے ہو اے میرے ایمان دار

اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ

بندو میری زمین تو بہت وسیع ہے سو اکیلی میری ہی پرستش کرو ف۷۲ ہر

نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ

جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے ف۷۳ پھر تم سب ہماری طرف واپس لائے جاؤ گے ف۷۴ اور جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا

ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے ف۷۵ ہم ان کو جنت میں جگہ دیں گے، بالاخانوں پر

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ

جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے کیا اچھا اجر ہے

الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾

نیک کام کرنے والوں کا جنہوں نے صبر کیا اور اپنے پروردگار پر توکل کیا کرتے تھے ف۷۶

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَاۗبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا

اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے اللہ ہی انہیں روزی پہنچاتا ہے

ف۷۰ یعنی نزول عذاب کی ساعت تو علم الٰہی میں مقرر ہے۔ اس کی تاخیر کو صحت دعوئے نبوت کی تغلیط و تردید سے مربوط کرنا عجب طرح کا جہل بلکہ خبط ہے۔ لَيَاْتِيَنَّهُمْ...... لَا يَشْعُرُوْنَ۔ عذاب موت کا ہو یا قیامت کا۔ بہرحال جب بھی آئے گا ان شامت زدوں کی غفلت میں یک بیک ہی آئے گا۔ ف۷۱ (جس کا پورا ظہور قیامت میں ہو کر رہے گا) مُحِيْطَةٌ صیغہ اسم فاعل کا ہے۔ فعل مضارع کا نہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ جہنم کہیں آگے چل کر انہیں گھیرے گی، بلکہ اسی وقت ہی گھیرے ہوئے ہے۔ اس سے بعض عارفین نے یہ نکالا ہے کہ اصل جہنم تو کفر و معصیت ہی ہیں۔ آخرت میں صرف اتنا ہوگا کہ اُن کا ظہور کامل ہو کر رہے گا۔ ف۷۲ (خواہ یہاں یا جہاں کہیں بھی، توحیدی عبادت ممکن ہے) یہ ترغیب ہے ہجرت یعنی اقامت دین کی خاطر ترکِ وطن کی۔ علماء نے اس سے یہ نکالا ہے کہ جہاں کفر و فسق کی شدت ہو اور خدا پرستی کا موقع نہ مل سکے۔ وہاں سے بندۂ مومن چلا جائے۔ اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ میں اشارہ ہے کہ اللہ کی نعمتیں کھانے پینے، رہنے سہنے سے متعلق کسی ایک خطہ یا علاقہ تک محدود نہیں۔ یہ تو وطن کے باہر بھی سب کہیں مل سکتی ہیں اُن کی طرف سے اتنا فکر مند کیوں ہوتے ہو۔۔۔ یہ مضمون زیادہ کھول کر پہلے ہی بیان ہو چکا ہے۔ یجد فی الارض مراغما کثیرًا (سورۃ النساء) ف۷۳ (اور دنیا کے مرغوبات و مالوفات کو ایک دن تو بہرحال چھوڑنا ہی ہے، پھر آج اقامت دین ہی کی خاطر ترکِ وطن و اقارب کیوں نہ اختیار کیا جائے) ہجرت کے جو مانع نفس میں موجود ہیں ان میں ایک تو اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ سے رفع کیا جا چکا ہے۔ دوسرا جواب اب مل رہا ہے کہ جن چیزوں کا ترک و مفارقت آج شاق گزر رہی ہے اُن سے دُوری اور مہجوری ایک دن تو بہرحال ناگزیر ہی ہے۔ تو آج ہی اپنے قصد و اختیار سے کیوں نہ حاصل کر لی جائے کہ آئندہ ہر طرح کی نعمتوں کا استحقاق ہو جائے۔ فقال لهم ان ماتکرهون لابد من وقوعه فان کل نفس ذائقه الموت والموت متفرق الاحباب فالاولی ان یکون ذٰلک فی سبیل الله فیجازیکم علیه (کبیر) ای انتم لا محالة میتون و محشورون الینا فالبدار الی طاعة الله والهجرة الیه والی ما یمتثل (قرطبی) ف۷۴ (تو اگر نافرمان ہو کر آئے تو کیسی گزرے گی) اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۔ ذرا سے دو لفظی فقرے میں دو اہم حقیقتوں کا اثبات آ گیا۔ ایک یہ کہ موت، عدم محض و خلاء محض کا نام نہیں، موت کے بعد سزا جزاء، حساب و کتاب یقینی ہے۔ دوسرے یہ کہ سب کی پیشی حق تعالیٰ ہی کے حضور میں ہوگی کسی اور کے ہاں نہیں۔ ف۷۵ (اور انہیں نیک اعمال میں بوقت ضرورت ہجرت بھی ہے، جس کا ابھی اُوپر بیان آ چکا ہے) ف۷۶ (چنانچہ اس صبر و توکل علی اللہ ہی کی بناء پر وہ اس فکر میں زیادہ نہیں پڑے کہ ہجرت کے بعد کھانا پینا کہاں سے چلے گا) اَلَّذِيْنَ صَبَرُوْا۔ جو صالح بندے ہوتے ہیں، لازمی نہیں کہ انہیں سارے تکوینی حالات اپنی مرضی کے موافق ہی ملتے رہیں۔ ایسے موقعوں پر وہ بے صبری سے نہیں، صبر سے کام لیتے رہتے ہیں۔ وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔ بڑی بات ان نیک اور صالح بندوں میں یہ ہوتی ہے کہ وہ آخری اعتماد چھوٹی بڑی ہر چیز میں اللہ ہی پر رکھتے ہیں جھوٹے اور چھوٹے معبودوں کے پھیر میں پڑ کر اپنی قوتوں کو ضائع و منتشر نہیں کرتے رہتے۔

وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ

اور تم کو بھی اور وہی خوب سننے والا ہے (اور) خوب جاننے والا ہے وے۷ اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور سورج و چاند کو کام میں لگا دیا

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے، تو پھر یہ کدھر الٹے چلے جا رہے ہیں؟ و۷۸ اللہ روزی کھول دیتا ہے اپنے بندوں

لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ

میں سے جس کے لئے چاہتا ہے، اور (جس کے لئے چاہے) تنگ کر دیتا ہے، بے شک اللہ ہی ہر چیز سے

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ

خوب واقف ہے و۷۹ اور اگر آپ ان سے پوچھئے کہ آسمان سے پانی کس نے برسایا

مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ

پھر اس سے زمین کو اس کی خشکی کے بعد تر و تازہ کر دیا، تو بھی یہ لوگ کہیں گے کہ اللہ نے،

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَمَا

آپ کہیے الحمدللہ و۸۰ لیکن ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے و۸۱ اور یہ

هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ

دنیوی زندگی بجز کھیل تماشہ کے کچھ ہے ہی نہیں و۸۲ اور عالم آخرت ہی

لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ

اصل زندگی ہے و۸۳ کاش انہیں (اس کا) علم ہوتا! و۸۴ اور جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ

تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں، پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو یہ لوگ

ع ۱۲/۲ — نصف الحزب

و۷۷ سب کی ضرورتوں سے خبردار، سب کے حالات سے خوب واقف۔ وَاِيَّاكُمْ .....وَكَاَيِّنْ مِّنْ۔ ایک بار پھر یہ حقیقت دلوں میں اتاردی ہے کہ اللہ کا تعلق بندوں سے صرف معادی ہی زندگی کا نہیں، بلکہ اس ناسوتی زندگی اور اس کے معاشی پہلوؤں میں بھی پورا پورا ہے۔ اس کے ایک ایک جزئیہ کے ساتھ ہے — بے صبر اور تھڑ دلے انسان کو سمجھایا ہے کہ جانوروں کی حالت پر غور کرو وہ کب اپنا رزق اپنے ساتھ لیے لیے گھومتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے انہیں بھی کہیں بھوکا نہیں رکھا جاتا ہے۔ ان کی غذا انہیں بہم پہنچائی ہی جاتی ہے۔ تو انسان کیوں اپنے متعلق اتنا بے آس ہوا جاتا ہے؟ انسان کے لیے کیا اتنا بھی فکر و اہتمام نہ ہوگا جتنی پروا حیوانات کے لیے رکھی جاتی ہے؟ و۷۸ یعنی توحید فی التکوین کے قائل ہو کر پھر معبودیت و الوہیت میں بھی توحید پر کیوں نہیں قائم رہتے، اور اس باب میں کیسے بھٹکے جا رہے ہو کہ آکاش دیوتا دھرتی مائی اور سورج دیوتا کے بھی قائل ہو رہے ہو! و۷۹ (اور وہی جیسی مصلحت دیکھتا ہے روزی دیتا ہے۔ پھر رزق کے لیے شرک کرنا کیسی حماقت ہے!) يَبْسُطُ ...... لَهٗ۔ رزق میں کسی بندہ کی کشادگی ہو یا تنگی، بہر حال کسی نہ کسی مصلحت تکوینی ہی کے ماتحت ہوتی ہے۔ ہر کشادگی اپنے ساتھ فرائض اور ذمہ داریوں کا ایک انبار ہی لاتی ہے جن کے ظرف اُن کا تحمل نہیں کر سکتے انہیں اس بارے سر سے سبکدوش کیا جاتا ہے۔ و۸۰ یعنی تمہارے اس اقرار سے اس شرک کی جڑ تو کٹی، جو تمہیں ایک بارش کے دیوتا اور ایک زراعت کے دیوتا کی طرف لیے جاتا ہے۔ و۸۱ (اس لیے صحیح مقدمات سے جو نتیجہ بالکل واضح طور پر نکلتا ہے وہ بھی یہ نہیں نکالتے، اور پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں) و۸۲ (اپنے فانی، عارضی، بے ثبات ہونے کے لحاظ سے) لیکن اگر یہی حیاتِ دنیا تحصیل دین کا ذریعہ بن جائے تو یہی لہو و لعب خود دار آخرت کا ایک جزو بن جائے گا اور باعتبار ثمرات اس کا شمار بھی باقی میں ہو جائے گا۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) و۸۳ (اپنے باقی، قائم و پائیدار ہونے کے اعتبار سے) حیوان۔ یہاں اپنے عام معنی میں جاندار یا ذی حیات کے مرادف نہیں، بلکہ مصدر ہے خود حیات کے معنی میں، البتہ اس کے معنی میں حیات سے زور زائد ہے۔ الحيوان مصدر حي كا لحياة لكن فيها مبالغة ليست في الحياة (کبیر) اور فقرہ کے معنی یہ ہوئے کہ اصلی اور حقیقی زندگی وہی آخرت کی زندگی ہے۔ فكانه قال الحياة الثانية هي الحياة المعتبرة (کبیر) حیوان کے معنی مستقر حیات کے بھی کیے گئے ہیں۔ الحيوان المقر الحيوٰة[1] (راغب) و۸۴ (تو فانی میں منہمک ہو کر باقی کو بھول نہ جاتے، اور غور و تدبر سے کام لے کر اپنی عقل کو شرک کے ترک اور ایمان کے اختیار پر مجبور پاتے) انسان اگر اس عالم کے عارضی ناپائیدار ہونے اور اُس عالم کے مستقل و پائیدار ہونے کو مستحضر رکھے تو زندگی کا نقشہ ہی سراسر بدل جائے۔

[1] غم و حسرت:۔ آج یوم جمعہ ۱۹؍رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳؍جولائی ۱۹۴۳ء جبکہ قلم اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ کی تلاوت سے فارغ ہو چکا تھا، اطلاع موصول ہوئی کہ مفسر جلیل، امام علم و عرفان، مجدد وقت، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وطن تھانہ بھون میں ۱۵، ۱۶؍رجب (دوشنبہ، سہ شنبہ) کی درمیانی شب میں رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ آہ کہ اس دور کا بہترین مفسر و بہترین فقیہ، بہترین متکلم اور بہترین عارف، درویش اُٹھ گیا! آج تک انہیں بزرگ کے افادات مرشد تھانوی مدظلہ کے نام سے درج ہوتے رہے تھے۔ اب آج سے یہ "مدظلہ" "رحمۃ اللہ علیہ" میں تبدیل کرنا پڑا۔ آہ کہ کس دل سے!

اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَ لِيَتَمَتَّعُوْا

فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں و۸۵ یعنی جو (نعمت) ہم نے انہیں دی ہے اس کی ناشکری کرنے لگتے ہیں، یہ لوگ چندے اور حظ

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا

اٹھا لیں، پھر تو انہیں عنقریب معلوم ہی ہوا جاتا ہے، و۸۶ کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے (ان کے شہر کو) امن والا حرم

وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ

بنایا ہے اور ان کے گردو پیش لوگوں کو نکالا جا رہا ہے تو کیا یہ لوگ جھوٹے معبودوں پر ایمان رکھیں گے

وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہی کرتے رہیں گے؟ و۸۷ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ

جھوٹ افتراء کرے اور سچی بات جب اس کے پاس آئے تو اسے جھٹلائے، کیا کافروں کا ٹھکانا

جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا

جہنم میں نہ ہو گا؟ و۸۸ اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٦٩﴾ ع

ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھا دیں گے اور بے شک اللہ خلوص والوں کے ساتھ ہے و۸۹

آیاتها ۶۰ ‏ ۳۰ سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ ۸۴ ‏ رکوعاتها ۶

اس میں ساٹھ آیتیں ہیں ‏ سورۂ روم مکہ میں نازل ہوئی ‏ اور چھ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ﴿١﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿٢﴾ فِيْۤ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ

الف۔ لام۔ میم و۱ اہل روم ایک قریب کی زمین میں مغلوب ہو گئے و۲ اور وہ اپنی اس

و۸۵ مطلب یہ ہوگا کہ جہاں ظاہری سہارے ٹوٹے، بس خدائے واحد یاد آنے لگتا ہے، اور ادھر ذرا آس اپنے عادی سہاروں کی بناء پر قائم ہوئی پھر توحید چھوڑ اپنی پرانی گمراہیوں میں پڑ گئے۔ یہ مضمون پہلے بھی کئی بار آ چکا ہے۔ و۸۶ یعنی وقوع موت یا قربِ موت پر۔ لِيَكْفُرُوْا۔ لِيَتَمَتَّعُوْا۔ دونوں میں لؔ تاکہ' کے معنی میں ہے، کے کا مرادف۔ اے لکیے یکفروا و کی یتمتعوا (مدارک) والمعنی یعودون الی شرکھم لیکونوا بالعود الی شرکھم کافرین بنعمة النجاة قاصدین التمتع بھا (مدارک) اور بعض نے کہا ہے کہ لؔ امر کا ہے اعملوا ما شئتم کا مرادف اور کمال غضب کا مظہر جیسے اُردو میں ایسے موقع پر کہا جائے گا کہ اچھا، خوب کفر کر لو، اور اس دنیائے چند روزہ کے خوب مزے لوٹ لو۔ او لام الامر علی التھدید (بیضاوی) و۸۷ اشارہ مشرکین مکہ کی جانب ہے۔ حَرَمًا ...... حَوْلِهِمْ۔ یعنی یہ مشرکین مکہ اس پر غور نہیں کرتے کہ اب تک ہم نے ان کے خاص شہر کو کیسا محفوظ رکھا ہے۔ درآنحالیکہ اردگرد کے سارے مقامات زد میں آ چکے ہیں۔ نِعْمَةِ اللّٰهِ۔ میں نعمة بطور اسم جنس کے آیا ہے۔ مراد ساری ہی نعمتیں ہیں۔ و۸۸ ایسے ناانصافوں کو جہنم کی سزا ملنا بالکل قدرتی ہے۔ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ افتراء علی اللہ سب سے بڑا یہی ہے کہ اللہ کا شریک کسی کو ٹھہرایا جائے۔ كَذَّبَ بِالْحَقِّ۔ تکذیب حق سب سے بڑی یہی ہے کہ توحید و رسالت سے انکار کیا جائے۔ و۸۹ (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی) مَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اللہ کی معیت اُس کی نصرت و اعانت ہی کا دوسرا نام ہے۔ اے معیة النصرة والمعونة (روح) سُبُلَنَا۔ یعنی اللہ کے قرب کے راستے۔ سبلنا اے سبل الیسر الینا والوصول الی جنابنا (بیضاوی) فِيْنَا۔ یعنی ہماری راہ میں یا ہماری خاطر۔ اے فی شاننا و من اجلنا ولوجھنا خالصًا (روح) فی حقنا (بیضاوی) اَلَّذِيْنَ ...... سُبُلَنَا۔ انسان کے لیے بس جدوجہد شرط ہے۔ مجرد مجاہدہ پر ہدایت یابی کا وعدہ ادھر سے موجود ہی ہے۔ جَاهَدُوْا فِيْنَا۔ کے معنی، قدرت، صنعت، حکمت الٰہی کے دلائل پر غور و فکر کے بھی کیے گئے ہیں۔ اے الذین نظروا فی دلائلنا (کبیر) و۱ حروف مقطعات پر حاشیہ پارۂ اوّل کے شروع میں گزر چکا۔ امام رازی علیہ رحمة اللہ نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ حروف مقطعات قرآن مجید کی جن جن سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں، عموماً وہاں معاً بعد ذکر "قرآن" یا "کتاب" یا "تنزیل" کا بھی آیا ہے۔ عام قاعدہ یہی ہے۔ البتہ کل تین مقام اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور انہیں تین مستثنیات میں سے ایک موقع یہ ہے۔ قرآن یا کتاب یا تنزیل کا ذکر اعجازی ہی حیثیت سے آیا ہے۔ یہاں اعجازی پہلو بجائے کسی لفظ کے نفس مضمون سے آشکار ہے۔ یعنی جو زبردست پیشگوئی یہاں فوراً بعد بیان ہو رہی ہے، اس کا تمام تر پورا ہونا بجائے خود اعجاز قرآن کی ایک زبردست شہادت ہے۔ و۲ اہل ایران سے تقریباً ۶۱۴ء، ۶۱۵ء میں) الرُّوْمُ۔ سے مراد قدیم "رومن ایمپائر" کا وہ مشرقی حصہ ہے، جو ۳۹۵ء میں اس سے کٹ کر خود ایک مستقل سلطنت بن گیا تھا۔ مسیحیوں کے قبضہ میں یہ سلطنت ۱۴۵۳ء تک رہی، اس کے بعد ترکوں کے قبضہ میں آ گئی۔ اس کا دارالسلطنت استانبول یا قسطنطنیہ تھا۔ اور اسی کا قدیم نام "جدید رومہ" بھی ہے۔ شام، فلسطین، ایشیائے کوچک کے علاقے سب اسی میں شامل تھے۔ اَدْنَى الْاَرْضِ۔ یا "قرب کی زمین" سے مراد اس کے وہ علاقے ہیں جو عرب سے متصل تھے یعنی شام و فلسطین۔ آیت کا زمانہ نزول ۶ یا ۷ سنہ قبل ہجرت ہے یعنی ۶۱۵ء یا ۶۱۶ء عین قریبی زمانہ یعنی ۶۱۴ء میں مسیحی رومیوں کو مجوس ایران کے مقابلہ میں سخت ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ اور آیت میں اسی جانب اشارہ ہے۔ مجوس ایران کا مذہب چونکہ مشرکین عرب سے ملتا جلتا تھا اور وہ لوگ بھی نبوت و رسالت کے قائل نہ تھے اس لئے قدرۃً اہل مکہ ان کی فتح کو اپنے نیم ہم مذہبوں کی فتح سمجھے اور بڑے خوش ہوئے اور آپس میں چرچے کرنے لگے کہ جیسے دیوتاؤں اور اوتاروں کے قائل ایران نے کتاب و نبوت کے قائل رومیوں پر فتح پا لی ہے، ہم بھی اس کتاب اور رسول والے نئے دین (اسلام) کے مقابلہ میں فتح پائیں گے۔ مسلمانوں کی ہمدردی قدرۃً رومی مسیحیوں کے ساتھ تھی کہ بہرحال وہ سلسلۂ وحی اور کتابِ آسمانی کے تو قائل تھے۔

بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ لِلّٰهِ الْاَمْرُ

مغلوبیت کے بعد عنقریب چند سال میں غالب آ جائیں گے ف۳ اختیار اللہ کو

مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

پہلے بھی تھا اور پیچھے بھی ہے اور اس روز اہل ایمان اللہ کی امداد پر

بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

خوش ہوں گے ف۴ وہ جس کو چاہے غالب کر دیتا ہے اور وہ زبردست ہے

الرَّحِيْمُ ۝ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ

رحیم ہے ف۵ (یہ) اللہ کا وعدہ ہے اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا البتہ

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ

اکثر لوگ علم نہیں رکھتے ف۶ یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو

الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ اَوَلَمْ

جانتے ہیں اور آخرت سے (محض) بے خبر ہیں ف۷ کیا انہوں نے

يَتَفَكَّرُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ ۫ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ

اپنے دلوں میں غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو

وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے سب کو کسی حکمت ہی سے اور ایک میعاد معین تک کے لئے پیدا کیا ہے

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝

اور کثرت سے لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں ف۸

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ یہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں،

ف۳ (عام اس سے کہ اس وقت کچھ آثار ہوں یا نہ ہوں) بِضْعِ سے مراد تین اور دس کے درمیانی اعداد ہوتے ہیں۔ المنقطع من العشرة ویقال ذلک لمابین الثلاث الی العشرة (راغب) گویا قرآن نے دعوے کے ساتھ پیش گوئی یہ کردی کہ اس نتیجہ جنگ پر خوش نہ ہو، نو سال کی قلیل مدت کے اندر ہی اندر پانسہ پلٹنے کو ہے اور جو آج فاتح نظر آرہے ہیں وہ مفتوح ہو کر رہیں گے۔ یہ پیش گوئی وقت کی جنگی صورت حال کے بالکل منافی تھی۔ خسرو دوم شہنشاہ ایران کی اقبال مندی اوج پر تھی۔ ہرقل (Herculoo) فرمانروائے روم کا عہد حکومت اس وقت بے تدبیری، بد اقبالی کا ایک مجسمہ تھا۔ افسران فوج نا اہل، خزانہ خالی، دلیر و دلاور سپاہ کا قحط، غرض ظاہری حالات واسباب تمام تر رومیوں کے مخالف ہی تھے۔ اور بڑے سے بڑے جنگی مبصر کی بھی پیش بینیاں وپیش قیاسیاں رومیوں کے مخالف ہی جارہی تھیں کہ یک بیک ۶۲۲ء میں ہرقل سنبھلا۔ اور بجائے مدافعانہ کے اب جارحانہ جنگ ایران کے مقابلہ میں شروع کردی۔ ایران کی قسمت دیکھتے ہی دیکھتے پلٹی۔ اور ۶۲۴ء میں اس کی قوت بالکل ٹوٹ کر رہ گئی۔ یہاں تک کہ ایرانیوں کے مقدس ترین آتش کدے برباد ہونے لگے۔ اور خود شہنشاہ کو بھاگنا پڑا۔ تاریخ ایران در عہد ساسانیاں (مصنفہ پروفیسر کرسٹنسن در فرنچ۔ ترجمہ اردو از ڈاکٹر شیخ محمد اقبال) میں ہے!'' اور آخر کار ہرقل ایرانی فوجوں کی فاتحانہ ترقی کو روکنے میں کامیاب ہوا۔ اس نے ایشیائے کوچک کو دوبارہ فتح کرلیا، اور شہنشاہ کی فوجوں کو آرمینیہ اور آذر بائیجان تک پیچھے ہٹا دیا۔ ۶۲۳ء یا ۶۲۴ء میں اس نے ہنر گنزک کو فتح کرکے آتشکدہ آذر گشنپ کو برباد کردیا۔ خسرو وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور آتش مقدس کو ساتھ لیتا گیا...... ازاں بعد قیصر وادی دجلہ پر حملہ آور ہوا، اور ۶۲۸ء میں اس نے دستگرد کے قصر شاہی کو لے لیا، اور طیسفون کے محاصرہ کی تیاری کرنے لگا۔ خسرو پایہ تخت کو چھوڑ کر کسی محفوظ جگہ میں چلا گیا۔'' (صفحہ ۶۰۳) شائع کردہ (انجمن ترقی اردو، دہلی ۱۹۴۱ء) ف۴ فتح وشکست کے سارے اسباب اور حقیقی تصرفات سب اس کے ہاتھ میں ہیں۔ اس مغلوبیت سے قبل بھی حاکم علی الاطلاق ومتصرف وہی تھا۔ اور اس منصوریت کے بعد بھی متصرف وہی رہے گا...... آیت اس حقیقت کا ایک بار پھر اثبات کررہی ہے کہ عالم ومافی العالم میں جو کچھ بھی ہورہا ہے۔ سب محض اللہ ہی کی قدرت وارادہ سے ہو رہا ہے۔ اخبر تعالٰی بانفراده بالقدرة وان ما فی العالم من غلبة وغيرها انما هي عنه، بارادته وقدرته (قرطبی) مومنین کو خوشی ایک تو اس روز ہوئی، جب بلا کسی سبب ظاہری کے۔ بلکہ خلاف اسباب ظاہر، رومیوں کو فتح ایرانیوں پر حاصل ہوئی۔ اور یہ عین وہ وقت تھا، جب ادھر خود مسلمانوں کو مشرکوں کے مقابلہ میں غزوۂ بدر میں بے شان وگمان نمایاں فتح حاصل ہوئی تھی۔ لیکن اس میں اشارہ ایک اور پر مسرت فتح عظیم کی طرف بھی نکل سکتا ہے۔ یہ اس روز جب خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں خود مسیحی رومیوں پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور سارا شام وفلسطین مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ اس آیت کے مضمون کا استحضار اگر رہتا تو دنیا ستمبر ۱۹۳۹ء سے لے کر مسلسل تین چار سال تک جنگ عظیم میں ہٹلر کی کامیابی کا اس قدر جزم کے ساتھ ہرگز یقین نہ کئے رہتی۔ لِلّٰهِ الْاَمْرُ۔ امر سے مراد اجراء احکام لی گئی ہے۔ لله الامر ای انفاذ الاحکام (قرطبی) ف۵ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ۔ محققین نے تصریح کی ہے کہ نصرت الٰہی جب بھی ہوگی مومنین صادقین ہی کی ہوگی۔ اس لئے تفسیر میں من اولیائه محذوف ماننا پڑے گا۔ یعنی من اولیائه لان نصره مختص بغلبة اولیائه لاعدائه فاما غلبة اعدائه لاولیائه فلیس بنصر و انما هو ابتلاء وقد یسمی ظفرا (قرطبی)...... وہ فتح وشکست اپنے مصالح تکوینی اور اپنی مشیت پر حکمت کے مطابق واقع کراتا رہتا ہے۔ اَلْعَزِيْزُ۔ وہ زبردست ہے کافروں کے مقابلے میں، جب چاہے انہیں ان کی ظاہری شان وشوکت کے باوجود مغلوب کر دکھائے! اَلرَّحِيْمُ۔ وہ رحیم ہے مسلمانوں کے حق میں جب چاہے ان کی ظاہری کمزوری اور بے سروسامانی کے باوجود انہیں فتح دیدے ف۶ (اس حقیقت کا کہ مؤثر وفاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے لئے تکوین باسباب وبلا اسباب، اسباب کے موافق، اسباب کے مخالف، ہر طرح آسان اور یکساں ہے) عارف رومی علیہ الرحمۃ نے اسی مقام کی ترجمانی کی ہے جملہ قرآن است در قطع سبب:۔ عز درویش وہلاکِ بولہب ف۷ ان کی ساری عقلیں، ساری کوششیں بس اسی مادی کائنات اور اس کے آئین وقوانین تک محدود ہیں۔ اس کے آگے اور اس کے ماوراء ذرا بھی اپنے ذہن کو نہیں لے جاتے...... گویا سلسلہ کائنات کے صرف اقل قلیل حصہ کا علم ان کے پلے پڑا ہے۔ اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ آخرت کے وسیع ولق ودق عالم کی طرف سے بیخبر ہی نہیں، بے پروا بھی ہیں۔ کوئی فکر بھی اس کے علم کی نہیں کرتے۔ مادیت اور آخرت فراموشی سے بڑھ کر سطح بینی اور جہالت اور ہو کیا سکتی ہے۔ شیطان نے آج اسی کو ''علم'' کا رنگ روپ دے دیا ہے۔ ف۸ مطلب یہ ہے کہ تکوینی کائنات خود اس امر کی مقتضی ہے کہ اس کے انجام کے ظہور کے لئے ایک یوم آخرت ہو، جس میں سلسلہ کائنات کی ہر کڑی اپنے اختتام کو پہنچے۔ امکان حشر سے ان کا انکار خود ان کی بے غوری کا نتیجہ ہے۔ اَوَ ...... اَنْفُسِهِمْ۔ انسان خود اپنی ہی خلقت میں اگر غور کرتا رہے تو وہ اسے اس نتیجہ تک کے پہنچا [illegible]

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا

ان کا کیا انجام ہوا ہے وہ ان سے قوت میں بھی بڑھے ہوئے تھے اور زمین کو

الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَاۤ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَ جَآءَتْهُمْ

بویا جوتا تھا اور اسے آباد کر رکھا تھا اس سے زیادہ جتنا انہوں نے اسے آباد کر رکھا ہے اور ان کے ہاں بھی

رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ

ان کے پیمبر معجزے لے کر آئے تھے سو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن

كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ؕ﴿۹﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِیْنَ

وہ تو خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے تھے ف۹ پھر ان لوگوں کا انجام جنہوں نے

اَسَآءُوا السُّوْۤاٰۤى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا بِهَا

برا کیا تھا برا ہی ہوا کہ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور ان کی

یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع اَللّٰهُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ثُمَّ

ہنسی اڑاتے رہے تھے ف۱۰ اللہ ہی خلق کو پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے دوبارہ بھی پیدا کردے گا پھر

اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُبْلِسُ

اسی کے پاس تم (سب) لائے جاؤ گے ف۱۱ اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز مجرم بے آس ہو

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآىِٕهِمْ شُفَعٰٓؤُا

کر رہ جائیں گے ف۱۲ اور ان کے (گڑھے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا

وَ كَانُوْا بِشُرَكَآىِٕهِمْ كٰفِرِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

اور یہ لوگ (خود) اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے اور جس روز قیامت قائم ہو گی

یَوْمَىِٕذٍ یَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا

اس روز (سب لوگ) جدا جدا ہو جائیں گے ف۱۳ سو جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے نیک عمل

ف۹ مراد یہ ہے کہ یہ اپنی مادیت میں مست وسرشار رہنے والے مشرکین مکہ تو اپنی تجارت کے سلسلہ میں برابر شام ویمن کی آمد ورفت رکھتے ہی ہیں۔ کیا اس پر غور نہیں کرتے کہ ان سے قبل کی بڑی بڑی مہذب ومتمدن وپرشوکت، لیکن خدا فراموش وآخرت فراموش قومیں مثلاً عاد وثمود کس طرح اپنے طغیان وعدوان کی پاداش میں برباد ہو کر رہی ہیں۔ ان کے آثار اور ان کے کھنڈر، انہیں یاد نہیں دلاتے کہ اللہ کی نافرمانی کے قدرتی انجام کو دنیا کی کوئی خوش تدبیری، کوئی اقبال مندی، کوئی مرفہ الحالی روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی ہے۔ ان بدبختوں پر کوئی گرفت اللہ کی طرف سے خواہ مخواہ تھوڑی ہی ہوئی ہے۔ یہ تو خود اپنی حرکتوں سے یہ وقت اپنے اوپر لایا کئے۔ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ۔ فاطر کائنات کے تشریعی احکام اور تکوینی ضابطے توڑتے رہنا خود اپنی جانوں پر زیادتی کرنا ہے۔ ف۱۰ تمسخر کا درجہ تکذیب سے بڑھا ہوا ہے۔ جو لوگ اس آخری منزل تک پہنچ جائیں ان کا انجام دوزخ ہونا ہی تھا۔ اٰیٰتِ اللّٰهِ۔ مثلاً قرآن کے احکام اور اس کی دی ہوئی خبریں۔ الَّذِیْنَ اَسَآءُوا۔ یعنی اپنے انبیاء کو جھٹلاتے رہے۔ ف۱۱ خلق کی ایجاد وابداء (یبدؤا الخلق) اعادہ آفرینش (یعیدہ) آخری حساب کے لئے پیشی (الیه ترجعون) ان سب کا تعلق صرف ذات باری تعالیٰ سے ہے کوئی دوسری ہستی، کوئی دیوی دیوتا ان صفات وافعال میں اس کا شریک نہیں۔ ف۱۲ (ان سے کچھ کہتے سنتے نہ بنے گی) یُبْلِسُ۔ ابلاس۔ شدت خوف وغم سے یاس چھا جانے اور لاجواب ہو جانے کا نام ہے۔ الابلاس الحزن المعترض من شدة الباس (راغب) قیل ابلس فلان اذا سکت واذا انقطعت حجته (راغب) ف۱۳ یعنی مومن الگ اور کافر الگ۔ ای المؤمنون والکافرون (بیضاوی)

الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ

کئے تھے سو وہ باغ میں مسرور ہوں گے اور جن لوگوں نے

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ

کفر وتکذیب کی تھی ہماری نشانیوں سے اور آخرت کے پیش آنے سے سو وہ لوگ

فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ

عذاب میں گرفتار ہوں گے ف۱۴ سو اللہ کی تسبیح کیا کرو ف۱۵ شام کے

تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي

وقت بھی اور صبح کے وقت بھی اور آسمانوں اور زمین میں

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

حمد اسی کی ہوتی ہے اور بعد زوال بھی اور ظہر کے وقت بھی ف۱۶

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

وہ باہر لاتا ہے جان دار کو بے جان سے اور باہر لاتا ہے بے جان کو جان دار سے

وَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور زمین کو سرسبز کرتا ہے اس کے خشک ہونے کے بعد، ف۱۷ اور اسی طرح تم لوگ باہر لائے جاؤ گے ف۱۸

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ

اور اسی (اللہ) کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تھوڑے ہی روز میں تم (سب)

بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ

آدمی (بن کر زمین پر) پھیل گئے ف۱۹ اور اسی کی نشانیوں میں ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی

مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ

جنس کی بیویاں بنائیں تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے)

ف۱۴ ایک بار پھر جامع الفاظ میں اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا کہ جنت کا ترتب ایمان وعمل صالح پر ہوگا، اور عذاب جہنم کا کفر وتکذیب پر۔ رَوْضَةٍ کی تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے۔ عربی محاورہ میں جہاں کثرت یا عظمت کا اظہار منظور ہوتا ہے۔ اسم بجائے معرفہ کے نکرہ لاتے ہیں۔ کما یقال لفلانٍ مالٌ وجاہٌ ای کثیر وعظیم (کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں دو نکتے اور لکھے ہیں۔ ایک یہ کہ مومنین کی جزائے خیر کا ذکر صیغہ فعل يُحْبَرُوْنَ سے کیا ہے نہ کہ صیغہ اسم محبرون سے۔ بخلاف اس کے کافروں کے عذاب کا ذکر صیغۂ اسم سے کیا ہے۔ اس میں نکتہ بلاغت یہ ہے کہ صیغۂ فعل، تجدد فعل کی خبر دیتا ہے۔ یعنی اہل جنت ہر وقت خوش ہوتے رہتے ہیں۔ ہر گھڑی ان کی خوشی تازہ ہوتی رہتی ہے۔ یعنی یاتیھم کل ساعة امر یسرون به۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مومنین کی جزائے خیر کے موقع پر ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کا بھی اضافہ کیا ہے۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ عمل صالح معتبر وہی ہے جو ایمان پر مبنی اور متفرع ہو۔ دوسرے یہ کہ گویا اس امر کو صاف کر دیا ہے کہ مراتب عالیہ کے لئے اعمال صالحہ بھی ضروری ہیں۔ گو نفس نجات کے لئے مجرد ایمان کافی ہے۔ بخلاف اس کے کافروں کی سزا کے سلسلہ میں اعمالِ سیئہ کا کوئی ذکر نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجرد کفر انتہائی سزا کے لئے کافی ہے۔ انسانوں کی دو قسموں کا حکم تو اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا۔ ایک وہ جو ایمان کے ساتھ صاحب اعمالِ صالحہ ہیں۔ انہیں جنت کا اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ دوسرے وہ جو کافر ہیں ان کے لئے دوزخ کا عذاب ابدی ہے۔ مگر ایک تیسری قسم ابھی باقی رہ گئی۔ یعنی مومن تو ہیں مگر اعمالِ صالحہ زیادہ نہیں رکھتے۔ اس طبقہ کا ذکر آیت میں نہیں۔ محققین اہل سنت کی تحقیق یہ ہے کہ ایسے شخص کو شروع میں تو عذاب ہوگا لیکن پھر اس سے نجات پا جائے گا۔ دوام عذاب اس کے لئے نہیں۔ اور جنت میں اسے جگہ تو مل جائے گی، البتہ بلند ترین مرتبہ اس کے لئے نہیں۔ هو في الاول في العذاب ولكن ليس من المحضرين دوام الحضور في الأخرة هو في الرياض ولكنه ليس من المحبورين غاية الحبور (کبیر) ف۱۵ (دل سے بھی۔ جس کے اندر ایمان وتصدیق آ گئی، اور زبان سے بھی جس کے اندر اقرار اور اذکار آ گئے اور عمل سے بھی جس کے اندر ساری عبادتیں آ گئیں، خصوصاً نماز) فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ۔ صیغہ خبر کا ہے، لیکن معنی امر کے ہیں۔ اور سبحان قائم مقام سبحوا کا ہے۔ اخبار فی معنی الامر (بیضاوی) ای سبحوا الله تسبيحا (کبیر) ف۱۶ "کہ یہ اوقات تجدد نعمت وزیادت ظہور آثار قدرت کے ہیں۔ ان میں تجدید تسبیح کی مناسب ہے۔ بالخصوص نماز کے لئے یہی اوقات مقرر ہیں۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) تُمْسُوْنَ۔ میں مغرب وعشاء کی نمازیں آ گئیں۔ تُصْبِحُوْنَ۔ میں صبح کی نماز کی طرف اشارہ ظاہر ہے۔ عَشِيًّا۔ میں اشارہ نماز عصر کی جانب ہے۔ تُظْهِرُوْنَ۔ سے مراد نماز ظہر ہے۔ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَلَهُ الْحَمْدُ۔ تسبیح قرب ذاتی کا مقام ہے اور حمد قرب صفاتی کا۔ ف۱۷ (اور اپنے ان تکوینی وتخلیقی عجائبات کے نمونے دن رات ہر آن دکھاتا رہتا ہے) يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ۔ جیسے انڈے سے مرغی کا پیدا کرنا۔ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ۔ جیسے مرغی سے انڈہ پیدا کرنا۔ ف۱۸ یہ مادہ پرست منکرین بعث وقیامت کے جواب میں ہے۔ قرآن اُن سے کہتا ہے کہ جس شے کو تم ناممکن کہہ رہے اور سمجھ رہے ہو اس کی نظیریں اور مثالیں تو اس زندگی میں اپنی آنکھ سے ہر روز دیکھتے رہتے ہو۔ اس کے عدم امکان پر جمے رہنا تو بے بصیرتی کی انتہا ہے۔ مِنْ اٰيٰتِهٖ۔ یعنی اس کی قدرت وحکمت وصنعت کی نشانیوں میں سے۔ مِنْ اٰيٰتِهٖ کا یہی مفہوم اس رکوع بھر میں ہر جگہ ہے۔ ف۱۹ (اور ساری نوع انسان کے درمیان طرح طرح کے خانگی، مجلسی معاشری، تمدنی تعلقات قائم ہو گئے)۔

بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

درمیان محبت و ہم دردی پیدا کر دی، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام

يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

لیتے رہتے ہیں ف۲۰ اور اس کی نشانیوں میں سے بنانا ہے آسمانوں اور زمین کا

وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

اور الگ الگ ہونا تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا بے شک اس میں (بھی) نشانیاں ہیں

لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ

علم والوں کے لئے ف۲۱ اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا ہے رات اور دن میں

وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

اور اپنے لئے اس کی (دی ہوئی) روزی کا تلاش کرنا ہے، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے

يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا

جو سنتے ہیں ف۲۲ اور اس کی نشانیوں میں یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے خوف کی راہ سے بھی اور امید کی راہ

وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ

سے بھی اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اس سے زمین کو شاداب کر دیتا ہے اس کے خشک

مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾

ہو جانے کے بعد، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں، ف۲۳

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں ف۲۴ پھر

اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَآ اَنْتُمْ

جب وہ تمہیں پکار کر زمین سے بلائے گا تو تم یک بارگی

ف۲۰ آیت، آیات احکام میں بہت اہم ہے اور گویا اسلام کے مجلسی وخانگی نظام زندگی کے لئے سنگِ بنیاد ہے۔ یہاں تین باتیں بطور اصل کے بیان ہوئیں:۔ (۱) مردوں کو بتایا گیا ہے کہ تمہاری بیویاں تمہاری ہی، ہم جنس مخلوق ہیں۔ ترکیب حیات میں تمہاری ہی مثل۔ تمہاری ہی جیسی خواہشیں، جذبات واحساسات رکھنے والی۔ مخلوق بے روح نہیں ہیں۔ مِنْ اَنْفُسِكُمْ۔ (۲) ان کی غایت آفرینش یہی ہے کہ وہ تمہارے لئے سرمایۂ راحت وتسکین وباعث سکون خاطر ہوں۔ تمہارا دل ان سے لگے۔ جی ان سے بہلے۔ لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا۔ (۳) تمہارے ان کے تعلقات کی بنیاد ہی باہمی محبت، اخلاص وہمدردی پر ہونا چاہیے۔ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً۔ اسلام میں عورت مرد کی کنیز نہیں، جیسا کہ بعض دوسرے مذاہب میں ہے بلکہ اس کی صاحبہ، انیس، رفیق ومصاحب ہے۔ ملاحظہ ہوں تفسیر انگریزی کے حاشیے۔ اِنَّ...... يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ ماہرین اجتماعیات چاہیں تو ایک پورا فلسفہ انہیں اصول اور بنیادی کلیات سے تیار کر سکتے ہیں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بیویوں کی طرف میلان والتفات ہونا منافی کمال نہیں جیسا کہ بعض زاہدان خشک سمجھتے ہیں۔ کیونکہ یہاں اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے موقع احسان پر کیا ہے۔ ف۲۱ (کہ اسی اختلاف لون وزبان سے تمدن زندہ ہے اور اس کا تنوع قائم ہے) یہ اختلاف طبعی اس لئے نہیں کہ اس کی بنیاد پر ایک دوسرے پر ظلم روا رکھا جائے اور ایک قوم دوسری قوم کو حقیر وذلیل سمجھنے لگے۔ اِنَّ...... لِّلْعٰلِمِيْنَ۔ ان بنیادوں پر چاہیں تو باخدا اہل علم علوم طبعی اور علوم اجتماعی کے پورے پورے دفتر تیار کر سکتے ہیں۔ ف۲۲ مِنْ فَضْلِهٖ۔ فضل اللہ کے ایک معنی محاورہ میں اللہ کے دیئے ہوئے رزق کے بھی آتے ہیں۔ اور وہی یہاں مراد ہیں۔ الرزق من كسبه (کبیر) ای طلب معاشکم (بیضاوی) مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ استراحت کے لئے سونا اور اسی طرح اسباب معاش کا حاصل کرنا منافی کمال نہیں کیونکہ موقع فضل وکرم میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ البتہ ان میں انہماک ممنوع ہے۔ ف۲۳ چنانچہ باخدا اہل علم اگر چاہیں تو ان اشارات سے فائدہ اٹھا کر پورے پورے علوم بارش اور زمین اور کائنات فضائی سے متعلق مرتب کر سکتے ہیں۔ يُرِيْكُمُ...... طَمَعًا۔ یعنی ایک طرف تو تمہیں بافراط بارش سے امیدیں بڑی بڑی قائم ہو جاتی ہیں اور تم ان سے آس بھی ہر طرح کی لگانے لگتے ہو۔ اور دوسری طرف طوفانی بارش سے اندیشے بھی بہت زیادہ لگے رہتے ہیں...... آیت کے مفہوم میں اگر توسع سے کام لیا جائے تو زمانہ حال کی ساری برقی ترقیات بھی اس کے تحت میں آجاتی ہیں۔ برقی آلات سے جدید انسان کیسی امیدیں زندگی کے ہر شعبہ میں ترقیوں کی بھی قائم کرتا ہے اور پھر یہی مشینیں کس درجہ اس کی ہلاکت وبربادی کا باعث بھی بن جاتی ہیں۔ خَوْفًا وَّ طَمَعًا دونوں کی شان کا پورا ظہور مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ خطاب اپنے عموم میں کاملین کو بھی شامل کئے ہوئے ہے۔ یہ عموم خطاب اس امر پر دال ہے کہ خوف وامید طبعی منافی کمال نہیں۔ ف۲۴ خود بخود نہیں بلکہ ارادۂ الٰہی سے۔ اوپر ذکر پیدائش کائنات کا تھا، اب ذکر نظام عالم کے قیام کا ہے۔ یہ سب اللہ کے ارادہ ومشیت کے ماتحت قائم ہے جو نہ کسی آلہ کا محتاج ہے نہ سہارے کا۔ والتعبير بالامر للمبالغة في كمال القدرة والغنى عن الآلة (بیضاوی) تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ۔ مادی علوم اسباب کا جال جتنا بھی پھیلاتے جائیں، آخر کہیں تو ان کا سلسلہ ختم ہوگا۔ اور اسی آخری سبب کا نام امرالٰہی ہے۔ پھر خود ہر سبب قریبی وظاہری بھی بغیر اس امر الٰہی کے تمام تر غیر موثر۔

تَخْرُجُوْنَ ﴿٢٥﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ كُلٌّ

نکل پڑو گے ف٢٥ اور اسی کی ملک ہیں جو کوئی بھی موجود ہیں آسمانوں اور زمین میں سب

لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

اسی کے تابع ہیں ف٢٦ اور وہ وہی ہے جو اول بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا ف٢٧

وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ

اور یہ (تو) اس کے لئے اور زیادہ آسان ہے ف٢٨ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان

وَالْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٧﴾ ع ٨ ضَرَبَ لَكُمْ

(سب سے) اعلیٰ ہے ف٢٩ اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے ف٣٠ (اللہ) تمہارے ہی متعلق

مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

ایک مضمون تم سے بیان کرتا ہے ف٣١ کیا تمہارے غلاموں میں کوئی

مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ

تمہارا شریک ہے اس روزی میں جو ہم نے تم کو دی ہے کہ تم (اور وہ) اس میں برابر ہو جائیں

تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

(اور) تم ان کا ایسا ہی خیال کرو جیسا کہ تم اپنے آپس والوں کا خیال رکھتے ہو؟ ہم اسی طرح دلائل

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا

صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ ف٣٢ مگر اس پر بھی ظالموں نے بغیر دلیل کے

اَهْوَاۗءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ

اپنی خواہشات کا اتباع کر رکھا ہے ف٣٣ سو اسے کون راہ پر لا سکتا ہے جسے اللہ گمراہ کرے

وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ

اور ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا ف٣٤ تو تم یکسو ہو کر ف٣٥ دین (حق) کی طرف

ف٢٥ یہ اس وقت جب موجودہ نظام عالم کو درہم و برہم کر کے ایک دوسرا انظام قائم کرنا اس کی مشیت و حکمت کو منظور ہوگا۔ ف٢٦ (تکوینی طور پر) یعنی فرشتہ، جن، انسان، جتنی بھی صاحب حیات وصاحب ارادہ مخلوق ہے۔ سب اضطراراً قانون الٰہی کی پابند ہے۔ کسی کو مجال سرتابی نہیں۔ کسی کے لئے ممکن نہیں کہ اس کے قوانین تکوینی کے حدود توڑ کر باہر جا سکے۔ ف٢٧ امکان حشر و بعث پر جو شبہ پیدا ہوتا تھا۔ اس کے ازالہ کے بار بار اس حقیقت کا استحضار کرایا ہے کہ جس خدا کا موجد اول ہونا، خالق کائنات ہونا تم خود تسلیم کرتے ہو، اسی کے لئے تو اس صفت احیاء کا اثبات کیا جارہا ہے۔ تم آخر اسے اس کے لئے ناممکن یا مستبعد ہی کیوں سمجھتے ہو؟ ف٢٨ (تمہارے معیار اور تمہاری عادت کے اعتبار سے) حقیقۃً اس قادر مطلق کے لئے تو زیادہ آسان اور کم آسان کا کوئی سوال ہی نہیں۔ یہ سب درجے اور اضافتیں تو ہماری نسبت سے ہیں۔ هُوَ۔ ضمیر اعادہ واحیاء کے لئے ہے۔ والضمير للاعادة (روح) ف٢٩ (کہ نہ آسمانوں میں کوئی ایسا بڑا ہے نہ زمین میں) جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَلَهُ الْكِبْرِيَاۗءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ متکلمین نے لکھا ہے کہ اللہ کا علو اضافی نہیں، مطلق ہے۔ وہ اعلیٰ اس وقت سے ہے جب علو کے مقابل دنو کا وجود بھی نہ ہوا تھا فقہاء نے کہا ہے کہ صاحب مثل اعلیٰ کو ادنیٰ صفات سے ذکر کرنا ناجائز ہے۔ مثلاً عاقل شجاع وغیرہ۔ ملکًا و خلقًا۔ یعنی خالق بھی سب کا وہی ہے اور مالک بھی سب کا وہی۔ مَثَل۔ (بفتحتین) جس کے معنی مثال کے ہیں، اور معنی میں شریک فی الوصف کے ہے۔ اس کا اللہ کے لئے لانا جائز ہے۔ اور اللہ کے مِثل (بہ کسرہ میم) کا بیان کرنا، جس کے معنی شریک فی النوع کے ہیں، ناجائز۔ الاعلى اى الذى ليس لغيره ما يساويه اويدانيه (بیضاوی) اى الوصف الاعلى الذى ليس لغيره (مدارک) ف٣٠ جب چاہے اپنی قدرت سے، حسب اقتضائے اسم العزیز قیامت کو واقع کر سکتا ہے۔ لیکن اپنی حکمت سے اسے واقع اسی وقت کرے گا جس حسب اقتضائے اسم الْحَكِيْمُ عین مصلحت ہوگی۔ ف٣١ (جس سے اسی مسئلہ شرک و توحید پر مزید روشنی پڑے گی) ف٣٢ ’’ظاہر ہے کہ کوئی غلام اس طرح شریک نہیں ہوتا۔ پس جب تمہارا غلام جو نوع وغیرہ میں تمہارا شریک ہے۔ صرف ایک امر اضافی اس میں اور تم میں موجب امتیاز ہے، تمہارے خاص حق امتیاز میں تمہارا شریک نہیں ہوسکتا۔ تو تمہارے قرار دیئے ہوئے معبودات باطلہ کو جو کہ حق تعالیٰ کے غلام اور کسی کمال ذاتی یا وصفی میں خدا کے مماثل نہیں، بلکہ بعض تو ان میں سے خود مخلوقات الٰہیہ کے مصنوع ہیں۔ یہ معبودین خاص حق تعالیٰ کے حق معبودیت میں کس طرح اس کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔‘‘ (تھانوی رحمہ اللہ) یہ انسان تو تمہارے محض مجازی غلام ہیں، انسانی اوصاف میں تمہارے شریک، تم ان کے خالق نہیں۔ ان کے مالک علی الاطلاق نہیں۔ حقیقی غلام تو انسان ہے تمام تر اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا۔ پھر یہ مال جو تمہارے پاس ہے یہ بھی ذاتی نہیں، محض عطیہ الٰہی ہے۔ بخلاف اس کے اللہ کے تمام صفات ذاتی اور دائمی ہیں۔ بس جب شرکۃ المساوات انسان کو اپنے غلاموں کی منظور نہیں، تو ظاہر ہے اس کا گزر جناب باری میں کہاں ہو سکتا ہے هَلْ لَّكُمْ ...... اَنْفُسَكُمْ۔ یہاں کوئی اخلاقی بحث مقصود نہیں کہ آیا ایسا ہونا چاہیے بھی، اور ہو تو کس حد تک۔ مقصود صرف ایک واقعہ سے، جیسا کہ وہ پایا جاتا ہے، استدلال کرنا ہے۔ كَذٰلِكَ ...... يَعْقِلُوْنَ۔ باخدا اہل علم چاہیں تو فطرت بشری سے اسی طرح کے استدلالات سے ایک پورا علم کلام مرتب کر سکتے ہیں۔ مِنْ شُرَكَاۗءَ۔ من زائد تاکید استفہام انکاری کے لئے ہے۔ من مزيدة لتاكيد الاستفهام الجارى مجرى النفى (مدارک۔ بیضاوی) مِنْ اَنْفُسِكُمْ۔ من ابتداء کلام کے لئے ہے۔ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ من تبعیض کے لئے ہے۔ ف٣٣ یعنی باوجود اس تبیین و تفصیل اور اس توضیح و تشریح کے یہ لوگ دلائل پر غور نہیں کرتے۔ بے انصافی اور ہٹ دھرمی کے ساتھ اتباع اپنی خواہشوں کا کئے جاتے ہیں۔ ف٣٤ (جو انہیں عذاب سے رہائی دلا سکے) یہ ان گمراہوں کی معذوری کا بیان نہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کیا جارہا ہے کہ ایسے بد پرہیز لاعلاج مریضوں کے حق میں زیادہ غم و تردد سے کام نہ لیجئے، ہماری طرف توجہ رکھیے۔ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ۔ اللہ کی طرف سے یہ اضلال یا گمراہی ان لوگوں کے عناد اور کجروی کے لازمی نتیجہ کے طور پر ہوگی۔ لَهُمْ۔ ضمیر کا صیغۂ جمع مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ کے معنی کے اعتبار سے ہے۔ والجمع باعتبار المعنى (روح) ف٣٥ صیغۂ واحد اسی مناسبت سے ہے کہ خطاب مخاطبین کے ایک ایک فرد سے ہے۔

حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ

اپنا رخ رکھو اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے ف۳۶

لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ

اللہ کی بنائی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں، ف۳۷ یہی ہے سیدھا دین لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ ڎ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ

اکثر لوگ (اس حقیقت کا بھی) علم نہیں رکھتے ف۳۸ اسی (اللہ) کی طرف رجوع ہو اور اس سے ڈرو

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۳۱ لا مِنَ

اور نماز کی پابندی رکھو اور شرک کرنے والوں میں مت رہو یعنی ان

الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا

لوگوں میں جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا اور گروہ گروہ ہو گئے، ف۳۹ ہر گروہ نازاں ہے اس (طریق) پر جو

لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝۳۲ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا

اس کے پاس ہے ف۴۰ اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اپنے پروردگار کو

رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً

اسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتے ہیں پھر جب (اللہ) انہیں اپنی طرف سے کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتا ہے

اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝۳۳ لا لِيَكْفُرُوْا بِمَآ

تو پھر ان میں سے بعض لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں کہ ہم نے انہیں جو کچھ

اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ وقفۃ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳۴ اَمْ اَنْزَلْنَا

دے رکھا ہے اس سے ناشکری کرنے لگتے ہیں سو (خیر) وقتی حظ حاصل کر لو پھر عنقریب ہی تم جان لوگے ف۴۱ کیا ہم نے ان پر

عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ۝۳۵

کوئی سند اتاری ہے کہ وہ انہیں شرک کرنے کو کہہ رہی ہے،

ف۳۶ فطرت کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص میں اللہ تعالیٰ نے خلقۃً یہ استعداد رکھی ہے کہ اگر حق کو سنے اور سمجھنا چاہے تو وہ سمجھ میں آجاتا ہے، اور اس کے اتباع کا مطلب یہ ہے کہ اس استعداد اور قابلیت سے
م لے اور اس کے مقتضاء پر کہ ادراک حق ہے عمل کرے۔'' یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ یہ دین تو عین فطرت انسانی کے مطابق ہے، اور فطرتِ بشری میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں، اس لئے اس دین میں بھی کسی قسم
ی ترمیم کی خواہش کرنا سرتاسر بے عقلی اور نادانی ہے۔ ف۳۷ مراد یہ ہے کہ یہ
ین قدیم خلقی وازلی ہے، اس کے قبول کی صلاحیت بشر میں رکھدی گئی ہے۔ یہ
ل نہیں سکتا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فطریات میں تبدیلی نہیں ہوتی،
یاضت سے صرف تعدیل ہو جاتی ہے۔ اور یہ فن طریق کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔
ف۳۸ (بسبب اپنے اعراض و بے توجہی کے نہ اس لئے کہ خود اس کا فہم کچھ بہت
نوار ہے) ف۳۹ یعنی حق تو بس ایک ہی ہے، جیسے دو نقطوں کے درمیان خط
ستقیم، تو اگر یہ لوگ حق پر قائم رہتے، تو ایک ہی گروہ رہتے۔ البتہ باطل میں تعدد
شرت ہے۔ جیسے دو نقطوں کے درمیان خطوط منحنی۔ سو اہل باطل نے بھی یہی کیا
ہے کہ کسی نے کہیں سے ایک ٹکڑا حق کا لے لیا ہے، کسی نے کہیں سے دوسرا۔ مِنَ
ذِيْنَ فَرَّقُوْا۔ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ سے بدل ہے۔ بدل من المشركين
عادة الجار (مدارک۔ روح۔ بیضاوی) اے لا تكونوا من المشركين
لذين قد فرقوا دينهم (ابن کثیر) ان لوگوں سے مراد نصاریٰ و یہود کا ہونا
تعدد تابعین سے منقول ہے۔ وقال الربيع بن انس الذين فَرَّقُوْا دينهم
ل الكتب من اليهود والنصارى وقاله قتادة ومعمر (قرطبی) وهم
یهود والنصارى (معالم) بعض صحابیوں اور تابعین سے یہ قول بھی نقل ہوا
ہے کہ اس سے مراد خود اہل قبلہ کے بدعتی فرقے ہیں۔ تاؤلہٗ ابوہریرہ وعائشہ وابو
مہ انه لاهل القبلة من اهل الاهواء والبدع (قرطبی) وقيل هم اهل
بدع من هذه الامة (معالم) وهذه الامة ايضا اختلفوا فی ما بينهم
لی نحل كلها ضلالة الاواحدة وهم اهل السنة والجماعة
متمسكون بكتاب الله وسنة رسوله (ابن کثیر) ف۴۰ اہل باطل آج جو
شمار ٹکڑیوں، ٹولیوں میں تقسیم ہیں، یہ قابل عبرت ہے۔ ہندوؤں اور مسیحیوں،
ب کے اندر بے گنتی فرقے ہیں، ایک دوسرے کی تکذیب کرنے والے۔
سلمانوں کے اندر جو فرقے توحید، رسالت آخرت، قرآن، قبلہ، کلمہ کے قائل
ں ان کے اندر کا اختلاف ظاہر ہے کہ بنیادی نہیں، صرف فرعی ہی ہو سکتا ہے۔
س لئے کہ بنیادی چیزیں تو بس یہی ہیں جو ابھی گنادی گئیں۔ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا
دَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔ یہ حقیقت تو بالکل کھلی ہوئی ہے کہ ہر گروہ اور ہر ٹولی عام اس
سے کہ وہ اہل حق میں سے ہو یا اہل باطل سے، بس اپنے ہی مزعومات ومعتقدات،
آج کل کی زبان میں اپنی آئیڈیالوجی ہی میں مست ہے۔ ف۴۱ یعنی حقیقت
نقریب ہی تم پر منکشف ہو کر رہے گی۔ وَاِذَا الخ۔ لِيَكْفُرُوْا الخ بیان ان
ونوں آیتوں میں عام فطرت بشری کا ہو رہا ہے۔ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ۔ میں یہ بھی
شارہ ہے کہ انسان کی طبیعت مرکب ہے ہدایت وضلال سے۔ مصیبت کے
ت ظہور ہدایت کا ہوتا ہے اور زوال مصیبت کے بعد ضلالت کا۔ (روح) لِيَكْفُرُوْا۔ ل عاقبۃ کا ہے۔ یعنی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کفر کرنے لگتے ہیں۔ واللام للعاقبة (بیضاوی) ل تہدید کے مفہوم میں بھی
سمجھا گیا ہے۔ قيل للامر بمعنى التهديد (بیضاوی)

ف۴۲ اسی سے ملتی ہوئی ایک آیت سورۂ یونس (پ۱۱ ع ۲) میں آچکی ہے۔ وَ اِذَآ مَسَّ الْاِنْسَانَ الخ۔ آیت میں کھلا ہوا بیان فطرت بشری کا ہے۔ اَمْ...... یُشْرِکُوْنَ۔ یعنی کوئی بھی دلیل عقلی یا نقلی ان کے پاس ایسی ہے جو شرک کا حکم دے رہی ہو؟...... دلائل توحید پر تو بیشمار ہیں شرک پر کوئی ایک بھی دلیل قائم کر کے دکھائی جائے۔ فَهُوَ یَتَكَلَّمُ۔ تکلم یہاں لفظی معنیٰ میں نہیں، بلکہ ظہور دلالت کے معنی میں ہے۔ فَرِحُوْا بِهَا۔ اس اترانے سے ان پر جو غفلت اور بےفکری طاری ہوتی ہے وہ انہیں تحقیق وفکر سے بے نیاز کر دیتی ہے، اور وہی انہیں کفر وشرک تک پہنچا دیتی ہے۔ فَرَح کا استعمال لغت عرب میں مدح وذم دونوں موقعوں پر آتا ہے۔ اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ دونوں معنیٰ میں آیا ہے۔ کہیں تو موقع ذم پر، مثلاً اسی آیت میں۔ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ (قصص) اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ (ھود) وغیرہ اور کہیں موقع مدح پر مثلاً فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ (آل عمران) بلکہ صیغۂ امر میں بھی مثلاً فَلْیَفْرَحُوْا (یونس) یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ (عنکبوت)...... گو لفظ مشترک ہے لیکن مفہوم دونوں موقعوں پر الگ الگ ہے۔ اس لئے کوئی تعارض وتناقض نہیں۔ موقع مدح پر فرح سے وہ خوشی مراد ہوتی ہے جو شکر کی جانب لے جاتی ہے، اور ایک طبعی بشری کیفیت کا نام ہے۔ موقع ذم پر مراد فخر وخویش بینی ہوتی ہے۔ جو ایک نفسانی طغیانی کیفیت کا نام ہے۔ ف۴۳ (کہ وہ اہل ایمان وعرفان اللہ المعاش بھی تمامتر اسی کو یقین کئے رہتے، اور معاش کی فراخی اور تنگی دونوں کے سارے اسباب بس اسی کے ہاتھ میں سمجھتے ہیں)۔ اَوَلَمْ...... یَقْدِرُ۔ دو شخص ایک ہی معاشی جدوجہد میں مشغول ہوتے ہیں۔ بظاہر دونوں کی صلاحیتیں، قابلیتیں توانائیاں بالکل ایک تھیں، اس پر بھی ایک مالا مال ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے کی کوشش رائیگاں ہی رہتی ہے۔ وجہ صرف یہ کہ فلاح وکامیابی کے اسباب خفی ودقیق تمامتر اسی حکیم مطلق مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہیں جو اپنے مصالح تکوینی کے اعتبار سے جسے چاہتا ہے کامیاب بناتا ہے اور جسے چاہتا ہے ناکام رکھتا ہے۔ اسباب معاش اور ان کے درمیانی وسائط کا تمامتر حق تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہونا بجائے خود اس کی دلیل ہے کہ معبودیت والوہیت کا حقدار بھی تنہا وہی ہے۔ ف۴۴ (اُس کا اس کا حق) اسلامی نظام معاشیات میں درجہ بدرجہ عزیزوں کے اور پھر تمام دوسرے اہل حاجت کے حصے مقرر ہیں۔ حَقَّهٗ۔ لفظ حق بہت قابل غور ہے۔ ہر صاحب جائداد کے مال میں ان سب کے حق مقرر ہو گئے ہیں۔ ان کی ادائی خود اپنے سود وبہبود کے لحاظ سے واجب۔ دوسروں کو دیتے رہنا ان پر کوئی احسان کرنا اور منت رکھنا نہیں۔ فقہائے حنفیہ نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ قریب کے حاجت مند عزیزوں کا نفقہ واجب ہے۔ فیه دلیل وجوب النفقه للمحارم کما هو مذهبنا (مدارک) ف۴۵ نظام معاشیات کو ان ضوابط الٰہی کے ماتحت چلانے والے، انفرادی طور پر بھی فلاح یاب رہیں گے اور اجتماعی طور پر بھی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ۔ اس قید نے یہ حقیقت صاف کر دی کہ خلعت قبول سے سرفرازی پانے کے لئے شرط لازمی یہ ہے کہ یہ خرچ جو کچھ بھی ہو، سب رضاء الٰہی کی نیت سے ہو محض جبری اور نمائشی چندے اور اسی قبیل کی دوسری چیزیں سب اس مد سے باہر ہیں۔ وَجْهَ کے معنیٰ اس سیاق میں ذات کے ہوتے ہیں۔ یعنی مقصود محض رضا الٰہی ہوتی ہے۔ ای ذاته ای یقصدون بمعروفهم ایاه خالصا (مدارک) ف۴۶ (اور پھر بڑھ کر اپنے ہی پاس واپس آجائے) رِبًا۔ ربا یہاں اپنے وسیع اور عام ولغوی معنیٰ میں ہے۔ الزیادة علی راس المال (راغب) اَلرِّبٰوا۔ یا ربائے اصطلاحی یا سود، اسی کی ایک مخصوص ومتعین شکل ہے۔ نیوتہ وغیرہ کے نام سے جن رقموں سے برادری کی اکثر تقریبات میں شرکت اس امید سے کی جاتی ہے کہ وہ رقم زائد ہو کر پھر اپنے پاس آجائے گی۔ اکثر محققین نے یہاں یہی مراد لی ہے۔ العطیة التی تعطی للاقارب للزیادة فی اموالهم (ابن عباس) العطیة التی یتوقع بها مزید مکافاة (روح۔ عن ابن عباس ومجاہد وسعید والضحاک ومحمد بن کعب القرظی وطاؤس وغیرہم) روی عن ابن عباس ومجاهد هو الرجل یهب الشیء یرید ان یثاب افضل منه فذٰلک الذی لا یربوا عند الله ولا یوجر صاحبه فیه ولا اثم علیه (جصاص) قال عکرمة الربا ربوان ربا حلال وربا حرام فاما الربوا الحلال فهو الذی یهدی یلتمس ما هو افضل منه (قرطبی) ف۴۷ یعنی اسے اللہ کے ہاں سند قبول حاصل نہیں ہوتی۔ اللہ کے ہاں مقبول مطلقاً مال نہیں، بلکہ صرف وہی ہوتا ہے، جس سے مقصود ومطلوب رضائے الٰہی ہو۔ ف۴۸ یعنی دنیا میں بھی برکت انفرادی، اجتماعی، ہر حیثیت سے اسی مال سے حاصل ہوگی، اور آخرت میں بھی اجر کئی گنا یہی مال دلائے گا...... یہی مال جو رضائے الٰہی کی نیت سے ادا کیا گیا تھا۔ نہ کہ سودی کاروبار اور نمائشی داد ودہش پر، حالانکہ ظاہراً پر منفعت تمامتر وہی معلوم ہوتا ہے۔ آیت میں تخاطب سود خوار کی طرف بالکل نہیں...... بعض مفسرین نے نکتہ یہ لکھا کہ وہ ملعون قابل خطاب بھی نہیں۔ مِنْ زَكٰوةٍ۔ زکوٰۃ سے یہاں اصطلاحی زکوٰۃ مراد نہیں۔ شریعت کی یہ اصطلاح تو بہت بعد کی ہے۔ بلکہ مطلق صدقہ مراد ہے، جو اللہ کی رضا جوئی کے لئے دیا جائے۔ ای من صدقة (ابن عباس) ما اٰتیتم من صدقة (معالم)

وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ

اور ہم جب لوگوں کو کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ان پر کوئی مصیبت

سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾

آپڑتی ہے ان اعمال کے بدلہ میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں تو بس وہ لوگ ناامید ہو جاتے ہیں ف۴۲

اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ

کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ ہی کھول کر روزی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے

وَ یَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ

اور تنگ کر کے دیتا ہے (جس کو چاہتا ہے) بے شک اس (امر) میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان والے ہیں ف۴۳ سو

ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ ؕ ذٰلِكَ

(اے مخاطب) تو قرابت دار کو اس کا حق دیا کر اور (اسی طرح) مسکین اور مسافر کو ف۴۴ یہ

خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ

ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب رہتے ہیں اور یہی لوگ تو

الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاۡ فِیْۤ اَمْوَالِ

فلاح پانے والے ہیں ف۴۵ اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر

النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ مَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ

زیادہ ہو جائے ف۴۶ سو وہ اللہ کے آگے نہیں بڑھتی ف۴۷ اور تم جو صدقہ دو گے

تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے ہی لوگ عنقریب بڑھاتے رہیں گے ف۴۸

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ

اللہ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تمہیں روزی دی پھر تمہیں موت دیتا ہے پھر

يُحْيِيكُمْ ۖ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ ذَٰلِكُمْ

تم کو جلائے گا ۔ و۴۹ کیا تمہارے شرکاء میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی

مِنْ شَيْءٍ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۰﴾ ظَهَرَ

کر سکے؟ وہ "اللہ" ان کے شرک سے پاک و برتر ہے! بلائیں پھیل

الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ

پڑی ہیں خشکی و تری میں لوگوں کے کرتوت سے و۵۰

لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۱﴾

اس غرض سے کہ اللہ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھائے، تاکہ وہ لوگ باز آ جائیں و۵۱

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

آپ کہیے کہ زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ جو لوگ پہلے گزرے ہیں

الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿۴۲﴾ فَأَقِمْ

ان کا انجام کیسا ہوا ہے ان میں سے اکثر مشرک ہی تھے و۵۲ سو تو

وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ

اپنا رخ دین مستقیم کی طرف کر لے و۵۳ قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے

لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۖ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿۴۳﴾ مَنْ

جس کے لئے پھر اللہ کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا اس روز (سب لوگ) جدا جدا ہو جائیں گے و۵۴ جو

كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ

کافر رہا ہے اس پر اسی کا کفر پڑے گا اور جو نیک عمل کر رہا ہے، سو ایسے لوگ اپنے ہی لئے

يَمْهَدُونَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

(نفع وراحت کا) سامان کر رہے ہیں و۵۵ جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نیک

و۴۹ (قیامت میں) یعنی ایجاد وابقاء وافناء تینوں صفات کا مالک صرف وہی ہے۔ پیدا کرنے والا، پالنے والا، فنا کرنے والا سب صرف وہی ایک ہے۔ الگ الگ اور تین تین ہستیاں نہیں۔ جیسا کہ برہما وشنو اور شیو کی تریمورتی کا عقیدہ ہے۔ اور پھر قیامت میں اٹھانے کا وصف بھی اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ و۵۰ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ یعنی جمیع کائنات میں ۔۔۔ بشری آبادی کے چونکہ بڑے اور نمایاں مظہر یہی دو ہیں۔ لہٰذا نام انہیں کے لیے گئے۔ الْفَسَادُ۔ فساد کا لفظ جامع ہے۔ انفرادی واجتماعی زندگی کی ہر قسم کی جسمانی، مادی، اخلاقی، معاشرتی ابتری اور بدنظمی اس کے تحت میں آ جاتی ہے۔ خروج الشیء عن الاعتدال قلیلًا کان الخروج عنه او کثیرًا (راغب) انسان کے اپنے کرتوتوں، شرک، کفر، معصیت، غرض غیر اسلامی زندگی اور جاہلی نظام کے اتباع سے ہر طرح کے اخلاقی و معاشرتی مفسدوں کا اُٹھ کھڑا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ البتہ آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مادی حوادث تکوینی (قحط، وبا، طوفان وغیرہ) بھی بہت دفعہ اسی جاہلی زندگی کے نتیجے ہوتے ہیں۔ نظام عالم قائم ہی ہے طاعت الٰہی سے یا طریق اسلام سے۔ اور اس راہ راست سے کجروی کا نتیجہ ہی یہ ہے کہ اخلاقی عمارت کے ستون گر جائیں۔ اور یہ جو روایات حدیث میں آتا ہے کہ آخر زمانہ میں عیسیٰ ابن مریم کے عہد حکومت میں زمین، عدل وامن سے بھر جائے گی، اس کا راز بھی یہی ہے کہ اُس وقت سکہ شریعت اسلامی کا چل رہا ہوگا۔ الْفَسَادُ۔ الْبَرِّ۔ الْبَحْرِ۔ تینوں میں کلمہ ال جنس فساد، جنس بر، جنس بحر کے لیے ہے۔ کوئی متعین بر و بحر اور کوئی متعین صورت فساد کی مقصود نہیں۔ ای ظهر جنس الفساد فی جنس البر و جنس البحر (روح) یہاں بیان عام ہے۔ کسی ملک، کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں۔ تاہم اس عموم کو اس زمانہ کے ساتھ ایک خصوص بھی حاصل ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی، اور قرآن کی روشنی اول بار طلوع ہو رہی تھی، عرب کا ملک تو تمام تر دین و دیانت سے معرا تھا ہی، پاس اور دور کے سارے ملک۔ مصر، ہندوستان وغیرہ شرک کی گندگی اور بداخلاقی کی تاریکی میں یکساں مبتلا تھے۔ دنیا میں بڑی تہذیبیں اس وقت دو تھیں۔ ایک رومی مسیحی، دوسری ایرانی مجوسی۔ یہ دونوں تمدن خود انحطاط اخلاقی کی آخری پستیوں تک پہنچ چکے تھے۔ یہاں تک کہ قرآن نے آکر یہ اعلان کیا کہ ہر مرض کا مداوا تو میرے ہی شفاخانہ میں ہے ۔۔۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ اللہ ٹھنڈی رکھے ہمارے اسلاف کی تربت کو۔ ہمارے ہاں کے قدیم ترین مفسرین بھی اسی نتیجہ تک پہنچ گئے تھے۔ جو آج جدید ترین مؤرخ بیان کر رہے ہیں۔ ترجمان القرآن میں حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے یہ روایت آج تک منقول چلی آتی ہے۔ روی عن ابن عباس و کان ظهر الفساد برًا و بحرًا وقت بعثة رسول الله ﷺ و کان الظلم عم الارض فاظهر الله به الدین و ازال الفساد و احمدهٗ ﷺ (بحر) و۵۱ (اپنے ناکردنی اعمال سے، اور آئندہ کے لیے اصلاح کرلیں) لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ یہاں حوادث تکوینی کا راز بتا دیا۔ یہ بلائیں اسی لیے آتی ہیں کہ انسان ان سے اپنی طرف توجہ کرنا سیکھے۔ مقصود ان بلاؤں سے بھی اصلاح خلق ہی ہوتی ہے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ شر مقصود بالذات نہیں ہوتا اس کی حیثیت نشتر کی ہے۔ یعنی جس طرح نشتر کا زخم مقصود بالذات نہیں ہوتا۔ مقصود ومطلوب تو صحت ہوتی ہے، نشتر محض اس کا ذریعہ ہوتا ہے۔ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ مواخذہ شاید ہر گناہ پر نہیں ہوتا۔ کچھ مخصوص ہی معاصی اس کے لیے انتخاب کر لیے جاتے ہیں۔ لِيُذِيقَهُمْ میں ل لام علت بھی مانا گیا ہے اور لام عاقبت بھی۔ واللام للعلة والعاقبة (بیضاوی) و۵۲ (سو وہ قومیں کیسی کیسی بلاؤں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئیں) و۵۳ (اے مخاطب) دین مستقیم کی طرف یعنی توحید اسلامی کی طرف۔ و۵۴ (باعتبار جزاء کے) یعنی اہل جہنم کا گروہ الگ ہو جائے گا اور اہل جنت کا الگ۔ فریق فی الجنة و فریق فی السعیر (بحر) يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ۔ یعنی آج جس طرح عذاب ٹلتا رہتا ہے، اس یوم موعود کے وعدہ پر۔ جب خود یوم موعود آ جائے گا، تو اب کوئی صورت اُس عذاب کے ٹلنے کی باقی نہ رہے گی۔ و۵۵ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ...... فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ۔ اجزاء کلام کی یہ تقدیم وتاخیر زور وتاکید مفہوم کے لیے ہے۔ يَمْهَدُونَ۔ مہد کے لفظی معنی بچھانے کے ہیں۔ تو گویا یہاں ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جو اہل ایمان دنیا میں حسن عمل میں مصروف رہتے ہیں، وہ اپنے ہاتھ سے اپنے لیے راحت دائمی کا فرش بچھا رہے ہیں۔ ای فلانفسهم یستعدون و یسخرون المضجع لیسلموا من عقاب ربهم و نجوا من عذابه (ابن جریر) عَلَيْهِ كُفْرُهُ کے صیغۂ واحد سے اور لانفسهم یمهدون کے صیغۂ جمع سے، امام المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ پہلو پیدا کیا ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب سے کہیں وسیع تر ہے۔ بدی کا بدلہ بدکار کی ذات تک محدود رہے گا۔ نیکی کی جزاء نیک کار کے عزیزوں قریبوں کو بھی اپنے اندر لے لے گی۔ اشارة الی ان الرحمة اعم من الغضب تشملهٗ و اهلهٗ و ذریتهٗ اما الغضب فمسبوق بالرحمة لازم لمن اساء (کبیر) امام موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ مَنْ كَفَرَ کے مقابلہ میں قرآن مجید نے من اٰمن نہیں کہا۔ بلکہ تقابل میں وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا کہا، تا کہ مومن کو ساتھ ہی عمل کی بھی ترغیب ہو جائے اور ایمان کی تکمیل عمل صالح ہی سے ہوتی ہے۔ و لم یقل من اٰمن و ذٰلک لان العمل الصالح به یکمل الایمان فذکرهٗ تحریضًا للمکلف علیه (کبیر)

الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۴۵﴾

عمل کئے (اللہ) انہیں اپنے فضل سے (نیک) جزا دے گا، واقعی اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ ف۵۶

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِیُذِیْقَكُمْ

اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے خوش خبری دیتی ہوئی ف۵۷ اور تا کہ وہ تمہیں

مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا

اپنی رحمت کی لذت چکھائے ف۵۸ اور تا کہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں اور تا کہ تم اس کے فضل کی

مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا

تلاش کرو ف۵۹ تا کہ تم شکر ادا کرو ف۶۰ اور ہم نے آپ سے پہلے

مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ

(بہت سے) پیمبر ان کی قوموں کے پاس بھیجے اور وہ ان کے پاس دلائل لے کر آئے

فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَ كَانَ حَقًّا عَلَیْنَا

پھر ہم نے ان لوگوں سے انتقام لے لیا جو جرم کرتے رہے تھے ف۶۱ اور اہل ایمان کا غلبہ تو

نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ

ہمارے ذمہ تھا ف۶۲ اللہ ایسا ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے تو وہ بادلوں کو

سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ

اٹھائے پھرتی ہیں، پھر اللہ اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے

كِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ

کر دیتا ہے ف۶۳ پھر تو مینہ کو دیکھتا ہے کہ اس کے اندر سے نکلتا ہے پھر اسے اپنے بندوں میں سے

بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ ع

جس کو چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے ف۶۴ تو بس وہ خوش ہونے لگتے ہیں

ف۵۶ (بلکہ سخت مبغوض رکھتا ہے) لان عدم المحبة کنایة عن البغض فی العرب (روح) فان عدم المحبة من اللہ غایة العذاب (کبیر) مِنْ فَضْلِهٖ۔ پہلی آیت میں ذکر دو طبقوں کا تھا۔ ایک مَنْ كَفَرَ کفر اختیار کرنے والوں کا دوسرے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا راہ حسن عمل پر چلنے والوں کا۔ پہلے کے انجام عَلَیْهِ كُفْرُهٗ میں صاف علت انجام کا ذکر کر دیا۔ یعنی وبال کفر کفر ہی کی بنا پر پڑے گا۔ اور دوسرے کی جزاء میں "بجائے علت کے مِنْ فَضْلِهٖ بڑھا دینا اشارہ ہے کہ سزا تو بلا علت نہیں ہوتی۔ لیکن رحمت بلا علت محض فضل سے ہوتی ہے"۔ وذکر من فضلہ للدلالة علی ان الاثابة تفضل محض (روح) لِیَجْزِیَ میں ل عاقبت کا ہے۔ تعلیل کا بھی مانا گیا ہے متعلق بیمهدون تعلیل لہ (کشاف) ف۵۷ (بارش کی) قرآن کے مخاطب اول، اہل عرب تھے۔ اور عرب جیسے ملک میں برساتی ہواؤں کی خوش گواری خود ایک مستقل نعمت ہے۔ اور عرب کو چھوڑ کر، ہندوستان اور پاکستان جیسے زراعتی ملکوں میں مانسون کسان کے لیے ایک بشارت عظیم نہیں؟ مِنْ اٰیٰتِهٖ۔ یعنی اس کی قدرت، شفقت وحکمت کی نشانیوں میں سے۔ ف۵۸ یعنی پہلے تو بارشی ہواؤں سے تمہارا دل خوش کرے۔ پھر اصل بارش کے فائدے تمہیں عنایت کرے۔ رَحْمَتِهٖ سے مراد یا بارش ہے یا وہ منافع جو بارش پر مرتب ہوتے ہیں۔ یعنی المنافع التابعة لها (بیضاوی) ف۵۹ (انہیں ہواؤں کے ذریعہ سے) یعنی ہواؤں کا ایک کام علاوہ بارش لانے کے، یہ بھی ہے کہ وہ بحری سفر کو ممکن بنا دے۔ اور اس طرح قوموں کی قومیں بحری تجارت کے ذریعہ سے بن جائیں۔ عربوں نے قرآن مجید کے ان اشارات سے جس قدر فائدہ اُٹھایا۔ اس کا مفصل ذکر مولانا سید سلیمان ندوی کی کتاب "عربوں کی جہاز رانی" میں ملے گا۔ اور آج تو دنیا کی متمول ترین قوموں کا راز یہی بحری تجارت ہے۔ فَضْلِهٖ۔ فضل یہاں تجارت بحری کے معنٰی میں ہے۔ اور یہ سلف سے مسلّم چلا آتا ہے۔ اور بعض نے عام تجارتی سفر مراد لیے ہیں۔ یعنی تجارة البحر (بیضاوی۔ مدارک) من رزقه بالتجارة فی البحر (معالم) ای فی التجارات و المعایش والسیر من اقلیم الی اقلیم و قطر الی قطر (ابن کثیر) بِاَمْرِهٖ۔ امر یہاں تدبیر وتکوین کے معنٰی میں ہے۔ ای تدبیرہ و تکوینه (مدارک) ف۶۰ مقصود ان تمام نعمتوں سے یہی ہے کہ ان نعمتوں کا استعمال مصرف صحیح میں کیا جائے — اور یہی وہ مقام ہے جو قرآن جیسی کتاب الہدٰی کو تمام "علوم" و "فنون" کی کتابوں سے ممتاز کیے ہوئے ہے۔ قدم قدم پر سبق ساری مادی ترقیوں کے بعد انسان کو حدود عبدیت کے اندر رہنے کا۔ ف۶۱ (اور وہ جرم یہی تھا کہ ان لوگوں نے ان دلائل حق کی تصدیق نہ کی، بلکہ اُلٹی اُن کی تکذیب کرتے رہے) فَانْتَقَمْنَا۔ بعض نافہموں نے انتقام حق کو اللہ تعالٰی کی شان کے منافی اور اس سے پست سمجھا ہے۔ یہ نتیجہ ہے تمامتر "انتقام" اور "کینہ پروری" کے درمیان خلط مبحث کر دینے کا۔ انتقام جس کے معنٰی مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے ہیں، وہ تو قیام عدل کے لیے لازمی ہے۔ ورنہ پھر نظام عدل ہی کو سرے سے خیر باد کہہ دیا جائے۔ ف۶۲ (چنانچہ عذاب الٰہی سے کفار مغلوب ومقہور ہوئے اور اہل ایمان محفوظ ومنصور رہے) یہاں مومنوں اور کافروں کی عام آویزش کا بیان نہیں اور نہ ہر حال میں مومنین کی نصرت کا کوئی عام وعدہ ہے۔ بیان صرف اُس وقت کا ہے جب پیمبروں کی تکذیب اور ان سے براہ راست مقابلہ کیا جائے۔ اس وقت آخری شکست منکروں اور باغیوں کی یقینی ہوتی ہے) ف۶۳ یَبْسُطُهٗ۔ سے مراد یہ ہے کہ بادل کو مجتمع کر کے دُور تک پھیلا دیتا ہے۔ جس سے گھنگھور گھٹا چھا جاتی ہے۔ یَجْعَلُهٗ كِسَفًا کا مطلب یہ ہے کہ بادل کو گھنا نہیں ہونے دیتا متفرق پتلی پتلی بدلیاں رکھتا ہے۔ كَیْفَ یَشَآءُ۔ کا حاصل یہ ہے کہ بادل کو جس حالت میں چاہتا ہے رکھتا ہے۔ خواہ خوب گہری گھٹا بنا دے، خواہ ہلکی پھلکی بدلی رکھے۔ فِی السَّمَآءِ۔ سے مراد صرف "سمت آسمان میں" ہے۔ ای فی سمتها (بیضاوی) لا فی نفس السماء بالمعنی المتبادر (روح) ف۶۴ یعنی اپنے بندوں کے جس ملک، جس سرزمین میں چاہتا ہے۔ لے جاتا ہے۔ یعنی بلادهم و اراضیهم (بیضاوی) اَلْوَدْقَ۔ ودق مرادف ہے مطر کے۔ الودق قیل ما یکون من خلال المطر کانهٗ غبارٌ و قد یعبر به عن المطر (راغب)۔

وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ

درآنحالیکہ وہ لوگ قبل اس کے کہ اس خوشی سے قبل ان پر برسے بالکل

لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ

مایوس ہو رہے تھے و۶۵ سو ذرا رحمتِ الٰہی کے آثار کو دیکھو کہ اللہ زمین کو اس کے خشک ہونے کے بعد

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ

کس طرح شاداب کرتا ہے، و۶۶ بے شک وہی مردوں کا جلانے والا ہے و۶۷ اور وہی

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَ لَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ

ہر چیز پر (پوری) قدرت رکھنے والا ہے۔ اور اگر ہم (کوئی اور) ہوا چلا دیں، پھر یہ لوگ کھیتی

مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ

کو زرد ہوا دیکھیں تو یہ اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں و۶۸ آپ مُردوں کو تو نہیں سنا

الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾

سکتے اور نہ بہروں کو (اپنی) پکار سنا سکتے ہیں جب کہ وہ پیٹھ پھیرے چلے جا رہے ہوں

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا

اور آپ اندھوں کو بھی ان کی بے راہی سے راہ پر نہیں لا سکتے آپ تو بس انہیں کو سنا سکتے ہیں جو

مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع اَللّٰهُ الَّذِيْ

ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں، پھر وہ (انہیں) مانتے بھی ہیں و۶۹ (اور وہی) اللہ ہے جس نے

خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ

تم کو (تمہاری) ناتوانی کی حالت میں پیدا کیا، پھر ناتوانی کے بعد توانائی

قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ

عطا کی پھر توانائی کے بعد ناتوانی اور ضعیفی دی، وہ جو چاہتا ہے

ع ۵ / ۱۳ / ۸

و۶۵ یعنی ابھی تو مایوس ہو رہے تھے اور ابھی خوش ہو گئے۔ کاشتکار اور زراعت پیشہ کسی ملک وقوم کے بھی ہوں، جو لوگ اُن کی نفسیات سے واقف ہیں، قرآن مجید کے اس فقرہ کی دل کھول کر داد دیں گے۔ و۶۶ (اور یہ خود ایک نظیر ہے قدرت علی البعث کی) رَحْمَتِ اللّٰهِ۔ سے یہاں بھی مراد بارش ہے یا اس کے اثرات عالم میں نباتات پر۔ اے اثر الغیث من النبات والاشجار و انواع الثمار (بیضاوی) و۶۷ (قیامت کے دن، اور وہی روزمرہ تجدید حیات کی نظیریں دکھاتا رہتا ہے) مطلب یہ ہے کہ خدا کی قدرتِ کاملہ اور اُس کی خلاقی کا استحضار اگر رکھو تو امکانِ بعث میں کوئی اشکال ہی نہ رہ جائے۔ و۶۸ (ساری پچھلی نعمتوں کو بھول بھال کر) مقصود غافلوں کی بے حسی کو دکھانا ہے۔ رِيْحًا سے مراد ہے کسی دوسری قسم کی ہوا، جو زراعت کو نقصان پہنچانے والی ہو۔ مثلاً بجائے پچھوا ہوا کے پُروا کی، یا بجائے پُروا کے پچھوا۔ رَاَوْهُ میں ضمیر کھیتی کی جانب ہے۔ اے رأوا النبت والزرع مصفرًا (معالم) اے رأوا اثر رحمة الله لان رحمة الله هی الغیث و اثرها النبات (کشاف) و هی النبات المفهوم من السیاق (بحر۔ روح) و۶۹ یعنی یہ لوگ بے ادراکی میں مُردوں، بہروں، اندھوں کی سطح پر ہیں آپ ان سے نہ ایمان کی توقع رکھیے نہ ان کے انکار و تکذیب پر غم و تردد کیجئے۔ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ مُردوں کے سننے نہ سننے پر حاشیہ سورۃ النمل (پ ۲۰) آیت اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ کے تحت میں گزر چکا — کسی بندہ سے یہ کہنا کہ تم مُردوں کو اپنی آواز سنا نہیں سکتے، اس کا مستلزم نہیں کہ سرے سے سماعِ میت کا انکار ہی مقصود ہے۔ کسی سے یہ کہنا کہ تم آسمان کی سیر نہیں کر سکتے، اس کے مرادف نہیں کہ حق تعالیٰ بھی آسمان کی سیر نہیں کرا سکتا۔ سماعِ موتیٰ اپنے حدود کے اندر اہل سنت کے ہاں ایک متفقہ مسئلہ ہے۔ اس سے کلیۃً انکار درست نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں تینوں جملے اس پر دال ہیں کہ ہدایت نہ کسی نبی کے قبضہ میں ہے اور نہ کسی ولی کے۔ پھر لوگ کیسے یہ گمان کر لیتے ہیں کہ کامل بنا دینا شیخ کے اختیار میں ہے۔ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ۔ میں ایمان سے مراد استعدادِ ایمان ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اصل ایمان تو سماع سے مؤخر ہے نہ کہ اس پر مقدم۔

مَا يَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ

پیدا کرتا ہے ف۷ اور وہ خوب جاننے والا ہے، ہر قدرت رکھنے والا ہے، ف۱ اور جس دن قیامت

السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ

قائم ہوگی مجرم لوگ قسم کھا بیٹھیں گے (کہ) ہم لوگ تو ایک ساعت سے زیادہ رہے ہی نہیں، ف۲

كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

اسی طرح یہ لوگ الٹے چلتے رہتے تھے ف۳ اور جن لوگوں کو علم و ایمان عطا ہوا ہے

وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۫

وہ کہیں گے کہ تم نوشتۂ الٰہی کے مطابق قیامت کے دن تک رہے

فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

سو یہی تو ہے قیامت کا دن البتہ تم ہی (اس کا) یقین نہیں کرتے تھے ف۴

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَا

غرض اس روز ظالموں کو ان کا عذر کرنا (کچھ) نفع نہ دے گا، اور نہ

هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا

ان سے تدارک چاہا جائے گا ف۵ اور ہم نے لوگوں کے لئے اس

الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ

قرآن میں ہر طرح کے مضمون بیان کئے ہیں ف۶ اور اگر آپ ان کے پاس کوئی نشان بھی لے کر آئیں تو بھی

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ

یہ لوگ جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم (لوگ) اہل باطل ہو ف۷ جو لوگ

يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ

یقین نہیں رکھتے اللہ ان کے دلوں پر اسی طرح مہر کر دیا کرتا ہے ف۸ سو آپ صبر کیجیے

ف۷ ہرتصرف میں وہی آزاد وخودمختار ہے۔ وہی جب چاہے نیست سے ہست کرے، ضعیف سے قوی اور قوی سے ضعیف، کوئی اس کا مانع ومزاحم کسی درجہ میں بھی نہیں ہوسکتا۔ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ۔ اس ناتوانی سے مراد قبل پیدائش حالت جنین یا نطفہ کی بے حقیقتی اور کمزوری ہے۔ بَعْدِ ضُعْفٍ میں ضعف سے مراد بچپن کی ناطاقتی اور بے بسی ہے۔ قُوَّةً سے مراد جوانی اور قوٰی کے بلوغ اور پختگی کا زمانہ ہے۔ ف۱ ہرضرورت ومصلحت کا علم بھی اسی کو پورا ہے، اور ہرتصرف پر قدرت بھی پوری پوری اسی کو حاصل ہے۔ سو اس کے خلق وخلقت میں کسی کمی یا نقص کا امکان ہی نہیں۔ ف۲ (عالم برزخ میں یا دنیا میں) اَلْمُجْرِمُوْنَ۔ کافروں کو یوم حشر کی انتہائی گھبراہٹ اور بدحواسی میں محسوس واقعی ایسا ہی ہوگا کہ جیسے قیامت اپنے وقت موعود سے بہت پہلے آگئی اور ان لوگوں کو کچھ مہلت ہی نہ ملی! مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ۔ یہ گھڑی بھر کی مدت قیام عالم برزخ میں بھی ہوسکتی ہے اور دنیا میں بھی۔ ائمہ مفسرین دونوں طرف گئے ہیں۔ فی قبورهم (معالم عن مقاتل والکلبی) فی قبورهم (ابن جریر) فی الدنیا (ابن کثیر) فی الدنیا (معالم) اے ما اقاموا فی القبور وروی غیرواحد عن قتادة انهم یعنون ما لبثوا فی الدنیا و رجح الاول بانه الاظهر (روح) ف۳ یعنی ادراک حقائق کے سلسلہ میں ان کی غلط بینیاں اور غلط اندیشیاں کچھ آج نئی نہیں، دنیا میں بھی تو ادراک حقائق کے سلسلہ میں یہ ایسے ہی کج اندیش تھے۔ ف۴ یہ جواب دینے والے وہ لوگ ہوں گے جنہیں دنیا میں اخبار شرعیہ کا علم تھا۔ فی کتاب الله ای فی ما کتب الله لکم فی سابق علمه من اللبث فی القبور (معالم) فی علم الله و قضائه او فی ماکتبهٗ اے اوجبهٗ بحکمته (کشاف) آیت سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ روز حشر کا ہول وانتشار کفار ہی کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ شریعت پر عمل کرنے والے اہل ایمان انشاءاللہ اس وقت تمامتر محفوظ اور باحواس رہیں گے۔ اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ۔ بعض نے کہا۔ اس سے فرشتے مراد ہیں۔ اور بعض نے کہا انبیاء، بعض نے کہا علماء اُمت، اور بعض نے کہا کہ سارے مؤمنین۔ فقیل الملائکة و قیل الانبیاء و قیل علماء الامم و قیل جمیع المومنین (قرطبی) ف۵ یعنی ان ظالموں، کافروں کو اس کا موقع نہ دیا جائے گا کہ اُس روز توبہ کر کرا کے اللہ کو راضی کرلیں۔ اے لا یطلب منهم ازالة عتب الله تعالٰی والمراد به غضبه سبحانهٗ علیهم بالتوبة والطاعة (روح) يُسْتَعْتَبُوْنَ۔ استعتاب کے لفظی معنٰی ازالۂ عتاب یعنی توبہ کے ہیں، جو گناہوں کو مٹا دے۔ و هو ازالة العتب یعنی التوبة التی تزیل أثار الجریمة لا تطلب منهم لانها لاتقبل منهم (کبیر) یہ معنٰی بھی کیے گئے ہیں کہ انہیں دنیا میں واپسی کا موقع نہ دیا جائے گا۔ ولا هم یرجعون الی الدنیا (ابن کثیر) ف۶ (جس کا مقتضی یہ تھا کہ منکرین ایمان لے آتے) لِلنَّاسِ۔ یعنی لوگوں کی ہدایت ونفع کی غرض سے۔ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ۔ یعنی ہر قسم کے عمدہ مفید مضمون۔ ف۷ کیا حد ہے اُن کے عناد وضد اور حق طلبی کے فقدان کی!— کہاں تو خود ہی فرمائشی معجزوں کی بھرمار کر رہے ہیں۔ اور کہاں اگر معجزے دیکھ لیں تو الٹے مسلمانوں سے یہ کہنے لگیں کہ تم لوگ تو سحر کی باطل پرستیوں میں پڑے ہوئے ہو! اٰيَةٍ۔ یعنی کوئی ایسا نشان جس کی یہ خود فرمائش کرتے رہتے ہیں اُن کا فرمائشی نشان۔ اَنْتُمْ یعنی تم سب، پیمبر اور مؤمنین۔ ف۸ (اُن کی شدتِ عناد اور حق ناشناسی کی بناء پر) اور وہ دلوں پر مہر لگنا یہی ہے کہ روز بروز اُن کی قبول حق کی استعداد ضعیف و مضمحل ہوتی جاتی ہے۔ اَلَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ کے معنٰی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں علم صحیح کی طلب نہیں ہوتی۔ اے لا یطلبون العلم (بیضاوی۔ روح)

إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع

بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے ف۷۹ اور جو لوگ بے یقین ہیں کہیں آپ کو بے برداشت نہ کر دیں ف۸۰

اٰیاتها ۳۴ ۳۱ سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ ۵۷ رکوعاتها ۴

اس کی چونتیس آیتیں سورۂ لقمٰن مکہ میں نازل ہوئی اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ﴿١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً

الف، لام، میم، یہ آیتیں ہیں ایک پُر حکمت کتاب کی جو ہدایت و رحمت ہے

لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

نیک کاروں کے حق میں ف۱ جو نماز کو قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے

الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿٤﴾ أُولٰٓئِكَ عَلٰى

رہتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں یہی لوگ ہیں

هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٥﴾

اپنے پروردگار کی طرف سے راہ ہدایت پر اور یہی لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں ف۲

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ

اور کوئی انسان ایسا بھی ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی باتیں خرید کرتا ہے تاکہ اللہ کی راہ سے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولٰٓئِكَ

بے سمجھے بوجھے (دوسروں کو) گمراہ کرے اور اس راہ کی ہنسی اڑائے ف۳ ایسے ہی

لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٦﴾ وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى

لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے ف۴ اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا

ف۷۹ (کہ حق ایک روز منصور و کامیاب اور باطل بالآخر ناکام و سرنگوں ہو کر رہے گا) ف۸۰ یعنی حالات کیسے ہی سخت اور صبر آزما ہوں، آپ کے ہاتھ سے دامن صبر و متانت و استقامت کسی حال میں بھی نہ چھوٹنے پائے۔ اور بے عقیدہ، بے ایمان لوگوں کو کوئی سا موقع ہنسی کا یا طنز کا نہ ملنے پائے۔ آیت میں تعلیم ہے ساری اُمت کے لیے۔ اکابر اُمت کو تو خصوصاً اپنے حال کا بڑا رکھ رکھاؤ چاہیے کہ حتی الامکان کافروں، فاجروں کو کوئی موقع اعتراض کا ہاتھ نہ لگنے پائے۔ لَا يَسْتَخِفَّنَّكَ خطاب براہ راست رسول سے ہے لیکن مفہوم کے اعتبار سے اُمت سے ہے۔ والخطاب للنبی ﷺ والمراد امتهٗ (قرطبی) ف۱ آیت میں قرآن مجید کی اہمیت و عظمت کا بیان ایک عجیب لطیف انداز سے ہے۔ محسن ہونے کا اطلاق تو خود انہیں لوگوں پر ہوگا، جو قرآن پر عمل کر کے مرتبہ اخلاق میں بڑھے ہیں اور اب انہیں کے حق میں اشارہ ہو رہا ہے کہ قرآن ان کے لیے موجب ہدایت ہے۔ اَلْحَكِيْمِ۔ سے مراد پر حکمت بھی ہو سکتی ہے، اور بے عیب بھی اور حاکم بھی۔ الحكيم المحكم اے لا خلل فيه ولا تناقض و قيل ذو الحكمة و قيل الحاكم (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مراتب ہدایت کی حد و انتہا نہیں۔ محسنین تو خود ہی ہدایت کے مرتبہ اعلیٰ پر ہوتے ہیں۔ قرآن انہیں اور بڑھا رہا ہے۔ ف۲ (دنیا و آخرت میں ہر طرح پر) عَلٰى هُدًى...... الْمُفْلِحُوْنَ۔ هُدًى۔ ہدایت ثمرہ ہے قرآن پر اعتقاد و عمل کا۔ اور فلاح ثمرہ ہے راہ ہدایت کا۔ پارۂ اول کے رکوع اوّل میں انہیں سے ملتی ہوئی دو آیتیں آ چکی ہیں، وہاں کے حاشیے بھی ملاحظہ کر لیے جائیں۔ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔ هُمْ کی تکرار تاکید اور زور کلام کے لیے ہے۔ اعيد الضمير للتاكيد (روح) ف۳ لَهْوَ الْحَدِيْثِ۔ مراد اس سے عموماً غناء (موسیقی) سمجھی گئی ہے۔ و فی الاٰیة عند الاكثرين ذمٌّ للغناء باعلٰى صوت (روح) الغناء فی قول ابن عباس و ابن مسعود و غيرهما و هو ممنوع بالكتاب والسنة (قرطبی) لیکن محققین کا فیصلہ ہے کہ اس میں گانے کا حصر و تعین نہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ لهو الحديث هو الغناء واشباهه۔ یعنی اس سے مراد ہے گانا اور اس کے مشابہ چیزیں۔ گویا ہر بیکار، غیر مفید مشغلہ اس کے تحت میں داخل ہے جو حق کی طرف سے غفلت، بے رغبتی پیدا کرنے والا ہو، اس کے تحت میں آ جاتا ہے۔ ما يلهى عما يعنى كالاحاديث التى لا اصل لها والاساطير التى لا اعتبار بها والمضاحك و فضول الكلام (بیضاوی) لَهْوَ الْحَدِيْثِ۔ غناء کے باب میں محدثین و فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔ جو گانا محض دل بہلانے یا باصطلاح فقہاء دفع وحشت نفس کے لیے ہو، اس میں مضائقہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک بھی نہیں۔ درمختار میں اسے سرخسی، عینی و عنایہ کے حوالہ سے جائز رکھا ہے۔ و فی الدر المختار التغنى لنفسه لدفع الوحشة لاباس به عند العامة علٰى ما فى العناية و صححه العينى واليه ذهب شمس الائمة السرخسى (روح) اور اگر اس میں کلام حکیمانہ اور مضامین اخلاق و معرفت کے ہوں جب تو بالکل ہی جائز ہے۔ قال و لو فيه وعظ و حكمة فجائز اتفاقاً (روح) لیکن جو گانا لوگوں کے سنانے کے لیے جشن عقد اور عید وغیرہ کے علاوہ ہو، خصوصاً جو "قوالی" کی محفلیں مسجدوں اور خانقاہوں میں مجمع فساق کے ساتھ ہوا کرتی ہیں اور جنھیں عبادت سمجھا جاتا ہے وہ تو اور زیادہ قابل ملامت ہیں۔ و صاحب الهداية والذخيرة سمياه كبيرة هٰذا فى التغنى للناس فى غير الاعياد و الاعراس و يدخل فيه تغنى صوفية زماننا فى المساجد والدعوات بالاشعار والاذكار مع اختلاط اهل الاهواء والمرد بل هٰذا اشد من كل تغنٍ لانهٗ مع اعتقاد العبادة (روح) فاما ما ابتدعته الصوفية اليوم من الادمان علٰى سماع المغانى بالألات المطربة من الشبابات والطار و المعازف والاوتار فحرام (قرطبی) بلکہ اس تواجد و ترقص کا شمار تو علاماتِ زندقہ میں سے کیا گیا ہے اور اس کا جائز سمجھنا حدود کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔ و اماما ابتدعته الصوفية فى ذٰلک فمن قبيل ما لا يختلف فى تحريمه لكن النفوس الشهوانية غلبت علٰى كثير ممن ينسب الى الخير حتٰى لقد ظهرت فى كثير منهم فعلات المجانيين و الصبيان حتّٰى رقصوا بحركات متتابعة و تقطيعات متلاحقة وانتهى التواقح بقوم منهم الٰى ان جعلوها من باب القرب و صالح الاعمال و ان ذٰلک يثمر سنى الاحوال و هٰذا على التحقيق من اٰثار الزندقة (روح) و اماما وسمهٗ اهل زماننا من انهم يهيئون المجالس و يرتكبون فيها بالشرب والفواحش و يجمعون الفساق والاماء يطلبون المغنين الطوائف و يسمعون منهم الغناء و يتلذذون بها كثيرًا من الهواء النفسانية والخرافات الشيطانية و يحمدون على المغنين باعطاء النعم العظيم و يشكرون عليهم بالاحسان العميم فلا شک ان ذٰلک ذنب كبير و استحلالهٗ كفر قطعًا و يقينًا لانهٗ عين لهو الحديث فى شانهم (احمدی) يَشْتَرِيْ کے لفظی معنٰی خرید کرنے کے ہیں۔ مراد ہے اختیار کرنا، خریدار ہونا، خواستگار ہونا، راغب ہونا، سب اس میں داخل ہے بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ یعنی نفس پرستی اور عرف فاسد پر مبنی، اور ہر علمی سند سے خالی۔ لِيُضِلَّ میں لام تعلیل کا ہے۔ واللام للتعليل (روح) سَبِيْلِ اللّٰهِ سے مراد اللہ کا دین ہے۔ یا کتاب اللہ کی تلاوت۔ اے دينه او قراة كتابه (بیضاوی) آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہاں ذکر ایسے لہو و لعب کا ہے جو دینِ حق سے روکنے والے ہوں اور ان کا اثر دوسروں تک متعدی ہو رہا ہو، بلکہ دین حق کی تحقیر دلوں میں پیدا کرانے والے

مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ

ہوا منہ موڑ لیتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں گویا اس کے کانوں میں ثقل ہے،

فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

سو آپ اسے خبر سنا دیجیے عذاب دردناک کی ف۵ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝ لا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ

کام بھی کئے ان کے لئے راحت کی جنتیں ہیں جن میں وہ (ہمیشہ) رہیں گے

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

(یہ) اللہ کا سچا وعدہ ہے اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے ف۶ (اسی نے) آسمانوں کو

بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ

بلا ستون بنایا ہے تم ان کو دیکھ رہے ہو اور زمین پر بھاری پہاڑ ڈال رکھے ہیں

اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ

کہ کہیں تم کو لے کر ڈانواں ڈول نہ ہونے لگے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں، اور ہم نے آسمان سے

السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ هٰذَا

پانی اتارا پھر اس (زمین) میں ہر طرح کے عمدہ اقسام اگائے ف۷ یہ تو

خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ

اللہ کی مخلوق ہوئی اب مجھے دکھاؤ کہ اس (اللہ) کے علاوہ جو ہیں انہوں نے کیا چیزیں پیدا کی ہیں

بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ

اصل یہ ہے کہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) ہیں ف۸ اور بے شک ہم نے لقمان کو

الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ

دانائی عطا کی ف۹ (اور یہ حکم) کہ اللہ کا شکر کرتے رہو، اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی (نفع کے) لئے

ع ۱۱/۱۰

ہوں، ظاہر ہے کہ ایسا مشغلہ صریح کفر کے درجہ میں آجائے گا۔ اور اس کی تائید شانِ نزول کی روایتوں سے بھی ہوتی ہے۔ جاہلیت میں کوئی ''قابل و فاضل'' شخص نضر بن الحارث نامی تھا۔ آس پاس کے ملکوں کا سیاح، وہاں سے جاہلی ''لٹریچر'' کی اعلیٰ درجہ کی کتابیں لاتا۔ انہیں لا کر اہل عرب کو سناتا۔ ایران کے بہادروں کے افسانے۔ حیرہ کے بادشاہوں کے قصے پڑھ کر سناتا اور کہتا جی ان میں لگاؤ، قرآن کے وعظ میں کیا رکھا ہے۔ ہمراہ کوئی حسین چھوکری بھی رکھتا۔ عملی دل بہلاوے کے لیے شراب و کباب کے ساتھ اس کی پیشکش بھی کرتا رہتا۔ اس سے بھی بڑھ کر ممنوع و ناجائز وہ سارے کھیل تماشے ہوں گے جو تہذیب و تمدن نے خدا اور آخرت کی طرف سے غافل کرنے کے لیے گڑھ لیے ہیں۔ سینما، تھیٹر، پکچر، گیلری وغیرہا۔ نیز ''ادبیات''، افسانہ و شعر کا وہ بہت بڑا ذخیرہ، جو آج ''آرٹ'' کے بڑے پُر فخر کارنامہ کی حیثیت سے پیش کیا جارہا ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس میں ہر اس گانے کی حرمت آگئی جو عملاً دین سے غفلت کی طرف لے جانے والا ہو۔ یا اعتقاداً موجب ضلال ہو۔ اور قول فیصل یہ ہے کہ جو ان دونوں باتوں سے مبرا ہو، اس کا یہ حکم نہیں ہے۔ ف۴ (آخرت میں) آخرت کا ہر عذاب شدید و الیم تو ہے ہی، یہ عذاب اس کے ساتھ ذلت آفریں بھی ہوگا۔ جس نے زندگی بھر دین حق کی تحقیر اور بے وقعتی کی، وہ نالائق ہے ہی اسی قابل کہ کل اس کی بھی ہر طرح ذلت و رسوائی ہو لے۔ اس عذاب کا اصل ظہور تو آخرت ہی میں ہوگا۔ لیکن دنیا میں بھی ایک طرح اس کا ظہور مشاہد ہے، بھانڈ، نقال، گویئے، میراثی، کسبیاں، نچنیے، غرض تمام طبقہ لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے تعلق رکھنے والے دنیا میں بھی کیسے حقیر و رسوا رہتے ہیں، تا آنکہ کوئی معاشرہ مسخ ہو کر خود ہی اُن کے رنگ میں رنگ جائے، اور خود ہی فسق پیشہ بن جائے۔ ف۵ آیت ماقبل سے بھی ظاہر ہو گیا تھا، اور اس آیت نے اور زیادہ صاف کر دیا کہ یہاں مراد اس لہو و لعب اور ان اشغال تفریحی سے ہے جو دین اسلام سے ہٹنے اور ہٹانے، ضلال و اضلال کا باعث ہوں۔ ایسے مشاغل یقیناً حرام بلکہ ان میں سے بعض تو کفر کے درجہ میں داخل ہیں۔ باقی ''جو لہو اعمال فرعیہ شرعیہ سے باز رکھے یا کسی معصیت کا سبب ہو جائے وہ صرف معصیت ہے۔ اور جو لہو کسی امر واجب کا مفوت نہ ہو اور اس میں کوئی شرعی غرض و مصلحت بھی نہ ہو وہ مباح ہے۔ لیکن لا یعنی ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہے۔ اور مسابقت فرس اور مسابقت سہم و ملاعبت اہل میں چونکہ معتد بہ غرض تھی، اس لیے حدیث میں اس کو لہو باطل سے مستثنیٰ فرمایا، اور مسئلہ غنا اور سماع کا اس آیت کا مدلول ہونا ضروری نہیں۔ اس کا حکم مفصل مستقلاً مثل دیگر اقسام لہو کے دوسرے دلائل حدیثیہ و فقہیہ سے اپنے محل پر ثابت ہے۔ اور اس تفصیل سے تمام مشاغل اور تفریحات کا حکم بھی جس میں اخبار اور ناول وغیرہ بھی آگئے معلوم ہو گیا''۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۶ اپنے کمال قدرت سے۔ ہر وعدہ کے واقع کرنے پر قادر ہے۔ اور اپنے کمال حکمت سے واقع اسی وقت کرتا ہے جب عین مصلحت ہوتی ہے۔ ف۷ (ہر طرح کے شجر و نباتات کے) خَلَقَ...... تَرَوْنَهَا۔ آسمان جیسی عظیم الشان موجودات کو بغیر کسی ظاہری و مرئی سہارے کے قائم رکھنا کمال قدرت پر ایک دلیل قاطع ہے۔ ملاحظہ ہوں (پ۱۳) سورۃ الرعد کے حاشیے۔ فقرہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ ''بغیر ایسے ستونوں کے جنہیں تم دیکھ سکو بنایا''۔ اس صورت میں تَرَوْنَهَا کا تعلق السَّمٰوٰتِ سے نہیں، بلکہ عَمَدٍ سے ہوگا۔ مفسرین نے یہ ترکیب بھی جائز رکھی ہے تکون ترونها في موضع خفض على النعت لعمد فيمكن ان يكون ثم عمد و لكن لاترى (قرطبی) بلکہ بعض صحابہ و تابعین سے بھی منقول یہی ہے۔ قال ابن عباس و عكرمه و مجاهد لها عمد لا ترونها (ابن کثیر) اَلْقٰى...... بِكُمْ۔ ہلکی پھلکی سطح زمین پر اس مصلحت سے ایک خاص ترتیب و مناسبت مقام کے ساتھ بھاری بھاری پہاڑ نصب کر دیئے کہ زمین کہیں اپنی اتنی تیز گردش سے ہلنے نہ لگے۔ کمال صنعت گری کی دلیل ہے ملاحظہ ہوں سورۃ النحل (پ۱۴) کے حاشیے۔ مِنَ السَّمَاۗءِ سے جیسا کہ پہلے کئی بار گزر چکا ہے مراد سمت آسمان سے یا بلندی سے ہوتی ہے۔ ابر وغیرہ سب اسی میں شامل ہیں۔ ف۸ (اور وہ گمراہی اُن کی صریح ضد کی ہے۔ تو یہ لوگ بھلا دلیل وغیرہ کیا پیش کر سکیں گے) اہل شرک کو چیلنج کر کے پکارا ہے کہ اللہ کی صنعت و قدرت و حکمت پر تو آسمان و زمین میں ایسے ایسے روشن دلائل موجود ہیں۔ اب تم تو ذرا بتاؤ کہ تمہارے دیویوں دیوتاؤں کے مخلوقات و مصنوعات کون سے ہیں؟ اَلظّٰلِمُوْنَ۔ ظالمون سے مراد مشرکین ہیں۔ يعني المشركين بالله العابدين معه غيره (ابن کثیر) ف۹ یہ لقمان کون تھے؟ اتنا تو بہرحال ظاہر ہے کہ کوئی مقبول، برگزیدہ بندہ تھے۔ اور ایسے کہ اہل عرب (قرآن کے مخاطبین اول) ان کے نام سے مانوس تھے۔ اس کے آگے اُن کی شخصیت کے بارہ میں اختلاف ہے۔ کلام جاہلیت میں ایک نہیں، اس نام کے تین تین شخصوں کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں سے لقمان ثانی کا لقب لقمان حکیم مشہور رہا ہے۔ عجب نہیں کہ قرآن مجید کا اشارہ انہیں کی جانب ہو۔ ان سے متعلق روایات تاریخی میں آتا ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہمعصر تھے۔ ملک حبشہ کے رہنے والے تھے۔ اور ایک آزاد شدہ غلام تھے۔ (ارض القرآن جلد اول صفحہ ۱۸۰ الخ) بعض اکابر ان کی نبوت کے بھی قائل ہوئے ہیں۔ لیکن مسلک جمہور یہ ہے کہ نبی نہ تھے صرف حکیم تھے۔ یہ اختلاف سلف سے چلا آرہا ہے کہ آیا آپ نبی تھے، یا محض ایک بندۂ صالح۔ دونوں قول منقول ہیں۔ لیکن اکثریت نے قول ثانی ہی اختیار کیا ہے۔ اختلف السلف في لقمان هل كان نبيا او عبدا صالحا من غير نبوة؟ على قولين الاكثرون على الثاني (ابن کثیر) والجمهور على انه كان حكيما و لم يكن نبيا (مدارک) جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ نبی نہ تھے۔ صرف حکیم تھے۔ البتہ عکرمہ اس

لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾ وَ اِذْ قَالَ

شکر کرتا ہے ف۱۰ اور جو کوئی ناشکری کرے سو اللہ بے نیاز ہے، ستودہ صفات ہے ف۱۱ اور اس وقت کا ذکر کیجیے جب

لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ

لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے بیٹا اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا،

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ

بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے ف۱۲ اور ہم نے انسان کو تاکید کی

بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ

اس کے ماں باپ سے متعلق، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا

فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾

دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گذاری کیا کر، میری ہی طرف واپسی ہے ف۱۳

وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ

اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی

عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫

دلیل نہیں، تو تو ان کا کہا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کیے جانا ف۱۴

وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ

اور اسی کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع کیے ہو ف۱۵ پھر تم (سب) کو میرے پاس آنا ہے،

فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ

پھر جو کچھ تم کرتے رہتے تھے میں تمہیں سب جتلا دوں گا اے بیٹا اگر کوئی عمل

مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ

رائی کے دانہ کی برابر ہو پھر کسی پتھر کے اندر ہو یا

۱۲ : ۳۱

کے قائل تھے کہ آپ نبی تھے۔ لیکن عکرمہ اپنی اس رائے میں متفرد ہیں۔ واتفق العلماء علی انه کان حکیمًا و لم یکن نبیًا الاعکرمة فانه قال کان لقمان نبیًا و تفرد بھٰذا القول (معالم)۔ تاریخ یونان میں ذکر ایک حکیم السیپ نامی کا آتا ہے (۶۱۹ تا ۵۶۴ ق،م) ان کے بعض حالات میں بھی حضرت لقمان کے ساتھ مشابہت ہے ہمارے ہاں کی روایتوں میں آتا ہے کہ آپ ملک نوبیا (افریقہ) یا سوڈان (افریقہ) کے ایک سیاہ فام غلام تھے۔ کان لقمان من سودان مصر ذا مشافر (ابن کثیر۔ عن سعید بن المسیب) و لقمان الحکیم کان اسود نوبیاذا مشافر (ابن کثیر۔ عن سعید بن المسیب) اَلْحِكْمَةَ حکمت سے مراد علم صحیح مع عمل صحیح ہے۔ اے الاصابة فی القول والعمل (مدارک) عبارة عن توفیق العمل بالعلم (کبیر) ف۱۰ ''کہ اس سے نعمت میں ترقی ہوتی ہے۔ دنیوی نعمت میں تو باعتبار نفس نعمت کے بھی اور باعتبار ثواب کے ہمیشہ اور دینی نعمت میں مثل علم وغیرہ کے دونوں طرح پر یعنی علم بھی بڑھتا ہے اور ثواب بھی ملتا ہے''۔ (تھانوی) ف۱۱ وہ کامل الصفات اپنی ذات سے ہے۔ اسے اپنی تکمیل کے لیے کسی کے شکر وحمد وغیرہ کی حاجت نہیں ــــ اس میں رَدّ آ گیا بہت سی مشرک قوموں کا، جو اپنے دیویوں دیوتاؤں کو اپنی ہی طرح محدود القویٰ، ناقص الصفات سمجھتے ہیں۔ ف۱۲ (کہ اس کے سامنے اور سارے ظلم ہیچ ہیں) ظلم کی حقیقت ہے وضع الشیء فی غیر محلہٖ یعنی کسی شے کو اس کے خلافِ محل رکھنا اور شرک میں اس کا ظہور کامل ترین صورت میں ہوتا ہے۔ ف۱۳ (اور اس وقت ادائے حقوق سے متعلق باز پرس ہوگی) لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ۔ معطوف ومعطوف علیہ کا خیال رہے۔ والدین کے حق کی یہ عظمت اس درجہ کی ہے کہ اس کا عطف خود حق تعالیٰ کے حق کی ادائی پر کیا گیا ہے۔ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ یہ یاد دلا کر گویا یہ بھی بتا دیا کہ حکم کو معمولی نہ سمجھنا۔ سوال اس کی بابت رکھا ہوا ہے۔ حَمَلَتْهُ...... عَامَيْنِ۔ پورا فقرہ بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ والدہ کے حق کے بیان وتوضیح میں ...... وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ ایک مختصر سے دو لفظی فقرہ میں حاملہ کی ساری معذوریوں اور ناتوانیوں کی جانب اشارہ آ گیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ۔ یہ کوئی فقہی حکم نہیں۔ کہ مدتِ رضاعت پورے دو سال ہی رہنا چاہیے۔ محض عادت غالب اور عرف عمومی کا بیان ہے۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں صراحت ہے کہ شکر منعم کی طرح، جو واسطہ نعمت ہو، اس کا شکریہ بھی مطلوب ہے۔ اور اس واسطہ کے عموم میں والدین اور استاد اور مرشد سب آ گئے۔ ف۱۴ اطاعت والدین اپنی جگہ پر نہایت اہم اور ضروری شئے سہی۔ بلکہ اسلام کی مجلسی ومعاشری زندگی کی تو بنیاد ہی اتحاد زوجین کی طرح اطاعت والدین پر ہے، لیکن جب توحید پر زد پڑ رہی ہو تو وہاں یہ فریضہ بھی ساقط ہو جائے گا۔ اور اطاعت عین معصیت بن جائے گی...... وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا۔ یہ حکم اس حال میں بھی قائم ہے کہ دنیوی حاجات ومعاملات یعنی خورونوش وغیرہ میں اُن کے ساتھ حسن سلوک برابر جاری رہے والدین کی شکر گزاری بہر صورت واجب ہے، بجز اس کے کہ وہ شکر گزاری اللہ کی ناشکری کے مستلزم ہو جائے۔ ف۱۵ (دینی معاملات میں) یعنی جو دین حق کا تابع اور اسی پر عامل ہو۔ معاملاتِ دین میں مرافقت اسی کی کیا کرو۔ فقہاء نے کتاب وسنت وقیاس کے علاوہ جو چوتھا ماخذ احکام شریعت کا اجماعِ امت کو قرار دیا ہے، خود اس کی بنیاد علاوہ دوسرے نصوص کے یہ آیت بھی ہے۔ یدل علی صحة اجماع المسلمین لامر اللّٰه تعالٰی ایانا باتباعھم (جصاص)

فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

آسمانوں میں ہو یا زمین کے اندر ہو اللہ اسے لے ہی آئے گا بے شک اللہ

لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ⑯ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ

بڑا باریک بیں ہے بڑا باخبر ہے ف۱۶ اے میرے بیٹے نماز کو قائم رکھ اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر

وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ

اور برے کام سے منع کیا کر اور جو کچھ پیش آئے اس پر صبر کیا کر بے شک یہ (صبر)

مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ⑰ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا

ہمت کے کاموں میں سے ہے ف۱۷ اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر اور

تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ

زمین پر اکڑ کر مت چل بے شک اللہ کسی

مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ⑱ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ

تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا ف۱۸ اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو

صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ⑲ اَلَمْ

پست رکھ بے شک سب سے بری آواز گدھے کی ہوتی ہے ف۱۹ کیا تم لوگوں کی

تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

اس پر نظر نہیں کہ اللہ نے تمہارے ہی کام میں لگا رکھا ہے اس (سب) کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ

اور اس نے تم پر اپنی حسی اور معنوی نعمتیں پوری کر رکھی ہیں ف۲۰ اور انسان ایسے بھی ہوتے ہیں

مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ

جو اللہ کے باب میں بغیر واقفیت بغیر دلیل اور بغیر کسی روشن کتاب کے بحث

ع ۲ / ۸ / ۱۱

ف۱۶ (چنانچہ کوئی عمل کیسا ہی دقیق ہو، اور کیسے ہی اسباب خفاء اس کے لیے جمع ہو جائیں، اس عالم الغیب والشہادۃ کے احاطہ علم وخبر سے بہرحال وہ باہر نہیں رہ سکتا) مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ۔ یعنی حَبَّةٍ میں بہ غایت صغیر ہو۔ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ۔ یعنی حجاب شدید کے اندر ہو۔ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ۔ یعنی غایت بُعد میں ہو ...... اَوْ فِي الْاَرْضِ۔ یعنی ظلمات در ظلمات میں ہو۔ انسان کی نظر سے خفاء شئے کے اسباب عموماً یہی ہوتے ہیں۔ اور مشرک قوموں نے اپنے پر قیاس کر کے اپنی دیوی دیوتاؤں کو انہیں حالات میں معذور اور اُن کے علم کو ناقص سمجھا ہے۔ قرآن مجید نے ان میں سے ہر ممکن سبب کی تردید کر کے بتا دیا کہ حق تعالیٰ کے علم کامل و محیط کو کسی معنٰی میں اور کسی پہلو سے بھی ناقص، ناتمام، داغدار سمجھنا انتہائی جہل ہے۔ ف۱۷ (ہمیشہ مقبولین کی ایک خصوصیت۔ بلکہ بعض موقعوں پر واجب بھی) ذٰلِكَ۔ یعنی یہی صبر۔ یا وہ تمام اُمور جو مذکور ہو چکے۔ اشارۃ الی الصبر او الی کل ما امر بہ (بیضاوی) اَقِمِ الصَّلٰوةَ۔ نماز کی پابندی کا حکم التزام شرائط کے ساتھ۔ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ۔ نیکی و نیک کرداری کا حکم۔ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ بدی و بدکرداری سے بچنے بچانے کا حکم۔ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ۔ تکوینی طور پر جو بھی ناموافق حالات پیش آئیں۔ دنیا میں جو جو رنج اور مصیبتیں پڑیں، یا مسلمان بننے اور بنے رہنے میں (اقامت صلوٰۃ میں۔ امر بالمعروف میں نہی عن المنکر میں) جو جو بھی دقتیں اُٹھانی پڑیں۔ ان سب کو صبر کی سپر پر روکنے کا حکم۔ ف۱۸ (یہاں تک کہ چال ڈھال میں متکبرین کا تشبہ بھی مبغوض ہے) ف۱۹ (سو انسان کو چاہیے کہ گدھوں کی طرح چیخنے چلّانے نہ لگ جائے) سارے پند و موعظت کا خلاصہ یہ نکلا کہ چال ڈھال، بول چال، رفتار و آواز، غرض ہر چیز میں انسان کو متکبرین کی روش سے بچنا چاہیے ــــ اخلاق و آداب کے جزئیات تک کی تعلیم ہماری شریعت دیتی ہے۔ ف۲۰ (اور وہ تکوینی نعمتیں، ہوا، آگ، روشنی، پانی، صحت، غذا، مکان، لباس وغیرہا، مومن و کافر ساری مخلوق بشری کے لیے عام ہیں) ظَاهِرَةً۔ وہ تکوینی نعمتیں جن کا ادراک حواس سے ہو سکے۔ بَاطِنَةً۔ وہ تکوینی نعمتیں جن کا ادراک عقل سے ہو سکے۔ سَخَّرَ ...... الْاَرْضِ۔ اس میں تعریض ہے مشرک اور جاہلی قوموں پر، کہ اللہ کی ساری مخلوق تو خود تمہاری خدمت کے لیے، یہ آسمان اور یہ زمین، یہ چاند، یہ سورج، سب ہی۔ پھر یہ تم پر کیا شامت سوار ہے کہ تم اُلٹے انہیں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔

مُّنِيْرٍ ﴿٢٠﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ

کیا کرتے ہیں و۲۱ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے اتاری ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں، ہم تو

مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ

اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے کیا یہ جب بھی، جب شیطان ان (بڑوں) کو عذاب دوزخ

اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿٢١﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ

کی طرف بلا رہا ہو؟ و۲۲ اور جو کوئی اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے

وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى

درآنحالیکہ وہ مخلص ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا اور سب کاموں کا اخیر

اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿٢٢﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ

اللہ ہی تک پہنچے گا و۲۳ اور جو کوئی کفر کرے سو آپ کو اس کا کفر غمگین نہ کرے

اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ

ان (سب) کو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے سو ہم انہیں جتلا دیں گے، جو کچھ وہ کیا کرتے تھے، بے شک اللہ کو دلوں کے اندر کی باتیں

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٢٣﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى

خوب معلوم ہیں و۲۴ ہم انہیں چند روزہ عیش دیے ہوئے ہیں، پھر ان کو سخت عذاب کی طرف

عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٢٤﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

کشاں کشاں پہنچا دیں گے۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا

وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا

کیا ہے تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے، آپ کہیے کہ الحمدللہ و۲۵ لیکن ان میں سے اکثر تو (اتنی بات بھی)

يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

نہیں جانتے و۲۶ اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور زمین میں بے شک اللہ ہی

و۲۱ یعنی اس جدال بے جا کی بنیاد نہ کسی علم صحیح پر ہے نہ کسی استدلال عقلی پر نہ کسی کتاب آسمانی پر، بلکہ محض اپنی کج فہمی پر۔ و۲۲ یعنی اس قدر ان کی طبیعت میں ضد وفساد ہے کہ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل بھی محض اپنے گمراہ باپ دادوں کی روش پر چلے جا رہے ہیں، اور وہ بھی جبکہ اس روش کے ناصواب ہونے پر انہیں صاف دلیل وبصیرت مل بھی چکی ہے۔ و۲۳ اکبر الٰہ آبادی نے بھی معرفت کے رنگ میں خوب کہا ہے۔ ع اخیر کیوں کا جواب تو ہے! وَهُوَ مُحْسِنٌ۔ یعنی وہ مومن خالص بھی ہو۔ فَقَدِ...... الْوُثْقٰى۔ یعنی جس نے توحید کی مضبوط رسی تھام لی۔ وہ اب ہر طرح محفوظ ہو گیا۔ اسے اب صدمۂ ہلاکت کا ڈر نہ رہا۔ و۲۴ (اس لیے آپ اتنا زیادہ فکر وتردد اپنے سر کیوں لیں)۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اصلاح وہدایت خلق کے باب میں بہت زیادہ اہتمام ومبالغہ نہ کیا جائے۔ و۲۵ (کہ دلیل کا ایک اہم مقدمہ تو تمہیں بھی تسلیم ہے) اَلسَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ سے مراد ساری کائنات اور اس کے اعظم ترین قویٰ ہیں۔ استدلال کی منطقی شکل حسب ذیل ہوگی:۔ یہ عالم ومافی العالم سارے کا سارا مخلوق ومصنوع اللہ کا ہے۔ کوئی مخلوق ومصنوع رب ومعبود نہیں ہو سکتا اس لیے عالم ومافی العالم کی کوئی بھی چیز رب ومعبود بننے کے قابل نہیں۔ و۲۶ (کہ جب سب کو مخلوق ومصنوع تسلیم کر لیا۔ تو پھر اُن کی الوہیت یا شرکت الوہیت کیا معنٰی) ہندوستان کے مشرکین میں بھی بکثرت ایسے ہیں جو ایک طرف ایک خالق اکبر، ایک رب اعظم کے قائل ہیں۔ لیکن ساتھ ہی بہتوں کو ارباب اصغر کی طرح اس کا شریک بھی مانتے جاتے ہیں۔ اور توحید کے مضمرات پر کبھی غور ہی نہیں کرتے۔

الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ

بے نیاز ہے ستودہ صفات ہے ف۲۷ اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر یہ سب قلم

اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ

بن جائیں ف۲۸ اور اس سمندر کے علاوہ سات سمندر اور ہو جائیں تو بھی اللہ کے کلمات (کی حکایت)

كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا

ختم نہ ہو بے شک اللہ بڑا زبردست ہے، حکمت والا ہے، ف۲۹ تم (سب) کا پیدا کرنا اور

بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾

دوبارہ اٹھانا بس ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا ف۳۰ بے شک اللہ بڑا سننے والا ہے، خوب دیکھنے والا ہے،

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ

کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ رات کو داخل کرتا رہتا ہے دن میں اور دن کو داخل کرتا رہتا ہے رات میں

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۫ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

اور سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے، ہر ایک، ایک میعاد مقرر تک چلتا رہے گا

وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ

اور کیا اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ تمہارے سب عملوں کی پوری خبر رکھتا ہے ف۳۱ یہ اس سبب سے کہ اللہ ہی (کی ہستی) حقیقی ہے

وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ

اور اس لئے کہ اس کے سوا جن لوگوں کو یہ پکارتے ہیں سب ہیچ ہیں، اور اس لئے کہ اللہ ہی

الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ ع اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ

بلند شان والا ہے بڑی شان والا ہے ف۳۲ کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی

بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ

سمندر میں چلتی ہے تاکہ تم کو (اللہ) اپنی نشانیاں دکھلائے بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر

ع ۳ ۱۱ ۱۲

ف۲۷ اَلْغَنِيُّ۔ بے نیاز ہے اپنی ذات کے لحاظ سے اور اَلْحَمِيْدُ جامع تمام خوبیوں کا اپنی صفات کے لحاظ سے۔ ف۲۸ (چنانچہ ایک ایک درخت سے ہزارہا ہزار قلم تیار ہونے لگیں) ف۲۹ وہ قدرت میں بھی کامل ہے اور علم وحکمت میں بھی۔ اس کی قدرت اور حکمت کی شانیں لاانتہاء ہیں۔ انسان اپنی سمجھ کے لائق بس یہ فرض کرلے، کہ روئے زمین کے جنگلوں میں، باغوں میں، کھیتوں میں، مکانوں میں، راہوں اور سڑکوں پر جو بے شمار درخت ہیں، یہ سب بھی اگر بے گنتی قلموں میں تبدیل ہوجائیں، اور دنیا کے سمندری پانی کا موجودہ ذخیرہ کئی گنا بڑھ کر روشنائی کے سمندر تیار ہوجائیں، تو وہ سارے قلموں کے جنگل اور یہ ساری روشنائی کے سمندر مل کر بھی اللہ کی قدرت وحکمت کو احاطہ میں لانے میں کافی نہیں ہوسکتے۔ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ قدرت اور علم یہ وہ دو صفتیں ہیں جو تمام صفات وافعال سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لیے عموم کے بعد انہیں خصوصا بھی بیان فرمادیا گیا۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) اَلْبَحْرُ۔ بحر سے مراد جنس بحر ہے۔ کوئی متعین سمندر مراد نہیں۔ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ۔ سبعة سے بھی مراد سات کا مخصوص ومتعین عدد نہیں، بلکہ محاورۂ عربی کے مطابق محض کثرت۔ لیس لانحصارها فی سبعة و انما الاشارة الی المدد والکثرة و لو بالف بحر (کبیر) المراد بالسبعة الکثرة (روح) ف۳۰ اس کے نزدیک جیسے ایک کا جلانا ایسے سب کا جلا اُٹھانا۔ ف۳۱ یعنی تصرفات تکوینی تمامتر اسی کے ہاتھ میں ہیں، اور علم بھی اس کا کامل، محیط وہمہ گیر ہے۔ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ یعنی یوم قیامت تک — یہاں گویا ضمناً یہ بھی بتلادیا ہے کہ دنیا کے موجودہ نظام تکوینی کی مدتِ عمر قیامت تک ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرے ہی نظام کا دور شروع ہوگا۔ يُوْلِجُ ...... الْقَمَرَ۔ سیاہ رات اور روشن دن، اور سورج اور چاند سب اسی قادر مطلق کی مخلوق ومصنوع ہیں اور اُن سب کے تصرفات اسی کے حکم ومشیت کے محکوم ہیں۔ پھر یہ کیسی حماقت وسفاہت ہے کہ انہیں کو دیوی، دیوتا قرار دے کر معبود فرض کرلیا جائے۔ ف۳۲ (اور وہی اکیلا معبودیت کا مستحق) ذٰلِكَ۔ یعنی یہی مذکورۂ بالا دلائل وواقعات۔ اشارة الی الذی ذکر من سعة العلم و شمول القدرة و عجائب الصنع و اختصاص الباری بها (بیضاوی) واجب الوجود صرف اسی کی ذات، وجود حقیقی صرف اسی کا، صفات علو وکبریائی سے صرف وہی متصف، معبودیت والوہیت کا صرف وہی مستحق۔

صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ

صابر شاکر کے لئے ف۳۳ اور جب انہیں موجیں سائبانوں کی طرح گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد کرکے اللہ ہی کو

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ

پکارنے لگتے ہیں پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو کچھ ان میں سے

مُّقْتَصِدٌ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

اعتدال پر رہتے ہیں، ف۳۴ اور ہماری آیتوں کے منکر تو بس وہی ہوتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہیں ف۳۵

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِىْ

اور اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن کا خوف رکھو جب نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے

وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ

کچھ بدلہ ہو سکے گا اور نہ بیٹا ہی اپنے باپ کی طرف سے کوئی بدلہ بن سکے گا ف۳۶

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَقفة وَ لَا

یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے سو دنیوی زندگی تمہیں کہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے اور نہ کہیں

يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ

وہ بڑا فریبیا تمہیں اللہ کے باب میں دھوکہ میں رکھے ف۳۷ بے شک اللہ ہی کو قیامت کی

السَّاعَةِ ۚ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَ يَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ ؕ

خبر ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے ف۳۸

وَ مَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِىْ

اور کوئی بھی نہیں جان سکتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا ف۳۹ اور نہ کوئی

نَفْسٌۢ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع

یہ جان سکتا ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا ف۴۰ بے شک اللہ ہی علم والا ہے خبر رکھنے والا ہے ف۴۱

ع ۴ ۱۳

ف۳۳ اتھاہ اور بے پناہ جوش مارتے ہوئے سمندر پر انسان جیسے مشت خاک کو قدرت دینا اسے اتنی عقل وفہم سے بہرہ ور کرنا کہ وہ لکڑی کے تختوں کو جوڑ جاڑ، اور ان میں کیلیں ٹھونک ٹھانک اور ہوا اور بھاپ اور بجلی کی قوتوں سے کام لے کر چھوٹی بڑی کشتیاں اور آبدوزیں اور اسٹیمر اور لائنیر اور ڈریڈ ناٹ وغیرہ تیار کرسکے۔ اور ان کے ذریعہ سے سینکڑوں نہیں، ہزاروں میل کے فاصلے شدید خطرات وموانع کے باوجود طے کرتا رہے، اور بحری تجارت وسیاحت سے عظیم الشان نفع حاصل کرتا رہے، یہ سب فضل الٰہی (نعمۃ اللہ) ہی کے حکم میں داخل اور اُس کی قدرت، رحمت، حکمت کی نشانیوں کے مشاہدہ ہی کے لیے ہیں۔ ذٰلِكَ۔ یعنی اس فضل خداوندی اور مشاہدۂ آیاتِ الٰہی میں۔ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ۔ مراد مومن ہی ہے کہ وہی صفاتِ صبر وشکر میں کامل ہوتا ہے۔ كناية عن المؤمن (روح) ان دو صفات کی تخصیص اس موقع پر اس لیے کہ بحری سفر وسیاحت میں خوب موقع ان دونوں صفات کے ظہور کا رہتا ہے۔ ف۳۴ (اور باقی پھر حق سے منحرف ہوجاتے ہیں) مُقْتَصِدٌ۔ راہ اقتصاد واعتدال، توحید کی راہ ہے۔ شرک کی راہ سرتاسر کجی وکجروی ہے۔ كَالظُّلَلِ۔ سمندر میں طوفان وطغیانی کے وقت پانی کی موجیں سطح آب سے گزوں اُونچی ہو ہو کر جب کشتیوں اور جہازوں پر تھپیڑے مارتی ہیں تو یہی معلوم ہونے لگتا ہے کہ جیسے بدلیاں چھا گئی ہیں — قرآن مجید اپنی تشبیہات کے ذریعہ سے گویا اصل منظر کو سامنے لا دکھاتا ہے۔

ف۳۵ (اور وہی کافر کہلاتے ہیں) خَتَّارٍ۔ بدعہدی کا ظہور یوں کہ توحید کا جو عہد وپیمان مضطر ومضطرب ہو کر کشتی میں کیا تھا، اسی کو اب توڑ دیا۔ كَفُوْرٍ۔ ناشکری کا صدور یوں کہ خشکی پر صحیح وسلامت آجانے کا جو مقتضا تھا، یعنی شکر، اسی کو چھوڑ دیا۔

ف۳۶ باطل مذہبوں میں جو اہمیت کفارہ اور معاوضہ کے عقیدوں کو حاصل ہے۔ آیت ان سب کی تردید کیے دے رہی ہے — وَالِدٌ اور مَوْلُوْدٌ کی تخصیص اس لیے کہ اوّل تو کوئی رشتہ اس سے قریب تر اور کیا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ بعض مذہبوں میں اولاد ہی کو "پانی دے کر" اپنے والد کا نجات دہندہ بتایا گیا ہے۔

ف۳۷ (کہ تم اسی دنیا کی چمک دمک پر فریفتہ ہو کر یاد آخرت سے غافل ہوجاؤ) اَلْغَرُوْرُ۔ غرور ہر وہ چیز ہے جو انسان کو غفلت اور دھوکہ میں ڈال دے، مال ہو، جاہ ہو، خواہش شہوانی ہو، یا خود شیطان ہو۔ الغرور كل ما يغر الانسان من مال وجاه و شهوة و شيطان (راغب) یہاں مراد شیطان ہے، جیسا کہ صحابہ وتابعین سے مروی ہے۔ قد فسّر با لشيطان اذهو اخبث الغاوين (راغب) اے الشيطان كما روى عن ابن عباس و عكرمة و قتادة و مجاهد والضحاك (روح) اس بڑے فریبیے کا دھوکہ حق تعالیٰ کے باب میں یہی ہے کہ عذاب وعقاب کی خبریں سب غلط ہیں، نہ کوئی عالم آخرت ہے اور نہ وہاں حساب کتاب اور پکڑ دھکڑ۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ اللہ کا وعدہ یہی کہ حساب کتاب برحق ہے اور ہر ایک کو اپنے اعمال وافعال کی جواب دہی کرنا ہے۔

ف۳۸ مثلاً یہی کہ جنین مردہ ہے یا زندہ، حمل، خصوصاً اپنے ابتدائی زمانہ میں لڑکی کا ہے یا لڑکے کا، بچہ صحیح وسالم پیدا ہوگا یا مریض وناقص۔ ولادت طبعی طور پر پورے دنوں پر ہوگی، یا غیر طبعی طور پر اس کے قبل یا بعد، اور ہوگی تو ٹھیک کس دن، کس وقت ہوگی، وقس علیٰ ہذا۔ رحمیات سے متعلق ان تفصیلات کا پورا اور تحقیقی علم صرف ذات باری کو رہتا ہے۔ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ۔ یعنی اس کا پورا اور یقینی علم کہ بارش کب ہوگی، کہاں ہوگی، کس مقدار میں ہوگی، کتنی مدت تک رہے گی وقس علیٰ ہذا — فضائیات کے بارہ میں انسانی علوم کے ماہرین قرائن اور ظن وتخمین سے کام لے کر جس حد تک اندازہ لگاتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نہ اس کا شمار علم غیب میں ہے، اور نہ اس کی نفی یہاں مقصود ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ آگے کے دو جملہ فعلیہ ہیں، اور یہ جملہ اسمیہ ہے۔ یہ فرق غالباً اس لیے کہ عِلْمُ السَّاعَةِ ایک امر متعین ہے۔ بخلاف اس کے وہ دونوں اُمور، دنیا میں برابر واقع ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ف۳۹ یہاں بھی وہی کل کے علم قطعی وتفصیلی کی نفی مراد ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ کوئی نہ کوئی پروگرام اجمالی صورت میں تو دوسرے دن کے لیے ہر انسان رکھتا ہی ہے — اور جب انسان کو اپنے ہی کل سے متعلق تفصیلی اور تحقیقی خبر نہیں ہوسکتی، تو ظاہر ہے کہ دوسروں کے مستقبل سے متعلق تو اتنی بھی نہیں ہوسکتی۔ ف۴۰ (اور جب "کہاں" کے متعلق کوئی تحقیقی خبر نہیں ہوسکتی تو "کب" کے متعلق تو اور بھی محال ہے) مکانِ موت تو بہرحال اس وقت بھی موجود ہے، اور عجب نہیں جو مرنے والے کے مشاہدہ میں بھی کبھی آچکا ہو تو زمانِ موت جو حواس ظاہری سے تمامتر مستور ومخفی ہے، اس کی بابت نفی علم تو اور زیادہ ہوگی۔ ف۴۱ آیت کا حاصل یہ ہوا کہ علم غیب، یعنی ہر شے کا علم بلاواسطہ، اور جملہ اشیاء کا علم محیط، صرف حق تعالیٰ کو حاصل ہے کوئی بھی اس وصف میں اس کا شریک نہیں۔ یہ پانچ مسئلے صرف بطور مثال اور نمونے کے بیان ہوئے ہیں، اور ان کی تخصیص کی کھلی ہوئی وجہ یہ ہے، جیسا کہ شان نزول کی روایتوں میں متعدد طریقوں سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سوال انہیں پانچ مسئلوں کی بابت پیش کیا گیا تھا:۔

آیاتہا ۳۰ ۔ ۳۲ سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ ۷۵ ۔ رکوعاتہا ۳

اس کی تیس آیتیں ۔ سورہ سجدہ مکہ میں نازل ہوئی ۔ اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾

الف۔لام۔میم یہ نازل کی ہوئی کتاب اس کے اندر کوئی اشتباہ نہیں، عالموں کے پروردگار کی طرف سے ہے و۱

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس (پیمبر) نے اسے گڑھ لیا ہے، و۲ نہیں بلکہ یہ حق ہے آپ کے پروردگار کی طرف سے

قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ

(اترا ہوا) تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں، جس کے پاس آپ سے قبل کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا، شاید کہ وہ لوگ

يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا

راہ پر آجائیں، و۳ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا

بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ

کر دیا چھ دنوں میں پھر وہ قائم ہوا تخت (شاہی) پر و۴ اس کے سوا کوئی

مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴﴾ يُدَبِّرُ

نہ تمہارا مددگار ہے اور نہ سفارشی سو کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ و۵ آسمان سے

الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ

زمین تک وہی ہر امر کی تدبیر کرتا ہے و۶ پھر (یہ امر) اس کے پاس پہنچ جائے گا و۷ ایک ایسے دن

كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ عٰلِمُ

میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کی ہوگی و۸ وہی جاننے والا ہے

و۱ آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اس کتاب کے کتابِ الٰہی ہونے میں اصلاً شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔لیکن لَا رَیْبَ فِیْهِ کا ایک ذرا باریک پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ ریب وارتیاب، شک واشتباہ، تردد و تذبذب کا اس کتاب کے اندر کہیں گزر نہیں۔اس کے مضامین تو سرتا سر مایہ تسکین وخزانہ سکون ہیں۔یقین واطمینان اسی کتاب کے اندر ملے گا۔ملاحظہ ہو۔شروع سورۃ البقرہ کا حاشیہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ پر۔نیز ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔و۲ یعنی کیا ان بدبخت منکرین کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ کتاب جو معنوی اور ادبی ہر حیثیت سے بے نظیر وعدیم المثال ہے ایک انسان کی جو اپنے کو پیمبر کہتے ہیں، گڑھی ہوئی ہے اور کسی انسانی دماغ کی پیداوار ہے؟ و۳ یعنی اُن کی ہدایت یابی کا ایک متوقع ذریعہ تو یہ قرآن ہے، اب آگے چاہے وہ اس پر ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ قَوْمًا ...... قَبْلِكَ۔قوم قریش اسمٰعیلی تھی۔اور حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کا پیمبران برحق ہونا ظاہر ہے پھر اس ارشاد سے کیا مراد ہے کہ اس قوم کے پاس اس سے قبل کوئی نذیر نہیں آیا تھا؟— مراد یہ ہے کہ دین ابراہیمی واسمٰعیلی کے چھوڑنے کے بعد جب سے یہ قوم، عرب میں آباد ہوکر کفر و شرک میں مبتلا ہوگئی تھی اس وقت سے کوئی پیمبر اُن میں نہیں آیا تھا۔امام المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ای بعد الضلال الذی کان بعد الهداية لم یاتهم نذیر (کبیر) اور بعض ائمہ نے یہ قید لگادی ہے کہ بعثت عیسوی وبعثت محمدی کے درمیانی زمانہ فترت میں کوئی نبی عربوں کے درمیان نہیں آیا۔وقال ابن عباس و مقاتل ذاک فی الفترة التی کانت بین عیسٰی و بین محمد صلی اللہ علیہ وسلم (معالم) قیل المراد بالقوم اهل الفترة بین عیسٰی و محمد علیهما السلام (قرطبی) و۴ یعنی اپنے تصرفات نازل کرنے لگا، اپنے احکام نافذ کرنے لگا۔ خَلَقَ ...... الْعَرْشِ۔ چھ دن کی مدت خلقت آسمان وزمین پر، نیز استواء علی العرش پر حاشیے (پ۸) سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔و۵ (کہ ایسی ذات کا شریک کوئی بھی نہیں ہوسکتا) مراد یہ ہے اللہ کے سوا کوئی بھی مستقلاً نہ مددگار ہے نہ شافع، جیسا کہ تمام مشرکانہ مذہبوں نے سمجھ رکھا تھا۔اسلام سے قبل تقریباً تمام مذاہب نے اللہ کے علاوہ مستقلاً کچھ حمایتی اور کچھ شفیع ٹھہرا لیے تھے۔اور جزا وسزا کا تعلق خدائے تعالیٰ سے، بس محض برائے نام ہی رکھا تھا۔اسلام نے آکر اس کی تردید کی۔اور بار بار بتلایا کہ حکم نافذ کرنے والا، فیصلہ صادر کرنے والا دنیا کی طرح آخرت میں بھی صرف اللہ ہی ہے۔البتہ اِلَّا بِاِذْنِهٖ کی قید لگا کر دوسری جگہ یہ بتادیا ہے کہ وہ خود ہی جس طرح دنیا میں سلسلۂ اسباب ووسائط پھیلائے ہوئے ہے، آخرت میں بھی، اپنے ایماء سے ملائکہ کو، انبیاء کو اولیاء کو، صالحین کو، اطفال معصوم کو سفارش کے لیے اٹھا کھڑا کرے گا۔اور فساق مومنین کی مغفرت کا ذریعہ انہیں بنادے گا۔ مِنْ دُوْنِهٖ۔کی قید بہت قابل لحاظ ہے۔اللہ کے مقابل کی حیثیت سے قطعاً کوئی بھی شفیع و ناصر نہیں۔و۶ چھوٹی بڑی ہر چیز کی تربیت، تدبیر، انتظام سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔یہ نہیں کہ اس نے ایک بار پیدا کرکے کارخانہ کائنات کو یوں ہی معلق چھوڑ دیا ہے، بلکہ ہر آن اُس کا دخل وتصرف بھی جاری رہتا ہے یُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔تدبیر کے ایک معنی انجام کار کے سوچنے کے ہیں۔ظاہر ہے کہ وہ یہاں مراد نہیں ہوسکتے۔یہاں مراد کارسازی، انتظام ونفاذ احکام ہی ہوسکتے ہیں۔قال ابن عباس ینزل القضاء القدر (قرطبی) ای یحکم الامر و ینزل القضاء والقدر (معالم) مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ۔یعنی سارے نظام کائنات کی۔و۷ یہ پہنچ جانے والی چیز وہی اَمر ہوگا جس کا ذکر ابھی یدبر الامر میں آچکا ہے۔وقیل ای یرجع ذلک الامر والتدبیر الیه بعد انقضاء الدنیا (قرطبی) و۸ (اور وہ دن قیامت کا ہوگا، جب چھوٹا بڑا ہر عمل اللہ کے روبرو پیش ہوگا) والمراد یوم مقدارہٗ کذا یوم القیامة (روح) اسی دن کا طول بعض کو اشتداد کی بناء پر ہزار نہیں پچاس ہزار سال کا معلوم ہوگا۔ملاحظہ ہو سورۃ المعارج (پ۲۹) کی آیت فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ۔

و۹ یعنی جس کو جس مصلحت کے لیے پیدا کیا، ٹھیک اسی کے مناسب حال اس کی ساخت وفطرت رکھی۔ما من شیء خلقهٗ الاوهو مرتب علی ما تقتضیه الحکمة (بحر) یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ ہر مخلوق کو اس کی ضرورت کی چیزیں الہام فطری سے واضح کردی گئیں۔قال الفراء لهم کل شیء خلقهٗ فی ما یحتاجون الیه (بحر) ذٰلِکَ۔ذلک یہاں انا کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔و ذلک بمعنی انا (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر ہر مخلوق اپنی اپنی جگہ پر خوب اور حسن ہی ہے۔یہاں تک کہ صفات کبر وبخل بھی اپنے محل استعمال میں خوب ہیں۔

اے بسا امساک کز انفاق بہ ۔ مال حق را جز بامر حق مدہ! ۔ ضرر صرف سوء استعمال سے پیدا ہوجاتا ہے۔ و۱۰ یعنی نطفہ سے جو عرف عام میں ایک گندی چیز سمجھی جاتی ہے۔مِنْ مَّآءٍ میں مِن بیانیہ ہے۔ و۱۱ یعنی اس کے اعضاء وقُویٰ ماں کے رحم میں درست کیے۔ای عدلهٗ تکمیل اعضائه فی الرحم (روح) و۱۲ رُّوۡحِهٖ۔میں اضافت تشریفی ہے، اظہار تعظیم کے لیے، جیسے بیت اللہ میں گھر کی اضافت اللہ کی طرف۔یہ مراد نہیں، کہ نعوذ باللہ، اللہ کی بھی کوئی روح ہے، اور اس کا کوئی جزو انسان کے اندر پھونک دیا گیا۔مراد صرف یہ ہے کہ وہ روح جسے اللہ نے معزز ومکرم بنایا ہے، اپنی خلافت سے۔و اضافة الروح الی نفسه کا ضافة البیت الیه لتشریف (کبیر) بعض نے اضافت تملیکی قرار دی ہے۔یعنی وہ روح جو اللہ کی مملوک ہے۔ای الروح التی هی ملکهٗ (کبیر)

الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦﴾ الَّذِيٓ اَحْسَنَ

ہر پوشیدہ اور ظاہر کا زبردست ہے رحیم ہے وہی جس نے جو چیز بنائی

كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ﴿٧﴾ ثُمَّ

خوب ہی بنائی و۹ اور انسان کی پیدائش گارے سے شروع کی پھر

جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿٨﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ

چلائی اس کی نسل نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے و۱۰ پھر اسے درست کیا و۱۱

وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ

اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی و۱۲ اور تم کو کان اور آنکھ اور

وَ الْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٩﴾ وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا

دل دیئے تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو و۱۳ اور کہتے ہیں کہ بھلا جب ہم زمین میں

فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ

نیست ونابود ہوگئے تو کیا کہیں پھر ہم نئے جنم میں آئیں گے؟ و۱۴ بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پروردگار سے

رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٠﴾ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ

ملنے ہی کے منکر ہیں و۱۵ آپ کہہ دیجیے تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر

وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿١١﴾ وَ لَوْ تَرٰٓى اِذِ

متعین کردیا گیا ہے، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے و۱۶ اور اگر آپ دیکھیں تو عجب حال دیکھیں کہ جب کہ

الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا

مجرم لوگ اپنے پروردگار کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے اے ہمارے پروردگار (بس اب) ہمارے آنکھ

وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿١٢﴾

کان ہو گئے و۱۷ تو تو ہم کو پھر بھیج دے ہم نیک کام کیا کریں گے ہم کو پورا یقین آ گیا و۱۸

و هی اضافة ملک الی ما لک و خلق الی خالق تعالٰی (بحر) و۱۳ یعنی ہر طرح کے حواس ظاہری وباطنی عطا کیے۔اس کا مقتضا یہ تھا کہ سب کو اسی محسن اعظم کے کام میں لگاتے، کان سے آیات تنزیلی کو شوق کے ساتھ سنتے، آنکھوں سے آیات تکوینی کو بنظر امعان دیکھتے۔دل سے دونوں پر غور کرتے۔لیکن منکرین کا یہ حال ہے کہ توحید تک سے انہیں انکار ہے! لَکُمْ میں ل تخصیص کا ہے۔یعنی جس کلیت اور وسعت وکمال کے ساتھ انسان میں حواس ظاہری کے ساتھ ادراک باطنی جمع کردیا گیا ہے وہ انسان کے حق میں ایک انعام عظیم ہے اور مستحق صد منت وشکر۔اَلسَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَۃَ۔سمع کے واحد اور ابصار و افئدہ کے بصیغہ جمع لانے میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے نکتہ یہ لکھا ہے کہ سماعت ایک آن میں مختلف ومتعدد جہات کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتی۔ہر حال میں حکم وحدت میں ہے۔بخلاف اس کے بصارت، اور ادراک قلب، وقت واحد میں متعدد امور پر حاوی ہوسکتا ہے۔اس لیے یہاں صیغہ جمع ہی لانا مناسب ہوا۔مَّا تَشۡکُرُوۡنَ۔میں ما زائدہ موکدہ ہے (جلالین) جَعَلَ لَکُمُ۔ابتک انسان کا ذکر صیغہ غائب میں چلا آرہا تھا۔جَعَلَ نَسۡلَہٗ۔سَوّٰىہُ۔نَفَخَ فِیۡہِ۔گویا انسان اب تک بے جان تھا۔لیکن اب نفخ روح سے اس میں جان پڑ گئی۔اور اب معا خطاب براہ راست ہونے لگا۔اور صیغہ بجائے غائب کے حاضر کا ہوگیا۔نَفَخَ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِہٖ۔سے نصرانیوں کی بھی تردید نکل آئی جو مسیح علیہ السلام کو روح اللہ ہونے کی بناء پر ابن اللہ اور جزء خدا مان رہے ہیں۔روح اللہ قرآن نے جس معنی میں حضرت مسیح کو کہا ہے اس طرح تو ہر انسان کو کہا ہے۔نَفَخَ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِہٖ۔نفخ روح سے مراد نفخ مجازی ہی لیا گیا ہے۔یعنی روح کو بدن سے متعلق کردیا گیا۔و نفخ الروح قیل مجاز عن جعلها متعلقة بالبدن (روح) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض متکلمین وفلاسفہ نے روح کو مجرد وغیر مادی قرار دیا ہے۔بخلاف اس کے ابن قیم شد ومد کے ساتھ روح کے مجرد نہیں بلکہ جسم لطیف ہونے کے قائل ہیں۔مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تسویہ کے معنی اجزاء کے متساوی کرنے کے ہیں۔جو خواص جسم میں سے ہے۔اس کے بعد ہی نفخ روح کے ذکر سے ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روح جسم نہیں، چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔لیکن جمہور نے جسم لطیف کہا ہے۔تو ان دونوں بیانات میں کوئی تناقض نہیں۔ہوسکتا ہے، کہ اس مجرد کا تعلق بدن کے ساتھ اسی جسم لطیف کے واسطہ سے ہو۔و۱۴ منکرین قیامت کا ذکر ہے کہ وہ استعجاب کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ بھلا ایسا بھی کہیں ممکن ہے کہ جب ہمارے جسم خاک میں رل مل جائیں۔خاک میں مل کر خود بھی خاک بن جائیں تو وہ جسم دوبارہ زندگی پائیں؟ عرب میں دین کے نام سے جو

ع ۱۱ / ۱۴

نظام عقائد رائج تھا، اس کا ایک اہم جزء معاد وآخرت سے انکار تھا۔یونان وروما میں بہت سے فلسفی مادہ پرست ہوچکے تھے، اور آج بھی مہذب دنیا پر عملاً یہی مذہب مادیین چھایا ہوا ہے۔جس کے نزدیک موت نام ہے معدومیت حیات کا اور بس۔ءَاِذَا۔انکار میں تاکید پیدا کرنے کے لیے ہے۔المراد تاکید الانکار (روح) و۱۵ مطلب یہ ہے کہ محض حیرت واستعجاب ہی نہیں، ان منکرین کو تو سرے سے انکار ہی عقیدۂ حشر سے ہے۔ و۱۶ سابقہ تم کو اللہ ہی سے آکر پڑے گا۔مَّلَکُ......بِکُمۡ۔فرشتہ موت کوئی فاعل مختار نہیں۔محض ایک درمیانی واسطہ ہے اور اللہ ہی کا مقرر کیا ہوا ہے۔اس میں ان مشرک، جاہلی قوموں کا رَدّ آگیا جن کے ہاں موت کا دیوتا ایک مستقل ومتصرف حاکم ہے۔اسی مضمون کی تائید میں ابن کثیر نے ایک طویل حدیث ابن ابی حاتم کے حوالہ سے نقل کی ہے۔اس میں ملک الموت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہیں۔واللہ یا محمد لوانی اردت ان اقبض روح بعوضة ما قدرت علی ذلک حتی یکون اللہ هو الاٰمِرُ بقبضها۔قسم ہے اللہ کی کہ اگر میں ایک مچھر کی جان بھی اپنے ارادہ سے لینا چاہوں تو نہیں لے سکتا جب تک اللہ ہی کے ہاں سے اس کا حکم نہ ہو۔ و۱۷ (اور پیمبروں کے قول کی پوری تصدیق ہوگئی) نَاکِسُوۡا......رَبِّہِمۡ۔یہ سرغایت انفعال سے جھکے ہوئے ہوں گے۔ و۱۸ یعنی اب ہم کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ ہوگیا۔اب ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیجیے تو ہم ضرور ہی ایمان لے آئیں گے۔

وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَ لٰكِنْ حَقَّ

اور اگر ہم کو (یہی) منظور ہوتا تو ہم ہر ایک کو اس کی (راہ) ہدایت دے ہی دیتے و۱۹ لیکن میری یہ بات

الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ

محقق ہو چکی ہے کہ میں دوزخ کو بھر کر رہوں گا جنات اور انسان

اَجْمَعِیْنَ ﴿١٣﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا

سب سے و۲۰ سو لو اب اس کا مزہ چکھو کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھولے رہے تھے، ہم نے

نَسِیْنٰكُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾

تمہیں بھلائے میں ڈال دیا و۲۱ اور اپنے کرتوتوں کے بدلے ابدی عذاب کا مزہ چکھو

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا

ہماری آیتوں پر ایمان تو بس وہی لوگ لاتے ہیں کہ جن کو جب وہ یاد دلائی جاتی ہیں، تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں

وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ هُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿١٥﴾ السجدة

اور اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کرنے لگتے ہیں، اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے،

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا

ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں، اپنے پروردگار کو وہ پکارتے رہتے ہیں خوف سے

وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿١٦﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ

اور امید سے اور جو کچھ ہم نے دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں و۲۲ سو کسی کو علم نہیں جو جو (سامان)

اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا

آنکھوں کی ٹھنڈک کا ان کے لئے (خزانۂ غیب میں) مخفی ہے یہ صلہ ہے ان کے

یَعْمَلُوْنَ ﴿١٧﴾ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا

(نیک) اعمال کا و۲۳ تو کیا جو کوئی مومن ہے وہ اس جیسا ہے جو نافرمان ہے؟ (نہیں)

السجدة ٩

وقف غفران

و۱۹ (اور یہ عالم عالم ابتلاء رکھا ہی نہ جاتا۔ ہر ایک ہدایت پر مضطر و مجبول ہی ہوتا) و۲۰ یعنی اگر ہم کو ہر ایک کو خواہ مخواہ راہ پر لے آنا ہی تکوینی حیثیت سے مطلوب ہوتا تو یہ درخواست منظور بھی ہو سکتی تھی۔ بلکہ اس کی نوبت ہی کیوں آتی۔ شروع ہی سے ہر شخص کو ہدایت اضطراراً مل ہی نہ جاتی؟ لیکن ہماری مشیت تکوینی کو تو ہدایت کو ارادہ و اختیار پر مرتب کرانا مقصود ہے۔ اس لیے مشاہدہ کے بعد اضطراراً ایمان لانے کا سوال ہی نہیں باقی رہتا۔ جو ارادۃً راہ کفر و ضلال اختیار کریں گے، انہیں نتائج بھی بھگتنے ہوں گے و۲۱ یعنی اپنی رحمت سے تمہیں محروم کر دیا۔۔ اللہ کا کسی کو بھلا دینا ہمیشہ اسی مجازی معنٰی میں ہوگا۔ و۲۲ اللہ کی رضا جوئی کے کاموں میں) دونوں آیتوں میں ایمان اور کمال ایمان دونوں کے صفات بیان کر دیے ہیں۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ۔ پہلوؤں کے خواب گاہوں سے علیحدہ رہنے کے معنی یہ ہیں۔ کہ راتوں کو اپنے بستر چھوڑ چھوڑ عبادتوں میں لگے رہتے ہیں۔ یَدْعُوْنَ...... طَمَعًا۔ یہ لوگ اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں۔ خوف عذاب کی راہ سے بھی اور امید و ثواب کی راہ سے بھی۔ و۲۳ حقیقۃً جنت کی نعمتوں کا پورا اندازہ انسان کو اپنے ان ناسوتی حواس کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے یہ جو حدیث قدسی مختلف طریقوں سے مروی ہوئی ہے کہ قال اللہ اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے وہ وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے، اور جو نہ کسی انسان کے دل میں گذری ہیں۔ وہ گویا ٹھیک اسی آیت کی تفسیر ہے۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ یہ کہہ کر کہ یہ انتہائی نعمتیں صلہ ہیں اعمال حسنہ کا۔ خاص ترغیب ان اعمالِ حسنہ کی دلائی ہے۔

يَسْتَوٗنَ ۝ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ

یکساں نہیں ہو سکتے ف۲۴ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کیے، سو ان کے لئے

جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًاۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

ہمیشہ کا ٹھکانا جنتیں ہیں جو ان کے (نیک) اعمال پر بطور مہمانی کے ہیں ف۲۵ اور جو لوگ

فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا

نافرمان رہے سو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جب بھی وہ لوگ اس سے باہر نکلنا

مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ

چاہیں گے اسی میں ڈھکیل دیے جائیں گے، اور ان سے کہا جائے گا دوزخ کا وہ عذاب چکھو جسے تم

كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى

جھٹلایا کرتے تھے اور ہم انہیں قریب کا عذاب بھی

دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ

علاوہ اس بڑے عذاب کے چکھا کر رہیں گے شاید کہ یہ لوگ باز آ جائیں ف۲۶ اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا

مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ

جسے اس کے پروردگار کی نشانیاں یاد دلا دی جائیں اور پھر وہ ان سے منہ پھیرے رہے ہم

الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

مجرموں سے بدلہ لے کر رہیں گے اور بالیقین ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی

فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗىِٕهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ

سو آپ اس (کتاب) کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجیے ف۲۷ اور ہم نے اس کتاب کو بنی اسرائیل کے لئے

اِسْرَاۗءِيْلَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا

ذریعہ ہدایت بنایا تھا، ف۲۸ اور ہم نے ان میں جب کہ انہوں نے صبر کیا پیشوا بنا دیے تھے جو ہمارے حکم

ف۲۴ مؤمن اور فاسق کے تقابل سے صاف ظاہر ہے کہ فاسق یہاں اصطلاحِ فقہی میں نہیں، بلکہ لغوی معنیٰ میں آیا ہے، اور مراد اس سے کافر مکذب ہے۔ هذا الكافر مكذب بوعد الله (ابن جریر) اے خارجا عن طاعة ربه مكذبا لرسل الله اليه (ابن کثیر) مُؤْمِنًا۔ فَاسِقًا دونوں سے مراد طبقۂ مومنین وطبقۂ کفار ہے نہ کہ کوئی فرد۔ انما ارید به جميع الفساق وجميع المؤمنين (ابن جریر) ف۲۵ حسن اعمال کی ترغیب وتشویق ابھی جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ سے ہو چکی ہے۔ اب نُزُلًا لاکر اہل جنت کا مزید اعزاز واکرام کیا گیا ہے۔ یعنی اشارہ اوپر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ تو حق تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔ اور انہیں نعمتیں جو بھی ملیں گی، اعزاز واکرام وقدر کے ساتھ ملیں گی۔ نہ کہ ناقدری وبے وقعتی کے ساتھ جیسے کہ سائل ومحتاج کو دی جاتی ہیں۔ ف۲۶ (اپنے کفر وشرک سے) لَعَلَّهُمْ متعلق ہے لَنُذِيْقَنَّهُمْ سے۔ گویا مقصود اس عذاب الادنیٰ سے ان کافروں کی اصلاح ہی ہے۔ عَذَابِ الْاَدْنٰى سے مراد اسی دنیا کا عذاب ہے۔ اے بلاء الدنيا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) قال الحسن وابو العاليه والضحاک وابی بن كعب وابراهيم النخعی العذاب الادنیٰ مصائب الدنيا واسقامها فيما يبتلی به العبيد حتی يتوبوا (قرطبی) مثلاً قحط، قتل، قید، شکست، وبا، وغیرہ۔ جو کفار مکہ کے حق میں تو بالکل پورا اترا۔ عَذَابِ الْاَدْنٰى کی تفسیر عذاب الاصغر یا ہلکے عذاب سے بھی کی گئی ہے۔ وقيل الاقل (روح) اور ظاہر ہے کہ دنیا کا عذاب ہر صورت میں عذاب آخرت سے ہلکا ہی ہے۔ ذکر یہاں دو مختلف عذابوں کا ہے۔ ایک عَذَابِ الْاَدْنٰى دوسرا عَذَابِ الْاَكْبَرِ۔ لیکن تقابل کے لئے ہم وزن الفاظ یا تو عذاب الاصغر وعذاب الاكبر ہونا تھے، اور یا پھر عذاب الادنیٰ وعذاب الاقصیٰ۔ پھر آخر قرآن مجید نے بجائے ان کے مقابلہ کے لئے ایک طرف صفت ادنیٰ (بمعنی قریب) اور دوسری طرف صفت اکبر کو کیوں رکھا؟ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سوال پیدا کر کے حسب معمول نکتہ سنجی سے جواب دیا کہ ذکر عذاب سے مقصود تخویف ہے۔ اور یہ اثر پیدا نہیں ہو سکتا ہے اگر دنیا کے عذاب کو "ہلکا عذاب" یا آخرت کے عذاب کو "دور کا عذاب" کہہ کر پیش کیا جائے کہ اس صورت میں ایک عذاب کا ہلکا پن اور دوسرے عذاب کی دوری گہرے اثر تخویف کے منافی ہیں۔ اسے لئے قرآن نے بکمال بلاغت دونوں عذابوں کے وہی خصوصیات چن لئے جو اثر تخویف کو بڑھانے والے ہیں۔ یعنی دنیوی عذاب گو نسبتاً ہلکا ہو لیکن قریب کتنا ہے، اسے بس آیا ہی سمجھو۔ اسی طرح عذاب آخرت گو بجائے آج کے "کل" آئے گا، لیکن اس سے کس قدر شدید! ایک میں قرب کا خیال رکھا دوسرے میں شدت کا...... اللہ امام رحمۃ اللہ علیہ کی تربت کو رحمت کے پھولوں سے بھر دے۔ دُوْنَ۔ دون کے معنیٰ قبل کے بھی کیے گئے ہیں۔ اے قبل العذاب الاكبر (ابن جریر) يعنی قبل عذاب الأخرة (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض صوفیہ کے نزدیک عذاب ادنیٰ سے مراد حرص دنیوی ہے، اور عذاب اکبر سے اس حرص کی سزا۔ ف۲۷ (بلکہ ان کی نظیر سے، اور انہیں راہ تبلیغ واشاعت دین میں جو جو مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ ان سے صبر کا سبق حاصل کیجیے) لِقَاۗىِٕهٖ۔ ضمیر "ہٖ" اَلْكِتٰبَ کی طرف ہے۔ اے من لقائک الكتاب (بیضاوی) اے لقائک ذلک الجنس (روح) اَلْكِتٰبَ سے مراد جنس کتاب ہے۔ اے جنس الكتاب (روح) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ آپ میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بہت وجوہ مشابہت جمع تھے۔ ف۲۸ (اسی طرح آپ کی کتاب سے ابتداءً اور اصلاً قوم عرب کی اصلاح ہوگی، اور پھر بتدریج سارے عالم کی)۔

لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

سے ہدایت کیا کرتے تھے اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے و۲۹ بے شک آپ کا پروردگار

يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾

ان (سب) کے درمیان فیصلہ قیامت کے دن ان امور میں کردے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہتے تھے و۳۰

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ

کیا یہ ان کی ہدایت کے لئے کافی نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کرچکے ہیں جن کے رہنے کے

يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا

مقامات میں یہ لوگ آتے جاتے ہیں اس کے اندر (صاف) نشانیاں ہیں تو کیا یہ لوگ

يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ

سنتے نہیں؟ و۳۱ کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم خشک افتادہ زمین کی طرف پانی پہنچاتے

الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ

رہتے ہیں پھر اس کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کردیتے ہیں جس سے ان کے مواشی کھاتے ہیں

وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا

اور وہ خود بھی تو کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں؟ و۳۲ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ (آخر) یہ فیصلہ

الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا

کب ہوگا اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو و۳۳ آپ کہہ دیجیے (اس) فیصلہ کے دن

يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾

کافروں کو ان کا ایمان لانا (ذرا بھی) نفع نہ دے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی و۳۴

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

سو آپ ان کی باتوں کا خیال نہ کیجیے اور آپ انتظار کیجیے، یہ بھی منتظر ہیں و۳۵

و۲۹ (اور اسی لئے ان کی اشاعت اور خلق کی ہدایت میں مشقت گوارا کرتے تھے) اس میں مومنین کی تسلی ہے کہ تم لوگ صبر کرو اور جب تم صاحب یقین ہو اور یقین کا مقتضی صبر کرنا ہے تو تم کو صبر ضرور ہے۔ اس وقت ہم تم کو بھی ائمہ دین بنا دیں گے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں شیخ کامل کی علامتیں ہیں، اور جو بغیر ان علامتوں کے مرشد ہونے کا مدعی ہو وہ ضال و مضل ہے۔ و۳۰ قیامت کے روز کے فیصلہ سے مراد عملی فیصلہ ہے ورنہ دلائل وشواہد کے لحاظ سے تو فیصلہ جیسا کہ پہلے ہی کئی بار گزر چکا ہے۔ اس وقت بھی موجود ہے۔ وہ عملی فیصلہ بھی ہوگا کہ مومن جنت میں بھیج دیئے جائیں گے اور کافر دوزخ میں۔ و۳۱ (ان مبغوض وہلاک شدہ قوموں کے قصبوں کو جو معروف ومشہور ہیں، اور تاریخوں میں مذکور) يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ۔ یعنی یہ عرب اپنے سفر شام ویمن کے سلسلہ میں، ان مغضوب قوموں، عاد وثمود وغیرہ کے عبرت زار کھنڈروں سے گزرتے ہیں۔ اور پھر بھی عبرت نہیں حاصل کرتے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ۔ یعنی جس طرح یا اپنے زمانہ کی بڑی ''ترقی یافتہ ومہذب'' قومیں قہر خدا سے نیست ونابود ہوگئی ہیں وہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ وہ قومیں گمراہ اور مغضوب تھیں۔ فِيْ ذٰلِكَ۔ یعنی ان گمراہ قوموں کی ہلاکت میں۔ اے فی ذهاب اولئك القوم ودمارهم وماحل بهم بسبب تكذيبهم الرسل (معالم) و۳۲ (ہماری ربوبیت، خالقیت، مالکیت اور احیاء اموات کی ان ہر روز پیش آنے والی مثالوں کو) قرآن مجید آثار تاریخی، جغرافی اور روز مرہ کے تصرفات تکوینی سب سے سبق وہی توحید ہی کا دینا چاہتا ہے۔ و۳۳ منکر قیامت مشرکین، قیامت کی خبریں سن سن کر مسلمانوں سے بطور انکار، استہزاء واستبعاد پوچھتے تھے کہ آخر وہ دن کبھی آ بھی چکے گا؟ و۳۴ ایمان مقبول ونافع صرف وہی ہے جو اس دنیا میں عالم ناسوت میں لایا جائے کہ یہ خود اختیاری ہے۔ ورنہ قیامت کے دن کشف حقائق کے وقت تو ایمان لانے پر بڑے سے بڑا کافر معاند بھی مجبور ومضطر ہوجائے گا۔ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ۔ یعنی نہ انہیں اس کی مہلت دی جائے گی کہ دنیا میں بھیج کر ان کا ایمان قبول کیا جائے۔ لا يمهلون بالاعادة الى الدنيا ليؤمنوا (کبیر) و۳۵ اعراض۔ کا حکم رسول اللہ کے تسلیہ کے لئے ہے۔ منکروں اور کافروں کی دل آزار باتوں کا خیال کرتے رہنے سے خواہ مخواہ غم ہی بڑھتا تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو لوگ عارفین اور سالکین کے کمالات کے منکر ہوں، اور ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہوں، جب انہیں فہمائش نافع نہ ہو تو ان سے اعراض مناسب ہے، اور انتظار کرے کہ ان پر وبال نازل ہونے والا ہے:۔

وا (جیسا کہ اب تک ڈرتے رہے ہیں) اور جو اللہ سے ڈرے گا، وہ مخلوق کے ڈراوے دھمکیوں سے یقیناً بے نیاز و غیر متاثر رہے گا۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ۔ محققین نے کہا ہے کہ بجائے اسم علم کے اسی اسم وصفی سے مخاطب کرنا رسول کی عظمت و اکرام کے اظہار کے لئے ہے۔ ناداه جل وعلا بوصفه دون اسمه تعظيمًا له وتفخيمًا (روح) جعل نداءهٗ بالنبی والرسول كرامةً له وتشريفًا (کشاف) انما لم يقل يا محمد تشريفًا له وتنويها بفضله (مدارک) و۲ (جیسا کہ اب تک بھی نہیں مانا ہے) کافر تو دین کے خلاف مشورے کھلم کھلا دیتے ہی رہتے تھے اور منافقین در پردہ انہیں کے ہم رائے ہو جاتے تھے...... اصطلاح قرآن میں الْكٰفِرِيْنَ کھلے ہوئے کافروں کے لئے آتا ہے۔ اور الْمُنٰفِقِيْنَ چھپے ہوئے کافروں کے لئے۔ عقائد کفر کے لحاظ سے دونوں یکساں و ہم سطح۔ و۳ اور اس لئے اس کا ہر حکم حکمتوں اور مصلحتوں ہی پر شامل ہوتا ہے۔ کسی انسان کا یہ مشورہ دینا کہ فلاں حکم الٰہی خلاف مصلحت ہے، خود اپنے جہل و سفاہت کا ثبوت دینا ہے۔ و۴ (اس لئے پیمبر کی مخالفت و مزاحمت میں جو لوگ لگے ہوئے ہیں، خبردار رہیں کہ سب اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے) وَاتَّبِعْ ...... مِنْ رَّبِّكَ۔ یعنی نہ خود رائی سے کام لیجئے، نہ کسی اور کے مشوروں پر کان دھریئے۔ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ سارے مخاطبین مراد ہیں۔ اور یا جمع تعظیمی ہے۔ قيل الخطاب للرسولؐ والجمع للتعظيم (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کامل کسی حال میں بھی ایسے مقام پر نہیں پہنچ سکتا کہ تکلیفات شرعیہ اس سے ساقط ہو جائیں۔ و۵ یہاں یہ بتا دیا کہ کافر ہو یا منافق کسی کی بھی پیمبر سے تدبیر مخالفت اللہ کے مقابلہ میں چل نہیں سکتی۔ و۶ عرف عام میں یہ جو کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں کے ایک نہیں، دو زبانیں ہیں۔ تو کہیں اس کا یہ مطلب تھوڑے ہی ہوتا ہے کہ واقعۃً اس کے منہ کے جوف کے اندر دو زبانیں ہیں۔ اسی طرح زبان کے اس مجاز استعارہ کے کہ فلاں کے دل ایک نہیں دو ہیں، یہ مطلب قرار دینا ہرگز صحیح نہیں کہ اس کے جوف صدر کے اندر قلب بھی دو ہیں...... تو اسی طرح کسی کو مجازاً بیٹا کہہ دینے یا سمجھ لینے سے یہ کیوں لازم آجائے کہ معاملات بھی اس کے ساتھ صلبی بیٹوں کی طرح برتے جانے لگیں۔ آیت میں کوئی مسئلہ تشریح الابدان (اناٹومی) کا نہیں بیان ہو رہا ہے صرف تمثیل کے پیرایہ میں یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ زبان میں جو مجاز مستعمل رہتے ہیں انہیں لفظی معنٰی میں واقعیت پر مبنی سمجھنے لگنا جہل و نادانی ہے۔۔۔ اس لئے اگر واقعی کبھی کسی انسان کے سینہ میں دو قلب نکل آئیں تو یہ کسی قرآنی بیان کے ذرا بھی معارض نہ ہوگا۔ قرآن اول تو کلیہ نہیں اکثریہ بیان کر رہا ہے۔ اور وہ بھی تشریح جسمانی سے ہٹ کر ایک بالکل دوسرے سیاق میں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے صوفیہ کے اس قول کی اصل نکل آئی کہ نفس ایک وقت میں دو طرف توجہ نہیں کرتا۔ یہ بھی فرمایا کہ اس سے اس شخص کا کذب ظاہر ہو گیا۔ جو تسبیح پھراتا جاتا ہے اور باتیں کرتا جاتا ہے۔ اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں عین گفتگو کے وقت بھی ذکر میں مشغول رہتا ہوں۔ بِاَفْوَاهِكُمْ۔ میں اشارہ ہے کہ تم صرف زبان سے یہ کہہ رہے ہو، ورنہ دل تمہارے بھی اس پر نہیں جمتے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کلام انسانی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ کلام جو دل سے نکلے۔ دوسرے وہ جنہیں انسان محض زبان سے بک دے ایسے خرافاتی اقوال کے موقع پر قرآن یہی لفظ لاتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ مسیحیوں کے قول مسیح کی ابن اللٰہیت سے متعلق ہے۔ قالت النصارى المسيح ابن الله ذٰلك قولهم بافواههم۔ يعنى انه لاحكم لهٗ وانما هو قول لا معنى له ولا حقيقة (جصاص) تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ۔ ظہار اسے کہتے ہیں کہ اپنی بیوی کی مثال اپنے ماں کے کسی عضو مستور سے دے دی جائے۔ مثلاً یہ کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسی میری ماں کی پشت۔ اَنْتِ عَلَیَّ كَظَهْرِ اُمِّیْ۔ بس ایسا فقرہ بول کر عرب میں مرد اپنی بیوی کو ہمیشہ کے لیے اپنے اوپر حرام کر لیتا تھا۔ و۷ (جو واقعہ کے مطابق نہیں بلکہ خلاف واقعہ ہے) وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ۔ ہر جاہلی قوم کی طرح عرب جاہلی بھی طرح طرح کی وہم پرستیوں میں مبتلا تھے۔ یہاں ان کی خانگی زندگی سے متعلق ۲ دو بیت رسموں کا ذکر ہے۔ ایک یہ کہ وہ منہ بولے لڑکے یا لے پالک (متبنّٰی) کو اپنے حقیقی یا صلبی فرزند کی طرح سمجھنے لگتے اور اس کی طلاق پائی ہوئی بیوی سے نکاح میں ان کے ہاں ایسی بدنامی ہوتی جیسے اپنی سگی بہو سے نکاح کرنے میں۔ تبنیت کی یہ اہمیت کیتھولک مسیحیوں اور ہندوؤں میں بھی مشترک ہے۔ اسلام نے اس رسم پر ضرب لگائی اور بتایا کہ متبنّٰی کی بیوی کو صلبی بیٹے کی بیوی پر قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اور نہ اس سے نکاح کرنا کسی طرح موجب طعن۔ وَمَا جَعَلَ ...... اُمَّهٰتِكُمْ۔ دوسرا رواج یہ تھا کہ بیوی کو اشارہ و کنایہ میں ماں کہہ دیتے اور اس بناء پر اسے اپنے نکاح سے خارج سمجھنے لگتے۔ اس کے حقوق زوجیت ذرا بھی ادا نہ کرتے۔ لیکن اس کے ساتھ اسے اپنے سے جدا اور آزاد بھی نہ کرتے کہ وہ جس سے چاہے دوسرا نکاح کرلے۔ قید میں اپنے پہلے شوہر کے بدستور رہتی۔ گویا ایک ہی وقت میں مطلقہ بھی اور معلقہ بھی۔ اسلام نے آکر اس ظالمانہ دستور کا بھی خاتمہ کیا۔ اور بتایا کہ کوئی بیوی اس قسم کے فقروں سے ماں نہیں بن جایا کرتی۔ كانوا يظهرون من نسائهم فيقولون انت على كظهر امى فاخبر الله تعالىٰ انما لا تصير بمنزلة امه فى التحريم (جصاص)

آیاتها ۷۳ | ۳۳ سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ ۹۰ | رکوعاتها ۹

اس کی تہتر آیتیں ہیں | سورۃ احزاب مدینہ میں نازل ہوئی | اور نو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ

اے نبی اللہ سے ڈرتے رہئے وا اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے و۲

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ

بے شک اللہ بڑا جاننے والا ہے بڑا حکمت والا ہے و۳ اور جو حکم آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے

مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ﴿۲﴾

وحی کیا جاتا ہے اسی کی پیروی کیجئے، اور اللہ، تم لوگ جو کچھ کرتے رہتے ہو، اس سے خوب باخبر ہے، و۴

وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ

اور آپ اللہ پر بھروسہ رکھیئے اور اللہ ہی کارسازی کے لئے کافی ہے، و۵ اللہ نے کسی مرد کے

لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِىْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ

سینہ میں دو دل نہیں بنائے ہیں و۶ اور تمہاری بیویوں کو جن سے تم

الّٰٓـئِْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ

اظہار کر لیتے ہو تمہاری مائیں نہیں بنا دیا ہے، اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو

اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ

تمہارا بیٹا بنا دیا یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے و۷ اور اللہ حق بات کہتا ہے

وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ ﴿۴﴾ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ

اور وہی (سیدھا) راستہ دکھاتا ہے انہیں ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو کہ یہی اللہ کے نزدیک

عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ

راستی کی بات ہے ف۸ اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو (آخر) وہ تمہارے دین کے تو بھائی ہی ہیں

وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ

اور تمہارے دوست ف۹ تمہارے اوپر اس کا کوئی گناہ نہیں جو تم سے بھول چوک ہو جائے

وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵

ہاں (گناہ تو اس پر ہے) جو تم دل سے ارادہ کر کے کہو، اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۱۰

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ

نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں ف۱۱ اور آپ کی بیویاں

اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ

ان کی مائیں ہیں ف۱۲ اور کتاب اللہ میں رشتہ دار ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں

فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ

بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے ف۱۳ مگر ہاں

تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ

تم اپنے دوستوں سے کچھ (سلوک) کرنا چاہو (تو وہ جائز ہے) ف۱۴ یہ بات نوشتہ (الٰہی) میں لکھی

مَسْطُوْرًا ۝۶ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ

جا چکی تھی ف۱۵ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے (تمام) پیمبروں سے عہد لیا ف۱۶

وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى

اور آپ سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ

ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝۷ ۙ لِّيَسْـَٔلَ

ابن مریم سے بھی اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا ف۱۷ تاکہ ان

ف۸ چنانچہ اس آیت کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ کے آزاد شدہ غلام جنہیں اب تک عرب اپنے مذاق ومحاورہ کے مطابق رسول اللہ کی انتہائی شفقت ورحمت دیکھ کر زید بن محمد ﷺ کہتے تھے، اب زید بن حارثہ کہے جانے لگے۔ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ۔ وہی سیدھا راستہ دکھاتا اور ہر جہل سے نکالتا ہے۔ ف۹ (تو انہیں پکارنے کے لئے یہ بھائی اور دوست کے رشتے کیا کچھ کم ہیں؟) اِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ۔ یعنی وہ تمہارے بھائی دینی اعتبار سے ہوں گے نسبی حیثیت سے نہیں کہ میراث وغیرہ جاری ہو سکے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی سے بھائی کا رشتہ لے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن باپ کا رشتہ لینے میں، تاوقتیکہ نسب ہی مقصود نہ ہو، مضائقہ ہے۔ فیه اباحة اطلاق اسم الاخوة وحظر اطلاق اسم الابوة من غير جهة النسب (جصاص) فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ۔ فقہاء نے باقتضاء النص یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جو چھوٹا بچہ پڑا ملے یا دارالاسلام میں اسیر ہو کر آجائے وہ مومن سمجھا جائے گا۔ ف۱۰ (اس لئے اگر ایسا قصداً کہہ ڈالنے کے بعد بھی استغفار کر لو، تو اللہ معاف کر دے گا) ممانعت کسی کو متبنّیٰ بنانے اور کہنے کی صرف ان اثرات مخصوص کے لحاظ سے ہے، جو جاہلیت میں مرتب ہوتے تھے۔ باقی اگر کسی کو محض مجازاً و شفقۃً بیٹا کہا جائے، یا جاہلیت کے آثار مخصوصہ کے ترتب کے بغیر کسی کو فرزندی میں لے لیا اور اسے جائداد بھی ساری کی ساری بطور ہبہ دیدی جائے تو اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ واما ما رسمهٗ اهل زماننا حيث يقيمون شخصًا مقامهم ويعطونهٗ مالًا ويجعلونهٗ وارثًا فليس ذٰلک بطريق الارث حقيقة بل بطريق الهبة وهو مشروع جدًا (احمدی) مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ۔ کے تحت میں فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ نامحرم سے گفتگو کرنے میں نیت فاسد رکھنا یا اس کے تصور سے لذت حاصل کرنا یہ سب داخل معصیت ہے۔ ف۱۱ کیا انتہاء ہے اس شفقت وتعلق کی جو ہمارے نبی کو اپنی تمام امت کے ساتھ ہے۔ انسان خود اپنا دشمن وبدخواہ تو ہو بھی سکتا ہے اور بعض اوقات جہل وغباوت کی بناء پر بھی ہو جاتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ سے تو جن پر خفی سے خفی مصالح ومنافع روشن ہیں کسی حال میں بھی بدخواہی کا امکان نہیں۔ فانه لا يامرهم ولا يرضى منهم الا بما فيه صلاحهم ونجاحهم بخلاف النفس فلذالک اطلق (بیضاوی) آیت سے ثابت ہے کہ آپ کی اطاعت مطلق اور تعظیم بدرجہ کمال واجب ہے اور اس کے اندر تمام احکام ومعاملات آ گئے۔ اے اولى لهم فى الحكم عليهم ولزومهم اتباعهٗ وطاعتهٗ (جصاص) فى نفوذ حكمه فيهم ووجوب طاعته عليهم (معالم) ف۱۲ (وجوب تعظیم کے لحاظ سے) "ازواج کا امہات ہونا باعتبار تعظیم کے ہے اور تعظیم کی ایک نوع تحریم بھی ہے۔ اس لئے تحریم بھی واقع ہوئی۔ قال تعالیٰ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا۔ اور بے حجابی کا تعظیم سے کوئی تعلق نہیں بلکہ احتجاب اقرب الی التعظیم ہے۔ اس لئے ان احکام یعنی جواز خلوت ونظر ومس وامثالہا میں امومیت ثابت نہیں۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) فيه وجهان احدهما انهن كالامهات لهم فى وجوب الاجلال والتعظيم والثانى تحريم نكاحهن وليس المراد انهن كالامهات فى كل شىء (جصاص) اے فى التحريم واستحقاق التعظيم لا فى ما عداه (احمدی) اے امهات المومنين فى تعظيم حقهن وتحريم نكاحهن على التابيد لا فى النظر اليهن والخلوة بهن (معالم) ف۱۳ (باعتبار ترکہ ومیراث کے) اُولُوا الْاَرْحَامِ۔ یعنی وہ رشتہ دار جن سے خون ملا ہو۔ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ یعنی شریعت الٰہی میں۔ فى ما فرض اللّٰه (بیضاوی) اے فى حكم اللّٰه (ابن کثیر) ف۱۴ یعنی اصل میراث میں تو حق متوفی کے عزیزوں ہی کا ہوتا ہے، اور عامہ مہاجرین ومومنین کو جو اس میں حقدار بنا دیا گیا تھا وہ انتظام عارضی تھا۔ ہاں ان کے ساتھ کوئی حسن سلوک کرنا چاہے تو وصیت جو مقدار ترکہ کے ایک ثلث پر جاری ہو سکتی ہے۔ اس میں گنجائش اب بھی باقی ہے۔ ف۱۵ (کہ شریعت اسلامی میں قانون میراث، عزیزوں ہی سے متعلق ہوگا) فِي الْكِتٰبِ۔ کتاب سے مراد لوح محفوظ لی گئی ہے۔ اے فى اللوح (بیضاوی) ف۱۶ (احکام کے اتباع وتبلیغ کا) میثاق انبیاء پر حاشیہ سورۂ آل عمران (پ۳) میں گزر چکا۔ ف۱۷ ان انبیاء کے ناموں کی تخصیص کی وجہ عجب نہیں کہ یہ ہو کہ یہ صاحب شریعت انبیاء تھے، یا جو بھی وجہ ہو۔ لفظ میثاق کے ساتھ غلیظ کے اضافہ سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ عہد وپیمان کو حلف یا دوسرے قیود کے ساتھ مؤکد کرنا اولیٰ ہے۔

الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا

سچوں سے ان کے سچ کی بابت سوال کرے و۱۸ اور کافروں کے لئے (اللہ نے) عذاب دردناک تیار

اَلِيْمًا ۧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

کر رکھا ہے و۱۹ اے ایمان والو اللہ کا انعام اپنے اوپر

عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا

یاد کرو جب تم پر (کئی کئی) لشکر چڑھ آئے و۲۰ پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی

وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۞

اور ایسی فوج جو تم کو دکھائی نہیں دیتی و۲۱ اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا تھا و۲۲

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ

جب کہ وہ لوگ تم پر آ پڑے تھے تمہارے اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی و۲۳ اور جب کہ

زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ

آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے و۲۴ اور تم لوگ اللہ کے ساتھ

بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۞ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا

طرح طرح کے گمان کر رہے تھے و۲۵ اس موقع پر مسلمانوں کا (پورا) امتحان لیا گیا اور وہ سخت

زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۞ وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ

زلزلہ میں ڈالے گئے اور جب کہ منافقوں اور ان لوگوں نے جن کے

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۞

دلوں میں مرض ہے یوں کہنا شروع کیا تھا کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے تو محض دھوکے ہی کا وعدہ کر رکھا ہے،

وَ اِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ

و۲۶ اور یہ (اس وقت ہوا) جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا و۲۷ اے یثرب کے لوگو تمہارے ٹھہرنے کا

ع ۸ ۱۷

و۱۸ (قیامت کے دن) الصّٰدِقِيْنَ۔ سچوں سے یعنی پیمبروں سے۔ لفظ الصّٰدِقِيْنَ لا کر یہ خود بتا دیا کہ انبیاء نے اپنا عہد پورا کیا، اور اقرار میں سچے تھے۔ لِيَسْئَلَ۔ میں ل۔ کَیْ کے مرادف ہے۔ لکیے یسال الصادقین (معالم) صِدْقِهِمْ۔ یعنی تبلیغ رسالت کے باب میں۔ اے من تبلیغھم الرسالۃ (معالم) و۱۹ (قیامت کے دن) الکافرین۔ میں وہ سب لوگ آگئے، جو صاحب وحی کے اتباع کے منکر ہیں۔ و۲۰ (یعنی قریش مکہ کا لشکر، قبیلہ غطفان کا لشکر اور یہود کا لشکر) شوال ۵ ہجری کا واقعہ ہے کہ اسلام کے مخالفین نے ایکا کر کے مدینہ پر دھاوا بول دیا، اور شہر کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ تاریخ میں اس جنگ کا نام جنگ احزاب ہے۔ چار ہزار کی تعداد میں تو قریش ہی کا لشکر تھا۔ جس میں تین سو سوار اور ڈیڑھ ہزار شتر سوار تھے۔ مجموعی تعداد ان لشکروں کی کم از کم سات ہزار کی تھی۔ بعض تخمینے دس اور بارہ ہزار بلکہ بعض پندرہ ہزار کے بھی تھے۔ افسر اعلیٰ ابوسفیان قریشی تھا۔ عرب نے اتنی بڑی فوج کشی کی مثال اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ مسلمانوں کی جمعیت کل ۳ ہزار کی تھی۔ حضرت سلمان فارسی ؓ صحابی کے مشورہ پر لشکر اسلام کے سالار اعظم ﷺ نے خود گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کا دورہ کرنے کے بعد حکم دیا کہ شہر کے گرد جس جس رخ سے دشمن کا داخلہ ممکن ہے خندق کھود دی جائے۔ چنانچہ شہر کے شمالی اور کسی قدر غربی رخ پر بھی ایک خندق تقریباً ساڑھے تین میل لمبی کھودی گئی۔ اور یہ کام ۳ ہزار رضا کاروں کی دس دس کی ٹولیوں پر تقسیم کر دیا گیا۔ غرض اس غزوہ کو غزوۂ خندق بھی اسی بناء پر کہتے ہیں...... عرب کے لئے یہ ایک نئی حکمت جنگ تھی، اور قریش اس پر دنگ رہ گئے۔ محاصرہ طول کھینچتا گیا۔ یہاں تک کہ شوال ختم ہونے پر آ گیا، اور ذی قعدہ شروع ہونے لگا جسے قبائل عرب صلح و امن کا مہینہ مانتے تھے۔ اور اس درمیان میں خود سپہ سالار اسلام ﷺ ہی کے حسن تدبیر سے دشمن اور حلیفوں کے آپس میں بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پھیل گئیں۔ سردار ابوسفیان بددل ہو ہی چلا تھا کہ حکم قضا سے ایک روز ایک طوفان آندھی اور بارش کا، زور شور کا آیا۔ اور اس کی پوری زد لشکر کفار پر پڑی، خیمے اکھڑ گئے، برتن لڑھک گئے، روشنیاں بجھ گئیں۔ غرض ابتری ہر طرح پھیل گئی۔ قریش کا لیڈر اس غیبی گولہ کی تاب اور بھی نہ لا سکا۔ میدان جنگ چھوڑ چل دیا۔ اور پھر اور سارے لیڈر بھی ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ و۲۱ مراد فرشتوں کی فوج ہے۔ وھم الملائکۃ (ابن کثیر۔ معالم) بعض صحابہ (مثلاً حضرت حذیفہ ؓ) کا جو فرشتوں کو دیکھنا مروی ہوا ہے۔ یہ لَمْ تَرَوْهَا کے منافی نہیں۔ لَمْ تَرَوْهَا سے مراد صرف اس قدر ہے کہ فرشتے عام طور پر غیر مرئی تھے۔ بطور کرامت وخرق عادت کسی خاص صحابی پر ان کا مکشوف ہو جانا اس عام قاعدہ عدم مرئیت کے معارض نہیں۔ و۲۲ (خصوصاً تمہاری ہمت وثبات واستقلال، مستعدی، کار گزاری کو) و۲۳ یعنی کچھ فوجیں آ کر وادی مدینہ کے نشیبی حصہ میں خیمہ انداز ہو گئی تھیں۔ اور کچھ بالائی حصہ میں۔ مدینہ کی شرقی سمت اونچی ہے، اور غربی سمت نیچی، قبیلہ بنی اسد، قبیلہ غطفان کا لشکر سمت مشرق سے آیا تھا، اور قریش و بنی کنانہ کی فوجیں سمت مغرب سے۔ و۲۴ (مارے دہشت وہیبت کے) محاصرۂ جنگ کی شدت کا بیان ہو رہا ہے۔ آنکھیں پھٹی رہ جانا، اور کلیجہ منہ کو آنے لگنا، انتہائی خوف ودہشت کی علامتیں ہیں۔ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ۔ کے لفظی معنیٰ مراد نہیں۔ مقصود عربی محاورہ کے مطابق شدت خوف کو بیان کرنا ہے۔ یجوزان یکون ذلک مثلا فی اضطراب القلوب ووجیبھا وان لم تبلغ الحناجر حقیقۃً (کشاف) و۲۵ اور موقع شدت پر وسوسوں کا طبعی طور پر پیدا ہونا ایمان کیا معنیٰ کمال ایمان کے بھی منافی نہیں۔ و۲۶ اہل ایمان کی پختگی واستقامت کی یہ پوری اور سخت آزمائش تھی۔ شدید سردی کا موسم تھا، غلہ کی گرانی انتہائی تھی۔ صحابہ بلکہ خود رسول اللہ ﷺ تک بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔ اس پر بھی ہمت واستقلال کا یہ عالم تھا کہ سنگلاخ زمین کی کھدائی بغیر کسی "سفرمینا" کی پلٹن کے، بغیر (Sappers and Miner) کے کی دستے کے، اپنے ہاتھ سے جاری تھی۔ ظاہری مغلوبیت وبیچارگی کا یہ عالم تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک میں پھاوڑا لے کر ایک پتھر پر جو ضرب لگائی تو آگ کے شرارے پیدا ہوئے اور ایسا تین بار ہر ہر ضرب پر ہوا۔ اس روشنی میں آپ کی نگاہ کشفی کو ایران اور شام اور یمن کے محل دکھائے گئے۔ اور آپ نے اپنے رفیقوں کو بشارت دی کہ یہ سب ملک میری امت کو دے دیئے گئے ہیں۔ کچے اور کمزور ایمان والے تو دودلے ہو ہی رہے تھے۔ منافقین نے طنز واستہزاء سے کہنا شروع کیا کہ "یہ لیجئے حالت تو یہ ہو رہی ہے، اور خواب دیکھ رہے ہیں ایران اور روم کے شاہی محلوں کے۔" هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الخ۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ بلاؤں کا پیش آنا، اور انہیں میں قبض وغیرہ مکروہات باطنی بھی داخل ہیں، کبھی امتحان صدق کے لئے بھی ہوتا ہے۔ پس سالک کو چاہئے کہ ان حالات میں صبر سے کام لے اور طاعت پر جما رہے۔ و۲۷ یعنی جب انہیں منافقین میں سے بعض لوگوں نے دوسروں کو مخاطب کر کے جنگ کے مورچوں پر کہا۔ مِنْهُمْ۔ ضمیر انہیں لوگوں کی طرف ہے جن کا ذکر ابھی ابھی آ چکا ہے۔ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔

فَارْجِعُوا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ

موقع نہیں، سو (اپنے گھروں کو) واپس جاؤ و۲۸ اور بعض لوگ ان میں سے نبی سے اجازت مانگتے تھے، کہتے تھے

مٰع

بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا

کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ ذرا بھی غیر محفوظ نہیں ہیں، یہ محض بھاگنا ہی

فِرَارًا ﴿١٣﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا

چاہتے ہیں و۲۹ اور اگر ان (لوگوں) پر (مدینہ کے) اطراف سے کوئی (لشکر کافروں کا) آگھسے، پھر ان سے فساد کی

الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ كَانُوا

درخواست کی جائے و۳۰ تو یہ اسے منظور کرلیں اور (ان گھروں میں) بس برائے نام ہی ٹھہریں و۳۱ اور آنحالیکہ یہی

عَاهَدُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ

لوگ پیشتر اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے و۳۲ اور اللہ سے جو عہد

اللَّهِ مَسْئُولًا ﴿١٥﴾ قُل لَّن يَنفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم مِّنَ

کیا جاتا ہے اس کی باز پرس ہوگی و۳۳ آپ کہہ دیجیے تمہیں بھاگنا کچھ بھی نفع نہیں دے سکتا اگر تم موت یا

الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٦﴾ قُلْ مَن

قتل سے بھاگتے ہو اور اس سے تمتع بھی نہیں حاصل کرسکتے بجز چند روز کے و۳۴ آپ کہہ دیجیے کہ وہ کون ہے

ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُم مِّنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ

جو تمہیں اللہ سے بچاسکے اگر (اللہ) تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے یا (اسے روک سکے جب) وہ تمہارے ساتھ

رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا

فضل کرنا چاہے و۳۵ اور وہ لوگ اللہ کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائیں گے اور نہ

نَصِيرًا ﴿١٧﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنكُمْ وَالْقَائِلِينَ

مددگار و۳۶ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو مانع ہوتے ہیں اور جو اپنے بھائیوں سے

و۲۸ (کہ اب مورچوں پر جمے رہنا صریحاً موت کے منہ میں جانا ہے) یَثْرِبَ مدینہ کا پرانا نام ہے۔ مدينة النبی تو ہجرت نبوی کے بعد نام پڑا۔ و۲۹ بعض کج دلے اور منافق۔ سالار اعظم ﷺ کی خدمت میں آکر طرح طرح کے بہانے تراشتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ ہم اپنے گھروں کو غیر محفوظ حالت میں چھوڑ آئے۔ اور صرف عورتیں اور بچے ہیں۔ چوروں ڈاکوؤں کا ہر وقت خطرہ ہے۔ قرآن مجید جواب دیتا ہے کہ یہ عذرات ان کے گڑھے ہوئے ہیں۔ ان کے گھر خود ان کے خیال میں بھی غیر محفوظ نہیں۔ اور نہ ان کی جانے سے یہ نیت ہے کہ انتظام کرکے پھر چلے آئیں گے۔ یہ تو بس جنگ سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ عَوْرَةٌ یہاں ذات عَوْرَةٍ کے معنی میں ہے۔ یعنی شگاف زدہ جس کے اندر داخلہ ممکن ہو۔ والعورة ذات العورة (کشاف) اے متخرقة ممكنة لمن ارادها (راغب) وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ۔ قرآن مجید میں یہ ترکیب جہاں جہاں بھی آئی ہے۔ اس وصف کی نفی کامل مراد رہی ہے۔ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ (ان میں ایمان ذرا بھی نہیں ہے) وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ (آپ کا پروردگار بندوں کے حق میں ذرا سا بھی ظالم نہیں ہے) و۳۰ یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں صف آرائی اور اس میں ان کی شرکت کی یا کفر کی۔ اے الردة ومقاتلة المسلمين (بیضاوی) وهى الدخول فى الكفر (ابن کثیر) اے القتال كما قال الضحاک (روح) و۳۱ مطلب یہ ہے کہ اگر کہیں کافروں کا لشکر مدینہ میں داخل ہوجائے اور ان منافقوں سے کہے، کہ آؤ، ہم تم مل کر مسلمانوں سے مقابلہ کریں تو یہ لوگ بلا تامل آمادہ ہوجائیں، مسلمانوں کی لوٹ مار پر اٹھ کھڑے ہوں اور اس وقت ذرا خیال نہ کریں کہ آخر اب غیر محفوظ گھروں کی کون حفاظت کرے گا—یہ سب اُن کی انتہائی مذمت میں ارشاد ہورہا ہے۔ و هذا ذم لهم فى غاية الذم (ابن کثیر) وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا۔ ضمیر ها بیوت کی طرف ہے۔ الضمير على كل تقدير للبيوت (روح) و۳۲ بدر کے بعد جب بعض مخلص مسلمان حسرت کررہے تھے کہ افسوس، ہم شرکت سے محروم رہ گئے، تو بعض منافقین بھی اس گفتگو میں شامل ہوگئے۔ اور کہنے لگے اب جو کوئی موقع آیا تو ہم کسی سے پیچھے نہیں رہنے کے۔ و۳۳ قرآن مجید کا یہ ایک عام حکیمانہ اسلوب ہے کہ معین ومشخص واقعات کا ذکر کرتے کرتے عام اصول شریعت واخلاق بھی سنا دیتا ہے۔ و۳۴ اور اس چند روز سے مراد عمر مقدر کا بقیہ حصہ ہے کہ یہ جو تم بھاگے بھاگے پھرتے ہو، اس سے عمر مقدر تو بڑھ نہیں سکتی۔ و۳۵ برائی مثلاً یہی کہ وہ تمہیں ہلاک کرنا چاہے تو کون تمہیں بچاسکتا ہے؟ فضل مثلاً یہ کہ وہ تمہیں زندہ رکھنا چاہے تو کون اس میں مانع ہوسکتا ہے؟ و۳۶ ولی یا حمایتی وہ جو نفع پہنچاسکے، نصیر یا مددگار وہ جو ضرر سے بچاسکے۔

لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾

کہتے رہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ ف۳۷ اور یہ لوگ لڑائی میں تو بس نام ہی کو آتے ہیں

اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ

تمہارے حق میں بخیل (ہوکر) ف۳۸ پھر جب کوئی خطرہ پیش آتا ہے تو آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ

اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ

آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو

فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً

پھر جب وہ خطرہ دور ہو جاتا ہے تو تمہیں تیز زبانوں سے طعنہ دیتے ہیں مال (غنیمت) پر

عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ

حرص لئے ہوئے ف۳۹ یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے چنانچہ اللہ نے ان کے اعمال بے کار کر رکھے ہیں، ف۴۰

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ

اور یہ بات اللہ کے لئے (بالکل) آسان ہے ان لوگوں کا خیال ہے کہ لشکر (ابھی تک)

لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ

گئے نہیں ف۴۱ اور اگر (یہ) لشکر آ پڑیں تو یہ لوگ یہ چاہیں گے کاش! ہم دیہاتوں میں باہر

فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا

جا رہتے (اور وہیں سے) تمہاری خبریں پوچھتے رہتے ف۴۲ اور اگر تم ہی میں رہیں جب بھی

قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾ؒ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ

کچھ یوں ہی سا لڑیں رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے

حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ

لئے ف۴۳ یعنی اس کے لئے جو ڈرتا ہو اللہ اور روزِ آخرت سے اور ذکرِ الٰہی کثرت سے

ع ۲ / ۱۲ / ۱۸

ف۳۷ (تو تمہاری جان بچ جائے گی اور تم چین اور سکھ سے زندگی بسر کرسکو گے) اِخْوَانِهِمْ سے مراد وطنی یا قومی بھائی ہیں۔ ف۳۸ یعنی یہ اپنی کم ہمتی اور ضعف ایمان کی بناء پر لڑائی میں شریک ہی کب ہوتے ہیں، اور اگر کبھی محض نام کرنے کے لیے شریک ہو بھی گئے تو یہ انہیں گوارا نہیں ہوتا کہ مال غنیمت مسلمانوں ہی کو ملے۔ ف۳۹ یعنی مال غنیمت لینے کی خاطر مسلمانوں سے دلخراش باتیں کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہماری ہی مدد سے تمہیں یہ فتح میسر ہوئی۔ آیت میں منافقوں کی بزدلی اور حرص دونوں کا پورا بیان آگیا۔ اَلْخَيْرِ۔ خیر سے مراد یہاں مال ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں اور متعدد موقعوں پر بھی ہے۔ المال و الغنيمة (مدارک) اي على الغنيمة (قرطبی) ف۴۰ یعنی اُن میں ایمان تو پہلے ہی سے نہ تھا، اور اسی لیے تو اُن کے کسی عمل اور ظاہری طاعت کا اجر نہیں۔ لَمْ يُؤْمِنُوْا۔ یہ منافق صرف زبان سے دعویٰ اسلام کرتے تھے۔ حقیقۃً ایمان سے بالکل خالی تھے۔ ف۴۱ یہ اُن کی بزدلی کی انتہاء ہے کہ فوج چلی بھی گئی، اور یہ اب تک اس کے ڈر سے دبے سہمے ہوئے ہیں۔ ف۴۲ منافقوں کی انتہائی اور ضرب المثل بزدلی کا ایک اور نقش۔ ان میں ہمت اتنی بھی نہیں کہ ان جگر دوز معرکوں کو دیکھنے کی تاب بھی لاسکیں۔ چاہتے ہیں کہ کہیں دُور دیہات میں چلے جائیں، اور وہیں سے بس خبریں سن لیا کریں۔ ف۴۳ (زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پہلو میں، خصوصاً ثبات واستقامت میں) رسول اللہ ﷺ کا اتباع تو مومنین پر چھوٹے بڑے ہر امر میں واجب ہے اور آپ کی زندگی انسان کے لیے انفرادی واجتماعی، خانگی وملی، معاشری واخلاقی ہر ہر گوشہ میں شمع ہدایت ہے، لیکن یہاں اشارۃً خصوصی معرکہ جنگ میں ثبات واستقامت سے متعلق ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ آیت کے اندر ایک اصل عظیم آگئی ہے اور اس سے زندگی کے چھوٹے بڑے سارے معاملات میں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء وپیروی کے وجوب پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ هذه الاٰية الكريمة اصل كبير في التاسي برسول الله ﷺ في اقواله و افعاله و احواله و لهذا امر تبارك و تعالٰى الناس بالتاسي بالنبي ﷺ يوم الاحزاب في صبره و مصابرته و مرابطته و مجاهدته و انتظاره الفرج من ربه عزوجل دائمًا الٰى يوم الدين (ابن کثیر) الاسوة القدوة والاسوة مايتاسي به اي يتعزّي به فيقتدي به في جميع افعاله ويتعزّي به في جميع احواله (قرطبی) فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ اس لفظ نے صاف کردیا کہ یہ مقتدائی وصف رسالت کے اعتبار سے ہوگی۔ رَسُوْلِ اللّٰهِ میں لفظ اللہ سے یہ نکتہ پیدا کیا گیا ہے کہ رسول کے کمالات محضاً آپ کی جانب نہیں، براہِ راست حق تعالیٰ ہی کی جانب منسوب ہیں۔ لِمَنْ...... كَثِيْرًا۔ یعنی مومن کامل کے لیے۔

ف۴۴ ”مرادان معاہدین سے حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ اور اُن کے رفقاء ہیں۔ یہ حضرات اتفاق سے غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہونے پائے تھے۔ تو اُن کو افسوس ہوا اور عہد کیا کہ اگر اب کے کوئی جہاد ہو تو اس میں ہماری جان توڑ کوشش دیکھ لی جائے گی...... مطلب یہ تھا کہ منہ نہ موڑیں گے کہ مارے جائیں“۔ مَا عٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ۔ کو اگر وسیع و عام معنٰی میں لیا جائے تو اس میں وہ تمام امور آجائیں گے جنہیں ہم نے بضمن ایمان اجمالاً اور قرآن و حدیث سے تفصیلاً قبول کیا ہے۔ اور اس معنٰی میں اس کی مصداق ساری اُمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہوگی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کاملین کے لیے کبھی اُمور

كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا

کرتا ہو اور جب اہل ایمان نے لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے یہی وہ (موقع) ہے

وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۫ وَ مَا

جس کی ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے خبر دی تھی اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور (اس سے)

زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ

ان کے ایمان و طاعت میں ترقی ہی ہوئی، اہل ایمان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے

صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى

اللہ سے جو عہد کیا تھا اس میں سچے اترے ف۴۴ سو ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی نذر

نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

پوری کر چکے اور کچھ ان میں کے راستہ دیکھ رہے ہیں ف۴۵ اور انہوں نے ذرا فرق نہیں آنے دیا ف۴۶

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ

(یہ اس لئے ہوا) تاکہ اللہ سچوں کو صلہ دے ان کی سچائی کا اور منافقین کو اگر چاہے

اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا

سزا دے یا (چاہے تو) ان کی توبہ قبول کرلے بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے،

رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا

بڑا رحمت والا ہے ف۴۷ اور اللہ نے کافروں کو اس غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کے کچھ بھی ہاتھ

خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا

نہ لگا ف۴۸ اور جنگ میں اللہ اہل ایمان کے لئے کافی ہو گیا ف۴۹ اور اللہ تو ہے ہی بڑا قوت والا

عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

بڑا زبردست ف۵۰ اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی (اللہ نے) انہیں ان کے قلعوں سے

مکروہہ بھی، اور ان ہی میں قبض بھی شامل ہے، زیادتِ معارف کا سبب بن جاتے ہیں۔ ف۴۵ (شوق کے ساتھ، اس نذر کے پورے ہونے کا) وسیع معنٰی میں تمام زندہ مومنین صادقین اس میں داخل ہیں۔ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ۔ یعنی شہید ہوگئے اور آخر تک ثبات میں فرق نہ آنے دیا۔ نحب کے لفظی معنٰی نذر کے ہیں۔ اور قَضٰى نَحْبَهٗ کے معنٰی ہوئے کہ اُس نے اپنی نذر اُتاری۔ النحب النذر المحکوم بوجوبہ فقال قضی فلان نحبہٗ ای وفی بنذرہٖ (راغب) محاورہ میں کنایہ وفات پاجانے سے ہوتا ہے۔ اور یہی معنٰی سلف سے منقول ہیں۔ و یعبر ذٰلک عمن مات (راغب) قال الحسن مات علی ما عاھد علیہ (جصاص) ف۴۶ (اپنے اس عزم راسخ میں۔ بلکہ اس پر بدستور ثابت ہیں) تَبْدِيْلًا۔ تنوین تصغیر کے لیے ہے۔ یعنی کسی نوع، کسی قسم کی ادنٰی تبدیلی ان میں نہیں ہوئی۔ ف۴۷ (اس کی وسیع رحمت سے کیا بعید ہے کہ وہ منافق کو مخلص بنا کر قابل مغفرت بنادے) اس میں ترغیب آگئی توبہ و رجوع کی۔ الصّٰدِقِيْنَ سے مراد ظاہر ہے کہ سچے مسلمان ہیں۔ لِيَجْزِيَ۔ ل تعلیل کا ہے۔ والظاھر اللام للتعلیل (روح) لِيَجْزِيَ...... عَلَيْهِمْ۔ آیت سے یہ ظاہر ہے کہ مومن صادق کی نجات یقینی ہے، بخلاف اس کے منافق کی سزا مشروط ہے مصلحت تکوینی کے ساتھ۔ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ۔ یعنی اگر اس کی مشیت یہی ہوئی تو منافقین کو بھی آخرت میں سزا نہ ملے گی۔ ان کی تعذیب و مغفرت دونوں حق تعالٰی کی مشیت پر معلق ہیں۔ ای فلا یعذبھم بل یرحمھم سبحانہٗ ان شآء و ظاھرہٗ ان کلا من التعذیب والرحمۃ للمنافقین یوم القیامۃ و لو ماتوا علی النفاق معلق بمشیتہٖ تعالٰی (روح) آیت، مسلک خارجیت قدیم و جدید دونوں کی تردید کے لیے بالکل کافی ہے۔ منافقین حقیقۃً کافر ہی ہوتے ہیں۔ ایمان رمق بھر بھی ان میں نہیں ہوتا۔ اس پر بھی حکم ان کے معذب ہونے کا قطعی طور پر نہیں صادر ہوتا، بلکہ ان کی مغفرت و مغفوریت کی بھی گنجائش رکھ لی جاتی ہے۔ اور اس پہلو کو زوردار بنانے کے لیے اعلان اپنی عام غفوریت و رحیمیت کا بھی ساتھ ساتھ کر دیا جاتا ہے۔ — کہاں حق تعالٰی کی طرف سے یہ گنجائشیں اور وسعتیں اور کہاں بعض نافہم بندوں کی یہ تنگیاں اور سختیاں کہ پختہ پختہ مسلمان بھی قابل نجات نہیں، اس لیے کہ ان سے فلاں فلاں لغزشیں بھی تو سرزد ہو چکی ہیں! ف۴۸ (اور انہیں محاصرۂ مدینہ سے ناکام، ناشاد، نامراد واپس جانا پڑا) خَيْرًا۔ یعنی جو بھلائی اُن کے خیال کے مطابق ہے۔ مراد فتح و کامیابی سے ہے۔ ای ظفرًا و سماہ خیرًا بزعمھم (مدارک) ف۴۹ (کہ بغیر کسی بڑی لڑائی کے انہیں نجات دلادی) محمد بن عبداللہ (روحی فداہ) جس طرح حالت امن میں بہترین مدبر و بہترین منتظم تھے، اسی طرح حالت جنگ میں بہترین جنرل بھی تھے۔ ترتیب صفوف، مورچہ بندی وغیرہ تمام مسائل فن حرب میں بے مثال بصیرت رکھنے والے، لیکن باوجود اس سب کے، قرآن مجید آپ کے لشکروں کی فتح و ظفر کو آپ کے کمالات سپہ سالاری کی جانب نہیں، بلکہ اپنی ہی قدرت و حکمت کی جانب منسوب کرتا رہتا ہے۔ — اور قرآن کا مقصود ہی یہ ہے کہ زندگی کے ہر ہر شعبے میں بندہ کا تعلق براہِ راست حق تعالٰی ہی سے جڑا رہے۔ ف۵۰ (اس کے لیے ایسا کرنا مشکل ہی کیا تھا)۔

مِنۡ صَیَاصِیۡهِمۡ وَقَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ فَرِیۡقًا
اتار دیا ف۵۱ اور ان کے دلوں میں (تمہارا) رعب بٹھا دیا (پھر) بعض
تَقۡتُلُوۡنَ وَتَاۡسِرُوۡنَ فَرِیۡقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوۡرَثَكُمۡ اَرۡضَهُمۡ
کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا اور تمہیں مالک بنا دیا ان کی زمین کا
وَدِیَارَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ وَاَرۡضًا لَّمۡ تَطَـُٔوۡهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
اوران کے گھروں کااوران کے مال کااوراس زمین کابھی جس پرتم نے (اب تک) قدم نہیں رکھا ہے ف۵۲ اور اللہ تو
عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرًا ﴿۲۷﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِكَ
ہر چیز پر قادر ہے اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجیے
اِنۡ كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا وَزِیۡنَتَهَا فَتَعَالَیۡنَ
کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار کو مقصود رکھتی ہو تو آؤ میں تمہیں
اُمَتِّعۡكُنَّ وَاُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحًا جَمِیۡلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنۡ كُنۡتُنَّ
کچھ متاع (دنیوی) دے دلا کر خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں ف۵۳ اور اگر تم
تُرِدۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَالدَّارَ الۡاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ
مقصود رکھتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو ف۵۴ تو اللہ نے تم میں سے
لِلۡمُحۡسِنٰتِ مِنۡكُنَّ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۲۹﴾ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ
نیک کرداروں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے ف۵۵ اے نبی کی بیویو
مَنۡ یَّاۡتِ مِنۡكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُّضٰعَفۡ لَهَا
تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی تو اسے
الۡعَذَابُ ضِعۡفَیۡنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیۡرًا ﴿۳۰﴾
دوہری سزا دی جائے گی ف۵۶ اور یہ اللہ کے لئے (بالکل) آسان ہے ف۵۷

ع ۳ ۱۹

ف۵۱ ان اہل کتاب سے مراد یہود بنی قریظہ ہیں جو حوالی مدینہ میں اپنے بڑے بڑے مضبوط و مستحکم قلعوں اور گڑھیوں میں قلعہ بند رہا کرتے تھے۔ اور اس وقت تک مسلمانوں سے معاہدہ کیے ہوئے ان کے حلیف تھے۔ بعد کو عہد شکنی کر کے قتل و اسارت دونوں کے مستحق قرار پائے۔ صَیَاصِیۡهِمۡ۔ یعنی ان کے مایہ ناز مضبوط قلعے اور گڑھیاں۔ قیل فی الصیاصی انها الحصون التی كانوا یمتنون بها (جصاص) ف۵۲ یعنی ابھی تم ان مقامات تک پہنچے نہیں ہو، لیکن اس نے تو اپنے علم ازل میں تمہیں اس کا مالک کر دیا — اشارہ ہے قبائل یہود کی ساری زمینوں اور جائیدادوں کی طرف جو بالآخر کچھ روز بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ اس جزم کے ساتھ قبل از وقوع اعلان بجز حق تعالیٰ کے اور کر ہی کون سکتا تھا۔ اَرۡضًا لَّمۡ تَطَـُٔوۡهَا۔ کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ قیامت تک جو علاقہ بھی کبھی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، سب اس میں داخل ہے۔ وهی مكة او فارس والروم او خیبر او كل ارض تفتح الی یوم القیامة (مدارک) قیل كل ارض تفتح الی یوم القیامة (بیضاوی) وعد صادق فی فتح البلاد كالعراق والشام والیمن و مكة و سائر فتوح المسلمین (بحر) ف۵۳ یعنی طلاق دے دوں کہ جہاں چاہو آزادی سے رہ کر دنیا حاصل کرو۔ فتح خیبر کے بعد جب مسلمانوں کو مالی وسعت اچھی خاصی حاصل ہو گئی تو ازواج مطہرات کو، جو ظاہر ہے کہ نبی اور صاحب وحی نہ تھیں، محض امتی تھیں، قدرۃً یہ خیال گزرا کہ اب ہمارے نفقہ میں بھی معقول اضافہ ہونا چاہیے، اسی خواہش کا اظہار رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا اور ذرا تقاضا کے ساتھ، رسول، صاحب وحی کے قلب مبارک کی اذیت کے لیے دنیا طلبی کی اتنی جھلک بھی بہت تھی۔ یہ آیتیں اس پر نازل ہوئیں — یہ اختیار دینے کو تو دے دیا گیا، لیکن اس کے مل جانے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لے کر کسی ایک بیوی صاحبہ تک نے عیش دنیا کو ترجیح نہ دی۔ سب کی سب بدستور اللہ و رسول ہی کے ساتھ وابستہ رہیں۔ تعالین۔ اس کے لفظی معنی ”آؤ“ مراد نہیں۔ صرف یہ مراد ہے کہ ”ادھر متوجہ ہو“، ”یہ بات سنو“۔ جیسا کہ اُردو محاورہ میں بھی بولتے ہیں۔ ومعنی تعالین اقبلن بارادتكن و اختیار كن لاحد الامرین (مدارک) تُرِدۡنَ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا وَزِیۡنَتَهَا۔ تُرِدۡنَ کا لفظ بہت اہم ہے۔ دنیوی زندگی اور اس کے جائز عیش ہرگز ممنوع نہیں، ممنوع و مذموم انہیں مقصود بنا لینا ہے۔ تُرِدۡنَ اسی مفہوم کا ترجمان ہے۔ مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دنیا اور اس کی زینتوں کی محبت اللہ اور رسول سے بُعد کا سبب ہے۔ ف۵۴ یعنی اگر تم عالم آخرت کے ان مدارج عالی کو دوست رکھتی ہو جو زوجیت رسول پر مرتب ہونے والے ہیں۔ اور رسول کی زوجیت میں صبر و قناعت کے ساتھ بسر کرنے پر تیار ہو۔ ف۵۵ یعنی جنت میں وہ درجات عالیہ جو زوجاتِ نبی کے لیے مخصوص ہیں۔ مِنۡكُنَّ۔ من بیانیہ ہے۔ تبعیضیہ نہیں۔ ازواج نبی تو محسنات سب کی سب تھیں۔ یہ نہیں کہ بعض ان میں نہ ہوں۔ من للتبیین لانهن كلهن من محسنات (بیضاوی) من للبیان لا للتبعیض (مدارک) ف۵۶ (آخرت میں) یعنی جتنی دوسرے شخص کو ملتی، اس کی دوگنی سزا۔ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ۔ مراد وہ سوء معاشرت ہے جو رسول اللہ ﷺ کے تکدر قلب کا باعث ہو۔ یا مطلق معصیت صریح مراد لی جائے۔ المراد الفاحشة النشوز وسوء الخلق (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای بمعصیة ظاهرة (معالم) و ینبغی ان تحمل الفاحشة علی حقوق الزوج و فساد عشرته (بحر) بعض محققین نے یہاں یہ خوب لکھا ہے کہ صفت مُّبَیِّنَةٍ کا اضافہ خود اس کی دلیل ہے کہ یہاں مراد زنا کاری ہو نہیں سکتی، جو ایک چوری چھپے کی چیز ہے لامحالہ مراد سوء معاشرت اور عدم ادائے حقوق زوج سے ہو گی۔ اور اگر مراد زنا کاری ہی لی جائے، جب بھی اس سے مرتبہ ازواج نبی کی منقصت ذرا بھی لازم نہیں آتی۔ اس لیے کہ یہ بات تو محض بطور فرض فرمائی گئی ہے اور بطور فرض اس سے بھی بڑھ چڑھ کر سخت اور شنیع چیزیں قرآن مجید میں مذکور ہو چکی ہیں۔ اور بعض اہل علم نے تو یہ صراحت کر دی ہے کہ لفظ فاحشة جب ال کے ساتھ معرفہ ہو کر آئے گا تو اُس کے معنی حرام کاری کے ہوں گے اور جب تنوین کے ساتھ صیغۂ نکرہ میں آئے گا، تو اُس کے مفہوم میں ہر قسم کی معصیت داخل ہو گی۔ اور جب موصوف ہو کر آئے گا (جیسا کہ یہاں صفت مُّبَیِّنَةٍ کے ساتھ ہے) تو مراد سوء معاشرت اور عدم ادائے حقوق زوجیت سے ہو گی۔ و قال قوم الفاحشة اذا وردت معرفة فهی الزنا واللواط واذا وردت منكرة فهی سائر المعاصی و اذا وردت منعوتة فهی حقوق الزوج و فساد عشرته (قرطبی) یُضٰعَفۡ ...... ضِعۡفَیۡنِ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ خواص و علماء پر بمقابلہ عوام اُمت کے گرفت زیادہ سخت ہو گی اور اسی طرح ان کا اجر و ثواب بھی عوام سے کہیں زیادہ ہے۔ لان النعمة كلما عظمت كان كفر انها اعظم فیما یستحق به من العقاب اذ كان استحقاق العقاب علی حسب كفران النعمة (جصاص) ولذا كان الذم للعاصی العالم اشد من العاصی الجاهل و ان المعصیة من العالم اقبح (مدارک) و سبب تضعیف العذاب ان الذنب منهن اقبح فان زیادة قبحه تابعة لزیادة فضل المذنب و النعمة علیه (روح) ف۵۷ یعنی یہ نہیں کہ اللہ کسی کی وجاہت کی مروت یا دباؤ میں آ کر اپنی سزا کے نفاذ میں ترمیم کرنے لگے۔

وَ مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا

اور جو کوئی تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبردار رہے گی اور عمل صالح کرتی رہے گی

نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

تو ہم اس کا اجر دوہرا دیں گے، اور ہم نے اس کے لئے ایک (مخصوص) عمدہ نعمت تیار کر رکھی ہے ف۵۸

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ

اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرف نہیں ہو جب کہ تم تقویٰ اختیار کر رکھو ف۵۹ تو تم

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ

بولی میں نزاکت مت اختیار کرو کہ (اس سے) ایسے شخص کو خیال (فاسد) پیدا ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے ف۶۰

وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ

اور قاعدے کے موافق بات کہا کرو، ف۶۱ اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو ف۶۲ اور جاہلیت قدیم کے مطابق

تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ

اپنے کو دکھاتی مت پھرو ف۶۳ اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو

وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ

اور اللہ کا اور اس کے رسول کا حکم مانو ف۶۴ اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے (نبی کے) گھر والو تم سے

عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾

آلودگی کو دور رکھے اور تم کو خوب نکھار دے ف۶۵

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ ؕ

اور تم اللہ کی ان آیتوں اور اس علم کو یاد رکھو جو تمہارے گھروں میں پڑھ کر سنائے جاتے رہتے ہیں ف۶۶

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ

بے شک اللہ بڑا باریک بین ہے پورا خبردار ہے ف۶۷ بے شک اسلام والے

ف۵۸ یہ صلہ جنت میں ازواج نبی کے لئے مخصوص ہوگا۔ رِزْقًا۔ رزق پر حاشیہ نہیں پہلے گزر چکا ہے کہ اس سے مراد محض کھانے پینے ہی کی نہیں، بلکہ ہر قسم کی نعمتیں ہوتی ہیں۔ عربی میں اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ۔ اہل خصوصیت کا عصیان بھی اوروں کے عصیان سے اشد ہوتا ہے اسی طرح ان کی طاعت بھی اوروں کی طاعت سے زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ بس وعدہ و وعید دونوں میں وہ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اور خصوصاً مقام کلام میں یہ کہنا ممکن ہے کہ حضرات اُمہات المومنین سے خدمت واطاعت کا صدور حضور ﷺ کے قلب کو راحت افزا زیادہ ہوگا۔ اور اسی طرح اس کے خلاف کا صدور آپ کے لیے کلفت افزا زیادہ ہوگا"۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) اَعْتَدْنَا۔ میں اضافت تشریفی ہے۔ یعنی خود ہم نے تیار کیا ہے۔ مِنْكُنَّ۔ من یہاں بھی بیانیہ ہے۔ تبعیضیہ نہیں۔ وہ رزق کریم کیا ہے؟ اس کا تعین حد انسانی سے ماوراء ہے۔ بہرحال کوئی ایسا صلہ ہوگا جو دوسرے عطیوں سے ممتاز تر ہے۔ ف۵۹ ازواج نبی رضی اللہ عنہن کا مرتبہ وشرف اُمت کی عام عورتوں سے یقیناً کہیں زائد ہے۔ لیکن یہ شرط بہرحال ان کے ساتھ بھی لگی ہوئی ہے کہ جادۂ تقویٰ سے قدم نہ ہٹنے پائے۔ یَا حرف خطاب جلب توجہ مزید کے لیے ہے۔ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔ یعنی تم میں صرف انسانیت ہی نہیں۔ بلکہ دوسرے اوصاف فاضلہ بھی ہیں۔ جن سے مساوات ومماثلت ممکن نہیں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ تینوں آیتوں کا مجموعہ اس پر دال ہے کہ جس کی فضیلت زیادہ ہے اس کا عصیان واطاعت دونوں اوروں سے اشد واکمل ہیں۔ اور یہی اصل ہے۔ "نزدیکاں رابیش بود حیرانی" کی۔ ف۶۰ عورت کی آواز میں جو قدرتی نرمی اور لوچ ہوتا ہے، اس کو بڑا دخل مرد کی خواہش نفسانی کے اُبھارنے میں ہے۔ چنانچہ جدید نفسیین نے بھی اس کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ اسلام کے ہمہ داں۔ ہمہ بیں۔ شارع عزوجل نے نفس کے اس محرک کو بھی اجراء احکام میں پوری طرح پیش نظر رکھا ہے۔ اس کی ہدایت اُمت کی ہر عورت کے لیے ہے کہ اپنی آواز کی نزاکت سے کسی نامحرم کو ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دے۔ اور ازواج نبی کے لیے ان کے شرف و احترام کی مناسبت سے اس کا اور زیادہ اہتمام ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت میں اسباب فتنہ سے بچنے کا ارشاد ہے۔ اگرچہ اسباب بعید ہی ہوں۔ خصوصاً عورتوں کے باب میں۔ عرب کی تہذیب جاہلی میں آج کل کی جاہلی تہذیبوں کی طرح یہ دستور تھا کہ لیڈیاں تصنع کے بڑے بڑے طریقوں سے آواز اور لب ولہجہ میں طرح طرح کی رعنائی، نزاکت اور دلفریبی پیدا کرتی تھیں۔ یہ ہنر وہاں کی فیشن ایبل سوسائٹی میں داخل تھا، اس لیے اس کی ممانعت خاص طور پر ہوئی۔ كما كانت الحال عليه فى نساء العرب من مكالمة الرجال ترغبهم الصوت و لينه مثل كلام المريبات والمؤسات (قرطبی) اور جب مطلق گفتگو کے باب میں یہ اہتمام ہے تو نغمہ وموسیقی ظاہر ہے کہ عورت کے حلق ودہن سے نکلا ہوا نامحرم کے حق میں کیا حکم رکھے گا۔ ف۶۱ یعنی حیاء وعزت وآبرو کے جو قاعدے شرفاء میں چلے ہوتے ہیں، اپنا لب ولہجہ ان کے مطابق رکھو، تاکہ کسی بدکردار فاسد المزاج کو آگے بڑھنے کی ہمت ہی نہ پڑے۔ اس حکم کی جو اہمیت مدینہ کی ناموافق فضا میں تھی، وہی اہمیت عام مومنات کے لیے آج کی غیر صالح فاسقانہ فاجرانہ فضا میں بھی ہے۔۔۔ ہاں مضبوط شریفانہ لہجہ اور ہے اور دلشکن اور دلآزار لہجہ اور۔ فقہاء نے اس پر قیاس کر کے لکھا ہے کہ اسی طرح مردوں کو بھی تلذذ فاسقانہ کی باتیں کرنا حرام ہیں۔ اور خود مردوں مردوں، عورتوں عورتوں کے درمیان بھی۔ اور فقہاء حنفیہ نے اس آیت کے ذیل میں متعدد مسئلے ذکر کیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ عورت کے لیے اتنی بلند آواز سے گفتگو کرنی درست نہیں جسے مرد سنیں۔ وفيه الدلالة على ان الاحسن بالمرأة ان لا ترفع صوتها بحيث يسمعها الرجال (جصاص) اور یہ بھی کہ عورت کے لیے اذان دینا ناجائز ہے۔ و فيه الدلالة على ان المرأة منهية عن الاذان (جصاص) اور یہ بھی کہ جب عورت کے پیر کے زیوروں کی آواز ممنوع ہے تو جوان عورت کے کلام کی آواز تو بدرجہ اولیٰ ممنوع ٹھہرے گی۔ و كذٰلك قال اصحابنا و قال الله تعالىٰ فى اية اخرى ولا يضر بن بارجلهن الخ فاذا كانت منهية عن السماع صوت خلخالها فكلامها اذا كانت شابة تخشى من قبلها الفتنة اولى بالنهى عنه (جصاص) ف۶۲ یعنی بلاضرورت گھروں سے باہر نہ نکلو۔ اور مردوں سے اختلاط کے مواقع نہ آنے دو۔ شرعی یا دنیوی ضرورتوں سے، بپابندی ستر وحجاب باہر نکلنا اس سے مستثنیٰ ہے۔ فيلزمن البيوت فان مست الحاجة الى الخروج فليكن على تبذل و تستر تام (قرطبی) مقصود اس حکم سے اختیار عفت وپارسائی ہے۔ بس اگر کوئی عورت فاحشہ باوجود فحش کاری پردہ کرتی ہے تو وہ بھی اس حکم کی عاصی ہی کہی جائے گی۔ وَقَرْنَ۔ کو بعض مفسرین نے وقار سے مشتق قرار دیا ہے۔ اى كن اهل وقارٍ وهدوءٍ و سكينةٍ (جصاص) مقصود اس صورت میں بھی وہی رہتا ہے۔ و فيه الدلالة على ان النسآء مامورات بلزوم البيوت منهيات عن الخروج (جصاص) اى لا تخرجن منها ولا زمن الاقامة فيها (احمدی) اى الزمن بيوتكن فلا تخرجن لغير حاجة (ابن کثیر) ف۶۳ اس میں قانون ستر وحجاب کو توڑ کر باہر آزادانہ گھومنے پھرنے کی قطعی ممانعت ہے۔۔۔ ستر وحجاب کی اتنی تاکید وپابندی کے بعد بھی عورت کی "آزادی" کے دلائل قرآن مجید سے ڈھونڈے جانا جسارت اور ڈھٹائی کی انتہا ہے! الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔ نظام جاہلی۔ ہر نظام غیر اسلامی ہے۔ جاہلیت اولیٰ سے مراد وہ مشرکانہ تہذیب وتمدن ہے، جو اسلام سے قبل، دنیا خصوصاً عرب میں یونانی ورومی تمدن کے اثر سے رائج تھی۔ مکہ و مدینہ میں عورتیں بن ٹھن کر اس طرح باہر

وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ

اور اسلام والیاں ۶۸ اور ایمان والے اور ایمان والیاں ۶۹ اور فرمانبردار مرد

وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ

اور فرمانبردار عورتیں ۷۰ اور صادق مرد اور صادق عورتیں ۷۱ اور صابر مرد اور

وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ

صابر عورتیں ۷۲ اور خشوع والے اور خشوع والیاں ۷۳ اور تصدق کرنے والے

وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ

اور تصدق کرنے والیاں ۷۴ اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں اور اپنی شرم گاہوں کی

فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا

حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے

وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

اور یاد کرنے والیاں ان (سب) کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے ۷۵

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ

اور کسی مومن یا مومنہ کے لئے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا

اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ

حکم دے دیں تو پھر ان کو اپنے (اس) امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے ۷۶ اور جو کوئی

يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾ ۭ وَاِذْ

اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں جا پڑا اور (اس وقت کو بھی یاد کیجیے) جب

تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ

آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے ۷۷ جس پر اللہ نے بھی فضل کیا ہے اور آپ نے بھی اس پر عنایت کی ہے ۷۸ کہ اپنی

آزادانہ گھوما پھرا کرتی تھیں، جس طرح آج فرنگی قوموں میں دستور ہے۔۔اور یہ لفظ اولیٰ کا اضافہ خود اس کی دلیل ہے کہ ایک دوسری جاہلی تہذیب (الجاھلیة الاخرٰی) کا نقشہ شروع ہی سے اسلام کے پیش نظر رہا ہے۔ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ کی شرح سب نے یہی لکھی ہے کہ اس تہذیب کی عورتیں آزادی سے مردوں کے ساتھ چلتی پھرتی بنتی ٹھنتی بولتی رہتی تھیں۔ اور یہاں ممانعت اسی سے آئی ہے۔ عن مجاھد قال کانت المرأة تمشی بین ایدی القوم فذلک تبرج الجاھلیة (جصاص) عن قتادة قال کانت لھن مشیة و تکسر و تغنج فنھاھن اللہ عن ذالک (جصاص) و قیل ھو اظھار المحاسن للرجال (جصاص) ۶۴ (اور اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں) ترتیب کلام پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ عورت پر حیاداری، حفظ و ناموس کی تاکید نماز و زکوٰۃ کے حکم سے بھی مقدم رکھی گئی ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ آیت میں خطاب ازواج نبی سے ہے، لیکن جو تعلیم دی گئی ہے وہ ساری اُمت کی عورتوں کے لیے ہے۔ فھذہ الامور کلھا مما ادب اللہ تعالیٰ بہ نساء النبی ﷺ صیانة لھن و سائر نساء المومنین مرادات بھا (جصاص) فقیہ مالکی قاضی ابوبکر عبد اللہ بن العربی اندلسی (متوفی ۵۴۲ھ) کہتے ہیں کہ میں نے اپنی سیاحی میں کوئی ایک ہزار مقامات دیکھ ڈالے۔ نابلوس کی عورتوں سے بڑھ کر پاکدامن کہیں اور کی نہیں پائیں۔ ان کے درمیان میں مہینوں ٹھہرا رہا۔ شہر میں یہ کبھی چلتی پھرتی نظر نہ آئیں۔ بس صرف جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لیے نکلتی تھیں، اور بعد نماز اپنے گھروں میں پھر داخل ہو جاتی تھیں۔ اور پردہ داری اور باعصمتی کی کیفیت میں نے مسجد اقصیٰ کی معتکف عورتوں میں بھی پائی۔ ورنہ اور جگہ میں نے جہاں جہاں عورتوں کو بے پردہ چلتے پھرتے پایا۔ طرح طرح کی برائیوں اور فتنوں ہی میں مبتلا دیکھا۔ ولقد دخلت نیفًا علیٰ الف قریة من بریة فمارایت اصون عیالاً ولا اعف نساءً من نسآء "نابلس" التی رمی فیھا الخلیل علیہ السلام بالنار، فانی اقمت فیھا اشھرًا فمارأیت امرأة فی طریق نھارًا الایوم الجمعة فانھن یخرجن الیھا حتّٰی یمتلی المسجد منھن فاذا قضیت الصلاة و انقلبن الی منازلھن لم تقع عینی علٰی واحدةٍ منھن الی الجمعة الاخرٰی وسائر القرٰی تری نسآء ھا متبرجات بزینة و عطلة متفرقات فی کل فتنة و عضلة و قدرأیت با لمسجد الاقصٰی عفائف ماخرجن من معتکفھن حتّٰی استشھدن فیہ (ابن العربی) یہ حال ۵۴۲ھ سے قبل کا ہے تو ظاہر ہے کہ آج ۱۳۶۹ھ میں کوئی غیر تمند مومن قاہرہ اور اسکندریہ، تہران و انقرہ، بغداد و دمشق، کراچی و لاہور، دہلی و لکھنؤ کی کھلم کھلا بےحیائیاں دیکھنے کی تاب کہاں سے لاسکتا ہے۔ نابلوس آج جس قدیم شہر کا نام ہے، وہ فلسطین میں بیت القدس کے شمال میں واقع ہے۔ توریت میں اس کا ذکر سِکِم (Si-CHEM) کے نام سے آیا ہے۔ اب خدا معلوم شیخ ابن العربی کی مراد اسی شہر سے تھی یا کسی اور سے۔ ۶۵ یعنی معصیت و نافرمانی کی آلودگی سے پاک کرکے، عقیدہ، عمل، ظاہر، باطن ہر چیز میں خوب جلا پیدا کر دے۔۔شریعت الٰہی نے انسان کی آزادی پر جو بھی قیود و حدود عائد کیے ہیں سب کا منشا بس یہی ہے کہ انسان کو بہتر انسان بنا دے، جسم، روح، عقل ہر اعتبار سے پاک صاف ہو نہ یہ کہ اس کی راہ کو خواہ مخواہ سخت و تنگ بنا دے۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ جب اللہ نے ارادہ کر لیا تو وہ اپنے ارادہ کو پورا کر کے بھی رہا۔ سیاق سے بالکل ظاہر ہے کہ اھل بیت سے مراد ازواج نبی ﷺ ہیں۔ اور یہی مفہوم سلف سے منقول بھی ہے۔ نزلت فی نسآء النبی ﷺ خاصةً (ابن جریر عن عکرمہ) ارادہ باھل البیت نسآء النبی۔ نزلت فی نسآء النبی خاصة (ابن کثیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اہل سنت کا اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ آیت کا سبب نزول ازواج النبی ہی ہیں اور اہل بیت سے اولاً وہی مراد ہیں۔ البتہ گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ آیا ان کے علاوہ بھی کوئی مراد ہے؟ سو محققین اہل سنت کا فیصلہ ہے کہ لفظ کے عموم میں ازواج نبی کے علاوہ بھی ہستیاں داخل ہیں۔ قال عکرمة انھا نزلت فی شان نسآء النبی ﷺ فان کان المراد انھن کن سبب النزول دون غیرھن فصحیح و ان ارید انھن المراد فقط دون غیرھن ففی ھذا نظر فانہٗ قدوردت احادیث تدل علی ان المراد اعم من ذٰلک (ابن کثیر) والذی یظھر من الأیة انھا عامة فی جمیع اھل البیت من الازواج وغیرھن (قرطبی) اہلبیت کے جو متعارف معنٰی اُردو میں چلے ہوئے ہیں وہ بھی حدیث سے نکلتے ہیں۔ لیکن یہاں ذکر صرف اصطلاح قرآنی کا ہے۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی اہل بیت کا لفظ ایک پیمبر کی زوجہ محترمہ ہی کے لیے آیا ہے۔ (ہود۔ ع۔ ۷) رجس۔ معنٰی گندگی۔ گناہ۔ سوء خلق دونوں پر شامل ہے۔ یطھر۔ اوّل تو باب تفعیل ہے خود بھی مبالغہ کے لیے۔ مبالغہ، پھر تاکید مزید کے لیے تطھیرًا یعنی خوب ہی پاک و صاف کر دے اور طہارت کا درجہ کامل و اعلیٰ نصیب کر دے۔ جیسا کہ ازواج نبی کی شانِ رفیع کا مقتضٰی ہے پوری آیت رسول اللہ کے گھر والوں کے مزید شرف و احترام کے اظہار کے لیے ہے۔ ۶۶ (اور خود بھی اس پر عمل کرو، اور دوسروں تک بھی اسے پہنچاؤ) امر اللہ ازواج رسولہٖ بان یخبرن بما انزل اللہ من القرأن فی بیوتھن و ما یرین من افعال النبی ﷺ و اقوالہ فیھن حتّٰی یبلغ ذٰلک الی الناس فیعملوا بما فیہ و یقتدوا بہ (ابن العربی) اور یہیں سے بعض نکتہ رس فقہاء نے مسائل دین میں خبر واحد کے قبول کا جواز نکالا ہے۔ وھٰذا یدل علٰی جواز قبول خبر الواحد من الرجال والنساء فی الدین (ابن العربی) فِيْ بُيُوْتِكُنَّ رسول اللہ ﷺ کا کوئی الگ مستقل مکان حجرات ازواج کے علاوہ تو تھا نہیں۔ یہاں بُيُوْتِكُنَّ لا کر بیوی صاحبان کو اس شرف و فضیلت کی یاد دلائی گئی ہے کہ نزول وحی و حکمت خاص

عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ

بیوی کو اپنی (زوجیت میں) رہنے دے اور اللہ سے ڈر وے۹ اور آپ اپنے دل میں وہ چھپاتے رہے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا

مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ

اور آپ لوگوں (کی طرف) سے اندیشہ کر رہے تھے حالانکہ اللہ ہی اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرا جائے و۸۰

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ

پھر جب زید کا دل اس (عورت) سے بھر گیا و۸۱ تو ہم نے اس کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا و۸۲ تاکہ

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا

اہل ایمان پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارہ میں کچھ تنگی نہ رہے جب وہ ان سے

مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا كَانَ

اپنا جی بھر چکیں و۸۳ اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہنے والا تھا و۸۴ نبی کے لئے اللہ

عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ

نے جو کچھ مقرر کر دیا تھا و۸۵ ان پر اس باب میں کوئی الزام نہیں، اللہ کا یہی معمول (رہا) ہے ان (پیمبروں) کے بارہ میں

فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا

جو (آپ سے) پیشتر ہو چکے ہیں و۸۶ اور اللہ کا حکم خوب تجویز کیا

مَّقْدُوْرَا ﴿۳۸﴾ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ

ہوا ہوتا ہے و۸۷ (یہ وہ لوگ ہیں) جو اللہ کے پیامات پہنچایا کرتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے

وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾ مَا

اور بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے تھے، اور اللہ حساب کے لئے کافی ہے و۸۸

كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں و۸۹ البتہ اللہ کے رسول ہیں و۹۰

تمہارے ہی گھروں میں تو ہوتا ہے۔ تم سے بڑھ کر ان علوم وحقائق وشرائع کا حامل اور کون ہوگا۔ اٰیٰتِ اللّٰہِ۔ یعنی قرآن مجید۔ ای القراٰن (مدارک) اَلْحِکْمَۃِ۔ یعنی احکام شریعت وفہم قرآنی۔ ای السنۃ او بیان معنی القراٰن (مدارک) و۶۷ (اس لیے اس کے احکام کی تعمیل کا اہتمام نہایت درجہ واجب ہے) لَطِیْفًا۔ لطیف وہ جو احوال قلوب کو بھی خوب جانتا ہے۔ خَبِیْرًا۔ خبیر۔ وہ جس پر اعمال پوشیدہ سے پوشیدہ بھی روشن ہیں۔ و۶۸ یعنی وہ مرد وزن جو اسلام کے اعمال ظاہری، نماز، روزہ وغیرہ پر قائم ہوں --- الفاظ کا رخ اقرار واعمال اسلامی کی طرف ہے۔ و۶۹ یعنی وہ مرد وزن جو عقائد صحیح کے پابند ہوں --- الفاظ کا اشارہ عقائد اسلامی کی جانب ہے۔ و۷۰ اعمال وعقائد دونوں کا ذکر اوپر آچکا۔ اب یہاں زور فرماں برداری پر ہے۔ یعنی یہ جو کچھ کر رہے ہیں براہ انقیاد، بلا کراہت وپس وپیش کر رہے ہیں، المراد بین علی الطاعات القائمین بہا (روح) و۷۱ یہ صدق جامع ہے صدق قول، صدق عمل، صدق نیت، صدق ایمان، ہر قسم کے صدق کا۔ قیل فی القول والعمل (روح) و۷۲ صبر یعنی ثبات واستقامت، اپنے سارے عنوانات کے ساتھ۔ یعنی طاعتوں پر بھی، معاصی کی طرف سے بھی۔ مصائب پر بھی۔ علی المکارہ وعلی العبادات و من المعاصی (روح) و۷۳ یہ خشوع شامل ہے عبادات میں توجہ قلب پر اور عادات میں تواضع پر بھی۔ و۷۴ تصدق میں زکوٰۃ وصدقہ نفل وغیرہ سب آگئے۔ و۷۵ آیت میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی بھی تصریح برابر ہوتی چلی گئی ہے۔ حالانکہ قرآن کا عام دستور ہے کہ مردوں کے ذکر میں عورتیں ضمناً وتبعاً شامل ہی سمجھ لی جاتی ہیں۔ اہل تفسیر نے توجیہ یہ کی ہے کہ یہاں اصلاً ومستقلاً مدح ازواج پیمبر ہی کی مقصود تھی۔ اور جو مقصود ہوا سے ضمناً وتبعاً نہیں پیش کیا جاتا۔ مردوں کے لیے اَلْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَھُمْ اور عورتوں کے لیے صرف اَلْحٰفِظٰتِ گویا مردوں کے لیے تصریح اور عورتوں کے لیے کنایہ۔ اہل تفسیر نے اس کی بھی توجیہ دو طرح پر کی ہے۔ ایک یہ کہ اس میں عورتوں کو تعلیم ہے حیائے ذکری کی۔ وہ سمجھیں کہ اللہ ان کی تعلیم تک میں کنایہ پر کفایت کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مرد کے لیے صرف اعضائے مردانہ کا تحفظ کافی ہے۔ بخلاف اس کے عورت کی ہر چیز عورت ہوتی ہے۔ اسے اپنے حفظ کے لیے احتیاط اپنے رفتار وگفتار، لباس وآواز ہر چیز میں رکھنا لازمی ہے۔ و۷۶ حکم کا اطلاق عمومی ظاہر ہے۔ اس اعلان عام کے علاوہ اشارہ ایک واقعہ خاص کی جانب بھی ہے۔ زینب بنت جحش خاندان بنی اسد سے رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں۔ حسن صورت میں ممتاز لیکن ساتھ ہی مزاج کی بھی تیز، آپ نے ان کا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ صحابی سے کر دینا چاہا۔ اور وہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب خصوصی تھے۔ یہاں تک کہ مدتوں عوام میں زید بن محمد کر کے مشہور رہے، لیکن ایک زمانہ میں نصرانی غلام رہ چکے تھے۔ اور پھر صورت کے لحاظ سے بھی کچھ ممتاز نہ تھے۔ زینب اور ان کے بھائی کو نکاح اپنے شرف نسب کی بناء پر، ان آزاد شدہ غلام کے ساتھ پسند نہ آیا۔ تامل کرنے لگے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ جب رسول ایک امر کا فیصلہ کر چکے تو اب کسی اُمتی کو چون وچرا کی گنجائش ہی کہاں باقی رہی۔ آیت کی اس تنبیہ شدید کو سن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے نکاح، انہیں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ منظور کر لیا۔ آیت سے یہ مسئلہ بھی صاف ہو گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کے جو احکام ہوتے ہیں وہ واجب التعمیل ہی ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اُن کی تعمیل وعدم تعمیل اپنی خوشی پر ہو۔ فیہ الدلالۃ علی ان اوامر اللہ تعالٰی و اوامر رسولہ للوجوب لانہ قد نفی بالاٰیۃ ان تکون لنا الخیرۃ فی ترک اوامر اللہ و اوامر الرسول ﷺ (جصاص) دل ذٰلک علی ان الامر للوجوب (مدارک) و۷۷ (بطور فہمائش ومشورہ، نہ بطور حکم وجوبی) ای امر ندب (بحر) و۷۸ مراد وہی حضرت زید صحابی ہیں۔ اللہ کا انعام تو ظاہر ہے کہ اسلام وایمان کی توفیق دی، جو سب سے بڑی دینی نعمت ہے۔ اور پھر غلامی سے نجات دلائی جو سب سے بڑی دنیوی نعمت ہے۔ اور رسول کی طرف سے انعام یہ ہے کہ آپ نے اُمور دین کی تعلیم فرمائی، غلامی سے آزاد کیا۔ اپنی قریبی رشتہ کی بہن سے نکاح کرا دیا۔ حدیث میں اُن کے لیے الفاظ آئے ہیں۔ کان من احب الناس الی، میرے محبوب ترین انسانوں میں ہیں۔ و۷۹ یعنی بیوی کے حقوق میں کوتاہی نہ کر۔ واتق اللہ فی معاشرتہا (بحر) زَوْجَکَ۔ یہ بیوی صاحبہ وہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ آخر ان شوہر کو بھی راضی نہ رکھ سکیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دینے کا فیصلہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو فہمائش کی کہ جہاں تک بن پڑے نباہ کرو۔ اتَّقِ اللّٰہَ۔ قرآن مجید نے یہ ایک ایسی جامع ہدایت کر دی کہ خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے اور رکھنے کے لیے پھر اس کے بعد کسی اور ہدایت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ تقوی الٰہی پر اگر عمل ہو، تو ازدواجی زندگی بلکہ خانگی زندگی ہی پر کیا موقوف ہے۔ ہر شعبہ زندگی کی تلخیاں شیرینیوں میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔ و۸۰ جب شکایتیں اور رنجشیں حد سے بڑھ گئیں اور آپ کو خواہ وحی سے خواہ قرائن سے خواہ دونوں سے یقین ہو گیا کہ اب یہ تعلق ازدواج نبھ نہیں سکتا۔ تو قدرۃً آپ کو بڑی فکر اس کی پیدا ہوئی کہ اب آئندہ کے لیے انتظام کیا ہو۔ زینب رضی اللہ عنہا کی ایک دلشکنی تو پہلے ہو چکی تھی، جب اُن کا عقد اُن کی عالی نسبی کے باوجود ایک آزاد شدہ غلام سے کرایا گیا تھا۔ دوسرا داغ اس سے بڑھ کر اُن کی عزت عرفی اور نیک نامی پر یہ لگ رہا تھا کہ نباہ ان آزاد شدہ غلام کے ساتھ بھی نہ ہو سکا! طلاق ان سے بھی مل رہی ہے اور اب ساری زندگی ایک آزاد شدہ غلام کی مطلقہ ہی کہلا کر بسر کرنا ہو گی! یہ ننگ و ذرنگ جس قدر شاق ہوا ہو گا ظاہر ہے۔ اس موقع پر اشک شوئی اور دلشکنی کے تدارک کی صورت یہی تھی کہ سردار اسلام ﷺ زینب رضی اللہ عنہا کو خود اپنے عقد نکاح میں لا کر اُن کی دلجوئی اور قدر افزائی کریں۔ ساتھ ہی یہ خیال بھی تھا کہ قوم عرب جو منہ بولے بیٹے کے ساتھ نکاح کو اتنا معیوب سمجھ رہی ہے وہ کیا کہے گی، آپ اسی فکر وتردد میں تھے کہ حکم الٰہی ملا، کہ طعن خلق سے بے پرواہ ہو کر نکاح کر لیجیے۔ زینب کی اشک شوئی و دلدہی جو تھی، وہ تو تھی

وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا ﴿۴۰﴾ ع یٰۤاَیُّهَا

اور (سب) نبیوں کے ختم پر ہیں ف۹۱ اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ف۹۲ اے

الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوا اللّٰهَ ذِكۡرًا كَثِیۡرًا ﴿۴۱﴾ لا وَّ سَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً

ایمان والو اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو ف۹۳ اور صبح و شام اس کی

وَّ اَصِیۡلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِیۡ یُصَلِّیۡ عَلَیۡكُمۡ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ

تسبیح کرتے رہو ف۹۴ وہ ایسا ہے کہ وہ خود اور اس کے فرشتے (بھی) تمہارے اوپر رحمت بھیجتے رہتے ہیں ف۹۵

لِیُخۡرِجَكُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ؕ وَ كَانَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ

تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئے ف۹۶ اور وہ مومنین کے حق میں

رَحِیۡمًا ﴿۴۳﴾ تَحِیَّتُهُمۡ یَوۡمَ یَلۡقَوۡنَهٗ سَلٰمٌ ۖۚ وَ اَعَدَّ لَهُمۡ اَجۡرًا

تو رحیم ہی ہے، جس روز وہ اس سے ملیں گے انہیں دعا (دی جائے گی) سلام سے ف۹۷ اور اس نے ان کے لیے معزز صلہ

كَرِیۡمًا ﴿۴۴﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا

تیار کر رکھا ہے، اے نبی بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے، بطور گواہ ف۹۸ اور بشارت دینے والے

وَّ نَذِیۡرًا ﴿۴۵﴾ لا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیۡرًا ﴿۴۶﴾

اور ڈرانے والے کے اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے کے ف۹۹ اور بطور ایک روشن چراغ کے ف۱۰۰

وَ بَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ بِاَنَّ لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ فَضۡلًا كَبِیۡرًا ﴿۴۷﴾ وَ لَا

آپ بشارت دیجیے ایمان والوں کو کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا ہی فضل ہے ف۱۰۱ اور

تُطِعِ الۡكٰفِرِیۡنَ وَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَ دَعۡ اَذٰىهُمۡ وَ تَوَكَّلۡ عَلَی

کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ کیجیے ف۱۰۲ اور ان کی اذیت رسانی کا خیال نہ کیجیے، ف۱۰۳ اور اللہ پر

اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیۡلًا ﴿۴۸﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا

بھروسہ رکھیے اور اللہ ہی کافی کارساز ہے ف۱۰۴ اے ایمان والو! تم جب

ہی، اصلاح عامہ کی طرف بھی کتنا بڑا قدم اس طرح اُٹھ گیا کہ متبنّٰی کی زوجہ سے نکاح کا جواز خود فعل رسول سے ثابت ہوگیا۔ وَتُخۡفِیۡ...... مُبۡدِیۡهِ۔ یعنی یہی ارادۂ نکاح جو بغرض اشکنِ شوئی وولدی جس کا اظہار حق تعالیٰ نے کلام مجید کے ذریعہ سے کردیا۔ یعنی من نکاحک لها (ابن العربی) والمراد بالموصول ما اوحی اللہ تعالیٰ به الیه ان زینبؓ سیطلقها زید و یتزوجها بعد علیه الصلوٰة والسلام والیٰ هذا ذهب اهل التحقیق من المفسرین (روح) وَتَخۡشَی النَّاسَ۔ یعنی وہی عرف عام ورواج کے خلاف ہونے کی بنا پر اہل قوم وقبیلہ طرح طرح کے طنز کریں گے کہ دیکھئے منہ بولی بہو کے ساتھ نکاح کرلیا، اور آپ کو اپنی بدنامی کا اندیشہ تھا۔ ان یتکلموا فیک (ابن العربی) یہاں بعض اہل تفسیر کے قلم کو لغزش ہوگئی ہے، اور بعض ایسے قصے درج کردیئے ہیں، جو ایک طرف تو نقلاً بے سند ہیں اور دوسری طرف عقلاً بے سروپا اور شان رسالت کے منافی۔ یعنی ناقابل قبول نہ روایۃً نہ درایۃً، محققین مفسرین نے اسی لیے ایسے قصوں کی بلانقل کیے بھی تردید وتکذیب کردی ہے۔ و لبعض المفسرین کلام فی الاٰیة یقتضی النقص من منصب النبوة ضربنا عنه صفحًا (بحر) احببنا ان نضرب عنها صفحًا لعدم صحتها فلا نوردها (ابن کثیر) وللقصاص فی هٰذه القصة کلام لا ینبغی ان یجعل فی حیز القبول (روح) مَا اللّٰهُ مُبۡدِیۡهِ۔ کی تفسیر محبت وغیرہ سے کرنا جیسا بعض اقوال شاذہ غیر مستند الی الدلیل الصحیح میں ہے، صحیح نہیں، کیونکہ ان سے پوچھا جائے گا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا ابداء کہاں کیا۔ بخلاف تفسیر النکاح کے کہ زَوَّجۡنٰکَهَا میں بھی ابداء ہوا ہے (تھانوی علیہ رحمۃ اللہ) مسیحی اہل قلم نے خوب خوب اس موقع پر اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کیا ہے۔ لیکن خدا کی شان ہے کہ ایک ممتاز برطانوی مصنف باسورتھ اسمتھ (BOSWORTESMITE) نے ٹھیک اس کے برعکس نتیجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال اخلاص کا اسی سورت سے نکالا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ تفسیر انگریزی۔ آیت سے معلوم ہوا کہ طعن عوام سے اندیشہ ایک امر طبعی ہے۔ اور منافی مرتبہ رسالت نہیں۔ پھر منافی کمالات ولایت تو اور بھی نہیں۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جس فعل میں کوئی دینی مصلحت ہو جیسے اس قصہ میں مصلحت تھی۔ اس میں ملامت کی پروا نہ کرنی چاہیے۔ اور یہ مصلحت وہ تھی جو لِکَیۡ لَا یَکُوۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ حَرَجٌ میں مذکور ہوئی۔ البتہ جس میں بجائے مصلحت کے عام مومنین کے لیے کوئی مفسدہ ومضرت ہو اس میں احتیاط کرنا چاہیے، جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصہ حطیم میں کیا۔ ف۸۱ (اور کوئی واسطہ اس سے باقی نہ رہا) یعنی جب زید نے طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی۔ قضاء وطر کا اطلاق اس صورت میں ہوتا ہے جب کوئی بھی واسطہ فریقین میں باقی نہ رہ جائے۔ اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب طلاق پر مدت عدت بھی گزر جائے۔ والمعنی فلما لم یبق لزید فیها حاجة و تقاصرت عنها همته و طابت عنها نفسه و طلقها وانقضت عدتها (کشاف) ای طلقها کما روی عن قتادة (روح) ای لما طلقها زید وانقضت عدتها (کبیر) قیل ان قضاء الوطر یشعر بانقضاء العدة (روح) تمام صحابیوں میں یہ شرف حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہے کہ ان کا نام صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے۔۔۔ اور اسی بناء پر بعض لوگوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو افضل الصحابہ قرار دیا ہے۔ ف۸۲ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جب عدت ختم ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نکاح کا پیغام بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی کی معرفت بھیجا۔ ضیافت ولیمہ بڑے پیمانہ پر ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کسی بیوی صاحبہ کا ولیمہ اس پیمانہ پر اور اتنا اچھا نہیں کیا۔ زَوَّجۡنٰکَهَا کے روشن ترین اعلان نکاح کے بعد حقیقۃً اب کسی ظاہری عقد نکاح کی ضرورت ہی نہیں باقی رہی تھی، لیکن اس کے باوجود اس عالم ظاہری میں بھی نکاح ہوا۔ یہ نکاح خود حضرت زینب کے بھائی ابو احمد بن جحش نے پڑھایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر چار سو درہم کا رکھا۔ زوجها ایاها اخوها ابو احمد بن جحش و امهر لها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع مائة درهم (ابن ہشام) لفظ زوجناک سے بعض فقہاء نے مسئلہ ولایت نکاح کا استنباط کیا ہے دلیل علی ثبوت الولی فی النکاح (قرطبی) ف۸۳ لِکَیۡ...... اَدۡعِیَآئِهِمۡ۔ مطلب یہ ہوا کہ اس عام تشریع کا اعلان تو ہمیں مقصود ہی تھا۔ فقہاء نے یہیں سے یہ استنباط کیا ہے کہ جو احکام تشریعی نبی کے لیے ہیں (جب تک ان کی خصوصیت کی تصریح نہ کردی جائے) وہی ساری اُمت کے لیے بھی ہوتے ہیں۔ الامة مساویة للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الحکم الا ما خصه اللہ تعالیٰ به لانهٗ اخبر اللہ احل ذٰلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لیکون المؤمنون مساوین لهٗ (جصاص) و استدل بهٰذا علی ان ما ثبت لهٗ صلی اللہ علیہ وسلم من الاحکام ثابت لامته الا ما علم اللہ من خصوصیاته علیه الصلوٰة والسلام بدلیل (روح) ف۸۴ (کہ حکمت تکوینی مقتضی ہی اس کی تھی) ف۸۵ (تکوینًا خواہ تشریعًا) یہاں مراد اسی نکاح زینب سے ہے۔ ای فی ما احل لهٗ وامرهٗ به من تزویج زینب (ابن کثیر) ف۸۶ یعنی انبیاء سابقین کا یہی دستور رہا ہے کہ انہیں جس امر کی اجازت ہوتی ہے، اسے بلا تامل کر گزرتے ہیں، اور اس میں مورد طعن وملامت نہیں ہوسکتے۔ اَلَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ۔ سے مراد انبیاء سابقین ہیں، جیسا کہ آئندہ آیت میں تصریح سے آرہا ہے۔ ای من قبلک من الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام (روح) ف۸۷ یعنی بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل دنیوی حکمرانوں کے احکام کی طرح فوری مقصد وضرورت پر مبنی نہیں۔ الذین یبلغون رسٰلٰت اللہ۔ ف۸۸ (چنانچہ آج جو آپ پر طعن کرنے والے ہیں وہ بھی کل حساب سے بچے نہ رہیں گے) یُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ

للہ۔ تبلیغ پیام الٰہی عام ہے قولی اور فعلی ہر قسم کی تبلیغ کے لیے انبیاء گزشتہ کے قصے محض آپؐ کی تقویت قلب کے لیے ہیں۔ ورنہ آپ تو یوں بھی کبھی غیر اللہ کے خوف کو خاطر میں نہ لائے۔ و۸۹ (اور جب اُن کے کوئی بیٹا ہی نہیں تو بہو کے ساتھ نکاح کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا) اسم پاک محمد پر حاشیہ سورۂ آل عمران (پ۴) میں گزر چکا۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ کے تحت میں و۹۰ (اور اسی طرح ساری اُمت کے روحانی مربی) اس میں یہ بھی اشارہ نکل آیا کہ آپؐ کو اُمت کے ایک ایک فرد کے ساتھ جو تعلق شفقت ورحمت ہے وہ طبعی نہیں ماتحت رضاء الٰہی ہے۔ و۹۱ (اس لیے آپ کی تربیت رُوحانی بھی غیر موقوف و غیر منقطع ہے) ختم نبوت کی یہ تصریح نہ ہوتی جب بھی دوسری آیات۔ مثلاً اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وغیرہ اس عقیدہ کی بنیاد بننے کے لیے کافی تھیں۔ جب کوئی درجہ مزید تعلیم و اصلاح کا باقی ہی نہ رہا تو اب کسی نئے نبی کی ضرورت ہی کیا رہی؟ لیکن اس غرض سے کہ آئندہ کسی جھوٹے مدعیٔ نبوت کے لیے اتنی گنجائش بھی باقی نہ رہے، یہاں بتصریح یہ وارد کر دی گئی۔ خَاتَمَ۔ خَاتِمَ اور خاتِم دونوں کے معنٰی لغت میں آخر کے ہیں۔ خاتمهم و خاتمهم اى اٰخرهم (لسان) خاتم النبيين اى اٰخرهم (تاج) اور آپؐ کا لقب خاتم النّبیین ہے ہی اسی لیے کہ نبوت آپؐ پر ختم ہو گئی۔ اور نبوت کی تکمیل آپ کی آمد سے ہو گئی۔ و خاتم النبيين لانهٗ ختم النبوة اى تمّمها بمجيئه (راغب) هو الذى ختم النبوة بمجيئه (تاج) خاتم النبيين اى اٰخر الانبياء (کشاف) والمعنى انهٗ لانبى احدٌ بعدهٗ (بحر) خاتم بفتح التاء اى اٰخرهم (معالم) ختم الله به النبوة (معالم) هٰذه الاٰية نص فى انهٗ لانبى بعدهٗ۔ و بذالک وردت الاحاديث المتواترة عن رسول الله عن جماعة من الصحابة (ابن کثیر) خود قرآن مجید ہی میں دوسری قرأت خاتِم النّبیین کی بھی ہے وقرء الاٰخرون بكسر التآء على الفاعل لانهٗ ختم به النبيين فهو خاتمهم (معالم) ختم نبوت یعنی ذات محمدی پر ہر قسم کی نبوت کا ختم ہو جانا اُمت کا اجماعی عقیدہ ہے اور جو اجراء نبوت کا اب بھی قائل ہے اہل تحقیق نے تصریح کر دی ہے کہ وہ اجماع اُمت سے زندیق بلکہ حکومت اسلامی میں واجب القتل ہے۔ و من ذهب الى ان النبوة مكتسبة لا تنقطع فهو زنديق يجب قتلهٗ (بحر) واجمعت عليه الامة فيكفر مدعى خلافه و يقتل ان اصرّ (روح) یہ ختم نبوت کا دعویٰ بھی اسلام کے امتیازی خصوصیات میں سے ہے۔ پیمبر اور ہادیان مذہب قرآن سے قبل بے شمار آچکے تھے۔ کتابیں بھی نازل ہو چکی تھیں۔ مگر یہ دعویٰ کسی نے بھی نہیں کیا تھا کہ میں آخری پیمبر ہوں اور میرے بعد اب کوئی پیمبر نہ آئے گا۔ اور اس دعوے کی بولتی ہوئی سچائی دیکھئے کہ اس تیرہ چودہ سو برس کی مدت میں کوئی سنجیدگی کے ساتھ دعویدار نبوت ہوا ہی نہیں۔ مسیلمہ متنبّی وغیرہ کا جو حشر ہوا وہ ظاہر ہی ہے۔ لے دے کے تمام ساری تاریخ میں صرف دو شخصوں کے اس سلسلہ میں لیے جا سکتے ہیں۔ ایک بہاء اللہ (بانی مذہب بہائی) دوسرے مرزا غلام احمد (بانی سلسلہ قادیانی) تو ان میں مرزا تو اپنے کو کھلم کھلا محمدی اور متبع کامل دین احمدی کہتے ہیں۔ چنانچہ اُن کی نبوت تو اُن کے زعم واصطلاح میں تمامتر اتباعِ رسول ہی ہے۔ رہا مذہب بہائی تو وہ بھی بڑی حد تک دین محمدی ہی کی تحریف شدہ شکل کا نام ہے۔ و۹۲ (سو اس نے کسی مصلحت ہی سے رسول کو اس نکاح کا حکم دیا) و۹۳ طاعتیں اور عبادتیں جتنی بھی ہیں، سب ذکر الٰہی ہی کی فرد ہیں۔ کل طاعة و كل خير من جملة الذكر (کشاف) و۹۴ یعنی اس کے ذکر وطاعت پر دوام رکھو۔ بكرة واصيلا اشارة على المداومة (کبیر) اى كافة الاوقات (کشاف) و۹۵ (اسی کے حکم سے) اللہ کا رحمت بھیجنا تو ظاہر ہی ہے۔ فرشتوں کا رحمت بھیجنا رحمت کی دُعا کرنا ہے۔ و۹۶ (کہ اللہ کی رحمت اور ملائکہ کی دعاء کی برکت سے یہ نعمت تمہیں برابر حاصل ہوتی رہے) اَلظُّلُمٰتِ۔ سے مراد جہل وضلالت کی تاریکیاں ہیں۔ اَلنُّوْرِ۔ سے مراد علم وہدایت کا نور ہے۔ و۹۷ اللہ اپنے بندوں کو خود سلام کرے، جنت میں مؤمنین کے اعزاز واکرام کی یہ انتہا ہو گی! و تحية الله لهم يقول للمؤمنين السلام عليكم مرحبا بعبادى الذين ارضونى (بحر) یہی سلام اہل جنت کا آپس میں اور فرشتوں کی طرف سے بھی ہوگا۔ و۹۸ اس صفت کا ظہور حشر میں ہوگا، جب آپ کی شہادت پر آپ کی اُمت کا فیصلہ ہوگا۔ شَاهِدًا۔ کے معنٰی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ آپ تمام امتوں کے رسولوں پر بطور شاہد پیش ہوں گے کہ وہ ادائے رسالت کر چکے۔ قيل المراد شاهدًا على جميع الامم يوم القيامة بان انبياء هم قد بلغوهم الرسالة (روح) اور مولانائے رومی علیہ الرحمۃ نے تو یہ پہلو لیا ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو بندوں کے مختلف مراتب ومنازل سے مطلع کر رکھا ہے ۔ درنظر بودش مقامات العباد زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد و۹۹ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ۔ پر ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۱۰۰ (سرتاپا نمونہ ہدایت ہونے کے لحاظ سے) مفسرین قدیم نے لکھا ہے کہ بجائے آفتاب کے چراغ سے آپ کے تشبیہ دینے میں یہ نکتہ ہے کہ نور آفتاب گو تیز وقوی ہوتا ہے۔ لیکن اس کا فیضان ضعیف ہے اپنا سا کسی کو نہیں بنا سکتا بخلاف اس کے چراغ سے صدہا ہزار ہا چراغ جلتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ اُمت میں فیضان رسول سے قیامت تک اولیاء وابرار ہوتے رہیں گے۔ ’’احقر کے نزدیک چراغ سے تشبیہ دینے میں یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو چراغ تک رسائی آسان ہے۔ پھر چراغ سے ہر وقت نور حاصل کرنا ممکن ہے۔ پھر سہل الحصول ہے۔ پھر اس سے نور حاصل کرنے میں اکتساب اور قصد کو بھی دخل ہے۔ پھر صحیح المزاج اور صحیح البدن انسان کو اس سے ناگواری کسی وقت نہیں ہوتی۔ پھر اس میں شان انیس ہونے کی بھی ہے۔ اور ان سب صفات کو انبیاء علیہم السلام

نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ

مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر تم انہیں طلاق دے دو قبل اس کے کہ

تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ

تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو تو تمہارے لئے ان کے بارہ میں کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرنے لگو و۱۰۵

فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ يٰۤاَيُّهَا

تو انہیں کچھ مال دے دو، اور انہیں خوبی کے ساتھ رخصت کر دو و۱۰۶ اے

النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ

نبی ہم نے آپ کے لئے آپ کی (یہ) بیویاں حلال کی ہیں جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں و۱۰۷

وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ

اور وہ عورتیں بھی جو آپ کی ملک میں ہیں جنہیں اللہ نے آپ کو غنیمت میں دلوایا ہے و۱۰۸ اور آپ کے چچا کی بیٹیاں

وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ

اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں و۱۰۹ اور آپ کی ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں و۱۱۰ جنہوں نے

هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا

آپ کے ساتھ ہجرت کی و۱۱۱ اور اس مسلمان عورت کو (بھی) جو (بلاعوض) اپنے کو نبی کو

لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ

دے دے و۱۱۲ بشرطیکہ نبی (بھی) اسے نکاح میں لانا چاہیں (یہ حکم) آپ کے لئے مخصوص ہے

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ

نہ کہ (اور) مومنین کے لئے ہم کو وہ (احکام) معلوم ہیں جو ہم نے ان کی

اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ

بیویوں اور ان کی باندیوں کے بارہ میں ان پر مقرر کئے ہیں و۱۱۳ تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی

حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ

نہ (واقع) ہو ف۱۱۴ اور اللہ تو بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۱۱۵ ان میں سے آپ جس کو چاہیں اپنے سے

مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابْتَغَيْتَ

دور رکھیں، اور جس کو چاہیں اپنے نزدیک رکھیں ف۱۱۶ اور جن کو آپ نے الگ کر رکھا تھا ان میں سے کسی کو

مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ

پھر طلب کرلیں جب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں، اس (انتظام) میں زیادہ توقع ہے اس کی کہ ان کی آنکھیں

اَعْيُنُهُنَّ وَ لَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ

ٹھنڈی رہیں گی اور آزردہ نہ ہوں گی اور اس پر راضی رہیں گی جو کچھ آپ انہیں دے دیں گے ف۱۱۷

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾ لَا

اور اللہ (خوب) جانتا ہے اسے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حلم والا ہے ف۱۱۸

يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ

ان عورتوں کے بعد آپ کے لئے کوئی جائز نہیں ف۱۱۹ اور نہ یہی کہ آپ ان بیویوں کی جگہ

اَزْوَاجٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ

دوسری کرلیں ف۱۲۰ چاہے آپ کو ان کا حسن بھلا ہی لگے مگر ہاں بجز ان کے کہ جو آپ کی

يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ ع يٰٓاَيُّهَا

باندیاں ہیں، اور اللہ ہر شے کا (پورا) نگراں ہے ف۱۲۱ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ

ایمان والو نبی کے گھروں میں مت جایا کرو بجز اس وقت کے جب تمہیں کھانے کے لئے

اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ

(آنے کی) اجازت دی جائے (اور جب بھی) ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو، البتہ جب تم کو بلایا جائے

کی شان سے زیادہ مناسبت ہے (تھانوی ؒ) ف۱۰۱ (آپ کے واسطہ سے) یعنی دنیا میں غلبہ ونصرت اور آخرت میں عفو ومغفرت۔ پھر ہر نعمت اخروی میں دوام وبقاء۔ ف۱۰۲ یعنی ایسا نہ ہو کہ ان کے طعن پیہم سے آزردہ ہو کر ان پر تبلیغ ہی ترک کردیجئے۔ یہ تو نتیجہ اور مآل کے اعتبار سے عین انہیں کی رائے کا اتباع ہوگیا۔ ف۱۰۳ (جیسا کہ اس واقعہ نکاح میں کہ آپ کی طرف سے تبلیغ فعلی تھی، ان کی طرف سے سخت اذیت قولی آپ کو پہنچی) ف۱۰۴ (اور آپ کو ہر ضرر سے بچالے گا) اللہ کی کارسازی کا مراقبہ خود ہر تلخی کو شیرینی میں تبدیل کردینے کے لیے کافی ہے۔ ف۱۰۵ (اور اس لیے انہیں فوری نکاح ثانی سے کوئی مدت عدت مانع نہیں درآنحالیکہ مدخولہ کی طلاق کے بعد عدت واجب ہوجاتی ہے) نَكَحْتُمُ۔ نکاح کے لغوی معنی تو صحبت یا جماع کے ہیں۔ مگر قرآن مجید میں عموماً عقد نکاح کے معنی میں آیا ہے۔ تَمَسُّوْهُنَّ۔ ہاتھ لگانا کنایہ صحبت سے ہے، حقیقۃً یا حکماً مثل خلوت صحیحہ کے۔ پس دونوں سے عدت واجب ہے (تھانوی ؒ) والخلوة الصحيحة كالمس (مدارک) اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ۔ الفاظ آیت سے فقہاء مفسرین نے یہ نکالا ہے کہ نکاح گو جائز کتابیہ عورتوں سے بھی ہے۔ لیکن اولیٰ یہی ہے کہ مومنات کے ساتھ کیا جائے۔ و فى تخصيص المومنات مع ان الكتابيات تساوى المؤمنات فى هذا الحكم اشارة الى ان الاولى بالمومن ان ينكح مؤمنة (مدارک) لَكُمْ۔ کی ضمیر مذکر سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ عدت حق زوج ہے، جیسا کہ ولد حق والد ہے۔ فيه دليل على ان العدة تجب على النساء للرجال (مدارک) ف۱۰۶ نکاح ہو، یا طلاق، رفاقت ہو یا افتراق، قرآن خوبی و خوش اسلوبی کی شرط ہر جگہ لگائے ہوئے ہے۔ جو کچھ بھی ہو سَرَاحًا جَمِيْلًا ہو، بالمعروف ہو، یعنی شریفانہ طرز پر ہو، حفظ وضع و پاسِ ناموس کے ساتھ ہو۔ تفضیح و بدنمائی کی صورت بہرحال نہ پیدا ہونے پائے۔ ف۱۰۷ (باوجود اس کے کہ وہ چار کے جائز عدد سے زائد ہیں) پیمبر کے شرف و امتیاز نیز آپ کی ضرورتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر آپ کی ازدواجی زندگی سے متعلق اب بعض مخصوص احکام کا بیان ہورہا ہے۔ ف۱۰۸ (کنیز شرعی کی حیثیت سے) یعنی ان سب کے رکھنے کی آپ کو اللہ کی طرف سے اجازت ہے۔ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ۔ کی قید سے زرخرید باندیاں اس حکم اجازت سے نکل گئیں۔ ف۱۰۹ دونوں کا خلاصہ یہ کہ آپ کے والد کے خاندان کی بیٹیاں۔ ف۱۱۰ دونوں کا حاصل یہ کہ آپ کی والدہ کے خاندان کی بیٹیاں۔ ف۱۱۱ یعنی دادھیالی اور ننھیالی خاندانوں کی بھی سب عورتیں نہیں، بلکہ وہی جنہوں نے عمل ہجرت میں موافقت کی ہو غیر مہاجر بیویاں اس قید سے نکل گئیں۔ مَعَكَ۔ میں قید معیت زمانی کی نہیں۔ مراد صرف عمل مہاجرت میں موافقت سے ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ واسلمت مع سليمان و مع ليس للقران بل لوجودها (مدارک) المعية هنا الاشتراک فى الهجرة لا فى الصحبة فيها (قرطبی) ف۱۱۲ یعنی وہ زن مومنہ جو بلا مہر اپنے کو آپ کے نکاح میں لے آنا چاہے — یہ اجازت آپ کے لیے مخصوص تھی۔ جیسا کہ ابھی آرہا ہے۔ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ آپ کو یہ اجازت تھی۔ لیکن کبھی آپ نے اس اجازت سے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ یعنی کوئی نکاح بلا ذکر مہر نہیں کیا۔ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا۔ استنکاح۔ نکاح کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور طلب نکاح کے معنی میں بھی۔ ای ينكحها يقال نكح واستنكح مثل عجب و استعجب و يجوزان يرد الاستنكاح بمعنى طلب النكاح (قرطبی) ف۱۱۳ (اور جو ہم نے دوسری آیتوں یا روایتوں کے ذریعہ سے بندوں کو بھی معلوم کرادیے ہیں) خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ رسول ﷺ کے لیے حکم مخصوص (جس میں امت شریک نہیں) یہی تھا کہ آپ بلا مہر بھی بیویوں کو اپنے نکاح میں لے سکتے تھے۔ آیت کے اس جزو سے اس پر بھی روشنی پڑ گئی کہ یہ خاص حکم آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ ورنہ اور احکام مذکورۂ بالا آپ میں اور اُمت میں مشترک ہیں۔ اخبر انه مخصوص بذالک دون امته وانهٗ و اُمتهٗ سواء فى من تقدم ذكرهن (جصاص) ف۱۱۴ یعنی یہ عام مومنین کے احکام سے آپ کے حق میں بعض امتیازات وتخصیصات آپ کی مخصوص مصلحتوں کے لحاظ سے ہیں تاکہ آپ کے مقاصد پیمبرانہ و مصالح میں ہرج واقع نہ ہو۔ اخبر الله تعالىٰ بتوسعه على النبى ﷺ فى اباحته له و على المؤمنين فى ما اطلقهٗ لهم (جصاص) لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ کا ربط نحوی قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ سے ہے وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ ف۱۱۵ چنانچہ رحیمیت کی بناء پر احکام میں بڑی سہولتیں ملحوظ رکھتا ہے۔ پھر اگر سہل احکام کی تعمیل میں بھی غفلت ہوجائے تو غفوریت کی بناء پر جب چاہے معاف بھی کردیتا ہے۔ ف۱۱۶ یعنی جس کو جتنی مدت تک چاہیں اسے باری نہ دیں اور اپنے سے الگ رکھیں۔ اور جس کو جتنی مدت تک چاہیں، باری دیتے رہیں اور اپنے پاس ہی رکھیں۔ یہ آپ ہی کی صوابدید ومصلحت پر ہے۔ اس باب میں آپ پر وہ پابندیاں نہیں، جو عام اُمت پر ہیں۔ هذه الأية تدل علىٰ ان القسم بينهن لم يكن واجبًا على النبى ﷺ وانهٗ كان مخيرًا فى القسم لمن شاء منهن و ترک من شاء منهن (جصاص) مِنْهُنَّ۔ ضمیر ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات کی جانب ہے ذکر انہیں کا ہورہا ہے۔ ف۱۱۷ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ پر ادائے حقوق زوجیت کے باب میں وہ متعدد پابندیاں عائد نہیں جو عام مسلمین کے لیے ہیں۔ اور بیویوں کو بہت سے معاملات میں آپ پر کوئی دعویٰ یا حق ہی نہیں، یہ محض آپ کی خوشی و مصلحت پر ہے کہ آپ فلاں فلاں اُمور میں ان کی دلجوئی و رعایت کرتے رہیں تو جب ازواج مطہرات کا استحقاق ہی باقی نہ رہا تو قدرۃً انہیں رنج بھی بہت کم ہوگا۔ عموماً وعادتاً تو رنج کی بنیاد یہی استحقاق ہی ہوتا ہے — جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ انتظامات حق تعالیٰ ہی کی جانب سے ہیں، تو اب بجائے رنج کے تعمیل احکام

فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ

تب جایا کرو ف۱۲۲ پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو، اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے

لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ز

رہا کرو اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں ف۱۲۳

وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا

اور اللہ صاف بات کہنے سے (کسی کا) لحاظ نہیں کرتا ف۱۲۴ اور جب تم ان (رسول کی ازواج) سے کوئی چیز مانگو

فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ

تو ان سے پردہ کے باہر سے مانگا کرو ف۱۲۵ یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا

وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ

عمدہ ذریعہ ہے ف۱۲۶ اور تمہیں جائز نہیں کہ تم رسول اللہ کو (کسی طرح بھی) تکلیف پہنچاؤ ف۱۲۷ اور نہ یہ کہ

تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ

آپؐ کے بعد آپ کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو ف۱۲۸ بے شک یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی

اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝۵۳ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ

بات ہے ف۱۲۹ اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا اسے (دل میں) پوشیدہ رکھو گے، تو اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۵۴ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْۤ اٰبَآىِٕهِنَّ وَلَاۤ

ہر چیز کو خوب جانتا ہے ف۱۳۰ ان (رسول کی ازواج) پر کوئی گناہ نہیں (سامنے آنے میں) اپنے باپوں کے،

اَبْنَآىِٕهِنَّ وَلَاۤ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآءِ

اپنے بیٹوں کے اور اپنے بھائیوں کے اور اپنے بھتیجوں کے اور اپنے

اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآىِٕهِنَّ وَ لَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ج

بھانجوں کے اور اپنی (شریک دین) عورتوں کے اور نہ اپنی باندیوں کے

اور مسرت ہوگی لانهن اذا علمن ان هذا التفويض من عندالله اطمأنت نفوسهن و ذهب التغاير و حصل الرضاء (مدارک) ذٰلِكَ۔ یعنی یہی انتظامی سہولتیں اور رعایتیں جو آپ کے حق میں اوپر مذکور ہوئیں ۔۔یا یہ کہ آپ کی مرضی پر چھوڑ دینے کا حکم۔ اے التفويض الى مشيئتک (مدارک) ف۱۱۸ وہ اپنے علم کامل سے ہر ایک کی بدگمانیوں اور گستاخانہ خیالات پر بھی مطلع ہے، جس کی جب چاہے گرفت کرے، لیکن اپنے کمال حلم سے فوراً گرفت نہیں کرتا۔ سب کو موقع و مہلت دے رہا ہے۔ ف۱۱۹ (چنانچہ اہل قرابت میں سے غیر مہاجر بیویاں حلال نہیں اور دوسری عورتوں میں سے غیر مؤمنات حلال نہیں) مِنْ بَعْدُ۔ یعنی ان بیویوں کے علاوہ جن کے اوصاف ابھی بیان ہو چکے۔ قال عكرمة والضحاک معنى الأية لايحل لک النساء الا اللاتى احللنا لک بالصفة التى تقدم ذكرها (معالم) اے من بعد الاصناف التى سميت قاله ابى بن كعب و عكرمة و ابورزين و هو اختيار محمد بن جرير (قرطبی) ف۱۲۰ ''اس طرح سے کہ ان میں سے کسی کو طلاق دے دیں اور بجائے ان کے دوسری کر لیں، اور یوں بدون ان کے طلاق دیئے ہوئے اگر کسی سے نکاح کر لیں تو اس کی ممانعت نہیں۔ اسی طرح اگر بلا قصد تبدل کسی کو طلاق دیں تو اس کی بھی ممانعت ثابت نہیں۔ بلکہ لفظ تبدل اس مجموعہ کی ممانعت پر دال ہے، پس یہ تبدل ممنوع ہے''۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) عرب میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ شوہر شوہر اپنی بیویوں کا تبادلہ آپس میں کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے آیت کے تحت میں اس رواج جاہلیت کا بھی ذکر کیا ہے۔ كانت العرب فى الجاهلية يتبادلون بازواجهم يقول الرجل للرجل بادلنى بامرأتک و ابادلک بامرأتى (معالم) قال ابن زيد هذا شیءٌ كانت العرب تفعله يقول احدهم خذ زوجتى واعطنى زوجتک (قرطبی)

ف۱۲۱ (تو اس کو اس کی بھی پوری خبر رہتی ہے کہ کون کس کو کس نظر سے دیکھتا ہے، اور اس سے تاثیر میں قصد و اختیار کو کتنا دخل ہے) اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ۔ اس استثناء نے باندیوں میں تبدل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز کر دیا۔ وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ۔ قرآن مجید نے اول تو اسے محض بطور احتمال فرض کیا ہے۔ اور احتمالات اس سے کہیں بڑھ بڑھ کر بھی فرض کیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے فرض کیے بھی ہیں، لیکن اگر تحقق واقعۃً بھی کبھی ہو جاتا جب بھی محض اتنے میں کہ کسی نامحرم کے چہرہ پر نظر پڑ گئی، اور اس چہرہ کی زیبائی ادراک میں بھی آ گئی کوئی قباحت شرعی نہیں۔ یہ تو ایک امر غیر اختیاری ہوا۔ مذموم جو کچھ ہے وہ بالقصد نظر کرنا اور بالقصد اس سے لذت حاصل کرنا ہے۔ فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ نامحرم کے چہرہ پر نظر کرنی جائز ہے۔ جبکہ اس سے یہ تاثر حسن نہ پیدا ہوتا ہو۔ يدل على جواز النظر الى وجه المرأة الاجنبية اذلايعجبهٗ حسنها (جصاص) فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ جس عورت سے شادی کا ارادہ ہو اس کا دیکھنا جائز ہے۔ فى هذه الأية دليل على جواز ان ينظر الرجل الى من يريد زواجها (قرطبی) اور بعض نے اجازت سے بڑھ کر اس کو ارشاد کے معنی میں لیا ہے۔ الامر بالنظر الى المخطوبة انما هو على جهة الارشاد الى المصلحة (قرطبی) ف۱۲۲ مطلب یہ ہے کہ اول تو بے دعوت جاؤ مت، اور دعوت پر جاؤ جب بھی اتنا قبل سے مت پہنچ جاؤ۔ بعض لوگ خدمت رسول میں کھانا کھانے کے لیے جاتے اور بہت قبل سے جا کر بیٹھ جاتے اور کھانے کے انتظار میں بیٹھے رہتے۔ آپؐ مروت کی بنا پر زبان سے تو کچھ نہ فرماتے، لیکن طبعاً گرانی ضرور ہی محسوس فرماتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تہذیب مجلسی و آئین منزلی شریعت اسلامی کے اہم مقاصد میں سے ہے، قرآن کو اس باب میں ہدایات دینا ضرور تھا۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ گو نزول آیت آداب نبوی میں سے ہے مگر حکم عام ہے۔ وهذا الحكم و ان نزل خاصاً فى النبى صلی اللہ علیہ وسلم و ازواجه فالمعنى عام فيه وغيره (جصاص) ''یہ بتصریح علماء سرکار نبوی کے ساتھ خاص نہیں۔ یعنی اس قسم کی جو بات کسی کو گراں و ناگوار ہو وہ ناجائز ہے''۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ۔ گھر میں کسی کے بھی بے اذن نہ جانا چاہیے، اور آستانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اذن کی اہمیت تو بدرجہ اولیٰ ہے۔ کسی کے کھانے میں نظر لگانا اور بے بلائے دعوت میں طفیلی بن کر جانا جائز نہیں۔ اسی طرح کسی کے گھر میں بے ضرورت اور خلاف اذن دیر تک بیٹھے رہنا جائز نہیں۔ حقوق جس طرح مہمان کے ہیں، میزبان کے بھی ہیں۔ کسی مہمان کو یہ حق نہیں کہ اپنے کسی قول و فعل سے صاحب خانہ کو ایذاء پہنچائے۔ بُيُوْتَ النَّبِيِّ۔ بیوت کی اضافت نبی کی جانب کی گئی ہے۔ حالانکہ چند ہی آیتیں قبل وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ میں بیوت کی اضافت ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کی گئی تھی۔ دونوں اضافتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ وہ گھر رسول اللہ کے بھی تھے۔ اس معنی میں کہ آپ ہی ان گھروں کے مالک تھے۔ اور وہ گھر بیوی صاحبوں کے بھی تھے۔ اس معنی میں کہ مسکن انہیں کے تھے۔ اضافة البيوت الى النبى اضافة ملک و اضافة البيوت الى الازواج اضافة محل (ابن العربی) بدليل انه جعل فيها الاذن للنبى صلی اللہ علیہ وسلم والاذن انما يكون للمالک (قرطبی) اس سے قطع نظر ایک فرق کھلا ہوا ہے۔ وہاں مقصود تو ازواج کرام کو ان کے مسکنوں کے شرف و احترام کی یاددہانی تھی۔ اس لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کو ان بیویوں ہی کا گھر کہنا مناسب و موزوں تھا۔ اس کے برعکس یہاں لوگ جس گھر میں جمع ہو رہے تھے وہ رسولؐ ہی کے گھر کی حیثیت سے جمع ہو رہے تھے اس لیے یہاں رسول ہی کا گھر کہنا مناسب تھا۔ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ۔ اِنٰى۔ کے معنی وقت کے ہیں اور ناظر ... معناه غير منتظرين وقتهٗ والناظر هو المنتظر والانى هو الوقت (ابن العربی) ف۱۲۳ (اس لیے صاف صاف نہیں کہتے)

آیت سے رسول اللہ ﷺ کا کمال ذی مروت ہونا ظاہر ہے، امتی ظاہر ہے کہ سب آپؐ سے چھوٹے اور کتنا چھوٹے تھے۔ ان تک کا آپؐ اتنا لحاظ فرماتے رہتے تھے۔ ف۱۲۴ (اس لئے تم سے صاف صاف کہا جا رہا ہے) اس سے یہ شبہ نہ گذرے کہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی اعلان حق سے مروت مانع ہو جاتی تھی۔ "اصل یہ ہے کہ جس حق کا اظہار واجب ہے۔ وہ حق اللہ ہے، اور جس سے آپ کا استحیاء واقع ہوا وہ حق للنفس تھا کہ اپنے اوپر کلفت اٹھائی۔ اس سے حکم شرعی کا اخفاء لازم نہیں آتا کہ منشاء وسوسہ ہو۔" (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۱۲۵ یعنی اتنا پردہ تو ضرورت کے وقت بھی رہنا چاہئے اور بلا ضرورت تو اس کا اہتمام اور اشد ہے۔ المراة كلها عورة بدنها وصوتها كما تقدم فلا يجوز كشف ذلك الا لحاجة كالشهادة عليها اوداء يكون ببدنها اوسوالها عما يعرض وتعين عندها (قرطبی) یہ حکم بھی ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص نہیں۔ حجاب ہر نامحرم سے لازم ہے۔ ويدخل فى ذلك جميع النساء بالمعنى (قرطبی) ف۱۲۶ (جیسا کہ اب تک بھی جانبین کے دل پاک رہے ہیں) لفظ اطہر سے یہ نکتہ بھی نکالا گیا ہے کہ نفس طہارت تو تقویٰ ہی سے پیدا ہو جاتی ہے لیکن طہارت مزید یعنی خطرات قلب بھی دور ہو جائیں اس کا ذریعہ نامحرموں سے حجاب ہے۔ ف۱۲۷ کوئی مسلمان دانستہ وارادۃً تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کو ایذاء پہنچانے کا خیال بھی نہیں لاسکتا۔ حکم سے مراد یہ ہے کہ اس کا اہتمام خاص رکھو، یہ نہ ہو کہ اپنی بے خیالی، بے توجہی، کم غوری کی بناء پر اپنے کسی قول وفعل سے رسول اللہ ﷺ کے حق میں ناگواری وگرانی کے باعث بن جاؤ۔ ف۱۲۸ (کہ یہ بھی ایک فرد اسی نادانستہ ایذاء رسول کی ہے اور اس ممانعت میں رسول کے کمال شرف واحترام کا اظہار ہے) ف۱۲۹ (کہ تم اپنی ماؤں، امت کی ماؤں سے متعلق ایسا خیال بھی دل میں لاؤ) ف۱۳۰ (اور ہر شخص سے اپنے اسی علم محیط وکامل کے مطابق معاملہ کرے گا) یہاں چیزوں کے ابداء واخفاء دونوں کا تعلق ایذاء رسول ﷺ سے ہے۔ یعنی کوئی بھی ایسی چیز کرو گے جس سے رسول اللہ کو اذیت ہو تو خواہ اسے کھلم کھلا کرو، خواہ پوشیدہ رکھو، حق تعالیٰ کو بہرحال اس کی اطلاع رہے گی۔ ف۱۳۱ (اس لئے ان تمام احکام کی نگہداشت لازمی ہے) اوپر ازواج رسول ﷺ کے حجاب کا حکم مذکور ہو چکا۔ اب بیان یہ ہوا کہ فلاں فلاں کے سامنے، باحجاب آجانا درست ہے۔ لیکن حصر ان میں مقصود نہیں۔ محرموں کا ذکر سورۃ النور (پ۱۸) میں بھی آچکا ہے۔ ف۱۳۲ اللہ کا رحمت بھیجنا تو ظاہر ہی ہے۔ بندوں یعنی فرشتوں اور انسانوں کی صلوٰۃ بھیجنے کے معنی یہ ہیں کہ انہیں حکم مل رہا ہے کہ رسول پر اس رحمت خاص کی دعا کرتے، اور اسے ان کے حق میں طلب کرتے رہیں۔ اسی کو ہماری زبان میں درود بھیجنا کہتے ہیں۔

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝۵۵

اور اللہ سے ڈرتی رہو بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر ناظر ہے ف۱۳۱

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۗىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں اے ایمان

اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۵۶ اِنَّ الَّذِيْنَ

والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو ف۱۳۲ بے شک جو لوگ

يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے رہتے ہیں ف۱۳۳ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے دنیا اور آخرت میں

وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۵۷ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور ان کے لئے عذاب ذلیل کرنے والا تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ ایذا پہنچاتے رہتے ہیں ایمان والوں کو

وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا

اور ایمان والیوں کو بدون اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو، تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار

وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۵۸ۧ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ

(اپنے اوپر) لیتے ہیں ف۱۳۴ اے نبی آپ کہہ دیجئے اپنی بیویوں اور بیٹیوں

وَنِسَاۗءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ

اور (عام) ایمان والوں کی عورتوں سے کہ اپنے اوپر نیچی کر لیا کریں اپنی چادریں تھوڑی سی ف۱۳۵

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی اور اس لئے انہیں ستایا نہ جائے گا ف۱۳۶ اور اللہ تو بڑا مغفرت والا ہے

رَّحِيْمًا ۝۵۹ لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

بڑا رحمت والا ہے، ف۱۳۷ اگر منافقین اور وہ لوگ نہ باز آئے جن کے دلوں میں روگ

الصلوٰة من الله هى الرحمة ومن العباد الدعاء (جصاص) الصلوٰة من الله رحمته ورضوانه ومن الملئكة الدعاء والاستغفار ومن الامة الدعاء والتعظيم لامره (قرطبی) يُصَلُّوْنَ۔ صلوٰۃ سے یہاں مراد رحمت عام نہیں، رحمت خاص ہے، نبی کے شایان شان۔ يٰٓ…… تَسْلِيْمًا۔ مومنین کو ذات رسالت کے ساتھ اس طریقہ پر جو ربط پیدا ہو سکتا ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔ اور خود رسول اللہ ﷺ کے مراتب عالیہ میں بھی ان دعاؤں سے ترقی واضافہ ممکن ہے۔ "آپ پر سلام بھیجنے کے معنی مجموعہ دو امر کا ہے، ایک دعاء ہے سلامت عن الآفات کی۔ دوسرے ثناء ہے جو اس دعاء کے لئے لازم ہے۔ کیونکہ عرفاً یہ صیغہ مخصوص مستحق ثناء ہی کے لئے ہے۔ بس حالت حیات میں تو دونوں کا تحقق ہو سکتا ہے، اور بعد وفات مجرد معنی ثانی رہ جاتے ہیں۔" (تھانوی علیہ الرحمۃ) "چونکہ اس مقام کے مطالعہ کے وقت احتمال ہے کہ شاید ناظرین کو قصداً صلوٰۃ وسلام سے ذہول ہو جائے اس لئے ایک مختصر صیغہ عبارت میں لکھ دینا بھی مناسب ہے کہ لکھا ہوا تو ضرور ہی پڑھیں گے۔ اللهم صل على سيدنا ومولانا محمد وعلى ال سيدنا ومولانا محمد وبارك وسلم" (تھانوی علیہ الرحمۃ) درود کے واجب ہونے پر تو ہر مذہب کے فقہاء کا اتفاق ہے۔ لیکن فقہاء حنفیہ اور بعض دوسرے ائمہ کی رائے ہے کہ عمر میں ایک بار بھی اگر پڑھ دیا تو فرض ادا ہو گیا۔ قد تضمن الامر بالصلوٰة على النبى ﷺ وظاهره يقتضى الوجوب وهو فرض عندنا فمتى فعلها الانسان مرة واحدة فى صلاة او غير صلاة فقد ادى فرضه و هو مثل كلمة التوحيد والتصديق بالنبى ﷺ متى فعله الانسان مرة واحدة فى عمره فقد ادى فرضه (جصاص) لا خلاف للعلماء فى ان هذا الامر للوجوب وانما الخلاف فى اوقاته واعداده فعند مالك والطحاوى يجب فى العمر مرة والباقى مندوب (احمدی) ولا خلاف فى ان الصلاة عليه فرض فى العمر مرة (قرطبی) عَلَى النَّبِيِّ۔ محققین نے کہا ہے کہ بجائے اسم ذات محمدؐ لانے کے جیسا کہ قرآن کا عام دستور حضرات انبیاء کے معاملہ میں ہے۔ اسم صفت النبی لانا آپؐ کے مزید اعزاز واکرام کے لئے ہے۔ وعبر بالنبى دون اسمه ﷺ على خلاف الغالب فى حكايته تعالىٰ عن انبيائه عليهم السلام اشعارًا بما اختص به ﷺ من مزيد الفخامة والكرامة وعلو القدر (روح) ف۱۳۳ (قصداً) ظاہر ہے کہ قصد کے ساتھ رسول کو ایذاء پہنچانا صرف کافروں اور منافقوں کا کام ہو سکتا ہے۔ جو مسلمان اپنی سادہ لوحی اور بے خیالی سے بلا ارادہ ایذاء رسول کا سبب بن جاتے تھے ان کا ذکر اوپر گذر چکا۔ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ایذاء رسول کے ساتھ ایذاء الٰہی کو ضم کر دینا ایذاء رسول کی اہمیت واشدیت کے اظہار کے لئے ہے۔ اللہ کو ایذاء پہنچانا یہی ہے کہ اس کی مرضیات کے خلاف عمل کئے

جائیں ...... یا یوں کہا جائے کہ مقصود کلام ایذاء رسول ہے اور اللہ کے نام کے ساتھ عطف رسول کے اعزاز واکرام کے لئے ہے۔ ای یوذون رسول الله وذکر اسم الله للتشریف (مدارک) اوعبر بایذاء الله ورسوله عن فعل ما لا یرضی به الله ورسوله کالکفر (مدارک) ف۱۳۴ مسلمانوں کو اخلاق واعلیٰ معاشرت کی تعلیم مل رہی ہے۔ بِغَیۡرِ مَا اکۡتَسَبُوۡا۔ یعنی بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی ایسی بات کی ہو جس سے سزا وملامت کے واقعی مستحق ہو جائیں۔ اس قید کے لگ جانے سے تادیب وسیاست حسب قواعد شرعی کا جواز نکل آیا۔ ف۱۳۵ یعنی جب ضرورۃً باہر نکلنا ہو، تو اپنی چادریں اپنے اوپر سروں سے ذرا لٹکا لیا کریں، تاکہ چہرہ کے اطراف تو خوب ڈھک جائیں اور خود چہرہ کی ٹکیا بھی ایک حد تک۔ ہمارے ملک میں اسی کو گھونگھٹ نکالنا کہتے ہیں۔ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ محل فتنہ پورا چہرہ مع اطراف و جوانب کے ہے نہ یہ کہ ملحقات چہرہ کو چھپا کر صرف چہرے کی ٹکیا کھلی رہنے دی جائے، کوئی عضو بجائے خود کیسا ہی حسین ہو، دوسروں کو متاثر جب ہی کر سکتا ہے جب وہ اپنے حسن تناسب کو ظاہر کر رہا ہو اور اس حسن تناسب کا اظہار جبھی ممکن ہے جب اس عضو کے ملحقات بھی کھلے ہوں۔ مِنۡ جَلَابِیۡبِهِنَّ۔ جلابیب جمع ہے جلباب کی اور جلباب بڑی چادر کو کہتے ہیں، جو سارے جسم کے ڈھانپنے کے کام آجائے۔ وهو ثوب اکبر من الخمار والصحیح انه یستر جمیع البدن (قرطبی) اس قسم کے سارے احکام کا ماحصل عورت کے حجاب کامل کی تاکید ہے، بخلاف جاہلی تہذیبوں کے جہاں عورت کی نیم برہنگی ہی فیشن

مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا

ہے ف۱۳۸ اور جو مدینہ میں افواہیں اڑایا کرتے ہیں ف۱۳۹ تو ہم ضرور آپ کو ان پر مسلط کریں گے ف۱۴۰ پھر

يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا

یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بس قدرے قلیل رہنے پائیں گے (اور وہ بھی) پھٹکار پڑے ہوئے، جہاں کہیں بھی مل گئے

اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا

پکڑ لئے گئے اور ان کے ٹکڑے اڑا دیئے گئے ف۱۴۱ اللہ کا یہی دستور رہا ہے ان لوگوں میں بھی جو (ان سے) پیشتر

مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾ يَسْـَٔلُكَ

گذر چکے ہیں اور آپ اللہ کے دستور میں رد و بدل نہ پائیں گے ف۱۴۲ (یہ) لوگ آپ سے

النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا

قیامت کے بارہ میں دریافت کرتے ہیں ف۱۴۳ آپ کہہ دیجئے اس کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے اور عجب نہیں

يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ

کہ قیامت قریب ہی آ لگی ہو بے شک اللہ نے کافروں کو

الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا

رحمت سے دور کر دیا ہے ف۱۴۴ اور ان کے لئے دوزخ تیار کر دی ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے نہ کوئی

يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي

یار پائیں گے اور نہ مددگار جس روز ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ

النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾

کئے جائیں گے وہ یوں کہیں گے کہ کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی،

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاۗءَنَا فَاَضَلُّوْنَا

اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا سو انہوں نے ہمیں راہ سے

معانقۃ ۱۲ ربع

میں داخل رہی ہے اور آج بھی ہے۔ مفسرین نے آیت کے ذیل میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں قبیلہ بنو تمیم کی کچھ بیبیاں حاضر ہوئیں جو لباس بہت باریک پہنے ہوئے تھیں۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انہیں ڈانٹا، کہ کیسی مسلمان ہو، جو یہ نامسلموں کا لباس پہنے ہوئے ہو۔ ودخل نسوة من بنی تمیم علی عائشةؓ علیهن ثیاب رقاق فقالت عائشة ان کنتن مؤمنات فلیس هذا بلباس المؤمنات (قرطبی) ف۱۳۶ یعنی اس شریفانہ لباس سے ہر شخص کو اول نظر میں معلوم ہو جائے گا کہ یہ شریف عزت دار بیبیاں ہیں، بے حیا نہیں ہیں اور اس لئے ان سے چھیڑ چھاڑ کی جرأت راہ چلتے ہوئے بدمعاشوں کو نہ ہوگی۔ عورت کی عصمت کے تحفظ میں بڑا دخل اس کی وضع ولباس کے وقار کو ہے جو عورت اپنی وضع قطع و پوشش سے آوارہ معلوم ہوتی ہے اسے دیکھ کر محض لفنگوں اور بدمعاشوں ہی کے نہیں، بلکہ دوسروں کی طبیعتوں میں بھی گدگدی پیدا ہوتی ہے، بخلاف اس کے جس عورت کی وضع قطع، چال ڈھال سنجیدہ، حیادارانہ وشریفانہ ہے اور وہ اپنا رکھ رکھاؤ قائم کئے ہوئے اسے چھیڑنے کی ہمت بدمعاشوں کو بھی مشکل ہی سے ہوتی ہے۔ فقہاء نے آیت سے نکالا ہے کہ جوان عورت پر نامحرموں سے اپنے چہرہ کا پردہ واجب ہے، اور یہ بھی واجب ہے کہ جب باہر نکلے تو پردہ کا اہتمام کرے۔ وفی هذه الاٰیة دلالة علی ان المرأة الشابة مامورة بستر وجهها عن الاجنبیین واظهار الستر والعفاف عند الخروج لئلا یطمع اهل الریب فیها (جصاص) ف۱۳۷ (جو خواہ مخواہ اور بہت سختی سے گرفتیں نہیں کرتا رہتا) چنانچہ اس سر اور چہرہ کے ڈھانپنے کے حکم میں اگر بلاقصد کچھ کمی یا بے احتیاطی رہ جائے گی تو اسے معاف کر دے گا۔ ف۱۳۸ (روگ آوارگی کا یا تاک جھانک کا) وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔ مرض سے مراد ایمان کی کمزوری ہے۔ وهو ضعف الیقین (جصاص) وهم قوم کان فیهم ضعف ایمان وقلة ثبات علیه (روح) یہ وہ لوگ تھے جو مسلم کنیزوں سے راستہ اور گلی میں چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی ان کے شبہ میں، مسلم معزز وشریف عورتوں سے بھی۔ ف۱۳۹ چھوٹی چھوٹی اور پریشان کرنے والی۔ مثلاً یہ کہ فلاں غنیم چڑھائی کرنے کو ہے ...... آج کل کی اصطلاح میں، مسلم اسٹیٹ کو جنگ اعصابی میں مبتلا کرنے والے ...... یہ لوگ اپنے اس پراپیگنڈا سے مسلمانوں پر اہل کفر کی دہشت اور رعب خواہ مخواہ طاری کرتے رہتے تھے۔ واٰخرون ممن لا بصیرة له فی الدین یرجفون باجتماع الکفار والمشرکین وتعاضدهم ومسیرهم الی المؤمنین فیعظمون شان الکفار بذالک عندهم و یخوفونهم (جصاص) ف۱۴۰ (کہ آپ ایسے نالائقوں سے اپنے شہر کو پاک کر کے رہیں)

آیت کے اس ٹکڑے سے صاف ظاہر ہے کہ مسلم کنیزوں اور باندیوں سے بھی چھیڑ چھاڑ ایسی چیز نہ تھی، جسے گوارا کر لیا گیا تھا، یا جس کا انتظام نظر انداز ہو گیا تھا۔ لَنُغْرِيَنَّكَ ...... بِهِمْ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ مؤمنین کے درمیان وحشت ناک افواہیں اور مؤمنین کو تکلیف پہنچانے والی خبریں پھیلانا اس کا مستوجب ہے کہ اس کا مرتکب سزا پائے اور شہر بدر کیا جائے۔ جب تک کہ اس سے توبہ نہ کرے۔ وفی هذه الاٰیة دلالة علی ان الارجاف بالمؤمنین والاشاعة بما یغمّهم ویؤذیهم یستحق به التعزیز والنفی اذا اصرّ علیه ولم ینته عنه (جصاص) ف۱۴۱ نفاق کی حقیقت بھی کفر ہی ہے، اس پر صرف پردہ اسلام کا پڑا ہوتا ہے۔ اس لئے منافقوں کے ساتھ معاملہ اصلاً وہی ہونا چاہیے تھا جو کافروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ پناہ تو صرف اظہار اسلام کی بناء پر حاصل رہتی ہے۔ جب علانیہ مخالفتیں کرنے لگے تو یہ مانع بھی اٹھ گیا اور ان کے ساتھ معاملہ وہی ہوگا جو کفر کا مقتضائے اصلی ہے یعنی اخراج، قید، قتل سب جائز۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ ملخصاً) اِلَّا قَلِيْلًا۔ قدرے قلیل یعنی جب ان کے اخراج کا حکم ہوگا، تو اس کے لئے ایک مدت بھی معین ہو جائے گی۔ اتنی مدت کے لئے بسبب معاہدہ کے مامون رہیں گے۔ اس کے بعد جہاں ملیں گے، قید و قتل کی اجازت ہوگی (تھانوی علیہ الرحمۃ ملخصاً) ف۱۴۲ یعنی باغیوں، غداروں کے ساتھ یہی معاملت قدیم آسمانی شریعتوں میں بھی رہی ہے۔ آپ کو کوئی نیا حکم نہیں مل رہا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۱۴۳ (کہ کب آئے گی) وقت قیامت سے متعلق یہ سوال، براہ طنز واعتراض منکروں کی زبان سے ہو رہا تھا۔

ف۱۴۴ یعنی رحمت خاصہ سے، دنیاوآخرت دونوں میں۔ اور اسی لعنت ہی کا اثر دنیا میں قید وقتل ہے اور آخرت میں عذاب جہنم۔ ف۱۴۵ تینوں آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ جب دوزخ میں کافر ڈالے جائیں گے اور گھسیٹے جائیں گے جس سے ان کے چہرے الٹ پلٹ ہونے لگیں گے، تو کمال حسرت کا اظہار اپنے اسلام نہ لانے پر کریں گے اور کمال غضب کا اپنے گمراہ کرنے والے اکابر پر۔ یٰلَیْتَنَآ ...... الرَّسُوْلَا۔ آخرت میں کام آنے والی شے صرف اطاعت خدا واطاعت رسول نکلے گی، باقی ہیچ۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ بڑوں کی مطلق تقلید ہرگز کوئی عذر نہیں، اور آجکل کے بدعات اختیار کرنے والے اپنے مشائخ کے رسوم سے اکثر تمسک کیا کرتے ہیں۔ ف۱۴۶ (طرح طرح کی تہمتیں لگا کر) بنی اسرائیل کا معاملہ اپنے سردار و پیمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عجیب وغریب تھا۔ یہ لوگ طرح طرح انہیں چھیڑتے ہر ہر طرح اُن کی نافرمانی کرتے، عجیب عجیب طرح انہیں غضب میں لاتے۔ یہاں ممکن ہے کہ اشارہ کسی خاص واقعہ کی جانب ہو، یا اسی عام مفسدانہ روش سے متعلق۔ آیت میں اشارہ نکلتا ہے ایذاء رسول اللہ کی حرمت کا، خواہ وہ ایذاء براہِ راست ذاتِ رسول سے متعلق ہو یا بواسطہ اصحاب وازواج وغیرہ۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس میں عام مسلمانوں کو بھی ممانعت ہے، جو اولیاء متقین کو ایسے امور کی تہمت سے تکلیف پہنچاتے رہتے ہیں جن کی ان کو خبر بھی نہیں۔ ف۱۴۷ (ہر ہر الزام اور تہمت سے جو آپ پر لگاتے رہتے تھے) چنانچہ نقصان آپ کو تو کچھ نہ پہنچا، مستحق عذاب وہی تہمت لگانے والے ٹھہرے۔

السَّبِیْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ

بھٹکا دیا، اے ہمارے پروردگار انہیں دہرا عذاب دے اور ان پر بڑی ہی لعنت

لَعْنًا كَبِیْرًا ﴿۶۸﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ

نازل کر ف۱۴۵ اے ایمان والو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے

اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ

موسیٰ کو ایذا پہنچائی تھی ف۱۴۶ سو اللہ نے انہیں بری ثابت کر دیا ف۱۴۷ اور اللہ کے نزدیک وہ

وَجِیْهًا ﴿۶۹﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا

بڑے معزز تھے ف۱۴۸ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو ف۱۴۹ اور راستی کی بات

سَدِیْدًا ﴿۷۰﴾ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ

کہو ف۱۵۰ (اللہ) تمہارے اعمال قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا ف۱۵۱

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۱﴾ اِنَّا

اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچ گیا ف۱۵۲

عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ

ہم نے (یہ) امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی ف۱۵۳

فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ

سو ان سب نے انکار کیا اس سے کہ اسے اٹھائیں اور وہ اس سے ڈرے ف۱۵۴ اور اسے انسان نے اپنے ذمہ لے لیا ف۱۵۵

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ لِّیُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ

بے شک وہ بڑا ظالم ہے بڑا جاہل ہے ف۱۵۶ انجام یہ ہوا کہ اللہ منافق مردوں

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِیْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَیَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى

اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو سزا دے گا اور ایمان والوں اور

ع۱۰ ۵

ف۱۴۸ اللہ نے ان کی براءت ظاہر فرمادی۔ اور آج تک ان کا نام دنیا میں روشن چلا آرہا ہے) وَجِیْهًا۔ وجیہ کے معنی عربی میں بڑے معزز، صاحب منزلت کے آتے ہیں۔ الوجیه عند العرب العظیم القدر الرفیع المنزلة (قرطبی) آپ کی وجاہت آخرت میں تو انشاء اللہ دوست ودشمن سب ہی کو نظر آجائے گی۔ باقی آج یہ حال ہے کہ ساری دنیا آپ کو ایک مقنن اعظم (A. great, low, giver) سمجھ رہی ہے اور دنیا کے تینوں کتابی مذاہب، یہودیت، اسلام، مسیحیت آپ کے پیمبر برحق ہونے پر متفق ہیں۔ ف۱۴۹ یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں خوفِ خدا کو بطور حال اپنے اوپر طاری کرلو۔ خطاب ایمان والوں سے ہے۔ ایمان کی دولت تو انہیں حاصل ہی ہے، اب ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ مرتبہ تقویٰ بھی حاصل کرو۔ ف۱۵۰ یعنی افراط وتفریط سے الگ اور عدل واعتدال کے مطابق بات جچی تلی اور پکی منہ سے نکالو۔ ''قول سدید'' تو خود بھی تقویٰ ہی کی ایک فرد ہے، خصوصیت کے ساتھ اس کے الگ بیان کرنے سے مقصود زبان کی اہمیت کو ظاہر کرنا ہے۔ جہاں تک اعضاء وجوارح کا تعلق ہے جو اہمیت ومرکزیت وہمہ جہتی زبان کو حاصل ہے۔ کسی اور عضو کو نصیب نہیں اور یہ اگر قابو میں آگئی تو انسان گناہوں کی کتنی بڑی تعداد سے بچ سکتا ہے۔ ف۱۵۱ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ یہ آیت وعدۂ الٰہی ہے کہ تقویٰ وقول صادق پر اصلاح اعمال اور مغفرت ذنوب مرتب ہوگی، اور وعدہ الٰہی میں تخلف محال ہے۔ وعد عزوجل بانه یجازی علی القول السدید باصلاح الاعمال وغفران الذنوب وحسبک بذلك درجة ورفعة منزلة (قرطبی) انسان کی عادت اگر بات صحیح اور سچی، جچی تلی اور پکی کہنے کی پڑ جائے تو اس کی برکت سے سارے ہی اعمال زندگی درست ہو جائیں گے، اور باقی جو رہ گئے، ان کی مغفرت بآسانی ہو جائے گی۔ ف۱۵۲ دنیا وآخرت دونوں زندگیوں کے کامیاب دستور العمل ہی کا نام شریعت اسلامی ہے۔ اسے چھوڑ کر اور کسی طریق پر کامیابی کی راہ ڈھونڈنا سعی بے حاصل میں پڑنا ہے ف۱۵۳ (ان میں بقدر ضرورت شعور پیدا کرکے) اَلْاَمَانَةَ۔ کے معنی میں اختلاف بہت کچھ منقول ہے۔ لیکن بیشتر اختلافات ایسے ہیں کہ ان کے درمیان تطبیق بآسانی ممکن ہے۔ مثلاً راغب ہی نے اپنی لغت میں دو مختلف معنی لکھے ہیں، ایک توحید کے، دوسرے عقل کے اور ترجیح دوسرے معنی کو دی ہے۔ قیل هی کلمة التوحید، قیل العقل وهو صحیح ...... وبه فضل علی کثیر ممن خلقه۔ لیکن جس سیاق میں لفظ اَمَانَةَ آیا ہے اس کے لحاظ سے توحید وعقل میں کوئی تضاد وتناقص نہیں۔ توحید الٰہی تو اصل فریضہ ہے، اور عقل اسی توحید کی معرفت وشناخت کا آلہ ومعیار، عقل وقوت امتیاز ہی کی بناء پر تو احکام الٰہی انسان پر فرض ہوتے ہیں۔ اسی امانت کا بار اٹھالینا ہی رحمت کا موجب ہے، اور اس کا ضائع کرنا ہی تعذیب کا سبب ہے۔ احکام کی تشبیہ امانت سے دینے سے غالباً مقصود ان کی ادائی کا وجوب ہے۔ اور امانة سے مراد طاعت ہی کا ہونا اکثر اہل تحقیق سے منقول ہے۔ یا پھر اصول وارکان دین۔ یعنی بالامانة الطاعة (ابن کثیر عن ابن عباس) قال مجاهد الامانة الفرائض وحدود الدین (معالم) و قال ابو العالیه ما امروا به ونهوا عنه (معالم) والامانة تعم جمیع وظائف الدین علی الصحیح من الاقوال (قرطبی) مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ کی تحقیق میں امانت سے مراد تجلی ذاتی کی استعداد وقابلیت ہے۔ جنات عبادت سے صالح بن جاتے ہیں اور ملائکہ عصمت سے مقرب ہیں۔ مگر انوار صفات سے صعود کرکے تجلی ذات سے یہ دونوں اصناف بھی مشرف نہیں ہوسکتے۔ اس لئے کہ تحمل نور ممکن نہیں بغیر ترکیب عنصر خاک کے۔ قیام انوار اجسام شفاف پر نہیں ہوسکتا۔ اس کے محل ومحتمل اجسام کثیف ہی ہوسکتے ہیں۔ یہی نکتہ ہے کہ خلافت دنیوی کے قابل عنصر خاک ہی قرار پایا۔ ف۱۵۴ یعنی اس کے نہ اٹھ سکنے سے اور اپنے انجام سے ڈرے۔ مطلب یہ ہوا کہ انسان کے سوا باقی اور قوی سے قوی مخلوق نے اس کی ذمہ داریوں کے ڈر سے قوت، ارادہ واختیار کے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اَشْفَقْنَ۔ کی صراحت سے یہ حقیقت صاف ہوگئی کہ یہ اباء وانکار کسی تمرد وشرارت سے نہ تھا، بلکہ تمامتر خشیت پر مبنی تھا۔ حسن بصری علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کہ ساتوں آسمانوں اور عرش سے خطاب ہوا کہ تم یہ امانت اور جو کچھ اس میں ہے اٹھاؤ گے؟ عرض کیا کہ اس میں کیا ہے؟

ارشاد ہوا کہ نیکی پر اجر وثواب اور بدی پر مواخذہ وعذاب۔ اس پر ان سب نے عذر کردیا۔ پھر اسی طرح زمین سے پھر پہاڑوں سے خطاب وجواب ہوا (ابن کثیر) اور ابن جریج کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ یہ معاملہ تین دن تک پیش رہا، اور سب نے بکمال خشیت عذر کیا کہ اے پروردگار! ہم تو محض تابع اور حکمبردار ہیں، ہم عذاب وثواب نہیں چاہتے۔ (ابن کثیر) و۱۵۵ (بغیر عواقب کا پورا لحاظ کئے ہوئے)

الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٣﴾ ع

ایمان والیوں پر توجہ فرمائے گا و۱۵۷ اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے و۱۵۸

آیاتہا ۵۴ ۳۴ سُوْرَةُ سَبَاٍ مَكِّيَّةٌ ۵۸ رکوعاتہا ۶

اس کی چون آیتیں سورۂ سبا مکہ میں نازل ہوئی اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

(ساری) حمد اللہ ہی کے لئے ہے کہ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿١﴾

اور اسی کی حمد ہے آخرت میں اور وہی بڑا حکمت والا ہے، بڑا خبر رکھنے والا ہے و۱

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ

وہ (سب) جانتا ہے جو کچھ زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے، اور جو کچھ آسمان سے

مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ﴿٢﴾

اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے، اور بڑا رحم والا ہے، بڑا مغفرت والا ہے و۲

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ

اور کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہ آئے گی، آپ کہہ دیجئے ضرور (آئے گی) قسم ہے میرے پروردگار

لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي

عالم الغیب کی وہ ضرور تم پر آئے گی اس سے کوئی ذرہ برابر بھی غائب نہیں

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ

آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ کوئی بڑی،

الْاِنْسَانُ سے مراد جنس انسانی ہے، جیسا کہ بعض دوسری آیتوں میں بھی انسان اسی معنی میں آیا ہے۔ مثلاً اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ یا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى۔ ای ھذا الجنس (روح) و۱۵۶ ظَلُوْمًا یعنی اپنی عملی زندگی میں بڑا حق ناشناس جَهُوْلًا۔ یعنی اپنی اعتقادی زندگی میں بڑا کوتاہ اندیش۔ و۱۵۷ (رحمت ومغفرت کے ساتھ) یعنی انسان کے اس انتخاب کا، اور بار امانت قبول کرلینے کا انجام یہ ہوا کہ ایک طبقہ اہل شرک ونفاق کا قرار پا گیا، اور ایک دوسرا طبقہ اہل ایمان کا، ایک اہل جہنم کا ایک اہل جنت کا۔ لِيُعَذِّبَ میں ل عاقبت کا ہے۔ لِيُعَذِّبَ الخ کا ربط نحوی حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ سے ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا درمیان میں بطور جملہ معترضہ آگیا ہے۔ واللام متعلقة بحمل ای حملها ليعذب العاصي ويثيب المطيع فهي لام التعليل لان العذاب نتيجة حمل الامانة (قرطبی) و۱۵۸ (چنانچہ جو احکام کی خلاف ورزی کرکے پھر باز آجاتے ہیں، ان کے ساتھ بھی وہ معاملہ مغفرت ورحمت کا کرنے لگتا ہے)

و۱ وہ حکیم ایسا کہ عالم کائنات کے ذرہ ذرہ کو منافع ومصالح سے بھر دیا ہے۔ وہ خبیر ایسا کہ موجودات کے گہرے سے گہرے نقوش اس پر عیاں۔ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ۔ یعنی جس طرح آج سزاوار حمد وہ ذات اپنے تمام مظاہر تکوینی کے لحاظ سے ہے کل بروز کامل اور انکشاف حقائق کے وقت بھی قابل حمد وہی نظر آئے گی...... یہ بھی کہا گیا ہے کہ قابل حمد ہے وہ ذات ابتداء یعنی ازل میں باعتبار تخلیق وایجاد کے اور آخرت میں باعتبار ربوبیت وعطائے انعامات کے۔ لِلّٰهِ۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ۔ لَهُ الْحَمْدُ تینوں میں ل اختصاص کا ہے۔ و۲ رَحِيْمٌ مبداء کے لحاظ سے...... سب کو وجود میں لانے والی اس کی شانِ رحمت ہی ہے۔ غَفُوْرٌ منتہٰی کے لحاظ سے ــــ سب کو حسن انجام تک پہنچانے والی اس کی شانِ غفوریت ہی ہے۔ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ۔ زمین کے اندر داخل ہونے والی چیزیں مثلاً بارش یا تخم نباتات وغیرہا۔ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا۔ زمین سے باہر نکلنے والی چیزیں مثلاً نباتات، معدنیات وغیرہا۔ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ۔ آسمان سے اترنے والی چیزیں مثلاً ملائکہ، احکام الٰہی وغیرہا۔ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا۔ آسمان پر چڑھنے والی چیزیں مثلاً ملائکہ۔ اعمال انسانی، دعائیں۔ يَعْلَمُ الخ آیت نے تمام اصناف معلومیت کا احاطہ کرلیا۔ یعنی بڑی چھوٹی، یہاں وہاں کی، کوئی شے بھی اس کے علم سے باہر نہیں...... جاہلی قوموں نے بڑی ٹھوکریں حق تعالیٰ کی صفت علم ہی کے بارہ میں کھائی ہیں۔ شاید اسی لئے اس کی وضاحت قرآن مجید نے اس کثرت کے ساتھ کی ہے۔

اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳﴾ ۙ لِّیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا

مگر یہ کہ (یہ سب) کتاب مبین میں (درج) ہے ف۳ (قیامت اس لئے آئے گی) تاکہ ان لوگوں کو صلہ دے جو ایمان

الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ رِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ﴿۴﴾

لائے اور نیک عمل کئے ایسے لوگوں کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ف۴

وَ الَّذِیۡنَ سَعَوۡ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیۡنَ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ

اور جو لوگ ہماری آیتوں کے باب میں کوشش کرتے رہتے ہیں ہرانے کے لئے، ایسے لوگوں کے لئے سختی کا

مِّنۡ رِّجۡزٍ اَلِیۡمٌ ﴿۵﴾ وَ یَرَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ الَّذِیۡۤ

دردناک عذاب ہو گا ف۵ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ اس قرآن کو

اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ہُوَ الۡحَقَّ ۙ وَ یَہۡدِیۡۤ اِلٰی

جو آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے اور وہ راستہ بتاتا ہے

صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ﴿۶﴾ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ہَلۡ

غلبہ والے قابل حمد (خدا) کا ف۶ اور کافر (آپس میں) کہتے ہیں (کہ آؤ)

نَدُلُّکُمۡ عَلٰی رَجُلٍ یُّنَبِّئُکُمۡ اِذَا مُزِّقۡتُمۡ کُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ

ہم تمہیں ایسے شخص کا پتہ بتا دیں نا؟ جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے

اِنَّکُمۡ لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ﴿۷﴾ ۚ اَفۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَمۡ بِہٖ

تو تم ضرور ایک نئے جنم میں آؤ گے اس نے (یا تو) خدا پر جھوٹ بہتان باندھا ہے یا اسے

جِنَّۃٌ ؕ بَلِ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ فِی الۡعَذَابِ

جنون ہی ہے ف۷ بات یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہی عذاب

وَ الضَّلٰلِ الۡبَعِیۡدِ ﴿۸﴾ اَفَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مَا

اور دور دراز کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں ف۸ تو کیا انہوں نے اپنے آگے اور اپنے پیچھے

ف۳ یعنی علاوہ حق تعالیٰ کے علم ذاتی کے وہ خدائی رجسٹر میں بھی باضابطہ درج ہے۔ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ یعنی لوح محفوظ۔ وھو اللوح المحفوظ عند الاکثرین (روح) فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ۔ یعنی کائنات میں کہیں بھی ہو۔ لَاۤ اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰلِکَ وَ لَاۤ اَکۡبَرُ۔ یعنی کسی مقدار و حجم کا بھی ہو۔ بَلٰی وَ رَبِّیۡ۔ ایک خدا پرست کے لئے خدا کی قسم سے بڑھ کر تاکید و توثیق کی اور کون سی چیز ہو سکتی ہے۔ تَاۡتِیۡنَا کی ضمیر متکلم اور لَتَاۡتِیَنَّکُمۡ کی ضمیر جمع مخاطب دونوں سے مراد نوع انسانی ہے نہ کہ کوئی مخصوص قوم و قبیلہ، اراد بالضمیر المتکلم جنس البشر قاطبة لا انفسھم او معاصریھم (روح) ف۴ یہ بیان وقوع قیامت کی حکمت و غایت کا ہے کہ بغیر یوم حشر کے، بغیر سزا و جزا کے یہ سلسلہ کائنات ناتمام رہ جاتا ہے۔ لِیَجۡزِیَ میں ل عاقبت کا بھی ہو سکتا ہے۔ اور تعلیل کا بھی۔ لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ الخ کا ربط نحوی پچھلی آیت کے لَتَاۡتِیَنَّکُمۡ سے ہے۔ رِزۡقٌ کَرِیۡمٌ۔ رزق پر حاشیہ پہلے گذر چکا ہے، کہ اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر قسم کے انعامات پر شامل۔ محض روزی اس کا بہت ناکافی ترجمہ ہے۔ ف۵ یعنی ایسے لوگوں کے لئے جو آیات الٰہی کے ابطال کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ ای المجاھدین فی ابطالھا (روح۔ عن ابن زید) مِنۡ رِّجۡزٍ میں من بیانیہ ہے۔ من للبیان (روح) ف۶ یعنی قرآن بجائے خود بھی ایک سچی کتاب ہے، اور رضائے الٰہی کا راستہ دکھانے والی بھی۔ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ۔ یعنی حقائق اشیاء کا ادراک اور کتب آسمانی کی معرفت رکھنے والے۔ یَرَی۔ یہاں یَعۡلَمُ کا مرادف ہے۔ رؤیت کا تعلق صرف بصارت ظاہری سے نہیں۔ قلب بشری سے بھی ہے۔ اور فہم بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ۔ خدائے غالب و محمود کا راستہ۔ یعنی اس کی رضا کا راستہ۔ ف۷ یہ سارا قول مشرک منکرین قیامت کا نقل ہو رہا ہے وقوع قیامت کا تو ان کے زعم میں کوئی امکان ہی نہ تھا۔ اب جب وہ یہ عقیدہ پیمبر کی زبان سے سنتے، تو پہلے تو اسے ایک عجیب و غریب خبر سمجھ کر آپس میں اس کا تذکرہ، چرچا کرتے۔ اور پھر قائل کے قول کی توجیہ لامحالہ انہیں دو شقوں سے کرتے کہ قائل یا تو دانستہ ایک بات گڑھ کر بیان کر رہا ہے، اور یا نادان فاتر العقل ہے۔ ٹھیک اسی طرح آج بھی "مستشرقین اسلام" جب قلم اٹھاتے ہیں تو یہ تو بطور علوم متعارفہ فرض کر لیتے ہیں کہ دعوئ رسالت صحیح تو بہرحال ہو نہیں سکتا۔ اب مدعیٔ رسالت یا تو نعوذ باللہ خادع (Impostor) ہو گا اور یا نادان اور خود فریبی میں مبتلا!۔ رَجُلٍ...... جَدِیۡدٍ۔ یہ بات ایک دوسرے سے وہ حیرت و استعجاب اور تحیر و استہزاء کے لہجہ میں کہتے۔ ف۸ اور اس شدید گمراہی کا اثر فی الحال یہ ہے کہ انہیں سچے بھی مفتری اور مجنون نظر آتے ہیں اور فی المآل یہ ہو گا کہ انہیں عذاب بھگتنا پڑے گا۔ (تھانوی رحمہ اللہ علیہ)

و۹ کہ وہی ان کے دل کو قدرت الٰہی کی عظمت کے دلائل سے لبریز کر دینے کے لئے کافی ہیں۔ جو ایسے اجرامِ عظیمہ کا ابتداءً پیدا کرنے والا ہے وہ کیا اجسام صغیرہ کے خلق ثانی پر قادر نہیں؟ و۱۰ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ۔ یعنی جس کے دل میں حق کی طلب اور اللہ کی طرف جھکاؤ ہے۔ مطلب یہ کہ دلیل تو قدرت الٰہیہ کی پوری پوری موجود ہے مگر ان لوگوں میں طلب ہی نہیں، اس لئے یہ محروم ہیں۔ اِنْ...... السَّمَآءِ۔ لیکن حکمت مقتضی ہے تاخیر کو، اور اس لئے انہیں مہلت دے رکھی گئی ہے۔ و۱۱ (کہ انہیں زمین کی ایک بڑی مملکت کا حکمران بنا دیا تھا) فَضْلًا صیغہ نکرہ اظہار عظمت واہمیت کے لئے ہے۔ والتنکیرہ للتفخیم (روح) مِنَّا۔ یعنی یہ فضل ہماری طرف سے بلا کسی واسطہ کے اور براہ راست تھا۔ ای بلا واسطة۔ لتاکید فخامته الذاتية بفخامته الاضافية (روح) آپ کی وسعت مملکت وغیرہ کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ خود حضرت داؤدؑ ان کی نبوت وسلطنت اور ان کے معجزات خاص پر حاشیے ان اوراق میں پہلے ہی گزر چکے۔ و۱۲ پہاڑوں اور پرندوں کو یہ حکم تکوینی طور پر ملا تھا۔ اَوِّبِيْ مَعَهٗ۔ یسبحی معه کے مرادف ہے۔ ای یسبحی معه قال ابن عباس وقتادہ وابن زید (روح) تسبیح جبال وطیور کی یہ ''عقلی'' تاویل کہ ان کی تسبیح زبان حال سے ہوتی رہتی ہے، عقلاً بھی بہت عجیب ہے، زبان حال سے تو ہر مخلوق کی تسبیح ہر وقت ہوتی ہی رہتی ہے۔ اسے حضرت داؤدؑ کے فضائل سے کیا تعلق ہے۔ مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپؑ کی آواز میں وہ درد وسوز اور وہ کیفیت خشوع رکھی گئی تھی کہ پہاڑ جیسی جامد اور سخت مخلوق اور پرند جیسی انسان سے دور دور گریزاں رہنے والی مخلوق تک بے تاثر نہ رہتی، اور اپنے کو ذکر الٰہی میں آپ کی ہم زبانی پر مضطر پاتی۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے بھی یہی مطلب لیا ہے کہ تسبیح میں معیت انہیں دو مخلوق تک محدود نہیں، بلکہ جبال وطیور کا ذکر صرف انتہائی نمونوں کے طور پر کیا گیا ہے۔ لم یکن الموافق له فی التاویب منحصرًا فی الجبال والطیر (کبیر) و۱۳ (اس لئے رعایت حدود کا پورا اہتمام رکھو) حضرت داؤد کی زرہ سازی پر حاشیے سورۃ الانبیاء پ۱۷ میں گزر چکے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ایک طرف نبوت ورسالت اور دوسری طرف حکومت وسلطنت کے باوجود اپنا مستقل ذریعۂ معاش صنعت زرہ سازی کو بنائے ہوئے تھے۔ اور اسی کی تجارت کرتے تھے۔ تو ایسے سے یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ صناعی ودستکاری منصب نبوت کے بھی منافی نہیں۔ چہ جائیکہ مرتبۂ ولایت کے! مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت سے تین مسئلے نکلے۔ ایک خرق عادت کا اثبات، دوسرے دستکاری سے کمانے کی فضیلت، تیسرے ہر کام میں اعتدال، انتظام وتناسب کی رعایت یہاں تک کہ امور حسی ودنیوی میں بھی۔ و۱۴ شَهْرٌ مرادف ہے مسیرۃ شہر کے یعنی مہینہ بھر کی راہ، اور راہ بھی وہ جتنی کہ ایک تیز رو اسپ سوار مہینہ بھر میں طے کرے۔ ای مسیرة شهر للراکب المسرع (مدارک) حضرت سلیمان علیہ السلام کی سیاحت ہوائی پر حاشیے سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکے...... گویا بڑے بڑے تیز رفتار ہوائی جہاز آپؑ کے تابع تھے۔ گو وہ بجائے تیل اور مشینری اور انجن وغیرہ کے براہ راست قدرتِ الٰہی سے چلتے ہوں۔ و۱۵ یعنی تانبے کو اس کے معدن میں رقیق سیال کر دیا تھا تاکہ اس سے بلا مدد آلات مصنوعات کے بنانے میں سہولت ہو۔ پھر وہ منجمد ہو جاتا۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ زیر زمین جہاں گرم اور رقیق تانبے کے چشمے ہیں۔ وہ آپ پر منکشف کر دیئے گئے تھے۔ و۱۶ بِاِذْنِ رَبِّهٖ۔ یعنی ان کے پروردگار کے حکم تسخیری وتکوینی سے۔ اس سے یہ بھی صاف ہو گیا کہ یہ نعمت پروردگار کی طرف سے عطا ہوئی تھی۔ وَمِنَ الْجِنِّ۔ جنات کی تفسیر قوی، ہیکل انسانوں سے کرنے والے کچھ اسی دور مادیت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ایسے ''روشن خیال'' پہلے بھی فرقہ باطنیہ اور دوسرے گمراہ فرقوں میں گزر چکے ہیں۔ جنہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح جبال سے مفہوم تسبیح بزبان حال کا لیا تھا۔ اور جنات کی تفسیر قد آور انسانوں سے کی تھی۔ وقس علیٰ ہذا...... صاحب بحر نے ایسی ساری تحریفات کو باطنیہ اور ان کے ہم مشربوں کی جانب منسوب کیا ہے۔ ولبعض الباطنية اومن یشبهھم تحریف فی هذه الجمل۔ اور امام رازی علیہ الرحمۃ نے ان اقوال کو بعض الناس کی جانب منسوب کیا ہے۔ اور دونوں بزرگوں نے ان اقوال کے لغو ومہمل ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ وهذا تاویل فاسد وخروج بالجملة عما یقوله اهل التفسیر فی الاٰیة (بحر) وهذا کلها فاسد (کبیر) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ تسخیر جنات اگر کسی عمل وغیرہ کے ذریعہ سے نہ ہو، محض منجانب اللہ ہو تو عبدیت کے منافی نہیں۔ و۱۷ عذاب دوزخ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جنات کو علاوہ تکوینی محکومی کے حکم تشریعی بھی پیمبر وقت کے احکام کی تسلیم وانقیاد کا ملا تھا۔

خَلَقَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ

آسمان و زمین کی طرف نظر نہیں کی و۹ ہم اگر چاہیں تو انہیں زمین میں

الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ۭ اِنَّ فِيْ

دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝۹ؑ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا

پوری دلیل ہے ہر جھکنے والے بندے کے لئے و۱۰ اور بالیقین ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے ایک

فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝۱۰ۙ

(بڑی) بڑائی دی تھی و۱۱ اے پہاڑو ان کے ساتھ تسبیح کرتے رہو و۱۲ اور پرندوں کو (بھی یہی حکم دیا) اور داؤد کے واسطے

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ

ہم نے لوہے کو نرم کر دیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ اور (ان کے) جوڑ میں (مناسب) اندازہ رکھو اور تم سب نیک کام کرو،

اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا

میں خوب دیکھ رہا ہوں جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو و۱۳ اور (ہم نے) سلیمان کے لئے ہوا کو (مسخر کر دیا) کہ اس کی صبح کی

شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ

منزل مہینہ بھر کی ہوتی اور اس کی شام کی منزل مہینہ بھر کی ہوتی و۱۴ اور ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا و۱۵

الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ

اور جنات میں کچھ وہ تھے جو ان کے آگے ان کے پروردگار کے حکم سے (خوب) کام کرتے تھے و۱۶ اور ان میں سے جو کوئی

مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۱۲ يَعْمَلُوْنَ

ہمارے حکم سے سرتابی کرے اسے ہم دوزخ کا مزہ بھی چکھا دیں گے و۱۷ سلیمان کے لئے

لَهٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ

وہ، وہ چیزیں بنا دیتے جو انہیں (بنوانا) منظور ہوتیں (مثلاً) بڑی عمارتیں اور مجسمے اور لگن جیسے حوض

ف۱۸ یہ جنات جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع ومحکوم تھے۔ آپ کے لئے عمارتیں اور دیگیں اور لگنیں سب بڑی بڑی عظیم الشان تیار کرتے تھے۔ تمثال۔ جس قسم کی مورت کو کہتے ہیں، اسی کو آج کی اصطلاح میں مجسمہ سے موسوم کرتے ہیں۔ اگلی شریعتوں میں یہ چیز حرام نہ تھی۔ یدل علی ان عمل التصاویر کان مباحاً وھو محظور فی شریعة النبی صلی اللہ علیہ وسلم (جصاص) اسی لفظ تمثال سے سند پکڑ کر ایک قول تصویر سازی کے جواز میں نقل ہوا ہے۔ وحکی مکیؒ فی البدایة ان قوماً اجازوا التصویر (بحر) لیکن صاحب بحر نے اس کو نقل کر کے لکھا ہے کہ مجھے کسی عالم ربانی کا علم نہیں جس نے تصویر کو جائز رکھا ہو۔ وما احفظ من ائمة العلم من تجوزہٗ۔ اور صاحب روح نے بھی اسی کو نقل کر کے لکھا ہے کہ فلا یلتفت الی ھذا القول ولا یصح الاحتجاج بالایة۔ نہ یہ قول قابل التفات ہے اور نہ آیت سے کوئی ایسا استنباط نکلتا ہے۔ ایک روایت یہ بھی نقل ہوئی ہے کہ یہ مجسمے انبیاء وملائکہ وصالحین کے تھے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعاء سے ان میں جان پڑ گئی تھی۔ لیکن بقول صاحب روح ھذا من عجب العجاب ولا ینبغی اعتقاد صحته وما ھو الاحدیث خرافة۔ یہ حکایت بہت ہی عجیب وغریب ہے، ہرگز یقین کرنے کے قابل نہیں۔ یہ محض ایک لغو روایت ہے۔ یَعْمَلُوْنَ...... مَحَارِیْبَ۔ مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کی اور عبادت گاہیں آپؑ ہی کی تعمیر کرائی ہوئی ہیں اور لوگ آج بھی ان عمارتوں بڑے بڑے مقبروں کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ ف۱۹ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے متعلقین مراد ہیں یہ انہیں مخاطب کر کے حکم ہوا تھا۔ ف۲۰ شکر گزار بندوں سے مراد ہیں اپنی خدا داد صلاحیتوں، قابلیتوں، استعدادوں کے حق ادا کرنے والے یعنی اعمال صالحہ کرنے والے۔ ف۲۱ (اور ان کا انتقال ہوگیا) سلیمان علیہ السلام بھی بایں شان وشوکت بہر حال ایک دن وفات پا گئے آیت میں ضمناً یہ تعلیم آگئی کہ سلیمان جب ہوا پر اُڑ کر اور جنات پر حکومت کر کے بھی موت سے نہ بچ سکے سو کسی دوسرے بشر کا کیا ذکر۔ تنبیھاً للخلق علی ان الموت لا بد منه ولو نجا منه لکان سلیمان اولیٰ بالنجاة منه (کبیر) ف۲۲ آثار روایت میں آتا ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام کو اپنی موت کا قرب محسوس ہوا تو آپ تخت پر عصا کی ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور اسی ہیئت میں انفکاک روح ہوگیا۔ اور ایک طویل مدت تک اسی وضع پر بیٹھے رہے۔ جنات آپ کو بیٹھا ہوا دیکھ کر آپ کو زندہ سمجھے اور قریب آنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ بدستور اپنے اپنے کام میں لگے رہے۔ جب عصا میں گھن لگ گیا، عصا گرا اور آپ کا جسم بھی اس وضع پر قائم نہ رہ سکا، اور جنات کو اپنے غیب دانی کی حقیقت خوب روشن ہو کر رہی۔ دَآبَّةُ الْاَرْضِ۔ سے مراد دیمک ہے یا لکڑی کا کوئی اور کیڑا۔ اَلْعَذَابِ الْمُهِيْنِ۔ سے مراد مشقتیں ہیں جو ان مملوکوں کے حق میں ذلت انگیز بھی تھیں۔ امام رازی علیہ الرحمہ نے اسی لفظ سے استدلال کیا ہے کہ یہ جنات مومن قسم کے نہ تھے۔ مومنین پیغمبر کے عہد میں عذاب مہین میں مبتلا ہو نہیں سکتے۔ اَلْجِنُّ۔ جنات پر حاشیہ ابھی نمبر ۱۶ میں گزر چکا ہے۔ آیت میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ کبھی قوی کو ضعیف سے بھی استفادہ علمی ہو جاتا ہے۔ فیه اشارة الی ان الضعیف قد یفید القوی علماً (روح) ف۲۳ یعنی علاقہ میں دو طرفہ باغات کا سلسلہ متصل چلا گیا تھا۔ بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ ان باغوں کی وسعت ۳۰۰ میل مربع کی تھی۔ اور یہ سارا رقبہ خوشبودار درختوں اور طرح طرح کے لذیذ میووں اور پھلوں سے بھرا ہوا تھا۔ سَبَا۔ یہ ملک سبا وہی ہے جو عرب کے جنوب میں اب علاقہ یمن کہلاتا ہے۔ نہایت سرسبز، شاداب، زرخیز خطہ تھا۔ اٰيَةٌ۔ یعنی اللہ کے کمال قدرت وصناعی کا نشان۔ علامة دالة علی وجود الصانع المختار واللہ قادر علی ما یشآء من الامور العجیبة (بیضاوی) ف۲۴ گویا اتنی دنیوی نعمتوں کا اجتماع تھا، اور مطالبہ صرف ادائے حقوق کا تھا۔ طَيِّبَةٌ سے اشارہ ہو سکتا ہے کہ شہر کی لطیف آب وہوا کی جانب ہو۔ یروی اللہ کان لطیفة الھواء حسنة التربة (روح) ف۲۵ یعنی کفر وشرک اور کثرت معاصی میں پڑ گئے اور ناصحین کی کچھ نہ سنی۔ ف۲۶ سد مأرب، ایک مشہور تاریخی بند ہے جو پہاڑوں کے پانی کے ذخیرہ کے لئے بنایا گیا ہے مأرب ملک سبا کا دار السلطنت تھا، موجودہ شہر صنعاء سے کوئی ۶۰ میل مشرق میں اور سطح سمندر سے کوئی ۳۹۰۰ فٹ بلند...... قوم سبا ایک بڑی متمدن قوم تھی۔ اس کا یہ کئی میل کا لانبا چوڑا بند سبا کے انجینئروں کی فنکاری کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ یہ عظیم الشان بند ظہور اسلام سے کچھ قبل ٹوٹا ہے، تخمیناً ۵۴۲ء میں۔ اس کی تباہ کاریوں کے آثار صدیوں بعد تک قائم رہے۔ چنانچہ ایک سیاح نے ۸۴۸ء میں معائنہ کئے۔ طول میں یہ بند ۱۵۰ فٹ اور عرض میں ۵۰ فٹ تھا۔ ف۲۷ یعنی وہ پر فضا باغات مٹ مٹا کر اب جنگلی خودرو جھاڑ جھنکاڑ باقی رہ گئے۔ خَمْطٍ۔ خمط کے معنی پیلو کے درخت کے بھی ہیں۔ قیل ھو شجر الاراک (راغب) الخمط شجر الاراک (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ والحسن ومجاھد وقتادة والضحاک) الخمط الاراک (کشاف)

وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ

اور (بڑی بڑی) جمی ہوئی دیگیں ف۱۸ اے داؤد کے خاندان والو ف۱۹ تم شکریہ میں (نیک) کام کرو اور میرے بندوں میں

عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ

کم ہی شکر گزار ہوتے ہیں ف۲۰ پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم جاری کر دیا ف۲۱ تو کسی چیز نے ان کی موت کا پتہ

عَلٰي مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَاۗبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا

نہ بتایا بجز ایک زمینی کیڑے کے کہ وہ سلیمان کے عصا کو کھاتا تھا، سو جب وہ

خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا

گر پڑے تب جنات پر حقیقت ظاہر ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی

فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾ لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ

مصیبت میں نہ رہتے ف۲۲ سبا (والوں) کے لئے ان کے وطن (ہی) میں نشان موجود تھا

جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ڛ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ

دو (قطاریں تھیں) باغ (کی) داہنے اور بائیں ف۲۳ کھاؤ اپنے پروردگار کا (دیا ہوا) رزق

وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا

اور اس کا شکر کرو عمدہ شہر اور مغفرت والا پروردگار ف۲۴ سو انہوں نے سرتابی کی ف۲۵

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ

سو ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا ف۲۶ اور ہم نے ان کے دو رویہ باغوں کے عوض

جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ

دو باغ اور دیئے جو بد مزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری والے تھے

قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا

ف۲۷ انہیں ہم نے یہ سزا ان کی ناسپاسی کے سبب دی اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو

وف ۲۷ ورنہ درگزر معمولی خطاؤں پراور کثرت سے تو ہوتی ہی رہتی ہے) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا الخ اور ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ الخ دونوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ طاعت کو دنیوی نعمت کے حصول اور معصیت کو اس کے زوال میں دخل ہے۔ وف ۲۹ یعنی رات دن جب چاہو، بآرام واطمینان سفر کر سکتے ہو، نہ رہزن کا کوئی خطرہ، نہ کسی بے سروسامانی کا اندیشہ، راہ میں قدم قدم پر آبادیاں، اور جگہ کھانے پینے کا سامان بفراغت ـــــ گویا راستہ بھر حفاظت کے لئے پولیس کی چوکیاں اور کھانے پینے کے لئے ہوٹل۔ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا۔ مراد ملک شام کے مقامات ہیں۔ وهى قرى الشام

الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا

دیا کرتے ہیں وف ۲۸ اور ہم نے ان کے اور ان کی بستیوں کے درمیان جہاں ہم نے برکت رکھی تھی، بستیاں آباد کر رکھی تھیں

فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا

(دور سے) نظر آنے والی اور ہم نے اس میں سفر ٹھہرا دیا تھا سفر کرو ان میں

لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا

رات اور دن بے کھٹکے وف ۲۹ پھر وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے سفروں میں درازی کر دے وف ۳۰

وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ

اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور ان کو بالکل تتر بتر

مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ

کر دیا وف ۳۱ بے شک اس (واقعہ) میں ہر صابر شاکر کے لئے نشانیاں ہیں وف ۳۲ اور واقعی

صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ

ابلیس نے اپنا گمان ان لوگوں کے بارہ میں صحیح پایا وف ۳۳ چنانچہ یہ لوگ اسی کی راہ پر ہو لئے

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا

بجز ایمان والوں کے گروہ کے وف ۳۴ اور اس کا جو تسلط ان لوگوں پر ہے وہ تو بس اسی لئے ہی ہے

لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ

کہ ہم معلوم کر لیں ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے الگ جو اس کی طرف سے شک میں ہیں

وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾ ع قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ

اور آپ کا پروردگار ہر چیز کا نگراں ہے وف ۳۵ آپ کہیے تم انہیں پکارو تو جنہیں تم

زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي

اللہ کے سوا (شریک خدائی) سمجھ رہے ہو وف ۳۶ وہ ذرہ بھر بھی اختیار نہیں رکھتے (نہ)

(بیضاوی) والقرى التى بورك فيها بلاد الشام باجماع من المفسرين (بحر۔ عن ابن عطیہ) قُرًى ظَاهِرَةً۔ ایسے شہر جو عام شاہراہ سے بآسانی نظر آجائیں۔ یعنی لب سڑک آبادیاں۔ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ۔ یہ اہل سبا ایک بڑی تاجر قوم تھی۔ بحری تجارت ہمیشہ بیشمار دولت کا سبب بن جاتی ہے یہ لوگ بحری راستہ سے ہندوستان اور درمیانی ملکوں سے تجارتی سامان لاتے تھے۔ اور پھر یمن سے سمندر کے کنارے کنارے ملک شام کو لے جاتے تھے اور اس مسلسل دوہری تجارت سے مالا مال ہو گئے تھے۔ لَيَالِيَ وَاَيَّامًا کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ آجکل کی ریلوں اور جہازوں کی طرح ان لوگوں کے تجارتی قافلے بھی دن رات مسلسل چلا کرتے تھے۔ اور اٰمِنِيْنَ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ راستے بالکل محفوظ اور بے خطر ہو گئے تھے۔ لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ کا ایک مفہوم یہ بھی لیا گیا ہے کہ ساری عمر سفر کرتے رہو جب بھی امن نصیب رہے گا۔ اوسيروا فيها لياليكم وايامكم اى مدة اعماركم لا تلقون فيها الا الامن (روح) وف ۳۰ یعنی نعمتوں کے حقوق تو کیا ادا کرتے، ان کی ظاہری قدر بھی نہ کی۔ اور الٹی تمنا یہ کرنے لگے کہ سفر کی منزلیں دور دور ہوتیں، تو کچھ مزہ بھی آتا۔ یہ کیا کہ وطن و مسافرت میں کچھ فرق ہی نہیں ...... یہ (Adventure) کی حرص تمدن جدید کا بھی ایک عام مرض ہے اور فرنگیوں میں قابل فخر عادت سمجھی جاتی ہے۔ قَالُوْا ...... اَسْفَارِنَا۔ ضرور نہیں کہ زبان سے بھی یہی انہوں نے کہا ہو۔ دل کے اندر کی تمنا بھی مراد ہو سکتی ہے۔ وف ۳۱ کچھ ہلاک ہو گئے، اور جو بچے رہے، ان کے بھی سامانِ تنعم چھن گئے۔ بحیثیت مجموعی سب کی حالت قابل عبرت رہ گئی۔ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی طرح طرح کی نافرمانیاں کیں۔ وف ۳۲ (پند و عبرت کی) صابروں کے لئے تو یوں کہ معاصی سے نہ بچے، نفس کو نہ روکنے کا نتیجہ اس قصہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور شاکروں کے لئے یوں کہ نعمتوں کی قدر نہ کرنے کا انجام اس واقعہ سے روشن ہے اور صابر و شاکر کا اطلاق تو ہر مومن پر ہو سکتا ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ انصار مدینہ یعنی قبائل اوس و خزرج انہیں اہل سبا کی اولاد میں سے تھے۔ وف ۳۳ (کہ میں بنی آدم میں سے بہتوں کو محض سبز باغ دکھا کے گمراہ کر ڈالوں گا، اور اپنے پیچھے لگا لوں گا) ومنشاظنه رؤية انهما كهم فى الشهوات (روح) اى ظنه انه يغويهم (کبیر) وف ۳۴ (کہ بس وہ فریق محفوظ رہا) من یہاں بیانیہ ہے۔ اس ترکیب کے لحاظ سے لفظ فریق گویا مؤمنین کی تشریح و توضیح ہی کر رہا ہے، یہ مراد نہیں کہ مومنین میں سے ایک فریق محفوظ رہا، اور دوسرا شیطان کی راہ پر پڑ لیا۔ اور تقدیر کلام یوں ہو گی۔ اى الافريقا هم المؤمنون لم يتبعوه۔ وف ۳۵ (چنانچہ ہر ایک کے ایمان وعدم ایمان کی بھی اس کو خبر ہے) لِنَعْلَمَ یعنی ہم ظاہری طور پر بھی معلوم کر لیں۔ ان واقعات تکوینی سے مقصود ابتلاء و امتحان ہی تھا کہ مومن و کافر متعین ہو جائیں۔ لِنَعْلَمَ۔ ل تعلیل کا ہے۔ یعنی شیطان کے مسلط کرنے کی غایت تکوینی ہی یہ ہے کہ مخلص و منافق کا امتیاز ہو جائے۔ وف ۳۶ (اور انہیں خود علم ہو جائے گا کہ وہ کتنی قدرت تمہاری حاجت روائی کی رکھتے ہیں)

مِثْقَالَ سے مراد وہ اقل ترین مقدار ہے، جس سے کم ذہن میں بھی نہ آئے۔ شرک کی جتنی قسمیں عام طور پر پھیلی ہوئی ہیں

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ

آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے

وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ

اور نہ ان میں سے کوئی بھی اللہ کا مددگار ہے ف۳۷ اور نہ اس کے حضور میں (کوئی) سفارش کام آتی ہے مگر

عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ

ہاں اس کے حق میں جس کے لئے وہی اجازت دے دے، ف۳۸ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو

قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ

جاتی ہے تو وہ (آپس میں) پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا کہا وہ کہتے ہیں کہ حق (بات کا حکم فرمایا) ف۳۹ اور

الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

(واقعی) وہ عالی شان ہے، سب سے بڑا ہے ف۴۰ آپ پوچھئے تم کو آسمانوں اور زمین میں کون روزی دیتا ہے؟

قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ

آپ کہیے کہ اللہ اور ہم یا تم ہی ضرور راہ راست پر ہیں یا صریح

مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا

گمراہی میں ف۴۱ آپ کہہ دیجیے کہ نہ تم سے ہمارے جرائم کی بابت سوال ہوگا اور نہ ہم سے تمہارے اعمال کا

تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا

سوال ہوگا ف۴۲ آپ کہہ دیجیے کہ ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک

بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ

فیصلہ کرے گا اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا ہے بڑا علم والا ہے ف۴۳ آپ کہیے کہ مجھے (ذرا) ان کو تو دکھاؤ جنہیں

اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

تم نے شریک بنا کر اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے، نہیں، بلکہ وہ اللہ ہی ہے زبردست حکمت والا ف۴۴

ف۳۷ (ایجاد و تخلیق عالم سے لے کر روزانہ کے تصرفات تک کسی چیز میں بھی) سب کی تردید آیت میں آگئی — نہ کوئی کسی چیز کا مستقلاً مالک ہے، نہ کوئی حق تعالیٰ کی صفت مالکیت میں شریک ہے، اور نہ کسی کو حق تعالیٰ نے اپنے اختیارات نیابۃً منسوب کر دیئے ہیں۔ ف۳۸ اور یہ معبودانِ باطل خود تو کسی کی حاجت روائی کیا کرتے ان میں سے کسی میں اتنا بس بھی تو نہیں کہ اللہ کے سامنے بلا اذن کوئی سفارش ہی پیش کر سکے۔ ہاں اللہ ہی کسی کی سفارش کرانا چاہے تو اس کے لیے انہیں حکم دے دے — مستقل شافع ہونے کا عقیدہ بھی دنیا میں شرک کا ایک بڑا سبب رہا ہے۔ یہاں تردید خصوصیت کے ساتھ ملائکہ پرستی کی ہو رہی ہے۔ ف۳۹ یہ فرشتوں کی عام حالت کا بیان ہے۔ ”جب کوئی حکم حضرت حق سے سنتے ہیں تو اُن کے مجمع میں ہلچل پڑ جاتی ہے، حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ اپنی فہم، اپنے حفظ کسی چیز پر اعتماد نہیں باقی رہ جاتا گھبرا گھبرا کر ایک دوسرے سے پوچھ پاچھ شروع کر دیتے ہیں، اور ایک دوسرے کی تسکین و تقویت قلب کا باعث بنتے ہیں کہ جو کچھ ارشاد ہوا، حق ہی ارشاد ہوا ہے“۔ جس مخلوق کی یہ حالت ہو، وہ ابتداءً خطاب کرنے کی جرأت بھلا کس طرح کر سکتی ہے۔ اور جب یہ حال ملائکہ جیسی مقبول ترین ہستیوں کا ہے تو غیر مقبولین کا ذکر ہی کیا ہے۔ آیت میں اشارہ ہے کہ ہیبت بھی کبھی مانع فہم ہو جاتی ہے۔ فيه اشارة الى ان الهيبة تمنع الفهم (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہیبت کبھی اس درجہ مانع فہم بن جاتی ہے کہ انسان کو معذور قرار دینا پڑتا ہے جیسا کہ بعض اہل حال کو۔ ف۴۰ (اس کی عظمت و ہیبت سے فرشتوں کے اس قدر گھبرا جانے میں حیرت کی کوئی بات ہی نہیں) بعض نے یہ پورا فقرہ فرشتوں ہی کا مقولہ قرار دیا ہے۔ ف۴۱ (اسی مسئلہ توحید و شرک میں) یعنی یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ قائلین توحید و منکرین توحید دونوں حق پر ہوں۔ اس طریق خطاب میں تعلیم ہے مجادلہ کے ساتھ لب و لہجہ میں ملاطفت کی۔ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آسمان سے مثلاً پانی برسا کر، زمین سے مثلاً نباتات نکال کر۔ ف۴۲ یہ منکرین کے لیے آخری جواب ہے کہ خیر اور کسی طرح نہیں مانتے ہو، نہ مانو ہم مجرم و خطاکار ہیں تو تم سے سوال نہ ہوگا۔ اور تمہاری بابت ہم سے سوال نہ ہوگا آیت میں ہر شخص کی ذاتی مسئولیت و ذمہ داری کی بھی تعلیم آگئی۔ ف۴۳ وہ نہ کسی فیصلہ سے عاجز ہے اور نہ اس کے کسی فیصلہ میں غلطی کا امکان ہے۔ ف۴۴ یعنی تم کیسی حماقت و ضلالت میں پڑے ہوئے ہو، اللہ تو بس ایک ہی ہے ہر ایک پر غالب اور حکیم مطلق۔ اَرُوْنِيَ۔ یعنی شرک پر کوئی دلیل تو قائم کر کے لاؤ۔ کوئی حجت تو پیش کر کے دکھاؤ۔ یہ مراد نہیں کہ آنکھ سے دکھلاؤ۔ ارى هنا بمعنى اعلم (بحر) المراد اعلموني بالحجة والدليل (روح)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

اور ہم نے تو آپ کو سارے ہی انسانوں کے لئے (پیمبر بنا کر) بھیجا ہے بطور خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا

کے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے وف۴۵ اور (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا

الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا

ہو گا اگر تم سچے ہو وف۴۶ آپ کہہ دیجیے کہ تمہارے واسطے ایک خاص دن کا وعدہ ہے کہ

تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالَ

اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو وف۴۷ اور کافر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ

کہتے ہیں کہ ہم نہ اس قرآن کو مانیں گے اور نہ اس سے پہلی

بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ

کتابوں کو اور آپ کاش وہ وقت دیکھیں جب یہ ظالم اپنے پروردگار کے رو برو کھڑے

رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ

ہوں گے ایک دوسرے پر بات ڈال رہا ہو گا وف۴۸ ادنیٰ درجہ کے

الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا

لوگ بڑے لوگوں سے کہہ رہے ہوں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور

مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا

ایمان لے آئے ہوتے (اس پر) بڑے لوگ ادنیٰ درجہ کے لوگوں سے کہیں گے

اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَاۗءَكُمْ بَلْ

کیا کہیں ہم نے تمہیں ہدایت سے روک دیا تھا بعد اس کے کہ وہ تم تک پہنچ چکی تھی؟ نہیں بلکہ

وف۴۵ اتنی صراحت کے ساتھ اپنے پیام ہدایت کی عالمگیری کا دعویٰ دنیا کے کسی دین نے بھی نہیں کیا۔ یہ خصوصیت آسمانی کتابوں میں صرف قرآن کی ہے۔ قرآن ہی اعلان کے ساتھ کہتا ہے کہ پیام محمدی ہر ملک، ہر قوم، ہر طبقہ انسانیت اور ہر زمانہ کی ہدایت کے لیے ہے — اسلام کے دو دعوے ایسے ہیں، جن میں دنیا کا کوئی دوسرا دین اس کا شریک نہیں۔ دونوں دعوے اسلام کے امتیازاتِ خصوصی میں سے ہیں۔ ایک یہ بار بار تصریح ووضاحت کے ساتھ کہنا کہ میری تعلیم ساری دنیا کے لیے ہے۔ (دوسرے مذاہب جیسے اپنی قوم یا ملک کے باہر کسی کو جانتے ہی نہیں) دوسرے پیمبر اسلام ﷺ کو سلسلۂ انبیاء کا خاتم قرار دینا۔ وف۴۶ (اپنے اس دعوے میں کہ قیامت کا آنا برحق ہے) هٰذَا الْوَعْدُ۔ یعنی وعدۂ آمد قیامت۔ يَقُوْلُوْنَ۔ یہ کہنے والے مشرکین، منکرین قیامت تھے جو مسلمانوں سے طنز واستہزاء کی راہ سے یہ سوال کر رہے تھے — جاہلی تہذیبوں کا سب سے بڑا فتنہ یہی آخرت فراموشی، آخرت بیزاری کا ہے اور یہ تقریباً سب میں مشترک رہا ہے۔ وف۴۷ جواب جو رسول اللہ ﷺ کی زبان سے ادا کرایا جا رہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کا ایک وقت علم الٰہی میں معین ومقرر ہے۔ وہ کسی کے طلب، تقاضہ، طنز وطعن سے نہیں آئے گی، اپنے وقت ہی پر آئے گی۔ جب بھی اس کا آنا حکمت الٰہی میں مناسب ہو۔ وف۴۸ (اور اپنے کو ہر شخص الزام سے بچا رہا ہو گا) وَقَالَ...... يَدَيْهِ۔ یہ کہنے والے وہ مشرکین تھے، جو سرے سے سلسلہ وحی ونبوت ہی کے منکر تھے — مشرکوں کو اعتراض صرف ذاتِ محمدی ﷺ پر نہ تھا۔ بلکہ نفس نبوت ہی کے تخیل سے انہیں انکار تھا۔

كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ

تم ہی قصور وار رہے ہو ف۴۹ اور وہ کم درجہ کے لوگ بڑے لوگوں سے

اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ

کہیں گے کہ نہیں بلکہ تمہاری ہی رات دن کی تدبیروں نے (روکا تھا) جب کہ تم ہمیں آمادہ کرتے رہتے تھے کہ ہم اللہ سے

بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا

کفر اختیار کریں، اور اس کے لئے شریک قرار دیں ف۵۰ اور وہ لوگ (اپنی) پشیمانی کو مخفی رکھیں گے جب کہ عذاب

الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

دیکھ لیں گے ف۵۱ اور ہم کافروں کی گردن میں طوق ڈالیں گے

هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ

جیسا کرتے تھے ویسا ہی تو بھر پایا اور ہم نے کسی بستی میں

قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ

کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم تو اس (دین) کے منکر ہیں جسے دے کر

كٰفِرُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ

(تمہارے زعم میں) تم کو بھیجا گیا ہے، اور انہوں نے کہا ہم تو مال و اولاد میں (تم سے) زیادہ ہیں، اور ہم کو

بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٣٥﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

عذاب ہونا نہیں ف۵۲ آپ کہیے کہ میرا پروردگار زیادہ روزی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے

وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٦﴾ ع وَمَآ اَمْوَالُكُمْ

اور تنگ کر دیتا ہے (روزی جس کے لئے چاہتا ہے) لیکن اکثر لوگ (اس کا) علم نہیں رکھتے ف۵۳ تمہارے مال

وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ

اور تمہاری اولاد (کوئی بھی) ایسی چیز نہیں جو تم کو کسی درجہ میں ہمارا مقرب بنا دے مگر ہاں جو کوئی ایمان لائے

ف۴۹ (کہ وقوع حق کے بعد بھی از خود قبول نہ کیا، اور اب ہمارے سر دھرتے ہو۔ ہم نے کیا کچھ زبردستی کی تھی؟) غرض یہ کہ ادنیٰ و اعلیٰ سب اپنے اپنے کو بچا لیں گے اور اپنا الزام دوسرے کے سر ڈالیں گے۔ اَنَحْنُ…… جَآءَكُمْ۔ اگر یہ شبہ ہو کہ بعض کفار نے تو اپنے اتباع پر زبردستی کی بھی ہے، تو جواب یہ ہے کہ اصل ایمان تو اعتقاد ہے اور اس کا محل قلب ہے۔ وہاں اکراہ ممکن نہیں (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

ف۵۰ (اور ہم تمہاری ان چالوں، تدبیروں کے شکار ہو گئے۔ سو ہماری گمراہی کے بھی اصلی ذمہ دار تمہیں ہو) مَكْرُ۔ یعنی ہر طرح کی ترغیب و ترہیب، اور مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ کی تقدیر کلام یوں ہے۔ مكر كم هنا في الليل والنهار۔

ف۵۱ اپنے دل میں اپنے قصور پر حائل ہونے والے بڑے اور چھوٹے سب ہی ہوں گے۔ اپنی اپنی ذمہ داری سب محسوس کر کے رہیں گے۔ البتہ شماتت ہمسایہ کے خیال سے دوسروں پر اس کا اظہار حتی الامکان نہ ہونے دیں گے وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ۔ یہ اخفاء پشیمانی ایک دوسرے سے ہوگا اپنی مزید تفضیح و رسوائی کے خوف سے۔

ف۵۲ یہی خوشحال طبقہ (Well, todo, clase) ہر ملک اور ہر دور میں خدائی تعلیمات سے انکار میں آگے رہا ہے۔ وہ اپنے برسر حق ہونے اور اپنے مسلک کو حق بجانب قرار دینے میں اپنی کثرت آبادی اور مرفہ الحالی کو پیش کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ ہمیشہ یوں ہی اقبال مند بنا رہے گا۔ چنانچہ یہاں خوشحال منکرین کا طبقہ اپنے آخرت فراموش مسلک زندگی (آئیڈیالوجی) کے جواز میں اپنی کثرت آبادی اور اپنی قومی دولت کو پیش کر رہا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ منکرین میں سے ہر ہر فرد کثیر الاولاد اور صاحب ملک و مال تھا۔ بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ۔ منکرین کا یہ کہنا بطور استہزاء کے ہے، ورنہ وہ رسالت کے قائل ہی کب تھے۔

ف۵۳ قرآن مجید جواب دیتا ہے (اور ایک اسی جگہ نہیں بارہا کہہ چکا ہے) کہ ظاہری خوشحالی ہرگز دلیل صدق و حقانیت نہیں جیسا کہ اکثر اہل جاہلیت سمجھ رہے ہیں، یہ انتظامات تو تمام تر مشیت تکوینی اور مصالح انتظامی کے ماتحت ہوتے ہیں، مرضیاتِ الٰہی کے قانون سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اِنَّ…… يَقْدِرُ۔ یہاں پھر یاد دلا دیا ہے کہ سلسلۂ معاشیات میں بھی مسبب الاسباب حق تعالیٰ ہی ہے۔

وَ عَمِلَ صَالِحًا ز فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا

اور نیک عمل کرے سو ایسے لوگوں کے لئے ان کے عمل کا کہیں بڑھا ہوا

عَمِلُوْا وَ هُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ

صلہ ہے اور وہ بالاخانوں میں چین سے بیٹھے ہوں گے ف۵۴ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے باب میں

فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿٣٨﴾

کوشش کر رہے ہیں (نبی کو) ہرانے کے لئے، تو وہی لوگ عذاب میں لائے جائیں گے

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ

آپ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جسے چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور (جس کو چاہے)

وَيَقْدِرُ لَهٗ ط وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ج

تنگی سے دیتا ہے ف۵۵ اور جو چیز بھی تم خرچ کرو گے سو وہ اس کا عوض دے گا

وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ

اور وہی بہترین روزی دینے والا ہے ف۵۶ اور (وہ دن بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب اللہ ان سب کو جمع کرے گا، پھر

يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٤٠﴾ قَالُوْا

فرشتوں سے پوچھے گا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کرتے رہے ہیں؟ ف۵۷ وہ عرض کریں گے

سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ج بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ

پاک ہے تو ہمارا تعلق تو صرف تجھ سے ہے، نہ کہ ان سے اصل یہ ہے کہ یہ لوگ جنات کی پوجا

الْجِنَّ ج اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ

کرتے تھے ان میں سے اکثر اعتقاد بھی انہیں پر رکھتے تھے ف۵۸ سو آج تم میں سے کوئی کسی کو

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ط وَ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

نہ نفع پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان پہنچانے کا اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ

ف۵۴ آسمانی بادشاہت میں قدر و قیمت تو صرف صحیح ایمانی دستور العمل اور اس کے عملی نفاذ کی ہے۔ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ۔ آیت ماقبل کی طرح یہاں بھی ان الفاظ سے مراد لازمی طور پر شخصی جائیداد یں اور افراد کی اولادیں نہیں۔ قوم ہی کی کثرت آبادی اور قومی ہی ثروت مراد ہے۔ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ یعنی ایمان و عمل صالح کو دستور حیات بنا لینے کے بعد پھر مال و اولاد باعث بُعد حق نہیں رہ جاتے بلکہ اور موجب برکت بن جاتے ہیں۔ قال سعید بن جبیر المعنی الا من امن و عمل صالحًا فلن یغیرہٗ مالہٗ وولدہٗ فی الدنیا (قرطبی) جَزَآءُ الضِّعْفِ۔ ضعف سے مراد مطلق زیادتی ہے محض دوگنا مراد نہیں۔ اے یجاوز الضعف الٰی عشر فما فوقہ' (بیضاوی) اے لھم الجزاء المضعف للواحد عشرۃ الٰی ما یرید اللہ من الزیادۃ (قرطبی) حدیث میں ایک ایک عمل کا اجر دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک درج ہے۔ اٰمِنُوْنَ۔ اہل جنت کا ترددات دنیوی سے آزادی و رہائی پا جانا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی اس لفظ سے اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ وہ نعمتیں دائمی اور ابدی ہوں گی۔ اگر منقطع ہو جانے والی ہوئیں تو پھر اُن کی طرف سے امن و اطمینان کہاں نصیب ہوا۔ انقطاع کا خطرہ ہی لگا رہے گا۔ اشارۃ الٰی دوام النعم و تابیدہٖ (کبیر)

ف۵۵ تونگری، خوشحالی، اور فقر و ناداری کا تعلق دنیا کے تکوینی و انتظامی معاملات سے ہے اسے حق و صداقت کا معیار قرار دینا خود ایک باطل پرتی ہے۔ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا۔ یہ کوششیں آیات الٰہی کے ابطال کی تھیں۔ اے فی ابطالھا (مدارک) آیات کی تعمیم میں کلام الٰہی، احکام الٰہی، معجزات نبوی ﷺ سب داخل ہیں۔

ف۵۶ (سو اس کے کاموں میں خرچ کرنے سے مفلسی کا ڈر کیوں مانع ہو) اِنَّ ...... لَهٗ۔ معاش کی ساری راہوں کی آخری کلید اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ۔ یعنی مرضیات الٰہی کے ماتحت جو خفیف سا بھی خرچ کرو گے۔ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ۔ یہ عوض آخرت میں تو بہر حال ملے گا۔ اور کبھی دنیا میں بھی مل جاتا ہے۔ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۔ یہ ایک بار دنیا کو پھر خبردار کیا جا رہا ہے کہ خدائے تعالیٰ صرف آخرت ہی کا حاکم نہیں، الٰہ المعاش بھی ہے۔ اور معاشیات کے سلسلہ کے بھی سارے اسباب اور تدبیروں کا آخری سرا اُسی کی ذات پر ختم ہوتا ہے۔ ملت اسلامی ہو یا مسلم افراد، کسی کے لیے معاشی فکروں اور تدبیروں میں بھی، اللہ سے بے تعلقی و بے نیازی کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

ف۵۷ دیوتا پرستی درحقیقت ملائکہ پرستی ہی کی ایک صورت ہے۔ مشرک قوموں نے مختلف ملائکہ موکلین کو کائنات کے مختلف شعبوں میں متصرف سمجھ رکھا ہے اور اسی شعبہ کا انہیں دیوتا سمجھتے ہیں — سوال ملائکہ کے حق میں الزامی نہیں، بلکہ مشرکین ہی کی مزید تفضیح و رسوائی کے لیے ہو گا۔ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا۔ ذکر قیامت کا ہونا ظاہر ہی ہے۔

ف۵۸ یعنی لزومًا و دلالۃً ہی نہیں، قصدًا و صراحۃً بھی جنات پرستی میں مبتلا رہتے تھے۔ اَلْجِنَّ۔ جن سے مراد یہاں شیاطین ہی لی گئی ہے کہ وہی غیر اللہ کی ترغیب دیا کرتے ہیں اور اُن کے اشارہ پر عمل کرنا گویا انہیں کی پرستش کرنا ہے۔ اے الشیاطین حیث اطاعوھم فی عبادۃ غیر اللہ (بیضاوی) اے الشیاطین کما روی عن مجاھد (روح) اے الشیاطین (مدارک) لیکن ہو سکتا ہے، کہ مشرک قومیں آج جن دیوتاؤں کی پوجا کر رہی ہیں یہ اپنے زمانہ کے پرقوت جنات رہے ہوں، اور آیت میں اشارہ بھی اسی جانب ہو۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَ اِذَا

جس دوزخ کے عذاب کو تم جھٹلایا کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو ف۵۹ اور جب

تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیْدُ

انہیں ہماری صاف صاف آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص کا تو بس منشا اتنا ہے

اَنْ یَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ

کہ تم کو ان چیزوں سے باز رکھے جن کی پرستش تمہارے بڑے کرتے چلے آئے ہیں ف۶۰ اور کہتے ہیں کہ یہ (قرآن)

اِلَّاۤ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا

ایک تراشا ہوا جھوٹ ہے، اور کافر (اس) امر حق کی نسبت کہتے ہیں جب وہ

جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴۳﴾ وَ مَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ

ان کے پاس پہنچا کہ یہ تو بس ایک کھلا ہوا جادو ہے ف۶۱ اور ہم نے انہیں نہ

مِّنْ كُتُبٍ یَّدْرُسُوْنَهَا وَ مَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمْ قَبْلَكَ

(آسمانی) کتابیں دی تھیں جنہیں وہ پڑھتے پڑھاتے رہے ہوں، اور نہ آپ سے پہلے ہم نے ان کے پاس کوئی

مِنْ نَّذِیْرٍ ﴿۴۴﴾ؕ وَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَ مَا

ڈرانے والا بھیجا ف۶۲ اور ان سے پہلے جو لوگ ہوئے ہیں انہوں نے بھی تکذیب کی تھی اور یہ (کافر)

بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِیْ ۫ فَكَیْفَ كَانَ

تو اس (سامان) کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے انہیں دے رکھا تھا، غرض انہوں نے میرے پیمبروں کی تکذیب کی

نَكِیْرِ ﴿۴۵﴾ؑ قُلْ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ

سو میرا کیسا عذاب ہوا ف۶۳ آپ یہ کہیے میں تم کو ایک بات سمجھاتا ہوں، وہ یہ کہ تم اللہ کے واسطے کھڑے ہو جاؤ

مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ

دو دو اور ایک ایک پھر سوچو کہ تمہارے ان ساتھی کو

ع ۵ / ۱۱

ف۵۹ یعنی اُس روز مشرکوں کو نظر آجائے گا کہ جیسے عاجز و بے حس وہ خود ہیں ویسے ہی اُن کے دیوی دیوتا بھی۔ ف۶۰ تاکہ اس تقریر سے عوام میں برہمی اور اشتعال اور زیادہ پیدا ہو۔ اور خلوئے ذہن کے ساتھ وہ پیامِ نبوت پر غور کرنے کے قابل ہی نہ رہ جائیں۔ یہ چلتا ہوا جادو اہل باطل کے ہاتھ میں ہمیشہ رہا ہے۔ اور آج بھی اس زبردست و موثر حربہ سے اہل حق کے مقابلہ میں برابر کام لیا جارہا ہے۔

ف۶۱ (اور اسی سحر کے تقاضہ سے اس قدر موثر ہے) قرآن کے معجز ہونے سے تو منکرین بھی انکار نہیں کرسکتے تھے۔ بس شیطنت یہ تھی کہ اس کی قوتِ اعجازی کو وہ معمول سحر پر کردیتے تھے — ٹھیک اسی طرح آج بھی فرنگیوں کو رسولِ اکرم ﷺ کے اعجازی کارناموں سے مجال انکار ہی نہیں۔ البتہ بجائے اس کے کہ ان واقعات کو تائید غیبی پر اور آپ کی حقانیت پر محمول کریں۔ اُلٹے انہیں آپ کی (نعوذ باللہ) چالاکیوں کا ثمرہ قرار دینے لگتے ہیں۔ ف۶۲ (اور اس لیے اب جب انہیں پہلی بار نبوت اور کتاب کی دولت ملی تو انہیں نعمت کی قدر اور زیادہ کرنا چاہیے تھی) هُمْ۔ ھم ضمیریں بنی اسمٰعیل یا قوم عرب کی جانب ہیں کہ انہیں میں نبوت پہلی بار آئی تھی۔ قوم کے مورثِ اعلٰی مراد نہیں کہ ان میں تو ابراہیم۔ اسمٰعیل ہود، صالح علیہم السلام وغیرہ متعدد انبیاء پیدا ہو چکے تھے۔ آیت کا یہ مطلب بھی لیا گیا ہے کہ ہم نے کوئی کتاب ان پر نازل نہیں کی، جس کے اندر شرک کی تعلیم ہو اور نہ کوئی رسول بھیجا جس نے یہ پیام دیا ہو کہ شرک نہ کرنے پر عذاب آئے گا۔

ف۶۳ (اور وہ کیسے تباہ و برباد ہو کر رہے) تو یہ موجودہ منکرین جو سامان مقاومت میں ان سے ہر طرح کمتر ہیں، یہ بیچارے کس شمار و قطار میں ہیں— قدیم منکرین و مکذبین اور ان کے انجام کا ذکر قرآن جو اپنے معاصرین کے سامنے کرتا رہتا ہے اس سے مقصود یہی رہتا ہے کہ یہ لوگ اپنے انجام کی طرف سے غافل نہ رہنے پائیں۔ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ۔ یعنی سامانِ غفلت جو پچھلی، متمدن اور اقبال مند قوموں کو مل چکے ہیں (اُن کی دولت و ثروت، ان کی جسمانی قوت و توانائی، اُن کی درازعمری وغیرہ) اُن کا دسواں حصہ بھی قرآن کے مخاطب اوّل منکرین کو نہیں ملا ہے۔

جِنَّةٍ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا نَذِيۡرٌ لَّكُمۡ بَيۡنَ يَدَىۡ عَذَابٍ

جنون تو نہیں ہے، یہ تو تم کو بس ایک ڈرانے والے ہیں عذاب شدید کی آمد سے

شَدِيۡدٍ ﴿۴۶﴾ قُلۡ مَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ فَهُوَ لَكُمۡ ؕ اِنۡ

پہلے و۶۴ آپ کہہ دیجیے کہ میں نے تم سے جو کچھ معاوضہ مانگا ہو وہ تمہارا ہی رہا میرا

اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ﴿۴۷﴾

معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز پر پوری اطلاع رکھنے والا ہے و۶۵

قُلۡ اِنَّ رَبِّىۡ يَقۡذِفُ بِالۡحَـقِّ ۚ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ﴿۴۸﴾ قُلۡ

آپ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار حق کو غالب کرتا ہے وہ غیوب کا جاننے والا ہے و۶۶ آپ کہہ دیجیے

جَآءَ الۡحَـقُّ وَمَا يُبۡدِئُ الۡبَاطِلُ وَمَا يُعِيۡدُ ﴿۴۹﴾ قُلۡ اِنۡ

کہ حق آ گیا اور باطل نہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا و۶۷ آپ کہہ دیجیے کہ اگر

ضَلَلۡتُ فَاِنَّمَاۤ اَضِلُّ عَلٰى نَفۡسِىۡ ۚ وَاِنِ اهۡتَدَيۡتُ فَبِمَا

میں گمراہ ہو گیا تو میری گمراہی کا وبال مجھ ہی پر رہے گا اور اگر میں ہدایت پر رہوں تو یہ اس وحی کی بدولت ہے

يُوۡحِىۡۤ اِلَىَّ رَبِّىۡ ؕ اِنَّهٗ سَمِيۡعٌ قَرِيۡبٌ ﴿۵۰﴾ وَلَوۡ تَرٰۤى اِذۡ

جو میرا پروردگار مجھے کرتا رہتا ہے بے شک وہ بڑا سننے والا ہے، بہت قریب ہے و۶۸ اور کاش آپ وہ وقت دیکھتے جب

فَزِعُوۡا فَلَا فَوۡتَ وَاُخِذُوۡا مِنۡ مَّكَانٍ قَرِيۡبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوۡۤا

یہ (کافر) گھبراتے پھریں گے، پھر بھاگ نہ سکیں گے اور پاس کے پاس ہی پکڑ لیے جائیں گے و۶۹ اور کہیں گے کہ

اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنۡ مَّكَانٍ بَعِيۡدٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَدۡ

ہم اس پر ایمان لے آئے، اور اتنی دور جگہ سے (ایمان ان کے) ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے و۷۰ درآنحالیکہ

كَفَرُوۡا بِهٖ مِنۡ قَبۡلُ ۚ وَيَقۡذِفُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ مِنۡ مَّكَانٍ

پہلے سے یہ لوگ اس (حق) کا انکار کرتے رہے، اور بے تحقیق باتیں دور ہی سے ہانکا کرتے

و۶۴ یعنی آؤ تمہیں اپنے دعوائے رسالت کی جانچ کا ایک آسان طریقہ بتاؤں۔ تم اخلاص نیت کے ساتھ خدا کو حاضر و ناظر جان کر، انفراداً بھی اور مجتمعاً بھی سوچو، کہ میں جو تمہارے درمیان ہر وقت رہتا ہوں اور جس کی امانت کا دیانت کا، اصابت رائے کا تم خود اور براہ راست تجربہ رکھتے ہو، کیا مجھے جنون ہو گیا ہے، جو ایسے بڑے بڑے دعوے کرنے لگا ہوں کہ دیوی دیوتاؤں کا وجود باطل ہے معبود صرف ایک ہے، یوم حشر کی آمد برحق ہے، یہ قرآن کلام الٰہی ہے وغیرہا۔ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا۔ کھڑے ہو جاؤ، یعنی مستعد و آمادہ ہو جاؤ۔ یہ مراد نہیں کہ اپنے دونوں پیروں پر کھڑے ہو۔ ان تجدوا و تجتهدوا فی الامر (روح۔ عن ابن جریج) لا یرادبه المثول علی القدمین ولکن الانتصاب فی الامر والنهوض فیه بالهمة (کشاف) لِلّٰهِ۔ اللہ کے واسطے۔ یعنی نفسانیت ضد و تعصب سے پاک ہو کر، اخلاص کے ساتھ۔ خالصًا لوجه الله معرضًا للمراء والتقليد (روح) اے لوجه الله خالصًا لا لعُمية ولا عصبية بل لطلب الحق (مدارک) مَثۡنٰى وَفُرَادٰى۔ دو کیلے یا اکیلے۔ بعضوں کا دماغ تنہا سوچنے میں خوب چلتا ہے اور بعض سے مجمع کے اندر ہی رہ کر خوب سوچتے بنتا ہے۔ صَاحِبِكُمۡ۔ تمہارے ساتھی۔ جن کا تمہارا ہر وقت کا ساتھ رہتا ہے، جن کا تمہارا عمر بھر کا سابقہ رہ چکا ہے بِصَاحِبِكُمۡ۔ ب یہاں فی کے معنی میں ہے۔ الباء بمعنی فی (روح) مِنۡ جِنَّةٍ۔ من بیانیہ ہے۔ من بیانیة (روح) و۶۵ (سو یہ بھی اس پر روشن ہے کہ میرے پیام میں آمیزش دنیوی کہاں تک ہے اور حق و صداقت کہاں تک) آیت کا حاصل یہ ہے کہ جب میری دعوت اسلام کا محرک نہ حُبّ مال و جاہ ہے، اور نہ اس کے تحت میں کوئی جنون یا خلل دماغی کارفرما ہے، تو اب بجز خالص حق و حقانیت کے اور باقی کیا رہ جاتا ہے؟ —یہی معیار آج بھی زندہ قائم ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و سوانح تو تاریخ کا ایک اہم جزو ہیں۔ اور اُن کی روشنی میں آج بھی یہی سوال قائم کر کے جواب بعینہ یہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مَا...... لَكُمۡ۔ محاورہ میں یہ کنایہ ہے تاکید کے ساتھ طلب اجر کی نفی سے۔ معناه نفی مسئلة الاجر رأسًا (مدارک) مِنۡ اَجۡرٍ۔ اجر کے تحت میں جاہ و مال ہر قسم کا معاوضہ آ گیا۔ و۶۶ اس پر وہ دُور دُور کی چیزیں بھی روشن ہیں، جو بندوں سے مخفی رہتی ہیں۔ يَقۡذِفُ بِالۡحَقِّ۔ یہ غلبہ دلائل کی مدد سے تو ہمیشہ ہی ہوتا ہے، اور کبھی ظاہری قوت و شوکت سے بھی۔ و۶۷ یعنی اب دین حق کے آ جانے سے دین باطل کا بطلان بالکل واضح و روشن ہو گیا۔ باطل میں جان اس سے مقابلہ کرنے کی نہ رہی۔ مَا يُبۡدِئُ الۡبَاطِلُ وَمَا يُعِيۡدُ۔ محاورہ میں مراد ہلاک اور بیجان ہونے سے ہوتی ہے۔ اے زال الباطل و هلک لان الابداء والاعادة من صفات الحی فعدمهما عبارة عن الهلاک (مدارک) و۶۸ (ہر ایک کو جزا اس کے مناسب حال دینے پر قادر) سَمِيۡعٌ قَرِيۡبٌ۔ اس میں مشرکوں کی تردید آ گئی جو اپنے دیوتاؤں کو نہ حاضر و ناظر تسلیم کرتے تھے اور نہ ہمہ بیں و ہمہ داں۔ آیت بڑی سبق آموز ہے۔ رسول کو بایں جلالت و شرف حکم یہ ملتا ہے کہ کمزوری اور غلط روی کو اپنی ہی جانب منسوب کرو، اور ہدایت و استقامت حق کو وحی الٰہی کی جانب — تو جب رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے تو غیر معصوموں کے لیے جو حکم ہو گا ظاہر ہے۔ لان النفس كل ماهو وبال عليها و ضارلها فهو بها و بسببها لانها الامارة بالسوء و ما لها مما ينفعها فبهداية ربها و توفيقه و هٰذا حكم عام لكل مكلف انما امر رسولهٗ ان يسنده الى نفسه لان الرسول اذا دخل تحتهٗ مع جلالة محله و سواء طريقته كان غيرهٗ اولى به (مدارک) و۶۹ (قیامت کے دن) فَزِعُوۡا۔ یہ گھبراتے ہوئے پھرنا ہول قیامت سے ہو گا۔ فَلَا فَوۡتَ۔ یعنی نہ جائے فرار ملے گی اور نہ اللہ سے بچ سکیں گے۔ اے لا مهرب اولا يفوتون الله ولا يستبقونهٗ (مدارک) مِنۡ مَّكَانٍ قَرِيۡبٍ۔ یعنی میدان حشر سے دوزخ کی طرف۔ من الموقف الى النار (مدارک)۔ و۷۰ یعنی دارالعمل تو یہ دنیا ہے، ایمان یہیں کا معتبر ہے، اور اسے یہ لوگ کہیں پیچھے چھوڑ آئے۔ اب تو عالم آخرت میں ہیں جو دارالجزاء ہے۔ بِهٖ۔ یعنی اس دین حق پر — ضمیر کا مرجع قرآن، اللہ، بعث، رسول کو ہی سمجھا گیا ہے، اور مفہوم بہرصورت ایک ہی ہے۔ والاشارة الى الحق الذى اتى به محمد عليه الصلوٰة والسلام (کبیر) اے بالقراٰن، قال مجاهد بالله عزوجل والحسن بالبعث و قتادة بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم (قرطبی) مَكَانٍۢ بَعِيۡدٍ۔ عالم آخرت قبول توبہ، قبولِ ایمان کے لحاظ سے مکان بعید ہے۔ یرید ان التوبة كانت تقبل منهم فى الدنيا و قد ذهبت الدنيا و بعدت من الأخرة (مدارک) فانهٗ فى حيز التكليف و هم منه بمعزل بعيد (روح)

وا۔ یعنی تحقیق حق سے بہت دور رہے، اور اٹکل کے تکّے چلاتے رہے۔ يَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ۔ قذف بالغيب کے معنی اٹکل کے تکّے چلانے کے ہیں۔ العرب تقول لكل من تكلم بما لا يحقه هو يقذف و يرجم بالغيب (قرطبی) بِہٖ۔ ضمیر یہاں بھی دین حق کی جانب ہے۔ مِنْ قَبْلُ۔ یعنی دنیا میں جو دار العمل تھی۔ عمل کی مہلت تو اسی عالم ناسوت کے ساتھ مخصوص ہے۔ و۲ (اور ان کی یہ آرزو پوری نہ ہونے پائے گی) مطلب یہ ہوا کہ منکروں اور کافروں کی ساری اکڑ مرتے ہی ختم ہو جائے گی۔ اب گڑگڑائیں گے کہ توبہ قبول ہو، ایمان قبول ہو، دنیا میں واپس جانے کی اجازت ملے، عذاب سے نجات دی جائے، لیکن کوئی بھی آرزو قبول نہ ہوگی۔ ہر درخواست رد کر دی جائے گی۔ مَا يَشْتَهُوْنَ۔ یعنی ان کی آرزو سے قبول ایمان۔ اس کی اور تفسیریں بھی آئی ہیں لیکن الفاظ قرآنی جامع ہیں، ہر تفسیر و تعبیر پر حاوی۔ و۳ (کہ بیّن سے بیّن دلائل کے باوجود بھی دولت ایمان سے بہرہ ور نہ ہو سکے) مُرِيْبٍ۔ میں متشککین کا نقشہ کھینچ دیا ہے کہ شک میں پڑے رہنے والوں کو چین کہاں نصیب؟ یہ سکون واطمینان سے محروم تو ہمیشہ تردد و تذبذب ہی میں پڑے حیران و سرگرداں رہا کرتے ہیں۔ و۱ آیت میں بتایا ہے کہ یہ آکاش دیوتا یہ دھرتی مائی قادر اور متصرف تو کیا ہوتے غیر مخلوق یا خود آفریدہ بھی نہیں جیسا کہ بہت سی مشرک قوموں نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ تمامتر مخلوق ہیں۔ اور اللہ ہی ساری مخلوقات کی طرح ان کا بھی خالق و فاطر ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فَاطِرِ وہ ہے جو عدم سے وجود میں، نیستی سے ہستی میں لائے، نہ وہ کہ جو صرف ترتیب و تنظیم از سر نو کر دے۔ فطر الله الخلق و هو ايجاد الشىء و ابداعه (راغب) اى خالقها و مبتدعها على غير مثال سبق (معالم) الفطر الابتداع والاختراع (قرطبی) و۲ فرشتے نہ دیوی دیوتا ہیں نہ متصرف فی الامور، وہ اللہ کے صرف کارندے ہیں، جس خدمت پر بھی لگا دیے جائیں اور ان کی ایک خاص خدمت ہے انبیاء کے پاس پیام رسانی، خواہ یہ پیامات احکام شریعت سے متعلق ہوں یا بشارتیں وغیرہ ہوں۔ و۳ (چنانچہ پروں اور بازوؤں کا بھی حصر اس تعداد پر نہیں) عالم غیب کی کسی بھی کیفیت کا پورا صحیح علم انسان کو اپنے ان قویٰ کے ساتھ ممکن نہیں۔ جتنی بھی صفات و کیفیات اس عالم سے متعلق یہاں بیان کی جاتی ہیں، وہ سب بطور مثال تقریب فہم کے لیے ہوتی ہیں۔ اسی عام قاعدہ کے ماتحت فرشتوں کے بازوؤں کو بھی سمجھنا چاہیے۔ انہیں تمامتر دنیا کے پرندوں کے پروں کا عکس سمجھ لینا صحیح نہیں۔ چنانچہ خود ثلث (تین تین بازوؤں) کا نقشہ تو دنیوی مشاہدہ کے خلاف ہی ہے۔ و۴ جس مخلوق کی جو خلقت چاہے رکھے۔ اور جو کام اس سے چاہے لے۔ تو کوئی فرشتوں کی تخلیق و غایت تخلیق پر حیرت ہی کیوں کرے۔ و۵ وہی نعمتوں کے بند کرنے پر بھی قادر، وہی کھولنے پر بھی قادر، اور ہر پہلو مصلحت و حکمت ہی کی بنا پر اختیار کرنے والا۔ بَعْدِہٖ۔ یعنی اس کے امساک کے بعد۔ اى بعد امساكه (بیضاوی۔ روح) بعض نے ضمیر اللہ کی جانب مانی ہے۔ اس صورت میں بعد مرادف ہوگا غیر کے۔ اى فلا يقدر على ارسالهم غير الله (قرطبی)

بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ

تھے و۱ اور ان میں اور ان کی آرزوؤں کے درمیان ایک آڑ حائل کر دی جائے گی جیسا کہ ان سے قبل والے

بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾ ع

ان کے ہم مشربوں سے بھی کیا جائے گا و۲ یہ (سب) بڑے شک میں تھے تذبذب میں پڑے ہوئے و۳

ع ۶ / ۱۲

اٰياتها ۴۵ ۳۵ سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَّكِّيَّةٌ ۴۳ ركوعاتها ۵

اس کی پینتالیس آیتیں ہیں — سورۂ فاطر مکہ میں نازل ہوئی — اور پانچ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ

ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا و۱ (اور) فرشتوں کو پیام رساں

رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ

بنانے والا و۲ جو دو دو اور تین تین اور چار چار پر دار بازو رکھتے ہیں وہ پیدائش میں

فِى الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱﴾

جو چاہے زیادہ کر دیتا ہے و۳ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے و۴

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ

اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے، کوئی اس کا بند کرنے والا

لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ

نہیں اور جو وہ بند کر دے اس کے بعد کوئی اس کا جاری کرنے والا نہیں، اور وہی

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

غلبہ والا ہے حکمت والا ہے و۵ اے لوگو! اللہ کے احسانات اپنے اوپر

ف ٦ (اور دوسروں کو بھی شریک الوہیت و معبودیت کیے لیتے ہو) خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ۔ اشارہ ہے نعمت ایجاد کی طرف۔ (کبیر) يَرْزُقُكُمْ۔ اشارہ ہے نعمت ابقاء کی طرف (کبیر) مسیحی شرک کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب کی تعمیم پیام قرآنی کے عالمگیر اور ہمہ آفاقی ہونے کی ایک مزید دلیل ہے۔ ف ٧ (تو آپ اسی سے تسلی حاصل کیجئے اور زیادہ غم میں نہ پڑیئے) ف ٨ (وہ خود ہی سب سے نپٹ لینے کو کافی ہے، آپ کیوں زیادہ فکر و غم میں پڑیں)

عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③

یاد کرو کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی بہم پہنچاتا ہے؟ کوئی معبود نہیں اس کے سوا، سو تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو؟ ف ٦

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو آپ سے قبل بھی پیمبر جھٹلائے جا چکے ہیں ف ٧ اور اللہ ہی کی طرف (سب) امور واپس ہوں گے ف ٨ اے لوگو! اللہ کا وعدہ ضرور سچا ہے سو یہ نہ ہو کہ

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۫ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑤

دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں ڈال دے ف ٩ اور یہ نہ ہو کہ تم کو وہ بڑا فریبیا اللہ کی طرف سے دھوکے میں ڈال دے ف ١٠

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑥ اَلَّذِيْنَ

بے شک (یہ) شیطان تمہارا دشمن ہے، سو تم اسے دشمن (ہی) سمجھتے رہو، وہ تو اپنے گروہ کو محض اس لئے بلاتا ہے کہ وہ لوگ دوزخیوں میں سے ہو جائیں ف ١١ جو لوگ کافر

كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ڛ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ

ہو گئے ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے ف ١٢ تو کیا وہ جسے اس کا عمل خوش نما کر رکھا گیا اور وہ اسے اچھا سمجھنے لگا (اور جو باطل کو باطل ہی سمجھا دونوں کہیں برابر ہو سکتے ہیں) ف ١٣ سو اللہ جسے چاہتا ہے

ع ١ / ١٣

ف ٩ یعنی لذات دنیوی میں منہمک ہو کر تم آخرت سے غافل ہو جاؤ اور حلال و حرام، جائز و ناجائز میں امتیاز ہی نہ رکھو۔ اس فریب کا تعلق فسق کی عملی زندگی سے ہے اور یہ فریب نفس انسانی کی راہ سے آتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب کی تعمیم پیام قرآنی کی عالمگیری پر ایک مزید دلیل ہے۔ وَعْدَ اللّٰهِ۔ وعدۂ الٰہی میں جزاء و سزا یقینی ہے۔ ف ١٠ یعنی راہ حق سے منہ موڑ لو، اور سرے سے باطل پرستی کو اپنا شعار بنا لو۔ اس فریب کا تعلق کفر کی اعتقادی زندگی سے ہے، اور یہ فریب براہِ راست شیطان کے اثر سے آتا ہے۔— عقیدہ کی گمراہی عملی فسق سے ظاہر ہے کہ کہیں بڑھی ہوئی ہے۔ اَلْغَرُوْرُ۔ بڑا فریبیا، یعنی شیطان۔ اے المبالغ فی الغرور و ھو علی ماروی عن ابن عباس والحسن و مجاھد "الشیطان" (روح) ف ١١ شیطان اگر کوئی واقعی ایک خارجی مخلوق اور انسان کی اتنی شدید دشمن نہیں تو آخر قرآن مجید اس کثرت اور شد و مد سے اس کا اور اس کی خباثتوں کا ذکر کیوں کرتا ہے؟ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا۔ اس سے برتاؤ بھی وہی رکھو جو دشمن کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔— قدم قدم پر اس کی مخالفت کرو۔ اور اس کی اصلی مخالفت یہی ہے کہ توحید و طاعت کی راہ اختیار کرو۔ حِزْبَهٗ۔ یعنی اپنے پیرووں کو۔ اِنَّمَا ...... السَّعِيْرِ۔ گویا دعوتِ شیطانی کا کھلا ہوا نتیجہ دوزخی ہونا ہے۔ لِيَكُوْنُوْا میں ل عاقبت کا ہے۔ اے انما یقصد ان یضلکم حتی تدخلوا معه الی عذاب السعیر (ابن کثیر) ف ١٢ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یہ پہلا گروہ وہی ہے، جس نے دعوتِ شیطانی کو قبول کر لیا۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یہ دوسرا گروہ وہی ہے، جو دعوتِ شیطانی سے الگ الگ رہا۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ۔ آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ مغفرت تو مرتب ہوگی ایمان پر اور اجر کبیر مرتب ہوگا اعمال صالح پر (کبیر) ف ١٣ ترجمہ متن میں قوسین کے درمیان کا سارا فقرہ قرآن مجید میں محذوف ہے، اور ترجمہ میں اپنی طرف سے بڑھانا پڑے گا — قرآن کے اسلوب بلاغت میں اس حذف و تقدیر کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ حذف الجواب لدلالة (کشاف۔ بیضاوی) حذف ھذا الخبر لدلالة الکلام علیه و اقتضاء النظم الجلیل ایاہ (روح) عربی کے اسلوب بیان اور اُردو کے اندازِ تحریر کے درمیان آسمان و زمین کا فرق بعض حیثیتوں سے ہے۔ اور انہیں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ عرب انشاء و خطابات میں محذوفات و مقدرات بکثرت آتے رہتے ہیں۔ زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ۔ یعنی وہ گمراہی میں پڑ گیا۔ و معنی تزیین العمل والاضلال واحد (کشاف) قتادہ تابعی سے روایت ہے کہ یہ آیت فرقہ خوارج کے حق میں ہے کہ وہی لوگ مسلمانوں کا خون بہانا جائز سمجھتے ہیں۔ دوسرے اہل کبائر، کبائر کو بہرحال جائز تو نہیں سمجھتے۔ قال قتادة منھم الخوارج الذین یستحلون دمآء المسلمین و اموالھم فاما اھل الکبائر فلیسوا منھم لانھم لایستحلون الکبائر (معالم)

وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ

گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ دکھا دیتا ہے ف۱۴ سو ان پر افسوس کر کر کے کہیں آپ کی

حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۸﴾ وَاللّٰهُ الَّذِىْۤ

جان نہ جاتی رہے، بے شک اللہ ان کے کرتوتوں سے خوب واقف ہے ف۱۵ اور اللہ وہی ہے جو

اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ

ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر ہم اسے ہانک لے جاتے ہیں خشک

مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ

خطہ زمین کی طرف پھر ہم اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کی خشکی کے بعد سرسبز کر دیتے ہیں ف۱۶ اسی طرح

النُّشُوْرُ ﴿۹﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ

جی اٹھنا ہو گا ف۱۷ جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے تو تمام تر عزت اللہ ہی کے لئے ہے ف۱۸

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ

اسی تک اچھا کلام بلند ہوتا ہے اور عمل صالح اس کو بلند کرتا ہے

وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ

اور جو لوگ بڑی بڑی تدبیریں کرتے رہتے ہیں ف۱۹ انہیں سخت عذاب ہو گا

وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ﴿۱۰﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ

اور ان کا مکر (سب) نیست و نابود ہو کر رہے گا ف۲۰ اور اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ

پھر نطفہ سے (پیدا کیا) پھر اسی نے تمہیں جوڑے جوڑے بنایا اور عورت کو جو کچھ حمل

اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا

رہتا ہے یا جو وہ جنتی ہے سب اسی کے علم سے ہوتا ہے، اور نہ کسی کی عمر زیادہ کی جاتی ہے اور نہ

ف۱۴ (حسب تقاضائے حکمت و مصالح تکوینی) ضلال و ہدایت دونوں کا ترشح اس کی طرف سے بتقاضائے حکمت ہی ہوتا رہتا ہے — ایک کی آنکھوں پر گویا پٹی بندھ جاتی ہے اور اس کی عقل و فہم اندھی ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے کی آنکھیں کھلی اور روشن رہتی ہیں اور اس کی عقل و فہم درست و قائم رہتی ہے۔ ف۱۵ (اور وہی ان سے نپٹ لینے کے لیے بالکل کافی ہے) فَلَا ...... حَسَرٰتٍ۔ اس سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک میں کس درجہ درد تھا اور آپ کس کس طرح منکروں کی ہدایت کے لیے بے قرار رہا کرتے تھے۔ ف۱۶ یعنی زمین مردہ میں اسی کے متناسب جان ڈال دیتے ہیں۔ الرِّيٰحَ۔ سَحَابًا۔ فَسُقْنٰهُ۔ بارش اور برساتی ہواؤں پر حاشیہ سورۃ الروم (پ۲۱) میں گزر چکا۔ فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ۔ اور وہاں اس خشک علاقہ میں بارش ہو جاتی ہے۔ ایک بارش کے سلسلہ میں قدرت کی کارفرمائیوں کے جو انتظامات ہوتے رہتے ہیں۔ ایک خاص وقت پر زمین سے بخارات کا اُٹھنا۔ ایک خاص بلندی پر جا کر ان کا جم جانا، اس کثیف و باردار ہوا کا ایک خاص رفتار سے کسی خاص سمت کی طرف چلنا، کسی متعین علاقہ پر جا کر فضا میں اتنی گرمی پیدا ہونا کہ ایک متعین مقدار میں بارش کے قطرے زمین پر آ گریں۔ وغیرہ وغیرہ موسمیات (میٹریولوجی) کی ساری باریکیاں انسان کو خدائے حکیم و قدیر پر ایمان لے آنے کے لیے بالکل کافی ہیں۔ ف۱۷ (قیامت کے دن) واقعات تکوینی کی مثالوں کے پیش کرنے سے قرآن مجید کا مقصود ہمیشہ کسی اہم دینی ہی حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ ف۱۸ چنانچہ جو اس سے جس درجہ کا تعلق رکھتا ہے اسی مناسبت سے خود بھی اپنے حسب ظرف عزت حاصل کر سکتا ہے۔ **فهى كلها لله و من يتذلل له فهو العزيز و من يتعزز عليه فهو ذليل** (کبیر) آیت طالبان عزت و جاہ منکرین حق کے رد میں ہے۔ ف۱۹ (مخالفت دینی کی) الْكَلِمُ الطَّيِّبُ۔ کلام طیب میں اقرار ایمان اور ساری قولی نیکیاں داخل ہیں۔ الْعَمَلُ الصَّالِحُ۔ عمل صالح میں تصدیق قلبی اور ساری ظاہری و باطنی عملی نیکیاں شامل ہیں۔ يَرْفَعُهٗ۔ میں ضمیرہ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ کی جانب ہے **هو الكلم الطيب اى الكلم الطيب يرفع العمل الصالح** (کبیر) ف۲۰ یعنی اُن کی ہر تدبیر اُلٹی پڑے گی، اور ناکام رہے گی، چنانچہ یہی ہو کر رہا، مخالفین و معاندین نے منصوبے باندھے تو تھے اسلام و پیمبر اسلام کے مٹا دینے کے، لیکن خود ہی مٹ کر رہے۔

يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
کم کی جاتی ہے مگر یہ (سب) لوح محفوظ میں ہے و۲۱ یہ سب اللہ کو
يَسِيْرٌ ﴿۱۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ
آسان ہے و۲۲ اور دونوں دریا برابر نہیں ہیں ایک شیریں پیاس بجھانے والا ہے
سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ
اس کا پینا بھی آسان اور ایک شور تلخ ہے اور ہر ایک سے تم تازہ گوشت
لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى
کھاتے ہو و۲۳ اور زیور نکالتے ہو جسے تم پہنتے ہو و۲۴ اور تو کشتیوں کو
الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ
اس میں پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتے دیکھتا ہے، تاکہ تم اس کی (دی ہوئی) روزی تلاش کرو، اور تاکہ تم
تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي
شکر گذار ہو و۲۵ وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل
الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ
کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک وقت معین تک
مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ
چلتا رہے گا یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کی حکومت ہے، اور جنہیں تم اس کے علاوہ
مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ
پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے و۲۶ اگر تم ان کو پکارو تو
لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَيَوْمَ
وہ تمہاری سنیں گے بھی نہیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہارا کہا نہ کر سکیں اور قیامت کے

و۲۱ (لکھا ہوا اس کے علم ذاتی وقدیم کے موافق) آیت رد شرک میں ہے جاہلی مشرک قومیں اپنے دیوی دیوتاؤں کو صاحب علم تو مانتی تھیں لیکن ایسا علم جو ناقص ومحدود تھا۔ یہاں یہ اس کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ کا علم کامل ہے، اور ہر ہر جزئیہ پر محیط۔ بلکہ اس نے اپنے علم کے ماتحت مستقبل کے سارے واقعات لوح محفوظ میں درج بھی کر رکھے ہیں۔ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ۔ اس خلق کا تعلق نوع انسانی سے ہے۔ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ۔ اس خلق کا تعلق ہر ہر فرد سے ہے۔ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ۔ یعنی نر یا مادہ جیسا بھی حمل اور بچہ ہو۔ و۲۲ اللہ کا علم ذاتی جس کے آگے مستقبل وماضی سب یکساں، اس کے لیے یہ چیزیں دشواری ہی کیا رکھتی ہیں۔ ذٰلِكَ۔ یعنی ان چیزوں کا احاطہ کرنا، یا ان میں کمی یا زیادتی۔ ای احصاءہٗ او زیادۃ العمر اونقصانہٗ (مدارک) و۲۳ (مچھلیوں کا) وَمِنْ كُلٍّ۔ کھانے والی مچھلیاں، نمکین وتلخ سمندر، اور شیریں وخوش ذائقہ دریاؤں سب میں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ الْبَحْرٰنِ۔ دونوں قسم کے پانیوں پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ و۲۴ حِلْيَةً۔ یا زیور سے اس سیاق میں مراد موتی اور مونگا وغیرہ ہیں۔ جو انسانی لباس، زیور آرائش وغیرہ کے کام میں آتے ہیں۔ ای اللؤلؤ والمرجان (روح) والمراد اللآلی والیواقیت (بیضاوی) و۲۵ آیت میں ایک طرف تو دنیا کے نظام الٰہی کی وحدت، تنظیم ومنافع بخشی سے صانع کی توحید اور کمال قدرت اور کمال صنعت اور صفت نعمت بخشی پر استدلال ہے، اور دوسری طرف صاف ترغیب مل رہی ہے بحری تجارت کی ـــــ وہ تجارت جو آج بیسویں صدی عیسوی میں بھی شاید سب سے بڑا ذریعہ شخصی دولت اور قومی ثروت دونوں کا ہے اور جسے مسلمان گویا صدیوں سے بالکل بھول ہی چکے ہیں۔ ملاحظہ ہوں سورۂ لقمان (پ۲۱) کے حاشیے۔ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ۔ یعنی ان کشتیوں کے ذریعہ سے سفر وتجارت کر کے نفع حاصل کرو۔ بحری تجارت کی اہمیت ومنفعت عظیم کے قائل ہمارے مفسرین قدیم بلکہ تابعین بھی رہ چکے ہیں۔ ای باسفارکم بالتجارۃ من قطر الی قطر و اقلیم الی اقلیم (ابن کثیر) قال مجاھد التجارۃ فی الفلک الی البلدان البعیدۃ فی مدۃ قریبۃ (قرطبی) لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ یعنی ان کامیاب بحری تجارتوں کے بعد بہک نہ جاؤ۔ عیش وعشرت اور غفلت میں نہ پڑ جاؤ۔ دین واخلاق کی راہ پر قائم رہو۔ و۲۶ (پھر کیسی حماقت ہے کہ توحید کے ساتھ شرک کو کسی درجہ میں بھی شریک وشامل کر لیا جائے) مِنْ قِطْمِيْرٍ۔ محاورۂ عرب میں اس کے وہی معنی ہیں، جو ہماری زبان میں "ذرہ بھر" "رتی برابر" کے ہوتے ہیں۔ يُوْلِجُ ...... الْقَمَرَ۔ یہ روز روشن اور یہ شب تار، یہ گرم آفتاب اور یہ خنک ماہتاب قدرت کے اتنے بڑے بڑے عظیم الشان مظاہر، ان میں سے کون اپنی جگہ پر آزاد وخود مختار ہے؟ سب کے سب اللہ ہی کی مشیت تکوینی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ مشرک جاہلی قوموں نے سورج اور چاند اور رات اور دن، سب کو معبود سمجھا ہے۔ ابتدائی پاروں میں اس پر بار بار حاشیے گزر چکے۔ قرآن مجید اس مصلحت وضرورت سے بار بار ان چیزوں کے نام لے لے کر انہیں قدرت الٰہی کا مطیع ومسخر بتاتا ہے۔ كُلٌّ ...... مُّسَمًّى۔ ان میں سے کوئی بھی اس کے مقرر کیے ہوئے قاصدوں کی گرفت سے آزاد نہیں۔ آیت میں نظام شمسی کے حسن تنظیم سے استدلال ہے صانع کی توحید وحکمت پر۔ ذٰلِكُمُ ...... لَهُ الْمُلْكُ۔ حکومت وقدرت تو اُسی ایک کی ہے۔ جس کے یہ شواہد اور نمونے تم ہر وقت دیکھتے رہتے ہو۔ وَالَّذِيْنَ ...... قِطْمِيْرٍ۔ پھر کیسی حماقت ہے کہ تم ایسوں کو پکارتے ہو جنہیں قدرت ایک شمہ بھر بھی حاصل نہیں۔ آیت میں دیوی دیوتاؤں کی بے بسی اور بے اختیاری دکھائی ہے۔ يَوْمَ ...... بِشِرْكِكُمْ۔ مشرکوں سے خطاب ہے کہ اُس کشف حقائق کے دن یہ تمہارے معبود خود ہی تمہاری "عبادت" سے تبری وانکار کرنے لگیں گے۔ یہ مضمون اور بھی متعدد آیتوں میں آیا ہے۔ مثلاً كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا یا وَكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ۔ یا مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ۔

الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾ ع

دن وہ تمہارے شرک کرنے ہی سے منکر ہوں گے، اور تجھ کو (خدائے) خبیر کا سا کوئی نہ بتائے گا و۲۷

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ

اے لوگو تم ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تمام تر بے نیاز ہے

الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ ۚ

(تمام) خوبیوں والا ہے و۲۸ وہ اگر چاہے تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق موجود کر دے و۲۹

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

اور یہ اللہ کو کچھ بھی مشکل نہیں و۳۰ اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ

اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ

اٹھائے گا اور اگر کوئی بوجھ لدا ہوا کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے گا جب بھی اس میں سے کچھ بھی بوجھ

مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ

نہ اٹھایا جائے گا، اگرچہ وہ شخص قرابت دار ہی ہو و۳۱ آپ تو بس انہیں کو ڈرا سکتے ہیں جو

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى

بے دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں و۳۲ اور جو پاک ہوتا ہے

فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ وَمَا

وہ اپنی ہی جان کے لئے پاک ہوتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے و۳۳ اور نہ

يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ لا وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ لا

اندھا اور دیکھنے والا کہیں برابر ہیں اور نہ تاریکیاں اور روشنی ہی

وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ ۚ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاۗءُ

اور نہ (ٹھنڈا) سایہ اور (جلتی ہوئی) دھوپ ہی اور نہ زندے اور مردے

و۲۷ یعنی خدائے علیم وخبیر سے بڑھ کر کس کی بات پکی ہوگی، اور وہی تمہیں ان حقائق سے آگاہ کررہا ہے۔ و۲۸ اس کی ذات میں کسی چیز کی کیا کمی اور کیا کسر ہے۔ وہ خود ہی سارے کمالات کا جامع ہے اور اس نے ایمان، اور احکام شریعت کی جو تلقین کی ہے، یہ تمہارے ہی نفع کے لیے۔ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ۔ انسان اپنے وجود میں، بقاء میں، فنا میں، جملہ حاجات میں محتاج اسی ذات واجب الوجود کا ہے۔ وجود، بقاء وفناء وغیرہ میں تو یہ محتاجی ظاہر ہی ہے۔ جن چیزوں میں بظاہر اختیار معلوم ہوتا ہے، مثلاً بولنے چالنے، دیکھنے سننے، چلنے پھرنے، ان میں بھی ایک ایک حرکت مشیتِ الٰہی، اذنِ خداوندی ہی کی محتاج ہے۔ هُوَالْغَنِيُّ۔ یعنی اسے مخلوق کی امداد واعانت کی حاجت تو کجا، وہ تو اس کی مملوکیت وعبدیت کے تعلق سے بھی بے پرواہ ہے۔ لیکن اس کا غناء محض غناء ہی نہیں، وہ ہمارے فقرو درماندگی کا چارہ ساز بھی ہے۔ اَلْحَمِيْدُ۔ یعنی وہ ہر حال میں تمام تر محمود ہی ہے دنیا کی ہر مدح اُسی کی حمد ہے۔ ان تمام صفات کے اثبات میں مشرکوں ہی کی پراگندہ خیالیوں کی تردید ہے۔ و۲۹ (جو کفر وسرکشی نہ کرے) يُذْهِبْكُمْ۔ یعنی تمہارے کفر وسرکشی کی پاداش میں تمہاری نوع ہی کو سرے سے معدوم کردے۔ خَلْقٍ جَدِيْدٍ۔ اس خلق جدید میں جدت کی کیا کیا صورتیں ہوں۔ اس کا احاطہ ہمارا علم تو کیا ہمارا وہم وگمان بھی نہیں کرسکتا۔ و۳۰ (لیکن وہ اپنی حکمتوں اور مصلحتوں سے فوری سزا کو ملتوی کیے ہوئے ہے) ذٰلِكَ۔ یعنی یہ تمہارا مٹانا اور دوسروں کا بنا دینا۔ ای ما ذکر من اذھابھم والاتیان بخلق جدید (روح) ای الانشاء والافناء (مدارک) و۳۱ (پس اس بھروسہ پر رہنا کہ ہمارے آباء واجداد مقبولین میں ہوئے ہیں، کیسی شدید حماقت ہے) وَلَا تَزِرُ...... اُخْرٰى۔ یہ سب کشف حقائق وظہور نتائج کے دن، یعنی قیامت میں ہوگا۔ وِزْر سے مراد کفر ومعصیت کا بوجھ ہے۔ اور اس کا تعلق ذاتی عمل سے ہے۔ ورنہ اعانت جرم، یعنی اغواء واضلال تو خود ایک مستقل جرم ہے۔ آیت میں خاص طور پر ردّ ان مذہبوں کا ہے، جن کا دارومدار ہی کفارہ وشفاعت کے عقائد پر ہے۔ و۳۲ (اور وہ مومنین ہیں) مطلب یہ ہوا کہ آپ کی تعلیم وتبلیغ سے نفع تو صرف وہی حاصل کرتے ہیں جو طالب حق ہوتے ہیں۔ و۳۳ (اور وہی سب کے فیصلہ کے لیے کافی ہے) وَمَنْ...... لِنَفْسِهٖ۔ اس لیے اگر کوئی آپ کی پکار پر دھیان نہیں رکھتا، اور بدستور کفر کی آلودگی اور گندگی میں پڑا رہتا ہے تو اس میں آپ کا کیا نقصان ہے؟

وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ

برابر ہو سکتے ہیں ف۳۴ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے اور آپ

بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ

ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں ف۳۵ ہم ہی نے

اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ

آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے کی حیثیت سے، اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی ہے

اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ

جس میں ڈرانے والا نہ گذرا ہو ف۳۶ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو ان کے قبل والوں

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

نے بھی تو جھٹلایا تھا ان کے پاس بھی ان کے پیمبر کھلے ہوئے نشان

وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے تو میں نے (ان) کافروں کو پکڑ لیا

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾ ع اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

سو (دیکھو) میرا کیسا عذاب ہوا ف۳۷ کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی

مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ

اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا

اور پہاڑوں میں بھی گھاٹیاں ہیں کوئی سفید اور کوئی سرخ ان کے رنگ مختلف ہیں

وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ

اور کوئی بہت گہرے سیاہ اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی ایسے ہیں

ع ۳ / ۱۵

ف۳۴ (اسی طرح کافر اور مومن بھی یکساں نہیں ہو سکتے) اَلْبَصِيْرُ۔ النُّوْرُ۔ الظِّلُّ۔ الْاَحْيَآءُ۔ ادراکِ حق ہونے کے لحاظ سے مومن کی مثال آنکھوں والے اور نور اور سایہ اور زندہ کی ہے۔ الْاَعْمٰى۔ الظُّلُمٰتُ۔ الْحَرُوْرُ۔ الْاَمْوَاتُ۔ ادراکِ حق نہ کرنے کے لحاظ سے کافر کی مثال نابینا اور تاریکی اور چلچلاتی دھوپ اور مردہ کی ہے۔ لَا۔ لَا۔ لَا۔ تاکید نفی کے لیے ہے، اور اس کی تکرار تاکید مزید کے لیے ہے۔ لا لتاکید نفی الاستوآء و تکریر ها علی الشقین لمزید التاکید (بیضاوی) و زیادة "لا" لتاکید معنی النفی (مدارک) ف۳۵ (کسی کے دل میں ہدایت اتار دینا، کسی پر ہدایت ٹھونس دینا آپ کے بس میں نہیں) اِنَّ...... الْقُبُوْرِ۔ یعنی اللہ ہی ان کو ہدایت دے دے تو اور بات ہے، ورنہ بندوں کے بس میں تو یہ ہے نہیں۔ ف۳۶ (خواہ بحیثیت پیمبر خواہ بطور نائب پیمبر کے) یعنی ہر قوم کے اوپر تبلیغ حق کسی نہ کسی طریقہ پر ہو ضرور چکی ہے۔ ف۳۷ (اسی طرح ان کافروں پر بھی اُن کے وقت پر عذاب آئے گا) اس قسم کی آیتوں سے (جو قرآن مجید میں بکثرت ہیں) ایک مقصود تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دینا تھا۔ اور دوسرا معاصر کافروں کو یہ بتانا کہ مہلت مل جانے سے بے فکر نہ ہو جائیں۔ اپنے وقت معین پر عذاب کا آنا قطعی ہے۔

مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ

کہ ان کے رنگ مختلف ہیں ف۳۸ اللہ سے ڈرتے تو بس وہی بندے ہیں جو

الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ

علم والے ہیں ف۳۹ بے شک اللہ زبردست ہے بڑا مغفرت والا ہے ف۴۰ بے شک جو لوگ کتاب اللہ کی

كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے پوشیدہ و علانیہ

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لا لِيُوَفِّيَهُمْ

خرچ کرتے رہتے ہیں وہ ایسی تجارت کی آس لگائے ہوئے ہیں جو کبھی ماند نہ پڑے گی ف۴۱ تاکہ ان کو ان کے

اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ

(اعمال کے) صلے (اللہ) پورے دے اور اپنے فضل سے ان میں (کچھ) بڑھا بھی دے، بے شک وہ بڑا مغفرت والا ہے،

شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ

بڑا قدرت والا ہے ف۴۲ اور جو کتاب ہم نے آپ کے پاس بطور وحی بھیجی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے جو اپنے سے

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾

پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کردیتی ہے بے شک اللہ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے ف۴۳

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ

پھر ہم نے یہ کتاب ان لوگوں کے ہاتھ میں بھی پہنچائی جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا ف۴۴

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ

پھر ان میں سے بعض تو اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں سے متوسط ہیں اور بعض ان میں سے

سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ

اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں، یہ بہت ہی بڑا

ف۳۸ توجہ ان تکوینی اختلافات پر دلائی گئی ہے کہ انہیں خیال میں رکھو، تو کافر و مومن کے فرق پر بہت زیادہ حیرت نہ ہو۔ اَنْزَلَ ...... اَلْوَانُهَا۔ یعنی بارش کا پانی ایک ہی ہے، جو سب پھلوں کو پیدا کر رہا ہے، اس پر بھی ان کی شکلیں، مزے، تاثیریں سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ جُدَدٌ۔ جدة کی جمع ہے، جس کے معنی راستہ کے بھی اور خط یا دھاری کے ہیں۔ ف۳۹ (جو اللہ کی عظمت کا علم رکھتے ہیں اور اسی لیے دلائل قدرت میں غور کرتے رہتے ہیں) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عظمت کا علم اگر اعتقادی ہوتا ہے تو خشیت بھی اعتقادی ہوتی ہے، اور اگر عظمت کا علم حالی ہوتا ہے تو خشیت بھی حالی ہوتی ہے۔ الْعُلَمٰٓؤُا۔ علماء سے اصطلاحی علماء مراد نہیں، جو فلاں فلاں کتابیں پڑھ چکے ہیں، یا فلاں امتحان کی سند رکھتے ہیں، بلکہ وہ اشخاص مراد ہیں جو اللہ اور ان کے احکام کی معرفت رکھتے ہیں۔ اور اُن کا عمل بھی اُن کے مرتبہ علم و معرفت کے مناسب رہتا ہے۔ العلمآء هم الذين علموه بصفاته و توحيده و ما يجوز عليه وما يجب له وما يستحيل تعظموه و قدروه حق قدره (بحر) المراد العالمون بالله عزوجل و بما يليق به من صفاته الجليلة و افعاله الحميدة وسائر شؤنه الجميلة لا العالمون بالنحو والصرف (روح) علم اور خشیت کے درمیان تعلق قدیم صحیفوں میں بھی مذکور ہے۔ مثلاً "اُس نے انسان کو کہا کہ دیکھو خدا کا خوف خرد ہے، اور بدی سے دور رہنا ہی فہمیدہ"۔ (ایوب۔ ۲۸:۲۸) فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ آیت دلیل ہے فضیلت علم پر، اور اس پر کہ اللہ سے خشیت و تقویٰ اسی راہ سے حاصل ہوتا ہے۔ فيه الابانة عن فضيلة العلم و ان به يتوصل الى خشية الله و تقوه (جصاص) ف۴۰ وہ سب کچھ کر ڈالنے پر قادر ہے اور پھر بھی مجرموں کے حق میں بڑا مہربان بھی ہے۔ — گویا ہر عزت و خشیت کا مستحق اپنے ان دونوں صفات کے لحاظ سے بھی ہے۔ غَفُوْرٌ۔ صفت غفور اس موقع پر لانے سے عارفین نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ اسی میں علماء خائفین کو تسکین بھی ہے کہ خطائے اجتہادی معاف کر دی جائے گی۔ ف۴۱ کبھی نہ ماند پڑنے والی تجارت سے مراد ظاہر ہے کہ جنت کی ابدی اور غیر منقطع نعمتیں ہیں۔ اَلَّذِيْنَ ...... عَلَانِيَةً۔ یہ سب صفات انہیں خشیت رکھنے والے اہل علم کے بیان ہو رہے ہیں۔ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً۔ کہیں مصلحت دینی علانیہ ہی صَرف کرنے کی ہوتی ہے، اور کہیں اس کے برعکس کی۔ یہ لوگ اس موقع و محل کو لحاظ میں رکھتے ہیں۔ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ۔ قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ تجارتی اور کاروباری اصطلاحات کے آنے سے ایک طرف تو اس پر روشنی پڑتی ہے کہ اُس وقت کے عربوں کے قومی مزاج پر تجارتی مذاق اچھا خاصہ غالب تھا، اور دوسری طرف اس پر کہ قرآن کو اسی مذاق کا اُمت اسلامی میں پھیلا رہنا مقصود بھی تھا۔ ف۴۲ غَفُوْرٌ۔ بخشنے والا ایسا کہ اعمال کی کوتاہیوں، فروگذاشتوں، لغزشوں کو بخش دے۔ شَكُوْرٌ۔ قدردان ایسا کہ اعمال صالح کی قدر ان کے استحقاق سے بڑھ کر کرے۔ ف۴۳ خَبِيْرٌ۔ اُن کے ہر حال کی خبر رکھنے والا۔ بَصِيْرٌ۔ ان کی ہر مصلحت پر نظر رکھنے والا۔ مِنَ الْكِتٰبِ۔ من بیانیہ ہے۔ من للتبيين (مدارک) ف۴۴ (اور انہیں کا مجموعی نام ملت اسلامی یا اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط یہ کتاب الٰہی کی امانت اب اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں پہنچی ہے، اور وہی دنیا کی ساری ملتوں میں سے حق تعالیٰ کی پسند کی ہوئی جماعت ہے۔ اَلَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔ سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد اُمت مومنین ہے۔ وهم اهل الايمان و عليه الجمهور (مدارک) و هم كما قال ابن عباس وغيرهٗ امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم (روح) و هم هذه الامة (ابن کثیر) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ آیت میں جن طبقات کا ذکر ہے، یہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا سب مسلمان ہیں۔ سئل ابو يوسف عن هذه الأية فقال كلهم مومنون (مدارک)

الْكَبِيْرُ ﴿٣٢﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا

فضل ہے وقف ۴۵ وہ باغات ہیں ہمیشہ رہنے کے جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے ان میں

مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا

انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کی پوشاک ریشم کی

حَرِيْرٌ ﴿٣٣﴾ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا

ہو گی وقف ۴۶ اور یہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے

الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ﴿٣٤﴾ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا

غم دور کیا بے شک ہمارا پروردگار بڑا مغفرت والا ہے، بڑا قدر دان ہے جس نے اپنے فضل سے

دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّ لَا

ہمیں ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا ہے جہاں ہمیں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ

يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿٣٥﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ

ہمیں تھکن ہی محسوس ہو گی وقف ۴۷ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے

لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ

نہ تو انکی قضا آئے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب ہی

مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿٣٦﴾ وَ هُمْ

ہلکا کیا جائے گا ایسی ہی سزا ہم ہر کافر کو دیتے ہیں اور وہ اس کے

يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا

اندر چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو نکال (اب) ہم اچھے کام کریں گے

غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ

برخلاف ان کاموں کے کہ جو کیا کرتے تھے کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس میں جس کو سمجھنا ہوتا

وقف ۴۵ مسلمانوں کی یہاں تین قسمیں ہوئی ہیں۔ پہلی قسم۔ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ۔ یعنی ہیں تو مسلمان، لیکن گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے چند اور صفات بھی بیان کیے ہیں مثلاً ظالم وہ ہے جس کے سیئات زائد ہوں، یا جس کا ظاہر باطن سے بہتر ہو، یا جو صاحب کبیرہ ہو، یا جو بعد حساب قابل نار ہو۔ مُّقْتَصِدٌ۔ یہ دوسری قسم ہے یعنی نہ تو گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور نہ طاعت ہی میں کچھ ترقی کرتے ہیں۔ بس بقدر ضرورت پر اکتفاء کیے ہوئے ہیں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ اور بھی خصوصیات ذکر کیے ہیں۔ مثلاً مقتصد وہ ہے، جس کے خیر و شر مساوی ہوں یا جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، یا جو صاحب صغیرہ ہو۔ یا جو بعد حساب نجات پائے۔ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ۔ یہ تیسری قسم ہوئی کہ گناہوں سے بچتے بھی ہیں اور طاعات میں فرائض کے علاوہ بھی بہت کچھ ہمت کیے رہتے ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ وہ ہے، جس کے حسنات زائد ہوں یا جس کا باطن ظاہر سے بہتر ہو، یا جو گناہوں سے محفوظ ہو، یا جو بے حساب و کتاب جنت میں جائے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی ایسی کامل کتاب کا مسلمانوں کو حامل بنا دینا۔ ای ایراث الکتاب (مدارک) فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ۔ آیت کا یہ جز اس باب میں نص صریح ہے کہ مومن باوجود سخت گناہگار رہنے کے بہر حال مغفور ہی ہوتا ہے --- اور یہ تصریح مسلک خارجیت کی جڑ کاٹ دینے کے لیے کافی ہے۔ قال ابن عطاء و انما قدم الظالم لئلا ییأس من فضله و قیل انما قدمهٗ لیعرفهٗ ان ذنبه لا یبعدهٗ من ربه (مدارک) بعض تفسیری اقوال میں یہاں تک آ گیا ہے کہ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وہ ہے جو بلا توبہ کیے گناہ کبیرہ پر فوت ہو جائے۔ قال معاذ الظالم لنفسه الذی مات علی کبیرة لم یتب منها (روح) اور اقوال رجال سے قطع نظر خود لفظ قرآنی بھی اس طبقہ کی گنہگاری واضح کرنے کو کیا کم ہے۔ اس پر بھی ان سب کے مغفور ہونے پر نہ صرف جمہور اہلسنت کا اتفاق ہے۔ بلکہ احادیث نبوی میں متعدد طریقوں سے اس کی صراحت موجود ہے۔ ذیل کی حدیثیں بعض قرطبی میں بعض ابن کثیر میں اور بعض روح المعانی میں حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت انس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت اسامہ بن زید، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہم صحابیوں کی روایت اور محدثین ابن مردویہ، ابن النجار، حکیم ترمذی، بیہقی، طیالسی، احمد بن حنبل، عقیلی، عبد بن حمید، حاکم، طبرانی، ابن جریر، ابن منذر وغیرہم کے حوالے سے درج ہوئی ہیں:۔

هٰؤلاء کلهم بمنزلة واحدة و کلهم فی الجنة کلهم من هٰذه الامة و کلهم فی الجنة۔ سابقنا سابقٌ و مقتصدنا ناج و ظالمنا مغفور لهٗ۔

یہ سب طبقات ایک ہی حکم میں ہیں اور یہ سب اہل جنت ہیں یہ سب اسی امت میں ہیں اور سب اہل جنت ہیں ہمارے سابق (وہاں بھی) سابق ہوں گے، اور ہمارے مقتصد نجات یاب اور ہمارے ظالم مغفور ہوں گے۔

صاحب روح المعانی کہتے ہیں:۔ "والذی یعضده معظم الروایات والاٰثار ان الاصناف الثلثة من اهل الجنة فلا ینبغی ان یلتفت الی تفسیر الظالم بالکافر۔" روایات اہم اور آثار سے تقویت اسی کی ہوتی ہے کہ تینوں طبقات اہل جنت ہی کے ہیں اس لیے ظَالِمٌ کی تفسیر کافر سے کرنا قابل التفات بھی نہیں"۔ اور پھر محدث بیہقی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔

قال البیهقی اذا کثرت الروایات فی حدیث ظهران للحدیث اصلًا و الاخبار فی هٰذا الباب کثیرة و فی ما ذکر کفایة" جب کوئی حدیث کثیر طریقوں سے روایت کی گئی ہو تو اس حدیث کی اصلیت تو ضرور ہوتی ہے اور اس باب میں روایات کثرت سے آئی ہیں جتنی نقل کر دی گئی ہیں وہ کافی ہیں"۔ اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:۔ والصحیح ان الظالم لنفسه من هٰذه الامة و هٰذا اختیار ابن جریر کما هو ظاهر الاٰیة و کما جآئت به الاحادیث عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من طرق یشد بعضها بعضًا۔" صحیح یہی ہے کہ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ اسی امت کے لوگ ہیں اور یہی ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا ہے جیسا کہ خود آیت قرآنی کا ظاہر ہے اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں ہے جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچانے والے طریقوں سے وارد ہوئی ہیں"۔ اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ کافر تو ظالم علی الاطلاق ہوتے ہی ہیں، لیکن ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ کا مصداق مومن ہوتا ہے کہ وہی معصیت کے وقت اپنے نفس کو اس کے موضع صحیح سے ہٹا کر رکھتا ہے اور خود حضرت آدم علیہ السلام کی دعاء میں ان کے مقبول اور صاحب اصطفاء ہونے کے باوجود ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا کی صراحت موجود ہے (کبیر) اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس باب میں جو اثر محدث طیالسی نے نقل کیا ہے، وہ بدرجہ غایت بلیغ ہے۔ ایک سائل کے جواب میں آپ فرماتی ہیں:۔ یا بنی هٰؤلآء فی الجنة اما السابق بالخیرات فمن مضٰی علی عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و اما المقتصد فمن اتبع اثرهٗ من اصحابه حتی لحق به و اما الظالم لنفسه فمثلی و مثلکم۔" اے بیٹا! اہل جنت تو یہ سب طبقے ہیں۔ ان میں سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ وہ ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گزر گئے۔ اور مُقْتَصِدٌ وہ اصحاب رسول ہیں جو آپ کے بعد بھی آپ کی پیروی اپنے آخر دم تک کرتے رہے، اور ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ کا مصداق میں اور تم جیسے لوگ ہیں۔ وقف ۴۶ آیت سے معلوم ہوا کہ سونے کے زیور اور موتی اور ریشمی لباس اپنی اصل کے لحاظ سے گندے نہیں، ورنہ اہل جنت کے لیے موقع مدح پر ان کا ذکر کیوں آتا۔ البتہ دنیا میں یہاں کی مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر مردوں کے لیے حرام ہیں۔ وقف ۴۷ اکتاہٹ کی تھکن تو طبیعت پر اس وقت غالب ہونے لگتی ہے جب ایک ہی شے سے مسلسل سابقہ پڑتا ہے۔ لیکن جنت کی نعمتیں تو ہر دم "تازہ بہ تازہ نو بہ نو" ملتی رہیں گی۔ اس لیے وہاں

مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۖ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ

سمجھ لیتا، اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا ف۴۸ سو مزہ چکھو کہ ظالموں کا (یہاں)

مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ

کوئی مددگار نہیں ف۴۹ بے شک اللہ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا،

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ

بے شک وہی جاننے والا ہے دلوں کی باتوں کا ف۵۰ وہی ایسا ہے جس نے تمہیں

خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا يَزِيْدُ

زمین میں آباد کیا سو جو کوئی کفر کرے گا اس کا کفر اسی پر پڑے گا اور کافروں کے لئے

الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ

ان کے پروردگار کے ہاں ناراضی ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے اور کافروں کے لئے

الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ

ان کا کفر خسارہ ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے ف۵۱ آپ کہہ دیجیے تم نے اپنے خدائی شریکوں کے حال پر بھی نظر کی ہے،

الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا

جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟ ذرا مجھے بھی تو بتاؤ کہ انہوں نے زمین کا

مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ

کون سا جزو بنایا ہے یا ان کا آسمان میں کچھ ساجھا ہے؟ یا ہم نے انہیں

كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰي بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ

کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اسی دلیل پر قائم ہیں؟ اصل یہ ہے کہ یہ ظالم ایک دوسرے سے

بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ

نرے دھوکہ (کی باتوں) کا وعدہ کرتے آئے ہیں ف۵۲ بے شک اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے

ع ۱۱/۱۲

تھکن اور اکتاہٹ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ ضمناً یہاں یہ حقیقت بھی آگئی، کہ بخلاف دنیا کی عیش و عشرت کے جس کی کثرت لازمی طور پر تھکا دینے والی ہوتی ہے۔ جنت کی لذتیں برابر راحت و سرور ہی بڑھانے والی ہوں گی — آج ذرا دیر تک مسلسل قہقہہ لگا کر دیکھیے یا مسلسل کئی کئی گھنٹے تھیٹر، سینما، ناچ دیکھنے کا ذرا تجربہ کر لیجیے۔ طبیعت میں لازمی طور پر افسردگی اور تھکاوٹ طاری ہو جائے گی۔ مسلسل و غیر منقطع تازگی، شگفتگی قائم رکھنا جنت ہی کی نعمتوں کا خاصہ ہوگا۔ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ۔ جنت میں ظاہر ہے کہ کسی قسم کی تکلیف کا کہاں گزر۔ اَلْحَزَنَ۔ حزن سے مراد دنیوی رنج و الم بھی ہو سکتا ہے اور حساب و کتاب کا غم و اندیشہ بھی۔ دَارَ الْمُقَامَةِ۔ لفظی معنی ترجمہ میں آگئے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ دَارَ الْمُقَامَةِ جنت کی دوسری منزل کا نام ہے۔ ف۴۸ یہ سب اہل دوزخ سے اُن کے جواب میں کہا جائے گا۔ اَوَلَمْ ...... تَذَكَّرَ۔ آخرت میں اہل جہنم پر جو حجت قائم ہوگی، اس کا پہلا جزو یہی ہے۔ یعنی کیا تمہیں اتنی مہلت نہیں ملی تھی کہ تم آیات حق پر غور کر سکتے اور اپنا نفع و نقصان سوچ لیتے؟ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ۔ یہ جواب کا دوسرا جزو ہوا۔ یعنی کیا تمہیں انبیاء کی دعوت ہدایت، براہ راست یا بالواسطہ نہیں پہنچ چکی تھی؟ — نَذِيْرٌ عام ہے انبیاء اور اُن کے سب نائبین کے لیے۔ ف۴۹ (جو اُن کی فریاد رسی کر سکے) حق تعالیٰ خود تو مددگار و فریاد رس اس لیے نہ ہوگا کہ وہ ناراض ہی ہوگا، اور کوئی دوسرا اس لیے نہیں کہ اسے اس کی قدرت ہی نہ ہوگی۔ ف۵۰ یہ بیان ہوا حق تعالیٰ کے کمال علمی کا۔ صفت قدرت کے بعد صفت علم بھی تمام صفات باری تعالیٰ میں سے ایسی صفت ہے، جس کے باب میں مشرک، جاہلی قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکریں لگی ہیں۔ قرآن مجید کو اسی لیے ضرورت پیش آئی کہ اللہ تعالیٰ کے علم کی کاملیت کو اور اسرار و خفاء یا جزئیات و دقائق پر اس کے محیط ہونے کو بار بار بیان کیا جائے۔ ف۵۱ یہاں کفر اور اہل کفر سے متعلق تین حقیقتیں بیان ہوئی ہیں۔ فَمَنْ ...... كُفْرُهٗ۔ کفر کا وبال اسی کافر ہی پر پڑتا ہے، نہ کہ کسی دوسرے پر — پہلی حقیقت یہ ہوئی۔ اے وبال كفره لا يتعدى الى غيره (ابوسعود) وَلَا ...... مَقْتًا۔ اہل کفر ڈھیل پا کر اپنے کفر پر نازاں نہ ہوں۔ حق تعالیٰ کے ہاں ان کے ہر کفر سے ان کی مغضوبیت اور معتوبی اور بڑھتی جاتی ہے۔ اور اس کا تحقق اسی دنیا میں ہو جاتا ہے۔ وَلَا ...... خَسَارًا۔ کفر سے اہل کفر کا خسارہ آخرت میں بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اور وہ خسارہ کیا ہے؟ جنت سے محرومی، اور دوزخ میں دخول۔ ف۵۲ (جو کبھی بھی پورے ہونے کے نہیں) آیت میں اثبات توحید و ابطال شرک پر پوری حجت قائم کی گئی ہے۔ اَرَءَيْتُمْ۔ اِرَاءَةٌ کے معنی یہاں دکھانے کے نہیں، بتانے یا خبر دینے کے ہیں۔ معنی ارء يتم اخبروني (کشاف) المراد منه اخبروني (کبیر) اَرُوْنِيْ ...... السَّمٰوٰتِ۔ یعنی شرک پر کوئی بھی دلیل، عقلی و تجربی قسم کی قائم ہے؟ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ۔ سے مراد خلقت آسمان میں شرکت ہے اے شركة مع الله فى خلق السموٰت (ابوسعود) اَمْ ...... مِّنْهُ۔ یعنی شرک پر کوئی بھی دلیل، نقلی و کتب آسمانی سے ماخوذ قائم ہے؟

وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَ لَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ

ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں و۵۳ اور اگر وہ ٹلنے لگیں بھی تو پھر اللہ کے سوا کوئی بھی

اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾ وَ اَقْسَمُوْا

انہیں تھام نہیں سکتا و۵۴ بے شک وہ بڑا حلم والا ہے، بڑا مغفرت والا ہے و۵۵ اور ان (کفار) نے

بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ

اللہ کی بڑی زور دار قسم کھائی تھی کہ اگر ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو ہم

اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ

ہر امت سے بڑھ کر ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے، لیکن جب ان کے پاس (وہ) ڈرانے والا آ ہی گیا

مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۙ ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ وَ مَكْرَ

تو بس ان کی نفرت ہی کو ترقی ہوئی، دنیا میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے، اور (ان کی) بری چالوں کو

السَّيِّئِ ؕ وَ لَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ

(بھی ترقی ہوئی) اور بری چالوں کا وبال انہیں چال والوں پر پڑتا ہے و۵۶ سو کیا یہ

يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ

اسی آگے والوں کے دستور کے منتظر ہیں و۵۷ آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا

تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا

نہ پائیں گے اور نہ آپ اللہ کے دستور کو منتقل ہوتا ہوا دیکھیں گے و۵۸ کیا یہ لوگ زمین پر

فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

چلے پھرے نہیں جو دیکھتے بھالتے کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے

مِنْ قَبْلِهِمْ وَ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ

قبل ہوئے ہیں درآنحالیکہ وہ قوت میں بھی ان سے بڑھے ہوئے تھے و۵۹ اور اللہ

و۵۳ (اپنے انتظام معین وہیئت مقررے) آیت میں بتایا ہے کہ حق تعالیٰ دنیا کا خالق وفاطر ہی نہیں، بلکہ اس کا منتظم، مدبر، حاکم بھی ہے، وہی اپنے دستِ قدرت سے اس کے سارے انتظامات بھی سنبھالے ہوئے ہے۔ یہ نہیں کہ پیدا کرنے والے برہما جی ہوں، پالنے والے اور حفاظت کرنے والے، وشنو جی، اور مارنے والے شیو جی!— غرض مختصر سی عبارت سے متعدد جاہلی تخیلات پر ضرب لگ گئی۔ لفظ امساک سے یہ مراد لینا کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ حق تعالیٰ (نعوذ باللہ) کسی بڑے عظیم الشان دیو پیکر دیوتا کی طرح زمین وآسمان کی باگیں اپنے ہاتھ میں پکڑے اور سمیٹے ہوئے بیٹھے ہیں! امساک سے مراد صرف ان اجرام کی ہیئت منتظمہ پر انہیں قائم رکھنا ہے، اور وہ چاہے جن قوانین طبعی کے واسطہ سے ہو قانون کشش اجسام وغیرہ یہ سب اللہ ہی کے امساک کے ذریعے اور واسطے ہیں۔ اَنْ تَزُوْلَا۔ زوال سے مراد صرف ہیئت موجودہ منتظمہ سے ان کا انتقال ہے نہ کہ مطلق حرکت۔ اس لیے آیت سے آسمان وزمین کے سکون وعدم حرکت پر استدلال کرنا تمام تر لغو ہے۔ و۵۴ تو جب دوسروں سے اس نظم عالم کی حفاظت ہی نہیں ہو سکتی، تو جواہر واعراض کے ایجاد واحداث کا کیا ذکر۔ لَئِنْ زَالَتَآ۔ یعنی اگر وہ ٹلنے کے قریب ہو جائیں۔ ٹلنے پر آ جائیں۔ ای ان اشرفتا علی الزوال (روح) مِنْ اَحَدٍ۔ مِنْ زائد ہے تاکید نفی کے لیے یعنی کوئی بھی۔ من مزیدۃ لتاکید النفی (مدارک) مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ بعد یہاں بجز یا علاوہ کے معنی میں ہے۔ بعدہٗ ای سواہ (جلالین) و۵۵ حَلِيْمًا۔ اور اسی صفت حلم کے تقاضہ سے شرک جیسی کھلی ہوئی اور انتہائی گستاخی پر بھی انہیں فوراً سزا نہیں دیتا۔ غَفُوْرًا۔ اور اسی صفت غفر کے تقاضہ سے ان سے اب بھی درگزر کرنے کو تیار ہے اگر یہ اپنی شرارتوں سے باز آ جائیں۔ و۵۶ یہ کہنے والے مشرکین قریش تھے۔ یہ لوگ قبل بعثت نبوی زور دے دے کر کہا کرتے تھے کہ بنی اسرائیل میں اس کثرت سے نبی آئے اور ان لوگوں نے ان کی قدر نہ کی۔ ہماری قوم میں اگر کوئی نبی آئے تو ہم البتہ اس کی پوری قدر کر کے دکھا دیں۔— پھر جب آپ آئے تو جیسی قدر کی ظاہر ہے۔ مَا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا اسْتِكْبَارًا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس میں وہی مذکور ہے جو صوفیہ کہا کرتے ہیں کہ جس کی استعداد فاسد ہے اس کا مرض اوراد واشغال سے اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے کو بزرگوں میں شمار کرنے لگتا ہے۔ و۵۷ (اور وہ دستور یہ ہے کہ وقت مقرر پر سزا وہلاکت آئے) سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ۔ وہ ماجرا جو ساری اگلی سرکش ونافرمان قوموں کو پیش آ چکا ہے۔ یعنی عذاب الٰہی سے ہلاکت وبربادی۔ و۵۸ تبدیلی یہ کہ مثلاً ایسے مجرموں کو بجائے سزا وعقوبت کے انعام واکرام ملنے لگے۔ اور منتقلی یہ کہ مثلاً عذاب بجائے مجرموں کے کسی اور پر ہونے لگے۔ یا یہ مطلب لیا جائے کہ نہ تبدیلی نفس عذاب میں ہو سکتی ہے اور نہ منتقلی اس کے اوقات میں۔ سنۃ لا یبدلھا فی ذاتھا ولا یحولھا عن

[illegible] و۵۹ تاریخ عالم کا سبق یہی ہے کہ جو قوم بھی خدا فراموشی میں مبتلا ہوئی، وہ آخر کو ہلاک وبرباد ہو کر رہی۔ اَلَّذِيْنَ...... قُوَّةً۔ قوم عاد، قوم ثمود، اہل بابل وکلدانیہ۔ قبطیانِ مصر وغیرہا۔

لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ط

ایسا نہیں کہ کوئی بھی چیز آسمانوں میں یا زمین میں اسے ہرا سکے

اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ

بے شک وہ بڑا علم والا ہے ف۶۰ بڑا قدرت والا ہے اور اگر اللہ ان لوگوں پر داروگیر کرنے لگتا،

بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ

ان کے اعمال کے سبب، تو پشت زمین پر ایک بھی چلنے پھرنے والے کو بھی نہ چھوڑتا اللہ تو

يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ج فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ

انہیں مہلت دے رہا ہے ایک میعاد متعین تک، سو جب ان کی وہ میعاد آ پہنچے گی

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ ع

اللہ اپنے بندوں کو آپ ہی خوب دیکھ لے گا ف۶۱

آیاتھا ۸۳ | ۳۶ سورۃ یٰسٓ مکیۃ ۴۱ | رکوعاتھا ۵

اس کی تراسی آیتیں ہیں — سورۂ یٰسین مکہ میں نازل ہوئی — اور پانچ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰسٓ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳﴾

یا۔سین قسم ہے قرآن پُرحکمت کی کہ آپ پیمبروں میں سے ہیں

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴﴾ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۵﴾

(اور) سیدھے راستہ پر ہیں ف۱ (یہ قرآن) نازل کیا گیا (خدائے) غالب و رحیم کی طرف سے

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾ لَقَدْ

تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادا ڈرائے نہیں گئے تھے، سو وہ (اس سے) بے خبر ہیں، ف۲ ان میں سے

ف۶۰ چنانچہ اپنے علم کامل سے وہ ہر ارادہ کے نفاذ کا طریقہ وتدبیر جانتا ہے، اور اپنی قدرت کامل سے اسے نافذ کر دیتا ہے۔ اس لیے کائنات کی کوئی سی قوت اس سے مقابلہ کی مجال نہیں رکھتی۔ وَمَا كَانَ ...... الْاَرْضِ۔ مسلمانوں کو بتایا ہے کہ ان کا خدائے ذوالجلال مشرکوں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح محدود القویٰ نہیں کہ آج فلاں سے مغلوب ہو گئے اور کل فلاں سے۔ ف۶۱ (اور ہر ایک سے اس کے مناسب حال برتاؤ کرے گا) وَلَوْ ...... دَآبَّةٍ۔ یعنی یہ تو مشیت تکوینی سرے سے ہے ہی نہیں کہ معاصی وذنوب پر گرفت فی الفور اور اسی دنیا میں ہو جایا کرے، یہ اگر ہوتا تو کوئی کا فرزندہ ہی نہ رہنے پاتا، اور اہل ایمان اس لیے اُٹھا لیے جاتے کہ نظام عالم مجموعہ کے ساتھ ہی وابستہ ہے اور جب انسان نہ رہتے تو کوئی حیوان بھی نہ باقی رہنے دیا جاتا۔ کہ حیوانات کی حیثیت تو محض انسانوں کے خادم کی ہے۔ مِنْ دَآبَّةٍ۔ اس سیاق میں دَآبَّةٍ سے کیا مراد ہے، اس پر اچھی خاصی بحث ہوئی ہے۔ ہر متحرک جانور، جن وانس، اور نوع انسانی یہ سب مراد لیے گئے ہیں۔ اور مآل ہر تفسیر کا ایک ہی ہے۔ قال ابن مسعود یرید جمیع الحیوان مما دبّ و درج و قال الکلبی یرید الجن و الانس دون غیرھما لانھما مکلفان بالعقل و قال ابن جریر والاخفش والحسن، بالفضل ای و بالدآبۃ ھنا الناس وحدھم دُون غیرھم (قرطبی) ای لاھلک جمیع اھل السمٰوٰت والارض و ما یملکونہ من دوآب و ارزاق (ابن کثیر)۔ ف۱ (یہاں تک کہ جو آپ کی پیروی کرے وہ بھی سیدھے راستہ پر پڑ جائے، اور اللہ تک پہنچ جائے) یٰسٓ۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ مخفف ہے، یا انسان کا۔ یٰسٓ بمعنی یا انسان (ابن کثیر۔ عن ابن عباس وعکرمۃ والضحاک والحسن وسفیان) وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ۔ یعنی اس قرآن کی حکیمانہ وپُرمغز تعلیمات خود اس کی گواہ ہیں کہ آپ مرتبہ رسالت پر فائز ہیں۔ کوئی غیر خدائی ماخذ ایسی تعلیمات کا ہو ہی نہیں سکتا۔ ف۲ یعنی انہیں اسی کا احساس نہیں کہ بازپرس اُخروی ہے کیا چیز اور رسالت اور توحید کے معنی کیا ہیں۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا۔ قوم سے مراد قریش یا قوم عرب ہے، جو پیام اسلام کی اولین مخاطب تھی۔ جس دور سے دنیا اس وقت گزر رہی تھی۔ اور جس منزل میں اس وقت تھی، لوگوں کی سمجھ میں یہی آنا ذرا مشکل تھا کہ کوئی نبی اپنی قوم یا قبیلہ کی اصلاح کے لیے بھی آسکتا ہے تو عالمگیر نبوت اور کائناتی پیامبری کا تخیل تو وقت کے عام ذہنوں کی گرفت سے بالکل ہی باہر تھا۔ یہی راز ہے اس کا کہ قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کے پیام کی عالمگیری کو اس تصریح اور اس تکرار کے ساتھ نہیں بیان کیا ہے، جس طرح آپ کی پیامبری خود آپ ہی کی قوم، قریش یا عرب کی طرف بیان کی ہے۔ نبوت محمدی ﷺ کی یہ عالمگیر حیثیت بھی بیان متعدد مقامات پر ہوئی ہے مثلاً لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وغیرہا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ وضاحت وتکرار کے ساتھ زور آپ کی قومی نبوت پر دیا ہے۔ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ۔ خاص بنی اسماعیل میں کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ باقی دوسرے انبیاء کی تعلیمات اگر بالواسطہ اہل عرب تک پہنچ چکی ہوں تو وہ اس کے منافی نہیں۔ اس مفہوم کے حاشیے کئی بار گزر چکے ہیں۔

حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٧ اِنَّا

اکثر لوگوں پر یہ (تقدیری) بات ثابت ہو چکی ہے سو وہ لوگ ایمان نہ لائیں گے و۳ ہم نے

جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ

ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں، سو وہ ان کی ٹھوڑیوں تک آ گئے ہیں، جن سے ان کے سر

مُّقْمَحُوْنَ ۝٨ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا

اوپر کو اٹھے رہ گئے، اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی ہے

وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝٩

اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی ہے، جس سے ہم نے ان کو گھیر دیا ہے سو وہ دیکھ نہیں سکتے و۴

وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١٠

اور ان کے حق میں (دونوں) برابر ہیں آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لانے کے و۵

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ

آپ تو بس اسی کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور خدائے رحمٰن سے بے دیکھے خوف رکھے،

فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝١١ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى

آپ اس کو خوش خبری سنا دیجیے مغفرت اور عمدہ معاوضہ کی و۶ بے شک ہم ہی تو مُردوں کو جلائیں گے،

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ

اور ہم لکھتے جاتے ہیں اسے جو یہ آگے بھیجتے جاتے ہیں اور پیچھے چھوڑے جاتے ہیں و۷ اور ہم نے ہر شئ کو

فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝١٢ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ

ایک واضح کتاب میں درج کر رکھا ہے و۸ اور آپ ان کے سامنے ایک قصہ بیان کیجیے ایک بستی

الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝١٣ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ

والوں کا جب کہ ان کے پاس رسول آئے و۹ جب ہم نے ان کے پاس دو کو

و۳ وہ بات تقدیری یہی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ تقدیری بات اللہ کے علم ازلی کے مرادف ہے۔ اور یہ علم ازلی ہرگز کسی شائبہ جبر و اکراہ کے ہی مرادف نہیں۔ اور نہ علم کسی طرح رضا کے مستلزم ہے۔ طبیب کی پیشگوئی اور پیش خبری کسی بد پرہیز مریض کے انجام سے متعلق ہرگز طبیب کی مرضی اور خواہش کی ترجمان نہیں۔ یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ ہدایت یابی کے جو قانون قاعدے شروع سے مقرر ہیں (مثلاً یہی کہ خلوئے ذہن کے ساتھ دعوتِ رسالت پر غور کیا جائے) یہ لوگ چونکہ انہیں پر عمل کرنے سے گریز کر رہے ہیں اس لیے قدرۃً ثمرۂ ہدایت سے محروم رہیں گے۔ و۴ یعنی نہ آگے دیکھ سکتے ہیں نہ پیچھے۔ یہ ساری تمثیل ان لوگوں کے بُعد عن الایمان کی ہے۔ یعنی چونکہ انہوں نے خود قوت ارادی سے صحیح کام نہیں لیا، توفیق ہدایت بھی ان سے مطلق سلب ہوگئی۔ فی ان لاتامل لھم ولا تبصروانھم متعامون عن النظر فی ایات اللہ (مدارک) غفلت ان لوگوں کی ارادی اور مجرمانہ تھی، لیکن یہاں بحیثیت مسبب الاسباب کے ان حالات کو حق تعالیٰ نے منسوب اپنی ہی جانب کیا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنَا۔ وَجَعَلْنَا۔ فَاَغْشَيْنٰهُمْ۔ صیغۂ متکلم ان سب مقامات پر حق تعالیٰ کی جانب محض نظامِ تکوینی کے علت العلل کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے۔ و۵ (سو آپ زیادہ غم و فکر میں نہ پڑیئے، لیکن ساتھ ہی اپنی تبلیغ جاری رکھیے) و۶ مغفرت گناہوں سے، اور عمدہ معاوضہ طاعت پر۔ یا یوں کہا جائے کہ مغفرت مرتب ہوگی ایمان پر، اور اَجْرٍ كَرِيْمٍ ملے گا اعمال صالح پر۔ اِنَّمَا...... بِالْغَيْبِ۔ یافت حاصل ہوتی ہے طلب سے لیکن خود طلب پیدا ہوتی ہے خوف و خشیت سے۔ اگر سرے سے خشیت ہی مفقود ہوئی تو تلاش و طلب ہی کیوں پیدا ہونے لگی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تربیت پر جو نفع مرتب ہوتا ہے وہ طالب ہی کی استعداد کا ظہور ہوتا ہے، نہ کہ مربی ظاہری کی عطاء پر۔ و۷ یعنی ان کا ہر وہ عمل جس پر جزاء و سزا مرتب ہو سکتی ہے۔ برابر لکھا جاتا رہتا ہے۔ مَا قَدَّمُوْا۔ سے مراد ہیں وہ کام جو انہیں کی ذات پر ختم ہوگئے۔ یعنی اعمال ذاتی۔ وَاٰثَارَهُمْ۔ سے مراد ہیں ان کے وہ اعمال جو سبب بنے دوسروں کی ہدایت و ضلالت کے یعنی اعمال متعدی۔ نَكْتُبُ۔ فرشتوں کے عمل کتابت اعمال کو اپنی جانب منسوب فرمایا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى۔ یعنی ہم ہی مُردوں کو دوبارہ اٹھا کر کھڑا کریں گے، اور اس وقت جزاء و سزا دونوں کا پورا ظہور ہوگا۔ و۸ مراد ہے لوح محفوظ، جس میں چھوٹا بڑا ہر واقعہ درج ہے۔ ای اللوح المحفوظ (بحر۔ عن مجاھد وقتادہ وابن زید) یعنی اللوح المحفوظ لانہ اصل الکتب و مقتداھا (مدارک) اِمَامٍ کے لغوی معنی میں ہر وہ چیز داخل ہے خواہ انسان ہو یا کتاب ہو یا کچھ اور جس کا اقتداء کیا جائے۔ الامام الموتم بہ انسانا کان او کتابا او غیر ذلک (راغب) فرقہ شیعہ کے غالیوں نے لفظ اِمَامٍ کے اپنے اصطلاحی اور اختراعی معنی لے کر اِمَامٍ مُّبِيْنٍ سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے لی ہے۔ ولا یخفی ما فی ذلک من عظیم الجھل بالکتاب الجلیل (روح) و۹ الْقَرْيَةِ۔ سے مراد شام کا شہر انطاکیہ (Antiaca) لیا گیا ہے۔ الْمُرْسَلُوْنَ۔ اس سے اصطلاحی رسول (یعنی اللہ کے فرستادے) نہیں، بلکہ رسولِ وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے بھیجے ہوئے نائبین مراد لیے گئے ہیں۔ لیکن کوئی حدیث صحیح اس باب میں موجود نہیں اور سیاق قرآنی سے بھی اس تفسیر منقول کی تائید نہیں ہوتی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس تفسیر پر اصل نکلتی ہے مشائخ کے اس طریق کی کہ اپنے خلفاء کو ارشاد خلق کے لیے مختلف شہروں، ملکوں میں بھیجتے رہتے ہیں۔

اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُمْ

بھیجا تو انہوں نے دونوں کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے سے ان کی تائید کی (انہوں نے) کہا ہم تمہارے پاس

مُرْسَلُونَ ﴿۱۴﴾ قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَمَا

بھیجے گئے ہیں وہ لوگ بولے تم تو بس ہمارے ہی جیسے انسان ہو اور

أَنْزَلَ الرَّحْمَٰنُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ ﴿۱۵﴾

خدائے رحمٰن نے کچھ بھی نہیں اتارا ہے تم نرا جھوٹ ہی بول رہے ہو و۱۰

قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَا

(رسولوں نے) کہا کہ ہمارا پروردگار علیم ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہی گئے ہیں اور ہمارے ذمہ تو

إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۱۷﴾ قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِنْ لَمْ

صرف کھلی ہوئی تبلیغ ہے وہ لوگ بولے ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں و۱۱ اگر تم

تَنْتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸﴾

باز نہ آئے تو تمہیں سنگسار کر ڈالیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت آزار پہنچے گا و۱۲

قَالُوا طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ أَئِنْ ذُكِّرْتُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ

وہ (رسول) بولے کہ تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہی چلی ہوئی ہے، کیا (نحوست) یہ ہے کہ تمہیں نصیحت کی

مُسْرِفُونَ ﴿۱۹﴾ وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ

گئی؟ اصل یہ ہے کہ تم، ہی حد سے نکل جانے والے لوگ، و۱۳ اور ایک شخص اس شہر کے کسی دور مقام سے

يَسْعَىٰ قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوا مَنْ

دوڑتا ہوا آیا (اور) کہنے لگا کہ اے میری قوم والو (ان) رسولوں کی راہ پر چلو، ان کی راہ پر چلو

لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿۲۱﴾

جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور خود راہ راست پر ہیں و۱۴

و۱۰ منکروں نے جواب میں کہا کہ تمہاری شخصی صداقت کا زیر بحث ہونا الگ رہا۔ ہم نفس مسئلہ رسالت ونبوت ہی کے قائل نہیں۔ نہ اوتار، نہ مظہر خدا، نہ دیوتاؤں کی اولاد، بلکہ محض انسان، اور وہ ''پیمبر'' ہو جائے یہ ہماری سمجھ میں تو آتا نہیں۔ مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ جاہل قوموں کو پیمبروں کی دعوت قبول کرنے میں سب سے بڑی ٹھوکر یہیں لگتی ہے کہ یہ ہماری ہی جیسی بشریت کے ساتھ ساتھ پیمبری کا دعویٰ کیسا۔ یہ سارے فقرے ذہن کو اسی طرف لیے جاتے ہیں کہ یہ لوگ براہ راست اللہ ہی کے رسول تھے۔ و۱۱ (کہ تمہاری آمد سے ہمارے درمیان یہ فتنہ وفساد برپا ہو گئے) قَالُوْا ...... لَمُرْسَلُوْنَ، وَمَا ...... الْمُبِيْنُ۔ یہ دونوں فقرے بھی ان مرسلین کی رسالت حقیقی ہی پر دلالت کر رہے ہیں۔ و۱۲ (مختلف صورتوں سے) لَنَرْجُمَنَّكُمْ۔ رجم یا سنگساری، یاد رہے کہ دنیا کی قدیم ترین سلطنتوں اور تہذیبوں میں ایک عام سزا رہی ہے۔ و۱۳ یعنی یہ کیا اندھیر ہے کہ عین جو طریقہ سعادت دارین اور فلاح دنیا وآخرت کا بتایا جاتا ہے، اسی کو نحوست قرار دے رہے ہو، اور نحوست تم جن واقعات کو قرار دے رہے ہو وہ تو خود تمہارے ہی کرتوت ہیں۔ تم ہی نے حق کے قبول سے انکار کیا، تو تمہارے اندر افتراق وتشتت پیدا ہوا۔ تمہیں نے پیام خداوندی کو ٹھکرایا۔ تو تمہارے سامان معاش میں بے برکتی پیدا ہوئی۔ وقس علیٰ ہذا۔ طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ۔ قدیم جاہل قوموں میں سعد ونحس کا تخیل بہت زیادہ پھیلا ہوا تھا۔ بات بات میں شگون، فال وغیرہ کا رواج عام تھا۔ مکالمہ اسی فضا میں ہو رہا ہے۔ طَآئِرُكُمْ۔ یعنی نحوست بقول تمہارے، نحوست تمہارے زعم میں۔ و۱۴ یعنی ان بزرگوں کی پیروی سے امر مانع کون سا ہے۔ خود یہ لوگ تو راہ ہدایت ہی پر ہیں، اور پھر خود غرضی کا خیال ان کی طرف سے مرتفع، اس لیے کہ ہم سے جاہ ومال کسی قسم کا صلہ نہیں چاہتے۔ رَجُلٌ يَّسْعٰى۔ یہ شخص اس وقت تک مومن ہو چکا تھا۔ مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا۔ پیمبروں کی یہ خصوصیت قرآن مجید میں بار بار بیان ہو چکی ہے کہ وہ تبلیغ ودعوت کسی قسم کے دنیوی معاوضہ کے لالچ میں نہیں کرتے۔

وَمَا لِیَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۲﴾

اور میرے پاس عذر ہی کیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں، جس نے مجھے پیدا کیا اور تم (سب) کو اسی کی طرف لوٹنا ہے

ءَاَتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنۡ یُّرِدۡنِ الرَّحۡمٰنُ بِضُرٍّ لَّا

کیا میں اسے چھوڑ کر (اور ایسے) معبود قرار دے لوں کہ اگر (خدائے) رحمٰن مجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہے تو

تُغۡنِ عَنِّیۡ شَفَاعَتُهُمۡ شَیۡـًٔا وَّ لَا یُنۡقِذُوۡنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّیۡۤ اِذًا

ان (معبودوں) کی سفارش میرے کچھ کام نہ آئے اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں اگر میں ایسا کروں

لَّفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّكُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ ﴿۲۵﴾

تو صریح گمراہی میں جا پڑا میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لے آیا سو میری سن لو ف۱۵

قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا

ارشاد ہوگا کہ جا جنت میں داخل ہو ف۱۶ وہ کہنے لگا کاش میری قوم کو یہ معلوم ہو جاتا کہ

غَفَرَ لِیۡ رَبِّیۡ وَ جَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُكۡرَمِیۡنَ ﴿۲۷﴾ وَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا

میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے معززین میں شامل کردیا ف۱۷ اور ہم نے اس کی قوم پر

عَلٰی قَوۡمِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ مَا

اس کے بعد کوئی لشکر آسمان سے نہیں اتارا اور نہ ہم کو اتارنے کی

كُنَّا مُنۡزِلِیۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَیۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا

ضرورت تھی وہ (سزا) تو بس ایک چیخ تھی کہ سب اسی دم

هُمۡ خٰمِدُوۡنَ ﴿۲۹﴾ یٰحَسۡرَةً عَلَی الۡعِبَادِ ۚ مَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ

بجھ کر رہ گئے ف۱۸ افسوس (ایسے) بندوں کے حال پر! کبھی ان کے پاس کوئی رسول

رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمۡ یَرَوۡا كَمۡ اَهۡلَكۡنَا

نہیں آیا جس کی یہ ہنسی نہ اڑاتے ہوں ف۱۹ کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم ان کے قبل

ف۱۵ مردمومن کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ جب پروردگار وہی ایک اور داور حشر بھی وہی ایک، اور سارے دیوی دیوتا بے اختیار محض، تو آخر دین توحید چھوڑ کر شرک اختیار کرنے کے معنٰی ہی کیا؟ یہ تو سرتاسر محض بے عقلی ہی ہوئی۔ اَلَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ۔ خالق بھی وہی داور حشر بھی وہی — مبدا بھی وہی، منتہٰی بھی وہی۔ ہر سادہ وسلیم فطرت والا بعینہٖ یہی استدلال کرے گا۔ وَمَالِیَ لَآ اَعۡبُدُ۔ ءَاَتَّخِذُ۔ اِنِّیۡۤ اِذًا۔ ہر جگہ صیغۂ واحد متکلم کے استعمال سے مفسر تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ مردمومن نے یہ سب اپنے اوپر رکھ کر اس لیے کہا کہ مخاطبین کو اشتعال نہ ہو، جو غور وتدبر کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔ اِنِّیۡ ...... فَاسۡمَعُوۡنِ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ترغیب وتحریص خیر کے موقع پر اپنی کسی خوبی کا اظہار کر دینا جائز بلکہ اولٰی ہے۔ لَا تُغۡنِ ...... لَا یُنۡقِذُوۡنِ۔ مشرکوں کے دیوتاؤں کی بیچارگی دکھائی ہے کہ نہ کسی معنٰی میں قادر، اور نہ اس قابل کہ قادر مطلق کے ہاں سفارش ہی کر سکیں۔ ف۱۶ مشرک قوم اپنے اس ہم قوم مردمومن کی دشمن ہوگئی۔ اور آخر اسے ہلاک کر ڈالا۔ جنت کی یہ بشارت اس شہید کو اپنی ہلاکت کے وقت مل رہی ہے۔ ف۱۷ اس شہید کو ہمدردی اپنی قوم کی، اور دھن اپنی ملت کی اس وقت بھی سوار رہی، اور حسرت کے لہجہ میں بولا کہ کاش میری قوم والوں کو بھی عالم جاودانی کے اعزاز وتکریم کا راز معلوم ہو گیا ہوتا، اور وہ سب بھی ایمان لے آئے ہوتے! بِمَا غَفَرَ ...... الۡمُكۡرَمِیۡنَ۔ اس مغفرت اور مکرمت کا راز ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے، اتَّبِعُوا الۡمُرۡسَلِیۡنَ اور اٰمَنۡتُ بِرَبِّكُمۡ میں۔ یعنی یہ ثمرہ تمامتر ایمان اور اتباع مرسلین کا ہے۔ ف۱۸ وہ قوم انکار وتکذیب کی منزلیں طے کر چکنے کے بعد بالآخر ہلاک کر دی گئی ہے۔ یہ بیان اس وقت کا ہے۔ وَ مَا كُنَّا مُنۡزِلِیۡنَ۔ خدائے قادر وغنی کو فرشتوں کا لشکر اتارنے کی احتیاج نہیں۔ بڑی سے بڑی آبادیوں کی ہلاکت کے لئے ایک ادنٰی سا اشارہ کافی ہے۔ مثلاً یہیں، ایک زور کی آواز (بادل اور بجلی کی کڑک ہو یا کچھ اور) کافی ہوگئی۔ اور بعض واقعات میں جو فرشتوں کے لشکر کا اتارنا مذکور ہے، وہ کسی وقتی حکمت ومصلحت کی بناء پر تھا۔ یہاں نفی صرف احتیاج کی ہو رہی ہے۔ خٰمِدُوۡنَ۔ یعنی مرکھپ کر ایسے نیست ونابود ہو گئے جیسے خاکستر جلنے بجھنے کے بعد۔ ای میتون ھامدون تشبیھا بالرماد الخامد (قرطبی) ف۱۹ حق تعالیٰ کا یہ اظہار تاسف وملال اس کمال شفقت کے اظہار کے لئے انسانی محاورہ کے مطابق ہے، جو حضرت حق کو بندوں کے ساتھ ہے۔ ورنہ حقیقۃً وہ ذات پاک ہر قسم کے تاثر وانفعال سے بالاتر ہے۔

قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ

(بہت سی) امتیں ہلاک کر چکے ہیں کہ یہ لوگ ان کی طرف لوٹ کر نہ آئیں گے اور

كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ

ان سب میں کوئی بھی ایسا نہیں جو مجموعی طور پر ہمارے سامنے حاضر نہ کیا جائے ف۲۰ اور ایک نشانی ان لوگوں کے لئے

الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۖۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ

زمین مردہ ہے ہم نے اسے زندہ کیا اور اس میں سے غلے نکالے سو ان میں سے لوگ

يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ

کھاتے ہیں اور ہم نے اس (زمین) میں باغ لگائے کھجوروں اور انگوروں کے

وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ

اور اس (زمین) میں چشمے جاری کر دیئے ف۲۱ تاکہ لوگ اس (باغ) کے پھلوں سے کھائیں

وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۖ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ

اور اس (سارے انتظام) کو ان کے ہاتھوں نے نہیں پیدا کیا سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے ف۲۲ پاک ذات ہے وہ جس

خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ

نے تمام متقابل قسموں کو پیدا کیا نباتات زمین کے قبیل سے بھی اور ان شخصوں میں سے بھی اور ان چیزوں میں بھی

وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ

جن کو (عام لوگ) نہیں جانتے ف۲۳ اور ایک نشانی ان لوگوں کے لئے رات بھی ہے ہم اس پر سے دن کو اتار لیتے ہیں

فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۖ

سو یکایک لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں ف۲۴ اور ایک نشانی آفتاب بھی کہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے ف۲۵

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ

یہ اندازہ ٹھہرایا ہوا ہے زبردست (اور) علم والے (خدا) کا ف۲۶ اور (ایک نشانی) چاند بھی کہ ہم نے اس کے لئے منزلیں

ع ۲

ف۲۰ یعنی اس دنیوی ہلاکت سے قطع نظر اصلی سزا تو اسی عالم آخرت میں ہوگی، اور وہ دائمی اور غیر منقطع ہوگی۔ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۔ یہ آیت یا اس کے ہم معنی دوسری آیتوں میں صرف ایک عام قانون وعادت الٰہی کا بیان ہے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ کہیں اور کسی خاص موقعہ پر بطور خرق عادت بھی ایسا نہیں ہوسکتا، جیسا کہ بعض کج فہموں نے ان آیتوں سے نکالا ہے۔ لَمَّا۔ ما زائد تاکید کے لئے ہے۔ ما مزیدة للتاکید (بیضاوی) ف۲۱ (باغ کی آبپاشی کے لئے) جَنّٰتٍ...... اَعْنَابٍ۔ کھجور اور انگور کے نام کی تصریح مذاق عرب (مخاطبین اول) کی رعایت سے ہے۔ کھجور تو کہنا چاہیے کہ عرب کے حق میں مایۂ زندگی ہے، اور انگور کے شاداب باغوں سے بھی اہل عرب واقف تھے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ اٰيَةٌ لَّهُمُ۔ سوکھی ہوئی زمین کا ازسرنو جی اٹھنا بجائے خود ایک سبق ہے حق تعالیٰ کی قدرت وربوبیت کا۔ ف۲۲ (ان دلائل قدرت کو دیکھنے کے باوجود) اور ادائے شکر کا پہلا زینہ توحید ہے۔ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ۔ ٹکڑا بہت قابل غور ہے ساری دنیا، خدائی قدرت وانتظام سے الگ ہو کر، اگر مل کر بھی کوشش کر ڈالے کہ تخم ریزی وآبپاشی کے نتائج غلہ پھل وغیرہ ہی کی شکل میں ظاہر ہوتے رہیں تو کامیابی ناممکن ہے یقینی طور پر ان مسببات کو انہیں نتائج کی صورت میں ظاہر کرنا خاص الخاص کرشمہ قدرتِ خداوندی ہے۔ وَمَا عَمِلَتْهُ۔ ما یہاں نافیہ ہے۔ ترجمہ اسی ترکیب کے مطابق کیا گیا۔ روی القول بان ما نافیة عن ابن عباس والضحاک (روح) دوسری ترکیب یہ بھی جائز ہے کہ ما کو موصولہ قرار دیا جائے۔ اس صورت میں فقرہ کا عطف ثَمَرِهٖ پر ہوگا، اور مطلب یہ ہوگا کہ اپنے پکے پکائے کھانے کو دیکھو تو اس میں بھی حق تعالیٰ ہی کی ربوبیت کی جھلک پاؤ گے۔ ما موصولة فی محل جر عطف علی ثمرہ (روح) ف۲۳ یعنی پاک وبالاتر ہے ایسی قادر مطلق ذات ہر قسم کے شرک سے۔ اَلْاَزْوَاجَ كُلَّهَا۔ ہر قسم کے جوڑے اور سارے موجودات کے اصناف وانواع مراد ہیں۔ الازواج الانواع والاصناف فکل زوج صنف لانه مختلف فی الالوان والطعوم والاشکال والصغر والکبر فاختلافها هو ازدواجها (قرطبی) جدید سائنس کا یہ ایک مشہور مسئلہ ہے کہ نر ومادہ کا وجود کائنات کی ہر صنف موجود میں پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ حیوانات سے گذر کر نباتات بلکہ جمادات میں بھی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ۔ نباتاتِ ارضی میں تقابل مماثلت کا بھی ہوسکتا ہے اور تضاد کا بھی۔ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ اشخاص میں تقابل یہ ہے کہ مثلاً مرد عورت، جوان بوڑھا، گورا کالا وغیرہ۔ ف۲۴ رات اور دن، دونوں تمامتر امر الٰہی کے مسخر ہیں۔ خود کوئی دیوی دیوتا نہیں جیسا کہ بعض مشرک جاہلی قوموں نے سمجھ رکھا ہے۔ ان کے درمیان یہ تقلب وتصرف سب قدرتِ الٰہی سے ہوتے رہتے ہیں۔ ف۲۵ (اپنی حرکت یومیہ میں بھی اور دورۂ سالانہ میں بھی) ف۲۶ (جس کے اندازہ میں دخل نہ بخت واتفاق کو ہوسکتا ہے اور نہ ظن وتخمین کو، بلکہ اس کا ہر قانون اپنی جگہ پر مستحکم اور اٹل ہوتا ہے اور حکمت ومصلحت پر مبنی بھی)

حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ

مقرر کی ہیں یہاں تک کہ وہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی و۲۷ نہ آفتاب کی

لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ

مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور سب ایک ایک

فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي

دائرہ میں تیر رہے ہیں و۲۸ اور ان کے لئے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی

الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا

کشتی میں سوار کیا اور ہم نے ان کے لئے اسی (کشتی) جیسی چیزیں (اور بھی) پیدا کیں جن پر یہ لوگ

يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ

سوار ہوتے ہیں و۲۹ اور اگر ہم چاہیں انہیں غرق کر دیں، تو نہ ان کا کوئی فریاد رس ہو اور نہ

يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا

یہ رہائی پائیں و۳۰ مگر ہاں یہ ہماری ہی مہربانی ہے اور ان کو ایک وقت معین تک فائدہ دینا مقصود ہے و۳۱ اور جب ان

قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ

سے کہا جاتا ہے کہ اس (عذاب) سے ڈرو جو تمہارے سامنے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر

تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ

رحمت کی جائے و۳۲ اور ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی بھی نشان ایسا ان کے پاس نہیں آتا

اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا

کہ یہ اس سے سرتابی نہ کرتے ہوں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرو، تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں

و۲۷ (کہ پتلی اور خمدار ہونے میں ضرب المثل ہے) تشبیہ میں ممکن ہے کہ زردیٔ رنگ بھی شامل ہو۔ و۲۸ اور اپنے خالق ومالک کے حکم کے مسخر اپنی اپنی رفتار سے چل رہے ہیں۔ اور نظامِ معین سے باہر نہیں ہو سکتے کہ رات دن کے حساب میں کچھ بھی خلل پڑ سکے۔ وَكُلٌّ۔ کل سے مراد سارے ہی اجرام فلکی لئے گئے ہیں یعنی من الشمس والقمر والنجوم (قرطبی) لَا...... الْقَمَرَ۔ آفتاب کی یہ مجال نہیں کہ کسی دن قبل از وقت طلوع ہو جائے۔ یعنی خورشید خاور بایں جاہ وجلال اور سورج دیوتا باوجود اپنی ''دیوتائیت'' کے تمام تر اسی قادر مطلق کے دست قدرت میں مسخر ہیں۔ وَلَا...... النَّهَارِ۔ یعنی ظہور ظلمت کے وقت معین سے پہلے شب تار کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے ارادہ وخواہش سے نور کو زائل کر دے۔ وَلَا...... النَّهَارِ۔ تقویم اسلامی میں رات دن پر مقدم ہے۔ چنانچہ شب غرۂ شوال شوال ہی میں، اور شب غرۂ رمضان رمضان ہی میں داخل سمجھی جاتی ہے۔ اور تراویح، اعتکاف وغیرہ کا شمار شام ہی کے وقت سے کیا جاتا ہے۔ یدل علی ان ابتداء الشھور من اول اللیل (جصاص) و۲۹ اللہ ہی نے اپنی قدرت وحکمت وشفقت سے بندوں کو اس عقل وتدبیر کی تعلیم دی جس سے اس نے دریا اور سمندر کے پانی سے سواری کا کام لینا، اس کے طول وعرض کا عبور کرنا، اس کے مناسب حال کشتی بنانا، پھر کشتی چلانا وغیرہ وغیرہ سیکھ لیا۔ الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ۔ لدی پھندی کشتیوں سے صاف اشارہ بحری تجارت کی جانب ہے۔ بڑے بڑے تجارتی جہاز، اور سامان سے کھچا کھچ لدے ہوئے اسٹیمر سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ مِنْ مِّثْلِهٖ۔ کے اطلاق میں بڑی وسعت ہے، اسٹیمر، لائیز، کروزر، آبدوز کشتیاں، غرض ہر قسم کی بحری سواریاں ہی نہیں، بلکہ ان کے علاوہ ریل، موٹر، لاری، طیارہ، ہوائی جہاز وغیرہ سب ہی کچھ اس کے تحت میں آسکتے ہیں۔ عن مجاھد ان الابل سفن البر (جصاص) فسرہ مجاھد بالانعام والابل وغیرھا (روح) والقول الثانی انہ للابل والدواب وکل ما یرکب۔ (قرطبی) مِنْ بیان کے لئے بھی مانا گیا ہے اور تبعیض کے لئے بھی۔ تحتمل ان تکون للبیان وان تکون للتبعیض (روح) و۳۰ نہ کوئی جل دیوتا ہے اور نہ کوئی اور فریادرس، جو غرق ہونے سے بچا سکے اور موت سے چھڑا سکے...... آیت میں تردید اس سلسلہ کے تمام مشرکانہ خیالات کی آگئی۔ یہ جو اخباروں میں آئے دن خبریں ہوائی جہازوں اور طیاروں کی، گر گر کر پاش پاش ہونے کی چھپتی رہتی ہیں آیت ان پر کتنی منطبق ہے! وائرلیس (لاسلکی) وغیرہ کے آلات سب دھرے کے دھرے رہ جاتے اور کوئی مدد کو تو کیا آئے، خبر بھی باہر والوں کو مدتوں نہیں پہنچ پاتی۔ اور پھر لاشوں کو سمندر کی گہرائیوں سے، یا پہاڑوں پر جمی ہوئی برف کے تودوں کے اندر سے کھود کھود کر یا گھنے جنگلوں کے اندر سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنے کے مرحلے تو اور بھی صعب تر ہیں۔ و۳۱ (چنانچہ اسی لئے اس قادر مطلق وحکیم برحق نے مہلت دے رکھی ہے) بے بس اور بے کس بندوں کے لئے کتنا بڑا سہارا اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا کا ہے۔ و۳۲ (اور تم قریب وبعید ہر قسم کے عذاب سے محفوظ ہو جاؤ) مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ۔ وہ عذاب جو سامنے کا ہے۔ یعنی اس دنیا کا عذاب اور اس کا ہر وقت احتمال۔ وَمَا خَلْفَكُمْ۔ وہ عذاب جو آخرت میں پیش آئے گا، اور اس کا وقوع یقینی ہے۔ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ دعوت تقویٰ اسی جلب رحمت کی غرض سے دی جا رہی ہے۔

اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ

کہ کیا ہم ان لوگوں کو کھانے کو دیں جنہیں اگر خدا چاہے تو (بہت کچھ) کھانے کو دے دے، تم تو نری

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ

کھلی غلطی میں پڑے ہوئے ہو ف۳۳ اور یہ کہتے ہیں کہ (آخر) یہ وعدہ کب (پورا) ہو گا اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً

تم سچے ہو یہ لوگ بس ایک آواز سخت کے منتظر ہیں کہ

تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً

وہ انہیں آ پکڑے گی اور یہ لوگ آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہوں گے پھر نہ تو وصیت کرنے کی فرصت ہو گی

وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا

اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس جا سکیں گے ف۳۴ اور صور پھونکا جائے گا سو وہ لوگ

هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا

یک بیک قبروں سے (نکل نکل) اپنے پروردگار کی طرف جلدی جلدی چلنے لگیں گے، کہیں گے ہائے ہماری کم بختی

مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ

کس نے ہم کو ہماری خواب گاہوں سے اٹھایا؟ یہ وہی ہے جس کا (خدائے) رحمٰن نے وعدہ کیا تھا

وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً

اور پیمبروں نے سچ کہا تھا ف۳۵ وہ بس ایک زور کی آواز ہو گی

فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ

جس سے سب یکا یک جمع ہو کر ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے ف۳۶ پھر اس دن کسی شخص پر

نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّ لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

ذرا بھی ظلم نہ ہو گا اور تم کو بدلہ بھی بس انہیں کاموں کا ملے گا جو تم کیا کرتے تھے ف۳۷

ف۳۳ یہ بیان ہے منکرین کی مستقل قساوت قلب اور عدم تاثر کا۔ مِنْ اٰيَةٍ۔ من زائدہ تاکید و استغراق کے لئے ہے۔ متکبرین رؤساء قریش سے جب کہا جاتا تھا کہ غریبوں مسکینوں کی اعانت کرو (جو عموماً مسلمان ہی تھے) تو وہ طنزیہ جواب یہ دیتے تھے کہ ہم سے ان غریبوں کی اعانت کو کہتے ہو، حالانکہ تمہیں یہ بھی کہتے ہو کہ تمہارا خدا رزاق مطلق ہے، وہ جس کو چاہے روزی دے، تو خود وہ کیوں نہیں انہیں روزی دیتا...... طنز عجیب مہمل تھا۔ خدا کی رزاقی بھی تو اسی کی ہر صفت کی طرح اسی عالم اسباب میں انسانوں ہی کے واسطہ سے ظہور کرتی ہے۔ مسلمانوں کا یہ دعویٰ کب تھا کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں عادۃً رزاق بلا واسطہ اور بلا ذریعہ اسباب ہے۔ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ۔ یعنی اپنی آمدنیوں میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے رہو...... قریش کے امراء و دولتمند عموماً کافر تھے اور مسکین افراد عموماً مسلمان۔ ف۳۴ قیامت کے فوری و ناگہانی وقوع اور اس کی ہولناکیوں کا بیان ہے۔ هٰذَا الْوَعْدُ۔ یعنی وعدۂ قیامت۔ مَتٰى...... صٰدِقِيْنَ۔ سوال محض طنز و تعریض سے تھا۔ صَيْحَةً وَّاحِدَةً۔ مراد صور کا نفخہ اول ہے جب سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ صَيْحَةً۔ صیغۂ نکرہ کی تنوین اظہارِ عظمت و جلالت کے لئے ہے۔ تَوْصِيَةً۔ یعنی کسی قسم کی بھی وصیت۔ وصیت کا اشارہ تک۔ التنكير فى التوصية للتعميم اے لا يقدر علىٰ توصية ما (کشاف)

ف۳۵ (چنانچہ یہ وقوع قیامت انہیں سچے وعدوں کا ظہور ہے) هٰذَا...... الْمُرْسَلُوْنَ۔ یہ پورا ٹکڑا قیامت کے دن فرشتوں کی زبان سے ادا ہو گا۔ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ۔ مراد صور کا نفخہ ثانی ہے۔ جب وہ از سر نو زندہ ہو کر اکٹھے ہو جائیں گے۔ مَرْقَدِنَا۔ مرقد صورۃً واحد ہے، مراد جمع ہے۔ یراد بالمفرد الجمع اے مراقدنا (روح) برزخ کی درمیانی زندگی حشر برپا ہو جانے پر خواب کی زندگی معلوم ہو گی۔ اسی لئے اہل حشر اس کو مرقد سے تعبیر کریں گے۔ ف۳۶ حق تعالیٰ کو قیامت برپا کرنے میں نہ کسی خاص اہتمام کی ضرورت ہو گی، نہ مشقت و تعب کی۔ بس ایک نفخ صور بالکل کافی ہو گا ف۳۷ وہ دن عدل کامل کے ظہور کا ہو گا۔ دودھ کا دودھ، پانی کا پانی، ہر ایک معاملہ کا الگ ہو کر رہے گا۔

اِنَّ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ الۡيَوۡمَ فِىۡ شُغُلٍ فٰكِهُوۡنَ ﴿۵۵﴾ هُمۡ

اہل جنت بے شک اس روز اپنے مشغلہ میں خوش دل ہوں گے وہ

وَاَزۡوَاجُهُمۡ فِىۡ ظِلٰلٍ عَلَى الۡاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوۡنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمۡ

اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھی ہوں گی ان کے لئے

فِيۡهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمۡ مَّا يَدَّعُوۡنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ قَوۡلًا مِّنۡ

وہاں میوے ہوں گے اور ان کے لئے وہ (سب کچھ) ہوگا جو کچھ وہ مانگیں گے ف۳۸ سلام انہیں کہا جائے گا پروردگار

رَّبٍّ رَّحِيۡمٍ ﴿۵۸﴾ وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمۡ

مہربان کی طرف سے ف۳۹ اور آج الگ ہو جاؤ اے مجرمو ف۴۰ کیا میں نے

اَعۡهَدۡ اِلَيۡكُمۡ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ ۚ اِنَّهٗ

تم کو تاکید نہیں کر دی تھی اے اولاد آدم کہ تم شیطان کی فرمانبرداری نہ کرنا

لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعۡبُدُوۡنِىۡ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ

وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور یہ کہ تم عبادت میری ہی کرنا یہی سیدھا

مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدۡ اَضَلَّ مِنۡكُمۡ جِبِلًّا كَثِيۡرًا ؕ اَفَلَمۡ

راستہ ہے وہ تم میں سے ایک بڑی مخلوق کو گمراہ کر چکا ہے سو کیا

تَكُوۡنُوۡا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۶۳﴾

تم اتنا نہیں سمجھتے تھے؟ ف۴۱ یہی ہے جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا

اِصۡلَوۡهَا الۡيَوۡمَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ﴿۶۴﴾ اَلۡيَوۡمَ نَخۡتِمُ عَلٰٓى

گھسو اس میں آج اپنے کفر کے بدلے آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا

اَفۡوَاهِهِمۡ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيۡدِيۡهِمۡ وَتَشۡهَدُ اَرۡجُلُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا

دیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ کلام کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے کہ یہ لوگ کیا کیا

وقف غفران

ف۳۸ (بلکہ بلا طلب بھی پاتے رہیں گے) نقشہ جنت کی غیر فانی راحتوں اور لاانتہائی آسائشوں کا پیش ہو رہا ہے۔ فِىۡ شُغُلٍ۔ شغل سے ہر وہ دل پسند مشغلہ مراد ہے جو ذوق کو بالکل گھیر لے۔ العارض الذی یذھل الانسان (راغب) ھو الشان الذی یصدر المرء ویشغله عما سواہ من شئونه لکونه اھم عندہٗ من الکل (روح) اور انسان کے دل پسند مشغلوں کا نہ حصر ممکن ہے نہ شمار۔ اور لفظ شغل کے صیغۂ نکرہ سے مقصود بھی لذتوں کی وسعت واہمیت کا اظہار ہے۔ مَا يَدَّعُوۡنَ کی وسعت، اطلاق وجامعیت قابل لحاظ ہے۔ جسمانی، دماغی، روحانی، ہر قسم کی ہر ممکن لذت، راحت، مسرت، نعمت اس کے عموم میں آگئی۔ اہل جنت جو کچھ بھی چاہیں گے، جو کچھ بھی مانگیں گے سب ہی کچھ ان کے لئے حاضر وموجود ہوگا۔ يَدَّعُوۡنَ کی تفسیر یہاں یتمنون سے بھی کی گئی ہے۔ گویا مانگنے کی ضرورت بھی نہ ہوگی، ادھر تمنا پیدا ہوئی اور ادھر وہ شے حاضر وموجود ہوگئی۔ قیل یتمنون (کشاف) اے یتمنون ویشتھون (معالم) لیکن اگر يَدَّعُوۡنَ کو طلب ہی کے معنی میں رکھا جائے جب بھی کیا مضائقہ ہے بلکہ کسی لذیذ ومحبوب شے کا طلب کرنا، جب کہ اس کا مل جانا اور فوراً مل جانا یقینی ہو، بجائے خود ایک لذت ہے۔ ف۳۹ یعنی حق تعالیٰ کریم ورحیم کی طرف سے انہیں سلام پہنچتا رہے گا، خواہ فرشتوں کے واسطہ سے خواہ بلاواسطہ وبراہ راست...... اہل جنت کا یہ انتہائی اکرام ہے۔ اکرام کا کوئی درجہ اس کے بعد ممکن بھی کیا ہے۔ والمعنی ان اللہ یسلم علیھم بواسطة الملائکة او بغیر واسطة مبالغة فی تعظیمھم (کشاف) ھو اکمل الاشیاء وھو اٰخرھا الذی لا شیء فوقه (کبیر)

ف۴۰ (اہل ایمان سے) اَلۡمُجۡرِمُوۡنَ۔ مجرموں سے مراد کفر وشرک کے مجرم ہیں۔ اَلۡيَوۡمَ سے ظاہر ہے کہ یوم حشر مراد ہے۔ ف۴۱ یہ سب ان مجرموں کو قائل کرنے کے لئے ان سے حشر میں کہا جائے گا...... آگے بھی دو آیتوں میں یہی مضمون چلا گیا ہے۔ لَا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ۔ عبادت یہاں اطاعت کے معنی میں ہے۔ المراد بعبادة الشیطن طاعته (روح) وعبادة الشیطن طاعتهٗ فی ما یوسوس به الیھم ویزینه الیھم (کشاف) اے لا تطیعوا الشیطن (معالم) اطاعت شیطان کی طرف سے شدت نفرت وبیزاری پیدا کرنے کے لئے اسے عبادت سے تعبیر فرمایا گیا۔ عبر عنھا بالعبادة لزیادة التحذیر والتنفیر عنھا (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ جو بعض صوفیہ نے اپنے لئے بت پرست وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں، ان سے بھی ان کی مراد اقرار کفر سے نہیں، بلکہ اپنے کو مطیع نفس ظاہر کرنے سے ہے۔

يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا

کرتے رہتے تھے ف۴۲ اور اگر ہم چاہتے ان کی آنکھوں کو ملیامیٹ کر دیتے پھر یہ راستہ کی طرف

الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ

دوڑتے پھرتے، سو ان کو کہاں نظر آتا؟ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی صورتیں

عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾ ع

جہاں کی تہاں مسخ کر ڈالتے نہ یہ آگے کو چل سکتے، نہ پیچھے کو لوٹ سکتے ف۴۳

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا

اور ہم جس کی عمر (بہت) زیادہ کر دیتے ہیں تو اسے (اس کی) خلقت میں الٹا کر دیتے ہیں سو کیا یہ لوگ (اتنا) نہیں سمجھتے؟ ف۴۴

عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ

اور ہم نے آپ کو شعر و شاعری نہیں سکھلائی اور نہ وہ آپ کی شایان ہے ف۴۵ یہ (قرآن) تو ایک نصیحت اور کھلی ہوئی

مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾ لا لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى

آسمانی کتاب ہے ف۴۶ تا کہ ایسے شخص کو ڈرائے جو زندہ ہو اور تا کہ کافروں پر حجت ثابت

الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ

ہو جائے ف۴۷ کیا ان (مشرک) لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے لئے اپنے ہاتھ

اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿٧١﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا

سے بنائی ہوئی چیزوں میں مویشی پیدا کئے، پھر یہ لوگ ان کے مالک بن گئے ف۴۸ اور ہم نے ان (مویشی) کو ان کا تابع بنا

رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ

دیا سو ان میں سے بعض ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں، اور ان میں ان لوگوں کے اور بھی نفع ہیں

وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور پینے کی چیزیں بھی ہیں، سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے؟ ف۴۹ اور انہوں نے اللہ کے سوا

ف۴۲ (غرض یہ کہ ان کی کل روئداد زندگی رتی رتی حق تعالٰی کے سامنے انھیں کے ہاتھوں پیروں کی زبانی پیش ہوگی) نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ۔ یہ منہ پر مہر لگنا یوں ہوگا کہ وہ کوئی جھوٹی داستان تصنیف کر کے پیش ہی نہ کر سکیں۔ تُكَلِّمُنَا ...... يَكْسِبُوْنَ۔ سورۃ النور میں اس سے ملتے ہوئے مضمون کی آیت تشهد علیهم السنتهم پر حاشیہ گذر چکا۔ ف۴۳ یعنی یہ سب سزائیں ہمارے امکان قدرت میں تھیں، لیکن وہ ان سے اس دنیا میں محفوظ رہے، اس سے انہیں مہلت مل گئی اور اصلاح حال کی ذمہ داری ان پر بڑھ گئی۔ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ۔ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ۔ یعنی یہ سب سزائیں اسی دنیا میں انہیں ان کی پاداش کفر میں دے دیتے۔ ف۴۴ یعنی اس روزمرہ کے مشاہدہ سے کیا وہ یہ سبق نہیں لیتے کہ ہم ہر مسخ و تغییر حالت پر قادر ہیں؟ فِي الْخَلْقِ۔ خلقت یا طبیعت سے مراد انسان کے جسمانی قوی اور رنگ وروغن، حسن و جمال وغیرہ ہیں۔ نُنَكِّسْهُ۔ قوی کے الٹا دینے سے مراد ہے ان کا انقلاب کامل سے ناقص اور اعلیٰ واشرف سے ارذل واسفل کی طرف۔ ف۴۵ (بحیثیت آپ کی پیمبری کے) قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ احمق مشرک آپ کے بیان کئے ہوئے مضامین عالیہ کو مؤثر پا کر اسے شاعری کی ساحری قرار دے رہے ہیں، جو ان بیچاروں کا منتہائے فکر ہے۔ شاعری یعنی تخییلی مضمون آفرینی کو مرتبۂ نبوت سے مناسبت ہی کیا آپ کے ہاں تو حقائق ہی حقائق ہیں، کہاں یہ، کہاں شاعر کی بہتر سے بہتر خیال بندیاں، وہ تو اس سے کہیں فرو مرتبہ چیز ہے۔ هذا ردّ لما كانوا يقولونهٗ من ان القران شعر والنبی صلی اللہ علیہ وسلم شاعر وغرضهم من ذلک ان ما جآء به عليه الصلٰوة والسلام من القران افتراء تخييل (روح) الشِّعْرَ۔ شعر یہاں اپنے معروف و متعارف معنٰی میں مراد نہیں یعنی کلام موزوں و مقفّٰی کا مرادف نہیں، بلکہ شعر سے یہاں مراد جھوٹی خیال آرائیاں اور حقیقت و واقعیت سے عاری منصوبہ بندیاں ہیں...... شعر اور شاعر عربی میں گویا کذب و کاذب ہی کے مرادف ہیں۔ انها رموابا لكذب فان الشعر يعبربه من الكذب والشاعر الكاذب حتٰى سمى قوم الادلة الكاذبة الشعرية (راغب) واما معنى فلان الشعر تخيلات مرغبة اومنفرة اونحو ذلک وهو مقر الاكاذيب (روح) وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ۔ یہاں سے شعر کی پستی کا استنباط کیا گیا ہے۔ وفی الاية دلالة على غضاضة الشعر وهی ظاهرة فی انه صلی اللہ علیہ وسلم لم يعط طبيعة شعرية اعتناءً بشانه ورفعًا لقدره (روح) ف۴۶ (ایسی پر حقائق ولبریز معارف تعلیمات کو شاعرانہ تخیل آرائی سے مناسبت ہی کیا) قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ۔ ''کھلی ہوئی کتاب'' اپنی تعلیمات اور اپنے احکام کی وضاحت کے لحاظ سے۔ ف۴۷ (نزول عذاب کے لئے) ف۴۸ (اور اپنے بغیر کسی استحقاق کے انھیں اپنے تصرف وقدرت میں لانے لگے) مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَا۔ اظہار تخصیص واہتمام کے لئے ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ہر مخلوق اللہ ہی کی بنائی ہوئی ہے۔ فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ۔ آیت اس باب میں نص واضح ہے کہ حیوانات انسان کی ملک ہوتے ہیں، اور انسان کو ان پر تصرفات مالکانہ کے حق حاصل رہتے ہیں۔ ف۴۹ (اور ان نعمتوں کے استحضار کے باوجود کفران نعمت پر تلے ہوئے ہیں) خَلَقْنَا لَهُمْ۔ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ۔ گائے بیل وغیرہ سارے مویشی تو خود انسان کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ کمال حماقت ہے کہ انسان انھیں کی پرستش میں مبتلا ہو جائے!...... مویشی پرستی ہندوستان کے علاوہ مصر وغیرہ اور ملکوں میں بھی عام رہی ہے۔ مَشَارِبُ۔ دودھ، دہی وغیرہ سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ مَنَافِعُ۔ چوپایوں کی ہڈیوں، بالوں، اور کھالوں کی تجارت، اور ان کے لئے بڑے بڑے کارخانے اور منڈیاں سب اس میں شامل ہوگئیں۔

اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ

اور بھی معبود قرار دے رکھے ہیں تا کہ ان سے انہیں مدد ملے (حالانکہ) وہ ان کی (کچھ بھی) مدد نہیں کر سکتے،

وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ

اور وہ ان کے حق میں ایک فریق ہو جائیں گے لا حاضر کئے ہوئے و۵۰ پس آپ کو ان لوگوں کا قول رنج میں نہ ڈالے

اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ

بے شک ہم ہی جانتے ہیں جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں و۵۱ کیا انسان کی نظر اس پر نہیں

اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۷﴾

کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا سو وہ ایک کھلا ہوا معترض بن بیٹھا

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ

اور ہمارے شان میں عجیب (گستاخانہ) مضمون بیان کیا اور اپنی خلقت کو بھول گیا و۵۲ کہنے لگا کون زندہ کرے گا ہڈیوں

وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ

کو جب کہ وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں، آپ کہہ دیجئے انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں اول بار پیدا کیا تھا

وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ۨ ﴿۷۹﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ

اور وہی سب طرح کا پیدا کرنا خوب جانتا ہے و۵۳ اور وہ ایسا ہے کہ ہرے درخت سے آگ تمہارے لئے

الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ اَوَلَيْسَ

پیدا کر دیتا ہے پھر تم اس سے (اور) آگ سلگا لیتے ہو و۵۴ تو کیا جس نے

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ

آسمانوں اور زمین کو پیدا کر ڈالا، وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے لوگوں کو (دوبارہ)

يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ

پیدا کر دے و۵۵ ضرور (قادر) ہے، اور وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے خوب جاننے والا ہے وہ تو بس

وقف لازم

و۵۰ یعنی ان دیوی دیوتاؤں سے مشرک توقع تو یہ رکھتا ہے کہ وہ اس کے آڑے آئیں گے۔ سو یہ ہونا تو الگ رہا۔ حشر میں وہ اور اس کے فریق مخالف کی حیثیت سے پیش ہوں گے اور الٹے اسی پر الزام رکھیں گے۔ و۵۱ (اور ہم ہی ان سے وقت مناسب پر نبٹ لینے کے لئے کافی ہیں) فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ۔ یعنی جب وہ توحید تک میں ایسی سفاہت کی باتیں کرتے ہیں، تو پھر آپ کو اگر شاعر کہہ دیا، تو اس پر کیوں اتنا کڑھیے۔ ای اذا کان حالهم مع ربهم عزوجل فلا تحزن بسبب قولهم علیک هو شاعر (روح) و۵۲ (کہ کیسی حقیر چیز سے اسے پیدا کیا، اور کیسی بے بسی کی حالت میں اسے رکھا) و۵۳ سو جو ابداء پر قدرت رکھتا ہے، اس کے لئے اعادہ کیا دشوار ہے۔ بلکہ جو ابداء پر قادر ہے اسے تو قیاس انسانی کے مطابق اعادہ پر اور زیادہ قادر ہونا چاہیے۔ فيه من اوضح الدليل على ان من قدر على الابتداء كان اقدر على الاعادة (جصاص) فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت سے قیاس منطقی وفقہی کی حجیت ثابت ہوئی ہے۔ وفيه الادلالة على وجوب القياس والاعتبار لانه الزمهم قياس النشأة الثانية على الاولى (جصاص) ففي هٰذا دليل على صحة القياس لان الله عزوجل احتج على منكر البعث بالنشأة الاولى (قرطبی) قَالَ...... رَمِيْمٌ۔ "روشن خیال" منکرین بعث کا بیان ہو رہا ہے، جن کی کمی کسی زمانہ بھی نہیں رہی ہے۔ وہی گستاخانہ اور تمردانہ لہجہ میں یہ سوال کرتے رہتے ہیں کہ ہڈیاں جب سڑگل گئیں تو ان کی حیات ثانی ممکن کیونکر ہے؟ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ۔ يُحْيِيْهَا، عظام کے ساتھ، احیاء کے اس اتصاف سے بعض فقہاء نے استدلال ہڈی کے ذی حیات یا جاندار ہونے پر کیا ہے لیکن محققین نے کہا ہے کہ یہ احیاء تو اسی مجازی معنی میں ہے، جس معنی میں ارض، (زمین) کے لئے آیا کرتا ہے۔

احتج بعضهم على ان العظم فيه حياة فيجعله حكم الموت بموت الاصل ويكون ميتة وليس كذٰلك لانه انما سماه حيا مجازا (جصاص) والمراد باحياء العظم ردها الى ما كانت عليه غضة رطبة في بدن حي حساس (مدارک) لیکن اگر ہڈی میں حیات کا وجود اس کے مناسب حال تسلیم کر لیا جائے، جب بھی کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ ہڈی فقہ اہل سنت میں نجس نہیں، طاہر ہے۔ وهي عندنا طاهرة (مدارک) اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ یعنی ایسی حالت میں انہیں پیدا کر دیا جب کہ وہ حیات سے بالکل بیگانہ وبعید تھیں۔ و۵۴ (تو جو رطوبت سے آگ پیدا کرتا ہے اس کے لئے جماد میں حیات پیدا کر دینا کیا مشکل ہے) مِنْهُ تُوْقِدُوْنَ۔ دیا سلائی وغیرہ کے دور سے بہت قبل آگ عموماً چقماق سے پیدا کی جاتی تھی۔ اور عرب میں وہ مخصوص درختوں کی رگڑ سے پیدا کی جاتی تھی۔ جَعَلَ...... نَارًا۔ یہاں ضمناً آتش پرستی کا بھی رد آ گیا۔ آگ ایسی چیز ہے جو تمام تر مخلوق ہے۔ اس میں معبودیت والوہیت کا شائبہ تک نہیں۔ و۵۵ اول تو کہاں خلق اول، نیستی سے ہستی، عدم سے وجود میں لانا، اور کہاں حیات ثانی۔ اور پھر کہاں آسمان وزمین کا جثہ وجسامت اور کہاں انسان؟

اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ

جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے و۵۶ سو اسی کی پاک ذات ہے

الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے،

ایاتھا ۱۸۲ ۳۷ سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰتِ مَكِّيَّةٌ ۵۶ رکوعاتھا ۵

اس کی ایک سو بیاسی آیتیں سورۂ صافات مکہ میں نازل ہوئی اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ

قسم ہے صف باندھ کھڑے ہونے والے (فرشتوں) کی، پھر بندش کرنے والے (فرشتوں) کی، پھر ذکر کی

ذِكْرًا ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

تلاوت کرنے والے (فرشتوں) کی، کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے و۱ (وہ) پروردگار (ہے) آسمانوں اور زمین کا

وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿۵﴾ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ

اور جو کچھ ان کے درمیان ہے (اس کا) اور پروردگار مشرقوں کا و۲ بے شک ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا

الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ﴿۶﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ

کو ستاروں کی آرائش کے ساتھ اور ہر شریر شیطان سے حفاظت کی

مَّارِدٍ ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ

غرض سے (بھی) وہ عالم بالا کی (باتوں کی) طرف کان بھی نہیں لگا سکتے و۳ اور ہر طرف سے مار کر

مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴿۸﴾ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿۹﴾ اِلَّا

دھکے دے دیے جاتے ہیں اور ان کے لئے عذاب دائمی ہو گا و۴ مگر ہاں

و۵۶ یعنی وہ خلاق مطلق ہے، محض اپنے ارادہ مشیت سے، معدوم کو موجود کر دینے والا، اسے حاجت نہ مادہ کی نہ روح کی نہ ہیولیٰ کی نہ کسی اور چیز کی۔ لَهٗ۔ ضمیر اس مخلوق کی اس صورت کی طرف ہے جو حق تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہے۔ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ حاشیہ سورۃ البقرۃ (پ۱) میں گذر چکا۔ اِذَآ...... فَيَكُوْنُ۔ محاورہ میں یہ محض انتہائی سرعت تکوین کا بیان ہے۔ یہ مراد نہیں کہ حق تعالیٰ کی زبان سے حروف ک اور ن (جو خود ہی حادث ہیں) کا مرکب ادا ہوتا ہو۔ تذئیل احادیث میں سورۂ یٰسٓ کے فضائل بکثرت وارد ہوئے ہیں۔ اسے قلب قرآن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور نزع کے وقت اسے بیمار کے اوپر پڑھ کر دم کرنے کو اکسیر بتایا گیا ہے۔ ۲۶۔ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ (۱۳۔ اپریل ۱۹۴۱ء) کو میری ضعیف العمر والدہ ماجدہ نے اپنی شدت علالت کے وقت مجھ نامہ سیاہ سے اس سورہ کے پڑھنے کی فرمائش کی، اور یہی ان کا آخری کلام مجھ سے تھا۔ تعمیل ارشاد اسی وقت کر دی گئی، اور انہیں تسکین ہو گئی۔ چار ہی پانچ گھنٹہ کے بعد سکرات کی کیفیت طاری ہو گئی، اور ان کے سرہانے بیٹھ کر میں نے پھر یہی سورت شروع کی۔ ان کا دم کھنچتا جاتا تھا، اور میں بآواز بلند پڑھتا جاتا تھا۔ آیہ کریمہ "سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ" کو تکرار کر کے تین بار پڑھا ادھر سورہ کی آخری آیت کے آخری لفظ "والیہ ترجعون" زبان پر ادا ہوئے کہ ادھر اس شفقت مجسم کی روح نے جسد خاکی کو خالی کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین کرام سے التجا ہے کہ جب یہ سطریں ان کی نظر سے گذریں سو اس تباہ کار اور اس مرحومہ دونوں کے حق میں دعا خیر و دعا مغفرت کے لئے ایک منٹ کو رک جائیں عین کرم واحسان ہوگا۔

و۱ یعنی نہ تین نہ زائد۔ نہ تین میں سے ایک، نہ ایک تین میں تقسیم، بلکہ محض ایک۔ بیان توحید کا ہو رہا ہے۔ اور ہر قسم کے شرک اور توحید فی التثلیث کی تردید ہو رہی ہے۔ وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا۔ یعنی ان فرشتوں کی قسم جو آسمان میں اللہ کی حمد و تسبیح میں اس کے احکام کی تعمیل میں صف بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا۔ یعنی ان فرشتوں کی قسم جو آسمانی خبر رسانیوں سے شیطانوں کی بندش کرتے رہتے ہیں۔ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا۔ یعنی ان فرشتوں کی قسم جو ذکر الٰہی کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں۔ و۲ یعنی زمین و آسمان نہ خود دیوتا ہیں نہ ان کے الگ الگ کوئی اور دیوتا ہیں۔ نہ کوئی اگنی دیوتا، نہ کوئی سرسوتی دیوی، نہ کوئی اندر دیوتا، معبود و خالق بس ایک ہی۔ مَشَارِق سے آفتاب کے طلوع کرنے کے مواقع مراد ہیں۔ صیغۂ جمع اختلاف مطالع کے اعتبار سے ہے۔ ہر روز طلوع آفتاب کا زاویہ دوسرے دن سے کچھ نہ کچھ مختلف ہوتا ہے، اور اس طرح سال کے ۳۶۵ مشرق ہوتے ہیں۔ ای مطالع الشمس وھی ثلث مائة وخمس وستون مشرقا (مدارک) و۳ یعنی اکثر اور بالعموم تو یہی حالت رہتی ہے کہ رجم کے ڈر سے دور ہی دور رہتے ہیں۔ آیت میں بتایا ہے کہ اس نظام کواکب سے دو کام لئے جاتے ہیں۔ ایک تو زیب و زینت، دوسرے شیطانوں کا دفاع۔ السَّمَآءَ الدُّنْيَا۔ یعنی قریب ترین آسمان۔ مراد وہی آسمان ہے جو ہماری زمین سے قریب ترین نظر آ رہا ہے۔ اپنی ساخت و ترکیب کے لحاظ سے وہ خواہ کچھ بھی ہو۔ بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ۔ یہ ستارے آسمان میں جڑے ہیں یا نہیں۔ قرآن مجید کو ان بحثوں سے نفیاً و اثباتاً کوئی تعلق نہیں۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ ستارے اس فضائے آسمانی کے لئے ذریعۂ زینت و سامان آرائش ہیں۔ اور یہی ایک حسی بلکہ بدیہی شے ہے۔ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ۔ یہ شیطانوں کے لئے روک کس چیز سے کر دی گئی ہے؟ عالم بالا کی باتوں اور فرشتوں کی باہمی گفتگو سے۔ شیطان کے رجم و استراق پر حاشیہ سورۃ الحجر (پ۱۴) میں گزر چکا ہے و۴ (آخرت میں) یعنی رجم و استراق تو اسی دنیا کی سزائیں تھیں، باقی آخرت کی دائمی سزا اس کے علاوہ ہے۔ اور یہ عذاب دائمی شیطانوں پر ان کے کفر کی بناء پر مرتب ہوگا۔ يُقْذَفُوْنَ...... دُحُوْرًا۔ یعنی جو شیطان جدھر سے بھی جانے کی کوشش کرتا ہے، اسی طرف سے مرجوم ہوتا ہے۔

مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

جو (شیطان) کچھ خبر لے ہی بھاگا تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ لیتا ہے ف۵

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ

تو آپ ان سے پوچھئے کہ خلقت میں یہ لوگ زیادہ مضبوط ہیں یا وہ جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے، ہم نے ان لوگوں کو تو

مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَیَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ اِذَا

چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے ف۶ اور آپ تو تعجب ہی کرتے ہیں، اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں ف۷ اور جب

ذُكِّرُوْا لَا یَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ اِذَا رَاَوْا اٰیَةً یَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

انہیں سمجھایا جاتا ہے تو یہ سمجھتے نہیں اور جب کوئی نشان دیکھ لیتے ہیں تو اس کی ہنسی اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں

وَقَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا

کہ یہ تو صریح جادو ہے ف۸ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے

وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ

تو کیا پھر سے اٹھائے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ آپ کہہ دیجیے

نَعَمْ وَ اَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا

کہ ہاں (ضرور) اور تم ذلیل بھی ہو گے ف۹ قیامت تو بس ایک ہی للکار ہو گی سو یہ سب

هُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا

دیکھنے بھالنے لگیں گے اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی یہ تو وہی روز جزا ہے (بے شک) یہ (ہی)

یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اُحْشُرُوا

فیصلہ کا دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے ف۱۰ جمع کر لو

الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَ مَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ

مشرکوں اور ان کے ہم مشربوں کو اور ان کو جن کی وہ عبادت اللہ کو

ع ۵ / ۲۱

ف۵ (اور اسے جلا پھونک کر رکھ دیتا ہے) گویا اگر کوئی شیطان آسمانی خبر کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو اس خبر کے پہنچانے اور پھیلانے میں تو بہرحال ناکام رہتا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ستارے جس مادہ سے بنے ہیں، اس میں کوئی خاص صلاحیت وقوت آگ سے بنے ہوئے شیطانوں کے مارنے اور بھگانے کی ہے۔ ف۶ (جو نہ قوت میں کوئی امتیاز رکھتی ہے نہ صلاحیت میں) اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا۔ اللہ کی مخلوق تو انسان بھی ہے۔ یہاں اشارہ ان مخلوقات کی جانب ہے جن کا ذکر ابھی گزر چکا ہے، ستارے، آسمان، شیطان، فرشتے وغیرہ۔ اور تقابل ان کا انسان سے کیا گیا ہے، جس کو طین لازب جیسی معمولی اور کمزور چیز سے بنایا گیا ہے۔ یرید ما ذکر من خلائقه من الملٰئكة والسمٰوٰت والارض وما بینهما (مدارک) فسئل هؤلآء المنكرین للبعث ایما اشد خلقا هم ام السمٰوٰت والارض وما بینهما من الملٰئكة والشیاطین والمخلوقات العظیمة (ابن کثیر) من ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔ یہاں یہ قاعدۂ تغلیب لایا گیا ہے۔ جیئ بمن تغلیبًا للعقلاء علی غیرهم (مدارک) وغلب اولی العقل علی غیرهم (کشاف) هِمْ، هُمْ، هم۔ ان تمام ضمیروں سے مراد کافر انسان بلکہ خود نوع انسان ہے۔ الضمیر لمشركی مكة (کشاف) الضمیر لمشركی مكة اوبنی أدم (بیضاوی) ف۷ (عقیدۂ حشر وجزا وسزا پر) یعنی یہ لوگ انکار ہی پر بس نہیں کرتے، بلکہ تمسخر کی حد تک پہنچ چکے ہیں۔ عَجِبْتَ۔ یعنی آپ کو اس پر حیرت ہو رہی ہے کہ یہ لوگ انکار بعث میں، انکار قدرت خداوندی میں کتنے دلیر ہیں۔ بل عجبت من انكارهم للبعث (قرطبی) ف۸ مطلب یہ ہوا کہ امکانِ بعث پر جب ان کے سامنے تقریر کی جاتی ہے، اور دلائل عقلی قائم کئے جاتے ہیں، تو یہ لوگ تکذیب اور کٹ حجتی پر تل جاتے ہیں۔ اور جب اثبات نبوت کے لئے کوئی معجزہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، تو اس پر مشق تمسخر کرنے لگتے ہیں۔ اٰیَةً۔ ایسا خاص واقعہ جس سے اثبات رسالت ہوتا ہے۔ قَالُوْا...... مُبِیْنٌ۔ یعنی قرآن کے اعجازی اثر، نیز رسول کے ہر معجزہ کی تاویل یہ کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ تو اثر سحر کا ہے۔ قرآن مجید کی شدید اثر اندازی تو ایک حسی اور بدیہی واقعہ ہے۔ اس سے انکار تو ان منکروں سے بھی نہیں بن پڑتا۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کی بودی سی بودی توجیہ یہ کمزور سے کمزور اسباب سے کرنے لگتے ہیں...... وہی ذہنیت جو آج بھی یورپ کے بڑے بڑے مستشرقین کی ہے۔ ف۹ یہ منکرین بعث کی تقریر اور اس کا جواب مذکور ہوا۔ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ۔ منکرین کے جواب میں کہا جا رہا ہے کہ ہاں اٹھائے تو بہرحال جاؤ گے۔ اور تم اپنی ان منکرانہ گستاخیوں کی پاداش میں ذلیل وخوار بھی کئے جاؤ گے۔ ف۱۰ یہ منکروں کی صدائے حسرت ونالۂ درد کے جواب میں غیب سے ارشاد ہوگا۔ هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ۔ اشارہ صور کے نفخ ثانی کی جانب ہے وهی النفخة الثانية (مدارک)

دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿٢٣﴾ وَقِفُوْهُمْ

چھوڑ کر کیا کرتے تھے ف۱۱ پھر ان سب کو دوزخ کا راستہ بتلاؤ اور ان کو (ذرا) ٹھہراؤ

اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿٢٥﴾ بَلْ هُمُ

ان سے پوچھ گچھ ہوگی (اب) تمہیں کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے ف۱۲ نہیں بلکہ وہ (سب)

الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

اس روز سرافگندہ ہوں گے اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر

يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿٢٨﴾

سوال و جواب کریں گے (تابعین) کہیں گے کہ تمہاری ہی آمد ہم پر بڑے زور سے ہوا کرتی تھی ف۱۳

قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ

(سرغنہ) کہیں گے کہ نہیں، بلکہ تم خود ہی ایمان نہیں لائے، اور ہمارا تم پر کوئی زور تو

مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا

تھا نہیں بلکہ تم خود ہی سرکشی کیا کرتے تھے سو ہم (سب ہی) پر ہمارے پروردگار کی

قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿٣١﴾ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿٣٢﴾

یہ بات محقق ہو چکی تھی کہ ہم (سب) کو مزہ چکھنا ہے سو ہم نے تمہیں بھی گمراہ کیا اور ہم خود ہی گمراہ تھے ف۱۴

فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ

سو وہ (سب کے سب) اس روز عذاب میں شریک رہیں گے ہم (ایسے)

نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٤﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ

مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں یہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا

اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا

کوئی معبود نہیں تو یہ لوگ تکبر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے

ف۱۱ اَزْوَاجَهُمْ۔ زوج کے لفظی معنٰی ساتھی یا مقارن کے ہیں۔ اصل الزوج المقارن (روح) يقال لكل ما يقترن باخر مماثلًا لهٗ او مضادًا زوج (راغب) یہاں ازواج بیویوں کے معنٰی میں نہیں، بلکہ رفیقوں، ہم مشربوں کے مرادف ہے۔ اے اقرانهم المعتقدين بهم فى افعالهم (راغب۔ ابوالبقاء) تابعین بلکہ صحابہ سے یہی تفسیر مروی ہے۔ اخرج جماعة ابن عباس فى لفظ اشباههم وفى لفظ نظراءهم وروى تفسير الا زواج بذالك ايضًا عن ابن جبير ومجاهد وعكرمة (روح) عن عمر بن الخطاب الزانى مع الزانى وشارب الخمر مع شارب الخمر وصاحب السرقة مع صاحب السرقة (قرطبی) وقيل قرنآء هم من الشياطين وروى هذا عن الضحاک (روح) اے اشياعهم واتباعهم امثالهم قال قتادة والكلبى كل من عمل مثل عملهم فاهل الخمر مع اهل الخمر واهل الزنا مع اهل الزنا (معالم) اے اضربائهم (ابن جریر، عن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہما) مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ۔ اس کے تحت میں شیاطین واصنام سب آگئے، مطلب یہ ہوا کہ حشر میں منکروں کے رئیس اور عوام، سردار اور پیرو مع ان کے معبودانِ باطل کے سب اکٹھے کئے جائیں گے۔ اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ کھلی ہوئی مراد مشرک کافروں سے ہے۔ جیسا کہ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ سے بالکل واضح ہو رہا ہے۔ هم المشركون (بیضاوی) ف۱۲ (حالانکہ دنیا میں تو خوب کرتے رہتے تھے اور اپنی اسی باہمی اعانت ونصرت پر فخر وناز بھی رکھتے تھے) فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ۔ یعنی ان سب کو دوزخ کی طرف لے جاؤ۔ مطلب یہ ہوا کہ جب اہل کفر کے رئیس وعوام، مقتداء اور مقتدی سب جمع ہو جائیں گے تو حکم ہوگا کہ سب کو دوزخ کی طرف ہانک دیا جائے۔ ف۱۳ عوام کفار اپنے سرداروں سے کہیں گے کہ بیشک تم نے ہمیں کفر پر صریحًا مجبور تو نہیں کیا تھا، لیکن تم ترغیب وتحریض کے مختلف طریقے اختیار کر کر کے ہر طرح کا زور جو ہم پر دیا کرتے تھے۔ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ۔ ایتاء عن الیمین کے معنٰی محاورہ میں زور اور دباؤ ڈالنے کے آتے ہیں۔ عن القوة والقهر اذ اليمين موصوفة بالقوة وبها يقع البطش اے انكم تحملوننا على الضلال وتقسروننا عليه (مدارک) اے عن اقوى الوجوه (بیضاوی) اے تخدعوننا وتفتنوننا عن طاعة الله (ابن قتیبہ) وقيل اليمين بمعنى القوة اے تمنعوننا بقوة وغلبة وقهر (قرطبی) عَنِ الْيَمِيْنِ سے کنایہ یہ بھی سمجھا گیا ہے کہ راہ حق کی طرف سے اس سے روکنے کے لئے آتے تھے۔ اے عن الناحية التى كان هنا الحق تصرفوننا عنها (راغب) وقال مجاهد اے من قبل الحق الله معكم (قرطبی) ف۱۴ رؤساء اور مقتدایانِ کفر اپنی صفائی میں کہیں گے کہ ہم کیا کریں، اسباب ہی ایسے اکٹھے ہو گئے کہ ہم خود بھی گمراہ ہوئے، اور اپنی گمراہی کو تم تک پہنچایا، تو تم بھی باختیار خود گمراہ ہوئے۔ ذمہ داری سے بری کوئی نہیں، سب کو اپنا کفر بھگتنا ہے۔ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے خوب لکھا ہے کہ اگر ہر گمراہ کی ذمہ داری مغوی پر ڈال دینے کا قاعدہ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر دنیا میں کوئی شخص قابل سزا رہ ہی نہ جائے گا۔ کہ اس مغوی کا بھی تو کوئی اور مغوی ہوگا، اور اس کا کوئی اور۔ اس سے صاف دَور وتسلسل لازم آتا ہے۔ اور ذمہ داری ایک سے دوسرے پر برابر منتقل ہی چلی جائے گی۔

اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ

شاعر کی بات پر چھوڑ دیں گے؟ ف۱۵ نہیں اصل یہ ہے، کہ وہ ایک سچا دین لے کر آئے ہیں اور (دوسرے) پیمبروں کی

الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِیْمِ ﴿۳۸﴾ وَ مَا

تصدیق کرتے ہیں، ف۱۶ تم (سب) کو عذاب دردناک چکھنا پڑے گا اور

تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ

تم کو اسی کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے ف۱۷ مگر ہاں جو اللہ کے خاص

الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ

کئے ہوئے بندے ہیں ان کے لئے غذائے معلوم ہے یعنی میوے

وَ هُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰی سُرُرٍ

اور وہ عزت کے ساتھ راحت کے باغوں میں ہوں گے ف۱۸ تختوں پر آمنے سامنے

مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۴﴾ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ﴿۴۵﴾

بیٹھے ہوئے ان پر جام دور کرے گا بہتی ہوئی (شراب) سے (لبریز)

بَیْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّ لَا هُمْ عَنْهَا

سفید سفید، پینے والوں کے حق میں خوب لذیذ اس سے نہ چکر آئے گا، اور نہ اس سے وہ بہکی بہکی

یُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِیْنٌ ﴿۴۸﴾

باتیں کریں گے ف۱۹ اور ان کے پاس نیچی نگاہ والیاں بڑی آنکھ والیاں ہوں گی،

كَاَنَّهُنَّ بَیْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ

گویا وہ انڈے ہیں چھپے چھپائے (رکھے ہوئے) ف۲۰ پھر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت

یَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ ﴿۵۱﴾

کریں گے ف۲۱ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ملاقاتی تھا

ف۱۵ مشرکین عرب کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ دین جاہلیت کی ''تہذیب اعلیٰ و برتر'' (SUPERIOR, CULTURE) پر نازاں ہیں، اور جب خالص اور کھری توحید ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے قبول کرنے میں اور اپنے مشرکانہ عقائد سے دستبردار ہونے میں اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ اور پیمبر کے لئے یہ نظریہ قائم کئے ہوئے کہ یہ تو ایک محض خیالی منصوبہ باز شخص ہے، اس کے کہے سے اپنے عقائد قدیم کیونکر بدل دیں۔ بِالْمُجْرِمِیْنَ۔ مجرمین سے مراد عام گنہگار نہیں، بلکہ جرم کفر کے مرتکبین مراد ہیں۔ اے بالمشرکین (بیضاوی۔ روح) اور صرف یہیں نہیں۔ بلکہ یہ لفظ اپنی مطلق صورت میں جہاں جہاں بھی قرآن مجید میں آیا ہے مراد کافر ہی ہیں۔ یدل علی ان لفظ المجرم المطلق مختص فی الفرقان بالکافر (کبیر) ف۱۶ مشرکوں کو جواب مل رہا ہے کہ ان پیمبر کی زبان سے اظہار تمام تر حقائق ہی کا ہو رہا ہے۔ بھلا شاعری خیال بندی، منصوبہ بازی کو ان نبوی عقائد سے کیا مناسبت ہے؟ ف۱۷ یعنی اس عام و مشترک سزا کے باب میں کوئی ظلم کسی قسم کا نہیں۔ نفس کفر و انکار میں تم سب شریک تھے، اس لئے لازم ہے کہ آج سزائے کفر میں بھی سب شریک ہو۔ ف۱۸ چنانچہ یہ سارے ماکولات ان کے سامنے عزت و احترام کے ساتھ پیش کئے جائیں گے۔ یہ نہیں کہ جیسے گداگر کی جھولی میں کچھ ڈال دیا گیا۔ فَوَاكِهُ۔ عربی میں یہ لفظ بڑی وسعت رکھتا ہے اور اردو کے کسی ایک لفظ سے اس کا ترجمہ ممکن نہیں۔ عربی میں فاکہہ سے مراد صرف میوے ہی نہیں، بلکہ ہر وہ لذیذ نفیس چیز ہے جو انسان پیٹ بھرنے کے لئے نہیں بلکہ ذائقہ کے لئے کھاتا ہے۔ جنت میں اہل جنت کے جسم کو تغذیہ کی سرے سے ضرورت ہی نہ ہوگی اس لئے کہ وہاں جسم فنا پذیر نہ ہوں گے۔ اہل جنت تو جو کچھ کھائیں پئیں گے صرف مزے اور لطف ہی کے لئے۔ وھی کل ما یتلذذ بہ ولا یتقوت کحفظ الصحة یعنی ان رزقھم کلہ فواکہ لانھم مستغنون عن حفظ الصحة بالاقوات (کشاف) الفاکھة عبارة عما یوکل لاجل التلذذ لا لاجل الحاجة (کبیر) الفاکھة ما یقصد للتلذذ دون التغذی (بیضاوی) جَنّٰتِ النَّعِیْمِ۔ ایسے باغ جن میں راحت ہی راحت ہوگی، تکلیف کا کہیں گزر بھی نہ ہو گا۔ فی جنٰت لیس فیھا الا النعیم (بیضاوی) ف۱۹ یعنی اس میں صرف سرور ہی سرور، لذت ہی لذت، لطافت ہی لطافت ہوگی۔ نشہ، خمار دوران سر، وغیرہ کی ساری تکلیف دہ کیفیات سے جو دنیا کی لطیف سے لطیف شرابوں کا بھی جزو ہوتی ہیں، وہ یکسر خالی ہوگی۔ غرض یہ کہ دنیا کی شرابوں اور اس شراب طہور کے درمیان بجز نام کے اور کوئی چیز مشترک نہ ہوگی۔ مِنْ مَّعِیْنٍ۔ اشارہ کثرت کی جانب ہے۔ یعنی شراب کے دریا بہ رہے ہوں گے۔ معین وہ چیز ہے جو پانی کی طرح چشمہ سے ابل رہی ہو۔ المعین ماخوذ من عین الماء اے یخرج من العیون کما یخرج الماء (کبیر) لذة میں حذف مضاف ہے، یعنی ذات لذة۔ قال الزجاج اے ذات لذة وعلی ھذا حذف مضاف (کبیر) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وصف لذت کی زیادتی کے اظہار کے لئے لذیذ چیز کو نفس لذت سے اور صیغۂ مصدر سے تعبیر کر دیا گیا ہو۔ وصفت بالمصدر للمبالغة بجعلھا نفس اللذة (روح) صاحب بحر نے دونوں ترکیبیں نقل کر دی ہیں۔ کاس۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں آیا ہے، مراد شراب ہی سے ہے۔ قال ابن عباس والضحاک والاخفش کل کاس فی القرآن فھو خمر (بحر) اور محاورۂ عرب میں بھی یہی ہے کہ شراب سے بھرے ہوئے ہی جام کو کاس کہتے ہیں ورنہ قدح یا اناء۔ والعرب تقول للاناء اذا کان فیہ خمر کاس فاذا لم یکن فیہ خمر قالوا اناء وقدح (قرطبی) غَوْلٌ کے معنی فساد کے بھی ہیں اور دردسر کے بھی۔ قال اللیث الغول الصداع (کبیر) ف۲۰ (اور گرد و غبار و داغ سے بالکل محفوظ) تشبیہ صرف صفائی اور آب و تاب میں ہے، اردو خواں اس پر حیرت نہ کریں۔ محاورۂ عرب میں عورت کے گورے رنگ اور حسن کے لئے یہ تشبیہ عام ہے۔ کان ھذا اللون فی غایة الحسن والعرب کانوا یسمون النساء بیضات الخدور (کبیر) العرب تشبہ النساء ببیض النعام (ابن قتیبہ) والعرب تشبہ المراة بالبیضة لصفائھا وبیاضھا (قرطبی) عِیْنٌ میں خلاصہ آ گیا ان کے حسن و جمال کا۔ اور قاصرات الطرف سے اشارہ ہو گیا کہ علاوہ حسن صورت کے غیرت و حسن عفت سے جنت میں بھی موصوف رہیں گی، ف۲۱ انفرادی، مادی لذتیں بڑی سی بڑی بھی اہل جنت کے لئے کافی نہ ہوں گی۔ ہم مشربوں، دوستوں، عزیزوں کے اجتماع کا لطف ان سب لذتوں کو دوبالا ہو گا۔

يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا

وہ کہا کرتا تھا کیا تو بھی (حشر کے) معتقدین میں سے ہے تو کیا جب ہم مر جائیں گے اور

تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ

مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو جزا و سزا دیے جائیں گے؟ و۲۲ ارشاد ہو گا کہ کیا تم (اسے) جھانک کر

مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ

دیکھنا چاہتے ہو؟ و۲۳ سو وہ (شخص) جھانکے گا تو اسے وسط جہنم میں دیکھے گا و۲۴ (اور) بول اٹھے گا

تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ

اللہ کی قسم تُو تو مجھے ہلاک ہی کر ڈالنے کو تھا اور اگر میرے پروردگار کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی

مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا

ماخوذ لوگوں میں ہوتا و۲۵ تو کیا ہم (اب) نہ مریں گے بجز پہلی بار کے

الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ

مر چکنے کے اور نہ ہم کو عذاب ہو گا و۲۶ بے شک بہت بڑی

الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَذٰلِكَ

کامیابی یہی ہے و۲۷ ایسی ہی (کامیابی) کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے، بھلا یہ دعوت

خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً

بہتر ہے یا زقوم کا درخت؟ و۲۸ ہم نے اس کو کافروں کے لئے (موجب)

لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾

آزمائش بنایا ہے و۲۹ وہ ایک درخت ہے جو قعر دوزخ میں سے نکلتا ہے

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا

اس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپ کے پھن و۳۰ تو وہ لوگ اس سے کھائیں گے

و۲۲ یعنی دنیا میں میرا ایک ملنے والا تھا، وہ مجھ سے طنزاً کہا کرتا تھا کہ کیوں میاں اتم بھی حشر و نشر کے ڈھکوسلوں کے قائل ہو؟ و۲۳ قَالَ کا فاعل حق تعالیٰ بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے قرار دیا اور بیضاوی وغیرہ میں بھی یہ قول نقل ہوا ہے، اور خود وہ جنتی بھی ہوسکتا ہے، جو اپنے رفیقوں، ہم نشینوں سے کلام کرے گا اور یہ قول جمہور مفسرین کا اختیار کیا ہوا ہے۔ یہ ہرگز ضروری نہیں کہ ساری جنت میں ایک ہی شخص اس کا قائل ہو۔ بلکہ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ کے صیغۂ جمع سے تو ظاہر ہو رہا کہ یہ بہتوں کا تجربہ ہوگا و۲۴ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ کے لفظ سے یہ مراد نہیں کہ وہ جہنم کا وسط حقیقی ہے۔ محاورات میں ''بیچوں بیچ'' برابر بول دیتے ہیں، جب مراد صرف خوب گھرے ہوئے ہونے سے ہوتی ہے فَاطَّلَعَ۔ سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ جنت اعلیٰ میں اور دوزخ اسفل میں ہے اور اس وقت باہم ایسی غیبت ہوگی کہ جھانکنے سے نظر آجائے گا۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) و۲۵ یعنی تو نے مجھے خراب کرنے اور اپنا ہم خیال بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی، یہ محض فضل خداوندی تھا جس نے مجھے عقیدہ صحیح پر قائم رکھا۔ و۲۶ یہ سب کچھ جوشِ مسرت میں اس جنتی کی زبان پر آجائے گا۔ و۲۷ یعنی جنت کی ان نعمتوں سے سرفرازی۔ الاشارة الى ماهم عليه من النعمة والخلود والامن من العذاب (بیضاوی) یہ حور اور قصور، جنت کی لذتیں اور سرور قابل مضحکہ نہیں کہ ہمارے صوفی اور شاعر انہیں طنز و تمسخر کا نشانہ بنائے رکھیں، یہ سب مطلوب شرعی ہیں۔ محل و مظہر رضاء الٰہی ہیں۔ قرآن مجید انہیں بار بار بطور مقصود کے پیش کر رہا ہے۔ افسوس اور صد ہزار افسوس ہے کہ ان پر فقرے کہہ کر اور پھبتیاں کس کر بھی ہمارے بہت سے شاعر اور صوفی، بزرگ اور مقبول سمجھے جا رہے ہیں۔ و۲۸ الزَّقُّوْمِ ایک درخت ہے جو عرب میں اپنی تلخی کے لئے مشہور تھا۔ فارسی میں اسے حنظل اور اردو میں تھوہڑ کہتے ہیں۔ دوزخ میں آگ سے پیدا ہوگا، اور کسی طرح بھی انسانی غذا کے قابل نہ ہوگا۔ یوں بھی زہریلا اور تلخ ہوتا ہے، اور پھر دوزخ کے زقوم کا کہنا ہی کیا۔ مجازاً ہر زہریلی اور بدمزہ چیز کو کہہ سکتے ہیں۔ قال ثعلب الزقوم كل طعام يقتل (تاج) عبارة عن اطعمة كريهة فى النار (راغب) و۲۹ (اسی دنیا میں) کہ دیکھیں کون اسے سن کر اس کی تصدیق کرتا ہے اور کون تکذیب و تضحیک) زقوم کے ایک اور معنی خرما اور مسکہ کے بھی ہیں۔ مشرکین عرب نے یہی معنی لے کر مضحکہ شروع کر دیا تھا۔ الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالموں سے یہاں مراد کافر ہی ہیں۔ و۳۰ جیسے ہندوستان میں ناگ پھنی کے پتے ہوتے ہیں، نواح یمن میں بھی اسی نام کا ایک بدمنظر پودا ہوتا ہے۔ نبت معروف قبيح الرأس (کبیر) شجرة معروفة تكون بناحية اليمن منكرة الصورة (روح) اور صاحب روح نے دو شعر بھی اسی معنی میں نابغہ اور اصمعی کے پیش کیے ہیں۔ الشَّيٰطِيْنِ۔ شیطان کے مجازی معنی بدہیئت سانپ کے ہیں۔ اور وہی یہاں مراد ہیں۔ قيل هى حية خفيفة الجسم (راغب) وقيل الشياطين حيّات هائلة قبيحة المنظر (بیضاوی) وهى من اقبح الحيات وبها يضرب المثل فى القبح (کبیر)

فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝٦٦ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا

اور اسی سے پیٹ بھریں گے پھر انہیں کھولتا ہوا پانی ملا کر

مِّنْ حَمِيْمٍ ۝٦٧ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ۝٦٨

دیا جائے گا و۳۱ پھر اخیر ٹھکانا ان کا دوزخ ہی کی طرف ہو گا

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ۝٦٩ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ

انہوں نے اپنے بڑوں کو گمراہ پایا تھا سو یہ بھی انہیں کے قدم پر تیزی کے ساتھ

يُهْرَعُوْنَ ۝٧٠ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٧١

چل پڑے و۳۲ اور ان سے پہلے بھی اگلوں میں اکثر گمراہ ہو چکے تھے

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝٧٢ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

اور ہم نے ان میں بھی ڈرانے والے بھیجے تھے سو دیکھ لیجیے ان کا

عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝٧٣ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝٧٤ وَلَقَدْ

کیسا برا انجام ہوا جنہیں ڈرایا گیا تھا البتہ وہ نہیں جو اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے تھے۔ و۳۳ اور ہم کو

نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝٧٥ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ

نوح نے پکارا، اور ہم خوب فریاد کے سننے والے ہیں و۳۴ اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑے

الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝٧٦ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝٧٧

بھاری غم سے نجات دی و۳۵ اور ہم نے باقی انہیں کی نسل کو رہنے دیا

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝٧٨ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي

اور ہم نے ان کے لئے پیچھے آنے والوں میں (یہ بات) رہنے دی کہ نوح پر سلام ہو

الْعٰلَمِيْنَ ۝٧٩ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝٨٠ اِنَّهٗ مِنْ

عالم والوں میں و۳۶ بے شک ہم مخلصین کو (ایسا ہی) صلہ دیا کرتے ہیں بے شک وہ ہمارے

و۳۱ (غساق یعنی پیپ کے ساتھ) یعنی بھوک سے مضطر ہو کر توزقوم سے پیٹ بھریں گے، اور پیاس سے بے قرار ہو کر کھولتا ہوا پانی پیپ ملا ہوا پیٹ میں انڈیلیں گے۔ و۳۲ یعنی گمراہی کے راستہ میں بڑے شوق ورغبت سے چلنے لگے اِنَّهُمْ...... ضَآلِّيْنَ ۔آیت نے صاف کردیا کہ اس نتیجہ کا ترتب اہل جہنم پر صرف اس لئے ہوگا کہ انہوں نے دلیل صحیح کی پیروی چھوڑ کر محض اندھی تقلید شروع کر دی تھی۔ والمقصود من الأية انه تعالٰى علل استحقاقهم للوقوع فى تلك الشدائد كلها بتقليد الاباء فى الدين وترك اتباع الدليل (کبیر) اور امام رازی نے لکھا ہے کہ اندھی تقلید کے ذم میں اگر کوئی اور آیت قرآن میں نہ ہوتی تو یہی ایک آیت کافی تھی۔ ولو لم يوجد فى القران غير هٰذه الأية فى ذم التقليد لكفٰى (کبیر) و۳۳ (بلکہ وہ اس عذاب دنیوی سے بھی محفوظ نہ رہے) یعنی جنہوں نے پیمبروں کی نہ سنی، ان پر دنیا میں بھی کیسے کیسے عذاب آئے۔ عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ۔ یعنی اہل ایمان۔ و۳۴ (چنانچہ ہم نے نوح کی بھی سن لی) وَلَقَدْ نَادٰىنَا۔ یعنی ہمیں اپنی نصرت اور کافروں سے انتقام کے لئے پکارا۔ وَاَهْلَهٗ۔ اھل سے مراد حضرت نوح کے خاندان والے نہیں، بلکہ ہم عقیدہ اہل ایمان لئے گئے ہیں۔ یعنی اهل دينه وهم من امن معه (قرطبی) و۳۵ (اور کافروں کو غرق کر دیا) اَلْكَرْبِ الْعَظِيْمِ سے مراد ہے کافروں کی تکذیب وایذاء سے پیش آنے والا غم۔ قصۂ نوح پر حاشیے کئی بار گزر چکے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ طبعی غم کمال کے منافی نہیں، اقتضاءاتِ طبعی کاملین میں بھی باقی رہتے ہیں، اور اس کے خلاف جو کچھ منقول ہے وہ غلبۂ حال۔ و۳۶ چنانچہ آج تک ملائکہ ومومنین ان پر سلام بھیجتے اور ان کے حق میں رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ وَجَعَلْنَا...... هُمُ الْبٰقِيْنَ۔ چنانچہ آج دنیا میں جتنی بھی آبادی ہے، سب حضرت نوح ہی کی نسل ہے۔

عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَ اِنَّ

ایمان دار بندوں میں تھے پھر ہم نے غرق کر دیا اوروں کو ف۳۷ اور ان کے طریقہ والوں

مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾

میں ابراہیم بھی تھے ف۳۸ (ان کا قصہ یاد کیجیے) جب وہ اپنے پروردگار کی طرف قلب سلیم کے ساتھ متوجہ ہوئے ف۳۹

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً

جب کہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس (واہیات) چیز کی عبادت کرتے ہو، کیا گڑھے ہوئے معبود

دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَنَظَرَ

اللہ کے سوا (معبود بنانا) چاہتے ہو؟ تو تمہارا پروردگار عالم سے متعلق کیا خیال ہے؟ ف۴۰ پھر ابراہیم نے

نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ

ستاروں کو ایک نگاہ بھر کے دیکھا، اور کہہ دیا کہ میں مضمحل ہوں غرض وہ لوگ ان کو چھوڑ کر

مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾

چلے گئے ف۴۱ تو یہ ان کے ٹھاکروں میں جا گھسے اور کہنے لگے کیا تم کھاتے نہیں ہو؟

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾

تمہیں کیا ہوا، تم بولتے ہی نہیں ہو؟ ف۴۲ پھر ان پر قوت کے ساتھ جا پڑے اور مارنے لگے ف۴۳

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾

پھر وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے آئے ف۴۴ (ابراہیم نے) کہا کیا تم ان چیزوں کی پرستش کرتے ہو جنہیں (خود ہی) تراشتے ہو ف۴۵

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ

حالانکہ تم کو اور جو کچھ تم بناتے ہو (سب کو) اللہ ہی نے پیدا کیا ہے ف۴۶ وہ لوگ بولے اس کے لئے ایک آتش کدہ تعمیر کرو اور

فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾

اس دہکتی ہوئی آگ میں اسے ڈال دو، غرض ان لوگوں نے اس کے ساتھ برائی کرنا چاہا، سو ہم نے انہیں کو نیچا دکھا دیا ف۴۷

وقف لازم

ف۳۷ یعنی دوسرے کیش اور مذہب والوں کو، مشرکوں کو۔ اے المغایرین لنوح واهله وهم کفار قومه اجمعین (روح) ثُمَّ یہاں تراخیٔ ذکری کے لئے ہے۔ ورنہ آسمانی اعتبار سے جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ اور اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ دونوں فعلوں کا وقوع ساتھ ہی ساتھ ہوا تھا۔ اِنَّا...... الْمُحْسِنِيْنَ۔ سے یہ لازم نہیں آتا کہ تشبیہ تمام امور میں ہے۔ بلکہ معنٰی یہ ہیں کہ محسنین کو جزائے حسن دیا کرتے ہیں، اب جس مرتبہ کا احسان، اس مرتبہ کی جزاء۔ بس انبیاء وغیر انبیاء میں تساوی لازم نہیں آتی (تھانوی علیہ رحمۃ اللہ) ف۳۸ یعنی انھیں کے خاندان میں سے اور عقائد واصول میں ان سے متحد۔ اے ممن شایعه فی الایمان واصول الشریعة (بیضاوی) اے من اهل بیته وعلی امته ومنهاجه (کبیر) اے ممن شایعه علی اصول الدین او شایعه علی التصلب فی دین اللہ (مدارک) قال ابن عباس اے من اهل دینه وقال مجاهد اے علی منهاجه وسنته (قرطبی) اِبْرٰهِيْمَ، ذکر بارہا آچکا اور آپ پر حاشیے بھی گزر چکے۔ ف۳۹ یعنی جس دل میں عقیدۂ توحید خالص واخلاص کامل تھا، اس کے ساتھ، سیدخل فیه کونه سلیمًا عن الشرک وعن الشک وعن الغل والغش والحقد والحسد (کبیر) ف۴۰ (جو سورج اور چاند اور تمہارے سارے بڑے بڑے دیوتاؤں کا خالق ہے) حضرت ابراہیم اب توحید کی تبلیغ شروع کرتے ہیں۔ لِاَبِيْهِ۔ آپ کے والد کا نام آزر تھا۔ ان کی بت پرستی وبت تراشی پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ وَقَوْمِهٖ۔ آپ کی یہ قوم بابل یا کلدانیہ میں سکونت گزیں، ستارہ پرستی اور بت پرستی کے دوہرے دوہرے شرک میں مبتلا تھی۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ف۴۱ اب صورت واقعہ یہ ہے کہ قوم کے سالانہ میلہ کا وقت آگیا ہے (جاہلی قوموں میں میلوں ٹھیلوں کی جو اہمیت ہوتی ہے وہ بالکل ظاہر ہے) اور لوگ آپ کو اپنا ہم عقیدہ سمجھ کر آپ سے بھی ہمراہ چلنے کو کہتے ہیں۔ آپ عذر کر رہے ہیں...... یہ بیان اسی موقع کا ہے۔ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ۔ گھڑی کی ایجاد سے قبل وقت وغیرہ کے علم کے لئے نظر قدرۃً رات کے وقت ستاروں کی طرف اٹھا کرتی تھی۔ جیسا کہ آج بھی ان ملکوں میں دستور ہے جہاں گھڑیاں ابھی نہیں پہنچی ہیں۔ اور پھر اہل کلدانیہ (بابل) تو فن نجوم، جوتش وغیرہ کے پرستاروں میں تھے۔ فال وغیرہ کے کتنے احکام تاروں ہی سے لیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم نے نظر آسمان کی طرف اٹھائی، اور وہ لوگ اپنی حسب عادت یہ سمجھے کہ یہ ستاروں کی مدد سے اپنا مستقبل دریافت کر رہے ہیں۔ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ۔ آپ نے بطور عذر فرمایا کہ آج مضمحل ہوں اس لئے تمہارا ساتھ دینے سے معذور، سقیم۔ یہاں ایک مشہور سوال یہ چلا آرہا ہے کہ حضرت ابراہیم تو مریض نہ تھے، پھر کیسے اپنے کو مریض ظاہر کر دیا؟ جوابات اس کے مختلف اور متعدد دیئے گئے ہیں، لیکن ایک سوال نفس سوال ہی پر پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ آپ کا مریض نہ ہونا کہاں سے فرض کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں تو اس کی صراحت کیا معنٰی اشارہ بھی نہیں۔ اور نہ کسی معتبر روایت میں یہ ذکر ہے۔ بالکل آسانی سے ممکن ہے کہ آپ مریض رہے ہوں گے اور اسی حال کا اظہار بھی آپ نے کر دیا۔ صرف ستاروں پر نظر کرنے کا جزو الگ تھا، اور وہ اس مصلحت سے تھا کہ اہل شرک کو مزید سوالات کا موقع نہ رہے۔ پھر سقیم کے معنٰی بھی مریض کیوں فرض کر لئے گئے؟ اور اس کا اردو ترجمہ بیمار سے کرنا کیونکر لازم آگیا؟ سقیم کا اطلاق ہر مضمحل پر ہوتا ہے۔ جیسے خود قرآن مجید ہی میں، بلکہ اس کی اسی سورت میں آگے چل کر آرہا ہے۔ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ (آیت نمبر ۱۴۵) یہاں کوئی اس کے معنٰی بیمار کے نہیں لیتا۔ اور پھر جیسا کہ علامہ راغب نے لکھا ہے، بیماری کا تعلق ماضی سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور مستقبل سے بھی اور حال سے بھی۔ اور صحت کامل تو کسی کی بھی نہیں ہوتی، کچھ نہ کچھ بیمار تو ہر شخص رہتا ہی ہے۔ اِنِّيْ سَقِيْمٌ کے معنٰی "میں بیمار ہونے کو ہوں" یا "بیمار ہونے کے قریب ہوں" ہی کئے گئے ہیں۔ اے مشارف للسقم (کشاف) اے ساسقم (مدارک) اے یشارف السقم (بحر) اراد انه سقیم (روح) فالمعنی انی سقیم فی ما استقبل فتوهمهم انه سقیم الساعة (قرطبی) ف۴۲ حضرت ابراہیم کی یہ ساری گفتگو ظاہر ہے کہ بطور تعریض کے ہے۔ اَلَا تَاْكُلُوْنَ۔ مورتیوں پر ان کے پجاری بڑے بڑے چڑھاوے چڑھاتے رہتے ہیں۔ آپ کا اشارہ انہی کی جانب ہے۔ ف۴۳ (جس سے وہ مورتیاں ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئیں) ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ۔ یعنی بڑی شدت وقوت کے ساتھ۔ وتقیید الضرب بالیمین للدلالة علی شدته وقوته (روح) اے ضربًا شدیدًا قویًا (کشاف) ف۴۴ اس کی خبر آپ کے ہم قوموں کو ہوئی ہے، اور وہ اب دوڑے گھبرائے ہوئے اور غصہ میں بھرے ہوئے آتے ہیں۔ ف۴۵ (اور خدا اسے تسلیم کرتے ہو! جو خود تمہارا پیدا کیا ہوا اور تراشیدہ ہے!) ف۴۶ (اور مستحق عبادت صرف وہی ہے) متکلمین اہل سنت نے کہا ہے کہ یہ آیت اس باب میں نص ہے کہ انسان ہی کا نہیں، اس کے اعمال وافعال کا خالق بھی حق تعالیٰ ہی ہے۔ اور یہ آیت صاف تردید کر رہی ہے مسلک اہل اعتزال کی، جو اعمال کو غیر مخلوق سمجھتے ہیں۔ احتج جمهور الاصحاب علی ان فعل العبد مخلوق للہ تعالٰی (کبیر) وهو دلیلنا فی خلق الافعال اے اللہ خالقکم وخالق اعمالکم (مدارک) وفی هذا ابطال مذاهب القدریة والجبریة (قرطبی) مَا تَعْمَلُوْنَ میں ما مصدریہ ہے۔ اس لئے وما تعملون کے معنٰی وعملکم کے ہوئے اور تقدیر کلام یہ ہوئی، واللہ خلقکم وخلق عملکم۔ ما مصدریة اے وخلق اعمالکم (مدارک) البتہ صاحب بحر نے کہا ہے کہ مَا کو مصدری معنٰی میں لینا طریق بلاغت کے خلاف ہے۔ ف۴۷ اس قصہ پر حاشیے سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکے۔ الْجَحِيْمِ۔ جحیم کے ال معرفہ کے ساتھ آنے کے معنٰی یہ ہیں کہ اس عمارت کی بھٹی۔ والالف واللام فی الجحیم تدل علی الکنایة اے فی جحیم ذٰلک البنیان (قرطبی) بُنْيَانًا۔ بنیان کے لفظی معنٰی عمارت کے ہیں، یہاں مراد آگ کی بھٹی ہے۔ اے موقع ایقاد النار (بحر)

وَ قَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿٩٩﴾ رَبِّ هَبْ

اور ابراہیم نے کہا میں اپنے پروردگار کی طرف چلا جاتا ہوں، سو وہ مجھے پہنچا ہی دے گا ف٤٨ اے میرے پروردگار

لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿١٠٠﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَمَّا

مجھے ایک صالح (فرزند) دے سو ہم نے انہیں ایک حلیم المزاج لڑکے کی بشارت دی، ف٤٩ سو جب

بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ

وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو انہوں نے کہا بیٹا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں

اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ز

تمہیں ذبح کر رہا ہوں، سو تم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ بولے اے میرے باپ آپ کر ڈالیے جو کچھ آپ کو حکم ملا ہے،

سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿١٠٢﴾ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا

آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے ف٥٠ پھر جب دونوں نے حکم کو تسلیم کر لیا

وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿١٠٣﴾ ج وَ نَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿١٠٤﴾ لا قَدْ صَدَّقْتَ

اور (باپ نے بیٹے کو) کروٹ پر لٹا دیا ف٥١ اور ہم نے انہیں آواز دی کہ اے ابراہیم تم نے خواب کو خوب سچ

الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿١٠٥﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ

کر دکھایا ف٥٢ (وہ وقت ہی عجب تھا) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں ف٥٣ بے شک یہ تھا بھی

الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿١٠٦﴾ وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿١٠٧﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِ

کھلا ہوا امتحان ف٥٤ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا ف٥٥ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں

فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿١٠٨﴾ ۖ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ﴿١٠٩﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِی

یہ بات رہنے دی کہ ابراہیم پر سلام ہو ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ

الْمُحْسِنِیْنَ ﴿١١٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿١١١﴾ وَ بَشَّرْنٰهُ

دیا کرتے ہیں ف٥٦ بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں تھے ف٥٧ اور ہم نے اسے بشارت دی

حانطا تو قدون فیه النار (روح) ف٤٨ (منزل مقصود تک) اِلٰی رَبِّیْ۔ یعنی اپنے پروردگار کی راہ میں کسی طرف اس کے حکم کے مطابق۔ ای الٰی موضع امرنی بالذهاب الیه (مدارک) الٰی حیث امره بالمهاجرة الیه (کشاف) مراد ملک شام ہے۔ جو آپ کے وطن عراق سے شمال مغرب میں واقع تھا۔ سَیَهْدِیْنِ میں س تاکید وقوع کے معنی میں ہے۔ والسین لتاکید الوقوع فی المستقبل (روح) ف٤٩ مراد حضرت اسمٰعیل ہیں۔ حَلِیْمٍ۔ لڑکے کے لئے یہ صفت حلم مزاجی کی تصریح یہود و نصاریٰ کے رد میں ہے، جو آج تک حضرت اسمٰعیل کو تند مزاجی و بدخوئی میں ضرب المثل کی شہرت دیئے ہوئے ہیں۔ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ فرزند صالح کی دعا مانگتے رہنا کسی کمال روحانی کے منافی ہونا الگ رہا، عین سنت انبیاء رہا ہے۔ ف٥٠ حضرت اسمٰعیل جب سیانے ہو کر باپ کا ہاتھ بٹانے کے قابل ہو گئے تو حضرت ابراہیم نے عالم رؤیا میں دیکھا کہ آپ ان کو ذبح کر رہے ہیں۔ حضرات انبیاء کا خواب بھی وحی ہی کی ایک قسم ہوتا ہے۔ آپ اسے امر الٰہی سمجھے اور تعمیل پر آمادہ ہو گئے۔ یہ گفتگو اسی وقت کی ہے۔ قصہ کی تفصیلات احادیث نبوی میں آئی ہیں۔ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آپ تعمیل ارشاد میں صاحبزادہ کی تائید کے محتاج تھے...... آپ کا خیال ہوگا کہ لڑکا بھی اگر اس کی تائید کر دے تو دل اور قوی ہو جائے گا اور اگر اسے تائید میں تامل ہوا تو مزید گفتگو کر کے اسے آمادہ کر دیا جائے گا۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ۔ اس فقرہ نے اس حقیقت کو بالکل واضح کر دیا کہ آپ کو ذبح اسمٰعیل کے لئے حکم ملا تھا، اور آپ اسی پر مامور تھے۔ ظاهره یدل علٰی انه کان ماموراً بذبحه وقد اقتضی الامر قوله افعل ما تؤمر (جصاص) اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ۔ محققین نے اس ذیل میں لکھا ہے کہ نبی کا خواب حجت ہے۔ ورؤیا الانبیاء وحی کالوحی فی الیقظة (مدارک) رؤیا الانبیاء وحی کالیقظة (بحر) اس پر غیر نبی کے خواب کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ۔ یعنی جب آپ اپنے والد کے ساتھ دوڑنے دھوپنے کے قابل ہو گئے۔ ای بلغ ان یسعی مع ابیه فی اشغاله وحوائجه (کشاف۔ مدارک) ف٥١ (جیسا کہ ذبح کے وقت جانور کو لٹاتے ہیں، اور گلے پر چھری پھیرا ہی چاہتے تھے) ف٥٢ یعنی خواب میں جو حکم ملا، اس پر اپنی طرف سے تو پورا عمل کر ہی گزرے۔ اب ہم اس حکم کو منسوخ کرتے ہیں۔ محققین نے لکھا ہے کہ عزم فعل پر جب کہ وہ من وجہٖ فعل سے مؤید ہو، اجر کامل مل جاتا ہے۔ یہ تکمیل اجر اتمام فعل پر موقوف نہیں۔ ف٥٣ کہ انہیں راحت کونین سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ اکابر اہل سنت نے (بخلاف معتزلہ کے) اس آیت اور واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ بالکل جائز ہے کوئی حکم نازل ہو اور قبل اس کے کہ اس پر عمل ہو، وہ منسوخ کر دیا جائے۔ وقد استدل بهذه الأیة والقصة جماعة من علماء الاصول علٰی صحة النسخ قبل التمکن من الفعل خلافاً لطائفة من المعتزلة والدلالة من هذه ظاهرة (ابن کثیر) ف٥٤ (جسے بجز مخلص کامل کے کوئی دوسرا برداشت نہیں کر سکتا تھا) خواب میں حکم ہونے کی شاید یہ حکمت ہو کہ ابراہیم علیہ السلام کا انقیاد زیادہ ظاہر ہو کہ خواب کو خیال نہیں سمجھا، اتنے بڑے کام پر آمادہ ہو گئے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف٥٥ عَظِیْمٍ یہاں بمعنی عظیم القدر ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک دنبہ تھا جو جنت سے آیا تھا۔ اس پر یہ شبہ نہ ہو کہ جنت کی چیز نے فنا کیسے قبول کر لی۔ جب وہ ناسوت میں لایا گیا تو تاثیرات و خصوصیات بھی یہیں کی پیدا ہو گئیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ جنت میں شروع سے اسی غرض مخصوص کے لئے رکھا گیا ہو۔ فقہاء نے یہاں یہ سوال پیدا کیا ہے کہ آیا ذبح ولد کی نذر ماننا اور اس کا ایفاء بکری کے ذبح سے کرنا جائز ہے؟ اور پھر جواب دیا ہے کہ آیت کو نذر سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو محض امتثال امر تھا نہ کہ ایفاء نذر۔ لڑکے کے ذبح کرنے کی نذر بہر صورت اور بالاتفاق ناجائز ہے۔ لیکن اگر کوئی بد عقل ایسی نذر مان لے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے بدلہ بکری قربان کر دے۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ سرے سے معصیت ہے، جس پر اسے استغفار کرنا چاہیے۔ (ابن العربی) حنفیہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ بکری کی قربانی دینی چاہیے، کہ یہ شریعت ابراہیمی سے ثابت ہے، اور اس کا نسخ منقول نہیں۔ قال ابو حنیفة ومحمد علیه ذبح شاة وظاهر الأیة یدل علٰی قول ابی حنیفة (جصاص) لیکن امام ابو یوسف کی رائے ہے کہ ایسی نذر ہی سرے سے باطل ہے، اس لئے اس کا کچھ کفارہ اور بدلہ بھی نہیں۔ وقال ابو یوسف لاشیء علیه (جصاص) ف٥٦ (کہ انہیں مورد دعا و بشارت بنا دیتے ہیں) ف٥٧ (توحید کامل کے علمبردار، عبدیت کاملہ کے مظہر) یہ موقع ابراہیم خلیل کی انتہائی مدح و ثنا کا ہے۔ اس موقع پر بھی کیا ارشاد ہوتا ہے؟ یہ کہ وہ ہمارے بڑے اچھے بندے تھے!...... گویا مشرک و جاہلی قوموں کو یاد دلایا کہ کہیں انہیں خدائی کے مرتبہ پر نہ پہنچا دینا، اور ان کے نام کو برہما وغیرہ کی شکل میں بدل کر کہیں انہیں دیوتا نہ بنا لینا! اللہ اللہ کس درجہ اہتمام توحید ہے!

بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ بٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَ عَلٰٓى
اسحٰق کی کہ نبی اور نیک بندوں میں ہوں گے و۵۸ اور ہم نے ابراہیم پر اور اسحٰق پر

اِسْحٰقَ ؕ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ
برکتیں نازل کیں و۵۹ اور ان دونوں کی نسل میں بعض بعض اچھے بھی ہیں اور بعض صریحاً اپنے اوپر

مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ ع وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ ج
ظلم کر رہے ہیں و۶۰ اور ہم نے موسٰی اور ہارون پر بھی احسان کیا

وَ نَجَّيْنٰهُمَا وَ قَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ ج وَ نَصَرْنٰهُمْ
اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے غم سے نجات دی و۶۱ اور ہم نے ان سب کی مدد کی،

فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ ج وَ اٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ ج
سو یہی لوگ غالب رہے و۶۲ اور ہم نے ان دونوں کو ایک واضح کتاب دی

وَ هَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ ج وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِمَا
اور ہم نے انہیں سیدھے راستہ پر قائم رکھا و۶۳ اور ہم نے ان دونوں کے لئے پیچھے آنے والوں میں

فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ لا سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا
یہ بات رہنے دی، موسٰی اور ہارون پر سلام ہو ہم

كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا
مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں و۶۴ بے شک وہ دونوں ہمارے (کامل) ایمان دار

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ اِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ ط اِذْ قَالَ
بندوں میں تھے و۶۵ اور الیاس بھی پیمبروں میں سے تھے و۶۶ (اس وقت کا ذکر کیجیے) جب کہ انہوں نے

لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ
اپنی قوم سے کہا کہ تم (اللہ) سے ڈرتے نہیں ہو؟ کیا تم بعل کو پکارا کرتے ہو اور اسے چھوڑے ہوئے ہو جو سب سے بڑھ کر

و۵۸ یہ بنی اسمٰعیل کو خاص طور پر سنایا جا رہا ہے، کہ کہیں بنی اسرائیل کے مطاعن اسمٰعیل اور بنی اسمٰعیل کے خلاف سنتے سنتے جواب میں یہ بھی حضرت اسحٰق کی نبوت وجلالت قدر سے انکار نہ کر بیٹھیں مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ اسرائیلیوں کے ہاں "نبی" کے ساتھ "صالح" ہونا لازمی نہ تھا۔ کاہن کی طرح صرف غیب بیں، غیب داں ہونا کافی تھا۔ قرآن اسی لئے بار بار انبیاء کے وصف صالحیت کو نمایاں کرتا رہتا ہے و۵۹ (کہ دونوں کی نسل سے بکثرت انبیاء پیدا کیے گئے) انبیاء بنی اسرائیل ظاہر ہے کہ سب کے سب حضرت اسحٰق ہی کی اولاد میں تھے و۶۰ (یہاں تک کہ ایمان سے محروم ہیں) ایسے لوگوں کے لئے پیمبر زادگی ہرگز کام نہیں آسکتی۔ ذُرِّيَّتِهِمَا کے صیغۂ تثنیہ سے اشارہ ادھر بھی ہو گیا کہ نسل ابراہیمی علاوہ حضرت اسحٰق کے کسی اور واسطہ سے بھی چلے گی۔ و۶۱ یعنی ظالم ومشرک حکومت کے پنجہ سے رہائی دی۔ وَلَقَدْ...... هٰرُوْنَ۔ یعنی انہیں نبوت اور دوسرے کمالات سے مشرف کیا۔ و۶۲ (اور فرعون باایں صولت وشوکت ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا، اور آخر خود ہی غرق ہو کر رہا) و۶۳ (یہاں تک کہ وصف عصمت سے ممتاز کیا۔ جو ہدایت واستقامت کا بلند ترین مرتبہ ہے) اس میں رد آگیا یہود ونصاریٰ کا جو ہارون علیہ السلام کو بہت سے امور میں ضلالت وخطا پر سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ موجودہ توریت میں گوسالہ پرستی تک ان سے منسوب کر دی گئی ہے۔ اٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ۔ توریت موسیٰ علیہ السلام کو تو اصالۃً اور براہ راست عطا ہوئی تھی۔ شریک رسالت حضرت ہارون بھی تھے۔ اس لئے تبعاً وبالواسطہ "توریت" ان کی جانب بھی منسوب کی جا سکتی ہے۔ و۶۴ (کہ ان کو مورد دعا ومستحق ثنا بنا دیتے ہیں) و۶۵ (اس لئے صلہ بھی کامل عطا ہوا) قرآن مجید نے پیمبروں کے ذکر میں جو بار بار اس قسم کی تصریحات کی ہیں، ان کے مقصد دو ہیں۔ ایک تو پیمبروں کی مدح، ان کا مستحق دعا وثنا ہونا، ان کا قابل تقلید ہونا۔ اہل کتاب کی بدگوئی اور اتہام تراشیوں سے انہیں محفوظ رکھنا۔ اور ان کی طرف سے صفائی۔ ورنہ توریت موجودہ میں تو پیمبروں کی وہ بری گت بنائی گئی ہے کہ اخلاقی ودینی، عملی واعتقادی کبائر میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ان کی جانب منسوب نہ کر دیئے گئے ہوں۔ یہاں تک کہ (نعوذ باللہ) کفر وشرک بھی! دوسری غرض اس کے بالمقابل یہ بھی رہی ہے کہ انہیں ان کے مرتبہ سے زیادہ نہ بڑھایا جائے، انہیں ہر حال میں بندہ ہی سمجھا جائے، اور الوہیت کا کوئی جزو بھی شامل نہ ہونا سمجھا جائے۔ و۶۶ اِلْيَاسَ ایک مشہور اسرائیلی نبی گزرے ہیں۔ توریت میں ان کا نام ایلیاہ (ELIJAH) آیا ہے۔ وہ بادشاہ اخی، ب (AHAB) ہمعصر ہوئے ہیں، جو شمالی مملکت کا فرمانروا تھا۔ اس بادشاہ کا زمانہ ۸۷۶ تا ۸۵۴ ق، م ہوا ہے۔ توریت میں ان کے کرامات ومعجزات کا ذکر کتاب سلاطین حصہ اول ودوم دونوں میں ملتا ہے۔ یہودی عقیدہ ہے کہ آپ حضرت ادریس کی طرح آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی

ف٦٧ اَحۡسَنَ الۡخٰلِقِيۡنَ۔ کا لفظ لاکر حق تعالیٰ کے اس صفاتی پہلو پر بھی توجہ دلا دی گئی ہے کہ چھوڑے ہوئے بھی ہو تو کس کو؟ اس کو جو تمہارا پروردگار تمہارا خالق ہے! اور خالق بھی کیسا؟ ہر اعتبار سے اشرف واحسن!...... ذرا تو اپنی اس بغاوت وسرکشی کو سوچو سمجھو، اور اس پر شرماؤ۔ بعل، فینقی (فینیشین) قوم کے سب سے بڑے دیوتا کا نام تھا۔ اسرائیلی بادشاہ اخی اب نے جب غیر قوموں میں شادیاں کیں، تو ان میں سے کوئی بیوی اپنے ہمراہ بعل پرستی بھی شاہی محل میں لے آئی اور شاہی محل سے رفتہ رفتہ ساری اسرائیلی قوم میں سرایت کر گئی۔ انبیاء اسرائیل میں سے چند نے اس نئے شرک کا مقابلہ پورے زور وقوت کے ساتھ کیا، اور ان میں ممتاز نام حضرت الیاس نبی کا ہے۔ بعض روایتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعل نام کسی دیوتا کا نہیں، بلکہ سب سے بڑی دیوی کا تھا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

اَلۡخٰلِقِيۡنَ ۙ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمۡ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۱۲۶﴾

بنانے والا ہے ف٦٧ اللہ ہی تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی پروردگار،

فَكَذَّبُوۡهُ فَاِنَّهُمۡ لَمُحۡضَرُوۡنَ ۙ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ

سو ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا، پس وہ لوگ پکڑے جائیں گے ف٦٨ مگر ہاں جو اللہ کے خاص کئے ہوئے

الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ ۙ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ

بندے تھے (وہ ثواب واجر میں ہوں گے) اور ہم نے الیاس کے لئے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی کہ سلام ہو

عَلٰٓى اِلۡ يَاسِيۡنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۳۱﴾

الیاسین پر، ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں ف٦٩

اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۲﴾ وَاِنَّ لُوۡطًا لَّمِنَ

بے شک وہ ہمارے (کامل) ایمان دار بندوں میں سے تھے، اور بے شک لوط بھی پیمبروں میں

الۡمُرۡسَلِيۡنَ ؕ﴿۱۳۳﴾ اِذۡ نَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوۡزًا

ہوئے ہیں (وہ وقت یاد کیجیے) جب ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں سب کو نجات دی تھی بجز ایک بوڑھی کے

فِى الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرۡنَا الۡاٰخَرِيۡنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاِنَّكُمۡ لَتَمُرُّوۡنَ

(کہ) وہ رہ جانے والوں میں رہ گئی ف٧٠ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر مارا، اور تم تو ان پر صبح وشام

عَلَيۡهِمۡ مُّصۡبِحِيۡنَ ۙ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّيۡلِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾ وَاِنَّ

گزرا کرتے ہو، تو کیا، پھر بھی عقل سے کام نہیں لیتے ف٧١ اور بے شک

يُوۡنُسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ؕ﴿۱۳۹﴾ اِذۡ اَبَقَ اِلَى الۡفُلۡكِ

یونس پیمبروں میں تھے ف٧٢ (اس وقت کا قصہ یاد کیجیے) جب وہ بھاگ کر بھری ہوئی

الۡمَشۡحُوۡنِ ۙ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الۡمُدۡحَضِيۡنَ ۚ﴿۱۴۱﴾

کشتی کے پاس پہنچے ف٧٣ پھر وہ بھی شریک قرعہ ہوئے تو وہ مجرم قرار پائے ف٧٤

ع ۴/۵ ۸

حضرت الیاس کی قوم فلسطین کے مغربی وسطی علاقہ سامرہ (SAMARIA) میں آباد تھی، اور وہیں بعل کی پوجا زور شور سے جاری تھی۔ ف٦٨ (عذاب آخرت میں اپنے اس جھٹلانے کی پاداش میں) ف٦٩ (کہ انہیں مستحق اجر وموردِ دعا وثنا بنا دیا) اِلۡ يَاسِيۡنَ۔ لفظ الیاس ہی کا یہ دوسرا تلفظ ہے۔ ف٧٠ (اور وہ آپ کی کافر بیوی تھی) حضرت لوط اور قوم لوط پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ خصوصاً سورۃ الاعراف (پ ۸) میں۔ ف٧١ (کہ کفر وعدوان کا آخری انجام کیا ہوتا ہے) الۡاٰخَرِيۡنَ۔ یعنی لوط واہل لوط کے علاوہ اور جو لوگ تھے۔ اِنَّكُمۡ۔ خطاب قریش مکہ سے ہے، جن کے تجارتی قافلے ملک شام کو جاتے ہوئے برابر شرق اردن کے علاقوں سے گزرتے رہتے تھے۔ ف٧٢ یونس علیہ السلام اور آپ کے قصہ پر حاشیے بھی گزر چکے خصوصاً سورۂ یونس (پ ۱۱) میں۔ ف٧٣ (اور اس مسافروں اور سامان سے لدی ہوئی کشتی میں سوار ہو گئے) آپ نے اپنی نافرمان اور سرکش قوم کو بہ حکم الٰہی عذاب کی خبر سنائی۔ اور اس کے بعد اسی توقع پر شہر چھوڑ کر چلے گئے۔ اور اس روانگی کے لئے کسی الگ اجازت کی ضرورت نہ سمجھی۔ قوم میں ابھی کچھ سمجھ باقی تھی۔ عذاب ابھی آنے پایا نہ تھا۔ محض دور سے اس کے ابتدائی آثار دیکھ ڈر گئے، اور توبہ واستغفار گریہ وزاری میں مشغول ہو گئے۔ اس پر عذاب ٹل گیا۔ آپ کو خبر پہنچی، تو آپ حیائے طبعی کے اثر سے وطن آنے کے بجائے، کسی بحری سفر پر روانہ ہو گئے۔ اور اس کے لئے بھی اجازت الٰہی کے انتظار کی ضرورت نہ سمجھی۔ توریت میں ہے:۔ ”یوفاہ خداوند کے حضور سے ترسیس کو بھاگنے کے لئے اٹھا اور وہ یافا میں اتر گیا۔ اور وہاں ایک جہاز کو جو ترسیس کو جانے پر تھا پایا (یوفاہ۔ ۱: ۳) ترسیس اور یافا کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر بحر روم میں تھا۔ لیکن ہمارے ہاں کی روایات میں نام دجلہ کا آتا ہے، جو عراق کا مشہور اور بڑا دریا ہے جس کا طول ساڑھے گیارہ سو (۱۱½) میل کا ہے۔ ف٧٤ یعنی قرعہ میں نام انہیں کا نکلا۔ عقیدہ اس وقت یہ پھیلا ہوا تھا کہ کوئی بھگوڑا غلام یا کوئی مجرم اگر کشتی میں سوار ہو جاتا ہے، تو کشتی خطرہ میں آ جاتی ہے۔ اور اس کا علاج یہی ہے کہ اس شخص کو اتار دیا جائے۔ حضرت یونس کی کشتی کو طغیانی وطوفان کا سامنا ہوا۔ ملاحوں نے مجرم کی تعیین کے لیے قرعہ اندازی پر اتفاق کیا، اور قرعہ میں نام حضرت یونس کا نکلا۔ اور ملاحوں نے آپ کو سمندر میں ڈال دیا۔ توریت میں ہے:۔ ”خداوند نے سمندر پر ایک بڑی آندھی بھیجی، اور سمندر کے درمیان طوفان نے شدت کی، ایسی کہ گمان تھا کہ جہاز تباہ ہو جائے گا، تب ملاح ہراساں ہوئے اور ہر ایک نے اپنے معبود کو پکارا...... اور انہوں نے آپس میں کہا کہ آؤ ہم لوگ قرعہ ڈال کر دریافت کریں کہ کس کے سبب سے ہم پر یہ بلا آئی، چنانچہ انہوں نے قرعہ ڈالا اور قرعے میں یوفاہ کا نام نکلا۔ اور انہوں نے یوفاہ کو اٹھا کر سمندر میں ڈال دیا اور سمندر کا تلاطم موقوف ہو گیا (یوفاہ ۱: ۴۔ ۱۵) فَسَاهَمَ۔ اس سے بعض لوگوں نے غلام وغیرہ کے باب میں قرعہ اندازی کا جواز نکالا ہے، لیکن محققین فقہاء کا قول ہے کہ یہ اس وقت کے پیمبر کا ایک مخصوص فعل تھا، اس سے کوئی عام جواز نہیں نکل سکتا۔ ذلک لا یجوز عند احد من الفقهاء فدل علی انه خاص فیه علیه السلام دون غیره (جصاص)

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْ لَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ

انہیں مچھلی نے نگل لیا و۷۵ درآنحالیکہ وہ اپنے کو ملامت کررہے تھے و۷۶ سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں

الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

النصف

میں سے نہ ہوتے تو اسی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے و۷۷

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً

پھر ہم نے ان کو ایک میدان میں ڈال دیا اور وہ مضمحل تھے و۷۸ اور ہم نے ان پر ایک

مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ

بیل دار درخت بھی اگا دیا و۷۹ اور ہم نے ان کو ایک لاکھ (آبادی) یا اس سے بھی زیادہ کی طرف

يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ

(پیمبر بنا کر) بھیجا تھا و۸۰ تو وہ لوگ ایمان لے آئے، سو ہم نے انہیں ایک زمانہ تک عیش دیا، اب آپ لوگوں سے پوچھئے

اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا

کہ کیا تمہارے پروردگار کے لئے تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے؟ و۸۱ کیا ہم نے فرشتوں کو عورت پیدا کیا

وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

اور وہ دیکھ رہے تھے و۸۲ خوب سن لو کہ وہ لوگ محض اپنی سخن تراشی سے کہہ رہے تھے

وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى

کہ اللہ کے اولاد ہے، اور یہ لوگ یقیناً بالکل جھوٹے ہیں، و۸۳ کیا اللہ نے بیٹیوں کو بیٹوں پر

الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

ترجیح دی؟ تمہیں کیا ہوا تم کیسا (بے ہودہ) حکم لگاتے ہو؟ کیا تم سوچ سے (ذرا) کام نہیں لیتے و۸۴

اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل بھی موجود ہے؟ تو اچھا اپنی وہ کتاب پیش کرو اگر تم

و۷۵ عجب نہیں کہ آپ پیرا کی جانتے ہوں، اور ممکن تھا کہ پیر کر کنارہ تک پہنچ جاتے کہ حکم خداوندی سے ایک بڑی قد آور مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ شارک وغیرہ کی قسم کی بڑی قد آور مچھلیوں کا انسان کو نگل لینا حال میں بھی مشاہدہ میں آچکا ہے — صاحب روح المعانی نے جو عراقی ہیں، اور یونس سے متعلق روایت توریت سے بھی خوف واقف ہیں، اپنا مشاہدہ دجلہ سے متعلق لکھا ہے:۔ و قد شاھدنا فیھا حیتانا عظیمۃ جدًا ہم نے اس میں بہت ہی عظیم الجثہ مچھلیاں دیکھی ہیں۔ توریت میں ہے:۔ ”خداوند نے ایک بڑی مچھلی مقرر کر رکھی تھی کہ یوفاہ کو نگل جاوے، اور یوفاہ تین دن رات مچھلی کے پیٹ میں رہا (یوفاہ۔ ۱:۱۷) و۷۶ (اپنی اس اجتہادی غلطی پر) قرب عذاب کے وقت شہر چھوڑ کر چلا جانا کوئی معصیت نہ تھی۔ تاہم ایک پیمبر کے مرتبہ سے بعید تھا کہ ایماء خداوندی کے بغیر اتنا قدم بھی اٹھائے۔ اور اس پر بطور تنبیہ کچھ کلفت جسمانی اٹھانا پڑی، ورنہ حقیقی معصیت اور حقیقی عذاب سے تو کسی نبی کو کوئی واسطہ ہی نہیں ہو سکتا۔ و۷۷ یعنی انہیں مچھلی کے پیٹ سے نکلنا نصیب نہ ہوتا، اور وہ اسی کی غذا بنا دیئے جاتے۔ یہ مطلب نہیں کہ مچھلی کا پیٹ قیامت تک محفوظ و سالم رہتا۔ لَوْ...... الْمُسَبِّحِيْنَ۔ آیت سے معلوم ہوا کہ تسبیح و استغفار کی برکت سے جسمانی کلفتیں اور اذیتیں دور ہو جاتی ہیں۔ توریت میں ہے:۔ ”تب یوفاہ نے مچھلی کے پیٹ میں خداوند اپنے خدا سے دعا مانگی (یوفاہ۔ ۱:۲۰) اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔ محاورہ میں مراد ہمیشہ تک رہنے سے ہوتی ہے۔ و۷۸ (شکم ماہی میں قید کے اثر سے) مچھلی نے جب بحکم خداوندی آپ کو ساحل پر اگل دیا تو آپ نے اپنے کو ایک چٹیل میدان میں پایا۔ عرآء سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی ایک بھی درخت اس میدان میں نہ ہو۔ توریت میں ہے:۔ ”اور خداوند نے مچھلی کو کہا، اور اس نے یوفاہ کو خشکی پر اگل دیا۔ (یوفاہ ۳۰: ۱۰) سَقِيْمٌ پر مفصل حاشیہ ابھی نمبر ۴۱ میں گزر چکا ہے۔ آپ شکم ماہی میں کتنی مدت رہے، اس کے جواب میں متعدد قول سلف سے نقل ہوئے ہیں، لیکن جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ کسی بھی مدت کی تعیین پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ و لا ادری بای دلیل عینوا ھذہ المقادیر (کبیر) و۷۹ (جو آپ کو مکھیوں وغیرہ سے محفوظ رکھتا تھا، اور جس کی ہوا صحت بخش تھی) يَقْطِيْنٍ کے لفظی معنی ہر بیلدار درخت کے ہیں، کدو، خربوزہ وغیرہ سب اس میں آجاتے ہیں۔ و کل شجرۃ لا تقوم علی ساق کالدباء والبطیخ والحنظل و نحو ذٰلک فھی عند العرب یقطین (ابن جریر) روایتوں میں آتا ہے کہ مراد اس سے لوکی کا درخت ہے۔ و۸۰ یہ شہر نینوا تھا جو دریائے دجلہ کے داہنے کنارے پر واقع تھا۔ جہاں آج موصل واقع ہے ٹھیک اس کے مقابل۔ توریت میں اس کی آبادی ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں سے زیادہ درج ہے (یوفاہ۔ ۴: ۱۱) کپتان جونس نے ۱۸۵۲ء میں جا کر شہر کے کھنڈروں کی باضابطہ پیمائش کی تھی۔ ان کی تحقیق میں شہر کا رقبہ ۱۱۸۰۰ ایکڑ تھا، اور ہر فرد کے لیے اگر ۵۰ گز مربع زمین فرض کی جائے، تو کل آبادی کا تخمینہ ایک لاکھ چوہتر ہزار یا ۷۵ ہزار تک پہنچتا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ او تخییر کے لیے ہے۔ یعنی اگر صرف عاقلوں، بالغوں کو رکھو تو ایک لاکھ، اور کل آبادی کو لو تو اور زائد۔ توریت میں ہے:۔ ”یوفاہ خداوند کے کلام کے مطابق اٹھ کر نینوا کو گیا، اور نینوا خدا کے سامنے ایک بڑا شہر تھا، کہ اس کا احاطہ تین دن کی راہ تھی“۔ (یوفاہ۔ ۳: ۲) و۸۱ خطاب اس گروہ سے ہے جو اس کا قائل تھا کہ خدا کے بیٹیاں ہیں، جو دیویاں ہیں۔ مشرکین عرب کے معبودوں میں دیوتاؤں سے کہیں زائد دیویاں تھیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ میں ہمزہ انکار توبیخی یا انکار ابطالی کا ہے۔ (مغنی، جلد اول صفحہ ۱۶) و۸۲ یعنی جنہیں تم دیویاں قرار دے رہے ہو، اور در حقیقت وہ ملائکہ الٰہی ہیں، کیا ان کی نسوانیت تمہارے مشاہدہ میں آچکی ہے؟ مفصل حاشیہ سورۂ آل عمران (پ ۴) آیت ۱۱۷ کے تحت میں گزر چکا ہے۔ و۸۳ یعنی خدا کے صاحب اولاد ہونے کا عقیدہ کوئی بھی شائبہ حقیقت اپنے اندر نہیں رکھتا۔ و۸۴ ایک تو اللہ کے صاحب ولد ہونے کا دعویٰ خود ہی کس درجہ حماقت ہے، اور پھر اس پر مستزاد اولاد میں بھی لڑکوں کا نہیں، لڑکیوں کا تحقق جنہیں مشرکین خود ہی حقیر و ذلیل سمجھتے تھے۔

و۸۵ یعنی دلیل عقلی نہیں قائم کر سکتے ہو تو کوئی مستند مذہبی نوشتہ ہی پیش کرو، جس میں یہ عقیدہ درج ہو۔ و۸۶ (تو حق تعالیٰ کے رشتہ داروں کا معاذ اللہ جہنمی ہونا تمہاری موٹی عقل بھی قبول کرتی ہے؟) وَ جَعَلُوْا...... نَسَبًا۔ اس عقیدہ کے لیے ملاحظہ ہوں سورۂ سبا (پ۲۲) آیت ۴۰ و ۴۱ کے حاشیے۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں اشارہ عقائد مجوس کی جانب بھی ہو، جیسا کہ امام رازی علیہ الرحمۃ کا خیال ہے۔ مجوس کا عقیدہ ہے کہ یزدان واہرمن (خدا و ابلیس) دونوں ایک ہی جنس کی چیزیں ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اول خیر محض ہے اور دوسرا شر محض۔ لیکن بہرحال ہیں دونوں ہم نسب ہی۔ اَلْجِنَّةِ سے مراد کافر جنات ہیں۔ وَ لَقَدْ...... لَمُحْضَرُوْنَ۔ یعنی جنات خود اپنی حقیقت اپنی مسئولیت سے خوب واقف ہیں۔ لَمُحْضَرُوْنَ۔ محضرون سے مراد عذاب میں گرفتار ہونا ہے۔ اے محضرون فی العذاب (بیضاوی) اے اللہ لقد علمت الشیاطین اے جنسهم ان اللہ تعالیٰ یحضرهم ولابد النار و یعذبهم بها (روح)۔ اِنَّهُمْ۔ ہم کی ضمیر جائز ہے کہ جنات کی طرف نہیں، بلکہ ان کے اور حق تعالیٰ کے

صٰدِقِيْنَ ﴿١٥٧﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ

سچے ہو و۸۵ اور ان لوگوں نے اللہ اور جنات کے درمیان رشتہ قرار دے دیا ہے، حالانکہ

عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا

خود جنات خوب سمجھے ہوئے ہیں کہ وہ عذاب میں گرفتار ہوں گے و۸۶ اللہ پاک ہے اس سے جو یہ

يَصِفُوْنَ ﴿١٥٩﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٠﴾ فَاِنَّكُمْ وَمَا

بیان کرتے ہیں و۸۷ مگر ہاں جو اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے ہیں (وہ عذاب سے محفوظ رہیں گے) لیکن تم اور

تَعْبُدُوْنَ ﴿١٦١﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿١٦٢﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ

تمہارے معبود (سب مل کر بھی) کسی کو اللہ سے نہیں پھیر سکتے مگر ہاں اسی کو جو جہنم میں گرنے والا

الْجَحِيْمِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿١٦٤﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ

ہی ہے و۸۸ اور ہم میں سے ہر ایک کا ایک معین درجہ ہے اور ہم (سب) صف بستہ

الصَّۗافُّوْنَ ﴿١٦٥﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿١٦٦﴾ وَاِنْ كَانُوْا

کھڑے ہوتے ہیں اور ہم (سب) پاکی بیان کرنے میں لگے رہتے ہیں و۸۹ اور یہ لوگ

لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦٨﴾ لَكُنَّا

کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت (کی کتاب) پہلے لوگوں کی طرح آتی تو ہم

عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٧٠﴾

اللہ کے خاص بندے ہوتے و۹۰ پھر یہ لوگ اس کا انکار کرنے لگے، سو عنقریب ان کو معلوم ہی ہوا جاتا ہے و۹۱

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ

اور ہمارا (یہ) قول ہمارے بندگان مرسل کے لئے پہلے سے مقرر ہو چکا ہے کہ بے شک غالب

الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿١٧٣﴾

وہی کئے جائیں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے و۹۲

درمیان رشتہ داری کے قائلوں کی جانب لی جائے۔ یعنی قائلی هٰذا القول (معالم) اے الذین قالوا ذٰلک (ابن کثیر) و۸۷ یعنی صاحب ولد ہونے سے، صاحب زوج ہونے سے، اور اس قسم کے سارے خرافاتی جاہلی دعووں اور عقیدوں سے۔ و۸۸ (علم الٰہی میں) یعنی شیاطین میں اور کسی میں بھی، قوت نہیں کہ وہ مجرد اپنے ارادہ سے کسی کو گمراہ کر سکیں، گمراہ تو وہی لوگ ہوتے ہیں، جنہیں علم الٰہی مشیت تکوینی کے مطابق پہلے سے تجویز کئے ہوتا ہے —— یہ علم الٰہی بھی ظاہر ہے کہ کسی بندہ کو کفر و ضلالت کے اختیار پر مجبور نہیں کرتا۔ و۸۹ خلاصہ یہ ہے کہ ہم عبد محض اور محکوم خالص ہیں، اپنی رائے سے کچھ نہیں کر سکتے۔ جو خدمت ہم میں سے جس کے سپرد ہے، بس وہ اسی میں لگا رہتا ہے —— یہ سب مضمون فرشتوں کی زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ اس سے ایک طرف تردید ان جاہلی قوموں کی بھی ہو رہی ہے، جنہوں نے فرشتوں میں الوہیت اور معبودیت کی شان پائی ہے، اور دوسری طرف اہل کتاب کی بھی تردید ہے جنہوں نے بعض فرشتوں کو خطا کار و عصیاں شعار قرار دیا ہے وَمَا...... مَعْلُوْمٌ۔ بعض نے اس سے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ ملائکہ کے لیے مقامات معین و معلوم ہیں، جن میں علو و ترقی کی گنجائش نہیں، بخلاف انسان کے کہ وہ جس قدر بھی جدوجہد کرے، قرب و علو کے مراتب طے کرتا رہے گا۔ یشیر الٰی ان الملک لا یتعدی مقامه الٰی ما فوقهٗ ولا یهبط عنه الٰی ما دونهٗ و هٰذا بخلاف نوع الانسان فان من افرادہٖ من سار الٰی مقام قاب قوسین بل طار الٰی منزل او ادنٰی (روح) اور صاحب تفسیر مظہری نے سورۂ بقر میں قصۂ تخلیق آدم کے سلسلہ میں لکھا ہے:۔ ”مراد اس سے یہ ہے کہ ملائکہ مقام اسماء و صفات سے آگے مقام ذات تک ترقی نہیں کر سکتے۔ بخلاف بشر کے کہ وہ مقام محرومی سے مقام ظلال اور وہاں سے مقام صفات و اسماء اور شئونات اور پھر مقام ذات تک ترقی کر سکتا ہے“۔ و۹۰ (اور تکذیب و مخالفت کرنے والوں میں نہ ہوتے) مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ کوئی نبی اگر ہم میں پیدا ہوا ہوتا اور اس پر کوئی کتاب نازل ہوئی ہوتی جیسے بنی اسرائیل پر نازل ہوئی تو ہم یقیناً تصدیق کرنے والوں میں ہوتے اور اطاعت الٰہی کا ایک نمونہ اپنی ذات میں پیش کر دیتے۔ اوپر یہی مضمون آیہ لَىِٕنْ جَاۗءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ (سورۃ الفاطر، پ۲۲) کے تحت میں آ چکا ہے۔ و۹۱ (کہ کفر و تکذیب کا کیا انجام ہوتا ہے) فَكَفَرُوْا بِهٖ۔ یعنی اب جب ان کی تمنا کے مطابق رسول اور صاحب کتاب و شریعت رسول، ان کی قوم میں آ گئے، تو یہ اپنے سب پچھلے قول اور قرار بھول بیٹھے۔ اور تکذیب و انکار میں پچھلی قوموں سے بازی لے گئے۔ سَوْفَ يَعْلَمُوْنَ۔ کفر کا انجام موت کے وقت تو بہرحال منکشف ہو جاتا ہے۔ باقی بعض عقوبتیں زندگی میں بھی واقع ہو جاتی ہیں۔ و۹۲ (انجام کار) غلبہ آخرکار حق ہی کو ہوتا ہے۔ باطل کی شان و شوکت محض عارضی اور کسی مصلحت تکوینی کے ماتحت ہوتی ہے۔ اور اگر غلبہ سے مراد بجائے مادی غلبہ کے محض قوت دلائل سمجھی جائے، تو یہ غلبہ تو ہر دور میں اور ہر وقت اہل حق کو حاصل رہا ہے، اور ہے۔ جُنْدَنَا۔ یعنی اہل حق۔ كَلِمَتُنَا۔ آگے جس وعدہ کا ذکر ہے، وہ تو ایک پوری عبارت ہے، اس کے لیے کلمہ بصیغۂ واحد یوں آیا ہے کہ ساری عبارت مل کر معنی ایک ہی دیتی ہے۔ اور کلمة کا لفظ اسی پورے مفہوم کے لیے ہے۔ وانما سماها کلمة و هی کلمات لانها لما انتظمت فی معنی واحد کانت فی حکم کلمة مفردة (مدارک)

ف۹۳ موت پر تو اپنا حال زار بہرحال دیکھیں گے، اور ممکن ہے دنیا میں بھی عذاب کی جھلک دیکھ لیں۔ فَتَوَلَّ...... حِیْنٍ۔ یعنی چندے ان کی ایذا رسانیوں پر التفات نہ کیجئے۔ **ف۹۴** یعنی جب وہ وقت موعود آ جائے گا، پھر ٹالے ٹل نہ سکے گا۔ ساحۃ کے لفظی معنی صحن یا انگنائی کے ہیں۔ یعنی جب وہ عذاب ان سے ایسا متصل ہو جائے گا کہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہ رہے گی۔ **ف۹۵** یعنی آپ کو تو ہمارے کہنے سے یقین ہی ہے، باقی معائنہ و مشاہدہ کے بعد انہیں بھی یقین ہو کر رہے گا۔— مفسرین نے کہا ہے کہ ابھی ابھی یہ مضمون جو اوپر گزر رہا ہے۔ وہاں اس کا تعلق غلبہ اہل حق سے تھا، اور یہاں اس کا تعلق عذاب اہل باطل سے ہے۔ اس لیے مضمون کی تکرار صرف صورۃً ہے، معنًی نہیں۔ **ف۹۶** (معبودیت، الوہیت، ربوبیت کا حقدار وہی اکیلا، بلاشائبہ شرکت غیرے ہے) سُبْحٰنَ...... یَصِفُوْنَ۔ حق تعالیٰ پاک و منزہ ہے ان تمام لغویات و خرافات سے جو اہل شرک اس کی جانب منسوب کرتے رہتے ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرآن کا یہ فقرہ بڑا جامع ہے۔ معرفت باری کے سارے مدارج اس مختصر سے فقرہ میں آ گئے۔ کلمة محتوية على اقصى الدرجات و اكمل النهايات فى معرفة الله العالم (کبیر) رَبِّ الْعِزَّةِ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رب میں اشارہ ہے کمال حکمت و رحمت کی جانب، اور عزت میں کمال قدرت کی جانب۔ یَصِفُوْنَ کے عموم و اطلاق سے اہل لطائف نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ حق تعالیٰ جس طرح اہل شرک و ضلالت کی یاوہ گوئیوں سے منزہ و برتر ہیں، اسی طرح مومنین صادق کی غایت مدح و ثنا اور عارفین کاملین کے احاطۂ فہم رسا سے بھی بالاتر ہیں —اور عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمانی اسی مقام کی کی ہے۔ ماہروں از پاک و ناپاکی ہمہ وزگراں جانی و چالاکی ہمہ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ۔ حق تعالیٰ خود جن بندوں پر سلام بھیجیں، ان کا واجب الاتباع ہونا بالکل ظاہر ہے۔

ف۱ دوسرے مقطعات کی طرح اس حرف ص کے اصل معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں، البتہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کر دیے ہیں۔ مثلاً۔
۱۔ ص مخفف ہے کسی اسم الٰہی کا، مثلاً صمد یا صادق الوعد، یا صانع المصنوعات۔
۲۔ ص مخفف ہے اس فقرہ کا کہ صدق محمد فى كل ما اخبر به عن الله
۳۔ ص مخفف ہے اس فقرہ کا، کہ صد الكفار عن قبول هذا الدين۔ اور محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے ص اسم الصمد اور صادق الوعد کا سر ہے (معالم) **ف۲** مطلب یہ کہ قرآن کی اعلیٰ تعلیمات خود اس کی صداقت پر گواہ ہیں، اور یہ کافر جو اس کے کلام الٰہی ہونے اور آپ کی حالت سے انکار کر رہے ہیں سو اس کی بنیاد کسی دلیل یا وجہ عقلی پر ہرگز نہیں۔ ذِی الذِّکْرِ۔ یعنی یہ وعظ و نصیحت والا قرآن، یا عزت و عظمت والا قرآن۔ والمراد بالذكر العظمة او الشرف والشهرة (بیضاوی) ذى الشرف اے ذى الشان والمكانة (ابن کثیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما وسعید بن جبیر وغیرہما) **ف۳** (اور اس تعصب و عناد کا وبال بھی ایک روز ان پر پڑے گا) یہاں یہ بتا دیا کہ مخالفت حق کا سبب کوئی اشتباہ عقلی ہرگز نہیں، محض ان لوگوں کی ضد، ہٹ دھرمی اور نخوت پسندی ہے۔ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ۔ دونوں کا تنوین نکرہ کے ساتھ آنا ان صفات کی شدت کے اظہار کے لیے ہے۔ یعنی یہ لوگ پرلے سرے کی ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہیں۔ والتنكير فى عزة و شقاق لدلالة على شدتها (کشاف)

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ

سو آپ تھوڑے زمانہ تک ان کا خیال نہ کیجئے اور ذرا انہیں دیکھتے رہیے، سو عنقریب

یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ

یہ بھی دیکھ لیں گے **ف۹۳** کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؟ تو وہ جب ان کے روبرو

بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ

آ نازل ہوگا، سو وہ دن ان لوگوں کا جنہیں ڈرایا جا چکا ہے بہت برا ہوگا **ف۹۴** اور آپ تھوڑے زمانہ تک

حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحٰنَ

ان کا خیال نہ کیجئے، اور ذرا انہیں دیکھتے رہیے، سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے **ف۹۵** پاک ہے

رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى

آپ کا پروردگار بڑی عظمت کا پروردگار ان چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں، اور سلام ہو

الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۲﴾

پیمبروں پر اور ساری خوبیاں اللہ پروردگار عالم کے لئے ہیں **ف۹۶**

ع ۵

ایاتها ۸۸ ۳۸ سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ ۳۸ رکوعاتها ۵

اس میں اٹھاسی آیتیں ہیں سورۂ ص مکہ میں نازل ہوئی اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ

صاد **ف۱** قسم ہے قرآن نصیحت والے کی (کہ کافروں کا انکار کسی دلیل پر مبنی نہیں) **ف۲** اصل یہ ہے کہ (یہ) کافر ہی تعصب

وَّشِقَاقٍ ﴿۲﴾ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا

و مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں، **ف۳** کتنی ہی امتوں کو ان سے پہلے ہم ہلاک کر چکے ہیں سو انہوں نے بڑی ہائے پکار

وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝۳ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ

کی درآنحالیکہ وقت خلاصی کا گزر چکا تھا۔ وے۴ اور یہ اس پر حیرت کر رہے ہیں کہ ان کے پاس ایک ڈرانے والا

مِّنْهُمْ ۫ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۴ اَجَعَلَ

انہیں میں سے آیا وے۵ اور (یہ) کافر کہتے ہیں کہ یہ شخص ساحر ہے کذاب ہے وے۶ ارے اس نے

الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝۵ وَانْطَلَقَ

خداؤں کو بس ایک خدا کر دیا! بے شک یہ بڑی انوکھی بات ہے وے۷ ان لوگوں کے سردار

الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ

یہ کہتے ہوئے چلے کہ چلو اور اپنے دیوتاؤں پر قائم رہو

هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۝۶ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ

اس میں بے شک اس شخص کا کوئی مطلب ہے وے۸ ہم نے تو یہ بات (اپنے) پچھلے مذہب میں (کبھی) سنی نہیں،

اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ

ہو نہ ہو یہ اس کی گڑھت ہے وے۹ تو کیا ہم سب میں سے بس اسی شخص پر کلام الٰہی

بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا

نازل کیا گیا وے۱۰ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ میری وحی ہی کی طرف سے شک میں پڑے، اصل یہ ہے کہ انہوں نے میرا عذاب

عَذَابِ ۝۸ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ

اب تک نہیں چکھا ہے وے۱۱ کیا ان لوگوں کے پاس خزانے ہیں ان کے پروردگار زبردست و فیاض کی

الْوَهَّابِ ۝۹ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

رحمت کے؟ وے۱۲ کیا جو کچھ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان ہے، وہ ان کی حکومت

بَيْنَهُمَا ۣ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ۝۱۰ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ

میں ہے؟ تو انہیں چاہیے کہ سیڑھیاں لگا کر چڑھ جائیں وے۱۳ اس مقام پر یوں ہی ایک بھیڑ ہے منجملہ گروہوں کے

وے۴ (چنانچہ ان کا شور و واویلا انہیں کچھ بھی نفع نہ دے سکا۔ اور یہی حشر ان کافروں کا بھی ہونا ہے) لَاتَ۔ لات لیس کی ایک غیر منصرف صورت ہے۔ تقدیر کلام خلیل وسیبویہ کے نزدیک یہ ہوگی۔ لیس الحین حین مناص (کبیر۔ بیضاوی) اور اخفش کے نزدیک یوں، ولاحین مناص (کبیر، بیضاوی) مَنَاصٍ۔ جائے خلاص یا جائے گریز۔ وے۵ (کوئی فوق البشر نہیں، بلکہ انہیں جیسا بشر وانسان) مشرکوں کی سمجھ میں یہی تو نہیں آتا کہ ایک بشر مرتبہ رسالت پر کیسے پہنچ سکتا ہے۔ دیوتا پرستی ان کی سمجھ میں آجاتی ہے۔ اوتار، مظہریت، عینیت، حلول کے عقیدے عین ان کے مذاق طبیعت کے موافق ہیں۔ بس ایک نہ سمجھ میں آنے والی بات یہی مسئلہ سفارت الٰہی ورسالت ہے۔ بار بار اسی پر الجھتے تھے۔ ضمیر هم جنس بشری کی جانب ہے۔ رسول من جنسهم ای بشرًا (روح) یعنی استبعدوا ان یکون النبی من البشر (مدارک) وے۶ "اس کے لائے ہوئے کلام میں اثر اور اس کے پیش کیے ہوئے معجزات تو نتیجہ ہیں اس کے کمال ساحری کا اور اس کا دعویٰ نبوت ورسالت تمامتر بے بنیاد ہے"۔ جب نقطہ آغاز یہ ہوا کہ دعوائے نبوت صحیح ہو ہی نہیں سکتا، تو اب اس سے چارہ نہیں کہ مدعی نبوت کے وعظ وتبلیغ کے اثر کو سحر پر محمول کیا جائے۔ ساحر قرار دیتے ہوئے یہ احمق اتنا نہ سوچے کہ ساحر بھی کبھی دعوت توحید دیتا رہتا ہے؟ تزکیہ اخلاق کی طرف بلاتا رہتا ہے؟ عقائد صحیحہ واعمال صالحہ کی تبلیغ کرتا رہتا ہے؟ بات کچھ نہ کچھ کہہ دینی ہی تھی، تو ایسی تو کہتے جو کچھ لگتی ہوئی ہوتی۔ یہ تشخیص تو سراسر الٹی اور بالکل ہی بے تکی تھی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آیت میں کام محض قالوا سے بھی نکل سکتا تھا، لیکن بجائے اس کے قَالَ الْكٰفِرُوْنَ کی صراحت میں اشارہ ان لوگوں کی کمال بدعقلی کی طرف کرنا ہے کہ ایسے مہمل ولایعنی قول کا مصدر ومنشا کفر محض ہی ہوسکتا ہے۔ وے۷ پیمبر برحق کا اصلی جرم ان کج فہموں کے نزدیک یہی تلقین توحید تھی۔ وہ کہتے تھے عالم میں قدم قدم پر تو تنوع، تعدد، اختلاف ہے، اس کثرت کا مصدر وحدت کو فرض ہی کیسے کیا جاسکتا ہے؟ رات الگ ہے، دن الگ، آگ اور شے ہے پانی اور۔ زمین الگ مخلوق ہے آسمان الگ، ان میں سے ہر ایک کے کاروبار کے لیے ایک مستقل حاکم، متصرف فرماں روا کی ضرورت ہے، اور یہی دیوی دیوتا ہیں۔ سب کو مٹا کر صرف ایک مؤثر حقیقی وفاعل اصلی کو ماننے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ عُجَابٌ۔ عجاب مرادف ہے عجیب کا، البتہ اس میں زور عجیب سے زیادہ ہے۔ هو العجیب الا انه ابلغ من العجیب (کبیر) ای بلیغ فی العجب (روح) وے۸ یہ شخص بھی بہکا کر اپنا کوئی نہ کوئی کام ہم سے نکالنا چاہتا ہے، تم لوگ ہرگز اس کے کہے میں نہ آنا۔ اپنے دیوتاؤں کی نصرت میں لگے رہنا۔ قریش کے ائمہ وسردار کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سننے کھڑے ہوجاتے تو اس کے بعد ذکر توحید کی تاب نہ لاکر اپنے پیروؤں سے یہ کہنے لگتے۔ وے۹ مِلَّةِ الْاٰخِرَةِ سے مراد وہی ملت عرب ہے۔ یعنی ہم نے کبھی اپنے پیروں کے مذہب، اپنے باپ دادوں کے دین میں تو یہ عقیدہ پایا نہیں۔ دوسرے معنی "آخری مذہب" کے دین عیسوی کے بھی کیے گئے ہیں۔ یہ تفسیر بھی چسپاں ہوسکتی ہے۔ نصاریٰ اپنے نقطہ نظر سے بالکل صحیح طور پر کہہ سکتے تھے، کہ یہ توحید خالص جس کی دعوت اسلام دے رہا ہے، ہم نے تو کہیں آبائے کلیسا سے سنی نہیں تھی؟ وے۱۰ یعنی بالفرض نبوت یا پیمبری کی کچھ اصلیت ہوتی بھی، تو پیمبری ہمارے ہاں کے رؤسا وامراء کے ہوتے ہوئے آخر ایک یتیم ونادار شخص کو کیوں ملی! اہل لطائف نے کہا ہے کہ منشاء اس قول کا کبر تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کبر ایسی بری چیز ہے جو کبھی کفر تک بھی پہنچا دیتی ہے۔ وے۱۱ قرآن مجید کہتا ہے کہ انکار کا باعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی تکذیب نہیں، بلکہ یہ اصل مسئلہ وحی میں بھٹک رہے ہیں، اور خود اس کی بنیاد عذاب الٰہی سے غفلت پر ہے۔ وے۱۲ (اور نبوت بھی کیا ان کے قبضہ قدرت میں ہے، کہ جسے چاہیں اسے اس سے نواز دیں؟) نبوت کی عظمت واہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ اسلامی عقیدہ میں اسی پر تکوینی حیثیت سے دارومدار نظام عالم کا ہے۔ چنانچہ جس وقت کوئی مومن یعنی نبی پر ایمان رکھنے والا سطح زمین پر نہ رہے گا، اس کائنات کا نظم بھی ختم ہوجائے گا، اور قیامت آجائے گی۔ وے۱۳ (اپنی قدرت تصرف دکھانے کو) اَمْ...... بَيْنَهُمَا۔ سوال گویا دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ آیا انہیں ارضیات وسماویات کے مصالح کا علم ہے، جو یہ نبوت کی تقسیم کے بھی ذمہ دار بنتے ہیں۔

مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿۱۱﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ

جس کو شکست ہو گی و۱۴ ان سے پہلے بھی قوم نوح و قوم عاد

وَّ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾ وَ ثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ

اور فرعون نے جس کے کھونٹے گڑے ہوئے تھے اور ثمود اور قوم لوط

وَّاَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ كُلٌّ اِلَّا

اور اصحاب ایکہ نے تکذیب کی تھی یہ (بڑے بڑے) گروہ والے ان سب نے

كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ وَ مَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا

رسولوں کو جھٹلایا تھا، سو میرا عذاب (ان پر) واقع ہو گیا و۱۵ اور یہ لوگ تو بس ایک چیخ کے

صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَ قَالُوْا رَبَّنَا

منتظر ہیں جس میں دم لینے کی گنجائش نہ ہو گی، اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار

عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ اِصْبِرْ عَلٰى مَا

ہم کو ہمارا حصہ روز حساب سے پہلے ہی دے دے و۱۶ آپ ان لوگوں کے اقوال پر

يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا

صبر کیجیے، اور ہمارے بندے داؤد بڑی قوت والے کو یاد کیجیے، وہ بڑے رجوع کرنے والے تھے و۱۷ ہم نے

سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾

پہاڑوں کو (ان کے) تابع کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام و صبح تسبیح کیا کرتے تھے

وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ

اور پرندوں کو بھی جو (ان کے پاس) جمع ہو جاتے تھے، سب ان کی وجہ سے بڑے رجوع کرنے والے تھے و۱۸ اور ہم نے

وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا

ان کی سلطنت کو قوت دی تھی اور ہم نے انہیں حکمت اور فیصلہ کرنے والی تقریر عطا کی تھی و۱۹ بھلا آپ کو ان اہل مقدمہ کی خبر

و۱۴ مرادوہی اہل مکہ ہیں۔ پرقوت اہل مکہ کی بربادی کی پیشگوئی قطعیت کے ساتھ کر دینا بجائے خود ایک قرآنی معجزہ ہے۔ اس پیش خبری کا تحقق میدان بدر میں ہو کر رہا۔ قال قتادة هنالک اشارة الى يوم البدر فاخبر الله تعالٰى بمكة انه سيهزم جند المشركين فجاء تاويلها يوم بدر (کبیر) و۱۵ متعین طور پر نام بھی قرآن نے پرانی پرقوت، پرشوکت قوموں کے بتا دیے، کہ تکذیب انبیاء و تکذیب شریعت الٰہی ہی کی پاداش میں یہ لوگ ہلاک ہوتے تھے۔ وہی صورت آج کے منکرین کو بھی پیش آنی ہے۔ نُوْح، عَاد، فِرْعَوْن، ثَمُوْد، لُوْط، اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ۔ ان سب پر حاشیے اپنے اپنے مقام پر گزر چکے۔ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ سے مراد حضرت شعیب کی امت ہے۔ ذُو الْاَوْتَادِ۔ محاورہ میں اس سے مراد شوکت و حشمت والے سے ہوتی ہے۔ استعير لثبات العز والملک واستقامة الامر (کشاف) اصل هذه الكلمة من ثبات البيت المطنب باوتاده ثم استعير لاثبات العز والملک (کبیر) پرانی قوموں میں تعذیب کی ایک صورت مجرم کو چومیخا کر دینے (یعنی لٹا کر ہاتھ پیروں میں میخیں ٹھونک دینے) کی جاری تھی۔ اور روایات میں ملتا ہے کہ فرعون کے دور میں بھی یہ سزا جاری تھی۔ و۱۶ منکرین بطور استہزاء کہتے تھے کہ جو کچھ عذاب ہم پر ہونا ہے وہ ابھی لے آؤ، کل پر کیوں اٹھا رکھا ہے! اعلم ان الكفار لما بالغوا فى السفاهة على رسول الله ﷺ حيث قالوا انه ساحر كذاب و قالوا له على سبيل الاستهزاء عجل لنا قطنا امره الله بالصبر على سفاهتهم (کبیر) و۱۷ (اور ان کی مثال و نظیر سے صبر میں تقویت حاصل کیجیے۔) اس کے بعد آپ کی تقویت قلب کے لیے نو پیمبروں کی مثالیں درج ہو رہی ہیں، ان میں سے تین کے قصے مفصل بیان ہوں گے اور چھ کا ذکر صرف اجمالاً آئے گا۔ ذَا الْاَيْدِ۔ یعنی بڑی قوت والے، ہمت والے، دین و تقویٰ کی راہ میں بڑے بڑے مجاہدے کر ڈالنے والے۔ اے ذا القوة فى الدين المضطلع بمشاقه و تكاليفه (کشاف) اے ذا القوة على اداء الطاعة والاحتراز عن المعاصى (کبیر) اَوَّابٌ۔ اللہ کی طرف بڑے رجوع کرنے والے۔ اواب رجاع الى مرضاة الله (کشاف) حضرت داؤد، نبی و سلطان کی قوت و حشمت و نیز زہد و تقویٰ پر ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن عَبْدَنَا۔ لفظ عبد کو ضمیر متکلم کی طرف مضاف کر کے قرآن مجید نے اس سے کام اظہار تخصیص و تشریف ہی کا لیا ہے۔ و۱۸ سَخَّرْنَا الْجِبَالَ...... وَالطَّيْرَ۔ تسبیح جبال و طیور پر حاشیے سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکے۔ مَحْشُوْرَةً۔ یعنی ہر طرف سے آپ کے گرد جمع ہو جانے والے۔ اے محشورة اليه من كل جانب (بیضاوی) لَهٗٓ اَوَّابٌ۔ یعنی ان کی تسبیح کے باعث یہ بھی اواب ہو گئے تھے۔ اے كل واحد من الجبال والطير لاجل تسبيحه رجاع الى التسبيح (بیضاوی) بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ۔ صبح و شام، کہ یہی ذکر و عبادت کے اوقات خصوصی ہوتے ہیں۔ و۱۹ ”فلسطین کی سب سے بڑی حکومت وہی تھی جو داؤد علیہ السلام کے عہد میں قائم ہوئی تھی“۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۷ صفحہ ۷۸) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن اَلْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ، اس کے معنی علم قضا کے بھی کیے گئے ہیں، اور فریقین کے درمیان فیصلہ صحیح کے بھی۔ الفصل بين الخصوم بالحق (جصاص) العلم بالقضاء (جصاص۔ عن الحسن)

و۲۰ (کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو بجائے دروازہ سے آنے کے عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر آگئے ہیں دروازہ سے پہرہ داروں نے انہیں غالباً اس لیے آنے نہیں دیا تھا کہ وہ وقت آپ کی عبادت کا تھا، مقدمات فیصل کرنے کا نہ تھا۔ فَفَزِعَ مِنْهُمْ۔ یعنی اس مجمع کے یوں بے اجازت اور ناوقت آنے سے آپ کو قدرۃً ہراس پیدا ہوا کہ کہیں یہ کوئی خونی اور ڈاکو تو نہیں۔ طبعی جذبات و کیفیات (غصہ، غم، خوف، اندیشہ وغیرہ) کے طاری ہونے کو جو لوگ مرتبہ ولایت کے منافی سمجھتے ہیں، وہ حضرات انبیاء کے ان تاثرات طبعی کی مثالوں کو سامنے رکھ لیں۔ قرآن مجید نے یہ ساری تفصیلات بلاضرورت اور بے مصلحت تھوڑے ہی بیان کردی ہیں۔ الْخَصْمِ۔ خصم کا اطلاق شخص واحد اور جماعت دونوں پر ہوتا ہے۔ الخصم اسم یقع علی الواحد و علی الجماعۃ (جصاص) اطلق علی الجماعۃ (بیضاوی) و استعمل للواحد والجمع (راغب) الْمِحْرَابَ۔ محراب یہاں حجرہ کے معنٰی میں ہے۔ قیل المحراب الغرفۃ (جصاص) و۲۱ (ہمارے اس طرح بے قاعدہ اور بے وقت چلے آنے سے۔ ہم دشمن نہیں دوست، خیر خواہ ہیں، آپ کی رعایا ہیں، ایک مقدمہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں) و۲۲ (صورت معاملہ سے متعلق) حضرت داؤد نبی تو تھے ہی۔ بحیثیت حاکم و فرمانروا بھی اپنے عادلانہ اور بے لاگ فیصلوں کے لیے خاص شہرت و امتیاز رکھتے تھے۔ خَصْمٰنِ کے صیغہ تثنیہ سے یہ خیال نہ گزرے کہ یہ دو فرد تھے۔ یہ دو فریق تھے، اور آج بھی مستغیث اور ملزم دونوں کا یہ عام معمول ہے کہ اپنے ساتھ کئی کئی ہمدردوں کو لے کر عدالت جایا کرتے ہیں۔ تسوروا، دخلوا، منھم سب کے صیغہ جمع سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ دو نہیں کئی آدمی تھے۔ ای نحن فوجان متخا صمان (بیضاوی) و۲۳ (اور اپنے آگے میری بات نہیں چلنے دیتا) اَخِیْ۔ اخ سے لازمی طور پر بھائی ہی مراد نہیں ہوتا، دوست یا دینی بھائی بھی مراد ہو سکتا ہے بالدین او بالصحبۃ (بیضاوی) والمراد اخوۃ الدین او اخوۃ الصداقۃ والالفۃ او اخوۃ الشرکۃ والخلطۃ (مدارک) فَاحْكُمْ...... لَا تُشْطِطْ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ فریق مقدمہ کے لیے جائز ہے کہ حاکم سے اس لہجہ میں خطاب کرے۔ یدل علی ان للخصم ان یخاطب الحاکم بمثلہ (جصاص) لَهٗ...... اَكْفِلْنِيْهَا۔ عہد داؤدی میں فلسطین میں بھیڑوں، دنبوں کی گلہ بانی کا عام رواج تھا۔ و۲۴ حضرات انبیاء کوئی ضمنی اور اتفاقی موقع بھی تبلیغ کا ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ۔۔۔ یوسف علیہ السلام نے جیل خانہ میں ایک قیدی کے تعبیر خواب پوچھ لینے پر ان لوگوں کے سامنے ایک مستقل وعظ رد شرک و اقرار توحید میں فرما ڈالا تھا۔ اِنَّ...... بَعْضٍ۔ یہ سارا فقرہ مسلک شرک پر ایک تعریض ہے۔ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ۔ ما زائدہ ان کی قلت پر اظہار تعجب کے لیے ہے۔ و ما مزیدۃ للابھام والتعجب من قلتھم (بیضاوی) و۲۵ (اپنے پروردگار کی طرف خاص طور سے) وَظَنَّ دَاوٗدُ۔ آپ کی اپنے نفس سے یہ بدظنی غایت خشیت و تقوٰی کی بنا پر تھی ۔۔۔ ظن کا لفظ خاص طور پر نظر میں رہے۔ قرآن مجید خود کسی واقعہ کا اثبات نہیں کرتا صرف آپ کے اس خیال کو بیان کر رہا ہے۔ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ۔ یعنی یہ مقدمہ بھیج کر خود ان کے صبر و تحمل کا امتحان لیا ہو ۔۔۔ ان مقدمہ والوں کے یوں بے محابا چلے آنے، پھر اپنی گفتگو میں آپ کا مرتبہ سلطانی ملحوظ نہ رکھنے سے متعدد پہلو آپ کے لیے ناگواری اور اشتعال طبع کے نکلتے تھے۔ امتحان اس کا مقصود تھا کہ آیا آپ ان گستاخیوں پر دارو گیر کرتے ہیں، یا غلبہ نور نبوت سے عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں۔ فَاسْتَغْفَرَ۔ یہ استغفار ہر اس لغزش یا کوتاہی سے تھا، جو نبی معصوم سے ہو گئی ہو۔ خَرَّ رَاكِعًا۔ رکوع کو یہاں سجدہ کے معنٰی میں بھی سمجھا گیا ہے۔ روی ان معناہ خرساجدًا فعبر بالرکوع عن السجود (جصاص) لا خلاف بین العلماء ان الرکوع ھاھنا السجود (ابن العربی)

الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ

پہنچی ہے جب وہ دیوار پھاند کر حجرہ میں داؤد کے پاس آگئے

فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى

اور وہ ان سے گھبرا گئے تھے و۲۰ وہ لوگ بولے آپ ڈریے نہیں و۲۱ (ہم) دو اہل مقدمہ ہیں کہ ایک نے

بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى

دوسرے پر زیادتی کی ہے، سو آپ ہم میں انصاف سے فیصلہ کر دیجیے اور بے انصافی نہ کیجیے، اور ہمیں سیدھی راہ

سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۟ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ

بتا دیجیے و۲۲ یہ شخص میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں

نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي

اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے، سو یہ کہتا ہے وہ بھی مجھ کو دے ڈال اور بات چیت میں

الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى

مجھے دباتا ہے و۲۳ (داؤد) نے کہا کہ اس نے تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کی درخواست کر کے واقعی

نِعَاجِهٖ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى

تجھ پر ظلم کیا اور اکثر شرکا (یوں ہی) ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے

بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا

ہیں مگر ہاں وہ لوگ نہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کیے، اور ایسے لوگ

هُمْ ۭ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ

نہایت ہی کم ہیں و۲۴ اور داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے، سو انہوں نے اپنے پروردگار کے سامنے توبہ کی اور وہ

رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۭ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى

جھک پڑے اور رجوع ہوئے و۲۵ سو ہم نے انہیں معاف کر دیا اور ہمارے ہاں ان کے لیے (خاص) قرب

وقف لازم

السجدۃ ۱۰

وَحُسۡنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰکَ خَلِیۡفَۃً فِی

اور نیک انجامی ہے وف۲۶ اے داؤد ہم نے آپ کو زمین پر خلیفہ

الۡاَرۡضِ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ بِالۡحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الۡہَوٰی

بنایا ہے سو لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرتے رہئے اور (آئندہ بھی) نفسانی خواہش کی پیروی نہ کیجیے

فَیُضِلَّکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَضِلُّوۡنَ عَنۡ

کہ وہ اللہ کے راستہ سے آپ کو بھٹکا دے گی، بے شک جو لوگ اللہ کے راستہ سے بھٹک

سَبِیۡلِ اللّٰہِ لَہُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌۢ بِمَا نَسُوۡا یَوۡمَ

جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس پر کہ وہ روز حساب کو

الۡحِسَابِ ﴿۲۶﴾ؑ وَ مَا خَلَقۡنَا السَّمَآءَ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَا

بھولے رہے وف۲۷ اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے بے حکمت نہیں

بَاطِلًا ؕ ذٰلِکَ ظَنُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۚ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ

پیدا کیا ہے، یہ تو ان لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں، سو کافروں کے لئے بڑی

کَفَرُوۡا مِنَ النَّارِ ﴿ؕ۲۷﴾ اَمۡ نَجۡعَلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا

خرابی ہے یعنی دوزخ وف۲۸ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ کَالۡمُفۡسِدِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۫ اَمۡ نَجۡعَلُ الۡمُتَّقِیۡنَ

اچھے کام کئے ان کی برابر کردیں گے جو دنیا میں فساد کرتے پھرتے ہیں، یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے

کَالۡفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوۡۤا اٰیٰتِہٖ

برابر کردیں گے؟ وف۲۹ یہ (قرآن) ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے، تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں

وَ لِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۹﴾ وَ وَہَبۡنَا لِدَاوٗدَ سُلَیۡمٰنَ ؕ

غور کریں اور تاکہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں وف۳۰ اور ہم نے داؤد کو سلیمٰن عطا کیا،

ع۲ ۱۲ ۱۱

وف۲۶ (ان کے مرتبۂ نبوت کے شایان شان) موجودہ بائبل میں حضرات انبیاء کی عجیب مٹی پلید کی گئی ہے اور اس میں کچھ کور کسر رہ گئی تھی وہ تالمود وغیرہ یہود کے دوسرے مذہبی نوشتوں نے پوری کردی۔ قرآن مجید انبیاء (خصوصاً انبیاء اسرائیل) کی مقبولیت وصالحیت کا پرزور اثبات بار بار انہیں اہتمامات کی تردید کرتا جاتا ہے۔ فَغَفَرۡنَا لَہٗ۔ یعنی ہم نے ان سے اس کمی کا بھی ازالہ کردیا، جو ان کے مرتبہ و معیار کے مطابق ان کے اجر کمال صبر پر مرتب ہوتا۔ ذٰلِکَ۔ یعنی یہ خفیف سی غفلت اور ان کے مرتبۂ نبوت کے لحاظ سے لغزش۔ ای زلۃ (مدارک) یہاں بعض لوگوں نے ایک بے سروپا روایت اسرائیلیات سے لے کر نقل کردی ہے۔ لیکن محققین کا فیصلہ یہی ہے کہ ایسی روایت کسی عام مرد صالح کے حق میں بھی قابل قبول نہیں، چہ جائیکہ ایک نبی برحق کے حق میں۔ وف۲۷ (اور چونکہ آپ یوم حساب کو خوب یاد رکھے ہوئے ہیں، اس لیے آپ کے لیے ان وعیدوں کا احتمال ہی نہیں۔ خَلِیۡفَۃً اور مَلِکٌ کے درمیان محققین نے یہی فرق کیا ہے کہ خلیفہ ہمیشہ عدل اور شفقت خلق ہی کو اپنا شعار بنائے رکھتا ہے۔ اور یہ جو بعض بدمذہبوں سے منقول ہے کہ خلیفۂ وقت کا کوئی گناہ ہی نہیں لکھا جاتا، اور تکلیف شرعی اس سے ساقط ہوجاتی ہے، اسے محققین اہل سنت نے کفر صریح قرار دیا ہے۔ ویحکی عن بعض الزنادقة ان الخلیفة لا یکتب علیه خطیئة ولا هو داخل فی رتبة التکلیف لان مرتبةٔ مرتبة مستخلفة و هو کفر صراح (روح) وف۲۸ یہاں مومن وکافر کے اساسی نقطۂ نظر کا فرق بیان کردیا ہے۔ مومن کی نظر میں تکوینی مصلحتوں اور حکمتوں کا جلوہ حوادث کائنات کے ایک ایک جزئیہ سے نمایاں رہتا ہے۔ بخلاف اس کے جس کا ایمان توحید پر نہیں، وہ اس سارے کارخانہ کو بس مادی ہی قوانین کا محکوم وتابع سمجھتا ہے، اور اس کی نظر سے مقصدی حکمتیں بالکل گم ہوتی ہیں — اور جو فلاسفہ مادیین کہلاتے ہیں، ان کا تو کھلا ہوا یہی مسلک ہے۔ مِنَ النَّارِ۔ من یہاں بیانیہ یا تشریحی ہے۔ اس لیے ترجمہ یعنی سے کیا گیا ہے۔ وَمَا خَلَقۡنَا ...... بَیۡنَہُمَا۔ متکلمین اہل سنت نے آیت کے اس جزو سے معتزلہ کے مقابلہ میں استدلال کیا ہے کہ حق تعالیٰ ہی بندوں کے افعال کا بھی خالق ہے۔ و احتج اصحابنا بان هذه الأیة تدل علی کونه تعالیٰ خالقا لاعمال العباد فقالوا هذه الأیة تدل علی کونه خالقاً لکل ما بین السمٰوٰت والارض و اعمال العباد حاصلة بین السمآء والارض فوجب ان یکون الله تعالیٰ خالقاً لها (کبیر) بَاطِلًا۔ یعنی بے مقصد، بلاحکمت، یوں ہی بلا کسی غرض صحیح کے۔ وف۲۹ مطلب یہ ہوا کہ وقوع قیامت کی تو خود ایک بڑی حکمت وغایت یہی ہے کہ جزا وسزا کامل ہو، اور مفسدوں، بدکاروں، منکروں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ اب جو نادان وقوع قیامت کے منکر ہیں، وہ اس حکمت کو بھی ناقابل اعتناء سمجھ رہے ہیں۔ کَالۡمُفۡسِدِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ۔ یہ مفسدین فی الارض وہی لوگ ہیں، جو قانون شریعت سے بغاوت کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں، اور جس کا ایک لازمی نتیجہ فساد فی الارض ہے۔ وف۳۰ (اور اس تذکر یا نصیحت حاصل کرنے میں اعتقاد رسالت اور سب کچھ آگیا) لِیَدَّبَّرُوۡۤا اٰیٰتِہٖ۔ یعنی اس کی آیتوں میں غور کرکے یہ دیکھیں کہ اس کا قانون کیسا جامع اور کامل ہے۔

ف۳۱ (اللہ کی طرف، اور اس کے بڑے سچے پرستار اور موحد تھے۔ نہ کہ معاذ اللہ مشرک۔ جیسا کہ بائبل اور دوسرے اسرائیلی نوشتوں میں آپ کو ظاہر کیا گیا ہے) حضرت سلیمان (۹۹۰ ق، م تا ۹۳۰ ق، م) حضرت داؤد کے فرزند و جانشین، علاوہ پیمبر برحق ہونے کے شام و فلسطین کے عظیم الشان بادشاہ بھی تھے۔ آپ پر مفصل حاشیہ سورۃ البقر (پ۱) آیت و ما کفر سلیمٰن کے تحت میں گزر چکا ہے۔ نِعْمَ الْعَبْدُ۔ یہ وصف حضرت داؤد کا بھی ہوسکتا ہے، لیکن ترجیح اسی قول کو ہے کہ یہ وصف حضرت سلیمان کا ارشاد ہوا ہے۔ المخصوص بالمدح فی نعم العبد محذوف فقیل هو سلیمان و قیل داوٗد والاول اولی (کبیر) ف۳۲ (اور ان کے ملاحظہ کرنے میں اتنی دیر لگ گئی کہ کچھ معمولات عبادت چھوٹ گئے) الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ۔ یہ گھوڑے بھی غزا و جہاد کے عین دینی اغراض ہی کے لیے رکھے جاتے تھے۔ آپ کے بارہ ہزار سواروں اور آپ کے گھوڑوں کے لیے ۴۰ ہزار تھانوں کا ذکر توریت میں بھی آتا ہے۔ "اور سلیمان کی گاڑیوں کے گھوڑوں کے لیے چالیس ہزار تھان تھے اور بارہ ہزار سوار تھے۔" (۱۔ سلاطین۔ ۴:۲۶) ف۳۳ (پھر جب آپ کو خود ہی متنبہ ہوا تو آپ اپنے اوپر نفریں و ملامت کے لیے یہ کلمات زبان پر لانے لگے) کاملین اہل اللہ یوں ہی اپنی خفیف غفلتوں کے تدارک میں اہتمام عظیم کیا کرتے ہیں۔ تَوَارَتْ۔ تقدیر کلام یوں ہے، توارت الشمس (کشاف۔ مدارک) والاکثر فی التفسیر ان التی توارت بالحجاب هی الشمس (قرطبی) ف۳۴ یعنی غیرتِ دینی کے جوش میں ان گھوڑوں ہی کو ذبح کر ڈالا، کہ جو چیز کچھ دیر کے لیے بھی یاد الٰہی سے غفلت کا باعث ہوئی وہ اس قابل نہیں کہ باقی رکھی جائے۔ رُدُّوْهَا۔ ضمیر مؤنث گھوڑوں کی جانب ہے۔ والهاء فی ردوها للخیل (قرطبی) بعض نے یہ معنی بھی لیے ہیں کہ آپ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ جب جہاد محبوب و مقصود تھا تو جو چیزیں آلات و اسباب کا کام دے رہی تھیں قدرۃً وہ بھی آپ کے التفات کی پوری مستحق تھیں۔ فَطَفِقَ...... الْاَعْنَاقِ۔ مراد ان گھوڑوں کے ذبح کر ڈالنے سے ہے۔ قال الاکثرون معناه انه مسح السیف بسوقها و اعناقها ای قطعها (کبیر) بعض مشائخ اور صوفیہ نے جامہ دری وغیرہ کی سند اسی فعل سلیمانی سے نکالی ہے۔ و قد استدل الشبلی وغیره من الصوفیة فی تقطیع ثیابهم و تخریقها بفعل سلیمان هذا (قرطبی) ف۳۵ ہمارے بعض مفسرین نے (اللہ ان کی اجتہادی غلطیوں کو معاف فرمائے) اس مقام پر بعض عجیب عجیب قصے یہودی کتابوں سے نقل کر دیے ہیں، جو کسی طرح بھی حضرت سلیمان جیسے پیمبر برحق کے شایانِ شان نہیں۔ لیکن محققین نے ان کے قبول کرنے سے قطعی انکار کر دیا ہے۔ چنانچہ امام المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

اقول انا شدید التعجب من الناس کیف قبلوا هذه الوجوه السخیفة مع ان العقل والنقل یردها و لیس فی اثباتها شبهة فضلاً عن حجة (کبیر)

مجھے بڑی حیرت ان لوگوں پر ہے کہ انہوں نے ایسی رکیک حکایات کو قبول ہی کیسے کر لیا، جبکہ عقل و نقل دونوں ان کی تردید کر رہے ہیں اور ان کی تائید میں کوئی دلیل تو کیا ہوتی، احتمالات تک بھی نہیں۔

اور مفسر ابوحیان نے لکھا ہے۔

نقل المفسرون فی هذه الفتنة والقاء الجسد اقوالا یجب براءة الانبیاء منها یوقف علیها فی کتبهم و هی منها لا یحل نقلها و هی اما من اوضاع الیهود او الزنادقة (بحر)

مفسرین نے اس فتنہ اور القاء جسد کے سلسلہ میں ایسی باتیں نقل کر دی ہیں جن سے حضرات انبیاء کی تبری کرنا واجب ہے ان روایتوں کو ان کی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے یہاں نقل کرنا بھی جائز نہیں وہ یا تو یہود کی گڑھی ہوئی ہیں یا ملحدین کی۔ اور اس کی تائید صاحب روح المعانی نے بھی کی ہے ـــ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان کے محل میں ۷۰ کی تعداد میں حرم تھے۔ اولاد کی خواہش خصوصاً غزا و جہاد کے اغراض سے دل میں پیدا ہونی قدرتی تھی۔ ایک روز آپ کے دل میں آیا کہ ایک شب میں اگر کل حرم حمل سے رہ جائیں، تو سو کڑیل جوان غزا و جہاد کے لیے ہاتھ آسکتے ہیں ـــ یہ روایت جس صورت میں کہ بیان ہو رہی ہے عقلاً ذرا مستبعد ہے۔ لیکن اس پر کلی یا جزئی عمل ناممکن نہیں۔ بہرحال حسب روایت آپ نے ارادہ پر عمل بھی فرمایا لیکن نتیجہ حسب مراد نہ نکلا۔ صرف ایک خاتون کے حمل رہا اور ان سے بھی اولاد ناقص الخلقت پیدا ہوئی۔ جس کا جسم لا کر کرسی پر ڈال دیا گیا۔ ثُمَّ اَنَابَ۔ آپ کو اپنی اس غفلت پر، کہ حق تعالیٰ پر بھروسہ کے بجائے اپنی تدبیر پر اعتماد کیا، معاً تنبہ ہوا، اور آپ نے فوراً توبہ و استغفار کیا۔ یہ لغزش کوئی معصیت کے درجہ کی چیز ہرگز نہ تھی۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ لیکن آپ کے مرتبہ نبوت سے اتنی غفلت بھی فروتر تھی۔ بعض قصے اس سلسلہ میں سرتاسر مہمل، ہماری کتابوں میں بھی نقل ہو گئے ہیں۔ محققین ان کے یکسر منکر ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ واعلم ان اهل التحقیق استبعد وا هذا الکلام من وجوه محققین نے اس کلام کو دلائل کے ساتھ رد کر دیا ہے۔ اور ابن کثیر نے لکھا ہے:۔ و کلها متلقاة من قصص اهل الکتاب۔ یہ روایت ساری کی ساری اہل کتاب کے ہاں سے آئی ہے۔ اور یہ اہل کتاب وہی ہیں۔ و فیهم طائفة لا یعتقدون نبوة سلیمان علیه السلام و الظاهر انهم یکذبون علیه۔ جن کا ایک گروہ حضرت سلیمان کی نبوت ہی کا منکر ہے اور یہ کھلی بات ہے کہ ان لوگوں نے آپ کے خلاف یہ گڑھ لیا ہے۔ ف۳۶ حضرت کو احساس اس کا ہوا ہے کہ یہ جو یاد الٰہی میں غفلت کسی درجہ میں بھی واقع ہوئی، اس کا منشاء سامان جہاد وغیرہ میں انہماک تھا۔ اور خود کثرت اولاد کی تمنا جو

نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ

وہ بہت اچھے بندے تھے، وہ بہت رجوع ہونے والے تھے ف۳۱ (وہ قصہ بھی قابل ذکر ہے) جب شام کے وقت ان کے

الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ

روبرو اصیل عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے ف۳۲ تو کہنے لگے میں اس مال کی محبت میں اپنے پروردگار کی یاد سے

عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا

غافل ہو گیا یہاں تک کہ (آفتاب) پردہ میں چھپ گیا ف۳۳ ان گھوڑوں کو پھر میرے سامنے

عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا

لاؤ، پھر انہوں نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا ف۳۴ اور ہم نے سلیمان کو

سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ

امتحان میں ڈالا اور ہم نے ان کے تخت پر ایک ادھورا جسم لا ڈالا پھر انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا ف۳۵ دعا مانگی

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ

اے میرے پروردگار میرا قصور معاف کر اور مجھے ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا کسی کو

بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ

میسر نہ ہو، بے شک تو بڑا ہی دینے والا ہے ف۳۶ پھر ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے

بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ

جہاں وہ چاہتے نرمی سے چلتی اور سرکش جنوں کو بھی (ان کا تابع کر دیا) یعنی تعمیر کرنے والوں کو

وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا

اور غوطہ خوروں کو، اور دوسروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے ف۳۷ یہ

عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ

ہماری بخشش ہے سو خواہ کسی کو دو یا نہ دو تم پر کچھ حساب نہیں ف۳۸ اور یقیناً

آپ کے دل میں پیدا ہوئی تھی، اس کا منشا بھی یہی خیال جہاد تھا۔ لیکن اگر کسی معاصر کے پاس زیادہ قوت واقتدار ہی نہ ہو، تو اس سے مقابلہ ومقاتلہ کے لئے بھی زیادہ ساز وسامان کی ضرورت ہی باقی نہ رہے اور یہ ساز و سامان خود میری نبوت پر ایک مستقل دلیل بن جائے۔ ليصير اقتداری عليها معجزة تدل على صحة نبوتی ورسالتی (کبیر) مِنۢ بَعۡدِیۡ۔ بعد ہمیشہ تاخر زمانی ہی کے لئے نہیں آتا ہے۔ علاوہ اور سوا کے معنی میں بھی آتا ہے۔ خود قرآن مجید ہی میں ہے۔ فمن يهديه من بعد الله۔ یہاں بعد صاف غیر کے معنی میں ہے۔ چنانچہ یہاں بھی من بعدی، من غیری کے مرادف ہے۔ ای سوائی (جلالین) ای لا يصح لا حد غیری (روح) ای دونی (مدارک) رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ۔ یہ عین سنت انبیاء ہے کہ رب العزت کے حضور میں کوئی حاجت عرض کرنے سے قبل استغفار بھی کر لیتے ہیں۔ دلت هذه الاية على انه يجب تقديم مهم الدين على مهم الدنيا لان سليمان طلب المغفرة اولا ثم بعده طلب الملك (کبیر) ف۳۷ (کسی جرم کی بناء پر) مطلب یہ ہوا کہ ہم نے یہ سامان کثیر انہیں دے کر معاصر سلاطین کو ان سے پست ومغلوب کر دیا۔ فَسَخَّرۡنَا...... اَصَابَ۔ آپ کی تسخیر ہوائی پر حاشیے اوپر گزر چکے۔ وَالشَّیٰطِیۡنَ۔ آپ کی تسخیر جنات خبیثہ کا ذکر سورۃ الانبیاء (پ۱۷) کے حاشیوں میں آچکا۔ بَنَّآءٍ...... الۡاَصۡفَادِ۔ بعض جنات تعمیرات کے ماہرین میں تھے اور بعض غواصی کر کے موتی وغیرہ نکال لاتے تھے۔ اور انہیں میں سے جو مجرم ہوتے تھے، وہ بطور سزا زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے تھے۔ ف۳۸ یعنی تم اس سارے ساز وسامان، مال وجاہ کے

عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰی وَ حُسۡنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ وَاذۡكُرۡ عَبۡدَنَاۤ

ان کے لئے ہمارے ہاں (خاص) قرب اور نیک انجامی ہے ف۳۹ اور آپ ہمارے بندے ایوب کو

اَیُّوۡبَ ۘ اِذۡ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الشَّیۡطٰنُ بِنُصۡبٍ

یاد کیجیے ف۴۰ جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج و آزار

وَّ عَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرۡكُضۡ بِرِجۡلِكَ ۚ هٰذَا مُغۡتَسَلٌۢ بَارِدٌ

پہنچایا ہے ف۴۱ اپنا پاؤں زمین پر مارو یہ ٹھنڈا پانی ہے نہانے کا اور

وَّ شَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اَهۡلَهٗ وَ مِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ رَحۡمَةً

پینے کا ف۴۲ اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا کیا اور ان کے ساتھ انہیں کے اتنے (اور بھی) اپنی رحمت خاصہ کے سبب سے

مِّنَّا وَذِكۡرٰی لِاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۴۳﴾ وَ خُذۡ بِیَدِكَ ضِغۡثًا

اور اہل عقل کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے، ف۴۳ اور اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لے لو،

فَاضۡرِبۡ بِّهٖ وَلَا تَحۡنَثۡ ؕ اِنَّا وَجَدۡنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعۡمَ

اور اسی سے مارو، اور اپنی قسم نہ توڑو ف۴۴ ہم نے ان کو (بڑا) صابر پایا کیا اچھے

الۡعَبۡدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ وَاذۡكُرۡ عِبٰدَنَاۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ

بندے تھے، اور بڑے رجوع کرنے والے تھے ف۴۵ اور آپ یاد کیجیے ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق

وَیَعۡقُوۡبَ اُولِی الۡاَیۡدِیۡ وَ الۡاَبۡصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّاۤ اَخۡلَصۡنٰهُمۡ

اور یعقوب کو جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے ف۴۶ ہم نے

بِخَالِصَةٍ ذِكۡرَی الدَّارِ ۚ ﴿۴۶﴾ وَ اِنَّهُمۡ عِنۡدَنَا لَمِنَ

ان کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا وہ یاد آخرت ہے، ف۴۷ اور بے شک یہ لوگ ہمارے ہاں

الۡمُصۡطَفَیۡنَ الۡاَخۡیَارِ ؕ ﴿۴۷﴾ وَاذۡكُرۡ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ الۡیَسَعَ

منتخب اور سب سے اچھے لوگوں میں ہیں ف۴۸ اور اسمٰعیل اور الیسع

رکوع ۴ / ۱۲ — وقف لازم

محض خازن یا امین نہیں ہو۔ مالک ہو اور ہر طرح تصرف کے مجاز ومختار، تم سے حساب کتاب نہ دینے پر ہو گا اور نہ نہ دینے پر۔ ای لا حساب عليك فی ذلك (مدارک) ای مهما فعلت فهو جائز لك احكم بما شئت فهو صواب (ابن کثیر) آیت سے یہ ظاہر ہو گیا کہ شریعت اسلامی میں بادشاہ ہمیشہ اور لازمی طور پر خزائن ملک کا محض امین ومتولی ہی نہیں ہوتا مالک ومختار مطلق بھی ہو سکتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سالک کا بڑا سرمایہ جمعیت قلب ہے۔ اسی لیے محققین صوفیہ کو اس کا بڑا اہتمام رہتا ہے۔ ف۳۹ اوپر ساز وسامان دنیوی کا بیان تھا، اب مقبولیت عند اللہ واجر اخروی کا بیان ہے۔ حضرت سلیمان کی مقبولیت وبرگزیدگی کی یہ تصریحات بار بار اس لیے اور بھی آئی ہیں کہ یہود ونصاریٰ نے اپنے نوشتوں میں آپ کو دل کھول کر بدنام کیا ہے، اور ہر طرح کی بدعقیدگی برگشتگی وغیرہ کے الزامات آپ پر تھوپ دیئے ہیں۔ ف۴۰ ایوب علیہ السلام کا وطن علاقہ عوض میں تھا، جو فلسطین کا مشرقی حصہ حدود عرب سے متصل ہے۔ روایات یہود سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۲۱۰ سال کی عمر پائی، اور آپ کا زمانہ فرزندانِ یعقوب کے خروج (یعنی مصر سے بنی اسرائیل کی رہائی) تک کا عہد ہے۔ توریت میں آتا ہے۔ "عوض کی سرزمین میں ایوب نامی ایک شخص تھا اور وہ شخص کامل اور صادق تھا، اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا تھا (ایوب ۱۰۔۱) پھر خداوند نے شیطان سے کہا کہ کیا تو نے میرے بندے ایوب کے حال پر غور کیا کہ زمین پر اس سا کوئی شخص نہیں ہے۔ وہ کامل اور صادق ہے، اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا ہے (۱:۔۸) آپ پر حاشیے سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکے۔ ف۴۱ (یعنی مجھے آلام دماغی وجسمانی میں مبتلا کر دیا ہے) اَنِّیۡ...... عَذَابٍ۔ برائی کو بجائے حق تعالیٰ کے شیطان کی جانب منسوب کرنا یہ عین خاصان حق کے آداب میں داخل ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غیر معصیت میں شیطان کا تسلط کاملین پر بھی ممکن ہے۔ انبیاء پر شیطان کا تسلط معصیت کے باب میں ممکن نہیں، باقی اور ہر باب میں ممکن ہے۔ بِنُصۡبٍ وَّعَذَابٍ۔ نصب سے مراد عام دکھ اور تکلیف ہے۔ اور عذاب سے مراد بیماری ہے۔ نصب هو المشقة والتعب والعذاب الالم يريد مرضه (کشاف) ف۴۲ دعا جو غایت تضرع وابتہال کے ساتھ کی گئی تھی، قبول ہوئی۔ حکم ملا کہ زمین پر ٹھوکر لگاؤ، چشمہ شفا یہیں جاری ہو جائے گا۔ آپ اس پانی سے نہائے بھی اور اسے پیا بھی۔ بالکل اچھے ہو گئے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ دو چشمے تھے۔ پہلا چشمہ امراض جلدی کے حق میں شافی تھا۔ دوسرا چشمہ چند قدم آگے بڑھ کر تھا۔ اس کا پانی امراض اندرونی کے حق میں آب حیات تھا۔ اُرۡكُضۡ بِرِجۡلِكَ۔ یہ جو ایک سخت مریض کو پیر زمین پر دے پٹخنے کا حکم مل رہا ہے، اس سے (جیسا کہ تفسیر قرطبی میں نقل ہوا ہے) بعض جاہل صوفیہ نے جواز رقص نکالا ہے! ۔۔۔ اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ دین وشریعت کے ساتھ تلاعب وتمسخر کوئی چودھویں صدی ہجری کی نئی ایجاد ہے۔ استغفر اللہ۔ ف۴۳ یعنی تاکہ اہل عقل یاد رکھیں کہ حق تعالیٰ صابروں کو کیسی جزا دیتا ہے۔ وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اَهۡلَهٗ وَمِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ۔ توریت میں آتا ہے:۔ "اور خداوند نے ایوب کو آگے کی نسبت سے دونی دولت عنایت کی اور اس کے بھائی اور سب بہن اور اس کے اگلے سب جان پہچان کے اس کے پاس آئے۔ اور اس کے گھر میں انہوں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ اور اس پر افسوس کیا۔ اور ان ساری بلاؤں کے لیے جو خداوند نے اس پر نازل کی تھیں تسلی دی، اور ان میں سے ہر ایک نے اسے ایک قسیط اور ہر ایک نے اسے سونے کا ایک کرن پھول بخشا۔ اور خداوند نے ایوب کے آخر عمر میں ابتداء کی نسبت سے بہت برکت عطا کی۔ اور وہ چودہ ہزار بھیڑوں اور چھ ہزار اونٹوں اور ایک ہزار جوڑے بیل اور ایک ہزار گدھوں کا مالک ہوا"۔ (ایوب۔ ۴۲: ۱۲) ف۴۴ حضرت ایوب نے حالت مرض میں، جوش غیرت دین میں آکر قسم کھائی تھی کہ بعد صحت اپنی نافرمان اور کمزور عقیدہ والی بیوی کو سو تازیانے لگائیں گے، اب آپ خاص رعایت وکرم کے مورد قرار پائے، اور حق تعالیٰ نے بطور خاص آپ کے لیے یہ راہ کشائش کی پیدا کر دی۔ لیکن یہ خصوصیت تنہا حضرت ایوب علیہ السلام کی تھی۔ اس سے عامۂ مومنین کے لیے قسم کے پوری طرح پوری نہ کرنے کا جواز نہیں نکل آتا۔ آئمہ سلف اور فقہاء مفسرین سب نے اس کی تصریح کر دی ہے۔ "اس طرح سے قسم پورا ہو جانا یہ مخصوص ایوب علیہ السلام کے ساتھ، اب اگر کوئی ایسی قسم کھاوے تو بدون معنی متبادر کے واقع کیے ہوئے قسم پوری نہ ہوگی۔ البتہ جہاں سزا دینا واجب نہ ہو۔ وہاں قسم توڑ دینا جائز، اور جہاں جائز

وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ

اور ذوالکفل کو بھی یاد کیجئے اور یہ سب اچھے لوگوں میں ہیں و۴۹ ایک نصیحت (کا مضمون) یہ ہوا، اور

لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ

پرہیزگاروں کے لئے اچھا ٹھکانا ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے دروازے ان کے لئے

الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ

کھلے ہوں گے و۵۰ تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے ان (باغوں) میں اور وہ وہاں بہت سے میوے اور پینے

وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾

کی چیزیں منگوائیں گے، اور ان کے پاس نیچی نگاہ والیاں ہم سنیں ہوں گی و۵۱

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا

یہی وہ (نعمت) ہے جس کا تم سے وعدہ روز حساب کے آنے پر کیا جاتا تھا بے شک یہ ہماری عطا ہے، اس کا کہیں

لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾ هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾

خاتمہ ہی نہیں و۵۲ یہ بات ہو چکی و۵۳ اور سرکشوں کے لئے بے شک برا ٹھکانا ہے

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ

یعنی دوزخ اس میں وہ داخل ہوں گے سو وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے یہ (موجود) ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ،

حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا

سو یہ لوگ اس کو چکھیں اور اور بھی اس کی جنس سے طرح طرح کی چیزیں و۵۴ یہ اور ان کی جماعت

فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا

جو تمہارے ساتھ گھس رہے ہیں، ان پر خدا کی مار یہ بھی دوزخ ہی میں

النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ

گھس رہے ہیں و۵۵ وہ کہیں گے نہیں بلکہ تمہارے ہی اوپر خدا کی مار ہو تمہیں تو یہ مصیبت ہمارے آگے لائے و۵۶

ہو وہاں واجب ہوگا۔ اور اس قصہ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ احکام میں ہر جگہ حیلہ جائز ہے۔ اس میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس حیلہ سے کسی حکمت شرعیہ وغرض شرعی کا ابطال مقصود ہو وہ حرام ہے، اور جس میں یہ امر نہ ہو
بلکہ کسی امر مطلوب شرعی کی تحصیل مقصود ہو وہ جائز ہے (تھانوی علیہ الرحمۃ) عن ابن عباس لا یجوز ذٰلک لاحد بعد ایوب الا الانبیاء علیہم السلام (روح) محققین نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ احکام
شرعی کے ابطال کے لئے جواز حیلہ کی کوئی سند اس آیت سے نہیں نکلتی۔ وکثیر من الناس استدل بها علی جواز الحیل وجعلها اصلًا لصحتها وعندی ان کل حیلة اوجبت ابطال حکمة
شرعیة لا تقبل کحیلة سقوط الزکاة وحیلة سقوط الاستبراء (روح) بہت سے لوگوں نے اسے احکام میں حیلہ پیدا کرنے کی اصل ومدار ٹھہرا لی ہے، حالانکہ ہر ایسا حیلہ ناجائز ہے جس سے حکم شرعی کا
ابطال ہو، مثلاً حیلۂ سقوط زکوٰۃ، حیلۂ سقوط استبراء وغیرہا۔ فَاضْرِبْ بِّهٖ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ استدلال کیا ہے کہ شوہر بغرض تادیب بیوی کو سزائے جسمانی دے سکتا ہے۔ وفی هٰذه الاٰیة دلالة علی ان
للزوج ان یضرب امراته تادیباً (جصاص) تضمنت هٰذه الاٰیة جواز ضرب الرجل امراته تادیباً (قرطبی) لیکن یہ بھی محققین نے قصہ ہی سے نکالا ہے کہ سزا محض ہلکی اور تادیب بھر کی ہو اس سے زیادہ
نہ ہو۔ وذٰلک انه لیس للزوج ان یضرب امراته فوق حد الادب (قرطبی) حضرت ایوب کے اس قصہ پر حاشیے سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکے۔ و۴۵ توریت میں جو مناجات ایوبی نقل ہوئی ہے
اس کے آخری الفاظ یہ ہیں:۔ ”میں اپنے ہی سے بیزار ہوں اور خاک اور راکھ پر بیٹھا توبہ کرتا ہوں“ (ایوب۔ ۴۲:۶) نِعْمَ الْعَبْدُ۔ توریت میں ہے ”اور خداوند نے ایوب کی طرف توجہ کی“ (ایوب، ۴۲:۹) جیسے میرے بندے ایوب نے میری بابت حق باتیں کہیں، تم نے نہیں کہیں (ایوب ۴۲:۸) و۴۶ یعنی قوت عملی کے بھی مالک تھے اور قوت علمی کے بھی ...... انبیاء کرام عموماً اپنے تمام قوائے علمی ونظری، عملی، جسمی کے لئے ممتاز رہے ہیں۔ عِبٰدَنَآ۔ اضافت تشریف وتکریم کی ہے، اور عبدیت خالصہ وخاصہ پر دلالت کرتی ہے۔ الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ۔ دونوں اپنے مطلق مفہوم میں ہیں۔ اور ہر قسم کی قدرت، اور ہر قسم کی بینائی کو شامل ہیں۔ جو شایان بشر اور سزاوار پیمبر ہو۔ بعض نے یہ معنی بھی کئے ہیں کہ صاحب قوت تھے۔ نفس اور شیطان اور شیطانی قوتوں کے مقابلہ میں، اور صاحب بصیرت تھے۔ نفس اور فعل اور قلب اور روح کے معاملات میں۔ اور بعض نے اعمال ظاہری وباطنی کی جامعیت مراد لی ہے۔ ای اولی الاعمال الظاهرة والفکر الباطنة (مدارک) و۴۷ خاصان خدا اور مقبولین حق کی اصلی اور امتیازی خصوصیت ان کی یہی یاد آخرت اور اس کا استحضار ہوتا ہے۔ الدَّارِ سے مراد دار الآخرت ہے کہ وہی دار حقیقی ہے۔ وتعریف الدار للعهد فیه اشعار بانها الدار فی الحقیقة وانها الدنیا مجاز (روح) فقہاء اور متکلمین نے آیت سے مسائل ذیل کا بھی استنباط کیا ہے۔ ۱۔ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ فضائل نبوت وہبی ہیں، کسبی نہیں۔ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ اس پر دلیل ہے کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ معصیت کی ہلکی سی آمیزش سے بھی خلوص کامل میں نقص آ جاتا ہے۔ ۲۔ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ سے یہ نکلتا ہے کہ انبیاء مخصوص ومامور ہدایت وحق نمائی ہی کے لئے ہوتے ہیں، دوسرے فنون کا ان سے استفادہ محض ایک ضمنی امر ہے۔ و۴۸ یعنی منتخب مقبولان حق کی صف میں بھی افضل واعلیٰ۔ علماء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ انبیاء بہترین خلق اللہ ہیں۔ اِبْرٰهِيْمَ، اِسْحٰقَ، يَعْقُوْبَ۔ سب پر حاشیے گزر چکے۔ حضرت ابراہیم کے ساتھ ساتھ حضرت اسحٰق ویعقوب کا ذکر انتہائی مدح کے موقع پر ایک اسمٰعیلی نبی کی زبان سے ادا کرنا بجائے خود ایک دلیل آنحضرت کی صداقت کی ہے۔ و۴۹ (نہ کہ جیسا ان کے دشمنوں نے انہیں بدنام کر کے اسرائیلی نوشتوں میں لکھ دیا ہے) اسمٰعیل پر حاشیہ سورۃ البقرۃ (پ۱) میں اور الیسع پر سورۃ الانعام (پ۷) میں اور ذوالکفل پر سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکا۔ الیسع میں ال تعریف کا ہے اصل اسم یسع پر داخل ہوا ہے۔ و۵۰ جنتوں کے دروازے جنتیوں کے انتظار واشتیاق میں پہلے ہی سے کھلے ہوئے ہوں گے۔ انہیں کسی انتظار یا تقاضہ کی نوبت نہ آئے گی۔ و۵۱ یعنی حوریں۔ اور ہو سکتا ہے کہ اہل جنت کی بیویاں بھی مراد ہوں۔ غرض یہ کہ اہل جنت کے لئے مادی
عیش وراحت کے بھی کل سامان موجود ہوں گے۔ اور اس پر عقل سلیم کو اعتراض کی ذرا بھی گنجائش نہیں۔ مادی لذتوں سے لطف اٹھانا بجائے خود ہرگز شریعت اور قانون فطرت کی نظر میں معیوب نہیں۔ مذموم تو ان کی صرف
ناجائز صورتیں ہیں۔ فَاكِهَةٍ پر حاشیہ اوپر گزر چکا۔ کھانے پینے کی ہر لذیذ ومرغوب چیز مراد ہے۔ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ۔ یعنی بجز اپنے مردوں کے اور کسی پر نظر نہ ڈالنے والیاں۔ دنیا میں یہ وصف خاص طور پر محمود سمجھا جاتا
ہے، اس لئے اس کا ذکر جنت کی نعمتوں کے سلسلہ میں بھی کر دیا گیا۔ اَتْرَابٌ۔ محض ہم عمری یا سن وسال میں مطابقت مقصود نہیں، بلکہ شوق وپسند میں ہم آہنگی، عادات وجذبات میں یکسانی، غرض ہر ایسی باہمی مناسبت
مراد ہے جو ازدیاد لطف وموانست کا باعث ہو سکے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ عین موقع ترغیب میں یہ ذکر اس کی دلیل ہے کہ مباح عورتوں کی جانب رغبت نہ حب الٰہی کے منافی ہے نہ کسی اور کمال کے، جیسا کہ
صوفیہ ناقص یا بعض اہل باطل نے سمجھ رکھا ہے۔ و۵۲ رِزْقُنَا میں رزق کی اضافت اپنی جانب کرنا اظہار تکریم وفضائل کے لئے ہے۔ یعنی یہ خاص ہمارا عطیہ ہوگا۔ جسے کسی طرح فنا وزوال نہیں۔ جتنا چاہو کھاؤ پیو۔ جس
قدر چاہو صرف کرو، اڑاؤ، ان نعمتوں کے ذخیرے کم ہی نہ ہونے پائیں گے تو ان کے ختم ہونے کا ذکر ہی کیا۔ جنت کی نعمتیں جس طرح مقدار میں بے نہایت اور تعداد میں بے شمار وعدد ہوتی ہیں، اسی طرح ہر نعمت ابدی،
دائمی اور غیر منقطع بھی ہوگی۔ و۵۳ یعنی یہ بشارتیں اہل سعادت سے متعلق بیان ہو چکیں، اب آگے ذکر اہل شقاوت کا آتا ہے۔ هٰذا خبر والمبتدأ محذوف۔ ای الامر هٰذا او هٰذا کما ذکر (مدارک)

فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا

سو (جہنم) بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے، یہ لوگ دعا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار جو ہمارے آگے یہ (مصیبت) لایا سو

ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿٦١﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ

اسے دوزخ میں دونا عذاب دیجیو اور کہیں گے یہ کیا بات کہ ہم ان لوگوں کو (یہاں) نہیں دیکھتے جنہیں ہم برے لوگوں

مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿٦٢﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ

میں شمار کیا کرتے تھے کیا ہم ہی نے ان کی ہنسی کر رکھی تھی یا ان (کے دیکھنے) سے نگاہیں

الْاَبْصَارُ ﴿٦٣﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾ قُلْ

چکرا رہی ہیں و۵۷ یعنی اہل دوزخ کا آپس میں لڑنا جھگڑنا بالکل سچی بات ہے و۵۸ آپ کہہ دیجیے

اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾

کہ میں تو محض ڈرانے والا ہوں اور خدا تو کوئی بھی نہیں بجز اللہ واحد اور غالب کے و۵۹

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾

(وہی) پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان کی درمیانی چیزوں کا، وہ بڑا زبردست ہے، بڑا بخشنے والا ہے و۶۰

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾ مَا كَانَ

آپ کہہ دیجیے یہ ایک عظیم الشان مضمون ہے جس سے تم (بالکل) بے پروا ہو رہے ہو و۶۱ مجھ کو

لِيَ مِنْ عِلْمٍۭ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى

عالم بالا کی کچھ بھی خبر نہ تھی جبکہ وہ (یعنی فرشتے) گفتگو کر رہے تھے، میرے پاس وحی تو صرف

اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اس لئے آتی ہے کہ میں بس ڈرانے والا (بنا کر بھیجا گیا) ہوں و۶۲ (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب آپ کے

اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿٧١﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ

پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں انسان کو پیدا کرنے والا ہوں گیلی مٹی سے، پھر جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس

و۵۴ یعنی ایسی ہی ناگوار و موجب آزار چیزیں۔ فقرہ کی ترکیب اصل قاعدہ نحوی کے اعتبار سے یوں ہوگی۔ هذا حميم وغساق فليذوقوه۔ غَسَّاقٌ۔ اس کا ترجمہ پیپ قول اکثریت کے مطابق درج کر دیا گیا۔ لیکن اس کے ایک معنٰی ناقابل برداشت حد تک سرد کے بھی ہیں۔ غساق الزمهرير (ابوالبقاء) اور چونکہ مقابل ذکر حمیم (انتہائی گرم) کا آچکا ہے، اس لئے یہاں چسپاں بھی انتہائی سرد، کے معنٰی زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابن جریر نے بھی اس معنٰی کا ذکر کیا ہے، اور بعض تابعین سے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ هو البارد الذى لا يستطاع من بردهٖ (ابن جریر) بارد لا يستطاع او برد لا يستطاع (ابن جریر۔ عن مجاہد) ابرد البرد (ابن جریر۔ عن ضحاک) گویا یہ دونوں صفات پانی ہی کی بیان ہوئیں کہ یا تو وہ انتہائی گرم اور یا انتہائی سرد، غرض دونوں صورتوں میں ایک ناقابل برداشت عذاب۔ قيل الحميم يحرق بحره والغساق يحرق ببردهٖ (کشاف) قال مجاهد ومقاتل هو الثلج البارد الذى قد انتهى برده وقال غيرهما انه يحرق ببرده كما يحرق الحميم بحرّهٖ (قرطبی) اور عجب نہیں کہ گرمی اور سردی کی ان انتہائی صورتوں کے لانے سے اشارہ اہل جہنم کی دنیا میں عادات افراط و تفریط کی جانب ہو۔ اَزْوَاجٌ یہاں اجناس کے معنٰی میں ہے۔ اے اجناس (کشاف) اے اصناف والوان من العذاب (قرطبی) مِنْ شَكْلِهٖ۔ یعنی اس ناقابل برداشت مشروب یا اس عذاب شدید و ناقابل برداشت ہی کی طرح۔ اے من مثل هذا المذوق او العذاب فى الشدة والفظاعة (روح) شكله۔ ضمیر حمیم وغساق کے مجموعہ کی جانب ہے، اور اس لئے بجائے تثنیہ کے واحد ہے۔ و۵۵ یہ کافروں کے سرغنہ اور سردار کہیں گے، جب وہ جہنم میں اپنے پیروؤں کی کسی ٹکڑی کو آتے دیکھیں گے۔ و۵۶ (اور تمہیں نے تو ہمیں بہکایا) یہ مقلدین اور عوام اپنے سرداروں سے کہیں گے۔ و۵۷ دوزخیوں کو اپنے اصل عذاب کے علاوہ ایک عذابی حسرت یہ بھی ہوگی کہ جب دوزخ میں کہیں اہل ایمان کا پتہ نشان نہ پائیں گے جنہیں دنیا میں مستحق صد تحقیر و استہزاء سمجھتے رہتے تھے، تو آپس میں کہیں گے کہ وہ لوگ تو کہیں دیکھ نہیں پڑتے جنہیں ہم دنیا میں اتنا برا سمجھا کرتے تھے۔ کہیں ہماری ہی ہنسی تو سراسر بیجا نہ تھی۔ یا یہ بات ہے کہ وہ ہیں یہیں لیکن ہماری نظر ان پر نہیں جمتی! و۵۸ یہ سرتاسر حقائق ہیں۔ انہیں شاعری یا انشاپردازی سمجھ کر نظر انداز نہ کرو اور ہلکا نہ سمجھو۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی اہل جہنم کے درمیان منازعہ و مخاصمہ۔ اے الذى حكينا عنهم (مدارک) و۵۹ (نعوذ باللہ مجھ میں کوئی شائبہ الوہیت تھوڑے ہی ہے، اور میں کیا کوئی دعویٰ کسی معنٰی میں بھی اپنی خدائی کا کرتا ہوں۔ معبود تو وہی ایک سب پر غالب ہے، اور میں اس کی طرف سے محض تنبیہ کرنے والا) مِنْ اِلٰهٍ۔ من زائدہ، استغراق نفی کے لئے ہے۔ اَلْوَاحِدُ۔ وہ جس طرح اپنی صفات میں یکتا ہے، عددی حیثیت سے بھی یکتا ہے۔ نہ کوئی اس کا ثانی نہ کوئی اس کا اقنوم یا مظہر۔ اَلْقَهَّارُ۔ وہی سب پر حاکم و غالب، اس پر کوئی بھی حاکم و متصرف نہیں۔ اے هو وحده قد قهر كل شىء وغلبه (ابن کثیر) القهر الغلبة والتذليل معًا...... والقهره سلط عليه (راغب) اسم ''قہار'' کو بعض لوگوں نے اردو کے ''قہار'' پر بڑے غصہ ور کے معنٰی میں لیا ہے جو سرتاسر مہمل ہے۔ و۶۰ وہ اپنے ہر ارادہ پر قادر ہے، نیز ہر ایک کی مغفرت پر کوئی قید، کوئی شرط، نہ اس کی قوت و قدرت پر عائد ہوتی ہے نہ اس کی صفت غفاری پر۔ یہ رد ہے ان گمراہ قوموں کا جنہوں نے خدا کی قدرت و قوت کو محدود سمجھا ہے۔ اور یہ عقیدہ پھیلایا ہے کہ وہ ''کرم'' (مکافات) کے قاعدہ کے آگے خود مجبور ہے کسی کو اپنی طرف سے معاف کر ہی نہیں سکتا اور یہ کہ بغیر عوض و کفارہ کے وہ مغفرت سے معذور ہے۔ و۶۱ (اور یہ بے پروائی تمہارے ہی آگے آئے گی) هُوَ۔ یعنی یہی مضمون توحید و رسالت یمکن ان یکون المراد انّ القول بان الاله واحد نبأٌ عظيم و يمكن ان يقال المراد ان القول بالنبوة نبأ عظيم (کبیر) بعض نے هُوَ سے مراد قرآن بھی لیا ہے۔ و۶۲ (اور مجھے اب جو اس کی خبر ہوئی ہے وہ محض وحی کے ذریعہ سے) يَخْتَصِمُوْنَ۔ اللہ سے فرشتوں کی گفتگو میں سوال و جواب تو بہر حال واقع ہوا ہی تھا اس کی اختصام سے تعبیر اسی ظاہری مشابہت کی بناء پر ہے۔ لا شک ان جزى هناک سوال و جواب و ذلک يشابه المخاصمة والمناظرة والمشابهة علة لجواز المجاز فلهذا السبب حسن اطلاق لفظ المخاصمة عليه (کبیر)

مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ

میں اپنی (طرف سے) جان ڈال دوں تو تم اس کے روبرو سجدہ میں گر پڑنا، ف۶۳ چنانچہ سارے کے سارے

كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ

فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ہاں ابلیس نے (نہ کیا) وہ غرور میں آ گیا اور کافروں میں

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا

سے ہو گیا ف۶۴ (اللہ نے) فرمایا اے ابلیس تجھے کس چیز نے اس کے روبرو سجدہ کرنے سے روکا جسے

خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾

میں نے اپنے دست خاص سے بنایا ف۶۵ کیا تو غرور میں آ گیا، یا یہ کہ تو واقعی بڑے درجہ والوں میں سے ہے؟ ف۶۶

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ

وہ بولا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے تو نے گیلی مٹی

طِيْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ

سے بنایا ف۶۷ ارشاد ہوا تو پھر تو یہاں سے نکل، کیوں کہ بے شک تو مردود ہو گیا اور بے شک تجھ پر

لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ

میری لعنت رہے گی قیامت کے دن تک ف۶۸ وہ بولا کہ اے میرے پروردگار تو مجھے لوگوں کے جی اٹھنے کے دن تک

يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ

مہلت دے، ف۶۹ ارشاد ہوا جا تجھے مہلت دے دی جائے گی روز موعود

الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا

تک ف۷۰ بولا کہ مجھ کو بھی تیری ہی عزت کی قسم کہ میں سب کو بہکاؤں گا بجز

عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالْحَقُّ ؗ وَالْحَقَّ

ان میں سے ان بندوں کے جو منتخب کر لیے گئے ہیں ف۷۱ ارشاد ہوا کہ سچ یہ ہے اور سچ تو میں (ہمیشہ)

ف۶۳ خلق آدم، گفتگوئے ملائکہ وغیرہ پر تفصیلی حاشیے سورۃ البقرہ (پ۱) میں گزر چکے اور اس کے بعد بھی سورۃ الاعراف وغیرہ میں۔ سٰجِدِيْنَ۔ سجدہ کے معنی یہاں بطور تواضع محض کے بھی کیے گئے ہیں، اور سجدۂ تعظیمی کے بھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تھا۔ قيل كان انحناء يدل على التواضع و قيل كان سجدة لله او كان سجدة التحية (مدارک) مِنْ رُّوْحِيْ میں اضافت یا تو تملیکی ہے، یعنی ہماری مملوک ومخلوق خاص یا اضافت تشریفی، یعنی وہ روح جو ہماری نسبت سے مکرم ومشرف ہے۔ یا تخصیصی، یعنی وہ زندگی یا جان جس میں ہمارے سوا کوئی دوسرا تعلق نہیں امام رازی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ من روحي میں اللہ نے روح کو اپنی جانب نسبت دے کر اس امر کو ظاہر کر دیا ہے کہ روح ایک جوہر شریف ومعظم ہے۔ و لما اضاف الروح الى نفسه دل على انه جوهر شريف علوى قوى (کبیر) امام رازی علیہ الرحمۃ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلقت انسانی کی تکمیل دو امور پر موقوف ہے، پہلے تسویہ جسد اور پھر نفخ روح پر۔ مِنْ طِيْنٍ "خلق آدم کا مادہ کہیں طین آیا ہے کہیں تراب کہیں صلصال من حمإ مسنون اور ان میں کچھ تعارض نہیں۔ کہیں مادۂ قریبہ بتلا دیا کہیں مادۂ بعیدہ" (تھانوی علیہ الرحمۃ) المادة البعيدة هو التراب و اقرب منه الطين و اقرب منه الحمإ المسنون و اقرب منه الصلصال فثبت انه لا منافاة بين الكل (کبیر) توریت میں ہے:۔ "اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا۔ سو آدمی جیتی جان ہوا"۔ (پیدائش ۲:۷) ف۶۴ (اس صریح نافرمانی کے نتیجہ کے طور پر) عزازیل جس کا لقب بعد کو ابلیس پڑا فرشتہ نہ تھا، جن تھا۔ جیسا کہ سورۃ الکہف میں بصراحت مذکور ہے۔ تعظیم آدم کا حکم جب فرشتوں کو ہوا جو اشرف واعلیٰ تھے تو جنات جو ان سے پست وفروتر تھے اس حکم کے مخاطب بدرجہ اولیٰ ہوئے۔ اِبْلِيْسَ۔ ابلیس پر مفصل حاشیے سورۃ البقر (پ۱) اور سورۃ الکہف (پ۱۶) میں گزر چکے۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ حکم سجدہ سے ضروری نہیں کہ یہی متعارف واصطلاحی سجدہ مراد ہو۔ ہو سکتا ہے کہ مطلق انحناء اور محض تعظیم مراد ہو۔ حاشیے پہلے گزر چکے۔ ف۶۵ یعنی اس کی ایجاد کی طرف خاص عنایت ربانی متوجہ ہوئی۔ یہ تو اس کا شرف فی نفسہٖ ہوا۔ اور پھر اس کے روبرو سجدہ کرنے کا حکم بھی مل چکا (تھانوی علیہ الرحمۃ) بِيَدَيَّ۔ ید کے معنی یہاں قدرت کے بھی کیے گئے ہیں اور نعمت کے بھی۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ جب کوئی سلطان اعظم کسی عمل کو اپنے دست خاص کی جانب منسوب کرتا ہے تو اس سے اس کی مراد عنایت خاص ہوتی ہے۔ تخلیق آدم براہ راست اور بلا واسطہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ قيل لما خلقت بغير واسطة (قرطبی) يدى کے صیغۂ تثنیہ کی توجیہ میں بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ مراد صفات جمال وجلال ہیں۔ اور یہ ام الصفات ہیں۔ صفات لطف وقہر ہی کی ایک تعبیر قوائے ملکوتی وقوائے حیوانی سے بھی کی جا سکتی ہے۔ ف۶۶ (جسے سجدے کا حکم ملنا ہی نہ تھا) اَسْتَكْبَرْتَ۔ استکبار سے مراد یہ ہے کہ واقع میں تو بڑا نہیں تھا، لیکن اپنے کو بڑا سمجھ لیا۔ ف۶۷ (اور آگ اس کے مقابلہ میں عالی ولطیف ہے۔ تو سافل وکثیف کے روبرو عالی ولطیف کیسے جھکے؟) ابلیس احمق اتنا نہ سمجھا کہ اول تو مٹی پر آگ کی ہر جہتی افضلیت واشرفیت ہی مسلم نہیں، اور بالفرض ہو بھی تو کیا کسی مصلحت سے افضل کو غیر افضل، اشرف کو غیر اشرف کے آگے نہیں جھکایا جا سکتا؟— ایک مفسر نے اس حقیقت سے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ ابلیس جب اتنا کج فہم ہے تو انسان کو اس سے ڈرنا ہی کیا، بجز اس کے کہ انسان اپنی قوت ارادی سے کام نہ لے کر خود ہی اپنے کو نور عقل سے محروم کر دے! مناظرہ ابلیس حضرت حق پر اور ابلیسی منطق کی سفاہت پر حاشیے پہلے بھی گزر چکے ہیں۔ ف۶۸ (اور جو اس وقت تک ملعون رہا، اس کے لیے اس کے بعد مغفوریت کا احتمال ہی نہیں) اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ محاورۂ زبان میں دوام اور ہمیشگی کے اظہار کے لیے ہے۔ یہ مراد نہیں کہ قیامت کے بعد ملعونیت مغفوریت سے بدل جائے گی۔ و لا يظن ان لعنته غايتها يوم الدين ثم تنقطع لان معناه ان عليه اللعنة فى الدنيا وحدها فاذا كان يوم الدين اقترن بها العذاب (مدارک) مِنْهَا۔ ضمیر مؤنث غائب جنت کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور سماوات کی طرف بھی۔ اى من الجنة او من السمٰوت (مدارک) ف۶۹ (موت سے) اتنی طویل مہلت زندگی ابلیس نے یہ خیال کر کے مانگی کہ اس وقت تک خوب آدم واولاد آدم سے اپنے مردود ہونے کا انتقام لیتا رہوں۔ ف۷۰ (کر تو بھی اپنے دل کے حوصلے نکال دیکھ) ف۷۱ ابلیس اپنے سارے دم خم، اور اتنے بلند بانگ دعووں کے باوجود حق تعالیٰ کے ان بندوں کے سامنے شروع ہی سے ہار مانے ہوئے ہے جو اپنے کو اس کے اثرات سے بچانے کی فکر واہتمام میں لگے رہتے ہیں اور ان کے حق میں اسے اغواء تک کی ہمت نہیں ہوتی۔ اِلَّا ...... الْمُخْلَصِيْنَ۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے یہاں یہ نکتہ کہا ہے کہ ابلیس نے یہ استثناء کر کے اپنی سچائی کو قائم رکھا۔ یعنی اندھا دھند یہ دعویٰ نہیں کر بیٹھا کہ میں سارے ہی انسانوں کو بہکا لوں گا، بلکہ اللہ کے نیک وپارسا بندوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا۔ تو جھوٹ ایسی گندی چیز ہے جس سے ابلیس تک کو حیا آئی، تو اس مسلمان کی حالت پر حیف ہے جو مومن ہو کر جھوٹ سے پرہیز نہ کرے! و عند هذا يقال ان الكذب شىء يستنكف منه ابليس فكيف يليق بالمسلم الاقدام عليه (کبیر) لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ شیطان اس فقرہ میں اغواء کو اپنی ذات کی جانب منسوب کر رہا ہے۔ گویا مذہب قدریہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ لیکن دوسرے موقعہ پر رب بما اغويتنى کہہ کر اغواء کو حق تعالیٰ کا فعل قرار دے چکا ہے، گویا مسلک جبریہ کا اظہار کر چکا ہے۔ اور دونوں مقولوں کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں وہ حیران ومتردد ہی ہے۔ و هذا يدل انه متحير فى هذه المسئلة (کبیر) لَاُغْوِيَنَّهُمْ۔ لفظ اغواء پر خوب غور کر لیا جائے، اغواء کی حقیقت صرف وسوسہ اندازی کی ہے۔ ابلیس کے بس میں اس سے زیادہ

اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ

کہتا ہی ہوں کہ میں بھی تجھ سے اور ان میں سے جو تیرا ساتھ دیں ان سب سے دوزخ کو

اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ

بھر دوں گا و۲۷ آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس (قرآن) پر کوئی بھی معاوضہ نہیں چاہتا ہوں اور نہ

اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾

میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں و۳۷ یہ (قرآن) تو دنیا جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾ ع

اور تھوڑے ہی دن بعد تم اس کا حال معلوم کر کے رہو گے و۴۷

ع ۵ / ۲۴ / ۱۴

ایاتھا ۷۵ ۳۹ سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ ۵۹ رکوعاتھا ۸

اس کی پچھتر آیتیں سورۂ زمر مکہ میں نازل ہوئی اور آٹھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ

یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے، اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے و۱ بے شک ہم نے آپ کی طرف

اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿۲﴾ ط

(اس) کتاب کو ٹھیک ٹھیک نازل کیا ہے، سو آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کی عبادت کرتے رہیے و۲

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ط وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ

یاد رکھو عبادت خالص اللہ ہی کے لئے ہے، اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور شرکاء

اَوْلِيَآءَ م مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ط اِنَّ

تجویز کر رکھے ہیں (کہ) ہم تو ان کی پرستش بس اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں و۳ بے شک

وقف لازم

کچھ بھی نہیں کہ وہ معصیتوں اور نافرمانیوں کو خوشنما اور خوش رنگ بنا کر پیش کر دے۔ وہ زیادہ سے زیادہ بس یہی کر سکتا ہے، اور اس سے آگے اپنے فخریہ اور تعلّی آمیز دعووں کے وقت بھی نہیں بڑھتا۔
و۲۷ یعنی تو اگر اپنے دعوے میں کامیاب ہو بھی گیا، تو اس میں حق تعالیٰ کا کیا ضرر۔ تو خود اور تیرے چیلے چانٹے، جو بھی تیرا دم بھریں گے خود ہی سزا بھگتیں گے۔ مِنْكَ۔ مراد جنس شیطانی سے ہے۔ ای من جنسک و هم الشیاطین (کبیر) اس سے ملتا ہوا مضمون سورۃ الاعراف (پ۸) میں اور سورۂ ہود (پ۱۲) میں آ چکا ہے۔ وہاں کے حاشیے بھی ملاحظہ کر لیے جائیں۔ و۳۷ (کہ اپنی عادت تصنّع کے مطابق جھوٹا دعوئے نبوت کر رہا ہوں) جھوٹے دعوئے نبوت کے محرک دو ہی ممکن تھے۔ یا جاہ و مال کے قسم سے کسی معاوضہ کا خیال تو اس کی نفی مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ میں آ گئی۔ اور یا محض عادت یا اقتضاء طبعی۔ سو اس کی نفی وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ سے ہو رہی ہے۔ و۴۷ یعنی مرنے کے ساتھ ہی حقیقت کھل جائے گی، لیکن اس وقت نفع کچھ بھی نہ ہوگا۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس سورت میں قرآن مجید کی مدح تین جگہ آئی اور تینوں جگہ اس کو ذکر سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ شروع میں ذی الذکر سے، درمیان میں لیتذکر سے اور آخر میں ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ سے۔ اِنْ...... لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی یہ کلام تو تمہارے ہی نفع کے لیے ہے اور میں اس کی تبلیغ پر مامور و۱ (اور ان رسول کی گڑھی ہوئی نہیں) الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۔ اسم عزیز کا تقاضا تو یہ تھا کہ انکار و تکذیب کرنے والوں کو سزا فوراً مل جاتی۔ اسم حکیم کے تقاضہ نے مہلت طویل کو ممکن کر دیا۔ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ۔ ترکیب نحوی میں مبتدا ہے۔ اور من اللہ خبر۔ و۲ (جیسا کہ اب تک بھی کرتے رہے ہیں) بِالْحَقِّ۔ یعنی حکمت و مقصد کے ساتھ۔ یوں ہی بلا مقصد نہیں۔ اور جائز ہے کہ ب کو سببیہ قرار دے کر معنی یہ کیے جائیں کہ ہم نے یہ کتاب آپ پر تائید حق کی غرض سے نازل کی ہے۔ ای انزلناه بسبب الحق ای اثباته و اظهاره (روح) اَنْزَلْنَآ۔ ابھی ابھی قرآن مجید کے لیے تَنْزِيْلُ آ چکا ہے، جس کے مفہوم میں تدریج داخل ہے، اور اب صیغہ انزال آ گیا جس سے بظاہر دفعۃً نزول معلوم ہوتا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے از خود سوال پیدا کر کے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جہاں انزال آیا ہے وہاں مراد یہ ہے کہ آپ پر کتاب نازل کرنے کا حکم ایک کلی صورت میں ہو گیا۔ اور جہاں تنزیل ہے وہاں مراد یہ ہے کہ واقعۃً و عملاً کتاب کا نزول تدریج کے ساتھ ہوا ہے۔ و۳ (اور باقی ان کی عبادت کو کچھ مقصود بالذات تھوڑے ہی سمجھتے ہیں) مَا نَعْبُدُهُمْ...... زُلْفٰى۔ اس مختصر سے فقرہ کے اندر شرک کا سارا فلسفہ آ گیا ہے۔ حضرات انبیاء کی مسلسل تعلیم و تبلیغ توحید کا اثر دنیا پر یہ پڑا ہے کہ اب کوئی بڑے سے بڑا مشرک فرقہ بھی کھلم کھلا دو یا زائد خداؤں کا قائل نہیں رہا ہے۔ بلکہ ہر ایک اپنے کو مشرک کہلاتے شرمانے لگا ہے اور اپنے شرک کی طرح طرح تاویل کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ تو اب مشرکین کہتے کیا ہیں کہ خدائے عظیم و برتر تو بس ہمارا بھی ایک ہی ہے، لیکن بات یہ ہے کہ کائنات کے ہر ہر شعبہ حیات کا انتظام و تصرف تو الگ الگ دیوی دیوتا یا خدائے اصغر کے سپرد ہے۔ اور ہم تو ان دیوی دیوتاؤں کو محض ایک واسطہ یا وسیلہ اسی معبود اعظم تک رسائی کے لیے بنائے ہوئے ہیں۔ کچھ ہم اس کی توجہ کے منکر تھوڑے ہی ہیں۔ مسیحی و مشرکانہ عقائد کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ یعنی اور کوئی اس کی معبودیت میں شریک نہیں۔ الا لله یفید الحصر و معنی الحصران یثبت الحکم فی المذکور و ینفی عن غیر المذکور (کبیر) وَ الَّذِيْنَ...... اَوْلِيَآءَ۔ آیت کا مضمون ہم مسلمانوں کے بہت ڈرنے کا ہے۔ پیروں، بزرگوں، اولیاء و صالحین کو زندگی کے مختلف شعبوں میں (رزق دلانے میں، شفا بخشنے میں، مقدمہ جتا دینے میں، وغیرہا) حاکم و متصرف سمجھ لینے کا عقیدہ ہمارے اندر بھی کس کثرت و شدت سے شائع ہو گیا ہے! مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خواص باری تعالیٰ میں غیر کے لیے اثبات مطلقاً مذموم ہے۔ اور اس میں ما بالذات او ما بالغیر کا فرق معتبر نہیں''۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ غیر اللہ کی عبادت بہر صورت حرام ہے۔ خواہ بطور توسل اور بہ گمان رضاء الٰہی ہی ہو۔ فقہاء نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ توسل غیر اللہ اگر صرف درجہ تدبیر میں ہو تو بالکل جائز ہے، مثلاً مریض کا دوا پینا، یا اہل حاجت کا حکام و امراء سے رجوع کرنا، لیکن اگر کسی کو فاعل حقیقی، قادر، نافع و ضار سمجھ کر دعا کی یا کرائی، تو یہ صریح حرام ہے۔ صالحین و انبیاء کرام کی تعظیم صرف انہیں طریقوں سے جائز ہے، جن پر دلائل شرعی قائم ہیں۔ خواہ نصاً خواہ استنباطاً۔ فقہائے مالکیہ نے لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ سے یہ استنباط کیا ہے کہ ہر عمل کے لیے نیت عمل واجب ہے۔ خصوصاً وضو کے لیے (قرطبی)

اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۬ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

اللہ ان کے درمیان فیصلہ کردے گا جس بات میں یہ باہم اختلاف کررہے ہیں بے شک اللہ اسے راہ پر

يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴿۳﴾ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ

نہیں لاتا جو جھوٹا ہو، ناشکرا ہو ف۴ اگر اللہ کسی کو اولاد بنانے کا

وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ

ارادہ کرتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا انتخاب کرلیتا وہ پاک ہے ف۵ وہ اللہ

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۴﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ

واحد ہے زبردست ہے ف۶ آسمان اور زمین اس نے حکمت سے پیدا کیے ہیں وہ رات کو

يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ

لپیٹتا ہے دن پر اور دن کو لپیٹتا ہے رات پر اور اس نے سورج

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ

اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک وقت مقررہ تک چلتا رہے گا ف۷ یاد رکھو وہ

الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۵﴾ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ

غالب ہے بڑا بخشنے والا ہے ف۸ اسی نے تم لوگوں کو ایک ذات سے پیدا کیا پھر اسی سے

مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ

اس کا جوڑا بنایا ف۹ اور تمہارے لیے اس نے چارپایوں کے آٹھ (تعداد میں) جوڑے پیدا کیے ف۱۰

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ

وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ میں بناتا ہے ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر تین تین

ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

تاریکیوں میں ف۱۱ یہی ہے اللہ تمہارا پروردگار اسی کی حکومت ہے کوئی خدا بجز اس کے نہیں،

ف۴ (اس لیے کہ وہ یافت حق کا قصد ہی نہیں کرتا) بَیْنَھُمْ۔ یعنی اہل توحید واہل شرک کے درمیان۔ اِنَّ...... یَخْتَلِفُوْنَ۔ یہ فیصلہ یعنی عملی مشاہد فیصلہ اس صورت میں قیامت میں ہوگا کہ اہل ایمان جنت میں جگہ پائیں گے، اور اہل کفر دوزخ میں جھونک دیے جائیں گے۔۔۔ رسول اللہ ﷺ کو تسکین دی گئی ہے کہ آپ ان اہل باطل کی ہٹ دھرمی پر زیادہ غم وفکر نہ کریں انہیں قیامت کے دن پوری سزا مل کررہے گی۔ کٰذِبٌ کَفَّارٌ۔ یعنی زبان پر عقیدۂ باطل، اور دل سے عقیدۂ کفریہ کا قائل۔ صوفیہ نے کہا ہے کہ اس میں اس شخص کے لیے بھی تہدید نکل آئی، جو اپنے لیے ولایت کے کسی مرتبہ کا جھوٹا دعوی کرتا ہے، اور لَا یَھْدِیْ میں اس کے حرمان کی طرف اشارہ ہے۔ علماء محققین نے کہا ہے کہ توفیق الٰہی مومن راستباز کے لیے ہے، نہ کہ کافر حیلہ باز کے لیے۔ ف۵ (کہ اس کو کسی ارادہ کی ضرورت لاحق ہو) انسان کو اولاد کی ضرورت اور خواہش جن جن اغراض سے بھی ہوتی ہے، حق تعالیٰ ان سب سے پاک وبرتر ہے۔ ف۶ اسم اَلْوَاحِدُ میں اشارہ ہے توحید ذاتی کی طرف اور اَلْقَھَّارُ میں توحید صفاتی کی جانب۔ اردو میں قہر اور قہار، غضب اور غضبناک کے مرادف سمجھے جاتے ہیں، عربی میں اَلْقَھَّارُ غالب وزبردست کے معنی میں ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ واحد بھی ایک اور یکتا ہے، اور چونکہ کوئی اس جیسا غلبہ وقوت والا نہیں۔ اس لیے کسی میں صلاحیت بھی اس کے شریک بننے کی نہیں۔ ف۷ آسمان، زمین، رات، دن، سورج وچاند، سب اس کے مخلوق اور سرتاسر اس کے تابع ومحکوم ہیں۔ معبود یا دیوی دیوتا بننے کی صلاحیت ان میں سے ذرہ بھر بھی کسی میں نہیں۔۔۔ مشرک قوموں نے ان سب کی پوجا کی ہے۔ بِالْحَقِّ۔ متکلمین نے کہا ہے کہ یہ کارگاہ عالم بطور حقائق امور کے ہے بطور وہم وشک کے نہیں، جیسا کہ فلاسفہ سفسطائیہ کا مسلک ہے۔ ف۸ اسم عزیز کے تقاضہ سے ہر وقت ہر سزا پر قادر۔ اور اسم غفار کے تقاضہ سے ہر پچھلے کفر وطغیان کو معاف کرنے والا۔ بہرصورت مشرکوں کے دیویوں دیوتاؤں کی طرح معذور، مجبور، پابند کسی حال میں نہیں۔ ف۹ یعنی حضرت حوا، زوج آدم کو پیدا کیا۔ مِنْھَا۔ یعنی اسی ذاتِ واحد سے۔ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ۔ آیت میں خطاب عام نسل انسانی کو ہے۔ ''دانایانِ فرنگ''، جن کی ہر دانائی پر نادانی خندہ زن ہے، مدتوں اسی میں سرگرداں رہے کہ نسل انسانی کا مورث کوئی ایک ہی ہے، یا مختلف ومتعدد ہیں۔ اور اب کہیں جاکر وحدتِ نوع کے قائل ہوئے ہیں۔ قرآن حکیم نے صدیوں پیشتر یہ فیصلہ ناطق سنا دیا تھا کہ گورے اور کالے، مشرقی اور مغربی زرد اور سرخ سب ایک ہی مورث کی اولاد ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔۔۔ نیز ملاحظہ ہو سورۃ النساء (پ۴) ف۱۰ یعنی بھیڑ اور بکری، اونٹ اور گائے کے نر ومادہ کل آٹھ ہوئے۔ ف۱۱ (اور یہ سب اس کے حکیم ہونے کے شواہد ودلائل ہیں) فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ۔ جنین خود ایک جھلی کے اندر رہتا ہے، جھلی رحم کے اندر ہوتی ہے، اور خود رحم شکم کے حصہ زیریں میں چھپا ہوا ہے، یہ تین تین پردے اور تاریکیاں ہوئیں۔۔۔ ضلع الہ آباد کے قریب کے رہنے والے ایک نامور وممتاز ہندو ڈاکٹر جن کا انتقال ابھی چند سال ہوئے ہوا ہے، خاص شہر الہ آباد میں مطب کرتے تھے۔ ان کے متعلق ایک معتبر راوی نے بیان کیا کہ وہ درپردہ مسلمان ہوگئے تھے۔ اور قرآن کی صداقت کے قائل اسی آیت کی بنا پر ہوگئے تھے۔ کہتے تھے کہ ایک امی عرب کے لیے اس ...ہری طبی حقیقت سے، آج سے تیرہ چودہ سو برس پہلے واقف ہوجانا ناممکن تھا۔ فِیْ بُطُوْنِ۔ بطن کے معنی پیٹ کے ہیں، یعنی اس بڑے جوف یا ظرف کے، جس میں رحم، انثیین رحم، احشاء، امعاء سب کچھ ...ال ہیں۔ سیاق میں اس لفظ کی وسعت قابل غور ہے۔ تاریکیوں یا تغیرات جنین کا تعلق رحم سے ہو یا ملحقاتِ رحم سے۔ جدید وقدیم طبی تحقیقات کے ماتحت جو کچھ بھی ہوتا ہے سب بطن ہی کے حدود کے ...در ہوتا ہے۔ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ۔ ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت، ایک تغیر کے بعد دوسرا تغیر، جو شخص بھی جنین کے تغیرات سے واقف ہے، اس پر روشن ہے کہ نو مہینہ تک کتنے تغیرات ہر روز ہوا ...رتے ہیں۔

فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝٦ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا

سو تم کہاں پھرے چلے جا رہے ہو ف۱۲ اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تمہارا حاجت مند نہیں ف۱۳ اور نہ

يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۭ

وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند کرتا ہے، اور اگر تم لوگ شکر کرو گے تو وہ اسے تمہارے لئے پسند کرتا ہے ف۱۴

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ

اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا ف۱۵ پھر تمہیں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

جانا ہو گا سو وہ تم کو تمہارے (سارے) اعمال بتلا دے گا بے شک وہ دلوں تک کی باتوں کا

الصُّدُوْرِ ۝٧ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ

جاننے والا ہے ف۱۶ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے پروردگار کو اسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتا ہے،

ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ

پھر جب اللہ اس کو اپنے پاس سے نعمت عطا کر دیتا ہے تو پیشتر جس کے لئے (اس کو) پکار رہا تھا

قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعْ

بھول جاتا ہے اور اللہ کے شریک بنانے لگتا ہے، جس سے وہ اللہ کی راہ سے (دوسروں کو بھی) گمراہ کرتا ہے، آپ کہہ

بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ڰ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝٨ اَمَّنْ هُوَ

دیجیے کہ اپنے کفر کا مزہ کچھ دن اور اٹھا لے، تو دوزخیوں میں سے تو ہونے والا ہی ہے ف۱۷ بھلا جو شخص

قَانِتٌ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَاۗىِٕمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا

رات کے اوقات میں سجدہ و قیام کی حالت میں عبادت کر رہا ہو، آخرت سے ڈر رہا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت کی

رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ

امید کر رہا ہو ف۱۸ آپ کہیے کہ کیا علم والے اور بے علم کہیں برابر بھی

ف۱۲ (اے مشرکو!) یعنی معبودیت و مالکیت، حاکمیت سب اسی کی ہے۔ کسی اور میں اس کی صلاحیت ہی کہاں ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ یہ جتنے تغیرات خلقت انسانی سے متعلق بیان ہوئے ان میں قطعاً کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں۔ ف۱۳ اس میں بھی رد ہے ایک مشرکانہ عقیدہ کا، بہت سی جاہلی قوموں کا اعتقاد رہا ہے کہ ان کے ٹھاکر اور دیوتا خود اپنے پجاریوں کی پوجا اور بھینٹ کے محتاج ہیں، اور یہ اختیار میں پجاریوں کے ہے کہ جسے چاہیں دیوتا بنا لیں، اور جب جسے چاہیں اس منصب سے معزول کر دیں۔ ف۱۴ مشیت الٰہی کا قانون تکوینی دوسرا ہے، یہاں بیان مرضیات الٰہی کے قانون تشریعی کا ہو رہا ہے۔ بندوں ہی کے نفع و مصلحت کی خاطر حق تعالیٰ کو پسند صرف طریق ایمان ہے۔ طریق کفر سر تا سر ناپسند اور نامقبول ہے۔ وَاِنْ تَشْكُرُوْا۔ مراد طریق توحید و ایمان ہے۔ ف۱۵ (قیامت میں) اور دنیا میں بھی کافر کا کفر کسی دوسرے تک متعدی نہیں ہوتا ہے۔ اسی کی ذات تک رہتا ہے۔ بیان لعدم سرایة کفر الکافر الی غیرہ (روح) آیت عقیدۂ کفارہ کی بھی تردید کر رہی ہے، جس پر مسیحیت کا دارومدار ہے۔ ف۱۶ (اس کے لیے تمہارے ظاہر و باطن دونوں پر اطلاع کامل کیا دشوار ہے) ف۱۷ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ۔ آیت میں انسان سے مراد ناشکر گزار، کافر و مشرک قسم کا انسان ہے۔ کہ جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے جب تو وہ اخلاص کے ساتھ توحید کا قائل ہو جاتا ہے اور اللہ کو پکارنے لگتا ہے۔ اور جب وہ تکلیف دور ہو جاتی ہے اور اس کی بجائے نعمت راحت و امن اُسے مل جاتی ہے، تو وہ اپنی اس تکلیف کو بھول بھال کر نہ صرف یہ کہ خود بدستور پھر گمراہی میں پڑ جاتا ہے، بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے لگتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے مہلت چندروزہ ہے اور انجام کار دوزخ ہے۔ الظاهر ان الانسان هنا جنس الکافر (بحر) ف۱۸ (کہیں ایسا شخص اور مشرک برابر ہو سکتے ہیں؟) مراد ایسے شخص سے ہے جس کے عقائد بھی درست ہوں، اور اعمال بھی، باطن بھی آراستہ ہو اور ظاہر بھی، عقائد میں وہ توحید اور یوم جزاء پر ایمان رکھتا ہو۔ اور اعمال میں یہ کیفیت ہو کہ رات جو عموماً غفلت کا وقت ہوتا ہے، اس وقت بھی وہ سجود و قیام یعنی نماز و عبادت میں مشغول ہو۔ خلاصہ یہ کہ تمام آداب معبودیت کی ادائی کا اہتمام رکھتا ہو۔ بلا قصور و بلا فتور ظاہراً بھی باطناً بھی۔ يَحْذَرُ ...... رَبِّهٖ۔ مقام خوف پر نام صرف آخرت کا آنے، اور محل رجاء میں رب کا ذکر آنے سے محققین عارفین نے یہی سمجھا ہے کہ حضرت حق میں رجا کا پہلو خوف پر غالب رہنا چاہیے۔ هذا یدل علی ان جانب الرجاء اکمل و الیق بحضرة الله تعالیٰ (کبیر)

لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ؑ ﴿۹﴾ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ

ہوتے ہیں؟ نصیحت تو بس وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں و۱۹ آپ کہ دیجیے اے میرے ایمان والے

اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا

بندو اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو، جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے

حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ

نیک صلہ ہے اور اللہ کی زمین فراخ ہے و۲۰ ثابت قدم رہنے والوں کو بھی

اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ

اجر بے شمار ملے گا و۲۱ آپ کہ دیجیے کہ مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ میں اللہ کی عبادت خالص

مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۙ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ

اسی کی عبادت کرتے ہوئے کروں، اور مجھے یہ بھی حکم ملا ہے کہ میں سب مسلمانوں میں

الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ

اول ہوں، و۲۲ آپ کہ دیجیے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو (اپنے لئے) ایک عظیم الشان دن کے

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ

عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں و۲۳ آپ کہ دیجیے میں اللہ کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ اپنے دین کو اس کے لئے

دِيْنِيْ ۙ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ

خالص رکھتا ہوں، سو تمہارا دل جس چیز کو چاہے عبادت کرو اللہ کو چھوڑ کر و۲۴ آپ کہ دیجیے

الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ

کہ پورے زیاں کار وہی لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے روز خسارہ

الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ

میں پڑے یاد رکھو کہ یہی صریح خسارہ ہے و۲۵ ان کے لئے اوپر سے بھی

ع ۱۵

و۱۹ (اور جو اپنی عقل وفہم کو کام ہی میں نہیں لانا چاہتے، وہ ساری حکمتوں اور دانائیوں کو سنی اَن سنی کر دیتے ہیں) الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ محاورۂ قرآنی میں علم سے مراد علم حقائق سے ہوتی ہے، اور بے علمی سے مراد اسی علم سے محرومی ہے۔ علم سے قرآن مجید نے کہیں بھی وہ چیزیں مراد نہیں لی ہیں جنھیں دنیا میں علوم وفنون کہا جاتا ہے۔ الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ کا لفظ قانت اور ساجد اور قائم کے لیے آیا ہے، یعنی ان لوگوں کے لیے جو صاحب عمل ہوتے ہیں، اور اس کے مقابلہ میں جو لوگ بے عمل ہوتے ہیں انھیں الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ عمل کی کتنی فضیلت اسلام میں ہے۔ اور جو لوگ صرف علم پر، بلا عمل قانع رہتے ہیں، انھیں قرآن بے علم یا جاہل ہی قرار دیتا ہے۔ و هو تنبيه على ان من لم يعمل فهو غير عالم (کشاف۔ کبیر) و فيه ازدراء عظيم بالذين يقتنون العلوم ثم لا يقتنون و يفتنون فيها ثم يفتنون بالدنيا فهو عندالله جهلة (کشاف۔ کبیر) و۲۰ (اس لیے اگر کسی خاص سرزمین میں احکام دین پر عمل کا موقع نہیں ملتا تو ترک وطن کر کے کسی اور ملک میں چلے جاؤ۔) لِلَّذِيْنَ...... حَسَنَةٌ ۔ یہ صلۂ نیک آخرت میں تو ملتا ہی ہے، باقی دنیا میں بھی نیک کاروں کو تسکین وراحت خاطر کی حد تک ضرور مل جاتا ہے۔ يَا...... رَبَّكُمْ ۔ یہ تقویٰ اختیار کرنے کا حکم کن کو مل رہا ہے؟ ان کو جو پہلے ہی سے مومن ہیں۔ اور یہ خود ایک قوی دلیل ہے (معتزلہ وخوارج کے خلاف) اس حقیقت پر کہ ایمان، عدم تقویٰ یا فسق یا معصیت کے ساتھ جمع رہ سکتا ہے۔ هذا من ادل الدلائل على ان الايمان يبقى مع المعصية (کبیر) و ذلک يدل على ان الفسق لايزيل الايمان (کبیر) و۲۱ اِنَّمَا کے کلمۂ حصر سے یہ نکتہ نکالا گیا ہے کہ بلا صبر کے کوئی اجر نہیں، اور ہر اجر کے مقابلہ میں کوئی نہ کوئی درجہ صبر کا تو بہر حال ہونا چاہیے — اور ہر عمل عبادت میں نفس کی آزادی پر صبر ومجاہدہ کا بند کسی درجہ میں تو لگا نا ہوتا ہی ہے۔ الصّٰبِرُوْنَ ۔ یعنی دین پر ثابت قدم رہنے والوں کو — ابھی ذکر ہجرت کا تھا۔ لیکن کوئی مہاجر ایسا نہیں جسے شدید صعوبتوں کے اندر سے ہو کر نہ گزرنا پڑتا ہو۔ اس لیے معاً ذکر ان کے اجر اور اجر بے حساب کا کر دیا گیا۔ والمراد الذين صبروا على مفارقة اوطانهم و عشائرهم و على تجرع الغصص و احتمال البلايا فى طاعة الله تعالىٰ (کبیر) و۲۲ دو حکموں کا ذکر ہے۔ پہلا حکم بلا شائبۂ شرک خالص توحیدی عبادتوں کا ہے۔ یہ حکم بحیثیت مسلم کے ملا۔ دوسرا حکم مسلمین میں سب سے اول ہونے کا بحیثیت نبی ہونے کا ملا۔ و۲۳ یعنی یوم قیامت کے عذاب کا۔ پیغمبر تو معصوم ہوتے ہیں، جن سے ترک توحید کا احتمال ہی نہیں، تو جب اندیشۂ عذاب ان تک کے لیے ہے تو امت کے غیر معصوموں کا ظاہر ہے کہ کیا ذکر ہے۔ اِنِّيْٓ اَخَافُ ۔ الفاظ سے یہ نکتہ بھی پیدا کیا گیا ہے کہ معصیت پر جو شے لازمی طور پر مرتب ہوتی ہے وہ اندیشۂ عذاب ہے نہ کہ نفس عذاب۔ دلت الأية على ان المرتب على المعصية ليس حصول العقاب بل الخوف من العقاب (کبیر) و۲۴ (قیامت کے دن اس کا انجام آپ ہی دیکھ لوگے) ظاہر ہے کہ یہ پورا فقرہ تہدید کے لہجہ میں ہے، یہ مراد نہیں کہ مشرکوں کو اختیار دیا جا رہا ہے۔ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۔ یعنی اسی کے حکم کے مطابق، بلا شائبۂ شرک۔ محققین نے کہا ہے کہ اس سے وجوب عبادت واخلاص دونوں کا ثابت ہوتا ہے اخلاص بلا عبادت روح بے جسد ہے، اور عبادت بلا اخلاص جسد بے روح و۲۵ (کہ آخری فیصلہ کے دن خسارہ ہو۔ اور جان ومتعلقین جو دنیا میں نفع وراحت وتمتع کا ذریعہ رہتے ہیں، وہ قیامت کے دن ذرا بھی یہ کام نہ دے سکیں گے) اَلَا...... الْمُبِيْنُ ۔ یہاں خسران کی شدید تاکید ملحوظ رہے، ایک تو فقرہ کی ابتداء ہی کلمۂ تنبیہ سے کی، پھر خسران کو معرفہ بنا کر الْخُسْرَانُ کیا، اور پھر وصف مبین کا اضافہ کیا۔ الْخٰسِرِيْنَ ۔ سے مراد ہر جہتی خسران کامل اٹھانے والوں سے سمجھی گئی ہے۔ اے الكاملين فى الخسران الجامعين لو جوهه و اسبابه (کشاف)

فَوۡقِهِمۡ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ
آگ کے محیط شعلے ہوں گے اور ان کے نیچے سے بھی محیط شعلے ہوں گے یہ وہی (عذاب) ہے

يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوۡنِ ﴿۱۶﴾ وَ الَّذِيۡنَ
جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے ف۲٦ اے میرے بندو مجھ سے ڈرو ف۲۷ اور جو لوگ

اجۡتَنَبُوا الطَّاغُوۡتَ اَنۡ يَّعۡبُدُوۡهَا وَ اَنَابُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ
اس سے بچے رہتے ہیں کہ شیطان کی پرستش کریں اور اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں ان کے لئے

الۡبُشۡرٰى ۚ فَبَشِّرۡ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيۡنَ يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ
بشارت ہے، سو آپ بشارت دے دیجیے میرے انہیں بندوں کو جو (اس) کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں،

فَيَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ
پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں ف۲۸ یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی

وَ اُولٰٓئِكَ هُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنۡ حَقَّ عَلَيۡهِ كَلِمَةُ
اور یہی ہیں جو ذی عقل ہیں ف۲۹ بھلا جس پر عذاب کی بات تحقق

الۡعَذَابِ ؕ اَفَاَنۡتَ تُنۡقِذُ مَنۡ فِى النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰكِنِ الَّذِيۡنَ
ہو چکی تو کیا آپ ایسے شخص کو جو دوزخ میں ہوگا، چھڑا سکتے ہیں؟ ف۳۰ البتہ جو لوگ

اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ لَهُمۡ غُرَفٌ مِّنۡ فَوۡقِهَا غُرَفٌ مَّبۡنِيَّةٌ ۙ تَجۡرِىۡ
اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں ان کے لئے بالاخانے ہیں جن کے اوپر بنے بنائے (تیار) بالاخانے ہیں ان کے نیچے

مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخۡلِفُ اللّٰهُ الۡمِيۡعَادَ ﴿۲۰﴾
نہریں چل رہی ہیں (یہ) اللہ کا وعدہ ہے (اور) اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ف۳۱

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيۡعَ فِى
کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اسے زمین کے سوتوں میں داخل

ف۲٦ (اور اس سے بچنے کی تدبیریں بتاتا ہے۔ تاکہ وہ عذاب سے بچے رہیں) ظُلَلٌ کے لفظی معنی سائبان کے ہیں۔ سائبان کا اوپر ہونا ظاہر ہے سائبان کا نیچے ہونا اس معنی میں ہے کہ وہ اس سے نیچے والوں کے حق میں سائبان ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ اہل جہنم ہر طرف سے آگ میں گھرے ہوں گے۔ اوڑھنا بچھونا سب آگ کا ہوگا۔ ف۲۷ یعنی دین حق پر عمل کرو تاکہ ہر عذاب سے محفوظ رہو۔ ف۲۸ (اور اس کی سب باتیں اچھی ہی ہیں) يَسۡتَمِعُوۡنَ۔ استماع کے معنی سمجھنے کے طور پر سننے کے ہیں۔ الۡقَوۡلَ سے مراد کلام حق ہے۔ اَحۡسَنَهٗ۔ احسن سے یہاں مراد حسن ہے۔ لَهُمُ الۡبُشۡرٰى۔ ترکیب کلام سے معنی حصر کے پیدا ہوگئے ہیں۔ یعنی بشارت ایسوں ہی کے حق میں ہے۔ سب کے لیے نہیں ہے۔ اے لهم لا لغير هم (کبیر) الۡبُشۡرٰى۔ ال بھی اسی حصر کی تاکید مزید کے لیے ہے۔ ان هذه الماهية بتمامها لهؤلاء و لم يبق منها نصيبٌ لغيرهم (کبیر) الطَّاغُوۡتَ۔ طاغوت ہر وہ ہستی ہے جو طغیان میں حد سے تجاوز کر جائے مراد یہاں شیطان یا شیاطین سے لی گئی ہے۔ فسره هنا بالشيطان مجاهد و يجوز تفسيرها بالشياطين جميعاً (روح) ف۲۹ قرآن مجید نے بار بار اہل عقل و فہم انہیں کو قرار دیا ہے جو راہ ہدایت اختیار کرتے، اور اس پر قائم رہتے ہیں — واقعہ ہے بھی یہی کہ جن لوگوں کو اپنی نجات کی فکر تک نہ ہو، اور دل میں تحقیق حق کا اہتمام ہی نہ ہو، انہیں عقل کے مبادی سے بھی بہرہ ور کیسے تسلیم کیا جائے۔ اُولٰٓئِكَ...... اللّٰهُ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی اپنی طرف سے حصول ہدایت کا اہتمام رکھتا ہے، اس پر راہ ہدایت ضرور کھل جاتی ہے۔ ف۳۰ مطلب یہ ہوا کہ جو ایمان کا قصد ہی نہ کرے، اور اپنے کو اسباب ہلاکت سے بچانے کی فکر ہی نہ رکھے۔ اسے ایمان پر مجبور کر دینا، اور اسے نقطہ ایمان پر لے آنا آپ کے امکان و اختیار ہی سے خارج ہے۔ اور ایسے شخص پر تاسف و تردد ہی بے کار ہے۔ ف۳۱ یہ تصریح اس لیے بھی ضروری تھی کہ مشرک قوموں میں دیوی دیوتاؤں پر ایفاء عہد مطلق واجب نہ تھا۔ لٰكِنِ۔ لکن یہاں بطور حرف استدراک کے کسی قول سابق کی تردید کے لیے نہیں بلکہ ایک دوسری بات شروع کرنے کے لیے آیا ہے۔ لكن ليس للاستدراک لانه لم يات نفى بل هو لترک قصة الى قصة مخالفة للاولىٰ (قرطبی)

الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ

کر دیا پھر وہ اس کے ذریعہ سے کھیتیاں پیدا کرتا ہے جس کی مختلف قسمیں ہیں پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے

فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى

سو تو اس کو زرد دیکھتا ہے، پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے اس (نمونہ قدرت) میں بڑی نصیحت ہے

لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۟ؑ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ

اہل عقل کے لئے ف۳۲ سو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا، اور وہ

عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ

اپنے پروردگار کے نور پر چل رہا ہے (کیا ایسا شخص اور اہل قساوت برابر ہو سکتے ہیں؟) سو بڑی خرابی ان لوگوں کے لئے ہے جن

اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۟ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ

کے دل اللہ کے ذکر کی طرف سے سخت ہیں، یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہیں ف۳۳ اللہ نے بہترین کلام نازل

الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ

کیا ہے ایک کتاب باہم ملتی جلتی ہوئی اور بار بار دہرائی ہوئی ف۳۴ اس سے ان لوگوں کی جلد

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ

جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، کانپ اٹھتی ہے پھر ان کی جلد اور ان کے قلب اللہ کے ذکر کے لئے نرم

اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

ہو جاتے ہیں ف۳۵ یہ اللہ کی (طرف سے آئی ہوئی) ہدایت ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت کر دیتا ہے،

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۟ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ

اور اللہ جسے بے راہ کر دے اس کے لئے ہادی کوئی نہیں ف۳۶ بھلا جو شخص قیامت کے دن

بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ

عذاب سخت کو اپنے چہرہ پر لے گا، اور (ایسے) ظالموں سے کہا جائے گا کہ

ف۳۱ اس آغاز اور اس انجام پر انسان غور کرے تو ایک کھلا ہوا نمونہ تو حیاتِ انسانی کے آغاز و انجام کا مل جاتا ہے۔ زندگی کے کیسے کیسے دور گزرتے ہیں، لیکن سب کا انجام وحاصل فنا، آخر فنا!۔۔۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ ان میں ایک ایک تغیر کتنی حکمتوں کا نتیجہ ہوتا ہے، اور پھر آخری تغیر کتنی زبردست حکمت اور کاریگری پر دلیل ہے۔ السَّمَآءِ۔ سابق کے حاشیوں میں کئی بار یہ امر صاف کیا جا چکا ہے، کہ السَّمَآء کی وسعت مفہوم کا کوئی لفظ اردو میں موجود نہیں۔ بارش کے سلسلہ میں جہاں جہاں یہ لفظ قرآن میں آیا ہے، بے تکلف معنی بادل کے لیے جا سکتے ہیں۔۔۔ سماء عربی میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں، جو انسان کے اوپر واقع ہو، یہاں تک کہ مکان کی چھت بھی۔ مَآءً۔۔۔۔ الْاَرْضِ۔ یہ پانی وہی ہے جو کنوؤں اور چشموں کے ذریعہ سے انسان کے کام میں آتا ہے۔ حُطَامًا۔ یہ وہی چیز ہے جسے ہماری زبان میں بھوسا کہتے ہیں۔ ف۳۳ پہلا شخص وہ ہے جو ہدایت کے مقتضی پر چل رہا ہے، اور یقین صحیح پیدا کر کے اس کے مطابق عمل کر رہا ہے۔ دوسرا وہ ہے جو کھلے ہوئے دلائل وشواہد کے باوجود ایمان نہیں لاتا اور اس سے بڑھ کر اس کے قساوتِ قلب کی مثال اور کیا ہوگی۔ اَفَمَنْ۔۔۔۔ رَّبِّهٖ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی کی روایت میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی تو ہم نے عرض کی، کہ یا رسول اللہ! یہ شرح صدر کیونکر ہوتا ہے؟ فرمایا جب دل میں نور داخل ہو۔ عرض کی کہ اس کی کیا علامت ہے؟ ارشاد ہوا کہ دار الخلود یا باقی کی طرف رغبت واستقامت، اور دار الغرور یا فانی کی طرف سے بے التفاتی اور موت کی طرف آمادگی۔ (معالم) فَوَيْلٌ۔ اس بڑی خرابی کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ۔ یہ قساوت قلب، شرح صدر کے مقابلہ میں آئی ہے، رقت قلب کی طبعی کمی یا فقدان کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ شرح صدر کے جو خصوصیات بتائے گئے اس قساوت میں اس کے برعکس پیدا ہو جاتے ہیں۔ محققین نے آیت کے مضمون سے دو نکتے اور پیدا کیے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر مومن کسی درجہ میں بھی سہی، بہر حال صاحب معرفت ونور ہے۔ دوسرے یہ کہ جس اسلام سے معرفت ونورانیت پیدا ہوتی ہے۔ وہ، وہ ہے جو شرح صدر یعنی رغبت تام اور یقین کامل کے ساتھ ہو، نہ وہ جو منافقت یا جبر یا وہم وعادت کا ثمرہ ہے۔ ف۳۴ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ۔ اس میں اس دعوے کا اثبات ہے کہ قرآن مجید بہترین کلام ہے۔ کوئی دوسرا کلام اس کی ٹکر کا نہیں، نہ باعتبار لفظ و عبارت، نہ بلحاظ معنی ومفہوم۔ كِتٰبًا۔ اس کلام کا نزول گو بتدریج کہیں ۲۲۔۲۳ سال میں ہوا، تاہم اس پر اطلاق ایک کتاب ہی کا رہا۔ مُّتَشَابِهًا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت، اجر، برکت معنویت کے لحاظ سے یہ کلام شروع سے آخر تک یک رنگ اور آپس میں ہم رنگ ہے۔ مَّثَانِيَ۔ اس کے اندر احکام واخبار، مسائل وحکایات بار بار تکرار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں کہ کسی کو عذر قصور فہم وسمع کا نہ رہے۔ ف۳۵ یعنی وہ کتاب اللہ پر عمل کرنے لگتے ہیں اور اعمال قلب و اعمال جوارح میں خشوع وانقیاد کے ساتھ مشغول ہو جاتے ہیں۔ تَقْشَعِرُّ۔۔۔۔۔ رَبَّهُمْ۔ محققین نے تصریح کر دی ہے کہ یہ مطلق خوف سے کنایہ ہے۔ یہ لازمی نہیں کہ خوف کے آثار جسم پر بھی اس طرح نمایاں ہونے لگیں۔ محض عقلی وایمانی خوف کافی ہے۔ امام غزالی علیہ رحمۃ اللہ نے اپنی مشہور محققانہ کتاب احیاء علوم الدین میں لکھا ہے کہ بہت سے صوفیہ ایسے ہیں جن پر شاعروں کا کلام سن کر وجد طاری ہو جاتا ہے، اور قرآن مجید کی آیتوں سے نہیں ہوتا، اور اس کے بعد ان لوگوں کی اس کیفیت کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ اس جانب اشارہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

وانا اقول ان خلقت محروماً عن هٰذا المعنی فانی کلما تاملت فی اسرار القرآن اقشعر جلدی و وقف شعری و حصلت فی قلبی دهشة و روعة و کلما سمعت تلک الاشعار غلب الهزل علی وما وجدت البتة فی نفس منها اثر و اظن ان منهج القویم و صراط المستقیم هو هٰذا (کبیر)

لیکن میں کہتا ہوں کہ میں تو اس تاثر سے خلقۃً محروم ہوں۔ میں نے تو جب جب مطالب قرآنی پر غور وتدبر سے کام لیا، جبھی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور دل کے اندر خشیت وہیبت ہی پیدا ہو گئی اور جب جب شاعروں کا کلام سنا تو دل اچاٹ ہو گیا اور طبیعت ذرا متاثر نہ ہوئی اور میں سمجھتا ہوں کہ صراط مستقیم اسی (قرآن) کا نام ہے۔

ف۳۶ یعنی حق تعالیٰ کی مشیت تکوینی پر غالب اور اس پر حاکم اور کوئی قانون نہیں۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ۔ اوپر کئی بار گزر چکا کہ اضلال کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب صرف تکوینی حیثیت سے، یا بحیثیت علت العلل (مسبب الاسباب) کے ہوتی ہے۔ ہدایت یاب اور گمراہ دونوں کی مثالیں ابھی اوپر کی آیتوں میں گزر چکی ہیں۔

ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

جو کچھ تم کیا کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو (تو کیا ایسا شخص اور جو ایسا نہ ہو برابر ہو سکتے ہیں؟) ف۳۷ ان کے قبل والوں نے بھی

فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ

(حق کو) جھٹلایا سو ان پر عذاب ایسے طور پر آپڑا کہ ان کو گمان بھی نہ تھا ف۳۸ سو اللہ نے انہیں دنیوی زندگی میں

الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ

رسوائی کا مزہ چکھا دیا اور آخرت کا عذاب تو اور سخت ہے

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا

کاش یہ لوگ سمجھ جاتے ف۳۹ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے لئے ہر قسم کے مضمون

الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ ۚ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

بیان کر دیئے ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کرتے رہیں قرآن واضح

غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا

جس میں کوئی کجی نہیں تاکہ لوگ ڈرتے رہیں ف۴۰ اللہ مثال بیان کرتا ہے کہ

رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ

ایک شخص ہے جس میں کئی ساجھی ہیں آپس میں باہم ضد رکھنے والے اور ایک اور شخص ہے کہ پورا ہی ایک شخص کی (ملک) ہے

هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ

تو کیا دونوں کی حالت یکساں ہے؟ ف۴۱ الحمدللہ مگر ہے یہ کہ ان میں سے اکثر

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ۡ ثُمَّ اِنَّكُمْ

سمجھتے ہی نہیں ف۴۲ آپ کو بھی مرنا ہے اور انہیں بھی مرنا ہے پھر

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ ع

قیامت کے دن تم (دونوں فریق) اپنے پروردگار کے روبرو مقدمہ پیش کرو گے ف۴۳

ف۳۷ پورے پورے جملوں اور عبارتوں کا محذوف و مقدر رہنا عربی اسلوب انشاء میں منافی بلاغت نہیں بلکہ اپنے موقع پر داخل حسن وکمالِ انشاء ہے۔ ف۳۸ (سو اگر عذاب ابھی نہیں آیا ہے، تو یہ کافرو منکر بے فکر نہ ہو جائیں، اگلی قوموں پر بھی عذاب جب آیا ہے ان کے گمان وزعم کے خلاف ہی آیا ہے) ف۳۹ آخرت کے معمولی اور ہلکے سے عذاب کا بھی دنیا کے بڑے سے بڑے عذاب سے کیا مقابلہ! وہ تو اس سے کہیں شدید تر ہوگا۔ کاش یہ منکرین اس کا کچھ سرسری سا اندازہ بھی رکھیں! الْخِزْيَ...... الدُّنْيَا۔ یعنی وہ قومیں یا تو جہاد میں اہل ایمان کے ہاتھوں مغلوب و منہزم ہوئیں، یا اور کسی عذاب ناگہانی سے ہلاک ہو گئیں۔

ف۴۰ (ہر نافرمانی سے) قُرْاٰنًا۔ یہاں پہلا وصف القرآن کا یہ بیان ہوا کہ وہ ایک پڑھی جانے والی چیز ہے، چنانچہ قیامت تک مسجدوں میں پڑھا جائے گا۔ محرابوں میں سنایا جائے گا۔ گھروں میں اور مدرسوں میں اس کی تلاوت ہوتی رہے گی۔ معتقدوں کا نہیں منکروں کا بیان ہے کہ "قرآن" دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مقالہ قرآن، طبع یازدہم) عَرَبِيًّا۔ یعنی فصیح و بلیغ، واضح۔ والمراد انه اعجز الفصحاء والبلغاء عن معارضته (کبیر) غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ۔ یعنی جس کے اندر کجی کسی طرح کی بھی نہیں، نہ لفظی نہ معنوی۔ یہ قرآن مجید کا تیسرا وصف بیان ہوا۔

ف۴۱ (ظاہر ہے کہ نہیں ہے۔ بلکہ دونوں کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے) مومن مخلص ساری فکروں کو چھوڑ چھاڑ صرف ایک سے لو لگائے رہتا ہے۔ مثال کے ذریعہ سے بندۂ مومن و مشرک کے درمیان تقابل اور ان کے فرق کو واضح کرنا ہے۔ رَجُلًا...... مُتَشٰكِسُوْنَ۔ ایسا شخص ایک تو غلام و محکوم، اپنے ہر ارادہ سے محروم۔ اور پھر مالک ایک نہیں متعدد۔ غلام حیران و متردد کہ کس کا کہا مانوں، کس کا نہ مانوں۔ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اللہ سے غافل ملحد و مشرک دنیا میں سخت ترین کشاکش میں گرفتار رہا کرتا ہے۔ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ۔ مومن مخلص ساری فکروں کو چھوڑ چھاڑ صرف ایک سے لو لگائے رہتا ہے

جو غم ہوا اسے غم جاناں بنا دیا

ف۴۲ قرآن مجید مشرکوں کی اس بدفہمی پر (جو محض غفلت و بے غوری سے پیدا ہوتی ہے) بار بار تاسف کرتا ہے کہ شرک و توحید کے درمیان، انسان کے اپنے ذہنی اعتبار سے بھی جو زمین و آسمان کا فرق ہے، ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ف۴۳ (اور وہ دن عملی فیصلہ کے صدور و ظہور کا ہوگا) یہاں رسول اللہ ﷺ کو تشفی دی ہے کہ آپ زیادہ غم و تردد کو راہ نہ دیں۔ آپ کو بھی دنیا سے گزر کر اپنے رب تک پہنچنا ہے اور ان منکرین کو بھی یہیں آنا ہے۔ یہ خود آکر اپنے کیے کو بھگت لیں گے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ۔ خطاب ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ لیکن جو حکم یہاں بیان ہوا ہے وہ امت کے لیے بھی عام ہے۔ والضمير فى انك خطاب للرسول و تدخل معه امته فى ذلك (بحر) ضمناً موافق و مخالف، دوست، دشمن سب کو یہ تعلیم مل گئی کہ نبی مرسل غیر فانی اور عمر جاودانی رکھنے والا نہیں ہوتا۔ سارے بندوں کی طرح وہ بھی فانی و فنا پذیر ہی ہوتا ہے۔ تَخْتَصِمُوْنَ۔ یہ جھگڑنے والے اور استغاثہ لانے والے کون لوگ ہوں گے؟ مومن و کافر بھی ہوں گے اور ظالم و مظلوم بھی۔ یعنی تخاصم الكافر والمومن والظالم والمظلوم (قرطبی)

بحمد اللہ آج جمعہ یکم ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ (مطابق ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء) کو تیئیسویں پارہ کی نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔ اور آج چہار شنبہ ۷۔ رجب ۱۳۶۹ھ ۲۶۔ اپریل ۱۹۵۰ء کو نظر ثالث سے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ

تو اُس سے بڑھ کر بے انصاف کون ہے جو اللہ پر جھوٹ لگائے اور سچی بات کو جھٹلائے

اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

جبکہ وہ اُس کے پاس پہنچے، کیا (ایسے) کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہ ہو گا؟ ف۴۴

وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ

اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے اور (خود بھی) اُس کو سچ جانا تو یہی لوگ تو

الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا

پرہیزگار ہیں وہ جو کچھ چاہیں گے اُن کے لیے اُن کے پروردگار کے پاس سب کچھ ہے، یہ صلہ ہے

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ عَمِلُوْا

اہل اخلاص کا ف۴۵ تاکہ اللہ اُن سے اُن کے عمل کی برائیوں کو دُور کر دے اور اُن کے عمل

وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

کی نیکیوں کا انہیں (پورا) اجر دے ف۴۶

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ

کیا اللہ اپنے بندۂ (خاص) کے لیے کافی نہیں؟ اور یہ لوگ آپ کو اُن سے ڈراتے ہیں جو اللہ کے

دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ

علاوہ ہیں ف۴۷ اور جسے اللہ گمراہ کر دے اُسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور جسے اللہ

اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِى انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ف۴۸ کیا اللہ زبردست (اور) انتقام پر قادر نہیں؟ ف۴۹

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہی کہیں گے کہ

ف۴۴ (یعنی ضرور ہوگا) استفہام انکاری سے اثبات قطعی کے معنی پیدا کرنا انگریزی اور اُردو اور فارسی کی طرح عربی میں بھی عام ہے۔ فَمَنْ۔ ف یعنی جبکہ اخیر فیصلہ یہی ہونا ہے کہ اہل کفر کو جہنم نصیب ہو اور اہل ایمان کو اجر ونجات۔ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ۔ اللہ پر جھوٹ لگانا یہی ہے کہ اس کی صفت تفرد کا انکار کر کے کسی کو اس کا شریک قرار دیا جائے۔ اَلَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ۔ الصدق یعنی پیغام حق۔ یہاں مراد قرآن ہے اور اس کے لانے والے رسول اللہ ﷺ تھے۔ قال مجاهد وقتادة والربيع بن انس وابن زيد هو الرسول (ابن کثیر) قال ابن عباس يعني رسول الله (معالم) كَذَّبَ...... جَآءَهٗ۔ پیام حق پہنچنے کا ذریعہ خود رسول یا ان کے کوئی نائب ہی ہوتے ہیں۔ بعض اکابر نے کہا ہے کہ آیت اپنے عموم لفظ سے ان لوگوں کو بھی شامل ہے، جو دعوئے ولایت میں کاذب ہیں اور شریعت کو پس پشت ڈال کر اسے محض قشر بتاتے ہیں۔ ف۴۵ جنت کی نعمتیں بے شمار، اور لامتناہی ہیں۔ یہاں حیرت انگیز ایجاز وجامعیت کے ساتھ بیان کر دیا کہ اہل جنت کو وہ سب کچھ مل جائے گا، جو وہ چاہیں گے۔ اَلَّذِىْ ...... بِهٖ۔ یعنی رسول اور ان کے متبعین۔ الذی جاء بالصدق الانبياء والذی صدق به الاتباع (کبیر) ف۴۶ اَسْوَاَ الَّذِىْ عَمِلُوْا۔ اہل اخلاص کو اجر کا پورا پورا ملنا تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن یہاں تصریح ایک دوسری چیز کی بھی ہے (یعنی ان کی تکفیر ذنوب کی...... گویا اہل اخلاص (محسنین) بھی ذنوب ومعاصی سے خالی نہ ہوں گے۔ اس میں رد نکل آیا ایک طرف تو ان غالی صوفیہ ومشائخ کا جو اولیاء وصالحین کو ذنوب ومعاصی سے ماوراء ومنزہ، سمجھنے لگتے ہیں اور دوسری طرف ان خارجی اور نیم خارجی فرقوں کا جو زلات ومعاصی کی بناء پر مومنین کو دائرہ ایمان سے خارج کر دیا کرتے ہیں۔ وَيَجْزِيَهُمْ ...... يَعْمَلُوْنَ۔ مقاتل بن سلیمان نے اس کے معنی یہ کیے ہیں کہ انہیں محاسن کا معاوضہ ملے گا، سیئات کی سزا نہ ملے گی۔ قال مقاتل ليجزيهم بالمحاسن اعمالهم ولا يجزيهم بالمساوى (کبیر۔ معالم) لیکن امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ مقاتل تو فرقہ مرجئہ کا سردار تھا، جن کے نزدیک جس طرح کافر کو کوئی طاعت نفع نہ پہنچائے گی، مومن کو بھی کوئی معصیت مضر نہ ہو گی۔ واعلم ان مقاتلا كان شيخ المرجئة وهم الذين يقولون لا يضر شيء من المعاصي مع الايمان كما لا ينفع من الطاعات مع الكفر (کبیر) ف۴۷ مشرکین عرب کے کمال حمق کا بیان ہے۔ اللہ کے نام سے ایک معبود اعظم کے وہ بھی قائل تھے۔ باوجود اس کے رسول اللہ ﷺ کو اپنے گڑھے ہوئے دیوی دیوتاؤں کے قہر وغضب وانتقام سے ڈراتے تھے۔ ان دیوتاؤں کا اوّلا تو وجود ہی فرضی ووہمی اور پھر اگر حقیقی بھی ہو تو خود انہیں لوگوں کے مسلمات کے لحاظ سے یہ خدائے اعظم کے مقابلہ میں تو پست اور ہیچ ہی تھے۔ آیت کا مفہوم وسیع تر بھی ہے۔ اہل حق کو اہل باطل طرح طرح پر دھمکیاں دیتے آئے اور ڈراتے آئے ہیں۔ کبھی اپنے دیوی دیوتاؤں سے ڈراتے ہیں اور کہیں دنیوی حکومت وقوت سے۔ قرآن مجید جواب دیتا ہے کہ کائنات کی ہر ممکن مخالفانہ قوت سے دفاع کے لئے حق تعالیٰ خود بالکل کافی ہے۔ عَبْدَهٗ۔ عبد سے مراد جیسا کہ سیاق کلام سے بالکل ظاہر ہے۔ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جو خدائے قادر وتوانا اپنے ہر بندہ کی حفاظت کے لئے کافی ہے کیا اس بندۂ خاص کی حفاظت کے لئے کافی نہ ہوتا؟ ف۴۸ ہدایت وضلالت اپنے اسباب قریب وظاہری کے لحاظ سے بندہ کے افعال اختیاری میں ہیں اور اسی لئے ان پر ثواب وعذاب بھی مرتب ہوتے ہیں لیکن اپنے اسباب بعید وحقیقی کے لحاظ سے تمامتر مشیت تکوینی الٰہی کے ماتحت ہیں اور اسی لئے ان کا انتساب مسبب الاسباب اور علت العلل کی حیثیت سے حق تعالیٰ کی جانب بھی درست ہے۔...... اور ان حواشی میں اس کی صراحت کئی بار کی جا چکی ہے۔ ف۴۹ کیوں نہیں، قادر ہے اور ضرور قادر ہے۔ اسلام کا خدا اپنے ہر ارادہ پر پوری طرح قادر، متصرف، حاکم ہے۔ بعض جاہلی مذہبوں کے دیوتاؤں کی طرح معذور وبے بس نہیں۔

اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ

اللہ نے، آپ کہہ دیجئے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اللہ کے سوا تم جنہیں پکارتے ہو اگر

اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ

اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کی (دی ہوئی) تکلیف کو دُور کر سکتے ہیں یا اللہ مجھ پر عنایت کرنا

بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ

چاہے تو یہ اُس کی عنایت کو روک سکتے ہیں؟ ف۵۰ آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے تو اللہ کافی ہے

عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى

توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں ف۵۱ کہہ دیجئے کہ اے میری قوم والو تم اپنی حالت پر

مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ

عمل کئے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں سو عنقریب تم جان لو گے کہ کون شخص ہے جس پر

عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا

اُسے رسوا کرنے والا عذاب آیا چاہتا ہے، اور جس پر عذاب مستقل نازل ہوگا ف۵۲ ہم نے

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ

آپ پر یہ کتاب لوگوں کے لئے اتاری ہے حق کے ساتھ، سو جو کوئی راہ ہدایت اختیار کرے گا وہ اپنے ہی لئے،

وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ

اور جو کوئی بے راہ ہوگا تو اس کی بے راہی بھی اُسی پر پڑے گی اور آپ ان پر ذمہ دار نہیں

بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ

کئے گئے ہیں ف۵۳ اللہ جانوں کو قبض کرتا ہے اُن کی موت کے وقت اور اُن (جانوں) کو بھی

لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا

جن کی موت نہیں آئی ہے اُن کے سونے کے وقت ف۵۴ پھر وہ اُن (جانوں) کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا

ع ۱

ف۵۰ بعض جاہلی مذاہب ایک خالق کائنات کے تو مقر و معترف ہیں، لیکن ساتھ ہی کائنات میں دخل، تصرف و حکومت کے لئے دوسرے دوسرے دیوی دیوتا بھی مان رکھے ہیں۔ پانی فلاں دیوتا برساتے ہیں، دولت فلاں دیوی دلواتی ہیں وقس علیٰ ہذا...... مشرکین قریش کا مذہب بھی اسی قسم کا شرک تھا۔ قرآن مجید نے ان کے اسی مسلمہ اول کو بار بار یاد دلا کر اور توحید کے مطالبات و مضمرات کو ان پر واضح کر کے ان پر جرح کی ہے۔ ف۵۱ (جس کے بعد تمہاری اور تمہارے بتوں کی مخالفت کی کچھ پروا باقی نہیں رہ جاتی) حَسْبِيَ اللّٰهُ۔ جب خدا پر تکیہ کر لیا تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے ماتحت کائنات میں جتنی بھی مخلوقات ہیں۔ اب کسی کی طرف سے کھٹکا نہ رہا۔ ف۵۲ یعنی جب تم اپنا طریقہ نہیں چھوڑتے، میں بھی اپنا طریقہ نہیں چھوڑتا۔ تم اپنے طریق پر عمل کیے جاؤ۔ میں اپنے طریق پر۔ عنقریب معلوم ہوا جاتا ہے، کہ بدراہ اور مستحق عذاب کون سا فریق ہے۔ مَنْ ...... يُخْزِيْهِ۔ مراد عذاب دنیوی ہے۔ چنانچہ یہ عذاب مشرکین مکہ پر فتح بدر کی صورت میں نازل ہوا۔ وَ...... مُّقِيْمٌ۔ مراد عذاب آخرت ہے۔ ف۵۳ (تو جس کا جی چاہے اسے مانے اور جس کا نہ چاہے نہ مانے) لِلنَّاسِ۔ یعنی لوگوں کے نفع وافادہ کے لیے۔ اے لا جلهم ولاجل حاجتهم اليه (مدارک) بِالْحَقِّ۔ یعنی عین حق و حکمت کے ساتھ دلائل و شواہد اور مقصد صحیح کے ساتھ۔ ف۵۴ نفس۔ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ وہ روح کے مرادف ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک نفس حیاتی (یا فزیکل لائف) دوسرے نفس شعوری (یا سائیکل لائف) ولكل انسان نفسان احداهما نفس الحياة وهى التى تفارقه عند الموت فتزول بزوالها النفس والاخرى نفس التمييز وهى التى تفارقه اذا نام وهو بعد النوم يتنفس (معالم ومدارک) ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں ایک تو نفس حیاتی، جو موت کے وقت اس سے سلب ہو جاتا ہے کہ اس کے جانے سے جان چلی جاتی ہے اور دوسرا نفس ادراک وہ نیند کے وقت اس سے جدا ہو جاتا ہے اور نیند کے بعد واپس آ جاتا ہے۔ يَتَوَفَّى ...... مَوْتِهَا۔ یہ سلب روح من کل الوجوہ ہوتا ہے جس کے بعد نہ حیات جسمانی باقی رہ جاتی ہے نہ شعور نہ ادراک۔ وَالَّتِيْ ...... مَنَامِهَا۔ یہ سلب روح صرف جزئی حیثیت سے ہوتا ہے۔ جس سے حیات جسمانی جوں کی توں باقی رہتی ہے، لیکن شعور وادراک باقی نہیں رہتا۔ نیند کے وقت سلب صرف حیات شعوری کا ہوتا ہے۔

الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِىْ

حکم کر چکا ہے، اور باقی (جانوں) کو ایک میعادِ معین کے لئے رہا کر دیتا ہے وہ۵ بے شک اس (سارے تصرف) میں

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ

نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو سوچتے رہتے ہیں وہ۵ اچھا تو کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا

اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا

(دوسروں کو) سفارشی قرار دے رکھا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اگرچہ یہ (سفارشی) کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں

وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ

اور نہ کچھ سمجھتے بوجھتے ہوں وہ۵ آپ کہہ دیجئے سفارش تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے اُسی کی سلطنت

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ

آسمانوں اور زمین میں ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے وہ۵ اور جب اکیلے اللہ کا ذکر

وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ

کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے اُن کے دل منقبض ہونے لگتے ہیں

وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ

اور جب اُس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُس وقت یہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں و۵۹ آپ دُعا کیجئے

اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

کہ اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے باطن اور ظاہر کے جاننے والے

اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِىْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ

تو ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا جن اُمور میں یہ اختلاف کرتے رہتے تھے و۶۰ اور اگر

اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ

شرک کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اور بھی

و۵۵ (سو وہ معطل روحیں جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ہے نیند سے جاگ کر بدستور تصرفات جسمی میں مصروف ہو جاتی ہیں) فَيُمْسِكُ...... الْمَوْتَ۔ سو یہ روحیں پھر تصرفات جسمانی کی طرف واپس نہیں آتیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:۔ يخرج الروح عند النوم ويبقى شعاعهٗ فى الجسد فبذالک يرى الرؤيا فاذا انتبه من النوم عاد الروح الى جسده بامر ما من لحظة۔ (معالم۔ مدارک) ”اصل روح تو نیند کے وقت بھی جسم سے نکل جاتی ہے لیکن اس کا تعلق جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے (جیسے آفتاب کا شعاعی تعلق کروڑوں میل دور ہونے کے باوجود زمین سے قائم رہتا ہے) اور سوتا ہوا انسان (اسی جزئی تعلق کی بنا پر) خواب دیکھتا رہتا ہے پھر جب بیداری کا وقت آتا ہے تو یہ روح چشم زدن سے بھی کم میں جسم میں واپس آجاتی ہے۔“ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:۔ فى ابن ادم نفس وروح بينهما شعاع مثل شعاع الشمس فالنفس هى التى بها العقل والتمييز والروح هى التى بها النفس والتحرک فاذا نام العبد قبض الله نفسه ولم يقبض روحهٗ (مدارک) ”ابن آدم میں نفس بھی ہوتا ہے اور روح بھی، اور دونوں کا ایک شعاعی تعلق مثل شعاع آفتاب کے ہوتا ہے۔ بس نفس تو وہ ہے جو ادراک و شعور کا مبدأ ہے اور روح وہ ہے جس سے تنفس و حرکت قائم ہے اور انسان جب سوتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے نفس کو قبض کر لیتا ہے نہ کہ اس کی روح کو۔“ و۵۶ یعنی دلائل و شواہد اس حقیقت کے کہ اللہ حکیم و قدیر ہی ہر دقیق و خفی تصرف پر قادر ہے۔ نیند اور خواب کی باریکیوں پر ماہرین فن نے جو دفتر کے دفتر لکھ ڈالے ہیں وہ سب حکمت خداوندی ہی کی شرحیں اور تفسیریں ہیں۔ و۵۷ یعنی سفارشی بھی کون؟...... وہ بت اور مورتیاں جو عقل و قدرت تک سے محروم ہیں۔ اَمِ...... شُفَعَآءَ۔ مشرکوں نے ان ”سفارشیوں“ کو صرف عملاً ہی نہیں معبود قرار دے رکھا تھا بلکہ عقیدۃً بھی ایسا ہی سمجھ رکھا تھا۔ و۵۸ یعنی اس وقت بھی کائنات کے طول و عرض میں حکومت اسی اللہ کی ہے اور آخرت میں بھی فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہوگا۔ قُلْ...... جَمِيْعًا۔ مشرک قوموں نے تو علی العموم اور اہل کتاب میں سے مسیحیوں نے شفاعت کو بھی ایک شعبہ الوہیت کا قرار دے کر شافع کو مستقلاً ایک قادر و متصرف ہستی سمجھ لیا ہے اور عملاً اسی سے اپنا تعلق جوڑے رکھنا کافی سمجھتے ہیں جس کے بعد خالق کائنات سے تعلق قائم رکھنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ شفاعت اس معنٰی میں اور اس مفہوم کے ساتھ ایک تمام تر مشرکانہ عقیدہ ہے، اور قرآن مجید نے اس معنٰی میں کسی غیر اللہ کے شافع ہونے سے تمام تر انکار کیا ہے اور بتایا ہے کہ اختیار و تصرف یکسر حق تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ مسئلہ شفاعت انبیاء وغیرہ جس محدود و مقید معنٰی میں حق ہے۔ اس کی وضاحت ان حواشی میں جابجا کی جا چکی ہے۔ و۵۹ توحید کامل کے ماننے والوں اور شرک آمیز عقیدۂ خدائی کے تسلیم کرنے والوں کے درمیان جو فرق عظیم ہوتا ہے اسے یہاں خوب واضح کر دیا گیا ہے۔ خیر جو کھلے ہوئے مشرک ہیں ان کا حال تو ظاہر ہی ہے لیکن خود ہماری قوم میں جو جھوٹے پیروں، فقیروں، جن و پری، شہید مرد“ اور شیخ سدو وغیرہ کے قائل ہیں خود ان کا کیا حال ہے؟ ”یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ“ کا وظیفہ پڑھنے والے مصیبت کے وقت ”یا غوث، یا غوث“ پکارنے والے، اجمیر کی درگاہ کے اردگرد ”یا خواجہ تو ہی دیتا ہے، تو ہی دلواتا ہے“ کی صدائیں لگانے والے ہمارے درمیان کس کثرت سے ہیں! و۶۰ الفاظ دعاء کے اندر توحید کی اعلیٰ تعلیم نہایت حکیمانہ انداز سے آگئی ہے، دعاء کا حاصل بس یہی ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش میں کوئی تیرا شریک نہیں، علم غیب میں کوئی تیرا شریک نہیں۔ قادر و حاکم ہونے میں کوئی تیرا شریک نہیں۔ خالق تو ہے، عالم الغیب تو ہے، مالک روز جزا تو ہے، ہمہ داں، ہمہ بیں تو ہی ہے۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ قدرت کامل میں کوئی تیرا شریک نہیں۔ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔ علم کامل میں کوئی تیرا شریک نہیں۔ اَنْتَ...... يَخْتَلِفُوْنَ۔ فیصلہ روز جزا میں کوئی تیرا شریک نہیں۔ توحید میں غلطی و گمراہی کے عموماً یہی تین راستے رہے ہیں۔ آیت نے سب کی تردید کر دی۔

لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ

تو ان سب کو وہ قیامت کے دن عذاب سخت کے فدیہ میں دینے لگیں ف۶۱ اور اللہ کی طرف سے

مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ

سے انہیں وہ پیش آ کر رہے گا جس کا انہیں گمان بھی نہ تھا ف۶۲ (اُس وقت) اُن پر ان کے (تمام) بُرے اعمال ظاہر ہو کر

مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾ فَاِذَا

رہیں گے اور انہیں وہ (عذاب) آ گھیرے گا جس پر وہ استہزاء کیا کرتے تھے ف۶۳ جس وقت

مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ؗ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ

آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے وہ ہم کو پکارتا ہے لیکن جب ہم اُسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ یہ کہتا ہے

اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

کہ یہ مجھے (اپنی) تدبیر سے ملی ہے ف۶۴ اصل یہ ہے کہ وہ ایک آزمائش ہے، لیکن اکثر لوگ

يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ

سمجھتے نہیں ف۶۵ یہ بات ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پیشتر ہو گزرے ہیں، سو ان کی کارروائی ان کے

مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ

کچھ بھی کام نہ آئی ف۶۶ بلکہ ان کی (ساری) بدعملیاں اُن پر آ پڑیں

وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا

اور اُن میں جو لوگ ظالم ہیں ان پر ان کی بدعملیاں ابھی آ پڑنے والی

كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

ہیں اور وہ ہرا نہیں سکتے ف۶۷ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

جس کا چاہتا ہے رزق بڑھا دیتا ہے اور وہی تنگ بھی کر دیتا ہے، بے شک اس میں نشانیاں ہیں

ف۶۱ یہ قیامت کی شدت اور ہولناکی کا نقشہ ہے۔ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ مراد مشرکین سے ہے۔ ای کفروا (مدارک) مَا...... مِثْلَهٗ۔ انسان کے محدود پیرایہ بیان میں مال کی زیادہ سے زیادہ ممکن مقدار کے لئے یہی پیمانہ ہو سکتا تھا۔ ف۶۲ یہ بے شان وگمان وقوع دو چیزوں کا پیش آئے گا۔ ایک تو نفس قیامت کہ وہ اسی کے منکر تھے، اور اسے ''خلاف عقل'' ''خلاف عادت،'' قرار دیتے رہتے تھے۔...... اور دوسرے عذاب کا خود اپنے اوپر وقوع کہ وہ اپنے کو تو نیک کار اور برسر صواب سمجھ رہے تھے۔ ف۶۳ یہ غفلت کے پردے بس اسی دنیا کی حد تک ہیں۔ آخرت میں تو انکشاف تام بڑے سے بڑے منکر کو بھی ہو کر رہے گا۔ ف۶۴ عام بدسرشت انسان کی فطرت کا بیان ہے جہاں اسے اطمینان حاصل ہوا، وہ اپنی ہر کامیابی کو اپنی سعی وحسن تدبیر کی جانب منسوب کرنے لگتا ہے اور جادۂ توحید سے ہٹ جاتا ہے۔ مجازی واسطوں اور وسیلوں کا ذکر مطلق صورت میں ممنوع نہیں، صرف اس صورت میں حرام ہے جب نظر فاعل حقیقی سے ہٹ جائے۔ ف۶۵ یعنی ہر نعمت خدا کی دی ہوئی اور بواسطہ اسباب سے حاصل کی ہوئی دراصل بندوں کے حق میں آزمائش ہوتی ہے کہ نظر علت حقیقی پر رہتی ہے یا علت قریبی صوری پر...... اور یہ مشرکین اس ایمانی حقیقت سے بھی جاہل ہیں۔ هِيَ۔ نِعْمَةً۔ لفظاً مؤنث ہے اور معنی کے اعتبار سے مذکر۔ اس لئے اس کے لئے ضمیریں مؤنث ومذکر دونوں جائز ہیں۔ اُوْتِيْتُهٗ میں ضمیر مذکر بھی اسی کی جانب ہے۔ اور هي ضمیر مؤنث بھی اسی کی طرف۔ ف۶۶ (اور یہی حشر آج کے منکرین کا بھی ہونا ہے) قَدْ...... قَبْلِهِمْ۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ مغالطہ نفس بہت قدیم ہے، کچھ آج کا اور نو پیدا نہیں۔ قَالَهَا۔ ضمیر مؤنث کلمہ کی جانب ہے۔ مؤنث علی تانیث الکلمة (قرطبی) ف۶۷ (خداتعالیٰ کو اور خدائی تدبیروں کو) یعنی انہیں سزا بہرحال مل کر رہے گی، جیسا کہ ان کے قبل والوں کو ملتی رہی ہے۔ اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا سے مراد مشرکین ہیں۔ اور مِنْ هٰٓؤُلَآءِ میں مِنْ بیانیہ ہے۔ ای المشرکین ومن للبیان فانھم کلھم کانوا ظالمین (روح) ای من ھٰؤلاء المشرکین (بیضاوی) سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا۔ سیات سے مراد جزاء سیات ہے اور یہ استعمال عام ہے۔ ای جزاء سیأت اعمالھم وقد یسمی جزاء السیئة سیئة (قرطبی)

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى

ایمان والوں کے واسطے و۶۸ آپ (میری طرف سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جو اپنے اوپر زیادتیاں

اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ

کر چکے ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو و۶۹ بے شک اللہ سارے گناہ

الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى

معاف کر دے گا و۷۰ بے شک وہ بڑا غفور ہے بڑا رحیم ہے و۷۱ اور اپنے پروردگار کی طرف

رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا

رجوع کرو اور اس کی فرمانبرداری کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب واقع ہونے لگے، جب تمہیں کوئی مدد نہ

تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ

پہنچ سکے و۷۲ اور اپنے پروردگار کی طرف سے اترے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو

مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آ پڑے اور تم کو اس کا خیال بھی نہ ہو،

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ

(یہ حکم اس لئے دیا جاتا ہے کہ) کہیں کوئی یہ نہ کہنے لگے کہ افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب میں کی،

وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ

اور میں تو تمسخر ہی کرتا رہا یا کوئی یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ نے مجھے ہدایت دے دی ہوتی

لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ

تو میں (بھی) پرہیزگاروں میں ہوتا یا کوئی عذاب کو دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ کاش

اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ

میرا پھر جانا ہو جائے پھر میں نیک بندوں میں ہو جاؤں و۷۳ کیوں نہیں! ارے تجھ پر تو میری آیتیں یقیناً

ع ۵/۲

و۶۸ یعنی اس قانون رزق، اس ضابطہ معاشیات کی باگ بھی ایک فاعل مختار، ایک قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے، نادان مشرک واسطہ کو مقصود سمجھ بیٹھتا ہے اور صاحب ایمان کہ صاحب فہم بھی ہوتا ہے، علت حقیقی کو سمجھے رہتا ہے۔ و۶۹ (یہ خیال کر کے کہ اللہ تعالیٰ کفر و شرک کے معاف کرنے پر قادر نہیں) یہ رد ہے ان مذاہب پر جو خدا کے وجود کے تو قائل ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہے جاتے ہیں کہ وہ عفو ذنوب پر قادر نہیں۔ اَلَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ۔ اسراف علی النفس سے مراد کفر و شرک سے ہے۔ و۷۰ (اسلام کی برکت سے) یعنی اب جب تم کفر و شرک ترک کر کے ایمان لا رہے ہو تو اب کیا ڈر ہے۔ اب تو تمہارے سارے گناہ دھل جائیں گے۔ دوسرے مذاہب کی تنگی کا تو ذکر ہی نہیں۔ خود مسیحیت جسے اپنی لینت و شفقت و ترحم پر ناز ہے اس کا حال انجیل کی زبانی سنیے:۔ ''میں تم سے کہتا ہوں کہ آدمیوں کا ہر گناہ اور کفر تو معاف کیا جائے گا مگر جو کفر روح کے حق میں ہو وہ معاف نہ کیا جائے گا اور جو کوئی ابن آدم کے خلاف کوئی بات کہے گا وہ تو اسے معاف کی جائے گی مگر جو کوئی روح القدس کے برخلاف کوئی بات کہے گا وہ اسے معاف نہ کی جائے گی نہ اس عالم میں نہ آنے والے میں۔'' (متی۔ ۱۲: ۳۲) يٰعِبَادِيَ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خطاب اور اس کے بعد کا وعدۂ رحمت و مغفرت مومنین کے ساتھ مخصوص سمجھا ہے اور اَلَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ سے انہیں مومنین کے معاصی مراد لئے ہیں اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی اسی نقطہ نظر کی تائید کی ہے۔ واضافة العباد وتخصصه بالمومنين علىٰ ما هو عرف القرآن (بیضاوی) انا بينا فى هذا الكتب ان عرف القرآن جارٍ بتخصيص اسم العباد بالمومنين (کبیر) وحمل غير واحدن الاضافة فى عبادى على العهد اوعلى التشريف وذهبوا الى ان المراد بالعباد المومنون فكانه قيل ايها المومنون المذنبون (روح) بہر صورت آیت میں وعدۂ رحمت و مغفرت بے بڑی تاکید و شدت کے ساتھ۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ خود ہی ادائے مقصد کے لئے کافی تھا۔ اس پر دوسرے فقرہ کا اضافہ پر قوت الفاظ کے ساتھ کیا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا۔ اعاد اسم الله وقرن به لفظةَ ان العقيدة لاعظم وجوه التاكيد وكل ذلك يدل على المبالغة فى الوعد بالرحمة (کبیر) حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تابعی نے کہا ہے کہ اس وسعت کرم و شفقت کی کوئی انتہاء ہے کہ جنہوں نے اللہ کے دوستوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کئے انہیں کو دعوت توبہ و مغفرت دی جا رہی ہے۔ قال الحسن البصرى انظروا الىٰ هٰذا الكرم والجود قتلوا اولياءهٗ وهو يدعوهم الى التوبة والمغفرة والأيات فى هٰذا كثيرة جدًا (ابن کثیر) و۷۱ وہ کسی اور برتر قانون کا پابند و محکوم ہرگز نہیں۔ وہ رحمت و مغفرت میں کسی رنگ سے معذور نہیں وہ بغیر کسی ''کفارہ'' کے جس کسی کو چاہے بخش دے۔ اس کی صفت رحم پر کوئی قید عائد نہیں...... بجز اسی کی مشیت و ارادہ کے۔ صحابیان کرام سے مروی ہے کہ یہ آیت قرآن مجید میں وسیع ترین اور امید افزاء ترین ہے۔ وقال على بن ابى طالب ما فى القرآن اوسع من هٰذه الأية (قرطبی) وقال عبد الله بن عمر وهٰذه ارجى اية فى القرآن (قرطبی) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ایک اور آیت اس سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ہے (قرطبی) و۷۲ یعنی اس مغفرت و رحمت کے لئے شرط بس یہی ہے کہ کفر سے رجوع کرو اور اسلام قبول کرو۔ قبل اس کے کہ اسلام نہ لانے کی صورت میں عذاب سے دوچار ہونا پڑے۔ و۷۳ یہ سب کافروں کی طرف سے قیامت میں پیش ہونے والے ممکن عذرات ہیں، یہاں ان سب کی جڑ ہی کاٹ دی گئی ہے۔ اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ۔ مراد قرآن مجید ہے۔ اضافت محض بیانیہ ہے۔ یعنی وہ اَحْسَنَ جو مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ کی طرف منسوب ہے، یا قرآن کو غیر قرآن سے ممتاز کرتی ہے۔ هو القرآن وكله حسن (قرطبی) مِنْ رَّبِّكُمْ۔ رب کا لفظ لانے میں خود ایک بڑا ترغیبی پہلو آ گیا ہے۔ یعنی وہ کلام تو اس کا نازل کیا ہوا ہے جو خود تمہارے حق میں سب سے زیادہ خیر خواہ ہے۔ اَنْ تَقُوْلَ۔ اَنْ یہاں لئلا کے مرادف ہے۔ ای لئلا تقول (مدارک) نَفْسٌ۔ نفس صیغۂ نکرہ میں اس لئے ہے کہ صرف نفس کافر مراد ہے۔ انما نكرت لان المراد بها بعض الانفس وهى نفس الكافر (مدارک) فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ۔ یعنی احکام خداوندی میں۔ ای فى امر الله او فى طاعته (مدارک)۔ والعرب تسمى السبب والطريق الى الشى جنبًا اى لاجلك وسببك ولاجل مرضاتك (قرطبی) لَوْ اَنَّ اللّٰهَ...... الْمُتَّقِيْنَ۔ امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ معتزلہ سے زیادہ سمجھدار تو یہ کافر ہی ہے جو ہدایت کو تمام تر عطیہ خداوندی سمجھتا ہے۔ قال الامام ابو منصورؒ هٰذا الكافر اعرف بهداية الله من المعتزلة (مدارک)

اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾

پہنچ چکی تھیں سو تُو نے ان کو جھٹلایا اور تو نے تکبر کیا اور تو کافروں میں شامل ہو رہا ف۵۴

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ

اور آپ قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں گے جنھوں نے اللہ پر

مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾

جھوٹ بولا تھا کیا (ان) متکبرین کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟ ف۵۵

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْۗءُ

اور جو لوگ بچ رہے تھے، اللہ ان لوگوں کو کامیابی کے ساتھ نجات دے گا اُن کو نہ تکلیف پہنچے گی

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰي

اور نہ یہ غمگین ہوں گے اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا

كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

نگہبان ہے ف۵۶ اسی کے اختیار میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ قُلْ

اور جو لوگ اللہ کی آیتوں سے (اب بھی) انکار کیے جاتے ہیں وہی لوگ بڑے گھاٹے میں پڑنے والے ہیں ف۵۷ آپ کہہ دیجیے

ع ۱۱
۲

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْۗنِّىْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ

کہ اے جاہلو کیا پھر بھی تم مجھ سے غیر اللہ کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو؟ ف۵۸ اور واقعہ یہ ہے

اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ

کہ آپ کی طرف بھی اور جو آپ سے قبل گزر چکے ہیں ان کی طرف بھی یہ وحی بھیجی جا چکی ہے

لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ

کہ (اے مخاطب) اگر تو نے شرک کیا تو تیرا عمل (سب) غارت ہو جائے گا اور تو خسارہ میں پڑ کر رہے گا، تو تو اللہ ہی

ف۵۴ جواب یہ ملے گا کہ ہدایت کا سامان تو دنیا میں پورا مل چکا تھا۔ پھر جو تو ایمان نہیں لایا، اس کی تہ میں کوئی اشتباہِ عقلی نہ تھا، صرف تیرے نفس کی شرارت وخباثت تھی۔ ف۵۵ (ہے اور ضرور ہے) اَلَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ۔ اللہ پر جھوٹ بولنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو بات نہیں فرمائی گئی ہے وہ اس کی جانب منسوب کر دی جائے دوسرے یہ کہ جو اس نے کہا ہے اسے اس کی جانب نسبت دینے سے انکار کر دیا جائے۔ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ۔ یہ چہرہ کی سیاہی آگ سے جلنے کا اثر بھی ہو سکتی ہے۔ اور خوف رسوائی کا نتیجہ بھی اور قلب کی سیاہی کا عکس بھی۔ قیل هو سواد قلوبهم ینعکس علی وجوههم۔ (روح) ہو سکتا ہے کہ یہ سیاہی ان کے قلوب کی ہو جو چہرہ پر منعکس ہو گئی ہو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عالم معاد کشف حقائق ہی کا تو عالم ہوتا ہے، اس لئے اس میں عجب کیا جو چہرہ پر عکس قلب کا نظر آنے لگا ہو۔ ف۵۶ مشرکوں کی سمجھ میں یہی موٹی بات نہیں آتی تھی کہ حق تعالیٰ جس طرح دنیا کا خالق اکیلا ہے اسی طرح متصرف، مدبر بھی اکیلا ہی ہے۔ بغیر کسی شریک وسہیم کے۔ ہندو مذہب علاوہ خالق اکبر (برہما) کے دو اور مستقل خداؤں کا قائل ہے ایک محافظ ومبقی (وشنو) اور دوسرے مہلک ومفنی (شیو) قرآن مجید اس قسم کے ہر شرک کی قدم قدم پر تردید کرتا جاتا ہے...... یہاں اس نے صراحۃً دو صفات باری کا اثبات کیا ہے۔ ایک یہ کہ وہی سب کا خالق وآفریدگار ہے، دوسرے وہی سب کا منتظم ومدبر۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ۔ نور وظلمت، خیر وشر، سعادت وہدایت سب کا خالق وہی ایک ہے، ثنویت کا اس کے ہاں گزر نہیں۔ وَيُنَجِّي...... لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ یہ آیت متعدد دوسری آیتوں کی طرح اس باب میں وعدۂ صریح ہے کہ مومنین کو قیامت میں کوئی وحشت اور گھبراہٹ نہ ہو گی۔ دلت الأية على ان المومنين لا ینالهم الخوف والرعب فی القیامة وتاكد هذا بقوله لا یحزنهم الفزع الاکبر (کبیر) ف۵۷ (آخرت میں جو کشفِ حقائق کا وقت ہو گا) بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔ آیات الٰہی سے یہاں مراد اصولِ دین ہیں...... عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت، عقیدۂ حشر۔ ف۵۸ یعنی اے مشرکو! اب تمہارا اندھا پن اتنا بڑھ گیا ہے کہ تم مجھ سے فرمائش کرنے لگے ہو کہ میں توحید جیسے فطری اور سادہ دین کو چھوڑ کر شرک کی احمقانہ وجاہلانہ وسفیہانہ راہ اختیار کر لوں!

فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ

کی عبادت کرنا اور شکر گزار رہنا ف۷۹ اور ان لوگوں نے اللہ کی عظمت نہ کی جیسی عظمت

قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ

کرنا چاہیے تھی ف۸۰ اور حال یہ ہے کہ ساری زمین اُسی کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور آسمان اُس کے

مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾

داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے وہ پاک ہے اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے ف۸۱

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي

اور صور پھونکا جائے گا تو اُن سب کے ہوش اُڑ جائیں گے جو آسمانوں اور

الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ

زمین میں ہیں بجز اس کے کہ جس کو اللہ چاہے پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو دفعۃً سب کے سب

قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ

اُٹھ کھڑے ہوں گے دیکھتے بھالتے ہوئے ف۸۲ اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اُٹھے گی، اور نامۂ اعمال

الْكِتٰبُ وَ جِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ

رکھ دیا جائے گا اور پیمبر اور گواہ حاضر کیے جائیں گے اور سب میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ

بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا

کیا جائے گا اور اُن پر ذرا بھی ظلم نہ ہو گا ف۸۳ اور ہر شخص کو اُس کے اعمال کا پورا بدلہ

عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٠﴾ ع وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

ملے گا اور اللہ سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے ف۸۴ اور جو کافر ہیں وہ گروہ گروہ

اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا

جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے ف۸۵ یہاں تک کہ جب اُس تک پہنچ جائیں گے تو اُس کے دروازے کھول دیے جائیں گے

ع

ف۷۹ مطلب یہ کہ یہ توحید کی دعوت تو بالکل بنیادی اور عین مرکزی دعوت ہے، ہمیشہ ہی سے انبیاء کا معمول رہی ہے۔ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ۔ شکر گذاری کی بڑی فرد توحید پر ایمان ہے۔ ف۸۰ (اپنی وسعت وظرف کے اعتبار سے) مطلب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ کی ذاتِ کاملہ کے حق اس کے مرتبہ کمال کے لحاظ سے تو کوئی ادا ہی نہیں کرسکتا۔ لیکن بندے اپنی وسعت وظرف کے لحاظ سے جس حد تک اس کے مکلف ہیں۔ ان ظالموں، بدبختوں نے اتنا بھی تو نہ کیا۔ اور اس مرتبہ حق کا اقل قلیل عقیدۂ توحید ہے۔ ف۸۱ (اور ہر قسم کی مادیت اور تجسیم کے شائبہ سے) قَبْضَتُهٗ...... بِيَمِيْنِهٖ۔ قبضة سے مراد قبضہ قدرت۔ قبضہ اختیار ہے۔ اور یمین سے بھی مراد دست قدرت لی گئی ہے۔ فالقبضة مجاز عن الملك او التصرف كما يقال بلد فلان في قبضة فلان واليمين مجاز عن القدرة التامة (روح) يقال ما فلان الافي قبضتي بمعنى مافلان الافي قدرتي وقد يكون القبض، والطي افناء الشيء واذهابه (قرطبی) قال الفراء والمبرد اليمين القوة والقدة (قرطبی) آیت سے مقصود محاورہ بشری کے مطابق عظمت واجلال الٰہی کی تصویر کھینچ دینا ہے اور ساتھ ہی یہ پہلو بھی اس میں آگیا کہ ایسی حقیر مخلوقات کے فنا کردینے میں اسے دِقت ہی کیا ہوسکتی ہے۔ اس لئے قبضہ ویمین کے حقیقی اور مجازی معنی کی بحث میں زیادہ پڑنے کی ضرورت ہی نہیں۔ والمراد بهذا الكلام تصوير عظمته والتوقيف على كنه جلاله لاغير من غير ذهاب بالقبضة ولا باليمين الى جهة حقيقة اوجهة مجاز (مدارک) تنبيه على عظمته وحقارة الافعال العظام التي تتحير فيها الاوهام بالاضافة الى قدرته ودلالة على ان تخريب العالم اهون شيء عليه على طريقة التمثيل والتخييل من غير اعتبار القبضة واليمين حقيقة ولا مجازًا (بیضاوی) اللہ کے قبضہ اختیار اور دستِ قدرت میں تو ساری کائنات آج بھی ہے۔ قیامت کا ذکر تخصیص سے اس لئے ہے کہ اس روز کسی اور کو شرکت کا دعویٰ بھی نہ رہے گا۔ اور حقیقت سب کے مشاہدہ میں آکر رہے گی۔ وانما خص يوم القيامة بالذكر وان كانت قدرته كاملة لكل شيء ايضًا لان الدعاوى تنقطع ذلك اليوم (قرطبی) ف۸۲ قیامت کے دونوں منظروں کا بیان ہے۔ پہلا منظر نفخ اول کا جب سب غش کھا کر ہلاک ہوجائیں گے اور منظر دوم نفخ ثانی کا جب سب نئے سرے سے جی اٹھیں گے۔ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی مخلوق میں سے اللہ جس کو چاہے گا غشی اور موت سے محفوظ رکھے گا۔— یہ کون لوگ ہوں گے؟ بہتر ہوگا کہ اسے یوں ہی مجمل رہنے دیا جائے۔ جیسا کہ قرآن وحدیث نے اسے مجمل رکھا ہے۔ قال قتادة الله اعلم بانهم من هم وليس في القرأن والاخبار ما يدل على انهم من هم (کبیر) ف۸۳ (یوں کہ کسی کی جزائے خیر میں کمی ہوجائے یا کسی کی سزا میں زیادتی، یا کسی کا عمل نیک غائب کردیا جائے اور کسی کا عمل بد بڑھا دیا جائے) وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا۔ یہ کوئی تجلی خصوصی اُس وقت ہوگی۔ اور عام معنٰی نور رب کے عدل رب یا قضائے رب کے کیے گئے ہیں۔ اے انارت و اضاءت بعدل الله و قضائه بالحق بين عباده (قرطبی) امام ماتریدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ممکن ہے حق تعالیٰ اُس وقت کوئی خاص نور پیدا کرے اور اس سے زمین موقف کو منور کردے۔ و قال الامام ابو منصورؒ يجوزان يخلق الله نورًا فينوربه ارض الموقف (مدارک) وَوُضِعَ الْكِتٰبُ۔ کتاب۔ بطور اسم جنس آیا ہے۔ مراد نامۂ اعمال ہیں۔ اے صحائف الاعمال و لكنهٗ اكتفى باسم الجنس (مدارک) الشُّهَدَآءِ۔ شہید کے تحت میں ملائکہ ومومنین سب آگئے جو اُس وقت گواہی دیں گے۔ الذين يشهدون للامم و عليهم من الملائكة والمومنين (بیضاوی) بِنُوْرِ رَبِّهَا۔ نُور کی اضافت رب کی طرف اضافت تخصیصی ہے۔ جیسے بیت اللہ و ناقة اللہ میں۔ و اضافتهٗ اليه تعالى كبيت الله و ناقة الله (مدارک) ف۸۴ (اُس کی عدالت میں یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی کی جزائے خیر میں کچھ بھی کمی رہ جائے) حق تعالیٰ کے علم کامل ومحیط کا بار بار تذکرہ اُن جاہلی مذاہب کی تردید میں ہے، جو خدا کے علم کو ناقص ومحدود سمجھتے تھے۔ ف۸۵ (ذلت وخواری کے ساتھ) زُمَرًا۔ کافروں کے یہ گروہ یا تو اقسام وانواع کفر کے لحاظ سے ہوں گے اور یا پھر مراتب ومدارج کفر کے لحاظ سے۔ على تفاوت اقدامهم في الضلالة والشرارة (بیضاوی)

وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ

اور اُن سے دوزخ کے محافظ کہیں گے، کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا

پروردگار کی آیتیں پڑھ کر سناتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے و۸۶ وہ (کافر) کہیں گے

بَلٰى وَ لٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

ہاں (کیوں نہیں) لیکن عذاب کی بات (آخر) کافروں پر پوری ہو کر رہی و۸۷

قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ

(پھر) کہا جائے گا دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو (اور) اس میں (ہمیشہ) پڑے رہو تو غرض کہ بڑا بُرا

مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ

ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا و۸۸ اور جو لوگ اہل تقوٰی تھے وہ جنت کی طرف

اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا

گروہ گروہ روانہ کئے جائیں گے و۸۹ یہاں تک کہ جب اُس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اُس کے دروازے کھلے ہوں گے

وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا

اور وہاں کے محافظ ان سے کہیں گے سلام علیکم مزہ میں رہو، سو اس میں ہمیشہ کے لئے

خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ

داخل ہو جاؤ و۹۰ اور وہ کہیں گے اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا

وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ

اور ہمیں (اس) زمین کا مالک کر دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں تو غرض کہ عمل کرنے والوں کا

اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ

کیسا اچھا انعام ہے و۹۱ اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ حلقہ باندھے ہوں گے عرش کے

و۸۶ دوزخیوں سے یہ ساری گفتگو انہیں قائل کرنے کے لیے اور اُن کی حسرتوں میں اضافہ کے لیے بطور زجر و ملامت ہوگی۔ رُسُلٌ مِّنْكُمْ۔ اپنے ہی ملک قوم و قبیلہ والوں سے حصول فیض آسان رہتا ہے۔ و۸۷ یہ آخری فقرہ بھی اگر دوزخیوں ہی کی زبان سے ادا ہوگا تو یہ اُن کی طرف سے اعتراف ہے کہ پیمبروں کی تبلیغ بلیغ کے باوجود ہم نے کفر و انکار سے کام لیا۔ اور جو عذاب موعود تھا وہ ہمارے ہاتھوں ہمارے سامنے آیا۔ قَالُوْا بَلٰى۔ وہ کہیں گے کہ ہاں کیوں نہیں آئے، آئے اور ضرور آئے۔ اور تبلیغ کا حق بھی پوری طرح ادا کر گئے۔ و۸۸ یعنی اُن لوگوں کے لیے جو اپنی ہوائے نفس اور اپنی چھوٹی سی عقل کو احکام الٰہی کے سامنے جھکانے میں عار محسوس کرتے تھے۔ اُدْخُلُوْا...... فِيْهَا۔ چنانچہ اس کے بعد دوزخ کے دروازے دوزخیوں پر ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گے۔ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ و۸۹ (بڑی قدر و منزلت کے ساتھ) اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا۔ مدارج کفر و اقسام شرک کی طرح قرب کے بھی مدارج و مراتب اور تقوٰی کے بھی اصناف و انواع ہیں۔ و۹۰ (کہ اب اس جنت عیش سے کبھی باہر ہونے کا کوئی کھٹکا ہی نہیں) وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا یہ دروازے اہل جنت کے اکرام میں تو پہلے ہی سے کھلے ہوئے ہوں گے اور انہیں توقف و انتظار ذرا سا بھی نہ کرنا پڑے۔ مفتحة لهم الابواب۔ و۹۱ اہل جنت جوشِ مسرت سے بے خود ہو کر یہ نعرہ لگائیں گے۔ اَلْاَرْضَ۔ ارض سے اس سیاق میں مراد سطح جنت ہے، جس پر اہل جنت چلتے پھرتے ہوں گے۔ عبارة عن المكان الذى اقاموا فيه واتخذوا مقرًا و متبوأً۔ (کشاف) یوں بھی ارض کا مفہوم عربی میں نہایت وسیع ہے اور جس طرح سماء کے اندر ہر وہ چیز داخل ہے جو سر کے اُوپر ہو اسی طرح ارض کے اطلاق میں ہر وہ چیز شامل ہے جو پیروں کے نیچے ہو۔ يعبر بها عن اسفل الشئى (راغب) نَتَبَوَّاُ...... نَشَآءُ۔ جنت میں ہر شخص کے لیے الگ الگ مقام اُس کے مرتبہ تقوٰی و درجہ تقرب کے لحاظ سے ہوگا لیکن سیر کی آزادی جنت بھر میں حاصل ہوگی اور چونکہ رشک مفقود ہوگا اس لیے اس کا احتمال ہی نہیں کہ کوئی شخص اپنے مقام سے غیر مطمئن دوسرے کے مرتبہ پر رشک کرتا ہوگا۔ پھر مقام کا تعین ہر شخص کی عین صلاحیت کے مطابق اور اس کے حسب حال ہوگا۔ اس لیے ہر شخص اس پر خوش ہوگا۔

الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَ قُضِيَ بَيْنَهُم

گردا گرد اپنے پروردگار کی تسبیح و حمد کرتے ہوئے اور بندوں کے درمیان ٹھیک فیصلہ

بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۷۵﴾

کر دیا جائے گا اور آواز آئے گی کہ ساری خوبیاں اللہ پروردگار عالم ہی کے لئے ہیں ف۹۲

ع ۸ / ۵

ایاتھا ۸۵ ۴۰ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ ۶۰ رکوعاتھا ۹

اس کی پچاسی آیتیں سورۂ مومن مکہ میں نازل ہوئی اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ

حا۔میم ف۱ یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے، علم والا ہے گناہ کا

الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ

بخشنے والا ہے اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے قدرت والا ہے

لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿۳﴾ مَا يُجَادِلُ فِي آيٰتِ اللّٰهِ

اُس کے سوا کوئی خدا نہیں، اسی کے پاس (سب کو) جانا ہے ف۲ اللہ کی آیتوں میں بس وہی لوگ جھگڑے نکالتے

إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿۴﴾ كَذَّبَتْ

ہیں جو کافر ہیں سو اُن لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا کہیں آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے ف۳ ان سے

قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّ الْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ وَ هَمَّتْ

قبل قوم نوح تکذیب کر چکی ہے اور ان کے بعد کے گروہ بھی اور ہر اُمت نے

كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَجٰدَلُوا بِالْبَاطِلِ

اپنے پیمبر کے گرفتار کرنے کا قصد کیا، اور ناحق کے جھگڑے نکالے،

ف۹۲ (جس نے اتنا بہتر فیصلہ کیا!) حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ۔ یہ عین اجلاس عدالت حشر کے وقت ہوگا۔ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ۔ یہ تسبیح وتحمید تو فرشتوں کی گویا غذا ہی ہے۔ وَقِيْلَ...... الْعٰلَمِيْنَ۔ اس نعرۂ مسرت وانبساط میں فرشتے اور انسان سب ہی شریک ہوں گے اور عجب نہیں جو اسی پر اجلاس عدالت برخاست ہو۔ ف۱ حٰمٓ۔ حروف مقطعات کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ البقرۃ کا حاشیہ الٓمّٓ پر۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے اس کے تین معنی نقل ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ اللہ کا اسم اعظم ہے، دوسرا یہ کہ یہ قسم کے معنی میں ہے۔ تیسرا یہ کہ یہ الرحمن کا مخفف ہے اور یہی قول زجاج لغوی کا بھی ہے (روح) سعید بن جبیر علیہ الرحمۃ تابعی اور عطاء خراسانی سے مروی ہے کہ ح مخفف ہے اسماء الٰہی حکیم۔ حمید۔ حی۔ حلیم۔ حنّان کا اور م مخفف ہے اسماء الٰہی ملک، مجید، منّان کا (معالم) ف۲ قرآن مجید کے نازل کرنے والے کے اسماء صفات قرآن مجید میں کسی اور جگہ بجز سورۂ حشر کے آخر کے یکجا نہ ملیں گے۔ اور ان میں سے ہر صفت قابل غور ولحاظ ہے۔ اَلْعَزِيْزِ۔ وہ غلبہ والا ہے۔ ہر چیز پر قادر۔ جو چاہے کر ڈالے۔ اَلْعَلِيْمِ۔ صاحب علم کامل ہے۔ جس پر کتاب اُتاری ہے، اُس سے اور جس غرض سے اتاری ہے اُس سے، جو اُن کے مخاطب ہیں، اُن سے، جو اور جتنی بھی اس کے اندر حکمتیں اور مصلحتیں رکھ دی ہیں اُن سے، غرض ان سب سے خوب واقف ہے۔ غَافِرِ الذَّنْبِ۔ گناہوں کو محض اپنے ارادہ ومشیت سے بخش دینے والا نہ کسی قانون عدل سے مجبور نہ "کفارہ" کا محتاج۔ قَابِلِ التَّوْبِ۔ وہ توبہ قبول کر سکتا ہے جس گناہ سے اور جب چاہے۔ وہ معطل اور محدود الاختیار خدا نہیں۔ شَدِيْدِ الْعِقَابِ۔ حسب ضرورت ومصلحت سزا بھی شدید ترین دے سکتا ہے۔ سو ڈرنا اسی کی نافرمانی سے چاہیے۔ ذِي الطَّوْلِ۔ بڑی قدرت والا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ وہ ہر طرح واحد، متفرد، بلا شریک ہے۔ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔ سب کا مرجع ومنتہیٰ وہی ہے۔ یہ نہیں کہ کوئی اُس کے حضور میں آنے سے بچ جائے، سابقہ سب کو صرف اُسی سے پڑنا ہے۔ ف۳ (کہ یہ باوجود انکار شدید وعناد کے جب اس آزادی اور فارغ البالی کے ساتھ تجارت، حکومت، سیر وتفریح کے لیے زمین پر چل پھر رہے ہیں تو کہیں ایسا تو نہیں کہ سزا سے ہمیشہ ہی کے لیے بچ جائیں) منکروں ملحدوں اور مشرکوں کی ظاہری کامیابیاں، کامرانیاں، ترقیاں آج بھی کمزور مسلمانوں کے دلوں میں کیسی مرعوبیت اور اُن کی آنکھوں میں کیسی خیرگی پیدا کیے ہوئے ہیں۔ مَا...... كَفَرُوْا۔ توحید، معاد، رسالت کے بنیادی عقیدوں سے انکار کرنا کسی سلیم الفطرت انسان کا کام تو نہیں ہو سکتا۔ ان سے انکار تو بس وہی لوگ کرتے ہیں۔ جن کی فطرت ہی مسخ ہو چکی ہے۔ مَا يُجَادِلُ کے ظاہر سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جدال اپنی مطلق صورت میں ممنوع ومذموم ہے۔ جدال ممنوع صرف وہ ہے، جو باطل کی نصرت وحمایت میں ہو۔ باقی جو جدال حق کی نصرت وحمایت میں اور طریق صحیح پر ہو وہ تو عین مطلوب ہے جیسا کہ متعدد آیتوں میں یہ صراحت ہے، و جادلهم بالتی هی احسن اور وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ۔ وغیرھا۔ فاما الجدال فیها لا یضاح ملتبسها و حل مشکلها واستنباط معانیها و ردّ اهل الزیغ بها اعظم جهاد فی سبیل اللہ (مدارک)

لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۵﴾

تاکہ اس ناحق سے حق کو دبالیں سو میں نے اُن کی گرفت کی سو میری طرف سے انہیں کیسی سزا ملی ف۴

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ

اور اسی طرح آپ کے پروردگار کی بات (تمام) کافروں پر پوری ہوچکی کہ وہ اہل دوزخ ہوں گے ف۵ جو (فرشتے) کہ

اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ

عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں، اور جو (فرشتے) اس کے گردا گرد ہیں

يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ

وہ اپنے پروردگار کی تسبیح حمد کے ساتھ کرتے رہتے ہیں اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا

استغفار کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے ف۶

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ

سوتو ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کرلی ہے اور تیرے راستہ پر چلتے ہیں، انہیں دوزخ کے عذاب سے

الْجَحِيْمِ ﴿۷﴾ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ

بچادے ف۷ اے ہمارے پروردگار انہیں ہمیشگی کی بہشتوں میں داخل کردے جن کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ

اور ان کے والدین اور بیویوں اور اولاد میں سے جو (بہشت کے) لائق ہوں سو انہیں بھی (داخل کردے) ف۸

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۸﴾ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ

بے شک تُو تو زبردست ہے حکمت والا ہے ف۹ اور انہیں تکلیفات سے بچالے اور تُو نے جس کو

تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

اُس دن کی تکالیف سے بچا لیا اُس پر تو نے (بڑی) مہربانی کی اور یہی بڑی کامیابی

ف۴ (سو یہ ساری پچھلی تاریخ انبیاء عبرت اور سبق حاصل کرنے کے لیے ہے) وَهَمَّتْ...... لِيَاْخُذُوْهُ۔ یعنی ہر قوم نے یہی چاہا کہ اپنے پیمبر کو پکڑ کر قید یا قتل یا جلاوطن کردے۔ اُمَّةٍ۔ امت سے یہاں ظاہر ہے کہ منکرین اُمت مراد ہیں۔ وَالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔ مراد منکرین کے وہ گروہ اور جتھے ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کے بعد گزرے ہیں۔ قوم عاد، قوم ثمود وغیرہا ف۵ یعنی جس طرح یہاں سزا ملی۔ آخرت میں بھی سزا مل کر رہے گی۔ ف۶ (سو اُن کا ایمان تو تجھ پر بدرجۂ اولیٰ روشن ہوگا، اور تو انہیں اپنی رحمت سے بدرجہ اولیٰ سرفراز کرے گا) يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اللہ اللہ! ان مومنین کے مرتبہ قرب کا کیا ٹھکانا جن کے حق میں ملائکہ، مقربین استغفار کرتے رہتے ہیں۔ محققین نے یہیں سے یہ بھی نکالا ہے کہ مومنین کے حق میں دعائے خیر شعار ملائکہ اور موجب قرب وقبول ہے

و فيه اشارة الى شرف الايمان و جلالة قدر المؤمنين و الى انه ينبغى للمؤمنين من بنى أدم ان يستغفر بعضهم لبعض (روح)

اس میں اشارہ ہے ایمان اور اہل ایمان کی عظمت وجلالت کی طرف اور اس طرف بھی کہ مومنین کو ایک دوسرے کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہنا چاہیے

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ جب ایمان مشترک ہو تو شفقت وخیر اندیشی کا تقاضا یہی ہے کہ ان لوگوں کے حق میں دعا کی جائے اگرچہ دوسری قوم اور ملک کے لوگ ہوں۔ و فيه دليل على ان الاشتراک فى الايمان يجب ان يكون ادعى شئى الى النصيحة والشفقة و ان تباعدت الاجناس والاماكن (مدارک) يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ۔ اس پر سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ جب فرشتوں کی تسبیح وحمد کا ذکر آہی چکا تھا تو پھر اب اُن کے ایمان کی تصریح کی کیا حاجت تھی؟ زمخشری ''صاحب کشاف'' نے کہا ہے کہ یہ ایمان ملائکہ کا تذکرہ موقع مدح پر آیا ہے لیکن حاملان عرش اگر مشاہدۂ حضرت حق کے بعد ایمان رکھے ہوتے تو اس میں کوئی بات خاص مدح وتحسین کی نہ تھی۔ یہ تو ایسا ہی تھا جیسا کوئی دن دہاڑے آفتاب روشن کو دیکھ کر اس کے وجود کا قائل ہو۔ مدح کی توجیہ بھی یہی ہے کہ رویت ومشاہدہ ان ملائکہ کو بھی نصیب نہیں اور ان کا ایمان تمامتر دلائل وشواہد پر مبنی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کو نقل کرنے کے بعد کمال فراخ دلی سے لکھتے ہیں:۔ رحم الله صاحب الكشاف فلو لم يحصل فى كتابه الا هٰذه النكتة لكفاه فخرًا و شرفًا۔ اللہ صاحب کشاف پر رحمت کرے اپنی کتاب میں اس ایک نکتہ کے سوا اور کچھ نہ لکھتے جب بھی ان کے فخر وشرف کے لیے کافی تھا۔ بیشک حق تعالیٰ کی شان تنزیہ ہے ایسی ہی عالی کہ اہل ناسوت کا کیا ذکر ملائکہ حاملان عرش تک اسے اپنے حواس کی گرفت میں نہیں لاسکتے۔ ف۷ اور یہی معنی ہیں مغفرت کے۔ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا یعنی کفر وشرک سے توبہ کرلے۔ عذاب کا سبب تو ذنوب ومعاصی ہی ہوتے ہیں جب وہ رفع ہوگئے تو عذاب بھی رفع ہوگیا۔ ف۸ (گو وہ اُن کے درجہ ومرتبہ کے قائل نہ ہوں) مَنْ صَلَحَ کا ٹکڑا قابل لحاظ ہے۔ ملائکہ کی دعائے علو مراتب مومنین کے اعزہ کے حق میں مطلق صورت میں نہ ہوگی بلکہ صرف انہیں کے حق میں ہوگی جن میں جنت کی صلاحیت ہوگی۔ یعنی اہل ایمان کے۔ کافر تو وہی ہے جو اپنے لیے بہشتی ہونے کی صلاحیت ہی کو فناء کردیتا ہے اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ آخرت میں کسی کا نسب اُس کے کام نہ آئے گا وہاں مراد ہے کہ عدم ایمان کی حالت میں (مدارک بجصاص، ابن العربی) ف۹ ہر درجہ تقرب ومغفرت کے عطا پر قادر ہے اور ہر ایک کو اُس کے مناسب حال ہی درجہ عطا کرتا ہے۔

الْعَظِيمُ ۹ ع إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ

ہے ف۱۰ یقیناً جو لوگ کافر ہیں انہیں پکارا جائے گا کہ جیسی تم کو اپنے سے نفرت ہے اس سے

مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ

بڑھ کر اللہ کو تم سے نفرت تھی جبکہ تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے

فَتَكْفُرُونَ ۱۰ قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ

اور تم انکار کرتے تھے ف۱۱ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دوبار مُردہ رکھا اور دوبار زندگی دی

فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ۱۱ ذَٰلِكُم

سو ہم اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا کوئی صورت ہے نکلنے کی ف۱۲ وجہ اس (سزائے دائمی) کی

بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ۚ وَإِن يُشْرَكْ بِهِ

یہ ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم انکار کیا کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم

تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ۱۲ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ

مان لیتے تھے، سو فیصلہ تو اللہ کا ہے جو عالیشان ہے بڑے رتبے والا ہے ف۱۳ وہ وہی ہے جو اپنی نشانیاں

آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا ۚ وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَن

تمہیں دکھاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے رزق اُتارتا ہے ف۱۴ اور نصیحت تو بس وہی قبول کرتا ہے جو (اللہ سے

يُنِيبُ ۱۳ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ

رجوع کرتا رہتا ہے، سو تم لوگ اللہ کو پکارو اس سے خالص اعتقاد رکھ کر گو کافروں کو

الْكَافِرُونَ ۱۴ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ

ناگوار ہو ف۱۵ وہ مرتبوں کو بلند کرنے والا ہے مالک عرش کا ہے وہ بندوں میں سے جس پر چاہے

مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنذِرَ يَوْمَ

وحی یعنی اپنا حکم بھیجتا ہے تاکہ یوم الاجتماع سے

ف۱۰ (جس کے سامنے ساری دنیوی کامیابیاں پست، عارضی اور ہیچ ہیں) خوب خیال رہے کہ قرآن مجید نے مقصود اعظم اسی نجات اُخروی اور دخول جنت کو بتایا ہے اس کے علاوہ اور جتنے مقاصد ہیں سب پست اور محض ضمنی ہیں۔ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ۔ یعنی علاوہ دوزخ کے عذاب اعظم کے اور بھی روز قیامت کی ہر تکلیف سے بھی بچالے۔ السَّيِّاٰتِ کے معنی جزاء السیات کے سمجھے گئے ہیں۔ و قیل التقدیر قهم عذاب السیات (قرطبی) و من تق السیات ای جزاء ها (بحر) ف۱۱ یہ اُس وقت کا نقشہ ہے جب کافر دوزخ میں داخل ہو کر خود اپنے اوپر نفریں اور غصہ کریں گے کہ دنیا میں ہم کیسے اندھے ہو گئے تھے —— اور اس ندا سے مقصود اُس وقت اُن کی حسرت وندامت میں اور اضافہ کرنا ہوگا۔ ف۱۲ (اور دنیا میں دوبارہ جا کر اپنی خطاؤں کے تدارک وتلافی کی) ظاہر ہے کہ یہ درخواست قبول نہ ہوگی اور اہل جہنم پر یاس کامل طاری ہو کر رہے گی۔ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا۔ اس میں یہ اعتراف بھی آ گیا کہ جس زندگی سے ہمیں انکار تھا۔ اُس کا خود مشاہدہ وتجربہ ہو گیا۔ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ۔ دو مردہ حالتوں میں سے ایک تو یہی موت متعارف ہے۔ دوسرے قبل ولادت کی بے جان حالت یا جمادیت کی حالت۔ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ۔ دو زندگیاں۔ یعنی ایک زندگی دنیا کی، دوسری آخرت کی۔ ف۱۳ (سو انکار کی سزا بھی اُسی حاکم مقتدر کی جلالت قدر ومرتبہ کے لحاظ سے ملے گی) اِذَا...... تُؤْمِنُوا۔ بس یہی خلاصہ ہے دین شرک کا، خدا کے وجود سے مشرکوں کو انکار نہیں، انکار صرف اُس کے خدائے واحد ہونے سے ہے۔ اُسے خدائے اعظم کی حیثیت سے مانا جائے اور دوسرے چھوٹے چھوٹے خداؤں کی حیثیت تسلیم کر لی جائے تو ان مشرکوں کو بھی تامل نہ رہے۔ ف۱۴ (جو دلیل ہے اس کی کہ وہ رب اور منعم بھی ہے) اٰيٰتِهٖ۔ یعنی نشانیاں اپنی قدرت و توحید کی۔ ف۱۵ یعنی ہر شائبہ شرک سے اور ہر آمیزش کفر سے پاک صاف ہو کر حق تعالیٰ کو پکارو اور یہ توحید خالص ہی تو کافروں کو شاق گزرتی ہے۔ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ۔ یعنی پند ونصیحت کارگر اُسی کے حق میں ہوتی ہے، جو حق تعالیٰ کی طرف قصد رجوع رکھتا ہو۔ غور وتامل اسی قصد رجوع سے پیدا ہوتا ہے۔ اور وہی حق تعالیٰ تک پہنچا دیتا ہے۔

التَّلَاقِ ﴿١٥﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ

ڈرائے و١٦ (یعنی) اُس دن سے جس دن سب لوگ سامنے آموجود ہوں گے اُن کی کوئی بات اللہ سے مخفی

شَيْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾ اَلْيَوْمَ

نہیں رہے گی آج کے روز کس کی حکومت ہے؟ بس اللہ واحد و غالب ہی کی ہے و١٧ آج

تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

ہر شخص کو اُس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا آج کچھ ظلم نہ ہو گا اللہ بہت جلد

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ

حساب لے ڈالنے والا ہے اور آپ انہیں ایک قریبی مصیبت والے دن سے ڈرائیے جب کلیجے

لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۚ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا

منہ کو آجائیں گے (غم سے) گھٹ گھٹ جائیں گے ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہو گا اور نہ سفارشی

شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿١٨﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي

جس کی بات مان ہی لی جائے و١٨ (اللہ) جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو اور جو کچھ سینہ میں چھپا ہوا ہے

الصُّدُوْرُ ﴿١٩﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

اُس کو بھی و١٩ اور اللہ ٹھیک ہی فیصلہ کرے گا، اور جن لوگوں کو یہ اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ

پکارتے ہیں وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے، اللہ ہی (سب کچھ) سننے والا ہے

الْبَصِيْرُ ﴿٢٠﴾ ع اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

(سب کچھ) دیکھنے والا ہے و٢٠ کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں جو یہ دیکھ لیتے کہ ان سے قبل

عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ

والوں کا انجام کیسا ہوا وہ لوگ ان سے بھی بڑھے ہوئے تھے

و١٦ یَوْمَ التَّلَاقِ۔ مراد ظاہر ہے کہ یوم آخرت سے ہے۔ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ۔ یہاں رافع الدرجات کے معنٰی میں ہے۔ یعنی بندوں کے درجات و مراتب کا بڑھانے والا۔ رافع درجات الانبیاء والاولیاء فی الجنة (معالم) ای رافع درجات المؤمنین و منازلهم فی الجنة (بحر) بعض نے مرتفع الدرجات کے معنٰی میں لیا ہے۔ یعنی صفات عظیم و بلند رکھنے والا۔ یحتمل ان یکون المراد منه الرافع و ان یکون المراد منه المرتفع (کبیر) ذُو الْعَرْشِ۔ لفظی معنٰی ہوئے عرش والا، اس سے یہ مراد نہیں کہ نعوذ باللہ اللہ میاں عرش کے اُوپر بیٹھے ہوئے ہیں، حق تعالیٰ ہر جسمیت، ہر مکانیت سے پاک و برتر ہیں، مراد صرف یہ ہے کہ وہ اس کا بھی مالک اُس کا خالق اور اُس پر ہر طرح قادر ہے۔ و معناه انه مالک العرش و متدبرهٗ و خالقهٗ (کبیر) ای خالقه و مالکهٗ لا انه محتاج الیه (قرطبی) اور مقصود اس سے اُس کے کمال قدرت اور منتہائے ہیبت کا اظہار ہے۔ والفائدة فی تخصیص العرش بالذکر هو انه اعظم الاجسام (کبیر) الرُّوْحَ سے مراد وحی ہے۔ الروح من امره ای الوحی من امره (ابن جریر۔ عن قتادة) اختلفوا فی المراد بهذا الروح والصحیح ان المراد هو الوحی (کبیر) سماه روحا لانه تحیابه القلوب کما تحیا الابدان (معالم) ای الوحی والنبوة و سمی ذٰلک روحا لان الناس یحیون بها (قرطبی) دوسرے معنٰی قرآن و کتاب کے لیے گئے ہیں۔ و قال اٰخرون عنی به القراٰن و الکتاب (ابن جریر) قاموس میں ہے کہ روح، قرآن و وحی کے معنٰی میں ہے، اور تاج میں ابو العباس کا قول نقل کیا ہے کہ جس طرح روح جسد انسانی کو زندہ کرتی ہے، وحی موت کفر سے نجات دیتی ہے اور ایمان کی زندگی پھونکتی ہے اس لیے وحی کو بھی روح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ و١٧ حکومت تو آج بھی خدائے واحد و غالب ہی کی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اُس روز یہ سب پر بالکل عیاں و روشن ہو کر رہے گی۔ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ الْوَاحِدِ۔ اور القهار دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ و١٨ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ کے لفظی معنٰی "قریب آجانے والی" کے ہیں۔ قیامت بھی چونکہ برابر قریب آتی جارہی ہے اس لیے یَوْمَ الْاٰزِفَةِ ایک نام یوم قیامت کا بھی پڑ گیا۔ عبر عنها بساعة (راغب) یعنی یوم القیامة (ابن جریر) اَلْيَوْمَ...... كَسَبَتْ۔ آیت کے الفاظ سے یہ نکل رہا ہے کہ ثواب و عذاب بندہ ہی کا کسب کیا ہوا ہوتا ہے اور یہی اشاعرہ کا مذہب ہے۔ قال ابن عطیة و هذه الاٰیة نص فی ان الثواب و العقاب متعلق باکتساب العبد و هو علٰی طریقة الاشعریة (بحر) لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ۔ یعنی یہ نہ ہو گا کہ کسی کا اجر گھٹا دیا جائے اور کسی کا عذاب بڑھا دیا جائے۔ و١٩ یہاں یہ بتا دیا کہ اقوال و افعال کیا معنٰی، احوال و کیفیات، جذبات و واردات قلب تک سب وہاں حاضر و عیاں ہوں گے ــــ یہ اور بات ہے کہ اضطراری اعمال و کیفیات معاف کر دی جائیں۔ و٢٠ یعنی وہی ان صفات کمال میں کامل اور دوسرے معبود ان صفات ہی سے عاری۔ اس لیے اس کے سوا کوئی اور فیصلہ کر ہی نہیں سکتا۔ آیت سے دو پہلوؤں پر اور زیادہ روشنی پڑ گئی۔ ایک شرکت الوہیت و معبودیت کی نفی، دوسرے ان معبودوں کا نصرت سے عجز۔

قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ مَا

بلحاظ قوت اور زمین پر اپنے چھوڑے ہوئے نشانات کے، سو اللہ نے ان کی گرفت کی بہ سبب اُن کے گناہوں کے، اور

كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ

اُن کا کوئی اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا نہ ہوا و۲۱ یہ (گرفت) اس لئے ہوئی کہ اُن کے پاس ان کے پیغمبر

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِیٌّ

واضح دلیلیں لاتے رہے، اس پر بھی وہ کفر ہی کئے گئے، سو اللہ نے انہیں پکڑ لیا، بیشک وہ بڑی قوت والا ہے،

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا

سخت سزا دینے والا ہے و۲۲ اور ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام

وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ لا اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ قَارُوْنَ

اور کھلی ہوئی دلیل دے کر فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا

فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا

تو وہ لوگ بولے یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے و۲۳ جب وہ لوگوں کے پاس دین حق ہمارے پاس سے لے کر آئے

قَالُوا اقْتُلُوْۤا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَ اسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ

تو وہ لوگ بولے کہ جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہوئے ہیں اُن کے لڑکوں کو قتل کر ڈالو اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دو

وَ مَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ وَ قَالَ فِرْعَوْنُ

اور کافروں کی چال محض ناکام رہی و۲۴ اور فرعون بولا

ذَرُوْنِیْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَ لْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ

مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور یہ اپنے پروردگار کو پکار دیکھے و۲۵ مجھے ڈر ہے کہ

يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَ قَالَ

وہ تمہارا دین بدل ڈالے گا یا یہ کہ ملک میں فساد پھیلا دے گا و۲۶ اور موسیٰ نے

و۲۱ یہ تاریخ اور اثریات کے مطالعہ کے لیے اپیل ہے کہ ان فنون سے مدد لے کر دیکھو اور بڑی بڑی پر قوت سرکش قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کرو۔ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ ۔ مثلاً محل، قلعہ، باغ وغیرہا۔ اَلَّذِيْنَ ...... الْاَرْضِ ۔ اشارہ اُن قبل اسلام کی متمدن و سربرآوردہ جاہلی قوموں کی جانب ہے جن کی ترقی تہذیب وتمدن کے نشان اب بھی کھنڈروں کی صورت میں موجود ہیں۔ و۲۲ (تو اس کی گرفت سے یہ لوگ کب تک باہر رہ سکتے ہیں) بِالْبَيِّنٰتِ بینات کے تحت میں عقلی دلائل اور عملی معجزے سب کچھ آ گئے۔ و۲۳ قرآن جیسا کہ بار بار بیان ہو چکا ہے، کوئی تاریخ کی کتاب نہیں اس کے پیش نظر صرف مقاصد و نتائج رہتے ہیں۔ نبوت موسوی سے انکار کا جزء ان تینوں مشاہیر میں مشترک تھا اور یہاں اسی کے نتیجہ پر تنبیہ مقصود تھی اس لیے قرآن نے بھی تینوں کا نام ایک ساتھ لے دیا ورنہ ظاہر ہے، کہ قارون مصری نہیں اسرائیلی تھا اور اس کی تکذیب و انکار کا واقعہ زمانا بھی فرعون و ہامان سے متاخر ہے۔ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَ قَارُوْنَ ۔ فرعون پر حاشیے سورۃ البقرہ پ۱ میں گزر چکے اور ہامان و قارون پر سورۃ القصص پ۲۰ میں۔ قارون اسرائیلی نے جس شدومد سے حضرت موسیٰ سے انکار کیا ہے اور بغاوت پر آمادہ ہوا ہے اُس کا ذکر توریت میں بصراحت موجود ہے۔ و۲۴ کافروں کی چالیں تو مآلاً اور آخرکار تو ہمیشہ ہی ناکام رہتی ہیں اور کبھی حالاً اور فوری طور پر بھی ناکام رکھی جاتی ہیں۔ قَالُوْا ۔ یہ مشورہ دینے والے اور آپس میں صلاح کرنے والے مصر کے اعیانِ سلطنت و ارکان حکومت تھے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۔ یہ ایمان لانے والے حضرت موسیٰ ہی کے ہم قوم بنی اسرائیل تھے۔ و۲۵ (دیکھیں تو سہی وہ ہمارے عتاب سے اسے کیونکر بچا لیتا ہے) قَالَ فِرْعَوْنُ ۔ یہ فرعون نے جھنجھلا کر اپنے وزراء و اُمراء سے کہا۔ فرعون کی حکومت باوجود اس کے شخصی استبداد کے شورائی تھی، جیسا کہ قرآن مجید کی دوسری آیات سے بھی نکلتا ہے۔ و۲۶ دین سے مراد مصر کا قومی آبائی دین شرک ہے — ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ فرعون نے دو خطرے اپنے اعیانِ سلطنت کو بجھائے ایک یہ کہ یہ مدعی نبوت اپنی تدبیروں اور نام نہاد اصلاحی مساعی سے اس دین آبائی میں خلل ڈال دے گا اور لوگوں کو دین شرک سے اُکھاڑ دے گا۔ دوسرے یہ کہ رعایا میں تاج کے خلاف شورش و بغاوت پھیلا دے گا۔

مُوْسٰۤى اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّىْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ

کہا میں اپنے اور تمہارے سب کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ہر بڑائی مارنے والے سے جو روز حساب پر

بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

یقین نہیں رکھتا ف۲۷ اور ایک مرد مومن نے جو خاندان فرعون سے تھے

يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّىَ اللّٰهُ وَقَدْ

اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے کہا ف۲۸ کیا تم ایک مرد کو اس بات پر قتل کر ڈالو گے کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے

جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۖ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ

درآنحالیکہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلی ہوئی دلیلیں بھی لایا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اُس کا جھوٹ اسی پر

كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِىْ يَعِدُكُمْ ۖ

پڑے گا اور اگر وہ سچا ہوا تو وہ جو کچھ پیش گوئی کر رہا ہے اُس میں سے کچھ تم پر (ضرور ہی) پڑے گا

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ

بے شک اللہ ایسے کو راہ (کامیابی) نہیں دکھاتا جو حد سے گزر جانے والا ہو جھوٹا پایا ہو ف۲۹ اے میرے بھائیو! آج تمہاری

الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ

سلطنت ہے کہ اس سرزمین میں تم حاکم ہو لیکن اللہ کے عذاب سے ہمیں

بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۖ قَالَ فِرْعَوْنُ مَاۤ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَاۤ اَرٰى

کون بچائے گا اگر وہ ہم پر آ پڑا ف۳۰ فرعون نے کہا میں تو تم لوگوں کو وہی رائے دوں گا جو خود سمجھ رہا ہوں

وَمَاۤ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الَّذِىْۤ اٰمَنَ يٰقَوْمِ

اور میں تو تم کو عین طریق مصلحت ہی بتاتا ہوں اور اُس ایمان لے آنے والے شخص نے کہا، اے میرے بھائیو!

اِنِّىْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ

مجھے تمہارے متعلق (دوسری) اُمتوں کے سے روز بد کا اندیشہ ہے جیسا کہ

ع ۸ ۳

ف۲۷ علماء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ شر سے بچنے کے لیے دعاء عموی اور کلی رنگ میں اگر کی جائے تو بہتر ہے جیسا کہ یہاں ضرورت صرف فرعون کے شر سے پناہ مانگنے کی تھی لیکن حضرت موسٰی نے الفاظ جامع وعمومی استعمال کیے۔ ف۲۸ معلوم ہوتا ہے کہ فرعونیوں میں سے کچھ لوگ حضرت موسٰی کی صداقت کے قائل ہو گئے تھے اور اتنا تو توریت میں بھی ہے کہ کچھ فرعونی خوفِ خدا رکھنے والے تھے۔ حضرت موسٰی کی ایک منذر پیشگوئی کے سلسلہ میں ہے:۔ ”فرعون کے نوکروں میں ہر ایک جو خداوند کے کلام سے ڈرتا تھا اپنے نوکروں اور اپنے مواشی کو گھروں میں بھگا لے آیا“۔ (خروج۔۹:۲۰) يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ۔ علماء محققین نے لکھا ہے کہ اسلام ہی کی مصلحت سے اپنے اسلام کا چھپانا بالکل جائز ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اہل باطل کے سامنے حق کا اخفاء خوف فتنہ سے منافی کمال نہیں، خصوصاً جبکہ سہولت ارشاد و تبلیغ کی مصلحت بھی شامل ہو۔ ف۲۹ (اور دنیا کا کوئی اسراف و کذب جھوٹے دعوائے نبوت سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے) مرد مومن کا کہنا یہ ہے کہ موسٰی کا اوّل تو جرم ہی کیا ہے۔ بجز اقرار توحید کے اور پھر اقرار بھی بلا دلیل نہیں، آیات و معجزات سے مدلل، بالفرض وہ جھوٹے ہیں تو ایسے شدید قسم کے جھوٹ کی حق تعالیٰ دنیا ہی میں سزا دے کر رہے گا۔ لیکن اگر ان کا دعوئے نبوت سچ نکلا تو تم اپنی خبر لو، تمہارا انجام کیا ہو کر رہے گا؟ وَاِنْ...... كَذِبُهٗ۔ علماء محققین نے لکھا ہے کہ جھوٹے مدعیان نبوت بھی اگر کورے سچ کر نکل جائیں تو تلبیس علی الحق لازم آتی ہے۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے آیت کے تحت میں اپنا ذاتی تجربہ بھی بیان کیا ہے کہ جب بھی مجھے کسی شریر نے خواہ مخواہ نقصان پہنچانا چاہا، اور میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی، بلکہ معاملہ حق تعالیٰ ہی پر چھوڑ دیا تو اللہ نے ہمیشہ کچھ نہ کچھ لوگ ایسے لا کھڑے کیے جو پوری طرح اس شر کے دفعیہ پر لگ گئے۔ و لقد جربت فی احوال نفسی انهٗ کلما قصدنی شریر بشر و لم اتعرض لهٗ و اکتفی بتفویض ذٰلک الامر الی اللّٰه فانهٗ سبحانهٗ یقیض اقواما لا اعرفهم البتة یبالغون فی دفع ذالک الشر (کبیر) ف۳۰ (اور اس کا وقوع ایک سچے نبی کے قتل کے بعد یقینی ہے)

قَوْمِ نُوحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنۢ بَعْدِهِمْ ۚ وَمَا اللَّهُ

قوم نوح و عاد و ثمود اور اُن کے بعد والوں کا حال ہوا تھا اور اللہ

يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿٣١﴾ وَيَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ

بندوں پر کسی طرح کا ظلم نہیں کرنا چاہتا و۳۱ اے میرے بھائیو مجھے تمہاری بابت پکار کے دن کی طرف سے بھی

التَّنَادِ ﴿٣٢﴾ يَوْمَ تُوَلُّونَ مُدْبِرِينَ ۚ مَا لَكُم مِّنَ اللَّهِ

اندیشہ ہے و۳۲ جس روز تم پشت پھیر کر بھاگو گے تم کو اللہ کے مقابلہ میں کوئی

مِنْ عَاصِمٍ ۗ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ

بچانے والا نہ ہو گا و۳۳ اور جسے اللہ گمراہ کرے اُسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور

جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِن قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ

تمہارے پاس اس کے قبل یوسف بھی تو کھلے ہوئے دلائل لے کر آ چکے ہیں سو تم شک ہی میں پڑے رہے اُن امور سے متعلق

مِّمَّا جَاءَكُم بِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ اللَّهُ

جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے و۳۴ یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم کہنے لگے کہ اب خدا اُن کے بعد کوئی

مِنۢ بَعْدِهِ رَسُولًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ

رسول نہ بھیجے گا اسی طرح اللہ گمراہی میں ڈالے رکھتا ہے اُن لوگوں کو جو حد سے نکل جانے والے

مُّرْتَابٌ ﴿٣٤﴾ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ

ہوتے ہیں شک میں پڑے رہتے ہیں و۳۵ (اور) جو اللہ کی نشانیوں کے باب میں بغیر اس کے کہ اس نے انہیں کوئی

أَتَاهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ وَعِندَ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ كَذَٰلِكَ

سند دی ہو جھگڑے نکالتے رہتے ہیں (اس سے) بڑی بیزاری ہے اللہ کو اور ایمان والوں کو اسی طرح

يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿٣٥﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ

اللہ مہر کر دیتا ہے ہر مغرور و جابر کے قلب پر و۳٦ اور فرعون نے کہا

و۳۱ (لیکن جب تم خود ہی اس کے عذاب کو بلا رہے ہو تو ضرور کیفر کردار کو پہنچ کر رہو گے) مَا...... لِلْعِبَادِ۔ اس فقرہ میں تعریض ہے مشرکوں کے خونخوار و خوں آشام دیوی دیوتاؤں پر۔ و۳۲ یعنی سزائے دنیوی کے علاوہ عذاب آخرت کا بھی۔ یَوْمَ التَّنَادِ۔ ''پکار والا دن'' یوم قیامت کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس روز بڑی ہی چیخ پکار پڑے گی۔ یوم ینادی الناس بعضهم بعضاً من فزع نفخة الفزع (ابن جریر) و۳۳ روز حشر کی دہشت اور ہولناکی کا بیان ہے۔ یوم یولون هاربین فی الارض حذر عذاب الله وعقابه عند معاینتهم جهنم (ابن جریر) و۳۴ یعنی تم نے تو ان کی نبوت کی بھی تصدیق نہ کی۔ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ۔ یعنی وہ اسی ملک مصر میں، اہل مصر کے روبرو نبی ہو کر آئے تھے۔ و۳۵ یعنی نبوت کی تو تم ان کے بھی قائل نہ تھے اور جب وہ وفات پا گئے، جب تم کھلم کھلا کہنے لگے کہ ہمیشہ کے لئے یہ جھگڑا پاک ہو گیا۔ كَذَٰلِكَ...... مُرْتَابٌ۔ یہ ایک عام قانون قاعدہ بتا دیا کہ ایسے بدتوفیقوں کو ہمیشہ گمراہی ہی میں پڑا رہنے دیا جاتا ہے۔ إِذَا هَلَكَ۔ قرآن مجید انبیاء صدیقین کے لئے بھی ایسے موقعوں پر بے تکلف وہی الفاظ لے آتا ہے جو عام افراد بشری کے لئے لائے جاتے ہیں، ہلاکت و موت کے قسم کے الفاظ جس طرح ہر بشر کے لئے آتے ہیں انبیاء کے لئے بھی لائے گئے ہیں۔ و۳٦ (مغرور و جابر و متکبر و جبار) چونکہ حق طلبی اور حق جوئی سے کام نہیں لیتا، اس لئے رفتہ رفتہ اس میں صلاحیت حق فہمی کی بھی باقی نہیں رہ جاتی۔ يُجَادِلُونَ...... سُلْطَانٍ۔ جدال بلا دلیل کی اس مذمت سے یہ نکلا کہ جدال حجت صحیحہ کے ساتھ کرنا مستحسن ہے فی ذمه لهم بانهم یجادلون بغیر سلطان دلالة علی ان الجدال بالحجة حسن وحق (کبیر)

يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾

اے ہامان میرے لئے ایک بلند عمارت بنوا کہ میں (اس سے) آسمان پر جانے کی راہوں تک

اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ

پہنچ جاؤں اور موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی

كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ

سمجھتا ہوں ف۳۷ اور اسی طرح فرعون کو اُس کی بدکرداری خوش نما کر دی گئی اور وہ راہ (راست) سے

السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ

رُک گیا اور فرعون کی ہر تدبیر غارت ہی گئی ف۳۸ اور وہی جو ایمان

الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾

لا چکا تھا بولا اے میرے بھائیو میری پیروی کرو میں تمہیں ٹھیک راستہ بتا رہا ہوں

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ

اے میرے بھائیو یہ دنیوی زندگی محض چند روزہ ہے اور ٹھہرنے کا ٹھکانا تو

هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا

آخرت ہی ہے ف۳۹ جو کوئی گناہ کرتا ہے اُسے بدلہ بس برابر سرابر ہی

مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ

ملتا ہے اور جو کوئی نیک کام کرتا ہے وہ مرد ہو یا عورت ہاں بس

مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا

مؤمن ہو تو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے جہاں انہیں رزق

بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ

بے حساب ملے گا ف۴۰ اور اے میرے بھائیو یہ کیا ہے کہ میں تو تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں

ف۳۷ فرعون اس مردمومن کی تقریروں کا تو کچھ جواب دے نہ سکا لاجواب ہو کر فرمائش ہامان سے یہ کر دی۔ يٰهَامٰنُ۔ ھامان پر حاشیہ سورۃ القصص (پ۲۰) میں گزر چکا۔ ھامان۔ جو دیوتا آمن کے مندر کا سب سے بڑا پروہت یا پجاری تھا۔ وہی سلطنت کا چیف انجینئر بھی ہوتا تھا ہامان سے متعلق اسی سابق حاشیہ میں گذر چکا ہے کہ یہ شخصی نام نہیں بلکہ ایک عظیم الشان سرکاری عہدہ کا لقب تھا جیسے فرعون خود شاہی لقب تھا۔ ابْنِ لِيْ صَرْحًا۔ روایات یہود میں بھی آتا ہے کہ شاہ مصر کے لئے زمین وآسمان کے درمیان ایک محل تعمیر ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ۔ لفظ ظن سے یہ خیال نہ گذرے کہ فرعون اس بات کو بطور فرض کے، یا شک کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ ظن یقین کے معنی میں بھی آتا ہے۔ قیل ان الظن بمعنی الیقین ای وانا اتیقن انه کاذب (قرطبی) ف۳۸ (اور بالآخر وہ اپنے لاؤلشکر سمیت سمندر میں غرق ہو کر رہا) وَكَذٰلِكَ یعنی جس طرح کے سوء اعمال کی خوشنمائی کی ایک مثال ابھی اوپر فرعون کے قول میں گزر چکی۔ ای مثل ذلک التزیین وذلک الصد (مدارک) زُيِّنَ...... عَمَلِهٖ۔ اس تزیین کی علت قریبہ تو ہمیشہ شیطان کی وسوسہ اندازی ہی ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ وزین لھم الشیطان اعمالھم۔ لیکن علت بعیدہ تکوینی حیثیت سے خود ذاتِ حق ہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ زینا لھم اعمالھم فھم یعمھون۔ ف۳۹ مردمومن کا کہنا یہ ہے کہ حقیقی فوز وفلاح کا راستہ تو وہ ہے جسے میں بتا رہا ہوں نہ کہ وہ جس کی رہبری فرعون کر رہا ہے۔ اِنَّمَا...... الْقَرَارِ۔ عاجل اور آجل کے راستوں کا فرق جو آج نظر آ رہا ہے۔ یہی ہمیشہ رہا ہے۔ غافل نے اِدھر دیکھا عاقل نے اُدھر دیکھا۔ مَتَاعٌ۔ میں تنوین تقلیل کی ہے اظہار تحقیر کے لئے اور مَتَاعٌ کے لفظ میں خود ہی اس نفع کے عارضی اور زود فنا ہونے کا مفہوم شامل ہے۔ متعة تنتفعون بھا مدة ثم تنقطع (معالم) ای یتمتع بھا قلیلا ثم تنقطع وتزول (قرطبی) ف۴۰ یہاں ایک بڑی اصل پر روشنی پڑ گئی۔ اہل جنت کے اجر کی کوئی حد ہی مقرر نہیں۔ لیکن بدی کی سزا میں یہ قاعدہ مقرر نہیں۔ بدکار کو سزا صرف اسکے جرم کے متناسب ہی ملے گی۔ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى۔ عورت جس طرح دیوی اور کسی خاص تقدس واحترام کی حامل نہیں اسی طرح گندی اور ناپاک جنس بھی نہیں۔ عمل وایمان کے نقطہ نظر سے مرد وعورت دونوں بالکل یکساں وہم سطح ہیں۔ جس کے جیسے عمل ہوں گے، اسی مناسبت سے اسے جزائے عمل بھی ملے گی۔ اس کی جنسیت کا اس پر کچھ بھی اثر نہیں پڑے گا جاہلی مذہبوں نے عورت کے بارہ میں جو جو بے اعتدالیاں روا رکھی ہیں ان کے پیش نظر قرآن مجید کو اس صراحت کی ضرورت تھی۔

ع ۴ / ۹

وَتَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَی النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ

اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو تم مجھے اس طرف بلاتے ہو کہ میں اللہ سے کفر کروں

بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؗ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ

اور ایسی چیز کو اس کا شریک کروں جس کے (شریک ہونے) پر میرے پاس کوئی دلیل نہیں درآنحالیکہ میں تمہیں (خدائے) غالب و غفار کی

الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ

طرف بلاتا ہوں ف۴۱ یہ یقینی بات ہے کہ جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو وہ پکارے جانے کے قابل نہ دنیا میں

فِی الدُّنْیَا وَ لَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰهِ وَ اَنَّ

ہے اور نہ آخرت میں اور یہ بھی کہ ہم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور یہ بھی کہ

الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ

حد سے نکل جانے والے سب دوزخی ہی ہوں گے ف۴۲ سو عنقریب تم میری بات کو یاد

لَكُمْ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ

کرو گے اور میں اپنا معاملہ تو اللہ کے سپرد کیے ہوئے ہوں، بے شک اللہ بندوں کا خوب

بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ

نگراں ہے ف۴۳ پھر اللہ نے اُس (مومن) کو اُن لوگوں کی مضر تدبیروں سے محفوظ رکھا اور

فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا

اہل فرعون کو موذی عذاب نے گھیر لیا وہ لوگ صبح و شام آگ پر پیش کیے

وَّعَشِیًّا ۚ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ

جاتے ہیں اور جس روز قیامت قائم ہو گی (یہ کہا جائے گا) اہل فرعون کو شدید ترین عذاب

اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَ اِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ

میں داخل کرو ف۴۴ اور جبکہ (کافر) دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجہ کے لوگ

ف۴۱ خدائے غالب وزبردست ایسا کہ وہ گرفت کرے تو کوئی چھڑا نہ سکے اور غفار ایسا کہ وہ مغفرت کرنا چاہے تو کوئی اس میں حائل نہ ہو سکے۔ مَالِیْ۔ کلمۂ استعجاب ہے، مطلب یہ کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ میں تو تمہیں راحت ابدی اور حقیقۃ الحقائق کی طرف بلا رہا ہوں اور تم اس کے بالکل برعکس مجھے عذاب دائمی اور باطل محض کی طرف لے جانا چاہتے ہو۔ ف۴۲ یعنی تمہاری دعوت تو حقیقت سے بالکل معرا ہے...... آخر شرک پر بڑی چھوٹی، عقلی، نقلی کوئی سی بھی دلیل قائم ہے؟ الْمُسْرِفِیْنَ۔ مسرفین۔ یہ عبودیت سے نکل جانے والے مشرکین ہوتے ہیں۔ قال قتادة وابن سيرين يعنى المشركين (قرطبی) لَیْسَ...... الْاٰخِرَةِ۔ یعنی ان تمام تمہاری مورتیوں اور دیوی دیوتاؤں میں تو سرے سے صلاحیت ہی نہیں کہ اپنی معبودیت کا دعویٰ پیش کر سکیں۔ ف۴۳ (اس کی نظر سے کسی کے قول یا عمل کا پوشیدہ رہ جانا کیونکر ممکن ہے) فَسَتَذْكُرُوْنَ۔ س سے مراد ہے نزول عذاب کے وقت خواہ وہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ اے عند نزول العذاب (مدارک) عند معاينة العذاب (بیضاوی) اذا حلّ بكم العذاب (قرطبی)

ف۴۴ یہ آیت اثبات عذاب قبر و وجود برزخ میں ایک نص صریح ہے۔ دل على ان المراد النار يعرضون عليها قبل القيامة (جصاص) هذه الأية تدل على عذاب القبر (جصاص) والجمهور على ان هذا العرض فى البرزخ (قرطبی) هذه الأية دليلٌ على عذاب القبر (مدارک) وفيه دليل على بقاء النفس وعذاب البرزخ (بیضاوی) احتج اصحابنا بهذه الأية على اثبات عذاب القبر (کبیر) ذالک يدل على اثبات عذاب القبر فى حق هؤلآء واذا ثبت فى حقهم ثبت فى حق غيرهم لانه لا قائل بالفرق (کبیر) وهذه الأية اصل كبير فى استدلال اهل السنة على عذاب البرزخ فى القبور (ابن کثیر) هذه الأية تمسک بها اهل السنة فى اثبات عذاب القبر صرح بذالک فى علم الكلام وكتب التفاسير جميعًا (احمدی) لیکن مفسر ابن کثیرؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت سے برزخ میں صرف ارواح پر عذاب ثابت ہوتا ہے باقی ان روحوں کے سبب سے قبور میں جسموں کا بھی معذب ہونا، تو اس کا ثبوت احادیث نبوی سے ہوتا ہے۔ اور آگے احادیث نقل کی ہیں:۔ الجواب ان الأية دلّت على عرض الارواح على النار غدوًا وعشيًا فى البرزخ وليس فيها دلالة على اتصال تألمها باجسادها فى القبور اذ قد يكون ذٰلک مختصًا بالروح فاما حصول ذٰلک للجسد فى البرزخ وتألّمهٗ بسببه فلم يدل عليه الا السنة فى الاحاديث المرضية الاٰتى ذكرها۔ اور احادیث اس باب میں بکثرت ہیں۔ واحاديث عذاب القبر كثيرة جدًا (ابن کثیر) غُدُوًّا وَّعَشِیًّا۔ ایک معنی تو یہی صبح و شام کے ہیں یعنی ایسے اوقات میں جو ہمارے عالم ناسوت کے صبح و شام کے مقابل ہوں گے۔ قال الفراء فى الغداة والعشى بمقادير ذٰلک فى الدنيا (قرطبی) دوسرا مفہوم "ہمیشہ" کا بھی ہو سکتا ہے۔ جوّز ان يكون المراد بالتابيد اكتفاء بالطرفين المحيطين عن الجميع (روح) لا يمتنع ان يكون ذكر الغدوة والعشية كناية عن الدوام (کبیر) اے ما دامت الدنيا كذالک قال مجاهد وعكرمه (قرطبی)

الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ

بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے ہی تابع تھے تو کیا تم ہم سے

مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا

آگ کا کوئی جز ہٹا سکتے ہو؟ ف۴۵ بڑے لوگ کہیں گے کہ

اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَ قَالَ

ہم سب ہی اس میں (پڑے) ہیں اللہ تو اب بندوں کے درمیان (قطعی) فیصلہ کر چکا ف۴۶ اور جو لوگ

الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا

آگ میں (پڑے) ہوں گے وہ دوزخ کے پہرہ داروں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ کسی دن تو

يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ

ہم سے عذاب ہلکا کردے ف۴۷ وہ کہیں گے اچھا تو کیا تمہارے پاس تمہارے پیمبر نشانات لے کر نہیں

بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ

آتے رہے تھے؟ ف۴۸ (دوزخی) بولیں گے کیوں نہیں (فرشتے) کہیں گے تو پھر تم ہی دعا کرلو اور کافروں کی دعا تو

اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي

بس بے اثر ہی ہے ف۴۹ بے شک ہم مدد کرتے رہتے ہیں اپنے پیمبروں کی اور ایمان والوں کی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ ۙ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ

دنیوی زندگی میں بھی اور اس روز بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے ف۵۰ (یعنی) اسی دن جب کہ ظالموں کو اُن کی معذرت

الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

کچھ نفع نہ دے گی اور اُن کے لئے لعنت ہوگی اور ان کے لئے اس عالم میں خرابی ہوگی ف۵۱

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور ہم بالیقین موسیٰ کو ہدایت نامہ دے چکے ہیں اور ہم نے بنی اسرائیل

ع ۱۵

ف۴۵ یعنی دنیا میں جن کی حیثیت پس رووں اور تابعین کی تھی، وہ اپنے سرداروں، رئیسوں سے دوزخ میں کہیں گے کہ دنیا میں تو آپ ہم پر حاکم و بالا دست تھے، اب یہاں بھی اپنے اثر و اقتدار سے کام لے کر کچھ ہماری مصیبت ہلکی کرائیے۔ ف۴۶ وہ بڑے لوگ جواب میں کہیں گے کہ واہ، جہاں تم وہاں ہم، ہم میں اگر کچھ قدرت ہوتی تو ہم اپنے ہی کو بچانے کی فکر نہ کرتے اور اب تو حق تعالیٰ کا آخری اور قطعی فیصلہ صادر ہو چکا، اب ہو ہی کیا سکتا ہے؟ ف۴۷ (کہ ہم کو تو ایک ہی دن کے عذاب میں تخفیف انتہائی نعمت معلوم ہوگی) خزنة جهنم۔ جہنم کے پہرہ دار ظاہر ہے کہ فرشتے ہوں گے۔ مفسرین نکتہ رس نے کہا ہے کہ اس موقع پر خزنتھا بھی کافی ہوسکتا تھا کہ اسم نار تو ما قبل موجود ہی ہے لیکن قرآن مجید بکمال بلاغت جَهَنَّمَ کا نام تصریحاً لایا تاکہ تہویل و تخویف کا مقصد زیادہ حاصل ہو۔ وانما لم يقل لخزنتها لان في ذكر جهنم تهويلا وتفظيعا (مدارک) المقصود من ذكر جهنم التهويل والتفظيع (کبیر) ف۴۸ (اور انہوں نے تمہیں دوزخ سے بچے رہنے کے طریقے نہیں بتائے تھے؟ بِالْبَيِّنٰتِ۔ بینات کے تحت میں معجزات، دلائل عقلی وغیرہ ہر وہ چیز آئے گی جو ایمان و یقین پیدا کرسکتی ہے۔ ف۴۹ (آخرت میں) ایمان اجابت دعا کی شرط ہے اور اس کا موقع اس دنیا کے دار العمل میں تھا۔ آخرت کے دار الجزاء میں اس کا امکان ہی نہیں۔ فرشتے دعاء سے اس لئے انکار کریں گے کہ ایمان سے محروموں کے حق میں دعاء کا اذن ہی نہیں۔ لم يؤذن لنا في الدعاء لامثالكم (بیضاوی) وَمَا...... ضَلٰلٍ۔ دعاء کی اس بے اثری کا تعلق کافروں کی دعاؤں سے اور وہ بھی دنیا میں نہیں قیامت کے دن کا ہے۔ والحق بان الأية في دعاء الكفار يوم القيامة (روح) ف۵۰ یعنی قیامت کے دن۔ اَلْاَشْهَادُ۔ گواہوں سے یہاں مراد نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے ہیں۔ وہی قیامت میں اس کی بھی گواہی دیں گے کہ رسولوں نے تبلیغ کی اور کافروں نے اس کی تکذیب، انبیاء و عامہ مومنین بھی اس کے تحت میں آسکتے ہیں۔ قال مجاهد الاشهاد الملائكة (ابن کثیر) والمراد بهم من يقوم يوم القيامة للشهادة على الناس من الملائكة والانبياء والمؤمنين (بیضاوی) قال مجاهد والسدى الملائكة تشهد للانبياء بالابلاغ وعلى الامم بالتكذيب وقال قتادة الملائكة والانبياء (قرطبی) فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ مومنین کی منصوریت، حشر میں ہونا ظاہر ہی ہے۔ باقی دنیا میں بھی جہاں تک دلائل سے غلبہ کا تعلق ہے بالکل ظاہر ہے۔ اب لے دیکر دنیا میں غلبہ مادی رہ جاتا ہے۔ سو اس حیثیت سے بھی اہل حق انجام کار میں عموماً کامیاب ہی ہوتے ہیں اور ان کی کوششیں بالآخر رائیگاں نہیں جاتیں۔ ف۵۱ (اور آپ اور آپ کے پیرو منصور رہیں گے۔ سو آپ تسلی رکھئے) اَلظّٰلِمِيْنَ۔ ظالمین سے جیسا کہ قرآن کی عام اصطلاح ہے یہاں بھی کافر ہی مراد ہیں۔

الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّ ذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ

کو ہدایت و نصیحت کی کتاب پہنچائی اہل عقل کے لیے ف۵۲ سو آپ صبر کیجئے،

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ

بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے ف۵۳ اور معافی مانگئے اپنی کوتاہی کی اور اپنے پروردگار کی

رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ

تسبیح و حمد شام اور صبح کرتے رہئے ف۵۴ جو لوگ جھگڑے نکالتے رہتے ہیں

اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ

اللہ کی آیتوں میں بغیر اس کے کہ کوئی سند اُن کے پاس موجود ہو اُن کے دلوں میں نری بڑائی ہی (بسی ہوئی) ہے

مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

کہ وہ اُس تک پہنچنے والے نہیں ف۵۵ سو آپ اللہ کی پناہ مانگتے رہئے بے شک وہی (سب) سننے والا ہے

الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ

(سب) دیکھنے والا ہے ف۵۶ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا آدمیوں کے پیدا کرنے سے یقیناً

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا يَسْتَوِي

بڑھ کر (کام) ہے لیکن اکثر آدمی (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے ف۵۷ اندھا اور بینا

الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۥ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا

برابر نہیں ہو سکتے اور نہ وہ (برابر ہو سکتے ہیں) جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے

الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا

اور بدکار تم لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہو ف۵۸ قیامت ضرور ہی آ کر رہے گی اس میں

رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ

کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں مانتے اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ

ف۵۲ یعنی نفع اس کتاب سے وہی اٹھاتے ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں اور جو عقل سے کام نہیں لیتے وہ نفع سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ف۵۳ (اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعات سے تسلی حاصل کیجئے) وَعْدَ اللّٰهِ۔ وعدہ سے مراد وعدہ نصرت الٰہی ہے یہ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا میں ابھی مذکور ہو چکا ہے۔ ف۵۴ (کہ یہ مشغولیت ذہن کو امور ملال انگیز کی طرف التفات کا موقع ہی نہ دے گی) لِذَنْۢبِكَ۔ عربی زبان میں ذنب اور اثم کے درمیان فرق ہے اردو میں ذنب کا مفہوم کوتاہی ہی سے ادا کیا جا سکتا ہے نحمله على التوبة عن ترک الاولٰى والافضل (کبیر) بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ۔ محاورہ میں اس سے مراد دوام یا ہمیشگی بھی ہے۔ای دوّم علٰی عبادة ربک (کشاف) عبر بالطرفين واريد جميع الاوقات (روح) وبالجملة فالمراد منه الامر بالمواظبة علٰى ذكر الله (کبیر) ف۵۵ یعنی یہی اپنے کو بڑا سمجھنا ہی تو سبب مجادلہ باطل کا ہے دوسرے کے اتباع سے عار آتا ہے۔ سیادت کے مرتبہ پر خود ہی قائم رہنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ جس بڑائی کی ہوس میں ہیں وہ انہیں نصیب ہونا نہیں۔ عنقریب ذلیل وخوار ہوں گے۔ يُجَادِلُوْنَ...... اَتٰىهُمْ۔ یعنی بغیر اس کے کہ کوئی بھی وجہ یا بنیاد اشتباہ کی موجود ہو۔ ف۵۶ (اور آپ کی نصرت وحمایت پر ہر طرح قادر ہے) فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ یعنی اللہ سے پناہ مانگتے رہئے ان معاندین وحاسدین کے شر وفتنہ سے۔ ف۵۷ اشارہ منکرین قیامت کی طرف ہے۔ جس خالق اکبر کے لئے زمین وآسمان کا پیدا کرنا انہیں مسلم ہے اس کی بابت اس پر استعجاب کرنا کہ وہ انسانوں کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرے گا کیسی کم عقلی اور نافہمی کی بات ہے! ف۵۸ (ورنہ اب تک نابینا وفسق پیشہ نہ رہتے، سب کے سب بینا وباایمان ہو گئے ہوتے) الْمُسِيْٓءُ۔ لفظی معنی تو بدکار یا بدعمل کے ہیں، یہاں مراد کافر ہے۔ لایستوی المؤمنون الابرار والکفرة الفجار (ابن کثیر)

ادْعُونِيٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ

مجھے پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا و۵۹ جو لوگ میری عبادت سے سرتابی

عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝۶۰ ع اَللّٰهُ

کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے اللہ ہی ہے

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ

جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام پاؤ اور (اس نے) دن کو روشن بنایا بے شک

اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

اللہ لوگوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے لیکن اکثر آدمی شکر

يَشْكُرُوْنَ ۝۶۱ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

نہیں ادا کرتے و۶۰ یہی تو اللہ ہے تمہارا پروردگار ہر شے کا پیدا کرنے والا اس کے سوا کوئی

هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۶۲ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ

خدا نہیں سو تم لوگ کہاں بھٹکے جا رہے ہو و۶۱ اسی طرح وہ لوگ بھی بھٹکتے رہے ہیں جو اللہ کی نشانیوں کا

اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۶۳ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا

انکار کرتے رہتے تھے و۶۲ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرار گاہ بنایا

وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ

اور آسمان کو چھت اور تمہارا نقشہ بنایا سو تمہارا عمدہ نقشہ بنایا اور تم کو عمدہ عمدہ چیزیں

الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۴

کھانے کو دیں یہی تو ہے اللہ تمہارا پروردگار سو اللہ سارے عالم کا پروردگار بڑا عالی شان ہے و۶۳

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ

وہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں سو تم اسی کو پکارا کرو خالص اعتقاد کر کے

ع ۶ / ۱۱

وقف لازم

و۵۹ (خواہ عاجلاً خواہ آجلاً اپنے قانونِ حکمت ومشیت کے ماتحت) خطاب یہاں عام نسل انسانی سے ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے عبدیت کی فضیلت اور اس کا منافی توکل ورضا ہونا ثابت ہے۔ و۶۰ (اور شکر گذاری کی بڑی فرد منعم حقیقی کی توحید کا اقرار کرنا ہے) عوام کا ذکر نہیں، یونان، مصر، ہند وغیرہ کے بڑے بڑے "فلاسفہ" و "حکماء" تاثیر کواکب، تصرفات افلاک، تعدد آلہہ، عقل کل، رب النوع وغیرہ خدا معلوم کن کن خرافات کے قائل ہوئے ہیں۔ اَلَّذِيْ...... مُبْصِرًا۔ مشرک وجاہلی قوموں نے "دن" اور "رات" کو بھی بجائے مخلوق ہونے کے مستقل معبود مان کر ان کی پرستش کی ہے۔ قرآن مجید ان احمقوں کی برابر تردید کرتا جاتا ہے۔ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ۔ رات کا عام مخلوق کے لئے تو زمانِ استراحت ہونا ظاہر ہی ہے۔ رہے اہل ریاضات ومجاہدات تو ان کے تو عین لذت وحلاوت کی چیزیں یہی مشغلہ عبادت ومجاہدہ ہے اور وہ اپنی راتیں انہیں میں گذارتے ہیں۔ اِنَّ...... النَّاسِ۔ اس کا صاحب فضل عمیم ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ وہ مخلوق کی مصلحتوں کی کیسی کیسی رعایتیں ملحوظ رکھتا ہے۔ و۶۱ (کہ اس کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کئے جاتے ہو) اَللّٰهُ...... هُوَ۔ خدائے واحد کی یہاں پہلی صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ ساری مخلوق کا پروردگار، پالنہار ہے۔ دوسری صفت یہ کہ موجودات میں سے بڑی، چھوٹی، بلا استثناء ہر چیز کو عدم سے وجود میں لانے والا وہی ہے اور تیسری صفت یہ کہ معبودیت میں کوئی بھی کسی جہت سے اس کا شریک نہیں۔ و۶۲ یعنی کچھ تم ہی پر موقوف نہیں، تم سے قبل بھی بہت سی قوموں نے تعصب وعناد سے یہی راہ تکذیب اختیار کی ہے۔ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔ ایات سے یہاں تکوینی وتشریعی دونوں قسم کی آیات یا معجزات ودلائل اور احکام دونوں مراد ہیں۔ يَجْحَدُوْنَ۔ جحد پر اوپر کہیں حاشیہ گذر چکا ہے کہ اس سے مراد اس انکار سے ہوتی ہے جو ہٹ دھرمی پر مبنی ہوتا ہے۔ و۶۳ یہاں یہ بتایا ہے کہ اللہ کائنات کا صرف خالق ہی ہو کر اب معطل نہیں ہو گیا ہے (جیسا کہ بعض جاہلی قوموں کا خیال ہے) بلکہ منتظم، مدبر، رازق بھی ہے۔ جَعَلَ...... بِنَآءً۔ یہ زمین وآسمان سب اسی کے قانون تکوینی کے ماتحت ومسخر ہیں۔ وَصَوَّرَكُمْ۔ مادہ کی طرح صورت کا خالق بھی وہی ہے...... جوہر وعرض سب اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔ ترکیب انسانی کے بہترین ہونے اور اس کے قوی واعضاء کے تناسب کی طرف اشارہ ہے۔ صوفیہ نے یہیں سے یہ رمز سمجھا ہے کہ انسان جمال وکمالِ خداوندی کا آئینہ ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ

ساری خوبیاں اللہ پروردگار عالم ہی کے لئے ہیں و٦٤ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اس سے منع کر دیا گیا ہے

الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ

کہ میں ان (شریکوں) کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو جبکہ میرے پاس میرے پروردگار کی

رَّبِّيْ ۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِيْ

نشانیاں آچکیں اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں (صرف) پروردگار عالم کے آگے گردن جھکاؤں و٦٥ وہ وہی تو ہے

خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ

جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر

يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا

تم کو بچہ کر کے نکالتا ہے پھر (مہلت دیتا ہے جب تک) تم اپنی جوانی کو پہنچو پھر (مہلت دیتا ہے جب تک کہ) تم

شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا

بوڑھے ہو جاؤ، اور تم میں سے کوئی کوئی پہلے ہی مر جاتا ہے اور (مہلت دیتا ہے جب تک کہ) تم سب اپنے وقت مقرر تک

مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا

پہنچ جاؤ اور تاکہ تم لوگ سمجھ لو و٦٦ اور وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے پھر جب

قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٦٨﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى

وہ کسی کام کو پورا کرنا چاہتا ہے تو بس اُس کی نسبت کہتا ہے کہ ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے و٦٧ کیا آپ نے ان

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿٦٩﴾ الَّذِيْنَ

لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے رہتے ہیں، یہ کہاں پھرے چلے جا رہے ہیں و٦٨ جن لوگوں نے

كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ڕ فَسَوْفَ

اس کتاب کو جھٹلایا اور اُس چیز کو بھی جسے دے کر ہم نے اپنے پیمبروں کو بھیجا تھا، سو اُن کو ابھی

ع ٨ / ١٢ — معانقة ١٣

و٦٤ (اور مخلوق کا ہر ظاہری کمال حقیقۃً اسی کمال خداوندی کا پرتو ہے) هُوَ الْحَيُّ هُوَ …… یعنی صفت حیات صرف اسی مالک ومولیٰ کا خاصہ ہے۔ حیات ازلی وابدی میں اس کا کوئی شریک نہیں نہ مسیح نہ کوئی اور۔ دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اس حی وقیوم کو کبھی فنا نہیں اسے کہیں مشرک جاہلی قوموں کی دیویوں دیوتاؤں پر نہ قیاس کر بیٹھنا۔ جن کا حادث وفانی ہونا خود انہیں مسلم ہے۔ و٦٥ (تو میں اس مسلک توحید سے کہیں بال بھر بھی ادھر ادھر کیسے ہو سکتا ہوں) الْبَيِّنٰتُ۔ بینات کا عموم ہر قسم کے دلائل وشواہد پر شامل ہے۔ و٦٦ یعنی اپنے وجود کے ان پر حکمت اور تدریجی انقلابات وادوار پر غور کر کے حق تعالیٰ کی حکمت، عظمت، توحید پر ایمان لے آؤ اور بعث وحشر کی حکمتوں اور مصلحتوں کے قائل ہو جاؤ۔ لِتَبْلُغُوْٓا۔ لِتَكُوْنُوْا، لِتَبْلُغُوْٓا۔ ل ان سب مقامات پر عاقبت کا ہے۔ مِنْ قَبْلُ۔ یعنی جوانی اور بڑھاپے کی منزلوں پر پہنچنے سے قبل ہی۔ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى۔ یعنی کسی کی موت خواہ بڑھاپے میں آئے یا جوانی میں یا اس سے بھی قبل، بہرحال سب کی اسی وقت مقرر پر آتی ہے جو حکیم مطلق کی مشیت اس کے لئے طے کئے ہوتی ہے۔ و٦٧ اس بنیادی حقیقت تکوینی کو عمل تخلیق کی تدریج کے مسئلہ سے نفیاً یا اثباتاً کوئی تعلق نہیں۔ آیت کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ارادۂ الٰہی اور عمل تخلیق کے درمیان چھوٹی بڑی کوئی دوسری شے حائل نہیں ہو سکتی نہ ارادۂ الٰہی پر کوئی دوسری شے ذرا سی بھی قید لگا سکتی ہے۔ يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ یہ مضمون کئی بار قبل آچکا ہے۔ حاشیے وہیں گزر چکے۔ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ۔ یہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ زندگی وموت دونوں تمامتر اسی کے ہاتھ میں ہیں …… یہ نہیں کہ زندگی بخشنے والے دیوتا فلاں ہیں اور موت لانے والے دیوتا فلاں۔ و٦٨ (حق کو چھوڑے ہوئے) يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ۔ اللہ کے کھلے ہوئے احکام کو جو پیمبروں کی معرفت حاصل ہوں تسلیم کرنے سے انکار کرنا، اور واقعات تکوینی سے ایمان وتوحید کا درس حاصل نہ کرنا، یہ سب آیاتِ الٰہی سے مجادلہ کرنے میں داخل ہے۔

يَعْلَمُونَ ﴿٧٠﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ

معلوم ہوا جاتا ہے جبکہ اُن کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گے، اُن کو گھسیٹتے ہوئے

يُسْحَبُونَ ﴿٧١﴾ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿٧٢﴾ ثُمَّ

کھولتے ہوئے پانی میں لے جایا جائے گا پھر یہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے ف۶۹ پھر

قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٧٣﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا

ان سے پوچھا جائے گا کہ وہ غیر اللہ کہاں گئے جن کو تم شریک (خدائی) ٹھہراتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ

ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ

وہ تو سب ہم سے غائب ہو گئے بلکہ ہم تو کسی کو بھی اس کے قبل نہیں پکارتے تھے اللہ اسی طرح

يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٤﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ

کافروں کو گمراہی میں رکھتا ہے ف۷۰ یہ (سزا) اس کی ہے کہ تم دنیا میں ناحق خوشی

فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿٧٥﴾

مناتے تھے اور اس کی کہ تم اترایا کرتے تھے ف۷۱

اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى

(اب) گھسو دوزخ کے دروازوں میں اُس میں ہمیشہ پڑے رہنے کو، سو وہ بُرا ٹھکانا ہے

الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ

متکبرین کا ف۷۲ سو آپ صبر کیجئے، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے پھر جس کا ہم اُن سے وعدہ کر رہے ہیں اگر

بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٧٧﴾

اُس میں سے کچھ تھوڑا ہم آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو وفات دے دیں سو (بہر حال) ہمارے ہی پاس انہیں آنا ہوگا ف۷۳

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا

اور ہم نے آپ سے پیشتر بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں سے بعض کا حال ہم نے آپ سے بیان کیا ہے

ف۶۹ یہ نقشہ ہے حشر میں قابل صد تحقیر وموجب صد ہزار تعزیر مجرموں کے ساتھ برتاوے کا۔ بِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا۔ اس عموم کے اندر معجزات، احکام، دلائل سب آ گئے۔ ف۷۰ (ان کی زندگی بھر اُن کے کفر اختیاری کی پاداش میں) بَلْ ...... شَيْـًٔا۔ یعنی یہ حقیقت تو ہم پر اب منکشف ہوئی کہ ہم دنیا میں جن چیزوں کی عبادت کرتے تھے وہ تو نفی محض تھیں۔ ہم نے درحقیقت نفی محض کی عبادت میں اپنی عمریں گنوادیں۔ ولیس هذا انكارًا لعبادة الاصنام بل هو اعتراف ان عبادتهم الاصنام كانت باطلة (قرطبی) ف۷۱ (اپنی حقیقت اور حقوقِ الٰہی کو بھول کر) مطلب یہ ہوا کہ متاعِ دنیا کو اصل مقصود سمجھ کر اس کے حصول پر دل میں بھی خوب خوش ہوتے تھے اور ظاہر میں بھی اس کے آثار خوب نمودار ہوتے تھے۔ تَفْرَحُوْنَ۔ تَمْرَحُوْنَ۔ فرح کا تعلق قلب سے ہے اور مرح کا جسم سے۔ آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ فرح یا خوشی اپنی مطلق صورت میں ممنوع ہے۔ مذمت صرف اس فرح کی وارد ہوئی ہے جو آخرت فراموشی اور خدا فراموشی کا نتیجہ ہو یا اہل ایمان کے مصائب پر بطور طنز و تمسخر کے ہو۔ مسرتیں تو سب کی سب بالکل جائز ہیں اور جو خوشی اللہ کی نعمتوں پر یا اللہ کی رحمت کو یاد کر کے ہو وہ تو بجائے خود ایک عبادت ہے اور ہر طرح سے محمود و مستحسن۔ ف۷۲ (جن کے قبول حق کی راہ میں ان کا تکبر ہی مانع رہتا ہے) اَبْوَابَ جَهَنَّمَ۔ جہنم کے دروازے متعدد ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ ہر ہر طبقہ کے منکرین کے لئے الگ الگ دروازہ ہو ف۷۳ مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کا وعدہ تو ان کافروں سے مطلق صورت میں ہے کہ کفر فی نفسہٖ موجب تعذیب ہے۔ باقی اگر اس میں کچھ عذاب کا نزول آپ کی حیات ہی میں دنیا میں ان پر ہو جائے یا اس نزول کے قبل ہی آپ کی وفات ہو اور عذاب بعد میں نازل ہو یا نہ ہو، ہر حال میں اور ہر احتمال پر انہیں لوٹنا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور اس وقت یقیناً عذاب واقع ہوگا۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ وعدہ سے مراد وعید عذاب ہے۔ فَاِمَّا۔ ما زائد شرط کے موقع پر تاکید کلام کے لئے ہے۔ اور نون ثقیلہ بھی اسی لئے ہے۔ وما مزيدة لتوكيد معنى الشرط (مدارک) وما زائدة للتوكيد وكذا النون (قرطبی)

ف۷۴ (سو آپ سے یہ توقع رکھنا ہی عبث ہے کہ آپ ان کے فرمائشی معجزات کو اپنے آپ سے پورا کر سکیں گے) مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَيۡكَ۔ رسول جتنے دنیا میں آچکے ان کی

عَلَيۡكَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَيۡكَ ؕ وَمَا كَانَ

اور ان میں سے بعض کا حال ہم نے آپ سے نہیں بیان کیا ہے، اور کسی رسول کے

لِرَسُوۡلٍ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ

لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی معجزہ بدون اذنِ الٰہی کے ظاہر کر سکے ف۷۴ پھر جس وقت اللہ کا حکم آپہنچے گا،

قُضِىَ بِالۡحَـقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۷۸﴾ اَللّٰهُ الَّذِىۡ

ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہوجائے گا، اور اُس وقت اہلِ باطل بڑے گھاٹے میں رہیں گے اللہ ہی وہ ہے جس نے

جَعَلَ لَـكُمُ الۡاَنۡعَامَ لِتَرۡكَبُوۡا مِنۡهَا وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿۷۹﴾ وَلَـكُمۡ

تمہارے لئے مویشی بنائے تاکہ ان میں سے بعض پر سوار ہو اور تم ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو ف۷۵ اور تمہارے لئے

فِيۡهَا مَنَافِعُ وَلِتَبۡلُغُوۡا عَلَيۡهَا حَاجَةً فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ

ان میں (اور بھی) فائدے ہیں اور تاکہ تم اُن پر (سوار ہوکر) اپنے دلوں کے مقصد تک پہنچو

وَعَلَيۡهَا وَعَلَى الۡـفُلۡكِ تُحۡمَلُوۡنَ ﴿۸۰﴾ وَيُرِيۡكُمۡ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَىَّ

اور تم ان پر اور کشتی پر لدے لدے پھرتے ہو ف۷۶ اور وہ تم کو اپنی (اور بھی) نشانیاں دکھاتا ہے، سو تم

اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنۡكِرُوۡنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا

اللہ کی کن کن نشانیوں سے انکار کرو گے۔ ف۷۷ کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں جو دیکھتے کہ

كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡهُمۡ

جو لوگ ان سے پیشتر ہوئے ہیں، اُن کا کیا انجام ہوا ہے وہ لوگ ان سے زیادہ تھے تعداد میں

وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الۡاَرۡضِ فَمَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُمۡ مَّا

اور (ان سے) بڑھ کر تھے قوت میں اور زمین پر جو اپنی یادگاریں چھوڑ گئے ہیں ان کے

كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ

لحاظ سے بھی، لیکن ان کی یہ کمائی اُن کے کچھ بھی کام نہ آئی ف۷۸ غرض جب اُن کے پیمبر ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے

صحیح تعداد تو اللہ ہی کے علم میں ہے۔ یہاں یہ اصولی حقیقت بیان کر دی ہے کہ جتنے پیمبروں کا ذکر قرآن مجید میں لانا قرین مصلحت تھا۔ ان کے علاوہ بھی ایک تعداد پیمبروں کی ہوئی ہے وَمَا كَانَ...... اللّٰهِ۔ یہ ایک بار پھر اس حقیقت کا اعادہ ہے کہ ظہور معجزات وخوارق پیمبر کے اختیار کی چیز نہیں ہوتی۔ یہ تمامتر تصرف خداوندی ہی ہے کہ جب کسی خارق یا معجزہ کا ظہور قرین حکمت ہوتا ہے، کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ اس سے وہ گروہ سبق لے جو ''کرامات'' و ''خوارق'' کو اولیاء اللہ ومقبولین حق کے لئے لازمی سمجھتا اور ان کے اختیار کی چیز مانتا ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ تصرفات مستقل پر اولیاء کے قادر ہونے کا رد آیت سے بدرجہ اولیٰ نکل آیا۔ ف۷۵ غرض یہ کہ حیوانات کو تمہارے خادم ہی کی حیثیت سے پیدا کیا کہ کہیں تو ان سے سواری کا کام لو اور کہیں انہیں اپنی غذا کے کام میں لاؤ تو یہ کس درجہ شدید حماقت اور جہالت ہے کہ تم الٹا انہیں کو اپنا مخدوم بلکہ معبود ماننے لگتے ہو اور انسان خلیفۃ اللہ واشرف الخلائق ہو کر حیوان پرستی میں مبتلا ہو جاتے ہیں! حیوان پرستی، شرک کا ایک بہت بڑا مظہر دنیا میں ہمیشہ سے رہا ہے۔ گاؤ پرستی کے منظر سے ہندوستان میں کون ناواقف ہے؟ ناگ پنچمی، ہنومان مندر وغیرہ کے قسم کی چیزیں ان کے علاوہ جنوبی ہند کے بعض علاقوں میں بھینس ایک ''مقدس'' جانور ہے، اور ہندوستان کے علاوہ بابل، مصر وغیرہ میں بھی حیوان پرستی کی بلا عام رہی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر القرآن انگریزی۔ لَكُمُ۔ ل تعلیل کا ہے۔ یعنی تمہاری مصلحت ونفع کی غرض سے۔ واللام للتعلیل اے خلقها لاجلکم ولمصلحتکم (روح) هُنَالِكَ۔ ظرف مکان، یہاں بطور ظرف زمان آیا ہے۔ اسم مکان استعیر للزمان (روح) ف۷۶ (اپنے مقاصد دنیوی کے لئے) مَنَافِعُ۔ اس کے تحت میں اگر ایک تجارت ہی کی مد کو لیجئے تو خدا معلوم اس کی کتنی شاخیں نکلتی چلی آئیں۔ کچے گوشت کی تجارت، خشک شدہ محفوظ گوشت کی تجارت، اون کی تجارت، کھالوں کی تجارت، آنت کی تجارت ہڈی کی تجارت، دانت کی تجارت، دودھ، دہی، پنیر، گھی، مکھن، کریم، بالائی کی تجارت، وقس علیٰ ہذا...... اور طبی فوائد کو کوئی گنانا چاہے تو وہ اس کے علاوہ! مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے ان جاہل صوفیہ کا بھی رد نکل آیا جو اسباب معیشت سے نفع اٹھانے کو طریق وسلوک کے منافی سمجھتے ہیں۔ حَاجَةً فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ۔ اس کے تحت میں تفریحی سفر، تجارتی سفر، جنگی سفر، خانگی سفر، مذہبی سفر سب آجاتے ہیں۔ ف۷۷ (اور کب تک مسلک شرک پر جمے رہوگے؟) اٰيٰتِهٖ...... اٰيٰتِ اللّٰهِ مراد وہ سارے واقعات کائنات ہیں جن سے صانع عالم کی توحید پر، قدرت وعظمت پر اور صفت علم وحکمت پر روشنی پڑتی ہے۔ ف۷۸ تاریخ سے استدلال ہے کہ بڑی بڑی متمدن وپرشوکت قدیم قوموں کے انجام کو دیکھو، جب وہ خدائی قانونوں اور ضابطوں کے توڑنے پر اڑ بیٹھیں تو ان کی مادی ترقیاں اور طاقتیں ان کے کچھ بھی آڑے نہ آسکیں، اور بالآخر وہ تباہی کے گھاٹ اتر کر رہیں۔

ع ۸/۱۴

فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا

تو وہ لوگ اُس علم پر (بڑے) نازاں ہوئے جو انہیں حاصل تھا اور اُن پر وہ (عذاب) آپڑا جس پر

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

وہ تمسخر کرتے تھے و۷۹ پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم خدائے واحد پر ایمان لے

وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ

آئے، اور اُن سب چیزوں سے منکر ہو گئے جنہیں ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے، سو انہیں ان کا (یہ) ایمان کچھ نفع نہ پہنچا

اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ

سکا، جبکہ انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا، اللہ نے اپنا یہی معمول مقرر کیا ہے جو اس کے بندوں میں

فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ ع

ہوتا چلا آیا ہے اور اُس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے و۸۰

آیاتھا ۵۴ | ۴۱ سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ ۶۱ | رکوعاتھا ۶

اس کی چون آیتیں | سورۂ حم السجدۃ مکہ میں نازل ہوئی | اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ

حا۔ میم۔ (یہ کلام) رحمٰن ورحیم کی طرف سے نازل ہوا ہے و۱ یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کر

اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ

بیان کردی گئی ہیں یعنی فصیح قرآن (جو نافع ہے) دانشمند لوگوں کے لئے (انہیں) بشارت دینے والا اور ڈرانے والا و۲

فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۴﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا

لیکن ان میں سے اکثر نے رُوگردانی کی، سو وہ سنتے ہی نہیں و۳ اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل پردوں کے اندر ہیں

و۷۹ یہ ایک واقعۂ تاریخی ہے کہ انبیاء کرام نے جب جب اپنی دعوتیں دلائل وبراہین کے ساتھ پیش کی ہیں تو ان کی مخاطب "مہذب" قوموں اور "متمدن" امتوں نے اپنے علوم وفنون کے زعم میں اپنے علوم معاشی وسیاسی کے مقابلہ میں ہمیشہ ان دعوتوں کو ٹھکرا ٹھکرا دیا ہے۔ لیکن انجام میں یہ قومیں قانون الٰہی کی مخالفت کی پاداش میں تباہ ہی ہو کر رہی ہیں۔ یہاں ذکر اسی حقیقت تاریخی کا ہے۔ مَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ۔ یعنی ان کے علوم دنیوی۔ یرید علمهم بامور الدنيا (مدارک) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں ایسے علم پر فخر کرنے کی ممانعت ہے جو شریعت کے مخالف ہو اور اسی میں تصوف باطل بھی شامل ہے۔ و۸۰ مشاہدہ ومعاینۂ عذاب کے بعد جو ایمان حاصل ہوتا ہے وہ تو ایمان اضطراری ہے جو مقصود ومطلوب نہیں اور اس لئے اس موقع پر لاحاصل رہتا ہے۔ مقصود ومطلوب تو ایمان اختیاری ہے جس کا دوسرا نام ایمان بالغیب ہے۔ اصطلاح میں ایمانِ اضطراری وغیر مقصود کا نام ایمان یاس ہے۔ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ۔ ایمان کا لفظ ملحوظ رہے جو شے اس حالت میں غیر مقبول رہتی ہے وہ کفر سے رجعت ہے نہ کہ معصیت سے۔ کافر کا ایمان ایسے وقت میں غیر مقبول ونامستند رہے گا، لیکن مومن عاصی کی توبہ اس وقت بھی انشاء اللہ ضرور قبول ہو جائے گی۔ وهذا الحكم خاص بايمان الباس واما توبة الباس فهي مقبولة نافعة بفضل الله تعالٰى وكرمه والفرق ظاهر (روح) هُنَالِكَ ہے تو ظرف مکان کے لئے۔ لیکن یہاں وقت کے لئے آیا ہے۔ بطور ظرف زمان۔ مکان مستعار للزمان (مدارک) اسم مكان قد استعير للزمان (روح)

و۱ (اور ان پیمبر کا اختراع کیا ہوا نہیں ہے) حٰمٓ پر ملاحظہ ہو سورۂ مومن کا حاشیہ نمبر ا بر صفحہ ۹۳۷ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ یہ کلام ان تمام ہدایتوں اور احکام پر شامل ہے۔ جن کی مصدر صفات رحمانیت ورحیمیت ہو سکتی ہیں۔ و۲ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ قرآن کا مخاطب تو سارا عالم انسانی ہے لیکن نفع اس سے بہر حال وہی اٹھاتے ہیں جو علم وفہم سے کام لیتے رہتے ہیں۔ بَشِيْرًا۔ بشارت دینے والا ان کے حق میں جو اس کے پیام کو سن لیں، مان لیں۔ نَذِيْرًا۔ ڈرانے والا ان کے حق میں جو اس کے پیام کو نہ سنیں، اس سے انکار کر دیں۔ عَرَبِيًّا۔ عربی کے معنی تو کلام فصیح کے ہیں۔ لیکن اگر زبان عربی کا قرآن اس سے مراد لیا جائے تو اس کی یہ خصوصیت اس کے مخاطبین اول کی رعایت سے ہوگی۔ و۳ یعنی قرآن کی ان خصوصیات کا تقاضا تو یہ تھا کہ سب ایمان لے آتے لیکن اکثر مخاطبین نے اپنے قصد واختیار سے اس کی طرف سے روگردانی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پھر ان میں سننے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہ رہی۔

فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ

اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے

بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝۵ قُلْ اِنَّمَآ

اور آپ کے درمیان ایک حجاب ہے، سو آپ اپنا کام کئے جائیے ہم اپنا کام کر رہے ہیں، وہ آپ کہہ دیجئے

اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں (البتہ) مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ تمہارا خدا تو بس ایک ہی خدا ہے

فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝۶

سو اسی کی طرف سیدھے بندھے رہو اور اسی سے معافی چاہتے رہو، وہ اور بڑی کم بختی ہے مشرکین کے لئے

الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۷

جو زکوۃ نہیں دیتے اور آخرت کے تو وہ منکر ہی ہیں و۶

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ

(البتہ) جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے کبھی نہ ختم ہونے والا

مَمْنُوْنٍ ۝۸ قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ

اجر ہے آپ کہئے کہ ارے تم تو اس (خدا کی توحید) کے منکر ہو جس نے زمین کو دو روز میں

فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹

پیدا کر دیا اور تم شریک ایسے کے ٹھہرا رہے ہو وہی تو سارے جہانوں کا پروردگار ہے و۷

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ

اور اسی نے زمین کے اوپر پہاڑ بنا دیئے اور اس (زمین) میں فائدہ کی چیزیں رکھ دیں اور اسی میں

فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝۱۰ ثُمَّ

اس (پر رہنے والوں) کی غذائیں رکھ دیں (یہ سب) چاردن میں پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے و۸ پھر

و۴ یعنی ہم اپنے طریقہ کو نہ چھوڑیں گے۔ ہم سے کوئی امید قبول کی نہ رکھیے۔ پھر بھی کہنے کو جی چاہے تو کہے جائیے۔ آپ جانیں اور آپ کا کام ...... مشرکوں کا یہ قول ازراہ فخر وعزم اصرار علی الکفر تھا۔ اسی لئے محل ذم میں نقل ہوا۔ و۵ یعنی اس کی طرف کی سیدھی راہ، راہ توحید اختیار کرو۔ اور اب تک جو شرک میں مبتلا رہے ہو، اس سے تائب ہو جاؤ۔ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یعنی بیشک مجھ میں کوئی قدرت تم کو ایمان پر مجبور کر دینے کی نہیں بلحاظ بشریت جیسے تم ویسا ہی میں۔ رسول اور محبوب ترین رسول کے لئے بشریت کا اثبات اور بار بار اثبات، وہ بھی مِثْلُكُمْ کی تاکید کے ساتھ، قرآن مجید اور شریعت اسلامی کی خصوصیاتِ امتیازی میں سے ہے۔ يُوْحٰٓى ...... وَّاحِدٌ۔ یعنی امتیازی حیثیت مجھ میں صرف اتنی ہے کہ میں بشر ہونے کے ساتھ صاحب وحی بھی ہوں ...... اور وحی بھی ایسے مضمون کی جو عقلاً بھی قابل قبول ہے۔ یعنی توحید۔ و۶ (اور مشاہدۂ دلائل کے بعد بھی اپنے طریقہ کو نہیں چھوڑتے) الزَّكٰوةَ۔ زکوۃ۔ یہاں بطور اصطلاح فقہی نہیں، لفظی معنی میں ہے۔ یعنی نیک راہ میں خرچ کرنا۔ اور یہ معنٰی بھی کئے گئے ہیں کہ اپنے آپ کو نجاست شرک سے پاک نہیں کرتے ہیں۔ ای لا یزکون انفسھم من لوث الشرک (کبیر) قیل الزکوة بالمعنی اللغوی ای لا یفعلون ما یزکی انفسھم وھو الایمان والطاعة (روح) وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۔ ھم کی تکرار اور کافرون پر بالاٰخرة کی تقدیم تاکید کلام کے لئے ہے۔ والتقدیم للاھتمام (روح) و۷ وہ کوئی چھوٹا موٹا دیوتا نہیں، وہ تو سارے عالم ومافی العالم کا واحد خالق وپروردگار ہے! تم ایسے عظیم الشان وجلیل القدر آفریدگار کے باب میں اس کے تفرد کے قائل نہیں، اب اس سے بڑھ کر کھلی ہوئی حماقت وسفاہت اور کیا ہوگی۔ فِيْ يَوْمَيْنِ۔ یوم پر حاشیہ فی ستة ایام کے تحت میں گزر چکا ہے کہ اس سے مراد یہ ہمارا متعارف ۲۴ گھنٹہ کا دن نہیں جس کا وجود آفرینش کائنات کے بعد ہی ہو سکا ہے بلکہ مطلق دو مختلف وقت مراد ہیں۔ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ۔ اَئن اور لَ معنٰی کفر کی تاکید کے لئے ہیں۔ و۸ روایات نزول میں آتا ہے کہ خلقت زمین وآسمان کی بابت سوال، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا، جواب قرآن کے ذریعہ سے مل رہا ہے۔ رَوَاسِيَ پر حاشیہ پہلے گزر چکا۔ فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ۔ اوپر کی آیت کے يَوْمَيْنِ (دو روز) بھی اس مدت میں شامل ہیں۔ اس سے الگ نہیں۔

اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ

اُس نے آسمان کی طرف توجہ کی اس حال میں کہ وہ دھواں تھا پھر اُس سے اور زمین سے کہا

ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰهُنَّ

کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی، دونوں بولے ہم خوشی سے حاضر ہیں ف۹ پھر دو روز میں

سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ

سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اُس کے (مناسب) حکم بھیج دیا ف۱۰

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ

اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو ستاروں کے ذریعہ سے رونق بھی دی اور حفاظت بھی کی، یہ انتظام ہے

الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً

خدائے ہمہ قوت وہمہ علم کا ف۱۱ تو اگر یہ لوگ (اب بھی) اعراض کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں

مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْ

جیسی آفت عاد وثمود (پر آئی تھی) ف۱۲ جب کہ ان کے پاس اُن کے پیمبر آئے تھے اُن کے

بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا

آگے سے بھی اور اُن کے پیچھے سے بھی کہ بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کرو ف۱۳ وہ بولے

لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

اگر ہمارے پروردگار کو یہی منظور ہوتا تو وہ فرشتوں کو بھیجتا تو ہم تو اس (پیام) کے منکر ہیں جسے دے کر تم بھیجے گئے ہو ف۱۴

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ

پھر جو عاد کے لوگ تھے وہ ملک میں ناحق تکبر کرنے لگے اور بولے

اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ

کہ ہم سے کون قوت میں بڑھ کر ہے؟ اُن کی نظر اُس پر نہ گئی کہ اُن سے قوت میں بڑھ کر اللہ ہے جس نے انہیں

ف۹ یعنی زمین وآسمان کی آفرینش کے بعد ان سے سوال کیا گیا کہ جس درجہ اور کیفیت کا ادراک وشعور تمہیں عطا ہوا ہے اس کے لحاظ سے بتاؤ کہ تم جن احکام تکوینی کے محل بنو گے، ان پر راضی بھی رہو گے یا ان سے کراہت رکھو گے؟ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ ہم بسروچشم حاضر ہیں۔ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا۔ یہاں ترکیب میں طَآئِعِيْنَ وَ كَارِهِيْنَ کے مرادف ہیں یعنی اگرچہ مصدر ہیں لیکن ان کا استعمال موقع حال پر ہوا ہے۔ انتصابها على الحال بمعنى طائعتين او مكرهتين (کشاف) مصدران وقعا موقع الحال (بیضاوی) السَّمَآءِ۔ کئی بار گزر چکا ہے کہ عربی میں سماء ہر اس چیز کو کہتے جو مثل چھت کے بلند ہو۔ قرآن مجید کو زمین وآسمان کی جغرافی ماہیت سے مطلق بحث نہیں۔ وَهِيَ دُخَانٌ یعنی اس کا مادہ دھوئیں یا بخارات کی شکل کا تھا۔ دُخَانٌ سے یہاں وہ حقیقی دھواں مراد نہیں جو آگ کی گرمی سے پیدا ہوتا ہے بلکہ اسے محض مجازاً دُخَانٌ کہہ دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ دھواں بھی بغیر کسی مادی اور ظاہری سہارے کے چھایا ہوا رہتا ہے۔ ف۱۰ یہ احکام ان آسمانوں کے فرشتوں کو ملے یا جو مخلوق وہاں آباد ہو اس کو۔ اے اوحى الى اهلها باوامره ونواهيه (بیضاوی) فِيْ يَوْمَيْنِ۔ دو روز یہ، اور چار روز قبل والے، میزان وہی چھ روز کی ہوئی۔ ف۱۱ (اور اتنے محکم انتظامات بجز اس خدائے واحد، ہمہ تواں وہمہ داں کے اور کون کر سکتا ہے؟ وما احسن هذه الخاتمة لان تلك الاعمال لا تمكن الابقدرة كاملة وعلم محيط (کبیر) الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔ الْعَزِيْزِ میں اشارہ ہے کمالِ قدرت کی جانب اور الْعَلِيْمِ میں کمالِ علم کی جانب۔ السَّمَآءَ الدُّنْيَا۔ قریب والے آسمان سے مراد اہل زمین سے قریب ترین آسمان ہے۔ یہی جو زمین سے دکھائی دے رہا ہے۔ حِفْظًا۔ حفاظت سے تاثیرات شیطانی سے حفاظت مراد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب اتنا اہتمام سب سے نچلے آسمان کا ہے تو اس سے اوپر والے آسمانوں کی محفوظیت تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہوگی۔ ف۱۲ یعنی جس طرح وہ قومیں دفعۃً ہلاک کر دی گئی تھیں۔ تم بھی کسی آفت ناگہانی میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیے جاؤ۔ مِثْلَ صٰعِقَةِ۔ یہ تشبیہ یا مثلیت صرف فوری وقوع ہلاکت کے لحاظ سے ہے۔ فَاِنْ اَعْرَضُوْا۔ یعنی یہ لوگ اگر اتنے دلائل کے باوجود بھی اقرار توحید سے انکار و اعراض کرتے رہیں۔ عَادٍ وَّثَمُوْدَ۔ عاد وثمود کے نام قرآن مجید میں ایسے موقع انذار پر بار بار اس لیے آتے ہیں کہ عرب اُن کے حالات سے خوب واقف و مانوس تھے۔ ف۱۳ یعنی وہ ہر طرح کی سعی بلیغ انہیں اسی مسئلہ توحید کے سمجھانے کی کرتے رہے۔ اے اجتهدوابهم واتوا بجميع الوجوه (کبیر) والجهتان كناية عن جميع الجهات والمراد باتيانهم من جميع الجهات ببذل الوسع فى دعوتهم (روح) جَآءَتْهُمُ۔ ھم ضمیر جمع ہے حالانکہ ذکر صرف دو کا گزرا ہے۔ عاد وثمود کا۔ لیکن تثنیہ کے موقع پر ضمیر جمع لانا عربی میں عام ہے۔ ففيه اطلاق الجمع على الاثنين و هو شائع (روح) ف۱۴ (اپنے خیال وپندار کے مطابق) ان قدیم منکروں کا جواب وہی تھا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی ان کی زبانوں پر رہا۔ یعنی اگر خدا کو واقعی ہماری ہدایت منظور تھی تو بجائے آدمیوں کے خود دیوی دیوتا ہی اُتر کر کیوں نہ ہمارے پاس آ گئے جو ہم کو شک یا انکار کی گنجائش ہی نہ رہتی تو ہم تو تمہارے پیام وپیام کے قائل نہیں۔ بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ۔ کافروں نے یہ فقرہ پیمبروں کے خیال کی ترجمانی میں کہا۔ اور قرآن میں یہ اسلوب بیان عام ہے۔ اے على زعمكم (روح)

اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ؕ وَكَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرۡسَلۡنَا

پیدا کیا اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے ف۱۵ ہم نے اُن پر تیز

عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا صَرۡصَرًا فِىۡۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّـنُذِيۡقَهُمۡ

آندھی بھیجی ایسے دنوں میں جو (ان کے حق میں) منحوس تھے کہ ہم انہیں (اسی) دنیوی زندگی میں

عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ

عذاب رسوائی کا مزہ چکھا دیں اور عذاب آخرت تو رسوا تر

اَخۡزٰى وَهُمۡ لَا يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَهَدَيۡنٰهُمۡ

ہوگا اور انہیں (کوئی) مدد نہ پہنچ سکے گی ف۱۶ اور جو ثمود والے تھے تو ہم نے انہیں راہ ہدایت دکھائی

فَاسۡتَحَبُّوا الۡعَمٰى عَلَى الۡهُدٰى فَاَخَذَتۡهُمۡ صٰعِقَةُ

مگر انہوں نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو پسند کیا سو اُن کو عذاب سراپا ذلت کی آفت نے

الۡعَذَابِ الۡهُوۡنِ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيۡنَا الَّذِيۡنَ

آ پکڑا بسبب اُن کے کرتوتوں کے ف۱۷ اور ہم نے نجات دے دی ان لوگوں کو

اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ ﴿۱۸﴾ وَيَوۡمَ يُحۡشَرُ اَعۡدَآءُ اللّٰهِ اِلَى

جو ایمان لائے اور ہم سے ڈرتے تھے اور (یاد دلایئے انہیں وہ دن) جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف جمع کر کے

النَّارِ فَهُمۡ يُوۡزَعُوۡنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوۡهَا شَهِدَ

لائے جائیں گے، پھر وہ روکے جائیں گے یہاں تک کہ وہ جب اُس تک پہنچ ہی جائیں گے

عَلَيۡهِمۡ سَمۡعُهُمۡ وَاَبۡصَارُهُمۡ وَجُلُوۡدُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا

تو اُن کے کان اور ان کی آنکھیں اور اُن کی جلدیں اُن پر اُن کے اعمال کی

يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوۡا لِجُلُوۡدِهِمۡ لِمَ شَهِدۡتُّمۡ عَلَيۡنَا ؕ قَالُوۡۤا

گواہی دیں گے ف۱۸ اور وہ لوگ اپنی اپنی جلد سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دے دی؟ وہ جواب دیں گی

ع ۲ / ۱۰ / ۱۶

ف۱۵ یعنی خداوندی نشانات تکوینی اور آیات تشریعی دونوں کا انکار وابطال کر کے اپنے ہی ڈھرّے پر قائم رہے۔ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ۔ بندوں کے لیے استکبار تو ہمیشہ ہی ناجائز ہے۔ بغیر الحق کے اضافہ نے یہ بتادیا کہ ان لوگوں کے پاس استکبار کی کوئی بنیاد خود ان کے معیار سے بھی نہ تھی۔ مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۔ یہ نعرۂ خودی، اپنی قوت کا زعم، اپنے قانون وآئین کی بالادستی، یہ ساری خدا فراموش اور آخرت فراموش متمدن قوموں میں مشترک رہی ہے۔۔۔۔ یہی نعرۂ خودی آج روس کا بھی ہے، امریکہ کا بھی ہے، اور ان سے دھیمے لہجہ میں برطانیہ کا بھی۔ اور ابھی کل تک کس زور شور کے ساتھ جرمنی اور اٹلی اور جاپان کا تھا۔ اَوَلَمۡ...... قُوَّةً ۔ یعنی ان کج فہموں کی سمجھ میں اتنی موٹی سی بات نہ آئی کہ بندہ کو تو بہر حال وبہر صورت خدائی قانون کا محکوم و پابند ہو کر رہنا ہے۔ اس کے سوا دنیا میں کوئی صورت بامن و عافیت بسر کرنے کی نہیں۔ ف۱۶ یعنی عذاب آخرت جو کہیں زیادہ سخت اور سارے اہل محشر کی نظر میں ہونے کے باعث کہیں زیادہ رسواکن بھی ہوگا وہ تو بہر حال ابھی پردۂ غیب میں ہے۔ یہ عذاب ہلاکت جو ہم نے ان پر دنیا میں نازل کیا، اس سے یہ دنیا ہی میں خلقت کی نظر میں حقیر و ذلیل ہو کر رہے کہ قوت و شوکت کے اتنے دعووں کے باوجود اپنے کو بچانے پر ذرا بھی قادر نہ ہو سکے۔ فِىۡۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ۔ نحس سے صرف یہ مراد ہے کہ وہ وقت اسی نزول عذاب الٰہی کے باعث ان لوگوں کے حق میں منحوس نکلا۔ عن مالک یعنی شدائد لا خیر فیھا (ابن العربی) ورنہ کسی متعین دن یا مخصوص زمانہ کے ''منحوس'' ہونے کا عقیدہ ہی سرے سے اسلام میں نہیں۔ و لیس ھذا مما یزعمه الناس من خصوصیات الاوقات (روح) یہ تو ان مشرک قوموں کا عقیدہ ہے جو تاثیر و تصرفات کواکب کے قائل ہیں۔ فقیہ ابن العربی ان ضعیف و موضوع روایتوں کا ذکر کر کے جن میں یوم چہار شنبہ کی ''نحوست'' وارد ہوئی ہے لکھتے ہیں۔ ان ھذا لھو الجھل المبین اور پھر مغازی کی اس روایت کا ذکر کر کے جس میں دوشنبہ سے لے کر چہار شنبہ تک کی فضیلت آئی ہے، لکھتے ہیں۔ فالاثار الصحاح دلیل علی فضل ھذا الیوم و کیف یدعی فیه تقریر النحس باحادیث لا اصل لھا۔ کہ جب مستند آثار سے اس روز کی فضیلت ثابت ہوگئی تو کیسے اسے بے اصل روایتوں کی بناء پر منحوس ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ اور پھر کہتے ہیں کہ بعض قوموں نے شمسی مہینوں کے بعض سعد و نحس تاریخوں کا نقشہ تیار کیا ہے۔ مسلمانوں کو جو اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں، اُن کی طرف توجہ کرنا بلکہ اُن پر نظر کرنا ہی جائز نہیں۔ و قد صور قوم ایاماً من الاشھر الشمسیة ادعوا فیھا الکرامة لا یحل للمسلم ان ینظر الیھا ولا یشغل بالاتھا واللہ حسبھم۔ اَيَّامٍ۔ سورۃ الحاقہ میں تصریح ملے گی کہ یہ مدت پورے ایک ہفتہ کی تھی۔ ف۱۷ اس آخری تصریح نے ایک بار اور اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ عذاب الٰہی جب بھی آتا ہے، بندوں کی اختیاری بددینی کی پاداش ہی میں آتا ہے۔۔۔۔ اور اس طرح کے تصریحی فقرے قرآن مجید میں بڑی کثرت سے آئے ہیں۔ فَهَدَيۡنٰهُمۡ۔ یہ ہدایت ثمود کو اُن کے پیمبروں کے واسطہ سے پہنچی تھی۔ فَهَدَيۡنٰهُمۡ...... الۡهُدٰى۔ اس تصریح نے ایک بار پھر یہ صاف کر دیا کہ ہدایت و ایمان کا رد و قبول بالکل اختیار عبد کی چیز ہے اور اسی پر عذاب یا اجر مرتب ہوتا ہے۔ ف۱۸ یہ منظر اُس وقت کا ہے، جب عرصہ محشر میں ان لوگوں کو دوزخ کے قریب لے آیا جائے گا، اور آگ ہی آگ انہیں ہر طرف نظر آئے گی، حساب کتاب اُس وقت شروع ہو رہا ہوگا۔ مَا جَآءُوۡهَا۔ ما زائدہ یعنی تاکید کے لیے ہے۔ ما مزیدة للتاکید (مدارک) فَهُمۡ يُوۡزَعُوۡنَ۔ دوزخیوں کا جھنڈ بے شمار ہوگا۔ ایک خاص مقام پر پہنچ کر آگے چلنے والوں کو روک دیا جائے گا کہ پیچھے والے بھی برابر آجائیں۔ ای یحبس اولھم علی اٰخرھم لیتلاحقوا و ھو کنایة عن کثرتھم (روح)

اَنۡطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ کُلَّ شَیۡءٍ وَّ هُوَ خَلَقَکُمۡ

ہم کو اسی اللہ نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی دی ہے اور اسی نے تو تم کو اول بار

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَ مَا کُنۡتُمۡ تَسۡتَتِرُوۡنَ

پیدا کیا تھا اور اسی کے پاس پھر لائے گئے ہو ف۱۹ اور تم اس بات سے اپنے کو چھپا ہی نہیں سکتے تھے

اَنۡ یَّشۡهَدَ عَلَیۡکُمۡ سَمۡعُکُمۡ وَ لَاۤ اَبۡصَارُکُمۡ وَ لَا جُلُوۡدُکُمۡ

کہ تمہارے خلاف تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری جلدیں گواہی دیں

وَ لٰکِنۡ ظَنَنۡتُمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَعۡلَمُ کَثِیۡرًا مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۲﴾

لیکن تم تو اس گمان میں رہے کہ اللہ کو تمہاری اکثر باتوں کی خبر ہی نہیں ف۲۰

وَ ذٰلِکُمۡ ظَنُّکُمُ الَّذِیۡ ظَنَنۡتُمۡ بِرَبِّکُمۡ اَرۡدٰىکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ

اور تمہارے اسی گمان نے جو تم اپنے پروردگار کے ساتھ رکھتے تھے تمہیں برباد کیا اور تم گھاٹے میں

مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنۡ یَّصۡبِرُوۡا فَالنَّارُ مَثۡوًی لَّهُمۡ ۚ وَ اِنۡ

پڑ کر رہے ف۲۱ سو اگر یہ لوگ صبر کریں جب بھی دوزخ ہی اُن کا ٹھکانا ہے اور اگر

یَّسۡتَعۡتِبُوۡا فَمَا هُمۡ مِّنَ الۡمُعۡتَبِیۡنَ ﴿۲۴﴾ وَ قَیَّضۡنَا لَهُمۡ

وہ عذر کرنا چاہیں تو اُن کی معذرت قبول نہ ہو گی ف۲۲ اور ہم نے اُن کے لئے کچھ ساتھ

قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوۡا لَهُمۡ مَّا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ مَا خَلۡفَهُمۡ وَ حَقَّ

رکھنے والے مقرر کر رکھے تھے، سو انہوں نے ان کے کرتوت اگلے اور پچھلے اُن کی نظر میں خوش نما کر دکھائے تھے اور اُن کے

عَلَیۡهِمُ الۡقَوۡلُ فِیۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنَ

حق میں بھی ان سے قبل گزرے ہوئے جنات اور انسانوں کی قوموں کے ساتھ (اللہ کا)

الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ ۚ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا خٰسِرِیۡنَ ﴿۲۵﴾ؑ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ

قول پورا ہو کر رہا بے شک وہ (سب) خسارہ میں رہے ف۲۳ اور کافر کہتے

ع ۳ / ۱۷

ف۱۹ آج جو اعضاء خاموش وغیر گویا ہیں، کل گویا ہو کر کتنی سیدھی اور سچی بات کہیں گے کہ تم ہمیں تو خاموش وغیر متکلم سمجھ رہے تھے، یہ بتاؤ کہ زبان جسے تم گویا وناطق سمجھ رہے تھے، خود اس مضغۂ گوشت میں یہ قوت گویائی کہاں سے آ گئی؟ کیا اُس نے یہ قدرت از خود حاصل کر لی تھی؟ اس میں بھی یہ قوت ایک قادر مطلق ہی کے حکم ومشیت سے تو آئی۔ اس ایک چیز کے سوا اُس میں اور ہم میں کوئی ذرہ بھر فرق بھی تو نہیں۔ تو پھر بعینہٖ وہی مشیت اس وقت جب ہم سے متعلق ہو گئی تو ہم بھی ٹھیک زبان ہی کی طرح ناطق ہو گئے۔ اس میں حیرت کی بات ہی کیا؟ وَقَالُوْا...... عَلَیْنَا۔ اہل دوزخ دنگ وحیران رہ کر اپنے ہی اعضاء جسم سے سوال کریں گے کہ ارے یہ تمہیں ہو کیا گیا؟ یہ آج تم بولنے کیسے لگ گئے؟ ہم نے تو یہ جو کچھ کیا دھرا تھا، سب تمہارے ہی واسطے تو کیا تھا؟ ف۲۰ کثرت سے مشرک "حکماء وفلاسفہ" نے علم الٰہی کو ناقص سمجھا ہے۔ کسی نے یہ کہا ہے کہ خدا کو علم صرف کلیات کا ہوتا ہے جزئیات کا نہیں، اور کسی نے کچھ اور۔ بہر حال مشرکین کو صفاتِ کمالیۂ الٰہی ہی کے سمجھنے میں شدید ٹھوکر لگی ہے، خصوصاً صفت علم کے باب میں۔ ف۲۱ مشرکانہ عقائد ہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان برابر بدکاریوں میں پڑا رہتا ہے اور اس کا پورا انجام حشر میں جا کر ظاہر ہوگا۔ ف۲۲ یعنی اگر یہ تن بہ تقدیر ہو کر صبر وخاموشی سے کام لیں، اور کوئی عذر ومعذرت نہ پیش کریں، جب بھی ان کے حق میں کوئی رعایت نہ ہو گی، جیسا کہ دنیا میں کبھی ہو جاتا ہے۔ اور عذر خواہی بھی اگر کرنا چاہیں تو اُس دار الجزاء میں بالکل بیکار ثابت ہو گی۔ آخرت تو صرف ظہور نتائج کا محل ہے وہاں اگر دار العمل والے قانون کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو سب سے پہلے ابلیس ہی نہ اپنی توبہ کے لیے اس گنجائش سے فائدہ اُٹھاتا؟ ف۲۳ ہر بدی، ہر نافرمانی، ہر معصیت، کسی نہ کسی دوست، رفیق ہی کی ترغیب وتشویق کا آخری نتیجہ ہوتی ہے۔ اسی حقیقت کی جانب یہاں اشارہ ہے۔ فِیْٓ اُمَمٍ۔ فِیْ مرادف ہے مع کے (ابو سعود)

و۲۴ (اور یہ پیمبر ہار کر، تھک کر چپ ہو جائیں) مکہ کے مشرکوں نے جب دیکھا کہ پیمبر ﷺ اپنی تبلیغ سے رکتے نہیں اور قرآن برابر دلوں میں گھر کرتا جاتا ہے تو ایک تدبیر یہی سمجھ میں آئی کہ سرے سے قرآن کی آواز ہی کو کانوں تک نہ پہنچنے دیا جائے، اور قرآن جب رسول ﷺ سنا رہے ہوں تو اتنا غل مچایا جائے کہ اُن کی آواز سن ہی نہ پڑے۔ و۲۵ یہ گفتگو دوزخ میں ہوگی، جب کافر اپنے کو مبتلائے عذاب پائیں گے۔ انتہائی جھنجھلاہٹ اور جوشِ غیظ میں یہی چاہیں گے کہ اپنے گمراہ کرنے والوں کو (حالانکہ وہ بھی اسی دوزخ ہی میں کہیں گے) اپنے قریب موجود پائیں اور اپنے پیروں سے رَوند کر رکھ دیں۔ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ یہ نص اس باب میں صاف و واضح ہے کہ انسان کی گمراہی شیطان (جنات خبیث) کی طرف سے بھی آتی ہے اور انسانوں کی طرف سے بھی۔ و۲۶ یعنی مذہب شرک چھوڑ کر دین توحید اختیار کیا اور اسی پر ثابت قدم رہے۔ اس سے ان کا قدم ڈگمگانے نہیں پایا۔ ثم ثبتوا علی الاقرار و لم یرجعوا الی الشرک (روح) معناہ و لم یشرکوا بہ شیئاً و لکن تموا علی التوحید (ابن جریر) عن مجاھد اسلموا ثم لم یشرکوا بہ حتٰی لحقوا بہ (ابن جریر) عن عکرمۃ استقاموا علی شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ (ابن جریر) صدیق اکبر حضرت ابوبکر سے یہی معنٰی مروی ہیں۔ ھم الذین لم یشرکوا باللہ شیئا (ابن جریر، عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ) لم یرجعوا الی عبادۃ الاوثان (روح عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ) آیت سے منافق اور مرتد تو خارج ہو ہی گئے (منافق سے استقامت کیونکر ممکن ہے اور مرتد وہ ہے جو اقرار ایمان پر قائم نہ رہا) باقی اخفاء ایمان کا رد بھی لفظ قَالُوْا سے نکل رہا ہے یعنی کوئی شخص دل سے تو توحید کا قائل ہو مگر اقرار نہ کر رہا ہو، وہ مستحق اس بشارت کا نہیں۔ رَبُّنَا۔ صفت ربوبیت کی تخصیص اس لیے فرمائی گئی کہ مشرکوں کو سب سے زیادہ دھوکا اسی صفت ربوبیت میں ہوا ہے۔ کارساز ہی وہ دوسرے کو جانتے ہیں، ورنہ خالق تو شاید ہی کسی کافر نے کبھی غیر اللہ کو سمجھا ہو۔ ضرورت اسی صفت ربوبیت پر استقامت کی تاکید کی تھی۔ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ استقامت اپنے اطلاق کے لحاظ سے ہر درجہ و مرتبہ استقامت کو شامل ہے۔ و۲۷ (پیمبروں، اور صدیقوں کی زبان سے) مومن ناظر کو چاہیے کہ جب اس آیت پُر بشارت پر پہنچے تو آگے بڑھنے سے قبل ذرا اپنی موت کے وقت کا اس وعدۂ الٰہی کے ساتھ مراقبہ کرلے۔ نزع میں کہ انتہائی بے بسی کا وقت ہوتا ہے یہ مژدۂ رحمت کس درجہ باعث بشارت و شادمانی ہوگا!۔۔۔ زبان کا کوئی لفظ مسرت و انبساط کی اس انتہائی کیفیت کو ادا کر ہی نہیں سکتا۔ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الصدور میں تمیم داری صحابی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ایک بڑی طویل حدیث اس مضمون کی نقل کی ہے کہ مومن صالح کی روح کے قبض کے وقت فرشتہ موت اس کے پاس اس کی دلچسپیوں کا بہتر سے بہتر سامان لے کر آتا ہے اور جس طرح بچہ کے نشتر لگنے کے وقت اُسے بہلا پھسلا لیا جاتا ہے اس احتضار والے مومن کو انہیں دلچسپیوں میں بہلا کر چپکے سے بلا شائبہ تکلیف اُس کی روح جسم سے باہر لے آتا ہے اس گھڑی جسم روح کو مبارکباد دیتا ہے اور روح جسم کو، فرشتے اس کے حق میں دعائیں اور طلب مغفرت کرتے ہیں اور شیطان پچھاڑیں کھاتا ہے کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا! تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ یہ فرشتے رحمت اور بشارت کے ہوں گے اور ان کا نزول پہلے موت کے وقت ہوگا، پھر قبر میں اور پھر بعثت کے وقت ۔۔۔ بلکہ محققین عارفین نے تو ترقی کرکے یہاں تک کہا ہے کہ ملائکہ رحمت کا نزول تو مومنین صادقین پر ہر وقت اور ہر آن ہوتا رہتا ہے۔ قال المفسرون یعنی عند الموت و انا اقول فی کل یوم و اَلَدّ الایام یوم الموت و حین القبر و یوم الفزع الاکبر (ابن العربی) قیل عندالموت و قیل فی مواقف ثلاثۃ عندالموت و فی القبر و عندالبعث الی القیامۃ (کبیر) وَلَا تَخَافُوْا۔ کسی عذاب کا اندیشہ نہ کرو، نہ برزخ میں نہ آخرت میں۔ وَلَا تَحْزَنُوْا۔ یعنی دنیا اور یہاں کے مانوسات و مالوفات کی مفارقت پر ذرا غم نہ کرو۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ آیت مومن کے حق میں بہت بڑی بشارت ہے اور ایک وعدہ اس امر کا ہے کہ اُسے کوئی غم و حزن نہ موت کے وقت ہوگا نہ قبر میں نہ حشر میں، بلکہ ان سارے موقعوں پر وہ مطمئن و پر سکون رہے گا۔

كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي

ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے درمیان میں غل مچا دیا کرو، شاید (اسی طرح) تم غالب آ جاؤ و۲۴ سو ہم (ان) کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور جو بری بری حرکتیں یہ کرتے رہے ہیں ان کی سزا دے کر رہیں گے یہی سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی یعنی دوزخ وہاں ان کے لئے ہمیشگی کا مقام ہوگا اس کی سزا میں کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہتے تھے اور کافر (اُس وقت) کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں وہ شیطان و انسان دونوں دکھا دیجئے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا ہم انہیں اپنے پیروں کے نیچے ڈال دیں کہ وہ خوب ذلیل ہوں و۲۵ بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر (اس پر) قائم رہے و۲۶ اُن پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور خوش ہو جنت (کے ملنے) پر جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے و۲۷ ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی

الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيْهَا

رہیں گے وا۲۸ اور تمہارے واسطے اس (جنت) میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کو تمہارا جی چاہے، اور تمہارے واسطے موجود ہے

مَا تَدَّعُوْنَ ۝۳۱ۭ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝۳۲ۧ وَ مَنْ

جو کچھ بھی تم مانگو وا۲۹ (یہ) بطور مہمانی کے (غذائے) غفور و رحیم کی طرف سے وا۳۰ اور اس سے

اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ

بہتر بات کس کی ہے جو (دوسروں کو) اللہ کی طرف بلائے اور (خود) نیک عمل کرے اور کہے کہ

اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۳۳ وَ لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَ لَا

میں تو فرمانبرداروں میں سے ہوں وا۳۱ اور نیکی اور بدی برابر

السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ

نہیں ہوتی آپ نیکی سے (بدی کو) ٹال دیا کیجیے تو پھر یہ ہو گا کہ جس

وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝۳۴ وَ مَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا

شخص میں اور آپ میں عداوت ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے وا۳۲

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝۳۵

اور یہ بات انہیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کرتے رہتے ہیں، اور اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہوتا ہے وا۳۳

وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ

اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے وسوسہ آنے لگے تو آپ اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۳۶ وَ مِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَ النَّهَارُ

وہی (سب) سننے والا ہے (سب) جاننے والا ہے وا۳۴ اور اس کی نشانیوں میں رات ہے اور دن ہے

وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ

اور سورج ہے اور چاند ہے وا۳۵ (بس) تم لوگ نہ سورج کو پوجو اور نہ چاند کو

وا۲۸ نیکی کے فرشتے مومن صالح کے رفیق اس دنیا میں برابر رہا کرتے ہیں، اور ہر وقت اُسے صالحیت کی ترغیب بطریق الہام دیتے رہتے ہیں۔ اور آخرت میں ان کی ملاقات ورفاقت کا ذکر تو قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ امتحان ظاہری وباطنی کے موقع پر فیض ملائکہ نزول سکینت وبرکت کرتا رہتا ہے۔ وا۲۹ جنت اور آخرت کی نعمتوں کی کوئی حد اور کوئی شمار ہے الفاظ کا عموم و جامعیت ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ جو کچھ بھی تم طلب کرو گے۔ ہر چیز تمہارے لیے حاضر ومہیا ہوگی۔ اور اس میں ساری ہی مادی وروحانی لذتیں اور حسی ومعنوی راحتیں آ گئیں! اور پھر اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر، "جو کچھ تمہارا جی چاہے گا وہ بھی"۔ خواہ زبان سے مانگو یا نہ مانگو --- حق ہے کہ مومن ناظران بشارتوں کو پڑھ کر وجد میں آ جائے۔ مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ۔ اس کے اندر وہ ساری لذتیں اور راحتیں آ گئیں! جن کی طلب انسان کے لیے طبعی واضطراری ہے۔ مَا تَدَّعُوْنَ۔ اس کے تحت میں وہ ساری نعمتیں شامل ہیں جن کی طلب انسان کے لیے عقلی واختیاری ہے۔ وا۳۰ یعنی یہ بے انداز و بے حساب نعمتیں ملیں گی بھی تو اس طرح نہیں جیسے سائل یا گداگر کو بھیک مل جاتی ہے، بلکہ بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ ملیں گی جیسے معزز مہمان کو میزبان کی طرف سے پیش ہوتی رہتی ہیں --- اور میزبان کون ہوگا؟ خود حق تعالیٰ، صفات مغفرت ورحمت سے خاص طور پر متصف! وا۳۱ ابھی ذکر حسن مآل کا تھا۔ اب ذکر حسن عمل کا ہے۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا۔ دعوت الی اللہ کے ساتھ ضرورت خود بھی حسن عمل کی ہے بلکہ اس قید نے یہ اشارہ کر دیا کہ عالم بے عمل اور واعظ غیر متقی اس بشارت سے خارج ہے۔ المراد ان یتبع القول العمل (ابن العربی) قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ مومن کو چاہیے کہ اپنی بندگی پر فخر کرے، اس میں کوئی عار نہ سمجھے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ عَمِلَ صَالِحًا کی قید سے معلوم ہوا کہ شیخ کو خود بھی عامل ہونا چاہیے ورنہ اس کی تعلیم میں برکت نہ ہوگی۔ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ۔ ظاہر لفظ سے بعض علماء نے اشارہ اذان کی جانب سمجھا ہے۔ اور استدلال اسی سے عمل اذان کی فضیلت پر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اذان کی افضلیت اپنی جگہ بالکل مسلم، بلکہ حدیث میں مؤذن کے لیے یہ بشارت آ چکی ہے کہ اللہ نے اس کا گوشت آگ پر حرام کر دیا ہے۔ لیکن یہاں مفہوم عام ہے۔ اور ہر داعی الی اللہ اس کے تحت میں آ جاتا ہے خواہ وہ حاکم عادل ہو یا فوجی مجاہد، مدرس ہو یا واعظ، شیخ طریقت ہو یا دینی کتابوں کا مصنف۔ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ۔ فقہاء نے اس کے تحت میں لکھا ہے کہ خلوت واعتزال وسکوتِ زاہدانہ سے امر بالمعروف اولیٰ واشرف ہے۔ وَمَنْ ...... اللّٰهِ۔ فقہاء نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بہترین قولی عبادت دعوت الی اللہ ہی ہے۔ فیہ بیان ان ذالک احسن قول (جصاص) اور پھر اس فرع پر فرع یہ مرتب کیا ہے کہ دعوت الی اللہ فرض ہے، ورنہ اگر یہ فرض نہ ہو بلکہ صرف نفل ہو تو نفل کا فرائض سے بہتر ہونا لازم آتا ہے۔ و دلّ بذالک علی لزوم فرض الدعاء الی اللہ و اذ لا جائز ان یکون النفل احسن من الفرض (جصاص) وا۳۲ (بلکہ کہیں تو جانی دشمن واقعۃً دلی دوست وخادم بن جاتے ہیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کے اس تعامل مسلسل کے بعد ابوسفیان جیسے شدید دشمن بالکل حلقہ بگوش ہو گئے) وَ لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ۔ دونوں یکساں نہیں، بلکہ ہر ایک کا اثر جداگانہ ہوتا ہے۔ بدی کی مکافات بدی سے کرنے میں عداوت بڑھتی ہے اور نیکی سے کرنے میں (بشرط سلامت طبع) عداوت گھٹتی ہے۔ وَ لَا السَّيِّئَةُ میں لا زائدہ تاکید نفی کے لیے ہے۔ لا الثانیۃ مزیدۃ لتاکید النفی (روح) كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ۔ كَاَنَّهٗ نے یہ صاف کر دیا کہ یہ لازمی نہیں کہ اس برتاؤ کے بعد وہ دشمن دوست بن ہی جائے، البتہ مشابہ دوست کے ضرور ہو جائے گا --- مشہور غیر مسلم لیڈر گاندھی جی نے جو اپنا فلسفہ شانتی اور اہمسا کا چلایا ہے، عجب نہیں، جو اُس کا ماخذ اصلی یہی آیاتِ قرآنی ہوں۔ وا۳۳ یعنی اس دفاع احسن کی، بدی کی مکافات بھلائی سے کرنے کی توفیق ہر کس وناکس کو نہیں حاصل ہو جاتی۔ یہ تو صرف خوش نصیبوں ہی کے حصہ میں آتی ہے یعنی اُن کے حصہ میں جو اپنے کو صبر کا خوگر بنا چکے ہوتے ہیں۔ وَمَا يُلَقّٰىهَا ...... صَبَرُوْا۔ اس میں ذکر ان نیک بندوں کے اخلاق وعادات کا ہے۔ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ۔ یہ خوش نصیبی ان کے مرتبہ واجر وثواب کے لحاظ سے بیان کی گئی ہے۔ وا۳۴ (جس سے نہ کسی کے الفاظ واقوال مخفی ہیں نہ کسی کے اعمال واحوال) وَاِمَّا ...... نَزْغٌ۔ نزغ یا وسوسہ سے یہاں مراد غصہ وانتقام کا وسوسہ ہے۔ معاندین کی مخالفت شدید وپیہم کے وقت اس کا پیدا ہو جانا ایک حد تک امر طبعی ہے۔ تاہم پیمبر کے مرتبہ سے فروتر چیز ہے، اس لیے قرآن نے ہر امر مذموم ومعیوب کی طرح اسے بھی شیطان کی جانب منسوب کیا ہے۔ محققین عارفین نے مفہوم میں توسع پیدا کر کے اور مخاطبت میں مراد ساری اُمت کو لے کر دوسرے شیطانی تاثرات وتصرفات مثلاً حسد، ریاء، کبر، کینہ، کذب وغیرہ کی تحریکات کو اسی حکم کے تحت میں لے لیا ہے۔ ابھی ابھی حکم صبر کا ملا تھا، صبر ہی اساس اخلاق ہے، اور سعادت اُخروی وبہبود دنیوی کی اصل۔ اس آیت سے مقصود اسی کے حفظ وبقاء کی تاکید ہے۔ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ اللہ سے پناہ مانگنے اور پناہ خداوندی میں آ جانے کا حکم اس لیے کہ بشر بلا امداد الٰہی شیطان کے دفع کرنے پر قادر نہیں۔ حکم سے یہ بھی اشارہ نکل آیا کہ بندۂ مومن کو غافل وبے فکر کسی وقت بھی نہ ہونا چاہیے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت سے تین مسئلے مستنبط ہوتے ہیں ایک اصلاح اخلاق کی ضرورت، دوسرے اس کے لیے مجاہدہ کا شرط ہونا۔ تیسرے یہ کہ وسوسہ شیطانی کا امکان کاملین کے لیے بھی ہے اور وہ التجاء الی اللہ میں مانع نہیں۔ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ وہ آپ کا استعاذہ بھی سن رہا ہے اور آپ کی نیت وصالحیت سے بھی خوب واقف ہے۔ آیت سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ نزغ یا غصہ کے وقت استعاذہ مستحب ہے۔ و فسر عبدالرحمن بن زید النزغ بالغضب و استدل بالآیۃ علی

وَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ الَّذِیۡ خَلَقَهُنَّ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۳۷﴾

بلکہ صرف اللہ ہی کو پوجو جس نے ان سب کو پیدا کیا اگر تم واقعی اُس کے پرستار ہو ف ۳۶

فَاِنِ اسۡتَكۡبَرُوۡا فَالَّذِيۡنَ عِنۡدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوۡنَ لَهٗ بِالَّيۡلِ

پھر اگر یہ لوگ اکڑے رہیں تو (فرشتے) جو آپ کے پروردگار کے مقرب ہیں وہ رات اور دن اُسی کی تسبیح

وَالنَّهَارِ وَهُمۡ لَا يَسۡـَٔمُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى

کرتے رہتے ہیں اور (وہ اس سے ذرا) نہیں اکتاتے ف ۳۷ اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تو زمین کو

الۡاَرۡضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ

دیکھتا ہے دبی دبائی پڑی ہے لیکن جب ہم اُس پر پانی برسا دیتے ہیں تو وہ اُبھرتی اور پھولتی

وَرَبَتۡ ؕ اِنَّ الَّذِيۡۤ اَحۡيَاهَا لَمُحۡىِ الۡمَوۡتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ

ہے تو وہی جس نے اس (زمین) کو جی اُٹھایا وہی مُردوں کو بھی جی کھڑا کرے گا، بے شک وہی ہر چیز پر

شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ يُلۡحِدُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِنَا لَا يَخۡفَوۡنَ

قادر ہے ف ۳۸ بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں وہ ہم سے مخفی

عَلَيۡنَا ؕ اَفَمَنۡ يُّلۡقٰى فِى النَّارِ خَيۡرٌ اَمۡ مَّنۡ يَّاۡتِىۡۤ اٰمِنًا يَّوۡمَ

نہیں ہیں سو بھلا جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن وامان کے

الۡقِيٰمَةِ ؕ اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۴۰﴾

ساتھ آئے ف ۳۹ (خیر) جو جی چاہے کر لو، وہ تمہارا کیا ہوا سب کچھ دیکھ رہا ہے ف ۴۰

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِالذِّكۡرِ لَمَّا جَآءَهُمۡ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ

جو لوگ اس (کتاب) نصیحت کا انکار کرتے ہیں جبکہ وہ ان کے پاس پہنچ گئی سو وہ بڑی معزز

عَزِيۡزٌ ﴿۴۱﴾ ۙ لَّا يَاۡتِيۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ

کتاب ہے اس میں باطل نہ آگے سے آ سکتا ہے اور نہ پیچھے

السجدة ۱۱

استحباب الاستعاذة عندہٗ (روح) ف ۳۵ (نہ یہ کہ یہ کوئی مستقل دیوی دیوتا ہیں) آیت میں رَد آ گیا، تمام ستارہ پرست، آفتاب پرست، ماہتاب پرست جاہلی قوموں کا۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ رات ہو، یا دن، سورج ہو یا چاند، یہ تو سب حق تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی علامتیں اور نشانیاں ہیں اور اُس کی توحید وعظمت، حکمت وصناعی پر مستقل دلائل وشواہد، انہیں خود معبود سمجھ لینا کس درجہ کی حماقت وسفاہت ہے۔ ملاحظہ ہوں تفسیر انگریزی کے حاشیے۔ ف ۳۶ اہل شرک پر حجت قائم کی ہے کہ اگر تم توحید کے مدعی ہو، اور ایک خدا کے ماننے والے ہو، تو یہ آفتاب پرستی، ماہتاب پرستی، اِس دیوتا کی پرستش اور اُس دیوی کی پوجا کے کیا معنٰی؟ تم کو چاہیے کہ سارے دیوی دیوتاؤں سے منہ موڑ کر صرف اُن کے خالق یعنی حق تعالیٰ ہی سے اپنا تعلق جوڑے رکھو۔

لَا تَسۡجُدُوۡا...... اسۡجُدُوۡا۔ سجدہ سے یہاں اسلامی نماز کا اصطلاحی سجدہ مراد نہیں۔ عام عبادت وپرستش مقصود ہے۔ جیسا کہ اس کے قبل بھی کئی بار ذکر آ چکا ہے۔ لِلشَّمۡسِ وَلَا لِلۡقَمَرِ۔ آفتاب پرستی وماہتاب پرستی، دنیا میں شرک کے یہ دو مظہر سب سے بڑھ کر رہے ہیں۔ اس لیے تصریح کے ساتھ نام انہیں دونوں کا ارشاد ہوا ہے۔ ف ۳۷ مسلک توحید وایمان اختیار کرنے میں بہرحال اپنے طریق آبائی کو چھوڑنا اور نبی کا اتباع کرنا پڑتا تھا، اور یہ بہت سے طبائع کو گراں گزرتا تھا۔ یہاں اشارہ اسی جانب ہے۔ فَالَّذِيۡنَ عِنۡدَ رَبِّكَ۔ فرشتوں کا ذکر فَاِنِ اسۡتَكۡبَرُوۡا کے مقابلہ میں لانے سے اس طرف بھی اشارہ منظور ہے کہ ملائکہ مقربین مرتبہ ومنزلت میں ان اشخاص سے ہزار ہا ہزار درجہ زائد ہیں۔ ف ۳۸ بعث وحشر کے امکان پر، اس امکان کے منکروں کو، اس قریب کی اور روزمرہ پیش آنے والی نظیر سے توجہ دلائی ہے۔ ف ۳۹ (ظاہر ہے کہ ہرگز وہ دوزخی بہتر نہیں) اَلَّذِيۡنَ يُلۡحِدُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِنَا۔ منکروں اور مکذبوں سے مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن علماء محققین نے لکھا ہے کہ وعید ان باطل فرقوں پر بھی شامل ہے، جو آیات قرآنی کے معنٰی گڑھ گڑھ کر اور مسخ کر کر کے ایسے بیان کرتے ہیں جو حدود تاویل سے بالکل خارج ہوتے ہیں۔ متکلمین واصولیین اہل سنت نے یہ تصریح کر دی ہے کہ ہر نص اپنے ظاہر ہی پر محمول ہوگی، تاوقتیکہ کوئی دلیل قطعی تاویل کی مقتضی نہ مل جائے۔ لغت، زبان، قواعد نحوی سے الگ ہو کر ایسے معنٰی گڑھنا جس سے احکام شریعت ہی باطل ہو جائیں، باطنیہ وزنادقہ کا شیوہ رہا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کے تحت میں وہ غالی صوفیہ بھی آ جاتے ہیں جو منقول اور ماثور تفسیروں سے انکار کر کے اپنی اختراعی تاویلیں پیش کرتے رہتے ہیں۔ اَمۡ...... الۡقِيٰمَةِ۔ قیامت کے روز امن وامان میں رہنے والا وہی ہوگا جو دنیا میں صاحب ایمان تھا۔ ف ۴۰ (جو آخرت میں جو دار الجزاء ہے، پوری سزا دے گا۔ اور یہاں دار العمل میں اس نے آزادیٔ عمل دے رکھی ہے)۔

خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا

سے (یہ کلام) نازل ہوا ہے (خدائے) باحکمت وپر حمد کی طرف سے ف۴۱ آپ کے لئے تو وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو

قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ

آپ سے قبل رسولوں کے لئے کہی جا چکی ہیں ف۴۲ بے شک آپ کا پروردگار بڑا مغفرت والا ہے

وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْ

اور دردناک سزا دینے والا ہے ف۴۳ اور اگر ہم اسے قرآن عجمی بناتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف

لَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ

کیوں نہیں بیان کی گئیں یہ کیا کہ عجمی (کتاب) اور عربی (رسول) ف۴۴ آپ کہہ دیجئے کہ یہ (قرآن) ایمان والوں

اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ

کے لئے ہدایت و شفاء ہے اور جو ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں میں

وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ

ڈاٹ ہے اور وہ (قرآن) اُن کے حق میں نابینائی ہے یہ لوگ وہ ہیں جو کسی بڑی دور جگہ سے پکارے

بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْ

جا رہے ہیں ف۴۵ اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی اُس میں بھی اختلاف پڑا بس اگر

لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ

ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے، تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور یہ لوگ

شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ

اس کی طرف سے ایسے شک میں ہیں جس نے انہیں تردد میں ڈال رکھا ہے ف۴۶ جو کوئی نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے نفع کے

وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

لئے کرتا ہے اور جو کوئی برا عمل کرتا ہے اس کا بھی وبال اس پر پڑے گا اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا (ہرگز) نہیں ف۴۷

قرء حفص بتسهيل الهمزة الثانية ۱۲

ع ۵ ۱۲ ۱۹

ف۴۱ (اور مصنف ہی جلّ وعلا کا پرتو تصنیف شریف میں بھی نظر آ رہا ہے) لَا ...... خَلْفِهٖ۔ اس کتاب آسمانی میں کسی پہلو اور کسی جہت سے بھی تحریف وتلبیس کا امکان نہیں۔ بعض علماء راسخین نے یہیں سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ اس طرح قرآن سے تمسک کرنے والے بھی باطل سے محفوظ رہتے ہیں۔ ف۴۲ یعنی جس طرح ان کی تکذیب کی گئی اور انہیں اذیت پہنچائی گئی، وہی سب آپ کے لئے بھی پیش آ رہا ہے تو جس طرح انہوں نے صبر کیا تھا، آپ بھی صبر سے کام لیجئے۔ ف۴۳ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اصل صفت تو غفوریت ہی کی ہے، لیکن اگر مشرکین ومکذبین عناد سے باز آ کر مستحق مغفرت نہ ہو گئے تو پھر سزا بھی ان کے لئے شدید دردناک رکھی ہوئی ہے۔ ف۴۴ بعض معاند منکروں نے یہ کہنا شروع کیا تھا کہ سارا قرآن عربی ہی میں کیوں ہے۔ کچھ عجمی میں بھی ہوتا تو البتہ ہم یقین کر لیتے کہ یہ نبی عربی ہیں، عجمی زبان پر انہیں قدرت نہیں۔ لامحالہ یہ وحی غیبی ہے۔ یہاں اسی اعتراض کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ معاند ایمان تو جب بھی ہرگز نہ لاتے اور اس وقت یہ کہنے لگتے کہ سارا قرآن عربی ہی کیوں نہیں یہ کیسی بے جوڑ بات ہے کہ رسول خود تو عرب ہوں، اور پیام وکلام لے کر آئیں عجم کی زبان میں! فقہاء محققین نے اسی آیت سے استنباط کیا ہے کہ قرآن کا اطلاق عجمی قرآن پر بھی جائز ہے اور اختلاف لسان کی بنا پر قرآن غیر قرآن نہیں ہو جاتا، بلکہ ترجمہ قرآن پر بھی قرآن ہی کا اطلاق رہتا ہے۔ وهذا يدل على ان نقله الى لغة العجم لايخرجه ذلك من ان يكون قرانا (جصاص) لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز بھی بجائے قرآن کے ترجمہ قرآن پڑھنے سے ادا ہو جائے گی۔ لان المامور به قراءة القراٰن وهو اسم للمنزل باللفظ العربى المنظوم بهذا النظم الخاص المكتوب فى المصاحف المنقول الينا نقلا متواترا (درالمختار) ف۴۵ (کہ محض آواز سن رہے ہیں اور سمجھتے بوجھتے خاک نہیں) هُدًى۔ راہنما عمل صالح کی طرف۔ شِفَآءٌ۔ باعثِ شفاء امراض باطنی ہے۔ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ۔ کانوں میں ڈاٹ یوں کہ یہ منکرین ومعاندین اس آوازِ حق کو باوجود اس کے وضوح کے انصاف کے کانوں سے سنتے ہی نہیں۔ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى۔ چنانچہ معاندین کی یہ ارادی نابینائی ان کے حق میں اور زیادہ موجب ضلالت بنتی جاتی ہے۔ ف۴۶ (اور چونکہ یہ یقین وایمان سے محروم ہیں، اس لئے قدرۃً سکون و اطمینان کی دولت سے بھی محروم ہیں) وَلَقَدْ ...... فِيْهِ۔ چنانچہ اسی توریت ہی کی طرح آج قرآن کے بارہ میں بھی لوگ اختلاف کر رہے ہیں، اور بہت سے اشرار اسے کلام الٰہی تسلیم کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔ مقصود رسول کو تسکین دینی ہے کہ خلقت کی یہ عادتِ انکار تو پہلے سے چلی آ رہی ہے۔ لَوْلَا ...... رَّبِّكَ۔ اور وہ ٹھہرائی ہوئی بات یہی ہے کہ پورا عذاب آخرت ہی میں ہوگا۔ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ۔ وہ فیصلہ یہی کہ منکرین پر عذاب اسی دنیا میں آ گیا ہوتا۔ ف۴۷ (کہ کسی کی کی ہوئی نیکی کو شمار سے چھوڑ دے اور یا کسی کی نہ کی ہوئی بدی کو لکھ لے) وَمَا ...... لِّلْعَبِيْدِ۔ آیت کے اس ٹکڑے میں تردید آ گئی ان مشرک جاہلی قوموں کے عقیدہ کی جو اپنے دیویوں دیوتاؤں کی جانب ظلم وجبر، شقاوت وسفاکی کی صفات منسوب کرنا ذرا بھی ان کی الوہیت کے منافی نہیں سمجھتے تھے۔ مَنْ عَمِلَ ...... فَعَلَيْهَا۔ اسلام کی ایک بنیادی حقیقت یعنی شخصی ذمہ داری کا ایک بار پھر اعادہ واثبات کر دیا گیا۔ اور اس جہل کی ایک بار پھر اصلاح کر دی گئی کہ مقبولین سے محض نسبی نسبت رکھنا کافی ہے۔ بحمد اللہ! آج یکشنبہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲ نومبر ۱۹۴۷ء کو اس چوبیسویں پارہ کی تفسیر کی نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔

اِلَیۡهِ یُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ وَ مَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ
اسی (اللہ) کی طرف قیامت کے علم کا حوالہ دیا جا سکتا ہے اور کوئی پھل اپنے خول میں سے

اَكۡمَامِهَا وَ مَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ
نہیں نکلتا، اور نہ کوئی عورت حمل سے رہتی ہے اور نہ (بچہ) جنتی ہے بغیر اُس کی اطلاع کے و۴۸

وَ یَوۡمَ یُنَادِیۡهِمۡ اَیۡنَ شُرَكَآءِیۡ ۙ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنۡ
اور جس روز (اللہ) ان (مشرکوں) کو پکارے گا کہ (اب) میرے شریک کہاں ہیں؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم تو آپ سے یہی عرض

شَهِیۡدٍ ﴿۴۷﴾ ۚ وَ ضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا یَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ
کریں گے کہ ہم میں سے کوئی (اس کا) مدعی نہیں، و۴۹ اور جن جن کی یہ لوگ پہلے پوجا کیا کرتے تھے وہ سب اُن سے غائب ہو

وَ ظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِیۡصٍ ﴿۴۸﴾ لَا یَسۡـَٔمُ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ
جائیں گے اور وہ لوگ یہ سمجھ لیں گے کہ اب کوئی صورت بچاؤ کی نہیں و۵۰ انسان کا ترقی کی آرزو سے جی

دُعَآءِ الۡخَیۡرِ ۫ وَ اِنۡ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَیَـُٔوۡسٌ قَنُوۡطٌ ﴿۴۹﴾ وَ لَئِنۡ
نہیں بھرتا اور اگر اُسے تکلیف پہنچ جاتی ہے تو مایوس و ہراساں ہو جاتا ہے و۵۱ اور اگر

اَذَقۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنَّا مِنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَیَقُوۡلَنَّ
ہم اپنی طرف سے اُسے مہربانی کا مزہ چکھا دیتے ہیں بعد کسی تکلیف کے جو اُسے واقع ہوئی تھی تو وہ کہنے لگتا ہے

هٰذَا لِیۡ ۙ وَ مَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّ لَئِنۡ رُّجِعۡتُ
کہ یہ تو میرے لیے ہونی ہی تھی اور میں قیامت کو آنے والا نہیں خیال کرتا، اور اگر میں اپنے پروردگار کے پاس

اِلٰى رَبِّیۡۤ اِنَّ لِیۡ عِنۡدَهٗ لَلۡحُسۡنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِیۡنَ
پہنچایا بھی گیا تو میرے لیے تو اس کے پاس بھی ضرور ہی بہتری ہی ہے و۵۲ سو ہم کافروں کو اُن کے کرتوت

كَفَرُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا ۫ وَ لَنُذِیۡقَنَّهُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِیۡظٍ ﴿۵۰﴾
ضرور بتا دیں گے اور انہیں عذاب سخت کا بھی مزہ چکھا کر رہیں گے

و۴۸ حق تعالیٰ کی صفت علم کا اثبات ہو رہا ہے کہ اُس کا علم کامل اور ہر ہر جزئیہ کو محیط ہے اور وہی وقت قیامت کا علم رکھتا ہے۔ اِلَیۡهِ یُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ۔ یہ منکرین کے اس تعریضی سوال کے جواب میں ہے کہ قیامت آخر کب آئے گی۔

و۴۹ (اور اپنی غلطی کے بالکل معترف ہیں) اَیۡنَ شُرَكَآءِیۡ۔ یعنی جنہیں تم اپنے زعم و پندار میں ہمارا شریک و ہمسر سمجھا کرتے تھے۔ انہیں بلاؤ، وہ اب آ کر بچائیں — شرکاء کی اپنی جانب نسبت و اضافت میں ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے مشرکین کے عقائد پر تعریض کی ہے۔ اضافهم الی نفسه علی زعمهم و فيه تهكم و تقريع (مدارک) مَا مِنَّا مِنۡ شَهِیۡدٍ۔ یعنی آج ہم میں سے کوئی بھی اس کا مدعی نہیں کہ تیرا کوئی بھی شریک ہے۔ اے ما منا احد اليوم يشهد بان لك شريكا (مدارک)

و۵۰ (اس لئے اب کسی اور سے آس لگانا حماقت محض ہے) وَ ظَنُّوۡا۔ ظن یہاں گمان کے معنی میں نہیں، یقین کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اور بھی متعدد موقعوں پر ہے۔ اے ايقنوا كما قال السدی وغيره لانه لا احتمال لغيره هنا والظن يكون بمعنى العلم كثيرًا (روح) اے ايقنوا وعلموا (قرطبی) وهذا بمعنى اليقين (ابن کثیر)

و۵۱ مومن کو اپنی ہر تکوینی اور غیر اختیاری مصیبت پر توقع اجر کی قائم رہتی اور بھروسہ کسی نہ کسی درجہ میں خدا پر رہتا ہے۔ منکر توحید و منکر آخرت سکینت قلب کی اسی دولت سے، زخم کے اسی ٹھنڈے مرہم سے محروم، حسرت و یاس کے ساتھ اپنے کو لوٹنے پر، تڑپنے پر مضطر پاتا ہے۔ اَلۡاِنۡسَانُ۔ ذکر یہاں کافر، ناشکرے انسان اور اس کے کمال حرص کا ہو رہا ہے۔ قال السدی والانسان ههنا يراد به الكافر (قرطبی) الكافر (معالم) اَلۡخَیۡرِ۔ خیر سے یہاں مراد دنیوی و مادی ہی ترقیاں ہیں۔ والخير هنا المال والصحة والسلطان والعز (قرطبی) وهو المال وصحة الجسم وغير ذالک (ابن کثیر)

و۵۲ یعنی اول تو میں اسی کا قائل نہیں کہ کوئی روز جزا بھی آنا ہے اور اگر بالفرض آئے بھی تو میں جس طرح یہاں خوش اقبال ہوں، وہاں بھی خوش اقبالی ہی میری رفیق رہے گی۔ هٰذَا لِیۡ۔ یعنی میری تدبیر و قابلیت مقتضی ہی اسی کی تھی۔ لَیَقُوۡلَنَّ هٰذَا لِیۡ۔ غرض یہ کہ خوشحالی میں بھی سرکش و باغی، خدا فراموش و آخرت فراموش انسان اپنے مالک و مولیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی ہی ذات پر گھوم پھر کر رہتا ہے۔ اِنَّ لِیۡ عِنۡدَهٗ لَلۡحُسۡنٰى۔ اِنَّ خود کلمۂ تاکید ہے۔ پھر لی کی تقدیم نے اس تاکید کو مضاعف کر دیا ہے، پھر لَلۡحُسۡنٰى میں ل الگ تاکید کا۔ اس دوہری تاکید کی رعایت سے ترجمہ میں ”ضرور ہی“ بڑھا دیا گیا ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا

اور ہم جب انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا اور کروٹ پھیر لیتا ہے، اور جب

مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ

اُسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے و۵۳ آپ کہئے کہ بھلا یہ بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن)

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ

اللہ کے ہاں سے آیا ہو اور پھر تم اس سے انکار کر رہے ہو تو اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو (ایسی)

شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

دور دراز مخالفت میں پڑا ہو و۵۴ ہم عنقریب اُن کو اپنی نشانیاں (اس) دنیا میں دکھائیں گے اور خود اُن کی ذات میں بھی،

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ

یہاں تک کہ اُن پر کھل کر رہے گا کہ یہ (قرآن) حق ہے و۵۵ کیا آپ کے پروردگار کا یہ وصف کافی نہیں کہ وہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ

ہر (چھوٹی بڑی) چیز کا شاہد ہے و۵۶ یاد رکھو یہ لوگ اپنے پروردگار کے روبرو جانے کی طرف سے

لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾ ع

شک میں پڑے ہیں یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے و۵۷

ع ۶/۱

اٰیاتھا ۵۳ | ۴۲ سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی مَکِّیَّۃٌ ۶۲ | رکوعاتھا ۵

اس کی ترپن آیتیں ہیں | سورۂ شوریٰ مکہ میں نازل ہوئی | اور پانچ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ

حا۔میم۔ عین۔سین۔قاف۔ اسی طرح اللہ غلبہ والا، حکمت والا وحی بھیجتا

و۵۳ یہ دعائیں زوال نعمت پر محض جزع وفزع کی راہ سے ہوتی ہیں نہ کہ منعم حقیقی کی طرف توجہ ورجوع کے طور پر۔ الْاِنْسَانِ ۔ ذکر اسی کافر، ناشکرے انسان کا چل رہا ہے۔یرید الکافر (قرطبی)

فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ۔ عَرِيْضٍ کا لفظ کثیر کے معنی میں محاورۂ عرب میں عام ہے العرب تستعمل الطول والعرض فی الکثرة (قرطبی) والعرب تستعمل الطول والعرض فی الکثرة یقال اطال فلان الکلام والدعاء واعرض ای اکثر (معالم) و۵۴ مطلب یہ ہوا کہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی اتنی اندرونی اور بیرونی شہادتوں کے ہوتے ہوئے کم از کم درجہ احتمال میں تو اسے خدائی کلام سمجھو اور پھر اس احتمال ہی کی بنیاد پر سوچو کہ اگر قرآن کا برحق ہونا ہی نکل آیا تو تم ضلالت کے کس درجہ اشد میں اپنے کو پاؤ گے؟ و۵۵ یعنی غلبہ حق کی ان مادی علامتوں کو دیکھ کر یہ ایک حد تک اضطراراً اعتراف پر مجبور ہو جائیں گے...... چنانچہ نہ صرف علاقہ حجاز بلکہ سارا ملک عرب اور اس کے اطراف ونواح اسلام کے مسخر ہوئے اور بڑے بڑے رؤساء وسردارانِ ریاست مکہ مرکٹ کر رہے۔ الْاٰفَاقِ ۔اس کا ترجمہ مفسر تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے ”ان کے گرد ونواح“ سے کیا ہے اور حاشیہ یہ دیا ہے۔ اشارة الی ان الالف واللام عن المضاف الیه وهو من المواهب۔ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۔آیاتِ الٰہی آفاقی اور آیاتِ الٰہی انفسی ان دونوں سے کیا مراد ہے؟ عجب نہیں کہ آیاتِ آفاقی سے مراد وہ واقعات ودلائل خارجی ہوں جو ہر فطرت سلیم کو توحید وحکمت الٰہی کی طرف لاتے ہیں، اور اس کے تحت میں طبیعیات عنصریات، فلکیات کی قسم کے سارے علوم وفنون آجاتے ہیں۔اور آیاتِ انفسی سے اشارہ نفس بشری کے اسرار وحجابات کی جانب ہو، اور اس میں نفسیات، اخلاقیات، اجتماعیات کی ساری شاخیں آجاتی ہیں...... خارجی وداخلی دونوں قسم کے علم وفن اگر صحیح طور پر مطالعہ کئے جائیں، تو دلائل حکمت وصنعت باری ہی کا کام دے سکتے ہیں۔ اللہ تربت ٹھنڈی رکھے متعدد مفسرین کرام کی کہ اپنے اپنے رنگ میں اسی طرف اشارہ کر گئے ہیں۔ وقال عطاء وابن زید فی الافاق یعنی اقطار السموات والارض من الشمس والقمر والنجوم واللیل والنهار والریاح والامطار والرعد والبرق والصواعق والنبات والاشجار، والجبال والبحار وغیرها...... وفی انفسهم من لطیف الصنعة وبدیع الحکمة حتی سبیل الغائط والبول...... وبدیع صنعة الله وحکمته فی عینیه وفی اذنیه (قرطبی) ویحتمل ان یکون المراد من ذٰلک ما الانسان مرکب منه وفیه وعلیه من المواد والاخلاط والهیأت العجیبة کما هو مبسوط فی علم التشریح الدال علی حکمة الصانع تبارک وتعالٰی وکذٰلک ما هو مجبول علیه من الاخلاق المتباینة من حسن وقبح وغیر ذٰلک وما هو متصرف فیه (ابن کثیر) وقال عطاء وابن زید فی اٰفاق السماء واراد ان الأیات فی فنی الشمس وغیر ذٰلک وفی انفسهم عبرة الانسان بجسمه وحواسه وغریب خلقته وتدریجه فی البطن ونحو ذٰلک (بحر) و۵۶ (اور وہ آپ کی سعی وکاوش واہتمام تبلیغ کو بھی دیکھ رہا ہے۔اور ان منکروں کی ہٹ اور انکار کو بھی) اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ ۔یعنی آپ کی تسکین وتسلی کے لئے یہ امر کافی ہونا چاہیے۔ اَنَّهٗ ...... شَهِيْدٌ ۔آیت میں ان جاہلی قوموں کا رد ہے جنہوں نے حق تعالیٰ کی صفت ہمہ بینی میں کلام کیا ہے۔ و۵۷ (تو کاش ان کے دلوں میں حق تعالیٰ کی ان صفات ہمہ بینی وہمہ دانی کا استحضار ہوتا!) اَلَآ ...... رَبِّهِمْ ۔یہاں یہ بتایا ہے کہ حق کی طلب وجستجو ان میں اس لئے نہیں کہ خود آخرت ہی کا اعتقاد انہیں نہیں اور طبیعت میں تحقیق وجستجو کی طرف سے تساہل وبے رغبتی تو آخرت کی اسی بے یقینی نے پیدا کر دی ہے۔ اِنَّهٗ ...... مُحِيْطٌ ۔آیت میں ان جاہلی قوموں کا رد ہے جنہوں نے حق تعالیٰ کی صفات ہمہ دانی وہمہ توانی میں کلام کیا ہے۔

مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

رہا ہے آپ پر اور آپ سے قبل والوں پر ف۱ اُسی (اللہ) کا ہے جو کچھ بھی آسمانوں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۴﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ

میں ہے اور زمین میں ہے اور وہی برتر ہے، عظیم الشان ہے ف۲ کچھ بعید نہیں کہ آسمان

يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

اپنے اُوپر سے پھٹ پڑیں ف۳ اور فرشتے اپنے پروردگار کی تسبیح وحمد کرتے رہتے ہیں

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ

اور اہلِ زمین کے لئے طلب مغفرت کرتے رہتے ہیں ف۴ یادرکھو اللہ ہی بڑا مغفرت کرنے والا ہے،

الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ

بڑا رحیم ہے ف۵ اور جن لوگوں نے اس کے سوا (دوسرے) کارساز (خدا) ٹھہرا رکھے ہیں، اللہ انہیں دیکھ بھال

عَلَيْهِمْ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ

رہا ہے اور آپ ان کے کوئی ذمہ دار نہیں ہیں ف۶ اور آپ پر اسی طرح یہ قرآن

اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ

عربی میں وحی کیا گیا ہے تاکہ آپ مکہ والوں کو اور ان کو جو اس کے آس پاس رہتے ہیں ف۷ جمع ہونے کے

يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي

دن سے ڈرائیں جس میں ذرا شک نہیں ف۸ ایک گروہ جنت میں (داخل) اور ایک گروہ

السَّعِيْرِ ﴿۷﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ

دوزخ میں اور اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو وہ ان سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا لیکن

يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ

جس کے لئے اُس کی مشیت ہوتی ہے اسی کو وہ اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے، اور ان ظالموں کا کوئی نہ حمایتی

ف۱ (اصول دین کی تحقیق وتعیین کے لئے) کَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح یہ سورت نازل کی۔ اسی طرح اس نے دوسری سورتوں اور آیتوں کی وحی آپ پر کی ہے۔ اے مثل ذٰلک الوحی (کشاف) اے یوحی مثل ما فی ھذہ السورۃ من المعانی (روح) حٰمٓ۔ عٓسٓقٓ۔ حضرت ابن عباس کی جانب یہ قول منسوب ہوا ہے کہ حٰمٓ ایک اسم الٰہی ہے اور ع سے اشارہ عذاب بدر کی جانب ہے اور س سے اشارہ اس آیت کی طرف ہے سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔ اب رہا ق تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ صحابی کی جانب یہ قول منسوب ہے کہ اس سے صور قیامت مراد ہے۔ لیکن محققین کے نزدیک نہ یہ دونوں روایتیں ثابت شدہ ہیں نہ اور کوئی روایت۔ ذکر المفسرون فی حٰمٓ عسق اقوالاً مضطرباً لا یصح منها شیء (بحر) والذی یغلب علی الظن عدم ثبوت شیء من الروایتین (روح) ف۲ تو اس کا اور کسی مخلوق کا مقابلہ ہی کیا؟...... برتری اور عظمت صرف اسی کا حق ہے۔ دنیا جہان کی بڑی بڑی اونچی، ہستیاں اس کے آگے بساط ہی کیا رکھتی ہیں۔ آیت سے مقصود حق تعالیٰ کی ملکیت کاملہ اور اس کی عظمت کا اثبات ہے اور اس سے مشرکین جاہلین کے عقائد کا ابطال بالکل ظاہر ہے۔ السَّمٰوٰتُ۔ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے اس آیت کے تحت میں پھر ایک بار یاددلا دیا ہے کہ انسان سے اوپر کی طرف جو کچھ بھی واقع ہے سب پر اطلاق سماء ہی کا ہوتا ہے۔ کلما سماک فھم سماء (کبیر) الْعَلِيُّ حق تعالیٰ کی بلندی جہت ومکان کے لحاظ سے تو مراد ہو ہی نہیں سکتی، لامحالہ مراد یہ ہے کہ وہ ذات پاک ممکنات ومخلوقات کی مشابہت سے بالاتر ہے۔ لا یجوز ان یکون المراد بکونہ علیاً العلو فی الجھۃ والمکان لما ثبت الدلالۃ علی فسادہ (کبیر) وجب ان یکون المراد من العلی المتعالی من مشابھۃ الممکنات ومناسبۃ المحدثات (کبیر) الْعَظِيْمُ۔ حق تعالیٰ کی عظمت بلحاظ جسم وجثہ تو مراد ہو ہی نہیں سکتی، لامحالہ عظمت بلحاظ قدرت وکمالات مراد ہوگی۔ لا یجوزان یکون المراد من العظیم العظمۃ بالجثۃ وکبر الجسم (کبیر) وجب ان یکون المراد من العظیم العظمۃ بالقدرۃ القھر بالاستعلاء وکمال الالٰھیۃ (کبیر) ف۳ (ہیبت حق سے، یا کثرت ملائکہ کے ثقل سے) مفسرین نے یہ دونوں قول نقل کئے ہیں:۔ اے یتشققن من عظمۃ اللہ تعالیٰ (روح۔ عن قتادہ) یتفطرن من الثقل (روح۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) پیرایۂ بیان دونوں صورتوں میں دنیا والوں کی سمجھ کے لائق اختیار کیا گیا ہے۔ مِنْ فَوْقِهِنَّ۔ عربی اسلوب بلاغت کے مطابق یہ زور بیان اور تاکید معنی کے لئے لایا گیا، ورنہ عام قاعدہ کے لحاظ سے تو من تحتھن ہوتا۔ بولغ فی ذٰلک فجعلت موثرۃ فی جھۃ الفوق کانہ قیل یکون یتفطرن من الجھۃ التی فوقھن دع الجھۃ التی تحتھن (کشاف) ف۴ (اور نظامِ عالم انہیں معصوموں کی دعاء واستغفار سے تھما ہوا ہے) لِمَنْ فِي الْاَرْضِ کے عموم میں مومن وکافر دونوں داخل ہیں۔ مومنوں کے حق میں استغفار یہ کہ اللہ ان کی لغزشوں اور خطاؤں کو نظر انداز کرے۔ کافروں کے حق میں استغفار یہ کہ اللہ ان کے دل میں توفیق ایمان ڈال دے۔ اما فی حق الکفار فبواسطۃ طلب الایمان لھم واما فی حق المؤمنین فبالتجاوز عن سیئاتھم (کبیر) وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ۔ ملائکہ کوئی خودمختارانہ یا معبودانہ حیثیت نہیں رکھتے۔ وہ تو خود ہی دوسرے بندوں کی طرح اپنے پروردگار کی حمد وتسبیح میں لگے رہتے ہیں۔ ف۵ یعنی مغفرت ورحمت صرف اسی کے اختیار کی چیز ہے۔ فرشتوں کے بس کی نہیں۔ فرشتے تو صرف طلب مغفرت ودعائے مغفرت (استغفار) کر سکتے ہیں۔ ف۶ ایک بار پھر اس حقیقت کا اعلان کہ معاملات تکوینی میں قادر ومتصرف صرف ذات حق تعالیٰ ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ صرف پیام واحکام کی تبلیغ وتلقین ہے۔ کسی کے ماننے نہ ماننے کی ذمہ داری ان کے اوپر ذرا سی بھی نہیں۔ اللہ خود ہی وقت مناسب پر سب سے نپٹ لے گا۔ ف۷ اُمَّ الْقُرٰى۔ اُمّ۔ عربی میں ہر وہ چیز ہے جو دوسری چیزوں کا مبداء مرکز ومصدر ہو۔ والعرب تسمی اصل کل شیء امہ (کبیر) یقال لکل ما کان اصلاً لوجود شیء اوتربیتہ او اصلاحہ اومبدئہ (راغب) تو ام القری کے لفظی معنی بستیوں کی ماں یا آبادیوں کے مرکز کے ہوئے۔ مراد شہر مکہ سے ہے قیل لمکۃ ام القری وذٰلک لماروی ان الدنیا دحیت من تحتھا (راغب) وھی مکۃ وسمیت بھٰذا الاسم اجلالاً لھا (کبیر) لفظ سورۃ الانعام پ۷ میں قریب ختم پارہ کے آیا ہے۔ وہاں کا حاشیہ ملاحظہ کرلیا جائے۔ وَمَنْ حَوْلَهَا۔ صرف آس پاس ہی کی بستیاں اور آبادیاں مراد نہیں، بلکہ سارا عالم مراد ہے۔ مرکز سے قطع نظر نزدیک ہو یا دور۔ بہرحال اس مرکز ہی سے اس کا تعلق قائم رہے گا۔ اے الارض کلھا (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) الی المشرق والمغرب (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) دخل فیہ سائر البلدان والقری (کبیر) كَذٰلِكَ۔ اس اسم اشارہ کا مشار الیہ آیت ماقبل کا مفہوم ہے۔ ذٰلک اشارۃ الی معنی الاٰیۃ قبلھا من ان اللہ تعالیٰ ھو الرقیب علیھم وما انت برقیب علیھم ولکن نذیراً لھم (کشاف) ف۸ یعنی قیامت کے دن سے روز حشر یا یوم احتساب کا ڈر اور اصلاح عقائد واخلاق میں فطرت بشری کے لیے خاص طور پر موثر ہے۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یہ صفت یوم الجمع کی ہے۔

وَلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝٨ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ

نکلے گا نہ مددگار ف۹ کیا اُن لوگوں نے (اللہ) کے سوا کارساز ٹھہرا رکھے ہیں؟ سو کارساز تو بس

الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٩ وَمَا

اللہ ہی ہے اور بس وہی مُردوں کو زندہ کر دے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ف۱۰ اور

اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ

جس چیز میں تم اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے ف۱۱ یہی اللہ

رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ڰ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝١٠ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ

میرا مددگار ہے میں اُسی پر توکل رکھتا ہوں، اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ف۱۲ (وہی) پیدا کرنے والا ہے

وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ

آسمانوں اور زمین کا (اُسی نے) تمہارے لئے تمہارے جنس کے جوڑے بنائے اور مویشیوں کے

الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ

جوڑے بنائے، اور اس کے ذریعہ سے تمہاری نسل چلاتا رہتا ہے، کوئی چیز اُس کے مثل نہیں اور وہی

السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝١١ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

(ہر بات کا) سننے والا ہے (ہر چیز کا) دیکھنے والا ہے ف۱۳ اُسی کے اختیار میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝١٢

وہ جسے چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور (جسے چاہے) کم دیتا ہے، بے شک وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے ف۱۴

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ

اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا جس کا اُس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس

اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا

وحی کیا ہے، اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اس دین کو

ع ۹ / ۲

ف۹ مطلب یہ ہوا کہ اگر مشیت تکوینی یوں ہی ہوتی تو سب ایک ہی دینی طریق پر خلق کئے جاتے لیکن بیشمار حکمتوں اور مصلحتوں سے یہ منظور نہ ہوا۔ اب سب کے سب اضطراراً ہدایت یاب نہ ہوں گے۔ بلکہ صرف وہی مخصوص گروہ ہدایت یاب ہوگا۔ جس پر مخصوص رحمت الٰہی بھی ہوگی اور منکرین وکافرین قیامت کے دن بالکل بے سہارے کے ہوں گے۔ وَالظّٰلِمُوْنَ۔ ظالمون۔ سے یہاں بھی مراد اہل کفروشرک ہیں۔ اے الکافرون (معالم) ف۱۰ (تو اس کے سوا تو کسی میں کارساز بننے کی صلاحیت ہی نہیں) مقصود مشرکوں اور اہل کتاب دونوں کے عقائد شرکیہ کی تردید ہے۔ ف۱۱ (دنیا میں دلیل صحیح سے اور آخرت میں فیصلہ کے عملی نفاذ سے) فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ۔ حکم اِلَی اللہ۔ کے تحت میں حکم منصوص وحکم مستنبط دونوں آگئے اور حکم نص واستنباط دونوں پر حاوی ہے — اس حقیقت کے سمجھ لینے سے خوارج اور منکرین فقہ دونوں کے بہت سے مغالطوں کا جواب نکل آتا ہے۔ ف۱۲ (اور ظاہر ہے کہ جو دنیا وآخرت کے ہر امر میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرے گا اور اسی پر بھروسہ رکھے گا اسے کسی مخلوق سے خوف ہی کیا ہوسکتا ہے) قرآن نے بار بار زور اس حقیقت پر دیا ہے کہ اللہ کو ایک فلسفیانہ نظریہ کے ماتحت محض مسبب الاسباب یا خالق کل سمجھے رہنا ہرگز کافی نہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ اس کے ساتھ انسان تعلق اپنی ہر ضرورت کا جوڑے رہے۔ اور اسی کو مدبر عالم وکارساز کائنات سمجھتا رہے۔ مشرک قوموں کی اصل گمراہیاں اسی باب میں تھیں۔ ذٰلِكُمْ۔ یعنی وہی جو میرے تمہارے درمیان حاکم ہے۔ اے ذالکم الحاکم بینکم ھو ربی (کبیر) ف۱۳ (اور وہ جاہلی مشرک قوموں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح نہیں جس کا علم وادراک وہ خود ہی ہر طرح ناقص ومحدود تسلیم کرتے ہیں) فِيْهِ۔ فی یہاں ب کے معنی میں ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ یہ اصل اصول ہے صفات تنزیہ کی۔ کوئی شے بھی پیش کی جائے اللہ کی ہم جنس، ہم نوع، ہمسر، ہم صف، غرض کسی طرح بھی "مثل" نہیں ہوسکتی۔ كَمِثْلِهٖ۔ ک زائد تاکید معنی کے لئے ہے۔ الکاف الزائدۃ للتاکید (روح۔ عن الزجاج وابن جنی والاکثرین) والمعنی لیس کھو شیء علی سبیل المبالغۃ (کبیر) ف۱۴ ابھی ابھی ذکر آچکا ہے کہ زمین وآسمان، ساری کائنات کا خالق حق تعالیٰ ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ محض خالق وفاطر ہی نہیں بلکہ رازق قادر، حاکم ومتصرف بھی وہی ہے، اور وہ بھی یوں ہی انکل پچو نہیں، بلکہ رتی ماشہ پورے پورے حساب کے ساتھ...... اور اس کا علم کلیات تک محدود نہیں، کلیات وجزئیات، ظواہر وخفایا سب پر یکساں حاوی۔

الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِیْنَ مَا

قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا ف۱۵ مشرکین پر وہ بات بہت گراں ہے جس کی طرف

تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ ؕ اَللّٰهُ یَجْتَبِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْۤ

آپ انہیں بلا رہے ہیں، اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے، اور اپنی طرف رسائی دیتا ہے

اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

ہر اس شخص کو جو (اس کی طرف) رجوع کرے ف۱۶ اور تفرقے تو اس وقت سے ان لوگوں نے پیدا کئے جب اُن کے پاس علم

الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰۤى

(صحیح) پہنچ چکا تھا (وہ بھی) آپس کی ضد اضدی سے ف۱۷ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات ایک وقت

اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ

معین تک کے لئے طے نہ ہو چکی ہوتی تو اُن کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا ف۱۸ اور جن لوگوں کو کتاب (الٰہی) اُن کے بعد

مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ

دی گئی وہ اُس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے متردد ہو رہے ہیں ف۱۹ آپ اسی بناء پر (انہیں) بلائے جایئے،

وَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ

(دین حق کی طرف) اور قائم رہئے جس طرح آپ کو حکم ملا ہے اور اُن کی خواہشوں پر نہ چلئے، اور آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے

بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ

جو بھی کتابیں نازل کی ہیں میں اُن پر ایمان لاتا ہوں، اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ (اپنے اور) تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ

رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا

ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے، ہمارے لئے ہمارے عمل اور تمہارے لئے تمہارے عمل ہماری تمہاری

وَبَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۵﴾ وَالَّذِیْنَ

کوئی بحث نہیں اللہ ہی ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کے پاس جانا ہے ف۲۰ اور جو لوگ

ف۱۵ آیت میں ایک بڑے اہم مسئلہ وحدتِ دین کا بیان ہے۔ دین اصلاً شروع سے بالکل ایک رہا ہے۔ تفصیلات شریعت (یعنی احکام واعمال) ہر دور کی مناسبت سے بدلتی رہتی ہیں، لیکن نفس دین (یعنی عقیدۂ اساسی) شروع ہی سے دین توحید ہے۔ اور اسی کا ایک لازمی جزء مسئلہ نبوت ہے۔ نُوْحًا۔ نوح علیہ السلام وہ سب سے پہلے پیمبر ہیں جن سے باقاعدہ سلسلہ نبوت حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک برابر قائم رہا۔ نُوْح۔ اِبْرٰهِیْمَ۔ مُوْسٰی۔ عِیْسٰی سب پر حاشیے گذر چکے۔ كَبُرَ ...... اِلَیْهِ۔ یہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ توحید کی دعوت (مع اس کے مضمرات ومتضمنات کے) اہل جاہلیت کو ہمیشہ اور ہر جگہ بہت گراں گزری ہے۔ ف۱۶ یعنی جس سے اس کی مشیت متعلق ہو جاتی ہے، اسے وہ دین حق کی توفیق دے دیتا ہے اور جو اس کی طرف جھکتا ہے، اسے وہ اپنا تقرب دے کر رہتا ہے۔ ''یعنی توفیق ایمان کے بعد اگر انابت واطاعت ہو تو اس پر قرب الٰہی وثواب غیر متناہی مرتب ہوتا ہے۔'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) روح المعانی میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے جذب وسلوک کی طرف۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اجمال کی تفصیل یہ کی کہ یجتبی (مادۂ اجتباء) کے معنی ہیں جذب کے اور ہدایت کے معنی ہیں سالک کو راہ دکھانے کے۔ ف۱۷ یہاں ایک بار پھر اس حقیقت کا اعادہ ہے کہ دین اصلی اور دین قدیم تو دین توحید ہی ہے۔ اور شرک مبتدع ومخترع ادیان کی ایجاد تو بہت بعد کی چیز ہے اور اس کی بنیاد بھی کسی اجتہادی غلطی پر نہیں، بلکہ تمامتر نفسانیت پر ہے۔ ف۱۸ (عملاً اور عیاناً اسی دنیا میں) كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ۔ وہ طے شدہ بات یہی کہ پورا عذاب آخرت میں ہوگا۔ آیت مومنین کی تسکین وتسلی کے لئے ہے کہ یہ مجرم جواب تک بچے ہوئے ہیں۔ یہ اپنے کسی ذاتی استحقاق کی بناء پر نہیں، بلکہ اس لئے کہ اللہ نے اپنی تکوینی حکمتوں اور مصلحتوں سے ان کی سزا کو دار العمل میں نہیں بلکہ دار الجزاء کے لئے ملتوی رکھا ہے۔ ف۱۹ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر اہل کتاب۔ اهل الكتاب الذين كانوا في عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم (کبیر) قال الاكثرون هم اليهود والنصارٰی (کبیر) مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔ ضمیر هم منکرین سابقین اہل کتاب کی جانب ہے۔ اے من بعد انبيائهم وقيل من بعد الامم الخالية (معالم) لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ۔ یعنی اپنے ہی دین اور اپنی ہی کتابوں کی حقیقت کی طرف سے شک وشبہ، تردد وتذبذب میں مبتلا ہیں۔ اور ان پر اس طرح ایمان نہیں رکھتے جو ایمان کا حق ہے۔ ضمیرہ کتاب کی طرف ہے۔ ف۲۰ (اور وہی سب کا فیصلہ کر دے گا۔ ابھی بحث بیکار ہے۔ البتہ تبلیغ کئے جائیں گے) لِاَعْدِلَ۔ ل مرادف اَنْ کے ہے اے امرت ان اعدل (روح) اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ۔ یعنی تمہارے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھوں اور تمہارے اوپر اس سے زائد بار نہ ڈالوں جتنے کا شریعت نے تمہیں مکلف کیا ہے۔ اور ہر حال میں تمہارے معاملہ میں عدل سے کام لیتا رہوں۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنہ امرت ان لا احيف عليكم باكثر مما افترض الله عليكم من الاحكام وقيل لا عدل بينكم في جميع الاحوال والاشياء (معالم) اے في الحكم كما امرني الله (ابن کثیر) فَلِذٰلِكَ۔ یعنی ان کے اسی تفرق کی بناء پر۔ فلاجل ذلك التفرق او الكتب او العلم الذي اوتيتهٗ (بیضاوی) لَنَاۤ اَعْمَالُنَا الخ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ ہدایت ایسے موقع کے لئے ہے جب مناظرہ ختم ہو جائے، پھر بھی قبول حق کی توقع نہ ہو۔

يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ
اللہ کے باب میں جھگڑے نکالتے ہیں، بعد اس کے کہ اس کو مان لیا گیا، اُن کی حجت اُن کے
دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ عَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ
پروردگار کے نزدیک باطل ہے اور اُن پر غضب (نازل ہونے والا) ہے اور اُن کے لئے
شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا
عذاب سخت ہے ف۲۱ اللہ ہی تو ہے جس نے کتاب کو حق اور انصاف کے ساتھ نازل کیا اور
يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا
آپ کو کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی ہو ف۲۲ اس کے لئے جلدی وہی لوگ مچا رہے ہیں جو
يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ
اُس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں
اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ
کہ وہ برحق ہے ف۲۳ یاد رکھو کہ لوگ قیامت کے باب میں جھگڑے نکالتے ہیں دور دراز کی گمراہی میں
بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ
مبتلا ہیں، اللہ اپنے بندوں کے باریک امور سے خوب باخبر ہے، جس کو چاہتا ہے روزی دیتا ہے، اور وہ بڑا قوت والا ہے
الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ
بڑا زبردست ہے ف۲۴ جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طالب ہے ہم اُسے اُس کی کھیتی میں ترقی دیں گے،
وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ
اور جو کوئی دنیا کی کھیتی کا طالب ہے ہم اُسے کچھ دنیا میں سے دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ
مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ
حصہ نہ ہوگا ف۲۵ تو کیا ان کے (تجویز کئے ہوئے) کچھ شریک ہیں جنھوں نے اُن کے لئے ایسا دین مقرر کردیا

ع ۲ / ۲

ف۲۱ فی اللہ۔ یعنی اللہ کے دین وشریعت کے باب میں۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ۔ لہٗ میں ضمیر اللہ یا اس کے دین کی طرف ہے۔ اے من بعد ما استجاب الناس للہ عزوجل اولدینہ ودخلوا فیہ۔ (روح) حُجَّتُهُمْ ...... رَبِّهِمْ۔ اس بطلان حجت کا ظہور کامل حشر میں ہوگا۔ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ۔ یعنی حق تعالیٰ کے دین حق کے باب میں جھگڑا مسلمانوں سے نکالتے رہتے ہیں۔ يُحَآجُّوْنَ...... لَهٗ۔ فقہاء نے باشارۃ النص اس سے یہ نکالا ہے کہ اجماع امت کا انکار ضلالت ہے۔ ف۲۲ رسول کے علم غیب کلی کا اثبات جس کا دعویٰ اس زمانہ کے بعض عالم نما جاہلوں نے کیا ہے، ایک بدیہی البطلان دعویٰ ہے۔ قرآن مجید نے جہاں اس کی اور بیسیوں طریقوں سے صراحت کی ہے وہاں آپ کی ذات سے وقت قیامت کے علم کی نفی بھی بار بار کرکے کی ہے۔ الْمِيْزَانَ۔ میزان کے معنی عدل کے بھی لئے گئے ہیں اور شریعت کے بھی اور حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ وھو العدل والانصاف قال مجاھد و قتادۃ (ابن کثیر) قال قتادۃ و مجاھد و مقاتل العدل (معالم) اے العدل کما قال ابن عباس ومجاھدو قتادۃ وغیرھم اوالشرع الذی یوزن بہ الحقوق (روح) ف۲۳ یعنی قیامت کو اگر آنا ہے تو آ کیوں نہیں جاتی۔ تقاضا بطور استہزاء تو منکرین ہی کی طرف سے ہوتا رہتا ہے۔ باقی جو اہل ایمان ویقین ہیں وہ تو اس کے یقینی وقوع سے اور اپنے اعمال کی کوتاہیوں پر نظر کرکے ہمیشہ اس سے عقلاً خائف ہی رہتے ہیں (گو کبھی حالاً واضطراراً اس کا شوق غالب بھی آجائے) ف۲۴ (اور ان صفات کا پورا ظہور ان لوگوں کے حق میں آخرت میں ہوگا) اَللّٰهُ ...... يَشَآءُ۔ یعنی حق تعالیٰ ہی اپنے بندوں کے مصالح خفی ومنافع بعید سے خوب واقف ہے۔ وہی حسب مصالح تکوینی جس کو جس قدر چاہتا ہے روزی دیتا ہے۔ رزق کی افراط یا تفریط، زر ومال کی کثرت یا افلاس۔ یہ سب انتظامی امور ہیں۔ انہیں کسی کے حق وباطل ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ ف۲۵ (اس لئے کہ آخرت میں حصہ ملنے کی پہلی شرط ایمان ہے اور وہی یہاں مفقود ہے) مطلب یہ ہوا کہ طلب کے قابل صرف آخرت ہے (دنیا اس میں ضمناً خود ہی آجائے گی) نہ کہ دنیا کہ وہ حسب تمنا نصیب نہیں ہو پاتی اور اس میں پڑنے سے آخرت سے بالکل حرمان ہی ہو جاتا ہے۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ۔ یعنی اس کا مطمح نظر تمامتر دنیا ہی ہے۔ اس کی کسی سعی وتدبیر کا آخرت سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ ایسے شخص سے ظاہر ہے کہ ایمان تک مفقود ہوگا۔ اہل ایمان اس کے برعکس نہ دنیا کو سرے سے ترک کردیتے ہیں۔ نہ اسے اپنا مطمح نظر بنائے رکھتے ہیں بلکہ دنیا کو آخرت کا ذریعہ بناتے ہیں۔ حَرْثَ الدُّنْيَا۔ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ۔ خوب خیال کرلیا جائے کہ قرآن مجید تجارتی، مالی، کاروباری اصطلاحات کے ساتھ ساتھ زراعت وفلاحت کی اصطلاحیں بھی کثرت سے لاتا ہے۔

مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ

ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے؟ اور اگر ایک قول فیصل نہ ہوتا تو ان کے درمیان (عملی) فیصلہ اب تک ہو چکا ہوتا

وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ

اور کافروں کو ضرور عذاب دردناک ہو گا ۲۶ آپ کافروں کو دیکھیں گے

مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ڈرتے ہوئے اپنے کرتوتوں سے اس حال میں کہ (وبال) ان پر پڑ کر رہے گا اور جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ

اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے وہ بہشتوں کے باغوں میں ہوں گے (اور) جس چیز کو بھی چاہیں گے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ

ان کے پروردگار کے پاس انہیں ملے گی، بس یہی تو بڑا انعام ہے ۲۷ یہی وہ بشارت ہے جو

يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ

اللہ اپنے ان بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے آپ کہہ دیجئے

لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ

کہ میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں طلب کرتا، ہاں رشتہ داری کی محبت ہو ۲۸ اور جو کوئی

يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

نیکی کرے گا ہم اس کی نیکی میں اور خوبی زیادہ کر دیں گے، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا ہے

شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ

بڑا قدردان ہے، ۲۹ کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس (شخص) نے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ رکھا ہے ۳۰ تو اللہ اگر چاہے

اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ

تو آپ کے قلب پر مہر لگا دے، اور اللہ باطل کو مٹایا کرتا ہے اور حق کو اپنے احکام سے

۲۶ (آخرت میں) شَرَعُوْا...... اللّٰهُ۔ شرک کے ساتھ ساتھ آیت کے اس جزء میں بدعت یعنی دین میں اپنی طرف سے بات نکالنے کا بھی استیصال ہے۔ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالمین۔ یہاں بھی قرآن مجید کے اکثر مقامات کی طرح کافروں کے معنی میں ہیں۔ ای المشرکین (معالم) ۲۷ (نہ کہ وہ عیش وآرام جو اسی دنیا تک محدود ومخصوص رہے) الظّٰلِمِيْنَ۔ یہاں بھی مراد کافر ہی ہیں۔ ای المشرکین (معالم) دنیا میں ہیبت حق سے اہل ایمان ڈرتے رہتے ہیں اور منکر وکافر آخرت کی طرف سے بےفکر رہتے ہیں۔ آخرت میں جب مشاہدۂ احوال ہونے لگے گا یہ ترتیب الٹ جائے گی۔ مومنین کے چہرہ پر اطمینان وبشاشت کے انوار ہوں گے اور کافروں منکروں کے منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی ہوں گی۔ الْجَنّٰتِ۔ جنات کو صیغۂ جمع میں اس لئے لائے کہ بہشت کے مختلف طبقہ اور درجہ ہیں۔ ہر طبقہ خود ایک بہشت ہے، پھر ہر طبقہ کے اندر باغات متعدد ہیں۔ اپنے اپنے درجہ ومرتبہ کے مطابق کوئی کہیں ہوگا اور کوئی کہیں۔ لَهُمْ...... عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ "وہ جو کچھ بھی چاہیں گے اپنے پروردگار کے ہاں حاصل کر لیں گے۔" ان چند الفاظ کے اندر اہل جنت کے لئے ہر ممکن لذت وراحت وآسائش کی بشارت آ گئی۔ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ انعامات جنت لامتناہی ہوں گے۔ کیونکہ انسان کی خواہشیں تو کسی منزل ومقام پر بھی پہنچ کر رک نہیں جاتیں۔ وہ تو اور اس کے بعد کا بھی درجہ چاہا ہی کرتا ہے۔ یدخل فی باب غیر المتناهی لانه لا درجة الا والانسان یرید ما هو اعلیٰ منها (کبیر) اور یہ بھی کہا ہے کہ اس درجہ کی کنہ وماہیت تک بجز حق تعالیٰ کے کسی کا ذہن نہیں پہنچ سکتا۔ وفی ذلک علیٰ ان ذلک الجزاء قدبلغ الی حیث لا یعلم کنهه الا الله تعالیٰ (کبیر) ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ۔ متکلمین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ آخرت میں جو کچھ بھی انعامات حاصل ہوں گے وہ اگرچہ عمل ہی پر مرتب ہوں گے تاہم بطریق استحقاق نہ ہوں صرف بطریق فضل ہوں گے۔ اللہ کے ذمہ واجب نہیں ہے، بلکہ بطور فضل ولطف حاصل ہو جائے گا۔ واصحابنا استدلوا بهذه الأية علیٰ ان الثواب غیر واجب علی الله وانما یحصل بطریق الفضل من الله تعالیٰ (کبیر) وهذا تصریح بان الجزاء المرتب علی العمل انما حصل بطریق الفضل لا بطریق الاستحقاق (کبیر) ۲۸ (اے اہل قریش) عزیزوں، قریبوں کی محبت اور ایک دوسرے کی خیر خواہی ضرب المثل کی حد تک شہرت رکھتی ہے۔ عرب میں حقوق قرابت کی پاسداری اور زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ یہ انہیں کے جذبات شرافت سے اپیل ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ کہہ رہے ہیں اور کچھ نہ سہی، تو عزیز داری ہی کا خیال کر کے میرے اوپر ظلم وزیادتی سے باز رہو...... صحیح بخاری، وصحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ایسے ہی معنی بیان ہوئے ہیں۔ قال ابن عباس ومجاهد وقتادة والضحاک والسدی معناه الا ان لا تؤذونی لقرابتی منکم (جصاص) وبه قال مجاهد وعکرمة وقتادة والسدی وابو مالک وعبد الرحمن بن زید بن اسلم وغیرهم (ابن کثیر) فِي الْقُرْبٰى۔ فی سببیہ ہے ل کے مرادف۔ ای لقرابتی منکم ففی للسببیة بمعنی اللام لتقارب السبب والعلة والیٰ هذا ذهب مجاهد وقتادة وجماعة (روح) امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ جب مودۃ بین المسلمین اور افراد امت کی ایک دوسرے کے ساتھ محبت، متعدد آیات واحادیث کی بنا پر واجب ہے تو پھر امت کے اشرف ترین کے ساتھ کیوں واجب نہ ہوگی۔ والأيات والاخبار فی هذا الباب کثیرة واذا کان حصول المودة بین جمهور المسلمین واجبًا فحصولها فی حق اشرف المسلمین واکابرهم اولیٰ (کبیر) آیت سے اصحاب رسول کے ساتھ بھی محبت کا حکم نکلتا ہے۔ فیه منصب عظیم للصحابة لانهٗ تعالیٰ قاله والسابقون السابقون اولٰئک المقربون فکان کل من اطاع الله کان مقرباً عند الله تعالیٰ فدخل تحت قوله الا المودة فی القربیٰ (کبیر) امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ آیت رسول کے آل واصحاب دونوں کی محبت کو جمع کرتی ہے اور یہی مسلک اہل سنت کا ہے۔ والحاصل ان هذه الأية تدل علیٰ وجوب حبّ آل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وحبّ اصحابه وهذا المنصب لا یسلم الا علیٰ قول اصحابنا اهل السنت والجماعة الذین جمعوا بین حب العترة والصحابة (کبیر) الْقُرْبٰى۔ مراد اهل القربیٰ ہے۔ المراد فی اهل القربیٰ (کشاف) مفسر تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ مودۃ فی القربیٰ کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے بعد ایمان مطلوب ہی نہیں، بلکہ یہ تو ایمان ہی کا تدریج ولطافت کے ساتھ طریق موصل بتایا ہے۔ ۲۹ (مطیعوں کے حق میں) چنانچہ مسلم مطیع سے جب لغزش ہو جاتی ہے تو وہ رب غفور اسے معاف آسانی سے کر دیتا ہے اور جب وہ نیکی کرتا ہے تو رب شکور اسے اجر بھی استحقاق سے کہیں زائد دے دیتا ہے۔ نَزِدْ...... حُسْنًا۔ یعنی جس قدر اجر اس نیکی کا حق ہے، ہم اجر اس سے کہیں زائد دے دیں گے) ۳۰ (اور نعوذ باللہ وحی ونبوت کا دعویٰ خلاف واقع کر دیا ہے)

بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾ وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ

ثابت کیا کرتا ہے وہ دلوں تک کی باتیں خوب جانتا ہے ف۳۱ اور وہ وہی ہے جو اپنے بندوں کی

التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا

توبہ قبول کرتا ہے اور وہ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ

تَفْعَلُوْنَ ۙ﴿۲۵﴾ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اس سب کو جانتا ہے، اور اُن لوگوں کی عبادت قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے

وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ

اور اُن کو اپنے فضل سے اور بڑھاتا رہتا ہے ف۳۲ اور کافروں کے لئے تو سخت عذاب

شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِى الْاَرْضِ

(مقرر) ہے اور اللہ اگر اپنے بندوں کے لئے رزق فراخ کر دیتا تو وہ روئے زمین پر سرکشی کرنے لگتے،

وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾

لیکن وہ جتنا چاہتا ہے انداز (مناسب) سے اُتارتا ہے وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر ہے اور خوب دیکھنے والا ہے، ف۳۳

وَهُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ

اور وہ وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے

رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِىُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ

اور وہ بڑا کارساز ہے (ہر طرح) قابل حمد ہے، ف۳۴ اور اُس کی نشانیوں میں سے پیدا کرنا ہے آسمانوں

وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ

اور زمین کا اور اُن جانداروں کا جو اُسی نے دونوں جگہ پھیلا رکھے ہیں، اور وہ اُن کے جمع کر لینے پر

اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ؑ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا

جب وہ چاہے قادر ہے ف۳۵ اور جو مصیبت بھی تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے

ف۳۱ (چہ جائیکہ زبان سے ادا ہونے والے الفاظ واقوال) مطلب یہ ہوا کہ اگر اس احتمال میں شائبہ بھی صداقت کا ہوتا تو اللہ ایسے مدعی کاذب کو پھلنے پھولنے، کامیاب ہونے ہی کیوں دیتا۔ اس کی زبان سے ادا ہونے والے خارق عادت پیام کو پھیلنے کا موقع ہی نہ دیتا اور مدعی کاذب کی زبان ہی خاموش کر دیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ وہ تو اس کے برعکس ان رسول کے ہاتھ تائیدی معجزات سے اور زیادہ قوی کرتا جاتا ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ یہ سرتاسر حق وصداقت پر ہیں۔ اور جو دلوں کے اندر تک کے بھید جانتا ہو۔ اس کے لئے الفاظ ظاہر پر گرفت کرنا کیا مشکل تھا۔ بِكَلِمٰتِهٖ۔ کلمات سے یہاں مراد احکام تکوینی وتنزیلی دونوں ہیں۔ ف۳۲ یعنی جو عمل نیک ہیں وہ مقبول تو ہوتے ہی ہیں اور ان پر اجر ان کے استحقاق اصلی سے اور زیادہ ملتا رہتا ہے۔ يَقْبَلُ...... السَّيِّاٰتِ۔ چنانچہ کوئی کافر اگر کفر سے توبہ کر لے تو اس کی وہ توبہ بھی قبول ہو جائے گی اور جو گناہ اس نے حالت کفر میں کئے ہیں، وہ بھی سب معاف ہو جائیں گے۔ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ اور اسی علم کل کا ایک مظہر یہ ہے کہ توبہ کا اخلاص وعدم اخلاص بھی اس سے مخفی نہیں رہتا۔ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ۔ یہ گناہ کہیں تو توبہ کے واسطہ سے معاف ہوتے ہیں اور کہیں بلا واسطہ توبہ یوں ہی معاف ہو جاتے ہیں۔ تارة يعفوا بواسطة قبول التوبة وتارة يعفوا ابتداءً من غير توبة (کبیر) ف۳۳ یعنی اللہ سے بڑھ کر اپنے بندوں کی مصلحتوں، صلاحیتوں، استعدادوں کا جاننے والا اور ان کے احوال واعمال پر نظر رکھنے والا اور کون ہوگا، وہ ہر بندہ کو اس کے ظرف، ضرورت ومصلحت کے لائق ہی روزی دیتا ہے۔ ورنہ اگر وہ بے تحاشا سب کو خوشحال ہی بنا دے تو انسان کے عام طبائع ایسے ہیں کہ بجائے امن وآشتی کے فتنہ وفساد برپا ہو جائے اور سب ایک دوسرے کے دشمن ہو کر کفر ونافرمانی میں مبتلا ہو جائیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسی طرح بسط باطنی بھی بعض طالب حق کے حق میں مضر ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے نہ ہونے سے مغموم نہ ہونا چاہیے۔ ف۳۴ یہ کارساز، ستودہ صفات اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کوئی پانی برسانے والا دیوتا، اندر وغیرہ نہیں۔ رَحْمَتَهٗ۔ رحمت سے یہاں مراد بارش ہے۔ بعض نے تقدیر کلام اثار رحمة بھی ہے۔ یہ ترکیب مان کر مراد نباتات وثمرات سے ہوگی۔ ف۳۵ (چنانچہ قیامت کے دن سب کو دوبارہ زندہ کر کے اکٹھا کرے گا) فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ۔ سے یہ لازم نہیں آتا کہ دو جگہیں فرداً فرداً مراد ہوں بلکہ ہو سکتا ہے کہ صرف دونوں کا مجموعہ مراد ہو۔ اور وجود حیوانات کا اثبات صرف دونوں جگہوں کے مجموعہ کے لئے ہو۔ اور اگر آسمانوں کو بھی حیوانات کا مستقر مانا جائے تو جنت میں تو آخر حیوانات ہیں ہی۔ "اور اگر دَآبَّةٍ مجازاً بمعنی مطلق ذی روح لیا جائے تب تو آسمان پر ملائکہ کا ذی روح ہونا ظاہر ہے۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ستاروں میں حیوانی آبادی اگر کسی دلیل قوی سے ثابت ہو جائے تو آیت کے معنی پر مزید روشنی پڑ جائے گی۔

ع ۳

كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٠﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ

ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے سے پہنچتی ہے، اور (اللہ) بہت سے تو درگزر کر دیتا ہے ف٣٦ اور تم زمین

فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٣١﴾

(کے کسی حصہ میں بھی) ہرا نہیں سکتے اور تمہارا اللہ کے سوا کوئی بھی نہ کارساز ہے نہ مددگار ف٣٧

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٣٢﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ

اور اُس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے سمندر میں پہاڑ جیسے جہاز ہیں ف٣٨ اگر چاہے تو ہوا کو

الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

ٹھہرا دے تو وہ جہاز سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں بے شک اس میں نشانیاں

لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣٣﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ

ہر صابر شاکر کے لئے ہیں ف٣٩ یا (چاہے تو) تباہ کر دے اُن جہازوں کو بسبب ان لوگوں کے کرتوتوں کے اور بہت لوگوں سے

كَثِيْرٍ ﴿٣٤﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ

درگزر بھی کر جائے ف٤٠ اور اُن لوگوں کو معلوم ہو جائے جو ہماری آیتوں میں جھگڑے نکالتے رہتے ہیں کہ اب اُن کے بچاؤ کی

مَّحِيْصٍ ﴿٣٥﴾ فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ

کوئی صورت نہیں غرض جو کچھ بھی تم کو دیا گیا ہے وہ دنیوی زندگی کے برتنے کے لئے

الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى

ہے ف٤١ اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ بہتر ہی ہے اور پائیدار تر بھی، وہ اُن لوگوں کے لئے ہے جو ایمان والے ہیں اور اپنے

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰۗىِٕرَ الْاِثْمِ

پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں، اور جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے

وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِيْنَ

بچتے رہتے ہیں اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں ف٤٢ اور جن لوگوں نے

ف٣٦ خطاب عاقل بالغ اہل ذنوب سے ہے۔ بچے، مجنون وغیرہ اس سے خارج ہیں خطاب مع من یفھم ویعقل فلا یدخل فیہ البھائم والاطفال (کبیر) مَا...... مِنْ مُّصِيْبَةٍ۔ سے یہاں واقعی وحقیقی مصیبت مراد ہے۔ بعض نعمتیں جو صرف صورۃً ہی مصیبتیں ہیں وہ درحقیقت عیش کے زینہ ہیں، ان پر مصیبت کا اطلاق ہی نہ ہوگا۔ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ کثیر سے مراد کثیر من الذنوب بھی ہو سکتی ہے یعنی بہت سے گناہ بے گرفت ومواخذہ کے بھی چھوڑ دیتا ہے اور کثیر من الناس بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یعنی گرفت ہر بندہ پر نہیں کرتا۔ بہت سے بندوں کو بے گرفت ومواخذہ بھی چھوڑ دیتا ہے۔ ای من الذنوب اوعن کثیر من الناس (مدارک) ای عن الذنوب وجوز کون المراد بالکثیر کثیر من الناس (روح) ف٣٧ یہ سب مشرک، جاہلی قوموں کے رد میں ہے۔ جو سمجھتے تھے کہ فلاں جگہ پناہ لے لینے سے خدائی گرفت کی دسترس سے باہر ہو جائیں گے یا بعد موت فلاں فلاں دیوی دیوتا گاڑھے وقت کام آ جائیں گے۔ ف٣٨ یعنی ایسے اونچے اونچے جہاز کہ گویا پہاڑ تیرنے لگے۔ ان عظیم الشان جسامت والوں کا پانی پر رواں دواں ہونا حق تعالیٰ کی کمال صناعی کی دلیل ہے۔ جس محل ترغیب پر اور جس سیاق میں ان اونچے اونچے جہازوں کا ذکر آیا ہے اس سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ جہاز رانی اور جہاز سازی اسلام کی نظر میں مبغوض وناپسندیدہ نہیں، بلکہ گونہ پسندیدہ ہے۔ ف٣٩ یعنی اس کی قدرت وصناعت پر دلالت کرنے والی نشانیاں کہ وہی ہوا کو چلاتا ہے، اور ہوا جہاز کو حرکت میں لاتی ہے۔ الرِّيْحَ۔ ریح (ہوا) کا مفہوم بہت وسیع ہے دخانی جہازوں کی اسٹیم بھی ہوا ہی کی ایک شکل ہے۔ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ۔ بندہ کے لئے زندگی بھر دو ہی حالتیں ممکن ہیں۔ یا غم وحرمان کی اور یا مسرت وراحت کی۔ مومن پہلی صورت میں صبر وتسلیم سے کام لیتا رہتا ہے۔ اور دوسری صورت میں شکر گزاری سے اور یہ دونوں صورتیں حق تعالیٰ سے جڑے رہنے ہی کی ہیں۔ حق تعالیٰ سے غفلت کا مجرم وہ بہرحال کسی صورت میں بھی نہیں ہوتا۔ وان یکون امافی البلاء واما فی الآلاء فان کان فی البلاء کان من الصابرین وان کان فی النعماء کان من الشاکرین فانہ لا یکون البتۃ من الغافلین (کبیر) ف٤٠ یعنی جس طرح جہازوں اور عظیم الشان جہازوں کو چلتے چلاتے، متحرک رکھنا اس کی قدرت عظمت، صنعت کی ایک دلیل ہے۔ اسی طرح یہ بھی اس کی مشیت وقدرت میں داخل ہے کہ جب چاہے ان جہاز والوں کی بداعمالی کی پاداش میں ان جہازوں کو طوفان لا کر تند وتیز ہوا چلا چلا کر تباہ بھی کر دے۔ يُوْبِقْهُنَّ۔ ھن کا مضاف اھل مقدر ہے۔ اصل ترکیب کلام یوں ہے۔ اویوبق اھلھن والمراد علی ما قال غیر واحدٍ اھلاک اھلھا (روح) ف٤١ (کہ خاتمۂ عمر کے ساتھ اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا) اور اسی سے ظاہر ہے کہ مطلوب ومقصود بنانے کے قابل دنیا نہیں صرف آخرت ہے۔ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ حیات دنیا کے ساتھ متاع کا لفظ اس کی ذلت وحقارت کے لئے ہے۔ سماہ متاعاً تنبیھاً علی قلتہ وحقارتہ (کبیر) ف٤٢ آیت کے الفاظ قابل غور ہیں۔ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰۗىِٕرَ الْاِثْمِ۔ بڑے چھوٹے سارے گناہوں سے ہمیشہ بچے رہنا صالحین غیر معصوم کے لئے بھی ممکن نہیں۔ اس لئے بشریت کی اس کمزوری کی رعایت سے ممدوحین تک کے لئے یہ قید لگا دی کہ وہ وہ ہیں جو بڑے بڑے گناہوں سے بچے رہتے ہیں۔ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ۔ اسی طرح موقع مدح وتحسین پر ہی یہ ارشاد نہیں ہوتا کہ صالحین وابرار کو غصہ سرے سے آتا ہی نہیں۔ غصہ کا اپنے موقع ومحل پر نہ آنا دلیل حلم نہیں، دلیل جبن وبے حمیتی ہے۔ کمال نہیں، نقص ہے، ہنر نہیں عیب ہے، کمال اور ہنر صرف یہ ہے کہ بندہ کہ جب بے محل وبیجا غصہ آ جائے تو اس کے مقتضا پر عمل نہ کرے، بلکہ اپنی طبیعت کو قابو میں رکھے۔ كَبٰۗىِٕرَ الْاِثْمِ۔ مراد غالباً اعتقادی گناہوں سے ہے۔ قیل المراد بکبائر الاثم ما یتعلق بالبدع واستخراج الشبھات (کبیر) وَالْفَوَاحِشَ۔ مراد غالباً ان گناہوں سے ہے جن کا تعلق بے حیائی اور شہوانیت سے ہے۔ قیل المراد بالفواحش ما یتعلق بالقوۃ الشھوانیۃ (کبیر)

اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى

اپنے پروردگار کا حکم مانا اور نماز کی پابندی کی اور اُن کا (یہ اہم) کام باہمی مشورہ سے

بَیْنَهُمْ ۪ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ

ہوتا ہے اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں ف۴۳ اور وہ ایسے ہیں کہ جب اُن پر ظلم

الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ

واقع ہوتا ہے تو وہ (برابر کا) بدلہ لے لیتے ہیں ف۴۴ اور بُرائی کا بدلہ بُرائی ہے ویسی ہی

فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ

لیکن جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ رہا بے شک اللہ ظالموں

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ

کو پسند نہیں کرتا ف۴۵ اور جو اپنے اُوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ (برابر کا) لے لے، سو ایسے لوگوں پر کوئی

مِّنْ سَبِیْلٍ ؕ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَى الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ

الزام نہیں ف۴۶ الزام تو اُن لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے

وَ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

اور زمین پر ناحق سرکشی کرتے (پھرتے) ہیں ایسوں کے لئے دردناک

اَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ ع

عذاب ہے ف۴۷ اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے، یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے ف۴۸

وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِیٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ تَرَى

اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی چارہ ساز نہیں ف۴۹ اور آپ

الظّٰلِمِیْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ یَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ

کافروں کو دیکھیں گے کہ جب وہ عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو کہتے ہوں گے کہ آیا واپس جانے کی

ع ۴ ۵

ف۴۳ یہ سارے اوصاف مومنین صادقین کے بیان ہورہے ہیں۔ انفرادی واجتماعی دونوں قسم کی نیکیاں ان میں آگئیں۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَیْنَهُمْ۔ باہمی مشورہ کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ شوریٰ کا ذکر نماز وزکوٰۃ کے ساتھ فرمایا گیا ہے...... اجتماعی صورت میں اس حکم کی تعمیل کی صورت یہ ہے کہ حکومت، حکومت شوریٰ ہو۔ جیسی کہ خلفاء راشدین کی تھی۔ فقہاء مفسرین نے شوریٰ کی اہمیت کو خوب سمجھا ہے۔ یدل علی جلالة موقع المشورة لذکرہ لها مع الایمان واقامة الصلوٰة ویدل علی انا ما مورون بها (جصاص) البتہ شوریٰ کے سلسلہ میں یہ یاد رہے کہ مشورہ صرف انہیں امور میں پسندیدہ ہے، جو بجائے خود قابل مشورہ ہوں بھی۔ اور جو چیزیں احکام قطعی میں داخل ہیں مثلاً نماز پنجگانہ، رمضان کے روزے وغیرہا۔ سوان میں مشورہ نہیں۔ ف۴۴ (اور ظلم وزیادتی کے جواب وانتقام میں خود بھی ظلم وزیادتی نہیں کرنے لگتے) آیت کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ معاف کرنا نہیں جانتے۔ والمعنی ان یقتصروا فی الانتصار علی ما یجعله الله لهم ولا یعدونهٗ (کبیر) انهم الاخصاء بالانتصار وغیرهم یعدوا ویتجاوز (روح) وقال السدی معناه ممن بغی علیهم من غیر ان یعتدوا علیهم (جصاص) ف۴۵ (خواہ وہ ظالم، ظلم کی ابتداء کرنے والے ہوں یا جواب وانتقام میں حدود سے تجاوز کر جانے والے ہوں) جَزٰٓؤُا...... مِّثْلُهَا۔ جزائے سیئہ کو سیئہ کہنا ظاہر ہے کہ مجازاً ہے۔ ورنہ درحقیقت یہ تو برائی کی سزا ہوئی نہ کہ خود کوئی برائی۔ وَاَصْلَحَ۔ یعنی اپنے باہمی معاملات کو درست کرلیا۔ اصلح بینه وبین خصمه بالعفو و الاغضاء (مدارک) مِّثْلُهَا۔ یعنی سزائے جرم بھی درجہ جرم کی مناسبت ہی سے دی جائے۔ اس سے تجاوز نہ کیا جائے۔ والمعنی انه یجب اذا قوبلت الاساءة ان تقابل بمثلها من غیر زیادة (مدارک) هذه الآیة اصل کبیر فی علم الفقه فان مقتضاها ان تقابل کل جنایة بمثلها (کبیر) ف۴۶ یہاں دو اصول ارشاد ہوئے ہیں:۔ (۱) ایک قانون عدل، کہ جو جیسا کرے گا۔ ویسا پائے گا۔ مثلاً دانت کا بدلہ دانت اور آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ لیکن یہاں بھی یہ شرط ہے کہ وہ شے فی نفسہٖ ممنوع وحرام نہ ہو۔ مثلاً لوٹ کا بدلہ لوٹ اور زنا کے عوض زنا، کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ (۲) دوسرا قانون فضل۔ یعنی رحم ورعایت کا قانون۔ آیت سے انتقام کا صرف جواز نکلتا ہے نہ کہ اس کی ماموریت۔ ومقتضی ذلک اباحة الانتصار لا الامر به (جصاص) ف۴۷ یہاں یہ حقیقت بیان کردی کہ تشدد مطلق صورت میں اسلام میں ممنوع نہیں۔ ممنوع وحرام تو صرف تشدد بے جا ہے۔ وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔ اس سے اس جانب بھی اشارہ ہوگیا کہ کبر نفس ہی ظلم وزیادتی کی جانب لے آتا ہے۔ ف۴۸ یہاں سے یہ مسئلہ صاف ہوگیا کہ انتقام کی بھی جائز حدود کے اندر پوری اجازت اسلام میں ہے، لیکن اولیٰ وافضل معاف ہی کردینا ہے۔ فطرت بشری کی کیسی ٹھیک ٹھیک اور پوری رعایت ہماری شریعت میں موجود ہے۔ ف۴۹ (کہ وہ اسے زبردستی راہ راست پر لے آئے) وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ۔ یہ اضلال اسی بناء پر ہوگا کہ اس بندہ کے اندر حق کی طلب وتلاش موجود نہیں۔

سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ

کوئی صورت ہے؟ اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ کے روبرو لائے جائیں گے ذلت سے

الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۗ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

جھکے ہوئے سست نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ف۵۰ اور ایمان والے کہیں گے

اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ

کہ (اصلی) خسارہ والے تو وہ لوگ ہیں جو اپنی ذات سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے

الْقِيٰمَةِ ۗ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ

دن خسارہ میں پڑے، یاد رکھو کہ کافر عذاب دائمی میں رہیں گے ف۵۱ اور ان کے کوئی چارہ ساز

مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ

نہ ہوں گے جو اللہ سے الگ ہو کر اُن کی مدد کر سکیں اور جس کو اللہ

اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ

گمراہ کرے اس کے لئے کوئی راہ نہیں ف۵۲ کہنا مان لو اپنے پروردگار کا قبل اس کے

اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۗ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ

کہ ایسا دن آ پہنچے جس کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی ہٹنا نہیں، تم کو اُس روز کوئی پناہ نہ ملے گی،

وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ

اور نہ تمہارے بارہ میں کوئی روک ٹوک کرنے والا ہے ف۵۳ یہ لوگ اگر پھر بھی اعراض کئے رہیں تو ہم نے آپ کو

عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۗ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۗ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا

ان پر کوئی نگران کر کے نہیں بھیجا ہے، آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے ف۵۴ اور ہم انسان کو جب کچھ

الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا

اپنی عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہو جاتا ہے، اور اگر ایسے لوگوں پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے اُن

ف۵۰ (جس طرح ایک خوفزدہ انسان دیکھتا ہے) الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالم۔ یہاں بھی کافر کا مرادف ہے ف۵۱ ایسے ظالم جو عذاب ابدی کے مستحق ہیں ظاہر ہے کہ صرف کافر و مشرک ہی ہو سکتے ہیں۔ ورنہ جو کسی درجہ میں بھی مومن ہو گا وہ بہر حال آخرکار جنتی ضرور ہو جائے گا۔ ف۵۲ (نہ نجات کی، نہ معذرت کی، نہ نصرت کی) وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ۔ یہ اضلال ان لوگوں کے عدم تلاشِ حق کی پاداش میں ہو گا...... یہ اضلال کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب ہمیشہ تکوینی ہی حیثیت سے بطور مسبب الاسباب کے ہو گی۔ ف۵۳ (جو اتنا پوچھ ہی لے کہ ان لوگوں کا یہ حال کیوں بنایا ہے) يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ۔ یعنی دنیا میں تو عذاب کا ہٹ جانا ممکن بھی ہے وہاں مہلت و توقف کی کوئی صورت ہی نہ ہو گی۔ ف۵۴ (ہمارے احکام و پیامات کا) مطلب یہ ہے کہ اتنے سمجھانے بجھانے کے بعد بھی یہ لوگ بدستور ایمان سے منکر رہیں تو آپ زیادہ فکر و تردد میں نہ پڑیئے۔ آپ سے ان کے اعمال سے متعلق باز پرس کا احتمال ہی نہیں۔

و۵۵ (بجائے اس کے کہ حق تعالیٰ کی طرف بطریق توبہ والتجا رجوع کرے) اِنْسَانَ سے آیت میں دونوں جگہ کا فرقسم کا انسان مراد ہے۔ اِذَآ...... بِھَا۔ یعنی بجائے اس کے کہ منعم کی جانب منسوب کرکے اس کی شکرگذاری میں لگ جائے۔ یہ اسے اپنی جانب منسوب کرکے بے جا طور پر اترانے لگتا ہے۔ **و۵۶** دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے۔ کسی کے اولاد خوب ہوتی ہے، کوئی لاولد رہتا ہے۔ کسی کے صرف بیٹیاں ہوتی ہیں۔ کسی کے صرف بیٹے۔ کسی کے دونوں۔ سو یہ سب کچھ محض انکل پچو۔ اندھا دھند نہیں ہو رہا ہے۔ فرد، جماعت، کائنات سب کی بے انتہا حکمتوں اور بیشمار مصلحتوں کے پیش نظر ایک حکیم مطلق کے زیر انتظام ہو رہا ہے۔ پھر اسی حکیم مطلق کی قدرت اور اختیارات بھی محدود نہیں، لامحدود ہیں۔ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ۔ اس کی قوتِ تخلیق بھی غیر محدود ہے جس کو جب اور جس طرح چاہے پیدا کرے۔ آیت میں عام قدرت الٰہی کا بیان ہے۔ کسی خاص واقعہ کی تعیین مراد نہیں۔ وقال الاکثرون من المفسرین ھٰذا الحکم عام فی حق الناس لان المقصود بیان نفاذ قدرۃ اللہ فی تکوین الاشیاء کیف شاء واراد فلم یکن للتخصیص معنًا (کبیر) **و۵۷** یہاں یہ مسئلہ بیان فرمایا گیا ہے کہ عام فطری قوائے بشری اس قابل ہی نہیں کہ حق تعالیٰ سے براہِ راست عزت ہمکلامی حاصل کرسکیں۔ مخاطبت کے ممکن طریقے صرف تین ہیں:۔ (۱) بطریق وحی، یعنی بلا واسطہ مدرکات طبعی قلب میں کوئی بات ڈال دی جائے۔ (۲) بواسطہ حجاب کچھ کلام کیا جائے۔ حجاب کا تعلق تجلی حق سے نہیں ضعف ادراک سے ہے۔ حجاب، حجاب عظمت ہے جو مشاہدۂ تجلیات سے بشر کو روک دیتا ہے ذات حق محجوب نہیں۔ "اور یہ حجاب کوئی جسم حائل نہیں۔ اور نہ یہ حجاب حق تعالیٰ کے نور و ذات کو مخفی کرسکتا ہے۔ بلکہ حقیقت اس حجاب کی بشر کا ضعف ادراک ہے۔ جس سے باوجود کمال ظہور نور ذات کے یہ ادراک سے قاصر ہے۔" (تھانوی علیہ الرحمۃ) ولیس المراد بہ حجاب اللہ تعالیٰ لان اللہ تعالیٰ لا یجوز علیہ ما یجوز علی الاجسام من الحجاب ولکن المراد بہ ان السامع محجوب عن الرؤیۃ فی الدنیا (مدارک) (۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ فرشتہ کے ذریعہ سے وحی بشر کو بھیج دی جاتی ہے۔ اس وحی کے مخاطب حضرات انبیاء تو قطعی ہوتے ہیں اور غیر انبیاء کے لئے بھی اس کی گنجائش ہے جیسا کہ حضرت مریمؑ کے معاملہ میں قرآن مجید ہی سے ثابت ہے۔ اور یہ منکرین و مشرکین جو خود مخاطبۂ الٰہی کی تمنا میں ہیں ان کا ظرف ان میں سے کسی طریق کے بھی قابل نہیں۔ **و۵۸** عَلِیٌّ۔ وہ بلند شان ہے۔ اور اس کی علوشان کا تقاضا یہی ہے کہ بندہ کو اس سے ہمکلامی کی مجال ہی نہ ہو۔ حَکِیْمٌ۔ لیکن وہ حکیم مطلق بھی ہے۔ اس لیے اس نے بندوں کے مصالح پر نظر کرکے اپنی ہمکلامی کے تین طریقے نکال دیئے۔ **و۵۹** (اور آپ کو نبی بنا کر آپ کی نبوت پر دلائل قائم کیے ہیں) روح سے یہاں مراد قرآن یا وحی ہے۔ جبرئیل یا فرشتہ مراد نہیں۔ وما اوحی الیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام او القرآن الذی ھو للقلوب بمنزلۃ الروح للابدان (روح) والمراد بہ القرآن وسمّاہ روحًا لانہ یفید الحیاۃ من موت الجھل او الکفر (کبیر) کَذٰلِکَ۔ یعنی جس طرح ہم انبیاء قدیم پر وحی نازل کرتے رہے ہیں۔ ای کما اوحینا الی الرسل قبلک (مدارک) **و۶۰** یہاں اس عام حقیقت کا اظہار ہے کہ بلا فیضانِ الٰہی، کامل ترین استعداد و صلاحیت رکھنے والا بھی بیکار ہے اور اس خاص حقیقت کا اعلان کہ قبل نبوت آپ کی یہ لاعلمی ہرگز ان کمالات کی قادح نہیں جو بعد نبوت آپ کو حاصل ہوئے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ کمالات سب کے سب موہوب ہیں۔ جس کو ہبہ کمالات پر قدرت ہے۔ اس کو سلب کمالات پر بھی قدرت ہے تو کسی کو بھی اپنے کمال پر ناز نہ چاہیے۔
و۶۱ (اسی کتاب کے ذریعہ سے) یہاں اس حقیقت کا اعادہ ہے کہ محمد بن عبداللہ نامی شخص نہ اپنے ارادہ واختیار سے رسول وصاحب وحی بن گئے نہ اپنے ارادہ واختیار سے قرآن اپنے اوپر اتار لائے اور نہ بندوں کی عام ہدایت یابی ان کے اختیار میں ہے۔..... یہ سارے کام صرف حق تعالیٰ کے ہیں۔ ہٖ ضمیرِ الکتٰب کی طرف ہے۔

قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ

کرتوتوں کے بدلہ میں جو وہ پہلے اپنے ہاتھوں کرچکے ہیں تو انسان ناشکری کرنے لگتا ہے **و۵۵** اللہ ہی کی سلطنت ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ

آسمانوں اور زمین میں، وہ جو چاہتا ہے پیدا کردیتا ہے جس کو چاہتا ہے (اولاد) مادہ عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے

اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ لا اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا

(اولاد) نرینہ عنایت کرتا ہے، یا اُن کو نر و مادہ (کی صورت میں) جمع بھی

وَّاِنَاثًا ۚ وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾ وَمَا

کردیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لاولد رکھتا ہے بے شک وہ بڑا علم والا ہے، بڑا قدرت والا ہے **و۵۶** اور یہ

كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ

کسی بشر کا مرتبہ نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر ہاں یا تو وحی سے یا کسی آڑ سے،

اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِیٌّ

یا کسی (فرشتہ) قاصد کو بھیج دے، سو وہ وحی پہنچادے اللہ کے حکم سے، جو اللہ کو منظور ہوتا ہے **و۵۷** بیشک وہ عالیشان ہے،

حَكِیْمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا

حکمت والا ہے **و۵۸** اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے **و۵۹** آپ کو

كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا

نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے، اور نہ یہ کہ ایمان (کیا چیز ہے) **و۶۰** لیکن ہم نے اس (قرآن) کو نور بنادیا ہے

نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی

کہ اس کے ذریعہ سے ہم ہدایت کرتے ہیں بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ

صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۲﴾ لا صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی

راہِ راست ہی کی ہدایت کررہے ہیں **و۶۱** یعنی راہ اسی اللہ کی کہ آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝۵۳ ع

زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اُسی کا ہے یاد رکھو سب اُمور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں ف۶۲

اٰیاتها ٨٩ ٤٣ سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ ٦٣ رکوعاتها ٧

اس کی نواسی آیتیں سورۂ زخرف مکہ میں نازل ہوئی اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ۝۱ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا

حا۔ میم قسم ہے (اس) کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے

لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۳ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ

تاکہ تم (خوب) سمجھ جاؤ ف۱ اور بیشک وہ لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہے بڑے مرتبہ کا،

حَكِيْمٌ ۝۴ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ

حکمت سے بھرا ہوا ف۲ کیا ہم تم سے (اس) نصیحت نامہ کو اس لیے ہٹا لیں گے کہ تم

قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝۵ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝۶

حد سے گزر جانے والے ہو ف۳ اور ہم پہلے لوگوں میں بہت سے نبی بھیجتے رہے ہیں

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۷

اور اُن (لوگوں) کے پاس کوئی نبی (ایسا) نہیں آیا جس سے انہوں نے تمسخر نہ کیا ہو ف۴

فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۸

پھر ہم نے اُن لوگوں کو جو ان (موجودہ مخاطبین) سے بھی زیادہ زور آور تھے غارت کر ڈالا اور پہلے لوگوں کی یہ حالت گزر

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ

چکی ہے، ف۵ اور اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہ یقیناً کہیں گے

ع٥/٢ ملع

ف۶۲ (اور کسی مخلوق کو نہ کوئی اختیار ان تصرفات کا ہے، نہ کوئی شرکت آسمان و زمین میں ہے) یہاں صفات باری میں سے دو صفات کمال کا اثبات ہے۔ ایک حق تعالیٰ کی ملکیت کاملہ کا، دوسرے اس کی طرف مرجعیت مطلقہ کا۔ ف۱ (اہل عرب بطور مخاطب اول کے) وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۔ قرآن ایک بالکل واضح کتاب بلحاظ اپنے پیش کئے ہوئے مہمات عقائد کے بھی ہے اور بلحاظ اپنے احکام اساسی واولی کے۔ وَ۔ کلام عرب میں تاکید وزور کلام کے موقع پر قسم لانے کا دستور عام ہے، اور استشہاد کا پہلو جو قسم میں ہوتا ہے، وہ اس خاص موقع پر عیاں وظاہر ہے۔ یعنی قرآن پر غور کرنے سے خود اس کے مضامین کا اعجاز ظاہر ہوا جا رہا ہے۔ عربی اسلوب بیان ہی سے کہ مثلاً جب عرب ادیب، خطیب، شاعر کو اپنی شجاعت و دلیری کا اظہار مقصود ہوگا تو بجائے اس کے کہ اردو محاورہ کے مطابق وہ یہ کہے کہ میرے کارناموں پر میری تلوار گواہ ہے، وہ یہ کہے گا کہ مجھے تلوار کی قسم ہے۔ اقسام قرآنی کی حقیقت کے لئے ملاحظہ ہوں۔ ''قرآنی قسمیں'' بطور (پ۱۴، سورۃ الحجر کے) ضمیمہ کے۔ جَعَلْنٰهُ۔ ضمیرہ ظاہر ہے کہ الْكِتٰبِ کی جانب ہے۔ حٰمٓ۔ اس پر حاشیہ گذر چکا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنٰهُ۔ بڑی پرانی بحث چلی آرہی ہے کہ قرآن مجید قدیم، غیر مخلوق ہے یا حادث ومخلوق۔ آیت کے لفظ جَعَلَ سے اہل اعتزال کو اپنے مسلک حدوث قرآن کی گویا سند ہاتھ آگئی ہے، القائلون بحدوث القراٰن احتجوا بهٰذه الاٰية (کبیر) اہل سنت کا مذہب صحیح یہ ہے کہ قرآن مجید کی حیثیتیں دو ہیں۔ ایک معنوی، دوسرے تعبیری، معنوی حیثیت سے یعنی فی نفسہ کلام ہونے کے اعتبار سے دوسری صفات الٰہی کی طرح وہ بھی قدیم اور غیر مخلوق اور ہر عرض (صوت، صورت، حروف ولغت وغیرہ) سے منزہ ومبرا ہے، رہی اس کی دوسری یا تعبیری حیثیت، سو ہماری فہم وادارک کی گرفت میں لانے کے لئے وہ مجموعہ اعراض ہے اس میں حروف ہیں، کلمات ہیں، نقوش ہیں وقس علیٰ ہٰذا۔ اور اس اعتبار سے اس کا حادث ومخلوق ہونا بالکل ظاہر ہے۔ الْمُبِيْنِ۔ صفت مبین کا ایک پہلو تو ظاہر لفظ وعبارت کے لحاظ سے ہے۔ اور اس معنٰی میں وہ اپنے مخاطبین اول یعنی قوم عرب کے لئے بالکل واضح ہے۔ اور دوسرا پہلو اس کے معانی ومطالب کے لحاظ سے ہے کہ اس نے راہ ہدایت واصلاح کو طریق کفر وضلالت سے بالکل واضح وممتاز کر دیا ہے۔ اور اس معنٰی میں اس کی ابانت کا تعلق سارے عالم سے ہے۔ وفی وصف الكتٰب بكونه مبينا وجوه الاول انه المبين للذين انزل اليهم لانهٗ بلغتهم ولسانهم والثانى المبين الذى ابان طريق الهدٰى من طريق الضلالة وابان كل باب عما سواه وجعلها مفصلة ملخصة (کبیر) ف۲ (اپنے نازل کرنے والے کے ہم صفت) لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔ سورۂ ماقبل کے ختم کے قریب حق تعالیٰ کی شان انہیں صفات کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ اب ذکر اس کا ہے کہ کلام بھی متکلم ہی کی شان کے مطابق بڑے رتبہ والا ہے، خاک کو پاک بنا دینے والا ہے اور حکمتوں اور دانائیوں سے لبریز ہے...... جس کتاب پر دار ومدار سارے عالم کی ہدایت ورہنمائی کا ہو، بیشک اسے ہونا بھی ایسا ہی تھا۔ الْكِتٰبِ۔ سے یہاں مراد لوح محفوظ ہے (ابن جریر) لَدَيْنَا۔ باعتبار شرف واختصاص کے ہے۔ یہ قرب رتبہ ہے، قرب مکان نہیں۔ ف۳ یعنی کیا قرآن کا نزول اور اس کی تبلیغ اس لئے موقوف کر دی جائے گی کہ تم اس پر ایمان نہیں لاتے، حالانکہ عین حکمت ورحمت دونوں کا تقاضا ہے کہ یہ فیض کامل برابر جاری رہے۔ هٰذا الكلام يحتمل وجهين الاول الرحمة والثانى المبالغة فى التغليظ (کبیر)

ف۴ (لیکن اس تکذیب واستہزاء کے باوجود سلسلہ ارشاد وہدایت برابر ہی جاری رہا) یہاں دو تاریخی حقیقتوں کا اعلان ہے۔ ایک یہ کہ زمانہ ماضی میں انبیاء کثرت سے آتے رہے۔ دوسرے یہ کہ ان کے ساتھ منکرین کی طرف سے تمسخر واستہزاء کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔ ف۵ (اس لئے آپ فکر نہ کریں۔ ان کا بھی یہی انجام ہونا ہے۔ اور خود یہ بھی مطمئن نہ رہیں کہ آخر پرانے نمونے ان کے سامنے موجود ہی ہیں)

خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٩﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ

کہ انہیں پیدا کیا ہے (اسی خدائے) ہمہ تواں نے ہمہ داں نے ٦ وہی جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش کو بنادیا

مَهْدًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾

اور اُس میں اُس نے تمہارے لیے راستے بنا دیے، تاکہ تم راہ پاتے رہو

وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً

اور جس نے آسمان سے پانی ایک خاص انداز سے برسایا، پھر ہم نے اس سے خشک زمین کو

مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿١١﴾ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا

زندہ کیا اسی طرح تم بھی (اپنی قبروں سے) نکالے جاؤ گے، اور جس نے تمام اقسام بنائیں

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿١٢﴾ لِتَسْتَوٗا

اور تمہارے لئے وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو ٧ تاکہ تم ان کی پیٹھ

عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ

پر جم کر بیٹھو پھر جب تم اس پر جم کر بیٹھ چکو تو اپنے پروردگار کی (اس) نعمت کو

عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا

یاد کرو اور کہو کہ پاک ذات ہے وہ جس نے ہمارے تابع کردیا اس (سواری) کو اور ہم تو ایسے تھے نہیں کہ

لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿١٣﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٤﴾ وَجَعَلُوْا

اس کو قابو میں کر لیتے، اور ہم کو تو اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹنا ہے ٨ اور ان لوگوں نے اللہ کا جزء

لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾

اللہ کے بندوں میں سے ٹھہرا لیا، بے شک انسان کھلا ہوا ناشکرا ہے ٩

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿١٦﴾ وَاِذَا

(ہاں تو) کیا (اللہ) نے مخلوق میں سے اپنے لئے بیٹیاں پسند کرلیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کردیا؟ درآنحالیکہ

ع ۱۵

ف ٦ جہاں تک نفس تخلیق کا سوال ہے۔ مشرکین بھی اکثر اور عموماً توحید ذات ہی کے قائل ہیں اور صفت خالقیت میں بہت کم کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ سارا زور شرک کا صفاتِ ربوبیت وغیرہ میں اچھل پڑتا ہے۔ مشرکین عرب بھی خالق کو واحد ہی تسلیم کرتے تھے۔ ف ٧ مشرکین کو قائل کرنے کے لئے اب ذات خالق واحد کی دوسری صفات کا بیان ہورہا ہے۔ یعنی جس خالق کو یکتا تم خود تسلیم کرتے ہو۔ اسی کے صفات وکمالات یہ بھی تو ہیں۔ کائنات کے سارے انتظامات میں بھی تو وہی لاشریک لہٗ ہے۔ زمین کی یہ خاص ہیئت اسی کی حکمت کاملہ نے بنائی ہے کہ اس پر انسان کا رہنا ممکن ہو۔ سطح زمین کے راستوں، سڑکوں میں تقسیم یہ بھی اسی حکیم مطلق کا فعل ہے کہ تم بآسانی چل پھر سکو۔ آسمان کی طرف سے پانی برسانا ایک خاص مقدار میں، ایک معین وقت پر، حسب ضرورت ومصلحت، یہ سب بھی بس اسی کا کام ہے۔ پھر اس بارش سے زمین خشک کو سبزہ زار بنادینا اسی کی حکمت وصنعت ہے جو بعث وحشر پر بھی اسی طرح قادر ہے۔ اور جو اس کے یہ ہلکے نمونے روزمرہ تمہاری آنکھوں کے سامنے لاتا رہتا ہے۔ پھر اشیاء مخلوق کی بے شمار قسمیں، باہم متناسب نمودار کرنا یہ بھی اسی کی کارسازی ہے اور بحری وبری سواریاں بہم پہنچادینا یہ بھی اسی کا احسان عظیم ہے۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ...... سُبُلًا۔ زمین کے سارے جغرافی تغیرات جن سے انسان کو مدد مل سکتی ہے، اس کے تحت میں آگئے۔ وَالَّذِیْ...... مَیْتًا۔ بادل بارش، کاشتکاری، باغبانی کے سلسلہ کے چھوٹے بڑے جتنے تغیرات ہیں سب اس میں شامل ہیں۔ وَالَّذِیْ...... کُلَّھَا۔ مخلوقات کی تنویع، تقسیم، تزویج سب اس کے تحت میں آگئی۔ قال ابن عباس والازواج الضروب والانواع کالحلو والحامض والابیض والاسود والذکر والانثی (کبیر) وَجَعَلَ...... مَا تَرْکَبُوْنَ۔ دریائی اور زمینی جتنی بھی سواریاں ہیں، سب اسی میں داخل ہیں ــــ بعض محققین نے کہا ہے کہ مخلوقات جتنی بھی ہیں، سب جوڑے جوڑے ہیں مثلاً ذات وصفات، آگے پیچھے، داہنے بائیں، اوپر نیچے، ماضی، مستقبل، اچھا، برا وغیرہ اور یہی دلیل ہے اس کے حادث وممکن الوجود ہونے کی۔ قال بعض المحققین کل ماسوی اللہ فھو زوج کالفوق والتحت والیمین والیسار وکونھا ازواجاً یدل علی کونھا ممکنۃ الوجود فی ذواتھا محدثۃ (کبیر) صرف ذات واجب الوجود فرد مطلق ہے، ہر رشتہ تضاد وتقابل وشرکت سے ماوراء ومافوق۔ فاما الحق سبحانہٗ فھو الفرد المنزہ عن الضد والند والمقابل والمعاضد (کبیر) ف ٨ اسلام زندگی کے ہر ہر شعبہ کے لئے ایک مکمل دستور العمل ہے۔ وہ انسان کو خدا کی حاکمیت اور اپنی عبدیت کی طرف سے غفلت کی اجازت کسی وقت اور کسی حالت میں نہیں دیتا۔ سواری اچھے گھوڑے کی ہو یا موٹر کی یا ریل کی یا جہاز کی۔ انسان جب کبھی اس نعمت سے مستفید ومحظوظ ہوتا ہے تو اکثر اس میں ایک گونہ تفاخر کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور اسے وہ اپنے کمال واستحقاق کی جانب منسوب کرکے فخر کرنے لگتا ہے۔ قرآن نے اس کی جڑ کاٹ دی اور ارشاد فرمادیا کہ جب سواریوں سے فائدہ اور لطف اٹھاؤ تو پہلے دل میں خدائی نعمتوں کا استحضار کرلو۔ اور یہ خیال تازہ کرلو کہ یہ جو کچھ بھی مل رہا ہے۔ سب عنایت وافضال الٰہی سے مل رہا ہے اسی نے تم میں اتنی طاقت، ہمت وتدبیر دے دی ہے اور بہتر یہ ہے کہ زبان سے بھی یہ کہہ ڈالے کہ ہم میں کوئی ذاتی استحقاق اس کا کب تھا۔ ہم ایسے طاقتور، یا ایسے ہنرور کب تھے کہ ان سواریوں کو قابو میں لے آتے۔ یہ تو محض آپ کا فضل وکرم ہے اور ہم کو عین وقت فرح ومسرت میں اپنا انجام یاد ہے کہ ہم اور ہماری لذتیں فانی ہیں، باقی نہیں، ہم سب کو اپنے پروردگار کے حضور میں حساب وجواب کے لئے حاضری دینا ہے...... جس قوم کے دل میں اپنی عبدیت کا یہ استحضار اور جس کی زبان پر اس قسم کے کلمات خودشناسی رہیں۔ کہیں اسے بھی گھمنڈ اور دعوٰی اپنے ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور دوسری ہلاکت بار مشینوں کا ہوسکتا ہے؟ ف ٩ یہ عام فطرت بشری کا بیان ہے کہ انسان بجائے نعمتوں کی شکرگذاری کے الٹا ناسپاسی ونافرمانی کی طرف چلا جاتا ہے۔ وَجَعَلُوْا...... جُزْءًا۔ مثلاً مسیحی جو الوہیت کے اجزاء روح القدس ومسیح کو بھی قرار دیئے ہوئے ہیں۔ المراد انھم اثبتوا لہ ولدًا (کبیر) فلسفۂ قدیم کی اصطلاحوں میں مسئلہ کی تقریر یہ ہوگی کہ خدا کو جب خالق مان لیا تو لازم ہے کہ وہ قدیم بھی ہو کیونکہ حادث موجد کل ہو ہی نہیں سکتا۔ اور جب وہ قدیم ٹھہرا تو اس سے عدم ترکیب بھی اس کے لئے لازم آئی۔ جو مرکب ہے وہ قدیم کیونکر ہوسکتا ہے تو جو قدیم، غیر مرکب ہے اس کا کوئی جزء تسلیم کرنا اسے مرکب وحادث قرار دینا ہوا! آیت کے ایک معنٰی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ انہوں نے مخلوقات کے درمیان تقسیم کردی، کچھ کو اللہ کے لئے رکھا اور کچھ کو غیر اللہ کے سپرد کردیا۔ زعموا ان کل العباد لیس للہ بل بعضھا للہ و بعضھا لغیر اللہ (کبیر) جَعَلُوْا۔ جَعَلَ آیت میں حکم لگانے یا قرار دینے کے معنٰی میں ہے۔ ومعنی الجعل ھٰھنا الحکم بالشیء (معالم)

بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ

ان لوگوں میں سے خود جب کسی کو اُس کی بشارت دی جاتی ہے جسے (خدائے) رحمٰن کا نمونہ قرار دے رکھا ہے تو اس کا چہرہ دن بھر

مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَ مَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ

اُداس رہتا ہے اور وہ اندر ہی اندر گھٹتا رہتا ہے ف۱۰ تو کیا جو زیورات میں پرورش پائے

وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ

اور مباحثہ میں بھی ژولیدہ بیان ہو (وہ اللہ کی اولاد بننے کے قابل ہے؟) ف۱۱ اور انہوں نے فرشتوں کو

الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ

جو (خدائے) رحمٰن کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے تو کیا یہ اُن کی پیدائش کے وقت موجود تھے،

سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ

اُن کا دعوٰی لکھ لیا جاتا ہے اور اُن سے باز پرس ہو گی ف۱۲ اور یہ کہتے ہیں کہ اگر (خدائے) رحمٰن کو

الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ

(یہی) منظور ہوتا تو ہم فرشتوں کی پرستش (ہی) نہ کرتے انہیں اس بارہ میں کچھ بھی تحقیق نہیں، محض

هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ؕ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ

اٹکل سے کام لے رہے ہیں ف۱۳ ہم نے کیا اس (قرآن) سے قبل انہیں کوئی کتاب دے رکھی ہے جس سے

بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ

یہ سند پکڑ رہے ہیں؟ ف۱۴ نہیں بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک خاص طریقہ پر پایا ہے

وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ

اور ہم انہیں کے نقش قدم پر قدم رکھ رہے ہیں ف۱۵ اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں

قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ

کوئی پیمبر نہیں بھیجا، مگر یہ کہ وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو

ف۱۰ بہت سی مشرک قوموں نے دیویوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا ہے۔ مشرکین عرب میں یہ مرض اور زیادہ تھا۔ مشرک قوموں نے عموماً اور عرب نے خصوصاً بیٹیوں کو ذلیل بھی بہت سمجھا ہے تو یہاں مقصود کلام یہ ہے کہ یہ احمق ایک تو اللہ کی اولاد فرض کرتے ہیں۔ اور پھر اولاد بھی بیٹیاں جنہیں خود اپنے لئے باعث ننگ وعار سمجھتے ہیں۔ ف۱۱ آیت سے فطرت نسوانی کے متعلق دو حقیقتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ زیور، آرائش ونمائش کا شوق عورت کی سرشت میں داخل ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی قوت استدلال ضعیف ہی ہے...... ان دونوں کے لئے ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ مَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ۔ آج دیکھ لیا جائے کہ یورپ اور امریکہ کی زنِ جدید اپنی آرائش وزیبائش کے سامان پر، اپنی تزئین جمال اور اپنے بناؤ سنگھار پر کتنی دولت ہر سال بے دریغ خرچ کرتی رہتی ہے۔ ف۱۲ فرشتوں کی نسائیت پر حاشیے اس کے قبل گذر چکے ہیں پ۵ اور پ۱۵ میں۔ محققین نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ کسی عقیدہ کا بلا دلیل قائل ہو جانا قابل ملامت ہے اور تقلید جامد جو محض رسم پرستی کی مرادف ہے مورد وعید ہے۔ **هذا يدل على ان القول بغير دليل منكر وان التقليد يوجب الذم العظيم والعقاب الشديد** (کبیر) ف۱۳ مشرکوں کا کہنا یہ تھا کہ یہ شرک اگر ایسی ہی بری چیز تھی تو خدا نے آخر ہمیں اس پر قدرت کیوں دی؟ اسے یہی منظور ہوتا تو وہ ہمیں شرک کرنے ہی نہ دیتا۔— گویا استدلال یہ تھا کہ چونکہ اس نے ہمیں گناہ پر قادر کر دیا ہے۔ اس لئے وہ گناہ پر راضی بھی ہے! بالکل ظاہر ہے کہ انسان کو اختیار جو ملا ہے وہ تو محض اسے مکلف بنانے کے لئے۔ اسے محل احتساب، مستوجب عذاب وثواب بنانے کے لیے ہے۔ اختیار ہی اگر نہ ہوتا تو وہ تو بالکل مشین کے حکم میں داخل ہوتا اور عذاب وثواب کا کوئی سوال ہی نہ باقی رہتا۔ ف۱۴ مشرکوں کے استدلال عقلی کی تردید ابھی ہو چکی۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کے پاس شرک پر کوئی دلیل نقلی ہے؟ کسی قدیم نوشتۂ الٰہی کی سند ہے؟...... قرآن مجید نے بار بار مشرکوں کی یہ دکھتی ہوئی رگ پکڑی ہے، اور بار بار ان سے مطالبہ کیا ہے کہ اثبات شرک پر، اثبات تعدد الٰہہ پر کوئی دلیل عقلی یا نقلی کسی قسم کی ہو، تو پیش کرو۔ ف۱۵ یعنی بجز اندھی تقلید کے ان کے پاس دلیل کے نام سے کوئی چیز ہی نہیں۔ نہ عقلی نہ نقلی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ آباء پرستی وتقلید جامد کی مذمت میں قرآن مجید میں اگر اور کہیں کچھ نہ ہوتا۔ جب بھی یہی آیات بالکل کافی تھیں۔ **ولم يكن فى كتاب الله الا هٰذه الأيات لكفت فى ابطال القول بالتقليد** (کبیر)

اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ

ایک (خاص) طریقہ پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں ف۱۶ (اس پر اُن کے پیمبر نے) کہا کہ اور اگر

جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰی مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَیْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا

میں اس سے بہتر طریقہ منزل پر پہنچا دینے کے اعتبار سے لایا ہوں، جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ وہ بولے (جب

بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَیْفَ

بھی) ہم اُس کے تو ماننے والے نہیں جسے دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے، سو ہم نے اُن سے انتقام لے لیا، سو دیکھئے

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۵﴾ ع وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖٓ

تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا ف۱۷ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا

اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ

کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں، جن کی تم پرستش کرتے ہو ف۱۸ ہاں البتہ پرستش اس کی کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی

سَیَهْدِیْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ

میری رہنمائی کرتا ہے ف۱۹ اور وہ اس (عقیدۂ توحید) کو اپنے اخلاف میں ایک قائم رہنے والی بات کر گئے تاکہ (مشرک آئندہ بھی

یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰی جَآءَهُمُ

توحید کی طرف) رجوع کرتے رہیں ف۲۰ اصل یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں اور ان کے باپ دادوں کو (خوب سا) سامان دے دیا

الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا

یہاں تک کہ اُن کے پاس (کلام) حق اور ایک روشن رسول آگیا ف۲۱ اور جب اُن کے پاس (کلام) حق آگیا تو وہ بولے کہ یہ

سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ

تو جادو ہے اور ہم اُس کے منکر ہیں اور کہنے لگے کہ یہ قرآن دو (مشہور) بستیوں کے کسی بڑے

عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ

آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا ف۲۲ تو کیا آپ کے پروردگار کی

ف۱۶ یعنی یہ آباء پرستی اور جمود و تقلید پسندی کوئی نئی بات نہیں، گمراہوں کا شعار ہمیشہ سے رہی ہے۔ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا۔ پیمبروں کی مخالفت کے لیڈر اور سرغنہ، قوم کے امراء و رؤساء ہی ہمیشہ ہوتے ہیں۔ عوام نے ان کی صرف تقلید کی ہے۔ ف۱۷ ان آیتوں کا خلاصہ مطالب یہ ہے کہ پیمبر جب اور جہاں کہیں اصلاح امت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ حق، دلیل و برہان انہیں کے ساتھ رہا ہے۔ منکرین ومخالفین کے پاس بجز تعصب، ہٹ دھرمی، آبائی پاسداری، رسم ورواج کی شدت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ وہ پیمبرانہ حقائق کے مقابلہ میں صرف اپنے ہاں کے رسوم اور دستوروں کو پیش کرتے ہیں اور اس ضد وعناد میں ان کے رؤساء و سردار آگے آگے ہوتے ہیں، پیمبروں کے دلائل وشواہد، وہ سب بے اثر رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ قوم تباہ و ہلاک ہو کر رہتی ہے۔ اَوَ...... اٰبَآءَكُمْ۔ پیمبروں کا جواب ہمیشہ یہی رہا ہے کہ اپنے آبائی ریت ورسم اور ہماری لائی ہوئی شریعت کا مقابلہ کر کے دیکھ لو نا! کہ کون عملی، اخلاقی، ہر اعتبار سے بہتر ہے۔ رسول کے پیش کئے ہوئے دلائل پر غور نہ کرنے اور اپنی ضد، ہٹ، تعصب تقلید پرستی پر قائم رہنے کی پوری مذمت آیت سے نکلتی ہے۔ فيه الدلالة على ابطال التقليد لذمه اياهم على تقليد اٰبائهم وتركهم النظر فى ما دعا هم اليه الرسول ﷺ (جصاص) ف۱۸ قوم عرب جو قرآن کی مخاطب اول تھی اور سب سے زیادہ تقلید آبائی اور جمود میں گرفتار، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی نسل سے تھی۔ حالانکہ آپ خود موحد اعظم تھے۔ ایک خاص غایت اس محل پر آپ کے ذکر کی یہ بھی ہے۔ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ۔ ابراھیم اور آپ کے والد آزر دونوں پر حاشیے پہلے گذر چکے۔ قَوْمِهٖ۔ ضمیرہ۔ ابراھیم کی طرف بھی جاسکتی ہے اور ابیہ کی طرف بھی حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ۔ کلدانی قوم بت پرستی اور ستارہ پرستی کے دوہرے شرک میں مبتلا تھی۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق سابق کے حاشیوں میں گذر چکا۔ ف۱۹ ایک موحد کی یہی شان ہے کہ وہ اسی طرح شرک و متعلقاتِ شرک سے اپنی بے تعلقی و بیزاری کا اظہار کرتا رہے۔ آیت میں اثبات توحید دوگونہ صفات کے لحاظ سے ہے۔ سب کا فاطر و خالق بھی وہی ہے اور سب کا ہادی و مرشد حقیقی بھی وہی۔ ف۲۰ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام خود ہی تنہا موحد نہ تھے بلکہ اپنے سلسلہ میں بھی یہی پیام توحید چھوڑ گئے۔ جَعَلَهَا۔ ضمیر ھا کلمۂ توحید کی جانب ہے۔ اے کلمة التوحيد التى تكلم بها (کبیر) ف۲۱ (اور وہ اسی متاع دنیوی میں مشغول و منہمک ہو کر دین حق کی طرف سے غافل بلکہ منکر ہو بیٹھے) هٰٓؤُلَآءِ۔ یعنی قوم عرب جس کا ذکر ابھی فِیْ عَقِبِهٖ میں ضمناً آ چکا ہے۔ يعنى اهل مكة وهم من عقب ابراهيم بالمد فى العمر والنعمة (کبیر) قال مجاهد وقتادة يعنى كلمة التوحيد (معالم) الْحَقُّ۔ یعنی قرآن مجید۔ يعنى القرآن (معالم) رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ۔ یعنی محمد مصطفےٰ ﷺ۔ ف۲۲ یہ آخری اعتراض ہے جو رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر معاندین کی طرف سے ساحر وغیرہ قرار دیئے جانے کے بعد عائد کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ اگر یہ واقعی رسول ہیں تو یہ ہم میں سے کوئی بہت بڑے آدمی بلحاظ جاہ و تمول کے کیوں نہ ہوئے؟ کہ عوام اپنے رؤساء کی راہ پر قدرۃً چلنے لگتے ہیں۔ گویا اعتراض کی اصل یہ تھی کہ ان لوگوں کے زعم میں جاہ و ریاست لوازم نبوت و مقبولیت میں سے ہے۔ هٰذَا...... كٰفِرُوْنَ۔ معاندین نے اعجاز قرآنی سے عاجز ولاجواب ہو کر یہی کہنا شروع کیا تھا کہ یہ کلام جو اس درجہ مؤثر ہے، یہ تو سحر و ساحری کا نتیجہ ہے۔ الْقَرْیَتَیْنِ۔ دو شہروں سے مراد مکہ وطائف ہیں جو اس وقت حجاز کے مرکز تہذیب و تمدن تھے۔ عَظِیْمٍ۔ یہ صفت رَجُلٍ کی ہے۔ مراد یہ ہے کہ قرآن کو نازل ہی ہونا تھا تو کسی صاحب مال و جاہ یا صاحب ریاست پر کیوں نہ نازل ہوا۔ هو الذى يكون كثير المال والجاه (کبیر) قریش کے ہاں اکثر جاہلی قوموں کی طرح کسی شخص کا اولاد اکبر میں سے ہونا ایک بڑا معیار ریاست و سرداری کا تھا۔ ہمارے حضور ﷺ کے والد اول تو اپنے والد کی اولاد اکبر نہ تھے۔ اور پھر حضور ﷺ کی پیدائشی یتیمی، جس کی بناء پر آپ اپنی کفالت کے لیے پہلے دادا اور پھر ایک نسبتاً مفلس چچا کے دستِ نگر رہے۔ یہ سب باتیں مل ملا کر آپ کو کسی طرح بھی قریش کی نظر میں "عظیم" نہیں بننے دیتی تھیں۔

رَحۡمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى

رحمت (خاصہ) کو تقسیم یہ لوگ کرتے ہیں ف۲۳ ہم نے تو اُن کے درمیان اُن کی دنیوی زندگی (تک) میں

الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ

ان کی روزی تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کے درجے دوسرے سے بلند کر رکھے ہیں

لِّيَـتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا ؕ وَرَحۡمَتُ رَبِّكَ خَيۡرٌ

تا کہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے، اور آپ کے پروردگار کی رحمت اس سے (کہیں) بہتر ہے

مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوۡلَاۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ النَّاسُ اُمَّةً

جسے یہ لوگ سمیٹے رہتے ہیں ف۲۴ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقہ کے

وَّاحِدَةً لَّجَـعَلۡنَا لِمَنۡ يَّكۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُيُوۡتِهِمۡ سُقُفًا

ہو جائیں گے تو جو لوگ (خدائے) رحمٰن سے کفر کرتے ہیں اُن کے گھروں کی چھتیں

مِّنۡ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيۡهَا يَظۡهَرُوۡنَ ﴿۳۳﴾ۙ وَلِبُيُوۡتِهِمۡ اَبۡوَابًا

ہم چاندی کی کردیتے اور زینے بھی (چاندی کے کردیتے) جن پر یہ چڑھا کرتے اور اُن کے مکانوں کے دروازے (تک بھی)

وَّسُرُرًا عَلَيۡهَا يَتَّكِـُٔوۡنَ ﴿۳۴﴾ۙ وَزُخۡرُفًا ؕ وَاِنۡ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا

اور وہ تخت بھی جس پر یہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور سونے کی بھی (یہ چیزیں کردیتے) ف۲۵ لیکن یہ سب سامان

مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَالۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۳۵﴾

صرف دنیاوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے، اور آخرت تو آپ کے پروردگار کے ہاں خدا ترسوں ہی کے لئے ہے ف۲۶

وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ

اور جو کوئی بھی (خدائے) رحمٰن کی نصیحت کی طرف سے اندھا بن جائے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہ اس کے

قَرِيۡنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمۡ لَيَصُدُّوۡنَهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ وَيَحۡسَبُوۡنَ

ساتھ رہتا ہے ف۲۷ اور وہ (شیاطین) ان لوگوں کو راہ (راست) سے روکتے رہتے ہیں اور یہ (اپنے لئے) خیال کرتے رہتے

ع ۱۰ ۹

ف۲۳ کیا یہ احمق یہ سمجھتے ہیں کہ نبوت جو اللہ کا سب سے بڑا ممکن عطیہ ہے اور خاص الخاص رحمت وعنایت، اس کی تقسیم ان لوگوں کے صلاح ومشورہ سے کی جاتی ہے؟ اللہ ہی سب کی صلاحیتوں، اہلیتوں استعدادوں کا علم کامل رکھتا ہے اور اسی نے اپنے اس ہمہ گیر علم کی مناسبت سے موزوں ترین شخص کو اس منصب پر مامور کیا ہے۔ رَحۡمَتَ رَبِّكَ۔ رحمۃ کے عام معنٰی کے علاوہ یہاں خصوصی اشارہ نبوت کی جانب بھی سمجھا گیا ہے۔ ای النبوۃ (مدارک) ف۲۴ مطلب یہ ہوا کہ دنیوی نعمتیں جو اس قدر حقیر ہیں، ان تک کی تقسیم اور ان کا انتظام ہم نے اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا ہے تو نبوت جیسی گراں بہا نعمت کسی مخلوق کے ہاتھ میں کیسے چھوڑی جاسکتی تھی؟ اس کی تقسیم اور اس کا انتظام تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کرسکتا ہے۔ آیت سے دو اور امور بھی مستنبط ہوتے ہیں:۔ (۱) دنیا میں معاشی تقسیم یوں ہی اٹکل پچو نہیں، ایک خاص نظام تکوینی کے ماتحت چل رہی ہے۔ (۲) معاشی حیثیت سے بھی درجات کا فرق بالکل فطری وطبعی ہے۔ کوئی دائن ہوگا، کوئی مدیون، کوئی دولت مند، کوئی بے مایہ۔ رَفَعۡنَا...... سُخۡرِيًّا۔ معاشرہ میں فرق مراتب بالکل فطری وطبعی ہے۔ کوئی دولت مند ہوگا کوئی نادار، کوئی افسر کوئی ماتحت۔ بے طبقات معاشرہ (Jassless, Society) کا لفظ ہی سرے سے بے معنٰی ہے...... اسلام صرف جور وجبر کو روکتا ہے۔ کسی پر ظلم کی گنجائش شریعت اسلامی میں نہیں۔ باقی بڑے چھوٹے کا نفس فرق تو قائم رہے گا۔ اور اسے قائم رہنا چاہئے۔ رَحۡمَتُ رَبِّكَ۔ رحمۃ سے یہاں بھی مراد نبوت یا دین الٰہی سے لی گئی ہے۔ ای النبوۃ او دین اللہ (مدارک) ف۲۵ مطلب یہ ہوا کہ دنیا اور اس کا سارا ساز وسامان اللہ کے ہاں اس قدر حقیر وبے وقعت ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ خلقت کا رجحان تمام تر کفر کی جانب ہوجاتا اور قریب قریب سب ہی ملت کفر اختیار کرنے لگتے تو اللہ صرف کافروں ہی کو دولت دنیوی وسامان مادی سے نواز دیتا۔ یہاں تک کہ ان کے گھر، در فرنیچر سب کو چاندی سونے سے منڈھ دیتا، سب کو چاندی سونے کا بنا دیتا، لیکن اگر ایسا ہوتا تو لوگ یہی سمجھنے لگتے کہ مقبولیت طریق کفر کو حاصل ہے، اور اسی طرف جھک پڑتے۔ والمقصود من ھٰذا الکلام تحقیر الدنیا و بیان ما فی المال والجاہ من المضار العظیمۃ وذٰلک لان کثرۃ المال والجاہ تجعل الانسان کالاعمٰی عن مطالعۃ ذکر اللہ تعالٰی ومن صار کذٰلک صار جلیسًا للشیطان (کبیر) آیت سے یہ بھی نکل آیا کہ مال وجاہ کی افراط نقصان وحرمان ہی کا باعث ہوتی ہے۔ تثبت بما ذکرنا ان کثرۃ المال والجاہ توجب کمال النقصان والحرمان فی الدین والدنیا (کبیر) آیت سے ان ''مصلحین'' کی روش پر بھی روشنی پڑ گئی جو اپنی تحریروں، تقریروں میں یورپ اور امریکا کے مال ودولت کا ذکر للچائے ہوئے لہجہ میں کرتے رہتے اور مسلمانوں کو اس طرح ترغیب دیتے رہتے ہیں کہ جیسے یہ زرداری ہی ترقی کی معراج ہے۔ ف۲۶ یعنی دنیا تو پوری کی پوری ہاتھ آجانے کے بعد بھی بہرحال فانی ہی فانی ہے۔ سرتاسر ناقابل قدر وناقابل طلب۔ قابل قدر وقابل طلب تو صرف آخرت ہے اور وہ تقوی یعنی ایمان وطاعت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ علماء حق نے کہا ہے کہ آیت سے چار مضمون پیدا ہوتے ہیں:۔ (۱) مؤمنین کے حق میں رعایت کہ کہیں یہ پھسل نہ جائیں اور دولت کو رضا الٰہی سمجھنے لگیں۔ (۲) آخرت کی تخصیص مومنین متقین کے ساتھ (۳) دنیا کی تحقیر اور اس کی اصلاً تخصیص کافروں کے ساتھ۔ (۴) چاندی اور سونے کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ، کہ جو چیز کافروں کے سزاوار ہے، مومن کے پسند کی نہ ہونا چاہیے۔ ف۲۷ (اور ہر وقت اُسے بدی کی ترغیب دیتا رہتا ہے) نُقَيِّضۡ...... قَرِيۡنٌ۔ یعنی انسان جب اپنے قصد وارادہ سے کج روی اختیار کر لیتا ہے تو قوائے شیطانی بھی خارج سے برابر اس کی کج روی وگمرہی کو تقویت پہنچاتے رہتے ہیں۔ ایسا شخص گو سزائے ظاہری سے سردست محفوظ ہو، لیکن یہ عذاب کچھ کم ہے کہ ترقی سیئات ہی میں کرتا چلا جارہا ہے۔ اس فعل تقییض کی نسبت اللہ کی طرف بالکل ایسی ہی ہے جیسے فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ میں ازاغۂ قلب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ محض علت علل یا تکوینی مسبب الاسباب کی حیثیت سے۔ اس تقییض سے مراد تقییض خصوصی ہے۔ جس سے ضلالت مرتب ہی ہوجائے۔ ورنہ شیطان تو عمومی رنگ میں ہر انسان کے ساتھ رہتا ہی ہے جیسا کہ حدیث نبوی میں آچکا ہے۔ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ۔ یعنی قرآن اور وحی الٰہی کی طرف سے۔ وَمَنۡ...... الرَّحۡمٰنِ۔ اشارہ قرآن کے مخاطبین اول کی جانب ہے جو رسالت کے دلائل اور اعجاز قرآنی کی طرف سے قصدًا آنکھیں بند کیے رہتے تھے۔ آیت سے جب یہ معلوم ہوگیا کہ قرآن وذکر الٰہی کی طرف سے ارادی غفلت ہی تسلط شیطانی کا باعث ہوتی ہے تو اس مصیبت سے بچنے کا یہ کھلا ہوا علاج بھی نکل آیا کہ قرآن وذکر کی جانب مشغولی دوام رہے۔ وفیہ اشارۃ الی ان من داوم علیہ لم یقرنہ الشیطان (مدارک)۔

اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ یٰلَیْتَ بَیْنِیْ

ہیں کہ ہم راہ یاب ہیں و۲۸ (یہ تغافل قائم رہتا ہے) یہاں تک کہ جب وہ شخص ہمارے پاس آجاتا ہے تو (شیطان اُس سے) کہتا

وَبَیْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ یَّنْفَعَكُمُ

ہے کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا تو وہ (شیطان) کیسا برا ساتھی ہے و۲۹ اور آج یہ بات بھی

الْیَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ

تمہارے کام نہ آئے گی، جب کہ تم خود کفر کر چکے ہو کہ تم عذاب میں (دوسروں کے ساتھ) شریک ہو و۳۰ تو کیا آپ

تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِی الْعُمْیَ وَ مَنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ

بہروں کو سنا سکتے ہیں؟ یا اندھوں کو اور اُن لوگوں کو جو صریح گمراہی میں ہیں رستہ

مُّبِیْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾

دکھا سکتے ہیں و۳۱ پھر اگر ہم آپ کو اُٹھالیں تو بھی ہم ان (کافروں) سے بدلہ لے کر رہنے والے ہیں

اَوْ نُرِیَنَّكَ الَّذِیْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَیْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾

یا اگر ہم انہیں وہی دکھلا دیں جس کا ہم نے اُن سے وعدہ کر رکھا ہے تو ہم اس پر بھی قادر ہیں و۳۲

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ

بہرحال آپ اس (کلام) سے تمسک کئے جایئے جو آپ پر وحی کیا گیا ہے، آپ بے شک سیدھے راستہ

مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۳﴾ وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَ سَوْفَ

پر ہیں، اور یہ (قرآن) آپ کے اور آپ کی قوم کے لئے بڑے شرف کی چیز ہے اور عنقریب

تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ

تم سب سے پوچھا و۳۳ جائے گا اور آپ اُن (سب) پیمبروں سے جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے، دریافت کر لیجئے

اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَقَدْ

کہ کیا ہم نے (خدائے) رحمٰن کے سوا دوسرے خدا ٹھہرا دیئے تھے کہ اُن کی پرستش کی جائے؟ و۳۴ اور

ع ۱۰

و۲۸ (اور اس غلط اطمینان اور تغافل کی بدولت کبھی ضرورت ہی مزید تحقیق وکاوش کی نہیں سمجھتے) کیا حد ہے ان کی گمراہی کی کہ عین گمراہی کو ہدایت سمجھ رہے ہیں! وَاِنَّهُمْ...... السَّبِیْلِ۔ لوگوں کو راہ حق سے روکنا بھی تسلط شیطانی ہے۔ اَنَّهُمْ میں ضمیر ھم شیاطین کی طرف ہے۔ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ اس میں ضمیریں سب انہیں اندھے بن جانے والے انسانوں کی طرف ہیں۔ اے العاشون (مدارک) و۲۹ انکشاف حقیقت کے وقت انسان حسرت وندامت میں سب کچھ کرے گا کہ کیوں شیطان کا ساتھ ہوا۔ لیکن اس وقت سب بیکار ہوگا۔ ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ کافر کا شیطان خواب وخور میں اس کا شریک رہتا ہے۔ اور مومن کا شیطان منتظر رہتا ہے کہ کب اسے غفلت ہو اور پہنچے اور اسے دبائے۔ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا۔ یعنی یہ تغافل اور یہ مغالطہ بس وہی دنیوی زندگی تک رہتا ہے۔ اس کے ختم ہوتے ہی کشف حقائق ہونے لگتا ہے۔ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ سے محاورہ میں مراد دو مشرقوں سے نہیں بلکہ مشرق ومغرب سے ہوتی ہے۔ یرید المشرق والمغرب والاصل بعد المشرق من المغرب والمغرب من المشرق (کشاف) ومن عادة العرب تسمیة الشیئین المتقابلین باسم احدهما (کبیر) و۳۰ یعنی جو لوگ دنیا میں کافر مرے، ان کی تسکین اس سے ذرا بھی نہ ہو سکے گی کہ دوسرے بھی بہت سے ان کے ساتھ دوزخ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور مرگِ انبوہ جشنے دارد کا قانون وہاں بالکل نہ چل سکے گا۔ اِذْ ظَّلَمْتُمْ۔ ظلم یہاں بھی کفر ہی کے معنی میں ہے۔ اے اشرکتم فی الدنیا (معالم) و۳۱ یعنی ایسے ارادی کج رووں اور گمراہوں کی ہدایت آپ کے اختیار سے خارج ہے۔ آپ ذرا بھی اس کے درپے نہ ہوں۔ و۳۲ مطلب یہ ہوا کہ ان کا عصیان وطغیان خالی جانے والا نہیں۔ عذاب ان پر ضرور مرتب ہوگا۔ خواہ آپ کی حیات ہی میں ہو یا آپ کے بعد ہو، ہم بہر صورت قادر ہیں۔ و۳۳ (کہ اپنے اپنے ذمہ کے حقوق قرآن کہاں تک ادا کئے) آپ سے سوال تبلیغ سے متعلق ہوگا۔ اور ان لوگوں سے اس پر عمل کا۔ ذِكْرٌ یہاں شرف کے معنی میں ہے۔ اے شرف لک ولقومک (راغب) معناه لشرف لک ولقومک قاله ابن عباس ومجاهد وقتادة والسدی وابن زید واختارهٔ ابن جریر (ابن کثیر) اے انه یوجب الشرف العظیم لک ولقومک (کبیر) لَّكَ وَلِقَوْمِكَ۔ موجب شرف ہونا آپ کے لئے تو اس لئے کہ آپ براہ راست مخاطب تھے اور آپ کی قوم کے لئے اس واسطے کہ وہ بالواسطہ مخاطب تھی اور اس طرح اس کے واسطے سے آپ کی اور آپ کی قوم دونوں کی نیک نامی اور بلند نامی قیامت تک قائم رہے گی۔ فقہاء مفسرین نے یہاں سے یہ پہلو بھی پیدا کیا ہے کہ بندۂ مومن کو اپنی نیک نامی دل سے عزیز رکھنا چاہیے۔ واعلم ان هذه الاٰیة تدل علی ان الانسان لابد وان یکون عظیم الرغبة فی الثناء الحسن والذکر الجمیل ولولم یکن الذکر الجمیل امرًا مرغوبًا فیه لما منّ الله به علیٰ محمد ﷺ (کبیر) قوم سے مراد قوم عرب بھی ہو سکتی ہے اور ساری امت بھی۔ القوم هم العرب فالقراٰن لهم شرف اذا نزل بلغتهم (معالم۔ عن مجاہد) والقوم علیٰ هذا قریش ثم العرب قاله ابن عباس ومجاهد وقتادة والسدی وابن زید (بحر) وقال الحسن القوم هنا امة (بحر) اے لامتک (مدارک) فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ۔ قرآن مجید کی تبلیغ بھی تمسک بالقرآن ہی کی ایک فرد ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیرت انگیز ومعجزانہ استقامت پر فرنگی شہادت کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ و۳۴ یعنی ان کی کتابوں اور صحیفوں سے جیسے کچھ وہ موجود ہیں تحقیق کر لیا جائے۔ لیس المراد بسؤال الرسل حقیقة السؤال ولکنه مجاز عن النظر فی ادیانهم والفحص عن مللهم (مدارک) والمراد به الاستشهاد باجماع الانبیاء علی التوحید (بیضاوی) ”اس سے اوروں کا سنانا منظور ہے کہ جس کا جی چاہے تحقیق کر لے اور کتابوں میں دیکھنے کو رسولوں سے پوچھنا مجازاً کہہ دیا۔ جیسے ہمارا بھی محاورہ ہے کہ کسی مسئلہ طبیہ مختلف فیہا کو مختلف کتابوں میں دیکھا ہو، پھر کہتے ہیں کہ آؤ ذرا شیخ بوعلی سینا سے پوچھیں کہ وہ کیا کہتا ہے اور یہ کہہ کر قانون شیخ دیکھنے لگیں۔“ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ

ہم نے موسیٰ کو اپنے نشانات کے ساتھ فرعون اور اُس کے امراء کے پاس بھیجا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں

رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰیٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا

پروردگار عالم کی طرف سے پیمبر ہوں لیکن جب وہ ہمارے نشانات لے کر آئے تو اُن لوگوں نے کیا کیا کہ لگے

یَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ز

اُن پر ہنسنے اور ہم اُن کو جو بھی نشانی دکھاتے تھے وہ دوسری نشانی سے بڑی ہوتی تھی

وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا یٰٓاَیُّهَ

اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا کہ شاید وہ باز آ جائیں ف۳۵ اور وہ بولے کہ اے

السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ج اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

جادوگر اپنے پروردگار سے ہمارے حق میں اس چیز کی دعا کر جس کا اُس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے (اب) ہم ضرور راہ

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنَادٰی

پر آجائیں گے ف۳۶ پھر جب ہم نے اُن سے عذاب ہٹا دیا، تبھی انہوں نے عہد بھی توڑ دیا ف۳۷ اور فرعون نے

فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ

اپنی قوم میں منادی کرا دی یہ کہا کہ اے میری قوم والو کیا مصر کی سلطنت میری نہیں

وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ج اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ ط اَمْ

اور یہ نہریں میرے تحت میں بہہ رہی ہیں، کیا تم (سب) یہ نہیں دیکھتے ہو؟ ف۳۸ تو (بھلا بتاؤ) کہ کیا

اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ ۙ وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْ

میں افضل (نہیں) ہوں اس شخص سے جو بے وقعت ہے اور بولنا تک اسے نہیں آتا ف۳۹ سو

لَآ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ

اس کے (ہاتھوں میں) سونے کے کنگن کیوں نہیں پڑے ہوئے ہیں ف۴۰ یا اس کے جلو میں فرشتے ہی

ف۳۵ (اپنے کفر وعناد سے) وَمَا نُرِیْهِمْ...... اُخْتِهَا۔ یہاں اٰیت یا نشانی سے قحط وغیرہ کے تو مشہور معجزے یا خوارق مراد ہیں۔ ’’مطلب یہ کہ سب نشانیاں بڑی ہی تھیں۔ اور یہ مطلب نہیں کہ ہر نشانی ہر نشانی سے بڑی تھی۔ یہ ایک محاورہ ہے۔ جب کئی چیزوں کا کمال بیان کرنا ہوتا ہے تو یوں ہی بولتے ہیں کہ ایک سے بڑھ کر ایک۔‘‘ (تھانوی علیہ الرحمۃ) وَلَقَدْ...... فِرْعَوْنَ۔ اٰیات سے مراد یہاں دلائل ومعجزات دونوں ہیں۔ مُوْسٰی، فِرْعَوْنَ۔ ان پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ قوم فرعون ایک پروردگار عالم کے تخیل سے بھی نا آشنا تھی اور نبوت ورسالت کے عقیدہ سے بھی۔ قرآن مجید کے مختصر سے فقرہ میں دونوں عقیدوں کی تبلیغ آگئی۔ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ۔ پیامِ موسوی پر ایمان لانا تو الگ رہا۔ معجزات موسوی ودلائل موسوی کو سرے سے نا قابلِ التفات سمجھتے اور الٹا ان پر مضحکہ کرتے رہتے تھے۔ ف۳۶ فرعون اور فرعونی گو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شدید مخالف اور عقیدۂ نبوت کے یکسر منکر تھے تاہم ایک زبردست عامل کی طرح آپ کو سحر وکہانت وغیرہ میں کامل سمجھتے اور آپ کی قوتِ تسخیر تکوینی کے پوری طرح قائل تھے اور یہ یقین رکھتے تھے کہ دنیوی بلائیں اور مصیبتیں آپ کی وساطت سے آ بھی سکتی ہیں اور دور بھی ہو سکتی ہیں۔ توریت میں اس موقع پر ہے:۔ ’’تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون کو بلایا اور کہا کہ خداوند سے شفاعت کرو کہ مینڈکوں کو مجھ سے اور میری رعیت سے دفع کرے اور میں ان لوگوں کو جانے دوں گا تا کہ وہ خداوند کے لئے قربانی کریں۔ (خروج۔ ۸:۸)‘‘ اور فرعون بولا کہ میں تمہیں جانے دوں گا تا کہ تم خداوند اپنے خدا کے لئے بیابان میں قربانی کرو۔ لیکن تم بہت دور مت جاؤ۔ میرے لئے شفاعت کرو (۸:۲۸) یٰٓاَیُّهَ السّٰحِرُ۔ اہل مصر حضرت موسیٰ کی قوتِ اعجازی کے پوری طرح قائل تھے البتہ وہ اس کو آپ کی صداقت کی دلیل نہ سمجھتے اور نبوت ورسالت کا تو مسئلہ ہی سرے سے ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا اور آپ کے لائے ہوئے تمام خوارق کو آپ کی زبردست قوتِ تسخیر تکوینی پر محمول کر رہے تھے۔ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ۔ یعنی اب ہم قائل ہو جائیں گے اور اس کے بعد وہی ماننے لگیں گے۔ جو آپ علیہ السلام ہم سے منوانا چاہتے ہیں۔ ف۳۷ توریت میں ہے:۔ ’’پھر جب فرعون نے دیکھا کہ مہلت ملی تو اس نے اپنا دل سخت کیا اور جیسا خداوند نے کہا تھا ان کی نہ سنی۔‘‘ (خروج۔ ۸:۱۵) ’’فرعون نے اس بار بھی اپنا دل سخت کیا ان لوگوں کو ہرگز جانے کی رخصت نہ دی۔‘‘ (۸:۳۲) ’’تو بھی فرعون کا دل سخت ہوا اور اس نے لوگوں کو جانے نہ دیا۔‘‘ (۹:۷) ’’اور خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا۔ اور اس نے جیسا کہ خداوند نے موسیٰ سے کہا تھا ان کی نہ سنی۔‘‘ (۹:۱۲) غرض جب جب مصیبت ان سے دور ہو جاتی تھی یہ اپنے سارے عہد وپیان بھول بھال پھر وہی حضرت موسیٰ کی مخالفت اور سرکشی پر آجاتے تھے ف۳۸ فرعون کے اس اعلان خسروی کا مضمون یہ تھا کہ حکومت، جائز وقانونی حکومت تو مصر بھر اور اس کے توابع پر میری ہے، میری حکومت کے خلاف یہ باغی ہے کون جو کھڑا ہوا ہے؟ الْاَنْهٰرُ۔ انہار کے مفہوم دو ہو سکتے ہیں اور اردو میں ان کے لئے لفظ بھی دو ہیں۔ ایک تو انسانی صنعت سے تیار کئے ہوئے پانی کے چشمے اور دھارے۔ انہیں اردو میں نہر کہتے ہیں۔ دوسرے قدرتی ندیاں یا دریا۔ یہاں دونوں مراد ہو سکتی ہیں۔ ندیاں تو عظیم الشان مصری دریا نیل کی شاخیں ہیں۔ آگے چل کر دریائے نیل متعدد چھوٹی چھوٹی شاخوں میں تقسیم ہو گیا ہے اور اگر نہریں سمجھی جائیں تو وہ نہریں مراد ہوں گی جن کا جال فرعونانِ مصر نے ملک بھر میں بچھا رکھا تھا۔ مِنْ تَحْتِیْ۔ یعنی میری ماتحتی میں۔ میرے احکام کے مطابق۔ ای من تحت امری (روح) ف۳۹ حضرت موسیٰ کی قومی برتری کی نفی تو فرعون ابھی اوپر کر چکا۔ اب ذاتی وشخصی تنقیص کر رہا ہے۔ کہتا ہے۔ اسے تقریر تو آتی نہیں۔ اَمْ۔ مفسرین اور اہل نحو کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ ام یہاں کلمہ استفہام نہیں بلکہ بل کے مرادف ہے۔ ام بمعنی بل ولیس بحرف عطف علی قول اکثر المفسرین (معالم) قال السدی یقول بل انا خیر من هٰذا الذی هو مهین وهکذا قال بعض نحاة البصرة ان ام ههنا بمعنی بل (ابن کثیر) لَا یَكَادُ یُبِیْنُ۔ خوش تقریری اس دور تمدن میں بھی ایک اعلیٰ کمال وفضیلت سمجھی جاتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوتِ تقریری کی کمی پر ملاحظہ ہو سورۂ طٰہٰ (پ۱۶) کے حاشیے۔ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ۔ یعنی یہ شخص تو کوئی چھوٹا موٹا سا حاکم بھی نہیں بلکہ الٹا مع اپنے سارے کنبہ قبیلہ کے میری ادنیٰ رعایا ہے۔ ف۴۰ (جو جاہلی تہذیب وتمدن میں ایک اعلیٰ معیار منصب واعزاز تھا) مصری نظامِ حکومت میں جب بادشاہ کی خاص نظر عنایت کسی پر ہوتی تھی۔ کسی معمولی انسان کو نواب یا رئیس با اختیار بنایا جاتا تھا تو بطور اعزاز اُسے سونے کے زیور پہنائے جاتے تھے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

مُقْتَرِنِينَ ﴿٥٣﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا

پرا جمائے ہوتے و۴۱ غرض اُس نے اپنی قوم کو مغلوب کرلیا اور انہوں نے اس کا کہا مان لیا، وہ لوگ تھے بھی

قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٥٤﴾ فَلَمَّا آسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ

شرارت سے بھرے و۴۲ پھر جب ان لوگوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے اُن سے بدلہ لے لیا، اور ہم نے ان سب کو

أَجْمَعِينَ ﴿٥٥﴾ فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِلْآخِرِينَ ﴿٥٦﴾ وَلَمَّا

ڈبو دیا، تو ہم نے انہیں پچھلوں کے حق میں (ایک خاص قسم کا) پیشرو اور نمونہ (عبرت) بنادیا و۴۳ اور جب

ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوا

ابن مریم کو نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا تو آپ کی قوم والے یہ سن کر (مارے خوشی کے) اُچھل پڑے اور بول اُٹھے

أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ

کیا اچھا تو افضل ہمارے دیوتا ہوئے یا وہ؟ و۴۴ (حقیقت یہ ہے کہ) انہوں نے یہ آپ کے سامنے محض کٹ حجتی کے طور پر پیش

قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿٥٨﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ

کیا ہے و۴۵ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو و۴۶ وہ تو بس ہمارے ایک بندہ تھے کہ اُن پر ہم نے اپنا فضل کیا تھا اور انہیں

مَثَلًا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٥٩﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً

بنی اسرائیل کے لئے ایک نمونہ بنایا تھا و۴۷ اور اگر ہم چاہتے تو ہم تم سے فرشتے پیدا کر دیتے

فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ﴿٦٠﴾ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ

جو زمین پر یکے بعد دیگرے رہا کرتے و۴۸ اور وہ تو ایک ذریعہ ہیں قیامت کے یقین کا و۴۹ تو تم لوگ اس میں شک

بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ

مت کرو، اور تم لوگ میری پیروی کرو، یہی سیدھی راہ ہے و۵۰ اور شیطان تمہیں ہرگز

الشَّيْطَانُ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿٦٢﴾ وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ

روکنے نہ پائے وہ بے شک تمہارا صریح دشمن ہے اور جب عیسیٰ کھلے نشان

و۴۱ مشرکوں کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ کوئی انسان محض عام اور معمولی انسانیت کے ساتھ نبی کیونکر ہوسکتا ہے۔ ان کے عقیدہ میں خدا کا اوتار جب دنیا میں آئے گا تو لازم ہے کہ فوق الانسان ہستیوں کے پورے ساز و سامان کے ساتھ آئے۔ و۴۲ یعنی مصری قوم بھی اپنے بادشاہ کی ہم زبان و ہم خیال ہوگئی اور وہ تھی بھی پہلے ہی سے گمراہ...... عقیدے تو مصریوں کے وہی تھے ہی جو خود فرعون کے تھے۔ اب سیاسی حیثیت سے بھی موسیٰ علیہ السلام کے باب میں قوم اپنے بادشاہ کی ہم خیال ہوگئی۔ و۴۳ یعنی بعد کی نسلیں ان کی سرکشی اور پھر غرقابی کے قصے یاد کرکے ان کے حال سے عبرت پکڑیں۔ اٰسَفُوْنَا۔ پر ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ غرقابی فرعون پر حاشیے سورۃ البقرہ (پ۱) میں گذر چکے۔ و۴۴ قرآن مجید میں دوسرے پیمبروں کی طرح حضرت مسیح کا بھی ذکر بارہا بطور نمونہ و نظیر کے آیا ہے۔ مشرکین عرب ان کا معبود مانا جانا بھی سن چکے تھے۔ اب جو رسول ﷺ کی زبان مبارک سے ان کی مدح و توصیف سنی تو اپنی سفاہت و حماقت سے مارے خوشی کے اچھل پڑے۔ گویا کوئی بڑی سخت گرفت ان کے ہاتھ آگئی۔ وہ بول اٹھے کہ جب مسیح باوجود اپنی معبودیت کے قابل مدح و داد ہو سکتے ہیں تو پھر آخر ہمارے دیوتاؤں، ٹھاکروں نے کیا برائی کی ہے! کیوں نہ مسیح کی طرح یہ بھی بزرگ و مقبول سمجھے جائیں؟ و۴۵ نہ کہ تحقیق وطلب حق کے لئے) مشرکوں نے عیسائیوں کے مسیح، اور قرآنی مسیح کے درمیان خلط کردیا۔ کمال حماقت سے مسلمانوں کو مسیحی سمجھ لیا اور ان کے سامنے بطور حجت الزامی وہ چیز پیش کی جو صرف مسیحیوں کے مقابلہ میں پیش کی جاسکتی ہے۔ مسلمان حضرت مسیح علیہ السلام کو معبود سمجھتے ہی کب اور کہاں ہیں؟ وہ تو عین اس عقیدہ پر لاحول پڑھتے ہیں اور اسے کھلا ہوا شرک سمجھتے ہیں۔ معبودیت والے جزء کا جواب تو مسیحیوں سے طلب کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کو اس عقیدہ سے کیا سروکار۔ قرآن تو اور اس کی تردید ہی بار بار کر رہا ہے...... آج ہندوستان میں بھی اچھے خاصے پڑھے لکھے ہندو لفظ مسیح کو مشترک پاکر اسلامی مسیحی اور مسیحی مسیح کو ایک سمجھ رہے ہیں اور حضرت مسیح کے بارے میں اسلام اور مسیحیت کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں کرتے۔ و۴۶ یعنی حق کی طلب نہ رکھنے والے بلکہ صرف کج بحثی میں لگے رہنے والے۔ چنانچہ اس مسئلہ میں بھی عیسائیوں کے عقیدہ کو خواہ مخواہ مسلمانوں پر چپیک دیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و احترام میں بے شک مسلمان اور عیسائی متحد ہیں، لیکن بس اس کے آگے زمین و آسمان کا فرق ہے مسیحی ان کی معبودیت کے، الوہیت کے قائل ہیں۔ اسلام اس عقیدہ پر لعنت بھیجتا ہے۔ مشرکوں کی غباوت وجہالت ملاحظہ ہو کہ عیسائیوں کی مزعومہ الوہیت ومعبودیت کو بطور استدلال مسلمانوں کے مقابلہ میں پیش کر رہے ہیں۔ لیکن قصور اس معاملہ میں سو فیصد مشرکین عرب کا ہی نہ تھا۔ اس لئے کہ مسیحیت جس طرح کہ وہ اس وقت عرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ خود ہی خالص مسیحیت نہ تھی بلکہ مسیحیت اور شرک کی ایک ملی جلی صورت تھی۔ اور مسیح علیہ السلام کا شمار گویا عرب کے بیشمار دیوتاؤں میں سے بطور ایک نئے دیوتا کے ہونے لگا تھا! نیویارک (امریکا) کے مشہور مسیحی سہ ماہی مسلم ورلڈ کے اکتوبر ۱۹۴۱ء نمبر میں ایک مقالہ یونیورسٹی کالج کورنڈ کے استاد الیف۔ وی۔ وینٹ (Winnete) کے قلم سے ہے۔ اس میں وہ یمن وشام، عرب جنوب، عرب شمال کے قدیم کتبات کا جائزہ لے کر لکھتے ہیں کہ ”ہمیں جو مرقع نظر آتا ہے وہ مسیحیت اور جاہلیت کا مخلوط ہے۔ مسیح نے قدیم دیوتاؤں کو بے دخل نہیں کیا۔ اُن کی فہرست میں خود مسیح کا ایک اضافہ ہوگیا۔ جانور مسیح کے نام پر بھینٹ چڑھائے جاتے تھے۔ ان سے دعائیں اسی طرح کی جاتی تھیں جیسے دوسرے دیوتاؤں سے۔“ (صفحہ ۵۳، صفحہ ۵۴) و۴۷ اسلام کا دعویٰ تو بس اسی قدر ہے۔ وہ تو مسیح کو صرف ایک عبد مقبول ومحترم کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ اس کے اس عقیدہ پر کسی کے عقیدۂ الوہیت ومعبودیت سے آخر کیا زد پڑ سکتی ہے؟ اسلام میں بلند ترین مقام کمال یہی عبدیت کا مقام ہے۔ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۔ نمونہ سے مراد نمونہ قدرت بھی ہوسکتی ہے (جس سے اشارہ حضرت مسیح علیہ السلام کی فوق العادۃ طریق ولادت کی طرف نکلتا ہے) اور یا یہ مراد ہو کہ وہ اُمت اسرائیلی کے لیے بہ طور نمونہ وقدوہ کے بھیجے گئے تھے۔ و۴۸ اور یہ چیز تو مسیح علیہ السلام کی بن باپ کی پیدائش سے کہیں بڑھ کر ہوتی) مطلب یہ کہ اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ بے باپ کی ولادت سے بھی کہیں زیادہ عجیب وغریب چیزوں پر۔ وَلَوْ نَشَآءُ۔ یعنی اگر ہماری مشیت تکوینی یہی ہوتی۔ و۴۹ یہ اشارہ ہے مسیح کی آمد ثانی کی طرف۔ یعنی آپ کا دوبارہ ظہور قرب قیامت کی ایک یقینی علامت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور ثانی کی پوری تفصیلات کتب حدیث میں ملے گی۔ ابواب الفتن، اشراط الساعۃ وغیرہا میں۔ عِلْمٌ یہاں شرط کے معنی میں ہے۔ اے شرط من اشراطها علم به فسمی الشرط علما لحصول العلم (کشاف) لان حدوثه اونزوله من اشراط الساعة يعلم به دنوها (بیضاوی) صحابہ وتابعین سب سے یہی معنی منقول ہیں۔ یدل علی قرب قیامها اذ خروجه شرط من اشراطها وهو نزوله من السمآء فی اٰخر الزمان (بحر) (عن ابن عباسؓ ومجاهد وقتاده والحسن والسدی والضحاک وابن زید) اٰية الساعة خروج عيسى ابن مريم عليه السلام قبل يوم القيامة وهكذا مروى عن ابى هريرة وابن عباس وابى العالية وابى مالك وعكرمة والحسن وقتادة والضحاك وغيرهم (ابن کثیر) عِلْم کی قرأت بھی یہاں بعض صحابیوں اور تابعین کی روایت سے عَلَم بالفتح ہے۔ جو خود علامت کے معنی میں ہے۔ قرء ابن عباس العَلَم وهو العلامة (کشاف) وقرء ابن عباس وابوهريرة وقتادة بفتح اللام والعين اے امارة وعلامة (معالم) و۵۰ یعنی پیمبر کی پیروی ہی سیدھی راہ ہے اور اس میں عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت، عقیدۂ معاد سب آگئے۔ بِهَا ضمیر السَّاعَةِ کی طرف ہے۔ یعنی

بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ

لے کر آئے وا۵ تو انہوں نے فرمایا میں تمہارے پاس حکمت کی باتیں لے کر آیا ہوں، اور اس لئے تاکہ تم پر واضح کردوں وہ بعض

الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ

باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو و۵۲ بے شک اللہ ہی

هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾

میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے اسی کی عبادت کرو یہی سیدھی راہ ہے و۵۳

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

پھر بھی (مختلف) گروہوں نے آپس میں اختلاف ڈال لیا پس بڑی خرابی ہے ان ظالموں کے لئے

مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ

ایک پُر درد دن کے عذاب سے و۵۴ یہ لوگ یوم قیامت ہی کا انتظار کر رہے ہیں

اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ

کہ وہ بس اُن پر یکبارگی آپڑے اور انہیں خبر بھی نہ ہو و۵۵ اُس روز (دنیا کے) جگری دوست

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ

ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر ہاں متقین (نہیں) و۵۶ اے میرے بندو آج تم پر کوئی

ع ۱۱/۱۲

عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے و۵۷ (یہ وہ لوگ ہیں) جو ہماری آیتوں پر

بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ

ایمان لائے اور (ہمارے) فرمانبردار تھے تم اور تمہاری بیویاں خوش خوش

وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ

جنت میں جا داخل ہو ان کے پاس سونے کی رکابیاں لائی جائیں گی

وقوع حشر ہرگز کوئی شک وشبہ والی چیز نہیں۔ فی وقوعها (روح) وا۵ بَيِّنٰتِ میں احکام، دلائل وخوارق سب آگئے۔ اے بالمعجزات وبالشرائع البينات الواضحات (کبیر) حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کے جو سلسلہ بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے، ظہور و پیام پر حاشیے پہلے گذر چکے ہیں۔ و۵۲ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہود مختلف فرقوں میں شدید باہمی اختلافات کے ساتھ بٹے ہوئے تھے اور عقائد واحکام کے باب میں سخت خانہ جنگی برپا تھی یہ اشارے صاف اسی طرف ہیں اور قرآن کے اعجاز پر ایک دلیل مزید ہے۔ عرب کے ایک غریب اُمی کو ایک بالکل دوسری قوم اور دوسرے ملک کے اور وہ بھی ساڑھے پانسو سال قبل کے شدید باہمی اختلافات کی خبر از خود ہو ہی کیا سکتی تھی؟ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ۔ معارف وحقائق کا درس پیمبر سے بڑھ کر اور کون لاتا ہے۔ انہیں علوم حقیقی کو الحكمة کے جامع لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۔ ان الفاظ سے صاف اشارہ اس طرف ہو گیا کہ اتباع نبی کی راہ میں اصلی رکاوٹ خوف خدا کا فقدان ہی ہے۔ آپس کی نفسانفسی ضد اور جمود طلب حق کی طرف سے بے التفاتی سب اسی تقوائے الٰہی کی کمی سے پیدا ہوتی ہیں۔ و۵۳ دین کا اصل الاصول یہی مسئلہ توحید ہے۔ اِنَّ...... رَبُّكُمْ۔ وہ ایک خدا جس طرح تمہارا پروردگار، میرا بھی پروردگار، جیسے تم اس کے بندے میں بھی اس کا بندہ...... مسیحیت پر خاص زد ہے۔ و۵۴ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ ظلم یہاں بھی کفر کے مرادف ہے۔ اور الذين كفروا کے معنی کافرون ہی کے ہیں۔ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ۔ یعنی حضرت عیسیٰ تو سیدھے سادے مذہب توحید کی دعوت دے گئے تھے۔ یہ تو ان کے مخاطبین تھے۔ جنہوں نے مسلک توحید سے ہٹ کر طرح طرح کے مذہب تراش لئے۔ ان خرافات کی ذمہ داری مذہب اسلام پر یا حضرت مسیح علیہ السلام کی اصل تعلیمات پر کیا آسکتی ہے۔ و۵۵ ذکر منکرین قیامت کا ہے۔ یہ منکرین انہیں غفلتوں میں پڑے ہوں گے کہ قیامت یک بیک آ واقع ہو گی۔ و۵۶ عالم آخرت کشف حقائق کا عالم ہے۔ دنیا کی جتنی بھی دوستیوں، محبتوں کی بنیاد باطل پر ہے سب کا بطلان وفساد اس وقت قدرةً آئینہ ہو کر رہے گا۔ اور ان دوستوں اور محبوں سے نفرت وبیزاری بھی اسی درجہ شدت کے ساتھ پیدا ہو جانی ناگزیر ہے۔ بخلاف اس کے جن دوستیوں، محبتوں کی بنیاد حق وصلاح پر ہو گی۔ ان کا نفع واجر بھی قدرةً اس وقت پوری طرح مشاہدہ میں آ جائے گا، اور اس لئے ایسے محبوبوں کے ساتھ محبت اور بڑھے گی۔ و۵۷ یہ نداء حشر میں مومنین کو حق تعالیٰ کی طرف سے دی جائے گی۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اور حزن کا تعلق ماضی سے۔ یعنی نہ آئندہ کی کسی تکلیف کا اندیشہ کرو۔ اور نہ اب ماضی کی یاد تمہارے دل میں کوئی کیفیت غم کی پیدا کرے گی۔

ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ ۚ وَ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ

اور گلاس (بھی) اور وہاں وہ سب کچھ ملے گا جس کا جی چاہے گا اور جس سے آنکھوں کو

الْاَعْيُنُ ۚ وَ اَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ ۚ وَ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْۤ

لذت ملے گی، اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے اور یہی وہ جنت ہے جس کے

اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ

اپنے اعمال کے عوض میں تم مالک بنا دیئے گئے ہو و۵۸ تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں

مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ

جن سے تم کھا رہے ہو بے شک نافرمان لوگ دوزخ میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ ۚ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَ هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ ۚ وَ مَا

ہمیشہ رہیں گے وہ اُن سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں مایوس پڑے رہیں گے اور ہم نے

ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ

اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی (اپنے حق میں) ظالم رہے ہیں و۵۹ اور یہ لوگ پکاریں گے کہ اے مالک

لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ

تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کردے وہ کہے گا تمہیں تو (اسی حال میں) پڑا رہنا ہے و۶۰ بالیقین ہم نے سچا دین

بِالْحَقِّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْۤا اَمْرًا

تم تک پہنچا دیا لیکن تم سے زیادہ تر سچے دین سے بیزاری ہی رکھتے ہیں و۶۱ تو کیا انہوں نے کوئی انتظام کر رکھا ہے؟

فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ۚ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ

ہاں تو ہم نے بھی انتظام کر رکھا ہے، کیا اُن کا یہ خیال ہے کہ ہم اُن کے رازوں کو اور اُن کی سرگوشیوں کو

وَ نَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَ رُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ قُلْ اِنْ

سن نہیں رہے ہیں؟ ضرور (سنتے ہیں) اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھتے (بھی) جاتے ہیں، و۶۲ آپ کہہ دیجئے کہ اگر

و۵۸ (جس سے اب کبھی بے دخل نہ ہو گے) یہ منظر سب جنت کے ہیں، ہر نعمت، ہر سرور، ہر لذت، مادی ومعنوی، جسمانی وروحانی ہر قسم کی اہل جنت کو حاصل ہوگی، اس میں کوئی استثناء ہی نہیں۔ وَ فِيْهَا۔ ضمیر ھا جنت کی طرف ہے۔ وَ اَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ اور پھر یہ نعمتیں علاوہ بے انداز و بے حساب ہونے کے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دائمی ہوں گی جن کے قطع ہونے کا کبھی خطرہ ہی نہیں۔ فِيْهَا ...... الْاَعْيُنُ۔ نفس وعین کی لذات کی اس تصریح نے حسی وبصری لذات کی اس صراحت نے ان باطل فرقوں کی جڑ کاٹ دی جو سمجھتے ہیں کہ جنت صرف کیفیات روحانی کا محل ہے۔ اور لذات مادی کا وہاں پتہ نشان بھی نہ ہوگا۔ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ اہل جنت کو بار بار اس کا بھی یقین دلا دیا جائے گا کہ تم اب ان نعمتوں کے مالک بنا دیئے گئے ہو۔ بے کھٹکے ان سے جس طرح چاہو لذت گیر ہو۔ اور یہ سب تمہیں اپنے اعمال کے حق سے ملا ہے۔

و۵۹ (کہ پیام اسلام کو سنا ان سنا کر کے اور کفر وشرک کر کے اپنے ہاتھوں اس مصیبت میں پڑے) الْمُجْرِمِيْنَ۔ مجرمین سے مراد کفر وشرک کے مرتکبین ہیں نہ کہ مطلقاً عاصی۔ ای الراسخین فی الاجرام الکاملین فیہ وھم الکفار (روح) ای المشرکین (معالم) وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ۔ یہ خدائے اسلام کے صفات میں سے نہیں کہ وہ کسی کو ناحق دوزخ میں ڈال دے۔ یا خواہ مخواہ عذاب میں مبتلا کر دے۔ الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالم یہاں بھی کافر کے مرادف ہے۔ ای واضعین الکفر موضع الایمان (بحر) و۶۰ (نہ مرنا ہے نہ ان سے نکلنا ہے) يٰمٰلِكُ۔ مالک اصطلاحی نام داروغہ جہنم کا ہے۔ يٰمٰلِكُ ...... رَبُّكَ۔ انتہائی اضطرار میں یہ سمجھ کر کہ شاید موت ہی ساری اذیت کا خاتمہ کر دے، اہل دوزخ تمنا کرنے لگیں گے کہ کاش ہمیں موت ہی آ جائے! ...... اور اس درخواست میں داروغہ جہنم سے سفارش چاہیں گے۔ و۶۱ دین حق کی تبلیغ کے بعد اس سے اسی انکار وکراہت اعتقادی ہی کا نتیجہ تو دوزخ کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ و۶۲ (تو بھلا ہم کسی ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیہ سے بھی لاعلم و بے خبر رہ سکتے ہیں!) اَمْ يَحْسَبُوْنَ ...... نَجْوٰىهُمْ۔ یہ مشرکین جو اسلام وبانی اسلام کے خلاف چپکے چپکے اتنی سازشیں اور کمیٹیاں کر رہے ہیں تو کیا یہ احمق یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم ان کے کسی جزئیہ سے ناواقف بھی ہیں؟ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ۔ سر یعنی جو کچھ اپنے دلوں میں یہ منصوبہ باندھتے رہتے ہیں اور اس کو سب سے راز رکھے ہوئے ہیں۔ اور نجویٰ یعنی جو کچھ یہ اپنے راز دار دوستوں سے چپکے چپکے صلاح ومشورہ کرتے رہتے ہیں۔

كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿٨١﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ

(خدائے) رحمٰن کے اولاد ہو تو سب سے اول عبادت کرنے والا تو میں ہوں ف۶۳ پاک ہے آسمانوں کا

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٨٢﴾

اور زمین کا پروردگار، عرش کا پروردگار، اُن چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کر رہے ہیں ف۶۴

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَ يَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ

تو آپ انہیں پڑا رہنے دیجئے کہ (یہی) شغل و تفریح کرتے رہیں یہاں تک کہ اس دن سے انہیں سابقہ پڑ جائے جس کا

يُوْعَدُوْنَ ﴿٨٣﴾ وَ هُوَ الَّذِىْ فِى السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِى الْاَرْضِ

ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، ف۶۵ اور وہ وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی

اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٤﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ

خدا ہے اور وہی حکیم کل ہے، علیم کل ہے ف۶۶ وہ ذات بڑی عالی شان ہے جس کی ملک

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ

آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، وہ سب ہے، اور اُسی کو قیامت کی خبر ہے

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَ لَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ

اور اسی طرف (تم سب) واپس کئے جاؤ گے ف۶۷ اور جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں انہیں تو

دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾

سفارش (تک) کا اختیار نہیں، ہاں جن لوگوں نے حق کا اقرار کیا اور وہ تصدیق بھی کرتے رہے (وہ البتہ سفارش کر سکیں گے) ف۶۸

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں، کہ انہیں کس نے پیدا کیا، تو یہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے، پھر آخر یہ کدھر

يُؤْفَكُوْنَ ﴿٨٧﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾

اُلٹے چلے جارہے ہیں ف۶۹ اور (اسے) رسول کے اس کہنے کی (بھی خبر ہے) کہ اے میرے پروردگار یہ لوگ ایسے ہیں کہ ایمان

ف۶۳ (اس لئے کہ خدازادہ بھی لامحالہ تمام اوصاف الوہیت و معبودیت ہی سے متصف ہوگا) اِنْ...... وَلَدٌ بطور فرض محال اگر واقعی اس کے اولاد ہو جیسا کہ مسیحیوں کا عقیدہ ہے...... اسلوب بیان میں عقیدۂ ولدیت کی کمال نفی ہے۔ هٰذا كلام وارد على سبيل الفرض والتمثيل لغرض وهو المبالغة فى نفى الولد والاطناب فيه (کشاف۔ بحر) فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ امر محال کا فرض کرنا اور پھر اس پر احکام کا ترتب دونوں بالکل جائز ہیں۔ ف۶۴ جو بات فرض محال کے طور پر ابھی پیش ہوئی تھی اب اس کی تردید ہو رہی ہے، کہ "مگر نہیں۔ توبہ، توبہ ایسا کہاں؟ ایسا ہونا ممکن ہی کیوں کر ہے؟ اس کی صفات میں جس قدر بھی شرک یہ ظالم مشرکین کر رہے ہیں وہ ان سب سے ارفع و منزہ ہے۔ اس کی ناقابل پیائش عظمت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ وہ خالق و مالک زمین کا بھی ہے، آسمانوں کا بھی، اور عرش کا بھی اس کی شریک معبودیت ان عظیم ترین، ہستیوں میں سے کوئی بھی نہیں۔ وہ یکتا و قدوس ہر شریک اور ہر شرکت سے بالاتر ہے۔" ف۶۵ (اس وقت ساری حقیقت کھل جائے گی) ذکر ان گمراہوں کا ہو رہا ہے جو باوجود وضوح حق کے اپنے عناد سے باز نہیں آتے۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ انہیں ان کی حالت پر پڑا رہنے دیجئے اور ان کی طرف سے غافل و بے فکر ہو جایئے یا یہ کہ تبلیغ بند کر دیجئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی مخالفت کی طرف زیادہ التفات نہ کیجئے اور ان کی محرومی پر زیادہ غم و تاسف نہ کیجئے۔ فَذَرْهُمْ۔ صورۃً امر ہے لیکن مقصود کمال توہین و اظہار غضب ہے۔ ف۶۶ (کہ نفس الوہیت و ربوبیت میں کوئی اس کا شریک کیا ہوتا۔ ان صفات علم و حکمت میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں) بہت سی مشرک قوموں میں (اور انہیں میں قدیم ہندی قوم بھی ہے) عقیدے یہ رہے ہیں کہ فلاں فلاں دیوتا زمین کے ہیں۔ فلاں فلاں آسمان پر رہتے ہیں، فلاں فلاں فضائے آسمانی کے ہیں۔ یہاں اس عقیدہ کی تردید ہو رہی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ وَهُوَ الَّذِىْ...... الْاَرْضِ اِلٰهٌ۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ آیت ان لوگوں کی قطعی تردید کر رہی ہے جو حق تعالیٰ کا مستقر آسمان کو سمجھے ہوئے ہیں اس کا تعلق آسمان سے بھی بس وہی ہے جو زمین سے ہے اور زمین کا مستقر الٰہی نہ ہونا ظاہر ہی ہے۔ هٰذه الاية من اوّل الدلائل على الله تعالىٰ غير مستقر فى السماء (کبیر) ف۶۷ (نہ کہ کسی اور کی طرف) داور محشر صرف وہی ذات حق تعالیٰ ہے۔ اس کے اس وصف میں بھی کوئی شریک نہیں۔ اس تردید کی زد براہ راست عیسائیوں پر پڑتی ہے، جنہوں نے داور محشر حضرت مسیح علیہ السلام کو قرار دے رکھا ہے۔ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ یعنی آمد قیامت کے ٹھیک وقت کی خبر صرف حق تعالیٰ کو ہے دوسروں کو اختیار تو اور کیا ہوتا، اس اطلاع تک میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ لَهٗ...... بَيْنَهُمَا۔ اس کی مالکیت کامل و محیط و بلاشریک ہے...... صفت علم و صفت قدرت و ملک کا اثبات قرآن مجید میں اکثر ساتھ ہی ساتھ آیا ہے۔ ف۶۸ مسئلہ شفاعت جیسا کہ مسیحیوں اور بعض دوسری قوموں میں چلا ہوا ہے، سر تا سر باطل و بے اصل ہے۔ اس عقیدہ کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور ہستی بھی ہے جو اس معنٰی میں خدائی طاقت رکھتی ہے اور قیامت میں سابقہ اسی سے پڑے گا۔ وہ جسے چاہے معاف کر دے۔ پھر یہ کہ وہ خدائے تعالیٰ پر زور اور دباؤ ڈال کر فیصلہ اپنی اولاد اور اپنے متوسلین کے حق میں کرا لے گا۔ اسلام نے ان سب لغویات کی تردید کی۔ اس نے بار بار بتایا کہ فیصلے تو سارے کے سارے صرف حق تعالیٰ کرے گا۔ علم اس کا کامل، مصلحتوں پر پوری پوری نظر اس کی۔ پھر اسے حاجت ہی کسی کی شرکت یا اعانت کی کیا ہے، البتہ خالق کے حضور میں مخلوق دوسرے مخلوق کی صرف شفاعت کر سکتی ہے۔ سو شفاعت بھی مطلق نہیں۔ بلکہ ان قیدوں کے ساتھ:۔ (۱) وہ شفاعت اذن الٰہی کے بعد ہو۔ کوئی شخص از خود شفاعت کی جرأت نہیں کر سکتا۔ (۲) شفاعت جس کی کی جائے وہ خود بھی صاحب ایمان ہو۔ وَلَا يَمْلِكُ...... الشَّفَاعَةَ۔ بچا لینے یا معاف کر دینے یا اس احکم الحاکمین کے کسی فیصلہ سے معارضہ کرنے کی تو خیر کسی کی کیا مجال ہوتی، حق تعالیٰ کے حضور میں سعی و سفارش کے لئے لب کھولنے کا اختیار بھی ہر ایک کو نہیں۔ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ۔ شہادت بالحق یعنی کلمہ توحید کا اقرار۔ من شهد بالحق بكلمة التوحيد (مدارک) وهو توحيد الله (کشاف) وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ یعنی اس کا علم و یقین رکھتے ہیں کہ خدائے واحد کے بجز کوئی شفاعت کا مختار نہیں۔ يَعْلَمُوْنَ ان الله ربهم حقا ويعتقدون ذلک هو الذى يملک الشفاعة (مدارک) ف۶۹ (کہ خالق تو صرف اسی ایک کو مانتے ہیں اور پھر صفات ربوبیت وغیرہ میں دوسروں کو شریک کئے جاتے ہیں) کثرت سے مشرکین دنیا میں اس قسم کے گزرے ہیں کہ ایک طرف زبان سے ایک خدائے اعظم و برتر کا اقرار ہے اور دوسری طرف بیسیوں سینکڑوں چھوٹے چھوٹے صاحب اختیار و تصرف خدا یا دیوتا بھی مانے جاتے ہیں۔

فَاصۡفَحۡ عَنۡهُمۡ وَقُلۡ سَلٰمٌ ؕ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۹﴾

نہیں لاتے ۹ تو آپ ان سے بے رخ رہئے اور کہہ دیجئے کہ (تم کو) سلام سو عنقریب انہیں معلوم ہو کر رہے گا ۱۰

ایاتها ۵۹ ۴۴ سُوۡرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ ۶۴ رکوعاتها ۳

اس کی انسٹھ آیتیں سورۂ دخان مکہ میں نازل ہوئی اور تین رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰـرَكَةٍ

حا۔ میم قسم ہے (اس) کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو ایک برکت والی رات میں اتارا ہے ۱

اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ ﴿۳﴾ فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ ۙ﴿۴﴾

(کیونکہ) ہم (بندوں کو) خبردار کردینے والے تھے ۲ اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم ہو کر طے کیا جاتا ہے ۳

اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرۡسِلِيۡنَ ۚ﴿۵﴾ رَحۡمَةً

ہم (آپ کو پیمبر بنا کر) بھیجنے والے تھے بسبب اس رحمت کے

مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۙ﴿۶﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ

جو آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے، ۴ بے شک وہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے ۵ پروردگار آسمانوں

وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ۘ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِيۡنَ ﴿۷﴾ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا

اور زمین کا اور ان دونوں کے درمیان کا ہے، اگر تم یقین لانا چاہو ۶ کوئی خدا اس کے سوا نہیں

هُوَ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ؕ رَبُّكُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۸﴾ بَلۡ هُمۡ

وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے، پروردگار تمہارا بھی ہے اور پروردگار تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی ہے ۷ لیکن یہ لوگ

فِىۡ شَكٍّ يَّلۡعَبُوۡنَ ﴿۹﴾ فَارۡتَقِبۡ يَوۡمَ تَاۡتِى السَّمَآءُ بِدُخَانٍ

تو شک میں پڑے کھیل میں لگے ہوئے ہیں ۸ تو آپ انتظار کیجئے اس روز کا جب آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں

ف۹ (باوجود میری ہر کوشش اور فہمائش کے) قِيۡلِهٖ۔ ضمیر رسول کی طرف ہے۔ والهاء يعود الى محمد ﷺ (مدارک) وهو قول الرسول (بیضاوی) قیل۔ قول ہی کی طرح مصدر اور اس کے مرادف ہے۔ القيل مصدر كالقول (کبیر) القول والقيل واحد (راغب) ف۱۰ (اور مرتے ہی ان پر سب حقیقت کھل جائے گی) فَاصۡفَحۡ عَنۡهُمۡ وَقُلۡ سَلٰمٌ۔ یعنی ان کے ایمان کی زیادہ امید نہ رکھیے اور نہ زیادہ اس کاوش میں پڑے رہیے اور ان سے یہ کہہ بھی دیجئے کہ اب آگے میں تم سے کچھ تعلق وعلاقہ نہیں رکھتا۔ فاعرض عن دعوتهم يائسا عن ايمانهم وودعهم وتاركهم (کشاف۔ مدارک۔ بیضاوی) سَلٰمٌ۔ سلام تحیت کے معنی میں نہیں۔ سلام متارکت ہے۔ اے تسلم منكم ومتاركة (کشاف، مدارک، بیضاوی) وعيدلهم وتهديد ومواعدة (بحر) فليس ذلك امرا بالسلام عليهم والتحية وانما هو امر بالمتاركة (روح) ف۱ (لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) لَيۡلَةٍ مُّبٰـرَكَةٍ مراد شب قدر ہے جو حدیث نبوی ﷺ کے مطابق ماہ رمضان کے آخری عشرہ کی کسی طاق رات میں واقع ہوتی ہے۔ هی ليلة القدر على ماروى عن ابن عباس وقتادة وابن جبير ومجاهد وابن زيد والحسن وعليه اكثر المفسرين (روح) ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد نصف شعبان کی رات ہے۔ لیکن محدثانہ رنگ کے مفسر ابن کثیر نے اس کی تردید زور سے کی ہے۔ وقد ذكرنا الاحاديث الواردة فی ذلك فی سورة البقرة بما اغنى من اعادته ومن قال انها ليلة النصف من شعبان كما روى عن عكرمة فقد ابعد النجعة (ابن کثیر) ملاحظہ ہو ضمیمہ ''رحمت والی رات'' صفحہ نمبر ۹۸۹ پر۔ حٰمٓ وَالۡكِتٰبِ۔ ان پر حاشیے پیشتر گذر چکے۔ اَنۡزَلۡنٰهُ۔ ضمیرہٗ الۡكِتٰبِ کی جانب ہے۔ ف۲ (اپنی غایت شفقت وکرم سے) یہ انذار ہمیشہ بندوں ہی کی مصلحت سے، انہیں کو عواقب امور سے مطلع ومتنبہ کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ ف۳ یعنی مشیت تکوینی جس طور پر جس کام کی انجام دہی منظور ہوتی ہے وہ اسی متعین طور پر ملائکہ متعلقہ کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ بشری حساب وتخمینہ کے حساب سے ایک سال کی مدت کے لئے۔ وهكذا روى عن ابن عمر ومجاهد وابن مالك والضحاك وغير واحد من السلف (ابن کثیر) حَكِيۡمٍ کے معنی پُر حکمت کے ہیں۔ يجوز ان يكون المعنى كل امر متلبس بالحكمة (روح) كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ۔ ہر حکمت والے معاملے سے یہ مراد نہیں کہ کچھ معاملے حکمت والے نہیں ہوتے۔ باحکمت تو سب ہی معاملات ہوتے ہیں۔ حکیم کی قید، قید واقعی ہے۔ حَكِيۡمٍ۔ کے دوسرے معنی محکم ومضبوط کے ہیں۔ ووضع حكيم موضع محكم (ابن جریر) الامور الحكمة (بیضاوی) والحكيم بمعنى المحكم لانه لا يبدل ولا يغير بعد ابرازه للملائكة عليهم السلام (روح) حكيم اے محكم لا يبدل ولا يغير (ابن کثیر) یعنی اللہ کے اٹل قوانین سالانہ کے اجرا کا وقت یہی ہوتا ہے۔ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا۔ امرًا کے صیغہ کا نکرہ ہونا اظہار عظمت وشان کے لئے ہے۔ وتنكيره للتفخيم (روح) امر کے ساتھ حکیم کا اضافہ خود ہی اظہار عظمت وجلالت کے لئے تھا۔ پھر اس پر اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا کے مزید اضافہ نے اس عظمت وجلالت کو اور کئی گنا بڑھا دیا۔ ف۴ (کہ آپ کے ذریعہ سے بندوں کو حق وباطل، خیر وشر کی راہوں سے پوری طرح آگاہ کر دیں) رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ۔ رحمة للعالمين۔ اس معنی میں کہ آپ ہی کے ذریعہ سے کل بندوں کو بلا امتیاز وتفریق نیکی وبدی کے راستوں سے آگاہ کر دیا گیا۔ وَبِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ۔ مومنین کے حق میں آپ رؤف ورحیم اس معنی میں کہ انہیں نے آپ کے پیام کو قبول کیا اور آپ کی ہدایت سے پوری طرح مستفید ہوئے۔ اور رحمت خاص خود آپ کے حق میں، اس معنی میں کہ آپ ہی کو ذریعہ وواسطہ اس رحمت عالم کا بنایا۔ ف۵ (تو اس سے بڑھ کر بندوں کی ضرورتوں کو جاننے والا اور ان کی مصلحتوں کی رعایت کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟) ف۶ یعنی اگر تم میں طلب صادق ہے، حق کی جستجو وتلاش ہے۔ رَبِّ۔ بَيۡنَهُمَا۔ ساری کائنات کے اسی خدائے واحد کی ملک ومملوک ہونے کا ایک بار پھر اثبات...... کسی گوشۂ ہستی میں کسی جہت واعتبار سے بھی کوئی دوسرا مالک ومتصرف نہیں۔ ف۷ آیت ماقبل کی طرح اس میں بھی توحید ہی کے مختلف پہلوؤں کی تاکید اور شرک کے مختلف مظاہر کی تردید ہے۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اس کی صفت الوہیت میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ۔ جان ڈالنے اور جان لینے کی قوتیں بھی صرف اسی کے ہاتھ میں ہیں...... زندگی کے کوئی الگ دیوتا اور موت کے کوئی الگ دیوتا نہیں۔ رَبُّكُمۡ...... الۡاَوَّلِيۡنَ۔ وہ کوئی نو پیدا معبود نہیں۔ دنیا جب سے قائم ہے اس کا وہی ایک اور اکیلا پروردگار رہا ہے...... بعض جاہلی قوموں نے اپنے اسلاف قدیم کو معبود مانا اور ان کی پرستش کی ہے۔ آیت میں اس اسلاف پرستی کی بھی تردید آ گئی۔ ف۸ (اور اس لیے حق کے واضح دلائل وصریح شواہد کی طرف توجہ والتفات ہی نہیں کرتے) فِىۡ شَكٍّ۔ شک کی تنوین تعظیم کے لیے ہے۔ یعنی بڑے شک میں پڑے ہوئے ہیں ــــ یہ لوگ توحید وآخرت کی طرف سے عجب بے یقینی کی حالت میں مبتلا ہیں۔ يَلۡعَبُوۡنَ۔ یعنی سنجیدگی سے کبھی حقائق پسندی کی طرف آتے ہی نہیں۔ ان اہم ترین حقائق ومسائل کو بس ایک کھیل تماشہ سمجھ رکھا ہے۔

”رحمت والی رات“

(متعلقہ حاشیہ نمبر ۱ سورۃ الدخان)

جان جب جسم کے پردہ میں ظاہر ہونے لگتی ہے، بے صورتی جب صورت پکڑنے لگتی ہے، اطلاق جب تعین قبول کرنے لگتا ہے، تو لازمی ہے کہ وہ اپنے لئے بھی وہ تمام قیود وخواص اختیار کرلے، جو جسم، صورت، اور تعین مادی کے لئے ضروری ہیں۔ عالم جسم وکائناتِ مادہ میں داخلہ کے دو بڑے دروازے زمان ومکان ہیں۔ لطیف سی لطیف نورانیت بھی جب سطح زمین پر نازل ہوگی، تو انہی دروازوں میں ہوکر داخل ہوگی۔ برکت ورحمت جیسی لطافتیں بھی (جو بار الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتیں) کرۂ خاکی کو جب اور جہاں بھی سرفراز کریں گی، وقت اور جگہ، زمان ومکان کی قید اور پابندی کے ساتھ ہی کریں گی۔ قدرت نے وقت کی تقسیم جو مختلف حصوں میں کر رکھی ہے، یہ بے معنی نہیں، ہر موسم، ہر فصل، ہر گھڑی، اپنے اعتبارات دوسروں سے الگ رکھتی ہے۔ صرف اپنی بیرونی اور ظاہری تاثیرات ہی کی حیثیت سے نہیں، بلکہ اپنی اندرونی اور روحانی کیفیتوں، صلاحیتوں، اور مناسبتوں کے لحاظ سے بھی۔ مہینے سال میں بارہ ہوتے ہیں، لیکن حج صرف ایک ہی مہینے میں ادا ہوسکتا ہے۔ دن ہفتہ میں سات ہوتے ہیں، لیکن جمعہ صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ گھنٹے دن میں چوبیں ہوتے ہیں، لیکن ہر نماز ہر وقت ادا نہیں کی جاسکتی۔ وقت کا کوئی ٹکڑا جب آتا ہے تو اپنے ساتھ اپنی ساری مناسبتوں کو بھی لاتا ہے، اور اپنی ساری کیفیتوں کو پھیلا دینا چاہتا ہے۔ رات کا سناٹا جب چھانے لگتا ہے تو چرند پرند اور انسان سب اپنے اپنے کاموں کو روک کر آرام کرنا چاہتے ہیں۔ آفتاب کی سرگرمیاں جب شروع ہوتی ہیں، تو حیوان اور انسان سب کو اپنے اپنے کام یاد پڑ جاتے ہیں۔ برسات میں جب آبِ زندگی آسمان سے اترنے لگتا ہے تو زمین کی بھی ساری سوئی ہوئی زندگیاں نئے سرے سے بیدار ہوجاتی ہیں۔ بہار کا موسم آتا ہے، تو کلیوں کے کھلنے اور کلوں کے پھوٹنے کے ساتھ ہی انسانی دلوں کی کلیاں بھی کھلنے لگتی ہیں، اور طرح طرح کی امنگیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اسی قسم کی مناسبتوں کو روح کی بولی میں دنوں کی فضیلتیں اور کرامتیں اور راتوں کی بزرگیاں اور برکتیں کہتے ہیں۔ پھر یہ بھی فطرت کا ایک دستور ہے کہ جو واقعہ، روحانیات کے عالم میں جس درجہ کا پیش آتا ہے اسی کی اہمیت کی مناسبت سے اس کی یادگار بھی اسی زمانہ کو قرار دے دیا جاتا ہے۔ اللہ کے خلیل نے ایک خاص موسم میں اپنے لختِ جگر کو قربانی کے لئے پیش کیا، عین اسی زمانہ کو فریضۂ حج وقربانی کے واسطے سارے فرماں بردار بندوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ عاشورہ محرم کو روایات کے مطابق، متعدد انبیائے کرام کو اہم واقعات ومعاملات پیش آئے، اس روز کے روزہ کی فضیلتیں بیان کردی گئیں۔ دو شنبہ کے روز دنیا کو رحمت کا پیامِ عام سنانے والا آیا، اس یوم مبارک کی یاد دل سے کیونکر مٹ سکتی ہے۔ اللہ کی اتاری ہوئی ہر نعمت بڑی ہی نعمت ہے، لیکن اس کی ساری بڑی نعمتوں میں اگر کوئی نعمت سب سے بڑی قرار دی جاسکتی ہے، تو یہ ہے کہ اس نے ہر تاریکی کو روشن کرنے، ہر کجی کو درست کرنے، ہر پستی کو بلند کرنے، ہر مرض کو شفا دینے، ہر دکھ کو مٹا دینے کے لئے، ہر موسم اور ہر زمانہ، ہر خطہ اور ہر ملک، ہر قوم اور ہر امت، ہر فرد اور ہر جماعت، ہر مرد اور ہر عورت، ہر بوڑھے اور ہر جوان کے ہاتھ میں ایک کامل ومکمل ہدایت نامہ، اور ایک جامع ومفصل دستور العمل دیدیا ہے، جس کے بعد کسی انسان کو کسی علم وفن، کسی حکمت وصنعت کسی استاد ومرشد، کسی مدرسہ اور مکتب کی قطعاً کوئی حاجت ہی نہیں باقی رہ جاتی۔ جس گھڑی اس آفتاب ہدایت کا طلوع ہوا ہے، وہ وقت رات کا تھا۔ اس مبارک رات کی بزرگیوں اور سعادتوں کا کوئی انسانی دماغ احاطہ کرسکتا ہے؟ جس شب مبارک کو خود خالق لیل ونہار ”شب مبارک“ ارشاد فرمائے، کس بشر کے قلم میں یہ قوت ہے کہ اس کی کرامتوں اور فضیلتوں کی شرح کر سکے؟ کوئی لفظ، کوئی عبارت، کوئی عنوان تحریر، ایسا ممکن ہے جو اس پاک رات کی پاکیزگیوں اور ستھرائیوں، رحمتوں اور برکتوں، نعمتوں اور دولتوں کی تفسیر کے لئے کافی ہوسکے؟ پھول بہار ہی میں کھلتے ہیں، اور کلے بہار ہی میں پھوٹتے ہیں۔ گلستانِ دہر اور چمن حیات کے اس سب سے زیادہ خوش رنگ، شاداب اور دلکش پھول کے لئے کیونکر ممکن تھا کہ بجز موسم گل وفصل بہار کے کسی اور وقت کھلتا، چنانچہ خود صدق مطلق کی لسانِ حق کا بیان ہے کہ عین اسی موسم میں، جو ازل سے نعمتوں اور برکتوں کی بارش کے لئے مخصوص ہوچکا تھا، گلشنِ کائنات کے اس سدابہار پھول نے اپنی عطر بیزیوں سے اہل ذوق کے مشام جان کو معطر کیا۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ ”یہ رمضان کا وہی مہینہ ہے، جس میں قرآن اتارا گیا۔“ اسی مبارک ماہ کی ایک شب تھی جب اس شاہد رعنا نے اپنے چہرہ سے نقاب الٹا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اسے ایک شب مبارک میں اتارا ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ۔ فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ ۙ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ۙ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۙ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ (دخان۔ ع ۱) ”ہم ہمیشہ اسی طرح ڈراتے رہے ہیں، اسی شب میں ہر حکمت والی بات کا فیصلہ ہوتا رہتا ہے۔

چنانچہ یہ حکم بھی ہماری ہی طرف سے ہے، اور ہم ہمیشہ بھیجتے ہی رہتے ہیں۔ یہ تیرے رب کی طرف سے رحمت ہی ہے، جو سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان سب کا وہی پروردگار ہے، اگر تم یقین رکھتے ہو۔ وہی معبود جس کے سوا کوئی نہیں، زندگی اور موت سب اسی کے ہاتھ میں ہے، اور وہی رب ہے تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا"۔ اہل تفسیر میں اس کی بڑی بحث چلی آتی ہے کہ "امر حکیم" (حکمت والی بات) کے فیصلہ سے کیا مراد ہے، حالانکہ سیاق عبارت پر اگر نظر رہے، اور "رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ"۔ "هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ"۔ "رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اور "هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ"۔ "رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ" کے لطیف اشارات کی روشنی سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ "سب کے حالات سے واقف"، "سب کے پرورش کرنے والے" اور "سب کی زندگی اور موت پر حاکم" کے ہاں سے جس "رحمت کا نزول" ہوگا، وہ یہی ہو سکتی ہے کہ سب کو ربوبیت کے قانون سے آگاہ کر دیا جائے، اور سب کو زندگی اور موت (زندگی کا لفظ شخصی و قومی ہر زندگی پر حاوی ہے) کے اصول بتائے ہیں۔ قرآن حکیم کا اصلی کام یہی ہے، اور اس کی تعلیم ربوبیت کے قانون کی توضیح کرتی ہے، اور افراد و اقوام کو زندگی بخشتی ہے۔ نزول قرآن۔ اسی معنٰی میں دنیا کے لئے سب سے بڑی رحمت اور نعمت ہے، یہی سب سے بڑی رحمت اس شب مبارک کو نازل ہوئی تھی، اور اسی کی یادگار میں، اسی کے ماتحت ہر سال اسی شب کو جزئیات و تفصیلات سے متعلق ہر "امر حکیم" ہر حکمت والی بات کا نزول و تصفیہ ہوتا رہتا ہے[1]۔ قرآن حکیم ہی کی ابتدائی نزول کی گھڑی کو، جسے ایک جگہ شب مبارک (لیلۃ مبارکۃ) سے موسوم کیا گیا ہے، دوسری جگہ شب قدر" (لیلۃ القدر) کے خطاب گرامی سے یاد فرمایا ہے۔ "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۭ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ڏ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ"۔ ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے، اور تم سمجھے کہ شب قدر ہے کیا چیز؟ شب قدر وہ برتر اور گرامی شب ہے، جو ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے! بعض اہل شرح کی طرح یہاں اس الجھاؤ میں پڑنے کی مطلق حاجت نہیں کہ "قدر" یہاں اپنے کسی لغوی معنٰی میں آیا ہے، آیا بمعنٰی حکم و قضا اور یا بمعنٰی شرف و تعظیم! بہر صورت جو بھی پہلو اختیار کیا جائے، اس شب مبارک کی بے حد و حساب بزرگی، خود آیۂ کریمہ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ بیان کر رہی ہے۔ یعنی وہ ایک رات جو ہزار مہینوں، ہزار ہا ہزار مہینوں، بلکہ ہر محدود اور شمار کی ہوئی مدت سے بڑھ چڑھ کر ہے! جس مبارک رات کو قرآن جیسی بے نظیر نعمت دنیا کو ملی ہو، آسمانوں اور زمینوں کے فرمانروا نے خاک کے پتلے کو اپنے محفوظ کلام کے شرف سے سرفراز کیا ہو، اس کی رحمتوں اور برکتوں کا احاطہ کرنا، انسانی دماغ کے تراشے ہوئے علم الحساب کے اعداد سے بھلا کس طرح ممکن ہے[2]؟ یہ شب مبارک آتی کب ہے؟ روح و جان کے عالم میں بہار کے موسم کا نام، ماہ رمضان ہے، اس ماہ مبارک کا سب سے زیادہ مبارک زمانہ اس کا آخری عشرہ ہوتا ہے۔ پھول کوئی بھی کھلتا ہے، چمن مہکنے لگتا ہے، لیکن گلاب کی کلی جب کھلتی ہے تو اس وقت چمن کی مہک ہی کچھ اور ہو جاتی ہے۔ رمضان کا آخری عشرہ چمن میں گلاب کے کھلنے کا زمانہ ہوتا ہے۔ پاکوں اور پاکبازوں کا سردار، اس عشرہ بھر، ذکر و عبادت الٰہی کے لئے وقف رہتا تھا۔[3] (گو وہ کون سا زمانہ ہوتا تھا جب وہ عبادت الٰہی کے لئے وقف نہ ہوتا تھا؟)۔ اسی عشرہ کی کسی مقدس رات میں وہ مقدس گھڑی آجاتی ہے، جس کی فضیلتوں اور برکتوں کی شرح و تفصیل کے لئے لفظ و عبارت کا دفتر نا کافی ہے۔ اسی دولتِ بے بہا کی تلاش میں اگر انسان اپنی راتوں کی نیند بھی نہ قربان کر سکے، تو یقیناً اس کے دل کو اس قدر والی رات کی ذرا بھی قدر نہیں! اس کے تعین سے اسی لئے قصداً و مصلحتاً بے التفاتی برتی گئی ہے، اور وہ رات جو، سَلٰمٌ ڛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔ "شام سے صبح تک سرتاسر رحمت ہی رحمت ہے"۔ اس کی بابت دنیا کا سب سے بڑا حکیم اپنی امت سے یہ ارشاد فرما گیا ہے کہ "اس کو تلاش کرو آخر عشرۂ رمضان کی طاق راتوں میں[4]"۔ جن جاگے ہوئے دلوں کی آنکھیں "آج" ان راتوں کو کسی کی یاد میں جاگ جاگ کر کاٹیں گی۔ "کل" وہ خود محسوس کریں گے کہ ان کی آنکھیں نہیں، ان کا نصیبہ جاگ رہا تھا! (منقول از سچ لکھنؤ۔ ۱۹ اپریل ۱۹۲۶ء)

---

[1] ایک قلیل گروہ اس جانب گیا ہے کہ اس شب مبارک سے مراد شعبان کی پندرھویں ہے، لیکن محققین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد لیلۃ القدر ہی ہے۔ اور لیلۃ القدر، بلا اختلاف، رمضان مبارک ہی کی کوئی آخری شب ہے۔ عن قتادة فی قوله لیلة مبارکة قال هی لیلة القدر (ابن جریر) قال ابن زید فی قوله تعالی انا انزلنه فی لیلة مبارکة قال تلک اللیلة لیلة القدر (ایضا)

[2] التحدید بالالف لا مفهوم لا بل الغرض منه التکثیر (مفتی محمد عبدہ مصریؒ) بیضاوی، بحر المحیط، روح المعانی سب میں یہ قول نقل ہوا ہے کہ ہزار راتوں سے مراد کوئی متعین عدد نہیں، بلکہ محض تکثیر مراد ہے۔

[3] عن عائشة قالت کان رسول الله ﷺ یجتهد فی العشر الاواخر مالا یجتهد فی غیره (مسلم)

[4] عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال تحروا لیلة القدر فی الوتر من العشر الاواخر من رمضان (بخاری)

ف۹ روایات متفق ہیں کہ اس مصیبت سے مراد وہ شدید قحط ہے جو اہل مکہ پر پڑنے والا تھا اور کچھ روز بعد پڑا۔ ہوا یہ کہ جب ہجرت کے بعد بھی اہل مکہ کا عناد کم نہ ہوا بلکہ بڑھتا گیا تو عاجز آ کر رسول اللہ ﷺ نے اُن کے حق میں بددعا کی۔ اثر کا ظہور یوں ہوا کہ ادھر بارش رکی اور ادھر یمامہ (علاقہ یمن) کے رئیس ثمامہ نے جو اب مسلمان ہو چکے تھے غلہ بھیجنا بند کر دیا۔ مکہ کی غلہ کی منڈی یمامہ ہی سے تھی، ب قحط پورا ہو گیا۔ ذلک حین دعا رسول اللہ ﷺ علی قریش ربه تبارک وتعالٰی ان یاخذھم بسنین کسنی یوسف فاخذوا بالمجاعة (ابن جریر) حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی ؓ نے بڑے زور وتاکید کے ساتھ آیت کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔ قحط اتنا سخت تھا کہ لوگوں نے مردار کا گوشت، کھال ہڈیاں سب کھانا شروع کر دی تھیں۔ وفی روایة اخرٰی صحیحة ...... حتی اکلوا المیتة والجلد والعظام (روح) دُخَانٍ مُّبِيْنٍ۔ بھوک کی شدت اور دماغ کی خشکی میں، فضائے آسمانی میں دھواں سا نظر آنے لگتا ہے۔ اسی کو یہاں آسمانی دھوئیں سے تعبیر کیا ہے۔

مُّبِيْنٍ ﴿١٠﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١﴾ رَبَّنَا

پیدا ہو جو (ان سب) لوگوں پر چھا جائے، یہ ایک عذاب دردناک ہوگا ف۹ اے ہمارے پروردگار

اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى

ہم سے اس عذاب کو دور کر دیجیے، ہم ضرور ایمان لے آئیں گے ف۱۰ ان کو کب (اس سے) نصیحت ہوتی ہے،

وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا

حالانکہ ان کے پاس پیمبر کھلے ہوئے (دلائل کے ساتھ) آچکا ہے پھر بھی یہ لوگ اس سے سرتابی کرتے رہے اور یہی کہتے رہے

مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿١٤﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ

کہ یہ سکھایا ہوا ہے دیوانہ ہے، ف۱۱ بے شک ہم چندے اس عذاب کو ہٹا لیں گے ورتم بھی (اپنی پہلی حالت پر

عَآئِدُوْنَ ﴿١٥﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا

لوٹ آؤ گے ف۱۲ جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے (اس روز) ہم

مُنْتَقِمُوْنَ ﴿١٦﴾ وَ لَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ

پورا بدلہ لے لیں گے ف۱۳ اور ہم نے اُن سے پہلے قوم فرعون کی آزمائش کی تھی

وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿١٧﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ

اور ان کے پاس ایک معزز پیمبر آئے تھے (یہ پیام لے کر) کہ اللہ کے ان بندوں کو میرے حوالہ کر دو میں

لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٨﴾ وَّ اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ

تمہارا معتبر پیمبر ہوں اور یہ کہ تم اللہ سے سرکشی نہ کرو میں

اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٩﴾ وَ اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ

تمہارے سامنے واضح دلیل پیش کرتا ہوں، اور میں پناہ چاہتا ہوں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی اس سے

اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿٢٠﴾ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿٢١﴾

کہ تم مجھے سنگسار کرو ف۱۴ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہی رہو ف۱۵

یقال ان الجائع کان یری بینه وبین السماء دخاناً من شدة الجوع (تاج) عنی بالدخان ما کان یصیبهم حینئذٍ فی ابصارهم من شدة الجوع من الظلمة کهیئة الدخان (ابن جریر) دُخَانٍ کا اطلاق عربی میں مطلق موذی پر بھی مجازاً واستعارةً ہوتا ہے۔ وتصوّر منه التاذی به فقیل هو دخن الخلق (راغب) دُخَانٍ۔ کے معنی خشکی کے اور بھوک سے فضا کی دخان منظری کے بھی آئے ہیں۔ بلکہ خود شدت بھوک کے معنی بھی۔ والدخان الجدب والجوع (تاج) وقیل بل قیل للجوع دخان (تاج) فالدخان یحتمل ان یراد به الشدة والشر مجازًا وان یراد به حقیقتهٗ (روح) ف۱۰ یہ پیش گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ قریش کے سردار ابو سفیان وغیرہ نے آپ کو لکھا بھی اور آپ کے پاس آئے بھی کہ آپ سے دعاء کرائیں۔ لمّا اشتد القحط بقریش مشٰی ابو سفیان الٰی رسول اللہ ﷺ وناشده الرحم وواعده ان دعالهم وزال مابهم اٰمنوا (روح)

ف۱۱ بیسویں صدی کے بڑے بڑے فرنگی "علماء و محققین" آخر اس منزل سے آگے نہ بڑھ سکے جو معاند کفار و مشرکین قریش کی تھی! وہ لوگ بھی قرآن کے لفظی ومعنوی اعجاز کی طرف سے آنکھیں بند کیے یہی رٹ لگائے ہوئے تھے کہ یہ کلام کسی اور کا سکھایا پڑھایا ہوا ہے۔ اور آج یورپ وامریکہ کے بڑے بڑے مستشرقین کا بھی "منتہائے تحقیق" بس اسی قدر ہے کہ یہ کتاب محمد عربی ﷺ نے کچھ ادھر ادھر سے سن سنا کر تیار کر دی ہے! رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ۔ یعنی ایسے پیمبر جن کی صداقت وحقانیت دلائل و معجزات کی کثرت سے بالکل واضح وظاہر ہے۔ ای رسول عظیم الشان ظاهر امر رسالته بالأیات والمعجزات (روح) وهو ما ظهر علٰی رسول اللہ ﷺ من الأیات والبینات من الکتاب المعجز وغیره من المعجزات (کشاف) ف۱۲ یعنی اتمام حجت کے لئے ہم اس بھوک کے عذاب کو دور بھی کر دیں گے لیکن اس سے حاصل کیا ہوگا ایمان لانا تو الگ رہا۔ یہ جو نرمی اور شگفتگی پیدا ہو رہی ہے، یہ بھی جاتی رہے گی اور بدستور عناد واستکبار پر آ جاؤ گے۔ یہ سب بطور پیش گوئی کے تھا۔ اور واقع میں ظہور اس کا یوں ہوا کہ آپ نے دعا فرمائی اور ثمامہ نے بھی آپ کا سفارش نامہ پا کر غلہ کی بندش دور کر دی۔ لیکن اس فارغ البالی کے نصیب ہو جانے پر مشرکین کی مخالفت کا زور شور لوٹ آیا۔ ف۱۳ یعنی پوری سزا آخرت میں ملے گی۔ ف۱۴ حضرت موسٰی علیہ السلام کا اہل فرعون کے پاس آنے اور حق تعالٰی کا پیام پہنچانے کا ذکر ایک نئے عنوان سے ہے۔ قَبْلَهُمْ۔ ضمیر هُمْ معاصر مشرکین مکہ کی جانب ہے۔ ای قبل هٰٓؤُلَآءِ المشرکین (مدارک) رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ۔ کھلی ہوئی مراد حضرت موسٰی علیہ السلام سے ہے۔ اَنْ اَدُّوْٓا۔ اَنْ یہاں تفسیری ہے۔ اَنْ...... اللّٰهِ۔ عباد اللہ سے مراد بنی اسرائیل ہیں، کہ انہیں میرے سپرد کر دو۔ میں انہیں لے کر مسلک توحید پر چلانے کے لئے اپنے پرانے وطن شام کی طرف چلا جاؤں گا۔ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۔ اس کے تحت میں دلائل وخوارق سب آ گئے۔ اِنِّيْ...... تَرْجُمُوْنِ۔ صاف اشارہ اس طرف ہے کہ فرعونیوں یا مصریوں نے آپ علیہ السلام پر سنگباری کی ٹھان لی تھی۔ توریت میں بھی اشارے موجود ہیں:۔ "اگر ہم مصریوں کی آنکھوں کے آگے وہ قربانی کریں، جس سے وہ بیزار ہیں، تو کیا ہمیں وہ پتھراؤ نہ کریں گے۔" (خروج۔ ۸: ۲۶) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت کے تحت میں یہ نکتہ ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالٰی کے سامنے التجا کرتے رہنا اور اپنی قوت کا دعوٰی نہ کرنا عین اظہار عبدیت ہے۔ ف۱۵ یعنی کم از کم اتنا ہی کرو اور میری ایذاء کے درپے ہو کر اپنے جرم کو اور شدید تر تو نہ بناؤ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں ایسے شخص سے قطع تعلق پر دلالت ہے، جس کی اصلاح کی امید نہ ہو۔

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ

تب (موسیٰ نے) اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یہ (بڑے سخت) مجرم لوگ ہیں ف۱۶ تو اب میرے بندوں کو بھی تم

لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ

رات ہی میں لے کر چلے جاؤ تمہارا تعاقب ہوگا، اور تم اس دریا کو سکون کی حالت میں چھوڑنا، اُن لوگوں کا لشکر

مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ

غرق ہو کر رہے گا ف۱۷ وہ لوگ کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیتیاں

وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ

اور عمدہ مکانات اور آرام کے سامان جن میں رہا کرتے تھے چھوڑ گئے، (یہ قصہ) اسی طرح واقع ہوا

وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ

اور ہم نے ان (چیزوں) کا مالک ایک دوسری قوم کو بنا دیا، ف۱۸ تو ان پر نہ تو آسمان اور زمین

وَ الْاَرْضُ وَ مَا كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَ لَقَدْ نَجَّیْنَا بَنِیْۤ

روئے، اور نہ انہیں مہلت ہی ملی ف۱۹ اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو

اِسْرَآءِیْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ﴿۳۰﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ

فرعون کے سخت ذلت والے عذاب سے نجات دی

اِنَّهٗ كَانَ عَالِیًا مِّنَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۳۱﴾ وَ لَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ

واقعی وہ بڑا سرکش حد سے نکل جانے والوں میں تھا ہم نے بنی اسرائیل کو دنیا جہان پر

عَلٰی عِلْمٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۲﴾ وَاٰتَیْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰیٰتِ مَا فِیْهِ

فضیلت (اپنے) علم کے ماتحت ہی دی تھی ف۲۰ اور ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دی تھیں جن میں

بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ ﴿۳۳﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ هِیَ اِلَّا

کھلا ہوا انعام تھا ف۲۱ یہ لوگ تو یہی کہتے ہیں کہ بس یہی موت ہی

ف۱۶ (معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے اور وقت ان کی گرفت ہی کا آپہنچا ہے) ف۱۷ یعنی آپ ؑ کے لئے تو سمندر میں راستہ کر دیا جائے گا اور سمندر کا کچھ حصہ آپ ؑ کے لئے خشک کر دیا جائے گا۔ آپ ؑ اسے اسی سکون کے حال میں چھوڑ کر چلے جایئے گا۔ اور اسی فکر و اندیشہ میں نہ پڑیئے گا کہ فرعون بھی تو اسی راستہ سے آجائے گا۔ چنانچہ آپ ؑ اس ارشاد باری کی تعمیل میں بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات ہی نکل گئے اور صبح کو آپؑ کا تعاقب بھی ہوا۔ ف۱۸ یعنی اسی نسل کے بعد ایک دوسری نسل متصرّ اور اس کے سارے تعیشات پر حاکم و متصرف ہو گئی اور ان لذتوں اور راحتوں کے سامان پر فرعونیوں کو دوام نہ ہو سکا۔ كَمْ تَرَكُوْا۔ کم اظہار کثرت کے لئے ہے۔ کم عبارۃ عن الکثرۃ (مدارک) قَوْمًا اٰخَرِیْنَ۔ اس سے اشارہ اگر بنی اسرائیل ہی کی طرف سمجھا جائے جیسا کہ بعض مفسرین نے سمجھا ہے تو اَوْرَثْنٰهَا سے مراد یہ نہ رہے گی کہ انہیں بعینہٖ فرعونیوں ہی کی چھوڑی ہوئی نعمتیں عطا کیں، بلکہ مراد نفس وہ نعمتیں (سرسبز کھیتیاں، شاداب باغ بہتے ہوئے چشمے وغیرہ) ہوں گی۔ جو بنی اسرائیل کو شام و فلسطین یا کہیں بھی عطا ہوئی ہوں۔ ف۱۹ پہلے یہ حقیقت ذہن نشین کر لی جائے، کہ کائنات کی کوئی سی بھی شے ہو۔ بڑی سے بڑی یا چھوٹی سے چھوٹی۔ احساس و شعور کسی نہ کسی درجہ میں ضرور رکھتی ہے۔ اس کے بعد یہ سمجھئے کہ آسمان اور زمین میں بھی ان کے مرتبہ کے لائق شعور موجود ہے۔ اسی سے وہ مومن کے مرتبہ کا ادراک کر کے اس کی وفات پر غمگین ہوتے ہیں۔ حکیم کائنات و دانائے فطرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:۔ ما من عبد الا ولہ فی السماء بابان باب یخرج منہ رزقہ و باب یدخل منہ عملہ و کلامہ فاذا مات فقداہ وبکیا علیہ (جامع ترمذی) مومن جب مر جاتا ہے تو آسمان کا وہ دروازہ جس سے اس کے عمل کا صعود ہوتا تھا اور وہ دروازہ جس سے اس کے رزق کا نزول ہوتا تھا اس پر روتے ہیں۔ اور آپؐ کے رفیق و تلمیذ خاص حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ:۔ واخرج ابن المنذر وغیرہ عن علیؓ انہ قال ان المومن اذا مات بکی علیہ مصلاہ من الارض ویصعد عملہ من السماء (روح) ''جب مومن مرتا ہے تو زمین میں اس کے نماز پڑھنے کی جگہ اور آسمان میں اس کے عمل کے صعود کرنے کی جگہ یہ دونوں اس پر روتی ہیں۔'' عَلَیْهِمْ...... كَانُوْا۔ ضمیر جمع غائب سے دونوں جگہ مراد وہی قوم فرعون ہے۔ جس کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔ فَمَا...... الْاَرْضُ۔ یہ اثر تھا ان لوگوں کی کمال مبغوضیت کا۔ زمین، آسمان کسی کو بھی ان پر رونا نہ آیا، اور کسی کو بھی ان سے ہمدردی پیدا نہ ہوئی۔ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ۔ یہ اثر تھا ان کے کمال مغضوبیت کا کہ ذرا بھی مہلت نہ پائی۔ اگر ابھی مہلت زندگی پا جاتے تو عذاب الٰہی سے چندے اور بچے رہتے۔ ف۲۰ بنی اسرائیل کی فضیلت و فوقیت کا بیان کئی بار آچکا ہے۔ اور اس کی توضیح سورۃ البقرۃ (پ۱) کے حاشیوں میں آچکی ہے۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ افضلیت و اشرفیت یوں ہی اٹکل پچو بلاوجہ نہ تھی۔ خاص مصالح تکوینی کے ماتحت تھی۔ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ۔ الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ۔ فِرْعَوْنَ۔ فرعون، بنی اسرائیل اور ان پر سختیاں، ان سب پر حاشیے سورۃ البقرۃ (پ۱) میں گزر چکے۔ ف۲۱ مثلاً دولتِ توحید، نعمتِ رسالت، اور پھر دنیوی حکومت و اعزاز۔ بَلٰٓؤٌا۔ یہاں مصیبت کے معنی میں نہیں، انعام کے معنی میں ہے۔ ای نعمۃ ظاھرۃ (کشاف۔ روح) بلاء کے عام متداول معنی بھی لئے جا سکتے ہیں۔ یعنی ان نشانات کے ذریعہ سے خوب آزمائش اور تجربہ ہو گیا۔ ای اختبار ظاھر جلی لمن اھتدی بہ (ابن کثیر) اختبار ظاھر لننظر کیف یعملون (روح)

مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَ مَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَاۤ

(ہمارا آخری انجام) ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں گے سو لاؤ تم (اے مسلمانو) ہمارے باپ دادوں کو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّ الَّذِيْنَ

اگر تم سچے ہو، و۲۲ تو کیا یہ لوگ بڑھ چڑھ کر ہیں یا قوم تبع والے اور جو لوگ ان سے بھی

مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۫ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَ مَا

پیشتر ہوئے ہیں، ہم نے ان تک کو ہلاک کر ڈالا اس لئے کہ وہ نافرمان تھے و۲۳ اور

خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا

آسمان اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے، یہ سب ہم نے یونہی خواہ مخواہ نہیں بنا ڈالا، ہم نے

خَلَقْنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ

ان کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے و۲۴ بے شک

يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ ۙ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى

فیصلہ کا دن ان سب کا وقت مقرر ہے جس دن کوئی تعلق والا کسی

عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ ۙ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ

تعلق والے کے کام نہ آئے گا اور نہ اُن کی حمایت ہی کی جائے گی ہاں مگر اللہ ہی کسی پر

اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾ ع اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ ۙ

رحم فرمائے، بے شک وہ زبردست ہے، رحیم ہے و۲۵ بے شک زقوم کا درخت

طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ ۛۚ كَالْمُهْلِ ۛۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ ۙ كَغَلْيِ

بڑے مجرم کا کھانا ہو گا تیل کی تلچھٹ کی طرح پیٹ میں کھولے گا تیز

الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ ۖ

گرم پانی کی طرح اس کو پکڑو، پھر گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ دوزخ کے بیچ تک

ع ۲ ۱۵ معانقة ۱۳

و۲۲ یہ کہنے والے عصر قدیم کے ''روشن خیال'' مادیین اور عرب کے فطرت پرست دہریین تھے۔ حشر ونشر وعالم آخرت کے قطعی منکر۔ یہ مسلمانوں کو چیلنج دے کر اور اپنی ''روشن خیالی'' کے پر فخر مظاہرہ کے ساتھ کہتے تھے کہ ہم مذہب وذہب کے ڈھکوسلوں کے سرے سے قائل ہی نہیں۔ ہم تو صرف حواس ظاہری ومشاہدہ کو مانتے ہیں۔ تو اگر واقعی کسی مُردہ کو زندہ کر کے دکھا دو تو بے شک ہم قائل ہو جائیں۔ مغیبات مجردات میں آج بھی مشاہدہ و تجربہ کا مطالبہ اس قدیم ذہنیت کی صدائے بازگشت ہے۔ و۲۳ یعنی نافرمانی وقانون شکنی تو ایسی چیز ہے جس کی سزا ان مجرموں سے کہیں زائد قوت ومقدرت والوں کو مل کر رہی ہے۔ تو یہ بیچارے کس شمار وقطار میں ہیں۔ خَيْرٌ۔ خیر کا مفہوم ہمیشہ اخلاقی وروحانی ہی پہلو نہیں رکھتا، مادی، مالی، جسمانی فوقیت کا اظہار بھی اسی لفظ سے ہوتا رہتا ہے یہاں اسی دنیوی جاہ وحشم مادّی قوت وسامان میں اظہار فوقیت کے لئے ہے۔ قَوْمُ تُبَّعٍ۔ جس طرح ملوکِ مصر کا لقب فرعون تھا۔ اسی طرح جنوب عرب کی سلطنت یمن کے بادشاہوں کے ایک خاندان کا لقب تبع تھا۔ یہ اپنے وقت کے بڑے عظیم الشان وجلیل القدر فرمانروا تھے۔ اور ان کے حدود سلطنت علاوہ حمیر، حضر موت اور سارے علاقہ سبا کے شمال میں شمالی عرب تک اور مغرب میں افریقہ تک وسیع تھے۔ اور یہ خاندان کوئی ڈھائی سو سال فرماں روا رہا۔ اور ان کے زمانہ کا تخمینہ ظہور اسلام سے سات آٹھ صدیوں قبل کا کیا گیا ہے۔ اہل لغت کا بیان ہے کہ تبع ان بادشاہوں کو ان کی کثرت اتباع کی بنا پر کہتے ہیں۔ ابن ہشام میں ابن اسحٰق کے حوالہ سے ہے کہ:۔ قال ابن اسحق و کان قد جعل طریقة حین اقبل من الشرق علی المدینه و کان قد مربها فی بدءته۔ ''اس نے مدینہ سے (یمن تک) سڑک بنوادی تھی، جب مشرق سے مدینہ کو آیا تھا اور اسی سڑک سے اپنے وطن کو آتا جاتا تھا۔'' بہرحال اہل عرب تبع کی عظمت وشان سے خوب اچھی طرح واقف تھے۔ بلکہ ان کے ہاں تبع کی عظمت وجلالت بطور ضرب المثل کے مشہور وزبان زد تھی۔ هُمْ۔ ضمیر عرب معاصرین کی جانب ہے جن کا ذکر ابھی آیاتِ ماقبل میں آیا ہے۔ و۲۴ اس میں رد آگیا ان ساری جاہلی قوموں کا، جو یہ سمجھتی ہیں کہ یہ ساری کائنات محض ایک تماشہ گاہ ہے اور خالق کائنات کو (نعوذ باللہ) محض ایک میلہ رچانا، (تماشہ کرنا) مقصود تھا۔ قرآن مجید اس کی بار بار تردید کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس کارخانہ آفرینش سے بڑے بڑے اہم مقاصد مقصود ہیں...... اکبر الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ؎ اکبر اس فطرتِ خاموش کو بے حس نہ سمجھ:۔ ہاں بصیرت سے تہی دیدۂ نرگس نہ سمجھ۔ مَا خَلَقْنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ یعنی ان کی آفرینش میں بڑی بڑی غایتیں اور مصلحتیں پنہاں ہیں۔ اور ان میں سے ایک بڑی حکمت قانون مجازات ومکافات کا اجراء ونفاذ ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ کثرت سے لوگ عقیدہ حشر ہی کے منکر ہیں اور جو مانتے ہیں ان میں بھی بہت سے عملاً اس کی اہمیت کو بھلائے ہوئے ہیں۔ و۲۵ چنانچہ اپنی صفت عزیزیت کے تقاضہ سے کافروں کو خوب مغلوب کرے گا۔ اور صفت رحیمیت کا ظہور اہل ایمان پر پوری طرح فرمائے گا۔ لَا يُغْنِيْ...... يُنْصَرُوْنَ۔ مطلق دنیوی تعلق حشر میں ہرگز کسی ایک کا دوسرے سے کام نہ آئے گا۔ بلکہ اس کی بناء پر کوئی کسی کی مدد تک نہ کر سکے گا۔ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ۔ اور اللہ کی رحمت کا اثر یہ ظاہر ہوگا کہ وہ کسی مومن کے حق میں شفاعت کا اذن دیدے۔

ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَأْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ

پھر اس کے سر کے اوپر گرم پانی کا عذاب نازل کرو، لے اس کا مزہ

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ

تو تو بڑا معزز مکرم ہے نا یہی وہ چیز ہے جس کے باب میں

تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾ فِيْ جَنّٰتٍ

تم شک کیا کرتے تھے و۲۶ اللہ سے ڈرنے والے بے شک امن کی جگہ میں ہوں گے (یعنی) باغوں میں

وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ

اور نہروں میں لباس پہنے ہوں گے باریک اور دبیز ریشم کا

مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۵۴﴾

آمنے سامنے بیٹھے ہوئے یہ بات اسی طرح ہے، اور ہم اُن کی زوجیت میں دے دیں گے گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں کو،

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ

وہ وہاں ہر قسم کے میوے منگائیں گے اطمینان سے و۲۷ وہ وہاں موت کا مزہ بھی

فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ

نہ چکھیں گے ہاں بجز اُس پہلی موت کے اور اللہ انہیں دوزخ سے

عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ

بچائے گا (یہ سب) آپ کے پروردگار کے فضل سے ہو گا، یہی بڑی

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ

کامیابی ہے و۲۸ سو ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ یہ لوگ

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع

نصیحت حاصل کریں تو آپ بھی منتظر رہیے، یہ لوگ تو منتظر ہی ہیں و۲۹

ع ۳ ۱۲

و۲۶ عذاب جسمانی کے ساتھ ساتھ اہل جہنم کی اذیت قلب کے بڑھانے کو یہ بھی بطور طعن واستہزاء کہا جائے گا...... دوزخیوں کے مقدر میں تو ہر قسم کی انتہائی اذیت ہے۔ جسمانی ومادی کے علاوہ ذہنی وقلبی بھی۔ الْاَثِیْمِ۔ بڑے مجرم سے مراد کافر ہے۔ ای الکثیر الاثام والمرادبه الکافر لدلالة ما قبله و ما بعدهٗ علیه (بیضاوی) الاثیم ای فی قوله وفعله وهو الکافر (ابن کثیر) الْاَثِیْمِ کے صیغۂ مفرد سے مراد جنس کافر ہے کوئی مخصوص فرد یا متعین شخصیت مراد نہیں۔ المراد به جنس الکافر لا واحد بعینه (روح) اور یہ جو بعض اقوال میں آیا ہے کہ اس سے مراد ابوجہل یا فلاں متعین کافر ہے۔ سو یہ قول خلاف تحقیق وبلا دلیل ہے۔ لیس بشیء ولا دلیل علی ذٰلک (روح) وذکر غیر واحد انه ابوجهل ولا شک فی دخوله فی هٰذه الاٰیة ولکن لیست خاصة به (ابن کثیر) شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ۔ زقوم (تھوہر) پر حاشیہ سورہ والصافات (پ۲۳) میں گزر چکا۔ زَقُّوْم کے معنی کسی کسی نے یہ بھی بیان کئے ہیں کہ یہ قوم بربر کی زبان میں کھجور اور مکھن کو کہتے ہیں۔ اس پر فقیہ مالکی مفسر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ بڑے غصہ کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ایسے قول کسی جاہل ہی کے ہو سکتے ہیں۔ ویحکی عن بعضهم ان الزقوم هو التمر والزبد بلسان البربر والله ولهٰذا القائل وامثاله الذین یتکلمون فی الکتاب بالباطل وهم لا یعلمون۔ روح المعانی میں صوفیہ کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ:۔

هی شجرة الحرص وحبّ الدنیا تظهر یوم القیامة علی اسوء حال واخبث طعم۔

یہ درخت حرص وحب دنیا کا درخت ہے جو حشر میں اس شکل میں متشکل ہو جائے گا۔

و۲۷ یعنی اہل جنت علاوہ روحانی نعمتوں کے ہر قسم کی مادی وجسمانی لذتوں سے بھی پوری طرح لذت گیر ہوں گے۔ یہ نہ ہو گا کہ یہاں کی جسمانی لذتوں سے انہیں وہاں خواہ مخواہ بے جرم محروم کر دیا جائے...... ہمارے ہاں کے جن جدید اہل قلم نے جنت کی لذاتِ جسمانی کی تاویلیں کر کر کے انہیں خواہ مخواہ بدل دینا چاہا ہے۔ وہ درحقیقت خود مسیحیت اور دوسرے باطل مذہبوں سے کسی حد تک مرعوب ہیں جنہوں نے جسم وجسمانیات ہی کو مطلق شر تسلیم کیا ہے۔ مَقَامٍ اَمِیْنٍ۔ یعنی ایسی جگہ جو ہر مصیبت، ہر ناخوشگواری سے محفوظ ہو۔ و۲۸ (جس کے سامنے اور کسی کامیابی کا نام بھی نہیں لیا جا سکتا) لَا...... اُوْلٰی۔ یعنی یہ ساری نعمتیں لازوال وغیر منقطع ہوں گی۔ اور آئندہ ان کے ختم وانقطاع کا کوئی خطرہ نہ ہو گا۔ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی۔ یعنی وہی موت جو دنیا میں واقع ہوئی تھی۔ اور جو انہیں اس عالم آخرت میں لانے اور انہیں غیر فانی بنانے کا ذریعہ ہوئی۔ و۲۹ یعنی آپ تبلیغ کے علاوہ اور کسی فکر وتردد میں نہ پڑیے اور ان پر نزول ضرر کے منتظر رہیے۔ جس طرح یہ اپنی حماقت سے آپ پر نزول ضرر کے منتظر ہیں۔ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ۔ یعنی آپ کی زبان میں قرآن کے نازل ہونے کی ایک مصلحت یہ ہے کہ آپ کے یہ مخاطبین اسے داعیٔ اول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان سے خوب سمجھ کر اس سے نفع حاصل کریں:۔

آیاتھا ۳۷ ۴۵ سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ ۶۵ رکوعاتھا ۴

اس کی سینتیس آیتیں ہیں سورۂ جاثیہ مکہ میں نازل ہوئی اور چار رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِي

حا۔میم (یہ) کتاب نازل کی ہوئی ہے اللہ غالب اور حکمت والے کی طرف سے ف۱ بے شک

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا

آسمانوں اور زمین میں نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لئے اور خود تمہاری اور ان حیوانات کی

يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ

آفرینش میں جن کو اس نے پھیلا رکھا ہے نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں، ف۲ اور (اسی طرح) رات اور

وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ

دن کے الٹ پھیر میں اور اس رزق میں جس کو اللہ نے آسمان سے اتارا پھر اس زمین کو

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ

تروتازہ کیا اس کے خشک ہوئے پیچھے، اور ہواؤں کے ادل بدل میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے

يَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ

جو عقل رکھتے ہیں ف۳ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جو صحیح طور پر ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں تو پھر

حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ

اللہ اور اس کی نشانیوں کے سوا اور کون سی بات ہوگی جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے، بڑی خرابی ہے ہر اس شخص کے لئے جو جھوٹ لگانے

اَثِيْمٍ ﴿۷﴾ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ

والا ہے، نافرمان ہے، اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے جب وہ اس کے روبرو پڑھی جاتی ہیں پھر بھی تکبر کرتا ہوا اڑا رہتا ہے، جیسے

ف۱ (اور اس لئے اس کے مضامین بھی نہایت ہی قابل توجہ ہیں) حٰمٓ۔ ملاحظہ ہو حاشیہ سورۂ مومن نمبر ا پ ۲۴ تَنْزِيْلُ...... الْحَكِيْمِ۔ اس میں منکرین قدیم وجدید کے اس اتہام کی بھی تردید آگئی کہ یہ کلام رسول کا گڑھا ہوا ہے۔ مِنَ...... الْحَكِيْمِ۔ کلام میں خود مصنف کا اثر آ گیا ہے۔ اور کتاب اسی شان اور اسی پایہ کی ہوگئی ہے۔ جیسی الْعَزِيْزِ اور الْحَكِيْمِ کی کتاب کو ہونا چاہیے۔ ف۲ (اللہ کی قدرت وحکمت کی اور اس کی توحید کی) جن کے دلوں میں ایمان گھر کر چکا ہے۔ اور جن کی بصیرت مومنانہ بن چکی ہے۔ انہیں اس کارخانہ کائنات میں قدم قدم پر اللہ کی حکمتوں، صنعتوں، قدرتوں کے نمونے ملتے ہیں۔ اور وہ سب اس کی توحید ہی کی طرف لے جاتے ہیں، نہ کہ معبودوں کے تعدد کی جانب۔ ف۳ (قدرت الٰہی اور توحید الٰہی کی) مطلب یہ ہے کہ کائنات کے جتنے بھی شعبے ہیں طبعی، نفسیاتی، حیوانی، فضائی وغیرہ۔ سب میں غور کرنے والے اور انصاف وطلب حقیقت رکھنے والے انسان کے لئے دلائل وشواہد حق تعالیٰ کی توحید اور قدرت کاملہ ہی کے ملتے ہیں۔ وَفِيْ خَلْقِكُمْ۔ انسان کی جسمی ساخت وترکیب وفعلیت سے متعلق جتنے بھی علوم وفنون ہیں۔ تشریح الابدان، عضویات، نفسیات وغیرہا۔ ان سب کے قوانین وضوابط سے انسان معرفت الٰہی ہی کے سبق لے سکتا ہے۔ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ۔ اس کے تحت میں سارے علوم حیوانیات مع اس کے متعلقات کے آگئے۔ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ ہیئت، ریاضیات، فضائیات، طبیعیات مع اپنی تمام شاخوں کے اس کے تحت آگئے۔ مِنَ السَّمَآءِ...... الرِّيٰحِ۔ معاشیات، حیاتیات، نباتیات، ارضیات، فضائیات کے سارے علوم مع اپنی شاخوں اور متعلقات کے اس کے تحت میں آگئے۔ رِزْقٍ سے مراد مادۂ رزق یعنی بارش ہے۔ ای من مطر وسماہ رزقا لانہ سببہ (بیضاوی) ای ما انزل اللہ تبارک وتعالیٰ من السحاب من المطرفی وقت الحاجۃ الیہ وسماہ رزقا لانہ بہ یحصل الرزق (ابن کثیر) یعنی الغیث الذی ارزاق العباد (معالم) لیکن اگر یہ تاویل مجاز نہ کی جائے۔ جب بھی خود پانی بھی تو رزق ہے۔ ولو لم یؤول صح لانہ فی نفسہ رزق ایضاً (روح) بہٖ میں ضمیر مادۂ رزق یعنی بارش کی طرف ہے۔ سماء سے ایسے موقع پر ہمیشہ مراد صرف سمت بلندی کی جانب اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ ای جھۃ العلو (روح) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان تین آیتوں کے ختم پر لفظ تین مختلف آئے ہیں۔ پہلے للمومنین، پھر لقوم یوقنون اور پھر لقوم یعقلون۔ ان میں ایک خاص ترتیب ہے۔ گویا مخاطبین سے کہا یہ گیا ہے کہ تم اگر ایمان والے ہو تو خود ہی ان دلائل کو سمجھ جاؤ گے لیکن اگر ایمان سے محروم ہو جب بھی حق کے طالب تو ہوگے۔ جب ہی انہیں سمجھ سکتے ہو۔ اور یہ بھی نہ ہو تو آخری درجہ میں بہر حال صاحب فہم تو ہی ہو اسی فہم سے کام لو۔ جب بھی کافی ہے۔

لَمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٨﴾ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا

اُس نے انہیں سنا ہی نہیں سو اُسے عذاب دردناک کی خوشخبری سنا دیجئے ۴ے اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے

شَيْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٩﴾ ؕ مِنْ

کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اُس کی ہنسی اُڑاتا ہے، یہی لوگ تو ہیں جن کے لئے ذلت کا عذاب ہے ۵ے اُن کے

وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا وَّلَا مَا

آگے جہنم ہے اور اُن کے کام نہ تو وہ چیزیں کچھ بھی آئیں گی جو یہ کما گئے اور نہ وہ جن کو

اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠﴾ ؕ هٰذَا

انہوں نے اللہ کے سوا کارساز تیار کیا تھا اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے ۶ے یہ (قرآن)

هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ

ہدایت ہی ہے اور جو لوگ اپنے پروردگار کی نشانیوں سے کفر کرتے ہیں اُن کے لئے سختی کا عذاب

اَلِيْمٌ ﴿١١﴾ ع اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ

دردناک ہے اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر بنایا تاکہ اس میں اس کے حکم سے کشتیاں

بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢﴾ ۚ

چلیں اور تاکہ تم اس کی (دی ہوئی) روزی تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر کرو ۷ے

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ

اور اُس نے تمہارے لئے مسخر بنایا جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کو اپنی طرف سے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿١٣﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بے شک اس میں اُن لوگوں کے لئے نشان ہیں جو غور کرتے رہتے ہیں ۸ے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں آپ اُن سے کہہ دیجئے

يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا ۢ بِمَا كَانُوْا

کہ اُن سے درگزر کریں جو اللہ کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے، تاکہ اللہ ایک قوم کو اُن کے

ف۴ (کہ وضوحِ حق کے بعد روشِ استکبار کی سزا عذابِ الیم ہی ہے) فَبِاَيِّ...... يُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی توحید، معاد، نبوت وغیرہ مسائلِ حقہ کا اثبات انہیں آیات ہی سے تو ہوتا ہے۔ سواب اور کون چیز باقی ہے جس پر ان کے ایمان لانے کی توقع کی جاسکے۔ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ۔ مراد بعد ایات اللہ ہی ہے الفاظ جس ترتیب و ترکیب کے ساتھ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ اس نے کلام میں زور و تاکید پیدا کردی ہے۔ تقدیم اسم اللہ للمبالغة و التعظیم (بیضاوی) بَعْدَ اللّٰهِ میں بعد سے مراد بعض نے بعد کتاب اللہ لی ہے۔ اور کتاب کو محذوف سمجھا ہے۔ بَعْدَ اللّٰهِ میں بعد کے معنی "اس سے بڑھ کر" کے ہیں۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے آیت سے یہ نکتہ بھی اخذ کیا ہے کہ ایمان میں تقلید کافی نہیں۔ ہر مکلف کو دینِ الٰہی کے دلائل پر غور و تفکر بھی کرنا چاہے۔ ابطل بهذاقول من یزعم ان التقلید کاف وبیّن انه یجب علی المکلف التامل فی دلائل دین الله (کبیر)

ف۵ چونکہ انکار و تکذیب کی بنیاد استکبارِ نفس پر تھی، اس لئے عذابِ مہین (ذلیل و رسوا کرنے والے) کی مناسبت بالکل ظاہر ہے۔ اِذَا...... هُزُوًا۔ استہزاء و تمسخر کا درجہ محض انکار و تکذیب سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔ ف۶ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ کی تصریح سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ وہ عذاب علاوہ مُهِيْنٌ ہونے کے باعث تفضیح و رسوائی ہونے کے شدید بھی بہت سخت ہوگا۔ مَا كَسَبُوْا۔ اس کے عموم میں دنیا کے احوال، اعمال سب داخل ہیں۔ ف۷ اور اس شکر گزاری کی سب سے بڑی فرد یہ ہے کہ اللہ کی توحید و ربوبیت کا اقرار کرو، اور اس کے احکام کی تعمیل۔ سَخَّرَ لَكُمْ۔ یعنی تمہارے نفع کے لئے اپنے احکامِ تکوینی کا تابع بنایا — خطاب یہاں عام نوعِ انسانی سے ہے۔ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ۔ یعنی تاکہ تم ان کشتیوں پر سوار ہو کر اور سفر کر کے ہر طرح کے نفع حاصل کرو۔ مِنْ فَضْلِهٖ۔ فضل۔ یہاں بہت وسیع معنی میں ہے۔ بحری تجارت، بحری شکار، جہاز رانی سیپی، موتی، مونگے کا کاروبار، غواصی وغیرہ سب کچھ اس میں آجاتا ہے۔ التجارة والغوص والصید وغیرها (بیضاوی) بِاَمْرِهٖ۔ میں اشارہ کردیا کہ سمندر کا اتنا مسخر ہو جانا یہ تمامتر احسانِ خداوندی ہے۔ بندہ اسے اپنی قابلیت و قوتِ ایجاد کی جانب منسوب کر کے اپنے اوپر نازاں نہ ہو۔ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ۔ ایات رب سے یہاں مراد قرآن بھی لی گئی ہے۔ لان ایات ربهم هی القرأن ای هذا القرأن کامل فی الهدایة (مدارک) ف۸ غور و فکر کی قوتیں بھی اللہ کی دی ہوئی ہیں اور ان سے اگر صحیح طور پر کام لیا جائے، تو ہدایت و معرفت ہی کی راہیں کھلتی رہیں گی — اصطلاحی فلسفہ قدیم یونان کا ہو یا یورپ کا وہ عقل و استدلال کے استعمال کا نہیں، سوءِ استعمال کا نمونہ ہے، اور غور و فکر کو ایک مسخ شدہ صورت میں پیش کرتا ہے۔ سَخَّرَ...... مِنْهُ۔ اس آیت نے اسے صاف کردیا کہ سورج، چاند، ستارے، ہوا، خشکی، تری، کی جتنی بھی قوتیں ہیں۔ انسان ان سب کو اپنے کائناتی تصرف میں لائے گا اور جوں جوں قوانینِ فطرت کا زیادہ راز دار ہوتا جائے گا، منشاءِ فطرت اور زیادہ پورا ہوتا جائے گا۔ مِنْهُ۔ اس تصریح نے اسے صاف کردیا کہ یہ تسخیرِ فطرت کی بھی ساری نعمت تمامتر اللہ ہی کی دی ہوئی ہے، کوئی دیوی دیوتا اس میں شریک نہیں۔ یعنی انه سبحانه مکونها و موجدها بقدرته و حکمته ثم مسخرها لخلقه (روح) قَوْمًا۔ ایک قوم کو یعنی اہلِ ایمان کو۔

يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ

اعمال کا صلہ دے و۹ جو کوئی بھی نیک عمل کرتا ہے، سو اپنی ذات کے لئے کرتا ہے اور جو کوئی برائی کرتا ہے

فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ

اس کا بھی وبال اسی پر رہتا ہے پھر تم کو واپس اپنے پروردگار کی طرف جانا ہے و۱۰ اور ہم نے بنی اسرائیل کو

اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ

کتاب اور حکمت اور نبوت دی تھی اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزیں

الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ

مہیا کردیں اور ہم نے انہیں دنیا جہان والوں پر فضیلت دی تھی و۱۱ اور ہم نے انہیں دین کے باب میں کھلی ہوئی

الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًا

دلیلیں دی تھیں سو انہوں نے علم آنے کے بعد بھی باہم اختلاف کیا آپس کی

بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ

ضد سے و۱۲ بے شک آپ کا پروردگار اُن کے درمیان اُن امور میں فیصلہ کردے گا جن میں یہ

يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا

اختلاف کیا کرتے تھے و۱۳ پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کردیا سو آپ اُسی پر چلے جائیے

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ

اور بے علموں کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے و۱۴ یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپ کے ذرا بھی

مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ

کام نہیں آسکتے، ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں،

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ

اور پرہیزگاروں کا دوست تو اللہ ہے و۱۵ یہ (قرآن) لوگوں کے لئے دانشمندیوں (کا سبب) اور ہدایت (کا ذریعہ) ہے اور

و۹ يَغْفِرُوْا۔ غفر۔ یہاں عفو کے مرادف ہے۔ اے یعفوا ویصفحوا (بیضاوی) لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے اہم سے اہم جو معاملات بندوں کے ساتھ حشر میں پیش آئیں گے۔ مثلاً یہ کہ فرمانبرداروں پر عطاؤ بخشش ہوگی اور نافرمانوں پر نزول عذاب وشدت ہوگا۔ منکرین قیامت ان سارے امور کی طرف سے اپنے کو غافل ہی بنائے ہوئے ہیں۔ اَيَّامَ اللّٰهِ۔ پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔

و۱۰ (وہاں مطیعون کو اپنی طاعتوں کا بدل بلکہ نعم البدل ملے گا اور سرکشوں کو اپنے کرتوتوں کا بدلہ۔ دنیا میں ان نافرمانوں سے درگزر ہی مناسب ہے) آیت کا مقصود اس انتقام سے روکنا ہے جس سے مقصود اپنے غیظ کی تسکین ہوتی ہے۔ باقی قتال جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہوتا ہے اس سے نفیاً واثباتاً آیت کو کوئی تعلق نہیں۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ۔ یہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ جو کوئی بھی نیک عمل کرتا ہے اپنے ہی نفع کے لئے کرتا ہے کسی دوسرے پر احسان نہیں کرتا — جاہلی قومیں یہ سمجھتی تھیں کہ کسی دیوی دیوتا کی پوجا کرنا خود اس پر کرم کرنا اور اس کو زیربار منت کرنا ہے۔ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا۔ یہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ بدی کا وبال خود اس بدی کے مرتکب پر پڑتا ہے۔ دوسروں کو اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ و۱۱ (بحیثیت علمبردار توحید ہونے کے دنیا کی ساری مشرک قوموں کے درمیان) الْكِتٰبَ۔ یعنی توریت نیز بعض دوسرے انبیاء بنی اسرائیل پر اتارے ہوئے دوسرے صحیفے الْحُكْمَ۔ یعنی حکمت ومعرفت۔ النُّبُوَّةَ۔ قدیم قوموں میں جب تک تقسیم کی بنیاد نسل پر رہی۔ شرف و امتیاز نبوت نسل اسرائیل ہی کو حاصل رہا۔ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ۔ الطیبات کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر حلال، نفیس، پاکیزہ چیز اس کے تحت میں آجاتی ہے۔ اشارہ خصوصی حکومت ملک شام کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ جو اپنی نفیس پیداوار کے لئے خاص طور پر مشہور تھا۔ و۱۲ کیا ٹھکانا تھا ان کی ضد، جہالت ونفسانیت کا کہ جو شے دافع اختلاف ہوسکتی تھی۔ یعنی العلم یا وحی، عین اسی کو باعث تفریق وشقاق بنالیا! بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ۔ الامر سے مراد دین ہے۔ اور بینات کے تحت میں دلائل ومسائل یعنی حسی اور معنوی اور علمی ہر طرح کی ہدایتیں آگئیں۔ و۱۳ (سو آپ یہاں ان کی ہدایت کے زیادہ درپے نہ رہیں) آخرت میں فیصلہ عملی اور مشاہداتی رنگ میں ہوگا۔ دلائل وشواہد کے لحاظ سے تو فیصلہ آج بھی موجود ہے۔

و۱۴ یہ شیوہ تو ظالموں، فاسقوں کا ہے کہ ایک دوسرے کی راہ پر چلنے لگتے ہیں۔ آپ کو بھلا اس سے کیا مناسبت ہے۔ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ۔ یعنی آپ کو نبوت سے سرفراز کیا۔ الْاَمْرِ سے مراد دین ہے۔ اے من امر الدین۔ (بیضاوی) الْاَمْرِ۔ ہوسکتا ہے کہ ال استغراق کا ہو۔ تو مراد یہ ہوگی کہ ہم نے ہر امر عظیم ومہتم بالشان میں آپ کو راہ دکھادی اور آپ کسی امر میں بھی بے راہ نہیں رہے۔ فَاتَّبِعْهَا۔ یعنی دین حق کا اتباع اپنے عمل سے بھی کرتے رہئے، اور تعلیم و تبلیغ سے بھی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شریعت کی مخالفت کرکے قرب و کمال کا دعوی کرنا تمامتر دعوئے باطل کرنا ہے۔ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی جو لوگ علم حقیقت سے بے بیگانہ ہیں، ناآشنائے ایمان، منکرین حق۔ و۱۵ (تو آپ تو پرہیزگاران عالم کے سرور وسردار ہیں، حق تعالی آپ کا دوست وکارساز تو بدرجہ اولی ہوگا) اِنَّ — بَعْضٍ۔ ظالم سے یہاں بھی مراد کافر ہی ہیں۔ نافرمانوں اور سرکشوں کی باہمی نصرت ومعاونت کی ایک تازہ اور نمایاں مثال عین اس تفسیر کی تحریر کے وقت پیش نظر ہے۔ مسیحیوں کو یہود سے اور یہود کو مسیحیوں سے جو عداوت وبیزاری ہے۔ تاریخ کے اوراق سے ظاہر ہے اور قاتلان ”ابن اللہ“ اور پرستاران ”ابن اللہ“ کے درمیان یہی ہونا بھی تھا۔ لیکن بایں ہمہ اس وقت علاقہ فلسطین میں یہود کی آبادی یہود کی مستقل حکومت کے قیام اور یہودیت کے فروغ میں سب سے زیادہ کوشاں یورپ اور امریکہ کی مسیحی ہی سلطنتیں ہیں!

لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۲۰﴾ اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ

یقین لانے والوں کے لئے بڑی رحمت ہے ۔ و۱۶ کیا جولوگ بُرے بُرے کام کررہے ہیں اس خیال میں ہیں کہ

اَنۡ نَّجۡعَلَہُمۡ کَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً

ہم انہیں اُن جیسا رکھیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کی زندگی

مَّحۡیَاہُمۡ وَ مَمَاتُہُمۡ ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَ خَلَقَ اللّٰہُ

اور ان کی موت یکساں ہی رہیں سو کیسا برا حکم یہ لوگ لگاتے ہیں و۱۷ اللہ نے آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَ لِتُجۡزٰی کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا

زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر شخص کو اُس کے کئے کا

کَسَبَتۡ وَ ہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ

بدلہ دیا جائے اور اُن پر ذرا ظلم نہ کیا جائے گا و۱۸ سو کیا آپ نے اُس شخص کی بھی حالت دیکھی ہے، جس نے اپنی خواہش نفسانی کو

ہَوٰىہُ وَ اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلۡمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰی سَمۡعِہٖ وَ قَلۡبِہٖ وَ

اپنا خدا بنا رکھا ہے اور اللہ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور اُس

جَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشٰوَۃً ؕ فَمَنۡ یَّہۡدِیۡہِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰہِ ؕ

کے کان اور اُس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے و۱۹ سو ایسے کو بعد اللہ کے اور کون ہدایت کرے

اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَ قَالُوۡا مَا ہِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ

تو کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟ و۲۰ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دنیوی حیات کے اور کوئی حیات نہیں ہم (بس ایک ہی بار)

وَ نَحۡیَا وَ مَا یُہۡلِکُنَاۤ اِلَّا الدَّہۡرُ ۚ وَ مَا لَہُمۡ بِذٰلِکَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ

مرتے اور (بس ایک ہی بار) زندگی پاتے اور ہم کو صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے درآنحالیکہ اُن کے پاس اُس کی کوئی دلیل نہیں،

اِنۡ ہُمۡ اِلَّا یَظُنُّوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ مَّا کَانَ

یہ محض اٹکل سے ہانک رہے ہیں، و۲۱ اور جب اُن کے سامنے ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو اُن کے پاس

ع ۲/۱۸

و۱۶ هٰذَا...... هُدًی۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کا مجموعۂ بصیرت وہدایت ہونا ہر ایک کے لئے کھلا ہوا ہے۔ اس کی ان خصوصیات سے فائدہ سب ہی اٹھا سکتے ہیں۔ وَرَحۡمَۃٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ۔ لیکن ثمرۂ عمل یعنی رحمت خاصہ یہ مخصوص اہل ایمان ہی کے ساتھ ہے۔ بَصَآئِرُ بعض محققین نے کہا ہے کہ بَصَآئِرُ بصیغۂ جمع لانے میں نکتہ یہ ہے کہ قرآن مجید سارے ہی مہمات کے لئے کافی ہے۔ ایک دو کے لئے نہیں۔ و۱۷ مطلب یہ ہے کہ نافرمان جس طرح اپنے اکثر حالات وآثار تکوینی کے لحاظ سے فرمانبرداروں کے ساتھ دنیا میں ملے جلے رہتے ہیں اور موت، بیماری، رزق وغیرہ کے اعتبار سے کوئی ظاہری فرق، کھلا ہوا امتیاز، محض سرکشی واطاعت کی بنیاد پر دیکھنے میں نہیں آتا، کیا اس طرح کا خلط ملط عالم ابتلاء کے بعد بھی قائم رہے گا؟ ہرگز نہیں، عالم حقائق میں اہل طاعت اور اہل طغیان کے حالات و آثار تو ایک دوسرے سے بیّن طور پر ممتاز اور نمایاں طور پر جدا ہوں گے۔ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ۔ سیات کے تحت میں کفر، شرک، معصیت سب شامل ہیں، لیکن یہاں ایمان وعمل صالح کے مقابلہ میں آنے سے اغلبًا مراد سیات کفر ہی سے ہے۔ والمراد بها سيات الكفر (روح) والسيات هنا سيات الكفر (بحر) سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ۔ دونوں میں یکسانی اگر واقعی اور مستقل رہی تو پھر تو قانون مجازات باطل ہی گیا۔ اور مکافاتِ عمل کے کوئی معنٰی ہی نہ رہے۔ و۱۸ یعنی اس بدلہ میں ظلم زیادتی ذرا سی بھی نہ ہوگی۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ آسمان و زمین کا محض خالق ہی نہیں بلکہ حکمتوں اور مقصدوں کے ساتھ ان کا خالق ہے۔ اور یہ ایک حکمت یہی قانون مجازات ہے، دنیا میں پورا پورا بدلہ ملتا نہیں۔ اس لئے لازمی ہے کہ ایک دوسرا عالم ہو۔ جس میں انصاف رتی رتی کا کیا جائے۔ اور سب کے سب اسے محسوس بھی کریں۔ و۱۹ (کہ حق کو سننے سمجھنے کے باوجود بھی اتباع خواہش نفس سے گمراہ ہوگیا) مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ۔ خداوندی ضابطوں کو یکسر بھلا کر زندگی اور اجزائے زندگی کا حاکم اپنی عقل کو یا کسی بشری قانون اعلیٰ کو بنا لینا عملاً اپنی خواہش نفس ہی کی پوجا کرنا ہے۔ اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلۡمٍ۔ حق تعالیٰ کا اسباب ضلالت کو تکوینی طور پر خلق کر دینا یہی اس کی طرف سے اضلال ہے۔ خَتَمَ...... غِشٰوَۃً۔ یہ کان اور دل پر مہر لگ جانا اور آنکھوں پر پردہ پڑ جانا ابتداءً حق تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہوا، بلکہ یہ تو عین نتیجہ نکلا۔ ان کی ارادی پیروی نفس کا ـــ ان حاشیوں میں اس مسئلہ کی تصریح بار بار کی جاچکی ہے۔ و۲۰ سمجھنے سے مراد ایسا سمجھنا ہے جو نافع ہو اور ہدایت کی طرف لے آئے۔ باقی سمجھنا اگر اپنے عام مفہوم میں بھی نہ ہوتا تو سرے سے یہ لوگ قابل خطاب وعتاب ہی نہ رہ جاتے، بلکہ معذور سمجھ لئے جاتے۔ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰہِ۔ بعد یہاں غیر یا سوا کے معنٰی میں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اور متعدد مقامات پر آیا ہے۔ قيل المعنى فمن يهديه غير الله سبحانهٗ (روح) بعض نے کہا ہے کہ مراد بعد اضلال اللہ سے ہے۔ یعنی اللہ کے گمراہ کر دینے کے بعد سے۔ اے من بعد اضلاله (بیضاوی) اے من بعد ان اضلّهُ الله (کبیر) مطلب یہ ہوا کہ ایسوں کی استعداد قبول حق اتنی مضمحل ہو جاتی ہے کہ کوئی توقع کسی انسانی تدبیر سے ان کی اصلاح کی نہیں رہ جاتی۔ و۲۱ عرب خصوصاً وسطی اور جنوبی عرب میں کثرت سے لوگ اس عقیدہ ومشرب کے تھے کہ نہ کوئی حیاتِ اخروی ہے نہ کوئی جزا وسزا۔ جو کچھ ہو رہا ہے سب قوانین مادی وطبعی کے لحاظ سے ہو رہا ہے۔ انہیں کی ماتحتی میں انسان کو موت بھی آجاتی ہے اور انہیں کے مطابق انسان پیدا بھی ہوتا ہے۔ ان کے بڑے بڑے شاعر یہی مضمون باندھ گئے ہیں۔ گویا جاہلیت کے ''روشن خیال'' کا ٹھیک وہی مسلک تھا جو آج کے مہذب ''روشن خیال'' فرنگی کا ہے۔ مادیت (میٹریلزم) کا مسلک دنیا کا ''جدید ترین'' نہیں، بہت قدیم مذہب ہے۔ قال ذلک مشرکو قریش (جصاص عن قتادة) هذا قول زنادقة قريش الذين كانوا ينكرون الصانع الحكيم وان الزمان ومضى الاوقات هو الذى يحدث هذه الحوادث (جصاص) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی الدَّہۡرُ۔ بعض عرب ''دہر'' یا ''زمان'' کو ایک مستقل دیوتا کی حیثیت سے مانتے تھے۔ وَمَا لَہُمۡ...... یَظُنُّوۡنَ۔ یہ ان مدعیانِ عقل و ''روشن خیالی'' کی تجہیل ہے۔ وجود باری اور وقوع قیامت پر جو دلائل قائم ہیں ان کی تو یہ کچھ تردید کر پاتے نہیں۔ اور خود جو دعویٰ نفی جزاء وسزا کا اور اثبات دہریت کا کرتے ہیں۔ اس پر کوئی دلیل ضعیف سی بھی نہیں رکھتے۔ بلکہ یہ ادھر اُدھر کی جو خیالی باتیں کر رہے ہیں وہ سرتا سر سطحی بلکہ بالکل بے مغز ہیں۔

حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ

کوئی اور جواب نہیں ہوتا بجز اس کے کہ کہنے لگتے ہیں کہ (اچھا تو) اگر (بڑے) سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو لے آؤ ف۲۲

اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ (ہی) تم کو زندہ رکھتا ہے پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے پھر وہی تمہیں قیامت کے دن اکٹھا کرے گا

رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع وَلِلّٰهِ مُلْكُ

جس میں ذرا شبہ نہیں لیکن اکثر لوگ (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے ف۲۳ بس اللہ ہی کی سلطنت ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ

آسمانوں اور زمین میں اور جس روز قیامت قائم ہو گی اُس روز اہل باطل

الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى

بڑے خسارہ میں ہوں گے ف۲۴ اور آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ دوزانو ہوں گے، ہر جماعت اپنے رجسٹر کی طرف

اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا

بلائی جائے گی آج تمہیں تمہارے کئے کا بدلہ ملے گا ف۲۵ یہ ہمارا رجسٹر ہے

يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ

جو تمہارے حق میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے تم جو کچھ بھی کرتے رہتے تھے، ہم سب لکھواتے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

جاتے تھے ف۲۶ سو جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے تھے

فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾

تو اُن کو اُن کا پروردگار اپنی رحمت میں داخل کرے گا صریح کامیابی یہی تو ہے

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۫ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

اور جو لوگ کافر تھے سو (اے کافرو) کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں

ع ۳ / ۱۹

ف۲۲ (از سرنو زندہ کر کے) گویا کوئی بندہ جب چاہے مردہ کو زندہ کر کے لاسکتا ہے! کسی مومن کا دعویٰ کسی نبی، رسول یا فرشتہ کے متعلق کبھی یہ رہا ہے؟ حواس پرستوں کی عقلیں ایسی ہی ماری جاتی ہیں! — عقلی دلیل کو مشاہدہ کی سطح پر اتار لانے اور اسی میں اس کو محدود و محصور رکھنے کے لحاظ سے کس قدر مشابہت عرب کے "دہری" اور فرنگستان کے (Materialist) کے درمیان ہے۔ ف۲۳ یعنی یہ احیاء و اماتت، زندگی بخشنے اور موت واقع کرنے کے اعمال تو حق تعالیٰ جو قادر مطلق ہے وہی صادر کرتا رہتا ہے اور وہی قیامت کے دن احیاء ثانی بھی کرے گا — یہ کسی بندہ کے اختیار کی، تصرف کی بات ہی کب ہے۔ جو تم اس کا عملی اور مشاہداتی ثبوت ہم مسلمانوں سے چاہتے ہو۔ ف۲۴ (جب دیکھیں گے کہ اب کوئی سہارا نام کو بھی موجود نہیں اور کچھ بھی کسی صورت سے بنائے نہیں بنتی) وَلِلّٰهِ...... الْاَرْضِ۔ زمین و آسمان میں کہیں بھی کسی دوسرے کی ملکیت و شرکت نہیں۔ وہی اکیلا مالک و متصرف ہے جب اور جس طرح جو کچھ چاہے کرے۔ ف۲۵ یہ ہر امت سے پکار کر کہا جائے گا۔ اَلْيَوْمَ۔ مراد یوم حشر کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ جَاثِيَةً۔ کھلے ہوئے معنی تو یہ ہیں کہ حساب کے وقت سب ادب سے دوزانو ہوں گے۔ دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ خوف سے زانو کے بل گر پڑیں گے۔ وهی هيئة المذنب الخائف المنتظر لمايكره (روح) اس معنی میں آیت مخصوص ہوگی غیر مقبولین اہل باطل کے ساتھ۔ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا۔ رجسٹر کی طرف بلائی جائے گی۔ یعنی اس رجسٹر کے مطابق حساب و کتاب کے لئے طلب کی جائے گی۔ ورنہ نفس رجسٹر یا نامہ عمل تو ظاہر ہے کہ خود ہی سب کے ہاتھ میں ہوگا۔ ف۲۶ (فرشتوں سے اور ان کے لکھنے میں کسی غلطی کے رہ جانے کا احتمال و امکان ہی نہیں) یہ سارا قول ان اہل دوزخ سے پکار کر کہا جائے گا۔ كِتٰبُنَا۔ یعنی ہمارا لکھوایا ہوا رجسٹر۔ ابھی ابھی کتٰبھا میں اس رجسٹر کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی تھی۔ اس حیثیت سے کہ رجسٹر میں اعمال تو بندوں ہی کے درج ہوں گے۔ اور اب اسی کتاب کی نسبت حق تعالیٰ اپنی جانب کر رہا ہے۔ یہ اس اعتبار سے کہ وہ رجسٹر لکھوایا ہوا تو حق تعالیٰ ہی کا ہے۔ يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ۔ تمہارے خلاف صاف صاف گواہی دے رہا ہے۔ تمہاری بدکرداریوں کو پوری طرح ظاہر کر رہا ہے۔ بِالْحَقِّ۔ بالکل ٹھیک ٹھیک، نپی تلی بات، بغیر کمی و زیادتی کے شائبہ کے۔

فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ

لیکن تم اکڑے رہے اور تم لوگ بڑے مجرم تھے ف۲۷ اور جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ

اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا

اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں تو تم کہا کرتے تھے ہم نہیں جانتے

السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾

قیامت ہے کیا چیز، ہاں ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے اور ہم (اس پر) یقین کرنے والے نہیں ف۲۸

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

(آج) اُن پر اُن کے اعمال کی ساری برائیاں کھل کر رہیں، اور انہیں گھیر لیا اُس چیز نے جس کی

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ

یہ ہنسی اُڑایا کرتے تھے ف۲۹ اور (ان سے) کہا جائے گا کہ آج ہم تمہیں بھلائے دیتے ہیں جیسا کہ تم نے اپنے اس دن کے

يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ

آنے کو بھلا رکھا تھا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ف۳۰ یہ (سزا) اس لئے ہے

بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ

کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو ہنسی بنا رکھا تھا اور تم کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا تو آج تو یہ لوگ

لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

نہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے (اللہ کی) خفگی دور کی جائے گی ف۳۱ خوبیاں (سب کی سب) اللہ ہی کے لئے

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ

ہیں (جو) آسمانوں کا پروردگار ہے، زمین کا پروردگار ہے، سارے جہانوں کا پروردگار ہے، ف۳۲ بس اسی کے لئے

الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾

آسمانوں اور زمین میں بڑائی ہے اور وہی زبردست ہے، حکمت والا ہے ف۳۳

ع ۱۱/۲۰

ف۲۷ یہ پورا فقرہ کافروں سے خطاب کر کے قیامت میں کہا جائے گا۔ صیغۂ غائب سے معاً صیغۂ مخاطب کی طرف منتقل ہو جانا تاکہ کلام میں اثر و قوت زیادہ پیدا ہو جائے۔ عربی اسلوب بلاغت میں عام تھا اور اس کو صنعت التفات کہتے ہیں — اور یہاں اس سے مقصود عتاب کی اہمیت ہے۔ ف۲۸ اور یہی جواب آج کل کے "روشن خیالوں" کی زبانوں پر بھی چڑھا ہوا ہے۔ قُلْتُمْ...... السَّاعَةُ۔ یہ جواب تم دیا کرتے اور بڑی بے پروائی اور شان استغناء کے ساتھ دیا کرتے تھے۔ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا۔ ایسا ظن و گمان جو ہر کہی سنائی بات کے متعلق کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے۔ حضرت اکبر الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر آج کل کے روشن خیالوں کو مخاطب کر کے ہے۔

جو ذکر آتا ہے آخرت کا تو آپ ہوتے ہیں صاف منکر
خدا کی نسبت بھی دیکھتا ہوں یقین رفت و گمان کافی

ف۲۹ حقائق سارے کے سارے آئینہ ہو کر رہے۔ اور اسی میں ان کا اپنا معذب ہونا بھی آ گیا۔ وَحَاقَ...... يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ یہ گھیر لینے والی چیز جس کی یہ ہنسی اڑایا کرتے تھے ظاہر ہے کہ عذاب آخرت ہی ہے۔ ف۳۰ (جو تمہاری سزا کچھ ہلکی ہی کرا سکے) نَنْسٰىكُمْ فعل انساء (بھلا دینا) جب حق تعالیٰ کی جانب منسوب ہوتی ہے تو نعوذ باللہ کوئی سہو یا ضعف حافظہ تو مراد ہو نہیں سکتا — یہ تو ملائکہ تک کے حق میں ممکن نہیں — مراد صرف مجازی سے ہو سکتی ہے، یعنی کافروں کو رحمت حق کے التفات سے محروم کر دیا جائے گا۔ ف۳۱ یعنی قیامت میں اس کا موقع ہی نہ ہو گا کہ توبہ کر کے اللہ کی ناراضگی کو دور کیا جائے۔ وَغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ انکار آخرت کی اصل بنا یہی دنیا کی مشغولی اور اس میں انہماک تھا۔ ف۳۲ یعنی نہ آسمان اور نہ زمین اور نہ یہ جہان خود کسی جہت سے معبود یا قابل پرستش ہے جیسا کہ مشرکوں نے سمجھ رکھا ہے اور نہ کوئی اور دیوی دیوتا ہی قابل پرستش ہے۔ رَبِّ السَّمٰوٰتِ۔ آسمان یا فضائے آسمانی میں کہیں کسی دیوی دیوتا کا وجود نہیں۔ رَبِّ الْاَرْضِ۔ سارے روئے زمین کے کسی چپہ پر کوئی دیوی دیوتا وجود نہیں رکھتا۔ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ کائنات بھر میں کسی مقام پر کسی دیوی دیوتا کا وجود نہیں۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیئے۔ ف۳۳ وہ سب پر غالب و زبردست ہے۔ جب چاہے اپنی بڑائی کا علانیہ اظہار کر کے سب کی نام نہاد بڑائیوں کا خاتمہ کر دے لیکن اس کی صفت حکمت بھی سب پر غالب ہے، اپنی تکوینی مصلحتوں اور حکمتوں سے اسی عالم ابتلاء میں وہ اپنی کبریائی کا مشاہدہ اس اعلان کے ساتھ نہیں کراتا۔ وَلَهُ...... الْاَرْضِ۔ ترکیب کلام یعنی لَهُ کی تقدیم نے مفہوم میں حصر پیدا کر دیا ہے۔ یعنی کبریائی صرف اسی ایک کی ہے۔ کوئی اور اس میں شریک و سہیم نہیں۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں نہ کائنات کے کسی گوشہ میں۔

بحمد اللہ آج دوشنبہ ۳ محرم ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۷ نومبر ۴۷ء کو اس چھبیسویں پارہ کی تفسیر پر نظر ثانی سے فراغت پائی۔ اور نظر ثالث سے آج سہ شنبہ ۲۷ رجب ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۶ مئی ۱۹۵۰ء کو قبل ظہر۔

ایاتها ۳۵ | ٤٦ سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ ٦٦ | رکوعاتها ٤

اس کی پینتیس آیتیں | سورۂ احقاف مکہ میں نازل ہوئی | اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ۝١ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝٢

حا۔ میم (یہ) کتاب نازل کی ہوئی ہے اللہ غالب اور حکمت والے کی طرف سے ف۱

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ

ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے حکمت ہی کے ساتھ، اور ایک میعاد مقرر کے ساتھ

وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا

پیدا کیا ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ اس چیز سے جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے،

مُعْرِضُوْنَ ۝٣ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

بے رخی کئے ہوئے ہیں ف۲ آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتلاؤ کہ جن چیزوں کو تم پکارتے ہو، اللہ کے سوا،

اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي

مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کون سی زمین پیدا کی ہے یا یہ کہ اُن کا ساجھا

السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ

آسمان میں ہے میرے پاس کوئی کتاب لاؤ جو اس سے پہلے کی ہو یا کوئی مضمون منقول (معتبر)

عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٤ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا

لاؤ اگر تم سچے ہو ف۳ اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہو گا جو اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

کسی اور کو پکارے جو قیامت تک بھی اُس کی بات نہ سنے

ف۱ پس جب متکلم ایسا ہے جو سب پر غالب وقادر بھی ہے اور سب سے بڑا حکیم بھی تو اس کا کلام بھی بہت اہم اور نہایت درجہ قابل غور ہے۔ حٰمٓ اور اس پوری آیت پر حاشیے قریب ہی کی سورتوں میں کئی بار گذر چکے ہیں۔ ف۲ کافروں اور منکروں کی اصلی بدبختی یہ ہے کہ وہ حقائق کی طرف توجہ والتفات ہی نہیں کرتے۔ آیت سے تین عقیدوں کی تعلیم نکلی، اور تین زبردست گمراہیوں کی تردید۔ وَمَا خَلَقْنَا الخ سارے موجوداتِ عالم کا خالق حق تعالیٰ ہی ہے۔ کوئی شے خود بخود وجود میں نہیں آ گئی ہے...... عقیدۂ دہریت وقدامت مادہ وروح وغیرہ کی تردید۔ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ ہر شے کسی نہ کسی خاص حکمت یا مقصود کے ساتھ ہی پیدا کی گئی ہے جو خالق کائنات ہے وہ حکیم کل بھی ہے...... عقیدۂ آفرینش بے مقصد اور بعض اقسام شرک کی تردید۔ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى۔ ہر شے فناء پذیر ہے، اور ایک مدت ومیعاد مخصوص ہی کے لئے پیدا کی گئی ہے...... عقیدہ معاد کا اثبات اور عقیدہ مخلوق غیر فانی کی تردید۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توحید ومعاد پر دلائل قائم کر دیئے، رسول پر رسول بھیجے، کتابوں پر کتابیں نازل کیں، رسولوں نے آ کر ایک ایک تک پیام پہنچایا، ہر شبہ کو دور کیا، یہ سب کچھ ہوا، لیکن جو ہٹ دھرم کافر ہیں، وہ اپنے جمود پر اڑے رہے، انہوں نے غور والتفات ہی کو گناہ سمجھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ فکر واستدلال سے کام لینا واجب ہے اور کام نہ لینا موجب ملامت۔ وهذا يدل على وجوب النظر والاستدلال وعلى ان الاعراض عن الدليل مذموم فى الدين والدنيا (کبیر) السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا۔ فقرہ سے مراد محاورۂ قرآنی میں ساری کائنات ہوتی ہے۔ ف۳ لوگ عموماً اثباتِ توحید پر دلائل قائم کرتے رہتے تھے۔ قرآن مجید نے اس سے آگے بڑھ کر اپنے مشرکوں سے اثباتِ شرک پر دلیل کا مطالبہ اور دہرا مطالبہ کیا ہے۔ اَرُوْنِيْ ...... السَّمٰوٰتِ۔ اے اہل شرک، ذرا بتاؤ کہ تمہارے دیوتاؤں کی شرکت خلقت زمین یا آسمان میں آخر کس حیثیت سے اور کس حد تک بھی ہے؟ جب تم زمین وآسمان کو بھی اللہ ہی کا مخلوق سمجھ رہے ہو تو یہ تو تم نے تسلیم کر لیا کہ یہ مخلوق معبود نہیں ہو سکتے، بلکہ ان کی معبودیت کی توہین نفی ان کی مخلوقیت سے نکل آئی۔ پھر آخر تم شرک پر کس عقلی دلیل کا سہارا پکڑے ہوئے ہو؟ یہ پہلا مطالبہ عقلی دلیل کا ہوا۔ اِيْتُوْنِيْ ...... مِّنْ عِلْمٍ۔ میری لائی ہوئی وحی کو جانے دو، تو اچھا یہی بتاؤ کہ کسی پچھلے نوشتہ آسمانی میں حکم شرک درج ہے؟ ...... یہ دوسرا مطالبہ نقلی دلیل کا ہوا۔ اَثٰرَةٍ۔ تنوین اظہار تقلیل کے لئے ہے۔ التنوين للتقليل (روح) یعنی ثبوت قطعی نہ سہی، ثبوت ظنی ہی سہی۔ محققین عارفین نے آیت سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ دین کے باب میں کوئی بھی دعویٰ بغیر دلیل معتبر کے مسموع نہ ہو گا، یہاں تک کہ دعویٰ کشف والہام بھی نہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ یعنی اگر تم اپنے دعوائے اثبات شرک میں صادق ہو۔ الْاَرْضِ۔ سے مراد ممکن ہے کہ جملہ سفلیات ہوں۔ يجوز ان يراد بالارض السفليات مطلقًا ولعله اولى (روح) السَّمٰوٰتِ۔ سے بھی اسی طرح مراد ممکن ہے کہ جملہ علویات ہوں۔ لعل الاولى فيها ايضًا ان تفسر بالعلويات (روح)

وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝۵ وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا

بلکہ انہیں اُن کے پکارنے کی خبر تک نہ ہو اور جب سب لوگ اکٹھے کئے جائیں تو وہ

لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝۶ وَ اِذَا تُتْلٰى

اُن کے دشمن نکلیں اور اُن کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں ف۴ اور جب اُن لوگوں کے

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا

روبرو ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، تو جو لوگ کافر ہیں وہ اس سچائی کی بابت جب وہ اُن تک

جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ؕ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ

پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے ف۵ تو کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس (شخص) نے قرآن گڑھ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے

افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا

کہ اگر میں نے اسے گڑھ لیا ہے تو تم لوگ مجھے اللہ سے ذرا بھی بچا نہیں سکتے ف۶ وہ خوب جانتا ہے جو جو باتیں

تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ؕ وَ هُوَ

تم قرآن کے باب میں بنا رہے ہو وہی میرے تمہارے درمیان کافی گواہ ہے اور وہ

الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۸ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَاۤ

بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحیم ہے ف۷ آپ کہہ دیجئے کہ میں رسولوں میں کوئی انوکھا تو ہوں نہیں، میں تو یہ بھی نہیں

اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَ لَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ

جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا میں تو بس اُسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے

وَ مَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۹ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ

اور میں تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والا ف۸ ہوں، آپ کہیے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن) اللہ ہی کی

اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى

طرف سے ہو اور پھر تم اس سے کفر کر رہے ہو، اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اس جیسی کتاب پر

ف۴ حاصل یہ کہ جن معبودوں سے تم لو لگائے بیٹھے ہو، ان کی معبودیت کا مقتضا تو کوئی ایک بھی نہیں۔ البتہ ان کی عدم معبودیت کے مقتضا ایک چھوڑ کئی کئی موجود ہیں۔ پھر بھی انہیں معبود سمجھے چلے جانا کتنی بڑی حماقت اور کیسی شدید گمراہی ہے! كٰفِرِيْنَ۔ کفر۔ یہاں مطلق انکار وتکذیب کے معنٰی میں ہے۔ اے مکذبین (روح) ف۵ (جو ہم پر مؤثر ہو جاتا ہے۔ لیکن حقیقت وحقانیت سے معری ہے) قرآن مجید کے متعلق ماضی کے "روشن خیال" کی تشخیص یہی تھی، اور حال کے "روشن خیال" کی "تحقیق" بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں، جب وہ یہ کہتا ہے کہ "موافق ماحول اور مناسب فضا نے محمد ﷺ کے کلام وپیام کو اس درجہ مؤثر وکامیاب بنا دیا۔" اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ۔ بَيِّنٰتٍ۔ میں صاف اشارہ اس طرف ہو گیا کہ قرآن مجید کا معارضہ ممکن نہیں۔ حالانکہ سحر جو اور جیسا بھی ہو اس کا معارضہ برابر ممکن رہتا ہے۔ قرآن مجید کی نفس تاثیر شدید سے انکار مشرکین عرب کے لئے بھی ممکن نہ تھا، فقط وہ اس کی توجیہ وتاویل دوسری کر لیا کرتے تھے اور ٹھیک وہی کج نظری آج تک یورپ اور یورپ زدہ حلقوں میں متوارث چلی آ رہی ہے۔ ف۶ (وہ مجھے ایسی شدید جسارت پر یقیناً عتاب میں مبتلا کرے گا) اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ۔ یعنی یہ کلام میں نے اپنی طرف سے گڑھا۔ اور پھر اسے منسوب حق تعالیٰ کی جانب کر دیا۔ ابھی ایک تشخیص "سحر" بیان ہوئی تھی، اب یہ دوسری تشخیص "افتراء" بیان ہو رہی ہے...... اور افتراء (ارادی واختیاری) کا سحر (اضطراری وغیر ارادی) سے بدتر وقبیح تر ہونا ظاہر ہی ہے۔ ف۷ (اپنے عام بندوں کے حق میں) هُوَ...... فِيْهِ۔ اس پر خوب روشن ہے کہ تم روز روشن سے انکار کئے چلے جا رہے ہو...... اس طرح کے اقوال رسول کی زبان سے بار بار اسی لئے ادا کر دیئے گئے ہیں کہ مخاطبین کا احساس ذمہ داری بیدار ہو، اور انکار قرآن زبان پر خوب سوچنے سمجھنے کے بعد لائیں۔ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ سو اب بھی اگر اپنی غلطیوں اور گمراہیوں کا اقرار کر لو تو اس کی مغفرت ورحمت تمہیں اپنے آغوش میں لے لینے کے لئے کھلی ہوئی ہے۔ ف۸ میں اپنے لئے نہ غیب دانی کا مدعی ہوں نہ مافوق الفطرت قوتوں کا۔ جیسے اللہ کے سب بندے، ویسا ہی میں بھی۔ فرق صرف اتنا کہ میرا رشتہ وحی الٰہی سے جڑا ہوا ہے اور میں توحید اور دین حق کی تبلیغ پر مامور ہوں۔ مَا...... الرُّسُلِ۔ سلسلہ نبوت ورسالت تو بہت قدیم ہے۔ خدا کو معلوم ہے کہ مجھ جیسے کتنے پیمبر پہلے بھی دنیا میں آ چکے ہیں۔ وَ مَا...... بِكُمْ۔ بغیر وحی الٰہی مجھے تو نہ اپنا حشر معلوم نہ تمہارا۔ اہل بدعات نے رسول ﷺ کے علم غیب وغیرہ سے متعلق جو عقیدے گڑھ رکھے ہیں، یہ آیت ان کے حق میں کیسی ضرب کاری ہے۔ لَا بِكُمْ۔ لَا معنٰی نفی کی تاکید کے لئے ہے۔ ولا لتاكيد النفي المشتمل على ما يفعل بي (بیضاوی)

مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ

گواہی دے اور ایمان لے آئے، اور تم تکبر ہی میں رہو ف۹ بے شک اللہ بے انصاف لوگوں کو

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾ ع وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ

ہدایت نہیں دیتا ف۱۰ اور یہ کافر ایمان والوں کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) اگر کوئی

خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ

اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ کر جاتے، اور جب ان لوگوں کو ہدایت نصیب نہ ہوئی تو کہنے لگتے ہیں

هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا

کہ یہ وہی پرانا جھوٹ ہے ف۱۱ حالانکہ اس کے قبل موسیٰ کی کتاب بھی رہنما اور رحمت تھی

وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ

اور یہ کتاب اُس کی تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں ہے تاکہ

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ ج اِنَّ الَّذِيْنَ

ظالموں کو ڈرائے ف۱۲ اور نیک لوگوں کے حق میں بشارت ہے، جن لوگوں نے کہا

قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر (اس پر) قائم رہے سو اُن لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ ج اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ج

غمگین ہوں گے یہی لوگ تو اہل جنت ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ

بعوض اُن کاموں کے جو وہ کرتے رہتے تھے ف۱۳ اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک

اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ

کرتا رہے، اُس کی ماں نے اُس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اُسے جنا

ع

ف۹ (تو تمہارا انجام کیا ہوگا) یعنی یقین واعتقاد کر کے نہ سہی، بطور فرض واحتمال بھی اگر اسے مان لو کہ یہ قرآن واقعی کتابِ الٰہی ہے اور تم اس سے خواہ مخواہ بھاگ رہے ہو، تو ذرا سوچو تو کہ کیسے خسارہ میں رہو گے؟ وَشَهِدَ ...... مِثْلِهٖ۔ قرآن مجید نے تو شَاهِدٌ بصیغۂ واحد کہا، اور صرف ایک ہی متدین وصاحب علم اسرائیلی کی شہادت کو فرض کیا تھا۔ واقعۃً وعملاً تو اس سے بڑھ کر معاملہ رہا۔ یعنی ایک نہیں متعدد متدین وصاحب علم اسرائیلی قرآن پر ایمان لا کر رہے بنی اسرائیل کا نام اس لئے لیا کہ وہی ایک صاحب کتاب قوم موجود تھی۔ اور اس قوم کا علم وفضل قریش کو بھی مُسلّم تھا۔ شَاهِدٌ کی تنوین اظہار عظمت وقدر کے لئے ہے۔ والتنوين للتفخيم (روح) شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۔ سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہی لی گئی ہے۔ اور مثلہ سے مراد توریت ہے۔ عن مسروق قال التوراة مثل القرآن وموسى مثل محمد صلی اللہ علیہ وسلم (ابن جریر) وقال الآخرون الشاهد هو موسى بن عمران (معالم) ف۱۰ (اور بے انصافی میں تم سے بڑھ کر اور کون ہوگا؟) یہاں اس قانون تکوینی کا اعلان ہے کہ جو لوگ خود اپنی ہدایت نہیں چاہتے، خلوئے ذہن کے ساتھ حقائق پر غور والتفات ہی نہیں کرتے۔ ہدایت ان کے سر زبردستی چپیک بھی نہیں دی جاتی۔ اور وہ ہدایت سے ہمیشہ محروم ہی رہتے ہیں۔ ف۱۱ (اور نبوت کے جھوٹے دعوے جس طرح ہمیشہ سے لوگ کرتے آئے ہیں، اسی طرح کا ایک جھوٹا دعویٰ یہ بھی ہے) لَوْ ...... اِلَيْهِ۔ روئسائے یہود اور سردارانِ قریش دونوں فخر وپندار تفوق میں جتلاء عوام عرب کو اسلام کی طرف بڑھتے دیکھ کر کہتے کہ یہ نیا دین قابل تصدیق ہوتا تو ہم ہی نہ سب سے پہلے اس کی طرف بڑھتے؟ تو جب ہم اس کی جانب نہیں بڑھے، تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ یہ دین خیر سے خالی ہے۔ مفسر ابن کثیر علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ اہل سنت یہ فقرہ لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ذرا سا بدل کر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق کہا کرتے ہیں کہ فلاں عمل اگر اچھا ہوتا تو حضرات صحابہ نہ اس کی جانب بڑھتے؟ اور جب انہوں نے سبقت نہ کی تو اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ عمل بدعت ہے اور خیر سے خالی۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ اشارہ رؤساء یہود اور سردارانِ قریش کی طرف ہے جو اس وقت تک انکار ومخالفت پر قائم تھے۔ من اليهود وقال قتادة نزلت في مشركي مكة (معالم) لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اشارہ عوام عرب کی طرف ہے جو اس وقت تک ایمان لا چکے تھے۔ وَاِذْ ...... قَدِيْمٌ۔ آج بھی "روشن خیال" فرنگی نبوت کو ایک قدیم، متوارث شعبۂ جنون ہی کہنے پر مصر ہے۔ ف۱۲ تو یہ بہت قدیم جھوٹ نہیں، بہت قدیم سچ ہے۔ حضرت موسیٰ کی کتاب توریت جو اپنے وقت میں اپنی قوم کے لئے رہنما اور باعث رحمت تھی۔ یہ نئی کتاب عین اس کی تصدیق کرنے والی ہے۔ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ ظلم یہاں بھی کفر کے معنی میں ہے۔ اي كفروا (مدارک) وَمِنْ قَبْلِهٖ۔ ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ اي ومن قبل القرآن (معالم) لِلْمُحْسِنِيْنَ۔ محسنین سے مراد صاحب عمل مسلمان ہیں۔ المؤمنين المطيعين (مدارک) لِسَانًا عَرَبِيًّا۔ اس میں اشارہ کلام مجید کی فصاحت ووضاحت بیان کی طرف بھی آ گیا۔ کلام عربی کے معنی کلام فصیح کے ہی ہیں۔ اي فصيحًا بينًا واضحًا (ابن کثیر) ف۱۳ جن لوگوں نے صدق دل سے اللہ کی توحید کا اقرار کیا اور پھر اسے چھوڑا نہیں، آخر وقت تک اسی عقیدہ پر قائم رہے تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو آخرت میں نہ کوئی خوف وہراس ہوگا اور نہ وہ غمگین ہی ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے لئے جنت ہی جنت ہے، چین ہی چین ہے اور یہ سب ان کے حسن عمل کا صلہ ہوگا۔ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا اقرار توحید کے بعد پھر اس پر قائم وثابت قدم رہنا اور ہر آزمائش میں پورے اترتے رہنا بہت بڑی چیز ہے اور مدح خاص کی مستحق۔ عین جس وقت ان سطروں پر نظر ثالث ہو رہی ہے (۱۹۵۰ء میں) ہندوستان یا بھارت میں آیت کے اس جزء کی قدر خاص طور پر ہو رہی ہے۔ سورۂ حٰمٓ السجدہ (پ۲۴) میں بھی یہی مضمون ایک آیت میں آ چکا ہے۔

وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ

اور اُس کا حمل اور اُس کی دودھ بڑھائی تیس مہینوں میں ہو پاتی ہے ف۱۴ یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری پختگی کو پہنچ جاتا ہے اور

اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ

چالیس سال کو پہنچتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے اس پر مداومت دے کہ تیری نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہوں

اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ

جو تو نے مجھ کو اور میرے والدین کو عطا کی ہیں اور اس پر کہ میں نیک عمل کرتا رہوں کہ تو خوش ہو

وَ اَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اِنِّيْ مِنَ

اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صالحیت پیدا کردے، میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں، اور میں

الْمُسْلِمِيْنَ ⑮ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا

فرمانبرداروں میں سے ہوں ف۱۵ یہی وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے اچھے اچھے عمل کو

عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ

قبول کریں گے اور اُن کے گناہوں سے درگزر کریں گے (یہ) اصحاب جنت میں سے (ہوں گے)

وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ⑯ وَ الَّذِيْ قَالَ

اُس سچے وعدہ (کی بناء) پر جس کا اُن سے وعدہ کیا جا چکا تھا ف۱۶ اور جس شخص نے

لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِيْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَ قَدْ خَلَتِ

اپنے ماں باپ سے کہا کہ تف ہے تم پر کیا تم مجھے یہ خبر دیتے ہو کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا درآنحالیکہ مجھ سے

الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ

پہلے (بہت سی) اُمتیں گزر چکی ہیں ف۱۷ اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کررہے ہیں (اور اس اولاد سے کہہ رہے ہیں) ارے

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ

تیری کم بختی تو ایمان لا، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے ف۱۸ تو (اس پر) وہ کہتا (کیا) ہے کہ یہ تو بس اگلوں کے

ف۱۴ (علی العموم اور اکثر) مدت حمل، ٦ ماہ کم سے کم ہے۔ اور مدت رضاعت ٢ سال زیادہ سے زیادہ ہے۔ یہ ملا کر کل ٣٠ مہینہ ہوگئے ...... یا یہ حساب رکھا جائے کہ طبیعی مدت حمل ٩ مہینہ اور طبیعی مدت رضاعت ٢١ مہینہ کل اڑھائی برس یوں بھی ہوگئے۔ سورۂ لقمان (پ۲۱) میں بھی ایک آیت اسی مضمون کی آچکی ہے۔ وَوَصَّيْنَا ...... اِحْسٰنًا۔ سورۂ بنی اسرائیل (پ۱۵) میں ایک آیت اسی قسم کی گزر چکی ہے۔ حَمَلَتْهُ ...... وَضَعَتْهُ كُرْهًا۔ ماں کی خدمت کی اہمیت خصوصی اس کی ان مصیبتوں سے واضح ہے جو اسے حمل و وضع حمل کے سلسلہ میں جھیلنی پڑتی ہیں۔ ان حقائق کی طبی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ف۱۵ حاصل یہ نکلا کہ جو بندہ سعید ہوتا ہے وہ اللہ کے براہِ راست حقوق تو ادا کرتا ہی ہے۔ اور ساتھ ہی بندوں کے حقوق بھی درجہ کمال میں پہچانتا ہے۔ اور انہیں بندوں کے حقوق میں ایک بڑا افضل اشرف حق والدین کی اطاعت وخدمت گزاری ہے۔ چنانچہ بندۂ سعید دن رات اپنی عبدیت کے اقرار اور عبادت کے عزم واہتمام میں لگا رہتا ہے۔ اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ۔ یعنی نشوونما پا کر پورا مرد ہو جاتا ہے۔ مختلف مفسرین وفقہاء نے اس کے لئے مختلف عمریں ٹھہرائی ہیں۔ کسی نے ۱۸ سال، کسی نے ۲۵ سال، کسی نے ۳۰ سال، کسی نے کچھ اور، لیکن سب سے زیادہ محقق قول اس باب میں حسن تابعی کا ہے، جنہوں نے فرمایا کہ جس عمر میں بھی انسان اپنے اعمال کا پوری طرح ذمہ دار ہو جائے۔ اور اس پر حجت قائم ہو جائے۔ بس وہی اس کی عمر کا اشد ہے۔ **قال الحسن اشده قیام الحجة علیه** (جصاص) وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً۔ قوائے عقلی اپنے حد کمال پر چالیس سال کی عمر میں جا کر پہنچتے ہیں۔ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ۔ یعنی میری اولاد کو بھی توفیق خیر دے اور محل صالحیت بنا دے۔ **ای اجعل ذریتی موقعاً للصلاح ومظنة له** (مدارک) **ای اجعل الصلاح ساریا فی ذریتی راسخا فیهم** (روح) صالح اولاد بھی حق تعالیٰ کی اعلیٰ ترین نعمتوں میں سے ہے ...... بڑے بڑے کاملین ومقبولین اس کی دعائیں مانگتے اور اس کی آرزو کرتے رہتے ہیں۔ اس سے شرماتے نہیں۔ اِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ "مسلم" کا لقب ان حضرات اہل جنت کے شرف وافتخار کے لئے بالکل کافی ہے۔ یہ اور بڑھ بڑھ کر دعویٰ نہیں کرتے۔ صرف اپنے تائب اور مسلم ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ ف۱۶ (دنیا میں) وَعْدَ الصِّدْقِ۔ وہ سچا وعدہ یہی کہ حسن عمل کے اجر بہت بڑے بڑے ہیں۔ وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں بیسیوں بار آچکی ہے۔ اور یہاں ایک بار پھر اسی کا اعادہ ہے کہ بڑے بڑے کاملین اور مقبولین بھی گناہوں سے خالی نہیں ہوتے۔ ان کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ ان کی خطاؤں سے درگزر کردی جاتی ہے۔ اگر سیئات کا وجود ہی سرے سے نہیں ہوتا تو درگزر یا معافی ہی کس چیز سے ملتی ہے؟ آیت کی زد فرقہ خوارج پر بھی پڑتی ہے۔ جن کے نزدیک ہر مومن کو عملاً معصوم ہی ہونا چاہیے۔ ف۱۷ (اور کسی کے بھی مشاہدہ وتجربہ میں یہ مُردوں کا دوبارہ زندہ ہونا نہ آیا) ذکر یہاں کافر اولاد کا ہے۔ حقوق اللہ وحقوق العباد دونوں سے یکساں غافل۔ ایسی اولاد بجائے اطاعت وخدمت والدین کے دعوت اسلام پر الٹ کر یہ جواب دے رہی ہے اور بکمال "روشن خیالی" کہتی ہے کہ قیامت کا بس ذکر ہی ذکر سنتے چلے آئے ہیں۔ آج تک تو کسی مُردہ کو زندہ ہوتے دیکھا یا سنا نہیں ...... مادیین منکرین آخرت کے دعوے پر خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے اس کا ماحصل سوا اس کے اور ہے کیا۔ اُفٍّ لَّكُمَا۔ **ولا تقل لهما اف**۔ پر حاشیہ سورۂ بنی اسرائیل (پ۱۵) میں ملاحظہ ہو۔ ف۱۸ (تو توحید کی طرح تو روز جزاء پر بھی اعتقاد رکھ) وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ۔ نالائق اولاد کے کفر وبے دینی سے گھبرا کر مومن والدین حق تعالیٰ سے فریاد کررہے ہیں ...... نئی نسل سے متعلق کتنے تجربے اس قسم کے پرانی نسلوں کو نہیں ہوتے رہتے ہیں!

الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٧﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ

ڈھکوسلے ہیں ف۱۹ یہی وہ لوگ ہیں کہ اُن کے حق میں ان لوگوں کے ساتھ (اللہ کا) قول پورا

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

ہو کر رہا جو ان سے قبل جنات اور انسانوں میں گزر چکے ہیں، بے شک یہ لوگ

خٰسِرِيْنَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ

خسارہ میں رہے ف۲۰ اور ہر ایک کے لئے اُن کے اعمال کے مطابق (الگ الگ) درجے ہیں تاکہ (اللہ) اُن کے اعمال

اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ

کی جزا پوری دے اور اُن پر ظلم (کسی طرح کا بھی) نہ ہوگا ف۲۱ اور جس روز کافر لوگ

كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا

آگ کے سامنے لائے جائیں گے کہ تم اپنی لذت کی چیزیں (سب) دنیا ہی میں حاصل کرچکے

وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ

اور اُن کا خوب مزہ اٹھا چکے ف۲۲ سو آج تمہیں ذلت کی سزا دی جائے گی

بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا

اس لئے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس لئے کہ تم

كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿٢٠﴾ ع وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ

نافرمانیاں کیا کرتے تھے ف۲۳ اور آپ (ان سے) ذکر کیجئے قوم عاد کے بھائی کا جبکہ انہوں نے اپنی قوم کو ڈرایا،

بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ

ریگ کے تودوں (کی بستی) میں، ف۲۴ اور اُن سے پہلے اور اُن سے پیچھے بھی ڈرانے والے

خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ

گزر چکے ہیں اس بات سے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو، مجھے تمہارے لئے اندیشہ ایک بڑے (سخت) دن کے

ع ۲ ۱۰

ف۱۹ (حق وصداقت سے خالی) هٰذَا ۔ یعنی یہی وعدۂ آخرت وعذاب آخرت۔ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۔ یعنی یہ کیا وہی افسانہائے کہن شروع کر دیئے؟...... ٹھیک وہی فقرہ جو آج بھی کتنے ”روشن خیالوں“ کے حلق وزبان سے مذہب کے خلاف نکل رہا ہے۔ ف۲۰ (جس کا پورا انکشاف جاکر آخرت میں ہوا) الْقَوْلُ ۔ سے مراد یہی وعدۂ گرفت وعذاب ہے۔ مِنَ الْجِنِّ ۔ جنات پر حاشیے پہلے گذر چکے۔ ف۲۱ اور حشر کی عدالت کے فیصلے رتی رتی حق وعدل پر مبنی ہوں گے۔ ظلم، زیادتی، دھاندلی کا گزر ہی کہیں نہ ہوگا۔ لِكُلٍّ ...... عَمِلُوْا ۔ ان درجات میں دوزخ اور جنت دونوں کے درجے آگئے۔ لِيُوَفِّيَهُمْ ۔ ل تعلیل کا ہے۔ یعنی یہ قیام حشر اور ہر ایک کا اس کے حسب استحقاق درجہ سب اسی لئے ہوگا کہ ہر ایک کے حق میں عدل پورا پورا ہو جائے۔ ف۲۲ (یہاں تک کہ ان میں منہمک ومستغرق ہوکر اپنے انجام اور اپنے خالق کو بھی بالکل بھلا بیٹھے تھے) وَاسْتَمْتَعْتُمْ ۔ استمتاع سے یہاں مطلق استمتاع لذات مراد نہیں کہ وہ ہرگز ممنوع یا مذموم نہیں۔ بلکہ صرف وہ استمتاع لذات مراد ہے جو آخرت فراموشی اور خدا فراموشی کی طرف لے جائے اور جس میں حلال وحرام کا کوئی امتیاز ہی نہ باقی رہ جائے۔ اَذْهَبْتُمْ ...... الدُّنْيَا ۔ یعنی اس طرح اوندھے منہ تم ان دنیوی ومادی لذتوں پر جھکے اور گرے کہ اب عالم آخرت میں عیش سرمدی وراحت ابدی سے لطف اٹھانے کی اپنے میں صلاحیت ہی باقی نہ رکھی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے دلالت زہد پر نکلتی ہے نیز اس طرف اشارہ کہ لذات دنیوی میں توسع موجب خطر ہے۔ مگر مطلقاً نہیں بلکہ حب معاصی کے ساتھ۔ ف۲۳ غرض یہ کہ عذاب جو کچھ بھی ہوگا انسان کے سب اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہی ہوگا۔ فِي الْاَرْضِ کی تصریح سے اشارہ یہ نکلا کہ اللہ کی بنائی اور بسائی ہوئی زمین پر چلنا پھرنا، رہنا بسنا اور پھر زمین کے فاطر وپروردگار سے تکبر وبغاوت کرنا اور بھی کھلی ہوئی ڈھٹائی ہے۔ تَسْتَكْبِرُوْنَ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہاں استکبار سے مراد استکبار عن الایمان ہے کہ عذاب خلود اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۔ کبر واستکبار تو بجائے خود ناحق ہمیشہ ہی ہوگا۔ قید کے اضافہ سے مراد یہ ہے کہ یہ کبر خود تمہارے بشری معیار سے بھی بیجا اور بالکل باطل تھا۔ ف۲۴ اَخَا عَادٍ ۔ یعنی حضرت ہود علیہ السلام پیغمبر۔ قوم عاد اور مسکن عاد پر حاشیے سورۃ الاعراف (پ ۸) میں گزر چکے۔ الْاَحْقَافِ ۔ احقاف کے لفظی معنی ریگ کے مستطیل تودوں کے ہیں۔ عرب قدیم کے لوگ ایسے مقامات پر بستیوں اور آبادیوں سے ناآشنا نہ تھے۔ دہنہ عرب جنوب کے اس طویل علاقے کا نام ہے جو شرقاً غرباً عمان سے یمن تک اور شمالاً جنوباً نجد سے حضر موت تک، ۳ لاکھ مربع میل کے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے۔ اس وسیع خطہ کے مغربی حصہ کی زمین سرخ رنگ کی ریگ کی ہے۔ اور یہی علاقہ الاحقاف کہلاتا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا

عذاب کا ہے و۲۵ وہ لوگ بولے تو کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے برگشتہ کردو، تو ہم پر

تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ

لا واقع کرو (وہ عذاب) جس کا تم ہم سے وعدہ کر رہے ہو، اگر تم سچے ہو و۲۶ انہوں نے فرمایا کہ (پورا) علم تو بس اللہ ہی

اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا

کو ہے میں تو تمہیں وہی پہنچاتا ہوں جس کا پیام دے کر مجھے بھیجا گیا ہے البتہ تمہیں کو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نری جہالت کی

تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ

باتیں کر رہے ہو، و۲۷ پھر جب ان لوگوں نے بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتے دیکھا

قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ

تو بولے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا نہیں بلکہ یہ تو وہ ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے

بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ ۙ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا

یعنی ایک آندھی جس میں دردناک عذاب ہے وہ ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے ہلاک کردے گی

فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ

چنانچہ وہ ایسے ہوگئے کہ بجز اُن کے مکانات کے اور کچھ دیکھنے کو نہیں رہا، ہم مجرموں کو یوں ہی سزا

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ

دیا کرتے ہیں و۲۸ اور ہم نے اُن لوگوں کو جو قدرت دی تھی وہ قدرت تم لوگوں کو نہیں دی

وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۡ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ

اور ہم نے ان کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے تھے، سو نہ اُن کے کان اُن کے ذرا بھی

سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ

کام آئے اور نہ اُن کی آنکھیں اور نہ اُن کے دل جب کہ

و۲۵ یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ دعوت توحید کوئی نرالی اور انوکھی چیز تو ہے نہیں۔ حضرت ہودؑ سے پہلے بھی اس کی تبلیغ بار بار ہو چکی تھی اور اس کے بعد سے بھی برابر ہوتی چلی آئی ہے۔ و۲۶ اس قوم نے بھی حسب معمول دعوت کی اصل خوبیوں پر غور ہی نہ کیا، بلکہ اس دعوت کو اپنے رواجی پیمانہ سے ناپ کر اس سے بے تحاشا انکار ہی شروع کر دیا۔...... قوم عاد اپنے زمانہ کے ایک بڑے زبردست تمدن کی مالک تھی۔ اس نے وہی جواب دیا، جو آج بھی "مہذب" "ومتمدن" قوموں کی زبان پر چڑھا ہوا ہے۔ و۲۷ حضرت ہودؑ نے فرمایا کہ تم عجیب الٹے پلٹے مطالبے مجھ سے کر رہے ہو۔ میرا کام تو صرف عقائد صحیح کی تبلیغ ہے یعنی توحید، رسالت وعقیدۂ معاد، تو ان کی صداقت ومعقولیت پر مجھ سے جتنی چاہو گفتگو کر لو۔ باقی مجھے یہ چیلنج دے کر کہ اگر میں سچا ہوں تو تمہارے سر پر ابھی قیامت لا کھڑی کروں، اس سے تو تم اپنی ہی بے مغزی وکج فہمی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی قیامت کے متعلق تفصیلات وجزئیات کا علم کہ وہ کب آئے گی، کس وقت آئے گی وغیرہا، تو یہ تو صرف حق تعالیٰ ہی کے علم میں ہے۔ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ۔ جہل وجہالت کا اردو میں ایک مفہوم یہ بھی چلا ہوا ہے کہ وہ ناخواندگی کا مرادف اور حرف شناسی کی ضد ہے۔ عربی کے تَجْهَلُوْنَ کو اس مفہوم سے کوئی واسطہ نہیں۔ عربی میں اس کا مفہوم ہے نادانی اور بے مغزی کی باتیں کرنا اور ضد یا نفسانیت کی بناء پر قبول سے اغماض کرنا۔ و۲۸ قوم عاد کی آخری تباہی کا ذکر ہے کہ پہلے تو وہ بدلی سی اٹھتی ہوئی دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور سمجھے کہ بارش کا بادل ہے۔ کچھ ہی دیر بعد معلوم ہو گیا کہ نہیں وہ تو عذاب کا طوفان ہے۔ اَوْدِيَتِهِمْ۔ وادی کے لفظی معنیٰ اس نشیب کے ہیں جس میں پانی جمع ہو جائے۔ تُدَمِّرُ ...... مَسٰكِنُهُمْ۔ یعنی نہ کوئی انسان زندہ بچا نہ کوئی حیوان اور نہ ان کی وہ عالی شان آراستہ پیراستہ عمارتیں ہی باقی رہیں۔ صرف اجڑے ہوئے اور گرے پڑے مکان اور کھنڈر باقی رہ گئے۔ كَذٰلِكَ ...... الْمُجْرِمِيْنَ۔ عام قانونِ الٰہی کا بھی اعلان کر دیا گیا کہ یہ غیبی ہلاکت عادی مجرموں اور نافرمانوں ہی کے نصیب میں آتی ہے اور اس میں کوئی تخصیص قوم عاد کی نہ تھی۔ جو قوم بھی نافرمانی کرے گی وہ اسی سزا کی مستحق ہو جائے گی۔ بِاَمْرِ رَبِّهَا۔ اس تصریح نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ آندھی میں خود کوئی اختیار نہ تھا، نہ کوئی الگ دیوتا ہوا اور آندھی کا ہے بلکہ یہ جو کچھ بھی پیش آیا، تمام تر پروردگار عالم ہی کے حکم سے پیش آیا۔

كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

وہ لوگ اللہ کی آیتوں کے خلاف ہٹ کرتے رہے اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی کیا کرتے تھے اسی نے اُن کو

يَسْتَهْزِءُوْنَ ۚ﴿٢٦﴾ وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى

آ گھیرا ف۲۹ اور ہم نے تمہارے گرد و پیش کی (اور) بستیوں کو بھی غارت کر دیا

وَ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ

اور (اپنی) نشانیاں بھی پھیر پھیر کر بیان کر دی ہیں کہ شاید وہ باز آ جائیں ف۳۰ سو اُن کی مدد اُن لوگوں نے کیوں نہ کی جنہیں

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا

انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھا تھا، تقرب کے لئے وہ تو اُلٹے اُن سے غائب

عَنْهُمْ ۚ وَ ذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَ اِذْ صَرَفْنَآ

ہو گئے، اور یہ محض ان کی تراشی ہوئی اور گڑھی ہوئی بات تھی ف۳۱ اور (اُس وقت کا ذکر کیجئے) جب ہم جنات کی ایک

اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا

جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو قرآن سننے لگے تھے غرض جب

حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ

وہ لوگ آپ کے پاس آ پہنچے تو کہنے لگے کہ خاموش رہو ف۳۲ پھر جب وہ ختم ہو چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس ڈرانے

مُّنْذِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ

کے لئے گئے ف۳۳ کہنے لگے اے ہمارے قوم والو، ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل

مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى

کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور حق اور راہِ راست

طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٠﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا

کی طرف رہنمائی کرتی ہے اے ہمارے قوم والو، کہنا مانو اللہ کی طرف بلانے والے کا، اور اس پر ایمان

ف۲۹ یعنی جب ان کی، جو تم سے کہیں زیادہ صاحب اقتدار و مالک جاہ و حشم تھے۔ کوئی عقلی تدبیر اور مادی قوت انہیں اس انجام سے نہ بچا سکی تو تم کب تک عذاب الٰہی سے بچے رہ سکتے ہو۔...... چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کا عرب، قوم عاد و قوم ثمود کے آغاز و انجام سے خوب واقف تھا۔ اس لئے اس کے سامنے ان قوموں کی مثالیں خاص طور پر موثر تھیں۔ وَلَقَدْ ...... فِيْهِ۔ یعنی جو تہذیبی و تمدنی عروج انہیں حاصل تھا وہ تمہیں کہاں نصیب۔ وَ جَعَلْنَا ...... اَفْئِدَةً۔ یعنی ہر قسم کی جسمی و عقلی صلاحیتیں انہیں حاصل تھیں۔ اے الات الدرک والفهم (مدارک) آیت سے بقاعدۂ عبارۃ النص یہ بھی نکلا کہ انسان کو مادی و عقلی جتنی بھی صلاحیتیں اور قوتیں عطا ہوئی ہیں، وہ اسی لئے ہیں کہ انہیں رضائے الٰہی کے کاموں میں لگایا جائے۔ ف۳۰ (کفر و شرک اور تکذیب رسول ﷺ سے) وَ لَقَدْ ...... الْقُرٰى۔ یہ اہلاک اسی جرم کفر و تکذیب کی پاداش میں ہوا تھا۔ مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى۔ اطرافِ عرب کی مشہور متمدن و ہلاک شدہ قومیں قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط وغیرہ تھیں، جو یمن، عمان، عراق، عرب، شام و فلسطین میں آباد تھیں۔ لکم میں ضمیر جمع مخاطب سے مراد اہل عرب ہیں، جو قرآن مجید کے مخاطب اول تھے۔ وَ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ۔ یعنی ان کے ہلاک کرنے سے قبل بطور فہمائش و تنبیہ انہیں بار بار آگاہ بھی کیا گیا۔ آیات کے تحت میں ہر قسم کے دلائل و شواہد آ گئے۔ اے کررنا علیهم الحجج وانواع العبر (مدارک) اے الحجج والدلائل والعظات (بحر) لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ مقصود یہ تھا کہ وہ لوگ اپنے کفر و شرک سے باز آ جائیں۔ پھر بھی وہ باز نہ آئے۔ انہیں حرکتوں پر مصر رہے۔ اور بالآخر ہلاک ہوئے۔ ف۳۱ یعنی کہیں واقع میں وہ شفیع یا معبود یا صاحب تصرف تھوڑے ہی تھے۔ یہ تو محض جاہلی مذہب والوں نے افسانے گڑھ رکھے تھے۔ اِفْكُ سے اس مشرکانہ عقیدہ کی کامل تردید ہو گئی کہ خدائی بھی کوئی تدریجی درجہ بندی کی چیز ہے۔ اور ایک معبود اعظم کے ماتحت چھوٹے چھوٹے دیوی، دیوتا اور بھی ہوتے ہوں! اَلَّذِيْنَ ...... اٰلِهَةً۔ یعنی انہوں نے ان ہستیوں کو معبود اس غرض سے تراش رکھا تھا کہ وہ آڑے وقت کام آئیں گی۔ ف۳۲ (اور غور اور ادب سے اس کلام کو سنو) شانِ نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب رسول اللہ ﷺ اپنے قیام مکہ کے زمانہ میں طائف تبلیغ دعوت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اور بظاہر وہاں سے بالکل ناکام اور شکستہ خاطر واپس آ رہے تھے۔ شب کے وقت نخلہ میں آپؐ قرآن مجید نماز میں بآواز بلند پڑھ رہے تھے کہ جنات کی ایک جماعت کا ادھر سے گزر ہوا اور وہ قرآن سننے لگے۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الاعراف (پ۸) کے حاشیے۔ حَضَرُوْهُ۔ یعنی قرآن پڑھے جانے کے موقع پر آ گئے۔ ف۳۳ یعنی قرآن کی اہمیت سے مطلع کرنے اور اس کے احکام کی نافرمانی کے نتائج سے خبردار کرنے کے لئے۔

ف۳۴ آیت اس باب میں تو صاف وصریح ہے کہ جنات ایمان لے آنے کے بعد عذابِ الٰہی سے بچ جائیں گے۔ لیکن اس باب میں ناطق وصریح نہیں کہ ایمان لانے پر جنت میں بھی داخل ہو جائیں گے۔ ان کے دخولِ جنت کے باب میں خاموشی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے غایت احتیاط کی بناء پر جنات کے دخولِ جنت کے بارہ میں سکوت وتوقف منقول ہے۔ قال ابو حنیفة لا ثواب لھم الا النجاة من النار لھذہ الآیة (مدارک) وقال النسفی فی التیسیر توقف ابوحنیفة فی ثواب الجن فی الجنة ونعیمھم لانه لا استحقاق للعبد علی الله تعالی ولم یقل بطریق الوعد فی حقھم الا المغفرة والاجارة من العذاب واما نعیم الجنة فموقوف علی الدلیل (روح) البتہ دوسرے ائمہ نے جنات کے مستحق جنت ہونے کو بلا تامل تسلیم کر لیا ہے۔ قال النووی فی شرح مسلم والصحیح انھم یدخلونھا ویتنعمون فیھا بالاکل والشرب وغیرھما وھذا مذھب الحسن البصری ومالک بن انس والضحاک وابن ابی لیلی وغیرھم (روح) وقال مالک ابن ابی لیلی وابویوسف ومحمد رحمھم الله لھم الثواب والعقاب وعن الضحاک انھم یدخلون الجنة ویاکلون ویشربون

بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾

لے آؤ، اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں محفوظ رکھے گا عذاب دردناک سے ف۳۴

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ

اور جو کوئی اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا، تو وہ زمین میں کہیں بھی (اللہ کو) نہیں ہرا سکتا،

وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

اور نہ اللہ کے سوا کوئی حامی ہو گا یہی لوگ تو صریح گمراہی میں (پڑے) ہیں ف۳۵

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ

کیا ان لوگوں نے یہ نہ جانا کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور

يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى

ان کے پیدا کرنے سے (ذرا بھی) نہ تھکا، وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے کیوں نہیں بے شک وہ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ہر چیز پر قادر ہے ف۳۶ اور جس روز کافر لوگ دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے (اور ان سے پوچھا

عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ

جائے گا کہ) یہ حقیقت ہے یا نہیں، تو وہ کہیں گے کہ بے شک ہے ہم کو قسم ہے ہمارے پروردگار کی (تب) ارشاد ہوگا

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ كَمَا

کہ اچھا تو چکھو عذاب اپنے کفر کے بدلہ میں ف۳۷ آپ صبر کیجئے جیسا

صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ

کہ ہمت والے پیمبروں نے صبر کیا تھا اور ان لوگوں کے حق میں جلدی نہ کیجئے ف۳۸

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً

جس روز یہ دیکھ لیں گے اس (عذاب) کو جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو اس وقت (انہیں ایسا معلوم ہوگا کہ) گویا دن

(مدارک) اِلَى الْحَقِّ۔ الحق سے مراد اصول دین ہیں۔ یعنی عقائد اساسی۔ ای فی الاعتقادات (ابن کثیر) اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ طریق مستقیم۔ سے مراد تفصیلاتِ شریعت ہیں، یعنی احکام عبادات ومعاملات وغیرہا۔ ای فی العملیات (ابن کثیر) دَاعِيَ اللّٰهِ۔ سے مراد رسول اللہ ہونا ظاہر ہی ہے۔ قرآن مجید بھی مراد ہو سکتا ہے۔ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ۔ مراد اس سے بعض گناہ نہیں بلکہ کل گناہ ہیں۔ من صلة ای ذنوبکم کلھا (معالم) ف۳۵ (کہ باوجود وضوح حق وقیام دلائل کے داعی حق کی بات پر کان نہیں دھرتے اور اس کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں) ف۳۶ (تو وہ وقت مناسب پر مُردوں کے زندہ کرنے پر قادر کیوں نہ ہوگا؟) یعنی امکان بعث تو قدرت حق کے مشاہدۂ آثار سے بالکل ظاہر ہے۔ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ۔ یہ تردید ہے اسی یہود اور مسیحی عقیدہ کی کہ خدا چھ روز میں آفرینش کائنات کے بعد تھک گیا تھا۔ اور ساتویں دن اس نے آرام کیا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ بَلٰى ...... قَدِيْرٌ۔ یہ تردید ہے مشرک قوموں اور جاہلی فلسفیوں کے اس زعم کی کہ خدا موجود تو ہے لیکن اس کی قدرت محدود ہے اور اس کے اختیارات ایک خاص درجہ اور حد سے زیادہ نہیں۔ یورپ میں ایک گروہ موحدون (DEISTS) کے نام سے گزرا ہے۔ یہ لوگ وجود باری کے تو قائل تھے، لیکن جزاء وسزائے آخرت اور رسالت وغیرہ کے منکر۔ قدیم قوموں میں بھی یہ گمراہی اچھی خاصی شائع رہی ہے۔ ف۳۷ اور اس کفر میں آخرت وجہنم کا انکار بھی داخل ہے۔ هٰذَا۔ یعنی یہ عذاب جس کا اب وقوع ہو رہا ہے۔ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ۔ یعنی حقیقت سے دوچار ہونے کے بعد ابھی تمہارے وہی دلائل قائم ہیں؟ ف۳۸ (انتقام الٰہی کی) امت اسلامیہ کی نصرت کے خیال سے آپ کے دل میں تقاضا طبعاً پیدا ہوتا تھا کہ مخالفین معاندین پر گرفت اگر جلد ہو جاتی تو اچھا تھا۔ فَاصْبِرْ ...... الرُّسُلِ۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ صبر بدرجہ کمال انبیاء کرام کی خصوصیات میں سے ہے۔ انبیاء کی سی عالی ہمتی نہ کسی غیر نبی کی قدرت میں ہے اور نہ وہ اس پر مامور ہے۔ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ من تبعیضیہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں مراد منتخب مشاہیر رسل سے ہوگی۔ اور ان کی تعیین میں اختلاف ہے۔ مفسرین کی ایک بڑی جماعت اسی ترکیب کی طرف گئی ہے۔ وعن عطاء الخراسانی والحسن بن الفضل والکلبی ومقاتل وقتادہ وابی العالیہ وابن جریج والیه ذھب اکثر المفسرین ان من للتبعیض فاولوا العزم بعض الرسل علیھم السلام واختلف فی عدتھم وتعیینھم علی اقواله (روح) وقد اختلف فی تعداد اولی العزم علی اقوال (ابن کثیر) اور جائز ہے کہ من کو بیانیہ بھی سمجھا جائے۔ اس صورت میں اولوا العزم کا اطلاق سارے ہی انبیاء پر ہوگا۔ محققین کی ایک مختصر تعداد نے اسی ترکیب کو صحیح مانا ہے۔ او للبیان فیکون اولوا العزم صفة الرسل کلھم (مدارک) ومن بیانیة فیکون اولوا العزم صفة جمیعھم والیه ذھب ابن زید والجبائی وجماعة (روح) وقد یحتمل ان یکون المراد باولی العزم جمیع الرسل فتکون من لبیان الجنس (ابن کثیر) قال ابن زید کل الرسل کانوا اولی العزم لم یبعث الله نبیًا الا کان ذاعزم وحزم ورأی وکمال عقل وانما ادخلت من للتجنیس لا للتبعیض (معالم)

مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

بھر میں کل ایک گھڑی رہے ہیں (یہ اللہ کی طرف سے) تبلیغ ہے، سو برباد تو وہی ہوں گے جو نافرمان ہوں گے ف۳۹

ایاتها ۳۸ ۴۷ سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ ۹۵ رکوعاتها ۴

اس کی اڑتیس آیتیں سورۂ محمد مدینہ میں نازل ہوئی اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ

جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے روکا بھی (اللہ نے) اُن کے اعمال

اَعْمَالَهُمْ ﴿۱﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا

کالعدم کردیئے ف۱ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے اور اُسی (سب) پر ایمان لائے

بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ

جو محمد پر نازل کیا گیا اور وہ امر حق اُن کے پروردگار کی طرف سے ہے، اللہ اُن کے

سَيِّاٰتِهِمْ وَ اَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

گناہوں کا کفارہ ان کی طرف سے کردے گا اور اُن کی حالت درست رکھے گا ف۲ یہ اس لئے ہے کہ کافروں نے تو باطل کی

اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ

پیروی کی اور ایمان والوں نے اپنے پروردگار کی طرف سے آئے ہوئے حق کو

رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ﴿۳﴾ فَاِذَا

اختیار کیا اللہ اسی طرح لوگوں کے لئے اُن کے حالات بیان کرتا ہے ف۳ سو جب

لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ

تمہارا مقابلہ کافروں سے ہو جائے تو (ان کی) گردنیں مار چلو یہاں تک کہ جب ان کی

ف۳۹ (اور اتمام حجت کے بعد بھی نافرمان ہی رہیں گے) كَاَنَّهُمْ...... نَهَارٍ۔ یعنی مشاہدہ عذاب آخرت کے وقت دنیوی زندگی کی طویل سے طویل مدت بھی چشم زدن کی سی معلوم ہوگی۔ بَلٰغٌ۔ یعنی رسولوں کی معرفت اتمام حجت ہو چکا۔ الْفٰسِقُوْنَ۔ یہاں مراد محض گنہگار نہیں، بلکہ دائرہ اسلام سے خارج رہنے والے کافر مراد ہیں۔ جن پر تبلیغ حق کا کوئی اثر ہی نہ ہوا۔ اے المشر کون الخارجون عن الاتعاظ به والعمل بمواجه (مدارک) فاسق کا اصطلاحی مفہوم، اسے کافر سے ممتاز کرنے والا تو بہت بعد کا ہے، قرآن مجید میں وہ اپنے وسیع وعمومی مفہوم میں آیا ہے۔ مطلق نافرمان کے مرادف

ف۱ یعنی جن اعمال کو یہ غیر مسلم اپنے خیال میں نیک اور صالحانہ سمجھ رہے تھے، وہ آخرت میں انکشافِ حقیقت کے وقت بے وزن اور ناکارے نکلے اور اس لئے غیر مقبول ٹھہرے۔ اَلَّذِيْنَ...... اللّٰهِ۔ منکرین کے سرداروں کی یہ عادت ہر زمانہ میں رہی اور اب بھی ہے، وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ محققین نے تصریح کر دی ہے کہ حبط اعمال کے لئے، اعمال کے نامقبول ٹھہر جانے کے لئے، محض کفر کافی ہے۔ دوسروں کو ایمان سے روکنا یہ اس کی شرط نہیں ہے۔ یہ تو ان سردارانِ کفر کی محض واقعی حالت کا بیان ہے۔ ف۲ (دنیا وآخرت دونوں میں) كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ۔ یعنی ان کے گناہوں سے درگزر کردے گا...... گناہوں سے پاک تو بجز انبیاء معصومین کے اور کوئی ہو نہیں سکتا۔ چنانچہ یہاں قرآن مجید ''سیئات'' کو کھلا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (مومنین صالحین) ہی کی جانب منسوب کر رہا ہے۔ مومنین صادقین کے فخر وشرف کے لئے بس اس قدر کافی ہے کہ ان کے اعمال صالحہ کے انبار عظیم کے ساتھ جو گنے چنے ہوئے چند گناہ ہوں گے، وہ بالکل معاف کر دیئے جائیں گے۔ مُحَمَّدٍ۔ اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حاشیہ سورۂ ال عمران (پ۴) میں گزر چکا۔ نیز ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ اَصْلَحَ بَالَهُمْ۔ یہ اصلاح حال دنیا میں تو اس طرح ہوگی کہ مومنین کی توفیق عمل صالح بڑھتی جائے گی۔ اور آخرت میں اس طرح کہ انہیں نجات کامل مل جائے گی۔ ف۳ (کہ وہ ان سے ہدایت وبصیرت کے سبق لیں) ذٰلِكَ۔ یعنی مومنوں اور کافروں کے درمیان یہ فرق عظیم۔ لِلنَّاسِ۔ یعنی نفع رسانی خلق کی غرض سے۔ اے لاجل الناس لیعتبروا بهم۔ (مدارک)

اَثۡخَنۡتُمُوۡهُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَ اِمَّا

خوب خونریزی کر چکو تو خوب مضبوط باندھ لو ۴ پھر اس کے بعد یا محض احسان رکھ کر (چھوڑ دو)

فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَهَا ۛۚ ذٰلِكَ ۛؕ وَلَوۡ يَشَآءُ

یا معاوضہ لے کر (چھوڑ دو) تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے (یہ حکم) اسی طرح ہے ۵ اور اگر اللہ کی مشیت

اللّٰهُ لَانۡتَصَرَ مِنۡهُمۡ وَ لٰكِنۡ لِّيَبۡلُوَا۟ بَعۡضَكُمۡ بِبَعۡضٍ ؕ

ہوتی تو ان سے انتقام لے لیتا، لیکن (حکم اس لئے دیا) تا کہ تم میں سے ایک کا دوسرے کے ذریعہ سے امتحان کرے ۶

وَالَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَلَنۡ يُّضِلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۴﴾

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا ۷

سَيَهۡدِيۡهِمۡ وَ يُصۡلِحُ بَالَهُمۡ ۚ﴿۵﴾ وَ يُدۡخِلُهُمُ الۡجَنَّةَ

اللہ انہیں سنبھالے رہے گا اور اُن کی حالت درست رکھے گا اور انہیں جنت میں داخل کرے گا

عَرَّفَهَا لَهُمۡ ﴿۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ

جس کی انہیں (خوب) پہچان کرا دے گا ۸ اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے،

يَنۡصُرۡكُمۡ وَيُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ﴿۷﴾ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَتَعۡسًا لَّهُمۡ

تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا ۹ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے بربادی ہے

وَ اَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۸﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَرِهُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ

اور (اللہ) اُن کے اعمال کالعدم کردے گا ۱۰ یہ اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ کے اتارے ہوئے (احکام) کو ناگوار جانا

فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۹﴾ اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا

اس نے اُن کے اعمال کو اکارت کر دیا ۱۱ کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں، جو یہ دیکھتے

كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ ۫

کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیا انجام ہوا اللہ نے انہیں ہلاک کر مارا

معٰ (لقد یبعدا یقولہ ذٰلک ز لکن حسن الصالہ بما قبلہ ویوقف علی ذٰلک ۱۲)

ف۴ یعنی سب کو قید کرلو۔ کوئی بھاگ کر نکل نہ جانے پائے۔ اِذَا لَقِيۡتُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۔ مراد میدانِ جنگ وجہاد میں مڈبھیڑ ہونے سے ہے...... یہ مراد نہیں کہ حالت امن وصلح میں راستہ گلی میں چلتا ہوا کوئی کافر دکھائی دے۔ فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ۔ یعنی انہیں مار ہی ڈالو۔ جو مقصود حکم قتال وفریضہ جہاد کا ہے...... یہ مراد نہیں کہ ہمیشہ گردن ہی پر وار کرو، کسی اور طریقہ پر قتل نہ کرو۔ عبارة عن القتل لا ان الواجب ان تضرب الرقاب خاصة دون غيرها عن الاعضاء (مدارک) حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡهُمۡ ۔ اس اثخان یا کافی خونریزی کا معیار فقہاء نے یہ قرار دیا ہے کہ اب اگر قتل کے بجائے قید ہی پر اکتفاء کی جائے تو جب بھی غلبہ کفار اور مضرت مسلمین کا احتمال نہ رہے۔ ذٰلک حين لا يبقى شوكة للكافرين (مدارک) اس حکم قتل وخونریزی سے بچے، عورتیں اور زیادہ بوڑھے یعنی غیر مقاتلین مستثنیٰ ہیں۔ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ۔ یعنی انہیں خوب احتیاط وہوشیاری سے اپنی قید میں رکھو۔ یہ لفظی معنی مراد نہیں کہ ہمیشہ انہیں رسی سے باندھ ہی کر رکھو۔ ف۵ یعنی یہ حکم جہاد وقتال اسی طرح اور انہیں صورتوں کے ساتھ فرض ہے۔ فَاِمَّا ...... فِدَآءً ۔ یعنی قتل واسیری کے بعد اب حکم رہائی ہی کا ہے، خواہ باخذ معاوضہ وفدیہ، خواہ یوں ہی بلا معاوضہ...... کافر حربی بھی جب اسلام قبول کرلیں یا محض اتنا ہی کر لیں کہ حکومت اسلامی کی اطاعت قبول کر کے ذمیت کے حقوق حاصل کرلیں تو اب نہ ان کا قتل جائز رہے گا اور نہ قید ہی...... اب وہ آزاد ہیں۔ فقہاء نے یہاں متعدد صورتیں لکھی ہیں اور انتخاب کا اختیار حسب مصالح آیت، امام مسلمین کے ہاتھ میں چھوڑا ہے...... وہ چاہے تو قتل کردے، چاہے یوں ہی بھی چھوڑ دے۔ چاہے مالی معاوضہ لے کر چھوڑ دے۔ چاہے غلام بنالے۔ چاہے مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں چھوڑے۔ حَتّٰى تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَهَا ۔ یعنی کافر مقاتل ہتھیار ڈال دیں، خواہ دین اسلام قبول کر کے، خواہ اسلام کی حاکمیت وحکومت قبول کر کے۔ قال الكلبي حتى يسلموا اويسالموا (معالم۔ خازن) قال الفراء حتى لا يبقى الا مسلمٌ اومسالمٌ (معالم۔ خازن) الۡحَرۡبُ ۔ یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ قرآن مجید نے جہاں کہیں بھی حرب یا اس کے مشتقات کا استعمال کیا ہے، کافروں ہی کی جنگ کے سلسلہ میں کیا ہے۔ مسلمانوں کی جنگ کے لئے قتال وغیرہ دوسرے لفظ آئے ہیں۔ ف۶ اشارہ حکم جہاد کی بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی جانب ہے...... ایک طرف مجاہدین کو تعمیل ارشاد کا اجر ملے۔ دوسری طرف کافروں اور منکروں کو موقع رہے کہ اب بھی حق کو قبول کر لیں۔ لَانۡتَصَرَ مِنۡهُمۡ ۔ یعنی اگر اس کی مشیت تکوینی یوں ہی ہوتی تو وہ تمہارا واسطہ ڈالے بغیر یوں ہی اپنے کسی اشارہ تکوینی سے ان کا خاتمہ کر دیتا۔ آخر پچھلی نافرمان امتوں کے ساتھ یہ معاملہ پیش ہی آچکا ہے، اور کسی کو غرقابی سے، کسی کو طوفان تند سے، کسی کو زلزلہ سے ہلاک ہی کیا جا چکا ہے۔ ف۷ یہ وعدۂ الٰہی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے کسی کشتہ کا خون ضائع نہیں کیا جائے گا۔ ایسا نہیں ہونے کا کہ مقتول کی شہادت کا کوئی نتیجہ ہی نہ مرتب ہو۔ ف۸ (جس سے ہر شہید بے تکلف اپنی دائمی آرام گاہ تک پہنچ جائے گا) سَيَهۡدِيۡهِمۡ ۔ یعنی ان کے منزل مقصود کے پہنچنے تک ہر قدم پر ان کی رہنمائی اور دستگیری ہوتی رہے گی۔ يُصۡلِحُ بَالَهُمۡ ۔ قبر میں، حشر میں، پل صراط پر، ہر جگہ ان کی نصرت ویاوری جاری رہے گی۔ ف۹ (دشمن کے مقابلہ میں۔ اور تم کبھی اس کے مجمع اور قوت وشوکت سے مرعوب نہ ہو گے) اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ ۔ یعنی اللہ کے دین کی مدد ونصرت کرتے رہو گے۔ يَنۡصُرۡكُمۡ ۔ یعنی غلبہ ہو یا مغلوبیت، ہر حال اور ہر صورت میں تائید خداوندی تمہارے ساتھ رہے گی۔ يُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ۔ فن حرب کے جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ میدانِ جنگ میں کتنی اہمیت عظیم اسی ہمت اور ثابت قدمی کو ہے۔ مسلمانوں کی اس ثابت قدمی پر اغیار کی شہادت کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ مومنین عارفین نے کہا ہے کہ یہ ثابت قدم رکھنے کا وعدہ عام ہے ہر شعبہ زندگی کے لئے۔ محض میدانِ جنگ کے ساتھ مخصوص ومحدود نہیں۔ اللہ کے دین کی نصرت کرنے والوں کے ساتھ نصرت الٰہی کارگاہ زندگی کے ہر لمحہ میں موجود رہے گی۔ خواہ وہ وسوسہ شیطانی ہو یا لغزش نفسانی۔ على محجة الاسلام (کشاف۔ مدارک) والمراد يقويكم ويوفقكم للدوام على الطاعة (روح) ف۱۰ (آخرت میں) چنانچہ جب وہ انکشافِ حقائق کی گھڑی سامنے آئے گی تو منکرین کو اپنے حق میں جن جن نیک اعمال پر تکیہ اور غرہ تھا وہ سب بے وزن اور ناکارے ثابت ہوں گے۔ فَتَعۡسًا لَّهُمۡ ۔ یہ بربادی انجام کے لحاظ سے تو یقیناً ہوگی، باقی احتمال اس کے وقوع کا مستقبل قریب میں بھی ہے۔ ف۱۱ (اس لئے کہ ان سارے اعمال کا مبنیٰ ومنشاء تو کفر ہی تھا، جو بغاوت کی فرد اعلیٰ ہے) كَرِهُوۡا ۔ کراہت سے یہاں کراہت طبعی مراد نہیں۔ بلکہ کراہت عقلی مراد ہے۔ جس کا اظہار کافر کے نہ صرف عمل سے بلکہ عقیدہ سے بھی ہر وقت ہوتا رہتا ہے۔

وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ﴿۱۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور (ان) کافروں کے لئے بھی ایسے ہی (معاملات) ہونے کو ہیں و۱۲ یہ اسی سبب سے کہ اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے،

وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾ ع اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ

اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں و۱۳ بے شک اللہ اُن لوگوں کو جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے، باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے ندیاں پڑی

الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ

بہ رہی ہوں گی، اور جو کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں اور کھا (پی) رہے ہیں جس طرح چوپائے

الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ

کھاتے (پیتے) ہیں، آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے و۱۴ اور کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں آپ کی

قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا

اس بستی سے بڑھی ہوئی تھیں جس کے رہنے والوں نے آپ کو (وہاں سے) نکالا، ہم نے انہیں ہلاک کردیا، اور کوئی اُن کا

نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ

مددگار نہ ہوا و۱۵ تو کیا جو لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پر ہیں وہ اُن لوگوں کی طرح ہوجائیں گے جن کی بد

لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ

عملی ان کی نگاہ میں خوش نما کردی گئی ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چل رہے ہیں و۱۶ جس جنت کا

وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ

متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے، اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں نہریں متغیر نہ ہونے والے پانی کی ہوں گی، اور نہریں

مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ

ذائقہ نہ بدلنے والے دودھ کی ہوں گی اور نہریں پینے والوں کے لئے خوش ذائقہ

ع ۱۱ / ۵

و۱۲ (اس لئے کہ کفر جو علت ہلاکت و بربادی ہے، وہ ان میں اور اُن میں مشترک ہے) کَیْفَ ...... قَبْلِهِمْ۔ علم آثارِ قدیمہ آج جن جن قوموں کے کھنڈر اور ویرانے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکال رہا ہے وہ سب قومیں اپنے اپنے زمانہ میں تہذیب وتمدن اور ترقی ودولت کی چوٹی پر پہنچی ہوئی، لیکن منکر و نافرمان ہی ہوئی ہیں۔ اَمْثَالُهَا۔ یہ مثلیت صرف وقوعِ عذاب کے لحاظ سے ارشاد ہوئی ہے نہ کہ نوعیت عذاب کے لحاظ سے۔ و۱۳ (جو اللہ کے مقابلہ میں ان کے کام آ سکے) بِاَنَّ ...... اٰمَنُوْا۔ اور وہی اللہ دنیا وآخرت میں مومنین کے کام بناتا رہتا ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی مومنوں کی نصرت اور کافروں کی بدانجامی۔ ای نصر المؤمنین وسوء عاقبة الکافرین (مدارک) و۱۴ (اس لئے کہ انہوں نے ساری زندگی سوال آخرت اور دینی ذمہ داری سے بالکل بے فکر ہو کر گزاری تھی) يَاْكُلُوْنَ۔ تاکل۔ اکل کا ترجمہ دونوں جگہ اردو محاورہ کے لحاظ سے ”کھانے پینے“ ہی سے ہوسکتا ہے۔ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ۔ یعنی جس طرح مویشیوں کو کھانے سے مقصود بس پیٹ بھرنا ہی ہوتا ہے اور اور کوئی غرض ان کے سامنے نہیں ہوتی، منکرین آخرت اور مادیین کے سامنے بھی پیٹ ہی کا سوال اصل سوال ہوتا ہے۔ جس کے آگے اور کچھ نہیں۔ کھانے پینے کا مآل کیا ہے اور اس کھانے پینے کے لئے حدود و قیود کیا ہیں ان سارے سوالات کی طرف سے یہ لوگ بے فکر ہی رہتے ہیں۔ و۱۵ تو آپ کے ہم وطن کس زعم وپندار کی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں) اَشَدُّ قُوَّةً۔ جسمانی، مادی، مالی، عددی، ہر اعتبار سے ان اہل عرب سے برتر۔ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ۔ قریہ سے مراد مکہ کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اَهْلَكْنٰهُمْ۔ قریہ سے مراد اہل القریہ تھی۔ ضمیر جمع مذکر هُمْ انہیں کی جانب ہے۔ و۱۶ یعنی کیا دونوں کے درمیان عمل ومحرکِ عمل کا یہ واضح ونمایاں فرق، ثمراتِ عمل میں واضح ونمایاں فرق نہ پیدا کردے گا؟

لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ۬ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَ لَهُمْ فِيْهَا

شراب کی ہوں گی اور نہریں شہد صاف کی ہوں گی اور وہاں اُن کے لئے

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ

ہر قسم کے پھل ہوں گے اور اُن کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہوگی ف۱۷ (تو کیا ایسے لوگ) ان لوگوں جیسے ہوسکتے ہیں جو

فِى النَّارِ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾ وَ مِنْهُمْ

ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی اُنہیں پینے کو دیا جائے گا، وہ اُن کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا، اور لوگوں میں

مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ

سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اُن کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو

قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۟ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

جو صاحب علم ہیں اُن سے پوچھتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا تھا، یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے اُن کے

طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ اتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَ الَّذِيْنَ

دلوں پر مہر کر دی ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چل رہے ہیں ف۱۸ اور جو لوگ

اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ

راہ پر ہیں اللہ انہیں اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انہیں تقویٰ کی توفیق دیتا ہے ف۱۹ سو یہ لوگ بس قیامت

اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى

ہی کے منتظر ہیں کہ اُن پر دفعۃً آپڑے سو اُس کے آثار تو پیدا ہی ہو چکے ہیں، سو جب وہ

لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

ان کے سامنے آ کھڑی ہوگی تو ان کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا؟ ف۲۰ تو آپ اس کا یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں

وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ

اور اپنی خطا کی معافی مانگتے رہئے اور سارے ایمان والوں اور ایمان والیوں کے لئے بھی، اور اللہ خوب خبر رکھتا ہے

ف۱۷ خلاصہ یہ کہ اہل جنت ہر قسم کی مادی و روحانی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے۔ دنیا کی ہر مادی نعمت فناء پذیر ہوتی ہے۔ پانی سڑ جاتا ہے، دودھ بگڑ جاتا ہے، شراب میں تلخی ہوتی ہے شہد میں گدلا پن شامل رہتا ہے۔ آیت میں ان سب چیزوں کی نفی کر کے بتلا دیا ہے کہ جنت کی کسی مادی نعمت میں کوئی خرابی نہ پیدا ہونے پائے گی۔ جنت کا ماحول، ناسوت کے ماحول سے بالکل مختلف ہوگا، اس لئے وہاں کی "مادیات" کا بھی یہاں کی مادیات سے بالکل مختلف ہونا قرین قیاس ہے۔ وہاں کی مادیات بس صرف لفظاً ہی مادیات ہوں گے۔ مَآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ۔ یعنی پانی ہوگا مگر دنیوی پانی کے برخلاف وہ کبھی سڑے گا نہیں...... زندگی قائم رکھنے والا۔ لَبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ۔ یعنی دودھ ہوگا مگر دنیوی دودھ کے برخلاف وہ کبھی بگڑے گا نہیں— قوت دینے والا۔ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ۔ یعنی شراب ہوگی مگر دنیوی شراب کے برخلاف ہر تلخی سے پاک اور ہر سکر و خمار سے بری— سرور و لذت پیدا کرنے والی۔ عَسَلٍ مُّصَفًّى۔ یعنی شہد ہوگا مگر دنیوی شہد کے برعکس ہر آمیزش سے پاک— شفا بخشنے والا۔ ف۱۸ (ہدایت سے روز بروز دُور ہو کر) وَمِنْهُمْ...... اِلَيْكَ۔ یعنی اُن کے چہرہ، بشرہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی گفتگو کو غور و توجہ سے سن رہے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ نہیں۔ بیان منافقین کا ہو رہا ہے۔ حَتّٰٓى...... اٰنِفًا۔ یعنی مجلس رسول ﷺ میں بیٹھنے کے بعد بھی ایسے کورے رہتے ہیں کہ جب باہر نکلتے ہیں تو اہل علم و ایمان سے پوچھتے ہیں کہ یہ ابھی کیا ارشاد ہوا تھا— محض صحبت و ہم نشینی بڑے سے بڑے مرشد کے پاس بھی بے اثر رہتی ہے۔ جب تک بیٹھنے والے کے دل میں قصد استفادہ نہ ہو۔ اُولٰٓئِكَ...... قُلُوْبِهِمْ۔ یہ طبع قلب (دل پر مہر لگ جانے) کا عمل حق تعالیٰ کی جانب سے ابتداءً نہیں ہوتا۔ محض بطور نتیجہ کے ہوتا ہے۔ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ۔ اُن کی اِرادی بے توجہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی توجہ کی صلاحیت بھی روز بروز کمزور ہوتی گئی۔ ف۱۹ چنانچہ ایمان کے بعد وہ احکام پر بھی عمل کرتے رہتے ہیں۔ راہ ہدایت پر چلنے اور احکام پر عمل کرتے رہنے سے ایک خاص برکت یہ پیدا ہوتی ہے کہ ہدایت اور بڑھتی رہتی اور عمل کی توفیق اور زیادہ پیدا ہوتی رہتی ہے۔ ف۲۰ یعنی سمجھنے سمجھانے کا وقت تو اب ہے۔ قیامت کے آ جانے پر اسے سمجھے بھی، تو یہ سمجھ مفید کیا خاک ہوگی؟ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا۔ قرب قیامت کی ابتدائی علامتوں میں مثلاً جھوٹے مدعیانِ نبوت کا ظہور، تو نزولِ قرآن کے زمانہ ہی میں شروع ہو گیا تھا۔

مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ

تم (سب) کے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی و۲۱ اور جو لوگ ایمان والے ہیں، وہ کہتے رہتے ہیں کہ کوئی (نئی) سورت کیوں نہ

سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ

نازل ہوئی و۲۲ سو جس وقت کوئی سورت صاف صاف مضمون کی نازل ہوتی ہے اور اس میں قتال کا ذکر ہوتا ہے،

رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ

تو آپ اُن لوگوں کو دیکھے گا جن کے دلوں میں روگ ہے کہ آپ کی طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں،

نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ

جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو و۲۳ عنقریب اُن کی شامت آنے والی ہے و۲۴ (اُن کی) اطاعت

وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ

اور بات چیت (کی حقیقت) معلوم ہے، لیکن جب سارا کام تیار ہی ہو جاتا ہے تو (اس وقت بھی) اگر یہ لوگ اللہ سے

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ

سچے رہتے تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا و۲۵ اگر تم کنارہ کش رہو تو تم کو یہ احتمال بھی ہے

تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰۗىِٕكَ

کہ تم لوگ دنیا میں فساد مچا دو گے اور آپس میں قطع قرابت کر لو گے و۲۶ یہی لوگ تو ہیں

الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا

جن پر اللہ نے لعنت کی ہے سو انہیں بہرا کر دیا، اور اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے و۲۷ تو کیا

يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰي قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں؟ و۲۸ بے شک جو لوگ

ارْتَدُّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ

پشت پھیر کر ہٹ گئے بعد اس کے راہِ ہدایت اُن پر صاف ظاہر ہو چکی تھی

و۲۱ یعنی وہ باخبر ہے تمہارے سارے ہی اعمال واحوال سے، سو اُسی کے وعدوں کے اُمیدوار اور اُسی کے وعیدوں سے خائف ہونا چاہیے۔ لِذَنْۢبِكَ۔ ذنب کا لفظ رسول ﷺ سے متعلق قرآن کریم میں جابجا آیا ہے۔ ایک اصولی بات ہمیشہ یاد رہے کہ ذنب معصوم کے سلسلہ میں جب بھی آئے گا، مراد اُس سے صرف ذنب صوری یا اجتہادی ہوگا، ورنہ کلام میں صریح تناقض واقع ہوگا۔ اس کے بعد انشاءاللہ کوئی اشکال نہ رہے گا۔ فَاعْلَمْ۔ یعنی اس یقین پر آئندہ بھی قائم رہیے جیسا کہ اب تک رہے ہیں۔ و۲۲ (کہ اگر کسی حکم سابق کی تاکید ہو تو ہمیں بھی مزید ثبات کی نعمت حاصل ہو اور اگر کوئی حکم جدید ہو تو اس کی تعمیل کی دولت) وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ مومنین یہ غایت شوق سے کہتے اپنا ایمان تازہ کرنے کی غرض سے۔ و۲۳ یعنی ایسی بھیانک اور وحشت ناک نظروں سے دیکھتے ہیں جیسی سکرات کے وقت ہو جاتی ہیں مطلب یہ ہوا کہ احکام قتال سن سن کر اُن کے کلیجے دہلنے لگتے ہیں، رنگ فق ہو جاتے ہیں، چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگتی ہیں۔ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔ ذکر منافقین کا ہو رہا ہے۔ دل کے مرض سے مراد نفاق ہے۔ و۲۴ (خواہ دنیا میں، خواہ آخرت میں، خواہ دونوں جگہ) فَاَوْلٰى لَهُمْ۔ محاورۂ عرب میں کلمۂ وعید وتہدید ہے۔ و عيد بمعنى فويل لهم و معناه الدعاء عليهم بان يليهم الكره (کشاف) و۲۵ یعنی ایمان میں اگر شروع سے صادق نہ تھے تو خیر۔ آخر میں منافقت سے تائب ہو جاتے، جب بھی ان کا ایمان مقبول ہو جاتا۔ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ۔ یعنی اُن کی باطنی حالت کا اظہار ان آیات قتال کے نزول کے بعد سب پر ہو گیا۔ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ۔ یعنی نزول حکم قتال کے بعد جب سارا سامان جہاد کا تیار ہو گیا۔ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ۔ یعنی دعویٰ ایمان کے مقتضیٰ پر عمل کرتے۔ اور صدق دل سے جہاد پر آمادہ ہو جاتے۔ و۲۶ حکم جہاد۔ ایک بڑی تمدنی وعقلی مصلحت، قیام عدل و اصلاح وامن ہے۔ اگر جہاد کو ترک کر دیا جائے تو مفسدین کا غلبہ ہو جائے۔ امن عالم برہم ہو جائے، اور دنیا بھر میں ہنگامۂ غدر برپا ہو جائے۔ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ۔ یعنی اگر جہاد سے تم منہ موڑ رہے ہو — خطاب براہ راست منافقین سے ہے۔ ضمناً دوسرے لوگ بھی جہاد سے کنارہ کش رہنے والے اس میں شامل ہو گئے۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ۔ یعنی یہ احتمال تو تمہیں ہونا چاہیے۔ عَسَيْتُمْ۔ تَوَلَّيْتُمْ۔ اُوپر سے صیغۂ غائب چلا آ رہا تھا۔ اب دفعۃً صیغۂ مخاطب کی طرف انتقال توبیخ وترہیب کے لیے ہے۔ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ۔ دنیا اگر شریعت اسلامی سے محروم ہو جائے تو آخری انجام سب کا خانہ جنگی ہی پر ہو۔ و۲۷ (کہ نہ ندائے حق گوش قبول سے سنتے ہیں اور نہ راہ حق دیکھتے ہیں) الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ۔ یعنی حق تعالیٰ نے انہیں ان کے نفاق کی پاداش میں اپنی رحمت خاصہ سے دُور کر دیا ہے، سو اب اُن میں احکام پر عمل کی توفیق ہی نہ رہی۔ و۲۸ (جس سے وہ ہر ہدایت سے غیر متاثر رہنے لگے ہیں) اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ قرآن مجید پر اگر وہ جذبہ حق طلبی وانصاف کے ساتھ غور وفکر کرتے رہتے تو اس کے اعجازی مضامین اُن پر یقیناً کشف حقائق کر کے رہتے۔ عارفین نے اس آیت سے نکالا ہے کہ طولِ امل یعنی ہمیشہ بڑی بڑی آرزوؤں میں پڑے رہنا اور انہیں میں لگے رہنا ممنوع ہے۔ اَمْ یہاں بل کے معنٰی میں بھی لیا گیا ہے اور ترجمہ اس صورت میں یوں ہوگا کہ "یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے، بلکہ ہے یہ کہ اُن کے دلوں میں قفل لگ رہے ہیں"

الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا

انہیں شیطان نے چکمہ دیا، اور انہیں دور دور کی بجھائی ۲۹ یہ اسی سبب سے ہوا کہ انہوں نے

لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ

ان لوگوں سے جو اللہ کے اتارے ہوئے احکام کو ناگوار سمجھتے ہیں کہا کہ ہم چند اُمور میں تمہارا کہنا

الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ

مان لیں گے، اور اللہ اُن کی خفیہ باتیں کرنے کو خوب جانتا ہے ۳۰ سو اُن کا کیا حال ہوگا، جب فرشتے اُن کی جان

الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ

قبض کر رہے ہوں گے، اور اُن کے چہروں پر اور پشتوں پر مارتے جاتے ہوں گے یہ (سب)

بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ

اس سبب سے ہوگا کہ یہ اس راہ پر چلے جو طریقہ اللہ کی ناخوشی کا تھا اور اس کی رضا سے بیزار رہے سو اللہ نے اُن کے اعمال

اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ ع اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ

اکارت کر دیئے ۳۱ کیا جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے، وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ

لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ

اللہ کبھی اُن کی دلی عداوتوں کو کھول نہ دے گا؟ اور اگر ہم چاہتے تو ہم آپ کو ان کا پورا پتہ بتا دیتے

فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ

تو آپ انہیں اُن کے حلیہ سے پہچان لیتے، اور آپ انہیں (اُن کے) طرزِ کلام سے ضرور پہچان لیں گے، اور اللہ

يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ

تمہارے (سب کے) اعمال کو خوب جانتا ہے ۳۲ اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے، تاکہ تم میں سے جہاد کرنے والوں

مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور تم میں سے ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کر لیں اور تاکہ تمہاری حالتوں کی جانچ کر لیں ۳۳ بے شک جو لوگ

ع ۹ / ۷

ف ۲۹ (کہ رسول پر ایمان لے آنے سے فلاں فلاں مصلحتیں فوت ہو جائیں گی اور فلاں فلاں نقصان لازم آجائیں گے) مِنْۢ ...... الْهُدَى۔ یعنی یہ لوگ دلائل عقلی و نقلی کے واضح ہو جانے کے باوجود ضد اور خبث نفس سے کام لے کر قبولِ حق سے انکار کر رہے ہیں۔ تسویلاتِ شیطانی سے بس اللہ ہی محفوظ رکھے۔ اچھے اچھے مومنین تک اس مردود فریبی کے کہے میں آجاتے ہیں تو جو پہلے ہی سے ناقص الایمان یا ضعیف الایمان ہیں ان کا ذکر ہی نہیں۔ ف ۳۰ (اور وہی وحی کے ذریعہ سے اپنے رسول ﷺ کو ان لوگوں کی خفیہ سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے باخبر کرتا رہتا ہے) بِاَنَّهُمْ۔ ضمیر ھم۔ منافقین مشرکین کی طرف ہے۔ لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ۔ مراد رؤساء و اکابر یہود ہیں، جنہیں از راہ حسد و عناد، نزولِ قرآن و رسالت محمدی ﷺ سخت گراں گزر رہی تھی۔ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ۔ یعنی گو ہم بظاہر اسلام قبول کر لیں گے، لیکن باطناً و عقیدۃً تمہارے ہی ساتھ رہیں گے۔ ف ۳۱ یعنی ان کے جو اعمال بظاہر خوشنما و مقبول معلوم ہوتے تھے۔ انہیں بالکل بے وزن و بے حقیقت کر کے دکھلا دیا، اور ان کا انہیں کچھ صلہ نہ دیا۔ یہ اعمال حقیقۃً مردود و غیر مقبول تو شروع ہی سے تھے۔ اس لئے کہ ان کا مبنیٰ و منشاء ایمان تھا ہی نہیں، البتہ ان کی اس مردودیت کا ظہور کامل آخرت ہی میں ہو گا۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی مرتے وقت ان کی سزائے سخت۔ مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ۔ مثلاً کافروں کے ساتھ شرکت اور ان کی معاونت۔ رِضْوَانَهٗ۔ مثلاً مومنین کے ساتھ شرکت اور ان کی معاونت۔ ف ۳۲ (اس لئے مومنین کے لئے ایمان پر جزاء اور منافقین کے لئے نفاق پر سزا یقینی ہے) وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ۔ یعنی باوجود ہمارے مفصل نہ بتانے کے آپ اپنی فراست ایمانی کی مدد سے ان کے لب و لہجہ پر غور کرنے سے اب بھی انہیں پہچان لیں گے۔ صوفیہ عارفین نے لکھا ہے کہ یہ آیت اصل ہے فراست کی۔ لیکن فراست کی بناء پر جزم جائز نہیں۔ اَلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔ دل کے روگ سے مراد وہی نفاق و منافقت ہے۔ ف ۳۳ (ظاہری طور پر بھی) جانچ سے مراد صرف یہ ہے کہ یہ علم اور یہ جانچ کھلے خزانہ سب کے روبرو ہو جائے۔ ورنہ حق تعالیٰ کے علم ازلی میں تو ظاہر ہے کہ ہر واقعہ ہمیشہ ہی سے موجود ہے۔

كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ

کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے راستہ سے روکا (بھی) اور رسول کی مخالفت کی بعد اس کے

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

کہ راہ راست اُن پر واضح ہو چکی تھی ہرگز یہ لوگ اللہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے

وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ

اور اللہ اُن کی کارروائیوں کو اکارت کر کے رہے گا ف۳۴ اے ایمان والو، اطاعت کرو اللہ کی

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو رائیگاں مت کر دو ف۳۵ بے شک جو لوگ

كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ

کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے انہوں نے روکا پھر وہ کافر ہی مر بھی گئے

فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ

تو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا ف۳٦ سو تم ہمت مت ہارو اور انہیں صلح کی طرف مت بلاؤ،

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ

اور تم ہی غالب رہوگے، اور اللہ تمہارے ساتھ ہے ف۳۷ اور وہ تمہارے اعمال (کے اجر) میں ہرگز کمی نہیں کرے گا (یہ) دنیوی

اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ

زندگی تو محض ایک کھیل اور تماشہ ہے، اور اگر تم ایمان لاؤ، اور تقویٰ اختیار کرو تو (اللہ) تم کو تمہارے اجر عطا کرے

تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳٦﴾

گا، اور تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرے گا ف۳۸ وہ اگر تم سے تمہارے مال طلب کرے اور آخری درجہ تک

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾

تم سے طلب کرتا رہے تو تم بخل کرنے لگو اور (اللہ) تمہاری ناگواری ظاہر کر دے ف۳۹

ف۳۴ یعنی اللہ کے دین وشریعت کی تباہی وبربادی کی جو کوششیں یہ لوگ کر رہے ہیں وہ ہرگز کامیاب نہ ہونے پائیں گی۔ اور حکمت الٰہی ان کی ساری کوششوں اور سازشوں کو کچل کر رکھ دے گی۔ حبط اعمال کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳۱۔ مِنْ ...... الْهُدٰى۔ اس تبیین ہدایت کے اندر دلائل عقلی وشواہد نقلی سب آ گئے۔ ف۳۵ (کافروں کی طرح رسول کی نافرمانی کر کے) فرق یہ ہے کہ کافر کی نافرمانی اصول وعقائد تک پہنچ جاتی ہے اور مسلمان کی نافرمانی فروع واعمال تک محدود رہتی ہے۔ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ رسول کی اطاعت کرو۔ جو احکام الٰہی ہی کے مبلغ ومناد ہیں اور اس طرح ان کی اطاعت عین حق تعالیٰ ہی کی اطاعت ہوئی۔ ف۳٦ مغفرت کی پہلی اور لازمی شرط ایمان ہے۔ اس کی تصریح قرآن مجید میں بار بار ہوئی ہے۔ ایمان تخم کے درجہ میں ہے، اور مغفرت اسی تخم کا شجر وثمر ہے۔ بغیر تخم کے شجر وثمر کے وجود میں آ جانے کی کوئی شکل ہی نہیں۔ ف۳۷ یعنی اللہ نہ دنیا میں تمہارا ساتھ چھوڑے گا نہ آخرت میں۔ دوسری جگہ قرآن مجید نے اسی اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کو اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کے ساتھ مقید ومشروط کیا ہے۔ یعنی غلبہ کی شرط ایمان کامل ہے۔ فَلَا تَهِنُوْا سے مراد یہ ہے کہ پست ہمتی کے مقتضیٰ پر عمل نہ کرو۔ اور مایوسی کے خیال کو اپنے عمل پر غالب نہ آنے دو۔ ورنہ اعداء کی کثرت تعداد اور ساز وسامان اور اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی دیکھ کر طبیعت میں کمزوری اور پستی پیدا ہو جانا تو ایک امر طبعی ہے۔ ممانعت صرف اس کے مقتضاء پر عمل کی ہے۔ وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ۔ یعنی تمہیں کافروں کے مقابلہ میں ہمت ہار کے اور ان سے دب کر خواہشِ صلح کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ تم اللہ کے محبوب ہو۔ کفار اس کے مبغوض ہیں۔ فقہاء مفسرین نے تصریح کر دی ہے کہ جس دعوتِ صلح کی یہاں ممانعت ہے وہ وہی ہے جو ضعف ہمت کی بناء پر کی جائے ورنہ نفس دعوتِ صلح جبکہ وہ کسی مصلحت امت پر مبنی ہو، ہرگز ممنوع نہیں۔ ف۳۸ (اپنے نفع کے لئے) اِنَّمَا ...... لَهْوٌ۔ یعنی ایسی دنیا جو خیال آخرت سے الگ ہو، اس سے وابستہ نہ ہو۔ اس کی عمر ہی کیا؟ اور اس کی بساط ہی کیا؟ جو تم آخرت کے مقابلہ میں اسے عزیز رکھے ہوئے ہو قرآن مجید نے دنیوی زندگی کو لہو ولعب جہاں بھی قرار دیا ہے۔ ہمیشہ آخرت کے مقابلہ میں رکھا ہے۔ نامتناہی اور متناہی کا مقابلہ ہی کیا۔ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا۔ اسی ایمان وتقویٰ کا ایک جزء جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ۔ حق تعالیٰ تمہیں اجر عطا کرے گا نہ یہ کہ الٹا تم سے اپنے نفع کا طالب ہو۔ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ۔ مراد یہ ہے کہ مال جو جان سے کہیں ہلکی چیز ہے وہ تک بھی حق تعالیٰ تم سے اپنے نفع کے لئے طلب نہیں کرتا۔ ف۳۹ یعنی تمہارے نہ خرچ کرنے سے جو ایک عمل ظاہری ہے، تمہاری گرانی طبع وناگواری کا پتہ چلتا ہے۔ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا۔ یعنی اگر وہ تم سے مال تمہارے ہی نفع واجر کے لئے بطور امتحان طلب کرے۔ فَيُحْفِكُمْ۔ یعنی سارے کا سارا مال طلب کرے۔

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ

ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تمہیں بلایا جاتا ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے، سو تم میں بعض وہ ہیں

مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَ مَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ

جو بخل کرتے ہیں اور جو کوئی بخل کرتا ہے وہ (درحقیقت) خود اپنے سے بخل کرتا ہے

وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ

اور اللہ تو کسی کا محتاج نہیں، بلکہ تم (سب اُس کے) محتاج ہو ۴۰ اور اگر تم روگردانی کرو گے تو (اللہ) تمہاری جگہ

قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ ع

دوسری قوم پیدا کر دے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے ۴۱

ایاتها ۲۹ ۴۸ سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِیَّةٌ ۱۱۱ رکوعاتها ۴

اُس کی انتیس آیتیں سورۂ فتح مدینہ میں نازل ہوئی اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۙ﴿۱﴾ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ

بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ آپ کی (سب)

مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ

اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے اور آپ پر احسانات کی (اور زیادہ) تکمیل کر دے،

وَ یَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۙ﴿۲﴾ وَّ یَنْصُرَكَ اللّٰهُ

اور آپ کو سیدھے راستہ پر لے چلے اور اللہ آپ کو

نَصْرًا عَزِیْزًا ﴿۳﴾ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ

باعزت غلبہ دے وا وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے اہل ایمان کے دلوں میں تحل

ف۴۰ (اور اس نے تمہاری حاجت مندی ہی کی رعایت سے اس کے رفع کرنے کے لئے احکام تمہارے حق میں نازل فرمائے ہیں) لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ یہ انفاق فی سبیل اللہ ہمیشہ بندوں ہی کے نفع کے لئے، اور انہیں کی مصلحتوں کی رعایت سے ہوتا ہے۔ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ۔ اور ایسا شخص خرچ نہ کر کے اپنے ہی کو نفع دائمی سے محروم کر دیتا ہے۔ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ۔ وہ ہر طرح بے نیاز و غیر محتاج ہے۔ اس کا احتمال ہی نہیں کہ تمہارے بخل سے نقصان کچھ اس کا ہو۔ دنیا میں بہت سی مشرک جاہلی قوموں نے خود خدا تعالیٰ کی ذات کو محتاج تکمیل مانا ہے۔ اس قسم کی آیتیں برابر ان خرافات کی بھی تردید کر رہی ہیں۔ ف۴۱ (عدم تعمیل احکام میں۔ بلکہ نہایت فرمانبردار ہوں گے) اس میں تعلیم ہے اس کی کہ انسان کبھی کسی خدمت دین کو اپنی ذات پر موقوف نہ سمجھے، اور عجب و پندار میں مبتلا ہو کر اپنے کو ہرگز مدار دین نہ سمجھنے لگے۔ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا۔ یعنی تعمیل احکام سے روگردانی کرتے رہو گے، یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ۔ وہ کسی دوسری قوم کو لا کھڑا کرے گا اور اپنی تکوینی حکمتوں کی تکمیل کا کام انہیں سے لے گا۔ ف۱ (جس سے آپ کو آئندہ پھر نہ دبنا پڑے) فَتْحًا مُّبِیْنًا۔ مراد صلح حدیبیہ ہے۔ جس کے بعد اہل عرب کثرت سے اور جوق جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ نزلت هذه السورة الكريمة لما رجع رسول الله ﷺ من الحديبية (ابن کثیر) والا كثرون على انه صلح الحديبية (معالم) سنہ ۶ ہجری کا ماہ رجب (مطابق مارچ ۶۲۸ء) تھا۔ اور حکومت مکہ پر ابھی بدستور مشرکین قریش کا قبضہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک خواب کی بناء پر کعبہ کی زیارت وعمرہ کا خیال پیدا ہوا۔ اور آپ تقریباً چودہ سو احرام پوش صحابیوں کی جماعت کے ساتھ طواف کعبہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ شہر مکہ سے تین میل شمال میں ایک مقام حدیبیہ ہے۔ ابھی یہ قافلہ وہیں پہنچا تھا کہ ادھر سے حکومت مکہ کی طرف سے مزاحمت کی اطلاع ملی۔ آپ نے آگے بڑھنے کے بجائے وہیں قیام فرما دیا۔ اور ایک قاصد کے ہاتھ اہل مکہ کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ ہم لڑنے کو نہیں، بلکہ صرف صلح و آشتی کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کو آئے ہیں۔ جواب نہ آیا۔ تو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ ان کی واپسی میں بھی تاخیر ہوئی۔ اور یہ خبر مشہور ہو گئی کہ یہ سفیر رسول شہید کر دیئے گئے۔ اس پر آپ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے جہاد کی بیعت لی مشرکوں نے یہ سن کر حضرت عثمان کو واپس بھیج دیا۔ اب مکہ کے چند سردار بھی آپ کی خدمت میں آئے اور گفتگو کے بعد ایک صلح نامہ مرتب ہوا جس کی اکثر دفعات سے بظاہر مسلمانوں کی سبکی ہوتی تھی۔ اور اس لئے بعض صحابیوں کو درمیان میں بہت جوش بھی آ گیا، مگر آپ نے سب کو روکا اور بالآخر مشرکوں ہی کے شرائط پر صلح نامہ مرتب ہو گیا اور آپ مع جاں نثار صحابیوں کے احرام اتار کر بغیر مکہ مکرمہ تک پہنچے واپس آ گئے۔ ...... اس ظاہری شکست کو فتح ہی سے نہیں "فتح مبین" سے تعبیر کرنا حق تعالیٰ ہی کا کام تھا۔ کوئی بندہ تو ایسی خلاف ظاہر پیش خبری کی جرأت کر نہیں سکتا تھا۔ مؤرخین متفق ہیں کہ فتح مکہ، فتح خیبر بلکہ آئندہ کی ساری اسلامی فتوحات کا سنگ بنیاد یہی صلح حدیبیہ ہے۔ قال الزهرى لم يكن فتح اعظم من صلح الحديبية وذلك ان المشركين اختلطوا بالمسلمين فسمعوا كلامهم فتمكن الاسلام فى قلوبهم اسلم فى ثلاث سنين خلق كثير وكثربهم سواد الاسلام (معالم) والمراد به صلح الحديبية فانه حصل بسببه خير جزيل وامن الناس واجتمع۔ لِیَغْفِرَ لَكَ۔ یعنی اس کثرت اجر و قرب کی برکت سے جو آپ کو اس واقعہ سے حاصل ہوا ہے۔ آپ کے مراتب اور بڑھا دے۔ مِنْ ذَنْۢبِكَ۔ رسول ﷺ معصوم کے سلسلہ میں جہاں کہیں بھی ذنب یا اس کا مرادف آتا ہے مراد اس سے ہمیشہ صرف صوری غلطیاں یا اجتہادی لغزشیں ہوتی ہیں جیسا کہ پیشتر حاشیوں میں کئی بار گزر چکا ہے۔ یُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ۔ یعنی آپ کے ہاتھ پر بکثرت لوگوں کو مسلمان کر کے اور اس طرح آپ کے اجر و مراتب قرب میں بدرجہا اضافہ کر کے آپ پر اپنے انعام و افضال کی تکمیل کر دے۔ آپ کی اجتہادی لغزشوں ہی سے درگزر نہ ہو بلکہ جو سلسلہ آپ پر انعام و افضال کا چل رہا ہے۔ اس کی بھی تکمیل ہو جائے۔ نِعْمَتَهٗ۔ آپ کو نبوت ملی، قرآن ملا، معجزات ملے، علوم و معارف ملے، یہ سب اسی انعام و افضال الٰہی کی فردیں ہیں۔ یَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا۔ یعنی آئندہ بلا کسی روک ٹوک بلا حکومت مکہ کی طرف سے کسی مزاحمت کے آپ کے قدم آگے بڑھتے رہیں۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ اس واقعہ کے بعد سے پھر سرداران مکہ میں آپ سے مقابلہ کا دم خم باقی نہ رہا۔ یَهْدِیَكَ۔ یَنْصُرَكَ۔ نکتہ سنجوں نے کہا ہے کہ یهدیک سے مراد نفی مغلوبیت یا دفع معصرت ہے۔ اور یَنْصُرَكَ کا حاصل اثبات قابلیت یا حصول منفعت ہے۔ لِیَغْفِرَ لَكَ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لِ تعلیل کے کے مرادف ہے۔ معناه انا فتحنالک فتحًا مبينًا لكے يجتمع لک مع المغفرة تمام النعمة فى الفتح (معالم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا تعلق اس آیت سے ہے۔ واستغفر لذنبک وللمؤمنين والمؤمنات۔ قال الحسن بن الفضل هو مردود الى قوله واستغفر لذنبک (معالم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ فتح سبب مغفرت نہیں۔ بلکہ لیغفرلک سے متصل قبل فاستغفر محذوف ہے۔ الفتح ليس بسبب للمغفرة والتقدير انا فتحنالک فتحًا مبينًا فاستغفر ليغفرلک (مدارک)

الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَ لِلّٰهِ

پیدا کیا تاکہ (اپنے) پہلے ایمان کے ساتھ (ان کا) ایمان اور زیادہ ہو جائے، اور اللہ ہی کی ملک

جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۴﴾

آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ بڑا جاننے والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۲

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

(اور یہ اس لئے) تاکہ وہ ایمان والوں اور ایمان والیوں کو ایسے باغوں میں داخل کردے جن کے نیچے نہریں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ يُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ

بہ رہی ہوں ان میں یہ ہمیشہ رہیں گے اور تاکہ ان کے گناہ اُن سے دور کر دے

وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۵﴾ وَّ يُعَذِّبَ

اور یہی اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے ف۳ اور تاکہ وہ

الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ

نفاق کرنے والوں اور نفاق والیوں اور شرک والوں اور شرک والیوں کو عذاب دے

الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ

جو اللہ کے ساتھ برے برے گمان رکھتے ہیں ف۴ اُن پر برا وقت آنے والا ہے

وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ

اور اللہ اُن پر غضبناک ہوگا، اور انہیں رحمت سے دور کردے گا، اور اُن کے لئے اُس نے دوزخ تیار کررکھی ہے

وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۶﴾ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ

اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے ف۵ اور اللہ ہی کی ملک آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں

وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۷﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا

اور اللہ بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۶ بے شک ہم نے آپ کو گواہ

ف۲ (چنانچہ جب مصلحت قتال کی ہوگی، حکم قتال کا دے گا، ہر حکم بہر صورت اس علیم کے علم کامل اور حکیم کی حکمت کامل کے ماتحت ہی ہوگا۔ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ ۔سکینۃ کے معنی تسلی اور اطمینان قلب کے ہیں۔ اور یہی شے استقامت اور صبر وثبات کی بنیاد ہے۔ اور یہ لفظ اہل لغت کی تحقیق میں نور اور قوت اور روح کا جامع ہے۔ السکینہ السکون والطمانیۃ (کشاف) فسروھا بشیء یجمع نورًا وقوتًا وروحًا بحیث یسکن الیہ ویتسلی بہ الحزین (روح) اس موقع خاص پر سکینت الٰہی کا ظہور دو طرح پر ہوا۔ ایک تو یوں کہ بیعت جہاد کے وقت صحابہ باوجود اس کے کہ گھر سے نکلتے وقت کوئی خیال بھی قتال کا نہ تھا۔ عزم جہاد پر ثابت ومستعدر رہے دوسرے اس طرح کہ مسلمانوں نے مشرکین مکہ کی سرتاسر بیجا ضد دیکھی، لیکن نہ قابو سے باہر ہوئے، نہ جوش سے بیخود ہو گئے۔ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۔ یعنی اس خاص سکینت قلب کے پیدا ہو جانے سے اہل ایمان کے قلب میں اور زیادہ انشراح اور ان کے نور باطنی میں اور زیادہ نورانیت پیدا ہوگئی اور ایمان استدلالی وبرہانی کے ساتھ ساتھ ایمان عیانی بھی نصیب ہو گیا۔ **فیحصل لھم الایمان العیانی والایمان الاستدلالی البرھانی** (روح) طاعت میں یہ خاصہ بھی ہے کہ ہر نئے امر طاعت سے نور ایمان میں اور ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ جو ہمارے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ **الایمان لا یزداد ولا ینقص** (ایمان میں نہ کمی ہوتی ہے نہ بیشی) سو اس سے ان کی مراد ذات ایمان یا نفس ایمان سے ہے جو قابل تجزی نہیں۔ باقی اس کے اوصاف وآثار میں کمی بیشی تو روزمرہ کا مشاہدہ ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔ وَلِلّٰهِ ...... الْاَرْضِ ۔تو تم اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی پر نظر نہ کرو۔ خدا اپنے خدائی لشکروں سے تمہاری امداد وتائید ہر طرح کر سکتا ہے۔ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۔ان آسمانی اور زمینی لشکروں کے تحت میں فرشتہ اور ساری مخلوقات ہر نوع اور ہر طبقہ کی آ گئی۔ ف۳ یہاں یہ تعلیم ہے کہ فوری، ظاہری، مادی فتح نہیں، بلکہ جنت کے امتحان میں کامیابی ہی اصلی کامیابی ہے۔ لِيُدْخِلَ ...... سَيِّاٰتِهِمْ ۔یعنی یہ ادخال جنت اور کفارۂ سیئات جو کچھ بھی ہوگا، سب اطاعت امر ہی کی بدولت ہوگا...... گویا اس کلیہ کا اثبات کہ فضیلت ومقبولیت کا مدار اطاعت ہی ہے۔ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ۔اس تصریح نے یہ بتادیا کہ وجوب اطاعت احکام اور پھر اس کے ثمرہ میں حصول قرب وفضیلت کے لحاظ سے مرد وعورت ہر دو جنس یکساں ہیں۔ ف۴ (اور اللہ سے بدگمانی کے تحت میں تکذیب رسول اور جملہ عقائد کفر وشرک داخل ہیں) وَ يُعَذِّبَ ...... الْمُشْرِكٰتِ ۔عذاب منافق ومشرک دونوں کو کفر مشترک کی پاداش میں ہوگا...... مشرکین ومشرکات کا جرم تو ظاہر ہی ہے کہ وہ رسول اور صحابہ رسول کی مزاحمت کر رہے تھے اور منافقین اس جرم میں شریک اس حیثیت سے تھے کہ وہ بھی اسلام سے اپنے بغض وعناد کی بنا پر آرزومند اسی کے تھے کہ مسلمان جنگ سے زندہ بچ کر واپس نہ آئیں۔ ظَآنِّيْنَ ...... السَّوْءِ ۔غلبہ اسلام ومسلمین کے جو وعدے تھے، مشرکین ومنافقین انہیں سب جھوٹ سمجھ رہے تھے۔ ف۵ برا وقت تو دنیا ہی میں پڑا تھا، لیکن اب اس سے کہیں بڑھ کر عذاب آخرت کا ہے۔ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۔یہ برا وقت دنیا میں مشرکین مکہ پر یوں پڑا کہ چند ہی روز میں قتل وگرفتاری سے ہر طرح مغلوب ومقہور ہو کر رہے اور منافقین کی باقی ساری عمر مسلمانوں کی ترقی وغلبہ سے جل جل کر اور کڑھ کڑھ کر کٹی۔ ف۶ (اس لئے مصلحتوں اور حکمتوں ہی کے تقاضہ سے نزول عذاب میں توقف کر رہا ہے حالانکہ وہ بربادیٔ کفار پر ہر وقت ہر طرح قادر ہے۔ جب چاہے دم بھر میں صفایا کردے) لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۔یہ الفاظ ابھی پہلے بھی گزر چکے ہیں، مگر وہاں ان سے مقصود تھا، مومنین کے غالب کرنے پر قادر ہونا جس کا حاصل تسلیہ ہے، اور اب مقصود ہے کفار کے مقہور کرنے پر قادر ہونا جس کا حاصل تہدید ہے۔ اسی لئے یہاں حَكِيْمًا کے ساتھ عَزِيْزًا فرمایا۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ)

وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٨﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ

اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، وے (اس لئے) تاکہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد

وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

کرو اور اس کی تعظیم کرو، اور صبح و شام اس کی تسبیح میں لگے رہو وہ بے شک جو لوگ

يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ

آپ سے بیعت کر رہے ہیں، وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے وو

فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا

سو کوئی عہد توڑے گا تو اس کے عہد توڑنے کا وبال اس پر پڑے گا وا اور جو کوئی اس چیز کو پورا کرے گا جس کا

عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٠﴾ ع سَيَقُوْلُ

اس نے اللہ سے عہد کیا ہے، تو اللہ اسے عنقریب بڑا اجر دے گا وا۱ جو دیہاتی (اس سفر میں) پیچھے رہ

لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا

گئے وہ عنقریب آپ سے (آکر) کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال اور ہمارے عیال نے فرصت نہ لینے دی

فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ

تو آپ ہمارے حق میں معافی کی دعا کر دیجئے و۱۲ یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں،

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا

آپ پوچھئے کہ وہ کون ہے جو اللہ کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا بھی اختیار رکھتا ہے، اگر (اللہ) تمہیں کوئی نقصان

اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١١﴾

یا کوئی نفع پہنچانا چاہے، نہیں بلکہ اللہ ہی تمہارے سب اعمال سے (خوب) باخبر ہے و۱۳

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى

اصل یہ ہے کہ تم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ رسول اور مومنین اپنے گھر والوں میں لوٹ کر کبھی

و۷ چنانچہ بشارت اور انذار کا ظہور تو اسی دنیا میں ہوا اور آپ مومنین کے حق میں مُبَشِّرٌ ثابت ہوئے اور کافروں کے حق میں نذیر۔ لیکن آپ کے شاہد ہونے کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ جب آپ قیامت کے دن اعمال امت پر گواہی دیں گے۔ تشهد على امتک یوم القيامة (مدارک) و۸ اس تسبیح و تقدیس کی تفسیر نماز سے بھی کی گئی ہے۔ اس صورت میں مراد اس سے فرض نمازیں ہوں گی۔ يريد تصلوا الله (معالم) اور مطلق ذکر بھی اس کے معنی کئے گئے ہیں۔ اس صورت میں مراد ذکر مندوب ہوگا۔ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ بعض نے صبح و شام سے مراد عموم اوقات یعنی دوام لی ہے۔ يحتمل ان يكون اشارة الى المداومة (کبیر) تُعَزِّرُوْهُ۔ اس کی مدد کرو، یعنی اللہ کے دین کی مدد کرو۔ تُوَقِّرُوْهُ۔ یعنی اللہ کی تعظیم عقیدہ میں بھی کرو اور عمل سے بھی۔ عقیدۃً یوں کہ اسے جامع کمالات واوصاف حسنہ سمجھو۔ ہر عیب، ہر نقص سے پاک و بالاتر۔ اور عملاً یوں کہ اس کی اطاعت کرو، آیت میں ضمیر واحد چاروں جگہ حق تعالیٰ ہی کی جانب ہے۔ الضمائر لله عزوجل والمراد بتعزير الله تعزير دينه ورسوله ومن فرق الضمائر فقد ابعد (کشاف، مدارک) والظاهر ان الضمائر عائدة الى الله تعالىٰ (بحر) بعض نے تعزروه اور توقروه کی ضمیریں رسول اللہ ﷺ کی جانب پھیری ہیں۔ وهذه الكنايات راجعة الى النبیؐ (معالم) اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ آپؐ کی سنت کے اتباع و اجراء میں جان و مال سے شریک رہو۔ آپؐ کی اعانت و تعظیم کا تارک، عاصی ہوگا۔ و۹ (اور آپ سے ان کی بیعت گویا حق تعالیٰ ہی سے ان کی بیعت ہوئی) اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ یہ بیعت صحابہ نے حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر عزم جہاد پر کی تھی، جب یہ خبر اڑی تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو بحیثیت سفیر رسول مکہ میں گئے ہوئے تھے، انہیں مشرکوں نے شہید کر ڈالا۔ اور اس پر یہ رائے ٹھہری تھی کہ اب مشرکوں سے جنگ ناگزیر ہو گئی ہے۔ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ۔ یہ اس لئے کہ حقیقۃً ان کا مقصود طاعت الٰہی ہی پر بیعت کرنا تھا۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ یہ بھی بیعت ہی سے کنایہ ہے۔ اس لئے گویا ماقبل کی اور تاکید ہو گئی۔ اكده تاكيدا على طريق التخييل (کشاف) موكد له على سبيل التخييل (بیضاوی) يريد ان يد رسول الله ﷺ التى تعلوا يدى المبايعين هى يد الله (مدارک) ید کے معنی محاورہ میں غلبہ و نصرت کے بھی آتے ہیں۔ يقال اليد لفلان اى الغلبة والنصرة والقهر (کبیر) اور یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کے ہاتھ کہاں؟ یا کوئی سا بھی وصف جسمانی و مادی کہاں؟ الله منزه عن الجوارح وعن صفات الاجسام (مدارک) و۱۰ یعنی جو کوئی بجائے طاعت کے مخالفت کرے گا، سو وہ خود ہی اپنی سزا کو پہنچے گا، خود ہی بھگتے گا، کسی کا کیا بگڑے گا۔ فقہاء نے کہا ہے کہ چونکہ الفاظ عام ہیں، اس لئے وعید کچھ اسی بیعت رضوان کے ساتھ مخصوص نہیں، جو کوئی جس عہد واجب الایفاء کو توڑے گا وہ اسی حکم میں داخل ہے۔ فَمَنْ نَّكَثَ۔ وعید کے تحقق کے لئے ضروری ہے کہ نقض عہد عمداً ہوا یا دانستہ بے اعتنائی سے۔ باقی اگر کسی نے مجبوری سے یا محض سہو سے ایسا کیا اور اب نادم و خائف ہے تو وہ ناکث نہیں، شریعت کی نگاہ میں محض خاطی ٹھہرے گا۔ و۱۱ عَلَيْهُ۔ ایک انگریز نے اپنی عربی دانی کے غلط زعم میں اس اعراب پر اعتراض کر کے یہ کہا ہے کہ اسے قاعدہ سے بجائے علیہُ کے علیہِ ہونا چاہیے۔ پرچہ "صدق" میں اس کے متعدد شافی جوابات مختلف اہل علم کے قلم سے درج ہو چکے ہیں۔ لیکن ایک اصولی سوال یہ ہے کہ خود اعتراض ہی کی بنیاد کیا ہے؟ یہی نا کہ "خلاف قاعدہ"؟ لیکن خود "قاعدہ" کہاں بنا ہے؟ کیا "قاعدہ" پر کوئی وحی آئی ہوئی ہے؟ قاعدہ تو خود ہی فصحاء و اہل زبان کے کلام سے مستنبط ہوتا ہے تو جو کلام سارے اہل زبان کے نزدیک سب سے افصح ہے، جب اس نے اس اعراب کو استعمال کر دیا تو اس کے خلاف کوئی قاعدہ مستنبط ہی کہاں سے ہوا؟ اور ایسے با قاعدہ قاعدہ کا استنباط خود قاعدہ ساز یا قاعدہ گر کے سہو نظر پر محمول کیا جائے گا۔

و۱۲ یعنی اللہ تعالیٰ سے سفارش کر دیجئے کہ ہمارے اس عذر کی بناء پر ہم سے مواخذہ ترک جہاد کا نہ کیا جائے۔ استغفار کی درخواست باوجود عذر صحیح کے اگر غیر مخلص کی طرف سے ہو تو ریاء فی الاخلاص پر محمول ہوگی اور اگر مخلص کی طرف سے ہو تو اس کی بناء یہ ہے کہ عذر کا عذر ہونا اکثر امر اجتہادی ہوتا ہے اور اجتہاد کا مدار تحری پر ہوتا ہے، اس میں بعض اوقات تسویل نفسانی و شیطانی سے تامل یا عمل بمقتضاء تامل میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا استغفار کی حاجت ہوتی ہے۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) سَيَقُوْلُ لَكَ۔ یعنی آپ کے مدینہ پہنچنے پر کہیں گے...... سورۃ کا نزول دوران سفر ہی میں ہوا تھا۔ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا۔ یعنی ہم اپنی مالی اور خانگی ضرورتوں میں ایسے الجھے رہے کہ ارادہ و نیت رکھنے کے باوجود نوبت شرکت جہاد کی نہ آسکی...... یہ سب بطور سخن تراشی تھا۔ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ۔ یہ دیہاتی عرب، روایتوں میں آتا ہے کہ قبیلہ غفار و مزینہ و جہینہ و اسلم و اشجع و دیل کے تھے...... و۱۳ (اور وہی تمہارے تخلف کے اصلی وجوہ سے بھی مطلع کر سکتا ہے) يَقُوْلُوْنَ...... قُلُوْبِهِمْ۔ یعنی ان کی یہ ساری ہی تقریر منافقانہ ہے۔ نہ ان کی یہ معذرت ہی صحیح و مطابق واقعہ ہے اور نہ وہ آپ کی نبوت کے معتقد اور آپ کے استغفار کے قائل ہیں —— اس تصریح نے یہ بات صاف کر دی کہ یہ لوگ کمزور قسم کے مسلمان نہ تھے، بلکہ پورے منافق تھے۔ فَمَنْ...... نَفْعًا۔ تو قضاء الٰہی کے مقابلہ میں تم اپنے مال و عیال کے کسی نقصان کو روک سکتے تھے؟

اَهۡلِيۡهِمۡ اَبَدًا وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ وَظَنَنۡتُمۡ ظَنَّ

نہ آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں کو خوش نما بھی معلوم ہوئی تھی، اور تم نے برے برے گمان

السَّوۡءِ ۖۚ وَكُنۡتُمۡ قَوۡمًا ۢ بُوۡرًا ﴿۱۲﴾ وَمَنۡ لَّمۡ يُؤۡمِنۡ بِاللّٰهِ

قائم کئے اور تم برباد ہونے والے لوگ ہو گئے ف۱۴ اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان

وَرَسُوۡلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ سَعِيۡرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلّٰهِ

نہ لائے گا سو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور اللہ ہی کی

مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ

ملک ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب

مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۴﴾ سَيَقُوۡلُ

دے اور اللہ تو بڑا بخشنے والا ہے، بڑا رحمت کرنے والا ہے ف۱۵ یہ پیچھے رہ جانے والے

الۡمُخَلَّفُوۡنَ اِذَا انْطَلَقۡتُمۡ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاۡخُذُوۡهَا ذَرُوۡنَا

عنقریب جب تم غنیمتیں لینے چلو گے تو کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو ہم تمہارے ساتھ

نَتَّبِعۡكُمۡ ۚ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّبَدِّلُوۡا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنۡ

ہو لیں ف۱۶ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو بدل ڈالیں آپ کہہ دیجئے تم ہرگز

تَتَّبِعُوۡنَا كَذٰلِكُمۡ قَالَ اللّٰهُ مِنۡ قَبۡلُ ۚ فَسَيَقُوۡلُوۡنَ بَلۡ

ہم لوگوں کے ساتھ نہیں چل سکتے، اللہ نے پہلے سے یوں ہی فرما دیا ہے ف۱۷ اس پر یہ لوگ کہیں گے کہ نہیں بلکہ

تَحۡسُدُوۡنَنَا ؕ بَلۡ كَانُوۡا لَا يَفۡقَهُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۱۵﴾ قُلۡ

تم ہم سے حسد کرتے ہو اصل یہ ہے کہ یہ لوگ بہت ہی کم بات سمجھتے ہیں ف۱۸ آپ ان

لِّـلۡمُخَلَّفِيۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ سَتُدۡعَوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍ اُولِىۡ

پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تم ایسے لوگوں کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت

ف۱۴ یعنی اپنے ان خیالات کفریہ کی بناء پر ہر طرح مستحق عذاب وہلاکت ہو گئے۔ بَلْ ...... قُلُوۡبِكُمۡ۔ یعنی تم اس خیال میں مگن تھے کہ اب کی سردارانِ مکہ ان بے سروسامان مسلمانوں کا بالکل قلع قمع ہی کر دیں گے۔ اور انہیں زندہ سلامت واپس ہی نہ آنے دیں گے۔ ظَنَنۡتُمۡ ...... قُلُوۡبِكُمۡ۔ خطاب منافقین کو ہے۔ وَظَنَنۡتُمۡ ظَنَّ السَّوۡءِ۔ حق تعالیٰ سے بدگمانیاں یہی تھیں کہ اب کفر وشرک کو فروغ ہوگا، اور اسلام کی بات نیچی ہو جائے گی۔ ف۱۵ (چنانچہ مشرک بھی جو ہر طرح مستحق عذاب ہو چکتا ہے، اگر ایمان لے آوے تو بخش دیا جاتا ہے) وَلِلّٰهِ ...... الۡاَرۡضِ۔ عالم ناسوت یا عالم آخرت۔ ہر عالم میں سکہ حکومت بس اسی خالق یکتا و بے ہمتا کا چلتا ہے۔ وہی ایک مطلق الاختیار ہے۔ قوتِ مدبرہ سارے کائنات میں اسی ایک کی ہے۔ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ۔ یعنی مغفور ہونے اور معذب ہونے دونوں کے اسباب اسی کے قوانین تکوینی کے ماتحت ہیں۔ ساری کائنات اور اس کے حوادث اسی کی مشیت کے مسخر ہیں۔ ف۱۶ صلح حدیبیہ کے کچھ ہی روز بعد معرکہ خیبر پیش آیا۔ جس میں مسلمانوں نے دولت مند و پرقوت یہودیوں پر فتح عظیم پائی۔ آیت میں اسی پیش آنے والے واقعہ کا ذکر بصورت پیش خبری ہے۔ سَيَقُوۡلُ الۡمُخَلَّفُوۡنَ۔ اخلاص منافقین کے اس قول میں بھی نہ ہوگا۔ اب جو ساتھ چلنے کو کہیں گے تو محض مال غنیمت کی حرص وطمع میں۔ اِذَا ...... لِتَاۡخُذُوۡهَا۔ جنگ ابھی نہ ہوئی ہے، نہ باسباب وقرائن ظاہرا ابھی شروع ہونے کو ہے۔ قرآن مجید دعویٰ وتحدی کے ساتھ نہ صرف وقوع جنگ کی پیش گوئی کر دیتا ہے، بلکہ نتیجہ جنگ یعنی مسلمانوں کی فتح اور یہود کی مغلوبیت وہزیمت کا بھی اتنے قبل سے اعلان کئے جا رہا ہے!...... بجز عالم الغیب والشہادۃ کے کوئی بھی ایسی پیشگوئیوں کی جرأت کر سکتا ہے؟ اِذَا انْطَلَقۡتُمۡ۔ واقعہ مستقبل کا ذکر صیغۂ ماضی سے عربی میں اسی وقت آتا ہے، جب اُس واقعہ آئندہ کا وقوع یا پیشگوئی کا تحقق بالکل قطعی اور یقینی ہو۔ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاۡخُذُوۡهَا۔ اس میں اشارہ منافقین کی حرص وطمع کی طرف بھی آ گیا۔ ذَرُوۡنَا نَتَّبِعۡكُمۡ۔ منافقین کو اب شرکت جہاد سے ممانعت کر دی گئی تھی۔ یہ درخواست اسی حکم امتناعی کی منسوخی کے لئے ہو رہی ہے۔ اِنْطَلَقۡتُمۡ۔ نَتَّبِعۡكُمۡ۔ تم اور کم کی ضمیریں (جمع مخاطب کی) مسلمانوں کے لئے ہیں۔ ف۱۷ یہ جواب رسول ﷺ کی زبان سے ادا کرایا جا رہا ہے۔ كَلٰمَ اللّٰهِ۔ یعنی حق تعالیٰ کا یہ حکم کہ خیبر بجز، اہل حدیبیہ کے اور کوئی نہ جائے۔ كَلٰمَ۔ کی دوسری تفسیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسے حق تعالیٰ کے وعدۂ تکوینی کے معنی میں لیا جائے۔ اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ اللہ نے مومنین مخلصین سے یہ جو وعدہ کر رکھا ہے کہ خیبر کی غنیمت صرف تمہیں کو ملے گی، اسے یہ منافقین خود شریک ہو کر جھٹلا دینا چاہتے ہیں۔ لَنۡ تَتَّبِعُوۡنَا۔ لَنۡ یہاں مطلق تابید کے لئے نہیں، بلکہ صرف غزوۂ خیبر تک کے لئے محدود ہے۔ كَذٰلِكُمۡ ...... قَبۡلُ۔ یعنی ہم تمہاری درخواست ہرگز منظور نہیں کر سکتے۔ ہم کو پہلے ہی سے یہ حکم مل چکا ہے کہ ان کو مت ساتھ لے جانا۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم زبان سے کچھ بھی کہو، تم بہرحال ہمارے ساتھ جانے پر قادر نہ ہو سکو گے وعدۂ الٰہی یہی ہے اور وہ غلط نہیں ہو سکتا۔ ف۱۸ منافقوں کی کم فہمی بلکہ نافہمی اسی سے ظاہر ہے کہ مومنین صادقین ومخلصین جن کے ہاں حسد ونفسانیت کا گزر نہیں، ان کے صحیح اور واقعی جواب کو حسد ونفسانیت پر محمول کر رہے ہیں۔ فَسَيَقُوۡلُوۡنَ بَلۡ تَحۡسُدُوۡنَنَا۔ یعنی یہ منافقین کہیں گے کہ یہ کوئی حکم خداوندی نہیں، بلکہ تم ہی یہ نہیں چاہتے ہو کہ ہم اس نفع میں شریک ہوں، اس لئے ہم سے یہ بہانے تراش رہے ہو۔ انسان اپنے ہی پیمانے سے دوسروں کو ناپتا ہے۔ منافقین نے اپنے ہی نفس پر قیاس کر کے یہ بات مسلمانوں کے حق میں کہہ دی۔ بَلۡ ...... قَلِيۡلًا۔ منافقین اور وہ بھی دیہات عرب کے۔ سمجھ ہی کیا سکتے تھے کہ مجاہد کا ظرف کتنا بلند ہوتا ہے۔

بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا

لڑنے والے ہوں گے یا تو اُن سے لڑتے رہو یا وہ مطیع (اسلام) ہو جائیں ف۱۹ سو اگر تم (اُس وقت) اطاعت کرو گے

يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ

تو اللہ تمہیں نیک عوض دے گا اور اگر روگردانی کرو گے جیسا کہ اس کے قبل روگردانی

مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى

کر چکے ہو تو وہ تمہیں عذاب درد ناک کی سزا دے گا ف۲۰ کوئی گناہ نہ اندھے پر

حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ

ہے اور نہ کوئی گناہ لنگڑے پر ہے اور نہ کوئی گناہ بیمار پر

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اور جو کوئی بھی اللہ اور اُس کے رسول کا کہنا مانے گا، اُسے وہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے ندیاں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾ ع

بہ رہی ہوں گی اور جو کوئی روگردانی کرے گا اُسے وہ عذاب درد ناک کی سزا دے گا ف۲۱

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ

بے شک اللہ خوش ہوا ان مسلمانوں سے جب کہ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے

الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ

درخت کے نیچے، اور اللہ کو معلوم تھا جو کچھ اُن کے دلوں میں تھا، سو اللہ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا

وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ لا وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ

اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح بھی دے دی ف۲۲ اور بہت سی غنیمتیں بھی جنہیں یہ لوگ لے رہے ہیں

وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً

اور اللہ بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۲۳ اللہ نے تم سے (اور بھی) بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے

ف۱۹ (خواہ مسلمان ہو کر خواہ ذمی بن کر) مِنَ الْاَعْرَابِ۔ دوبارہ اس کی تصریح ہے کہ یہ منافقین شہری نہیں، دیہاتی تھے۔ اور دیہاتیوں کا درجۂ کفر و نفاق شہریوں سے بڑھا ہوا تھا۔ **الاعراب اشد کفرا ونفاقا**۔ قَوْمٍ...... شَدِيْدٍ۔ اس پیش گوئی میں صاف اشارہ رومہ اور ایران کی مسیحی و مجوسی باقاعدہ اور آلات جدیدہ سے مسلح فوجوں اور لشکروں کی جانب ہے۔ بعض نے لشکر بنو حنیفہ بھی مراد لی ہے جن کے خلاف حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے جہاد کیا تھا۔ اور فقہاء مفسرین نے اس سے خلیفہ اول و دوم کے خلیفۂ راشد ہونے پر استدلال کیا ہے۔ **فهو دليل على صحة امامة ابى بكرؓ وعمرؓ وعثمانؓ لان ابا بكر دعاهم الى قتال بنى حنيفة ودعاهم عمر الى قتال فارس والروم انه الزمهم الله طاعة من يدعوهم اليه** (جصاص) **وفى الاية دلالة صحة خلافة الشيخين حيث وعدهم الثواب على طاعة الداعى عند دعوته** (مدارک) سَتُدْعَوْنَ...... شَدِيْدٍ۔ یعنی اگر اجر حاصل کرنا مقصود ہے تو اس کی تخصیص کچھ اسی موقع کے ساتھ نہیں۔ خیبر کے بعد بھی شدید معرکے ہوں گے۔ ان میں شریک ہو جانا۔ يُسْلِمُوْنَ۔ اسلام۔ یہاں لغوی معنی میں ہے۔ یہ لازمی نہیں کہ فریق محارب اپنا دین بدل کر اسلام اصطلاحی ہی قبول کر لے۔ بلکہ جزیہ دے کر رعایائے اسلام بن جانا اور حکومت اسلام کی اطاعت قبول کر لینا بھی يُسْلِمُوْنَ ہی کے مفہوم میں داخل ہے۔ ف۲۰ یہ منافقین کو ایک موقع اور دیا جا رہا ہے۔ اب بھی ان کے لئے مہلت و گنجائش ہے کہ چاہیں تو اسلام کو مستند و مصدق کرا لیں۔ فَاِنْ تُطِيْعُوْا۔ یعنی اگر اب بھی تم لوگ حکم خداوندی کی اطاعت کرو گے، شریک جہاد ہو جاؤ گے۔ يُؤْتِكُمْ...... حَسَنًا۔ پچھلی غلطیاں اب بھی معاف ہو سکتی ہیں۔ یہ نہ ہو گا کہ ان کے انتقام میں تم اپنی فی الوقت طاعت و عبادت کے اجر سے محروم رکھے جاؤ۔ وَاِنْ...... اَلِيْمًا۔ آیت کے اس جزء سے مزید روشنی خلافت اول و دوم کی حقانیت پر پڑ گئی۔ **فدل على صحة امامتهما اذا كان المعرض عن طاعتهما مستحقا للعقاب** (جصاص) **فوجب ان يكون الداعى مفترض الطاعة** (مدارک) ف۲۱ اطاعت و اعراض دونوں راہیں کھلی ہوئی ہیں...... ان دونوں کے ثمرات، نجات و عذاب بھی بالکل واضح ہیں۔ لَيْسَ...... الْمَرِيْضِ حَرَجٌ۔ یعنی یہ شرکت جہاد کا حکم علی الاطلاق ہر فرد کے لئے نہیں ہے۔ جو معذور یا بیمار ہیں، وہ اس حکم سے شروع ہی سے مستثنیٰ ہیں۔ عتاب تو صرف ان پر ہے جو بلا کسی عذر قوی کے خواہ مخواہ غیر حاضر رہے۔ ف۲۲ اشارہ فتح خیبر کی جانب ہے...... خیبر، مدینہ سے سو میل کے فاصلہ پر، شام کے راستہ پر یہود کی ایک مستحکم گڑھی تھی۔ اور یہیں دولت مند و پُرقوت یہود کی ایک بستی بھی آباد تھی، اس جنگ میں کل ۱۹ مسلمان شہید ہوئے۔ یہود کے ۹۳ آدمی کام آئے۔ اور زمین حجاز پر ان کا سب سے زیادہ مضبوط قلعہ مسخر ہو گیا۔ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ۔ اس بیعت کا ذکر ہے جو آپ نے مقام حدیبیہ میں مسلمانوں سے عزم جہاد پر حضرت عثمان ؓ کی خبر شہادت سن کر لی تھی۔ اسی بیعت کا مشہور نام بیعت الرضوان ہے۔ لَقَدْ...... الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یہ ان خوش نصیب مومنین کے لئے مستقل پروانۂ رحمت ہے...... اللہ، اللہ، محض عزم جہاد پر اصل جہاد کا اجر دے دیا۔ آیت ان اصحاب بیعت کی صحت ایمان پر ایک شہادت نصی ہے۔ **فيه الدلالة على صحة ايمان الذين بايعوا النبى ﷺ بيعة الرضوان بالحديبية** (جصاص) **فدل على انهم كانوا مؤمنين على الحقيقة اولياء الله اذ غير جائز ان غير الله يرضاه عن قوم باعيانهم الا وباطنهم كظاهرهم فى صحة البصيرة وصدق الايمان** (جصاص) تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ یہ درخت کیکر (سمرہ) کا تھا...... بعض روایتوں میں (اور یہ روایتیں کچھ زیادہ قوی نہیں) آتا ہے کہ یہ درخت حضرت عمر ؓ کے زمانہ تک قائم و سلامت رہا۔ مگر آپ ؓ نے جب دیکھا کہ لوگوں کا حسن اعتقاد اس درخت کے حدود سے متجاوز ہو کر ضعیف الاعتقادی اور وہم پرستی تک پہنچا جاتا ہے، تو آپؓ نے اسے کٹوا ڈالا۔ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ۔ ان مومنین صادقین کے دلوں کا جذباتِ اخلاص و وفاداری سے لبریز ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ ممکن ہے اپنی بے سروسامانی پر نظر کر کے قوت طبعی میں بھی کسی درجہ ضعف ہو۔ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ۔ اور اس نزول سکینت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کو حکم الٰہی کے ماننے میں ذرا پس و پیش نہ رہا۔ فقہاء نے اس سے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ نیت اگر صادق ہے تو توفیق الٰہی ضرور دستگیری کرے گی۔ **وهذا يدل على ان التوفيق يصحب صدق النية**۔ (جصاص) فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ۔ اس سے ان اصحاب بیعت کے صدق ایمان و صدق نیت کی اور زیادہ تاکید اور تقویت ہو گئی۔ **اخبر انه علم من قلوبهم صحة البصيرة وصدق النية وان ما ابطنوه مثل ما اظهروه** (جصاص) ف۲۳ وہ اپنی قدرت سے، جس کو بھی چاہے اور اپنی حکمت سے جب بھی چاہے فتح و غلبہ دے دیتا ہے۔ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا۔ مشہور مسیحی سیرت نگار سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ اتنا مال غنیمت اس سے قبل کبھی مسلمانوں کو نہیں ملا تھا۔ کھجور، تیل، شہد، جو کے عظیم الشان ذخیرے، بھیڑوں کے گلے، اونٹوں کی قطاریں، اور ان سب کے علاوہ بکثرت نقدی اور زیورات یہ سب ہاتھ لگے۔

تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ

کہ تم انہیں لو گے سو (ان میں سے) یہ (فتح) تمہیں سردست دے دی ہے (غیر) لوگوں کے ہاتھ

عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ يَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا

تم سے روک دیئے اور تاکہ یہ اہل ایمان کے لئے ایک نمونہ ہو جائے اور تاکہ تم کو ایک سیدھی راہ پر

مُّسْتَقِيْمًا ۝۲۰ وَّ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ

ڈال دے و۲۴ اور ایک اور (فتح) بھی ہے جو (ابھی) تمہارے قابو میں نہیں آئی ہے اللہ نے احاطہ (قدرت) میں

بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝۲۱ وَ لَوْ قٰتَلَكُمُ

لے ہوئے ہے اور اللہ تو ہر شئی پر قادر ہے و۲۵ اور اگر تم سے یہ کافر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا

لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے اور پھر انہیں نہ کوئی یار ملتا نہ

نَصِيْرًا ۝۲۲ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖۚ وَلَنْ تَجِدَ

مددگار و۲٦ اللہ نے یہی دستور کر رکھا ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے، اور آپ

لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝۲۳ وَ هُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ

اللہ کے دستور میں کوئی رد و بدل نہ پائیں گے و۲۷ وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے اُن کے ہاتھ تم سے

وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ

اور تمہارے ہاتھ اُن سے بطن مکہ میں روک دیئے، بعد اس کے کہ تم کو اُن پر قابو

عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝۲۴ هُمُ الَّذِيْنَ

دے دیا تھا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھ رہا تھا و۲۸ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر

كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا

کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانور کو جو رکا ہوا رہ گیا تھا

و۲۴ (اور وہ سیدھی راہ اللہ کے وعدوں پر وثوق و اعتماد کی ہے) وَعَدَكُمُ ...... تَأْخُذُوْنَهَا۔ یہ غنائم کثیر کے وعدے پہلے خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اور پھر خلافتِ راشدہ کے دور میں بار بار اور کثرت سے پورے ہوتے رہے۔ خطاب یہاں عام امت سے ہے۔ فَعَجَّلَ ...... عَنْكُمْ۔ یعنی ان اغیار و اشرار پر تمہارا رعب بیٹھ گیا اور انہیں ہمت ہی تم سے زیادہ مقابلہ کی نہ پڑی۔ النَّاسِ کا اشارۂ خصوصی یہود خیبر اور ان کے حلیفوں کی جانب ہے۔ یعنی ایدی اهل خيبر وحلفائهم (مدارک) هٰذِهٖ۔ یعنی یہی فتح خیبر اور اس کی غنیمتیں۔ یعنی مغانم خيبر (مدارک) لِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی مومنین کا ایمان اور مضبوط ہو گیا...... یہ ایک خالص علمی و اعتقادی نفع ہوا۔ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔ یعنی اللہ کے وعدوں پر اعتماد اور قوی ہو گیا...... یہ ایک خالص عملی و اخلاقی نفع ہوا۔ گویا علاوہ مادی و مالی نفع کے یہ دینی نفع بھی دو دو حاصل ہو کر رہے۔ و۲۵ (اور ایک اسی واقعہ کی کیا تخصیص ہے) وَّاُخْرٰى۔ اشارہ فتح مکہ کی جانب ہے لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا۔ وہ فتح ابھی تک تمہارے بس میں نہیں آئی ہے۔ لیکن اس کا اشتیاق درجۂ کمال میں رکھتے ہو۔ قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا۔ اور اللہ جب چاہے گا اسے واقع کر دکھائے گا۔ و۲٦ (جو انہیں قہر الٰہی کی اس گرفت سے بچا سکتا) الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ اشارۂ خصوصی یہود خیبر کی طرف ہے۔ انہیں کو مدد کی امیدیں مشرکین عرب کے قبائل بنو غطفان وغیرہ سے تھیں۔ انہوں نے عین وقت پر صاف جواب دے دیا۔ و۲۷ یعنی اللہ نے جو ضابطے قاعدے مقرر کر رکھے ہیں۔ مجال نہیں کہ کوئی مخلوق اس میں کچھ دخل دے سکے۔ سُنَّةَ ...... قَبْلُ۔ یہ اہل حق کے غلبہ اور اہل باطل کی مغلوبیت کا (بشرطیکہ کوئی وقتی حکمت و مصلحت اس کے معارض نہ ہو) دستور آج سے نہیں شروع سے چلا آ رہا ہے۔ و۲۸ (چنانچہ ایسا کام اس نے تمہارے ہاتھ سے نہ ہونے دیا جس کا نتیجہ قتال ہوتا) وَهُوَ ...... عَنْهُمْ۔ یعنی تم مسلمانوں اور مشرکوں کو باہمی قتل و قتال سے روک دیا۔ كُمْ صیغۂ جمع مخاطب مسلمانوں کے لئے ہے اور هُمْ صیغۂ جمع غائب مشرکین مکہ کے لیے ـــــ اشارہ صلح حدیبیہ کی جانب ہے۔ بِبَطْنِ مَكَّةَ۔ بطن مکہ۔ سے مراد حدیبیہ ہے جسے کمال قرب و اتصال کی بناء پر بطن مکہ ہی قرار دے دیا گیا۔ فقہاء حنفیہ کے ہاں، حرم مکہ میں حدیبیہ کا ایک جزء بھی شامل ہے۔ مِنْ ...... عَلَيْهِمْ۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اشارہ فتح مکہ کی جانب سمجھ کر استنباط یہ کیا ہے کہ مکہ صلح کے ذریعے سے نہیں بلکہ جنگ سے مسلمانوں کے ہاتھ میں آیا۔ و به استشهد ابو حنيفةؒ على ان مكة فتحت عنوة لا صلحًا (مدارک)

اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَ لَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَآءٌ

اس کے موقع میں پہنچنے سے روک دیا و۲۹ اور اگر (بہت سے) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں

مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِیْبَكُمْ مِّنْهُمْ

نہ ہوتیں، جن کی تمہیں خبر بھی نہ تھی یعنی اُن کے کچل جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کے باعث تمہیں بھی نادانستگی میں

مَّعَرَّةٌۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۚ لِیُدْخِلَ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ۚ لَوْ

ضرر پہنچتا (تو ابھی سب قضیہ طے کر دیا جاتا) و۳۰ (لیکن ایسا نہیں ہوا) تا کہ اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے، جس کو چاہے و۳۱

تَزَیَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ

اگر یہ (بے کس مسلمان) ٹل گئے ہوتے تو اُن میں جو کافر تھے انہیں ہم دردناک عذاب دیتے و۳۲ (اور وہ وقت بھی یاد کرو)

جَعَلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ

جب (ان) کافروں نے اپنے دلوں میں عصبیت، عصبیت جاہلی کو جگہ دی

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ

لیکن اللہ نے اپنی طرف سے تحمل اپنے رسول اور مومنین کو عطا کیا و۳۳

وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ

اور (اللہ نے) انہیں تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا، اور وہ اس کے مستحق بھی ہیں اور اہل بھی اور اللہ تو

بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۲۶﴾ ع لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا

ہر شے کا (پورا) علم رکھتا ہے و۳۴ بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا مطابق

بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ۙ

واقع کے تم لوگ مسجد حرام میں ان شاء اللہ ضرور داخل ہو گے امن وامان کے ساتھ

مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِیْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ

سر منڈاتے ہوئے اور بال کترتے ہوئے اور تمہیں اندیشہ (کسی کا بھی) نہ ہوگا و۳۵ سو اللہ کو وہ (سب کچھ)

و۲۹ (اور اس طرح جرم در جرم کے مرتکب ہو چکے تھے) الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ اس کے تحت میں خانہ کعبہ اور اس کے ملحقات و توابع سب داخل ہیں۔ وَالْهَدْیَ...... مَحِلَّهٗ۔ یعنی قربانی کے جانور کو منیٰ کی قربانگاہ میں پہنچنے سے روک دیا۔ مسلمان عمرہ کی نیت سے گئے تھے اور قربانی کے جانور ساتھ لے گئے تھے۔ یہی خیال تھا کہ منیٰ پہنچ کر جانور بھی قربان کریں گے۔ والمراد المحل المعهود و هو منٰی (مدارک) فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ قربانی کی جگہ حدود حرم کے اندر ہی ہے۔ و فی الاٰیة دلالة علٰی ان المحل هو الحرم فلو کان محله غیر الحرم لما کان معکوفا عن بلوغه (جصاص) و۳۰ یعنی ابھی تمہیں قتال کا حکم دے کر سب کا کام تمام کرا دیا جاتا۔ لیکن اس حکم نہ دینے کی ایک مصلحت یہ تھی کہ تمہاری بے خبری و لاعلمی میں مکہ کے مسلمانوں کا خون ہو جاتا۔ اور تمہیں اس سے جو غم و صدمہ یا گناہ ہوتا وہ الگ۔ ”اگر یہ شبہ ہو کہ بے خبری میں گناہ ہی کیوں ہوگا تو جواب یہ ہے کہ جہاں بے خبری کا رفع قدرت میں ہو اور رفع میں کوشش نہ کی جائے، اس کا گناہ ہو گا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس کا احتمال کب ہے کہ وہ کوشش میں کوتاہی کرتے۔ جواب یہ ہے کہ بعض اوقات اس طرف التفات نہیں ہوتا کہ ہم سے کوتاہی ہوئی، اور صحابہ سے بے التفاتی کا صدور محل اشکال نہیں“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) وَلَوْ...... تَعْلَمُوْهُمْ۔ بہت سے کلمہ گو مرد اور عورتیں دونوں مکہ معظمہ میں مشرک حکومت کے درمیان محبوس و مظلوم موجود تھے۔ و۳۱ (چنانچہ یہاں بھی ہوا۔ اور اندرون مکہ، بیرون دونوں کے مسلمانوں پر اللہ کا فضل خاص رہا) و۳۲ یعنی مسلمانوں ہی کے ہاتھوں انہیں قتل کرا دیتے۔ لَوْ تَزَیَّلُوْا۔ یعنی مسلمان اگر مکہ سے باہر چلے گئے ہوتے اور شہر میں موجود نہ ہوتے۔ مِنْهُمْ۔ یعنی اہل مکہ میں سے۔ و۳۳ (اور اس سکینت الٰہی کا اثر یہ ہوا کہ مسلمان جوش میں آ کر لڑ نہیں بیٹھے) مشرکین کی بے جا ضد اور مسلسل اشتعال انگیزی کا طبعی تقاضہ تو بالکل یہی تھا کہ مسلمان بھی لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے۔ اِذْ...... الْجَاهِلِیَّةِ۔ یعنی جب مشرکوں کی طرف سے بے دینی والی عصبیت کا اظہار ہونے لگا تھا— جب صلح نامہ مرتب ہونے لگا اور مسلمانوں کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی کتابت کرنے لگے تو مشرک گورنمنٹ کے نمائندوں نے اشتعال انگیز مطالبے اس قسم کے شروع کیے:۔ (۱) معاہدہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھی جائے۔ (۲) معاہدہ پر صرف محمد بن عبد اللہ لکھا جائے۔ محمد رسول اللہ نہ لکھا جائے۔ وقس علیٰ ہذا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے سارے مطالبات کو منظور فرماتے چلے گئے۔ و۳۴ (تو مسلمانوں کی ان کیفیات کا اُسے مفصل و مکمل علم کیسے نہ ہوتا) كَلِمَةَ التَّقْوٰی۔ یہاں تقویٰ کی بات رسول کی اطاعت تھی۔ اور یہ اسی کا مقتضا تھا۔ جس سے پرجوش مسلمانوں نے اپنے کو قابو میں رکھا۔ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا۔ اس احساس تقویٰ کا تعلق اسی دنیا سے ہے۔ یعنی مسلمانوں کے قلوب میں طلب حق ہے اور یہی انہیں اطاعت رسول پر جمائے ہوئے رہی۔ وَاَهْلَهَا۔ اس اہلیت تقویٰ کا تعلق عالم آخرت سے ہے۔ یعنی اس کا اجر و ثواب انہیں آخرت میں ملے گا۔ و۳۵ یعنی بالکل امن و امان کے ساتھ، بغیر کسی خطرہ کے۔ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔ یہاں بھی مراد خانہ کعبہ اور اُس کے ملحقات و توابع ہیں۔ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ۔ حلق۔ (سر کے بال منڈانا) اور قصر (سر کے بال کترانا) شعائر حج و عمرہ میں سے ہیں۔ لَقَدْ...... بِالْحَقِّ۔ مطلب یہ ہے کہ نفس مشاہدہ جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کرایا گیا۔ وہ بالکل سچا تھا۔ یعنی یہی کہ آپ مع مومنین یقیناً زیارت و طواف کریں گے لیکن خواب میں یہ تو نہ تھا کہ یہ اسی سال واقع ہوگا— آخر آپ نے ایک سال بعد ذی قعدہ ۷ھ میں عمرہ ادا فرمایا۔

مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ
معلوم ہے جو تمہیں معلوم نہیں پھر اس نے اس سے پہلے ہی ایک لگتے ہاتھ فتح دے دی ف۳۶ وہ (اللہ)

الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ
وہی تو ہے جس نے اپنے پیمبر کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام

عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ
دینوں پر غالب کر دے اور اللہ کافی گواہ ہے ف۳۷ محمد اللہ کے پیمبر

اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ
ہیں ف۳۸ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ تیز ہیں کافروں کے مقابلہ میں (اور) مہربان ہیں آپس میں ف۳۹

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫
تو انہیں دیکھے گا (اے مخاطب) کہ (کبھی) رکوع کر رہے ہیں (کبھی) سجدہ کر رہے ہیں، اللہ کے فضل اور رضا مندی کی

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ
جستجو میں لگے ہوئے ہیں، اُن کے آثار سجدہ کی تاثیر سے اُن کے چہروں پر نمایاں ہیں ف۴۰ یہ اُن کے اوصاف

فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ
توریت میں ہیں ف۴۱ اور انجیل میں اُن کا وصف یہ ہے کہ وہ جیسے کھیتی کہ اُس نے اپنی

شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ
سوئی نکالی، پھر اس نے اپنی سوئی کو قوی کیا، پھر وہ اور موٹی ہوئی، پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ

الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی ف۴۲ (یہ نشو ونما صحابہ کو اس لیے دیا) تاکہ کافروں کو ان سے جلائے، اور اللہ نے ان سے جو

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ ع
ایمان لائے ہیں اور (جنہوں نے) نیک کام کیے، مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے ف۴۳

ف۳۶ (اس خواب کی تعبیر فوراً نہ پوری ہونے کی تلافی کے طور پر) فَتْحًا قَرِيْبًا۔ مراد اسی فتح خیبر سے ہے جیسا کہ اوپر بھی ذکر آچکا ہے۔ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا۔ اس ایک سالہ مدت کی تاخیر میں جو حکمتیں اور مصلحتیں تھیں، ان کا بندوں کو کیا علم۔ ف۳۷ (آپ کی رسالت کا) اور اللہ کی گواہی کا ظہور دنیا میں یوں ہوا کہ اللہ نے آپ کی رسالت پر دلائل قوی قائم کر دیئے ـــ بلحاظ اعجاز قرآنی بھی اور بلحاظ آپ کے دوسرے کمالات اعجازی کے بھی۔ رَسُوْلَهٗ۔ کھلی ہوئی مراد حضرت محمد ﷺ سے ہے۔ بِالْهُدٰى۔ سامانِ ہدایت یا قرآن۔ دِيْنِ الْحَقِّ۔ یعنی دین اسلام۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ یہ غلبہ معنوی حیثیت سے ہے، یعنی بلحاظ قوت دلائل تو ہمیشہ ہی قائم رہا ہے۔ باقی مادی وصوری حیثیت سے بھی جب جب تک اہل دین میں صلاح ہے۔ برابر قائم رہے گا۔ ف۳۸ (سچے اور برحق) اس میں یہ اشارہ کر دیا کہ آپ کا نام قیامت تک اس طرح پر چلانے کے تو ہم ضامن ذمہ دار ہیں، اس ایک صلح نامہ پر اس کے درج ہونے نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ لفظ محمدؐ پر حاشیہ سورۂ آل عمران (پ۴) میں گزر چکا۔ اسی اپریل سنہ ۵۰ء میں مسیحیوں کے مشہور امریکی سہ ماہی رسالہ مسلم ورلڈ میں ایک مسیحی فاضل نے لکھا ہے کہ اسم محمد ﷺ (اور اس کے متقاربات احمد ﷺ و محمود ﷺ وغیرہ) سے زیادہ کوئی بھی مردانہ نام دنیا میں چلا ہوا نہیں ہے! ف۳۹ اس خدائی صداقت نامہ کے اندر سارے صحابہؓ رسول داخل ہیں، خصوصاً وہ جو حدیبیہ میں آپ کے ہمراہ تھے۔ قال الجمهور جمیع اصحابه (روح) مَعَهٗ۔ معیت کا اطلاق کثیر وقلیل ہر مدت صحبت پر ہوتا ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ۔ یعنی کافروں کے مقابلہ میں اُن کے کفر ہی کی بناء پر مضبوط وثابت قدم ہیں۔ اُن کے مقابلہ میں ڈھیلے نہیں پڑتے۔ کسی طرح پر اُن سے مرعوب نہیں ہوتے بغض فی اللہ کے یہی معنی ہیں۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ یعنی اُن کا برتاؤ اپنے دینی بھائیوں یعنی مسلمانوں کے ساتھ شفقت، محبت وہمدردی کا رہتا ہے۔ حب فی اللہ کے یہی معنی ہیں۔ یہ عام حکم ہر مسلمان کے لیے ہے۔ ہر مسلمان میں یہ دونوں خصوصیات ہونی چاہئیں۔ اب آج مسلمان اس آیت کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ کر اپنے حال پر غور کر لیں کہ کفر کے مقابلہ میں سختی اور ایمان کے معاملہ میں نرمی کتنی کم باقی رہ گئی ہے۔ فقہاء مفسرین نے یہ تصریح کر دی ہے کہ کسی مخصوص حالت میں اگر مومن کے ساتھ سختی کا اور کافر کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا پڑ جائے تو وہ اس عام حکم کے منافی نہیں۔ صوفیہ کی اصطلاح میں یہ کہا جائے گا کہ مومنین اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کے اقتضاء سے صفات جلال کے اور رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کے اقتضاء سے صفات جمال کے جامع ہوتے ہیں۔ ف۴۰ یہ آثار خشوع وخضوع کے انوار ہوتے ہیں جو ہر مومن متقی کے چہرہ میں مشاہدہ کیے جا سکتے ہیں تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا۔ یعنی ہر وقت عبادت الٰہی میں لگے رہتے ہیں۔ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ۔ یعنی ہر وقت اجر کی فکر وجستجو میں لگے رہتے ہیں۔ وَرِضْوَانًا۔ یعنی ہر وقت قرب الٰہی کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ ف۴۱ توریت موجودہ میں صدہا تحریفات وتصرفات کے بعد بھی یہ الفاظ باقی رہ گئے ہیں۔ "فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا"۔ (استثناء ۳۳: ۲) فاران مکہ معظمہ ہی کی ایک پہاڑی کا نام ہے۔ اور فتح مکہ کے وقت ۱۰ ہی ہزار صحابی آپ کے جلو میں تھے۔ "اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشین شریعت اُن کے لیے تھی"۔ (ایضاً) قرآن کا بیان ابھی گزر چکا ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ۔ "ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے"۔ (ایضاً) ـــ قرآن کے الفاظ ابھی گزر چکے ہیں۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ "اس کے سارے مقدس تیرے ساتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے"۔ قرآن کی عبارت ابھی ابھی گزر چکی ہے۔ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔ ف۴۲ موجودہ محرف ومسخ شدہ انجیل میں بھی یہ عبارتیں مل جاتی ہیں:۔ "آسمان کی بادشاہت اس رائی کے دانہ کے مانند ہے جسے کسی آدمی نے اپنے کھیت میں بو دیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے۔ مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں میں بسیرا کرتے ہیں"۔ (متی ۱۳: ۳۱۔ ۳۲) "پھر اسی نے کہا کہ ہم خدا کی بادشاہت کو کس سے تشبیہ دیں اور کس تمثیل میں اسے بیان کریں؟ وہ رائی کے دانہ کی مانند ہے کہ جب زمین میں بویا جاتا ہے تو زمین کے سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے۔ مگر جب بو دیا گیا تو اُگ کر سب ترکاریوں سے بڑا ہو جاتا ہے۔ اور ایسی بڑی ڈالیاں نکالتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کے سائے میں بسیرا کر سکتے ہیں"۔ (مرقس ۴: ۳۰۔ ۳۲) نیز لوقا (۱۳: ۱۸، ۱۹) قرآنی الفاظ نے آغاز اسلام کے ضعف اور پھر اس کے تدریجی قوت وتقویت کی کتنی صحیح تصویر کھینچ دی ہے۔ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ۔ کسانوں کی تخصیص اس لیے کہ کھیتی باڑی کے معاملہ میں وہی صاحب بصیرت ہوتے ہیں۔ جب کھیتی انہیں بھلی لگنے لگی تو ضرور ہے کہ واقع میں بھی بھلی ہو۔ ف۴۳ یہ ایک بڑی جامع وبلیغ مدح صحابہ ہے جو خود قرآن مجید نے بیان کر دی ہے اور شاتمین صحابہ کے خلاف ایک حجت قوی ودلیل قطعی ہے۔ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔ کافر عہد صحابہ کی فتوحات اور ترقیوں سے آج تک جلتے چلے آ رہے ہیں۔ امام مالک علیہ الرحمۃ نے اس آیت سے فرقہ شاتم صحابہ کے کفر پر استدلال کیا ہے۔ قال مالک بن انس من اصبح و فی قلبه غیظ علی اصحاب رسول اللّٰه فقد اصابته هذه الاية (معالم) لیکن جیسا کہ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ یہ استدلال کمزور ہے۔ صحابہ پر کافروں کے ذی غیظ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو بھی صحابہ پر ذی غیظ ہو وہ کافر ہے۔ مِنْهُمْ۔ من یہاں بیان کے لیے ہے۔ تبعیض کے لیے نہیں۔ لبیان الجنس لا للتبعیض (کبیر) من هنا لبیان الجنس (ابن کثیر) اس لیے مراد سارے ہی صحابہ ہیں۔

اٰیاتھا ۱۸ ۴۹ سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۶ رکوعاتھا ۲

اس کی اٹھارہ آیتیں ہیں سورۂ حجرات مدینہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ

اے ایمان والو! تم اللہ اور اُس کے رسول سے پہلے (کسی کام میں)

وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ① يٰۤاَيُّهَا

سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ف۱ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

ایمان والو! اپنی آوازوں کو پیمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو

وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ

اور نہ اُن سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہو ف۲ کہ

تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ الَّذِيْنَ

کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں، اور تمہیں خبر تک نہ ہو ف۳ بے شک جو لوگ

يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

اپنی آواز رسول اللہ کے سامنے پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں

امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ

جن کے قلوب کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر

عَظِيْمٌ ③ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ

عظیم ہے ف۴ بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں

ف۱ خوب سننے والا سارے الفاظ و اقوال کا، خوب جاننے والا سارے احوال و اعمال کا۔ ظاہر و باطن کی بڑی چھوٹی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ لَا ...... رَسُوْلِهٖ۔ یعنی جب تک رسول اللہ ﷺ اذن صریح نہ دے دیں یا قرینہ سے اذن صریح نہ معلوم ہو جائے۔ اپنی طرف سے کسی قول یا فعل میں مبادرت نہ کرو۔ یہ حکم تو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تھا۔ اب حضور ﷺ کے بعد اس حکم پر عمل یوں ہوگا کہ پہلے تو ہر مسئلہ میں آپ کے قول یا فعل کی صراحت تلاش کی جائے گی، اور جب صراحت نہ ملے گی تو نصوص منقول میں فکر و تامل کر کے انہیں سے استنباط کیا جائے گا۔ ف۲ (جس وقت کہ آپ سے کلام کر رہے ہو) لَا ...... النَّبِيِّ۔ رسول ﷺ کے مقابلہ میں اپنی آواز کے پست رکھنے کا حکم اُس وقت کے لیے نہیں، جبکہ گفتگو آپس میں ہو رہی ہو۔ لَا تَرْفَعُوْۤا۔ کی نہی کو فقہاء نے اپنی اصطلاح میں نہی تحریمی قرار دیا ہے۔ اور بعض فقہاء نے اس ایک لفظ سے نتائج ذیل برآمد کیے ہیں:۔ (۱) آپ کے حضور میں گفتگو زور سے نہ کی جائے نہ اپنی بات کو اس طرح بالا کیا جائے، جس سے ارشاد والا کی تردید نکل رہی ہو — یہ تو صاف عبارۃ النص ہے۔ (۲) درشت کلامی، لڑائی جھگڑا اور ہر قسم کی بے ادبی آپ کے مواجہہ میں ناجائز ہے — یہ دلالۃ النص ہوئی۔ (۳) زیادہ بک بک آپ کے مواجہہ میں ممنوع ہے — یہ بقاعدۂ اشارۃ النص نکلا۔ (۴) آپ کے حضور میں گستاخ، بے باک بن جانا یا خائف و با ادب نہ رہنا ناجائز ہے — یہ اقتضاء النص سے ثابت ہوا۔ ف۳ مطلب یہ ہوا کہ مسلمان تو اتباع رسول ﷺ اور آپ کی تعظیم و احترام کا مدعی رہتا ہے اس التزام کا ترک آپ کے لیے طبعاً ناگواری و انقباض کا باعث ہو سکتا ہے اور یہ تاذیٔ رسول ممکن ہے کہ بعض حالات میں حبط اعمال کا سبب بن جائے۔ اس لیے قاعدہ یہی ہے کہ عملاً ہر حال میں ادب ملحوظ رکھو۔ ف۴ (تو تم جو اجر و مغفرت کے حریص ہو، کیوں نہ اسی امتحان میں پورے اترو گے) احادیث صحیح میں آتا ہے کہ آیہ لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ الخ کے نزول کے بعد سے فلاں اور فلاں صحابی اس باب میں بڑے خائف اور محتاط ہو گئے تھے اور غایت احتیاط سے کام لینے لگے تھے۔ اَلَّذِيْنَ ...... لِلتَّقْوٰى۔ یعنی اس باب میں وہ صفت کمال تقویٰ کے ساتھ موصوف ہیں۔

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝٤ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتّٰى تَخْرُجَ

اُن میں اکثر عقل سے کام نہیں لیتے ف۵ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود اُن کے پاس

إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٥ يٰٓأَيُّهَا

باہر آ جاتے تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا، اور اللہ بڑا مغفرت والا، بڑا رحم والا ہے ف۶ اے

الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا أَنْ تُصِيبُوا

ایمان والو! اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ کہیں تم نادانی سے

قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِينَ ۝٦

کسی قوم کو ضرر پہنچا دو (اور) پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ ف۷

وَاعْلَمُوٓا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللّٰهِ ۚ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ

اور جانے رہو کہ تم میں رسول اللہ (موجود) ہیں بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ اُن میں اگر وہ

مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ

تمہارا کہنا مان لیں تو تم کو تکلیف پہنچے ف۸ لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی

وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ

اور اُسے تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا، اور کفر اور فسق اور عصیان سے

وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُونَ ۝٧ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ

تمہیں نفرت دے دی ایسے ہی لوگ تو راہ راست پر ہیں اللہ کے فضل اور

وَنِعْمَةً ۚ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝٨ وَإِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ

انعام سے ف۹ اور اللہ خوب جاننے والا ہے بڑا حکمت والا ہے ف۱۰ اور اگر مسلمانوں کے

الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۚ فَإِنْ بَغَتْ

دو گروہ آپس میں جنگ کرنے لگیں، تو اُن کے درمیان اصلاح کر دو ف۱۱ پھر اگر ان میں کا

ف۵ (ورنہ ایسی جسارت نہ کرتے) شانِ نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ بنی تمیم کا ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ مکان کے اندر تشریف رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے باہر ہی سے آپ کو پکارنا شروع کر دیا وہ بھی محض نام لے کر کہ "یا محمد اخرج الینا۔" اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور امت کو ہمیشہ کے لیے ادب کی تعلیم عملی مل گئی۔ ف۶ (اس لیے وہ لوگ اب بھی توبہ کر لیں تو معاف ہو جائیں گے) لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ یہ بات ان کے حق میں بہتر اس لیے ہے کہ یہ ان کے ادب و احترام کا ثبوت ہوتا۔ إِلَيْهِمْ۔ یعنی آپ خاص انہیں سے ملنے کو باہر تشریف لائیں۔ یہ نہیں کہ آپ کسی بھی ضرورت سے باہر تشریف لے آئیں، اور یہ لوگ آپ پر ہجوم کرنے لگیں۔ رسول کے ادب و احترام کے علاوہ عام افرادِ امت کو انضباطِ اوقات کی تعلیم بھی آیت سے ملتی ہے۔۔۔ رسول اللہ ﷺ تک کے لیے باایں خوش اخلاقی یہ ممکن نہ تھا کہ خلقت سے چوبیس گھنٹہ گھرے ہوئے رہیں اور اپنے لیے کوئی فارغ وقت سرے سے رکھیں ہی نہیں۔ ف۷ (تو ایسے امکانات جب رسول اللہ ﷺ کی خود حیاتِ مبارک میں تھے تو اب تو ظاہر ہے کہ یہ احتمالات بہت زائد ہیں) بِنَبَإٍ۔ نباء۔ سے اس سیاق میں مراد ایسی چیز ہے جس میں کسی کی شکایت نکلتی ہو، اور اس پر عمل کرنے سے کسی کا ضرر لازم آتا ہو۔ فَتَبَيَّنُوٓا۔ یعنی بلا تحقیق عمل نہ کر بیٹھو۔ بلکہ عمل سے قبل خوب چھان بین کر لو۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اس اجمالی حکم تحقیق کے اندر چند تفصیلات ہیں:۔ (۱) تحقیق واجب۔۔۔ مثلاً خلیفہ جب یہ سنے کہ فلاں شخص مرتد ہو رہا ہے یا فلاں شخص قتل و غارت کا اقدام کر رہا ہے وقس علیٰ ہذا۔ ایسے موقع پر تحقیق نہ کرنے سے کسی واجب کا فوت لازم آتا ہے۔ (۲) تحقیق جائز۔۔۔ مثلاً کسی نے یہ سنا کہ فلاں شخص مجھے مالی یا جسمانی ضرر پہنچانا چاہتا ہے۔ دفعِ مضرت کے لئے ایسے موقع پر یہ تحقیق بالکل جائز ہے۔ (۳) تحقیق حرام۔۔۔۔۔ مثلاً کسی کے لئے یہ سنا کہ وہ خفیہ شراب پیتا ہے۔ ایسے موقع پر تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی ضرر نہیں اور تحقیق کرنے سے اس شخص کی رسوائی و فضیحت ہوتی ہے۔ ف۸ (اور اس وقت الٹے خود تم ہی کو ندامت ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے بجائے اپنی رائے مبارک پر عمل کے ناحق ہم لوگوں کے مشورے سے موافقت کی) وَاعْلَمُوٓا۔۔۔۔۔ اللّٰهِ۔ (اور رسول ﷺ کا تمہارے درمیان میں موجود ہونا ایک انتہائی نعمت ہے، جس کے ادائے حقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی معاملہ میں آپ کی رائے کے خلاف عمل نہ کیا جائے) وَاعْلَمُوٓا۔ عِلْمٌ ظاہر ہے کہ بیان استحضار کے مفہوم میں ہے۔ لَوْ۔۔۔۔۔ الْأَمْرِ۔ ظاہر ہے کہ یہ احتمال صرف امور دنیوی و تجربی سے متعلق ہو سکتا ہے۔ ورنہ احکام شریعت میں تو اس کی گنجائش سرے سے تھی ہی نہیں۔ ف۹ (اور ایسے ہی خلفاء، خلفاءِ راشدین کہلانے کے مستحق ہیں) وَلٰكِنَّ۔۔۔۔۔ نِعْمَةً۔ یعنی تم میں تو یہ ساری خوبیاں موجود ہیں، اور انہیں کے تقاضہ سے تمہیں ہر وقت رسول ﷺ کی رضا جوئی رہتی ہے اور یہی تمہیں بڑی مصیبتوں سے بچائے رکھتی ہے۔۔۔۔۔ اور یہ سر تا سر اللہ ہی کے فضل و کرم کا نتیجہ تو ہے۔ ساری آیت ایک قرآنی مدحِ صحابہ ہے۔ الْإِيمَانَ۔ ایمان۔ سے اس سیاق میں مراد ایمان کامل ہے۔ الْفُسُوقَ۔ یعنی بڑے گناہ۔ الْعِصْيَانَ۔ یعنی چھوٹے گناہ۔ ف۱۰ چنانچہ اپنے اس علم کامل و محیط کی بناء پر وہی ہر ہر حکم کی حکمتوں اور مصلحتوں کو بھی خوب جانتا ہے اور اپنی صفت حکمت کاملہ ہی کے تقاضہ سے اس نے یہ احکام صادر کئے ہیں اور ان کی تعمیل واجب کی ہے۔ ف۱۱ یعنی امر مابہ النزاع رفع کرا کے لڑائی موقوف کرا دو۔۔۔۔۔ خوب خیال رہے کہ باہمی جنگ کی حالت میں بھی قرآن دونوں فریقوں کو مسلمان ہی تسلیم کرتا ہے، مجرد جنگ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کر دیتی۔

اِحۡدٰىهُمَا عَلَى الۡاُخۡرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىۡ تَبۡغِىۡ حَتّٰى

ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اُس سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے یہاں تک کہ

تَفِىۡٓءَ اِلٰٓى اَمۡرِ اللّٰهِ‌ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا

وہ رجوع کرلے اللہ کے حکم کی طرف ف۱۲ پھر اگر وہ رجوع کرلے تو ان کے درمیان اصلاح کردو

بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ﴿۹﴾

عدل کے ساتھ اور انصاف کا خیال رکھو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ف۱۳

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ‌ وَاتَّقُوا

بے شک مسلمان (آپس میں) بھائی ہی بھائی ہیں ف۱۴ سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کردیا کرو، اور

اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۰﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَسۡخَرۡ

اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے ف۱۵ اے ایمان والو! نہ

قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا خَيۡرًا مِّنۡهُمۡ وَلَا نِسَآءٌ

مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے، کیا عجب کہ وہ اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں

مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُنَّ خَيۡرًا مِّنۡهُنَّ‌ ۚ وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا

کو عورتوں پر (ہنسنا چاہئے) کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں ف۱۶ اور نہ ایک دوسرے کو

اَنۡفُسَكُمۡ وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ‌ ؕ بِئۡسَ الِاسۡمُ الۡفُسُوۡقُ بَعۡدَ

طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو ایمان کے بعد گناہ کا نام ہی برا

الۡاِيۡمَانِ‌ ۚ وَمَنۡ لَّمۡ يَتُبۡ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۱۱﴾ يٰۤاَيُّهَا

ہے ف۱۷ اور جو (اب بھی) توبہ نہ کریں گے وہی ظالم ٹھہریں گے ف۱۸ اے

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا كَثِيۡرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ

ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ

ف۱۲ (اور وہ حکم الٰہی یہاں صلح وترک قتال کا ہے) یہ حکم اصالتاً امام مسلمین کے لئے ہے۔ وہ نہ ہو تو عامہ مسلمین کو ہے بشرط قدرت واستطاعت۔ بعض حنابلہ نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ باغیوں سے قتال، جہاد کفار سے اہم تر وافضل ہے۔ اور سند میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کو پیش کیا ہے کہ آپ نے اپنے دور خلافت میں بجائے جہاد کے قتال اہل بغاوت ہی کو جاری رکھا۔ وصرح بعض الحنابلة بان قتال الباغين افضل من الجهاد احتجاجًا بان عليًا كرم الله تعالىٰ وجهه اشتغل فى زمان خلافته بقتالهم دون الجهاد (روح) لیکن محققین حنفیہ کی تحقیق میں یہ مطلق صورت میں درست نہیں بلکہ صرف اس صورت میں صحیح ہے جب باغیوں کی وجہ سے اتنا بڑا فساد ہو جائے کہ ان سے قتال کرنا کافروں سے جہاد سے بڑھ کر ضروری ہو جائے۔ و الحق ان ذٰلك ليس على اطلاقه بل اذاخشى من ترك قتالهم مفسدة عظيمة رفعها اعظم من مصلحة الجهاد (روح) فَاِنۡ......الۡاُخۡرٰى۔ یعنی سعی اصلاح ومصالحت کے باوجود بھی وہ صلح نہ کرے اور جنگ برابر جاری رکھے۔ فَاِنۡ...... تَبۡغِىۡ۔ فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ قتال فساد عقائد کی بناء پر نہ کیا جائے گا بلکہ جرم بغاوت کی بناء پر کیا جائے گا۔ و فى هٰذه الأية دلالة على ان اعتقاد مذاهب اهل البغى لا يوجب قتالهم مالم يقاتلوا (جصاص) فانما امر بقتالهم اذابغوا على غيرهم بالقتال (جصاص) مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا۔ یہ امر بہت زیادہ قابل لحاظ ہے کہ جنگ وجدل کرنے والے ان دونوں گروہوں کو ایک کے ناحق پر ہونے کے باوجود قرآن مجید ''مومن'' ہی کہتا ہے۔ قتال اور پھر بغاوت سے بڑھ کر شدید جرم اور کون ہو سکتا ہے؟ اس کے باوجود بھی باغی بہر حال مومن ہی رہتا ہے۔ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔ اکابر اہل سنت نے یہیں سے یہ مسئلہ (خوارج ومعتزلہ کے برعکس) نکالا ہے کہ بڑے سے بڑے گناہ سے بھی مومن دائرۂ اسلام وایمان سے خارج نہیں ہو جاتا۔ سماهم مومنين مع الاقتتال وبهٰذا استدل البخارى وغيره على انه لايخرج عن الايمان بالمعصية وان عظمت لاكما يقوله الخوارج ومن تابعهم من المعتزلة ونحوهم (ابن كثير) هٰذا دليل على ان المؤمن بالكبيرة لايخرج عن كونه مومنا لان الباغى جعله من احدى الطائفتين وسما هما مؤمنين (كبير) ف۱۳ جب کوئی فریق معقول فیصلہ نہ سن رہا ہو تو ثالث کو غصہ آ جانا امر طبعی ہے اس کی روک تھام کے لئے مزید ترغیب توازن قائم رکھنے کی ہے۔ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ۔ یعنی محض ترک قتال کو کافی نہ سمجھو، بلکہ نفس معاملہ قانون شریعت کے ماتحت طے کرا دو۔ فقہاء نے کہا ہے جو مسلمان فریق شکست کھائے۔ نہ اس کا مال مالِ غنیمت سمجھا جائے گا اور نہ اس کے قیدی لونڈی غلام بنائے جائیں گے۔ البتہ توبہ کے وقت تک وہ قید رہیں گے اور ان کا مال قرق۔ بعد توبہ انہیں بھی رہائی مل جائے گی اور ان کا مال بھی انہیں واپس دے دیا جائے گا۔۔۔ مزید تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔ وَاَقۡسِطُوۡا۔ یہ تاکید ہے اس کی کہ اپنے فیصلہ کو تمامتر عدل پر مبنی رکھو۔ کسی فریق سے انتقام یا غصہ کا جذبہ اپنے اوپر نہ غالب آنے دو۔

ف۱۴ (اور جب بھائی ہی ہیں، تو بھائیوں بھائیوں میں لڑائی ہی کیسی) اسلام یعنی دین فطرت نے ایک طرف تو غربت، امارت وغیرہ کے مختلف طبقات قائم رکھے اور ان کے مٹا ڈالنے کی خلافِ فطرت کوشش میں قوت اور وقت کو ضائع نہیں کیا، لیکن دوسری طرف یہ بھی بتا دیا کہ دین کا اشتراک ہر ماڈی، مالی، نسبی، نسلی تفریق وامتیاز سے بالاتر ہے اور بڑے چھوٹے امیر غریب شریف غیر شریف سب کو اخوت کے رشتہ میں پرو کر صحیح اور سچی سوشلزم (اشتراکیت) کی بنیاد قائم کردی۔ یہیں سے یہ بھی نکل آیا کہ مسلم قومیت کی بنیاد نسلی، وطنی، لسانی وغیرہ نہیں، صرف اعتقادی ہے۔ اور اشتراک و اخوت کا سنگ بنیاد صرف وحدتِ کلمہ ہے۔ اِخۡوَةٌ۔ اخوت کا رشتہ تو انتہائی محبت کا مظہر ہے۔ اس کے استحضار کے بعد پھر کیسا جدال، کیسا قتال؟ اخوة۔ اخ کی جمع، اخوة تو حقیقی بھائیوں کے لئے ہے۔ رشتے ناتے کے بھائیوں کے لئے اخوان آتی ہے۔ قرآن نے یہاں اخوة لا کر گویا بتا دیا کہ مسلمانوں کا ایک دوسرے سے تعلق ورشتہ بالکل بھائیوں کا ہے۔ قال بعض اهل اللغة الاخوة جمع الاخ من النسب والاخوان جمع الاخ من الصداقة فالله تعالىٰ قال انما المومنون اخوة تاكيدا للامر واشارة الى ان بينهم ما بين الاخوة من النسب والاسلام كالاب (كبير) اِنَّمَا۔ کے کلمہ حصر نے اسے صاف کر دیا کہ یہ رشتہ اخوت صرف مومن ہی مومن کے درمیان ہے، مومن وکافر کے درمیان نہیں ہو سکتا۔ انما للحصر اى لا اخوة الابين المومنين واما بين المومن والكافر فلالان الاسلام هو الجامع (كبير) ف۱۵ اس میں کمال ترغیب ہے اصلاح بین المسلمین کی۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ تقویٰ ہی کی ایک اعلیٰ فرد اصلاح بین المسلمین ہے۔ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ۔ رحمت الٰہی کا ترتب اسی تقویٰ شعاری پر ہوگا۔ ف۱۶ یعنی کسی کو کیا خبر کہ اللہ کے نزدیک بہتر اور قابل عزت کون ہے، ہنسنے والا ہے یا وہ جس پر ہنسا جا رہا ہے۔ اس احساس کو بیدار کر کے قرآن نے گویا معاشرہ اسلامی کے اندر تمسخر وتفضیح کی جڑ ہی کاٹ دی ہے۔ تعلیم ہمارے ہاں کی یہ تھی اور عمل یہ ہے کہ دوسرے پر ہنسنا، بنانا، علانیہ اس کی رسوائی کرنا، عیب نہیں رہا بلکہ داخل ہنر ہو گیا ہے۔ لَا يَسۡخَرۡ۔ تمسخر وہ ہنسی ہے جس سے دوسرے کی تحقیر ودل شکنی ودل آزاری ہو اور وہ حرام ہے، باقی ایسی ہنسی جس سے دوسرے کا دل خوش ہو وہ مزاح اور خوش طبعی کہلاتی ہے اور ایسی ہنسی جائز ہے بلکہ بہت سے حالات میں مستحب ہے۔ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ۔ مراد جنس رجال ہیں خواہ ایک ہو یا بہت سے ہوں۔ نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ۔ مراد جنس نساء ہیں خواہ ایک ہو یا بہت سی ہوں حاصل

اِثۡمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوۡا وَلَا يَغۡتَبۡ بَّعۡضُكُمۡ بَعۡضًا ؕ اَيُحِبُّ

ہوتے ہیں و۱۹ اور ٹوہ میں مت لگے رہو و۲۰ اور کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے و۲۱ کیا تم میں سے

اَحَدُكُمۡ اَنۡ يَّاۡكُلَ لَحۡمَ اَخِيۡهِ مَيۡتًا فَكَرِهۡتُمُوۡهُ ؕ وَاتَّقُوا

کوئی اس کو گوارا کرلے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے ضرور ہی تمہیں کراہت آتی ہے و۲۲ اور اللہ سے

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ

ڈرتے رہو بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، بڑا مہربان ہے و۲۳ اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو

مِّنۡ ذَكَرٍ وَّاُنۡثٰى وَجَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ

ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے و۲۴ اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنادیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو و۲۵

اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰٮكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ ﴿۱۳﴾

بے شک تم میں سے پرہیزگار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے و۲۶ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے پورا خبردار ہے و۲۷

قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَلٰـكِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا

(یہ بعض) گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے ہو، یہ کہو کہ ہم مطیع ہوگئے ہیں

وَلَمَّا يَدۡخُلِ الۡاِيۡمَانُ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ ؕ وَاِنۡ تُطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ

اور ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہوا نہیں ہے اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مان لو

لَا يَلِتۡكُمۡ مِّنۡ اَعۡمَالِكُمۡ شَيۡـئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۴﴾

تو وہ تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کم نہ کرے گا بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحم والا ہے و۲۸

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ لَمۡ يَرۡتَابُوۡا

مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لے آئے پھر (اس میں بھی) شک نہیں کیا

وَجٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓـئِكَ هُمُ

اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو یہی لوگ

کلام یہ کہ امت کا کوئی سا بھی طبقہ ایک دوسرے کی ہنسی نہ اڑائے۔ عَسٰۤى اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا خَيۡرًا مِّنۡهُمۡ۔ عَسٰۤى اَنۡ يَّكُنَّ خَيۡرًا مِّنۡهُنَّ۔ دوسرے پر ہنسی، تمسخر، طنز کی بنیاد عموماً کیا ہوا کرتی ہے؟ یہی نا کہ دوسرے میں فلاں فلاں عیب ہیں اور ہم ان عیوب سے کہیں بالاتر ہیں۔ قرآن مجید نے انتہائی حکیمانہ ژرف نگاہی کے ساتھ اس بنیاد پر ضرب لگادی، اور اس طرح اس عمارت ہی کو منہدم کردیا۔۔۔ انسان کو اگر اپنا عیب دار، داغدار ہونا یاد پڑ جائے تو دوسرے پر زبان کھولنے کی کبھی ہمت ہی نہ پڑے۔ و۱۷ (اور یہ سب باتیں گناہ کی ہیں) سبب یہ ہے کہ مسلمان پر گناہ کا نام لگنا ہی برا اور قابل نفرت ہے اور ان حرکتوں کے بعد یہی کہا جائے گا کہ یہ مسلمان، مسلمان ہو کر اللہ کی نافرمانی کرتا ہے! فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ کسی کو عیب دار نام سے یاد کرنا صرف اس صورت میں حرام ہے، جب وہ بلاغرض صحیح ہو، لیکن اگر کوئی شخص پکارا اور پہچانا ہی ایسے نام سے جاتا ہے اور اس میں وہ اپنی کوئی توہین محسوس نہیں کرتا تو اسے اس کے ظاہر میں عیب دار نام سے یاد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مثلاً حکیم نابینا، لنگڑے حافظ، گنجے وکیل، وغیرہ۔ وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ۔ اَنۡفُسَكُمۡ۔ یہاں ”ایک دوسرے کے“ معنی میں ہے جیسا کہ بعض اور مقامات پر بھی قرآن ہی میں آیا ہے۔ عن ابن عباس وقتادة ای لایطعن بعضکم عن بعض (جصاص) بِالۡاَلۡقَابِ۔ لقب کے معنی یہاں برے نام کے ہیں یعنی کسی شخص کو ایسے نام سے پکارنا جو اسے ناگوار ہو۔ واللقب هنا اسم مکروه عندالسامع (ابن العربی) و۱۸ (اپنے حق میں اور اللہ کے یہاں) یعنی حقوق العباد کے تلف کرنے والے۔ اور جو سزا ظالموں کے لئے ہے اس کے مستحق نہ ہوں گے۔۔۔ ان تمام احکام میں واضح ہو رہا ہے کہ شریعت کو مجلسی اور معاشرتی اصلاح کے باب میں کس درجہ اہتمام ہے، اور جو معاشرہ ان ہدایات وقوانین پر عامل ہو جائے اس میں کبھی بھی باہمی رنجشیں رخنہ انداز ہوسکتی ہیں؟ خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے کتنی رنجشوں اور عداوتوں کی بنیاد کسی نہ کسی بیہودہ دل لگی، پھبتی گوئی یا کسی کو بنانے کی کوشش ہی پر نکلے گی۔ و۱۹ (اس لئے ضرور ہے کہ اقسام گمان کو سمجھ کر حدود جواز کے اندر رہو) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ نیک گمان رکھنا واجب ہے اور حق تعالیٰ اور عام مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی ممنوع وناجائز ہے۔ فحسن الظن باللہ فرض وسوء الظن به محظور منهی وکذلک سوء الظن بالمسلمین الذین ظاهر هم العدالة محظور مزجور عنه (جصاص) بدگمانیوں کی عام عادت جو بطور وباء کے ہم لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ آیت اس پر کیسی ضرب لگا رہی ہے۔ بات بات پر بلاوجہ بھائیوں سے بدگمانی، بیوی بچوں سے بدگمانی، پڑوسیوں سے بدگمانی، نوکروں چاکروں سے بدگمانی، گویا بدگمانی کو ہم لوگوں نے اوڑھنا، بچھونا بنا رکھا ہے۔ یہ بدگمانی کی خلش اگر دل سے دور ہو جائے تو ہم میں ہر ایک کی زندگی کتنی راحت سے بسر ہونے لگے۔ بَعۡضَ الظَّنِّ۔ بعض جمیع کے مقابلہ میں ہے اور کثیر بھی ”بعض“ کے اندر شامل ہے۔ اقتضت الأية النهی عن بعض الظن لا عن جمیعه (جصاص) فقیہ مفسر علامہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ظن کی حسب ذیل قسمیں اور احکام بیان کئے ہیں:۔ (۱) ظن واجب۔ مثلاً حق تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن یا غیر منصوص میں ظن حقیقی۔ (۲) ظن مباح۔ یعنی ایسی بدگمانیاں جن کے لئے کھلے ہوئے قرینہ اور قیاس موجود ہوں۔ مثلاً ایسے شخص سے فسق کا گمان رکھنا جو شراب خانوں یا قحبہ خانوں میں آمد ورفت رکھتا ہو مگر شرط یہ ہے کہ بدگمانی گمان میں رہے۔ حد یقین تک نہ پہنچا دیا جائے۔ نیز ایسی بدگمانیاں جو غیر اختیاری ہوں۔ یہاں بھی شرط یہ ہے کہ ان کے مقتضا پر عمل نہ کرے بلکہ حتی الامکان انہیں دفع کرتا رہے۔ (۳) ظن حرام۔ عقائد دین یا احکام مسائل شریعت، بلادلیل محض اپنے گمان سے گڑھ لینا یا کسی شخص میں خفیف وضعیف علامات فسق دیکھ کر اس کی طرف سے بدگمانی جمالینا۔ و۲۰ یعنی اوروں کے عیبوں اور کمزوریوں کی تلاش وجستجو میں نہ پڑو، تاوقتیکہ کوئی مصلحت یا ضرورت ہی اس کی نہ آپڑے۔۔۔ چھپ کر باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا بنا کر باتیں سن لینا یہ سب تجسس میں داخل ہے، البتہ اگر کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے اس کے مضرت رساں ارادوں اور تدبیروں کا تجسس کرے تو جائز ہے۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ کسی مسلمان کے چھپے ہوئے عیب کی پردہ دری کرنا ممنوع وناجائز ہے بلکہ اس کی پردہ پوشی کرتے رہنا واجب ہے۔ عن زید بن وهب قال اتی ابن مسعودؓ فقیل هذا فلان تقطر لحیته خمرا فقال عبداللہ انا قد نهینا عن التجسس لکن ان یظهر لنا شیء ناخذ به (جصاص) عن مجاهد خذوا بما ظهر لکم ودعوا ما ستر اللہ فنهی اللہ فی هذه الأيات عن سوء الظن بالمسلم الذی ظاهره العدالة والستر ودل به علی انه یجب تکذیب من قذفه بالظن (جصاص) فقد اقتضی ذلک النهی عن تحقیق المظنون وعن اظهاره ونهی عن التجسس بل امر بالستر علی اهل المعاصی مالم یظهر منهم اصرار (جصاص) و۲۱ کسی کی عدم موجودگی میں اس کا یا اس کی کسی چیز کا ذکر اس طرح کرنا کہ اسے ناگوار ہو۔ عام اس سے کہ وہ صحیح ہے یا غلط، یہی غیبت ہے اور اسی کو قرآن مجید نے اس شدومد سے روکا ہے۔ حدیث شریف میں غیبت کی تفسیر اس طرح آئی ہے۔ ”ذکرک اخاک بمایکره۔“ اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرنا جو اسے ناگوار گزرے۔ غیبت کا گناہ شدید ہونا اس آیت سے ظاہر ہے۔ حدیث میں ”الغیبة اشد من الزنا“ تک وارد ہو چکا ہے۔ فقہاء نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے اور مشائخ وصوفیوں نے اس سے بچنے کے طریقے اور تدبیریں بتائی ہیں۔ جن جن موقعوں پر غیبت جائز ہے ان کی تفصیل کتب فقہ میں مل جائے گی۔ اردو

میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا ایک مبسوط اور مفصل رسالہ اس موضوع پر زجر الشبان والشیبۃ عن ارتکاب الغیبۃ کے نام سے موجود ہے۔ قرآن مجید کی ان اخلاقی اور معاشرتی ہدایتوں پر عمل کرنا اگر ہم لوگ سیکھ جائیں تو آج دنیا میں بھی ایک حد تک جنت کا مزہ آنے لگے۔ ف۲۲ ایسی گھناؤنی چیز سے تشبیہ دے کر قرآن نے ہر مسلمان کا دل ہی غیبت کی طرف سے متنفر و بیزار کر دیا ہے۔ وجہ شبہ بعض علماء نے یہ لکھی ہے کہ جس طرح گوشت کے نوچے جانے سے جسم کو جسمانی اذیت ہوتی ہے، آبروریزی سے بھی قلبی تالم ہوتا ہے اور چونکہ وہ شخص سامنے موجود نہیں ہوتا، اس لئے عدم حس میں مشابہ مردہ کے ہے۔ ف۲۳ تو چاہئے کہ اب ساری پچھلی غلطیوں اور بدکرداریوں پر نادم ہو کر اور ان کا تدارک کر کے حق تعالیٰ کے فضل و کرم کے مستحق بن جاؤ۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ۔ بڑی چھوٹی ہر برائی سے بچنے کے لئے آسان ترین نسخہ یہی تقویٰ الٰہی ہے۔ جتنی زیادہ کسی کے دل میں خشیت الٰہی موجود ہوگی، اسی قدر اس کے لیے ہر ترغیب شیطانی و نفسانی کے مقابلہ میں صبر و ضبط سے کام لینا اور ثابت قدم رہنا آسان رہے گا۔ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ۔ بڑی بشارت اس میں اپنی پچھلی غلطیوں اور گناہوں پر نادم ہونے والوں کے حق میں ہے۔ ارشاد گویا یہ ہو رہا ہے کہ اب تک جو کچھ بھی کرتے رہے ہو۔ جن جن بھی اخلاقی آلودگیوں میں مبتلا رہ چکے ہو، اب اس تازہ ہدایت کے بعد ان سے دستبردار ہو اور ان پر نادم ہوتے رہو، کہ حق تعالیٰ بڑے توبہ قبول کرنے والے بھی ہیں۔ اور فضل و کرم کرنے والے تو ہی ہیں۔ ف۲۴ یعنی آدم وحوا سے۔ اور اس لحاظ سے سارے انسان یکساں و ہم سطح ہوئے۔ ای انکم متساوون فی النسب (معالم) قال تعالٰی تنبیھا علی تساویھم فی البشریۃ (ابن کثیر) فجمیع الناس فی الشرف بالنسبۃ الطینیۃ الی اٰدم وحوا سواء (ابن کثیر) وحدت نوع انسانی، اسلام میں ایک نظریہ نہیں، ایک مؤکد حقیقت ہے، اس نے ان تمام جاہلی نظریات کی جڑ کاٹ دی، جو انسان کی مختلف نسلوں کو مختلف مورثوں کی اولاد سمجھتے ہیں اور ہندوستان کی ذات پات والی پیدائشی تفریق کے حق میں اس آیت کا سم قاتل ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ دل بذالک علی انہ لافضل لبعضم علٰی بعض من جھت النسب۔ اذکان جمیعًا من اب وام واحدۃ (جصاص) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی نیز سورہ النساء (پ۴) اور سورہ الزمر (پ۲۳) کے حاشیے اسی مضمون سے متعلق۔ ف۲۵ (اس لئے مختلف قوموں میں اور پھر خاندانوں میں تقسیم بنیاد تفاخر کی نہیں ہو سکتی، بنیاد باہمی امتیاز و تعارف کی البتہ ہے) نسل پرستی، قوم پرستی، رنگ پرستی جس میں جاہلیت قدیم سے لے کر جاہلیت جدید تک ساری قومیں مبتلا رہی ہیں، ان پر پوری ضرب اس آیت نے لگا دی ہے۔ خَلَقْنٰکُمْ۔ جَعَلْنٰکُمْ۔ دونوں لفظوں سے صاف طور پر اشارہ اس طرف کر دیا کہ یہ تو جو کچھ کیا، ہم نے کیا ہے۔ تمہارے امتیاز و افتخار کا اس میں کون سا پہلو ہے؟ شُعُوْبًا۔ نوعِ انسانی کی پہلی اور بڑی تقسیم یعنی قومیں یا نسلیں۔ قَبَآئِلَ۔ قدیم انسان کی دوسری اور ضمنی تقسیم، یعنی کنبے اور قبیلے۔ ف۲۶ یعنی اللہ کے ہاں شرف، فضیلت و مقبولیت تمامتر ذاتی پرہیزگاری ہے، نہ کہ فخر نسلی و قومی و آبائی۔ نہ کسی کے برہمن اور چھتری ہونے میں اس کی عزت، نہ کسی کے چمار پاسی ہریجن ہونے میں ذلت۔ اسلام نے انسانی آبادی کی تقسیم صرف دو ہی طبقوں میں رکھی ہے متقی و غیر متقی۔ اس کے علاوہ اس کے ہاں حقیقی تقسیم نہ امیر و غریب کی ہے نہ نسلی شریف و نسلی رذیل کی، نہ گورے اور کالے کی بلکہ صرف متقی و غیر متقی کی۔ فابان ان الفضیلۃ والرفعۃ انما تستحق بتقوی اللہ وطاعتہ (جصاص) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ف۲۷ (اور اس پر روشن ہے کہ کون واقعی کس حد تک پرہیزگار ہے) سو یہ تقویٰ بھی دنیا میں کسی کی شیخی، تعلی و تفاخر کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ ف۲۸ (تو اس کی مغفرت بے نہایت و رحمت بے پایاں سے فائدہ اٹھانے کے مواقع اب بھی حاصل ہیں) وَاِنْ...... رَسُوْلَہٗ۔ یعنی اگر واقعی ایمان لے آؤ۔ اور دل سے اللہ اور رسول کے احکام کی تصدیق کرنے لگو۔ لَا...... شَیْئًا۔ اللہ تعالیٰ تو سارے اعمال ایمانی کا پورا پورا اجر دے گا۔ وَلَمَّا...... قُلُوْبِکُمْ۔ محققین اہل سنت نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ اسلام عام ہے اور ایمان اس سے خاص تر ہے۔ وقد استفید من ھذہ الاٰیۃ الکریمۃ ان الایمان اخص من الاسلام کما ھو مذھب اھل السنۃ والجماعۃ (ابن کثیر) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، ابراہیم نخعی اور قتادہ اور ابن جریر نے بخلاف امام بخاری کے آیت سے یہی استدلال کیا ہے کہ جن لوگوں کا یہاں ذکر ہے۔ وہ منافق نہ تھے۔ تھے مسلمان ہی، اگرچہ ان کا ایمان کمزور تھا۔ دل ھذا علی ان ھؤلاء الاعراب المذکورین فی ھذہ الاٰیۃ لیسوا بمنافقین وانماھم مسلمون لم یستحکم الایمان فی قلوبھم فادعوا لانفسھم مقامًا اعلٰی مما وصلوا الیہ فادبوا فی ذلک وھذا معنی قول ابن عباسؓ وابراھیم النخعی وقتادۃ واختارہ ابن جریر وانما قلنا ھذا لان البخاری رحمہ اللہ ذھب الی ان ھؤلآء کانوا منافقین یظھرون الایمان ولیسوا کذلک (ابن کثیر) کوئی شخص اسلام کا دعویٰ کر رہا ہو تو جزم کے ساتھ اس کی تکذیب (جیسی کہ یہاں وارد ہوئی ہے) کا حق صرف حق تعالیٰ عالم الغیب ہی کو پہنچتا ہے۔ ورنہ بندوں کا کام تو عام طور پر اس مدعی کے بیان کو تسلیم ہی کر لینا ہے۔ اشارۃ ان عمل القلب غیر معلوم واجتناب الظن واجب وانما یحکم بالظاھر فلایقال لمن یفعل فعلًا ھو مرائی ولا لمن اسلم ھو منافق ولکن اللہ خبیر بما فی الصدور اذا قال فلان لیس بمؤمن فحصل الجزم (کبیر) آیت سے ظاہر ہو گیا کہ اسلام اور ایمان کے دو الگ الگ مفہوم ہیں۔ اسلام صرف ایک ضابطہ کی چیز ہے۔ جس کا تعلق قول اور ظاہر سے ہے۔ ایمان اس کے برعکس ایک باطنی حقیقت ہے جس کا تعلق قلب کی تصدیق سے ہے۔ فاخبران حقیقۃ الایمان التصدیق بالقلب وان الاقرار باللسان واظھار مرافعۃ بالابدان لایکون ایمانًا دون التصدیق بالقلب والاخلاص (معالم)

و۲۹ (اپنے دعویٰ ایمان وتصدیق میں) الْمُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی دین کی پوری طرح اور درجہ کمال میں تصدیق کرنے والے۔ مومنین حقیقی۔ مومنین کامل۔ ای المومنون الکمل (ابن کثیر) فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ اگر کمال تصدیق حاصل نہ ہو، نفس تصدیق حاصل ہو جب بھی ایمان ثابت ہو جائے گا۔ اَلَّذِیْنَ...... سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ یعنی ہر طرح دین کی خدمت کی، اسی راہ میں سختیاں جھیلیں۔ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا۔ زندگی کی کسی منزل اور ماحول کی کسی کشمکش میں بھی ایمان وتصدیق کی شاہراہ سے ڈانواں ڈول نہ ہونا بڑی نعمت ہے۔ و۳۰ (درآنحالیکہ اس کو خبر نہیں) خطاب جھوٹے مدعیان دین ومنافقین اعراب سے ہے کہ اللہ کو تو تمہارے دین کی خبر ہے نہیں اور تم اسے خبر دینا چاہتے ہو۔ مطلب صاف ظاہر ہے کہ تم ایسی جھوٹی اور بے اصل بات زبان سے نکال رہے ہو۔ و۳۱ (تو ایسے کامل وجامع علم

الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ

راست باز ہیں و۲۹ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو اپنے دین کی خبر دے رہے ہو؟ و۳۰ درآنحالیکہ اللہ کو

مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کی (پوری) خبر ہے اور اللہ (اور بھی) ہر شے کا

عَلِیْمٌ ﴿۱۶﴾ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا

علم رکھتا ہے و۳۱ یہ لوگ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ مطیع ہو گئے ہیں و۳۲ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے مطیع ہو جانے کا

عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ

احسان نہ رکھو البتہ یہ تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی

لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ

ہدایت دی بشرطیکہ تم (دعویٰ ایمان میں) سچے ہو و۳۳ بے شک اللہ آسمانوں اور

غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع

زمین کی مخفی باتوں کو جانتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو بھی خوب دیکھ رہا ہے و۳۴

اٰیاتها ۴۵ — ۵۰ سُوْرَةُ قٓ مَكِّیَّةٌ ۳۴ — رکوعاتها ۳

اس کی پینتالیس آیتیں — سورۂ ق مکہ میں نازل ہوئی — اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قٓ ۚ وَ الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ﴿۱﴾ ۚ بَلْ عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ

قاف و۱ قسم ہے قرآن بزرگ کی (کہ ہم نے آپ کو نذیر بنا کر بھیجا ہے) لیکن یہ لوگ اس پر حیرت

مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ﴿۲﴾ ۚ

کر رہے ہیں کہ ان کے پاس ایک ڈرانے والا انہیں میں سے آیا و۲ سو کافر کہتے ہیں کہ یہ تو (بڑی) عجیب بات ہے،

رکھنے والے کو بھلا کوئی کیا بتلائے گا) مشرک جاہلی قوموں کو ٹھوکر اللہ کے صفت علم ہی میں کثرت سے لگی ہے، قرآن اسی لئے بار بار اس کو توضیح کرتا جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ ...... الْاَرْضِ۔ یعنی کوئی بھی شے اللہ کے احاطہ علم سے باہر نہیں۔ وَاللّٰهُ ...... عَلِیْمٌ۔ یعنی جو بھی چیز ہے، اللہ کے احاطہ علم کے اندر ہے۔ و۳۲ (بے لڑے بھڑے بخلاف دوسرے قبائل کے) اشارہ انہیں قبائل بنی اسد وغیرہ کی جانب ہے جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔ انہیں نے آکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے کہا تھا کہ ہم خاص مراعات کے مستحق ہیں۔ دوسرے کتنے مقابلہ ومقاتلہ کے بعد کہیں ہتھیار رکھتے ہیں، اور ہم کو دیکھئے کہ ہم بغیر کسی جدوجہد کے آپ کی مخالفت سے باز آگئے۔ و۳۳ یعنی اگر تم واقعی مسلمان ہو بھی گئے ہو (جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے) تو یہ میرے اوپر احسان کیا ہوا، یہ تو اللہ کا احسان تمہارے اوپر ہوا کہ اس نے تمہیں دائمی نجات کی راہ دکھا دی، اور دنیا میں بھی تمہیں قتل، قید وغیرہ سے بچا دیا۔ و۳۴ (سو اس کے سامنے بھلا کوئی مکر وفریب چل سکتا ہے؟) بندہ کو حق تعالیٰ کے علم کے کامل ومحیط کل ہونے کا جس درجہ میں استحضار رہے گا۔ اسی نسبت سے اس کا درجہ اخلاص بھی بڑھا ہوا رہے گا۔ اِنَّ ...... الْاَرْضِ۔ موجوداتِ عالم کی کوئی پوشیدہ سے بھی پوشیدہ چیز علم الٰہی سے پوشیدہ نہیں۔ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ بندہ کا براہ راست تعلق تو اللہ کے اسی علم سے ہے جو وہ ان بندوں کے اعمال وجزئیات اعمال سے متعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اس پہلو کی تصریح اور تاکید قرآن مجید میں بار بار آئی ہے۔ و۱ عربی اسلوب بیان میں قسم کا مفہوم تاکید کا ہوتا ہے۔ اور جواب قسم یعنی قسم کے بعد کا مضمون اکثر بغیر کسی تصریح کے محض سیاق سے سمجھ لیا جاتا ہے۔ قسموں کی بحث کا تعلق تمامتر اسلوب بیان وبلاغت سے ہے۔ قٓ۔ مخفف اس فقرہ کا سمجھا گیا ہے۔ حكمة هي قولنا قضى الامر (کبیر) ایک قول یہ ہے کہ: قفا اثره کا مخفف ہے۔ قيل يجوز ان يكون ق امرًا من مفاعلة قفا اثره اى تبعه والمعنى اتبع القران واعمل بمافيه (روح) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قف کے معنی میں امر ہے۔ قيل انه امر بمعنى قف اى قف عندماشرح لک ولاتجاوزه (روح) حروف مقطعات کے لئے ملاحظہ ہو پ۱ میں الٓمٓ پر حاشیہ۔ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ۔ قرآن مجید کی قسم کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ یہ کتاب اپنے مضامین کی بے نظیر بلندی اور معنویت کے لحاظ سے خود اپنی صداقت اور آپ کی رسالت پر گواہ ہے۔ الْمَجِیْدِ۔ یعنی بزرگی اور شرف والا قرآن — آج دنیا کی کون سی کتاب اپنی معنویت اور بلندی کے لحاظ سے اس کے ٹکر کی ہے؟ کسی صحیفۂ مذہب کو اس کی جامعیت وہمہ گیری کے مقابلہ میں لایا جا سکتا ہے؟ و۲ (حالانکہ اس نذیر کی سچائی پر ہر طرح کے دلائل صحیح قائم ہو چکے ہیں) مِنْهُمْ۔ انہیں میں سے، یعنی محض بشر ہو کر، یہی جسم اور یہی اس کے خصوصیات رکھ کر۔ مشرکین کی بڑی چڑھ اسی عقیدۂ رسالت سے ہے۔ وہ دیوتا کے قدموں پر گر پڑنے کو تیار رہتے ہیں۔ لیکن کسی فانی انسان کو خدا کا قاصد سمجھنا ان کی عقل کی گرفت سے بالکل باہر ہوتا ہے۔ آیت میں ایک حقیقت صحیح وثابت کے مقابلہ میں حیرت وشک کو باطل ٹھہرایا ہے۔ اس سے بعض اصولیین نے بقاعدۂ اقتضاء النص یہ مسئلہ نکالا ہے کہ مجرد شک وعجب کسی دلیل کا معارض نہیں ہو سکتا۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴿۳﴾ قَدْ عَلِمْنَا

بھلا جب ہم مرگئے اور مٹی ہوگئے (تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے؟) یہ رجعت تو (بہت ہی) بعید ہے ف۳ لیکن ہم تو اُن کے

مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿۴﴾

اجزاء تک کو جانتے ہیں جنھیں زمین (کی مٹی) کم کرتی ہے اور ہمارے پاس تو (پورا) رجسٹر (ہی) محفوظ ہے ف۴

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿۵﴾

اصل یہ ہے کہ یہ لوگ تو سچ ہی کو جھلاتے ہیں جب وہ اُن کے پاس آ گیا، غرض یہ کہ وہ ایک متزلزل حالت میں ہیں، ف۵

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا

کیا انہوں نے اپنے اُوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اُسے کیسا بنایا اور ہم نے اُسے آراستہ کیا

وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿۶﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا

اور اُس میں کوئی رخنہ (تک) نہیں ف۶ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں

رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿۷﴾ تَبْصِرَةً

پہاڑوں کو جما دیا اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اُگائیں جو ذریعہ ہے بینائی

وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۸﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

اور دانائی کا، ہر رجوع ہونے والے بندے کے لئے ف۷ اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی

مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ﴿۹﴾ وَالنَّخْلَ

برسایا پھر ہم نے اُس سے باغ اور کھیتی کا غلہ اور لمبی لمبی کھجور کے

بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿۱۰﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا

درخت جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے رہتے ہیں اگائے، بندوں کو روزی دینے کے لئے، اور ہم نے اس کے ذریعہ سے

بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۗ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ

مردہ زمین کو زندہ کیا، اسی طرح (زمین سے حشر میں) نکلنا ہی ہوگا ف۸ ان لوگوں کے قبل قوم

ف۳ (عقل وقیاس سے) یعنی ایک تو بشر کی زبان سے دعوئ رسالت خود ہی عجیب اور پھر ساتھ ہی یہ عقیدہ حشر ونشر کا۔ ہم "روشن خیالوں" کی عقلیں اسے کیسے قبول کرلیں کہ جب ایک چیز فناء ہوگئی، اس کے اجزاء بکھر کر پارہ پارہ ہوگئے تو وہ دوبارہ پھر موجود ہوجائے گی۔ اعادۂ معدوم تو ہمارے تجربہ، مشاہدہ، عقل، سب کے خلاف ہے۔ ف۴ "روشن خیال" وحواس پرست مشرکوں کے دعوے پر جرح ہورہی ہے کہ تم اس بازگشت کو محال آخر کس بنا پر کہہ رہے ہو؟ کیا اس لئے کہ اس ہستی میں قابلیت حیات نہیں؟ اگر یہ مراد ہے تو یہ تو خود تمہارے مشاہدہ کے بھی خلاف ہے۔ پھر کیا ہے کہ ہمارے علم اور ہماری قدرت کو تم ناقص، محدود ونا کافی سمجھتے ہو؟ تو ہمارا علم تو ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیات تک محیط ہے اور یہ علم بھی کچھ نو پید اور حادث نہیں، قدیم ہے۔ قبل وقوع ہی سے ہے۔ مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ۔ یعنی ان کے جسم کے وہ اجزاء جنھیں مٹی کھا جاتی ہے۔ كِتٰبٌ حَفِيْظٌ۔ ایسا رجسٹر جس میں جسم کے ہر ہر جزء کی وضع، مقدار، کیفیت سب ہی کچھ درج ہے — مراد لوح محفوظ سے ہونا ظاہر ہے۔ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ۔ حق کے ترک وانکار کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا کہ ان لوگوں پر شک وارتیاب، تذبذب اور بے یقینی کی لعنت مسلط ہوجائے۔ عن قتادة قال من ترك الحق مرج عليه رايه والتبس عليه دينه (جصاص) ف۵ (کہ حق پر انہیں قرار ہی نہیں۔ کبھی تکذیب سے کام لیتے ہیں، کبھی تشکیک سے) بَلْ...... هُمْ۔ ان کی عادت ہی ہر سچائی سے انکار کی پڑ گئی ہے۔ ف۶ کمال علم کے بعد اب یہ بیان کمال قدرت کا ہورہا ہے — ایک آسمان ہی پر جو کس وناکس ہر ایک کے مشاہدہ میں آرہا ہے، اور اس کی صناعی پر، عظمت وپہنائی پر، قوت واستحکام پر، ہر چیز پر غور کرو تو خود ہی معلوم ہوجائے گا کہ تم امکان بعث سے انکار واستبعاد پر کتنی نادانی پر ہو۔ كَيْفَ۔ اس میں اشارہ آسمان کی رفعت وعظمت، وسعت وپہنائی، استحکام وخوشنمائی سب کی جانب آگیا۔ وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ۔ یعنی کسی قسم کا نقص وضعف اس میں نہیں۔ ہر طرح مکمل ہی مکمل ہے۔ وَزَيَّنّٰهَا۔ آسمان کی آراستگی وزیبائی بھی چاند، سورج ستاروں وغیرہ سے ہے۔ ف۷ آسمان کے بعد اب زمین کی صناعیوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور مطلب یہ ہوا کہ یہ آسمان وزمین کی ساخت وترکیب، ان کے اندر کی گوناگوں صناعیاں، زمین پر پہاڑوں کا قیام، ان سب پر اگر انسان غور کرے تو قدرت الٰہی کے کتنے زبردست شواہد ان میں قدم قدم پر ملیں گے۔ لیکن یہ سبق بھی ہر شخص نہیں لیتا۔ یہ درس تو وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو نیت وقصد بھی اسی کا رکھتے ہیں۔ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا۔ زمین کے عظیم الشان پھیلاؤ کی طرف اشارہ ہے۔ وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ۔ پہاڑوں کے قائم اور نصب کرنے کی ساری حکمتیں اس کے اندر آگئیں۔ تَبْصِرَةً...... مُّنِيْبٍ۔ ان عظیم الشان وحیرت انگیز مظاہر قدرت سے بھی عبرت وتذکر کا سبق لینا ہر ایک کا کام نہیں۔ چشم بینا ودل دانا اس کے لئے لازمی ہے۔ انابت واحساس عبدیت تو شرط اولیں ہے۔ ف۸ یہاں گویا یہ فرمایا کہ تم جس طرح بارش ہوئے پر خشک زمین کو ازسرنو سرسبز وشاداب ہوتے ہوئے روزمرہ دیکھتے ہو، اسی طرح حکمت الٰہی مردہ انسانوں کو بھی زمین سے لانکال کھڑا کرے گی — اور اس کا ناممکن ہونا تو خیر الگ رہا، اس میں استبعاد کی بھی کونسی بات ہے؟

نُوۡحٍ وَّ اَصۡحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوۡدُ ﴿۱۲﴾ۙ وَ عَادٌ وَّ فِرۡعَوۡنُ

نوح اور اہل رس اور ثمود اور عاد اور فرعون

وَ اِخۡوَانُ لُوۡطٍ ﴿۱۳﴾ۙ وَّ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ وَ قَوۡمُ تُبَّعٍ ؕ کُلٌّ

اور لوط والے اور اہل ایکہ اور قوم تبع سب ہی

کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِیۡدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَیِیۡنَا بِالۡخَلۡقِ الۡاَوَّلِ ؕ

تکذیب پیمبروں کی کرچکے ہیں، سو میری وعید پوری اُتری ف۹ تو کیا ہم پہلی بار کی پیدائش سے تھک چکے ہیں؟

بَلۡ ہُمۡ فِیۡ لَبۡسٍ مِّنۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ﴿۱۵﴾ع وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا

اصل یہ ہے کہ یہ لوگ ازسرِنو پیدائش ہی کی طرف سے شبہ میں پڑے ہیں ف۱۰ اور ہم نے انسان کو

الۡاِنۡسَانَ وَ نَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِہٖ نَفۡسُہٗ ۚۖ وَ نَحۡنُ اَقۡرَبُ

پیدا کیا ہے، اور ہم (خوب) جانتے ہیں ان وسوسوں (تک) کو جو اس کے جی میں آتے رہتے ہیں ہم تو اس کی رگ گردن

اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ ﴿۱۶﴾ اِذۡ یَتَلَقَّی الۡمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ

سے بھی بڑھ کر اس کے قریب ہیں ف۱۱ (انہیں اُس وقت کی یاد دلائیے) جب دو گرفت میں لینے والے فرشتے

الۡیَمِیۡنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیۡدٌ ﴿۱۷﴾ مَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ

داہنے اور بائیں بیٹھنے والے گرفت میں لاتے رہتے ہیں ف۱۲ وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا

اِلَّا لَدَیۡہِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ ﴿۱۸﴾ وَ جَآءَتۡ سَکۡرَۃُ الۡمَوۡتِ

مگر یہ کہ اُس کے آس پاس ہی ایک تاک میں لگا رہنے والا تیار ہے ف۱۳ اور آپہنچی موت کی بے ہوشی

بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِکَ مَا کُنۡتَ مِنۡہُ تَحِیۡدُ ﴿۱۹﴾ وَ نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ ؕ

سچائی کے ساتھ ف۱۴ یہی وہ (حقیقت) ہے جس سے تو بدکتا رہتا تھا ف۱۵ اور صور پھونکا جائے گا

ذٰلِکَ یَوۡمُ الۡوَعِیۡدِ ﴿۲۰﴾ وَ جَآءَتۡ کُلُّ نَفۡسٍ مَّعَہَا سَآئِقٌ

یہی دن ہے وعید کا ف۱۶ اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ ایک (فرشتہ) تو اس کے ساتھ ہمراہ لانے والا ہوگا

ع ۱/۱۵

ف۹ (اور یہ سب کے سب تکذیب انبیاء ہی کی پاداش میں اسی دنیا میں اپنے کیفر کردار کو پہنچ کر رہے) کُلٌّ کَذَّبَ الرُّسُلَ۔ منکروں نے انبیاء کرام کی تکذیب دین کے عقائد اساسی کے باب میں کی ہے اور وہ یہ تین مسئلے ہیں۔ توحید[1]، حشر و نشر[2]، رسالت[3]۔ قَوۡمُ نُوۡحٍ۔ اَصۡحٰبُ الرَّسِّ۔ ثَمُوۡدُ۔ عَادٌ۔ فِرۡعَوۡنُ۔ اِخۡوَانُ لُوۡطٍ۔ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ۔ قَوۡمُ تُبَّعٍ، ان سب پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ ف۱۰ (یوں ہی بلا کسی شبہ معقول یا کسی دلیل صحیح کے) اَفَعَیِیۡنَا بِالۡخَلۡقِ الۡاَوَّلِ۔ یعنی بار اول میں عدم محض سے تو سب چیزوں کا ہمارا خالق ہونا تو تمہیں خود تسلیم ہے۔ تو پھر کیا یہ مانتے ہو کہ اب ہماری قدرت تخلیق جواب دے گئی ہے اور اب ہم تخلیق ثانی پر قادر نہیں رہے؟ اَفَعَیِیۡنَا بعض گمراہ قوموں نے واقعۃً بھی خستگی اور تھکن کو حق تعالیٰ کی جانب منسوب کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ یہود اور نصرانیوں نے بھی۔ ف۱۱ (جو منتہاء ہے کمال قرب کا) انسانی محاورہ میں انتہائے قرب کا کامل ترین تصور یہی ہے کہ اُسے رگ جان کے برابر قریب سمجھا جائے۔ آیت کا مضمون ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑھ کر قریب ہے، گویا ہر انسان کے تخیل سے بھی قریب تر۔ یہ قرب تکوینی عام ہے نیک و بد، بلکہ ہر مخلوق کے لیے۔ قرب مرتبہ البتہ مخصوص ہے مقبولین کے لیے۔ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ۔ اس رگ کا نام ہے جو سارے جسم میں خون پہنچاتی ہے، استعارۃً مراد عین جان ہے۔ اے من روحہ (راغب) نَحۡنُ...... الۡوَرِیۡدِ۔ اس میں ان جاہل، مشرک قوموں کی تردید بھی آگئی جو خدائے تعالیٰ کو بندوں سے دُور اور بہت دُور سمجھے رہتے ہیں۔ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ۔ اس میں مضمون آگیا حق تعالیٰ کے کمال قدرت کا۔ یعنی ہم سے بڑھ کر انسان اور کس کے قبضۂ قدرت میں ہے؟ وَ نَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِہٖ نَفۡسُہٗ۔ اس میں مضمون آگیا حق تعالیٰ کے کمال واحاطۂ علم کا یعنی ہم سے انسان کا کون سا راز مخفی رہ سکتا ہے؟ حق تعالیٰ پر تو انسان کے وسوسے تک عیاں و روشن رہتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ اس علم محیط و کامل کے باوجود رحمت کاملہ نے گرفت وسوسوں پر نہیں رکھی۔ ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ (پ۳) (آیت وَ اِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡہُ یُحَاسِبۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ۔ کا حاشیہ۔ ف۱۲ حدیث میں آتا ہے کہ دو فرشتے ہر وقت اور ہر حال میں انسان کے ساتھ رہتے اور اس کے ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کو نیک ہو یا بد، دیکھتے رہتے ہیں، اور کسی حال میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑتے، یہاں تک کہ انسان کی ناپاکی وغیرہ کے اوقات میں، جس سے فرشتے طبعی انقباض کی بناء پر اس سے جسماً الگ بھی ہو جاتے ہیں، ان اوقات میں انسان جو کچھ عمل کرتا رہتا ہے اس کی علامتیں کچھ ایسی اس پر نقش ہو جاتی ہیں کہ فرشتے انہیں کو پڑھ کر انہیں اپنے رجسٹر میں درج کر لیتے ہیں۔ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ۔ داہنی طرف کا فرشتہ نیکی کے اعمال لکھتا رہتا ہے اور بائیں طرف کا بدی کے اعمال۔ قَعِیۡدٌ۔ یعنی بیٹھے رہنے والے یہ انسانی محاورۂ عادت کے مطابق فرشتوں کی ہمہ وقتی حاضری و موجودگی کے لیے فرمایا گیا ہے۔ بندوں کے اعمال کے احاطہ کامل کے لیے تو اللہ کی صفت علم محیط و کامل خود ہی بالکل کافی ہے۔ فرشتوں کے اس ہمہ وقتی معیت اور باضابطہ اندراج سے بندوں کے دل میں اس کی اہمیت اور کیفیت استحضار کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ ف۱۳ اعمال کے بعد اب ذکر اقوال کا ہو رہا ہے۔ منہ سے ادھر بات نکلی نہیں کہ اُدھر کاتب فرشتوں نے اُسے نوٹ کر لیا۔ بات اگر اچھی ہے تو اُسے بھی اور بری ہے تو اُسے بھی! اللہ اکبر! کیا ٹھکانا ہے انسان کی ذمہ داریوں کا، وہ اللہ کا نائب بنا کر دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ وہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں کے لیے۔ گھنٹے کے ہر منٹ کے ہر پل کے لیے ذمہ دار ہے۔ غفلت کی مہلت اسے ایک پل کے لیے بھی نہیں۔ آیت کا استحضار رہے تو مسلمان سے کبھی بھی گناہ صادر ہو سکے؟ اللہ نے اپنے ہاں کا یہ ضابطہ بتا کر مسلمان کے لیے راہِ عمل کتنی آسان کر دی ہے! ف۱۴ یعنی موت کی بیہوشی کا آنا تو بالکل برحق ہے۔ سَکۡرَۃُ۔ کے معنی بیہوشی کے ہیں۔ السکر حالۃ تعترض بین المرء و عقلہ (راغب) اس ایک ذرا سے لفظ کے اندر موت کی پوری حقیقت آگئی۔ موت بذاتِ خود کوئی ڈرنے کی چیز نہیں۔ وہ تو نیند کی طرح صرف ایک احساس و ادراک کے ذہول کا نام ہے۔ فرق یہ ہے کہ نیند کی کیفیت ہلکی اور عارضی ہوتی ہے اور موت کی یہ کیفیت مستقل اور زیادہ قوی ہوگی۔ اس کو "بیہوشی" حواس دنیوی کی نسبت اور تعلق سے کہا گیا ہے ورنہ اس موت ناسوتی کے طاری ہونے میں معاً دوسرے اور اُن سے کہیں لطیف و برتر قسم کے ہوش و حواس عطا ہو جاتے ہیں۔ ف۱۵ یعنی اس وقت کی آمد سے وحشت کرتا تھا۔ اور اس سے کترا کر نکل جانا چاہتا تھا۔ موت سے گریز ایک حد تک امر طبعی ہے۔ وہ یہاں مراد نہیں، جو آخرت سے انکار یا اس عقیدہ میں اشتباہ کی بناء پر، حب دنیا سے پیدا ہو جاتا ہے۔ ف۱۶ موت کے بعد اب ذکر قیامت کا شروع ہوا۔ وَ نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ۔ نفخ صور سے یہاں مراد نفخ ثانی ہے جس سے سب مُردے زندے ہو جائیں گے۔

وَّ شَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا

اور ایک (فرشتہ) گواہ ہو گا ف۱۷ تو اسی دن سے بے خبر تھا سو ہم نے تجھ پر سے

عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ وَ قَالَ قَرِيْنُهٗ

تیرا پردہ ہٹا دیا سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے ف۱۸ اور اس کے ساتھ والا (فرشتہ) کہے گا

هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾

کہ یہ وہ (روزنامچہ) ہے جو میرے پاس تیار ہے ف۱۹ ڈال دو تم دونوں جہنم میں ہر ایسے شخص کو جو کفر کرنے والا ہو ضد رکھنے والا ہو

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿۲۵﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ

نیک کام سے روکنے والا ہو، حد سے نکل جانے والا ہو، شبہ رکھنے والا ہو، جس نے اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا

اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ

تجویز کر رکھا ہو سو ایسے کو تم دونوں عذاب سخت میں ڈال دو ف۲۰ (تب) اس کے ساتھ والا (شیطان) کہے گا

رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَ لٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ

اے ہمارے پروردگار میں نے اسے نہیں بھٹکایا تھا بلکہ یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا ف۲۱ ارشاد ہو گا

لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَ قَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا

کہ میرے سامنے جھگڑو مت اور میں تو پہلے ہی تمہارے پاس وعید بھیج چکا تھا ف۲۲ سو میرے ہاں

يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ

بات نہیں بدلی جائے گی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں ف۲۳ (اور انہیں یاد دلائیے) وہ دن

نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾

جب ہم دوزخ سے کہیں گے کہ تو بھر بھی گئی؟ اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے؟ ف۲۴

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ

اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی کہ کچھ دور نہ رہے گی یہی وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا

ع ۲ / ۱۶

ف۱۷ یہ دونوں فرشتے وہی کاتب اعمال ہوں گے۔ عرف عام میں انہیں کو کراماً کاتبین کہتے ہیں۔ ان فرشتوں اور اُن کی کارروائیوں کا استحضار اگر قلب میں رہے تو انسان سے بھلا کوئی لغزش کسی وقت بھی صادر ہو سکے؟ ان کی طرف سے غفلت ہی تو بڑی چھوٹی ہر برائی کی طرف لے جاتی ہے۔ ف۱۸ (اور آج ہر حقیقت تجھ پر بے پردہ منکشف ہو رہی ہے) یہ خطاب کافر سے ہوگا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ کشف بلا مجاہدہ تو کافروں تک کو حاصل ہو جائے گا۔ سو محض کشف جو کافروں میں مشترک ہے، مومن کا مطلوب یقیناً نہ ہونا چاہیے۔ ف۱۹ یعنی نامۂ اعمال۔ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ۔ حدیث میں آتا ہے کہ ہر انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی ایک فرشتہ اور ایک شیطان بھی اس کے ساتھ کر دیا جاتا ہے۔ فرشتہ نیکیوں کی راہ دکھاتا رہتا، اور شیطان بدیوں کی راہ سمجھاتا رہتا ہے اس آیت میں قول فرشتہ کا نقل ہو رہا ہے۔ ف۲۰ یہ سب قیامت کے دن فرشتوں کو حکم ہوگا۔ ہر قسم کے کافر کے لیے۔ اَلْقِيَا۔ اس کے عام معنٰی تو صیغۂ تثنیہ ہی کے ہیں۔ ”یعنی اے دونوں فرشتو! تم ڈال دو“۔ لیکن اس صیغہ کا ایک استعمال واحد کے لیے بھی بقصد تاکید ہے۔ ایسے موقع پر القیا مرادف الق۔ الق (مکرر) کا ہوتا ہے۔ یجوز ان یکون خطابا للواحد علی وجھین احدھما قول المبرد ان تثنیة الفاعل نزلت منزلة تثنیة الفعل لاتحادھما کانهٗ قیل الق الق للتاکید (کشاف) كَفَّارٍ۔ یعنی عقائد حق سے انکار کرنے والا۔ عَنِيْدٍ۔ یعنی حق سے ایسی ضد رکھنے والا کہ اس کے بار بار وضوح کے باوجود بھی اسے قبول نہ کیا۔ مُعْتَدٍ۔ یعنی حدود عبدیت سے باہر نکل جانے والا۔ مُرِيْبٍ۔ یعنی عقائد دین تک میں شک کرنے والا۔ ف۲۱ (اپنے ارادہ و اختیار سے) ہر انسان کے ساتھ جو ایک ہمزاد شیطان ہوتا ہے تو کافر انسان کا شیطان الزام اپنے اُوپر آتے دیکھ کر اُس کو انسان ہی پر اُلٹ دے گا اور یہ کہے گا۔ ف۲۲ (کہ جو کوئی بھی کفر کرے گا، خواہ ابتداءً خواہ کسی کے کہنے سننے سے، سب کی سزا جہنم ہی ہے) یہ اہل دوزخ سے قطع حجت کے لیے کہا جائے گا۔ یعنی اب تم عذر ہی کیا کر سکتے ہو۔ یہ سب کچھ تو تمہیں تمہاری زندگی میں اچھی طرح بتا ہی دیا گیا تھا۔ ف۲۳ یعنی آج تو میری زمینی وعیدوں کا بس ظہور ہی ہے، اُن کے علاوہ اور کوئی نئی بات نہیں۔ اور ظلم و زیادتی میری طرف سے کسی بندہ پر ذرا بھی نہیں۔ ظلام۔ صیغہ مبالغہ ہے۔ لیکن کبھی محض ظالم یا ذی ظلم کے مرادف بھی آتا ہے۔ ظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۔ ظلام کو اگر صیغۂ مبالغہ کی رعایت سے اس کے عام معنٰی میں لے کر ”ظالم ترین“ یا شدید ”ظالم“ کا مرادف سمجھا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ اگر قبل سے پوری طرح آگاہ کیے بغیر ہم جتلائے عذاب کر دیتے تو اس صورت میں ہمارا شاید ظالم ہونا لازم آتا ہے اور وہ ہم سرے سے ہیں ہی نہیں۔ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مشرک، جاہلی قوموں نے اپنے بعض دیوی دیوتاؤں کو جلاد اور خونخوار قسم کا سمجھا تھا۔ قرآن مجید حق تعالیٰ کی تنزیہ اس وصف سے بھی پوری طرح کر رہا ہے۔ ف۲۴ جہنم کی شدت غیظ ظاہر کرنے کو ہے اور مقصود اس سے کافروں کے دل میں مزید دہشت بٹھانا ہے۔ هَلِ امْتَلَاْتِ۔ یعنی ان کافروں سے جو تیرے اندر پہنچ چکے ہیں، تو بالکل بھر گئی ہے۔

لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝۳۲ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ

کہ وہ ہر رجوع ہوجانے والے، پابندی رکھنے والے کے لئے ہے، ف۲۵ (غرض) جو کوئی بھی (خدائے) رحمٰن سے بے دیکھے ڈرتا ہوگا

وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ۝۳۳ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ

اور رجوع ہونے والا دل لے کر آئے گا (اس کو حکم ہوگا کہ) داخل ہو جاؤ اس جنت میں سلامتی کے ساتھ، یہ دن

الْخُلُوْدِ ۝۳۴ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝۳۵ وَكَمْ

ہمیشگی کا ہے ف۲٦ اُن لوگوں کو وہاں سب کچھ ملے گا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زائد ہے اور ہم ان سے قبل

اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا

بہت سی اُمتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے کہیں بڑھ کر تھے اور (تمام) شہروں کو

فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝۳٦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى

چھانتے پھرتے تھے (سو) انہیں کہیں بھاگنے کی جگہ بھی ملی؟ اس (اہلاک) میں اُس کے لئے بڑی عبرت ہے

لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝۳۷ وَلَقَدْ

جس کے پاس دل ہے یا وہ متوجہ ہو کر کان ہی لگا دیتا ہے ف۲۷ اور

خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا کر دیا

وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝۳۸ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ

اور ہم کو تکان نے چھوا تک نہیں ف۲۸ سو آپ اُن کی باتوں پر صبر ہی کیجئے

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ

اور اپنے پروردگار کی حمد وتسبیح کرتے رہیے آفتاب نکلنے سے پہلے اور (اس کے) چھپنے سے

الْغُرُوْبِ ۝۳۹ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝۴۰

پہلے بھی ف۲۹ اور رات میں بھی اُس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی ف۳۰

ف۲۵ آیت میں بشارت ہے متقین کو، کہ جنت گو دُور ہے لیکن تمہارے لیے نہیں۔ تمہیں وہاں تک پہنچنے میں تو کوئی تعب ومشقت ہوگی نہ توقف وانتظار کرنا ہوگا۔ وہ تو خود ہی تم تک لے آئی جائے گی۔ یہ وعدہ تو بہرحال قطعی ہے۔ رہی اس کیفیت کی تفصیل تو اس کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے۔ اَوَّابٍ۔ یعنی اللہ اور احکام الٰہی کی طرف تہ دل سے رجوع ہونے والا۔ حَفِيْظٍ۔ یعنی حدودِ الٰہی کا محافظ۔ اعمال و طاعات کی پابندی کرنے والا۔ ف۲٦ یعنی آج کی نعمتوں کو نہ فناء ہے نہ زوال۔ بِالْغَيْبِ۔ یعنی جنت کی نعمتیں اور دوزخ کی سختیاں دنیا میں تو سب غیب ہی میں تھیں۔ یہ لوگ دنیا ہی میں ان دھمکیوں کو حقائق جان کر ان سے پوری طرح متاثر ہو چکے تھے۔ ف۲۷ یعنی جو لوگ قلب سلیم رکھتے ہیں، ان کے لیے تو یہ سارے حکایات وقصص ذخیرۂ عبرت رکھتے ہی ہیں، باقی جو لوگ محض توجہ سے ان تذکروں کو سن لیں تو اُن کے لیے بھی اُن کے اندر کافی سامانِ ہدایت موجود ہے۔ ف۲۸ (تو ایسے قادر مطلق وہمہ تواں کے لیے اعادۂ خلق کیا دشوار ہے؟ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ مراد چھ متعارف دن نہیں، بلکہ محض چھ زمانے یا چھ وقت ہیں۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الاعراف (پ۸) آیت متعلقہ کے حاشیے۔ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔ دنیا کے کروڑوں مسیحیوں اور یہودیوں کا ایمان آج تک یہ چلا آرہا ہے کہ حق تعالیٰ نے چھ دن میں آسمان وزمین کی آفرینش کے بعد ساتویں دن آرام کیا۔ قرآن مجید کو اسی گمراہی کی تردید مقصود ہے۔ توریت مروجہ میں ہے:۔ ''خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین، دریا اور سب کچھ جو اُن میں ہے بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔ (خروج۔ ۲۰:۱۱)'' چھ دن میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا اور تازہ دم ہوا''۔ (خروج۔ ۳۱:۱۷) اور انجیل مروجہ میں ہے:۔ ''خداوند نے اپنے سارے کاموں کو پورا کر کے ساتویں دن آرام کیا''۔ (عبرانیون۔ ۴:۴) اور اسی کتاب ''عبرانیون'' میں ''آرام'' کا یہ تلازمہ بہت دُور تک چلا گیا ہے۔ ف۲۹ (کہ اس ذکر الٰہی میں لگے رہنے سے آپ کی توجہ ہی ان کافروں کے معاندانہ اقوال واعمال کی طرف کم رہے گی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں صاف دلالت اس پر ہے کہ شدائد میں تسلی کا قوی ترین ذریعہ اللہ کی طرف توجہ ہے۔ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ۔ اشارہ نماز فجر کی طرف ہے بمعنی صلاۃ الصبح (معالم) وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ۔ تسبیح سے یہاں مراد نماز ہی ہے۔ اراد به الصلوٰة (جصاص) اے فصل له (ابن کثیر) اے صل حمدًا لله (معالم) ف۳۰ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ۔ سجود سے یہاں مراد نماز ہے۔ و قد يعبر به عن الصلوٰة (راغب) اَدْبَارَ السُّجُوْدِ اے ادبار الصلوٰة (راغب) اے و اعقاب الصلوٰت (بیضاوی) وَمِنَ الَّيْلِ۔ رات کی نمازوں میں مغرب اور عشاء کی نمازیں آ گئیں۔ حرف من سے اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ مراد ساری رات نہیں، بلکہ اُس کا صرف ایک حصہ، نماز، ذکر وتسبیح کے لیے مخصوص کر لینا کافی ہے۔ اے اصرف من اليل طرفًا الى التسبيح (کبیر) اے و سبحه بعض اليل (بیضاوی) فَسَبِّحْهُ۔ تسبیح سے یہاں مراد فرض نمازوں کے بعد کے نوافل و اوراد واذکار لیے گئے ہیں۔ و هو التسبيح بعد الصلوٰة لان التسبيح تنزيه لله عما لا يليق به والصلوٰة تشتمل على قراءة القراٰن و اذكار هي تنزيه لله تعالىٰ (جصاص)

وَ اسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾

اور سن رکھ (اے مخاطب) کہ جس دن ایک پکارنے والا پاس ہی سے پکارے گا،

يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾

جس دن اس چیخ کو بالیقین (سب) سن لیں گے وہ نکلنے کا دن ہو گا (قبروں سے) ف۳۱

اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿٤٣﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ

بے شک ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف بازگشت ہے ف۳۲ جس روز زمین

الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿٤٤﴾

ان پر سے کھل جائے گی جبکہ وہ دوڑتے ہوں گے یہ جمع کر لینا ہمارے لئے آسان ہے

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ

ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اور آپ اُن پر جبر کرنے والے (بنا کر) نہیں (بھیجے گئے) ہیں،

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿٤٥﴾

سو آپ قرآن کے ذریعہ سے نصیحت کرتے رہیے اُسے جو میری وعید سے ڈرتا ہو ف۳۳

آیاتها ٦٠ ﴿٥١﴾ سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ﴿٦٧﴾ رکوعاتها ٣

اور تین رکوع ہیں	سورۂ ذاریات مکہ میں نازل ہوئی	اس کی ساٹھ آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿١﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿٢﴾ فَالْجٰرِيٰتِ

قسم ہے اُڑانے والی ہواؤں کی پھر بوجھ اُٹھانے والے بادلوں کی، پھر نرمی سے چلنے والی

يُسْرًا ﴿٣﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿٤﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ﴿٥﴾

کشتیوں کی، پھر چیزیں تقسیم کرنے والے فرشتوں کی کہ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل برحق ہے

ف۳۱ ذکر صور کے نفخۂ اولیٰ کا ہے۔ الْمُنَادِ۔ یہ ندا دینے والے حضرت اسرافیل فرشتہ ہیں۔ حدیث صحیح کے بموجب قیامت کے لیے نفخ صور کی خدمت انہیں سے متعلق ہے۔ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ۔ وہ آواز اتنی بلند ہوگی کہ کوئی مقام ان کے لیے کہیں سے بھی دُور نہ ہوگا جو آواز ہلکی یا ناصاف ہو کر پہنچے، ہر شخص کے پاس خواہ وہ کہیں بھی ہو، یکساں قوت کے ساتھ پہنچے گی۔ ف۳۲ یہ سب گمراہ و جاہلی قوموں کے عقائد کی تردید اور اس امر کے اثبات میں ہے کہ پیدا کرنے والا، پالنے والا، ہلاک کرنے والا، اور پھر حشر میں فیصلہ صادر کرنے والا وہی ایک اور اکیلا پروردگار ہے۔ ان سب کے لیے کوئی الگ الگ دیوتا یا خدا موجود نہیں۔ ہندوؤں نے تخلیق کائنات برہما جی کے ذمہ اور ربوبیت وشنو جی کے ذمہ اور اہلاک وافنا شیو جی کے ذمہ ڈالا ہے۔ اور مسیحیوں نے حشر میں فیصلہ مسیح ابن اللہ کے ہاتھ میں رکھا ہے۔ ف۳۳ یعنی تذکیر نافع صرف اُسی کو ہوگی، باقی سب کو ہدایت پر لے آنا آپ کے اختیار میں نہیں۔ سو اختیار سے باہر چیز کا غم نہ کیجئے۔ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ۔ یعنی انکار قیامت سے متعلق یہ لوگ جو کچھ بکتے رہتے ہیں۔ وہ سب ہم پر خوب روشن ہے اور ہم ہی انہیں پوری سزا دینے کے لیے بھی کافی ہیں۔ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ۔ یعنی آپ تو صرف مبلغ، معلم، منذر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نتائج کی ذمہ داری آپ پر ذرا بھی نہیں۔ فَذَكِّرْ ...... وَعِيْدِ۔ قرآن مجید کے مضامین سے وعظ و تذکیر کے مخاطب سب ہی ہیں۔ البتہ اس سے نفع یاب وہی ہوں گے، جن کے دلوں میں پہلے سے خوف خدا موجود ہے۔

وَّ اِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ﴿٦﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿٧﴾ اِنَّكُمْ

اور جزا ضرور ہی ہونے والی ہے ف١ قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں کہ تم

لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿٨﴾ یُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ﴿٩﴾ قُتِلَ

مختلف گفتگوؤں میں (پڑے) ہو ف٢ اس سے پھرتا وہی ہے جسے پھرنا ہی ہوتا ہے ف٣ غارت ہوں

الْخَرّٰصُوْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿١١﴾

اٹکل پچو باتیں بنانے والے جو کہ غفلت (جہالت) میں بھولے پڑے ہیں ف٤

یَسْـَٔلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿١٢﴾ یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ

پوچھتے ہیں کہ روز جزا کب ہو گا؟ یہ دن (وہ ہو گا) جب وہ لوگ آگ پر

یُفْتَنُوْنَ ﴿١٣﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ

تپائے جائیں گے، اپنی سزا کا مزہ چکھو یہی ہے جس کی تم

تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٤﴾ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿١٥﴾

جلدی مچایا کرتے تھے ف٥ بے شک پرہیزگار لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے،

اٰخِذِیْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ

لے رہے ہوں گے جو اُن کے پروردگار نے انہیں عطا کیا ہوگا، بے شک یہ لوگ اس کے قبل

مُحْسِنِیْنَ ﴿١٦﴾ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾

نکوکار تھے ف٦ رات کو بہت کم سوتے تھے ف٧

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿١٨﴾ وَفِیْۤ اَمْوَالِهِمْ

اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے ف٨ اور ان کے مال

حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿١٩﴾ وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ

میں حق رہتا تھا سوالی اور غیر سوالی (سب) کا ف٩ اور زمین میں (بہت سی)

ف١ (اس لیے تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے عمل کی ذمہ داری پوری محسوس کرے) قرآن مجید کے پیش نظر ایک ایسی اُمت تیار کرنا ہے۔ جس کا ہر ہر فرد اپنے ایک ایک عمل میں زندگی کے ایک ایک جزئیہ میں، اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس رکھتا ہو۔ اور کسی حال میں اس کے قدم کو لغزش نہ ہو — انسان کو ہمہ وقت صراط مستقیم پر قائم رکھنے کے لیے حشر کا اعتقاد ہی نہیں، بلکہ اس کا استحضار بھی لازمی ہے۔ الذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا۔ مراد وہ ہوائیں ہیں جو غبار وغیرہ اڑاتی رہتی ہیں۔ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا۔ مراد وہ بادل ہیں جو بارش سے لدے رہتے ہیں۔ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا۔ مراد وہ فرشتے ہیں جو مخلوقات میں مادّی و غیر مادّی ہر طرح کی تقسیمات بامر الٰہی کرتے رہتے ہیں۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ۔ یعنی جس روز حشر کی آمد کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ برحق ہے۔ کائنات کے یہ سارے انتظامات جو ہواؤں، بادلوں، کشتیوں اور فرشتوں کے ساتھ اس انضباط واہتمام کے ساتھ ہر وقت ہوتے رہتے ہیں، اس پر برہان قاطع ہیں کہ یہ ناسوتی زندگی بے مقصد نہیں ضرور اس کے ہر تصرف، ہر تغیر میں کوئی نہ کوئی مقصد رکھا ہے۔ حشر نام ہے اہم ترین مقصد کا۔ حشر نہ ہو تو یہ سارا انتظام واہتمام ہی بالکل بے مقصد اور اکارت ہوا جاتا ہے — اور یہی مقصود قرآنی قسموں کا ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پ١٤، سورۃ الحجر کا ضمیمہ "اقسام قرانی"۔ بعض اہل اشارات نے لکھا ہے کہ آگے چونکہ ذکر حشر ہی کا آ رہا تھا۔ اس لیے یہاں قسم کے ذریعہ سے شہادت میں بھی ایسی ہی چار چیزیں پیش کی گئیں جن سے اشارہ فنا، انتشار اجزاء، اعادہ اور ترکیب کے مدارج چہارگانہ کی طرف نکلتا ہے۔ ف٢ (عقیدہ حشر سے متعلق کہ کوئی تو اس عقیدہ کی تکذیب ہی کر رہا ہے، اور کوئی اس کے متعلق تذبذب اور گوگو میں پڑا ہوا ہے، اور کسی نے اس سے دنیا میں نیا جنم مراد لے کر اسے مسخ ہی کر ڈالا ہے) ذَاتِ الْحُبُكِ۔ ان راستوں سے مراد فرشتوں کے چلنے پھرنے کے علاوہ ستاروں کی گردش کے بھی مدار یا راستے لیے گئے ہیں۔ هی ذات الطرائق فمن الناس من تصور ههنا الطرائق المحسوسة بالنجوم و منهم من اعتبر ذٰلک بما فيه من الطرائق المعقولة المدركة بالبصيرة (راغب) لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ۔ ایک مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تم لوگ قرآن اور رسول کے متعلق مختلف اقوال اور مضطرب آراء کے چکر میں پڑے ہوئے ہو۔ اے فی القراٰن و فی محمد ﷺ (معالم) فی الرسول ﷺ او فی القراٰن (بیضاوی) ف٣ (راہ خیر وسعادت سے) عَنْهُ۔ ضمیر عقیدۂ وقوع قیامت کی جانب ہے۔ ف٤ (اور یہ غفلت چونکہ اختیار ہی سے پیدا ہوئی ہے اس لیے اس پر مواخذہ بھی ہے) اَلْخَرّٰصُوْنَ۔ خرّاص۔ حقیقۃً وہ شخص ہے جو بغیر کسی دلیل قطعی کے، یوں ہی ظن وتخمین سے کام لیتا رہے خواہ اتفاق سے کبھی اُس کا گمان صحیح بھی ثابت ہو جائے۔ كل قول مقول عن ظن و تخمين يقال خرص سواء كان مطابقًا للشئ او مخالفًا له (راغب) کثرت سے "قدیم معقولی" اور "جدید فلسفی" بلا علم وتحقیق الٰہیات پر رائے زنی کرنے والے۔ خراصون ہی کے تحت میں آتے ہیں۔ ف٥ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے کہ یہ جواب اس طرز کا ہے جیسے کسی مجرم کو پھانسی کی سزا کا حکم ہو جائے مگر وہ احمق محض اس بناء پر کہ تاریخ اور وقت نہیں بیان کیا گیا ہے۔ طنزاً یہ کہتا ہے کہ اچھا تو وہ دن آخر کب آئے گا؟ یَسْـَٔلُوْنَ۔ یہ سوال بطور طنز واستہزاء کے ہوتا تھا۔ ف٦ (تو ایسوں کو جنت بھلا کیوں نہ ملتی؟) قَبْلَ ذٰلِكَ۔ یعنی اپنی دنیوی زندگی میں۔ ف٧ (اور رات کا معقول حصہ ذکر وفکر، تسبیح وتلاوت ہی میں صرف کیا کرتے تھے) یہ مراد (نعوذ باللہ) تو نہیں ہو سکتی کہ راتوں کو سینما اور تھیٹر، ناچ و رنگ اور طرح طرح کی رنگ رلیوں اور فحش کاریوں میں جاگ جاگ کر برباد کرتے تھے۔ جو لوگ شب میں نوافل تک کے لیے یہ اہتمام رکھتے ہوں، ظاہر ہے کہ فرائض وواجبات کی ادائی کا وہ شب وروز کیا التزام رکھتے ہوں گے۔ ف٨ یعنی کمال پر کمال یہ تھا کہ باوجود اس اہتمام عبادت کے نظر اپنی عبادت پر نہ تھی، بلکہ اپنے کو عبادت میں کوتاہی کرنے والا ہی سمجھتے تھے۔ کیا ٹھکانہ ہے خشیت قلب کا! رات کا بیشتر حصہ جاگ جاگ کر عبادت میں کاٹ دیتے ہیں اور سحر کے وقت استغفار اس طرح کرتے ہیں کہ گویا رات عبادت میں نہیں، جرم ومعصیت میں گزاری ہے۔ ف٩ یعنی ایسے التزام واہتمام سے اُن کو دیتے تھے کہ جیسے ان کے ذمہ اُن کا کچھ تھا۔ اَلسَّآىِٕلِ۔ وہ جو منہ سے سوال کرے۔ اَلْمَحْرُوْمِ۔ وہ جو منہ سے سوال نہ کرے مگر ہو حاجتمند۔ ان نفل طاعتوں اور عبادتوں کے ذکر سے مقصود ان کے ثمرات عالیہ کا اظہار کر دینا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ جنات، عیون کے انعامات بغیر اُن کے ملیں گے ہی نہیں۔

لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ﴿۲۰﴾ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۱﴾

نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لئے اور خود تمہاری ذات میں بھی تو کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟ ف۱۰

وَ فِی السَّمَآءِ رِزۡقُکُمۡ وَ مَا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۲۲﴾ فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ

اور آسمان میں تمہارا رزق بھی ہے اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، ف۱۱ سو قسم ہے آسمانوں اور

وَ الۡاَرۡضِ اِنَّہٗ لَحَقٌّ مِّثۡلَ مَاۤ اَنَّکُمۡ تَنۡطِقُوۡنَ ﴿۲۳﴾

زمین کے پروردگار کی کہ وہ برحق ہے (اسی طرح) جیسے کہ تم بات چیت کر رہے ہو ف۱۲

ہَلۡ اَتٰىکَ حَدِیۡثُ ضَیۡفِ اِبۡرٰہِیۡمَ الۡمُکۡرَمِیۡنَ ﴿۲۴﴾ اِذۡ

کیا آپ تک ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت پہنچی ہے؟ ف۱۳ جب کہ

دَخَلُوۡا عَلَیۡہِ فَقَالُوۡا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوۡمٌ مُّنۡکَرُوۡنَ ﴿۲۵﴾

وہ اُن کے پاس آئے، پھر (اُن کو) سلام کیا (انہوں نے بھی) کہا سلام (یہ) انجان لوگ (تھے) ف۱۴

فَرَاغَ اِلٰۤی اَہۡلِہٖ فَجَآءَ بِعِجۡلٍ سَمِیۡنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَہٗۤ اِلَیۡہِمۡ

پھر آپ اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک فربہ بچھڑا لے آئے پھر اسے اُن کے پاس لا کر رکھا

قَالَ اَلَا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوۡجَسَ مِنۡہُمۡ خِیۡفَۃً ؕ قَالُوۡا

(اور) کہا کہ آپ کھاتے کیوں نہیں؟ ف۱۵ پھر آپ اُن سے دل میں خائف ہوئے وہ بولے

لَا تَخَفۡ ؕ وَ بَشَّرُوۡہُ بِغُلٰمٍ عَلِیۡمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقۡبَلَتِ امۡرَاَتُہٗ

آپ ڈریے نہیں، اور اُن کو ایک بڑے عالم لڑکے کی بشارت دی ف۱۶ اتنے میں ان کی بیوی بولتی

فِیۡ صَرَّۃٍ فَصَکَّتۡ وَجۡہَہَا وَ قَالَتۡ عَجُوۡزٌ عَقِیۡمٌ ﴿۲۹﴾

پکارتی ہوئی آئیں، پھر ماتھے پر ہاتھ مار کر بولیں کہ بڑھیا بانجھ (کے اولاد) ف۱۷

قَالُوۡا کَذٰلِکِ ۙ قَالَ رَبُّکِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۰﴾

وہ بولے کہ آپ کے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے، اور کچھ شک نہیں کہ وہ بڑا حکمت والا ہے، بڑا علم والا ہے ف۱۸

ع ۲ ۱۸ — وقف لازم

ف۱۰ یعنی انسان اگر خود اپنے حالاتِ ظاہری و باطنی کا جائزہ لیتا رہے، اگر آیاتِ آفاقی وانفسی پر غور کرتا رہے تو وقوعِ حشر کی ضرورت کا وہ ضرور قائل ہو جائے گا۔ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ۔ یعنی اُن لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں یقین کی طلب اور حق کی جستجو ہے۔ وَفِی الۡاَرۡضِ اٰیٰتٌ۔ یعنی وقوعِ قیامت وجزاء کے آفاقی دلائل وشواہد۔ دنیا میں جتنے بھی علوم وفنون نظر آتے ہیں۔ یہ سب کیا ہیں؟ موجوداتِ عالم اور ان کے مختلف اصناف کے متعلق قاعدے اور کلیے ہی تو ہیں۔ آفتاب و ماہتاب سے لے کر ریگستان کے ذروں اور دریا کے قطروں اور گھاس کی پتیوں اور ننھے سے ننھے کیڑوں تک بڑی چھوٹی چیزیں جو کچھ بھی کائنات میں ہیں۔ سب کیسی قاعدوں میں بندھی ہوئی اور ضابطہ کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں۔ تو یہ سارا عقلوں کو حیران کرنے والا، عظیم الشان نظام اور دماغوں کو حیرت میں ڈال دینے والا بے انتہاء وسیع انتظام جس کے اندر بخت واتفاق کی کوئی ہلکی سی بھی گنجائش نہیں، یہ سب ایک کردگار حکیم ومختار کے وجود کے دلائل وشواہد نہیں تو اور کیا ہیں؟ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ۔ یعنی وقوعِ قیامت وجزاء کے انفسی دلائل وشواہد۔ انسان اگر خود اپنے ہی جسم اور اعضاءِ جسم کی حکیمانہ ترکیب وتناسب پر اور اپنے ہی ذہن وعقل کی انتہائی حکیمانہ ترتیب وساخت پر غور کرنا شروع کرے تو اُس کا دل اور دماغ دونوں گواہی دے اُٹھیں گے کہ یہ ساری صنعت گری بجز ایک حکیم مطلق کے اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ کا جو عطف فِی الۡاَرۡضِ پر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جاہل صوفیہ کا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ سے تجلی حق پر استدلال کرنا باطل محض ہے۔

ف۱۱ یعنی قیامت کا۔ وَفِی السَّمَآءِ۔ یعنی لوح محفوظ میں۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوا کہ رزق مقدر کا اور قیامت کا سب کا علم لوح محفوظ میں مندرج ہے۔ لیکن عام طور پر مفسرین نے معنی یہ لیے ہیں کہ اسبابِ رزق (مثلاً بارش) وغیرہ کا اصل نزول آسمان ہی سے ہوتا ہے۔ ف۱۲ یعنی جس طرح تم اپنی بات چیت میں کبھی شک وشبہ نہیں کرتے، وقوعِ قیامت کو بھی یقینی اور قطعی سمجھو۔ اِنَّہٗ۔ یعنی یہی وقوعِ قیامت وجزاء وسزا۔ ای ان ما وعدتم به من امر القيامة، البعث والجزاء كائن لا محالة و هو حق لامرية فيه (ابن کثیر) یا یہ کہ اُوپر جو کچھ مذکور ہو چکا ہے۔ سب کی طرف یہ ضمیر اشارہ کر رہی ہے اور تابعی ابن جریج سے یہی منقول ہے۔ عن ابن جريج ان جميع ماذكرناه من اول السورة الى هنا الحق (روح) ف۱۳ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قصہ مع حواشی متعلقہ کے پیشتر بھی گزر چکا ہے۔ الۡمُکۡرَمِیۡنَ۔ فرشتے عنداللہ تو مکرم ومعزز ہیں ہی، بحیثیت مہمان کے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نظر میں بھی معزز تھے۔ ای مکرمین عندالله او عند ابراهيم (بیضاوی) ای عندالله عزوجل كما قال الحسن او عندابراهيم كما فى بعض الأثار (روح) و انما وصفهم بالمكرمين اما لكونهم عبادًا مكرمين واما لا كرام ابراهيم عليه السلام اياهم (کبیر) حَدِیۡثُ ضَیۡفِ اِبۡرٰہِیۡمَ۔ امام احمد بن حنبل اور بعض فقہاء نے آیت سے مہمانداری کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ وقد ذهب الامام احمد و طائفة من العلماء الى وجوب الضيافة للنزيل و قدوردت السنة بذالک كما هو ظاهر التنزيل (ابن کثیر) ف۱۴ (ابراہیم علیہ السلام کی نظر میں) یعنی آپ نے انہیں پہچانا نہیں، محض اجنبی مہمان سمجھ کر اُن سے صاحب سلامت کی۔ یہ فرشتے انسانی لباس میں تھے۔ ملاحظہ ہوں سورۂ ہود (پ۱۲) کے حاشیے۔ ف۱۵ فرشتے جو انسانی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان تھے۔ انہوں نے آپ کے اصرار کے بعد بھی آپ کے پیش کیے ہوئے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ فَجَآءَ بِعِجۡلٍ سَمِیۡنٍ۔ آپ نے ان تازہ وارد مہمانوں کو دیکھتے ہی ایک خوب تیار تلے ہوئے یا پکے ہوئے بچھڑے سے اُن کی میزبانی کی۔ ف۱۶ یعنی اسحٰق نبی کی۔ فرشتوں نے پہلے تو آپ کو تشفی دی کہ آپ ہم سے بدگمان وخائف نہ ہوں، ہم انسان نہیں، فرشتے انسانی قالب میں ہیں، پھر اس کے بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی۔ بِغُلٰمٍ عَلِیۡمٍ۔ مخلوق میں سب سے زیادہ علم انبیاء علیہم السلام کو ہوتا ہے، عجب نہیں جو یہاں صفتِ علم کا انتساب نبی کی جانب اسی لحاظ سے کیا ہو۔ فَاَوۡجَسَ مِنۡہُمۡ خِیۡفَۃً۔ آپ کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں یہ لوگ قزاق ورہزن تو نہیں — اُس دورِ تمدن میں ایک دستور یہ تھا کہ قزاق یا رہزن جس کسی پر غارتگری کرنا چاہتے تھے، اُس کا نمک کھانے سے احتراز رکھتے تھے۔ ف۱۷ یہ آپ نے کمال تعجب سے فرمایا کہ ایک تو میں بوڑھی اور پھر عقیم، میرے اولاد ہونے کی کیا صورت ہے؟ فَاَقۡبَلَتِ...... صَرَّۃٍ۔ حضرت سارہ جواب تک پردہ کی آڑ میں تھیں۔ یہ سن کر یک بیک سامنے آگئی تھیں۔ ف۱۸ فرشتوں نے جب دیکھا کہ حضرت سارہ پر عالم اسباب ہی کی رعایت غالب ہے۔ تو جھٹ یہ یاد دلا دیا کہ یہ فرمان تو حضرت حق کے ہاں سے جاری ہو چکا ہے — وہی حضرت حق، جن کی حکمت اور جن کا علم ہر مخلوق کی حکمت اور علم پر غالب ہے — خاندانِ نبوت کے ایک رکن کے لیے یہ استحضار کافی سے زائد اور ہر دلیل سے قوی تر تھا۔

الحمدللہ کہ اس چھبیسویں پارہ کے ترجمہ وتفسیر کی نظرِ ثانی سے یوم شنبہ ۲۶ رمحرم الحرام ۱۳۶۷ھ مطابق ۹ ردسمبر ۱۹۴۷ء کو قبل عصر فراغت پائی اور نظرِ ثالث سے آج یکشنبہ ۲۴ رشعبان المعظم ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۱ رجون ۱۹۵۰ء کو بعد نماز چاشت۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ

(ابراہیم نے) کہا (اچھا) تمہیں کیا بڑی مہم درپیش ہے (اے آسمانی) قاصدو، ف۱۹ وہ بولے کہ ہم

اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣٢﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً

ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر کھنگر کے پتھر برسائیں جن پر

مِّنْ طِيْنٍ ﴿٣٣﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣٤﴾

آپ کے پروردگار کے پاس نشان خاص بھی پڑے ہوئے ہیں، حد سے نکل جانے والوں کے لئے،

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَمَا

تو ہم نے جتنے اہل ایمان تھے اُن کو وہاں سے الگ کر دیا، سو ہم نے وہاں

وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَتَرَكْنَا

بجز مسلمانوں کے ایک گھر کے (کوئی گھر مسلمانوں کا) نہ پایا، ف۲۰ اور ہم نے

فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٣٧﴾ وَفِيْ

اس (واقعہ) میں ایک نشانی اُن لوگوں کے لئے رہنے دی جو عذاب دردناک سے ڈرتے رہتے ہیں ف۲۱ اور

مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾

موسیٰ (کے قصہ) میں بھی (نشانی ہے) جب کہ ہم نے انہیں فرعون کے پاس بھیجا، ایک کھلی ہوئی دلیل دے کر ف۲۲

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٣٩﴾ فَاَخَذْنٰهُ

لیکن اُس نے اپنی قوت (کے زعم) میں سرتابی کی اور کہنے لگا یہ ساحر یا مجنون ہیں، سو ہم نے اُس کو

وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿٤٠﴾ وَفِيْ عَادٍ

اور اُس کے لشکر کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا اور وہ تھا ہی قابل ملامت ف۲۳ اور عاد (کے قصہ میں بھی عبرت ہے)

اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿٤١﴾ مَا تَذَرُ مِنْ

جب کہ ہم نے اُن پر نامبارک آندھی بھیجی جس چیز پر بھی

الجزء ٢٧

ف۱۹ آپ نے فراست نبوت سے سمجھ لیا تھا کہ یقیناً کسی اور اہم مقصد کے لئے یہ ملائکہ کی سفارت روانہ ہوئی ہے۔ سورۂ ہود میں فرشتوں کا یہ قول مکالمۂ حضرت سارہ کے قبل مذکور ہے۔ اور یہاں بعد مکالمہ کے مذکور ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ قول مکالمۂ سارہ سے قبل ہی ادا ہوا ہے۔ اور چونکہ یہاں کوئی حرف ترتیب کا نہیں۔ اس لئے ترتیب ذکری سے ترتیب وقوعی پر استدلال نہ کیا جائے گا۔ اور دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہ رہا۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) خطب۔ اس اہم مقصد کو کہتے ہیں جس میں تخاطب کی ضرورت کثرت سے ہوتی ہے۔ الخطب الامر العظیم الذی یکثر فیه التخاطب (راغب) اور یہاں تو فرشتے ہی اس مشن کے حامل خصوصی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اس لئے قدرۃً ابراہیم خلیل پیغمبر کو اس سفارت کی عظمت کا خیال پیدا ہوا۔ واما الخطب فهو الامر العظیم عظم الشان یدل علی عظم من علی یده ینقضی (کبیر) ف۲۰ (اور وہ ایک گھر حضرت لوط پیمبر ہی کا تھا) قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ۔ ذکر حضرت لوط علیہ السلام کی بے دین وبدعمل قوم کا ہے...... مفصل حاشیے کئی بار گزر چکے۔ فَاَخْرَجْنَا...... الْمُسْلِمِيْنَ۔ اس بستی بھر میں کوئی دوسرا شریف ومومن بجز حضرت لوط پیمبر کے گھرانے کے اور تھا ہی نہیں۔ حضرت لوط حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہما السلام) کے بھتیجے تھے، اور شرق اردن میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ لِنُرْسِلَ...... لِلْمُسْرِفِيْنَ۔ اس شامت زدہ قوم کی ہلاکت آسمانی پتھراؤ سے ہوئی تھی۔ الْمُسْلِمِيْنَ۔ ابھی ابھی ان کے لئے لفظ المومنین کا آچکا تھا۔ بعض مفسرین نے اس سے استدلال یہ کیا ہے کہ اسلام (باصطلاح شرعی) اور ایمان باہم مرادف ہیں۔ فیه دلیل علی ان الایمان والاسلام واحد (مدارک) واستدل بالاٰیة علی اتحاد الایمان والاسلام للاستثناء المعنوی (روح) لیکن امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا یہ ہے کہ لفظ مسلم مومن سے عام تر ہے اور لفظ عام کا خاص پر برابر اطلاق ہوتا ہی رہتا ہے۔ اس سے دونوں کا اتحاد مفہوم لازم نہیں آتا اور اس کی تائید مفسرین محققین اہل سنت نے بھی کی ہے۔ والدلالة علی ان المسلم بمعنی المؤمن ظاهرة والحق ان المسلم اعم من المؤمن واطلاق العام علی الخاص لا مانع منه فاذا سمی المؤمن مسلمًا لایدل علی اتحاد مفهومهما (کبیر) فالاستدلال بها علی اتحاد هما فیه ضعیف (روح) وقال الرمانی الاٰیة تدل علی ان الایمان هو الاسلام وکذا قال الزمخشری وهما معتزلیان (بحر) واستدل به علی اتحاد الایمان والاسلام وهو ضعیف لان ذٰلک لا یقتضی الاصدق المؤمن والمسلم علی من اتبعه وذٰلک لا یقتضی اتحاد مفهومهما لجواز صدق المفهومات المختلفة علی ذات واحدة (بیضاوی) وهٰذا الاستدلال ضعیف لان هٰؤلآء کانوا قومًا مؤمنین وعند نا ان کل مؤمنٍ مسلمٌ ولا ینعکس فاتفق الایمان ههنا لخصوصیة الحال ولا یلزم ذٰلک فی کل حال (ابن کثیر) ف۲۱ (چنانچہ عذاب الٰہی سے خوف کھانے والے آج تک اس قوم کی داستانِ ہلاکت سے عبرت ونصیحت حاصل کرتے رہتے ہیں) بحر مردہ یا بحر لوط، اور آس پاس شہر سدوم کے کھنڈر آج تک ہر صاحب دل کو داستانِ عبرت سنا رہے ہیں۔ ف۲۲ یعنی معجزات صریح وواضح دے کر۔ سلطان کا اطلاق واحد وجمع دونوں پر آتا ہے۔ هو ما ظهر علی یدیه من المعجزات الباهرة والسلطان یطلق علی ذٰلک مع شموله للواحد والمتعدد لانهٗ فی الاصل مصدر (روح) ف۲۳ (اور مستحق عذاب) بِرُكْنِهٖ۔ اپنی قوت یا اپنے ساز وسامان کے زعم وپندار میں۔ رکن کے معنی قوت یا ساز وسامان کے بھی آتے ہیں۔ اور اس ترکیب کو مان کر ب باء تعدیہ ہوگی۔ یستعار للقوة (راغب) قیل بقوته و سلطانه (بحر) والرکن ما یرکن الیه الانسان من مال و جند (مدارک) ”اپنے زور پر“ (شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ دہلوی)۔ والباء للتعدیة حینئذٍ بمعنی فقوی بجنده (کبیر) رکن کے معنی قوم کے بھی لیے گئے ہیں۔ اس صورت میں ب باء مصاحبۃ ہوگی، اور ترجمہ ہوگا، ”مع اپنی قوم کے“۔ الباء للمصاحبة والرکن اشارة للقوم (کبیر) وَهُوَ مُلِيْمٌ۔ یعنی یہ سزائے غرقابی اُس کے حق میں ظلم ذرا سی بھی نہ تھی۔ مُلِيْمٌ۔ اسم فاعل یہاں اسم مفعول یعنی ملوم مستحق ملامت کے معنی میں ہے۔ الام ای استحق اللوم (راغب) هو ملیم ای هو ملوم (ابن کثیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں قرآن مجید کی دوسری آیت نقل کر کے جس میں یہی لفظ وَهُوَ مُلِيْمٌ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق بطن حوت سے نجات کے سلسلہ میں آیا ہے۔ استنباط یہ کیا ہے کہ مومن کا گناہ تو ظہور یاس کے وقت مغفور رہتا ہے۔ لیکن کافر کا ایمان غیر مقبول۔ فذنب المؤمن وقت ظهور الیاس مغفور و ایمان الکافر غیر مقبول (کبیر) اَوْ۔ کلمہ او ہمیشہ شک واشتباہ ہی کے موقع پر نہیں آتا۔ ابہام کے لیے بھی لایا جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اسی مفہوم میں آیا ہے۔ ابوعبید لغوی ونحوی کا قول نقل ہوا ہے کہ یہاں او واؤ علت کا مرادف ہے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دونوں باتیں کہی تھیں۔

شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ ٣٢ وَ فِیْ ثَمُوْدَ

گزرتی تھی اُسے ایسا کر چھوڑتی تھی جیسے کوئی چیز گل کر ریزہ ریزہ ہو جائے، و٢٤ اور ثمود (کے قصہ میں بھی

اِذْ قِیْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰی حِیْنٍ ٤٣ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ

عبرت ہے) جبکہ ان لوگوں سے کہا گیا کہ کچھ دن اور چین کر لو، پر انہوں نے اپنے پروردگار کے

رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَ هُمْ یَنْظُرُوْنَ ٤٤ فَمَا

حکم سے سرکشی کی، سو انہیں عذاب نے آ لیا اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے تھے و٢٥ سو نہ تو

اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِیَامٍ وَّ مَا كَانُوْا مُنْتَصِرِیْنَ ٤٥ لا

وہ کھڑے ہی ہو سکے اور نہ (ہم سے) بدلہ ہی لے سکے

وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ٤٦ ع

اور (ان سے) بہت پہلے قوم نوح (کا بھی یہی حال ہو چکا تھا) وہ بڑے نافرمان لوگ تھے

وَ السَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ٤٧ وَ الْاَرْضَ

اور ہم نے آسمان کو دستِ قدرت سے بنایا اور ہم وسیع القدرت ہیں و٢٦ اور زمین کو

فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ٤٨ وَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ

ہم نے فرش بنایا و٢٧ سو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو

خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ٤٩ فَفِرُّوْۤا اِلَى

دو دو قسم کی بنایا تاکہ تم سمجھو و٢٨ بس تم اللہ ہی کی طرف

اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ٥٠ ج وَ لَا تَجْعَلُوْا

دوڑو، میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں و٢٩ اور اللہ کے ساتھ

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ٥١ ج

کوئی اور معبود مت قرار دو میں تمہارے لئے اُس کی طرف سے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں و٣٠

و٢٤ (اور یہی اُس آندھی کا نامبارک ہونا تھا) طوفان باد قوم عاد پر اس غضب کا آیا تھا کہ اُس سے وہاں کی ہر قابل اہلاک چیز کی ہلاکت کامل واقع ہو گئی تھی — قوم عاد اور حضرت ہود علیہ السلام پر حاشیے کئی بار گزر چکے ہیں۔ و٢٥ قوم ثمود۔ حضرت صالح علیہ السلام کی سرگذشت کئی بار قرآن مجید میں آچکی ہے اور حاشیے وہیں گزر چکے ہیں۔ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ۔ اس قول کے قائل پیمبر وقت حضرت صالح علیہ السلام تھے۔ تَمَتَّعُوْا حَتّٰی حِیْنٍ۔ یعنی اگر کفر و سرتابی سے باز نہ آئے تو یہ دنیوی عروج و اقبال چند ہی روز کا مہمان ہے اور اس کے بعد پھر ہلاکت ہی ہلاکت۔ و٢٦ (سو کسی مذہب والے کا حق تعالیٰ کی صفت قدرت کو محدود جاننا حد درجہ نادانی وجہل ہے) بِاَیْىدٍ۔ ید۔ کے معنی قوت کے ہیں۔ قرآن مجید ہی میں متعدد بار اسی معنی میں آیا ہے۔ مثلاً اولی الایدی والابصار۔ واذکر عبدنا داود ذاالاید۔ چنانچہ یہاں بھی یہی معنی بلاتکلف ہیں۔ قال ابن عباس ومجاهد وقتادة بقوة (روح) والاید القوة هذا هوالمشهور (کبیر) ای بقوة قاله ابن عباس ومجاهد وقتادة والثوری وغیر واحد (ابن کثیر) آیت سے مسائل ذیل بھی روشنی میں آگئے، اور ہر ہر مسئلہ کے اثبات کے ساتھ ساتھ اس کے مقابل جاہلی مشرکانہ خیال کی تردید بھی ہو گئی:۔ (١) آسمان ساری دوسری مخلوقات کی طرح حادث و مخلوق ہی ہے، قدیم و غیر مخلوق نہیں۔ (٢) آسمان نہ دیوتا ہے نہ کسی دیوی دیوتا کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اللہ ہی کا خلق کیا ہوا ہے۔ (٣) حق تعالیٰ کی قدرت تخلیق آسمان کی تخلیق سے بھی بڑھ کر چیزوں پر قادر ہے۔ و٢٧ زمین کی اصل ہیئت، علماء ہیئت کی تحقیق میں کروی، بیضوی، جیسی کچھ بھی ہو، یہاں اس سے مطلق تعرض نہیں۔ انسان بہرحال و بہرصورت اس کی سطح پر چلنے پھرنے کا کام لیتا ہے اور اس کے اسی وصف کو یہاں بیان کیا، ملاحظہ ہو سورۃ البقرۃ (پ١) آیۃ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا پر حاشیہ، زمین نہ خود کوئی دیوی دیوتا ہے نہ کسی دیوی دیوتا کی مخلوق جیسا کہ بہت سی مشرک قوموں نے سمجھ رکھا ہے بلکہ ساری دوسری مخلوقات کی طرح اللہ ہی کی ایک مخلوق۔ و٢٨ (اور غور و فکر سے کام لے کر اس حکمت وصناعی سے استدلال توحید پر کرو)۔ زَوْجَیْنِ سے یہاں مراد متقابل کی چیزیں ہیں۔ مثلاً گرمی سردی، جوہر عرض، آسمان زمین، پستی بلندی، بڑی چھوٹی، الٹی سیدھی، وحدت کثرت، نور ظلمت وقس علیٰ ہذا۔ کائنات بھری پڑی ہے ایسی ہی اضداد یا متقابلات سے۔ و٢٩ (اور میری ساری تنبیہوں کا خلاصہ بس یہی ہے کہ شرک والحاد چھوڑ کر توحید کی راہ پر قائم ہو جاؤ) فَفِرُّوْۤا۔ ف تعقیب کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اتنی مشرک گمراہ قوموں کے تذکرے اور اللہ کی قدرت کاملہ کا بیان سن لینے کے بعد اب تو سارے عالم سے بھاگ کر اللہ کے ہو جاؤ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لفظ فرار سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ توجہ الی اللہ خوب شوق کے ساتھ ہونا چاہیے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلا موقع توحید کے ایجابی و اثباتی پہلو پر زور دینے کا ہے اور دوسرا سلبی و منفی پہلو کی اہمیت کے اظہار کا۔ و٣٠ (اور میری تبلیغ اور تاکید یہی ہے کہ شرک کے ہر پہلو سے دستبردار ہو جاؤ) اِنِّیْ ...... مُبِیْنٌ۔ آیت کی تکرار تاکید کلام کے لئے ہے۔ جوشِ بیان کے وقت تکرار کلام ہر خطیب وانشاء پرداز کی زبان پر آجاتی ہے اور اثبات توحید سے بڑھ کر اور کونسا موقع جوشِ بیان کا قرآن مجید کے لئے ہو سکتا ہے۔ تکریر للتاکید (بیضاوی) لیکن شاید زیادہ مناسب ہو اگر یہ کہا جائے کہ آیت ماقبل میں یہ جملہ توحید کے ایجابی و اثباتی پہلو پر زور دینے کے لئے تھا اور اب جو اس کی تکرار ہوئی ہے وہ سلبی و منفی پہلو کی اہمیت کے اظہار کے لئے ہے۔ وکرر انی لکم منه نذیر مبین عند الامر بالطاعة والنهی عن الشرک (روح)

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ

اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں اُن کے پاس کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا

اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ

جسے انہوں نے ساحر یا مجنون نہ کہا ہو، کیا اس بات کی ایک دوسرے کو ریت کرتے آئے ہیں؟ نہیں بلکہ

هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ

یہ لوگ (سب کے سب) ہوئے ہی سرکش ہیں وا۳ تو آپ اُن کی طرف التفات نہ کیجئے کیونکہ آپ پر

بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

کوئی الزام نہیں، اور (انہیں) سمجھاتے رہئے کیونکہ سمجھانا نفع دیتا ہے ایمان والوں کو و۳۲

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ

اور میں نے تو جنات اور انسان کو پیدا ہی اسی غرض سے کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں و۳۳ میں

اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾

اُن سے نہ روزی چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھلایا کریں

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ

اللہ تو خود ہی سب کو روزی پہنچانے والا ہے و۳۴ قوت والا ہے مضبوط ہے و۳۵ سو جو

لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ

یہ ظالم لوگ ہیں اُن کی بھی باری ہے جیسے ان کے ہم مشربوں کی باری تھی،

فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

سو یہ لوگ مجھ سے جلدی طلب و۳۶ نہ کریں غرض ان کافروں کے لئے اُس دن کے آنے سے

يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

بڑی خرابی ہے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے

وا۳ یہاں خطیبانہ انداز میں پہلے تو سوال قائم کیا ہے کہ جس تسلسل وتواتر کے ساتھ شروع سے اب تک انبیاء کرام کی مخالفت ہوتی آئی ہے۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اب تک پہلی نسل اپنی پچھلی نسل کو اس کی وصیت ہی کرتی چلی آئی ہے، تو کیا ایسا ہی ہے؟ اور پھر جواب دیا ہے کہ نہیں، ایسا نہیں، بلکہ طغیان وسرکشی سب میں مشترک رہی ہے اور وہی تکذیب وانکار کی محرک رہتی ہے۔ اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ مراد ظاہر ہے کہ پرانی کافر قومیں ہیں۔ كَذٰلِكَ...... مَجْنُوْنٌ۔ پوری آیت میں تسکین وتسلی ہے رسول اللہ ﷺ کے لئے۔ آپ سے قبل ہر نبی کے ساتھ یہی معاملہ تکذیب وانکار کا پیش آچکا ہے اور اسے ساحر ومجنون کے خطاب مل چکے ہیں۔ و۳۲ (اور منکروں پر اتمام حجت کرتا رہتا ہے) گویا تذکیر وتبلیغ نافع بہر حال، بہر صورت ہے، کوئی ایمان لائے یا نہ لائے۔ فَتَوَلَّ...... بِمَلُوْمٍ۔ یعنی آپ ان کی مخالفت کی پروا اور غم زیادہ نہ کیجئے۔ آپ کے فرائض میں یہ تو کہیں سے داخل نہیں کہ آپ انہیں ایمان لانے پر مجبور ہی کریں۔ و۳۳ عبادت۔ سے یہاں مراد فقہ کی کتاب العبادات والی عبادت پنجگانہ مراد نہیں، بلکہ اپنے وسیع وعام مفہوم میں طلب رضاء الٰہی کے مرادف مراد ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ساری عبادتوں کا خلاصہ صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک امر الٰہی کی تعظیم، دوسرے خلق اللہ پر شفقت...... دوسرے لفظوں میں حقوق اللہ کی ادائی، حقوق العباد کی ادائی۔ ما العبادة التی خلق الجن والانس لها قلنا التعظیم لامر الله والشفقة علیٰ خلق الله فان هٰذین النوعین لم یخل شرع منهما (کبیر) الْجِنَّ وَالْاِنْسَ۔ مخلوقات میں یہ دو قسمیں ایسی ہیں جن میں خالق نے پورا احساس ذمہ داری رکھ دیا ہے۔ اور ان کے اندر ابتلاء واختیار دونوں کی صلاحیتیں جمع کر دی ہیں۔ بخلاف فرشتوں کے جو ابتلاء سے خالی رکھے گئے ہیں۔ اور بخلاف حیوانات کے جنہیں اختیار کی پوری قوت نہیں دی گئی ہے۔ پوری طرح پر ذمہ دار ہستیاں بنا کر یہی دو مخلوق دنیا میں بھیجی گئی ہیں۔ ان کی اپنی تکمیل ذات کے لئے یہ لازمی ہے کہ یہ جو کچھ بھی کریں عبادت ہی کی راہ سے کریں۔ کھائیں پئیں، بولیں چالیں، چلیں، پھریں، کمائیں، خرچ کریں، ہر فعل ہر عمل سے مقصود اصلی رضاء الٰہی کا حصول ہی رکھیں۔ اپنے وجود کی علت غائی اسی کو سمجھیں، یہی معنیٰ ہیں ان کی عبادت کے۔ عبدیت وعبادت سے خود انسانیت ہی کو پورے نشوونما کا موقع ملتا ہے۔ اور جتنی اس میں کمی رہ جائے گی، اسی نسبت سے انسان کا منشائے تکمیل ناتمام رہے گا۔ لِيَعْبُدُوْنِ۔ ل تعلیل کا ہے۔ لیکن مقصود تخلیق سے اشارہ غرض وغایت تشریعی کی جانب کرنا ہے، نہ کہ مقصد تکوینی کی جانب۔ و۳۴ (نہ یہ کہ کوئی اسے کھلائے پلائے، کوئی اس کا سہارا بن جائے) عبد ومعبود، بندہ وخالق کے باہمی تعلق کے باب میں یہ عقیدہ مشرک قوموں میں کثرت سے شائع رہا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ خدا کا کام یہ ہے کہ بندوں کو روزی دے، ان کے لئے پانی برسائے، ان پر ہوا چلائے، انہیں روشنی دے، گرمی پہنچائے، اور بندوں کا کام یہ ہے کہ اس کے آگے نذرانہ پیش کرتے رہیں، اس کے سامنے بھینٹ چڑھاتے رہیں۔ اس کے استھانوں پر چڑھاوے چڑھاویں، وہ بھوکا ہو تو یہ اسے کھانے پینے کو دیں وقس علیٰ ہٰذا۔ قرآن نے آکر اس نظریہ شرک پر ضرب لگائی اور توحید کا نعرہ لگا کر کہا کہ یہ کیا واہیات خرافات ہے۔ اللہ کی ذات پاک ہر قسم کی حاجت سے بری ہے۔ وہ کسی معنی میں بھی کسی کا محتاج نہیں، وہ غنی کامل ہے۔ اس نے جو تمہیں عبادت کا حکم دیا ہے۔ وہ خود تمہاری ہی تکمیل کے لئے ہے ورنہ اسے کسی رزق کی کیا حاجت ہے۔ اس کے متعلق ایسا گمان رکھنا اسے خدائی کے مرتبہ سے نعوذ باللہ معزول کر دینا ہے۔ مشرک جاہلی قوموں کے عقائد باطلہ کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۳۵ (اور اس میں عجز، ضعف اور اور کسی قسم کی احتیاج کا احتمال عقلی ہی نہیں) ان تمام صفات الٰہیہ کا اثبات مشرک، جاہلی قوموں کے عقائد باطلہ کی تردید میں ہے۔ و۳۶ (وہ عذاب موعود) یعنی عذاب الٰہی تو اپنے وقت پر حکمت الٰہی کے موافق اور مصلحت ربانی کے ماتحت ہی آکر رہے گا۔ کسی کے جلدی مچانے سے کیا ہوتا ہے۔ اِنَّ...... ذَنُوْبًا۔ یعنی علم الٰہی میں ان منکرین ومکذبین کے عذاب کے لئے بھی ایک وقت مقرر وموعود ہے۔ یہ لوگ اسے سن رکھیں۔ مِثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ۔ اس میں اس اصولی حقیقت کا بیان آگیا کہ گناہوں میں مماثلت سزا میں بھی مماثلت کی مقتضی ہے۔ اَصْحٰبِهِمْ۔ مراد گذشتہ پر قوت قومیں ہیں، جو اسی انکار وکفر کی پاداش میں ہلاک ہو چکی ہیں۔ نظرائهم فی الامم السالفة (بیضاوی، روح) اصحابهم الذین اهلكوا من قوم نوح وعاد وثمود (معالم)

آیاتها ۴۹ | ۵۲ سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ ۷۶ | رکوعاتها ۲

اس کی انچاس آیتیں — سورۂ طور مکہ میں نازل ہوئی — اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالطُّوْرِ ۝۱ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝۲ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝۳

قسم ہے پہاڑ کی اور اس کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے کھلے کاغذ میں

وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝۴ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝۵ وَالْبَحْرِ

اور بیت معمور کی اور اونچی چھت کی اور پانی سے

الْمَسْجُوْرِ ۝۶ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝۷ مَّا لَهٗ مِنْ

لبریز سمندر کی کہ بے شک آپ کے پروردگار کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا ف۱ کوئی بھی اُسے ٹال

دَافِعٍ ۝۸ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝۹ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ

نہیں سکتا، (یہ اُس روز ہو گا) جس روز آسمان تھرتھرانے لگے گا اور پہاڑ پھٹ پھٹ

سَيْرًا ۝۱۰ فَوَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱ الَّذِيْنَ هُمْ

جائیں گے ف۲ سو بڑی شامت اُس روز جھٹلانے والوں کی ہے جو بیہودگی کے ساتھ

فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝۱۲ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ

مشغلہ (تکذیب) میں لگے ہوئے ہیں یہ وہ دن ہو گا جب انہیں ڈھکیل ڈھکیل کر آتش دوزخ کی طرف

دَعًّا ۝۱۳ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝۱۴

لائیں گے، یہ وہی دوزخ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے،

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝۱۵ اِصْلَوْهَا

تو کیا یہ بھی سحر ہے یا تمہیں نظر نہیں آتا؟ ف۳ (اب) اس میں داخل ہو،

ف۱ یعنی یہ سارا نظامِ کائنات، سارا کارخانۂ فطرت بزبانِ حال گواہ ہے کہ جزائے اعمال ضرور مل کر رہے گی اور اسی جزائے عمل کے مکان وزمان کا نام حشر یا قیامت ہے۔ وَالطُّوْرِ۔ یعنی پہاڑ گواہ ہیں جو آج اپنی جگہ پر اتنے مضبوط ومستحکم نظر آرہے ہیں۔ الطور۔ سے مراد جزیرہ نمائے سینا کا کوہ طور بھی ہو سکتا ہے، چنانچہ متعدد مفسرین اسی طرف گئے ہیں۔ لیکن لغت میں طور کا مفہوم عام ہے۔ یعنی مطلق پہاڑ اور وہی سیاق کے زیادہ مناسب ہے۔ قیل اسم لکل جبل (راغب) اسم لکل جبل علی ما قیل فی اللغة العربیة عند الجمهور (روح) الطور الجبل بالسریانیة اوماطار من اوج الایجاد الی حضیض المواد (بیضاوی) هو اسم الجنس (کبیر) وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ۔ یعنی نامۂ اعمال کا وجود گواہ ہے جس میں سارے ہی اعمال محفوظ ومندرج رہتے ہیں۔ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ۔ فرشتوں کا عبادت خانہ ساتویں آسمان پر گواہ ہے جس کے عین محاذ میں زمین پر خانہ کعبہ واقع ہے۔ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ۔ یعنی آسمان گواہ ہے۔ والطور سے لے کر والبحر تک و پانچ بار آیا ہے۔ ان میں سے واو اول قسم کا ہے۔ اور باقی و عطف کے ہیں۔ الوا والاولی للقسم والبواقی للعطف (مدارک) ف۲ یعنی ایسی چیزیں جو وسعت، شان، صلابت وپائیداری میں آج اپنی نظیر آپ ہی سمجھی جاتی ہیں سب اپنے صفات وسعت وثبات وصلابت وغیرہ سے معرٰی ہو کر سامنے آجائیں گی۔ مِنْ دَافِعٍ۔ من زائدہ تاکید کے لئے ہے۔ یعنی کوئی سی بھی چیز اسے ٹال نہیں سکتی۔ من مزیدة للتاکید (روح) ف۳ ملامت مزید کے طور پر اہل دوزخ کو قائل کیا جائے گا کہ دنیا میں تو دوزخ کے بیان کو خوب جھٹلاتے اور سحر پر محمول کرتے رہے۔ اب کہو، اب مشاہدہ کے بعد بھی اس کے سحر ہی ہونے کے قائل ہو یا یہ ہے کہ دنیا کی طرح یہاں بھی، یہ تمہیں نظر نہیں آرہا ہے؟ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ۔ اس میں اشارہ اس حقیقت کی طرف بھی آگیا کہ یہ منکرین ومکذبین اب بھی ان حقائق ومسائل پر اس سنجیدگی سے غور وفکر نہیں کرتے جو ان حقائق کی اہمیت کی متقاضی ہے بلکہ بے فکری، بے غوری، بے خیالی کے ساتھ ان پر سے یوں ہی سرسری گذرتے چلے جاتے ہیں۔

فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ

پھر خواہ اس پر صبر کرنا یا نہ کرنا تمہارے حق میں (سب) برابر ہے تم کو وہی بدلہ تو دیا جا رہا ہے

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ

جیسا کہ تم کیا کرتے تھے ف۴ بے شک متقی لوگ باغوں اور سامان عیش میں

وَّنَعِيْمٍ ﴿١٧﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ

ہوں گے خوش ہو رہے ہوں گے اس سے جو کچھ کہ اُن کے پروردگار نے انہیں دیا ہوگا، اور اُن کا پروردگار انہیں

عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿١٨﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْۗــًٔـا بِمَا كُنْتُمْ

عذاب دوزخ سے محفوظ رکھے گا خوب (مزے سے) کھاؤ پیو اُن (نیکیوں) کے بدلہ میں جو

تَعْمَلُوْنَ ﴿١٩﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰي سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ

تم کرتے رہے ہو، تکیہ لگائے ہوں گے برابر بچھے ہوئے تختوں پر، اور ہم اُن کی تزویج کردیں گے گوری گوری

بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّــتُهُمْ

بڑی بڑی آنکھ والیوں کے ساتھ ف۵ اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے بھی ایمان میں

بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ

ان کا ساتھ دیا ہم ان کے ساتھ اُن کی اولاد کو بھی شامل کردیں گے اور ہم ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہ

عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِیٴٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿٢١﴾

ہونے دیں گے ف۶ ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس رہے گا ف۷

وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢٢﴾

اور ہم انہیں میوے اور گوشت جیسے بھی مرغوب ہوں گے روز افزوں دیتے رہیں گے،

يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿٢٣﴾

ہاں آپس میں جام (شراب) پر چھینا جھپٹی بھی کریں گے کہ اس (شراب) میں نہ بک بک لگے گی اور نہ اور کوئی بیہودہ بات، ف۸

ف۴ یعنی تمہارا جرم تو کفر ہے...... اللہ کے کمالاتِ غیر متناہی کا کفران...... سو تمہارے لئے سزا بھی دوزخ میں خلود کی ہے۔ اِنَّمَا...... تَعْمَلُوْنَ۔ انما کلمۂ حصر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہیں بس اتنا ہی عذاب تو ہو رہا ہے، جس کے تم مستحق ہو گئے تھے۔ اس سے زائد سزا تو نہیں مل رہی ہے۔ فَاصْبِرُوْا...... عَلَيْكُمْ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ تمہاری ہائے واویلا سے تمہیں نجات ہو جائے، اور نہ یہی ہوگا کہ تمہارے سکوت وانقیاد سے تم پر ترحم کیا جائے (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۵ غرض یہ کہ وہ سارے مادی عیش اور لذائذ جو دنیا میں ممکن تھے سب جنت میں بھی انہیں نصیب ہوں گے۔ یہ نہ ہوگا کہ جنت میں ان کا کوئی انعام کسی قسم کاٹ بھی جائے۔ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ۔ ان تصریحات سے قرآن مجید کے دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ نہ عمل تزویج میں کوئی امر شرمناک ہے، اور نہ گوری گوری بڑی آنکھوں والیوں کے حسن کا ذکر اپنے جائز محل پر قابل ملامت ہے جیسا کہ بعض جدید فرقوں نے مسیحیت یا بدھ ازم کے اثر سے سمجھ لیا ہے۔ ف۶ یعنی اس کی صورت یہ نہ ہوگی کہ متقی اسلاف کے اعمال میں سے کچھ کم کر کے انہیں اور ان کی پست عمل اولاد کو ایک درجہ میں رکھ دیا جائے۔ ذُرِّيَّتُهُمْ۔ ذریت۔ کے لفظ میں گنجائش ہے۔ علاوہ صلبی اولاد کے دوسرے اعزہ واقربا، احباب و مسترشدین بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ اور حدیث میں تو ذریت کا عطف ہی لفظ ولد پر ہے۔ جس سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ ذریت سے یہاں مراد مطلق توابع ہیں۔ وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ۔ مراد ایسی ذریت ہے جو صاحب ایمان تو اپنے اسلاف ہی کی طرح ہو، البتہ اعمال میں اتباع شریعت میں ان سے بہت پیچھے ہو۔ بِاِيْمَانٍ۔ اس ایمان کی قید سے فقہاء مفسرین نے یہ نکالا ہے کہ یہاں ذکر بالغ اولاد کا ہے جو اپنے ارادہ سے ایمان لائے، اس لئے کہ بچے تو بہر حال اپنے والدین کے حکم میں رکھے ہی جائیں گے۔ یعنی اولادهم الصغار و الكبار فالكبار بايمانهم انفسهم والصغار بايمان آبائهم فان الولد الصغير يحكم باسلامه تبعًا لا حد الابوين (معالم) بِاِيْمَانٍ۔ صیغۂ نکرہ تنوین کے ساتھ یا تو تکریم ایمان کے لیے ہے، اور یا اس اظہار کے لیے کہ درجہ آباء سے مقبولین تک پہنچا دینے کے لیے نفس ایمان میں اتباع کافی ہے۔ و تنكيره للتعظيم او الاشعار بانه يكفى للالحاق المتابعة فى اصل الايمان (بیضاوی) اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ۔ یہ اُن اسلاف مقبولین کے اکرام اور ازدیاد لطف و سرور کے لیے ہوگا کہ اُن کی ذریات کو بھی باوجود اُن کے درجۂ عمل کی پستی کے اُن کے ساتھ ملحق اور ہم مرتبہ کر دیا جائے گا۔ مِنْ عَمَلِهِمْ۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ آیت میں بجائے من اجرهم کے من عملهم کے لانے میں نکتہ یہ ہے کہ اُن لوگوں کا عمل تو جوں کا توں رہے گا اور اس پر بہت زیادہ اجر ملتا رہے گا۔ من اجرهم کے لانے سے یہ زیادتیِ اجر والی بات نہ پیدا ہوتی۔ دليلٌ على بقاء عملهم كما كان والاجر على العمل مع الزيادة فيكون فيه الاشارة الى بقاء العمل الذى له الاجر الكبير الزائد يمكنه العظيم العائد اليه (کبیر) بعض فقہاء نے آیت سے نکالا ہے کہ نو مسلم سے وہ مسلمان افضل ہے جس کے باپ دادا بھی مومن ہوں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت سے شرافت نسب کا آخرت میں مفید ہونا نکلتا ہے۔ لیکن شرافت دینی کا، نہ کہ عرفی دنیوی شرافت کا۔ آیت میں بہت بڑی بشارت اہل ایمان کے لیے ہے۔ اپنا ایمان اگر صحیح و سلامت ہے تو ان شاء اللہ رحمتِ الٰہی ہر کلمہ گو کے مدارج بلند کر کے اُسے اُس کے بلند پایہ اسلاف مقبولین کے درجہ تک پہنچا ہی دے گی۔ ف۷ یہاں مراد کافر شخص ہے۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اجر وثواب میں تو فضل خداوندی کسی کو اُس کے عزیزوں اور بزرگوں کی ہم سطح کر دے گا۔ لیکن عذاب و گرفت میں یہ ہرگز نہ ہوگا۔ قال مقاتل كل امرئ كافر بما عمل من الشرك مرتهن فى النار (معالم) لما اخبر من مقام الفضل و هو رفع الدرجة الذرية الى منزلة الاباء من غير عملٍ يقتضى ذلك اخبر عن مقام العدل و هو انهٗ لا يؤاخذ احدًا بذنب احدٍ (ابن کثیر) قال الواحدى هذا عود الى ذكر اهل النار فانهم مرتهنون فى النار اما المؤمن فلايكون مرتهنا قال تعالىٰ كل نفسٍ بما كسبت رهينة الا اصحاب اليمين و هو قول مجاهد (کبیر) کفر کے ساتھ نجات ہی کی کوئی صورت نہیں۔ چہ جائیکہ درجات کی بلندی — اُوپر کی بشارت جو کچھ بھی ہے صاحب ایمان ذریت کے لیے ہے نہ کہ کافر اولاد کے لیے۔ ف۸ مسلمان کی جنت ہر بیہودگی، ہر گندگی سے تو یقیناً خالی ہوگی۔ لیکن اس کے سوا باقی ہر طرح کی تفریح، زندہ دلی، ہنسی مزاح کا وہ ایک مستقل گھر ہوگی۔ زاہدانِ خشک کے مزاج و مسلک سے الگ اور بہت الگ۔ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا۔ یعنی دنیا میں جیسے بے تکلف دوستوں کے درمیان ہنسی کھیل میں چھین جھپٹ ہوتی رہتی ہے ویسے ہی لطف و خوش طبعی کے ساتھ وہاں بھی رہے گی۔ لَا لَغْوٌ فِيْهَا۔ لغو کی نفی سے معلوم ہو گیا کہ وہ شراب سکر پیدا کرنے والی نہ ہوگی۔ وَلَا تَاْثِيْمٌ۔ تاثیم کی نفی سے معلوم ہو گیا کہ وہ شراب عقل و متانت کو زائل کرنے والی نہ ہوگی۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ﴿۲۴﴾

اور اُن کے پاس لڑکے آئیں جائیں گے جو اُن کے لئے ہیں، گویا وہ محفوظ موتی ہیں ف۹

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۲۵﴾ قَالُوا إِنَّا

وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے (اور یہ بھی) کہیں گے کہ ہم تو

كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا

اس سے پہلے اپنے گھر میں بہت ڈرا کرتے تھے ف۱۰ سو اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا

وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿۲۷﴾ إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ

اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیا ہم اس سے پہلے اس کی دعائیں مانگا کرتے تھے،

إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿۲۸﴾ ع فَذَكِّرْ فَمَا أَنتَ بِنِعْمَتِ

واقعی وہ بڑا محسن ہے، مہربان ہے ف۱۱ تو آپ سمجھاتے رہئے کیونکہ آپ اپنے پروردگار کے

رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ﴿۲۹﴾ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ

فضل سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیں ف۱۲ ہاں کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں

نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي

اور ہم تو اُن کے بارے میں حادثۂ موت کا انتظار کر رہے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے (بہتر ہے) انتظار کرو اور میں بھی

مَعَكُم مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿۳۱﴾ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُم

تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ف۱۳ کیا ان کی عقلیں انہیں باتوں کی تعلیم

بِهَٰذَا ۚ أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿۳۲﴾ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ ۚ بَل

کرتی ہیں یا یہ ہے کہ یہ ہیں ہی شریر لوگ؟ ف۱۴ ہاں یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے (قرآن) کو گڑھ لیا ہے؟ اصل یہ ہے

لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا

کہ ان میں ایمان ہی نہیں، اچھا تو یہ لوگ اس طرح کا کوئی کلام لے آئیں، اگر یہ (اپنے دعوے میں)

ف۹ (کہ ان پر ذرا گرد و غبار نہیں، اور ان کی آب و تاب اعلیٰ درجہ کی ہے) عربی محاورہ میں یہ کنایہ غایت حسن و جمال سے ہوتا ہے۔ اور جب خادموں کا یہ حال ہوگا تو مخدوموں کے حسن و جمال کا کیا ٹھکانا! ف۱۰ (اپنے انجام کار سے) قَبْلُ فِیٓ اَھْلِنَا۔ یعنی جب دنیا میں اپنے گھر والوں کے ساتھ رہتے سہتے تھے۔ ف۱۱ (تو ہماری دعائیں کیوں نہ قبول کر لیتا) آیت سے معلوم ہوا کہ آخرت کو بکثرت یاد کرتے رہنا، اپنے انجام سے ڈرتے رہنا، اپنے انجام بخیر کی دعائیں کرتے رہنا مقبولین و متقین کی علامتوں میں سے ہیں۔ اِنَّا...... نَدْعُوْہُ۔ یعنی ہم دنیا میں برابر یہ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ پروردگارا ہمیں دوزخ سے بچانا اور جنت میں داخل کرنا — سو ہماری دُعا سن لی گئی۔ ف۱۲ (جیسا کہ بعض بدنصیب یہود و مشرکین کا خیال ہے) عرب جاہلیت میں شاعروں کا بڑا زور اور اثر تھا، جیسا کہ یونان اور روما میں خطیبوں کا زور رہ چکا تھا یا آج فرنگی قوموں میں اخبار نویسوں اور ایڈیٹروں اور مشہور افسانہ نگاروں اور ڈراما نگاروں کا ہے۔ مشرکوں کے ایک روشن خیال گروہ نے یہ رائے قائم کی کہ (نعوذ باللہ) یہ مدعی نبوت شاعر ہیں اور جس طرح اور شاعر مر مرا گئے ایک روز یہ بھی ختم ہو جائیں گے اور ان کا چلایا ہوا کلام اور مذہب بھی نسیاً منسیا ہو جائے گا کسی بڑے شاعر کے منہ آتے ہوئے اہل عرب خود ڈرتے اور ہچکچاتے تھے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک روز جمع ہو کر باہم مشورہ ہوا اور آخر یہ قرار پایا کہ ان نئے شاعر صاحب سے زیادہ مقابلہ و مزاحمت کی ضرورت کیا ہے۔ آخر جس طرح زہیر، اعشٰی، نابغہ بڑے بڑے شعراء نامدار و قادر فناء ہو چکے ہیں یہ بھی ایک دن مع اپنے اس کلام کے ختم ہو جائیں گے اور ان کا نقش خود بخود دلوں سے مٹ جائے گا۔ رَیْبَ۔ کے معنی حادثہ و گردش کے ہیں جو جس وقت بھی پیش آ جائے فالانسان ابدًا فی ریب المنون من جهة وقته لا من جهة كونه (راغب) ما يقلق به النفوس و يشخص بها من حوادث الدهر (کشاف) منون کے معنی ہیں موت یا دہر و زمانہ۔ قيل هو اسم للموت (کبیر) و قيل المنون الدهر و ريبهٗ حوادثهٗ (کبیر) و تفسير المنون بالدهر مروی عن مجاهد و عليه قول الشاعر (روح) ف۱۳ یعنی اچھی بات ہے۔ تم میرا انجام دیکھو میں تمہارا انجام دیکھتا ہوں۔ ”اس میں اشارۂ پیش گوئی ہے کہ میرا انجام فلاح و کامیابی ہے اور تمہارا انجام فساد و ناکامی ہے“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۱۴ (جو محض شرارت، ضد و خباثت سے ایسے نتائج پر مصر ہیں) اَمْ...... بِھٰذَآ۔ سردارانِ قریش اپنی عقل و تدبیر و دُور اندیشی کے لحاظ سے دُور دُور مشہور تھے۔ قرآن مجید کی تعریض ہے کہ کیا یہی ان کی عقلیں ہیں؟ جو عقل انہیں ان نتائج پر لا رہی ہے، اسی عقل پر انہیں ناز ہے؟

صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ

سچے ہیں ف۱۵ کیا یہ لوگ بغیر کسی کے (پیدا کیے) پیدا ہو گئے یا یہ کہ خود (اپنے)

الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا

خالق ہیں؟ ف۱۶ یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کر لیا ہے؟ اصل یہ ہے، ان میں

يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ

یقین ہی نہیں ف۱۷ کیا ان لوگوں کے پاس آپ کے پروردگار کے خزانے ہیں، یا یہ لوگ

الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ

حاکم (مجاز) ہیں؟ ف۱۸ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس کے ذریعہ سے باتیں سن لیا کرتے ہیں؟ تو ان میں سے جو

مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ

سن آتا ہو وہ لائے (اپنے دعویٰ پر) کوئی کھلی دلیل ف۱۹ کیا اللہ کے لئے تو بیٹیاں ہوں اور تمہارے لئے

الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ

بیٹے؟ ف۲۰ یا آپ ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں، سو وہ اس تاوان کے بوجھ سے

مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾

دبے جاتے ہیں؟ کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ وہ اسے لکھ لیا کرتے ہیں؟

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾

کیا یہ لوگ برائی کا ارادہ رکھتے ہیں؟ سو یہ کافر خود ہی برائی میں گرفتار ہوں گے ف۲۱

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾

کیا ان کا اللہ کے سوا کوئی اور خدا ہے؟ پاک ہے اللہ اُن کے شرک سے

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا

اور اگر یہ آسمان کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تو بھی یہی کہیں کہ

ف۱۵ یعنی اگر واقعی یہ منکرین یہی سمجھتے ہیں کہ قرآن ایک انسانی گڑھت ہے تو یہ بھی تو آخر انسان ہیں اور بڑے "روشن خیال" "عالی دماغ" صاحب زبان قسم کے انسان۔ یہ خود مل کر کیوں نہیں کوئی ایسی ہی کتاب تیار کر دیتے ہیں جو مغز و معنویت یا زبان و انشاء کسی حیثیت سے بھی اس کی ہم سطح ہو؟ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی ان کی یہ تکذیب قرآن و تکذیب رسول کسی عقلی غلط فہمی کا نتیجہ نہیں بلکہ تمامتر ان کی قوت یقین و ایمان کی کمی کا ثمرہ ہے۔ ف۱۶ یعنی کیا یہ اس کے قائل ہیں کہ یہ محتاج تو کسی خالق کے ہیں لیکن وہ خالق خود آپ ہی ہیں۔ مشرک فلاسفہ کا ایک مذہب یہ بھی ہوا ہے کہ عالم محتاج تو ایک خالق کا ہے لیکن وہ خالق کوئی غیر نہیں بلکہ نفس عالم ہی ہے، اس مذہب الحاد کے جواب میں اتنا ہی کافی ہے کہ علت و معلول ایک ہی جہت سے ایک ذات میں جمع ہو نہیں سکتے۔ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ۔ یعنی کیا یہ اس کے قائل ہیں کہ عالم اپنے وجود میں کسی کی تخلیق کا محتاج نہیں بلکہ خود بخود قائم ہے؟— یہ مذہب خالص اور غالی اہل دہریت کا ہوا ہے اور اس کے جواب میں اسی قدر کافی ہے کہ ممکنات کے پہلوئے وجود کو ترجیح ہو نہیں سکتی جب تک کوئی مرجح نہ موجود ہو اور وہی علت مرجح خالق کائنات ہے۔ ف۱۷ اصل یہ ہے کہ ان تینوں شقوں میں سے یہ کسی کے بھی قائل و معتقد نہیں لیکن محض جہل اور بے غوری سے توحید کا انکار کیے چلے جاتے ہیں۔ اَمْ ...... الْاَرْضَ۔ یعنی کیا یہ کہ خدا کی صفت خالقیت میں خود اپنے کو شریک سمجھتے ہیں اور تعدد صانع عالم کے قائل ہیں؟ ف۱۸ (اور یہ جسے چاہیں نبوت دلوا دیں) اب تک ذکر منکرین توحید کا تھا۔ اب ذکر منکرین رسالت کا شروع ہوتا ہے۔ خَزَآئِنُ رَبِّكَ۔ خزائن پروردگار سے مراد اُس کی نعمتوں اور رحمتوں کے خزانے ہیں۔ ف۱۹ یعنی کیا یہ لوگ اس کے مدعی ہیں کہ "ہمارے پاس ایک سیڑھی ہے۔ اُس پر چڑھ کر ہم آسمان کی باتیں سن آیا کرتے ہیں"؟ اگر یہ ان کا دعویٰ ہے تو چاہیے کہ اپنے دعوے کو ثابت کریں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جو قطعی و آسمانی علم کے مدعی ہیں تو اُن کے پاس اپنے خرافاتی دعووں پر کوئی وزنی دلیل بھی ہے؟ ف۲۰ یعنی اپنے لیے تو وہ چیزیں پسند کرتے ہو جنہیں اپنے نزدیک اعلیٰ درجہ کی سمجھتے ہو اور اللہ کے لیے وہ چیزیں جو تمہارے معیار سے ادنیٰ درجہ کی ہیں۔ آیت میں اشارہ اس گروہ مشرکیہ کی طرف ہے جو دیویوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتا تھا— مشرکین عرب کے ہاں بچی کے ناپسندیدہ و مکروہ ہونے پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ ف۲۱ یعنی اپنے اسی کید کے وبال میں خود ہی گرفتار ہوں گے، قید ہوں گے، قتل ہوں گے، شکست و ناکامی کی ذلتیں اور مصیبتیں اُٹھائیں گے۔ قریش کے عین دور غلبہ و اقبال میں جبکہ اسباب ظاہری سب اسلام کی مغلوبی ہی کے تھے، ایسی پیشگوئی بجائے خود اعجاز قرآنی کی ایک دلیل ہے۔

سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ

یہ تو تہ بہ تہ جما ہوا بادل ہے، تو انہیں چھوڑے رہئے، یہاں تک کہ انہیں اپنا وہ دن پیش آئے

الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ

جس میں اُن کے ہوش اُڑ جائیں گے ف۲۲ جس دن اُن کی تدبیریں اُن کے کچھ بھی کام نہ

كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِنَّ لِلَّذِيْنَ

آئیں گی اور نہ انہیں مدد ہی ملے گی ف۲۳ ان ظالموں پر

ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

قبل اس کے بھی عذاب (ہونے والا) ہے لیکن ان میں سے اکثر (اس کا) علم

يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا

نہیں رکھتے ف۲۴ آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر سے قائم رہئے اس لئے کہ آپ تو ہماری حفاظت میں ہیں ف۲۵

وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَ مِنَ

اور آپ اپنے پروردگار کی حمد وتسبیح کیا کیجئے جب اُٹھا کیجئے، اور رات میں بھی

الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

اُس کی تسبیح کیجئے اور ستاروں سے پیچھے بھی ف۲۶

آیاتھا ۶۲ ۵۳ سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ۲۳ رکوعاتھا ۳

اس کی باسٹھ آیتیں سورۂ نجم مکہ میں نازل ہوئی اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا

قسم ہے ستارہ کی جب وہ ڈوبنے لگے کہ یہ تمہارے ساتھ رہنے والے نہ بھٹکے، اور نہ

ف۲۲ (اور اُسی دن انہیں حقیقت حال معلوم ہو کر رہے گی۔ اُس کے ادھر نہیں) فَذَرْهُمْ۔ یعنی ان کے باب میں اب زیادہ فکر و تردد کو کام میں نہ لایئے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑے ہوئے رہیے۔ ف۲۳ (کسی طرف سے نہ مخلوق کی طرف سے کہ اس کا امکان ہی نہیں اور نہ خالق کی طرف سے کہ اس کا وقوع نہیں ہونے کا) كَيْدُهُمْ۔ کید سے مراد ان کی وہ تدبیریں اور سازشیں ہیں جو یہ اپنی کامیابی اور اسلام کی مخالفت میں برابر کام میں لاتے رہتے تھے۔ ف۲۴ (اور اسی لیے اُس کے باب میں کوئی فکر و اہتمام نہیں کرتے) عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ۔ یعنی اُس اُخروی دائمی عذاب کے علاوہ دنیا میں بھی عنقریب ان کو سزا ملنے والی ہے، قحط، قید، قتل، شکست و ہزیمت وغیرہ کی شکل میں۔ ف۲۵ (اور مخالفین و معاندین آپ کو ضرر نہیں پہنچا سکتے) بِاَعْيُنِنَا۔ عین کے یہاں مجازی معنی حفاظت و ذمہ داری کے ہیں۔ اے فی حفظنا و حراستنا فالعین مجاز عن الحفظ (روح) العین کا صیغۂ جمع اظہارِ عظمت و کمال کے لیے ہے اور قرآن مجید میں اس کی مثالیں اور بھی موجود ہیں۔ معناہ التعظیم والتفخیم و نظیرہٗ فی الجمع للتفخیم والتعظیم قولہ تعالٰی تجری باعیننا و قولہ تعالٰی مما عملت ایدینا انعامًا (غرائب القرآن۔ للبجستانی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مراقبۂ حضوری کو دخل عظیم طمانینت و سکون قلب میں ہے۔ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ۔ یعنی ان معاندین سے انتقام کی عجلت نہ کیجئے، صبر و تحمل سے کام لیتے رہیے۔ ف۲۶ یعنی ستاروں کے غروب کے بعد اور مثلاً نماز فجر کے وقت۔ حِيْنَ تَقُوْمُ۔ مثلاً اپنی مجلس سے اُٹھتے وقت یا رات کو تہجد سے اُٹھتے وقت۔ غرض اپنے دل کو ذکر الٰہی و تسبیح میں لگائے رہیے۔ اس سے فکر و غم کا غلبہ نہ ہوگا۔

ع ۲ ۱۴

غَوٰى ﴿۲﴾ وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا

غلط راستہ پر ہو ف۱ لئے، اور نہ وہ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں ف۲ (ان کا کلام تو) تمامتر

وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ

وحی ہی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے ف۳ انہیں بڑی قوت والا (فرشتہ) سکھاتا ہے ف۴ پیدائشی طاقتور

فَاسْتَوٰى ﴿۶﴾ وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿۸﴾

پھر وہ اصلی صورت پر ظاہر ہوا، ف۵ اس حال میں کہ وہ آسمان کے بلند کنارہ پر تھا ف۶ پھر وہ نزدیک ہوا، اور زیادہ نزدیک ہوا ف۷

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿۹﴾ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ

سو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم ف۸ پھر (اللہ نے) اپنے بندہ پر وحی نازل کی جو کچھ کہ نازل کیا

مَآ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ

ف۹ قلب نے کوئی غلطی نہیں کی، دیکھی ہوئی چیز میں ف۱۰ تو کیا ان (پیمبر) سے اُن چیزوں میں نزاع کرتے ہو

عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ

جو اُن کی دیکھی ہوئی ہیں، ف۱۱ اور انہوں نے اس (فرشتہ) کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے

سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ

سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ف۱۲، کہ اس کے قریب جنت الماویٰ ہے جب کہ اُس سدرہ کو لپٹ رہی تھیں، جو

يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا

چیزیں کہ لپٹ رہی تھیں ف۱۳ ان (پیمبر) کی نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ

طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ اَفَرَءَيْتُمُ

بڑھی ف۱۴ انہوں نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے، بھلا تم نے

اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ اَلَكُمُ

لات اور عزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں بھی غور کیا ہے؟ ف۱۵ کیا تمہارے لئے تو

ف۱ یعنی جس طرح ستارہ طلوع سے غروب تک ساری مسافت میں اپنی باقاعدہ رفتار قائم رکھتا ہے اور ذرا ادھر سے اُدھر نہیں ہوتا، اسی طرح یہ پیمبر امین ساری عمر ضلال وغوایت کے اثر سے محفوظ رہے اور افراط وتفریط دونوں سے الگ، ٹھیک حق کی صراط مستقیم پر قائم ہیں۔ وَالنَّجْمِ۔ ستارہ سے مراد یہاں ستارہ کی جنس ہے۔ گو بعض نے ستارہ ثریا سے مراد لی ہے۔ الثریا او جنس النجوم (کشاف) اقسم بالثریا او بجنس النجوم (مدارک) ستارہ گو اپنی باقاعدہ رفتار سے ادھر اُدھر جس طرح طلوع سے غروب تک نہیں ہوتا اسی طرح غروب سے طلوع تک بھی نہیں ہوتا۔ لیکن یہ دوسری کیفیت مرئی ومحسوس نہیں۔ اور وہ پہلی کیفیت مشاہد ہے۔ اس لئے ذکر اسی قید کے ساتھ کیا گیا۔ مَاضَلَّ۔ ضلال یہ کہ بالکل راستہ بھول کر کھڑا رہ جائے۔ مَاغَوٰی۔ غوایت یہ کہ غیر راہ کو راہ سمجھ کر چلتا رہے۔ صَاحِبُكُمْ۔ یعنی یہ تمہارے ہر وقت کے اور سامنے سامنے ساتھ رہنے والے، جن کے کردار، اقوال، احوال، اعمال سے تم خوب واقف ہو۔ ف۲ (اور اپنے گڑھے ہوئے کلام کو خدا کی جانب منسوب کر دیتے ہیں، جیسا کہ تم سمجھ رہے ہو) مطلب یہ ہوا کہ دین کے باب میں جو کچھ بھی آپ ﷺ کے منہ سے نکلتا ہے وہ کسی خواہش نفس سے نہیں۔ ف۳ یہ وحی خواہ لفظی ہو جو قرآن کہلاتی ہے، خواہ محض معنوی ہو، جو سنت کہلاتی ہے۔ اور خواہ محض کسی قاعدۂ کلی کی ہو جس سے آپ ﷺ اجتہاد کرتے ہوں۔ مقصود زعم کفار کی نفی ہے یعنی صرف اس حقیقت کا اظہار کہ آپ کسی غلط بات کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب نہیں کر دیتے۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) هُوَ۔ یعنی دین کے باب میں آپ کا تکلم۔ اے مانطقهٗ فی الدین (معالم) ف۴ (اس وحی کو اللہ کی طرف سے) یہاں ذکر واسطہ وحی کا ہے۔ مشرکین عرب معتقد تھے کہ کاہنوں کے پاس غیبی معلومات شیطانوں کے واسطہ سے پہنچتے ہیں۔ یہاں اس کی تردید میں ارشاد ہوا کہ یہاں درمیانی واسطہ شیطان کا نہیں جو ان پیمبر پر کاہن ہونے کا احتمال بھی ہو سکے بلکہ واسطہ بھی فرشتہ کا ہے۔ یعنی سرچشمۂ وحی رحمانی اور واسطۂ وحی ملکوتی۔ شَدِيْدُ الْقُوٰى۔ وہ پرقوت فرشتہ جس پر کسی شیطانی اثر سے تاثر ومغلوبیت کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ قوت واجلال کے مظہر اتم۔ اے ملک شدید قواہ وهو جبریل علیه السلام عند الجمهور (مدارک) هو جبریل علیه السلام کما قال ابن عباسؓ وقتادة و الربیع (روح) ف۵ (ان رسول کے روبرو) اس میں کمال اکرام واعزاز ہے رسول ﷺ کا۔ کہ آپ ﷺ کے لئے ایک بار وہ حجابات دور کر دیئے گئے جن کے اندر جبریل انسانی آنکھ کے سامنے جلوہ گر ہو سکتے ہیں۔ ذُوْ مِرَّةٍ۔ پیدائشی طاقتور ایسے کہ شیطان کی مجال نہیں جو ان کے سامنے پر مار سکے۔ ذُوْ مِرَّةٍ۔ کے ایک معنی حسین وپاکیزہ رو کے بھی کئے گئے ہیں۔ حسن وجمال کے مظہر اتم۔ عن ابن عباس ذو منظر حسن (مدارک) گویا جلال وجمال الٰہی دونوں کے مظہر اتم۔ ایک معنی ذُوْ مِرَّةٍ۔ کے یہ بھی کئے گئے ہیں۔ کہ عقل ونظر کے لحاظ سے کامل، جس طرح شَدِيْدُ الْقُوٰى کے معنی کئے گئے ہیں۔ قوت جسمانی کے لحاظ سے کامل۔ ذومرة اے ذو حصانة واستحکام فی العقل فکانه الاول وصف بقوة الفعل وهٰذا وصف بقوة النظر والعقل (روح) ف۶ (جانب مشرق میں) اے مطلع الشمس (مدارک) وهو اقصی الدنیا عند مطلع الشمس (معالم) اس نظارہ کی تفصیلات حدیث میں آئی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جدھر سے صبح صادق طلوع ہوتی ہے ادھر رسول ﷺ کو ابتداء نبوت میں حضرت جبریل علیہ السلام ایک بار اپنی اصلی صورت میں کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ آسمان اس وقت ایک سرے سے دوسرے سرے تک ان کے وجود سے پُر معلوم ہو رہا تھا۔ یہ مہیب وحیرت انگیز منظر آپ نے پہلی بار دیکھا تو طبیعت میں قدرۃً کچھ گھبراہٹ کے آثار پیدا ہوئے اس پر سورۃ المدثر نازل ہوئی۔ ف۷ یعنی وہ فرشتۂ وحی صورت وسیرت میں کامل، پُرقوت وپاکیزہ رُو رسول ﷺ سے بالکل متصل وملحق ہو کر رہا۔ دَنَا فَتَدَلّٰى۔ دنو کے معنی خود ہی قریب ونزدیکی کے ہیں۔ تدلّٰی قرب مزید کے معنی میں لا کر اس کی اور تاکید وتوثیق کر دی۔ دنا اور تدلّٰی دونوں کی ضمیریں فرشتہ وحی، جبریل امین علیہ السلام شدید القوی کی جانب ہیں۔ ف۸ محاورۂ عرب میں مراد اس سے کمال قرب ہوتی ہے۔ جب دو عرب آپس میں کوئی نہایت مضبوط عہد وپیمان کرنا چاہتے تھے تو اپنی اپنی کمانوں کو نکال کر انہیں باہم ملاتے تھے۔ یہاں تک کہ دونوں کے چلّے مل جاتے، پھر دونوں کو اکٹھا کھینچتے اور دونوں سے ایک ہی تیر چلاتے۔ یہ گویا علامت تھی "من تو شدم تو من شدی" ہو جانے کی۔ رفتہ رفتہ زبان میں یہ محاورہ کمال قرب وغایت اتحاد واتصال کے لئے استعمال ہونے لگا۔ مقصود یہاں فرشتہ وحی اور رسول صاحب وحی کے درمیان غایت قرب واتصال کو دکھانا ہے۔ والمقصود تمثیل ملكة الاتصال و تحقیق استماعه لما اوحی الیه بنفی بعد المجلس (بیضاوی) یکون ذٰلک اشارة الی ان رضا احدهم رضا الأخر و سخطة سخطة لا یمکن خلافه (روح) وردهٗنا علی استعمال العرب وعادتهم (کبیر) اَوْ اَدْنٰی۔ اس میں اشارہ آ گیا رسول ﷺ اور جبریل علیہ السلام کے درمیان کمال قرب صوری کے علاوہ غایت مناسبت روحانی کی جانب بھی جو مدار اعظم معرفت تام کی ہے (تھانوی علیہ الرحمۃ) اَوْ۔ یہاں شک کے لئے نہیں، تاکید اور وثوق میں زیادتی کے لئے ہے اور اس امر کے اظہار کے لئے کہ فاصلہ اتنی مقدار سے زائد بہرحال نہ تھا کم جتنا بھی ہو۔ قد تقدم ان هٰذه الصفة تستعمل فی اللغة لاثبات المخبر عنه ونفی مازاد علیه (ابن کثیر) والمراد افادة شدة القرب (روح) فَكَانَ...... اَدْنٰی۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ غایت قرب واتصال ظاہر ہے کہ انہی فرشتہ وحی کو حاصل ہوا۔ تابعین ہی نہیں، اجل صحابہ

سے بھی یہی منقول ہے۔ھذا المقترب الدانی الذی صار بینه وبین محمد ﷺ انما هو جبریل علیه السلام هو قول ام المؤمنین عائشة وابن مسعود ابی ذر وابی هریرة (ابن کثیر) و۹ (اس فرشتہ کے ذریعہ سے، آپ ﷺ کے افاقہ کے بعد) یعنی اللہ جیسے حاکم ذوالجلال وبااقتدار نے وحی بھیجی بھی تو ایسے پرقوت اور معتمد فرشتہ کے ذریعہ سے اور اس فرشتہ نے بھی آپ سے اس درجہ متصل ہو کر پہنچائی۔ مَآ اَوْحٰی۔ کلمہ تفخیم ہے۔ محاورۂ عرب میں اس کا استعمال موقع کمال عظمت پر ہوتا ہے، جہاں انتہائی تعظیم مقصود ہوتی ہے وہاں بجائے تفصیلات میں جانے کے صیغہ اسی اجمال وابہام کا استعمال کیا جاتا ہے۔ تفخیم للوحی الذی اوحی الیه (کشاف ومدارک) و۱۰ ادھر بیان ہو چکا ہے کہ وحی کا سرچشمہ خود حضرت رحمٰن وسبحان ہیں جہاں غلطی کا امکان ہی نہیں اور پھر واسطہ وحی، فرشتہ جبریل کہ وہاں بھی غلطی کا گزر نہیں۔ اب رہے وہ صاحب جن پر وحی نازل ہوئی، یہاں تصریح اس کی ہو گئی کہ وہ بشر ہونے کے باوجود ہر غلطی سے محفوظ ومامون۔ گویا اتصال وحی وقبول وحی کے سلسلہ میں سارے احتمالات خطاء منتفی۔ فؤاد اور رؤیت دونوں کے اجتماع سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے چشم دل سے بھی دیکھا اور چشم جسم سے بھی۔ آنکھ نے بھی صحیح دیکھا اور دل نے بھی تصدیق کی۔ بصارت اور بصیرت دونوں اس مشاہدہ یا نظارہ پر متفق رہے۔ و۱۱ کیسے غضب کی بات ہے کہ تم نبی ﷺ سے نزاع اس چیز میں کر رہے ہو، جو اس کی سنی سنائی ہوئی یا خیال وگمان کی ہوئی نہیں، خوب اچھی طرح دیکھی بھالی، جانچی پرتالی ہوئی اور تخیلات ومعقولات ومسموعات کے عالم سے کہیں گزر کر اس کے لئے دائرۂ مشاہدات میں آچکی ہے۔ و۱۲ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى۔ سدرۃ۔ کے لفظی معنی بیری کے درخت کے ہیں۔ اور سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى اصطلاح میں وہ بیری کا درخت ہے جو چھٹے یا ساتویں آسمان یا دونوں پر ہے ایک سے لے دوسرے تک اور گویا اس عالم اور اس عالم کے درمیان ایک نقطۂ اتصال ہے۔ عالم بالا سے جتنے احکام وغیرہ صادر ہوتے ہیں وہ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى ہی تک پہلے آتے ہیں اور پھر ملائکہ وہاں سے زمین پر لاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں سے جو اعمال صعود کرتے ہیں وہ بھی پہلے سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى تک پہنچتے ہیں۔ پھر وہاں سے اوپر اٹھالئے جاتے ہیں۔ عن ابن مسعود والضحاک سدرة المنتهی فی السماء السادسة والیها ینتهی مایعرج الی السماء (جصاص) الجمهور علی انها شجرة تبقی فی السماء السابعة علی یمین العرش (مدارک) وهی فی السماء السابعة الیها ینتهی مایعرج به من الارض فیقبض منها والیها ینتهی ما یهبط به من فوقها فیقبض منها (معالم) التی ینتهی اعمال الخلائق وعلمهم اوما ینزل من فوقها ویصعد من تحتها (بیضاوی) المشهور ان السدرة شجرة فی السماء السابعة علیها مثل النبق وقیل فی السماء السادسة (کبیر) آسمانوں کے اوپر درخت اور بیری کے درخت کے تسلیم کرنے میں دشواری کچھ بھی نہیں۔ آخر جنت میں دودھ، شہد، پانی وغیرہ کے ساتھ درخت اور باغ کثرت سے ہی ہیں۔ تو ایک بیری ہی کے درخت میں کیا خاص اشکال واستبعاد ہے؟ البتہ یہ ظاہر ہے کہ جس طرح جنت اور آسمان کی ہر نعمت دنیا کی نعمتوں سے مشابہ لیکن بہت مختلف ہوگی۔ اسی طرح یہ بیری بھی دنیا کی بیریوں سے یقیناً بہت کچھ مختلف ہوگی اور کچھ اور ہی آثار وخواص رکھتی ہوگی۔ وَلَقَدْ...... اُخْرٰی۔ یعنی اس فرشتہ کو دوبارہ ہیئت اصل پر دیکھا پہلی بار اسی سطح ارضی پر دیکھا تھا اور اب کی دوبارہ شب معراج میں۔ عن ابن مسعود وعائشة ومجاهد والربیع قالوا رأی جبریل فی صورته التی خلقه الله علیها مرتین (جصاص) فهذه هی لیلة الاسراء والاولی کانت فی الارض (ابن کثیر) هذه هی المرة الثانیة التی رأی رسول ﷺ فیها جبریل علی صورته التی خلقه الله علیها وکانت لیلة الاسراء (ابن کثیر) و۱۳ یہ لپٹنے والی چیزیں روایات کے مطابق فرشتے تھے جو بکثرت دیوانہ وار گر رہے تھے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ انوار وتجلیات جمال مطلق تھے جو سدرہ کو لپٹے ہوئے تھے اور فرشتے انہیں پر عاشقانہ گر رہے تھے۔ غشیها نور الرب وغشیها الملائکة من حب الله (ابن جریر۔ عن الربیع) قد تقدم فی احادیث الاسراء انه غشیها الملائکة مثل الغربان وغشیها نور الرب وغشیها الوان ما ادری ما هی (ابن کثیر) مایغشی کلمہ تفخیم ہے۔ اہل عرب کمال عظمت کے اظہار کے موقع پر ایسا ہی صیغہ اجمال وابہام کا لاتے ہیں۔ تعظیم وتکبیر لما یغشها (کشاف۔ مدارک) وفی ابهام ما یغشی من التفخیم مالا یخفی (روح) عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی۔ پہلے فقرہ میں اس مقام کی نشان دہی کی تھی جہاں فرشتہ اعظم کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس فقرہ میں اس مقام کے شرف وامتیاز کا ذکر ہے۔ مأوی کے لفظی معنی ٹھہرنے کی جگہ یا ٹھکانے کے ہیں۔ جنت چونکہ مقبولین کے رہنے اور ٹھہرنے کا ٹھکانا ہے۔ اس لئے اسے جنت الماوی کہتے ہیں۔ و۱۴ ان چیزوں سے جن کی رویت کا حکم نہیں ہوا تھا۔ مَازَاغَ الْبَصَرُ۔ یعنی ان چیزوں سے نہ ہٹی جن کی رویت کا حکم ہوا تھا۔ و۱۵ (کہ وہ کوئی بھی شائبہ الوہیت کا اپنے اندر رکھتی ہیں اے مشرکو!) لات۔ عزیٰ اور منات تینوں مشرکین عرب کے مشہور بت تھے۔ اللّٰتَ۔ عرب کی بہت مشہور وقدیم دیوی تھی۔ نباطی کتبات تک میں اس کا نام موجود ہے، یہ سورج دیوتا کی مظہر تھی، اور قبیلہ ثقیف کی دیوی تھی۔ اس کا بت طائف میں نصب تھا۔ اور حال میں بعض سیاحوں نے اسے دیکھا ہے چنانچہ ڈاوٹی۔DOUGHTY کی (ARABIA-DISERTA) جلد دوم میں اس کا فوٹو بھی دیا ہوا ہے۔ الْعُزّٰی یہ قوت وطاقت کی دیوی تھی جیسے ہندوستان میں دُرگا دیوی۔ یونان وروما کی زہرہ دیوی کی قائم مقام۔ ظہور اسلام کے وقت عربوں میں اس کا سب سے زیادہ شہرہ تھا۔ اس کا بت نخلہ میں نصب تھا اور یہ دیوی قبیلہ غطفان کی تھی۔ منات۔ یہ دیوی تقدیر کی حکمران تھی۔ اس کا بت قدید میں نصب تھا۔ مدینہ کے اوس وخزرج والے اس کے خاص طور پر معتقد تھے۔ عجب نہیں کہ تحقیقات کے بعد اس کا تعلق ہندوستان کے مشہور بت وبتکدہ "سومنات" سے بھی ثابت ہو جائے تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ مشرکین عرب کے عقیدہ میں یہ تینوں دیویاں خدا کی بیٹیاں تھیں۔ اَفَرَءَيْتُمُ۔ کے حرف ف میں ادھر اشارہ ہے کہ پیمبر کی عظمت وصداقت کے محقق ہو جانے کے بعد تو تم کو سمجھ جانا چاہئے تھا۔ الْاُخْرٰی۔ ذم وتحقیر کے لئے ہے۔ هی صفة ذم ای المتاخرة الوضیعة المقدار (کشاف) وقال بعض الاجلة الثالثة للتاکید والاخری للذم بانها متاخرة فی الرتبة وضیعة المقدار (روح)

الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثَىٰ ﴿٢١﴾ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ﴿٢٢﴾ إِنْ

بیٹے ہوں اور اللہ کے لئے بیٹیاں؟ یہ تو بڑی ہی بے ڈھنگی تقسیم ہے و۱۶ یہ تو

هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ

نرے نام ہی نام ہیں جو تم نے، اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھہرا لئے ہیں اللہ نے تو اس پر

اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ

کوئی دلیل اتاری نہیں ہے و۱۷ یہ لوگ نرے اٹکل پر اور اپنے نفس کی

وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ

خواہش پر چل رہے ہیں، درآنحالیکہ ان کے پاس اُن کے پروردگار کی طرف سے

الْهُدَىٰ ﴿٢٣﴾ أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنَّىٰ ﴿٢٤﴾ فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ

ہدایت آچکی ہے و۱۸ بھلا کہیں انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے؟ (نہیں بلکہ ہر تمنا) اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے

وَالْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾ وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي

آخرت (کی بھی) و۱۹ اور دنیا (کی بھی) اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں کہ اُن کی سفارش

شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ

ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر ہاں، بعد اس کے کہ اللہ اجازت دے دے جس کے لئے وہ چاہے

وَيَرْضَىٰ ﴿٢٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ

اور اُس کی رضا ہو و۲۰ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو

الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنْثَىٰ ﴿٢٧﴾ وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ

زنانے نام سے نامزد کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں، یہ لوگ

يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ

محض اٹکل پر چل رہے ہیں، اور اٹکل حق کے مقابلہ میں ذرا بھی کام

ع ۵ | ۲۵

و۱۶ یعنی شرک پر مستزاد یہ کہ اپنے لئے تو اپنے رواج وعرف کی بناء پر اچھی چیز یعنی بیٹے تجویز کرتے ہو اور خدا کے لئے اپنے رواج وعرف کے معیار سے بھی ناقص اور گھٹیا چیز یعنی بیٹیاں تجویز کئے ہوئے ہو۔ تِلْكَ ...... ضِيزَىٰ۔ یعنی یہی کہ کسی کو دیوی ٹھہرائی کسی کو دیوتا، کسی کا نام ہوا کا خدا رکھ دیا، کسی کو رزق و بارش کا دیوتا کہنے لگے۔ ان اسماء والقاب کو حقیقت سے کوئی دور کا بھی واسطہ تو نہیں۔ و۱۷ یعنی نظریہ شرک پر کوئی دلیل نہ تو عقل سے ملتی ہے نہ نقل سے۔ نہ کوئی الہامی ثبوت نہ کوئی علمی و تجربی شہادت۔ مَا ...... سُلْطَانٍ۔ قرآن مجید نے محض اثبات توحید ہی پر دلائل نہیں قائم کئے ہیں بلکہ بار بار مدعیان شرک کو چیلنج کیا ہے کہ تم اثبات شرک پر کوئی ایک دلیل کسی درجہ کی بھی تو پیش کر کے دکھاؤ!۔ و۱۸ (پیمبر کے ذریعہ سے) یعنی بلا دلیل و بلا ثبوت ان اوہام فاسدہ میں مبتلا ہو جانا یوں بھی بڑے غضب کی بات تھی۔ چہ جائیکہ جب اس کے خلاف دلائل اور ثبوت پیمبر برحق کی معرفت پہنچ جائیں۔ إِنْ ...... الْأَنْفُسُ۔ ان کی یہ خواہشات نفس بھی انہیں اوہام اور بے عقلی کے خیالات پر مبنی ہیں۔ و۱۹ (تو پھر ان مشرکوں کی یہ کیسی حماقت ہے کہ اپنی دیویوں دیوتاؤں سے اس کی آس لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ ان کی آرزوؤں، تمناؤں کے مطابق ان کے کام آئیں گے اور ان کی سعی و سفارش کریں گے) أَمْ ...... تَمَنَّىٰ۔ یہ کتنی گہری اور اہم حقیقت کا اعلان ہے۔ اگر انسان کو اسی کا استحضار رہے تو کتنی مایوسیوں، ناکامیوں، نامرادیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ۔ انسان کی فوری اور انجامی دونوں طرح کی بھلائیاں صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ توقع جو کچھ بھی کی جائے۔ بس اسی سے کی جائے۔ لِلْإِنْسَانِ۔ انسان سے یہاں مراد کافر انسان سے لی گئی ہے۔ یعنی الکافر (مدارک) ایظن الکافر ان لہٗ ما یتمنّٰی (معالم) و۲۰ مطلب یہ ہوا کہ ان بتوں، مورتیوں کا تو خیر ذکر ہی نہیں جو شفاعت کی سرے سے کوئی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔ ملائکہ مقربین تک کی یہ مجال نہیں کہ اپنی رائے و ارادہ سے جس کسی کی چاہیں بے دھڑک سفارش کر ڈالیں۔ بلکہ وہ بھی صرف اجازت الٰہی کے بعد ہی اس کی جرات کر سکتے ہیں۔ وَكَمْ ...... السَّمَاوَاتِ۔ فِي السَّمَاوَاتِ کا اضافہ عجب نہیں جو ملائکہ کے مزید تقرب و شرف و اکرام کے اظہار کے لئے ہو۔ لِمَنْ يَشَاءُ۔ اس کے اندر ساری مشیت تکوینی کا قانون آگیا۔ یعنی اجازت بھی صرف اسی کے حق میں سفارش کی ملے گی، جسے خود حضرت حق کی مشیت تکوینی چاہ رہی ہو۔ وَيَرْضَىٰ۔ یہ قید غالباً اس لئے بڑھا دی کہ کہیں دنیا والوں کی طرح وہاں بھی یہ نہ قیاس کیا جائے کہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ کو بھی کسی کی مروت و لحاظ یا خوف سے اپنی مرضی کے خلاف اجازت دے دینا پڑتی ہے — مرضی حق خود ہی سب سے بالاتر ہے، جس کے اوپر کوئی مؤثر نہیں۔

شَيْئًا ﴿۲۸﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ

نہیں دیتی ف۲۱ تو آپ اس کی طرف سے خیال ہی ہٹا لیجئے جو بے پروائی اختیار کئے ہوئے ہے ہماری نصیحت کی طرف سے اور

اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ

اس کا کوئی مقصود ہی نہیں، بجز دنیوی زندگی کے ف۲۲ ان لوگوں کے علم کی رسائی کی حد بھی بس یہی ہے ف۲۳

رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ

آپ کا پروردگار ہی بے شک خوب جانتا ہے کہ کون اُس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے، اور وہی اس کو بھی خوب جانتا ہے

بِمَنِ اهْتَدٰی ﴿۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۙ

جو راہ راست پر ہے ف۲۴ اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے ف۲۵

لِيَجْزِیَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِیَ الَّذِيْنَ

انجام کار یہ ہے کہ وہ برائی کرنے والوں کو ان کے عمل کی پاداش میں بدلہ دے گا اور نیک کام

اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی ﴿۳۱﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ

کرنے والوں کو نیک بدلہ دے گا ف۲۶ وہ لوگ ایسے ہیں جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے

وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ

بچے رہتے ہیں، مگر ہاں یہ کہ ہلکے ہلکے گناہ ہو جائیں ف۲۷ بے شک آپ کا پروردگار بڑی وسیع مغفرت والا ہے ف۲۸

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ

وہ تم کو خوب جانتا ہے جب کہ تم کو زمین سے پیدا کیا تھا اور جب تم

اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ

ماؤں کے پیٹ میں بطور جنین کے تھے تو تم اپنے آپ کو مقدس نہ سمجھو، بس وہی

اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی ﴿۳۲﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰی

خوب جانتا ہے تقویٰ والوں کو ف۲۹ بھلا آپ نے اس شخص کے حال پر نظر کی ہے جس نے روگردانی کی، اور

ف۲۱ الظَّنَّ ۔ظن سے مراد تخمین وقیاس ہے اور وہ بھی ایسا جو نہ کسی دلیل شرعی پر مبنی ہو نہ کسی قاعدۂ عقلی سے مستنبط ۔ مِنْ عِلْمٍ ۔علم یہاں تحقیق یا حقیقت رسی کے معنی میں ہے اور ظن یا تخمین کے ٹھیک مقابل من نے موقع نفی پر آکر معنی میں استغراق پیدا کر دیا، یعنی کوئی بھی دلیل ان کے پاس نہیں۔ ف۲۲ (اور یہی دلیل ہے ان کی کج فہمی اور بے غوری دونوں کی) مبلغ اعظم ﷺ کو ہدایت ہو رہی ہے کہ ان دنیا پرستوں سے جب قبول حق کی کوئی توقع ہی نہیں تو آپ بھی ان کی پروانہ کیجئے اور ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑے رہیے۔ عَنْ ذِكْرِنَا ...... الدُّنْيَا انسان کی حماقت وسفاہت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ وہ ہاتھی کے جسم کی ساری بڑائی کو چھوڑ چھاڑ کر اس کی دم کے صرف آخری سرے کو یا پیر کے ناخنوں کو پکڑ لے، اور اسی سے ہاتھی کی جسامت، ساخت، ترکیب سے متعلق رائے قائم کرنے لگے—اس سے ہزار اور لاکھ درجہ بڑھ کر اور قابل رحم ان ''روشن خیالوں'' یا ''بے فکروں'' کا حال ہے، جو مابعد الموت جیسے بیحد وسیع عالم سے بالکل قطع نظر کئے ہوئے ساری توجہ اور ''علم'' و ''تحقیق'' کا موضوع اسی چند سالہ زندگی کو بنائے ہوئے ہیں! ان سے بڑھ کر اندھا اور کون ہو سکتا ہے؟ ف۲۳ یعنی یہی مادی، عنصری، زود فنا، سریع الزوال، چند روزہ دنیوی زندگی۔ کتنے افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ آج مہذب اور ترقی یافتہ قوموں کا سارا مبلغ علم اور منتہائے پرواز خیال اسی محدود ومختصر عنصری زندگی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور اپنی اس تنگ نظری پر انتہائی فخر وناز ہے! ف۲۴ (کہ علم اسی کا کامل ہے) ف۲۵ (کہ قدرت اسی کی کامل ہے) ف۲۶ یعنی اس کے علم کامل وقدرت کامل کے مجموعہ کا مقتضا یہ ہے کہ مکلفین کے انجام دو قسم کے ہوں۔ اہل ضلالت کا انجام عذاب پر ہو اور اہل ہدایت کا مسرت وراحت پر۔ لِيَجْزِیَ میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی انجام کار یہ ہونا تھا۔ قال الواحدی اللام للعاقبة (کبیر) والتحقیق فیه هو ان حتّٰی ولام الغرض متقاربان فی المعنی لان الغرض نهاية العقل وحتّٰی للغاية المطلقة فبينهما مقاربة يستعمل احدهما مكان الأخر (کبیر) ف۲۷ (کبھی کبھار۔ تو وہ درجہ محسنیت اور محبوبیت کے منافی نہیں) ''جو محبوبیت یہاں بقرینہ مقام مدح مذکور ہے اس کا مصداق بننے کے لئے کبائر سے بچنا تو شرط ہے لیکن صغائر کا احیاناً صدور اس کے لئے موقوف علیہ نہیں البتہ عدم اصرار شرط ہے۔'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اِلَّا اللَّمَمَ ۔ لمم اور الالمام وہ معصیت ہے جو کبھی کبھی اور اتفاقاً سرزد ہو جائے۔ يقال فلان يفعل كذا لممًا اى حينًا بعد حين (راغب) واصل اللمم والالمام مايعمله الانسان الحين بعد الحين ولايكون لهٗ عادة ولااقامة عليه (روح) اى مایاتی به المومن ويندم فی الحال وهو من اللمم الذی هو مس من الجنون (کبیر) مقصود کلام یہ ہے کہ انسان گناہ پر جما نہ رہے۔ گناہ اس سے سرزد ہوتے رہیں اور وہ ان پر توبہ واستغفار کرتا رہے—مذہب اہل سنت میں مقبولین ومحبوبین کے لئے ضروری شرط گناہوں سے محفوظیت ہرگز نہیں بلکہ یہی گناہوں پر توبہ، ندامت، انفعال واستغفار ہے۔ صحابیوں اور تابعین سب سے یہی مذہب منقول ہے۔ و معنی الأية الا ان يلم بالفاحشة مرة ثم يتوب ويقع الوقعة ثم ينتهی وهو قول ابی هريرةؓ ومجاهد والحسن و رواية عطاء عن ابن عباس (معالم) عن ابی هريرة قال اللمة من الزنا ثم يتوب ولا يعود واللمة من السرقة ثم يتوب ولا يعود واللمة من شرب الخمر ثم يتوب ولا يعود قال كذالك الالمام (ابن کثیر) بعض اقوال اس مضمون کے بھی نقل ہوئے ہیں کہ لمم کے تحت میں بڑے چھوٹے سارے ہی گناہ آجاتے ہیں، بجز شرک کے۔ قال عبدالله بن عمر وبن العاص واللمم مادون الشرک (معالم) غرض یہ کہ آیت سے یہ بالکل ظاہر ہو جاتا ہے کہ گناہوں کا کبھی کبھی سرزد ہوتے رہنا جب درجہ محسنیت کے منافی نہیں تو عامہ مومنین کے مقام سے تو اسے اور بھی تنافی حاصل نہیں۔ ف۲۸ (تو سب بندوں کو چاہئے کہ تھوڑا سا صرف ہمت کر کے اور اپنی بدکرداریوں کا تدارک کر کے اس کی مغفرت وسیع میں داخل ہو جائیں) ف۲۹ (کہ کون متقی ہے اور کون نہیں، گو افعال تقویٰ صورۃً دونوں سے صادر ہوتے ہوں) آیت میں اہل طاعت کو تنبیہ ہے کہ اپنے متعلق عُجب وپندار میں نہ مبتلا ہو جائیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دعوئ تقدس سے صریح ممانعت ہے۔ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۔ یعنی جب تم سب کو تمہارے جد اعلیٰ آدم علیہ السلام کے واسطہ سے پیدا کیا تھا—یہ ذکر انسان کی خلقت نوعی کا ہوا۔ وَاِذْ ...... اُمَّهٰتِكُمْ ۔ یہ بیان انسان کی خلقت شخصی کا ہوا۔ مِّنَ الْاَرْضِ ۔ یعنی زمین کی خاک سے۔ مطلب یہ ہوا کہ انسان سے متعلق علم کامل تو صرف اللہ ہی کو ہے۔ باقی انسان پر تو ایسی حالتیں گزرتی ہیں کہ اسے خود اپنی حالت کا شعور واحساس نہیں ہوتا۔

قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمْ

مال قلیل دیا اور (اب) بند کردیا وا۳ کیا اس شخص کے پاس علم غیب ہے کہ (اُسے) دیکھ رہا ہے؟ وا۳۱ کیا

لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ

اُسے خبر نہیں پہنچی اس (مضمون) کی جو موسیٰ کے صحیفوں میں تھے اور ابراہیم کے بھی، جنہوں نے (احکام کی) پوری

وَفّٰٓى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَاَنْ لَّيْسَ

بجا آوری کی کہ کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا وا۳۲ اور انسان کو صرف

لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾

اپنی ہی کمائی ملے گی اور یہ کہ انسان کی سعی بہت جلد دیکھ لی جائے گی وا۳۳

ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾

پھر اُسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور یہ کہ (سب کو) آپ کے پروردگار کے پاس ہی پہنچنا ہے وا۳۴

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾

اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا اور جلاتا ہے

وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ

اور یہ کہ اُسی نے نر و مادہ دونوں جنسوں کو نطفہ سے پیدا کیا ہے

اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ

جب وہ ڈالا جاتا ہے وا۳۵ اور یہ کہ دوبارہ پیدائش اسی کے ذمہ ہے اور یہ کہ

هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾

وہی غنی کرتا ہے اور (سرمایہ) باقی رکھتا ہے وا۳۶ اور یہ کہ وہی پروردگار ہے شعریٰ کا بھی وا۳۷

وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَا فَمَآ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾

اور یہ کہ اسی نے قوم عاد اول کو ہلاک کیا اور ثمود کو بھی کہ کسی کو باقی نہ چھوڑا وا۳۸

وا۳۰ یعنی اپنے ہی مطلب کے لئے مال دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اور پھر اس کا بھی پوری طرح ایفاء نہ کیا تو ایسا شخص بھلا دوسروں کی نفع رسانی کے لئے کھلے دل سے کیا خرچ کرے گا؟ حدیث میں ایک شخص متعین کا ذکر آتا ہے۔ ولید بن مغیرہ نامی کا، کہ اس کا میلان اسلام کی طرف دیکھ کر ایک دوسرے مشرک نے اس سے کہا کہ کیوں اس فکر میں گھلا جاتا ہے۔ مجھے اتنا روپیہ دے میں سب تیری طرف سے اوڑھے لیتا ہوں۔ ولید نے وعدہ کرلیا، لیکن کچھ تھوڑا بابت دے کر اسے بھی بند کردیا۔ الَّذِیْ تَوَلّٰی۔ یعنی دین حق سے وہ شخص پھر گیا۔ وا۳۱ (اور یقینی طور پر جان رہا ہے کہ فلاں شخص میری طرف سے عذاب کا متحمل ہو جائے گا) وا۳۲ (ایمانیات میں) یعنی ایک کا ایمان دوسرے کے کام نہ آئے گا۔ الَّذِیْ وَفّٰی۔ سورۃ البقرۃ پ آیہ کریمہ وَ اِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ کے ماتحت حاشیے ملاحظہ کرلئے جائیں۔ وا۳۳ (سو اس اطلاع اور اعلان کے بعد بھی انسان کا اپنی ذاتی ذمہ داری کی طرف سے غافل رہنا کیسا عجیب ہے) لِلْاِنْسَانِ۔ الانسان سے یہاں مراد کافر انسان لی گئی ہے، نہ کہ مطلق انسان سے۔ وقال الربیع الانسان هنا الکافر واما المؤمن فله ما سعٰی وما سعی له غیرهٗ (روح) وقال الربیع بن انس یعنی الکافر (معالم) وَاَنْ...... سَعٰی۔ یعنی ایک کا ایمان دوسرے کے کام نہ آئے گا۔ مشرک جاہلی قوموں میں تو خیر یہ وبا عام تھی ہی۔ یہود اہل کتاب کے ہاں بھی یہ عقیدہ پختہ طور پر قائم ہوگیا تھا کہ موروثوں اور بزرگوں کا مقبولین میں سے ہونا۔ اخلاف واولاد کے لئے بالکل کافی ہے اور جو لوگ پیمبروں کی نسل میں سے ہیں انہیں کچھ ہاتھ پیر ہلانے بلکہ تصحیح عقائد تک کی ضرورت نہیں اور مسیحیت نے تو نجات کا سارا دارومدار ہی آکر کفارہ وشفاعت کے عقائد پر ٹھہرا دیا۔ قرآن مجید اس کے برعکس سارا زور ہر فرد کی ذمہ داری اور مسئولیت پر دیتا ہے اور نجات کا دارومدار بعد فضل خداوندی کے اسی کو ٹھہراتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اسی مسئلہ کا اثبات ہے — رہا یہ مسئلہ کہ کوئی شخص اپنے کسی دوست، عزیز، بزرگ وغیرہ کے لئے اپنے کچھ حقوق اپنی خوشی سے چھوڑ دے تو یہ اس آیت کے ہرگز منافی نہیں۔ یہ تو مومن کے حق میں دوسرے مومن کی طرف سے صورت دعا کی ہے، یہ کیوں نہ قبول ہوگی۔ اور مسئلہ ایصال ثواب اموات کا احادیث صحیحہ متعددہ کی بناء پر اپنی جگہ پر بالکل ثابت ہے۔ وردت اخبار صحیحة بنفع الصدقة عن المیت منها ما اخرجه مسلم والبخاری و ابوداؤد والنسائی (روح) اور فقہاء مفسرین نے اس کی متعدد توجیہات درج کی ہیں۔ واما ماصح فی الاخبار من الصدقة عن المیت والحج عنه فقد قیل ان سعی غیره لما لم ینفعه الا مبنیا علی سعی نفسه وهو ان یکون مؤمنا کان سعی غیره کانه سعی نفسه لکونه تابعًاله وقائما بقیامه ولان سعی غیره لا ینفعه اذا عمله لنفسه ولکن اذا نواه به فهو بحکم الشرع کالنائب عنه والوکیل القائم مقامه (مدارک) وا۳۴ (سو ان اطلاعات کے باوجود بھی انسان کا اپنے انجام کی طرف سے نڈر اور اپنی فلاح کی طرف سے غافل اور اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ رہنا کیسا عجیب ہے) الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی۔ اس میں تنبیہ ہے کہ جزائے اعمال بالکل پوری پوری ملے گی۔ وہاں کے حساب کتاب میں کسی غلطی، دھوکے، فروگذاشت، بھول چوک کا امکان نہیں۔ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی۔ اتنے جزء سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ ہر آغاز کا ایک انجام ہوتا ہے کوئی چیز لا انتہاء اور بے نہایت نہیں ہوتی، دوسرے یہ کہ ہر شے کا آخری رجوع حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے نہ کہ کسی اور کی طرف۔ وا۳۵ (رحم مادر میں) آیت کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ تمام واقعات غم وسرت، سارے اسباب موت وحیات، ہر قسم کی تخلیق کی اصلی اور آخری علت صرف ذات حق تعالیٰ ہے، کوئی ان صفات میں اس کا شریک وسہیم نہیں اور نہ اس کے یہ صفات وافعال مختلف دیویوں و دیوتاؤں کے درمیان تقسیم ہیں کہ جلانا اور پیدا کرنا کسی اور کے ہاتھ میں اور مارنا اور فنا کرنا کسی اور کے اختیار میں۔ خوش نصیبی کا تعلق فلاں سے ہو اور بدنصیبی کا فلاں سے۔ وا۳۶ یعنی دھن دولت، سرمایہ دیتا بھی ہے اور وہی اسے محفوظ بھی رکھتا ہے۔ لکشمی دیوی وغیرہ کسی اور کا اس میں دخل نہیں۔ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰی۔ یعنی وہ بعث ثانی جو قیامت کے دن ہوگا۔ عَلَيْهِ۔ یعنی اس کا وقوع ایسا ضروری ہے، کہ حق تعالیٰ پر وہ گویا واجب ہے یا حق تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ حالانکہ حقیقۃً کوئی شے بھی حق تعالیٰ پر واجب نہیں ہوسکتی۔ واجب ہونے کے معنی کسی برتر قانون کے ماتحت پابندی کے ہیں۔ اور ارادہ الٰہی سے بڑھ کر کون قانون ہوسکتا ہے جس کا وہ ماتحت یا پابند ہو۔ اسی لئے اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر واجب کوئی سی بھی چیز نہیں۔ وا۳۷ (جسے تم معبود سمجھ کر پرستش کر رہے ہو) الشِّعْرٰی۔ شعریٰ سے مراد مطلق ستارہ بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن الشِّعْرٰی یا شعرائے یمانی نام ستارہ جوزاء کا ہے۔ علماء ہیئت کی تحقیق میں یہ آسمان کا روشن ترین ستارہ ہے۔ اس کی پرستش نہ صرف عربوں میں بلکہ متعدد قدیم مشرک، جاہلی قوموں، مصریوں، یونانیوں، رومیوں وغیرہ میں کثرت وشدت سے ہوتی رہی ہے۔ قرآن مجید نے اس کا نام اس سیاق میں لاکر سارے نظام ستارہ پرستی پر ضرب لگادی۔ ذو الشعریٰ۔ کی مورتی ایک چوکور سیاہ پتھر کی تھی اور زمین سے چار فٹ بلند اور دو فٹ چوڑی زمین پر نصب رہتی تھی — مغربی محققین کا بیان ہے کہ الحجر کے نباطی عہد کے کتبوں میں اس دیوی کا نام منات دیوی کے نام کے ساتھ ساتھ ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ وا۳۸ (اور یہ ساری ہلاکتیں جرم کفر وشرک ہی کی پاداش میں ہوئیں)

وَ قَوۡمَ نُوۡحٍ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا هُمۡ اَظۡلَمَ

اور ان سے پہلے نوح کی قوم کو (ہلاک کیا) بے شک وہ اور بھی بڑھے ہوئے ظالم

وَ اَطۡغٰى ؕ﴿۵۲﴾ وَ الۡمُؤۡتَفِكَةَ اَهۡوٰى ۙ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰهَا مَا

و سرکش تھے اور الٹی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک مارا تھا، پھر اُن بستیوں کو گھیر لیا، جس چیز نے کہ

غَشّٰى ۚ﴿۵۴﴾ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِيۡرٌ

گھیر لیا و۳۹ سو تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں میں شک کرتا رہے گا؟ و۴۰ یہ ڈرانے والے (پیمبر) بھی پہلے

مِّنَ النُّذُرِ الۡاُوۡلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الۡاٰزِفَةُ ۚ﴿۵۷﴾ لَيۡسَ لَهَا

ڈرانے والوں میں سے ہیں وہ قریب آ جانے والی چیز قریب آ گئی، اللہ کے سوا

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ؕ﴿۵۸﴾ اَفَمِنۡ هٰذَا الۡحَدِيۡثِ

اُس کا کوئی ہٹانے والا نہیں و۴۱ سو کیا تم لوگ اس کلام سے

تَعۡجَبُوۡنَ ۙ﴿۵۹﴾ وَ تَضۡحَكُوۡنَ وَ لَا تَبۡكُوۡنَ ۙ﴿۶۰﴾ وَ اَنۡتُمۡ

تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو؟ و۴۲ اور تم

سٰمِدُوۡنَ ﴿۶۱﴾ فَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ وَ اعۡبُدُوۡا ۩ ﴿۶۲﴾

تکبر کرتے ہو غرض یہ کہ اللہ کی اطاعت کرو اور عبادت کرو و۴۳

(السجدۃ ۱۲ / ع ۳)

آیاتها ۵۵ — ۵۴ سُوۡرَةُ الۡقَمَرِ مَكِّيَّةٌ ۳۷ — رکوعاتها ۳

اس کی پچپن آیتیں — سورۂ قمر مکہ میں نازل ہوئی — اور تین رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انۡشَقَّ الۡقَمَرُ ﴿۱﴾ وَ اِنۡ يَّرَوۡا اٰيَةً

قیامت نزدیک آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا و۱ اور یہ اگر کوئی نشان دیکھ لیتے ہیں

و۳۹ یعنی عذاب الٰہی نے۔ وَالۡمُؤۡتَفِكَةَ۔ الٹی ہوئی بستیوں سے مراد قوم لوط کے شہر ہیں، مغربی شام میں، بحر مردہ کے نواح میں۔ مَا غَشّٰى۔ یہ ابہام، اسلوبِ عرب کے مطابق، عذاب الٰہی کی عظمت وہولناکی کے اظہار کے لئے ہے۔ وَقَوۡمَ...... اَطۡغٰى۔ نوح وقوم نوح دونوں پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ و۴۰ (اے مخاطب!) مقصود کافر مخاطب کی حماقت پر اظہار تاسف ہے کہ اے احمق بجائے اس کے کہ ان مضامین کی تصدیق سے تو فائدہ اٹھاتا تو الٹا ان سے انکار وشک کر رہا ہے۔ اٰلَآءِ رَبِّكَ۔ ان سارے مضامین سے آگاہی۔ ان کے متعلق احکام وہدایات یہ سب بھی تو اللہ کی نعمتیں ہی ہیں۔ و۴۱ (تو کسی اور کے بھروسہ پر اُدھر سے بے خبر رہنا انتہائی محرومی اور بدبختی کی بات ہے، چاہئے کہ ان پیمبر کا کہنا مانو) هٰذَا۔ اشارہ رسول ﷺ کی جانب ہے اور جائز ہے کہ قرآن کی جانب سمجھا جائے۔ و۴۲ (خوف مؤاخذۂ آخرت سے) تَعۡجَبُوۡنَ۔ یعنی بے یقینی کے ساتھ اور اسے مستبعد سمجھ کر اس پر اظہار حیرت کر رہے ہو۔ وَتَضۡحَكُوۡنَ۔ اور انکار واستہزاء کیساتھ اس کی ہنسی اڑا رہے ہو۔ و۴۳ (حسب تعلیم وہدایت پیمبر، تاکہ فلاح دارین حاصل کرو) سٰمِدُوۡنَ۔ یعنی اپنے جہل وغفلت کی بناء پر طاعتِ الٰہی سے عار محسوس کر رہے ہو۔ فَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ۔ سجدہ۔ یہاں اپنے لفظی معنٰی، خضوع واطاعت کے مفہوم میں لیا گیا ہے۔ اے فاخضعوا له واخلصوا ووحدوه (ابن کثیر) لیکن آیت حنفیہ کے نزدیک سجدہ کی ہے، اور اس پر پہنچ کر رسول ﷺ سے سجدہ کرنا منقول ہے۔ هذه اٰية سجدة عند اكثر اهل العلم وقد سجد النبي ﷺ عندها (روح) و۱ معجزہ شق القمر رسول ﷺ کے مشہور معجزات میں سے ہے۔ حضور ﷺ کا قیام مکہ میں تھا اور ہجرت کو ابھی ۵ سال کا زمانہ باقی تھا کہ ایک مرتبہ غالباً بتقریب حج جب منٰی میں اجتماع تھا تو مشرکین مکہ نے آپ ﷺ سے معجزہ کی فرمائش کی۔ آپ ﷺ نے باذنِ الٰہی چاند کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور وہ لوگوں کو دو ٹکڑوں میں پھٹا ہوا نظر آیا۔ یہاں اس معجزۂ روشن کا ذکر ہے۔ جو لوگ اپنے خدا کو عاجز اور محدود الاختیار اور ناقص القویٰ سمجھتے ہیں یا اپنی نافہمی سے سرے سے امکان معجزہ وخرق عادت ہی کے قائل نہیں، ان سے تو گفتگو دوسرے رخ سے کی جائے گی (اور جا بجا ان سے یہی خطاب ان حاشیوں میں آچکا ہے) البتہ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنی حکمت لامحدود اور قدرت نامتناہی کے لحاظ سے جو واقعہ اور جس طرح جب چاہے دنیا میں واقع کر سکتا ہے اور کرتا رہتا بھی ہے، ان سے عرض ہے کہ ایسے سارے واقعات کا ثبوت صرف تاریخی ہی ہو سکتا ہے۔ اور اسی کا نام دلیل نقلی ہے۔ (جو کوئی حقیر چیز نہیں بلکہ دلیل عقلی ہی کے مساوی الوزن اور ہم مرتبہ ہے) اور اس واقعۂ خاص کے ثبوت میں شہادتیں بڑی کثرت سے اور بڑی وزن کی موجود ہیں۔ چنانچہ:۔

قد كان هذا في زمان ﷺ كما ورد ذالك في الاحاديث المتواترة بالاسانيد الصحيحة وهذا امر متفق عليه بين العلماء ان انشقاق القمر قد وقع في زمان النبي صلى الله عليه وسلم وانه كان احدى المعجزات الباهرات (ابن کثیر)

یہ واقعہ رسول ﷺ کے زمان مبارک میں پیش آیا جیسا کہ متعدد احادیث میں اسناد صحیح کے ساتھ آچکا ہے اور اس مسئلہ پر سارے اہل علم کا اتفاق ہے کہ شق قمر رسول ﷺ کے زمان مبارک میں واقع ہوا ہے اور اس کا شمار آپ کے مشہور معجزات میں ہے۔

یہاں تک کہ بہتوں نے اس کے تواتر کا بھی دعوٰی کیا ہے:۔

وذلك على عهد رسول الله ﷺ قبل الهجرة بنحو خمس سنين ......والاحاديث الصحيحة في الانشقاق كثيرة واختلف في تواتره فقيل هو غير متواتر وفي شرح المواقف الشريف انه متواتر وهو الذي اختاره العلامة ابن السبكي قال في شرحه لمختصر ابن الحاجب الصحيح عندي ان انشقاق القمر متواتر منصوص عليه في القراٰن مروي في الصحيحين و غير هما من طرق شتٰى بحيث لايمتري في تواتره (روح)

یہ واقعہ رسول ﷺ کے عہد مبارک میں ہجرت سے ۵ سال قبل پیش آیا تھا اور شق کے بارے میں صحیح حدیثیں کثرت سے آئی ہیں۔ اور اس خبر کے متواتر ہونے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ یہ قول بھی ہے کہ خبر غیر متواتر ہے اور شریف کی شرح مواقف میں ہے کہ یہ خبر متواتر ہے اور یہی مسلک ابن السبکی کا بھی ہے جنہوں نے المختصر لابن حاجب کی شرح میں لکھا ہے کہ شق قمر کی خبر متواتر ہے، جس پر خود قرآن کی نص اور صحیحین وغیرہ کی نص متعدد طریقوں پر اس طرح گواہ ہیں کہ اب اس کے تواتر میں کلام نہیں کیا جا سکتا۔

قد تواتر الخبر به عن الصحابة ولم ينكره منهم احد (جصاص)۔ ”حضرات صحابہ سے یہ نقل متواتر ہو کر پہنچی ہے اور اس کا انکار کسی صحابی نے بھی نہیں کیا“۔ احادیث میں یہ خبر ایک نہیں، دس دس صحابیوں سے روایت ہوئی ہے۔ جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس بن مالک وغیرہم شامل ہیں۔ روى انشقاق القمر عشرة من الصحابة منهم عبدالله بن مسعود و ابن عمر وانس وابن عباس وحذيفه وجبير بن مطعم في اٰخرين كرهت ذكر اسانيدها للاطالة (جصاص) آیت کا یہ مطلب تو کھلا ہوا، الفاظ قرآنی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ نہایت قریب آگئی ہے اور اس کے آثار وعلامات قرب میں سے یہ واقعہ شق القمر واقع ہو گیا۔۔۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واقعۂ شق قمر خود ایک دلیل وقوع قیامت پر اور

اس کی ایک نظیر ہے۔ جس طرح آج یہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا، اسی طرح اس روز کائنات کی ہر چیز پارہ پارہ ہو کر رہے گی۔ ف۲ (جیسا کہ ہر سحر ایک عارضی چمک دمک کے بعد فنا ہو جاتا ہے) ذکر مشرکین مکہ اور ان کی شدت ضد و عناد کا ہو رہا ہے کہ یہ لوگ صریح سے بھی صریح واضح سے بھی واضح نشان غیبی دیکھ کر اس کی طرف اصلاً التفات نہیں کرتے بلکہ اسے سحر پر محمول کر کے اس کی طرف سے بے پروا ہو جاتے ہیں اور یہی کہنے لگتے ہیں کہ بس جیسے اور جادو کے کرشمے وقتی اور چند روزہ ہوتے ہیں، یہ جادو بھی ایک مدت کے اندر ختم ہو جائے گا۔ مُسْتَمِرٌّ۔ مٹ جانے والا، عارضی، فانی، ای ذاهب قاله مجاهد وقتادة وغيرهما اى باطل مضمحل لا دوام له (ابن کثیر) ف۳ یعنی بعد چندے ہر امر کی اصلی حالت معین ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس دین سے متعلق بھی نظر آ جائے گا کہ آیا یہ کوئی سحر یا ڈھکوسلا ہے اور یا کوئی باقی رہ جانے والی حقیقت۔ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ۔ اس سے اس جانب اشارہ ہو گیا کہ تکذیب و اعراض بھی محض ہوائے نفس سے تھا۔ اس کی تہ میں کوئی عقلی اشتباہ نہ تھا۔ ف۴ (اور ان سے پورا اور واضح نتیجہ عقوبت عاجل سے متعلق نکل سکتا ہے) مِنَ الْاَنْۢبَآءِ۔ یعنی پرانی نافرمان قوموں کے زیر عذاب آنے اور ہلاک و برباد ہونے کے متعلق خبریں۔ ف۵ یعنی آپ ایسے لوگوں کے متعلق جن کا یہ حال ہو چکا ہے اور جو اس درجہ مسخ ہو چکے ہیں، کچھ زیادہ فکر و تردد میں نہ پڑیے۔ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ۔ یہ بیان ہو رہا ہے ان لوگوں کے غایت جمود و شدت تصلب کا کہ یہ انذاری نشانات سے کچھ بھی عبرت و ہدایت حاصل نہیں کرتے۔ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ۔ یہ قرآن اعلیٰ حکمتوں اور دانشمندیوں کا مجموعہ ہے۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اس میں جو سامان عبرت پرانے قصص سے رکھ دیا گیا ہے وہ نہایت پر حکمت ہے۔ ف۶ (اور واقع میں وہ وقت کافروں کے لئے انتہائی سخت ہو گا بھی) بیان روز حشر کی ہولناکیوں اور دہشت انگیزیوں کا ہو رہا ہے۔ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ۔ منکروں کی آنکھیں اس روز تو کچھ ندامت سے اور کچھ ہیبت سے اور پھر کچھ احساس ذلت سے بہر حال زمین کی طرف لگی ہوں گی۔ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ۔ انسانوں کے اس انبوہ عظیم کی قریب ترین مثال جو اس دنیا میں دی جا سکتی ہے وہ ٹڈی دل ہی کی ہے۔ ٹڈی دل جب کبھی اپنی پوری قوت کے ساتھ ظہور پذیر ہوتا ہے تو ساری فضائے آسمانی پر میلوں بلکہ منزلوں تک ٹڈیوں کے دل بادل تہ بہ تہ چھا جاتے ہیں اور دن کی روشنی ماند ہو کر تاریکی پھیل جاتی ہے۔ مبصرین کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مشرقی افریقہ میں جب ٹڈی دل پوری قوت کے ساتھ آیا ہے تو عرض میں تین میل اور طول میں ساٹھ میل تک تھا! اور ٹڈیوں کی تعداد کا تخمینہ اس وقت سو کھرب یا ایک نیل (۱،۰۰،۰۰،۰۰،۰۰،۰۰،۰۰۰) کا کیا گیا! ــــ اور بعض دل اس سے بھی بڑے بڑے مشاہدہ میں آ چکے ہیں! ف۷ (سنگساری وغیرہ۔ آزار رسانی کی) سنگساری کی دھمکی کی تصریح تو سورۃ الشعراء میں آ بھی چکی ہے۔ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ۔ عَبْدَنَا سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کا ہونا بالکل ظاہر ہے ــــ عبد کا لفظ جب اس کی اضافت حق تعالیٰ کی جانب ہو، قرب یا مرتبہ خصوصی کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ اور عبدنا یا عبد الله کا استعمال محاورۂ قرآنی میں ہمیشہ لطف و رحمت ہی کے مخصوص موقعوں پر ہوا ہے۔ ف۸ (کہ میں عاجز و ناتواں ان لوگوں سے مقابلہ نہیں کر سکتا، الله الله! کیا شان بے نیازی ہے۔ پیمبر عین داعی حق بنا کر بھیجے جاتے ہیں اور وہ جا کر باغیوں، منکروں کے ہاتھوں اتنی ایذائیں اٹھاتے ہیں کہ ہر طرح اپنی مغلوبیت اور بے بسی محسوس کر کے آخر کار دعاء اور دعائے انتقام پر مجبور ہو جاتے ہیں! سچ کہا ہے کسی عارف نے ؎

ما پروریم دشمن و ما می کشیم دوست ۔۔۔ کس را رسد نہ چون و چرا در قضائے ما

يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿٢﴾ وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا

تو (اسے) ٹال جاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں (یہ) جادو ہے جو ابھی ختم ہو جائے گا ف۲ اور ان لوگوں نے جھٹلایا اور

أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣﴾ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّنَ

اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر بات کو قرار آ جاتا ہے ف۳ اور ان لوگوں کے پاس

الْأَنبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ﴿٤﴾ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ

خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں کہ جن میں کافی عبرت ہے ف۴ اعلیٰ درجہ کی دانش مندی ہے، مگر ڈرانے والی چیزیں

النُّذُرُ ﴿٥﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ

انہیں کچھ فائدہ نہیں دیتیں، سو آپ اُن کی طرف سے کچھ خیال نہ کیجئے ف۵ جس روز ایک بلانے والا (فرشتہ)

نُّكُرٍ ﴿٦﴾ خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ

انہیں ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا، اُن کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی، قبروں سے (اس طرح) نکل رہے ہوں گے

كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ﴿٧﴾ مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ

جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے دوڑے چلے آ رہے ہوں گے بلانے والے کی طرف، کافر لوگ کہتے

الْكَافِرُونَ هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿٨﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ

ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے ف۶ ان لوگوں سے پہلے نوح کی قوم والے تکذیب

فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ﴿٩﴾ فَدَعَا رَبَّهُ

کر چکے ہیں، سو انہوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ مجنون ہیں اور (نوح کو) دھمکی بھی دی گئی ف۷

أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ ﴿١٠﴾ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ

اس پر انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں درماندہ ہوں سو تو بدلہ لے لے ف۸ سو ہم نے آسمان کے دروازے کھول

مُّنْهَمِرٍ ﴿١١﴾ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ

دیئے بکثرت برسنے والے پانی سے، اور زمین میں چشمے چھوڑ دیئے سو پورا پانی مل گیا اُس کام کے لئے

اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾

جو تجویز ہو چکا تھا و۹ اور ہم نے نوح کو سوار کر دیا تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر

تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ

جو ہماری نگرانی میں رواں تھی و۱۰ (یہ سب) انتقام میں اس شخص کے تھا جس کا انکار کیا گیا تھا و۱۱ اور ہم نے اس واقعہ کو نشان

اٰیَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾

(عبرت) کے طور پر رہنے دیا سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا و۱۲ سو (دیکھو) میرا عذاب اور میری تنبیہیں کیسی ہیں؟ و۱۳

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾ كَذَّبَتْ

اور ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ و۱۴ عاد نے بھی

عَادٌ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ

تکذیب کی، سو (دیکھو) میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی رہیں؟ ہم نے اُن پر ایک

رِیْحًا صَرْصَرًا فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنْزِعُ

تند ہوا مسلط کی ایک دائمی نحوست کے دن و۱۵ لوگوں کو (اس طرح) اکھاڑ پھینکتی تھی

النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَیْفَ كَانَ

کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں و۱۶ سو (دیکھو) میرا

عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ

عذاب اور میری تنبیہیں کیسی رہیں؟ اور قرآن کو ہم نے آسان کر دیا ہے نصیحت حاصل کرنے کو، سو ہے کوئی نصیحت حاصل

مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ ع كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوْۤا اَبَشَرًا مِّنَّا

کرنے والا و۱۷ ثمود نے بھی تنبیہ کرنے والوں کی تکذیب کی، اور بولے کہ کیا ہم اپنے ہی ہم جنس

وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِیَ

ایک انسان کی پیروی کریں اور وہ بھی اکیلا پھر تو ہم نرے بیوقوف اور مجنون ٹھہرے و۱۸ کیا ہم سب میں سے

ع ۲۲/۸

و۹ اور وہ امر مقدر یا تجویز شدہ کیا تھا؟ منکروں، سرکش منکروں کی غرقابی فَفَتَحْنَا ...... مُّنْهَمِرٍ۔ یعنی اوپر آسمان سے بھی خوب بارش ہوئی۔ وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا۔ یعنی ادھر زمین کے بھی سوتے ابل پڑے۔ فَالْتَقَى ...... قُدِرَ۔ غرض یہ کہ اوپر کے پانی اور نیچے کے پانی دونوں نے مل ملا کر خدائی منصوبہ کی تکمیل کر دی۔ قصہ طوفان نوح پر مفصل حاشیے سورۂ ہود (پ۱۲) میں گزر چکے۔ و۱۰ (اور اس لئے ہر قسم کے گزند و آفت سے معجزانہ طور پر محفوظ تھی) حَمَلْنٰهُ۔ کشتی میں حضرت نوح کے ساتھ ساتھ ان کے متبعین مؤمنین بھی سوار تھے۔ ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ۔ آہنی آلات سے چرے ہوئے چوبیں تختے اور لوہے کی بنی ہوئی ڈھلی ہوئی کیلیں اور باقاعدہ کشتی سازی یہ سب شہادتیں ہیں اس امر کی کہ قوم نوح ایک اچھی مہذب و متمدن قوم تھی۔ و۱۱ (اور جس کے لائے ہوئے پیام کو جھٹلایا گیا تھا) اس پیام کا جزء اعظم توحید تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت اس امر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبولین کی طرف سے بھی انتقام لے لیا کرتا ہے۔ و۱۲ (عبرت و موعظت کے ان کھلے ہوئے مضامین کو سن کر) وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰیَةً۔ یہ نشان عبرت محفوظ کر دیا گیا لوگوں کے حافظہ میں، تاریخ کے اوراق میں۔

و۱۳ یعنی میرا وعدۂ عذاب کیسا پورا ہو کر اور نفس عذاب کیسا واقع ہو کر رہا۔

و۱۴ (عبرت و موعظت کے ان کھلے ہوئے مضامین کو سن کر) وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ۔ یَسَّرْنَا۔ سے اشارہ اس حقیقت کی جانب ہو گیا کہ یہ محض توفیق و احسان الٰہی ہے، جس نے قرآن کو آسان کر دیا ہے، ورنہ یہ چیز انسانی فہم و دماغ کے بس کی نہ تھی۔ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ۔ لِلذِّكْرِ کی قید نے اسے صاف کر دیا کہ قرآن مجید آسان تو بے شک ہے، لیکن صرف عبرت و تذکیر، ترغیب و ترہیب کے اعتبار سے۔ استنباط مسائل بجائے خود ایک مستقل و دقیق فن ہے۔ ملکۂ خصوصی و مہارت تحقیقی کا محتاج۔ و۱۵ (ایسی مستقل و پائدار نحوست ان کے حق میں لے کر، کہ پھر وہ عذاب الٰہی ان سے زندگی بھر بھی نہ ٹلا۔ بلکہ بعد موت بھی انہیں عذاب آخرت کے حوالہ کرے گا) یَوْمِ۔ مراد مطلق زمانہ سے ہے۔ کوئی ایک متعین و محدود مدت مراد نہیں۔ و۱۶ اس طوفانی آندھی نے اس مضبوط و تنومند، توانا اور جسیم و ضخیم قوم کو یوں اٹھا اٹھا کر پٹخا جیسے کسی تیز و تند آندھی کے اثر سے بڑے بڑے کھجوروں کے جمے جمائے ہوئے تنے دور دور جا کر گرتے ہیں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس قرآنی تشبیہ میں علاوہ ان لوگوں کے پھینکے جانے کے اشارہ ان کے قوی جسموں اور طویل قامتوں کی طرف بھی نکلتا ہے۔ قوم عاد کی ہلاکت و بربادی کا ذکر کئی بار آ چکا ہے۔ حاشیے بار بار گزر چکے۔

و۱۷ بڑا ہی بدنصیب ہے وہ جو قرآن مجید کے پر عبرت و سبق آموز قصوں سے گزرے اور محض گزرتا چلا جائے، ان سے انجام بینی کے سبق نہ حاصل کرے۔

و۱۸ یعنی یہ کوئی دیوی دیوتا ہوتا، کوئی خدائی اوتار ہوتا، جب تو خیر ایک بات بھی تھی۔ لیکن جب یہ کچھ بھی نہیں، اپنے ہی ہم جنس، اپنے ہی جیسے ایک انسان کے پیچھے لگ جانا، اس کی راہ پر چل پڑنا، اور پھر وہ انسان بھی کیسا، نہ اس کے ساتھ کوئی کر و فر نہ کوئی جاہ و شکوہ، یہ بھی بھلا عقل کی کوئی بات ہے؟ ساری دنیا ہمیں کیسا اُلو بنائے گی! اَبَشَرًا مِّنَّا۔ پیمبر کی یہ بشریت ہی سب سے بڑی رکاوٹ، مشرکوں اور شرک پیشہ لوگوں کے قبول حق کی راہ میں رہی ہے۔

اَلْذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾

اسی پر وحی نازل ہوئی ہے؟ بلکہ یہ بڑا جھوٹا ہے، شیخی باز ہے ف۱۹

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا

انہیں عنقریب کل ہی معلوم ہوا جاتا ہے کہ بڑا جھوٹا اور شیخی باز کون تھا ف۲۰ ہم اونٹنی کو ظاہر

النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَ نَبِّئْهُمْ اَنَّ

کرنے والے ہیں اُن کی آزمائش کے لئے سو انہیں دیکھتے بھالتے رہنا اور صبر سے بیٹھے رہنا، اور خبر دے دینا کہ

الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا

پانی اُن کے درمیان بانٹ دیا گیا ہے ہر ایک باری پر باری والا حاضر ہوا کرے ف۲۱ پھر انہوں نے

صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ

اپنے رفیق کو بلایا، سو اُس نے (اس پر) وار کیا اور (اس کو) ہلاک کر ڈالا، سو دیکھو میرا عذاب اور

وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا

میری تنبیہات کیسی رہیں؟ ہم نے اُن پر ایک ہی نعرہ مسلط کیا سو وہ ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی باڑ

كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ

لگانے والے کا چورا ف۲۲ اور ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے نصیحت حاصل کرنے کے لئے، سو ہے کوئی

مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۢ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا

نصیحت حاصل کرنے والا؟ لوط کی قوم نے ڈرانے والوں کی تکذیب کی، ہم نے اُن پر

عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ لا

پتھر برسائے، بجز خاندان لوط کے کہ انہیں صبح تڑکے بچا لیا

نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ

اپنی طرف سے فضل کر کے ف۲۳ جو شکر کرتا ہے اُسے ہم صلہ ہی ایسا دیا کرتے ہیں ف۲۴ اور

ف۱۹ (جو شیخی کے مارے باتیں ایسی بڑائی کی کرتا ہے کہ اسے سرداری مل جائے) اللہ اللہ! یہ پیمبر کا درجہ ہے۔ منکروں، مسخ شدہ ذہنیت والے منکروں کی نظر میں!۔۔ شیطان کے تسلط کے بعد کوئی حد ہی انسان کی سخافت فکر کی نہیں رہ جاتی! ف۲۰ غَدًا۔ مراد "مرتے ہی" ہے۔ دنیوی عذاب کی آمد بھی مراد ہو سکتی ہے۔ مقصود بہرصورت متوقع عذاب کی تاکید وتیقن ہے۔ عند نزول العذاب بھم او یوم القیامة (مدارک) اَلْكَذَّابُ۔ جھوٹے اور سخت جھوٹے یہ لوگ ثابت ہوں گے بلحاظ انکار توحید ورسالت کے۔ اَلْاَشِرُ۔ شیخی باز یہ لوگ ثابت ہوں گے اس لحاظ سے کہ انہیں نبی کے اتباع میں عار آتا تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اصلاح سے مایوس ہو جانے کے بعد اہل طریق بھی اسی طرز پر معاندین کو جواب دیتے ہیں۔ ف۲۱ یعنی اونٹنی اپنی باری پر پانی پینے آئے اور لوگوں کے جانور اپنی باری پر۔ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ۔ یعنی ہم اونٹنی کا ظہور بطور معجزہ کے کرینگے۔ حضرت صالح اور قوم ثمود کا ذکر اوپر کئی بار آ چکا۔ اور حاشیے بھی بار بار گزر چکے۔ ف۲۲ یعنی جیسے مواشی وغیرہ سے حفاظت کے لئے کھیت کے گرد کانٹوں کی باڑ لگا دیتے ہیں اور چند روز بعد وہ سب چورا چورا ہو جاتی ہے، بس اسی طرح پر وہ پُر قوت و پُر عظمت قوم ہلاک و برباد ہو کر رہی۔۔ تشبیہ خاص عربوں کے مذاق کی ہے جسے وہ خوب اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ ف۲۳ یعنی انہیں بستی سے باہر نکال کر عذاب سے محفوظ کر دیا۔ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ۔ عذاب سے محفوظ صرف خاندان لوط رکھا گیا۔ لیکن نہ اس لئے کہ وہ لوگ نبی کے خاندان سے تھے بلکہ اس لئے کہ وہی لوگ تو ایمان لائے اور نبی کی تصدیق کرنے والے تھے ورنہ اگر محض اس خاندان سے ہونا محفوظیت کے لئے کافی ہوتا تو خود زوجہ حضرت لوط کیوں مبتلائے عذاب ہوتیں۔ بِالنُّذُرِ۔ نذر۔ نذیر کی جمع اور مراد پیمبر کی توجیہ، محض حضرت لوط کی تکذیب کی بنا پر یہ ہو سکتی ہے کہ ایک پیمبر کی تکذیب سارے پیمبروں کی تکذیب کو مستلزم ہے۔ ف۲۴ یعنی اپنے قہر وعذاب سے بچا لیا کرتے ہیں۔ مَنْ شَكَرَ۔ شکر ادا کرنے سے یہاں مراد ایمان لانے سے ہے۔

اَنۡذَرَهُمۡ بَطۡشَتَنَا فَتَمَارَوۡا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدۡ رَاوَدُوۡهُ عَنۡ

لوط نے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا تھا، سوانہوں نے (اس) ڈرانے میں جھگڑے نکالے و۲۵ اور انہوں نے لوط سے

ضَيۡفِهٖ فَطَمَسۡنَاۤ اَعۡيُنَهُمۡ فَذُوۡقُوۡا عَذَابِىۡ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾

اُن کے مہمان کو بارادہ بدلے لینا چاہا، تو ہم نے اُن کی آنکھیں پٹ کر دیں کہ لو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو،

وَلَقَدۡ صَبَّحَهُمۡ بُكۡرَةً عَذَابٌ مُّسۡتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوۡقُوۡا

اور صبح سویرے ہی اُن پر عذاب دائمی آ پہنچا کہ لو میرے عذاب

عَذَابِىۡ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ

اور ڈرانے کا مزہ چکھو اور ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے نصیحت لینے کو سو ہے کوئی نصیحت

مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدۡ جَآءَ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوۡا

لینے والا؟ اور فرعون والوں کے پاس ڈرانے کی (بہت سی) چیزیں پہنچیں و۲۶ انہوں نے ہماری

بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذۡنٰهُمۡ اَخۡذَ عَزِيۡزٍ مُّقۡتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمۡ

ساری نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے (انہیں) زبردست صاحب قدرت کی پکڑ پکڑی و۲۷ تو کیا تمہارے (زمانہ کے) کافر

خَيۡرٌ مِّنۡ اُولٰٓئِكُمۡ اَمۡ لَكُمۡ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ

ان اگلے لوگوں سے کچھ بہتر ہیں؟ یا تمہارے لئے (آسمانی) نوشتوں میں کوئی معافی (درج) ہے؟ و۲۸ یا یہ لوگ یہ کہتے ہیں

نَحۡنُ جَمِيۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَيُوَلُّوۡنَ

کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہی رہیں گے؟ و۲۹ (سو) عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر

الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوۡعِدُهُمۡ وَالسَّاعَةُ اَدۡهٰى

بھاگیں گے و۳۰ لیکن ان کا (اصل) وعدہ تو قیامت (کے دن) کا ہے اور قیامت بڑی سخت

وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اِنَّ الۡمُجۡرِمِيۡنَ فِىۡ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوۡمَ

اور ناگوار چیز ہے۔ (یہ) مجرمین بڑی غلطی اور بے عقلی میں (پڑے ہوئے) ہیں جس روز

ع ۱۸

وقف لازم

و۲۵ (جیسا کہ ہر شریر و سرکش قوم نکالتی ہی رہتی ہے۔ فَتَمَارَوۡا بِالنُّذُرِ۔ یعنی کسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہات پر یقین نہ کیا اور ان میں برابر حجتیں ہی نکالتے رہے۔ و۲۶ ڈرانے کی متعدد چیزوں سے مراد حضرت موسٰی و ہارون علیہما السلام کے ارشادات بھی ہیں جو منذر تشریعی تھے اور معجزات بھی جو منذرات تکوینی تھے۔ و۲۷ یعنی قہر و غلبہ کے ساتھ پکڑا جس کے دفع کرنے پر کوئی بھی قادر نہ ہو سکا۔ عَزِيۡزٍ مُّقۡتَدِرٍ۔ زبردست اور قدرت والا۔ ظاہر ہے کہ حق تعالٰی سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے؟ چنانچہ اسی مناسبت سے اس کی گرفت بھی سخت اور بے پناہ رہی۔ بعض مشرک جاہلی قوموں نے خدا کو خدا مان کر بھی صفات قہر و غضب سے محروم و معرّٰی تسلیم کیا ہے۔ عزیز و مقتدر۔ جیسے صفاتی نام لانے سے ایک مقصود ان غلط عقائد کی تردید بھی ہے۔ و۲۸ (اس لئے ہر کفر و شرک کے باوجود عذاب سے محفوظیت بھی) اکفارکم۔ خطاب اہل عرب سے ہے۔ یا معشر العرب (بیضاوی) الخطاب مع اهل مكة (کبیر) اُولٰٓئِكُمۡ۔ یعنی تمہارے وہ لوگ جن کی سزاؤں کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔ یعنی من الذين تقدم ذكر هم ممن اهلكوا بسبب تكذيبهم الرسل وكفر هم بالكتب (ابن کثیر) اَكُفَّارُكُمۡ خَيۡرٌ مِّنۡ اُولٰٓئِكُمۡ۔ یعنی کیا یہ آج کل کے کافر ارتکاب جرم کرتے رہیں گے۔ اور پھر بھی ان میں کوئی ایسی بات ہے جس سے یہ سزایابی سے بچے رہیں گے؟ و۲۹ (ہمیشہ اور ہر حال میں) مطلب یہ ہوا کہ ان تین شقوں میں سے یہ کون سی شق اپنے لئے فرض کئے ہوئے ہیں؟ و۳۰ سو اس طرح تینوں احتمالات کا کذب عنقریب اسی دنیا میں ظاہر ہو کر رہے گا۔ ریاست مکہ کے عین شباب، قوت اور غلبہ کے سارے ظاہری آثار و قرائن کے وقت ایک بظاہر بالکل بے یار و یاور شخص کی زبان سے ایسی زبردست پیشگوئی کا ادا ہونا اور پھر اس کا لفظ بلفظ پورا ہو جانا اعجاز قرآنی کے دلائل میں سے ایک زبردست دلیل ہے۔

يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ

یہ لوگ اپنے چہروں کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے، تو اُن سے کہا جائے گا کہ دوزخ کے لگنے کا

سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا

مزہ چکھو ہم نے ہر چیز کو (ایک خاص) انداز سے پیدا کیا ہے ف۳۱ اور ہمارا حکم بس ایسا

وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ

یک بیک ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکا، ف۳۲ اور ہم تمہارے ہم طریقہ لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں،

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ

سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ ف۳۳ اور جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں وہ (سب) نوشتوں میں (درج) ہے، اور ہر

صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ

چھوٹی اور بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے ف۳۴ جو پرہیزگار ہیں ان باغوں اور نہروں کے

وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

درمیان ہوں گے، ایک اعلیٰ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے نزدیک ف۳۵

آیاتہا ۷۸ ۵۵ سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ ۹۷ رکوعاتہا ۳

اس کی اٹھتر آیتیں سورۂ رحمٰن مدینہ میں نازل ہوئی اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ

خدائے رحمٰن ہی نے قرآن کی تعلیم دی ف۱ اسی نے انسان کو پیدا کیا، اُس کو

الْبَيَانَ ﴿۴﴾ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿۵﴾ وَّالنَّجْمُ

گویائی سکھلائی ف۲ سورج اور چاند تک حساب کے (پابند) ہیں ف۳ اور سبزیاں

ف۳۱ (اور اسی انداز معین ومقرر میں تعین زمان بھی شامل ہے جب علم الٰہی کے مطابق وقت مناسب آئے گا اس وقت قیامت لازماً واقع ہو کر رہے گی نہ کہ اس کے قبل) اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ۔ مجرموں سے مراد یا تو مشرکین ہیں، یا وہ سارے فرقے جو یوم آخرت کی طرف سے تردد وارتیاب میں پڑے ہوئے ہیں۔ المشرکین (معالم) ھذا یشتمل کل من اتصف بذلک من کافر و مبتدع من سائر الفرق (ابن کثیر) اِنَّ...... سُعُرٍ۔ دنیا کی کوئی حماقت ونافہمی اس سے بڑھ کر اور ہو کیا سکتی ہے کہ جو چیز سب سے زیادہ قطعی اور یقینی ہے۔ انسان اس کی طرف سے غافل وبے فکر رہے۔ ف۳۲ عام فہم انسانی میں وقت کی جو قلیل سے قلیل اور مختصر ترین مدت آسکتی ہے وہ یہی آنکھ کی جھپک ہے۔ اور اسی لئے قرآن مجید نے بھی اسی چلے ہوئے انسانی محاورہ کو استعمال کیا ہے ورنہ امر الٰہی کی حقیقی سرعت کا اندازہ تو انسان غریب نہ خود کر سکتا ہے نہ اس کے بنائے ہوئے آلات پیمائش وقت۔ ف۳۳ (اے کافرو تم میں سے) مطلب یہ ہوا کہ جب طریق زندگی آج کے کافروں اور پچھلے منکروں میں مشترک ٹھہرا۔ تو عذاب بھی پچھلوں پر یقیناً اگلوں ہی کا سا آکر رہے گا۔ اَشْيَاعَكُمْ۔ یعنی پرانی قوموں میں سے جو تمہاری ہی مشابہ قومیں گزری ہیں۔ ای اشباھکم من الامم (مدارک) ف۳۴ (اور یہ نہیں کہ کچھ لکھا گیا ہو اور کچھ رہ گیا ہو) فِي الزُّبُرِ۔ یعنی اعمالناموں میں۔ ای مکتوب فی کتب الحفظۃ (بیضاوی) فی دواوین الحفظۃ (بحر) یہ نوشتوں کا پیش ہونا ثبوت جرم کی مزید اکملیت کے لئے ہوگا ورنہ ثبوت کی قطعیت کے لئے تو محض علم الٰہی کافی ہے۔ ف۳۵ یہ بشارت مزید ہے کہ جنت میں اور ساری مادی اور روحانی نعمتیں اور لذتیں تو خیر ہوں ہی گی۔ ان سب کے ساتھ دولت قرب بھی حاصل ہوگا۔ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ۔ یعنی اعلیٰ درجہ کے دلپسند وخوشگوار مقام میں۔ فی مکان مرضی (بیضاوی) عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ۔ دنیا میں تجربہ ہے کہ جو بادشاہ جتنا بڑا اور پرقوت، اتنا ہی اس کا قرب بھی باعث نفع ولذت چہ جائیکہ اس ملک الملوک، شہنشاہ اعظم ومليک مقتدر کا قرب! کلما کان الملک اشد اقتدارًا کان التقرب منہ اشد التذاذًا (کبیر) عِنْدَ۔ قرب الٰہی سے مراد قرب معنوی ہے نہ کہ قرب مادّی۔ والمراد منہ قرب المنزلۃ والشان لا قرب المادۃ والمکان (کبیر) عندیۃ منزلۃ و کرامۃ لا مسافۃ ومماسۃ (مدارک) نَهَرٍ۔ اسم جنس ہے صورۃً واحد۔ معنیً جمع۔ نھر فی معنی الجمع لکونہ اسم جنس (کبیر)

ع ۳ ۱۰

ف۱ اور قرآن چونکہ سرتاسر رحمت اور فلاح دنیوی واخروی دونوں کے لئے بہترین ہدایت نامہ اور جامع ترین دستور العمل ہے اس لئے اس کا نزول اور انسان کو اس کی تعلیم بھی شان رحمانیت کا سب سے بڑا مظہر ہے اور اسی مناسبت سے سورت کی ابتداء اسی کے ذکر سے ہو رہی ہے۔ ف۲ نطق وبیان کی نعمت تکوینی حیثیت سے بہت بڑی نعمت ہے۔ انسانیت کے لئے بھی مایۂ شرف اور حیوانیت وانسانیت کے درمیان یہی فارق ہے۔ منطقیوں اور فلسفیوں نے انسان کی تعریف ہی جو حیوان ناطق سے کی ہے وہ سب اسی جانب مشیر ہے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ۔ انسان کا مقصد تخلیق چونکہ اسلام میں بہترین وبرترین اخروی نعمتوں سے سرافراز ہونا ہے اس لئے انسان کا خلعت وجود سے مشرف ہونا بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ دو لفظی آیت سے اور بھی متعدد تعلیمات نکلتی ہیں:۔ (۱) ایک یہ کہ انسان خود بخود وجود میں نہیں آگیا۔ کسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ (۲) پیدا کیا ہوا بھی خدائے رحمٰن کا ہے۔ اس لئے اس کی خلقت سرتاسر رحمت وحکمت ہی کا ثمرہ ہے۔ (۳) انسان اپنے خالق ورب سے متحد نہیں۔ اس کا مخلوق ہے۔ ف۳ یہ نمایاں ترین اور روشن ترین اجرام فلکی دن اور رات، ماہ وسال کے وجود میں لانے والے اور فصل وموسم کے تغیرات پیدا کرنے والے، اپنی رفتار میں طلوع وغروب میں گھٹاؤ، بڑھاؤ میں، ہر چیز میں خود ایک باقاعدہ حساب اور پورے ضابطہ کے پابند ہیں اور دیوی دیوتا بننے کی صلاحیت کا شائبہ ہی نہیں رکھتے۔ پرانی تحقیق یہ تھی کہ آفتاب زمین کے گرد گردش کرتا ہے۔ نئی تحقیق یہ ہے کہ آفتاب کسی اور مدار کے گرد گردش کر رہا ہے۔ بہرصورت اس کی نفس گردش اور کسی ضابطہ گردش کی پابندی مسلم ہے اور قرآن کی غرض صرف اسی حقیقت پر توجہ دلانا ہے۔

ف۴ (اور اسی کے قوانین تکوینی کے آگے سربجود) یَسْجُدٰنِ ۔سجدہ کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ یہاں اصطلاحی سجدۂ شرعی نہیں، محض انقیاد تکوینی مراد ہے۔ای ینقاد ان للہ تعالیٰ (مدارک) وَالنَّجْمُ ۔ نجم۔ وہ پودا جس میں تنا نہ ہو، مثلاً گھاس، ترکاریاں، بیلدار درخت۔ شرک کا ایک بڑا مظہر دنیا میں شجر پرستی اور نباتات پرستی بھی رہا ہے۔ آیت اس کی جڑ کاٹ رہی ہے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۵ اور اتنا اونچا کہ انسانی عمارتیں، اور اونچے سے اونچے مینار و گنبد اور اونچے سے اونچے پہاڑ اور ہوائی جہازوں کی پرواز اس میں بآسانی وبفراغت تمام سما جاتے ہیں۔ آسمان بھی کوئی دیوی دیوتا نہیں جیسا کہ ساری قدیم متمدن مشرک قومیں سمجھتی رہی ہیں) بلکہ اللہ ہی کی دوسری مخلوقات کی طرح ایک مخلوق اور اس کی صنعت گری کا بہترین آئینہ دار ہے اور بس۔ ف۶ (اور اسی طرح معاملت کے ہر شعبہ میں پوری احتیاط برتو) وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۔ یعنی زمین میں ایسی کارآمد چیز ایجاد کردی۔ ذرا خیال تو کیجئے کہ آج اگر انسان کے پاس بڑی اور چھوٹی، بھاری اور ہلکی چیزوں کے وزن کرنے کا آلہ موجود نہ ہوتا تو تجارت اور تجارتی منڈیاں درآمد برآمد، خرید و فروخت بیوپار اور ساہوکارہ، تھوک فروشی اور خوردہ فروشی بازار اور اس کی دوکانیں، غرض یہ کہ سارا کاروبار اور کاروباری تمدن کا کہیں بھی وجود ہوتا؟ الْمِيْزَانَ ۔میزان کے معنٰی عدل کے بھی کیے گئے ہیں۔قیل المراد من المیزان العدل و وضعہ شرعہ (کبیر) تجارت اور تجارتی معاملات میں تقویٰ، دیانت واحتیاط کی اہمیت اسی ایک

وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝۶ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ

اور درخت دونوں (اُسی کے) مطیع ہیں ف۴ اور آسمان کو اُسی نے اونچا کیا ف۵ اور اُسی نے ترازو

الْمِيْزَانَ ۝۷ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝۸ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ

وضع کر دی کہ تم تولنے میں گڑبڑ نہ کرو اور وزن کو ٹھیک رکھو

بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝۹ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا

انصاف کے ساتھ اور تول کو گھٹاؤ مت ف۶ اور اُسی نے زمین کو خلقت کے واسطے

لِلْاَنَامِ ۝۱۰ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝۱۱

رکھ دیا ف۷ کہ اُس میں میوے ہیں اور غلاف دار کھجور کے درخت ہیں

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝۱۲ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

اور (اس میں) غلہ بھی بھوسہ والا اور (اور) غذا کی چیز بھی ف۸ سو تم (اے جن و انس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ۝۱۳ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝۱۴

جھٹلاؤ گے؟ ف۹ اُسی نے انسان کو پیدا کیا (ایسی) مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝۱۵ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

اور جنات کو پیدا کیا خالص آگ سے ف۱۰ سو تم (اے جن و انس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ۝۱۶ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝۱۷ فَبِاَيِّ

جھٹلاؤ گے؟ ف۱۱ وہ دونوں مشرقوں کا پروردگار ہے اور وہی دونوں مغربوں کا پروردگار ف۱۲ سو تم (اے جن و انس)

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۸ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝۱۹

اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اُسی نے دو دریاؤں کو ملایا کہ باہم ملے ہوئے بھی ہیں

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝۲۰ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۲۱

(اور) دونوں کے درمیان ایک حجاب (بھی) ہے کہ دونوں (آگے) بڑھ نہیں سکتے ف۱۳ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں

حکم سے ظاہر ہے — عالم کے فلاح و بہبود کا مدار بڑی حد تک اسی حکم کی تعمیل پر ہے۔ ف۷ یعنی خلقت کے نفع و خدمت کے لئے۔ زمین تو خود انسان کے کام میں آنے کے لئے ہے نہ یہ کہ انسان اپنی جہالت سے الٹی اس کی پرستش شروع کر دے، اور دھرتی مائی وغیرہ کسی دیوی کی پوجا کرنے لگے۔ ف۸ (اور یہ سب نعمتیں انسان ہی کے کام میں آنے کے لئے ہیں، مراد ہر قسم کے نباتات، میوہ جات، پھل پھلاری، ترکاریاں وغیرہ ہیں) — قرآن مجید نے ان مادّی، حِسّی، غذائی نعمتوں کو نعمتوں ہی کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ باطل اور مسخ شدہ مذہبوں کے زیر اثر ان نعمتوں کی تحقیر کرنا، یا اپنے کو ان سے ماوراء اور مافوق سمجھنا کفرانِ نعمت کی ایک فرد ہے۔ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۔جس طرح غلہ انسان کی غذا ہے، بھوسی بھوسہ گھاس وغیرہ جانوروں کی غذائیں ہیں۔ اور اس طرح بالواسطہ وہ بھی انسان ہی کے کام کی ہیں۔ الرَّيْحَانُ ۔ریحان کے دوسرے معنی خوشبودار پھول کے بھی ہیں۔ گویا یہ ارشاد ہوا کہ زمین سے ایسی چیزیں بھی نکلتی ہیں جو گو براہ راست غذا میں نہیں کام آتیں۔ پھر بھی انسان ان سے خوشبو وغیرہ کا کام لیتا ہے۔ ف۹ (اور نعمتوں کے حقوق کی ادائی یہی ہے کہ منعم کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ اور دنیا میں اس کے قانون کے نفاذ میں مدد دی جائے) یہ خاص آیت اس سورت میں ۳۱ بار آئی ہے اور ہر بار ایک نئے سیاق میں اور نعمت کے ایک نئے مصداق کے ساتھ اس لئے تکرار صرف صوری ہے معنوی نہیں۔ لیکن بالفرض معنوی بھی ہوتی تو ظاہر ہے کہ جب اہل زبان نے اسے فصاحت زبان اور سلاستِ بیان میں مخل نہ سمجھا بلکہ اس میں ممد و معاون سمجھا اور اس کا شمار خاص ادبی صنعتوں میں کیا تو عربی ادب کے اس ہنر اور حسن کو اردو یا انگریزی یا ہندی یا چینی یا کسی بھی اور زبان و ادب کے معیار سے دیکھنا اور جانچنا جہل صریح نہیں تو اور کیا ہے؟ اور پھر اس کی نظیر سے تو نہ دنیا کے ادبی ذخیرے خالی ہیں نہ دنیا کے مذہبی نوشتے — دنیا کے ادیبانہ خطبات سے قطع نظر خاص کتاب زبور میں جو مناجات ۱۳۶ پر ۲۶ آیتوں کی ہے اس میں ایک خاص فقرہ ’’کہ اس کی رحمت اب تک ہے‘‘ کی تکرار بھی ۲۶ ہی بار آئی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نعمتوں کی جمیع اقسام سے نفع اٹھانا تو خود مطلوب و مقصود ہے اور نہ زہد کے منافی ہے نہ تعلق مع اللہ کے مانع۔ جیسا کہ بعض اہل تقشف نے سمجھ رکھا ہے۔ ف۱۰ انسان اور جن کا مخلوق کی دو ۲ مختلف نوعیں ہونا یہاں جس صراحت سے مذکور ہے اس کے آگے صراحت کا کوئی اور درجہ ہو کیا سکتا ہے۔ حیرت اور اس سے زیادہ افسوس کا مقام ہے کہ ایسی ایسی متعدد قرآنی صراحتوں کے باوجود بعض باطل فرقوں کی کوششیں اب بھی جاری ہیں کہ جس طرح بھی کھینچ تان کر اور لغت اور نصوص قرآنی سے جس طرح بھی کشتی لڑ لڑ کر ممکن ہو جنات کو انسان ہی کی ایک قسم ثابت کر دکھائیں! — اس لئے اور محض اس لئے کہ فرنگیوں کو ابھی تک اپنی کسی تحقیق سے وجود جنات کا ثبوت نہیں ملا ہے! اکبر الٰہ آبادی کیا خوب فرما گئے ہیں ۔ کیونکر خدا کے عرش کے قائل ہوں یہ عزیز۔ جغرافیہ میں عرش کا نقشہ نہیں ملا! ف۱۱ جن مادّی روحانی نعمتوں کا ذکر اس سیاق و سباق میں چل رہا ہے اس سے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جنات بھی ان سے اسی طرح مستفید ہو رہے ہیں جس طرح انسان۔ ف۱۲ مشرقین و مغربین۔ کے صیغۂ تثنیہ سے مراد چاند اور سورج کے طلوع ہونے والے دو ۲ افق اور انہیں دونوں کے غروب ہونے والے دو ۲ افق ہیں۔ای مشرق الشمس والقمر و مغربھما (کبیر) محض سورج ہی کے دو ۲ مشرق اور دو ۲ مغرب (جاڑے اور گرمی کی فصلوں کی مناسبت سے) بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ ای مشرق الشتاء ومشرق الصیف (کبیر) ف۱۳ ماہرینِ فن کا بیان ہے کہ سطح زمین کے نیچے پانی کے دو مستقل نظام جاری ہیں۔ ایک سلسلہ آب شور کا ہے جو سمندروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرا سلسلہ آب شیریں کا ہے جو عموماً کنوئیں، دریاؤں، جھیلوں سے نکلتا رہتا ہے۔ کائنات انسانی کے واسطے دونوں اپنی اپنی جگہ نہایت ضروری ہیں۔ آیت میں اس حکمت و صنعت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ دونوں نظام پوری طرح قائم بھی ہیں اور پھر ایک دوسرے سے گڈمڈ اور مدغم نہیں ہونے پاتے۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الفرقان (پ۱۹) کے حاشیے۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

کو جھٹلاؤ گے؟ ان دونوں سے موتی اور مونگا برآمد ہوتے ہیں وسما سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾

جھٹلاؤ گے؟ اور اسی کے اختیار میں ہیں جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہیں وہا

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ زمین پر جو بھی ہیں سب فنا ہونے والے ہیں،

وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

اور صرف آپ کے پروردگار کی ذات، عظمت واحسان والی، باقی رہ جانے والی ہے و۱۶ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اسی سے سب آسمان اور زمین والے طلب کرتے ہیں

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾

وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے و۱۷ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾

سو ہم عنقریب اے جن وانس تمہارے لئے فارغ ہوئے جاتے ہیں و۱۸ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا

اے گروہ جن و انس اگر تمہیں یہ قدرت ہے کہ آسمانوں

مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ

اور زمین کے حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو نکل دیکھو (لیکن) بغیر زور کے نکل

اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ يُرْسَلُ

سکتے ہی نہیں ہو و۱۹ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ تم (دونوں) پر

النصف ع ۲۵ / ۱۱

و۱۴ موتی اور مونگے دونوں کے تجارتی، طبی، معاشی، معاشری منافع اور ان کے وجود کا نعمت میں سے ہونا بالکل ظاہر ہے۔ قرآن مجید کا ان قیمتی اور بحری موجودات کا محل نعمت میں ذکر کرنا خود اس امر پر ایک دلیل ہے کہ اسلام نہ کوئی خشک وزاہدانہ وراہبانہ اور تمدن بیزار مذہب ہے اور نہ یہ دین صرف صحرائے عرب کے باشندوں کی ضروریات تک کے لئے محدود ہے۔ مِنْهُمَا۔ اس ضمیر تثنیہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں چیزیں دونوں ہی نظامات آبی میں موجود ہوں۔ دونوں کے صرف مجموعہ میں ان کا موجود ہونا بالکل کافی ہے۔ و۱۵ جہازوں کے بھی تمدنی، معاشری، سیاسی، تجارتی منافع بالکل ظاہر ہیں ــــ قرآن مجید نے بحری تجارت کو بار بار سراہا ہے۔ کہیں صراحۃً اور کہیں دلالۃً وتضمناً۔ اور یہاں تو جہازوں سے جو اور کام بھی لئے جاسکتے ہیں، جنگی اغراض، تفریحی اغراض، جغرافی اغراض وغیرہا ان سب کی طرف اشارہ آگیا ہے۔ كَالْاَعْلَامِ۔ اس تشبیہ سے یہ بھی صاف ہوگیا کہ قرآن مجید کے پیش نظر محض معمولی ہلکی کشتیاں، ڈونگی وغیرہ کے قسم کی نہیں، بلکہ بڑے بڑے قد آور بادبانی، دخانی، جنگی جہاز وغیرہ جو بعد کو ایجاد ہوئے۔ یہ سب اس کے پیش نظر تھے۔ قرآن مجید ان ایجادات واختراعات کا مخالف نہیں، صرف ان کے سوء استعمال کا مخالف ہے۔ لَهٗ۔ یہ لاکر یہ جتا دیا کہ ان ایجادات واختراعات کو کہیں غفلت وخدا فراموشی میں پڑکر اپنی ذات کی جانب نہ منسوب کرنے لگنا۔ بلکہ خدا اور آخرت کو یاد رکھ کر یہ سمجھتے رہنا کہ یہ سارے کمالات محض توفیق الٰہی سے مرحمت ہوئے ہیں، اور آخرت میں ان سب کے صحیح مصرف کی بابت جواب دینا ہے ــــ یہ احساس ذمہ داری رکھنے والی قوم کبھی بھی جابر، قاہر، دوسروں کے حق میں غیر عادل ہوسکتی ہے؟ و۱۶ یہاں یہ صاف بتا دیا کہ زمین پر موجودات جتنی اور جس قسم کی بھی ہے، چاہے وہ مادہ ہو، یا روح۔ سب کی سب فانی اور غیر باقی ہے۔ باقی اور قائم ودائم صرف الحی والقیوم کی ذات پاک ہے۔ عَلَيْهَا۔ ضمیر ھا کا الْاَرْض کی طرف راجع ہونا بالکل ظاہر اور غیر اختلافی ہے۔ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ صفت جلال میں اشارہ ہے افناء عالم کی طرف اور صفت اکرام ابقاء کی طرف مشیر ہے جس کا تعلق نشأۃ ثانیہ سے ہے۔ امام رازی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ الجلال کے تحت میں تمام صفات سلبی ونفی حق تعالیٰ کے آگئے۔ اور الاکرام کے ماتحت تمام صفات اثباتی وایجابی۔ وَجْهُ۔ وجہ سے مراد ذات ہوتی ہے اور اس پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔ الوجه يطلق على الذات (کبیر) و۱۷ یعنی کائنات میں تصرفات جو ہر لحظہ اور ہر آن جاری رہتے ہیں۔ یہ نتیجہ ہیں تمام تر اللہ تعالیٰ کی ہمہ وقتی توجہ والتفات کا، یہ ممکن نہیں کہ حق تعالیٰ پر غفلت اور بے التفاتی ایک آن کے لئے بھی طاری ہو ــــ یہیں سے رد نکل آیا ان گمراہ قوموں کا جن کے نزدیک خدا دنیا کو ایک بار پیدا کرکے اب معطل اور اس سے بے تعلق ہو بیٹھا ہے، یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا ایک بار کے عمل تخلیق کے بعد اب معطل ہے۔ اسلام کے عقیدہ میں اس خالق اکبر وقادر مطلق کی کن فیکونی قوت کا ظہور ہر آن ہر لمحہ کائنات کی ادنیٰ سی ادنیٰ حرکت وتصرف میں ہوتا رہتا ہے۔ آگ اس لئے نہیں جلاتی اور پانی اس لئے نہیں دھوتا کہ آگ اور پانی میں کوئی فطری خاصیت جلانے اور دھونے کی موجود ہے، بلکہ صرف اس لئے کہ جلانے اور دھونے کے ہر ہر جزئی واقعہ سے متعلق مشیت کا حکم ہی یہی ہوتا رہتا ہے! اسلام کا خدا اپنی خلاقی اور فعالی کے تجلیات ہر لحظہ اور ہر آن دکھاتا رہتا ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ۔ یوم سے مراد یہ متعارف دن رات نہیں بلکہ مطلق وقت اور اس کا ہر حصہ مراد ہے۔ يَسْئَلُهٗ...... الْاَرْضِ۔ یعنی ساری کی ساری مخلوقات چاہے وہ آسمانی ہو یا زمینی، اپنی اپنی حاجتیں اور مرادیں اسی حق تعالیٰ سے طلب کرتی رہتی ہیں۔ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ کے اطلاق میں حضرات انبیاء کے علاوہ جنات، فرشتے سب ہی آگئے۔ مخلوق کوئی سی بھی ایسی نہیں جو اپنے اپنے مرتبۂ وجود کے لحاظ سے صاحب حاجت نہ ہو، اور حاجت روا سب کا حق تعالیٰ ہی ہے۔ و۱۸ یعنی عنقریب تمہارا حساب وکتاب شروع کرنے والے ہیں۔ سَنَفْرُغُ۔ فراغت یا فارغ ہونے کا لفظ جہاں محاورۂ انسانی کے مطابق محض بطور مجاز ومبالغہ کے استعمال ہوا ہے مراد صرف توجہ تام کو ظاہر کرنا ہے جو انسان کو عموماً دوسرے کاموں سے فراغت کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے ورنہ ذات باری کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس کی ایک مشغولی دوسری طرف توجہ سے مانع ہوجائے۔ سَنَفْرُغُ میں س عنقریب کے معنی میں ہے۔ یعنی اس دنیا کے کاروبار کو ہم عنقریب ختم کرکے دوسرا دور جزائے اعمال کا شروع کرنے والے ہیں۔ ثَقَلٰنِ سے مراد جنس جن وجنس انس ہیں۔ الثقلان الانس والجن لانهما فضلا بالتمييز الذى فيهما على سائر الحيوان (تاج) سميا ثقلين لتفضيل الله تعالىٰ اياهما على سائر الحيوان المخلوق فى الارض بالتمييز والعقل الذى خُصّابه (لسان) و۱۹ (اور وہ زور تمہیں میسر ہے نہیں) مقصود اس سے وقوع حساب کی تاکید ہے یعنی اس کا احتمال ہی نہیں کہ کوئی بچ کر نکل جائے اور جب آج بھی اس کا امکان نہیں تو قیامت میں تو مخلوق کا عجز اور زیادہ ظاہر ونمایاں ہوگا۔

عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾

آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا سو تم نہ ہٹا سکو گے ف۲۰

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاۗءُ

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ غرض جب آسمان پھٹ جائے گا

فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا

اور سرخ ہو جائے گا مثل سرخ نری کے ف۲۱ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ

جھٹلاؤ گے؟ اس روز کسی انسان اور جن سے اس کے جرم کے باب میں

وَّلَا جَاۗنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ

نہ پوچھا جائے گا ف۲۲ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ مجرم لوگ

الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾

تو اپنے حلیہ ہی سے پہچان لئے جائیں گے اور پھر پیشانیوں اور پیروں کے بل پکڑ لئے جائیں گے ف۲۳

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ یہی وہ جہنم ہے جسے مجرم لوگ

بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾

جھٹلاتے رہے تھے ان لوگوں پر پھیرا ہوتا رہے گا اس کے اور گرم کھولتے پانی کے درمیان ف۲۴

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہے اس کے لئے

جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾

دو دو باغ ہوں گے ف۲۵ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (اور وہ باغ بھی) خوب شاخوں والے ف۲۶

وقف لازم ع ۲/۱۲

ف۲۰ مجرموں کا اپنے جرائم کی ناگزیر پاداش سے قبل از وقت مطلع وآگاہ وخبردار ہو جانا بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ توبہ وکفارہ کا موقع ابھی باقی ہے اور اسی لئے قرآن مجید نے اس اطلاع واعلام کا شمار بھی نعمتوں ہی میں کیا ہے۔ ف۲۱ (اور یہ سب قیامت کے دن واقع ہوگا) كَالدِّهَانِ۔ دھان کے مختلف معنی منقول ہوئے ہیں۔ یہاں اتباع حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا کیا گیا ہے۔ قال الضحاک عن ابن عباس الادیم الاحمر (ابن کثیر) قال الکلبی ای کالادیم الاحمر (معالم) ف۲۲ (عالم الغیب کی واقفیت کے لیے کہ اُسے خود ہی سب کچھ معلوم ہے) جس سوال کی یہاں نفی ہو رہی ہے وہ علم واخبار کی غرض سے ہے۔ باقی جو سوال وحساب دوسروں کو معلوم کرائے یا خود مجرم پر حجت قائم کرے یا اسے عار دلائے، یا اُس پر کسی اور نوع سے مزید عذاب کے لیے ہو، ان میں سے کسی کی نفی یہاں مقصود نہیں۔ ف۲۳ (اور طرح طرح کی تعذیب کے ساتھ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے) يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ۔ یعنی منکروں، مجرموں کا چہرہ خود ان کے جرائم کا آئینہ ہوگا، فرشتوں کو کسی مزید تحقیق کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔ صوفیۂ عارفین کی تحقیق ہے کہ ناسوت میں ہر معصیت کے نقوش چہرہ اور سارے جسم پر مرتسم ہو جاتے ہیں۔ اور آخرت میں یہی نقوش جو آج خفی ہیں خوب واضح ونمایاں ہو جائیں گے ۔

سیرتے کو بر نہادت غالب ست
ہم برآں تصویر حشرت واجب است
حشر پُر حرص سگ مردار خوار
صورت خو کے بود روز شمار
زانیاں را گندہ اندام نہاں
خمر خواراں را بود گندہ دہان

(مثنوی مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ)

ف۲۴ یعنی کبھی اس طرح معذب ہوں گے کبھی اس طرح — کبھی انہیں سابقہ دہکتی ہوئی آگ کے عذاب سے پڑے گا اور کبھی کھولتے ہوئے پانی کے عذاب سے۔ ف۲۵ یہ ذکر خواص اُمت اور اعلیٰ متقیوں کا ہے جو برابر ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ وَلِمَنْ ...... رَبِّهٖ۔ جو کوئی حق تعالیٰ کے سامنے حاضری سے ڈرتا ہے اور اُس ڈر سے برابر طاعت حق میں لگا رہے۔ محدثین نے آیت کے ذیل میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے ڈرنے والے کو جنت کی بشارت دی، اس پر صحابی ابو درداء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر ایسا بندہ چوری اور زنا کرے تو بھی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ ہاں بندہ اگر چوری اور زنا کرے تو بھی۔ اس پر صحابی نے حیرت سے دوبارہ وہی سوال کیا۔ مکرر وہی جواب ارشاد ہوا۔ یہاں تک کہ تیسری بار کے سوال کے جواب میں ارشاد ہوا کہ ہاں، چاہے ابو درداء کو کیسا ہی ناگوار گزرے۔ تفصیل حافظ ابن کثیر کی تفسیر میں ملے گی — بندۂ مومن کے لیے اس کی کمزوریوں کے باوجود کیسی کیسی بشارتیں اہلِ حق کے مذہب میں موجود ہیں! ف۲۶ جن کا سایہ بھی خوب گھنا اور گنجان ہوگا، اور جو پھل پھلاریوں سے بھی خوب لدے ہوں گے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان باغوں میں دو دو چشمے بھی بہتے ہی چلے جائیں گے،

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اور ان باغوں میں ہر میوہ کی دو دو قسمیں

زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى

ہوں گی ف۲۷ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ وہ لوگ تکیہ لگائے فرشوں پر

فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَ جَنَا الْجَنَّتَيْنِ

بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے ف۲۸ اور دونوں باغوں کے پھل بہت ہی قریب

دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ

ہوں گے ف۲۹ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اُن (مکانات) میں نیچی نگاہ والیاں

الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾

ہوں گی کہ ان لوگوں سے پہلے اُن پر کسی انسان نے تصرف کیا ہو گا نہ جن نے ف۳۰

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ گویا وہ یاقوت

وَ الْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ

اور مرجان ہیں ف۳۱ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ بھلا

جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

کمال اطاعت کا بدلہ بجز کمال عنایت کے کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟ ف۳۲ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ وَ مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اور ان باغوں سے کم درجہ میں دو اور باغ بھی ہیں ف۳۳ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار

ف۲۷ یہ غالباً تلذذ میں تنوع کے بیان کے لیے ہے غرض یہ کہ روحانی، عقلی، فکری لذتوں کے ساتھ ساتھ جسمانی و مادی لذتیں بھی پوری طرح ہوں گی۔ ف۲۸ (اور جب استر یعنی اندر کا حصہ ایسا نفیس ہوگا تو ابرا یعنی باہر کا حصہ جیسا ہوگا ظاہر ہے) ف۲۹ (اہل جنت سے ہر حال میں) یعنی اہلِ جنت انہیں کھڑے، لیٹے بیٹھے، ہر حال اور ہر وضع میں بلا ادنیٰ مشقت وتعب حاصل کر لیا کریں گے۔ ف۳۰ (یعنی ہر طرح غیر مستعمل اور اچھوتی) اس میں ایک بار پھر بشارت اور صراحت ہے کہ روحانی نعمتوں کے ساتھ ساتھ مادی لذتیں بھی اپنی تفصیلات و جزئیات کے ساتھ اہل جنت کو پوری طرح حاصل رہیں گی۔ اس دنیا سے کم نہیں زائد ہی۔ ف۳۱ یعنی خوب سرخ وسفید، گوری چٹی، حسن وجمال مجسم۔ ف۳۲ یہ سب ذکر خواص اہل جنت کا ہو رہا ہے۔ اِحْسَانٌ کے معنٰی حسن پیدا کرنے کے ہیں۔ جب بندوں نے طاعت واطاعت میں حسن پیدا کر کے دکھا دیا تو کیسے ممکن ہے کہ مالک کی طرف سے صلہ وانعام بھی حسن کاری کی حد تک نہ پہنچے۔ ف۳۳ خواص کے بعد اب ذکر عامۂ اہل جنت کی نعمتوں کا شروع ہو رہا ہے۔

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ دونوں گہرے سبز رنگ کے، سوتم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٥﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

جھٹلاؤ گے؟ ان دونوں میں دو چشمے ہوں گے جوش مارتے ہوئے سوتم (دونوں) اپنے پروردگار کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾

کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان دونوں میں میوے ہوں گے اور خرمے اور انار

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٩﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ

سوتم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان میں اچھی سیرت والیاں اچھی صورت والیاں ف۳۴

حِسَانٌ ﴿٧٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧١﴾ حُوْرٌ

ہوں گی، سوتم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ گورے رنگ والیاں

مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

خیموں میں محفوظ ہوں گی ف۳۵ سوتم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٣﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿٧٤﴾

جھٹلاؤ گے؟ اُن پر اُن کے قبل نہ کسی انسان نے تصرف کیا ہو گا اور نہ کسی جن نے ف۳۶

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٥﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ

سوتم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ یہ لوگ تکیہ لگائے ہوں گے

خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿٧٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

مشجر سبز اور عجیب خوبصورت کپڑوں (کے فرش) پر سوتم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٧﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٧٨﴾

جھٹلاؤ گے؟ بڑا بابرکت نام ہے آپ کے پروردگار عظمت والے احسان والے کا ف۳۷

ع ۳ / ۱۲

ف۳۴ جنت کی مادی نعمتوں کا بیان اجمالاً نہیں۔ بلکہ ایک ایک جزئیہ کی صراحت کے ساتھ ہو رہا ہے۔ فِيْهِنَّ ضمیر ھن سے مراد یہ ہے کہ اُن باغوں، چمنوں، گلشنوں کے اندر جو آراستہ و پیراستہ کوٹھیاں بنگلے، حویلیاں، محل سرائیں ہوں گی، اُن میں۔ ف۳۵ یعنی ہر طرح پاک دامن اور اچھوتی، جن کا تخیل بھی کسی ذوق سلیم رکھنے والے کو گراں نہ گزرے۔ حُوْرٌ۔ لفظی معنی گورے رنگ والی کے ہیں۔ مراد جنت کی نسوانی مخلوق سے ہے، جس کے ذکر سے خدا معلوم آج کی "روشن خیالی" کو اتنی حیا کیوں آتی ہے! سوا اس کے کہ اس کو مسیحیت سے دماغی مرعوبیت پر محمول کیا جائے۔ وہ مسیحیت جس کے نزدیک عورت معصیت مجسم ہے، اور اس کا نام لینا بھی باعثِ شرم و موجب ذلت۔ ف۳۶ آیت ابھی اُوپر گزر چکی ہے — مقصود یہ ہے کہ جنت کی یہ نعمت عظیم خواص اہل جنت اور عامۂ اہل جنت دونوں کے لیے عام ہو گی۔ ف۳۷ (اور جس کے اسم میں یہ برکت و عظمت ہے، تو ظاہر ہے کہ اُس اسم کا مسمّٰی کیسا مبارک اور کیسا کامل اکمل ہو گا! اسمُ پر حاشیہ سورۃ البقرۃ (پ۱) عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کے تحت میں گزر چکا — اسم سے یہاں مراد صفات ہیں جو ذات باری سے غیر نہیں۔ قیل الاسم یعنی الصفة لانها علامة علی موصوفها (روح)

آیاتها ۹۶ ۵۶ سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ ۴۶ رکوعاتها ۳

اس کی چھیانوے آیتیں سورۂ واقعہ مکہ میں نازل ہوئی اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿۲﴾

جب قیامت واقع ہو گی جس کے واقع ہونے میں کوئی خلاف نہیں،

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿۳﴾ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿۴﴾

تو وہ پست کر دے گی (اور) بلند کر دے گی ف۱ جب کہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿۵﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿۶﴾ وَّكُنْتُمْ

اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار بن جائیں گے اور تم

اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿۷﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ

تین قسم کے ہو جاؤ گے ف۲ سو جو داہنے والے ہیں، وہ داہنے والے

الْمَيْمَنَةِ ﴿۸﴾ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ

کیسے اچھے ہیں ف۳ اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے

الْمَشْئَمَةِ ﴿۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِكَ

کیسے برے ہیں ف۴ اور جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ اعلیٰ ہی درجہ کے ہیں، وہ خاص

الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۱۱﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۱۲﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾

قرب والے ہیں ف۵ یہ لوگ عیش (وآرام) کے باغوں میں ہوں گے (ان میں) ایک بہت بڑا گروہ اگلوں کا ف۶ ہوگا

وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾

اور تھوڑے سے پچھلوں میں ف۷ یہ (مقربین) سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر

ف۱ کسی کو پست کرے گی اور کسی کو بلند۔ یعنی کافروں کی ذلت اور مومنین کی رفعت کا پورا ظہور اُسی دن ہوگا۔ ف۲ (اے انسانو! بلحاظ اپنے انجام وثمرات عمل کے) آخرت میں نسل انسانی تین طبقوں میں منقسم نظر آئے گی۔ ایک خواص مومنین یا مقربین، دوسرے عوام مومنین، تیسرے منکرین یا کفار۔ پچھلی صورت میں بھی ذکر انہیں تین طبقات کا تھا۔ كُنْتُمْ۔ خطاب یہاں موجودہ اُمت اور سابق اُمتوں سے مجموعی طور پر ہے۔ خطاب للامة الحاضرة و الامم السالفة تغليبًا كما ذهب اليه الكثير (روح) اَزْوَاجًا۔ زوج۔ یہاں صنف یا قسم کے معنٰی میں ہے۔ ازواجًا اے اصنافًا (کشاف) ف۳ مراد عام مومنین ہیں یا وہ لوگ جن کا نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ ف۴ مراد منکرین و کفار ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ ف۵ مراد حضرت انبیاء کرام اور پھر اُن کے بعد اولیاء اُمت اور متقین کاملین ہیں۔ وَالسّٰبِقُوْنَ۔ یعنی اپنی طاعت وعبدیت کے لحاظ سے درجۂ اوّل والے۔ اے السابقون الى الخير (روح) والسابقون الى طاعة الله (روح) السّٰبِقُوْنَ۔ یعنی اپنے اجر وصلہ اور مرتبۂ اُخروی کے لحاظ سے درجۂ اوّل والے۔ اے السابقون الى الجنة (روح) السابقون الى رحمة سبحانه (روح) ف۶ اگلوں سے مراد حضرت آدم سے لے کر خاتم النبیین تک ساری اگلی امتوں کے لوگ ہیں۔ اے من الامم الماضية من لدن أدم عليه السلام الى زمان نبينا ﷺ (معالم) المراد بالاولين الامم الماضية هٰذا رواية من مجاهد والحسن البصرى و هو اختيار ابن جرير (ابن کثیر) و هم الامم من لدن أدمؑ الى محمد ﷺ (کشاف) اس آخری اُمت کا زمانہ چونکہ قرب قیامت کا زمانہ ہے اس لیے ظاہر ہے کہ اگلی اُمتوں کے مجموعہ نے اس سے بہت زیادہ زمانہ پایا ہے اور اسی لیے اُن میں مقربین کی تعداد بھی اسی نسبت سے بہت زائد ہوگی۔ ثُلَّةٌ۔ اتنے بڑے اژدہام کو کہتے ہیں جو گننے میں نہ آئے۔ الجماعة غير محصورة العدد۔ (معالم) الامة من الناس الكثيرة (کشاف) ف۷ یعنی اُمتِ محمدیہ میں۔ والمراد بالأخرين هٰذه الامة (ابن کثیر) ملاحظہ ہو حاشیۂ ماقبل۔

مُّتَّكِـِٔيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ان کے پاس لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی

مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ

رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمدورفت رکھیں گے آبخورے اور آفتابے اور بہتی ہوئی شراب سے

مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَفَاكِهَةٍ

لبریز جام جس سے نہ ان کو دردِ سر ہو گا اور نہ اُس سے عقل میں فتور آئے گا ف۸ اور میوے جن کو

مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَحُوْرٌ

وہ پسند کریں اور پرندوں کا گوشت جو انہیں مرغوب ہو اور گوری

عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا

بڑی آنکھوں والیاں، جیسے پوشیدہ رکھا ہوا موتی یہ اُن کے عمل کے صلہ میں

يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا

ملے گا ف۹ وہ وہاں نہ بک بک سنیں گے نہ اور کوئی بیہودہ بات بس (ہر طرف) سلام ہی

سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ

سلام کی آواز آئے گی ف۱۰ اور جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے

الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾

کیسے اچھے ہیں، وہ وہاں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی، اور تہ بہ تہ کیلے ہوں گے

وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ

اور لمبا سایہ ہو گا اور چلتا ہوا پانی ہو گا اور کثرت سے

كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ

میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے اور نہ اُن کی روک ٹوک ہو گی ف۱۱ اور اُونچے فرش

ف۸ یعنی اُس شراب میں سرور ہی سرور ہو گا، باقی جتنے نقصانات اس دنیا کی شراب میں ہوتے ہیں، وہ کوئی بھی اُس میں موجود نہ ہوں گے۔ یہ قرآن مجید کا کمال بلاغت ہے کہ دو مختصر فقروں میں اُس نے شراب کی ساری ہی خرابیوں کی نفی کردی۔ هما لفظتان جمعتا جميع عيوب الخمر (ابن قتیبہ) عَنْهَا۔ عن سببیہ ہے۔ اے بسببها (مدارک) ف۹ اس قسم کے مضمون سے مقصود حسن عمل کے لیے ترغیب اور ہمت افزائی ہے اور قرآن مجید ایسی آیتوں سے بھرا پڑا ہے۔ جنت کی مادی لذتیں کیا یہاں اور کیا قرآن کے دوسرے مقامات میں جو بیان ہوئی ہیں، ان میں قدرۃً سب سے مقدم اہل عرب کے مذاق کو رکھا گیا ہے کہ وہی مخاطب اوّل تھے۔ اگر ایسی نعمتوں کی تصریح کی جاتی جو مذاق عرب سے بالکل مختلف چین یا جاپان یا جرمنی یا فرانس والوں کے ذوق کی ہوتیں تو ظاہر ہے کہ اہل عرب انہیں میں اُلجھنے لگتے اور مخاطبین اول کو خواہ مخواہ جھگڑے بکھیڑے کے لیے ایک اور موقع نکل آتا۔ قرآن مجید نے غایت ژرف نگاہی اور کامل نکتہ سنجی سے کام لے کر عام اور عالمگیر مذاق کی نعمتوں اور لذتوں کا ذکر صرف اجمالی اشارات کر کے چھوڑ دیا ہے۔ اور تفصیل جو بیان کی ہے، وہ صرف مخاطبین اوّل کے مذاق کی رعایت ہے۔ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ۔ تشبیہ سے مقصود غایت حسن و غایت عصمت دونوں کا اظہار ہے۔ ف۱۰ (فرشتوں کی طرف سے بھی اور باہم اہلِ جنت کی زبان سے بھی) خلاصہ یہ کہ لذت و مسرت ہی ہر طرح حاصل رہے گی، جسمانی بھی، روحانی بھی۔ لَا...... تَاْثِيْمًا۔ یعنی کوئی آواز اُن کے عیش کو مکدر کرنے والی اُن کے کان میں نہ پڑنے پائے گی۔ ف۱۱ بخلاف دنیا کے میووں اور پھلوں کے کہ فصل کے ختم پر یہ بھی ختم ہو جاتے ہیں اور ان کے لیے روک ٹوک بھی ان کے مالکوں کی طرف سے جاری رہتی ہے۔ اب بیان المقربون السابقون (حضرت انبیاء وغیرہم) کے بعد اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ (عامۂ مومنین) کی خوش عیشیوں کا ہو رہا ہے۔

مَّرْفُوعَةٍ ﴿۳۴﴾ إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنَٰهُنَّ

ہوں گے ہم نے وہاں کی عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے، یعنی ہم نے انہیں ایسا بنا دیا ہے کہ

أَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّأَصْحَٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ

وہ کنواری رہیں گی اور، محبوبہ اور ہم عمر (انہیں) داہنے والوں کے لئے ف۱۲ اُن کا ایک بڑا گروہ

مِّنَ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ ٱلْءَاخِرِينَ ﴿۴۰﴾ وَأَصْحَٰبُ

اگلوں میں سے بھی ہو گا اور ایک بڑا گروہ پچھلوں میں سے بھی ف۱۳ اور وہ جو بائیں

ٱلشِّمَالِ مَآ أَصْحَٰبُ ٱلشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِى سَمُومٍ وَحَمِيمٍ ﴿۴۲﴾

والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں لو کی لپٹ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں،

وَظِلٍّ مِّن يَحْمُومٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ﴿۴۴﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا۟

اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں جو نہ ٹھنڈا ہو گا نہ فرحت بخش ف۱۴ وہ لوگ اس کے قبل

قَبْلَ ذَٰلِكَ مُتْرَفِينَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوا۟ يُصِرُّونَ عَلَى ٱلْحِنثِ

بڑے خوشحال تھے اور بڑے بھاری گناہ پر اصرار کرتے

ٱلْعَظِيمِ ﴿۴۶﴾ وَكَانُوا۟ يَقُولُونَ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا

رہتے تھے ف۱۵ اور کہا کرتے تھے کہ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں

وَعِظَٰمًا أَءِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿۴۷﴾ أَوَءَابَآؤُنَا ٱلْأَوَّلُونَ ﴿۴۸﴾

(ہو کر) رہ گئے تو کیا (پھر سے) زندہ اُٹھائے جائیں گے؟ اور ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ ف۱۶

قُلْ إِنَّ ٱلْأَوَّلِينَ وَٱلْءَاخِرِينَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ

آپ کہہ دیجئے کہ اگلے اور پچھلے سب ہی جمع کئے جائیں گے، ایک

مِيقَٰتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا ٱلضَّآلُّونَ

یوم معین کے وقت پر پھر تم کو اے گمراہو!

ف۱۲ اہل جنت کی خوش عیشی کی تکمیل کے لیے دوسری لذتوں کے ساتھ لذت مواصلت کا ذکر بھی ضروری تھا، یہاں یہ بتایا کہ جنت کی عورتوں کی (اور اس میں حوریں بھی داخل ہو گئیں اور اس دنیا کی جنتی بیویاں بھی) بناوٹ ایک خاص قسم کی ہوگی، ان کا شباب، ان کا حسن و جمال، دلکشی اور اہل جنت کے ساتھ ان کی ہم عمری یہ سب چیزیں مستقل، پائدار اور دائمی ہوں گی، اس دنیا کی نعمتوں کی طرح فناء پذیر نہ ہوں گی۔ ف۱۳ یعنی عام مومنین اسی اُمت کے بھی بڑی کثرت سے ہوں گے۔ ''مقربین کی جزاء میں وہ سامان عیش زیادہ مذکور ہے جو اہل شہر کو زیادہ مرغوب ہے۔ اور اصحٰب الیمین کی جزا میں وہ سامان عیش زیادہ مذکور ہے جو اہل قریہ کو زیادہ مرغوب ہے۔ پس اشارہ اس طرف ہو گیا کہ اُن میں ایسا تفاوت ہوگا جیسا اہل شہر و اہل قریہ میں''۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ''اور بعض روایات میں جو آیا ہے، ھما جمیعًا من ھٰذہ الأیة۔ یہ اس طور پر ماؤل ہے کہ مقصود تفسیر آیت کی نہ ہو بلکہ مطلب یہ ہو کہ جس طرح قرآن میں مذکور ہے کہ اوّلین میں مقربین زیادہ ہیں اور آخرین میں کم، اسی طرح خود اس آیت میں بھی یہی نسبت ہوگی کہ قرون اولیٰ میں مقربین زیادہ ہوں گے۔ اور متاخرین میں کم۔ گو یہ قرآن کا مدلول نہ ہو۔'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ثُلَّةٌ۔ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ۔ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۔ ان سب پر حاشیے ابھی قریب ہی میں گزر چکے۔ ف۱۴ یعنی دنیا میں سایہ سے جو نفع بھی خیال میں آتے ہیں، خواہ جسمانی ہوں مثلاً برودت یا نفسیاتی مثلاً لذت، یہ سب اُس دوزخی سایہ سے منتفی ہوں گے اور سایہ صرف نام ہی کا ہوگا ورنہ وہ نہ ٹھنڈک پہنچانے والا ہوگا نہ اور کسی طرح پر آرام دہ۔ فِيْ سَمُوْمٍ۔ سَمُوْمٍ کے معنی لو کی تیز لپٹ کے ہیں جو جسم کے اندر تک جھلس دے۔ السموم الریح الحارة التی تؤثر تاثیر السم (راغب) فی السموم ای فی حرّ نار ینفذ فی المسام (کشاف) اَصْحٰبُ الشِّمَالِ یعنی وہ جن کے بائیں ہاتھ میں ان کا نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ کا ذکر ابھی اُوپر گزر چکا ہے۔ وَلَا كَرِيْمٍ۔ عربی زبان میں کرم بہت وسیع معنی میں ہے۔ ہر قابل مدح صفت کو صفت کرم سے تعبیر کر دیتے ہیں اور موقع نفی پر اس کا استعمال اکثر ہوتا ہے۔ و کل شیء شرفت فی بابه فانه یوصف بالکرم (راغب) والعرب تتسع ھٰذہ اللفظة فی النفی فیقولون ھٰذا الطعام لیس بطیب و لا کریم ھٰذا اللحم لیس بسمین ولا کریم و ھٰذہ الدار لیست بنظیفة ولا کریمة (ابن جریر) لَا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ۔ مراد یہ ہے کہ وہ سایہ دنیا کے متعارف سایہ کے برعکس اور گرمی پہنچانے والا اور تکلیف دہ ہوگا۔ سماہ ظلًا ثم نفی عنه برد الظل ورَوحهٗ و نفعه (کشاف) والمعنی انه ظل حارٌ ضارٌ (کشاف) ف۱۵ یعنی کفر و شرک پر۔ والمراد کمار وی عن قتادة والضحاک و ابن زید الشرک و ھو ظاھر (روح) قَبْلَ ذٰلِكَ۔ یعنی دنیا میں۔ اِنَّهُمْ...... مُتْرَفِيْنَ۔ یعنی اپنی خوشحالی کے غرہ میں دنیوی مادی زندگی میں مست تھے۔ اور ایمانی صداقتوں سے انکار پر مصر تھے۔ ف۱۶ یہ وہی گروہ ہے، جس کی جانشینی اور ترجمانی آج مادی تہذیب و تمدن میں مبتلا بیسویں صدی کی ''روشن خیال'' دنیا کر رہی ہے۔ مصری، یونانی، رومی، ہر جاہلی تمدن میں ایک گروہ ان خیالات کا ترجمان رہا کیا ہے، اور آج یورپ اور یورپ زدہ سارے ملکوں کا تمدن اسی انکار آخرت کے عقیدہ میں شریک ہے۔

الْمُكَذِّبُونَ ﴿٥١﴾ لَآكِلُونَ مِن شَجَرٍ مِّن زَقُّومٍ ﴿٥٢﴾

جھٹلانے والو درخت زقوم میں سے کھانا ہو گا

فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿٥٣﴾ فَشَارِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ

پھر اُس سے پیٹ بھرنا ہو گا پھر اُس پر کھولتا پانی

الْحَمِيمِ ﴿٥٤﴾ فَشَارِبُونَ شُرْبَ الْهِيمِ ﴿٥٥﴾ هَٰذَا نُزُلُهُمْ

پینا ہو گا اور پینا بھی پیاس کے مارے ہوئے اُونٹ کا سا و۱۷ یہ ہو گی اُن کی دعوت

يَوْمَ الدِّينِ ﴿٥٦﴾ نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ ﴿٥٧﴾

قیامت کے دن ہم ہی نے تو تم کو پیدا کیا ہے سو تم (بعث ثانی) کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ و۱۸

أَفَرَأَيْتُم مَّا تُمْنُونَ ﴿٥٨﴾ أَأَنتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ

اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم جو منی پہنچاتے ہو تو آدمی تم بناتے ہو یا (اس کے) بنانے

الْخَالِقُونَ ﴿٥٩﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ

والے ہم ہیں و۱۹ ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کو ٹھہرا رکھا ہے و۲۰ اور ہم اس سے

بِمَسْبُوقِينَ ﴿٦٠﴾ عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ

عاجز نہیں کہ تمہاری جگہ تم جیسے (دوسرے آدمی) پیدا کر دیں اور تمہیں ایسی صورت میں بنا دیں

فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا

جن کو تم جانتے ہی نہیں و۲۱ اور تم کو خوب علم ہے پیدائش اول کا پھر تم

تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ﴿٦٣﴾ أَأَنتُمْ

سمجھتے کیوں نہیں؟ و۲۲ اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جو کچھ تم بوتے ہو اُسے تم

تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ﴿٦٤﴾ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ

اُگاتے ہو یا (اس کے) اُگانے والے ہم ہیں و۲۳ اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو

و۱۷ (جو خوب ڈگڈگا کر پانی سوکھتا چلا جاتا ہے اور پھر بھی اس کی پیاس نہیں بجھتی) جہنم کے شدائد کا بیان ہے جو کافروں کو چارو ناچار بھگتنے ہوں گے — اور حشر کا منظر تو سب کو پیش آنا ہے۔ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ۔ زَقُّوْمٍ پر حاشیہ سورۃ الصافات (پ۲۳) میں گزر چکا۔ مِنْ زَقُّوْمٍ میں من بیانیہ ہے۔ شُرْبَ بالضم مصدر ہے اور اسم کے بھی معنی دیتا ہے۔ مشروب کے مرادف۔ الشرب بالضم مصدر قیل اسم لما یشرب (روح) و۱۸ منکروں پر حجت الزامی ہے۔ یعنی ہمارا تم کو پیدا کرنا اور نیست سے ہست کرنا تو تمہیں بھی تسلیم ہے تو پھر آخر بعث ثانی میں تمہیں عقلی اشکال یا دشواری ہی کیا نظر آ رہی ہے؟ و۱۹ یعنی اسباب وجود کو فراہم کر دینا ہمارے اختیار کی چیز ہے یا تمہارے؟ مَا تُمْنُوْنَ۔ یعنی عورت کے رحم میں جو تم تلقیح کرتے ہو۔ و۲۰ (ایک وقت معین و مناسب پر) یعنی وجود میں بھی ہم ہی لائے، بقائے وجود کے اسباب بھی ہم ہی نے فراہم کیے اور فنائے وجود بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ تخلیق، ابقاء، افناء کی تینوں قوتیں ہم ہی میں جمع ہیں، کوئی الگ الگ تین خدا نہیں، جیسا کہ بعض مشرک، جاہلی قوموں نے سمجھ لیا ہے۔ و۲۱ (مثلاً تمہارا حلیہ بگاڑ کر کچھ ایسا کر دیا جائے جس کا تمہیں گمان بھی نہ ہو اور تم اس صورت میں پھر ان چیزوں سے نفع بھی نہ حاصل کر سکو) و۲۲ یعنی جب تمہیں بخوبی اس کا علم و یقین ہے کہ ہم ہی نے اپنی قدرت سے تمہیں اوّل بار پیدا کیا تو اب تمہیں بعث حشر کے تسلیم کرنے میں تامّل کیا ہے؟ فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ فقہاء مفسرین نے آیت کے اس جزء سے صحت قیاس فقہی کا استنباط کیا ہے۔ فیه دلیل علی صحة القیاس من حیث جعلهم فی ترک قیاس النشأة الاخری علی الاولی (مدارک) و۲۳ زمین میں یہ صلاحیت رکھنا کہ دانہ کو نشو و نما دے سکے۔ دانہ میں یہ استعداد کہ مٹی سے نمو حاصل کر سکے، گرمی، روشنی، ہوا، پانی وغیرہ سے استفادہ کی قابلیت، ان سب کو قوت سے فعل میں لانا، وقت مناسب پر مقدار مناسب میں بارش، اوقات مقرر پر مقدار مقرر میں آفتاب کی تابش، غرض نظام زراعت کی ساری عظیم الشان مشینری کو حرکت میں لانا بندہ کی قدرت میں ہے یا اللہ کی۔

ف۲۴ یعنی سارا سرمایہ نقصان میں آگیا، بلکہ سرمایہ سارا ہی گیا گزرا ہوا۔ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا۔ یعنی ہم چاہیں تو اسی پیداوار کو چورا چورا کردیں یا شل سوکھے ہوئے بھوسہ کے ریزہ ریزہ کردیں۔ ف۲۵ اب استدلال حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور توحید پر نظام کائنات کے چوتھے شعبہ سے ہے سال کی خاص خاص فصلوں اور مناسب زمانہ میں زمین کو ایک خاص حد تک بنانا، حرارت پہنچانا، سمندر سے ایک خاص اندازہ کے مطابق بھاپ اُٹھانا، بخارات کو فضا میں ایک خاص بلندی تک لے جانا، یہاں ہوا میں ایک خاص درجہ کی برودت پیدا کرکے بخارات میں انجماد پیدا کرکے انہیں بادل کی شکل دینا ایک مناسب مدت تک اس ابر کو بلند رکھنا، پھر فضاء میں ایک اور تبدیلی پیدا کرکے ابر کو پانی کے قطروں کی شکل دے کر انہیں زمین پر برسانا، بارش کو ایک مقدار مناسب میں نازل کرنا پھر اس سے خلقت کو براہِ راست اور بالواسطہ فائدے پہنچانا، یہ ساری کاریگری اُسی قادر مطلق اور صناع کامل کی ہے یا یہ بندوں کے بس کی چیز ہے؟ مِنَ الْمُزْنِ۔ لفظ مزن سے بارش کے پانی کی شیرینی وخوشگواری کی طرف اشارہ آگیا۔ قیل هو السحاب الابیض خاصة و هو اعذب ماء (کشاف) ف۲۶ (اور ادائے شکر کی پہلی منزل اقرار توحید وربوبیت) اُجَاجًا۔ اجاج سے مراد وہ کھاری پانی ہے جو نمکینی کی شدت سے تلخ ہوجائے جس سے نہ پیاس جاسکے اور نہ وہ اور کسی کام آسکے۔ ملحًا زعاقًا لا یقدر علی شربه (کشاف) ای زعاقًا مرا لایصلح لشرب و لا زرع (ابن کثیر)

حُطٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ

چورا چورا کردیں پھر تم حیرت کرنے لگو (اب کی تو) ہم پر تاوان پڑ گیا بلکہ

نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾

ہم (بالکل ہی) محروم رہ گئے ف۲۴ اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو

ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾

اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا (اس کے) برسانے والے ہم ہیں؟ ف۲۵

لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَيْتُمُ

اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کر ڈالیں تو تم شکر کیوں نہیں کرتے ف۲۶ اچھا پھر یہ بتلاؤ

النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ

کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو اس درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا

نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا

ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم ہی نے اس کو یاد دہانی کی چیز اور مسافروں کے

لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ فَلَآ

نفع کی چیز بنایا ہے ف۲۷ سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجیے ف۲۸ سو میں

اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ

قسم کھاتا ہوں ستاروں کے ڈوبنے کی اور اگر تم سمجھو تو یہ ایک بڑی

عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾

قسم ہے کہ یہ ایک معزز قرآن ہے ایک محفوظ کتاب میں (پہلے سے درج) ف۲۹

لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ

جسے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا بجز پاکوں کے ف۳۰ اُتارا ہوا ہے پروردگار عالم کی

ع ۱۵

ف۲۷ اب استدلال حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ، ربوبیت وتوحید پر نظام کائنات کے ایک پانچویں شعبہ آگ اور اس کے متعلقات سے ہے۔ تَذْكِرَةً۔ ضمیرها اگر النار (آگ) کی طرف ہے تو آگ تو یاد دلانے والی آتش دوزخ کی بھی ہوسکتی ہے اور حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی یاد دلانے والی بھی۔ تذکیر النار جهنم (کشاف) قال مجاهد و قتادة تذکر النار الکبرٰی (ابن کثیر) قال عطاء موعظة یتعظ بها المؤمن (معالم) شَجَرَتَهَا۔ شجر آتش کا ذکر سورۂ یٰسٓ (پ۲۳) میں قریب ختم کے آیا ہے۔ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ۔ آگ کا وجود ایک بہت بڑی نعمت تو مسافر ومقیم، شہری وبدوی سب ہی کے لیے ہے اور ہر زمانہ میں رہا ہے لیکن عہد قدیم میں مسافروں کے حق میں تو ایک عظیم ترین نعمت تھی۔ عن مجاهد یعنی المستمتعین من الناس اجمعین و کذا ذکر عن عکرمة (ابن کثیر) و هٰذا التفسیر اعم من غیره فان الحاضر والبادی من غنی و فقیر الجمیع محتاجون الیها للطبخ والاصطلاء والاضاءة و غیر ذٰلک من المنافع (ابن کثیر) ف۲۸ (جو حیات اور سلب حیات اور زراعت اور بارش اور آگ، سارے نظامات تکوینی کا تنہا خالق اور بلاکسی کی شرکت کے پروردگار ہے) شرک عموماً مشرک جاہلی قوموں میں جن جن مشہور راہوں سے آیا ہے ان سب کی ان آیتوں میں پوری تردید آگئی۔ ف۲۹ (اور بالکل منضبط) كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ۔ سے مراد لوح محفوظ ہے۔ یعنی یہ قرآن کریم شروع سے لوح محفوظ میں منضبط چلا آرہا ہے۔ الاصح انه لوح محفوظ (کبیر) المراد به اللوح المحفوظ کماروی عن الربیع بن انس وغیره (روح) مَّكْنُوْنٍ صفت کتٰب کی ہے۔ یعنی وہ لوح غیروں کی مداخلت بلکہ دسترس سے بالکل محفوظ ہے۔ كَرِيْمٌ۔ صفت قرآن کی ہے۔ یعنی دینوی واُخروی ہر قسم کی صلاح وفلاح کی تعلیمات سے لبریز۔ لَآ اُقْسِمُ۔ لا یہاں نفی کا نہیں، تاکید کا ہے۔ لا مزیدة للتاکید (بیضاوی) لا مزیدة مؤکدة (کشاف) لَا...... عَظِيْمٌ۔ قرآن مجید میں قسمیں، شہادت بزبان حال کے معنی میں آئی ہیں اور قسموں کو بار بار لانا عربی اسلوب بلاغت میں ایک خاص صنعت ہے قرآنی قسموں پر ملاحظہ ہو پ۱۲ کا ضمیمہ۔ مَوٰقِعِ النُّجُوْمِ۔ اس کے ایک معنی قرآن کی آیتوں کے بھی کیے گئے ہیں جو آہستہ آہستہ اُترتی رہی ہیں۔ قیل النجوم نجوم القراٰن و مواقعها اوقات نزولها (بیضاوی) ای نجوم القراٰن و کذا قال عکرمة و مجاهد والسدی و ابوحرزة (ابن کثیر) اور بالکل متصل جو کلام آرہا ہے اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ اس کے لحاظ سے یہی معنی زیادہ چسپاں بھی معلوم ہوتے ہیں۔ ف۳۰ (جو شائبہ گناہ سے بھی پاک ہیں یعنی فرشتے) اُن کے فرشتہ ہونے پر علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس صحابی اور حضرت انس صحابی کے تابعین کی بہت بڑی جماعت متفق ہے۔ ان المراد بالمطهرین الملائکة علیهم السلام مروی عن عدة طرق عن ابن عباس و کذا اخرجه جماعة عن انس و قتادة و ابن جبیر و مجاهد و ابی العالیه و غیرهم (روح) عن ابن عباس یعنی الملائکة و کذا قال انس و مجاهد و عکرمة و سعید بن جبیر والضحاک و ابو الشعشاء جابر بن زید و ابو نهک والسدی و عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرهم (ابن کثیر) يَمَسُّهٗ۔ میں ضمیر لوح محفوظ کی طرف ہے۔ الضمیر عائد الی الکتاب علی الصحیح (کبیر) قرآن مجید یا مصحف مکتوبی کو بھی بلاطہارت جسم چھونا درست نہیں۔ لیکن یہ مسئلہ بالکل الگ ہے اور خود اپنی جگہ پر دلائل رکھتا ہے۔ اس آیت قرآنی کا مدلول نہیں۔ الْمُطَهَّرُوْنَ۔ فرشتے مراد ہونے پر علاوہ بعض صحابیوں کے تابعین کی ایک بڑی جماعت متفق ہے۔ کون المراد بالمطهرین الملائکة علیهم السلام مروی عن عدة طرق عن ابن عباس و کذا اخرجه جماعة عن انس و قتادة و ابن جبیر و مجاهد و ابی العالیة و غیرهم (روح) صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ اسرار ودقائق قرآن تک بھی وہی پہنچ سکتے ہیں جو ہوائے نفس کی آلودگیوں سے پاک اور طاہر ہوں۔

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾

طرف سے ہو تو کیا تم اس کلام کو سرسری سمجھے ہوئے ہو؟ و۳۱

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَآ اِذَا

اور تکذیب کو اپنی غذا بنا رہے ہو؟ سو جس وقت

بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ

روح حلق تک آ پہنچتی ہے اور تم اُس وقت تکا کرتے ہو و۳۲ اور ہم

اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ

تم سے بھی زیادہ قریب اُس شخص کے ہوتے ہیں البتہ تم نہیں سمجھتے ہو و۳۳ تو اگر

اِنْ كُنْتُمْ غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ

تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں تو تم اس (روح) کو پھر کیوں نہیں لوٹا لاتے، اگر تم

صٰدِقِیْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ

سچے ہو و۳۴ تو جو کوئی مقربین میں سے ہو گا تو اس کے لئے راحت ہے،

وَّرَیْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ

غذائیں ہیں اور عیش کی جنت ہے و۳۵ اور جو کوئی داہنے والوں میں

اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ

سے ہو گا تو (اُس سے کہا جائے گا) تیرے لئے امن و امان ہے کہ تو داہنے والوں

الْیَمِیْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِیْنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۹۲﴾

میں سے ہے و۳۶ اور جو کوئی جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں سے ہو گا،

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ

تو اس کی مہمانی کھولتے ہوئے پانی سے ہوگی، اور (اُسے) دوزخ میں داخل ہونا ہوگا و۳۷ بے شک یہ تحقیقی

و۳۱ یعنی ایسے مہتم بالشان کلام پر بھی ایمان لانا واجب نہیں جانتے ہو؟ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ مطلب یہ ہوا کہ شیطان مردود کا گزر تو اس کلام پاک کے اردگرد بھی نہیں، جہاں سے یہ نقل ہو کر آیا ہے۔ وہ تمامتر فرشتوں کے پہرہ میں پھر دنیا میں اس کا نزول حق تعالیٰ کی نگرانی میں۔ شیطان کو اس کی ہوا بھی کسی منزل میں نہیں لگنے پاتی۔ و۳۲ (بیکسی اور حسرت کی تصویر بنے ہوئے) فَلَوْ...... الْحُلْقُوْمَ۔ موت اور قبض روح کے وقت کا منظر ہے۔ وَتَجْعَلُوْنَ...... تُكَذِّبُوْنَ۔ یعنی تکذیب بھی کس درجہ اور شدت کی؟ گویا تکذیب حقائق کو اپنی غذا ہی بنائے ہوئے ہو۔ و۳۳ یعنی اُس کے حالات ظاہری و باطنی سے تم سے کہیں زیادہ ہم واقف ہیں۔ اِلَیْهِ ضمیرہ محتضر کے لیے ہے جو سیاق کلام سے ظاہر ہے۔ المحتضر المفهوم من الكلام (روح) و۳۴ (اپنے دعوی انکار بعث میں) مطلب یہ ہوا کہ جس وقت تمہارے کسی عزیز قریب کی جان نکلنے لگتی ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ تم کسی حکمت، کسی تدبیر، کسی کوشش وکاوش سے اس کی جان روک لو؟ اور جب تم پر اپنی بے بسی، قانون موت وحیات کے باب میں یوں عیاں و روشن ہوگئی تو یہ کیسے ممکن سمجھتے ہو کہ حشر میں اللہ تعالیٰ کو مُردوں کے اُٹھانے سے روک سکو گے؟ تَرْجِعُوْنَهَا۔ ضمیر ھا نفس یا روح کی طرف ہے۔ و۳۵ اور مقربین وہ ہیں جن کا ذکر اس سورت کی آیت ۱۱، ۱۲ میں آچکا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ وَجَنّٰتُ نَعِیْمٍ۔ یہاں بھی مقربین کا اور اہل یمین اور اہل شمال کا ذکر اسی ترتیب سے ہو رہا ہے۔ رَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ۔ رَوح کے معنی رحمت اور ریحان کے معنی خوشبو کے بھی ہیں۔ دوسرے معنی مغفرت اور استراحت اور دوزخ سے نجات اور جنت میں دخول کے بھی کیے گئے ہیں۔ قاله قتادة الروح الرحمة وقيل هو الرحمة و هو قول مجاهد و قال سعيد بن جبير وغيرهٗ و قال الضحاک مغفرة و رحمة (معالم) و ريحان استراحة و قال مجاهد و سعيد بن جبير ايضاً (معالم) قال ابو بكر الوراق الروح النجاة من النار والريحان دخول دار القرار (معالم) تفسیر کبیر میں جو یہاں پہنچ کر افسوس ہے کہ خود امام المفسرین کی نہیں بلکہ ان کے بعض شاگردوں کی تفسیر رہ گئی ہے یہ نکتہ بھی لکھا ہے کہ روح و ریحان و جنت نعیم کی یہ سہ گانہ بشارتیں ان کی زندگی کے تین شعبوں، عقیدۂ حق اور کلمۂ طیبہ اور اعمالِ حسنہ کے مقابل ہیں اور اس سے اشارہ ان کے قلب، ان کی زبان اور ان کے اعضاء ظاہری تینوں کی سلامت ذوق کی جانب ہوگیا۔ و۳۶ (ہر آفت اور خطرہ سے) یہ اصحٰب الیمین وہی آیت ۲۷ والے اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ اور آیت ۸ والے اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ہیں۔ اَمَّآ اِنْ كَانَ۔ یہ فقرہ ان تینوں آیتوں میں جہاں جہاں آیا ہے، مراد اس سے متوفی یا محتضر سے ہے۔ و۳۷ (جس کے شدائد کی تفصیل بارہا پیشتر گزر چکی ہے) تَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ کے معنی علاوہ ادخال نار کے، آگ سے ہر طرف سے گھر جانے کے بھی کیے گئے ہیں۔ ای و تقرير له فی النار التی تغمره من جميع جهاته (ابن کثیر) یہ الْمُكَذِّبِیْنَ الضَّآلِّیْنَ وہی آیت ۹ والے اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ، آیت ۴۱ والے اَصْحٰبُ الشِّمَالِ اور آیت ۵۱ والے الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ہیں۔

حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾

یقینی بات ہے سو آپ اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے و۳۸

ع ۳ ۲۲ ۱۲

ایاتھا ۲۹ — ۵۷ سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ ۹۴ — رکوعاتھا ۴

اس کی انتیس آیتیں ہیں — سورۂ حدید مدینہ میں نازل ہوئی — اور چار رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں و۱ اور وہی زبردست ہے

الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ

حکمت والا ہے و۲ اُسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں وہی حیات دیتا ہے اور (وہی) موت دیتا

وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲﴾ هُوَ الْاَوَّلُ

ہے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے و۳ وہی ہے (سب سے) پہلے

وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳﴾

اور (سب سے) پیچھے اور (وہی) ظاہر و مخفی بھی اور وہی ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے و۴

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کر دیا

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ

پھر تخت شاہی پر قائم ہوگیا و۵ وہ اُسے بھی جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے

وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ

اور (اُسے بھی جانتا ہے) جو چیز اُس میں سے نکلتی ہے، اور جو چیز آسمان سے اُترتی ہے اور جو چیز اُس میں

و۳۸ (جس کی قدرت وحکمت کے یہ سارے تصرفات ہیں) هٰذَا۔ اشارہ مرنے والوں کے ان سہ گانہ درجات کی طرف ہے۔ یعنی ما ذکر من قصة المحتضرین (معالم) حَقُّ الْيَقِيْنِ۔ اس دُہری تاکید سے مراد یہ ہے کہ یہ امر اس درجہ یقینی اور قطعی ہے کہ اس سے زیادہ تحقیق کی کوئی اور گنجائش ہی نہیں۔ ذلک نوع تاکید قال هٰذا من حق الحق و صواب الصواب ای غایتهٗ و نهایته التی لا وصول فوقه (کبیر۔ عن ابن عطیۃ) و۱ اور غور وتامل سے کام لیا جائے تو پھر ہر مخلوق سے توحید وتنزیہ کی دلیل مل رہی ہے) سَبَّحَ لِلّٰهِ۔ یہ تسبیح ہر ہر مخلوق کی اُس کے اپنے مرتبۂ وجود کی مناسب زبان میں ہوتی ہے۔ انسانوں کے لیے کسی کی زبان، زبانِ قال ہے۔ اور کسی کی محض زبانِ حال۔ و۲ الْعَزِيْزُ۔ زبردست ایسا کہ اُس کی مشیت پر کوئی روک، کوئی دباؤ نہیں، اس کا ارادہ سب پر غالب، وہ جو بھی چاہے کر ڈالے۔ الْحَكِيْمُ۔ مصلحت سنج ایسا کہ اس کا ہر ادنیٰ سے ادنیٰ فعل بھی انتہائی حکمتوں اور مصلحتوں سے لبریز ہوتا ہے۔ جو کچھ بھی وہ کرتا ہے محض اپنی حکمت تکوینی کے ماتحت ومطابق ہی کرتا ہے۔ و۳ اس کا کوئی شریک نہیں، نہ ملکیت وحکومت میں، نہ جان ڈالنے میں، نہ جان نکالنے میں اور نہ قدرت واختیار میں یہ سب تردید میں ارشاد ہو رہا ہے اُن مشرک جاہلی قوموں کے، جنھوں نے یا تو اُس کی قدرت واختیار کو محدود سمجھا ہی یا اُس کی ملکیت ومالکیت میں دوسروں کو شریک سمجھا ہے اور یا موت وحیات کے دیوتا الگ الگ سمجھے ہیں۔ و۴ (کہ چھوٹی بڑی کوئی سی چیز کہیں کی بھی اس کے دائرہ علم سے باہر نہیں) پہلی آیت کمالِ قدرت کے بیان میں تھی، یہ آیت کمالِ علم واحاطۂ علمی کے بیان میں ہے۔ — مشرک قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکر صفتِ قدرت وصفتِ علم ہی کے باب میں لگی ہے۔ هُوَ الْاَوَّلُ۔ اس موجودِ حقیقی کا وجود، ہر دوسرے وجود سے یہاں تک کہ وجودِ زمان سے بھی مقدم وسابق رہا ہے۔ عدمِ سابق کبھی اس پر طاری ہی نہ ہو سکا — بعض مشرک قوموں نے اُسی کی ذات کو بھی حادث سمجھا ہے۔ یعنی هو الاول قبل کل شیء بلا ابتداء بل کان هو و لم یکن شیء موجودًا (معالم) هو القدیم الذی کان قبل کل شیء (مدارک) السابق علی جمیع الموجودات فهو سبحانه موجود قبل کل شیء حتی الزمان لانهٗ جل و علا الموجد و المحدث للموجودات (روح) وَالْاٰخِرُ۔ اس موجودِ حقیقی کا وجود، ہر مخلوق کے فنائے ذاتی وصفاتی کے بعد بھی علیٰ حالہٖ قائم وباقی رہے گا۔ عدمِ سابق کی طرح عدمِ لاحق کا بھی اُس پر طاری ہونا محال ہے — بعض مشرک قوموں نے اُس کی ذات کو بھی فانی سمجھا ہے۔ ای الاٰخر بعد فناء کل شیء بلا انتهاء تفنی الاشیاء و یبقٰی هو (معالم) الذی یبقٰی بعد هلاک کل شیء (مدارک) هُوَ الظَّاهِرُ۔ ہر موجود کا وجود وظہور اسی کے وجود وظہور سے ہے۔ اپنے دلائل وشواہد کے اعتبار سے اور مطلق وجود کے مرتبہ میں روشن ترین وظاہر ترین۔ الظاهر بوجوده (روح) وَالْبَاطِنُ۔ اپنے آثار وصفات کے اس شدت ظہور کے ساتھ ساتھ اُس کی کنہ ذات ہر عقل وادراک کی رسائی سے باہر۔ تو اس سے بڑھ کر مخفی اور کون ہو سکتا ہے۔ اپنی تفصیلات وجود کے مرتبہ میں مخفی ترین۔ والباطن بکنهه سبحانه (روح) ایک حدیث میں دعاء کے یہ الفاظ آئے ہیں۔ و انت الظاهر فلیس فوقک شیء و انت الباطن فلیس دونک شیء (صحیح مسلم۔ مسند احمد) امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یحییٰ بن زیاد الفراء کے حوالہ سے یہ معنی نقل کیے ہیں۔ الظاهر علی کل شیء علمًا و الباطن علی کل شیء علمًا (صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر) و۵ اس کی صفتِ خالقیت وصفتِ حاکمیت کا اثبات۔ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ ان دونوں پر حاشیے سورۃ الاعراف میں اور کئی بار گزر چکے۔

فِيهَا ۗ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

چڑھتی ہے ف۶ اور وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہو اور وہ خوب دیکھتا رہتا ہے جو کچھ بھی تم

بَصِيرٌ ﴿٤﴾ لَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ

کرتے رہتے ہو ف۷ اُسی کی سلطنت ہے، آسمانوں اور زمین کی اور اللہ ہی کی

تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٥﴾ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ

طرف (سب) اُمور لوٹ جائیں گے ف۸ وہی داخل کرتا ہے، رات کو دن میں اور وہی داخل کرتا ہے دن کو

فِي اللَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٦﴾ آمِنُوا بِاللَّهِ

رات میں اور وہ دلوں (کی بات) تک خوب جانتا ہے ف۹ ایمان لاؤ اللہ اور

وَرَسُولِهِ وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ۖ

اُس کے رسول پر اور جس مال میں اُس نے تم کو دوسروں کا جانشین بنایا ہے اُس میں سے خرچ کرو،

فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَأَنفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿٧﴾ وَمَا لَكُمْ

سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں انہیں بڑا اجر ہوگا ف۱۰ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے

لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۙ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ

جو تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے ہو، درآنحالیکہ رسول تمہیں بلا رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ

وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٨﴾ هُوَ الَّذِي

اور (اللہ خود) تم سے اس کا اقرار لے چکا ہے، ف۱۱ اگر تم کو ایمان لانا ہو وہ وہی ہے جو

يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ

اپنے بندہ پر صاف صاف آیتیں اُتارتا ہے تاکہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف

إِلَى النُّورِ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٩﴾ وَمَا لَكُمْ

نکال لائے اور بے شک اللہ تمہارے اُوپر شفیق ہے بڑا مہربان ہے ف۱۲ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ

ف۶ (غرض یہ کہ وہ ہر طرح اور ہر اعتبار سے ہمہ داں، ہمہ بین ہے۔ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ۔ مثلاً بارش کا پانی۔ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا۔ مثلاً نباتات۔ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ۔ مثلاً ملائکہ اور احکام تشریعی اور تکوینی۔ مَا يَعْرُجُ فِيهَا۔ مثلاً ملائکہ اور اعمال صالحہ ف۷ حق تعالیٰ کی ہمہ گیری، ہمہ توانی، ہمہ بینی کی مزید تاکید۔ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ۔ اس کی معیت علمی سے مخلوق کا کوئی بھی مرتبہ وجود خالی نہیں۔ ف۸ (نہ کہ کسی اور کی طرف) الْأُمُورُ۔ کے عموم میں جوہر و عرض سب ہی آ گئے ــــ حشر میں سب کی راجعیت صرف ذات حق تعالیٰ ہی کی جانب ہوگی۔ اس میں بہت سے باطل مذہبوں کی تردید آ گئی۔ جنہوں نے حشر میں مرجعیت عام کے متعلق کسی اور ذات کو قرار دے رکھا ہے۔ ف۹ اس کے علم کی طرح اُس کی قدرت بھی ہر جزء و کل کو محیط ہے۔ ہر ہر شی میں جاری و ساری ہے۔ یہ نہیں کہ خدا موجود تو ہے، مگر اُس کا علم صرف کلیات تک ہے۔ جزئیات کو حاوی نہیں جیسا کہ بعض جاہلی فلاسفہ نے کہا ہے۔ يُولِجُ اللَّيْلَ ...... اللَّيْلِ۔ دن اور رات دونوں اُسی کی مخلوق ہیں اور تمام تصرفات و تکوینیات میں اُسی کی قدرت کے محکوم و محتاج ــــ یہ نہیں کہ دن اور رات کوئی دیوی دیوتا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ف۱۰ (کہ وہ مال کو اسی اصل مالک اور دینے والے کی راہ میں خرچ کر رہے ہیں) مَا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ۔ اس میں صاف اور واضح اشارہ اس طرف آ گیا کہ یہ مال تم سے پہلے کسی اور کا تھا اور تمہارے بعد کسی اور کا ہو جائے گا۔ یہ کون سی ایسی چیز ہے جس کا تم اتنا غم کر رہے ہو کہ اسے اللہ کے حکم سے اپنی ضرورتوں میں بھی خرچ کرنے میں بخل کر رہے ہو ــــ مالی جہاد کی ترغیب کا یہ طریقہ کتنا حکیمانہ و مصلحانہ ہے۔ ف۱۱ یعنی کمال حیرت کی بات ہے کہ تم جب بھی ایمان اور پورا ایمان نہیں لاتے ہو۔ جبکہ دو دو زبردست داعی اس دعوت ایمان کی قبولیت کے موجود ہیں ــــ ایک تو رسول ﷺ جیسا حکیم اعظم مبلغ۔ دوسرے توحید کا داعیہ خود تمہاری فطرت کے اندر موجود۔ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔ یعنی ایسا ایمان جو اللہ پر ایمان لانے کا حق ہے۔ ایمان باللہ کے تحت میں رسول ﷺ پر ایمان، حشر پر ایمان، کتب الٰہی پر ایمان، سارے بنیادی عقائد ایمانی آ گئے۔ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ۔ میثاق سے مراد بیعت رسول ﷺ بھی سمجھی گئی ہے۔ اور میثاق صلب آدم علیہ السلام بھی لی گئی ہے۔ يعني بذلك بيعت الرسول ﷺ و زعم ابن جرير ان المراد بذلك الميثاق الذى اخذ عليهم فى صلب ادم و هو مذهب مجاهد (ابن کثیر) ف۱۲ اور اس سے بڑھ کر اس کی شفقت و رحمت اور کیا ہوگی کہ اسی نے ایسے حکیم و شفیق رسول ﷺ کو تمہارے لیے داعی و مبلغ بنا کر بھیجا جو دلائل حقانیت اس طرح کھول کھول کر پیش کرتا ہے۔ عَبْدِهِ۔ عبد سے مراد عبد کامل یعنی رسول اسلام ﷺ کی ذات ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ البقرۃ (پ۱) آیت وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا الخ پر حاشیہ۔ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ۔ مضامین قرآنی معجزات محمدی، سب اس کے تحت میں آ گئے۔ والظاهر ان المراد بها أيات القرأن و قيل المعجزات (روح) مِنَ ...... النُّورِ۔ کفر و شرک و معاصی کی تاریکیوں سے نور ہدایت و ایمان کی طرف۔

اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ

تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہو درآنحالیکہ آسمان اور زمین سب آخر میں اللہ ہی کے

وَ الْاَرْضِ ؕ لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ

رہ جائیں گے ف۱۳ تم میں جو لوگ فتح (مکہ) سے قبل ہی خرچ کر چکے اور لڑ چکے (وہ ان کے برابر نہیں

الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ

جو بعد فتح لڑے اور خرچ کیا) وہ لوگ درجہ میں بڑھے ہوئے ہیں اُن لوگوں سے جنھوں نے

اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ وَ اللّٰهُ

بعد کو خرچ کیا اور لڑے، اور اللہ نے بھلائی کا وعدہ تو سب ہی سے کر رکھا ہے، اور اللہ کو

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۰﴾ ع مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا

تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے ف۱۴ کوئی شخص ہے جو اللہ کو اچھی طرح قرض کے طور پر دے پھر

حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَ لَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۱﴾ ج یَوْمَ تَرَی

اللہ اُسے اُس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لئے اجر پسندیدہ ف۱۵ ہے وہ دن (بھی یاد رکھنے کے قابل ہے)

الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ

جب ایمان والوں اور ایمان والیوں کو دیکھیں گے کہ اُن کا نور اُن کے آگے اور اُن کی داہنی طرف

وَ بِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا

دوڑتا ہو گا ف۱۶ آج تم کو بشارت ہے باغوں کی جن کے نیچے سے نہریں

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾ ج یَوْمَ

جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہو گے (اور) یہی بڑی کامیابی ہے ف۱۷ یہ وہ دن ہو گا

یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا

جب منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گی کہ ہمارا انتظار کر لو

ع ۱ / ۱۷

ف۱۳ تو جب سارا مال آخر ایک روز چھوڑنا ہی ہے تو ابھی سے اپنی خوشی سے طاعتِ حق کی راہ میں کیوں نہ دے دیا جائے۔ اہل ایمان کو دینی اور ملی مقاصد میں مالی شرکت کے لیے آمادہ و مستعد کیا جا رہا ہے۔ ف۱۴ (تو کسی کو یہ وہم نہ ہونے پائے کہ اس کا اجر چھوٹ جائے گا) قَبْلِ الْفَتْحِ۔ الفتح سے اکثر نے مراد فتح مکہ لی ہے۔ عن قتادة هو فتح مكة (جصاص) يعنى فتح مكة فى قول اكثر المفسرين (معالم) والجمهور على ان المراد بالفتح ههنا فتح مكة (ابن کثیر) اور بعض قول صلح حدیبیہ سے متعلق بھی ہیں۔ روى عن الشعبى قال فصل ما بين الهجرتين فتح الحديبيه و فيه انزلت هذه الاية (جصاص) بہرحال دونوں صورتوں میں جو مجاہدین و مقاتلین شروع زمانۂ اسلام میں ہوئے ہیں جبکہ اُن کی تعداد بھی بہت قلیل تھی اور وہ ہر طرح ضعیف و درماندہ بھی تھے۔ انہوں نے اپنے اُوپر جیسے جیسے شدید مجاہدے گوارا کر کے اور اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر بے دریغ اپنا سرمایہ اسلام کی خدمات کی نذر کر دیا، ان کے مرتبہ کا کیا پوچھنا، باقی جن اہل ایمان نے اُس وقت اپنے اخلاص کا ثبوت جہاد مالی و قتال سے دیا جب اسلامی سلطنت کی جڑ مضبوط ہو چکی تھی اور مسلمان کثرت تعداد اور جاہ و مال ہر لحاظ سے بڑھ چکے تھے تو اجر ان کا بھی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اُن السابقون الاولون کے درجہ کا تو نہیں۔ وَ كُلًّا ...... الْحُسْنٰی۔ جملہ مومنین کو اطمینان دلایا ہے کہ اپنے اپنے مرتبہ کے لحاظ سے اجر ملے گا سب ہی کو، محروم کوئی نہ رہے گا۔ ف۱۵ یہ ساری عبارت جہاد مالی کی ترغیب و تشویق کے لیے ہے۔ قَرْضًا حَسَنًا۔ قرض کا لفظ اس اشارہ کے لیے ہے کہ اجر کا ترتب اس قدر یقینی اور قطعی ہے کہ گویا وہ اللہ پر قرض ہے ورنہ لفظی معنی کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کو "قرض" دے ہی کون سکتا ہے؟ استعير لفظ القرض ليدل على التزام الجزاء (مدارک) فَیُضٰعِفَهٗ۔ اس میں اشارہ اجر کی کمیت و مقدار کی جانب ہو گیا — اصل سرمایہ سے کہیں زیادہ دوگنا، چوگنا، دس گنا بلکہ اس سے بھی بہت زائد ہو گا۔ كَرِیْمٌ۔ اس سے اشارہ اس اجر کی نوعیت و کیفیت کی طرف ہو گیا — خوب جی بھر اجر ملے گا۔ ف۱۶ یہ منظر حشر میں پل صراط پر سے گزرتے ہوئے ہر مومن کا ہو گا — ہر مومن کے ساتھ ساتھ اُس کا نور بقدر اس کے درجہ و مرتبۂ ایمان کے ہو گا۔ ف۱۷ یہ بشارت کا پیام سنانے والے جنت کے فرشتے ہوں گے۔

نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا

کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ حاصل کرلیں ف۱۸ (ان سے) کہا جائے گا تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر (وہیں)

نُوْرًا ۗ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۗ بَاطِنُهٗ فِيْهِ

روشنی تلاش کرو ف۱۹ پھر ان (فریقین) کے درمیان ایک دیوار قائم کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا کہ

الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؕ﴿۱۳﴾ يُنَادُوْنَهُمْ

اس کی اندرونی جانب میں رحمت ہوگی، اور اُس کے بیرونی جانب کی طرف عذاب ہوگا ف۲۰ (منافقین) پکار کر

اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ

(مومنین سے) کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے، وہ کہیں گے ہاں تھے تو لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا

وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ

اور تم راستہ دیکھا کرتے تھے اور تم شک رکھتے تھے اور تم کو تمہاری بیہودہ تمناؤں نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا، یہاں تک کہ

اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ

اللہ کا حکم آپہنچا، اور تم کو بڑے فریبیے نے اللہ کے ساتھ فریب میں ڈالے رکھا ف۲۱ غرض آج نہ تم سے کوئی معاوضہ

فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ

لیا جائے گا اور نہ کافروں سے، تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے وہی

مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

تمہاری رفیق ہے، اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے ف۲۲ کیا ایمان والوں کے لئے وقت نہیں آیا

اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ

کہ اُن کے دل اللہ کی نصیحت اور جو دین حق نازل ہوا ہے اُس کے آگے جھک جائیں

وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ

اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنھیں اُن کے قبل کتاب ملی تھی پھر اُن پر

ف۱۸ یہ اُس وقت ہوگا جب اہل ایمان اپنے اعتقاد و اعمال کی برکت سے بہت آگے بڑھ جائیں گے اور منافقین یعنی اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے والے لیکن در حقیقت کافر و منکر پیچھے بالکل اندھیرے میں رہ جائیں گے۔ یہ منافقین یا تو نور سے شروع ہی سے محروم ہوں گے اور یا ان کے پاس شروع میں کسی قدر نور ہو (اس مناسبت سے کہ مسلمانوں کے ساتھ ظاہری اعمال میں انہیں اشتراک حاصل تھا) اور فقدان ایمان و تصدیق کی بناء پر بعد کو بالکل مفقود ہو جائے اور ان کے جرم نفاق یا خداع ایمانی کی مناسبت سے لگتی ہوئی بات تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ پہلے انہیں نور مل جائے۔ اور پھر بلا شان و گمان یک بیک انہیں اُس سے محروم کر دیا جائے۔ ف۱۹ مقصود کہنے کا یہ ہوگا کہ یہ نور تو دنیا ہی کے اعمال پر مرتب ہوا ہے۔ ہو سکے تو وہیں سے جا کر اسے حاصل کرو۔ یہ احمق یہ سمجھیں گے کہ یہیں کہیں قریب ہی جانے سے مل جائے گا! قِیْلَ۔ یہ کہنے والے فرشتے ہوں گے۔ قالہٗ قتادة تقول لهم الملا ئكة (معالم) یا ممکن ہے کہ مومنین ہی ہوں۔ قال ابن عباس يقول لهم المؤمنون (معالم) ف۲۰ یعنی اہل ایمان تک پہنچنا تو منافقوں کو کیا نصیب ہوگا اُلٹے ان کے اُن کے درمیان ایک آڑ قائم کردی جائے گی۔ اور ادھر یہ پشت پھیریں گے کہ اُدھر وہ وہی پہلی روشنی جو دُور سے انہیں نظر آرہی تھی وہ بھی غائب کردی جائے گی اور یہ اندھیرے گھپ میں پڑے رہ جائیں گے۔ بَیْنَھُمْ۔ یعنی مومنوں اور منافقوں کے درمیان۔ اے بين المؤمنين والمنافقين (مدارک) بَاطِنُهٗ۔ اندرونی جانب یعنی مومنین کے رخ والی سمت۔ ظَاھِرُهٗ۔ بیرونی جانب یعنی کافروں کے رخ والی سمت۔ ف۲۱ (اور آخر وقت تک کبھی توبہ و رجوع کی توفیق نہ ملنے دی) اہل ایمان جواب دیں گے کہ بیشک تم بظاہر تو ہمارے ساتھ تھے اور ہم میں ملے جلے ہوئے تھے۔ لیکن ایسا ساتھ کس کام کا جبکہ دل سے تم اسلام اور پیمبر اسلام کے دشمن تھے؟ اور آخر وقت تک وہی ابلیسی مغالطہ کے شکار رہے۔ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ۔ یعنی کیا ہم اعمال میں اور طاعات میں تمہارے شریک نہیں رہتے تھے؟ وَتَرَبَّصْتُمْ۔ یعنی اسلام کے مٹ جانے ہی کا انتظار کرتے اور اُس کی آس لگائے بیٹھے رہے۔ وَارْتَبْتُمْ۔ اور تمہیں اسلام کی صداقت و حقانیت میں شبہ ہی رہا کیا۔ الْاَمَانِیُّ۔ بیہودہ تمنائیں یہی کہ ہم اپنے جس طریقہ پر ہیں، یہی ہماری نجات کے لیے کافی ہے۔ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ۔ اللہ سے متعلق دھوکا یہی کہ مذہب کفر حق ہے اور دین اسلام نعوذ باللہ ایک ڈھکوسلا ہے۔ اَمْرُ اللّٰهِ۔ یعنی موت۔ اے الموت (مدارک) حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ۔ یعنی عمر بھر انہیں کفریات میں پڑے رہے اور توبہ نہ کی۔ یہاں تک کہ موت آگئی۔ الْغَرُوْرُ۔ بڑا فریبیا یعنی شیطان۔ ف۲۲ (کہ یہ دار الجزاء ہے، دار العمل نہیں۔ اور تمہاری معیت ظاہری یہاں نجات کے لیے ہرگز کافی نہیں ہو سکتی) مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یعنی نہ چھپے ہوئے کافروں (منافقوں) سے اور نہ کھلے ہوئے کافروں سے۔

عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ

ایک لمبا زمانہ گزر گیا تو اُن کے دل خوب سخت ہو گئے اور اُن میں کے بہت سے

فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ

کافر ہیں ف۲۳ جانے رہو کہ اللہ ہی زمین کو اُس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کر دیتا ہے

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ

ہم نے مثالیں تمہارے سامنے کھول کر پیش کر دی ہیں تا کہ تم سمجھو ف۲۴ بلاشبہ صدقہ دینے والے

وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ

اور صدقہ دینے والیاں (یہ جو) اللہ کو خلوص کے ساتھ (قرضہ دیں) تو وہ صدقہ اُن کے لئے بڑھایا جائے گا اور اُن کے لئے

لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ

اجر پسندیدہ ہے ف۲۵، اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیمبروں پر (پورا) ایمان رکھتے ہیں

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖۗ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ

وہی تو اپنے پروردگار کے ہاں صدیق اور شہید ہیں،

لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ

اُن کے لئے اُن کا اجر اور اُن کا نور (خاص) ہو گا ف۲۶ اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾ اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

وہی لوگ دوزخی ہیں خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض

لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ

ایک کھیل کود اور (ظاہری) خوشنمائی اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے پر

وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ

اپنی برتری جتلانا ہے ف۲۷ گویا کہ مینہ ہے کہ اُس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر خشک ہو جاتی ہے

ع ۲/۱۸

ف۲۳ یعنی بجز ایک قلیل تعداد کے جو اُن میں سے مسلمان ہو گئی باقی کثرت سے ان لوگوں کو قبول حق سے عار آنا شروع ہو گیا۔ اور نبی کریم ﷺ کی عداوت اُن کے دلوں میں خوب گہری بیٹھ گئی۔ اَلَمْ ...... الْحَقِّ۔ ذکر اُن مومنین کا ہے جو صاحبِ ایمان تو ہیں لیکن ان کے عمل میں کثرت سے کوتاہیاں ہیں، اُنہیں کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ ترک معاصی، اور طاعات ضروری کی پابندی کا عزم دل سے کر لیں اور اس توبہ ورجوع میں جلدی کریں۔ اَلَمْ يَاْنِ۔ مراد یہ ہے کہ رجوع وتوبہ میں تاخیر وتساہل ہی کیوں ہو؟ كَالَّذِيْنَ ...... قَبْلُ۔ مراد یہود وصاحب صحائف اسرائیلی ہیں۔ كَالَّذِيْنَ ...... قُلُوْبُهُمْ۔ قدیم اہل کتاب نے جب اپنی اپنی کتاب کے ہدایات کے برخلاف شہوات ومعاصی میں انہماک پیدا کر لیا تو رفتہ رفتہ ان کی قساوت قلب کی اب یہ نوبت پہنچ گئی کہ ندامت وملامت اضطراری کی بھی اہلیت باقی نہ رہ گئی۔ آیت سے ایک عملی سبق یہ ملا کہ خود مسلمانوں کو معاصی سے توبہ ورجوع میں عجلت کرنا چاہیے ورنہ بعض اوقات رفتہ رفتہ توبہ کی توفیق ہی جاتی رہتی ہے۔ اور پھر عیاذاً باللہ نوبت کفر تک پہنچ جاتی ہے۔ الأية تدل على ان كثرة المعاصى و مساكنتها والفها تقسى القلب و تبعد عن التوبة (جصاص) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیت سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک خشوع کا لزوم ودوام، دوسرے یہ کہ طول غفلت سے قساوت قلب پیدا ہو جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ قساوت کا علاج ذکر اللہ کی کثرت ہے۔ ف۲۴ (کہ جس طرح اللہ بارش بھیج کر خشک زمین کو از سر نو تازہ وسر سبز کر دیتا ہے۔ اُسی طرح توبہ کے اثر سے وہ خالق ذوالجلال قلب مردہ کو بھی زندہ اور درست کر دیتا ہے۔ اس لیے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں) ف۲۵ اس آیت کے لیے ملاحظہ ہو سورۂ ہذا کا حاشیہ نمبر ۱۵۔ قرض حسنہ۔ اصطلاح شریعت میں ایسے مال کو کہتے ہیں جو حلال کمائی سے خوشدلی اور اخلاصِ نیت کے ساتھ صاحبِ احتیاج کو دیا جائے۔ والقرض الحسن ان يتصدق من الطيب عن طيبة النفس و صحة النية على المستحق للصدقة (مدارک) ف۲۶ یعنی جن لوگوں نے تصدیق ایمانی اور پابندئ طاعات پوری طرح کر کے مومن ہونے کا حق ادا کر دیا، وہ اللہ کے ہاں تو مرتبہ صدیقیت و شہادت پر پہنچ گئے۔ الصِّدِّيْقُوْنَ۔ صدیق یہاں اسی معنٰی میں ہے، جس معنٰی میں اُردو میں "ولی" بولتے ہیں۔ لفظی معنٰی اس شخص کے ہیں جو بڑی کثرت سے صدق سے کام لیتا ہو، یا جو اپنی زبان سے، قلب سے، عمل سے سب سے تصدیق کرتا ہو۔ والصديق من كثرمنه الصدق (راغب) قيل بل لمن صدق بقوله و اعتقاده و حقق صدقه بفعله (راغب) الصديق كثير الصدق (معالم) اے السابقون فى التصديق (جلالين) وَالشُّهَدَآءُ۔ شہید یہاں لغوی معنٰی میں ہے۔ یعنی حق کے گواہ۔ اے هم الذين استشهدوا فى سبيل الله (مدارک) واراد بالشهدآء المؤمنين المخلصين (معالم) باقی اگر شہید سے یہاں مراد اصطلاحی شہید یا قتیل فی سبیل اللہ ہو، جیسا کہ بعض اکابر مفسرین کا قول ہے۔ تو معنٰی یہ کیے جائیں گے کہ مومن کامل اپنی جان ومال دونوں کو اپنی جگہ پر تو اللہ کی راہ میں وقف اور خدمت دین کی نذر کر ہی دیتا ہے۔ رہا یہ کہ اس کے بعد بھی جان گئی یا رہی تو یہ تو اس کے اختیار کی چیز نہیں۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ یعنی حکم الٰہی میں۔ پروردگار کے نزدیک۔ اے فى حكمه و علمه سبحانه (روح) المراد اولئک فى حكم الله تعالىٰ بمنزلة الصديقين والشهداء المشهودين بعلوالرتبة و رفعة المحل (روح) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ مومنین کو مطلقاً صدیق و شہید فرما دینا دلیل ہے اس پر کہ ان میں بھی مراتب ہیں اور ادنیٰ مرتبہ ہر مومن کو حاصل ہے جیسا کہ ولایت عامہ ہر مومن کے لیے عام ہے۔ ف۲۷ (اس لیے بحیثیت مقصود کے ہرگز قابل توجہ والتفات نہیں) یہاں یہ بتا دیا ہے کہ دنیا کے مقاصد سب کے سب فانی وسریع الزوال ہوتے ہیں اور اہل دنیا عمر کے ہر دَور میں انہیں کے اُلٹ پھیر میں رہتے ہیں۔ لڑکپن کا زمانہ کھیل کود کی نذر ہو جاتا ہے۔ سن اور بڑھا، تو حسن وعشق کے جھمیلے میں پڑ گئے۔ یا تجارت، ملازمت وغیرہ زرکشی کے پیشوں میں لگ گئے۔ سن کہولت آنے لگا تو اب ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر ومسابقت مال وجاہ وشرافت خاندانی وغیرہ کی بنیادوں پر ہونے لگا۔ غرض ساری عمر انہیں بے بنیاد وبے ثبات مقصدوں کے پیچھے دوڑتے رہنے میں گزر جاتی ہے۔ اور آخرت جو مقصود اصلی ہے اور حیات لافانی ہے وہ عمر کے کسی حصہ میں خیال میں نہیں آتی۔ آیت کے مفہوم کا انطباق جس طرح دنیا پرست افراد واشخاص پر ہوتا ہے اسی طرح آخرت فراموش ودنیا پرست قوموں، حکومتوں اور نسلوں پر بھی ہوتا ہے۔ مشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت سے صریح تعلیم دنیا سے زہد اور بے رغبتی کی نکلتی ہے۔

فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَ فِي الْاٰخِرَةِ

سو تو اُسے زرد دیکھتا ہے، پھر وہ چُورا چُورا ہو جاتی ہے ف۲۸ اور آخرت میں

عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ

عذاب شدید بھی ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی،

وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوْۤا اِلٰى

اور دنیوی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے ف۲۹ دوڑو اپنے پروردگار کی

مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ

مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت

وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ

کی سی ہے ف۳۰ تیار کی گئی ہے اُن لوگوں کے لئے جو اللہ اور اُس کے پیمبروں پر ایمان رکھتے ہیں، یہ

فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جسے چاہے عطا کرے، اور اللہ ہی بڑے

الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا

فضل والا ہے ف۳۱ کوئی سی بھی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ

فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ

خاص تمہاری جانوں میں، مگر یہ کہ (سب) ایک رجسٹر میں (لکھی ہیں) قبل اس کے کہ ہم اُن جانوں کو پیدا کریں، یہ

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا

اللہ کے لئے آسان ہے ف۳۲ (یہ بات بتادی گئی ہے) تاکہ جو چیز تم سے لی جارہی ہے اُس پر (اتنا) رنج نہ کرو، اور جو چیز

تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ

اُس نے تمہیں دی ہے اُس پر اتراؤ نہیں ف۳۳ اور اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو

ف۲۸ تشبیہ سے مقصود بہار دنیا کے بالکل عارضی ہونے اور پھر اس کے زوال واضمحلال کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ ف۲۹ (عالم آخرت کی بقاء و پائداری کے مقابلہ میں) دنیا کی بے ثباتی اور فنا پذیری پر ایک بار پھر زور دیا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اس عارضی وفانی دنیا و سامان دنیوی کے برعکس عالم آخرت باقی ولازوال ہے اور وہاں کی کیفیتیں دو ہیں۔ دونوں ثابت وباقی۔ ایک کافروں کے لیے اور وہ عذاب شدید ہے، دوسری ایمان والوں کے لیے اور وہ اللہ کی مغفرت ورحمت ہے۔ اب انسان کو اختیار ہے کہ ان دو میں سے جس کو چاہے اپنا مقصود اعظم بنالے۔ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ۔ مشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ مغفرت عامۂ مومنین کے حصہ میں آئے گی اور رِضْوَانٌ خواص وعاشقین کے نصیب میں۔ مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ یہ دنیا دھوکے کی ٹٹی بس انہیں لوگوں کے حق میں ہے جو اس میں پڑے رہتے اور اسی پر بھروسہ کیے رہتے ہیں، آخرت کو بھلائے ہوئے۔ لمن رکن الیها و اعتمد علیها (مدارک) ای هی متاع فان غارٍ لمن رکن الیه فانه یغتربها و تعجبه حتّٰی یعتقد انه لا دار سواها ولا معاد وراءها (ابن کثیر) لمن لم یشتغل فیها بطلب الأخرة (معالم، عن سعید بن جبیر) لمن اطمأن بها و لم یجعلها ذریعة للأخرة (روح)

ف۳۰ یعنی بے انتہاء وسیع۔ قرآن محاورۂ انسانی میں ہے اور محاورۂ انسانی میں زمین وآسمان کی سی وسیع کے معنٰی ہی بے انتہاء وسیع کے ہیں۔ قرآن مجید کی بلاغت ملاحظہ ہو جونہی اس متاع دنیا کے فانی اور ہیچ ہونے اور دولت آخرت کے باقی وقائم ہونے کا نقش دل میں بیٹھا، معاً جنت کی طرف دوڑ کرنے کا پیام پہنچا دیا ـــ سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ الخ۔ ف۳۱ (وہ صرف خواص اور مجاہدین یا عاشقین ہی کو نہیں، ہر عامی مومن کو بھی اپنے فضل وکرم کے بحر بیکراں سے سیراب کرے گا) اُعِدَّتْ ...... رُسُلِهٖ۔ اس میں جتا دیا کہ جنت تو ہر مومن کا مستقر اصلی ہے ہی۔ ذٰلِكَ ...... يَشَآءُ۔ اس میں یہ اشارہ کردیا کہ کوئی اپنے اعمال پر مغرور نہ ہو جائے۔ یعنی یہ تو محض ہمارا فضل وکرم ہے جو جنت میں پہنچا دیتا ہے اور اس کا مدار ہماری مشیت پر ہے گو ہم نے اپنی رحمت سے اپنی مشیت ان عمل کرنے والوں ہی کے ساتھ وابستہ کردی ہے۔ ف۳۲ (کیونکہ اُس کے علم میں حال و مستقبل سب یکساں ہے) مَا ...... نَّبْرَاَهَا۔ یعنی جتنی بھی مصیبتیں انسان کے لیے ممکن ہیں خواہ داخلی ہوں یا خارجی۔ سب ازل سے مقدر ہیں۔ كِتٰبٍ۔ مراد لوح محفوظ ہے۔ و هو اللوح المحفوظ ای مکتوبة فیه (بحر) یعنی اللوح المحفوظ (معالم) ذٰلِكَ۔ یعنی قبل وقوع ان کا لکھ دینا۔ ای تقدیر ذٰلک و اثباته فی کتاب (مدارک) نَّبْرَاَهَا۔ ضمیر ها، انفس کے لیے ہے۔ والضمیر علٰی ما روی عن ابن عباس و قتادة والحسن و جماعة للانفس (روح) ف۳۳ یعنی کوئی نعمت یا عطیۂ الٰہی تمہارے دلوں میں اتراہٹ یا فخر کے جذبات نہ پیدا کرنے پائے جو طاعتِ الٰہی سے مانع ہو جاتا ہے ـــ باقی رہی طبعی مسرت تو وہ تو جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ اتراہٹ تو اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان کسی خوبی کو اپنے ذاتی استحقاق کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ قرآن مجید نے اس کی جڑ کاٹ دی، جب نعمت کے لیے محض حق تعالٰی کے حکم و مشیت کا استحضار ہو گیا تو اب اتراہٹ ہونے ہی کیوں لگی؟ عَلٰى مَا فَاتَكُمْ۔ جو چیز تم سے جاتی رہے تمہارے محبوبات ومرغوبات میں سے مثلاً مال یا اولاد یا صحت و عافیت یا حسن وشباب یا کوئی عزیز یا دوست۔ لکیْ‌ اس کا عامل اخبرنا کم مقدر ہے۔ لَا تَاْسَوْا۔ یعنی رنج وغم حد سے زیادہ نہ کرو۔ جو طاعت الٰہی میں حائل ہو جائے۔ صدمۂ طبعی سے کوئی ممانعت مقصود نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں علاج ہے حزن کا تقدیر کے یاد کرلینے سے نیز یہ اشارہ ہے کہ اس میں ضرور ہماری ہی مصلحت ہوگی گو ہمیں تفصیل سے علم نہ ہو۔ ف۳۴ یہ وعید ہے اتراہٹ پر۔ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔ مُخْتَالٍ اور فَخُوْرٍ دو لفظ آئے ہیں۔ اختیال کی بنیاد کمالات داخلی پر ہوتی ہے۔ مثلاً علم عبادت وغیرہ اور فخر کی بنیاد کمالات خارجی پر مثلاً مال و جاہ وغیرہ۔ ف۳۵ (حُبّ دنیا کی بنیاد پر) يَبْخَلُوْنَ۔ الْبُخْلِ۔ بخل کے عام ووسیع معنٰی ہیں، حق اللہ وحق العباد کو ضائع کردینے اور انہیں ادا نہ کرنے کے۔ یہاں خصوصیت کے ساتھ اشارہ ہے طاعات ضروری میں خرچ کرنے سے رُک جانے پر۔ آیت سے اشارہ اس طرف ہو گیا کہ حُبّ دنیا ایسی چیز ہے کہ جس سے اکثر صفات ذمیمہ پیدا ہو جاتے ہیں، مثلاً اختیال اور افتخار اور بخل وغیرہ ذٰلک (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

ف۳۶ یعنی حکم انفاق کے بعد بھی بخل کرتے رہو گے تو اس میں ضرر صرف تمہارا ہی ہے، حق تعالیٰ کا اس میں کیا نقصان، وہ ذات پاک تو اپنی ذات وصفات دونوں کے لحاظ سے خود ہی ہر طرح کامل واکمل ہے بلکہ استکمال بالغیر تو اس کے لیے محال ہی ہے۔ آیت سے اس عقیدۂ جاہلیت کی بھی تردید مقصود ہے کہ پجاریوں کی خدمات سے خود دیوتا اور خدا مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ ف۳۷ (اسی اصلاح اُخروی کی غرض سے) اَلْبَیِّنٰتِ کے تحت میں احکام، ہدایات، دلائل ومعجزات سب آگئے۔ ای الحجج والمعجزات (روح) ف۳۸ حقوق اللہ میں حقوق العباد میں غرض سارے اجزائے شریعت میں) وَاَنْزَلْنَا ...... بِالْقِسْطِ۔ یعنی انہیں آسمانی کتابوں میں احکام بندوں کی باہمی معاملت و معاشرت سے متعلق دیئے، اور ہدایات عدل اور ادائے حقوق کے بارہ میں نازل کیے۔ شریعت اسلامی کا تعلق صرف فلاح آخرت سے نہیں بلکہ اس دنیا کے بھی پورے انتظامات سے ہے اور شریعت کے اس دنیوی اور انتظامی جزء کی اہمیت خصوصی آیت کے الفاظ سے ظاہر ہورہی ہے۔ اَلْکِتٰبَ۔ کتب ظاہر ہے کہ یہاں جنس کتاب کے لیے ہے اور اس سے مراد تمام کتب وصحائف آسمانی ہیں۔ ای جنس الکتب الشامل للکل (روح) اَلْمِیْزَانَ۔ میزان سے مراد عدل یا احکام عدل سے لی گئی ہے۔ المیزان اشارۃ الی حمل الناس علیٰ تلک الاحکام المبنیۃ علی العدل والانصاف (کبیر) یعنی العدل (معالم) و ھو العدل قالہ مجاھد و قتادۃ و غیرھما (ابن کثیر) و اکثر المتاولین علی ان المراد بالمیزان العدل (بحر) بعض محققین نے اس لفظ سے مراد عقل سلیم یا معرفت حق یا ضمیر لی ہے، جو ہر انسان کی سرشت میں داخل ہے اور دعوتِ انبیاء ہی کی طرح اس کے بھی بغیر حجت الٰہی انسان پر قائم نہیں ہوتی چنانچہ بچہ اور مجنون اسی لیے تو تکلیف شرعی سے بری ہیں کہ ان کی عقلیں اور ان کے ضمیر کامل اور نمویافتہ نہیں۔ المیزان ھو الذی یتمیز بہ العدل عن الظلم والزائد عن الناقص (کبیر) لیقوم میں ل تعلیل کا ہے۔ علۃ لانزال الکتاب والمیزان و القیام بالقسط (روح) یعنی ہدایت خلق انہیں دو اُمور تعلیم کتاب ومیزان سے قائم ووابستہ ہے۔ اَلْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کتاب سے اشارہ قوت نظری کی جانب ہے اور میزان سے اشارہ قوت عملی کی جانب۔ والحاصل ان الکتاب اشارۃ الی القوۃ النظریۃ والمیزان الی القوۃ العملیۃ (کبیر) ف۳۹ اَلْحَدِیْدَ۔ یہی لوہا ہے جسے ہم آپ سب جانتے پہچانتے ہیں۔ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ۔ معمولی اور گھریلو چاقو، چھری، استرہ قرولی سے لے کر تلوار، نیزہ، سنگین، خنجر، پستول، رائفل، مشین گن، توپ وغیرہ سے ہوتے ہوئے جدید ترین قسم کے آلات مہلک، ایٹم بم وغیرہ پر نظر کر جائیے۔ ہر ایک میں کارفرمائی اسی مہلک اور پرہیبت دھات، لوہے ہی کی نظر آئے گی اور پھر ہتھیاروں یا اسلحہ کے علاوہ دوسرے قسم کے مہلک آلاتِ حرب، ٹینک، جیپ، آرمرڈ کار، ڈریڈ ناٹ جہاز، آبدوز کشتیاں، تباہ کن کشتیاں، بمبار طیارے، شکاری طیارے وغیرہا، ان سب کو بھی نظر میں رکھیے جب جا کر لفظ قرآنی کی حیرت انگیز ومعجزانہ جامعیت کی قدر ہوگی۔ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ آج دنیا جس کارخانہ عالم کو کارگاہِ تہذیب وتمدن کے نام سے یاد کرتی ہے، اس سے لوہے کے چھوٹے بڑے سارے مصنوعات، گھریلو پل اور سوئی اور ٹب اور پن اور سیفٹی پن اور قینچی اور ہولڈر اور پھاوڑہ اور بیلچہ اور کدال اور اُسترے اور ناخن گیر اور کرچھے اور دست پناہ اور کھرپے اور بسولے اور ہنسیا اور گنڈاسے اور کلہاڑی اور چھلنی اور ہاون دستہ اور کرنی اور ہتھوڑے اور انگیٹھی اور ترازو کے پلڑے اور ترازو کے باٹ اور کیل اور برنجی کیل اور موٹے چولھے اور کنجی اور قفل اور چتر اور آرے اور قبضے اور پیچکش اور سنگنی اور زنجیر اور کنڈی اور چھتری کی تیلیوں اور سائیکل کی تیلیوں اور پانے اور تانگوں گاڑیوں، اکوں کی کمانیاں اور دھونکنی اور سلائیں اور توے اور پہیوں کے آہنی خول اور موٹر اور موٹر سائیکلیں، ریلوے انجن اور فائر انجن اور ٹیلیفون اور ٹیلیگراف اور ریڈیو کے تار اور ریل کی پٹریاں اور خود اور ٹراموے اور ان سب کے اندر کے بیشمار پرزوں اور جنگی وغیر جنگی، رزمی، بزمی، اَن گنت بڑی اور چھوٹی مشینوں کو ذرا معدوم فرض کر کے دیکھئے کہ اعلیٰ شہری تمدن تو خیر بڑی چیز ہے ادنیٰ دیہاتی تمدن بھی باقی رہ جاتا ہے؟ یہ سارے جائزے لے ڈالنے کے بعد الفاظ قرآنی کی معجزانہ جامعیت پر بے اختیار قربان ہو جانے کو جی چاہے گا! ف۴۰ یعنی تاکہ یہ نمایاں اور ظاہر ہو جائے کہ کون کون ان نعمتوں سے دین کی اقامت ونصرت اور جہاد فی سبیل اللہ میں کام لیتا ہے۔ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ۔ اللہ کے معلوم کر لینے کے معنی ہوتے ہیں کسی شی کے علانیہ ثابت ہو جانے اور ظہور پذیر ہو جانے کے۔ بِالْغَیْبِ۔ یعنی محض اپنی قوت ایمانی کے سہارے ایسے خدا اور اُس کے دین کی نصرت کریں جو اُن کی نظر سے مخفی ومستور ہے۔ ای غائبًا منھم (روح، مدارک) ای قام بنصرۃ الدین ولم یرو اللہ ولا الاٰخرۃ (معالم) ف۴۱ اسے کوئی حاجت کسی قسم کی بھی کسی بندہ کی نصرت واعانت کی نہیں، احکام جہاد وغیرہ جو ملے رہے ہیں سب بندوں ہی کے اخلاص کی جانچ پڑتال کے لیے ہیں۔ ف۴۲ اس میں اس بڑی اہم تاریخی حقیقت کا اعلان آگیا کہ نبوت وشریعت آسمانی کا سلسلہ بنی نوح میں نسل ابراہیمی کے واسطہ سے چلا اور دوسری نسلیں طرح طرح کے شرک اور وہم پرستیوں میں پڑی رہ گئیں۔ ف۴۳ فَمِنْهُمْ۔ ضمیر ھم ان پیمبروں کی ذریت کی جانب بھی ہوسکتی ہے اور اُمتانِ دعوت کی جانب بھی۔ ای فمن الذریۃ اومن المرسل الیھم (کبیر) فٰسِقُوْنَ۔ یہاں لفظی معنی میں ہے۔ اصطلاح فقہ میں نہیں، مراد یہاں کافر ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں اور بھی متعدد مواقع پر ہے۔ یعنی الذین ترکوا الایمان بعیسیٰ و محمد علیھما الصلوٰۃ والسلام (معالم) فارقون عن حدود دینھم (روح) ف۴۴ (جو سلسلہ انبیاء اسرائیل کے خاتم ہوئے ہیں اور ان کے اور خاتم النبیین ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں بجز یحییٰ علیہ السلام کے جو عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے معاصر بھی تھے) ف۴۵ یہ دعویٰ تو مسلمانوں کا ہے کہ قرآن کی طرح انجیل نامی بھی ایک کتاب آسمانی نازل ہو چکی ہے، لیکن موجودہ مسیحیت صدیوں سے اس دعوے سے کلیۃً دستبردار ہو چکی ہے وہ تو اس کی قائل ہے کہ مسیح علیہ السلام سرے سے کوئی پیامبر ہی نہ تھے جو کسی اور کا پیام یا کسی کی طرف سے کتاب لے کر آتے۔ وہ تو خود (نعوذ باللہ) مظہر ذات باری تھے، اور اُن کی زبانی بعض بشارتیں سن کر اور اُن کے معجزات وخوارق دیکھ کر بعض لوگوں نے زبانی یا تحریرا دوسروں تک پہنچا دیے۔ اور ان دوسروں نے ان انسانی نوشتوں کے مختلف مجموعوں کو مختلف انجیلوں کے نام سے شائع کر دیا ــــ قرآن مجید کے الفاظ وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ۔ سے گو اوّل

فَخُوْرِ ۙ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ

پسند نہیں کرتا ۳۴ (وہ لوگ ایسے ہیں) جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم

بِالْبُخْلِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

دیتے رہتے ہیں ف۳۵ اور جو کوئی روگردانی اختیار کرے گا، تو اللہ تو (سرتاسر) بے نیاز ہے ستودہ صفات ہے ف۳۶

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ

ہم نے اپنے پیمبروں کو کھلی ہوئی چیزیں دے کر بھیجا ف۳۷ اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب کو

وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ

اور انصاف کرنے کو نازل کیا، تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں ف۳۸ اور ہم نے لوہے کو (بھی) نازل کیا

فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ

کہ اس کے اندر شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی فائدے ہیں ف۳۹ اور اس لئے بھی تاکہ اللہ جان لے

مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾

کہ بے دیکھے اُس کی اور اس کے پیمبروں کی مدد کون کرتا ہے ف۴۰ بے شک اللہ (بڑا) قوت والا ہے (بڑا) زبردست ہے ف۴۱

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا

اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو پیمبر بنا کر بھیجا اور دونوں کی نسل میں

النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ

نبوت اور کتاب جاری کر دی ف۴۲ سو اُن میں سے ہدایت یافتہ بھی ہوئے، اور اکثر اُن میں کے

فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا

نافرمان نکلے ف۴۳ پھر ہم اُن کے بعد اپنے اور پیمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور اُن کے بعد ہم نے

بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ۬ وَ جَعَلْنَا

عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا ف۴۴ اور ہم نے انہیں انجیل دی ف۴۵ اور جن لوگوں نے اُن کی

ع ۱۹

فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَ

پیروی کی، اُن کے دلوں میں ہم نے شفقت اور نرمی رکھ دی تھی ف۴۶ اور رہبانیت کو

ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ

انہوں نے خود ایجاد کرلیا، ہم نے اُن پر واجب نہیں کیا تھا، بلکہ انہیں نے اللہ کی رضامندی کی خاطر (اسے اختیار کر

اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا

لیا تھا) ف۴۷ سو انہوں نے اس کی رعایت پوری پوری نہ کی ف۴۸ سو اُن میں سے جو (اب) ایمان لائے ہم نے انہیں

مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٧﴾ يَا أَيُّهَا

اُن کا اجر دیا اور زیادہ تو اُن میں کے نافرمان ہی ہیں ف۴۹ اے

الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ

ایمان والو اللہ سے ڈرو، اور اُس کے پیمبر پر ایمان لاؤ اللہ تم کو اپنی

كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ

رحمت سے دُگنا حصہ دے گا ف۵۰ اور تمہارے لئے (وہ) نور پیدا کر دے گا کہ تم اُسے لئے

بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٨﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ

چلو پھرو گے، اور وہ تم کو بخش دے گا، اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحم کرنے والا ہے ف۵۱ (اور یہ دولتیں اس لئے عطا کرے گا)

أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّن فَضْلِ

تاکہ اہل کتاب کو (قیامت میں) معلوم ہو جائے کہ انہیں اللہ کے فضل کے کسی چیز پر

اللَّهِ ۙ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ

بھی دسترس نہیں، اور یہ کہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے عطا کرے،

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾

اور اللہ بڑے فضل والا ہے ف۵۲

ع ۲۰

نظر میں متبادر یہی ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی قرآن مجید کی طرح ایک کتاب انجیل نامی نازل ہوئی تھی لیکن یہ معنی بالکل قطعی اور لازمی نہیں۔ اور یہ تو بہرحال قطعی ہے کہ جس وحی شدہ انجیل کا یہاں ذکر ہے۔ وہ اس نام کی وہ کتاب تو ہرگز نہیں جو اس وقت مسیحیوں کے ہاتھ میں ہے۔ ف۴۶ (اور یہ علامت اُن کے صحیح اتباع مسیح علیہ السلام کی تھی) الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ۔ خوب خیال رہے کہ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً کی صفات مدحیہ اُن واقعی متبعین مسیح علیہ السلام کے حق میں ارشاد ہو رہی ہیں، نہ کہ نصرانیوں کے حق میں۔ ف۴۷ یعنی اس سے مقصود ان لوگوں کا اپنے دین و ایمان کا تحفظ بلکہ کمال روحانی حاصل کرنا تھا۔ وَرَهْبَانِيَّةَ۔ رہبانیت کے معنی ترک لذات و تحمل شدائد کے ہیں اور بعض اہل لغت کے نزدیک محض زیادتی اور افراط کے۔ الرهبانية غلو فی تحمل التعب من فرط الرهبة (راغب) قال القاری واصل الرهبانية من الرهبة ثم صارت اسمًا لما فضل عن المقدار و افرط فيه (تاج۔لسان) مسیحیوں نے ابتدائی صدیوں ہی سے بعض مشرک فلاسفہ یونان و مصر وغیرہ کے اثر سے اپنا مسلک رہبانیت یا ترک دنیا کا اختیار کرلیا تھا، جس کے تحت میں ترک نکاح، ترک لذائذ غذائی، ترک حیوانات، ترک خانماں، ترک طہارت، ترک اختلاط اور صحرا گزینی وغیرہ سب آگئے۔ والمراد من الرهبانية ترهبهم فی الجبال فارين من الفتنة فی الدين مخلصين انفسهم للعبادة متحملين كلفاً زائدة على العبادات التى كانت واجبة عليهم من الخلوة واللباس الخشن والاعتزال عن النساء والتعبد فى الغيران والكهوف (کبیر) ابتدعوها۔ اس نے صاف کردیا کہ یہ مسلم ترک دنیا ہرگز تعلیم ربانی کے مطابق و ماتحت نہ تھا۔ نہ صراحۃً نہ اُس سے ماخوذ و مستنبط۔ مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ۔ مزید تاکید و زور کے لیے پھر فرما دیا گیا کہ یہ مسلک ترک دنیا شریعت ربانی کا جزء ہرگز نہ تھا۔ تمامتر ایک انسانی اختراع تھی۔ صوفیۂ محققین نے لکھا ہے کہ سلوک و تصوف سے مقصود تمامتر رضاء الٰہی ہی رکھنا چاہیے نہ کہ تفاخر و حصول مراتب و درجات عالیہ۔ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ۔ اس کا تعلق ابتدعوھا سے ہے۔ یعنی اُن کی نیت اس بدعت سے اتباع رضاء الٰہی ہی تھی۔ انهم قصدوا بذٰلك رضوان الله تعالٰى قاله سعيد بن جبير و قتادة (ابن کثیر) ف۴۸ (اور یہی ہوا کہ اپنے لگائے ہوئے قیود اور اپنے عائد کیے ہوئے شرائط خود ہی نہ نباہ سکے اور پھسل پھسل گئے) ابھی آچکا ہے کہ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ یعنی اُن کی نیت بخیر تھی یہ اپنے اُوپر مشقتیں اور کلفتیں انہوں نے تقرب خداوندی ہی کی غرض سے عائد کی تھیں، لیکن بدعت بہرحال بدعت تھی۔ نباہ یہ اس کا بھی نہ کرسکے۔ رہبانیت کی ساری تاریخ خود مسیحیوں کے قلم کی لکھی ہوئی، ایک بڑی حد تک فسق و فجور ہی کی تاریخ ہے۔ قرآن مجید نے حکیمانہ ایجاز کے ساتھ صرف اشارہ کردیا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ آیت میں راہبین نصاریٰ کی مذمت دو دو حیثیتوں سے ہے۔ ایک تو دین میں بدعت یا نئی راہ نکالنے کی حیثیت سے، دوسرے اس پر کہ اپنے بدعی عبادات و التزامات کو بھی نباہ نہ سکے۔ و هذا ذم لهم من وجهين احدهما الابتداع فی دين الله ما لم يامر به الله و الثانى فى عدم قيامهم بما التزموه مما زعموا انه قربة يقربهم الى الله عز و جل (ابن کثیر) ف۴۹ (چنانچہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان نہیں لا رہے ہیں) فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ ...... اَجْرَهُمْ۔ یعنی جنہوں نے اپنے پیمبر وقت کی تصدیق کی اور اُن پر پوری طرح ایمان لائے، انہیں اجر بھی پورے کا پورا ملا۔ ف۵۰ کتابی مومن کے اجر کا دوگنا ہونا ظاہر ہے۔ ایک اجر اپنے نبی سابق کی تصدیق کا۔ دوسرا پیمبر وقت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق کا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یہاں خطاب حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان رکھنے والوں سے ہے۔ اور انہیں دعوت خاتم النبیین پر ایمان لانے کی دی جارہی ہے۔ فی رواية النسائى عن ابن عباس انه حمل هذه الأية على مؤمن اهل الكتاب (ابن کثیر) الخطاب لاهل الكتابين من اليهود والنصارٰى (معالم) اللذين امنوا بعيسٰى (جلالین) اتَّقُوا اللّٰهَ۔ دعوت ایمان سے معاً پہلے اتقوا الله لانے میں اشارہ ہے کہ معاصرین اہل کتاب کی راہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی بڑی روک تقویٰ کی کمی تھی اور ایمان لانے میں بڑا دخل تقویٰ کو تھا۔" اس آیت میں جو اہل کتاب کو يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے تعبیر فرمایا ہے۔ باوجودیکہ عادت قرآنیہ اس لفظ سے صرف مسلمانوں کو خطاب کرنے کی ہے، اس میں نکتہ غالبًا یہ ہے کہ چونکہ یہ ایمان اُن کا ایمان بالرسول کے بعد ایمان مقبول ہو جائے گا، اس لیے اس کو ایمان معتد بہ سے تعبیر فرمایا"۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ۔ ملاحظہ ہو سورۃ القصص (پ۲۰) آیت اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ کا حاشیہ۔ ف۵۱ (اور ان صفات غفر و رحمت کے ظہور کامل کا وقت حشر ہی میں ہوگا) يَجْعَلْ ...... بِهٖ۔ یعنی ایسا نور ایمان عطا کردے گا جو یہاں سے لے کر پلصراط تک برابر تمہارا رفیق رہے گا۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ۔ یعنی باوجود تمہارے پچھلے کفر اور شدید نافرمانیوں کے بھی تمہاری مغفرت ایمان لانے کے بعد کردے گا۔ ف۵۲ (اسے یہ سرکش و نافرمان ذرا سا بھی موقع دیتے تو اُن کی نجات و مغفرت رکھی ہوئی تھی) اَهْلُ الْكِتٰبِ۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہیں ابھی ابھی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مخاطب کیا گیا تھا۔ انہیں محض اَهْلُ الْكِتٰبِ کہنے میں اشارہ یہ ہے کہ ابھی یہ صرف اہل کتاب ہیں محض انبیاء قدیم حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ پر ایمان ظاہر کرنا اور جتلانا انہیں مومن رہنے کے لیے کافی نہیں۔ لِئَلَّا يَعْلَمَ۔ علم یہاں تحقیق کے معنی میں ہے۔ اے لیتحققوا (ابن جریر) لِئَلَّا یہاں کے یال کے مفہوم میں ہے۔ اے ليعلم ولا مزيدة (کشاف) اکثر المفسرين والنحويين على ان لا زائدة والمعنى ليعلم (نیشاپوری) اعلم ان اكثر المفسرين على ان لا ههنا صلة زائدة والتقدير ليعلم اهل الكتاب (کبیر) لِئَلَّا يَعْلَمَ۔ یہ تحقق قیامت کے دن ہوگا۔ جو ہر حقیقت کے انکشاف کامل کا وقت ہوگا۔ اَلَّا ...... فَضْلِ اللّٰهِ۔ یعنی اہل کتاب عدم ایمان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت میں فضل خداوندی سے ذرا بھی مستفید نہ ہوسکیں گے ۔۔۔ یہ اہل کتاب کے اس زعم باطل کی تردید میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم موسیٰ اور عیسیٰ کا دامن پکڑے ہوئے ہیں ہمیں کیا غم و اندیشہ ہے۔ اَنَّ ...... يَّشَآءُ۔ اور اُسی کی مشیت اپنے فضل کو اہل ایمان کے ساتھ متعلق و مخصوص کرنے کی ہے۔ بحمد اللہ اس پارہ ۲۷ کی نظر ثانی سے فراغت دوشنبہ ۲۴ صفر المظفر ۱۳۶۷ھ (مطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۴۷ء) کو قبل ظہر پائی۔ اور نظر ثالث آج جمعرات ۷ شعبان ۱۳۶۹ھ (مطابق ۲۴ مئی ۱۹۵۰ء) کو وقت چاشت۔

آیاتھا ۲۲ — ۵۸ سُورَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۵ — رکوعاتھا ۳

اس کی بائیس آیتیں ہیں — سورۂ مجادلہ مدینہ میں نازل ہوئی — اور تین رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا

اللہ نے بے شک اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں رد و بدل کہہ رہی تھی

وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اور اللہ سے فریاد کر رہی تھی ف۱ اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا اللہ تو (سب کچھ)

سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۱ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ

سننے والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے، ف۲ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں

مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ

تو وہ (بیویاں) ان کی مائیں (کچھ ہو) نہیں (جاتی) ہیں، ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے

لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ

یہ لوگ یقیناً ایک نامعقول بات اور جھوٹ کہہ رہے ہیں ف۳ بے شک اللہ بڑا معاف کر دینے والا ہے

غَفُوْرٌ ۝۲ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ

بڑا بخشنے والا ہے ف۴ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی

لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ

تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں ایک مملوک کو آزاد کرنا ہے ف۵ اس سے

تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۳ فَمَنْ لَّمْ

تمہیں نصیحت کی جاتی ہے، اور اللہ کو پوری خبر ہے اس کی جو تم کرتے رہتے ہو ف۶ پھر جس کو یہ

ف۱ ان بی بی صاحبہ کا نام خولہ بنت ثعلبہ تھا۔ ان کے شوہر اوس بن صامت نے ایک بار غصہ میں آ کر ان سے کہہ دیا اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ (تو میرے حق میں ایسی ہے جیسی میری ماں کی پشت) اس کو اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں اور عرب جاہلیت میں اس سے طلاق واقع ہو جاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان بی بی کا قصہ سن کر اسی قول مشہور کے مطابق فرمایا کہ میری رائے میں تو تو حرام ہو گئی۔ انہوں نے احتجاج کیا کہ شوہر نے لفظ طلاق تو کہا ہی نہیں، اور حق تعالیٰ سے فریاد کرنے لگیں۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ آیت سے ایک علم یہ بھی حاصل ہو گیا کہ اللہ اپنے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ بندہ اور بندی کی باتیں سنتا رہتا ہے۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ۔ قد توقع کے جواب میں اور اس کے پورے ہونے کے موقع پر آیا کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی رسول اللہ ﷺ اور ان صحابیہ دونوں کو توقع یہی تھی کہ اس مستغیثہ کی سن لی جائے گی۔ معناه التوقع لان رسول الله ﷺ والمجادلة كانا يتوقعان ان يسمع مجادلتها وشكواها وينزل في ذالك مايفرج عنها (کشاف) تُجَادِلُكَ۔ جدال یہاں اپنے معروف معنیٰ میں نہیں، بلکہ گفتگو کے رد و بدل کے معنیٰ میں ہے۔ اے تراجعک الکلام فی شانه (روح) ف۲ (اور اس جیسے خبیر و علیم، سمیع و بصیر کے لئے لوگوں کی مشکلات کی کشائش کرتے رہنا کیا دشوار ہے) سَمِيْعٌ۔ الفاظ و اقوال کا سننے والا۔ بَصِيْرٌ۔ نیتوں اور دلوں کا حال جاننے والا۔ ف۳ (کہ بیوی کو ماں کہہ دینے، یا ماں کے کسی حصۂ جسم سے تشبیہ دے دینے سے حرمت لازم آ جاتی ہے) يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ۔ ظہار۔ اصطلاح شریعت میں یہی ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی سے کہے کہ اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ۔ مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ۔ نہ وہ بیویاں ان الفاظ کے تلفظ سے مائیں بن گئیں، اور نہ کوئی اور سبب حرمت کا پیدا ہو گیا۔ ف۴ (چنانچہ اس بارہ میں بھی اگر گناہ کا تدارک کر لیا جائے تو گناہ معاف ہو جائے گا) ف۵ اور مملوک میں غلام اور باندی دونوں شامل ہیں۔ رَقَبَةٍ کے لفظی معنیٰ ''گردن'' کے ہیں، قرآنی کنایہ میں مراد مملوک سے ہوتی ہے۔ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ۔ غلاموں، باندیوں کی گلوخلاصی اور آزادی کو مختلف گناہوں کا کفارہ بنا دینا اس کے مرادف تھا کہ یہ گلوخلاصی اسلام میں بہرحال ایک امر مستحسن ہے۔ ثُمَّ ...... قَالُوْا۔ یعنی تحریم زوجہ سے رجوع کرنا چاہتے ہیں۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا۔ یعنی قبل اس کے کہ میاں بیوی اختلاط کریں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ مس یا اختلاط ادائے کفارہ کے بعد ہو۔ لیکن اگر کسی نے ادائے کفارہ سے قبل ہی مس یا اختلاط کر لیا، تو اب اور کوئی مزید جزاء اس پر لازم نہ آئے گی، وہی کفارہ کافی ہوگا۔ البتہ اپنے اس عمل پر ندامت و توبہ بہرحال کرنی چاہیے۔ رَقَبَةٍ۔ حنفیہ اور بعض دوسرے فقہاء قدیم اور بعض تابعین کے ہاں مملوک مطلق ہے، کافر و مسلم کے لئے عام ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ و امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مملوک مسلمان ہونا چاہیے۔ فقال عطاء ومجاهد وابراهيم، واحدى الروايتين، عن الحسن يجزئ الكافر وهو قول اصحابنا والثورى والحسن بن صالح، وروى عن الحسن انه لايجزى فى شىء من الكفارات الا الرقبة المؤمنة وهو قول مالك والشافعى (جصاص) ف۶ یعنی تمہاری لغزشوں اور خطاؤں سے بھی اور ان کے کفارہ سے بھی، سب سے باخبر ہے۔ قرآن مجید چونکہ احکام ظاہری ہی کی تعمیل کافی نہیں سمجھتا، بلکہ قلب میں بھی تقویٰ پیدا کرانا چاہتا ہے، اس لئے تقریباً ہر حکم فقہی کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ کے عالم کل اور خبیر مطلق ہونے کا بھی استحضار کراتا رہتا ہے۔ دنیوی حاکموں کو دھوکا دے لینا بہرحال ممکن ہے۔ اصل ضرورت تو آسمانی عدالت سے ڈرنے کی ہے۔ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ۔ یعنی تمہیں زجر و نصیحت اس حکم کفارۂ مالی کے ذریعہ سے کی جاتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کفارۂ مالی کو موجب وعظ و زجر فرمانا اس کی دلیل ہے کہ مالی بار کو بھی اصلاح نفس میں دخل ہے۔ اور یہیں سے مشائخ طریقت نے یہ تدبیر اخذ کی ہے کہ مریدوں سے ان کے نفس پر جرمانہ بھی کراتے ہیں، گو خود اسے وصول نہیں کرتے۔

يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ

میسر نہ ہو تو قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں اس کے ذمہ دو متواتر مہینوں

يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ

کے روزے ہیں ف۷ پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کے ذمہ کھلانا ہے ساٹھ مسکینوں کا ف۸

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ

یہ (احکام) اس لئے ہیں تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور یہ اللہ کی حدیں ہیں ف۹

وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ

اور کافروں کے لئے عذاب دردناک ہے ف۱۰ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت

وَ رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ قَدْ

کرتے رہتے ہیں یہ خوار ہوں گے جیسے ان کے قبل کے لوگ خوار ہو چکے ہیں ف۱۱ اور ہم نے

اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵﴾ۚ يَوْمَ

کھلے کھلے احکام نازل کئے ہیں اور کافروں کے لئے ذلت کا عذاب ہونا ہے ف۱۲ اس روز

يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ

جس روز اللہ ان سب کو اٹھائے گا پھر ان کا سب کیا ہوا انہیں جتلائے گا، اللہ نے اسے

اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۶﴾ۧ اَلَمْ

محفوظ رکھا اور یہ لوگ اسے بھول گئے اور اللہ تو ہر چیز پر مطلع ہے ف۱۳ کیا آپ نے

تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا

اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے کوئی

يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَ لَا خَمْسَةٍ

سرگوشی تین (آدمیوں) میں ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو، اور نہ پانچ (آدمیوں) کی

ع ۱

ف۷ یہاں یہ بتایا کہ جس کسی کے پاس غلام یا باندی سرے سے ہو نہیں (خواہ اس لئے کہ اسے اتنی مقدرت ہی نہ ہو اور خواہ وہ ملک ایسا ہو جہاں مملوک شرعی کا وجود نہ پایا جاتا ہو۔ مثلاً آج کا ہندوستان) تو اس کے لئے دوسرا متبادل کفارہ یہ مسلسل دو۲ مہینہ کے روزے ہیں۔ ف۸ تیسرا متبادل کفارہ یہ ہوا۔ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ایک ہی مسکین کو ۶۰ دن تک کھلاتے رہیں، تو بھی درست ہے۔ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ۔ غیر مستطیع سے اس سیاق میں وہ شخص مراد ہے جو بسبب ضعف یا مرض روزہ پر قادر نہ ہو۔ ف۹ (انہیں معمولی بات سمجھ کر نظر انداز نہ کرو۔ یاد رکھو کہ یہ الٰہی ضابطے ہیں) ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ۔ ایمان پر مضبوطی احکام کی تعمیل و پابندی ہی سے قائم رہتی ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی تعلیم جو ابھی اوپر ملی ہے۔ اشارۃ الٰی مامرّ من البیان (روح) ف۱۰ کافروں سے یہاں مراد وہ لوگ ہیں، جو خداوندی احکام اور ضابطوں کی تصدیق نہیں کرتے ـــ محض تارکین نہیں، منکرین احکام مراد ہیں۔ قال ابن عباس لمن جحده وکذب به (معالم) ای الذین لم یؤمنوا ولا التزموا باحکام هٰذه الشریعة (ابن کثیر) ای الذین لایقبلونه، (بیضاوی) لمن جحد هٰذا وکذب به (کبیر) جن مفسرین نے تارکین احکام مراد لی ہے، انہوں نے اطلاق کفر کو یہاں حقیقی معنٰی میں نہیں لیا ہے، بلکہ اسے صرف تہدیدی مفہوم میں لیا ہے۔ جیسا کہ بعض اور بھی آیات قرآنی میں آیا ہے۔ واطلق الکافر علی متعدی الحدود تغلیظاً لزجره ونظیر ذٰلک قوله تعالٰی ومن کفر فان الله غنی عن العالمین (روح) ف۱۱ (قتل سے، قید سے، شکست سے وغیرہا) اَلَّذِيْنَ...... رَسُوْلَهٗ۔ اس کے تحت میں ریاست مکہ کے مشرکین اور یہود عرب دونوں آگئے۔ اور سزائے سخت یعنی حقیر و ذلیل ہونے کی پیشگوئی دونوں کے حق میں جلد ہی پوری ہو کر رہی۔ یہ لوگ وہی ہوتے ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کئے ہوئے حدود کو چھوڑ کر اپنی طرف سے حدود وضع کرتے ہیں۔ ای یضعون اویختارون حدودًا غیر حدودها (بیضاوی) آیت کو وسیع مفہوم میں لے کر بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ جو مسلمان ملوک و امراء سوء نے شریعت اسلامی سے الگ ہو ہو کر قانون نکالے ہیں، وہ سب اسی وعید کے تحت میں آجاتے ہیں۔ لیکن صاحب روح نے ایک اسی قسم کے رسالہ کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ کاش رسالہ مذکور میری نظر سے بھی گزرا ہوتا، اس لئے کہ اتنی سی بات پر اطلاق کفر دشوار ہے۔ پھر آگے لکھا ہے۔ ثم ان لا شبهة فی انه لاباس بالقوانین السیاسیة اذا وقعت باتفاق ذوی الاٰراء من اهل الحل والعقد علٰی وجه یحسن به الانتظام ویصلح امر الخاص والعام ومنها تعیین مراتب التادیب والزجر علی معاصٍ وجنایات لم ینص الشارع علٰی حدٍ معین بل فوض الامر فی ذٰلک لراٰی الامام فلیس ذٰلک من المحادّة لله تعالٰی ورسوله ﷺ فی شیء۔" ایسے قوانین سیاسی میں تو مطلق مضائقہ نہیں جو اہل حل و عقد کے اتفاق رائے سے منظور ہوں اور جن کی غایت حسن انتظام اور معاملات کی درستی ہوتی ہے۔ اور انہیں میں سے یہ امر بھی ہے کہ جن گناہوں اور جرموں کے بارہ میں شریعت نے کوئی سزائے معین نہیں رکھی ہے، بلکہ ان کی تفصیل امام پر چھوڑ دی ہے تو ایسے قوانین پر اللہ و رسول کے احکام کی مخالفت کا اطلاق ذرا بھی نہیں ہوتا۔ كُبِتُوْا۔ اس سزائے خواری کا تعلق اس دنیا سے ہے ـــ قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان یاد رہے کہ مستقبل کے قطعی و یقینی واقعات کا ذکر صیغۂ ماضی ہی میں کیا جاتا ہے۔ ف۱۲ (آخرت میں) سزائے دنیوی کا ذکر ابھی گزر چکا۔ اب بیان سزائے آخرت کا ہو رہا ہے۔ وَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ۔ اس میں یہ اشارہ آ گیا کہ ایسے کھلے ہوئے احکام و ہدایات کی مخالفت یقیناً مستوجب تعزیر ہوگی۔ ف۱۳ (اس کے علم میں اور اس کے حساب و کتاب میں کسی غلطی یا اختلال کا احتمال بھی نہیں) نَسُوْهُ۔ مراد نسیان طبعی و اضطراری نہیں، بلکہ نسیانِ ارادی ہے، ان کی دانستہ بے التفاتی و بے فکری کا نتیجہ۔ وَاللّٰهُ...... شَهِيْدٌ۔ مشرکین جاہلین کے استحضار کے لئے حق تعالٰی کے عالم جزئیات و کلیات ہونے اور اس کی صفات ہمہ بینی و ہمہ دانی کی تکرار و تاکید کی ضرورت بار بار تھی۔

اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ

جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر یہ کہ وہ

مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ

ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے خواہ وہ کہیں ہوں، پھر وہ اُن کو اُن کے کرتوت قیامت کے دن

الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٧﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى

جتلادے گا بے شک اللہ کو ہر چیز کی پوری خبر ہے ۱۴ کیا آپ نے ان لوگوں (کے حال) پر

الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ

نظر نہیں کی جنھیں سرگوشی سے روک دیا گیا تھا، پھر بھی وہ وہی کرتے ہیں جس سے انہیں روکا گیا تھا،

وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫

اور سرگوشیاں گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کرتے رہتے ہیں ۱۵

وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ

اور وہ جب آپ کے پاس آتے ہیں آپ کو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں کیا ۱۶ اور اپنے

فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۗ حَسْبُهُمْ

آپس میں کہتے ہیں کہ اللہ ہم کو ہمارے اس کہنے پر (فوراً) سزا کیوں نہیں دے دیتا؟ ان کے لئے جہنم

جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

کافی ہے کہ اس میں یہ داخل ہوں گے سو وہ برا ٹھکانا ہے ۱۷ اے

اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

ایمان والو جب تم کسی سے سرگوشی کرو تو سرگوشی گناہ اور زیادتی

وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۗ وَاتَّقُوا

اور نافرمانی رسول کی نہ کرو ۱۸ اور نیکی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو، اور اللہ سے

۱۴ یہ تنبیہ وسرزنش یہود ومنافقین پر ہے جو اکثر باطل کے لئے سرگوشیاں آپس میں کیا کرتے، اور یہ سمجھے رہتے کہ اس کی خبر نہ مسلمانوں کو ہوگی نہ ان کے خدا اور رسول کو۔ اَلَمْ ...... الْاَرْضِ۔ چنانچہ انسانوں کا کوئی بڑے سے بڑا مخفی راز بھی حق تعالیٰ کے لئے راز نہیں۔ نَجْوٰى۔ اس کے لفظی معنی تو مطلق سرگوشی کے ہیں، لیکن یہاں مراد وہ اسرار مخفی ہیں جو کسی بے گناہ کی اذیت رسانی یا امر حق کی مخالفت میں ہوں۔ ۱۵ یعنی یہ بدسرشت لوگ حکم امتناعی کے باوجود سرگوشیاں کرکر کے تین تین قانونی دفعات کے تحت میں مجرم ہوتے ہیں۔ الْاِثْم۔ قانون کی خلاف ورزی بجائے خود ایک گناہ ہے، یہ پہلا جرم ہوا۔ وَالْعُدْوَانِ۔ یعنی مسلمانوں کو دکھ پہنچانے اور ان کی طبیعت کو ملول ومکدر کرنے کا گناہ ـــ یہ دوسرا جرم ہوا۔ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ۔ یعنی رسول کی براہِ راست نافرمانی ـــ یہ تیسرا جرم ہوا۔ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى۔ خفیہ سرگوشی بجائے خود کوئی جرم نہیں۔ یہاں مفاسد اور شرانگیزیوں کی بناء پر ممنوع قرار پائی ـــ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ امام کو اختیار ہے، اپنے اجتہاد واحتیاط کی بناء پر جس امر مباح سے چاہے رعایا کو روک دے۔ ۱۶ یہود مدینہ کی بدنفسی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جب مجلس نبوی ﷺ میں آتے، اور عام ملکی تہذیب کے لحاظ سے شرما شرمی سلام کرنا ہی پڑتا، تو اس میں بھی ایک پہلو اپنے خبث اور بے تمیزی کا ڈھونڈھ لیتے، یعنی زبان سے بجائے ''السلام علیکم'' کے السام علیکم، تلفظ کرتے، جس کے معنی ہیں کہ تم پر موت آئے۔ حَيَّوْكَ ...... اللّٰهُ۔ آج کل سلام کے جو غیر اسلامی صیغے، آداب، اور کورنش اور بندگی اور مجرا وغیرہ نکل آئے، اور اس سے بھی بڑھ کر اب جو ''جے ہند'' وغیرہ نکل رہے ہیں، فقہاء عصر نے آیت کے اس جزء سے استدلال کرکے ان سب کو بدعت قرار دیا ہے۔ ۱۷ (اور عذاب عاجل تو دوسری حکمتوں اور مصلحتوں سے سردست ملتوی ہوگیا ہے) وَيَقُوْلُوْنَ ...... نَقُوْلُ۔ یعنی اگر یہ واقعی رسول ہیں، اور ہم ان کے ساتھ گستاخیاں کررہے ہیں، تو آخر ہمیں سزا فوراً کیوں نہیں مل جاتی؟ ۱۸ (جیسا کہ کافر اور منافق کرتے رہتے ہیں) یہاں یہ بتادیا کہ سرگوشی بجائے خود کوئی جرم نہیں، اسے جرم تو محض ان اغراض ومقاصد نے بنا دیا ہے، جنہیں لے کر منافقین آپس میں سرگوشیاں کرتے رہتے ہیں۔

ف۱۹ رازدارانہ سرگوشیوں کی ضرورت آخر مسلمانوں کو بھی کبھی پڑ جاتی تھی، یہاں ارشاد ان سے ہو رہا ہے کہ ضرورت کے وقت نفس سرگوشی کی ممانعت نہیں لیکن یہود و منافقین کا تشبہ ہلکا سا بھی نہ پیدا ہونے پائے، تمہارا موضوع و مقصود، بجائے اثم و عدوان و معصیت رسول کے بر و تقویٰ ہی رہے۔ الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی اہل نظر نے کہا ہے کہ آیت میں الْبِرّ سے مراد خیر متعدی، اور التَّقْوٰی سے مراد خیر لازمی ہے۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ شیخ کے لئے تخلیہ میں تعلیم و گفتگو کی گنجائش اس آیت سے نکلتی ہے۔ ف۲۰ شیطان مردود میں قوت ہی کیا ہے۔ اس سے کسی صاحب ایمان کا ہراساں ہونا بالکل بے معنی ہے۔ مسلمان کو اس کے اثر سے جو کچھ مضرت پہنچتی ہے وہ بھی تمامتر حق تعالیٰ ہی کی مشیت تکوینی کے ماتحت۔ اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ۔ اس نجویٰ، (سرگوشی) سے مراد وہی مفسدانہ و شر انگیز سرگوشیاں ہیں۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اذن۔ پر حاشیہ سورۃ البقرۃ (پ۱) وَ مَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کے تحت میں گزر چکا۔ ف۲۱ (اور ادھر اُدھر اپنے خیالات کو ڈانوا ڈول ہونے ہی نہ دینا چاہئے) مومن اگر اللہ پر پورا پورا توکل و اعتماد کرے تو پھر ہمیشہ کے لئے شیطان اور ہر مخلوق کی طرف سے خطرہ سے نجات ہو جاتی ہے۔ ف۲۲ غرض یہ کہ صدر مجلس کے ہر حکم کی تعمیل بے چون و چرا کیا کرو۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ...... الْمَجٰلِسِ۔ اب تعلیم آداب مجلس کی مل رہی ہے، خصوصاً مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی — شریعت کی ہمہ گیری سے زندگی کا کونسا شعبہ بچ رہ سکتا ہے۔ اِذَا قِیْلَ لَكُمْ۔ یہ حکم صدر مجلس کی طرف سے ملے گا، کسی ضرورت یا مصلحت کی بناء پر۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ شیخ طریقت اگر اپنی مجلس کے کچھ آداب و ضوابط مقرر کرے، تو اسے اس آیت سے اصل مل سکتی ہے۔ ف۲۳ (چنانچہ اس کی بھی کہ کون تعمیل ارشاد، محض دنیوی مصلحت سے کر رہا ہے بلا شائبۂ ایمان، اور کون پورے ایمان، اخلاص و خشیت کے ساتھ کر رہا ہے) الَّذِیْنَ...... دَرَجٰتٍ۔ ان قیدوں کے لگ جانے سے، درجاتِ عالی کے وعدہ سے منافقین نکل گئے، اور یہ وعدہ درجات عالی، مجموعۂ مخاطبین میں سے صرف اہلِ ایمان اور اہلِ علم کے لئے، ان کے غایتِ خلوص و غایت خشیت کی بناء پر مخصوص رہ گیا۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا، کہ شیخ کے لئے جائز ہے کہ اپنے اصحاب کے درمیان خواص و عوام کے فرق کی رعایت کرے اور اس کا مدار شیخ کی رائے پر ہوگا نہ کہ اصحاب شیخ کی رائے پر۔ ف۲۴ حکم اغنیائے امت کو مل رہا ہے کہ تم رسول سے اگر تخلیہ چاہتے ہو تو کچھ نہ کچھ نذرانہ فقرائے امت کے لئے پیش کیا کرو۔ اس حکم کا امت کی انتظامی مصلحتوں پر مبنی ہونا بالکل ظاہر ہے۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ شیخ سے تخلیہ چاہنا ایک امر اہم ہے، بلاضرورت اس کی درخواست و مبادرت نہ کرے۔ ف۲۵ (چنانچہ ناداروں کے حق میں تخلیہ کے لئے اس نے کوئی ایسی قید یا شرط نہیں رکھی) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا۔ آیت کے شروع میں ان الفاظ مخاطبت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اب گفتگو منافقین سے نہیں صرف مخلصین سے ہو رہی ہے۔ ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ۔ جب ہر طاعت کفارۂ سیئات کا سبب ہوتی ہے، تو یہ طاعت بھی لامحالہ اغنیائے امت کے کفارۂ سیئات کا باعث ہوگی۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں اس شخص کے لئے تسلی ہے، جو صاحب مقدرت نہ ہو، اور شیخ کو ہدیہ دینے پر قادر نہ ہو۔

اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹﴾ اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ

ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے ف۱۹ (ایسی) سرگوشی بس شیطان ہی کی

الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَیْسَ بِضَآرِّهِمْ

طرف سے ہے تاکہ وہ مسلمانوں میں رنج ڈالے اور انہیں کچھ بھی ضرر نہیں

شَیْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾

پہنچا سکتا مگر ہاں اللہ کے ارادہ سے ف۲۰ اور ایمان والوں کو تو بس اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے ف۲۱

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ

اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو

فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَ اِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا

تو جگہ کھول دیا کرو اللہ تمہیں کھلی جگہ دے گا اور جب کہا جائے کہ اُٹھ کھڑے ہو،

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو ف۲۲ اللہ تم میں ایمان والوں کے اور اُن کے جنھیں علم عطا ہوا ہے درجے بلند

دَرَجٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۱﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ

کرے گا اور اللہ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے ف۲۳ اے

اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ

ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی سے قبل کچھ خیرات

صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا

دے دیا کرو ف۲۴ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ لیکن اگر تم مقدرت نہ رکھتے ہو،

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا

تو اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۲۵ کیا تم اس سرگوشی کرنے کے قبل خیرات کرنے

بَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰٮكُمۡ صَدَقٰتٍ‌ ؕ فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا وَتَابَ

(کے حکم) سے ڈر گئے؟ سو (خیر) جب تم نہ کر سکے اور اللہ نے تمہارے حال پر

اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيۡعُوا

توجہ فرمائی تو تم نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور کہا مانو اللہ اور

اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ‌ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳﴾ ع اَلَمۡ تَرَ

اُس کے رسول کا اور اللہ کو پوری خبر ہے تمہارے اعمال کی ف۲۶ کیا آپ نے

اِلَى الَّذِيۡنَ تَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ ؕ مَا هُمۡ

ان لوگوں پر نظر نہیں کی جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب نازل کیا ہے، یہ لوگ نہ تو تم میں ہیں

مِّنۡكُمۡ وَلَا مِنۡهُمۡ ۙ وَيَحۡلِفُوۡنَ عَلَى الۡكَذِبِ وَهُمۡ

اور نہ انہیں میں ہیں جھوٹی بات پر قسم کھا جاتے ہیں، درآنحالیکہ (اسے خوب)

يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا‌ ؕ اِنَّهُمۡ سَآءَ

جانتے ہیں ف۲۷ اللہ نے اُن کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے، بے شک (بہت) برے ہیں

مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ جُنَّةً فَصَدُّوۡا

وہ کام جو وہ کیا کرتے ہیں ف۲۸ انہوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے پھر (اوروں کو) اللہ کی راہ سے

عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۱۶﴾ لَنۡ تُغۡنِىَ

روکتے ہیں سو اُن کے لئے ذلت کا عذاب ہونے والا ہے ف۲۹ اُن کے مال اور اُن کی اولاد

عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔا‌ ؕ اُولٰٓـئِكَ

اللہ (کے عذاب) سے انہیں ذرا نہ بچا سکیں گی یہ لوگ

اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ ؕ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۷﴾ يَوۡمَ يَبۡعَثُهُمُ

دوزخ والے ہیں اسی میں ہمیشہ رہیں گے ف۳۰ جس روز اللہ ان سب کو

ف۲۶ یعنی اس حکم منسوخی کے بعد بھی قرب ووصول کے لئے تمہارے لئے دوسرے احکامِ شریعت پر عمل ومداومت عمل کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اسے بالکل ہی منسوخ کرکے اس حکم کی تعمیل سے معاف کردیا۔ ءَاَشۡفَقۡتُمۡ ...... صَدَقٰتٍ۔ روایات حدیث میں آتا ہے کہ جب حکم تخلیۂ رسول سے قبل صدقہ پیش کرنے کا نازل ہوا تو بہت سے صحابی ڈر گئے، اور ضروری باتیں پوچھنے سے بھی رُک گئے، یہ صحابی یقیناً نادار ہوں گے، انہیں ایک طرف تو یہ احساس کہ ہم اپنی ناداری کی بناء پر ادائے صدقہ کے قابل نہیں، دوسری طرف فرطِ خشیت سے اپنے متعلق اس میں بھی شک کہ آیا ہم حقیقۃً مقدور اور اس حکم صدقہ سے مستثنیٰ ہیں بھی۔ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ۔ حق تعالیٰ خبردار ہے اعمال کی ظاہری صورت سے بھی اور ان کی باطنی کیفیات سے بھی۔ ف۲۷ (کہ حلف جھوٹا اٹھا لیتے ہیں) اَلَّذِيۡنَ تَوَلَّوۡا۔ مراد منافقین ہیں، جس میں سے بہت سے خود بھی یہود تھے اور میل جول بھی یہود ہی سے زیادہ رکھتے تھے۔ قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ۔ مراد یہود ومشرکین ہیں — زیادہ تر مراد یہود ہی لئے گئے ہیں۔ وھم الیھود (روح) مَا ...... مِنۡهُمۡ۔ یعنی یہ نہ ادھر کے نہ اُدھر کے، منافقین نہ تو امت اسلامی ہی کے جزو ہیں، اور نہ ان کا شمار کھلے ہوئے باغیوں اور منکروں میں ہے۔ مِنۡكُمۡ میں ضمیر جمع مخاطب سے مراد مومنین ہیں، اور مِنۡهُمۡ میں ضمیر جمع غائب سے مراد وہی قوم مغضوب۔ يَحۡلِفُوۡنَ عَلَى الۡكَذِبِ۔ اور ان کا سب سے بڑا کذب ان کا یہی دعوائے اسلام وایمان تھا، يَحۡلِفُوۡنَ کے صیغۂ مضارع سے اشارہ یہ ہو رہا ہے کہ یہ لوگ ایمان واسلام کا جھوٹا حلف اٹھاتے ہی رہتے ہیں۔ وصیغة المضارع للدلالة علی تکرار الحلف (روح) ف۲۸ ظاہر ہے کہ کفر اور پھر منافقت کے ساتھ اخفائے کفر سے بڑھ کر برا کام اور کون سا ہوگا۔ اِنَّهُمۡ ...... يَعۡمَلُوۡنَ۔ اس فقرہ نے یہ بتا دیا کہ ان کے معذب ہونے کی بنیاد وباعث ان کا یہی کفر وسوء عمل ہے۔ عَذَابًا شَدِيۡدًا سے یہاں مراد عذاب قبر بھی لی گئی ہے۔ والمراد منه عند بعض المحققين عذاب القبر (کبیر) ف۲۹ عذاب شدید کا ذکر ابھی آچکا ہے، اسی کی تاکید ہے کہ وہ عذاب شدید ہونے کے ساتھ ہی ذلیل ورسوا کرنے والا بھی ہوگا، گویا آزار جسمانی واذیت قلبی کا جامع۔ اِتَّخَذُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ جُنَّةً۔ یعنی اپنے بچاؤ کے لئے اپنی جھوٹی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے — مسلمانوں کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کی جھوٹی قسمیں کھانے سے جانتے تھے کہ اب مسلمان ان کے جان ومال سے تعرض نہ کریں گے۔ ف۳۰ آج بھی دنیا میں جو قومیں آخرت کی طرف سے غافل وبےخبر ہیں، انہیں بڑا غرہ اپنی وسیع مالیات اور کثیر آبادی ہی کا رہتا ہے۔

اللّٰهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ

دوبارہ اُٹھائے گا یہ اُس کے سامنے (اس طرح) قسمیں کھائیں گے جیسے تمہارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں

وَيَحْسَبُونَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ

اور یہ خیال کریں گے کہ ہم کسی اچھے حال میں ہیں ف۳۱ تو خوب سن لو کہ یہ لوگ

الْكٰذِبُونَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ

بڑے ہی جھوٹے ہیں ف۳۲ ان پر شیطان چھا گیا ہے سو اس نے انہیں

ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ

اللہ کی یاد بھلا دی ہے، یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں خوب سن لو کہ شیطان کا گروہ

الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِينَ يُحَآدُّونَ اللّٰهَ

ٹوٹے ہی میں پڑ کر رہنے والا ہے ف۳۳ بے شک جو لوگ اللہ اور اُس کے پیمبر کی مخالفت

وَرَسُولَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّينَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا

کرتے ہیں یہ لوگ ذلیل ترین ہیں ف۳۴ اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیمبر غالب

وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا

آ کر رہیں گے، بے شک اللہ بڑا قوت والا ہے، بڑا غلبہ والا ہے ف۳۵ جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر

يُّؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ

ایمان رکھتے ہیں، آپ انہیں نہ پائیں گے کہ وہ ایسوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اُس کے پیمبر کے

وَرَسُولَهٗ وَلَوْ كَانُوٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ

مخالف ہیں، خواہ وہ لوگ اُن کے باپ یا اُن کے بیٹے یا اُن کے

اَوْ عَشِيرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْاِيمَانَ

کنبے والے ہی کیوں نہ ہوں یہ وہ لوگ ہیں کہ (اللہ نے) اُن کے دلوں میں ایمان ثبت کر دیا ہے،

ف۳۱ یعنی یہ سمجھیں گے کہ دنیا میں مسلمان کی حیثیت سے رہنے کی جھوٹی قسم کھا کر عذاب جہنم سے بچ جائیں گے۔ جیسے دنیا میں قانون شریعت کی گرفت میں آنے سے، جھوٹ بول بول کر اور مکر کر کر کے بچ جاتے تھے۔ ف۳۲ (کہ حق تعالیٰ کے سامنے تک جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسم کھانے سے نہ چوکے) جن لوگوں کی ساری عمر مسلسل کذب و منافقت کی نذر رہو ہی، عجب کیا، جو حشر میں اپنی اسی عادت مستمر کی بنا پر، ان کی زبان جھوٹ پر کھل جائے، اور حق تعالیٰ اس طرح عرصۂ حشر میں ان کی مزید تفضیح و رسوائی کا سامان کر دیں۔ ف۳۳ (آخرت میں تو یقیناً، اور دنیا میں بھی احیاناً) اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ۔ چنانچہ اسی کے چھا جانے سے انہوں نے اس کے اثر اضلال و اغواء کو قبول کر لیا ہے۔ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ۔ چنانچہ یہ احکام الٰہی کو بالکل چھوڑے بیٹھے ہیں۔ ذکر الٰہی سے غفلت اور شیطانی تسلط کی خاص علامت یہ ہے کہ انسان کو احکام الٰہی سے، علماء و صلحاء کی صحبت سے، رفتہ رفتہ وحشت و بیزاری ہونے لگتی ہے، اور دل اہل غفلت کی صحبتوں میں غفلت و معصیت ہی کے مشغلوں اور چرچوں میں لگنے لگتا ہے۔ ف۳۴ (جس کا کامل و مستقل ظہور آخرت میں ہو کر رہے گا، اور کبھی کبھی دنیا میں بھی) ساری مخلوقات میں اس سے بڑھ کر ذلیل و حقیر کون ہوگا جو خود امن و صداقت کے خلاف جنگ کر رہا ہو۔ ف۳۵ (اس کے لئے کیا دشوار ہے کہ خلاف اسباب ظاہر بھی جس کو چاہے غلبہ دے دے) حق و باطل کے معرکہ میں حق کا غلبہ بلحاظ قوت دلائل تو ہمیشہ ہی رہتا ہے، اور بہت موقعوں پر اس کا ظہور مادی و ظاہری حیثیت سے بھی ہو جاتا ہے۔ كَتَبَ اللّٰهُ۔ یہ وعدۂ حق لوح محفوظ میں مکتوب ہے۔ اے فی اللوح (مدارک) اے اثبت فی اللوح المحفوظ (روح)

و٣٦ چنانچہ وہ لوگ ظاہر میں احکام پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ اور باطن میں اسی سے سکون بھی حاصل کرتے رہتے ہیں) لَا تَجِدُ...... عَشِيْرَتَهُمْ۔ مومن کامل ومخلص کی ایک خاص علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ دوست بھی اپنے محبوب حقیقی کے دوستوں اور مخلصوں ہی کو رکھتا ہے اور اس کے باغیوں، منکروں کو اپنا بھی دشمن سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی طبعی محبتوں پر بھی حق تعالیٰ کی عقلی محبت غالب آجاتی ہے ——یہ چند رشتے صرف نمونہ کے طور پر گنا دیئے گئے۔ انہیں رشتوں کی تعیین وتخصیص مراد نہیں۔ وليس المراد من ذكر خصوصهم وانما المراد الاقارب مطلقًا (روح) بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔ یعنی وہ سکینت یا نورانیت جو حیاتِ معنوی کو قائم رکھتی اور ترقی دیتی رہتی ہے۔ وهو نور القلب (بیضاوی) وتسميتهٗ روحا مجاز مرسل لانه سببٌ للحياة الطيبة الابدية (روح) و٣٧ (آخرت میں تو تمام تر اور دنیا میں بھی اکثر)

وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اور انہیں اپنے فیض سے قوت دی ہے و٣٦ اور انہیں ایسے باغوں میں جا داخل کرے گا جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

نہریں جاری ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ اُن سے خوش ہو گا

وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ

اور وہ اللہ سے خوش ہوں گے، یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں خوب سن لو کہ اللہ ہی کے

اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٢٢﴾

گروہ والے فلاح پانے والے ہیں و٣٧

آیاتها ٢٤ — ٥٩ سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ ١٠١ — رکوعاتها ٣

اس کی چوبیس آیتیں — سورۂ حشر مدینہ میں نازل ہوئی — اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ

اللہ ہی کی پاکی بیان کرتے ہیں جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١﴾ هُوَ الَّذِيْۤ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

بڑا قوت والا ہے (بڑا) حکمت والا ہے و١ وہ وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؔؕ مَا

اُن کے گھروں سے پہلی ہی بار اکٹھا کر کے نکال دیا و٢ تمہارا

ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ

گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور خود اُن کا خیال یہ تھا کہ اُن کے قلعے اُن کو اللہ (کی گرفت) سے

اَلَاۤ...... الْمُفْلِحُوْنَ۔ شیطان والے گروہ کا ذکر ابھی گزر چکا ہے، اب ذکر اس کے مقابلے میں اللہ والے گروہ کا ہے، مستقل اور پائدار جتنی بھی نعمتیں ہیں، وہ سب فلاح میں شامل ہیں اور ان سب کا وعدہ اسی گروہ سے ہے۔ اس گروہ کی خاص شناخت یہ بتائی کہ اللہ ان کی طاعت سے خوش رہے گا اور یہ اس طاعت کے انعام سے جی بھر کر خوش اور مطمئن ہوجائیں گے۔ حِزْبُ اللّٰهِ۔ مومنین متقین کے کمال شرف وامتیاز کے لئے یہ بس ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کا انتساب خاص اپنی ذات کے ساتھ کر کے انہیں یاد فرمایا ہے۔ و١ (ایسا حکمت والا کہ ہر مخلوق سے اطاعت وطاعت کا وہی کام لیتا ہے جس کی وہ اہل ہے، سَبَّحَ تسبیح سے یہاں اختیاری تعبدی تسبیح مراد نہیں جس کا مکلف انسان وجنات کو کیا گیا ہے بلکہ تکوینی تسخیری تسبیح مراد ہے۔ جس پر ساری مخلوق یکساں مضطر ہے —— مطلب یہ ہوا کہ ہر ہر مخلوق بلا استثناء تسبیح حق اپنے اپنے مرتبہ وجود کے مطابق کیا کرتی ہے۔ مَا۔ ما بے جان کے لئے آتا ہے۔ اس لئے ترجمہ بجائے "جو کوئی" کے "جو کچھ" سے کیا گیا ہے۔ الْعَزِيْزُ۔ اسم لا کر یاد دلادیا کہ بڑی سی بھی بڑی مخلوق کونسی ایسی ہے جو اس کے حلقۂ طاعت و اطاعت سے باہر رہ سکے؟ و٢ مراد یہود مدینہ کا قبیلۂ بنی نضیر ہے۔ یہود کا یہ قبیلہ مدینہ سے ٢½ دو میل کے فاصلہ پر آباد تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے، تو منجملہ اور یہود کے اُن سے بھی معاہدہ صلح کا ہوگیا تھا۔ ربیع الاول ۴ھ میں آپ ﷺ ایک بار ان کے ہاں گئے، تاکہ خوں بہا کے چندہ میں انہیں بھی شریک کرلیں۔ انہوں نے ایک جگہ آپ کو بٹھا کر سازش یہ کی کہ اوپر سے ایک پتھر آپ پر گرا کر آپ کو ہلاک کردیں، اور مرگ اتفاقیہ کی شہرت دے دیں۔ خدائے حافظ وناصر نے آپ ﷺ کو وحی سے مطلع کردیا، اور آپ ﷺ سازشوں کے قریب بچ کر نکل آئے۔ یہ بنونضیر والے چند ماہ قبل غزوۂ اُحد کے موقع پر بھی مسلمانوں کے ساتھ غداری کر چکے تھے۔ اب اس تازہ واقعہ کے بعد یہ جرم اور زیادہ سنگین ہوگیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کے پاس کہلا بھیجا کہ تمہاری اس شدید غداری کی سزا جلاوطنی سے جان بچانا منظور ہو تو دس دن کی مہلت ہے، اس مدت کے اندر اپنا ضروری سامان (بجز اسلحہ کے) لے کر منتقل ہوجاؤ، ورنہ نکالے جاؤ گے۔ یہود کو اپنی مستحکم قلعہ بندی پر ناز تھا۔ شہ اس سے اور مل گئی کہ منافقین مدینہ کے لیڈروں نے زبردست کمک کا بھی وعدہ کرلیا تھا۔ رسول ﷺ کے پاس جواب انکار میں کہلا بھیجا۔ آپ ﷺ نے لشکر کشی کی۔ منافقین مدینہ کی امداد کا وعدہ تو جھوٹا نکلا۔ یہود قلعہ بند ہوگئے۔ آپ ﷺ نے محاصرہ کرلیا، اور ان کے باغوں پر جو ان کی اصل جائیداد تھے، تصرف کرنا شروع فرمادیا۔ یہود گھبرا کر نکلے، اور کچھ شام کی اور کچھ خیبر کی طرف منتقل ہوگئے۔ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ۔ پہلی ہی بار۔ یعنی اس کے قبل یہ مصیبت انہیں پیش نہیں آئی تھی۔ لفظ میں ایک لطیف اشارہ یہ ہے کہ جلاء وطنی دوبارہ بھی انہیں جھیلنی پڑے گی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں سارے جزیرۂ عرب کو یہود سے خالی کرالیا۔ واما اٰخر حشر هم فهو اجلاء عمر اياهم من خيبر الى الشام (کبیر) کافروں کی جلاوطنی کی سزا بعض فقہاء نے اب منسوخ قرار دی ہے۔ لیکن محققین کا فیصلہ راجح حکم کے نفاذ کے حق میں ہے۔ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ۔ ل وقت کے بیان کے لئے ہے۔ اے عند اول الحشر (کبیر) فی اول الحشر (ابوسعود)

مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۚ وَ قَذَفَ

بچالیں گے و۳ سو اللہ (کا عذاب) ان پر ایسی جگہ سے پہنچا کہ انہیں خیال بھی نہ تھا اور اللہ نے اُن کے دلوں میں

فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ

رعب ڈال دیا تو وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے ہی اُجاڑ رہے تھے

وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ۝٢ وَ لَوْ

اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی و۴ سو اے دانش والو! عبرت حاصل کرو و۵ اور اگر

لَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ

اللہ نے اُن کے حق میں جلا وطنی نہ لکھ دی ہوتی تو وہ دنیا ہی میں انہیں (قتل کا) عذاب دیتا،

وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝٣ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا

اور آخرت میں تو اُن کے لئے عذاب دوزخ ہی ہے و۶ یہ سب اسی سبب سے ہے کہ انہوں نے اللہ اور

اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو کوئی اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو پھر اللہ سزا دینے میں

الْعِقَابِ ۝٤ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً

بڑا سخت ہے و۷ جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹے یا انہیں اُن کی جڑوں پر قائم

عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٥

رہنے دیا، سو یہ دونوں اللہ ہی کے حکم کے موافق ہیں و۸ اور تاکہ اللہ نافرمانوں کو رسوا کرے و۹

وَ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَاۤ اَوْجَفْتُمْ

اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے بطور فے دلوایا، سو تم نے اس کے لئے نہ

عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ

گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ و۱۰ بلکہ اللہ اپنے پیمبروں کو جس پر چاہے

و۳ انہیں اپنی قلعہ بندیوں کے استحکام پر اعتماد ہی ایسا تھا۔ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا۔ یعنی ان کا ساز و سامان و شان و شوکت دیکھ کر، اے مسلمانو! تمہارا ابھی یہ خیال نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ نکلنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ مَانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ۔ ھم کی دونوں ضمیر یہود بنو نضیر کی جانب ہونا تو ظاہر ہی ہیں۔ لیکن یہ بھی جائز ہے کہ مطلق یہود کی جانب ہوں۔ مِنَ اللّٰهِ۔ یہاں سے رسول اللہ ﷺ کے کمال و شرف پر استدلال کیا گیا، اس معنی میں کہ یہود سے معاملہ تو رسول اللہ ﷺ کا ہو رہا تھا، لیکن قرآن مجید نے اسے منسوب خود حق تعالیٰ کی جانب کر دیا۔ فی الأية تشريف عظيم لرسول الله فانها تدل على ان معاملتهم مع رسول الله هي بعينها نفس المعاملة مع الله (کبیر) و۴ مسلمان تو خیر اس بدعہد قوم کو نقض عہد کی پاداش میں خانہ ویران کر ہی رہے تھے، مگر یہ بدنصیب خود بھی اپنے مکانوں کو لکڑی، تختے وغیرہ کھود کر انہیں ویران کئے جاتے تھے۔ فَاَتٰىهُمُ...... يَحْتَسِبُوْا۔ مسلمانوں کی ظاہری بے سروسامانی اور کمزوری دیکھ کر یہود کو اس کا وہم بھی نہیں گزرتا تھا کہ سزائے غیبی ہمیں ان کے ہاتھوں ملے گی۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اہل حرب کے مال و جائداد کو (کہ باغ بھی انہیں میں شامل ہیں) جلانا، کاٹنا، تباہ کرنا حسب مصلحت بالکل جائز ہے۔ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ۔ اللہ۔ اللہ ایک زمانہ وہ تھا کہ بڑے بڑے پُر قوت و مہذب اعدائے اسلام اسلام کی اقبالمندیوں سے مرعوب تھے۔ ایک آج کا زمانہ ہے، الٹے مسلمان ہی نصاریٰ، یہود، ہندو سب ہی سے مرعوب ہیں۔ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ۔ جنگ یورپ کے زمانہ سے ہندوستان کا بھی اخبار بین طبقہ بھاگنے والی فوج کی (Scorched Earth Policy) کی اصطلاح سے خوب واقف ہو گیا ہے قرآن مجید یہود کی اسی پالیسی کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔ و۵ ان مخالفین اسلام کی حالت سن کر، اور یہ سوچ کر کہ حق کی دشمنی کا برا انجام اس دنیا ہی میں نکل آتا ہے، فقہاء مفسرین نے آیت سے استنباط و قیاس فقہی کا وجوب نکالا ہے۔ اشارۃ النص سے۔ فيه امر بالاعتبار والقياس فی احكام الحوادث ضرب من الاعتبار فوجب استعمالهٗ بظاهر الأية (جصاص) واستدل به على ان القياس حجة من حيث انه امر بالمجازوة من حال الى حال وحملها عليها فی حكم لما بينها من المشاركة المقتضية له (بیضاوی) وقال الخفاجی فی وجه الاستدلال قالوا انا امرنا فی هٰذه الأية بالاعتبار وهورد الشیء الى نظيره بان بحكمه عليه بحكمه وهٰذا يشمل الاتعاظ والقياس العقلی والشرعی وسوق الاية للاتعاظ فتدل عليه عبارة وعلى القياس اشارة (روح) واشتهر الاستدلال بالأية على مشروعية العمل بالقياس الشرعی قالوا انه تعالٰی امر فيها بالاعتبار وهو العبور والانتقال من الشیء الى غيره وذٰلک متحقق فی القياس اذفيه نقل الحكم من الا صل الى الفرع (روح) اعلم انا قد تمسكنا بهٰذه الأية فی كتاب المحصول من اصول الفقه علٰى ان القياس حجة فلا نذكر هٰهنا (کبیر) فالله تعالٰی امرنا بالاعتبار وهو التامل فی المثلات المذكورة والقياس نظيرهٗ بعينه لان الشرع شرع احكامًا بمعان اشار اليهاكما انزل مثلات باسباب فقهيا وحينئذٍ يكون اثبات حجة القياس عقليا اے ثابتة بدلالة النص المشابه للقياس لاثابتًا بعين القياس والايلزم الدور (احمدی) و۶ جلاوطنی سے بھی سخت تر سزا آخر یہود ہی کے ایک دوسرے قبیلہ کو مل کر رہی۔ و۷ دنیا و آخرت دونوں میں ہر سزا دینے پر قادر۔ یہود کا یہ جرم دہرا تھا ایک تو سرے سے انکار و تکذیب رسالت، دوسرے غدر و بدعہدی۔ سزا بھی اسی مناسبت سے دہری ملی، ایک تو جلاوطنی دوسرے عذاب دوزخ۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی سزا جو انہیں مل چکی، اور جو آیندہ بھی ملنے والی ہے۔ اے ماحاق بهم وما سيحيق (ابوسعود) و۸ یعنی شرعًا دونوں ہی کی گنجائش تھی۔ دشمن کو تکلیف پہنچانے کے لئے درختوں کے کاٹ دینے کی بھی، اور اپنے آئندہ نفع کے خیال سے ان کے باقی رکھنے کی بھی۔ مِنْ لِّيْنَةٍ۔ لينة ہر قسم کے کھجور کو کہتے ہیں، اور ایک قول ہے کہ عمدہ قسم کے کھجوروں کو۔ قال مجاهد وعمرو بن ميمون كل نخلة لينة وقيل اللينة كرام النخل (جصاص) من نخلة ناعمة (راغب) وهی اجود النخل (کشاف) فقہاء نے یہیں سے استنباط کیا ہے کہ اختلاف مسلک جبکہ حدود شرعی کے اندر اور اخلاص کے ساتھ ہو، مضر نہیں۔ اور ایک کو دوسرے پر عیب لگانے کا حق نہیں۔ و۹ (اور مسلمانوں کو عزت دے) چنانچہ ترک باغات میں بھی مسلمانوں کی کامیابی کا تیقن تھا اور قطع باغات میں بھی مسلمانوں کی دوسری کامیابی یعنی آثار غلبہ کا ظہور تھا۔ اور کافروں کا غیظ اور مقہوری دونوں صورتوں میں مشترک۔ جائز دونوں ہی فعل ہیں، اور دونوں ہی حکمت و مصلحت پر بھی مبنی ہیں، اس لئے قبیح بھی کوئی نہیں۔ مسلمانوں نے جو قیاس فقہی اس وقت قائم کیا تھا۔ اس میں قیاس کے مبنی بھی دونوں قسم کے نصوص تھے جنہوں نے درخت کاٹے یا جلائے انہوں نے نصوص تخریب و انہدام آثار کفر سے کام لیا۔ جنہوں نے درخت باقی رہنے دیئے انہوں نے نصوص اصلاح و حفظ اموال کو سامنے رکھا۔ ہر دو فریق نے اپنے اپنے اجتہاد سے کام لیا تھا۔ اور حق تعالیٰ نے دونوں کے عمل کی جو صورۃً ایک دوسرے کے منافی اور متناقض تھے، تصویب فرمائی۔ صوب الله الذين قطعوا والذين ابوا و كانوا فعلوا ذٰلک من طريق الاجتهاد (جصاص) اور یہیں سے فقہاء نے یہ قاعدہ بھی اخذ کیا ہے کہ مجتہد بہر حال مستحق اجر ہوتا ہے۔ وهٰذا يدل على ان كل مجتهد مصيبٌ (جصاص) و۱۰ یعنی اس کے لئے نہ تمہیں منزل در منزل سفر کی مشقتیں طے کرنا پڑیں، اور نہ قتل و قتال کی نوبت آئی۔ اس لئے تمہارا کوئی حق ہی اس مال کی تملیک و تقسیم پر قائم نہیں ہوتا، جیسا کہ جنگ و قتال کے بعد مال غنیمت کے جیتنے پر ہو

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ مَآ اَفَآءَ

غلبہ دے دیتا ہے اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے ف۱۱ جو کچھ اللہ

اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ

اپنے رسول کو (دوسری) بستیوں والوں سے بطور فئے دلوا دے، سو وہ اللہ ہی کا حق ہے اور رسول کا

وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ

اور (رسول کے) عزیزوں کا، اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا ف۱۲

كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ

تاکہ وہ (مال فئے) تمہارے تونگروں ہی کے قبضہ میں نہ آ جائے ف۱۳ تو رسول جو کچھ تمہیں

الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا

دے دیا کریں وہ لے لیا کرو، اور جس سے وہ تمہیں روک دیں، رک جایا کرو ف۱۴ اللہ سے

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۷ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ

ڈرو، بے شک اللہ سخت سزا دینے میں بڑا سخت ہے ف۱۵ اُن حاجت مند مہاجروں کا

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ

(یہ خاص طور پر) حق ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے جدا کر دیئے گئے ہیں، اللہ کے فضل

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ

اور رضامندی کے طلبگار ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی مدد کرتے ہیں،

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۸ ۚ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ

یہی لوگ تو صادق ہیں ف۱۶ اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دارالاسلام

وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ

اور ایمان میں ان کے قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں محبت کرتے ہیں اس سے جو اُن کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے

وقف لازم

جاتا ہے۔ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ۔ فئے اصطلاح فقہ میں وہ مال ہے جو اہل حرب سے بلا قتل حاصل ہو جائے۔ قال الازهری الفیء ماردہ اللہ علی اهل دینه من اموال من خالف اهل دینه بلا قتال (کبیر) بنی نضیر سے یہ حاصل کیا ہوا مال اسی قبیل سے تھا، اور فدک اور نصف خیبر بھی اسی کے تحت میں آتے ہیں۔ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ۔ یہ جائدادیں رسول اللہ ﷺ کی ملک تھیں۔ لیکن آپ ﷺ کے بعد یہ محل میراث نہ تھیں، بلکہ وقف تھیں، اور یہ حکم خصوصیات ذات رسالت ﷺ میں سے تھا۔ ان کے مصارف کا حکم جو بھی آ رہا ہے: وہ اسی طرح کا ہے، جیسے اہل نصاب کے لئے زکوۃ وصدقہ کے مصارف ہیں۔۔۔ فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ حربی کافروں کے قلعوں کو آلات کی مدد سے توڑنا پھوڑنا، ان کے مکانات کو گرانا، اجاڑنا، ان کے باغوں کو کاٹ ڈالنا، ویران کر دینا، سب جائز ہے۔ احتج العلماء بهذه الاية على ان حصون الكفرة وديارهم لاباس ان تهدم وتحرق وتفرق وترمى بالمجانيق وكذلك اشجارهم لاباس بقلعها مثمرة كانت او غير مثمرة (کبیر) ف۱۱ (پس وہ جس طرح بھی چاہے دشمنان دین کو مغلوب ومقہور کرے، اور جس طرح بھی چاہے اپنے رسول کو مختار ومتصرف بنا دے) لٰكِنَّ۔۔۔۔۔ يَّشَآءُ۔ چنانچہ کبھی حسب مقتضائے حکمت ومصلحت وہ بلا مشقت وتعب بھی انہیں غلبہ دے دیتا ہے۔۔۔ اس وقت بھی اس نے اسی طرح بے لڑے بھڑے اپنے رسول کو غلبہ دے دیا، اس لئے اس میں تمہارا کوئی حق نہیں، مالکانہ تصرف صرف رسول کی رائے پر ہے۔ ف۱۲ (اور یہ سب حصے بس اسی حیثیت سے قائم ہوں گے، جو یہاں بیان کر دیئے گئے، یعنی یا بحیثیت قرابتدار رسول، یا بحیثیت یتیم، یا بحیثیت مسکین، یا بحیثیت مسافر، نہ بحیثیت شریک جہاد کے، اور پھر یہ سب بھی رسول ﷺ ہی کی حسب صوابدید) مَا۔۔۔۔۔ الْقُرٰى۔ جیسا کہ بعد کو فدک اور نصف خیبر بھی اللہ نے اسی طرح اپنے رسول کو دلوا دیا۔ فَلِلّٰهِ۔ اللہ ہی جس طرح چاہے اس کے بارہ میں حکم دے دے۔ تمہیں کوئی استحقاق تملک کا نہیں، تمہیں تو جہاد تک میں نہیں شریک ہونا پڑا۔ ف۱۳ (جیسا کہ جاہلیت میں سب غنیمتیں مالدار اور ذی اختیار ہی لوگ کھا جاتے تھے، اور نادار سپاہی بدستور نادار ہی رہ جاتے تھے، جیسا کہ اس "تہذیب وتمدن" کے دور میں بھی ادنٰی واعلٰی سپاہیان لشکر ہر حصۂ غنیمت سے محروم ہی رہتے ہیں) قرآن نے اس کی تقسیم رسول معصوم ﷺ کی رائے پر رکھی۔۔۔ اور پھر اس کی مدیں بھی بتلا دیں۔ تاکہ آپ ﷺ باوجود مالک ہونے کے اس سرمایہ کو اہل حاجت اور مصلحت عامہ کے مواقع ہی میں صرف فرمائیں۔ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ۔ دُوْلَةً کے لفظی معنٰی دست بدست پھیرنے کے ہیں۔ فقہاء نے آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ بیت المال سے مدد اسی حد تک لینا چاہئے کہ نوبت تمول، تونگری، ذخیرۂ مال وسرمایہ داری کی نہ آ جائے۔ محققین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت میں صراحت کے ساتھ ذکر اگرچہ صرف فئے کا ہے، لیکن اس سے استنباط یہی ہوتا ہے کہ اسلام بالعموم یہی سرمایہ داری (کیپٹلزم) یا سرمایہ کے اجتماع ومرکزیت کے حق میں نہیں۔ ف۱۴ مَا عام ہے۔ مَآ اٰتٰىكُمُ ہر امر کو اور وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ ہر نہی کو شامل ہے۔ اس لئے جمہور محققین کا مسلک ہے کہ گو نزول آیت عطا مال فئے میں ہوا ہے۔ لیکن حکم اس کا عام ہے، اور حضرت رسالت کے جملہ اوامر واحکام واجب القبول ہیں۔ وهو عام فی كل ما امر به النبی ونهی عنه (معالم) ای مهما امركم به فافعلوا ومهما نهاكم عنه فاجتنبوه (ابن کثیر) فخذوه ای فتمسكوا به لانه واجب الطاعة (بیضاوی) ف۱۵ (اور اس حقیقت کا استحضار ہر معصیت، ہر نافرمانی کی راہ میں مانع قوی ثابت ہوگا) اسلام کا خدا "خدا" ہے، حلم کے موقع پر حلیم، اور غضب وانتقام کے موقع پر غضبناک ومنتقم۔ مشرک قوموں کے بعض دیوتاؤں اور خداؤں کی طرح قوت قہری سے محروم دھری اور سرکشوں ومعاندوں کے مقابلہ میں معذور اور بے دست وپا نہیں۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اس تقوائے الٰہی کے بعد، خواہ معاملت ہو، خواہ معاشرت، ہر صیغہ کا ہر حکمی جزئیہ آسان اور خوشگوار ہو جاتا ہے۔ ف۱۶ (اپنے دعوی ایمان وحب خدا ورسول میں) یہ صاف وصریح قرآنی مدح صحابہ ہے۔ اشارہ ہو رہا ہے کہ یہ ہجرت کسی دنیوی غرض سے نہیں، محض اللہ کی رضاجوئی کے لئے کر رہے ہیں۔ ان کے ایمان میں کسی طرح کھوٹ نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے دین کی خدمت ونصرت ہی ان کی زندگی کا مشن ہے۔ الَّذِيْنَ۔۔۔۔۔ اَمْوَالِهِمْ۔ یعنی جبراً وظلماً اپنے گھروں سے نکالے، اور اپنی جائدادوں سے بے دخل کیے گئے۔ مشرکوں نے انہیں اتنا تنگ اور مجبور کیا کہ یہ گھر بار چھوڑ کر ہجرت پر آمادہ ہو گئے۔ لفظ فقرآء سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ کافر جب مال مسلم پر قابض ومسلط ہو جائیں، تو وہ اس کے قانوناً مالک سمجھ لئے جائیں گے۔ چنانچہ شرفاء مسلمین جو مکہ میں مالدار تھے، جب وہ مدینہ میں مہاجر کی حیثیت سے آئے تو کل مال وجائداد کی ملکیت ان سے ساقط ہو گئی، اور قرآن مجید نے انہیں فقراء قرار دیا۔ وفيه دليل على ان الكفار يملكون بالاستيلاء اموال المسلمين لان الله تعالى سمى المهاجرين فقراء مع انه كانت لهم ديار و اموال (مدارک) اور اس مسئلہ کی فرع یہ ہے کہ جب اسی مال سے انہیں کافروں کے ہاتھ سے بطور بیع یا ہبہ یا اور کسی جائز طریقہ پر مسلمانوں کو کچھ ملے تو اس کا قبول کرنا جائز ہوگا۔ لیکن قانونی تملیک صرف مال کی حد تک جائز ہوگی، نفوس مسلم پر اس کا اطلاق صحیح نہ ہوگا۔ مسلمان کی ذات یا جان پر کافر کا دعوٰی تملیک کسی صورت میں بھی جائز نہ ہوگا۔

وے١٧ صحابیوں میں مہاجرین کے بعد اب یہ مناقب وفضائل حضرات انصار کے بیان ہو رہے ہیں ـــ قرآنی مدح صحابہ کا دوسرا جزو۔ الدَّارَ۔ دارالاسلام یا مدینہ منورہ۔ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یعنی مہاجرین کے ورود مدینہ سے قبل۔ اے من قبل قدوم المهاجرين عليهم (معالم) دار الہجرت اصلا تو مدینہ منورہ ہی تھا۔ باقی ہر دوسرا مقام بھی دار الہجرت ہو سکتا ہے، جہاں توحید پرستی کے لئے پناہ وفراغت مل سکے۔ لَا...... اُوْتُوْا۔ حَاجَةً کے اصل معنی طلب کے ہیں۔ مطلب آیت کا یہ ہوا کہ مہاجرین کو تقسیم غنیمت وغیرہ میں سے جو کچھ ملتا رہتا ہے، یا اور انہیں جو شرف ومرتبہ حاصل ہو چکا ہے، اس کی طرف یہ انصار کبھی اپنا خیال بھی نہیں لے جاتے۔ قال الحسن يعني انهم لايحسدون المهاجرين على فضل اٰتهم الله (جصاص) يعني الحسد (ابن کثیر) ولايجدون في انفسهم حسدا للمهاجرين فيما فضلهم الله به من المنزلة والشرف والتقديم في الذكر و الرتبة (ابن کثیر) يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ۔ مہاجرین سے محبت رکھنے کی فضیلت پر یہ صاف نص قرآنی ہے۔ اور یہ خبر متواتر سے معلوم ہے کہ خلفائے اربعہ سے محبت رکھنا علامت کمال ایمان ٹھہری ـــ اور اس کے برعکس ان حضرات سے بیزاری، علامت نقص ایمان! وَيُؤْثِرُوْنَ...... خَصَاصَةٌ۔ یہ فضیلت کا اعلیٰ درجہ اور انتہائی مرتبہ ہے جو حضرات انصار کے لئے ارشاد ہو رہا ہے۔ یہ حضرات مہاجرین کے حصہ پر رشک تو کیا کرتے، خود اپنے پاس سے انہیں کھلاتے پلاتے رہتے ہیں، چاہے خود اپنے فاقہ ہی کی نوبت کیوں نہ آ جائے۔ الخصاصة الحاجة مدح الله عليهم بايثارهم المهاجرين على انفسهم في ماينفقونه، عليهم وان كانوا هم محتاجين اليه (جصاص) خَصَاصَةٌ۔ شدت فقر واحتیاج کو کہتے ہیں۔ عبر عن الفقر الذي لم يسد بالخصاصة (راغب) اے فاقة وحاجة الى مايؤثرون (معالم) وے١٨ (جیسے کہ یہ حضرات انصار ہیں کہ حرص اور اس کے مقتضا پر عمل کرنے سے حق تعالیٰ نے انہیں محفوظ کر دیا ہے) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو حرص وطمع جبلی وطبعی ہے وہ محل ملامت نہیں، ملامت اس کے مقتضائے نامشروع کے عمل پر ہے۔ الشح ان تاخذ مال اخيك بغير حق (جصاص) الشح بخل مع حرص (راغب) وقيل الشح هو الحرص الشديد الذي يحمله على ارتكاب المحارم (معالم) وے١٩ (اس لئے ہماری یہ دعا دنیا وآخرت دونوں میں ضرور قبول کرے گا) یہ قرآنی مدح صحابہ کا تیسرا جزو ہے، اور مہاجرین وانصار دونوں کے حق میں جامع ـــ یہ لوگ وہ تھے کہ اپنے سے اگلوں کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے، اور اپنے سامنے والوں اور اپنے پچھلوں کے ساتھ محبت وشفقت۔ اور اپنی دعائے خیر سب کے لئے عام رکھتے تھے۔ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔ یعنی ان مہاجرین وانصار کے بعد، دنیا میں آئیں گے، یا اسلام میں داخل ہوں گے، یا ہجرت میں شریک ہوں گے ـــ تقسیم فے کا یہ سلسلہ قیامت تک برابر امت میں جاری رہے گا۔ اور یہ قول خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ صحابیوں، تابعین اور فقہاء کی ایک بڑی جماعت کا ہے:۔ قال عمرؓ دخل في هذا الفيء كل من هو مولود الى يوم القيامة في الاسلام (مدارک) هم التابعون بعد قرن الصحابة الى يوم القيامة وهو اختيار جماعة منهم مالك بن انس (ابن العربی) فهي في جميع التابعين والاٰتين بعد هم الى يوم الدين ولاوجه لتخصيصها (ابن العربی) وهم المؤمنون بعد الفريقين الى يوم القيامة ولذٰلك قيل ان الاٰية قد استوعبت جميع المؤمنين (بیضاوی) وقيل هم المؤمنون بعد الفريقين الى يوم القيامة وكلام كثير من السلف كالصريح فيه فالاٰية قد استوعبت جميع المؤمنين (روح) مصارف فے تو قرآن مجید نے خود ہی متعین کر دیئے تھے، (ملاحظہ ہو آیت نمبر ٧) البتہ ان کی تقسیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر مالکانہ حیثیت سے موقوف رکھی تھی۔ وفات شریف کے بعد یہ تفویض رائے کا پہلو تو ختم ہو گیا۔ البتہ آئندہ اہتمام وانتظام خلفاء اور جانشینوں کے لئے مالکانہ حیثیت سے نہیں، صرف حاکمانہ حیثیت سے باقی رہ گئی۔ رَبَّنَا ...... بِالْاِيْمَانِ۔ یہ دعائے خیر متقدمین اور سابقین کے حق میں ہے۔ وَلَا...... اٰمَنُوْا۔ اس دعائے خیر کا زیادہ تعلق معاصرین سے ہے۔ رَبَّنَا...... بِالْاِيْمَانِ۔ اپنے سے پہلے کے ایمان والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرنا علامات ایمان سے ہے۔ اور حضرات صوفیہ کے ہاں تو سلف کے لئے دعائے خیر کرتے رہنا معمولات میں داخل ہے۔ محققین ومتکلمین نے لکھا ہے کہ جب دوسرے مومنین کے لئے دعاء استغفار اور ان کی طرف سے براءت عامۂ مومنین کی شان ہے تو صحابۂ رسول، جو امت کے خواص ہی میں نہیں، اخص الخواص تھے، ان کے لئے یہ کیسے قابل تسلیم ہو سکتا ہے کہ وہ عارضی اختلافات اور تنازعات کی بناء پر ایک دوسرے کے بدخواہ، اور ایک دوسرے کے حق میں لعّان ہو گئے ہوں گے۔ لِاِخْوَانِنَا۔ یہ اخوت محض عقائد ایمان کی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ قومی، نسلی، لسانی، وطنی، لونی، غرض بجز وحدت اعتقادی کے اور حیثیت سے مومنین کے گروہ ایک دوسرے سے مختلف ہی ہوتے ہیں۔ وے٢٠ (ہرگز اپنے وعدوں پر عمل نہ کریں گے) ذکر منافقین مدینہ کا ہو رہا ہے، جو ایک بہت بڑی تعداد میں تھے۔ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا۔ مراد عبد اللہ بن ابی اور اس کے جتھے کے دوسرے منافقین مدینہ ہیں۔ لِاِخْوَانِهِمُ...... الْكِتٰبِ۔ مراد یہود ہیں، خصوصاً قبیلۂ بنی نضیر کے یہود ـــ یہ اخوت عقائد کفریہ کی تھی، ورنہ ظاہر ہے کہ منافقین مدینہ (جو مشرکین عرب میں سے تھے) اور یہود (جو بنی اسرائیل تھے) نسلاً متحد نہ تھے۔ لَئِنْ...... لَنَنْصُرَنَّكُمْ۔ یعنی جلاوطنی ہو تو،

وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا

اور اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں اس سے جو کچھ کہ انہیں ملتا ہے

وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ قف

اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود فاقہ میں ہی ہوں وے١٧

وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٩ ج

اور جو اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے، سو ایسے ہی لوگ تو فلاح پانے والے ہیں وے١٨

وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا

اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو ان کے بعد آئے، (اور وہ) یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے

وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ

اور ہمارے بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی

قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝١٠ ع

طرف سے کینہ نہ ہونے دے اے ہمارے پروردگار تو تو بڑا شفیق ہے بڑا مہربان ہے وے١٩

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ

کیا آپ نے منافقین کے حال پر نظر نہیں کی کہ اپنے بھائیوں سے کہ کفار اہل کتاب ہیں

كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ

کہہ رہے تھے کہ اگر تم نکالے گئے تو قطعاً ہم بھی

مَعَكُمْ وَ لَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّ اِنْ قُوْتِلْتُمْ

تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے معاملہ میں ہم کبھی کسی کا کہنا نہ مانیں گے، اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوگی

لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝١١ لَئِنْ

تو ہم یقیناً تمہاری مدد کریں گے، حالانکہ اللہ گواہ ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں وے٢٠ (حالانکہ) اگر

اُخۡرِجُوۡا لَا يَخۡرُجُوۡنَ مَعَهُمۡ ۚ وَلَئِنۡ قُوۡتِلُوۡا لَا

(اہل کتاب) نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی

يَنۡصُرُوۡنَهُمۡ ۚ وَلَئِنۡ نَّصَرُوۡهُمۡ لَيُوَلُّنَّ الۡاَدۡبَارَ ۟ ثُمَّ لَا

مدد نہ کریں گے اور اگر ان کی مدد کی بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر اُن کی کوئی

يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۲﴾ لَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ رَهۡبَةً فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنَ

مدد نہ ہو گی و۲۱ بے شک تم لوگوں کا خوف ان کے دلوں میں اللہ سے بھی

اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ

زیادہ ہے یہ اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے و۲۲ یہ لوگ تو سب مل کر بھی تم سے

جَمِيۡعًا اِلَّا فِىۡ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوۡ مِنۡ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ

نہ لڑیں گے مگر ہاں حفاظت والی بستیوں یا دیواروں کی آڑ میں و۲۳

بَاۡسُهُمۡ بَيۡنَهُمۡ شَدِيۡدٌ ؕ تَحۡسَبُهُمۡ جَمِيۡعًا وَّقُلُوۡبُهُمۡ

ان کی لڑائی آپس (ہی) میں بڑی تیز ہے تو انہیں متفق خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے قلب

شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۴﴾ۚ كَمَثَلِ الَّذِيۡنَ

غیر متفق ہیں یہ اس لئے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل کو کام میں نہیں لاتے و۲۴ (ان کی) مثال ان لوگوں کی سی ہے

مِنۡ قَبۡلِهِمۡ قَرِيۡبًا ذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِهِمۡ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ

جو اُن کے کچھ ہی قبل ہوئے ہیں، جو اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں اور اُن کے لئے دردناک

اَلِيۡمٌ ﴿۱۵﴾ۚ كَمَثَلِ الشَّيۡطٰنِ اِذۡ قَالَ لِلۡاِنۡسَانِ اكۡفُرۡ ۚ فَلَمَّا

عذاب ہے و۲۵ (ان کی) مثال شیطان کی سی ہے و۲۶ جو انسان سے کہتا ہے کہ کافر ہو جا، پھر جب وہ

كَفَرَ قَالَ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّنۡكَ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ

کافر ہو جاتا ہے تو (شیطان) کہنے لگتا ہے، میرا تجھ سے کچھ واسطہ نہیں میں تو اللہ پروردگار عالم سے

اور قتال ہو تو ہم ہر حال اور ہر صورت میں تمہارے رفیق اور یار و ناصر ہیں۔ یہ زبردست پیشگوئی جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی، بجائے خود ایک دلیل صداقت رسول کی تھی۔ و۲۱ یعنی جو ناصر بن کر، اور نصرت کے دعویدار بن کر آئے تھے، وہ تو نکل ہی گئے، اور دوسرا کوئی ناصر ہو گا تو یہ لامحالہ مغلوب و مقہور ہوں گے۔ پوری آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ منافقین مدینہ جو یہود بنی نضیر کی حمایت و رفاقت کا وعدہ کر رہے ہیں، اول تو وقت پڑے پر ان کا ساتھ دیں گے نہیں، نہ جلاوطنی میں نہ جنگ میں، اور بالفرض ساتھ دیا بھی تو ان کی امداد بالکل بے نتیجہ و غیر مؤثر رہے گی۔ یہ خود ہی پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ وَلَئِنۡ نَّصَرُوۡهُمۡ۔ قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان عام ہے۔ بارہا اس نے مستبعدات بلکہ محالات کو بھی فرض کر کے اس پر آگے گفتگو کی ہے۔— وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ الخ قُلۡ اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ الخ اسی کی نظیریں ہیں۔ و۲۲ (اللہ کی عظمت کے باب میں) یعنی اگر یہ سمجھ سے کام لے کر خدا کی عظمت کے دل سے قائل ہو گئے ہوتے تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ تم سے ڈرتے اور خدا سے نہ ڈرتے! لَاَنۡتُمۡ۔ خطاب مسلمانوں سے ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ منافقین حق تعالیٰ سے تو ڈرتے نہیں، ورنہ کفر چھوڑ کر ایمان ہی نہ لے آتے؟ اور ایمان کے جھوٹے دعوے سے باز ہی نہ آ جاتے؟ البتہ مسلمانوں کا رعب واقعی ان کے دلوں پر چھایا ہوا ہے، اور اس لئے یہ بنی نضیر سے جا ملنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ خشیتِ الٰہی کی کمی کا حاصل اس مقام پر ایمان باللہ میں کمی ہے۔ ورنہ اگر محض طبعی قوت، مثلاً کسی خطرناک جانور کا یا دشمن ہیبت ناک کا خوف خدا سے زیادہ ہے تو یہ داخل معصیت نہیں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس موقع پر مومنین کو جو ملامت نہیں کی گئی، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کسی کے ساتھ کوئی معاملہ خلاف شریعت کیا جائے، مثلاً سجدہ تعظیمی، اور وہ اس سے اپنی ناخوشی کا اظہار کر دے، تو پھر دوسرا مانے یا نہ مانے، تو وہ معذور ہے ذٰلِكَ۔ یعنی ان کافروں کے دلوں میں بمقابلہ حق تعالیٰ کے مسلمانوں کی ہیبت و دہشت کا زیادہ ہونا۔ ای ماذکر من کونکم اشد رهبة فی صدورهم من الله تعالیٰ (روح) و۲۳ (سوائے مسلمانو! تم ان سے کچھ اندیشہ، ہراس نہ کرو) قُرًى مُّحَصَّنَةٍ۔ عام ہے، حفاظت خواہ خندق سے ہو یا حلقہ بندی سے ہو، یا اور کسی طریق پر۔ جَمِيۡعًا۔ یعنی منافقین مدینہ اور یہود کے مختلف قبائل سب مل کر اور اکٹھے ہو کر بھی۔ مجتمعین یعنی الیهود والنصارٰی (مدارک) مطلب یہ ہوا کہ ان مخالفین میں لڑنے کی ہمت اور حوصلہ ہی کہاں۔ اول تو لڑیں گے نہیں، اور اگر لڑے بھی تو میدان میں سامنے آ کر نہیں بلکہ اس طرح بچ بچ کر اور ڈرتے ہوئے۔ یہ پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ منافقین کو تو کبھی لڑنے ہی کی ہمت سرے سے نہ ہوئی۔ ہاں یہود خیبر اور بنی قریظہ نے مقابلہ کیا تو وہ اسی طرح پر۔ و۲۴ (دین کے بارہ میں) اور اس لئے سب کے سب بس اپنے ہی اغراض کے تابع ہیں۔ بَاۡسُهُمۡ...... شَتّٰى۔ یعنی گو اہل ایمان کے ساتھ عداوت میں یہ سب شریک ہیں، لیکن ان کا آپس کا افتراق بھی حد درجہ شدید ہے— اسی قسم کا افتراق شدید جس کا نمونہ آج بھی (یعنی ۱۹۴۵ء میں) برطانیہ اور روس، روس اور امریکہ، فرانس اور اسپین اور ساری فرنگی حکومتوں کے درمیان نظر آ رہا ہے— خود غرضیوں اور خود پرستیوں کا لازمی نتیجہ! ذٰلِكَ۔ یعنی یہ تفرق و تشتت باہمی۔ ای التفرق (مدارک) ای ماذکر من تشتت قلوبهم (روح) و۲۵ (آخرت میں، جو اس دنیوی سزا کے علاوہ ہو گا) یہ حال یہود بنی نضیر کا بیان ہو رہا ہے، اور انہیں کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ كَمَثَلِ۔ یعنی یہود بنی نضیر کی مثال— تشبیہ محرومی دارین میں ہے۔ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ قَرِيۡبًا۔ یعنی یہود بنی قینقاع۔ یہ بھی مدینہ و حوالی مدینہ میں آباد تھے۔ ۲ھ میں غزوۂ بدر کے بعد اس قبیلہ نے بدعہدی کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محاربہ کیا۔ مغلوب ہوئے اور پھر جلاوطن۔ عن ابن عباس یعنی بنی قینقاع (ابن جریر) بعض نے مراد اہل بدر سے بھی لی ہے۔ عن مجاهد قال کفار قریش (ابن جریر) وَبَالَ اَمۡرِهِمۡ۔ یعنی عداوتِ رسول کا خمیازہ۔ و۲۶ یہاں مراد منافقین ہیں— اور تشبیہ عین وقت پر نکل جانے اور کام نہ آنے میں ہے۔ ای مثل المنافقین فی اغرائهم الیهود علی القتال (مدارک)

ف۲۷ یعنی جس طرح شیطان پہلے تو انسان کو بہکاتا، بھڑکاتا ہے، اور پھر وقت پڑنے پر ساتھ نہیں دیتا۔ اسی طرح منافقین مدینہ نے پہلے تو بنی نضیر کو خوب بڑھاوے دیئے، لیکن جب وقت آیا تو صاف نکل گئے۔ فَلَمَّا كَفَرَ۔ یعنی جب کفر اور وبال کفر کا تحقق انسان پر ہو جاتا ہے۔ اس کا ظہور خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ الشَّیْطٰنِ...... لِلْاِنْسَانِ۔ دونوں سے مراد جنس شیطان وجنس انسان ہے۔

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ

ڈرتا ہوں ف۲۷ سو آخری انجام دونوں کا یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں گئے جہاں ہمیشہ

فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۷﴾ ع یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا

رہیں گے اور یہی سزا ہے ظالموں کی ف۲۸ اے ایمان والو

اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

اللہ سے ڈرتے رہو، اور ہر شخص دیکھ لے کہ اُس نے کل کے واسطے کیا بھیجا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو،

اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ

بے شک اللہ کو تمہارے اعمال کی (پوری) خبر ہے ف۲۹ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیو جنہوں نے

نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا

اللہ کو بھلا دیا، سو اللہ نے خود ان کی جانوں کو اُن سے بھلا دیا، یہی لوگ تو نافرمان ہیں ف۳۰

یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ

اہل دوزخ اور اہل جنت برابر نہیں اہل جنت تو

الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى

کامیاب لوگ ہیں ف۳۱ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر

جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ

نازل کرتے تو تُو اس کو دیکھتا کہ اللہ کے خوف سے دب جاتا پھٹ جاتا ف۳۲

وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور ہم ان عجب (مؤثر) مضمونوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ سوچیں ف۳۳

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ

اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جاننے والا ہے پوشیدہ اور ظاہر کا وہی

ع ۵

والمجھور علی ان المراد بالشیطن والانسان الجنس (روح) ف۲۸ (جو اپنے ہاتھوں اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں) عَاقِبَتَهُمَا۔ ھما کی ضمیر تثنیہ سے مراد وہی کافر انسان اور شیطان ہیں۔ ای الانسان الکافر والشیطان (مدارک) ذٰلِكَ۔ یعنی یہی جہنم میں حبس دوام۔ ای الخلود فی النار (روح) ف۲۹ (اس لئے طاعات کی طرف بڑھنا، اور معاصی سے محترز رہنا تمہارے لئے لازم ہے) یٰۤاَیُّهَا...... اللّٰهَ۔ یعنی اے ایمان والو، تمہارا محض دعویٰ ایمان کافی نہیں۔ نافرمانیوں سے ہمیشہ بچتے رہنا چاہئے، خصوصاً ان نافرمانوں کے حالات سن لینے کے بعد۔ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔ یعنی یہ دیکھتے رہا کرو کہ طاعات اور اعمال صالح کا کتنا ذخیرہ اب تک بھیج چکے۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ۔ اس تقویٰ کا تعلق طاعات کی طرف بڑھنے سے ہے جیسا کہ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ سے اشارہ ہو رہا ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اس تقویٰ کا تعلق معاصی سے بچنے سے ہے، جیسا کہ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ سے اشارہ ہو رہا ہے۔ لِغَدٍ۔ غد کا صیغہ نکرہ اس کی عظمت وہیبت کے اظہار کے لئے ہے۔ وتنکیرہ لتعظیم امرہ (مدارک) ف۳۰ (پورے پورے، یعنی کافر) الْفٰسِقُوْنَ۔ یہاں قرآن مجید کے اکثر موقعوں کی طرح الکافرون کے معنی میں ہے۔ الْفٰسِقُوْنَ یعنی فسق میں کامل۔ طاعت الٰہی سے بالکل ہی خارج، اور یہ وہی ہو سکتے ہیں، جو کافر ہوں۔ ای الکاملون فی الفسوق (بیضاوی) نَسُوا اللّٰهَ۔ یعنی حق تعالیٰ اور اس کے احکام وہدایات کی طرف سے عمداً اعراض برتنے لگے۔ اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی حق تعالیٰ نے ان کی عقل ایسی ماردی کہ یہ نہ اپنے نفع کو پہچانتے ہیں، اور نہ اس کے حاصل کرنے کی فکر کرتے ہیں۔ ف۳۱ (درآنحالیکہ اہل دوزخ سرتاسر ناکام ونامراد ہیں) لَا...... الْجَنَّةِ۔ دونوں فریق کا برابر اور یکساں ہونا کیسا، وہ تو ایک دوسرے کی ضد ہیں، اپنے مآل اور حقیقت حال کے لحاظ سے — خلط اور التباس تو صرف اسی دنیا میں رہتا ہے۔ صرف یہیں سب ملے جلے اور یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ آخرت میں تو اہل جنت وہ ہوں گے، جو دنیا میں حکم اِتَّقُوا اللّٰهَ پر عامل رہے۔ یعنی اہل تقویٰ۔ اور اہل دوزخ وہ ہوں گے، جو دنیا میں الَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ اور اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کے مصداق رہے۔ ف۳۲ (مضامین قرآنی کی عظمت وہیبت سے) یعنی قرآن مجید بجائے خود اس درجہ مؤثر اور فاعل قوی ہے۔ لَوْ...... جَبَلٍ۔ یعنی پتھر کا پہاڑ، جو جمود اور بے حسی کا انتہائی نمونہ معلوم ہوتا ہے، اس پہاڑ پر اگر ہم قرآن نازل کرتے، اور پہاڑ میں بقدر ضرورت فہم وعقل کا مادہ رکھ دیتے، تو پہاڑ تک فرط تاثر سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ ف۳۳ (اور نفع حاصل کریں) کافر بلکہ فاسق انسان کی بھی تاثر پذیری، بسبب غلبہ ہوائے نفس فاسد ہو جاتی ہے، اور اسی سے اس میں جمود اور عدم احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ ہوائے نفس کو مغلوب کرنے اور قرآن مجید سے تاثر وتذکر کی قابلیت کو بڑھانے میں بڑا دخل صحبت صالحین کو ہے۔

الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ ﴿۲۲﴾ ہُوَ اللّٰہُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ

نہایت مہربان ہے، بار بار رحم کرنے والا ہے ف۳۴ اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں

اَلۡمَلِکُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُہَیۡمِنُ الۡعَزِیۡزُ

وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سالم ہے امن دینے والا ہے، نگہبانی کرنے والا ہے، زبردست ہے،

الۡجَبَّارُ الۡمُتَکَبِّرُ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۲۳﴾ ہُوَ اللّٰہُ

خرابی کا درست کرنے والا ہے بڑا عظمت والا ہے پاک ہے اللہ لوگوں کے شرک سے ف۳۵ وہی اللہ تو

الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ لَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ؕ یُسَبِّحُ

پیدا کرنے والا ہے ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے صورت بنانے والا ہے اسی کے اچھے اچھے نام ہیں اسی کی تسبیح

لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲۴﴾ ع

کرتی ہیں جو چیزیں بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہی زبردست ہے حکمت والا ہے ف۳۶

ع ۳

آیاتہا ۱۳ ۶۰ سُوۡرَۃُ الۡمُمۡتَحِنَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۱ رکوعاتہا ۲

اس کی تیرہ آیتیں ہیں سورۂ ممتحنہ مدینہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَ عَدُوَّکُمۡ

اے ایمان والو تم میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست

اَوۡلِیَآءَ تُلۡقُوۡنَ اِلَیۡہِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ وَ قَدۡ کَفَرُوۡا بِمَا جَآءَکُمۡ

نہ بنا لینا کہ ان سے محبت کا اظہار کرنے لگو درآنحالیکہ تمہارے پاس جو (دین) حق آ چکا ہے

مِّنَ الۡحَقِّ ۚ یُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَ اِیَّاکُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا

اس کے وہ منکر ہیں رسول کو اور خود تم کو اس بناء پر شہر بدر کر چکے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر

ف۳۴ اور یہی وہ صفاتِ کاملہ ہیں، جن سے مشرک قوموں کے معبود، اور اہلِ باطل کے خدا خالی ہیں۔ ھُوَ...... اِلَّا ھُوَ۔ حق تعالیٰ کی یکتائی اور توحید کامل کا اثبات اس سے ہوگیا۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ۔ حق تعالیٰ کا علم فلاسفہ مصر و یونان وغیرہ کے خدا کی طرح، محدود و ناقص قسم کا نہیں، ہر طرح کامل اور جزئیات و کلیات سب کو محیط ہے — اسی صفت علم کا علم صحیح نہ رکھنے سے مشرکین کو خدا جانے کتنے دیوتا گڑھنے پڑے۔ ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۔ حق تعالیٰ کی صفتِ رحم ہر طرح کامل اور غیر محدود ہے — اسی صفت کے بارہ میں ٹھوکر لگنے سے مسیحیوں کو "کفارہ" کا عقیدہ تراشنا پڑا، اور پھر ایک خدا کے "اکلوتے بیٹے" کی تلاش ہوئی، جس کو ساری گنہگار مخلوق کی طرف سے کفارہ میں پیش کیا جائے! ف۳۵ یعنی ہر قسم کے شرک اور شائبۂ شرک سے، جو لوگ اس کی ذات و صفات میں کرتے رہتے ہیں — کوئی مخلوق، کیسی ہی اشرف و اعلیٰ ہو، اس کی شریک کسی حیثیت سے، کسی درجہ میں نہیں ہو سکتی۔ ھُوَ...... اِلَّا ھُوَ۔ توحید ذات کا مکرر اثبات، تاکید کی غرض سے۔ اَلْمَلِکُ۔ ملکیت، مالکیت، حاکمیت کے سارے اختیارات اور جملہ حقوق اسی کو حاصل ہیں۔ کسی کو کسی حیثیت سے بھی اس ذات پاک پر دسترس حاصل نہیں۔ اَلْقُدُّوْسُ۔ وہ ذات پاک، ہر عیب، ہر نقص ہر کوتاہی سے بالاتر ہے۔ اور یہ مشرکین کا جہل محض ہے جو اس کی جانب بعض نالائق صفات کو منسوب کر دیا ہے۔ اَلسَّلٰمُ۔ اس کی ذات میں اس کا امکان ہی نہیں کہ آیندہ بھی کوئی نقص، کوئی عیب اس میں پیدا ہو سکے۔ اَلْمُؤْمِنُ۔ یعنی اپنے بندہ سے ہر خوف کو دور کرتا رہتا ہے، ہر آئی ہوئی آفت کو ٹالتا رہتا ہے — مشرک قومیں ہر آئی ہوئی مصیبت سے بچنے کے لئے فلاں دیوی اور فلاں دیوتا کی دہائی دیتی رہتی ہیں۔ اَلْعَزِیْزُ۔ اس اسم میں حق تعالیٰ کی صفت قدرت کا اثبات ہے — مشرکین نے اپنے دیوتاؤں کو کمزور اور غیر قادر مانا ہے۔ اَلْجَبَّارُ۔ یعنی ہر قسم کی اصلاح کرنے والا ہے۔ مُجبر اسے کہتے ہیں جو ٹوٹی ہوئی یا اکھڑی ہوئی ہڈی پھر سے بٹھا دے۔ ای الذی جبر حالھم بمعنی اصلحہٗ (بیضاوی) اَلْمُتَکَبِّرُ۔ یعنی وہ ذات جس کے آگے مخلوق کی ساری عظمتیں ہیچ ہیں۔ اور جس کی تحقیر یا تصغیر کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ف۳۶ (سوایسے باعظمت اور باحکمت کے احکام کی پابندی نہایت درجہ ضروری ہے) صفات حسنہ کمالیہ کا مزید اثبات — سورۃ الحشر کی ان دونوں آیتوں کے جوشِ بلاغت اور زورِ کلام کو حال کے ملحد اور مسیحی ماہرین عربیت نے بھی سراہا ہے۔ اَلْخَالِقُ۔ یعنی صفت تخلیق و تکوین و ایجاد میں کوئی اس کا سہیم و شریک نہیں۔ اَلْبَارِئُ۔ یعنی روح و مادہ، ہیولیٰ و صورت، جوہر و عرض، سب کا موجد، سب کو عدم سے وجود میں لانے والا وہی ہے۔ اَلْمُصَوِّرُ۔ یعنی ہر چیز کو ٹھیک ٹھیک آئین حکمت کے مطابق ہی اس نے صورت وجود سے مشرف کیا ہے۔ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی۔ صفات کمالیہ کی جامع اسی کی ذات ہے۔ یُسَبِّحُ...... الْاَرْضِ۔ اسی کی حمد و ثنا کی تسبیح چھوٹی بڑی، آسمانی زمینی، ہر مخلوق اپنی اپنی بساطِ فہم اور مرتبۂ وجود کے مطابق کرتی رہتی ہے۔

ف۱ اس فقرہ اِنۡ کُنۡتُمۡ الخ کا تعلق آیت کے پہلے حکم لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَ عَدُوَّکُمۡ سے ہے۔ یعنی اگر تم واقعی ہماری رضاء کی طلب اور ہماری راہ میں جہاد کو نکلے ہو، تو ان دشمنان دین سے دوستی اور محبت کا برتاؤ کیسا؟ عَدُوِّیۡ۔ یعنی اللہ اور اس کے دین سے بیر رکھنے والے۔ عَدُوَّکُمۡ۔ یعنی امتِ اسلامی سے اس کے اسلام کی بناء پر بیر رکھنے والے۔ تُلۡقُوۡنَ اِلَیۡہِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ۔ یعنی دلی محبت ودوستی رکھنا تو خیر الگ ہے، ان دشمنان خدا ودشمنان امت سے عملی برتاوا بھی دوستوں کا سا رکھنا کب روا ہے۔ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا۔ اس خطاب کے معا بعد ذکر بعض مسلمانوں کے ایک گناہ کبیرہ کا یعنی دشمن سے مکاتبت ومراسلت کا آ رہا ہے، لیکن اس ارتکاب کبیرہ کے بعد بھی مومن مومن ہی رہا، دائرۂ ایمان سے خارج نہیں ہو گیا — اور یہیں سے اہل سنت کو خوارج کے مقابلہ میں یہ دلیل ہاتھ آئی کہ مومن کبیرہ کے بعد بھی مومن ہی رہتا ہے۔ وفیہ دلیل علی ان الکبیرۃ لاتسلب اسم الایمان (مدارک) اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا۔ یعنی اخراج کی علت تمہارا یہی ایمان باللہ ہے۔ تعلیل لیخرجون (مدارک) فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ مال واولاد کے تحفظ کے خیال سے تقیہ جائز نہیں۔ و فی ہذہ الآیۃ دلالۃ علی ان الخوف علی المال والاولاد لایبیح التقیۃ فی اظہار الکفر وانہ لایکون بمنزلۃ الخوف علی نفسہ (جصاص) وما ذکرناہ یدل علی صحۃ قولنا ویدل علی ان الخوف علی المال والاھل لا یبیح التقیۃ ان اللہ فرض الھجرۃ علی المؤمنین ولم یعذرھم فی التخلف لاجل اموالھم واھلھم (جصاص) وَقَدۡ…… الۡحَقِّ۔ یہ تشریح مزید ہے عَدُوِّیۡ کی۔ یُخۡرِجُوۡنَ…… رَبِّکُمۡ۔ یہ تشریح مزید ہے عَدُوَّکُمۡ کی۔ اِنۡ کُنۡتُمۡ خَرَجۡتُمۡ۔ یعنی اپنے اپنے گھروں سے یہ مقاصد حصول رضائے الٰہی وجہاد فی سبیل اللہ لے کر نکلے ہو۔ بِالۡمَوَدَّۃِ۔ ب زائدہ تاکید کے لئے ہے۔ الباء زائدۃ مؤکدۃ للتعدی (مدارک) ف۲ (اور بھٹکے ہوؤں کا جو انجام ہونا ہے وہ بھی خوب معلوم ہے) تُسِرُّوۡنَ اِلَیۡہِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ۔ اس اخفاء سے شبہ ان کے ساتھ مزید دوستی اور خصوصیت کا ہوتا ہے اور اس لئے یہ اور بھی برا ہے۔ حاطب ابن ابی بلتعہ یمنی ثم مکی ایک بڑے صحابی تھے، بدری مرتبہ کے، خود تو ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے، خاندان سارا مکہ ہی میں تھا، فتح مکہ سے ذرا قبل اپنے خاندان والوں کو خط لکھا کہ عنقریب مکہ پر چڑھائی ہونے والی ہے۔ آنحضرت ﷺ کو وحی الٰہی سے خبر ہو گئی۔ آپ ﷺ کے حکم سے وہ عورت پکڑ آئی، جو چھپا کر خط لئے جا رہی تھی۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیان میں کہا کہ "میری نیت بری نہ تھی۔ میں نے تو محض یہ سمجھ کر لکھا تھا کہ اسلام کا اس سے کوئی ضرر نہیں۔ آپ ﷺ کو فتح تو بحمد اللہ ضرور ہی ہو کر رہے گی، ہاں میری اس اطلاع سے اہل مکہ ضرور میرے احسان مند ہو جائیں گے، اور میرے خاندان والوں کی رعایت کریں گے کہ مجھ پردیسی اور میرے خاندان کا اہل مکہ پر کوئی حق قرابت وغیرہ بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے حسن نیت کی تصدیق کر کے فرمایا کہ تم سچے ہو، بلکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عام جوش دینی کے تحت میں اس دفعہ کا نفاذ کرانا چاہا بھی جو دشمن سے مل جانے والوں اور انہیں خبر پہنچانے والوں کے لئے ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو بدری ہیں اور تمہیں معلوم نہیں کہ اہل بدر کے خلوص وایمان کی جانچ خود اللہ تعالیٰ کر چکا ہے۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ پر صحابی اور پھر بدری صحابی ہونے کے باوجود جو اتنی سخت گرفت ہوئی، اس سے ظاہر ہے کہ شریعت اسلامی میں دشمن حربی سے خط وکتابت رکھنا یا تعلقات قائم رکھنا کس درجہ شدید جرم ہے! وَاَنَا…… اَعۡلَنۡتُمۡ۔ حق تعالیٰ کی صفت عالم الغیبی کا استحضار کرا کے اوپر اشارہ کر دیا کہ یہ تو مانع مزید ہونا چاہئے تمہارے اور ان دشمنانِ دین کے درمیان خفیہ دوستی کا۔ بِالۡمَوَدَّۃِ۔ ب سببیہ بھی قرار دی گئی ہے۔ یعنی تم نے یہ جو خبر دی تو بسبب محبت کے۔ ای بسبب المودۃ (مدارک) الاخبار بسبب المودۃ (بیضاوی) ف۳ غرض یہ کہ یہ کافر تو دنیوی اور دینی ہر اعتبار سے تمہارے دشمن اور بدخواہ ہیں — آیت میں مسلمانوں کے ساتھ کافروں کی مستقل دشمنی وعناد اور بدخواہی کا بیان آ گیا۔ ف۴ (پس ہر عمل کا فیصلہ بھی بالکل ٹھیک ہی ٹھیک کرے گا) لَنۡ…… الۡقِیٰمَۃِ۔ کافروں اور بے دینوں سے تعلقات بڑھانے کا محرک اکثر یہی اہل وعیال کی فلاح ونفع کا خیال ہوتا ہے، یہاں اسی کی جڑ کاٹی ہے۔ یعنی جن عزیزوں قریبوں کی خاطر آج تم اللہ کی نافرمانی کر رہے ہو، وہ آخرت میں جو مستقل فیصلہ کا وقت ہو گا تمہیں ذرا بھی نہ بچا سکیں گے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دنیوی علاقوں، رابطوں کی رعایت معاملات دینی میں ناجائز ہے۔ ف۵ یعنی پیروی اس نمونۂ حسنہ کی کرو جو ابراہیم اور ان کے ساتھ مومنین، کافروں اور اعدائے دین کے ساتھ تعلقات رکھنے کے باب میں قائم کر گئے ہیں — قرآن مجید اپنے حسب معمول حکم دینے کے ساتھ ساتھ مزید رغبت وشوق پیدا کرنے کے لئے، نیز عمل میں مزید سہولت پیدا کرنے کے لئے، ماضی سے عملی نظیریں بھی پیش کرتا جاتا ہے۔ وَالَّذِیۡنَ مَعَہٗ۔ حضرت ابراہیم خلیل کے ساتھ یہ معیت یا شرکت ایمان واطاعت میں تھی۔

بِاللّٰہِ رَبِّکُمۡ ؕ اِنۡ کُنۡتُمۡ خَرَجۡتُمۡ جِہَادًا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ

ایمان لے آئے ہو، اگر تم میرے راستہ میں جہاد کرنے اور

وَابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِیۡ ٭ۖ تُسِرُّوۡنَ اِلَیۡہِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ ٭ۖ وَاَنَا

میری رضا کی تلاش میں نکلے ہو ف۱ تم ان سے چپکے چپکے محبت کرتے ہو، اور مجھے

اَعۡلَمُ بِمَاۤ اَخۡفَیۡتُمۡ وَمَاۤ اَعۡلَنۡتُمۡ ؕ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡہُ

خوب علم ہے جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کر کے کرتے ہو، اور جو کوئی تم میں سے

مِنۡکُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۱﴾ اِنۡ یَّثۡقَفُوۡکُمۡ

ایسا کرے گا، وہ راہِ راست سے بھٹک گیا ف۲ اگر انہیں تم پر دسترس ہو جائے

یَکُوۡنُوۡا لَکُمۡ اَعۡدَآءً وَّیَبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡکُمۡ اَیۡدِیَہُمۡ

تو اظہار عداوت کرنے لگیں، اور تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور

وَاَلۡسِنَتَہُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَوَدُّوۡا لَوۡ تَکۡفُرُوۡنَ ﴿ؕ۲﴾ لَنۡ تَنۡفَعَکُمۡ

زبان درازی کرنے لگیں اور وہ تو یہ چاہتے ہی ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ ف۳ تمہارے رشتہ دار

اَرۡحَامُکُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ ۚۛ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ۚۛ یَفۡصِلُ بَیۡنَکُمۡ ؕ

اور تمہاری اولاد تمہارے کچھ کام نہ آئے گی قیامت کے دن (اللہ ہی) تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا

وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۳﴾ قَدۡ کَانَتۡ لَکُمۡ اُسۡوَۃٌ

اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے ف۴ بے شک تمہارے لئے ایک عمدہ نمونہ

حَسَنَۃٌ فِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَالَّذِیۡنَ مَعَہٗ ۚ اِذۡ قَالُوۡا لِقَوۡمِہِمۡ

ہے ابراہیم اور اُن کے شریک حال لوگوں میں ف۵ جبکہ ان لوگوں نے اپنی قوم والوں

اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡکُمۡ وَمِمَّا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ۫ کَفَرۡنَا بِکُمۡ

سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، ان سب سے بیزار ہیں، ہم تمہارے منکر ہیں

ف ٦ (اور اس لئے تم سے قولاً وفعلاً ہر طرح قطع تعلق کرتے ہیں) اِنَّا...... بُرَءٰٓؤُا۔ یعنی ہم تمہارے عقائد سے بیزار ہیں، اور تمہارے معبودوں کی الوہیت کے منکر ہیں — یہ تبرّی بلحاظ عقائد ہوئی۔ وَبَدَا ...... اَبَدًا۔ یعنی ہمارا، تمہارا برتاؤ بھی دشمنوں کا سا رہے گا — یہ تبرّی بلحاظ معاملت ومعاشرت ہوئی۔ عین جس وقت یہ اجزاء تفسیر زیر تحریر ہیں۔ ہندوستان میں ایک شور برپا ہے کہ پیمبروں نے اپنے منکروں اور مکذبوں تک کو اپنا ہم قوم کہہ کر پکارا ہے۔ اس لئے ہندوستان میں بھی مسلموں اور مشرکوں کو ایک "قوم" میں کر دینا چاہئے، اور مسلمانوں کو ان سے اس طرح گھل مل جانا چاہئے۔ جس طرح ایک قوم کے لوگ فرنگستان میں گھلے ملے ہوئے ہوتے ہیں! — یہ قرآن مجید کے ساتھ کیسا تلعب اور مفہوم "قوم" کی کیسی تحریف ہے! رئیس الموحدین حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام اور ان کے رفقاء مومنین اپنے "ہم قوم" کافروں کے ساتھ جو برتاؤ قولاً وفعلاً رکھتے ہیں، وہ قرآن مجید سے خود ہی پوری طرح ظاہر ہو رہا ہے — اور تنہا اسی آیت پر موقوف نہیں۔ قرآن مجید تو اس مضمون کی تاکید اور تصریح سے لبریز پڑا ہوا ہے۔ حَتّٰی ...... وَحْدَهٗ۔ یہ قید لگا کر اسے صاف کر دیا کہ ہماری تمہاری دشمنی کچھ نسلی تھوڑے ہی ہے، وہ تو صرف عقائد کی بناء پر ہے۔ تم آج شرک چھوڑ کر عقیدۂ توحید اختیار کر لو، تو یہ عداوت ابھی ختم ہو سکتی ہے۔ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ۔ یہ عداوت وبغض اور احکام تبرّی وقطع تعلق صرف دین سے متعلق ہیں۔ باقی صلہ رحم یا اعزہ واقرباء کے ساتھ دنیوی حسنِ سلوک کا حکم الگ ہے، اور وہ بھی نصوص ہی سے ماخوذ

وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا

اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا جب تک کہ تم

بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ

اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ ف ٦ البتہ ابراہیم نے یہ اپنے باپ سے کہا تھا کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا،

وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ

اور مجھے اللہ کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں ف ٧ اے ہمارے پروردگار ہم تجھ پر

تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ④ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا

توکل کرتے ہیں، اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی ف ٨ طرف لوٹنا ہے، اے ہمارے پروردگار ہمیں

فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ

کافروں کا تختۂ مشق نہ بنانا، اور اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف کر دے، بے شک تو ہی زبردست ہے،

الْحَكِيْمُ ⑤ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ

حکمت والا ہے ف ٩ بے شک ان لوگوں میں تمہارے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ

كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ

اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہے، اور جو کوئی روگردانی کرے گا، سو اللہ تو (بالکل)

هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑥ ع عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ

بے نیاز ہے اور سزاوار حمد ہے ف ١٠ عجب نہیں کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان

وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ

جن سے تم سے دشمنی ہے دوستی پیدا کر دے، اللہ بڑا قدرت والا ہے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑦ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ

اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف ١١ اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور

ہے۔ قَدْ ...... مَعَهٗ۔ آیت اس کا حکم دے رہی ہے کہ کافروں سے دشمنی رکھنے اور ترک موالات کرنے کے باب میں مسلمانوں کو ابراہیم اور ابراہیمیوں کی پیروی کرنا چاہئے۔ امر الناس بالتاسی بهم فی اظهار معاداة الكفار وقطع الموالاة بيننا وبينهم (جصاص) ف ٧ (کہ اس سے اپنی دعا وعرضداشت خواہ مخواہ قبول ہی کرا لوں) لِاَبِيْهِ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر پر جو مشرک اور بت تراش تھے۔ حاشیے پہلے گذر چکے ہیں۔ قَوْلَ...... لَكَ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ میں حق تعالیٰ سے یہ دعا ضرور کروں گا کہ وہ تمہیں زندگی ہی میں راہ ہدایت دکھا دے، تا کہ بعد موت نجات حاصل ہو جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ تمہارے بحالت کفر مرنے پر بھی تمہاری بخشش چاہوں گا۔ اس وعدہ وگفتگو پر حاشیہ سورۃ البراءۃ کی آیت وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ الخ کے تحت میں گزر چکا۔ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ۔ یعنی مشرک باپ کے لئے دعائے مغفرت کرنے میں ابراہیم علیہ السلام کی پیروی نہ کرنا۔ يعنى فى ان لا يتاسوا به فى الدعاء للاب الكافر (جصاص) امر الله تعالٰى بالتاسى بابراهيم فى كل اموره الا فى الاستغفار للاب الكافر (جصاص) اے اقتدوابه فى اقواله ولاتاسوا به فى الاستغفار لابيه الكافر (مدارک) اے ليس لكم فى ذٰلک اسوة اے فى الاستغفار للمشركين هكذا قال ابن عباس ومجاهد وقتادة و مقاتل وابن حبان والضحاک وغير واحد (ابن کثیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب بات اس موقع پر فرمائی کہ جو بغض فی اللہ ہوتا ہے وہ شفقت وخیر خواہی کو قطع نہیں کرتا، بخلاف بغض نفسانی کے۔ ف ٨ (چنانچہ ہماری یہ اپنے ہم قوموں سے اپنے عزیزوں قریبوں سے تبرّی وقطع تعلق تیرے ہی حکم کی تعمیل میں اور تکمیل دین ہی کے لئے ہے) رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا۔ یہاں یہ اشارہ کر دیا کہ مسلمان جب اپنی قوم کے کافروں کا بائیکاٹ کریں گے، تو اغلب ہے کہ خود بھی مادی ومالی نقصان اٹھائیں، ایسے موقع پر عمق قلب کے ساتھ توکل واعتماد حق تعالیٰ ہی پر پیدا کر لینا چاہیے۔ ف ٩ (تیرے لئے ہماری اس عرضداشت کو قبول کر لینا کیا مشکل ہے) لَا...... كَفَرُوْا۔ یعنی اس مقاطعہ وتبرّی کے بعد ایسا نہ ہونے پائے کہ یہ کافر ہم کو ہر طرح ستانے اور مصیبت میں ڈالنے پر قادر ہو جائیں۔ وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا۔ جتنی کوتاہیاں اور لغزشیں ہم سے تیرے ارشاد کی تعمیل میں ہو جائیں۔ تو ان سب کو معاف اور نظر انداز کر کے ہمیں اپنے دامنِ رحمت ہی سے وابستہ رکھیو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے اسباب فتنہ سے جن سے اہل حق پر اہل باطل کا شبہ ہونے لگے، بچنا ہی عین مطلوب ہے، اور ان میں جو اسباب غیر اختیاری ہیں، ان سے بچنے کی تدبیر یہی ہے کہ دعا کریں۔ ف ١٠ (ہر حال میں اپنے جامع صفات کمالیہ ہونے کی بناء پر۔ فِيْهِمْ۔ ضمیر هم ابراہیم علیہ السلام اور اصحاب ابراہیم (والذين معهٗ) کی جانب ہے فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ سنت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح سنت ابراہیمی علیہ السلام کا اتباع بھی مومنین کے حق میں سرتاسر خیر اور علاماتِ ایمان میں سے ہے۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّ۔ اور جو کوئی روگردانی اور بے اتفاقی کرے گا اس حکم تبرّی ومقاطعہ کی تعمیل یا کسی حکم الٰہی کی بھی تعمیل سے۔ هُوَ الْغَنِيُّ۔ ضرر اس ذات بے نیاز کا بالکل نہیں، ضرر تمام تر اسی نافرمان بندہ کا ہے۔ ف ١١ (چنانچہ اب تک اسی حکم کی تعمیل میں جن سے کوتاہیاں ہوئی ہیں، وہ اگر توبہ واستغفار کر لیں تو اللہ کی مغفرت ورحمت دونوں سے مستفید ہو سکتے ہیں) عَسَى...... مَوَدَّةً۔ یعنی انہیں کافروں اور مسلمانوں کے شدید دشمنوں میں سے بعض کو اسلام کی ہدایت دے دے۔ حضرت ابوسفیان بن حرب وغیرہ کا اسلام لانا اسی پیشگوئی کے ظہور عملی کی مثال ہے۔ مسلمانوں نے حکم الٰہی کی تعمیل میں مشرکین سے قطع تعلق کر تو لیا تھا لیکن قرابتوں اور رشتہ داریوں کی بناء پر کسی درجہ میں غم محسوس کرنا بالکل طبعی تھا۔ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ۔ تو ایسے قادر مطلق کی قدرت سے یہ بعید ہی کیا ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جو کافر اہل حرب میں سے نہ ہوں بلکہ ذمی ہوں، ان کے لئے صدقات بالکل جائز ہیں۔ عموم فى جواز رفع الصدقات الى اهل الذمة اذليس هم من اهل قتالنا (جصاص)

و۱۲ (اور انصاف کا اولین مقتضی یہ ہے کہ ہر شخص سے معاملہ اس کے درجہ وحیثیت کے لائق کیا جائے۔ اَنْ...... اِلَيْهِمْ۔ یہاں برّ و قسط (حسن سلوک وعدل) سے مراد ان کا عام ومطلق مفہوم نہیں کہ وہ تو بہر صورت ہر انسان بلکہ ہر حیوان کے لئے واجب ہے، بلکہ مراد اس شفقت ورعایت کے برتاؤ سے ہے، جو ذمی یا مصالح ہونے کی بناء پر، کافر کے ساتھ بھی لازم آتا ہے۔ گویا بالواسطہ یہاں یہ ارشاد ہوا کہ شفقت ورعایت کا برتاؤ ذمی اور مصالح کے حق میں جائز ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ بعض بزرگوں کی جو عادت کافروں سے نرمی، ملاطفت برتنے اور ان کے ہدیے اور تحفے قبول کر لینے کی ہے، اس کی سند یہاں سے نکل آتی ہے۔ و۱۳ ایسے محارب کافروں کے ساتھ معاملہ کے احکام ذمیوں اور غیر محاربین کے ساتھ برتاؤ کے احکام سے بالکل مختلف ہیں۔ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ۔ یہ قتال خواہ بالفعل واقع ہو چکا ہو یا بالعزم واقع ہونے کو ہو۔ وَاَخْرَجُوْكُمْ...... اِخْرَاجِكُمْ۔ یہ اخراج یا معاونت علی الاخراج خواہ بالفعل واقع ہو چکی ہو یا بالعزم واقع ہونے کو ہو۔ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ۔ ولایت یا دوستی سے یہاں بھی مراد وہی شفقت ورعایت والا برتاؤ ہے۔ و۱۴ (اور حق تعالیٰ کے نافرمان) الظّٰلِمُوْنَ۔ یعنی اپنے حق میں ظالم۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ۔ ولایت یا دوستی کے یہاں بھی معنی دوستی کا عملی برتاؤ رکھنے کے ہیں۔ و۱۵ فَامْتَحِنُوْهُنَّ...... بِاِيْمَانِهِنَّ۔ یہاں مسلمانوں سے یہ کہا جا رہا ہے کہ جب دار الحرب سے ہجرت کر کے بیویاں تمہارے پاس آئیں تو تم اس کی جانچ کر لیا کرو آیا وہ ظاہری اعتبار سے مومن ہیں بھی — اور یہ ظاہری جانچ پڑتال انتظامی ضرورتوں اور دنیوی مصلحتوں سے ہے۔ ورنہ عالم الغیب کو کسی جانچ پڑتال کی کیا حاجت، اور پھر ایمان حقیقی کی تحقیق تو بندوں کے بس کی چیز ہے بھی نہیں۔ اِذَا...... مُهٰجِرٰتٍ۔ یعنی جب دار الحرب سے یہ بیویاں تمہارے پاس دار الاسلام حکمی یا حقیقی میں آئیں۔ الْمُؤْمِنٰتُ...... مُؤْمِنٰت سے مراد اس سیاق میں وہ بیویاں ہیں، جو اپنے کو مسلمان کہتی تھیں — قرآن مجید نے محض ان کے دعوی اسلام پر انہیں مُؤْمِنٰت کے لقب سے یاد فرمایا۔ سماهن مؤمنات لنطقهن بكلمة الشهادة (مدارک) و۱۶ (اس لئے کہ نہ مسلمہ کافر شوہر کے عقد میں باقی رہ سکتی ہے، اور نہ حربیہ مسلمان شوہر کے عقد میں۔ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ۔ یعنی اگر وہ عورتیں تمہاری جانچ پڑتال میں مسلمان ثابت ہو جائیں۔ علم یہاں محض ظن غالب کے معنی میں ہے جو ظاہری علامات سے پیدا ہو جاتا ہے۔ وهو الظن الغالب بظهور الامارات (مدارک) المراد به العلم الظاهر لاحقيقة اليقين لان ذلك لاسبيل لنا اليه (جصاص) اے العلم الذى يمكنكم تحصيلة وهو الظن الغالب بالحلف و ظهور الامارات (بیضاوی) فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ "اختلاف دارین کی بناء پر زوجین میں تفریق کر دی جائے گی"، یعنی اس صورت میں کہ زوجین میں سے ایک دار الاسلام میں رہ جائے، اور دوسرا دار الحرب ہی میں رہے۔ وفى هذه الأية ضروب من الدلالة على وقوع الفرقة باختلاف الدارين بين الزوجين واختلاف الدارين ان يكون احد الزوجين من اهل دار الحرب والأخر من اهل دار الاسلام (جصاص) و۱۷ (ان بیویوں پر، مہر وغیرہ کے قسم سے) مسلمان عورت کو کافر شوہر نے جس قدر مہر دیا ہو مسلمان وہ مہر اس کافر شوہر کو واپس کر دیں۔ یہ ادائی مہر خواہ اب نئے مسلمان شوہر کی طرف سے ہو، یا بیت المال سے۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اب یہ حکم باقی نہیں۔ یہ عارضی طور پر صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں تھا۔

لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے بارہ میں نہیں لڑے

اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بے شک اللہ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں ہی کو

الْمُقْسِطِيْنَ ۝۸ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ

دوست رکھتا ہے و۱۲ اللہ تو تمہیں صرف ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو تم سے دین کے

فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي

بارہ میں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں

اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ

مدد کی و۱۳ اور جو کوئی دوستی کرے گا اُن سے، تو یہی لوگ تو

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۹ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَاۗءَكُمُ

ظالم ہیں و۱۴ اے ایمان والو جب تمہارے پاس

الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ

مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو اُن کا امتحان کر لیا کرو اللہ اُن کے ایمان سے

بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ

خوب واقف ہے و۱۵ پس اگر انہیں مسلمان سمجھ لو تو انہیں کافروں کی طرف مت

اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ

واپس کرو وہ عورتیں ان (کافروں) کے لئے نہ حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) اُن کے لئے حلال ہیں و۱۶

وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ

اور ان (کافروں) کو وہ ادا کردو جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہے و۱۷ اور تم کو ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہیں

إِذَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا۟ بِعِصَمِ

جبکہ تم اُن کے مہر اُن کے حوالہ کر دو اور تم کافر عورتوں کے تعلقات کو مت باقی رکھو

ٱلْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوا۟ مَآ أَنفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوا۟ مَآ أَنفَقُوا۟ ۚ ذَٰلِكُمْ

ف۱۸ اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے وہ ان (کافروں سے) طلب کرلو، اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہے وہ تم سے مانگ

حُكْمُ ٱللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ وَإِن

لیں، یہ اللہ کا حکم ہے، وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۱۹ اور اگر

فَاتَكُمْ شَىْءٌ مِّنْ أَزْوَٰجِكُمْ إِلَى ٱلْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ

تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی کافروں میں رہ جانے سے تمہارے ہاتھ نہ آئے، پھر (کافروں کو مہر دینے کی) تمہاری نوبت

فَـَٔاتُوا۟ ٱلَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَٰجُهُم مِّثْلَ مَآ أَنفَقُوا۟ ۚ

آئے، تو جن کی بیویاں ہاتھ سے نکل گئیں، جتنا (مہر) انہوں نے (ان بیویوں پر) خرچ کیا تھا، اس کے برابر تم ان کو دو،

وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِىٓ أَنتُم بِهِۦ مُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ

اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس پر تم ایمان رکھتے ہو ف۲۰ اے پیمبر

إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُؤْمِنَـٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن لَّا يُشْرِكْنَ

جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آئیں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ نہ کسی کو

بِٱللَّهِ شَيْـًٔا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَـٰدَهُنَّ

شریک کریں گی اور نہ چوری کریں گی، اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی

وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَـٰنٍ يَفْتَرِينَهُۥ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ

اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گڑھ لیں

وَلَا يَعْصِينَكَ فِى مَعْرُوفٍ ۙ فَبَايِعْهُنَّ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُنَّ

اور مشروع باتوں میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو آپ ان کو بیعت کرلیا کیجئے ف۲۱ اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت

ف۱۸ یعنی جو تمہاری بیویاں دارالحرب میں کفر کی حالت میں رہ گئیں۔ ان سے تمہارا نکاح زائل ہوگیا، ان کے تعلقات کا کوئی اثر باقی مت سمجھو۔ ف۱۹ (چنانچہ اس کے یہ احکام بھی اس کی صفات علم وحکمت ہی پر مبنی ہیں) وَسْـَٔلُوا۟ مَآ أَنفَقْتُمْ۔ یعنی اپنی ان بیویوں پر جو اب تم سے چھوٹ رہی ہیں۔ ان پر تم نے مہر وغیرہ کے قسم سے جو کچھ خرچ کیا ہے، اس کا مطالبہ ان کافروں سے کرو۔ وَءَاتُوهُم مَّآ أَنفَقُوا۟۔ ابھی اسی آیت کے اندر اوپر آچکا ہے اب پھر اسی کی تاکید مزید وَلْيَسْـَٔلُوا۟ مَآ أَنفَقُوا۟ سے ہو رہی ہے۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے اس سے نکتہ یہ نکالا ہے کہ دوسروں کا حق جو اپنے ذمے رہ جائے وہ زیادہ مؤکد ہے۔ ف۲۰ (اور اسی کے خوف کا استحضار کر کے ہرگز کسی خیانت، تساہل یا چالاکی کے مرتکب نہ ہو) وَإِن...... فَعَاقَبْتُمْ۔ یعنی نہ وہ بیوی ہی ملے، اور نہ اس کے بجائے اس کے مہر کی رقم ہی تمہیں ملے۔ یہ عاقبتم۔ عقاب سے نہیں عقب سے ہے، اور مراد یہ ہے کہ تمہاری کوئی بیوی کافروں کے پاس چھوٹ جائے، یا تمہارے ذمہ کسی کا مہر واجب الادا رہ جائے۔ من العقبة لامن العقاب وحاصل المعنی ان لحق احد من ازواجکم بالکفار او فاتکم شیء من مهورهن ولزمکم اداء المهر کما لزم الکفار (روح) فَـَٔاتُوا۟...... أَنفَقُوا۟۔ یعنی یہ رقم واجب الاداء بجائے ان کافروں کو دینے کے ان مسلمان شوہروں کو دے دو، جو کافر بیویوں اور ان کے معاوضہ مہر وغیرہ کی رقم دونوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ ''اگر کفار ایسی عورتوں کا مہر ان کے مسلمان شوہروں کو واپس نہ کریں تو جو مہر کفار کا مسلمانوں کے ذمہ واجب الادا ہے، وہ ان کفار کی جگہ ان مسلمان شوہروں کو دے دیا جائے، برابری کی صورت میں تو کچھ تکلف نہیں، اور کمی بیشی میں یہ حکم تھا کہ جو کفار کا بچے وہ کفار کو دے دیا جائے اور جو اپنا رہے اس کا مطالبہ ان سے کیا جائے۔ اور یہ حکم بھی مخصوص تھا اسی واقعہ کے ساتھ (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۲۱ (بلا لحاظ ان کے تاریک اور گندے ماضی کے) أَن...... شَيْـًٔا۔ شرک کے مرض میں تو جاہلیت عرب کی ساری ہی عورتیں مبتلا تھیں۔ وَلَا يَسْرِقْنَ۔ چوری بھی جاہلیت کے قانون اور رواج میں اس درجہ معیوب وشرمناک نہ تھی۔ وَلَا يَزْنِينَ۔ حرامکاری تو تہذیب عرب میں اسی طرح داخل فیشن تھی جیسی آج جاہلیت فرنگ کی تہذیب میں ہے۔ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَـٰدَهُنَّ۔ اس کے تحت میں دختر کشی واولاد کشی بلکہ اسقاط اور منع حمل کی چلی ہوئی ساری صورتیں آگئیں۔ وَلَا...... أَرْجُلِهِنَّ۔ عربی محاورہ میں اس کا مطلب ہے اپنی بدکاری کی اولاد کو اپنے شوہر کی اولاد بنا دینا، یا کسی غیر کا بچہ اٹھالا کر اسے اپنی اور اپنے شوہر کی اولاد مشہور کر دینا۔ وَلَا يَعْصِينَكَ فِى مَعْرُوفٍ۔ اس کے اندر تمام احکام شرعی آگئے۔ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن الخ۔ محققین نے کہا ہے کہ بیعت رسول کی ان تمام شرطوں کو اعتقاد کے ساتھ تسلیم کرنا شرط ایمان تھا، اور ان پر عمل کا التزام شرط کمال ایمان

اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

طلب کر لیا کیجئے، بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۲۲ اے ایمان والو

لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَىِٕسُوْا مِنَ

ان لوگوں سے دوستی مت رکھو جن پر اللہ نے غضب نازل کیا ہے،

الْاٰخِرَةِ كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ⑬ ع

وہ آخرت سے ایسے مایوس ہو گئے جیسے قبروں والے کافر مایوس ہیں ف۲۳

آیاتها ۱۴ ۶۱ سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۹ رکوعاتها ۲

اس کی چودہ آیتیں سورۂ صف مدینہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ

اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے جو چیز بھی آسمانوں میں ہے اور جو چیز بھی زمین میں ہے، اور وہی

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ

زبردست ہے حکمت والا ہے ف۱ اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو

مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا

جو کرتے نہیں ہو اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو

مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ

جو کرو نہیں ف۲ اللہ تو ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح

سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④ وَاِذْ قَالَ

مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں ف۳ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے

ف۲۲ (وہ ان کے حق میں مغفرت ورحمت دونوں کو کام میں لائے گا) آیت ان غالیوں کے رد کے لئے بالکل کافی ہے، جو کسی پیشہ ور جیسوا کے تائب ہونے اور بعد توبہ کسی کے نکاح میں آنے ہی کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ فَبَایِعْهُنَّ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت، بیعت کے اغراض ومقاصد کے باب میں بالکل صریح ہے۔ اور اس سے اُس رسمی بیعت کا ابطال لازم آتا ہے، جس میں عمل کا اہتمام ہی نہ ہو۔ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرید کا یہ ایک حق ہے کہ اس کے حق میں دعا کی جائے۔ ف۲۳ یعنی جس طرح ملحدین ومنکرین آخرت میتوں اور مُردوں کی طرف سے ہر طرح کی آس توڑے رہتے ہیں۔ اسی طرح یہ مغضوب ومقہور قوم یہود بھی آخرت سے اپنا رشتہ توڑے ہوئے ہیں۔ قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ اشارہ یہود کی جانب ہے، انہیں کے لئے قرآن مجید میں دوسری جگہ صراحت کے ساتھ مغضوبیت کا ذکر ہے۔ عن الحسن وابن زید ومنذربن سعید انهم الیهود لانه عزوجل قد عبر عنهم فی غیر هذه الأیة بالمغضوب علیهم (روح) وهم الیهود (معالم) يَىِٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ۔ یہود ایک خالص دینی اور موحد قوم تھی، لیکن رفتہ رفتہ یاد آخرت کو بالکل بھلا چکی تھی، ان کی توریت کے اندر آج بھی جتنے صحیفے اور نوشتے موجود ہیں، سب میں ذکر فلاح دنیوی کا تو کثرت سے ملتا ہے، لیکن اجر آخرت کا تذکرہ تو شاید ڈھونڈنے کے بعد بھی نہ ملے۔ لَا تَتَوَلَّوْا۔ الخ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جواز دوستی سے تو مطلق کفر ہی مانع ہے۔ البتہ جس کی گمراہی اشد ہوگی، اس سے دوستی کا عدم جواز بھی اشد ہوگا۔ ف۱ (اس کی صفات قوت وحکمت کا عین مقتضٰی بھی یہی ہے کہ سب کے سب اس کی حمد وثنا کریں) سَبَّحَ...... الْاَرْضِ۔ یہ تسبیح ہر مخلوق اپنے اپنے مرتبۂ وجود وشعور کے مطابق ومتناسب ہی کرتی ہے۔ ف۲ اسلام ہر مسلمان کو عملی انسان، سیرت کا پختہ اور کردار کا مضبوط اور مجاہد بنانا چاہتا ہے، اور نفاق بلکہ شائبۂ نفاق سے بھی دور رکھنا چاہتا ہے۔ اسی لئے وہ قول وعمل کی مطابقت پر شدت سے مصر رہا۔ ان آیتوں کے نزول کا سبب قریب روایتوں میں یہ آیا ہے کہ بعض مسلمانوں نے آپس میں کہا تھا کہ ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے ہاں محبوب تر عمل کونسا ہے، تو ہم ضرور اسے کر ڈالیں، حالانکہ اس کے قبل معرکۂ احد میں، بعض حضرات جہاد کے موقع پر ثابت قدم نہیں بھی رہے تھے، یہاں اسی پر گرفت ہے۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ حاصل یہ کہ واعظ اور داعی کے لئے باعمل ہونا اور زیادہ ضروری ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ بے عمل یا ضعیف العمل کے لئے دعوت ووعظ ناجائز ہے۔ ف۳ اپنی صف وقطار میں ذرا شگاف نہیں پیدا ہونے دیتے) آیت میں حق تعالیٰ کے ہاں محبوبیت کا راز بتا دیا۔ قتال فی سبیل اللہ، جم کر اور صف بستہ ہو کر۔ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے ساتھ مسلمان سپاہ کی قطار کی تشبیہ ثبات واستحکام کے لحاظ سے ہے۔

مُوسٰى لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ لِمَ تُؤۡذُوۡنَنِىۡ وَ قَدۡ تَّعۡلَمُوۡنَ اَنِّىۡ

اپنی قوم سے کہا کہ اے میرے قوم والو تم مجھے کیوں ایذاء پہنچاتے ہو، درآنحالیکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں

رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ ؕ فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ ؕ

تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں ف۴ پھر جب اُن لوگوں نے کجی اختیار کی تو اللہ نے ان کے دلوں کو کج کردیا ف۵

وَ اللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۵﴾ وَ اِذۡ قَالَ عِيۡسَى

اور اللہ (ایسے) نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ف۶ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب عیسیٰ ابن مریم نے

ابۡنُ مَرۡيَمَ يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ

کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا پیمبر آیا ہوں

مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ وَ مُبَشِّرًۢا

تصدیق کرنے والا توراۃ کی جو مجھ سے پیشتر سے ہے ف۷ اور ایک رسول کی

بِرَسُوۡلٍ يَّاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِى اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ

بشارت دینے والا، جو میرے بعد آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا ف۸ پھر جب وہ اُن کے پاس

بِالۡبَيِّنٰتِ قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۶﴾ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ

کھلے نشانات لائے، تو وہ لوگ بولے کہ یہ تو صریح جادو ہے ف۹ اور اس سے بڑھ کر ظالم

افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُوَ يُدۡعٰۤى اِلَى الۡاِسۡلَامِ ؕ

اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے درآنحالیکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو ف۱۰

وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۷﴾ يُرِيۡدُوۡنَ

اور اللہ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ف۱۱ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ

لِيُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوۡرِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ

اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا گو کافروں کو (کیسا ہی)

ف۴ (اور تمہارا یہ تمرد و سرکشی ہرگز کسی اجتہادی غلطی یا عقلی غلط فہمی کا نتیجہ نہیں) وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ۔ اسرائیلیوں نے اپنی قوم کے پیمبر اعظم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نافرمانی، سرکشی، عصیان وطغیان کا جو معاملہ تسلسل اور شدت کے ساتھ جاری رکھا تھا، قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر بکثرت آیا ہے، اور توریت میں تو اس سے بھی کہیں زیادہ تفصیل وتکرار کے ساتھ ملتا ہے لیکن اتنی تصریح تو قرآن مجید میں ہی موجود ہے کہ یہ تمرد تمامتر قصداً اور ارادۃً تھا، کسی عقلی غلط فہمی کا نتیجہ نہ تھا۔ ف۵ (اور زیادہ) قرآن مجید اس ضابطۂ تکوینی کا ذکر اسی کی اہمیت کی مناسبت سے بار بار اور مختلف طریقوں پر کرچکا ہے کہ انسان جب اپنے ارادہ واختیار سے غلط کام لے کر غلط راستہ پر چلنے لگتا ہے تو ارادۂ الٰہی نتیجہ بھی اسی ارادہ انسانی پر مرتب کردیتا ہے۔ اور انسان کی غلط روی پر برابر اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ فَلَمَّا زَاغُوْا۔ یعنی جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی ساری سعی تبلیغ ناکام رہی، اور یہود حضرت علیہ السلام کی اتنی افہام وتفہیم کے بعد بھی اپنی اسی روش تمرد پر قائم رہے۔ ف۶ یعنی جو دانستہ غلط راہ پر چلنے پر مصر ہیں، اور اپنے قصد صحیح سے کام لے کر راہ حق میں غور وتامل ہی نہیں کرتے، انہیں حق تعالیٰ ہدایت کی توفیق بھی نہیں دیتا کہ ایسے ضدی کج رؤں کو ہدایت بخشنے کے معنی تو انہیں ہدایت پر مجبور کردینے کے ہوئے، اور یہ نظام تکوینی کی حکمتوں ہی کے سرے سے منافی ہے۔ یہاں سے اور قرآن مجید کی اور بھی دوسری آیات سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ جب ضد اور عناد کسی قوم میں اس قدر راسخ ہوجائے اور اس کی اصلاح کی امید باقی نہ رہ جائے تو پھر دفع مضرت کے لئے آخری تدبیر قتال کی ہے ف۷ تصدیق تو ہر پیمبر اپنے سے قبل کے تمام الہامی نوشتوں کی کرتا ہے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اسرائیلی تھے، اور ان کے مخاطب بھی تمامتر اسرائیلی ہی تھے۔ اس لئے ذکر تصریح کے ساتھ صرف توریت ہی کا مناسب تھا۔ بنی اسرائیل پر، اور عیسیٰ ابن مریمؑ پر، اور آپؑ کی تصدیق تورات پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ۔ اس ذرا سے فقرہ کے اندر ہی بہت سی گمراہیوں کی تردید آگئی۔ چنانچہ اس کا اثبات ہوا کہ:۔ (۱) آپؑ کی بعثت بنی اسرائیل کی جانب تھی، بکل دنیا کی جانب نہ تھی۔ موجودہ مسیحیت کی تردید۔ (۲) اس کا اثبات کہ آپؑ حق تعالیٰ کی طرف سے رسول برحق تھے۔ نعوذ باللہ کوئی مفتری نہ تھے — یہود کی تردید۔ (۳) آپؑ حق تعالیٰ کے ایک ممتاز ترین ومقرب ترین بندہ تھے۔ نعوذ باللہ خود الوہیت کے مدعی کسی معنی میں بھی نہ تھے — مسیحیت کی تردید۔ ف۸ انجیل آج جس صورت میں بھی مسیحیوں کے ہاتھ میں موجود ہے، احکام ومسائل شریعت یا قانون خداوندی کی دفعات سے یکسر خالی ہے اور اسے مسیحی وغیر مسیحی ہر ایک دیکھ کر اپنا اطمینان کرسکتا ہے کہ احکام ومسائل شریعت کی ضرورت اس کے بعد بھی جوں کی توں باقی ہے، حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی لئے فرمایا تھا کہ میرے بعد ایک اور رسول آئے گا۔ انجیل برنابا کے نام سے آج جو انجیل حواری برنابا کی جانب منسوب، دنیا میں موجود ہے اس میں تو یہ پیشگوئیاں بہت صاف اور بالکل کھلے لفظوں میں ہیں، لیکن خود مسیحیوں کو بھی جو چار انجیلیں مسلّم ہیں، ان میں سے بھی ایک میں یہ عبارتیں آج تک مل رہی ہیں:۔ ”میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار (یا وکیل یا شفیع) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔“ (یوحنا۔ ۱۶:۱۴) ”جب وہ مددگار یا وکیل یا شفیع آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا، یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔ (۱۵:۲۶)“ وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارہ میں قصوروار ٹھہرائے گا“۔ (۱۶:۷) مسیحی جس یونانی لفظ کے ترجمہ سے خود مطمئن نہیں ہیں، اور اس کا ترجمہ کبھی ”تسلی دہندہ“ سے کرتے ہیں کبھی ”مددگار“ سے، کبھی ”وکیل“، کبھی ”شفیع“ سے وہ اصل میں (PERICLUTOS) ہے، جو صحیح ترجمہ لفظ ”احمد“ ہی (بمعنی محمود وستودہ) کا ہے۔ ف۹ حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کو دیکھ کر یہود نے انہیں تمامتر سحر پر محمول کرنا شروع کردیا تھا۔ اناجیل مروجہ میں اس کے اشارے موجود ہیں:۔ ”اور فقیہ جو یروشلم سے آئے تھے یہ کہتے تھے کہ اس کے ساتھ بعلزبول ہے، اور یہ بھی کہ وہ بدروحوں کے سردار کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے۔“ (مرقس ۳:۲۲) ”فریسیوں نے سن کر کہا کہ یہ بدروحوں کے سردار بعلزبول کی مدد کے بغیر بدروحوں کو نہیں نکالتا“۔ (متی۔ ۱۲:۲۴) ”فریسیوں نے کہا کہ یہ تو بدروحوں کے سردار کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے۔“ (متی۔ ۹:۳۴) اور تالمود میں تو یہود کے قلم سے صراحتیں لکھی چلی آئی ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ جَآءَھُمْ میں واحد کی ضمیر فاعلی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے، اور ھم کی جمع ضمیر مفعول بنی اسرائیل یا اُن کے سرداروں کی جانب ہے۔ ف۱۰ یعنی دعوت اور تنبیہ کا پورا سامان موجود ہے، اور پھر بھی وہ متنبہ نہ حاصل کرے! افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ۔ بشر کو بشریت کے مرتبہ سے خدا کے درجہ تک پہنچا دینا، کتب سماوی میں تحریف وتصرف کردینا کفارہ وغیرہ کے گڑھے ہوئے عقیدوں کو حق تعالیٰ کی جانب منسوب کردینا سب مثالیں افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ ہی کی ہیں۔ ف۱۱ ابھی جو حاشیہ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ پر گزرا ہے، اسے ملاحظہ کرلیا جائے۔ الظّٰلِمِیْنَ سے مراد وہی اپنے حق میں ظلم کرنے والے، اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔

الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى

گراں گزرے ف۱۲ وہ (اللہ) وہی ہے جس نے اپنے پیمبر کو ہدایت اور سچا دین دے کر

وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ

بھیجا ہے، تاکہ اس (دین) کو تمام دینوں پر غالب کر دے، گو مشرکوں کو (کیسا ہی)

الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۹﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى

گراں گزرے ف۱۳ اے ایمان والو کیا میں تمہیں ایسی

تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ

سوداگری بتا دوں، جو تمہیں عذاب دردناک سے بچا دے؟ ف۱۴ (وہ یہی ہے کہ) تم لوگ

بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اللہ اور اس کے پیمبر پر ایمان لاؤ، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور

بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

جان سے جہاد کرو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے اگر تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ

علم رکھتے ہو ف۱۵ اللہ۔ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں باغوں میں داخل کرے گا

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ

جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں (داخل کرے گا) جو ہمیشہ رہنے والے باغوں میں

عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ

ہوں گے، یہی بڑی کامیابی ہے ف۱۶ اور ایک اور (ثمرہ بھی) کہ وہ تمہیں محبوب ہے

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

(یعنی) اللہ کی طرف سے مدد اور جلد فتح یابی اور آپ ایمان والوں کو بشارت دے دیجئے ف۱۷

ف۱۲ یعنی اللہ تو بہرحال اپنے دین کی جڑوں کو مضبوط جما کر رہے گا۔ مخالفین ومعاندین کی ساری کوششوں اور مزاحمتوں کے باوجود۔ يُرِيْدُوْنَ …… بِاَفْوَاهِهِمْ۔ مخالفین ومعاندین علاوہ عملی تدبیروں کے، زبان اور منہ سے بھی تو رد واعتراض کی باتیں کیا کرتے تھے اور قوی شبہات دلوں میں ڈالتے رہتے تھے۔ يُرِيْدُوْنَ کی ضمیر جمع فاعلی سے اشارہ سارے ہی مخالفین اسلام کی جانب ہوگیا۔ نُوْرَ اللّٰهِ۔ یعنی دینِ اسلام۔ ف۱۳ (اور وہ کیسی ہی جان توڑ کوششیں اس کی مخالفت میں کر ڈالیں) لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ یعنی سارے باطل ادیان ومذاہب اس دینِ حق کے دلائل وبراہین کے آگے دب جائیں۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ دینِ توحید کے استحکام وترقی سے جلنے والا اور ناگواری محسوس کرنے والا مشرکوں سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے؟ ف۱۴ سوال کا جواب اگلی آیت میں آرہا ہے۔ اس طرح کے درمیانی سوالات کرتے جانا عربی خطابت میں عام تھا اور عربی اسلوب بلاغت کا ایک اہم جزو۔ عَلٰى تِجَارَةٍ۔ قرآن کے مخاطبین اول قریش عرب ایک زبردست تجارت پیشہ قوم اور بڑے کاروباری لوگ تھے قرآن مجید کا ان سے مخاطبت میں تجارتی، معاشی، کاروباری اصطلاحیں، بیع، شراء، مال، ربح، خسران، اشتراء، ثمن، قرض، قرض حسن، دَین، ربوا وغیرہ لانا ان مخاطبین کی خاص رعایت رکھنا ہے۔ ف۱۵ (حقائق اُمور کا) انوکھی تجارت کی تفسیر اس آیت نے خود کردی۔ ف۱۶ جو قومیں آخرت پر یقین رکھنے کا دعویٰ کرتی ہیں، وہ اسے خوب سمجھے رہیں کہ انسان کی اصلی کامیابی یہی عالمِ آخرت کی مستقل پائیدار کامیابی ہے — لازوال مسرت بے پایاں راحت اور غم والم سے نجات۔ ف۱۷ (دنیا میں اسی قریبی فتح ونصرت کی) وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا۔ یعنی اس اُخروی ثمرہ کے علاوہ ایک اور ثمرۂ ایمان وطاعت، جو تمہیں طبعاً محبوب بھی ہے — ثمرات آخرت کیسے ہی بیش بہا، گراں قدر، بے مثال ہوں بہرحال انتظار طلب ہیں انسان طبعی وخلقی طور پر اس بڑے اور انتہائی ثمرہ کے علاوہ، ثمراتِ عاجل کا بھی طلبگار رہتا ہے۔ اور قرآن سے بڑھ کر بشری جذبات کی رعایت کرنے والا اور کون ہوگا؟ نَصْرٌ …… قَرِيْبٌ۔ مسلمانوں کی عظیم الشان اور حیران کن فتح مندیوں کی پیشگوئی کا ظہور ووقوع جس شاندار طریقہ پر سارے حجاز کے ایک ایک غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں، اور پھر خلافت راشدہ کے زمانہ میں، ایران، اور روم اور شام اور مصر، اور عراق کی سرزمینوں پر ہوکر رہا۔ اس کی گواہ دنیا کی ساری تاریخ ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ
اے ایمان والو مددگار ہو جاؤ اللہ کے (دین کے) جیسا
عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ
کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے فرمایا کہ کون میرا مددگار ہوتا ہے، اللہ کے واسطے؟ ف۱۸
قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ
حواری بولے کہ ہم مددگار (ہوتے) ہیں اللہ کے (دین کے) پھر بنی اسرائیل میں سے
مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ فَاَيَّدْنَا
ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ منکر رہا ف۱۹ پھر ہم نے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾
ایمان والوں کا ساتھ اُن کے دشمنوں کے مقابلہ میں دیا سو وہ غالب ہو گئے ف۲۰

ع ۲ / ۱۰

اٰیاتها ۱۱ — ۶۲ سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۰ — رکوعاتها ۲

اس کی گیارہ آیتیں — سورہ جمعہ مدینہ میں نازل ہوئی — اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ
(اسی) اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کچھ بھی آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ بھی زمین میں ہیں (جو) بادشاہ ہے
الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي
مقدس ہے، زبردست ہے، حکمت والا ہے ف۱ وہی تو ہے جس نے اُمّی لوگوں میں
الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ
انہیں میں سے ایک پیمبر بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے

ف۱۸ یعنی دینِ حق کی تبلیغ کے معرکوں میں کون میرا شریک و رفیق ہوتا ہے؟ حَوَارِيّٖنَ۔ پر حاشیے سورۃ آل عمران (پ۳) میں گزر چکے، اور عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ پر اس کے قبل۔ كَمَا...... اللّٰهِ۔ یہ حضرت عیسیٰ نے اس وقت فرمایا، جب آپؑ مخالفوں اور دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے۔ اناجیل مروجہ میں آپؑ کی اس نصرت طلبی کے سلسلہ میں ہے:۔ ''اس نے بارہ کو مقرر کیا تاکہ اس کے ساتھ رہیں، اور وہ انہیں بھیجے کہ منادی کریں''۔ (مرقس۔ ۳: ۱۴) ''وہ ان سے کہنے لگا کہ فصل تو بہت ہے لیکن مزدور تھوڑے ہیں، اس لیے فصل کے مالک کی منت کرو کہ اپنی فصل کاٹنے کے لیے مزدور بھیجے (لوقا۔ ۱۰: ۱، ۲) اَنْصَارَ اللّٰهِ۔ مراد انصار دین اللہ سمجھی گئی ہے۔ **اے انصار دین اللہ** (کبیر) كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے دین کی نصرت مستقلاً اختیار کرلو۔ اور اسی پر جمے رہو۔ **امر بادامة النصرة والثبات علیه ای دوموا علی ما انتم علیه من النصرة** (کبیر) كَمَا قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ۔ الخ تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ تم بھی نصرت دین میں اسی طرح ہو جاؤ جس طرح حوارئین عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ آیت سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ نصرت دین کا اور انصار اللہ بننے کا حصر کچھ قتال و جہاد ہی پر نہیں، اس لیے کہ حضرت عیسیٰ نے تو قتال ایک بار بھی نہیں کیا تھا۔ اور پھر بھی آپ کے حواریوں کی نصرت دین کو بطور نمونہ پیش کیا گیا۔ ف۱۹ (انہیں حواریوں کی کوشش کے باوجود) فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ۔ ان ایمان لانے والوں کی تعداد، روایاتِ یہود کے مطابق ۳۰۰ سے لے کر ۳۳۰ تک پہنچتی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۲۰ چنانچہ تبلیغ دین حق کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو سکی۔ اور مخالفین اپنے سارے اثر، قوت، غلبہ، وجاہت کے باوجود مسیح کی دعوت کو پھیلنے سے نہ روک سکے۔ حضرت مسیح کو اپنی زندگی میں مقابلہ دہری دہری مخالفتوں کا کرنا پڑا۔ ایک تو خود آپ کی قوم یہود جسے اس وقت اس کے وطن فلسطین میں ایک نیم خود مختارانہ حکومت حاصل تھی۔ آپؑ کی شدید ترین مخالف ہوگئی تھی۔ اور پھر حکومت وقت رومی سلطنت کا مذہب شرک، بت پرستی تھا صدائے توحید اُن کے لیے تازیانہ کا حکم رکھتی تھی۔ اس ساری مخالفانہ فضا کے باوجود آپؑ کو جو بھی کامیابی ہوئی، تمامتر تائید غیبی کا نتیجہ تھی۔ آیت سے کتنا بڑا درس ہمت و عزیمت کا مسلمانوں کو مل رہا ہے۔ ف۱ تسبیح جملہ مخلوقات پر یہ حاشیہ کئی بار گزر چکا ہے کہ مراد ہر ہر مخلوق کی، اپنے اپنے مرتبہ وجود کے مطابق تسبیح ہے۔ زبانِ حال سے بھی اور زبانِ قال سے بھی۔ الْمَلِكِ۔ یعنی وہ بادشاہ مطلق الاختیار ہے۔ اس کے اقتدار اور اس کے اختیارات پر کوئی قید کسی قسم کی بھی نہیں۔ جو قانون وہ چاہے مقرر کردے۔ جس کو اور جب جو حکم وہ چاہے، دے دے۔ الْقُدُّوْسِ۔ ہر عیب، ہر نقص، ہر کمی اور کوتاہی سے وہ منزہ اور برتر ہے۔ الْعَزِيْزِ۔ زمین و آسمان کی ساری قوتیں، مادی یا غیر مادی، اسی کی محکوم و تابع فرمان ہیں۔ وہ سب پر حاکم ہے، کوئی اس کا مزاحم نہیں ہو سکتا۔ الْحَكِيْمِ۔ اس کی ہر کارروائی بے انتہا مصلحتوں اور حکمتوں پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کی صناعیوں کو سطحی نظر سے دیکھنا محض حماقت ہے،

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ

اور انہیں کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے درآنحالیکہ یہ لوگ پہلے سے

لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲ لا وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا

کھلی ہوئی گمراہی میں تھے ف۲ اور دوسروں کے لئے بھی ان میں سے (آپ کو بھیجا) جو ابھی ان میں شامل

بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ

نہیں ہوئے، اور وہ (بڑا) زبردست ہے، حکمت والا ہے ف۳ یہ اللہ کا فضل ہے وہ اسے

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۴

جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ف۴

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا

جن لوگوں کو توراۃ پر عمل کا حکم دیا گیا تھا پھر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا

كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ

ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں لادے ہو (کیسی) بری مثال ہے اس قوم والوں کی

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اللہ ظالم لوگوں کو (توفیق) ہدایت نہیں

الظّٰلِمِيْنَ ۝۵ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ

دیا کرتا ف۵ آپ کہئے اے یہودی ہو جانے والو، اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے

اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

کہ تم ہی تم، بلا شرکت غیرے اللہ کے چہیتے ہو تو موت کی تمنا کر دکھاؤ،

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶ وَ لَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا بِمَا

اگر تم سچے ہو ف۶ اور وہ کبھی بھی اس کی تمنا نہ کریں گے بسبب

ف۲ (اور جو قوم بھی تعلیمات نبوت سے محروم ہوتی ہے۔ ایسی ہی ظلمتوں اور ضلالتوں میں گھری رہتی ہے) فِي الْاُمِّيّٖنَ۔ یعنی قوم عرب کے درمیان۔ الامی منسوب الی امۃ العرب (کبیر) امیّ پر حاشیہ سورۃ آل عمران (پ۳) میں گزر چکا۔ صوفیہ محققین نے کہا ہے کہ جب رسول اور رسول اعظم بھی امی یا علوم رسمی سے نا آشنا ہو سکتا ہے، تو کسی ولی کے امی یا اَن پڑھ ہونے میں کیا اشکال ہے، البتہ علوم شرعی سے بقدر ضرورت اسے واقفیت ہونا چاہیے۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ۔ پہلا کام اس عربی رسول کا اہلِ عرب کے سامنے کلامِ الٰہی کی آیتوں کو پڑھ کر سنانا ہے۔ وَيُزَكِّيْهِمْ۔ رسول کا کام آیاتِ الٰہی کی تلاوت اور کلامِ الٰہی کے سنانے کے بعد عقائد باطلہ اور اخلاق رذیلہ سے پاک صاف کرنا ہوتا ہے۔ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ رسول ﷺ کا کام تبلیغ اور تزکیہ پر ختم نہیں ہو جاتا۔ وہ اپنے مخاطبین کو کتاب الٰہی کے مضامین کی نیز اپنی لائی ہوئی حکمت کی تعلیم بھی دیتا رہتا ہے۔ مسائل کی توضیح وتشریح، تعیم، تخصیص، تبیین، تفسیر سب اس کے تحت میں آگئے۔ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کی دعوت صرف قوم عرب کی جانب تھی۔ كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ وغیرہ متعدد آیتوں سے آپ ﷺ کی دعوت کا عموم اور عالمگیری بجائے خود ثابت اور قطعی ہے۔ اور یہ ضرور نہیں کہ صراحت وتکرار ہر موقع پر اسی کی ہوتی رہے۔ ف۳ اٰخَرِيْنَ۔ سے مراد وہ لوگ ہیں جو نزول قرآن کے وقت موجود نہ تھے۔ آگے چل کر کسی زمانہ میں ایمان لانے والوں میں شامل ہوں گے۔ اور یوں وہ سارے لوگ جو قیامت تک اسی دین حق میں داخل ہوں گے، سب اٰخَرِيْنَ کے تحت میں آگئے۔ و قال ابن زید هم جمیع من دخل فی الاسلام بعد النبی ﷺ الی یوم القیمة و هی روایة ابن نجیح عن مجاهد (معالم) قال مجاهد و غیر واحد هم الاعاجم و کل من صدق النبی من غیر العرب (ابن کثیر) هم سے تعبیر ان غیر موجودین کو بحیثیت ان کے اسلام کے کیا گیا ہے۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اور اسی قدرت والے اور حکمت والے نے اپنی قدرت وحکمت سے ایسا رسول مبعوث کر دیا۔ ف۴ ایک بگڑی ہوئی قوم کو راہ ہدایت دکھا دینا، اور بے شمار مخلوق کو راہ ہدایت پر لے آنا اُس کے فضل عظیم کے سامنے کیا مشکل ہے؟ پھر اُس کے عموم فضل کو کسی ایک نسل یا قوم کے ساتھ ہمیشہ کے لیے محدود ومحصور سمجھنا بھی حماقت ہی ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی رسول کے ذریعہ سے، ضلال مبین سے نکل کر کتاب وحکمت وہدایت کی روشنی میں آ جانا۔ ف۵ الظّٰلِمِيْنَ۔ سے مراد وہی لوگ ہیں، جو دین حق سے عناد رکھتے ہیں، اور اسی خبث وعناد کی بناء پر کبھی دلائل وحقائق پر غور نہیں کرتے۔۔۔ ایسوں کو سنا دیا گیا کہ جب تک وہ اپنی طرف سے عناد ترک نہ کریں گے، انہیں ہدایت نصیب نہ ہوگی۔ مَثَلُ...... كَمَثَلِ الْحِمَارِ۔ یہ مثلیت اور تشبیہ نفع سے محرومی کے لحاظ سے ہے۔۔۔ جس طرح کتابوں کے بوجھ سے لدا ہوا گدھا کتابوں کے نفع سے محروم محض رہتا ہے، اسی طرح یہ اہل توریت، توریت پر عمل نہ کرنے کے باعث، اس کے فوائد سے کورے رہ گئے۔ كَمَثَلِ الْحِمَارِ۔ حمار گدھے کی تخصیص اس لیے کہ جانوروں میں اس کی بلادت اور نافہمی ضرب المثل کی حد تک مشہور ہے، اور اہل عرب کو بالکل مسلم تھی۔ و هذا التمثیل لاظهار الجهل والبلادة ذلک فی الحمار اظهر (کبیر) و فی الحمار من الذل و الحقارة ما لا یکون فی الغیر (کبیر) حُمِّلُوا۔ حمل یہاں ادائے حقوق اور مکلف کیے جانے کے معنٰی میں ہے۔ حملوا ای کلفوا ان یحملوها ای یقوموا بحقها (راغب) ف۶ (اپنے دعویٰ محبوبیت مطلقہ میں) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا۔ خطاب اُن اہل عرب سے ہے، جو یہود کے طور طریقے، وضع ومعاشرت، شعائر وعقائد اختیار کرتے کرتے رفتہ رفتہ خود بھی یہودی بن گئے تھے۔۔۔ جیسے ہندوستان میں انگریزوں کے زمانہ عروج خصوصاً شروع انگریزی دَور میں، ہزار ہا اہل ہند نے انہیں کا تمدن اختیار کر کے رفتہ رفتہ اپنے کو ”کرشٹان“ بنا لیا تھا۔ یہودی مذہب اصلاً تبلیغی مذہب نہیں، نسلی مذہب تھا، صرف نسل اسرائیل کے لیے محدود۔ لیکن یہود کے علم وفضل، ثروت وتمدن سے مرعوب ومسحور ہو کر کثرت سے مشرکین عرب نے بھی چپکے چپکے دبے پاؤں اپنے اُوپر یہودیت (تہوّد) طاری کر لی تھی۔ اَنَّكُمْ...... النَّاسِ۔ یہود نے اپنے دل سے یہ عقیدہ گڑھ لیا تھا کہ ہم کچھ بھی کریں، جس طرح بھی رہیں سہیں، بہرحال ہماری پیمبر زادگی ہمارے آڑے آتی رہے گی، اور ابراہیم خلیل علیہ السلام کی جانب نسلی انتساب ہمیں اللہ کی ہر نافرمانی پر گرفت سے ہمیشہ محفوظ ہی رکھے گا۔ اور یہ امتیاز بجز ہمارے نسل آدم میں کسی کو بھی حاصل نہیں۔۔۔ قرآن مجید بار بار اُن کے اسی خطرناک نظریہ پر ضرب لگاتا ہے۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ۔ یہاں وہ تمنائے موت مراد نہیں جو عدم ثبات وعدم توکل کی بناء پر کسی دنیوی مصیبت سے گھبرا کر کی جاتی ہے بلکہ وہ تمنائے موت مراد ہے، جو شوق جنت اور اشتیاق لقاء رب میں ہر مومن کے دل میں پیدا ہوتی رہتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ولایت ومقبولیت کی علامتوں سے مومن کے لیے آرزوئے موت بھی ہے، اگرچہ صرف عقلی ہی حد تک رہے۔

قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۷ قُلْ

اُن (اعمال) کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں، اور اللہ خوب واقف ہے (ان) ظالموں سے وے آپ کہہ دیجئے

اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ

کہ جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ ضرور تمہیں آ پکڑے گی

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ

پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے (خدا) کے پاس لائے جاؤ گے، پھر وہ تم کو تمہارے

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا

سب کئے ہوئے کام جتلا دے گا وٛ اے ایمان والو جب

نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى

جمعہ کے دن اذان کی جائے نماز کے لئے تو چل پڑا کرو

ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

اللہ کی یاد کی طرف وٜ اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم کچھ

تَعْلَمُوْنَ ۝۹ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي

سمجھ رکھتے ہو و۱۰ پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر

الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ

چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت

كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰ وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً

یاد کرتے رہو، تاکہ تم فلاح پاؤ و۱۱ اور (بعض لوگوں نے) جب کبھی ایک سودے یا

اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۭ قُلْ مَا

تماشہ کی چیز کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑتے ہوئے بکھر گئے اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ دیا و۱۲، آپ کہہ دیجئے

ع ۱ / ۱۱

وٛ یعنی معاندین حق سے۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ پر توان لوگوں کا عناد حق وخبث باطن عیاں ہی ہے، اُسے اپنے معلوم کرنے کے لیے کسی امتحان کی ضرورت نہیں۔ لیکن دوسروں پر ظاہر کرنے کے لیے اُس نے یہ ایک موٹی سی پہچان بتادی — زبان سے اپنی محبوبیت مطلقہ کا دعویٰ کرتے ہو، تو پھر ذرا اپنے اس قید دنیا سے آزاد ہو جانے کی آرزو کر دکھاؤ۔ لیکن کرو گے کیسے؟ حُبِّ دنیا میں تو اتنا جکڑے ہوئے ہو، اور اُخروی وروحانی لذائذ سے اتنا بُعد رکھتے ہو کہ اس آرزو کی کبھی ہمت ہی نہ کر سکو گے! وٛ۸ (اور اپنے اسی علم کامل وقطعی کے مطابق سزا بھی دے گا) موت سے ناگواری تو انسان کے لیے ایک امر طبعی ہے اس سے یہاں تعرض نہیں۔ لیکن جو صاحب ایمان ہوتا ہے، وہ اس طبعی گرانی وناگواری کے باوجود عقلی وایمانی اعتبار سے ہمیشہ موت کی پیشوائی ہی کے لیے تیار رہتا ہے۔ اِنَّ...... مِنْهُ۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ موت کا استحضار ضمیر کی بیداری کی خاص علامت ہے۔ اور قلب کی قساوت کا خاص علاج۔ وٛ۹ اس ذکر اللہ کے عموم میں نماز فرض اور خطبۂ واجب دونوں آگئے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ۔ اس کے عموم سے وہ لوگ خارج ہیں، جن پر جمعہ واجب ہی نہیں، عورتیں، بچے، مریض، مسافر وغیرہ۔ لِلصَّلٰوةِ۔ ال عہد کا ہے، اور لِلصَّلٰوةِ سے مراد لوقت الصلٰوة ہے۔ الصلٰوة سے مراد صلٰوة الجمعة ہے۔ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ۔ مِنْ یہاں فی کے معنی میں ہے۔ اے فی یوم الجمعة (مدارک) فَاسْعَوْا۔ سعی یہاں اپنے لفظی معنی میں، یعنی دوڑنے کے مرادف نہیں۔ بلکہ اس سے مقصود چلنے میں توجہ و اہتمام کی تاکید ہے۔ السعی یستعمل للجدفی الامر (راغب) المراد بالسعی القصد دون العدو (کشاف) و لیس المراد من السعی الاسراع انما المراد منه العمل والفعل (معالم) و لیس المراد بالسعی ھٰھنا المشی السریع و انما ھو الاھتمام بھا (ابن کثیر) نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ۔ مراد نماز جمعہ کی اذان سے ہے۔ يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ جمعہ کا دن کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہم پرست مسیحیوں کے ہاں ''منحوس'' سمجھا جاتا ہے، اور شادی بیاہ سے اس دن خاص طور پر بچا جاتا ہے۔ ''نحوست'' کی دلیل یہ ہے کہ ''ابن اللہ'' کو سولی پر اسی دن چڑھایا گیا تھا۔ و۱۰ (اور حقائق اُمور کی طرف متوجہ ہو) وَذَرُوا الْبَيْعَ۔ بیع کا ذکر محض مزید تاکید واہتمام کے لیے ہے، ورنہ حکم فقہی میں تخصیص کچھ بیع وتجارت ہی کی نہیں۔ ارادالامر بترک ما یذھل عن ذکر اللّٰہ من شواغل الدنیا (مدارک) مراد صرف یہ ہے کہ اِدھر مؤذن کے منہ سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہو اور اُدھر ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ دنیا کے جس حال اور جس مشغلہ میں ہو مسجد کا رُخ کر دے اور نماز جمعہ کی تیاری واہتمام میں لگ جائے — گویا یہ مسلمان کی ہفتہ وار پریڈ ہے کہ ہر مسلمان بگل کی آواز سنتے ہی اپنے کو حاضری پر مجبور پائے! فقہاء نے یہاں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اصل مقصود وقت نماز کا آجانا ہے۔ جب وقت آجائے تو ہر مسلمان جس پر نماز جمعہ واجب ہے، اس پر نماز کے لیے تیاری واجب ہو جاتی ہے یہ ضرور نہیں کہ اذان کی آواز ہی کان میں پڑ لے۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ اس حکم کی پابندی شخصی وانفرادی حیثیت سے بھی پہلوئے خیر رکھتی ہے اور قومی واجتماعی حیثیت سے بھی — دنیوی، مادی اعتبار سے یوں کہ نماز جمعہ تنظیم اُمت کا ایک بہترین نسخہ ہے اور اُخروی، رُوحانی اعتبار سے یوں کہ آخرت کا نفع باقی دنیا کے ہر نفع فانی سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ و۱۱ یعنی جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اب اجازت ہے کہ اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاؤ، اور اپنے جمعہ کو مسیحیوں کے اتوار اور یہود کے شنبہ کی طرح دنیوی کاروبار سے تعطل کا دن نہ فرض کر لو۔ ہاں دنیوی کاروبار میں اشتغال خدا فراموشی کے مرادف نہیں۔ احکام الٰہی کا استحضار کاروبار میں بھی پوری طرح رہے۔ دیانت امانت تقویٰ، تجارت اور ہر قسم کے دنیوی مشغلہ میں مسلمان کے لیے لازمی ہیں — آیت میں جو حکم ہے، اُس کی پوری قدر جب ہوگی، جب یہود ونصاریٰ کا معاملہ جو انہوں نے اپنے اپنے ہفتہ وار تہواروں کے ساتھ کر رکھا ہے، پیش نظر ہو۔ و۱۲ بعض صحابیوں کی طرف اشارہ ہے جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، اور شریعت کے قوانین واحکام ابھی ان میں پوری طرح راسخ نہیں ہوئے تھے۔ مدینہ میں ایک بار خطبہ جمعہ کے وقت (جو اُس وقت تک بعد نماز ہوتا تھا) تجارتی قافلہ غلہ لے کر آیا، اور اعلان کے لیے دف بھی بج رہا تھا۔ ۱۲ پختہ و راسخ صحابیوں کو چھوڑ کر، باقی دوسرے حضرات یہ سمجھ کر کہ نماز تو ختم ہی ہو چکی ہے، تجارتی قافلہ کی طرف چل پڑے۔ یہ تنبیہ اُن کی اسی اجتہادی غلطی پر کی جا رہی ہے۔ وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا۔ ان الفاظ سے اس مسئلہ پر کہ خطیب جمعہ کو خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہیے۔ ایک قرآنی دلیل قائم ہو رہی ہے۔ دلیل علی ان الامام یخطب یوم الجمعة قائم (ابن کثیر) سُئِلَ عبداللّٰہ بن عمر اکان النبی یخطب قائما او قاعدًا قال اما تقرأ و ترکوک قائمًا (معالم)

عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ مِّنَ اللَّهۡوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ؕ

کہ جو چیز اللہ کے پاس ہے وہ تماشہ اور سودے سے کہیں بہتر ہے

وَاللّٰهُ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ ع ﴿۱۱﴾

اور اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے ف۱۳

آیاتھا ۱۱ | ۶۳ سُوۡرَةُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۴ | رکوعاتھا ۲

اس کی گیارہ آیتیں | سورۂ منافقون مدینہ میں نازل ہوئی | اور دو رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا جَآءَكَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوۡلُ

جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے

اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوۡلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشۡهَدُ

رسول ہیں تو اللہ کو تو یہ معلوم ہی ہے کہ آپ اُس کے رسول ہیں، لیکن اللہ (اس کی بھی) گواہی دیتا ہے کہ

اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۱﴾ ع اِتَّخَذُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ جُنَّةً

منافق جھوٹے ہیں ف۱ ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے،

فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا كَانُوۡا

پھر یہ لوگ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں بے شک کیسے برے اُن کے کرتوت

يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا ثُمَّ كَفَرُوۡا فَطُبِعَ

رہے ہیں ف۲ یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ ایمان لے آئے، پھر کافر ہوگئے ف۳ سو اُن کے دلوں پر

عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۳﴾ وَ اِذَا رَاَيۡتَهُمۡ

مہر کر دی گئی تو یہ (اب) نہیں سمجھتے ف۴ اور جب آپ اُن کو دیکھیں تو

ع ۲/۱۲

وقف لازم

ف۱۳ یہاں یہ بتایا ہے کہ معاشیات و مالیات میں بھی اصل بھروسا اپنے اسی رحیم و شفیق خالق و مالک پر رکھو۔ اجر آخرت سے قطع نظر، دنیوی اسباب رزق کے سلسلہ کا بھی آخری سرا تو اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ مَا عِنۡدَ اللّٰهِ۔ یعنی اجر آخرت اور حق تعالیٰ کا قرب۔ ف۱ (اپنے اس دعوے میں کہ ہم آپ کے رسول ہونے کے گواہ ہیں) قَالُوۡا ...... اللّٰهِ۔ یعنی اپنے اصلی اور دلی اعتقاد کے خلاف آپ ﷺ کے سامنے آکر آپ کی تصدیق رسالت کا نمائشی اظہار کرتے ہیں۔ لَكٰذِبُوۡنَ۔ اس کذب کا تعلق ظاہر ہے کہ خبر سے نہیں، مخبر سے ہے۔ یعنی بات بجائے خود تو سچی ہے، مگر یہ کہنے والے اُسے سچ جان کر نہیں کہہ رہے ہیں۔ ف۲ یہ منافقین خود تو ایمان سے محروم تھے ہی، دوسروں کو بھی راہ حق سے روکتے رہتے تھے۔ اور اس لیے اُن کا جرم دہرا جرم تھا۔ اِتَّخَذُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ جُنَّةً۔ یعنی یہ لوگ اگر علانیہ اپنے کفر و عداوتِ اسلام کا اظہار کر دیں تو اُن کا شمار بھی کافروں میں ہونے لگے اور اُن کے مقابلہ میں جہاد واجب ہو جائے۔ اس لیے یہ اپنے جان اور مال کے بچانے کی خاطر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے کو مسلمان ظاہر کر رہے ہیں۔۔۔ کوئی شخص جب تک زبان سے اسلام کا اقرار کر رہا ہے، خواہ وہ حقیقۃً کیسا ہی دشمن اسلام ہو، اسلام اُسے قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ۔ یعنی دوسروں کو بھی راہ حق سے روک کر اپنے جرم کا درجہ دُگنا کر رہے ہیں۔ سَآءَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ۔ سآء۔ میں ہمیشہ ایک پہلو تعجب کا شامل رہتا ہے، گویا سامعین سے کہا جا رہا ہے کہ دیکھو تو سہی، کیسے برے اُن کے کرتوت رہے ہیں! و فی ساء معنی التعجب الذی ھو تعظیم امرھم عندالسامعین (مدارک) ف۳ یعنی پہلے مومنین کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کیا، پھر اپنے رازداروں کی مجلس میں جا کر کلمات کفر کہے۔ ای نطقوا بکلمۃ الشھادۃ ثم ظھر کفرھم بعد ذلک (مدارک) او نطقوا بالایمان عندالمؤمنین ثم نطقوا بالکفر عند شیاطینھم (مدارک) ذٰلِكَ۔ یعنی اُن کے کرتوتوں کا برا اور بہت برا ہونا۔ اشارۃ الی قولہ ساء ما کانوا یعملون (مدارک) بِاَنَّهُمۡ۔ میں ب سببیہ ہے۔ ای بسبب انھم (مدارک) ف۴ (دین کے روشن ترین دلائل و حقائق کو بھی) فَطُبِعَ۔ دلوں پر یہ مہر اُسی ارادی منافقت کی عادت کی بنا پر لگی۔ اور پھر اس نتیجہ کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کے ذہنوں سے صلاحیت ہی حقائق دین کی فہم کی جاتی رہی۔

تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ

اُن کے قدوقامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ بات کرنے لگیں تو آپ اُن کی باتیں

لِقَوْلِهِمْ ۭ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ

سننے لگیں، گویا یہ لکڑیاں ہیں سہارے سے لگائی ہوئی ف۵ ہر غل پکار کو یہ اپنے ہی اُوپر

صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ قٰتَلَهُمُ

سمجھنے لگتے ہیں یہی لوگ (پورے) دشمن ہیں پس آپ ان سے ہوشیار رہئے اللہ اُن کو

اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۴ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

غارت کرے، کہاں پھرے چلے جاتے ہیں ف۶ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ،

يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَيْتَهُمْ

رسول اللہ تمہارے لئے استغفار کر دیں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں، اور آپ انہیں دیکھیں گے

يَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵ سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ

کہ بے رخی کر رہے ہیں تکبر کرتے ہوئے ف۷ اُن کے حق میں برابر ہے

اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ

خواہ آپ اُن کے لئے استغفار کریں یا آپ اُن کے لئے استغفار نہ کریں، اللہ انہیں بہر حال نہ

لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶ هُمُ

بخشے گا بے شک اللہ (ایسے) نافرمان لوگوں کو (توفیق) ہدایت نہیں دیتا ف۸ یہی

الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ

لوگ تو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس جمع ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو

اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَ لِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ

یہاں تک کہ وہ (آپ ہی) منتشر ہو جائیں گے ف۹ حالانکہ اللہ ہی کے تو ہیں آسمانوں اور زمین

ف۵ (کہ دیکھنے میں تو لمبی، چوڑی، موٹی، شاندار مگر بے جان محض روح سے خالی) وَ اِذَا ...... اَجْسَامُهُمْ۔ یہ خوشنمائی اُن کے ظاہری شان وشوکت اور مادی تن وتوش کی بناء پر ہوگی — آج بھی منافقوں، زندیقوں، بیدینوں کے مجمع میں کیسے کیسے خوش پوش اور کیسے کیسے خوش ظاہر نظر آتے ہیں۔ وَ اِنْ ...... لِقَوْلِهِمْ۔ جاذب توجہ اُن کی تقریر کی ظاہری شستگی اور آراستگی ہوگی — آج بھی منافقوں، زندیقوں، بے دینوں کے مجمع میں کیسے کیسے خوش تقریر، خوش تحریر، خطیب وادیب نظر آتے ہیں! ف۶ (دین حق سے) قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ۔ عربی زبان میں ایک بددعاء کا کلمہ ہے۔ ایک مومن آج جب قرآن مجید میں منافقین کی ایسی ایسی تکلیف دہ اور مسلم آزار کیفیتیں سنتا ہے، تو قدرۃً اس کے دل میں اُن کی طرف سے سخت غصہ پیدا ہوتا ہے، اور جوش میں بیساختہ اُن پر لعنت بھیجنے کو جی چاہتا ہے۔ قرآن مجید نے بکمال بلاغت عین موقع پر بندوں کے جذبات کی ترجمانی کردی — یہ نکتہ حکیم الامت تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے اپنی مجلس میں یہ کہہ کر ارشاد فرمایا، کہ یہ اُن کے بڑے گھر میں جو کچھ ایسی پڑھی لکھی بھی نہیں، اُن سے بیان فرمایا۔ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ۔ منافق کا ضمیر اُسے کبھی چین نہیں لینے دیتا۔ افشائے راز اور کشف حقیقت کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا ہے وہ ہر چرچے کو اپنے ہی متعلق سمجھتا ہے۔ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ۔ یعنی ایسے لوگ اسلام اور مسلمانوں کے بڑے سخت دشمن ہیں، اُن کے مکروکید و ضرررسانی سے ہمیشہ ہوشیار رہنا۔ هُمُ الْعَدُوُّ۔ یعنی بڑے سخت دشمن اے الکاملون فی العدواۃ (مدارک) ف۷ حاصل یہ کہ نفاق کے ساتھ ساتھ مرض رعونت وخودبینی میں بھی یہ لوگ مبتلا تھے۔ اور اسی لیے نہ کسی قسم کی معذرت کی ضرورت سمجھتے تھے نہ توبہ واستغفار کی۔ ف۸ (جو فسق عملی واعتقادی میں غرق ہو چکے ہیں، اور قبول حق وہدایت کا قصد ہی نہیں کرتے) قرآن مجید حق تعالیٰ کے اس قانون تکوینی کی تکرار بار بار کر چکا ہے، تا کہ بندوں کو خوب اس کا استحضار رہے۔ سَوَاۗءٌ ...... لَهُمْ۔ رسول تک کے استغفار کی شرط قبولیت وجود ایمان ہے۔ جو دل ایمان ہی سے خالی ہیں، اُن کے لیے رسول اللہ تک کا استغفار لاحاصل ہے، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اے ماداموا علی النفاق (مدارک) اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہرحال بشر ہی ہیں۔ سید البشر اور کامل الفراست ہونے کے باوجود ممکن ہے کہ اُن کے زبانی دعوے اور ظاہری بیان کا اعتبار کرلیں۔ الْفٰسِقِيْنَ۔ فاسق کے عموم میں کافر، منافق، مستکبر وہ سب جمع ہوگئے۔ جن کا ذکر اُوپر آچکا ہے۔ اے الذی سبق ذکرهم وهم الکافرون والمنافقون والمستکبرون (کبیر) ف۹ روایتوں میں آتا ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر انصار ومہاجرین کے درمیان بے لطفی اور رنجش ہوگئی تھی۔ منافقین کو موقع مل گیا۔ انصار کے ہمدرد وغمخوار بن کر اُن سے بولے کہ تمہیں نے تو رشتۂ مواخات قائم کر کر کے ان کے حوصلے بڑھا دیئے، اُن کے دماغ خراب کردیئے، تم آج خرچ دینا بند کردو تو ابھی تو یہ مجمع منتشر ہوا جاتا ہے۔ يَقُوْلُوْنَ۔ منافقین یہ انصار مدینہ سے کہتے تھے۔ مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ اشارہ مہاجرین مکہ کی جانب ہے۔

وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۷﴾ يَقُوْلُوْنَ

کے خزانے البتہ منافقین ہی نہیں سمجھتے ف۱۰ کہتے ہیں کہ

لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا

اگر ہم اب مدینہ میں لوٹ کر جائیں گے تو غلبہ والا وہاں سے مغلوبوں کو نکال باہر

الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

کرے گا ف۱۱ حالانکہ عزت تو بس اللہ ہی کی ہے، اور اس کے پیمبر کی اور ایمان والوں کی،

وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

البتہ منافقین (ہی اس کا) علم نہیں رکھتے ف۱۲ اے

اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ

ایمان والو کہیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں،

وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾

اور جو کوئی ایسا کرے گا، تو وہی لوگ تو گھاٹے میں رہنے والے ہیں ف۱۳

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ

اور ہم نے جو کچھ تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کر لو قبل اس کے کہ تم میں سے

اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى

کسی کی موت آ کھڑی ہو، پھر وہ کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھے اور کچھ دن مہلت

اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾

کیوں نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کاروں میں شامل ہو جاتا ف۱۴

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ

اور اللہ کسی کو ہرگز مہلت نہیں دیتا جب اس کی میعاد مقرر آ جاتی ہے اور اللہ کو

ف۱۰ (بلکہ بکمالِ حماقت ونادانی یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ مہاجرین کے رزق کا مدار انصارِ مدینہ کے چندہ اور عطیہ پر ہے) ف۱۱ یعنی ہم کہ ہمارا شمار مدینہ کے اکابرو اہلِ اقتدار میں ہے، ان غریب نوواردوں اور مکی پردیسیوں کو اپنے شہر سے نکال باہر کریں گے۔ رَجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ۔ یہ گفتگو مدینہ سے باہر غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر ہو رہی تھی۔ ف۱۲ (کہ غلبہ اور مغلوبی، عزت وذلت کا حقیقی اور تکوینی معیار کیا ہے) وَ لِلّٰهِ...... لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ حق تعالیٰ کا غالب اور صاحب عزت ہونا بالذات اور اصالۃً ہے۔ اور ہر صفت کے اعتبار سے بالکل کامل ومکمل —— اور رسول ﷺ کا سبب ان کے تعلق اور ربط باللہ کے، اور بلحاظ اُن کے لائے ہوئے کلام کے اعجاز اور اُن کے دین کے دلائل و بینات کے —— اور مومنین کا بسبب ان کے تعلق باللہ اور تعلق بالرسول کے اور باعتبار اُن کی فتح ونصرت کے۔ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ۔ عزۃ کے معنی یہاں غلبہ واقتدار کے ہیں۔ دنیا میں عزۃ یعنی علو وغلبہ کے بڑے اور اصلی مظہر بھی دو ہیں۔ ایک مال، دوسرے جاہ۔ قرآن مجید نے اہل ایمان کو یہ حقیقت بتائی ہے کہ یہ دونوں مقصد، مرکز حقیقی ہی سے تعلق جوڑے رکھنے سے حاصل ہو سکتے ہیں نہ کہ اُس سے کٹ جانے سے —— پہلی حقیقت کا اظہار آیت ماقبل میں ہو چکا ہے، اور دوسری حقیقت کا اس آیت میں ہو رہا ہے۔ ف۱۳ (کہ دنیوی لذت، عیش وراحت تو بہرحال ایک دن ختم ہو جانے والی ہیں۔ البتہ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں جتنی کوتاہیاں رہ گئیں اس کا وبال باقی رہ جانے والا ہے) عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ اس ذکر الٰہی کی بڑی فرد اطاعت احکام الٰہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مال واولاد تو خود اسی لیے عطا ہوئے ہیں کہ اللہ سے متعلق جو حقوق عائد ہوتے ہیں اُنہیں پورا کر کے اپنے مدارج روحانی کی تکمیل کرو۔ لیکن اگر کہیں انہیں چیزوں کو جو ذریعۂ عبادت اور سبب طاعت ہیں۔ تم نے اصل مقصود ومطلوب بنا لیا، تو تم عین گمراہی میں پڑ گئے۔ ف۱۴ یہ قول بطور تمنا وحسرت زبان پر اُس وقت آئے گا، جو عین انکشافِ حقیقت کی گھڑی ہوگی۔ وَ اَنْفِقُوْا۔ یعنی ادائے حقوق واجب میں، طاعتِ الٰہی میں خرچ کرو۔ فَاَصَّدَّقَ۔ ف یہاں حتّٰی کے مرادف ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ کلمۂ لَوْلَا جو ابھی گزر چکا ہے اس کے جواب میں ہے۔

خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع

تمہارے کاموں کی (پوری) خبر ہے ف۱۵

ایاتها ۱۸ ۶۴ سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۸ رکوعاتها ۲

اس کی اٹھارہ آیتیں سورۂ تغابن مدینہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ

اللہ ہی کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کچھ کہ آسمانوں اور جو کچھ کہ زمین میں ہیں، اسی کی

الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ ۫ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱﴾

حکومت ہے اور اسی کی (ہر) تعریف ہے، اور وہی ہر شے پر قادر ہے ف۱

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ

وہ وہی ہے جس نے تم (سب) کو پیدا کیا، سو بعض تم میں سے کافر ہیں اور بعض تم میں سے مومن،

وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

اور اللہ تمہارے (سارے) اعمال کو دیکھ رہا ہے ف۲ اسی نے آسمانوں اور زمین کو

وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ

ٹھیک ٹھیک پیدا کیا اور تمہارا نقشہ بنایا، سو تمہارا (کیسا) اچھا نقشہ بنایا

وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

اور اسی کی طرف (سب کی) واپسی ہے ف۳ وہ سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں،

وَ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ

اور وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم پوشیدہ کرتے ہو اور جو تم علانیہ کرتے ہو اور اللہ تو دلوں تک کی بات

ع ۲ ۱۴

ف۱۵ (اس کے ہاں جزا وسزا میں کسی غلطی کا امکان نہیں) وَلَنْ ...... اَجَلُهَا۔ یہاں یہ بتا دیا کہ جب وہ وقت موعود آجائے گا، تو ساری حسرت وتمنا بیکار رہے گی۔ ف۱ (اور وہی ساری صفاتِ کمال وجمال کا جامع ہے) يُسَبِّحُ ...... الْاَرْضِ۔ یہ تسبیح ہر مخلوق کی اس کے مرتبۂ وجود کے مطابق ومتناسب ہوگی، کہیں زبانِ حال سے کہیں زبانِ قال سے۔ لَهُ الْمُلْكُ۔ حکومت وملکیت صرف اسی ذات پاک کی ہے۔ وَلَهُ الْحَمْدُ۔ محمودیت کی مرکز صرف وہی ذات پاک ہے۔ ف۲ اس لیے حشر وجزائے اعمال کے وقت سب یکساں ہوں گے۔ خَلَقَكُمْ۔ خطاب عام نوع بشری سے ہے۔ مرتبۂ مخلوقیت میں سب یکساں ہیں۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ۔ اور جب وہ سب کا خالق ہے تو اس کی خالقیت کا عین مقتضا یہ تھا، کہ تم سب کے سب اس کے مطیع ہوتے۔ فَمِنْكُمْ ...... مُّؤْمِنٌ۔ بشر کے درمیان حقیقی اور بنیادی تفریق صرف مومن وکافر کی ہے۔ ایک طرف چین کے مسلم، مصر کے مسلم، ہند کے مسلم، امریکہ کے مسلم، آسٹریلیا کے مسلم۔ رنگ کے، نسل کے، زبان کے، وطن کے اختلافات کے باوجود سب کے سب مسلم۔ اور دوسری صف میں ساری دنیا کے کافر۔ بس حقیقی قومیں کل یہی دو ہیں۔۔۔ مومن وکافر یا مطیع وسرکش یا مسلم ومنکر۔ ف۳ یہاں جتنی صفات الٰہی بیان ہوئی ہیں، بہت سی آیات قرآنی کی طرح، ان میں سے ہر صفت کا اثبات کسی نہ کسی مشرکانہ گمراہی کی تردید، کسی نہ کسی جاہلی عقیدہ کے ابطال ہی میں ہے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ۔ آسمان وزمین نہ دیوی دیوتا ہیں، نہ خود آفریدہ بلکہ حق تعالیٰ کے خلق کیے ہوئے ہیں، جس طرح اور ساری مخلوق ہے۔ بِالْحَقِّ۔ یہ سارا کارخانۂ کائنات، جس کی پوری پیائش کسی بندہ سے نہ آج تک ہو سکی ہے، نہ آئندہ کبھی ہوسکے گی، یوں ہی بلا مقصد، محض تماشہ وتفریح کی خاطر وجود میں نہیں لے آیا گیا ہے، بلکہ مخصوص ومتعین اعلیٰ مقاصد ہی کے ماتحت ایک حکیم مطلق کے ارادہ وتجویز کے مطابق وجود میں لایا گیا ہے۔ وَصَوَّرَكُمْ۔ مادہ و روح، ہیولیٰ اور صورت، سب کا خالق وموجد وہی ہے۔ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔ انسان کی خلقت وترکیب سب بہترین آئین حکمت کے مطابق ہے۔ محض اتفاقی اجتماع عناصر کا نتیجہ نہیں۔ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔ ہر مخلوق کو اپنی زندگی کی میعاد پوری کر کے واپس بھی اسی کے حضور میں ہونا ہے۔ کسی اور دیوی دیوتا، ابن اللہ وغیرہ سے سابقہ پڑنا نہیں ہے۔

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴﴾ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

خوب جاننے والا ہے ۴ کیا تمہیں اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو (تم سے) قبل کفر

مِنْ قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ

کر چکے ہیں سو انہوں نے اپنے کرتوت کا وبال چکھا اور اُن کے لئے عذاب

اَلِيْمٌ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ

دردناک ہے ۵ یہ اس سبب سے کہ اُن کے پاس اُن کے پیمبر کھلے ہوئے نشان

بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۫ فَكَفَرُوْا وَ تَوَلَّوْا

لے کر آئے اس پر وہ بولے کہ کیا انسان ہم کو ہدایت کریں گے؟ غرض انہوں نے کفر کیا اور اعراض کیا،

وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۶﴾ زَعَمَ الَّذِيْنَ

اور اللہ نے (ان کی کچھ) پروا نہ کی، اور اللہ بے نیاز ہے ستودہ صفات ہے ۶ جو لوگ کافر ہیں اُن کا

كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ

خیال ہے کہ وہ (دوبارہ) اُٹھائے نہ جائیں گے آپ (اُن سے) کہئے ضرور، اور قسم ہے میرے پروردگار کی،

ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

تم ضرور اُٹھائے جاؤ گے، پھر جو کچھ تم کر چکے ہو اس کی تمہیں خبر دی جائے گی، اور یہ اللہ پر (بالکل)

يَسِيْرٌ ﴿۷﴾ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِيْٓ

آسان ہے ۷ تو اب اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اُس نور پر بھی جو ہم نے

اَنْزَلْنَا ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۸﴾ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ

نازل کیا ہے اور اللہ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے ۸ وہ دن (یاد رکھو جب) وہ تمہیں اس جمع کرنے والے

لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَ مَنْ يُّؤْمِنْ

دن میں جمع کرے گا یہی (دن) بے نقصان (ونفع) کے ظاہر ہونے کا دن، اور جو کوئی اللہ پر ایمان

ف۴ حاصل یہ کہ اُس کی قدرت کی طرح اُس کی صفت علم بھی کامل و مکمل ہے، جزئیات وکلیات، غیب وشہادت سب پر یکساں حاوی۔ ف۵ (آخرت میں) یعنی وبال عاجل کے علاوہ، جس کا مشاہدہ ہر شخص اوراق تاریخ کی مدد سے کرسکتا ہے، ان سرکش و نافرمان قوموں کے لیے آخرت کا عذاب آجل بھی ہے۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ۔ اس میں وہ تمام قومیں آگئیں، جو اسلام سے قبل دنیا میں نمودار ہوئیں، اور خدائی قانون کی مخالفت کر کر کے دنیا سے نابود ہوگئیں۔ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ۔ یعنی اسی دنیا میں اپنے کفر وطغیان کا مزہ چکھا، اور ہلاک وبرباد ہوکر رہے۔ ف۶ (اُس کو نہ کسی کی طاعت سے نفع، نہ کسی کی معصیت سے ضرر) فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا۔ وہ لوگ حیرت وانکار کے لہجہ میں بولے کہ بھلا بشر بھی کہیں ہادی ورہنما ہوسکتا ہے؟ کوئی دیوی دیوتا ہوتا تو خیر ایک بات بھی تھی۔۔۔ بشریت کو جاہلی قوموں نے ہمیشہ رہبری ورہنمائی کے منافی سمجھا ہے، اور وہی ذہنیت آج تک چلی آرہی ہے۔ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔ آیت اُن جاہلی قوموں کے رَد میں ہے جن کے عقیدہ میں دیوتا بھی اپنے پجاریوں کے درجۂ اقرار وانکار، عبودیت واعراض سے متاثر ہوتے رہتے تھے۔ ذٰلِكَ۔ اشارہ وبال دنیوی وعذابِ آخرت دونوں کی جانب ہے۔ اشارة الى ما ذكر من الوبال الذى ذا قوه فى الدنيا و ما اعدلهم من العذاب فى الأخرة (مدارک) ف۷ بَلٰى وَرَبِّيْ۔ کے ٹکڑے سے مقصود عربی اسلوب بیان کے مطابق تاکید کلام اور وقوع حشر میں قطعیت کا پیدا کرنا ہے، وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ۔ حق تعالیٰ کی قدرت وعظمت کا استحضار اگر ذہن میں رہے، تو وقوع حشر میں کوئی استبعاد ذرا سا بھی نہ رہے۔ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ لفظ زَعَمَ سے اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ منکروں کا یہ قول بلا دلیل محض اٹکل اور خیال سے ہے۔ ف۸ کوئی عمل نفاق، کوئی عمل کفر اُس کی نگاہ سے مخفی نہیں۔ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا۔ مراد قرآن کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔

بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ

رکھتا ہو گا اور نیک کام کرتا ہو گا اللہ اُس کے گناہ اس سے دور کر دے گا

وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور اُسے باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٩﴾

اُن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی ہی کامیابی ہے ف٩

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور جو لوگ کافر رہے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے رہے تھے، یہ لوگ

النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٠﴾ مَآ

دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور برا ٹھکانہ ہے کوئی

ع ١٥

اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ

مصیبت ایسی نہیں آتی جو بجز اللہ کے حکم کے ہو اور جو کوئی

يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اُسے راہ دکھا دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب ہی

عَلِيْمٌ ﴿١١﴾ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ

جانتا ہے ف١٠ تم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی پھر اگر

تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٢﴾ اَللّٰهُ

تم نے روگردانی کی تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے ف١١ اللہ وہی ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٣﴾

جس کے سوا کوئی خدا نہیں، اور ایمان والے بس اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں ف١٢

ف٩ (جس کے سامنے دنیا کی بڑی سی بڑی ممکن کامیابی بھی ہیچ محض ہے) ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ۔ یعنی وہ دن کافر و منکر کی حسرت و زیاں کا ہوگا، اور مومن کی راحت و مسرت کا۔ وَ مَنْ...... سَيِّاٰتِهٖ۔ آیت اُن خارجی اور نیم خارجی گروہوں کے مزید رد میں ہے، جو معصیت کو ایمان کے منافی سمجھتے ہیں۔ مومن سے اگر گناہ سرزد ہی نہ ہوں، تو یہ کفارہ کاہے کا ہوگا؟ اور قرآن مجید مومنین کے کفارۂ معاصی کا بار بار اثبات ہی کیوں کر رہا ہے؟ وَيَعْمَلْ...... سَيِّاٰتِهٖ۔ قرآن مجید کی یہ بار بار کی بشارت کہ نیکیاں گناہوں کے محو کرنے میں وہ کام دیں گی، جو پنسل کی تحریر کے حق میں ربڑ کرتی ہے۔ ہم عاصیانِ اُمت کے لیے کتنی بڑی بشارت ہے! ف١٠ (بشری ضروریات و جذبات کا کونسا جزئیہ اس سے پوشیدہ رہ سکتا ہے؟) مَا...... اللّٰهِ۔ اس خیال کا استحضار مصیبت زدوں کے لیے کتنی بڑی تسلی و تسکین کا باعث اور جادۂ تسلیم و رضاء پر قائم رکھنے میں کتنا زیادہ معین ہو سکتا ہے! بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اذن سے مراد اس سیاق میں حکم تکوینی ہے، جو مرضئ الٰہی کو مستلزم نہیں۔ اے بعلمه و تقديره و مشية (مدارک) قال ابن عباس بعلمه و قضائه (کبیر) وَمَنْ...... قَلْبَهٗ۔ ایمان باللہ میں تاثیر ہی یہ ہے کہ وہ قلب کو تسلیم و رضاء کا راستہ دکھاتا رہے ـــ جس کا درجۂ ایمان جتنا زیادہ مستحکم و بلند، اُسی قدر ہجوم مصائب کے وقت سکون قلب بھی اُس کو زیادہ نصیب۔ چیز تجربہ کی ہے، جو چاہے تجربہ کر دیکھے۔ ف١١ (اور وہ فریضۂ تبلیغ سے ادا ہو چکے) وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ اطاعت حق تعالیٰ کی تو براہِ راست اور اصالۃً مقصود ہے اور رسول ﷺ کی اُس کے نائب معصوم کی حیثیت سے۔ ف١٢ (خواہ وہ مصیبت اُن پر محض تکوینی حیثیت سے، بیماری، قحط وغیرہ کے سلسلہ میں آپڑے، خواہ راہ حق پر رہنے کے سلسلہ میں مخالفین و معاندین کی طرف سے اُن پر ستم توڑے جائیں)۔

ف۱۳ (کہ کہیں تم اُن کی محبت طبعی میں غلو کے باعث معاصی میں مبتلا نہ ہونے لگو) یعنی بعض اوقات بیوی بچوں کی محبت مفرط ہی غلط راستہ پر ڈال دیتی ہے اور انسان اُن کی پُر معصیت فرمائشوں کی تعمیل میں لگ جاتا ہے۔ سوایسے بیوی بچوں سے ہوشیار اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اُوپر مصیبتوں کا ذکر تھا کہ وہ کہیں تمہیں راہِ تسلیم و رضا سے ڈگا نہ دیں۔ اب نعمتوں کا ذکر ہے کہ کہیں اُن میں پڑ کر احکامِ خداوندی کی طرف سے غافل نہ ہو جاؤ اور اس سلسلہ میں صراحت کے ساتھ ذکر صرف بیوی بچوں کا کیا ہے کہ حقیقۃً یہی دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہیں۔ اور انسان کو طبعی کشش بھی انہیں کی جانب سب سے زیادہ ہوتی ہے ـــــ مومن و مسلم کا کام ہر حال اور ہر کیفیت میں، چاہے وہ مصیبت ہو یا راحت، آفت ہو یا نعمت، یہی ہے کہ اپنے رشتۂ عبدیت کو اپنے مالک و مولیٰ کے ساتھ یکساں جوڑے رہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ

اے ایمان والو تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد ہی میں سے

عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا

تمہارے دشمن ہیں، سو اُن سے ہوشیار رہو ف۱۳ اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر جاؤ

وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤﴾ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ

اور بخش دو تو اللہ بڑا بخشنے والا ہے بڑا رحم کرنے والا ہے ف۱۴ تمہارے مال

وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾

اور تمہاری اولاد تو بس آزمائش ہی (کی چیزیں) ہیں اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے ف۱۵

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا

سو اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے اور سنتے رہو اور اطاعت کرتے رہو،

وَأَنفِقُوا خَيْرًا لِّأَنفُسِكُمْ ۗ وَمَن يُوقَ شُحَّ

اور اپنے حق میں بھلائی کے لئے خرچ کرتے رہو ف۱۶ اور جو کوئی محفوظ رہا

نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٦﴾ إِن تُقْرِضُوا

حرص نفسانی سے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ف۱۷ اگر تم اللہ کو اچھی طرح

اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ

قرض دو گے تو وہ اُس کو تمہارے لئے بڑھاتا چلا جائے گا اور تمہیں بخش دے گا، اور

وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٧﴾ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

اللہ بڑا قدرداں ہے بڑا بردبار ہے ف۱۸ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے،

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾ ع

زبردست ہے، حکمت والا ہے ف۱۹

ع ۲ / ۱۴

عَدُوًّا۔ عدو کے معنٰی بدخواہ کے ہیں، خواہ وہ بدخواہی عمداً ہو یا نادانستہ۔
ف۱۴ (بس تمہارا معاف کرنا اور رحمت و مہربانی سے کام لینا تو عین اخلاقِ الٰہی کی پیروی کرنا ہے) وَإِن تَعْفُوا۔ یعنی جب تمہاری بیوی بچے توبہ، ندامت و معذرت سے کام لینے لگیں، اور تم انہیں معاف کرنے لگو۔ وَتَصْفَحُوا۔ یعنی نہ سزا دو اور نہ زیادہ مواخذہ و ملامت ہی کرو۔ وَتَغْفِرُوا۔ یعنی دل اور زبان سے بھی اُن کے قصور کو بھلا دو۔ آیت میں صاف تعلیم مل رہی ہے کہ بیوی بچوں کا رکھ رکھاؤ اگر صحیح اسلامی طریقہ پر نہ کیا گیا تو یہی لوگ جو اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمتیں ہیں، انسان کے دشمن اور بدخواہ بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ وَإِن ...... رَّحِيمٌ۔ اس میں صاف ترغیب ان قصوروار بیوی بچوں کو معاف کر دینے اور اُن سے درگزر کرنے کی مل رہی ہے۔ ف۱۵ (اور یہ اجرِ عظیم اُن لوگوں کا حصہ ہے جو ان طبعی نعمتوں کا استعمال صحیح طور پر کرتے ہیں) إِنَّمَا ...... فِتْنَةٌ۔ یہاں یہ بتا دیا کہ مال و اولاد کا اگر صحیح استعمال کیا جائے۔ تو یہ تو عین عبادت ہے لیکن اگر غلط اور بیجا قسم کا کام لیا گیا، تو یہی تمہارے حق میں مصیبت بھی بن جائیں گے۔ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ۔ ضمیر جمع مخاطب سے مراد اگر افرادِ اُمت کے بجائے اُمت بحیثیت مجموعی سمجھی جائے، تو آجکل کے ماہرینِ فن و مبصرین کا یہ بیان پیش نظر رہے کہ فتنۂ جنگ کے سب سے بڑے اسباب یہی دو ہیں ـــــ افراطِ زر، و افراطِ آبادی!
ف۱۶ اور اپنے حق میں بھلائی یہی کہ تعمیلِ احکامِ الٰہی میں خرچ کرتے رہو۔ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ تقویٰ الٰہی کے حکم کے ساتھ اسی مَا اسْتَطَعْتُمْ کی قید نے تعمیلِ حکم ہم ضعیف و ناتواں بندوں کے لیے بہت آسان کر دی، ورنہ ظاہر ہے کہ جو حق تقویٰ الٰہی کا ہے، وہ کون ادا کر سکتا ہے۔ صوفیۂ محققین نے مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ سے یہ استنباط کیا ہے کہ سلوک و اصلاحِ نفس میں تدریجی اقدام کافی ہے۔ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا۔ یعنی احکامِ الٰہی سنتے رہو، اور اُن کی اطاعت کرتے رہو۔ ف۱۷ (دنیا و آخرت دونوں میں) لفظ فلاح بہت ہی وسیع و جامع ہے۔ عاجل و آجل، مادی و روحانی، انفرادی و اجتماعی ہر قسم کی بھلائیاں اس کے اندر آ گئیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر البقرۃ، رکوع اول میں هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ پر حاشیہ۔ وَمَن ...... نَفْسِهِ۔ یعنی وہ شخص خرچ کے موقعوں پر خوش دلی کے ساتھ خرچ کرتا رہا۔ ف۱۸ لفظ قرض پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔ قَرْضًا حَسَنًا۔ یعنی اخلاصِ قلب کے ساتھ قرض دے گا۔ إِن تُقْرِضُوا اللَّهَ۔ اللہ کو قرض دینا یہی ہے کہ دولت اس کے بتائے ہوئے موقعوں پر اس کے احکام کے مطابق خرچ کی جائے۔ اُسے لفظ قرض سے تعبیر کرنا حکم کی اہمیت کے اظہار اور تاکید و ترغیب کے لیے ہے۔ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ۔ وہ قدرداں ایسا کہ ہر چھوٹے سے چھوٹے بھی عملِ صالح کو قبول کر لیتا ہے، اور بردبار ایسا کہ بڑی سے بڑی نافرمانیوں پر بھی گرفت فی الفور نہیں کرتا۔ ف۱۹ ان سب صفاتِ الٰہی کا اثبات بھی، پچھلے موقعوں کی طرح، جاہلی قوموں کے عقائدِ باطلہ کے رَدّ میں ہے۔ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔ سب کچھ اس پر روشن ـــــ یہ نہیں کہ خفیف جزئیات اُس کی نگاہوں سے مخفی رہ جائیں۔ یا یہ کہ اُس کے سامنے کوئی جھوٹا عذر چل سکے۔ الْعَزِيزُ۔ وہی سب پر غالب و حاکم ـــــ یہ نہیں کہ "کرم" (قانونِ مکافات) وغیرہ کی کوئی دفعہ اس کے ارادہ و مشیت پر بھی غالب آ جائے۔ الْحَكِيمُ۔ اُس کا ہر ہر فیصلہ حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتا ہے ـــــ یہ نہیں کہ کبھی اُس پر سہو، نسیان، غفلت طاری ہو جائے۔

آیاتھا ۱۲ ۶۵ سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ ۹۹ رکوعاتھا ۲

اس کی بارہ آیتیں سورۂ طلاق مدینہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ

اے نبی (لوگوں سے کہہ دیجئے) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو اُن کو اُن کی عدت پر

لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا

طلاق دو ف۱ اور عدت کو خیال میں رکھو اور اپنے پروردگار اللہ سے ڈرتے رہو ف۲ انہیں

تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ

اُن کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں ف۳ بجز اس صورت کے کہ

يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ

وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں ف۴ یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ

اور جو کوئی اللہ کے حدود سے تجاوز کرے گا اُس نے اپنے اُوپر ظلم کیا

لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

تجھے خبر نہیں شاید کہ اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے ف۵

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

پھر جب وہ اپنی میعاد کو پہنچنے لگیں تو انہیں (یا تو) قاعدہ کے مطابق (نکاح میں) رہنے دو،

اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ

یا انہیں قاعدہ کے مطابق رہائی دو ف۶ اور اپنے میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ

ف۱ بلاشار عدت سے قبل، حالتِ طہر میں۔ عدت کی میعاد تین حیض ہیں (جیسا کہ سورۃ البقرۃ کے حاشیوں میں صاف کہا جاچکا ہے) حیض سے قبل طلاق دینے میں مصلحت یہ ہے کہ پورے تین حیض شمار میں آجائیں گے اور حساب میں کچھ گڑبڑ نہ ہوگا۔ ورنہ اگر دورانِ حیض میں طلاق دی تو لامحالہ یا تو اس حیض کا کچھ حصہ چھوڑنا پڑے گا، اور یا اُسے ملانا پڑے گا۔ دونوں صورتوں میں عدت کی اصل میعاد (تین حیض) سے کچھ نہ کچھ کمی یا زیادتی ضرور کرنی پڑے گی۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ۔ خطاب براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے ہونے کی حکمت بعض علماء نے یہ لکھی ہے کہ افرادِ امت تو تبعاً اس میں شامل ہو ہی جائیں گے۔ اور صالحین و شرفاء کو اس میں عار بھی نہ آئے گا کہ ضرورت تو جب حضور ﷺ کو بایں رافت و حلم پڑسکتی ہے (بلکہ واقعۃً پڑی تھی) تو دوسروں کا کیا ذکر ہے۔ اکتفاء بعلم المخاطبین بان ماخوطب به النبی ﷺ خطاب لهم اذ کانوا مامورین بالا قتداء به (جصاص) اور یہ ترکیب بھی صحیح مانی گئی ہے کہ قُلْ لِاُمَّتِكَ یہاں محذوف و مقدر ہے۔ تقدیرہٗ یایها النبی قل لامتک (جصاص) اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ۔ النساء سے وہ بیویاں مراد ہیں جن کے ساتھ صحبت حقیقۃً یا حکماً ہوچکی ہو۔ لِعِدَّتِهِنَّ۔ حذف مضاف ہے۔ یعنی فی قبل عدتهن اے طلقوهن مستقبلات لعدتهن (مدارک) ایک فقہی اختلاف خود لفظ قبل کی تشریح میں ہوا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس کے معنی آمد و استقبال کے ہیں۔ شافعیہ نے مراد ابتداء لی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ لِ توقیت یا اظہار وقت کا ہے۔ یعنی وہ وقت جس سے عدت بلاتردد شمار کی جاسکے۔ ف۲ یعنی عبادات ہی کی طرح ان دنیوی معاملات اور قانونی احکام میں بھی یاد رکھو کہ یہ بھی سب خدائے قادر مطلق ہی کے دیئے ہوئے ہیں۔ جس کے ارشادات کا ایک ایک جزئیہ اپنی جگہ پر پوری اہمیت رکھتا ہے—اور پھر وہ اللہ بھی کیسا تمہارا پروردگار! ہر ہر حکم اور ہر ہر ہدایت میں تمہاری ہی تربیت کا، تمہاری ہی مصلحتوں کا لحاظ رکھنے والا! وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ۔ یعنی طلاق دینے کے بعد زمانۂ عدت کو دھیان میں رکھو، اس حساب میں گڑبڑ نہ ڈالو۔ فقہاء حنفیہ نے کہا ہے کہ طلاق اگر حالت حیض میں دے دی ہے تو رجوع کرنا واجب ہے، اس لیے کہ وہ وقت عدت نہیں، فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس حکم کے اندر تین طلاقیں دفعۃً دے بیٹھنے اور طلاق حالت حیض میں دینے، دونوں کی ناپسندیدگی ضمناً آگئی ہے۔ ف۳ یعنی اُن گھروں سے جن میں وہ طلاق کے وقت رہ رہی تھیں۔ بُيُوْتِهِنَّ۔ سے مراد وہی شوہروں کے گھر ہیں، جن میں بیویاں رہتی ہوتی ہیں۔ انہیں بجائے شوہروں کے بیویوں کی جانب منسوب اس لیے کیا کہ ان میں رہتی تو وہی لوگ تھیں۔ وهی بیوت الازواج واضیفت الیهن لاختصاصها من حیث السکنٰی (مدارک) آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مطلقہ کا یہ حق سکونت مکان محض حق العبد نہیں، جس کا معاف کر دینا خود مطلقہ کے اختیار میں ہو۔ وَلَا يَخْرُجْنَ۔ فقہاء نے اس سے یہ نکالا ہے کہ زمانۂ عدت بھر عورت کو باہر نہ نکلنا چاہیے بلکہ اپنے اسی مکان میں عدت میں قیام واجب ہے۔ و فیه دلیل علی وجوب السکنٰی لها ما دامت فی العدة (جصاص) زمانۂ عدت بھر منکوحہ کی طرح مطلقہ کا بھی حقِ سکونت مکان قائم رہتا ہے۔ ف۴ (جب البتہ بطور سزا نکالی جائیں گی) فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ۔ اس کے تحت میں بدکاری اور چوری دونوں آگئیں۔ بعض محققین نے زبان درازی کو بھی جس سے گھر میں ہر وقت کوفت و رنجش اور تکرار رہے اس میں داخل کیا ہے۔ ف۵ (تیرے دل میں) خطاب یہاں طلاق دینے والے اور طلاق میں عجلت کرنے والے سے ہے کہ کیا معلوم آگے چل کر تجھے اپنے عاجلانہ عملِ طلاق پر ندامت ہی ہو۔ بَعْدَ ذٰلِكَ۔ یعنی بعد ایقاع طلاق۔ آیت میں صاف ترغیب اس کی موجود ہے کہ تینوں طلاقیں دفعۃً واقع نہ کر دی جائیں۔ اس لیے کہ طلاق مغلظہ کے بعد پھر کوئی موقع تدارک کا باقی نہ رہے گا (بجز صورت حلالہ کے) دوسرے ائمہ کے ہاں تو دفعۃً تین طلاقیں ایک ہی طلاق کے حکم میں رہیں گی۔ حنفیہ کے ہاں قانوناً واقع ہوجائیں گی۔ لیکن فقہاء حنفیہ نے یہ لکھا ہے کہ ایسی طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ۔ اور یہ اپنے حق میں ظالم شخص اس ظلم نفس کے نتیجے بھی بھگتے گا۔ تِلْكَ...... نَفْسَهٗ۔ قرآن مجید نے اپنے عام معمول کے مطابق یہاں بھی بندوں کو ڈرایا ہے کہ بندوں کے آپس کے معاملات کو امر خفیف نہ سمجھیں۔ اللہ کے ان احکام سے بھی بے پروائی پوری طرح قابل مؤاخذہ ہے۔ محققین نے آیت سے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ جس امر کی مختلف شقوں میں مختلف مصالح ہوں، اُن کے انتظامی فیصلہ میں جلدی نہ کی جائے۔ ف۶ مطلب یہ ہوا کہ انہیں طلاق ہی دینا ہو، تو ہر نشیب و فراز خوب سوچ سمجھ کر تین مہینہ کی لمبی مہلت لے کر دو۔ اور انہیں شریفانہ طور پر عزت کے ساتھ رخصت کردو۔ ورنہ پھر طلاق رجعی سے رجوع کر کے انہیں عزت و شرافت کے ساتھ اپنی بیوی بنے رہنے دو۔ یہ نہ ہو کہ محض ستانے کے لیے انہیں قید نکاح میں معلق رکھو— غرض یہ کہ علیحدگی ہو تو، اور یکجائی بدستور رہے تو، دونوں صورتوں میں عزت و شرافت کا سررشتہ کسی طرح بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ هُنَّ۔ یہ ضمیر جمع مؤنث جہاں جہاں آئی ہے، اس سے مراد وہی بیویاں ہیں، جنہیں طلاق صرف رجعی ہوئی ہے۔ اور رجوع کی گنجائش ابھی باقی ہے۔

ف۷ (اور اسی میں ایمان بالرسول بھی آ گیا) وَاَشْهِدُوْا۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں صیغۂ امر وجوب کے لیے نہیں، محض استحباب کے لیے ہے۔ هذا الاشهاد مندوب اليه (مدارک) و هذا امر ندب (روح) دو عادل گواہوں کا یہ حکم استحبابی رجوع وافتراق دونوں صورتوں کے لیے ہے۔ امر بالاشهاد على الرجعة والفرقة ايهما اختار الزوج (جصاص) يعنى الرجعة والفرقة جميعًا (مدارک) اور دونوں صورتوں میں گواہیاں کرا لینا، تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ بہت سے جھگڑوں سے بچنے کے لیے مفید ہی ہوتا ہے۔ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ۔ یعنی شہادت بالکل سچی، محض حق تعالیٰ کی رضامندی کے لیے ہو۔ کسی کی رُو رعایت، کسی کی دوستی، دشمنی کو اس میں دخل نہ ہو۔ ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔ گواہوں کو عادل یعنی سچا نہ صرف اس معاملہ بلکہ ہر معاملہ میں ہونا چاہیے۔

مِّنْكُمْ وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ

ٹھہرا لو اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے دو، اس (مضمون) سے اُس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو

كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۬ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ

اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے ف۷ اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے

يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ

اللہ اس کے لئے کشائش پیدا کر دیتا ہے، اور اُسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اُسے گمان بھی

لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ

نہیں ہوتا ف۸ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے گا سو اللہ اس کے لئے کافی ہے

اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ

اللہ اپنا کام (بہر حال) پورا کر کے رہتا ہے، اللہ نے ہر شے کا ایک انداز مقرر

قَدْرًا ﴿۳﴾ وَ الّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ

کر رکھا ہے ف۹ اور تمہاری مطلقہ بیویوں میں سے جو حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہیں

اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓـِٔيْ لَمْ

اگر تمہیں شبہ ہو تو اُن کی عدت تین مہینے ہیں ف۱۰ اور (اسی طرح) اُن کی بھی

يَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ

جنہیں ابھی حیض نہیں آیا ف۱۱ اور حمل والیوں کی میعاد اُن کے حمل کا

حَمْلَهُنَّ ؕ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ

پیدا ہو جانا ہے ف۱۲ اور جو کوئی اللہ سے تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ اُس کے (ہر) کام میں آسانی

يُسْرًا ﴿۴﴾ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَ مَنْ يَّتَّقِ

پیدا کر دے گا ف۱۳ یہ حکم ہے اللہ کا جو اُس نے تمہارے پاس بھیجا ہے، اور جو کوئی اللہ سے تقویٰ

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ۔ اشارہ ان تمام احکام طلاق ومتعلقات طلاق کی طرف آ گیا جو ابھی مذکور ہو چکے ہیں۔ والاولى كما فى الكشف ان يكون اشارة الى جميع ما مر من ايقاع الطلاق (روح) ذٰلِكُمْ ...... الْاٰخِرِ۔ یہاں یہ بتلا دیا کہ ان احکام سے نفع تو صرف وہی اُٹھائیں گے، جن کے دلوں میں حق تعالیٰ کا اور یوم حساب کا استحضار رہتا ہے۔ ف۸ آیت میں صاف اس کی تعلیم ہے کہ دشواریوں اور تنگیوں سے نکلنے کی کنجی تقویٰ الٰہی ہے۔ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ یعنی اُسے ہر قسم کی مشکلات سے نجات دلا دیتا ہے۔ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ قرآن مجید کی جن چند آیتوں کی صداقت وحقانیت پر، اپنے ذاتی تجربہ و مشاہدہ کی بناء پر بے اختیار وجد کرنے کو جی چاہتا ہے، اُن میں ایک یہ آیت بھی ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسے ایسے راستوں اور وسیلوں سے کھلاتا، پلاتا، آمدنیاں دلاتا ہے کہ اُدھر اُن کا وہم وگمان بھی نہیں جا سکتا تھا — اپنے اور دوسروں کے لیے روزمرہ اس کے مشاہدے ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ کی قید کے بغیر بھی! تقویٰ کے بغیر بھی عجیب عجیب اور حیرت انگیز طریقوں سے روزی پہنچاتا رہتا ہے۔ ف۹ (اور وہ انداز معین ہمیشہ حکمت ہی پر مبنی ہوتا ہے) یعنی خدائی کارخانہ میں کوئی چیز یوں ہی اٹکل پچو تھوڑے ہی ہو جاتی ہے۔ اس نظام عالم کا ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیہ ایک حکیمانہ قانون کا پابند اور اُسی سے وابستہ ومنسلک ہے۔ وَمَنْ ...... حَسْبُهٗ۔ یہاں یہ بتلا دیا کہ حق تعالیٰ ہی کی ذات تو تمام اسباب ظاہری کا آخری سرچشمہ اور اُن پر حاکم ومتصرف ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ۔ یہاں یہ بتایا کہ جن چیزوں کو تم اسباب عادی سمجھ رہے ہو، اُن کا اسباب عادی ہونا تو تمہارے ہی نقطۂ نظر سے ہے۔ حق تعالیٰ تو بہرحال ان قوانین کا یا کوئی بھی قوانین ہوں، اُن کا ہرگز محکوم وپابند نہیں۔ ف۱۰ قرآن مجید علاوہ اپنی دوسری حیثیتوں کے ایک فقہی وقانونی کتاب کے لحاظ سے بھی ہر طرح جامع ومکمل ہے۔ بشری ضروریات کا کوئی بھی گوشہ، جو ذرا سی بھی اہمیت رکھتا ہے، اس سے چھوٹنے نہیں پایا ہے — اور حیرت وعبرت دونوں کی بات ہے کہ اپنی اپنی ناقص کتابیں رکھنے والے دوسرے اہل مذاہب اس کمال اور ہنر کو اُلٹا نقص اور عیب شمار کر رہے ہیں! وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ۔ یہ مایوسی سن کی زیادتی کے باعث بھی ہو سکتی ہے اور مرض سے بھی۔ اِنِ ارْتَبْتُمْ۔ یعنی اُن کی تعیین عدت کے باب میں اگر تمہیں شبہ ہے۔ ف۱۱ (بسبب کم سنی کے) یہاں یہ بتا دیا کہ ان دونوں قسم کی بیویوں کی عدتِ طلاق کی مدت پورے تین مہینہ ہے۔ ایک فقہی استنباط آیت سے یہ بھی ہوا کہ لڑکیوں کا نکاح قبل بلوغ یا کم سنی میں بھی بالکل جائز ہے — جب طلاق قبل بلوغ ہو سکتی ہے تو ظاہر ہے کہ نکاح تو طلاق سے قبل ہی ہو گا۔ ف۱۲ (خواہ یہ وضع حمل اپنی طبعی مدت سے قبل ہی ہو جائے) قرآن مجید کی اس تصریح کے بعد قدرۃً فقہاء بھی سب اس پر متفق ہیں کہ حاملہ مطلقہ کی عدت بس وضع حمل تک ہے۔ لم يختلف السلف والخلف بعدهم ان عدة المطلقة الحامل ان تضع حملها (جصاص) ف۱۳ (اگر حسًّا وظاہرًا نہیں بھی، جب بھی معنًا وباطنًا تو ضرور ہی) وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ۔ تقویٰ الٰہی سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام کی پابندی زندگی کے ہر ہر شعبہ میں بلا استثناء رکھی جائے۔

اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ﴿٥﴾

اختیار کرے گا، اللہ اُس کے گناہ اُس سے دور کر دے گا اور اُس کو بڑا اجر دے گا ف١٤

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا

اُن (مطلقات) کو اپنی حیثیت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور انہیں

تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ

تنگ کرنے کے لئے انہیں تکلیف مت پہنچاؤ ف١٥ اور اگر وہ حمل والیاں

حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ

ہوں تو انہیں خرچ دیتے رہو اُن کے حمل کے پیدا ہونے تک ف١٦ پھر وہ لوگ

اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ

تمہارے لئے رضاعت کریں تو تم انہیں اُن کی اُجرت دو اور باہم مناسب طور پر

بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ﴿٦﴾

طے کر لیا کرو ف١٧ اور اگر تم باہم کشمکش کرو گے تو رضاعت کوئی دوسری کرے گی ف١٨

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ

وسعت والے کو خرچ اپنی وسعت کے موافق کرنا چاہئے اور جس کی آمدنی کم ہو

رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا

اُسے چاہئے کہ اُسے اللہ نے جتنا دیا ہے اُس میں سے خرچ کرے اللہ کسی پر اس سے زیادہ بار نہیں ڈالنا چاہتا

مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ﴿٧﴾ ع ١ / ١٧ وَكَاَيِّنْ

جتنا اسے دیا ہے، اللہ تنگی کے بعد جلد فراغت بھی دے دے گا ف١٩ اور کتنی ہی

مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا

بستیاں ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار اور اُس کے پیمبروں کے حکم سے سرتابی کی، تو ہم نے اُن کا

ف١٤ گویا اس طرح وہ نفیاً و اثباتاً دونوں طرح مزے میں رہے گا — ایک طرف سلب مضرت "یُکَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ" دوسری طرف جلب منفعت یُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا۔ ذٰلِكَ۔ یعنی جو اُوپر مذکور ہو چکا۔ اشارة الی ما ذکر من الاحکام (روح) ف١٥ مثلاً کوئی ایسی بات کرنا کہ وہ پریشان ہو کر گھر چھوڑ دینے پر آمادہ ہو جائیں — عزم افتراق، بلکہ خود افتراق کے بھی مابعد شریعت کا حکم ہے کہ عدت بھر سابق بیوی کا اعزاز و اکرام برقرار رکھا جائے۔ اَسْكِنُوْهُنَّ۔ یعنی اُن مطلقہ بیویوں کو زمانہ عدت بھر رہنے کا مکان دو، عام اس سے کہ طلاق رجعی یا بائن ہو چکی ہو۔ وجب ذٰلک للجمیع من البائن و الرجعی (جصاص) مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ۔ مطلقہ کی سکونت کا مکان (عدت بھر کے لیے) شوہر کی حیثیت و مرتبہ کے لائق ہونا چاہیے۔ ف١٦ (خواہ وہ وضع حمل تین مہینہ کے اندر ہی ہو جائے، یا اس سے بہت زیادہ مدت لے) عام مطلقہ بیویوں کے لیے عدت کی میعاد معین تین مہینہ کی ہے لیکن بیوی اگر حاملہ ہے تو اس کی میعاد عدت وہی وضع حمل ہے۔ اولاد اگر دوسرے ہی دن پیدا ہو جائے تو عدت اسی وقت ختم ہو جائے گی۔ اور انتظار زچگی میں اگر چھ مہینہ لگ جائیں، جب بھی عدت ختم نہ ہوگی، قائم رہے گی۔ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ۔ مطلقہ بیویوں کی سکونت کے لیے مکان ہی دینا نہیں، بلکہ عدت بھر اُن کے کھانے پینے وغیرہ کے ضروری مصارف بھی شوہر کے ذمہ واجب ہیں — یہ ہیں اُس شریعت کے احکام جسے ظالموں نے "سخت" مشہور کر رکھا ہے۔ دنیا میں کوئی شریعت، میں بقسم کہتا ہوں کہ ہر مخلوق کے حق میں عدل کرنے والی، اور کمزوروں کے حق میں رحیم و شفیق اسلامی شریعت سے بڑھ کر نہیں مل سکتی۔ صحابیوں میں سے حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور فقہاء میں سے تمام حنفیہ اور بعض دوسرے ائمہ فقہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ مکان سکونت اور نفقہ ہر قسم کی مطلقہ کے لیے زمانہ عدت بھر کے لیے ہے۔ فقال اصحابنا و الثوری والحسن بن صالح لکل مطلقة السکنی و النفقة ما دامت فی العدة حاملاً کانت او غیر حامل وروی مثلهٗ عن عمرؓ و ابن مسعودؓ (جصاص) ف١٧ یعنی رضاعت کی اُجرت آپس میں مناسب شرح کے مطابق طے کر لیا کرو — یہ نہ ہو کہ عورت تو اپنی شرح بڑھاتی ہی چلے جائے، اور مرد اتنے کے لیے بھی تیار نہ ہو جس سے عورت اپنا گزر بھی کر پائے۔ یعنی لا تشط المرأة علی الزوج فی ما تطلبه من الاجرة ولا یقصر الزوج لها عن المقدار المستحق (جصاص) وَاْتَمِرُوْا۔ ائتمار باب افتعال سے ہے تفاعل کے معنی میں۔ گویا ایک لفظ سے فریقین کے باہمی مشورہ کی جانب اشارہ کر دیا۔ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ۔ یعنی جو اولاد تم سے ہو، اُس کی رضاعت کرنے کو تیار ہو جاؤ۔ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔ یعنی جو معاوضہ طے ہو جائے، اُسے حسب قرارداد دیتے رہو۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی قرارداد نہیں ہوئی ہے، تو اُجرت واجب نہ ہوگی۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب طلاق واقع ہو گئی، تو اب ماں کے لیے اپنی اولاد کی رضاعت پر اُجرت لینا جائز ہے۔ اور باپ (یا جو کوئی ولی ہو، اُس) پر اس اُجرت کا ادا کرنا واجب۔ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اہل طریق کے کام کی یہ بات نکالی ہے کہ انسان کو چاہیے نہ خود تنگی میں پڑے، نہ دوسرے کو تنگی میں ڈالے۔ جس سے اپنی یا دوسرے کی آزادی میں خلل پڑے۔ ف١٨ یہ تو ایک طبعی چیز ہوئی۔ لیکن فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں خبر بمعنی امر ہے۔ یعنی یہ محض خبر نہیں دی جا رہی ہے، بلکہ حکم دیا جا رہا ہے کہ دوسری اَنا تلاش کر لی جائے۔

ف١٩ اولاد پر خرچ کرنا بہت مرتبہ انسان کو اپنے حُبِ مال کی بناء پر گراں گزرتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض جاہلی اور "مہذب قوموں" نے اولاد پر خرچ کرنے کے مقابلہ میں اولاد کو قتل کر ڈالنا تک گوارا کر لیا ہے، وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ۔ قرآن مجید اس شجر خبیث کی جڑ بار بار کاٹتا ہے۔ لِيُنْفِقْ ...... اللّٰهُ۔ یعنی جو امیر ہیں وہ اپنی امارت کے لائق، اور جو غریب ہیں وہ اپنی بساط کے موافق، اولاد کی رضاعت و پرورش پر خرچ کرنے سے دریغ نہ کریں۔

حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸﴾ فَذَاقَتْ

سخت حساب کیا اور انہیں سزا بھی بڑی بھاری دی غرض انہوں نے اپنے

وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ﴿۹﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ

کرتوت کا وبال چکھا ف۲۰ اور اپنے انجام کار میں گھاٹا بھی اٹھایا اللہ نے اُن کے لئے

لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ ۚ

ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے ف۲۱ سو اللہ سے تقوای اختیار کئے رہو، اے سمجھ والو!

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿۱۰﴾ ۙ رَّسُوْلًا

جو ایمان لا چکے ہو ف۲۲ اللہ نے تمہارے پاس نصیحت نامہ اُتارا، (اور ایسا) رسول (بھیجا)

يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ

جو تم کو اللہ کے کھلے ہوئے احکام پڑھ کر سناتا ہے تاکہ اُن لوگوں کو جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ

ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے ف۲۳

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ

اور جو کوئی اللہ پر ایمان لائے گا، اور نیک عمل کرے گا اللہ اُسے ایسے باغوں میں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ

داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں، اُن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، بے شک

اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ

اللہ نے ایسے شخص کو بہت ہی اچھی روزی دی ہے ف۲۴ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان

سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ

پیدا کئے اور انہیں کی طرح زمین بھی ان (سب) میں (اللہ کے) احکام

ف۲۰ (اسی دنیا میں) دنیا میں کسی قوم پر عذاب آنے کے یہ معنٰی ہیں کہ خود وہ قوم یا اس کی تہذیب وتمدن مٹ جائیں۔ ف۲۱ یعنی آخرت میں ـــ اور یہ اُخروی عذاب اس دنیوی عذاب کے علاوہ ہے۔ ف۲۲ (کہ ایمان اور فہم دونوں کا تقاضہ یہی ہے) آج کی ''روشن خیال'' دنیا میں عقل وفہم کے معنٰی بھی مسخ ہو کر اور اُلٹ کر رہ گئے ہیں۔ اب کمال ''عقل'' کے معنٰی تمام تر آخرت فراموشی کے سمجھ لیے گئے ہیں۔ ف۲۳ جس طاعت وتقوای کی طرف ابھی دعوت دی گئی تھی، وہ یہی ہے کہ انسان کفر، جہل وعصیان کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں سے نکل کر ایمان، علم و عمل صالح کی نورانیت میں آجائے۔ ذِكْرًا رَّسُوْلًا۔ جائز ہے کہ ذکر سے مراد رسول اللہ ﷺ ہی سے لی جائے کہ آپ گویا مجسم ذکر وتذکیر تھے۔ اور رَسُوْلًا کو اس کا بدل قرار دیا جائے۔ هو النبی ﷺ عبر به عنه لمواظبته علٰی تلاوة القراٰن الذی هو ذکر او تبلیغه والتذکیر به و رسولا بدل منه (روح) رسولًا بدل من ذكرًا کانهٗ فی نفسه ذکر (مدارک) لیکن عام طور پر ذِكْرًا سے مراد قرآن ہی لی گئی ہے۔ والظاهر ان الذکر هو القراٰن والرسول هو محمد ﷺ (بحر) ای القراٰن (مدارک) رَسُوْلًا۔ کو جو بعض اہل نحو نے ذِكْرًا کی صفت بھی مانا ہے مرشد تھانوی ؒ نے اس ترکیب کے لحاظ سے فرمایا کہ اس سے دلالت دونوں کے اتحاد پر نکلی، اور جب یہ ہے تو اس سے یہ نتیجہ بھی نکلا کہ شیخ طریق جو واسطۂ ذکر ہوتا ہے اس سے مصاحبت ومکالمت منافی ذکر نہیں بلکہ گویا عین ذکر ہی ہے۔ ف۲۴ یہاں ایک بار پھر یقین دلا دیا کہ کسی کا حسنِ عمل اور دوام طاعت بے نتیجہ و بے ثمر ہرگز نہیں رہے گا۔

بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۙ

نازل ہوتے رہتے ہیں، تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے،

وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ ع

اور یہ کہ اللہ ہر شے (اپنے) علم سے گھیرے ہوئے ہے ف۲۵

اٰیاتها ۱۲ ٦٦ سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۷ رکوعاتها ۲

اس کی بارہ آیتیں | سورۂ تحریم مدینہ میں نازل ہوئی | اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ

اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے اُسے آپ کیوں حرام کر رہے ہیں،

مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱﴾

اپنی بیویوں کی خوشی حاصل کرنے کے لئے ف۱ اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحیم ہے ف۲

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ

اللہ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر کر دیا ہے ف۳ اور اللہ تمہارا کارساز ہے

وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰى بَعْضِ

وہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۴ اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب پیمبر نے ایک بات اپنی کسی

اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ

بیوی سے چپکے سے فرمائی پھر جب اُن بیوی نے وہ بات (کسی اور کو) بتلا دی اور اللہ نے پیمبر کو

عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا

اس کی خبر کر دی تو پیمبر نے اُس کا کچھ حصہ بتلا دیا، اور کچھ کو ٹال گئے ف۵ پھر جب

ف۲۵ یعنی حق تعالیٰ کی صفات قدرت وعلم ہر طرح کامل، جامع وہمہ گیر ہیں۔ وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ۔ اس سے عام طور پر یہ استدلال کیا گیا ہے کہ زمینیں بھی تعداد میں سات ہی ہیں۔ اور یہ احتمالات بھی مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ اور دوسرے محققین سے منقول ہیں، کہ ممکن ہے، یہ زمینیں ایسی ہوں جو نظر نہ آتی ہوں یا یہ کہ انہیں کو لوگ مریخ وغیرہ کواکب کے نام سے موسوم کرتے ہوں۔ اور صاحب روح المعانی نے جس کی تاریخ اختتام ۱۲٦۷ھ یا انیسویں صدی عیسوی کا وسط ہے، ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس سے مراد زمین کے سات بڑے خطے امریکہ، ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ ہیں۔ اور محقق موصوف نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ ممکن ہے کرۂ قمر وغیرہ کی مزید تحقیق کے بعد وہاں بھی زمین ثابت ہو۔ اور اس طرح زمینوں کے تعدد پر حس ومشاہدہ کی بھی گواہی ہو جائے۔ اس عاجز کے ذہن میں تو مثلیت کا اصل تعلق عدد سبع سے نہیں بلکہ فعل خلق سے ہے۔ یعنی یہ زمین یا زمینیں بھی آسمان ہی کی طرح مخلوق ہیں — اور یہ کہ ہر آسمان اور ہر زمین پر مخلوق بھی اُسی کے ماحول کے مناسب آباد ہے۔ اور دلی مسرت ہوئی، جب ان سطور کی تحریر کے بعد مثلیت کے متعلق یہی قول بعض تفسیروں میں بھی نظر پڑ گیا۔ **وقیل المثلية فی الخلق لا فی العدد ولا فی غیرہ** (روح) حدیث میں جو ان زمینوں کا اس زمین کے تحت میں ہونا وارد ہے، ممکن ہے وہ باعتبار بعض حالات کے ہو اور بعض حالات میں وہ زمین سے فوق ہو جاتی ہوں (تھانوی علیہ الرحمۃ) اس عاجز کے خیال میں تو یہ بھی آسانی سے ممکن ہے کہ مراد اسی زمین کی سات پرتوں یا سات تہوں سے ہو کہ اس سطح زمین کے نیچے ٦ پرت یا ٦ تہیں اور ہیں۔ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ۔ نزول احکام سے مراد احکام تشریعی کا نزول بھی ہو سکتا ہے اور احکام تکوینی کا بھی اور دونوں کے مجموعہ کا بھی۔ اسی نزول امر کا آسمانوں پر ملائکہ کے لیے ہوتے رہنا تو ظاہر ہی ہے اور تصرفات تکوینی کا اسی طرح ہر ممکن زمین پر ہوتے رہنا بھی اسی طرح ظاہر ہے۔ لِتَعْلَمُوٓا الخ۔ یعنی یہ علم تمہیں اس لیے دے دیا گیا، تاکہ تم کو حق تعالیٰ کی قدرت کامل اور علم محیط پوری طرح معلوم ہو جائے۔

ع ۱۸

ف۱ شانِ نزول کی دو مختلف روایتیں ہیں۔ دونوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیوی صاحبہ کی دلجوئی کے لیے عہد کر لیا تھا کہ فلاں نعمت سے آئندہ تمتع نہ کریں گے۔ یہ عمل اگرچہ بجائے خود بالکل جائز تھا۔ ہر مسلمان کو اختیار ہے کہ جس حلال چیز سے چاہے ہمیشہ کے لیے دستبردار ہو جائے اور دستبرداری کا اعلان بھی کر دے۔ لیکن یہ پیمبر کی شایانِ شان نہ تھا، اور وہ بھی ایک داعیِ ضعیف کی بناء پر۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہم رنگ عتاب ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہے کہ کسی حلال چیز کو حرام نہیں فرما رہے تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے بعد صرف وجوب امتناع میں وہ چیز مثل حرام کے ٹھہر رہی تھی، اس لیے تنبیہاً اُسے تحریم سے تعبیر کیا گیا۔ ف۲ (جو معصیت تک کو معاف کر دیتا ہے اور پھر یہ عمل تو معصیت کے درجہ کا ہے بھی نہیں، صرف خلافِ عزیمت اور خلافِ شانِ پیمبری ہے) ف۳ (تو آپ اگر قسم بھی کھا چکے ہیں، تو کفارۂ حلف دے کر اس سے آزادی حاصل کر سکتے ہیں) روایتوں میں حضرت انس بن مالک کے حوالہ سے آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ میں ایک غلام آزاد فرمایا۔ لَكُمْ …… اَيْمَانِكُمْ۔ ابھی خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے انفراداً تھا۔ معاً اب اُمت سے بصیغۂ جمع مخاطب ہونے لگا۔ ف۴ (جس نے اپنے علم وحکمت سے کام لے کر تمہاری ضرورتوں اور مصلحتوں کا خیال کر کے دشواریوں کو تمہارے لیے آسان کر دیا ہے) ف۵ یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوج مبارک سے کوئی بات مصلحتاً رازدارانہ ارشاد فرمائی تھی، اور منشائے مبارک یہ تھا کہ پھیلنے نہ پائے۔ لیکن اُن بیوی صاحبہ نے وہ بات ایک دوسری بیوی صاحبہ تک پہنچا دی۔ اور اِدھر بذریعۂ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کل واقعہ کی اطلاع کر دی گئی۔ تو پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پہلی بیوی صاحبہ سے اس شکایت کے وقت بھی پوری بات نہ دُہرائی کہ انہیں شرمندگی اور زیادہ ہوتی، بلکہ صرف ابتدائی جزو فرمایا کہ تم نے ہماری آپس کی بات کو دوسری تک بلا اجازت کیوں پہنچا دیا — کیا ٹھکانہ ہے رسول کے حلم اور کرم وشفقت کا، کہ عین ناگواری کے وقت بھی دوسروں کے جذبات کا اس درجہ خیال! نَبَّاَتْ بِهٖ۔ یعنی اُن بیوی صاحبہ نے اس بات کو ایک دوسری بیوی صاحبہ تک پہنچا دیا۔ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ یعنی حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس ساری کارروائی کو اپنے رسول پر کھول دیا۔

نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ

پیمبر نے اُن بیوی کو وہ بات بتلا دی تو وہ بولیں کہ آپ کو کس نے اس کی خبر دی؟ آپ نے کہا مجھے خبر دی

الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۳﴾ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ

ہر علم رکھنے والے اور ہر خبر رکھنے والے نے ف۶ اے دونوں (بیویو) اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو تمہارے دل (اسی طرف)

قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ

مائل ہو رہے ہیں ف۷ اور اگر پیمبر کے مقابلہ میں تم کارروائیاں کرتی رہیں، تو پیمبر کا رفیق تو اللہ ہے

وَ جِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ بَعْدَ

اور جبریل ہیں اور نیک مسلمان ہیں اور اُن کے علاوہ فرشتے

ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ ﴿۴﴾ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ

مددگار ہیں ف۸ (اور) اگر پیمبر تمہیں طلاق دے دیں تو اُن کا پروردگار تمہارے عوض انہیں

اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ

تم سے بہتر بیویاں دے دے گا، اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرمانبرداری کرنے والیاں

تٰٓىِٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓىِٕحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ﴿۵﴾

توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں، شوہر دیدہ بھی اور کنواریاں بھی ف۹

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا

اے ایمان والو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے

وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىِٕكَةٌ غِلَاظٌ

جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں ف۱۰ اُس پر تندخو بڑے مضبوط فرشتے (مقرر)

شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا

ہیں وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو وہ اُن کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے

ف۶ (یعنی حق تعالیٰ نے) قرآن مجید ہی کی طرح رسول اللہ ﷺ کی بات بات میں تعلیم، تربیت واصلاح کے پہلو موجود ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ بیوی صاحبہ کے پوچھنے پر جھٹ سے یہ نہیں فرما دیتے کہ "خبر دیتا کون" کیا خود مجھے کشف سے، الہام سے، وحی سے، فرشتوں کے ذریعہ سے نہیں معلوم ہو سکتا"۔ بلکہ اپنے کسی کمال کی طرف اشارہ کیے بغیر اس علم کو منسوب تمام تر حق تعالیٰ کی جانب کر دیتے ہیں! مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس علم کو تمام تر حق تعالیٰ کی جانب منسوب کر دینے میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ بیوی صاحبان توبہ ورجوع کی طرف متوجہ اور زیادہ ہوں۔ ف۷ (کہ آپ ﷺ کا دل دوسری بیوی صاحبوں کی طرف سے ہٹا کر بالکل اپنا بنا لیں) یہ امر باعتبار اس کے کہ اس کا اصل مقتضیٰ حُبِّ رسول وحُبِّ شوہر ہے، قبیح نہیں۔ لیکن چونکہ اس کا ایک دوسرا پہلو دوسروں کے حقوق کا اتلاف بھی ہے، اس لیے اس سے توبہ کرانا ضروری قرار پایا۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۸ (تو ایسے شخص کو کسی کی سازشوں سے گزند کیا پہنچ سکتا ہے، نقصان جو کچھ ہوگا خود سازش کرنے والوں کا ہوگا) فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ۔ یہ حق تعالیٰ کی رفاقت اپنے رسول ﷺ کے ساتھ تو حقیقی و اصلی ہے۔ وَ جِبْرِیْلُ۔ یہ جبریل علیہ السلام کی رفاقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس معنیٰ میں ہے کہ وہی تو واسطہ وحی وفیض، حق تعالیٰ اور رسول ﷺ کے درمیان ہیں۔ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ مؤمنین صالحین کی رفاقت اس معنیٰ میں ہے کہ وہ سب رسول ہی کے تو مطیع ومخلص وتابع ہیں۔ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ۔ عام فرشتوں کی رفاقت اس معنیٰ میں ہے کہ تصرفات تکوینی سب انہیں کے واسطے تو ہوتے ہیں۔ بَعْدَ ذٰلِكَ۔ جیسے اُردو محاورہ میں کہتے ہیں کہ "اس کے علاوہ"۔ یعنی حضرت حق اور جبرئیل اور مؤمنین صالحین تو ان رسول کے رفیق و شریک ہی ہیں، ان کے علاوہ عام فرشتے بھی اُن کی رفاقت ونصرت پر رہتے ہیں۔ ف۹ (غرض سیرت کے اعتبار سے ہر طرح کامل ومکمل) تو ایسے مرد کو کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ وچار وناچار موجودہ ہی بیویوں کو غنیمت سمجھتا رہے۔ خَیْرًا مِّنْكُنَّ۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس وقت بھی ان بیویوں سے کوئی بہتر بیوی موجود تھی۔ بلکہ صرف اتنا ہے کہ اگر تبدیلی واقع ہوتی تو اللہ تعالیٰ اُن نئی بیویوں کو ان موجودہ بیویوں سے بہتر بنانے پر قادر تھا۔ سٰٓىِٕحٰتٍ۔ محققین نے یہاں بھی اس کے معنیٰ السائحون ہی کی طرح روزہ داروں کے لیے ہیں۔ ای صائمات (راغب) ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا۔ شوہر کو مرغوب وپسندیدہ ہر حال اور ہر صورت میں کنواریاں اور کم سنیں ہی نہیں ہوتیں، بلکہ بعض صورتوں میں اور بعض اعتبارات سے بیوہ یا مطلقہ ہی محل رغبت وپسند ہو سکتی ہیں اس لیے موقع رغبت پر اُن کا ذکر بھی فطرت بشری کے خالق وراز دار نے نظر انداز نہیں کیا۔ ف۱۰ احکام الٰہی کی تعمیل خود کرنا، اور گھر والوں میں بقدر امکان ان احکام کی تبلیغ کرنا اور ان کی تعمیل کرانا، یہی دوزخ سے اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو بچانا ہے۔ اَهْلِیْكُمْ۔ اهل۔ کے تحت میں انسان کے سارے ہی متعلقین، متوسلین آگئے۔ بیوی، بچے، ملازم، رعایا، شاگرد، مرید وغیرہ۔ ان سب تک بقدر وسعت و امکان احکام الٰہی پہنچانا واجب ہے۔ یدل علی ان علینا تعلیم اولادنا و اهلینا الدین والخیر وما لا یستغنی عنه من الأداب و یدل علی ان الاقرب فالاقرب منا مزیدة فی لزومنا تعلیمهم و امرهم بطاعة الله (جصاص) اہل فہم یہاں خوب سمجھ لیں، کہ احکام کے اتباع واطاعت سے جب پیمبر معصوم تک کے گھر والوں کو مفر نہیں، تو پھر کسی بزرگ کسی شیخ کی اولاد یا اعزہ کا اپنے کو اس پابندی سے مستثنیٰ سمجھے رہنا کتنا بڑا حمق ونادانی ہے۔ الْحِجَارَةُ۔ اس پر حاشیہ سورۃ البقرۃ (پ۱) رکوع ۳ میں گزر چکا ہے۔

يُؤْمَرُوْنَ ﴿٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا

اے (فوراً) بجا لاتے ہیں ف۱۱ اے کافرو آج کچھ عذر معذرت

الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧﴾ يٰٓاَيُّهَا

مت کرو تمہیں سزا بس اسی کی مل رہی ہے جو تم کرتے رہے ہو ف۱۲ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى

ایمان والو، اللہ کے آگے سچی توبہ کرو عجب کیا

رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ

کہ تمہارا پروردگار (اس سے) تمہارے گناہ تم سے دور کردے اور تمہیں باغوں میں داخل کردے

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ

جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہیں (اُس دن) جس دن اللہ نہ نبی کو رسوا

النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ

کرے گا اور نہ اُن لوگوں کو جو اُن کے ساتھ ایمان لائے ہیں ف۱۳ اُن کا نور دوڑ رہا ہوگا

اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا

اُن کے سامنے اور اُن کے داہنے (اور) وہ کہتے جاتے ہوں گے اے ہمارے پروردگار ہمارے لیے اس نور کو اخیر تک

وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٨﴾ يٰٓاَيُّهَا

رکھیو، اور ہماری مغفرت کریئو، بے شک تُو تو ہر چیز پر قادر ہے ف۱۴ اے

النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ

نبی آپ جہاد کیجیے کافروں سے اور منافقوں سے اور اُن پر سختی کیجیے

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٩﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ

اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے ف۱۵ اللہ اُن لوگوں کے لئے

ف۱۱ عمل یا زبان سے نافرمانی تو کیا کرتے، دل تک میں اس کا خیال نہیں لاتے ہیں۔ لَا...... يُؤْمَرُوْنَ۔ آیت کے اس جزو سے دہری دہری گمراہیوں کی تردید ہو رہی ہے — ایک طرف تو اُن جاہلی مشرک قوموں کی جنھوں نے ملائکہ کو (دیوتاؤں کا لقب دے کر) معبود سمجھا ہے۔ انہیں بتایا گیا کہ فرشتے بھی تمام دوسری مخلوقات کی طرح اللہ کے مخلوق ہی ہیں، اور مخلوق بھی کیسے، نہایت درجہ مطیع اور دوسری طرف یہود اور نصاریٰ کے اس باطل عقیدہ کی کہ بعض فرشتے نافرمان وسرکش بھی ہوئے ہیں جن کا سرغنہ وسرخیل ابلیس ہوا ہے۔ غِلَاظٌ شِدَادٌ۔ ایسے سخت و درشت کہ نافرمانوں اور مجرموں پر رحم کرنا جانتے ہی نہیں، اور ایسے زبردست وپرقوت کہ کوئی اُن سے مزاحمت پر قادر نہیں۔ ف۱۲ (دار العمل یعنی دنیا میں) لَا تَعْتَذِرُوا۔ اب عذر و معذرت نہ کرو، دار الجزاء میں یہ سب بیکار ہے — یہ اُس وقت کہا جائے گا، جب منکرین دوزخ میں ڈالے جا رہے ہوں گے۔ ف۱۳ محققین نے لکھا ہے کہ مقصود صرف مومنین کو اطمینان دلانا اور مژدۂ امن سنانا ہے، پیمبر ﷺ کا ذکر اس سیاق میں تو محض تقویت اثبات کے لیے ہے۔ یعنی جس طرح پیمبر ﷺ کا محفوظ رہنا یقینی ہے، مومنین اُمت بھی اپنی محفوظیت یقینی سمجھیں۔ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ سچی اور مخلصانہ توبہ کی علامت یہ ہے کہ ماضی پر دل سے اور کامل ندامت ہو، اور مستقبل میں بقدر امکان پورا عزم ترک معصیت کا ہو۔ اى توبة بالغة فى النصح (کبیر) لَا يُخْزِى اللّٰهُ۔ خزی سے یہاں مراد وہ رسوائی ہے جو کفر ہی کی جزاء ہے۔ ف۱۴ (تیرے لیے ہماری آرزوؤں کو پورا کرنا اب کیا مشکل ہے) نُوْرُهُمْ...... بِاَيْمَانِهِمْ۔ یہ اُس وقت ہوگا جب اہل ایمان پل صراط سے گزر رہے ہوں گے۔ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ نہ ہو کہ ہمارا نور منافقین کی طرح راستہ ہی میں بجھ کر رہ جائے۔ يَقُوْلُوْنَ...... قَدِيْرٌ۔ بعض علماء محققین نے عالم آخرت کی اس دعاء سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بندہ کی حاجتمندی اور عبودیت کسی حال اور کسی عالم میں بھی اس سے زائل نہ ہوگی۔ ف۱۵ بلحاظ انجام آخرت دونوں کا ٹھکانہ ایک ہی ہے۔ جہنم دونوں کے لیے مشترک ہے۔ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ۔ نفس جہاد یا جہد شدید تو کافروں اور منافقوں دونوں کے حق میں عام ہے، البتہ یہ حسب موقع و مصلحت ہونا چاہیے۔ کافروں کے مقابلہ میں تو یہ جہاد، قتال و غزاء کے معنی میں ہتھیاروں سے ہوگا۔ اور منافقین کے مقابلہ میں زبان سے۔ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ سختی، مضبوطی، ثابت قدمی، کافروں اور منافقوں دونوں کے مقابلہ میں لازمی ہے۔ فيه الدلالة على وجوب الغلظة على الفريقين من الكفار والمنافقين و نهى عن مفازتهم و معاشرتهم (جصاص) کہاں ہماری شریعت کے یہ احکام، اور کہاں ہمارا یہ عمل کہ ہر "ترقی یافتہ" و "مہذب" غیر مسلم کی وضع لباس، زبان، معاشرت کی تقلید پر ٹوٹے پڑتے ہیں، اور اس کو اپنے لیے باعث فخر و کمال خیال کر رہے ہیں!

مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ

جو کافر ہیں مثال بیان کرتا ہے و١٦ نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی

كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ

وہ دونوں ہمارے (خاص) صالح بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں،

فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ

لیکن انہوں نے اُن کے حق ضائع کئے، تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلہ میں اُن کے ذرا کام نہ آسکے، اور دونوں

ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿١٠﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا

عورتوں کو حکم ملا کہ تم بھی دوزخ میں داخل ہو اور داخل ہونے والوں کے ساتھ و١٧ اور اللہ اُن لوگوں کے لئے جو

لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ

مومن ہیں مثال بیان کرتا ہے و١٨ فرعون کی بیوی کی، جبکہ انہوں نے دعا کی کہ اے پروردگار

لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ

میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنا دے، اور مجھ کو فرعون اور اُس کے عمل (کے اثر) سے

وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١١﴾ وَ مَرْيَمَ

بچا دے اور مجھے ظالم لوگوں سے بھی بچا دے و١٩ اور (دوسری مثال بیان کرتا ہے)

ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا

مریم بنت عمران کی جنہوں نے اپنے ناموس کو محفوظ رکھا، تو ہم نے اُن (کے چاک گریبان) میں

فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا

اپنی روح پھونک دی، اور انہوں نے اپنے پروردگار کے پیاموں کی اور اس کی کتابوں کی

وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿١٢﴾ ع

تصدیق کی و٢٠ اور وہ اطاعت کرنے والوں میں سے تھیں و٢١

و١٦ (یہ ظاہر کرنے کو کہ کسی صالح یہاں تک کہ پیمبر سے محض مادّی وطبعی تعلق وانتساب بلا ایمان اور اپنی سعی اصلاح کے ہرگز کافی ومفید نہیں) و١٧ (اپنے کفر کی پاداش میں) امْرَاَتَ نُوْحٍ۔ حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر تو بار بار اور آپ کے نافرمان لڑکے کا ذکر ایک بار پہلے گزر چکا ہے۔ اب یہ معلوم ہوا کہ آپ کی رفیقِ حیات بھی مومن نہیں بلکہ کافرہ تھی۔ امْرَاَتَ لُوْطٍ۔ حضرت لوط پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ آپ کی ان کافر بیوی کا ذکر بھی دوبار سورۃ الاعراف (پ ٨) اور سورۃ ہود (پ ١٢) میں آچکا ہے۔ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ۔ یعنی وہی حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام — پیمبر تک حق تعالیٰ کی نظر میں صرف "عبد صالح"! نہ اوتار، نہ مظہرِ خدا، نہ سایۂ خدا! تَحْتَ عَبْدَيْنِ لفظ تحت سے صاف اشارہ اس طرف ہوگیا کہ بیوی شوہر کی ماتحت ہی ہوتی ہے۔ فَخَانَتٰهُمَا۔ سب سے بڑا حق یہی ضائع کیا کہ اپنے اپنے شوہروں کی نہ نبوت کی تصدیق کی، نہ اُن پر ایمان لائیں۔ قِيْلَ ...... الدّٰخِلِيْنَ۔ یعنی جس طرح اور سارے کافر دوزخ میں جھونکے جاتے ہیں، تم بھی وہیں جلو مرو، تم میں اور عام کافروں میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔ و١٨ (یہ ظاہر کرنے کو کہ اپنا ایمان اور اپنی صالحیت بالکل کافی ہیں۔ اور جب یہ موجود ہوں، تو پھر کسی غیر مؤمن سے مادّی تلبث یا انتساب راہ فلاح میں ہرگز حائل نہیں ہوسکتا) و١٩ یعنی ان کافروں کے شر سے، اور ان کے ضرر حسی اور معنوی سے۔ امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ۔ فرعون موسوی پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ زوجہ فرعون سے مراد حضرت بی بی آسیہ ہیں، جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شیر خوارگی کے زمانہ میں دریائے نیل سے نکال کر اُن کی پرورش کی تھی۔ حاشیہ اُن پر بھی گزر چکا۔ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ۔ یعنی اے پروردگار، کہیں فرعون اور اُس کے اعمالِ کفر کا وبال میرے اُوپر نہ پڑنے لگے! آیت سے معلوم ہوا کہ ہر بلا ومصیبت سے اپنی نجات دنیوی واُخروی کے لیے حق تعالیٰ سے دعا ومناجات کرتے رہنا سیرت صالحین میں سے ہے۔ و فيه دليل على ان الاستعاذة بالله والالتجاء اليه و مسئلة الخلاص منه عندالمحن والنوازل من سيرالصالحين (مدارک) مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالمین یہاں بھی کافرین کے مرادف ہے، اے الکافرین (معالم) و٢٠ (یہ ظاہر کرنے کو، کہ جب اپنے میں ایمان وصالحیت موجود ہوں، تو پھر کسی صالح سے عدم تعلق وانتساب مضر نہیں) مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ۔ حاشیے سورۂ آل عمران (پ ٣) اور سورۂ مریم (پ ١٦) میں گزر چکے۔ فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ یہ نفخ روح بواسطہ فرشتہ جبرئیل علیہ السلام کے ہوا تھا۔ اس نفخ روح پر حاشیے سورۂ آل عمران (پ ٣) وغیرہ میں گزر چکے۔ فِيْهِ ضمیرہ جسم مریم علیہا السلام کی جانب بھی ہوسکتی ہے، اور گریبان مریم علیہا السلام کی جانب بھی، اور خود حمل مریمؑ کی جانب بھی۔ و ضمير فيه للفرج و جوز في ضمير فيه رجوعه الى الحمل (روح) رُوْحِنَا۔ روح کی اضافت حق تعالیٰ نے اپنی جانب اُس کے اظہارِ عظمت کے لیے کی ہے۔ والاضافة للتشريف والمراد من روح خلقناه بلا توسط اصل (روح) صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ۔ یہ تصریح آپ کے ایمان اور عقائد کی ہوئی — آپ مؤمنہ وعارفہ اور اُس وقت تک کی کتب آسمانی (توریت وغیرہ) کی تصدیق کرنے والی تھیں۔ نعوذ باللہ خود کسی معنی میں مدعیٔ الوہیت یا شریک الوہیت نہ تھیں — پوری تردید مسیحیوں کے غلو کی ہوگئی۔ و٢١ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ۔ یہ تصریح آپ کے حسن اعمال کی ہوئی — آپ نعوذ باللہ کسی طرح کی بدکار نہ تھیں۔ یہ پوری تردید یہود کے ناپاک افتراؤں اور گندے الزاموں کی ہوگئی۔ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا۔ کلمات رب سے مراد شرائع الٰہی بھی لی گئی ہیں۔ یعنی مریم صدیقہ نے عملاً بھی تمام حقائق دین کی تصدیق کی۔ وقال ابو على القارى الكلمات الشرائع التى شرع لهادون القول فكان المعنى صدقت الشرائع و اخذت بها (کبیر)

بحمد اللہ! آج جمعہ ٢٣ جنوری ١٩٤٨ء (مطابق ١٠ ربیع الاول ١٣٦٧ھ) کو بعد نماز جمعہ اس اٹھائیسویں پارہ کی نظر ثانی سے فراغت پائی۔ نظر ثالث یوم شنبہ ٢٨ اکتوبر ١٩٥٠ء، مطابق ١٤ محرم الحرام ١٣٧٠ھ کو ختم ہوئی۔

ایاتھا ۳۰ ۶۷ سُوْرَۃُ الْمُلْکِ مَکِّیَّۃٌ ۷۷ رکوعاتھا ۲

اس کی تیس آیتیں ہیں سورۂ ملک مکہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ ز وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ ۝١ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَ ھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ ۝٢ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ لا ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝٣ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ ھُوَ حَسِیْرٌ ۝٤ وَ لَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَ جَعَلْنٰھَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابَ

بڑا عالی شان ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں (ساری) حکومت ہے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے ف۱ وہ وہی ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ عمل میں کون بہتر ہے ف۲ اور وہ بڑا زبردست ہے، بڑا مغفرت والا ہے ف۳ جس نے سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کر دیئے تو (خدائے) رحمن کی صنعت میں کوئی فتور نہ دیکھے گا سو تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟ پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ (ہی آخر) ذلیل، درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی ف۴ ہم نے بے شک قریب کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے اور ہم نے اُن کے لئے دوزخ کا عذاب بھی

ف۱ ملکیت اور قدرت دونوں اسی ذات واحد کی کامل اور غیر مشترک ہیں — کلمۂ ملک میں خود ہی یہ مفہوم آگیا تھا۔ آیت کے دوسرے جزء نے اور زیادہ تصریح وتاکید کردی۔ بعض محققین سے یہ نکتہ بھی منقول ہے کہ بادشاہت اور حکومت عموماً محل موجود اور کیفیت حاضر تک محدود سمجھی جاتی ہے۔ قدرت اس کے مقابلہ میں عام ووسیع ہے تو آیت کے جزء ثانی نے یہ صاف کردیا کہ صرف موجودات ہی کی بادشاہت وحکومت نہیں بلکہ سارے آیندہ ممکنات پر بھی حق تعالیٰ کی ملکیت اور قدرت اسی طرح وسیع ہے۔ بِیَدِہٖ۔ ید کے لفظی معنی ہاتھ کے ہیں، لیکن یہاں مراد اس کے مجازی معنی قبضہ یا تصرف کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ خود اردو میں بھی ایسے موقع پر "ہاتھ" سے مراد یہ جسمانی عضو نہیں۔ بلکہ قبضہ، اختیار، ملک وتصرف ہی ہوتی ہے۔ اور حکومت یا بادشاہت کسی بھی بادشاہ کے "ہاتھ" میں نہیں بلکہ ملک وتصرف ہی میں ہوتی ہے۔ اس لئے آیت میں یَدْ کے مجازی معنی حق تعالیٰ کے اعتبار سے نہیں، بلکہ الْمُلْکُ ہی کے لحاظ سے کرنا پڑے۔ الْمُلْکُ۔ ال استغراق کا ہے یعنی جو کچھ بھی ہے تصور میں آسکے یا نہ آسکے سب اسی کا مملوک ومحکوم ہے۔ ملک وقدرت ان دونوں صفات میں مشرک قوموں کو بڑی ٹھوکریں لگی تھیں، قرآن مجید اسی لئے اس کثرت سے ان کا اثبات حق تعالیٰ کے حق میں کرتا ہے۔

ف۲ اور اسی کے لحاظ سے آخرت میں جزاء وسزا دے گا۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ۔ یہاں یہ بتا دیا کہ خود موت وزندگی بھی تمام دوسری ایجابی وسلبی مخلوقات کی طرح حق تعالیٰ کی مخلوق ہی ہیں۔ کوئی دیوی دیوتا نہیں، جیسا کہ بہت سی جاہلی قوموں نے سمجھ رکھا ہے۔ خَلَقَ الْمَوْتَ۔ موت عدم محض یا فقط سلب حیات کا نام نہیں، جیسا کہ بعض جاہلی فلاسفہ نے خیال کیا ہے، ایک مستقل وجودی مخلوق ہے۔ واستدل بھٰذہ الآیۃ من قال ان الموت امر وجودیّ لانہ مخلوق (ابن کثیر) والموت علٰی ماذھب الیہ الکثیرون من اھل السنۃ صفۃ وجودیّۃ تضاد الحیٰوۃ (روح) قال اصحابنا انہ صفۃ وجودیۃ مضادۃ للحیاۃ (کبیر) یہود کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ صرف حیات حق تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے باقی موت تو شیطان نے نافرمانی کرکے پیدا کرادی ہے۔ آیت سے اس اعتقاد کی تصحیح بھی مدنظر ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ۔ حیات۔ کا محل عمل یا ظرف عمل ہونا تو بالکل ظاہر ہی ہے۔ یہ مہلت اور موقع اگر نہ حاصل ہو تو انسان اچھا برا عمل کرے ہی کس وقت۔ اور موت حسنِ عمل کے لئے بمنزلۂ شرط ہے۔ موت کے مشاہدہ سے دنیا کے فانی ہونے کا۔ اور آخرت کے اعتقاد سے وہاں کے اجر کا اگر یقین نہ ہو تو انسان حسنِ عمل کے لئے کوشش ہی کیوں کرے۔

ف۳ (جس کو چاہے بلا معاوضہ اور بلا کفارہ معاف کردے اور جس حسن عمل پر جتنا چاہے اجر دے ڈالے) الْعَزِیْزُ۔ ہر جزاء وسزا پر قادر۔ عقاب وثواب دونوں اس کے اختیار میں۔

ف۴ (اے مخاطب!) آیت سے مقصود آسمانوں کی تعداد یا ہیئت یا جمود وغیرہ کا بیان کرنا نہیں بلکہ مقصود حق تعالیٰ کا فاطر کائنات کے کمال صناعی وصنعت گری کا اظہار ہے۔ آسمان، اس کی ماہیت وحقیقت جو کچھ بھی ہو۔ بہر حال حسن صنعت کا بہترین وکامل ترین نمونہ ہے، ہر عیب، ہر نقص سے پاک، تو جب اس مخلوق اعظم کا یہ حال ہے تو اور ساری مخلوق اس سے تو فروتر ہی ہے۔ ان کا اتنا مرتب ومحفوظ اور حسین وجمیل رکھنا اس کے لئے کیا دشوار ہے۔ آیت منکرین صنعت باری کے لئے ایک چیلنج ہے کہ ہر مخلوق کو چھان بین کرکے خوب غور سے دیکھ لیں کسی میں کوئی بات خلاف حکمت نہ پائیں گے۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ۔ محققین نے کہا ہے کہ یہ پہلی نظر عوام کی ہے، جو صرف وجود اور حسن ظاہر دیکھ کر کمال صانع کے قائل ہو جاتے ہیں۔ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ۔ اہل نظر نے کہا ہے کہ یہ دوسری نظر اہل نظر واہلِ حکمت کی ہے۔ جو ہر ہر مخلوق کے مصالح کو دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ جو نظم تکوینی موجود ہے اس سے بہتر ہونا محال تھا اور اس پر مجال حرف گیری نہیں۔ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ۔ عارفین نے کہا ہے کہ یہ تیسری نظر خواص اہل حق کی ہے جو اپنی نظر سے خود نادم ہو کر اپنے عجز وجہل کے معترف ہوتے ہیں۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ۔ امر فارجع تکلیفی وتشریعی نہیں تعجیزی ہے یعنی تم دیکھ لو، تجربہ کرلو، آخر خود ہی تھک جاؤ گے۔ کَرَّتَیْنِ صیغہ تثنیہ یہاں محض اظہار تعدد کے لئے ہے دو کا متعین عدد مراد نہیں۔ والمراد بالتثنیۃ التکریر والتکثیر کما فی لبیک وسعدیک (بیضاوی)

السَّعِيْرِ ۝۵ وَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ

تیار کر رکھا ہے ف۵ اور جو لوگ اپنے پروردگار سے کفر کرتے ہیں اُن کے لئے دوزخ کا عذاب ہے

وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۶ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا

اور وہ (بہت ہی) برا ٹھکانا ہے اُس میں جب یہ لوگ ڈالے جائیں گے تو اُس کی (بڑی) زور کی گرج سنیں گے

وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝۷ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا

اور وہ اس طرح جوش مار رہی ہوگی کہ گویا ابھی غصہ سے پھٹنے کو ہے، جب جب اُس کے اندر کوئی

فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝۸ قَالُوْا بَلٰى قَدْ

گروہ (کافروں کا) ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ اُن لوگوں سے پوچھیں گے، کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا ف۶ وہ کہیں

جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ۬ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚۖ

گے کیوں نہیں، ضرور ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا، لیکن ہم نے اُس کو جھٹلایا اور کہا کہ خداوند نے کچھ بھی نازل نہیں کیا،

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝۹ وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ

تم خود ہی ایک بڑے خبط میں پڑے ہوئے ف۷ اور (یہ بھی) کہیں گے کہ ہم اگر سن لیتے یا عقل ہی سے کام لیتے

مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۱۰ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ

تو ہم اہلِ دوزخ میں سے نہ ہوتے ف۸ غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے

فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۱۱ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ

سو لعنت ہے اہلِ دوزخ پر بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے

رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۱۲ وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ

بے دیکھے ڈرتے ہیں اُن کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے ف۹ اور تم لوگ (خواہ) چھپا کر کہو

اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۳ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ

یا پکار کر کہو وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب آگاہ ہے کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے

ف۵ شیطانوں کے لئے عذاب جہنم کا تیار رہنا ایک معلوم ومعروف مسئلہ ہے۔ بِمَصَابِيْحَ۔ مصابیح" سے مراد ستاروں کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ وھی الکواکب التی وضعت فیھا من السیارات والثوابت (ابن کثیر) وَ...... بِمَصَابِيْحَ۔ ستاروں سے ایک بڑی غرض آسمانِ دنیا کی زینت وآرائش ہے، یہ قرآن مجید میں پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ وَ...... لِلشَّيٰطِيْنِ۔ ستاروں کے رجم شیاطین پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ سورۃ الحجر (پ۱۴) سورۃ الصافات (پ۲۳) وغیرہ میں۔ آیت کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ بجنسہٖ کوئی ستارہ ہی شیطان کو پھینک مارا جاتا ہو، بلکہ جیسا صاحب تفسیر عزیزی نے لکھا ہے ممکن ہے کہ ملائکہ اجزاء ہوا اور بخارات کو ستاروں سے روشن کر کے شیطانوں پر مارتے ہوں۔ ف۶ (جس نے تم کو اس عذاب سے ڈرایا ہو؟) كُلَّمَآ ...... نَذِيْرٌ۔ دوزخ میں کافروں کے مختلف گروہ اپنے اپنے مرتبۂ کفر کے لحاظ سے ڈالے جائیں گے۔ یہ سوال ہر نئے گروہ سے ہوگا۔ فرشتوں کے سوال کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ شدید عذاب تو ایسی چیز تھی کہ تمہیں اس کی خبر اگر بدرجۂ احتمال پہنچتی، جب بھی تمہیں اس سے اپنے کو بچانا واجب تھا تو کیا ایسے ہولناک انجام کی تمہیں سرے سے خبر ہی نہیں پہنچی تھی؟ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ۔ یہ فقرہ جہنم کے جوش وخروش کی بے انتہا شدت ظاہر کرنے کو ہے۔ ف۷ (کہ وحی اور ثبوت اور آخرت وغیرہ کے ڈھکوسلوں میں پڑے ہوئے ہو) قَالُوْٓا ...... نَذِيْرٌ۔ منکرین حشر اب دوزخ میں پہنچ کر اقبال کریں گے کہ منذرین کی آواز کانوں میں پڑنا کیسا پوری کی پوری تعلیم ہم تک پہنچ چکی تھی، یہ شامت تو ہماری خود ہی تھی کہ ہم ڈھٹائی کیساتھ پیمبروں کی تکذیب کرتے اور الٹا انہیں کو خبطی قرار دیتے رہے، اِنْ...... كَبِيْرٍ۔ آج ہمارے "روشن خیالوں" اور عقلیین کا جو فتویٰ اہل مذہب کے متعلق ہے، وہ کیا اس سے کچھ بہت مختلف ہے؟ ف۸ منکرین اب اعتراف کریں گے کہ یہ توحید، رسالت وآخرت کے عقائد تو ایسے کھلے ہوئے اور عقلِ سلیم کے اس قدر مطابق تھے کہ ہم نے خود ہی اگر اپنی عقل ودماغ سے کام لیا ہوتا تو انہیں نتیجوں تک پہنچ جاتے، چہ جائیکہ جب راست باز متدین یقین دلانے والے اس کا یقین دلا رہے تھے ہماری شامت کی انتہاء تھی کہ پھر بھی ہم انکار ہی پر تلے رہے۔ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ۔ نسمع سے مراد دلیل سمعی اور طریق تقلید لی گئی ہے۔ اَوْ نَعْقِلُ۔ نقل سے مراد دلیل عقلی اور طریق تحقیق لی گئی ہے۔ ف۹ (جس کا ظہور کامل آخرت میں ہوگا) يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ۔ یہی خشیتِ الٰہی ہی تو ہے جو انہیں ایمان وطاعت کی طرف لاتی ہے۔ بِالْغَيْبِ۔ ایمان بالغیب کی طرح یہ خشیت بالغیب کی بھی تصریح اس امر کو ظاہر کر دیتی ہے کہ کسی کا مرتبہ ایمان وخشیت جس درجہ کا بھی ہو، بہرحال کوئی نہ کوئی درجۂ غیب ان کے لئے بھی باقی رہے گا۔ یہ شہود کامل اس عالمِ ناسوت میں بشر کے لئے ممکن نہیں۔

خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾ ع هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ

پیدا کیا ہے؟ وہ تو (بڑا ہی) باریک بین اور (پورا) باخبر ہے ف۱۰ وہ وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے

الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِىْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ

مسخر کر دیا تو تم اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اللہ کی (دی ہوئی) روزی میں سے کھاؤ (پیو)

وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِى السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ

اور اسی کے پاس زندہ ہو کر جانا ہے۔ ف۱۱ کیا تم اس سے نڈر ہو گئے ہو کہ جو آسمان میں ہے، وہ کہیں تم کو زمین میں

بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِىَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ لا اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِى السَّمَآءِ

دھنسا نہ دے اور وہ تھرتھرانے لگے؟ ف۱۲ کیا تم اس سے نڈر ہو گئے ہو کہ جو آسمان میں ہے

اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ

وہ تمہارے اوپر ہوائے تند بھیج دے؟ سو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا

نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ

کیسا تھا؟ ف۱۳ اور ان سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں انھوں نے بھی تو جھٹلایا تھا، سو میرا عذاب کیسا

نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؕؔ

(ان پر واقع) ہوا؟ ف۱۴ کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں پر نظر نہیں کی کہ پر پھیلائے ہوئے ہیں اور سمیٹ بھی لیتے ہیں

مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىْءٍۢ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾

انہیں کوئی اور نہیں تھامے رہتا ہے بجز خدائے رحمٰن کے، وہی ہر چیز کو خوب دیکھے بھالے ہوئے ہے ف۱۵

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ

بھلا (خدائے) رحمٰن کے سوا وہ کون ہے جو تمہارا لشکر بن کر تمہاری

الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِىْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ ج اَمَّنْ هٰذَا

نصرت کر سکے؟ کافر تو بڑے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں ف۱۶ بھلا وہ کون ہے

ف۱۰ ان مشرک جاہلی قوموں کی حماقت پر تعریض ہے جو ایک طرف خدا کو خدا بھی مانے جاتے ہیں اور دوسری طرف اس کے علم کو ناقص اور جزئیات پر غیر حاوی بھی تسلیم کرتے ہیں! اَللَّطِيْفُ۔ لطیف۔ سے مراد ہے بڑی بڑی نازک و دقیق حکمتوں اور تدبیروں والا۔ یراد به دقائق تدبیر لهم وفیهم (کبیر) ف۱۱ بندوں کو ترغیب ہے کہ زمین سے جو چاہو کام لو، جس طرح چاہو برتو، بس صرف اتنا یاد رہے کہ تم بندے ہو، خدا نہیں ہو، خود مختار و مطلق العنان نہیں ہو، خدا کے قانون کے محکوم و پابند ہو اور اسی کے سامنے اپنے ہر عمل کے جوابدہ ہو۔ مِنْ رِّزْقِهٖ۔ یاد دلا دیا کہ جو کچھ تمہیں کھانے پینے کو مل رہا ہے یہ سب حق تعالیٰ کا ہی عطیہ تو ہے۔ هُوَ ...... ذَلُوْلًا۔ یہ ارشاد ہوا کہ زمین میں تمہارے لئے ہر قسم کے تصرفات کی اہلیت رکھ دی گئی ہے، تم تو خود اس پر حاکم و متصرف ہو، الٹے اسی کو دیوی سمجھ لینا کیسی حماقت ہے۔ ف۱۲ یعنی کیا تم نے اپنے کو عذابِ الٰہی کی گرفت سے محفوظ و مصئون سمجھ لیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو یہ مجرمانہ غفلت کی انتہاء ہے۔ مَنْ فِى السَّمَآءِ۔ سے یہ مراد تو ہو ہی نہیں سکتی کہ وہ آسمان پر کہیں بیٹھا ہوا ہے۔ وهٰذا لأية لايمكن اجراؤها على ظاهرها باتفاق المسلمين (کبیر) مراد وہ ذاتِ اعظم ہے جس کا حکم و تصرف آسمان پر چل رہا ہے۔ تقدير الأية من فى السماء سلطانهٗ وملكهٗ قدرته والغرض من ذكر السمآء تفخيم سلطان الله وتعظيم قدرته (کبیر) اے من ملكوته فى السمآء لانها مسكن ملائكته ومنها تنزل قضاياه وكتبهٗ واوامرهٗ ونواهيه (مدارک) بعض نے مَنْ فِى السَّمَآءِ سے مراد آسمانی ملائکۂ عذاب سے لی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ السمآء کا لفظ محض جہت علو اور غایت شرف کے اظہار کے لئے ہو۔ ف۱۳ یعنی کیسا صحیح، کتنا مطابقِ واقعہ اور کتنا شدید! فَسَتَعْلَمُوْنَ۔ س سے مراد ہے کہ موت کے ساتھ ہی۔ مَنْ فِى السَّمَآءِ پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔ ف۱۴ اگر ماضی سے نمونے ہی اس عذاب کے تلاش کرنے ہیں تو تاریخ و سیر کے صفحات کا مطالعہ کر لیں کہ کیسی کیسی پر قوت قومیں اور امتیں سرکشی کی پاداش میں ہلاک ہو چکی ہیں۔ ف۱۵ (اور جس میں جو تصرف چاہے، اپنے حسبِ مرضی و مشیت کرتا رہتا ہے) پرندوں کی قوتِ پرواز، ان کا وہ ہوا کی موجوں کو چیرتے ہوئے جانا، ان کا وہ اتنی بلندیوں پر اپنے جسم کا توازن قائم رکھنا، یہ سب انسان کے لئے کیسے حیرت انگیز مشاہدات ہیں اور ان سے کیسا سبق حق تعالیٰ کی صناعی کا ملتا ہے۔ ف۱۶ اور کافر تو وہی ہیں جو خدائے واحد کے بجائے ادھر اُدھر کے سہاروں اور آسروں میں الجھے رہتے ہیں) اَمَّنْ ...... الرَّحْمٰنِ۔ مثال دفع مضرت کی ہے۔ بتایا ہے کہ اس پر بجز خدائے رحمٰن کے کوئی قادر نہیں۔

الَّذِیۡ یَرۡزُقُکُمۡ اِنۡ اَمۡسَکَ رِزۡقَہٗ ۚ بَلۡ لَّجُّوۡا فِیۡ عُتُوٍّ

جو تمہیں روزی پہنچا سکے اگر اللہ اپنی روزی بند کر لے؟ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ جمے ہی ہوئے سرکشی

وَّ نُفُوۡرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنۡ یَّمۡشِیۡ مُکِبًّا عَلٰی وَجۡہِہٖۤ اَہۡدٰۤی

اور نفرت میں ہیں ف۱۷ سو کیا جو شخص اپنے منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہو کیا وہ بہتر رہرو ہو گا

اَمَّنۡ یَّمۡشِیۡ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۲﴾ قُلۡ

یا وہ جو سیدھا ایک ہموار سڑک پر چلا جا رہا ہو؟ ف۱۸ آپ کہہ دیجئے

ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَکُمۡ وَ جَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ

کہ اللہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے

وَ الۡاَفۡـِٕدَۃَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ قُلۡ ہُوَ الَّذِیۡ

(مگر) تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ وہی ہے جس نے

ذَرَاَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَ یَقُوۡلُوۡنَ

تمہیں زمین پر پھیلایا اور تم اس کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے ف۱۹ اور یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ

مَتٰی ہٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۵﴾ قُلۡ اِنَّمَا الۡعِلۡمُ

یہ وعدہ کب (پورا) ہو گا اگر تم سچے ہو ف۲۰ آپ کہہ دیجئے کہ (متعین) علم تو بس

عِنۡدَ اللّٰہِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوۡہُ

اللہ ہی کو ہے، اور میں تو بس ایک کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں ف۲۱ پھر جب وہ اس (قیامت) کو

زُلۡفَۃً سِیۡٓـَٔتۡ وُجُوۡہُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ قِیۡلَ ہٰذَا الَّذِیۡ

پاس آتا دیکھ لیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا یہی ہے وہ جسے

کُنۡتُمۡ بِہٖ تَدَّعُوۡنَ ﴿۲۷﴾ قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ اَہۡلَکَنِیَ اللّٰہُ

تم طلب کیا کرتے تھے ف۲۲ آپ کہئے کہ اچھا یہ بتلاؤ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو

ف۱۷ (اور بلا کسی شائبہ ٔ دلیل کے کفر و شرک میں مبتلا ہیں) اَمَّنۡ ...... رِزۡقَہٗ۔ مثال ایصال نفع کی ہے کہ اس پر بھی بجز خدائے رحمٰن کے کوئی قادر نہیں۔ ف۱۸ آیت کے اندر پہلی مثال کافر کی ہے، اور دوسری مثال مومن کی۔ اَفَمَنۡ یَّمۡشِیۡ ...... وَجۡہِہٖ۔ کافر کا راستہ ہی زیغ و ضلالت کا ہوتا ہے، اور وہ سر کے بل گرتا ہی جاتا ہے ہلاکتوں میں اس کا نقطۂ نظر ہی کائنات کی ہر شے سے متعلق اوندھا ہوتا ہے۔ اَمَّنۡ ...... مُّسۡتَقِیۡمٍ۔ مومن سیدھے قد کے ساتھ تنا ہوا چلتا ہے۔ افراط و تفریط کے غاروں، گڑھوں سے بچتا ہوا۔ ف۱۹ تمہیں چلنا اس کے قانون پر ہے جو انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کی نعمتوں کا جامع اور مالک ہے۔ قُلۡ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَکُمۡ الخ۔ اس آیت میں خطاب افراد انسانی سے ہے۔ قُلۡ ہُوَ الَّذِیۡ ذَرَاَکُمۡ الخ اس آیت میں خطاب اجتماع انسانی سے ہے۔ ف۲۰ (اے مسلمانو!) منکرین حشر اہل ایمان سے یہ سوال طنز و استہزاء کی راہ سے کیا کرتے تھے۔ ف۲۱ (اور عبد محض، مجھے غیب کی کیا خبر۔ قیامت کا واقع کر دینا نہ میرے اختیار میں نہ اس کا وقت میرے علم میں) مشرکوں کے سوال پیمبر سے اپنے عقیدہ میں بس وہی حلول و مظہریت کا اعتقاد رکھتے تھے۔ ف۲۲ یہ کہنے والے فرشتے ہوں گے اور یہ اہل جہنم سے ان کی مزید توبیخ اور زیادہ دل جلانے کے لئے کہا جائے گا۔ رَاَوۡہُ۔ ضمیر ہٗ اسی یوم موعود کی جانب ہے۔ اے الوعد یعنی العذاب الموعود (مدارک) یعنی العذاب فی الأخرة علی قول اکثر المفسرین (معالم) سِیۡٓـَٔتۡ وُجُوۡہُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا۔ یعنی جب قیامت واقعۃً آنے لگے گی تو منکرین کے چہرے فرط ہیبت و دہشت سے بگڑ کر رہ جائیں گے۔

وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ

ہلاک کر دے یا ہم پر رحمت کر دے تو کافروں کو عذاب دردناک سے کون

اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ

بچالے گا؟ و۲۳ آپ کہئے وہی خدائے رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے اور اسی پر ہم توکل کرتے ہیں،

فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

سو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کھلی ہوئی گمراہی میں کون ہے و۲۴ آپ کہیے کہ اچھا یہ بتلاؤ

اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع

کہ اگر تمہارا پانی نیچے کو غائب ہی ہو جائے تو کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے؟ و۲۵

ع ۲ / ۱۲ / ۲

ایاتہا ۵۲ | ۶۸ سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ ۲ | رکوعاتہا ۲

اس کی باون آیتیں | سورۂ قلم مکہ میں نازل ہوئی | اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ

نون، قسم ہے قلم کی اور اُس کی جو وہ (فرشتے) لکھتے ہیں و۱ کہ آپ اپنے پروردگار کے فضل سے

بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ

مجنون نہیں ہیں و۲ اور بے شک آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں و۳ اور بے شک آپ

لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ﴿۵﴾ بِاَيِّكُمُ

اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں و۴ عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے

الْمَفْتُوْنُ ﴿۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠

کس کو (واقعی) جنون تھا و۵ بے شک آپ کا پروردگار وہی خوب جانتا ہے اس کو جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے

و۲۳ مقصد یہ ہے کہ ہم پر دنیا میں جو گزرے گی وہ تو گزر کر رہے گی۔ اور کامیابی ہو یا ناکامی، ہر حالت میں اس کا انجام مومنین کے حق میں اچھا ہی ہے۔ تم اپنی خبر لو، اور اپنے لئے فکر کرو، کہ تمہارے کفر وانکار کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اِنْ ...... مَعِيَ۔ یعنی اگر تمہاری آرزو اور تمہارے گمان کے مطابق میری اور میرے ساتھیوں کی ہلاکت بھی ہو جائے۔ اَوْ رَحِمَنَا۔ یعنی اگر وعدۂ الٰہی اور ہماری امید کے مطابق ہم پر نزولِ رحمت ہی رہے۔ و۲۴ یعنی جب اپنے کو مبتلائے عذاب اور ہمیں اس سے محفوظ دیکھ لو گے جب تو عیاناً جان لوگے کہ ضلالت کی راہ تمہاری ہی تھی۔ اٰمَنَّا بِهٖ۔ اور ایمان کی برکت انشاءاللہ ہم کو عذابِ آخرت سے محفوظ کر دے گی۔ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا۔ اور توکل کی برکت انشاءاللہ حوادث دنیوی کو دفع یا سہل کر دے گی۔ و۲۵ (پس جب حق تعالیٰ کے مقابلہ میں معمولی طبعی واقعات میں کسی کو تصرف کی قدرت نہیں تو عذابِ آخرت سے بچانے کی کس کی مجال ہو سکتی ہے۔ و۱ (نامۂ اعمال میں) نٓ۔ حروف مقطعات میں سے ہے۔ اور مقطعات کے لئے ملاحظہ ہو شروع سورۃ البقرۃ میں الٓمّٓ پر حاشیہ صحیح معنٰی اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ محققین سے دوات کے معنٰی منقول ہیں۔ عن الحسن والقتادة قالا هی الدواة (ابن کثیر) عن ابن عباس ان الله خلق النون وهی الدواة (ابن جریر) وقال الحسن وقتادة والضحاک النون الداوة (معالم) وَالْقَلَمِ۔ یہ قلم وہی ہے جس سے تمام خلق کی تقدیریں لوح محفوظ میں لکھ دی گئی ہیں۔ وَمَا يَسْطُرُوْنَ۔ فعل کے فاعل کاتب اعمال فرشتے ہیں۔ ای مایسطره الحفظة (مدارک) ای ماتکتب الملٰکیة الحفظة من اعمال بنی اٰدم (معالم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد کاتبان لوح محفوظ سے ہے۔ وقال اٰخرون بل المراد ههنا بالقلم الذی اجراه الله بالقدر حین کتب مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السمٰوٰت والارضین (ابن کثیر) و۲ (جیسا کہ ان دشمنان دین و دشمنان عقل نے ٹھہرا لیا ہے بلکہ سب ہوشمندوں سے بڑھ کر ہوشمند اور دانا ترین ہیں) قسم کے مفہوم کے لئے ملاحظہ ہو پارہ ۱۴ کے آخر میں ضمیمہ "اقسام قرآن" پر۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ کاتب قدرت کے لئے قلم اور روشنائی اور خود کتبات لوح کی گواہی یہی ہے جو آگے کی آیتوں میں آ رہی ہے — آپ ﷺ کے کمال دانائی کی شہادت تو سارے ہی صحائف تکوینی پیش کریں گے۔ کسی معاصر احمق وجاہل کی تکذیب وتعریض سے ہوتا کیا ہے۔ و۳ (اس لئے آپ ان مطاعن کو چندے صبر کے ساتھ برداشت کر لیجئے) لَاَجْرًا۔ یہ اجر بے نہایت ادائے فرائض نبوت پر ملے گا۔ و۴ اور وہ بھی اس مرتبہ پر کہ آپ ﷺ کی سیرت تو نظیر اور نمونہ کا کام دے گی زندگی کے ہر ہر شعبہ میں اور وہ بھی کسی ایک قوم، کسی ایک زمانہ کے لئے نہیں، ہر ملک، ہر قوم، ہر زمانہ کے لئے ایسی عدیم النظیر سیرت والے کی جانب جنون کی نسبت دینا خود اپنے پاگل پن کا ڈھنڈورا پیٹنا ہے۔ و۵ محمد رسول اللہ ﷺ کو جن کا نام رہتی دنیا تک مشہور سے مشہورتر ہی ہوتا چلا جائے گا؟ یا ابوجہل اور ابولہب اور عناد ومخالفت کے دوسرے بڑے بڑے لیڈروں کو؟ فَسَتُبْصِرُ۔ یہ علم عنقریب ہو کر رہے گا۔ دنیا میں پوری طرح اور آخرت میں تو اس سے بھی زیادہ روشن ہو کر۔ بِاَيِّكُمُ۔ ب زائد ہے اور مراد اَيُّكُمْ ہے یعنی تم میں سے کون۔ وقال اٰخرون الباء فیه زائدة معناه ایکم المفتون (معالم) انما دخلت الباء فی قوله بایکم یقول علی تضمین الفعل فی قوله فستبصر و یبصرون (ابن کثیر) وهو قول الاخفش وابی عبیده وابن قتیبة ان الباء صلة زائدة والمعنی اَيُّكُمُ المفتون (کبیر)

وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۷ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۸ وَدُّوْا

اور وہی خوب جانتا ہے راہ پائے ہوؤں کو وٓ۶ تو آپ تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانئے یہ لوگ تو یہی چاہتے ہیں کہ

لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝۹ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝۱۰

آپ ڈھیلے پڑ جائیں تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں وٓ۷ اور آپ ایسے شخص کا بھی کہنا نہ مانئے گا جو بڑا قسمیں کھانے والا ہے، ذلیل ہے،

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ ۝۱۱ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝۱۲

طعنہ باز ہے، چلتا پھرتا چغل خور ہے، نیک کام سے روکنے والا ہے، حد سے گزرنے والا ہے،

عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝۱۳ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝۱۴

سخت گنہگار ہے، سخت مزاج ہے، اس کے علاوہ بدنسب بھی ہے، اس نظر سے کہ وہ مال اور اولاد والا ہے، وٓ۸

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۵ سَنَسِمُهٗ

جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو اگلوں کے خرافات ہیں تو ہم عنقریب اس کی ناک

عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝۱۶ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ

پر داغ لگائیں گے وٓ۹ ہم نے ان کی آزمائش کر دی ہے وٓ۱۰ جیسا ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی

اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝۱۷ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝۱۸

جب کہ ان لوگوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم اس کا پھل ضرور صبح چل کر توڑ لائیں گے اور انہوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا تھا،

فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝۱۹

سو اس (باغ) پر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک پھرنے والا (عذاب) پھر گیا اس حال میں کہ وہ سو رہے تھے

فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۝۲۰ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۝۲۱ اَنِ

تو وہ (باغ) ایسا رہ گیا جیسا کٹا ہوا کھیت، پھر وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ

اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝۲۲ فَانْطَلَقُوْا

اپنے کھیت پر سویرے چلو اگر تمہیں پھل توڑنا ہے، غرض وہ چلے

وٓ۶ (اس لئے فیصلہ اسی پر چھوڑے رہئے اس کے احاطۂ علم سے کوئی بھی باہر نہیں وہی ہر ایک کو جزا و سزا بھی اس کے مناسب حال دے لیگا) وٓ۷ یعنی ان کی تو عین تمنا ہی یہ ہے کہ آپ اپنے فرائض تبلیغ میں ڈھیلے پڑ جائیں تو یہ بھی اپنی شدت مخالفت وعناد میں ڈھیلے پڑیں۔ لیکن آپ ان کے کہے میں ہرگز نہ آئیے گا۔ جیسا کہ اب تک بھی نہیں آئے ہیں۔ کہاں آپ سرتا سر حق پر اور کہاں وہ سرتا سر باطل پر! وٓ۸ یعنی ایسا نہ ہونے پائے کہ آپ اس خیال سے کہ فلاں شخص سے اس بناء پر کہ وہ صاحب وجاہت اور صاحب اثر ہے، باوجود اس کی ان ساری خباثتوں کے اشتراک عمل کر لینا بھی مصلحت خیال کرنے لگیں۔ اَنْ كَانَ۔ ان الفاظ کا تعلق آیت ماقبل کے ابتدائی لفظ ولاتطع سے ہے۔ متعلق بقوله ولاتطع (مدارک) بعض نے یہ ترکیب بھی صحیح قرار دی ہے کہ ان کان کے قبل یکفر یا یجحد محذوف ہے اور ان کان اس سے متعلق اس صورت میں معنٰی یہ ہوں گے کہ وہ خبیث کفر وانکار اسی گھمنڈ میں آکر کرتا ہے کہ وہ دولت مند اور صاحب اولاد کثیر ہے۔ آیت اپنے عموم مفہوم کے لحاظ سے تو ہر خبیث ورذیل خصائل والے کافر معاند کے حق میں عام ہے۔ لیکن شان نزول کی روایتوں میں ایک مخصوص ومتعین شخص ولید بن مغیرہ کا نام بھی آیا ہے جو انہیں صفات کا حامل تھا۔ والمراد الوليد بن المغيرة عندالمجهور (مدارک) حَلَّافٍ۔ ایسا شخص جو جھوٹی سچی قسمیں عادت کی بناء پر کھاتا رہتا ہو۔ قيل من يحلف بالله كاذبًا (جصاص) كثير الحلف بالباطل (معالم) كثير الحلف في الحق والباطل و كفٰى به مزجرة لمن اعتاد الحلف (کبیر) مَهِيْنٍ۔ ایسا شخص جو اپنی کمینی حرکتوں کی بناء پر خالق ومخلوق دونوں کی نظر میں ذلیل وخوار اور ہر طرح بے وقعت وبے اعتبار ہو چکا ہو۔ هَمَّازٍ۔ ایسا شخص جو طنز وتعریض سے دل دکھاتا رہتا ہو۔ اَثِيْمٍ۔ یعنی فسق پیشہ ہے۔ الصفة السابعة كونه اثيما وهو مبالغة في الاثم (کبیر) بعد یہاں مع کے معنٰی میں ہے۔ اے مع ذٰلک (معالم) زَنِيْمٍ۔ ایسا شخص جو کسی قوم یا قبیلہ سے نہ ہو مگر اس کی جانب منسوب کر دیا گیا ہو۔ انما الزنيم في لغة العرب هو الدعي في القول قاله ابن جرير وغير واحد من الائمة (ابن کثیر) وهو الدعي الملصق بالقوم وليس منهم (معالم) وٓ۹ یعنی اس کے کفر حیوانہ کی پاداش میں اس کے چہرہ اور ناک کو داغدار کر دیں گے۔ الْخُرْطُوْمِ۔ خرطوم ہاتھی کی سونڈ کو کہتے ہیں۔ انسان کی ناک یا چہرہ کے لئے اس کا استعمال محل ذم وتحقیر پر ہے۔ قال المبرد الخرطوم ههنا الانف وانما ذكر هذا اللفظ على سبيل الاستخفاف به (کبیر) والخرطوم انف الفيل فسمى انفه خرطومًا استقباحًا له (راغب) سَنَسِمُهٗ۔ س۔ یعنی "عنقریب" کو حشر سے متعلق سمجھا گیا ہے۔ قال ابو العالية ومجاهد اے نسود وجهه فنجعل له علمًا في الأخرة يعرف به (معالم) منهم من قال هذا الوسم يحصل في الأخرة (کبیر) بعض اقوال اس دنیا سے متعلق بھی ہیں۔ قال ابن عباس سنخطمه بالسيف وقد فعل ذٰلک يوم بدر (معالم) ومنهم من قال يحصل في الدنيا (کبیر) اور ممکن ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں ہی عالم مراد ہوں کہ ایسے خبیث کو روسیاہی دونوں ہی جہانوں میں نصیب ہوتی ہے۔ مال ابو جعفر ابن جرير الى الله لامانع من اجتماع الجميع عليه في الدنيا والأخرة وهو متجه (ابن کثیر) وٓ۱۰ (کہ دیکھیں کون ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے اور کون ناشکری کی راہ اختیار کرتا ہے) بَلَوْنٰهُمْ۔ ھم سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔ خصوصًا ان کا خوش حال وخوش عیش طبقہ۔

وَ هُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ

اور آپس میں باتیں چپکے چپکے کرتے کہ آج وہاں کوئی محتاج تم تک نہ

مِّسْكِيْنٌ ﴿۲۴﴾ وَّ غَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا

آنے پائے اور اپنے کو اس نہ دینے پر قادر سمجھے ف۱۱ تو جب اُس (باغ) کو دیکھا تو

قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ

بول اُٹھے کہ یقیناً ہم راستہ بھول گئے ف۱۲ نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی ف۱۳ پھر اُن میں سے جو

اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ

(نسبۃً) بہتر تھا وہ بولا کہ کیوں میں نے تم سے کہا نہ تھا سو (اب) تسبیح کیوں نہیں کرتے ہو؟ ف۱۴ وہ لوگ بولے کہ ہمارا پروردگار

رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

پاک ہے بے شک ہم ہی قصوروار ہیں ف۱۵ پھر ایک دوسرے کی طرف مخاطب ہوئے

يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى

باہم الزام دیتے ہوئے ف۱۶ (پھر سب) بولے (کہ) ہائے ہماری شامت کہ ہم ہی سرکشی کرنے والے تھے، شاید کہ

رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾

ہمارا پروردگار ہمیں اس سے بہتر (باغ) بدلہ میں دے دے، ہم تو (اب) اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہوتے ہیں،

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا

ف۱۷ عذاب اسی طرح (ہوا کرتا ہے) اور آخرت کا عذاب کہیں بڑھا ہوا ہے کاش یہ لوگ

يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾

(اسے) جان لیتے ف۱۸ بے شک پرہیزگاروں کے لئے اُن کے رب کے پاس آسائش کے باغ ہیں ف۱۹

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ

تو کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کا سا کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا! تم کیسا

وقف لازم — ع ۴

ف۱۱ یہ کن باغ والوں کا ذکر ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ کوئی باغ حبشہ میں تھا۔ قيل كانوا من اهل الحبشة (ابن کثیر) عن عكرمة قال هم ناس من الحبشة (ابن جریر) ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ باغ یمن میں تھا۔ عن ابن عباس قال كان بستان باليمن (معالم) قال سعيد بن جبير كانوا من قرية يقال لها فروان على ستة اميال من صنعاء (ابن کثیر) بہرحال جہاں کہیں بھی ہوا ایسا باغ تھا جس کی تلمیح سے اہلِ عرب خوب واقف تھے۔ اور قصہ کا ماحصل یہ ہے کہ جو اہل غفلت اپنی تدبیروں پر نازاں اور اہل حقوق کی حق تلفی میں لگے رہتے ہیں، وہ آخر خود ہی خسارہ میں رہتے ہیں۔ وَ لَا يَسْتَثْنُوْنَ۔ یعنی انہیں اس درجہ وثوق اپنے صبح کے پروگرام پر تھا کہ انہوں نے شب کی تجویزوں میں حق تعالیٰ کے ارادہ کا خیال ہی نہ آنے دیا۔ فَطَافَ...... نَآئِمُوْنَ۔ یہ لوگ تو سوتے کے سوتے رہے اور ادھر رات ہی بھر میں کوئی زمینی یا آسمانی آفت آ کر باغ کا صفایا کر گئی۔ باغوں اور کھیتوں پر ایسی ناگہانی مصیبتیں ہر فصل اور ہر زمانہ میں برابر آتی ہی رہتی ہیں، کبھی گرم اور تیز لو نے سبزہ زار کو جھلسا دیا، کبھی تند آندھی نے درختوں کا ناس مار دیا۔ کبھی اتنا پالا پڑ گیا کہ کھیتی برباد ہو گئی۔ کہیں آسمان سے اولے ایسے پڑے کہ پتے پتیاں تک باقی نہ رہ گئیں وقس علیٰ ہذا۔ وَ هُمْ...... مِسْكِيْنٌ۔ خدا فراموشی اور آخرت فراموشی کے ساتھ ساتھ یہ باغ والے، مسکینوں محتاجوں کے حصہ کے بھی روادار نہ تھے۔ کمال بخل یا شدت حرص سے ف۱۲ (جو کہیں یہاں نکل آئے) باغ اب باقی ہی کہاں تھا۔ جسے وہ لوگ دیکھ کر پہچانتے۔ یہی سمجھے کہ ہم کسی غلط جگہ آ گئے ہیں۔ ف۱۳ (کہ بھلا چنگا باغ یوں لٹ گیا) یہ انہوں نے اس وقت کہا جب باغ کی بربادی کا پورا یقین آ گیا۔ ف۱۴ یعنی توبہ واستغفار سے اپنی غلطی کا تدارک کیوں نہیں کرتے۔ اَوْسَطُهُمْ۔ یعنی ان لوگوں میں سے بہترین شخص۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور ائمۂ تابعین نے یہی معنی لئے ہیں۔ اى اعدلهم و اعقلهم وافضلهم (معالم) قال ابن عباس مجاهد وسعيد بن جبير وعكرمة ومحمد بن كعب والربيع بن انس والضحاك وقتادة اى اخير هم (بن کثیر) بعض نے لفظی معنی لے کر باغ کے مالکوں میں سے منجھلے بھائی سے مراد لی ہے۔ قَالَ...... لَكُمْ۔ یہ شخص وہ تھا جس کا عقیدہ تو صحیح تھا لیکن عملاً یہ بھی ان لوگوں کا شریک حال ہو گیا تھا۔ لَوْ لَا تُسَبِّحُوْنَ تسبیح کے عموم میں توبہ، استغفار وغیرہ سب شامل ہیں۔ اى لولا تذكرون الله وتتوبون اليه من خبث نيتكم (مدارک) کہنے والے کا مطلب یہ تھا کہ پچھلے گناہ کی معافی اور آیندہ کے لئے احتیاط کی فکر کرو۔ ف۱۵ اس ذرا سے فقرہ کے اندر تمہید استغفار اور نفس استغفار دونوں آ گئے۔ ف۱۶ جیسا کہ کام بگڑ جانے پر دنیا میں عموماً وعادتاً ہوا کرتا ہے۔ ف۱۷ یعنی توبہ وتدارک کرنے میں۔ يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا۔ بدل عام ہے خواہ دنیا میں ملے خواہ آخرت میں اور عجب نہیں کہ دونوں جگہ ہو۔ صحابی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل ہوا ہے کہ بہتر باغ انہیں دنیا ہی میں مل گیا۔ اور مجاہد تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ عن ابن مسعودؓ المعنى انهم اخلصوا فابدلهم به جنة (مدارک) عن مجاهد تابوا فابدلوا خيرا منه (مدارک) ف۱۸ کاش بندوں کو اس حقیقت کا علم ہوتا اور استحضار رہا کرتا کہ معصیت ونافرمانی کی پاداش میں جو عذاب اس دنیا میں کبھی کبھی ہوتا رہتا ہے۔ جب اس کا نمونہ یہ ہے تو کفر وانکار پر عذاب جس کا پورا ظہور آخرت ہی میں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس سے کس درجہ بڑھا ہوا ہوگا۔ ف۱۹ یہاں یہ بتلا دیا کہ جنات النعیم میں داخلہ کا سبب تقویٰ ہوگا اور تقویٰ کا ابتدائی اور لازمی درجہ ایمان ہے۔

تَحۡكُمُوۡنَ ﴿٣٦﴾ اَمۡ لَكُمۡ كِتٰبٌ فِيۡهِ تَدۡرُسُوۡنَ ﴿٣٧﴾ اِنَّ لَكُمۡ

فیصلہ کرتے ہو و٢٠ کیا تمہارے پاس کوئی (آسمانی) کتاب ہے۔ جس میں تم پڑھتے ہو کہ اُس میں تمہارے لئے

فِيۡهِ لَمَا تَخَيَّرُوۡنَ ﴿٣٨﴾ اَمۡ لَكُمۡ اَيۡمَانٌ عَلَيۡنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوۡمِ

وہ چیز (درج) ہے جسے تم پسند کرتے ہو؟ و٢١ کیا ہمارے ذمہ کچھ تمہارے حق میں کھائی ہوئی قسمیں ہیں قیامت تک باقی

الۡقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمۡ لَمَا تَحۡكُمُوۡنَ ﴿٣٩﴾ سَلۡهُمۡ اَيُّهُمۡ بِذٰلِكَ

رہنے والی کہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جن کا تم فیصلہ کر رہے ہو؟ و٢٢ ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون اس کا

زَعِيۡمٌ ﴿٤٠﴾ اَمۡ لَهُمۡ شُرَكَآءُ ۛۚ فَلۡيَاۡتُوۡا بِشُرَكَآئِهِمۡ اِنۡ كَانُوۡا

ذمہ دار ہے؟ کیا اُن کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک (خدائی) ہیں اچھا تو یہ پیش کریں اپنے ان شریکوں کو اگر

صٰدِقِيۡنَ ﴿٤١﴾ يَوۡمَ يُكۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ وَّيُدۡعَوۡنَ اِلَى

یہ سچے ہیں و٢٣ وہ دن (یاد کرنے کے قابل ہے) جب ساق کی تجلی فرمائی جائے گی، اور سجدہ کی طرف

السُّجُوۡدِ فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ﴿٤٢﴾ خَاشِعَةً اَبۡصَارُهُمۡ

بلایا جائے گا، تو سجدہ نہ کر سکیں گے و٢٤ اُن کی آنکھیں جھکی ہوں گی

تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدۡ كَانُوۡا يُدۡعَوۡنَ اِلَى السُّجُوۡدِ وَهُمۡ

اور اُن پر ذلت چھائی ہوگی، اور یہ لوگ سجدہ کی طرف بلائے جاتے تھے اس حال میں کہ وہ

سٰلِمُوۡنَ ﴿٤٣﴾ فَذَرۡنِىۡ وَمَنۡ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ ؕ

صحیح سالم تھے و٢٥ تو آپ رہنے دیجئے مجھے اور انہیں جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں

سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿٤٤﴾ وَاُمۡلِىۡ لَهُمۡ ؕ

ہم انہیں آہستہ آہستہ لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ انہیں خبر نہیں اور میں انہیں مہلت دیتا ہوں،

اِنَّ كَيۡدِىۡ مَتِيۡنٌ ﴿٤٥﴾ اَمۡ تَسۡـئَلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ

بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے و٢٦ کیا آپ اُن سے کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ (اس) تاوان سے

ع

و٢٠ (جو اتنے کھلے ہوئے فرق کو محسوس نہیں کرتے) مطلب یہ ہوا کہ متقین کو یہ درجہ اگر نہ ملے تو گویا مطیع و نافرمان دونوں برابر ٹھہرے۔ اَلۡمُسۡلِمِيۡنَ۔ یہ مراد وہ لوگ ہیں جو عادتاً مطیع حق رہے ہیں۔ اَلۡمُجۡرِمِيۡنَ۔ مراد وہ لوگ ہیں جو عادتاً نافرمان و قانون شکن رہے ہیں۔ و٢١ یعنی آخرت میں نجات اور کامیابی۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہارے عقائد کی صحت کی پشت پر کوئی خدائی سند، کوئی آسمانی شہادت ہے؟ و٢٢ یعنی جنت اور اجر۔ و٢٣ منکرین سے پھر حجت و برہان کا مطالبہ ہے آخر کس چیز نے انہیں اب تک انکار پر جما رکھا ہے؟ کس سہارے اور کس کے بھروسہ پر وہ اب تک اپنے عقائد باطلہ پر اڑے ہوئے ہیں۔ و٢٤ (یہ منکروں کا فرلوگ) يَوۡمَ يُكۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ۔ اس دن سے مراد روز حشر کا ہونا تو سب کے نزدیک مسلم ہے سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ کشف ساق سے کیا مراد ہے؟ سَاقٍ۔ کے لفظی معنی تو پنڈلی کے ہیں۔ مابين الكعب والركبة (قاموس) مابين الركبة و القدم (لسان) محققین کا قول ہے کہ صفاتِ باری میں سے یہ کوئی مخصوص صفت ہے۔ جس کی تجلی اس وقت ہوگی اور اسے کسی خاص ہی مناسبت سے ساق سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ قرآن مجید ہی میں حق تعالیٰ کے لئے آخر وجہ (چہرہ) اور ید (ہاتھ) اور حدیث میں رجل، اور قدم (پیر) کے الفاظ بھی تو آتے ہیں۔ اور یہ سب کلمات متشابہات کہلاتے ہیں۔ لیکن ان کی متعدد توجیہات و تاویلات ہو سکتی ہیں۔ ایک بدیہی اور صاف سی بات یہ ہے کہ خود محاورۂ عرب میں کشف ساق سے مراد امر صعب و امر دشوار کے اہتمام سے ہوتی ہے۔ عن ساق اے عن شدة (قاموس) يكشف عن ساق اے عن شدة امرٍ كما يقال قامت الحرب على ساق (تاج) الساق فى اللغة الامر الشديد وكشفه مثل فى شدة الامر كما يقال للشحيح يده مغلولة ولايد ثم ولاغل وانما هو مثل فى شدة البخل وكذلک هذا۔ (لسان) قال بعضهم انه اشارة الى شدة فجعل لكل امرٍ فظيعٍ (راغب) يوم يشتد الامر ويصعب ولاكشف ثمه ولا ساق (مدارک) ائمہ تفسیر بلکہ صحابہ و تابعین سے بھی یہاں یہی معنی منقول ہیں۔ قال جماعة من الصحابة والتابعين من اهل التاويل يبد وعن امرشديد (ابن جریر) عن ابن عباس قال هو يوم كرب وشدة (ابن جریر) عن ابن عباس هوالامر الشديد المفظع عن الهول يوم القيامة (ابن جریر) الى نحو هذا ذهب مجاهد وابراهيم النخعى وعكرمة وجماعة وقد روى ايضًا عن ابن عباس (روح) والجمهور على ان الكشف عن الساق عبارة عن شدة الامرو صعوبة الخطب فمعنى يوم يشتد الامرو يصعب ولاكشف ثمه ولاساق (مدارک) وَيُدۡعَوۡنَ اِلَى السُّجُوۡدِ۔ یہ سجدہ کا حکم مومن و کافر سب کے لئے عام ہوگا۔ یہ حکم تشریعی تو ہو نہیں سکتا، اس لئے کہ آخرت دار التکلیف نہیں دار الجزاء ہے۔ لامحالہ یہ حکم کافروں کے حق میں محض توبیخی ہوگا گویا اس تجلی ساق کی یہ ایک تاثیر طبعی ہوگی کہ کافر و مومن سب ہی سجدہ کرنا چاہیں گے۔ مومن بآسانی قادر ہو جائیں گے، کافر و منافق قادر نہ ہو پائیں گے۔ لاتكليفا ولكن توبيخا على تركهم السجود فى الدنيا (مدارک) لايدعون الى السجود تعبدًا وتكليفًا ولكن توبيخًا وتعنيفًا على تركهم السجود فى الدنيا (کبیر) فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ۔ اس سے یہ نکلا کہ کافر و منافق بھی اس وقت ارادہ سجدہ کا کریں گے لیکن اس پر قادر نہ ہو پائیں گے۔ وفيه دلالة على انهم يقصدونهٗ فلايتاتى منهم (روح) و٢٥ (اور اس وقت سجدہ سے انکار رکھتے تھے) خَاشِعَةً اَبۡصَارُهُمۡ۔ یہ آنکھوں کا جھکا ہونا انتہائے شرم و ندامت و حسرت سے ہوگا۔ قرآن مجید میں ذکر کبھی نگاہوں کے اٹھے رہنے کا بھی آیا ہے۔ اور یہ دونوں بیانات باہم متناقض نہیں، حشر میں شدید ہولناکی کے تو مختلف احوال پیدا ہوں گے، اور انہیں کے لحاظ سے اہل دوزخ کے تاثرات بھی ادلتے بدلتے رہیں گے، کبھی غلبہ انتہائی ندامت کا ہوگا، اس وقت نظریں نیچی ہو کر زمین پر گڑ جائیں گی۔ کبھی غلبہ حیرت و استعجاب کا ہوگا اس وقت نظریں اوپر کو اٹھ جائیں گی۔ وَقَدۡ كَانُوۡا ...... سٰلِمُوۡنَ۔ یعنی دنیا میں جب انہیں پوری طرح قدرت حاصل تھی۔ اس وقت تو حکم کی تعمیل سے دانستہ گریز کرتے رہے۔ اب وہ کیفیت ان پر قدرۃً لیس دی گئی ہے۔ اب یہ اگر چاہیں جب بھی نہیں کر سکتے۔ و٢٦ (اور عذاب و گرفت میں جو توقف ہو رہا ہے اس کی آپ کچھ فکر نہ کیجئے) فَذَرۡنِىۡ ...... الۡحَدِيۡثِ۔ یعنی آپ ہمارے ہی اوپر ہر طرح اعتماد و توکل رکھیے ان سارے مجرموں اور منکروں سے نپٹ لینے کے لئے ہم ہی کافی ہیں۔ سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ۔ ہماری مشیت تکوینی انہیں آہستہ آہستہ دوزخ کی طرف لئے جا رہی ہے۔ وَاُمۡلِىۡ لَهُمۡ۔ یعنی انہیں تو مہلت دی جا رہی ہے اور یہ نہیں ہوتا، کہ فوراً ہی ان پر دنیا میں عذاب نازل کر دیا جائے۔ مِّنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُوۡنَ۔ کافروں اور منکروں کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں احساس ہی نہیں کہ حکمتِ الٰہی انہیں چپکے چپکے کدھر لئے جا رہی ہے۔

ف۲۷ اور اس لئے آپ کی اطاعت اور قبول دعوت سے بھی گریز کر رہے ہیں۔ قرآن مجید کا جتنا حصہ مدنی سورتوں پر شامل ہے ان میں زیادہ تر احکام وقوانین، مسائل وقصص کا سادہ بیان ہے۔ اس حصہ میں قدرۃً سوال وجواب کی گنجائش کم تھی لیکن قرآن مجید کا یہ آخری حصہ جو زیادہ تر مکی سورتوں پر شامل ہے، اس میں عموماً دعوت اصلاحِ عقائد کی ملتی ہے اور منکرین کو توحید، رسالت وآخرت کی طرف بلایا جا رہا ہے اس لئے قدرۃً ان سورتوں کا اسلوب بیان زیادہ خطیبانہ ہے اور اس میں خطبات عرب (اور عرب کیا معنٰی ساری دنیا کے خطبات) کے دستور کے مطابق مؤثر انداز میں سوالات واستفہامات بھی زائد ہیں۔ ف۲۸ (اور اس طرح غیب سے براہِ راست تعلق پیدا کر کے آپ کی اطاعت سے بے نیاز رہ گئے ہیں) ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۶ ف۲۹ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ۔ سے مراد ارض نینوا کے پیغمبر

مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

دبے جاتے ہیں؟ ف۲۷ کیا اُن کے پاس (علم) غیب ہے کہ یہ (اُسے) لکھ لیا کرتے ہیں؟ ف۲۸

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ

تو آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے اور مچھلی والے (پیمبر) کی طرح نہ ہو جائیے جب کہ

نَادٰى وَ هُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ لَوْ لَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ

انہوں نے (اپنے پروردگار کو) پکارا اس حال میں وہ غم میں گھٹ رہے تھے ف۲۹ اگر اُن کے پروردگار کا فضل اُن کی دستگیری

رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ

نہ کرتا تو وہ میدان میں ڈال دیئے جاتے بدحالی کے ساتھ ف۳۰ پھر اُن کے پروردگار نے انہیں (اور) برگزیدہ کر لیا

فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَ اِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور اُن کو (اور زیادہ) صالحین میں کر دیا ف۳۱ اور یہ کافر ایسا معلوم ہوتا ہے

لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ يَقُوْلُوْنَ

کہ آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے، جب کہ قرآن سنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾

یہ تو مجنون ہیں حالانکہ یہ قرآن نصیحت ہی نصیحت ہے، دنیا جہان والوں کے لئے ف۳۲

ایاتها ۵۲ ۶۹ سُوْرَةُ الْحَآقَّةِ مَكِّيَّةٌ ۷۸ رکوعاتها ۲

اس کی باون آیتیں ہیں سورۃ الحاقّۃ مکہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَآقَّةُ ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۲﴾ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۳﴾

وہ ہونے والی چیز! کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز، اور آپ کو کیا خبر کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز! ف۱

حضرت یونس بن متی علیہ السلام ہیں جن پر حاشیے سورۂ یونس، سورۂ ہود وغیرہ میں مفصل گزر چکے۔ فَاصْبِرْ۔ آپ صبر سے کام لیتے رہئے۔ اور ان لوگوں پر فوری عذاب نہ آنے سے بددل نہ ہو جائیے۔ اِذْ نَادٰى۔ ندا سے یہاں مراد اپنے پروردگار کو توبہ واستغفار کی راہ سے پکارنا ہے۔ وَ لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ۔ یعنی ان پیمبر کی طرح کہیں نہ ہو جائیے گا، جو وقت پر عذاب موعود کے ٹل جانے سے بددل وملول کی خاطر ہو کر بلا اجازت صریح کہیں اور چلے گئے تھے۔ وَهُوَ مَكْظُوْمٌ۔ آپ کو غم اور صدمے کئی کئی طرح کے تھے۔ اور وہ سب اکٹھے ہو گئے تھے۔ ایک رنج تو قوم کے ایمان نہ لانے کا۔ دوسرا آئے ہوئے عذاب کے ٹل جانے کا۔ تیسرا بلا اذن صریح اپنے مقام سے چل کھڑے ہونے کا۔ اور چوتھا شکم ماہی میں محبوس ہو جانے کا۔ وَ لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ صاحب حال کا فعل صاحب مقام کے لئے۔ اور صاحب مقام کا فعل صاحبِ مقام الٰہی کے لئے کبھی کبھی نقص کا حکم رکھتا ہے اس لئے اس سے روکا جاتا ہے۔ ف۳۰ یعنی اگر ان کی توبہ قبول نہ ہو جاتی اور ملامت خطائے اجتہادی پر برابر قائم رہتی تو وہ دریا سے نکال کر میدان میں حالت مذموم کے ساتھ ڈال دیئے جاتے۔ لیکن توبہ قبول ہو گئی، ملامت کا شائبہ نہ رہا اور حالت بجائے مذموم ہونے کے ممدوح ہو گئی۔ ف۳۱ مقام اجتباء وصالحیت پر تو آپ پہلے سے ہی تھے۔ اب ان مقامات میں اور زیادہ ترقی ہو گئی۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ شاید اس تتمیم قصہ سے مقصود یہ ہو کہ اپنے اجتہاد پر عمل کرنا ان پیمبر کو کیسا مضر ہوا اور توکل کیسا نافع، اس طرح عذاب کے بارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی رائے سے عجلت نہ کیجئے۔ بلکہ اللہ ہی پر توکل رکھئے تو انجام بہتر ہوگا۔ ف۳۲ یہ کافروں اور منکروں کے انتہائی سفاہت وحمق کا بیان ہے کہ اللہ اللہ جو کلام ایک ہی ملک وقوم کے نہیں، ساری دنیا کی ہدایت واصلاح کے دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کے قانون اور ضابطے اور ہدایتیں دنیا کی کیا انفرادی اور کیا اجتماعی، کیا اخلاقی اور کیا سیاسی، کیا معاشری اور کیا خانگی، ہر قسم کی صلاح وفلاح کی ضامن تھیں، اسی کو یہ لوگ مجنون کا کلام بتا رہے ہیں—! یہ خود ان کا جنون نہیں تو اور کیا ہے۔ وَمَا هُوَ۔ ضمیر ھو سے مراد پیمبر علیہ السلام کا لایا ہوا کلام یا قرآن ہے۔ لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ۔ زلق بالابصار محاورۂ عرب میں کنایہ شدتِ عداوت سے ہے۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ تم تو مجھے ایسی بری آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ جیسے کھا ہی جاؤ گے۔ والمعنی انهم بشدة عداوتهم ينظرون اليك شزرا بحيث يكادون يزلون قدمك اويهلكونك (بیضاوی) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے اس آیت کے تحت میں ایک بڑے نکتہ کی بات سمجھائی ہے کہ تصرفات تکوینی اہلِ باطل بھی کر سکتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تاثیرات طبعیہ میں وہ اہل حق پر غالب آ جائیں۔ ان تصرفات نفسانی کو دلیل ولایت ومقبولیت سمجھنا ہی جہل ہے۔

ف۱ سورۃ کو استفہامی فقروں سے شروع کرنا مخاطب کو سوال کر کے توجہ دلانا عین بلاغت وخطابتِ عرب کے اسلوب کے مطابق ہے۔ اَلْحَآقَّةُ۔ حاقہ کے لفظی معنٰی اس چیز کے ہیں جو بہر حال ہو کر رہے۔ الحاقة التي يحق وقوعها (بیضاوی) مراد حشر کا ہولناک دن ہے جس دن جزا وسزا واقع ہو کر رہے گی۔ اشارة الى القيامة لانه يحق فيه الجزاء (راغب)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَ عَادٌ بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا

ثمود اور عاد نے تکذیب کی اُس کھڑکھڑا دینے والے واقعہ کی، سو ثمود تو ایک زور کی آواز سے

بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾ وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿۶﴾

ہلاک کر دیئے گئے اور رہے عاد سو وہ ایک تیزوتند ہوا سے ہلاک کئے گئے ف۲

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى

(اللہ نے) اسے ان پر مسلط کر دیا تھا سات راتوں اور آٹھ دنوں تک لگاتار تو تو وہاں

الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿۷﴾

اس قوم کو یوں گرا ہوا دیکھتا ہے کہ گویا وہ گری ہوئی کھجور کے تنے پڑے ہیں

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿۸﴾ وَ جَآءَ فِرْعَوْنُ وَ مَنْ

سو کیا تجھ کو ان میں سے کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے ف۳ اور فرعون اور اُس کے قبل والوں نے

قَبْلَهٗ وَ الْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿۹﴾ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ

اور الٹی ہوئی بستیوں والوں نے (بڑے بڑے) قصور کیے تھے ف۴ تو انہوں نے اپنے پروردگار کے رسول کی نافرمانی کی

فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ

سو (اللہ نے) ان کو بہت سخت پکڑا ہم ہی نے جب کہ پانی میں طغیانی ہوئی تمہیں کشتی میں

فِي الْجَارِيَةِ ﴿۱۱﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِيَهَآ اُذُنٌ

سوار کیا تاکہ اس (واقعہ) کو ہم تمہارے لئے یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان

وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾

اس کو یاد رکھیں ف۵ غرض جب صور یکبارگی پھونک دیا جائے گا

وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾

اور زمین اور پہاڑ اُٹھا لئے جائیں گے یہ دونوں ایک دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے،

ف۲ یہ قوم ثمود قوم عاد جو شمالی ومغربی عرب اور جنوبی ومشرقی عرب کی اپنے اپنے زمانہ میں مہذب ترین ومتمدن ترین قومیں رہی ہیں۔ ان کا اصلی جرم انکار آخرت تھا۔ جو حق تعالیٰ کے ضابطۂ تعزیرات میں انکار توحید کے بعد شدید ترین جرم ہے۔ اوران دونوں کا اسی بنیادی جرم کی پاداش میں دنیا میں یہ حشر ہوا کہ ان کا نام ونشان تک مٹا کر رکھ دیا گیا۔۔۔ آج کی آخرت فراموش "روشن خیال" ومہذب" قوموں کا جن کے صحیفۂ تہذیب وروشن خیالی کی پہلی ہی سطر آخرت فراموشی ہے، حشر کیا ان سے کچھ مختلف ہونا ہے؟ اَلْقَارِعَة۔ قرع اس آواز کو کہتے ہیں جو کسی سخت چیز پر ضرب لگنے سے پیدا ہوتی ہے اور قارعة سخت قسم کی کھڑکھڑاہٹ ہے۔ القرع ضرب شیء علی شیء (راغب) القارعة هی التی تقرع الناس بالافزاع والاسهال (کبیر) مراد قیامت کا دن ہے۔ اجمعوا علی ان الحاقة هی القیامة (کبیر) ثَمُوْدُ وَعَادٌ۔ ان قوموں پر اور ان کی تباہی وبربادی پر مفصل حاشیے سورة الاعراف وغیرہ میں گزر چکے۔ ف۳ یہ منظر ہلاکت وتباہی کے بعد اس قوم کی مردہ لاشوں کا دکھایا ہے۔ كَاَنَّهُمْ ...... خَاوِيَةٍ۔ کٹے ہوئے درختوں کے تنے کے ساتھ یہ تشبیہ قوم عاد کی جسمانی تنومندی اور قدآوری کے لحاظ سے نہایت موزوں اور برمحل ہے۔ ف۴ (اور سب سے بڑھ کر انکار آخرت) فرعون کا ذکر بار بار آچکا ہے۔ اَلْمُؤْتَفِكٰتُ۔ یہ الٹی ہوئی بستیاں قوم لوط کی تھیں۔ حضرت لوط اور ان کی قوم پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ ف۵ یعنی سننے والوں کو چاہئے کہ عبرت کے کانوں سے اس واقعہ کو سنیں اور اسے یاد رکھ کر موجبات عقوبت سے بچیں۔ اِنَّا ...... الْجَارِيَةِ۔ اشارة واقعہ طوفان نوح کی جانب ہے۔ حَمَلْنٰكُمْ۔ ضمیر جمع مخاطب سے مراد موجودہ نسل مخاطبین کے اسلاف ہیں۔ لِنَجْعَلَهَا۔ ضمیر ھا اس واقعہ غرقابی کی طرف راجع ہے جو مخاطبین کو خوب اچھی طرح معلوم تھا، گو یہاں مذکور نہ ہو، ایسے موقع پر محض ضمیر سے کام لینا عربی اسلوب بیان کے عین مطابق ہے۔ قال الزجاج انهٗ عائد الی الواقعة التی هی معلومة وان کانت ههنا غیر مذکورة (کبیر) الضمیر للفعلة وهی نجاة المؤمنین و اغراق الکفرة (کشاف)

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۟ۙ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ

تو اُس روز وہ ہونے والی چیز ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ

يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۟ۙ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ وَيَحْمِلُ

اس روز (بالکل) بودا ہوگا اور فرشتے اس کے کنارے پر ہوں گے ف۶ اور آپ کے پروردگار کے

عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ؕ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ

عرش کو اپنے اوپر اس روز آٹھ (فرشتے) اُٹھائے ہوں گے ف۷ جس روز

تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ

تم پیش کئے جاؤ گے تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ رہے گی تو جس شخص کا نامۂ عمل اس کے

كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۚ﴿۱۹﴾ اِنِّيْ

داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا لو میرا نامۂ اعمال پڑھ لو میں تو

ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۚ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ

جانے ہوئے تھا کہ مجھے ضرور میرا حساب پیش آنے والا ہے ف۸ تو وہ شخص خوب مزے کے

رَّاضِيَةٍ ۙ﴿۲۱﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا

عیش میں ہو گا بہشت بریں میں ہو گا جس کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے کھاؤ

وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾

اور پیو مزے کے ساتھ ان اعمال کے بدلے میں جو تم گزشتہ ایام میں کر چکے ہو ف۹

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ

اور رہا وہ جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، تو وہ کہے گا کیا اچھا ہوتا جو مجھے میرا

اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۚ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۚ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ

نامۂ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھے خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے کاش موت ہی خاتمہ

ف۶ (جس وقت آسمان پھٹنا شروع ہوگا) ذکران فرشتوں کا ہے جو آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ۔ یعنی اپنے اپنے مقام وحیز سے یہ چیزیں ہٹادی جائیں گی۔ ذکر قیامت کے نفخۂ اول کا چل رہا ہے۔ وَالْمَلَكُ۔ ملک۔ یہاں بطور اسم جنس آیا ہے۔ صورۃً مفرد و معنیً جمع۔ للجنس بمعنی الجمع (مدارک) لم یرد بہ ملکًا واحدًا بل اراد الجنس والجمع (کبیر) ف۷ (جیسا کہ اس وقت چار اٹھائے ہوئے ہیں) عرش الٰہی کی کیفیت یا ماہیت اور اس کی تفصیلات سب علم وشعور انسانی کی موجودہ سطح سے بالاتر ہیں اس لئے بجز اجمالی بیان سن لینے اور اس کی اجمالی تصدیق کر دینے کے بندوں کے لئے کوئی چارہ نہیں۔ البتہ محققین نے لکھا ہے کہ عرش الٰہی کو اس وقت جو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، یہ محض سطوت وجبروت شہنشاہی کے اظہار کے لئے ہے ورنہ عرش تو ثقل مادی سرے سے رکھتا ہی نہیں۔ البتہ نورانیت وہیبتِ الٰہی کا بار رکھتا ہے۔ سو آخرت میں شانِ جبروتی کا ظہور کامل ہوگا اس لئے چار حامل اور بڑھ جائیں گے یہ کہنا کہ فرشتوں کا حامل عرش ہونا حق تعالیٰ کی شان قیومیت کے منافی ہے محض اپنی سطحیت کا اظہار کرنا ہے۔ اگر قیومیت کے یہ معنی لے لئے جائیں تو ایک اسی مسئلہ پر کیا موقوف ہے، ملائکہ کو واسطہ بنا کر ان سے کام لیتے رہنے کا سارا انتظام ہی باطل ہوا جاتا ہے۔ یَوْمَئِذٍ۔ سے مراد مجموعی وقت قیامت ہے اس کے نصف اول (جب نفخۂ اولیٰ ہوگا) کا بیان پہلے ہو چکا، اب ذکر نصف ثانی کا ہو رہا ہے۔ جب نفخۂ ثانی ہوگا۔ ف۸ یعنی میں تو خود دنیا میں ایمان وتصدیق رکھتا تھا اور یوم آخرت اور وقوع جزاء کا شروع ہی سے معتقد تھا۔ لَا...... خَافِيَةٌ۔ یعنی اے انسانو! حق تعالیٰ سے اس وقت تمہارا کوئی سا بھی راز چھپا ہوا نہ ہوگا۔ فَاَمَّا...... بِيَمِيْنِهٖ۔ نامۂ اعمال کا داہنے ہاتھ میں ملنا جنتی ہونے کی علامت ہوگا۔ فَيَقُوْلُ۔ وہ جنتی خوش ہو کر اپنے آس پاس والوں سے کہے گا۔ هَآؤُمُ۔ ھا کے معنی ”لو“ کے آئے ہیں اور ھَاؤُمُ کا استعمال موقع جمع پر ہوتا ہے۔ هاؤ صوت یصوت فیفهم به معنی خذ (کبیر) ویقال للاثنین هاؤما وللجمع هاؤموا وهاؤم (کبیر) ها کلمة فی معنی الاخذ وهو نقیض هات ای اعط ویقال هاؤم و هاؤما وها ؤموا (راغب) فَيَقُوْلُ...... كِتٰبِيَهْ۔ یہ جنتی نامۂ اعمال کو داہنے ہاتھ میں پا کر فرط مسرت میں پکار اُٹھے گا جیسا آج دنیا میں بھی انتہائی مسرت کے جوش میں انسان دوسروں کو بھی پکار پکار کر اپنی مسرت میں شریک کرتا ہے۔ دل ذلک علی انه بلغ الغاية فی السرور (کبیر) ف۹ (یعنی دنیا میں) قُطُوْفُهَا...... دَانِيَةٌ۔ یعنی جنت میں میوہ دار درختوں کے لذیذ پھل اور خوشے اہل جنت پر جھکے ہوئے ہر حال میں ان سے ایسے قریب ہوں گے کہ وہ بیٹھے لیٹے، کھڑے، جس وضع وحالت میں بھی چاہیں گے انہیں پا سکیں گے۔ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ۔ جنت کی زندگی ہر قسم کے فکر وتردد، مرض ومصیبت، زوال وموت، عیب ونقص سے قطعاً خالی ہوگی، اس ساری کیفیت کو ایک مختصر لفظ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ سے تعبیر فرما دیا گیا ہے۔ بِمَآ اَسْلَفْتُمْ۔ اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اعمال طاعت موجبات اجر وصلہ ہوتے ہیں۔ اور اہل جنت کو جو صلہ ملے گا اس کے وہ مستحق ہوں گے۔ یدل علی انهم انما استحقوا ذلک الثواب بسبب عملهم وذلک یدل علی ان العمل موجب للثواب (کبیر)

وٓ۱۰ (ہمیشہ ہمیش کے لئے اور آج اس جزاء وسزا کی نوبت ہی نہ آتی) یہ کلمات اہل دوزخ کی زبان پر انتہائی حسرت ویاس کی حالت میں آئیں گے۔ وَاَمَّا مَنۡ ...... بِشِمَالِهٖ۔ نامۂ اعمال کا بائیں ہاتھ میں ملنا دوزخی ہونے کی علامت ہوگا۔ یٰلَیۡتَهَا۔ ضمیر ھا موت کی جانب ہے۔ اگرچہ لفظ موت مذکور نہیں ـــ شدت ظہور کے باعث ضرورت بھی اس کے ذکر کی نہ تھی۔ الضمیر یعود الی الموتة الاولی وهی وان لم تكن مذكورة الاانها لظهورها كانت كالمذكور (کبیر) وٓ۱۱ یعنی دنیا کا مال وجاہ لینے میں پڑا ہوا میں مست وغافل اور آخرت کی طرف سے بھولا ہوا رہتا تھا۔ ان کی بے حقیقتی آج عیاں ہورہی ہے۔ دنیا میں غفلت پیدا کرنے والی چیزیں یہی دو ہوتی ہیں ایک مال دوسرے جاہ، اس لئے صراحت سے ذکر انہیں دونوں کا کیا گیا۔ وٓ۱۲ دوزخی ابھی حسرت وندامت میں مبتلا ہی ہوگا کہ ادھر سے فرشتوں کو یہ احکام صادر ہوجائیں گے۔ ذَرۡعُهَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا۔ یہ گز عالم آخرت کے ہوں گے دنیا کی پیمائش اور پیمانوں سے آخرت کی پیمائش اور پیمانے ظاہر ہے کہ کتنے مختلف ہوں گے۔ اور پھر بھی ضرور نہیں کہ اس سے کوئی متعین پیمائش ہی مقصود ہو، بلکہ ہوسکتا ہے کہ زنجیر کا محض طویل ہونا مقصود ہو۔ لیس الغرض التقدير بهذا المقدار بل الوصف بالطول كما قال ان تستغفر لهم سبعين مرة يريد مرات كثيرة (کبیر) يجوزان يراد المبالغة فی طولها وان لم يبلغ هذا العدد (بحر) وٓ۱۳ (مرتبۂ واجب میں) اِنَّهٗ ...... الۡعَظِیۡمِ۔ یعنی یہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات پر اس طرح ایمان نہ لایا، جس طرح کی تعلیم حضرات انبیاء ومرسلین دے گئے تھے۔ وَلَا ...... الۡمِسۡکِیۡنِ۔ یعنی یہ خود تو غریبوں، مسکینوں، کی خدمت کیا کرتا۔ دوسروں تک کو اس کی صلاح وترغیب نہیں دیتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ اللہ کے حق اور بندوں کے حق دونوں کو بھولا ہوا تھا۔ وٓ۱۴ یعنی ان کافروں مجرموں کو دوزخ میں غذائیں بھی ملیں گی، تو اتنی نفرت انگیز اور گندی کہ کوئی اور انسان تو ادھر رخ بھی نہیں کرسکتا! الۡخَاطِئُوۡنَ۔ مراد خطا پیشہ یعنی منکرین وکافرین ہیں۔ الکافرون (مدارک، معالم) وهم المشركون (کبیر) وٓ۱۵ یعنی موجودات مرئی وغیر مرئی سب اس پر شاہد ہیں کہ قرآن جس پر آیا وہ حق تعالیٰ کا معزز قاصد ہے۔ـــ قسم کے متعلق بار بار بیان ہوچکا ہے کہ عربی اسلوب بیان میں اس سے مقصود محض تاکید کلام ہوتی ہے۔ بِمَا ...... لَا تُبۡصِرُوۡنَ۔ قرآن مجید کو دنیا میں لانے والا ایک غیر مرئی مخلوق یعنی فرشتہ تھا، اور دنیا کے سامنے اس کا پیش کرنے والا ایک مرئی مخلوق یعنی پیمبر۔ اس لئے حقانیت قرآن کے سلسلہ سیاق میں موجودات کی ان دو قسموں کی طرف توجہ دلانا بہت پُر معنی ہے۔ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ۔ رسول کا استعمال اس سیاق میں فرشتہ جبرئیل کے لئے ہے۔ و الاكثرون هناك على ان المراد به جبريل عليه السلام (کبیر) قال ابن السائب ومقاتل وابن قتيبة هو جبريل عليه السلام (بحر) قرآن کا انتساب حضرت جبرئیل علیہ السلام کی جانب بھی صحیح ہے کہ وہی آسمان سے اس کے لانے والے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بھی صحیح کہ وہی ہم سب کو سنانے والے تھے۔ نعوذ باللہ اگر اسے فرشتہ ہی کا مستقل کلام قرار دے لیا جائے، تو اس کا وصف امی رسول ہی باطل ٹھہرا جاتا ہے۔ يكفى فى سوق الاضافة ادنى سبب فهو كلام جبرئيل بمعنى انه هو الذى انزله من السموات الى الارض وهو كلام محمد بمعنى انه هو الذى اظهره للخلق ودعا الناس الى الايمان به (کبیر) وٓ۱۶ غرض یہ کہ یہ پُر حکمت وعظمت کتاب نہ شعر ہے، نہ کہانت، اور تم لوگ جو ایسی بیہودہ رائے زنی کررہے ہو، ایمان وعقل دونوں سے خالی ہو۔ قَلِیۡلًا ـ قَلِیۡلًا ـ یہ قلت دونوں جگہ عدم کے معنی میں ہے۔ وقليل يعبر به عن النفى، (راغب) القلة فى معنى العدم (کشاف) والعرب يقولون قلما يا تينا يريدون لا يا تينا (کبیر) بِقَوۡلِ شَاعِرٍ۔ مشرکین مکہ کے ایک "روشن خیال" گروہ کی تشخیص یہی تھی۔ بِقَوۡلِ کَاهِنٍ۔ مشرکین مکہ کے ایک دوسرے "روشن خیال" گروہ نے یہی فتویٰ دے رکھا تھا۔ قرآن مجید کی معجزانہ تاثیر سے تو اہل عرب کو بھی مجال انکار نہ تھی۔ جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ شخصیت کے اثرات سے آج فرنگیوں کو بھی مجال انکار نہیں، البتہ جس طرح آج کے فرنگی سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر کامیابی کے لئے توجیہیں ساری دنیا کی ڈھونڈ نکالتے ہیں، بجز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے رسالت کی تصدیق کے۔ ساری طرح قریش کے "روشن خیال" بھی مجبور وعاجز ہوکر انہیں تاویلوں پر اُتر آتے تھے کہ یا تو اسے شاعر کا کلام قرار دیں یا کاہن کا ـــ شاعری اور کہانت، ادب کے انہیں دو مؤثر، پرزور حربوں سے وہ واقف تھے۔ وٓ۱۷ (ساری خلق کی ہدایت واصلاح کے لئے)

الۡقَاضِیَةَ ﴿۲۷﴾ مَاۤ اَغۡنٰی عَنِّیۡ مَالِیَهۡ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّیۡ

کرچکی ہوتی وٓ۱۰ میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا میرا جاہ (بھی) مجھ سے

سُلۡطٰنِیَهۡ ﴿۲۹﴾ خُذُوۡهُ فَغُلُّوۡهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الۡجَحِیۡمَ صَلُّوۡهُ ﴿۳۱﴾

گیا گزرا ہوا وٓ۱۱ پکڑو اس کو اور طوق پہناؤ اس کو، پھر اس کو دوزخ میں داخل کرو

ثُمَّ فِیۡ سِلۡسِلَةٍ ذَرۡعُهَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُکُوۡهُ ﴿۳۲﴾

پھر ایک ایسی زنجیر میں اسے جکڑو جس کی پیمائش ستر گز ہے وٓ۱۲

اِنَّهٗ کَانَ لَا یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی

اس کا نہ ایمان ہی خدائے بزرگ پر تھا اور نہ یہ غریب آدمی کے

طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ ﴿۳۴﴾ فَلَیۡسَ لَهُ الۡیَوۡمَ هٰهُنَا حَمِیۡمٌ ﴿۳۵﴾

کھلانے کی ترغیب دیتا تھا وٓ۱۳ سو آج اس کا نہ کوئی دوست ہے اور نہ اسے کوئی کھانا نصیب ہے،

وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ غِسۡلِیۡنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا یَاۡکُلُهٗۤ اِلَّا الۡخَاطِـُٔوۡنَ ﴿۳۷﴾

بجز زخموں کے دھوون کے، جسے کوئی بھی نہ کھائے گا بجز سخت گنہگاروں کے وٓ۱۴

فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ

پھر میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو، اور جنہیں تم نہیں دیکھتے ہو یہ (قرآن)

لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ قَلِیۡلًا مَّا

کلام (الٰہی) ہے ایک معزز فرشتہ کا (لایا ہوا) وٓ۱۵ اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں بہت ہی کم ایمان

تُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوۡلِ کَاهِنٍ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۴۲﴾

تم لاتے ہو اور یہ کسی کاہن کا بھی کلام نہیں بہت ہی کم تم سمجھتے ہو وٓ۱۶

تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَیۡنَا بَعۡضَ

(یہ کلام) اتارا ہوا ہے پروردگار عالم کی طرف سے وٓ۱۷ اور اگر (یہ پیغمبر) ہمارے ذمہ کچھ باتیں

ع ۱ / ۵

و۱۸ یعنی ان کا دعوٰی کسی طرح سرسبز نہ ہونے دیتے۔ اور اسے یہیں سزا دے دیتے۔ وَلَوْ...... الْاَقَاوِیْلِ۔ یعنی جو کلام حق تعالیٰ کا نہیں اسے یہ حق تعالیٰ کا کلام قرار دے کر نبوت کا جھوٹا دعوٰی کر دیتے۔

الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا

لگا دیتے تو ہم اُن کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم اُن کی رگِ دل

مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾

کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے کوئی ان کا اس (سزا) سے بچانے والا نہ ہوتا و۱۸

وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ

اور یہ (قرآن) بے شک نصیحت ہے متقیوں کے لئے و۱۹ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تمہارے درمیان

مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَ اِنَّهٗ

تکذیب کرنے والے بھی ہیں اور یہ (قرآن) کافروں کے حق میں موجب حسرت ہے و۲۰ اور یہ (قرآن)

لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

تحقیقی یقینی بات ہے و۲۱ سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجیے و۲۲

ع ۱۵ / ۲

آیاتہا ۴۴ ﴿۷۰ سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ ۷۹﴾ رکوعاتہا ۲

اس کی چوالیس آیتیں سورۂ معارج مکہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ

مانگا، ایک مانگنے والے نے عذاب کو جو کافروں پر واقع ہونے والا ہے و۱ جس کا کوئی دفع کرنے

دَافِعٌ ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ

والا نہیں (اور جو) اللہ کی طرف سے ہوگا (جو) زینوں کا مالک (ہے) و۲ فرشتے اور روحیں

وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ

اس کے پاس چڑھ کر جائیں گی، ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی

لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ۔ قطع وتین سے مراد ہلاک کر دینا ہے۔ قال ابن قتیبة لم یرد انا نقطعه بعینه بل المراد انهٗ لوکذبه لاماته (کبیر) الْاَقَاوِیْلِ۔ گڑھی ہوئی باتوں کے لئے قول کی جمع اقاویل بروزن اعاجیب و اضاحیک۔ اس کی تحقیر وذم کے لئے لائی گئی ہے۔ سمی الاقوال المتقولة اقاویل تحقیرًا لها کقولک الاعاجیب والاضاحیک (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسی طرح جھوٹا مدعیٔ ولایت بھی ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ مگر نبوت چونکہ ایک امر ظاہر ہے اس لئے اس کا جھوٹا مدعی ظاہرًا بھی ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اور ولایت چونکہ امر باطنی ہے اس لئے اس کا جھوٹا مدعی صرف باطنًا ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور اہلِ باطن اس کا ادراک کر لیتے ہیں اور اس مدعی کے اندر انہیں آثار ممات وخذلان محسوس ہو جاتے ہیں۔ پس جس مدعی سے اکثر اہل اللہ بیزار ہوں اس سے بچتے رہنا چاہیے۔ و۱۹ یعنی اس نصیحت نامہ، ہدایت نامہ سے فائدہ تو وہی لوگ اٹھائیں گے، جن کے دلوں میں خوفِ خدا موجود ہے۔ و۲۰ اس معنی میں کہ وہ اس کی تکذیب کریں گے۔ اور اس طرح وہ ان کے حق میں بالواسطہ سبب تعذیب بن جائے گا) و۲۱ ابھی ابھی قرآن مجید کا وصف کمالی اضافی بیان ہو چکا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ خدا ترسوں کے حق میں موجب نصیحت وہدایت ہے۔ اب اس کا وصف کمالی ذاتی بیان ہو رہا ہے۔ یعنی وہ بجائے خود ایک متحقق وصادق کلام ہے۔ و۲۲ یعنی اس کے نام کی، جس کا یہ کلام ہے۔ اور منکرین مکذبین کی پروا مطلق نہ کیجئے۔ و۱ (کہ آخر وہ آ کیوں نہیں چکتا جس کا اتنی مدت سے وعدہ کیا جا رہا ہے) سَاَلَ سَآئِلٌ۔ یہ سوال اور مطالبہ ظاہر ہے کہ تضحیک وتعریض کی راہ سے تھا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ کہنے والا نضر بن الحارث الکی تھا۔ بعض روایتوں میں ابوجہل کا نام آیا ہے۔ بِعَذَابٍ۔ ب یہاں عن کے مرادف ہے۔ و۲ (یعنی آسمانوں کا مالک) ذِی الْمَعَارِجِ۔ معرج جس کی جمع معارج ہے اس کے لفظی معنی آلۂ عروج یا سیڑھی کے ہیں یہاں مراد آسمانوں سے ہے جو ایک کے اوپر ایک ہیں اور اس پر فرشتے چڑھتے اترتے رہتے ہیں۔ مِنَ اللّٰهِ۔ اس کا تعلق لفظ متصل دافع سے بھی سمجھا گیا ہے۔ اور آیت ماقبل کے لفظ واقع سے بھی۔ یعنی یہ مراد بھی لی جا سکتی ہے کہ اس عذاب کا اللہ کی طرف سے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور یہ مراد بھی کہ وہ عذاب کافروں پر اللہ کی طرف سے واقع ہوگا اور حاصل دونوں ترکیبوں کا ایک ہی ہے۔ اہلِ لطائف ومشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ اللہ کی صفت ذِی الْمَعَارِجِ لانے میں دو نکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں طالب سالک کے لئے تسکین وتسلی ہے کہ وہ اپنی سعی واستعداد کے مطابق جس مقام پر بھی قدم رکھے گا، ذات کبریائی اس کی پذیرائی کرے گی۔ دوسرے یہ کہ اس میں طالب سالک کی شوق افزائی کی ہے کہ وہ جس منزل پر بھی پہنچ چکا ہو، اس پر قناعت نہ کرے، بلکہ آگے ہی بڑھتے رہنے کی کوشش کرے!

ف۳ (اس دنیا کی مقدار مدت کے حساب سے) اتنی طویل مدت (جیسا کہ سیاق اشارہ کررہا ہے) کافروں ہی کو معلوم ہوگی۔ اور ان کے حق میں یہ امتداد، اشتداد ہی کی طرح خود ایک عذاب الیم ہوگا۔ رہے اہل ایمان، جن کی شان میں بار بار لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ اور وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ وغیرہ کی بشارتیں قرآن مجید میں آچکی ہیں۔ حسب تصریح احادیث یوم حشر ان کے لئے بالکل ہلکا پھلکا ہوگا۔ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ۔ یہ فرشتے اور ارواح انہیں آسمانی زینوں سے چڑھتے اترتے رہتے ہیں۔ الرُّوْحُ۔ روح بطور اسم جنس کے آیا ہے۔ اور مراد اہل ایمان کی روحیں ہیں۔ الیہ مراد عالم بالا کے وہ مقامات ہیں جو فرشتوں اور روحوں کے منتہائے عروج ہیں۔ ای الی عرشه ومهبط امره (مدارک) لفظ الی سے حق تعالیٰ کی تجسیم ومکانیت

سَنَةٍ ۞ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۞ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ

ہوگی ف۳ سو آپ صبر کیجئے اور صبر بھی جمیل ف۴ یہ لوگ اس دن کو دور دیکھ

بَعِيْدًا ۞ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۞ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۞

رہے ہیں اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں ف۵ جس دن کہ آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو جائے گا

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۞ وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ

اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے اور کوئی دوست کسی دوست کو

حَمِيْمًا ۞ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ

نہ پوچھے گا حالانکہ وہ انہیں دکھا بھی دیئے جائیں گے ف۶ مجرم (تو اس روز بس) اس کی تمنا کرے گا کہ

مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۢ بِبَنِيْهِ ۞ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۞

اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بدلہ میں فدیہ دے دے اپنے بیٹوں کو اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو

وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۞ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

اور اپنے کنبہ کو جس میں وہ بسر کرتا ہے اور تمام اہل زمین کو (کہ)

ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۞ كَلَّا ۚ اِنَّهَا لَظٰى ۞ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۞

پھر (یہ فدیہ) اسے (عذاب سے) بچالے ف۷ یہ ہرگز نہ ہوگا وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے کہ کھال (تک) اتار دے گی،

تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۞ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ۞

اور وہ اس شخص کو بلا وادے گی جس نے پیٹھ پھیری ہوگی اور روگردانی کی ہوگی اور (مال) جمع کیا ہوگا، اور اس کو اٹھا اٹھا

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۞ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ

رکھا ہوگا ف۸ انسان بے ہمت پیدا ہوا ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو

جَزُوْعًا ۞ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۞ اِلَّا

جزع فزع کرنے لگتا ہے، اور جب اسے خوشحالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے ف۹ ہاں البتہ

پر استدلال سرتاسر لغو ہے الی کا منسوب الیہ جب کبھی بھی غیر مادی یا غیر مکانی ہوتا ہے تو الی کے مفہوم میں صرف توجہ و التفات شامل رہتا ہے۔ مثلاً الی الکفر، الی الایمان، الی الخیر وغیرہ میں، اور خود قرآن مجید کی اس قسم کی آیات میں۔ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ۔ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ وغیرہ۔ فلیس المراد منه المکان بل المراد انتهاء الامر الی مراده (کبیر) ف۴ جس میں شکوہ وشکایت کا نام بھی نہ ہو۔ فَاصْبِرْ۔ یعنی آپ معاندین کے طنز واستہزاء پر صبر کرتے رہیے۔ ف۵ (اور انہیں اس کے قرب سے آگاہ بھی کرتے جاتے ہیں) نَرٰىهُ قَرِيْبًا۔ حق تعالیٰ کا دیکھنا چونکہ ہمیشہ مطابق واقع ہی ہوتا ہے۔ اس لئے گویا یہ بتا دیا کہ وہ دن واقعۃً بہت ہی قریب آلگا ہے۔ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا۔ ان کا اس دن کو دور سمجھنا تمام تر ان کی ارادی غفلت و مدہوشی کا نتیجہ ہے۔ بَعِيْدًا۔ قَرِيْبًا۔ بعید سے مراد بعید از قدرت اور قریب سے مراد اندرون قدرت لی گئی ہے۔ فالمراد بالبعید البعید من الامکان وبالقریب القریب منه (کبیر) ف۶ یعنی ایسی نفسی نفسی اس وقت پڑی ہوگی کہ غیر تو کیا کام آئیں گے خود اپنے قریبی بھی بات تک نہ پوچھیں گے۔ يَوْمَ۔ یعنی کافروں پر یہ عذاب اس دن واقع ہوگا، جس کی کیفیت اب بیان ہو رہی ہے — امتداد یوم حشر کا بیان ابھی ہو چکا ہے۔ اب تفصیلات اس روز کے اشتداد کی بیان ہو رہی ہیں۔ كَالْمُهْلِ۔ یعنی تلچھٹ کی طرح سیاہی مائل انتہائی سرخی کے ڈانڈے سیاہی سے مل جاتے ہیں۔ اس لئے اس بیان اور كَانَتْ السَّمَآءُ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ میں کوئی تناقض نہیں — اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ سرخی اور میلان بسیاہی یہ دو مختلف رنگتیں دو مختلف حالتوں کی ہوں۔ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ۔ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ۔ جب آسمان اور پہاڑ جیسی زبردست اور مستحکم چیزیں یوں نکمی نکل جائیں گی تو دوسری موجودات کا کیا ذکر! تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ۔ پہاڑوں کی تشبیہ رنگین اون سے شاید اس لئے دی گئی کہ پہاڑ بھی مختلف رنگ کے ہوتے ہیں۔ ف۷ الْمُجْرِمُ۔ مجرم سے مراد کافر ہے۔ ای المشرک (معالم۔ مدارک) المجرم هو الکافر (کبیر) کافروں کی حالت اس روز یہ ہوگی کہ دنیا میں جس جس پر جان فدا کرتے تھے۔ ان تک کو اپنی جان بچانے کے لئے عذاب الٰہی کے حوالے کرتے جائیں گے۔ ف۸ (دوسروں کا حق کاٹ کاٹ کر) كَلَّا …… لِلشَّوٰى۔ ذکر دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ کا ہے کہ وہ کسی کی رورعایت کرنا کیا جانے۔ اور اس کے سامنے ذکر عوض وفدیہ کا کیسا! اَوْعٰى۔ کنایہ ہے کمال بخل سے۔ یہ ضرور نہیں کہ کوئی شخص واقعۃً اپنے نقد ومال کو اٹھا اٹھا کر الماریوں اور تجوریوں کے اندر سمیٹ کر رکھے۔ مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى۔ یعنی جب دنیا میں ایمان وطاعت کی طرف بلائے جاتے تھے تو بلانے والے کی طرف سے اعراض ونفرت کرتے ہوئے بھاگتے تھے۔ مطلب دونوں آیتوں کو ملا کر یہ ہوا کہ حقوق اللہ وحقوق العباد دونوں کو کافر نے دنیا میں ضائع کیا۔ اور اس سے فساد عقائد اور فساد اخلاق دونوں کی جانب اشارہ ہوگیا۔ کافر کے نفس عذاب کے لئے تو کفر ہی کافی ہے عذاب میں مزید اشتداد البتہ فروع کی بناء پر ہوگا۔ ف۹ الْاِنْسَانَ۔ انسان سے اس سیاق میں مراد کافر انسان ہے جیسا کہ مابعد اہل ایمان کے استثناء سے ظاہر ہو رہا ہے۔ هَلُوْعًا۔ اس بدہمتی سے مراد طبعی، جبلی بدہمتی مراد نہیں بلکہ اس کے اختیاری واکتسابی آثار مادی مراد ہیں۔ جَزُوْعًا۔ یعنی جزع فزع کرنے میں قدم حد اباحت سے آگے بڑھا رہتا ہے۔ مَنُوْعًا۔ یعنی ادائے حق ضروری میں بھی بخل کرنے لگتا ہے۔

الْمُصَلِّیْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآىِٕمُوْنَ ﴿۲۳﴾

وہ نمازی (اس حکم میں داخل نہیں) جو اپنی نماز میں برابر لگے رہتے ہیں

وَ الَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآىِٕلِ

اور جو اپنے مال میں حق رکھتے ہیں جانا ہوا سوالی اور بے سوالی

وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۲۶﴾

(سب) کا اور جو جزاء کے دن کی تصدیق کرتے رہتے ہیں ف۱۰

وَ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ

اور جو لوگ اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہنے والے ہیں بے شک

عَذَابَ رَبِّهِمْ غَیْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ

ان کے پروردگار کا عذاب نڈر رہنے والی چیز ہے بھی نہیں اور جو لوگ کہ اپنی شرمگاہوں کو

حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ

محفوظ رکھنے والے ہیں ہاں اگر اپنی بیویوں اور باندیوں سے (حفاظت نہ کریں) تو

فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ

ان پر کوئی ملامت نہیں البتہ جو کوئی اس کے علاوہ (شہوت رانی کا) طلبگار ہوا،

فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ

تو یہ لوگ حد (شرعی) سے نکل جانے والے ہیں ف۱۱ اور جو لوگ اپنی امانتوں

وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ

اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو لوگ اپنی گواہیوں کے ادا

قَآىِٕمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾

کرنے والے ہیں ف۱۲ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی پابندی رکھتے ہیں

ف۱۰ اوراس بنیادی عقیدۂ تصدیق سے اہل ایمان کے سارے اعمالِ طاعت کی شاخیں ہوگئی ہیں۔ اَلَّذِیْنَ ...... دَآىِٕمُوْنَ۔ یعنی اپنی نمازوں کی پوری محافظت ومداومت رکھتے ہیں۔ انہیں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتے۔ عن عائشةؓ قالت کان احب الصلٰوة الٰی رسول اللہ ﷺ مادیم علیه (جصاص) قیل المراد بذٰلک الذین اذا عملوا عملًا اداموا علیه واثبتوه (ابن کثیر) یہ معنٰی بھی ہوسکتے ہیں کہ ہروقت نماز کے خیال میں لگے رہتے ہیں کہ ادھر وقت آئے اور ادھر نماز شروع کردیں۔ عن ابن مسعودؓ قال دائمون علی مواقیتها (جصاص) قیل معناه یحافظون علٰی اوقاتها و واجباتها قال ابن مسعود ومسروق و ابراهیم النخعی (ابن کثیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نمازیوں کا ہلوع یعنی بدہمت نہ ہونا دلیل ہے اس کی کہ طاعات کو قوت قلب وتحمل شدائد میں دخل عظیم ہے۔ اوراس اثر کا مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ فِیْ ...... الْمَحْرُوْمِ۔ طاعاتِ بدنی کا اجمالی ذکر ابھی نماز کے ضمن میں آچکا ہے۔ طاعاتِ مالی کا ذکر اب آرہا ہے۔ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ۔ یعنی وہ حق جو شرعاً معین ہے یا عقلاً مسلم ہے۔ لِلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ۔ یعنی جس کا جو درجہ شریعت نے مقرر کردیا ہے بس اس کے مطابق وماتحت۔ اَلْمَحْرُوْمِ۔ محروم کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ ہروہ شخص ہے جوکوئی ذریعہ معاش نہ رکھتا ہو۔ عن ابن عباس المحروم الذی لایستقیم له تجارة (جصاص) قال ابو قلابة المحروم من ذهب ماله (جصاص) ای الذی لم یوسع علیه الرزق کما وسع علی غیره (راغب) ف۱۱ ان سب آیتوں کے لئے ملاحظہ ہوں سورة المؤمنون (پ۱۸) کے پہلے رکوع کے ابتدائی حواشی۔ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ اس سے ادھر اشارہ ہوگیا کہ علاوہ حرامکاری کے اس کے مبادی ومقدمات بھی ناجائز ہیں۔ فَمَنِ ...... الْعٰدُوْنَ۔ اس آیت نے غیر طبعی اور غیر شرعی شہوت رانی کی ساری صورتوں کو حرام قرار دے دیا۔ وهٰذه الاٰیة تدل علی حرمة المتعة ووطی الذکران والبهائم والاستمناء بالکف (مدارک) ف۱۲ (ٹھیک ٹھیک اور بغیر کمی بیشی کے، بغیر کسی کی رورعایت کے، بلا کسی دباؤ یا لالچ کا اثر لئے ہوئے) لِاَمٰنٰتِهِمْ۔ یعنی ان امانتوں کا خیال رکھنے والے جو انہوں نے اپنی سپردگی میں لی ہیں۔ وَ عَهْدِهِمْ۔ یعنی ان عہدوں کو پورا کرنے والے جو وہ دوسروں سے کرچکے ہیں۔

ف۱۳ محققین نے کہا ہے کہ اعمال حسنہ کی فہرست کو شروع بھی نماز کے ذکر سے کرنا اور ختم بھی اسی پر کرنا اس کی دلیل ہے کہ اعمال طاعت میں اولین وعظیم ترین اہمیت نماز ہی کو حاصل ہے۔ فافتح الکلام بذکر الصلوٰۃ واختتمہٗ بذکرھا فدل علی الاعتناء بھا والتنویہ بشرفھا (ابن کثیر) ف۱۴ (ان مضامین وتعلیمات کی تصدیق کے لئے نہیں بلکہ الٹے ان کی تکذیب وتضحیک کے لئے) فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ ف سے ادھر اشارہ ہو گیا کہ ان موجبات سعادت وشقاوت کی پوری تحقیق ہو جانے کے بعد بھی۔ ف۱۵ (اور پھر بھی یہ امکان بعث میں شک ہی کئے جاتے ہیں۔ اور ہماری قدرت پر ذرا غور نہیں کرتے) اَيَطْمَعُ۔ اس سے ادھر اشارہ ہو گیا کہ اپنی حماقت وسفاہت سے یہ اپنے ہی کو حق پر سمجھے ہوئے اس خیال خام میں ہیں کہ مرنے کے بعد ان کے لئے چین ہی چین ہے۔ كَلَّا۔ موجبات عذاب کے تحقق کے ساتھ عیش بعد الموت کیسے جمع ہو سکتا ہے! مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی نطفہ جیسی حقیر چیز سے۔ ف۱۶ (یعنی خود اپنی) آگے ذکر قدرت کاملہ کا ہے اس مناسبت سے یہاں اپنا ایک اسم وصفی لا کر گویا اسی وصف کو بطور شہادت کے پیش کیا ہے۔ مشارق جمع ہے مشرق کی اور مغارب جمع ہے مغرب کی۔ آفتاب کے طلوع وغروب کے نقاط سال میں برابر بدلتے رہتے ہیں، جیسا کہ علم ہیئت کے ہر طالب علم پر واضح ہے۔ قرآن مجید نے ہر ہر نقطہ طلوع کو ایک مشرق اور ہر ہر نقطہ غروب کو ایک مغرب قرار دے کر اسی فلکیاتی حقیقت کی جانب اشارہ کر دیا۔ مشرک اور جاہلی قوموں نے مشرق، اور مغرب، جنوب مشرق، جنوب مغرب، شمال مغرب، شمال مشرق وغیرہ کے جو الگ الگ دیوتا، یا، لوک پال تجویز کر رکھے تھے، اسی ایک نام رَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ کو لا کر قرآن نے اس سارے عقیدہ کی تردید کر دی کہ یہ کیا مہملات وخرافات ہیں، ہر سمت اور ہر جہت کا مالک وہی ایک پروردگار برحق ہے۔ ف۱۷ خلاصہ استدلال یہ کہ جب ہم بالکل نئی مخلوق کے پیدا کرنے پر، جن میں صفات کمال بھی تم سے زائد ہوں، قادر ہیں، تو تم کو دوبارہ پیدا کر دینے میں کیا دشواری ہے؟ اِنَّا ...... مِّنْهُمْ۔ یعنی اس دنیا میں ان سے بہتر مخلوق لا دکھائیں۔ ف۱۸ (اور دنیا میں اس کی ہمیشہ تکذیب ہی کرتے رہے تھے) فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا۔ یعنی آپ ﷺ ان بدمستوں اور غفلت میں پڑے رہنے والوں کے حق میں زیادہ فکر وتردد نہ کیجئے ــــ یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ ان پر تبلیغ بھی ترک کر دیجئے۔ كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ۔ یعنی جس طرح دنیا میں چڑھاوا چڑھانے کے لئے اپنی پرستش گاہوں کی طرف لپکتے ہوئے جاتے تھے۔ نُصُب۔ ملاحظہ ہو وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ پر حاشیہ سورۃ المائدہ (پ۶) کے رکوع اول میں۔ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ۔ یہ آنکھوں کا جھکا ہونا افراط خوف وندامت سے ہو گا۔ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ۔ اردو محاورہ میں "ان کے چہروں پر پھٹکار برس رہی ہو گی"۔

اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

یہی لوگ بہشتوں میں عزت سے داخل ہوں گے ف۱۳ تو ان کافروں کو کیا ہوا ہے کہ

قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ

آپ پر دوڑے چلے آتے ہیں داہنے سے اور بائیں سے ٹولیاں

عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ

بن بن کر ف۱۴ کیا ان میں سے ہر شخص اس کی ہوس رکھتا ہے کہ آسائش کی جنت میں داخل کر

نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ اُقْسِمُ

لیا جائے گا؟ ہرگز نہیں، ہم نے انہیں پیدا کیا ہے اس چیز سے جس سے سب واقف ہی ہیں ف۱۵ تو میں قسم کھاتا ہوں

بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى اَنْ

مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی ف۱۶ کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ

نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ

اُن کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں، اور ہم کچھ عاجز تو ہیں نہیں ف۱۷ تو آپ ان کو (پڑا) رہنے دیجئے

يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ

(اس) شغل اور تفریح میں یہاں تک کہ انہیں اپنے اس دن سے سابقہ واقع ہو

يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا

جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، (یعنی) وہ دن جب کہ یہ قبروں سے نکل کر (اس طرح) دوڑیں گے

كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ

کہ گویا وہ کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑے جاتے ہیں اُن کی آنکھیں جھکی ہوں گی

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

ان پر ذلت چھا رہی ہو گی یہی ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا ف۱۸

ایاتها ۲۸ | ۷۱ سُوْرَةُ نُوْحٍ مَكِّيَّةٌ ۷۱ | رکوعاتها ۲

اس کی اٹھائیس آیتیں — سورۂ نوح مکہ میں نازل ہوئی — اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ

ہم نے نوح کو بھیجا اُن کی قوم کے پاس کہ ڈراؤ اپنی قوم کو

قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ① قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ

قبل اس کے کہ ان پر عذاب دردناک آپہنچے ف۱ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم میں تمہارے لئے

نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ② اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ③

صاف صاف ڈرانے والا ہوں، (یہ یاد دلا کر) کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو اور میرا کہنا مانو

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں وقت مقرر تک مہلت دے گا

اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ④

بے شک اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آجائے گا ٹلے گا نہیں کاش تم جان لیتے ف۲

وقف لازم

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ⑤ فَلَمْ

(پھر نوح نے) دعا کی کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو رات اور دن دعوت دی سو

يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ⑥ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ

میرے بلاوے نے اُن کا گریز اور بڑھا ہی دیا ف۳ اور میں نے جب کبھی انہیں بلایا

لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا

تاکہ تو انہیں بخش دے تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں، اور (اپنے اوپر) اپنے کپڑے

ف۱ (ان کے کفر و طغیان کی پاداش میں خواہ اسی دنیا میں خواہ آخرت میں) اِنَّآ ...... قَوْمِهٖٓ۔ نوح اور قوم نوح پر مفصل حاشیے سورۂ ہود (پ۱۲) وغیرہ میں گزر چکے۔ انسانی نسل کا مستقل اور غیر منقطع سلسلہ آپ ہی کے وقت سے چلا ہے۔ اور اس لئے آپ کی شخصیت تاریخ انبیاء میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ۔ یعنی کفر و طغیان کے وبال و پاداش سے ڈرایئے۔ ف۲ یعنی یہ حقائق جو میں بیان کر رہا ہوں کاش تم پر بھی روشن ہو گئے ہوتے! اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ۔ یعنی پرستش صرف حق تعالیٰ کی کرو۔ اپنے سارے جھوٹے معبودوں، ٹھاکروں، مورتیوں کو ٹھکرا کر۔ وَاتَّقُوْهُ۔ یعنی خوف اپنے دلوں میں اس خدائے واحد کا جماؤ نہ کہ اپنے گڑھے ہوئے معبودوں کا۔ وَاَطِيْعُوْنِ۔ پیمبر کی اطاعت میں اطاعتِ الٰہی بھی ہوتی ہے۔ يَغْفِرْ ...... يُؤَخِّرْ۔ یعنی موت طبعی جو کفر و عدم ایمان کا ثمرہ نہیں، وہ تو بہر حال اپنے وقت موعود و مقرر پر آکر رہے گی۔ البتہ عذاب جو ثمرہ ہے کفر کا اس سے تم ایمان لا کر محفوظ ہو جاؤ گے۔ ف۳ یہ سب عرض و معروض آپ نے اس وقت کی ہے جب آپ ہر ممکن تبلیغ و دعوت اور صدہا سال کے تجربہ کے بعد اپنی قوم کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکے ہیں اور برابر یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ جتنی بھی کوشش آپ کی جانب سے اصلاح کی ہوتی رہی، ادھر سے اور ضد، انکار و استکبار ہی بڑھتا گیا۔

ثِيَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّىْ

لپیٹ لئے، اور اڑے رہے اور نہایت درجہ کا تکبر کرتے رہے ف۴ پھر (بھی) میں نے

دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّىْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ

اُن کو باآواز بلند بھی بلایا پھر میں نے انہیں علانیہ بھی سمجھایا اور بالکل خفیہ بھی

اِسْرَارًا ﴿۹﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾

سمجھایا ف۵ چنانچہ میں نے کہا اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے

يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿۱۱﴾ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ

وہ تم پر کثرت سے بارش بھیجے گا اور تمہارے مال و اولاد میں

وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾ مَا لَكُمْ

ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ لگا دے گا اور تمہارے لئے دریا بہا دے گا ف۶ تمہیں کیا ہوا کہ

لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ اَلَمْ

تم اللہ کی عظمت کے قائل نہیں ہو حالانکہ اسی نے تم کو طرح طرح سے بنایا ف۷ کیا

تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّ جَعَلَ

تم نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کئے ہیں اور ان میں

الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَ اللّٰهُ

چاند کو نور (کی چیز) بنایا اور آفتاب کو چراغ (کی طرح روشن) بنایا ف۸ اور اللہ نے

اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا

تم کو زمین ہی سے ایک خاص طور پر پیدا کیا پھر وہ تم کو اسی میں لے جائے گا،

وَ يُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ

اور (اسی سے) تمہیں باہر لے آئے گا اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو

ف۴ (قبول حق سے اور میری تعلیمات کی پذیرائی سے) كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ۔ یعنی جب جب انہیں مسلکِ توحید وراہ ایمان کی دعوت دی۔ لِتَغْفِرَ لَهُمْ۔ یعنی تا کہ یہ ایمان لے آئیں اور مغفرت اس پر قدرۃً مرتب ہو جائے۔ جَعَلُوْٓا ...... ثِيَابَهُمْ۔ یہ سب کچھ انہوں نے غایت نفرت وکراہت سے کیا۔ یعنی تا کہ نہ داعیٔ حق کی آواز ان کے کانوں تک پہنچے، اور نہ یہ داعیٔ حق کو دیکھیں اور نہ وہ ان کو دیکھ سکے! اِسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ۔ قدیم قوموں کا لباس، یاد رہے کہ بالکل ڈھیلا ڈھالا ہوتا تھا۔ دھوتی یا تہمد اور چادر وغیرہ۔ فرنگیوں کے موجودہ چست کوٹ واسکٹ، پتلون وغیرہ پر اسے نہ قیاس کیا جائے۔ ف۵ (غرض یہ کہ تبلیغ ودعوت کے سارے ہی طریقے استعمال کر دیکھے) اِنِّىْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا۔ یعنی میں نے پبلک تقریریں کیں، اور وعظ وخطاب عام سے کام لیا۔ اِنِّىْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ۔ یعنی میں نے خطاب خاص سے کام لے کر افراد سے الگ الگ بھی کھلم کھلا گفتگو کی۔ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا۔ یعنی بالکل نجی اور تخلیہ کی صحبتوں میں بھی افراد کو الگ الگ سمجھایا۔ ف۶ یعنی میں نے تو یہ بھی کہہ کے دیکھ لیا کہ علاوہ نفع اخروی کے وہ مقصود اصلی ہے، تمہیں دنیوی فوائد بھی حاصل ہوں گے۔ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ۔ یہ استغفار ظاہر ہے کہ ایمان کے بعد ہی اور ایمان ہی کے واسطہ سے ممکن تھا۔ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ ...... اَنْهٰرًا۔ یہ آیت ایمان کی مادی اور دنیوی برکتوں کے باب میں نص ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۔ یعنی یہ نہیں کہ وہ تمہارے گناہ ابھی ہی بخش دے گا، بلکہ مغفرت تو اس کی عادت وصفت ہی ہے، اور کچھ آج سے نہیں، ہمیشہ ہی سے رہی ہے۔ كانهٗ يقول لاتظنوا ان غفاريته انما حدثت الأن بل هو ابدا هكذا كان فكان هذا به حرفتهٗ وصنعتهٗ (کبیر) ف۷ (اور تمہیں خلقت کے مختلف ادوار سے گزارا ہے) لَا ...... وَقَارًا۔ اگر حق تعالیٰ کی عظمت تمہارے دلوں میں ہوتی تو خود بخود شرک سے نفرت اور بت پرستی سے بیزاری تمہیں پیدا ہو جاتی۔ ف۸ ان چیزوں کا خدا کی بڑی نعمتوں میں سے ہونا تو ظاہر ہی ہے، اور اس سے اس کی قدرت کاملہ اور خلاقی پر استدلال بھی بالکل صریح ہے۔ اسی کے ساتھ ضمناً یہ حقیقت بھی سامنے آ جاتی ہے کہ آسمان اور چاند اور سورج سب کے سب اللہ ہی کی مخلوق اور سر تا سر محکوم ہیں۔ ان میں نہ کوئی دیوی ہے نہ کوئی دیوتا۔ قوم نوح علیہ السلام خصوصیت کے ساتھ انہیں "پرستیوں" یعنی فلک پرستی، ماہتاب پرستی اور آفتاب پرستی میں مبتلا تھی۔ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۔ سماء اور سَبْعَ سَمٰوٰتٍ دونوں پر حاشیے گزر چکے۔

بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ قَالَ نُوْحٌ

فرش بنایا تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو و۹ نوح نے عرض کی کہ

رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ

اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میری نافرمانی کی، اور پیروی ایسوں کی کی جن کے مال واولاد نے انہیں نقصان

اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ

ہی زیادہ پہنچایا و۱۰ اور انہوں نے بڑے بڑے مکر کر ڈالے و۱۱ اور انہوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو

اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ

ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ وَدّ کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث، یعوق، نسر (غرض کسی کو بھی نہ)

وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا

چھوڑنا و۱۲ اور ان لوگوں نے بہتوں کو گمراہ کر دیا ہے، تو (ان) ظالموں کی گمراہی تو اور

ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ

بڑھادے و۱۳ (چنانچہ) اپنے (انہیں) گناہوں کے باعث وہ غرق کئے گئے، چنانچہ وہ آگ میں پہنچ گئے تو

يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ

اللہ کے مقابلہ میں انہیں کچھ بھی حمایتی میسر نہ ہوئے و۱۴ اور نوح نے یہ بھی عرض کی کہ اے

لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ

میرے پروردگار زمین پر کافروں میں سے ایک باشندہ بھی (جیتا) مت چھوڑ اگر تو انہیں

تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾

رہنے دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ ہی کرتے رہیں گے و۱۵ اور ان کے محض کافر وفاجر ہی اولاد پیدا ہوتی رہے گی و۱۶

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا

اے میرے پروردگار مجھے بخش اور میرے ماں باپ کو، اور جو بھی میرے گھر میں داخل ہو بحیثیت مومن کے

ع ۹

و۹ نہ شجر پرستی کوئی مغز ومعنی رکھتی ہے، اور نہ دھرتی مائی کوئی دیوی ہیں۔ زمین اور جو کچھ بھی اس پر ہے یہ سب تو خود ہی انسان اور اس کی ضروریات میں صرف میں لانے کے لئے مخلوق ہوئی ہے۔ وَاللّٰهُ...... نَبَاتًا۔ یہ اس اعتبار سے فرمایا گیا کہ انسان کی ترکیب میں غالب عنصر اجزائے ارضی ہی کے ہیں۔ یُعِیْدُكُمْ فِیْهَا۔ یعنی بعد موت انسان کے اجزائے ارضی پھر اسی زمین میں مل ملا جائیں گے۔ وَیُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا۔ یعنی حشر کے وقت انسان کامل طور پر اسی زمین سے ازسرنو برآمد کرلیا جائے گا۔ لِتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا۔ یہ سطح زمین پر چلنا پھرنا تو موقوف ہی ہے زمین کے فرش ہونے پر۔ و۱۰ یعنی بجائے میری پیروی کے اپنی قوم کے امراء اور رؤساء ہی کی پیروی کرتے رہے، اور ان سرداروں کا مال واولاد ان کے حق میں مزید غفلت وطغیان ہی کا سبب بنا رہا۔ مَنْ۔ خَسَارًا۔ محققین نے کہا ہے کہ کافر کے حق میں کوئی نعمت، نعمت ہی نہیں، ہر نعمت اس کے لئے ایک سبب عذاب ہی کی حیثیت رکھتی ہے۔ **واستدل بهذه الأية من قال انه ليس لله على الكافر نعمة لان هذه النعم استدراجات ووسائل الى العذاب الابدى فكانت كالعدم** (کبیر) و۱۱ یعنی دین حق کی توقیر مٹانے اور اس سے مقابلہ کے خوب خوب منصوبے باندھے۔ اور شرک وجاہلیت کی حمایت ونصرت کے لئے بڑی بڑی اسکیمیں تیار کیں۔ اور ان پر عمل بھی جی بھر کر، کر دیکھا۔ مَكَرُوْا۔ یہ جوڑ توڑ کرنے والے وہی سرداران قوم تھے۔ جن کی پیروی عوام کرتے تھے۔ **والماكرون هم الرؤساء** (مدارک) كُبَّارًا۔ کبار کبیر کا صیغۂ مبالغہ ہے۔ اور یہ مکر عظیم ترین، توحید کی مخالفت اور شرک کی حمایت میں تھا۔ یہیں سے متکلمین نے یہ نکالا ہے کہ علم کلام جو توحید کی حمایت اور رد شرک کا علم ہے وہ افضل ترین علوم ہے۔ **واستدل بهذا من فضل علم الكلام على سائر العلوم فقال الامر بالشرك كبار فى القبح والخزى فالامر بالتوحيد والارشاد وجب ان يكون كبارا فى الخير والدين** (کبیر) و۱۲ یہ سب نام قوم نوح کے خاص خاص دیوتاؤں کے ہیں۔ اور انہیں کی مورتیں ملک میں پجتی رہتی تھیں۔۔۔ ان کے ناموں کی تصریح کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ ان کی پرستش عین نزول قرآن کے زمانہ میں بھی عرب واطراف عرب میں جاری رہی۔ وَقَالُوْا۔ یعنی سرداران قوم نے یہ اپنے پیروی کرنے والوں اور عوام سے کہا۔ **اى الرؤسا الى سفلتهم** (مدارک) وَدًّا۔ یہ دیوتا قوت مردانہ اور عشق ومحبت کا تھا۔ اس کی مورت قوی ہیکل مرد کی شکل میں تھی۔ اہل عرب اس سے خوب مانوس تھے۔ اس کی پوجا شمالی عرب میں جاری تھی۔ ''عبدود'' عرب میں ایک نام کثرت سے لوگوں کا ہوتا تھا۔ سُوَاعًا۔ یہ دیوتا حسن ومحبوبی کا تھا۔ اس کی مورتی حسین عورت کی شکل میں تھی۔ اس کی پوجا قبیلہ ہذیل میں جاری تھی۔ یَغُوْثَ۔ یہ دیوتا جسمانی قوت وطاقت کا تھا۔ اس کی مورت شیر اور بیل کی شکلوں میں ہوتی تھی۔ یمن میں اس کی پوجا کا رواج تھا۔ اور ''عبدیغوث'' نام کا رواج عرب کے شمال ومشرق میں تھا۔ یَعُوْقَ۔ یہ دوڑ بھاگ کا دیوتا تھا۔ اس کی مورت گھوڑے کی شکل کی ہوتی تھی۔ اس کی بھی پوجا یمن میں پائی گئی۔ نَسْرًا۔ یہ دور بینی اور حدتِ نظر کا دیوتا تھا۔ اس کی مورت پرندہ (باز یا عقاب) کی شکل کی ہوتی تھی ۔۔۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ و۱۳ (تاکہ یہ لوگ مستحق ہلاکت ہو جائیں) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دعاء سے مقصود ضلال میں زیادتی نہیں، بلکہ استحقاق ہلاکت تھا۔ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا۔ یعنی یہ لوگ خود ہی گمراہ نہیں ہیں۔ بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہتے ہیں، اور اب اتنی کوششوں کے بعد ان کی اصلاح کی طرف سے مایوسی ہو چکی ہے۔ حضرت علیہ السلام نے یہ دعائے عذاب وہلاکت اس وقت فرمائی جب آپ کو خود وحی الٰہی ان ظالموں کے عدم قبول ایمان سے مطلع کر چکی تھی۔ ملاحظہ ہو سورۂ ہود (پ ۱۲) رکوع ۴ کی آیت لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ۔ الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالمین کا یہاں کافرین کے معنی میں ہونا بالکل ظاہر ہے۔ و۱۴ قوم نوح کی غرقابی اور طوفان نوح پر حاشیے پیشتر گزر چکے۔ سورۂ یونس (پ ۱۱) سورۂ ہود (پ ۱۲) میں۔ فَاُدْخِلُوْا نَارًا۔ یعنی غرق ہوتے ہی آتش برزخ میں جھونک دیئے گئے۔ آیت سے عذاب قبر کے وقوع اور عالم برزخ کے وجود پر استدلال کیا گیا ہے۔ **تمسك اصحابنا فى اثبات عذاب القبر** (کبیر) **تدل على انه حصلت تلك الحالة عقيب الاغراق فلايمكن حملها على عذاب الأخرة والابطلت دلالة هذه الفاء** (کبیر) **والفاء للايذان بهم بانهم عذبوا بالاحراق عقيب الاغراق فيكون دليلا على اثبات عذاب القبر** (مدارک) فَلَمْ ...... اَنْصَارًا۔ یعنی نہ ان کے دیوتا اور دیویاں اور نہ ان کی مورتیاں کوئی بھی عذاب الٰہی سے انہیں نہ بچا سکیں۔ مِمَّا۔ من یہاں سببیہ ہے۔ **والمعنى من خطايا هم اى من اجلها و بسببها** (کبیر) اور مَا تاکید کلام کے لئے ہے۔ **واكد هذا المعنى بزيادة ما** (مدارک) و۱۵ کہ ان سب پر تیری حجت پوری ہو چکی ہے۔ اور یہ سب کے سب میرے مکذب ہیں۔ عَلَى الْاَرْضِ۔ مراد ارض عراق ہے۔ زمین پر انسانی آبادی اس وقت کل اسی علاقہ میں تھی ۔۔۔ اس لئے جس نے یہ کہا کہ طوفان نوح سے صرف قوم نوح غرق ہوئی، اس نے بھی ٹھیک کہا اور جس نے کہا کہ اس میں ساری انسانی آبادی (بجز چند نفوس کے) غرق ہو گئی، اس نے بھی ٹھیک ہی کہا۔ و۱۶ (جیسا کہ اب تک کا تجربہ، مشاہدہ ثابت کر رہا ہے) حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی طویل العمری کی بناء پر خوب تجربہ اپنی قوم ووطن والوں کی سرشت وافتاد مزاج کا ہو چکا تھا۔ جیسے صاحب تجربہ کی زبان سے ایسے حکم کا نکلنا کچھ زیادہ عجیب یوں بھی نہیں اور پھر آپ تو صاحب وحی تھے۔ اس بارہ میں آپ کو تو عین وحی ہی سے علم ہو چکا تھا کہ اب ان لوگوں میں سے کسی کے نصیب میں ایمان لانا نہیں۔ **فان قيل كيف عرف النوح عليه السلام ذلك قلنا للنص والاستقراء** (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس طرح کی دعا غیر صاحب وحی کے لئے جائز نہیں۔

وَّلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع

اور کل ایمان والوں اور ایمان والیوں کو اور (ان) ظالموں کی ہلاکت تو بڑھاتا ہی جا ؎۱۷

رکوعاتھا ۲	۷۲ سُوۡرَۃُ الۡجِنِّ مَکِّیَّۃٌ ۴۰	اٰیاتھا ۲۸
اور دو رکوع ہیں	سورۂ جن مکہ میں نازل ہوئی،	اس کی اٹھائیس آیتیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا

آپ کہئے کہ میرے پاس وحی آئی اس بات کی کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا، پھر انہوں نے کہا کہ ہم نے

سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ ؕ

ایک عجیب قرآن سنا ہے ؎۱ جو راہ راست بتلاتا ہے، سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے،

وَ لَنۡ نُّشۡرِکَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّ اَنَّہٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا

اور ہم اپنے پروردگار کا شریک کسی کو نہ بنائیں گے اور ہمارے پروردگار کی شان بڑی ہے اُس نے

اتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّ لَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوۡلُ سَفِیۡہُنَا

نہ کسی کو بیوی بنایا اور نہ اولاد ؎۲ اور ہم میں جو احمق ہوئے ہیں، وہ اللہ کی شان میں

عَلَی اللّٰہِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ تَقُوۡلَ الۡاِنۡسُ

حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے ہیں اور ہمارا تو خیال یہ تھا، کہ انسان اور جنات کبھی اللہ کی شان میں

وَ الۡجِنُّ عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۙ﴿۵﴾ وَّ اَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الۡاِنۡسِ

جھوٹ بات نہ کہیں گے ؎۳ اور انسانوں میں بہت سے لوگ ایسے ہوئے ہیں کہ

یَعُوۡذُوۡنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الۡجِنِّ فَزَادُوۡہُمۡ رَہَقًا ۙ﴿۶﴾

وہ جنات میں سے بعض لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے، سوانہوں نے ان (جنات) کی نخوت اور بڑھادی ؎۴

ف۱۷ (کہ ان کی نجات کی کوئی صورت ہی نہ رہے، اور عذاب کا پورا تحقق ان پر ہو جائے) رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ۔ دعائے نوح علیہ السلام میں ترتیب دعاء قابلِ غور وسبق آموز ہے۔ سب سے پہلے دعاء خود اپنے حق میں کی۔ وَ لِوَالِدَیَّ۔ اس کے بعد اپنے والدین کا نام لیا۔ وَ لِمَنۡ دَخَلَ بَیۡتِیَ مُؤۡمِنًا۔ پھر نمبر اپنے مومن متعلقین کا آیا۔ وَّلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ۔ پھر سارے اہلِ ایمان کو اس میں شامل کر لیا۔ حق تعالیٰ اپنے اس مقبول پیمبر کی دعاء کی برکت سے ہم سب کو بھی اسی زمرہ میں شامل کرلے۔ ف۱ (اور ایسا عجیب کہ مخلوق کے کلام میں تو اس کی نظیر نہیں ملتی) فَقَالُوۡۤا۔ یہ ان جنات نے واپس جا کر اپنی قوم والوں سے کہا)۔ یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا۔ اس کے لئے ملاحظہ ہو سورۃ الاحقاف (پ۲۶) کے حاشیے۔ ف۲ (جیسا کہ بہت سی مشرک، جاہلی قوموں نے فرض کر رکھا ہے) وَ لَنۡ نُّشۡرِکَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا۔ یہ اس ایمان لانے کی تفسیر وتمیم ہے۔ اور اس سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوگئی کہ ایمان کا جوہر یا جزءِ اعظم عقیدۂ توحید ہی ہے۔ مَا اتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّ لَا وَلَدًا۔ جو لوگ مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے۔ وہ اس کا گمان بھی نہیں رکھتے کہ دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ بیویوں، اور اولاد کا دُم چھلا دنیا کی بڑی بڑی ”مہذب“، جاہلی قوموں اہل مصر، اہل عراق، اہل یونان، اہل چین، اہل ہند، اہلِ ایران وغیرہ کی دیومالا کا کیسا جزو لاینفک رہا ہے۔ ف۳ (چہ جائیکہ شرک جیسا بیاکانہ جھوٹ، جس سے بڑھ کر کوئی اور چیز خیال میں نہیں آسکتی) کَانَ ...... شَطَطًا۔ سب سے بڑھ کر سفاہت یہ کہ توحید جیسے صاف وصریح مسئلہ کے بھی منکر ہوگئے۔ ف۴ (اور یہ جنات اپنے دل میں کمال حماقت سے یہ خیال کرنے لگے کہ ہم بھی کوئی چیز ہیں جبھی تو انسان ہماری اتنی تعظیم اور قدر کرتا ہے) رِجَالٌ ...... الۡجِنِّ۔ دیو، پری، بھوت پریت وغیرہ کے عقیدے ہندوستان، ایران عرب بکثرت قوموں میں پھیلے رہے ہیں۔ اور اسی سلسلہ میں عرب جاہلیت کی ایک عادت یہ تھی کہ جب کسی نئے مقام میں پہنچتے تو اپنے آپ کو وہاں کے سردار جنات کی حفاظت میں سونپ دیتے تھے۔ وھو قول جمھور المفسرین ان الرجل فی الجاھلیة اذا سافر فامسٰی فی قفر من الارض قال اعوذ بسیّد ھٰذا الوادی او بعزیز ھٰذا المکان من شر سفھاء قومہ فیبیت فی جوار منھم حتّٰی یصبح (کبیر) کان الرجل من العرب اذا نزل بمخوف من الارض قال اعوذ بسیّد ھٰذا الوادی من سفھاء قومہ یرید کبیر الجن (مدارک) ہماری قوم کے ”عامل“ حضرات جو اپنے نقش، فلیتہ وغیرہ ”حاضرات“ کے لئے اب بھی جنات اور موکلوں سے استمداد کیا کرتے ہیں، ایسی آیتوں سے ڈریں۔

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ﴿۷﴾ وَّاَنَّا

اور انہوں نے بھی گمان کر رکھا تھا جیسا کہ تم نے گمان کر رکھا ہے کہ اللہ کسی کو دوبارہ نہ اُٹھائے گا اور ہم نے

لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا

آسمان کی تلاشی لینا چاہی تو ہم نے اس کو شدید پہرے اور شعلوں سے

وَّشُهُبًا ﴿۸﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ

بھرا ہوا پایا اور ہم آسمان کے موقعوں پر جا بیٹھا کرتے تھے (خبریں) سننے کے لئے، سو جو کوئی

يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿۹﴾ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ

اب سننا چاہتا ہے، اپنے لئے ایک تیار شعلہ پاتا ہے ۵ اور ہم نہیں جانتے کہ

اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿۱۰﴾

زمین والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا اُن کے پروردگار نے انہیں ہدایت دینے کا قصد کیا ہے ۶

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ

اور ہم میں نیک بھی ہوئے ہیں اور ہم میں بعض اور طرح کے، (غرض) ہم مختلف

قِدَدًا ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ

طریقوں کے تھے ۷ اور ہم نے تو سمجھ لیا ہے کہ ہم زمین پر اللہ کو (کہیں بھی) نہیں ہرا سکتے اور نہ

نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ

اسے بھاگ ہی کر ہرا سکتے ہیں ۸ اور ہم نے جب ہدایت کی بات سن لی تو اس پر ایمان لے آئے، اور جو کوئی

يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا

اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے گا اسے اندیشہ نہ کسی کمی کا رہے گا اور نہ زیادتی کا ۹ اور ہم میں

الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ

بعض مسلم ہیں اور بعض ہم میں سے بے راہ ہیں تو جس نے اسلام قبول کر لیا، اس نے تو

ف۵ فضائے آسمانی کے آتشیں تیروں اور گرزوں اور شہاب ثاقب پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ سورۃ الصافات (پ۲۳) وغیرہ کے ذیل میں۔ اَلْاٰنَ۔ یعنی نزول قرآن اور ظہور محمدی ﷺ کے بعد۔ ای بعد البعث (مدارک) فَوَجَدْنٰهَا ...... شُهُبًا۔ یعنی اب دفع التباس کے لئے باب کہانت بالکل بند ہو گیا ہے۔ نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ۔ آسمانوں کے موقعوں سے مراد فضائے آسمانی ہے۔ نفس آسمان کا جسم اس سے لازم نہیں آتا۔ جنات ناری مخلوق ہیں۔ انہیں اپنی لطافت وعدم ثقل کے باعث فضائے آسمانی کو اپنا مستقر بنالینا خاکی مخلوق کے مقابلہ میں کہیں زیادہ آسان ہے۔ جیسے پرندوں کو بمقابلہ چرندوں اور درندوں کے۔ ف۶ (اپنے اس رسول کی بعثت اور قرآن کے نزول سے) یعنی اس جدید رسالت کے مقصود تکوین کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ خدا معلوم لوگوں کو ہدایت ہی ہو جائے گی، یا انکار واعراض کر کے لوگ اپنی سزا بھگتیں گے۔ اَنَّا لَا نَدْرِيْٓ۔ عرب جاہلی جو جنات کی غیب دانی کے معتقد تھے۔ ان کی بھی تردید اس سے پوری طرح ہوگئی۔ بے بسی اور کم علمی میں جہاں انسان وہیں جنات۔ ف۷ اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ جنات بھی انسانوں ہی کی طرح ایک مکلف مخلوق ہیں۔ اور شریعت کے ماننے والے اور انکار کرنے والے سب طرح کے فرقے ان کے ہاں بھی ہیں۔ ف۸ یعنی نہ روئے زمین پر، نہ زمین سے کہیں بھاگ کر، غرض کہیں بھی اسے ہرا نہیں سکتے۔۔۔ یہاں بھی تردید ان جاہلی قوموں کی ہو رہی ہے، جو یہ سمجھتی تھیں کہ خداؤں کی نظر سے بھی بچ کر کہیں جا چھپنا ممکن ہے۔ اَنَّا۔ ضمیر متکلم سے مراد مومن قسم کے جنات ہیں۔ ف۹ یعنی نہ اس کا اندیشہ کہ کوئی نیکی لکھنے سے رہ جائے نہ اس کا کہ کوئی بدی زیادہ لکھ لی جائے۔۔۔ بھول چوک، سہو نسیان، ظلم وزیادتی کا خدائے اسلام کے ہاں کوئی امکان ہی نہیں، جیسا کہ جاہلی قوموں کے دیوتاؤں کے ہاں برابر ہوتا رہتا ہے۔

تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ

بھلائی کا راستہ ڈھونڈ نکالا اب رہے وہ جو بے راہ ہیں تو وہ دوزخ کے

حَطَبًا ﴿۱۵﴾ وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ

ایندھن ہیں ف۱۰ اور اگر یہ لوگ راستہ پر قائم ہو جاتے تو ہم انہیں فراغت کے پانی سے

مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ

سیراب کرتے، تاکہ اس میں ان کا امتحان کریں اور جو کوئی اپنے پروردگار کی یاد سے

رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا

روگردانی کرے گا تو اللہ اسے سخت عذاب میں داخل کرے گا ف۱۱ اور جتنے سجدے ہیں (سب) اللہ کا حق ہیں، سو

تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ

اللہ کے ساتھ (اور) کو مت پکارو ف۱۲ اور جب اللہ کا بندہ (خاص) کھڑا ہوتا ہے اس کی عبادت کرنے کو

كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ

تو یہ لوگ اس پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں ف۱۳ آپ کہہ دیجئے میں تو بس اپنے پروردگار ہی کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے

اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا

ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرتا آپ کہہ دیجئے میں تمہارے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ

رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ

(تمہاری) ہدایت کا ف۱۴ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اللہ سے کوئی بھی نہیں پناہ دے سکتا اور نہ

اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ

میں اس کے سوائے کوئی پناہ پا سکتا ہوں ف۱۵ البتہ اللہ کی طرف سے پہنچانا اور اس کے پیغاموں کا ادا کرنا (میرا کام ہے)

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، تو یقیناً ایسے لوگوں کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں

ع ۱۹ ۱۱

ف۱۰ اس مقام پر جنات کا قول ختم ہو گیا جو آیت اول میں فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا سے شروع ہوا تھا۔ ف۱۱ اب ذکر معاصر مشرکین کا ہو رہا ہے۔ جو اس وقت قحط کے عذاب میں مبتلا تھے۔ عَلَى الطَّرِيْقَةِ۔ یعنی مسلک معروف وطریق مشروع پر۔ ال عہد کا ہے۔ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا۔ یعنی قحط وخشک سالی دور کر دیتے۔ لِنَفْتِنَهُمْ۔ یعنی اس کی جانچ ہو جاتی کہ کون کون شکر نعمت ادا کرتا ہے۔ اور کون کون سرکشی ونافرمانی کی راہ اختیار کرتا ہے — یہ حکمت امتحان ایک اسی نعمت پر موقوف نہیں، ہر نعمت میں ملحوظ ومرعی رہتی ہے۔ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ۔ یعنی ایمان وطاعت سے۔ ف۱۲ یعنی یہ جائز نہیں کہ عبادت کا کچھ حصہ حق تعالیٰ کے لئے ہو اور کچھ دوسروں کے لئے۔ الْمَسٰجِدَ۔ مساجد سے یہاں مراد اعضاء سجود سے لی گئی ہے اور حکم کے معنی یہ ہیں کہ سجدہ وعبادت غیر اللہ کے لیے جائز نہیں۔ عن سعید بن جبیر قال ان المراد بالمساجد الاعضاء التی یسجد علیها الانسان (معالم) قال سعید بن جبیر نزلت فی اعضاء السجود ای هی لله فلا تسجدوا بها لغیره (ابن کثیر) قیل المساجد مواضع السجود (راغب) ف۱۳ بیان مشرکین مکہ کی شدت عداوت ونفرت کا ہو رہا ہے — ہجرت مدینہ سے قبل اپنے قیام مکہ کے زمانہ میں جب آپ ﷺ مشرکین قریش کی طرف سے مایوس ہو کر رؤساء مکہ کی تفریح گاہ شہر طائف کو تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے ہیں تو وہاں کے لوگ آپ ﷺ کے ساتھ بڑی ہی بدتمیزی سے پیش آئے۔ یہاں اشارہ اسی طرف ہے۔ عَبْدُ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کا خاص الخاص بندہ "عبد کامل"۔ مراد ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ف۱۴ پہلی آیت میں توحید کامل اور ہر طرح کے رد شرک کا اثبات ہے۔ اور دوسری آیت کا مضمون یہ ہے کہ کہیں خود مجھی کو مقصود اور پھر اس طرح مسجود ومعبود نہ سمجھ لینا۔ میرے اختیار میں تو اتنا بھی نہیں کہ تم پر عذاب لے آؤں، یا ایمان ہی پر تمہیں مجبور کر دوں — "یاروں نے بت شکن کو بت ہی بنا کے چھوڑا" کا معاملہ حضرات انبیاء کی تاریخ میں بار بار دہرایا جاتا رہا ہے۔ قرآن مجید اسی فتنہ کے خطرہ سے بار بار تاکید وتصریح رسول اللہ ﷺ کے عبد محض ہونے کی کرتا جاتا ہے۔ ف۱۵ ایک بار پھر تصریح وتوضیح منصب رسالت کی ہو رہی ہے۔ رسول کا کام تو اللہ کی طرف سے محض پیام رسانی (مع اس کے طبعی لوازم کے) ہے۔ اِنِّيْ …… مُلْتَحَدًا۔ یہ سب چیزیں محض اس مفروضہ پر مبنی ومشروط ہیں کہ رسول ﷺ اگر خدانخواستہ خود ہی احکام الٰہی سے سرتابی کرنے لگیں — قرآن مجید نے ایسے بعید ترین احتمالات کو جابجا فرض کر لیا ہے۔

فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ

وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے (یا اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے) یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا

مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ

جاتا ہے، تو اس وقت جان لیں گے کہ مددگار کس کے کمزور ہیں، اور تعداد کس کی کمتر ہے ف۱۶ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے معلوم نہیں کہ

اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ

جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ آیا قریب آگئی ہے یا اس کے لئے میرے پروردگار نے کوئی مدت دراز رکھی ہے ف۱۷ وہی

الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى

غیب کا جاننے والا ہے، سو وہ (ایسے) غیب پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا ہاں البتہ کسی برگزیدہ پیمبر کو

مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ

(جب کسی غیبی علم سے مطلع کرنا چاہتا ہے) تو اُس کے آگے اور پیچھے نگہبان

خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ

بھیج دیتا ہے ف۱۸ تا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیامات پہنچا دیئے ف۱۹

وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

اور اللہ ان (پیامبرداروں) کے احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اور ہر شے کو وہ شمار میں لئے ہوئے ہے ف۲۰

ع ۲ / ۱۲

ایاتها ۲۰ — ۷۳ سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ ۳ — رکوعاتها ۲

اس کی بیس آیتیں ہیں — سورہ مزمل مکہ میں نازل ہوئی — اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ

اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کیجئے ف۱ مگر ہاں تھوڑی رات یعنی آدھی رات

ف۱۶ مطلب یہ ہے کہ آج یہ کافر غفلت واستکبار میں پڑے ہوئے فخر وناز کر رہے ہیں کہ دیکھو ہمارا جتھا ہمارا گروہ کتنا بڑا ہے، اور ہمیں قوت وجاہ کیسی حاصل ہے۔'' اور کوئی دلیل عقلی یا نقلی انہیں اس سفاہت سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو رہی ہے۔ مرتے ہی ان پر کھل جائے گا کہ خود وہی ایسے تھے۔ جن کے کام کوئی نہ آسکا۔ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا۔ اس میں نفی ہوگئی، نفع اعلیٰ کی۔ وَاَقَلُّ عَدَدًا۔ اس میں نفی ہوگئی نفع ادنیٰ کی۔ ف۱۷ (چنانچہ مجھے بھی مطلع نہیں کیا ہے) مَا يُوْعَدُوْنَ۔ یعنی یوم حشر اور اس دن کا عذاب۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کی نفس آمد یقینی ہے اور ہر شک وشبہ سے بالاتر، رہیں اس کے وقت وغیرہ کی تفصیلات تو اس کا تعلق غیب سے ہے، اور اس کا علم مجھے حاصل نہیں، نہ علوم نبوت سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ۔ یعنی غیب ذاتی تو صفت خاصہ حق تعالیٰ کی ہے۔ الغیب میں ال استغراق کا ہے۔ یعنی حقیقی واضافی جمیع اقسام غیب۔ فَلَا يُظْهِرُ۔ مفہوم سلب کا عمومی ہے۔ یعنی غیب پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا۔ قُلْ ...... اَمَدًا۔ جاہلوں میں جو یہ موضوع حدیث مشہور ہوگئی ہے کہ رسول ﷺ کو تربت مبارک میں ایک ہزار سال بھی نہ گزرنے پائیں گے کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔ اس کی قطعی تردید کے لئے یہ آیت بالکل کافی ہے، جیسا کہ آٹھویں صدی ہجری ہی کے مفسرین، محققین اس پر متنبہ کر چکے ہیں۔ وفی هذه الاٰية الكريمة دليل على ان الحديث الذى يتداوله كثير من الجهلة من انه عليه الصلوة والسلام لا يولف تحت الارض كذب لا اصل له ولم نره فى شیء من الكتب (ابن کثیر) ف۱۸ حاصل یہ کہ حق تعالیٰ جو حقیقی عالم الغیب ہے۔ وہ اپنے غیوب کا صرف اتنا حصہ جس کا تعلق علوم نبوت سے ہوتا ہے اپنے مقبول انبیاء ومرسلین پر منکشف کر دیتا ہے۔ وہ بھی حفاظت کے اس پورے اہتمام واحتیاط کے ساتھ کہ وحی الٰہی بغیر کسی ادنیٰ خارجی دخل وتصرف کے بندوں تک تمام کی تمام پہنچ جائے۔ مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ اس قید سے ظاہر ہو گیا کہ یہاں غیب سے مراد اسرار شرعی ہیں ورنہ اسرار کونی تو مشاہدہ سے ظاہر ہے کہ اہل اشراق واہل نجوم کو، قدیم کہانت والوں کو، اور جدید مسمریزم اور اسپر چولزم والوں غرض ہر قسم کے غیر مقبولین کو بھی بعض ریاضتوں اور مشقوں سے کسی نہ کسی درجہ میں منکشف ہوتے ہی رہتے ہیں۔ محققین نے کہا ہے کہ اولیائے امت جو حضرات انبیاء کے اظلال واتباع ہوتے ہیں، ان پر جو اسرار شرعی منکشف ہوتے ہیں وہ انہیں انبیاء کے واسطہ سے۔ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ۔ یعنی نزول وحی کے وقت تمام جہات میں ہر طرف سے۔ فَاِنَّهٗ ...... رَصَدًا۔ یہ اہتمام وانتظام سب اس لئے ہوتا ہے کہ وحی الٰہی ہر خلط نفسانی اور خباثت شیطانی سے کامل طور پر محفوظ رہے۔ رَصَدًا۔ لفظی معنی نگہبانی کے ہیں۔ الرصد الاستعداد للترقب (راغب) یہاں مراد نگہبان یا محافظ فرشتے ہیں۔ اور واحد وجمع دونوں پر اس کا اطلاق جائز ہے۔ ف۱۹ (بحفاظت تمام بغیر کسی طرح کے دخل وتصرف کے) لِيَعْلَمَ یعنی وہ ظاہری طور پر اور وقوع کے بعد بھی جان لے ورنہ اپنے علم ازلی کے لحاظ سے تو وہ جانتا ہی تھا۔ لیعلم کی ضمیر فاعلی کس کی جانب ہے۔ اس پر بہت قیل وقال ہوئی ہے۔ لیکن راقم آثم کو بعض اکابر کے اتباع میں وہی ترکیب مناسب معلوم ہوئی جو یہاں اختیار کی گئی۔ يحتمل ان يكون الضمير عائدًا الى الله عزوجل وهو قول حكاه ابن الجوزى فى زاد المسير (ابن کثیر) اى ليعلم الله (مدارک) وهو اختيار اكثر المحققين (کبیر) اَبْلَغُوْا۔ صیغۂ جمع غائب سے مراد وہی حضرات انبیاء ہیں۔ اى الرسل (معالم۔ مدارک) بعض نے فرشتے بھی مراد لئے ہیں۔ ف۲۰ (چنانچہ وحی کے بھی سب اجزاء ایک ایک کر کے اس کے شمار میں ہیں) اَحْصٰى۔ میں حفاظت نسیان سے بھی آگئی۔ گویا اول سے آخر تک سب حفاظتوں کا انتظام ہو گیا۔ حاصل کلام ایک بار پھر نظر کے سامنے لے آیئے۔ قیامت کے وقت کا علم علوم نبوت میں سے نہیں اس لئے رسول کو اس کا علم نہ ہونا ان کے دعوائے رسالت کے ذرا بھی منافی نہیں۔ اور دعوائے وقوع قیامت کو تو اس سے ضرر ادنیٰ درجہ کا بھی نہیں پہنچتا۔ پیمبروں کو وہی غیوب عطا کئے جاتے ہیں جن کا تعلق علوم نبوت سے ہوتا ہے۔ اور وہی مقصود بعثت ہوتے ہیں۔ ان میں امکان خطا ولغزش کی جہت سے بھی نہیں ہوتا۔ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ۔ پیمبروں کی امانت ودیانت اور حاملین وحی فرشتوں کی قوت ہر اعتبار سے غیر مشتبہ ہے۔ اور حق تعالیٰ ان حقائق کا علم خود ہی رکھے ہوئے ہے۔ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا۔ یعنی ایک اسی مسئلہ پر کیا موقوف ہے۔ حق تعالیٰ کا علم کامل ومحیط تو مسائل کائنات کے ایک ایک جزئیہ پر حاوی ہے۔ جزئیات سے کلیات اور فروع سے اصول تک پہنچ جانا تو قرآن مجید کا عام اسلوب بیان ہے۔ ف۱ (آپ ان معاندین کے ہفوات کا خیال نہ کیجئے توجہ حق تعالیٰ ہی کے ذکر وعبادت کی طرف رکھیے) مستند حدیثی روایتوں میں آتا ہے (جو ہر ''تاریخی'' روایت سے مستند تر ہیں) کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں تبلیغ ودعوت کا کام شروع فرما دیا، تو بڑے بڑے ''عقلاء قوم'' نے (آج کل ہی کے عقلاء فرنگ کی طرح) آپ ﷺ کے متعلق غور وخوض شروع کیا کہ آپ ﷺ کے دعوے صحیح تو بہر حال ہو ہی نہیں سکتے پھر (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کا اصل مرض ہے کیا۔ اپنے کمیٹی گھر (دار الندوہ) میں جمع ہوئے اور کسی نے کہا کہ ''یہ کاہن ہو گئے ہیں'' ''غیب کی خبریں دینا اور کچی پیشگوئیاں کرنا کہانت ہی کا ایک حصہ ہے''۔ بعض نے کہا کہ ''نہیں یہ تو دماغی عارضہ معلوم ہوتا ہے، جس وقت جنون کا دورہ پڑتا ہے۔ اسی جوش وخروش کے عالم میں ایسا پرزور و پرجوش کلام دماغ سے ابلنے لگتا ہے''۔ ایک اور بزرگوار بولے ''یہ کچھ نہیں اصل میں یہ ساحر ہیں، یہ اثر سحر ہی کا ہے کہ اپنے کلام سے بھائی بھائی میں جدائی ڈلوا دی''۔

وقس علیٰ ہٰذا۔ آپ ﷺ کو جب یہ خبریں پہنچیں تو قدرۃً آپ ﷺ کو انقباض قلب ہوا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ یٰۤاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ۔ خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ آپ حالت غم میں کپڑے اوڑھ لپیٹ کر لیٹ رہے تھے۔ ملاطفت خاص کے طور پر آپ ﷺ کو مخاطب بھی اسی نام سے کیا گیا۔ بعض صوفیوں نے اپنے ہاں کی خرقہ پوشی کی سند بھی اس لفظ مزمل سے حاصل کی ہے۔ شب بیداری کا معمول بھی مشائخ وصوفیہ نے انہیں آیتوں سے نکالا ہے۔ فقہاء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ قیام اللیل (رات کو سواٹھ کر کی جانے والی عبادت) فرض نہیں ہے۔ البتہ اس کا اجر ومرتبہ بہت زائد ہے اور احادیث اس کے فضائل سے لبریز ہیں۔ لاخلاف بین المسلین فی نسخ فرض قیام اللیل وانهٔ مندوب الیه ترغب فیه وقدروی عن النبی ﷺ اثار کثیرة فی الحث علیه والترغیب فیه (جصاص) و۲ (کہ سامعین کو ایک ایک لفظ صاف سنائی دے اور سمجھ میں آجائے) قال ابن عباس بیّنه تبیینا (جصاص) قال طاؤس بیّنه حتی یفهمهٗ (جصاص) نِّصْفَهٗٓ ...... قَلِيْلًا۔ یہ سب قَلِيْلًا اول کی تشریح ہے۔ کل کے مقابلہ میں نصف کو قلیل ہی کہا جائے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ کم وبیش نصف حصہ شب میں آرام کیجئے۔ باقی نصف میں ذکر وعبادت۔ مِنْهُ...... عَلَيْهِ۔ ضمیرہ دونوں جگہ نِصْفَهٗ کی جانب ہے۔ یعنی من النصف اوعلی النصف۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا۔ ترتیل کے معنی لفظ کو منہ سے صاف طور پر ادا کرنے کے ہیں۔ الترتیل ارسال الکلمة من الفم بسهولة واستقامة (راغب) و۳ یعنی قرآن جیسی عظیم الشان کتاب نازل کرنے کو ہیں۔۔۔ رسول اللہ ﷺ پر نزول وحی کو ابھی کچھ ہی روز ہوئے تھے، یہ آیتیں اسی وقت کی ہیں۔ قَوْلًا ثَقِيْلًا۔ قول ثقیل سے مراد اس کلام کا صاحب جلالت وعظمت ہونا ہے۔ نزول وحی ثقیل مادی وجسمانی اعتبار سے بھی تھا۔ روایتوں میں آیا ہے کہ نزول وحی کے وقت سردی کے موسم میں بھی آپ ﷺ کے پسینہ آجاتا، اور اگر آپ ﷺ اونٹنی پر ہوتے تو وہ بوجھ سے بیٹھنے لگتی۔ بعض نے قول ثقیل سے کنایہ بقائے دوام سے مراد لیا ہے۔ و۴ رات کے سناٹے میں ذکر وعبادت میں جی کا لگنا، نماز وتلاوت قرآن میں حلاوت کا زیادہ محسوس ہونا، طبیعت میں نشاط کا پیدا ہونا، یہ سب چیزیں تجربہ ومشاہدہ کی ہیں، جس کا جی چاہے خود تجربہ کرلے۔ پیمبر اور پھر پیمبر اعظم کے لئے اس حکم کی اہمیت بالکل ظاہر ہی ہے۔ نَاشِئَةَ الَّيْلِ۔ یعنی رات میں سونے کے بعد پھر کھڑا ہونا۔ وَطْاً۔ وطا کے لفظی معنی کچلنے کے ہیں۔ گویا رات کو سو کر نماز کے لئے اٹھنا نفس کو روند ڈالنا، کچل ڈالنا ہے۔ اور اس سے نفس شکستہ اور منکسر ہو جاتا ہے۔ اور انسان کے ظاہر وباطن میں، یا زبان ودل کے درمیان موافقت خوب پیدا ہو جاتی ہے۔ عن الحسن اشد موافقة بین السر والعلانیة (مدارک) والمقصود ان قیام اللیل هو اشد مواطاۃ بین القلب واللسان (ابن کثیر) و۵ محمد ﷺ بن عبد اللہ مکی سے بڑھ کر مشغول پروگرام آج تک دنیا میں کسی کا نہیں ہوا ہے۔ ہر لمحہ طاعت الٰہی وخدمت خلق ہی کی نذر رہتا تھا۔ ضائع آپ ﷺ نے اپنی عمر گرامی کا ایک منٹ بھی نہیں ہونے دیا۔ سَبْحًا طَوِيْلًا۔ سبح کے لفظی معنی تیرنے اور تیز چلنے کے ہیں، اور اس کے تحت میں آپ ﷺ کی دینی ودنیوی ہر ہر مشغولی آگئی۔۔۔ حقیقتاً آپ ﷺ کی تو ہر دنیوی مشغولی بھی دینی ہی تھی۔ اور ضروری آرام وتفریح بھی عین طاعت ہی تھے۔ و۶ یعنی اللہ کے ساتھ تعلق ہر دوسرے تعلق پر غالب وحاکم رہے۔ اذْكُرْ وَتَبَتَّلْ۔ یہ دونوں حکم بلا قید وقت کے ہیں۔ صوفیہ نے یہیں سے دوام ذکر کا مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ لیکن محققین صوفیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ ان احکام کی تعمیل کے لئے ذکر وتبتل کا درجۂ ادنیٰ بھی کافی ہے۔ وَاذْكُرِ...... تَبْتِيْلًا۔ ذکر لسانی کی تعلیم یہاں ترتیباً پہلے واقع ہوئی ہے اور مراقبہ کی اس کے بعد۔ عارفین نے اس سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ مقامِ ذکر مقدم ہے اور مقامِ فکر موخر۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ۔ ذکر الٰہی کے عموم میں نماز، تلاوت، اشغال، اذکار، درس علوم دین سب شامل ہیں۔ وذکر اللہ یتناول التسبیح والتهلیل والتکبیر والصلوٰة وتلاوة القراٰن ودراسته العلم (مدارک) و۷ اس آیت پر پہنچ کر ذرا ملک کی اس فضا کا نقشہ ذہن کے سامنے لے آئیے۔ جس میں توحید کی یہ آواز اول اول بلند ہوئی تھی۔ ایک تجارت پیشہ قوم جو اپنی آزادی وخود مختاری، اپنی اقبال مندی، اور اپنی شرافت نسب پر نازاں تھی، اور اپنے جاہلی دین واخلاق اور مشرکانہ تہذیب وتمدن میں مست، توحید اور پاکبازی کے نام سے ناآشنا۔ اس مغرور قوم کے آگے اس کا ایک فرد، جو اس وقت تک نہ ثروت ووجاہت میں ممتاز تھا نہ ملک گیری وفوج کشی میں، تن تنہا کھڑے ہو کر صدا یہ بلند کر رہا ہے کہ جن دیویوں دیوتاؤں کی پرستش تم پشتہا پشت سے کرتے چلے آرہے ہو۔ سب کو چھوڑ چھاڑ کر صرف ایک کو مانو، اپنے فیشن کو بدلو، اپنے دین کو بدلو، شرابیں چھوڑو، بےحیائیاں چھوڑو، عریانیاں چھوڑو، قمار بازیاں چھوڑو خونخواریاں چھوڑو، سودی کاروبار چھوڑو، غرض دین کے ساتھ ساتھ اپنی دنیا بھی بدل ڈالو۔ خیال تو کیجئے کہ اس داعی کو کس دل وجگر، کس ہمت وعزم کا ہونا چاہے۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ ان الفاظ سے شرک کے ان تمام پہلوؤں کی بھی تردید نکل آئی جو شرک جاہلی قوموں نے آفتاب وماہتاب، طلوع وغروب، دن اور رات اور مختلف سمتوں کے تقدس وغیرہ سے متعلق قائم کر رکھے ہیں۔ و۸ (یعنی ان سے شکایت وانتقام کی فکر میں بھی نہ پڑیئے۔ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا۔ ہجر جمیل یہ ہے کہ ترک تعلق تو تمام تر کر لیا جائے۔ لیکن نفرت وحقارت کے ساتھ نہیں بلکہ خیر خواہی کے ماتحت اور حق تعالیٰ کے لئے۔ صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ سالک اہل دنیا سے احتراز تو رکھے، لیکن ساتھ ہی ان کی ہوا اہی میں بھی لگا رہے۔ و۹ (میں خود ہی وقت مناسب پر ان سے نپٹ لوں گا) وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ۔ یعنی میرے اور ان مکذبین کے باب میں صبر وانتظار سے کام لیجئے۔

اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝۳ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝۴ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝۵ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ۝۶ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝۷ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝۸ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝۹ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝۱۰ وَ ذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۝۱۱ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّ جَحِيْمًا ۝۱۲ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۳ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۝۱۴ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ

یا اس سے کچھ کم رکھیے یا اس سے کچھ بڑھا دیجئے اور قرآن خوب صاف صاف پڑھیے و۲ ہم آپ پر عنقریب ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں و۳ بے شک رات کے وقت اٹھنے میں (دل وزبان کا) خوب میل رہتا ہے، اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے و۴ بے شک آپ کے لئے دن میں بہت مشغولی ہے و۵ اور آپ اپنے پروردگار کے نام کو یاد کرتے رہئے اور سب سے ٹوٹ کر اسی کی طرف متوجہ رہئے و۶ وہ پروردگار ہے مشرق ومغرب کا کوئی معبود اس کے سوا نہیں، اسی کو (اپنا) چارہ ساز بنائے رکھیے و۷ اور ان باتوں پر صبر کئے رہئے جو یہ لوگ کہتے رہتے ہیں، اور ان سے خوبصورتی کے ساتھ الگ ہو جایئے و۸ اور مجھے اور ان صاحب نعمت اہل تکذیب کو چھوڑے رہئے اور ان لوگوں کو تھوڑی مہلت اور دیتے رہئے و۹ ہمارے ہاں تو بیڑیاں ہی ہیں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والی غذا ہے اور عذاب دردناک ہے، (یہ اس روز) جس روز کہ ہلنے لگیں گے زمین اور پہاڑ اور پہاڑ ریگ رواں ہو جائیں گے و۱۰ بے شک ہم نے تمہارے پاس ایک

رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ

رسول بھیجا ہے، تم پر گواہ بنا کر جس طرح ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول

رَسُوْلًا ؕ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا

بھیجا تھا وا۱ تو فرعون نے اپنے رسول کی نافرمانی کی، تو ہم نے اُن کو خوب سخت

وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ

پکڑ میں لیا و۱۲ سو تم اُس دن (کی مصیبت) سے کیسے بچو گے، جو بچوں کو

شِيْبًا ۖۗ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾

بوڑھا کردے گا (اور) جس سے آسمان پھٹ جائے گا، بے شک (اللہ کا) وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا و۱۳

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ ع

یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے، سو جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف کا راستہ اختیار کرلے و۱۴

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَىِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ

آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے کچھ لوگ رات کی دو تہائی اور (کبھی) آدھی رات

وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ

اور (کبھی) تہائی رات کھڑے رہتے ہیں، اور رات اور دن پورا اندازہ

وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا

اللہ ہی کرسکتا ہے و۱۵ اسے معلوم ہے کہ تم لوگ اسے پورے احاطہ میں نہیں لاسکتے، سو اُس نے تمہارے حال پر توجہ کی، سو تم

مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ

لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو، و۱۶ اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض آدمی

مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ

بیمار ہوں گے اور بعض سفر کریں گے ملک میں اللہ کی روزی کی

اُولِی النَّعْمَةِ۔ یہ قریش مکہ ایک تجارت پیشہ، مرفہ الحال قوم تھے، انہیں کی طرف اشارہ ہے۔ و۱۰ (اور اڑتے پھریں گے) یہاں پھر ایک بار ذہن کے سامنے اس قوم کو لے آیئے، جو قیامت اور روزِ جزاء کے یکسر منکر ہیں۔ اور حشر ونشر کے تخیل ہی کو مضحکہ خیز اور اپنی روشن خیالی پر ایک داغ سمجھ رہے ہیں۔ و۱۱ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ۔ یعنی یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے متعلق حشر میں یہ گواہی آکر دیں گے کہ ان لوگوں نے میری تبلیغ ودعوت سے اثر کس کس قسم کا لیا۔ و۱۲ (انہیں کا سا انجام تمہیں بھی پیش آنے والا ہے، اگر تم نے اصلاح حال نہ کرلی) فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا حوالہ ممکن ہے اس لئے دیا گیا ہو کہ یہود عرب کے توسط سے قریش حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کارناموں سے اور فرعون کے انجام سے خوب واقف ہوچکے تھے۔ و۱۳ عرب کا ٹھیک، آج کے فرنگستان کی طرح اصلی روگ آخرت فراموشی بلکہ آخرت سے انکار تھا۔ قرآن مجید اس لئے ابتدائی مکی سورتوں میں بار بار اور موثر انداز میں اسی موضوع کو دہرا دہرا کر کے لاتا ہے۔ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا۔ عربی محاورہ میں یہ کنایہ ہے غایت شدت وہیبت سے۔ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ۔ یعنی آسمان یوم قیامت کی سختی سے پھٹ جائے گا۔ ب سببیہ ہے۔ **به اى بيوم القيامة يعنى انها تنفطر بشدة ذلك اليوم** (مدارک) **اى بسببه يعنى بشدته وهوله** (ابن کثیر) وَعْدُهٗ۔ ضمیرہٗ فاعل یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب ہے۔ **اى الفاعل وهو الله عزوجل**۔ (مدارک) یہ بھی جائز ہے کہ مفعول کی جانب بھی جائے اور معنی یہ لئے جائیں کہ وہ یوم موعود ضرور واقع ہوکر رہے گا۔ **المصدر مضاف الى المفعول وهو اليوم** (مدارک) و۱۴ یعنی یہ قرآن ہدایت نامہ ہے تو سب ہی کے لئے لیکن اس سے فائدہ وہی اٹھائیں گے، جو اٹھانا چاہیں گے، جو فائدہ اٹھانے کا قصد کریں گے۔ تَذْكِرَةٌ۔ یعنی ہدایت نامہ اور وہ بھی کیسا جامع، بلیغ، موثر ودلنشین! فَمَنْ...... سَبِيْلًا۔ متکلمین نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ بندہ کسب افعال پر قادر ہے۔ مشائخ صوفیہ نے آیت سے یہ استدلال کیا ہے طالب سالک محروم نہیں رکھا جاتا۔ و۱۵ (جو تم نہیں کرسکتے) اِنَّ...... مَعَكَ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ ایک گروہ صحابہ کی بھی شب بیداری کی یہ شہادت قرآن مجید خود دے رہا ہے۔ مستند روایتوں میں آتا ہے کہ یہ حضرات اتنی اتنی دیر تک رات میں کھڑے رہتے تھے کہ پیروں پر ورم آ جاتا تھا۔ **انهم قاموا حتى انتفخت اقدامهم**۔ (مدارک) اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ۔ مشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ ان الفاظ میں نظر رحمت اور توجہ خاص چھپی ہوئی ہے۔ یعنی جو شب بیداری کرتے ہیں ان پر نظر خاص ہے۔ و۱۶ یعنی تمہارے اخلاص نیت لیکن اس کے ساتھ تمہاری عملی دشواریوں کو دیکھ کر تمہارے اوپر نماز تہجد فرض نہیں۔ تاہم بطور استحباب جتنا چاہو قرآن اس میں پڑھ لیا کرو۔ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ۔ یعنی حق تعالیٰ نے خوب دیکھ لیا کہ تم لوگ اتنی مدت تک قیام بڑی مشقت اور تعب کے بعد ہی کرسکتے ہو۔ **اى لن تطيقوا قيامه على هذه المقادير بشدة ومشقة** (مدارک) فَتَابَ عَلَيْكُمْ۔ یعنی جب تمہارے رسوخ فی الدین کی خوب آزمائش ہوگئی، تو اب تہجد گزاری کی فرضیت تم سے ساقط کی جاتی ہے۔ **فخفف عليكم واسقط منكم فرض قيام الليل** (مدارک) فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ قرآن کو یہاں صلوٰۃ کے معنی میں لے کر یہ مراد بھی لی گئی ہے کہ جتنی نماز آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔ **وقيل ان المراد بالقرآن الصلوة لانه بعض اركانها اى فصلوا ماتيسر عليكم** (مدارک)

و۱۷ یہاں دشواری اور تعب کی بنیادیں دوسری ہیں۔اس لئے حکم تیسیر بھی یہاں از سرِ نو ارشاد ہوا۔ آیت میں تین قسم کے لوگ بیان ہوئے، جن پر تہجد کی پابندی دشوار تھی۔ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى۔ پہلی قسم کے معذور، یہ لوگ ارشاد ہوئے یعنی مریض، اس حکم کی علت اپاہجوں اور زیادہ بوڑھوں کو بھی شامل ہے۔ اٰخَرُوْنَ...... فَضْلِ اللّٰهِ۔ معذوروں کی یہ دوسری قسم مسافروں کی ارشاد ہوئی، اس کے تحت میں کل وہ لوگ آگئے جو وطن سے خواہ تجارت کے لئے نکلے ہوئے ہوں۔ خواہ طلب علم کے لئے یا اور کسی جائز غرض سے۔ وَاٰخَرُوْنَ...... سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اس کے تحت میں سارے غازی اور مجاہدین آگئے۔ فقہاء مفسرین نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ قرآن مجید نے یہاں تاجروں اور مجاہدوں کو مساوی درجہ میں رکھ دیا ہے۔اور کیوں نہ ہو حلال ذریعہ معاش کی تلاش بھی تو جہاد ہی ہے۔ سوے بين المجاهد والمكتسب لان كسب الحلال جهاد (مدارک) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ طالبین سالکین کے ساتھ مجاہدات واوراد میں مرشدین جو رعایت وسہولت کا برتاؤ رکھتے ہیں، اس کی ماخذ یہی آیتیں ہیں۔ و۱۸ یعنی حق تعالیٰ کی راہ میں اور اس کے دین کے شیوع واستحکام کے لئے اخلاص، حسن نیت وخوشدلی کے ساتھ خرچ کرو۔ قَرْضًا حَسَنًا۔ اس پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ الزَّكٰوةَ۔ عبادت بدنی اور مالی کے یہ احکام تو مستقل اور ہر ملک وزمانہ کے لئے ہیں۔ و۱۹ (تو تمہارے طلب مغفرت پر کیوں نہ تمہارے ساتھ مغفرت ورحمت کا برتاؤ کرے گا) هُوَ...... اَجْرًا۔ یعنی دنیوی اغراض میں خرچ کرنے سے جو عوض اور نفع مرتب ہوتا ہے اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر یہ پائدار اور دائمی اجر ملے گا۔ وَمَا...... عِنْدَ اللّٰهِ۔ کوئی خفیف سا خفیف بھی عمل خیر حق تعالیٰ کے ہاں ضائع جانے والا نہیں۔

مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

تلاش میں اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد

اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا

کریں گے سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو و۱۷ اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ

الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَ مَا تُقَدِّمُوْا

دیتے رہو، اور اللہ کو اچھی طرح قرض دو و۱۸ اور جو بھی نیک عمل اپنے لئے

لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ

آگے بھیج دو گے، اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور اجر میں بڑھا ہوا

اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۰ ع

پاؤ گے اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہو، بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔ و۱۹

اٰيَاتُهَا ٥٦ ۷۴ سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ ۴ رُكُوْعَاتُهَا ٢

اس کی چھپن آیتیں سورۂ مدثر مکہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳

اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھئے پھر (کافروں کو) ڈرائیے و۱ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے،

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝۵ وَلَا تَمْنُنْ

اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے و۲ اور بتوں سے الگ رہئے، اور کسی کو اس غرض سے مت دیجئے

تَسْتَكْثِرُ ۝۶ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝۷ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝۸

کہ زیادہ معاوضہ ملے اور اپنے پروردگار (کی رضا) کے لئے صبر کیجئے و۳ پھر جس وقت صور پھونکا

و۱ ان آیتوں کا پس منظر یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلے تو سورۃ العلق کی ابتدائی آیتیں (اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الخ) نازل ہوئیں۔اس کے بعد کسی مصلحت وحکمت خداوندی سے کوئی اور وحی ایک عرصہ دراز تک نہ آئی۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مدت اعتکاف پوری کر کے کوہ حراسے اتر کر اپنے کاشانہ مبارک کو آرہے تھے کہ دفعۃً میدان میں ایک زور کی آواز سنائی دی۔ نظر اوپر اٹھائی تو کیا ملاحظہ کرتے ہیں، کہ جبریل علیہ السلام اپنی اصلی شکل وہیئت میں بصد جاہ وجلال ایک نورانی تخت پر فضائے آسمانی میں جلوہ افروز ہیں، بشر (وہ سید البشر ہی) پر یہ پہلی بار تجلی ملکوتی اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ ہوئی اور بشریت کے طبعی تقاضوں کا ظہور ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکمال اضطراب فوراً کاشانہ مبارک میں آگئے اور جیسے جسم میں سردی لگ جانے کے وقت ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے اوڑھ کر لیٹ رہے اس پر یہ آیتیں سورۃ المدثر کی نازل ہوئیں۔ يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ الْمُزَّمِّلُ کی طرح الْمُدَّثِّرُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صفاتی نام ہے۔ نزول آیت کے وقت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع وہیئت کو ظاہر کرتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے کمال لطف والتفات کا مظہر ہے۔ آیت سے ظاہر ہو گیا کہ آثار بشری کا صدور وظہور کسی ولی سے تو کیا، کسی نبی بلکہ سید الانبیاء تک سے ممنوع ومرفوع نہیں۔ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ یعنی فرائض رسالت کی ادائی میں تندہی اور سرگرمی سے مستعد ہو جایئے۔ قُمْ کے مفہوم میں کمال اہتمام وآمادگی داخل ہے۔ فَاَنْذِرْ۔ امر وجوبی ہے۔ اور اس سے مراد ساری ہی تعلیم وہدایت ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ فرائض تبلیغ میں عذاب دوزخ سے بچانا ترتیباً بشارت جنت پر مقدم ہے۔ و۲ یعنی طہارت ظاہری کا اہتمام رکھیے۔ يدل على وجوب تطهير الثياب من النجاسات للصلوٰة (جصاص) فقہی احکام وہدایات کا نزول ابتدائے وحی ہی سے شروع ہو گیا تھا، اور یہ آیت احکام فقہی کی اولین آیات میں سے ہے۔ دوسرے معنی محاورۂ عرب کے مطابق یہ بھی کئے گئے ہیں کہ اپنے دامن کو ہر خطا ومعصیت کی آلودگی سے پاک وصاف رکھیے۔ قال ابن عباس لاتلبسها على معصية (ابن کثیر) والعرب تقول فی وصف الرجل بالصدق والوفاء انه طاهر الثياب (معالم عن ابن عباس) وقلبک فطهر من الصفات المذمومة وهو قول اكثر المفسرين (کبیر) تطهير الثياب كناية عن تطهير النفس عما تذم بها من الافعال وكلمات جمهور السلف دائرة على نحو هٰذا المعنى فى هٰذه الأيات الكريمة (روح) قيل معناه نفسک فنقها من المعائب (راغب) لیکن ابوبکر جصاص رازی حنفی نے ان معانی سے بشدت انکار کیا ہے، اور کہا ہے۔ هٰذا الكلام شديد الاختلال و الفساد والتناقض (احکام القرآن) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۔ یعنی اللہ ہی کی بڑائی کا اثبات کیجئے بخلاف ان مشرکوں کے جو اپنے دیوتاؤں کے ساتھ اس کا نام لے کر اس کی توہین کیا کرتے ہیں ساری تبلیغ کی اصل اصول تو یہی مسئلہ توحید ہے۔ و۳ (ان سختیوں پر جو راہ تبلیغ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئیں گی، بنیادی عقائد کے بعد اب تعلیم فضائل اخلاق کی مل رہی ہے۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ۔ اپنے اعمال کو کثیر جاننا اُن کے عوض میں رجوع خلق یا مدح کی آس لگائے رہنا۔ یہ سب شریعت میں قطعاً ناجائز ہے۔ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ۔ یعنی راہ حق میں صبر، رضائے حق ہی کی خاطر کیجئے۔ اے فاصبر على طاعته واوامره ونواهيه لاجل ثواب الله (معالم) لوجه ربک عزوجل (ابن کثیر) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ یعنی باطنی نجاستوں سے بھی الگ رہیے۔ جس میں شرک کا نمبر اول ہے۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ رجز کے معنی بت پرستی اور شرک کے ہیں۔ الرجز عبادة الاوثان (قاموس۔ لسان) وقيل هو الشرک (لسان) خود بت بھی اس کے معنی کئے گئے ہیں۔ وقيل هو صنم (لسان۔ راغب)

فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝۹ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ

جائے گا، سو وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہو گا نہ کہ

يَسِيْرٍ ۝۱۰ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۝۱۱ وَّجَعَلْتُ لَهٗ

آسان ف۴ چھوڑ دیجئے مجھے اور اس کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ف۵ اور اس کو کثرت سے

مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝۱۲ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝۱۳ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ

مال دیا اور پاس رہنے والے بیٹے اور (سب طرح کا) سامان اس کے لئے میں نے

تَمْهِيْدًا ۝۱۴ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۝۱۵ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا

خوب مہیا کر دیا، پھر بھی وہ اس کی طمع رکھتا ہے کہ میں اور زیادہ دوں ف۶ ہرگز نہیں، وہ ہماری آیتوں کا

عَنِيْدًا ۝۱۶ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۝۱۷ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝۱۸ فَقُتِلَ

مخالف ہے، میں اُسے عنقریب دوزخ کے پہاڑ پر بجبر چڑھادوں گا ف۷ اس شخص نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی سو وہ

كَيْفَ قَدَّرَ ۝۱۹ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝۲۰ ثُمَّ نَظَرَ ۝۲۱ ثُمَّ عَبَسَ

غارت ہو کیسی بات تجویز کی پھر غارت ہو کیسی بات تجویز کی ف۸ پھر دیکھا پھر منہ بنایا اور زیادہ منہ بنایا

وَبَسَرَ ۝۲۲ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝۲۳ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا

ف۹ پھر منہ پھیرا اور تکبر ظاہر کیا ف۱۰ پھر کہا یہ تو نرا

سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝۲۴ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝۲۵ سَاُصْلِيْهِ

منقول جادو ہے، یہ تو نرا آدمی ہی کا کلام ہے ف۱۱ میں اُس کو جلدی ہی دوزخ میں

سَقَرَ ۝۲۶ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝۲۷ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۝۲۸

داخل کروں گا، اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ دوزخ ہے کیا چیز؟ وہ نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝۲۹ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝۳۰ وَمَا جَعَلْنَآ

جلد کی حیثیت بگاڑ کر رکھ دے گی ف۱۲ اس پر انیس (فرشتے) ہوں گے ف۱۳ اور ہم نے دوزخ کے کارکن

ف۴ ابتدائی مکی سورتوں میں عقیدۂ توحید کے بعد قدرۃً سب سے زیادہ زور عقیدۂ آخرت ہی پر ہے۔ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ اس قید نے یہ صاف کر دیا کہ یوم حشر کے شدائد علی الاطلاق نہ ہوں گے، بلکہ کافروں، منکروں کے ساتھ مخصوص ہوں گے، اور مومنین انشاءاللہ حور و قصور، بلکہ سارے لذائذ قرب ولقاء سے محظوظ ہوں گے۔ ف۵ (کہ ہم اس سے نپٹ لینے کے لئے کافی ہیں) مراد کافر انسان سے ہے۔ وَحِيْدًا۔ ظاہر ہے کہ ہر انسان دنیا میں اکیلا ہی آتا ہے۔ نہ مال اس کے ساتھ ہوتا ہے نہ اولاد۔ ف۶ یعنی ساری موجود نعمتوں کو کفران اور بے قدری کی راہ سے حقیر سمجھتا ہے اور ناسپاسی کے باوجود مزید حرص وہوس میں مبتلا رہتا ہے۔ آیت عام ہے۔ سارے ناشکرے کافروں کے لئے، لیکن تلمیح خاص ہے۔ ولید بن مغیرہ کی طرف۔ جو اہل مکہ میں ایک بڑا ذی اثر شخص اور مال دار اور کثیر العیال تھا۔ وَبَنِيْنَ شُهُوْدًا۔ یعنی یہی نہیں کہ اس کے کئی کئی لڑکے موجود ہیں، بلکہ اس کے سامنے ہی رہتے ہیں جس سے وہ مزید لطف ومسرت حاصل کرتا ہے اور اس کی نظروں سے غائب نہیں۔ وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا۔ یعنی جاہ ومال دونوں سے اسے مالا مال کر دیا۔ اے اتممت علیه نعمتی الجاه والمال واجتماعهما هو الکمال عند اهل الدنیا (کبیر۔ مدارک) ف۷ (جب اسے اپنی سرکشی ونافرمانی کا مزہ معلوم ہو گا) سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا۔ صعود۔ دوزخ کی ایک پہاڑی کا نام ہے دوزخی اس پر چڑھے گا اور پھر گرے گا۔ گرے گا اور پھر چڑھے گا، اور عذاب کی یہ صورت دائمی رہے گی۔ اور یہ سزا اس کے اس عناد کی ہو گی جو اسے حق کے ساتھ دنیا میں رہا کیا تھا۔ كَلَّا۔ یعنی وہ ہرگز اس قابل نہیں۔ لِاٰيٰتِنَا۔ ایات سے مراد کلام الٰہی ہے۔ ف۸ (جو صحت کا کوئی امکان بعید بھی نہیں رکھتی) کلمات تعجب کی یہ تکرار غایت ذم واستبعاد کے لئے ہے۔ اِنَّهٗ فَكَّرَ۔ اور یہ سوچا کہ قرآن مجید کی بابت کیا رائے قائم کروں۔ وَقَدَّرَ۔ سوچ بچار کے بعد رائے بھی قائم کی تو کیسی مہمل اور بے جوڑ کہ قرآن کو نتیجۂ سحر بتایا!۔ ف۹ (قرآن مجید سے غایت کراہت وانقباض ظاہر کرنے کو) ثُمَّ نَظَرَ۔ یعنی اِدھر اُدھر حاضرین کے چہروں کی طرف داد طلب انداز میں دیکھا۔ ف۱۰ قرآن مجید کی اس منظر کشی کا ایک ایک جزئیہ قابل داد ہے۔ انسان اظہار نفرت وکراہت کے وقت منہ ہی نہیں بناتا، بلکہ گردن بھی پھیر لیتا ہے۔ اور اس چیز کی تحقیر کرتا ہوا اپنی بڑائی کی طرف بھی اشارہ کر جاتا ہے۔ ف۱۱ (جو خدا کا کلام ہو ہی نہیں سکتا) سِحْرٌ يُّؤْثَرُ۔ ایسا سحر جو اہل بابل وغیرہ سے منقول ہو کر آیا ہے۔ اے یروی ویتعلم من سحرة بابل ونحوهم (روح) ف۱۲ ذکر اس یومِ آخرت کے سلسلہ میں جہنم کی شدت عذاب اور ہولناکیوں کا ہو رہا ہے۔ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ۔ دوسری زبانوں کی طرح عربی فن بلاغت میں بھی کلام میں زور، اثر، جوش وتاکید کے موقع پر سوالات سے کام لیا جاتا ہے۔ لَا تُبْقِيْ۔ یعنی کوئی کافر دوزخی ایسا نہ ہو گا جسے وہ اپنے اندر جلانے سے باقی رہنے دے۔ وَلَا تَذَرُ۔ یعنی کسی کافر کو اپنے اندر لے لینے سے نہ چھوڑے گی۔ ف۱۳ (جو دوزخیوں کو انواع واقسام کے عذاب دیتے رہیں گے) عجب نہیں جو عذاب دوزخ کے ۱۹ صیغے ہوں اور یہاں مراد ان صیغوں کے افسر فرشتوں کی تعداد کو بیان کرنا ہو۔

اَصۡحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِکَةً ۪ وَّ مَا جَعَلۡنَا عِدَّتَہُمۡ اِلَّا

صرف فرشتوں ہی کو بنایا ہے اور ہم نے ان کا عدد کافروں کی آزمائش

فِتۡنَةً لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۙ لِیَسۡتَیۡقِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ

ہی کے لئے رکھا ہے و۱۴ نتیجہ یہ ہو گا کہ اہل کتاب تو یقین کر لیں گے

وَ یَزۡدَادَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِیۡمَانًا وَّ لَا یَرۡتَابَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا

اور ایمان والوں کا ایمان بڑھ جائے گا اور اہل کتاب اور مومنین

الۡکِتٰبَ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ وَ لِیَقُوۡلَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ

شک و شبہ نہ کریں گے و۱۵ اور نتیجہ یہ ہو گا کہ جن کے دلوں میں

مَّرَضٌ وَّ الۡکٰفِرُوۡنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِہٰذَا مَثَلًا ؕ کَذٰلِکَ

مرض ہے اور کافر لوگ کہیں گے کہ آخر خدا کا مقصود اس بیان سے کیا ہے و۱۶ اللہ اس

یُضِلُّ اللّٰہُ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ مَا یَعۡلَمُ

طرح جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے اور آپ کے پروردگار کے لشکروں

جُنُوۡدَ رَبِّکَ اِلَّا ہُوَ ؕ وَ مَا ہِیَ اِلَّا ذِکۡرٰی لِلۡبَشَرِ ﴿۳۱﴾ کَلَّا

(کی تعداد) تو بس وہی جانتا ہے اور یہ (دوزخ کا بیان) انسان کی صرف نصیحت کے لئے ہے، و۱۷ تحقیقاً

وَ الۡقَمَرِ ﴿ۙ۳۲﴾ وَ الَّیۡلِ اِذۡ اَدۡبَرَ ﴿ۙ۳۳﴾ وَ الصُّبۡحِ اِذَاۤ اَسۡفَرَ ﴿ۙ۳۴﴾ اِنَّہَا

قسم ہے چاند کی اور رات کی، جب وہ جانے لگے، اور صبح کی جب وہ روشن ہو جائے کہ

لَاِحۡدَی الۡکُبَرِ ﴿ۙ۳۵﴾ نَذِیۡرًا لِّلۡبَشَرِ ﴿ۙ۳۶﴾ لِمَنۡ شَآءَ مِنۡکُمۡ اَنۡ

دوزخ ایک بہت ہی بھاری چیز ہے، بڑا ڈراوا انسان کے لئے یعنی تم میں سے اس کے لئے جو

یَّتَقَدَّمَ اَوۡ یَتَاَخَّرَ ﴿ؕ۳۷﴾ کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا کَسَبَتۡ رَہِیۡنَةٌ ﴿ۙ۳۸﴾

آگے بڑھنا چاہے، یا پیچھے ہٹنا چاہے و۱۸ ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس ہو گا

ع ۱ / ۱۵

و۱۴ (کہ وہ اس عدد متعین کو سن کر اس پر طرح طرح سے مضحکہ کریں گے) وَمَا...... مَلٰٓئِکَةً۔ یعنی یہ دوزخ کے کارکن انسان وغیرہ نہیں فرشتے ہی ہوں گے۔ جو ہر قسم کی بشری کمزوریوں سے پاک ہیں۔ اور امرِ الٰہی کی تعمیل کے سوا اور کچھ جانتے ہیں نہیں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عقائد قطعی اللہ پر ایمان، انبیاء پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، حدوث عالم کا اعتقاد وغیرہا تعداد میں انیس ہی ہوتے ہیں۔ اور عذاب کفار کی اصل چونکہ انہیں عقائد اسلامی کی مخالفت ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ ایک ایک فرشتہ انہیں ۱۹ عقائد اصلی میں سے ایک ایک کے مقابلہ پر ہو، یا یہ کہا جائے کہ انسان کے نفس میں عذاب دوزخ کی بھڑکانے والی انیس رنگ کی صلاحتیں موجود ہیں۔ و۱۵ یہ آیت قرآن مجید کے ان دوچار مشکل مقامات میں سے ہے، جن کے متعلق علوم کا باب انشاءاللہ آیندہ کے کسی خوش نصیب مفسر کے لئے ضرور کھلے گا۔ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے ہاں بھی انیس ۱۹ کے عدد سے متعلق کچھ پیشگوئیاں موجود چلی آتی ہیں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اہل کتاب کی نفی ریب لغوی معنٰی میں ہے اور مومنین کی شرعی معنٰی میں۔ و۱۶ (اور ان لوگوں کا یہ سوال طنز و تعریض کی راہ سے ہو گا) اَلَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ۔ مرض شک وانکار میں مبتلا منافقین یا چھپے ہوئے کافر۔ اے من المنافقین (ابن کثیر) اور جن مفسرین نے یہ کہا ہے کہ سورت تو مکی ہے، اور منافقین کا وجود مکہ میں نہ تھا۔ انہوں نے مرض سے مراد اضطراب اور ضعف ایمان لی ہے۔ و قال الحسن بن الفضل السورة مکیة ولم یکن بمکة نفاق وانما المرض فی الأیة الاضطراب وضعف الایمان (بحر) لیکن تفسیر کبیر میں اس قول کو نقل کر کے اس کا جواب دیا گیا ہے اور تائید و توثیق قول جمہور کی کی گئی ہے۔ و۱۷ (کہ اسے سن کر ان کے دلوں میں خوف و خشیت پیدا ہو اور وہ ایمان لائیں) کَذٰلِکَ...... یَشَآءُ۔ یعنی لوگوں کی ضلالت و ہدایت یوں ہی انکل پچو نہیں، بلکہ اللہ کے قانون مشیت تکوینی ہی کے ماتحت انجام پاتی رہتی ہے۔ وَمَا...... ہُوَ۔ یعنی جو تعداد ملائکہ یہاں بیان کی گئی ہے وہ تو کسی حکمت ہی کے ماتحت ہے۔ ورنہ اللہ کے لشکر کا شمار تو بس اسی کے علم میں ہے انسان کے بس میں کہاں ہے۔ و۱۸ یعنی اس کے لئے بھی جو خیر و فلاح کی طرف قدم بڑھانا چاہے اور اس کے لئے بھی جو خیر و فلاح سے پیچھے ہٹنا چاہے۔ غرض یہ کہ جملہ مکلفین کے لئے۔ وَالۡقَمَرِ...... الۡکُبَرِ۔ موقع قسم پر یہاں تین چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ چاند اور رخصت ہوتی ہوئی رات اور روشن ہوتی ہوئی صبح، اور یہ تینوں چیزیں خاص مناسبت واقعۂ قیامت سے رکھتی ہیں، جس پر بطور شہادت انہیں پیش کیا گیا ہے ــــ چاند کا اول بڑھنا اور پھر گھٹنا، یہاں تک کہ نظروں سے معدوم ہو جانا ایک نمونہ اور مثال ہے، اس کائنات کے وجود و حدوث، اور نشو و نما کا، اور پھر اضمحلال و انحطاط، یہاں تک کہ فناء کا۔ اسی طرح اس عالم کو آخرت کے ساتھ اختفاء اور انکشاف حقائق میں بھی وہی نسبت ہے جو رات کو دن کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس عالم کا ختم ہو جانا مشابہ رات کے گزر جانے کے ہے، اور آخرت کا ظہور مشابہ طلوع صبح کے ہے۔ اِحۡدَی الۡکُبَرِ۔ ایک ہی بھاری چیز جس کی کوئی نظیر نہیں جیسے اردو محاورہ میں بھی کہتے ہیں کہ "وہ ایک ہی ہے"۔ یا نظیر کے معنٰی میں اے لانظیر لها کما تقول هو احد الرجال وهی احدی النساء (بحر) لِمَنۡ شَآءَ۔ اس لفظ سے اجازت کا کوئی پہلو ہرگز نہ سمجھا جائے، یہ بیان صرف ارادہ عبد کا ہو رہا ہے اور اہل سنت ارادہ عبد کی نفی نہیں کرتے، اس کا تو عین اثبات کرتے ہیں۔ نفی صرف اس امر کی کرتے ہیں کہ عبد اپنے ارادہ کا خالق بھی ہے۔

اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿٣٩﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٤٠﴾

مگر داہنے ہاتھ والے نہیں کہ وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے، اور مجرموں کی بابت پوچھ پاچھ

عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوْا لَمْ

کر رہے ہوں گے و۱۹ کہ تمہیں کون سی چیز دوزخ میں لائی؟ وہ کہیں گے ہم تو

نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿٤٤﴾

نہ نماز پڑھا کرتے تھے، اور نہ ہم غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے

وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ

اور مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں پڑے رہتے تھے، اور ہم روز جزا کو جھٹلایا

الدِّيْنِ ﴿٤٦﴾ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿٤٧﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ

کرتے تھے، یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی و۲۰ سو ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش (کوئی)

الشّٰفِعِيْنَ ﴿٤٨﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٩﴾ كَاَنَّهُمْ

نفع نہ دے گی و۲۱ انہیں کیا ہوگیا کہ نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں گویا وہ

حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيْدُ

وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے جا رہے ہیں و۲۲ اصل یہ ہے کہ ان میں سے

كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا ۭ

ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے نوشتے دے دیے جائیں و۲۳ ہرگز نہیں

بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٥٣﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَنْ

بلکہ اصل یہ ہے کہ یہ آخرت کا خوف ہی نہیں رکھتے و۲۴ نہیں بلکہ یہ (قرآن ہی کافی) نصیحت ہے، سو جو چاہے

شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ

اس سے نصیحت حاصل کرے، اور نصیحت تو یہ لوگ اس صورت میں حاصل کریں گے جب اللہ کی مشیت ہوگی

و۱۹ (خود انہیں کفار مجرمین سے) سوال سے محض استفسار حال مقصود نہ ہوگا، اہل دوزخ کی مزید تذلیل و سرزنش بھی مقصود ہوگی۔ كُلُّ ...... رَهِيْنَةٌ۔ یہ محبوسی دوزخ کی ہے، ہر شخص اپنی پاداش عمل میں گرفتار و ماخوذ ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ عفو خداوندی کسی کے جرائم ہی کو نظر انداز کردے۔ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ۔ یعنی اہل جنت جنہیں نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھوں میں ملے گا۔ وہ اس حبس سے ہر طرح محفوظ و مستثنیٰ ہوں گے۔ اَلْمُجْرِمِيْنَ۔ مراد کفار اہل دوزخ ہیں۔ و۲۰ (اور ہم انہیں غفلتوں اور سرشاریوں میں پڑے رہ گئے) نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ۔ خوض سے مطلق مشغلہ نہیں بلکہ ایسا مشغلہ مراد ہے جو دین اور واجبات دین سے غافل کردے۔ الخوض الشروع فی الباطل ومالا ینبغی (کشاف) والمراد منه الاباطیل (کبیر) کافروں کی تقریر کا حاصل یہ ہوگا کہ ہم نے نہ حقوق اللہ ہی ادا کئے نہ حقوق العباد، اور ادائے حقوق تو کیا کرتے سرے سے روز حشر کی آمد ہی سے انکار کرتے رہے۔ اور ابطال دین کو ایک مشغلہ سا بنا کر اسی میں لگے رہے۔ توبہ و انابت کی توفیق کبھی نہ ہوئی اور موت ہی اس حالت میں آگئی۔ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ۔ یقین کے معنی یہاں عام طور پر موت ہی کے لئے گئے ہیں۔ وقال المفسرون الیقین الموت (بحر) ای الموت ومقدماته کما ذهب الیه جلّ المفسرین (روح) عذاب قیامت بھی مراد لی گئی ہے۔ اس لئے کہ یہی شئی ہے جس پر یقین لاتا ہے۔ یہ لوگ زندگی بھر گریز کرتے رہے اور بعد موت مشاہدہ کرکے جب یقین کیا۔ وانها الیقین الذی عنوا فی هذه الأیة الشیء الذی کانوا یکذبون به و هم احیاء فی الدنیا فتیقنوه بعد الموت (بحر) و۲۱ مراد یہ ہے کہ ایسوں کی شفاعت جب سرے سے ہوہی گی نہیں تو کارگر کیا ہوتی۔ ای لا یقدرون علی شفاعتهم فتنفعهم۔ ای لاشفاعة شافعین لهم فتنفعهم۔ (بحر) مَا تَنْفَعُهُمْ۔ لفظ نفع، منع عذاب و تخفیف عذاب دونوں کو عام ہے۔ اس کی نفی کے معنی یہ ہوئے کہ یہ نہ عذاب سے ہی بچ سکیں گے اور نہ کوئی رعایت ہی حاصل کر سکیں گے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ آیت سے مومنین کے حق میں شفاعت کا اثبات نکلتا ہے۔ وفیه دلیل ثبوت الشفاعة للمؤمنین (مدارک) وفی هذه الأیة دلالة واضحة علی ان الله تعالیٰ مشفع بعض خلقه فی بعض (ابن جریر) بلکہ اہل سنت نے تو یہ کہا ہے کہ آیت سے فساق امت تک کی شفاعت کا اثبات ہوتا ہے۔ واحتج اصحابنا علی ثبوت الشفاعة للفساق بمفهوم هذه الأیة وقالوا ان تخصیص هٰؤلآء بانهم لاتنفعهم شفاعة الشافعین یدل علی ان غیرهم تنفعهم شفاعة الشافعین (کبیر) فاسقوں کی شفاعت سے انکار صرف معتزلہ سے منقول ہے۔ وفیه دلیل علی ان غیرهم تنفعهم الشفاعة وذالک لغیر الفساق عند المعتزلة (نیشاپوری) و۲۲ (بالکل اندھا دھند منہ اٹھائے ہوئے) گدھے اور پھر وحشی جنگلی گدھے کمال بلادت کے لئے ضرب المثل ہیں۔ معمولی اور بالکل بے ضرر چیزوں سے بھی بدکتے اور بھاگتے رہتے ہیں اور پھر جب شیر سے بھاگیں گے تو ان کی وحشت اور بدحواسی کا کیا ٹھکانا۔ تشبیہ سے مقصود قرآن مجید سے ان لوگوں کے انتہائی بُعد و تنفر کا اظہار ہے اور تشبیہ صرف فرار اور عدم فرار میں ہے دوسرے آثار میں نہیں۔ قَسْوَرَةٍ۔ کے معنی اور بھی کئے گئے ہیں۔ لیکن صحابہ اور محققین نے شیر ہی کے معنی لئے ہیں۔ وقال ابوهریرةؓ هی الاسد وهو قول عطاء الکلبی (معالم) قال ابوهریره وابن عباس فی روایة عنه وزید بن اسلم وابنه عبدالرحمٰن (ابن کثیر) اور ماہرین لغت سے بھی یہی منقول ہے۔ وجمهور اللغویین علی انه الاسد (روح) و۲۳ (آسمان سے اترے ہوئے) قرآن مجید اپنے مخاطبین کو دعوت غور و فکر ایک خاص قسم کی دیتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ لوگ اس کے پیش کئے ہوئے دلائل و حقائق پر غور کرکے ایمان تک پہنچیں۔ احمق اور سنجیدگی فکر سے محروم اور سطحی نظر رکھنے والے منکرین اس قوت فکری کا استعمال بھی اپنے لئے بار سمجھتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ شہادتیں انہیں جو بھی ملیں کھلی ہوئی مادی، حسی، خوارق کے قسم کی ملیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے مذمت اس طالب کی نکل رہی ہے جو کاملین کے اتباع سے عار محسوس کرتا ہے۔ اور خود اپنے واردات و احوال کی توقع و طلب میں لگا رہتا ہے۔ و۲۴ قرآن مجید ان منکرین کی نفسیت کی تشخیص یہ کرتا ہے کہ ان کے اعراض و انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں سرے سے اندیشۂ آخرت اور طلب حق ہے ہی نہیں۔ كَلَّا۔ یعنی ایسا ہرگز نہ کیا جائے گا۔ ان کے ہوائے نفس کے پورا ہونے کا موقع نہیں ہرگز نہ دیا جائے گا۔

و۲۵ تقوی بھی صرف اسی سے اختیار کرنا چاہیے، اور مغفرت بھی صرف وہی کرسکتا ہے۔ دوسروں سے خوف یا طمع دونوں لاحاصل ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس آیت کی تفسیر یوں آئی ہے۔ قال ربکم انا اھل ان اتقی فلا یشرک بی شیء فاذا اتقانی عبد فانا اھل ان اغفرلہٗ۔ ''حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ہی اس قابل ہوں کہ بندہ مجھ سے ڈرے اور میرے ساتھ کسی کام میں کسی کو شریک نہ کرے تو جب بندہ مجھ سے ڈرا، تو میری بھی شان یہ ہے کہ اس کی مغفرت کردوں''۔ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ۔ اسی قرآن ہی پر غور، تامل وتدبر سے پورا ایمان وایقان حاصل ہوسکتا ہے۔ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ۔ جو شخص طلب وقصد رکھے، قرآن مجید سے نصیحت حاصل کرسکتا ہے — اس فقرہ میں ارادۂ عبد کسب واختیار فعل کا اثبات ہوگیا۔ وَمَا ...... اللّٰهُ۔ یہیں سے اہل سنت کا یہ مسلک ہے کہ مشیت عبد ومشیت شخصی تابع وماتحت رہتی ہے مشیت ازلی الٰہی کے۔ و۱ (جو اپنے اوپر ملامت کرتا رہتا ہے) لَآ اُقْسِمُ۔ اقسام قرآنی کی حقیقت کے لئے ملاحظہ ہو ضمیمہ پ۱۴۔ لَا۔ قسم کے ساتھ تاکید معنیٰ کے لئے آتا ہے۔ اور اس کا یہ استعمال کلام عرب میں عام ہے۔ **ادخال لا النافية على فعل القسم مستفيض في كلامهم واشعارهم وفائدتها توكيد القسم** (کشاف) **لاقبل القسم لتاكيد النفي** (ابن کثیر) بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔ نفس لوامہ یہ ہے کہ بندہ سے جب عمل خیر صادر ہو تو یہ اس پر جرح کر کر کے اس میں عیب نکالا کرے کہ اس میں اخلاص شامل نہ تھا، عمل میں فلاں جزء کی کمی رہ گئی۔ وقس علی ہذا۔ اور جب معصیت سرزد ہوجائے تو اس پر بہت ہی نادم وسرنگوں ہو۔ **الاشبه بظاهر التنزيل انها اللتي تلوم صاحبها على الخير والشر وتندم على مافات** (ابن کثیر) قرآن مجید میں نفس کے تین اوصاف بیان ہوئے ہیں:۔ (۱) **نفس امّارة**۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ۔ یہ نفس سرکشوں، خودسروں، مجرموں کا ہوتا ہے۔ (۲) **نفس لوّامة**۔ وہی جس کا یہاں ذکر ہے، ادھر غفلت اور شامت سے کوئی لغزش ہوئی اور ادھر نفس کو توبہ وندامت کی بھی توفیق ہوگئی۔ یہ شان مومنین صالحین کی ہوتی ہے۔ (۳) **نفس مطمئنة**۔ یہ نہ تخیلات شیطانی سے متزلزل ہوتا ہے۔ نہ تحریکات نفسانی سے منتشر۔ یہ حضرات انبیاء کے ساتھ اور اولیاء میں اخص خواص کے ساتھ مخصوص ہے۔ و۲ (تو جو اس تک پر قادر ہے۔ اس کے لئے ہڈیوں کا اکٹھا کرنا اور ان میں جان ڈال دینا کیا مشکل ہے!) الْاِنْسَانُ۔ اس سیاق میں انسان سے مراد ملحد، کافر ومنکر قیامت انسان ہے۔ **اے الكافر المنكر للبعث** (مدارک) **يعني الكافر** (معالم) نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ۔ پور پور کو ترکیب دے دینے سے مراد جسم کی آخری اور نازک ترین ترکیبوں کا اعادہ ہے۔ ملحدوں کے انکار قیامت کی بنیاد اور کچھ نہیں، صرف اس حقیقت کا استبعاد تھا۔ آج کل کے مادیئین اور کسی حد تک ''نیچریوں'' کی طرح اس سطحی عقل والوں کے نزدیک جو چیز بھی معمول عام سے ہٹی ہو بس محال تھی! قرآن نے اسی لئے جواب میں بار بار یہی پہلو اللہ کی قدرت کاملہ کے استحضار کا اختیار کیا ہے۔ و۳ (اور اس کی لذت پرستیوں میں کبھی فرق نہ پڑنے پائے) یعنی وہ چونکہ اپنے کو باز پرس سے دور رکھنا اور دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے قائل بھی ایسے عقیدہ کا نہیں ہوتا جس سے لذتوں سے دستبرداری لازم آتی ہو — یہی ایک ذہنیت قدیم وجدید ساری مادہ پرست قوموں میں مشترک رہی ہے۔ لِيَفْجُرَ۔ فجور سے یہاں مراد کافرانہ اعمال ہیں۔ **واصل الفجور الميل وسمي الفاسق والكافر فاجرًا لميله عن الحق** (معالم) اور اس سوال سے اس کی غرض جستجوئے حق اور استفسار محض نہیں ہوتی، بلکہ سوال طنز وتعریض کے ساتھ کرتا ہے۔ و۴ (اور یہ کلمہ انسان کی زبان پر کمال اضطراب وسراسیمگی کے عالم میں آئے گا) قرآن مجید نے بکمال حکمت وبلاغت ادھر توجہ ہی نہیں کی کہ وقوع قیامت کی صدی اور وقت اور تاریخ کی تعیین کی جائے۔ بلکہ عین اس وقت کی کیفیات کی تصویر پیش کردی کہ قیامت اس وقت آئے گی جب نظام کائنات یوں اور یوں درہم برہم ہوجائے گا اور انسان ہر طرف یوں بلبلایا ہوا بدحواس بھاگتا پھرتا ہوگا۔ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ۔ آنکھوں پر یہ چکاچوند کی کیفیت اس وقت کے انتہائی ہیبت ناک منظروں سے طاری ہوجائے گی۔ وَخَسَفَ الْقَمَرُ۔ چاند کی اس بے نوری کی تصریح میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ عرب جاہلیت میں چاند دیوتا بہت بڑا دیوتا تھا۔ جس طرح مصر اور بعض دوسری جاہلی قوموں میں معبود اعظم سورج رہا ہے۔ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ۔ یہ آج کا نظام مادی تکوینی اس وقت بالکل الٹ جائے گا۔ یہاں تک کہ جو چیزیں آج محال اور غیر ممکن معلوم ہورہی ہیں اس وقت واقع ہوکر رہیں گی۔

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾ ع

وہی ہے ڈرنے کے قابل اور (وہی) مغفرت والا ہے و۲۵

اٰیاتها ٤٠ | ٧٥ سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ ٣١ | رکوعاتها ٢

اس کی چالیس آیتیں | سورۂ قیامت مکہ میں نازل ہوئی | اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿١﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿٢﴾

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں نفس ملامت گر کی و۱

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿٣﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ

کیا انسان یہ خیال کررہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے، ضرور جمع کریں گے ہم تو اس پر قادر ہیں

عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿٤﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ

کہ اس کی انگلیوں کے پوروں تک کو درست کردیں و۲ اصل یہ ہے کہ انسان تو یہی چاہتا ہے کہ آئندہ بھی

اَمَامَهٗ ﴿٥﴾ يَسْــَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ﴿٦﴾ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿٧﴾

فسق وفجور ہی کرتا رہے و۳ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا سو جس روز آنکھیں خیرہ ہوجائیں گی

وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿٨﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿٩﴾ يَقُوْلُ

اور چاند بے نور ہوجائے گا اور چاند اور سورج ایک حالت کے کردیئے جائیں گے اس روز

الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿١٠﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿١١﴾ اِلٰى رَبِّكَ

انسان کہے گا کہ اب کدھر بھاگوں؟ و۴ ہرگز نہیں کہیں پناہ کی جگہ نہیں اس وقت ٹھکانا صرف

يَوْمَئِذِ ِۨالْمُسْتَقَرُّ ﴿١٢﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ

آپ کے پروردگار کے پاس ہوگا، اس روز انسان کو سب اگلا پچھلا کیا ہوا جتلایا دیا

وَ اَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّ لَوْ

جائے گا ف۵ (بلکہ) اصل یہ ہے کہ انسان خود ہی اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا گو وہ

اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ﴿۱۵﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾

اپنے حیلے پیش لائے ف۶ آپ اس کو (یعنی قرآن کو) جلدی جلدی لینے کے لئے اس پر زبان نہ ہلایا کیجئے

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾

یہ تو ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کردینا اور اس کا پڑھوانا، ف۷ تو جب ہم اسے پڑھنے لگیں تو آپ اس کے تابع ہوجایا کیجئے ف۸

ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾

پھر اس کا بیان کرادینا بھی ہمارے ذمہ ہے، ف۹ ہرگز ایسا نہیں ف۱۰ اصل یہ ہے کہ تم دنیا سے تو محبت رکھتے ہو،

وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰی

اور آخرت کو چھوڑے ہوئے ہو ف۱۱ (کتنے ہی) چہرے اس روز بشاش ہوں گے، اور

رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ

اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے، ف۱۲ اور (کتنے ہی) چہرے اس روز بے رونق ہوں گے، اور سمجھ رہے ہوں گے

یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ﴿۲۶﴾ وَ قِیْلَ

کہ اب ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا ف۱۳ (دنیا محبوب بننے اور آخرت متروک ہونے کے قابل) ہرگز

مَنْ ٚ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ

نہیں ف۱۴ جب جان ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے اور پکارا جانے لگتا ہے کہ ارے کوئی جھاڑنے والا بھی ہے ف۱۵ اور (مرنے والا) سمجھ لیتا

بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ فَلَا صَدَّقَ

ہے کہ اب مفارقت (کا وقت) ہے اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹنے لگتی ہے ف۱۶ اس روز تیرے پروردگار ہی کی طرف جانا ہوتا ہے اس

وَ لَا صَلّٰی ﴿۳۱﴾ وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓی

(کافر) نے نہ تو تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی ف۱۷ بلکہ تکذیب کی تھی اور منہ موڑا تھا پھر فخر کرتا ہوا

ع ۱۷

ف۵ یہ جتلانا اس معنٰی میں نہ ہوگا کہ ایک بے خبر اور ناواقف کو باخبر اور واقف کیا جارہا ہے بلکہ یہ جتلانا بطور اتمام حجت وقطع جواب کے ہوگا۔ بِمَا قَدَّمَ۔ اس سے مراد وہ عمل خیر ہے جو انسان دنیا میں کر گزرا ہے۔ وَاَخَّرَ۔ اس سے مراد اس عمل سے لی گئی ہے جو انسان نہ کر پایا۔ ف۶ (محض اپنے مقتضائے طبیعت سے) مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان تو اپنی حالت پر خود گواہ ہوگا۔ اور بغیر جتلائے ہوئے بھی اسے اپنا حال خوب معلوم ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ حیلے اور حجت بھی اپنے بچاؤ کے تراشتا رہے۔ یہ ماجرا تو روز حشر کا بیان ہورہا ہے۔ لیکن یہ مفہوم بھی نکل سکتا ہے کہ آج اور اس وقت بھی انسان حیلے حوالے کتنے ہی پیش کرتا رہے، اپنے دل میں حقیقت حال کو خوب سمجھے رہتا ہے اور اس کا ضمیر خود اس کے جرائم پر گواہ رہتا ہے۔ بَصِیْرَةٌ۔ یا تو حجت کے مفہوم میں ہے ای هو حجة علی نفسه (مدارک) ای حجة بینة واقعة علی نفسه (روح) عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ۔ لفظ علیٰ سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ اعمال سوء ہی پر مطلع ہونا یہاں مراد ہے۔ شاهدة بما صدر منه من الاعمال السیئة کما یُؤْذِنُ به کلمة علیٰ (روح) اور یا پھر اس میں ہ مبالغہ کی ہے جیسے علامہ میں۔ قال ابو عبیدة الهاء لاجل المبالغة (کبیر) التانیث للمبالغة (روح) محققین عارفین نے کہا ہے کہ معرفت حق ہر انسان میں ودیعت کردی گئی ہے۔ کوئی عارف بالفعل ہوتا ہے کوئی بالقوۃ، اور قیامت میں یہی استعداد عرفان اس پر حجت ہوگی۔ ف۷ نزول وحی کے دوران میں آپ ﷺ اس خیال سے کہ کہیں یہ الفاظ ذہن سے نکل نہ جائیں، خود بھی جلدی جلدی انہیں کو دہرانے لگتے تھے۔ یہاں یہ حکم مل رہا ہے کہ آپ نزول وحی کے وقت بس سکون وخاموشی سے سنتے ہی رہا کیجئے اور یہ اندیشہ بھی دل میں نہ لائیے کہ وحی کا کوئی خفیف سا جزو بھی قلب سے نکل جائے گا۔ اس کی محفوظیت کے ذمہ دار تو ہم خود ہیں۔ بِهٖ۔ بِهٖ دونوں جگہ ضمیر قران کی طرف راجع ہوتی ہے۔ جَمْعَهٗ۔ یعنی قرآن کا آپ کے سینہ میں جمع کردینا۔ معناه علینا جمعه فی صدرک وحفظک (کبیر) وَقُرْاٰنَهٗ۔ یعنی پورے کے پورے قرآن کا آپ کی زبان سے پڑھوا دینا۔ انا سنقرئک یا محمد الیٰ ان تصیر بحیث لاتنساه (کبیر) اثبات قراءته فی لسانک (مدارک) ای قراءتک ایاه (بحر) ف۸ یعنی ادھر ہی متوجہ ہوجایئے اور اس کے دہرانے کی فکر میں نہ رہیے۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ۔ یعنی جب ہمارا فرشتۂ وحی اسے سنایا کرے۔ — حق تعالیٰ نے یہیں فرشتۂ وحی کے سنانے کو اپنے ہی سنانے سے تعبیر فرمایا ہے۔ ای اتممنا قراءته علیک بلسان جبرئیل المبلغ عنا فالاسنادمجازی (روح) محفوظیت وجامعیت متن قرآنی پر یہ آیت ایک مستقل نص کا کام دے رہی ہے۔ اشارۃً اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ نزول وحی میں فرشتہ جبرئیل علیہ السلام کا مقام تعلیم وافادہ کا نہیں، صرف تبلیغ واعادہ کا ہے۔ جیسے جمعہ یا عیدین کی نماز میں مکبرین امام کی تکبیر وتسبیح کو صرف دہرا دیتے ہیں، کسی اور حیثیت سے نائب امام نہیں ہوتے۔ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔ یعنی فرشتۂ وحی کی قراءت کا اتباع کرتے رہیے۔ فاتبع قراٰنه ای لاینبغی ان تکون قراءتک مفارقة بقراءة جبرائیل (کبیر) ف۹ (اور یہ رسول کے ذریعہ سے ہوگا) قرآن کو رسول تک بجنسہٖ پوری حفاظت کے ساتھ پہنچا دینا جو حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا تھا۔ اس کا انصرام تو فرشتہ کی وساطت سے ہوا۔ اب رہا دوسرا وعدۂ الٰہی یعنی قرآن کی تبیین وتشریح یہ کس کے ذریعہ سے ہوگی؟ یہ رسول ﷺ کے ذریعہ سے — گویا حق تعالیٰ سے رسول ﷺ تک متن قرآن پہنچانے کا ذمہ دار تو فرشتہ وحی ٹھہرا۔ اور رسول ﷺ سے امت تک متن قرآن وشرح قرآن پہنچانے کے ذمہ دار رسول کریم ﷺ قرار پائے۔ ای ثم ان علینا ان نبینهٗ بلسانک (روح) ای بعد حفظه وتلاوته نبینهٗ لک ونوضحه ونفهمک معناه علیٰ ارادنا وشرعنا (ابن کثیر) آج جس نو پیدا گروہ نے رسول اللہ ﷺ کی حیثیت صرف ایک خطوط رساں یا ڈاکیہ کی تسلیم کر رکھی ہے، کاش اس آیت سے اس کی آنکھیں کھلتیں۔ ف۱۰ (کہ قیامت نہ آئے گی جیسا کہ یہ احمق منکرین اپنے زعم فاسد میں سمجھے ہوئے ہیں) كَلَّا کو حقًا کے بھی مرادف سمجھا گیا ہے اور معنٰی یقیناً کے کئے گئے ہیں۔ قال سائر المفسرین کلا معناه حقاً تحبون العاجلة وتذرون الاٰخرة (کبیر) ف۱۱ (اسی محبت دنیا کے انہماک میں) یہاں یہ بتادیا کہ انکار آخرت کی بنیاد بھی یہی دنیوی زندگی میں انہماک وغفلت ہے۔ ف۱۲ مسئلہ رویت باری ودیدار الٰہی اہل سنت کا اجماعی مسئلہ ہے اور اس آیت سے بخوبی ثابت ہے۔ اعلم ان جمهور اهل السنة یتمسکون بهذه الاٰیة فی اثبات ان المؤمنین یرون الله تعالیٰ یوم القیٰمة (کبیر) مسئلة النظرورؤیة الله تعالیٰ مذکورة فی اصول الدین (بحر) قال ابن عباس واکثر الناس تنظر الی ربها عیاناً بلاحجاب (معالم) وقدثبتت رؤیة المؤمنین لله عزوجل فی الدار الاٰخرة فی الاحادیث الصحاح من طرق متواترة عندائمة الحدیث لایمکن دفعها ولامنعها (ابن کثیر) وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ۔ جملہ اسمیہ ہے اور جملہ کی ترکیب دلالت حدوث وزوال پر نہیں کرتی بلکہ اس پر کہ یہ بشاشت وشگفتگی دائمی ہوگی۔ اس بشاشت وسرور کی وجہ بھی معًا بعد مذکور ہے۔ یعنی یہ کیفیت اضطراری اور خود بخود طاری نہ ہوگی۔ بلکہ یہ تلذذ ونشہ ثمرۂ رویت ہوگا۔ اِلٰی سے بعض عارفین نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ کمال قرب وکثرت انوار کے باوجود نظارہ کرنے والے میں احساس تشخص وادراک باقی رہے گا۔ تلذذ وتکیف پوری طرح ہوسکے گا فنائے محض کی کیفیت طاری نہ ہوگی۔ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ فعل نظر کا صلہ جب الیٰ کے ساتھ آتا ہے، تو اس کے معنٰی رویت [illegible]

ولا یُعدٰی بالٰی الابمعنی الرؤیة (مدارک) و۱۳ یعنی نہایت شدت کا معاملہ۔ فَاقِرَةٌ۔ فقر ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں۔ اس کو توڑ دینے والی چیز سے کنایہ ہوتا ہے انواع عذاب وغایت مصیبت سے۔ وُجُوْهٌ کے صیغۂ نکرہ ہونے سے یہ مستفاد ہوا ہے کہ کچھ ہی بدقسمت اس میں گرفتار ہوں گے، سب نہیں۔ و۱۴ اس تردید کا تعلق آیت ۲۰، ۲۱ سے ہے بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ سے۔ و۱۵ (جواب آ کر اچھا کرے) راقی کے لفظی معنی جھاڑنے پھونکنے والے کے ہیں۔ قرآن مجید کے مخاطب اول یاد کر لیجئے کہ عرب تھے، اور پھر یہ سورت تو نزول میں بھی بہت ابتدائی ہے۔ اس وقت ان سے وہی بات اس زبان میں کہی گئی، جس سے وہ مانوس اور جس کے وہ خوگر تھے، دوسری مشرک قوموں کی طرح ان میں بھی بڑا زور جھاڑ پھونک کا تھا، اور مرتے ہوئے شخص کو بچانے کی آخری اور انتہائی تدبیریں ان کے درمیان اسی قسم کی ہوتی تھیں۔ اس وقت اگر ان کے سامنے انجکشن دینے یا مصنوعی تنفس کے سامان کا ذکر کیا جاتا، تو بجز اس کے کہ وہ حیرت سے بھونچکے رہ جاتے اور کوئی حاصل بھی نہ تھا— یہاں مراد مطلق معالج ہے۔ طبیبا یشفیه وراقیا یرقیه (کبیر) لعله ارید به مطلق الطبیب (روح) ای من یرقی ویطبب ویشفی وغیر ذٰلک مما یتمناه له اهله (بحر) ای من طبیب شافٍ وکذا قال قتادة والضحاک وابن زید (ابن کثیر) ای هل من طبیب یرقیه ویداویه فیشفیه برقیته اودوائه وقال قتادة التمسوا له الاطباء (معالم) و۱۶ (سکرات موت کی شدت سے) ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ۔ ظن۔ یہاں یقین کے معنی میں ہے۔ واکثر المفسرین علٰی تفسیره بالیقین (روح) وتظن بمعنی توقن (بحر) و۱۷ یعنی نہ ایمان لایا تھا نہ اعمال کی پروا کی تھی۔ فَلَا صَدَّقَ۔ تصدیق سے مراد توحید و رسالت کی تصدیق ہونا ظاہر ہے۔ الفاظ آیت کی ترکیب سے ایک اشارہ پیدا کیا گیا ہے کہ جس طرح نماز بغیر ایمان صحیح نہیں ہوتی، اسی طرح ایمان بھی بغیر نماز کے کامل نہیں ہوتا۔ علماء نے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ ایمان کے بعد نماز سے بڑھ کر کوئی عمل اہم و مؤکد نہیں۔ یہ مسئلہ بھی نکالا گیا ہے کہ مستحق زجر و ملامت جس طرح عدم ایمان ہے، اسی طرح ترک نماز بھی۔ اعلم ان الاٰیة دالة علی ان الکافر یستحق الذم والعقاب بترک الصلٰوة کما یستحقهما بترک الایمان (کبیر) و۱۸ یعنی اپنے کفر و عصیان پر فخر کرتا ہوا اپنے خدم و حشم میں جا کر اور زیادہ غافل و مغرور ہو جاتا تھا۔ و۱۹ یہ تکرار اور تاکید پر تاکید، دوسری زبانوں کی طرح عربی اسلوب بیان میں بھی کمال غضب اور وعید شدید کے اظہار کے لئے ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى، ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى، اس نے ہاتھ چھڑا لیا اور یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ نہ تم میرا کچھ کر سکتے ہو نہ تمہارا خدا، حق تعالیٰ نے بجنسہٖ اس فقرہ کو قرآن میں نازل فرما دیا۔ و۲۰ (بلا حساب و کتاب اور بغیر جزاء و سزا کے) اَلْاِنْسَانُ۔ انسان سے یہاں مراد کافر، ناسپاس، منکر حشر انسان ہے۔ و۲۱ (عورت کے رحم میں) اشارہ ہے انسان کی اصل حقیر کی طرف— دنیا میں مشرک، جاہلی قومیں ایسی بھی گزری ہیں جو منی کے تقدس اور نطفہ کے احترام کی قائل ہوئی ہیں۔ قرآن مجید کی اس مضمون کی آیتیں ضمناً اس جاہلانہ عقیدہ کی بھی تردید کرتی جاتی ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ و۲۲ (تو جس کی محض پیدائش میں یہ اہتمام و انضباط ہو اور جس کی خلقت، ترکیب و ارتقاء میں اتنی صنعت صرف ہو، کیا اس کے انجام کار کی طرف سے غفلت اور اسے محض بخت و اتفاق پر چھوڑے رہنا عقل سلیم کسی طرح بھی قبول کرتی ہے؟) والمقصود هنا اثبات المعاد والرد علی من انکره من اهل الزیغ والجهل والعناد (ابن کثیر) و۲۳ یعنی جو قادر مطلق و صناع برحق ابتداءً محض اپنی قدرت سے یہ سب کچھ کر سکتا اور نیست کو ہست کر سکتا ہے وہ اب صرف اعادہ پر بھی قدرت نہیں رکھتا؟ و۱ یعنی انسان اپنی پیدائش سے قبل جبکہ بحیثیت انسان معدوم تھا۔ هَلْ یہاں بالاتفاق قَدْ کے معنی میں ہے یعنی ضرور یا یقیناً۔ هل بمعنی قد (کشاف) هل اتٰی بمعنی قد وبذٰلک فسر قوله تعالٰی هل اتٰی علی الانسان الخ (مغنی۔ عن ابن عباس والکسائی والفراء) وعن سیبویه ان هل بمعنی قد (مغنی) و۲ یعنی صاحب عقل بنایا اور ایسی ہیئت اور صفات کے ساتھ پیدا کیا کہ اس میں احکام کا مکلف بننے کی قابلیت ہو۔ نُطْفَةٍ اَمْشَاجٍ۔ یہ اختلاط و امتزاج ممکن ہے کہ مرد و عورت کے مادوں کی ترکیب کے لحاظ سے ہو اور ہو سکتا ہے کہ خود منی ہی کے اجزائے ترکیبی کے لحاظ سے ہو۔ فالاکثرون علٰی انه اختلاط نطفة الرجل بنطفة المرأة (کبیر) ذٰلک عبارة عما جعله الله تعالٰی بالنطفة من القوی المختلفة (راغب) یہ بیان عام خلقت انسانی کا ہوا اور اس طرح کے بیانات قرآن مجید میں ہمیشہ صرف عمومی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سے یہ استدلال کرنا کہ کسی بھی انسان کی خلقت بجز معروف و متعارف طریقہ کے ہو ہی نہیں سکتی تمام تر سطحیت و بے مغزی ہے۔ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔ علم و معرفت کے لئے حواس میں بڑا دخل آنکھ اور کان ہی کو ہے اس لئے صراحت سے نام انہیں دو قوتوں کا لیا گیا۔

اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ۳۳ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۳۴ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۳۵ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۳۶ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۳۷ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۳۸ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۳۹ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۴۰

اپنے گھر چل دیتا تھا و۱۸ تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے پھر تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے و۱۹ کیا انسان اس خیال میں ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ و۲۰ کیا یہ شخص (محض) ایک قطرۂ منی نہ تھا جو ٹپکایا گیا تھا و۲۱ پھر وہ خون کا لوتھڑا ہوگیا، پھر (اللہ نے اسے انسان) بنایا، پھر اعضا ٹھیک کئے، پھر اس کی دو قسمیں کر دیں، مرد اور عورت و۲۲ تو کیا ایسی (ذات) اس پر قدرت نہیں رکھتی کہ مُردوں کو زندہ کر دے و۲۳

ع ۲ ۱۸

ایاتھا ۳۱ | ۷۶ سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ ۹۸ | رکوعاتھا ۲

اس کی اکتیس آیتیں | سورۂ دہر مدینہ میں نازل ہوئی | اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۱ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۲ اِنَّا هَدَيْنٰهُ

بے شک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز ہی نہ تھا و۱ بے شک ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا مخلوط نطفہ سے کہ ہم اسے آزمائیں، سو ہم نے اسے سنتا دیکھتا بنایا و۲ ہم ہی نے اس کو

السَّبِیۡلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوۡرًا ﴿۳﴾ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا

راستہ بتایا (پھر) یا تو وہ شکر گزار (ہوا) اور یا کافر (ہوگیا) ف۳ ہم ہی نے کافروں کے لئے

لِلۡکٰفِرِیۡنَ سَلٰسِلَاۡ وَ اَغۡلٰلًا وَّ سَعِیۡرًا ﴿۴﴾ اِنَّ الۡاَبۡرَارَ

زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، بے شک نیک لوگ

یَشۡرَبُوۡنَ مِنۡ کَاۡسٍ کَانَ مِزَاجُہَا کَافُوۡرًا ﴿۵﴾ عَیۡنًا

ایسے جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہو گی یعنی ایسے چشمہ سے

یَّشۡرَبُ بِہَا عِبَادُ اللّٰہِ یُفَجِّرُوۡنَہَا تَفۡجِیۡرًا ﴿۶﴾ یُوۡفُوۡنَ

جس سے اللہ کے (خاص) بندے پئیں گے جسے وہ بہاتے ہوئے لے جائیں گے ف۴ یہ لوگ واجبات کو

بِالنَّذۡرِ وَ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسۡتَطِیۡرًا ﴿۷﴾

پورا کرتے رہتے اور اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس کی سختی عام ہو گی

وَ یُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسۡکِیۡنًا وَّ یَتِیۡمًا وَّ اَسِیۡرًا ﴿۸﴾

اور کھانا کھلاتے رہتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور غریبوں کو اللہ کی محبت سے ف۵

اِنَّمَا نُطۡعِمُکُمۡ لِوَجۡہِ اللّٰہِ لَا نُرِیۡدُ مِنۡکُمۡ جَزَآءً وَّ لَا

ہم تو تم کو بس اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں، اور نہ تم سے (اس کا) عوض چاہیں اور نہ

شُکُوۡرًا ﴿۹﴾ اِنَّا نَخَافُ مِنۡ رَّبِّنَا یَوۡمًا عَبُوۡسًا قَمۡطَرِیۡرًا ﴿۱۰﴾

شکریہ ہم تو اپنے پروردگار کی طرف سے اندیشہ رکھتے ہیں ایک سخت اور تلخ دن کا ف۶

فَوَقٰہُمُ اللّٰہُ شَرَّ ذٰلِکَ الۡیَوۡمِ وَ لَقّٰہُمۡ نَضۡرَۃً وَّ سُرُوۡرًا ﴿۱۱﴾

سو اللہ ان کو اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا کرے گا

وَ جَزٰىہُمۡ بِمَا صَبَرُوۡا جَنَّۃً وَّ حَرِیۡرًا ﴿۱۲﴾ مُّتَّکِـِٕیۡنَ فِیۡہَا

اور ان کے صبر (وثبات) کے صلہ میں انہیں جنت اور ریشمی لباس دے گا اس حال میں کہ وہ وہاں

ف۳ یعنی وہ اس بتائے ہوئے راستہ پر یا تو چلا یا نہ چلا، اگر چلا تو مومن و شکر گزار ٹھہرا، نہ چلا تو کافر اور ناشکرا نکلا۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ اسباب و حالات اور توفیق اللہ نے خلق فرمائیں اور اختیار و صرف ہمت انسان کی رائے پر چھوڑا۔ اِنَّا ھَدَیۡنٰہُ السَّبِیۡلَ۔ یعنی ہم نے انہیں احکام کا مکلف بنایا۔ ف۴ (جہاں چاہیں گے) اسے اہل جنت کی ایک کرامت سمجھئے یا جنت کی خصوصیت مقامی کہ جنت کی نہریں، ندیاں سب ان کے تابع اور ان کے حکم کی مسخر ہوں گی۔ کَافُوۡرًا۔ کافور کے بے انتہا فوائد اس دنیا میں بھی اطباء کو مسلم ہیں۔ اور پھر وہ کافور تو جنت کا کافور ہوگا۔ اس کی خوبیوں کا کیا پوچھنا یہاں یہ خوب خیال رہے کہ دنیا کی جس چیز سے بھی جنت کی کسی نعمت کو تشبیہ دی جاتی ہے وہ تشبیہ اس چیز کی صرف حسن و خوبی کے لحاظ سے ہوتی ہے نہ کہ کسی ضرر یا قبح کے لحاظ سے دنیا کے کافور میں اگر کچھ مضرتیں ہوں بھی تو جنت کے کافور پر ان کا کیا اثر، ٹھیک اس طرح جیسے دنیا کی شراب کے سکر و فتور عقل کا مطلق کوئی اثر شراب جنت کی لذت و سرور پر نہیں۔ عِبَادُ اللّٰہِ۔ اضافت تشریفی یا تخصیصی ہے اور مراد اہل بہشت ہیں۔ المقربون من عباد اللہ (ابن کثیر) قال ابن عباس اولیاء اللہ (معالم) ف۵ (غرض یہ کہ مالی عبادتوں میں بھی اخلاص کامل ملحوظ رکھتے ہیں) یُوۡفُوۡنَ بِالنَّذۡرِ۔ نذر ہر وہ عبادت ہے جو اپنے اوپر واجب کر لی جائے خواہ بالکل اپنی طرف سے خواہ اس لئے کہ اس کا حکم ہی ہو۔ المراد بالنذر ھھنا کل ما وجب علیہ سواء وجب بایجاب اللہ تعالٰی ابتداء او بان اوجبہ المکلف علٰی نفسہ فیدخل فیہ الایمان وجمیع الطاعات (کبیر) یُوۡفُوۡنَ...... مُسۡتَطِیۡرًا۔ یعنی عبادتوں کی ادائی میں پورا اخلاص برتتے ہیں، اور اپنی ذمہ داری اور پرسش آخرت کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ مُسۡتَطِیۡرًا۔ وہ چیز ہے جو خوب پھیلے ہوئے اور خوب گھیرے ہوئے ہو۔ عَلٰی حُبِّہٖ۔ ضمیرہ بھی اللہ کی جانب ہے یعنی حق تعالٰی کی محبت میں، حق تعالٰی کی رضا جوئی کے لئے۔ اطعاما کائنا علٰی حبہ تعالٰی و لوجھہ سبحانہ وابتغاء مرضاتہ والیہ ذھب الفضیل بن عیاض و ابو سلیمان الدارانی (روح) اَسِیۡرًا۔ مسکین و یتیم تو اس وقت مسلمانوں میں بھی تھے لیکن ''اسیر'' تو نزول آیت کے وقت بہر حال مشرکین ہی تھے۔ قال قتادۃ کان اسیرھم یومئذٍ المشرک (جصاص) وعن الحسن قال کانوا مشرکین (جصاص) والاظھر الاسیر المشرک لان المسلم المسجون لایسمّٰی اسیرا علی الاطلاق (جصاص) قال ابن عباس وقتادۃ والحسن انہ الاسیر من المشرکین (کبیر) یعنی اسراء الکفار (بیضاوی) اور اس سے یہ نکلا کہ غیر مسلم اسیروں کی بھی امداد و اعانت موجب اجر آخرت ہے گو بعض فقہاء نے اس میں قیدیں لگا دی ہیں۔ ففیہ دلیل علٰی ان اطعام الاسارٰی وان کان من اھل الشرک حسن ویرجی ثوابہ (معالم۔ روح) وَ یُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ۔ محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ خلقت کے ساتھ حسن سلوک کی ساری ہی صورتیں آیت میں شامل ہیں جس کی ایک اہم فرد کھانا کھلانا بھی ہے۔ واطعام الطعام کنایۃ عن الاحسان الی المحتاجین والمواساۃ معھم بای وجہٍ کان وان لم یکن ذٰلک بالطعام بعینہ (کبیر) اقول وھٰذا یدل علٰی ان المراد من قولہ انما نطعمکم لیس ھو الاطعام فقط بل جمیع انواع المواساۃ من الطعام والکسوۃ (کبیر) فکانہٗ ینفعونہٗ بوجوہ المنافع (روح) ف۶ (اور ہم یہ اعمال اس لئے بجالاتے ہیں کہ اس دن کی سختیوں سے محفوظ رہیں) یہ آیتیں مسلسل اسی تاکید اخلاص کے لئے چلی آتی ہیں، اس قسم کی آیتیں ان تمامی غیر محقق صوفیہ کی تردید کے لئے کافی ہیں جنہوں نے خوف آخرت سے کسی عمل کے کرنے کو خلاف اخلاص سمجھا ہے۔

عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا ﴿۱۳﴾

مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوں گے اور نہ وہاں تپش پائیں گے اور نہ سردی

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ﴿۱۴﴾

اور درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور ان کے میوے ان کے بالکل اختیار میں ہوں گے وے

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ

اور اُن کے پاس لائے جائیں گے چاندی کے برتن اور گلاس جو شیشے کے

قَوَارِيرَا۟ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيرَا۟ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿۱۶﴾

ہوں گے (اور وہ) شیشے چاندی کے ہوں گے جنہیں بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا وہ

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا

اور ان میں انہیں ایسا جام (شراب) پلایا جائے گا جس میں آمیزش زنجبیل کی ہوگی وہ یعنی ایسے چشمے سے

فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

جو وہاں ہوگا اور اس کا نام سلسبیل ہوگا، اور ان کے پاس ہمیشہ لڑکے رہنے والے لڑکے

مُّخَلَّدُونَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا ﴿۱۹﴾

آمدورفت رکھیں گے، اگر تو انہیں دیکھے تو سمجھے کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں وا

وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيمًا وَّمُلْكًا كَبِيرًا ﴿۲۰﴾ عٰلِيَهُمْ

اور اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھے بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے وال ان (جنتیوں) پر

ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ

باریک ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں

فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ

گے اور ان کا پروردگار ان کو پاکیزہ شراب پینے کو دے گا وا یہ تمہارا

وے (کہ ہر وقت ہر طرح بلا مشقت حاصل ہو سکیں گے) قرآن کے مخاطبین اول یاد رہے کہ عرب تھے، اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کی ضرورت تھی کہ جنت کی نعمتوں، لذتوں، راحتوں کی ایک ایک تفصیل ان کے مذاق کے مطابق بیان کی جائے، کلام اس سے ان کے لئے خاص طور پر مؤثر ہو گیا تھا۔ مخاطبین اول کے فہم و مذاق کی رعایت خصوصیت کے ساتھ رکھنا بلاغت کلام اور فن خطابت دونوں کے اصول اعلیٰ میں داخل ہے۔ و۸ یعنی پینے والوں کی ٹھیک خواہش کے مطابق۔ قَوَارِيرَا۟ مِنْ فِضَّةٍ۔ چاندی کے شیشے کے معنی یہ ہیں کہ سفیدی چاندی کی سی ہوگی اور شفافی شیشہ کی سی۔ و۹ زنجبیل کے طبی فوائد آج بھی کافور ہی کے منافع کی طرح دنیا کی ہر طب میں مسلم و مشہور ہیں اور پھر وہ تو دنیا کی نہیں، جنت کی زنجبیل ہوگی۔ يُسْقَوْنَ۔ میں اکرام و تعظیم کا پہلو اہل جنت کے لئے يَشْرَبُونَ سے بھی زیادہ ہے۔ و۱۰ (موتی تو رنگ کی صفائی کے لحاظ سے اور بکھرے ہوئے یوں کہ ہر وقت چلتے پھرتے رہیں گے) يَطُوفُ ...... مُخَلَّدُونَ۔ یہ بطور خادم کے چیزیں لے لے کر ہر وقت آتے جاتے رہیں گے۔ و۱۱ یعنی وہاں کا ہر ہر سامان اسی افراط، اسی ریل پیل کے ساتھ ہوگا۔ و۱۲ ایسا پاکیزہ و لطیف مشروب، جو دوسروں کو بھی پاک و لطیف بنا دے گا۔ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ۔ ہر دو قسم کے لباس ریشمین الگ الگ لطف و لذت دیں گے۔ ثِيَابُ...... فِضَّةٍ۔ ہر موطن کا مقتضا جداگانہ ہوتا ہے، ریشم اور زیور اس دنیا میں مردوں کے لئے بعض مفاسد کی بناء پر ممنوع و معیوب ہے۔ جنت کی فضا میں وہ سارے مفاسد غیر موجود ہوں گے۔ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ۔ اہل جنت کے اعزاز و اکرام کی ترتیب اس سورت میں دیکھتے آئیے۔ پہلے ارشاد ہوا يَشْرَبُونَ یعنی وہ خود وہاں پئیں گے۔ پھر وارد ہوا يُسْقَوْنَ (بصیغہ مجہول) یعنی انہیں پلایا جائے گا۔ پلانے والے مجہول رہے، چاہے فرشتے ہوں یا جنت کے کوئی دوسرے خدام ہوں۔ اب کی ارشاد ہو رہا ہے کہ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ ساقی براہ راست ذات باری تعالیٰ ہوگی — کیا ٹھکانا ہے اس اعزاز و اکرام کا۔ شَرَابًا۔ شراب عربی میں ہر مشروب (پینے والی چیز) کو کہتے ہیں۔ و کل مائع ماءً کان او غیرہ (راغب) اس سے ذہن اردو کے لفظ شراب اور اس کے گندے، نشیلے مفہوم کی طرف کہیں منتقل نہ ہو جائے۔ طَهُورًا۔ صیغۂ مبالغہ ہے یعنی ایسا مشروب جو نہ صرف نہایت پاک و پاکیزہ ہے بلکہ پاکیزہ گر بھی ہے۔

لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا

صلہ ہے اور تمہاری کوشش مقبول ہوئی و۱۳ ہم ہی نے آپ پر قرآن

عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ

تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر مستقل رہیے اور ان میں سے کسی

مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾

فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے و۱۴ اور اپنے پروردگار کا نام صبح وشام لیتے رہیے،

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ

اور رات کے بھی کسی حصہ میں اسے سجدہ کیا کیجئے اور اس کی تسبیح رات کے بڑے حصہ میں کیا کیجئے و۱۵ یہ لوگ تو بس دنیا سے

يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾

دل لگائے ہوئے ہیں اور اپنے آگے (آنے والے) ایک بھاری دن کو (بالکل) چھوڑے ہوئے ہیں و۱۶

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ

ہم ہی نے انہیں پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے اور ہم ہی جب چاہیں انہیں جیسے

اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ

لوگ ان کی جگہ بدل دیں و۱۷ یہ (بیان) نصیحت ہے، سو جو کوئی چاہے

اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ

اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرے اور تم چاہ بھی تو بس وہی سکتے ہو جو اللہ

اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ

چاہے، بے شک اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے و۱۸ وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں

فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾

داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کے لئے اس نے عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے و۱۹

و۱۳ (جو تم دنیا میں طاعاتِ الٰہی میں کرتے رہتے تھے) یہ اہل جنت سے ان کے مزید اکرام واعزاز کے طور پر کہا جائے گا۔ و۱۴ (کہ ان میں سے کسی کی ترغیب یا فرمائش پر دعوت وتبلیغ ہی چھوڑ بیٹھئے) مشرکین کی انتہائی تمنا یہی تھی، کہ آپ ﷺ دعوت وتبلیغ کا سلسلہ کسی طرح بند کر دیں۔ اِنَّا ...... تَنْزِيْلًا۔ اور اس تدریجی تنزیل میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ اسے تھوڑا ہی تھوڑا کر کے امت تک بسہولت پہنچاتے رہے۔ اور انہیں بھی قبول کرنے میں آسانی رہے۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ۔ اور انہیں احکام الٰہی میں ایک بڑا فریضہ تبلیغ ودعوت کا ہے۔ و۱۵ یعنی شروع رات میں نماز فرض اور آخر میں تہجد کا اہتمام رکھیے۔ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا۔ یعنی رات میں دیر تک تہجد میں لگے رہئے۔ وتهجد له تعالٰى قطعًا من اليل طويلا (روح) فَاسْجُدْ لَهٗ۔ سجود۔ سے یہاں کنایہ اصل صلاۃ کی طرف ہے۔ فاسجد اے فصل (بیضاوی، روح) السجود مجاز عن الصلوة بذكر الجزء وارادة الكل (روح) و۱۶ یہاں تمام لامذہبوں کی اصلی ذہنیت (سائیکالوجی) بے نقاب کر دی ہے کہ عمق اور دور بینی سے یہ کورے ہوتے ہیں۔ صرف حاضر پرست یا "آج" پرست ہوتے ہیں ان کی عقلیں سطحی اور ان کے فیصلے تمامتر سرسری ہوتے ہیں، یہ محض حواس پرست اور ہوا پرست ہوتے ہیں، عقل ودور اندیشی سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ يَوْمًا ثَقِيْلًا۔ وہ دن جو کافروں اور منکروں پر بہت ہی بھاری ہو گا۔ الْعَاجِلَةَ۔ سے مراد دنیا اور اس کی ساری آنی فانی لذتیں ہیں۔ و۱۷ یعنی ان کی خلقت اور ان کی ترکیب حکیمانہ دونوں سے قدرت الٰہی بالکل ظاہر ہے، پھر بعث میں کون امر ایسا دشوار ہے کہ اس پر قدرت نہ ہو؟ وَاِذَا شِئْنَا الخ سے مراد یہ بھی لی گئی ہے کہ ہم جب چاہیں گے ان کے امثال واشباہ بدل دیں گے، انہیں مار کر پھر سے جلائیں گے اور عالم برزخ وآخرت میں لے جائیں گے جہاں ان کی صورتیں ان کے اعمال ہی کی مماثل ہوں گی۔ اہل جہنم حسب اعمالِ قبیحہ اور اہل جنت حسبِ مقدار اعمالِ حسنہ، قبح اور حسن کے درجہ پر ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ و۱۸ (اس لئے اس کی مشیت بھی ہمیشہ علم اور حکمت ہی پر مبنی ہوتی ہے) فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ اور اس راہ ہدایت کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ اپنے ارادہ واختیار سے صحیح کام لے۔ وَمَا ...... اللّٰهُ۔ یعنی یہ بشری ارادہ بھی حق تعالٰی کی مشیت تکوینی کے ماتحت ہی ہوتا ہے، اس سے الگ اور بے نیاز نہیں۔ و۱۹ الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالم سے مراد سیاق میں حسب محاورۂ قرآنی کافر ہی ہیں، جنہوں نے اپنے ارادہ واختیار سے صحیح کام ہی نہ لیا۔ اے الكافرين (مدارک) اے المشركين (معالم) وهم الكافرون (جلالین) يُدْخِلُ ...... رَحْمَتِهٖ۔ اور رحمت میں داخل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا سینہ ایمان واسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

ایاتها ۵۰ ۷۷ سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ ۳۳ رکوعاتها ۲

اس کی پچاس آیتیں سورۂ مرسلت مکہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝۱ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝۲ وَّالنّٰشِرٰتِ

قسم ہے ان ہواؤں کی جو بھیجی جاتی ہیں، پھر اُن کی جو تندی سے چلتی ہیں، اور اُن ہواؤں کی جو (بادلوں کو)

نَشْرًا ۝۳ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝۴ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝۵ عُذْرًا

پھیلاتی ہیں، پھر اُن کی جو (انہیں) متفرق کر دیتی ہیں، پھر اُن کی جو یاد (الٰہی) کا القاء کرتی رہتی ہیں توبہ سے

اَوْ نُذْرًا ۝۶ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝۷ فَاِذَا النُّجُوْمُ

یا ڈرانے سے، جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور واقع ہو کر رہے گی ف۱ سو جس وقت کہ ستارے بے نور

طُمِسَتْ ۝۸ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝۹ وَاِذَا الْجِبَالُ

ہو جائیں گے اور جس وقت آسمان پھٹ جائے گا اور جس وقت پہاڑ اُڑتے

نُسِفَتْ ۝۱۰ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝۱۱ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝۱۲

پھریں گے ف۲ اور جب (سب) پیمبر وقت (معین) پر جمع کئے جائیں گے (وہ وقت فیصلہ کا ہوگا) ف۳ کس دن کے لئے

لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝۱۳ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝۱۴

یہ ملتوی رکھا گیا ہے؟ فیصلہ کے دن کے لئے آپ کو معلوم ہے کہ فیصلہ کا دن کیسا کچھ ہے ف۴

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۵ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۶ ثُمَّ

بڑی خرابی ہے اُس روز جھٹلانے والوں کے لئے، کیا ہم اگلوں کو ہلاک نہیں کر چکے ہیں؟ پھر

نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۷ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۸

ہم پچھلوں کو بھی ان کے ساتھ کر دیں گے ف۵ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی (معاملہ) کیا کرتے ہیں

ف۱ یعنی یہ سارا نظام کائنات خود ہی گواہی دے رہا ہے وقوع قیامت کی۔ قرآنی قسموں کے لئے ملاحظہ ہو پ۱۴ کا ضمیمہ زیر عنوان ''قرآنی قسمیں''۔ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا۔ یعنی وہ ہوائیں جو نفع پہنچانے ہی کے لئے بھیجی جاتی ہیں۔ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا۔ یہ تند و تیز ہوائیں، یا آندھیاں ہر قسم کے خطرات کا امکان لئے ہوئے ہوتی ہیں۔ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا۔ یعنی برساتی ہوائیں یا مانسون۔ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا۔ یعنی وہی برساتی ہوائیں جو پانی لاتی تھیں بادلوں کو منتشر کر دیتی ہیں۔ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا۔ توجہ الی اللہ کے ذریعے دو مختلف ہیں۔ ایک ترغیب دوسرے ترہیب — ہوائیں اگر خوشگوار و نفع بخش ہوئیں۔ تو اللہ کی نعمت ہیں اور ان کا اثر بندہ پر یہ پڑنا چاہیے کہ وہ ادائے شکر اور عذر تقصیر کی جانب آئے۔ اور اگر اس کے برعکس دہشت اور وحشت پیدا کرنے والی ہوئیں تو ان کا طبعی اثر بندہ پر یہ ہونا چاہیے کہ وہ معاصی سے توبہ پر متوجہ ہو۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ۔ وہ موعود شے روز حشر ہے۔ حشر کے نفخۂ اول کا حاصل کیا ہے؟ ہر موجود شی کا فنا ہو جانا — اس کے کتنے متناسب اور مشابہ اس دنیا میں عاصفٰت، فارقٰت ہوتی ہیں۔ حشر کے نفخۂ ثانی کا خلاصہ کیا ہے؟ ہر فنا شدہ چیز میں از سر نو جان پڑ جانا — اس کے کتنے متناسب اور مشابہ آثار اس دنیا میں مرسلات و ناشرات کے ہوتے ہیں۔ حشر کے دونوں اجزاء پر سلسلۂ تکوینیات کے ان دونوں اجزاء کو بطور گواہ پیش کرنا کتنا مناسب و موزوں رہا۔ خصوصاً مذاق عرب کا لحاظ کر کے۔ ف۲ خلاصہ یہ کہ اس گھڑی یہ سارا معلوم و معروف نظام کائنات تمام تر درہم برہم ہو کر رہے گا۔ اور اس کی ایک سے ایک بڑھ کر ثابت اور ٹھوس چیز اپنی جگہ پر نہ باقی رہنے پائے گی — ستارے، آسمان، پہاڑ، یہ سب عام فہم مثالیں زیادہ سے زیادہ ثابت اور ٹھوس موجودات کی ہیں۔ ف۳ پیمبروں کا یہ جمع ہونا اپنی اپنی امت کے متعلق اظہار دینے اور ان پر شہادت پیش کرنے کے لئے ہوگا۔ وھو یوم القیامة لیشھدوا علی الامم (معالم) ف۴ سوال مزید تہویل و تخویف کے لئے ہے۔ یعنی وہ دن کتنا ہولناک، کیسا ہیبت ناک ہوگا۔ جوش و اثر کے موقع پر تقریر میں خطیبانہ سوالات، خطبات عرب ہی میں نہیں، یونانی، انگریزی، اردو، کہنا چاہیے کہ سب ہی زبانوں میں مسلّم و متعارف ہیں۔ ف۵ (ان کے عذاب میں) الْاَوَّلِيْنَ۔ یعنی پرانی سرکش قومیں جو عذاب سے ہلاک ہو چکی ہیں۔ قوم عاد، قوم ثمود و قوم فرعون وغیرہ۔ الْاٰخِرِيْنَ۔ یعنی خود مشرکین قریش اور ان کے بعد کی نسلیں جو کفر و تکذیب کے لحاظ سے انہیں اولین کے نقش قدم پر تھیں۔ ای ممن اشبھھم (ابن کثیر) ای سالکین سبیلھم فی الکفر والتکذیب (معالم)

ف۶ (جو ہمارے اس نظامِ آخرت اور سارے سلسلۂ جزاء وسزا سے انکار کرتے رہتے ہیں) ف۷ (تو ممکن نہیں کہ ہمارے اندازہ میں کسی خطاؤ غلطی یا بھول چوک کی گنجائش ہو) مِنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ۔ یعنی نطفۂ منی سے — باغی وسرکش انسان کی تحقیر تو اس بیان سے ظاہر ہی ہے، باقی یہ بھی مستحضر رہے کہ دنیا میں بعض مشرک قومیں نطفۂ منی کے تقدس واحترام کی بھی قائل ہوئی ہیں۔ اور قرآن مجید ضمناً اس جہل کی بھی تردید کرتا جا رہا ہے۔ فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ۔ یعنی رحم مادر میں۔ فَقَدَرۡنَا۔ یعنی ان سارے تصرفات کا ایک اندازہ ٹھہرا لیا۔ اِلٰى قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ۔ یعنی وقت کی ایک مقدار معلوم تک۔ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ قادرون یہاں مقدرون کے معنی میں ہے۔ ف۸ (جو ہمارے آئین حکمت اور عموم قدرت سے انکار کرتے رہتے ہیں) ف۹ (جو ہمارے سارے سلسلۂ ربوبیت کا انکار کر رہے ہیں) كِفَاتًا اَحۡيَآءً وَّاَمۡوَاتًا۔ زمین کا زندوں کی سمیٹنے والی ہونا تو ظاہر ہی ہے کہ انسان زندگی بھر اسی پر چلتا پھرتا، اٹھتا بیٹھتا رہتا بستا ہے، اور مُردوں کی سمیٹنے والی یوں کہ موت کے بعد بھی اسی میں دفن ہوتا ہے۔ اور جو مُردے نہیں بھی دفن ہوتے ان کے بھی اجزاء ارضی آگ سے جلنے یا پانی میں ڈوبنے کے بعد، بہرحال کسی نہ کسی واسطہ سے اسی زمین ہی میں جذب ہوتے ہیں۔ رَوَاسِىَ شٰمِخٰتٍ۔ پہاڑوں اور پہاڑیوں کے بھی منافع ومصالح انسانی زندگی کے لئے ظاہر ہیں۔ وَّاَسۡقَيۡنٰكُمۡ مَّآءً فُرَاتًا۔ ان ساری نعمتوں کے استحضار سے مقصود ومدعا یہی کہ تم اپنی توجہ اپنے اس واحد مالک ومربی کی جانب رکھو۔ بعض فقہاء نے ارض کے سلسلہ میں امواتا کے آجانے سے میت کے زمین میں دفن ہونے کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ وهذا يدل على وجوب مواراة الميت ودفنه ودفن شعره وسائر مايزايله (جصاص) ف۱۰ اب ذکر ظاہر ہے کہ میدانِ حشر کا ہو رہا ہے اور یہ اہل دوزخ سے کہا جائے گا۔ اِلٰى ظِلٍّ۔ ظل یا سائبان سے یہاں مراد ایک دھواں ہے جو دوزخ سے نکلے گا۔ اور شدت اور کثرت سے نکلے گا کہ اوپر جا کر کئی ٹکڑوں میں پھٹ جائے گا۔ اور حساب چک جانے کے وقت تک کافر اسی دھوئیں کے احاطہ میں گھرے رہیں گے جیسے کہ مقبولین سایۂ عرش میں ہوں گے۔ ذِىۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ علم صحیح کی راہ میں حجابات تین ہوتے ہیں۔ (۱) حس (۲) خیال اور (۳) وہم اور عمل صحیح کی راہ میں بھی تین حجابات ہوتے ہیں۔ (۱) قوت وہمیہ (۲) قوت غضبیہ (۳) قوت شہویہ۔ جدید نفسیات کی اصطلاح میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسان کو عذاب کی طرف لے جانے والی تین ہی قوتوں کے غلط استعمال ہیں۔ (۱) عقل وادراک کی گمراہیاں (۲) جذبات وشہوات کی لغزشیں (۳) قوت ارادی کی کجراہیاں۔ لَّا ظَلِيۡلٍ...... اللَّهَبِ۔ مطلب یہ ہوا کہ دھوئیں کے بادل سے جو صورت سایہ کی پیدا ہو جاتی ہے، وہ بھی کام سایہ کا نہ دے گی، بلکہ اور اذیت رساں ہی ہوگی۔ ف۱۱ دونوں تشبیہیں ایک دوسرے کی منافی نہیں، ایک ہی چیز کی دو تشبیہیں دو مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے ہیں۔ بِشَرَرٍ كَالۡقَصۡرِ۔ وہ جہنم کے انگارے اپنی بڑائی کے لحاظ سے بڑے بڑے محل جیسے ہوں گے۔ كَاَنَّهٗ

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمۡ نَخۡلُقكُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ

بڑی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ف۶ کیا ہم نے تمھیں ایک بے قدر پانی سے نہیں

مَّهِيۡنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلۡنٰهُ فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۲۲﴾

بنایا ہے؟ پھر ہم نے اسے ایک وقت مقرر تک ایک محفوظ جگہ میں رکھا، غرض ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا،

فَقَدَرۡنَا ۖ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۲۴﴾

اور ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھہرانے والے ہیں ف۷ بڑی خرابی ہے اُس روز جھٹلانے والوں کے لئے ف۸

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحۡيَآءً وَّاَمۡوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلۡنَا

کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مُردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ اور ہم نے اس میں

فِيۡهَا رَوَاسِىَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسۡقَيۡنٰكُمۡ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾

اُونچے اُونچے پہاڑ ٹھہرا دیئے، اور ہم نے تمھیں میٹھا پانی پلایا،

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى مَا كُنۡتُمۡ بِهٖ

بڑی خرابی ہے اُس روز جھٹلانے والوں کے لئے ف۹ چلو تم اس (عذاب) کی طرف جسے

تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۲۹﴾ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِىۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾

تم جھٹلایا کرتے تھے چلو تم تین شاخوں والے سائبان کی طرف

لَّا ظَلِيۡلٍ وَّلَا يُغۡنِىۡ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرۡمِىۡ بِشَرَرٍ

جس میں نہ سایہ ہے اور نہ وہ سوزش سے بچاتا ہے ف۱۰ وہ انگارے برسائے گا

كَالۡقَصۡرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفۡرٌ ﴿۳۳﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ

جیسے بڑے بڑے محل گویا وہ زرد زرد اونٹ ہیں ف۱۱ بڑی خرابی ہے اس روز

لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوۡمُ لَا يَنۡطِقُوۡنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤۡذَنُ

جھٹلانے والوں کے لئے ف۱۲ آج وہ دن ہے کہ اس میں یہ لوگ بول ہی نہ سکیں گے، اور نہ انہیں اس کی

جِمٰلَتٌ صُفۡرٌ۔ یہ تشبیہ رنگ کے لحاظ سے ہے۔ ف۱۲ (جو جہنم کے شدائد کو آج بھلائے ہوئے ہیں)

و۱۳ (جو یوم حشر اور اس کی ہولناکیوں کی واقعیت سے اب تک انکار کر رہے ہیں) وَلَا ...... یَعْتَذِرُوْنَ۔ بولنے کی اجازت بھی اسی لئے نہ ہوگی کہ کوئی عذر ہی موجود نہ ہوگا جسے پیش کرسکیں۔

لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٧﴾

اجازت ہو گی کہ عذر معذرت کر سکیں بڑی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لئے و۱۳

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٨﴾ فَاِنْ كَانَ

یہ ہے فیصلہ کا دن ہم نے جمع کر لیا تم کو اور اگلوں کو تو آج

لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿٣٩﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٠﴾

کوئی چال چلانا ہو تو میرے مقابلہ میں چلاؤ، بڑی خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے و۱۴

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٤١﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا

پرہیزگار لوگ بے شک سایوں اور چشموں اور مرغوب میووں میں

يَشْتَهُوْنَ ﴿٤٢﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ

ہوں گے خوب مزے سے کھاؤ پیو اپنے اعمال کے

تَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَيْلٌ

صلہ میں ہم نیک کاروں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں و۱۵ بڑی خرابی ہے

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٥﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ

اس روز جھٹلانے والوں کے لئے و۱۶ کھا لو اور برت لو تھوڑے ہی دن کے لئے کہ تم بے شک

مُّجْرِمُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِذَا

مجرم ہو بڑی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لئے و۱۷ اور جب

قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

ان سے کہا جاتا ہے کہ جھکو تو نہیں جھکتے بڑی خرابی ہے اس روز

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٠﴾

جھٹلانے والوں کے لئے و۱۸ آخر یہ اس (قرآن) کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے و۱۹

و۱۴ (جو اس یقینی طور پر واقع ہونے والے دن کے وقوع کو آج محض وہم وخیال سمجھ رہے ہیں) هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ۔ یہی تو ہے وہ فیصلہ کا دن جس کی تکذیب میں تم لگے رہتے تھے۔ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ۔ اب وہ تمہارے انکاری وتکذیبی سارے دلائل وبمیہ وخرافیہ کیا ہو گئے، کدھر چلے گئے؟ آج تو تمہارا "ناممکن" ممکن کیا معنی واقع ہو کر رہ گیا! اور تم اور تمہارے اگلے سب کے سب فیصلہ کے لئے اکٹھے کر لئے گئے۔ فَاِنْ ...... فَكِيْدُوْنِ۔ دنیا میں تمہیں اپنی تدبیروں اور چالاکیوں پر بڑا غرہ رہتا تھا اب آج ممکن ہو تو ہماری گرفت سے بچنے کے لئے کوئی تیر اپنے ترکش سے چلاؤ تو! جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ۔ مراد اس امت کے بھی مکذبین ہیں، اور پچھلی امتوں کے مکذبین بھی۔ یعنی مكذبي هٰذه الامة والاولين الذين كذبوا انبياء هم (معالم) و۱۵ یہ سب مؤمنین متقین کو مخاطب کر کے کہا جائے گا۔ اِنَّا ...... الْمُحْسِنِيْنَ۔ اس میں مخاطبین کو ترغیب ہے محسن (نیک کار) بن جانے کی، جو بھی محسن ہوگا اس مرتبہ ومنزلت کا حقدار ہو جائے گا۔ و۱۶ (جو جنت کی نعمتوں اور اہل جنت کی بشارتوں سے بھی انکار پر اڑے ہوئے ہیں) و۱۷ (جو آج دنیا میں بار بار کی تنبیہوں اور فہمائشوں کے بعد بھی انکار واعراض سے باز نہیں آتے) قَلِيْلًا۔ یعنی اس دنیوی زندگی کی چند روزہ مدت میں۔ كُلُوْا ...... مُّجْرِمُوْنَ۔ یہ دنیا میں کافروں سے خطاب ہو رہا ہے۔ و۱۸ (جو کسی دعوت وتبلیغ حق کا اثر نہیں قبول کرتے، بلکہ ہر ربانی صداقت سے انکار ہی پر مصر ہیں اور اپنے جرم کو جرم ہی نہیں سمجھتے) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا۔ یعنی جب انہیں یہ پیام ملتا ہے کہ ایمان اور عبدیت کی راہ اختیار کرو۔ رکوع ہمیشہ اپنے اصطلاحی معنی یعنی ایک رکن نماز ہی کے معنی میں نہیں بلکہ کبھی اپنے لغوی مفہوم یعنی خشوع وتواضع کے معنی میں بھی آتا ہے۔ الركوع يستعمل تارة فى التواضع والتذلل (راغب) اور یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ اے خشعوا لله وتواضعوا له بقبول وحيه واتباع دينه (کشاف۔ مدارک) صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ قبولِ حق کا مقدمہ خشوع وتواضع ہی ہے۔ اور بڑا مانع راہ نخوت ہے۔ و۱۹ (تو اب اے پیمبر آپ ان کے قبولِ حق کی کوئی امید ہی نہ رکھیے کہ جب اس بلیغ ترین، مؤثر ترین کلام سے بھی ان کے دل نہیں پگھلتے تو پھر یہ آخر کس چیز سے متاثر ہوں گے) بَعْدَهٗ۔ ضمیر ہ قرآن مجید کی جانب ہے۔ اے بعد القرآن (کشاف۔ مدارک) بحمد اللہ آج شنبہ ۲۱ فروری ۱۹۴۸ء مطابق ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ کو قبل نماز ظہر اس انتیسویں پارہ کی نظر ثانی سے فراغت پائی۔ دوشنبہ ۲ اکتوبر ۱۹۵۰ء مطابق ۱۹ ذی الحج ۱۳۶۹ھ قبل نماز ظہر نظر ثالث سے فراغت پائی۔

آیاتها ۴۰ ﴿۷۸ سُوْرَةُ النَّبَاِ مَکِّیَّةٌ ۸۰﴾ رکوعاتها ۲

اس کی چالیس آیتیں — سورۂ نبا مکہ میں نازل ہوئی — اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ ﴿۲﴾ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ

یہ لوگ کس چیز کی بابت دریافت کر رہے ہیں؟ اُس بڑے واقعہ کی بابت جس کے بارہ میں یہ لوگ

مُخْتَلِفُوْنَ ﴿۳﴾ كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾ ثُمَّ كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ اَلَمْ

جھگڑ رہے ہیں ف۱ ہرگز ایسا نہیں (کہ قیامت نہ آئے گی) ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے، اور پھر ہرگز ایسا نہیں (کہ قیامت نہ آئے

نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ﴿۶﴾ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴿۷﴾ وَّخَلَقْنٰكُمْ

گی) انہیں ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔ ف۲ کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنا دیا ہے؟ ف۳ اور ہم ہی نے تم کو

اَزْوَاجًا ﴿۸﴾ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿۹﴾ وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ

جوڑا جوڑا بنا دیا اور ہم ہی نے تمہاری نیند کو راحت (کا ذریعہ) بنا دیا ف۴ اور ہم ہی نے رات کو

لِبَاسًا ﴿۱۰﴾ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿۱۱﴾ وَّبَنَیْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا

پردہ کی چیز بنا دیا اور ہم ہی نے دن کو معاش (کا وقت) بنا دیا ف۵ اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان)

شِدَادًا ﴿۱۲﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ

بنائے ہیں اور ہم ہی نے ایک روشن چراغ بنا دیا ہے ف۶ اور ہم ہی نے

الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾

بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا کہ ہم اس کے ذریعہ سے غلہ اور سبزی

وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِیْقَاتًا ﴿۱۷﴾ یَّوْمَ

اور گنجان باغ پیدا کریں ف۷ بے شک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے (یعنی) وہ دن

ف۱ (اہلِ حق سے) یَتَسَآءَلُوْنَ۔ یعنی یہ منکرین حشر اہل جاہلیت بطور طنز و تعریض سوال کر رہے ہیں۔ سوالات اور سوالیہ فقروں سے خطبات کی ابتداء کرنا دوسری زبانوں کی طرح خطبات عرب میں حسن انشاء و خطابت کا ایک بہترین نمونہ سمجھا گیا ہے۔ ف۲ زور و جوش کے موقع پر، فقروں کی یہ تکرار عربی حسنِ خطابت اور اسلوب بلاغت کا ایک خاص نمونہ ہے۔..... اردو محاورہ میں بھی تو زور و جوش کے موقع پر کہتے ہیں۔ ”اجی یہ دیکھیں گے، اور پھر دیکھیں گے۔“ ف۳ (جو اپنے ثقل سے توازن پیدا کئے، اور زمین کو ڈانوا ڈول حرکت سے روکے ہوئے ہیں) پہاڑوں کی اس حیثیت کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آچکا ہے۔ الْاَرْضَ مِهٰدًا۔ زمین کے فرش ہونے کا بھی ذکر پیشتر کئی بار آچکا ہے..... اسی فرش پر تو ہم آپ سب چلتے پھرتے، دوڑتے، بیٹھتے، اٹھتے، سوتے، کھاتے پیتے ہیں۔ ف۴ (جو قیامِ حیات کے لئے لازمی ہے) ذکر یہاں خدائی نعمتوں کا اور حق تعالیٰ کی شان بندہ پروری کا ہو رہا ہے۔ اسی سلسلہ میں نیند کا بھی ذکر ہے۔ اور نیند کا انسانی زندگی کے حق میں ایک نعمتِ عظیم ہونا بالکل ظاہر ہے۔ ضمناً اس حقیقت اور اہم حیاتیاتی حقیقت پر بھی روشنی پڑ گئی کہ نیند ایک ایجابی شے ہے محض ایک سلبی کیفیت یا عدم بیداری کا نام نہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۵ حیات کی ابتدائی صورتوں میں، یعنی نباتات اور ادنیٰ درجہ کے حیوانات میں تو غذا کا حاصل کرنا مخصوص ہی ہے دن کی روشنی کے ساتھ۔ رہا انسان تو اس کے بھی معاشی مشاغل کا عام اور اکثری وقت دن ہی کا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا۔ یعنی رات ہر چیز کو اپنی تاریکی کی چادر سے ڈھانپ لیتی ہے۔ لباس کے معنی آرام و تسکین خاطر کے بھی کئے گئے ہیں۔ لباسًا ای سکنًا (ابن قتیبۃ) رات کا وقت جو فاطر کائنات نے انسان کے تھکے ہوئے جسم اور دماغ کے لئے سکون و راحت کا اور عباداتِ خلوت کا وقت بنایا ہے۔ ”روشن خیال“ و ”مہذب“ دنیا نے عین اسی کو اپنے تعیشات اور نفس پرستیوں کے لئے مخصوص کر لیا ہے..... سینما اور تھیٹر اور بال اور آپیرا وغیرہا۔ ف۶ (اسی آسمان میں) مراد آفتاب ہونا ظاہر ہے..... آسمان اور آفتاب جیسی زبردست و عظیم الشان موجودات حق تعالیٰ کی محض مخلوق ہی ہیں ساری مخلوقات کی طرح بے بس، نہ کہ خود آفریدہ یا نعوذ باللہ شریک خدائی۔ ف۷ (تو کیا ایسا حکیم، ایسا صانع، ایسا قادر، قیامت لانے پر قادر نہیں؟) حاصل یہ کہ اس ساری صنعت گری سے ہمارا کمال قدرت بالکل عیاں ہے تو آخر حشر اجساد پر ہمارے قادر ہونے سے انکار کیوں ہے؟ لِنُخْرِجَ بِهٖ۔ ضمیر ہٖ۔ ماء، پانی کی جانب ہے۔ ای بذلک الماء وھو علی ظاھرہ عند السلف ومن اقتدی بھم وقالت الا شاعرۃ ای عندہ (روح)

يُّنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ

جب صور پھونکا جائے گا تو تم لوگ گروہ گروہ ہو کر آؤ گے ف۸ اور آسمان کھل جائے گا،

فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾

سو اس میں دروازے ہی دروازے ہوجائیں گے، اور پہاڑ (جگہ سے) ہٹادیئے جائیں گے سو وہ ریت (کی طرح) ہوجائیں گے ف۹

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ

بے شک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے سرکشوں کا ٹھکانا ہے جس میں وہ

فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا

قرنوں پڑے رہیں گے ف۱۰ اس میں نہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا ہاں البتہ

حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ

گرم پانی اور پیپ (ملے گا) (یہ) مناسب حال بدلہ ہے ف۱۱ یہ لوگ حساب (قیامت) کا (مطلق) اندیشہ

حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ

نہیں رکھتے تھے اور ہماری نشانیوں کو برابر جھٹلایا ہی کرتے تھے اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر منضبط

كِتٰبًا ﴿۲۹﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ

کررکھا ہے، سو مزہ چکھو کہ ہم تمہیں عذاب بڑھاتے ہی چلے جائیں گے ف۱۲ بے شک پرہیزگاروں کے لئے

مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّ كَاْسًا

کامیابی ہے، یعنی باغ ہیں اور انگور اور نوخاستہ ہم عمر عورتیں، اور لبالب

دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ

جام (شراب)، وہاں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ یہ بدلہ ہو گا

رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا

(کافی) انعام تیرے پروردگار کی طرف سے ف۱۳ پروردگار آسمانوں اور زمین کا اور اُن

ف۸ مثلاً موحد الگ، مشرک الگ، کافر الگ، متقی الگ، فاسق الگ وغیرہا۔ ف۹ صور کے نفخۂ اول کے وقت جب یہ سارا نظام تکوینی درہم وبرہم ہوگا، اس وقت کی شکست وریخت کی یہ تفصیلات بیان ہورہی ہیں۔ وَفُتِحَتِ ...... اَبْوَابًا۔ یعنی آسمان بالکل ہی کھل کررہے گا۔ ف۱۰ (جن کا کوئی شمار نہیں) اِنَّ ...... مِرْصَادًا۔ یعنی دوزخ کے فرشتے اسی انتظار اور تاک میں لگے ہوئے ہیں کہ کافر آئے تو اسے عذاب کی گرفت میں لیں۔ اَحْقَابًا۔ حقب کے معنی زمانہ طویل و مسلسل کے ہیں۔ وهو الدهر (مدارک) قالَ الفراء اصل الحقب من الترادف والتتابع (کبیر) احقاب کے بصیغۂ جمع آجانے سے کوئی گنجائش دوزخ کے عدم خلود کے قائلوں کے لئے نہ رہی۔ ولم یرد به عدد محصور بل الابد کلما معٰی حقب تبعه اٰخر الی غیر نهایة ولا یستعمل الحقب الا اذا ارید تتابع الازمنة وتوالیها (مدارک) عن قتادة وهو مالا انقطاع له (ابن کثیر) والصحیح انها لا انقضاء لها کما قال قتادة والربیع (ابن جریر) قال الحسن فوالله ما هو الا انهٗ اذا مضٰی حقب دخل اٰخر ثم اٰخر الی الابدفلیس للاحقاب عدة الا الخلود (معالم) قال الفراء ای دهورًا متتابعة یتبع بعضها بعضا (کبیر) وهو علٰی ما روی عن الحسن زمان غیر محدود ونحوه تفسیر بعض اللغویین له بالدهر (روح) والمعنٰی هنا حقبًا بعد حقب کلما مضٰی حقب تبعه اٰخر الی غیر نهایة ولا یکاد یستعمل الحقب الاحیث یراد تتابع الازمنة (بحر) ف۱۱ (ہر ایک کے درجۂ کفر وفسق کے متناسب) موافقًا لحالهم (مدارک) ای هٰذا الذی صاروا الیه من هٰذه العقوبة وفق اعمالهم الفاسدة التی کانوا یعملونها فی الدنیا قاله مجاهد وقتادة وغیر واحدٍ (ابن کثیر) لَا يَذُوْقُوْنَ ...... شَرَابًا۔ یعنی نہ کوئی ایسی خنکی نصیب ہوگی جو باعث راحت بن سکے اور نہ کوئی پینے ہی کی ایسی چیز جو پیاس بجھا سکے۔ غَسَّاقًا۔ غساق کے ایک معنی نہایت شدید سردی کے ہیں۔ ای ابرد البرد (لسان) قال ابن عباس الغساق الزمهریر یحرقهم ببرده (معالم) هو الشیء البارد الذی لا یطاق وهو الذی یسمّٰی بالزمهریر (کبیر) یہ معنی لے کر وعید کا مفہوم یہ ہوگا کہ کسی کو کھولتا ہوا پانی ملے گا، اور کسی کو غضب کی بے پناہ سردی، غرض اہل افراط اور اہل تفریط دونوں کو انتہائی شدید سزا اپنے اپنے حسب حال۔ ف۱۲ منکرین مکذبین کے عذاب روز افزوں کا بیان ہورہا ہے۔ وَكُلَّ ...... كِتٰبًا۔ یعنی ہر شے تمہارے نامۂ اعمال میں منضبط کررکھی گئی ہے، سو خود تمہارے معیار سے بھی صحت وتحقیق کا خاص اہتمام ہے، اور کسی عمل کی کمی کا کوئی احتمال نہیں۔ اِنَّهُمْ ...... حِسَابًا۔ ان کا اصلی اور بنیادی جرم ان کی یہی آخرت بیزاری تھی۔ وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا۔ کذابا کی قید واقعی ہے احترازی نہیں۔ یعنی ان کافروں کی حالت کا بیان ہے کہ وہ آخرت فراموشی کے ساتھ طرح طرح کی تکذیبوں میں بھی مبتلا تھے۔ یہ مراد نہیں کہ بغیر اتنی تکذیبوں کے مجرم نہ قرار پائیں ...... جرم کفر تو کسی بھی عقیدۂ دینی میں شک وتردد سے لازم آجاتا ہے۔ فَذُوْقُوْا۔ اوپر سے صیغہ غائب کا چلا آرہا تھا، یہاں یک بیک بقاعدۂ التفات صیغۂ حاضر میں تبدیل ہوگیا۔ اس سے مقصود شدتِ غضب کا اظہار ہے۔ الالتفات شاهد علٰی شدة الغضب (مدارک) وهی اٰیة فی غایة الشدة ...... وبمجیئها علٰی طریقة الالتفات شاهدًا علٰی ان الغضب قد تبالغ (کشاف) حدیث نبوی میں آیا ہے کہ یہ آیت عذاب کی شدید ترین آیت ہے۔ وفی الحدیث هٰذه الاٰیة اشد ما فی القراٰن علٰی اهل النار (مدارک) عن عبد الله بن عمرؓ وقال لم ینزل علٰی اهل النار اٰیة اشد من هٰذه الاٰیة (ابن کثیر) ف۱۳ اہل جنت کے انعامات کا بیان ہورہا ہے۔ انہیں وہ ساری کی ساری مادّی لذتیں اور نعمتیں بھی حاصل رہیں گی جن سے وہ دنیا میں برابر لذت گیر ہوتے رہتے تھے، جنت میں جانے سے کوئی نعمت سلب نہیں ہو جائے گی۔ حَدَآئِقَ۔ (سرسبز باغ) اَعْنَابًا (انگور) كَوَاعِبَ اَتْرَابًا۔ (نوجوان، نوخیز، ہمسن بیویاں) كَاْسًا دِهَاقًا (لبالب جام) یہ سب ایک کامل ومکمل مرقع عیش کا نقشہ پیش کررہے ہیں۔ لَا يَسْمَعُوْنَ ...... كِذّٰبًا۔ یہاں یہ بتادیا کہ وہاں کے پاکیزہ اور ستھرے عیش کو دنیا کی بیہودہ رنگ رلیوں پر قیاس نہ کیا جائے۔ وہاں کسی قسم کی رکاکت وابتذال کا پرتو بھی نہ پڑنے پائے گا۔ خالص لطف وسرور ہی حاصل رہے گا۔ جَزَآءً ...... حِسَابًا۔ جَزَآءً اور عَطَآءً اور حِسَابًا تین مختلف کلمے لاکر یہاں تین مختلف کیفیتوں کی طرف اشارہ کردیا ...... جَزَآءً کا مفہوم مزدواجرت کا ہے۔ یعنی اس کے حصول کے لئے کچھ کرنا چاہئے، اور عمل صالح سے اس کا استحقاق پیدا کرنا چاہیے۔ عَطَآءً کا اشارہ بخشش ورحمت پروردگار کی جانب ہے۔ یعنی امیدوار فضل وکرم کے رہیں، اور سارا بھروسا اپنے عمل پر نہ کربیٹھیں۔ حساب میں یہ پہلو آگیا کہ جو کچھ بھی ملے گا، اندھادھند اور بے قاعدہ نہیں، امتیاز مراتب کے ساتھ اخلاص نیت وغیرہ کو ملحوظ رکھ کر ملے گا۔

بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ

دونوں کے درمیان جو کچھ ہے اُس کا خدائے رحمٰن کسی کی مجال اس سے عرض و معروض کی نہیں ف۱۴ اس دن جب کہ روح

الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۛ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ

اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے کہ جس کو خدائے رحمٰن

الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ

اجازت دے اور وہ کہے بھی ٹھیک (بات) ف۱۵ یہ یقینی دن ہے سو جو چاہے اپنے پروردگار کے

اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ

پاس اپنا ٹھکانا بنا رکھے ف۱۶ ہم نے تمہیں تنبیہ کردی ہے ایک نزدیک والے عذاب کی (جو) اُس دن (واقع ہوگا) جب ہر شخص

مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَ يَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع

دیکھ لے گا اُس کو جو کچھ کہ وہ آگے بھیج چکا ہے اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہو جاتا! ف۱۷

ع ۲

اٰیاتھا ۴۶ | ۷۹ سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ ۸۱ | رکوعاتھا ۲

اس کی چھیالیس آیتیں | سورۂ نازعات مکہ میں نازل ہوئی | اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَ النّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿۱﴾ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿۲﴾ وَّ السّٰبِحٰتِ

قسم ہے جان سختی سے نکالنے والوں کی، اور بند آسانی سے کھول دینے والوں کی ف۱ اور پیرتے ہوئے

سَبْحًا ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿۵﴾ يَوْمَ

چلنے والوں کی، پھر تیزی سے دوڑنے والوں کی، پھر ہر امر کی تدبیر کرنے والوں کی ف۲ (کہ قیامت آکر رہے گی) جس دن

تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿۶﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿۷﴾ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ

ہلا ڈالنے والی چیز ہلا ڈالے گی جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آجائے گی ف۳ (بہت سے) دل اُس روز دھڑک

وقف لازم

ف۱۴ کسی مقرب سے مقرب مخلوق کی بھی یہ مجال نہیں کہ بلا اذن خود بخود اس ذات پاک کے حضور میں کلام بھی کر سکے...... دیوی دیوتاؤں کے عقیدہ پر ایک اور ضرب۔ اور حق تعالیٰ کی شان تنزیہ کا مزید اثبات۔ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آسمان وزمین جنہیں جاہل قومیں دیوی دیوتا سمجھ رہی ہیں، حق تعالیٰ ان سب کا مالک و پروردگار ہے۔ وَمَا بَيْنَهُمَا۔ جاہلی قوموں نے زمین و آسمان کی درمیانی فضا کو بھی اپنے معبودوں سے بھر رکھا تھا۔ قرآن مجید نے اس جزئیہ کا ذکر کر کے اس عقیدہ پر بھی ضرب لگا دی۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ف۱۵ (حق تعالیٰ کے حضور میں ادب و خشوع کے لوازم کے ساتھ۔ الرُّوْحُ۔ روح سے اس سیاق میں مراد ذی روح مخلوقات لی گئی ہے۔ لَا ...... الرَّحْمٰنُ۔ مسیحیوں اور بعض باطل مذہب والوں کے ہاں مرکزی عقیدہ شفاعت کا ہے۔ اور "خدا کا بیٹا" تو گویا شفیع ہی کے مستقل منصب پر فائز ہے۔ قرآن مجید اس باطل عقیدہ پر مختلف عنوانات سے مختلف مقامات میں ضرب لگاتا گیا ہے۔ وَقَالَ صَوَابًا۔ یعنی اجازت حاصل کرنے کے بعد جب بولنا ہوگا، وہ بھی محدود و مقید ہوگا۔ یہ نہیں کہ جو کچھ اور جس طرح وہ چاہے بولنے لگ جائے۔ ف۱۶ یعنی جو چاہے ایمان و تصدیق اختیار کر کے اور اچھے عمل کر کر کے اچھے ٹھکانے کے لئے اپنا استحقاق پیدا کر لے۔ اتَّخَذَ۔ اس سے صاف اشارہ اس طرف ہو گیا کہ جو کوئی اس راہ کو ڈھونڈے گا اسے وہ مل کر رہے گی۔ ذٰلِكَ۔ اشارہ اسی یوم قیامت کی جانب ہے۔ اور اشارۂ بعید مشارٌ الیہ کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ للایذان لعلو درجته وبعد منزلته فی الهول والفخامة (روح) ف۱۷ (اور اس عذاب و عقاب سے بچ گیا ہوتا!) کافروں کی زبان پر یہ کلمہ میدان حشر میں انتہائی حسرت کے موقع پر آئے گا۔ يَنْظُرُ ...... يَدٰهُ۔ یعنی اپنے اعمال کو اپنے سامنے موجود حاضر پائے گا۔ الْكٰفِرُ۔ کافر یہاں بطور اسم جنس ہے۔ الْمَرْءُ۔ مرء سے مراد کافر شخص ہے۔ المرء الکافر (مدارک)

ف۱ مراد دونوں لفظوں سے فرشتے ہیں، جو کافروں کی جان انتہائی سختی کے ساتھ ان کے پور پور میں گھس کر، اور رگ رگ میں ڈوب کر نکالتے ہیں، اور مومنوں کی اس آسانی کے ساتھ کہ گویا بند کھول دیا ہے۔ قسم کی حقیقت کے لئے ملاحظہ ہو پ۱۴، سورۃ الحجر کا ضمیمہ۔ ف۲ ان تینوں لفظوں سے بھی اشارہ فرشتوں ہی کی جانب ہے۔ جو روحوں کو لیکر آسمان کی طرف تیز گویا ہوا میں پیرتے جاتے ہیں، اور ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیزی سے دوڑتے رہتے ہیں، گویا ایک دوسرے کے آگے نکل جائیں گے اور ثواب و عقاب ہر امر انتظامی و تکوینی کی تدبیر کرتے رہتے ہیں۔ ملائکہ کا یہ سارا نظم و نظام بجائے خود اس کا گواہ اور اس کی دلیل ہے کہ قیامت واقع ہو کر رہے گی۔ ف۳ یعنی صور کا نفخۂ ثانی جو ہر مردہ چیز کو از سر نو زندہ کھڑا کر دے گا۔ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ۔ یعنی صور کا نفخۂ اولیٰ جو چھوٹی بڑی ہر زندہ مخلوق کو فنا کر دے گا۔

وٖ۴ یَقُوْلُوْنَ۔ قَالُوْا۔ یہ کہنے والے وہی رسول اللہ ﷺ کے معاصر منکرین حشر تھے۔ اور یہ فقرے انکار و استبعاد کے لہجہ میں طنز و تعریض کی راہ سے کہتے تھے..... ترجمانی اس میں آج کے بھی "روشن خیال" مادیین کی آگئی۔ ءَاِذَا..... نَّخِرَۃً۔ مادہ پرست اور روحانیت سے نا آشنا قوموں نے انسان کے فناء و بقاء کو تمام تر اس کے جسم ظاہری کے فناء و بقاء کا مرادف سمجھا ہے۔ قُلُوْبٌ..... خَاشِعَۃٌ۔

وَّاجِفَةٌ ۙ ⑧ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ ⑨ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ

رہے ہوں گے، اُن کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی یہ کہتے ہیں کہ بھلا کیا ہم پھر واپس ہوں گے

فِي الْحَافِرَةِ ۭ ⑩ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۭ ⑪ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا

پہلی حالت کی طرف؟ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہوجائیں گے (تو پھر واپس ہوں گے) کہتے ہیں کہ اس صورت میں

كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ⑫ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ ⑬ فَاِذَا هُمْ

واپسی بڑے خسارہ کی ہوگی وٖ۵ تو وہ تو بس ایک ہی للکار ہوگی جس سے لوگ فوراً میدان میں

بِالسَّاهِرَةِ ۭ ⑭ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ⑮ اِذْ نَادٰىهُ

آموجود ہوں گے وٖ۶ آپ کو موسیٰ کا بھی قصہ پہنچا ہے؟ وٖ۷ (یاد کرو وہ وقت) جب انہیں ان کے پروردگار نے

رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۚ ⑯ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ

ایک پاک میدان (یعنی) طوٰی میں پکارا کہ آپ فرعون کے پاس جائیں، اُس نے سرکشی

طَغٰى ۖ ⑰ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۙ ⑱ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى

اختیار کی ہے وٖ۸ سو اُس سے کہیے کیا تو چاہتا ہے کہ تو درست ہوجائے، اور میں تیری رہنمائی تیرے

رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۚ ⑲ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۖ ⑳ فَكَذَّبَ

پروردگار کی طرف کردوں جس سے تو خشیت اختیار کرلے وٖ۹ پھر ہم نے اُسے بڑی نشانی دکھائی لیکن اُس نے جھٹلایا

وَعَصٰى ۖ ㉑ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۖ ㉒ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۖ ㉓ فَقَالَ اَنَا

اور کہنا نہ مانا پھر وہ جدا ہو کر کوشش کرنے لگا وٖ۱۰ اور (لوگوں کو) جمع کیا پھر بلند آواز سے تقریر کی اور کہا کہ میں ہوں

رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۖ ㉔ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۭ ㉕ اِنَّ

تمہارا رب اعلیٰ وٖ۱۰ اس پر اللہ نے اُسے پکڑ لیا آخرت اور دنیا کے عذاب میں، بے شک

فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۭ ㉖ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ

اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے اُس کے لئے جو خشیت رکھتا ہو وٖ۱۱ بھلا تمہارا (دوبارہ) پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا

وقف لازم — وقف لازم — وقف لازم — ع ۳

آیت میں قُلُوْبٌ و اَبْصَارُ دونوں کی کیفیت بیان کر کے اہل کفر کے اضطراب باطنی و ظاہری دونوں کی پوری تصویر سامنے کردی۔ اَبْصَارُهَا۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ ابصار اصحابها۔ معناه ابصار اصحابها (کشاف) ای ابصار اهلها (روح) وٖ۵ یعنی قادر مطلق کے لئے قیامت کے برپا کرنے میں دشواری ہی کیا ہے، اور اسے کوئی خاص اہتمام کرنا ہی کیا ہے؟ اس کے حکم سے تو بس ادھر ایک دفعہ زور کی للکار پڑی، اور اُدھر سب کچھ ہو ہوا گیا! هِيَ۔ ضمیر صور کے نفخۂ ثانی کی جانب ہے۔ وهی النفخة الثانية (روح) وٖ۶ (جن کا سابقہ فرعون اور فرعونیوں سے ہوا تھا) قصہ کے یاد دلانے سے مقصود دو ہیں۔ ایک مکذبین کی تخویف، دوسرے رسول اللہ ﷺ کی تسلی ..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ متعدد مقامات پر پہلے گزر چکا ہے۔ مثلاً سورۃ الاعراف (پ۹) میں، سورہ طٰہٰ (پ۱۶) میں وغیرہا۔ وٖ۷ (اور اس پر دین حق کی تبلیغ کریں) الْوَادِ الْمُقَدَّسِ، طُوًى، فِرْعَوْنَ۔ ان سب پر حاشیے گزر چکے۔ وٖ۸ (اور پاک وصاف بن جائے) هَلْ لَّكَ اِلٰٓى۔ عربی محاورہ میں هل ترغب اليه کے مرادف ہے۔ هَلْ لَّكَ کی اصل ترکیب هل ميل لك بھی سمجھی گئی ہے۔ ای هل لك ميل الى ان تزكى (روح) هَلْ..... تَزَكّٰى۔ شہنشاہِ مصر، فرعون قاہر و جابر کی اسرائیلی رعایا کے ایک فرد موسیٰ عمران کو حکم ملتا ہے کہ جا کر اپنے فرمانروا پر توحید کی تبلیغ کرو۔ لیکن حکمت و خوش اسلوبی کے کن دقائق کو ملحوظ رکھ کر۔ آپ اس سے جا کر کہتے ہیں کہ دینی فلاح تو سب ہی کو عزیز ہوتی ہے، آپ کو بھی ہوگی۔ تو آپ ہی کی خیر خواہی میں صلاح و فلاح کی تدبیریں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ۔ یعنی میں آپ کے پروردگار کی ذات و صفات کا صحیح بیان کر کے اس کی معرفت آپ کو کرائے دیتا ہوں۔ فَتَخْشٰى۔ اصلاح و فلاح کی ساری تعمیر اسی خشیت ہی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى۔ الی یہاں فی کے معنی میں لیا گیا ہے۔ وٖ۹ (موسیٰ رسول اللہ اور آپ کے لائے ہوئے پیام کی تردید و تکذیب کی) الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى۔ یہ نشانی یا نشانیاں ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق نبوت و رسالت کی تھیں۔ الاٰية کے صیغۂ واحد سے یہاں عموماً معجزہ عصا سے مراد لی گئی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ الاٰية کو اسم جنس قرار دے کر سارے معجزات موسوی اس کے تحت میں داخل سمجھے جائیں۔ وجوز ان مراد بها مجموع معجزاته عليه السلام (روح) وٖ۱۰ مصریوں کے عقیدہ میں سب سے بڑا دیوتا سورج تھا، اور جو بادشاہ وقت ہوتا وہ اسی معبود اعظم کا اوتار ہوتا، اور اسی طرح خود بھی معبود اعظم کا درجہ رکھتا تھا۔ یہی بادشاہ فرعون کہلاتا تھا۔ شاہ پرستی کا یہ مذہب بابل (کلدانیہ) میں بھی رہ چکا ہے، اور آج بھی (۱۹۴۴ء میں) اس کا نمونہ جاپان میں مل سکتا ہے۔ میکاڈو گویا ترجمہ ہے فرعون کا..... ملاحظہ ہوں سورۃ الشعراء (پ۱۹) اور سورۃ القصص (پ۲۰) کے حاشیے۔ نیز حاشیہ تفسیر انگریزی۔ وٖ۱۱ یعنی جن کے دل میں خشیت ہے، وہی اس واقعہ سے عبرت و نصیحت کا پورا سبق حاصل کریں گے۔ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ۔ یعنی آگ میں حرق۔ وَالْاُوْلٰى۔ یعنی پانی میں غرق۔

السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾ وَ اَغْطَشَ

آسمان کا؟ و١٢ اسی نے اس کو بنایا، اُس کی چھت کو بلند کیا اور اسے درست بنایا، اور اس کی رات کو

لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿٣٠﴾

ڈھانپا اور اُس کے دن کو ظاہر کیا و١٣ اور اس کے بعد زمین کو بچھایا

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰىهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿٣٢﴾

(اور) اس سے اس کا پانی اور اس کا چارہ نکالا، اور پہاڑوں کو قائم کر دیا

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿٣٤﴾

(یہ سب) تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے و١٤ سو جب وہ بڑا ہنگامہ آئے گا

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ

(یعنی) جس دن انسان اپنے ہر کئے ہوئے کو یاد کرے گا، اور ہر دیکھنے والے پر دوزخ ظاہر کر

يَّرٰى ﴿٣٦﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿٣٧﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ فَاِنَّ

دی جائے گی و١٥ تو جس کسی نے سرکشی کی ہو گی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہو گی سو ایسے کا

الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٣٩﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى

ٹھکانا بس دوزخ ہی ہو گا و١٦ اور جو کوئی ڈرا ہو گا اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے

النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ

اور نفس کو خواہش سے روکا ہو گا، تو ایسے کا ٹھکانا جنت ہی ہے و١٧ یہ لوگ آپ سے قیامت

عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿٤٢﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿٤٣﴾

کی بابت سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا سو اس کے بیان (کرنے) سے آپ کو کیا سروکار؟ و١٨

اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿٤٤﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿٤٥﴾

اُس کا مدار تو (صرف) آپ کے پروردگار کی طرف ہے، آپ تو بس اُسی کو ڈرا سکتے ہیں، جو اُس سے خوف رکھتا ہو و١٩

و١٢ (خود اپنے ہی معیار سے جواب دو) منکرین پر حجت قائم کی ہے کہ آسمان کا پیدا کرنے والا تو قادر مطلق کو تم خود تسلیم کرتے ہو، یہ بھی تمہیں تسلیم ہے کہ آسمان کی تخلیق انسان کی تخلیق سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے، پھر جب آسمان اس نے بنا لیا، تو انسان کو دوبارہ پیدا کرتے اسے کیا دیر لگ سکتی ہے؟ و١٣ اس میں اوپر اشارہ آگیا کہ رات اور دن کا دارومدار آفتاب ہی کے طلوع وغروب پر ہے، اور آفتاب کا تعلق آسمان سے ہے۔ فَسَوّٰىهَا۔ آسمان کا انتظام ایسا درست وکامل رکھا کہ اس کے نظام میں کہیں کوئی رخنہ نہ مل سکے گا۔ و١٤ یعنی یہ سارے انتظامات انسان ہی کے لئے نہیں بلکہ اس کے خدمت گزار چوپایوں کی خدمت وسہولت کے لئے بھی ہیں۔ بَعْدَ ذٰلِكَ۔ خوب خیال رکھا جائے کہ اس خاص آیت میں ذکر زمین کی آفرینش کا نہیں، صرف اس کے بچھائے جانے کا ہے۔ دَحٰىهَا۔ دحی کے معنٰی کسی چیز کو اس کے اصل مقر سے ہٹا دینے کے ہیں۔ دحاها ای ازالها عن مقرها (راغب) اس سے گویا اشارہ اس طبیعیاتی حقیقت کی طرف ہو گیا کہ کرۂ ارض کسی اور بڑے جرم سماوی کا ٹکڑا ہے جو اس سے کٹ کر ایک مستقل وجود میں آگیا ہے۔ و١٥ (اسی چشم ظاہری سے) دیدۂ بصیرت سے تو آج بھی غیب پر ہر ایمان رکھنے والا دوزخ کو دیکھ رہا ہے آخرت میں وہ مومن وکافر سب کے رویت ومشاہدہ میں انہیں ظاہری آنکھوں سے آجائے گی۔ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى۔ طامة۔ وہ شے ہے جو دوسری چیزوں پر غالب آجائے۔ الطامة الداهية التی تطم علی الدواهی ای تعلو وتغلب (کشاف) قیامت چونکہ ہر چیز کی حالت بدل دے گی، اور سارے ممکنات وموجودات پر غالب آجائے گی، اس لئے قدرۃً اس کا لقب الطامة الكبرٰی قرار پایا۔ مَا سَعٰى۔ ما کے عموم سے یہ نکلا کہ دنیا کا کیا ہوا ہر عمل، اچھا ہو یا برا، بڑا ہو یا چھوٹا، اس وقت پیش نظر ہو جائے گا۔ و١٦ مجرموں، کافروں کا ذکر ہو رہا ہے۔ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ یعنی اخروی زندگی سے منکر ہو کر اسی ناسوتی زندگی کو سب کچھ سمجھ لیا۔ ذکر یہاں عاصی، خاطی کا نہیں، منکر وکافر کا ہے۔ دوزخ مستقل ٹھکانا صرف اسی کا ہو سکتا ہے۔ وهو الكافر الذی يكون عقابه مخلدًا وتخصيصه بهٰذه الحالة يدل علی ان الفاسق الذی لا يكون كذٰلك لا تكون الحجيم ماوی له (کبیر) و١٧ اب ذکر فرمانبرداروں کا ہو رہا ہے۔ ان کا ٹھکانا جنت کے سوا اور کہیں نہیں۔ هِيَ الْمَاْوٰى میں هی کلمۂ تخصیص ہے۔ و نهی النفس عن الهوٰی۔ هوٰی سے مراد حرام خواہش ہے۔ تو جس نے نفس کو حرام خواہشوں سے روکے رکھا" کے معنٰی یہ ہوئے کہ جس نے عقیدۂ صحیح کے ساتھ عمل صالح کو بھی جمع رکھا۔ نهی النفس۔ یعنی کمال رغبت وشوق کے باوجود بھی اپنے کو روکے رکھا۔ عن الهوٰی۔ هوٰی کے عموم میں ایسی خواہش داخل ہے جسے نفس محبوب رکھے، اور اُس میں رضاء حق وخشیت الٰہی کا کوئی لحاظ نہ ہو۔ محققین اہل سنت کہتے ہیں کہ ہر ذکر وعبادت ومجاہدہ بھی، جو کتاب وسنت سے ماخوذ نہ ہو، لذت نفس ہی کے لیے کیا جاتا ہے۔ اور هوٰی کے حکم میں داخل ہے، اور اسی لیے باطل فرقوں کو اہل بدعت کی طرح اہل هوٰی کہنا بھی درست ہے۔ صوفیۂ محققین نے آیت سے ضبط نفس کی فضیلت پر استدلال کیا ہے۔ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ۔ صوفیۂ عارفین نے خوف کے تین درجے بتائے ہیں۔ پہلا درجہ یہ کہ قول اور عمل میں مواخذۂ اُخروی کا دھڑکا لگا رہے۔ یہ مقام اہل تقوٰی کا ہوتا ہے۔ دوسرا درجہ یہ کہ وقوع خطا ولغزش سے محبوب کی نظر سے گر جانے کا دھڑکا لگا رہے۔ یہ مقام اہلِ محبت کا ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ کسی نتیجہ کے خیال کے بغیر محض ہیبت وعظمت ذات سے لرزتا رہے۔ یہ مقامِ عبدیت ہے ـــ اور عبد محض کا مرتبہ کہتے ہیں کہ متقین وعشاق دونوں سے بلند تر ہے۔ و١٨ یعنی آپ کو جب خود ہی اس کے وقت کا علم تعین کے ساتھ نہیں دیا گیا ہے تو آپ انہیں کیا بتائیں گے۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ۔ یعنی یہ سوال، تعریض وانکار کی راہ سے کر رہے ہیں۔ و١٩ اور جن کے دلوں میں سرے سے قیامت کا عقیدہ اور اس کی طرف سے اندیشہ ہی نہیں، اُن کے لیے آپ کی ساری تبلیغ بے اثر ہے۔ يَخْشٰىهَا۔ ضمیر ها، الساعة کی طرف ہے۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾ ع

جس روز یہ اس کو دیکھیں گے (انہیں یہ معلوم ہوگا کہ) گویا یہ لوگ صرف ایک شام یا (دن کے) اول حصہ میں رہے ہیں ف۲۰

ایاتها ۴۲ ۸۰ سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ ۲۴ رکوعها ۱

اس کی بیالیس آیتیں سورۂ عبس مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ﴿۲﴾ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ

(پیمبر) چیں بجبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا، اس بات پر کہ اُن کے پاس نابینا آیا ف۱ اور آپ کو کیا خبر، شاید وہ

يَزَّكّٰٓى ﴿۳﴾ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ﴿۵﴾

سنور ہی جاتا، یا نصیحت قبول کر لیتا، اور اس کو نصیحت کرنا فائدہ ہی پہنچاتا ف۲ سو جو شخص (دین سے) بے پروائی کرتا ہے،

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ﴿۶﴾ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ

آپ اس کی تو فکر میں پڑ جاتے ہیں، درآنحالیکہ آپ پر کوئی الزام نہیں اگر وہ نہ سنورے ف۳ اور جو شخص آپ کے پاس

جَآءَكَ يَسْعٰى ﴿۸﴾ وَهُوَ يَخْشٰى ﴿۹﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ﴿۱۰﴾

دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ خشیت رکھتا ہے، تو آپ اس سے بے اعتنائی برتتے ہیں،

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ

ہرگز ایسا نہ کیجئے ف۴ قرآن تو بس ایک نصیحت ہے سو جس کا جی چاہے اسے قبول کرے ف۵ وہ (ثبت) ہے

مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍ

معزز بلند، پاک صحیفوں میں (جو) مکرم اور نیک لکھنے والوں کے ہاتھوں میں

بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ

(رہتے) ہیں ف۶ انسان پر اللہ کی مار وہ کیسا ناشکرا ہے! (اللہ نے) اسے کس (حقیر) چیز سے

ف۲۰ یعنی دنیوی عمر کی ساری مدت طویل انہیں سمٹ سمٹا کر بہت ہی مختصر معلوم ہوگی۔ اور جس عذاب کی جلدی آج طنز و تعریض کی راہ سے مچا رہے ہیں جب وہ آ ہی جائے گا، تو اُسے واقعۃً بھی یہ بہت ہی جلد آ پڑنے والا سمجھیں گے۔ انتہائے ہراس و یاس کے وقت دنیا میں بھی طویل سی طویل گزشتہ مدت چشم زدن میں گزری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ف۱ ایک صحابی عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نامی نابینا تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور تبلیغ کا ابھی ابتدائی زمانہ تھا کہ ایسے وقت آپ کے پاس آئے، اور کوئی مسئلہ دریافت کرنے لگے۔ جب آپ کے پاس قریش کے بڑے بڑے سردار بیٹھے ہوئے تھے۔ جاہلی تہذیبوں میں اُونچ نیچ کا فرق (Social Status) ہمیشہ بہت ہی مبالغہ آمیز رہا ہے، برہمن کے برابر شودر بھلا کہیں بیٹھ سکتا ہے؟ لارڈز کے ساتھ (Commoner) کھانے کی ایک میز پر کہیں جمع ہو سکتا ہے؟ قریش کے جاہلی تمدن میں بھی ایک غریب آدمی کی جسارت بڑی بدتہذیبی میں داخل تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ و اشاعتِ دین کی دُھن میں اُن لوگوں کی تالیف قلب خاص طور پر مدنظر تھی۔ ایسے موقع پر اُن نابینا صحابی رضی اللہ عنہ کی نادانستہ مداخلت آپ کو قدرۃً ناگوار گزری۔ عَبَسَ۔ تَوَلّٰى۔ اَنْ جَآءَ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہاں بجائے حاضر کے غائب کے صیغہ کا استعمال مخاطب کی رعایت عظمت کے لیے ہے۔ الْاَعْمٰى۔ اُن صحابی کے نام یا کسی اور اسم وصفی کے بجائے اُن کی صفت نابینائی کے ذکر سے ادھر صاف اشارہ ہو گیا کہ سائل آپ کی شفقت و توجہ کا مزید مستحق تھا۔ ف۲ یعنی کسی جزئیہ میں تو انہیں رہنمائی ہو ہی جاتی، اور روشنی مل جاتی۔ يَزَّكّٰى۔ صیغۂ مبالغہ ہے ــــ یعنی تزکیہ پورا پورا ہو جاتا۔ اور تصفیہ ظاہری و باطنی دونوں ہو جاتا۔ لَعَلَّهٗ۔ لعل زور دینے کے لیے ہے۔ یعنی نفع کا اگر ظن ہوتا، جب بھی توجہ اُسی طرف پوری کرنا تھی، چہ جائیکہ جب تزکیہ یا تذکیر یقینی تھا۔ ف۳ (آپ کا کام تو صرف تبلیغ و دعوت پر ختم ہو جاتا ہے) مَنِ اسْتَغْنٰى۔ استغناء کا لفظ لا کر آپ کو توجہ اس طرف دلا دی گئی کہ ان لوگوں کو آپ کی یا دین کی فکر و پرواہ کب ہے؟ ف۴ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر اور اعلم الناس تھے۔ آپ نے اجتہادی اجتہاد بشری سے کام لے کر یہ خیال فرمایا، اور بالکل صحیح طور پر، کہ کلی گمراہی، جزئی ناواقفیت سے کہیں زیادہ اہم ہے اور اصول فروع پر کہیں مقدم ہیں۔ قرآن میں آپ کو علم بشری محدود نہیں، علم الٰہی غیر محدود تنبیہ کر رہا ہے کہ ایک میں تو اصلاح کی طلب تھی، وہ خود دوڑتا ہوا حاضر ہوا تھا۔ دوسرا فریق سرے سے اپنی ضرورت اصلاح سے غافل اور آپ کے مصلح ہونے ہی کا منکر تھا۔ اس لیے آپ کو چاہیے تھا کہ آپ اپنی توجہ اسی پہلے شخص کے حق میں مقدم رکھتے۔ ف۵ (اور جو نہ قبول کرے گا وہ خود بھگتے گا۔ آپ اُس کے لیے اتنا زیادہ اہتمام و فکر ہرگز نہ کریں) انّها میں ضمیر راجع ہی ذکرٰی کی طرف اور کنایہ ہے قرآن سے۔ ف۶ یعنی فرشتوں کے۔ فِيْ ...... مُطَهَّرَةٍ۔ یہ پاک و متبرک صحیفہ لوح محفوظ ہی کے مختلف اجزاء ہیں۔ مَرْفُوْعَةٍ۔ یہ رفعت یا بلندی جہت و مکان کے لحاظ سے بھی ہو سکتی ہے اور مرتبہ و منزلت کے اعتبار سے بھی۔ مُطَهَّرَةٍ۔ یعنی ہر قسم کی معنوی آلائشوں سے پاک و منزہ۔ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ۔ یہ اوصاف فرشتوں کے بیان ہوئے، جنہوں نے بحکم الٰہی ان صحیفوں کی کتابت لوح محفوظ میں کی ــــ مجازاً یہ اوصاف اُن خادمان کے بھی ہو سکتے ہیں، جنہوں نے ابتداءً کتابت وحی کی، اور اس کے بعد سے اب تک قرآن کے بھی پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں۔

خَلَقَهٗ ؕ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۙ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ

پیدا کیا! نطفہ سے وےؔ اُسے پیدا کیا، پھر اُسے انداز (مناسب) سے و۸ؔ بنایا پھر اس کے لئے راستہ

يَسَّرَهٗ ۙ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۙ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ؕ﴿۲۲﴾ كَلَّا

آسان کردیا و۹ؔ پھر اُسے موت دی، پھر اُسے قبر میں لے گیا و۱۰ؔ پھر جب چاہے گا اُسے دوبارہ زندہ کردے گا

لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ؕ﴿۲۳﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ۙ﴿۲۴﴾

(اس نے شکر) ہرگز نہیں (ادا کیا اور اللہ نے) جو حکم اُسے دیا تھا اُسے بجا نہیں لایا، سو انسان ذرا دیکھے تو اپنے کھانے کی

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۙ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۙ﴿۲۶﴾

طرف و۱۱ؔ ہم نے خوب پانی برسایا پھر ہم نے زمین کو خوب پھاڑا

فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۙ﴿۲۷﴾ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا ۙ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا

پھر ہم نے اُگایا اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون

وَّ نَخْلًا ۙ﴿۲۹﴾ وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًا ۙ﴿۳۰﴾ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ۙ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا

اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارے تمہارے

لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ؕ﴿۳۲﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۫﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ

اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لئے و۱۲ؔ تو جس وقت شدید شور برپا ہوجائے جس روز انسان

الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۙ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ ۙ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ

بھاگنے لگے اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی سے

وَ بَنِيْهِ ؕ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ؕ﴿۳۷﴾

اور اپنی اولاد سے اُن میں سے ہر شخص کو اس وقت اپنی ہی پڑی ہوگی دوسروں سے بے توجہ کردینے والی و۱۳ؔ

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۙ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۚ﴿۳۹﴾

(بہت سے) چہرے اُس روز چمکتے ہوئے ہنستے ہوئے بشاش ہوں گے و۱۴ؔ

وےؔ (اور پھر کیسی کیسی نعمتوں سے سرفراز و سربلند کیا! مطلب یہ ہوا کہ اگر اور کچھ نہیں تو انسان انہیں چیزوں کا خیال کرلے، جب بھی اس میں ادائے شکر نعمت کی تحریک پیدا ہوسکتی ہے۔ قُتِلَ۔ صیغۂ ماضی میں، عربی محاورہ میں، بددعاء کے لیے آتا ہے۔ الْاِنْسَانُ۔ مراد کافر انسان ہے۔ مِنْ اَيِّ...... نُطْفَةٍ۔ نطفہ کی تحقیر سے ضمناً اُن جاہلی قوموں کی تردید بھی نکل آئی، جنھوں نے اسے ایک مقدس شے قرار دیا ہے۔ و۸ؔ یعنی نہ صرف عمل تخلیق بلکہ ترکیب انسانی میں تناسب و توازن اور قویٰ، اعضاء وغیرہ کی ساخت ترتیب، ہر شے قدرت الٰہی و حکمت کاملہ پر دلیل کا کام دے رہی ہے۔ و۹ؔ (تحصیل خیر و شر کا، تحقیق حق و باطل کا اور معرفت نفع و ضرر کا) السَّبِيْلَ سے مراد وہ نظر مستقیم ہے جو انسان کو ایمان کی طرف لاتی ہے، اور انسان کو جو نعمتِ عقل عطا ہوئی ہے، یہ اُس میں آسانی پیدا کردیتی ہے۔ السبیل اے النظر القویم المؤدی الی الایمان و تیسیرہ لہ ہو ہبة العقل (بحر۔ عن ابن عباس وقتادة ابی صالح والسدی) السبیل العام اسم الجنس فی ہدی و ضلال اے یسر قوما بہذا (بحر۔ عن مجاہد والحسن وعطاء وابن عباس) و۱۰ؔ یہ اشارہ ہے، زندگی کی مختلف منزلوں کی طرف۔ پہلے انسان بہترین قویٰ و استعداد لے کر وجود میں آتا ہے۔ پھر ایک مدت تک زندگی بسر کرنے کے بعد اُسے موت آتی ہے۔ پھر وہ عالم قبر میں جاتا ہے۔ اَقْبَرَهٗ۔ اس سے مراد انسان کا قبر میں لے جایا جانا ہے۔ اس کے مصداق کے لیے تدفین ظاہری لازم نہیں۔ آگ میں جل کر، پانی میں غرق ہو کر درندوں کی غذا بن کر ہر حال میں اور ہر صورت سے انسان جاتا عالم قبر ہی میں ہے۔ و۱۱ؔ (کہ اس کی غذا کی تیاری کے لیے ہم نے کیسے کیسے انتظامات کیے ہیں، اور فطرت کی بڑی بڑی قوتوں کو کس طرح کام میں لگا رکھا ہے۔ ربوبیت و رزاقیت کی اتنی زبردست مشنری کے مشاہدہ کے بعد بھی اعراض اور ادائے شکر سے انکار کیسی شدید ناشکری ہے۔ ایجاد و تخلیق کا ذکر پہلے ہوچکا۔ اب انسان کو توجہ اس کے سامان پرورش و بقاء کی طرف دلائی جاتی ہے۔ و۱۲ؔ گویا نباتیات کا یہ سارا انتظام، انسان بلکہ اُس کے خادم چوپایوں ہی کی خدمت اور ضرورت کے لیے ہے۔ و۱۳ؔ یہ وقت وہ ہوگا، جب قریب سا قریب عزیز اور عزیز سا عزیز دوست و رشتہ دار، نہ کسی کے کام آئے گا، اور نہ اُس سے ہمدردی تک کرسکے گا) الْمَرْءُ۔ انسان سے ایسے سارے موقعوں پر مراد کافر ہی انسان سے ہوتی ہے۔ و۱۴ؔ اور یہ اثر طاعت کا، اور یہ برکت ایمان کی ہوگی۔

وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾

اور (بہت سے) چہروں پر اس روز سیاہی ہو گی ان پر کدورت ہو گی ف۱۵

أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

یہی لوگ تو ہیں کافر فاجر ف۱۶

اٰیاتہا ۲۹ | ۸۱ سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ ۷ | رکوعہا ۱

اس کی اُنتیس آیتیں ہیں | سورۂ تکویر مکہ میں نازل ہوئی | اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿۱﴾ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ﴿۲﴾

جب آفتاب لپیٹ لیا جائے اور جب ستارے بے نور رہ جائیں

وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿۳﴾ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿۴﴾

اور جب پہاڑ چلا دیئے جائیں اور جب اونٹنیاں چھٹی پھرنے لگیں

وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ﴿۵﴾ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿۶﴾

اور جب وحشی جانور اکٹھے کر دیئے جائیں اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں ف۱

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴿۷﴾ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ﴿۸﴾

اور جب ایک ایک قسم کے لوگ یکجا کر دیئے جائیں ف۲ اور جب زندہ دفن کی ہوئی (لڑکی) سے سوال کیا جائے

بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ﴿۹﴾ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۰﴾

کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی ف۳ اور جب (اعمال کے) صحیفے کھول دیئے جائیں ف۴

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ﴿۱۱﴾ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾

اور جب آسمان کھول دیا جائے اور جب دوزخ خوب دہکا دی جائے

ف۱۵ چہروں پر سیاہی اثر ہوگا کفر کا، اور چہروں پر کدورت علامت ہوگی غمنا کی اور بدانجامی کی۔ ف۱۶ اَلْکَفَرَةُ۔ کفر سے اشارہ ہوگیا ان لوگوں کے فساد عقائد کی جانب۔ اَلْفَجَرَةُ۔ فجور سے اشارہ ہوگیا ان لوگوں کے فساد اعمال کی جانب۔ ف۱ یعنی اُن کا پانی آگ اور بھاپ میں تبدیل ہوجائے۔ یہ سارے واقعات وکیفیات صور قیامت کے نفخۂ اوّل کے بیان ہورہے ہیں۔ عالم کائنات جو اُس وقت تک آباد ہوگا، صور کی پہلی آواز پر یوں ہلاک وبرباد ہونا شروع ہوگا۔ اور اُس کی بڑی بڑی مضبوط ومستحکم موجودات یوں درہم وبرہم اور ریزہ ریزہ ہونا شروع ہوں گی۔ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ۔ یعنی کرۂ آفتاب کی لمبی لمبی شعاعیں جو سارے عالم کو منور کرتی رہتی ہیں، لپیٹ کر رکھ دی جائیں یا بے نور ہوجائیں، جس سے عالم تیرہ وتار ہوجائے۔ آفتاب جو محسوسات ومرئیات میں آسمان ہی کی طرح اعظم ترفین مخلوق ہے، جب وہ فناء پر مجبور ہوجائے تو پھر دوسری اور اس سے ادنیٰ مخلوقات کا کیا ذکر ہے!— آفتاب کی فناء پذیری کی تصریح میں ضرب آفتاب پرستی پر بھی ہے۔ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ۔ ستارے تو نور مجسم سمجھے جاتے ہیں، اور شب کے وقت سارے عالم کو منور کرنے والے۔ وہ تک صور قیامت کے وقت پھیلے اور بے نور ہوجائیں گے، اُن کا نور سلب ہوجائے گا، اور وہ نہ کسی کو روشن کر سکیں گے، نہ خود روشن رہ سکیں گے— ستاروں کی بے نوری اور بے بسی کی تصریح میں ضرب ستارہ پرستی پر بھی ہے۔ وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ۔ پہاڑ جو دنیا والوں اور زمینی مخلوق کی نظر میں ثبات واستحکام کا ایک نمونہ ہوتے ہیں، وہ تک اس وقت اپنا سارا ثبات واستحکام کھودیں گے۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔ عشار اُن اونٹنیوں کو کہتے ہیں جو دس مہینے کی حاملہ اور وضع حمل کے قریب ہوں۔ عرب میں اُن کی بڑی ہی قدر وقیمت تھی تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جب ہلچل ایسی سخت ہو کہ اتنی قیمتی اور قابل قدر جنس کا بھی کسی کو ہوش نہ رہے، اور مخلوق میں یکسر نفسی نفسی پڑ جائے۔ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ۔ یعنی جب انتہائی اضطراب واضطرار میں وحشی جانور تک ایک دوسرے کی دشمنی بھول بھال باہم گڈمڈ ہوجائیں— ایک ہلکے پیمانہ پر اس کا نمونہ آج بھی دیکھنے میں آسکتا ہے، جب شدید طغیانی وسیلاب میں سانپ انسان کے ساتھ بہتا بہاتا اپنی زہریلی فطرت بھولا ہوا نظر آتا ہے۔ آیت کے یہ معنیٰ لینا، کہ ”جس زمانہ میں جانوروں کے عجائب خانے کھلنے لگیں“ قرآن حکیم پر ظلم اور اپنی فہم واستعداد کے ساتھ تمسخر ہے۔ ف۲ مثلاً مومن مومن اکٹھے کر دیئے جائیں اور کافر کافر۔ واقعات فناء کے بعد اب صور کے نفخۂ ثانی کے بعد، خلق کی آفرینش ثانی کا بیان ہورہا ہے۔ ف۳ سوال سے مقصود ناخدا ترس ظالموں پر مزید حجت قائم کرنا ہوگا۔ مَوْءُوْدَةُ۔ وہ لڑکی ہے جو زندہ دفن کردی جائے۔ شرفاء عرب کے مختلف قبیلوں میں یہ رسم کثرت سے پھیلی ہوئی تھی۔ ہندوستان کے راجپوتوں اور دوسری قوموں میں اور دوسرے ملکوں میں بھی یہ رواج رہا ہے۔ اور اسی کی ذرا ہلکی شکل آج ”منع حمل“ ”کنٹراسپشن“، ”برتھ کنٹرول“ وغیرہ کے خوشنما ناموں سے بڑے بڑے مہذب ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے— ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ دوسرے معاصی کو چھوڑ کر اس کا ذکر آثار قیامت واہوال حشر میں کرنے سے اشارہ یہ نکلتا ہے کہ سب سے پہلے پُرسش خون کی ہوگی، اور خون کے مقدمات میں اس دفعہ کے مجرم سب سے پہلے پیش ہوں گے۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مواخذہ مساوی ہے، چاہے لڑکی اس طرح زندہ دفن کی جائے چاہے لڑکا۔ صیغۂ مؤنث صرف اس لیے استعمال ہوا ہے کہ عرب میں دستور لڑکی ہی کے دفن کا تھا۔ سُئِلَتْ۔ بعض اہل ذوق نے لکھا ہے کہ یہاں بجائے قاتل کے خود مقتولہ سے خطاب کرنے میں اشارہ نکلتا ہے کہ وہ مردود قابل خطاب بھی نہیں۔ ھو توبیخ لقاتلها بصرف الخطاب عنه (مدارک) فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ دو مسئلے بھی نکالے ہیں۔ ایک یہ کہ مشرکوں کے بچوں پر عذاب نہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ کسی پر عذاب بغیر صدور گناہ کے نہیں ہوتا۔ و فيه دليل على ان اطفال المشركين لا يعذبون و على ان التعذيب لا يكون بلا ذنب (مدارک) ف۴ (کہ لوگ اپنے اپنے عمل اپنے نامۂ اعمال میں دیکھ لیں) آیت کے یہ معنیٰ کرنا کہ ”جب اخبارات ورسالے شائع ہونے لگیں“۔ اپنے جہل محض کا پردہ اپنے ہاتھ فاش کرنا ہے۔

ف۵ (اور یہ علم ایسا یقینی اور قطعی ہوگا کہ اس کے بعد کسی مزید قیل وقال چون وچرا کی گنجائش ہی نہیں رہے گی، اور ہر نفس کو اپنا انجام سامنے نظر آنے لگے گا) وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ۔ قطعی کشی یہ ہیں کہ جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے۔ مراد یہ کہ جب آسمان کے اوپر کی چیزیں بھی بے پردہ نظر آنے لگیں۔ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ۔ جہنم تو آج بھی دہکی ہوئی ہے۔ اُس وقت اور زیادہ دہکا دی جائے گی۔ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ۔ یعنی اُس وقت خود جنت اہلِ جنت کے بالکل قریب لے آئی جائے گی۔ ف۶ (اور اس کے لائے ہوئے کلام میں یہ شبہ بھی نہیں ہوسکتا کہ شیطانی تصرف ہوا ہو، یا کہانت کی آمیزش کہیں سے ہوگئی ہو) ان صفات والے سے مراد فرشتۂ وحی حضرت جبرئیل ہیں، جن کا ذکر سورۂ والنجم میں گزر چکا ہے، آیت عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى الخ کے تحت میں۔ رَسُوْلٍ۔ یہ لفظ خود بتا رہا ہے کہ اسے کہیں کلام جبرئیل نہ خیال کرلینا، اُن کی حیثیت اس کلام کے سلسلہ میں تو محض قاصد کی ہے۔ یہ اوصاف جبرئیلی جو بیان ہوئے ان سے معلوم ہوا کہ فرشتۂ وحی منصبِ رسالت کا پوری طرح متحمل اور اسرار وانوار کا ہر طرح محافظ ہے۔ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ۔ عند یہاں قربِ جسمانی کے لیے نہیں کہ حق تعالیٰ ہر جسمانیت ومکانیت سے برتر ہیں، بلکہ مراد محض قربِ قبول اور بلندئ مرتبہ ہے۔ و هذه العندية ليست عندية المكان و ليست عندية الجهة بل عندية الاكرام والتشريف والتعظيم (کبیر) عندلفظ موضوع للقرب فتارة يستعمل فى الزلفى والمنزلة (راغب) اور یہ قربِ خاص خود اس کا مستلزم ہے کہ پیام رسانی وحی میں امکان نہ سہو کا رہا نہ غلطی کا نہ غفلت کا۔ آیت کا حاصل یہ نکلا کہ فطرت کے فلاں فلاں زبردست آثار ومظاہر خود اس کی دلیل ہیں کہ یہ کلام حق تعالیٰ ہی کا ہے— قرآنی قسموں کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الحجر، پ۱۴ کا ضمیمہ۔ بِالْخُنَّسِ۔ یہ وہ سیارے ہیں جو سیدھے چلتے چلتے پیچھے کی طرف چلنے لگتے ہیں۔ اصطلاح فلکیات میں انہیں خمسۂ متحیرہ کہتے ہیں اور اُن کے نام زحل۱، مشتری۲، عطارد۳، مریخ۴ اور زہرہ۵ ہیں— یہ سب دیوی دیوتا بھی متعدد مہذب جاہلی قوموں میں مانے گئے ہیں۔ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ۔ یہ وہ سیارے ہیں جو پیچھے ہی کی طرف چلتے رہتے ہیں، اور پیچھے ہی چلتے چلتے اپنے مطلع میں جا چھپتے ہیں۔ ف۷ یہ قرآن کا لانے والا فرشتہ جب ان اوصاف کا مالک ہے تو نہ یہ ممکن ہے کہ خود اس کی طرف سے کوئی خیانت ہوئی ہو، اور نہ یہ ممکن ہے کہ کسی خارجی ذریعہ سے اس کلام میں کہانت کی آمیزش ہو— یہ سب اُن منکرین کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو (نعوذ باللہ) کاہن سمجھ رہے تھے اور قرآن کو آپ کا کلام۔ مُطَاعٍ۔ یعنی فرشتۂ وحی حضرت جبرئیل تو فرشتوں میں بھی سروری، سرداری کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ اے فى السمٰوٰت يطيعهٗ من فيها او عندالله يطيعه ملائكة المقربون يصدرون عن امره و يرجعون الى رأيه (مدارک) اَمِيْنٍ۔ اس وصف سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوگیا کہ اُن کی پیام رسانی میں ادنیٰ دخل بھی خیانت کو نہیں، نہ لفظاً نہ معنیً، نہ سہواً نہ عمداً۔ ف۸ یہ اُن منکرین کے جواب میں ہے، جو پیمبر اسلام علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) مجنون قرار دے رہے تھے۔ صاحب۔ یعنی ساتھی سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک ہے۔ لفظ خود اس حقیقت کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ کے رہنے سہنے والے ہیں، اُن کی ساری زندگی تمہارے سامنے ہے۔ کہیں کوئی بھی شائبہ جنون اُن کی سیرت اقدس کے کسی شعبہ میں پایا جاتا ہے؟ ف۹ (جس میں کسی دھوکے یا اشتباہ کا امکان نہیں) منکرین کے جواب میں گویا قرآن کا استدلال یہ ہوا کہ یہ قرآن جو تمہیں پہنچ رہا ہے، بجنسہٖ اور لفظ بلفظ کلامِ الٰہی ہے۔ اللہ سے رسول تک اس کا پہنچانے والا ایک معزز، متدین، پُرقوت فرشتہ ہے، اُس کی پیامبری میں کسی خلط کا امکان نہیں، اور فرشتہ سے تم تک منتقل کرنے میں واسطہ رسول کا ہے۔ یہ واسطہ بجائے خود ہر قسم کے شک واشتباہ سے ماوراء ہے۔ عام بندوں تک قرآن پہنچنے کے واسطے یہی دونوں ہیں، فرشتہ اور پیمبر، اور یہ دونوں اعتماد واستناد کے انتہائی نقطہ پر ہیں۔ الْاُفُقِ الْمُبِيْنِ۔ سے مراد آسمان کا بلند کنارہ ہے— ملاحظہ ہوں سورۂ والنجم کی آیات متعلقہ کے حاشیے۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ۔ محدثین کے ہاں روایت حدیث میں جو شرط لقاء کی ہے، اُسے بعض نکتہ رس فاضلوں نے یہیں سے اخذ کیا ہے۔ ف۱۰ (کہ کچھ پیام پہنچائیں اور کچھ چھپا جائیں) ایک امکانی شبہ کاملیت قرآن میں یہ بھی ہوسکتا تھا۔ اُسے قرآن نے یوں رفع کردیا۔ بعض محدثین عارفین نے یہ اشارہ یہیں سے اخذ کیا ہے کہ راوئ حدیث دوسرے تک کلام رسول کا سنانا پہنچانا اپنے اُوپر لازم سمجھے اور اس میں بخل نہ کرے۔ ف۱۱ (کہ ایسی سیدھی سی بات کو چھوڑ کر ادھر اُدھر بھٹک رہے ہو) اُوپر بیان یہ تھا کہ نزول قرآن کے جو دو واسطے ہیں، یعنی ایک فرشتۂ وحی اور دوسرے پیمبرِ اسلام علیہ السلام، یہ دونوں حد درجہ مضبوط، مستحکم ونا قابل اشتباہ ہیں۔ اب بیان اس کا ہے کہ اپنی اصل اور ماخذ کے لحاظ سے بھی قرآن سرتا سر حق ہی ہے۔ ف۱۲ مطلب یہ کہ اس ہمہ گیر وہر جہتی دستور العمل کے مخاطب تو سب ہی ہیں۔ البتہ فائدہ اس سے وہی اُٹھا سکتے ہیں، جو خود فائدہ اُٹھانا چاہیں بھی۔ حصول نفع کے لیے قصدِ انتفاع لازمی ہے۔ ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ میں پھر ایک بار اس حقیقت کا اعلان ہے کہ اسلام کا پیام عالمگیر ہے۔ یہ کسی قبیلہ کا، قوم کا، یا نسل کا مخصوص ومحدود دین نہیں۔ لِمَنْ...... يَّسْتَقِيْمَ۔ پورا فقرہ بدل ہے للعلمین کا۔ و هو بدل من العلمين (کبیر) ف۱۳ یہاں اس حقیقت کا ایک بار پھر اعادہ کردیا کہ بندہ کا ارادہ مطلق العنان اور

وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿۱۳﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاۤ اَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾

اور جب جنت نزدیک کردی جائے، (اُس وقت) ہر شخص جان لے گا (ان اعمال کو جن کو) وہ لے کر آیا ہے ف۵

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَ الَّيْلِ اِذَا

میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے (ستاروں) کی، چلتے رہنے والوں جا چھپنے والوں کی، اور قسم ہے رات کی جب

عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَ الصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ

وہ جانے لگے اور صبح کی جب وہ آنے لگے، کہ یہ (قرآن) ایک کلام ہے

رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾

ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) جو قوت والا ہے اور ذی مرتبہ ہے مالکِ عرش کے نزدیک ف۶

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾ وَ مَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾

وہاں اُس کا کہا مانا جاتا ہے (اور وہ) امانت دار ہے ف۷ اور (یہ) تمہارے ساتھی کوئی مجنون نہیں ہیں ف۸

وَ لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ

اور وہ اُس (فرشتہ) کو (آسمان کے) روشن کنارہ پر دیکھ بھی چکے ہیں ف۹ اور وہ غیب کے بارہ میں

بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ

بخیل بھی نہیں ف۱۰ اور نہ یہ (قرآن) کسی شیطان مردود کا کلام ہے، سو تم لوگ کدھر

تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ

جارہے ہو؟ ف۱۱ بس یہ تو ایک نصیحت نامہ ہے دنیا جہان والوں کے لئے (یعنی) اس کے لئے جو

شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ

تم میں سے سیدھا چلنا چاہے ف۱۲ اور تم بغیر اس کے چاہ بھی تو نہیں سکتے کہ

اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

پروردگار عالم چاہ لے ف۱۳

ع ۲۹

اٰیاتھا ۱۹ ۸۲ سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ ۸۲ رکوعھا ۱

اس کی اُنیس آیتیں ہیں سورۂ الانفطار مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿۱﴾ وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿۲﴾

جب آسمان پھٹ جائے اور جب ستارے جھڑ پڑیں،

وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳﴾ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾ عَلِمَتْ

اور جب سمندر بہ پڑیں ف۱ اور جب قبریں شق کر دی جائیں ف۲ (تو اس وقت) ہر شخص

نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ﴿۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا

اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا اے انسان تجھے (آخر) کس چیز

غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿۶﴾ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ

نے اپنے پروردگار کریم سے متعلق بھول میں ڈال رکھا ہے ف۳ (وہ پروردگار) جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست کیا

فَعَدَلَكَ ﴿۷﴾ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿۸﴾ كَلَّا

پھر تجھے اعتدال پر بنایا (اور) جس صورت میں بھی چاہا تجھے ترکیب دے دیا ف۴ (تجھے مغرور) ہرگز

بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ﴿۹﴾ وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿۱۰﴾

نہیں (ہونا چاہیے تھا) اصل یہ کہ تم جزاء ہی کو جھٹلاتے ہو ف۵ درآنحالیکہ تمہارے اوپر (ہماری طرف سے)

كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ

یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے (مقرر) ہیں وہ جانتے ہیں اس کو جو کچھ تم کر رہے ہو ف۶ نیک لوگ

لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴿۱۴﴾ يَّصْلَوْنَهَا

بے شک آسائش میں ہوں گے، اور بدکار لوگ بے شک دوزخ میں اس میں داخل ہوں گے

ف۱ (یعنی سب مل کر ایک دل ہو جائیں) یہ تینوں واقعات یعنی آسمان کا پھٹ جانا، ستاروں کا جھڑ پڑنا، سمندروں کا اُبل نکلنا، صور قیامت کے نفخۂ اول کے وقت ہوں گے۔ اور نظام آسمانی و زمینی کے درہم برہم ہونے کے مظہر۔ ف۲ (اور ان کے اندر سے مردے نکل نکل پڑیں) یہ بیان صور قیامت کے نفخۂ ثانی کا ہے ف۳ (جو تو اس کے ادائے حقوق کی ذرا فکر نہیں کرتا) سوال سے مقصود غیرت دلانا ہے کہ ان نعمتوں کا مقتضا تو یہ تھا کہ تو ادائے شکر کرتا۔ چہ جائیکہ تو اس ناشکری پر آمادہ ہو گیا۔ رَبِّكَ الْكَرِيْمِ۔ ایک تو رب خود، اور پھر اس پر کریم کا اضافہ اسی غیرت کی کیفیت میں اور اضافہ کرنے کے لیے ہے۔ جو مالک و مولیٰ ساتھ ساتھ رحیم و شفیق بھی ہو، اس کے بار احسان سے تو سر اور بھی ہرگز نہ اُٹھنا چاہیے۔ الْاِنْسَانُ۔ انسان سے مراد اس سیاق میں کافر انسان ہے۔ ف۴ انسان کی خلقت و ترکیب، اور پھر اس کے مختلف و متضاد قویٰ میں ترتیب و تناسب، صفات قدرت و صنعت و حکمت کا بہترین نمونہ ہے۔ اور قرآن مجید نے اس حیثیت سے انہیں بار بار پیش کیا ہے۔ مَا شَآءَ۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ انسان کی صورت و سیرت جو کچھ ہے، تمامتر اللہ کے اپنے ارادہ و مشیت کا نتیجہ ہے، باہر سے کوئی قوت اللہ کے ارادہ کو مجبور یا متاثر کرنے والی نہیں۔ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ۔ اَیِّ کے بعد ما تاکید کلام کے لیے ہے۔ ما مزيدة للتوكيد (مدارک) ف۵ (اور خوفِ خدا ہو یا احساسِ ذمہ داری یا طلب حق، سب اسی عقیدۂ روز جزاء سے پیدا ہوتی ہیں) ف۶ یعنی جزاء و سزا نہ صرف واقع ہو کر رہے گی بلکہ اس کے لیے پورے انتظامات اور ایک مکمل نظام ابھی سے موجود ہے۔ اللہ کے فرشتے اعمال کی پوری رپورٹ لکھنے کے لیے مقرر ہیں۔ امین و متدین ایسے کہ حق تعالیٰ انہیں ''معزز'' کے لقب سے پکارتا ہے۔ اور نظر اُن کی اتنی گہری کہ باریک سے باریک اور خفی سے خفی عمل و محرک عمل بھی اُن سے چھوٹنے نہیں پاتے۔ حٰفِظِيْنَ۔ اس میں اشارہ ہے کہ اُن سے فروگذاشت ممکن نہیں۔ كِرَامًا اس میں اشارہ ہے کہ کوئی امر خلاف دیانت یا خلاف حکم اُن سے صادر ہونا ممکن نہیں۔ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ اس میں اشارہ ہے کہ کوئی عمل، خفی سا خفی بھی ہو، اُن کی نظروں سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اصلاح عمل کے لیے ان آیتوں کا مراقبہ بہت مفید ہے۔

يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۱۵﴾ وَ مَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَ مَآ اَدْرٰىكَ

روز جزاء کو، اور (پھر) اس سے باہر نہ ہوں گے و۷ اور آپ کو کیا خبر کہ

مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ

روز جزاء کیا ہے؟ ہاں آپ کو کیا خبر کہ روز جزاء کیا ہے؟ وہ دن وہ ہے

لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ؕ وَ الْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾

کہ کسی کا بس کسی کے لئے کچھ بھی نہ چلے گا اور حکومت اُس روز (تمامتر) اللہ ہی کی ہوگی و۸

اٰیاتھا ۳۶ | ۸۳ سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ ۸۶ | رکوعھا ۱

اس کی چھتیس آیتیں ہیں | سورۃ المطففین مکہ میں نازل ہوئی | اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ

بڑی خرابی ہے (ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کی، کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیں پورا ہی

يَسْتَوْفُوْنَ ﴿۲﴾ وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿۳﴾ اَلَا

لے لیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں و۱ کیا انہیں

يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿۴﴾ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵﴾ يَّوْمَ يَقُوْمُ

اس کا یقین نہیں کہ وہ زندہ اُٹھائے جائیں گے ایک بڑے سخت دن میں، جس دن کہ (تمام) لوگ

النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ

پروردگار کے روبرو کھڑے ہوں گے و۲ ہرگز (ایسا) نہیں (کہ جزاء وسزا نہ ہو) بے شک بدکاروں کا نامۂ عمل

سِجِّيْنٍ ﴿۷﴾ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴿۸﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۹﴾ وَيْلٌ

سجین میں رہے گا، اور آپ کو کیا خبر کہ سجین (والا نامۂ عمل) ہے کیا چیز؟ ایک رجسٹر ہے نشان کیا ہوا، و۳ بڑی خرابی ہے

و۷ (اور ہمیشہ اُسی میں رہیں گے) یہ نص ہے دوزخ کے دوام وخلود پر۔ و۸ (نہ کہ اور کسی کی) یہ درمیانی وسائط اور اسباب قریبہ کے جو پردے دنیا میں پڑے ہوئے ہیں، یہ سب اُس روز اُٹھ جائیں گے۔ اور اللہ کی براہ راست حکومت قاہرہ کا مشاہدہ ہر ایک کو ہونے لگے گا — عالم اسباب وجہانِ ابتلاء میں تو ان حجابات کی ضرورت ومصلحت تھی، اس لیے یہ سب تھے اُس روز کشف حقائق کے وقت اُن کی حاجت ہی کیا رہے گی، اور اس لیے سارے حجابات کثیف ولطیف یکسر برطرف ہوجائیں گے۔ وَمَا ...... الدِّيْنِ۔ دُہرے دُہرے سوالات عربی اسلوب بلاغت وخطابت کے مطابق، اہمیت خصوصی کے اظہار کے لیے ہیں۔ و۱ قرآن مجید، جیسا کہ بار بار گزر چکا ہے، کوئی کتاب محض الٰہیات یا عقائد کی نہیں، بلکہ اخلاق ودیانات کے بھی سارے شعبوں کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ یہاں تعلیم تجارتی اخلاق کی مل رہی ہے — اور قریش ایک زبردست تجارت پیشہ قوم تھے۔ فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ کمی وبیشی عرف عام یا کسی شرط معلوم ومتعارف کی صورت میں جائز ہے۔ عَلَى النَّاسِ۔ علی یہاں مِنْ کے مرادف ہے۔ آیت نے ایسے لوگوں کی بددیانتی کے ساتھ ساتھ ان کی خودغرضی کی طرف بھی اشارہ کردیا۔ خریداری کے وقت تو خوب ہوشیار اور بڑے چوکس رہتے ہیں، ایک ایک چیز خوب ناپ جوکھ کرکے اور خوب پرکھ کرکے لیتے ہیں۔ اور بیچتے وقت اس کے برعکس ہوجاتے ہیں۔ عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ۔ نحو عربی کا قاعدہ ہے کہ جب مفعول کو فعل پر مقدم لاتے ہیں، تو معنٰی مفعول میں تخصیص وتحدید کے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی یہی مفہوم پیدا ہوگیا ہے کہ جب دوسروں سے لینا ہوتا ہے، جب تو پورا ہی لیتے ہیں۔ و يقدم المفعول على الفعل لافادة الخصوصية اى يستوفون على الناس خاصة فاما انفسهم فيستوفون لها (کشاف) آیت تجارتی اخلاق کی ایک بنیادی اور کلیدی آیت ہے۔ جس سے بیسیوں مسئلے نکل سکتے ہیں اور قرآن مجید کی اُن چند آیتوں میں سے ہے، جس کی مدح وتوصیف مسیحی پادریوں نے بھی کی ہے — ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ المطففين۔ بعض محققین نے تطفیف کو عام و وسیع معنٰی میں لیا ہے، یعنی کمی اور کوتاہی کو صرف وزن وپیمائش کی چیزوں تک محدود نہیں رکھا ہے۔ بلکہ طاعت وعبادت کی ہر چیز کو اس میں داخل رکھا ہے۔ جیسے کہ چوری صرف مال ہی میں نہیں، ہر شے میں ممکن ہے۔ قال علماء الدين التطفيف فى كل شىء فى الصلوٰة والوضوء والكيل والميزان قال ابن العربى كما ان السرقة فى كل شئ (ابن العربی) و۲ (اور اس دن انہیں اپنی ان بے ایمانیوں کا بھی جواب دینا ہوگا) تجارتی دیانت وامانت اور کاروبار میں حسنِ معاملت کے سیاق میں حشر اور اس کی بازپرس کی یاددہانی انہیں اور مؤکد بنانے کے لیے ہے۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں تجربے گواہ ہیں کہ فرد وقوم دونوں کو دیانتدار بنانے میں جرمانہ کی سزاؤں اور جیل کی دھمکیوں سے کہیں زیادہ مؤثر وکارگر اندر کا تقوٰی اور خوفِ آخرت ہی ہوتا ہے، اور قرآن حکیم ایسے موقعوں پر اسی حربہ سے کام لیتا ہے۔ يَوْمَ ...... الْعٰلَمِيْنَ۔ ل سے مراد ہے کہ رب العٰلمین کے حکم سے اور اس کی نافذ کی ہوئی سزا وجزاء بھگتنے کے لیے۔ اى لامره وجزائه (مدارک) اى لامره ولجزائه و لحسابه (معالم) یا یہ مراد ہو کہ رب العالمین کی عظمت وتعظیم کے لیے حدیث نبوی میں یہی تفسیر آئی ہے۔ عن ابن عمرؓ سمعت رسول الله ﷺ يقول يوم يقوم الناس لرب العٰلمين لعظمة الرحمٰن عزوجل (ابن کثیر) و۳ (جس میں کسی تغیر وتبدل، ترمیم وتنسیخ کا احتمال ہی نہیں) مطلب یہ ہوا کہ ہر شخص کے اعمال سارے کے سارے منضبط ومحفوظ ہیں۔ سِجِّيْنٍ۔ سجن (قیدخانہ) ہی کے معنٰی میں ہے، اور حرف ی کی زیادتی معنٰی میں زیادتی کے اظہار کے لیے ہے۔ زيد لفظة تنبيها على زيادة معناه (راغب) تشریح میں مختلف قول نقل ہوئے ہیں۔ حاصل ولب لباب یہ ہے کہ وہ عالم غیب میں کوئی ایسا مقام ہے، جہاں مجرموں، منکروں کے اعمال نامے محفوظ رہتے ہیں۔ مَا سِجِّيْنٌ۔ تقدیر کلام ما كتاب سجين ہے۔ اور حذف مضاف قرآن کے اسلوب بیان میں بہت عام ہے۔ الْفُجَّارِ۔ فجار سے مراد وہی لوگ ہیں جو غرق فجور رہے ہیں اور ایمان وتصدیق تک کی نیکی سے محروم۔

يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۱۱﴾ وَمَا

اُس روز جھٹلانے والوں کے لئے جو روز جزاء کو جھٹلا رہے ہیں، اور اُس کو تو

يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ

بس وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرنے والا ہو، گناہوں میں پڑا ہوا ہو (اور) جب اُسے ہماری آیتیں سنائی جاتی ہوں تو کہتا ہو کہ

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا

یہ تو اگلوں کے خرافات ہیں ف۴ ہرگز (ایسا) نہیں (کہ جزاء و سزا نہ ہو) اصل یہ ہے کہ اُن کے دلوں پر ان کے کرتوتوں کا زنگ

يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾

بیٹھ گیا ہے ف۵ ہرگز (ایسا) نہیں (کہ جزاء و سزا نہ ہو) یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار (کے دیدار) سے روک دیے جائیں گے

ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ

پھر یہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے ف۶ پھر کہا جائے گا کہ یہی وہ ہے جسے تم

بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾

جھٹلایا کرتے تھے ہرگز (ایسا) نہیں (کہ جزاء و سزا نہ ہو) بے شک نیک کاروں کا نامۂ عمل علیین میں رہے گا،

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ يَّشْهَدُهُ

اور آپ کو کیا خبر کہ علیین (والا نامۂ عمل) ہے کیا چیز؟ نشان کیا ہوا رجسٹر ہے، جس کو مقرب (فرشتے)

الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ

دیکھتے ہیں ف۷ بے شک نیک کار بڑی راحت میں ہوں گے، مسہریوں پر سے

يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾ يُسْقَوْنَ

دیکھ رہے ہوں گے ف۸ تو اُن کے چہروں ہی سے راحت کی بشاشت جان لے گا ف۹ اُنہیں پینے کو

مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۜ وَفِيْ ذٰلِكَ

شراب خالص ملے گی، جس پر مشک کی مہر ہو گی ف۱۰ ایسی ہی چیز کی

ف۴ یعنی رسول کی تکذیب پر مصر اور دلیر تو وہی لوگ ہیں، جو فسق و فجور کی کثرت و شدت سے اپنی اخلاقی صلاحیتوں کو پہلے ہی برباد کر چکے ہیں۔ قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ قرآن کے مکذبین و منکرین میں بھی ایسے بہت سے گزرے ہیں، اور اب بہت سے ایسے ہیں جو اس کی آیتوں اور اُن کے مضامین کو سن کر بول اُٹھتے ہیں کہ یہ بے سند اور بے بنیاد باتیں تو اگلے صحیفوں اور پرانے نوشتوں سے منقول چلی آ رہی ہیں۔۔۔ گویا حقانیت قرآن کے خلاف یہ بھی کوئی دلیل ہو سکتی ہے کہ اس کی بیان کی ہوئی بعض روایتیں کسی نہ کسی بگڑی ہوئی شکل میں پہلے ہی بیان ہو چکی ہیں! عجب مسخ شدہ ذہنیت منکرین قرآن کی ہر زمانہ میں رہی ہے۔ قرآن کوئی نئی تعلیم پیش کرے تو یہ کہہ کر اُسے رَد کر دیجئے کہ یہ نئی بات دل کی گڑھی ہوئی ہے، اگر صحیح و مستند ہوتی تو آخر پہلے بھی تو کبھی سننے میں آئی ہوتی! اور قرآن اگر قدیم حقیقتوں کو ان کی اصلی اور غیر محرف شکل میں پیش کرے، تو بس یہ کہہ کر انکار کر دیجئے کہ یہ تو پہلے صحیفوں کی نقل یا سرقہ ہے!

ف۵ (جس سے اُن کی استعداد ہی قبول حق کی فاسد ہو گئی ہے اور اسی سے وہ انکار و تکذیب پر براہ عناد تلے رہتے ہیں) آیت میں اشارہ اس طرف ہے کہ آدمی اپنی اصل و سرشت سے متمرد و منکر نہیں، بلکہ اس کے ارادی و اختیاری اعمال ہی اس کے دل کو تاریک اور چشم بصیرت کو بے نور اور قبول حق سے دُور کر دیتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ظلمت قلب جس کا ذکر صوفیہ کے ہاں بکثرت آتا ہے اُس کی سند اسی آیت میں ملتی ہے۔ ف۶ (اور یہ دیدار حق سے محجوبی بجائے خود ایک بہت بڑی سزا ہے، جس کا اندازہ کچھ اُسی دن ہوگا) یہاں محجوبون مقدم ہے، اور داخلۂ جہنم مؤخر ثم کے تحت میں۔ اس سے عارفوں نے نکتہ یہ پیدا کیا ہے کہ اصل سزا دوزخ نہیں بلکہ دیدار الٰہی سے محرومی ہی ہے، اور دوزخ محض اس کا نتیجہ ہے۔ ثم بعد كونهم محجوبين عن ربهم لداخلون النار (مدارک) آیت سے یہ استنباط بھی کیا گیا ہے کہ مومنین کو رویت باری ہوگی، ورنہ کافروں کے لیے بطور سزا اس نعمت سے محرومی کے کوئی معنی نہ تھے۔ قال الزجاج فی الأیة دليل على ان المؤمنين يرون ربهم والا لا يكون التخصيص مفيدًا (مدارک) فلا يرونه بخلاف المؤمنين (بیضاوی) قال الامام ابو عبدالله الشافعی و فی هٰذه الأیة دليل على ان المؤمنين يرونه عزوجل يومئذ و هٰذا الذی قاله الامام الشافعی فی غاية الحسن و هو استدلال بمفهوم هٰذه الأیة كما دل عليه منطوق قوله تعالٰی وجوه يومئذ ناضرة الٰى ربها ناظرة و كما دلت على ذٰلك الاحاديث الصحاح المتواترة (ابن کثیر) ف۷ (ذوق و شوق کے ساتھ) اس سے مقصود مرتبۂ ابرار کے فضل و عظمت کا اظہار ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح مجرموں اور نافرمانوں کے لیے عذاب و عقاب یقینی ہے، اُسی طرح مطیعوں اور فرمانبرداروں کا اجر و ثواب بھی برحق ہے۔ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ یہاں ملائکہ مقربین مراد ہیں۔ المقربون من الملٰٓئكة (کبیر) و هم الملائكة قال قتادة (ابن کثیر) عِلِّيِّيْنَ۔ سِجِّيْنٍ کے مقابلہ کی چیز ہے، اور کوئی ایسا مقام عالم غیب میں ہے، جو نیک کاروں کے اعمال ناموں کے لیے مخصوص ہے۔ ف۸ (جنت کے عجائب و مناظر) ہو سکتا ہے کہ دیدار جمال الٰہی مراد ہو۔ اور چونکہ يَنْظُرُوْنَ، محجوبون کے مقابلہ میں آیا ہے، اس لیے قرینہ بھی اسی معنی کو چاہتا ہے۔ ف۹ (اے مخاطب) مطلب یہ کہ اہل جنت کی مسرتیں نمایاں ہوں گی، اور اُن کے چہروں ہی سے جھلک رہی ہوں گی۔ ف۱۰ یعنی نہایت پاکیزہ، خوش ذائقہ و خوش رائحہ۔ يُسْقَوْنَ۔ کا صیغۂ مجہول اہل جنت کے مرتبہ و عظمت پر دلالت کر رہا ہے۔

ف۱۱ یعنی تحصیل کے لائق اور شوق کے قابل یہ نعمتیں ہیں نہ کہ دنیوی نعمتیں۔ اور ان کی تحصیل کا طریق ایمان وطاعت ہیں۔ ذٰلِكَ۔ اشارہ رحیق کی طرف بھی ہوسکتا ہے اور نعیم کی طرف بھی۔ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ اے فی الرحیق او النعیم (مدارک) ف۱۲ تَسْنِيمٍ۔ جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ مقربین اس میں سے برابر پیتے ہی رہیں گے۔ اور ابرار کو بھی شراب خالص کے ساتھ

فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا

حرص کرنا چاہیے حرص کرنے والوں کو ف۱۱ اور اس کی آمیزش تسنیم سے ہوگی وہ چشمہ

يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ

جس سے مقرب بندے پئیں گے ف۱۲ اور جو لوگ مجرم تھے وہ

الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾

ایمان والوں پر ہنسا کرتے تھے، اور جب اُن کے سامنے سے گزرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارہ کرتے جاتے تھے،

وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا

اور جب اپنے گھروں کو جاتے تھے تو دل لگیاں کرتے ف۱۳ اور جب انہیں دیکھتے تو کہا کرتے تھے

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿٣٣﴾

کہ یہ لوگ کیسے بھٹکے ہوئے ہیں ف۱۴ حالانکہ یہ اُن پر نگراں کر کے نہیں بھیجے گئے ف۱۵

فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٣٤﴾ عَلَى

سو آج ایمان والے کافروں پر ہنستے ہوں گے، مسہریوں پر

الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے ف۱۶ واقعی کافروں کو اُن کے کرتوتوں کا بدلہ خوب مل کر رہا ف۱۷

ع ۸

آیاتها ۲۵ ﴿۸۴﴾ سُورَةُ الْانْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ﴿۸۳﴾ رکوعها ۱

اس کی پچیس آیتیں ہیں سورۂ انشقاق مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ ﴿١﴾ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٢﴾ وَإِذَا

جب آسمان پھٹ جائے اور اپنے پروردگار کا حکم سن لے ف۱ اور وہ اسی لائق ہے اور جب

کوئی جزو اس آبِ تسنیم کا مرحمت ہوتا رہے گا۔ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ آبِ تسنیم میں شاید کوئی قوت خاص ہے، جو لذاتِ جسمانی اور غباتِ نفسانی سے چھڑا کر تمامتر شوق حضور وسرور لقاء پیدا کر دیتی ہے۔ عوام اہل جنت کو اسی لیے اس میں سے کچھ کچھ بقدر اُن کے تحمل کے عطا ہوتا رہے گا۔ ف۱۳ یہ سب ذکر اسی دنیا کا ہو رہا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس دنیا میں سامنے اور پیچھے ہر طرح ہر وقت اہل ایمان کی تحقیر واستہزاء کا مشغلہ جو لوگ جاری رکھتے تھے۔ الَّذِينَ أَجْرَمُوا۔ یعنی منکرین ومکذبین — جرم آیت میں قرآن کی متعدد دوسری آیتوں کی طرح، ایمان کے مقابلہ میں ہے۔ المراد من قوله ان الذين اجرموا اكابر المشركين (كبير) اے اشركوا (معالم) الْمُقَرَّبُونَ۔ یہ جنت کے افضل ترین مرتبہ والے ہیں، جن کا ذکر سورۃ الواقعہ (پ۲۷) میں آچکا ہے۔ بعض محققین نے مراد یہ لی ہے کہ جنت میں مقربین تو مشاہدۂ ذات کی لذت میں مستغرق رہیں گے، اور اصحب الیمین یا ابرار مشاہدۂ ذات میں بھی رہیں گے اور مشاہدۂ مخلوقات میں بھی۔ فالمقربون لايشربون الامن التسنيم اے لا يشتغلون الا بمطالعة وجهه الكريم واصحاب اليمين يكون شرابهم ممزوجاً فتارة يكون نظرهم اليه و تارةً الى مخلوقاته (كبير) ف۱۴ (اور ایسے احمق جو آج کی دم نقد لذتوں کو "کل" کے خیالی وعدوں کے پیچھے چھوڑے ہوئے ہیں!) اسی زمانہ کے نہیں، آج بیسویں صدی کے بھی ابوجہل اور ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل مسلمانوں کو "رجعت پسند" اور "دقیانوسی" اور "تاریک خیال" کے خطابات دے دے کر اپنے دل کا بخار نکال رہے ہیں۔ بعض شاعروں نے اپنی حماقت سے جنت اور اہل جنت پر چوٹیں کی ہیں، آیت کے مضمون سے انہیں بھی ڈرنا چاہیے۔ ف۱۵ (انہیں اہل ایمان پر طنز ومضحکہ کا حق ہی کیا تھا) اس میں ان لوگوں کی مزید حماقت کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے انجام کی طرف سے تو غافل ہیں، اور اہل ایمان کی فکر میں خواہ مخواہ پڑ گئے ہیں۔ ف۱۶ (جہنم میں منکروں اور کافروں کا حال زار) الیوم۔ یعنی آخرت میں، جنت سے۔ فَالْيَوْمَ...... يَضْحَكُونَ۔ ہنستے اس پر ہوں گے کہ یہ لوگ کس درجہ احمق تھے کہ اتنی واقعہ شہادتوں کے باوجود بھی آخرت کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور بدستور دنیا پرستی اور مادیت ہی میں غرق رہے۔ ف۱۷ (یہاں تک کہ مومنین سے کافروں کا مضحکہ وطنز بھی بغیر انتقام نہ رہا) هَلْ یہاں سوالیہ نہیں مؤکدہ ہے، قد کے معنی میں، جیسا کہ سورۃ الدہر کے بھی بالکل شروع میں آچکا ہے۔

ف۱ (اور مان لے) یہ واقعات قیامت کے نفخۂ ثانی کے وقت کے بیان ہو رہے ہیں:۔ أَذِنَتْ لِرَبِّهَا۔ اذن یا حکم سے مراد پھٹ جانے کا حکم تکوینی ہے۔ انْشَقَّتْ۔ انفطار۔ اور انشقاق اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ سے قدیم اہل تفسیر نے یہ نکالا ہے کہ اجرام علوی میں خرق والتیام کی قابلیت موجود ہے۔ اور عجب نہیں کہ مزید تحقیقات کے بعد ماہرین فلکیات کو بھی اسی کی تصدیق کرنا پڑے۔

ف۲ (جیسے آج بھی ربڑ کھینچ کر بڑھا دی جاتی ہے) وَحُقَّتْ۔ یعنی آسمان، محکوم و مسخر قدرت ہونے کے باعث ہے ہی ایسا کہ جس امر کی مشیت اُس کے متعلق ہو، اس کا وقوع ضرور ہو کر رہے۔ جاہلی فلاسفۂ یونان و مصر وغیرہ نے آسمان کو مستقل صاحب ارادہ و تصرف ہستی، اور خدا تعالیٰ کی محکومیت سے آزاد و خود مختار سمجھا ہے۔ آیت ان خرافات کی بھی تردید کر رہی ہے۔ ف۳ مَا فِيهَا کے عموم میں ہر وہ چیز داخل ہے جو بطن زمین کے اندر ہے، مُردوں کے جسم، خزانے وغیرہا۔ أَذِنَتْ۔ حُقَّتْ۔ دونوں پر حاشیے ابھی گزر چکے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہاں ان کا تعلق آسمان سے تھا، اس آیت میں زمین سے ہے۔ مقصود دونوں جگہ یہ ہے کہ جس حاکم علی الاطلاق کی اطاعت سے آسمان و زمین تک کو مفر نہیں، انسان اس کے احکام تشریعی سے انکار کی جرأت کر رہا ہے! ف۴ مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان مرتے دم تک کسی نہ کسی شغل میں، اچھا ہو یا برا، بہر حال لگا ہی رہتا ہے۔ كَادِحٌ۔ كَدْحًا۔ کدح کے معنی سعی و جہد کے ہیں۔ الكدح سعى الانسان وجهده في الامر (معالم) جب مشقت و تعب انسان کے لیے زندگی میں بہر صورت ناگزیر ہے، جب تو یہ بات اور زیادہ دیکھ لینے کی ہے کہ انسان خیر یا شر کس قسم کا کسب اعمال کر رہا ہے۔ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ۔ خطاب جنس انسانی سے ہے۔ ف۵ (کہ میں تو خوب سستا چھوٹ آیا) حِسَابًا يَسِيرًا۔ حساب کی آسانی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ سرے سے کوئی باز پرس ہی نہ ہو۔ اور محض ضابطہ کی پیشی ہو کر رہ جائے۔ ف۶ (جیسا کہ دنیا میں بھی انسان انتہائی مصیبت کے وقت پکارتا ہے) وَأَمَّا ...... ظَهْرِهِ۔ ذکر کفار اہل جہنم کا ہو رہا ہے۔ انہیں نامۂ اعمال پشت کی طرف سے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ ف۷ (اس کے اقوال، احوال، اعمال سب کو) اور اُس وقت جو اُسے فی الفور سزا نہیں ملی، تو اس لیے کہ حکمت الٰہی، اور مشیت مطلق جزاء کا ایک وقت خاص مقرر کر چکی تھی۔ إِنَّهُ ...... مَسْرُورًا۔ یہ دنیا میں اس طرح مگن اور سرمست تھا کہ آخرت کی طرف سے بالکل بے پروا و غافل ہی ہو گیا تھا۔ ف۸ یعنی بدر کامل بن جائے۔ فَلَا أُقْسِمُ۔ جن چیزوں کی قسمیں آگے آ رہی ہیں، یہ سب زبان حال سے گواہی دے رہی ہیں وقوع آخرت پر۔ اقسام قرآنی کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الحجر (پ۱۴) کا ضمیمہ۔ بِالشَّفَقِ۔ جس طرح شفق سے رات کا آغاز ہوتا ہے، موت سے عالم آخرت کی ابتداء ہوتی ہے۔ وَاللَّيْلِ۔ جس طرح دن کے بعد رات میں ایک نئی حیات نومی کا تجربہ ہوتا ہے، حیات ناسوتی کے بعد ایک نئی حیات برزخی ملتی ہے۔ وَمَا وَسَقَ۔ اس کے عموم میں وہ سارے جاندار بھی آ جاتے ہیں، جو رات کو آرام لینے کے لیے اپنے اپنے ٹھکانے پہنچ جاتے ہیں۔ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ۔ چاند کہاں تو غائب ہوتا ہے، اور کہاں پھر بدر کامل بن کر نمودار ہوتا ہے۔ فنائے عالم کے بعد اسی طرح ایک کامل حیات اُخروی نصیب میں آئے گی۔ ف۹ (اور ایک حالت پر قائم و دائم رہنا ہرگز نہیں ہے) عَنْ طَبَقٍ۔ عَنْ یہاں بعد کے مرادف ہے۔ حالاً بعد حالٍ (معالم، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) و عن للمجاوزة و قال غير واحدٍ هي بمعنى بعد والمجاوزة والبعدية متقاربان (روح) آیت میں یہ بتایا ہے کہ انسان ایسی مخلوق نہیں، جسے شروع سے آخر تک ایک حالت پر جامد رکھا جائے۔ سارا نظام عالم گواہ ہے کہ انسان ایک ترقی پذیر مخلوق بنایا گیا ہے۔ ابھی زندہ تھا ابھی مردہ ہو جائے گا۔ ابھی مردہ سے پھر زندہ کر دیا جائے گا۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ آیا ہے کہ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لیے مخصوص ہے۔ یہ مان لینے کے بعد آیت سے مراد مراتب قرب میں ترقی ہوگی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہی شان وارثِ رسول عارف کی مراتب و احوال میں ہوتی ہے۔

الْأَرْضُ مُدَّتْ ۝۳ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ۝۴ وَأَذِنَتْ

زمین کھینچ (کر بڑھا) دی جائے ف۲ اور اپنے اندر کی چیزوں کو نکال پھینکے اور خالی ہو جائے، اور اپنے پروردگار کا حکم

لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۵ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ

سن لے، اور وہ اسی لائق ہے ف۳ اے انسان تو کام میں جتا رہتا ہے اپنے پروردگار کے پاس

كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ۝۶ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۝۷

پہنچنے تک پھر اُس سے جا ملے گا ف۴ تو جس کسی کا نامۂ عمل اُس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا،

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۝۸ وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ

سو اُس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے والوں کے پاس خوش خوش

مَسْرُورًا ۝۹ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۝۱۰ فَسَوْفَ

لوٹ کر آئے گا ف۵ اور جس کسی کا نامۂ عمل اُس کی پیٹھ کے پیچھے سے ملے گا سو وہ

يَدْعُو ثُبُورًا ۝۱۱ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ۝۱۲ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ

موت کو پکارے گا ف۶ اور جہنم میں پڑے گا وہ اپنے والوں میں خوش خوش

مَسْرُورًا ۝۱۳ إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ ۝۱۴ بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ

رہا کرتا تھا اس نے خیال کر رکھا تھا کہ اُسے لوٹنا نہیں ہے، ضرور ہے، اُس کا پروردگار

كَانَ بِهِ بَصِيرًا ۝۱۵ فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝۱۶ وَاللَّيْلِ وَمَا

اُسے خوب دیکھتا رہتا تھا ف۷ میں قسم کھاتا ہوں شفق کی، اور رات کی اور اُن چیزوں کی جنھیں

وَسَقَ ۝۱۷ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ۝۱۸ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ

وہ سمیٹ لیتی ہے، اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے ف۸ کہ تم کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر

طَبَقٍ ۝۱۹ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝۲۰ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ

پہنچنا ہے، ف۹ سو انہیں کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے اور جب اُن کے سامنے قرآن

معانقة ۷

الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾

پڑھا جاتا ہے تو جھکتے نہیں ف۱۰ بلکہ یہ کافر الٹی تکذیب کرتے ہیں

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا

اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ یہ لوگ جمع کر رہے ہیں، سو آپ انہیں ایک عذاب دردناک کی خبر دے دیجئے، البتہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے ان کے لئے تو ایسا اجر ہے جو کبھی موقوف ہونے والا نہیں ف۱۱

السجدة ۱۳ — ع ۱ / ۲۵ / ۹

ایاتها ۲۲ ۸۵ سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ ۲۷ رکوعها ۱

اس کی بائیس آیتیں ہیں سورۂ بروج مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿۲﴾ وَشَاهِدٍ

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور وعدہ کئے ہوئے دن کی ف۱ اور حاضر ہونے والے (دن) کی

وَّمَشْهُوْدٍ ﴿۳﴾ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ

اور جس میں حاضری ہو ف۲ غارت ہوئے خندق والے، ایندھن کی

الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ

آگ والے جس وقت وہ لوگ اس (آگ) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اور اپنے اس کرتوت کو دیکھ رہے تھے

بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿۷﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا

جو وہ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے ف۳ اور انہوں نے ان (ایمان والوں) میں اور کیا عیب پایا تھا بجز اس کے کہ وہ

بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۸﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست ہے سزاوار حمد ہے اسی کی سلطنت ہے آسمانوں

ف۱۰ (اللہ کے آگے کمال شقاوت سے) لَا يَسْجُدُوْنَ۔ سجدہ۔ یہاں اصطلاحی معنی میں نہیں، انقیاد وکمال تعظیم کے لغوی معنی میں ہے۔ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ اپنی بصیرت پر ایسے غفلت کے پردے انہوں نے ڈال رکھے ہیں کہ مشاہدات فطرت سے ذرا سبق ایمان کا نہیں لیتے۔ وَاِذَا...... يَسْجُدُوْنَ۔ اور اس سے بھی بڑھ کر کمال شقاوت یہ ہے کہ قرآن جو ان غفلت کے پردوں کو اٹھاتا جاتا ہے، اور اسی لیے ہے، اس سے بھی ہدایت کا اثر نہیں قبول کرتے۔ فقہاء نے آیت سے سجدۂ تلاوت کا وجوب نکالا ہے۔ يستدل به على وجوب سجدة التلاوة للذمّ لتارك السجود عند سماع التلاوة (جصاص) ف۱۱ اور یہی معنی ہیں جنت اور اہل جنت کے دوام وخلود کے۔ بِمَا يُوْعُوْنَ۔ یعنی اعمال کفریہ کا ذخیرہ حق سے دشمنی، رسول حق سے بغض وعناد، وغیرہا۔ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ ان کافروں کی سعی ناحق بھی رائیگاں نہ جائے گی۔ ایک ایک چیز کا بدلہ مل کر رہے گا۔ ف۱ یعنی قیامت کے دن کی۔ الْبُرُوْجِ۔ بروج۔ سے مراد ستارے ہیں جن کی منزلیں مقرر رہتی ہیں۔ الواحد برج و به سمى بروج النجوم لمنازلها المختصة بها (راغب) و قال مجاهد والحسن و عكرمة و قتادة هو النجوم (روح) ف۲ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ شاہد یوم جمعہ ہے، یہ شاید اس لیے کہ ہر ہفتہ یہ مسلمانوں پر آتا رہتا ہے، اور مسلمان اس کے لیے کہیں باہر نکل کر نہیں جاتے۔ اور مشہود یوم عرفات ہے کہ اس روز دنیا کے مسلمان اپنے اپنے مقام سے سفر کر کے وہاں جمع ہوتے ہیں۔ و اخرج الترمذى و جماعة عن ابى هريرة مرفوعًا الشاهد يوم الجمعة والمشهود يوم العرفة و روى ذلک عن ابى مالک الاشعرى وجبير بن مطعم مرفوعًا ايضًا و اخرجه جماعة عن علىؓ وغيره عن الصحابة والتابعين (روح) شَاهِدٍ۔ مَشْهُوْدٍ دونوں کا صیغۂ نکرہ میں ہونا اُن کے اظہار تعظیم کے لیے ہے، و تنكير الوصفين للتعظيم (روح) بعض محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ شَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ دونوں کا مفہوم عموم کامل رکھتا ہے۔ ہر حاضر ہونے والا، ہر دیکھنے والا شاہد ہے اور جو دکھلایا جائے اور جو حاضر کیا جائے، مشہود ہے۔ ف۳ آیت میں ایک خاص واقعہ کی تلمیح ہے۔ ۵۲۳ء میں یمن کا بادشاہ ایک ظالم یہودی ذونواس نامی حمیری خاندان کا تھا۔ مذہب حق اُس وقت نصرانیت تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی صحیح تعلیمات کے مطابق۔ نصرانیوں پر اُس نے شدید ظلم توڑنے شروع کیے۔ یہاں تک کہ آگ کی ایک بڑی بھٹی بنا کر اُس میں انہیں جھونکا۔ اور ہزارہا کی تعداد میں انہیں بھون ڈالا۔ روم کے تخت پر اُس وقت شہنشاہ جسٹینین فرمانروائی کر رہا تھا۔ اُس کی تحریک اور ایماء سے حبشہ کے مسیحی بادشاہ (نجاشی) نے یمن پر حملہ کر کے بالآخر اس پر اپنا قبضہ کر لیا۔ تاریخی حیثیت سے یہ خود تو اس کی تعدی خاص اہمیت رکھتی ہے، اور قرآن کی اس تلمیح میں خود اس کی اہمیت کی تصدیق موجود ہے۔ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ۔ وہی آتشیں خندق بنا کر اس میں مومنین کو جھونکنے والے ظالم ہیں۔

وف۴ (اوراس لیے ظالموں کا ظلم وستم اور مظلوموں کی مظلومیت وبے کسی دونوں اُس پر خوب روشن ہیں) وَمَا...... الْحَمِيدِ۔ یہ اس کی تصریح ہے کہ یہ جنگ کوئی ملکی یا سیاسی آویزش نہ تھی۔ خالص مذہبی و اعتقادی بنیاد پر زیردستوں پر ظلم ہورہے تھے۔ الَّذِیْ...... شَهِيدٌ۔ یہ اس کی تصریح ہے، کہ خدائے اسلام، جاہلی مذہبوں یا مشرک فلسفیوں کے خدا کی طرح کوئی ناقص یا محدود علم یا محدود قدرت رکھنے والا خدا نہیں۔ اُس کی قدرت، اس کا علم، اس کے جملہ صفات کامل ولامحدود ہیں — ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ قرآن مجید کے اسلوب بیان کی یہ ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ بیان واقعات اور ذکر حکایات کے ضمن میں بھی مسائل کی توضیح اور عقائد کی تصحیح کرتا جاتا ہے، چنانچہ اسی کی ایک نظیر یہ آیت بھی ہے۔ وف۵ عَذَابُ جَهَنَّمَ عام ہے۔ جہنم میں عذاب طرح طرح کے ہوں گے۔ جلنے کا عذاب شدید ترین ہے، اُسے تخصیص کے ساتھ بیان کیا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا۔ فتنہ یہاں عذاب کے معنی میں ہے۔ و معنی فتنوهم عذبوهم بالنار و احرقوهم (کشاف) وف۶ جنت اور جنت کی نعمتوں کو حقیر سمجھنے والے خواہ وہ قدیم صوفیہ غیر محققین ہوں، یا جدید قسم کے "روشن خیال"، بہرحال اگر ان کا ایمان قرآن پر ہے تو دیکھیں کہ قرآن مجید جنت اور نعمائے جنت کا ذکر کیسے کیسے شوق و رغبت دلانے والے الفاظ میں کرتا رہتا ہے۔ اور کس طرح جنت ہی کو انسانی کوشش کا منتہائے مقصود بتلاتا ہے۔ حقیقی کامیابی صرف اُخروی کامیابی ہے۔ اس کے مقابلہ میں دنیا کی ہر "علمی تحقیق" ہر "سیاسی ترقی" ہر "ملکی فتحمندی"، ہیچ اور بے مایہ۔ جو اہل ایمان آج بھی ظلم وستم کے ہدف ہیں۔ اُن کے لیے بھی آیت سرمایۂ تسکین وتشفی ہے۔ دنیوی تکلیفوں کی پروا بھی بہت زیادہ ہی کیوں کی جائے، پائیدار وحقیقی کامیابی اہل ایمان کا حصہ ہے۔ وف۷ خلق وبعث سب اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں — وہی سب کا پیدا کرنے والا بھی، وہی جلا اُٹھانے والا بھی۔ وہی کڑی گرفت کرنے والا بھی۔ وف۸ ان تمام صفات کا اثبات کسی نہ کسی عقیدۂ شرکیہ کی تردید وابطال کے لیے ہے۔ ذُو الْعَرْشِ۔ یعنی عرش جیسی بزرگ ترین مخلوقات کا خالق ومالک۔ اے صاحبه والمراد مالكه او خالقه و هو اعظم المخلوقات (روح) الْمَجِيْدُ۔ کی ایک قرأت کسرۂ دال کے ساتھ بھی ہے۔ ذوالعرش المجید اس صورت میں مجید صفت عرش کی ہوگی۔ اور معنی ہوں گے کہ وہ مالک ہے عرش بزرگ کا۔ و بالجر صفة للعرش و مجد العرش علوه و عظمة (مدارک) وف۹ (کوئی اس کا ہاتھ پکڑ لینے والا کوئی اس کے ارادہ میں دخل دینے والا موجود نہیں۔ اس کی قدرت لامحدود، اس کی طاقت لامتناہی ہے) سارے قانون اس کے پابند ہیں، وہ خود کسی قانون سے مقید نہیں — یہ اُن مذاہب جاہلی کی تردید میں ہے، جنہوں نے حق تعالیٰ کی قدرت مطلق وکامل کو بھی کسی نہ کسی قانون کا مطیع قرار دے رکھا ہے۔ مثلاً قانون مکافات عمل یا "کرم" کا۔ وف۱۰ (کہ انہوں نے کس کس طرح کفر کیا، اور پھر کس طرح کیفر کردار کو پہنچے) فِرْعَوْنَ اور ثَمُوْدَ دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ قوم فرعون اور قوم ثمود دونوں مثالیں انتہائی پُرقوت قوموں کی ہیں۔ وف۱۱ (کہ وہ اُس کے قبضۂ قدرت و پنجۂ عقوبت سے کسی طرح بچ کر نہیں جا سکتے) بَلْ...... تَكْذِيْبٍ۔ یہ کفار نابکار، بجائے اس کے کہ ان واقعات و حکایات پر غور کرتے، اور ان سے سبق لیتے، اُلٹے اُن کی تردید وتکذیب ہی میں لگے ہوئے ہیں۔ وف۱۲ (جس میں کسی طرح کے تغیر وتبدل کا امکان نہیں، اور وہاں سے وہ نہایت حفاظت کے ساتھ صاحبِ وحی کے پاس پہنچ جاتا ہے)

وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۹ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور زمین کی، اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے وف۴ بے شک جن لوگوں نے

فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ

ایمان والوں اور ایمان والیوں کو ستایا اور پھر توبہ نہیں کی تو اُن کے لئے جہنم کا

جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝۱۰ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

عذاب ہے اور ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے وف۵ بے شک جو لوگ ایمان لائے،

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے، اُن کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں

الْاَنْهٰرُ ڛ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۝۱۱ۭ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ

جاری ہوں گی، اور یہی بڑی کامیابی ہے وف۶ بے شک آپ کے پروردگار کی داروگیر

لَشَدِيْدٌ ۝۱۲ۭ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ۝۱۳ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ

بڑی سخت ہے وہ وہی تو ہے جو (اول بار) پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا، وف۷ اور وہی بڑا بخشنے والا ہے،

الْوَدُوْدُ ۝۱۴ۙ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۝۱۵ۙ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝۱۶ۭ

بڑا محبت کرنے والا ہے، عرش کا مالک ہے، عظمت والا ہے وف۸ وہ جو چاہے سب کچھ کر گزرتا ہے وف۹

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۝۱۷ۙ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ۝۱۸ۭ

ہاں کیا آپ کو اُن لشکریوں کا بھی قصہ پہنچا ہے (وہی) فرعون اور ثمود کا وف۱۰

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۝۱۹ۙ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ

اصل یہ ہے کہ کافر تکذیب میں لگے ہوئے ہیں، اور اللہ انہیں ادھر ادھر سے

مُّحِيْطٌ ۝۲۰ۚ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝۲۱ۙ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝۲۲ۧ

گھیرے ہوئے ہے وف۱۱ اصل یہ ہے کہ یہ بزرگی والا قرآن ہے، لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) وف۱۲

ربع ۱۲ — ع ۱/۲۲

ایاتھا ۱۷ ۸۶ سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ ۳۶ رکوعھا ۱

اس کی سترہ آیتیں ہیں سورۃ الطارق مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾ النَّجْمُ

قسم ہے آسمان اور رات کو نمودار ہونے والی (چیز) کی، اور آپ کو کیا خبر کہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے؟ وہ روشن

الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ؕ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ

ستارہ ہے، کوئی جان ایسی نہیں کہ اُس پر ایک یاد رکھنے والا (فرشتہ) مقرر نہ ہو ف۱ سو انسان کو

الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ؕ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْۢ

دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، وہ ایک اُچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے، جو

بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ؕ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ؕ﴿۸﴾ يَوْمَ

پشت اور پسلیوں کے درمیان سے نکلتا ہے وہ (اللہ) اُس کے دوبارہ پیدا کرنے پر یقیناً قادر ہے ف۲ (سو) جس روز

تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۙ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ؕ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ

(سب) راز فاش ہو جائیں گے تو انسان کو نہ خود قوت ہوگی اور نہ کوئی (اس کا) مددگار ہوگا ف۳ قسم ہے بارش والے

ذَاتِ الرَّجْعِ ۙ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۙ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ

آسمان کی، اور پھٹ جانے والی زمین کی کہ یہ (قرآن) ایک قول

فَصْلٌ ۙ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ؕ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۙ﴿۱۵﴾

فیصل ہے، ف۴ اور یہ کوئی لغو کلام نہیں ف۵ یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں،

وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۚ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

اور میں بھی تدبیر کر رہا ہوں، سو آپ کافروں کو یوں ہی رہنے دیجئے، کچھ روز یوں ہی رہنے دیجئے ف۶

ع ۱۷ / ۱۱

ف۱ (اور اعمال پر محاسبہ یقینی ہے) مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آسمان پر ستارے موجود تو ہر وقت ہیں مگر اُن کا ظہور شب ہی میں ہوتا ہے، اسی طرح اعمال سب کے سب نامۂ اعمال میں محفوظ اس وقت بھی ہیں، مگر اس کا ظہور قیامت میں ہوگا۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۲ (اور اس کو مستبعد سمجھنا خود ایک تمامتر احمقانہ خیال ہے) فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ...... دَافِقٍ۔ یعنی انسان اپنے آغاز و ابتداء پر غور کیا تو کرے۔ اس مراقبہ سے موت و معاد کی یاد تازہ ہوتی رہے گی۔

بہ آغاز رو کن کہ پایاں ہمین است

رَجْعِهٖ۔ ضمیر انسان کی طرف ہے۔ ف۳ یعنی نہ خود اس میں مدافعت کی قوت ہوگی، اور نہ باہر سے کوئی حمایتی ہاتھ آئے گا۔ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ۔ یہ وقت وہ ہوگا جب انکشاف حقائق ہر قسم کا واقع ہو کر رہے گا۔ اور اخفاء کسی قسم کا کسی سے ممکن نہ ہوگا۔ ف۴ قولِ فیصل حق اور باطل کے باب میں بھی، اور قولِ فیصل اپنے ثبوت اعجاز کے اعتبار سے بھی۔ تاکید اور زور کے موقع پر قسمیں کھانا اسلوب عرب میں عام تھا۔ ذَاتِ الصَّدْعِ۔ زمین جو بیج نکلتے وقت شق ہو جاتی ہے، اُس کی طرف اشارہ ہے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس طرح بارش آسمان سے آتی ہے، اور عمدہ زمین کو فیضیاب کرتی ہے، اس طرح قرآن مجید بھی آسمان ہی سے اُترا ہے، اور جس سینہ میں قبول کی قابلیت ہوگی، اسے مالامال کر دے گا۔ ف۵ (جیسا کہ یہ احمق فرض کر رہے ہیں) ف۶ (اور نہ ان کی مخالفت سے گھبرایئے، اور نہ اُن کے جلد ہی معذب ہونے کی کوشش کیجئے) اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا۔ یعنی یہ حق کی مخالفت میں ہر طرح کا زور لگا رہے اور ساری ہی چالیں چل رہے ہیں۔ وَاَكِيْدُ كَيْدًا۔ یعنی اُدھر سے خدائی تدبیریں اُن کے انتقام و عقوبت کی ہو رہی ہیں۔ کید پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ حق تعالیٰ کی جانب منسوب ہو کر جب یہ لفظ آتا ہے، تو مراد ہوتی ہے معاندین کی چالوں کو اُلٹ دینے سے۔

ایاتها ۱۹ ۸۷ سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ ۸ رکوعها ۱

اس کی اُنیس آیتیں ہیں سورۂ اعلیٰ مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ﴿۱﴾ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ﴿۲﴾

آپ تسبیح کیجئے اپنے عالی شان پروردگار کے نام کی، جس نے خلق کیا، پھر ٹھیک ٹھیک بنایا ف۱

وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِىْۤ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۙ﴿۴﴾ فَجَعَلَهٗ

اور جس نے انداز دیا پھر راہ بتلائی ف۲ اور جس نے چارہ (زمین سے) نکالا، پھر اُسے

غُثَآءً اَحْوٰى ؕ﴿۵﴾ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى ۙ﴿۶﴾ اِلَّا مَا شَآءَ

سیاہ کوڑا کر دیا ف۳ ہم آپ کو (قرآن) پڑھا دیا کریں گے پھر آپ (اُسے) نہ بھولیں گے ہاں البتہ اللہ ہی جو کچھ

اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ؕ﴿۷﴾ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۚ﴿۸﴾

(بھلا دینا) چاہے ف۴ وہ ہر ظاہر اور ہر مخفی کو جانتا ہے ف۵ اور ہم اس آسان (شریعت) کے لئے آپ کو سہولت ف۶ دے دیں گے،

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ؕ﴿۹﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۙ﴿۱۰﴾

سو آپ نصیحت کرتے رہیے اگر نصیحت کرنا مفید ہوتا ہو ف۷ نصیحت مانتا وہی ہے جو خشیت رکھتا ہے،

وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۙ﴿۱۱﴾ الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۚ﴿۱۲﴾

اور اس سے گریز وہ کرتا ہے جو سخت بدنصیب ہے، جو (آخر) بڑی آگ میں پڑے گا،

ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ؕ﴿۱۳﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ﴿۱۴﴾

پھر اُس میں نہ مر ہی جائے گا نہ جئے گا ف۸ بامراد ہوا وہ جو پاک ہو گیا،

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ؕ﴿۱۵﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ

اور اپنے پروردگار کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا ف۹ اصل یہ ہے کہ تم مقدم دنیوی زندگی کو

ف۱ کمالات الٰہی میں سے یہاں دو الگ الگ کمالات کا ذکر ہے۔ پہلا کمال عمل خلاقی کا، کہ ایک ایک معدوم کو موجود کر دیا۔ دوسرا کمال عمل صناعی کا، کہ ہر شے کو اس کے ہر ہر جزو میں بالکل ٹھیک اور ہر طرح کے تناسب و موزونیت کے ساتھ بنایا۔ سَبِّحِ...... الْاَعْلٰى۔ یہی وہ تسبیح ہے جو سجدۂ نماز کی حالت میں ساری اُمت کے لیے لازمی قرار دے دی گئی۔ ف۲ (ہر جاندار کو اُس کے مناسب اعمال اور ضروری اشیاء کی طرف) یعنی ہر ایک کی طبیعت میں اُن مناسب حال چیزوں کا تقاضا پیدا کر دیا۔ الَّذِیْ قَدَّرَ۔ یعنی مناسب ماحول ہر جاندار کے لیے انداز دے دیا۔ ف۳ پہلے مثالیں حیات حیوانی میں تصرفات کی بیان ہوئیں، اب حیات نباتی میں تصرفات کی بیان ہو رہی ہیں۔ وَالَّذِیْۤ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى۔ یہ چارہ کی سبز، خوشنما حالت کی طرف اشارہ ہے۔ ف۴ (اپنی کسی مصلحت سے، سو وہ اس پر بھی قادر ہے) بہر حال اس کلام کا یاد رکھانا ہو تو اور اس کے کسی جزو کو بھلا دینا ہو تو ہمیشہ وہی قرین حکمت و مطابق مصلحت ہی ہو گا۔ سَنُقْرِئُكَ۔ اشارہ قرآن مجید کی جانب ہے، جو طریق طاعت بتانے ہی کے لیے ہے۔ ف۵ (اور اُس سے کسی چیز کی کوئی بھی مصلحت مخفی نہیں) چنانچہ کسی کلام کا محفوظ رکھنا ہی جب مصلحت ہوتا ہے، حق تعالیٰ اُسے محفوظ رکھتا ہے اور جب اُسے بھلا دینا ہی مصلحت ہوتا ہے تو وہ اُسے بھلا بھی دیتا ہے۔ ف۶ (اور اُس کے تحت میں سہولت حفظ، سہولت فہم، سہولت عمل، سہولت تبلیغ، ہر قسم کی سہولتیں آگئیں) ف۷ (اور فی نفسہٖ تو وہ نصیحت مفید ہے ہی) فَذَكِّرْ۔ یعنی اسی تسبیح و تقدیس کی نصیحت کرتے رہیے۔ حاصل کلام یہ کہ آپ اپنی بھی تکمیل کیجئے۔ اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کیجئے۔ چیز فی نفسہٖ بھی ضروری اور ہم خود آپ کے معاون۔ ف۸ یعنی نہ اس معنٰی میں مرے گا کہ درد و اذیت کا احساس باطل ہو جائے، اور نہ جئے گا اس معنٰی میں کہ راحت و لذت کسی قسم کی بھی محسوس کر سکے۔ ف۹ یعنی عقائد و اعمال میں راہ طاعت پر قائم رہا۔ مَنْ تَزَكّٰى۔ یعنی جس نے اپنے کو قرآن اور رسول ﷺ کے ذریعہ سے، عقائد و اخلاق کی ساری خباثتوں سے پاک صاف کر لیا۔ قَدْ اَفْلَحَ۔ فلاح کا مفہوم دنیوی و اُخروی ساری کامیابیوں کا جامع ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ دو مختصر آیتیں اہل طریق کے اعمال مقصودہ کی جامع ہیں۔

الدُّنْيَا ۝١٦ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝١٧ اِنَّ هٰذَا لَفِي

رکھتے ہو، حالانکہ آخرت بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے ف۱۰ بے شک یہ (مضمون) اگلے

الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝١٨ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ۝١٩

صحیفوں میں ہی ہے (یعنی) ابراہیم اور موسٰی کے صحیفوں ف۱۱

ع ۱۹ / ۱۲

اٰیاتها ۲۶ | ۸۸ سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ ۶۸ | رکوعها ۱

اس کی چھبیس آیتیں ہیں، سورۃ الغاشیہ مکہ میں نازل ہوئی، اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝١ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ

آپ کو اُس محیط عام واقعہ کی بھی خبر پہنچی ہے؟ ف۱ (بہت سے) چہرے اُس روز

خَاشِعَةٌ ۝٢ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝٣ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝٤

ذلیل ہوں گے، مصیبت جھیلتے ہوں گے، خستہ ہوں گے، جلتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝٥ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ

کھولتے ہوئے چشمے سے اُنہیں پانی پلایا جائے گا، اُنہیں کوئی کھانا نہ ملے گا، بجز خاردار

ضَرِيْعٍ ۝٦ لَّا يُسْمِنُ وَ لَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝٧ وُجُوْهٌ

(درخت) کے، کہ نہ وہ فربہ کرے گا، اور نہ بھوک ہی رفع کرے گا ف۲ (بہت سے) چہرے

يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝٨ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝٩ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝١٠

اُس روز بارونق ہوں گے، اپنے کام کی بدولت خوش ہوں گے، بہشت بریں میں ہوں گے،

لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝١١ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝١٢ فِيْهَا سُرُرٌ

اُس میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے، اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے ف۳ اس میں اُونچے اُونچے تخت بھی

وقف لازم

ف۱۰ یہاں اہلِ طغیان کی غفلت کا اصل راز بتا دیا۔ اور اُن سے کہہ دیا کہ تم جو ہدایت یاب نہیں ہوتے، تو اس کی اصل بنیاد یہ ہے کہ آخرت کی تمہارے اندر کوئی طلب ہی نہیں، تم سارے عظیم الشان نظام کائنات کے چھوڑے ہوئے اپنی سطحیت وحمق سے اُس کے صرف ایک اقل قلیل جز و یعنی اسی ناسوتی، مادی زندگی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہو! ف۱۱ صحفِ موسٰی سے مراد حضرت موسٰی علیہ السلام پر نازل شدہ اصلی صحیفے ہیں۔ یعنی یہ جزاء وسزاء اُخروی کا مضمون کچھ آج کا نو پیدا نہیں، حضرات انبیاء کے ذریعہ سے جو تعلیمات الٰہی دنیا کو پہنچی ہیں، یہ اُس کا جز و ہمیشہ رہا ہے۔ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ۔ ابراہیمی نوشتے بھی آج اُسی طرح گم ہیں، جس طرح اور بہت سے انبیاء کے صحیفے — البتہ ۱۸۹۲ء میں، ام، آر جیمس نے یونانی زبان سے ایک قدیم ''صحیفۂ ابراہیمی'' کا ترجمہ کیمبرج سے شائع کیا تھا، اور پھر اور بھی یورپی زبانوں میں اُس کے ایڈیشن نکلے تھے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ وَمُوْسٰى۔ صحف موسٰی سے مراد وہی اصل صحیفے ہو سکتے ہیں جو خود حضرت موسٰی پر نازل ہوئے تھے۔ موجودہ بائبل کے ابتدائی پانچ صحیفے انہیں صحف موسٰی کی محرف یادگاریں ہیں۔ ف۱ سورۃ کی ابتداء سوالیہ جملہ سے خطبات عرب کے عین اسلوب بیان کے مطابق ہے اس طرز خطاب سے مقصود سامعین کے دل میں مزید اشتیاق وجستجو پیدا کرنا، نیز موضوع خطاب کی اہمیت جتلانا ہے۔ الْغَاشِيَةِ۔ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ وہ دن صحیح معنٰی میں غاشیہ ہی ہوگا کہ اس کا اثر تمام عالم کو محیط ہوگا، اور کوئی چیز بھی اُس سے باہر نہ رہے گی۔ ف۲ (کہ یہی دو مقصد غذا کے ہو سکتے ہیں) لَيْسَ...... ضَرِيْعٍ۔ طعام کا حصر آیت میں حصر اضافی ہے۔ مقصود صرف ایسی غذاؤں کی نفی ہے، جو جز و بدن بن سکیں، کھانے کے لائق ہوں، معدہ وطبیعت کے لیے قابل قبول ہو کر بھوک کی تکلیف دُور کر سکیں۔ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ۔ لفظی معنٰی ہیں ''بڑے محنت اُٹھانے والے، بہت خستہ ہونے والے''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے اس کے معنٰی نساک اہل کتاب مروی ہیں، یعنی اہل کتاب میں سے بڑی بڑی ریاضتیں کرنے والے۔ هؤلاءِ النساک من اليهود و النصارٰى كما اخرجه ابن ابى حاتم عن ابن عباس (روح) اور انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے متعلق صحیح بخاری میں یہ مذکور ہے کہ آپ ان الفاظ سے نصارٰی مراد لیتے ہیں۔ و قال البخاری قال ابن عباس عاملة ناصبة النصارٰى (ابن کثیر) بعض نے وسعت دے کر کل اہلِ باطل واہلِ ضلال کے عابدوں اور مرتاضوں کو اس میں شامل کر لیا ہے۔ قال عطاء عن ابن عباس يعنى الذين عملوا و نصبوا فى الدنيا على غير دين الاسلام من عبدة الاوثان و كفار اهل الكتاب مثل الرهبان و غيرهم (ابن کثیر) قيل هم اصحاب الصوامع من اليهود والنصارٰى و عبدة الاوثان والمجوس والمعنى انها خشعت لله و عملت و نصبت فى اعمالهم من الصوم الدائب والتهجد الواصب (کبیر) و يشمل غيرهم مما شاكلهم من نُسّاک اهل الضلال (روح) والاٰية فى القسيسين و عباد الاوثان و كل مجتهد فى كفره (بحر) اگر مزید توسع سے کام لیا جائے تو آجکل کے بڑے بڑے صناع اور انجینئر اور دوسرے ماہرین فن، جو دن رات کامل آخرت فراموشی کے ساتھ، اپنی اپنی صنعتوں، حرفتوں اور ہنر مندیوں میں منہمک ومستغرق رہتے ہیں، سب اسی وعید کے تحت میں آجاتے ہیں۔ ف۳ لَا...... لَاغِيَةً۔ ماحول کے انتہائی خوشگوار ودلپذیر ہونے کا بیان ہے کہ اہل جنت کے کان میں بھنک تک کسی ایسی آواز کی نہ پڑے گی، جو طبعی یا عقلی یا کسی اور حیثیت سے گراں گزرے۔ عَيْنٌ۔ صورۃً مفرد ہے، معنٰی جمع ہے، یعنی اسم جنس۔

مَّرْفُوْعَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّ نَمَارِقُ

(بچھے ہوئے) ہیں، اور آبخورے ہیں سامنے چنے ہوئے، اور گدے ہیں

مَصْفُوْفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَّ زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿۱۶﴾ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى

برابر سے لگے ہوئے، اور قالین ہیں (سب طرف) پھیلے ہوئے ف۴ یہ لوگ کیا اُونٹ پر نظر نہیں

الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَ اِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾

کرتے کہ وہ کیسی (عجیب) طرح پیدا کیا گیا ہے، اور آسمان پر کہ کیسی (عجیب) طرح بلند کیا گیا ہے،

وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَ اِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ

اور پہاڑوں پر کہ کیسی (عجیب) طرح کھڑے کیے گئے ہیں، اور زمین پر کہ کیسی (عجیب) طرح

سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ

بچھائی گئی ہے؟ ف۵ تو آپ نصیحت کر دیا کیجیے، آپ تو صرف نصیحت ہی کرنے والے ہیں، آپ اُن پر کچھ

بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ

مسلط تو ہیں نہیں ف۶ ہاں البتہ جو روگردانی کرے گا اور کفر کرے گا، تو اللہ اُس کو بڑی ہی سزا

الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾

دے گا بے شک اُن کا آنا ہمارے ہی پاس ہو گا، پھر ہمارا ہی کام اُن سے حساب لینا ہو گا ف۷

ایاتھا ۳۰ ۸۹ سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۰ رکوعھا ۱

اس کی تیس آیتیں ہیں سورۃ الفجر مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ اِذَا

قسم ہے فجر کی، اور دس (متبرک) راتوں کی، اور جفت کی اور طاق کی، اور رات کی جب وہ

ف۴ غرض یہ کہ مادی سامان راحت ہر قسم کا اور انتہائی ترتیب وسلیقہ کے ساتھ چنا ہوا موجود ملے گا۔ ف۵ (اور وہ سب اس صنعت گری پر نظر کر کے قدرت الٰہی وصنعت الٰہی پر استدلال نہیں کرتے؟) الْاِبِل، السَّمَآء، الْجِبَال، الْاَرْض ان چار چیزوں کی تخصیص وتصریح اس لیے کہ مخاطب اوّل عرب تھے، اور عرب کا سابقہ انہیں چاروں سے ہر وقت رہتا تھا، صحرا میں پھرتے پھراتے رہتے تو ساتھ اونٹ ہوتے تھے، اور اطراف میں پہاڑ، اُوپر نظر اُٹھائی تو آسمان، نظر نیچی کی تو زمین — ان کے سامنے بحر او قیانوس اور دریائے گنگا کا نام لینے کے کوئی معنی ہی نہ تھے۔ آیت میں ضمناً یہ بھی آ گیا کہ نہ آسمان، نہ زمین، نہ پہاڑ، نہ جانور کوئی بھی شائبۂ معبودیت والوہیت اپنے اندر نہیں رکھتا۔ جیسا کہ مشرک قوموں نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ یہ سب تمام تر مصنوع ومخلوق ہیں، اور خود وجود صانع عالم پر ایک دلیل۔ الْاِبِل۔ اُونٹ کا وجود راجپوتانہ، سندھ، بلوچستان، صوبہ سرحدی، منگولیا مشرقی ترکستان، ایشیائے کوچک، عراق، شام، فلسطین، مصر، طرابلس، مراقش وغیرہ افریقہ اور ایشیاء کے اکثر علاقوں میں جیسی نعمت ہے، اور عرب کے سارے علاقوں میں جو غیر معمولی نعمت کی حیثیت رکھتا ہے، وہ ہر صاحب خبر پر روشن ہے۔ ف۶ (اس لیے آپ کو زیادہ فکر، تردد وتعب میں پڑنے کی ضرورت نہیں) ف۷ ایاب اور حساب۔ مراجعت اور حساب کتاب اور جزاء وسزا، سب کا تعلق صرف ذات باری سے ہے۔ نہ کوئی شافع مطلق ہے، نہ مختار کل — یہ ضرب مسیحی عقیدۂ شفاعت مطلق پر تو کھلی ہوئی ہے، اور ضمناً دوسرے اہل باطل پر بھی۔

يَسْرِ ﴿۴﴾ هَلْ فِىْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِىْ حِجْرٍ ﴿۵﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ

چلنے لگے ف۱ یقیناً اس میں قسم ہے صاحب فہم کے لئے ف۲ کیا آپ کو خبر نہیں کہ آپ کے پروردگار نے کیا معاملہ

رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۷﴾ الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى

قوم عاد کے ساتھ کیا، یعنی قوم ارم ستون جیسے قد والی، جس کا مثل شہروں میں پیدا

الْبِلَادِ ﴿۸﴾ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۹﴾ وَفِرْعَوْنَ

نہیں کیا گیا ف۳ اور قوم ثمود کے ساتھ (کیا کیا) جو وادیوں میں پتھروں کو تراشتے تھے ف۴ اور فرعون

ذِى الْاَوْتَادِ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِى الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا

میخوں والے کے ساتھ (کیا کیا) ف۵ جن (سب) نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا، اور اُن میں بہت ابتری

الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ اِنَّ

پھیلا دی تھی، سو آپ کے پروردگار نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسایا ف۶ بے شک

رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ

آپ کا پروردگار تاک میں ہے ف۷ لیکن انسان! اُسے اُس کا پروردگار جب آزماتا ہے،

فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّىْٓ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّآ اِذَا

یعنی اُسے انعام اکرام دیتا ہے، تو کہتا ہے میرے پروردگار نے میری قدر بڑھا دی ف۸ اور جب وہ

مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّىْٓ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾

اُسے (اس طرح) آزماتا ہے کہ اُس کی روزی اُس پر تنگ کر دیتا ہے، تو کہتا ہے میرے پروردگار نے مجھے بے قدر کر دیا ف۹

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ

یہ بات نہیں ف۱۰ اصل یہ ہے کہ تم لوگ یتیم کی قدر نہیں کرتے ہو، اور دوسروں کو بھی مسکین کے کھانا دینے کی

الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ

ترغیب نہیں دیتے ہو، اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو، اور مال سے بہت

ف۱ یعنی گزرتی ہوئی رات کی۔ گویا یہ لفظ ٹھیک فجر کے مقابلہ میں ہے۔ وَلَيَالٍ عَشْرٍ۔ ذی الحجہ کی پہلی دس تاریخیں مراد ہیں، جن کی بڑی فضیلتیں احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ۔ اپنے عموم اطلاق کے لحاظ سے یہ دو لفظ حاوی ہیں دنیا کے ہر زوج اور ہر فرد پر۔ اور اس طرح کائنات کی ساری ہی اشیاء ان کے تحت میں آجاتی ہیں۔ وَالشَّفْعِ۔ ذی الحجہ کی متبرک دسویں تاریخ مراد لی گئی ہے۔ جسے یوم منٰی بھی کہتے ہیں۔ معابعد حج منٰی میں قیام اور باقی شعائر حج کی ادائی کی تاریخ ہوتی ہے۔ وَالْوَتْرِ۔ ذی الحجہ کی متبرک ترین نویں تاریخ مراد لی گئی ہے۔ جو عین یوم الحج اور عرفات میں حاضری کی تاریخ ہوتی ہے۔ ف۲ یعنی اوپر جو قسمیں مذکور ہوئیں، ان میں سے ہر قسم اہل فہم کے لئے تاکید کلام ہی کا پہلو رکھتی ہے۔ هَلْ۔ یہاں استفہامی نہیں، تاکید مفہوم کے لئے ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی جو ابھی مذکور ہو چکا۔ اے فی ما ذکرت (معالم) ذِىْ حِجْرٍ۔ صیغہ کی تنکیر سے مفہوم یہ نکلا کہ ہر شخص جس میں کچھ بھی فہم ہے وہ ایسی قسموں کو معظم سمجھے گا۔ ف۳ (زور قوت، قد و قامت کے لحاظ سے) بِعَادٍ۔ قوم عاد پر حاشیہ سورۃ الاعراف (پ۸) میں گزر چکا۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ۔ قوم عاد سے مراد عاد اولیٰ ہے اور ارم اسی کے شجرۂ نسب میں کوئی بڑا شخص ہوا ہے، جس کی جانب وہ قوم منسوب تھی۔ وهم ولد عادبن ارم بن عوص بن سام بن نوح (ابن کثیر) تسمية لهم باسم جدّهم (کشاف) هواسم لجدّ عاد (کبیر) ارم نسبة لهم باسم جدّهم (بحر) الَّتِىْ۔ یعنی وہ قوم یا قبیلہ۔ اے تلک القبيلة (معالم) المراد من السياق انما هوالاخبار عن القبيلة (ابن کثیر) اِرَمَ ...... الْبِلَادِ۔ بعض اہل تفسیر نے (اللہ انہیں معاف فرمائے) ارم کے معنٰی بہشت کے لے کر اور اسے کوئی شہر قرار دے کر بہشت شداد کے قصے عجائب کی تفصیلات کے ساتھ نقل کر دیئے ہیں۔ محققین کا فیصلہ ہے کہ یہ ساری حکایتیں سرتاسر لغو و موضوع ہیں۔ فان هٰذا كله من خرافات الاسرائيليين من وضع بعض زنادقهم ليختبروا بذالک القول الجهلة من الناس ان تصدقهم فى جميع ذٰلک (ابن کثیر) وخبر شداد المذكور افوه فى الضعف بل لم تصح روايته كما ذكره الحافظ بن حجر فهو موضوع كخبرابن قلابة (روح) ف۴ قوم ثمود جو اپنے زمانہ میں سنگ تراشی، تعمیر عمارات اور انجینئری میں ممتاز تھی، اس پر حاشیے سورۃ الاعراف (پ۸) میں گزر چکے۔ ف۵ فرعون پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ ذِى الْاَوْتَادِ۔ محاورۂ عرب میں اس سے مراد صاحب شوکت و حشمت ہونے سے ہوتی ہے۔ اے ذى الملک والرجال (کبیر) پھر بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ سزا و عذاب کا ایک طریقہ فرعون کے ہاں یہ بھی رائج تھا، کہ مجرم کو زمین پر لٹا کر اس کے ہاتھوں پیروں میں میخیں ٹھونک دی جاتی تھیں۔ ذِى الْاَوْتَادِ کے لفظ سے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا۔ علت، کفر سب میں مشترک تھا، اسی طرح معلول، عذاب بھی سب میں مشترک رہا۔ ف۶ ان تینوں قوموں کا تعلق مختلف ملکوں اور سرزمینوں سے تھا۔ تاریخی زمانے بھی ان کے الگ الگ ہوئے ہیں۔ جو شے ان سب میں مشترک تھی، وہ ان کی توحید بیزاری اور آخرت فراموشی تھی۔ لازماً عذاب میں بھی تینوں شریک رہے۔ الْفَسَادَ۔ فساد عربی میں صلاح کی ضد ہے، اور فسق و معصیت کی ہر قسم کو شامل۔ الفساد ضد الصلاح فكما ان الصلاح يتناول جميع اقسام البر فالفساد يتناول جميع اقسام الاثم (کبیر) الفساد خروج الشىء عن الاعتدال قليلًا كان الخروج عنه اوكثيرا ويضاده الصلاح (راغب) صَبَّ۔ سَوْطَ عَذَابٍ۔ عذاب کو 'تازیانہ' سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اور اس کے نازل کرنے کو برسانے سے۔ ان استعاروں سے شدت عذاب کا اظہار ہے۔ قال اهل المعانى هٰذا على الاستعارة لان السوط استعارة عن هم غاية العذاب يجرى ذٰلک لكل نوع من العذاب (معالم) ف۷ (چنانچہ اگلے سرکشوں کو تو وہ ہلاک ہی کر چکا ہے، اور موجودین کی طرف سے بھی غافل نہیں ہے) ف۸ ناشکرے انسان کا بھی عجب حال ہوتا ہے۔ جب حق تعالیٰ کی طرف سے اسے جاہ، مال وغیرہ کسی قسم کا بھی اکرام و اعزاز عطا ہوتا ہے، تو مقصود اس سے اس کی شکر گزاری کا امتحان ہوتا ہے، لیکن وہ اپنی حماقت سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ جو کچھ مجھے حاصل ہوا ہے، میری ذاتی قابلیت کا قدرتی ثمرہ ہے، اور میں تو مستحق ہی اسی اکرام و اعزاز کا تھا۔ گویا مقصود بالذات اسی دنیا کو سمجھتا، اور اس کی فراخی کو دلیل اپنی کامیابی کی قرار دیتا ہے۔ الْاِنْسَانُ۔ انسان سے مراد کافر، منکر و مکذب انسان ہے۔ المراد كل من كان موصوفا بهٰذا الوصف وهوالكافر الجاحد ليوم الجزآء (کبیر) ف۹ ناشکرے انسان پر جب مال کی تنگی کر دی جاتی ہے تو مقصود اس سے اس کے صبر و تسلیم کا امتحان ہوتا ہے لیکن وہ ہر طرف شکایت و حکایت کا دفتر کھولے پھرتا ہے، اور دنیا کی کمی کو اپنی محرومی اور بدنصیبی پر محمول کرتا ہے۔ ف۱۰ کافر انسان کے یہ سارے خیالات موہوم اور مزعومات باطل ہیں۔ نہ دنیا مقصود بالذات ہے، نہ خوشحالی اترانے کی چیز اور نہ بدحالی دلیل بدنصیبی ہے۔ مقصود تو ہر حال میں انسان کے ظرف کا امتحان ہی رہتا ہے۔

وا (اور حب مال کے اسی غلو سے مغلوب ہو کر خالق و مخلوق کے حقوق اور شریعت کے قائم کئے ہوئے حدود، سب بھول جاتے ہو) لَا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ۔ یتیم بیچارہ تو اس کا مستحق ہوتا ہے کہ اس کا اعزاز و اکرام کیا جائے، تم الٹا اسے حقیر و ذلیل سمجھتے ہو۔ اس کے حقوق غصب کرتے ہو، اس کا مال تک کھا جاتے ہو۔ وَلَا ...... الْمِسْكِيْنِ۔ مفلسوں کے حقوق تو شریعت الٰہی نے یہ قائم کر دیئے ہیں کہ انہیں خود کھلاؤ، اور دوسروں کو ان کے کھلانے پلانے پر آمادہ کرتے رہو۔ تم خود تو کیا کھلاتے پلاتے، دوسروں کو بھی اس پر آمادہ نہیں کرتے! وَتَاْكُلُوْنَ ...... لَمًّا۔ یعنی دوسروں کے حقوق تلف و غصب کر لینے میں کیسے دلیر و بیباک ہو۔ وَتُحِبُّوْنَ ...... جَمًّا۔ مال کی نفس محبت تو ایک امر طبعی ہے۔ البتہ اس محبت میں غلو، جس سے دوسروں کی حق تلفی کی نوبت آجائے، سرتاسر ممنوع ہے۔ اور قرآن مجید میں بار بار گرفت اسی پر آئی ہے۔ و۱۲ یعنی اب شہود حقائق کے وقت سمجھ آئی بھی تو کیا، اس کا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کام کی بات تو جب تھی، جب اُس دار الجزاء میں نہیں، اسی دار العمل میں سمجھ درست ہو گئی ہوتی! اِذَا ...... دَكًّا۔ یعنی زمین کی بلندیوں کو توڑ پھوڑ کر ساری سطح ایک کر دی جائے گی۔ وَجَآءَ رَبُّكَ۔ حق تعالیٰ کے تشریف لے آنے سے مراد حشر میں کسی ایسی تجلی کا ظہور ہے، جو اس وقت نا قابل فہم ہے

الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾

ہی زیادہ محبت رکھتے ہو وا۱ یہ بات ہرگز نہیں (کہ عذاب نہ ہوگا) جس وقت زمین کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا،

وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ

اور آپ کا پروردگار اور فرشتے آئیں گے، اور جہنم کو اُس روز

بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾

لایا جائے گا اُس روز انسان کو سمجھ آئے گی اور اب سمجھ آنے کا موقع کہاں رہا و۱۲

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ

اور کہے گا کہ کاش! میں اپنی زندگی کے لئے کوئی عمل پہلے بھیج چکا ہوتا و۱۳ غرض اُس روز نہ تو اللہ کے عذاب کی طرح کوئی

عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾ يٰٓاَيَّتُهَا

عذاب دینے والا نکلے گا، اور نہ اُس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا نکلے گا و۱۴ اے

النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً

اطمینان والی روح، تو اپنے پروردگار کی طرف چل، خوش ہوتی ہوئی

مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾

اور خوش کرتی ہوئی، پھر تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا، اور میری جنت میں جا داخل ہو، و۱۵

ع ۱۴

اٰیاتها ۲۰ ۹۰ سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ۳۵ رکوعها ۱

اس کی بیس آیتیں ہیں سورۃ البلد مکہ نازل ہوئی، اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿١﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿٢﴾

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی، اور آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے وا

— اور اسی لئے آیت کا شمار متشابہات میں ہے۔ بعض اکابر سے یہ بھی نقل ہوا ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور تقدیر کلام یوں ہے۔ وَجَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ یعنی حق تعالیٰ کے احکام یا فیصلوں کا ظہور ہونے لگے گا۔ قال الحسن جاء امره وقضاءه وقال الکلبی ینزل حکمه (معالم) ای جاء امر ربک بالمحاسبة والمجازاة (کبیر) قیل الکلام علی حذف المضاف للتهویل ای وجاء امر ربک وقضاءه سبحانه (روح) وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ۔ یعنی دوزخ میدانِ حشر میں کھینچ کر لے آئی جائے گی۔ الْاِنْسَانُ۔ یہاں بھی انسان سے مراد کافر انسان ہے۔ و۱۳ یہ الفاظ زبان پر کمال حسرت و یاس کے عالم میں آئیں گے۔ لِحَيَاتِيْ۔ خوب خیال کر لیا جائے، یہاں حیات اخروی کو مطلق حیات سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور ہے بھی یہی واقعہ۔ حیات کا اطلاق تو بس اسی حیات پر صحیح ہو سکتا ہے، جس کے بعد موت کی کوئی صورت ہی نہ ہو۔ و۱۴ یعنی وہ سزا اور جزاء ایسی سخت ہوگی کہ اس کی کوئی نظیر و مثال نہیں۔ آیت کے الفاظ عرف انسانی کے مطابق ہیں۔ ہم لوگ آپس میں یونہی بولتے ہیں کہ کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ و۱۵ یہ بشارت ہر مومن کو عین اس وقت ملے گی، جو وقت اس مادی جسم سے انقطاع روح کا ہوگا۔ قال ابن زید وجماعة ان ذلک القول عندالموت (روح) اس وقت اس صدائے بشارت کی جو اہمیت اور معنویت اور ضرورت ہوگی، اسے کوئی اچھا بھلا چنگا انسان، الفاظ کے ذریعہ سے، دوسرے زندہ سلامت تک کیونکر پہنچا دے! اس کی قدر، اور الفاظ کے ذریعہ سے نا قابل اظہار قدر تو عین اسی وقت ہوگی — اب یہ کیا بتایا جائے کہ یہ صدائے جاں نواز کس کی ہوگی! عِبٰدِيْ اور جَنَّتِيْ دونوں میں یائے متکلم کے بعد کسی تصریح کی ضرورت ہی کب باقی رہ جاتی ہے؟ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔ خطاب اس روح سے ہوگا، جسے حقانیت اسلام پر ایقان و اذعان ہوگا، اور کسی طرح کا شک ہوگا نہ انکار۔ اور انشاء اللہ اس کا مصداق ہر مومن کی روح ہوگی۔ اصطلاح صوفیہ میں نفوس مطمئنہ وہ نفوس مقدس ہیں، جو رضائے الٰہی اور احکام شرعیہ میں ایسے مطمئن ہو گئے ہیں کہ مخالفت کیا معنی، کراہت و گرانی کا بھی وہم باقی نہیں رہا ہے۔ اور ایسے نفوس حضرات انبیاء کے علاوہ، اولیاء کاملین کے بھی ہوتے ہیں۔ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ۔ یعنی اے روح مطمئن، اپنے پروردگار کے جوار رحمت کی طرف چل۔ ای الی محل عنایته تعالیٰ وموقف کرامته (روح) ای الی جواره وثوابه (ابن کثیر) رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ یعنی اس حالت میں چل کہ اللہ تجھ سے خوش ہو اور تو اللہ سے خوش۔ فِيْ عِبٰدِيْ۔ مرتبہ عبدیت کی افضلیت بالکل اس لفظ سے ظاہر ہے، عارفین محققین نے کہا ہے کہ مرتبۂ عبودیت مراتب عالی کا آخرترین اور اعلیٰ ترین مقام ہے، اس لئے کہ اس میں داخلہ کا حکم مقام اطمینان کے بعد ہو رہا ہے۔ جَنَّتِيْ۔ ضمیر واحد متکلم شرف و اختصاص کے لئے ہے۔ قرآن مجید کی جو آیتیں ہر عاصی مایوس کے لئے آخری سہارا اور تن مردہ کے لئے حیات بخش ہیں۔ ان میں سورۃ الفجر کی یہ چار مختصر آیتیں بھی ہیں۔ ہر صاحب دل کے لئے وجد آفریں — اے اللہ تو اس نامۂ سیاہ راقم تفسیر کو بھی آخری وقت اسی صدائے دلنواز سے مشرف کر، اور اس کے ہر عزیز قریب، مخلص و متوسل کو بھی، بلکہ ہر کلمہ گو کو! وا شہر سے مراد شہر مکہ ہے، جہاں ان آیات کے نزول کے وقت تک رسول اللہ ﷺ مقیم تھے۔ لَآ اُقْسِمُ۔ اس ترکیب الفاظ پر حاشیہ پہلے گذر چکا، اقسام قرآنی کے لئے ملاحظہ ہو پ۱۴ کا ضمیمہ۔ وَاَنْتَ ...... الْبَلَدِ۔ یہ پیشگوئی بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ اور آپ ﷺ کے رسول برحق ہونے پر خود ایک مستقل دلیل — مکہ کی اس مجبوری، محصوری مظلومی کی زندگی میں کوئی بشر خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ ﷺ بھی کبھی جہاد و قتال (اور وہ بھی فاتحانہ) کا اعلان کر سکیں گے۔ مسیحی مؤرخ سر ولیم میور نے کہا ہے کہ سورت کا اصل موضوع، یعنی خیر و شر کے دو راہے کا اعلان، پیمبر ﷺ کی ایماندارانہ جستجوئے حق کا ثبوت ہے — ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

ف۲ وَالِدٍ۔ سے مراد ہر باپ بھی ہوسکتا ہے، اور سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام بھی۔ اسی طرح مَاوَلَدَ سے مراد فرداً فرداً ہر بیٹا بھی ہوسکتا ہے، اور پوری نسل آدم بھی۔ وقال مجاهد وابو صالح وقتادة والضحاک وسفیان الثوری و سعید بن جبیر والسدی والحسن البصری وخصیف وشرجیل بن سعد وغیرهم یعنی بالوالد ادم وماولد ولده وهذا الذی ذهب الیه مجاهد واصحابه (ابن کثیر) واختار ابن جریر انه عام فی کل والد وولده وهو محتمل ایضًا (ابن کثیر) ف۳ (جس کا مقتضا یہ تھا کہ اس میں احساس عجز ودرماندگی اور زیادہ پیدا ہوتا رہتا) مراد یہ ہے کہ انسان کی ساخت وترکیب ہی ایسی رکھ دی گئی ہے کہ اسے ساری عمر دقتوں کا، اور کسی نہ کسی اعتبار سے مصیبتوں ہی کا سامنا رہے۔ آج دوکان ٹوٹ گئی، کل کاروبار بیٹھ گیا۔ آج فلاں دشمن ستا رہا ہے۔ کل فلاں مرض نے آدبایا، کبھی خود بیمار، کبھی بیوی بچہ بیمار، کبھی اس عزیز کی موت کا صدمہ، کبھی اس دوست کی بیوفائی کا رنج۔ ساری عمر غم وصدمات ہی کے الٹ پھیر میں گزر جاتی ہے۔ اور انسان کو اپنے عجز وبے بسی کا مشاہدہ قدم قدم پر ہوتا رہتا ہے۔ اس سے طبیعت میں قدرۃً شکستگی پیدا ہونی چاہئے، اور خودی وخود بینی کو تو پاس بھی نہ پھٹکنا چاہئے۔ لیکن کافران سارے واقعات سے مطلق سبق نہیں لیتا۔ مومن کو تو ہر شے میں حکمت الٰہی کی جھلک نظر آجاتی ہے، اور وہ ربوبیت مطلقہ پر اعتماد واطمینان رکھ لیتا ہے۔ لیکن کافر کو دماغی الجھن اور قلبی ادھیڑ بن سے کسی حال میں مفر نہیں۔ اور نہ اس کی حرص وہوس کی آگ کبھی بجھتی ہے۔

وَّ وَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ﴿۴﴾

اور قسم ہے باپ کی اور اولاد کی ف۲ کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت کے لئے پیدا کیا ہے ف۳

اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ﴿۵﴾ یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ

کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہ چلے گا؟ ف۴ کہتا ہے کہ میں نے اتنا ایک مال

مَالًا لُّبَدًا ﴿۶﴾ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۷﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ

اُڑا ڈالا، کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اُسے کسی نے دیکھا نہیں؟ ف۵ کیا ہم نے نہیں بنائیں

لَّهٗ عَیْنَیْنِ ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ ﴿۹﴾ وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ﴿۱۰﴾

اس کے لئے دو آنکھیں، اور ایک زبان اور دو ہونٹ؟ ف۶ اور ہم ہی نے اُسے دونوں راستے بتلا دیئے ف۷

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ

مگر وہ (شخص) گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا ف۸ اور آپ سمجھے کہ گھاٹی کیا ہے؟ وہ گردن کا

رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ یَّتِیْمًا

چھڑانا ہے، یا کھانا کھلانا ہے فاقہ کے دن میں کسی رشتہ دار

ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ

یتیم کو یا کسی خاک نشین محتاج کو ف۹ اور تو اور، یہ اُن لوگوں میں سے نہ ہوا

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾

جو ایمان لائے اور (جنہوں نے) ایک دوسرے کو ثبات کی فہمائش کی اور ایک دوسرے کو ترحم کی فہمائش کی تھی ف۱۰

اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا

یہی لوگ داہنے والے ہیں ف۱۱ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے

هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَیْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

تو وہ لوگ بائیں والے ہیں، اُن پر بند کی ہوئی آگ محیط ہو گی ف۱۲

ع ۱۵

فِیْ كَبَدٍ۔ فی کا مفہوم اس سیاق میں اردو ''کے لئے'' ہی سے ادا ہوسکتا ہے۔ فی یہاں لِ کے معنی میں ہے۔ وحرف فی واللام متقاربان بان تقول انما انت للعناء والنصب وانما انت فی العناء والنصب (کبیر) الْاِنْسَانَ۔ انسان سے یہاں بھی مراد کافر، ناشکرا انسان ہے جسے زندگی کے کسی پہلو میں بھی چین نہیں۔ ف۴ یعنی وہ اتنی غفلت اور بھول میں پڑ گیا ہے کہ اپنے کو گویا اللہ کے حدود قدرت سے بھی خارج سمجھنے لگا ہے۔ ف۵ کیا وہ غافل وسرکش انسان اس بھول میں پڑا ہوا ہے کہ اس کی یہ مسرفانہ نافرمانیاں ایک ایک کر کے دیکھی نہیں جا رہی ہیں، اور رتی رتی کا حساب کیا اسے دینا نہ ہوگا؟ یَقُوْلُ۔ یعنی یہ وہ بڑے فخر اور شیخی کے ساتھ کہتا ہے۔ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا۔ ڈھیروں مال کا یہ اڑا ڈالنا یا لٹا ڈالنا ظاہر ہے کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیتوں ہی میں ہوا۔ لَمْ یَرَهٗۤ۔ لم یہاں لن کے معنی میں ہے۔ تحقق وقوع کے اظہار کے لئے۔ ولم بمعنی لن ویعبر بها لتحقق الوقوع (روح) ف۶ (اور ان ساری نعمتوں کا مقتضا کیا یہ نہ تھا کہ وہ طاعت وشکر گزاری میں لگ جاتا؟) آنکھیں انسان کے لئے خارج کے محسوسات ومدرکات کے باب میں سب سے بڑی نعمت ہیں، اور زبان اور ہونٹ مافی الضمیر کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ شاید اسی لئے یہی تین نعمتیں نام کی صراحت کے ساتھ یہاں بیان ہوئیں۔ ف۷ (کہ خیر وہدایت کا راستہ چلنے کے لئے ہے، اور شر وخلاف کا بچنے کے لئے) ف۸ (باوجود ان سارے مقتضیات کے) الْعَقَبَةَ۔ لفظی معنی پہاڑ کی گھاٹی کے ہیں۔ العقبة طریق وعر فی الجبل (راغب) یہاں مراد دین کی گھاٹی ہے۔ اور دین کے کاموں کو گھاٹی اس لئے کہا گیا کہ وہ بھی نفس پر شاق گزرتے ہیں۔ ضمیر فاعلی برابر کافر انسان کی طرف چل رہی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دین کو گھاٹی سے تشبیہ دینے سے ترغیب مجاہدہ کی نکلتی ہے۔ ف۹ قرآن مجید نے اپنے لائے ہوئے لفظ الْعَقَبَةُ کی یہ خود تفسیر کر دی یعنی دین کے کاموں سے مراد اس قسم کے کام ہیں:۔ غلاموں کو آزاد کرنا، قحط وگرانی کے زمانہ میں بھوکوں کو کھانا کھلانا، یتیموں کی خدمت کرنا، محتاجوں کی خبر لینا۔۔۔ مکی سورتیں اس قسم کے اخلاقی احکام کی تاکید وتفصیل سے بھری پڑی ہے۔ مَسْغَبَةٍ۔ سغب کے معنی میں، اور مقربۃ قرابت کے معنی میں اور مَتْرَبَةٍ فقر کے معنی میں، تینوں، مصدر میمی ہیں۔ ف۱۰ ثُمَّ یہاں تعظیم مرتبہ کے لئے ہے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) یعنی وہ پہلی فضیلتیں تو یہ بدبخت کافر کیا حاصل کرتا، اس سے اتنا بھی نہ ہوا کہ یہ ایمان تو لے آتا اور اقل مرتبہ صبر ورحمت ہی کی تلقین وتبلیغ کرتا۔ فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ آیت سے فضیلت تین چیزوں کی نکلی۔ ایک ایمان لانے کی، دوسرے اس پر ثابت رہنے کی، تیسرے ترک ظلم کی۔ پوری آیت کا عطف فقرۂ منفی یعنی فلا اقتحم العقبة پر ہے۔ عطف علی المنفی اعنی اقتحم فکانه قیل فلا اقتحم ولا امن (روح) وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ تمام حقوق اللہ کی ادائی کا جامع ہے، جس طرح تواصوا بالمرحمة تمام حقوق العباد کی ادائی کا جامع۔ وذکر امرا تواصوا بالصبر اشارة الی تعظیم امر اللہ و تواصوا بالمرحمة اشارة الی شفقة علی خلق اللہ وهما اصلان علیهما مدار الطاعة (روح) ومدار امر الطاعات لیس الا علی هذین الاصلین وهو الذی قال بعض المحققین ان الاصل فی التصوف امران صدق مع الحق وخلق مع الخلق (کبیر) ف۱۱ یعنی نیک بخت، خوش نصیب، اہل ایمان اور نجات پا جانے والے ۔۔۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر ابھی متصل آیت میں آچکا۔ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ۔ پر حاشیے پ۲۹ میں گزر چکے۔ ف۱۲ داہنے ہاتھ والوں کے مقابلہ میں یہ بائیں ہاتھ والے بدبخت ومنحوس کافر اور اہل جہنم ہوں گے ۔۔۔ اصحاب الشمال پر حاشیہ پ۲۹ میں گزر چکا۔ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا۔ یہ لوگ ایمان تک نہ لائے کفر ہی میں مبتلا رہے۔ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ۔ کافروں کو جہنم سے نکلنا تو نصیب ہوگا نہیں، اس لئے دوزخ کے دروازے بھی ان پر ہر طرف سے بند کر دیئے جائیں گے۔ آیت کے ان الفاظ سے صاف اشارہ خلود عذاب جہنم کی طرف نکل رہا ہے۔ قال مقاتل یعنی ابوابها مطبقة فلا یفتح لهم باب ولا یخرج منها ولا یدخل فیها روح ابد الآباد (کبیر)

ایاتها ۱۵ ۔ ۹۱ سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ ۲۶ ۔ رکوعها ۱

اس کی پندرہ آیتیں ہیں ۔ سورۃ الشمس مکہ میں نازل ہوئی ۔ اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ﴿۱﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ﴿۲﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا

قسم ہے آفتاب اور اُس کی روشنی کی، اور چاند کی جب وہ آفتاب کے پیچھے آئے ف۱ اور دن کی جب وہ

جَلّٰىهَا ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ﴿۴﴾ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ﴿۵﴾

آفتاب کو خوب روشن کردے، اور رات کی جب وہ آفتاب کو چھپالے ف۲ اور آسمان کی اور اس کی جس نے اُسے بنایا،

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ﴿۶﴾ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا

اور زمین کی اور اُس کی جس نے اسے بچھایا اور جان کی اور اس کی جس نے اُسے درست بنایا ف۳ پھر اُس کی بدکرداری

فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿۸﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ وَقَدْ

اور اس کی پرہیزگاری (دونوں) کا اُسے القاء کیا ف۴ کہ وہ یقیناً بامراد ہو گیا جس نے اپنی جان کو پاک کرلیا اور وہ یقیناً

خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿۱۰﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾

نامراد ہوا جس نے اُس کو دبا دیا ف۵ قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر تکذیب کی،

اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ

جب کہ اس (قوم) کا سب سے بڑا بدبخت اُٹھ کھڑا ہوا ف۶ اور اُن لوگوں سے اللہ کے رسول نے کہا کہ اللہ کی

اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ

اونٹنی اور اس کے پانی پینے سے خبردار رہنا ف۷ پر انہوں نے پیمبر ہی کو جھٹلایا اور اس اونٹنی کو مار ڈالا تو اُن کے پروردگار نے ان پر

رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾ ع

اُن کے گناہ کے سبب ہلاکت نازل کی، پھر اُسے عام کردیا، اور اس کے اخیر (نتیجہ) سے اُسے کوئی اندیشہ نہیں پیدا ہوا ف۸

ف۱ یعنی غروب آفتاب کے بعد طلوع ہو۔ ضُحٰىهَا۔ اس میں اشارہ ہے سورج کے کمال نور کی طرف۔ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا۔ اس فقرہ میں اشارہ ہے چاند کے کمال نور کی جانب — جن راتوں میں چاند سورج ڈوبتے ہی طلوع ہو جاتا ہے۔ وہی راتیں اس کے کمال عروج کی ہوتی ہیں۔ ف۲ یعنی اس کی روشنی کا کچھ اثر نہ باقی رہ جائے۔ جَلّٰىهَا۔ يَغْشٰىهَا۔ دونوں میں ضمیر ھا آفتاب یا الشَّمْس کی جانب ہے۔ ف۳ شکل، ترکیب اعضاء وغیرہ ہر اعتبار سے۔ وَمَا بَنٰىهَا۔ وَمَا طَحٰىهَا۔ وَمَا سَوّٰىهَا۔ ما تینوں مقاموں پر من کے مرادف ہے، اور اس کے لانے سے مقصود کمال عظمت کا اظہار ہے۔ السَّمَآء۔ الْاَرْض، نَفْس۔ تینوں کا ذکر جن الفاظ میں آیا ہے، اس نے یہ بھی صاف کردیا کہ آسمان اور زمین اور جان، یہ سب مخلوق و مصنوع ہی ہیں۔ کوئی بھی ان میں سے معبود یا نیم معبود نہیں۔ نَفْس۔ صیغۂ نکرہ۔ بطور اسم جنس، اظہار کثرت کے لئے ہے۔ والتنكير للتكثير (روح) اى نفوس (جلالين)

ف۴ (تکوینی اور تخلیقی اعتبار سے) یعنی قلب میں جو نیکی کا رجحان ہے یا بدی کا میلان ہوتا ہے، دونوں کا خالق اللہ ہی ہے۔ گو القاء اول الذکر میں واسطہ فرشتہ ہوتا ہے اور القاء ثانی الذکر میں واسطہ شیطان ہوتا ہے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اس میں تردید آگئی اس مسیحی عقیدہ کی کہ ہر انسان فطرۃً گنہگار ہی بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ فَاَلْهَمَهَا۔ ف تعقیب کے لئے ہے۔ مراد یہ ہے کہ انسان کی جب مادی و جسمانی ترکیب مکمل ہولی تو اسے فطرت اخلاقی عطا ہوئی۔ ف۵ (فسق و فجور سے) آیت میں اسی الہام فطری کی تشریح ہے۔ یعنی انسان کی طبیعت میں یہ القاء کردیا گیا کہ نجات و فلاح اس کے لئے ہے، جس نے نفس کو راہ فجور سے پاک کرکے طریق طاعت و تقوی اختیار کرلیا۔ اور عقاب دنیا بھی اس کے لئے ہے، جس نے اپنے کو فجور سے مغلوب ہو جانے دیا۔ دوسرے لفظوں میں نجات و عقاب دونوں کی کوشش انسان کے اپنے اختیار کی چیز ہے۔ اس میں تردید ہوگئی ہندو اور بدھ عقیدہ کی کہ ہر عمل انسانی پچھلے جنم کے ''کرم'' کا ناگزیر نتیجہ ہوتا ہے، اور اس طرح انسان اس سے جکڑا ہوا ہے۔ ف۶ (مخالفت رسول اور قتل ناقہ پر) قوم ثمود، پیمبر صالح علیہ السلام۔ ناقۂ صالح، سب پر حاشیے سورۃ الاعراف (پ۸) میں گزر چکے۔ ف۷ یعنی اسے قتل نہ کرنا اور پانی پینے سے نہ روکنا۔ نَاقَةَ اللّٰهِ۔ یعنی اونٹنی جو اللہ کی طرف سے ایک دلیل نبوت کا کام دے رہی ہے۔ ف۸ یعنی جیسا کہ بعض دنیوی ملوک و سلاطین کو بعض وقت سزا دینے میں طرح طرح کے مفسدوں کے اندیشے ہوتے ہیں، اس احکم الحاکمین کو کسی طرح کی بھی خرابی یا ابتری کا اندیشہ نہ ہوا۔ اس میں تردید آگئی اس مسیحی اور مشرکانہ عقیدہ کی کہ خدا کو بھی اپنے افعال پر کبھی ندامت اور پچھتاوا ہوتا ہے۔ فَسَوّٰىهَا۔ یعنی سزائے ہلاکت کو ساری قوم پر عام کردیا۔

ایاتها ۲۱ ۹۲ سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ ۹ رکوعها ۱

اس کی اکیس آیتیں ہیں سورۂ لیل مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ

قسم ہے رات کی جب وہ ڈھانپ لے، اور دن کی جب وہ روشن ہو جائے، اور اس کی جس نے

الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ۙ﴿۳﴾ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۭ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنْ

نر اور مادہ کو پیدا کیا ف۱ کہ بے شک تمہاری کوششیں مختلف ہیں ف۲ سو جس نے

اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۶﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ

دیا اور (اللہ سے) ڈرا اور اچھی بات کو سچا سمجھا، سو ہم اس کے لئے راحت کی چیز

لِلْيُسْرٰى ۭ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ

آسان کر دیں گے ف۳ اور جس نے بخل کیا، اور بے پروائی برتی اور اچھی بات کو

بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۭ﴿۱۰﴾ وَمَا يُغْنِيْ

جھٹلایا، سو ہم اس کے لئے مصیبت کی چیز آسان کر دیں گے ف۴ اور اس کا مال

عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۭ﴿۱۱﴾ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿۱۲﴾ وَاِنَّ

اس کے کچھ کام نہ آئے گا جب وہ برباد ہونے لگے گا ف۵ بے شک ہمارے ہی ذمہ راہ بتانا ہے، اور بے شک

لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾

ہمارے قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا بھی ف۶ تو میں تو تم لوگوں کو ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں

لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۙ﴿۱۵﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۭ﴿۱۶﴾

اس میں وہی بدبخت داخل ہو گا جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی، ف۷

ف۱ یعنی حق تعالیٰ نے۔ اِذَا یَغْشٰی یعنی رات جب دن کو اور آفتاب کی روشنی کو ڈھانپ لے۔ آیت نے اس پہلو کو روشن کر دیا کہ رات اور دن، اندھیرا اور اجالا، نر اور مادہ، غرض کائنات کے سارے اضداد کی خالق وہی ایک ذات ہے۔ وَمَا۔ ما یہاں من کے مرادف ہے۔ وما بمعنی من (جلالین) ف۲ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح رات اور دن، تاریکی اور روشنی، نر اور مادہ باہم مختلف آثار رکھتے ہیں انسان کی جدوجہد بھی جو صدورِ اعمال میں ہوتی رہتی ہے، اپنے آثار وثمرات کے لحاظ سے الگ الگ حیثیت رکھتی ہے۔ ف۳ یعنی جنت تک اسے آسانی سے پہنچا دیں گے۔ اسے ایسی توفیق دیں گے کہ راہ کی مشکلات وہ آسانی سے طے کرتا چلا جائے گا۔ مَنْ اَعْطٰی۔ یعنی جس نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا۔ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی۔ یعنی دین اسلام کی تصدیق کی۔ الحسنٰی۔ سے مراد دین اسلام ہی ہے۔ ای بالملۃ الحسنٰی وھی ملۃ الاسلام (روح) ای بالکلمۃ الحسنٰی وھی کما قال ابو عبدالرحمٰن السلمی وغیرہ و روی ذٰلک عن عبداللہ بن عباس لا الٰہ الا اللہ (روح) لِلْيُسْرٰى۔ الیسرٰی سے مراد جنت ہے، جہاں ہر طرح اور ہر طرف سہولتیں اور راحتیں ہی ہوں گی۔ ف۴ یعنی ایسے منکر معاند کو دوزخ ہی کا راستہ آسان معلوم ہونے لگے گا۔ مَنْۢ بَخِلَ۔ یعنی جس نے مَنْ اَعْطٰی کے مقابلہ میں ادائے حقوق واجب میں بخل سے کام لیا۔ وَاسْتَغْنٰى۔ یعنی جس نے مَنِ اتَّقٰی کے مقابلہ میں اللہ کی طرف سے بے پروائی کی راہ اختیار کی، اور اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لِلْعُسْرٰى۔ العسرٰی سے مراد دوزخ ہے، جہاں ہر طرح اور ہر طرف سختیاں ہی سختیاں ہوں گی۔ ف۵ یعنی جب وہ واصلِ جہنم ہونے لگے گا، تو اسے خود مشاہدہ ہو جائے گا کہ مال و دولت جس پر اسے اتنا غرہ تھا اس کے کچھ بھی کام نہیں آ رہا ہے۔ ف۶ یعنی دونوں میں ہماری ہی حکومت ہے، چنانچہ دنیا میں ہم نے احکام مقرر کر دیئے۔ اور آخرت میں انہیں کی مخالفت یا موافقت پر ثمرات کا ظہور ہوگا۔ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى۔ یعنی خیر و شر، نجات و عقاب دونوں کے راستوں کو کھول کر بتلا دینا ہمارے ذمہ تھا چنانچہ اسے ہم نے خوب واضح کر دیا۔ ف۷ یہاں یہ صاف صاف بتلا دیا کہ جہنم اصل ٹھکانا صرف کافروں منکروں ہی کا ہے — مومن عاصی کا قیام اگر اس میں ہوگا بھی تو محض عارضی وہنگامی۔ ومعنی لا یصلٰھا لا یلزمھا فی حقیقۃ اللغۃ یقال صلے الکافر النار اذا لزمھا مقاسیا شدتھا وحرّھا وعندنا ان ھٰذہ الملازمۃ لا تثبت الا للکافر اما الفاسق فاما ان لا یدخلھا او ان دخلھا تخلص منھا (کبیر) وھو لا یدخلھا للخلود فیھا (مدارک)

و۸ (گناہوں سے) اس میں اشارہ ہے کہ متقی مخلص کا مقصود صرفِ مال سے صرف اللہ کی رضاجوئی ہی رہتی ہے۔ و۹ (ان نعمتوں سے جو اسے جنت میں حاصل ہوں گی) حدیث صحیح میں آیا ہے کہ یہ بشارت جب نازل ہوئی، تو حضور ﷺ نے دوسری بڑی بشارت اپنی زبان مبارک سے دی، یعنی یہ فرمایا کہ میں تو اسی وقت خوش و مطمئن ہوں گا، جب میری امت میں سے ایک فرد بھی دوزخ میں نہ رہ جائے۔ مفسرین نے کہا ہے کہ آیت سے اشارۂ خصوصی صدیق امت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جانب ہے، جس طرح کہ اس سے قبل کی آیتوں میں اس کے مقابل الاشقی سے اشارۂ خصوصی ابوجہل کی طرف ہے۔ وَلَسَوْفَ۔ ل تاکید مضمون کے لئے ہے۔ واللام الداخلة على سوف لام الابتداء المؤكدة لمضمون الجملة (مدارک) آیت سے مومن متقی کے کمال اخلاص کا اظہار منظور ہے۔ کسی کے احسان کا بدلہ اتارنا بھی کوئی امر قبیح نہیں، بلکہ یہ تو بجائے خود ایک فضیلت کی چیز ہے۔ لیکن یہ مزید شرف و فضل مومن متقی کا ہے کہ وہ اپنے خرچ میں بجز حق تعالیٰ کی رضاجوئی کے کوئی دوسرا مقصد شریک نہیں ہونے دیتا۔ و۱ یعنی دن کی خوب پھیلی ہوئی روشنی اور رات کی خوب گہری تاریکی، دونوں اس حقیقت پر جو ابھی آگے آرہی ہے، زبان حال سے شہادت دے رہی ہیں۔ سَجٰی کے

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾

اور اس سے پرہیزگار دور ہی رکھا جائے گا، جو اپنا مال اس لئے دیتا ہے کہ پاک صاف ہو جائے و۸

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ

اور اس کے اوپر کسی کا احسان نہیں کہ وہ اس کا بدلہ اتارے، بلکہ وہ صرف اپنے عالیشان

وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾

پروردگار کی رضاجوئی کے لئے کرتا ہے، اور وہ عنقریب یقیناً خوش ہو جائے گا و۹

آیاتها ۱۱ | ۹۳ سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ ۱۱ | رکوعها ۱

اس کی گیارہ آیتیں ہیں | سورۃ الضحیٰ مکہ میں نازل ہوئی | اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالضُّحٰى ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ

قسم ہے دن کی روشنی کی، اور رات کی جب وہ قرار پکڑے و۱ کہ آپ کے پروردگار نے آپ کو نہ چھوڑا ہے

وَمَا قَلٰى ﴿۳﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿۴﴾

اور نہ آپ سے بیزار ہوا ہے و۲ اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے (بدرجہا) بہتر ہے و۳

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا

اور عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو اتنا عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے و۴ کیا اللہ نے آپ کو یتیم نہیں پایا

فَاٰوٰى ﴿۶﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۷﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا

پھر (آپ کو) ٹھکانا دے دیا، اور آپ کو بے خبر پایا، سو راستہ بتا دیا، اور آپ کو نادار پایا

فَاَغْنٰى ﴿۸﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿۹﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ

تو مالدار بنا دیا و۵ تو آپ بھی یتیم پر سختی نہ کیجئے اور سائل کو

دو مفہوم ہیں۔ ایک یہ کہ رات کی تاریکی خوب گہری ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ اس میں ہر جاندار کی آوازیں چلنے پھرنے، بولنے چالنے کی ساکن ہو جائیں۔ و۲ (بلکہ آپ ﷺ تو پہلے ہی موردِ الطاف تھے، اور آئندہ بھی موردِ الطاف ہی رہیں گے) ۱۳ء قبل ہجرت میں ایسا ہوا کہ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہونے لگی، تو اس کے کچھ ہی روز بعد، کسی حکمت و مصلحت سے سلسلۂ نزول موقوف رہا، اس پر معاندوں کو طرح طرح کی حاشیہ آرائی کا موقع مل گیا۔ آیت کا مضمون انہیں بداندیشوں کے جواب میں ہے۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ۔ حق تعالیٰ اپنے کسی پیمبر کو بھی نہیں چھوڑ دیتا، تو بھلا آپ ﷺ کو کیا چھوڑ دے گا۔ آیت سے ضمناً مسیحیوں کے اس عقیدہ کی بھی تردید نکل آئی کہ خدا اپنے پیمبروں کو بھی کبھی چھوڑ دیتا ہے، یہاں تک کہ اپنے "محبوب اکلوتے فرزند" کو بھی۔ "اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا، ایلی، ایلی، لما سبقتنی یعنی اے میرے خدا، اے میرے خدا، تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا"۔ (متی۔ ۲۶:۴۶) نیز مرقس (۱۵:۳۴) و۳ یعنی وہاں آپ کو نعمتیں اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ملیں گی۔ اٰخرۃ کے لفظی معنی لے کر ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے۔ "آپ ﷺ کی پچھلی حالت پہلی حالت سے بہتر رہے گی"۔ مراد یہ ہوگی کہ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر دور اپنے دورِ ماقبل سے بہتر ہی ہوگا۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی ہر لاحق حالت سابق حالت سے افضل و اکمل تھی۔ و۴ بشارت اور وعدۂ الٰہی کا تعلق آخرت اور دنیا دونوں سے ہو سکتا ہے۔ و۵ (سو جو بندہ ماضی میں اتنے التفات و اکرام کا مورد رہ چکا ہے، اس کا مستقبل تو اور زیادہ روشن و شاندار ہو کر رہتا ہے) اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى۔ یعنی دنیا میں جب آپ لائے گئے، تو ہر طرح کیسی بے سروسامانی، اور اسباب ظاہری سے کس درجہ محرومی تھی، اس کے باوجود بھی اس نے کس کس طرح آپ ﷺ کو ہر طرح مطمئن کر دیا، اور ہر طرح کا سامان اطمینان آپ ﷺ کے لئے بہم پہنچا دیا! وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۔ آپ ﷺ ابتداءً و اصلاً اصول و ارکان شریعت سے بیگانہ محض تھے، پھر اسی نے تو آپ ﷺ کو دین و شریعت کا پورا پورا علم دے دیا۔ ضَآلًّا۔ ضال کے معنی حیران و سرگرداں کے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ دولت رسالت سے تو بعد کو مشرف ہوئے ہیں۔ اپنی قوم کی اصلاح کی فکر اور تڑپ آپ ﷺ کو بہت قبل سے تھی، اور اسی دھن میں آپ ﷺ برابر لگے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے وحی کی راہ آپ ﷺ پر کھول دی۔ اور سارے حقائق دین آپ ﷺ پر منکشف کر دیئے۔ سو ضال آپ ﷺ کو آپ کی زندگی کے دور قبل نبوت کے اعتبار سے فرمایا، جب آپ ﷺ راہِ فلاح و اصلاح کے لئے بے چین تھے۔ ای غیر مهتد لما سبق الیک من النبوة (راغب) ای غیر عالم ولا واقف علی معالم النبوة واحکام الشریعة وماطریقة السمع (مدارک) ای غافلا عن الشرائع التی لاتهتدی الیها العقول وعلی هذا کما قال الواحدی اکثر المفسرین وهو اختیار الزجاج (روح) فَهَدٰى۔ چنانچہ اس نے آپ ﷺ کو دین و شریعت کا پورا علم دے دیا، اور اصلاح و ہدایت کے دقائق و حقائق آپ کو بجھا دیئے۔ ای فعرفک الشرائع والقرآن (مدارک) مفسر ابوحیان غرناطی علیہ رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اس آیت کی ترکیب پر غور کر رہا ہوں تو میرے ذہن میں آیا کہ یہاں مضاف رهط محذوف ہے جیسا کہ وسئل القریة میں اهل محذوف ہے۔ ولقد رأیت فی النوم انی افکر فی هذه الجملة فاقول علی الفور ووجدک ای وجد رهطک ضالا فهداه بک ثم اقول علی حذف مضاف نحو وسئل القریة (بحر) وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى۔ آپ ﷺ تو مادی و معاشی اعتبار سے بھی شروع شروع بڑے صاحب احتیاج تھے، پھر اسی کے فضل و کرم نے کس کس طرح آپ ﷺ کی کفالت و دستگیری فرمائی۔

ف۶ یعنی ان نعمتوں کا شکریہ قولی و فعلی ہر طرح ادا کرتے رہیے۔ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ۔ عرب جاہلیت میں یتیم بیچارے کی کوئی قدر نہ تھی، اور وہ کسی عزت یا جائداد کا حقدار نہ تھا۔ وکذا کانت العرب تفعل فی امر الیتامی تاخذ اموالھم وتظلمھم حقوقھم (معالم) اور تنہا عرب ہی نہیں، بہت سی جاہلی تہذیبوں کا یہی حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو ہدایت ہو رہی ہے کہ آپ ﷺ بھی اپنی یتیمی کو یاد کر لیا کیجئے۔ اور اس غریب مخلوق یعنی یتیم کے ساتھ ہر طرح کا حسن سلوک و مدارات برتا کیجئے۔ یہ آیت ماقبل کی آیت اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى کے مقابلہ پر ہے۔ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ جاہلی تہذیبیں ایسی بکثرت گزری ہیں، جن میں محتاج سائل کا کوئی حق کسی قسم کا تسلیم ہی نہیں کیا گیا تھا آپ ﷺ کو تعلیم مل رہی ہے کہ خود اپنی حاجت مندی کے زمانہ کو یاد کر لیا کیجئے۔ اور کسی صاحب احتیاج سائل کو جھڑکنا الگ رہا، اس سے بحسن مدارات پیش آتے رہیے۔ یہ آیت وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى کے مقابل ہے۔ آیت سے یہ فقہی استنباط کہ سائل کو کسی حال میں بھی جھڑکنا نہ چاہیے، شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ اسے محض سوال کرنے پر بے شک جھڑکنا نہ چاہئے۔ بلکہ انکار کی صورت میں صرف نرم الفاظ میں معذرت کر دینی چاہیے۔ لیکن سائل اگر پیچھا نہ چھوڑے، اور اپنی بات پر اڑا رہے، جس سے انقباض و تکدر پیدا ہونا امر طبعی ہے، تو اسے جھڑک دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ تم النھی علی النھر علی ماقالوا اذالم یلح فی السوال فان الح ولم ینفع الرداللین فلا باس بالزجر (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ جب کبھی اپنے کمالات کا اظہار کرتے ہیں تو مقصود ادائے شکر ہوتا ہے، نہ کہ عجب وریاء۔

فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾ ع

مت جھڑکئے، اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا تذکرہ بھی کرتے رہا کیجئے ف۶

ع ۱ / ۱۸

اٰیاتھا ۸ ۹۴ سُوْرَةُ الْاِنْشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ ۱۲ رکوعھا ۱

اس کی آٹھ آیتیں ہیں سورۂ الم نشرح مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا ہے ف۱ اور ہم نے آپ پر سے وہ آپ کا بوجھ اتار دیا

الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ فَاِنَّ

جس نے آپ کی پشت توڑ رکھی تھی ف۲ اور آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کر دیا ف۳ سو

مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۶﴾ فَاِذَا

مشکلات کے ساتھ آسانی ہونے والی ہے، بے شک مشکلات کے ساتھ آسانی ہونے والی ہے ف۴ تو جب

فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾ ع

آپ فارغ ہو جایا کیجئے، ریاضت کیا کیجئے ف۵ اور اپنے پروردگار ہی کی طرف توجہ رکھیے ف۶

ع ۱ / ۱۹

اٰیاتھا ۸ ۹۵ سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ ۲۸ رکوعھا ۱

اس کی آٹھ آیتیں ہیں سورۃ التین مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَ التِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ ﴿۱﴾ وَ طُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴿۲﴾ وَ هٰذَا الْبَلَدِ

قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طور سیناء کی اور اس امن والے

ف۱ (اور اسے معارف و حقائق سے بھر نہیں دیا؟) شرح صدر وہ مقام ہے جو حضرت موسٰی علیہ السلام کو طلب و آرزو کے بعد عنایت ہوا تھا۔ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ (طٰہٰ) المراد من شرح الصدر ما یرجع الی المعرفة والطاعة (کبیر) وشرح الصدر تنویرہ بالحکمة وتوسیعه لتلقی مایوحی الیه قاله الجمهور (بحر) صوفیۂ محققین کے ہاں شرح صدر بڑی دولت ہے۔ ف۲ وزر کے اصل معنی صرف بوجھ یا بار کے ہیں۔ الوزر الثقل (راغب) سو اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسا ایسا عظیم الشان بار آپ ﷺ پر تھا، جس سے آپ ﷺ اتنا گرانبار ہو رہے تھے، اور قرآن کہتا ہے کہ وہ آپ سے دور کر دیا گیا؟ وہ بار صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ قبل نبوت اپنی قوم کی حالت پر تاسف و حسرت اور ان کی فلاح و اصلاح کی فکر۔ اس کا توڑ تو یوں ہوا کہ آپ ﷺ پر راہ ہدایت پوری تفصیلات کے ساتھ واضح کر دی گئی، اور آپ ﷺ کے سپرد خلق کی رہنمائی کر دی گئی۔ بعد نبوت سب سے بڑی فکر آپ ﷺ کو تبلیغ احکام اور اس کے نتائج کی رہی۔ قرآن مجید نے اس غم سے بھی آپ ﷺ کو یہ کہہ کر سبکدوش کر دیا کہ آپ ﷺ پر کسی کے ایمان لانے نہ لانے کی کوئی ذمہ داری نہیں لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ اور وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى اور لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین وغیرھا۔ وزر کے معنی گناہ کے بھی کئے گئے ہیں۔ یعبر بذلک عن الاثم (راغب) اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ ہم نے آپ ﷺ سے گناہوں کو دور رکھا ہے، جن کی فکر آپ ﷺ کو کھائے جاتی تھی۔ ف۳ (چنانچہ کلمۂ شہادت میں، اذان میں، اقامت میں، تشہد میں، خالق کے نام کے ساتھ ساتھ اگر مخلوق میں سے کسی کا نام آتا ہے تو وہ آپ ﷺ ہی کا) رَفَعْنَا ضمیر متکلم قابل غور ہے — یہ آپ ﷺ کا آوازہ تو ہم نے بلند کر رکھا ہے۔ نہ کسی کی مخالفت چلنے پائی، نہ کسی معاند کی کوئی تدبیر کارگر ہونے پائی۔ لک۔ ل تخصیص کا ہے۔ یعنی ایسی رفعت آپ ہی کے لئے ہے، کوئی اس میں آپ ﷺ کا شریک نہیں۔ رفع ذکر۔ (آوازۂ بلند) کی ایک فرد یہ بھی ہے کہ منکرین و معاندین میں جو چوٹی کے سردار و اکابر ہیں، ان تک کو آپ ﷺ کی عظمت و جلالت کا اعتراف ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ ف۴ (اور اس پر یقین و اعتماد رکھیے کہ عناد و مخالفت کے یہ سارے بادل چھٹ کر رہیں گے اور مظفر و منصور آپ ہی ہوں گے) آیت کی تکرار، وعدہ کی تاکید کے لئے ہے، تاکہ مسلمانوں کے دل بڑھے ہوئے رہیں، اور ان پر امید کا پہلو غالب رہے۔ کررہ لتاکید الوعد وتعظیم الرجاء (معالم) ف۵ یعنی کثرت عبادات و مجاہدات میں مشغول رہا کیجئے کہ آپ کی شان کے یہی مناسب ہے۔ فَاِذَا فَرَغْتَ۔ یعنی جب آپ ﷺ اپنے منصب و مرتبہ کے فرائض یا تبلیغ احکام رسالت سے فرصت پائیے۔ ف۶ (بلا واسطۂ مخلوق، اور براہ راست) عبادت اور بہترین عبادت کے حکم میں تو آپ کی مشغولی تبلیغ و اصلاح خلق بھی داخل تھی، لیکن بہرحال اس میں ایک واسطہ مخلوق کا رہتا تھا، آیت میں حکم یہ مل رہا ہے کہ اس نوعیت کی عبادت کے علاوہ براہ راست توجہ الی الحق بھی رکھیے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ جب ارشاد و افادہ سے فارغ ہو جائے تو چاہیے کہ خلوت میں ذکر و مناجات میں لگ جائے، اور اپنے کو مجاہدہ سے مستغنی نہ سمجھے۔

ف۱ یعنی مکہ معظمہ کی۔ طُوْرِ سِيْنِيْنَ۔ جزیرہ نمائے سینا کا وہ پہاڑ ہے، جہاں حضرت موسٰی علیہ السلام کو قانون شریعت ملا تھا۔ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ۔ انجیر وزیتون دونوں کے درخت شام اور اس کے اطراف میں کثرت سے پائے جاتے تھے۔ اور ان کے پھل منافع سے لبریز ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ سے اشارہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو۔ اور طُوْرِ سِيْنِيْنَ سے شریعت موسوی کی طرف اور زیتون سے مواعظ مسیحی کی جانب (حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنا مشہور وعظ کوہ زیتون ہی پر ارشاد فرمایا تھا) اور انجیر سے بعض علماء عصر کا خیال ہے کہ ہندوستان کے گوتم بدھ کی طرف اشارہ (بشرط اثباتِ نبوت) نکل سکتا ہے۔ ف۲ نظام عام تکوینی کی فکر واہتمام، یا ان چاروں نظامات تشریعی کی حفاظت وانتظام کی ذمہ داری خود اس کی دلیل ہے کہ انسان کی آفرینش یوں ہی الکل پچو نہیں کردی گئی ہے، بلکہ یہ انتہائی حکمتوں اور صناعیوں کا مجموعہ ہے۔ الْاِنْسَانَ۔ مراد جنس انسان ہے۔ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔ تقویم کے معنٰی تعدیل وتحقیف کے ہیں۔ وتقويم الشيء تثقيفه (راغب) بہترین ساخت وترکیب کے عموم میں صورت ومعنٰی دونوں شامل ہیں۔ ہیئت ونقشہ اور حواس اور مظہریت صفات حق سب اس کے اندر آگئے۔ ذٰلك اشارة الى ماخص به الانسان من بين الحيوان من العقل و الفهم وانتصاب القامة الدالة على استيلائه على كل ما في هٰذا العالم (راغب) آیت نے ضمناً اس مسیحی عقیدہ کی تردید بھی کردی کہ انسان خلقۃً ایک گنہگار مخلوق ہے۔ ف۳ (اگر وہ اپنے قویٰ کا صحیح استعمال نہیں کرتا) یہ پستی تمامتر روحانی، اخلاقی ودینی اعتبار سے ہوتی ہے۔ ف۴ یعنی انسان اپنا بہترین قوام قائم رکھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ قانون الٰہی پر چلتا رہے۔ ف۵ یعنی اللہ کی قدرت کے اتنے شواہد دیکھ کر بھی اے ناشکر گزار اور کافر انسان، تو آخر کس دلیل سے یوم جزاء کا منکر ہو رہا ہے؟ ف۶ یعنی ایسی موٹی بات بھی تیری سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ تو ہر تصرف پر قادر ہے۔ اور وہی سب حاکموں کے اوپر حاکم ہے، تو وہ آخری عدالت برپا کئے، اور ہر ہر جزئی کا آخری صحیح وصادق فیصلہ کئے بغیر کیسے رہ سکتا ہے؟ یوم الحساب کا وقوع تو حق تعالٰی کے حاکم اعلٰی ہونے کا عین قدرتی نتیجہ ہی ہونا چاہیے۔ مَا یعنی کون سا سبب؟ اے فما سبب تكذيب بالجزاء (مدارک) ف۱ (اس قرآن کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اب نازل ہونا شروع ہوا ہے) سورۂ اقرأ کی یہ ابتدائی پانچ آیتیں سب سے پہلی وحی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جب قریب چالیس کے پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ خلوت پسند ہوگئی اور شہر مکہ سے متصل ایک پہاڑی حرا نامی کے غار میں آپ اکثر جا کر معتکف رہنے لگے۔ جیسا کہ مرتاض زاہدوں کا اکثر معمول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ودیانت، آپ کا تقوٰی واخلاص، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن خلق پہلے ہی سے قوم میں مسلّم تھا۔ ایک شب میں کہ وہ رمضان ۱۳ ق۔ ھ (جولائی ۶۱۰ء) کی کوئی تاریخ تھی کہ دفعۃً فرشتۂ اعظم حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نمودار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اِقْرَاْ یعنی پڑھیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ مَا اَنَا بِقَارِئٍ میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ اس پر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سے لپٹایا اور بھینچا، اور پھر اسی طرح مکالمہ ومعانقہ کا اعادہ ہوا۔ گویا بار وحی کے اٹھانے کے لئے جن قوتوں کی ضرورت ہے وہ ملکوتی واسطہ سے بشری جسم میں پوری طرح سرایت کر دی گئیں۔ اور تیسری بار کی تکرار کے بعد پوری پانچ آیتیں اِقْرَاْ سے لے کر مَا لَمْ یَعْلَمْ تک فرشتۂ اعظم نے پڑھ کر رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنادیں۔ ہیبتِ وحی سے خصوصاً جب کہ اس کا بالکل پہلا تجربہ تھا، تاثر اور خوف ورعشہ بالکل طبعی تھا (اسی اضطراری جسمانی کیفیت کو بعض بے دانشوں نے عظمتِ رسول کے منافی سمجھا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر آکر رفیقِ زندگی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ماجرا بیان فرمایا۔ انہوں نے تسلی دی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مشورہ سے ورقہ بن نوفل کے پاس گئے جو اس وقت کے عابد وزاہد موحد مسیحی تھے۔ اور ان کے بیان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایقان کو تقویت مزید پہنچی، جیسا بعض دفعہ استاد کامل کو اپنے ایک شاگرد کے تائیدی بیان سے ہو جاتی ہے۔ اِقْرَاْ۔ لفظ قرأت مطلق پڑھنے کے معنٰی میں بھی آتا ہے اور تحریر کے پڑھنے کے معنٰی میں بھی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حرف ناشناس ہونے کی بناء پر قرأت سے معذرت کرنا بھی بالکل صحیح تھا۔ رَبِّكَ۔ رب کا لفظ لانے میں اشارہ ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال تربیت کریں گے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلٰی سے اعلٰی مرتبہ تک پہنچائیں گے۔ ف۲ الَّذِيْ خَلَقَ یہاں یہ یاد دلا دیا کہ ربوبیت مطلق وہی کر رہا ہے جو ساری کائنات کا خالق بھی ہے ـــ جو سب کو محض اپنی قدرت سے نیستی سے ہستی میں لے آیا ہے۔ خَلَقَ...... عَلَقٍ۔ اور پھر انسان کو یاد دلا دیا ہے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے ـــ ساری مخلوق کی خلقت کے بعد انسان کا نام تصریح لینا نعمت عامہ کے بعد نعمت خاصہ پر توجہ دلاتا ہے۔ الَّذِيْ خَلَقَ۔ کے بعد كُلَّ شيء محذوف ہے۔ تقديره خلق كل شيء فيتاول كل مخلوق (مدارک) ف۳ یعنی جس نے پڑھے لکھے ہوؤں کے لیے تعلیم کا واسطہ قلم کو بنایا۔ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ۔ وہ جس نعمت سے جسے چاہے سرفراز کرے، چنانچہ آپ کو اس نے خاص ترین نعمت سے نوازا۔ اِقْرَاْ۔ ابھی اوپر آچکا تھا، اب دوبارہ تاکید مضمون کے لیے لایا گیا۔ ف۴ نوع بشر کو ماضی وحال میں جو کچھ بھی معلوم ہوا ہے، یا آئندہ جو کچھ بھی معلوم ہوسکے گا، یہ سب اگر فیضان الٰہی کا پرتو نہیں تو اور کیا ہے؟ انسان کو اپنے جن جن علوم وفنون، معارف وصنائع پر ناز ہے، یہ سب اگر حق تعالٰی ہی کے سکھائے ہوئے، بتائے ہوئے، سمجھائے ہوئے نہیں تو اور کیا ہیں؟ قرآن مجید نے یہاں اسی گہری حقیقت کو یاد دلایا ہے۔ الْاِنْسَانَ۔ انسان سے مراد جنس انسانی ہے۔ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ سے مراد بعض نے وہ قواعد علمی لئے ہیں، جن سے ہر مجہول معلوم بن سکتا ہے۔ اور بعض نے وہ اسرار وعلوم نبوت مراد لئے ہیں، جن کے لئے عقل وحواس بشری کافی نہ تھے صرف حق تعالٰی نے انہیں رسول پر وحی کر کے سارے انسانوں تک پہنچا دیئے۔ ف۵ یہاں یہ بتایا کہ انسان کے حدِ عبودیت سے نکل جانے اور سرکشی اور طغیان کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے کو اپنے خالق کی طرف سے بے نیاز سمجھنے لگتا ہے۔ كَلَّا۔ ہمیشہ تردید ہی کے

الْاَمِيْنِ ۙ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۡ﴿۴﴾

شہر کی ف۱ کہ ہم نے انسان کو بہترین انداز کے ساتھ پیدا کیا ہے ف۲

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

پھر ہم اُسے پستوں سے بھی پست کر دیتے ہیں ف۳ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ؕ﴿۶﴾ فَمَا يُكَذِّبُكَ

نیک عمل بھی کئے تو اُن کے لئے اجر غیر منقطع ہے ف۴ تو کون سی چیز تجھ سے جزاء کی تکذیب

بَعْدُ بِالدِّيْنِ ؕ﴿۷﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸﴾

کرا رہی ہے؟ ف۵ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟ ف۶

ع ۸ ۲۰

اٰیاتھا ۱۹ ۹۶ سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ ۱ رکوعھا ۱

اس کی انیس آیتیں ہیں سورۃ العلق مکہ نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ

آپ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ ف۱ جس نے (سب کو) پیدا کیا ہے، جس نے انسان کو خون کے

مِنْ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِيْ عَلَّمَ

لوتھڑے سے پیدا کیا ہے ف۲ آپ (قرآن) پڑھا کیجئے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ سے

بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ؕ﴿۵﴾ كَلَّاۤ اِنَّ

تعلیم دی ہے ف۳ (جس نے) انسان کو اُن چیزوں کی تعلیم دے دی جنہیں وہ نہیں جانتے تھے ف۴ ہاں ہاں بے شک

الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى ۙ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰى

انسان حد سے نکل جاتا ہے اس بناء پر کہ اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے ف۵ تیری واپسی

معنی میں نہیں، بلکہ کبھی زور و تاکید کے موقع پر "یقیناً" کے معنی میں بھی آتا ہے۔ وقدجاء بمعنی حقًا (ابوالبقاء) و۶ (تو اے مخاطب تو اس پروردگار سے مستغنی کیسے رہ سکتا ہے؟) قلب میں انابت وشکستگی پیدا کرنے کا اس سے زیادہ مؤثر کوئی طریقہ نہیں کہ استحضار اپنے اسی انجام وعاقبت کا ہوتا رہے۔ و۷ (اور وہ روکنے والا نماز اور عبادت کو مبغوض رکھتا ہے) عَبْدًا۔ بندۂ خاص سے اشارہ رسول اللہ ﷺ کی جانب ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اور روکنے والے سے مراد ابوجہل سے لی گئی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی مقتضائے شرعی ہی سے کسی کو نماز سے روکا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ اس وعید میں نہیں آتا۔ و۸ (تو اے عبادت سے روکنا کس درجہ اپنی شقاوت وخباثت کا ثبوت دینا ہے) اِنْ...... بِالتَّقْوٰى۔ یعنی وہ بندہ، کمالات لازمی ومتعدی کا جامع ہو۔ و۹ (تو اس کی یہ روک تھام کس درجہ شقاوت وخباثت پر دال ہوگی!) اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى۔ کذب کا تعلق اعتقاد سے ہے۔ اور تولّی کا عمل سے ---یعنی عقیدہ وعمل دونوں کے اعتبار سے وہ ضال کامل ہو۔ و۱۰ چنانچہ اس کے اس طغیان کو بھی دیکھ رہا ہے، اور اس پر اسے پوری سزا بھی دے گا۔ و۱۱ ہر زبان کے اسلوب بیان الگ الگ ہوتے ہیں۔ جس طرح اردو محاورہ میں "سر پر غرور" "خرام ناز" وغیرہ چلے ہوئے ہیں عربی محاورہ میں پیشانی کو خطا آلود ودروغ آلود کہنے کا رواج ہے۔ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ۔ یہ پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹنا کنایہ ذلت وخواری سے ہے۔ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ۔ سے فقہاء مفسرین نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ توبہ ہر حال میں مقبول اور موجب دفع عذاب ہے۔ خَاطِئَةٍ۔ یعنی اپنے فہم اور اعمال میں خطا کار۔ و۱۲ (تو یہ مجرم اپنے دل کا حوصلہ

رَبِّكَ الرُّجْعٰى ﴿٨﴾ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ﴿٩﴾ عَبْدًا اِذَا

تیرے پروردگار ہی کی طرف ہوگی و۶ کیا اُس شخص کا حال تو نے دیکھا جو بندہ (خاص) کو روکتا ہے جب

صَلّٰى ﴿١٠﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ﴿١١﴾ اَوْ اَمَرَ

وہ نماز پڑھتا ہے و۷ کیا تو نے دیکھا کہ وہ بندہ اگر حق پر ہو یا وہ تقویٰ کی

بِالتَّقْوٰى ﴿١٢﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿١٣﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ

ہدایت کر رہا ہو و۸ کیا تو نے یہ دیکھا کہ وہ (دوسرا شخص) اگر جھٹلا رہا ہو اور روگردانی کرتا ہو؟ و۹ کیا اُسے خبر نہیں کہ

اللّٰهَ يَرٰى ﴿١٤﴾ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾

اللہ دیکھ رہا ہے و۱۰ ہاں ہاں، اگر یہ شخص باز نہ آیا تو ہم اُسے پیشانی (کے بل) پکڑ کر گھسیٹیں گے

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ

پیشانی (بھی کیسی؟) دروغ وخطا میں آلودہ و۱۱ اچھا تو یہ اپنے ہم جلسہ لوگوں کو بلالے ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو

الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿١٩﴾

بلاتے ہیں و۱۲ خبردار! آپ اس کا کہنا مانئے اور نماز پڑھتے رہئے اور قرب حاصل کرتے رہئے و۱۳

ایاتہا ۵ — ٩٧ سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ ٢٥ — رکوعہا ١

اس کی پانچ آیتیں ہیں — سورۃ القدر مکہ میں نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿١﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ

بے شک ہم نے اسے (قرآن کو) شب قدر میں اُتارا ہے و۱ اور آپ کو خبر ہے کہ شب قدر

الْقَدْرِ ﴿٢﴾ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ﴿٣﴾ تَنَزَّلُ

ہے کیا؟ و۲ شب قدر ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے و۳ اس رات

نکال دیکھے، اور معلوم کرلے کہ وہ کتنے پانی میں ہے) ابوجہل وغیرہ کو بڑا ناز اپنے جتھے پر تھا۔ انہیں سے کہا جا رہا ہے کہ اپنے جتھے والوں کو بلا دیکھیں۔ الزَّبَانِيَةَ۔ لفظی معنی پیادوں یا سپاہیوں کے ہیں۔ مراد دوزخ کے ملائکۂ عذاب سے لی گئی ہے۔ والزبانية هم الشرط فی کلام العرب...... والمراد ملائكة العذاب (کشاف) و۱۳ (کہ قرب حاصل کرنے کا ذریعہ یہی نماز وعبادت ہے) كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ۔ یعنی جس طرح اب تک آپ ﷺ نے ان موذیوں خاطیوں کا کہا نہیں مانا ہے، آئندہ بھی ان کے بہکانے دھمکانے، کسی چیز میں نہ آیئے گا۔ اور اس حکم کی بڑی تاکید جانے رہیے۔ وَاسْجُدْ۔ سجود سے یہاں مراد نماز وعبادت ہی سمجھی گئی ہے۔ وعند اکثر اهل التاويل اراد به صلّ وتوفر على عبادة الله تعالٰى فعلًا وابلاغًا (کبیر) وَاقْتَرِبْ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ سجدہ میں نیت ثواب وتقرب واجب ہے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ میں ضمناً یہ وعدہ لطیف بھی شامل ہے کہ حق تعالیٰ آپ ﷺ کو ان لوگوں کے ضرر سے محفوظ رکھے گا۔ کیونکہ نماز سے قرب حاصل ہوتا ہے، اور قرب موجب عصمت ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خشوع جو سجدہ کی روح ہے وہی اصل مدار قرب ہے۔ و۱ اس شب مبارک ومعظم میں اس کلام مقدس کے نزول کی ابتداء کی ہے۔ قال الشعبی ابتدئ بانزاله ليلة القدر (کبیر) یا یہ معنی لئے جائیں کہ اس شب میں یہ کلام عرش بریں پر لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتار دیا گیا ہے۔ قال ابن عباس انزل الى سماء الدنيا جملة ليلة ثم الى الارض نجومًا (کبیر) کل قرآن مجید کو رسول اللہ ﷺ پر رفتہ رفتہ نازل ہونے میں ۲۲۔۲۳ سال کی مدت لگی۔ اَنْزَلْنٰهُ۔ ضمیرہٗ بلا اختلاف قرآن مجید کی طرف ہے۔ اور بجائے صراحت کے اس اضمار میں عظمت قرآن مجید کی زائد ہے۔ اجمع المفسرون على ان المراد انا انزلنا القرأن فی ليلة القدر ولكنه تعالٰى ترک التصريح بالذكر لان هذا التركيب يدل على عظم القرأن (کبیر) الضمير عند الجمهور للقرأن وادعى الامام دفيه اجماع المفسرين (روح) اِنَّا ضمیر جمع متکلم حصر وتاکید کے لئے ہے۔ یعنی یہ کلام ہم ہی نے اتارا ہے، کسی دوسرے کی شرکت اس میں نہیں۔ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ سب سے پہلی وحی رسول اللہ ﷺ پر ماہ مبارک رمضان کے آخری عشرہ کی کسی طاق تاریخ میں ہوئی تھی۔ حدیث صحیح کے مطابق یہ شب قدر ہر سال آخر عشرۂ رمضان کی کسی طاق تاریخ میں آیا کرتی ہے۔ والصحيح الذى عليه الاكثرون انها فی العشر الاواخر من شهر رمضان (معالم) الاكثرون على انها فی العشر الاواخر لكثرة الاحاديث الصحيحة فی ذلک واكثرهم على انها فی اوتارها لذلک ايضًا (روح) اور اس رات میں دعاء وعبادت کے بڑے بڑے فضائل احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ احناف نے اس کے وقوع کے لئے ۲۷ ویں شب رمضان کا قول اختیار کیا ہے۔ وهى ليلة السابع والعشرين من رمضان كذا روى ابوحنيفةؒ عن عاصم عن زرّان ابى بن كعب كان يحلف على ليلة القدر انها ليلة السابع والعشرين من رمضان و عليه الجمهور (مدارک) وكثير منهم ذهب الى انها الليلة السابعة والعشرين من تلک الاوتار وصح من رواية الامام احمد ومسلم وابى داؤد و الترمذى والنسائى وابن حيان وغير هم ان زربن حبيش سال ابى بن كعب عنها فحلف لايستثنى انها ليلة سبع وعشرين (روح) و۲ یعنی کیسی بزرگیوں اور فضیلتوں والی رات ہے ---سوال خطبات عرب کے خصوصاً قرآن مجید کے اسلوب بلاغت کے مطابق زیادت تشویق کے لئے ہے۔ اور خود اس دوسرے جملہ میں لیلۃ القدر کو دہرانا محض اس کی اہمیت وعظمت خصوصی کے اظہار کے لئے ہے۔ وفى اظهار ليلة القدر فى الموضعين من تاكيد التعظيم والتفخيم مالا يخفى (روح) لَيْلَةُ الْقَدْرِ۔ قدر سے اس سیاق میں کیا مراد ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ رات ہے جس میں قضا وقدر کے امور طے ہوتے ہیں۔ اى ليلة قيضها لامور مخصوصة (راغب) وتسميتها بذلک لشرفها اولتقدير الامور فيها (بیضاوی) نقل عن الزهرى انهٗ قال ليلة القدر ليلة العظمة والشرف (کبیر) اور بعض نے کہا ہے کہ قدر سے یہاں شرف

الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ
فرشتے اور روح القدس اُترتے ہیں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر
اَمْرٍ ۝٤ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝٥
کے لئے ف۴ سلامتی (ہی سلامتی) ہے وہ رہتی ہے طلوع فجر تک ف۵

ع ٥ / ٢٢

ایاتہا ٨ — ٩٨ سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ ١٠٠ — رکوعہا ١
اس کی آٹھ آیتیں ہیں — سورۃ البینۃ مدینہ میں نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ
جو لوگ کافر تھے اہل کتاب اور مشرکین میں سے،
مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝١ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ
وہ باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ اُن کے پاس ایک واضح دلیل نہ آتی (یعنی) اللہ کا ایک رسول جو انہیں
يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝٢ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝٣ وَ مَا
پاک صحیفے پڑھ کر سنائے، جن میں درست مضامین درج ہوں ف۱ مگر جو لوگ
تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ
اہل کتاب تھے وہ تو اس دلیل کے آنے کے بعد ہی
الْبَيِّنَةُ ۝٤ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ
مختلف ہوئے ف۲ حالانکہ انہیں یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ دین کو اسی کے لئے
لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ
خالص رکھیں یکسو ہو کر اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوۃ

کیا ہے، اس کے ہاں انعامات اور بخششوں کا کچھ ٹھکانہ ہے! بشارت یہ مل رہی ہے کہ عبادت کا اجر یوں ہی معمولاً کیا علم ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ رات نزول قرآن کی سالگرہ والی آتی ہے، تو وہ اجر بھی بڑھ ہی نہیں جاتا، بلکہ ہزار گنے سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے! اَلْفِ شَهْرٍ۔ حساب سے ہزار مہینوں کے تقریباً تراسی ۸۳ سال ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی عدد متعین مراد نہ ہو، بلکہ محاورۂ عرب کے مطابق محض تکثیر عدد مراد ہو۔ وذكر الالف اما للتكثير (بیضاوی) وقيل المعنى خير من الدهر كله لان العرب تذكر الالف فى غاية الاشياء كلها (بحر) وتخصيص الالف بالذكر قيل اماللتكثيرو كثيرا ما يراد بالاعداد ذلك (روح) ف۴ (زمین کی طرف) اس شب میں عام ملائکہ رحمت اور حضرت جبرئیل کی تجلیات زمین پر کسی مخصوص نوع کی ہوتی ہیں، جس کی تفصیل کا علم اللہ ہی کو ہے۔ الْمَلٰٓئِكَةُ سے مراد ملائکہ رحمت ہیں، اور الروح سے مراد روح الامین یعنی فرشتۂ اعظم حضرت جبرئیل۔ والاصح ان الروح ههنا جبريل وتخصيصه بالذكرلزيادة شرفه (کبیر) الروح عندالجمهور هو جبريل عليه السلام وخص بالذكرلزيادة شرفه (روح) بِاِذْنِ رَبِّهِمْ۔ یعنی یہ نزول ملائکہ وروح القدس بھی از خود نہیں ہو جاتا، بلکہ تمام تر امر الٰہی کی ماتحتی میں ہوتا ہے۔ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ۔ تقدیر کلام یہاں من اجل كل امر سمجھی گئی ہے۔ گویا من ل تعلیلی کے معنی میں ہے۔ اى من اجل كل امرقا له غير واحد فمن بمعنى اللام التعليلية متعلقة بتنزل (روح) من کو بائے سببیہ کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ اور مفہوم اس ترکیب کا بھی وہی ہے۔ وقال ابو حاتم من بمعنى الباء اى تنزل بكل امروجعلة الباء عليه بسببية (روح) ف۵ یعنی وہ رحمت کسی خاص حصہ شب کے ساتھ مخصوص نہیں صبح تک برابر اس کی بارش جاری رہتی ہے۔ سَلٰمٌ۔ کے معنی ہر خوف سے نجات کے ہیں۔ اس میں یہ اشارہ بھی آ گیا کہ جو قانون قرآن لایا ہے، اور جس کی سالانہ یادگار کا نام شب قدر ہے، وہ قانون بندوں کو دنیوی واخروی ہر خوف سے نجات دلانے والا ہے۔ ایک اشکال یہ ہے کہ اختلاف مطالع ومغارب کی وجہ سے شب قدر کا ہر جگہ جدا ہونا لازم آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی محذور لازم نہیں آتا کہ یہ برکات کسی کو کسی وقت میں ملیں اور کسی کو کسی وقت میں۔ اسی طرح نزول ملائکہ کا ہر جگہ مختلف وقت میں ہونا۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) سَلٰمٌ ...... الْفَجْرِ۔ یعنی اس شب میں خیر ہی خیر ہے، صبح تک کوئی شر ہے ہی نہیں۔ وقال قتادة وابن زيد يعنى هى خير كلها ليس فيها شرالى مطلع الفجر (معالم) عن مجاهد قال هى سالمة لايستطيع الشيطان ان يعمل فيها سوءًا اويعمل فيها اذى (ابن کثیر) سَلٰمٌ مصدر ہے، اور یہاں ترکیب میں خبر مقدم ہے۔ جس سے مفہوم میں زور و تاکید اور معنی حصر پیدا ہو گئے ہیں۔ وتقديم الخبرللحصر كما فى تميمى اناوالاخبار بالمصدر للمبالغة اى ما هى الاسالمة جدًا حتى كانها عين السلامة (روح) ف۱ ظہور اسلام سے قبل دنیا اتنی شدید جہالتوں اور ضلالتوں اور ایسے گہرے کفر میں مبتلا تھی کہ بغیر اس کے کہ ایک مصلح اعظم آئے، اور اپنے ہمراہ ایک مکمل نظام نامہ لائے۔ کوئی توقع اصلاح کی نہ تھی۔ چنانچہ مشیت الٰہی نے اپنی حجت کو واضح طور پر پورا کرنے کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ لَمْ ...... مُنْفَكِّيْنَ۔ ذکر زمانہ قبل ظہور اسلام کا ہو رہا ہے۔ مُنْفَكِّيْنَ۔ یعنی کفر کو چھوڑنے والے، کفر سے ہٹنے والے۔ الْبَيِّنَةُ ...... اللّٰهِ۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صراحت کے ساتھ ایک دلیل واضح قرار دیا ہے۔ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ بدل ہے اَلْبَيِّنَةُ کا۔ اى الحجة الواضحة والمراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم (مدارک) اَلْبَيِّنَةُ۔ ال کے ساتھ صیغۂ معرفہ میں لا کر گویا اس طرف اشارہ کر دیا کہ وہ بہت بڑی دلیل ہے، جس پر کسی اضافہ کی گنجائش نہیں۔ اور پھر معاً بعد رَسُوْلٌ تنوین کے ساتھ صیغۂ نکرہ میں لا کر اس سے بھی یہی کام لیا ہے۔ انها للتفخيم اى هو البينة التى لامزيد عليها او البينة كل البينة لان التعريف قديكون للتفخيم وكذا التنكير وقد جمعهما الله ههنا فى حق الرسول عليه السلام (کبیر) اور اسی کی ایک نظیر اسی پارہ کی سورۃ البروج میں گزر چکی ہے، جہاں حق تعالیٰ نے اپنے کو بصیغۂ معرفہ المجید کہا، اور پھر معاً بعد بصیغۂ نکرہ فعال فرما دیا۔ مُطَهَّرَةً۔ یعنی ہر باطل سے پاک ومنزہ۔ اى مطهرة عن الباطل (کبیر) الَّذِيْنَ ...... وَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ قرآن واسلام کے منکرین میں دو ۲ طرح کے لوگ تھے، اور آج تک یہ تقسیم چلی آ رہی ہے۔ ایک وہ لوگ جن کے ہاں توحید ونبوت کے بنیادی خیالات موجود تھے، البتہ وہ لوگ اپنے ہاں کی اصل تعلیمات سے بہت دور جا پڑے تھے۔ دوسرے وہ جو سر تا سر شرک میں غرق تھے۔ اور جو توحید ونبوت کے بنیادی خیالات سے بھی نا آشنا تھا۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ مفسر واحدی نے اس آیت کو نظم وتفسیر کے لحاظ سے قرآن مجید کی دشوار ترین آیتوں میں شمار کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اچھے اچھے صاحب علم اس میں غوطہ کھا گئے ہیں، لیکن دشواریوں کی کوئی نوعیت بالتفصیل بیان نہیں کی ہے۔ قال الواحدى فى كتاب البسيط هذه الأية من اصعب ما فى القرأن نظما وتفسيرًا وقد تخبط فيها الكبار من العلماء ثم انه رحمه الله تعالى لم يلخص كيفية الاشكال فيها (کبیر) مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ من یہاں تبیین کے لئے ہے نہ کہ تبعیض کے لئے۔ كلمة من ههنا ليست للتبعيض بل للتبيين (کبیر) لیکن بعض اکابر اس کے خلاف بھی گئے ہیں۔ ومن للتبعيض كما قال علم الهدى الشيخ ابو منصور الماتريدى فى التاويلات لاللتبيين (روح) ف۲ یعنی اہل کتاب جو توحید، نبوت، کتاب، حشر وغیرہ کے بنیادی عقائد سے فی الجملہ آشنا و مانوس تھے، اور جن سے اس کی توقع بہت زیادہ کی جا سکتی تھی کہ کتاب ہدیٰ کے آ جانے کے بعد اسی کو قول فیصل سمجھ کر اس کا اتباع کریں گے اور اپنے باہمی دینی مناقشوں میں اسی کو حَکَم بنائیں گے، وہ اور الٹے اس کی مخالفت میں پیش پیش ہو گئے۔ وَ مَا ...... الْكِتٰبَ۔ اہل کتاب کے تفرق سے مراد مسیحیوں اور یہود، اور پھر ان کے اندرونی فرقوں کے آپس کے شدید تفرقے اور مناقشے ہیں۔ الْبَيِّنَةُ۔ مراد قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ الْبَيِّنَةُ کے اگر عام معنی ہی لئے جائیں، تو آیت سے مراد یہ ہوگی کہ یہ تو اہل کتاب کا شروع سے دستور چلا آ رہا ہے کہ یہ حجت قائم ہونے کے

وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝٥ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ

دیا کریں یہی طریقہ ہے (ان) درست مضامین کا ف۳ جو لوگ اہل کتاب

الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط

اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ دوزخ کی آگ میں پڑیں گے جس میں ہمیشہ رہیں گے

اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝٦ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

یہی لوگ بدترین خلائق ہیں ف۴ جو لوگ کہ ایمان لائے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ لا اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝٧ جَزَآؤُهُمْ

نیک عمل کئے تو یہی لوگ بہترین خلائق ہیں ف۵ اُن کا صلہ

عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اُن کے پروردگار کے نزدیک ہیشگی والی بہشتیں ہیں جن کے نیچے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

نہریں جاری ہوں گی جہاں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اللہ اُن سے خوش رہے گا

وَرَضُوْا عَنْهُ ط ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ع ۝٨

اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے، یہ اُس کے لئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے ف۶

ع ۲۴ / ۸

اٰیاتھا ۸ ۹۹ سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ ۹۳ رکوعھا ۱

اس کی آٹھ آیتیں ہیں سورۃ الزلزال مدینہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝١ لا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ

جب کہ زمین اپنی جنبش سے خوب ہی ہلا ڈالی جائے، اور زمین اپنے بوجھ باہر

بعد ہی بگڑتے رہے ہیں، تو آج ان کا بگڑنا کوئی نئی بات نہیں۔ ف۳ (اور جب انہیں تعلیمات کو ان لوگوں نے نہ مانا، تو اس کے معنٰی یہ ہوئے کہ یہ خود اپنی کتابوں کے عملاً منکر و مخالف ہو گئے ہیں) وَمَآ اُمِرُوْٓا۔ یعنی یہ حکم انہیں خود انہیں کی کتابوں میں مل چکا ہے۔ مُخْلِصِيْنَ...... حُنَفَآءَ۔ اور اسی اخلاص فی الدین کے اندر خاتم النّبیین ﷺ کی تصدیق اور قرآن مجید پر ایمان بھی داخل ہیں۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی امور جن کا ذکر ماقبل ہو چکا ہے! عبادات الٰہی اخلاص و حنیفیت کے ساتھ اور اقامت صلوٰۃ ادائے زکوٰۃ۔ اشارة الى ماذكر من عبادة الله بالاخلاص واقامة الصلوٰة وايتاء الزكوٰة (روح) دِيْنُ الْقَيِّمَةِ۔ قیمة صفت ہے موصوف محذوف الملّة کی۔ اے دين الملّة القيمة (مدارک) قال المبرد والزجاج ذٰلک دين الملّة القيّمة فالقيّمة نعت لموصوف محذوف (کبیر) ف۴ یہاں یہ بتا دیا کہ جو لوگ قانون الٰہی کے باغی و منکر ہیں، ان کا ماضی جو کچھ بھی ہو، اور وہ دوسری حیثیتوں سے جیسے کچھ بھی ہوں، اللہ کی عدالت میں "شرّیت" میں کامل ہیں۔ ف۵ یعنی جو لوگ قانون الٰہی کے تصدیق کرنے والے اور وفادار ہیں، وہ دوسری حیثیتوں سے جیسے کچھ بھی ہوں، اللہ کی عدالت میں "خیریت" میں کامل ہیں۔ ف۶ (اور یہ خشیت ہی تو انسان کو ایمان و عمل صالح پر لاتی ہے جس کی جزاء جنت اور نعماء جنت ہیں) خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا۔ ابدا کا اضافہ خلود جنت کے مفہوم کو مؤکد و غیر منقطع بنا دینے کے لئے ہے۔ قیام جنت محض طویل و ممتد ہی نہ ہوگا، زمانہ نامتناہی کے لئے ہوگا۔ عجب نہیں جو الفاظ آیت سے مقصود تردید ان گمراہ گروہوں کی ہو، جن کے خیال میں، جنت بھی ایک طویل مدت کے بعد فنا ہو جائے گی، اور دنیا کی تخلیق اس کے بعد پھر سے ہوگی۔ رَضِيَ اللّٰهُ...... عَنْهُ۔ اللہ ان بندوں سے ہر طرح خوش و مطمئن ہوگا۔ اور یہ بندے بھی اللہ سے ہر طرح خوش و مطمئن ہوں گے —— ایسے خوش نصیب بندوں کی خوش نصیبی پر کسے رشک نہ آئے گا؟ ذٰلِكَ۔ یعنی یہ جنت اور رضاء۔ اے المذكور من الجزاء والرضوان (بیضاوی) خَشِيَ رَبَّهٗ۔ داخلہ جنت کا مدار ایمان و عمل صالح پر ہوا، لیکن خود یہ تو خشیت الٰہی ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ۔ جنت کو حق تعالیٰ نے کہیں جنات عدن سے تعبیر فرمایا ہے، اور کہیں جنات النعیم سے، اور کہیں دار السلام سے۔ محققین نے کہا ہے کہ خود ایمان کی ترکیب عقیدہ اور قول اور عمل کے اجزائے سہ گانہ سے ہوئی ہے، تو ہر ہر جزو کے مقابلہ میں ایک ایک صفت جنت کو بیان کیا گیا ہے۔ اعلم ان الله سبحانهٗ وصف الجنة مرّةً بجنّات عدن ومرّة بجنّات النعيم ومرّةً بدار السلام وهٰذه الاوصاف الثلاثة انما حصلت لانك ركبت ايمانك من امور ثلاثة اعتقادٍ وقولٍ وعملٍ (کبیر)

اَثْقَالَهَا ۝۲ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝۳ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ

پھینک نکالے، اور آدمی بول اُٹھے کہ اسے (یہ) ہوا کیا؟ ف۱ اُس روز زمین اپنی (سب) خبریں

اَخْبَارَهَا ۝۴ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ

بیان کر گزرے گی، یہ اس لئے کہ آپ کے پروردگار کا حکم اُسے یہی ہوگا ف۲ اُس روز لوگ گروہ گروہ

النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝۶ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ

واپس ہو رہے ہوں گے کہ اپنے اعمال کو دیکھیں ف۳ سو جو کوئی ذرہ بھر بھی

ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸

نیکی کرے گا، اُسے دیکھ لے گا اور جس کسی نے ذرہ بھر بھی بدی کی ہوگی اُسے بھی دیکھ لے گا ف۴

ع ۱ / ۸ / ۲۲

ایاتها ۱۱ — ۱۰۰ سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ۱۴ — رکوعها ۱

اس کی گیارہ آیتیں ہیں — سورۃ العٰدیٰت مکہ میں نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝۱ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝۲ فَالْمُغِيْرٰتِ

قسم ہے گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں، پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج

صُبْحًا ۝۳ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝۴ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵

کرتے ہیں، پھر اُس وقت غبار اُڑاتے ہیں، پھر اُس وقت جماعت میں جا گھستے ہیں، ف۱

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝۶ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝۷

بے شک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے اور وہ خود بھی اس پر گواہ ہے ف۲

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۸ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ

اور وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے ف۳ اس کو وہ وقت کیا معلوم نہیں جب زندہ کئے جائیں گے

ف۱ یہ سب واقعات حشر کے سلسلہ میں نفخۂ اول کے وقت کے ہیں۔ اَثْقَالَهَا۔ زمین کے بوجھ سے مراد مُردے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور زمین کے دفینے اور معدنیات وغیرہا بھی۔ اِذَا...... زِلْزَالَهَا۔ غرض یہ کہ زمین کی اس جنبش اضطرابی سے سارا عالم زیر و زبر ہو جائے گا۔ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا۔ انسان گھبرا کر اور سراسیمہ ہو کر پکار اٹھے گا کہ زمین کو آخر یہ ہو کیا گیا؟ الْاِنْسَانُ۔ انسان سے اس سیاق میں مراد کافر انسان ہے، جسے سارا بھروسہ مادی ہی طاقتوں کا رہتا ہے، اور جو مسبب الاسباب کی قدرت و حکمت کا منکر یا عملاً منکر رہتا ہے۔ قیل هذا قول الكافر لانه كان لا يؤمن بالبعث (مدارک) قال الجمهور الانسان هو الكافر يرى مالم يظن (بحر) ف۲ اس وقت حکمت و مشیت یہی ہوگی کہ زمین ناطق ہو جائے جیسے آج حکمت و مشیت یہ ہے کہ زمین ساکت و بے زبان رہے۔ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا۔ ظاہر ہے کہ مومن و کافر ہر انسان سے عمل، اچھے برے جو کچھ بھی صادر ہوتے ہیں، اسی زمین ہی پر ہوتے ہیں۔ قدرۃً زمین ہی، چھوٹے بڑے، اچھے برے، ہر ہر واقعہ کی پوری پوری شہادت پیش کرے گی۔ بِاَنَّ...... لَهَا۔ زمین میں یہ قوت گویائی اس وقت خود بخود نہیں، قادر مطلق کے حکم سے پیدا ہوگی۔ اہل سنت کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ حیات اور اس کے سارے آثار، انعامات الٰہی ہیں۔ جس وقت جس عضو سے جو کام وہ حکیم مطلق چاہے، لے لے۔ بِاَنَّ۔ میں ب سببیہ ہے۔ ف۳ (خواہ جنت خواہ دوزخ میں) يَصْدُرُ النَّاسُ۔ لوگ اس وقت حساب سے اپنی اپنی منزل کی طرف واپس ہو رہے ہوں گے — ذکر اب نفخۂ ثانی کے بعد کے واقعات کا ہو رہا ہے۔ اَشْتَاتًا۔ یعنی کچھ گروہ اہل جنت کے ہوں گے، اور کچھ گروہ اہل دوزخ کے۔ اَعْمَالَهُمْ۔ مراد اپنے اعمال کے ثمرات و عواقب ہیں۔ اے جزاء اعمالهم (مدارک) قال ابن عباس ليروا جزاء اعمالهم (معالم) ف۴ حدیث نبوی ﷺ میں ان دو ۲ آیتوں کے لئے الجامعۃ الفاذہ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی جو اصل ان میں بیان کر دی گئی ہے وہ جامع اور منفرد ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ آیتیں قانون مجازات کی تصویر کشی نہایت خوبی و خوش اسلوبی و جامعیت کے ساتھ کر رہی ہیں۔ خَيْرًا يَّرَهٗ۔ اس اقل قلیل خیر کو بھی جنت میں پالے گا — خیر کے خیر باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ اسے کفر سے فنا نہ کر دیا گیا ہو۔ شَرًّا يَّرَهٗ۔ اس اقل قلیل شر کو بھی دوزخ میں پالے گا — ”شر“ کے شر باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ اسے توبہ اور ایمان سے زائل نہ کر دیا گیا ہو۔ ف۱ ان گھوڑوں سے مراد لڑائی کے گھوڑے ہیں، جن کے اوصاف سے اہلِ عرب خوب واقف تھے۔ ضَبْحًا۔ گھوڑے عادۃً تیز دوڑ کے بعد ہانپنے لگتے ہیں۔ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا۔ یعنی ان کی نعلوں سے پہاڑوں کے پتھر آگ دے اٹھتے ہیں۔ کنایہ کمال گرم رفتاری سے ہے۔ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا۔ عرب میں عام دستور صبح سویرے تاخت کرنے کا تھا۔ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا۔ کمال تیز رفتاری کے باعث ان کے قدموں سے غبار اڑتا ہے۔ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا۔ یعنی جماعت اعداء میں در آتے ہیں۔ بہ میں ب زائدہ تاکید کے لئے ہے۔ حضرات صوفیہ نے ان صفات سے اپنے مذاق کے مطابق اشارات معرفت خوب نکالے ہیں۔ مثلاً! کچھ ”اشغال حرکت نفس“ میں مشغول رہتے ہیں، دل سے ”شعلہائے آتشیں“ بلند کرتے یا ”شمع معرفت“ روشن کرتے ہیں۔ صبح کو جو وقتِ رحمت ہوتا ہے دولتِ دیدار لوٹتے اور نفس پر حملۂ قوی کرتے ہیں۔ اور غبار سے مراد آثار لی ہے۔ ف۲ (خواہ وہ گواہی زبانِ حال ہی سے کیوں نہ ہو) فالشهادة بلسان الحال الذى هو افصح من لسان المقال (روح) الْاِنْسَانَ۔ انسان سے مراد ایسے ہر سیاق میں کافر انسان سے ہوتی ہے۔ اِنَّهٗ ضمیرہٗ انسان کی طرف ہے۔ اے الانسان كما قال الحسن ومحمد بن كعب (روح) یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ انسان اپنے کفر پر قیامت میں ضرور گواہی دے گا۔ عَلٰى ذٰلِكَ۔ یعنی اپنی اسی ناشکری پر۔ اے على كنوده (کشاف) ف۳ (اور کفر اور ناشکری کی علت اکثر یہی ہوتی ہے) الْخَيْرِ۔ خیر۔ یہاں مال کے معنی میں ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی بعض اور آیتوں میں بھی آیا ہے۔ الخير المال من قوله تعالى ان ترك خيرا (کشاف) اے المال الكثير۔ (راغب) وقال قتادة الخير من حيث وقع فى القراٰن هو المال (بحر) یہ بھی جائز ہے کہ یہاں خیر دنیوی مراد لی جائے، اس مفہوم میں جو آخرت فراموش اس کا سمجھتے ہیں، اور اس کے تحت میں مال، جاہ، صحت وغیرہ تمام مقاصد دنیوی لے لئے جائیں۔ قال ابن عطية يحتمل ان يراد هذا الخير الدنيوى من مال وصحة وجاه عند الملوك ونحوه لان الكفار والجهال لا يعرفون غير ذلك (بحر) لِحُبِّ الْخَيْرِ میں ل اگر تعلیل کا مانا جائے، اور تقدیر کلام یوں سمجھی جائے کہ انه لاجل حب المال تو آیت کا ترجمہ یوں ہوگا:۔ ”اور مال کی محبت کے پیچھے بڑا بخیل ہے“۔ شدت حُبّ مال سے یہاں مراد وہی بیجا اور مفرط دولت پرستی ہے، جو انسان کی عقل سلیم کو بالکل اندھا کر دیتی ہے، اور تمام تر کفران و عدوان کی طرف لے جاتی ہے، ورنہ جائز حدود کے اندر مال کی تھوڑی محبت تو ایک امر طبعی ہے۔ لَشَدِيْدٌ۔ شدید یہاں بخیل و ممسک کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ الشديد البخيل الممسك (کشاف) الشديد المتشدد البخيل (راغب)

مَا فِي الْقُبُورِ ﴿۹﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ﴿۱۰﴾ إِنَّ

جتنے (مردے) قبروں میں ہیں اور آشکارا ہو جائے گا جو کچھ دلوں میں ہے ف۴ بے شک

رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ﴿۱۱﴾

اُن کا پروردگار اُن کے حال سے اس روز پورا پورا آگاہ ہوگا ف۵

ع ۱۱/۲۵

آیاتہا ۱۱ ۱۰۱ سُورَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۰ رکوعہا ۱

اس کی گیارہ آیتیں ہیں سورۃ القارعۃ مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الْقَارِعَةُ ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۲﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا

وہ کھڑکھڑانے والی چیز! کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز! آپ کو خبر ہے کہ کیسی کچھ ہے

الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ﴿۴﴾

وہ کھڑکھڑانے والی چیز! ف۱ جس روز آدمی پریشان پروانوں کی طرح ہو جائیں گے

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنفُوشِ ﴿۵﴾ فَأَمَّا مَن

اور پہاڑ دھنکی ہوئی اُون کی طرح ہو جائیں گے ف۲ پھر جس کسی کا

ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ﴿۶﴾ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۷﴾ وَأَمَّا

پلہ بھاری نکلے گا وہ خاطر خواہ آسائش میں ہو گا ف۳ اور جس کسی کا

مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ﴿۸﴾ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ﴿۹﴾ وَمَا

پلہ ہلکا نکلے گا اُس کا ٹھکانہ ہاویہ ہو گا اور آپ کو

أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾

کچھ خبر ہے کہ وہ ہے کیا چیز وہ آگ ہے دہکتی ہوئی ف۴

ع ۱۱/۲۶

ف۴ (کہ ان چیزوں کا استحضار اسے متنبہ اور ہوشیار کردینے کے لئے کافی ہے) مَا فِي الْقُبُورِ۔ مَا یہاں بھی مَنْ کے مرادف ہے۔ ف۵ (چنانچہ ان کی ناشکر گزاری سے بھی اور اس کی موجبات ومحرکات سے بھی آگاہ ہوگا) رَبَّهُمْ۔ بِهِمْ جمع غائب کی یہ ضمیریں آیت ۶ کے الْإِنسَانَ کی جانب ہیں، جو معنًی جمع تھا۔ والانسان علی معنی الجمع (کبیر) ضمیر مبعوثین کی جانب بھی پھی جا سکتی ہے۔ بِهِمْ ...... لَخَبِيرٌ۔ یعنی ان لوگوں کے اعمال، اقوال، احوال سب کی ایک ایک تفصیل سے آگاہ۔

ف۱ سوالات اور پھر پیہم سوالات، خطبات عرب کے دستور کے مطابق، کلام میں زور واثر پیدا کرنے کے لئے، اور مخاطبین کے جلب توجہ کے لئے ہے۔ الْقَارِعَةُ۔ سے مراد صور قیامت کے نفخۂ اول سے ہے جس کی مہیب آواز دلوں اور کانوں دونوں کو کھڑ کھڑا کر رکھ دے گی عموماً اہل جاہلیت کی طرح عرب جاہلیت کے بھی کفر واعراض کی اصل بنیاد آخرت فراموشی پر تھی۔ آغاز وحی میں سب سے زیادہ زور عین ترتیب حکیمانہ کے مطابق اسی موضوع پر دیا گیا۔ ف۲ یعنی جس طرح دھنکی ہوئی اون ہلکی پھلکی پارہ پارہ ہوکر ہوا میں اڑنے لگتی ہے، یہ بھاری بھر کم پہاڑ بھی اس روز ہلکے پھلکے ہوکر اُڑے اُڑے پھرتے ہوں گے۔ يَكُونُ ...... الْمَبْثُوثِ۔ وجوہ تشبیہ پروانوں اور مجمع حشر کے درمیان متعدد ہیں۔ مثلاً تعداد کا بے شمار ہونا، منتشر ہونا، بے بس ہونا، سب کا ایک ہی طرف بے اختیار کھنچے چلے جانا وغیرہ۔ ف۳ یعنی جنت کے دائمی عیش میں۔ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ۔ یعنی جس کے اعمال وزنی نکلیں گے — اعمال میں وزن جبھی پیدا ہوتا ہے، جب وہ مومن سے شریعت کے موافق صادر ہوں۔ منکر کے اعمال، اور مسلم کے خلاف شریعت اعمال سب بے وزن رہ جاتے ہیں۔ رَّاضِيَةٍ۔ یہاں مرضیۃ (پسندیدہ) کے معنی میں ہے۔ قال المفسرون تفسیرها مرضیة علی معنی یرضاها صاحبها (کبیر) ف۴ جس کے اعمال وعقائد دونوں خلاف شریعت ہوں گے۔ وہ کافر ہی ہوگا۔ اور اس کا پلڑا میزان قیامت میں بالکل بے وزن نکلے گا۔ هَاوِيَةٌ۔ اس کے لفظی معنی عمیق گڑھے کے ہیں۔ نَارٌ حَامِيَةٌ۔ ایسی بھڑکتی ہوئی آگ، جس کے سامنے دنیا کی ہر آگ سرد ہی نظر آئے گی۔ والمعنی ان سائر النیران بالنسبة الیها کانها لیست حامیة (کبیر)

آیاتھا ۸ ۱۰۲ سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ ۱۶ رکوعھا ۱

اس کی آٹھ آیتیں ہیں سورۃ التکاثر مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ① حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ② كَلَّا

فخر کرنا تمہیں غافل کئے رہتا ہے تا آنکہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو و۱ ہاں ہاں

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ③ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ④

تمہیں عنقریب معلوم ہوا جاتا ہے، ہاں ہاں پھر تمہیں عنقریب معلوم ہوا جاتا ہے و۲

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ⑤ لَتَرَوُنَّ

ہاں اور ہاں کاش تم یقینی طور پر جان لیتے! و۳ تم یقیناً دوزخ کو

الْجَحِيْمَ ⑥ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ⑦ ثُمَّ

دیکھ کر رہو گے و۴ پھر یقیناً تم لوگ اُسے ایسا دیکھنا دیکھو گے جو خود یقین ہے و۵ پھر

لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ⑧ ع

اُس روز تم سے (ہر) نعمت کی پوچھ ہو گی و۶

ع ۲۷

آیاتھا ۳ ۱۰۳ سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۳ رکوعھا ۱

اس کی تین آیتیں ہیں سورۃ العصر مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِيْنَ

قسم ہے زمانہ کی، کہ انسان بڑے خسارہ میں ہے و۱ مگر وہ لوگ نہیں جو

و۱ (دنیا سے وفات پاکر) آیت میں اس عام حقیقت کا بیان ہے کہ دنیوی جاہ و مال، سامان وقوت وشوکت پر فخر وناز اور ان کی محبت وطلب، آخرت فراموش انسان کے قلب پر غفلت کے پردے ڈالے رہتی ہیں، اور اس میں خوف خدا وخشیتِ الٰہی پیدا ہی نہیں ہونے دیتیں، یہاں تک کہ موت کا وقت آجاتا ہے، اور انسان قبر میں پہنچ جاتا ہے۔ اَلْهٰىكُمْ۔ الھاء۔ کے معنی لہو میں ڈال دینے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ دنیوی مشاغل میں انہماک چیز ہی ایسی ہے، جو انسان کا خیال، آخرت کی طرف جانے ہی نہیں دیتی اور اسے سدا فکر آخرت سے غافل رکھتی ہے۔ التَّكَاثُرُ۔ یعنی سامان دنیوی کی حرص وہوس، دنیا کا ہوکا، اور مال وجاہ میں ایک دوسرے پر تفوق وغلبہ کی طلب۔ التبارى فى كثرة المال والعز (راغب) التبارى بكثرة الجاه والمال والمناقب (کبیر) یہاں اس کے تحت میں دنیوی مفاخرت کی ساری ہی چیزیں داخل ہیں۔ يدخل فيه التكاثر بالعدد و بالمال و الجاه والاقرباء والانصار والجيش و بالجملة فيدخل فيه التكاثر بكل مايكون من الدنيا ولذاتها وشهواتها (کبیر) شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ جاہلیت میں ہر قبیلہ کی عام عادت دوسرے قبیلہ پر اپنی کثرت آبادی اور کثرت سامان کی بناء پر تفوق جتانے کی تھی — جیسے آج بیسویں صدی کی "مہذب" حکومتوں کو فخر وناز اپنی اپنی (Man-Power.) پر رہا کرتا ہے۔ و۲ (مرتے ہی اور قبر میں پہنچتے ہی) یعنی یہ ساری غفلتیں محض عارضی ہیں، آنکھ بند ہوتے ہی عالم برزخ شروع ہو جائے گا، اور اسی کے ساتھ کشف حقائق بھی — خود ہی جان لوگے، کہ اصل حقیقت کیا تھی، اور تم اس دنیا میں کیسی شدید حماقت اور بھول میں پڑے رہے! كَلَّا۔ ثُمَّ كَلَّا۔ جملہ کی تکرار تاکید مضمون کی غرض سے ہے۔ وذكروا للتكرير انه للتاكيد وانه وعيد بعد وعيد (کبیر) مضمون کے مکرر آنے سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے، کہ اشارہ عذاب برزخ اور عذاب آخرت کی دو مختلف حالتوں کی جانب ہے، اور یہ استدلال امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی جانب منسوب ہے۔ ان احدى الحالتين عذاب القبر والاخرى عذاب القيامة (کبیر) عن ذرٍّ قال سمعت على بن ابى طالبؓ يقول ان هٰذه الأية تدل على عذاب القبر (کبیر) قال على بن ابى طالب الاول فى القبور والثانى فى النشور (روح) عربی فصاحت وبلاغت پر جب بھی غور کیا جائے گا، عربوں ہی کے معیار سے کیا جائے گا، نہ کہ کسی اور ملک وقوم کے معیار سے۔ علامۂ آلوسی سورۃ الکافرون کی تفسیر کے تحت میں امام لغت ونحو فراء کا قول نقل کرتے ہیں کہ فصحائے عرب ایسے موقع پر تکرار سے کام لیتے ہیں، اور سننے والے یا تو اقرار میں بلٰی، بلٰی کہتے جاتے ہیں، اور یا انکار میں لا، لا۔ قال الفراء ان القرأن نزل بلغة العرب ومن عادتهم تكرار الكلام للتاكيد والافهام، فيقول المجيب بلٰى بلٰى والممتنع لا لا۔ (روح)

و۳ (اسی دنیا میں دلائل صحیح پر غور کر کے۔ یعنی بعد مرگ تو یقین کرنا ہی پڑے گا، کاش اسی زندگی میں تم عقل سلیم سے کام لے کر نتیجہ یقین تک پہنچ گئے ہوتے۔ عِلْمَ الْيَقِيْنِ۔ فقہاء نے بالاتفاق لکھا ہے کہ اعمال میں محض ظن غالب کافی ومعتبر ہے۔ البتہ اعتقادیات میں، متکلمین کہتے ہیں کہ جانب مخالف کا احتمال بھی نہ رہنا چاہیے، اور یہی علم الیقین ہے۔ و۴ (اور یہ دیکھنا معا بعد مرگ عالم برزخ میں ہوگا) و۵ یعنی وہ رویت استدلالی نہیں، رویت مشاہدہ ہوگی جس میں انکشاف استدلالیات سے کہیں زیادہ اور صریح ہوتا ہے — آگ میں گرنے والے کو آگ کی سوزش اور حرارت کا یقین کہ یہ عین الیقین ہے۔ آگ کے قریب بیٹھنے والے کے یقینِ سوزش وحرارت سے کہ یہ علم الیقین ہے، کہیں بڑھ چڑھ کر ہوتا ہے۔ و۶ (کہ ہر نعمت کا حق، یعنی ایمان وطاعت بجالائے یا نہیں) ثُمَّ۔ مفسرین نے کہا ہے کہ خطاب یہاں نوع انسان کو عام ہے، کفار ومشرکین کے ساتھ مخصوص نہیں، اور ثُمَّ اس لحاظ سے مفید ترقی ہے، یعنی یہ سوال جب غیر مجرمین تک سے ہوگا، جن پر کوئی ضرر اس سے مترتب نہ ہوگا، تو پھر مجرمین کے لئے اس سوال کی جو اہمیت، اشدیت اور ہیبت ہے، ظاہر ہی ہے۔ النَّعِيْمِ۔ اس میں دنیا کی ہر وہ چیز آگئی، جو کسی نہ کسی جہت سے مفید یا لذیذ ہو۔ يجب حمله على جميع النعم (کبیر) والنعيم عام لكل مايتلذذ به من مطعم ومشرب ومفرش ومركب (روح) و۱ (بسبب اپنی فرصت عمر کے تلف وضائع کر ڈالنے کے) اَلْعَصْرِ۔ زمانہ جو ہر لحہ انتہائی سرعت کے ساتھ گزرتا چلا جاتا ہے، وہی تو وہ ظرف ہے جس کے اندر انسان سب ہی کچھ کرتا رہتا ہے، اور سب ہی کچھ اس پر گزرتی رہتی ہے۔ اسی میں وہ کھوتا بھی ہے، اور اسی میں وہ پاتا بھی ہے۔ رنج وحرمان، نقصان وخسران بھی اسی میں اس پر واقع ہو کر رہتا ہے — محض وقت کا مفہوم ادا کرنے کے لئے عربی زبان میں زمان دہر وغیرہ اور لفظ بھی تھے۔ لیکن گزرتے ہوئے زمانہ کی طرف، مرور ایام کی طرف خاص اشارہ کرنے والا لفظ یہی "عصر" ہے۔ وقسم بالزمان لما فى مروره من اصناف العجائب (کشاف) عمر انسانی کے لحات دیکھتے دیکھتے کس تیزی سے گزر جاتے ہیں، اور انسان خالی ہاتھ رہ جاتا ہے۔ اسی کو گواہ کر کے قرآن مجید کہتا ہے کہ کافر انسان بھی کیسا بد قسمت اور حرماں نصیب ہے! وقت کی پوری قدر کرنا، عمر کے ایک ایک لحظہ اور پل کا حساب رکھنا کہ اس سب کا سوال ہوگا، اسلام کی اہم تعلیمات میں سے ہے۔ الْاِنْسَانَ۔ انسان۔ سے اس سیاق میں بھی مراد وہی کافر انسان ہے۔

اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬

ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کئے، اور ایک دوسرے کو فہمائش کرتے رہے حق کی،

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾

اور ایک دوسرے کو فہمائش کرتے رہے پابندی کی ف۲

اٰیاتھا ۹ ۱۰۴ سُوْرَۃُ الْھُمَزَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۳۲ رکوعھا ۱

اس کی نو آیتیں ہیں سورۃ الہمزہ مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ﴿۱﴾ ۙ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا

کم بختی ہے پس پشت عیب جوئی کرنے والے کے لئے اور طعنہ دینے والے کے لئے، جو مال جمع کرتا (رہتا) ہو

وَّ عَدَّدَهٗ ﴿۲﴾ ۙ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ﴿۳﴾ ۚ كَلَّا

اور اُسے گنتا رہتا ہو، وہ یہ خیال کررہا ہے کہ اس کا مال اُس کے پاس سدا رہے گا ف۱ ہاں ہاں

لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ﴿۴﴾ ۖ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا

وہ ضرور توڑنے پھوڑنے والی آگ میں جھونکا جائے گا اور آپ سمجھے کہ وہ توڑنے پھوڑنے والی

الْحُطَمَةُ ﴿۵﴾ ؕ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿۶﴾ ۙ الَّتِیْ تَطَّلِعُ

آگ ہے کیا؟ وہ اللہ کی آگ ہے (اللہ کے حکم سے) سلگائی ہوئی جو دلوں تک

عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴿۷﴾ ؕ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۸﴾ ۙ

جا پہنچے گی ف۲ وہ آگ اُن پر بند کر دی جائے گی

فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾

بڑے بڑے لمبے ستونوں میں ف۳

ف۲ یعنی خسران ومحرومی تو منکروں اور کافروں کے حصہ میں آئی ہے جنہوں نے وقت کی قدر نہ پہچانی اور ساری فرصت عمر برباد کردی۔ نہ کہ اُن لوگوں کے جنہوں نے اپنی عمریں قانون الٰہی کے مطابق بسر کیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ مکہ کے مشہور تاجر ابوبکر بن ابی قحافہ جب دعوت اسلام کے بالکل شروع ہی میں ایمان لے آئے تو ایک معاصر نے ان سے کہا کہ تم معاملات میں تو بڑے ہوشیار تھے، لیکن اس باب میں سخت دھوکا کھا گئے۔ اپنے کو فلاں فلاں ٹھاکروں اور دیوتاؤں کی توجہ، شفقت وسفارش سے محروم کردیا، اور لائق وفائق اسلاف کے طور طریقوں کو چھوڑ دیا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ جس میں بتایا گیا کہ محروم رہ جانے والے حقیقۃً کون ہیں۔ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ۔ یعنی اعتقاد حق پر قائم رہنے کی فہمائش کرتے رہے۔ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ حسرت وحرمان سے بچے رہنے والے خوش نصیب انسانوں کی چار صفات کا یہاں بیان ہوا ہے۔ ان میں سے پہلی دو یعنی ایمان اور عمل صالح، صفات ذاتی وانفرادی اور بطور کمال لازم کے ہیں۔ باقی دو یعنی تواصی بالحق وتواصی بالصبر، صفات ملی واجتماعی بطور کمالات متعدی کے ہیں — اسلام تو اصلاح، انفرادی واجتماعی، ذاتی وملی دونوں قسم کی ساتھ ساتھ چاہتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فرصت عمر نعمت مغتنم ہے، ضائع کوئی لمحہ نہ ہونا چاہئے۔ ساری عمر تحصیل کمال یا تکمیل ہی میں بسر ہونا چاہیے۔

ف۱ یعنی اس کے عمل سے تو ایسا ظاہر ہو رہا ہے کہ گویا وہ اپنے مال، دولت، خزانہ کے خلود کا معتقد ہے، جبھی تو اس کے ساتھ اس درجہ اشتغال وانہماک رکھتا ہے — انسان دولت کثیر کے ساتھ ہی کیسے کیسے دور دراز کے منصوبے باندھنے اور کیسی کیسی لمبی اسکیمیں بنانے لگتا ہے۔ اور زبان سے کہے یا نہ کہے، لیکن بہرحال دل سے تو یہی سمجھنے لگتا ہے کہ اب حلاّل مشکلات میرے ہاتھ آ گیا، ہر افتاد کا توڑ اپنی اسی دولت کے زور سے کرلیا کروں گا۔ قرآن مجید نے اپنے جامع وبلیغ لفظوں میں اس ساری بشری ذہنیت کی طرف اشارہ کردیا۔ وَیْلٌ …… لُّمَزَةِ۔ اس میں اجتماعی زندگی کے دو بڑے امراض، پس پشت عیب رکھنے۔ اور رُو در رُو طعنہ دینے کا علاج آ گیا۔ الَّذِیْ …… عَدَّدَهٗ۔ اس میں اشارہ اس طرف آ گیا کہ اجتماعی اخلاقی امراض کی بنیاد زیادہ تر کبر وبخل پر ہوتی ہے۔ اور یہ عموماً افراط حُبِّ مال سے پیدا ہوتے ہیں۔ جَمَعَ مَالًا۔ غایت حرص وشدت بخل سے مال کے جمع رکھنے کی دھن میں لگا رہتا ہے — مال سے طبعی تعلق مذموم نہیں، مذموم اس تعلق میں غلو وانہماک ہے۔ وَعَدَّدَهٗ۔ بار بار گنتے اور حساب کرتے رہنا علامت ودلیل ہے غایت حُبِّ مال اور اس میں شغف وانہماک کی۔ بینک کی پاس بک کی بار بار الٹ پلٹ کرتے رہنا، بینک اور کھاتے اور سیاہے کے پھیر میں دن رات پڑے رہنا، سٹہ اور صرافہ اور (Share Market) کی خبروں کی ٹوہ میں ہر وقت لگے رہنا، یہ سب گننے ہی کے حکم میں داخل ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جمع مال مذموم وہ ہے جو شغف اور محبت کے ساتھ ہو، اور اسی کے آثار میں سے یہ بار بار کا گننا بھی ہے۔ ف۲ (اور چونکہ اللہ کے حکم سے سلگائی ہوئی ہے، کسی کے بجھائے بجھ بھی نہ سکے گی) یہ سب تفصیل بیان ہو رہی ہے آغاز سورت کے لفظ وَیْلٌ یعنی شامت اور کمبختی کی۔ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ۔ دلوں تک معاً جا پہنچنا، یہ بیان ہے اس آگ کی سرعت نفوذ وسرایت کا۔ نَارُ اللّٰهِ۔ اضافت اظہار عظمت واہمیت خصوصی کے لئے ہے۔ یعنی وہ آگ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ دنیا کی کسی آگ پر اسے قیاس نہ کرو۔ فالاضافة للتفخيم اى هى نار لا كسائر النيران (کبیر) الْحُطَمَةِ۔ ایسی آگ کہ جو کڑی سی کڑی چیز بھی اس میں پڑے، اس کو بھی وہ توڑ پھوڑ کر رکھ دے۔ ف۳ یعنی آگ کے ایسے بڑے بڑے شعلے ہوں گے جیسے لمبے لمبے ستون، اور وہ لوگ ان میں مقید ہوں گے۔ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ۔ یعنی ہر طرف سے دروازے بند کردیئے جائیں گے۔ دوزخیوں کے لئے کوئی راستہ نکلنے کا نہ رہے گا، ہمیشہ ہی وہیں پڑے جلتے رہیں گے۔

وا یعنی انہیں کس طرح ہلاک و برباد کر ڈالا۔ اَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ۔ سال عیسوی ۵۷۰ یا ۵۷۱ تھا، اور ولادت نبوی ﷺ میں ابھی چند ہفتوں کا زمانہ باقی تھا کہ حجاز کے پڑوس میں جو حبشہ کی پرقوت مسیحی سلطنت قائم تھی اور جس کی وسعت حدود عرب تک پہنچی ہوئی تھی، اس کے گورنر علاقہ یمن ابرہہ نے حجاز بلکہ خود خانہ کعبہ پر چڑھائی کر دی۔ حاکم یمن یوں بھی وقت کی ایک زبردست سلطنت کا نمائندہ تھا۔ پھر اس کی بنوائی ہوئی مسیحی عبادت گاہ کی شدید توہین بھی کسی بے ادب عرب نے کر دی تھی۔ ابرہہ کو قدرۃً اس پر سخت غصہ آیا۔ اور اس نے فوج کشی پوری قوت کے ساتھ کی۔ اس کی فوج میں ہاتھی بھی تھے، جو عرب میں ایک بالکل نئی چیز تھے۔ جیسے کہ آج کل کی جنگ میں ٹینک، جیپ، آتشیں اژدھے وغیرہ۔ یہ فوج کشی ایک تاریخی واقعہ ہے، دوست دشمن سب کو مسلّم۔ عربوں نے اس کی اہمیت اتنی محسوس کی کہ اس سال کا نام ہی عام الفیل (ہاتھیوں کا سنہ) رکھ دیا۔ اور اسی واقعہ سے اپنے سنہ کی ابتداء کی۔ كانوا يؤرخون فی كتبهم و ديونهم من سنة الفيل وفيها ولد رسول الله ﷺ فلم تزل قريش والعرب بمكة جميعًا تؤرّخ بعام الفيل ۔ (تاریخ مکہ۔ ازرقی۔ جلد اول صفحہ ۹۶) اَلَمۡ تَرَ۔ واقعہ فرطِ شہرت و تواتر سے مثل مشاہدہ کے تھا۔ و۲ (جو اس نے خانہ کعبہ کے ہدم و تخریب کا سوچا تھا) والیِ یمن اور صوبہ دار حبشہ کا سارا پروگرام الٹ گیا، بنا بنایا کھیل بگڑ گیا، اور بجائے خانہ کعبہ کے برباد کرنے کے خود ہی مع اپنے لشکر کے برباد ہو گیا۔ ہوا یہ کہ یک بیک سمندر (بحر احمر) کی طرف سے پرندوں کا ٹڈی دَل نظر آیا، جن کے پنجوں اور چونچوں میں کنکریاں تھیں، جن سپاہیوں پر وہ کنکریاں پڑتیں وہ چیچک میں مبتلا ہو جاتے۔ ابرہہ یہ ماجرا دیکھ پریشان ہو کر بھاگا، اور یمن پہنچتے ہی پھنسیوں

اٰیاتھا ۵ ۱۰۵ سُوۡرَةُ الۡفِیۡلِ مَکِّیَّةٌ ۱۹ رکوعھا ۱

اس کی پانچ آیتیں ہیں سورۃ الفیل مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ؕ﴿۱﴾

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں سے کیا معاملہ کیا و۱

اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ۙ﴿۲﴾ وَّ اَرۡسَلَ

کیا ہم نے اُن کا داؤں بالکل اُلٹ نہیں دیا؟ و۲ اور اُن پر

عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ۙ﴿۳﴾ تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ

جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیج دیئے وہ اُن پر کھنگر کی کنکریاں

مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۪ۙ﴿۴﴾ فَجَعَلَہُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ﴿۵﴾

پھینکتے تھے سو (اللہ نے) انہیں کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح کر دیا و۳

اٰیاتھا ۴ ۱۰۶ سُوۡرَةُ قُرَیۡشٍ مَکِّیَّةٌ ۲۹ رکوعھا ۱

اس کی چار آیتیں ہیں سورۃ قریش مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ۙ﴿۱﴾ اٖلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ ۚ﴿۲﴾

قریش کو خوگر ہونے کی بناء پر، اپنے جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہونے کی بناء پر چاہیے تھا

فَلۡیَعۡبُدُوۡا رَبَّ ہٰذَا الۡبَیۡتِ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَہُمۡ

کہ اس خانہ (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں و۱ جس نے اُن کو بھوک میں

ع ۳۰

میں لدا ہوا دنیا سے رخصت ہو گیا۔ و۳ (پامالی اور پراگندگی کے لحاظ سے) سِجِّیۡلٍ۔ سنگِ گل کا معرب ہے۔ حجرٌ وطينٌ مختلط واصله فی ماقيل فارسی معرب (راغب) قال ابن عباسؓ سجيل معناه سنک و كل يعنی بعضه حجر وبعضهٗ طين (كبير) هو معرب من سنک كل وعليه الجمهور (مدارک) قرآن مجید میں لغت قریش سے باہر کے لفظ بہت کم آتے ہیں۔ جو معدودے چند آئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے۔ اَبَابِیۡلَ۔ اس کے معنی جھنڈ کے ہیں۔ قال ابو جيدة ابابيل جماعة فی تفرقة (كبير) قال الزجاج جماعات من ههنا وجماعت من ههنا (مدارک) ائمہ لغت میں سے بعض نے کہا ہے کہ اس کا کوئی واحد نہیں آتا اور بعض نے اس کا واحد ابّیل ابالہ یا ایبالہ یا ابول کو بتایا ہے۔ فيه قولان والاول هو قول الاخفش والفراء انه لاواحد لها (كبير) الواحد ابيل (راغب) جمع اباله بكسر الهمزة وتشديد الباء وقيل واحده ابول مثل عجول (روح) سارے قصہ کا خلاصہ یہ نکلا کہ احکام الٰہی کی بے حرمتی کرنے والوں کو عتاب الٰہی سے ڈرتے رہنا چاہیے، خواہ وہ آخرت میں واقع ہو یا اسی دنیا میں۔

و۱ یعنی کم از کم ایسی ایسی نعمتوں کے شکریہ ہی میں قریش کو چاہیے تھا کہ جس مقدس مکان کے وہ ہمسایہ و مجاور ہیں، اور جس کی دینی و دنیوی دونوں قسم کی برکتوں سے وہ برابر فیضیاب ہوتے رہتے ہیں، اس کے مالک و خالق کو تو پہچانتے، اور شرک چھوڑ کر توحید کی راہ اختیار کرتے ـــ توحید تو بہرحال مذہب حق ہے، اور ہر قسم کے دلائل سے ثابت، لیکن ماں تا کے مارے ماں باپ اولاد کو راہ راست پر لانے کے لئے انتہائے شفقت میں صرف دلائل عقلی و نقلی ہی پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ اولاد کو غیرت دلانے کے لئے طرح طرح کے واسطے بھی دلایا کرتے ہیں۔ پھر حق تعالیٰ کی شفقت تو شفقت والدین سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتی۔ قرآن اس موثر طریقہ ترغیب سے کیسے کام نہ لیتا۔ قُرَیۡشٍ۔ شمالی اہل عرب کی نسل میں شریف ترین اور مشہور ترین قبیلہ کا نام قریش تھا۔ رسول اللہ ﷺ اسی کی ایک شاخ بنی ہاشم میں ظاہر ہوئے۔ نسباً یہ قبیلہ نضر بن کنانہ کی نسل سے تھا۔ وقريش ولد النضر بن كنانة وهو اصح الاقوال واثبتها عندالقرطبی قيل وعليه الفقهاء (روح) پیشہ ان لوگوں کا تجارت تھا۔ اور تجارت ہی کے سلسلہ میں دُور دُور کی سیاحی کر آتے تھے۔ بڑے معاملہ فہم سمجھے جاتے تھے اور اپنے وقت و ملک کی تہذیب و تمدن کے علمبردار تھے۔ اٖلٰفِ۔ لفظ ”ایلاف“ کی تکرار تاکید مضمون اور اس احسان عظیم کے اظہار عظمت کے لئے ہے۔ التكرير تفخيمًا لامر الايلاف وتذكير العظيم المنة فيه (كبير) رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ۔ قریش اپنی تجارتی سیاحتوں کے لئے نام پائے ہوئے تھے۔ ان کے تجارتی سلسلے ایک طرف بحر ہند سے بحر قلزم بلکہ بحر روم تک قائم تھے۔ اور دوسری طرف جنوب عرب میں عمان و یمن سے لے کر شمال میں فلسطین و شام تک کی شاہراہیں ان کے قبضہ میں تھیں۔ اور انہیں پر ان کے بڑے بڑے تجارتی قافلے بین الاقوامی مال و سامان سے لدے ہوئے برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ خود ان کا وطنی علاقہ مکہ تو بے آب و گیاہ تھا۔ ان کے معاشی اور مالی سہارے یہی تجارتی سفر تھے۔ الشِّتَآءِ۔ سردی کے موسم میں ان کے قافلے جنوب میں یمن کی طرف جاتے۔ وَ الصَّیۡفِ۔ گرمیوں کے زمانہ میں ان کی تجارت شمال کی طرف شام میں جاری رہتی۔ غرض سال بھر بحری و بری تجارت زور و شور سے جاری رہتی۔ آبادی کا بڑا حصہ اپنا سرمایہ اسی تجارت میں لگائے رہتا۔ قافلے واپس آتے، تو شہر بھر میں خوب منافع (Dividends.) تقسیم ہوتا۔ اور لوگ سال بھر خوش حالی سے بسر کرتے۔ ہٰذَا الۡبَیۡتِ۔ یعنی خانہ کعبہ۔ اسم اشارہ اس سیاق میں تعظیمی پہلو رکھتا ہے۔ الاشارة الى البيت فی هذا النظم تفيد التعظيم (كبير) رَبَّ ہٰذَا الۡبَیۡتِ۔ یعنی خدائے واحد، اکیلے اور یکتا خدا۔ اِیۡلٰفِ۔ ہمارے زمانہ کے مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آبادی ثم پاکستانی نے ”ایلاف“ کا ترجمہ تجارتی معاہدہ سے کیا ہے، اور اپنی محققانہ کتاب رسول اکرم کی سیاسی زندگی“ میں لکھا ہے کہ ”چین و ہندوستان کی تجارت عرب ہی سے ہو کر یورپ جاتی تھی۔ قریش کا عرب کی تجارت پر حاوی رہنا، مصر و شام، عراق و ایران، یمن و عمان، حبش و سندھ وغیرہ سے انہوں نے جو تجارتی معاہدے (ایلاف) کر رکھے تھے اور رحلۃ الشتاء والصیف کے باعث شمال و جنوب کے جس طرح قلابے ملاتے رہتے تھے وہ سب جانتے ہیں“۔ (ص ۳۷) اور پھر لکھا ہے کہ ”...... غرض عرب کا شمال، جنوب، مشرق، مغرب اور وسط ہر حصہ قریشی ایلاف کی زنجیروں سے جکڑ گیا تھا۔ ان کے میلے اور ان کے کاروان، جتنے مفید ثابت ہوئے ان کو قرآن نے دو معجز نما لفظوں میں یوں یاد دلایا ہے کہ اَطۡعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ۙ وَّ اٰمَنَہُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ (فاقہ

کی جگہ کھانا اور خوف کی جگہ امن) اس نے قریش کو پورے عرب میں ایک مرکزیت و معزز جمعیت دے دی" صفحہ ۴۵ ف ۲ رزق اور امن، یہ دو نعمتیں ہر ملک کے لئے ہر زمانہ میں انفرادی و اجتماعی ہر حیثیت سے، سب سے بڑی اور قابل قدر نعمتیں رہی ہیں۔ عرب خصوصاً حجاز کی جغرافی حالت کے لحاظ سے ان نعمتوں کی اہمیت کئی گنی اور بڑھی ہوئی تھی، اور گویا ایک بالکل معجزانہ حیثیت رکھتی تھی۔ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ۔ بھوک کا سوال۔ پیٹ کا سوال، روٹی کا سوال، ملک کا معاشیاتی سوال ہر جگہ نمبر اول پر اہم رہا ہے۔ چہ جائیکہ حجاز کی سرزمین، جو خشک و نا قابل زراعت تھی۔ پھر وہاں کے لوگ اور اتنے خوشحال رہیں، یہ جوار کعبہ کی برکت کا معجزہ نہ تھا، تو اور کیا تھا۔ وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ۔ ماحول ایسا کہ رہزنی ایک عام صورت حال۔ لیکن اسی مجاورت حرم کی برکت سے قریش کے تقدس کی عظمت ایسی دلوں میں بیٹھی ہوئی کہ یہ لوگ بے کھٹکے سفر کرتے، اور کوئی ان کی طرف بری نیت سے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا، بلکہ اور ان کی خاطر اور احترام ہی ہر جگہ ہوتا۔ جُوْعٍ۔ خَوْفٍ۔ دونوں کا صیغہ نکرہ بھوک اور خوف کی شدت اور اہمیت کے اظہار کے لئے ہے۔ والتنكير فى جوع وخوف بشدتهما يعنى اطعمهم من جوع شديد وامنهم من خوف عظيم (کشاف) المراد من التنكير التعظيم (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس کسی کو کسی امر دینی کے واسطہ سے جاہ یا مال نصیب ہو (جیسے یہاں قریش کو بیت اللہ کے واسطہ سے تھا) اسے چاہیے کہ بجائے فخر و دعوی کے شکر و طاعت کا اور زیادہ اہتمام رکھے۔ ف ۱ یعنی وہ بددین شخص ایسا سنگدل اور تنگدل ہے کہ خود تو بیچارے یتیموں کے ساتھ حسن سلوک تو کیا کرے گا، الٹا ان کے ساتھ بیدردی کا برتاؤ کرتا ہے اور دوسروں تک کو مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک پر آمادہ نہیں کرتا — حق تلفیوں میں جسارت و قساوت اسی کے دل میں پیدا ہوتی ہے جو آخرت کا منکر یا عملاً منکر ہوتا ہے۔ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ۔ دین سے یہاں عموماً مراد جزاء و حساب ہی سے لی گئی ہے۔ وهو قول اكثر المفسرين ان المراد رأيت الذى يكذب بالحساب والجزاء (کبیر) ارأيت۔ ہمزہ استفہام مخاطبین کے ذہن میں مکذب کے تعارف کے لئے شوق و جستجو پیدا کرنے کو ہے۔ استفهام اريد به تشويق السامع الى تعرف المكذب (روح) رأيت۔ رؤیت سے یہاں لازمی طور پر رؤیت بصری ہی مراد نہیں ہو سکتا ہے کہ محض جاننا مراد ہو۔ والروية بمعنى المعرفة (روح) ذلك۔ اشارۂ بعید ان لوگوں کی بعد منزلت کو ظاہر کرنے کو ہے۔ ان کی انہی بداعمالیوں کی بناء پر۔ قيل ان اسم الاشارة هنا مقحم للاشارة الى بُعد المنزلة فى الشر والفساد۔ (روح) الذى۔ لفظاً واحد ہے مگر معنیً جمع۔ مراد ریاکار نمازیوں کی جنس ہے۔ معناه الجمع لان المراد به الجنس (کشاف) يَدُعُّ الْيَتِيْمَ۔ یتیموں کے ساتھ بدسلوکی اور ان کی حق تلفی عرب جاہلیت میں عام طور سے شائع تھی۔ طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ عرب بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے۔ کھانا کھلانا ان کے ہاں بہترین بھلائی سمجھا جاتا تھا۔ اور بخیل اپنی برائی میں بطور سند کے پیش کیا جاتا۔ ف ۲ یعنی نماز اگر پڑھتے بھی ہیں، تو نمائش اور دکھاوے کی۔ جسے اصل عقیدہ سے کوئی تعلق ہی نہیں، گویا بندوں کے حق ضائع کرتے کرتے خالق کے حق ضائع کرنے میں بھی دلیر ہو گئے ہیں۔ عام خیال یہ پھیلا ہوا ہے، اور اپنی جگہ پر صحیح بھی ہے کہ حقوق العبد، حقوق اللہ پر مقدم ہیں۔ لیکن یہ تقدم صرف زائد مؤکد اور اشد ہونے کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ فی نفسہ اہمیت تو ظاہر ہے کہ حقوق اللہ ہی کی ہے۔ حقوق العبد بھی تو اسی لئے فرض ہیں کہ اللہ کے بتائے ہوئے احکام ہیں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تنبیہ فرمائی ہے کہ سورت میں ذکر ان افعال کا ہے جو تکذیب دین سے پیدا ہوتے ہیں، خواہ کفراً خواہ نفاقاً۔ باقی اگر وہ بلا تکذیب دین ہوں تو مذموم اس وقت بھی ہوں گے، مگر اس درجہ میں نہیں۔ ف ۳ (اور دوسروں کو دینے میں بخل کرتے ہیں) الْمَاعُوْنَ۔ ماعون روزمرہ کے استعمال کی معمولی معمولی چیزوں کو کہتے ہیں۔ اور ہر اس چیز کو جس سے دوسروں کا کام نکل سکے۔ قال ابو عبيدة كل ما فيه منفعة فهو الماعون (جصاص) قال ابو عبيدة والزجاج والمبرد هو فى الجاهلية كل ما فيه من منفعة من قليل او كثير (روح) مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کے دل مخلوق خدا کی ہمدردی سے اس قدر خالی ہیں کہ کسی کی معمولی سی اعانت بھی انہیں گوارا نہیں ہوتی۔ بلکہ گراں گزرتی ہے — شریعت کو ملت کی اصلاح انفرادی و اجتماعی کا جس درجہ اہتمام مطلوب ہے! اس سورت سے بالکل ظاہر ہو رہا ہے۔ جن لوگوں میں عام انسانی ہمدردی اتنی بھی نہیں، انہیں دین کی تکذیب کرنے والا ٹھہرایا ہے۔ ماعون۔ کے دوسرے معنی زکوٰۃ کے کیے گئے ہیں۔ قال على وابن عباس رواية وابن عمر وابن المسيب الماعون الزكوة (جصاص) اى الزكاة كما جاء عن على وابنه محمد بن الحنفية وابن عباس وابن عمر وزيد بن اسلم والضحاك وعكرمة (روح) مفہوم اس صورت میں بھی وہی رہتا ہے۔ یعنی زکوٰۃ جیسی واجب چیز کو بھی ان کا دل گوارا نہیں کرتا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سورت میں ذمائم اخلاق یعنی فسوق، غفلت، ریاء و بخل کی مذمت مذکور ہے صاحب کشاف نے چھٹی ہجری کے وسط اول میں اس سورت کی تفسیر میں ریاء کار نمازیوں کی تفصیلی حالت کا مرقع کھینچتے ہوئے لکھا ہے کہ بڑے رنج کا مقام ہے کہ ہمارے زمانہ میں اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے، بلکہ طبقۂ علماء تک کے لوگ اسی قسم کی ریائی نمازیں پڑھتے رہتے ہیں۔ وكم ترى من المتسمين بالاسلام بل من العلماء منهم من هو على هذه الصفة فيا مصيبتا (کشاف) آٹھ سو سال بعد چودھویں صدی ہجری کے وسط میں یہ ماتم کن الفاظ میں کیا جائے؟ ف ۱ (دنیا و آخرت دونوں میں جو عین دلیل ہے آپ کے کمال مقبولیت کی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آخرت میں خیر کثیر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب قرب و درجات عالیہ کے لحاظ سے ظاہر ہی ہے، اور خیر دنیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی کثرت تعداد اور ان کی دینوی و اخروی فلاح کے لحاظ سے ہوئی — آیت کا صیغہ ماضی در آنحالیکہ ظہور خیر کثیر کا تعلق مستقبل سے ہے، اس حقیقت کے اظہار کے لئے ہے کہ ایسا ہونا بالکل قطعی اور حتمی ہے۔ الْكَوْثَرَ۔ کوثر کے لفظی معنی خیر کثیر کے ہیں۔ اور ... لفظ دنیا و آخرت دونوں کی ساری بھلائیوں کا جامع ہے۔ وهذا اللفظ يتناول خيرات الدنيا وخيرات الأخرة

مِّنْ جُوْعٍ ۙ۬ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۴

کھانے کو دیا اور انہیں خوف سے امن دیا ف ۲

رکوعہا ۱	۱۰۷ سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ ۱۷	آیاتہا ۷
اور ایک رکوع ہے	سورۃ الماعون مکہ میں نازل ہوئی	اس کی سات آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۱ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۲ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۳ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۴ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۵ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۶ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۷

بھلا تو نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جو روز جزاء کو جھٹلاتا ہے؟ سو وہ وہ شخص جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور محتاجوں کے لئے کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا ف ۱ سو بڑی خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لئے، جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں (اور) جو ایسے ہیں کہ ریاء کاری کرتے ہیں ف ۲ اور حقیر چیزوں تک کو روکے رہتے ہیں ف ۳

رکوعہا ۱	۱۰۸ سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ ۱۵	آیاتہا ۳
اور ایک رکوع ہے	سورۃ الکوثر مکہ نازل ہوئی	اس کی تین آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۲

ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کی ہے ف ۱ سو آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے ف ۲

(کبیر) لاجرم تناول جمیع خیرات الدنیا والاٰخرة (کبیر) اور اس کے تحت میں دنیا وعقبیٰ کی ساری نعمتیں سارے انعامات الٰہی آجاتے ہیں، مفسرین نے اس کے ذیل میں کثرت علوم، کثرت معارف، کثرت حسنات، کثرت فتوح، کثرت اتباع کثرت اولاد سب ہی ذکر کیے ہیں، اور سب اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ الْكَوْثَرَ۔ سے مراد جنت کی ایک مشہور نہر بھی ہے۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ۔ کلمۂ اِنَّ اور ضمیر متکلم کی تکرار نے اس ترکیب میں حصر اور تاکید دونوں کے معنی پیدا کردیئے۔ اِنَّآ جس طرح صیغۂ جمع کے لئے آتا ہے۔ اسی طرح اظہار تعظیم کے لئے بھی آتا ہے۔ اور خدائے واحد کے لئے چونکہ جمع کا کوئی امکان نہیں، اس لئے لامحالہ یہاں مراد اظہار عظمت ہی ہے۔ کلمة تارة یراد بها الجمع وتارة یراد بها التعظیم (کبیر) ف۲ (اور معاندین کے طنز وتعریض کا خیال ہی نہ کیجئے) فَصَلِّ۔ نماز یہاں قائم مقام ہے ساری بدنی عبادات کے — یہ بھی کہا گیا ہے کہ نماز تمام اقسام شکر کی جامع ہے، اسی لئے بجائے شکر کے اسے لایا گیا۔ فان الصلوٰة جامعة لجمیع اقسام الشکر و لذا قیل فصل دون فاشکر (روح) وَانْحَرْ۔ قربانی یہاں قائم مقام ہے ساری مالی عبادات کے اور پھر اونٹ کی قربانی تو عرب میں اعلیٰ ترین اور اس کا اہل حاجت پر تقسیم کرنا مال کا بہترین صرف۔ والنحر البدن التی هی خیار اموال العرب باسمه تعالٰی علی المحاویج (روح) لِرَبِّكَ۔ یعنی یہ ساری بدنی ومالی عبادتیں وطاعتیں خالصۃً صرف اللہ ہی کے لئے ہوں۔ نہ کہ خدانخواستہ بتوں کے لئے، یا کسی دنیوی منفعت کے خیال سے۔ مشرک قوموں میں عموماً اور ہر جگہ انسان کا لاولد رہ جانا شدید نحوست سمجھا گیا ہے۔ عرب جاہلی بھی اسی عقیدہ میں شدت کے ساتھ مبتلا تھے۔ چنانچہ جب

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾

یقیناً بے نام ونشان (ہوکر) تو آپ کا دشمن ہی رہے گا ف۳

اٰیاتها ۶ | ۱۰۹ سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ ۱۸ | رکوعها ۱

اس کی چھ آیتیں ہیں | سورۃ الکافرون مکہ میں نازل ہوئی | اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱﴾ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَاۤ

آپ کہہ دیجئے، کہ اے کافرو! نہ تو میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں، اور نہ

اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ﴿۳﴾ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ﴿۴﴾

تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو ف۱ اور نہ میں (آیندہ) تمہارے معبودوں کی پرستش کرنے والا ہوں

وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ﴿۵﴾ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴿۶﴾

اور نہ تم ہی (آیندہ) میرے معبود کی پرستش کرنے والے ہو ف۲ تمہیں تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھے میرا بدلہ ف۳

اٰیاتها ۳ | ۱۱۰ سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۴ | رکوعها ۱

اس کی تین آیتیں ہیں | سورۃ النصر مدینہ میں نازل ہوئی | اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴿۱﴾ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ

جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں

فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴿۲﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

جوق جوق داخل ہوتے دیکھ لیں ف۱ تو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید کیجئے

رسول اللہ ﷺ کے کمسن صاحبزادہ حضرت ابراہیم کا انتقال ہوگیا، تو ان لوگوں کو تعریض کا ایک نیا عنوان ہاتھ آگیا، اور خوش ہو ہو کر کہنے لگے کہ "ان کا کوئی نام لیوا تو رہا نہیں، ان کی موت کے بعد میدان صاف ہے، ان کے دین کا کہیں پتہ نشان بھی نہ رہے گا"۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ کو بتایا جارہا ہے کہ آپ ﷺ کو تو بڑی سے بڑی ممکن نعمتیں عطا ہوچکی ہیں، آپ ﷺ کا دین خوب چمکے گا، خوب پھیلے گا۔ آپ ان نعمتوں کے شکر میں نماز وعبادات میں مشغول رہیے، اور معاندوں کے طنز وطعن کی طرف اعتناء ہی نہ کیجئے۔ ف۳ چنانچہ یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوکر رہی۔ ابوجہل اور ابولہب اور عتبہ کا "ذکر خیر" آج دنیا کے پردہ میں کہیں بھی ہے؟ اور آپ ﷺ کا ذکر خیر ہے کہ سینوں کے اندر اور زبانوں کے اوپر ہر طرح جاری وساری ہی ہے۔ الْاَبْتَرُ۔ ابتر اسے کہتے ہیں جس کا ذکر خیر کرنے والا، نام لینے والا کوئی نہ رہ جائے۔ ای المقطوع الذکر (راغب) قیل رجل ابتر ای انقطع ذکره عن الخیر (راغب) ف۱ یعنی دین اسلام اور ملت شرک کے درمیان کی کوئی صورت ممکن نہیں، دونوں راہیں بالکل الگ الگ ہیں۔ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۔ اے وہ لوگو جو ملت کفر پر قائم ہو۔ یہ خطاب ان کافروں سے ہے، جو کفر وایمان، جاہلیت واسلام کے طریقوں کو ملا جلا کر کوئی نیا دین اپنی تجویز سے قائم کرنا چاہتے تھے ــــ مثلاً یہ کہ ایک سال تعلیم وتبلیغ خالص توحید کی ہو اور دوسرے سال مورتی پوجا کی۔ یہ کوششیں عرب اور اس دور کے عرب کے ساتھ محدود ومخصوص نہ تھیں۔ بارہا یہ کوششیں ہوچکی ہیں اور اب بھی جاری ہیں کہ کفر واسلام، شرک وتوحید کو ملا کر ایک کردیا جائے ــــ اکبر کا "دین الٰہی" اسی کوشش کا ایک نمونہ تھا، اور عین اس وقت تو یہ کوششیں کہیں زیادہ زور وقوت واثر کے ساتھ جاری ہیں۔ وَلَا ...... اَعْبُدُ۔ تمہارا یہ دعوی ہی غلط وبے بنیاد ہے کہ تم میرے خدا کی پرستش کرتے ہو۔ خدائے اسلام مشرکین کے معبود اعظم سے بالکل مختلف ہے۔ ف۲ یعنی جب تک تم اپنے دین وآئین پر قائم ہو، تمہارا شمار اہل توحید میں نہیں ہوسکتا، اور میں جب تک اپنے مسلک پر مستقیم ہوں، بظاہر ہے کہ میں مشرک نہیں سمجھا جاسکتا۔ کفر واسلام کے درمیان شرک وتوحید کے مابین کوئی نقطہ اشتراک ہے ہی نہیں۔ وهذا غایة فی التبرؤ (بحر) وفائدة هذا التوکید قطع اطماع الکفار (بحر) قرآن، یہ ہمیشہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ زبان عربی میں اور محاورۂ قریش پر ہے۔ اس کی فصاحت وبلاغت کے سمجھنے کے لئے ہمیشہ عرب ہی کے اسلوب بیان کو پیش نظر رکھنا ہوگا نہ کہ اردو یا فارسی یا انگریزی یا کسی اور زبان کے معیار کو ــــ عربی میں تکرار کلام تاکید کے لئے ہوتی ہے، اور یہ عبارت کی عین خوبی وزینت سمجھی جاتی ہے۔ قال الفراء ان القراٰن نزل بلغة العرب ومن عادتهم تکرار الکلام للتاکید والافهام (روح) التوکید فی لسان العرب کثیر جدًا وحکوا من ذٰلک نظمًا ونثرًا مالایکاد یحصر (بحر) ف۳ یعنی توحید پر انعام اور شرک پر عذاب۔ بعض لوگوں نے عجب "خوش فہمی" سے کام لے کر اس آیت کو اسلام کی "رواداری" اور "مرنجان مرنج پالیسی" کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ اسلام نے ہر مذہب والے کو اپنی اپنی جگہ قائم اور باقی رہنے کی اجازت دے دی ہے۔ حالانکہ واقعہ اس کے برعکس ہے۔ آیت تو اکبر (فرمانروائے ہند) کے نکالے ہوئے مخلوطی دین اور اسی قبیل کی ساری کوششوں کی لاحاصلی اور ناکامی کا اعلان کررہی ہے۔ دِيْنِ۔ اردو میں بے شک مذہب ہی کا مرادف ہے، لیکن عربی میں اس کے یہ معنی صرف ثانوی اور مجازی ہیں۔ اصلی اور اولی معنی جزا یا بدلہ ہی کے ہیں۔ الدین هو الحساب ای لکم حسابکم ولی حسابی (کبیر) جائز ہے کہ یہاں بھی دینکم سے مراد شرک اور دینی سے مراد توحید لی جائے۔ ای لکم شرککم ولی توحیدی (کشاف) آیت کی ترکیب حصر کے معنی دے رہی ہے۔ یعنی تمہاری جزا تمہیں کو ملے گی نہ کہ کسی اور کو۔ اور میری جزا مجھی کو ملے گی نہ کہ کسی اور کو۔ یفید الحصر ومعناه لم دینکم ولا لغیرکم ولی دینی لا لغیری (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سورت میں اہل ضلال سے تبری ومفارقت کی تصریح ہے، اور اسی کا دوسرا نام بغض فی اللہ ہے۔ ف۱ چنانچہ عمان، حضرموت، یمن، سب کہیں سے، عرب کے دور دراز مقامات سے وفد پر وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اظہار اطاعت کے لئے چلے آرہے تھے۔ اور قبیلے پر قبیلے اسلام کی طرف سبقت کرنے لگے تھے۔ جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کی نصرت مشاہدہ میں آنے لگے۔ وَالْفَتْحُ۔ الْفَتْحُ سے مراد فتح مکہ لی گئی ہے۔ جو رمضان ۸ھ میں حاصل ہوئی تھی۔ وعن عائشة ان المراد به فتح مکة وروی ذٰلک عن مجاهد وغیره وصححه الجمهور (روح) شہر مکہ تسخیر ہوجانے کے بعد کہنا چاہیے کہ سارے ہی حجاز پر اسلام کا تسلط ہوگیا تھا۔ باعتبار ان فتح مکة کان ام الفتوح (روح) نَصْرُ۔ فتح

کے درمیان فرق یہ ہے کہ نَصْرٌ تو دشمن پر غلبہ پاجانا ہے اور فتح اس کے ملک کا فتح ہوجانا۔ النصر الاغاثة الاظهار علی العدو والفتح فتح البلاد (کشاف) فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ۔ یعنی مذہب اسلام میں۔ دین اللہ اسلام ہی ہے۔ اے ملة الاسلام التی لادین له تعالٰی یضاف الیه غیرها (روح) اَفْوَاجًا۔ فوج کے معنٰی جماعت کے ہیں۔ یعنی لوگ خوب جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگیں۔ والمراد بدخول الناس فی دینه تعالٰی افواجا اے جماعات کثیرة (روح) شہر مکہ و شہر طائف اور ملک یمن اور قبیلۂ ہوازن کے لوگ فتح مکہ کے معاً بعد داخل اسلام ہونے لگے۔ ف۲ انتہائی فتحمندیوں، کامیابیوں، کامرانیوں کے وقت ارشاد یہ نہیں ہوتا کہ جشن دھوم دھام سے منانا، جلوس نکالنا، نقارے بجانا، چراغاں کرنا، زندہ باد کے نعرے لگانا (دنیا تو فتحمندیوں کے انہیں جشنوں، جلوسوں سے واقف ہے) بلکہ حکم یہ ملتا ہے کہ اللہ کی یاد کی منزلیں طے کرنے کے بعد حمد و تسبیح و استغفار میں اور زیادہ لگ جایئے! اکابر صحابہ آیت کے نزول ہی سے سمجھ گئے تھے کہ جو رسول ﷺ کا مقصد بعثت تھا وہ پورا ہو چکا اور اب وقت وفات نبوی ﷺ قریب ہے، بلاضرورت اس دنیا میں کسی کو بھی نہیں رکھا جاتا ہے، چہ جائیکہ رسول کو۔ ان کا مشن ختم ہو چکا، اور اب انہیں اپنی اصلی منزل جنت کی طرف واپس ہونا ہے۔ استغفار۔ جب رسول کے لئے آتا ہے، تو مراد کسی گناہ کے صدور سے نہیں، صرف ترک اولیٰ سے ہوتی ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اسی طرح سالکین طریق کو بھی چاہیے کہ جب تبلیغ و ارشاد سے فارغ ہو جایا کریں، تو مخصوص عبادات تقرب میں مشغول ہو جائیں۔

وَاسْتَغْفِرْهُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳ۧ

اور اس سے استغفار کیجئے بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے ف۲

آیاتہا ۵ ۱۱۱ سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ ۶ رکوعہا ۱

اس کی پانچ آیتیں ہیں سورۃ اللہب مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ۭ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ

دو ہاتھ ٹوٹ گئے ابولہب کے اور وہ برباد ہو گیا ف۱ نہ اُس کا مال اس کے کام آیا،

وَمَا كَسَبَ ۝۲ۭ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳ۚۖ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ

اور نہ اس کی کمائی ہی ف۲ ایک شعلہ زن (سخت) آگ میں پڑے گا (خود بھی) اور اس کی بیوی بھی ف۳

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝۴ۚ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵ۧ

لکڑیاں لاد کر لانے والی، اُس کی گردن میں ایک رسی (پڑی) ہو گی خوب بٹی ہوئی ف۴

آیاتہا ۴ ۱۱۲ سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ ۲۲ رکوعہا ۱

اس کی چار آیتیں ہیں سورۃ الاخلاص مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ۚ لَمْ يَلِدْ ڏ

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے ف۱ اللہ بے نیاز ف۲ نہ اُس کے کوئی اولاد ہے

وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴ۧ

نہ وہ کسی کی اولاد ہے، ف۳ اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے ف۴

ف۱ ابولہب۔ لفظی معنٰی ہیں "شعلہ کا باپ" عرب جاہلی میں کنیت کا رواج عام تھا۔ یہ کنیت ایک سردار قریش عبدالعزّٰی بن عبدالمطلب کی تھی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا چچا تھا، اور چونکہ اس کے چہرے کا رنگ بہت ہی سرخ تھا، اس کی آتشیں رخساری کی بناء پر اسے ابولہب کہنے لگے تھے۔ یہ اتنے قریب کے عزیز ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مشن کا شدید ترین مخالف تھا، اور ریاست مکہ کا ایک ذی اثر رئیس تھا۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ قرآن میں جو ابولہب آیا ہے، یہ بطور کنیت کے نہیں، بلکہ بطور پیش خبری کے ہے کہ اس شخص کا انجام جہنمی ہونا ہے۔ قال بعض المفسرین انه لم یقصد بذلک مقصد کنیته التی اشتهر بها وانما قصد الٰی اثبات النار له وانه من اهلها وسماه بذلک کما یسمّی المشیر للحرب والمباشر لها ابوالحرب واخوالحرب (راغب) تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ۔ یعنی ابولہب کی قوتیں بے کار گئیں، اور اس کی تدبیریں بے اثر رہیں۔ وَّتَبَّ۔ اور وہ خود ناکام و نامراد و ہلاک ہو کر رہ گیا۔ خوب خیال رہے کہ سورت جس وقت نازل ہوئی ہے، ابولہب اپنی پوری قوت و اقتدار کے ساتھ ایک زندہ شخصیت کا مالک تھا۔ آج واقعہ کے گزر جانے کے چودہ صدیاں بعد محض اس کا ذکر ایک چھپی ہوئی کتاب میں پڑھ لینا اور بات ہے، اور ایک معاصر رئیس اور سردار کے منہ پر اس کے لئے یہ ہولناک پیشگوئی سنا دینا اس سے کتنے مختلف معنٰی رکھتی تھی! ذرا خیال تو کیجئے کہ اس وقت کیسی کھلبلی مچ گئی ہو گی۔ ف۲ یعنی تباہی، ہلاکت، نامرادی سے اس کا مال و دولت اسے ذرا نہ بچا سکا۔ مَالُهٗ۔ یعنی اس کا مستقل سرمایہ۔ مَا كَسَبَ۔ یعنی اس مستقل سرمایہ پر حاصل ہونے والا نفع۔ اللہ اکبر! قرآن کس جزم و قطعیت کے ساتھ مستقبل کی پیشگوئی کر رہا ہے۔ وہ شخص اچھا خاصا زندہ و سلامت اپنے اثر و اقتدار کے ساتھ موجود ہے، اور ایک بیکس و بے یار شخص (ﷺ) پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس کا یہ انجام ہو چکا! صیغۂ ماضی برابر ملحوظ خاطر رہے، جو عربی اسلوب بیان میں مستقبل کے اظہار قطعیت کے لئے آتا ہے۔ ف۳ یعنی اُمّ جمیل بنت حرب ہمشیرۂ ابوسفیان۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے مشن سے مخالفت اس کی بھی حد غلو تک پہنچی ہوئی تھی۔ س وعید کے لئے ہے۔ یعنی یہ انجام ہونا بالکل یقینی ہے۔ والسین للوعید اے هو کائن لامحالة وان تراخی وقته (کشاف) والسین لتاکید الوعید (روح) نَارًا۔ صیغۂ نکرہ کا آنا آگ کی بڑائی اور سختی کے اظہار کے لئے ہے۔ والتنوین للتعظیم اے نارًا عظیمةً (روح) ف۴ یہ بیان تو واقعات آخرت کا ہو رہا ہے کہ وہاں ان دشمنان حق میاں بیوی کا یہ انجام ہو گا۔ لیکن اہل سیر لکھتے ہیں کہ دنیا میں بھی اس عورت کا یہی انجام ہوا، اور وہ گلے میں رسی کا پھندا پڑ جانے سے مری۔ اَلْحَطَبِ۔ یعنی جنگل کی خاردار لکڑیاں۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ۔ ام جمیل شدت بغض و عداوت سے جنگل کی خاردار لکڑیاں چن کر رات کے وقت ان راستوں میں ڈال دیتی، جن سے رسول اللہ ﷺ گزرنے والے ہوتے۔ کانت تحمل حزمة من الشرک والحسک والسعدان فتنشرها باللیل فی طریق رسول اللہ ﷺ (کشاف) حَمَّالَةَ الْحَطَبِ۔ محاورۂ عرب میں مفسد اور ادھر سے اُدھر لگائی بجھائی کرنے والے کو کہتے ہیں، جیسے فارسی میں ہیزم کش۔ یقال للمشاء بالنمائم المفسدین الناس یحمل الحطب بینهم اے یوقد بینهم النائرة ویورث الشر (کشاف) وقوله تعالٰی حمالة الحطب کنایة عنها بالنمیمة (راغب) یعنی النمیمة وعنه یقال فلان یحطب علیّ اذا اغرٰی به والکلام استعارة شبهوا النمیمة بالحطب والعداوة والشحناء بالنار (ابن قتیبة) ف۱ ذات، صفات، سب کے لحاظ سے واحد و یکتا ـــ نہ عدد میں دُو، نہ اس کا کوئی اقنوم، نہ اس کا کوئی مظہر یا اوتار، نہ اس کا کوئی مثل و نمونہ۔ یعنی هو الواحد الاحد الذی لانظیر له ولاوزیر ولاندید ولاشبیه ولاعدیل (ابن کثیر) اَحَدٌ۔ لفظ احد کا استعمال عربی میں مختلف موقعوں پر ہوتا رہتا ہے۔ جب صیغۂ اثبات میں اور صفت مطلق کی طرح پر آتا ہے تو اس کا اطلاق بجز حق تعالٰی کے اور کسی پر جائز نہیں کہ صرف وہی اپنی ذات و صفات میں بے نظیر و بے ہمتا ہے۔ والثالث ان یستعمل مطلقًا وصفًا ولیس ذلک الافی وصف اللہ تعالٰی (راغب) ولایطلق هذا اللفظ علی احد

ایاتها ۵ ۱۱۳ سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ ۲۰ رکوعها ۱

اس کی پانچ آیتیں ہیں سورۃ الفلق مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوقات کے شر سے ف۱

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ

اور اندھیری رات کے شر سے، جب رات آجائے ف۲ اور گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں

فِي الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾ ع ۳۸

کے شر سے ف۳ اور حسد کرنے والے کے شر سے، جب وہ حسد کرنے لگے ف۴

ایاتها ۶ ۱۱۴ سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ ۲۱ رکوعها ۱

اس کی چھ آیتیں ہیں سورۃ الناس مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿۳﴾

آپ کہیے کہ میں انسانوں کے پروردگار کی، انسانوں کے بادشاہ کی، انسانوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں ف۱

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴿۴﴾ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ

پیچھے ہٹ جانے والے وسوسے ڈالنے والے (شیطان) کے شر سے، ف۲ (وہی) جو لوگوں کے

فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾ ع ۳۹

دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے خواہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے ف۳

فی الاثبات الاعلی اللہ عزوجل لانہ الکامل فی جمیع صفاتہ وافعالہ (ابن کثیر) الاحد۔ اہل لغت کا بیان اس باب میں بالکل واضح وصریح ہے کہ یہ اسم صرف ذات حق کے ساتھ مخصوص ہے اور صفت احدیت صرف اسی کے حق میں آسکتی ہے۔ لایوصف بہ الاحضرۃ جناب اللہ سبحانہٗ وتعالٰی لخلوص ھذا الاسم الشریف لہ تعالٰی وھو الفرد الذی لم یزل وحدہٗ ولم یکن معہٗ اٰخر وقیل احدیتہٗ معناھا انہٗ لایقبل التجزی لنزاھتہ عن ذٰلک وقیل الاحد الذی لاثانی لہٗ فی ربوبیتہ ولا فی ذاتہ ولا فی صفاتہ (تاج) قال الازھری لایوصف شیء بالاحدیۃ غیر اللہ (کبیر) قُلْ ھُوَ۔ ھو سے یہاں اشارہ اسم اللہ کی طرف ہے۔ اور آیت میں لفظ اللہُ اسی مبتدا کی خبر ہے۔ ھو کنایۃ عن اسم اللہ فیکون قولہ اللہ مرتفعا بانہ خبر مبتدا (کبیر) اَحَدٌ۔ اس کا بجائے الاحد کے صیغہ نکرہ میں آنا اظہار عظمت کے لئے ہے۔ المراد ھو التکبیر علی سبیل التعظیم (کبیر) ف۲ (اور مقصودیت اسی کے لئے خاص ہے) اَلصَّمَدُ۔ صمد وہ ہے کہ سب اس کے محتاج اور وہ کسی کا بھی محتاج نہیں!۔۔۔ اس اسم صفت کے لانے سے خود اس طرف اشارہ ہو گیا کہ معبود تو بس وہی ہے، نہ کہ تمہارے دیوی دیوتا جو خود دوسروں کے محتاج ہیں۔ الصمد السید الذی یصمد الیہ فی الامر والقصد بقولہ اللہ الصمد تنبیھا انہٗ بخلاف من اثبتوا لہ الالٰھیۃ (راغب) اور یہی معنٰی حدیث میں بھی آئے ہیں۔ قال علیہ السلام ھو السید الذی یصمد الیہ فی الحوائج (کبیر) عن ابن عباسؓ، عن ابی ھریرۃ ھو المستغنی عن کل احد المحتاج الیہ کل احد (روح) اس میں تردید آگئی آریہ سماجی شرک، اور بعض دوسرے جاہلی فرقوں کے اس عقیدہ کی، کہ "صانع عالم" بھی روح اور مادہ کا محتاج رہا ہے۔ ف۳ مسیحیوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ خدا صاحب اولاد ہے۔ اور بہت سے مشرکوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے فلاں فلاں دیوتا خدازادے ہیں۔ قرآن شرک کی ہر ممکن اور چلی ہوئی صورت کی تردید کرتا جا رہا ہے۔ مشرک جاہلیوں کے یہی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ خدا بغیر سلسلۂ نسب کے کیسے ہو سکتا ہے؟ آیت اسی تخیل پر ضرب لگا رہی ہے۔ عن ابی بن کعب ان المشرکین قالوا لرسول اللہ ﷺ انسب لنا ربک فانزل اللہ تعالٰی ھٰذہ السورۃ (معالم) ف۴ (جیسا کہ مشرکین نے دیوتاؤں کی برادری بنا کر فرض کر رکھا ہے) بابل (کلدانیہ) مصر، ہند، ایران، یونان جملہ ملکوں کے مذاہب شرکی وجاہلی میں یہ پایا جاتا ہے کہ دیوتاؤں کی باہم جیسے ایک برادری ہوتی ہے، اور پھر ان کا رشتہ معبود اعظم کے ساتھ ہوتا ہے۔ آیت اس تخیل ہی پر ضرب لگاتی ہے۔۔۔ غرض یہ کہ سورت شرک کی ہر متعارف بلکہ ہر ممکن صورت کی تردید کرتی ہے۔ اور خوب فرمایا ہے صاحب تفسیر کبیر نے، کہ جس طرح سورۃ الکوثر شان رسالت میں جامع ہے، اسی طرح سورۃ الاخلاص شان توحید میں جامع ہے۔ سورت کا نام سورۃ الاخلاص ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ یہ سورت ایک ثلث قرآن ہے!۔۔۔ اور اس میں کیا شبہ ہے کہ توحید ذاتی، توحید صفاتی وتوحید افعالی کی جامعیت واستقصاء کے لحاظ سے یہ سورت اپنی نظیر بس آپ ہی ہے۔ فخر المتاخرین علامہ محمود آلوسی بغدادی صاحب تفسیر روح المعانی، صاحب تفسیر کبیر فخر الملۃ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے خود بہت معتقد ہیں، اور ان کے کلام سے بکثرت استفادہ واستشہاد کرتے گئے ہیں۔ لیکن اس سورت کی تفسیر میں پہنچ کر خدا معلوم کس بھول میں پڑ گئے کہ تمہید تفسیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی تصریح کے ساتھ ان پر طعن کر گئے۔ اور یہ لکھ گئے کہ وہ مرویات کی تحقیق میں ہرگز امام نہیں ہیں۔ والرجل رحمۃ اللہ علیہ لیس بامام فی معرفۃ احوال المرویات لایمیز غثھا من سمینھا اولا یبالی بذٰلک فیکتب ماظفر بہ وان عرف شدۃ ضعفہ۔ حیرت ہے کہ علامہ کو یہ خیال نہ رہا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ الاخلاص کی تفسیر تک پہنچنے ہی کہاں پائے تھے، اور ابھی ستائیسویں پارہ کے نصف ہی میں تھے کہ رحلت فرما گئے۔ باقی تفسیر کا تکملہ تو ان کے شاگردوں نے کیا ہے۔

ف۱ مَا خَلَقَ کے عموم نے ادھر توجہ دلا دی کہ مخلوقات ساری کی ساری، خواہ وہ کسی مرتبہ اور نوعیت کی ہو، محکوم اور عاجز اور بے بس ہے۔ اور ہر ایک کی شر وایذاء سے پناہ اللہ ہی سے مانگی جا سکتی ہے۔۔۔ سورت تمام اقسام مضرت سے، جو کسی بھی دنیوی سبب سے پیش آسکتی ہوں، پناہ جوئی وپناہ طلبی کی جامع ہے، اور ختم قرآن پر ایسی ہی جامع دعاء کی ضرورت بھی تھی۔ فلق سے مراد سپیدۂ فجر ہے۔ اور دنیا میں بعض جاہلی قوموں نے خود اس کی بھی پرستش کی ہے۔ قرآن مجید نے یہاں اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ سپیدۂ فجر بھی ہر مخلوق کی طرح مخلوق ہی ہے اور اس کا خالق ومالک بھی وہی ہے۔ جو سب کا ہے۔ فلق کے معنٰی مکان جہنم وغیرہ کے بھی سمجھے گئے ہیں لیکن اس کے معنٰی ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جابر رضی اللہ عنہ صحابیوں اور بکثرت تابعین سے صبح ہی کے مروی ہیں، اور یہی معنٰی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کئے ہیں۔ عن جابر قال الفلق الصبح وقال العوفی عن ابن عباسؓ الفلق الصبح وروی عن مجاھد وسعید بن جبیر وعبداللہ بن محمد بن عقیل والحسن وقتادۃ ومحمد بن کعب القرظی وابن زید ومالک عن زید بن اسلم مثل ھٰذا (ابن کثیر) قال ابن جریر الصواب القول الاول انہ فلق الصبح وھٰذا ھو الصحیح وھو اختیار البخاری فی صحیحہ (ابن کثیر) انہ الصبح وھو قول الاکثرین (کبیر) ف۲ (مع اپنے سارے خطرات اور امکانات مضرت کے) غَاسِقٍ۔ یعنی شدت سے اندھیری رات۔ الغاسق اللیل اعظم وغسق اللیل شدۃ ظلمتہ (راغب) الغاسق ھو اللیل اذا عظم ظلامہ (کبیر) شب کی اندھیریوں کے خطرے ایک دو نہیں، بہت سے ہیں۔ چور، ڈاکو، قاتل وغیرہ عموماً رات ہی میں نکلتے ہیں۔ جنگلی جانوروں، شیر، چیتا، تیندوا، بھیڑیا وغیرہ، نیز حشرات الارض، سانپ، بچھو، کھوپڑ، ان سب کے خطرے رات میں بڑھ جاتے ہیں، متعدد بیماریوں کے کیڑے ڈاکٹری تحقیقات کے مطابق

اندھیرے ہی میں پرورش پاتے ہیں، اور آفتاب کی روشنی میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اور تکلیف دہ کیڑے مکوڑوں، مچھر کھٹمل، پسو وغیرہ کے رات ہی میں نکلنے کا تجربہ تو ہر ایک کو ہے۔ غرض سفر، حضر کی ہر صورت میں رات کے خطرے اور امکانات مضرت و تکلیف، بہت بڑھے ہوئے ہیں — اور بہت سی قوموں نے ان پر رات کے جن وہمی خطروں، بھوت، پریت، چڑیل وغیرہ کا اضافہ کر رکھا ہے ان کا تو ذکر ہی نہیں — تو رات کی ممکن شر انگیزیوں سے پناہ جوئی بشری زندگی کا ایک بڑا اہم جزو ہے۔ ف ۳ سحر کا رواج دنیا میں ہمیشہ بہت زائد رہا ہے، اب بھی متعدد قوموں میں ہے۔ شان نزول کی روایتوں میں ہے کہ بعض یہودی عورتوں نے رسول اللہ ﷺ پر کچھ منتر پڑھ کر سحر کر دیا تھا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، اور حضرت جبرئیل نے آیتوں کو پڑھ پڑھ کر اس سحر کو باطل کر دیا — رسول ﷺ کا سحر سے (جو مادیات ہی کی ایک سفلی قسم ہے) متاثر ہو جانا بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے ذات اقدس کا حب سے، ملیریا سے، درد اعصاب سے متاثر ہو جانا، اور اس میں منافی نبوت ہونے کا کوئی ادنیٰ پہلو بھی نہیں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اسباب طبعی سے اہل باطل کا اثر اہل حق پر بھی پڑ سکتا ہے، اور ایسی تاثیرات حق و باطل کا معیار ہرگز نہیں بن سکتیں۔ ف ۴ دنیوی مخالفتوں اور عداوتوں کی تہ میں عموماً اور اکثر حسد ہی کام کرتا ہوتا ہے۔ حسد کی کارفرمائیوں سے پناہ چاہنا دنیوی تکالیف کے اسباب میں سے ایک بہت بڑے سبب سے پناہ چاہ لینا ہے۔ ف ۱ (کہ ان تینوں صفات کا مصداق وہی خدائے واحد ہے) بِرَبِّ النَّاسِ۔ ربوبیت مطلق صرف اسی کے لئے ثابت ہے — اس سے صفت ربوبیت میں ہر قسم کے شریک کی نفی آگئی۔ مَلِكِ النَّاسِ۔ حاکمیت و مالکیت مطلقہ بھی صرف اسی کے لئے ثابت ہے — اس سے صفت حاکمیت و مالکیت میں ہر قسم کے شریک کی نفی ہوگئی۔ اِلٰهِ النَّاسِ۔ معبودیت صرف اسی کے لئے ثابت ہے — اس سے صفت معبودیت میں ہر قسم کے شریک کی نفی ہوگئی۔ مشرک جاہلی قوموں نے عموماً حق تعالیٰ کی انہیں تین صفات، ربوبیت، مالکیت و معبودیت میں دوسروں کو شریک ٹھہرایا ہے۔ قرآن مجید نے یہاں تینوں صفات کو یکجا کر کے جامع تعلیم توحید کی دے دی ہے۔ سورۃ الفلق جس طرح دنیوی مضرتوں سے استعاذہ کی جامع تھی، یہ سورت دینی مضرتوں سے استعاذہ کی جامع ہے۔ اور اسی پر قرآن مجید کا خاتمہ نہایت ہی مناسب تھا۔ ف ۲ (کہ ان کا ڈالا ہوا وسوسہ کہیں باعث معصیت نہ ہو جائے) ہر شر، ہر معصیت کی ابتداء کسی نہ کسی وسوسہ ہی سے ہوتی ہے۔ وسوسہ دل میں اگر آ کر نکل گیا، تو انسان محفوظ رہ گیا۔ لیکن وہی وسوسہ اگر جم گیا، تو انسان کو کسی نہ کسی درجہ کی مضرت دینی میں پھنسا کر یقیناً رہتا ہے۔ وسوسہ سے پناہ مانگنے کی تعلیم اسی لئے عین حکمت پر مبنی ہے۔ الْخَنَّاسِ۔ شیطان کا ایک صفاتی نام ہے۔ یعنی وہ حق تعالیٰ کا ذکر سن کر سکڑنے لگتا ہے۔ ای الشیطان الذی یخنس ای ینقبض اذا ذکر اللہ تعالٰی (راغب) ف ۳ اس سے معلوم ہوا کہ شیطانی وسوسہ اندازی کا کام جنات بھی کرتے ہیں اور انسان بھی مِنَ الْجِنَّةِ۔ مِن تبعیض کے لئے ہے۔ یعنی ان وسوسہ اندازوں میں سے کوئی جن ہوتا ہے اور کوئی کوئی انسان — قرآن مجید ہی میں دوسری جگہ شیاطین الانس والجن اسی معنیٰ میں ہے۔ ومن للتبعیض ای کائنا من الجنة والناس فھی فی موضع الحال ای ذٰلک الموسوس ھو بعض الجنة وبعض الناس (بحر) بیان للذی یوسوس علی انہ ضربان جنی وانسی (روح) اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًی وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ مَا نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَاٰنَآءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ — بحمد اللہ آج یوم دوشنبہ ۲۰ جولائی ۱۹۴۴ء مطابق ۱۸/ رجب ۱۳۶۳ھ قرآن مجید کی اس مختصر تفسیر کا مسوّدہ اول ختم ہوا۔ اور اس میں دوسرے مشاغل کے ساتھ ساتھ تقریباً سوا تین سال لگے۔ مسودہ کی نظر ثانی و تکمیل میں بھی کم از کم دو سال کی مدت ابھی اور لگے گی۔ اس نامہ سیاہ کا سن اس وقت بحساب شمسی ۵۱ سال سے کچھ اوپر ہے — آج یوم دوشنبہ ۲۲/ مارچ ۱۹۴۸ء (مطابق ۱۰/ جمادی الاول ۱۳۶۷ھ بعد ظہر الحمد للہ کہ قرآن مجید کی اس مختصر تفسیر کی نظر ثانی سے فراغت پائی۔ آج زندگی کا شاید خوش نصیب ترین دن ہے۔ نظر ثانی میں وقت اندازہ سے، بہت زیادہ لگ گیا، دوسرے کام بھی ساتھ ساتھ جاری رہے تھے۔ حق تعالیٰ کا شکرِ احسان کس زبان سے ادا ہو کہ ایک بے علم و بے عمل کو کلام پاک کی خدمت کا یہ حوصلہ دے دیا۔ لغزشوں اور کوتاہیوں سے تو شرح کے یہ ہزارہا صفحات لبریز ہی ہوں گے۔ لیکن کوئی ایک آدھ مقام بھی اگر حق تعالیٰ کے ہاں قبول ہو جائے، تو واللہ کہ اس نامۂ سیاہ کے نامۂ سیاہ کی ساری سیاہیوں کو دھو دینے کے لئے کافی ہے — ناکاروں کا اصلی اور بڑا سہارا خود اسی کا کرم بے حساب و لطف بے نہایت ہے!

اے بدر ماندگی پناہ ہمہ کرم تست عذر خواہ ہمہ + قطرۂ زابِ رحمت تو بس است شستن نامۂ سیاہ ہمہ + خسرواز تو پناہ می جوید اے الٰہ من و الٰہ ہمہ

(نظر ثالث کی تاریخ۔ ۳ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ مطابق یکشنبہ ۱۶ ستمبر ۱۹۵۰ء، بوقت دو بجے دن)

دُعَاءُ خَتْمِ الْقُرْاٰنِ

اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِيْ فِيْ قَبْرِيْ. اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ. وَاجْعَلْهُ لِيْ اِمَامًا

اے اللہ مجھ سے میری قبر کی وحشت دور فرما اے اللہ مجھ پر عظمت والے قرآن کے ذریعہ رحم فرما اور اس کو میرے لیے مقتدا

وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً. اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِيْ مِنْهُ مَانَسِيْتُ وَعَلِّمْنِيْ مِنْهُ مَاجَهِلْتُ

اور نور اور ہدایت اور رحمت بنا اے اللہ اس کے اندر جو میں بھول گیا ہوں وہ مجھے یاد دلا اور جو مجھے نہیں معلوم وہ مجھے سکھا دے

وَارْزُقْنِيْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَاٰنَآءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِيْ حُجَّةً يَّارَبَّ الْعٰلَمِيْنَ اٰمِيْنَ

اور دن رات اس کی تلاوت کرنے کی مجھے توفیق عطا فرما اور اے سب جہانوں کے پالنے والے اس کو میرے لیے دلیل بنا (اے اللہ) قبول فرما

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ ○ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ

بڑی شان بلند مرتبہ والے اللہ نے سچ فرمایا اور سچ فرمایا اس کے رسول ﷺ نے جو عزت والا نبی ہے اور ہم اس پر

الشّٰهِدِيْنَ ○ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِكُلِّ حَرْفٍ

گواہوں میں سے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم سے قبول کیجئے بیشک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے اے اللہ ہمیں قرآن پاک

مِّنَ الْقُرْاٰنِ حَلَاوَةً وَّبِكُلِّ جُزْءٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ جَزَآءً. اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِالْاَلِفِ اُلْفَةً وَّبِالْبَاءِ

کے ہر حرف کے بدلے مٹھاس نصیب کر اور قرآنِ پاک کے ہر جزء کے بدلے اچھا بدلا عطا فرما اے اللہ ہمیں الف کے بدلے اُلفت اور ب کے بدلے

بَرَكَةً وَّبِالتَّآءِ تَوْبَةً وَّبِالثَّاءِ ثَوَابًا وَّبِالْجِيْمِ جَمَالًا وَّبِالْحَاءِ حِكْمَةً وَّبِالْخَاءِ خَيْرًا وَّبِالدَّالِ

برکت اور ت کے بدلے توبہ اور ث کے بدلے ثواب اور ج کے بدلے جمال اور ح کے بدلے دانائی اور خ کے بدلے بھلائی

دَلِيْلًا وَّبِالذَّالِ ذَكَآءً وَّبِالرَّآءِ رَحْمَةً وَّبِالزَّآءِ زَكٰوةً وَّبِالسِّيْنِ سَعَادَةً وَّبِالشِّيْنِ شِفَآءً وَّبِالصَّادِ

اور دال کے بدلے رہنمائی اور ذال کے بدلے ذہانت اور ر کے بدلے رحمت اور ز کے بدلے پاکی اور س کے بدلے نیک بختی اور ش کے بدلے شفاء اور ص کے بدلے

صِدْقًا وَّبِالضَّادِ ضِيَآءً وَّبِالطَّآءِ طَرَاوَةً وَّبِالظَّآءِ ظَفَرًا وَّبِالْعَيْنِ عِلْمًا وَّبِالْغَيْنِ غِنًى وَّبِالْفَآءِ

سچائی اور ض کے بدلے روشنی اور ط کے بدلے تروتازگی اور ظ کے بدلے کامیابی اور ع کے بدلہ علم اور غ کے بدلہ بے نیازی اور ف کے بدلہ

فَلَاحًا وَّبِالْقَافِ قُرْبَةً وَّبِالْكَافِ كَرَامَةً وَّبِاللَّامِ لُطْفًا وَّبِالْمِيْمِ مَوْعِظَةً وَّبِالنُّوْنِ نُوْرًا وَّبِالْوَاوِ

فلاح اور ق کے بدلہ نزدیکی اور ک کے بدلہ عزت اور ل کے بدلہ مہربانی اور م کے بدلہ نصیحت اور ن کے بدلہ نور اور و کے بدلہ

وُصْلَةً وَّبِالْهَآءِ هِدَايَةً وَّبِالْيَآءِ يَقِيْنًا. اَللّٰهُمَّ انْفَعْنَا بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ ○ وَارْفَعْنَا بِالْاٰيٰتِ

ملاپ اور ھ کے بدلہ رہنمائی اور ی کے بدلہ یقین عطا فرما یا اللہ ہمیں عظمت والے قرآن کے ذریعہ نفع پہنچا اور ہمارا مرتبہ آیات

وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ○ وَتَقَبَّلْ مِنَّا قِرَاءَتَنَا وَتَجَاوَزْ عَنَّا مَا كَانَ فِيْ تِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ مِنْ خَطَاٍ

اور حکمت والے ذکر کے ذریعہ بلند فرما اور ہمارے پڑھنے کو قبول فرما اور ہم سے درگزر فرما وہ کوتاہی جو قرآن پاک کی

اَوْ نِسْيَانٍ اَوْ تَحْرِيْفِ كَلِمَةٍ عَنْ مَّوَاضِعِهَا اَوْ تَقْدِيْمٍ اَوْ تَاْخِيْرٍ اَوْ زِيَادَةٍ اَوْ نُقْصَانٍ اَوْ

تلاوت میں ہوئی ہو یعنی خطا یا بھول یا بدلنا کلمہ کا اپنی جگہ سے یا آگے یا پیچھے یا زیادتی یا کمی یا مراد لیا غیر اس کا

تَاْوِيْلٍ عَلٰى غَيْرِ مَا اَنْزَلْتَهٗ عَلَيْهِ اَوْ رَيْبٍ اَوْ شَكٍّ اَوْ سَهْوٍ اَوْ سُوْءِ الْحَانٍ اَوْ تَعْجِيْلٍ عِنْدَ

جو اتارا تو نے اس پر یاریب یا شک یا غفلت یا فحش غلطی یا جلدی کرنا تلاوت

تِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ اَوْ كَسَلٍ اَوْ سُرْعَةٍ اَوْ زَيْغِ لِسَانٍ اَوْ وَقْفٍ بِغَيْرِ وُقُوْفٍ اَوْ اِدْغَامٍ بِغَيْرِ مُدْغَمٍ

قرآن کے وقت یا سستی یا تیزی یا زبان کی کجی یا غیر وقف کے وقف کرنا یا ملانا غیر مدغم کے

اَوْ اِظْهَارٍ بِغَيْرِ بَيَانٍ اَوْ مَدٍّ اَوْ تَشْدِيْدٍ اَوْ هَمْزَةٍ اَوْ جَزْمٍ اَوْ اِعْرَابٍ بِغَيْرِ مَا كَتَبَهٗ

یا ظاہر کرنا بغیر بیان یا مد یا تشدید یا ہمزہ یا جزم کے یا اعراب دینا علاوہ اس کے جو اس نے لکھا۔

اَوْ قِلَّةِ رَغْبَةٍ وَّ رَهْبَةٍ عِنْدَ اٰيٰتِ الرَّحْمَةِ وَ اٰيٰتِ الْعَذَابِ فَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا وَ اكْتُبْنَا

یا رغبت اور خوف کا کم ہونا رحمت کی آیات اور عذاب کی آیات کے وقت پس بخش ہم کو اے ہمارے پروردگار اور ہمیں

مَعَ الشَّاهِدِيْنَ ○ اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِالْقُرْاٰنِ وَ زَيِّنْ اَخْلَاقَنَا بِالْقُرْاٰنِ وَ نَجِّنَا مِنَ النَّارِ

گواہوں کے ساتھ لکھ یااللہ قرآن کے ذریعہ ہمارے دلوں کو منور فرما اور قرآن کے ذریعہ ہمارے اخلاق کو مزین فرما۔ اور قرآن کے ذریعہ ہمیں آگ سے

بِالْقُرْاٰنِ وَ اَدْخِلْنَا فِي الْجَنَّةِ بِالْقُرْاٰنِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلِ الْقُرْاٰنَ لَنَا فِي الدُّنْيَا قَرِيْنًا وَّفِي الْقَبْرِ

نجات عطا فرما اور قرآن کے ذریعہ ہمیں جنت میں داخل فرما یا اللہ قرآن کو ہمارے لیے دنیا میں ساتھی بنا اور قبر میں

مُوْنِسًا وَّعَلَى الصِّرَاطِ نُوْرًا وَّفِي الْجَنَّةِ رَفِيْقًا وَّمِنَ النَّارِ سِتْرًا وَّ حِجَابًا وَّ اِلَى الْخَيْرَاتِ

غمخوار اور پل صراط پر روشنی والا اور جنت میں ساتھی اور آگ سے پردہ اور حائل اور تمام بھلائیوں کی

كُلِّهَا دَلِيْلًا فَاكْتُبْنَا عَلَى التَّمَامِ وَارْزُقْنَا اَدَاءً بِالْقَلْبِ وَ اللِّسَانِ وَ حُبِّ الْخَيْرِ وَ السَّعَادَةِ

طرف رہنما بنا پس ہمارا خاتمہ ایمان پر فرما اور ہمیں ایسا ایمان نصیب فرما جو دل اور زبان سے ادا ہو۔ اور بھلائی کی محبت اور نیک بختی

وَ الْبِشَارَةِ مِنَ الْاِيْمَانِ ○ وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ مَّظْهَرِ لُطْفِهٖ

اور خوشخبری والا ایمان نصیب فرما اور اللہ تعالیٰ رحمت بھیجے اپنے مخلوق میں سے بہتر محمد (ﷺ) پر

وَ نُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ○

اور اس کی آل اور اس کے تمام صحابہؓ پر اور بہت بہت سلام بھیجے

گزارشِ ناشر

پاک کمپنی نے اپنے قیام سے تاایں روز قرآن پاک کی اشاعت میں بہتر سے بہتر کی طرف سفر جاری رکھا ہے۔ اردو زبان میں موجود اہم تراجم اور تفاسیر چھاپنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے ہماری شب و روز کی محنتوں کا ثمر ہماری توقعات سے کہیں بڑھ کر عطا فرمایا ہے اور بہت کم عرصہ میں پاک کمپنی اپنا ایک مقام بنانے میں کامیاب ہو چکی ہے۔

اب تک ہم مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا فتح محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اردو تراجم اور تفاسیر کے علاوہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فارسی ترجمہ، تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ کا سندھی ترجمہ، مارماڈیوک پکتھال کا انگریزی ترجمہ اور رومن انگریزی ٹرانسلٹریشن شائع کر چکے ہیں اور مزید علماء کے تراجم پر کام ہو رہا ہے۔

پاک کمپنی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس نے پہلی بار کمپیوٹرائزڈ کتابت والے قرآن مجید شائع کیے۔ قرآن مجید کے اس نسخہ کی کتابت بھی کمپیوٹرائزڈ ہے۔ اور امید ہے کہ قاری حضرات اس کمپیوٹرائزڈ جدید عربی فونٹ کو ضرور پسند فرمائیں گے۔

آپ کے زیر مطالعہ قرآن مجید مولانا عبد الماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ اور تفسیر پر مشتمل ہے۔ مولانا عبد الماجد دریابادیؒ قدیم اور جدید تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے مغربی علوم کے ماہر تھے۔ فلسفہ ان کا خاص موضوع رہا نیز بائبل کے تمام ادوار ان کی نظر میں رہے۔ ایک عرصہ تک وہ مغربی فلسفہ سے متاثر ہو کر الحاد و تشکیک کے شکار رہے۔ اس کے بعد وہ توبہ کر کے پکے اور سچے مسلمان ہو گئے اور ہمہ وقت فرنگی علوم و فنون اور فلسفہ و نظریات کی فتنہ سامانیوں اور ہمارے معاشرے کے اثراتِ بد کی روک تھام میں مصروف رہے چنانچہ قرآن مجید کا یہ ترجمہ اور تفسیر اس کی بہترین مثال ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف سے ہر قدم پر ہدایات اور مشاورت نے اس ترجمہ و تفسیر کو خاص شان امتیاز بخش دی۔

انگریزی زبان میں ترجمہ و تفسیر کے بعد مولانا نے اردو دان طبقہ کو مغربی فلسفہ کی یلغار سے بچانے کے لیے ایک عظیم کوشش کی ہے۔ یہ مغربی مفکرین اور فلسفیوں اور مبلغین کے پروپیگنڈے کا منہ توڑ جواب بھی ہے اور ان کے اثرات سے پیدا ہونے والے لادینیت الحاد و تشکیک کے امراض کا شافی علاج بھی۔ مغربی فلسفہ زدہ یورپ پلٹ معاشرہ کے لیے اس تفسیر کی اشاعت آب حیات سے کم نہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ مغربی میڈیا سے متاثر افراد خصوصاً نوجوانوں کو یہ ترجمہ اور تفسیر ضرور پڑھائیں۔

اس تفسیر میں آپ کو نہ صرف جا بجا بائبل، تورات، ہندو وید، گیتا، بدھ تعلیمات، مجوسی مفکرین نیز قدیم و جدید یونانی فلسفیوں کے حوالہ جات اور ان کے مدلل جوابات ملیں گے بلکہ عظیم مفسرین کرام کی تفاسیر کے اقتباسات بھی موجود پائیں گے۔ جن کی تفصیل دیباچہ میں ملے گی۔

ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہیں کہ وہ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے۔ یہ اس کا فضل و کرم ہے کہ ہم اس کا کلام جو اس کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا شائع کر رہے ہیں۔ اے اللہ تیری ذات جمیلہ نے حق اور سچ فرمایا اور تیرے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرے پاک کلام کو تیرے بندوں تک پہنچا دیا۔ دعا ہے کہ اے اللہ رب العزت بوسیلہ حضور سرور کائنات، فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمارے دلوں کو قرآن کریم کے نور ہدایت سے منور فرما۔ اور اس کے حقائق و رموز کے علم کو ہم پر منکشف فرما بیشک تو ہی ہماری دعاؤں کا سننے والا اور ہر سائل کی حاجت کو پورا کرنے والا ہے۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں اور درود پاک بے حد و بے شمار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل اور جمیع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ہو۔ اے اللہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرما بے شک تو ہی ہدایت دینے والا ہے۔ آمین یا رب العالمین

ضروری گزارش

قارئین کرام سے برادرانہ گزارش ہے کہ تلاوتِ قرآن پاک کے بعد جہاں اپنے لیے اور اپنے عزیزوں کے لیے دُعا کریں وہاں ہمارے لیے، ہمارے والد جو کہ اِس کمپنی کے بانی تھے، ہمارے جو بزرگ اس دنیا سے جا چکے ہیں اور ہمارے کارکنوں کے لیے جن کی محنت شاقہ سے کمپنی اس مقام تک پہنچی ہے اور کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہے اُن کے حق میں بھی دُعائے خیر فرمائیں۔ جزاک اللہ

مالکان: پاک کمپنی (رجسٹرڈ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

دیباچہ تفسیر

الحمد للہ الذی وحدہ۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو پوری طرح سمجھنا اور پھر اسے دُوسروں کو سمجھانا، اور اس سمجھانے کا حق ادا کر دینا، یہ بڑے عارفوں اور کاملوں کے بھی بس کی چیز نہیں۔ چہ جائیکہ ایک بے علم اور سرتاپا بے بضاعت فرد کے۔ غالب نے شعر کہا جس مقصد سے بھی ہو، ہے بہر حال اس موقع کے لیے چسپاں ۔

تھک تھک کے ہر مقام پر دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

کہاں رب اور کہاں بندہ۔ نا محدود اور محدود کا بھی کوئی مقابلہ ہے۔ سمندر اور قطرۂ آفتاب اور ذرّہ کی نسبت بھی تو نہیں۔ لیکن بہر حال بندہ مکلف بھی تو محض بقدر اپنی طاقت و ہمت کے ہے۔ جن جن بزرگوں نے تفسیریں لکھی ہیں، سب نے اپنے اپنے مقام علم و معرفت کے لحاظ سے لکھی ہیں۔ اور سب کے مقامات وصول و یافت الگ الگ ہیں۔ کسی کی توجہ مسائل صرف و نحو کی طرف زیادہ رہی، اور اس نے الفاظ کے اشتقاق اور فقروں کی ترکیب کو خوب حل کیا۔ کسی کے پیش نظر احادیث نبوی ہیں، اور اس نے نزول آیات کا پس منظر دکھانے میں دادِ تلاش و تحقیق دی۔ کسی نے ادب و بلاغت کے نکتوں کو چن لیا۔ کسی نے احکامِ قرآنی و مسائل فقہی کے استنباط و استخراج کو اپنی توجہ کا مرکز بنائے رکھا۔ کسی نے علمِ کلام کے مباحث کو دل کھول کر بیان کیا۔ وقس علیٰ ہذا۔

میں کہ ہر علم و فن سے کورا اور حسنِ عمل سے معرا ہوں، حقیقۃً اس قابل بھی نہیں کہ کلامِ الٰہی کی کسی ایک آیت کی بھی تفسیر و تشریح کی جرأت کر سکوں۔ لیکن ولکن یفعل اللہ ما یرید۔ اللہ جس سے جو کام چاہے لے لیتا ہے۔ وہ تنکے سے چاہے تو ستون کا کام لے لے اور ذرّہ میں چاہے تو چٹان کی قوت بھر دے۔ ع
دادِ اورا قابلیت شرط نیست

وہ بے زبان کو چاہے تو فصیح البیان بنا دے، اور جاہل کو چاہے تو علماء و فضلاء کی اُستادی کے مرتبہ پر پہنچا دے۔

اس احقر کو جب انگریزی کے ترجمہ و تفسیر سے فرصت ہوئی تو اسی انداز اور نمونہ پر اپنی مادری زبان میں بھی ترجمہ و تفسیر کا خیال آیا۔ جا بجا سے اس کے تقاضے بھی آئے۔ رفتہ رفتہ احباب کے حسنِ ظن نے ارادہ کے ضعف و تذبذب کو ہمت و عزم سے بدل دیا۔ چند سال کی محنت میں جو کچھ ہو سکا نذرِ ناظرین ہے۔ پرکھنے والوں کو اگر اس میں کوئی خوبی نظر آ جائے، تو وہ یہ سمجھیں کہ وہ تمامتر اللہ کے فضل و کرم کا ثمرہ ہے۔ اور عیب جتنے بھی نظر آئیں، انہیں راقم کی نااہلی پر محمول کر کے ان سے درگزر فرمائیں، اور ہو سکے تو مصنف کو اس کی زندگی میں ان سے آگاہ کر دیں۔ اور اس کے حق میں دُعائے خیر بہر صورت فرماتے رہیں، ان شاء اللہ خود بھی ماجور ہوں گے۔

مطالعہ فرمانے کے وقت اگر معروضاتِ ذیل کو پیش نظر رکھا جائے تو ان شاء اللہ فہم مطالب میں بڑی سہولت رہے گی۔

(۱) قرآن حکیم ایک نہایت درجہ مرتب و منظم کتاب ہے۔ اس لیے اسی نسبت سے دشوار بھی ہے۔ اسے جو آسان فرمایا گیا ہے وہ صرف موعظہ اور عبرت پذیری کے اعتبار سے ہے۔ اگر اس کے مطالب کو کوئی گرفت میں لانا چاہے تو اس کے لیے سرسری مطالعہ خصوصاً انڈیکس (اشاریہ) کی مدد سے ہرگز کافی نہ ہوگا۔ مدتوں کے مسلسل اور غائر مطالعہ کے بعد کہیں اس سے مناسبت پیدا ہوتی ہے اور دشواریاں مناسبت پیدا ہونے کے بعد ہی حل ہو سکتی ہیں۔ اس لیے قرآن فہمی میں بہت زیادہ عجلت کو دخل دینا ہرگز مناسب نہیں۔

(۲) قرآن مجید ایک زندہ صحیفہ بھی ہے اور ماضی کی کتاب بھی۔ یعنی ایک طرف تو اس کی مخاطب عرب کی وہ قوم تھی جو اس کے نزول کے وقت موجود تھی۔ بلکہ ساری قوم عرب کیوں کہیے زیادہ صحت کے ساتھ یوں کہیے کہ مکہ اور مدینہ اور مضافاتِ مکہ اور مدینہ و حوالیٔ مدینہ کے باشندے تھے۔ اور دُوسری طرف اس کے مخاطب روس و جاپان۔ چین۔ ہندوستان اور پاکستان۔ امریکا۔ آسٹریلیا، کل رُوئے زمین کے باشندے قیامت تک کے لیے ہیں۔ اس کی یہ دونوں حیثیتیں نہ صرف موجود ہیں بلکہ برابر ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اور ترتیب زمانی کے لحاظ سے پہلی حیثیت اہم تر اور مقدم ہے۔ جنت کی

نعمتوں، دوزخ کے عذابوں، آسمان کی ساخت، زمین کی حرکت وسکون، ستاروں کی گردش، وغیرہ سے متعلق کوئی ایسی بات اگر وہ بیان کر دیتا جو اس کے مخاطبین اوّل، یعنی چھٹی صدی عیسوی کے اہل حجاز کے مسلمات کے خلاف یا ان کی فہم سے باہر ہوتی تو وہ لوگ خواہ مخواہ ایک نئے الجھاوے میں پڑ جاتے، اور محض اس سے ان کے دماغ وحشت کھا کر قرآن کے بنیادی عقائد توحید، رسالت، حشر ونشر، وغیرہ کی تکذیب پر آمادہ ہو جاتے۔ اس لیے قرآن نے نہایت حکیمانہ اسلوب یہ اختیار کیا، کہ صراحتیں تو تمامتر مذاق عرب کے مطابق ہی کیں، لیکن ساتھ ہی اشارے ایسے بھی رکھے کہ بعد کی نسلیں اور ہر دَور کے مخاطبین اپنی اپنی فہم واستعداد کے ماتحت اس سے روشنی حاصل کر سکیں ــــــ یہ ایک بنیادی نکتہ اگر مستحضر رہے تو بہت سے اشکالات ان شاء اللہ از خود دور ہو جائیں گے۔

(۳) قرآن حکیم اپنے نفس مضمون، یعنی معانی ومطالب کے لحاظ سے ساری کائنات انسانی کو مخاطب کیے ہوئے ہے۔ سب کی عقلوں اور ذہنوں کو سامنے رکھے ہوئے ہے۔ لیکن جہاں تک طرزِ ادا اور اسلوبِ خطاب کا تعلق ہے، وہ عربی کلام ہے، اور اپنی صنعتوں اور لطافتوں، فقروں کی ترکیب، الفاظ کی نشست میں تمامتر عربی ادب وانشا کے لیے خود معیار اعلیٰ کا کام دے رہا ہے۔ اس میں روانی، شستگی، سلاست، اردو یا فارسی یا ہندی یا انگریزی یا ترکی یا جرمنی ادب کے معیار سے تلاش کرنا شدید کوتہ فہمی ہے۔ اس کی انشائی خوبیوں سے لطف اُٹھانے کے لیے قدیم خطباتِ عرب سے واقفیت ضروری ہے۔ اور اس کی انشاپردازی وبلاغت کو جب کبھی کسی غیر معمولی معیار سے دیکھا جائے گا تو ہمیشہ غلط فہمی ہی ہوگی۔

(۴) قرآن مجید کی دُنیا، حکمت واخلاق، رُوحانیت وانسانیت کبریٰ کی دُنیا ہے۔ اس کی فضا تحقیق وطلب کی فضاء اور اس کا ماحول تقویٰ و طہارت کا ماحول ہے۔ اس کی گہرائیوں تک رسائی کے لیے تقویٰ کسی درجہ میں تو بہرحال لازمی ہے۔ طہارتِ قلب وطہارتِ جسم کا مطلق اہتمام کیے بغیر محض زبان دانی کے بھروسہ پر قرآن سمجھ لینے کی کوشش ایک سعی لاحاصل ہے ــــ ابوجہل اور ابولہب سے بڑھ کر زبان داں اور کون تھا؟ کوئی لغوی یا صرفی ونحوی اشکال انہیں کبھی کیوں پیش آنے لگا تھا۔ لیکن اپنی رُوح کو انہوں نے قرآنی روح سے یکسر بیگانہ وناآشنا رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن اُن پر ذرا بھی نہ کھلا۔ بالکل بند ہی رہا۔ اور وہ فہم قرآنی کے درجۂ ادنیٰ سے بھی سعادت سے محروم ہی رہے۔

کلام بڑے غیور اور غنی عن العلمین کا ہے۔ اس کا ہے جس سے بڑھ کر کوئی نہ غیرت مند ہے نہ بے نیاز۔ اور متکلم کی شانِ غیرت وغنا کا ظہور کلام میں بھی درجہ اتم میں ہے۔ جو بڑا بننے کی آرزو رکھتے ہیں۔ انہیں چھوٹا بن کر اس دروازہ میں داخل ہونا ہوگا۔ قال العارف الرومی ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ   جز کہ اشکستہ نگیرد فضل شاہ

(۵) اُستاد کی ضرورت تو چھوٹے سے چھوٹے علم اور سہل سے سہل فن میں بھی تقریباً ناگزیر ہی ہے۔ پھر قرآن کا علم تو بڑا مہتم بالشان علم ہے۔ اس میں کوئی طالب علم استاد سے بے نیاز کیسے رہ سکتا ہے؟ کوئی زندہ استاد اگر کامل الفن نہ ملے تو اس کی قائم مقامی اکابر مفسرین اور محقق شارحین کی کتابیں کر سکتی ہیں۔

ان حضرات کی تحقیق وتلاش کی داد دل سے دینا چاہیے۔ ان کے فضل وکمال وتبحر علمی کا احساس پورا پورا رکھنا چاہیے۔ ان کی عظمت و احترام کے اعتراف میں تامل ذرا سا نہ کرنا چاہیے۔ لیکن ساتھ ہی دوسری طرف یہ عقیدہ بھی تازہ رکھنا چاہیے، کہ معصوم بجز نبی معصوم کے اور کوئی نہیں۔ اُمت کے بڑے سے بڑے محققین بھی غیر معصوم ہی ہیں۔ کسی ایک کے بھی ہر قول کی تقلید ہر حال میں آنکھ بند کیے کرتے رہنا اور دلیل صریح کے باوجود بھی کیے جانا ہرگز طریق ثواب نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ دُوسروں کی عصمت سے انکار کر کے خود اپنی عصمت پر عقیدہ جما لیا جائے، اور اپنی تحقیق پر حزم اور جمود کے ساتھ اعتماد کر لیا جائے۔ حاشا اس کا وہم بھی نہ آنے پائے۔

عربی میں اچھی اچھی تفسیریں ماشاء اللہ کثرت سے موجود ہیں۔ اس نامۂ سیاہ نے جن جن سے استفادہ اور خوشہ چینی کی ہے، ان کی کچھ تفصیل عرض ہے:۔

ا۔ تنویر المقیاس یا تفسیر ابن عباسؓ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (متوفی ۶۸ھ) اصحاب رسول میں مشہور ترجمان القرآن ہوئے ہیں۔ یہ

ان کے تفسیری اقوال کا مجموعہ، صاحب قاموس مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی (متوفی ۸۱۰ھ) کا مرتب کیا ہوا ہے۔ البتہ سلسلہ مرویات ناقدین کے نزدیک کچھ زیادہ معتبر و مستند نہیں۔

۲۔ جامع البیان۔ یا تفسیر ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) ۳۰ جلدوں میں۔ یہ ایک مبسوط مفصل اور محققانہ تفسیر ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ ہر آیت کی تفسیر میں صحابیوں اور تابعین کے آثار و اقوال کی جامع ہے ساتھ ہی دوسرے پہلوؤں، لغت، ادبیت وغیرہ پر بھی محققانہ کلام ہے۔

۳۔ تفسیر الکشاف۔ ۲ جلدوں میں لغت و ادب کے مشہور امام علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشریؒ (متوفی ۸۱۵ھ) کی مشہور تفسیر ہے۔ زمخشری عقائد میں معتزلی تھے۔ لیکن جہاں تک ادب و بلاغت کے پہلوؤں کا تعلق ہے، اہل سنت بھی ان کی نکتہ سنجیوں کے پوری طرح قائل و معترف ہیں۔

۴۔ مفاتیح الغیب۔ یا تفسیر کبیر۔ ۸ جلدوں میں۔ از امام فخر الدین عمر رازی (متوفی ۶۰۶ھ) رازی معقول و منقول دونوں کے امام تھے۔ ان کی تفسیر حقیقۃً تفسیر کبیر یا تفسیر اعظم ہی کہلانے کی مستحق ہے۔ لسانی، روایتی، کلامی، فقہی کہنا چاہیے کہ سارے ہی پہلو اس میں آ گئے ہیں۔ اور کلامی مباحث کے تو گویا رازی بادشاہ ہیں۔ مفسر کا کمال یہ ہے کہ اپنے زمانہ کے سارے علوم و فنون کو قرآن کے خادم کی حیثیت سے لا کر کھڑا کر دیا ہے۔

۵۔ الجامع الاحکام القرآن۔ یا تفسیر قرطبی۔ امام عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) کی تصنیف ہے۔ نام سے دھوکا ہوتا ہے کہ شاید صرف احکام فقہی پر محدود ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ مکمل تفسیر ہے۔ محققانہ بھی اور جامع بھی۔ پھر عبارت سلیس۔ افسوس ہے کہ مکمل طبع نہیں ہوئی۔ کوئی نصف قرآن تک مصر میں، متعدد جلدوں میں شائع ہوئی، یہاں وہ نسخہ بھی کمیاب ہے۔ میں نے تمام تر نسخہ مملوکہ مولنا حافظ محمد عمران خاں ندوی بھوپالی مہتمم دار العلوم ندوہ سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ موصوف ایک ایک جلد برابر عاریۃً عنایت کرتے رہے۔

۶۔ معالم التنزیل، یا مختصراً تفسیر معالم۔ محی السنۃ حسین بن مسعود ابو محمد نقوی شافعی (متوفی ۵۱۶ھ) کی تصنیف ہے۔ مشہور محدث گزرے ہیں۔ کتاب ۸ جلدوں میں تفسیر ابن کثیر کے حاشیہ کے طور پر مصر میں طبع ہوئی ہے۔

۷۔ تفسیر ابن کثیر۔ از حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل ابن کثیر دمشقی (متوفی ۷۷۴ھ) ۸ جلدوں میں مصر میں چھپی ہے۔ تفسیر بجائے خود اچھی اور مستند ہے۔ لیکن مفسر پر محدثانہ رنگ غالب ہے۔ کتاب عام طلبۂ قرآن کے زیادہ کام کی نہیں۔ گویا صرف ایک مجموعہ تفسیری احادیث کا ہے۔

۸۔ مدارک التنزیل یا تفسیر مدارک۔ حافظ الدین محمود ابو البرکات النسفی الحنفی (متوفی ۷۸۶ھ) صاحب عقائد نفسی۔ اہل سنت کے مسلم امام ہیں۔ ان کی یہ مختصر تفسیر بہت طویل حاشیہ اکلیل کے ساتھ ہندوستان میں ۷ لمبی چوڑی جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ عقاید و احکام کے باب میں اعتماد سب سے زیادہ اسی پر رہا ہے۔

۹۔ انوار التنزیل۔ یا تفسیر بیضاوی۔ از قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بیضاوی (متوفی ۶۹۱ھ) ۵ جلدوں میں۔ مشہور و متداول تفسیر ہے، لیکن جامع و مستند۔

۱۰۔ البحر المحیط۔ ۸ جلدوں میں۔ از اثیر الدین ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن حیان اندلسی (متوفی ۷۵۴ھ) ابن حیان محدث بھی ہیں اور ادیب اور متکلم بھی۔ تفسیر میں سب پہلوؤں کی رعایت رکھی ہے۔ جو ضعیف بلکہ موضوع روایات بعض مفسرین محض افراط خوش عقیدگی کی بنا پر ایک دوسرے سے نقل کرتے چلے آئے تھے، انہوں نے جرأت کر کے ان میں سے اکثر سے انکار کر دیا ہے۔

۱۱۔ تفسیر ابی سعود۔ یہ ابو سعود عمادی کے حواشی تفسیری ہیں۔ زیادہ قرآن کی ترکیبات نحوی و مباحث سے متعلق۔ تفسیر کبیر مطبوعہ مصر پر بطور تعلیقات کے شائع ہوئی ہے۔

۱۲۔ روح المعانی۔ ۹ جلدوں میں۔ علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی (متوفی ۱۲۹۱ھ) متاخرین میں ایک بے مثل شخص ہوئے ہیں۔ نظر میں وسعت بھی تھی اور عمق بھی۔ ان کی یہ جامع و مفصل تفسیر ایک بڑی حد تک قدیم تفسیروں سے غنی کر دینے والی ہے۔ لغوی، روایتی، کلامی، فقہی حیثیت سے کہنا چاہیے کہ سب ہی کچھ اس میں موجود ہے۔ اور سلوک و تصوف سے متعلق اشارات اُن پر مستزاد۔

اصل استفادہ عربی میں انھیں تفاسیر سے کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ حسب ذیل بھی وقتۃً فوقتۃً پیش نظر رہی ہیں۔ اور کہیں کہیں مددان

سے بھی ملی ہے۔

۱۳۔ تفسیر جلالین۔ مع کمالین

۱۴۔ غرائب القرآن یا تفسیر نیشاپوری

۱۵۔ تفسیر فتح القدیر (شوکانی)

۱۶۔ تفسیر خازن (شرح معالم)

ان عام تفسیروں کے علاوہ فقہی مسائل سے متعلق ذیل کی تفسیروں سے بھی بہت مدد ملی، خصوصاً اول الذکر سے:۔

۱۷۔ احکام القرآن۔ ۲ جلدوں میں۔ از علامہ ابوبکر محمد بن العربی المالکی الاندلسی (المتوفی ۵۴۳ھ) ہر مسئلہ سے متعلق چاروں ائمہ فقہ کے مذہب نقل کر دیئے ہیں۔ بڑے کام کی کتاب ہے۔

۱۸۔ احکام القرآن۔ ۳ جلدوں میں۔ از امام ابوبکر احمد بن علی جصاص رازی حنفیؒ (المتوفی ۳۷۰ھ) حنفیہ میں بڑے پایہ کی کتاب ہے۔ مسائل کے ساتھ ان کے دلائل بھی دیئے گئے ہیں۔

۱۹۔ تفسیر احمدی۔ ملا احمد عرف ملاّ جیون امیٹھوی کی تالیف۔ سن تالیف ۱۰۷۵ھ۔

لغتِ قرآنی پر کوئی کتاب ابوالقاسم حسین بن الفضل راغب اصفہانی (المتوفی ۵۰۲ھ) کی۔

۲۰۔ المفردات فی غریب القرآن سے بڑھ کر مستند اور مفید میرے علم میں نہیں۔

عام لغات میں

۲۱۔ مجد الدین فیروز آبادی (المتوفی ۸۱۰ھ) کی القاموس (۲ جلدوں میں) ابن المنظور افریقی (المتوفی ۷۱۱ھ) کی ضخیم و مستند۔

۲۲۔ لسان العرب (۲۰ جلدوں میں) اور سب سے بڑھ کر علامہ مرتضی زبیدی بلگرامی (المتوفی ۱۲۰۵ھ) کی بلند پایہ۔

۲۳۔ تاج العروس شرح قاموس (۱۰ جلدوں میں) سے مدد قدم قدم پر ملتی رہی۔

۲۴۔ اِن سب کتابوں کے علاوہ سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) کی اتقان فی علوم القرآن بھی ایک قابلِ قدر کتاب ہے۔ کہنا چاہیے کہ ایک چھوٹی سی قرآنی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اُس زمانہ تک جتنا کام قرآن سے متعلق ہوا تھا اس کی جامع۔

۲۵۔ کلیاتِ ابی البقاء۔ یہ بھی جہاں تک ادب، لغت، نحو و بیان کا تعلق ہے، قرآن مجید سے متعلق بڑے کام کی کتاب ہے۔

فارسی ترجموں میں بجز شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ترجمہ فتح الرحمٰن کے اور کوئی چیز قابل ذکر نہیں ملتی۔ ترجمہ کی راہ ہندوستان میں اگر شاہ دہلوی اور ان کے خاندان والوں نے نہ کھول دی ہوتی، تو آج خدا معلوم کتنی دشواریوں کا سامنا ہوتا۔

اس تفسیر کے اُردو ترجمہ کا جہاں تک تعلق ہے یہ ۷۵ فی صد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نقل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پرانے ترجموں میں شاہ رفیع الدین دہلوی کا ترجمہ اور نئے ترجموں میں حکیم الامت کا ترجمہ۔ بس یہ دو ترجمے باقی تمام ترجموں سے بے نیاز کر دینے والے ہیں۔ پہلا ترجمہ لفظی ہے، اور دوسرا با محاورہ و مطلب خیز۔

اُردو تفسیروں میں نمبر اول پر۔

۲۶۔ حکیم الامت کی تفسیر بیان القرآن (۱۲ جلدوں میں) ہے۔ علوم و معارف سے لبریز یہ تفسیر اُردو میں اپنی نظیر آپ ہے۔ سب سے زیادہ اخذ و استفادہ اسی سے کیا گیا ہے۔

۲۷۔ خلاصۃ التفاسیر (۵ جلدوں میں معہ مقدمہ) از مولانا فتح محمد تائب لکھنویؒ۔ کتاب اور مصنف نے زیادہ شہرت نہیں پائی۔ لیکن تفسیر متعدد حیثیتوں سے قابل قدر ہے۔ گو اب ذرا پرانی ہوگئی ہے۔

۲۸۔ ترجمہ اُردو تفسیر مظہری۔ اصل تفسیر قاضی ثناء اللہ پانی پتی (صاحب مالا بدمنہ) کی ہے، اور فارسی میں ہے۔ اس کے اُردو ترجمہ کا

صرف قلیل ابتدائی حصہ مطالعہ میں آیا، اور اسے مفید پایا گیا۔ اردو میں تفسیر پر اور بھی بہت کچھ کام ہو چکا ہے، مثلاً

۱۔ تفسیر مواہب الرحمٰن۔ ۳۰ لمبی چوڑی ضخیم جلدوں میں۔ از مولنا امیر علی ملیح آبادی مرحوم۔ بہت جامع و مفصل کتاب ہے۔ عرب کی مشہور و متداول تفسیروں کا عطر اس میں آ گیا ہے۔ زبان پرانی ہوگئی ہے۔

۲۔ تفسیر فتح المنان یا تفسیر حقانی۔ ۷ جلدوں میں۔ از مولنا عبدالحق حقانی دہلوی مرحوم۔ مذاہب غیر سے مناظرہ کرنے والوں کے لیے خاص طور پر مفید ہے۔

۳۔ تفسیر ثنائی۔ ۷ جلدوں میں۔ از مولنا ثناء اللہ صاحب امرتسری۔ ذرا مختصر ہے۔ محدثین کے مذہب پر ہے۔ اور غیر مذاہب سے مناظرہ کرنے والوں کے لیے مفید ہے۔

۴۔ تفسیر بیان القرآن۔ ۳ جلدوں میں۔ از مولوی محمد علی صاحب ایم، اے۔ امیر جماعت احمدیہ (قادیانیہ) لاہور۔ مغربیت سے متاثر گروہ کے لیے اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔ گو ظاہر ہے کہ اس کے متعدد بیانات مسلک اہل سنت والجماعت سے ہٹے ہوئے ہیں۔

۵۔ حواشی تفسیری از مولنا شبیر احمد عثمانی ؒ دیوبندی۔ شیخ الہند محمود حسن کے ترجمہ قرآن کے اکثر حصہ پر یہ حاشیے ہیں، اور ضروریات وقت کو ملحوظ رکھ کر ایک فاضلانہ قلم سے لکھے گئے ہیں۔

۶۔ تفہیم القرآن۔ از مولنا ابو الاعلیٰ مودودی۔ یہ تفسیر جسے تفسیر کہنا مشکل ہی ہے، بہ اقساط نکل رہی ہے۔ ابھی تک آٹھ پاروں کی نکلی ہے۔ بعض نکتے اس میں خوب آ گئے ہیں۔

مفسر تھانوی کی اصل تفسیر کے علاوہ ان کے زبانی افادات اور ان کی ایک اور کتاب مسائل السلوک من کلام ملک الملوک سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ مسائل سلوک و تصوف سے متعلق ایسے موقعوں پر حوالہ "مرشد تھانوی" کا دیا گیا ہے۔

جن کتابوں کے حوالے بار بار اور کثرت سے آئے ہیں، ان کے لیے ذیل کی صرف علامتیں استعمال ہوئی ہیں:۔

نام کتاب	علامت	نام کتاب	علامت	نام کتاب	علامت
۱۔ تفسیر تنویر المقباس	(ابن عباسؓ)	۸۔ تفسیر مفاتیح الغیب	(کبیر)	۱۵۔ حواشی ابو سعود العمادی	(ابوسعود)
۲۔ تفسیر ابن جریر طبری	(ابن جریر)	۹۔ البحر المحیط لابن حیان	(بحر)	۱۶۔ مفردات غریب القرآن	(راغب)
۳۔ تفسیر الکشاف	(کشاف)	۱۰۔ النہر اللعیط لابن حیان	(نہر)	۱۷۔ لسان العرب	(لسان)
۴۔ تفسیر انوار التنزیل	(بیضاوی)	۱۱۔ تفسیر الجامع الاحکام القرآن	(قرطبی)	۱۸۔ تاج العروس	(تاج)
۵۔ تفسیر مدارک التنزیل	(مدارک)	۱۲۔ روح المعانی	(روح)	۱۹۔ وجوہ اعراب الفرقان المعروف بہ اعراب القرآن	(عکبری)
۶۔ تفسیر معالم التنزیل	(معالم)	۱۳۔ احکام القرآن لابن العربی	(ابن عربی)	۲۰۔ تفسیر بیان القرآن	(تھانوی)
۷۔ تفسیر ابن کثیر	(ابن کثیر)	۱۴۔ احکام القرآن للجصاص رازی	(جصاص)	۲۱۔ القرطین	(ابن قتیبہ)

ان کے علاوہ جن کتابوں کے حوالے آئے ہیں، بجائے علامات اور مرموزات کے، اصل نام کے ساتھ آئے ہیں۔

اسی رب العزت سے دعا ہے کہ اس حقیر و ناچیز کوشش کو حسن قبول عطا فرمائے۔ میری اور میرے والدین اور میرے اعزہ، احباب، متوسلین کی اور ان تمام اشخاص کو جو اس تالیف کی تیاری میں مالی حیثیت سے یا کسی اور حیثیت سے معین ہوئے ہیں مغفرت سے سرفراز فرمائے اور ان پر اور ساری امتِ محمدی پر رحمت کی بارش نازل کرے۔ ناظرین سے صرف اتنی استدعا ہے کہ اس دُعا پر آمین کہہ دیں۔

دریاباد۔ بارہ بنکی

دسمبر ۱۹۴۴ء

ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ

عبدالماجد

رُموزِ اَوقاف ورسم الخط

اَوقاف لازمی اور ضروری

نمبر شمار	علامات	رُموز
۱	م	وقف لازم
۲	ط	وقف مطلق
۳	سکتہ	علامت سکتہ یہاں اس طرح ٹھہرو کہ سانس نہ ٹوٹے۔
۴	وقفہ	علامت وقف۔ یہاں سکتے کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہیے لیکن سانس نہ توڑے۔
۵	○	ختم آیت کی علامت ہے۔ دائرہ پر اگر کوئی اور علامت نہ ہو تو رُک جاؤ ورنہ علامت کے مطابق عمل کرو۔
۶	۵	آیت غیر کوفی کی علامت ہے۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو دائرہ کا ہے۔
		وصل یعنی وہ مقام جہاں ملا کر پڑھنا ضروری ہے
۱	لا	جب ۵ اور ○ کے بغیر ہو تو ملانا ضروری ہے۔
		ذیل کی علامت میں وصل بہتر ہے
۱	ز	وقف مجوّز
۲	ص	یہاں وقف کی رخصت ہے۔
۳	ق	وقف کا قول ضعیف ہے۔ "ق" قیل علیہ الوقف کا مخفف ہے۔
۴	صلے	الوصل اولیٰ کا مخفف ہے یعنی وصل بہتر ہے۔
۵	صَل	قد یوصَل کا مخفف ہے، بوقتِ ضرورت وقف کر سکتے ہیں۔
		جہاں وقف بہتر ہے
۱	قف	وقف بہتر کی ایک ہی علامت ہے اس کے علاوہ قرآن مجید میں اکثر حاشیہ پر جو وقف النبی ﷺ، وقف جبریل، وقف غفران، وقف منزل لکھا ہوتا ہے تو وہاں بھی وقف بہتر ہے۔
		وقف اور وصل مساوی ہیں
۱	لا ۵ لا ○	ان دونوں کو آیت لا کہتے ہیں، دونوں کے وقف یا وصل میں اختلاف ہے مختصر یہ کہ دونوں جائز ہیں، کسی امر کو ترجیح نہیں دی جاسکتی، پڑھنے والا حسب معانی وقف یا وصل کرلے۔
۲	ج	وقف جائز۔
		علامات متفرقہ
۱	ک	کذٰلک کا مخفف ہے اس سے مراد ہے کہ جو رمز اس سے پہلی آیت میں آچکی ہے اُسی کا حکم اس پر بھی ہے۔
۲	∴ ∴	یہ تین نقاط والے دو وقف قریب قریب آتے ہیں حاشیہ میں معانقة یا مع لکھ دیتے ہیں، ان میں سے ایک پر ٹھہرنا چاہیے، دوسرے پر نہیں۔

ضروری ہدایت

قرآن مجید میں بیس مقامات ایسے ہیں کہ ذراسی بے احتیاطی سے نادانستہ کلمۂ کفر کا ارتکاب ہوجاتا ہے۔ زیر، زبر اور پیش میں ردّوبدل کردینے سے معنیٰ کچھ کے کچھ ہوجاتے ہیں اور دانستہ پڑھنے سے گناہِ کبیرہ بلکہ کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ ذیل میں وہ تمام مقام درج کردیے جاتے ہیں:۔

نمبر شمار	مقام			صحیح	غلط
۱	سورۃ الفاتحۃ			اِیَّاکَ نَعْبُدُ	اِیَاکَ (بلا تشدید)
۲	سورۃ الفاتحۃ			اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ	اَنْعَمْتُ عَلَیْهِمْ
۳	سورۃ البقرۃ	ع	۱۵	وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ	اِبْرٰهٖمُ رَبَّهٗ
۴	سورۃ البقرۃ	ع	۳۳	وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ	دَاوٗدَ جَالُوْتُ
۵	سورۃ البقرۃ	ع	۳۴ آیۃ الکرسی	اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ	اَللّٰهَ (بالفتح)
۶	سورۃ البقرۃ	ع	۳۶	وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ	یُضَعِّفُ
۷	سورۃ النساء	ع	۲۳	رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ	مُّبَشَّرِیْنَ وَمُنْذَرِیْنَ
۸	سورۃ التوبۃ	ع	۱	مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَرَسُوْلُهٗ	رَسُوْلِهٖ
۹	سورۃ بنی اسرآءیل	ع	۲	وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ	مُعَذَّبِیْنَ
۱۰	سورۃ طٰهٰ	ع	۷	وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ	اٰدَمَ رَبُّهٗ
۱۱	سورۃ الانبیآء	ع	۶	اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ	اِنِّیْ كُنْتَ
۱۲	سورۃ الشعرآء	ع	۱۱	لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ	الْمُنْذَرِیْنَ
۱۳	سورۃ فاطر	ع	۴	یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا	اَللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤَا
۱۴	سورۃ الصّٰفّٰت	ع	۲	فِیْهِمْ مُّنْذِرِیْنَ	مُنْذَرِیْنَ
۱۵	سورۃ الفتح	ع	۴	صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ	اللّٰهَ رَسُوْلُهٗ
۱۶	سورۃ الحشر	ع	۳	الْمُصَوِّرُ	الْمُصَوَّرُ
۱۷	سورۃ الحآقّۃ	ع	۱	اِلَّا الْخٰطِـُٔوْنَ	اِلَّا الْخَاطَئُوْنَ
۱۸	سورۃ المزمل	ع	۱	فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ	فَعَصٰى فِرْعَوْنَ الرَّسُوْلُ
۱۹	سورۃ المرسلٰت	ع	۲	فِیْ ظِلٰلٍ	فِیْ ظَلَلٍ
۲۰	سورۃ النّٰزعٰت	ع	۲	اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ	مُنْذَرُ

رسم الخط

عربی میں یائے مجہول نہیں ہے۔ لیکن قرآن مجید میں صرف ایک موقع پر آئی ہے۔ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا کو "مجرے ہاومرسٰہا" پڑھیں گے۔
علاوہ ازیں قرآن مجید میں اکثر جگہ الف لکھا جاتا ہے لیکن پڑھا نہیں جاتا۔ مثلاً علامتِ جمع کے لیے جو الف آتا ہے اس کو نہیں پڑھتے جیسے قَالُوْا میں آخری الف نہیں پڑھا جائے گا۔ اَنَا کو ہم اَنَ پڑھتے ہیں، آخری الف نہیں پڑھا جاتا۔ چوبیس مقامات اور ہیں جہاں الف نہیں پڑھا جاتا۔ نقشہ ذیل میں اس الف پر ٥ بنادیا گیا ہے:۔

پارہ	مقام	لفظ	پارہ	مقام	لفظ	پارہ	مقام	لفظ
لن تنالوا ۴	ع ۶ - اية ۱۴۴	اَفَائِنْ مَّاتَ	سبحٰن الذی ۱۵	ع ۱۴ - اية ۱۴	لَنْ نَّدْعُوَاْ	ومالی ۲۳	ع ۶ - اية ۶۸	لَاۡاِلَى الْجَحِيْمِ
قال الملا ۹	ع ۳ - اية ۱۰۳	مَلَاۡئِهٖ	سبحٰن الذی ۱۵	ع ۱۷ - اية ۳۸	لٰكِنَّاْ	الیه یرد ۲۵	ع ۱۱ - اية ۴۶	مَلَاۡئِهٖ
واعلموا ۱۰	ع ۱۳ - اية ۴۷	لَاۡاَوْضَعُوْا	اقترب للناس ۱۷	ع ۳ - اية ۳۴	اَفَائِنْ مِّتَّ	حٰمٓ ۲۶	ع ۵ - اية ۴	وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاْ
یعتذرون ۱۱	ع ۱۳ - اية ۷۵	مَلَاۡئِهٖ	قد افلح ۱۸	ع ۳ - اية ۴۶	مَلَاۡئِهٖ	حٰمٓ ۲۶	ع ۸ - اية ۳۱	نَبْلُوَاْ
یعتذرون ۱۱	ع ۱۴ - اية ۸۳	مَلَاۡئِهِمْ	وقال الذین ۱۹	ع ۲ - اية ۳۸	ثَمُوْدَاْ	قال فما خطبکم ۲۷	ع ۷ - اية ۵۱	ثَمُوْدَاْ
ومامن دآبة ۱۲	ع ۶ - اية ۶۸	ثَمُوْدَاْ	امن خلق ۲۰	ع ۷ - اية ۳۲	مَلَاۡئِهٖ	تبٰرك الذی ۲۹	ع ۱۹ - اية ۴	سَلٰسِلَاْ
ومامن دآبة ۱۲	ع ۹ - اية ۹۷	مَلَاۡئِهٖ	امن خلق ۲۰	ع ۱۶ - اية ۳۸	ثَمُوْدَاْ	تبٰرك الذی ۲۹	ع ۱۹ - اية ۱۵	كَانَتْ قَوَارِيْرَاْ
وما ابرئ ۱۳	ع ۱۰ - اية ۳۰	لِتَتْلُوَاْ	اتل مآ اوحی ۲۱	ع ۷ - اية ۳۹	مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ	تبٰرك الذی ۲۹	ع ۱۹ - اية ۱۶	قَوَارِيْرَاْ مِنْ

رُمُوزِ اَوقَافِ قرانِ مجید

ہر ایک زبان کے اہلِ زبان جب گفتگو کرتے ہیں تو کہیں ٹھہر جاتے ہیں کہیں نہیں ٹھہرتے۔ کہیں کم ٹھہرتے ہیں کہیں زیادہ اور اس ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کو بات کے صحیح بیان کرنے اور اس کا صحیح مطلب سمجھنے میں بہت دخل ہے۔ قرآن مجید کی عبارت بھی گفتگو کے انداز میں واقع ہوئی ہے۔ اسی لئے اہلِ علم نے اس کے ٹھہرنے نہ ٹھہرنے کی علامتیں مقرر کر دی ہیں جن کو رُمُوزِ اوقافِ قرآنِ مجید کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ قرآنِ مجید کی تلاوت کرنے والے ان رُمُوز کو ملحوظ رکھیں اور وہ یہ ہیں۔

O جہاں بات پوری ہو جاتی ہے، وہاں چھوٹا سا دائرہ لکھ دیتے ہیں۔ یہ حقیقت میں گول ت ہے جو بہ صورت ۃ لکھی جاتی ہے اور یہ وقف تام کی علامت ہے یعنی اس پر ٹھہرنا چاہیئے۔

اب ۃ تو نہیں لکھی جاتی چھوٹا سا حلقہ ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کو آیت کہتے ہیں۔

م یہ علامت وقفِ لازم کی ہے اس پر ضرور ٹھہرنا چاہیئے۔ اگر نہ ٹھہرا جائے تو احتمال ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے۔ اس کی مثال اردو میں یوں سمجھنی چاہیئے کہ مثلاً کسی کو یہ کہنا ہو کہ۔ اٹھو۔ مت بیٹھو۔ جس میں اٹھنے کا امر اور بیٹھنے کی نہی ہے۔ تو اٹھو پر ٹھہرنا لازم ہے۔ اگر ٹھہرا نہ جائے تو اٹھو مت۔ بیٹھو ہو جائے گا۔ جس میں اٹھنے کی نہی اور بیٹھنے کے امر کا احتمال ہے اور یہ قائل کے مطلب کے خلاف ہو جائے گا۔

ط وقفِ مُطلق کی علامت ہے۔ اس پر ٹھہرنا چاہیئے۔ مگر یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں مطلب تمام نہیں ہوتا اور بات کہنے والا! بھی کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

ج وقفِ جائز کی علامت ہے۔ یہاں ٹھہرنا بہتر اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

ز علامت وقفِ مجوّز کی ہے۔ یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

ص علامت وقفِ مرخّص کی ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا چاہیئے۔ لیکن اگر کوئی تھک کر ٹھہر جائے تو رخصت ہے۔ معلوم رہے کہ ص پر ملا کر پڑھنا ذ کی نسبت زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔

صلے الوصل اولیٰ کا اختصار ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

ق قِیل علیہ الوقف کا خلاصہ ہے۔ یہاں ٹھہرنا نہیں چاہیئے۔

صل قدْ یُوصَل کی علامت ہے یعنی یہاں کبھی ٹھہرا بھی جاتا ہے کبھی نہیں۔ لیکن ٹھہرنا بہتر ہے۔

قف یہ لفظ قف ہے جس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ اور یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے جہاں پڑھنے والے کے ملا کر پڑھنے کا احتمام ہو۔

س یا سکتہ سکتہ کی علامت ہے۔ یہاں کسی قدر ٹھہر جانا چاہیئے مگر سانس نہ ٹوٹنے پائے۔

وقفہ لمبے سکتہ کی علامت ہے۔ یہاں سکتہ کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہیئے۔ لیکن سانس نہ توڑے۔ سکتہ اور وقفہ میں یہ فرق ہے کہ سکتہ میں کم ٹھہرنا ہوتا ہے وقفہ میں زیادہ۔

لا لا کے معنیٰ نہیں کے ہیں یہ علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کی جاتی ہے اور کہیں عبارت کے اندر۔ عبارت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہیئے۔ آیت کے اوپر ہو تو اختلاف ہے بعض کے نزدیک ٹھہر جانا چاہیئے بعض کے نزدیک نہ ٹھہرنا چاہیئے۔ لیکن ٹھہرا جائے یا نہ ٹھہرا جائے اس سے مطلب میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ وقف اسی جگہ نہیں چاہیئے جہاں عبارت کے اندر لکھا ہو۔

ک کذٰلک کی علامت ہے، یعنی جو رمز پہلے ہے وہی یہاں سمجھی جائے۔

∴ ∴ اگر کوئی عبارت تین تین نقطوں کے درمیان گھری ہوئی ہو تو پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ پہلے تین نقطوں پر وقف کر کے دوسرے تین نقطوں پر وصل کرے یا پہلے تین نقطوں پر وصل کر کے دوسرے تین نقطوں پر وقف کرے اس قسم کی عبارت کو معانقہ یا مراقبہ کہتے ہیں۔

قرآن مجید کی سورتوں کی فہرست

شمار سورت	نام سورت	نمبر صفحہ	نمبر پارہ	شمار سورت	نام سورت	نمبر صفحہ	نمبر پارہ
۷۱	سُوْرَةُ نُوْحٍ مَكِّيَّةٌ	۱۱۲۹	۲۹	۹۳	سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ	۱۱۷۶	۳۰
۷۲	سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ	۱۱۳۲	۲۹	۹۴	سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ	۱۱۷۷	۳۰
۷۳	سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۳۵	۲۹	۹۵	سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۷۷	۳۰
۷۴	سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۳۸	۲۹	۹۶	سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۷۸	۳۰
۷۵	سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۴۲	۲۹	۹۷	سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۷۹	۳۰
۷۶	سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ	۱۱۴۴	۲۹	۹۸	سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ	۱۱۸۰	۳۰
۷۷	سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۴۸	۲۹	۹۹	سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ	۱۱۸۱	۳۰
۷۸	سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۵۱	۳۰	۱۰۰	سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۲	۳۰
۷۹	سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۵۳	۳۰	۱۰۱	سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۳	۳۰
۸۰	سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ	۱۱۵۶	۳۰	۱۰۲	سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۴	۳۰
۸۱	سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۵۸	۳۰	۱۰۳	سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۴	۳۰
۸۲	سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۶۰	۳۰	۱۰۴	سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۵	۳۰
۸۳	سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ	۱۱۶۱	۳۰	۱۰۵	سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۶	۳۰
۸۴	سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۶۳	۳۰	۱۰۶	سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۶	۳۰
۸۵	سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۶۵	۳۰	۱۰۷	سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۷	۳۰
۸۶	سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۶۷	۳۰	۱۰۸	سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۷	۳۰
۸۷	سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ	۱۱۶۸	۳۰	۱۰۹	سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۸	۳۰
۸۸	سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۶۹	۳۰	۱۱۰	سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ	۱۱۸۸	۳۰
۸۹	سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۷۰	۳۰	۱۱۱	سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۹	۳۰
۹۰	سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۷۲	۳۰	۱۱۲	سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۹	۳۰
۹۱	سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۷۴	۳۰	۱۱۳	سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۹۰	۳۰
۹۲	سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۷۵	۳۰	۱۱۴	سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۹۰	۳۰

استدعا انسانی طاقت اور بساط میں جو کچھ ہے۔ اس کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پاک کمپنی (رجسٹرڈ) نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ نسخہ ہذا میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہ رہ جائے پھر بھی انسان خطا کا پتلا ہے۔ اگر دورانِ طباعت کوئی زیر، زبر، نقطہ یا مدٹوٹ جائے تو اسے غلطی نہیں کہتے۔ لاکھوں کی تعداد میں چھپنے والی مطبوعات میں باوجود ہر امکانی کوشش کے ایسی خفیف نادانستہ الغرش قابلِ گرفت نہیں ہوتی بلکہ قابلِ معافی ہوتی ہے۔ کوئی مسلمان جان بوجھ کر دیدہ دانستہ تو قرآن پاک کی طباعت میں ذراسی غفلت بھی نہیں کر سکتا پھر بھی آپ سے استدعا ہے کہ اگر دورانِ تلاوت اس قسم کی غلطی کا شبہ ہو تو ہمیں مطلع فرما کر مشکور فرمائیے۔

سرٹیفکیٹ ہم نے اس قرآن مجید کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے اور ہم تصدیق کرتے ہیں کہ اس کے متن میں کوئی کمی بیشی اور کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

عربی پروف ریڈنگ

۱۔ قاری محمد یوسف (رجسٹرڈ پروف ریڈر) محکمہ اوقاف حکومت پنجاب۔
۲۔ محمد مستمر خان محمد مستمر خان عفی عنہ (رجسٹرڈ پروف ریڈر) محکمہ اوقاف حکومت پنجاب۔
۳۔ حافظ قاری محمد شفیق اللہ اجمل (رجسٹرڈ پروف ریڈر) محکمہ اوقاف حکومت پنجاب۔

اُردو پروف ریڈنگ

۱۔ قاری محمد یوسف
۲۔ قاری محمد رفیق انور
۳۔ حافظ قاری محمد الطاف حافظ محمد الطاف
۴۔ حافظ قاری محمد رضاء الحق نقشبندی

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com
پاک کمپنی (رجسٹرڈ) ۱۷۔ اردو بازار لاہور
سن اشاعت: جنوری ۲۰۰۷ء تعداد: ۲۰۰۰
مطبع: احمد عثمان پرنٹرز، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

AUQAF DEPARTMENT

محکمہ مذہبی امور و اوقاف حکومت پنجاب لاہور

رجسٹریشن سرٹیفکیٹ

طباعت قرآن مجید

نمبر ایس او (آئی بی ایم) 4-26/1/اے / 97

رجسٹریشن نمبر 107

تاریخ اجراء 29-11-2005 ترتیب نمبر 7

تصدیق کی جاتی ہے کہ فرد/کمپنی/پریس پاک کمپنی 17-اردو بازار لاہور

کو اشاعتِ قرآن مجید (طباعتی اغلاط سے مبرا) ایکٹ نمبر 54 مجریہ 1973ء کے تحت بطور

ناشرِ قرآن رجسٹر کر لیا گیا ہے۔

سیکشن آفیسر (آئی۔بی۔ایم)

برائے سیکرٹری مذہبی امور و اوقاف پنجاب، لاہور

استدعا

انسانی طاقت اور بساط میں جو کچھ ہے۔ اس کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاک کمپنی (رجسٹرڈ) نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ نسخہ ہذا میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہ رہ جائے پھر بھی انسان خطا کا پتلا ہے۔ اگر دوران طباعت کوئی زیر، زبر، نقطہ یا مد ٹوٹ جائے تو اسے غلطی نہیں کہتے۔ لاکھوں کی تعداد میں چھپنے والی مطبوعات میں باوجود ہر امکانی کوشش کے ایسی خفیف نادانستہ لغزش قابل گرفت نہیں ہوتی بلکہ قابل معافی ہوتی ہے۔ کوئی مسلمان جان بوجھ کر دیدہ دانستہ تو قرآن پاک کی طباعت میں ذرا سی غفلت بھی نہیں کر سکتا پھر بھی آپ سے استدعا ہے کہ اگر دوران تلاوت اس قسم کی غلطی کا شبہ ہو تو ہمیں مطلع فرما کر مشکور فرمائیے۔

اپنے کرم فرماؤں کی خدمت میں ایک اہم گزارش

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

اللہ رب العزت کا خاص فضل وکرم ہے جس نے آپ کو اپنے پاکیزہ اور نجات آفریں کلام کی تلاوت کا شرف عطا فرمایا اور ہمیں اپنی مقدس کتاب کی خدمت کی سعادت سے بہرہ اندوز کیا۔

ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑھ کر خوش نصیبی کا اور کون سا مقام ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بابرکت کتاب کی طباعت واشاعت کے ذریعے سے اس کے دین مبین کے پیغام کو عام کرنے میں حصہ لے۔ اس نعمتِ عظمیٰ پر اس بندۂ ناچیز کا سر اپنے رحیم اور کریم پروردگار کے حضور میں اظہار تشکر کے لیے خم ہے۔

ادارہ کے کارکنان کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ قرآن پاک کے صوری حسن میں کسی بھی قسم کی خامی نہ رہ جائے۔ اس وقت جو مبارک نسخہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، میں اس کے بارے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کی صحتِ کتابت کے لیے ہر ممکن کوشش کی گئی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ نسخہ ہر قسم کی غلطی سے پاک ہے۔ طباعت اور بائنڈنگ کے معیار کو مکمل طور پر درست رکھنے پر بھرپور توجہ دی گئی ہے۔ لیکن بایں ہمہ کوشش وکاوش کسی بھی قسم کی بشری فروگزاشت کا امکان ہوسکتا ہے۔ اگر خدانخواستہ آپ کی نظر میں ایسی کوئی غلطی گزرے تو براہ کرم آپ ہمیں فوراً مطلع فرمائیں۔ ادارہ اس امر کا پابند ہے کہ بلاتاخیر آپ کی شکایت کا ازالہ کرے اور آپ کو متبادل نسخہ فراہم کرے۔

یہ ضروری نہیں کہ کسی غلطی کی صورت میں ہی آپ ادارہ سے رابطہ کریں آپ اپنی تلاوت میں رہنے والے نسخہ کو امعان نظر سے ملاحظہ فرمائیں۔ اس کی کتابت، حسن ترتیب، کاغذ، جلد بندی، سرورق کی ڈیزائننگ کے بارے میں کسی بھی قسم کا مشورہ خاکسار کے لیے انتہائی فرحت ومسرت کا باعث ہوگا۔ آپ کی جانب سے یہ شراکت میرے اور میرے جملہ رفقاء کے لیے انتہائی فخر کا موجب ہوگی۔

امید ہے کہ آپ اپنی توجہ سے بھی نوازیں گے اور دعاؤں سے بھی مستفید فرماتے رہیں گے۔

والسلام مع الاکرام

سید احسن محمود

پاک کمپنی (رجسٹرڈ)

17- اردو بازار لاہور

فون: 92-42-7230555-7352427

فیکس: 92-42-7120077

بسم اللہ الرحمن الرحیم

القرآن الکریم

تفسیر ماجدی

مع ترجمہ و تفسیر

حضرت مولانا عبدالماجدؒ دریابادی

پاک کمپنی (رجسٹرڈ)
۱۷-اردو بازار لاہور

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

هُوَ اللّٰه جلّ جلالہ — الَّذِی لَا اِلٰه جلّ جلالہ — اِلَّا هُوَ جلّ جلالہ — اَلرَّحۡمٰن جلّ جلالہ — اَلرَّحِیۡم جلّ جلالہ — اَلۡمَلِك جلّ جلالہ

اَلۡقُدُّوۡس جلّ جلالہ — اَلسَّلَام جلّ جلالہ — اَلۡمُؤۡمِن جلّ جلالہ — اَلۡمُهَيۡمِن جلّ جلالہ — اَلۡعَزِيۡز جلّ جلالہ — اَلۡجَبَّار جلّ جلالہ

اَلۡمُتَكَبِّر جلّ جلالہ — اَلۡخَالِق جلّ جلالہ — اَلۡبَارِئ جلّ جلالہ — اَلۡمُصَوِّر جلّ جلالہ — اَلۡغَفَّار جلّ جلالہ — اَلۡقَهَّار جلّ جلالہ

اَلۡوَهَّاب جلّ جلالہ — اَلرَّزَّاق جلّ جلالہ — اَلۡفَتَّاح جلّ جلالہ — اَلۡعَلِيۡم جلّ جلالہ — اَلۡقَابِض جلّ جلالہ — اَلۡبَاسِط جلّ جلالہ

اَلۡخَافِض جلّ جلالہ — اَلرَّافِع جلّ جلالہ — اَلۡمُعِزّ جلّ جلالہ — اَلۡمُذِلّ جلّ جلالہ — اَلسَّمِيۡع جلّ جلالہ — اَلۡبَصِيۡر جلّ جلالہ

اَلۡحَكَم جلّ جلالہ — اَلۡعَدۡل جلّ جلالہ — اَللَّطِيۡف جلّ جلالہ — اَلۡخَبِيۡر جلّ جلالہ — اَلۡحَلِيۡم جلّ جلالہ — اَلۡعَظِيۡم جلّ جلالہ

اَلۡغَفُوۡر جلّ جلالہ — اَلشَّكُوۡر جلّ جلالہ — اَلۡعَلِيّ جلّ جلالہ — اَلۡكَبِيۡر جلّ جلالہ — اَلۡحَفِيۡظ جلّ جلالہ — اَلۡمُقِيۡت جلّ جلالہ

اَلۡحَسِيۡب جلّ جلالہ — اَلۡجَلِيۡل جلّ جلالہ — اَلۡكَرِيۡم جلّ جلالہ — اَلرَّقِيۡب جلّ جلالہ — اَلۡمُجِيۡب جلّ جلالہ — اَلۡوَاسِع جلّ جلالہ

الحکیم جلّ جلالہٗ	الودود جلّ جلالہٗ	المجید جلّ جلالہٗ	الباعث جلّ جلالہٗ	الشہید جلّ جلالہٗ	الحق جلّ جلالہٗ
الوکیل جلّ جلالہٗ	القوی جلّ جلالہٗ	المتین جلّ جلالہٗ	الولی جلّ جلالہٗ	الحمید جلّ جلالہٗ	المحصی جلّ جلالہٗ
المبدی جلّ جلالہٗ	المعید جلّ جلالہٗ	المحیی جلّ جلالہٗ	الممیت جلّ جلالہٗ	الحی جلّ جلالہٗ	القیوم جلّ جلالہٗ
الواجد جلّ جلالہٗ	الماجد جلّ جلالہٗ	الواحد جلّ جلالہٗ	الاحد جلّ جلالہٗ	الصمد جلّ جلالہٗ	القادر جلّ جلالہٗ
المقتدر جلّ جلالہٗ	المقدم جلّ جلالہٗ	المؤخر جلّ جلالہٗ	الاول جلّ جلالہٗ	الاٰخر جلّ جلالہٗ	الظاہر جلّ جلالہٗ
الباطن جلّ جلالہٗ	الوالی جلّ جلالہٗ	المتعال جلّ جلالہٗ	البر جلّ جلالہٗ	التواب جلّ جلالہٗ	المنتقم جلّ جلالہٗ
العفو جلّ جلالہٗ	الرؤف جلّ جلالہٗ	ملک الملک جلّ جلالہٗ	ذوالجلال والاکرام جلّ جلالہٗ	المقسط جلّ جلالہٗ	الجامع جلّ جلالہٗ
الغنی جلّ جلالہٗ	المغنی جلّ جلالہٗ	المانع جلّ جلالہٗ	الضار جلّ جلالہٗ	النافع جلّ جلالہٗ	النور جلّ جلالہٗ
الہادی جلّ جلالہٗ	البدیع جلّ جلالہٗ	الباقی جلّ جلالہٗ	الوارث جلّ جلالہٗ	الرشید جلّ جلالہٗ	الصبور جلّ جلالہٗ

پاک کمپنی ۱۷-اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُحمّد ﷺ	احمد ﷺ	حامد ﷺ	محمود ﷺ	قاسم ﷺ	عاقب ﷺ
فاتح ﷺ	شاہد ﷺ	حاشر ﷺ	رشید ﷺ	مشہود ﷺ	بشیر ﷺ
نذیر ﷺ	داع ﷺ	شاف ﷺ	ہاد ﷺ	مہد ﷺ	ماح ﷺ
مُنج ﷺ	ناہ ﷺ	رسول ﷺ	نبیّ ﷺ	اُمّی ﷺ	تہامی ﷺ
ہاشمی ﷺ	ابطحی ﷺ	عزیز ﷺ	حریص علیکم ﷺ	رؤف ﷺ	رحیم ﷺ
طٰہٰ ﷺ	مُجتبیٰ ﷺ	طٰس ﷺ	مُرتضیٰ ﷺ	حٰم ﷺ	مُصطفیٰ ﷺ
یٰس ﷺ	اولیٰ ﷺ	مُزمّل ﷺ	ولیّ ﷺ	مُدثّر ﷺ	متین ﷺ
مُصدّق ﷺ	طیّب ﷺ	ناصر ﷺ	منصور ﷺ	مصباح ﷺ	آمر ﷺ

پاک کمپنی ۱۷-اردو بازار لاہور

حجازی صلی اللہ علیہ وسلم	نزاری صلی اللہ علیہ وسلم	قرشی صلی اللہ علیہ وسلم	مضری صلی اللہ علیہ وسلم	نبی التوبۃ صلی اللہ علیہ وسلم	حافظ صلی اللہ علیہ وسلم
کامل صلی اللہ علیہ وسلم	صادق صلی اللہ علیہ وسلم	امین صلی اللہ علیہ وسلم	عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کلیم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نجی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	صفی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم	حسیب صلی اللہ علیہ وسلم	مجیب صلی اللہ علیہ وسلم	شکور صلی اللہ علیہ وسلم
مقتصد صلی اللہ علیہ وسلم	رسول الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم	قوی صلی اللہ علیہ وسلم	حفی صلی اللہ علیہ وسلم	مامون صلی اللہ علیہ وسلم	معلوم صلی اللہ علیہ وسلم
حق صلی اللہ علیہ وسلم	مبین صلی اللہ علیہ وسلم	مطیع صلی اللہ علیہ وسلم	رسول الراحۃ صلی اللہ علیہ وسلم	اول صلی اللہ علیہ وسلم	اٰخر صلی اللہ علیہ وسلم
ظاہر صلی اللہ علیہ وسلم	باطن صلی اللہ علیہ وسلم	نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم	یتیم صلی اللہ علیہ وسلم	کریم صلی اللہ علیہ وسلم	حکیم صلی اللہ علیہ وسلم
خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم	سید صلی اللہ علیہ وسلم	سراج صلی اللہ علیہ وسلم	منیر صلی اللہ علیہ وسلم	محرم صلی اللہ علیہ وسلم	مکرم صلی اللہ علیہ وسلم
مبشر صلی اللہ علیہ وسلم	مذکر صلی اللہ علیہ وسلم	مطہر صلی اللہ علیہ وسلم	قریب صلی اللہ علیہ وسلم	خلیل صلی اللہ علیہ وسلم	مدعو صلی اللہ علیہ وسلم
جواد صلی اللہ علیہ وسلم	خاتم صلی اللہ علیہ وسلم	عادل صلی اللہ علیہ وسلم	شہیر صلی اللہ علیہ وسلم	شہید صلی اللہ علیہ وسلم	رسول الملاحم صلی اللہ علیہ وسلم

پاک کمپنی ۱۷-اردو بازار لاہور